مُصنّف
حضرت مولانا صوفی مُحمد سرور صاحب دامت فیوضہم
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
فون: 4540513-4519240
Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری

جلد ۱-۲-۳

تحفۃ القاری شرح بخاری

(حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

اور تقریباً ساٹھ شروحاتِ بخاری کا جامع خلاصہ

مصنف

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت فیوضہم

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الكريم اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور بزرگان دین کی دعاؤں کی برکت سے ادارہ ہذا کوکئی نادر ونایاب کتب کی اشاعت کے شرف سے نوازا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء

زیر نظر کتاب ''الخیر الجاری'' کتب حدیث کی مستند ومعتبر کتاب صحیح البخاری کی مختصر، جامع ومکمل شرح ہے۔ ذخیرہ احادیث میں پھیلے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع کلم کی تشریح ہر دور کے ممتاز علماء نے اپنی علمی قوت کے مطابق فرمائی۔ تشریح حدیث کے باب میں بھی اللہ پاک نے امام بخاریؒ کی کتاب کو خصوصی شرف وامتیاز سے نوازا۔ ایک طرف علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی علمی قابلیت فتح الباری میں دکھائی تو دوسری طرف علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تشریح احادیث کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی پر وارد شکوک وشبہات کا تسلی بخش جواب بھی دے دیا۔

الغرض مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ علماء وقت نے بخاری شریف پر تشریح احادیث، حل تراجم، حل لغات وغیرہ کے عنوانات سے کافی علمی کام کیا۔ فی الوقت ضرورت تھی کہ اردو میں مختصر ومکمل ایسی شرح منظر عام پر لائی جائے جو اپنے اختصار کے باوجود اپنے اندر علامہ عسقلانی، علامہ عینی، علامہ کشمیری ودیگر علماء کبار رحمھم اللہ کے علوم کو سمیٹے ہوئے ہو۔

اللہ پاک نے یہ علمی خدمت حضرت شیخ الحدیث مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم سے لی اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شرح اساتذہ علماء وطلباء حدیث کیلئے یکساں مفید ومعین ہے۔ (حضرت شارح کے تفصیلی حالات شروع کتاب میں ملحق ہیں فلیراجع)۔

ہماری دیرینہ خواہش تھی کہ حضرت موصوف اپنی اس علمی تصنیف کو ادارہ ہذا کی طرف سے اشاعت کی اجازت مرحمت فرمادیں تاکہ حضرت کا یہ فیض خاص حلقہ تک محدود نہ رہے۔ حضرت نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے نہ صرف ''الخیر الجاری'' کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ کرم بالائے کرم فرماتے ہوئے اپنی دیگر شروحات کیلئے بھی اجازت دے دی جو حضرت کے خلوص وللٰہیت کی واضح دلیل ہے۔

الحمدللہ کتاب ھذا کا پہلا ایڈیشن جو قدیم کتابت میں تھا حلقہ عوام وخواص میں مقبول ہوا۔ کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس جدید ایڈیشن کو کمپیوٹر کتابت کرایا گیا ہے تاکہ عصر حاضر کا طبقہ بسہولت اس سے مستفید ہوسکے۔ اللہ پاک حضرت کے علوم ومعارف سے جملہ مسلمین کو متمتع فرمائے آمین۔ فجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خير الجزا

ان شاء اللہ ادارہ حضرت کی دوسری شروحات بھی جلد منظر عام پر لا رہا ہے جس کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح حیات

شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)
خلیفہ ارشد: عارف ربانی حضرت مولانا مفتی حسن صاحب رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور)
حضرت موصوف کی تاریخ ولادت 7 دسمبر 1933ء رابن پور

حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم کی مخلصانہ دینی خدمات پورے پاکستان میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں حضرت موصوف کو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ تھا۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ چنانچہ جیسے ہی میٹرک سے فراغت ہوئی تو اپنے والد صاحب چوہدری محمد رمضان صاحب سے اجازت لے کر جامعہ اشرفیہ میں دینی کتب انتہائی شوق ومحنت کے ساتھ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے 1954ء میں علم دین سے فراغت پائی اور جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت مفتی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دستار فضیلت حاصل کی پھر ایک سال تکمیل کا لگایا اور حضرت مفتی صاحب کے حکم سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں دو سال بڑے درجے کی کتب پڑھائیں پھر اس کے بعد تین سال ملتان مدرسہ خیر المدارس میں دورہ حدیث شریف کی کتب کے ساتھ ساتھ کتب فنون کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے لطف اندوز ہوتے رہے اس کے بعد 1960ء میں کبیر والا مدرسہ دار العلوم میں دس سال دورہ حدیث شریف، کی کتب کے ساتھ ساتھ مختلف کتب فنون پڑھاتے رہے پھر اس کے بعد 1970ء سے تا حال جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن فیروز پور روڈ لاہور میں دینی خدمات بفضلہٖ تعالیٰ سرانجام دے رہے ہیں 1988ء میں جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث مقرر کئے گئے 2001ء میں حضرت موصوف بخاری شریف وابوداؤد شریف بفضلہٖ تعالیٰ پڑھا رہے ہیں۔

حضرت موصوف کی تالیفات!

۱ – حُسن المعبود فی حل سنن ابی داؤد

یہ صحاح ستہ میں سے ایک عظیم کتاب ابوداؤد کی جامع شرح ہے اردو میں جو حسن المعبود کے نام سے موسوم ہے یہ پہلے ایک ہی جلد میں مکمل مگر مختصر طبع ہوئی تھی۔ اب مفصلاً دو جلدوں میں بفضل خدا طبع ہو چکی ہے۔

۲ – الخیر الجاری فی حل صحیح البخاری

یہ بخاری شریف کی شرح ہے اس کی چھ جلدیں ہیں جو آپ کے ہاتھوں میں ہیں جس کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱- محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ جیسی تین عظیم شخصیات کے علوم کا خلاصہ۔

۲- تقریباً ساٹھ دیگر شروحات بالخصوص تحفۃ القاری شرح بخاری غیر مطبوعہ از حضرت کاندھلوی سے استفادہ۔

۳- مذاہب کا خاص طور پر محتاط انداز سے بیان۔

۴- حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے دوران تدریس بتلائے گئے علمی فوائد پر مشتمل۔

۵- بخاری شریف کے ابواب کی اغراض (جن کی ابحاث میں بنیادی اور مرکزی حیثیت ہے) تحفۃ القاری (غیر مطبوعہ) سے ماخوذ ہیں۔
۶- شرح ہذا مصنف موصوف کے سالہا سال تدریسی تجربات، وسیع مطالعہ، علم حدیث سے خصوصی شغف کا ثمرہ ہے۔
۷- ابتداء میں علمی مقدمہ جو مبادیات و متعلقات حدیث، امام بخاریؒ کے حالات، مذہب، طرز تصنیف، افضلیۃ صحیح بخاری علی صحیح مسلم، دیگر صحاح کا طرز تالیف وغیرہ فوائد عجیبہ ونکات لطیفہ پر مشتمل ہے۔
۸- بقول مصنف یہ تصنیف نہیں بلکہ برائے تدریس قابل اعتماد معلومات کا ذخیرہ ہے۔ بخاری شریف جلد ثانی کی شرح کے لئے الخیر الجاری کی دو آخری جلدیں ہیں۔

۳- الدرس الشذی فی شرح جامع الترمذی

ترمذی شریف کی عام فہم مختصر و مکمل شرح جو کہ ادارہ کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

۴- تحسین المبانی

علم معانی کی عظیم کتاب مختصر المعانی کا آسان خلاصہ اردو زبان میں بصورت رسالہ مرتب فرمایا جس کو ''تحسین المبانی'' کے نام سے موسوم فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چھوٹا سا رسالہ پاک و ہند و دیگر ممالک میں مختصر المعانی کیلئے بہت سے طلباء کے پاس زیر مطالعہ رہتا ہے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ وہ رسالہ ہے جو حضرت موصوف کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

۵- احسن المواعظ

یہ حضرت موصوف کے ملفوظات ہیں جن کو جمع کر کے ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں 1992ء میں طبع کیا گیا ہے۔

۶- مسلک تھانہ بھون

اس کتاب میں حضرت موصوف نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے طویل مواعظ کے خلاصے تحریر فرمائے جن کو جمع کر کے ''مسلک تھانہ بھون'' کے نام سے ایک عظیم کتاب منظر عام پر آ چکی ہے نیز کچھ عرصہ بعد حصہ ثانی بھی طبع ہو کر آ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت موصوف کی خصوصیات

۱- بچپن ہی سے دین کے ساتھ انتہائی زیادہ لگاؤ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک حضرت موصوف کے ہزاروں شاگرد علم و عمل سے سیراب ہو چکے ہیں۔
۲- حضرت موصوف کی شریعت کی پابندی پاک و ہند میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اکثر مقامات پر بڑے بڑے علماء حضرت کو اتباع سنت میں ضرب المثل بتاتے ہیں۔
۳- حضرت موصوف کی دنیا سے بے رغبتی شاید ہی کسی خطہ ارض پر مخفی ہو۔
۴- حضرت موصوف بچپن ہی میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر گناہ مجھے جہنم کی آگ نظر آتا ہے۔
۵- چنانچہ حضرت موصوف کی ذات بابرکات کروڑوں انسانوں میں سے وہ ذات ہے جس کے تمام اعمال، اقوال کے مطابق ہیں۔
۶- کسی زمانہ میں کسی جماعت نے حضرت موصوف کی مخالفت نہیں کی، تمام ہم عصر حضرت موصوف سے خوش رہے اور خوش ہیں۔
۷- حضرت والد صاحب نے باقاعدہ بخاری شریف دو دفعہ پڑھی ہے جامعہ اشرفیہ میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ سے پھر خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی۔
۸- آپ کے اساتذہ میں مذکورہ حضرات کے علاوہ حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ بھی ہیں۔
۹- حضرت موصوف کے جزوی فضائل بہت ہی زیادہ ہیں اور حضرت موصوف کی زندگی کے بہت ہی عجیب و غریب واقعات ہیں جن کو بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ حضرت موصوف کے تین بھائی ہیں مولانا انور و اختر و اکرم صاحبان اور تین ہی بیٹے ہیں مولوی شفیق الرحمٰن، عتیق الرحمٰن و عبدالرحمٰن۔ اس وقت راقم عتیق الرحمٰن ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے ساتھ ساتھ اس خاندان پر بھی نظر رحمت فرمادیں۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

چند اہم ابواب کی فہرست

besturdubooks.wordpress.com

فہرست مضامین

(جلد چہارم)

بقیہ ابواب کی فہرست بخاری شریف سے لے لی جائے

فہرست مضامین

(جلد پنجم)

فہرست مضامین

(جلد ششم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد الله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله واصحابه واتباعه اجمعين اما بعد: مولائے کریم کے محض فضل وکرم سے بلا استحقاق اس خادم کو بہت ہمت ہو رہی ہے کہ بخاری شریف کی اپنی تقریر کو جو تقریباً ساٹھ شروح حواشی اور تقاریر اساتذہ وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے احقر خود مرتب کر کے آسان اردو عبارت میں اپنے احباب کی خدمت میں پیش کردے تاکہ اردو دان پڑھنے پڑھانے والوں کو آسانی ہو جائے اس کا نام اپنے تعلیمی مربی، مشکوٰۃ شریف، بخاری شریف اور فنون کے استاذ اور عظیم محسن حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام پر الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری رکھا ہے اور حضرت موصوف سے حضرت کے وصال سے تقریباً چھ سال پہلے اس کا نام رکھنے کی اجازت بھی لے لی تھی یا اللہ اخلاص اور ہمت سے صحیح لکھنے کی توفیق نصیب فرما اور محض اپنے فضل وکرم سے نافع للمؤلف والناظرین بنا اور ہم سب کو نجات بلا عذاب کا ذریعہ بنا اور ہم سب کو اخلاص پر اخیر دم تک قائم رہنے کی توفیق نصیب فرما۔

مری انتہائی تمنا یہی ہے ۔۔۔ بلا کچھ پٹائی ہی مل جائے جنت
نہیں اس کے لائق یہ میں جانتا ہوں ۔۔۔ مگر آگ سہنے کی ہمت نہ طاقت
دعا خود یہ میں نے بنائی نہیں ہے ۔۔۔ مرے تھانویؒ شیخ کی ہے ہدایت
الٰہی دکھاوے سے مجھ کو بچالے ۔۔۔ تباہ ہو رہی ہے اسی میں یہ امت

آمین یا رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ
محمد والہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

مقدمہ

اس میں تین قسم کے مبادی ہیں

۱:۔ ہر عمل کے مبادی ۲:۔علم حدیث کے مبادی
۳:۔صحیح بخاری کے مبادی

ہر عمل کے مبادی

(۱) ...... **انما الاعمال بالنیات** (النسائی) عمل تین قسم کے ہیں ایک گناہ یہ ایسے کہ جنگل سے اپنا ٹرنک بھرلیا گھر روشنی میں آکر کھولا تو سانپ اور بچھو نکلے ان گناہوں کا کرنا انسانیت ہی کے خلاف ہے اس لئے چھوڑنا ضروری ہے۔

دوسری قسم مباحات جیسے قیمتی پتھر سمجھ کر جنگل سے اندھیرے میں ٹرنک بھرلایا گھر آکر دیکھا تو معمولی اینٹ اور پتھر نکلے۔

تیسری قسم مستحسنات کہ گھر آکر دیکھا تو واقعی ہیرے جواہرات نکلے۔ تیسری قسم میں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی یا جنت حاصل کرنے کی یا عذاب سے بچنے کی نیت نہ ہو بلکہ دنیا میں نام روشن کرنے کی ہو تو عذاب کا ذریعہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ قیامت میں ایک عالم ایک سخی اور ایک مجاہد کو لایا جائے گا کہ ہماری نعمتیں کہاں خرچ کیں کہے گا آپ کی رضا میں فرمائیں گے لا بل **لیقال انک قاری عالم** سخی کے متعلق ہے جواد مجاہد کے متعلق ہے جری تینوں کو فرمائیں گے فقد قیل اور دوزخ میں ڈال دیں گے دوسری قسم میں عبادت کی تیاری کی ہمیشہ نیت ہونی چاہیے تا کہ چوبیس گھنٹے عبادت میں گزریں اور اینٹ پتھر جیسے مباحات ایسا سونا بن جائیں جو دنیا اور آخرت دونوں میں کام آئیں دنیا میں قلبی سکون ہو اور آخرت میں نجات و جنت ملے۔

(۲) ...... **ان خیر من استاجرت القوی الامین** اس آیت سے ثابت ہوا کہ کام کرنے والا قوی ہو مثلاً دورہ حدیث پڑھنے والا اگر متوسط ذہین ہو تو محنت کر کے جماعت کے ساتھ چلے جیسے کچھوا چلتا رہا تو سو جانے والے خرگوش سے دوڑ میں آگے نکل گیا اور اگر اعلیٰ درجہ کا ذہین ہو تو بطور شکر زیادہ محنت کرے اور اختیاری قوت بھی ہو یعنی جن کتابوں پر دورہ سمجھنا موقوف ہے وہ پڑھا ہوا ہو۔ امین بھی ہو کہ طالب علم ضروریات دین کا پابند ہو۔

(۳) ...... **اسباب وآلات** وہ آج کل مدارس والے مہیا کر دیتے ہیں طلبہ کا کام یہ ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں کہ مدرسہ والے وہ اسباب وآلات ختم کر دیں اور مدرسہ سے اخراج کر دیں۔

(۴) ...... کام کرنے کا طریقہ مناسب ہو مثلاً صحیح بخاری پڑھنے میں نہ ناغہ ہو نہ دیر سے آئیں نہ بے توجہی کریں پڑھ کر یاد بھی کریں اور اگلے دن سنا دیں پھر حدیث کی تدریس کی تین طرز ہیں ایک املا کرانا تا کہ کوئی لفظ نہ رہ جائے دوسرے تیز روانگی سے تقریر تا کہ زیادہ مسائل بیان کئے جاسکیں تیسرا جو احقر کا بھی طرز ہے کہ املاء تو نہ ہو لیکن روانگی سے آہستہ اور تکرار کے ساتھ تقریر ہو کہ تسلسل باقی رہے اور کوئی خلاصہ لکھنا چاہے تو لکھ سکے۔

علم حدیث کے مبادی تعریف الحدیث

الحدیث هو قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفعله وتقریرہ تقریر کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام ہوا ہو اور آپ نے انکار نہ فرمایا ہو تو یہ اس کام کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

وجہ تسمیہ حدیث بمعنی حادث بمقابلہ قدیم کہ قرآن پاک قدیم ہے اس کے مقابلہ میں حدیث حادث ہے۔۲۔سورہ ضحیٰ میں پہلا انعام کہ یتیمی میں ہم نے ٹھکانہ دیا اس پر متفرع ہے کہ آپ یتیم پر سختی نہ کریں تیسرا انعام کہ تنگ دست پایا غنی بنایا مگر آپ سخی بھی تھے اس لئے جلدی خیرات فرما دینے کی وجہ سے بعض تین

تین دن آپ کے گھر میں چولہے میں آگ نہ جلتی تھی یا نفس کی غنا مراد ہے اس انعام پر حکم ہے کہ آپ بھی سائل کو نہ ڈانٹیں وہ سائل سے مراد ہے جس کے پاس ایک دن رات کا خرچ نہ ہوا اور اتنا ہی لے کر مانگنا بند کردے پیشہ ورسائل کو دینا جائز نہیں جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ ہے (رح) کو رحمہ اللہ تعالیٰ اور (رض) کو رضی اللہ تعالیٰ پڑھیں درمیان میں دوسرے انعام پر یہ حکم دیا کہ ہم نے آپ کو ضال یعنی خالی عن الشرائع اللتی لا تستبدالعقول بد رکھا پایا ہدایت دی آپ ہماری دی ہوئی علم کی نعمت کو آگے بیان کریں یہ آپ کا بیان کرنا حدیث ہے اس کو فحدث کے لفظ سے ذکر فرمایا اس لئے آپ کے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔

تعریف علم الحدیث

هو علم يعرف به اقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وافعاله وتقريراته.

موضوعہ ذات رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث هو رسول الله صلى الله عليه وسلم.

غرضہ معرفة العقائد والا خلاق والا حكام الفرعية لرضاء الله تعالىٰ.

ضرورة الحدیث واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة. ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے جن عقائد واخلاق واعمال واقوال کی ضرورۃ ہے وہ حدیث ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

فضیلۃ علم الحدیث

۱۔ دس علوم جو دین میں مقصود ہیں۔ تفسیر۔ حدیث۔ عقائد۔ اخلاق۔ اصول فقہ۔ فقہ۔ تجوید۔ اختلاف قرأت۔ رسم الخط۔ علم الوقف والابتداء کہ کہاں ٹھہریں اور کہاں سے پھر شروع کریں ان سب علوم کا سرچشمہ حدیث اور علم حدیث ہے۔ (۲)۔ حدیث شریف میں ہے نضراء الله امرء سمع مقالتي فوعاهافا داها كما سمع حدیث پڑھنے پڑھانے والے کو یہ دعاء مل جاتی ہے۔ (۳)۔ بار بار درود شریف پڑھنے کی وجہ سے درود شریف کے فضائل مل جاتے ہیں۔

درجہ علم حدیث ایک قول یہ ہے کہ علم تفسیر علم حدیث سے افضل ہے کیونکہ اس کا تعلق کلام اللہ سے ہے دوسرا قول یہ ہے کہ علم حدیث افضل ہے کیونکہ ا۔ علم تفسیر اس کا حصہ ہے۔۲۔ علم حدیث کا موضوع ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم تفسیر کے موضوع اللہ تعالیٰ کی کلام لفظی سے افضل ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی کلام نفسی (جیسے کوئی وعظ کرنے سے پہلے دل میں مضمون سوچتا ہے) پوری مخلوق سے افضل ہے لیکن وہ علم تفسیر کا موضوع نہیں ہے۔

ضبط حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اختلاف ہوا بعض نے حدیث لکھنے کو ناجائز فرمایا کیونکہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث مرفوع میں ہے لاتكتبوا عني شيئا ومن كتب عني شيئا فليمحه' اور بعض نے جائز قرار دیا کیونکہ ا۔ حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انا نسمع منك اشياء افنكتبها قال اكتبوا ذلك ولا حرج. (۲)۔ ابوشاہؓ کی درخواست پر اپنے خطبہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اكتبوا لا بی شاه پھر جواز بلکہ استحباب پر اجماع ہو گیا اور ممانعت (۱) اس زمانہ پر محمول کی گئی جبکہ ابھی قرآن وحدیث میں فرق پورا ذہن نشین نہ ہوا تھا کہ شاید دونوں کے لکھنے سے خلط ہو جائے بعد میں اجازت دیدی گئی۔۲۔ قوی حافظہ والوں کو لکھنے سے منع کیا گیا کہ ضبط بالصدر یعنی حفظ کرنے میں سستی نہ ہو جائے۔

آداب طلب الحدیث

۱- باوضو سبق پڑھنا۔

۲- نیت رضائے حق تعالیٰ کی رکھنا۔

۳- پوچھنے سے شرم نہ کرے۔

۴- محنت کے باوجود بھروسہ اللہ تعالیٰ کی عطاء پر کرے۔

۵- ہر نام ادب سے لے اللہ تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ زندہ اکابر مدظلہم کہے۔

الحديث بالمعنى الاعم

هوقول النبی صلی الله عليه وسلم وفعله و تقريره وقول الصحابی رضی الله عنه و فعله و تقريره وقول التابعی رحمه الله تعالیٰ و فعله وتقريره پہلی تین قسموں کو مرفوع دوسری تین کوموقوف اور تیسری تین کومقطوع کہتے ہیں۔

تقسيم الحديث باعتبار المخالفة

۱۔اگر ضعیف راوی چند ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو اس ضعیف کی روایت کو منکر اور چند ثقہ راویوں کی روایت کو معروف کہتے ہیں اور اگر ایک ثقہ راوی چند ثقات کی مخالفت کرے تو اس ایک راوی کی روایت کو شاذ اور اس کے مقابلہ میں چند ثقات کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔

تقسيم الحديث باعتبار صفات الرواة

۱۔الصحيح لذاته هو ماثبت بنقل كامل العدالة تام الضبط غير معلل ولاشاذ (معلل اس حدیث کو کہتے ہیں جو اصول ثابتہ فی الدین کے خلاف ہو) ۲۔الحسن لذاته هو ماثبت بنقل كامل العدالة ناقص الضبط غير معلل ولاشاذ. ۳.الحديث الضعيف مافقدفيه جميع شروط الصحيح او بعض شروطه ۴.الصحيح لغيره هوالحسن لذاته اذا انجبرالنقصان بتعددالطرق. ۵.الحسن لغيره هوالحديث الضعيف اذا انجبر الضعف بتعددالطرق.

تقسيم الحديث باعتبار ذكر الرواة:

سب راوی مذکور ہونگے یا نہ اگر سب مذکور ہوں تو متصل اور مسند ورنہ اگر شروع سے راوی چھوٹے ہوں تو تعلیق اور معلق اور اگر اخیر سے چھوٹے ہوں تو مرسل اور درمیان سے متروک ہوں تو دو یا زائد اکٹھے متروک ہوں تو معضل ہے ورنہ صرف ایک متروک ہو یا زائد متروک ہوں لیکن فاصلہ سے تو منقطع کہتے ہیں۔

تقسيم الحديث باعتبار عدد الرواة

ایک قول میں تین قسمیں ہیں ۱۔متواتر کہ ہر زمانہ میں نقل کرنے والے اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عندالعقل محال ہو۔۲۔مشہور کہ صحابہؓ تو کم ہوں پھر ہر زمانہ میں نقل کرنے والے اتنے زیادہ ہوں ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عندالعقل محال ہو۔۳۔خبر واحد جو درجہ شہرت سے کم ہو، دوسرے قول میں چار قسمیں ہیں۔۱۔متواتر جس کے راوی کسی زمانہ میں چار سے کم نہ ہوں۔۲۔مشہور جس کے راوی بعض زمانوں میں تین باقی میں تین یا زائد ہوں۔۳۔عزیز جس کے راوی بعض زمانوں میں دو باقی میں دو یا زائد ہوں۔۴۔غریب جس کے راوی سب یا بعض زمانوں میں ایک ایک ہوں۔

تقسيم الحديث باعتبار المتن

بارہ قسمیں ہیں کیونکہ متن یا قول ہوگا یا فعل یا تقریر تین قسمیں ہوئیں ہر ایک یا نبوت سے پہلے کا ہوگا یا بعد کا چھ قسم پھر ہر ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوگی یا نہ بارہ ہوگئیں۔

انواع التواتر

۱۔تواتر الاسناد کہ بہت سی سندیں ہوں کہ ان کا مجموعہ تواتر کا سبب ہو جیسے علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار دوسو صحابہ سے منقول ہے اس لئے متواتر ہے۔۲۔تواتر الطبقة کہ نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان کو گنا ہی نہ جا سکے جیسے قرآن پاک نقل ہوا۔۳۔تواتر العمل و التوارث کہ عملاً تواتر ہو جیسے نمازوں کا پانچ ہونا۔۴۔تواتر القدر المشترک کہ مختلف الفاظ ہوں لیکن کوئی ایک بات سب روایات میں

ہو جو تواتر تک پہنچ گئی ہو جیسے پانی زیادہ ہو جانے کا معجزہ۔

طبقات کتب الحدیث

۱۔ابتداء قرن ثانی جس میں ابن شہاب (متوفی ۱۲۵ھ) اور ابن حزم (متوفی ۱۳۰ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پہلی بار کتاب کی شکل میں احادیث کو جمع فرمایا دونوں میں سے راجح یہ ہے کہ ابن شہاب نے پہلے کتاب لکھی۔۲۔قرن ثانی کا وسط اس میں ابن جریر و ہشیم و مالک و معمر و عبداللہ بن المبارک نے ابواب قائم کر کے کتابیں مرتب فرمائیں ان میں سے مقدم کی تعیین مشکل ہے۔۳۔ابتداء قرن ثالث اس میں بہت بڑی بڑی کتابیں امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے لکھیں۔۴۔قرن ثالث کا وسط اس میں صرف مرفوع احادیث کی کتابیں مرتب کی گئیں پھر بعض نے مرفوع میں سے صرف صحیح لیں جیسے امام بخاریؒ و مسلمؒ اور بعض نے حسن اور کہیں کہیں ضعیف بھی لے لیں جیسے امام ابوداؤد و ترمذی ونسائی وابن ماجہ وغیرہ۔۵۔متاخرین کا طبقہ اس میں بلا سند احادیث جمع کی گئیں مع الحوالہ جیسے مشکوٰۃ اور بلا حوالہ جیسے مصابیح کہ اصل کتابوں سے آسانی سے مل سکتی ہیں۔علامہ سیوطیؒ نے پانچ طبقوں میں سے تین کو اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

اول جامع الحديث والاثر	ابن شهاب آمرله عمر
اول جامع اللابواب	جماعة في العصر ذو اقتراب
كابن جرير و هشيم مالك	ومعمر وولد المبارك
واول جامع بالاقتصار	على الصحيح فقط البخاري

طریق تقویۃ الحدیث

اس میں چند اصطلاحیں ہیں۔۱۔الاعتبار طلب مایؤید الحدیث۔
۲۔المتابع وہ دوسری حدیث جو پہلی حدیث والے صحابی ہی سے منقول ہو اور پہلی حدیث کی تائید کرے پھر اگر الفاظ وہی ہوں تو کہتے ہیں ھذا مثلہ ورنہ ھذا نحوہ اور اگر صحابی بدل گیا ہو تو شاہد کہتے ہیں وہی الفاظ ہوں تو شاہد فی اللفظ ورنہ شاہد فی المعنیٰ۔

طبقات المحدثین

۱۔جو سند کے ساتھ ایک حدیث بھی بیان کر دے اس کو مسند کہتے ہیں۔۲۔محدث عند المتاخرین جو حدیث کے معنیٰ بیان کرنے میں مشہور ہو۔۳۔الحافظ اور وہی محدث عند المتقدمین ہے کہ جس کو ایک لاکھ احادیث مع الاسانید یاد ہوں۔۴۔الحجۃ جس کو تین لاکھ احادیث مع الاسانید یاد ہوں۔۵۔حاکم جس کو سب احادیث مع الاسانید واحوال رواۃ یاد ہوں اور وہ جرح وتعدیل کا بھی ماہر ہو۔

قوۃ سند کے لحاظ سے صحاح ستہ کے مراتب

سب سے اعلیٰ بخاری شریف پھر مسلم شریف پھر ابوداؤد پھر نسائی پھر ترمذی پھر ابن ماجہ اور بعض نے نسائی کو ابوداؤد سے پہلے شمار کیا ہے۔

یکے بعد دیگرے پڑھنے کیلئے صحاح ستہ کی ترتیب

۱۔ترمذی تاکہ مذاہب فقہاء معلوم ہوں۔۲۔ابوداؤد تاکہ دلائل معلوم ہوں۔۳۔بخاری تاکہ باریک اجتہادات معلوم ہوں۔۴۔مسلم تاکہ ایک حدیث کی مختلف سندیں یکجا مل جائیں۔۵۔نسائی تاکہ سندوں کا اختلاف معلوم ہو۔۶۔ابن ماجہ تاکہ زائد احادیث معلوم ہوں۔

انواع کتب حدیث

۱۔جامع جس میں آٹھوں قسم کی حدیثیں ہوں۔
سیر۔آداب وتفسیر وعقائد۔فتن۔احکام واشراط ومناقب۔
جیسے بخاری اور محدثین کے مسلم کے بارے میں دو قول ہیں بعض نے جامع شمار کیا ہے اور بعض نے تفسیر کی احادیث کے بہت کم ہونے کی وجہ سے جامع شمار نہیں کیا۔ترمذی بھی جامع ہے۔
۲۔سنن جس میں ابواب فقہ کے طرز پر احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔
۳۔مسند جس میں ایک صحابی کی پھر دوسرے پھر تیسرے کی احادیث جمع کی ہوں جیسے مسند احمد۔
۴۔معجم جس میں مصنف نے اپنے ایک استاد کی پھر دوسرے

کی پھر تیسرے کی احادیث جمع کی ہوں جیسے معجم طبرانی۔

۵۔ جزء جس میں ایک مسئلہ کی احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے جزء القراۃ للبخاری۔

۶۔ فرد جس میں صرف ایک راوی کی احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے بعض حضرات نے مفردات ابی ہریرہ کے نام سے احادیث جمع کی ہیں۔

طبقات الرواۃ

۱۔ کامل العدالۃ کامل الضبط کثیر الملازمۃ

۲۔ کامل العدالۃ ناقص الضبط قلیل الملازمۃ۔

۳۔ کثیر الملازمۃ مورد الجرح۔

۴۔ قلیل الملازمۃ مورد الجرح۔

۵۔ ضعفاء ومجہولین۔

شروط الصحاح الستہ

امام بخاری نے پہلے طبقہ سے اور دوسرے طبقہ کے منتخب راویوں سے روایتیں لی ہیں۔ امام مسلم نے پہلے دو سے بلا انتخاب تیسرے طبقہ سے بعد الانتخاب روایات لی ہیں۔ امام نسائی نے پہلے تینوں طبقوں سے روایات لی ہیں امام ابوداود نے پہلے تین سے اور چوتھے کے منتخب روایوں سے لی ہیں۔ امام ترمذی نے پہلے چار سے لی ہیں اور ایک قول میں پانچویں طبقہ سے بھی کہیں کہیں روایت لے لی ہے اور امام ابن ماجہ نے تائید کے درجہ میں طبقہ خامسہ سے بھی روایت لی ہیں۔

شروط التحمل والاداء

تحمل یعنی حدیث حاصل کرنے میں بالاتفاق نہ ایمان شرط ہے نہ بلوغ عمر کے لحاظ سے تین قول ہیں۔

۱۔ چار سال

۲۔ پانچ سال

۳۔ سمجھ ہو گو چار سال سے بھی کم عمر ہو اور اداء حدیث یعنی آگے بیان کرنے کیلئے بالاتفاق عاقل بالغ مومن ہونا ضروری ہے۔

الفرق بین حدثنا واخبرنا

استاد حدیث سنائے تو حدثنا کہتے ہیں۔ شاگرد پڑھے استاد سنے تو اخبرنا پھر۔

۱۔ بعض کے نزدیک دونوں برابر

۲۔ حدثنا افضل کہ عبارت میں غلطی نہ ہوگی۔

۳۔ اخبرنا افضل کہ شاگرد توجہ سے بیٹھے گا۔

طرق التحمل

۱۔ السماع من الشیخ حدثنا والی صورت

۲۔ القرأۃ علی الشیخ اخبرنا والی صورت

۳۔ الاجازہ خواہ اجازت المعین للمعین ہو کہ فلاں کو میری فلاں حدیث بیان کرنے کی اجازت ہے یا اجازۃ المعین لغیر المعین جیسے آج کل مدارس میں سند دی جاتی ہے کہ فلاں کو سب حدیثیں پڑھانے کی اجازت ہے یا اجازت الغیر المعین لغیر المعین کہ سب کو سب حدیثیں پڑھانے کی کوئی اجازت دے دے۔

۴۔ المراسلہ آدمی بھیجے کہ فلاں سے کہہ دو کہ تمہیں میری فلاں حدیث یا سب حدیثیں پڑھانے کی اجازت ہے۔

۵۔ المکاتبہ کہ کوئی محدث ایک یا زیادہ حدیثیں لکھ کر کسی کی طرف بھیج دے پھر اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ صریح اجازت بھی لکھے گا تو آگے بیان کر سکتا ہے ورنہ نہیں دوسرا قول کہ صریح اجازت ضروری نہیں۔

۶۔ المناولہ لکھی ہوئی حدیثیں کسی کے ہاتھ میں دینا اس میں بھی وہی دو قول ہیں جو المکاتبہ میں گذرے۔

۷۔ الاعلام یہ کہنا کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے اس میں بالاتفاق اجازت دینا شرط ہے۔

۸۔ الوجادہ کہ کسی محدث کی لکھی ہوئی ایک یا زیادہ حدیثیں مل گئیں اس میں یہ نہیں کہہ سکتا حدثنا فلاں بلکہ یہ کہہ سکتا ہے وجدت فی قرطاس فلان کذا۔

حجیت حدیث

جب لوگ پہلے دینوں کو بدل دیتے تھے تو نیا نبی آ جاتا تھا اب نیا نبی نہ آنا تھا تو خود وعدہ فرمالیا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ایک دفعہ عیسائی پادریوں نے اعتراض کر دیا کہ ذکر کا لفظ تو انجیل کو بھی شامل ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جواب دیا کہ نزلنا باب تفعیل سے ہے جس میں خاصہ تدریج کا ہے قرآن کے سوا باقی سب کتابیں اکٹھی اتاری گئی ہیں۔ صرف قرآن آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں اترا اس لئے وہی اس میں داخل ہے پھر حفاظت کے دو طریقے ہیں۔

۱- حراست بالاشخاص

۲- قوة شی یہاں دونوں اختیار فرمائے اشخاص یوں مقرر فرمائے کہ حدیث میں ہے۔ ان الله یبعث لهذه الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لها دینها کہ ہر صدی کے کنارے پر ایسے مجدد پیدا فرمائیں گے جو دھوبی کی طرح دین کی بدعات کا میل کچیل اتار کر نئے کپڑے جیسا صاف بنا دیں گے یہ بھی حدیث میں ہے کہ لایزال من امتی امة قائمة بامر الله لایضرهم من خذلهم کہ ہمیشہ اہل حق رہیں گے دوسرا طریقہ خود دین کو مضبوط بنا کر اختیار فرمایا کہ دو مضبوط ستونوں پر بنیاد رکھ دی جو انتہائی قوی ہیں قرآن کو حدیث منکر حدیث حقیقت میں منکر دین ہے۔ نفس حجیۃ میں قرآن وحدیث دونوں برابر ہیں اگر کمی آتی ہے تو بعض حدیثوں کی سند کی وجہ سے ہے۔ اس کے مناسب خبر واحد یا خبر غریب کا درجہ کچھ کم ہو جاتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ حدیث حجت ہی نہیں مذکورہ تفصیل کے علاوہ ہمارے پاس کئی قسم کے دلائل حجیۃ حدیث کے موجود ہیں مثلاً

ایک نوع:۔ بے شمار آیات ہیں مثلاً

۱- من یطع الرسول فقد اطاع الله

۲- استجیبو الله وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم

۳- وماکان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم

۴- وماینطق عن الهوی ان هوالا وحی یوحیٰ

۵- واطیعوا الله واطیعوا الرسول.

دوسری نوع:۔ یہ کہ حدیث تفسیر قرآن ہے۔

۱- قرآن کے معجزہ ہونے کی یہ صورت بھی ہے کہ ایک ایک آیت کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں ان میں سے کس کس معنی کو لینا ضروری ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ حدیث بتلایا ہے۔

۲- حق تعالیٰ کی غیر محدود ذات کی کلام کو محدود علم وفہم والا انسان اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک اس غیر محدود سے بہت قوی تعلق رکھنے والی ذات نہ سمجھائے وہ نبی کی ذات ہی ہو سکتی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳- ہر کلام کسی نہ کسی کیفیت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے اہل ادب کی کلام ادب شناس ہی سمجھ سکتا ہے شاعر کی کلام شعر شناس ہی سمجھ سکتا ہے ایسے ہی رب العالمین کی کلام رب شناس ہی سمجھ سکتا ہے۔

۴- قانون کی کتاب حکومت کے مقرر کردہ جج کے سوا کسی کی تفسیر کے مطابق قابل عمل نہیں ہوتی۔ قرآن پاک قانون کی کتاب ہے۔

۵- طب کی کتاب کو ماہر طبیب ہی سمجھ کر استعمال کر سکتا ہے قرآن پاک طب روحانی ہے۔

۶- ان علینا جمعه و قرانه فاذاقرأناه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه. یہ بیان حدیث ہے کیونکہ سینہ میں جمع ہونا اور زبان پر جاری ہونا اس سے پہلے مذکور ہے۔

۷- وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم

۸- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیات کی وضاحت بلا سوچے بیان فرماتے تھے جو علامت تھی کہ وضاحت حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

سوال:۔ بعض احادیث کا کسی خاص آیت سے ربط نہیں ہوتا وہ کیسے تفسیر قرآن بنیں گی۔ جواب:۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے

ایک بڑھیا سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس عورت پر لعنت کی ہے جو بدن میں سیاہی سے نقش ونگار بناتی ہے بڑھیا نے کہا کہ قرآن میں تو یہ نہیں ہے فرمایا کہ **وماآتکم الرسول فخذوہ و مانھاکم عنه فانتھوا** میں سب حدیثیں داخل ہیں اور حدیث میں مذکورہ عورت پر لعنت ہے امام شافعی نے فرمایا کہ زنبور کو حرم میں مارنا ناجائز ہے۔اور یہ مسئلہ قرآن پاک کا ہے اس طرح کہ قرآن میں ہے کہ **وماآتکم الرسول الایة** اور حدیث میں ہے **اقتدوابالذین من بعدی ابی بکر و عمر** اور حضرت عمر کا فرمان ہے **یقتل الزنبور فی الحرم**.

تیسری نوع:۔ ہر ہر نوع کے الگ الگ دلائل مثلاً متواتر حدیث کا انکار قرآن پاک کا انکار ہے کہ قرآن پاک خود ایک بڑی حدیث متواتر ہے۔۲- مشہور **اذارسلنا الیھم اثنین فکذبو ھما فعزز نابثالث** کہ تیسرے آدمی سے ہم نے قوت دی معلوم ہوا کہ تین کی خبر جس کو ایک قول میں مشہور کہتے قوی ہوتی ہے۔۳-عزیز **واستشھدوا شھیدین من رجالکم** جب دو کی گواہی معتبر ہے تو خبر بطریق اولیٰ معتبر ہے کیونکہ گواہی ہمیشہ الزام علی الغیر قائم کرتی ہے خبر کبھی الزام قائم کرتی ہے کبھی نہیں۔ ۴-خبر واحد: سب دینوں کا مدار جبریل پر ہے جو خبر واحد ہے۔ سوال:۔ وہ تو فرشتہ ہیں جواب:۔ انسانیت اور فرشتہ ہونے کا فرق ایسا ہی ہے جیسے کوفی اور بصری ہونے کا فرق ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم بھی ایسے انسانوں کی روایت لیتے ہیں جو عدالت اور ضبط میں فرشتوں کی طرح قوی ہوتے ہیں۔۲- اکثر نبی اکیلے اکیلے آئے اس لحاظ سے بھی اکثر ادیان کا مدار خبر واحد پر ہے۔۳- **وجاء رجل من اقصی المدینة یسعی** موسیٰ علیہ السلام نے ایک کی خبر مان لی۔۴- **ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا** کہ فاسق کی خبر بھی فوراً رد نہ کرو بلکہ تحقیق کرو اگر مؤید مل جائے تو مان لو تو عادل کی کیوں نہ مانی جائے گی۔ اگر تین قسموں والا اول لیں مشہور متواتر خبر واحد ہو مشہور کی دلیل متواتر اور خبر واحد کی دلیلوں سے مل کر بن جائے گی کیونکہ اس قول پر مشہور شروع میں خبر واحد اور بعد میں متواتر ہے۔ **بخاری شریف کے مبادی ترجمہ المصنف**:۔ آپ کی رکنیت ابوعبداللہ ہے آپ کا نام محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ من بردزبہ ہے اس آخری دادا کے نام بردزبہ کے معنی کاشتکار کے ہیں یہ مجوسی مذہب پر فوت ہوئے حضرت مغیرہ اپنے شہر بخاریٰ کے والی ایمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اسی لئے امام بخاری کو جعفی بھی رکھتے ہیں یعنی حضرت یمان جعفی کے مولائے موالاۃ ہیں جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہو جائے اور ان دونوں میں **عقد موالاۃ** ہو جائے کہ زندگی میں ایک دوسرے کی امداد کریں گے اور مرنے کے بعد ایک دوسرے کے وارث بن جائیں گے تو ان دونوں کو ایک دوسرے کا **مولیٰ موالاۃ** کہتے ہیں امام بخاری کے دادا حضرت ابراہیم کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں **اما ابراھیم فلم نقف علی شی من اخبارہ** انتھی امام بخاری کے والد ماجد حضرت اسمٰعیل اپنے زمانہ کے عالم باعمل حضرات میں سے تھے اور تقویٰ کا یہ حال تھا کہ حضرت اسمٰعیل نے اپنی وفات کے وقت فرمایا **لا اعلم فی جمیع ما لی درھما من شبھة** امام بخاری کی ولادت بخاری شہر میں ۱۳ شوال ۱۶۸ھ بروز جمعۃ المبارک نماز جمعہ کے بعد ہوئی اور وفات یکم شوال ۲۵۶ بروز ہفتہ عید الفطر کی رات خرتنگ بستی میں ہوئی جو سمرقند سے دوفرسخ کے فاصلہ پر ہے اور کوئی نرینہ اولادنہ چھوڑی۔ اس خرتنگ بستی کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن امام بخاری کی وفات کے وقت بہت زیادہ لوگ سمرقند سے اس بستی میں جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آنا چاہتے تھے اس لئے گدھے کی سواری بہت مہنگی ہوگئی اس لئے بستی کا نام ہی خرتنگ ہو گیا کہ ایسی بستی جہاں جانے کے لئے گدھے تلاش کرنے میں تنگی پیش آ رہی تھی پھر جب امام بخاری کو دفن کر دیا گیا تو آپ کی قبر مبارک سے بہت عمدہ خوشبو آنی شروع ہوگئی اسی خوشبو کی وجہ سے لوگوں نے قبر

مبارک کی مٹی اٹھانی شروع کر دی تھی کہ منتظمین نے تنگ آ کر وہاں لکڑیاں گاڑ دیں تا کہ لوگ مٹی نہ اٹھا سکیں امام بخاری کی وفات سے چندروز پہلے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ محمد بن اسماعیل کا انتظار کر رہے ہیں۔ رات کے جس حصہ میں خواب دیکھا بعینہ اسی حصہ میں چند دن کے بعد امام بخاری وفات پا گئے۔ امام بخاری کی ولادت' وفات اور عمر یاد کرنے کے لئے یہ دو شعر یاد کر لینے کافی ہیں ۔

کان البخاریُ حافظا و محدّثا
جمع الصحیح مکمّل التحریر
میلاده صدق و مدة عمره
فیها حمید وانقضی فی نور

تاریخ نکالنے کیلئے اِس نقشہ کو ذہن میں رکھ لینا کافی ہوتا ہے

اَبْجَدْ	هَوَّزْ	حُطِّیْ	کَلِمَنْ
۱ ۲ ۳ ۴	۵ ۶ ۷	۸ ۹ ۱۰	۲۰ ۳۰ ۴۰ ۵۰
سَعْفَصْ	قَرِشَتْ	ثَخَّذْ	ضَظَّغْ
۶۰ ۷۰ ۸۰ ۹۰	۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰ ۴۰۰	۵۰۰ ۶۰۰ ۷۰۰	۸۰۰ ۹۰۰ ۱۰۰۰

صدق میں ص کے ۹۰ د کے چار ق کے ۱۰۰ کل ۱۹۴
حمید میں ح کے ۸ م کے ۴۰ ی کے ۱۰ اد کے ۴ کل ۶۲
نور میں ن کے ۵۰ و کے ۶ ر کے ۲۰۰ کل ۲۵۶

امام بخاری نے صحیح بخاری سولہ سال کے طویل عرصہ میں بہت محنت سے تالیف فرمائی پھر اس بارے میں کہ کہاں تصنیف فرمائی مختلف قول و اشارات ہیں کیونکہ خود امام بخاری کا قول منقول ہے کہ فرمایا **صنفت فی المسجد الحرام و ما ادخلت فیه حدیثا الابعد نا استخرت وصلیت رکعتین و تیقنت صحة** اور شہر بخاری میں تصنیف فرمانا بھی منقول ہے اور مدینہ منورہ اور بصرہ میں بھی تصنیف فرمانا منقول ہے کیونکہ یوں منقول ہے کہ انہوں نے پانچ سال بصرہ میں قیام فرمایا جس میں تصنیف بھی فرماتے تھے اور ہر سال حج بھی فرماتے تھے ان سب روایات واقوال میں تطبیق یہ ہے کہ ان سب جگہوں پر آپ نے تھوڑی تھوڑی تصنیف فرمائی۔ پھر امام بخاری کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ ان کا اپنا ارشاد ہے **لایکون المحدث محدثا** کا ملا **حتیٰ یکتب عمن هو فوقه وعمن هو مثله وعمن دونه** اس ارشاد پر خود بھی امام بخاری نے پورا پورا عمل کر کے دکھایا۔ آپ کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ رمضان المبارک میں ہر روز ایک ختم قرآن فرما لیتے تھے اور اس کے علاوہ تراویح کے بعد بھی اتنا قرآن پاک پڑھتے تھے کہ تین دن میں ایک قرآن ختم ہو جاتا تھا گویا تقریباً چالیس قرآن پاک ایک رمضان المبارک میں ختم فرما لیتے تھے۔ آپ کے مناقب میں منقول ہے کہ ایک دفعہ ظہر کے فرض پڑھ کر ایک باغ میں دو سنت پڑھنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ ایک زنبور (بھڑ) نے ۱۶' ۱۷ جگہ کاٹ لیا۔ کسی نے پوچھا آپ نے ایسا کیوں ہونے دیا جلدی کیوں نہ نماز ختم کی تو فرمایا کہ میں نے ایک صورت شروع کر لی تھی میں نے پسند کیا کہ اس کو پورا کرلوں۔ آپ کے مناقب میں سے ہے کہ حضرت محمد بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ امام بخاری نبی کریم ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں جس جگہ سے نبی کریم ﷺ قدم مبارک اٹھاتے ہیں بالکل اسی جگہ امام بخاری قدم رکھتے ہیں انتھیٰ امام بخاری کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک دفعہ بغداد تشریف لے گئے علماء نے یوں امتحان لیا کہ دس محدثوں میں سے ہر ایک نے دس دس حدیثیں الٹ پلٹ کر کے امام بخاری کو سنائیں ہر ایک کے ساتھ فرماتے رہے لااعرفہ جب سو حدیثیں سن چکے تو اسی ترتیب سے سو کی سو حدیثیں دہرا دیں۔ پہلے غلط پھر صحیح امام بخاری کسی کی حدیث کی کاپی ایک دفعہ دیکھ کر یاد فرما لیتے تھے ۲۵۰ھ میں امام بخاری نیسا پور تشریف لائے تو ان کے استاد محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد ذھلی نے اور شہر کے محدثین نے استقبال فرمایا اور استاد صاحبؒ نے لوگوں کو امام بخاری سے حدیثیں پڑھنے کا مشورہ دیا تیسرے

دن کے بعد ایک شخص نے سوال کیا ماتقول فی اللفظ بالقران مخلوق او غیر مخلوق' تین دفعہ اعراض فرمایا اس نے پھر بھی اصرار کیا تو فرمایا کہ القران کلام الله غیر مخلوق و افعال العباد مخلوقته والامتحان بدعة اس شخص نے شور مچانا شروع کر دیا کہ امام بخاری بھی کہتے ہیں لفظی بالقران مخلوق۔ اس شور اور فتنے سے امام بخاری اور امام ذھلی میں مخالفت شروع ہوگئی کیونکہ امام ذھلی لفظی بالقران مخلوق کہنے کو بہت برا سمجھتے تھے اور ایسا کہنے والے کو معتزلی یا معتزلہ کی تائید کرنے والا سمجھتے تھے کیونکہ معتزلہ کلام اللہ کو حادث مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی کلام کا کوئی درجہ قدیم نہ مانتے تھے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کلام اللہ کے دو درجے ہیں نفسی اور لفظی جیسے کوئی کلام کرنے والا پہلے ذہن میں سوچتا ہے پھر کلام کرتا ہے اس ذہن والی کلام کو کلام نفسی اور تلفظ والی کلام کو کلام لفظی کہتے ہیں انسان میں تو یہ دونوں درجے حادث ہیں لیکن حق تعالیٰ کی کلام نفسی حق تعالیٰ کی صفت ازلی ابدی ہے اور قدیم ہے البتہ کلام لفظی جو نبی کریم ﷺ پر اتاری گئی اور لکھی گئی اور ہم تک پہنچی ہم پڑھتے اور لکھتے اور حفظ کرتے ہیں یہ حادث ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اصل مسلک تو وہی تھا جو جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا تھا لیکن ان کے زمانہ میں معتزلہ کا فتنہ بہت زیادہ تھا اس لئے امام احمد لفظی بالقران مخلوق کہنے کو معتزلہ کی تائید سمجھتے تھے حتیٰ کہ معتزلہ کے زیر اثر بعض خلفاء نے یہ الفاظ امام احمد سے کہلوانے کے لئے کوڑے چالیس کے قریب مارے لیکن امام احمد نے یہ لفظ نہ کہے امام ذھلی اور امام بخاری دونوں امام احمد کے شاگرد تھے امام ذھلی بھی ان الفاظ کے تلفظ کو بہت برا سمجھتے تھے جب لوگوں نے امام ذھلی سے یہ کہہ دیا کہ امام بخاری بھی یہ لفظ کہتے ہیں تو وہ ان کے مخالف ہو گئے اور یہ مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص محمد بن اسماعیل کے پاس جائے ہم اس سے نہ بولیں گے۔ امام مسلم کے سوا امام ذھلی کے باقی شاگردوں نے امام بخاری کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ امام مسلم نے امام ذھلی کی سب روایات جو لکھی ہوئی تھیں ایک مزدور کو دیں کہ یہ امام ذھلی کے گھر پہنچا آؤ اور امام ذھلی کے ہاں جانا چھوڑ دیا اور پھر نہ امام ذھلی سے کوئی روایت آگے نقل کی نہ امام بخاری سے۔ امام بخاری نے ۳۰ روایتیں امام ذھلی سے اپنی صحیح بخاری میں درج کیں لیکن نام محمد بن یحییٰ ذھلی جو اصل مشہور نام تھا وہ نہ لیا کسی جگہ صرف محمد لے لیا کسی جگہ محمد بن عبداللہ کسی جگہ محمد بن خالد لے لیا پھر امام بخاری نیساپور سے اپنے اصلی وطن بخاریٰ منتقل ہو گئے۔ ایک دفعہ بخاریٰ کے حاکم نے امام بخاری کو پیغام بھیجا کہ آپ میرے پاس آیا کریں اور اپنی کتابیں مجھے سنایا کریں۔ امام بخاری نے اس سے انکار کر دیا تو اس حاکم نے امام بخاری کو شہر بخاریٰ سے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ امام بخاری خرتنگ تشریف لے گئے وہاں اپنے بعض رشتہ داروں کے ہاں قیام فرمایا یہ بستی سمرقند شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر ہے کچھ عرصہ کے بعد سمرقند کے لوگوں نے امام بخاری کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ سمرقند شہر میں قیام فرماویں اور حدیث کا درس جاری فرماویں اس دعوت کو امام بخاری نے قبول فرما لیا اور عید الفطر کی رات کو عشاء کے بعد سمرقند تشریف لے جانے لگے عمامہ باندھا موزے پہنے بیس قدم چلے تا کہ سواری پر سوار ہو سکیں لیکن پھر ضعف محسوس فرمایا واپس آ کر دعا فرمائی لیٹ گئے اور وصال فرما گئے اللہ تعالیٰ انہیں درجات عالیہ سے نوازیں اور ہمیں بھی ان کی معیت نصیب فرماویں۔ آمین یا رب العالمین وصلی الله علی خیر خلقه محمد واله واصحابه واتباعه اجمعین. ۹۰ ہزار حضرات نے امام بخاری سے بلا واسطہ صحیح بخاری پڑی ہے اور ایک وقت میں بعض دفعہ بیس ہزار سے بھی زائد حدیث پڑھنے والے امام بخاری کے پاس جمع ہو جایا کرتے تھے۔ **مذہب امام بخاری:** ۱- تاج الدین سبکی نے ان کو شافعی المذہب قرار دیا ہے۔ ۲- دوسرا قول یہ ہے کہ مستقل مجتہد تھے اور ان کی کتاب سے اسی دوسرے قول کی ہی تائید ہوتی

ہے کیونکہ انہوں نے اپنی پوری کتاب میں امام شافعی کا نام تک نہیں لیا نہ اسانید میں نہ مذاہب میں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کا نام بھی نہیں لیا البتہ امام مالک اور امام احمد کا اسانیدؔ میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اپنے مقتدیٰ ہونے کی حیثیت سے کہیں ذکر نہیں کیا اس لئے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کسی دوسرے امام کے مقلد نہ تھے بلکہ مستقل مجتہد تھے۔ پھر یہ بھی نہیں سنا گیا کہ کسی نے امام بخاری کی تقلید کی ہو اور بہت سے مجتہدین کی طرح ان کا مذہب بھی تفصیل سے مدون نہیں کیا گیا یہ تو ائمہ اربعہ ہی کو فضیلت دی گئی ہے کہ ان کے سب اصول اور فروح متداولہ مدون ہیں اور ہم تک تواتر سے پہنچ گئے ہیں اسی لئے امت کا اتفاق ہے کہ ان چار اماموں کے مذاہب سے باہر نکلنا خرق اجماع ہے۔

افضلیت صحیح البخاری علی صحیح مسلم

کثرت سے بڑے درجہ کے علماء نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی ہے اور ابوعلی نیشاپوری نے جو فرمایا ہے تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم تو اس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ صحیح بخاری اس سے بہتر نہیں ہے یہ نہ نکلا کہ برابر بھی نہیں ہے یا یوں کہیں گے کہ ابوعلی کی مراد کیا ہے اس میں دونوں احتمال ہیں۔

۱- صحیح مسلم کے برابر کوئی کتاب نہیں۔

۲- اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں جب دونوں احتمال ہیں تو یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کے نزدیک صحیح مسلم راجح ہے۔ اور صحیح بخاری کا درجہ صحیح مسلم سے کم ہے۔ ایسے ہی ابن حزم کی عرف جو منسوب ہے کہ وہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر راجح قرار دیتے تھے تو ان کی اپنی کلام سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ صرف اس لئے راجح قرار دیتے تھے کہ مسلم میں حدیث اور غیر حدیث کو یکے بعد دیگرے ذکر نہیں کیا گیا بلکہ مقدمہ کے بعد بس حدیث ہی حدیث ہے گویا کلی طور پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ ایسے ہی مسلم بن قاسم قرطبی نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے متعلق فرمایا ہے لم یضع احد مثلہ اس کے معنی بھی صرف حسن ترتیب میں فضیلت دینا ہے۔ کلی فضیلت ثابت کرنا مقصود نہیں ہے پھر صحیح بخاری میں ۸۰ راوی متکلم فیہ ہیں اور صحیح مسلم میں ۱۶۰۔ ان سے دگنے ہیں اگر چہ اعتراضات ایسے نہیں ہیں کہ حدیث صحیح نہ رہے لیکن غیر متکلم فیہ بہر حال متکلم فیہ سے اولیٰ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ متکلم فیہ راوی جو صحیح بخاری میں ہیں یہ امام بخاری کے بلاواسطہ استاد ہیں کہ ان کے حالات امام بخاری پر بالکل واضح تھے اور صحیح مسلم میں ایسے متکلم فیہ راوی امام مسلم کے استاد بذریعہ وسائط ہیں بلا واسطہ نہیں ہیں اور جو حضرات صحیح مسلم کو ترجیح دیتے ہیں ان کے پاس ترجیح کی ایک وجہ یہ ہے کہ دو سندوں کا ذکر کر کے ہر ایک کے الفاظ امام مسلم نے الگ الگ بیان کئے ہیں اور امام بخاری نے صرف ایک کے الفاظ بیان کر دیئے ہیں کیونکہ معنی کا فرق نہیں ہے یہ دونوں طرز جائز تو ہیں لیکن پہلا جو امام مسلم نے لیا ہے وہ اولیٰ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام مسلم ایک حدیث کے مختلف الفاظ یکجا بیان کر دیتے ہیں اور امام بخاری اس کو متفرق بابوں میں بیان کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ امام بخاری ایک حدیث کو ایسی جگہ بیان فرماتے ہیں کہ جہاں اس حدیث کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہوتی اسی لئے بعض تلاش کرنے والے کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کے فلاں الفاظ بخاری شریف میں نہیں ہیں حالانکہ ہوتے ہیں لیکن ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں ان کے ہونے کا عموماً کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ حاصل یہ کہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک بعض وجوہ سے صحیح بخاری افضل ہے اور بعض وجوہ سے صحیح مسلم افضل ہے جیسا کہ حافظ عبدالرحمن بن علی الربیع الیمنی الشافعی فرماتے ہیں۔

تنازع قوم فی البخاری و مسلم
لدی وقالوا ای ذین یقدم
فقلت لقد فاق البخاری صحة
کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

اور علماء کی دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ مجموعی طور پر صحیح

بخاری افضل ہے ان حضرات کی دو دلیلیں تو گزر رہی چکی ہیں ۱۔ صحیح بخاری میں متکلم فیہ کم ہیں۔ ۲۔ جو ہیں وہ بھی بلاواسطہ استاد ہیں ان دو دلیلوں کے علاوہ ان حضرات کے پاس کچھ اور دلائل ترجیح بھی ہیں مثلاً ۳۔ امام بخاری کے نزدیک عن والی روایت میں استاد اور شاگرد کی ملاقات کا کسی ایک سند میں بالفعل پایا جانا بھی ضروری ہے جس کو فعلیت لقاء کہتے ہیں اور امام مسلم کے نزدیک دونوں کا ہم عصر ہونا سند کے متصل ہونے کے لئے کافی ہے جس کو امکان لقاء کہتے ہیں بالفعل ملاقات کا ذکر کسی سند میں ضروری نہیں۔ امام بخاری کے اس طرز میں زیادہ احتیاط ہے اس لئے یہ بھی ایک وجہ ترجیح ہے۔ ۴۔ بخاری شریف میں استنباطات فقہیہ بہت کثرت سے ہیں جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔ ۵۔ بخاری شریف میں عجیب وغریب نکات ہیں جو مسلم شریف میں نہیں ہیں۔ ۶۔ ایسے ایسے تراجم امام بخاری نے باندھے ہیں جو صحیح معنی میں محیر العقول اور انتہائی عمیق ہیں۔ مسلم شریف میں یہ نہیں ہیں۔ ۷۔ بخاری شریف کے ابواب کی ترتیب مسلم شریف سے اچھی ہے۔ ۸۔ امام بخاری نے طبقہ اولیٰ کے راویوں کے علاوہ جو طبقہ ثانیہ کے راوی لئے ہیں وہ انتخاب کے بعد لئے ہیں اور امام مسلم نے طبقہ ثانیہ کے راوی بلا انتخاب لئے ہیں اس لحاظ سے بھی بخاری شریف کی سندیں زیادہ قوی ہیں۔ ۹۔ علوم سنت کی جو جامعیت صحیح بخاری میں ہے صحیح مسلم میں وہ نہیں ہے۔

فضائل صحیح بخاری

۱۔ اس پر امت کا اجماع ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح یہی کتاب ہے اسکے بعد صحیح مسلم اور اسکے بعد باقی صحاح ستہ ہیں۔

۲۔ محمد بن احمد مروزی فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے ابو زید تم کب تک کتاب الشافعی پڑھاؤ گے اور میری کتاب نہ پڑھاؤ گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کتاب کونسی ہے فرمایا جامع محمد بن اسمٰعیل۔

۳۔ جب بھی کسی حاجت کے پورا کرنے کے لئے پڑھی گئی تو وہ حاجت پوری ہوتی رہی ہے۔

۴۔ طاعون میں جس گھر میں پڑھی جائے اس گھر والے طاعون سے محفوظ رہتے ہیں۔

۵۔ استسقاء میں مفید ہے

۶۔ جو حدیث بھی اس میں ہے اس کے صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

صحیح بخاری اور دیگر صحاح ستہ کے طرز میں فرق

صحاح ستہ میں سے ہر ایک کا طرز الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

طرز بخاری

۱۔ امام بخاری سے پہلے مصنفین کتب کا طرز یہ تھا کہ وہ عموماً ایک یا دو فنون کو جمع کرتے تھے مثلاً امام مالک اور امام ثوری نے فقہ میں تصنیف فرمائی ابن جریج نے تفسیر میں ابو عبیدہ نے غریب القرآن میں محمد بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیر میں عبداللہ بن المبارک نے زہد میں اور مواعظ میں امام کسائی نے بدأ الخلق اور قصص انبیاء علیہم السلام میں یحییٰ بن معین نے احوال الصحابۃ والتابعین میں بعض نے رویا میں۔ بعض نے طب میں بعض نے شمائل میں بعض نے اصول حدیث میں بعض نے اصول فقہ میں بعض نے ردمبتدعین مثلاً جہمیہ کی تردید میں کتابیں لکھیں امام بخاری نے ان سب علوم کو اس کتاب میں جمع فرمایا۔

۲۔ اپنی کتاب کو استنباطات دقیقہ سے بھر دیا۔ اسی لئے احادیث کے ٹکڑے الگ الگ بیان فرمائے تا کہ ہر جگہ موقعہ کے مناسب استنباط ظاہر کیا جا سکے اور استنباطات میں زیادتی ہو۔

۳۔ اصل کتاب میں صرف اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث کو لانے اسی لئے خود فرمایا ما ادخلت فی الجامع الا ما صح انتھی۔

۴۔ صحیح اور غیر صحیح میں یوں بھی فرق کیا کہ جو ان کے نزدیک

صحیح ہے اس کو تو متن میں لے لیا اور جو ان کی شرطوں کے مطابق اعلیٰ درجہ کی صحیح نہ تھی اس کو ترجمۃ الباب میں ذکر کر دیا۔

۵- حضرت عبداللہ بن المبارک حضرت امام ابوحنیفہ کے خصوصی شاگرد تھے۔ امام بخاری حضرت ابن المبارک کی کتابوں کے حافظ تھے۔ اسی لئے فقہ اور حدیث کو جمع کرنے کی توفیق نصیب ہوگئی۔

طرز مسلم:۔ ۱- احادیث صحیحہ کو غیر صحیحہ سے الگ کرنا کہ صحیح احادیث لے لیں غیر صحیح چھوڑ دیں۔

۲- استنباط بالکل نہیں فرمایا۔

۳- احادیث کے متون کو ایک جگہ جمع فرمادیا۔

۴- صحابہ اور بعد کے حضرات کے اقوال کو ذکر نہیں فرمایا۔

۵- اسانید بھی یکجا فرمادیں۔

۶- ابواب بالکل قائم نہیں کئے اور اب جو ابواب مذکور ہیں یہ شارحین حضرات نے قائم فرمائے ہیں

۷- تراجم بھی نہیں لکھے۔

طرز ابی داؤد:۔ ۱- ان احادیث کو جمع فرمایا جن سے فقہا نے استدلال فرمایا تھا۔

۲- بہت ضعیف روایت نہیں لی چنانچہ خود فرمایا' ذکرت فی کتابی حدیثا اجمع الناس علی ترکہ انتھی

۳- تھوڑے ضعف والی جو روایتیں لائے ہیں تو ان کے ضعف کی تصریح فرمادی ہے۔

۴- جس کو ضعف قرار دیتے ہیں عموماً ضعف کی وجہ بھی ظاہر فرمادیتے ہیں۔

۵- جس حدیث پر سکوت فرماتے ہیں وہ استدلال کے قابل ہوتی ہے۔

۶- جن حدیثوں پر فقہ کا مدار ہے تقریباً ان سب کو جمع فرمانے کی کوشش فرمائی ہے اسی لئے امام غزالی اور بعض دوسرے اکابر نے تصریح کی ہے کہ سنن ابی داؤد مجتہد کے لئے بالکل کافی ہے۔

۷- قال ابوداؤد کا عنوان قائم کر کے فقہ اور حدیث کے عمیق مباحث بیان فرمائے ہیں۔

۸- بعض موقعوں میں ایک باب میں ایک مسئلہ کی منسوخ روایات کو ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد والے باب میں اسی مسئلہ کی ناسخ حدیثیں ذکر فرما کر بتلا دیا ہے کہ اس مسئلہ میں اس طرح سے نسخ جاری ہوا ہے۔

۹- بعض دفعہ کسی حدیث پر کوئی اشکال ہوتا ہے، تو باب کا عنوان ایسا بنادیتے ہیں کہ وہ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

۱۰- چونکہ یہ کتاب من قبیل السنن ہے اس لئے اس کی ترتیب وہی ہے جو فقہ کی کتابوں کی ہوتی ہے کہ پہلے کتاب الطہارۃ پھر کتاب الصلوٰۃ وغیرہ

۱۱- اہم مسائل میں ہر امام کے لئے الگ باب باندھ کر اس باب میں اس امام کے دلائل جمع فرمادیئے ہیں۔

طرز ترمذی:۔ ۱- انہوں نے امام بخاری امام مسلم اور امام ابوداؤد تینوں کے طرز کو جمع فرمانے کی کوشش فرمائی ہے چنانچہ ۱- امام بخاری کے طرز پر تمام انواع علوم کو جمع فرمانے کی کوشش فرمائی ہے۔

۲- ایک حدیث کے مختلف الفاظ کو یکجا جمع فرمایا ہے جیسا مسلم شریف کا طرز ہے۔

۳- امام ابوداؤد کی طرح اہم مسائل میں ہر امام کے لئے الگ الگ باب بھی باندھے ہیں۔

۴- مذاہب صحابہ وتابعین وفقہا بھی ذکر فرمائے ہیں۔

۵- ایک خاص طرز کا اختصار بھی اختیار فرمایا ہے کہ زیادہ تر ہر باب میں ایک حدیث مفصل بیان فرما کر اس کے مؤیدات کی طرف یوں اشارہ کر دیا کہ فی الباب کذالکھ کر اس مضمون کی باقی حدیثوں کی طرف اشارہ فرمادیا۔

۶- ہر حدیث کا درجہ بھی متعین فرمادیا کہ حسن ہے یا صحیح ہے یا ضعیف ہے۔

۷- ضعیف حدیث کے ضعف کی وجہ بھی بیان فرمادیتے ہیں۔

۸- جس راوی کی کنیت معلوم کرنے کی ضرورت ہو اس کی کنیت بیان فرما دیتے ہیں، اور جس راوی کا نام بیان کرنے کی ضرورت ہو اس کا نام بیان فرما دیتے ہیں

۹- ترتیب ابواب بھی نہایت عمدہ ہے ۱۰- تکرار سے بچنے کا بھی بہت اہتمام فرمایا ہے۔

طرز نسائی:۔ انہوں نے امام بخاری اور امام مسلم کے طریقوں کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

۱- امام بخاری کے طرز کو لیتے ہوئے عمدہ تراجم قائم فرمانے کی کوشش فرمائی ہے جن میں کچھ استنباطات بیان فرمائے ہیں۔

۲- امام مسلم کا طرز لیتے ہوئے ایک حدیث کے مختلف الفاظ کو جمع فرمایا ہے۔

۳- صحیحین کے بعد انکی کتاب میں ضعیف حدیثیں بہت کم ہیں۔

۴- اختلف علی فلاں کے عنوان سے اسانید کے اختلاف کو بیان کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔

طرز ابن ماجۃ:۔ ۱- ابواب فقہ کی کتاب کے طرز پر رکھنے کی بہت زیادہ کوشش فرمائی ہے۔ ۲- زائد حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ ۳- جس حدیث کے نقل کرنے میں ابن ماجہ منفرد ہوں اس کو ضعیف شمار کیا جاتا ہے اسی لئے بعض حضرات نے صحاح ستہ میں چھٹی کتاب ابن ماجہ کی جگہ موطا امام مالک اور بعض نے مسند دارمی کو شمار فرمایا ہے۔

معنیٰ قولھم علی شرط الشیخین

۱- اس کے سب راوی شیخین والے ہیں اور سب شرطیں بھی شیخین والی موجود ہیں۔ ۲- اس حدیث کے راوی شیخین کے راویوں جیسے ہیں عدالت میں اور ضبط میں اور شاذ نہ ہونے میں ان دونوں قولوں میں سے پہلے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

عادات البخاری فی التراجم

۱- سب سے زیادہ تراجم کی صورت یہ ہے کہ ترجمۃ الباب دعویٰ ہوتا ہے اور اس کے بعد آیت اور حدیث اس دعویٰ کی دلیل ہوتے ہیں۔ ۲- کبھی مقصود حدیث عام کو قید لگا کر مقید کرنا ہوتا ہے کہ مراد عام حکم نہیں ہے خاص صورت مراد ہے ۳- کبھی غرض تعمیم الحکم بالقیاس ہوتی ہے۔ ۴- کبھی یہ مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔ ۵- ترجمۃ الباب میں آیت ہوئی ہے اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کی جو حدیث آتی ہے گو اس کی سند میری شرط پر نہیں ہے لیکن حدیث کا مضمون ثابت ہے کیونکہ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ ۶- کبھی امام بخاری کچھ اقوال صحابہ و تابعین ذکر کرتے ہیں ان کی باب سے معمولی مناسبت ہوتی ہے جس کو استیناس کہتے ہیں بعض حضرات ان اقوال کو ترجمۃ الباب کی دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں یا تو تکلف فرماتے ہیں یا پھر مصنف پر اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ تو دلیل بنتی نہیں۔ حقیقت میں وہ دلیل ہوتی ہی نہیں۔ ۷- کبھی مقصود اس مضمون کا لازم ہوتا ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہوتا ہے مثلاً باب **مایقول بعد التکبیر** اس کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ وہ دعا بتلانی مقصود ہے جو تکبیر کے بعد پڑھی جائے یعنی تعین ثناء لیکن مقصود اس کے لازمی معنی ہیں کہ مذکورہ دعاؤں میں سے جو بھی پڑھ لو یا ترک ثناء کر لو تب بھی صحت صلوٰۃ کے لئے کافی ہے اس معنی کے لحاظ سے اس باب میں جو تین روایتیں مذکور ہیں وہ تینوں باب سے منطبق ہو جاتی ہیں اور ظاہری معنی لیں تو منطبق نہیں ہوتیں۔ ۸- کبھی ایسی حدیث کے الفاظ کو ترجمۃ الباب بناتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہوتی پھر اس کی تائید میں وہ روایت لاتے ہیں جو ان کی شرط پر ہوتی ہے مقصود دونوں کے مضمون کو ثابت کرنا ہوتا ہے مثلاً باب اثنان فما فوقھما جماعۃ اور یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ثابت ہے لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے تو حدیث لائے اس کے ماتحت **فاذنا واقیما ولیؤ تکما احد کما** اس سے مقصود ترجمۃ الباب والی حدیث کے مضمون کو ثابت کرنا ہے۔ ۹- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث کے الفاظ ایک سے زائد قسم کے ہوتے ہیں اس باب میں ایک قسم کے

الفاظ ہوتے ہیں لیکن ترجمۃ الباب کی مطابقت دوسری قسم کے الفاظ سے ہوتی ہے جو دوسری جگہ مذکور ہوتے ہیں اس مذکور حدیث سے دوسری قسم کے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ۱۰- دو حدیثوں میں تعارض ہوتا ہے ان میں سے ایک حدیث کو لاتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن سے اس مذکور حدیث کی توجیہ ہو جاتی ہے اور اس توجیہ سے تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ ۱۱- کبھی ترجمۃ الباب میں استفہام ہوتا ہے تا کہ ناظر خود ترجیح دے لے یا فی الحال توقف کرے جب مرجح مل جائے تو ترجیح دے لے۔ ۱۲ کبھی صرف متعارض احادیث وآثار ذکر کر کے چھوڑ دیتے ہیں کہ ناظر خود ترجیح دے اور مسئلہ اختلافی ہوتا ہے۔ ۱۳- بعض دفعہ ظاہر طور پر ترجمہ کا کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا جس کی وجہ کسی خاص چیز کا نہ جاننا ہوتا ہے مثلاً بعض ابواب میں امام بخاری نے مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کے ابواب پر رد فرمایا ہے تو وہاں فائدہ اسی وقت ظاہر ہوگا جبکہ پہلے ان دونوں کتابوں کے بابوں کو دیکھ لیا جائے۔ ۱۴ کبھی لفظ باب لکھ دیتے ہیں اور ساتھ عنوان قائم نہیں فرماتے وہ باب کا لفظ صرف فصل کے لئے ہوتا ہے کہ مابعد بھی ماقبل کے قریب قریب ہی ہے اور ماقبل کا تتمہ ہے زیادہ تر تو یہی ہوتا ہے البتہ کبھی کبھی یہ بھی مقصد ہوتا ہے کہ ناظر اپنے نظر وفکر کو دوڑائے اور ذہن تیز کرے اور استنباط کر کے خود کوئی عنوان قائم کرے۔ ۱۵- کبھی باب کا ترجمہ اور آیت یا اثر یا حدیث بلا سند ذکر کر دیتے ہیں۔ اصل حدیث یا سند ذکر نہیں فرماتے وہاں یا تو یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کی کوئی حدیث مجھے میری شرطوں پر نہیں ملی یا ناظر کے ذہن کو چلانا مقصود ہوتا ہے کہ آگے یا پیچھے اس مضمون کی حدیث مذکور ہے غور وفکر کر کے خود لگا لو یا حدیث بالکل ظاہر ہوتی ہے اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے اس کو دوبارہ اس باب میں ذکر نہیں کیا گیا۔ ۱۶- کبھی صرف ترجمۃ الباب بیان فرما دیتے ہیں اس کے بعد کچھ بھی نہیں ہوتا اور نیا باب شروع ہو جاتا ہے وہاں یا تو یہ مقصود ہوتا ہے کہ حدیث آگے یا پیچھے اسی مضمون کی مذکور ہے ناظر کے ذہن کو تیز کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ خود تلاش کرے اور یا وہ حدیث بالکل ظاہر ہوتی ہے صرف تکرار سے بچنے کے لئے اس باب میں ذکر نہیں کی جاتی بہر حال امام بخاری کے تراجم محیر العقول ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ فقہ البخاری فی التراجم۔

اعیا فحول العلم حل رموزما
ابداہ فی الابواب من اسرار

درجات الحدیث فی الصحۃ

۱۔ سب سے اونچا درجہ حدیث الصحیحین کا ہے۔ ۲۔ جو صرف بخاری شریف میں ہو۔ ۳۔ جو صرف مسلم شریف میں ہو۔ ۴۔ علی شرط الشیخین۔ ۵۔ علی شرط البخاری۔ ۶۔ علی شرط مسلم۔ ۷۔ ماھو صحیح علی شرط غیرھما۔

صحیح بخاری کی تاریخی حالات

۱۔ صحیح بخاری کا پورا نام یہ ہے الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ۔ ۲- یہ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ ۳- یہ حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہے جسمیں صرف مرفوع روایتیں ہی اصل مقصود ہوں اور صرف صحیح روایتیں ہی اصل مقصود ہوں۔ ۴- اس کی کل احادیث سات ہزار دو سو پچھتر ہیں۔ (۷۲۷۵) اور بلا تکرار تقریباً چار ہزار ہیں (۴۰۰۰) **تعلیقات البخاری:**۔ سوال امام بخاری کا ارشاد منقول ہے **ماادخلت فی الجامع الا ماصح** حالانکہ انہوں نے تراجم میں تمریض یعنی مجہول کے صیغہ کے ساتھ بعض غیر صحیح روایات بھی درج کر دی ہیں جواب بخاری شریف میں روایات تین قسم کی ہیں۔ ۱- جو پوری سند کے ساتھ مذکور ہیں یہ بخاری شریف کی اصل راویات ہیں جو امام بخاری کی سخت شرطوں پر پوری اترتی ہیں اور اعلیٰ درجہ کی صحیح روایتیں ہیں۔ ۲- جن کی شروع کی سند نہیں ہوتی اور وہ صیغہ تمریض سے بھی مذکور نہ ہو۔ ان

کوتعلیقات بخاری کہتے ہیں یہ صحیح تو ہوتی ہیں لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہوتیں۔۳۔جن کی سند بھی پوری نہ ہواور صیغہ تمریض کے ساتھ مذکور ہوں یہ تعلیقات بھی نہیں ہوتیں یعنی ان کوتعلیقات البخاری نہیں کہا جاتا یہ صحیح سے کم ہوتی ہیں لیکن باطل محض یہ بھی نہیں ہوتیں ورنہ اپنی اس کتاب میں نہ لاتے اور جوقول سوال میں نقل کیا گیا ہے اس کا تعلق صرف پہلی قسم سے ہے۔

بخاری شریف کی سند

سند کے تین حصے ہیں ۱۔ احقر محمد سرور عفی عنہ کے بخاری شریف میں دو استاد ہیں ایک حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں کے استاد حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ عن، مولانا محمود الحسن الدیوبندی عن، مولانا محمد قاسم النانوتوی عن، الشاہ عبدالغنی عن، الشاہ اسحاق عن، الشاہ عبدالعزیز عن، الشاہ ولی اللہ ۲۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر امام بخاری تک کی سند حضرت شاہ ولی اللہ کے مختلف رسالوں میں ہے اور احقر نے حسن المعبود فی حل سنن ابی داؤد کے اخیر میں انوار المسیح فی اسانید ولی اللہ الی اصحاب الحدیث الصحیح کے عنوان سے تفصیل سے درج کردی ہے۔۳۔امام بخاری سے نبی کریم ﷺ تک کی سند ہر حدیث میں امام بخاری خود بیان فرماتے ہیں اور حدیث کے صحیح اور حسن اور ضعیف ہونے کا اور ایسے ہی متواتر، مشہور، خبر واحد وغیرہ سب اقسام کا تعلق اسی تیسرے حصہ سے ہوتا ہے کیونکہ جب سے اصحاب صحاح ستہ اور دیگر محدثین نے حدیث کی کتابیں مدون فرمادی ہیں اس وقت سے لے کر ہم تک ان سب کتابوں کی حدیثیں درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اسی لئے اس پہلے دو حصوں کا بیان کرنا ضروری نہیں ہے صرف تبرکا اپنے قریب کے اساتذہ کا ذکر کردیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوال حمد وصلوٰۃ کو امام بخاریؒ نے کیوں چھوڑا جبکہ جمہور مصنفین ان دونوں کے ذکر کا اہتمام فرماتے ہیں جواب ۱۔ نبی کریم ﷺ جوخطوط بادشاہوں کولکھا کرتے تھے ان میں حمد وصلوٰۃ نہ تھی ان کا اتباع کیا۔۲۔ نبی کریم ﷺ جومکتوبات اپنے عامل اور ساعی حضرات کولکھا کرتے تھے ان میں بھی حمد وصلوٰۃ نہ ہوتی تھی ان کا اتباع کیا۔۳۔ معاہدوں میں بھی حمد وصلوٰۃ نہ تھی جیسے صلح حدیبیہ کا معاہدہ تھا ان کا اتباع کیا۔امام بخاری نے اپنی کتاب کو تواضعاً ایک خط اور رسالہ کا درجہ دیا جو اہل علم کولکھ کردے دیا تاکہ نفع اٹھائیں۔۴۔اپنے شیوخ جیسے امام مالک اور امام احمد ہیں اور اپنے ہم عصر جیسے امام ابوداؤد ہیں ان کا طرز اختیار کیا امام بخاری نے ۵) اس آیت کا اتباع فرمایا **انه من سليمان وانه بسم الله الرحمٰن الرحيم**. ۶۔ اول وحی کا اتباع کیا **اقرا بسم ربک الذی خلق** اور یہ اول کتاب کے نہایت مناسب ہے کیونکہ پہلا باب بھی بدء الوحی کا ہی آرہا ہے۔

باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم

۱۔بعض نسخوں میں یہاں لفظ باب نہیں ہے صرف کیف کان الخ ہے۔باب کے لغوی معنی ہیں ما یتوسل بہ الی غیرہ اور مصنفین کی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں **هو اسم لجملة مختصة من العلم** پھر اس لفظ باب کو تین طرح پڑھا جاسکتا ہے۔۱۔باب ای ہذا باب مبتدا محذوف کی خبر ہے اور تنوین کے ساتھ ہے مابعد سے منقطع ہے۔۲۔باب ای ھذا باب جواب کیف کان بدء الوحی الخ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اس کے بعد مضاف الیہ محذوف ہے جواب جو کہ مضاف ہے کیف مذکور کی طرف۔کیونکہ مقصود سوال نہیں ہے سوال کا جواب مقصود ہے۔۳۔باب سکون کے ساتھ اور وقف کے ساتھ بلا اعراب صرف تعداد کے طور پر جیسے چیزوں کا

ذکر ہو بلاترکیب زید، عمرو، بکر، کتاب، فرس، جدار۔

سوال:۔ باب فرمایا کتاب کیوں نہ فرمایا۔

جواب:۔ یہاں ایک ہی مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے اور کتاب کا لفظ وہاں ذکر کیا جاتا جہاں مختلف قسم کے مسائل اور ابواب اور فصول بیان کرنے مقصود ہوں۔

بدء:۔ یہ لفظ دونوں طرح ثابت ہے ہمزہ کے ساتھ یا بلا ہمزہ واو مشدد کے ساتھ اور اس سے پہلے باء اور دال دونوں پر ضمہ ہے بدو۔ ہمزہ کے ساتھ راجح شمار کیا جاتا ہے کیونکہ بعض نسخوں میں کیف کان ابتداء الوحی بھی ہے نیز اساتذہ سے زیادہ تر ہمزہ کے ساتھ ہی سنا گیا ہے۔

الوحی:۔ لغت میں اس کے معنی ہیں اعلام فی خفاء وسرعۃ وفی الشرع ھو اعلام اللہ تعالیٰ انبیاء ہ شیئا بطریق خفی **بحیث انھم یعلمون بداھۃ وقطعاً** انہ من اللہ تعالیٰ اور وحی کے طرق مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً ۱- اللہ تعالیٰ بلاواسطہ کلام فرمادیں **و کلم اللہ موسیٰ تکلیما** ۲- لکھی ہوئی چیز دے دینا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو الواح توراۃ دی گئیں۔ ۳- فرشتہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے۔ ۴- نبی کو خواب میں کوئی بات بتلادی جائے۔ **انی اریٰ فی المنام انی اذبحک** ۵- دل میں کوئی بات ڈال دی جائے جس کو الہام کہتے ہیں پھر ظہور وخفاء کے لحاظ سے وحی کی دو قسمیں ہیں ۱- الوحی الظاہر اس کی تفصیل تو وہی ہے جو بھی پانچ صورتوں میں بیان کی گئی۔ ۲- الوحی الباطن اس کا مصداق اجتہاد نبی ہوتا ہے جس پر نبی کو باقی رکھا جائے کیونکہ نبی کے اجتہاد میں غلطی ہو تو وہ وحی کے ذریعہ سے بتلادی جاتی ہے اگر تردید نازل نہ ہو یا تائید نازل ہو جائے تو وہ حکم بھی وحی باطن میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **وماینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحیٰ** اس آیت میں لفظ یوحیٰ شبہ کے ازالہ کے لئے بڑھایا گیا ہے کہ شاید وحی کے کوئی مجازی معنی مراد ہوں جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولا طائر یطیر بجناحیہ الاامم امثالکم**۔ اس آیت میں یطیر بجناحیہ اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ تیز گھوڑے کو بھی طائر مجازاً کہہ دیتے ہیں اس کو نکالنا مقصود ہے ایسے ہی کلام صادق فصیح کو بھی وحی کہہ دیتے ہیں اس لئے یوحیٰ بڑھا کر اس کو نکال دیا گیا پھر وحی اور ایحاء میں فرق ہے کہ وحی تو مختص بالانبیاء علیہم السلام ہے اور ایحاء کا لفظ انبیاء علیہم السلام کے غیر پر بھی بولا جاتا ہے **واوحیٰ ربک الی النحل** ایسے ہی لفظ رسالت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور ارسال دوسروں پر بھی بولا جا سکتا ہے **وارسلنا الشیاطین علی الکافرین** ایسے ہی نبوۃ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور ارسال دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے **ینبئکم بما کنتم تعملون** پھر کشف اور الہام میں بھی فرق ہوتا ہے کہ الہام کے معنی ہیں **القاء شیء فی القلب بلا نظر و فکر و بلا سبب ظاھر والکشف ھو رفع الحجاب عن الشی المستور الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:**۔ اس قید کا یہ فائدہ ہے کہ مطلق وحی کی کیفیت بتلانی مقصود نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی کیفیت بتلانی مقصود ہے۔ سوال:۔ فضائل القرآن میں ایک باب آئے گا **کیف نزل الوحی من اللہ تعالیٰ و اول مانزل من القرآن** پس اس باب اور اس باب میں تکرار پایا گیا۔ جواب:۔ وہاں وہ آیات بتلانی اصل مقصود ہیں جو سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور یہاں کیفیت وحی اور شرائط وحی بتلانی مقصود ہیں اس لئے تکرار نہ ہوا۔

یہ باب شروع میں لانے کی وجہ

۱- وحی شریعت کا دارومدار ہے اس لئے ابتداء وحی کا ذکر حدیث کی کتاب کے شروع میں مناسب ہے کیونکہ حدیث بھی مدار شریعت ہے۔ ۲- خود وحی ایک خیر وبرکت ہے ایسی برکت کی چیز کا ذکر ابتداء کتاب میں تبرکاً مناسب ہے۔ **ابتدائی ابواب میں مناسبت:**۔ حضرت انور شاہ صاحب نے یوں بیان فرمائی کہ سب سے پہلے اول معاملۃ الرب مع العبد بیان کیا یعنی

وحی تو مناسب ہوا کہ اول معاملۃ العبد مع الرب بیان کیا جائے اس لئے کتاب الایمان لائے پھر ایمان مقدمہ علم ہے اور علم مقدمہ عمل ہے اس لئے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم لائے اور عمل میں سب سے افضل نماز ہے اور نماز طہارت پر موقوف ہے اس لئے کتاب العلم کے بعد کتاب الوضو اور اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ لائے۔ انتھی پھر اعمال میں سے نماز سب سے افضل کیوں ہے اس لئے کہ سب اعمال میں سے عبادات کا درجہ اونچا ہے کیونکہ ان میں توجہ الی اللہ ہے پھر عبادات میں سے نماز اس لئے مقدم ہے کہ ۱- اس کے فضائل قرآن وحدیث میں بہت وارد ہوئے ہیں۔ ۲- قرآن پاک میں نماز کا ذکر بہت زیادہ ہے۔ ۳- اس میں بہت جامعیت ہے کیونکہ پوری مخلوق کی عبادت اس میں جمع ہے درخت کھڑے ہو کر چوپائے رکوع میں رینگنے والے جانور سجدہ میں پہاڑ ٹیلے اور عمارتیں قعدہ کی حالت میں عبادت کرتی ہیں یہ سب صورتیں ہماری نماز میں جمع ہیں۔ پھر دوسری وجہ جامعیت کی یہ بھی ہے کہ کسی کو راضی کرنے کے لئے انسان کبھی کھڑا ہو کر منت سماجت کرتا ہے کبھی گھٹنے پکڑ کر کبھی پاؤں پکڑ کر کبھی ادب سے بیٹھ کر یہ سب بھی نماز میں جمع ہیں تیسری وجہ جامعیت کی یہ ہے کہ اسلام کی سب عبادات بھی نماز میں جمع ہیں مثلاً نماز میں کھانے پینے کے روزے سے بھی بڑھ کر بولنے' ہنسنے' رونے گفتگو کرنے' چلنے وغیرہ کا بھی روزہ ہوتا ہے حج کی حقیقت حضور بحضرۃ اللہ اور تعلق بیت اللہ ہے یہ بھی نماز میں موجود ہے۔ قربانی اور جہاد کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے کو فنا کر دینا ہے نماز میں یہ بھی ہے کہ سجدہ میں انسان ناک اور ماتھا زمین پر رکھ دیتا ہے جو انسان کے اعلیٰ حصے ہیں یہ اپنے آپ کو فنا کرنا ہے۔ زکوٰۃ کی حقیقت ہے نیکی میں مال خرچ کرنا' نماز کے لئے بھی مسجد بنانے کپڑے بنانے کپڑے پاک کرنے' وضو کا انتظام کرنے میں کچھ نہ کچھ خرچ کرنا ہوتا ہے۔ اعتکاف کی حقیقت گناہوں سے بچنا ہے۔ **المعتکف من یعتکف الذنوب کلھا** اور نماز بھی گناہوں سے بچاتی ہے **ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر**۔ اس لئے نماز اسلام کی سب عبادات کے لئے جامع ہے ایک وجہ جامعیت کی یہ بھی ہے کہ فرشتے جو عبادت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ کچھ ہمیشہ کھڑے رہتے ہیں کچھ ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں کچھ سجدے میں اور کچھ قعود میں۔ ان سب کی عبادت ہماری نماز میں جمع ہے پھر نماز کی شرطوں میں سے طہارت اور وضو کے علاوہ استقبال قبلہ اور ستر عورت وغیرہ بھی تو ہیں لیکن عنوان امام بخاری اور دیگر مصنفین کتاب الطہارۃ اور کتاب الوضوء کا رکھتے ہیں کیونکہ شریعت میں طہارت اور پاکی اور صفائی کا بہت زیادہ اہتمام ہے حتیٰ کہ ایک حدیث پاک میں وارد ہے۔ **نظفوا فنیتکم ولاتشبھوا بالیھود** کہ اپنے گھر کے باہر سامنے کی جگہ بھی پاک صاف رکھو اس سے نکل آیا کہ اندرونی صحن بطریق اولیٰ پاک صاف رکھو اور کمرہ اس سے بھی زیادہ پاک صاف رکھو کیونکہ کمرہ صحن سے زیادہ استعمال میں آتا ہے اور پھر کمرہ میں سے جو جگہ بیٹھنے میں زیادہ آتی ہے اس کو پاک صاف رکھنے کا اس سے بھی بڑھ کر حکم نکل آیا اور پھر انسان جو کپڑے پہنتا ہے ان کا تعلق تو بیٹھنے کی جگہ سے بھی زیادہ ہے اس لئے ان کو پاک صاف رکھنے کی تاکید اسی حدیث پاک سے اور بھی زیادہ ثابت ہوئی اور کپڑوں سے بھی زیادہ خود بدن کے پاک صاف رکھنے کی تاکید نکلی اور ظاہری میل کچیل سے زیادہ گناہوں کی گندگی سے بدن کو پاک صاف رکھنے کا حکم نکلا اور بدن کی طہارت سے زیادہ روح اور دل کی طہارت کا حکم اسی جامع حدیث پاک سے نکل آیا کہ اپنے دل اور روح کو برے عقیدوں اور برے اخلاق سے پاک صاف رکھو چونکہ شریعت میں طہارت کا اتنا زیادہ اہتمام ہے اس لئے نماز کے مقدمہ کے تمام مباحث کا نام کتاب الطہارۃ اور کتاب الوضو رکھا جاتا ہے......

کیف کا استفہام:۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیف کا استفہام اختیار فرمایا اور سب سے پہلے باب کا عنوان خبر کی

صورت میں نہ رکھا اس کی وجہ یہ ہے کہ استفہام میں وہ مبالغہ اور تفخیم و تعظیم ہوتی ہے جو خبر میں نہیں ہوتی۔

وقول اللہ جل ذکرہ انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہ

اس لفظ قول کوا- مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں قول مبتدا ہوگا اور انا اوحینا خبر ہوگی۔ ۲- مجرور پڑھیں تو کیف پر عطف ہوگا ای باب معنی قول اللہ جل ذکرہ انا اوحینا الایة. پھر یہ آیت یہاں کیوں ذکر فرمائی اس کی وجہ۔ ا- یہ بتلانا مقصود ہے کہ وحی کا نزول صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی پرانی سنت فی الانبیاء علیہم السلام ہے۔ ۲- یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبوت کی شرط وحی ہے ہر نبی کے لئے کتاب شرط نہیں ہے۔ ۳- نبی کریم ﷺ کی وحی پہلے نبیوں کی وحی کے مشابہ ہے جیسے وہ وحی رسالت تھی وحی الہام نہیں تھی ایسے ہی یہ بھی وحی رسالت ہے وحی الہام نہیں ہے۔ ۴- اس مناسبت سے بھی یہ آیت ذکر فرمائی کہ ظاہر ہو جائے کہ جیسے نوح علیہ السلام پوری انسانیت میں سب سے پہلے داعی الی الحق والتوحید وترک الشرک والکفر تھے کیونکہ آدم علیہ السلام کی وحی اور نبوت صرف تہذیب و تمدن اور عبادت سکھانے کے لئے تھی ترک کفر کی اس وقت ضرورت نہ تھی کیونکہ کوئی کافر نہ تھا۔ اسی طرح طویل اندھیرے کے بعد نبی کریم ﷺ بھی اول داعی ہیں اور نوح علیہ السلام کی طرح نبی کریم ﷺ کی وحی میں بھی کفار کے لئے انذار اور مومنین کے لئے تبشیر ہے۔ ۵- یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جیسے نوح علیہ السلام کو غلبہ عطا فرمایا گیا اور سب کافروں کو غرق کر دیا گیا ایسے ہی نبی کریم ﷺ کو بھی غلبہ عطا فرمایا گیا۔ ۶- اس وجہ سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو یہاں اختیار فرمایا کہ اس آیت میں وحی کی بعض انواع کا بھی ذکر ہے۔ اعطاء مکتوب اور کلام بلاواسطہ بھی اس آیت میں مذکور ہیں۔ واتینا داؤد و زبورا اور و کلم اللہ موسیٰ تکلیما.

اس بات کی احادیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ

بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس باب میں جو چھ احادیث مذکور ہیں ان میں سے صرف ایک ایسی ہے جس کا تعلق بدء الوحی سے ہے جس میں غار حراء کے واقعہ کی تفصیل ہے باقی پانچ روایات کا تعلق بداء الوحی سے نہیں ہے صرف وحی سے تعلق ہے۔ اس اشکال کے حل کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ ا- پورے باب سے مقصود شان وحی کا بیان ہے۔ شان والی چیز کی ابتداء بھی شان والی ہوتی ہے اس لئے ابتدا کا ذکر ہے کہ جس چیز کی ابتداء عجیب و غریب شان وشوکت والی ہے وہ خود کیسی شان وشوکت اور عظمت وجلال والی ہوگی۔ جب وحی کی شان بیان کرنی مقصود ہے تو سب کی سب احادیث جو اس بات میں ہیں ترجمۃ الباب کے مطابق ہوگئیں۔ ۲- پورے باب سے مقصود تو بدء الوحی کے حالات ہیں لیکن بعض احادیث میں تو بدء الوحی کا ذکر ہے اور بعض میں وحی کا ذکر ہے وحی کے ذریعہ سے پھر بدء الوحی سے تعلق ہو جاتا ہے۔ ۳- باب کے معنی ہیں بدء الدین ای الوحی یعنی بدء کی اضافت وحی کی طرف بیانیہ ہے دین کی ابتداء یعنی وحی کی کیفیت بیان کرنی مقصود ہے۔ ۴- بدء بمعنی مبدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ یعنی کیسے اللہ تعالیٰ نے وحی پہنچائی۔ اس لحاظ سے بھی سب احادیث کا تعلق باب سے بالکل ظاہر ہے۔ ۵- وحی کے ابتدائی حالات کا بیان کرنا مقصود ہے صرف پہلے دن کے حالات کے بیان کرنے مقصود نہیں ہیں اس لحاظ سے بھی سب احادیث باب پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ ۶- مقصود ابتداء بعد فترۃ الوحی ہے یعنی تقریباً چھ سو سال تک وحی نہ آئی پھر کیسے شروع ہوئی اس میں بھی سب حدیثیں مندرج ہو جاتی ہیں۔ انما الاعمال بالنیات والی حدیث کا باب سے تعلق: حدیث میں اخلاص کا ذکر ہے اور

اخلاص نبوت کے مبادی سے ہے کہ اخلاص کامل کی وجہ سے نبوت عطا فرمائی جاتی تھی اس لئے حدیث بدء الوحی کے مناسبت ہوگئی۔

انا اخلصناهم انه من عبادنا المخلصين

۲۔اس حدیث پاک میں ہجرت کا ذکر ہے اور ہجرت کی ایک قسم خلوت میں جانا اور غیر اللہ کی طرف سے توجہ ہٹانا ہے گویا غیر اللہ سے ہجرت کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف چلا گیا اور یہ چیز نبی کریم ﷺ نے غار حراء میں اختیار فرمائی تھی۔۳-اس حدیث میں اخلاص کا ذکر ہے اور اخلاص بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے جیسے وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس مناسبت سے اس اخلاص والی حدیث کو وحی کے باب میں ذکر فرمایا۔۴- حدیث شریف میں ہے کہ **مامن عبد يخلص لله العمل اربعين يوما الاظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه:** معلوم ہوا ہے کہ اخلاص بہت سی چیزوں کے انکشاف کا ذریعہ ہے جیسے وحی بہت سے امور جاننے کا ذریعہ ہے اس مناسبت سے اخلاص کی حدیث وحی کے باب میں ذکر فرمائی۔ ۵- یہ حدیث نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد خطبہ میں بیان فرمائی تھی خلفاء اربعہ نے بھی خطبہ میں بیان فرمائی۔اس لحاظ سے کتاب کے خطبہ میں اس حدیث کا ذکر مناسب ہوا یہ باب کتاب کا ایک قسم کا خطبہ ہے۔۶-وحی بھی مقدمہ عمل ہے اور نیت بھی مقدمہ عمل ہے اس مناسبت سے وحی کے باب میں نیت کی حدیث ذکر فرمائی۔ **حدیث کا آیت مذکورہ سے تعلق:** تمام انبیاء علیہم السلام کی وحی اور احکام میں اخلاص کی تاکید ہے **وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين** اس لئے انبیاء علیہم السلام اور ان کی وحی والی آیت اور حدیث اخلاص میں بہت مناسبت ہے۔ایک نکتہ بدء الوحی کی پہلی حدیث کے پہلے دونوں راوی مکی ہیں حمیدی بھی اور سفیان بن عیینہ بھی اور مکہ ہی بدء الوحی کا مقام ہے۔ **اس حدیث کی فضیلت:** ۔امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث فقہ کے ستر بابوں میں داخل ہوتی ہے۔۲-امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں علم کا تیسرا حصہ آ جاتا ہے اس کی وضاحت علامہ عینی نے فرمائی کہ علم کا تعلق تین چیزوں سے ہے قول، فعل اور نیت اس لئے نیت علم کا تیسرا حصہ ہوئی۔۳-امام ابوداؤد سجستانی کا ارشاد ہے کہ میں نے پانچ لاکھ حدیثیں لکھیں ان میں سے ۴۸۰۰ (چار ہزار آٹھ سو منتخب کہیں احکام میں اور زہد میں تو چار حدیثیں ہی کافی ہیں انتھی ان چار کو طاہر بن معوذ نے نظم کیا۔

عمدة	الدين	عندنا	كلمات
اربع	قالهن	خير	البريه
اتق	الشبهات و	ازهد	ودع ما
ليس	يعنيک	واعمل	بنيه

۴- قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ النیۃ فی العمل کالروح فی الجسد **عمل اور فعل میں فرق**۔۱-عمل میں قصد اور ارادہ شرط ہے فعل میں شرط نہیں غیر اختیاری کام کو بھی فعل کہہ دیتے ہیں۔۲-عمل میں علم اور نظر و فکر شرط ہے فعل میں شرط نہیں ہے۔۳-عمل میں دوام و استمرار پر بھی دلالت ہوتی ہے فعل میں نہیں وہ عام ہے دوام کے ساتھ ہو یا ایک دفعہ ہو۔۴-عمل کا اطلاق اقوال پر بھی ہو جاتا ہے فعل کا نہیں ہوتا۔۵-فعل تاثیر پر بھی دلالت کرتا ہے عمل نہیں کرتا۔ نیت کے معنی لغوی معنی کسی فعل کا قصد کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں ابتغاء وجہ اللہ بھی شرط ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرنا حدیث میں لغوی معنی ہی مراد ہیں کیونکہ حدیث پاک میں اچھی اور بری نیتوں کا ذکر ہے **وجوہ اختصار:** نیت والی حدیث میں امام بخاری نے یہ حصہ حذف فرما دیا۔ **فمن كانته هجرتها الى الله ورسوله فهجرته الى الله و رسوله** **اس کی وجہ:**۔۱- حضرت حمیدی سے امام بخاری نے یہ حدیث مختصراً بھی سنی مفصلاً بھی یہاں مختصراً بیان فرما دی آگے مفصلاً بیان فرما دیں گے۔۲- امام بخاری پر تہمت لگ سکتی تھی کہ یہ حدیث لا کر فخر کرنا چاہتے ہیں کہ میری نیت اچھی ہے اس تہمت سے بچنے کے لئے اچھی نیت

والا حصہ حذف فرمادیا۔ ۳- یہ اشارہ فرمادیا کہ جو اچھی نیت نہ کرے تو کم از کم بری نیت سے ہی بچے۔ ۴- یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ حدیث کے درمیان سے حذف کر کے بیان کر دینا بھی جائز ہے۔ انما کی تحقیق:۔ یہ کلمہ بسیط ہے۔ ۲- مرکب ہے ان حرف مشبہ بفعل اور ما کافہ سے۔ ۳- مرکب ہے اور ما زائد ہے۔ ۴- مرکب ہے اور ما نافیہ ہے سوال۔ ان اثبات کے لئے ہوتا ہے ما نافیہ تو اس کی ضد ہے جواب یہ تضاد مرکب ہونے سے پہلے تھا مرکب ہونے کے بعد صرف حصر کے معنی بن گئے۔ سوال ما نافیہ اور ان دونوں صدارت کلام چاہتے ہیں اس لحاظ سے بھی تضاد ہے جواب یہ تضاد بھی مرکب ہونے سے پہلے ہی تھا مرکب ہونے کے بعد نہ رہا حصر: یہاں دو لحاظ سے حصر ہے۔ ۱- انما سے۔ ۲- الاعمال کا الف لام استغراق کے لئے ہے۔

نیت اور قصد میں فرق

۱- نیت کا تعلق صرف اپنے فعل سے ہوتا ہے اور قصد کا تعلق اپنے اور غیر کے فعل دونوں سے ہوسکتا ہے۔ ۲- قصد کا تعلق اختیاری کام سے ہوتا ہے اور نیت کا غیر اختیاری سے بھی ہوسکتا ہے۔ ۳- نیت میں فاعل کی اپنی غرض ہوتی ہے قصد میں یہ شرط نہیں اس لئے نیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ **نیة المومن خیر من علمه** اس حدیث کے مختلف معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- نیت بلا عمل میں ثواب ہے اور عمل بلا نیت میں ثواب نہیں ہے۔ ۲- قلب کی اصلاح کے لئے جو تدبیریں کی جاتی ہیں ان میں نیت بلا عمل تو داخل ہے کیونکہ بعض تصورات اور نیات سے مثلاً تواضع پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی ہے عمل بلا نیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا مثلاً زمین پر ماتھا رکھے اگر نیت اللہ کے سامنے اپنے آپ کو مٹانے کی نہ ہو تو تواضع میں ترقی نہیں ہوتی۔ ۳- پوری زندگی میں نیت شرعیہ میں کوئی کمزوری اور کوئی آفت نہیں آتی اور اعمال کی کمزوریاں رہتی ہیں۔ ۴- نیت قلب کا کام ہے اور قلب اشرف الاعضا ہے اس لئے نیت کا درجہ عمل سے اونچا ہے۔ ۵- قلب امیر ہے باقی اعضاء اس کے ماتحت ہیں اس لئے قلب کا فعل نیت اونچے درجہ کی چیز ہے۔ ۶- نیت موت کے بعد کے لئے بھی ہوسکتی ہے کہ میری عمر اگر ہزار سال سے بھی زائد ہوئی تو نماز نہ چھوڑوں گا عمل موت کے آگے نہیں بڑھا جس درجہ کا عمل کیا ہے نیت اس سے بھی زیادہ عمدہ کرنے کی تھی تو ثواب مل جاتا ہے اور عمل اس درجہ کا کیا ہے اسی درجہ کا ثواب ملتا ہے۔ ۸- نیت جائز عمل کو مستحب بنا دیتی ہے جبکہ اس میں اچھی نیت کرلی جائے اور عمل نیت کو بدل نہیں سکتا۔

حدیث کے دو جملوں میں فرق

انما الاعمال بالنیات میں نفس نیت کا ذکر ہے اور **وانما لامرء ما نوی** میں تعین نیت کا ذکر ہے۔ مثلاً یہ نیت بھی ضروری ہے کہ میں نماز کی نیت کرتا ہوں اور یہ نیت بھی ضروری ہے کہ ظہر کی نماز کی نیت کرتا ہوں۔ ۲- دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں پہلے کی تاکید کے لئے دوسرا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ ۳- پہلے جملہ میں نفس عمل کا لحاظ ہے کہ اچھی نیت سے ٹھیک ہوتا ہے بری نیت سے خراب ہوتا ہے۔ دوسرے جملہ میں **مالا جله الحمل** یعنی ثواب وانوار کا لحاظ ہے کہ اچھی نیت سے انوار و ثواب نصیب نہ ہوں گے نصیب ہوں گے بری سے جملہ یہ بیان ہے کہ جو عمل حقیقتاً کرلیا ہے اس کا مدار نیت پر ہے اور دوسرے جملہ میں عملی حقیقی اور عمل حکمی دونوں داخل ہیں مثلاً نیت کی تھی کہ آج رات پچاس نفل پڑھوں گا بیمار ہوگیا نہ پڑھ سکا تو اس عمل میں بھی اگر نیت اچھی تھی تو ثواب مل جائے گا اور اچھی نہ تھی دکھاوے وغیرہ کی تھی تو نہ ملے گا۔ ۵- پہلے جملہ کا تعلق عبادات سے دوسرے کا تعلق مباحات سے ہے۔ ۶- پہلا جملہ ایک قاعدہ عقلیہ کا بیان ہے دوسرا جملہ حکم شرعی کا بیان ہے۔

فهجرة الى الله و رسوله

سوال یہاں مبتدأ اور خبر بالکل ایک ہی چیز ہے اس کو حمل اولیٰ کہتے ہیں۔ اگر دونوں میں کوئی اعتباری فرق نہ کیا جائے تو یہ کلام

بالکل باطل ہوا کرتی ہے اور اگر فرق کرلیا جائے تو پھر بھی اس کلام کا فائدہ نہیں ہوتا جواب یہاں مبتدا اور خبر الگ الگ ہیں اس کی کئی تقریریں ہیں۔۱-خبر اس معنی میں ہے فہجرۃ کاملۃ ۔۲-خبر اس معنی میں ہے فہجرتہ مقبولۃ ۔۳-اول میں قصداً ملحوظ ہے ثانی میں ثواباً ملحوظ ہے۔۴-اول میں فی الدنیا ملحوظ ہے اور ثانی میں فی الآخرۃ ملحوظ ہے۔ ۵-مقبولۃ خبر محذوف ہے مبتدا اور خبر مل کر پھر پہلے مبتدا کی خبر بنتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اچھی نیت کر کے ہجرت شروع کی پھر اگر راستہ میں بھی فوت ہو جائے تو ثواب مل جائے گا۔۶-مبتداء اور خبر کا اتحاد پہلے جملہ میں تعظیماً ہے اور دوسرے جملہ میں تحقیراً ہے جیسے اس جملہ میں ہے انت انت وھم ھم ای انت صدیقی وھم حقیرون۔

دنیا کی وجہ تسمیہ

۱- دنیا دنو سے ہے بمعنی قریب یہ آخرت کی نسبت قریب ہے۔۲- یہ ختم ہونے کے قریب ہے۔۳- دناءۃ سے ہے یعنی گھٹیا چیز دنیا آخرت کے مقابلہ میں بالکل گھٹیا چیز ہے۔ اوامرءۃ:۱-یہ تخصیص بعد التعمیم کیونکہ یہ ارشاد طبرانی کی روایت کے مطابق مہاجر ام قیس کے متعلق وارد ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت آئی ہے مذکورہ کتاب میں کہ ایک شخص ام قیس سے نکاح کرنا چاہتا تھا اس نے شرط لگائی کہ جب تک مسلمان ہو کر ہجرت کر کے نہ آؤ گے مجھ سے نکاح نہ ہوگا چنانچہ وہ شخص مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آ گیا اور اس کا لقب مہاجر ام قیس ہو گیا اس کی طرف اس حدیث پاک میں اشارہ ہے۔۲-ایک حدیث شریف میں ہے مرفوعاً ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء اس وجہ سے عورت کا خصوصی ذکر فرمایا۔

دو مثالوں کے الفاظ میں فرق کیوں فرمایا

اس طرح کہ پہلی میں تصریح ہے فہجرۃ الی اللہ ورسولہ اور دوسری مثال میں فہجرۃ الی ماھاجر الیہ فرما دیا ما کے ساتھ دوبارہ دنیا اور عورت کا نام نہ لیا وجہ یہ ہے کہ پہلی مثال میں دوبارہ نام لینا۔۱-تبرکاً ہے۔ ۲-استلذاذاً ہے۔۳-تعظیماً ہے دوسری مثال میں نام نہ لینا ۱-تحقیراً ہے۔۲-تعمیماً ہے کہ صرف دنیا یا عورت ہی کی نیت نہیں ہوتی اور نیت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً شہرت ہے۔ **محل نیت**:۔سوال یہ کام تو آسان ہے ہر گناہ میں اچھی نیت کر لیا کریں گے۔ جواب ۱-صرف مباحات اور مستحسنات میں نیت مؤثر ہوتی ہے گناہوں میں نہیں۔ ۲- گناہ میں اگر اچھی نیت بھی کرے گا تو بری نیت ہی بن جائے گی گناہ میں اچھی نیت ہو سکتی ہی نہیں۔ کوئی ڈاکہ ڈالے کیمونزم یا سوشلزم اختیار کرے کہ امیروں سے چھین کر غریبوں میں تقسیم کروں گا تو اس نیت سے اس ڈاکہ وغیرہ کا گناہ اور بھی بڑھ گیا۔

انما الامرء مانوی

ما ۱- مصدر یہ ہے۔۲- موصولہ مصداق خیر او شر۔۳- ماموصولہ مصداق عمل۔ سوال کیا روزہ کے بدلہ میں آخرت میں روزے ملیں گے جواب:۔۱- چیز یہی ہوگی صورت بدلی ہوئی ہوگی۔۲-مضاف محذوف جزاء مانوی۔ پھر انما جو حصر کے لئے ہے تو محل حصر کیا ہے۔۱- جو نیت نہ کی وہ نہ ملے گا۔۲- جو دوسرے نے نیت کی وہ اس کو نہ ملے گا لیکن اس آخری صورت میں اس میں صرف ایمان داخل ہوگا کیونکہ اعمال کا ثواب تو دوسرے کی نیت سے اور دوسرے کے پہنچانے سے بھی پہنچ جاتا ہے۔ البتہ ایمان ایک کا دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا۔

نیت کی اقسام

نیت کرنے والا دو حال سے خالی نہیں، منافق ہوگا یا مخلص۔

۱- اگر منافق ہے تو اس کی نیت تزین عند الناس ہوتی ہے جو بری نیت ہے۔۲- اگر مومن مخلص ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں اہل ظاہر میں سے ہوگا یا اہل باطن میں سے ہوگا۔ اگر اہل ظاہر میں سے ہے تو عالم ہوگا یا عاصی ہوگا۔ اگر عاصی ہے تو ادنیٰ درجہ کا یا متوسط درجہ کا یا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ اگر عاصی اہل ظاہر ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کی نیت حفاظت عن سوء القضاء ہوتی ہے کہ گناہ سے اس لئے بچتا ہے کہ کہیں کوئی مصیبت نہ آ جائے یہ دنیا ہی کی نیت ہے اچھی

نیت نہیں ہے۔۳-اگر عاصی متوسط درجہ کا ہے تو اس کی نیت عذاب سے بچنے کی ہوتی ہے یہ بھی اخلاص میں داخل ہے۔۴-اگر عاصی اعلیٰ درجہ کا ہے تو اس کی نیت جنت کی نعمتیں حاصل کرنے کی ہوتی ہے یہ بھی اچھی نیت ہے۔۵-اور اگر اہل ظاہر میں سے ہے اور عالم ہے تو اس کی نیت رضاء حق کی ہوتی ہے۔ یہ بھی بہت اعلیٰ نیت ہے۔۶-اگر اہل باطن میں سے ہے تو پھر دو حال سے خالی نہ ہوگا عوام میں سے ہوگا یا خواص میں سے اگر عوام میں سے ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ میری عبادت تو گناہ کہلانے کے قابل ہے صرف حق تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو نیکی میں داخل فرمالیں اور قبول فرمالیں تو ان کی عنایت ہے یہ بھی اچھی نیت ہے اور ۷-اگر اہل باطن خواص میں سے ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ تعلق مع اللہ میں اور قرب و رضا میں ترقی ہو یہ سب سے اعلیٰ نیت ہے۔

مصداق الدنیا

۱-مجموع ھذا العالم جس سے ہمارا تعلق موت سے پہلے ہے۔

۲- ما علی الارض۔۳-حظوظ نفسانیہ یعنی مال و جاہ ۴-حظوظ عاجلہ یعنی مرنے سے پہلے کی لذت کی چیزیں۔اس کے مقابلہ میں آخرت حظوظ آجلہ کا نام ہے یعنی وہ لذتیں جو مرنے کے بعد نصیب ہوں گی۔ ۵- الدنیا ما یدرک بالحس والاخرۃ مایدرک بالعقل۔۶-مایلھیک عن اللہ فھی الدنیا۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن

لدنیا:۔ایک روایت میں الی دنیا کی جگہ لدنیا ہے۔

۱۔اس میں لام بمعنی الی ہے۔۲۔لام تعلیلیہ ہے لاجل متاع الدنیا۔المسائل المستبطہ:۔۱۔جتنی نیتیں زیادہ ہوں گی ثواب زیادہ ہوگا۔مثلاً مستحبات میں سے ایک کام ہے تعود فی المسجد اس میں بہت سی نیتیں ہوسکتی ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی زیارت کی نیت کیونکہ حدیث شریف میں مرفوعاً وارد ہوا ہے من قعد فی المسجد فقد زار اللہ تعالیٰ دوسرے نماز کے انتظار کی نیت ایک تفسیر رابطوا کی بھی یہی ہے نماز کا انتظار کیا کرو تیسرے اعتکاف کی نیت چوتھے گناہوں سے بچنے کی نیت پانچویں ذکر اللہ سننے کی نیت چھٹے قرآن پاک سننے کی نیت ساتویں بیت اللہ میں بیٹھ کر یکسوئی سے ذکر اللہ کرنا آٹھویں امر بالمعروف نویں نہی عن المنکر دسویں ایسا شخص تلاش کرنا جس سے حب فی اللہ کی جاسکے۔گیارہویں خلق حیاء کی ترقی جس سے گناہوں سے بچ سکے بارہویں مسلمانوں کو سلام کرنے کی نیت بشرطیکہ ان کا حرج نہ ہو۔ایسے ہی مباحات میں بھی اچھی نیت ہونی چاہئے اور جتنی زیادہ نیتیں ہوں گی اتنا زیادہ ثواب ملے گا مثلاً خوشبو لگانے میں ایک یہ نیت ہو کہ سنت کا اتباع ہے دوسرے یہ نیت ہو کہ پاس بیٹھنے والوں کو راحت پہنچے گی۔ تیسرے یہ نیت ہو کہ پاس بیٹھنے والے کو بدبو سے تکلیف نہ پہنچے گی چوتھے یہ کہ سمجھنے کے لئے ذہن تیز ہوگا۔۲-اگر سبقت لسانی سے کلمہ کفر زبان سے نکل گیا تو وہ معاف ہے بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ کافر ہوجائے گا۔ ہماری جمہور کی ایک دلیل تو یہی زیر بحث روایت ہے دوسری دلیل مسلم شریف کی لمبی روایت ہے جس میں توبہ کی فضیلت مذکور ہے کہ بعض دفعہ غلطی سے یہ الٹا بھی منہ سے نکل جاتا ہے انت عبدی وانا ربک مالکیہ کفر کو اطلاق پر قیاس کرتے ہیں جواب ۱- ثلث جدھن جد وھزلھن جد کی وجہ سے طلاق مستثنیٰ ہے۔۲-کفر حق اللہ ہے اس کو طلاق حق العباد پر قیاس نہیں کرسکتے حق اللہ میں وسعت اور حق العبد میں تنگی ہوتی ہے۔۳-تیسرا مسئلہ جو نیت ولی حدیث سے نکالا گیا یہ ہے کہ وطی بالشبہ میں گناہ نہیں۔۴-غلطی سے شرب خمر معاف۔۵-قتل خطا آخرت میں معاف۔۶-اخلاص اہم ہے ۷-علم کے لئے ہجرت مستحسن ہے۔۸-تقویٰ سے علمی ترقی ہوتی ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں جو علم کے لئے تھا یہ حدیث پڑھی جس میں ہجرت عن المعاصی بھی داخل ہے۔۹-ذکر الحدیث فی الخطبہ مستحسن ہے۔۱۰-اچھی چیز کا تکرار اچھا اور بری چیز کا برا ہے۔ ۱۱-دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا برا ہے۔

حکم شرک اصغر

ریا شرک اصغر ہے جب دین کے کام میں دنیا اور آخرت دونوں کی نیتیں ہوں تو کیا حکم ہے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

۱-جب دین کے کام میں کچھ بھی نیت دنیا کی آ جائے تو ثواب ختم ہوجاتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انا اغنی الشرکاء عن الشرک۔۲-اگر آخرت کی نیت غالب ہوتو ثواب مل جائے گا ورنہ نہیں۔۳-اگر عبادت کے ساتھ جو نامناسب نیت ملی ہوئی ہے وہ حرام کے درجہ کی ہے تو ثواب نہ ہوگا ورنہ جتنی اچھی نیت ہے اتنا ثواب ہوگا اور جتنی غلط نیت ہے اتنا ثواب سے محروم ہوگا۔

یہ حدیث شروع کتاب میں کیوں ذکر فرمائی

یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم کے شروع میں اخلاص ضروری ہے۔ ۲-علم حاصل کرنے کے لئے اگر وطن چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دینا چاہئے۔۳-گناہوں کا چھوڑنا علم کی ترقی کے لئے مفید ہے۔

بالنیات سے پہلے کیا محذوف ہے

۱-شوافع حضرات زیادہ ترصحیحۃ یا تصح محذوف مانتے ہیں تاکہ وضو میں نیت کا ضروری ہونا ثابت ہوجائے۔۲-احناف زیادہ تر کاملۃ یا تکمل مانتے ہیں تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ ثواب کا مدار نیت پر ہے وضو سے نماز صحیح ہونے کے لئے نیت ضروری نہیں ہے۔۳-بعض حضرات معتبرۃ یا تعتبر نکالتے ہیں تاکہ عبادات مقصودہ اور شروط اور مباحات وغیرہ سب کو شامل ہوجائے۔

نیت کے الفاظ کو زبان سے کہنا

شوافع اور احناف کے نزدیک اگر وسوسہ دفع کرنے کے لئے تکلم کی ضرورت ہو تو فعل قلب کے ساتھ ساتھ زبان سے کہہ لینا بھی افضل ہے ورنہ ترک تکلم افضل ہے تاکہ غیر مقصود وساوس سے آسانی سے نجات مل جائے۔ حنابلہ کے نزدیک زبان سے کہنا بدعت ہے کیونکہ مرفوعاً صرف یہ ثابت ہے کان اذا قام الی الصلوٰۃ کبر جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کو دفع وساوس کی ضرورت پیش نہ آتی تھی مالکیہ کے نزدیک تلفظ مکروہ ہے ان کی دلیل اور جواب یہی ہیں۔ بعض شوافع نے تلفظ کو نماز کے صحیح ہونے کی شرط قرار دے دیا کیونکہ اس کے بغیر وساوس دفع نہیں ہوسکتے ان کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ حکم ہی خلاف اجماع ہے دوسرے جو دلیل انہوں نے پیش کی وہ اسی کے متعلق ہے، جس کو وساوس بہت آتے ہوں اور گفتگو عامۃ المومنین میں ہے ان کی دوسری دلیل حج میں مرفوعاً یہ ثابت ہے **اللھم انی ارید الحج** جواب یہ ہے کہ یہ دعا بعد النیۃ ہے ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ مثبت اور نافی تو دلیلیں ہوتی ہیں۔ یہاں تو آپ کے پاس دلیل ہے ہی نہیں۔

اس حدیث کے مختلف الفاظ جو صحیح اسانید سے ثابت ہیں

۱- انما الاعمال بالنیات ۲- انما الاعمال بالنیۃ ۳- الاعمال بالنیات ۴- الاعمال بالنیۃ ۵- العمل بالنیۃ۔ ہجرت کے اقسام:-۱-ترک دار الکفر الی دار الایمان ۲-علم کی خاطر وطن چھوڑنا۔۳-ترک دار البدعۃ الی دار السنۃ۔۴-حج کے لئے وطن چھوڑنا ۵-غیر اللہ سے توجہ ہٹا کر متوجہ الی اللہ ہونا۔۶-گناہ چھوڑنا حدیث پاک میں ہے المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ۔

ایک تعارض کا جواب

ایک حدیث پاک میں لا ہجرۃ بعد الفتح ای فتح مکۃ دوسری حدیث پاک میں یوں ہے **لا تنقطع الھجرۃ حتیٰ تنقطع التوبۃ** جواب ۱- پہلی حدیث میں ہجرۃ الی المدینۃ ہے دوسری میں ہجرۃ عن المعاصی ہے۔۲-پہلی حدیث میں وہ ہجرت ہے جو شرط ایمان تھی۔ دوسری میں باقی ہجرتیں ہیں کہ جہاں رہ کر فرض ادا نہ ہوسکیں وہاں سے ہجرت فرض جہاں واجب ادا نہ ہوسکیں وہاں سے واجب جہاں سنت ادا نہ ہوسکے وہاں سے سنت جہاں مستحب ادا نہ ہوسکیں وہاں سے مستحب۔

عن عائشۃ ام المومنین

اس میں اقتباس ہے اس آیت سے وازواجہ امہاتھم اس ام المومنین

میں مومنات تغلیبا داخل ہیں اورام المومنات کہنا بھی صحیح ہے۔

کیف یاتیک الوحی

ا-سوال کے مقصد میں اقوال مختلف ہیں۔

ا-وحی کی صورت کیا تھی۔

۲-وحی لانے والا کون تھا۔

۳-وحی لانے والے کے حالات ارشاد فرماویں۔

۴-یہ سب باتیں پوچھنی مقصود تھیں۔

اس حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ

ا-اس حدیث میں فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا مذکور ہے ابتدائی وحی میں بھی فرشتہ انسانی شکل میں آیا تھا اس لئے باب کیف کان بدء الوحی کے مناسب ہوگئی یہ حدیث ۲-اس حدیث میں شدت وحی کا ذکر ہے یہ شدت ابتداء وحی میں تھی پھر آہستہ آہستہ مناسبت ہو جانے کی وجہ سے شدت کم ہوگئی تھی اسی لئے شروع میں آیتیں کم نازل ہوتی تھیں پھر زیادہ نازل ہونی شروع ہوگئیں حتیٰ کہ بعض دفعہ چلتی اونٹنی پر بھی سوار ہونے کی حالت میں نازل ہوئیں جو تخفیف کی علامت ہے۔۳- جو دو صورتیں یہاں مذکورہ ہیں کہ کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح وحی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے یہ دو صورتیں سب نبیوں میں پائی جاتی تھیں اس لئے اس حدیث کی مناسبت آیت انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ کے ساتھ ہوگئی اور آیت کی باب سے مناسبت ہے اس طرح اس حدیث کی باب سے مناسبت ہوگئی۔۴- باب سے اصل مقصود عصمت وحی اور عظمت وحی ہے اور حدیث اس کے مناسب ہے کہ فرشتہ کا آنا عصمۃ کی بھی دلیل ہے اور عظمت کی بھی۔ **وحی کی دو صورتوں کی تفصیل**:۔سوال اس حدیث پاک میں وحی کی صرف دو صورتیں مذکور ہیں حالانکہ ان دو صورتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے تکلم خواب اعطأ شی مکتوب اور الہام بھی تو وحی کی صورتیں تھیں ان کو کیوں ذکر نہ فرمایا۔ جواب یہاں ان صورتوں کا بیان مقصود ہے جو غیر نبی میں نہ پائی جاتی ہوں اور سب نبیوں میں مشترک بھی ہوں الہام اور خواب غیر نبی میں بھی ہوتے ہیں اور اعطاء شی مکتوب اور تکلم سب نبیوں میں نہیں پائے گئے اس لئے ان کو ذکر نہ فرمایا۔ پھر ان دونوں صورتوں میں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے گھنٹی جیسی آواز اور انسانی شکل میں فرشتہ کا آنا ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں میں وحی فرشتہ ہی لاتا تھا کیونکہ بعض حدیثوں میں دونوں صورتوں میں فرشتہ کے آنے کی تصریح بھی موجود ہے۔ گھنٹی جیسی آواز میں بھی فرشتہ ہی وحی لاتا تھا لیکن وہ نظر نہ آتا تھا یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتہ اصلی شکل میں ہوتا تھا کیونکہ اصلی شکل میں فرشتہ کا دیکھنا بقول حضرت عائشہؓ صرف دو دفعہ ہی ہوا ہے۔ گھنٹی جیسی آواز کو بعضوں نے فرشتہ کے پروں کی آواز قرار دیا ہے لیکن راجح یہی ہے کہ یہ فرشتہ کی آواز تھی جس کے ذریعہ سے وحی پہنچائی جاتی تھی پھر وحی کی ان دو صورتوں کے متعلق مختلف تقریریں ہیں۔ا-استفادہ میں کبھی سامع متکلم جیسا بنتا ہے یہ صلصلۃ الجرس ہے یہ نبی کریم ﷺ کے لئے نسبتاً مشکل صورت تھی کبھی متکلم سامع جیسا بنتا ہے یہ دوسری صورت تھی یہ آسان تھی اس کو تمثل سے بیان فرمایا کہ فرشتہ انسان جیسا بنتا تھا یہ نہیں کہ فرشتہ ہونا ختم ہو جاتا تھا صرف انسان سے مشابہت ہوتی تھی۔۲-پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ کا ظہور ہوتا تھا دوسری صورت میں صفات جمالیہ کا۔۳- پہلی صورت میں انداز تھا دوسری صورت میں تبشیر تھی۔۴- پہلی صورت میں ایک مسلسل آواز سے معنی سمجھنا تھا یہ مشکل تھا دوسری صورت میں انسانی کلام کا سننا تھا یہ صورت آسان تھی۔ ۵- پہلی صورت میں حاسہ سمع کا تعطل ہو جاتا تھا اور وہ عالم مشاہدہ سے کٹ جاتا تھا جیسے کسی کا حاسہ بصر ختم ہو جائے تو اس کو الوان مختلفہ نظر آتے ہیں اسی طرح حاسہ سمع جب عالم مشاہدہ سے کٹ جاتا تھا اور عالم غیب کی باتیں سنتا تھا تو گھنٹی جیسی آواز محسوس ہوتی تھی۔

وھوا شدہ علی:۔ اس سے معلوم ہوا کہ شدت دونوں صورتوں میں تھی پہلی صورت میں زیادہ شدت تھی۔ ایک آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر وحی میں کچھ نہ کچھ شدت تھی وہ آیت یہ ہے انا سنلقی علیک قولا ثقیلا۔

فاعی مایقول:۔ یہ مضارع کا صیغہ ہے اور تکلم کے ساتھ مذکور ہے فیکلمنی بفاعی مایقول کہ فرشتہ بات کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ میں سمجھتا چلا جاتا تھا۔ پہلی صورت میں ماضی ہے اور فصم کے ساتھ مذکور ہے فیفصم عنی وقد وعیت عنہ کہ جب وحی ختم ہوتی اس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ میں تو پوری وحی کو یاد کر چکا ہوں۔

وحی کی ایک عجیب خوبی

یہ ہے کہ وحی کو صاحب وحی ہی سمجھتا ہے پاس بیٹھا ہوا آدمی کچھ نہیں سمجھ سکتا۔

فیفصم عنی:۔ اس کے معنی ہیں جب منقطع ہوتی تھی وحی اور ختم ہوتی تھی فصم اور قصم میں یہ فرق ہے کہ فصم بالفاء میں کسی چیز کا پھٹنا بلا انفصال مراد ہوتا ہے اور قصم بالقاف میں پھٹنا مع الانفصال ہوتا ہے یہاں پہلا لفظ استعمال کیا گیا اس میں اشارہ ہے کہ تھوڑے وقت اور تھوڑے عرصہ کے لئے وحی بند ہوتی تھی ہمیشہ کے لئے بند نہ ہوتی تھی پھر اس لفظ کے نقل کرنے میں تین روایتیں ہیں۔ ۱۔ یفصم ضرب یضرب سے مضارع معروف ۲۔ یفصم ۔ ضرب یضرب سے مضارع مجہول۔ ۳۔ یفصم باب افعال سے مضارع معروف تینوں کے معنی انقطاع ہی کے ہیں تیسری روایت اس محاورہ سے ہے افصم المطر اقلع ختم ہوگئی۔ پہلی روایت کو ترجیح ہے۔ **لیتفصد:**۔ ای یسیل ظاہر تو یہی ہے کہ اس کا تعلق پہلی صورت سے ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں سے ہی تعلق ہو پھر اس مشقت کی وجہ کیا تھی۔ ۱۔ نبی کریم ﷺ کی تربیت ۲۔ صبر کا امتحان تھا۔

الرؤیا الصالحۃ:۔ الرؤیا فی المنام والرای بالقلب والرؤیۃ بالعین پھر صالحہ کے معانی۔ ۱۔ صادقہ ۲۔ نافعہ فی الدنیا۔ ۳۔ جس میں شیطان کا دخل نہ ہو۔

حتیٰ جاءہ الحق:۔ اس حق سے مراد وحی اور نبوت ہے النبوۃ ھی السفارۃ بین اللہ وبین اولی الالباب لقضاء حاجاتھم الدنیویۃ والاخرویۃ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جب نبی یا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سنتے ہیں تو تین باتیں بداھتاً جان لیتے ہیں۔ ۱۔ متکلم کون ہے۔ ۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے۔ ۳۔ اس کے معنی کیا ہیں یہ پہلی وحی کب آئی۔ ۱۔ ۱۷ رمضان المبارک کو جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی تھی۔ ۲۔ صحف ابراہیم علیہ السلام یکم رمضان کو نازل ہوئے تورات ۶ رمضان کو انجیل ۱۳ رمضان کو زبور ۱۸ رمضان کو اور قرآن کی ابتدا ۲۴ رمضان کو ہوئی۔

قال اقراء قال ما انا بقاری

سوال: فرشتہ کا اقرا کہنا بظاہر تکلیف بما لا یطاق تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ لکھی ہوئی چیز پڑھ نہ سکتے تھے اور آپ ﷺ کے لئے ایسا ہونا بہت بڑا کمال تھا ورنہ کفار کو اعتراض کا موقعہ ہوتا کہ گھر میں کچھ کتابیں چھپا رکھی ہوں گی وہ پڑھ پڑھ کر یاد کر کے لوگوں کو سنا دیتے ہوں گے اب کوئی اعتراض نہ کر سکتا تھا کیونکہ ان کے سامنے چالیس سال گزارے تھے سب جانتے تھے کہ یہ لکھی ہوئی کتاب نہیں پڑھ سکتے اس لئے اشکال ہوا کہ فرشتہ کا اقراء کہنا تکلیف فوق الوسع تھی۔ جواب۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے بچے کو شروع میں کہا جاتا ہے کہ جیسے میں پڑھتا ہوں تم بھی پڑھو یہی صورت یہاں بھی تھی۔ سوال اگر یہی صورت تھی تو پھر نبی کریم ﷺ نے کیوں فرمایا ما انا بقاری۔

جواب: ۱۔ آپ ﷺ کچھ گھبرا گئے تھے اس گھبراہٹ میں یہ فرمایا۔ ۲۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ پڑھنا ایک معتد بہ تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ۳۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ فرشتہ کے ہاتھ میں کوئی لکھی ہوئی چیز تھی وہ دکھا کر فرشتہ

نے کہا تھا پڑھو اس لئے ارشاد فرمایا ما انا بقاری۔۴۔ فرشتہ نے چونکہ یہ نہ ذکر کیا تھا کہ کیا پڑھا جائے اس لئے آپ نے یوں فرمایا کیونکہ بعض روایتوں میں یوں بھی ہے ماذا اقرأ۔

فاخذنی فغطنی

یہ غلط اور دبانا کس مقصد کے لئے تھا اس میں مختلف توجیہات ہیں ا۔ تاکہ وحی کی طرف پوری توجہ ہو۔۲۔ تاکہ ملکیت اور فرشتہ جیسا ہونا بڑھ جائے اور وحی کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔۳۔ پہلی دفعہ دبانا دنیا سے اعراض کی خاطر تھا دوسری دفعہ توجہ الی الوحی کے لئے تھا تیسری دفعہ مناسبۃ بالملکیہ کے لئے تھا۔

حتیٰ بلغ منی الجھد

ا۔ الجھد جیم کا فتح اور رفع۔۲۔ جیم کا ضمہ اور رفع ان دونوں کے معنی ہیں بلغ الجھد مبلغہ مشقت اپنی انتہا کو پہنچی۔۳۔ جیم کا فتحہ اور نصب۔۴۔ جیم کا ضمہ اور نصب ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو دو معنی ہیں کیونکہ بلغ کا فاعل غلط ہے تو معنی ہیں کہ دبانا مشقت کی انتہاء کو پہنچا اور فاعل ملک ہے تو معنی ہیں کہ فرشتہ نے مشقت کی انتہاء تک دبایا۔

اقرأ باسم ربک الذی خلق

ان آیات میں ما انا بقاری کے جوابات بھی ہیں۔ا۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے آپ پڑھ سکیں گے۔۲۔ جیسے پیدا کیا ہے ایسے ہی پڑھا بھی دیں گے۔۳۔ جیسے علقیۃ کی حالت کو ختم فرمایا ہے ایسے ہی ناواقفی کی حالت کو بھی ختم فرما دیں گے۔۴۔ جیسے قلم سے سکھایا ہے آپ کو بغیر قلم بھی سکھا دیں گے۔۵۔ جیسے انسان کو نامعلوم معاشیات بتلا دی ہیں۔ ایسے ہی انسان کو نامعلوم دینیات بھی بتلا دیں گے۔ **علم بالقلم**:۔ علم بالقلم میں اشارہ ہے علوم تعلیمیہ کی طرف اور علم الانسان مالم یعلم میں اشارہ ہے علم لدونی کی طرف پھر قلم کے ذکر کی وجہ۔ا۔ اہمیت قلم ۲۔ یہ اشارہ کہ جیسے قلم کے ذریعہ سے تعلیم ہوتی ہے اسی طرح فرشتہ بھی ذریعہ ہے اس لئے فرشتہ کی فضیلت نبی کریم ﷺ پر لازم نہ آئی۔ **لقد خشیت علی نفسی**:۔ مفعول محذوف ہے الموت کیوں مختلف توجیہات ہیں۔ا۔ ہیبت کے غلبہ کی وجہ سے۔۲۔ بیماری کی وجہ سے ۳۔ شاید وحی کے ثقل کو برداشت نہ کر سکوں۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ وحی کے من جانب اللہ ہونے میں شک تھا کیونکہ اس کا نبی کو یقین ہوتا ہے۔ یہ خوف ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوا ولی مدبر اولم یعقب. منشا کمال معرفت تھا نہ کہ شک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء.

القاء رعب میں حکمتیں

ا۔ بنی اسرائیل کے علماء نبی آخر الزماں کے منتظر تھے۔ اس القاء رعب سے ان کو نبی ہونے میں شک نہ ہوگا جیسے ورقہ بن نوفل کو شک نہ رہا۔۲۔ حضرت خدیجہؓ کا یقین مضبوط کرنا مقصود تھا۔ اس کو امید تھی کہ نبی کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم کو کوئی بڑا مرتبہ ملنے والا ہے۔ اسی بنا پر خود طلب ظاہر کر کے نبی کریم ﷺ سے نکاح فرمایا تھا۔۳۔ عجیب حالت ہونے کی وجہ سے نبوت کی خبر جلدی پھیل جائے۔۴۔ تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشابہت پوری ہو جائے وہ بھی سانپ کو دیکھ کر ڈرے تھے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ تورات میں بھی یہ مضمون تھا کہ اخیر زمانہ میں تیرے جیسا نبی آئے گا تیرے بھائیوں میں سے انھی بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔۵۔ تاکہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشابہت ہو جائے فنکر ھم واو جس منھم خیفة. ۶۔ حضرت خدیجہؓ کا امتحان بھی مقصود تھا جن کو اس واقعہ کی تفصیل کا علم ہوا اسی لئے فرمایا لقد خشیت علی نفسی ماضی کے صیغہ کے ساتھ اور یہ نہ فرمایا کہ مجھے اب خوف ہے یا اب شک ہے حضرت خدیجہؓ نے دلیل عقلی سے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق فرمائی ورقہ بن نوفل نے دلیل نقلی سے تائید فرمائی اور ہرقل کو جب خط لکھا گیا تو اس نے دلیل عقلی بھی ذکر کی اور نقلی بھی ذکر کی لیکن ظاہر حالات سے یہی

معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل نے اپنی بادشاہت کا خیال کیا اور اسلام نہ لایا البتہ اس کے ایک ہم پلہ عیسائی عالم تھے جو اس کے مصاحب بھی تھے ضغاطر انہوں نے جب حالات نبی کریم علیہ السلام کے سنے تو مسلمان ہو گئے اور اپنے کالے کپڑے اتار دیئے اور سفید کپڑے پہن لئے اور عیسائیوں کے مجمع کی طرف جا کر اعلان کر دیا کہ نبی آخر الزمان ظاہر ہو چکے ہیں اور میں ان پر ایمان لا چکا ہوں کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی بشارت تورات اور انجیل میں تھی اور جن کے ہم انتظار میں تھے ان سب عیسائیوں نے ایک دم ان پر حملہ کر دیا اور اتنا مارا کہ ان کو شہید کر دیا۔ ورقہ بن نوفل کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ان کو خواب میں سفید کپڑوں میں دیکھا یہ ان کے ایمان کی علامت ہے لیکن اس خواب والی روایت کی سند کمزور ہے اور مستدرک حاکم کی ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً ہے **لاتسبوا ورقة فانه کان له جنة او جنتان** اور امام حاکم نے اس کو علی شرط الشیخین شمار فرمایا ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ ایمان لے آئے تھے گو بعض نے ان کو صرف **یعرفونه کما یعرفون ابناء هم** میں شمار کیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ بحیرا راہب کے پاس بھی تشریف لے گئی تھیں اور ان کو نبی کریم علیہ السلام کے ابتدائی وحی کے حالات تفصیل سے بتلائے تھے انہوں نے بھی ورقہ بن نوفل کی طرح تصدیق فرمائی ان بحیرا کے بارے میں بھی دو قول ہیں کہ ایمان لائے تھے یا نہ لائے تھے واللہ اعلم۔

وتکسب المعدوم

۱- یہ تاء کے فتحہ کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے کہ آپ مال معدوم کو خود کماتے ہیں اور کسی پر بوجھ نہیں بنتے۔ ۲- یہ تاء کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے معروف کا صیغہ ہے مفعول اول محذوف ہے کہ دوسرے کو آپ مال معدوم دیتے ہیں۔ ۳- اسی کے معنی یہ بھی کئے گئے کہ دوسرے کو آپ اخلاق معدومہ دیتے ہیں۔ ۴- صیغہ تو یہی ہے لیکن مفعول اول محذوف نہیں اور معدوم سے مراد معدوم المال شخص ہے یعنی آپ بے مال شخص کو کمانے کے قابل بناتے ہیں۔ ان چار احتمالوں میں سے پہلا احتمال روایۃً اصح شمار کیا گیا ہے۔ **هذا الناموس**:- ناموس کے لغوی معنی راز دان کے ہوتے ہیں۔ اہل کتاب حضرت جبریل علیہ السلام کو الناموس الاکبر کہتے تھے کیونکہ وہ وحی لایا کرتے تھے **نصراً مؤزراً**:- ای نصراً قویاً۔

واخبرنی ابوسلمة

بظاہر یہ عبارت تعلیق معلوم ہوتی ہے لیکن واو جو واخبرنی میں ہے اس سے پتہ چل گیا کہ یہ ماقبل سند میں عن عروۃ بن الزبیر پر معطوف ہے اس لئے گذشتہ پوری سند کا یہاں بھی لحاظ ہے اس لئے یہ حصہ بھی مسند ہے۔

وھو یحدث عن فترة الوحی

فترت وحی میں حکمت ۱- پہلے خوف کا ازالہ ہو جائے ۲- کچھ فراق ہونے کی وجہ سے وحی کے آنے کا شوق پیدا ہو جائے۔

یوم حراء میں آپ علیہ السلام رسول بنے یا نہ

۱- آپ علیہ السلام یوم حراء میں صرف نبی بنے تھے پھر تین سال بعد جب سورہ مدثر نازل ہوئی آپ علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی بن گئے تھے۔ ۲- دوسرا قول یہ ہے کہ یوم حرا ہی میں آپ نبی بھی بن گئے تھے اور رسول بھی۔ یہ دوسرا قول ہی راجح ہے کیونکہ سورہ علق کی آیتیں بھی تو قرآن ہی ہیں اس لئے نبی کریم علیہ السلام یوم حراء ہی میں صاحب کتاب رسول بن گئے تھے۔

سوال:- کتاب التفسیر میں بخاری شریف کی روایت میں یہ ہے کہ سورہ مدثر اول ما نزل تھی۔

جواب:۱- سورہ علق میں ابتداء حقیقی ہے سورہ مدثر میں اضافی بہت سی سورتوں سے پہلے مراد ہے۔ ۲- تین سال کی فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوئی۔ ۳- بیان احکام میں اول ہے کیونکہ اس میں انذر ہے جو اجمالاً سب احکام کو شامل ہے۔

سوال:- بعض روایات میں سورہ فاتحہ کا سب سے پہلے نازل ہونا مذکور ہے۔

جواب: ۱- مناجات میں پہلی سورت ہے۔۲- ابتداء اضافی ہے **بوادرہ**:۔ یہ بادرۃ کی جمع ہے کندھے اور گردن کے درمیان کا گوشت۔

اس حدیث کی باب سے مناسبت

۱-اس حدیث میں نبوت کے مبادی ہیں خواب اور خلوت کی محبت۔۲-اس میں وہ آیتیں ہیں جوسب سے پہلے نازل ہوئیں۔ ۳-اس میں سورہ مدثر کا ذکر ہے جوفترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہوئی۔۴-اس میں پہلی وحی کے نزول کا واقعہ ہے۔۵-اس میں غارحراء کا ذکر ہے جس میں پہلی وحی نازل ہوئی۔۶-پہلی وحی کے بعد جو احوال وآثار پیش آئے ان کا ذکر ہے اس حدیث پاک میں۔

اس حدیث کے متعلق چند فوائد

۱-حبب مجہول کا صیغہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ یہ محبت غیر اختیاری تھی اسی لئے یہ نبوت کے مبادی میں سے تھی۔۲- ثابت ہوا کہ زندیق لوگوں کا فرشتوں کا انکار غلط اور باطل ہے فرشتے ثابت ہیں۔۳- اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ظاہر ہوئی کہ فرشتہ کی کرسی ہوا میں معلق رہی۔۴- حضرت عائشہؓ نے وحی کوسورج کی روشنی سے تشبیہ دی۔اسی لئے الا جاءت مثل فلق الصبح فرمایا کہ جیسے طلوع شمس سے پہلے طلوع فجر ہے ایسے ہی وحی سے پہلے خواب طلوع فجر کی طرح تھے کہ وحی کا سورج طلوع ہونے والا ہے، حمی الوحی میں بھی اسی کا تتمہ ہے کہ سورج جب اونچا ہوتا ہے تو گرمی ہو جاتی ہے ایسے ہی وحی میں گرمی پیدا ہوگئی پھر تتابع میں شبہ کا ازالہ ہے کہ سورج تو غروب ہو جاتا ہے شاید وحی بھی جلدی ختم ہونے والی ہو اس کا ازالہ کر دیا کہ یہ باقی رہنے والی ہے جلدی غروب ہونے والی نہیں ہے اور اس لحاظ سے مشابہت نہیں ہے۔تشبیہ میں ہر ہر صفت میں مشابہت نہیں ہوا کرتی۔۵-اچھے خوابوں اور ایسے ہی درختوں اور پتھروں کے سلام کرنے اور روشنی نظر آنے میں یہ حکمت تھی کہ وحی برداشت کرنے کی کچھ قوت آجائے اچانک وحی کا بوجھ اٹھانا زیادہ مشکل تھا۔۶-خواب کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ بیداری میں بہت سی چیزیں دکھاتے اور سناتے ہیں ایسے ہی نیند میں بھی بہت سی چیزیں دل میں یا حواس میں ڈال دیتے ہیں اس کو خواب کہتے ہیں۔ایسی چیزیں اگر بیداری میں نظر آئیں تو ان کو کشف کہتے ہیں ان میں سے بعض چیزیں ماضی کی ہوتی ہیں بعض مستقبل کی اور بعض کشف حجاب کے درجہ میں حال کی ہوتی ہیں۔۷- نبی کریم ﷺ کی عبادت قبل النبوت جمہور کے نزدیک کسی پہلی شریعت کے اتباع کے بغیر تھی اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تو سب نبیوں کے بھی سردار اور متبوع ہیں۔متبوع تابع نہیں ہوتا اور اس کی نقلی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ منقول ہوتا اور اس شریعت والے اس پر فخر کرتے کہ تمہارے نبی ہماری شریعت کے تابع رہے ہیں حالانکہ یہ باتیں منقول نہیں ہیں اور بعض علماء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کسی شریعت کے تابع عبادت تھی پھر کس شریعت کے تابع عبادت تھی اس میں پھر مختلف اقوال ہیں اول شریعت ابراہیم علیہ السلام دوم شریعت موسیٰ علیہ السلام سوم شریعت عیسی علیہ السلام چہارم شریعت آدم علیہ السلام پنجم شریعت نوح علیہ السلام ششم شریعت کی تعیین نہیں کسی نہ کسی شریعت کے تابع آپ کی عبادت تھی۔ہفتم سب شریعتوں کا اس عبادت میں لحاظ تھا۔ہشتم شریعت کی تعیین میں ہم توقف کرتے ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ کس شریعت کے تابع آپ کی عبادت تھی۔سوال:۔ **ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا** جب یہ آیت موجود ہے تو پھر کسی اور شریعت کے اتباع کا احتمال ہی نہیں ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں توحید میں اتباع مراد ہے اور یہاں کلام فروع میں ہو رہی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف طریق حج میں اتباع مراد ہے باقی عبادتوں میں مراد نہیں ہے۔ ۸- عبادت کی صورت تفکر اور مراقبہ تھی جیسے ابراہیم علیہ السلام کا سورج اور چاند اور ستارے کے بارے میں سوچنا قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ۹- نبوت کے بعد بھی بعض علماء کے قول کے مطابق آپ ﷺ پہلی شریعتوں کے تابع تھے۔ کیونکہ ارشاد ہے

فبهدا هم اقتده اور شرائع من قبلنا کی باتیں جو ہماری شریعت میں منقول ہوں اوران پر انکار نہ ہوتو وہ ہماری شریعت بن جاتی ہے لیکن جمہوراسی کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کی شریعت مستقل تھی کسی اور شریعت کے تابع نہ تھی۔ دلیل وہی جو ابھی گزری کہ متبوع تابع نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو منقول ہوتا اور اس شریعت والے فخر کرتے۔۱۰۔بعض حضرات نے غطات ثلثہ لجبریل علیہ السلام میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں آنے والی تین مشقتوں کی طرف اشارہ تھا ایک قریش نے مقاطعہ اور قطع تعلقی کی تھی دوسرے جو ایذائیں مکہ مکرمہ میں پہنچائی تھیں تیسرے جو ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ ۱۱۔ لقد خشیت علی نفسی کا ایک مفعول تو مذکور ہو چکا موت اس کے علاوہ بھی مفعول میں مختلف اقوال ہیں دوم جنون سوم بخار جو ہیبت کی وجہ سے تھا چہارم عدم اطاقۃ ثقل وحی پنجم ایذاء القوم ششم قتل ہفتم ہجرۃ ہشتم الغلط لیکن یہ فرشتہ کا یقین ہرنے سے پہلے اول وہلہ میں تھا بعد میں یہ نہ رہا اسی لئے صیغہ ماضی کا ہے۔ **مسائل مستنبط** :۔ ۱۔ حضرت عائشہؓ نے تصریح فرمائی کہ خواب وحی میں داخل ہیں۔۲۔ زاد کا لے جانا توکل کے خلاف نہیں ہے۔۳۔تعلیم کا تین دفعہ شوق دلانا مستحسن ہے کیونکہ فرشتہ نے تین دفعہ دبایا۔۴۔تعلیم قرآن پر تین دفعہ سے زیادہ مارنا مناسب نہیں ہے وجہ یہی ۵۔ قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنی واجب ہے کیونکہ اس میں اقرأ باسم ربک امر کا صیغہ ہے لیکن اس پر اشکال ہے کہ یہ امر استحبابی ہے کیونکہ حدیث میں بسم اللہ کا فصل کے لئے ہونا مذکور ہے تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۶۔ مکارم اخلاق دینا اور آخرت کی مصیبتوں سے بچنے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ حضرت خدیجہؓ نے تصریح فرمائی اور نبی کریم ﷺ نے انکار نہ فرمایا۔ ۷۔ سامنے تعریف کرنے کی بھی گنجائش ہے۔سوال حدیث شریف میں تو آتا ہے احثوا فی وجوہ المداحین التراب جواب وہ غلط مدح ہے یا غلط مقصد کے لئے مدح ہے۔ ۸۔ جو گھبرایا ہوا ہو اس کی تسلی کے لئے امید کے درجہ میں اسے بشارت دینا مستحسن ہے جیسا کہ حضرت خدیجہؓ نے کیا۔ ۹۔ حضرت خدیجہؓ بہت بڑی فقیہہ بھی تھیں اور بتہ قوی دل گردہ کی مالک تھیں حضرت خدیجہؓ نے نبی کریم ﷺ میں مکارم اخلاق کی پانچ اعلیٰ قسمیں شمار فرمائیں ان میں وجہ حصر یوں ہے کہ احسان اقارب پر ہوگا یا اجانب پر اگر اول ہے تو پہلی قسم تصل الرحم اور اگر اجانب پر ہے تو بدن سے ہوگا یا مال سے ہوگا اگر بدن سے ہے تو وہ دوسری قسم ہے تحمل الکل اگر مال سے ہوگا تو بغیر کسی خصوصی سبب کے ہو گا۔ یا کسی خاص سبب کی بنا پر ہوگا اگر بغیر کسی خصوصی سبب کے ہے تو یہ تیسری قسم تکسب المعدوم اور کسی خاص سبب کی وجہ سے احسان ہوگا تو وہ سبب دو حال سے خالی نہیں مہمان نوازی کے درجہ میں ہوگا یعنی مہمان بننے کے سبب سے ہوگا تو یہ چوتھی قسم ہے تقری الضیف اور اگر کوئی اور سبب ہوگا مصیبت وغیرہ تو یہ پانچویں قسم ہے تعین علی نوائب الحق۔ ۱۱۔ کسی اچھی رائے والے اور سمجھدار کے پاس کسی مشکل کام جس کو مصیبت بھی کہہ دیا جاتا ہے اس کے بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے تاکہ وہ تسلی دے یا کوئی حل بتلائے۔۱۲۔کسی کے سوال کے جواب میں اگر مناسب ہوتو جواب کے ساتھ اس کی دلیل بیان کردینا بھی مستحسن ہے۔

فی قولہ تعالیٰ لاتحرک

ای فی تفسیر قولہ تعالیٰ لاتحرک۔اس حدیث کا لقب ہے حدیث مسلسل بتحریک الشفتین کیونکہ اس میں عملی طور پر راویوں نے لب ہلا کر دکھائے تھے جیسے ایک حدیث کا لقب ہے مسلسل بالماء والتمر کیونکہ اس میں ہر استاد نے اپنے شاگرد کو کھجوریں کھلائیں اور پانی پلایا ایسے ہی ایک حدیث کا لقب ہے مسلسل بالحنفیۃ کہ سب راوی حنفی ہیں اور ایک کا لقب ہے مسلسل بالشافعیۃ کی سب راوی شافعی ہیں اور ایک کا لقب ہے مسلسل بالنحاۃ کیونکہ سب راوی نحوی ہیں اس عملی طور پر نقل کا فائدہ۔ ۱۔ یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے ۲۔ تدلیس اور راوی چھوڑنے کا شبہ نہیں رہتا۔

ثم ان علینا بیانہ ثم ان علینا ان تقرأہ

سوال: بظاہر یہ تو آیت میں تکرار ہے کیونکہ یہی بات پیچھے

گزرچکی ان علینا جمعه و قرانه میں۔

جواب:۱- پہلے خود پڑھنا تھا۔اب دوسرے کو پڑھ کرسنانا مراد ہے۔۲- یہ عبارت ثم ان علینا ان تقراۂ کا یہاں ذکر کرنا کسی راوی کا وہم ہے اس عبارت کا تعلق ان علینا جمعه و قرانه کے ساتھ ہے اور راجح تفسیر جمہور کی ہے کہ ثم ان علینا بیانه کے معنی مشکلات کا حل ہے یہ راجح اس لئے ہے کہ اس میں تکرار کا شبہ نہیں ہے۔

لاتحرک والی آیت کا ماقبل سے ایک عمدہ

ربط:۔ یہ ہے کہ پیچھے ہے ایحسب الانسان الن نجمع عظامه اس کی تردید ہے کہ جوذات سینے میں قرآن پاک جمع کرنے پر قادر ہے وہ اعضا کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ ایسے ہی پیچھے مذکور ہے بل الانسان علی نفسه بصیرة اس کی بھی لاتحرک دلیل ہے کہ جوذات دل میں الفاظ قرآن جمع کرسکتی ہے وہ اعضا کو گواہ بھی بنا سکتی ہے جس کی وجہ سے انسان خود اپنے گناہوں پر بصیر بن جائے گا۔

فاذاقرأناہ:۔ اس سے قرآن پاک کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہو گئی کہ حق تعالیٰ نے قرأت کے ذریعہ سے اس کو نازل فرمایا ہے ایسے ہی تورات کا ایک نام کتاب بھی ہے کیونکہ اس کو کتابت کے ذریعہ سے اور مکتوب علی الالواح کی صورت میں نازل کیا گیا ہے۔

اس حدیث کی باب سے مناسبت

۱- اس حدیث میں شدت وحی اور خوف نسیان مذکور ہیں یہ دونوں شروع وحی میں تھے۔۲- باب سے مقصود ہے عظمت وحی اور عصمت وحی یہ دونوں باتیں اس حدیث میں ہیں وحی عظیم تھی اس لئے نبی کریم ﷺ یاد کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے یاد کرانے کا وعدہ فرمالیا۔وحی معصوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک میں جمع فرمائی ہے۔۳- تحریک لسان کا منشاء حلاوۃ تلاوت بھی تھا اس سے بھی وحی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور یہی عظمت وحی باب کا مقصود ہے۔

سوال:۔ حضرت ابن عباس کی ولادت ہجرت سے تین سال پہلے کی ہے۔ گویا ابتداء وحی کے دس سال بعد پیدا ہوئے اور لاتحرک والی آیت ابتدائی آیات میں سے ہے تو حضرت ابن عباس نے نبی کریم ﷺ کی تحریک لسانی کو کیسے دیکھ لیا جو کہ ان کی پیدائش سے پہلے واقع ہوئی جواب ا- نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس کے سامنے بعد میں خود اپنا ابتداء وحی کا واقعہ نقل فرمایا اور تحریک لسان کر کے دکھائی۔۲- یہ تحریک حضرت ابن عباس کو کسی ایسے صحابی کے ذریعہ سے پہنچ گئی جنہوں نے مشاہدہ فرمایا تھا۔

فقال ابن عباس فانا احرکھما

یہ جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ محاورات میں فاء سے بھی شروع ہوجاتا ہے۔

واعلم فعلم المرء ینفعه
ان سوف یاتی کل ما قدرا

سوال:۔ آیت میں تو تحریک لسان ہے اور حدیث میں تحریک شفتین ہے موافقت نہ ہوئی حدیث آیت کی تفسیر نہ بنی۔

جواب:۔ ا۔ عموماً تحریک لسان اور تحریک شفتین میں تلازم ہوتا ہے۔۲۔ مراد تحریک فم ہے جو دونوں کو شامل ہے۔۳۔ اس آیت میں اور اس زیر بحث حدیث میں ضعتہ اکتفاء ہے جیسے اس آیت میں ہے وجعل لکم سرابیل تقکیم الحرای والبرد کہ ایک ضد کو یا مناسب کو ذکر کردینا دوسری یا مناسب خود ذہن میں آجائے گا۔ پس آیت اور اس حدیث میں ان دونوں میں سے ایک کا ذکر ہے دوسرا خود ذہن میں آجائے گا اور اس کی دلیل ہے کہ کتاب التفسیر میں من طریق جریر یہی واقعہ ہے اس میں یوں ہے فکان مما یحرک لسانه وشفتیه.

المسائل المستنبطہ

عملاً فعل نقل کرنا مستحب ہے۲۔ حفظ اللہ تعالیٰ کی امداد سے ہوا کرتا ہے ولقد یسرنا القران للذ کر فھل من مد کر۔ ذکر

کے ایک معنی حفظ کے ہیں دوسرے نصیحت کے مضامین قرآن پاک کے آسان ہیں یہ معنی نہیں کہ اجتہاد کے مضامین بھی آسان ہیں۔ ۳۔ بیان نزول الفاظ سے کچھ مؤخر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بیان کو ثم سے ذکر کیا گیا ہے جو تاخیر کے لئے ہوتا ہے ثم ان علینا بیانہ۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس

اس حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ: ا۔ نزول قرآن رمضان المبارک ہی میں ہوا اس حدیث میں بھی رمضان المبارک کے متعلق اور قرآن پاک کے دور کے متعلق تذکرہ ہے۔ ۲۔ مجموعہ قرآن پاک کا نزول کا ساتویں آسمان سے پہلے آسمان پر بھی رمضان المبارک ہی میں ہوا۔

وکان اجود ما یکون فی رمضان

اس کے معنی ما مصدریہ ہے ای کان اجود اکوانہ حاصلافی رمضان ۲۔ ماظرفیہ اور اجود منصوب اور کان کی ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجود مدۃ کونہ فی رمضان وجہ اجود ہونے کی۔ ا۔ رمضان المبارک کی شرافت ۲۔ اس ماہ مبارک میں بابرکت افعال۔ روزہ۔ لیلۃ القدر۔ تلاوت۔ تراویح۔ اعتکاف۔ ۳۔ ملاقات جبریل علیہ السلام۔ ۴۔ مدارستہ قرآن مع جبریل علیہ السلام۔

فیدارسہ القرآن

ا۔ باری باری مثلاً دس دس آیتیں پڑھتے تھے۔ ۲۔ دونوں حضرات اکٹھے پڑھتے تھے۔

من الریح المرسلۃ

ا۔ الف لام جنسی ہے کہ ہوا کو فرشتے بند رکھتے ہیں تو آہستہ چلتی ہے جب چھوڑ دیتے ہیں تو اپنی طبیعت کے مطابق بہت تیز چلتی ہے۔ ۲۔ الف لام عہد کیلئے اشارہ اس آیت کی طرف وھوالذی یرسل الریاح بشراً بین یدی رحمتہ کہ اس نافع ہوا کی طرح آپ اجود ہوجاتے تھے۔

اس حدیث رمضان کے متعلق فوائد

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار بڑھتے تھے رمضان المبارک میں۔ وجہ ابھی اوپر بیان کی گئی۔ ۲۔ ہوا کے ساتھ تشبیہ دی گئی کہ ہوا زمین کی حیوٰۃ کا ذریعہ ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی حیات کا سبب تھے نیز ہوا میں نفع عام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع بھی عام تھا۔ نیز نفع ہوا کا جلدی سب تک پہنچ جاتا ہے ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع بھی بہت جلد پہنچتا تھا اور پہنچتا ہے اور پہنچے گا۔ ۳۔ اس حدیث میں چار جملے ہیں ان میں مناسبت یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں سے بھی جود میں بڑھے ہوئے تھے اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق سے بھی جود میں بڑھے ہوئے تھے انسانوں سے بڑھا ہوا ہونا پہلے جملہ میں اوران کے غیر سے بڑھا ہوا ہونا چوتھے جملہ میں بیان فرمایا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجودیت بدلتی رہتی تھی رمضان میں غیر رمضان سے زائد ہوتی تھی اس کا ذکر دوسرے جملہ میں ہے اور تیسرے جملہ میں اس زیادت فی رمضان کی وجہ بیان کردی گئی ہے۔ ۴۔ مدارستہ فی رمضان کی حکمتوں میں سے ایک یہ تھی کہ اس میں تجدید عہد ہوتا تھا دوسرے تجوید قرآن میں زیادتی ہوتی تھی۔ تیسرے تجویز قرآن کی زیادتی کی سنت امت کے ئے جاری کرنی مقصود تھی چوتھے حق تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا ان علینا جمعہ و قرانہ اس عہد کا وفا اس طرح ہوتا تھا کہ دور سے حفظ نبی کریم ﷺ کا بڑھتا تھا۔ ۵۔ ہمیشہ سخاوت کرنی مستحسن ہے۔ ۶۔ رمضان المبارک میں ہمیں زیادہ سخاوت کرنی چاہئے۔ ۷۔ صالحین کی ملاقات کے وقت بھی ہمیں زیادہ سخاوت کرنی چاہئے جیسے نبی کریم ﷺ کی سخاوت عند ملاقات جبریل علیہ السلام بڑھ جاتی تھی۔ ۸۔ صالحین سے ملاقات مستحسن ہے۔ ۹۔ بار بار ملاقات مستحسن جیسے جبریل علیہ السلام ہر رات تشریف لاتے تھے۔ ۱۰۔ رمضان المبارک میں تلاوت زیادہ کرنی چاہئے۔ ۱۱۔ قرآن پاک اور علوم دینیہ کا ہمیشہ دور کرنا مستحسن ہے۔ ۱۲۔ رمضان کا لفظ بلا شہر بھی ذکر نا جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ ۱۳۔ تلاوت کا درجہ تسبیحات سے اونچا ہے اسی لئے تلاوت کا دور مذکور ہے تسبیحات کا دور مذکور نہیں۔

ان ھرقل ارسل الیہ

یہ لمبی حدیث حدیث ھرقل کہلاتی ہے اس کی مناسبت باب سے یوں ہے۔ا- جو پانچ حکم حضرت ابوسفیان نے ذکر کئے وہ علامات نبوت میں سے تھے کیونکہ وہ پانچوں کام بڑی فضیلت کے تھے اس لئے کہ فضیلت عقیدہ سے ہوگی یا غیر عقیدہ سے اگر عقیدہ سے ہے تو اس کا ذکر اعبدوا اللہ وحدہ میں ہے اگر غیر عقیدہ سے ہے تو وہ قول ہوگا یا فعل قول ہے تو اس کا ذکر صدق میں ہے اور اگر فعل ہو گا تو اس فعل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوگا یا اپنے نفس سے یا غیر سے اللہ تعالیٰ سے ہوگا تو صلوٰۃ ہے۔ اپنے نفس سے تو عفت ہے غیر سے تو صلہ رحمی ہے یہ پانچوں فضیلتیں یہاں مذکور ہیں اور یہ سب علامات نبوت ہیں اس لئے باب سے مناسبت ہے کہ علامات نبوت کا تعلق وحی اور مبادی وحی سے ہے۔۲- اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ غریب آدمی اس نبی کا اتباع کرتے ہیں۔ وحی کے ابتدائی متبعین کا بیان آ گیا کہ وہ غریب ہیں اس لئے ابتداء وحی کے مناسب ہوگئی یہ حدیث امیروں کا تکبر عموماً اتباع وحی سے مانع ہو جاتا ہے الا نادراً کہ صدیق اکبر باوجود غنی ہونے کے بھی مسلمان ہو گئے لیکن یہ نادر ہے۔۳- بدءالوحی کی کیفیت پورے باب کے مجموعہ سے مقصود ہے اس حدیث کا تعلق وحی سے ہے اور بعض احادیث کا تعلق بدءالوحی سے ہے سب کو جمع کرنے سے باب بن جاتا ہے جس میں بدءالوحی کی کیفیت بیان کرنی مقصود ہے۔ **کانوا تجاراً**:۔ تجار کا لفظ بکسر التاء وتخفیف الجیم تاجر کی جمع ہے تجار اور شجرہ بھی جمع آتی ہے۔

فی المدۃ التی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماذ فیھا اباسفیان

ا- اس میں اشارہ صلح حدیبیہ کی طرف ہے اس مدت میں یہ قافلہ شام آیا تھا کیونکہ ہرقل کے پاس خط پہنچنے کا واقعہ محرم ۷ھ کا ہے اور صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ میں ہے۔

وھم بایلیاء:۔ یہ بیت المقدس ہی کا نام ہے ایل کے معنی اللہ تعالیٰ اور یاء کے معنی بلدۃ ای بلدۃ اللہ تعالیٰ۔ ہرقل کو فارسیوں پر فتح ہوئی تو وہ اپنے شہر حمص سے ننگے پاؤں بیت المقدس تک بطور شکر آیا اس زمانہ میں اس کو نبی کریم ﷺ کا والا نامہ ملا۔

ایکم اقرب نسباً

یہ اس لئے ہرقل نے کہا کہ شاید دور کے نسب والا نسب پر جھوٹا اعتراض کر دے۔

الرسل تبعث فی نسب قومھا

ای فی افضل نسب قومھا۔ا- تا کہ وہ نبی غلط بات نہ کہے عالی نسب والا اپنے اونچے نسب کی وجہ سے غلط بات سے بچتا ہے۔۲- تا کہ لوگوں کو اتباع سے عار نہ ہو کیونکہ جس کا خاندان گھٹیا ہو لوگ اس کے اتباع سے عار کرتے ہیں۔

حین تخالط بشاشتہ القلوب

جب ایمان کی حلاوت دلوں سے مل جاتی ہے تو پھر دین سے نفرت کی وجہ سے کوئی دین نہیں چھوڑا کرتا چنانچہ اس کاتب کے زمانہ ۱۴۰۹ھ تک کوئی شخص بھی دین میں صحیح طریق سے داخل ہو کر دین کے کسی سبب کی وجہ سے مرتد نہیں ہوا۔ دنیا کے لالچ میں کوئی آ گیا ہو تو اور بات ہے اعاذنا اللہ من الارتداد بمنہ وکرمہ اسی لئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں من رجع فانما رجع من الطریق۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ہرقل نے تین باتیں تورات سے لیں اور اس موقعہ میں بیان کیں۔ا- محقق جب حق میں داخل ہوتا ہے تو اس سے نہیں نکلتا اور جب باطل میں داخل ہوتا ہے تو اس سے نکل آتا ہے۔۲- طالب دنیا اپنے مطلب کے نکالنے کے لئے دھوکہ دے دیتا ہے طالب آخرت کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔۳- انبیاء علیہم السلام کو لڑائی میں بعض دفعہ شکست بھی ہو جاتی ہے تا کہ صبر کی وجہ سے ان کا اجر بڑھے اور تا کہ جہاد میں زیادہ کوشش کریں۔ انتھیٰ۔

فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

اسلام کا لفظ لغت کے لحاظ سے ہر دین حق پر بولا جاتا ہے

کیونکہ لغت میں اسلام کے معنی انقیاد کے ہوتے ہیں جیسے اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین پھر اسلام اس دین کا لقب ہوگیا کیونکہ اس دین میں زیادہ انقیاد ہے جیسے ۱-هو سما کم المسلمین من قبل. ۲- رضیت لکم الاسلام دینا ۳- و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین۔ کثر عنده الصخب:۔ شرح المواہب للزرقانی میں ابونعیم کے حوالہ سے ہے کہ دحیہ کلبی جو نبی کریم ﷺ کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ اگلے دن ہرقل نے مجھے خفیہ پیغام بھیجا اور مجھے بلایا اور مجھے ایک بڑے کمرے میں لے گیا اس کمرے میں ۳۱۳ تصویریں تھیں مجھ سے کہا کہ ان تصویروں میں اپنے ساتھی یعنی نبی کریم ﷺ کی تصویر کو تلاش کرو میں نے تلاش کر کے کہا یہ ہیں تو اس نے کہا صدقت انتھی اور مرسل محمد بن اسحاق میں ہے کہ دحیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہرقل نے ضغاطر کی طرف بھیجا کہ عیسائی اس کی بات مجھ سے زیادہ مانتے ہیں میں گیا اس نے تصدیق کی اور کالے کپڑے اتارے اور سفید کپڑے پہنے اور گرجا میں جا کر اعلان کیا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی بشارت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے دی اشهدان لااله الا الله و اشهدان احمد عبده و رسوله. اس پر رومیوں نے ایک دم حملہ کیا اور شہید کر دیا میں نے آ کر ہرقل کو بتلایا تو اس نے کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ ہم اپنی جانوں پر ڈرتے ہیں انتھی اور البدایہ والنہایہ لابن کثیر میں طبرانی کے حوالہ سے ہے کہ دحیہ فرماتے ہیں کہ ہرقل نے ضغاطر کو بلایا اس نے آ کر کہا کہ میں تو تصدیق کرتا ہوں ہرقل نے کہا کہ جانتا میں بھی ہوں لیکن اگر میں ایسا کروں تو ملک بھی جائے گا اور مجھے رومی قتل بھی کر دیں گے انتھی۔ فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین:۔ یہ لفظ چار طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱- اریسیئین ۲- یریسیئین ۳- اریسین ۴- یریسین یعنی شروع میں ہمزہ ہے یا یاء ہے اور سین کے بعد ایک یا ہے یا دو یائیں ہیں ایک مشدد دوسری مخفف پھر اس ارشاد مبارک کے مختلف معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- ہرقل کی اکثر رعایا کاشتکار تھی اور اریسیئین بھی کاشتکاروں کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تم نے منہ پھیرا اور ایمان نہ لائے تو تم سبب بن جاؤ گے اپنی رعایا کے کفر کا۔ اس سبب بننے کی وجہ سے تمہیں ان کے کفر کا بھی گناہ ہوگا۔ ۲- ہرقل کے اکثر کاشتکار مجوسی تھے معنی یہ ہیں کہ مجوسیوں کو تو تم بھی دوزخی سمجھتے ہو اگر تم ایمان نہ لائے تو تم بھی اپنے کاشتکاروں کی طرح دوزخی بن جاؤ گے کیونکہ عیسائی مذہب اب منسوخ ہو چکا ہے۔ ۳- اریس کے معنی امیر کے بھی آتے ہیں معنی یہ ہیں کہ متکبر سرداروں کی طرح تمہیں کفر کا گناہ ہوگا کیونکہ عموماً متکبر سردار ایمان نہیں لایا کرتے۔ ۴- اریس کے معنی متکبر یعنی متکبر کافروں کی طرح گناہ ہوگا۔ ۵- بعض یہود و نصریٰ ایک شخص عبداللہ بناریس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اریسیین کہلاتے تھے اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک نبی کو شہید کر دیا تھا معنی یہ ہیں کہ تم بھی اریسیین کی طرح بہت زیادہ گنہگار ہو گے۔

لقد امر امر ابن ابی کبشۃ

حضرت ابوسفیان نے زمانہ کفر میں کہا کہ دیکھو محمد ﷺ کا معاملہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ رومیوں کا بادشاہ بھی ان سے ڈرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشۃ کے نام سے کیوں ذکر کیا۔ اس میں مختلف قول ہیں۔ ۱- ابوکبشۃ عرب میں ایک شخص گزرا تھا اس کا بت باقی اہل عرب کے بتوں سے الگ تھا اس لئے ابوکبشۃ کا بیٹا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ بھی ابوکبشہ جیسے ہیں جیسے وہ باقی اہل عرب سے الگ تھا اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی ہم سب سے دین میں الگ ہیں۔ ۲- نبی کریم ﷺ کے نانا جان کا نام ابوکبشۃ تھا اس لئے ابن ابی کبشۃ کہا۔ ۳- حضرت عبدالمطلب کے نانا کا نام یہی تھا۔ ۴- نبی کریم ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ کے خاوند کا نام ابوکبشہ تھا اس بنا پر نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہا۔ ۵- حضرت حلیمہ کے والد صاحب کا یہ نام تھا۔ ۶ حضرت حلیمہ کے دادا جان کا یہ نام تھا ابوکبشہ اس لئے

نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہا۔

کان ابن الناظور صاحب ایلیاء

یہاں سے روایت امام زہری کو بلاواسطہ پہنچی کیونکہ ابن الناظور مسلمان ہوئے اور لمبی عمر پائی حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں امام زہری سے بھی ملاقات ہوئی ابن الناظور کا دنیوی منصب بھی یہاں بیان کیا گیا ہے کہ ایلیاء کے حاکم تھے اور ہرقل کے مصاحب تھے اور دینی منصب یہ بیان کیا گیا ہے کہ سقف یعنی عیسائیوں کے پادری تھے۔

فقال بعض بطارقتہ

یہ بطریق بفتح الباء یا کسر الباء کی جمع ہے خصوصی مصاحب کو کہتے ہیں۔

کان ہرقل حزاء:۔ ای کاھناً۔

فمن یختتن من ھذہ الامۃ

یعنی اس زمانہ کے لوگوں میں سے کون ختنہ کراتا ہے۔

ثم کتب ہرقل الی صاحب لہ برومیۃ

رومیہ ایک شہر کا نام ہے اس میں ہرقل کا دوست رہتا تھا اس کا نام ضغاطر تھا جس کا واقعہ پیچھے نقل کردیا گیا ہے۔ اس کو ضغاطر رومی کہتے تھے۔

فلم یرم حمص حتی اتاہ کتاب من صاحبہ

۱- حمص شہر سے باہر جانے کا ابھی ارادہ نہ کیا تھا کہ جواب آ گیا۔ ۲- ابھی حمص شہر میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کیا تھا کہ جواب آ گیا لیکن پہلی توجیہ راجح ہے کیونکہ بعض روایتوں میں فلم یرم منھا ہے۔ **قولہ۔** فی دسکرۃ لہ بحمص الخ دسکرہ کے معنی محل کے ہیں۔ **قولہ:۔** فکان ذلک آخر شان ہرقل اس کے متعلق تین قول ہیں۔ ۱- ایمان لے آیا تھا۔ ۲- نہ لایا تھا۔ ۳- توقف دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

المسائل المستنبط من حدیث ہرقل

۱- جس کو خط لکھا جائے بطور تبلیغ کے اس سے نرم لہجہ اختیار کرنا مستحسن ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عظیم الروم لکھا۔ سوال۔ ملک الروم کیوں نہ لکھا دیا۔

جواب: ملوکیت شریعت میں نبی کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر نہ ہوسکتی تھی اور یہ اجازت اس کو حاصل نہ تھی۔ ۲- خبر واحد پر عمل ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک ہی آدمی دحیہ کلبی کے ہاتھ خط لکھوا کر بھیجا تھا۔ ۳- خطوط اور خطبات میں اما بعد کا ذکر مستحسن ہے۔ ۴- جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ۵- دشمن کی زمین کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ ۶- کافر کو آیت لکھ کر بھیجنی جائز ہے۔ ۷- خطوط میں ایجاز اور تجنیس مستحسن ہے اسلم تسلم ۸- جو دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے وہ گنہگار ہوتا ہے۔ ۹- جھوٹ ہرامت میں عیب ہے۔ ۱۰- رسل اعلیٰ نسب میں بھیجے جاتے تھے۔ ۱۱- اہل کتاب پر اسلام کی صداقت واضح تھی۔ حسد اور عناد اور حکومت کی محبت کی وجہ سے مسلمان نہ ہوتے تھے۔ **کتاب الایمان:۔** کتاب الایمان کو پہلے لانے کی وجہ۔ ۱- انسان پر ایمان سب سے پہلے واجب ہوتا ہے۔ ۲- ایمان پر سب اعمال موقوف ہیں۔ ۳- ایمان کے بغیر نجات نہیں۔

کتاب الایمان کا حدیث ہرقل سے

ربط:۔ ۱- یہ بتانا مقصود ہے کہ نجات کا مدار اختیاری تصدیق پر ہے غیر اختیاری معرفت پر نہیں ہے ہرقل کو معرفت حاصل ہوئی بظاہر تصدیق اس نے ظاہر نہ کی۔ ۲- حدیث ہرقل میں تھا کہ دل میں جب ایمان کی بشاشت وحلاوت داخل ہو جاتی ہے تو پھر ایمان دل سے نکلا نہیں کرتا اب اس بشاشت کی وضاحت کتاب الایمان سے ہوتی ہے۔

کتاب الایمان کا باب بدأ الوحی سے

ربط:۔ ۱- بدأ الوحی مقدمہ تھا اب مقصود شروع ہوتا ہے۔ ۲- سب سے پہلے آسمان سے نازل ہونیوالی چیز وحی کے بعد سب سے پہلے مکلف پر واجب ہونے والی چیز ایمان کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

ایمان کے لغوی معانی

ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں یعنی تم اپنے اختیار سے

مخبر کی طرف یا مخبر عنہ کی طرف صدق کو منسوب کرو۔ ایمان امن سے ماخوذ ہے باب افعال کا ہمزہ تعدیہ کے لئے ہے یا صیرورۃ کے لئے ہے متعدی بنانے کا مطلب ہے کہ جس کی تصدیق کی گئی ہے اس کو تکذیب سے امن میں کر دیا گیا ہے۔ صیرورۃ کے معنی یہ ہیں کہ جس کی تصدیق کی گئی ہے وہ امن والا ہو گیا ہے۔ اعتراف اور اقرار کی تضمین کی وجہ سے باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے آمن الرسول بما انزل الیہ اور قبول کی تضمین کی وجہ سے لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے فآمن لہ لوط. اصل محل تصدیق دل ہے زبان صرف دل کی ترجمانی کرتی ہے۔

اسلام کے لغوی معانی

۱- لغت میں بمعنی تسلیم ہے یعنی ترک اعتراض ۲- بمعنی استسلام بھی آتا ہے یعنی انقیاد و ترک تمرد و عناد اور محل اسلام قلب اور لسان اور جوارح تینوں ہیں اس لئے لغت کے لحاظ سے۔ ۱- اسلام ایمان سے اعم ہے۔ ۲- دوسرا قول یہ بھی ہے ایمان لغت میں انقیاد باطنی کو کہتے ہیں مع شرط الانقیاد لظاہری اور اسلام انقیاد ظاہری کو کہتے ہیں مع شرط الانقیاد الباطنی اس لئے دونوں میں مساوات کی نسبت ہے۔

ایمان اور اسلام کے شرعی معانی

الایمان شرعا ھوا لتصدیق بجمیع ماجاء بہ النبی ﷺ والا سلام شرعاً ھوانقیاد اللہ تعالیٰ مطابقاً لما اخبر بہ النبی ﷺ.

ایمان میں مذاہب

۱- عندالمتکلمین و الحنفیۃ و المتقدمین من الفقھاء والمحدثین اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں پھر متکلمین کے مذہب کی تعبیر میں تین طرق ہیں طریق اول اور وہ محققین کا طریق ہے کہ ایمان تصدیق مجرد کا نام ہے دوسرا طریق اور وہ طریق جمہور متکلمین کا کہلاتا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور اقرار اس کی شرط ہے دنیا کے احکام جاری کرنے میں۔ تیسرا طریق طریق الفقہاء کہلاتا ہے ایمان تصدیق اور اقرار کے مجموعہ کا نام ہے۔ البتہ اقرار عندالعجز ساقط ہو جاتا ہے۔ ۲- دوسرا مذہب متاخرین میں الفقہاء والمحدثین اور شوافع حضرات کا ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء محسنہ ہیں اسی لئے تارک اعمال ایمان سے خارج نہیں اور کفر میں داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے۔ ۳- تیسرا مذہب خوارج کا ہے اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ ہیں اور مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج اور کفر میں داخل ہوتا ہے اور مخلد فی النار ہے۔ ۴- چوتھا مذہب معتزلہ کا ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ ہیں اور مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا اور مخلد فی النار ہوتا ہے ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ مانتے ہیں جس کا نام انہوں نے فسق رکھا ہے۔ ۵- پانچواں مذہب کرامیہ کا ہے کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے اگرچہ قلب میں انکار ہی ہو جیسا کہ منافق میں ہوتا ہے۔ ۶- چھٹا مذہب مرجئہ کا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور کتنے ہی گناہ کرتا چلا جائے دوزخ میں نہ جائے گا۔

محدثین اور خوارج اور معتزلہ کے خلاف متکلمین حضرات کے دلائل

۱- اولئک کتب فی قلوبھم الایمان معلوم ہوا کہ ایمان کا محل قلب ہے اور ایمان تصدیق قلبی ہی کا نام ہے۔ ۲- وقلبہ مطمئن بالایمان ۳- ولمایدخل الایمان فی قلوبکم۔ ۴- قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ثبت قلبی علی دینک. ۵- جابجا قرآن پاک میں اعمال کا عطف ایمان پر کیا گیا ہے الاالذین امنوا وعملواالصالحات اور عطف مغایرت کے لئے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں ایمان سے الگ ہیں مغایر ہیں مبائن ہیں۔ ۶- وان طائفتان من المومنین اقتتلوا. معلوم ہوا کہ آپس میں قتال کے باوجود ایمان باقی رہتا ہے۔ ۷- الذین امنوا ولم

یلبسوا ایمانهم بظلم اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو حالتیں ہیں کبھی ظلم اور گناہ کے ساتھ مل جاتا ہے اور کبھی نہیں ملتا یعنی ایمان کے ساتھ کبھی اعمال صالحہ ملتے ہیں اور کبھی گناہ ملتے ہیں ایمان دونوں کے ساتھ جمع ہوتا ہے اگر اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہوتے تو ان کے نہ ہونے سے ایمان ختم ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے اعمال اجزاء ایمان نہیں ہیں۔ ۸- یایها الذین اٰمنوا توبوا الی الله توبة نصوحا. یہ خطاب کبائر کا ارتکاب کرنے والوں کو ہے اور ان کو مومن کے لقب سے حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے معلوم ہوا کہ باوجود عمل صالح چھوڑنے کے ایمان باقی رہا اس لئے اعمال اجزاء ایمان نہیں ہیں۔ ۹- توبوا الی الله جمیعا ایها المومنون یہی تقریر جو ابھی آٹھویں دلیل میں گزری۔ ۱۰- یایها الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام تو روزوں سے پہلے بھی تو ایمان تھا معلوم ہوا اعمال اجزاء ایمان نہیں ہیں۔ ۱۱- ومن یعمل من الصالحات وهو مومن معلوم ہوا عمل صالح کی شرط ایمان ہے اور شرط غیر مشروط ہوتی ہے اس لئے ایمان اور عمال صالح غیر غیر ہیں۔ ۱۲- اس پر اجماع ہے کہ ایمان شرط ہے عمل صالح کے لئے اور شرط غیر مشروط ہوتی ہے۔ ۱۳- خوارج اور معتزلہ کے مذہب پر تو نبی کریم ﷺ کے سوا کوئی بھی مومن نہ ہوگا کہ گناہ سے کوئی مومن بھی خالی نہیں ہے۔

محدثین حضرات کے دلائل

چونکہ امام بخاری نے کتاب الایمان میں محدثین ہی کا مذہب لیا ہے اور کتاب الایمان میں جا بجا محدثین کے دلائل ذکر کئے ہیں اس لئے محدثین کے دلائل الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ابواب ہی میں مناسب تقریر اور پھر متکلمین کی طرف سے جواب ذکر کر دیا جائے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔

خوارج اور معتزلہ کے دلائل

۱- والذین لایدعون مع الله الٰهاً آخر ولایقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولایزنون و من یفعل ذلک یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیامة فیه مهانا اس میں گناہوں پر خلود صراحۃً مذکور ہے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اگر اس میں ایمان ہوتا تو مخلد فی النار نہ ہوتا کیونکہ حدیث پاک میں ہے یخرج من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من الایمان معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج ہو گیا پھر خوارج چونکہ ایمان و کفر میں واسطہ اور تیسرا درجہ نہیں مانتے اس لئے جب ایمان سے نکلا تو کفر میں داخل ہو گیا اور معتزلہ درمیان میں واسطہ مانتے ہیں فسق اس لئے اس میں داخل ہو گیا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ خلود سے مراد یہاں مجازاً مکث طویل ہے کہ وہ بھی خلود کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے بطور استعارہ تصریحیہ کے مشبہ بہ بول کر مشبہ مراد ہے دلیل اس کی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الله لایغفر ان یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشاء جب کفر و شرک کے سوا ہر گناہ کی معافی ہو سکتی ہے تو خلود ضروری نہ رہا بلکہ یخرج من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان سے ثابت ہوا کہ ادنیٰ ایمان والا جو مرتکب کبائر ہونے کی وجہ سے کمال ایمان سے محروم رہا وہ ضرور دوزخ سے نکل آئے گا اس لئے خلود فی النار ثابت نہ ہوا۔ ۲- کتاب الایمان کی پہلی حدیث بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لااله الا الله وان محمدا رسول الله و اقام الصلٰوة ایتاء الزکٰوة والحج و صوم رمضان. معلوم ہوا کہ تصدیق اور چار عمل ایمان میں داخل ہیں اور جزء کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے اس لئے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ جواب:- یہ چیزیں ایمان کے اجزاء ہیں لیکن کامل ایمان کے اجزاء ہیں اور نفس ایمان کے لئے اجزاء محسنہ ہیں اور صفات خارجہ ہیں ان کی نفی سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی جیسے سر کے بال منڈا دینے سے انسانیت ختم نہیں ہوتی اور بیل کے سینگ کاٹ دینے سے وہ مر نہیں جاتا۔ ۳- حدیث

پاک میں ہے لایزنی الزانی حین یزنی وھومومن معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ زنا جمع نہیں ہوسکتی جب زنا آئے گی تو ایمان ختم ہوجائے گا اس لئے مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوا۔ جواب یہ ہے کہ مومن کامل مراد ہے نفس ایمان ختم نہ ہوا۔ ایمان کامل ختم ہوا اس لئے ایمان سے خارج نہ ہوا۔ ۴- وانی لغفار لمن تاب واٰمن وعمل صالحا ثم اھتدی اور جابجا ایمان کے ساتھ قرآن پاک میں عمل صالح مذکور ہے معلوم ہوا کہ بخشش ایمان اور عمل صالح کے مجموعہ پر مرتب ہوتی ہے اس لئے اگر عمل صالح نہ ہوگا تو مخلد فی النار ہوگا اور کبھی بخشش نصیب نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ کامل بخشش مراد ہے کہ عمل صالح کے بغیر کامل بخشش نہ ہوگی اور ابتداء جنت میں نہ جائے گا اگر معافی نہ ہوئی۔

۵- و من یقتل مومنا متعمداً فجزاہ' جھنم خالداً فیھا.

جواب: ۱- خلود بمعنی مکث طویل ہے۔ ۲- اس آیت اور حدیث کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے اور مومن کو اس حکم سے نکال دیا گیا ہے آیت یہ ہے ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفرمادون ذلک لمن یشاء اور حدیث یہ ہے کہ یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان۔ کرامیہ کی تردید: ۱- ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمومنین۔ صرف زبان سے اقرار کرنے والے منافقین کو مومن نہیں قرار دیا گیا۔ ۲- واللہ یشھدان المنافقین لکذبون اور کرامیہ کہتے ہیں ان المنافقین لصادقون۔ کرامیہ کی دلیل یہ حدیث ہے من کان اٰخر کلامہ لاالٰہ الا اللہ لدخل الجنۃ جواب مع التصدیق مراد ہے۔ مرجئہ کے دلائل اور ان کے جواب:۔ ان کی دلیل ۱- جیسے کافر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا ایسے ہی مومن جہنم میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جواب: ۱- کافر پر مومن کو قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ کافر کے پاس کوئی نیکی نہیں جو اس کو جنت میں لائے کیونکہ نیکی کے لئے ایمان شرط ہے اس میں یہ شرط نہیں ہے اور مسلمان کے پاس نیکی بھی ہے گناہ بھی ہے کیونکہ سب گناہوں کا کفارہ ہوجانا یا سب کا بلاتوبہ معاف ہوجانا ضروری نہیں ہے اور سب کا توبہ کرنا ضروری نہیں اس لئے جنت اور دوزخ دونوں میں جانے کے اسباب موجود ہیں اب پہلے جنت میں اور پھر دوزخ میں جانا حق تعالیٰ کی شان کریمی کے خلاف ہے اس لئے پہلے جہنم میں عادات و اعمال کی اصلاح کے لئے دوزخ کے ہسپتال میں رہیں گے پھر جنت میں جائیں گے اگر بلا اصلاح سب کو جنت میں داخل کردیا جائے تو ایسے ہی لڑائی جھگڑے کریں گے جیسے دنیا میں کرتے ہیں تو جنت دوزخ بن جائے گی اس لئے شان مغفرت کی وجہ سے بعضوں کی کن سے اصلاح فرمادیں گے اور جنت میں داخل فرمادیں گے اور بعض کا داخلہ دوزخ میں تہذیباً اپنی شان حکمت کی بنا پر فرمائیں گے اور جب اصلاح ہوجائے گی تو جنت میں داخل فرما دیویں گے۔ سمجھدار وہی ہے جو اپنے اخلاق و اعمال کی اصلاح دنیا ہی میں کرالے تاکہ دوزخ کے ہسپتال میں نہ کافروں کی طرح تعذیباً رہنا پڑے نہ مفسدوں کی طرح تہذیباً رہنا پڑے۔ ۲- دوسرا جواب یہ ہے کہ مومن کو کافر پر اس لئے قیاس نہیں کرسکتے کہ کافر کی اگر کوئی نیکی ہے بھی تو اس کا بدلہ دنیا میں اس کو مل جاتا ہے اور فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ پر عمل ہوجاتا ہے اس لئے وہ جنت میں نہیں جاسکتا اور مومن کے سب گناہوں کا کفارہ دنیا میں نہیں ہوتا اس لئے اس کی نیکی بھی باقی ہے گناہ بھی باقی ہیں اس لئے اگر مغفرت تفضلاً نہ ہوئی تو دوزخ میں سزا بھگت کر جنت میں نیکی کی وجہ سے جائے گا۔ ۲- دوسری دلیل مرجئہ کی یہ ہے کہ ایمان باللہ کے ساتھ عذاب اللہ میں کیسے جاسکتا ہے جواب حضرت انورشاہ صاحب نے دیا کہ ایمان جہنم کے دروازے پر محفوظ رکھ لیا جائے گا اور بلا ایمان جہنم میں جائے گا۔ سزا بھگت کر جب نکلے گا تو اس کا ایمان اس کو دے دیا جائے گا۔ مرجئہ کے خلاف اہل حق کے دلائل:۔ انماالمومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذاتلیت علیھم آیاتہٗ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون اولٰئک ھم المومنون حقا معلوم ہوا کہ اعمال کے بغیر ایمان

ناقص ہے۔۲-ایمان تصدیق کا نام ہے اور ہر عمل تصدیق ہے اس لئے اعمال کا اہتمام ضروری ہے۔۳-حضرت ابو مالک اشعری سے مرفوعاً واقع ہوا ہے الطهارة شطر الايمان۔۴-صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً وارد ہے الايمان بضع وستون شعبة۔ان میں اکثر اعمال ہیں وہ سب ایمان کا حصہ ہیں۔۵-اگر اعمال کی ضرورت نہ ہو تو تمام آیات و احادیث جن میں اوامر ونواھی ہیں فضول اور بے کار ہوں گی نعوذ باللہ من ذلک

الایمان یزید وینقص

عندالمحدثین والشوافع ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور عند المتکلمین والحنفیہ نہیں ہوتی۔اس مسئلہ میں منشاء اختلاف کی چند تقریریں ہیں۔۱-اعمال محدثین کے نزدیک اجزاء ایمان ہیں اور اعمال میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ہے بخلاف متکلمین۔۲-متکلمین کے پیش نظر نفس نجاۃ کا مدار بتلانا ہے وہ نفس تصدیق ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہے اور مطح نظر محدثین کے لئے نجات بلا عذاب ہے اس لئے وہ کمی بیشی کے قائل ہو گئے کہ کوئی بالکل بلا عذاب جائے گا۔کوئی تھوڑے عذاب کے بعد کوئی زیادہ عذاب کے بعد۔۳-متکلمین کی غرض معتزلہ اور خوارج کی تردید تھی جن کے نزدیک ضرورت سے زائد اعمال کی اہمیت تھی اور محدثین کی غرض مرجئہ کی تردید تھی جنہوں نے اعمال کو بالکل فضول قرار دے دیا تھا۔

زیادۃ ایمان اور نقصان ایمان کے دلائل

محدثین زیادۃ والی آیات واحادیث کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں جب زیادت ثابت ہوگئی تو اس کی سند لزوماً ثابت ہوگئی اور متکلمین زیادت والی نصوص کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں مثلاً۔۱-نفس تصدیق اور نفس ایمان میں زیادۃ نقصان نہیں ہے بلکہ ایمان کے کمال اور نورالانشراح اور حلاوت اور بشاشت میں کمی بیشی ہوتی ہے۔۲-ایمان عقد نکاح کی طرح ہے نفس نکاح اور نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں۔موارد ایمان یعنی عقائد واعمال واخلاق میں کمی بیشی ہے مثل حقوق نکاح کے کہ حقوق میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے کوئی حق پورا ادا کرتا ہے کوئی کم۔۳-نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں پہلے توحید نازل ہوئی پھر نماز پھر زکوٰۃ پھر جہاد پھر حج تو مومن بہ بڑھنے کو زیادۃ شمار کیا گیا اس لئے یہ زیادتی مختص اس پاک زمانہ کے ساتھ ہے بعد میں نہ رہی اور ہے بھی مومن بہ میں نہ کہ نفس ایمان میں۔۴-اقوال واعمال میں دو درجے ہیں ایک نفس اعمال واقوال اور ایک تصدیق بالاعمال والاقوال تصدیق بالاعمال والاقوال میں صرف نفی و اثبات ہے۔تصدیق ہے تو ایمان ہے ورنہ نہیں اور نفس اعمال واقوال سے ایمان کی کمی بیشی ہوتی ہے لیکن نفس ایمان کی نہیں کمال ایمان کی۔مثلاً سود حرام ہونے کو مانتا ہے تو مومن ورنہ کافر پھر سود کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ کھاتا ہے کوئی نہیں کھاتا اس سے کمی بیشی ایمان کی ہوتی ہے لیکن نفس ایمان کی نہیں کمال ایمان کی۔ایسے ہی اقوال میں جھوٹ کو حرام سمجھے گا تو مومن حلال سمجھے گا تو کافر اور کوئی جھوٹ نہیں بولتا کوئی کم بولتا ہے کوئی دن رات جھوٹ بولتا ہے تو اس سے نفس ایمان کی تو نہیں البتہ کمال ایمان کی کمی بیشی ہوتی ہے۔۵-صورت تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی بلکہ اثر ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یعنی مدح اور ثواب میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسے فتح مکہ سے پہلے ایمان کا درجہ اونچا ہے بعد کا درجہ کم ہے تو نفس تصدیق اور صورت تصدیق میں فرق نہیں ثواب اور مدح میں فرق ہے۔۶-دلائل تصدیق میں کمی بیشی ہوتی ہے نفس تصدیق میں نہیں۔۷-استقامۃ علی الایمان مصائب وغیرہ میں کسی کی باقی رہتی ہے۔کسی میں تزلزل پیدا ہو کر کمی آجاتی ہے نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔۸-قول وعمل شاہدین علی الایمان ہیں ان کی کمی بیشی سے ظہور تصدیق میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسے نکاح میں پہلے ایک نظر دیکھنے کی گنجائش ہے پھر خطبہ یعنی منگنی پھر نکاح پھر ملاقات ہے ایسے ہی ایمان میں پہلے تصدیق پھر اقرار پھر اعمال پھر مشاہدہ ان تعبدالله كانك تراه ہے تو تصدیق میں اور نفس ایمان میں کمی بیشی نہ ہوئی بلکہ ظہور تصدیق میں کمی بیشی ہوئی۔

لفظ ایمان اور لفظ اسلام کے استعمال میں فرق

اس میں کئی قول ہیں۔ مثلاً ۱- امام غزالی فرماتے ہیں کہ ایمان واسلام کا لفظ تین طرح استعمال ہوتا ہے ایک بطور ترادف **فاخرجنامن کان فیھا من المومنین فما وجدنا فیھا غیربیت من المسلمین** یہاں مسلمین اور مومنین کا مصداق ایک ہی گھر کے افراد ہیں اس لئے یہ استعمال بطور ترادف ہوا ہے اس ترادف میں دونوں میں سے ہر ایک سے مراد انقیاد ظاہری اور باطنی کا مجموعہ ہے۔ دوسرا استعمال بطور تقابل کے ہے کہ ایمان سے مراد انقیاد باطنی ہے اور اسلام سے مراد انقیاد ظاہری ہے جیسے **قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم** تیسرا استعمال بطور تداخل جیسے طبرانی اور مسند احمد کی حدیث ہے۔ فقیل ای الاسلام افضل قال الایمان پس اس حدیث میں ایمان کا تعلق صرف دل سے مانا گیا ہے اور اسلام کا تعلق دل اور زبان اور جوارح تینوں سے مانا گیا ہے۔ ۲- قال شیخنا الانور الکشمیری ایمان واسلام کی حرکت ایک ہے صرف ذھاب وایاب میں فرق ہے ایمان کا مبداء اول ہے پھر زبان پھر عمل پر اثر ہوتا ہے اور اسلام کا مبداء جوارح ہیں پھر زبان پھر دل تک پہنچتا ہے۔ ۳- قال الحافظ ابن رجب ایمان واسلام جب ایک ہی کلام میں اکٹھے ہو جاتے ہیں تو معنی کے لحاظ سے جدا جدا ماننے پڑتے ہیں ایمان کے معنی تصدیق قلبی کے لینے پڑتے ہیں اور اسلام کے معنی انقیاد ظاہری کے لینے پڑتے ہیں اور جب ذکر میں جدا ہوتے ہیں یعنی صرف ایمان مذکور ہو یا صرف اسلام مذکور ہو تو پھر معنی دونوں میں سے ہر ایک کے تصدیق مع الانقیاد ہوتے ہیں عجیب بات ہے اکٹھے ہوں تو جدا اور جدا ہوں تو اکٹھے جیسے فقیر اور مسکین کے لفظ ہیں کہ ایک ہی کلام میں ہوں تو فقیر کم مال والا اور مسکین خالی ہاتھ ہوتا ہے اور اگر صرف ایک مذکور ہو تو مسکین بھی محتاج اور فقیر بھی محتاج اکٹھے ہو گئے۔ ۴ قال ابن الھمام اسلام اور ایمان بالکل ایک ہیں اور جس آیت سے بظاہر فرق معلوم ہوتا ہے **قالت الاعراب اٰمنا قل لم تومنوا ولکن قولوااسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم** اس میں بھی دونوں کی ماہیت اور حقیقت میں کوئی فرق بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ یہ فرمایا کہ اسلمنا کا لفظ استعمال کروں کیونکہ اس میں ذہن ظاہر کی طرف جاتا ہے اس کا اقرار آسان ہے آمنا نہ کہو کہ اس سے ذہن قلبی کمال کی طرف جاتا ہے جس کا دعویٰ مناسب نہیں یہ بیان فرمانا مقصود نہیں کہ دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے تصدیق قلبی مع الانقیاد ۵- معتزلہ اور روافض کے نزدیک مرتکب کبیرہ کو مسلم کہہ سکتے ہیں مومن نہیں کہہ سکتے ان کے نزدیک ایمان اور کفر کے درمیان ایک درجہ فسق کا ہے اسلام فسق اور ایمان دونوں کو شامل ہے۔ ایمان فسق کو شامل نہیں۔ ایمان مجموعہ ہے تصدیق بالجنان اقرار باللسان اور عمل بالارکان اور اسلام نفس انقیاد ہے تینوں سے ہو یا بعض سے ہو۔ ۶- امام صدرالدین بزدوی نے فرمایا کہ ایمان اور اسلام میں تلازم ہے یعنی مفہوم الگ الگ ہے لیکن ایک دوسرے کے بغیر پائے نہیں جاتے جیسے ظہر و بطن کا مفہوم الگ الگ ہے لیکن وجود اکٹھا ہے اسلام انقیاد کا نام ہے لیکن بلا تصدیق یہ انقیاد معتبر نہیں اور ایمان تصدیق کا نام ہے لیکن بلا عمل یہ کافی نہیں اور مستحسن نہیں اور نجات اولیٰ کے لئے معتبر نہیں۔

تبریہ کا مقام:۔ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ایمان کی شرط تبری عن الکفر بھی ہے دل میں تو ہمیشہ تبری اور بیزاری لازم ہے اور قولاً وعملاً اس وقت ضروری ہے جب کوئی مانع نہ ہو دلیل قد **کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوالقومھم انا براء منکم ومماتعبدون من دون اللہ** لیکن جمہور علماء ومشائخ کے نزدیک اظہار ایمان ہی کافی ہے تبری ضمناً وتبعاً خود بخود پائی جاتی ہے اصل مقصود نہیں ہے۔ فاسق کو مومن کہنا:۔ ۱- ایک قول میں صحیح ہے۔ ۲- دوسرا قول یہ ہے کہ مسلم کہنا صحیح ہے مومن کہنا صحیح نہیں۔ ۳- تیسرا قول یہ ہے کہ مومن

ناقص کہنا صحیح ہے کیونکہ اگر مطلق مومن کہیں گے تو ذہن کامل ہی کی طرف جائے گا۔ راجح بظاہر پہلا قول ہی ہے۔

ایمان میں استثناء کا مسئلہ

۱- اولیٰ یہ ہے کہ انا مومن انشاء اللہ تعالیٰ کہے صرف انا مومن نہ کہے کیونکہ مدار خاتمہ پر ہے نہ معلوم کیسا خاتمہ ہو۔ ۲- انا مومن کہنا اولیٰ ہے کہ حال کا لحاظ ہے حال میں ایمان حاصل ہے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے بلا استثناء کہنا چاہئے۔ شکر سے ترقی بھی ہوتی ہے لان شکرتم لازیدنکم نبی کریم ﷺ نے کھانے کے بعد دعا سکھلائی الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین کہ جس طرح عمل کا اہتمام خاتمہ بالخیر کا سبب ہے کہ عمل سے ایمان محفوظ ہو جاتا ہے ورنہ کھلے میدان میں چراغ رکھنے کی طرح ہوتا ہے ذرا فتنہ کی آندھی چلی تو ایمان ختم اور جس طرح کثرت ورد کلمہ طیبہ خاتمہ بالخیر کا سبب ہے اور جس طرح عصر کی سنتوں کا اہتمام خاتمہ بالخیر کا سبب ہے کہ ایسے شخص کے لئے خصوصی دعاء نبی کریم ﷺ نے فرمائی ہے اسی طرح دن میں دو تین بار کھانے کے بعد اس دعاء کے پڑھنے سے ایمان کا شکر ادا ہوگا اور شکر سے ترقی اور مضبوطی نصیب ہوگی اور خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ ۳- تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں طرح برابر ہے ان حضرات نے دونوں قسم کے دلائل پر نظر ڈالی ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ بلا استثناء صرف انا مومن کہنا ہی اولیٰ ہے اس کی ۱- ایک وجہ تو ابھی گزری کہ شکر ادا ہوگا تو مضبوطی ہوگی۔ ۲- انشاء اللہ کہنے سے ذہن شک کی طرف جاتا ہے کہ شاید اسے شک ہو۔ ۳- صحابہ کرام سے استثناء منقول نہیں۔ ۴- جنہوں نے استثنا کو واجب قرار دیا ہے وہ مغلوب الحال ہیں غلبہ خوف میں ایسا کہہ دیا۔ ایسے حضرات کا قول حجت نہیں ہوتا۔

ایمان میں محدثین و متکلمین کا اختلاف نزاع لفظی ہے

اور حقیقت میں دونوں کے نزدیک نفس ایمان سے اعمال خارج ہیں ایمان کامل میں داخل ہیں یا یوں کہیں گے کہ اعمال اجزاء محسنہ ہیں اجزاء حقیقیہ نہیں نفی کرنے والے اجزاء حقیقیہ کی نفی کرتے ہیں اثبات کرنے والے اجزاء محسنہ کا اثبات کرتے ہیں اس نزاع لفظی کا منشاء بھی یہ تھا کہ متکلمین و حنفیہ کے زمانہ میں معتزلہ اور خوارج کا بہت فتنہ تھا ان کی تردید کے لئے یہ عنوان اختیار فرمایا اور محدثین اور شوافع کے زمانہ میں مرجئہ کا بہت زور تھا اس لئے ان کی تردید کے لئے یہ طرز اختیار فرمایا۔

حنفیہ کو مرجئہ کہنے کی وجہ

۱- امام ابوحنیفہ فاسق کے عذاب کا ارجاء مانتے تھے یعنی ارادۃ اللہ پر موقوف ہونا مانتے تھے کہ چاہیں گے تو عذاب دیں گے چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے یہ معنی نہیں کہ امام صاحب کا عقیدہ وہی تھا جو فرقہ مرجئہ کا تھا۔ ۲- امام ابوحنیفہ ارجاء اعمال کے قائل تھے یعنی اعمال کو رکنیت ایمان سے مؤخر مانتے تھے کہ یہ رکن ایمان نہیں ہیں۔ ۳- بعض مرجئہ فرعی اعمال میں حنفی مذہب کے مقلد تھے جیسے علامہ زمخشری عقائد میں معتزلی لیکن فروع میں حنفی تھے تو ان خاص مرجئہ حنفیہ کو بعض علماء نے مرجبہ کہا تھا یہ مطلب نہ تھا کہ سب حنفی مرجبہ فرقہ میں داخل ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس

۱- ای ھذا باب فی ذکر قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی السلام علی خمس۔ ۲- خذ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ پھر بعض نسخوں میں یہاں یوں ہے باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس لیکن یہ نسخہ راجح نہیں ہے کیونکہ جب کتاب الایمان میں فرما دیا تو اب ایمان کے انواع آنے چاہئیں دوبارہ باب الایمان ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس باب کی غرض ۱- مرجبہ کا رد کہ وہ اعمال کی ضرورت نہیں سمجھتے انکار د ہے کہ اعمال پر ایمان اور اسلام مبنی ہیں۔ ۲- سلف صالحین کے اس قول کی تائید ان الایمان قول و عمل و نیۃ۔ ۳- الایمان یزید و ینقص کا اثبات

مقصود ہے امام بخاری کا قول منقول ہے لقیت اکثر من الف رجل من العلماء بالامصار فما رایت احدا منھم یختلف فی ان الایمان قول وعمل یزید وینقص۔ اس کے بعد آٹھ آیتیں ذکر کیں جن میں ایمان کی زیادت کی تصریح ہے اور زیادۃ سے نقصان اشارۃً سمجھ میں آ رہا ہے پھر حدیث پیش کی جس میں بنی الاسلام علی خمس مذکور ہے متکلمین کی طرف سے آیات کی آٹھ توجیہات ذکر کی جا چکی ہیں اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں اسلام کا مرکب ہونا مذکور ہے اس کے ہم بھی قائل ہیں کیونکہ اسلام تو تصدیق، قول اور عمل کا مجموعہ ہے اس لئے حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے پھر سلف صالحین سے جو منقول ہے ان الایمان قول وعمل ونیۃ یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ یہ متکلمین کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں بلکہ صرف یہ کہ اعمال کا تعلق ہے ایمان کے ساتھ اس تعلق کی وجہ سے ایمان کے آثار وانوار میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ البتہ امام بخاری پر یہ اعتراض باقی رہتا ہے کہ آپ نے سلف صالحین کے قول میں عمل کی جگہ فعل جو رکھا ہے یہ اچھا نہ کیا۔ عمل اور فعل میں فرق پیچھے انما الاعمال بالنیات والی حدیث میں گذر چکا ہے ایک دوسرا اعتراض امام بخاری پر پڑتا ہے کہ آپ نے نیت کا لفظ سلف صالحین کے قول سے بالکل حذف ہی کر دیا اس کا جواب ۱- ایمان میں نیت کا داخل ہونا بالکل ظاہر تھا اس لئے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ ۲- نیت کے داخل ہونے میں اختلاف نہ تھا اس لئے حذف کر دیا۔

لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم

یہاں سے آٹھ آیتوں سے زیادہ پر استدلال کرنا چاہتے ہیں ان سب میں سے ہر ایک کی آٹھ آٹھ توجیہات تو وہی ہیں جو پیچھے تفصیل سے گزریں اس کے علاوہ پہلی آیت سے صاف کی توجیہ میں حنفیہ اور متکلمین کی طرف سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پہلی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اصلی اور نفس ایمان تو قائم رہتا ہے زائد ہونے والی چیز نفس ایمان کے علاوہ کوئی چیز ہے اسی لئے نفس ایمان معرفہ ہے ایمانھم اور زائد ہونے والی چیز نکرہ ہے ایمانا پھر اصل ایمان ان کا اختیاری ہے اسی لئے ایمانھم فرمایا ان کی طرف نسبت اور اضافت فرمائی اور ایمانا جو اللہ تعالیٰ کی زائد عطا ہے اس کی اضافت ان کی طرف نہ فرمائی اور لفظ مع جو بڑھایا تو اس میں بھی اشارہ ہے کہ نفس ایمان الگ ہے اور اس پر زائد ہونے والی چیز الگ ہے پھر ان آٹھوں آیتوں میں سے جن تین آیتوں میں ھدیٰ کا لفظ ہے وہاں یہ جواب بھی ہے کہ ہدایت میں زیادتی ثابت ہوئی اور ہدایت تو اسلام ہے۔ اسلام میں اور ہدایت میں اعمال میں زیادتی ہے نفس ایمان میں زیادتی نہیں ہے۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان

غرض یہ ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ میں تو کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ثابت ہوگئی اور یہ عبارت بعض روایات سے ماخوذ ہے ہم متکلمین کی طرف سے اس کے متعدد جواب دیتے ہیں۔ ۱- من اتصالیہ ہے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں چیزوں کا ایمان سے تعلق ہے تو ایمان کے متعلقات میں زیادت ونقصان ہوا ایمان میں تو نہ ہوا۔ ۲- من ابتدائیہ ہے کہ حب وبغض ایمان سے پیدا ہوتے ہیں تو آثار ایمان میں کمی بیشی ہوئی ایمان میں تو نہ ہوئی۔ ۳- اگر من کو تبعیضہ بھی مان لیا جائے تو ایمان کامل کے اجزاء ہم بھی مانتے ہیں ہمارے خلاف کچھ ثابت نہ ہوا۔

کتب عمر بن عبدالعزیز الی عدی بن عدی

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق امام احمد اور علامہ نووی نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ پہلے مجدد تھے حدیث شریف میں ہے **ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا** بعض روایتوں میں یجدد کی جگہ یصح بھی ہے مراد تجدید وتصحیح سب انواع میں ہے اور من میں تعدد کا بھی احتمال ہے علامہ عینی فرماتے ہیں مجدد کے متعلق **وانما المراد من انقضت**

المائه وھو حی عالم مشارالیہ کہ جس وقت صدی ختم ہو اس وقت وہ زندہ ہو ممتاز عالم دین ہو حضرت عمر بن عبدالعزیز ایسے ہی تھے۔ ۹۹ھ میں خلیفہ بنے اور ۱۰۱ھ میں وفات پائی ان کی خلافت دو سال اور پانچ ماہ رہی تقریباً جتنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تھی۔ ہمارے اکابر نے ہماری چودھویں صدی کے مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو قرار دیا ہے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جن کو خط لکھا یہ عدی گورنر اور والی تھے۔ الجزیرہ اور موصل کے بعض نے ان کو صحابی اور بعض نے ان کو تابعی مانا ہے راجح تابعی ہونا ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں کوئی صحابی باقی نہ رہے تھے اور حضرت انس کا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے جو نماز پڑھنا آتا ہے یہ ان کی خلافت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت عدی بن عدی کو جن حضرات نے صحابی شمار کیا ہے ان کو غلطی اس سے لگی کہ انہوں نے بعض روایتیں عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے بیان فرمائی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ روایتیں مرسل تھیں بعض نے ان روایات کو مسند سمجھ کر حضرت عدی بن عدی کو صحابی شمار کر لیا راجح یہی ہے کہ یہ تابعی ہیں۔ قولہ:۔ ان الایمان فرائض ای الاعمال المفروضۃ والشرائع ای العقائد وحدوداً ای امور ممنوعۃ وسنناً ای مستحبات۔ قولہ:۔ من استکملھا استکمل الایمان الخ غرض یہ ہے کہ ان مذکورہ چیزوں میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خط سے ثابت ہوگئی جو انہوں نے عدی بن عدی کی طرف لکھا تھا متکلمین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ۱۔ لغت میں استکمال صفات کے لحاظ سے ہوتا ہے اور تمام ہونا ذات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اذا تم امر دنا نقصہ　　توقع زوالاً اذا قیل تم

اس لئے جزئیت ثابت نہ ہوئی۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جزئیت بھی مان لی جائے تو ایمان کامل کی مراد ہے نفس ایمان کی جزئیت ثابت نہ ہوئی۔ قولہ:۔ فان اعش فسابینھا لکم الخ اس عبارت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ تمنا ظاہر کی ہے کہ اگر میں زندہ رہا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی ایسے ہی فقہ کے مسائل کو بھی کتابی شکل میں جمع کروں گا لیکن اس کا موقعہ ان کو نہ ملا۔

وقال ابراھیم ولکن لیطمئن قلبی

یعنی علم استدلال جس کو علم الیقین کہتے ہیں وہ تو حاصل ہے مشاہدہ جس کو عین الیقین کہتے ہیں وہ حاصل کرنا چاہتا ہوں معلوم ہوا کہ ایمان میں کمی بیشی ہے جواب اس کا متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ اطمینان نفس ایمان پر ایک زائد چیز کا نام ہے اس سے نفس ایمان میں کمی بیشی ثابت نہ ہوئی زائد چیز میں ہوئی جیسے کسی نے دمشق شہر کا نام سنا ہو اور دیکھ کر مزید اطمینان حاصل کرنا چاہے۔ سوال:۔ امام بخاری نے اس آیت کو گذشتہ آیتوں کے ساتھ کیوں نہ ذکر فرمایا۔ جواب:۔ ماقبل والی آیات عبارت النص کے درجہ میں مقصد پر دلالت کرتی تھیں اور یہ آیت اشارۃ النص کے درجہ میں دلالت کرتی تھی اس لئے اس کو الگ بیان فرمایا۔

قال معاذ اجلس بنا نومن ساعۃ

یعنی آؤ کچھ دیر دین اور آخرت کے امور کا تذکرہ کریں امام بخاری اس سے استدلال فرمانا چاہتے ہیں کہ دیکھو قیامت پر ایمان میں زیادتی کا ارادہ فرمایا معلوم ہوا کہ قیامت پر ایمان کی بیشی کو قبول کرتا ہے متکلمین کی طرف سے جواب ۱۔ یہ استقامت علی الایمان کے لئے اور تجدید ایمان کے لئے مذاکرہ کرنا مراد ہے جیسے حدیث میں آیا ہے جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ۔ ۲۔ مراقبہ موت اور مراقبہ قیامت سے خوف وخشیت پیدا کرنا مقصود تھا جیسا کہ سلف صالحین میں گناہوں کے چھڑانے کے لئے مراقبہ موت کا استعمال بکثرت منقول ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے یوں سوچے کہ میں مر گیا ہوں اور قبر اور قیامت میں گناہوں کے متعلق پوچھ ہو رہی ہے اس سے خوف پیدا ہوتا ہے اور گناہ چھوڑنے آسان ہو جاتے ہیں تو خوف

پیدا کرنا مقصود تھا قیامت کے ایمان میں زیادتی مقصود نہ تھی۔

قال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ

اس سے استدلال یوں ہے کہ کل کی نسبت ایسی شے کی طرف ہوتی ہے جو اجزاء والی ہو معلوم ہوا کہ ایمان اجزاء والا ہے اور کمی بیشی کو بھی قبول کرتا ہے ہم متکلمین کی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اجزاء والا کہنا مومن بہ کے لحاظ سے ہے کہ ہر مومن بہ پر یقین ہونا چاہئے توحید کا بھی یقین ہو رسالت کا بھی قیامت کا بھی باقی ان سب چیزوں کا بھی جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ ایمان خود اجزاء والی چیز ہے کیونکہ یقین اور ایمان کو ایک قرار دینا اسی کا تقاضی کرتا ہے کہ ایمان بسیط ہو کیونکہ یقین بسیط ہے اور تین درجے علم یقین عین الیقین حق الیقین یہ نفس یقین کے درجے نہیں کمال یقین کے درجے ہیں جن کے معنی علی الترتیب شنیدہ' دیدہ اور چشیدہ ہیں سننے سے یقین دیکھنے سے کمال یقین میں ترقی چکھنے سے مزید ترقی۔ ایسے ہی نفس ایمان بسیط ہے کمال ایمان میں مراتب ہیں۔ پھر یقین بھی اختیاری ہی مراد ہے۔ مقصد قول ابن مسعود کا یہ ہے کہ ایمان میں یقین کا درجہ ضروری ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ طاعات سہولت سے ادا ہوتی ہیں۔**قولہ:**۔قال ابن عمر الخ یعنی شک والی چیزیں چھوڑنے سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے اور تقویٰ اور ایمان ایک ہے حتیٰ کہ بعض روایات میں یہاں تقویٰ کی جگہ ایمان ہے۔ متکلمین کی طرف سے تقویٰ والی روایت کا جواب تو ظاہر ہے کہ تقویٰ کے مختلف مراتب ثابت ہوئے نہ کہ ایمان کے اور ایمان والی روایت کا جواب یہ ہے کہ کمال ایمان کے مرتب ہیں اور اس کے ہم بھی قائل ہیں **قولہ:**۔ قال مجاہد الخ وقال ابن عباس الخ ان دونوں قولوں کی مجموعی طور پر تین تقریریں ہیں۔ ۱-قول مجاہد میں یہ ہے کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے پھر اسی آیت میں ان اقیموا الدین بھی ہے اس قیام دین میں مراتب مختلف ہیں معلوم ہوا دین اور ایمان کے مراتب مختلف ہیں کیونکہ دین اور ایمان ایک ہی چیز ہے اس تقریر پر قول ابن عباس الگ ہے کہ شریعت کے اعمال مختلف ہیں اور شریعت اور ایمان ایک ہی چیز ہے اس لئے ایمان مرکب ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے یعنی سب نبیوں کا دین ایک ہے شریعتیں مختلف ہیں شریعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے مجموعی طور پر دین اور ایمان مختلف ہو جاتے ہیں اور ان میں مراتب اور اجزاء نکلتے ہیں۔ ۲-قول مجاہد کے معنی یہ ہیں کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے لیکن پھر بھی اس آخری دین کی فضیلت ہے معلوم ہوا کہ مابہ الاشتراک بھی ہے اور کچھ مابہ الافتراق بھی ہے جب درجے مختلف ہوئے تو کمی بیشی ثابت ہوگئی اس تقریر پر بھی قول ابن عباس الگ ہے اور اس کی وہی تقریر ہے جو ابھی کی گئی۔ ۳-قول مجاہد اور قول ابن عباس دونوں کو ملا کر استدلال کرنا مقصود ہے کہ قول مجاہد سے معلوم ہوا کہ سب نبیوں کا دین ایک ہے اور قول ابن عباس سے معلوم ہوا کہ نبیوں کی شریعتیں مختلف ہیں اس لئے مجموعی دین میں ترکیب اور کمی بیشی آ گئی ان تینوں تقریروں کا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ان تینوں تقریروں میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ اصل دین سب نبیوں کا ایک ہے اور اس میں کمی بیشی نہیں ہے بلکہ کمی بیشی کمال دین اور کمال ایمان میں ہے یہی ہمارا مسلک ہے۔

شرعۃ ومنھاجا

۱-دونوں کے معنی ایک ہیں اور عطف تاکید کے لئے ہے یعنی دین کی تفصیلات۔ ۲-شرعۃ قانون الٰہی کو کہتے ہیں اور منہاج اس قانون پر عمل کرنے کے طریقے کو کہتے ہیں۔

دعاءکم ایمانکم

بعض نسخوں میں باب کا لفظ بھی ہے یوں عبارت ہے باب دعاءکم ایمانکم علامہ نووی فرماتے ہیں باب کا لفظ یہاں غلط فاحش ہے۔ مقصد امام بخاری کا یہ ہے کہ **قل مایعبأ بکم ربی لولا دعاءکم** اس آیت میں ایمان کو دعاء فرمایا گیا ہے اور دعاء میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے

جواب یہ ہے کہ قومی تعلق کی وجہ سے ایمان کو دعا سے تعبیر کیا گیا ہے پس ایمان کے متعلقات میں کمی بیشی ثابت ہوئی ایمان میں کمی بیشی ثابت نہ ہوئی۔

بنی الاسلام علی خمس

غرض یہ ہے کہ اسلام ان پانچ چیزوں پر بولا جاتا ہے اور اسلام اور ایمان ایک ہیں اس لئے ایمان بھی ان پانچ چیزوں پر بولا جائے گا پس ایمان مرکب ہوا اور اس میں کمی بیشی ثابت ہوئی جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ اسلام کا مرکب ہونا ثابت ہوا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ ایمان کا مرکب ہونا ثابت نہ ہوا پھر ان پانچ چیزوں کی تخصیص کی مختلف وجہیں ہیں۔ ۱- ان پانچ چیزوں کی عظمت شان ۲- ان کا شعائر اسلام میں سے ہونا۔ ۳- ان کا مجموعہ یہود ونصاریٰ میں نہ تھا پھر ان میں شہادت قلب کی طرح ہے اور باقی چار اطراف کی طرح ہیں۔

باب امور الایمان

ای ھذا باب فی بیان امور الایمان ان کو امور ایمان اس بنا پر فرمایا کہ امام بخاری کے نزدیک ان سے ایمان کا وجود ہے اور ان کی وجہ سے ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور یہ ایمان کی شاخیں ہیں اور صاحب ایمان کے اوصاف ہیں پھر امور الایمان میں اضافت کیسی ہے۔ ۱- بیانیہ وہ امور جو ایمان ہیں ۲- لامیہ یعنی لوازم ایمان ۳- بمعنی فی یعنی وہ امور جو ایمان میں داخل ہیں۔ ۴- بمعنی من اتصالیہ یعنی وہ امور جو ایمان کے ملابسات میں سے ہیں اور متعلقات میں سے ہیں ۵- بمعنی من تبعیضیہ یعنی وہ امور جو ایمان کے اجزاء ہیں پھر اس باب کا ربط ماقبل اور مابعد سے یہ ہے کہ گذشتہ باب میں ایمان کی پانچ بنیادوں اور جڑوں کا ذکر تھا اس باب میں ایمان کی شاخوں کا اجمالی ذکر ہے اور بعد کے بہت سے بابوں میں ان شاخوں کی تفصیل ہے باب الجہاد من الایمان باب الصلوٰۃ من الایمان باب الزکوٰۃ من الایمان وغیرہ اور ان سب میں مرجئہ کی تردید ہے پھر باب میں جو دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں ان میں بھی ایمان کی شاخوں کا بیان ہے اس لئے باب کے مناسب ہیں مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے لیس البر والی تلاوت فرمائی چونکہ یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لی کہ لی نیز اشارہ فرمایا کہ ایمان اور بر ایک ہیں اس لئے ایمان مرکب ہے متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ان آیتوں سے جزئیت ثابت نہیں ہوتی صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ایمان کے آثار ہیں اور مومنین کو ان سے متصف ہونا چاہئے۔

الایمان بضع وستون شعبة

بضع کے مختلف معنی ہیں ۱- بین الثلثۃ والعشرۃ یعنی تین اور دس اس کا مصداق نہیں ہیں درمیان کے عدد اس کا مصداق ہیں۔ ۲- شروع سے دس تک ۳- شروع سے نو تک۔ ۴- دو سے دس تک ۵- اس کا مصداق سات ہے اور یہ آخری راجح ہے کیونکہ بعض روایات میں سبع وسبعون بھی آیا ہے پھر بخاری شریف میں تو یہ لفظ ہیں بضع وستون شعبۃ اور مسلم میں یوں بھی آیا ہے بضع و سبعون شعبہ اور تردید کے ساتھ بھی آیا ہے بضع وستون او بضع وسبعون بظاہر یہ تعارض ہے اس کے متعدد جواب ہیں۔ ۱- قال یقینی ہوتا ہے اس لئے اس کو ترجیح ہے۔ ۲- زیادۃ ثقہ کو ترجیح ہے اس لئے بضع وسبعون کو ترجیح ہے۔ ۳- بعض شعبوں کو بعض میں داخل کر دیں تو کم بن جاتے ہیں مثلاً توقیر کبیر اور شفقت علی الصغیر کو تواضع میں داخل کر لیں تو کم بن جائیں گے نہ داخل کریں تو زیادہ بن جائیں گے۔ ۴- مقصود صرف کثرت ہے کوئی خاص عدد بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ پھر یہ عدد اہم احکام کا بیان ہے سب شاخوں کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ پھر نبی پاک ﷺ نے صرف عدد بیان فرمایا تفصیل بیان نہ فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کو موقعہ عنایت فرمایا کہ کوشش کر کے قرآن وحدیث سے خود نکالیں

پھر ایک شعبہ حیاء کا بیان فرمادی صراحۃً اس کی اہمیت کی وجہ سے امام الاولیاء حضرت جنید فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات سوچے اور اپنی کوتاہیاں سوچے تو اس سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو حیاء کہتے ہیں انتھیٰ اس کو الگ بیان کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سب شعبوں کا سبب بنتی ہے کیونکہ حیاء کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ یہ تصور پختہ ہو جائے۔ ان مولاک یراک حیث نهاک اس تصور سے سب اعمال صالحہ کا کرنا اور گناہوں کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے اسی کا دوسرا نام مقام احسان اور مشاہدہ ہے اس لحاظ سے یہ حدیث آئندہ آنے والی حدیث جبریل کا اجمال بھی ہے کیونکہ اعلیٰ شعبہ توحید ہے یہ ایمان ہے ادنیٰ شعبہ اماطۃ الاذی عن الطریق ہے یہ اسلام ہے اور حیاء میں اشارہ احسان کی طرف ہے یہی تین چیزیں ایمان۔ اسلام اور احسان حدیث جبریل کا اجمال ہے امام ابوحاتم ابن حبان فرماتے ہیں کہ میں نے نیکیاں گنیں تو وہ بضع وسبعون سے زائد تھیں پھر قرآن وحدیث کی نیکیاں جو ایمان کے ذکر کے ساتھ تھیں ان کو شمار کیا تو وہ الگ الگ بضع وسبعون سے کم تھیں پھر قرآن وحدیث دونوں کی نیکیاں شمار کیں جو ایمان کے ساتھ مذکور تھیں اور مکرر کو حذف کیا تو وہ بضع وسبعون تھیں انتھیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ ان سب شعبوں کا مآل ایک ہی چیز ہے تکمیل نفس علماً وعملاً لسعادۃ الدنیا والآخرہ اور یہ اس آیت میں بھی ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا اور اس حدیث میں بھی ہے قل آمنت باللہ واستقم انتھیٰ۔ پھر علامہ عینی کی تحقیق پر ان شعبوں کی تفصیل یوں ہے کہ یہ شعبے کچھ دل سے متعلق ہیں کچھ زبان سے کچھ جوارح اور اعضا سے۔

دل سے متعلق شعبے

۱-ایمان بذات اللہ وصفاتہ ۲-حدوث عالم پر ایمان ۳- ایمان بالملئکۃ ۴- ایمان بالکتب ۵- ایمان بالرسل ۶-ایمان بالقدر ۷-ایمان بالقیامۃ ۸-ایمان بالجنۃ ۹-ایمان بالنار ۱۰-اللہ تعالیٰ سے محبت ۱۱-الحب فی اللہ و البغض فی اللہ ۱۲-حب النبی ﷺ ۱۳-الاخلاص ۱۴-توبہ ۱۵-خوف ۱۶-امید ۱۷-مایوسی کا چھوڑنا ۱۸-شکر ۱۹-وفاءعہد ۲۰-صبر ۲۱-تواضع ۲۲-رحمت وشفقت ۲۳-رضا برقضا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیش آئے اس پر راضی رہنا ۲۴-توکل ۲۵-خود بینی اور خود پسندی یعنی اپنے کمالات سوچتے رہنے کو چھوڑنا ۲۶-حسد یعنی کسی کو نعمت ملنے پر جلنے اور اس کے چلے جانے کی تمنا کرنے کو چھوڑنا ۲۷-حقد یعنی دلی دشمنی کو چھوڑنا ۲۸-غصہ پر ناجائز عمل کو چھوڑنا ۲۹-بدظنی کو چھوڑنا ۳۰-حب مال و حب جاہ یعنی شہرت کی محبت کو چھوڑنا۔

زبان سے متعلق شعبے

۱-کلمہ توحید پڑھتے رہنا ۲-تلاوت قرآن پاک ۳-علم دین حاصل کرنا ۴-علم دین دوسرے کو پڑھانا ۵- دعا مانگنا ۶- اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ۷-لغو سے اور فضولیات سے اپنی زبان کو بچانا۔

جوارح سے متعلق ایمان کے شعبے

ان کی پھر تین قسمیں ہیں پہلی قسم اپنی ذات سے متعلق ۱-طہارت بدنیہ ۲- اقامت صلوٰۃ ۳- انفاق فی سبیل اللہ ۴-روزہ ۵- حج اور عمرہ ۶- اعتکاف کرنا اور لیلۃ القدر تلاش کرنا۔ ۷-ہجرت ۸- نذر پوری کرنا ۹-قسم کی حفاظت کرنا کہ نہ ٹوٹے ۱۰-کفارہ ادا کرنا قسم کا ہو یا روزہ توڑنے کا ہو یا کسی اور قسم کا ہو۔ ۱۱-ستر عورت ۱۲-قربانی کرنا ۱۳- جنازہ کی نماز اور تجہیز وتکفین کرنا ۱۴-قرضہ ادا کرنا ۱۵-معاملات میں صدق و دیانت کا ہونا ۱۶-گواہی ادا کرنا۔ دوسری قسم جو ساتھ رہنے والے ہیں ان سے متعلق ایمان کے شعبے۔ ۱-نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کرنا ۲-بال بچوں اور خادموں کے حقوق ادا کرنا ۳-ماں باپ کی خدمت کرنا ۴-اولاد کی اچھی تربیت کا خیال رکھنا کہ وہ مضبوطی سے دین پر قائم رہے اور برے ماحول کی وجہ سے بگڑ نہ جائے ۵-صلہ

رحمی ۶-مولیٰ موالاۃ اور مولیٰ عتاقہ کے حقوق ادا کرنا' تیسری قسم عوام سے متعلق ۱- اگر اللہ تعالیٰ بادشاہ یا حاکم بنا دیں تو اس کا انتظام عدل وانصاف سے کرنا ۲-اجماعی معاملات میں جماعت مسلمین کا اتباع کرنا ۳- اولی الامر کی اطاعت اولی الامر میں حکام اور فقہا دونوں آ جاتے ہیں ۴-لوگوں میں آپس کی اصلاح کا خیال رکھنا اور ضرورت پڑنے پر باغیوں سے لڑنا۔ ۵- نیکی پر مسلمانوں کی امداد کرنا۔ ۶- الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ۷- اقامۃ حدود شرعیہ ۸- جہاد فی سبیل اللہ ۹- امانت مالک کو ادا کرنا ۱۰- کسی کو قرضہ حسنہ دینا ۱۱- اکرام جار ۱۲- ہر ایک سے اچھا سلوک کرنا ۱۳-فضول خرچی چھوڑنا ۱۴-کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا ۱۵-کوئی چھینک مارے اور الحمد للہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ کہنا ۱۶-لوگوں کو ضرر سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ۱۷-لہو لعب سے بچنا ۱۸- راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا یہ سب قسمیں ملا کر ستتر (۷۷) شعبے ہو جاتے ہیں۔

باب المسلم من سلم
المسلمون من لسانه ويده

ای ھذا باب فی بیان انہ المسلم الخ اس باب کا ربط ماقبل اور ما بعد سے یہ ہے کہ پیچھے ایمان کے شعبوں کا اجمالی ذکر تھا اب تفصیل شروع ہوتی ہے چنانچہ اس باب میں ایمان کا ادنیٰ شعبہ مذکور ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے اس سے اونچا درجہ یہ ہے کہ دوسروں کو کھانا کھلائے یہ اگلے باب میں آئے گا پھر اس سے بھی اونچا یہ ہے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے یہ اس کے بعد والے باب میں آئے گا گویا ترقی ہے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف۔ نیز ایک ربط یہ بھی ہے کہ اس باب میں تخلیہ ہے برائی سے اپنے آپ کو خالی کرنا کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اگلے باب میں تحلیہ ہے اچھے اخلاق واعمال سے اپنے آپ کو زینت دینا یعنی دوسروں کو کھانا کھلائے کیونکہ تخلیہ مقدم ہوتا ہے تحلیہ سے۔ پھر ساتھ ہی ہجرت کا مسئلہ بیان فرمایا کہ بڑا مہاجر وہ ہے جو گناہوں سے ہجرت کرے اور پورا پورا بچے اس میں ہجرت کرنے والے کو تنبیہ ہے کہ ہجرت کر کے فخر وتکبر میں نہ آ جانا اس لئے کہ بڑی ہجرت یہ ہے کہ گناہوں سے بچے کہیں وطن چھوڑ کر گناہوں میں نہ پڑ جانا۔ نیز کمزور کو تسلی دینا بھی مقصود ہے کہ اگر کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے ہو تو مایوس نہ ہونا گناہوں سے بچنا یہ بڑی ہجرت ہے تم گناہوں سے تو بچ سکتے ہو پھر باب کی ایک ترکیب تو اوپر بتلا دی گئی تھی اس کے علاوہ ایک ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باب کی اضافت مابعد کی طرف مان کر بلاتنوین باب کا لفظ پڑھا جائے اور تیسری ترکیب یہ ہے کہ جیسے چیزیں شمار کرتے ہیں اسی طرح شمار کرتے ہوئے باب اخیر میں سکون اور وقف کے ساتھ پڑھا جائے پھر اس باب میں ایمان کے شعبوں میں سے تین کا ذکر آ گیا۔ ۱۔زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ ۲۔ ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور ۳۔ سب گناہ چھوڑے۔ سوال۔ مسلمات کا ذکر نہ فرمایا۔ جواب۔ ۱۔ مسلمون میں تبعاً آ گئیں۔ ۲۔ تغلیباً آ گئیں۔ سوال۔ اہل ذمہ کو بھی تو تکلیف پہنچانی جائز نہیں ہے المسلمون میں وہ داخل نہیں ہیں۔ جواب۔ وہ حکماً یعنی قیاساً داخل ہیں اس کی تائید صحیح ابن حبان کی روایت سے ہوتی ہے اس میں ہے من سلم الناس پھر زبان سے تکلیف پہنچانے کی مثال گالی اور لعنت اور غیبت اور بہتان اور چغلی اور حاکم کے پاس شکایت وغیرہ ہے اور ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کی مثال مارنا۔ قتل کرنا۔ دیوار گرانا۔ دھکا دینا۔ غلط بات لکھنا وغیرہ ہیں۔ سوال۔ ایذاء تو زبان اور ہاتھ کے علاوہ بھی ہوتی ہے کسی کو پاؤں مار دیا۔ سر مار دیا ان دونوں کی تخصیص نہ ہونی چاہیے تھی۔ جواب۔ ۱۔ اکثر ایذاء ان دونوں سے ہوتی ہے اس لئے انکا ذکر کیا گیا۔ ۲۔ ان دو کا ذکر بطور مثال کے ہے حصر مقصود نہیں۔ ۳۔ کنایہ پورے بدن سے ہے پھر زبان کو جو ذکر میں مقدم کیا گیا اس کی مختلف وجہیں ہیں۔ ۱۔ زبان سے ایذاء ہاتھ

سے زیادہ موقعوں میں ہوتی ہے۔۲۔زبان سے ایذاء دینا بھی آسان، زبان کو روکنا بھی آسان۔۳۔زبان کا زخم گہرا ہوتا ہے۔

؎ جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ماجرح اللسان

۴۔زبان مردوں کو بھی تکلیف پہنچاتی ہے۔ ہاتھ صرف زندہ لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔۵۔زبان کی ایذاء میں خواص بھی مبتلا ہوتے ہیں ہاتھ کی ایذاء زیادہ تر عوام کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی لئے امام شافعی فرماتے ہیں۔

؎ احفظ رمانک ایھا الانسان
لایلدغنک انه ثعبان

باب ای الاسلام افضل

ای باب فی بیان ان ای خصال الاسلام افضل یعنی زیادہ ثواب اسلام کے کس کام میں ہے۔سوال ای خصال الاسلام کے جواب میں یوں ہونا چاہیے تھا۔سلامۃ المسلمین من لسانہ ویدہ یعنی خصلت کے سوال کے جواب میں خصلت آنی چاہیے تھی نہ کہ من جو صاحب خصلت ہے۔ جواب۔۱۔جواب میں زیادتی ہے کمی نہیں ہے کیونکہ خصلت بھی ظاہر ہوگئی جو افضل ہے اور ساتھ خصلت والے کی افضلیت بھی ظاہر ہوگئی۔۲۔اسلام بول کر مسلم مراد ہے گویا سوال یوں ہے ای المسلمین افضل اب صراحۃً سوال اور جواب میں مطابقت ہوگئی۔

باب اطعام الطعام من الاسلام

ای باب فی بیان ان اطعام الطعام شعبۃ من شعب الاسلام، مناسبت ماقبل سے یہی ہے کہ ایمان کے شعبوں کا بیان چل رہا ہے یہ بھی ایک شعبہ ہے پھر اس باب کی حدیث میں یہ بھی شعبہ شمار کیا گیا ہے کہ ہر ایک کو سلام کرنا چاہیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ تکبر کی وجہ سے سلام نہ کرنا قبیح ہے پھر یہاں ایک اشکال ہے کہ گذشتہ باب کی حدیث میں ای الاسلام افضل کے جواب میں کچھ اور تھا اور اس باب کی حدیث میں ای الاسلام خیر کے جواب میں کچھ اور مذکور ہے حالانکہ بظاہر افضل اور خیر کے ایک ہی معنی ہیں۔ جواب۔۱۔سائل بدل گیا ہر سائل کی حالت اور ضرورت کے لحاظ سے افضل بدل جایا کرتا ہے۔۲۔مجلس بدل گئی۔ایک مجلس میں ایک کوتاہی دیکھی جائے اور دوسری مجلس میں دوسری تو افضل بدل جاتا ہے۔۳۔افضلیت میں ذاتی ترقی کا لحاظ ہے اور خیریت میں دوسرے کے لحاظ سے ترقی اور اعلیٰ چیز مقصود ہوتی ہے۔۴۔افضلیت اور خیریت ایک وسیع نوع ہیں ان میں بہت سی چیزیں داخل ہیں کبھی ایک بیان فرما دی کبھی دوسری۔۵۔افضلیت میں زیادہ ثواب کا لحاظ ہے اور خیریت میں دوسرے کو دنیا کا نفع پہنچانا مقصود ہے۔۶۔خیریت کا درجہ افضلیت سے اونچا ہے اس لئے جواب مختلف ہوئے۔

لایومن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه

۱۔اس خصلت سے تکبر ختم ہو جاتا ہے۔۲۔اخوت اسلامیہ پختہ ہوتی ہے۔۳۔ترک حسد ہے۔۴۔ستر علی الذنوب ہوگا۔ کیونکہ انسان اپنے عیب چھپاتا ہے تو دوسرے کے بھی چھپائے گا۔ ۵۔دلی دشمنی ختم۔۶۔شفقت ورحمت کا شوق دلانا بھی مقصود ہے۔

باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان

سوال: گذشتہ باب میں تھا باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ ایمان مقدم تھا اور یہاں ایمان کا ذکر موخر ہے دونوں باب ایک جیسے ہونے چاہئیں تھے۔

جواب: ۱۔حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت بیان فرمانی مقصود ہے۔۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث کے ذکر میں لذت ہے۔۳۔یہ ایمان کا سبب ہے اور گذشتہ باب کی خصلت مسبب۔۴۔یہ بلا مجاہدہ اور وہ مجاہدہ سے پیدا ہوتی ہے۔

سوال: حدیث پاک میں لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من

والدہ وولدہ اس میں یہ تو ذکر ہی نہیں کہ اپنے نفس سے بھی زائد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے شاید یہ ضروری نہ ہو۔

جواب: ا۔ جس چیز کی محبت اولاد اور باپ سے زیادہ ہو تو سلیم الطبع میں اس چیز کی محبت اپنے نفس سے زائد بطریق اولیٰ ہو گی کیونکہ سلیم الطبع میں اولاد اور باپ سے محبت اپنے نفس سے زائد ہوتی ہے۔ ۲۔ بعض دوسری نصوص میں تصریح آچکی تھی اس لئے یہاں ذکر نہ فرمایا۔ مثلاً النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔ سوال۔ ماں کو کیوں ذکر نہ فرمایا۔ جواب۔ ا۔ والد میں اسم فاعل نسبت کے لئے ہے ای ذو ولد یہ ماں اور باپ دونوں کو شامل ہے۔ جیسے لابن لبن والا تامر مروالا۔ ۲۔ یہاں صنعت اکتفاء ہے کہ ایک ضد یا مناسب کو ذکر کر دیا جاتا ہے دوسری ضد یا مناسب خود سمجھ میں آجاتا ہے جیسے وجعل لکم سرابیل تقیکم الحرای والبرد ایسے ہی والد کے ذکر سے والدہ خود سمجھ میں آجاتا ہے۔ ۳۔ دوسری نصوص سے والدہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے فوراً بعد آنے والی حدیث میں ہے من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ والناس میں ماں بھی آگئی۔ سوال۔ حب تو غیر اختیاری چیز ہے۔ غیر اختیاری چیز کو ایمان کا مدار کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ جواب۔ یہاں حب عقلی مراد ہے گو عموماً حب عقلی کے ساتھ ساتھ حب طبعی بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن مدار صرف حب عقلی پر ہے حب طبعی پر ایمان کا مدار نہیں اسی لئے خواجہ ابو طالب مسلمان شمار نہ کئے گئے اگرچہ ان میں حب طبعی موجود تھی وجہ یہی تھی کہ حب عقلی جس سے اپنے اختیار سے نبوت کی تصدیق کرتے وہ نہ تھی اس لئے مومن نہ شمار کئے گئے۔ سوال۔ والد کو ولد پر مقدم کیوں ذکر کیا گیا۔ ا۔ ہر ولد کے لئے والد لازم ہے اور ہر شخص کے لئے ولد ضروری نہیں۔ اس لئے ولد کی اہمیت زیادہ ہے۔ ۲۔ تعظیماً ۳۔ حب والد اقرب ہے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ والد کے ہیں۔ ۴۔ وجود والد کا پہلے ہوتا ہے ولد کا بعد میں ہے اور بعض روایات میں ولد کا ذکر پہلے ہے اس میں شفقت کا لحاظ ہے کہ انسان کو اولاد پر شفقت اور رحمت والد سے بھی زیادہ ہوتی ہے پھر اس حدیث میں مومن کی جو شان بیان کی گئی ہے اس کا نام درجہ فناء فی الرسول ہے اور یہ ایمان کا بہت اونچا مقام ہے پھر اس بات کی دوسری روایت میں ارشاد ہے لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین اس میں محبت کی تین قسمیں جمع کر دی گئیں۔ ا۔ محبت احترام والی جیسے والد میں ۲۔ محبت شفقت والی جیسے اولاد میں ۳۔ محبت استحسان اور دوسرے پر احسان کرنے والی جیسے عامۃ الناس میں۔ پھر نبی کریم ﷺ کی محبت کو جو ایمان کا مدار قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے لئے دنیا میں ہدایت کا سبب بنے ہیں اور آخرت میں آگ سے بچنے کا سبب بنیں گے انشاء اللہ تعالیٰ

باب حلاوۃ الایمان

اس حلاوت کی صورت یہ ہے کہ نیکی میں لذت آئے اور دین کے کاموں میں مشقت برداشت کرنی آسانی ہو جائے اور دین کو دنیا کے سامان پر ترجیح دے۔ پھر اس باب کو اضافت کے ساتھ پڑھنا زیادہ مناسب ہے اور اس باب کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے شعب ایمان چل رہے تھے یہ بھی ایک بڑا شعبہ ہے ایمان کا۔ پھر یہ حلاوت اہل ظاہر کے نزدیک تو صرف عقلی ہے اور اہل باطن کے نزدیک عقلی بھی ہے اور طبعی بھی ہے شہد اور مٹھائی کی طرح دین کے کام اور عبادات محسوس ہوتے ہیں

اللہ اللہ ایں چہ شیرین است نام
شیر و شکر مے شود جانم تمام

دین کے تو بہت سے کام ہیں۔ ان تین کو حلاوت کا سبب کیوں قرار دیا گیا۔ جواب:۔ ان تین کاموں کا منشاء ایک تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں پر اعتماد ہے انہی دونوں سے دین کی ترقی ہے۔ باب علامۃ الایمان حب الانصار:۔ ای ھذا باب فیہ بیان علامۃ الایمان حب الانصار اور باب کی اضافت کے ساتھ بھی پڑھ سکتے

ہیں۔اس باب کا ربط یہ ہے ماقبل سے کہ پیچھے یہ بیان تھا کہ حب فی اللہ ایمان کی حلاوت کا سبب ہے اب تخصیص بعد التعمیم ہے کہ حب انصار حب فی اللہ کا ایک خاص فرد ہے پھر انصار جمع نصیر کی ہے جیسے اشراف جمع شریف کی ہے یا جمع ناصر کی ہے جیسے اصحاب جمع صاحب کی ہے انصار کا مصداق اوس وخزرج ہیں جنھوں نے سب سے پہلے توحید وشریعت کی نصرت کی بیعت کی تھی پھر حلاوت والے باب کو علامت والے باب پر مقدم کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حلاوت میں قوت علامت سے زیادہ ہوتی ہے۔امام بخاری کی غرض یہ بھی ہے کہ تصدیق قلب کے ساتھ اس کے آثار واعمال بھی ضروری ہیں ان میں سے ایک حب انصار اور اتباع انصار بھی ہے پھر اس حدیث سے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ والی حدیث کی جنید بھی ہوتی ہے۔

باب:۔یہ باب بلاترجمہ ہے گویا ماقبل سے جدا بھی ہے اور ماقبل سے تعلق بھی ہے کیونکہ اس حدیث میں انصار کی وجہ تسمیہ ہے کہ انہوں نے دین کی نصرت کا وعدہ کیا تھا بیعت عقبہ میں۔**سوال**:۔ پھر تو مناسب تھا کہ یہی ترجمۃ الباب بنا دیتے۔**جواب**:۔ابواب چل رہے ہیں امور ایمان کے ان میں وجہ تسمیہ کا باب مناسب نہ تھا۔**قولہ**:۔وھواحد النقباء لیلۃ العقبۃ الخ یہ جمع ہے نقیب کی جس کے معنی نگران کے ہوتے ہیں جس کو ہمارے محاورات میں سالار اور سردار اور ضامن اور نمبردار کہتے ہیں۔یہ حضرات بارہ تھے۔

بایعونی علی ان لاتشرکوا باللہ الخ

بیعت مشابہ ہوتی ہے مالی بیع کے جیسے بائع بھی کچھ دیتا ہے اور مشتری بھی کچھ دیتا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ ثواب کا وعدہ دے رہے تھے اور انصار التزام طاعت کا وعدہ دے رہے تھے پھر بیعت کی چار قسمیں ہیں۔۱-بیعت اسلام۔کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہونا جیسے صحابہ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہوتے تھے۔۲-بیعت خلافت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور صدیق اکبر کے دست مبارک پر بیعت فرمائی جو تاحیات خلیفہ رہے ہر پانچ سات سال کے بعد خلیفہ بدلنا اسلام میں ثابت نہیں ہے۔نہ ہی ووٹ ڈالنے کی ضرورت ہے **وان تطع اکثرمن فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ** اہل حل وعقد علماء صلحاء شہرت کی بنا پر متعین ہوتے ہیں وہ خلیفہ کی وفات پر جمع ہوں اور ایک شخص کو خلیفہ مقرر کردیں وہ تاحیات خلیفہ ہے جب تک کفر بواح اس خلیفہ کا ظاہر نہ ہو تو بغاوت جائز نہیں ہوتی۔۳-بیعت جہاد کہ کسی لڑائی کے موقعہ پر مسلمانوں کا سپہ سالار مجاہدین سے اخیر دم تک لڑنے کی اور نہ بھاگنے کی بیعت لے تو جائز ہے جیسے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر لڑائی کا خطرہ ہوا تو پندرہ سو صحابہ سے نبی کریم ﷺ نے بیعت جہاد لی جس کو بیعت رضوان کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن پاک میں رضا کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے **لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ الایۃ** اس آیت میں پندرہ سو صحابہ کو جنت اور رضا کی بشارت صراحۃً قرآن پاک میں دے دی گئی ہے جبکہ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں نعوذ باللہ صرف ۱۲ مومن تھے باقی نعوذ باللہ منافق تھے۔۴-بیعت طریقت کہ دینی ترقی کے لئے کسی بزرگ سے وعدہ کرنا کہ میں آپ کے مشوروں کے مطابق ضروریات دین کی پوری پابندی کروں گا اس کا ثبوت زیر بحث روایت سے بھی ہے کیونکہ یہ واقعہ نئے مسلمان ہونے والوں کے لئے بیعت اسلام ہے اور پہلے سے جو مسلمان تھے ان کے لئے بیعت طریقت ہے۔نیز بیعت طریقت اس آیت سے بھی ثابت ہے **یاایھا النبی اذاجاءک المومنات یبایعنک علیٰ ان لایشرکن باللہ شیئا ولایسرقن ولایزنین الایۃ** اس آیت میں نہ بیعت اسلام مراد ہے کہ وہ عورتیں پہلے سے مومن تھیں نہ ہی بیعت خلافت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بیعت خلافت بیعت اسلام کے ساتھ ہی ہوجاتی تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے نہ ہی بیعت جہاد مراد ہے کیونکہ عورتوں پر جہاد نہیں ہوتا بلکہ بیعت طریقت ہی ہے۔

ولاتاتوا ببهتان تفترو نه بین ایدیکم وارجلکم

ہاتھوں اور پاؤں کا خاص ذکر اس لئے ہے کہ زیادہ کام ہاتھوں اور پاؤں سے ہوتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ بہتان لگانے والا بعض دفعہ کہتا ہے فعلت بین یدی ورجلی اس لئے یہ قید زیادہ قباحت بیان کرنے کے لئے لگائی گئی ہے۔

ولاتعصوافی معروف

۱-ای فی طاعۃ اللہ۔ ۲-ای فی البروالتقوی۔ ۳-معروف سے مراد سب اوامر ونواہی ہیں کیونکہ سب معروف کا مصداق ہیں۔ ۴-ہر حاکم کے بارے میں نافرمانی سے منع فرمانا مقصود ہے لیکن معروف اور نیکی میں اور معصیت میں حاکموں کی اطاعت نہ کرنا اسی لئے لاتعصونی نہیں فرمایا۔

فاجره علی اللہ

سوال: ۔اللہ تعالیٰ پر تو کچھ واجب نہیں جواب۔ وجوب تفصیلی مراد ہے وجوب استحقاقی اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔

ومن اصاب من ذلک شیئا فعوقب فی الدنیا فهو کفارة له

اس میں نکرہ شیأ سیاق شرط میں ہے یہ بھی نکرہ تحت النفی کی طرح عام ہوتا ہے اس لئے اس مقام پر شبہ ہوتا ہے کہ شاید شرک بھی دنیا کی سزا سے معاف ہو جاتا ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا جواب۔ ۱-**ان اللہ لایغفران یشرک به** کی وجہ سے یہ خارجہ ہے کفارہ کے اس حکم سے کہ آخرت میں سزا نہ ملے گی۔ ۲-اس پر اجماع ہے کہ جب مرتد کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کو دنیا میں سزا تو مل گئی لیکن بالا جماع میں جہنمی ہے۔ اس اجماع کی وجہ سے اس حدیث کے مضمون سے بھی شرک خارج ہے۔ ۳-اسی حدیث میں آگے ثم سترہ اللہ بھی ہے اور ستر کا تعلق افعال ظاہرہ سے ہے اس لئے شرک قلبی اس سے خارج یعنی شرک اعتقادی صرف کفارہ سے معاف نہ ہوگا اس لئے توبہ ضروری ہے۔ ۴-حدیث پاک میں خطاب مومنین کو ہے اس لئے شرک اعتقادی اس حکم کفارہ سے خارج ہے۔

حدود زواجر ہیں یا سواتر

عندالحنفیہ حدود زواجر ہیں حد کے ساتھ جب تک توبہ نہ کرے آخرت میں گناہ معاف نہیں ہوتا جمہور کے نزدیک معاف ہو جاتا ہے توبہ کرے یا نہ کرے حنفیہ کی دلیل۔ ۱-ڈاکہ کی حد بیان فرمانے کے بعد **ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم**۔ ۲-چوری کی حد کے بعد ہے **فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان اللہ یتوب علیه ان اللہ غفور رحیم** معلوم ہوا توبہ ضروری ہے۔ ۳-طحاوی میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ چوری کی حد جاری فرمانے کے بعد توبہ کا امر فرمایا جو حضرت سواتر قرار دیتے ہیں یعنی جمہور علماء ان کی دلیل یہی زیر بحث روایت ہے حضرت عبادہ بن الصامت سے مرفوعاً و من اصاب من ذلک شیأ فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ۔ جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ کفارۃ نکرہ ہے جو تنویع کے لئے ہے یعنی ایک قسم کا کفارہ ہو جاتا ہے کامل کفارہ کہ آخرت میں عذاب کا احتمال نہ ہو ثابت نہ ہوا۔ پھر اس حدیث بیعت میں جو معاصی مذکور ہیں ان میں حصر مقصود نہیں ہے کثیر الوقوع معاصی مذکور ہیں۔

باب من الدین الفرار من الفتن

ای هذا باب فی بیان انه من الدین الفرار من الفتن پھر فتنہ کہتے ہیں ہر اس چیز کو جس میں دین کے ضرر کا احتمال ہو۔ اس باب اور حدیث کے مضمون کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے **ففروا الی اللہ** نیز ہجرت کا نصوص میں جا بجا ذکر ہے ہجرت سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ہجرت سے مقصود بھی دین کی حفاظت کے لئے وطن چھوڑنا ہوتا ہے پھر فرار کے تین اہم مرتبے ہیں۔ ۱-فرار من دارالکفر ۲-فرار من بلد الفسق ۳-فرار

من مجلس المعاصی پھر حدیث میں شعف الجبال کے معنی پہاڑوں کی چوٹی کے ہیں اور حدیث پاک میں فتنہ کے زمانہ میں خلوت میں جانے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے باقی رہا وہ زمانہ جس میں آبادی میں رہ کر بھی دین کی حفاظت کر سکتا ہو تو اس زمانہ میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ آبادی میں رہنا ہی افضل ہے بعض کا قول ہے کہ اگر مسائل کا پورا واقف ہو تو خلوت میں رہنا ہی افضل ہے راجح جمہور کا قول ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ شہر میں رہتے تھے۔

باب قول النبی ﷺ انا اعلمکم باللہ

اس باب کے مقاصد ا- کرامیہ کی تردید ہے جو منافق کو مومن شمار کرتے ہیں تردید یوں فرمائی کہ فرمایا معرفت جس پر ایمان کا مدار ہے وہ فعل القلب ہے منافق کے دل میں کفر ہوتا ہے اس لئے وہ مومن نہیں ہے۔ ٢- ایمان میں کمی بیشی ہے کیونکہ ایمان معرفت پر مبنی ہے اور معرفت میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے اس تقریر سے گذشتہ باب سے ربط بھی ہو گیا کہ فرار من الفتن میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے دونوں بابوں کا مقصد ایک ہو گیا۔ متکلمین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ معرفت جو تصدیق کے درجہ میں ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہے بلکہ اس کے آثار میں کمی بیشی ہے اور فرار من الفتن بھی اس کے آثار میں سے ہے۔ ٣- معرفت جو ایمان میں معتبر ہے وہ معرفۃ اختیاریہ ہے نہ کہ اضطراریہ کیونکہ اضطراری معرفت تو کافروں کو بھی حاصل ہوتی ہے **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم** اس مقصد کے لئے امام بخاری نے یہ آیت ذکر فرمائی **ولکن یواخذ کم بما کسبت قلوبکم.** یہ اختیاری معرفت یعنی تصدیق ہے یہی ایمان میں معتبر ہے پھر معرفت کے تین درجے ہوتے ہیں۔ ا- معرفۃ العوام۔ جیسے عام لوگ بادشاہ کو جانتے ہیں کہ فلاں شخص بادشاہ ہے ایسے ہی دین کے لحاظ سے عوام اللہ تعالیٰ کو اجمالی طور پر جانتے ہیں معرفۃ العلماء یہ ایسی ہے جیسے وزراء بادشاہ کے احکام کو جانتے ہیں ایسے ہی دین کے لحاظ سے علماء دین کے احکام کو جانتے ہیں۔ ٣- معرفۃ المقربین جیسے بادشاہ کے مقرب بادشاہ کے مزاج کو پہچانتے ہیں ایسے ہی دین میں مقربین حق تعالیٰ سے اخلاق کے کمالات کی بناء پر خصوصی تعلق رکھتے ہیں اور شرعی احکام کو پورا جاننے کے بعد علم لدونی کے طور پر بعض حکم و اسرار پر بھی مطلع کر دیئے جاتے ہیں پھر علم اور معرفت میں یہ فرق ہے کہ علم ادراک کلی کو کہتے ہیں اور معرفت ادراک جزئی کو کہتے ہیں۔ پھر امام بخاری کی کلام میں عجیب نکتہ یہ بھی ہے کہ ایمان والی آیت سے مسئلہ ایمان پر استدلال فرمایا کہ جیسے قسموں میں اختیاری چیز پر مواخذہ ہے ایسے ہی ایمان میں بھی اختیاری چیز پر دارومدار ہے **اذاامرھم امرھم من الاعمال بما یطیقون:۔** یعنی نبی کریم ﷺ اتنے ہی نفلی کام کا حکم فرماتے تھے جس پر پابندی کی طاقت رکھتے تھے کیونکہ۔ ا- زیادہ کام اگر شروع کر لیا جائے تو چند دن کے بعد آدمی چھوڑ دیتا ہے۔ ٢- زیادہ کام میں نشاط اور خوشی باقی نہیں رہتی اس لئے کام اچھا نہیں ہوتا۔

ان اللہ قد غفرلک ماتقدم من ذنبک و ماتاخر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہ سے پاک تھے پھر ذنبک کیوں فرمایا گیا۔ جواب:۔ ا- اونچے درجہ کے حضرات اپنی عبادات کو اللہ تعالیٰ کی شان کے لحاظ سے گناہ ہی سمجھتے ہیں حسنات الابرار سیئات المقربین ٢- خلافت اولیٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لحاظ سے ذنب سے تعبیر کیا گیا۔ ٣- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر وغیرہ سے ترقی فرماتے تھے پھر کبھی گذشتہ حالت پر نظر پڑتی تو گھٹیا اور ذنب جیسی معلوم ہوتی تھی۔ ٤- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تبلیغ و تربیت وغیرہ صحابہ کو فرماتے تھے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ بلاواسطہ نہ تھی بلکہ بلواسطہ صحابہ کے تھی اصل تمنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاواسطہ توجہ الی اللہ کی تھی اس لئے اس بلواسطہ توجہ الی اللہ کو غبار اور گھٹیاں اور ذنب قرار دیتے تھے اس سے استغفار بھی فرماتے تھے اسی کا یہاں ذکر ہے۔ پھر

قرآن پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی کا ذکر اوراعلان فرمایا گیا ہے **لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر** اس اعلان میں حکمت یہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کبریٰ میں یعنی حساب کتاب شروع ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عذر نہ کریں جیسا کہ باقی سب انبیاء علیہم السلام جن کے پاس لوگ یکے بعد دیگرے جائیں گے اپنا کوئی نہ کوئی خلاف اولیٰ کام بیان کر کے عذر کردینگے اسی لئے جب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لوگ جائیں گے تو وہ فرمائیں گے **اذھبواالی محمدﷺ فقد غفراللہ له ماتقدم من ذنبه وماتاخر** چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ فرمائیں گےاور حساب کتاب شروع ہو جائے گا اسی کومقام محمود بھی کہا جاتا ہے جس کی دعا اذان کے بعد کی جاتی ہے۔

ان اتقاکم واعلمکم انا

اسی اعلمیت کی وجہ سے باوجود مغفرت ہو جانے کے بطور شکر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت نہ چھوڑی اسی طرح بدری صحابہ کو حق تعالیٰ کی طرف سے بتلا دیا گیا تھا اعملوا ماشئتم قد غفرت لکم پھر بھی بطور شکر کے انہوں نے عبادت نہ چھوڑی۔

قولہ:۔باب من کرہ ان یعود فی الکفر کمایکرہ ان یلقیٰ فی النار من الایمان. یعنی یہ کراہت بھی ایمان کا شعبہ ہے کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اسی کا اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جنت کے تصور سے خوشی اور معصیت سے غم ہوتا ہے۔ یہ حلاوۃ الایمان والے باب کا تتمہ ہے حلاوۃ والا باب وجودی تھا اس لئے اس کو مقدم فرمایا یہ عدمی ہے اس لئے اس کو مؤخر فرمایا۔

باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال

اس باب کی اضافت اولیٰ ہے اس باب سے مختلف اغراض ہیں۔۱- مرجئہ کی تردید ہے کیونکہ دونوں حدیثوں میں اعمال کی اہمیت مذکور ہے۔۲-معتزلہ کی تردید کہ گنہگاروں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ معتزلہ کا یہ کہنا کہ وہ مخلد فی النار ہوں گے غلط ہے۔۳- اعمال اجزاء ایمان ہیں جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ان روایات میں اعمال کی فضیلت مذکور ہے جزء ہونا مذکور نہیں اور اگر اشارتاً جز ہونا نکلتا بھی ہے تو پھر ایمان کامل کے اجزاء ہیں نفس ایمان کے نہیں ۴- ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جواب متکلمین کی طرف سے ہے کہ کمال ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ سوال:۔ باب کے بعد باب زیادۃ الایمان ونقصانہ میں حضرت انسؓ والی روایت ہے اس میں خیر کا لفظ بھی ہے جو عمل پر دلالت کرتا ہے اور زیر بحث باب میں ابوسعید خدری والی روایت میں عمل پر دال کوئی لفظ نہیں اس لئے یہ روایت آئندہ باب مذکور کے مناسب ہے اور وہاں والی یہاں ہونی چاہئے تھی جواب:۔ حضرت انس والی روایت میں وزن شعیرۃ' وزن برۃ' وزن ذرہ مذکور ہیں اس لئے کمی بیشی کے مناسب وہی روایت ہے اور ابو سعید والی روایت میں اعمال ضمناً مذکور ہیں اس لئے وہ اس باب کے مناسب ہے۔۲- ابوسعید والی روایت جو مسلم میں ہے اس میں اعمال کی تصریح ہے اور انس والی مسلم کی روایت میں اعمال کا ذکر نہیں ہے امام بخاری نے مسلم شریف والی روایتوں کا لحاظ فرمایا ہے۔۳- ان دونوں راویوں کی روایت اصل میں ایک ہی حدیث ہے کسی روایت میں عمل کا ذکر ہے کسی میں نہیں اس لئے دو بابوں میں ذکر فرمایا ایک عمل والے باب میں دوسرے بلا ذکر عمل والے باب میں پھر دوزخ سے نکلنے والے یہ کیسے جائیں گے کہ اس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی علامت چہرے پر بنادی جائے گی پھر اخراج کے مراتب چار ہوں گے۔۱- اعمال جوارح کی وجہ سے۲- اعمال قلب کی وجہ سے۳- آثار ایمان اور انوار ایمان کی وجہ سے۴- نفس ایمان کی وجہ سے اوران کو اللہ تعالیٰ خود نکالیں گے پھر چوتھی قسم جن کو اللہ تعالیٰ خود نکالیں گے یہ کون لوگ ہوں گے مختلف ہیں ۱- جو زمانہ فترۃ وحی میں عقل سے توحید کے قائل ہوئے۔۲- جو زمانہ فترۃ وحی میں

عقل سے توحید اور اجمالاً رسالت کے قائل ہوئے کہ کوئی نبی بھی آنا چاہئے۔ ۳- پہاڑوں اور جنگلوں میں رہنے والے جو اپنے آپ کو مومن تو سمجھتے تھے لیکن اقرار باللسان نہ کیا۔ ۴- بعض اس کے قائل ہوئے کہ اس کا مصداق وہ ہیں جو زبان سے اقرار کرتے تھے دل میں تصدیق نہ تھی لیکن اس قول کو صحیح قرار نہیں دیا گیا کیونکہ تصدیق کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا پھر اس باب کی دوسری حدیث میں حضرت عمرؓ کا لمبا کرتہ تو خواب میں دکھلایا گیا صدیق اکبرؓ کا نہیں دکھلایا گیا تو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا درجہ حضرت صدیقؓ سے بھی اونچا ہو گیا اس شبہ کا جواب:۔ ۱- حضرت صدیق اکبرؓ سے اس خواب میں سکوت ہے نہ افضلیت کا ذکر ہے نہ مفضولیت کا ۲- حضرت عمرؓ کی فضیلت جزئی ثابت ہوئی کہ ان کے ایمان لانے کے بعد اعلانیہ اظہار ایمان مسلمانوں نے شروع کر دیا اور ان کے زمانہ خلافت میں فتوحات بہت ہوئیں کلی فضیلت یعنی قرب حق تعالیٰ میں حضرت ابوبکرؓ ہی بڑھے ہوئے تھے۔ ۳- فتوحات کی تمہید تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ہی رکھی تھی کہ ارتداد اور انکار زکوٰۃ جیسے فتنوں کو سنبھالا اور سکون ہوا جس کی وجہ سے بعد میں فتوحات ہوئیں اس لئے ان فتوحات کا ثواب حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی ملے گا پس فضیلت جزئی ہے صرف پہلی وجہ سے پھر خواب میں دین لباس کی شکل میں اس لئے دکھایا گیا کہ دین بھی آگ سے چھپاتا ہے جیسے لباس لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی جگہوں کو چھپاتا ہے پھر حضرت عمرؓ کا خواب میں زمین پر کرتا گھسیٹنا ۱- ایمان کا اثر باقی رہنے کی طرف اشارہ تھا۔ ۲- کفر کا اثر مٹانے کی طرف بھی اشارہ تھا۔ باب الحیاء من الایمان:۔ ای باب فی بیان ان الحیاء شعبۃ من الایمان پھر حیاء کے معنی ہیں تغیر لخوف المذمت اور العقاب پھر چونکہ حیاء باقی سب شعبوں کا سبب ہے اس لئے حدیث پاک میں حیاء کے شعبہ ہونے کی تصریح ہے' ما قبل سے ربط یہ ہے کہ پیچھے اعمال کا ذکر تھا اب اخلاق کا ذکر ہے دونوں ایمان کے شعبے ہیں اور دونوں فضیلت کا ذریعہ ہیں۔ بعض اکابر کا ارشاد ہے خف اللہ قدر قدرۃ علیک واستحی منہ قدر قربہ منک پھر حدیث پاک میں کلمہ من اگر ابتدائیہ مانیں تو متکلمین کی تائید ہوتی ہے کہ حیاء ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور اگر تبعیضیہ مانیں تو بظاہر محدثین کی تائید ہے لیکن متکلمین کی طرف سے یہ توجیہ ہے کہ حیاء کمال ایمان کا جز ہے اور اگر من کو بیانیہ مانیں تو دونوں مسلکوں سے برابر کا تعلق ہے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے ایمان سب گناہوں سے بچنے کا سبب ہے ایسے ہی حیاء بھی سبب ہے اس لئے حیاء ایمان جیسی ہے بڑا حصہ ہو یا بڑا اثر ہو۔

باب فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم

ای باب فی تفسیر ھذا الآیۃ غرض مرجئہ کا رد ہے کہ توبہ کی طرح نماز میں قول و عمل دونوں میں زکوٰۃ میں عمل ہے نیز ایمان کے تین شعبے بیان فرما دیئے گئے ہیں اس لئے یہ باب گذشتہ بابوں کے مناسب ہو گیا۔ اس باب کی حدیث سے ثابت ہوا کہ جب تک کافر ایمان نہ لائیں یا جزیہ دینا قبول نہ کریں ان سے جہاد ہوگا۔ جزیہ کی تصریح دوسری آیت میں ہے حتیٰ **یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون**. سوال:۔ فتنہ انکار زکوٰۃ کے موقعہ پر حضرت صدیق اکبرؓ نے زکوٰۃ کو قیاس فرمایا صلوٰۃ پر کہ جیسے صلوٰۃ ضروری ہے ایسے ہی زکوٰۃ بھی ضروری ہے۔ یہ حدیث کیوں نہ پیش کر دی کہ جب تک زکوٰۃ نہ دیں میں لڑائی کروں گا۔ جواب:۔ حضرت صدیقؓ کو یہ حدیث اس وقت نہ پہنچی تھی پھر اگر نماز چھوڑنے والی جماعت مانعہ ہو کہ حکومت کا مقابلہ کر سکتی ہو تو ان کے خلاف جہاد پر سب کا اتفاق ہے اور اگر انفرادی طور پر کوئی نماز کا تارک ہو تو اس کی سزا امام ابوحنیفہ کے نزدیک قید کرنا اور روزانہ اتنا مارنا ہے کہ خون نکل آئے امام مالک اور شافعی کے نزدیک بطور حد کے قتل کرنا ہے کہ نماز جنازہ پڑھیں گے اور امام احمد کے نزدیک ارتداداً قتل کرنا ہے کہ یہ مرتد ہو گیا اس کو قتل کریں گے اور نماز جنازہ نہ پڑھیں گے ہماری دلیل زکوٰۃ و حج پر قیاس ہے کہ ان میں قتل بالاتفاق نہیں۔ باقی ائمہ کی دلیل

یہی زیر بحث روایت جس میں قتال چھوڑنے کی حد ایمان' نماز اور زکوٰۃ قرار دی گئی ہے اور امام احمد ساتھ یہ حدیث بھی ملاتے ہیں **من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر** جواب: اس حدیث میں قتال ہے قتل نہیں ہے اور فقد کفر کے معنی کفر عملی ہیں پھر حدیث میں الا بحق الاسلام جو فرمایا تو اس کے معنی ہیں کہ حدود و قصاص میں سزا ملے گی اور مالی نقصان کرنے پر مالی چٹی لی جائے گی۔

باب من قال ان الایمان هو العمل

یہ عمل کا لفظ قول عمل قلب اور عمل جوارح کو بھی شامل ہے اس لئے سب آیات اور احادیث اس پر منطبق ہو جائیں گی۔ اس میں مرجئہ کا شدید رد ہے کہ دیکھو عمل اتنا اہم ہے کہ ایمان بھی اس میں داخل ہے۔ پھر امام بخاری کے اس رد کی چار وضاحتیں ہو سکتی ہیں۔ ا۔ ایمان لفظ عمل بالمعنی الاعم میں داخل ہے۔ ۲۔ ایمان باقی سب اعمال سے اعلیٰ عمل ہے کیونکہ اس کے بغیر باقی اعمال معتبر نہیں ہیں بہر حال ایمان بھی عمل میں داخل ہے۔ ۳۔ ایمان ایسا عمل ہے جس میں اختیار بھی ضروری ہے یعنی معرفت غیر اختیار یہ کو ایمان نہیں کہہ سکتے اسی بناء پر ایمان کو عمل میں داخل کیا گیا ہے کہ عمل اختیاری ہوتا ہے ایمان بھی اختیاری ہی معتبر ہے۔ ۴۔ یہ جو بعض کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں عمل کا عطف ایمان پر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ ایمان اور عمل ایک دوسرے سے مغائر ہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہاں اس آیت میں ایمان کو عمل میں داخل مانا گیا ہے یہ چوتھی وضاحت متکلمین کے خلاف ہے اس کا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ نفس تصدیق تو عمل فرعی سے الگ ہے اور ایمان کامل اپنے اکثر اجزاء کے لحاظ سے عمل فرعی میں داخل ہے۔ سوال:۔ اس باب کی پہلی حدیث میں افضل عمل کا مصداق ایمان ہے دوسری روایات میں افضل کے مصداق کچھ اور ہیں جواب ا۔ مختلف اشخاص کے حالات کو دیکھتے ہوئے اہمیت اور افضلیت بدل جاتی ہے ایک شخص کو ایک چیز کی زیادہ ضرورت ہے دوسرے کو دوسری چیز کی ۲۔ افضلیت عرفی بہت سی چیزوں کو شامل ہے ایک جگہ ایک کو بیان فرما دیا دوسری جگہ دوسری کو بیان فرما دیا سوال جہاد کو حج پر مقدم کیوں فرمایا جبکہ حج فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ جواب:۔ بعض دفعہ وقتی ضرورت کی وجہ سے جہاد فوراً کرنا پڑتا ہے حج فوراً نہیں کرنا پڑتا پھر حج مبرور وہ ہے جس میں آداب کی بھی رعایت ہو اور چٹی بھی کوئی واجب نہ ہو۔

باب اذالم یکن الاسلام علی الحقیقة

اذا کی جزاء محذوف ہے فلا یعتد بہ ا۔ ایک مقصد یہ ہے کہ اسلام لغوی بلا تصدیق معتبر ہے اور اسلام شرعی معتبر نہیں۔ ۲۔ یہ بات ایک شبہ کا جواب بھی ہے کہ آپ کے نزدیک اسلام اور ایمان ایک ہیں حالانکہ **قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولو ااسلمنا** یہ آیت آپ کے اس قول کی تردید کرتی ہے ایسے ہی جو روایت اس باب میں نقل کی ہے کہ مومن نہ کہو مسلم کہو یہ بھی آپ کے اس قول کی تردید کرتی ہے اس کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اسلام لغوی معنی کے لحاظ سے ایمان کے مبائن ہے اور شرعی معنی کے لحاظ سے ایمان کے مترادف ہے۔ ۳۔ تیسرے اس باب میں کرامیہ کا رد ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اقرار کافی ہے پھر قالت الاعراب والی آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ یہ اعراب منافق تھے دوسرے یہ کہ مومن تھے صرف ابھی ادنیٰ درجہ میں تھے اور اعلیٰ درجہ کا دعویٰ کرنا چاہتے تھے اس لئے ان کو ادب سکھایا گیا کہ ابھی اعلیٰ درجہ کا دعویٰ نہ کرو' پھر حدیث میں جو فرمایا او مسلماً اس میں او بمعنی بل ہے کہ دلیل قطعی کے بغیر اس شخص کے ایمان کا تم دعویٰ نہ کرو ظاہر کو دیکھ کر اسلام کا دعویٰ کافی ہے۔ اسی لئے باب سے بھی مناسبت ہے کہ اسلام ظاہری کا اطلاق اسلام حقیقی یعنی ایمان کے مقابلہ میں کیا گیا ہے کہ یہ کہو اور یہ نہ کہو پھر وہ شخص واقعہ میں مومن ہو یا منافق ہو اس سے بحث کرنی مقصود نہیں ہے۔

باب افشاء السلام من الاسلام

ا۔ ای هذا باب فی بیان ان افشاء السلام من الاسلام۔ ۲۔

باب افشاء السلام اضافت کے ساتھ۔۳- باب وقف کے ساتھ پھر دوسرے نسخہ میں افشاء کا لفظ نہیں یعنی نفس سلام اسلام کے شعبوں میں سے ہے ہمارے مصنف کی عادت ہے کہ حدیث میں اسلام کا لفظ ہو تو باب میں بھی یہی لاتے ہیں ایمان کا ہو تو یہی باب میں آتے ہیں پھر قول عمار میں انصاف کو شعبہ قرار دیا گیا ہے تو اس کے معنی ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنا اور بذل السلام للعالم کے معنی ہیں کہ جانتا پہچانتا ہو یا نہ ہر ایک کو سلام کرے یہ کمال تواضع ہے اور غریبی کے باوجود خرچ کرنا یہ کمال جود ہے جیسا کہ قرآن پاک میں انصار کی مدح میں وارد ہے **ویوثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة** کہ خود غریب ہوں محتاج ہوں دوسرا محتاج نہ بھی ہو پھر بھی دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں۔

باب كفران العشير وكفر دون كفر

عشیر کے معنی خاوند کے ہیں یعنی کفر کا اطلاق بطور کلی مشکک کے ہوتا ہے سب گناہوں پر لیکن گناہ کو تو کفر کہہ سکتے ہیں گنہگار کو کافر نہیں کہہ سکتے جیسے طب کے ایک مسئلہ کو طب کا مسئلہ کہہ سکتے ہیں لیکن اس ایک مسئلہ کے جاننے والے کو طبیب نہیں کہہ سکتے۔ فقہ کے ایک مسئلہ کو فقہ کہہ سکتے ہیں لیکن اس ایک مسئلہ کے جاننے والے کو فقیہ نہیں کہہ سکتے من ترک الصلوٰة متعمدا فقد کفر کی توجیہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ نماز کا چھوڑنا کفر ہے لیکن چھوڑنے والے کو کافر نہیں کہہ سکتے مشہور توجیہ اس حدیث کی یہ ہے کہ یہ کفر عملی ہے۔ ایسے ہی آگے باب ظلم دون ظلم آئے گا ان دونوں بابوں میں ان دو آیتوں کے معنی کی طرف بھی اشارہ ہے **ومن لم يحكم بما انزل ال فاولئك هم الكافرون و من لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظالمون** کہ یہاں کفر اور ظلم ایسے نہیں ہیں جو ایمان سے خارج کر دیں مرجئہ پر بھی رد ہو گیا کہ گناہوں کی اتنی قباحت ہے کہ ان کو کفر اور ظلم قرار دیا گیا ہے اور معتزلہ اور خوارج کی تردید بھی ہو گئی کہ ہر گناہ ایمان سے خارج کرنے والا نہیں ہے جب کفر میں تشکیک ہے تو اس کے مقابلہ میں ایمان میں بھی تشکیک ثابت ہوئی لیکن متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ کمال ایمان میں تشکیک ہے نفس ایمان میں نہیں پھر اس باب کی حدیث میں خاوند کی ناشکری کی مذمت ہے اس سے خاوند کے اونچے مقام کا اظہار ہے حتیٰ کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر اس امت میں سجدہ کی اجازت ہوتی تو بیوی کو حکم کرتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔

باب المعاصي من امر الجاهلية

یعنی جاہلیت سے پیدا ہوئے معلوم ہوا کفر کی طرح جاہلیت کا اطلاق بھی معاصی پر ہوتا ہے لیکن یہ معاصی ایمان سے خارج کرنے والے نہیں ہیں پس معتزلہ اور خوارج پر رد ہو گیا پھر گذشتہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ گزشتہ باب میں کفر کا اطلاق گناہ پر کیا گیا تھا اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید گناہ ایمان سے خارج کر دیں اس کا صراحۃ جواب دے دیا کہ **ولا يكفر صاحبها بارتكابها الا بالشرک** البتہ حلال سمجھے تو ایمان سے خارج ہو جائے گا جبکہ حرمت قطعی بدیہی ہو۔ سوال:۔ شاید شرک کے سوا باقی صریح کفر کے اعتقاد ملت سے خارج نہ کرتے ہوں۔ جواب:۔ ۱- یہاں شرک کفر کے معنی میں ہے۔۲- ہر کفر میں کچھ نہ کچھ شرک ہوتا ہے ۳- **ويغفر مادون ذلک** کہ شرک سے کم معاف فرما دیں گے اور کفر باللہ تو شرک سے اونچا ہے اور ہر قطعی بدیہی کا انکار کفر باللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ماننے میں اللہ تعالیٰ کو سچا ماننا بھی ضروری ہے اور قطعی بدیہی کا انکار اللہ تعالیٰ کے سچے ہونے کا انکار ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ سوال جب گناہ کفر ہیں تو گناہ کرنے والے کو کافر کہنا چاہئے کیونکہ مبدأ اشتقاق کے قیام سے اسم فاعل کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے جواب:۔ ہر جگہ یہ قاعدہ نہیں چلتا جیسے **وعصىٰ آدم ربه فغوىٰ** اس میں آدم علیہ السلام پر عاصی اور غلوی کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

فسما هم المومنين

میں صراحۃ معتزلہ اور خوارج کا رد ہے کہ قتال مومنین کے

5

باوجود قتال کرنے والوں کو مومن ہی شمار فرمایا ہے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوجاتا۔

فالقاتل و المقتول فی النار

یہ وہاں ہے کہ ا۔ بھیڑ میں بے تحاشا قتل کررہے ہوں جس کو عمیت کہتے ہیں۔۲۔ یا قوم کا آدمی ہونے کی وجہ سے بلا تحقیق ساتھ دے کر قتل کررہے ہوں۔۳۔ یا غلط دنیوی اغراض کی وجہ سے مثلاً اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے قتل کررہے ہوں اور لڑائی کررہے ہوں اور جب ہر مسلمان اپنی پوری احتیاط اور تحقیق کے ساتھ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر لڑ رہا ہو جیسے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائی تھی تو دونوں جنتی ہیں گو ایک کا اجتہاد صحیح جیسے حضرت علیؓ اور ایک کی اجتہادی غلطی ہو جیسے حضرت امیر معاویہؓ۔ اسی لئے حضرت احنف نے حضرت ابوبکرہ کی نصیحت کے باوجود لڑائی نہ چھوڑی اور حضرت ابوبکرہ کی نصیحت احتیاط پر اور لڑائی کی شدت کم کرنے کی کوشش پر مبنی تھی۔

اخوانکم خولکم

تمہارے بھائی ہی تمہارے خادم ہیں۔

باب ظلم دون ظلم

دون بمعنی ادنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض ظلم بعض سے کم ہوتے ہیں اور دون بمعنی غیر بھی ہوسکتا ہے کہ ظلم کی مختلف قسمیں ہیں کوئی ایمان سے خارج کرتا ہے کوئی نہیں کرتا پس معتزلہ اور خوارج کا رد ہوگیا اور مرجئہ کا بھی رد ہوگیا کہ گناہوں کی ایسی قباحت ہے کہ ان کو ظلم قرار دیا گیا ہے اور ماقبل سے ربط یہ ہے کہ جب قتال کرنے والے مسلمانوں کو ملت سے خارج نہیں مانا گیا تو اس کی تائید کردی بعض ظلم بھی ملت سے خارج کرنے والے نہیں ہوتے چنانچہ اس باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ظلم کے انواع مختلف ہیں لیکن لم یلبسوا ایمانهم بظلم میں سب سے بڑا ظلم شرک مراد ہے اور لبس کا لفظ بھی شرک پر دلالت کرتا ہے کہ ملنا جبھی ہوگا جب کہ دونوں ایک ہی ظرف یعنی قلب میں ہوں اور ایمان کے ساتھ ایک ظرف میں ہونے والی چیز اعتقادی شرک ہے اور بظلم کی تنوین بھی تفخیم کے لئے ہے اور بڑا ظلم شرک ہوتا ہے۔ سوال:۔ فانزل اللہ سے معلوم ہوا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی اسی واقعہ کی دوسری روایت میں ہے مرفوعاً الاتسمعون الی قول لقمان اس سے معلوم ہوا کہ آیت پہلے اتر چکی تھی۔ جواب:۔ تلاوت فرمانے کو راوی نے فانزل اللہ سے تعبیر فرمادیا۔

باب علامات المنافق

ربط یہ ہے کہ مقصود اخلاص کو ایمان کا شعبہ قرار دینا ہے۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر اور باطن میں مخالفت پس اگر اعتقاد میں ایسا ہو تو نفاق کفر ہے ورنہ نفاق عملی ہے یہ ربط بھی ہوگیا کہ کفر کی طرح نفاق کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔ حدیث کی باب سے مناسبت اور گذشتہ بابوں سے مناسبت یہ ہے کہ نفاق کی ایک علامت ہوگی تو چھوٹا نفاق ہوگا زیادہ علامتیں ہوں گی تو بڑا نفاق ہوگا۔ کرامیہ کا رد بھی ہوا کہ ایک درجہ نفاق کا کفر ہے۔ مرجئہ کا رد بھی ہے کہ نفاق عملی موجب عذاب ہیں معتزلہ خوارج کا رد بھی ہوا کہ نفاق کا ہر درجہ ایمان سے نکالنے والا نہیں ہے اور نفاق عملی کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی بھی ہوئی لیکن متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ کمال ایمان کی کمی بیشی ہوئی نہ کہ نفس ایمان کی اور علامات نفاق کی اضداد ایمان کے شعبے ہیں پھر ان تین شعبوں سے سلف کے اس قول کی تائید ہوئی کہ ایمان قول، عمل اور نیت کا نام ہے کذب کی ضد صدق قول ہے اور خیانت کی ضد امانت عمل ہے اور اخلاف وعدہ کی ضد وفاء وعدنیت ہے۔ نفاق عملی کی علامتوں والا منافق اعتقادی کے مشابہ ہوتا ہے اسی لئے اس کو منافق عملی کہتے ہیں۔

کان منافقاً خالصاً

یعنی اس کو منافق اعتقادی کے ساتھ زیادہ مشابہت ہوتی ہے سوال:۔ جھوٹ تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے بھی سرزد ہوا

حالانکہ ایک قول کے مطابق وہ سب بعد میں نبی ہوئے ہیں تو نبی کو نبوت سے پہلے بھی تو منافق نہیں کہہ سکتے جواب:۔١- یہ علامتیں جب نفاق بنے گی جبکہ بار بار صادر ہوں ان سے جھوٹ ایک دفعہ صادر ہوا۔٢- پہلی امتوں میں یہ حکم نہ تھا۔٣- حدیث میں مقصود تحذیر ہے کہیں یہ علامتیں نفاق تک نہ پہنچادیں یہ نہیں کہ منافق بن گیا۔٤- یہ علامتیں کسی خاص منافق میں تھیں نبی کریم ﷺ اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے اس کا نام نہیں لے رہے مقصود اسی کی علامتوں کو بیان فرمانا ہے یہ حکم عام بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔اس لئے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

باب قیام لیلۃ القدر من الایمان

ای ھذا باب فی بیان ان قیام لیلۃ القدر من شعب الایمان علامات النفاق میں ضمناً ایمان کے شعبوں کا ذکر تھا اب پھر عود ہے صراحۃً ایمان کے شعبوں کے بیان کی طرف نیز پیچھے افشاء سلام کا ذکر تھا لیلۃ القدر کے بیان میں بھی ہے۔**سلام ھی حتی مطلع الفجر** ہے۔

من یقم لیلۃ القدر

یہاں مضارع کا صیغہ ہے اور آگے من قام رمضان اور من صام رمضان میں ماضی کا صیغہ آئے گا وجہ فرق یہ ہے کہ لیلۃ القدر کا پانا یقینی نہیں ہے اس لئے اس کے مناسب مضارع ہے اور قیام رمضان اور صیام رمضان یقینی ہیں اس لئے ان کے مناسب ماضی کا صیغہ ہے۔حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں اور سورہ مزمل میں قم اللیل میں دونوں احتمال ہیں کہ نیند سے اٹھنا مراد ہو اور ہر قسم کی عبادت نماز ذکر تلاوت کو شامل ہو یا قیام فی الصلوٰۃ مراد ہو نماز ہی مراد ہو دونوں احتمال ہیں ایک کی تعیین نہیں کرسکتا۔

باب الجہاد من الایمان

ای ھذا باب فی بیان ان الجہاد شعبۃ من الایمان اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور حفاظت مسلمین **من حیث انھم مسلمون** کے لئے تو شرعی جہاد ہے قوم کی خاطر یا وطن کی خاطر لڑنا شرعی جہاد نہیں ہے پھر المجاہد من جاھد نفسہ اس حدیث کے مطابق گناہوں سے بچنا سب سے بڑا جہاد ہے اور کافر شیطان بھی ہے انسان بھی ہے کافر شیطان ہم سے زیادہ قریب ہے اس سے جہاد اور سب شیطانی گناہوں کا چھوڑنا کافر انسانوں سے لڑنے سے پہلے ہونا چاہئے **یاایھاالذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار**　گناہ چھوڑے بغیر کافر انسانوں سے لڑنا فرعون جیسا کام ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تو پالتا رہا اور بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا رہا پھر جہاد کی مناسبت لیلۃ القدر کے ساتھ یہ ہے کہ قیام لیلۃ القدر بڑا مجاہدہ ہے۔ذکر جہاد اس کا تتمہ ہے اس لئے قیام رمضان اور صوم رمضان سے بھی پہلے ذکر کیا تاکہ تتمہ اصل کے ساتھ مل جائے قیام رمضان عام ہے اور قیام لیلۃ القدر خاص ہے پھر صوم رمضان کو قیام لیلۃ القدر سے پیچھے لائے کیونکہ قیام وجودی ہے اور صوم عدمی ہے نیز شریعت میں رات پہلے ہے دن جس میں روزہ ہے وہ پیچھے ہے۔

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

غرض ان پر رد ہے جو صرف فرائض وواجبات کو ایمان کے شعبے قرار دیتے ہیں نوافل کو نہیں قرار دیتے کہ یہ تراویح اور نوافل کو عام ہے۔
احتساباً۔طلباً للثواب:۔

باب صوم رمضان احتساباً من الایمان

سوال: ایماناً باب میں کیوں چھوڑ دیا جواب:۔احتساباً میں آ گیا۔٢- اختصار فرمایا حدیث میں ایمان کو روزے کی شرط قرار دیا گیا ہے اس سے متکلمین کے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ شرط اور مشروط غیر غیر ہوتے ہیں پس اعمال اجزاء ایمان نہ ہوئے۔

باب الدین یسر

ای ھذا باب فی بیان انہ الدین یسر یعنی دین اعمال پر بولا جاتا ہے اس لئے اس میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ دین کمال ایمان ہے اس میں کمی بیشی ہوتی

ہے۔ معتزلہ اور خوارج کا سختی سے رد ہے کہ وہ دین کو مشکل قرار دیتے ہیں پھر یہ باب تتمہ صوم وقیام کا ہے کہ ان چیزوں میں اعتدال سے آگے نہ گزرنا پھر اصل شعبوں کا بیان شروع کر دیں گے باب الصلوٰۃ من الایمان سے نیز قرآن پاک میں بھی بیان رمضان کے بعد **یریداللہ بکم الیسر** فرمایا تھا اس کا اتباع فرماتے ہوئے امام بخاری نے بھی ذکر رمضان کے بعد الدین یسر کا باب رکھ دیا۔

احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ:۔ ای السھلۃ یہ حدیث امام بخاری نے اپنی کتاب ادب مفرد میں لی ہے نیز مسند احمد میں بھی ہے صحیح بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے یہاں مسنداً نہیں لی بلاسند ترجمۃ الباب میں ذکر کردی۔ یہ بھی غرض ہے کہ دین کا اطلاق اعمال پر ہوا پس اعمال اجزاء ایمان ہیں جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ کمال ایمان کے اجزاء ہیں۔

لن یشاد الدین احد الاغلبہ

ا- جو اعتدال پر عمل نہ کرے گا وہ تھک کر زیادہ عمل کو چھوڑ بیٹھے گا۔ ٢- جو کبھی بھی رخصت پر عمل نہ کرے گا مثلاً بیماری میں وضو ہی کرے گا تو وہ مشقت میں پڑ جائے گا۔ **فسدد دوا:۔** توسط فی العمل اختیار کرو۔ **وقاربوا:۔** ا- اگر اعلیٰ عمل نہ کرسکو تو اعلیٰ کے قریب ہی کرلیا کرو۔ ٢- اپنی طاقت کے قریب کام کیا کرو زیادہ نہ کیا کرو۔

وشیٔ من الدلجۃ

رات کے ایک حصہ میں بھی عبادت کیا کرو شیٔ میں اشارہ فرما دیا کہ ساری رات نہ کرسکو گے کچھ حصہ میں کرلیا کرو۔ غدوہ۔ روحہ اور دلجہ مسافر کے نشاط کے ساتھ سفر کرنے کے اوقات ہیں تم بھی ان اوقات میں تھوڑی تھوڑی اپنی طاقت کے مطابق عبادت کرلیا کرو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اس حدیث کی وجہ سے صبح اور شام ذکر کا مشورہ دیا کرتے تھے۔

باب الصلوٰۃ من الایمان

جب گذشتہ باب کی روایت میں غدوہ اور روحہ اور دلجہ کا ذکر تھا اور غدوہ میں فجر روحہ میں ظہر وعصر اور دلجہ میں عشاء آ گئی تو اب صراحۃً نمازوں کا ذکر فرمایا۔

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم

مرجئہ کی تردید ہوگئی وہ اعمال کو ایمان نہیں کہتے۔ متکلمین پر اعتراض نہیں پڑا کیونکہ ا- کمال اتصال کی وجہ سے ایمان بول کر صلوٰۃ مراد ہے۔ ٢- یا ایمان بالصلوٰۃ الی القبلتین مراد ہے۔

یعنی صلوتکم عندالبیت

الی البیت نہ فرمایا اس لئے کہ عندالبخاری مکہ مکرمہ میں قبلہ بیت المقدس تھا جب مکی زندگی کی نمازیں ضائع نہ ہوئیں جبکہ عندالبیت تھے اور قبلہ بیت المقدس تھا تو مدینہ منورہ میں تو عندالبیت بھی نہ تھے پھر جو نمازیں الی بیت المقدس پڑھیں وہ بطریق اولیٰ ضائع نہ ہوں گی۔

بیت المقدس

طہارت کا گھر ٢- یوں بھی پڑھ سکتے ہیں بیت المقدس اضافت بیانیہ پاک گھر ٣- البیت المقدس پاک گھر توصیف کے ساتھ۔

واھل الکتاب

مرفوع ہے الیھود پر عطف ہے۔

باب حسن اسلام المرء

اضافت ہی ضروری ہے پہلا ربط پیچھے عسر و یسر کے لحاظ سے تقسیم تھی اب حسن وقبیح کے لحاظ سے ہے پھر جب دو قسمیں ہیں تو کمی زیادتی ثابت ہوگئی متکلمین کے نزدیک یہ تقسیم اعمال میں ہے نہ کہ تصدیق میں۔ ٢- دوسرا ربط یہ ہے کہ پیچھے نماز سبب تھا اب حسن الاسلام مسبب ہے۔ ٣- حسن بمعنی احسان ہے اس کا ایک جز وصلوٰۃ پیچھے تھا اب کل ہے یعنی سب عبادات کا اجمالی ذکر ہے۔ **محسن اسلامہ:۔** اور باب تفصیل سے بھی روایت ہے فحسن اسلامہ کہ ظاہر اور باطن میں موافقت کی۔

وکان بعد ذلک القصاص

یعنی بدلہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

والسئیة بمثلھا الا ان یتجاوز اللہ عنھا

معافی سے ابتداء بھی جنت میں جاسکتا ہے اور اگر معافی نہ ہوئی تو گناہ کی مقدار سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ مخلد فی النار بہر حال نہ ہوگا اس میں صراحۃً معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے یہ حدیث تعلیق ہے نسائی شریف میں مسند ہے اس میں کتب اللہ لہ کل حسنۃ قدمھا بھی ہے کہ اسلام لانے کی برکت سے زمانہ کفر کی نیکیوں کا ثواب بھی مل جائے گا لیکن اس حصہ میں امام بخاری کو کچھ اشکال تھا کہ کفر کے زمانہ کی نیکی کا ثواب کیسے مل سکتا ہے اتنے حصہ کو حذف کر دیا دوسرے حضرات نے اس کا جواب دیا ہے کہ اشکال صرف اس صورت میں ہے کہ ایمان نہ لائے اور پھر ثواب مل جائے اب تو ایمان لا چکا ایمان کی برکت سے وہ نیکیاں بھی تفضلاً ہے اور جیسے فاؤلٰئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات ہے کہ گناہ بھی نیکیاں اللہ تعالیٰ احساناً بنادیتے ہیں اور جیسے بعض کافروں کی تخفیف ہوگی بعض حسنات کی وجہ سے باب احب الدین الی اللہ ادومہ: تنوین کے ساتھ باب بھی ٹھیک ہے ای ھذا باب فی بیان انہ احب الدین الی اللہ ادومہ اور اضافت کے ساتھ کے ساتھ بھی ٹھیک ہے کہ باب کی اضافت جملہ کی طرف ہو رہی ہے معنی یہ ہیں باب فی بیان ان احب الدین الی اللہ ادومہ: اس باب کی حدیث کے متعلق چند فوائد۔ ۱- دوام کی اہمیت ثابت ہوئی۔ ۲- نبی کریم ﷺ کی انتہائی شفقت امت پر ظاہری ہوئی۔ ۳- اعتدال کی اہمیت ثابت ہوئی کہ اعتدال سے عبادت کرے تو اس میں دوام بھی ہے اور نشاط بھی ہے اور نشاط کی وجہ سے عبادت میں خشوع و خضوع بھی ہوتا ہے لذت بھی ہوتی ہے ہر قسم کی کیفیت عمدہ ہوتی ہے۔

باب زیادۃ الایمان و نقصانہ

مناسبت گذشتہ باب سے یہ ہے کہ گذشتہ باب میں دوام کے محبوب عند اللہ ہونے کا ذکر تھا۔ یہ دوام ایمان کی زیادتی کا سبب ہے پھر اس باب سے ۱۶ باب پہلے جو باب تھا باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال تو ان دونوں بابوں میں دو لحاظ سے فرق ہے۔ ۱- گذشتہ باب میں اعمال کی کمی بیشی بیان کرنی مقصود تھی اور زیر بحث باب میں نفس ایمان کی کمی بیشی بیان کرنی مقصود ہے۔ ۲- گذشتہ باب میں اہل ایمان کا تفاضل بیان کرنا مقصود تھا اور زیر بحث باب میں نفس ایمان کا تفاضل اور کمی بیشی بیان کرنی مقصود ہے پھر کتاب الایمان کے شروع میں امام بخاری کا قول تھا وھو قول و فعل و یزید و ینقص اس قول میں اور اس زیر بحث باب میں بھی دو لحاظ سے فرق ہے۔ ۱- وہاں اصل مقصود ایمان کے مرکب ہونے کا بیان تھا اور یہاں اصل مقصود ایمان کی کمی بیشی کا بیان ہے۔ ۲- وہاں کمی بیشی اگر تھی بھی تو مجموعہ تصدیق و اعمال کے لحاظ سے تھی اور یہاں نفس ایمان اور مومن بہ کے لحاظ سے ہے اور درمیان میں جو باب تھا باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال وہاں کمی بیشی صرف اعمال کے لحاظ سے تھی۔

الیوم اکملت لکم دینکم

۱- یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں جو مقدار قواعد دین اور اصول دین کی تھی اس امت کے لئے ان کا بیان مقدار کے لحاظ سے پورا فرما دیا یہ معنی نہیں ہیں کہ پہلے جو احکام اور قواعد بیان فرمائے تھے ان میں کوئی عیب تھا اب وہ عیب دور فرما دیا۔ ۲- پہلے حج نہ کیا گیا تھا اس لئے اہم ارکان مکمل نہ ہوئے تھے اب وہ اہم ارکان مکمل ہو گئے پھر اس آیت سے امام بخاری ایمان کی زیادۃ و نقصان ثابت فرمانا چاہتے ہیں ہم متکلمین کی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ شرعی احکام اور قواعد دین کی گنتی میں جو کمی تھی وہ پوری کی گئی ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ نفس ایمان پہلے ناقص تھا اب پورا ہوا اور نہ لازم آئے گا کہ جو صحابہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے ان کا ایمان نعوذ باللہ ناقص تھا حالانکہ ایسا نہیں تھا سوال اس باب میں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں صرف و یخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ ہے۔ رسالت کا ذکر

نہیں ہے شاید ایمان بالرسالۃ ضروری نہ ہو جواب لا الہ الا اللہ علم ہے پورے ایمان کا۔۲- یہاں سب ادیان حقہ کا بیان مقصود ہے اس لئے قدر مشترک کا ذکر ہے یہ نہیں کہ ایمان کے لئے صرف عقیدہ توحید ہی کافی ہے پھر خیر کی تنوین تقلیل کے لئے ہے جب قلیل ایمان والا آگ سے نکل آئے گا تو کثیر والا بطریق اولیٰ نکل آئے گا۔شوق دلانا مقصود ہے کہ ایمان و عمل کثیر جمع کرو تاکہ اولیٰ دخول جنت میں ہو اور یہ کمی بیشی ایمان کے ثمرات کی ہے نفس ایمان کی نہیں ہے اس لئے یہ حدیث پاک متکلمین کے خلاف نہیں ہے۔

باب الزکوٰۃ من الاسلام

باب کو تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں ربط یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی ایک شعبہ ہے اسلام اور ایمان کا جیسے گذشتہ بابوں میں شعبے مذکور ہیں آیت سے ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ جب دین کا حصہ ہے تو اسلام اور ایمان کا بھی حصہ ہے متکلمین کی طرف سے جواب:۔۱- ایمان سے قوی تعلق ہے۔۲- کمال ایمان کا حصہ ہے زکوٰۃ نہ کہ نفس ایمان کا پھر اس باب کی حدیث میں پانچ نمازوں کے بعد ہے کہ ان کے سوئی کچھ واجب نہیں سوال تو وتر واجب نہ ہوئے جواب:۔۱- اس واقعہ کے بعد واجب ہوئے۔۲- وتر عشاء کے تابع ہیں اس لئے پانچ نمازوں میں وتر کا وجوب بھی آ گیا۔سوال:۔عیدین خارج ہو گئیں جواب مراد یومیہ نمازیں ہیں کہ ہر روز پانچ نمازیں ہی فرض ہیں پھر الا ان تطوع سے ثابت ہوا کہ نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں پھر صدقہ کے ذکر کے بعد بھی ہے الا ان تطوع۔سوال:۔نفقہ اقارب اور صدقہ فطر نکل گئے۔جواب مال کی وجہ سے واجب ہونے والا صدقہ مراد ہے۔نفقہ قرابت کی وجہ سے ہے اور صدقہ فطر کا سبب راس یمونہ دیلی علیہ ہے صرف مال کی وجہ سے نہیں ہے کہ جس شخص کی مشقت اٹھاتا ہے اور جس کا ولی بنتا ہے اس کی طرف سے صدقہ فطر دینا پڑتا ہے۔

لا ازید علی ھذا

سوال: پھر نوافل کی تو کوئی ضرورت نہ ہوئی۔

جواب:۱- پیغام پہنچانے میں زیادتی نہ کروں گا۔۲-فرض ہونے کی حیثیت سے نوافل نہ پڑھوں گا نفل ہونے کی حیثیت سے نفی نہیں ہے پھر بعض روایات میں یہاں مرفوعاً وابیہ بھی ہے اس پر اشکال ہے کہ یہ تو غیر اللہ کی قسم ہے جو جائز نہیں۔

جواب:۱- قبل النھی کا واقعہ ہے۔۲- مضاف محذوف ہے ورب ابیہ۔۳- نبی کریم ﷺ کو اجازت تھی۔۴- یہاں واللہ تھا کسی راوی کو نقطے نہ ہونے کی وجہ سے غلطی لگی پہلے بغیر نقطوں کے لکھ پڑھ لیتے تھے۔۵- بلاقصد سبقت لسانی کی وجہ سے یہ لفظ صادر ہو گیا لیکن یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ ایسا ہوتا تو وحی سے تردید کر دی جاتی۔

ان صدق:۔سوال:۔بعض روایات میں اسی واقعہ میں یقین کے الفاظ ہیں **من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ فلینظر الی ھذا** اور زیر بحث روایت میں شک کے ساتھ ہے۔

جواب:۔۱- پہلے شک تھا پھر وحی سے یقین دلا دیا گیا۔۲- اس کے سامنے شک کے ساتھ ذکر فرمایا کہ خود بینی نہ پیدا ہو جائے جو گناہ ہے بعد میں دوسرے حضرات کے سامنے یقین ظاہر فرما دیا۔۳- یقین دخول جنت میں ہے اور شک ابتدائی دخول میں ہے پھر الافلاح کے ایک معنی تو معلوم ہو گئے جنت میں دخول اولیٰ بلا عذاب۔۲- دوسرے معنی الفوز والبقاء۳- مقصد پالینا۴- چار چیزوں کا مجموعہ۱- بقاء بلا فناء۲- غنا بلا فقر۳- عز بلا ذل۴- علم بلا جہل لغت میں افلاح سے زیادہ بلیغ لفظ کامیابی میں نہیں ہے۔

باب اتباع الجنائز من الایمان

باب کو تنوین کے ساتھ بھی اور بغیر تنوین کے بھی پڑھنا صحیح ہے۔ بڑے بڑے شعبے ایمان کے بیان کر چکے ان بڑے شعبوں کے اخیر میں اتباع جنائز کا شعبہ بیان فرما دیا اس لئے کہ اس کا تعلق انسان کی دنیا میں آخری حالت سے ہے۔قیراط:۔یہ لفظ اصل میں قراط ہے راء کی تشدید کے ساتھ پھر ایک راء کو یاء سے بدل دیا گیا کیونکہ جمع قراریط آتی ہے جیسے دینار اصل میں دنار تھا نون کی تشدید کے ساتھ پھر ایک نون کو یاء سے بدل دیا گیا کیونکہ جمع دنانیر آتی ہے پھر قیراط کا

مصداق۔ ۱- دینار کا بیسواں حصہ ۲- دینار کا چوبیسواں حصہ ۳- بعض الشیء ۴- اہل عراق کے نزدیک دینار کا بیسواں حصہ اور اہل مکہ کے نزدیک دینار کا چوبیسواں حصہ۔ ۵- درھم کا بارھواں حصہ یعنی نصف دانق کیونکہ دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔

باب خوف المومن من ان یحبط عمله وهو لا یشعر

اس باب کو بلا تنوین ہی پڑھا جائے گا اضافت کی بنا پر پیچھے ایمان کے مکملات کا ذکر تھا آگے اب مفسدات ایمان کا ذکر شروع ہوتا ہے اور اس باب میں جن مفسدات کا ذکر ہے وہ تین چیزیں ہیں ۱- غفلت۔ ۲- نفاق۔ ۳- اصرار علی المعاصی بلا توبہ۔ سوال:۔ گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ احباطیہ گزرا ہے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ گناہوں سے نیکیاں حبط ہو جاتی ہیں تو بظاہر امام بخاری اس فرقہ کی تائید فرما رہے ہیں حالانکہ یہ فرقہ تو گمراہ شمار کیا گیا ہے۔ جواب:۔ یہاں حبط عمل کی صورت یہ بیان فرمانی مقصود ہے کہ اخلاص کی کمی کی وجہ سے ثواب کم ملتا ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ حبط عمل ارتداد سے ہوتا ہے نعوذ باللہ من ذلک یا رفع الصوت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے عام گناہوں سے حبط عمل نہیں ہوتا۔ دوسرا اجماع یہ ہے کہ بلا اخلاص عمل قبول نہیں ہوتا اور اس اجماع کے مرجئہ منکر ہیں تو یہاں مرجئہ کی تردید مقصود ہے احباطیہ کی تائید مقصود نہیں ہے۔ مرجئہ کے نزدیک جیسے باقی گناہ مضر نہیں ہیں ایسے ہی ریاء بھی مضر نہیں ہے اس لئے ریاء سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ان کی تردید فرما رہے ہیں کہ ریا تو محبط عمل ہے پھر دوسرا ربط یہ بھی ہو گیا کہ خوف حبط عمل بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے پیچھے شعبوں کا بیان چلا آ رہا ہے اور تیسرا ربط یہ بھی ہو گیا کہ پیچھے نفاق کا ذکر تھا یہاں بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو جانا یہ بھی نفاق کا ایک شعبہ ہے۔

خشیت ان اکون مکذبا

یعنی میرا عمل میرے قول پر پورا نہیں اترتا۔ میرے عمل کو دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ تم نے جو کہا اس پر عمل نہ کیا۔

یخاف النفاق علی نفسه

کیونکہ اخلاص کم ہے۔

انه علی ایمان جبریل

کرامیہ اور مرجئہ کی تردید بھی ہو گئی کہ وہ کہتے ہیں کہ سب کا ایمان ہر لحاظ سے برابر ہے اور خوف والے صحابہ کرام اپنا ایمان حضرت جبریل علیہ السلام کے برابر نہ سمجھتے تھے امام ابوحنیفہ ایمانی کایمان جبریل علیہ السلام کہنے کو ٹھیک سمجھتے تھے اور ایمانی مثل ایمان جبریل علیہ السلام کہنے کو ٹھیک نہ سمجھتے تھے کیونکہ تشبیہ میں مساوات نہیں ہوتی اور مثل کہنے میں مساوات ہوتی ہے البتہ مومن بہ کی تصریح ہو تو پھر مثل کہنے کی بھی گنجائش سمجھتے تھے کیونکہ اس صورت میں مماثلت صرف مومن بہ میں ہے ایمان کی کیفیت میں مماثلت مقصود نہیں ہوتی۔

مایخافه الامومن

مفعول کی ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یا نفاق کی طرف لوٹتی ہے ولا یامن مکر الله الا القوم الخاسرون

وما یحذر من الاصرار

ما مصدر یہ ہے اور عطف خوف المومن پر یعنی باب التحذیر من الاصرار۔ درمیان میں آثار ذکر فرمائے کیونکہ ان کا تعلق پہلے ترجمۃ الباب سے تھا اور اس عبارت سے مقصود مرجئہ اور کرامیہ کی تردید ہے۔

سالت اباوائل عن المرجئة

وجہ تسمیہ ۱- یہ اعمال کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں۔ ۲- باوجود فسق وفجور کے یہ رجاء اور امید جنت میں مبالغہ کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث کی مناسبت باب کے آخری حصہ سے تو ظاہر ہے کہ اس میں گناہوں کی مذمت ہے۔ ابتدائی ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف لے جاتا ہے حتیٰ کہ کفر ونفاق کا خطرہ ہوتا ہے جو موجب حبط عمل ہے۔

وقتاله كفر

یعنی مسلمان سے لڑنا اس کے حقوق کا ایک قسم کا انکار ہے کفر باللہ مراد نہیں ہے جس سے ایمان سے نکل جائے۔

فتلاحیٰ رجلان

اس حدیث کی مناسبت ابتدائی ترجمۃ الباب سے یوں ہے کہ اس میں جدال کی مذمت ہے اور جدال میں جہر الصوت علی النبی ﷺ کا اندیشہ تھا جو موجب حبط عمل ہے اور پھر حبط عمل مشابہ نفاق کے بھی ہے کیونکہ نفاق میں بھی حبط عمل ہے اور آخری حصہ سے بھی مناسبت ہے کیونکہ جدال بعض دفعہ گالی تک پہنچا دیتا ہے جو فسق ہے۔

باب سوال جبریل

اس باب کو بلاتنوین پڑھا جائے گا بوجہ اضافت اس باب کی مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ یہ گذشتہ کتاب الایمان کے سب بابوں کا خلاصہ ہے۔

فجعل ذلک کله دینا

یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ آپ تو ایمان اور اسلام کو ایک قرار دیتے ہیں اور اس باب کی حدیث جبریل میں ایمان الگ مذکور ہے اسلام الگ مذکور ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ کئے گئے ہیں اس کے جواب کی طرف اشارہ فرما دیا کہ دونوں کی حقیقت کا الگ الگ ہونا بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔ یہ دونوں لفظ جب اکیلے اکیلے ذکر کئے جاتے ہیں تو اصل حقیقت ذکر کی جاتی ہے کہ دونوں ایک ہیں اور جب دونوں کو اکٹھا ایک ہی کلام میں ذکر کیا جاتا ہے تو بعض اجزاء پر اطلاق کر دیا جاتا ہے تا کہ کچھ فرق وقتی طور پر معلوم ہو جائے اصل حقیقت دونوں کی ایک ہے۔ جیسے فقیر اور مسکین کے الفاظ ہیں کہ الگ الگ آئیں تو ایک ہی معنی ہوتے ہیں محتاج اور اکٹھے آ جائیں تو فقیر کے معنی کم مال والا اور مسکین کے معنی خالی ہاتھ کے ہوتے ہیں اس کی تائید میں یعلمکم دینکم ذکر فرمایا کہ یہاں دین میں دونوں آ گئے دوسری تائید آیت سے فرمائی و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه اس میں اسلام بمعنی ایمان ہی تو ہے۔

ثم قال جاء جبریل علیه السلام

یہ جملہ فعلیہ ہے اور اس سے پہلے جملہ اسمیہ ہے یہ فرق اس لئے کیا کہ غرضیں دونوں جملوں کی الگ الگ ہیں پہلے جملہ کی غرض ترجمۃ الباب کا بیان ہے اور دوسرے جملہ کی غرض ایمان اور اسلام کے اتحاد کا بیان ہے۔

ومابین النبی صلی الله علیه وسلم لوفد عبدالقیس من الایمان

ما مصدریہ ہے اور واؤ بمعنی مع ہے یعنی حدیث جبریل میں جو اسلام کے معنی بیان فرمائے وہی معنی حدیث وفد عبدالقیس میں جو باب اداء الخمس من الایمان میں آئے گی اس میں وہی اسلام والے معنی ایمان کے ذکر فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام ایک ہے اس کے بعد وقولہ تعالیٰ کا عطف بھی و مابین پر ہے۔ حضرت انور شاہ صاحب نے امام بخاری کی اس باب کی تقریر کی تردید فرمائی ہے کہ یہ فرمانا امام بخاری کا صحیح نہیں ہے کہ اکٹھا ذکر کرنے کی وجہ سے دونوں میں کچھ فرق کر دیا گیا کیونکہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ایمان کا سوال کیا تھا تو اس وقت نبی کریم ﷺ کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ اسلام کا سوال بھی کریں گے اور وفد عبدالقیس والی حدیث میں جو اسلام والی چیزوں پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اس میں صرف ان اعمال کی ترغیب مقصود ہے کہ سب کامل ایمان میں داخل ہیں ایمان کی حقیقت بیان کرنی مقصود نہیں ہے بارزاً۔ یعنی لوگوں میں ظاہر ہو کر بیٹھے ہوئے تھے گھر کے اندر مستورات میں نہ تھے۔

فقال ماالایمان

اس روایت میں بغیر سلام کئے سوالات کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ۔ ۱- شروع میں فرشتہ ہونے کو مخفی رکھنا مقصود تھا اس لئے سلام نہ کیا۔ ۲- یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ابتداً سلام کرنا واجب نہیں ہے۔ ۳- راوی

نے اختصار کیا ہے کیونکہ دوسری روایت میں سلام کا ذکر ہے پھر ماالایمان میں مقصود ایمان کی حقیقت شرعیہ کا پوچھنا تھا جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ایمان کو جو دہرایا تو اس کی وجہ تفخیم تھی ایمان کی پھر لقا اور بعث میں یہ فرق ہے کہ ۱- انتقال من الدنیا الی الاخرۃ یہ لقاء ہے اور قیامت میں اٹھنا بعث ہے۔ ۲- بعث قیامت میں اٹھنا اور لقاء حساب کتاب ہے پھر اسلام کے جواب میں جو چیزیں مذکور ہیں ان میں حصر نہیں ہے۔ چند اہم چیزوں کا ذکر فرمادیا گیا ہے۔

ان تعبدالله كانك تراه

فان لم تكن تراه فانه يراك

ایک روایت میں یوں بھی ہے ان تخشی اللہ کانک تراہ پھر یہاں دو جملے ہیں حافظ ابن حجر نے ان کو دو مرتبے الگ الگ قرار دیا ہے۔ پہلے درجہ کا نام مشاہدہ اور مکاشفہ قلبیہ اور دوسرے درجہ کا نام مراقبہ علم اللہ ہے لیکن علامہ نووی نے ایک ہی درجہ قرار دیا ہے کہ دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ تم نہیں دیکھ رہے پھر بھی احسان پر قائم رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمہیں دیکھ رہے ہیں گویا دوسرا جملہ پہلے جملہ کی علت ہے کہ دارومدار تمہارے دیکھنے پر نہیں ہے بلکہ ان کے دیکھنے پر ہے وہ تو بہر حال دیکھ ہی رہے ہیں تم دیکھو یا نہ دیکھو اس لئے عبادت کو ہمیشہ عمدہ طریقہ سے کیا کرو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے علامہ نووی والی تقریر کو ترجیح دی ہے۔

قال متى الساعة

یہ سوال اس لئے تھا کہ سب کو پتہ چل جائے کہ جب سید الملئکۃ اور سید الناس نہیں جانتے کہ قیامت کب آئے گی تو کسی دوسری مخلوق کو کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ کب آئے گی پھر جواب میں خاص عنوان نہ رکھا مانا باعلم منک بلکہ عام عنوان رکھا کہ مخلوق میں کوئی بھی سائل ہو یا مسؤل عنھا ہو کسی کو بھی وقت کا پتہ نہیں ہے۔

اذاولدت الامة ربها

۱- اولاد کثرت سے سرکش ہوگی گویا اولاد بمنزلہ آقا کے ہے اور ماں بمنزلہ لونڈی ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ نشانی قرب قیامت میں پائی جائے گی۔ ۲- فتوحات زیادہ ہوں گی لونڈیاں زیادہ آئیں گی اور وہ ام الولد زیادہ بنیں گی اور ام ولد بننا یہ آقا کو جننا ہوتا ہے کیونکہ وہ بیٹا آزاد ہوتا ہے اور باپ کی طرح بمنزلہ آقا کے ہوتا ہے اس تفسیر پر یہ بالکل ابتدائی نشانی قیامت کی بنے گی کیونکہ فتوحات کی کثرت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہو چکی ہے ان دونوں میں سے پہلے معنی کو اقوی قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ قیامت کے زیادہ قریب زمانہ ہوگا۔

واذا تطاول رعاة الابل البهم فى البنيان

یہ دوسری علامت بہر حال قرب قیامت میں ظاہر ہوگی کہ دنیا میں گھٹیا شمار ہونے والے لوگ عالیشان عمارتیں بنائیں گے گویا ذلت والے عزت والے ہو جائیں گے یہ قلب موضوع ہے اور پہلی نشانی میں بھی قلب موضوع ہے کہ بیٹا اپنے آپ کو ماں سے اونچا سمجھے یہ دونوں فساد ہوئے اور فساد چاہتا ہے کہ دنیا ختم ہو جائے اور قیامت آجائے کیونکہ کسی چیز میں جب فساد آتا ہے تو بڑھتے بڑھتے وہ فساد اس چیز کو ختم کر دیا کرتا ہے۔

خمس لا يعلمهن الا الله

امام مالکؒ نے خواب میں زیارت فرمائی نبی پاک ﷺ کی اور پوچھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے تاکہ میں نفلی حج کرلوں کیونکہ اس خطرہ سے موت مدینہ منورہ سے باہر نہ آجائے میں نفل حج کے لئے نہیں جاتا نبی پاک ﷺ نے پانچوں انگلیاں کھول کر ہاتھ مبارک دکھا دیا خواب ختم ہو گیا امام ابن سیرین کے پاس آدمی بھیجا کہ میرا نام نہ لینا یوں کہنا مدینہ منورہ میں کسی نے یہ خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بیان فرمادیں کہ پانچ دن مراد ہیں یا پانچ ہفتے یا پانچ مہینے یا پانچ سال امام ابن سیرین نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہے اور خواب امام مالک نے دیکھا ہے کیونکہ اس خواب میں حدیث کے مضمون کی طرف باریک اشارہ ہے اور ایسا اشارہ بہت بڑے محدث کو ہی ہو سکتا ہے اور وہ بڑا محدث اس وقت مدینہ منورہ میں امام مالک ہی ہے کیونکہ اشارہ حدیث کے ان الفاظ کی طرف

ہے فی خمس لا یعلمهن الا الله ان پانچ میں موت کا علم بھی ہے مجھے معلوم نہیں کہ تمہاری موت کب آئے گی۔

ان الله عنده علم الساعة

یہی مضمون دوسری آیت میں یوں ہے وعنده مفاتیح الغیب لایعلمها الاهو۔ یہ تکوینی علم انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا کیونکہ ان کا کام تشریعی علم کا پھیلانا ہے اور مفاتیح الغیب کے لفظ میں اشارہ علم کلی کی طرف اور علم محیط کی طرف ہے۔ اس لئے جزئی علم اگر کسی کو دے بھی دیا جائے تو وہ اس کے خلاف نہیں ہے پھر علم غیب بلا اسباب وآلات ہوتا ہے اس لئے علامتوں سے بارش کے قریب ہونے کو جاننا علم غیب نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام کو وحی سے بعض باتیں بتائی جاتی ہیں وہ بھی چونکہ بتلانے سے معلوم ہوتی ہیں اس لئے وہ بھی علم غیب نہیں ہیں ان کو انباء غیب کہہ سکتے ہیں تلک من بناء الغیب نوحیها الیک حتیٰ کہ اگر بالفرض کوئی لوح محفوظ دیکھ کر حفظ بھی کرے تو وہ بھی علم غیب نہ ہوگا۔ انباء غیب ہی ہوں گی۔ فقال ردوه:۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ فرشتہ تھا انسان نہ تھا۔

یعلم الناس دینهم:۔ ای قواعد دینھم۔

فوائد الحدیث

۱- للذین احسنو االحسنیٰ و زیادة یعنی جو احسان اختیار کرتے ہیں اور ایسی عمدہ عبادۃ کرتے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں ان کو اس کے مناسب جزاء میں حسنیٰ یعنی جنت اور زیادہ یعنی زیارت حق تعالیٰ کی نصیب ہوگی اور کافر احسان سے محروم ہیں تو زیارت سے بھی محروم ہوں گے نعوذ باللہ من ذلک۔ ۲- دین عمدہ درخت ہے۔ ایمان اس کی جڑ ہے جو زمین جیسے قلب میں راسخ ہوتی ہے اور اسلام اور اعمال اس کی شاخیں آسمان میں بلند ہوتی ہیں اور احسان اس کا پھل ہے حق تعالیٰ ہمیں یہ سب نصیب فرماویں آمین۔ ۳- جس سوال کا جواب نہ آتا ہو وہاں لاادری کہہ دینا نصف علم ہے جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے وقت کے سوال کے جواب میں فرمایا۔ ۴- علوم دین تین ہی ہیں ایک عقائد الایمان دوسرے فقہ ما الاسلام تیسرے تصوف ماالاحسان ۵- جیسے سورہ فاتحہ جامعیت کی بناء پر ام القرآن ہے ایسے ہی حدیث جبریل جامعیت کی بنا پر ام السنة ہے۔ ۶- تصوف کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ کرنا ہے جس کو احسان کہتے ہیں۔ ۷- جیسے تیسری رکعت پہلی دو رکعتوں کے بعد ہوتی ہے ایسے ہی احسان کا درجہ ایمان اور اسلام کے بعد ہے۔ ۸- جو دینی علوم کو یاد کرنا چاہے وہ حدیث جبریل کو اور اس کے معنی کو یاد کرے اسی لئے حضرت جبریل علیہ السلام حجۃ الوداع کے بعد حاضر ہوئے تاکہ علوم دین یکجا جمع ہو جائیں اور ان کو یاد کرنا آسان ہو جائے گو تاخیر میں آنے کی وجہ میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مسائل ثابتہ کی تائید و تقریر مقصود تھی اور تیسرا قول یہ ہے کہ ایک کلام میں مسائل کو جمع کرنے کا مقصد شوق دلانا تھا۔ ۹- کسی اچھی غرض کے پیش نظر استاد کو اونچی جگہ پر بٹھانا مستحسن ہے جیسا کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں اسی واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کا اونچی جگہ بنانا مذکور ہے تاکہ آنے والا فوراً پہچان سکے۔ ۱۰- فتمثل لها بشرا سویا کی تائید اس واقعہ سے ہوگئی کہ جبریل علیہ السلام ایک انسان کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے۔ ۱۱- سفید کپڑوں کا مستحسن ہونا ثابت ہوا کیونکہ ایک روایت کے مطابق جبریل علیہ السلام سفید کپڑوں میں حاضر ہوئے تھے۔ ۱۲- صاف ستھرا رہنے کی تاکید ثابت ہوئی کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام صاف ستھرے ہو کر حاضر ہوئے تھے۔ ۱۳- تعلیم کے لئے جوانی کا زمانہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام طالب علم کی صورت میں کالے بالوں کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ اسی تعلیم پر حج اور اصلاح باطن کو بھی قیاس کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں کام بڑھاپے میں بہت مشکل ہو جاتے ہیں گو نہ ہونے سے ہونا ہی بہرحال بہتر ہے اگر جوانی میں حج یا اصلاح باطن یا تعلیم نہ کر سکے اور بڑھاپے میں موقعہ مل گیا ہو تو اسی کو غنیمت سمجھے۔ ۱۴- استاد کی تعظیم ضروری ہے کیونکہ جبریل علیہ

السلام طالب علم بن کر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے۔ ۱۵- استاد کی طرف پوری توجہ رکھنی ضروری ہے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملا کر بیٹھنے میں یہی اشارہ ہے۔ ۱۶- قلبی توجہ بھی استاد کی طرف ہونی چاہئے گھٹنوں کے ساتھ گھٹنے ملانا قلبی توجہ کا ذریعہ ہے۔ ۱۷- استاد سے پوری مناسبت پیدا کرنی ضروری ہے۔ گھٹنوں سے گھٹنوں کا ملانا اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ۱۸- سعی تحصیل شفقۃ استاد بھی مستحسن ہے۔ ۱۹- اظہار طلب واظہار شدۃ احتیاج الی الاستاد بھی مستحسن ہے۔ ۲۰- کمال تقرب اور عدم تکلف حاصل کرنے کی سعی بھی مستحسن ہے۔ ۲۱- نظر استاد ہی کی طرف ہونی چاہئے۔ ان آخری چاروں باتوں کی دلیل یہ ہے کہ نسائی کی روایت میں اسی واقعہ میں یوں بھی آیا ہے ثم وضع یدیه علی رکبتی النبی صلی اللہ علیه وسلم. **جعل ذلک کله من الایمان**:۔ یہ استنباط امام بخاری کا اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک ایمان اور اسلام اور دین ایک ہی ہیں پھر امام بخاری کی اس عبارت میں من الایمان کا من تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے اور ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے۔

باب: یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے ماقبل کا تتمہ ہے غرض کیا ہے۔ ۱- دین اور ایمان کا ایک ہونا ہرقل کی کلام سے ثابت ہوا۔ سوال وہ تو کافر تھا جواب:۔ اس نے گذشتہ کتب سے نقل کیا اور صحابہ نے اس پر انکار نہ کیا اس لئے ہماری شریعت میں داخل ہو گیا۔ ۲- اس باب کی روایت میں بشاشت کا ذکر ہے اس بشاشت کے بعد خوف حبط اور خوف نفاق عموماً آجایا کرتا ہے اس لحاظ سے یہ خوف حبط والے باب کا تتمہ بن گیا ہے۔ ۳- اس باب کی روایت میں قول ہرقل میں یہ بھی ہے و کذلک الایمان حتیٰ یتم اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کے نزدیک بھی ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے کمی بیشی کے بابوں کا یہ باب تتمہ بن گیا۔

باب فضل من استبراء الدینه

اضافت ہی مناسب ہے باب کی مابعد کی طرف ربط اور غرض کیا ہے ۱- ورع بھی دین کا شعبہ ہے ۲- ورع میں مراتب ہیں اس لئے دین میں بھی مراتب ہیں جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ورع کمال دین کا ذریعہ ہے اس لئے کمال دین میں کمی بیشی ثابت ہوئی یعنی کمال ایمان میں نہ کہ نفس ایمان میں ۳- یہ تتمہ ہے باب تحذیر کا ۴- اس باب میں احسان کی تفصیل وتائید ہے۔ **اذا صلحت**:۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ چیزیں پیدا ہوجائیں۔ ۱- اللہ تعالیٰ کی محبت۔ ۲- رضا برقضا۔ ۳- توکل علی اللہ۔ ۴- صبر۔ ۵- شکر۔ ۶- امید۔ ۷- خوف۔ ۸- فکر آخرت۔ ۹- توبہ۔ ۱۰- قناعت۔ ۱۱- تواضع۔ **اذا فسدت**:۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ چیزیں پیدا ہو جائیں۔ ۱- تکبر ۲- عجب ۳- حسد ۴- حقد یعنی بغض ۵- حب مال ۶- حب جاہ ۷- حرص کلام ۸- بخل ۹- حرص ۱۰- طول امل۔

باب اداء الخمس من الایمان

یصح فی الباب الوقف والتنوین وترک التنوین

ربط۔ شعبوں کا بیان تھا یہ بھی ایک شعبہ ہے ایمان کا۔

فمرنا بامر فصل

یعنی واضح ہو اور فارق بین الحق والباطل ہو۔ سوال یہاں مذکور تو پانچ چیزیں ہیں حالانکہ اجمال میں ہے فامرھم باربع۔ جواب:۔ ۱- اصل جواب میں چار ہی چیزیں ہیں بعد میں اداء خمس کا بھی اضافہ فرمادیا لیکن یہ جواب امام بخاری کے طرز کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اداخمس کو بہت اہم قرار دیا ہے اسی لئے باب بھی اداخمس کا باندھا ہے۔ ۲- شہادتین کا ذکر بطور تمہید ہے اس کے بعد والی چار چیزیں بیان فرمانی مقصود ہیں۔ لیکن اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ بخاری شریف میں کتاب المغازی میں ہے شهادة ان لا اله الا الله و عقد بواحدة اس لئے شہادتین کو تمہید کہنا مناسب نہیں۔ ۳- شہادۃ اجمالا ایمان کا بیان ہے پھر تفصیلاً ایمان کا بیان ہے معلوم ہوا کہ ایمان مرکب ہے اور یہی مقصد ہے امام بخاری کا جواب متکلمین کی طرف سے یہ ہے کہ ایمان، کامل مرکب ہے باب ماجاء ان الاعمال بالنیة

والحسبة:۔ یہاں صرف اضافت باب ہی مناسب ہے غرض یہ ہے کہ اعمال میں نیت قرب کی بھی ہونی چاہئے اور نیت حسبۃ اور ثواب کی بھی ہونی چاہئے اس میں کرامیہ کی تردید ہے جو صرف اقرار کو کافی سمجھتے ہیں اور ماقبل سے ربط یہ ہے کہ سلف کا قول ہے الایمان قول وعمل ونیۃ پہلے دونوں کا بیان ہو چکا ہے اب نیت کا بیان فرماتے ہیں دوسری غرض یہ بھی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک چونکہ ایمان بھی عمل میں داخل ہے اس لئے جیسے اعمال میں نیت ضروری ہے ایمان میں بھی نیت ضروری ہے۔ یہ توجیہ نہ کی جائے تو اس نیت والی حدیث کا ذکر کتاب الایمان میں مناسب نہیں رہتا اس لئے یہ توجیہ ضروری ہے۔

فدخل فیه الایمان و الوضوء

حنفیہ کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ ثواب لینے کے لئے وضو بھی داخل ہے۔

باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة

یہاں باب کی اضافت ہے اس لئے بلا تنوین ہے نصیحت کے معنی ہیں کھوٹ سے خالی ہونا اور اللہ تعالیٰ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے نفس کے حق پر ترجیح دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصیحت یہ ہے کہ سنت کو سیکھے اور سکھائے ائمہ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ان کے ذمہ جو کام ہے اس میں ان کی امداد کرے اور عامۃ المسلمین کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ان پر شفقت کرے پس نصیحت جامع ہے ایمان اور اسلام اور احسان کے لئے اور خلاصہ ہے پورے دین کا پس کتاب الایمان کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے ایمان کی بنیادی پانچ چیزیں بیان فرمائیں بنی الاسلام علی خمس اور اس کے فوراً بعد ایمان کے شعبوں کا اجمالی ذکر فرمایا باب امور الایمان میں پھر پوری کتاب الایمان میں ان امور ایمان اور شعب ایمان کی تفصیل بیان فرمائی پھر حدیث جبریل میں ایمان اور اسلام اور احسان کے عنوان سے ان سب شعبوں کا خلاصہ بیان فرمایا پھر نصیحت والے آخری باب میں ایمان اور اسلام اور احسان کا بھی خلاصہ ہے گویا شروع میں بھی امور ایمان میں خلاصہ تھا اخیر میں بھی خلاصہ ہے اس سے شروع اور اخیر میں پوری مناسبت ہوگئی یہی بلغاء کا طرز ہوتا ہے کہ اخیر کی شروع سے مناسبت ہو اور اخیر میں خلاصہ ہو کہ یاد رکھنا آسان ہو۔

والوقار والسکینة

وقار کا عطف اتقاء پر ہے ای علیکم بالوقار السکینۃ اور سکینۃ کا عطف تفسیری ہے۔

کتاب العلم

ای **کتاب فی بیان مایتعلق بالعلم کتاب العلم** کو سب اعمال پر مقدم اس لئے کیا کہ اس پر سب اعمال کا وجود موقوف ہے۔ سوال:۔ ایمان پر کیوں مقدم نہ کیا جواب:۔ ۱۔ ایمان اول واجب علی المکلف ہے۔ ۲۔ ایمان اعلی الاطلاق سب علوم واعمال سے افضل ہے۔ علم کی حقیقت ما بہ الانکشاف ہے۔

باب فضل العلم

سوال اس باب میں حدیث کیوں نہ بیان فرمائی۔ ۱۔ آیتوں کو کافی سمجھا۔ ۲۔ خصوصی فضلیت کی حدیث ان کی شرط پر نہ تھی۔ ۳۔ اس کتاب کی تمام احادیث کچھ نہ کچھ فضیلت پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے حدیث فضیلت کی نہ ذکر فرمائی **باب من سئل علما** وسد الشیء کے معنی ہیں چیز کو سر کے نیچے رکھ لیا اس میں استعارہ تصریحیہ ہے سپرد کرنے سے حدیث باب میں بھی اور باب میں بھی یہ تعلیم ہے کہ استاد طالب علم پر سختی نہ کرنی چاہئے چنانچہ درمیان میں سوال کرنے والے کو ڈانٹا نہیں صرف اعراض فرمایا یہی اظہار کراہت کے لئے کافی شمار فرمایا دوسرے یہ بھی تعلیم ہے سائل کو کہ وہ پہلے سائل کے سوال اور جواب کا حق نہ چھینے یہ بھی غرض ہے کہ پہلی بات کو پورا کر کے سائل کے سوال کا جواب دینا اس حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہے **من کتم علما الجم بلجام**

من فاد کیونکہ وعید کا مصداق وہ بنے گا جو بالکل جواب نہ دے یا ضرورت کے وقت سے بھی جواب پیچھے کردے۔

باب من رفع صوته بالعلم

غرض۔۱۔یہ جو حدیث پاک میں مرفوعاً وارد ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس بصخاب تو اس کے معنی یہ ہیں کہ لھو ولعب میں آپ چیخنے والے نہ تھے۔علم میں ضرورت کے موقعہ میں آپ ﷺ آواز بلند فرما لیتے تھے۔۲۔علم میں آواز بلند کرنا اچھا ہے جبکہ منشاء تکبر نہ ہو پھر اس باب کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں سوال کا طریقہ تھا اور اس باب میں جواب کا طریقہ ہے کہ ازالہ غفلت یا کسی اور مصلحت سے جواب میں رفع صورت بھی مستحسن ہے۔فجعلنا نمسح :۔یعنی ہم جلدی کی وجہ سے ہلکا غسل کر رہے تھے جو مشابہ مسح کے تھا۔

باب قول المحدث حدثنا واخبرنا وانبانا

غرض ۱۔ان تینوں کے معنی ایک ہیں یا نہ۔۲۔اس قسم کے الفاظ مرفوعاً یا موقوفاً ثابت ہیں یا نہ اگر یہ دوسری غرض لی جائے تو پھر درمیان میں ابن عیینہ کا قول استطرادا اور تبعاً بیان کیا ہے کیونکہ یہ قول امام بخاری اور ائمہ اربعہ کے نزدیک راجح ہے اس کے برخلاف بعض نے فرق کیا کہ استاد حدیث سنائے تو حدثنا آگے بتاتے وقت کہنا چاہئے اور شاگرد نے سنائی تھی تو آگے پڑھاتے وقت اخبرنا کہنا چاہئے اور اگر صرف مشافہۃً اجازت ہی دے دی تھی تو انبانا یا نبئنا کہنا چاہئے پھر یہاں باب میں قول المحدث سے اصطلاحی محدث مراد نہیں کہ جو حدیث پڑھانے میں مشغول رہتا ہو بلکہ کوئی ایک حدیث سنانے والا مراد ہے۔قال ابن مسعود سے ابن عیینہ کے قول کی تائید ہے کہ صحابہ کبھی حدثنا فرماتے کبھی سمعت یہ سب برابر ہیں۔

فوائد الحدیث:۔۱۔تلامذہ کا امتحان لینا مستحسن ہے۔۲۔بڑوں کا احترام کرنا اور ان کے سامنے نہ بولنا مستحسن ہے۔۳۔جب تک کوئی ضروری مصلحت فوت نہ ہو شرم وحیاء پر عمل مستحسن ہے جیسا کہ ابن عمر نے کیا۔۴۔اگر مصلحت فوت ہوتی ہو تو شرم چھوڑنی بہتر ہے جیسا کہ حضرت عمر کی رائے تھی۔۵۔لغز اور پہیلی ذکر کرنا جائز ہے پھر اس کو بیان کردے اور یہ جو ابوداؤد میں حضرت معاویہ سے مرفوعاً آیا تھا عن الاغلوطات اس کے معنی ہیں تنگ کرنے یا عاجزی ظاہر کرنے کیلئے یا شرمندہ کرنے کے لئے ایسی باتیں نہ کرے۔۶۔وضاحت کے لئے ضرب المثل کا ذکر بھی مستحسن ہے۔۷۔تشبیہ سب صفات میں نہیں ہوتی۔۸۔کبھی چھوٹی عمر کا آدمی ایسی بات سمجھ جاتا ہے جو بڑی عمر کا نہیں سمجھتا ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ ۹۔اس حدیث میں کچھ اشارہ ایک دوسری حدیث کے مضمون کی طرف بھی ہے کہ کھجور کا درخت ہماری پھوپھی ہے کیونکہ یہ اس مٹی سے بنی ہے جو آدم علیہ السلام کا قالب بنانے سے بچ گئی تھی یہ حدیث مرفوع ہے لیکن سند کمزور ہے صرف کھجور کی فضیلت کا درجہ میں لینے کی گنجائش ہے کیونکہ فضائل میں کمزور روایت لینے کی گنجائش ہوتی ہے۔ باب طرح الامام المسئلة:۔اس باب میں اضافت مناسب ہے اور اس باب کے مضامین کی تفصیل گذشتہ باب میں گزر گئی۔ باب القراء ة والعرض علی المحدث ھھنا نمافتة الباب الی ما بعد:۔غرض ۱۔دو چیزوں کا جواز بیان کرنا ۱۔احفظا قراء ة کسی حدیث کی کسی عالم پر کرنا۔لکھی ہوئی حدیث کو کسی عالم پر پیش کرنا وہ پڑھ کر اجازت کے ساتھ واپس کردے علی المحدث کا تعلق قراۃ اور عرض دونوں کے ساتھ ہے من قبیل تنازع العاملین۔۲۔عطف تفسیری اور مقصد اس قائل کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ عرض علی الشیخ صحیح نہیں ہے سماع من الشیخ ہی ضروری ہے ربط ماقبل سے یہ ہے کہ ایک باب چھوڑ کر پیچھے سماع من الشیخ کا ذکر تھا یہ اس کا تتمہ ہے کہ عرض علی الشیخ بھی صحیح نہیں ہے پھر راجح عطف تفسیری والی توجیہ ہے اس لئے کہ نوع ثانی اگلے باب میں آرہی ہے واحتج مالک بالصک صک اس لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جس میں مقر نے اپنا اقرار لکھا ہو پھر یقرأ علی المقری میں قرآن پاک پر حدیث کو قیاس فرمایا قال وسمعت اباعاصم ای قال البخاری و سمعت باعاصم

فقال اللھم نعم:۔لفظ اللھم تین طرح استعمال میں آتا ہے۔ ۱- اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لئے ۲- کسی چیز کے نادر ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اللھم الا ان یکون کذا یعنی اللہ آپ ہی اس عجیب چیز کے خالق ہیں اس میں ضعیف توجیہ بھی آجاتی ہے کیونکہ وہ نادر اور عجیب اور قلیل الوقوع ہوتی ہے۔۳- تاکید کے لئے اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانے کے لئے یعنی اللھم اشھد یہاں ہی تیسری قسم ہے۔**بین ظھر انیھم**:۔ظہرانی کا لفظ ثم اور زائد استعمال ہوتا ہے ای بینھم پھر ظہرین تھا درمیان میں الف نون زائد ہے جیسے نفس کی طرف نسبت کریں تو نفسی کی جگہ نفسانی کہتے ہیں گویا ایک آدمی کی پشت اس کے ایک طرف تھی اور دوسرے آدمی کی پشت دوسری طرف تھی اس بنا پر تثنیہ ہے حاصل معنی بینھم ہی ہیں۔

قداجبتک:۔ملزوم بول کر لازم مراد ہے یعنی سمعتک اور یہ طرز استغناء کا ہے اس طرز سے مقصود اس کو تنبیہ کرنی تھی بے ادبی پر۔اس نے کئی لحاظ سے بے ادبی کی تھی۔۱- مسجد میں اونٹ باندھا۔۲- ایکم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا۔۳- ابن عبدالمطلب کہہ کر خطاب کیا۔

مسائل مستنبطه:۔ ۱- ایمان تقلیدی صحیح ہے جیسے ضمام بن ثعلبہ تقلیداً ایمان لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا۔۲- خبر واحد معتبر ہے کیونکہ حضرت ضمام نے قوم کو خبر دینے کا ذکر کیا کہ میں قوم کی طرف سے ایلچی ہوں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔۳- بعض نے استنباط فرمایا کہ اونٹ کا بول اور مینگنیاں پاک ہیں کیونکہ اس شخص نے مسجد میں اونٹ کو بٹھایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا لیکن یہ استنباط صحیح نہیں کیونکہ مراد یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ والی جگہ جو مسجد کے تابع ہوتی ہے اس میں بٹھایا تھا جیسے وضو کی جگہ اور بیت الخلاء مسجد کے تابع ہوتی ہیں۔۴- اپنے سے بڑے کا نام لے کر پکارنا بھی جائز ہے البتہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منسوخ ہے لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً ۵- لوگوں کے درمیان بھی تکیہ لگا کر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔۶- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال تواضع تھی کہ بلا تکلف صحابہ کے درمیان تشریف فرماتے' ضرورت کی وجہ سے کسی شخص کو سفید یا سرخ یا کسی اور مدح کے کلمہ سے ذکر کرنا جائز ہے یہاں بھی ضرور پہچان کرانے کی تھی۔۸- ضرورت کی بناء پر کسی سے قسم لینا جائز ہے جیسے اس واقعہ میں ضمام نے لی یقین حاصل کرنے کے لئے۔۹- دادے کی طرف سے بھی نسبت جائز ہے جیسے یہاں ابن عبدالمطلب وارد ہے۔۱۰- نسبت اور سند کا عالی بنانا مستحسن ہے کیونکہ یہ سب باتیں حضرت ضمام کو پہلے بواسطہ پہنچ چکی تھی اب سند کو عالی کرنے کے لئے بلا واسطہ معلوم کیں جیسا کہ ان باتوں کے پہنچے ہوئے ہونے کا صراحتہ ذکر بھی اسی واقعہ کی روایت میں موجود ہے۔

باب مایذکر فی المناولته

باب کی اضافت ہے مابعد کی طرف اور غرض اصطلاحی مناولہ اور مکاتبہ کا ثابت کرنا ہے اور یہ ربط یہ ہے کہ حدیث حاصل کرنے کی جب دو صورتیں بیان فرما چکے سماع من الشیخ اور قرأۃ علی الشیخ تو اب دو صورتیں اور بتانا چاہتے ہیں مناولہ اور مکاتبہ سوال:۔ اجازت اور اعلام اور وجادہ کو کیوں بیان نہ فرمایا جواب یہ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہیں پھر بعض نے مناولہ کو مکاتبہ پر ترجیح دی کہ مناولہ میں حاضر ہونا ضروری ہے مکاتبہ میں لکھی ہوئی چیز پہنچا دی جاتی ہے۔اور بعض نے مکاتبہ کو ترجیح دی ہے کیونکہ استاد نے خاص اس شخص کے لئے لکھی ہوئی چیز تیار کی ہے پھر جو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ان میں صرف مکاتبہ کی صورت ہے اور مناولہ کی صورت بطریق اولی دلالتہ النص سے ثابت ہو جائے گی نسخ عثمان المصاحف: حضرت عثمان نے غیر لغت قریش چھوڑ دی اور سب صحابہ نے ان کی تقلید کی اس سے تقلید شخصی ثابت ہوگئی۔

احتج بعض اھل الحجاز

اس سے مراد امام بخاری کے استاد حمیدی ہیں اس حدیث کو ابن اسحاق نے اپنے مغازی میں مرسلاً اور امام طبرانی نے اپنی

تفسیر میں مسنداً بیان فرمایا ہے اس میں مناولہ کا اثبات صراحۃً ہے اور مکاتبہ کا ضمناً ہے حجاز کا مصداق مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور یمامہ اوران کے آس پاس کی بستیاں ہیں جیسے خیبر مدینہ منورہ کے پاس بستی تھی اور طائف مکہ مکرمہ کے پاس بستی تھی اس واقعہ میں حضرت عبداللہ بن جحش کو آٹھ آدمیوں پر امیر بنا کر خط دیا تھا اور فرمایا تھا کہ دودن چل کر پڑھنا دودن چل کر جب پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا مکہ اور طائف کے درمیان کھجور کے باغ تک جاؤ اور قریش کے قافلہ کا حال معلوم کرو انہوں نے ۳۰ جمادی الاخری ۰۲ ھ کو ایک شخص عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور دو کو قید کر لیا۔ یہ پہلی غنیمت اور پہلا قتل کا فر تھا بعد میں لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید پہلی رجب ہوگئی تھی تو قریش نے اعتراض کر دیا کہ انہوں نے اشہر حرم کو حلال قرار دے دیا تو آیت نازل ہوئی **یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیه آلایة باب من قعد حیث ینتھی به المجلس**: غرض اور ربط۔ ا- پیچھے مناولہ کا ذکر تھا اور وہ مجلس میں پائی جاتی ہے اس لئے اب مجلس کے بعض آداب بیان فرماتے ہیں. ۲- اب تک استاد کی صفات بیان فرمائی تھیں اب طالب کی صفات بیان فرماتے ہیں پھر حدیث میں حلقہ کا ذکر تھا اور باب میں مجلس کا ذکر فرمایا ہے اس میں امام بخاری نے یہ اشارہ فرمادیا کہ مجلس اور حلقہ کا ایک ہی حکم ہے پہلے دو شخص جن کا حدیث میں ذکر ہے ان میں سے کسی ایک کی فضیلت دوسرے پر بیان فرمانی مقصود نہیں ہے بلکہ صرف جزاء کا عمل کے مطابق ہونا بیان فرمانا مقصود ہے کہ پہلے شخص نے دینی مجلس میں ٹھکانا بنایا اللہ تعالیٰ اس کا اچھا ٹھکانا بنائیں گے دوسرے نے شرم کا لحاظ کیا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے سے شرم فرمائیں گے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم رب مبلغ ادعی من سامع

ادعیٰ کے معنی افہم کے ہیں غرض۔ا۔ استدلال کرنا مقصود ہے اس پر کہ محدث غیر فقیہ سے بھی حدیث یعنی صحیح ہے جبکہ عادل وضابط ہو۔ ۲۔ حدیث کو آگے ضرور پہنچانا چاہیے شاید کہ سننے والا اس سے افقہ ہو۔ امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں کہ الفقھاء ھم اعرف لمعانی الحدیث انتھی اور نسبت فقیہ کی محدث کی طرف ایسی ہے جیسی نسبت مفسر کی حافظ کی طرف ہے احتیاج سب کی طرف ثابت ہے۔

مسائل مستنبطة ا۔ عالم پر علم آگے پہنچانا ضروری ہے **واذاخذ اللہ میثاق الذین اوتو الکتاب لتبیننهٗ للناس ولاتکتمونه** ۲۔ بعض اوقات متاخر متقدم سے فقہ میں بڑھ جاتا ہے۔ ۳۔ غیر عالم حافظ عادل سے حدیث لینی جائز ہے۔ ۴۔ جو غیر عالم حافظ عادل ہو وہ علماء کی طرح محل مواخذہ بنے گا کہ حدیث آگے کیوں نہ پہنچائی۔ ۵۔ حدیث مرفوع میں ہے **لاتتخذوا ظھور الدواب مجالس** لیکن اس سے ضرورت کا موقعہ مستثنیٰ ہے۔ ۶۔ خطبہ اونچی جگہ دینا اولیٰ ہے۔ ۷۔ مال اور خون اور عزت حرام ہونے میں برابر ہیں۔ ۸۔ حرمت میں نظیر بیان کرنا مستحسن ہے جیسے مال کی نظیر بلد کو ذکر فرمایا۔

باب العلم قبل القول والعمل

غرض علم کو تقدم ذاتی حاصل ہے کہ محتاج الیہ ہے اس لیے اس کو تقدم شرفی بھی ملنا چاہیے کہ احترام کیا جائے اور تقدم وضعی بھی ملنا چاہیے کہ اس کا ذکر پہلے ہو۔ پس علم کی ترغیب بلیغ ثابت ہوتی اور علم سے مراد علم شرعی ہے اور علم کے فضائل میں سے ہے کہ اس سے نیکی کا شوق اور گناہ سے ڈر پیدا ہوتا ہے۔

وان العلماء ھم ورثة الانبیاء

وراثت میت سے اقرب کی طرف منتقل ہوتی ہے اور علماء انبیاء علیہم السلام کی طرف شرافت میں اقرب ہیں کیونکہ وہ ان کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی وضاحت کرتے ہیں اور آگے پہنچاتے ہیں اس لئے وہ ان کے نائب اور وارث اور بدل ہیں۔

من اخذه اخذبخدوافر

یعنی دنیااور آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔۲۔وہ تھوڑا علم نہیں پاتا بلکہ زیادہ پاتا ہے یہ گذشتہ دونوں جملےاور آگے آنے والا جملہ ترمذی کی مسند حدیث میں ہیں اور امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے ترجمۃ الباب میں لے آئے۔یطلب بہ علماً:۔یہ تنوین تنکیر کے لیے ہے اس لئے دین کے کسی شعبہ میں سے کچھ لے لینا نجات من النار اور دخول جنت کا ذریعہ ہے اس لیے قرآن پاک پڑھانے والا حدیث وغیرہ پڑھانے والے کو دیکھ کر نہ حسرت وافسوس کرے نہ حسد کرے پھر سھل اللہ له طریقاً الی الجنته فرمایا یہ نہ فرمایا یدخله الجنة اس میں یہ اشارہ فرمادیا کہ صرف علم کافی نہیں اس پر عمل کرے پھر حق تعالیٰ کے فضل سے دخول جنت کی امید رکھے۔

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء

قال الشیخ التھانوی یہ حصر ایسا ہے جیسے اس حدیث میں ہے لا صلوۃ الابطھور۔طہور شرط صلوۃ ہے یہ نہیں کہ طہور سے نماز ادا ہوجاتی ہے ایسے یہ علم شرط خشیت ہے یہ نہیں کہ جو عالم بنا اس میں خشیت ضرور آہی جائے گی وقال الشیخ الانور علماء سے مراد علماء آخرت ہیں ان کو خشیت لازم ہے یعنی جو صحیح معنی میں طلب آخرت کی نیت کے ساتھ علم حاصل کرتے ہیں ان کو خشیت کی دولت ضرور نصیب ہوجاتی ہے۔

انما العلم بالتعلم :۔۱۔صرف کتب کے مطالعہ سے علم نہیں آتا بلکہ اساتذہ سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔۲۔علم کا باقی رہنا پڑھنے پڑھانے سے ہے۔**الصمصامة**:کاٹنے والی تلوار کونوار بانیینؒ الف نون مبالغہ کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اتنا تعلق ہے کہ گویا غیر اللہ سے تعلق ہے ہی نہیں یا ءنسبت کے لیے ہے۔۲۔وہ علم کی تربیت کرتے ہیں اور اس کو قائم ودوائم رکھتے ہیں۔

باب ماکان النبی صلی اللہ علیه وسلم یتخو لھم بالموعظة

یتخو لھم بالموعظة :۔یعنی وقفہ سے وعظ ونصیحت کرتے تھے کہ اکتا نہ جائیں خائل نگران کو کہتے ہیں مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے علم کا ذکر تھا اب تعہد بالعلم اور علم کی نگرانی کا ذکر ہے آداب میں سے یہ بھی ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة اور یہ بھی ہے فقولا قولا لینا۔

باب من جعل لا ھل العلم ایا مامعلومته

مقصد یہ ہے کہ یہ بدعت میں داخل نہیں ہے کیونکہ تعیین اصل مقصود نہیں ہے بلکہ آسانی کے لئے ہے۔

باب من یرداللہ به خیر ایفقه فی الدین

غرض یہ ہے کہ فقہ بہت شرافت والی چیز ہے اور فقہ کے معنیٰ علم دقیق کے ہوتے ہیں کہ ظاہر الفاظ پر کوتاہی نہ کرے حدیث پاک میں ہے رُبَّ حامل فقہ لیس بفقیہ معلوم ہوا صرف الفاظ یاد کرنا فقہ نہیں ہے۔ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے وعظ کا ذکر تھا اور اس کا اہل فقیہ ہوتا ہے اس لئے آگے اب فقیہ کی مدح فرماتے ہیں۔

انما انا قاسم واللّٰہ یعطی

کہ میں مالک نہیں ہوں مالک اللہ تعالیٰ ہیں جو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں میں تقسیم کردیتا ہوں پھر ہر ایک اپنی خداداد فقہ کے مطابق سمجھتا ہے۔

لن تزال ھذہ الامة قائمة علی امر اللّٰہ

اس امۃ سے مراد علماء دین میں مجتہد یا مفتی معنی یہ ہیں کہ حق اُن سے تجاوز نہ کریگا پس ثابت ہوا کہ۔ا۔اجماع حجت ہے۔۲۔ہر زمانہ میں مجتہد یا مفتی موجود رہیں گے۔۳۔عالم کی غیر عالم پر فضیلت ظاہر ہوئی۔۴۔فقہ کی فضیلت دوسرے علوم پر ثابت ہوئی۔۵۔اخبار بالغیب کا معجزہ ظاہر ہوا۔

باب الفھم فی العلم

غرض ا۔فھم میں فرق ہوتا ہے۔صرف روایت نقل کرنا بلا فہم کافی نہیں ہے۔ماقبل سے ربط ا۔پیچھے فضیلت تھی فقہ وفہم کی اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اب فہم کے مراتب بیان فرماتے ہیں کہ کم زیادہ فہم پائی جاتی ہے۔۲۔پیچھے خاص تھی فقہ یعنی دین کا

فہم اب عام ہے مطلق فہم۔۳-پیچھے فقہ کا ذکر تھا اب اس سے اونچی چیز تفہیم الٰہی کا ذکر ہے۔ففھمنا ھا سلیمان۔

الی الجمار:۔کھجور کے خوشہ کے درمیان سفید مغز جو کھایا بھی جاتا ہے۔

باب الاغتباط فی العلم

غرض ا-علم کا شوق دلانا۔۲-حدیث میں جو جمار کا لفظ آیا ہے وہ غبطہ کے معنی میں ہے۔ربط پیچھے فہم کا ذکر تھا اب غبطہ ہے کیونکہ جتنی فہم بڑھتی ہے غبطہ بڑھتی ہے پھر حدیث پاک میں دو سخاوتیں ہیں علم کی سخاوت اور مال کی سخاوت پہلی کا درجہ اونچا ہے۔

تفقھوا قبل ان تسودوا

یعنی سردار بنائے جانے سے اور قاضی وغیرہ بنائے جانے سے پہلے فقہ حاصل کرلو معلوم ہوا فقہ کا دنیا کا فائدہ بھی اور دین کا فائدہ بھی ہے لیکن اصل نیت دین کی ہونی چاہئے ورنہ ثواب نہ ملے گا۔بہر حال ترقی کا سبب ہے اس لئے غبطہ والے باب کے مناسب ہوگا یہ قول پھر اس قول کا تتمہ امام بخاری بیان فرماتے ہیں کہ قاضی وغیرہ بننے کے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو علمی ترقی میں شرم نہ کرنی چاہئے۔

باب ماذکر فی ذھاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر الی الخضر

غرض ا-طلب علم میں سفر وغیرہ کی مشقت برداشت کرنی چاہئے۔۲-سرداری کے بعد بھی طلب کے لئے سفر مستحسن ہے اس سے ماقبل سے ربط بھی ظاہر ہوگیا کیونکہ پیچھے یہ تھا کہ سرداری کے بعد بھی طلب علم سے شرم نہ کرنی چاہئے۔۳-آداب استاذ بھی بیان کرنے مقصود ہیں۔ایک ربط تو ضمناً آ گیا دوسرا ربط یہ ہے کہ پیچھے غبطہ کا ذکر تھا اس واقعہ سے اس غبطہ کی تاکید ہوتی ہے۔

ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی رعایت فرمائی انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی رعایت فرمائی کیونکہ فرمایا انت علی علم من اللہ تعالیٰ علمکم اللہ تعالیٰ لا اعلمہ۔فوائد حدیث:۔قرآن وحدیث خضر علیہ السلام کی موت سے ساکت ہیں۔اہل ظاہر نے ظاہری حالات کی بنا پر موت کو اختیار کیا ہے اور اہل کشف نے حیٰوۃ کا قول لیا ہے۔مسئلہ کشفیہ ہے اس لئے اہل کشف کے قول کو ترجیح ہے۔۲-اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ مطلقاً اعلمیت کی نفی مناسب نہ تھی یوں فرماتے شرعی مسائل کے جاننے میں کوئی مجھ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔۳-علوم تکوینیہ کا سیکھنا مقصود نہ تھا اسی لئے صرف نمونہ دکھایا گیا۔۴-مچھلی کو علامت مقرر کرنا اسی لئے تھا کہ اپنے علم کی کمی پر تنبہ ہو۔۵-نسیان ہونا بھی تنبیہ اور علامت تھی علم کی کمی کی۔۶-قرآن پاک میں اس واقعہ کا ذکر یہ بتلانے کے لئے ہے کہ علم تکوینی شرائط نبوت میں سے نہیں ہے۔۷-ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کی تمنا مذکور ہے کہ کاش کہ موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے تو ہمیں اللہ تعالیٰ ان کا کچھ اور واقعہ سناتے اس سے معلوم ہوا کہ نبی غیب کی خبریں صرف اتنی ہی جانتے ہیں جتنی ان کو بتلا دی جاتی ہیں اس لحاظ سے یہ حدیث جبریل علیہ السلام کا تتمہ ہوگئی جس میں ہے فی خمس لا یعلمھن الا اللہ۔مسائل مستبطہ:۔ا-جب ہر ایک کا مقصود اظہار حق ہو تو مناظرہ فرعی مسائل میں بھی جائز ہے جیسے ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا۔۲-مناظرہ اور اختلاف میں فیصلہ کے لئے تیسرے عالم کی طرف رجوع مستحسن ہے جیسے ان دونوں حضرات نے حضرت ابی بن کعب کی طرف رجوع فرمایا۔۳-علم کثیر کے بعد بھی ترقی فی العلم طلب کرنی مستحسن ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔۴-تواضع میں زیادہ احتیاط ہونی چاہئے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ کی گئی۔۵-زاد کا ساتھ لے جانا زہد کے خلاف نہیں۔۶-تلمیذ کو استخدام کے لئے اس کی رضا سے لے جانا جائز ہے۔۷-علم کی خاطر بر و بحر کا سفر مستحسن ہے۔۸خبر واحد جبکہ عادل وضابط کی ہو وہ معتبر ہے جیسا کہ خضر علیہ السلام کی خبریں موسیٰ علیہ السلام نے مان لیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم علمه الکتاب

غرض یہ ہے کہ علم ایسی نعمت ہے کہ دعا سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اپنی محنت یا فہم پر بھروسہ نہ کرے۔

ضمنی:۔ یہ حدیث صوفیہ کے ضم کی اصل ہے ایصال فیوض کے لئے۔ اسی ضم اور دعا کی برکت سے ابن عباس اکابر صحابہ کے بھی استاد ہے اور فقہ شافعی و حنبلی کے مدار بنے جیسے ابن مسعودؓ فقہ حنفی کے اور ابن عمرؓ فقہ مالکی کے مدار بنے۔

مسائلمستنبطه:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت بہت زیادہ ہے۔۲علم کا مقام بہت اونچا ہے اسی لئے تو اس کی دعا فرمائی۔۳-ہمیں علمی ترقی کے لئے بہت دعا کرنی چاہئے۔۴-معانقہ میں تین اہم قول ہیں۔۱-مکروہ تنزیہی ۲-بلاقمیص ناجائز مع القمیص جائز ۳-فتنہ کا اندیشہ ہو تو ناجائز ورنہ جائز یہ تیسرا راجح ہے۔

باب متیٰ یصح سماع الصغیر

غرض یہ ہے کہ بلوغ شرط نہیں ہے اور نابالغ کی بھی کوئی عمر شرط نہیں ہے جیسا کہ دونوں حدیثوں کے ملانے سے نکل رہا ہے صرف سمجھدار ہونا شرط ہے پھر لفظ سماع بول کر مطلقاً تحمل اور علم واقعہ مراد ہے خواہ تعلق سننے سے ہو یا دیکھنے سے یا کسی اور چیز سے پھر اس باب کی دوسری حدیث یہ نکلا کہ اکابر سے برکت حاصل کرنا مستحسن ہے۔

باب الخروج فی طلب العلم

سوال: اسی مضمون کا باب پیچھے عنقریب گزرا ہے یہ تو تکرار ہے۔

جواب: ۱- پہلے سمندر کا سفر تھا اب عام ہے ۲- پہلے سیادۃ کے بعد سفر مراد تھا اب عام ۳- پہلے سفر نبی تھا اب عام چنانچہ زیر بحث باب میں پہلی حدیث تعلیق ہے جس میں حضرت جابر بن عبداللہ کا سفر مذکور ہے جو نبی نہ تھے پھر حضرت جابر کے اس سفر میں راجح یہی ہے کہ یہ وہی سفر ہے جس کی حدیث کتاب الرد علی الجھمیہ میں جابر بن عبداللہ عن عبداللہ بن انیس ہے۔

باب فضل من علم و علم

اجادب جمع ہے جدب کی علی خلاف قیاس یعنی وہ قحطوں والی زمین جیسی ہو جیسے محاسن جمع حسن کی آتی ہے خلاف قیاس یا جمع ہے جدیب کی یعنی قحط والی زمین مراد سخت زمین ہے جس میں پانی جذب نہ ہو بلکہ پانی جمع ہو جائے اور جھیل بن جائے۔ پھر حدیث میں تقسیم ثلاثی یعنی تین قسموں والی مانی جائے تو اس میں چار اہم قول ہیں۔

قول اول:۔ ۱-خود بھی علم سے نفع اٹھائے یعنی عمل کرے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے یعنی تعلیم دے۔۲-احادیث یاد کرلیں خود تو عمل نہ کیا لیکن فقہا نے اس سے حدیثیں معلوم کر کے عمل کیا۔۳-علم کی طرف توجہ نہ کی۔**قول ثانی:۔** ۱-وہ عالم جس میں تدریس اور فتویٰ کی استعداد ہے۔۲-عالم ہے لیکن فتوی اور تدریس میں سے کسی کی استعداد نہیں صرف وعظ و نصیحت کر لیتا ہے۔۳-غیر عالم

قول ثالث:۔ ۱- الفائق علی الاقران فی کل علم دینی ۲- معمولی فائدہ علمیہ پہنچانے والا مختلف علموں میں ۔۳- اعراض کرنے والا قول رابع' مجتهدون' محدثون و حفاظ' منکرون اور اگر تقسیم ثنائی یعنی پہلی دو قسموں والی مانی جائے اور زمین کی دو قسموں سے انسان کی ایک قسم مراد ہی لی جائے گی۔ تو پھر تین اہم قول ہیں۔ قول اول منتفع بہٖ ۲- غیر منتفع بہٖ' قول ثانی۔ ۱- عالی ۲- غالی' **قول ثالث:۔** ۱-عالم ۲-جاہل'

مسائل مستنبطه: ۱- جیسے زمین کی استعداد اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے ہوتی ہے ایسے ہی انسانوں کی استعداد بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے **ذلک فضل اللہ یو تیه من یشاء** اچھی استعداد پر تکبر نہ کرے۔۲- جیسے بارش سے زمین کی استعداد ظاہر ہوتی ہے ایسے ہی علوم وحی سے استفادہ کرنے سے انسانی استعداد چمکتی ہے۔۳- فقیہ اور عالم کہلانے کے قابل وہی ہوتا ہے جو علم حاصل کرے اور اس پر عمل بھی کرے جیسے زمین پانی حاصل کرے اور پودے اگائے۔**قال اسحاق و کان منها طائفة قیلت الماء:۔** ۱- یہ اسحاق کی طرف سے تصحیف ہے کہ انہوں

نے قبلت کو قیلت بنادیا۔۲۔قیلت یا مشددہ کے ساتھ بھی صحیح ہے قیل کے معنی ہیں دو پہر کو پانی پیا۔۳۔قیلت جمعت کے معنی میں ہے۔۴۔اکثر نسخوں میں قبلت یاء موحدہ کے ساتھ ہے تو اس عبارت سے مقصود صرف یہ ہے کہ نقیہ کی جگہ طائفۃ ہے پھر اسحاق کی تعیین نہیں کی اس لئے یہ عبارت ان مشکل مقامات میں داخل ہوگئی جن میں راوی میں اشتباہ ہو جائے پھر راجح یہاں یہ ہے کہ اسحاق بن راھویہ مراد ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

قاع یعلوہ الماء:۔یعنی قیعان جمع قاع کی ہے جس کے معنی چٹیل میدان کے ہیں کہ پانی اوپر سے گزر جائے نہ پیداوار ہو نہ جھیل بنے۔ **الصفصف المستوی من الارض:**۔ا۔ایک تو یہی معنی ہیں جو کردیئے۔۲۔پہاڑ کا کنارہ صفصف کی تفسیر تبعا کی کیونکہ قرآن پاک میں قاعاً صفصفا آیا ہے یہ ان کی عادت ہے بعض دفعہ زائد فائدے کے طور پر قرآن پاک کے الفاظ مبارک کی بھی ساتھ ساتھ تفسیر فرمادیتے ہیں جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ **باب رفع العلم:**۔غرض ترغیب علم ہے تاکہ علم رہے اور جہل نہ آئے جو مصیبت ہے اور علامات قیامت میں سے بھی ہے۔ **ان یضیع نفسہ:**۔علم کو نہ پڑھانا یا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے یعنی ثواب عظیم سے محروم کرنا ہے۔ **باب فضل العلم:**۔سوال: کتاب العلم کے شروع میں بھی باب فضل العلم تھا تو یہ تکرار ہوا۔جواب۔ا۔پہلے فضیلت اور کثرت ثواب کا ذکر مقصود تھا اب علمی ترقی کو بیان کرنا مقصود ہے۔۲۔پیچھے علم والوں کی فضیلت تھی اب علم کی فضیلت ہے۔۳۔تکرار میں یہ نکتہ ہے کہ یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ علم بار بار خرچ کرنے سے بھی ختم نہیں ہوتا مال ختم ہو جاتا ہے اس لئے علم کا ذکر بھی بار بار ہونا چاہیے۔۴۔پہلے علم کی فضیلت تھی اب یہ ہے کہ علم کے ذریعے جیسے کتاب اور استاد جب ان سے فائدہ پورا لے تو اب دوسروں کو دے دے یعنی زائد کتابیں تقسیم کردے اور استاد سے اوروں کو نفع اٹھانے کا موقعہ دے خود ہی اس کو اپنی طرف مشغول نہ رکھے۔

باب الفتیا وھو واقف علی الدابۃ و غیرھا

یعنی ایسا کرنا بھی جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر اور ضرورت ہو تو دوسرے علماء سے مشورہ کر کے فتویٰ دے سوال اس باب کی حدیث میں دابہ کا ذکر نہیں۔جواب۔اسی واقعہ کی دوسری روایات میں ہے باب کا عنوان ان دوسری روایات کے الفاظ پر مبنی ہے اور امام بخاری ایسا کرتے رہتے ہیں کہ غیر مذکورہ الفاظ کا لحاظ فرماتے رہتے ہیں۔

باب من اجاب الفتیا باشارۃ الید و الراس

غرض:۔ا۔ایسا کرنا جائز ہے اگرچہ احوط الفاظ ہیں۔
۲۔اشارہ اگرچہ قضاء میں کافی نہیں لیکن تعلیم میں کافی ہے۔

فحرفھا کانہ یرید القتل

ہاتھ سے ترچھا یعنی ٹیڑھا اشارہ کر کے قتل سمجھایا۔ **فقالت سبحان اللہ:**۔اللہ تعالیٰ تبدیلی سے پاک ہیں سورج میں آج گرہن لگا ہوا ہے اس میں تبدیلی آگئی اس لئے یہ اللہ نہیں ہوسکتا۔

مامن شی لم اکن اریتہٗ، الا رایتہٗ فی مقامی

ا۔پردے ہٹادئے گئے جیسے معراج کے بعد بیت المقدس کے درمیان کے پردے ہٹائے گئے تھے۔۲۔سامنے کی دیوار میں جنت اور جہنم کی تصویریں دکھائی گئیں۔ **ماعلمک** ا۔شہرت کی وجہ سے ذہن منتقل ہو جائے گا۔۲۔روضہ اقدس تک کے درمیان کے پردے ہٹادیئے جائینگے۔۳۔تصویر دکھائی جائے گی۔۴۔فرشتے بعض ایسی صفات بیان کرینگے جن سے ذہن منتقل ہو جائے گا۔

ثلاثاً:۔ا۔اس کا تعلق صرف نام مبارک کے ساتھ ہے استلذاذاً تین دفعہ نام لے گا۔۲۔ساری بات تین دفعہ کہے گا۔

باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفد عبد القیس

غرض یہ ہے کہ استاد کو چاہیے کہ یاد کرنے اور آگے پہنچانے کا شوق دلائے۔ **مرحباً:**۔ا۔قوم فاعل ہے اور قوم پر باء زائد ہے اور

مرحباً مفعول بہ ہے قوم نے وسیع جگہ کو پالیا۔ عامل اصاب محذوف ہے اصاب قوم سقۃ۔ ۲۔ اتی القوم موضعاً واسعاً۔ یعنی مرحباً مفعول فیہ ہے اور محذوف لفظ اتی ہے۔ ۳۔ رحب اللہ قوماً مرحباً ای وسع اللہ تو سیعاً یعنی باء تعدیہ کے لئے ہے اور مرحباً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ غیر خزایا:۔ یہ جمع ہے خزیان کی اور یہ حال ہے قوم سے اور اس کا عامل وہی ہے جو مرحباً کے لیے مقدر مانا گیا ہے۔ ولا ندامیٰ:۔ ندمان کی جمع ہے یا نادم کی جمع ہے علی خلاف القیاس۔ یعنی تم بلا قتال مسلمان ہو گئے ہو اس لئے تمہیں نہ ذلت اٹھانی پڑی نہ شرمندگی یہ بات ان کو مانوس کرنے کے لیے ارشاد فرمائی۔

والحنتم:۔ ا۔ ہر چھوٹا گھڑا ۲۔ سبز رنگ کا چھوٹا گھڑا ۳۔ سرخ رنگ کا چھوٹا گھڑا ۴۔ خاص گھڑا جو چمڑے اور بالوں اور گارے سے بنایا جاتا تھا۔ پھر ان چار برتنوں کی ممانعت کی توجیہ۔ ا۔ ان میں صرف مسکر کے استعمال سے ممانعت تھی۔ ۲۔ ان میں سکر جلدی آ جاتا تھا اس لئے احتیاطاً ان کا استعمال منع کیا گیا۔ ۳۔ ان کا استعمال مشابہت تھی شرب خمر سے۔ ۴۔ ان میں شراب کا اثر باقی تھا جب ختم ہو گیا تو اجازت دے دی گئی۔ ۵۔ شراب سے نفرت دلانے کے لئے سختی کی گئی جب ترک خمر میں پختگی ہو گئی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی۔

باب الرحلة فی المسئله النازلة

سوال پیچھے بھی سفر للعلم کا ذکر آ چکا ہے جواب وہ عام تھا یہ وقتی مسئلہ پیش آ جانے کی وجہ سے ہے۔

باب التناد فی العلم

غرض یہ ہے کہ اگر روزانہ علم حاصل کرنے کا اہتمام نہ کر سکے تو باری باری ہی سہی اور ربط ماسبق سے یہ ہے کہ سفر اور تناوب دونوں علم کے حرص پر دلالت کرتے ہیں۔ روایت کے اخیر میں جو اللہ اکبر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انصاری کے طلاق سمجھ جانے سے تعجب کا اظہار فرمایا کہ صرف کسی مصلحت سے چند دنوں کے لیے الگ ہو جانا تو طلاق نہیں ہوتی۔

باب الغضب فی الموعظة

غرض یہ ہے کہ قضا تو غضب کی حالت میں کرنے سے منع فرمایا گیا ہے البتہ وعظ اور تعلیم میں غضب بعض دفعہ مقصد کے لیے معین ہوتا ہے اس لئے گنجائش ہے۔ پھر اس باب کی پہلی حدیث میں دونوں احتمال ہیں کہ حضرت معاذ کا واقعہ ہے۔ یا ابی بن کعب کا باب تخفیف الامام کی روایت سے ابی بن کعب کے واقعہ کی ترجیح ثابت ہوتی ہے اور اس باب کی دوسری روایت میں جو اونٹ نہ پکڑنے کا حکم ہے یہ اس زمانہ پر ہی محمول ہے آج کل لوگ اونٹ بھی چرا لیتے ہیں اس لئے پکڑ کر مالک تک پہنچا دینے چاہئیں۔

فلما اکثر علیه غضب

ا۔ کیونکہ بعض دفعہ سوال مسلمانوں پر کسی چیز کے حرام ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ ۲۔ سوال قیامت کے متعلق تھے۔ ۳۔ بلا ضرورت تھے۔ ۴۔ نسب کے متعلق تھے حالانکہ بعثتِ انبیاء علیہم السلام کتاب وحکمت کی تعلیم کے لئے ہوتی ہے بیان نسب کے لیے نہیں ہوتی۔ ان توجیہات میں سے پہلی زیادہ راجح ہے کیونکہ دوسری روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

باب من برک علی رکتبیه

غرض استاد کا ادب بیان کرنا ہے مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے ترک ادب پر غضب کا ذکر تھا۔ اب ادب کا طریقہ ذکر فرماتے ہیں۔

باب من اعاد الحدیث ثلثا

غرض ا۔ جب تکرار کی حاجت ہو تو ایک بات کا اعادہ بھی جائز ہے۔ حاجت کی صورت کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ کسی بات کو مبالغہ کے ساتھ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کبھی کسی چیز سے مبالغہ سے روکنا مقصود ہوتا ہے کبھی خیال ہوتا ہے کہ مخاطب نے سنا نہیں کبھی خیال ہوتا ہے کہ مخاطب سمجھا نہیں اور اگر ایسی حاجت نہ ہو تو ایک دفعہ بات بتلا دینا ہی کافی ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ ۲۔ غرض امام بخاری کی اس شخص کا رد ہے جو اس کا قائل ہوا کہ سائل

کے پوچھنے پر بات نہ دہرانی چاہیے کیونکہ اس کا دوبارہ پوچھنا اس کی کم عقلی اور بلادت کی دلیل ہے۔

الا وقول الزور:۔ یہ مفصل ہے حدیث بخاری شریف میں کتاب الشہادۃ میں ہے کہ کبائر کو شمار فرماتے ہوئے مذکورہ الفاظ کا تکرار فرمایا۔ **سلم ثلثا:۔** ۱۔اجازت لینے کے لئے سلام استیذان ۲۔ ملاقات کے وقت۔ ۳۔ رخصت ہوتے وقت یا کبھی بڑی جماعت پر سے گزرتے تو اس میں جماعت کے شروع حصہ میں پھر درمیانہ حصہ میں پھر اخیر حصہ میں سلام فرماتے یا تیسری توجیہ یہ ہے کہ اجازت لینے کے لیے تین دفعہ سلام کرتے تھے اگر کوئی جواب نہ ملے تو واپس تشریف لے جاتے تھے۔

باب تعلیم الرجل امته و اهله

غرض اس تعلیم کی فضلیت کا بیان ہے۔ ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پہلے عام تعلیم کا ذکر تھا اب خاص بیوی بچوں اور لونڈی کو تعلیم دینے کا ذکر ہے۔ تخصیص بعد التعمیم ہے۔اس کی تائید قرآن پاک سے یوں ہے قوا انفسکم واھلیکم نارا پر عطف اہل کا عطف عام علی الخاص ہے کیونکہ لونڈی بھی اہل میں داخل ہے پھر اس باب کی حدیث کے شروع میں جو رجل من اھل الکتاب ہے اس کی دو ترکیبیں ہیں۔ ۱۔ یہ اپنے معطوف سے مل کر ثلاثۃ کا بدل الکل ہے اور لھم اجران یہ ثلاثۃ کی خبر ہے۔ ۲۔ رجل خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ احدھا رجل پھر اہل کتاب کو دوہرا ثواب کیوں ملتا ہے اس لئے کہ وہ دو نبیوں پر ایمان لایا خواہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے پہلے ایمان لائے یا بعد میں ایک ہی حکم ہے سوال۔ اولئک یوتون اجرھم مرتین حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی تھی وہ پہلے یہودی مذہب میں تھے ان کو دوہرا ثواب نہ ملنا چاہئے کیونکہ یہودی جب عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے تو انکا اپنا پہلا ایمان تو ضائع ہوگیا۔ اس کا ثواب انکو نہ ملنا چاہیے کیونکہ یہودی جب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی اس لئے اہل عرب جو بنی اسرائیل سے خارج تھے ان کا ایمان جو موسیٰ علیہ السلام پر تھا وہ باقی رہا اس میں کوئی نقصان نہ آیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام بھی اہل عرب میں سے ہی تھے۔ ۲۔ بنی اسرائیل کے سوئی باقیوں کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مان لیں ان کے مذہب اور عملی شریعت میں داخل ہونا صرف بنی اسرائیل کے لئے ضروری تھا باقیوں کے لئے ضروری نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام بھی اسی درجہ میں تھے۔ سوال پھر تو اہل کتب والے صحابہ اکابر صحابہ سے افضل ہو گئے جواب اکابر صحابہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ صرف عام صحابہ سے اہل کتاب صحابہ کو دوگنا ثواب ملتا تھا پھر ایمان محرف کے متعلق دو قول ہیں۔ ۱۔ ایمان محرف والے اہل کتاب کو دوہرا ثواب نہیں صرف ایمان غیر محرف والے اہل کتاب کو دوہرا ثواب ہے۔ ۲۔ دونوں قسم کے اہل کتاب کو دوہرا ثواب ہے ایمان کی برکت سے تحریف کا گنا معاف ہو گیا پھر دوہرے ثواب کی صورت میں دو قول ہیں چونکہ دو ایمان پائے گئے اس لئے دو ایمانوں کا ثواب مل جاتا ہے باقی اعمال عام مسلمانوں کی طرح ہیں ہر ہر عمل کا ثواب دوگنا ہے اور اس دوگنا ثواب کی اس تفصیل کا تعلق اس حدیث میں مذکور تینوں صورتوں کے ساتھ ہے پھر لونڈی آزاد کرنے والے کو کس بناء پر دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ۱۔ ایک اعتاق کی وجہ سے اور دوسرا تزوج کی وجہ سے کیونکہ نکاح میں اس کی اپنی غرض بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے تابع ہے کیونکہ نکاح عبادت ہے۔ ۲۔ تعلیم و تربیت کی وجہ سے ایک ثواب کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا احیاء ہے اور آزاد کرنا اور نکاح کرنا یہ دوسرا ثواب کا کام ہے کیونکہ اپنے برابر بنا دینا یہ بھی ایک قسم احیاء ہے پھر ان تین کی خصوصیت اس لئے بھی ہے کہ یہ تینوں ضدین والے ہیں پہلا اہل کتاب میں سے بھی اور اب مسلمان بھی ہے ایسے ہی غلام آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے ایک کا

آقا بن جانا دوسرے کے آقا بن جانے کی ضد ہے۔ ایسے ہی تیسرے میں آزاد کرنا اور نکاح کرنا یہ بھی اپنے سے دور کرنا اور قریب کرنا ہے اس لئے ضدین ہیں پھر ان تین کے ذکر میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ اور کسی کو دوہرا ثواب نہیں ہے کیونکہ قرآن واحادیث میں ان کے علاوہ بھی دوہرے ثواب پانے والوں کا ذکر ہے۔ مثلاً ۱- ازواج مطہرات ۲- وضو پر وضو کرنے والا ۳- جو مشقت سے تلاوت کرتا ہو پڑھا نہ جاتا ہو پھر بھی مشقت سے پڑھتا ہو۔ ۴- مجتہد جبکہ ٹھیک اجتہاد کرے۔ ۵- جو اپنے قریبی رشتہ دار پر خیرات کرے۔ ۶- جو مسجد میں صف میں بائیں طرف کھڑا ہو جائے اور بائیں جانب کی کمی کو پورا کرنا مقصود ہو کہ وہ بہت کم نہ رہ جائے۔ ۷- مالدار جو شاکر بھی ہو۔ ۸- جو کوئی جائز اور اچھا طریقہ جاری کرے کہ اس کو دیکھ کر دوسرے بھی وہ اچھا کام کریں مثلاً چندہ پہلے دے۔ ۹- جو پہلے تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر وقت کے اندر پانی مل جائے تو دوبارہ استحباباً وضو کر کے بھی نماز پڑھ لے۔ ان سب کو بھی دوہرا ثواب ملنا منصوص ہے۔

باب عظة النساء

انجام یاد کرانے کو وعظ کہتے ہیں اس باب سے مقصود ایک شبہ کا ازالہ ہے کہ گذشتہ باب میں تعلیم اہل وعیال کا ذکر تھا شبہ ہوسکتا تھا کہ صرف اپنے اہل وعیال کو ہی تعلیم دینی مشروع ہے غیر کو نہیں اس کا ازالہ کر دیا کہ غیر عورتوں کو بھی تعلیم دینی چاہئے حالات کے مطابق۔

باب الحرص علی الحديث

غرض اور ربط یہ کہ پہلے مطلق علم کی ترغیب تھی اب حدیث پاک پڑھنے اور پڑھانے کی ترغیب ہے تخصیص بعد التعمیم ہے اور حدیث کی خصوصی مدح اور اہمیت بیان فرمانی مقصود ہے اول منک یہ احد سے بدل ہے یا احد کی صفت ہے ان دونوں صورتوں میں مرفوع ہے یا پھر احد سے حال ہے اور منصوب ہے۔

باب كيف يقبض العلم

غرض شوق دلانا ہے کہ قبض علم سے پہلے علم حاصل کرلو ربط تعمیم بعد التخصیص ہے پھر یہ جو حدیث پاک میں آ گیا کہ یہ علم علماء کے سینے سے نہ نکالا جائے گا بلکہ علماء کی وفات ہو جائے گی اس سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ظاہر ہوئی کہ حق تعالیٰ ان کو ذلیل نہ فرمائیں گے بلکہ عزت کے ساتھ دنیا سے لے جائیں گے پھر بعد والے ان کو یاد کرتے رہیں گے کہ ان کی وجہ سے علم تھا پھر اس باب کے اخیر میں قال الفربری ہے یہ شاگرد کی زیادتی ہے بطور تائید اور ایسا بخاری شریف میں بہت شاذ و نادر ہے۔

باب هل يجعل للنساء يوم عليحدة فی العلم

اس با کی غرض علم کی بہت زیادہ اہمیت کا بیان ہے کہ عورتیں جو چھپی رہتی ہیں ان کو بھی پہنچانے کا انتظام ہونا چاہئے۔ ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں علماء کی اہمیت تھی اب علم کی اہمیت ہے۔

لم يبلغوا الحنث

حنث کے معنی گناہ کے ہیں گناہ کے وقت سے پہلے یعنی قبل البلوغ فوت ہو گئے۔

باب من سمع شيئاً فراجعه حتی يعرفه

غرض یہ کہ مراجعت ضرورت کے موقعہ میں مستحب ہے۔ مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے عورتوں کی تعلیم کا ذکر تھا چونکہ ان کی سمجھ کم ہے اس لئے اب کم سمجھ ہونے کے تدارک کا ذکر ہے کہ بار بار پوچھنا چاہئے پھر اس آیت میں جو ممانعت ہے پوچھنے کی لاتسألوا عن اشياء ان تبدلكم تسؤكم یہ ممانعت ضد کے طور پر پوچھنے سے ہے۔

باب ليبلغ العلم الشاهد الغائب

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے علم کو سمجھنے کا ذکر تھا اب سمجھ کر آگے پہنچانے کا ذکر ہے۔

لاتعیذ عاصیا

کلمة حق ارید به الباطل کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر عاصی نہ تھے بلکہ ان کے ہاتھ پر یزید سے پہلے بیعت کی گئی تھی۔

وکان محمد یقول صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ذلک

محمد سے مراد محمد بن سیرین ہیں پھر کان ذلک کی مختلف توجیہات ہیں۔۱-ان کے نزدیک لیبلغ الشاهد منکم الغائب میں لام کا فتحہ ہے اور یہ خبر ہے۔اسی خبر کے سچا ہونے کو ابن سیرین بیان فرمارہے ہیں کان ذلک ای وقع ذالک الخبر وقوعاً واضحاً۔۲-لیبلغ الشاهد منکم الغائب میں لام کا کسرہ ہے اور صیغہ امر کا خبر کے معنی میں ہے۔۳-حدیث کا تتمہ بیان کرنا مقصود ہے کان ذالک ہو گیا یہ یعنی میرے حکم پر گویا کہ عمل ہو ہی گیا ہے اور غائب کو شاہد نے میرا پیغام پہنچادیا ہے۔۴-اس جملہ کا تعلق مابعد سے ہے الاھل بلغت کا وقوع ہو چکا کہ میں تبلیغ کر چکا۔۵-لیبلغ کے ضمن میں جو تبلیغ مذکور ہے اس کی طرف اشارہ ہے لفظ ذلک میں کہ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ یہ تبلیغ ہو چکی۔۶-یہ ابن سیرین کی کلام ہے اور ذلک کا اشارہ سفک دماء کی طرف ہے کہ لوگوں نے بہت خون بہایا ہے۔

باب اثم من کذب علی النبی ﷺ

جمہور کا اجماع ہے کہ یہ حرام ہے امام جوینی جو والد ہیں امام الحرمین کے ان کا شاذ قول ہے کہ یہ کفر ہے اور کرامیہ اور بعض صوفیہ کا شاذ قول ہے کہ یہ جائز ہے۔ہماری جمہور کی دلیل اس باب کی سب روایتیں ہیں اور یہ حدیث تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اس لئے قطعی حرمت ثابت ہے۔امام جوینی کی دلیل یہ ہے کہ یہ کذب تحریف فی الدین کا سبب ہے اور ایک قطعی بدیہی عقیدہ کا انکار بھی کفر ہے اس لئے یہ اس کا سبب ہونے کی وجہ سے کفر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک قطعی بدیہی عقیدہ کا انکار لازم نہ آئے اس وقت تک صرف کذب سے کفر لازم نہ آئے گا کرامیہ اور بعض صوفیہ کے قول کی تفصیل مع الدلیل یہ ہے کہ ہم صرف ترغیب وترھیب میں حدیث گھڑنے کو جائز کہتے ہیں اور یہ کذب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اس لئے حدیث کی وعید میں ... مل نہیں اور ضرورت دنیویہ کے لئے جب جھوٹ بولنا جائز ہے تو ضرورت دینیہ کے لئے بطریق اولیٰ جائز ہے جواب یہ ہے کہ حدیث کے معنی مطلقاً نسبت کرنا ہے خواہ لہ ہو یا علیہ ہو اس لئے کوئی گنجائش نہیں۔ پھر غرض امام بخاری کی بظاہر کرامیہ اور بعض صوفیہ کی تردید ہے اور ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پیچھے تفریط سے ممانعت تھی کہ حدیث ضرور پہنچاؤ اب افراط سے ممانعت ہے کہ خود گھڑ کے نہ پہنچاؤ۔

حدثنا مکی بن ابراھیم

یہ پہلی ثلاثی روایت ہے کہ اس میں امام بخاری اور نبی کریم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ایسی ثلاثی حدیثیں بخاری شریف میں بیس (۲۰) سے زائد ہیں مکی بن ابراھیم ہمارے امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے لئے بہت سی دو واسطوں کی روایتیں بھی ہیں جن کو ثنائیات کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کی تو احادیات بھی ہیں کہ درمیان میں صرف ایک واسطہ ہے صحابی کا اس لئے اس وقت جو مسند حدیثیں موجود ہیں ان میں سب سے اونچی حدیثیں امام ابوحنیفہ کی ہیں ہمارے امام صاحب کا مقام فقہ میں بھی بہت اونچا ہے۔حدیث میں بھی بہت اونچا ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ امام ابوحنیفہ نے سات صحابہ کی زیارت فرمائی ہے اور بعض سے حدیث بھی سنی ہے۔ امام محمد کی کتابوں میں بہت سی ثنائیات ہیں۔امام ابن ماجہ کی بھی چند ثلاثیات ہیں اور امام ترمذی کی ایک ثلاثی حدیث ہے اور صحیح مسلم اور سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں ایک بھی ثلاثی نہیں ہے۔

لا یتمثل فی صورتی

۱-ظاہر اور عموم پر محمول ہے کہ کبھی بھی شیطان نبی پاک ﷺ کی شکل مبارک میں نہیں آتا۔۲-جب اس حلیہ میں زیارت ہو جو

احادیث میں وارد ہے تو شیطان نہ ہوگا۔ پہلا قول راجح ہے۔

باب كتابة العلم

غرض اس کا جواز و استحباب بیان فرمانا ہے پھر جو نہی کی روایات ہیں ان کی توجیہات۔۱-شروع میں منع فرمایا تاکہ قرآن وحدیث کا فرق اچھی طرح واضح ہو جائے۔۲-شروع میں اس لئے منع فرمایا گیا تاکہ ایک واقعہ کے الفاظ مختلف ہوں اور اجتہاد کا موقعہ ملے تاکہ مختلف اجتہادات کیوجہ سے دین کے محل میں داخل ہونے کے مختلف دروازے بن جائیں اور امت کو آسانی ہو جائے۔۳-تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ حدیث میں معنی مقصود ہیں اور قرآن پاک میں لفظ اور معنی دونوں مقصود ہیں۔۴- پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت اس لئے نہ دی تھی کہ پہلے وحی اجازت کے ساتھ نازل نہ ہوئی تھی حضرت عبداللہ بن عمر نے اجازت مانگی تو وحی کا انتظار فرمایا پھر وحی نازل ہوئی تو اجازت دی۔۵- پہلے لکھنے کی اجازت نہ دی تاکہ حفظ بالصدر نہ چھوڑیں جو کہ اولیٰ ہے پھر زیر بحث باب کی حدیثوں کے سویٰ جواز کتابت کی ایک دلیل امام طحاوی نے اس آیت کو قرار دیا **اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیً فاکتبوہ** کیونکہ حدیث اور علم بھی دین ہیں ان کا امت تک پہنچانا واجب ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کے مکتوبات تبلیغ بھی جواز کتابت کی دلیل ہیں پھر جو ایک اہم حدیث مسلم میں ممانعت کتابت کی آتی ہے عن ابی سعید الخدری مرفوعاً **لا تکتبو عنی شیئاً الا القرآن ومن کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحه** اس کے مستقل جواب بھی دیئے گئے ہیں۔۱-امام بخاری کے نزدیک یہ موقوف ہے۔۲-صرف خلط بالقرآن کی وجہ سے ممانعت تھی بعد میں اجازت دی گئی اس اجازت کی دلیل مرض وفات کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا اور یہ آخر الامرین ہے۔۳-ممانعت ایک ہی کاغذ پر لکھنے سے تھی قرآن پاک کے ساتھ جس سے خلط کا اندیشہ ہو۔سوال صحابہ کرام نے قرآن پاک کی طرح احادیث کو کیوں جمع نہ فرمایا۔جواب:۔۱-احادیث اتنا انتشار تھا کہ جمع کرنا ناممکن تھا۔۲-قرآن پاک میں روایت بالمعنی جائز نہیں کیونکہ الفاظ میں اعجاز ہے اس لئے الفاظ متعین تھے یکجا جمع کر لئے گئے اور حدیث میں روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے الفاظ متعین نہیں تو الفاظ یکجا جمع کئے نہ جا سکتے تھے۔۳-اگر جمع کر لیتے تو جو روایتیں جمع ہونے سے رہ جاتیں وہ متروک ہو جاتیں حالانکہ وہ بھی احادیث تھیں ان کو چھوڑنا جائز نہ تھا۔قرآن پاک کے الفاظ محدود تھے چھوٹنے کا احتمال نہ تھا۔ سب الفاظ جمع کر لئے گئے۔ ۴-اگر ایسی کتاب بن جاتی جو احادیث کے لئے جامع ہوتی تو خطرہ تھا کہ قرآن پاک چھوٹ جاتا جیسے پہلی امتوں نے اپنی کتابیں بنالیں اور آسمانی کتابیں چھوڑ دیں یہی مصلحت حضرت عمر سے المدخل للبیہقی میں منقول ہے۔

قلت لعلی هل عند کم کتاب

کیونکہ شیعہ نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کے پاس وحی کی ایسی باتیں ہیں جن کو دوسرا کوئی نہیں جانتا ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز میرے پاس نہیں کیونکہ صحیفہ میں جو باتیں تھیں وہ تو سب جانتے تھے۔

ائتونی بکتاب اکتب لکم

کتا با لا تضلوا بعده

سوال: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا تو صحابہ کرام نے اس پر عمل کرنے میں جلدی کیوں نہ کی۔ جواب:۔۱-حضرت عمرؓ کے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ امر ارشادی ہے زیادہ آسانی کی طرف لے جانے کے لئے ہے۔ پس حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے جو موجود تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف اور بیماری کی حالت میں لکھوانے کی تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی جبکہ قرآن پاک میں یہ موجود تھا ما فرطنا فی الکتاب من شیء اور یہ موجود تھا تبیانا لکل شیء پس حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ احکام پر عمل کرنے کی تاکید ہی

لکھوانا چاہتے ہیں اس لئے کاغذ نہ لائے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر امر وجوب کے لئے ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ فرمادیتے کہ کاغذ لاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ مصلحت اسی میں ہے کہ کتابت نہ کرائی جائے یا وحی سے کتابت نہ کرانے کا حکم اتر آیا تھا اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم چند دن زندہ رہے تھے اور اس واقعہ کے بعد وعظ بھی فرمایا تھا لیکن دوبارہ لکھنے کے حکم کا اعادہ نہ فرمایا اس لئے یہ واقعہ تو حضرت عمرؓ کی موافقات وحی میں شمار کیا گیا ہے۔ ۱- پھر جب بعض دوسرے حاضر صحابہ نے لکھوانے ہی پر اصرار کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا **وعندنا کتاب اللہ حسبنا** کیونکہ حضرت عمرؓ کا خیال یہ بھی تھا کہ اگر کچھ لکھ دیا گیا تو شاید اس کو مثل قرآن ہی سمجھ لیں اس لحاظ سے مصلحت شرعیہ بھی یہی تھی کہ نہ لکھوایا جائے پھر حضرت ابن عباس جو نہ لکھوانے پر افسوس کا اظہار فرمارہے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابن عباس واقعہ کی پوری تفصیل معلوم نہ کرسکے تھے اس لئے قائل اور سامع کی نیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور اس کو ایک غیر اختیاری حادثہ شمار کرکے افسوس کا اظہار کیا۔ ۲- یہ جو ارشاد فرمایا تھا کہ ایسی چیز لکھوادوں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہوں تو اس کا مصداق اجماع کی حجیت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجماع کی حجیت کی تائید فرمانا چاہتے تھے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا **وعندنا کتاب اللہ حسبنا** کہ اس مقصد کے لئے قرآن پاک کافی ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقت میں نہ ڈالا جائے جیسے غزوہ بدر کے موقعہ پر بہت الحاح واصرار کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمارہے تھے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا تھا کہ آپ نے کافی دعا کرلی ہے اب بس کریں پھر مورد کتاب کیا چیز تھی دو احتمال تو ابھی گزرے اس کے علاوہ ۱- ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ مبہم چھوڑا تصریح نہ فرمائی۔ ۲- خلفاء کے ناموں کی

تصریح کا ارادہ تھا تاکہ اس سلسلہ میں کوئی فتنہ نہ ہو جمل وصفین جیسی لڑائیاں مسلمانوں میں آپس میں نہ ہوں۔ ۳- بڑے بڑے مسائل واحکام کی تصریح فرمادینے کا ارادہ تھا تاکہ اختلاف نہ ہو پھر لکھوانا چھوڑ دیا کیونکہ مصلحت نہ لکھوانے ہی میں سمجھی۔ یا وحی نازل ہوگئی کہ نہ لکھوائیں اس مصلحت ترک اور وحی ترک کا تعلق دوسری اور تیسری دونوں توجیہوں سے ہے۔ ۴- حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی تصریح لکھوانے کا ارادہ تھا پھر یہ ارادہ اس لئے چھوڑ دیا کہ تسلی ہوگئی کہ یہی ہوگا لکھوانے کی کوئی ضرورت نہیں ان چار توجیہوں میں سے پہلی سب سے زیادہ قوی ہے۔ **قال قوموا عنی** یہ ارشاد سب موجودین کو خطاب فرماکر فرمایا ان میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے یہ صرف حضرت عمرؓ کو خطاب نہ تھا۔ اس حکم پر سب اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے حضرت علیؓ کی رائے بھی بالکل حضرت عمرؓ کے مطابق تھی ورنہ وہی کاغذ لے آتے اور حضرت علیؓ تو داماد تھے گھر میں بہت آنا جانا تھا حضرت عمرؓ کے گھر چلے جانے کے بعد بھی لانا چاہتے تو لاسکتے تھے لیکن نہ لائے وجہ یہی تھی کہ ان کی رائے بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی اس لئے شیعہ اگر اعتراض کرتے ہیں تو دونوں حضرات پر اعتراض پڑتا ہے حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی پر بھی نہیں پڑتا۔

فخرج ابن عباس

یہ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک سے نکلنا مراد نہیں ہے بلکہ وفات کے بعد حدیث کی مجلس سے حضرت ابن عباس نکلے افسوس کا اظہار کیا۔ پھر ظاہر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے سے مختلف تھی لیکن حضرت عمرؓ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے وہ ابن عباسؓ سے بہت زیادہ افقہ ہیں۔

باب العلم و العظمة باللیل

یعنی ضرورت کے موقعہ میں یہ بھی جائز ہے اور سمر فی اللیل سے جو نہی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ گفتگو دینی معاملات میں نہ ہو

اس جواز کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث پاک میں بیوی کو تہجد کے لئے جگانے کا استحباب مذکور ہے۔

فرب كاسية فى الدنيا عارية فى الاخرة

ا۔خبر محذوف ہے کہ بہت سی باریک کپڑے پہننے والی عورتیں جن کا لباس ستر عورت کے لیے کافی نہیں ان کو آخرت میں ننگے ہونے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ ۲۔ بہت سی غنی عورتیں جو زکوٰۃ وغیرہ واجب ہونے کے باوجود ادانہیں کرتیں ان کو ترک واجب کی وجہ سے عذاب ہوگا دونوں توجیہوں میں معذبۃ خبر محذوف ہے یا عرفتھا خبر محذوف ہے۔ ۳۔ یہ حدیث ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے کہ صرف میرے ساتھ نکاح ہونا کافی نہیں عمل واجب بھی ضروری ہے ورنہ مواخذہ کا اندیشہ ہے اس صورت میں صرف عرفتھا خبر محذوف ہے پہلی دونوں توجیہوں میں عذاب کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قیامت کے دن بدن ننگا ہوگا بطور ذلت اور عذاب کے نعوذ باللہ من ذلک۔

باب السمر فى العلم

غرض۔ا۔غیر علم کے لیے سمر وقصہ گوئی منع ہے۔ علمی باتوں کے لئے منع نہیں ہے۔ ۲۔ علمی چٹکلے یعنی علمی باتیں جو خوش کن ہوں ان کی بھی گنجائش ہے اگر چہ وہ دینی مسائل کے درجے میں نہ ہوں۔ اس دوسری توجیہ سے گذشتہ باب سے مناسبت بھی ظاہر ہوگئی اور دونوں بابوں میں فرق بھی ہوگیا کہ پہلے علمی مسائل کا ذکر تھا اب علمی چٹکلوں کا ذکر ہے۔ اصل سمر کے معنی ہیں قصہ گوئی اور علم پر اس کا اطلاق ایسا ہی ہے جیسے تغنی کا اطلاق قرآن پاک پر کہ تغنی کی جگہ تلاوت کرلو ایسے ہی سمر کی جگہ جو علمی مشغولی اختیار کرے اس کو سمر فی العلم کرنے والا کہا جائے گا مقصد یہ ہوا کہ اگر سمر عشاء کے بعد کرنا ہے تو علمی باتیں کرو۔

لايبقى ممن هو على ظهر الارض احد

ا۔پس جو آسمان میں ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ اس حکم سے نکل گئے جو بادلوں میں ہیں حضرت خضر علیہ السلام وہ نکل گئے جو ہوا یا نار میں ہے ابلیس وہ نکل گیا اور جو ابھی پیدا نہیں ہوا تھا وہ نکل گیا اس لیے اس روایت سے خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال صحیح نہ رہا۔ ۲۔ مراد وہ لوگ ہیں جن کا زمین پر رہنا معلوم ومشہور ہے۔ خضر علیہ السلام تو چھپے رہتے ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ۳۔ زمین سے مراد عرب کی زمین ہے۔ ۴۔ اگر عموماً حقیقی ہی مراد ہو تو جب عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کا استثناء دلائل قطعیہ سے ہوگیا تو خضر علیہ السلام کا استدلال دلیل ظنی یعنی کشف سے ہوسکتا ہے کیونکہ عام میں جب دلیل قطعی سے کچھ افراد نکال دیئے جائیں تو پھر وہ ظنی ہو جاتی ہے اور دلیل ظنی سے بھی کچھ اور افراد نکالے جاسکتے ہیں۔ سوال۔ خضر علیہ السلام کو زندہ ماننا ختم نبوت کے خلاف ہے۔ جواب۔ اگر خضر علیہ السلام کو نبی بھی مان لیا جائے تو پھر بھی ان کا زندہ رہنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے ختم نبوۃ کے معنٰی یہی ہیں کہ اب کوئی نیا نبی نہ بنے گا۔ جو پہلے سے نبی بن چکے ہیں ان کا زندہ رہنا ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

نام الغليّم: یہ محل ترجمہ ہے اور کتاب التفسیر میں اسی واقعہ میں یہ بھی ہے کہ اپنی اہلیہ محترمہ سے کچھ دیر گفتگو فرمائی اس لحاظ سے اس روایت کا باب سے مناسب ہوجانا بالکل ظاہر ہے۔

باب حفظ العلم: غرض۔ا۔حفظ علم کا شوق دلانا۔ ۲۔ حضرت ابوہریرہ کا حفظ اول لیل میں تھا تو اشارہ فرمادیا کہ سمر کی جگہ حفظ علم ہونا چاہیے اس سے گذشتہ باب سے بھی مناسبت بالکل ظاہر طور پر ثابت ہوگئی۔

بشبع بطنه:۔ا۔یعنی پیٹ بھر لیتے تھے اور حفظ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ۲۔ حدیث اتنی یاد فرماتے تھے کہ حدیث سے سیر ہو جاتے تھے اور حدیث سے پیٹ بھر جاتا تھا یعنی حدیث بہت زیادہ یاد کرتے تھے۔

فلو ثبتته' قطع هذا الحلقوم

یہ ائمہ جور کے نام تھے اور ان کا ذکر واجب نہ تھا اور پہلی چیز جس کو ذکر فرمایا وہ شرعی احکام تھے۔

باب الانصات للعلماء

انصات چونکہ حفظ میں بہت امداد کرتا ہے اس لیے حفظ کے بعد ذکر فرمایا۔

باب مایستحب للعالم

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی پوچھے کہ کون اعلم الناس ہے تو یوں کہے واللہ اعلم یا ایسا کوئی لفظ کہے جس میں علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے۔ سوال۔ اس حدیث میں جھگڑا یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کون سے تھے اور پیچھے گذرا ہے کہ جھگڑا یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے تھے یا کسی اور کے پاس یہ تو تعارض ہے۔ جواب۔ دونوں ہی جھگڑے پائے گئے ایک جھگڑا ایک صاحب کے ساتھ تھا دوسرا جھگڑا دوسرے صاحب کے ساتھ تھا۔

کذب عدو اللہِ یہ لفظ صرف تنبیہ کے طور پر فرمایا حقیقی معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ حضرت نوف مومن عالم فاضل اہل دمشق کے امام تھے۔ **الا لنقرة ھذا العصفور من البحر** یہ صرف سمجھانے کے لیے فرمایا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے ہمارا متناہی اور قطعاً کوئی نسبت ہی درمیان میں نہیں نہ سمندر کی نہ کوئی اور **فصمد الخضر الی لوح** ایسے طریقہ سے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سوٰی کسی نے نہ دیکھا ایسے ہی بچے کو قتل کرتے وقت ہوا ورنہ کشتی والے اور بچے والے مزاحمت کرتے خضر علیہ السلام کے کاموں کو وہی دیکھتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ دکھا دیتے ورنہ فرشتوں کی طرح کسی کو پتہ نہ لگتا تھا۔ **قال محمد بن یوسف** :۔ یہ محمد بن یوسف فریری ہیں امام بخاری کے شاگرد ہیں شاذ و نادران کے قول بھی بخاری شریف میں ہیں بعض نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے۔

باب من سئل و ھو قائم عالماً جالساً

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے جب عالم میں خود بینی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو مناسبت ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے بھی سوال موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا خضر علیہ السلام سے اب بھی سوال کا ذکر ہے کسی عالم سے دوسری غرض یہ بھی ہے کہ بظاہر کھڑے کھڑے سوال کرنا لاپرواہی پر دلالت کرتا ہے لیکن ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ امام مالک کھڑے آدمی کو حدیث سنانا مکروہ شمار فرماتے تھے اور اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت شمار فرماتے تھے۔

باب السوال و الفتیا عند رمی الجمار

غرض یہ کہ ایسی عبادت کوئی عالم کر رہا ہو کہ سوال قاطع عبادت نہ ہو تو سوال جائز ہے کیونکہ یہ ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف توجہ ہے

باب قول اللہ تعالیٰ و ما اوتیتھم من العلم الا قلیل

ا:۔ ای باب فی بیان شان نزول ھذہ الایۃ غرض یہ ہے کہ آدمی اپنے علم سے دھوکے میں نہ آجائے کیونکہ مجہولات انسان کی معلومات سے زیادہ ہیں پھر کس چیز کے متعلق سوال تھا۔ ا۔ جبریل علیہ السلام کہ ان کو روح القدس کہتے ہیں۔ ۲۔ انسانی روح دوسرا قول راجح ہے کیونکہ قرآن پاک عوام کے محاورہ پر نازل ہوا ہے پھر ظنی طور پر لوگوں نے روح کے معنیٰ کئے ہیں۔ ا۔ سانس ہی روح ہے۔ ۲۔ ایک جسم لطیف ہے جو پورے بدن میں پھیلا ہوا ہے جیسے عرق گلاب پورے گلاب میں ہے اس کی تائید بظاہر اس آیت سے بھی ہوتی ہے **فنفخنا فیھا من روحنا** پس یہ روح ہوا کی طرح ہے جو جسم لطیف ہے ایسے ہی دوسری آیت میں ہے۔ **فلولا اذا بلغت الحلقوم** بلوغ جسم کی صفت ہے۔ جیسا لمبا چوڑا موٹا انسانی بدن ہوتا ہی بالکل اسی طرح روح کا بدن لطیف ہوتا ہے اور حق تعالیٰ نے جو یہاں تفصیل ذکر نہ فرمائی اس نہ بتلانے میں حکمت یہ ہے کہ پتہ چل جائے کہ جب انسان اپنی روح کی کنہ نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ کی کنہ کیسے جان سکتا ہے **لا یجیئ بشی تکرھونہ** :۔ کہ کہیں ایسا جواب نہ دے دیں جیسا پہلے انبیاء علیہم السلام دیا کرتے تھے تو ان کی نبوت ثابت ہو جائے گی اور تم پسند نہیں کرتے کہ ان کی نبوت ثابت ہو

باب من ترک بعض الا ختیار

غرض یہ ہے کہ مصلحت کی وجہ سے مختار اوراولیٰ کوچھوڑنا بھی جائز ہے۔

باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراھیته ان لا یفھموا

غرض اور ربط یہ کہ پیچھے خلاف اولیٰ فعل کرنا اوراولیٰ چھوڑنا تھا عملاً اب چھوڑنا ہے علماً وتعلیماً:۔

حرمه الله علی النار

سوال:۔پھرتوعمل کی ضرورت نہ ہوئی۔

جواب: ۱۔ جب اخلاص سے ایمان میں داخل ہوگا تو ضروریات کی پابندی بھی کرے گا۔۲۔ یہ اکیلے کلمہ طیبہ کا تقاضا ہے اور مع العمل کلمہ طیبہ کا تقاضا قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد معلوم ہوگا کہ ابتداً جنت میں جاتا ہے یاسزا بھگت کر۔

باب الحیاء فی العلم

غرض یہ ہے کہ ضروری تعلیم وتعلم سے حیاء مانع نہ ہونی چاہئے۔

باب من استحیٰ فامر غیر ہ بالسوال

غرض یہ کہ اولیٰ یہ ہے کہ حیاء اور علم دونوں جمع کرے سوال بھی کرے لیکن بواسطہ:۔

باب ذکر العلم و الفتیافی المسجد

غرض۔۱۔جس نے توقف کیا کہ فتوی اور تعلیم مسجد میں جائز ہے یا نہ اس کا رد۔۲۔شبہ کا ازالہ کہ مسجد تو نماز کے لیئے ہے فتویٰ اور تعلیم شاید جائز نہ ہو۔ ازالہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں کام بھی امور آخرت سے ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ نمازیوں کوتکلیف نہ ہو۔

باب من اجاب السائل اکثر مماساله

غرض یہ کہ اصولی فرماتے ہیں کہ جواب سوال کے مطابق ہونا چاہئے شاید سوال سے زائد بات کہنا بُرا ہو تو فرمانا چاہتے ہیں کہ جب زائد فائدہ ہو تو مستحسن ہے کیونکہ مقصود تو مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہے' چنانچہ حدیث باب میں سوال تھا کہ محرم کیا پہنے جواب ایسا دیا کہ پہننے والی چیزوں کا بھی پتہ چل گیا اور نہ پہننے والی چیزوں کا بھی پتہ چل گیا بہت فائدہ ہوگیا۔

کتاب الوضوء

ای ھذا کتاب فی ذکر احکام الوضوء اور ایک نسخہ میں ہے کتاب الطھارۃ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ غسل کو اور کپڑوں اور جگہ اور بدن کی حسی پاکی کو بھی شامل ہے۔ وضوء کے لغوی معنیٰ نور کے ہیں وضوء بھی سبب نور ہے قیامت کے دن ہاتھ پاؤں وضوء کرنے والوں کے چمکیں گے اس لئے مسبب بول کر سبب مراد ہے۔

ترتیب:۔دین کے پانچ شعبے ہیں۔

۱-عقائد　۲-عبادات۔　۳-معاملات

۴-معاشرات　۵-اخلاق

عقائد کے بغیر کسی کے نزدیک نہ نجات نہ ایمان معتبر ہے اس لئے ان کو سب پر مقدم فرمایا۔ باقی چار قسموں میں عبادات مقدم ہیں کیونکہ ان میں توجہ الی اللہ بلا واسطہ ہے پھر عبادات میں سے نماز کو اس لئے مقدم فرمایا کہ۔۱۔اس کے فضائل بہت ہیں ۲۔اس کا ذکر قرآن پاک میں بہت ہے' ۳۔اس میں پوری مخلوق کی عبادت جمع ہے درخت کھڑے ہو کر چوپائے رکوع میں۔ رینگنے والے جانور سجدہ میں ٹیلے پہاڑ اور عمارتیں بیٹھ کر عبادت کرتی ہیں۔ یہ سب ہماری نماز میں جمع ہیں نیز فرشتے جو عبادت ہی کرتے ہیں کچھ کھڑے ہو کر کچھ ہمیشہ رکوع میں ہمیشہ سجدہ میں کچھ ہمیشہ قعود میں عبادت کرتے ہیں یہ سب نماز میں جمع ہیں نیز کسی کو راضی کرنے کے لئے انسان کبھی کھڑا ہو کر منت ساجت کرتا ہے کبھی گھٹنے پکڑ کر کبھی پاؤں پکڑ کر کبھی ادب سے بیٹھ کر یہ سب بھی نماز میں جمع ہیں نیز اسلام کی سب عبادات بھی نماز میں جمع ہیں مثلاً نماز میں کھانے پینے کے روزے سے بھی بڑھ کر بولنے ہنسنے رونے گفتگو چلنے وغیرہ کا بھی روزہ ہوتا ہے حج کی حقیقت حضور بحضرۃ اللہ اور تعلق بیت اللہ قربانی اور جہاد کی حقیقت کہ اللہ تعالےٰ کے حکم پر اپنے کو فنا کر دیتا ہے یہ بھی نماز میں ہیں سجدہ میں فنا ہونا پایا جاتا

ہے زکوٰۃ کی حقیقت کہ نیکی میں مال خرچ کرنا یہ بھی نماز میں ہے کہ مسجد اور کپڑوں پر مال خرچ کرنا پڑتا ہے اعتکاف کی حقیقت گنا ہوں سے بچنا بھی نماز میں ہے ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء و المنکر. پھر نماز کے ذکر کی دو صورتیں ہیں مبادی اور مقاصد۔ دوسری چیز مقاصد کو تو کتاب الصلوٰۃ سے بیان فرمائیں گے اِس سے پہلے مبادیٔ کا بیان ہے پھر مبادی دو قسم کے ہیں عامہ اور خاصہ کتاب العلم میں مبادی عامہ رکھے اب مبادی خاصہ کتاب الوضوء یا کتاب الطہارۃ کے عنوان سے بتلاتے ہیں۔

طہارت کی اہمیت

طہارت کا دین میں اس قدر اہتمام ہے کہ حدیث پاک میں ہے نظفوا افنیتکم و لا تشبھو ا بالیھود جب فناء دار یعنی گھر کے سامنے کی جگہ کو صاف رکھنے کا حکم ہے تو اندرونی صحن کو اس سے زیادہ اور کمرے کو اس سے زیادہ اور بستر کو اس سے زیادہ اور کپڑوں کو اس سے زیادہ اور بدن کو اس سے زیادہ میل کچیل سے پاک رکھنے کا حکم ثابت ہو گیا۔ پھر میل کچیل سے بھی زیادہ بدن کو گناہوں کی گندگی سے بچانے کا حکم بھی اِسی حدیث سے نکل آیا اور بدن سے زیادہ روح اور دل کو بُرے عقائد اور برے اخلاق سے بچانے کا حکم اور اہمیت بھی اِسی حدیث پاک سے ثابت ہو گئی اس سے اندازہ ہوا کہ اسلام میں طہارت کا کسِ قدر اہتمام ہے۔

باب ما جاء فی الوضوء

آیت کو شروع میں تبرکا ذکر فرمایا۔ پھر اِس آیت سے ایک ایک مرتبہ کا ثبوت ہوا کیونکہ۔ ا۔ امر تکرار کا تقاضٰی نہیں کرتا۔ ۲۔ اقل یقینی ہے پھر سب احادیث کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور دو اور تین مرتبہ مستحب ہے۔ اس سے زیادہ اسراف اور مکروہ ہے۔

باب لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور

یہ باب والے الفاظ مسلم شریف کی روایت میں آتے ہیں جو وجوب طہارۃ میں نص ہیں لیکن یہ الفاظ امام بخاری کی شرط پر نہ تھے اس لئے اس کے قریب قریب الفاظ والی حدیث کو اسناداً لے آئے۔ سجدہ تلاوت:۔ امام بخاری کے نزدیک بلا وضو صحیح ہے وعند الشعبی سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ دونوں بغیر وضو صحیح ہیں عند الجمہور دونوں میں سے کوئی بھی بلا وضو صحیح نہیں۔ لنا۔ و لا تصل علی احد منھم مات ابداً میں حق تعالےٰ نے نماز جنازہ کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر فرمایا ہے اور زیر بحث روایت میں تصریح ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لا تقبل صلوٰۃ من احدث حتی تیوضأ اور سجدہ ایسا رکن ہے کہ کبھی ساقط بھی نہیں ہوتا اور نماز کے علاوہ اکیلا بھی مشروع ہے اس لئے نماز کے لئے وضو کی شرط سجدہ کے کئے بھی شرط ہے وللشعبی نماز جنازہ کی حقیقت صرف دعا ہے اور دعا کے لئے وضو ضروری نہیں جواب یہ ہے کہ قرآن پاک میں چونکہ صلوٰۃ کا اطلاق آیا ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہے ولھما فی سجدۃ التلاوۃ فی البخاری تعلیقات عن ابن عمر موقوفاً کہ بلا وضو سجدہ تلاوت کرنا مذکور ہے۔ جواب اس روایت میں بعض نسخوں میں مع الوضوء ہے اس لئے استدلال صحیح نہ رہا۔

بلا وضو نماز پڑھنے والا کافر ہو جاتا ہے

ا۔ اگر استہزاء ایسا کرے تو کافر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔
۲۔ اگر ریاء یا کسلاً ایسا کرے تو پھر بھی کفر کا خوف ہے اور اگر استحیاء ایسا کرے مثلاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا درمیان میں وضو ٹوٹ گیا' شرم کی وجہ سے نہ گیا تو گنہگار تو ہوا کافر نہ ہوا۔

فاقد الطھورین

کہ مثلاً لکڑی۔ یا لوہے کے قید خانہ میں بند ہے نہ وضو پر قادر ہے نہ تیمّم پر تو وہ عند مالک نماز کا مکلف ہی نہیں وعند احمد بلا وضو اور بلا تیمم ہی اس کی نماز صحیح ہو جائے گی وفی روایۃ لابی حنیفۃ صرف قضا پڑھے وعن الشافعی چار روایتیں ہیں۔ ا۔ امام احمد کی طرح' ۲۔ امام ابو حنیفہ کی مذکورہ روایت کی طرح' ۳۔ ادا مستحب قضا واجب' ۴۔ دونوں واجب اور صاحبین کا مسلک اور یہی امام ابو حنیفہ کی آخری روایت اور یہی حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول ہے کہ اس وقت تشبہ

بالمصلین کرے کہ نہ نیت کرے نہ قرأت بعد میں وجو باقضا کرے ہماری اس مفتی بہ قول کی دلیل جس کا حج فاسد ہوجائے وہ سب کام حاجیوں کی طرح کرے گا بعد میں قضا کرے گا اسی طرح فاقد الطہورین کا حکم ہے۔۲-کافر نہار رمضان میں ایمان لائے بقیہ دن تشبہ بالصائم کرے گا۔ بعد میں قضا کرے گا۔۳۔بچہ رمضان میں درمیان دن میں بالغ ہوجائے وہ بھی ایسا ہی کرے گا۔۴-ایسے ہی مسافر نہار رمضان میں مقیم بن جائے۔۵-ایسے ہی نہار رمضان میں پاک ہوجائے حائضہ تو وہ بھی بقیہ دن نہ کھائے نہ پئے بعد میں قضا کرے اسی طرح فاقد الطہورین ہے ولمالک قیاس ہے صلوٰۃ حائضہ پر ولاحمد قیاس ہے صلوٰۃ معذور پر ولروایۃ عن ابی حنیفۃ قیاس ہے صوم حائضہ پر وللشافعی فی روایۃ ثالثۃ قیاس ہے صوم حائضہ پر لیکن چونکہ رکاوٹ انسانوں کی طرف سے ہے۔اس لئے ادا بھی احتیاطاً مستحب ہے وللروایۃ الرابعہ یہ احتیاط واجب ہے ترجیح حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول کو ہے کیونکہ کثرت نظائر علت کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔

باب فضل الوضوء

غرض اور ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں وضو کی یہ فضیلت تھی کہ یہ شرط صلوٰۃ اور مفتاح صلوٰۃ ہے اب یہ فضیلت ہے کہ قیامت کے دن دوسری امتوں پر فضیلت کا سبب وضو بنے گا۔

الغر المحجلون من اثار الوضو

۱-الغر مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے خبر محذوف ہے مفضلون علی غیرھم ۔۲۔مبتدا ہے اور خبر من اثار الوضوء ہے۔۳۔ مرفوع ہے حکایۃ عن الحدیث پھر بعض شوافع اور بعض حنفیہ اس طرف چلے گئے کہ نصف ساق تک اور نصف بازو تک دھونا مستحب ہے اور ان ہی بعض حنفیہ اور بعض شوافع کا دوسرا قول کندھے اور گھٹنے تک دھونا مستحب ہے اور جمہور کے نزدیک دھونے کی جگہ کو بڑھانا مستحب نہیں ہے۔لنا۔۱۔فی ابی داؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً من زاد علی ھذا اونقص فقد اساء وظلم۔۲۔تواتر العمل والتوارث یہی ہے کہ جگہ دھونے کی نہ بڑھائی جائے ان بعض مذکورین کے دونوں قولوں کی دلیل زیر بحث روایت فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل جواب۔ ۱۔یہ حضرت ابی ہریرہ کی طرف سے مدرج ہے مرفوعاً ثابت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو دس صحابہ نے نقل فرمایا ہے کسی نے یہ آخری حصہ نقل نہیں فرمایا اور حضرت ابو ہریرہ کے بہت سے شاگرد ہیں ان میں سے صرف نعیم مجمر ہی یہ لفظ ذکر کررہے ہیں۔۲۔اگر مرفوعاً مان بھی لیں تو مقصد صرف اسباغ اور آداب کی رعایت ہے جگہ بڑھانا مقصود نہیں ہے اور خود حضرت ابو ہریرہ کا فعل بھی آتا ہے تو وہ غلبہ حال پر محمول ہے اسی لئے چھپ کر ایسا کرتے تھے پھر خصوصیت اس امت کی چمک ہے نفس وضوء پہلی امتوں میں بھی ثابت ہے جیسے حضرت سارہ زوجہ محترمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو کرنا مصر کے جابر بادشاہ کے پاس منقول ہے۔

باب لایتوضاء من الشک حتی یستیقن

غرض حدیث کے معنیٰ کردیئے کہ صرف ان دو علامتوں میں حصہ نہیں ہے اگر ان دو علامتوں کے علاوہ بھی یقین ہوجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

باب التخفیف فی الوضوء

اس باب کی حدیث میں جو تخفیف ہے اس کی صورتیں ۱۔عادت سے جلدی کیا گنتی میں کمی نہ فرمائی۔۲۔پانی تھوڑا استعمال فرمایا وضو کامل فرمایا۔۳۔دلک میں یعنی ملنے میں کمی فرمائی۔۴۔ ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھویا بظاہر امام بخاری اسی پر محمول کرکے یہ ترجمۃ الباب بنارہے ہیں۔

باب اسباغ الوضوء

گذشتہ باب کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ ملنا واجب نہیں اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ ملنا اسباغ میں داخل ہے اور مستحب ہے اسی کو ابن عمر کے قول میں انقاء قرار دیا گیا ہے پھر اسباغ میں دو اہم قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اسباغ کے تین مرتبے ہیں۔۱۔فرض

نہ چھوڑنا' ۲۔ سنن و آداب کی رعایت کما و کیفا۔ ۳۔ خوب ملنا کہ میل کچیل بھی اچھی طرح اتر جائے یہی ابن عمر کے قول میں ہے یہ درجہ مستحب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسباغ تثلیث کا نام ہے۔

باب غسل الوجه باليدين من غرفته واحدة

یہ غرض ہے کہ دونوں ہاتھوں سے پانی لینا ضروری نہیں ایک ہاتھ سے پانی لے لے اور دوسرا ساتھ ملا کر منہ دھولے یہ تو برتن کے ذریعہ لوٹے وغیرہ کے ذریعہ وضوء کرنے کا طریقہ ہے اور اگر حوض پر یا نہر پر ہے تو دونوں ہاتھوں سے پانی لینے میں بھی کچھ حرج نہیں۔

باب التسمیته علی کل حال وعندالوقاع

جبکہ تسمیہ والی حدیث ان کی شرط پر نہ تھی تو استنباط فرمایا کہ جب جماع میں تسمیہ ہے حالانکہ یہ حالت ذکر اللہ سے بہت بعید ہے تو وضوء میں تسمیہ بطریق اولیٰ ثابت ہوگئی۔ پھر یہ تصریح نہیں فرمائی کہ تسمیہ مستحب ہے یا واجب ہے اس مسئلہ میں اختلاف ہے عند احمد وضوء کے شروع میں تسمیہ فرض ہے وعند الجمہور سنت ہے۔ لنا:۔ ۱۔ قرآن پاک میں وضو میں تسمیہ مذکور نہیں ۲۔ فی ابی داؤد عن المھاجرین قنفذ مرفوعاً انی کرہت ان اذکر اللہ تعالیٰ ذکرہ الا علی طہر امام طحاوی نے اس سے استدلال فرمایا ہے کہ کوئی فرض کراہت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا کہ اس فرض کا ادا کرنا کبھی کراہت سے خالی ہی نہ ہو سکے اگر تسمیہ کو وضوء کے شروع میں فرض کہا جائے تو یہ ایسا فرض ہوگا جو بلا کراہت ادا نہ ہو سکے گا کیونکہ وضو ٹوٹنے پر جو وضو ہوگا اس کا ابتدائی حصّہ بے وضو ہونے کی حالت میں ادا ہوگا۔ ۳۔ فی الدار قطنی عن ابن عمر مرفوعاً **من توضأ وذكر اسم الله عليه كان طهوراً لجميع بدنه و من توضاء و لم يذكر اسم الله عليه كان طهوراً لا عضاء وضوئه.**

ولاحمد :۔ فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً **لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله تعالىٰ عليه**:۔ جواب:۔ ۱۔ نفی کمال کی ہے۔ ۲۔ خبر واحد سے قرآن پاک پر زیادتی نہیں ہوسکتی۔ ۳۔ **فی الترمذی عن احمد لا اعلم فی هذا الباب حديثاً له اسناد جيد** معلوم ہوا روایت کمزور ہے۔ ۴۔ من جانب الشوافع فقط یہ جواب بھی ہے کہ مقصود نیت کرنا ہے۔ بسم اللہ پڑھنا اس حدیث میں مراد نہیں ہے۔

باب مایقول عند الخلاء

شریعت مطہرہ نے بول و براز جیسی معمولی چیز کے لئے ہمیں بہت سے عمدہ آداب متنوعہ سکھلانے ہیں مثلاً ۔۱۔ پہلی قسم تعظیم قبلہ کہ قبلہ کی طرف نہ منہ ہو نہ پشت ہو۔ ۲۔ کمال نظافت اور پوری صفائی کہ پہلے ڈھیلا استعمال کرو پھر پانی۔ ۳۔ کسی کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔ سایہ والے درخت کے نیچے۔ لوگوں کے راستہ میں۔ پانی کے گھاٹ میں۔ چوپال میں بول و براز نہ کرو۔ ۴۔ اپنے آپ کو تکلیف نہ پہنچاؤ مثلاً سوراخ میں پیشاب نہ کرو کوئی موذی جانور نہ نکل آئے۔ سخت پتھر اور ہڈی بطور ڈھیلا استعمال نہ کرو ایسا نہ ہو کہ بدن زخمی ہو جائے۔ ۵۔ محاسن عادات کا خیال رکھو مثلاً پہلے بیت الخلاء میں بایاں پاؤں رکھو۔ طاق یعنی تین پانچ وغیرہ کا خیال رکھو۔ ۶۔ اپنے کپڑوں کی حفاظت کرنا مثلاً اونچائی کی طرف پیشاب نہ کرنا۔ ۷۔ جنّوں سے محفوظ رہنے کے لیے **اللهم انی اعوذ بک من الخبث و الخبائث** پڑھنا۔ ۸۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکرادا کرنا کہ نقصان والی چیز کو بدن سے نکال دیا۔ یہ دعا پڑھے **الحمد لله الذی اذهب عنی الاذیٰ وعافانی** ' ۹۔ کمال تستر کا خیال رکھو کہ کسی کو بدن نظر نہ آئے نہ ہی نامناسب آواز کان میں پڑھے۔

سوال:۔ بیت الخلاء سے نکلتے وقت کی دعاء امام بخاری نے ذکر نہ فرمائی۔

جواب:۔ ان کی شرط پر نہ تھی۔ **اذا اراد ان يدخل**:۔ یعنی مجاز بالمشارفہ ہے کہ آئندہ آنے والی صفت کو پہلے سے موجود فرض کرلیا ارادہ دخول کو دخول سے تعبیر کردیا۔

باب وضع الماء عند الخلاء

تا کہ بیت الخلاء سے نکلتے ہی وضو کرے اشارہ فرمادیا کہ عالم کی خدمت کر کے دعا لینی چاہئے۔

باب لا تُستقبلُ القبلة بغائط او بول

وضو کے بعد آداب خلاء ہیں یعنی حدث کے ازالہ کے بعد نجاست حقیقیہ کا ازالہ۔ وضوء کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ اس کا عبادت ہونا ہے۔ **الا عند البناء** یہ شبہ کا جواب ہے کہ احادیث میں تعارض ہے منع بھی فرمایا پھر بعض موقعوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استدبار بھی فرمایا جواب دیا کہ آبادی میں جائز ہے۔

اختلاف:۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک استقبال و استدبار دونوں منع ہیں وعند الشافعی و مالک وفی روایۃ لاحمد آبادی میں جائز ہیں استقبال واستدبار دونوں اور صحراء میں دونوں منع ہیں۔ وفی روایۃ لاحمد وروایۃ لابی حنیفۃ استقبال دونوں جگہ منع ہے اور استدبار دونوں جگہ بلا کراہت جائز ہے وعند داؤد الظاہری دونوں جگہ دونوں جائز ہیں ہماری دلیل:۔ ۱- **فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً فاذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلته وملایستدبرھا۔** ۲- **صحیحین** میں **عن ابی ایوب مرفوعاً ذااتی احد کم الغائط فلایستقبل القبله ولا یولھا ظھرہ للشافعی ومالک وروایته احمد:** ایک دلیل ابو داؤد کی روایت میں **عن مروان الاصفر قال رایت ابن عمر اناخ راحلته مستقبل القبلته ثم جلس یبول الیھافقلت یااباعبدالرحمن الیس قدنھی عن ھذا قال بلیٰ انمانھی عن ذلک فی الفضاء فاذا کان بینک و بین القبلته شیء یسترک فلا باس۔** جواب۔ ۱- حسن بن ذکوان ضعیف ہے۔ ۲- یہ صرف ابن عمر کا اجتہاد ہے۔ ۳- صرف یہ ثابت ہوا کہ جنگل میں جب سامنے رکاوٹ نہ ہو تو ممانعت ہے حالانکہ آپ کا مسلک یہ ہے کہ رکاوٹ ہو یا نہ ہو ممانعت ہے۔ ۲- ان کی دوسری دلیل فی ابی داؤد **عن ابن عمر قال لقدارتقیت علی ظھر البیت فرائیت رسول اللہ صلی علیه وسلم علی لبنتین مستقبل بیت المقدس.** جواب۔ ۱- ہماری دلیل قولی ہے اس لئے آپ کی فعلی دلیل پر راجح ہے۔ ۲- ہماری محرم ہے اس لئے آپ کی مبیح پر راجح ہے۔

۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف سے بھی افضل تھے اس لئے آپ کو اجازت تھی ہمیں ممانعت ہے۔ ۴- ابن عمر نے سیڑھیاں چڑھتے وقت صرف سر مبارک دیکھا جب یہ سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں بیٹھے ہیں جہاں لبنتین ہوتی ہیں تو فوراً واپس آگئے یہ معنیٰ نہیں کہ سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور اینٹیں بھی دیکھیں کیونکہ قصداً سارا بدن اس حالت میں دیکھنا ناجائز اور خلاف ادب تھا اس لئے سر مبارک کی حالت بیان کی کہ بیت المقدس کی طرف تھا حالانکہ مسئلہ کا مدار نیچے کے حصہ پر ہے۔ ۵- قبل النھی کا واقعہ ہے۔ ۶- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عین کعبہ کے مکلف تھے اور اس سے ہٹے ہوئے تھے ابن عمر جہت قبلہ کا ذکر کر رہے ہیں اس لئے استدلال درست نہیں۔ جہت کے معنیٰ یہ ہیں کہ نمازی سے قبلہ تک سیدھا خط کھینچیں پھر قبلہ سے اس خط پر ایک دوسرا عمودی خط کھینچیں اور دونوں طرف بڑھا دیں۔ تو اس دوسرے خط کی طرف منہ کرتا جہت قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے۔ عمودی خط کے معنیٰ یہ ہوئے ہیں کہ ایک خط پر دوسرا خط ایسے طریقہ سے واقع ہو کہ دونوں کونے اور دونوں زاویے جو دونوں طرف بنیں وہ برابر ہوں جیسے انسان زمین پر سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور قائم علی الارض ہوتا ہے عمودی خط کی یہ صورت ہے ـــــ|ـــــ اور جہت قبلہ کی یہ صورت ہے۔

جہت

قبلہ ✕——————→✕ نمازی

جہت
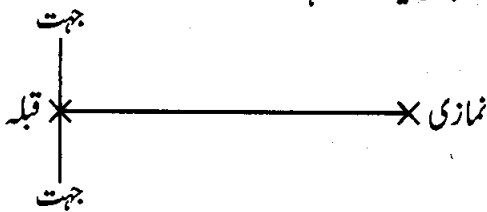
امام احمد کی ایک روایت کی دلیل ابو داؤد کی روایت ہے **عن سلمان مرفوعاً نھانا صلی اللہ علیه وسلم ان نستقبل القبلته بغائط اوبول** جواب یہ ہے کہ آپ کی روایت استدبار کے ذکر سے ساکت ہے ہماری ناطق ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے داؤد ظاہری کی دلیل ابو داؤد کی روایت ہے **عن جابر قال نھی النبی صلی اللہ علیه وسلم ان نستقبل**

القبلة ببول فرأیة قبل ان یقبض بعام یستقبلها اوراس کے وہی جواب ہیں جوابھی ابن عمر والی روایت کے گزرے پانچویں جواب کی جگہ ہم کہتے ہیں کہ ابان بن صالح راوی ضعیف ہے ابن عبدالبراور ابن القیم نے روایت کے ضعف کی تصریح کی ہے۔

باب من تبرز علی لبنتین:۔غرض یہ ہے کہ خالی زمین کی بجائے دو اینٹیں رکھ کر بیٹھنا اولیٰ ہے تا کہ بدن کو نجاست نہ لگے۔**وقال لعلک من الذین یصلون علی اوراکھم**:۔مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت واسع کو نماز پڑھتے دیکھا تھا پھر قبلہ کی گفتگو ہوئی تو اس کے عورتوں کی طرح تورک کرنے کی وجہ سے اس کو کم علم قرار دیا اور اس کو ان لوگوں میں شمار کیا جو سنت سے واقف نہیں ہیں نہ نماز کا طریقہ سنت کے مطابق جانتے ہیں نہ استقبال قبلہ کا مسئلہ جانتے ہیں حضرت واسع نے عرض کیا لاادری کہ مجھے یقین کے ساتھ پتہ نہیں کہ میں سنت سے ناواقفوں میں داخل ہوں یا نہ یہ لاادری واللہ اعلم کی طرح ہے۔**قال مالک**:۔میں اسی کی وضاحت ہے کہ زمین سے چمٹ کر مردوں کا سجدہ کرنا اچھا نہیں

باب خروج النساء الی البراز

غرض یہ ہے کہ عورتوں کا قضاء حاجت کے لئے باہر جانا گھروں میں بیت الخلائیں بننے سے پہلے تھا۔ جب بنادی گئیں تو پھر بلاضرورت نکلنے سے ممانعت ہوگئی۔**المناصع**:۔بول و براز کے لئے کھلی جگہیں۔**صعیدافیح**:۔فراخ زمین۔**فانزل اللہ آیۃ الحجاب**:۔سوال اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہ کو حضرت عمر کا پکارنا نزول حجاب سے پہلے ہے اور کتاب التفسیر میں صحیح بخاری ہی میں جو اس واقعہ کی روایت ہے اس میں یہ پکارنا نزول حجاب کے بعد مذکور ہے جواب ۱-نزول حجاب کے دو درجے ہوئے تھے پہلے نزول حجاب وجوہ ہوا کہ غیر مردوں سے عورتیں چہرے چھپائیں پھر نزول حجاب اشخاص ہوا کہ بلاضرورت عورتیں گھر سے باہر نہ نکلیں یہ پکارنے کا واقعہ نزول اول کے بعد ہے یہی کتاب التفسیر میں ہے اور نزول ثانی سے پہلے ہے یہی یہاں ہے۔۲-اس روایت میں فانزل اللہ پہلے تھا کسی راوی نے غلطی سے پیچھے ذکر کردیا۔**باب التبرز فی البیوت**:۔غرض یہ ہے کہ جب گھر میں بیت الخلائیں بن گئیں تو پھر عورتوں کو بلاضرورت نکلنے سے منع کردیا گیا۔

باب الاستنجاء بالماء

غرض ان لوگوں پر رد ہے جو استنجاء بالماء کو ممنوع قرار دیتے ہیں کیونکہ پانی تو انسان کے کھانے پینے کی چیز ہے اس سے استنجاء کرنا اس کی توہین ہے ابن حبیب مالکی بھی کراہت کے قائل ہیں اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات کو اس باب والی روایت اور وہ روایتیں جن میں ڈھیلا اور پانی دونوں کا ذکر ہے یہ روایتیں پہنچی نہ ہوں گی ورنہ کراہت کے قائل نہ ہوتے۔

باب من حمل معه الماء لطهوره

غرض۔۱-بہتر ہے کہ ڈھیلے کے بعد جلدی ہی استنجاء بالماء کر لیا جائے۔۲-تھوڑی سی اس قسم کی امداد دوسرے سے لینی جائز ہے۔۳-عالم کی خدمت مستحب ہے۔

باب حمل الغزة مع الماء فی الاستنجاء

مصلحت ایسا کرنے کی۔۱-فارغ ہوکر وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتے وقت اس چھوٹے نیزے کو گاڑ کر سترا بنانا۔۲-لوگوں کو روکنا کہ اس نیزے سے آگے نہ جائیں یہاں کوئی قضاء حاجت میں مشغول ہے۔۳-پیشاب کے لئے نیزے سے زمین نرم کرنا تا کہ چھینٹے نہ پڑیں'۴-للحفاظۃ من السباع۔۵-للحفاظۃ عن الاعداء۔**الغزۃ عصاً علیہ زج**:۔زج کے معنی ہیں سنان یعنی لوہے کا پھل چھری جیسا تیز لوہا۔

باب النهی عن الاستنجاء بالیمن

سوال تصریح کیوں نہ فرمائی کہ نہی تنزیہی ہے جواب۔۱-ان کو

تنزیہی ہونے کا یقین نہ ہوا۔۲-ان کے نزدیک ظاہر یہی تھا کہ تحریمی ہے کیونکہ نہی میں اصل تحریمی ہے۔لیکن جمہور کا اتفاق ہے کہ تنزیہی ہے۔

باب لایمسک ذکرہ بمیینہ اذابال

سوال یہ اور گذشتہ باب ایک ہوگئے۔جواب یہاں عام ہے استنجاء کرتے وقت یا پیشاب کرتے وقت۔

باب استنجاء بالحبارہ

غرض اس کا رد ہے جو استنجاء کو پانی پر بند کرتا ہے۔

باب لایستنجی بروث

عندالشافعی واحمد تین کا عدد ڈھیلوں کا واجب ہے جبکہ استنجاء بالماء نہ کرنا ہو وعندابی حنیفۃ و مالک صفائی واجب ہے طاق کی رعایت مستحب ہے لنا۔۱-فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن و من لافلا حرج. ۲-زیر بحث باب کی روایت کہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ڈھیلے لانے کے لئے فرمایا میں دو ڈھیلے اور ایک لید لے آیا فاخذ الحجرین والقی الروثۃ: اگر تین واجب ہوتے تو تیسرا ڈھیلا ضرور منگواتے۔۳-فی ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً فلیذھب معہ بثلثۃ احجار یستطیب بھن فانھا تجزئ عنہ معلوم ہوا کہ تین کا عدد کافی ہو جانے کی وجہ سے ہے وللشافعی واحمد فی ابی داؤد عن سلمان مرفوعاً وان لایستنجی احدنا باقل من ثلثۃ احجار.

جواب۔۱-استحباباً۔۲-عموماً تین کافی ہو جاتے ہیں۔

باب الوضو مرۃ مرۃ

غرض یہ ہے کہ ایک دفعہ سے بھی فرض پورا ہو جاتا ہے۔

باب الوضوء مرتین مرتین

یعنی یہ مستحب ہے۔

باب الوضوء ثلثاثلث

ا:۔حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے وضو کر کے دکھانے کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ صحابہ سے وضو کرنے کے طریقے مختلف قسم کے ظاہر ہوئے تھے اس لئے مسنون طریقہ ظاہر فرماتے تھے۔

لا یحدث فیھما نفسہ

کہ نمازی قصداً اپنے نفس سے باتیں نہ کرے اس سے خشوع کی تفصیل معلوم ہوئی جو واجبات صلوٰۃ سے ہے کہ خشوع قصداً نفس سے باتیں کرنے سے ٹوٹتا ہے غیر اختیاری وساوس سے نہیں ٹوٹتا جب یاد آئے کہ میں دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو فوراً توجہ نماز کی طرف کرے پھر وساوس آئیں تو پھر یاد آنے پر توجہ نماز کی طرف کرلے بس خشوع کے لئے کافی ہے دماغ پر زیادہ زور ڈالنے سے دماغ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر زیادہ زور ڈالنے سے بھی وساوس نہ گئے اور وساوس کو خشوع کے خلاف سمجھتا ہے تو تھک کر خشوع کا اہتمام یا نعوذ باللہ نماز ہی کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے پھر خشوع کی اہم صورتیں یہ ہیں ۱۔نماز میں پڑھے جانے والے الفاظ سوچ سوچ کر پڑھے جیسے کچا حافظ تراویح میں سوچ سوچ کر پڑھتا ہے امام جہراً پڑھ رہا ہے تو توجہ سننے کی طرف رکھے اور اگر سری نماز ہے تو الفاظ فاتحہ کا دل میں تصور کرے حدیث موقوف اقرأ بھافی نفسک کے ایک معنیٰ بھی کئے گئے ہیں۔۲۔الفاظ کے معنیٰ سوچے۔۳۔اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور کرے۔۴۔اللہ تعالیٰ کی صفات سوچے۔۵۔خانہ کعبہ کا تصور کرے کہ اس کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہوں۔

ماتقدم من ذنبہ

۱۔ذنب کا اطلاق ایسے ہی سیّہ اور خطیّہ کا صغائر پر ہوتا ہے اس لئے وہی وضو وغیرہ سے معاف ہوتے ہیں۔۲۔ایک حدیث مالم یُؤتَ کبیرۃً کے بھی یہی معنیٰ ہیں کہ کبیرہ گناہ وضو وغیرہ سے معاف نہیں ہوتے۔۳۔قرآن پاک میں جابجا کبائر پر مواخذہ کے بعد توبہ کا استثناء ہے معلوم ہوا ہے کہ کبیرہ کی معافی صرف توبہ سے ہوتی ہے وضو وغیرہ سے نہیں ہوتی حتی یصلیھا: سوال یہ بظاہر ہر مغفرت کی غایت ہے کہ نماز پڑھنے تک بخشش ہے پھر بخشش نہیں یہ

معنیٰ تو ٹھیک نہیں کیونکہ بخشش تو بعد میں بھی ہے جواب عبارت محذوف ہے ای غفرله ما حصل من الذنوب الی انتهاء الصلوٰۃ یعنی نفس وضو سے تو گذشتہ نماز سے لے کر وضو شروع کرنے تک کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور حسن وضو سے وضو کے بعد آئندہ نماز کے ختم ہونے تک کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں مثلاً خشوع میں یا آداب ظاہرہ میں کمی کی ہو تو معاف ہو جاتی ہے۔

باب الاستنشار فی الوضوء

ماقبل سے ربط یہ ہے کہ پیچھے کل تھا اب اس کا جزء ہے عنداحمد کلی اور ناک میں پانی ڈالنا غسل اور وضو دونوں میں واجب ہے وعندالشافعی و مالک دونوں میں سے کسی میں بھی واجب نہیں وعند امامنا ابی حنیفۃ غسل میں دونوں واجب بمعنیٰ فرض وضو میں دونوں سنت ہماری دلیل یہ ہے کہ منہ اور ناک کا اندرونی حصہ نظر بھی آ جاتا ہے جیسے منہ کھول کر باتیں کریں تو منہ کا اندرونی حصہ نظر آتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھیں تو ناک کا اندرونی حصہ نظر آتا ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حساً اعضاء ظاہرہ میں سے ہیں ایسے ہی شرعاً بھی یہ دونوں اعضاء ظاہرہ میں سے ہیں کیونکہ منہ میں اور ناک کے نرم حصہ میں پانی یا کوئی اور کھانے پینے کی چیز رکھیں تو جب تک گلے سے نہ اترے روزہ نہیں ٹوٹتا اور ایک لحاظ سے یہ دونوں اعضاء باطنہ میں سے ہیں حساً کہ منہ بند کریں تو منہ کا اندرونی حصہ نظر نہیں آتا ایسے ہی زمین کی طرف دیکھیں تو سامنے بیٹھنے والے کو ناک کا اندرونی حصہ نظر نہیں آتا۔ اور شرعاً بھی یہ ایک لحاظ سے اعضاء باطنہ میں سے ہیں کیونکہ تھوک اور آب بینی ناک کی بلغم اگر کوئی نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ دونوں من وجہ اعضاء ظاہرہ میں سے ہیں اور من وجہ اعضاء باطنہ میں سے ہیں تو اب جہاں صیغہ مبالغہ کا آیا ہے یعنی غسل وان کنتم جنباً فاطھروا اس میں تو یہ دونوں داخل ہو جائیں گے اور ان کو اعضاء ظاہرہ میں سے شمار کیا جائے گا اور پانی پہنچانا فرض ہوگا تا کہ مبالغہ پر عمل ہو سکے اور جہاں مبالغہ نہیں یعنی وضو میں فاغسلوا وجوھکم وارد ہے وہاں ان دونوں جگہوں پر پانی پہنچانا فرض نہ ہوگا اور حدیث کی وجہ سے صرف سنت ہوگا۔ امام شافعی اور امام مالک وضو میں تو ہمارے ساتھ ہی ہیں اور غسل میں ان کی دلیل یہ ہے کہ غسل کا تعلق ظاہر بدن سے ہے اور یہ دونوں اندرونی حصے ہیں اس لئے ان دونوں جگہوں میں پانی پہنچانا فرض نہیں ہے۔ جواب ہماری تقریر میں ضمناً ہو گیا کہ من وجہ بیرونی حصے بھی ہیں اس لئے مبالغہ پر عمل کرنے کے لئے ان دونوں جگہوں میں پانی پہنچانا فرض ہے وللہ الحمد۔ زیر بحث باب کی روایت عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من توضاء فلیستنشر اور ابوداؤد میں عن لقیط بن صبرۃ مرفوعاً اذا توضات فمضمض جواب امر استحبابی ہے قرینہ ہمارے دلائل ہیں۔

باب الاستجمار وترا

غرض یہ ہے کہ طاق کی رعایت مستحسن ہے قسطلانی میں واقعہ منقول کہ کسی نے اس حدیث کو سن کر استہزاء کہہ دیا واین تبیت یدہ کہ جانا کہاں ہے وہ سو کر اٹھا تو دبر میں ہاتھ تھا اور گندگی سے بھرا ہوا تھا کسی گستاخ نے فمن یاتیکم بماء معین سن کر کہہ دیا کہ ناتیه بالمعول والمعین کہ ہم لے آئیں گے کسی اور مزدور کی امداد سے آنکھوں کا پانی ختم کر دیا گیا اور ندا آئی کہ ہم نے آنکھوں کا پانی ختم کر دیا ہے تم لے آؤ۔ مسائل مستنبطہ :۔ ۱- سور کلب سے برتن کو پاک کرنے کے لئے برتن کو تین دفعہ دھولینا کافی ہے کیونکہ ہاتھ کو تین دفعہ دھونے کا حکم پانی میں ڈالنے سے پہلے اس لئے ہے کہ شاید بول و براز کی جگہ ہاتھ لگ گیا ہو اور صرف ڈھیلا کر کے سویا ہو تین دفعہ دھولے تا کہ ہاتھ پاک ہو جائیں پس جب انسانی غلاظت سے ہاتھ پاک کرنے کے لئے تین دفعہ دھونا کافی ہے جو سب نجاستوں سے زیادہ غلیظ ہے تو کتے کے جوٹھے سے تین دفعہ دھولینا پاک کرنے کے لئے بطریق اولیٰ کافی ہے۔ ۲- داؤد ظاہری اور امام طبری نے نہی سے وجوب نکال لیا جمہور سنیت کے قائل ہیں جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے نہی وجوب پر دال ہے لیکن

آخر میں تعلیل ہے فانہ لایدری این باتت یدہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ صرف احتیاطاً نہی وارد ہوئی ہے اس سے استحباب ثابت ہوا ہم نے دونوں کے درمیان سنیت کو لے لیا۔۳-امام احمد نے اس حکم کو لیل کی قید کی وجہ سے رات ہی کے ساتھ خاص کر دیا۔ جواب یہ ہے کہ جمہور کی طرف سے کہ ایک روایت میں جو بخاری شریف اور ابوداؤد میں آتی ہے من اللیل کی جگہ من نومہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ لیل کی قید واقعی ہے کیونکہ انسان زیادہ تر رات کو ہی سوتا ہے۔۴- ماء قلیل صرف ہاتھ ڈالنے سے مستعمل نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس حدیث کے مطابق تین دفعہ دھونے کے بعد ہاتھ پانی میں ڈالنے کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ہاتھ دھونے اور برتن میں ڈالنے کے درمیان حدث لاحق ہوا ہو یا نہ جب دونوں صورتیں جائز ہیں تو ثابت ہو گیا کہ بے وضو آدمی برتن میں ہاتھ ڈال دے تو وہ سارا پانی مستعمل نہیں ہو جاتا البتہ جب کسی برتن میں اکثر مستعمل ہو تو سارا ہی مستعمل ہوتا ہے ۵- ماء قلیل معمولی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے کیونکہ ہاتھ ڈالنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ شاید ہاتھ پر نجاست لگی ہو برتن میں بغیر دھوئے ڈالے گا تو سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ ۶- کپڑے کو نجاست مرئیہ لگی ہوئی ہو تو ایک دفعہ یا دو دفعہ دھونے سے اگر دور ہو جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ لیکن اس حدیث کی وجہ سے بہتر یہی ہے کہ تین کا عدد پورا کر لے کیونکہ اس حدیث میں دھونے کے حکم کی وجہ نجاست مرئیہ بھی ہو سکتی ہے۔ غیر مرئیہ بھی ہو سکتی ہے۔ ۷- ازالہ نجاست کے لئے رش کافی نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں مدار صرف غسل پر رکھا گیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ دھو لو یا رش کر لو ۸- عبادات میں احتیاط ہونی چاہئے کیونکہ مقصد یہی ہے کہ پانی خراب نہ ہو نماز کے وضو میں شبہ نہ ہو۔ ۹- علامہ نووی نے استنباط فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ ورود نجاست علی الماء موجب تنجیس ہے اسی لئے ہاتھ ڈالنے سے ممانعت ہے کہ دھوئے بغیر ہاتھ نہ ڈالو اور ورود ماء علی النجاستہ موجب تطہیر ہے اس لئے ہاتھ دھو کر ڈالنے کی اجازت ہے کہ نجاست والے ہاتھ پر پانی پڑے گا تو تطہیر ہو جائے گی یہ استنباط صحیح نہیں ہے کیونکہ نجس ہاتھ سے دھوتے وقت جو پانی نیچے گرے گا وہ پانی تو ناپاک ہی ہوگا۔ تین دفعہ دھونے سے ہاتھ اس لیے پاک ہو جاتا ہے کہ اس سے نجاست کا ازالہ ہو جاتا ہے ورود ماء علی النجاست اور اس کے عکس میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں پانی اور نجاست کا مجموعہ ناپاک ہی ہے۔۱۰۔ نامناسب چیز کو حتی الامکان بطور کنایہ ہی ذکر کرنا چاہیے جیسے یہاں استنجے کی جگہوں کا صراحۃً نام نہیں لیا صرف یہ فرمایا فانہ لایدری این باتت یدہ۔۱۱۔ وضو کے شروع میں غسل یدین مسنون ہے کیونکہ نیند سے اٹھنے والے مومن کا کام نماز ہوتا ہے اس لئے اس حدیث پاک میں نماز کی تیاری کے لئے وضو کے شروع میں ہاتھ دھونے کا ذکر ہے پس غسل یدین ابتداء وضو میں مسنون ہے۔۱۲۔ ہر بہنے والی چیز معمولی نجاست سے ناپاک ہو جاتی ہے کیونکہ بعض روایات میں فی الاناء کی جگہ فی وضوء بھی آیا ہے جس کے معنیٰ وضو کرنے کا پانی ہوتے ہیں۔ اس پانی میں ہاتھ ڈالنے سے کیوں منع فرمایا اس لئے کہ بہنے والی چیز ہے اور ایسی چیز میں نجاست فوراً پھیل جاتی ہے پس ہر بہنے والی چیز کا حکم معلوم ہوا دودھ ہو سرکہ ہو۔ شربت ہو کہ معمولی نجاست کے گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔۱۳۔ استنجاء بالاحجار سے ازالہ نجاست نہیں ہوتا بلکہ تخفیف نجاست ہو جاتی ہے اِس لیے ہاتھ تین دفعہ دھونے کا حکم فرمایا کہ عام عادت استنجاء بالاحجار کے بعد سونے کی تھی کہ شاید استنجے کی جگہ ہاتھ لگ جائے اور جگہ پسینہ سے گیلی ہو چکی ہو اس لیے ہاتھ ناپاک ہو جائے۔۱۴۔ احتیاط یہی ہے کہ اگر استنجاء بالماء کر کے اور سلوار پہن کر بھی سویا ہو تو پھر بھی ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں نہ ڈالے کیونکہ الفاظ عام ہیں فانہ لا یدری این باتت یدہ کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ خارش سے خون نکل آئے جو ہاتھ کو لگ جائے۔۱۵۔ بچے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ احدکم بالغین کو خطاب ہے۔۱۶۔ اونگھ کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ نوم کا ذکر ہے۔۱۷۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حکم سے بلکہ نیند کے ناقض وضو ہونے کے حکم سے

بھی مستثنیٰ ہیں کیونکہ احدکم فرمایا احدنا نہ فرمایا۔ ۱۸۔ نوم ناقض وضو ہے کیونکہ ہاتھ دھونے کا حکم گویا وضو کرنے کا حکم بھی ہے۔ ۱۹۔ بعض نے اس حدیث سے مس ذکر کے ناقض ہونے کو ثابت کیا ہے لیکن یہ بعید ہے کیونکہ نیند سے وضو ٹوٹنے کا حکم بالا جماع خروج ریح کی وجہ سے ہے جو کثرت سے ارخاء مفاصل کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے اجماعی احتمال کے ہوتے ہوئے اختلافی احتمال کے لیے دلیل بنانا بعید ہے۔ ۲۰۔ تثلیث اعضاء وضو مسنون ہے کیونکہ یہاں تین مرتبہ دھونے کی تصریح ہے۔

باب غسل الرجلين ولا يمسح على القدمين

شیعہ کی تردید مقصود ہے۔ شیعہ کے نزدیک وضو میں پاؤں پر مسح کافی ہے اہل السنة والجماعة کا اجماع ہے کہ دھونا ضروری ہے۔ لنا۔ اِس باب کی حدیث عن عبداللہ بن عمرٍ و مرفوعاً ویل للاعقاب من النار اور یہ حدیث معنیً متواتر ہے لھم قراءة الجر کہ متواتر قرأت ہے اس لیے ارجلکم مجرور کا عطف رؤسکم پر ہے سر کا بھی مسح ہے اور پاؤں کا بھی مسح ہے۔ جواب۔ ا۔ دو قرائتیں حکم میں دو آیتوں کے ہوتی ہیں اس لئے دو حالتوں پر محمول ہوں گی جیسے و لا تقربوهن حتى يطهرن اور يطهر تخفیف وتشدید کی دو قرائتیں دو حالتوں پر محمول ہیں تخفیف والی اس پر کہ پورے دس دن حیض ختم ہو تو معمولی پاکی یعنی خون کا بند ہونا جواز وطی کے لیے کافی ہے اور تشدید والی قرأت دس دن سے کم پر لیکن عادت پوری ہونے کے بعد پر محمول ہے کہ خوب پاکی ہو یعنی خون بھی بند ہو جائے اور اس کے بعد غسل بھی کر لے اِسی طرح یہاں نصب والی قرأت ننگے پاؤں پر اور جر والی موزے پہننے پر محمول ہے۔ ۲۔ دو قریب المعنیٰ عاملوں کے معمول ہوں تو ایک عامل کو حذف کر کے اس کے معمول کو دوسرے عامل کے معمول پر عطف کر دینا جائز ہے جیسے۔

ع علفتها تبناً و ماءً بارداً

کہ اصل میں تھا علفتها تبناً واشربتها ماءً بارداً کہ سواریوں کو گھاس اور بھوسہ کھلایا اور پانی پلایا ایسے ہی یہاں تھا وامسحوا برءوسكم و اغسلوا ارجلكم تو واغسلوا کو حذف کر دیا گیا اور ارجلکم کو رؤسکم پر عطف کر کے مجرور کر دیا گیا معنیٰ میں غسل ملحوظ رہے گا۔ ۳۔ یہاں جر جواری ہے کہ قریب کے جر کی مناسبت سے کسی کلمہ کو جر دے دینا جیسے حدیث شریف میں ہے مَن ملك ذارَحِم محرمٍ عتق عليه اصل میں تھا محرماً پھر رحم کے مجرور ہونے کی وجہ سے محرم کو مجرور کیا گیا۔ ایسے ہی رؤسکم کی وجہ سے ارجلکم کو مجرور کر دیا گیا معنیٰ نصب والے ہی رہیں گے۔

باب المضمضة فى الوضوء

غرض اس کی مشروعیت کا بیان ہے۔

باب غسل الا عقاب

غرض وربط وفرق۔ ا۔ پیچھے غسل الرجلین والے باب میں رد تھا تارکین غسل رجلین پر یہاں یہ حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہے اِسی لیے ابن سیرین کا قول بھی ذکر فرمایا پس یہ عام ہے اور غسل الرجلین والا باب خاص تھا۔ ۲۔ پیچھے کل کا ذکر تھا یعنی رجلین اب جزء خفی کا ذکر ہے یعنی اعقاب اور تنبیہ کی وجہ بھی اعقاب کا مخفی ہونا ہے کہ بعض دفعہ جلدی میں دھونے سے رہ جاتی ہیں۔ **كان ابن سيرين يغسل موضع الخاتم اذا توضاء**:۔ اس اثر کا باب سے یہ تعلق ہے کہ حدیث اعقاب سے معلوم ہوا کہ اعضاء وضوء میں استیعاب فی الغسل ضروری ہے۔

باب غسل الرجلين فى النعلين ولايمسح على النعلين

غرض یہ ہے کہ نعلین پر مسح جائز نہیں پھر بعض اہل ظواہر کے نزدیک نعلین پر مسح جائز ہے جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔ لنا۔ ا۔ آیت وضو والی ۔۲۔ فی البخاری وابی داؤد عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً ویل للاعقاب من النار . ۳۔ قیاس ہے پھٹے ہوئے موزوں پر لھم۔ ا۔ فی ابی داؤد عن اوس بن ابی اوس مرفوعاً ومسح علی نعلیہ و قدمیہ۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن المغیرة بن شعبة مرفوعاً ومسح علی الجوربین و

النعلین ۔۳۔ فی الطحاوی عن ابی ظبیان عمل نقل فرمایا حضرت علیؓ کا کہ پیشاب فرمایا پھر وضوء فرمایا اس میں نعلین پر مسح فرمایا ان سب کے جوابات ۔۱۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا مسح کے معنی مَل کر دھونے کے بھی آتے ہیں وہی یہاں مراد ہیں کہ جوتے سمیت پاؤں کو مل کر دھویا۔۳۔ مقصود مسح علی الجواربین تھا۔۴۔ مخالفت آیت کی وجہ سے ان اخبار آحاد کو چھوڑا جائے گا۔

باب التیمن فی الوضوء و الغسل

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے اور مسئلہ اتفاقی ہے پھر یہ اس امت کی خصوصیت ہے یہود ونصاریٰ میں دائیں ہاتھ کی فوقیت کا اہتمام نہ تھا۔

باب التماس الوضوء اذا حانت الصلوٰۃ

غرض ۔۱۔ بلا جستجو تیمم نہ کرے ۔۲۔ نماز کے وقت سے پہلے پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔

باب الماء الذی یغسل به شعر الا نسان

غرض امام بخاری میں پہلا قول یہ ہے کہ رد کرنا مقصود ہے امام شافعی کی ایک روایت کا کہ انسان کا بال پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک پاک ہی رہتا ہے ہماری جمہور کی دلیل فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ان المسلم لاینجس ۔لہ۔ بال میں بھی حیوٰۃ ہوتی ہے اس لئے گرنے سے بال کی موت واقع ہو گئی اس لئے نجس ہو گیا جواب حیوٰۃ نہیں ہے ورنہ کاٹنے سے تکلیف ہونی چاہئے تھی۔ غرض امام بخاری میں دوسرا قول یہ ہے کہ اصل مقصد انسان کے بال کی طہارت ہے پانی کا ذکر تبعاً ہے کیونکہ گرنے کا زیادہ تعلق پانی سے ہی ہوتا ہے۔ **وکان عطاء لایری به باسا ان تیحذ منها الخیوط و الحبال**:۔ ہمارے امام صاحب کے نزدیک دھاگے اور رسیاں بنانی جائز نہیں ہیں۔ ہماری دلیل اکرام ہے انسان کا جیسے اس کی کھال کا استعمال جائز نہیں حضرت عطاء کی دلیل بالوں کا پاک ہونا ہے جواب پاک ہونے سے استعمال کا جواز ثابت نہیں ہوتا جیسے مٹی کے پاک ہونے سے کھانے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ **وسورالکلب و ممر هافی**

المسجد:۔ غرض ۔۱۔ سورِ کلب کی پاکی کا بیان کیونکہ امام بخاری کی عادت ہے کہ یا تو اپنا مذہب باب کے عنوان میں بیان فرما دیتے ہیں یا باب کے بعد جو آثار لاتے ہیں ان میں بیان فرما دیتے ہیں یہاں آثار میں پاکی کا بیان ہی ہے ۲۔ اپنا مذہب بیان کرنا مقصود نہیں صرف دوسرے حضرات کے مذاہب بیان کرنے یہاں مقصود ہیں۔ ۳۔ غرض امام بخاری کی اظہار تردد ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک سورِ کلب نجس ہے اور پاک کرنے کے لئے تین دفعہ دھونا کافی ہے وعند الشافعی نجس ہے اور سات دفعہ دھونا ضروری ہے اور عند احمد نجس ہے اور آٹھ دفعہ دھونا ضروری ہے اور ان میں سے ایک دفعہ مٹی سے مل کر دھونا بھی ضروری ہے وعن مالک تین روایتیں ہیں۔۱۔ پاک ہے لیکن تعبداً یعنی خلاف قیاس سات دفعہ دھوئینگے ۔۲۔ نجس ہے اور سات دفعہ تطہیراً دھوئیں گے ۳۔ جن کتوں کا پالنا جائز ہے ان کا جوٹھا پاک ہے اور جن کا پالنا جائز نہیں ان کا جوٹھا ناپاک ہے دھوئیں گے سب کو سات دفعہ۔ لنا۔ ۱۔ **فی الدار قطنی عن ابی هریرۃ مرفوعاً یغسل ثلثا اوخمسا اور سبعاً**۔۲۔ **فی الدار قطنی عن ابی هریرۃ موقوفاً** کہ تین دفعہ دھویا۔۳۔ **فی الصحیحین** وابی داؤد حدیث المستیقظ من النوم کہ نیند سے اٹھے تو تین دفعہ ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں نہ ڈالے دھونے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ شاید نجاست کی جگہ ہاتھ لگ گیا ہو اور سوتے وقت صرف ڈھیلے کئے ہوں جیسا کہ عام عادت تھی اس لئے ہاتھ کو انسانی غلاظت لگ گئی ہو جب انسانی غلاظت سے ہاتھ کو پاک کرنے کے لئے تین دفعہ دھونا کافی ہے جو تمام نجاستوں میں سب سے زیادہ غلیظ ہے تو کتے کے جوٹھے سے بطریق اولیٰ تین دفعہ دھونا کافی ہونا چاہئے **وللشافعی فی ابی داؤد والبخاری عن ابی هریرۃ مرفوعاً طهوراناء احد کم اذا ولغ فیه الکلب ان یغسل سبع مرات اولهن بالتراب** جواب ۔۱۔ ثلثاً اوخمساً اوسبعاً والی روایت سے معلوم ہوا کہ سات کا امر استحبابی ہے۔۲۔ کتوں پر ایک زمانہ سختی کی گئی تھی پھر نرمی کر دی گئی تھی قرین قیاس یہی ہے کہ سات کا امر سختی کے زمانہ کا ہے اس لئے منسوخ ہے۔۳۔ حضرت ابوہریرۃ کا عمل اپنی ہی اس نقل کی

ہوئی روایت کے خلاف اوپر مذکور ہے اور اصول یہ ہے کہ صحابی راوی کا اپنا عمل اگر اپنی ہی نقل کی ہوئی روایت کے خلاف ہو تو وہ مرفوعاً نقل کی ہوئی روایت یا تو منسوخ ہوگی یا ضعیف ہوگی یا ماول ہوگی یعنی خلاف ظاہر پر محمول ہوگی تینوں صورتوں میں اس سے استدلال نہیں ہوسکتا **ولاحمد فی ابی داؤد عن ابن مغفل مرفوعاً اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوه سبع مرار والثامنة عفروه بالتراب** جواب اوپر والی روایت کا پہلا اور دوسرا جواب یہاں بھی جاری ہوتے ہیں ولما لک ۱- **فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً** کے لفظ ماءً میں کتے کا جوٹھا بھی داخل ہے وہ بھی ماء کا مصداق ہے اس کے ہوتے ہوئے تیمم نہ کریں گے اور جب اس سے وضو کریں گے تو اس کو ناپاک کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جواب اسی آیت میں **ولکن یرید لیطهر کم** بھی تو ہے اس سے معلوم ہوا کہ **فلم تجدوا ماءً** کی تنوین تنویع کے لئے ہے اور ماء طاہر مراد ہے اس میں کتے کا جوٹھا داخل نہیں ہے۔ ۲- بخاری شریف کے اسی باب میں ہے **عن ابی هریرة مرفوعاً ان رجلا رای کلبا یا کل الثریٰ من العطش فاخذالرجل خفه فجعل یغرف له به حتیٰ ارواه فشکر الله له فادخله الجنته** معلوم ہوا کتے کا جوٹھا پاک ہے ورنہ اپنے موزہ میں پانی پلانے والے کا جنتی ہونا اور قابل مدح ہونا کیوں بیان کیا جاتا۔ جواب۔ ۱- ظاہر یہی ہے کہ موزہ کے ذریعہ سے پانی کنویں سے نکالتا اور گڑھے میں ڈالتا رہا اور کتے کو سیراب کر دیا موزہ میں کتے کا منہ ڈالنا بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ ۲- یہ کہاں ہے کہ پھر موزہ کو پاک کئے بغیر پہن لیا ظاہر یہی ہے کہ بعد میں پاک کر کے پہنا ہوگا۔ ۳- یہ کہاں ہے کہ اسی موزہ کو پہن کر نماز بھی پڑھی ظاہر ہے کہ اگر نماز سے پہلے پہنا بھی ہو تو نماز پڑھتے وقت اتار دیا ہوگا۔ ۴- اس امت میں یہ حکم باقی نہیں رکھا گیا کیونکہ صراحۃً نجاست کا اور برتن کو پاک کرنے کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ ۳- تیسری دلیل بخاری شریف میں اسی باب میں تعلیقاً روایت ہے **عن عبدالله بن عمر قال کانت الکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یکونوا یرشون شیئاً من ذلک** اس سے ثابت ہوا کہ جب کتے مسجد سے گزرتے تھے تو ان کا لعاب بھی گرتا تھا اس سے مسجد کو دھویا نہ جاتا تھا نہ چھڑکاؤ کیا جاتا تھا معلوم ہوا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔ جواب۔ زمین خشک ہو کر پاک ہو جاتی تھی۔ سؤر کلب کی طہارت ثابت نہ ہوئی۔ ۴- چوتھی دلیل بخاری شریف کی اسی باب کی روایت **عن عدی بن حاتم مرفوعاً اذا ارسلت کلبک المعلم فقتل فکل** کھانے کی اجازت ہے اور جہاں کتے کا لعاب لگا ہے اس کو دھونے کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کتے کا لعاب پاک ہے جواب معلوم کرنے کی وجہ سے دھونے کا ذکر نہ فرمایا جیسے خون دھونے کا ذکر نہ فرمایا حالانکہ بالا جماع خون ناپاک ہے۔ یہ تو طہارت والے قول کی دلیلیں تھیں۔ نجاست والے قول کی ضمناً دلیلیں گزر گئیں تیسرے قول کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے **عن ابن مغفل مرفوعاً فرخص فی کلب الصید و فی کلب الغنم** یہ رخصت مستلزم ہے طہارت کو ورنہ حرج لازم آئے گا جواب یہ ہے کہ پالنے کی اجازت کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اپنے کمرے میں رکھے جہاں باقی جانور رکھے جاتے ہیں وہاں کتا بھی رکھیں گے جیسے باقی جانوروں کا پیشاب اور گوبر پاک نہیں ایسے ہی کتے کا جوٹھا بھی پاک نہیں۔

مسئلة طهارة الارض باليبس

زمین کا نجاست سے پاک کرنا پانی بہانے سے اور کھودنے سے بالا جماع صحیح ہے کچی جگہ پانی بہانے کی ایک صورت یہ ہے کہ نجاست جسم والی نہ ہو تو پانی ڈال کر تھوڑی دیر بعد دوسری دفعہ اور تھوڑی دیر بعد تیسری دفعہ پانی ڈال دیں تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی۔ جگہ پختہ ہو اور مسجد وغیرہ کا درمیانی حصہ ہو تو پانی کی بالٹی۔ ایک خالی بڑا برتن ایک ڈبہ اور ایک کپڑا لے لیا جائے پانی اُس نجاست غیر مرئیہ پر ڈبے سے ڈالا جائے کپڑے سے خشک کر لیا جائے اور کپڑا تین دفعہ خالی برتن میں دھو کر نچوڑ لیا جائے تین دفعہ ایسا ہی کر لیا جائے تو وہ جگہ آسانی سے پاک ہو جائے گی پھر عندا ۂ منا رش سے زمین پاک نہیں ہوتی جفاف سے پاک ہو جاتی ہے وعندالجمہور رش یعنی چھینٹے ڈالنے سے پاک ہو جاتی

ہے جفاف یعنی خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی۔ لنا۔ ا۔ فی شرح النقایۃ عن عائشتہ موقوفاً زکوۃ الارض یبسھا. ۲۔ اِس باب کی روایت عن عبد اللہ ابن عمر قال کانت ارکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یکونوایر شون شیئاً من ذلک۔ سوال۔ کتے پیشاب باہر کرتے تھےاس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔ جواب۔ ا۔ یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس توجیہ پر ذکر بول اور ذکر رش بے کار ہو جائے گا۔ ۳۔ کتوں کا لعاب تو پھر بھی گرتا تھا ہمارا استدلال پھر بھی صحیح ہے۔ لھم۔ فی ابی داؤد عن ابی ہریرہ مرفوعاً ایک دیہاتی کے مسجد میں پیشاب کر دینے پر فرمایا صُبّوا علیہ سجلا من ماء ظاہر ہے کہ مسجد میں ایک ڈول سے رش ہو سکتا ہے صب نہیں ہو سکتا اور اگر جفاف کافی ہوتا تو اِس رش کی کیا ضرورت تھی معلوم ہوا رش سے تطہیر ہوتی ہے۔ جفاف سے نہیں ہوتی۔ جواب ا۔ ابوداؤد میں ہی اِسی واقعہ میں زمین کھودنے کی تصریح بھی موجود ہے معلوم ہوا کہ اصل تطہیر حفر سے ہوتی رش صرف مٹی بٹھانے کے لئے تھا۔ ۲۔ ابوداؤد میں اِسی واقعہ میں یہ بھی ہے ثم لم یلبث ان بال فی ناحیتہ المسجد معلوم ہوا کہ ایک کنارے پر پیشاب کیا تھا اور کنارے پر ڈول سے تین دفعہ پانی بہایا جاسکتا ہے۔ اس لیے رش چھڑکاؤ پر استدلال صحیح نہ رہا۔

باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین القبل والدبر

غرض یہ ہے کہ خارج من غیر السبیلین کے ناقض وضوء نہ ہونے کے دلائل ذکر کر دئے جائیں وعند امامنا ابی حنیفۃ واحمد دم سائل ناقض وضو ہے خواہ سبیلین سے خارج ہو یا غیر سبیلین سے وعند الشافعی و مالک غیر سبیلین سے خارج ہونے والا خون ناقض نہیں ہے۔ لنا۔ ا۔ فی البخاری عن عائشہ مرفوعاً استحاضہ کے متعلق انماذ لک عرق کہ دم استحاضہ یہ رگ کا خون ہے اس لئے اس میں غسل واجب نہ ہوگا صرف وضو ٹوٹے گا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جہاں سے بھی رگ کا خون نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ ۲۔ فی الدار قطنی عن سلمان رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قد سال من الفی دم فقال احدث وضوءً. ۳. فی الدار قطنی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لیس فی القطرۃ و القطرتین من الدم وضو ء حتٰی یکون د ماً سائلا دلیل الشافعی و مالک۔ ا۔ فی ابی داؤد اسناداً و فی صحیح البخاری فی ھذا الباب تعلیقاً یذکر عن جابران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غزوۃ ذات الرقاع فُرمِی رَجل بسھم فنزفه الدم فر کع و سجد ومضیٰ فی صلوته. جواب ا۔ اس میں راوی عقیل مجہول ہے اور محمد بن اسحٰق مختلف فیہ ہے اس راوی کے بارے میں ائمہ رجال کا شدید ترین اختلاف ہے بعض نے اِن کو دجال وکذاب تک کہہ دیا ہے اور بعض نے بہت بڑا محدث قرار دیا ہے درمیانہ قول ان کے بارے میں یہ ہے کہ جس روایت میں یہ متفرد ہوں اس روایت سے اختلافی مسائل میں استدلال نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اِمام بخاری نے اس روایت کو مجہول کے صیغہ یُذکَرُ سے ذکر فرمایا ہے جو ان کے نزدیک ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ ۲۔ یہ روایت تو آپ بھی نہیں لے سکتے کیونکہ خون ناپاک تو آپ کے نزدیک بھی ہے اور یہ توجیہ کہ تین تیر لگنے کے باوجود فوآرے کی طرح خون دور جا گرتا تھا نہ کپڑے ناپاک ہوئے نہ بدن ناپاک ہوا یہ توجیہ عقلاً وعادۃً نہایت بعید ہے اس لئے یہ روایت بالا جماع متروک ہے۔ ۳۔ یہ صحابی کا عمل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا اور انکار نہ فرمانا مذکور نہیں ہے اس لئے استدلال نہیں کر سکتے۔ ۴۔ وہ صحابی غلبہ حال کی وجہ سے معذور تھے اِسی لئے فرمایا کنتُ فی سورۃ اقرأ ھا فلم احبّ ان اقطعھا. معذور کا قول وفعل حجت نہیں ہوتا۔ ان کی دوسری دلیل بخاری شریف میں اِسی باب میں تعلیقاً روایت ہے عن الحسن ما زال المسلمون یصلون فی جراحا تھم جواب۔ ا۔ یہ روایت آپ بھی نہیں لے سکتے کیونکہ خون ناپاک تو آپ کے نزدیک بھی ہے۔ ۲۔ یہ معذورین کے متعلق ہے کہ ہر وقت زخم سے خون نکلنے کی وجہ سے گنجائش تھی۔ عام حکم یہ نہیں ہے ۳۔ یہاں دم غیر سائل مراد ہے کیونکہ

حضرت حسن کا مسلک بھی یہی ہے کہ دم سائل ناقض وضو ہے۔ان حضرات کی تیسری دلیل بخاری شریف میں اسی زیر بحث باب میں تعلیقاً روایت ہے **وعصر ابن عمر شبرة فخرج منها الدم ولم تيوضأ شبره** کے معنی پھنسی کے ہیں۔جواب یہاں بھی دم غیر سائل ہی مراد ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی دم سائل ناقض ہے۔ **وقال عطاء فيمن يخرج من دبره الدودا ومن ذكره نحو القملته يعيد الوضوء**:۔عند مالک قبل یا دبر سے کیڑا نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا وعند الجمہور ٹوٹ جاتا ہے۔لنا۔خروج نجاست پایا گیا جو ناقض وضو ہے لہ۔خروج نجاست معتادہ نہیں پایا گیا اس لئے ناقض نہیں۔جواب معتادہ نہ ہونے سے اور نادر ہونے سے سببیت تو ختم نہیں ہو جاتی۔ **كان في غزوة ذات الرقاع**:۔وجہ تسمیہ۔۱- جہاں یہ لڑائی ہوئی وہاں ایک پہاڑ تھا جس پر مختلف رنگوں کے پتھر تھے اس لئے اس پہاڑ کو ذات الرقاع کہتے تھے۔اس کی وجہ سے اس غزوہ کا یہ نام ہوا۔۲- وہاں ایک درخت تھا جس پر مختلف رنگوں کے پتے اور پھول وغیرہ تھے اس لئے اس درخت کو ذات الرقاع کہتے تھے اس مناسبت سے اس غزوہ کا بھی یہی نام ہو گیا۔۳- اس لڑائی میں مختلف قبیلے شریک ہوئے تھے ہر قبیلے کے سردار کے پاس جھنڈا تھا اس طرح کئی جھنڈے جمع ہونے کی وجہ سے لقب رقاع والا یعنی جھنڈوں والا جہاد ہو گیا۔۴- زیادہ پیدل چلنے کی وجہ سے مجاہدین کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اس لئے پاؤں پر پٹیاں باندھی تھیں اس وجہ سے پٹیوں والا جہاد لقب ہو گیا۔

فقال رجل اعجمي ماالحدث ياابا هريرة قال الصوت

باب سے مناسبت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے صرف خروج ریح کو حدث قرار دیا معلوم ہوا کہ غیر سبیلین سے نکلنے والی چیز حدث نہیں ہے جواب۔یہاں اکثری سبب کا ذکر ہے حصر مقصود نہیں ہے۔

كنت رجلا مذاءً

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور یہ بھی خارج من السبیلین ہے معلوم ہوا کہ خارج من السبیلین ہی ناقض وضو ہے جواب۔خارج من السبیلین کو تو ہم بھی مانتے ہیں نجاست خارجہ من غیر السبیلین کی تو نفی نہ ہوئی۔

فقال فيه الوضوء

معلوم ہوا کہ مذی میں صرف وضو ہے کوئی خاص قسم کا بڑا استنجاء اس میں واجب نہیں ہے یہی جمہور کا مذہب ہے وعند احمد اس میں غسل ذکر اور غسل انثیین بھی واجب ہے۔لنا۔یہی زیر بحث روایت عن المقداد مرفوعاً فقال فیہ الوضوء ولاحمد فی ابی داؤد عن المقداد مرفوعاً یغسل ذکرہ وانثیيہ جواب۔۱- اس قسم کا بڑا استنجاء مذی کے زیادہ خروج کا علاج ہے۔۲- اگر مذی آس پاس لگ جائے تو پھر ایسا استنجاء ازالہ نجاست کے لئے کرنا پڑتا ہے۔

اذا جامع فلم ليمن

اس کو اکسال کہتے ہیں۔باب سے مناسبت یہ ہے کہ باب کا مقصد دو چیزیں ہیں۔خارج من السبیلین ناقض وضو ہے اور خارج من غیر السبیلین ناقض نہیں۔اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اکسال میں مذی کا قطرہ تو خارج ہو ہی جاتا ہے اس لئے وضو واجب ہو گیا گویا غرض کے پہلے حصے سے مناسبت ہے پھر عند داؤد الظاہری اکسال سے غسل واجب نہیں ہوتا وعند الجمہور واجب ہو جاتا ہے۔لنا۔ **في ابي داؤد عن ابي هريرة مرفوعاً اذا قعدبين شعبها الاربع والزق الختان بالختان فقد وجب الغسل. له في ابي داؤد عن ابي سعيد مرفوعاً الماء من الماء** کہ ماء غسل واجب ہوتا ہے صرف ماء منی کے خارج ہونے سے جماع بلا انزال جس کو اکسال کہتے ہیں اس سے غسل واجب نہیں ہوتا جواب یہ حکم منسوخ ہے جیسا کہ ابوداؤد میں عن ابی بن کعب تصریح ہے ثم امر بالاغتسال۔

ولم يقل غندر ويحيیٰ عن شعبته الوضوء

یعنی ان کی روایت میں صرف فعلیک ہے اس کے بعد وضوء

لفظوں میں نہیں ہے بلکہ مقدر ہے۔ کیونکہ ایسے مقام پر یہ لفظ مقدر ہوتا ہے سامع خود ہی سمجھ جاتا ہے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

باب الرجل یوضئی صاحبہ

استعانت فی الوضوتین قسم کی ہے۔ ا- پانی لا کر دینا اس میں کسی کے نزدیک کراہت نہیں ہے۔ ۲- دوسرا آدمی اعضاء دھوئے یہ بلا عذر مکروہ ہے۔ ۳- دوسرا آدمی صرف پانی ڈالے یہ جائز ہے یہی یہاں مراد ہے اور غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ

ا- غیر القرآن جیسے ذکر اور سلام: سوال جب تلاوت بلا وضوء کا جواز ثابت ہو گیا تو ذکر بلا وضو کا جواز تو خود ہی ثابت ہو گیا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب۔ سب مسائل کو الگ الگ بیان کرنا مقصود ہے تاکہ پوری وضاحت ہو جائے۔ ۲- غیر قراءۃ القرآن اس سے مراد کتابۃ القرآن ہے یعنی تلفظ قرآن بھی بلا وضو صحیح ہے اور کتابت قرآن بھی بلا وضو صحیح ہے جبکہ کاغذ پر آیت والی جگہ قلم لگے ہاتھ نہ لگے ۳- ضمیر لوٹتی ہے حدث کی طرف اور حدث سے مراد خارج من السبیلین ہے یعنی خارج من غیر السبیلین کے بعد بھی قرأت قرآن صحیح ہے۔ ۴- ضمیر تو حدث ہی کی طرف لوٹتی ہے لیکن حدث ہر قسم کا مراد ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ بے وضو ہونے جیسی صورتوں میں جیسے کوئی حمام میں قرأت کرے کہ یہ بھی بے وضو ہونے کی طرح نامناسب صورت ہے اس کا کیا کیا حکم ہے۔

فصلی رکعتین خفیفتین

تاکہ ابتداء نھار کی یہ رکعتیں ابتداء صلوٰۃ اللیل کی رکعتوں کی طرح ہلکی ہو جائیں۔

باب من لم یر الوضوء الامن الغشی المثقل

غرض اس شخص پر رد کرنا ہے جو ہر غشی کو ناقض وضو سمجھتا ہے۔

وجعلت اصب فوق راسی:۔ یہ پانی ڈالنا علامت ہے کہ غشی کم تھی ہلکی تھی۔ **ماعلمک بھذا الرجل:۔** پتہ کیسے چلے گا کہ کسی شخص کے متعلق سوال ہے اس کی چار توجیہات پیچھے گزر چکی ہیں پانچویں یہ بھی ہے کہ آخرت میں تو سب چیزیں بدیہی بن جائیں گی۔

باب مسح الراس کلہ

غرض پورے سر کے مسح کی فرضیت ثابت کرنی ہے وعند البخاری و مالک و احمد پورے سر کا مسح فرض ہے وعند ابی حنیفۃ ربع راس کا مسح فرض ہے وعند الشافعی ایک یا تین بال کا مسح بھی کافی ہے۔ یعنی مطلق راس اس کا مسح فرض ہے لنا آیت مجمل ہے اس کی تفسیر حضرت مغیرہ بن شعبہ والی ناصیہ والی روایت سے ہے اور ناصیہ کا اندازہ ربع راس ہے عند الشافعی آیت مطلق ہے اس لئے جس کو بھی مسح کہہ سکیں کافی ہے جواب مطلق میں ضروری ہے کہ ہر فرد پر عمل کیا جا سکتا ہو یہاں نہ کل کو فرض کہہ سکتے ہیں نہ نصف کو نہ ثلث کو نہ ربع کو کیونکہ کل کا فرض ہونا نصف کے خلاف ہے نصف کا فرض ہونا کل کے خلاف ہے۔ اس لئے مجمل کہیں گے مجمل کی تفسیر خبر واحد سے ہو سکتی ہے اور وہ ناصیہ والی روایت ہے۔ ولما لک۔ ا۔ آیت میں باء زائد ہے پورے سر کا مسح مراد ہے جواب۔ حدیث مغیرہ سے جس میں مسح علی ناصیتہ ہے اس تقریر کی نفی ہوتی ہے۔ ۲- بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت حضرت عبداللہ بن زید سے مرفوعاً ثم مسح راسہ بیدیہ جواب اس میں تو مستحبات بھی ہیں جیسے چہرے کو تین دفعہ دھونا اس لئے اس حدیث کی ہر چیز کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

باب غسل الرجلین الی الکعبین

غرض کہ یہ بھی فرض ہے۔

باب استعمال فضل وضوء الناس

ا۔ برتن میں بچے ہوئے کو کوئی استعمال کرے۔ ۲- ماء مستعمل کا استعمال ۳- دونوں قسمیں مراد ہیں یہ زیادہ مناسب ہے۔

فیتمسحون بہ:۔ معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک ہے۔ **قال لھما اشربا**:۔ معلوم ہوا ماء مستعمل پاک ہے کیونکہ یہ صورت گو پورا وضو نہیں ہے لیکن وضو کے قریب ہے۔ **وھو الذی مج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی وجھہ**:۔ کلی وضو کا حصہ ہے جیسے کلی کا پانی پاک ہے ایسے ہی باقی ماء مستعمل پاک ہے لیکن اکیلی کلی اور وضو کو ایک ہی شمار کرنا کچھ بعید شمار کیا گیا ہے۔ **زر الحجلة**:۔ ا۔ کبوتری کا انڈا۔ ۲۔ ڈولی کے دھاگے پر جو موتی سی گرہ لگا لیتے ہیں۔ اِس حدیث سے پہلے بعض نسخوں میں باب ہے اکثر میں نہیں تتمہ ہے ماقبل کا یا حصہ ہے ماقبل کا۔ خاتم النبوۃ:۔ ا۔ وہ نشانی جس سے آپ کا آخری نبی ہونا معلوم ہو خاتم اسم فاعل ہے بکسر التاء۔ ۲۔ بفتح التاء مہر نبوت کی کہ پہلی کتابوں میں یہ نبی ہونے کی نشانی لکھی ہوئی تھی جیسے مہر لگانے سے شی محفوظ ہو جاتی ہے اسی طرح اس نشانی سے نبوت نقصان سے اور تکذیب سے محفوظ ہو گئی۔ **فشربت من وضوءہ**:۔ ا۔ برتن کے اندر پانی بچا ہوا ۲۔ ماء مستعمل۔

باب من مضمض واستنشق من غرفته واحدة

غرض اس امام کی دلیل پیش کرنا ہے جو دونوں کو ایک پانی سے کرنے کے مسنون ہونے کا قائل ہے یہ مقصد نہیں کہ امام بخاری کے نزدیک بھی یہی مختار ہے ورنہ مَن کا لفظ نہ بڑھاتے۔ پھر عند ابی حنیفۃ فصل اولیٰ ہے کہ پہلے تین دفعہ کلی کے لیے پانی لے پھر تین دفعہ ناک میں ڈالنے کے لیے پانی لے وعند احمد وصل اولیٰ ہے کہ ایک دفعہ پانی لے کر آدھا ناک میں ڈالے پھر ایسے ہی دوسری دفعہ پھر ایسے ہی تیسری دفعہ وعن مالک والشافعی روایتان۔ لنا۔ روایات کثیرہ میں تمضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً آتا ہے اس کے یہی معنیٰ ہیں کہ چھ دفعہ پانی لیا۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن طلحۃ عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً فرآیتہ تفصیل بین المضمضۃ والاستنشاق ولاحمد زیر بحث باب کی روایت عن عبداللہ بن زید کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے۔ ثم غسل او مضمض واستنشق من کفۃ واحدۃ ای غسل فمہ جواب ا۔ یہ الفاظ شاذ ہیں ۲۔ بیان جواز ہے۔ ۳۔ ایک ہاتھ ہے ایک پانی تو نہیں ۲۔ دوسری دلیل فی ابی داؤد عن علیؓ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے ثم تمضمض مع الاستنشاق من ماء واحد جواب' گذشتہ روایت والے پہلے دونوں جواب۔

باب مسح الراس مرة

غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ سر کا مسح تین دفعہ نہیں ہے ایک دفعہ ہے وعند الشافعی تثلیث مسح مسنون ہے وعند الجمہور نہیں لنا۔ ا۔ زیر بحث باب کی روایت کہ عبداللہ بن زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں جو دوسری سند نقل کی ہے اس میں ہے مسح راسہ مرۃً اور ایک کی تصریح ابوداؤد کی متعدد روایات میں بھی ہے۔ ۳۔ تین دفعہ سے تو مسح غسل بن جائے گا۔ ۴۔ مسح کی مشروعیت تخفیفاً ہے تثلیث سے تشدید ہو گی۔ وللشافعی۔ ا۔ فی ابی داؤد عن حمران کہ حضرت عثمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے مسح راسہ ثلثاً جواب اس میں راوی عبدالرحمن بن وردان کے متعلق امام دارقطنی کا قول ہے لیس بالقوی دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کی کسی صحیح روایت میں تین دفعہ مسح نہیں ہے۔ ۲۔ دوسری دلیل ابوداؤد میں عن شقیق بن سلمہ کہ حضرت عثمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا وضو کر کے دکھایا اس میں ہے ومسح راسہ ثلثاً جواب اس میں شقیق بن جمرۃ مختلف فیہ ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو نقل کر کے اس پر امام ابوداؤد نے اعتراض کر دیا ہے کہ اصل میں روایت مختصر تھی کہ وضو تین تین دفعہ فرمایا یہ اکثر اعضاء کے لحاظ سے تھا راوی نے خود جو تفسیر کی تو مسح کو بھی تین دفعہ بیان کر دیا۔ ۳۔ فی ابی داؤد قال ابن وھب فیہ عن ابن جریج ومسح براسہ ثلثاً جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد کا مقصود ابن وھب کا تفرد بیان کرنا ہے کہ باقی ایک دفعہ مسح نقل کرتے ہیں اب وھب تین دفعہ دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن وھب راوی مدلس ہیں کہ بعض دفعہ اپنے استاد کا نام چھوڑ دیتے ہیں اور ایسے راوی کی معنعن یعنی لفظ عن سے نقل کی ہوئی روایت معتبر نہیں ہوتی یہ بھی معنعن ہے۔ ۴۔

چوتھی دلیل جیسے باقی اعضاء میں تثلیث مسنون ہے ایسے ہی مسح میں بھی مسنون ہونی چاہیئے۔ جواب غسل امر قیاسی ہے اس میں نظافت کی تکمیل تثلیث سے ہوگی مسح امر تعبدی خلاف قیاس ہے اس میں تثلیث قیاسا ثابت نہیں کی جا سکتی۔ قیاس وہاں ہوتا ہے جہاں مقیس اور مقیس علیہ دونوں قیاسی ہوں۔

باب وضؤ الرجل مع امراته و فضل و ضوء المرأة

غرض یہ ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا جائز ہے وعن احمد جس برتن میں ہاتھ ڈال کر پہلے عورت نے وضو کیا ہو تو بعد میں مرد کے لیے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے جمہور کے نزدیک مکروہ نہیں ہے ہماری جمہور کی دلیل۔ ا۔ زیر بحث باب کی روایت عن ابن عمر قال کان الرجال والنساء یتوضأون فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمیعاً۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن ابن عباس کہ ایک زوجہ محترمہ کے غسل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسی برتن سے وضو یا غسل فرمانے لگے تو زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ میں تو جنبی تھی فرمایا ان الماء لایجنب ولاحمد فی ابی داؤد عن الحکم بن عمرو مرفوعاً نھی ان یتوضاء الرجل بفضل طھور المرأۃ جواب۔ ا۔ نھی تنزیہی ہے تاکہ تعارض نہ ہو۔ ۲۔ غیر محتاط عورت کے بچے ہوئے سے ممانعت ہے۔

وتوضاء عمر بالحميم من بيت النصرانية

حمیم کا ذکر تبعاً ہے۔ باب سے مناسبت یہ ہے کہ احتمال ہے کہ اُس نصرانی عورت نے اُس برتن سے پہلے غسل کیا ہو۔

كان الرجال و النساء يتوضاؤن في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم جميعاً

سوال: یہ تو پردے کے حکم کے خلاف ہے۔

جواب۔ ا۔ جمیعاً کے معنیٰ برتن کا ایک ہونا ہے نہ کہ زمانے کا ایک ہونا۔ ۲۔ درمیان میں پردہ لٹکا کر ایسا ہوتا تھا۔ نزول حجاب سے پہلے ایسا ہوتا تھا۔ ۳۔ ایک گھر کے محرم مرد اور عورتیں اکٹھا وضو کر لیتے تھے۔

باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وَضوءه على المغمىٰ عليه

دونوں احتمال ہیں۔ ا۔ برتن میں بچا ہوا پانی۔ ۲۔ ماء مستعمل زیادہ ظاہر یہ دوسرا احتمال ہے اس سے ماء مستعمل کی طہارت ثابت ہوئی۔

باب الغسل والوضوء من المخضب

غرض یہ ہے کہ پاک برتن سے وضوء کرنا جائز ہے کسی قسم کا بھی ہو۔

ان يبسط فيه كفه: یعنی برتن اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں ہاتھ بھی پھیل نہ سکتا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ تھوڑا سا پانی بطور معجزہ کے کثیر ہو گیا۔ **مَن الرجل الآخر** دوسرے آدمی کا نام کیوں نہ لیا۔ ا۔ حضرت علیؓ سے ناراضگی تھی کہ افک کے مسئلہ میں انہوں نے یوں کیوں نہ کہا ھذا بھتان عظیم بلکہ یوں مشورہ دیا کہ بریرہ سے تحقیق فرمالیں۔ ۲۔ دوسرا آدمی بدل رہا تھا۔ کبھی حضرت اسامہ کبھی حضرت علیؓ کبھی حضرت فضل بن عباس تھے اس لئے نام نہ لیا۔

هريقوا علي من سبع قرب اس سے سات کے عدد کی خصوصی برکت ثابت ہوئی۔

باب الوضوء من التور

تانبے کا چھوٹا برتن۔ غرض یہ کہ اس سے بھی وضوء جائز ہے۔

يكثر من الوضوء:۔ وضو میں اسراف کر لیتے تھے اسی لئے صحابی سے وضو کرنے کا طریقہ پوچھا۔

رحراح:۔ بمعنی وسیع:۔

باب الوضوء بالمد

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد میں وضو فرمالیا کرتے تھے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اس سے زائد کی ممانعت ہے غسل و وضو میں پانی کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ بالاتفاق نہ بہت کم ہو کہ آداب کی رعایت نہ ہو سکے نہ بلاضرورت اسراف کرے پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک عراقی صاع آٹھ رطل والا راجح ہے وعند الجمھور

حجازی صاع پانچ رطل اور ثلث رطل والا راجح ہے۔لنا۔۱-فی ابی داؤد عن جابر مرفوعاً وبتوضا بالمد وفی ابی داؤد عن انس مرفوعاً یتوضاء باناء یسع رطلین۔ دونوں کو ملانے سے ثابت ہوا کہ مد رطلین کے برابر ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ صاع میں چار مد ہوتے ہیں پس صاع ۸رطل کا ہوگیا۔۲-فی الدار قطنی عن انس مرفوعاً کان تیوضاء برطلین ویغتسل بالصاع ثمانیۃ ارطال۔الجمہور۔۱-فی بذل المجھود عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل لہ یارسول اللہ صعنا اصغر الصیعان۔جواب۔۱-عراقی صاع ہاشمی صاع سے جو بارہ رطل کا تھا اس سے چھوٹا ہے یہی مقصد ہے جمع افراد کی وجہ سے ہے ہاشمی صاعوں سے چھوٹا ہے۔۲-دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی یہاں ایسی ہے جیسے تابیر یعنی نر کھجوروں کی شاخیں کاٹ کر مادہ کھجوروں کے ساتھ پیوند لگانے سے منع فرمایا تھا پھر پھل کم آیا شکایت عرض کرنے پر فرمایا انتم اعلم باموردنیا کم صاع والی اس روایت میں صدقہ فطر وغیرہ کسی دینی مسئلہ کا ذکر نہیں ہے عام خرید وفروخت کے متعلق صاع کا ذکر آیا تھا تو یہاں سکوت کسی دینی مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا اور اختلاف حنفیہ اور جمہور کا صدقہ فطر کی مقدار میں ہے۔۲-جمہور کی دوسری دلیل بذل المجھود میں امام ابو یوسف کا واقعہ منقول ہے کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو صاع کی تحقیق فرمائی پچاس کے قریب مہاجرین وانصار کی اولاد میں سے صاع لائے کہ ہمارے فلاں فلاں رشتہ داروں نے بتلایا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے ناپا تو وہ پانچ رطل اور ثلث رطل کے برابر تھا تو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا قول چھوڑ دیا۔ جواب: محدثین اور فقہا کے نزدیک ایسی روایت جس میں مجہولین عن مجہولین ہوں معتبر نہیں ہوتی۔۲-امام محمد نے جو شیخین کے مسلک کو جمع کرنے والے ہیں اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا اس لئے یہ واقعہ صحیح نہیں۔۳-اس زمانہ میں مدنی رطل بھی استعمال ہوتے تھے ایک مدنی رطل ۱۳۰ استار کا تھا پانچ اور ثلث رطل کے ۱۶۰ استار بنے اور اختلاف حنفیہ اور جمہور کا بغدادی رطل کے لحاظ سے رطل ۱۲ استار کا ہے۔۸رطل ۱۶ استار کے بنے پس امام صاحب کے مخالف نہ ہوا۔ ۴-اگر امام ابو یوسف نے الگ قول بنا بھی لیا تو شاگرد کی مخالفت سے استاد کے مذہب پر کچھ اعتراض نہیں پڑتا۔

باب المسح علی الخفین

شیعہ کی تردید مقصود ہے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ مسح علی الخفین جائز ہے شیعہ کے نزدیک جائز نہیں۔لنا۔۱-زیر بحث باب کی متعدد روایتیں جو ساٹھ صحابہ سے منقول ہیں اس لئے یہ روایت متواتر ہے اس ساٹھ میں حضرت جریر بھی ہیں جو نزول مائدہ کے بعد مسلمان ہوئے پس یہ احتمال کہ سورہ مائدہ کی آیت وضو سے مسح علی الخفین منسوخ ہوگیا ہو صحیح نہ رہا ۲ آیت وضو میں دو قراتیں ہیں نصب اور جر کی ارجلکم میں یہ دو حالتوں پر محمول ہیں موزے پہنے ہوئے ہو تو مسح کرلو نہ پہنے ہو تو غسل کرو وھم آیۃ الوضو کہ اس میں رجلین کا ذکر ہے جو غیر خفین ہیں جواب ایک تو ہوگیا کہ دو قراتیں دو حالتوں پر محمول ہیں دوسرا جواب یہ کہ موزے پہنے کی حالت میں یہ آیت وجوب غسل کے حق میں منسوخ ہے کیونکہ مسح علی الخفین کی روایت متواتر ہے اور خبر متواتر سے بالاجماع آیت منسوخ ہوسکتی ہے۔

مسح علی العمامه

عنداحمد صرف پگڑی پر مسح کر لینا سر پر نہ کرنا وضو کیلئے کافی ہے وعندالجمہور کافی نہیں وامسحوا بروسکم اور راس غیر عمامہ سے ولاحمد اسی باب کی روایت **عن جعفر بن عمر و عن ابیه مرفوعاً یمسح علی عمامته و خفیه**۔جواب: دوسری روایت میں علی عمامتہ وناصیتہ ہے یہ روایت بھی اپنی روایات پر محمول ہے کہ اصل ناصیہ پر تھا عمامہ پر تبعاً ہاتھ پھر گیا۔۲-قرآن پاک پر زیادتی خبر واحد سے نہیں ہوسکتی۔سوال۔امام بخاری نے عمامہ والی روایت ذکر کردی باب عمامہ پر نہ باندھا جواب تردد میں ایسا ہی کرتے ہیں۔**باب اذا ادخل رجلیه وهما طاهران**:۔غرض اور ربط

یہ ہے کہ پیچھے مسح علی الخفین مذکور تھا اب اس کی شرط کا بیان ہے
باب من لم یتوضاء من لحم الشاۃ والسویق غرض ماست النار کا کھانا ناقص وضونہیں ہے سوال اس باب میں سویق کی کوئی روایت نہیں ہے جواب۔ اگلے باب کی روایت میں ہے اس کا لحاظ کر کے باب باندھ دیا۔ ۲- جب وسومتہ والی چیز گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں تو اس سے بطور دلالتہ النص کے نکل آیا کہ ستو جس میں وسومتہ بھی نہیں ہے اس کے کھانے سے بطریق اولیٰ وضو واجب نہیں ہوتا پھر ماست النار کے کھانے سے وضوٹوٹتا ہے یا نہیں اس مسئلہ میں صرف قرن اول میں اختلاف رہا پھر اجماع ہو گیا کہ نہیں ٹوٹتا جن روایتوں میں امر ہے ان کی مختلف توجیہات ہیں۔ ۱- کان فسخ اور ناسخ ابوداؤد کی روایت ہے عن جابر کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضو مما غیرت النار ۔ ۲- ان روایتوں میں وضولغوی مراد ہے جن کی تفصیل ترمذی میں حضرت عکراش سے ہے فغسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ وسمح ببلل کفیہ وجھہ وذراعیہ وراسہ وقال یا عکراش ھذا الوضوء مما غیرت النار۔ ۳- امر استحبابی ہے کیونکہ آگ کی چیز کھانے سے فرشتوں سے مشابہت نہیں رہتی وہ بالکل نہیں کھاتے آگ کی پکی ہوئی چیز ہم مرضی کے مطابق مرچ مصالحے ڈال کر مزے سے کھاتے ہیں اس کھانے سے جو مشابہت میں کمی ہوئی اس کے تدارک کے لئے وضو کا حکم فرمایا یا اس لئے کہ یہ آگ جہنم کی آگ سے ملتی جلتی ہے اور وہ غضب کا مقام ہے اس سے تعلق کم کرنے کے لئے وضو کا حکم ہے۔

باب من مضمض من السویق

۱- یہ باب تتمہ ہے گذشتہ باب کا کہ ستو سے وضو تو واجب نہیں کلی کر لینی چاہئے اس سے ماست النار سے وضو واجب ہونے والی روایات کی ایک توجیہ ہوگئی کہ ان روایت میں وضولغوی مراد ہے ۲- باب کی غرض میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس باب سے مقصود ماست النار کی جزئیات کا شمار کرنا ہے پھر مصلحت کلی کے حکم میں یہ ہے کہ کھانے کے باریک ٹکڑے منہ سے نکل جائیں تاکہ یکسوئی سے نماز پڑھ سکے۔

باب ھل یمضمض من اللبن

مقصد یہ ہے کہ کرنی چاہئے وجہ۔ ۱- تاکہ منہ میں بدبو نہ پھیلے وسومت اور چکناہٹ کی وجہ سے ۲- چکناہٹ کی وجہ سے اگر ملائی وغیرہ چمٹی رہ گئی اور وہ نماز میں حلق سے نیچے اتر گئی اور مقدار چنے کے برابر یا زائد ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس لئے احتیاطاً کلی کر لینی چاہئے۔

باب الوضوء من النوم

غرض نوم کا حکم بیان کرنا ہے وعندامامنا والشافعی سہارا لگا کر نیند سے وضوٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں وعند مالک واحمد نوم کثیر ناقض ہے قلیل نہیں لنا۔ فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً انما الوضوء علی من نام مضطجعا فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ لمالک واحمد فی ابی داؤد عن انس قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینتظرون العشاء الآخرۃ حتی تخفق رؤسھم ثم یصلون ولا یتوضؤن اس کے ساتھ ابوداؤد کی روایت ملائینگے عن علی مرفوعاً فمن نام فلیتوضاء معلوم ہوا کثیر ناقض ہے قلیل نہیں جواب۔ ۱- صحابہ کی نیند نہ تھی نعاس یعنی اونگھ تھی جو مبحث سے خارج ہے۔ ۲- ہماری تعلیل منصوص ہے اس کو آپ کی اجتھادی۔ تعلیل پر ترجیح حاصل ہے پھر نوم کی علامت خواب دیکھنا ہے اور نعاس کی علامت حاضرین کی کلام کا سننا ہے گو سمجھ میں نہ آئے۔

باب الوضوء من غیر حدث

غرض یہ ہے کہ وضوء علی الوضوء مستحب ہے واجب نہیں اس لئے پہلی روایت میں ایسا کرنا اور دوسری میں نہ کرنا مذکور ہے اور خلفاء اربعہ بھی کثرت سے وضوعلی الوضوء کا اہتمام فرماتے تھے۔

باب من الکبائر ان لایستتر من بولہ :۔ غرض اور ربط یہ کہ طہارت حکمیہ کے بعد طہارت حسیہ کا ذکر ہے اس باب کو وقف سے پڑھا جاتا ہے پھر حدیث الباب میں راجح یہ ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں لاتمس النار من رانی کے معنی یہ ہیں کہ کوئی

صحابی دوزخ میں نہ جائے گا قبر میں مواخذہ ہوسکتا ہے۔ راجح ہونے کی وجہ۔ ا- مسند احمد میں ہے ومایعذ بان الافی الغیبۃ والبول اور کافر کا عذاب تو اصل کفر کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔۲- مسند احمد میں ہی ہے من دفلتم الیوم ھھنا خطاب صحابہ کو ہے۔۳- کافر میں اصل یہ ہے کہ تخفیف نہ ہو اگر تخفیف ہوتی ہے تو خصوصیت کی تصریح ہوتی ہے یہاں تصریح نہیں ہے۔

سوال:۔ یہاں کبیر کی نفی ہے بعض روایات میں کبیر کا اثبات ہے۔

جواب:۔نفی بمعنی مشقت ہے کہ بچنا مشکل نہ تھا اور اثبات میں کبیرہ گناہ مراد ہے۔

سوال:۔بعض روایات میں غیبت ہے بعض میں نمیمہ ہے یہ بظاہر تعارض ہے۔

جواب:۔غیبت کے معنیٰ ہیں ذکر العیب علی وجہ الغیب اور نمیمہ کے معنیٰ ہیں ذکر الحدیث علی جہتہ الفساد ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے جس میں ایک مادہ اجتماعی اور دو افتراقی ہوتے ہیں یہاں اجتماعی مادہ ہے جس کو نمیمہ بھی کہہ سکتے ہیں غیبت بھی کہہ سکتے ہیں۔ پھر قبر میں ترک طہارت پر عذاب کی وجہ یہ ہے کہ قیامت میں پہلے نماز کا سوال ہوگا مقدمہ قیامت یعنی قبر میں مقدمہ صلوۃ یعنی طہارت کا سوال مناسب ہے حضرت عثمانؓ قبر دیکھ کر روتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی ہے یہ اچھی ہوئی تو بعد میں بھی آسانی ہوگی الحدیث ہمیں زمین دیکھ کر موت اور آسمان دیکھ کر جنت یاد کرنی چاہئے۔

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
بولا ذرا سنبھل کے چلو راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پر غور تھا

قبر پر پھول:۔ڈالنے کا جواز بعض نکالتے ہیں اس کا ردّ یہ ہے۔ا۔راجح یہی ہے کہ دعا قبولیت دعا میں شاخوں کا تر رہنا وقت مقرر کیا گیا تھا شاخوں کا دخل نہ تھا اسی لئے سلف صالحین نے اس کا اہتمام نہیں فرمایا کہ قبروں پر شاخیں گاڑی جائیں اور ایک صحابی کا جو شاخیں گاڑنے کی وصیت کرنا آتا ہے وہ غلبۂ حال تھا۔۲۔ تمہاری غرض خوشبو پہنچانا ہوتی ہے نہ کہ تخفیف عذاب اس لئے تم استدلال نہیں کر سکتے۔۳۔اس میں بزرگوں کی توہین ہے کہ ان کو معذب قرار دے کر پھول ڈالے جائیں۔۴۔ ان کو تو جنت کی خوشبوئیں مل رہی ہیں۔ان خوشبوؤں کے مقابلہ میں دنیا کی خوشبو تو گندگی کے ڈھیر ہیں۔کیونکہ اعلیٰ خوشبو کے مقابلہ میں ادنیٰ خوشبو بدبو معلوم ہوتی ہے اس لحاظ سے اولیاء اللہ کے مزاروں پر پھول ڈالنا گویا گندگی کے ڈھیر ڈالنا ہے اور اس میں ان کی توہین ہے۔

باب ما جاء فی غسل البول

تعلیق سے ظاہر فرما دیا کہ اس واقعہ میں بول سے مراد بول انسان ہے۔اور باب سے مقصود بول انسانی کا حکم بیان کرنا ہے۔
باب:۔تتمہ ہونا ظاہر ہے کہ اُسی حدیث کی دوسری سند بتلادی۔

باب ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم و الناس الا عرابی حتی فرغ من بوله فی المسجد

غرض یہ ہے کہ چھوڑنا ایسے موقعہ میں اولیٰ ہوتا ہے۔

باب صب الماء علی البول فی المسجد

المسجد میں الف لام عہد خارجی کا بھی ہوسکتا ہے جنس کا بھی ہو سکتا ہے۔غرض مطلق مسجد یا مسجد نبوی کو پیشاب سے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ یہ بیان کرنا مقصود ہے بعض نے اعتراض بھی کیا ہے کہ یہ دوسرا باب نہ بھی باندھتے اور ایک ہی باب میں سب روایتیں لے آتے تو زیادہ اچھا تھا لیکن امام بخاری کا مقصد دو مسئلے الگ الگ استنباط کرنے تھے اس لئے دو باب لائے اور یہ کمال تفقہ ہے۔زمین پاک کرنے کا مسئلہ اختلاف وہ دلائل کے ساتھ پیچھے بخاری شریف میں سؤر کلب کے باب میں گذر چکا ہے۔

مسائل مستنبط

ا۔ تبلیغ میں نرمی ہونی چاہئے کیونکہ فرمایا انما بعثتم میسرین. ۲۔ مسجدیں پاک رکھنی چاہئیں۔ صحابہ کا روکنے کا ارادہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلدی پاک کرانے کا اہتمام اسی پر دال ہے۔ ۳۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نہ ہونی چاہئیں جیسا کہ اسی واقعہ کی ایک روایت میں ہے انما ھی لذکر اللہ والصلوۃ و تلاوۃ القرآن. ۴۔ فساد کو جلدی مٹانا چاہئے کیونکہ جلدی تطہیر فرمائی۔ ۵۔ دو مصیبتوں میں سے ایک کا آنا یقینی ہو تو اھون اختیار کرنی چاہئے یہاں مسجد پاک کرنا اھون تھا اور پیشاب سے روکنا اھون نہ تھا کیونکہ وہ روکنا پیشاب کو تو بیماری کا خطرہ تھا اور اگر آگے آگے بھاگتا اور پیشاب بھی کرتا رہتا تو ساری مسجد کے ملوث ہونے کا خطرہ تھا۔ ۶۔ پانی بہانا مطہر للارض ہے۔ ۷۔ حفر مطہر ہے۔ ۸۔ جمہور نے استدلال کیا کہ جفاف کافی نہیں رش کافی ہے اس کا جواب اختلافی مسئلہ میں ہو چکا کہ یہاں حفر تھا یا صب تھا۔ ۹۔ روایت باللفظ اولیٰ ہے کیونکہ سجلا اور ذنوبا دونوں کا ذکر اس پر دال ہے کہ راوی نے حدیث کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کی کیونکہ معنیٰ دونوں کے ایک ہیں۔ ۱۰۔ شوافع حضرات نے استنباط فرمایا کہ تطہیر میں عصر کی ضرورت نہیں نچوڑے بغیر ہی کپڑا پاک ہو جاتا ہے جواب یہ چیز ایسی تھی جس کو نچوڑا نہیں جا سکتا تھا اس لئے نچوڑنے کا ذکر نہیں ہے۔ ۱۱۔ پانی ہی مطہر ہے سرکہ وغیرہ مطہر نہیں یہ استنباط بھی شوافع حضرات فرماتے ہیں۔ جواب۔ آسانی کے لیے پانی کا امر فرمایا تھا سرکہ وغیرہ کی نفی کہاں ہے۔

باب بول الصبیان

بچوں کے پیشاب کا حکم بیان کرنا مقصود ہے تطہیر ارض کے بعد تطہیر ثیاب کا ذکر ہے وعند امامنا ابی حنیفہ و مالک ہر بچے کے پیشاب سے کپڑے کو پاک کرنے کے لئے غسل ضروری ہے مذکر ہو یا مونث وعند الشافعی واحمد مذکر بچے کے پیشاب سے کپڑے کو پاک کرنے کے لیے رش یعنی چھینٹے ڈالنا ہی کافی ہے۔ لنا۔ فی نیل الاوطار والبحر الرائق و بذل المجھود حدیث عمار انما تغسل ثوبک من البول یہ روایت بچے مذکر مونث اور بالغ کے پیشاب سب کو شامل ہے۔ للشافعی واحمد اس باب کی روایت عن اُمّ قیس مرفوعا فنضحہ ولم یغسلہ جواب نضح غسل خفیف پر بولا جاتا ہے جیسے یہ لفظ نضح تطہیر دم حیض اور تطہیر مذی میں ابوداؤد میں آتا ہے وہاں بالاجماع غسل خفیف ہی کے معنیٰ ہیں۔ سوال۔ یہاں ولم یغسلہ کی تصریح ہے۔ اس لئے یہاں غسل کے معنیٰ نہیں لے سکتے جواب۔ ا۔ امام اصیلی نے اس لم یغسلہ کو مدرج من ابن شہاب قرار دیا ہے۔ اس لئے اعتبار نہیں ہے ۲۔ مسلم شریف میں یوں ہے ولم یغسلہ غسلا اس سے واضح ہو گیا کہ اگر اس لفظ کو لے بھی لیا جائے تو مبالغہ کی نفی ہے یہی ہم کہتے ہیں۔ فرق:۔ مذکر اور مونث بچے کے پیشاب میں شوافع و حنابلہ غسل اور رش کے لحاظ سے کرتے ہیں اور حنفیہ غسل مبالغ اور غسل خفیف کے لحاظ سے کرتے ہیں کہ بس تین دفعہ دھو لو ہر دفعہ نچوڑ لو صابن وغیرہ نہ بھی لگاؤ مذکر بچے کے پیشاب پر تو کچھ حرج نہیں۔ وجہ فرق۔ ا۔ مذکر مجالس میں زیادہ لایا جاتا ہے جو موجب تخفیف ہے۔ ۲۔ مونث کے پیشاب میں چمٹنے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ ۳۔ مذکر کا پیشاب کئی جگہ تھوڑا تھوڑا گرتا ہے۔ مونث کا ایک ہی جگہ گرتا ہے۔

باب البول قائما و قاعدا

عند احمد بول قائما میں کچھ حرج نہیں وعند مالک اگر کھڑے ہونے سے چھینٹیں پڑتی ہوں تو مکروہ ورنہ نہیں وعند الجمھور مطلقاً مکروہ تنزیہی ہے البتہ تشبہ بالکفار یا تشبہ بالفساق کی وجہ سے قباحت بڑھ جاتی ہے جبکہ وہ اسے اپنا شعار بنالیں۔ لنا روایۃ الترمذی عن ابن مسعود موقوفاً ان من الجفاء ان تبول و انت قائم اور زیر بحث روایت میں آپ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مذکور ہے عن حذافتہ مرفوعاً فبال قائما اور مسند احمد میں عن عائشۃ من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ معلوم ہوا مکروہ تنزیہی ہے۔

سوال:۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قائما پیشاب فرمانا ثابت ہے تو پھر لا تصدقوہ کیوں فرمایا۔ جواب:۔ ۱۔ عادت کی نفی ہے۔ ۲۔ گھر میں کبھی ایسا نہیں کیا۔ ۳۔ اپنے علم کے لحاظ سے نفی فرمارہے ہیں ولمالک روایتیں دونوں قسم کی ہیں تطبیق وہی ہے جو ہمارا مسلک ہے جواب ہماری تطبیق بیان جواز کی ہے وہ کثیر الوقوع ہے اس لئے وہی راجح ہے ولا حمد زیر بحث روایت جواب یہ واقعہ عذر پر محمول ہے پھر عذر میں مختلف احتمال ہیں۔ ۱۔ بیہقی میں ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بال قائما من جرح کان بمأ یضہ گھٹنے کی اندرونی جانب زخم تھا اس لئے بیٹھ نہ سکتے تھے۔ ۲۔ بیان جواز۔ ۳۔ قبل النہی کا واقعہ ہے۔ ۴۔ خروج ریح سے بچنے کے لیے ایسا کیا کیونکہ مسلمانوں کے کاموں میں بہت زیادہ مشغول رہے جب فارغ ہوئے تو پیشاب کا تقاضی شدید ہوا جو دور جانے سے مانع تھا اور عادت مبارکہ دور جانے کی تھی تاکہ نامناسب آواز بھی کسی کے کان میں نہ پڑے اب جو قریب ہی پیشاب کرنا پڑا تو کھڑے ہوکر ریح کو دبایا بیٹھ کر دبانا مشکل ہوتا ہے۔ ۵۔ اس زمانہ میں کمر کے درد کا علاج کھڑے ہوکر پیشاب شمار کیا جاتا تھا۔ اسی تکلیف کے علاج کے طور پر ایسا کیا۔ ۶۔ قریب سخت جگہ تھی آگے نرم تھی اس لئے کھڑے ہونے میں چھینٹے نہ پڑے بیٹھنے میں چھینٹے پڑتے۔ ۷۔ نیچے کوڑا کرکٹ تھا بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ ۸۔ سامنے ڈھلان اونچائی کی طرف تھی۔ بیٹھنے کی صورت میں کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔

باب البول عند صاحبه و التستر بالحائط

غرض یہ ہے کہ دور جانا غائط کے ساتھ خاص ہے پیشاب قریب جگہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

باب البول عند سباطة قوم

غرض یہ کہ ایسی جگہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیتہ امسک:۔ یعنی کاش کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری تشدد نہ کریں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پیشاب فرمانا بھی ثابت ہے اور کھڑے ہوکر ایسا کرنے سے معمولی چھینٹے پڑنے کا احتمال ہے معلوم ہوا باریک چھینٹے معاف ہیں۔

باب غسل الدم

غرض یہ ہے کہ دھونا واجب ہے۔

باب غسل المنی و فركه وغسل ما يصيب من المرأة

غرض یہ ہے کہ منی اگر تر ہو تو دھونا واجب ہے اور اگر خشک ہو چکی ہو اور گاڑھی ہو تو فرک کافی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

ح کا استعمال:۔ دو موقعوں میں ہوتا ہے۔ ۱۔ کثیر الاستعمال جبکہ شروع حصہ میں مصنف کی جانب دو سندیں الگ الگ ہوں پھر سند ایک ہو جائے تو پہلے ایک سند کا مابہ الافتراق حصہ لکھ کر ح لکھی جاتی ہے پھر دوسری سند شروع سے اخیر تک لکھ دی جاتی ہے اسی استعمال میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ سندیں دونوں پوری لکھی ہوں صرف متن ایک ہو۔ ۲۔ قلیل الاستعمال جو بہت ہی کم استعمال کیا گیا کہ شروع میں مابہ الاشتراک ہو اور اخیر میں مابہ الافتراق ہو ایسی صورت میں پہلے ایک سند پوری لکھی جاتی ہے پھر ح لکھ کر دوسری سند کا مابہ الافتراق لکھ دیا جاتا ہے دونوں صورتوں میں ح کے استعمال سے مقصود اختصار ہوتا ہے پھر اس ح کی تقدیر عبارت میں اور پڑھنے میں پانچ اہم قول ہیں۔ ۱۔ تحویل سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی ھھنا تحویل من سند الی سند آخر پڑھنے میں لفظ تحویل آئے گا۔ ۲۔ یہی توجیہ صرف پڑھنے میں حا کہیں گے۔ ۳۔ حائل سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی ھھنا حائل بین السندین پڑھنے میں کچھ بھی نہ آئے گا ینظر ولا یقرأ۔ ۴۔ صَحَّ سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی صح ما قبلہ کما صح ما بعدہ پڑھیں گے حا۔ ۵۔ حدیث سے مخفف ہے اصل عبارت یہ تھی اقرأ الحدیث الی آخرہ پڑھیں گے حا۔

منی کی طہارت میں اختلاف

عند امامنا و مالک نجس ہے وعند الشافعی و احمد پاک ہے۔لنا۔

ا۔الم نخلقکم من ماء مھین. ۲۔ جب حدث اصغر کا سبب بول ناپاک ہے تو حدث اکبر کا سبب منی بطریق اولی ناپاک ہونی چاہئے۔ ۳۔فی ابی داؤد کہ حضرت معاویہ نے اپنی ہمشیرہ حضرت ام حبیبہ سے پوچھا کہ کیا جماع کے کپڑے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے فرمایا نعم اذا لم یرفیہ اذیً اس سے دو طرح سے استدلال ہے ایک یہ کہ منی کو اذیٰ فرمایا جو ناپاک ہونے کی دلیل ہے جیسے حیض کو قرآن پاک میں اذی فرمایا گیا دوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان میں نماز نہ پڑھنا ناپاکی کی دلیل ہے یہ روایت طحاوی میں بھی آتی ہے۔ ۴۔فی الطحاوی کہ حضرت عمرؓ سفر میں تھے احتلام ہو گیا وہاں پانی نہ پایا سوار ہو کر دوسری جگہ گئے منی کو دھویا یہاں تک کہ اسفار ہو گیا حضرت عمرو بن العاص نے عرض کیا اصبحتَ و معنا یثاب فدع ثوبا فقال عمر بل اغسل مارایت وانفح مالم اره کہ جہاں منی نظر آرہی ہے وہاں دھوؤں گا جہاں شبہ ہے وہاں غسل خفیف کروں گا یہاں بھی دو طرح سے استدلال ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے یہ نہ عرض کیا کہ منی تو پاک ہے۔دوسرے حضرت عمر کا نماز کو دیر کرنا اور منی سے کپڑے پاک کرنا نجس ہونے کی دلیل ہے وللشافعی و احمد۔ ا۔ابوداؤد اور مسلم کی روایت عن عائشہ لقد رائیتنی و انا افرکه من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم اور ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے فیصلی فیه. جواب گاڑھی منی ہو تو خشک ہونے کے بعد مَل کر اور رگڑ کر اس کو دور کر دینا ہمارے نزدیک ازالہ کا اور کپڑے کے پاک ہونے کا ذریعہ ہے اس لئے یہ ہمارے خلاف نہیں ہے آپ کی دلیل جب بنتی کہ بلا فرک و بلا غسل اس کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت ہوتا۔ ۲۔و هو الذی خلق من الماء بشرا منی کو اللہ تعالےٰ نے ماء کے لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا یہ پاکی کی دلیل ہے کہ منی بھی ماء کی طرح پاک ہے جواب یہاں بیان قدرت ہے کہ پانی پر نقش و نگار قرار نہیں پکڑتے پھر بھی اللہ تعالیٰ اس پر بچے کے نقش و نگار بناتے ہیں اگر یہ معنیٰ نہ کریں بلکہ طہارت کو وجہ شبہ قرار دیں تو لازم آتا ہے کہ کتے اور خنزیر کی منی بھی پاک ہو کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد پاک ہے و الله خلق کل دابة من ماء. ۳۔فی ابی داؤد عن علی مرفوعاً فاذا فضخت الماء فاغتسل کہ جب جوش سے پانی خارج کرو تو غسل کرو یہاں بھی منی کو ماء قرار دیا گیا جو پاک ہے اسی کے مشابہ منی ہے پاک ہونے میں اس لیے منی پاک ہے جواب' یہاں ماء کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا ہے کہ گندی اور نجس چیز کو بلاضرورت صراحۃً ذکر کرنا کمال تکلم کے خلاف ہے اس لئے ماء سے تعبیر فرمانا تو الٹا نجس اور گندی اور قبیح ہونے کی دلیل ہے کہ بلا اضطرار زبان مبارک پر لانا بھی پسند نہ فرمایا اور کنایہ سے حکم بیان فرمایا۔ ۴۔اگر منی کو پاک کہا جائے تو انبیاء علیہم السلام اور صحابہ اور اولیاء اللہ کی پیدائش ایک ناپاک چیز سے لازم آتی ہے جو ان حضرات کی شان کے خلاف ہے۔ جواب۔ ا۔منی بننے سے پہلے یہی چیز خون ہوتی ہے اور بعد میں شکم مادر میں علقہ یعنی جما ہوا خون بنتی ہے۔ یہ خون اور علقہ بالا جماع ناپاک ہیں۔ اور ہر بچہ کی پیدائش میں یہ درجے ضرور آتے ہیں۔ اگر یہ درجے شان کے خلاف نہیں ہیں تو منی کا ناپاک ہونا بھی شان کے خلاف نہیں ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ ۲۔بدن کے اندر منی اور خون پاک ہیں اس لئے ماں اور باپ کے بدنوں میں رہتے ہوئے منی پاک ہے باہر نکلے گی تو ناپاک شمار ہو گی جیسے خون' پیشاب' پاخانہ بدن کے اندر پاک ہی شمار ہوتے ہیں۔اور بچہ کی پیدائش کے اصل طریقہ میں منی کسی وقت بھی بدن سے باہر نہیں ہوتی پہلے باپ کے بدن میں ہوتی ہے پھر ماں کے بدن میں ہوتی ہے اس لئے پاک ہی شمار ہو گی اور اختلاف صرف اُس منی میں ہے جو بدن سے باہر گر جاتی ہے۔

باب اذا غسل الجنابة
او غیر ھا فلم یذھب اثرہ

غرض یہ ہے کہ پانی ابھی خشک نہ بھی ہوا ہو تو نماز پڑھ لینی صحیح

ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے اور بعض نسخوں میں یہاں فلم یذھب اثرھا ہے جنابت کا اثر یعنی نجاست کا اثر ابھی باقی ہے تو پھر بھی نماز صحیح ہے جبکہ وہ اثر ایسا ہو کہ اس کو دور کرنا ہمارے لئے مشکل ہو جیسے بعضے رنگ پختہ ہوتے ہیں وہ صابون سے بھی دور نہیں ہوتے۔ حرج لازم آنے کی وجہ سے اس رنگ کا دور کرنا ضروری نہیں پھر حنفیہ میں آپس میں یہ اختلاف ہوا کہ نجاست کی بُو کا دور کرنا ضروری ہے یا نہ بعض حنفیہ نے کہا کہ جب تک بو نجاست کی دور نہ ہو بدن وغیرہ پاک نہیں ہوتے لیکن حنفیہ کا راجح قول یہ ہے کہ پاک ہو جاتے ہیں جبکہ نجاست مرئیہ کا جسم نہ رہے اور غیر مرئیہ کو تین دفعہ دھولیا جائے اور اگر اُس چیز کو نچوڑا جا سکتا ہو تو ہر دفعہ نچوڑا جائے ورنہ ٹپکنا پانی کا بند ہونے پر دوسری اور تیسری مرتبہ دھویا جائے راجح قول کی دلیل۔ ا۔ بُو کی حقیقت یہ ہے کہ ہوا نجاست سے متکیف اور متاثر ہو جاتی ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نجاست کے اجزاء ہوا میں ہوتے ہیں اس لیے باوجود بُو کے کپڑا وغیرہ پاک ہو جائے گا جبکہ مذکورہ طریقہ سے پاک کرلیا جائے۔ ۲۔ اگر کوئی شخص گیلی سلوار پہنے ہوئے ہو تو خروج ریح سے سلوار کو نجس شمار نہیں کیا جائے گا۔ اگر بو میں نجاست کے اجزاء تھے تو وہ گیلے کپڑے میں ضرور رہ جاتے اور وہ یقیناً ناپاک شمار ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مرجوح قول کی دلیل۔ ا۔ بعض فلاسفہ اس کے قائل ہیں کہ ہوا میں بُو محسوس ہونے کی وجہ اس میں بُو والی چیز کے اجزاء کا ہونا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول راجح نہیں ہے بلکہ راجح وہی ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ہوا میں نجاست والی چیز کے اجزاء نہ ہوں تو ہوا کے انسانی بدن سے خارج ہونے سے وضو نہ ٹوٹے کیونکہ وضو تو ٹوٹتا ہے خروج نجاست سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وضو ٹوٹنا نص سے خلاف قیاس ثابت ہے۔ ۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں عن ابی ہریرۃ مرفوعاً استنجاء کے بعد مذکور ہے ثم مسح یدہ علی الارض یہ ہاتھوں کا رگڑنا استنجاء بالماء کے بعد اس بات کی دلیل ہے کہ بُو کے ازالہ کے بغیر طہارت نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ہاتھوں کا رگڑنا ہی تو مذکور ہے موضع استنجاء کا رگڑنا تو مذکور نہیں معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا رگڑنا صرف نظافت کے طور پر ہے طہارت تو استنجاء کرنے سے ہی حاصل ہو گئی تھی۔

باب ابوال الابل والدواب والغنم و مرابضها

غرض ان کا حکم بیان کرنا ہے' برید ایلچی کو بھی کہتے ہیں۔ خچر گدھے کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ السرقین کھاد کو کہتے ہیں۔ والبریۃ الی جنبہ کے معنیٰ ہیں کہ جنگل قریب تھا پھر بھی جنگل کی جگہ جانوروں کے مکان میں نماز پڑھی پھر حلال جانوروں کا پیشاب امام بخاری و امام مالک و احمد کے نزدیک پاک ہے امام ابوحنیفہ وامام شافعیؒ کے نزدیک ناپاک ہے۔ لنا. فی مستدرک الحاکم عن ابی هریرة مرفوعاً استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ولمالک واحمد۔ ا۔ زیر بحث حدیث عن انس مرفوعاً ان یشر بوامن ابوالها والبانها جواب۔ ا۔ وحی سے ان کی شفاء اسی میں ذکر کی گئی تھی یہ عام حکم نہیں۔ ۲۔ اصل عبارت یوں تھی اشربوا من البانہا واستنشقوا من ابوالہا ان کے پیشاب سونگھو۔ پھر علفتها تبناً وماء بارداً کی طرح استنشقوا کو حذف کیا گیا اور اس کے متعلق کو اشربوا کے متعلق پر عطف کر دیا گیا۔ ۲۔ ان کی دوسری دلیل تعلیقاً بخاری شریف میں اِسی باب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نماز پڑھنا جانوروں کے اصطبل میں منقول ہے جواب۔ ظاہر یہی ہے کہ کپڑا بچھا کر نماز پڑھی ہوگی اس لیے طہارت ابوال ثابت نہ ہوئی۔

باب مایقع من النجاسات في السمن و الماء

پانی وغیرہ کیسے نجس ہوتا ہے اس کا بیان مقصود ہے قلتین والی روایت بہت کمزور ہونے کی وجہ سے ذکر نہ فرمائی اور بیر بضاعہ والی

ان کی شرط پر نہ تھی اس لیے ذکر نہ فرمائی اس باب کی آخری روایت میں شہید کے خون کو قیامت کے دن مشک کے ساتھ تشبیہ دے کر ذکر فرمایا گیا ہے کہ اِس کی خوشبو مشک جیسی ہوگی اس پر اشکال ہے کہ اِس باب سے اس حدیث کو کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ جواب۔ا۔ جیسے اِسی باب میں ہاتھی کے دانتوں کا پاک ہونا بیان کیا گیا ہے ایسے ہی مشک کا پاک ہونا بیان کرنا مقصود ہے وہ بھی ہرن کی ناف کے خون سے بنتی ہے۔۲۔ نظیر بیان کرنی مقصود ہے کہ جس طرح دم شہید بدل کر مشک بن جائے گا جو پاک ہے ایسے ہی دُنیا میں پاک نجاست کی وجہ سے ناپاک بن جاتا ہے۔

نجاسة الماء کا اختلاف

عند مالک والبخاری قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں جب تک نجاست کی وجہ سے اوصاف ثلثہ رنگ مزہ بو میں سے کوئی نہ بدلے پانی پاک رہے گا' جمہور کے نزدیک قلیل و کثیر میں فرق ہے۔ ماء قلیل تو ذراسی نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے اور کثیر اُس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک احد الا وصاف الثلثہ المذکورہ میں فرق نہ آئے' پھر جمہور میں آپس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک قلیل کی تعیین رائے مبتلیٰ بہ پر موقوف ہے کہ نمازی خود موقعہ کے مطابق فیصلہ کرے کہ یہ پانی کثیر ہے یا قلیل ہے شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن متاخرین حنفیہ نے آسانی کے لیے وہ دردہ کی حد مقرر کی ہے کہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا تالاب ہو اور اتنا گہرا ہو کہ پانی لینے کے لیے چلّو بھریں تو زمین ننگی نہ ہو تو اس کا پانی کثیر ہے اِس سے کم ہو تو قلیل ہے ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا شمار کیا گیا ہے وعند الشافعی واحمد قلتین اور زائد کثیر ہے ان سے کم قلیل ہے۔ **لنا فی ابی داؤد و البخاری عن ابی ھریرة مرفوعاً لایبولن احد کم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیه**۔ کھڑے پانی قلیل میں پیشاب کرنے سے ممانعت اسی لئے ہے کہ اس سے وہ پانی ناپاک ہوجائے گا وفی ابی داؤد عن ابی ھریرة مرفوعاً **طھور اناء احد کم اذا و لغ فیه الکلب ان یغسل سبع مرات** معلوم ہوا کہ ماء قلیل معمولی نجاست گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے اگرچہ کوئی صفت نہ بدلے کیونکہ کتے کے منہ ڈالنے سے پانی کی کوئی صفت نہیں بدلتی۔ **وفی ابی داؤد عن ابی ھریرة مرفوعاً فی ماء البحر ھو الطھور ماء ہ** معلوم ہوا کہ ماء کثیر احد الاوصاف الثلثه بدلے بغیر پاک ہی رہتا ہے البتہ احد الاوصاف الثلثہ بدلنے سے ناپاک ہو جانا بعض روایات میں بھی ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اور حدیث **المستیقظ من النوم** جو بخاری شریف میں گزر چکی ہے کہ تین دفعہ دھوئے بغیر نیند سے اٹھنے والا پانی میں ہاتھ نہ ڈالے مرفوعاً حضرت ابوہریرہ سے ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ ماء قلیل تھوڑی نجاست گرنے سے بھی ناپاک ہوجاتا ہے کیونکہ نیند میں استنجاء کی جگہ ہاتھ لگنے سے جبکہ پانی سے استنجاء کر کے نہ سویا ہو ہاتھ کو نجاست لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان سب روایات کو ملانے سے یہی ثابت ہوا کہ کثیر تو اوصاف ثلثہ میں سے کسی ایک کے بدلے بغیر ناپاک نہیں ہوتا اور قلیل معمولی نجاست گر جانے سے ناپاک ہوجاتا ہے اور کسی صحیح صریح روایت سے قلیل کی حد متعین نہیں ہوئی اس لئے وہ رائے مبتلیٰ بہ پر موقوف ہے۔

ولمالک: **فی ابی داؤد عن ابی سعید الخدری انه قیل لرسول الله صلی الله علیه وسلم انتوضأ من بیر بضاعته و ھی بیر یطرح فیھا الحیض و لحم الکلاب و النتن فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الماء طھور و لا ینجسه شی** معلوم ہوا کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا البتہ احد الاوصاف الثلثہ کے بدلنے سے ناپاک ہو جانا اجماع سے ثابت ہے۔ **جواب**:۔ا۔ الف لام عہد خارجی کا ہے ماء بیر بضاعہ مراد ہے اور اس کنویں کا پانی جاری تھا اس جاری ہونے کی تین تقریریں ہیں۔ پہلی تقریر یہ ہے کہ اس کے نیچے نہر جاری تھی جیسے اب بھی بیر خاتم میں ہے دوسری تقریر یہ ہے کہ بارش کے دنوں میں چاروں طرف سے پانی آ کر یہاں بھر جاتا تھا اور کنویں پر

منڈیر نہ تھی کنواں بھر کر بہت بڑا تالاب بن جاتا تھا پھر زیادہ بارش ہونے کی صورت میں کسی ایک طرف کو چلنا بھی شروع کر دیتا تھا تیسری تقریر یہ کی گئی کہ کثرت اخراج اور ساتھ ساتھ نیا پانی آنے سے ماء جاری کی صورت بن گئی تھی۔ ۲۔ سائل کا سوال ماضی کی گندگی کے متعلق تھا کہ گندگی تو نکال دی گئی لیکن دیواروں اور فرش کو تو نہیں دھویا گیا۔ جواب کا حاصل یہ تھا کہ سابقہ چیزوں میں سے کوئی چیز اب اس کو ناپاک نہیں کر سکتی لا ینجسہ شی من الاشیاء الحر جتہ۔ ۳۔ سوال کا منشا منڈیر کا نہ ہونا تھا کہ شاید آس پاس کی ناپاک چیزیں گر جاتی ہوں جواب کا حاصل یہ تھا کہ الیقین لایزول بالشک۔ ۴۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا ان المسلم لا ینجس کہ ایسا ناپاک نہیں ہوتا کہ پاک نہ ہو سکے۔

وللشافعی:۔ فی ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث. جواب ا۔ سند اور متن اور معنیٰ میں اضطراب ہے یعنی ایسا اختلاف ہے جس کی تطبیق مشکل ہے۔ سند میں یوں اضطراب ہے کہ ولید کے استاد میں دو قول ہیں محمد بن جعفر بن الزبیر ہیں یا محمد بن عباد بن جعفر ہیں پھر اس راوی کے استاد میں اختلاف کہ عبداللہ ہیں یا عبیداللہ ہیں پھر روایت مرفوع ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے یا موقوف ہے جیسا کہ دارقطنی نے راجح قرار دیا ہے۔ متن میں یوں اضطراب ہے کہ قلتین ہے یا قلۃ ہے یا قلتین او ثلث ہے یا اربعین قلۃ ہے روایتیں چاروں قسم کی آتی ہیں اور معنیٰ کے لحاظ سے اضطراب یہ ہے کہ قلۃ کے معنیٰ بڑے مٹکے کے بھی آتے ہیں دوسرے معنیٰ وہ مقدار جس کو اونٹ اٹھالے تیسرے معنیٰ آدمی کا قد چوتھے معنیٰ پہاڑ کی اونچائی اور چوٹی۔ یہاں کونسے معنیٰ مراد ہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اتنے اضطرابات کے ہوتے ہوئے اس روایت سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ۲۔ یہ روایت معلول ہے کیونکہ صحابہ اور بعد کے حضرات نجاست گرنے سے کنواں پاک کرتے رہے ہیں حالانکہ دو مٹکے پانی تو ہوتا ہی تھا اس لحاظ سے یہ روایت تعامل کے خلاف ہے اور اصول ثابتہ فی الدین کے خلاف روایت کو معلول کہتے ہیں جو کمزور ہوتی ہے۔ ۳۔ سوال وہم پر مبنی تھا کہ شاید جانور منہ ڈالتے ہوں جواب کا حاصل تھا الیقین لایزول بالشک کہ ایسے وہم کا اعتبار نہیں پھر سمجھانے اور دل میں بٹھانے کے لیے قلتین کا لفظ ذکر فرمایا جیسے امام محمد نے ایک دفعہ بغداد کے کنوؤں کا اندازہ لگانے کے بعد فرمادیا تھا کہ تم دو سو ڈول نکال دیا کرو کنواں پاک ہو جائے گا اگر یہ فرماتے کہ سارا پانی نکالو تو یہ ذرا مشکل نظر آتا ایسے ہی ذہن میں بٹھانے کے لیے قلتین کا لفظ ارشاد فرمایا کیونکہ یہ اندازہ فرمالیا تھا کہ مدینہ منورہ کے آس پاس تالابوں میں قلتین پانی تو ہوتا ہی ہے۔ ۴۔ دواب حلالہ مراد ہیں اور سباع سے مراد سباع الطیور ہیں اُن کا جوٹھا پاک ہی ہے مقصد یہ تھا کہ ان جانوروں کے پینے سے ہمارے علاقہ کے پانی ناپاک نہیں ہوتے اور قلتین کا لفظ ذہن میں بٹھانے کے لئے تھا۔ ۵۔ یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک میں اُن علاقوں میں پتھریلی جگہ پر پھیلا ہوا جتنا پانی کثیر ہی بن جاتا تھا اس لئے ہمارے امام صاحب کے مسلک کے مطابق رائے مبتلیٰ بہ میں وہ کثیر تھا۔

قال معن حدثنا مالک مالا احصیه عن ابن عباس عن میمونته

مقصد یہ ہے کہ روایت مذکورہ کے آخری راوی حضرت ابن عباس نہیں بلکہ حضرت میمونہ ہیں۔

باب البول فی الماء الدائم

ایسا کرنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ منع ہے۔

باب اذا القی علی ظهر المصلی قذر او جیفة لم تفسد علیه صلوته

غرض ۔ا۔ جو چیز شروع نماز میں مانع ہے وہ اخیر میں مانع نہیں جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ گردن پر او جری رکھ دی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہ توڑی۔ ۲۔ جب نماز

کے اندر نجاست کا پتہ نہ چلے بعد میں چلے تو اعادہ معاف ہے لیکن یہ دونوں اجتھاد مناسب نہیں کیونکہ یہ واقعہ اِس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے وثیابک فطھّر. **ومضیٰ فی صلوٰته**:۔ حضرت ابن عمر کے اجتھاد میں اعادہ اس صورت میں معاف ہے۔ ایسے ہی اس کے بعد سعید بن المسیب کا اجتھاد مذکور ہے کہ عدم علم کی وجہ سے اعادہ معاف ہے۔

سِلا جزور بنی فلان

فلاں قبیلہ کے اونٹ کی اوجری۔ **فابنعث اشقی القوم**:۔ مسند طیالسی میں اس کا مصداق عقبۃ بن ابی مُعَیط مذکور ہے۔

یُحیلُ بعضھم علی بعض

ہنسی کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر گراتے تھے۔

باب البزاق و المخاط و نحو ہ فی الثوب

مخاط آب بینی ہے یہ اور تھوک بالاتفاق پاک ہیں اِس کے خلاف قول شاذ شمار کیا گیا ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ ولا بالمسکر

مقصد یہ ہے کہ اِن دونوں سے وضو کرنا جائز نہیں۔ پھر نبیذ کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ نہ مٹھاس آئی نہ پانی کے بہنے کی رفتار میں کمی آئی تھوڑی دیر پانی میں کھجوریں ڈال کر نکال لیں۔ اس سے بالا تفاق وضو جائز ہے۔ ۲۔ سیلان میں بھی کمی آگئی مٹھاس بھی آگئی بالاتفاق اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ ۳۔ مٹھاس آئی سیلان میں کمی نہ آئی عندابی حنیفہ وضو جائز وعندابی یوسف والجمھور نا جائز پھر امام ابی حنیفہ کا رجوع امام ابو یوسف کے قول کی طرف ثابت ہے اس لئے یہ مسئلہ صرف اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ بعض نے اعتراض کیا تھا کہ امام ابو حنیفہ کا پہلا قول بلا دلیل تھا منشا اختلاف لیلۃ الجن کا واقعہ ہے کہ اس میں عبداللہ بن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یا نہ ابو داؤد میں عن عبداللہ بن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ لیلۃ الجن مافی اداوتک قال نبیذ قال ثمرۃ طیبۃ وماءٌ طھور اور مسند احمد اور ترمذی میں یہ بھی ہے فتوضاء منہ اور ابو داؤد میں ہی عن ابن مسعود ہے ما کان معہ منّا احد لیکن نفی کی توجیہ یہ ہے کہ۔ ا۔ اخیر حصّہ میں ساتھ نہ تھے۔ ۲۔ بعض واقعات میں ساتھ نہ تھے کیونکہ اٰکام المرجان فی احکام الجّان للقاضی بدر الدین الشبلی میں ہے کہ لیلۃ الجن چھ ہیں۔ ۳۔ جو واقعہ قرآن میں مذکور ہے اس میں ساتھ نہ تھے سوال۔ پھر ہمارے امام صاحب نے رجوع کیوں فرمایا۔ جواب لیلۃ الجن کے سب واقعات مکی زندگی کے ہیں اور فلم تجدو اماء آیت مدنی ہے اس لیے یہ آیت وضوء بالنبیذ کے لئے ناسخ ہے۔

باب غسل المرأۃ اباھا الدم عن وجھه

غرض یہ ہے کہ وضوء میں اور ازالہ نجاست میں دوسرے مرد یا عورت سے امداد لینا جائز ہے۔

باب السواک

غرض مسواک کا حکم بتلانا ہے کہ مسنون ہے۔

باب دفع السواک الی الاکبر

مقصد مسواک کی فضیلت کا بیان ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے ارانی فی المنام سوال۔ بعض روایتوں سے بیداری کا واقعہ معلوم ہوتا ہے جواب۔ ا۔ دو دفعہ ایسا ہوا لیکن یہ کمزور ہے کیونکہ فروع میں زیادہ تر وحی ایک ہی دفعہ نازل ہوتی ہے۔ ۲۔ پہلے خواب کا واقعہ پیش آیا پھر بیداری میں ایسا موقعہ آیا فاُوحِی وحی یاد آگئی۔ فضیلت یوں ظاہر ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معمولی چیز چھوٹے کو اور اہم چیز بڑے کو دیا کرتے تھے' مسواک کو معمولی چیز سمجھ کر چھوٹے کو دینے کا ارادہ فرمایا تو وحی نازل ہوئی کہ بڑے کو دیں یہ معمولی چیز نہیں ہے۔

باب فضل من بات علی الوضوء

مقصود اس عمل کی فضیلت کا بیان ہے۔

کتاب الغسُل

ربط یہ ہے کہ پہلے حدث اصغر سے طہارت کا ذکر تھا اب حدث

اکبر سے طہارت کا ذکر ہے۔ پھر اس کتاب الغسل کے شروع میں آیت ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ غسل کا ثبوت قرآن پاک سے ہے۔ دوسری آیت میں غسل کا ذکر صراحۃً ہے کیونکہ قصداً غسل کا بیان مقصود ہے اور پہلی آیت میں اصل وضو کا بیان ہے اس لئے غسل کا ذکر تبعاً بھی ہے اور اشارۃ کے درجہ میں بھی ہے بالکل صریح نہیں ہے۔

باب الوضوء قبل الغسل

غسل سے پہلے وضو کا درجہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مستحب ہے۔

باب غسل الرجل مع امراته

مقصد یہ ہے کہ ایک ہی برتن سے بھی ایسا ہو تو پھر بھی جائز ہے۔

باب الغسل بالصاع و نحوه

نحوہ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ صاع کا ذکر اندازہ کے درجہ میں ہے۔ تحدید مقصود نہیں ہے اور مسئلہ اتفاقی ہے کہ پانی نہ کم ہو کہ آداب کی رعایت نہ ہو نہ بلاضرورت ضائع کرے ضرورت کے مطابق خرچ کرلے تو مستحسن اور مسنون ہے۔ سوال اس باب کی آخری روایت میں صاع کا ذکر نہیں ہے تو باب سے مناسبت نہ رہی۔ جواب اسی حدیث کے دوسرے طریق میں صاع کا ذکر ہے اُس طریق کے لحاظ سے باب سے مناسبت ہے۔

باب من افاض علی راسه ثلثاً

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

باب الغسل مرة واحدة

یعنی ایسا کرنا بھی کافی ہے۔ پھر اس باب کی روایت میں عدد کا ذکر نہیں اشارہ ہے کہ اقل درجہ ایک دفعہ پانی بہانا ہے وہ تو ضرور ہوا ہوگا اگر دو یا تین دفعہ ضروری ہوتا تو اس کو ضرور بیان فرماتیں حضرت میمونہ۔

باب من بدابالحلاب او الطیب عند الغسل

معنی اور غرض۔ ۱۔ حلاب ایک قسم کی خوشبو ہے مقصود اس شخص کا قول بیان کرنا ہے جس کے نزدیک غسل سے فارغ ہو کر خوشبو کا استعمال مستحسن ہے غسل سے پہلے لفظ اختتام محذوف ہے ای عندالفراغ من الغسل، ۲۔ چند بیجوں سے خوشبودار تیل نکالا جاتا تھا۔ جو طیب کی طرح غسل سے پہلے لگایا جاتا تھا اس تیل کی مالش کے بعد غسل کیا جاتا تھا۔ ۳۔ یہ لفظ جلاب ہے جیم کے ضمہ کے ساتھ بمعنٰی عرق گلاب اس کو غسل سے پہلے لگالیں تو اثر غسل کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ ۴۔ حلاب۔ حاء مہملہ ہی ہے محلب الطیب خاص قسم کے دانے تھے جن سے صابن کی طرح ہاتھ دھوئے جاتے تھے غسل سے پہلے۔ ۵۔ دودھ کا برتن یا خوشبو کا برتن مراد ہے مقصد یہ ہے کہ ان برتنوں میں اگرچہ دودھ اور خوشبو کا اثر باقی ہو لیکن ان میں پانی ڈال کر غسل کر لینے میں کچھ حرج نہیں۔ ۶۔ کبھی خوشبو لگا کر غسل کیا جاتا تھا اور کبھی بلاخوشبو حلاب سے غسل شروع کر دیا جاتا تھا یعنی دودھ کے برتن بالٹی وغیرہ سے شروع کر لیا جاتا تھا خوشبو نہ لگائی جاتی تھی مقصد یہ کہ دونوں طرح غسل کر لینا جائز ہے خوشبو لگا کر کریں یا بلا خوشبو لگائے۔

فقال بهما علی وسط راسه دونوں ہاتھوں سے درمیان سر کو ملا۔

باب المضمضته والا ستنشاق فی الجنابته

غرض :۔ دونوں کی مشروعیت ذکر کرنی مقصود ہے وجوب یا استحباب کی تعیین مقصود نہیں ہے۔ ۲۔ وضو کے درجہ میں دونوں کا ذکر کرنا مقصود ہے اس سے ظاہر ہوگیا کہ یہ دونوں مستحب ہیں واجب نہیں کیونکہ وضو واجب نہیں مستحب ہے۔ مسئلہ کی تفصیل واختلاف پیچھے گزر چکے ہیں۔

باب مسح الید بالتراب لیکون انقیٰ

مقصد یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحسن ہے تاکہ زیادہ صفائی ہو۔

باب هل یدخل الجنب یده فی الاناء قبل ان یغسلها

مقصد یہ ہے کہ ماء مستعمل طاہر ہے۔

باب من افرغ بیمینه علی شماله فی الغسل

غرض غسل کا طریقہ بتاتا ہے۔

باب تفریق الغسل والوضوء

مقصد یہ کہ موالاۃ واجب نہیں ہے استدلال یوں ہے کہ اس باب کی حدیث میں پاؤں کا دھونا غسل کے بعد ہے اور جب تفریق فی الوضو پائی گئی تو اس پر قیاس کرتے ہوئے غسل میں بھی تفریق کا جواز ثابت ہوا۔ اور کوئی قائل بالفصل بھی نہیں ہے۔

باب اذا جامع ثم عاد ومن دار علی نساء فی غسل واحد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے بعض اہل ظاہر اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک عود کے لئے وضو واجب ہے وعند الجمہور مستحب ہے۔ لنا فی الطحاوی عن عائشۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یجامع ثم یعود والا یتوضاء ولھما فی ابی داؤد عن ابی سعید الخدری مرفوعاً اذا اتی احدکم اھلہ ثم بدالہ ان یعاود فلیتوضاء بینھما وضوء جواب مستدرک حاکم میں زیادتی بھی ہے۔ انہ انشط للعود معلوم ہوا امر استحبابی ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعتہ الواحدۃ

سوال: جس زوجہ محترمہ کی باری تھی اس کی باری میں دوسری ازواج مطہرات کے پاس جانا تو جائز نہ تھا۔ جواب: ۱- ابھی باری فرض نہ ہوئی تھی۔ ۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باری معاف تھی۔ ۳- باری والی کی اجازت سے ایسا ہوا۔ ۴- سفر میں ایسا ہوا اور باری صرف حضر اور اقامت میں ضروری ہے۔ ۵- حجتہ الوداع میں احرام باندھنے سے پہلے ایسا ہوا کیونکہ احرام سے پہلے اس کام سے فارغ ہو جانا مستحب ہے اور مسافر ہونے کی وجہ سے باری ضروری نہ تھی۔ ۶- حجتہ الوداع میں احرام کھولتے وقت ایسا ہوا اور اس وقت بھی استحباب ہے اور مسافر ہونے کی وجہ سے باری ضروری نہ تھی۔ ۷- کسی سفر کے بعد باری شروع کرنے سے پہلے ایسا ہوا۔ ۸- دو باریوں کے درمیان ایک رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشترک قرار دیا اس میں ایسا ہوا۔ ۹- عصر سے مغرب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب ازواج مطہرات کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور کبھی اس وقت مشغولی ہوتی تو مغرب سے عشاء تک آپ ایسا کرتے تھے عشاء کے بعد پھر باری شروع ہو جاتی تھی یہ واقعہ اس مشترک وقت میں پیش آیا۔ پھر درمیان میں وضو فرمایا یا نہ فرمایا تا کہ بیان جواز ظاہر ہو دونوں احتمال ہیں۔

سوال:۔ نو (۹) ازواج مطہرات کی باری آپؐ ادا فرماتے تھے ان ۹ کے پاس اکٹھا دس بارہ منٹ کے وقفہ سے جانا انسانی طاقت سے باہر ہے جواب:۔ حلیہ لابی نعیم میں عن مجاہد مرسلاً مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس اہل جنت کی قوت دی گئی تھی اور صحیح بخاری کے اسی باب میں سند حدیث میں مذکور ہے قول انس کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلاثین اور مسند احمد میں عن زید بن ارقم مرفوعاً ہے کہ ایک جنتی کو سو اہل دنیا کی قوت دی جائے گی فی الاکل والشرب والجماع والشھوۃ اس سے کفار کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ نعوذ باللہ زیادہ نکاحوں کی اجازت شہوت رانی ہی کے مقصود ہونے پر دلالت کرتی ہے جواب ہوا کہ اگر شہوت رانی مقصود ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی عمر میں زیادہ نکاح فرماتے حالانکہ چھوٹی عمر میں جبکہ آپ کی عمر پچیس سال کی تھی ایک بوڑھی عورت مائی خدیجہ سے نکاح فرمایا جن کی عمر چالیس یا پینتالیس سال تھی اور وہ آپ سے پہلے دو خاوندوں سے بیوہ ہو چکی تھیں پھر ترپین سال کی عمر تک آپ کے گھر میں کوئی اور بیوی نہ آئی۔ مائی خدیجہ کی وفات کے بعد آخری دس سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دس ایسی ازواج مطہرات سے نکاح فرمائے جو طویل عرصہ آپؐ کے نکاح میں رہیں اس کے علاوہ بھی چند نکاحوں کا ذکر آتا ہے لیکن ان میں آپ نے جلدی ہی طلاق دیدی حضرت سودہ نے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی باری چھوڑ دی تھی اس لئے آپ نو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے جبکہ آپ میں چار ہزار انسانوں کی قوت تھی یہ کمال صبر تھا شہوت رانی نہ تھی پھر جو دس نکاح فرمائے وہ بہت سے دینی مصالح کی وجہ

سے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھے۔ دینی مصالح عامہ: بھی تھے اور خاصہ بھی تھے عامہ کی مثال:۔ ا۔نقل شریعت ازواج مطہرات کے ذریعہ دین امت تک پہنچا چنانچہ دین کے دوثلث مسائل اکیلی حضرت عائشہؓ کے ذریعہ امت تک پہنچے باقی ایک ثلث سوالاکھ اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان صحابہ کرام کے ذریعے سے پہنچے کیونکہ صحابہ کی تعداد سوالاکھ اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان شمار کی گئی ہے۔۲۔تفقہ فی الدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں بہت زیادہ رہنے کی وجہ سے ازواج مطہرات بہت بڑی فقیہات بن گئی تھیں کہ وصال کے بعد صحابہ اور تابعین کی رہنمائی فرماتی رہیں۔۳۔تسہیل علی النساء۔ آپ کے دس گھر عورتوں کے دس مدرسے تھے کہ عورتوں کو جو ضرورت دینیہ پیش آتی ازواج مطہرات کے ذریعہ بآسانی حل فرمالیتی تھیں' ۴۔نقل محاسن خفیہ' گھر کے اندر جو کمالات ظاہر ہوتے تھے ان کا پتہ ازواج مطہرات کے ذریعہ امت کو لگتا تھا۔۵۔تشریف قبائل کہ آپ کے نکاحوں کی وجہ سے آپ کے سسرال کے خاندان بہت اونچے مرتبہ کے ہو گئے۔۶۔رفع درجات کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے بوجھ تھے قرآن پاک پڑھ کر سنانا۔ اس کے معانی سمجھانا۔ ہر قسم کے احکام بتلانا امامت۔ خطابت۔ تربیت۔ باطنہ۔ فصل خصومات۔ مناظرہ وفدوں سے ملاقات' جہادات وغیرہ ان سب کے علاوہ دس گھروں کا انتظام بھی آپ کے ذمہ ڈال دیا گیا تھا تاکہ اس کے ثواب سے بھی آپ کے درجات بلند ہوں مصالح۔ خاصہ مثلاً ا۔تشریف شیخین کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی وجہ سے شیخین آپ کے خسر بمنزلہ باپ کے بن گئے تھے۔۲۔متبنیٰ کا مسئلہ ظاہر فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینب کا نکاح خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ دیا فلما قضیٰ زید منھا وطرا زوجنکھا کہ ہم نے دونوں کے ولی ہونے کی حیثیت سے آپ دونوں کا نکاح پڑھ دیا تاکہ عملی طور پر واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی موت یا طلاق کے بعد منہ بولے باپ کا نکاح اس عورت سے ہوسکتا ہے جو پہلے اس بیٹے کے نکاح میں رہ چکی ہو۔ جاہلیت میں اس نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔۳۔تسلی حضرت زینب کا پہلا نکاح مرضی کے خلاف ہوا تھا پھر میاں بیوی میں جھگڑا رہتا تھا پھر طلاق ملی ان سب غموں کا ازالہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہو جانے سے ہوا۔ حضرت ام سلمہ کو اپنے خاوند کی موت کا بے حد صدمہ تھا وہ صدمہ آپ کے ساتھ ان کے نکاح سے دور ہوا۔ حضرت صفیہ یہودی سردار کی بیٹی اور یہودی سردار کی بیوی تھیں قید ہو کر آئیں مسلمان ہوگئیں ان کے اونچے درجہ کی وجہ سے ان کی تسلی آپ کے ساتھ نکاح ہی سے ہوسکتی تھی۔۴۔اعتاق العبید۔ حضرت جویریہ کے ساتھ آپ کے نکاح سے ان کے خاندان کے بہت سے غلاموں کو صحابہ کرام نے آزاد کر دیا کہ یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال میں داخل ہو چکے ہیں۔

وھن احدی عشرۃ

سوال: اس روایت کے فوراً بعد والی تعلیق میں تعداد نو ہے
جواب: دو لونڈیوں ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کو بعض حضرات نے ازواج مطہرات میں شمار فرمالیا ہے۔

باب غسل المذی والوضوء منہ

غرض۔ا۔مذی میں فرک اور رگڑنا کافی نہیں بلکہ دھونا ہی ضروری ہے۔۲۔اس میں غسل واجب نہیں بلکہ وضو ہی کافی ہے۔
سوال: ابواب غسل میں مذی کو کیوں ذکر فرمایا یہ تو موجب غسل نہیں ہے جواب یہ مشابہ منی کے ہے اسی لئے حضرت علیؓ غسل کرتے تھے اور پھر مسئلہ پوچھنا پڑا۔

باب من تطیب ثم اغتسل وبقی اثر الطیب

غرض یہ ہے کہ ملنا غسل کے لیے لازم نہیں ہے۔

باب تخلیل الشعر

غرض یہ کہ غسل میں بالوں کو اور جڑ کو تر کرنا ضروری ہے۔

باب من توضأ فی الجنابة:.

غرض یہ کہ غسل کے بعد دوبارہ وضوضروری نہیں ہے۔

باب اذا ذکر فی المسجد انه جنب یخرج کما ھو ولا یتیمم

غرض تردید ہے۔ سفیان ثوری اور امام اسحٰق کی کہ ان کے نزدیک تیمم کر کے نکلے۔

باب نفض الیدین من الغسل عن الجنابته

غرض۔۱۔ ایسا کرنا جائز ہے۔۲۔ ماء مستعمل پاک ہے کیونکہ ہاتھ جھاڑنے سے چھینٹے بدن پر لگنے کا احتمال ہوتا ہے۔

باب من بداء لبشق راسه الایمن فی الغسل

غرض یہ کہ ایسا کرنا اولیٰ ہے۔ باب من اغتسل عریانا وحدہ غرض ایسا کرنا بھی جائز ہے گو اولیٰ تستر ہے تنہائی میں بھی۔ لندب بالحجر:۔ مار کا اثر اور نشان پڑ گیا۔

باب التستر فی الغسل عند الناس

غرض و ربط یہ کہ پہلے تنہائی میں غسل کرنے کا حکم تھا اب لوگوں میں غسل کرنے کا حکم ہے۔

باب اذا احتلمت المرٔة

غرض احتلام کا حکم بیان فرمانا ہے۔ پھر یہ واقعہ حضرت عائشہ کے ساتھ پیش آیا یہی قاضی عیاض کی رائے ہے امام ابوداؤد کی رائے یہ ہے کہ راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے پیش آیا تھا یا حضرت ام سلمہ کے سامنے بظاہر امام بخاری کے نزدیک حضرت ام سلمہ کے سامنے پیش آیا یہی قاضی عیاض کی رائے ہے امام ابوداؤد کی رائے یہ ہے کہ راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے پیش آیا تھا علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ دونوں جمع ہوں دونوں کے سامنے سوال جواب ہوئے ہوں۔ پھر جب آدمی نیند سے اٹھتا ہے تو بدن یا کپڑے پر اگر کوئی تری لگی ہو تو اس میں کل چودہ احتمال:۔ ہوتے ہیں کیونکہ بدن سے نکلنے والی تین چیزیں ہوتی ہیں جن میں علامتوں سے فرق کیا جاتا ہے۔ مذی ہے یہ گوند کی طرح چپکنے والی ہوتی ہے بلا تلذذ اور بلا دفق خارج ہوتی ہے۔ پتلی ہوتی ہے۔ بے لون اور بے بو ہوتی ہے جلدی جلدی بھی خارج ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کے خارج ہونے سے زیادہ کمزوری نہیں ہوتی۔۲۔ منی ہے یہ گاڑھی ہوتی ہے سفید رنگ ہے گندھے ہوئے آٹے اور کیلے کے درخت کے چھلکے جیسی بو ہوتی ہے۔ دفق اور شہوت سے خارج ہوتی ہے۔ خارج ہونے کے بعد کافی کمزوری بھی ہوجاتی ہے۔ عام طور پر ہفتہ دس دن کے وقفہ کے بعد خارج ہوتی ہے۔۳۔ تیسری چیز ودی ہے یہ منی کی طرح گاڑھی ہوتی ہے۔ اس کا رنگ کچھ میلا ہوتا ہے۔ بلا دفق و بلا شہوت خارج ہوتی ہے بے بو ہوتی ہے عام طور پر پیشاب سے کچھ پہلے یا پیشاب کے کچھ بعد یا پیشاب کے ساتھ خارج ہوتی ہے اب چودہ (۱۴) احتمال یوں ہیں۔۱۔ یقین منی۔۲۔ یقین مذی۔۳۔ یقین ودی۔۴۔ منی اور مذی میں شک۔۵۔ منی اور ودی میں شک۔۶۔ مذی اور ودی میں شک۔۷۔ تینوں میں شک یہاں تک کل سات صورتیں ہوئیں پھر ان سات میں سے ہر ایک میں دو دو احتمال ہیں اس قسم کا خواب یاد ہوگا یا نہ۔ کل چودہ احتمال ہوگئے ان میں سے گیارہ میں اتفاق ہے سات میں یوں اتفاق ہے کہ ان میں غسل واجب ہے یہ وہی سات احتمال ہیں جن میں خواب یاد ہے البتہ ان میں سے ایک نکال دیں گے یقین ودی والا اور اس کی جگہ ایک رکھ دیں گے یقین منی ہو اور خواب یاد نہ ہو۔ اور چار صورتوں میں اتفاق ہے کہ غسل واجب نہیں ہے۔۱۔ یقین ودی ہو اور خواب یاد نہ ہو۔۲۔ یقین ودی خواب یاد ہو۔۳۔ یقین مذی خواب یاد نہ ہو۔۴۔ ودی اور مذی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو اور تین صورتوں میں اختلاف ہے۔۱۔ شک ہو کہ منی ہے یا مذی اور خواب یاد نہ ہو۔۲۔ شک ہو منی اور ودی میں اور خواب یاد نہ ہو۔۳۔ شک ہو تینوں میں اور خواب یاد نہ ہو۔ اِن تینوں صورتوں میں عند امامنا و محمد واحمد غسل واجب ہے و عند ابی یوسف و مالک والشافعی واجب نہیں' منشاء اتفاق و اختلاف یہ زیر بحث روایت ہے عن ام

سلمۃ کہ ام سلیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ عورت خواب دیکھے تو کیا اس پر غسل واجب ہے فرمایا نعم اذا رات الماء اور ابوداؤد کی روایت ہے عن عائشة قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یجد البلل و لا یذکر احتلاماً قال یغتسل۔ بلل اور ماء سے مراد ان روایتوں میں منی ہے تو جن سات صورتوں میں یقین ہے یا غلبہ ظن ہے کہ منی ہے ان میں بالاتفاق غسل واجب ہے اور جن چار صورتوں میں یقین ہے یا غلبہ ظن ہے کہ منی نہیں ہے اور یہ پانی غیر منی ہے تو ان میں اتفاق ہے کہ غسل واجب نہیں ہے۔ باقی تین اختلافی صورتوں میں شک ہے کہ منی ہے یا غیر منی ہے۔ تو ہمارے امام صاحب اور امام محمد اور امام احمد نے احتیاط پر عمل فرمایا اور باقی ائمہ نے الیقین لا یزول بالشک پر عمل فرمایا ترجیح احتیاط والے قول کو ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتوی ہے کیونکہ عبادات میں احتیاط پر عمل ہی راجح ہوتا ہے۔

باب عرق الجنب وان المسلم لا ینجس

حدیث اور باب کے معنیٰ اور غرض۔ ا۔ مسلمان ایسا ناپاک نہیں ہوتا کہ پاک نہ ہو سکے۔ ۲۔ ایسا ناپاک نہیں ہوتا کہ اس سے مصافحہ نہ ہو سکے۔ یعنی جنابت میں نجاست حکمی ہوتی ہے۔ حسی نہیں ہوتی جو مصافحہ سے مانع ہو۔

باب الجنب یخرج و یمشی فی السوق وغیرہ

غرض یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب کینونة الجنب فی البیت اذاتوضأ قبل ان یغتسل

غرض یہ کہ جب نماز سے پہلے غسل کرلے تو گنجائش ہے۔ فرشتوں کے آنے سے مانع نہیں ہے۔

باب نوم الجنب

غرض یہ کہ جائز ہے پھر بعض اہل ظواہر اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک سونے سے پہلے وضو واجب ہے جمہور کے نزدیک واجب نہیں مستحب ہے۔ لنا فی ابی داؤد عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینام وھو جنب من غیر ان یمس ماءً لھما فی ابی داؤد والبخاری عن ابن عمر مرفوعاً فی الجنبی توضاء واغسل ذکرک ثم نم جواب یہ امر استحبابی ہے قرینہ صحیح ابن حبان کی روایت ہے کہ ابن عمر نے پوچھا کیا جنبی بلا غسل سو جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم و یتوضأ ان شاء زیر بحث باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنابت کی حالت میں وضو کر کے سونے کا فرمانا بھی امر استحبابی ہی پر محمول ہے قرینہ یہی ابن حبان والی روایت ہے۔

باب الجنب تیوضاء ثم ینام

غرض کہ ایسا کرنا اولیٰ ہے۔

باب اذا التقی الختانان غرض

ا۔ امام بخاری کے نزدیک غسل صورت اکسال میں مستحب جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ ۲۔ لفظ احوط جو اس باب کے اخیر میں قول بخاری میں ہے وہ وجوب کو شامل ہے اس لئے جمہور کی مخالفت نہیں ہے۔

باب غسل ما یصیب من رطوبة فرج المراة

اس باب کی حدیث اجماع صحابہ سے پہلے کے متعلق ہے بعد میں اجماع ہو گیا اور حضرت عثمان و علی کا فتوی وجوب غسل کا منقول ہے۔

قال ابو عبث اللہ الغسل احوط ذلک الآخر انما بینیاہ لا ختلافھم و المأ انقیٰ

ا۔ غسل میں زیادہ احتیاط ہے اور دوسری وجہ یعنی عدم الوجوب من الاکسال ہم نے اختلاف کی وجہ سے بیان کی ہے اور پانی زیادہ صفائی کا ذریعہ ہے۔ گویا اختلاف باقی ہے نسخ پر اجماع نہیں ہوا اس صورت میں آخر کی خاء پر فتحہ پڑھا گیا امام بخاری کا میلان داؤد ظاہری کے قول کی طرف ہوا اسی طرف باب کے عنوان میں بھی اشارہ ہے کہ صرف ازالہ نجاست کی ضرورت ہے غسل واجب نہیں ہے۔ ۲۔ یہی تقریر صرف ذلک الآخر بفتح الخاء سے مراد دوسری وجہ کی

بجائے دوسری حدیث یعنی حدیث ان الماء من الماء۔۳۔ ذلک الآخر میں خاء کا کسرہ پڑھا جائے اِس صورت میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ ذلک الآخر کا اشارہ غسل کی طرف ہو یعنی وجوب غسل فی الاکسال جو احوط واتقی ہے یہ آخری حکم ہے اس کو ہم نے اس لئے ذکر کیا کہ اختلاف صحابہ کا یا روایات کا جو منقول ہے اس کے متعلق پتہ چل جائے کہ یہ اختلاف ختم ہو چکا ہے اور ان الماء من الماء منسوخ ہو چکا ہے۔۴۔ بعض نسخوں میں ذلک الاخیر ہے اِس میں یہی تیسری تقریر جاری ہوگی۔ تیسری اور چوتھی تقریر کے مطابق امام بخاری نے جمہور کا قول ہی لیا ہے۔ یہی امام بخاری کی شان کے زیادہ مناسب ہے اور باب کے عنوان میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ مقصود نہیں ہے صرف ازالہ نجاست کا مسئلہ ذکر فرمانا مقصود ہے۔ پھر اجماع کی تصریح طحاوی میں مند روایت سے ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع فرما کر یہ مسئلہ پوچھا بعض نے اکسال میں غسل اور بعض نے عدم غسل کا ذکر فرمایا **فقال عمر قد اختلفتم وانتم اھل بدر الاخیار فکیف بالناس بعد کم فقال علی یا امیر المومنین ان اردت ان تعلم ذلک فارسل الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاسئلھن عن ذلک فارسل الی عائشہ فقالت اذا جاوزت الختان الختان فقد و جب الغسل فقال عمر عند ذلک لا اسمع احد ایقول الماء من الماء الا جعلتہ نکالاً** اس پر کسی صحابی کا انکار منقول نہیں ہے۔ لاختلافھم:۔ا۔ اختلاف صحابہ۔۲۔ اختلاف المحدثین فی نقل الروایات کہ بعض میں الماء من الماء ہے اور بعض میں اکسال میں وجوب غسل کی تصریح ہے۔

کتاب الحیض

ربط یہ ہے کہ پیچھے طہارت تھی حدثِ اصغر اور اکبر سے اب طہارت ہے حیض سے تینوں نماز کی شرطیں ہیں۔ حیض کے لغوی معنی سیلان اور بہنے کے ہیں اور شریعت میں یہ معنیٰ ہیں سیلان دم الرحم مع الصحۃ بعد البلوغ فی ایام معتادۃ اور استحاضہ کے معنیٰ ہیں دم عرق قریب من الرحم یقال لہ العاذل۔ **ویسئلونک عن المحیض**

آیت میں ایسا حکم بیان فرمادیا گیا جو یہود کے افراط اور عیسائیوں کی تفریط کے درمیان ہے یہود کمرے سے ہی حائضہ کو نکال دیتے تھے اور عیسائی وطی بھی کر لیتے تھے اسلام میں اعتدال ہے۔

باب کیف کان بدء الحیض

باب کو وقف کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔۲۔ رفع اور تنوین کے ساتھ بھی۔۳۔ رفع بلا تنوین بھی غرض حیض کی ابتداء بتلانا ہے کہ کیسے ہوئی۔

وقال بعضھم کان اول ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل

اس بعض کا مصداق حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ ہیں جیسا کہ مصنف عبد الرزاق میں تصریح ہے۔ پھر ابتداء حیض میں مختلف اقوال ہیں۔ا۔ بنی اسرائیل پر بطور سزا کے جاری کیا گیا تھا کہ عورتیں زینت کے ساتھ مسجد میں آتی تھیں مسجد سے منع بھی کر دی گئیں اور حیض بھی مسلّط کر دیا گیا۔۲۔ تفصیلی احکام بنی اسرائیل میں جاری کئے گئے نفس حیض پہلے سے تھا۔۳۔ زمانہ حیض میں اضافہ بنی اسرائیل سے ہوا۔۴۔ کچھ عرصہ بند رہا تھا پھر بنی اسرائیل میں دوبارہ جاری ہوا۔

وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر

اکثر قوۃ وقبولاً من قول الصحابۃ۔۲۔ اعم نساء بنی اسرائیل وغیرھم۔۳۔ فی روایۃ اکبرای اعلیٰ۔

ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نساءہ بالبقر

سوال گائے دس کی طرف سے کیسے کافی ہوئی۔ا۔ نفلی قربانی۔ اپنی طرف سے فرمائی اور ثواب ازواج مطہرات کو پہنایا۔۲۔ اس وقت ابھی ازواج مطہرات سات ہی تھیں۔

باب غسل الحائض راس زوجھا وتر جیلہ

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب قرأة الرجل فی حجر امرأته وھی حائض

غرض یہ ہے کہ نجاست چھپی ہوئی ہوتو اس کے قریب تلاوت جائز ہے۔

فتمسکه بعلاقته

اس واقعہ کی مناسبت بعدوالی حدیث سے ہے کہ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک قرآن پاک اور حائضہ عورت کے درمیان حائل تھا ایسے ہی لٹکانے کی چیز قرآن پاک اوراس لونڈی حائضہ کے درمیان حائل تھی۔

باب من سمی النفاس حیضا

مقصد یہ کہ دونوں کے احکام ایک جیسے ہیں اسی لئے جب نفاس والی حدیث ان کی شرط پر نہ تھی تو اطلاق نفاس علی الحیض سے ہی احکام کا استنباط فرمالیا۔ نیز نفاس کی حقیقت بھی وہی حیض کا خون ہے جو زمانہ حمل میں محبوس ہوتا ہے۔

سوال: باب کا عنوان یہ ہے کہ نفاس کو حیض کہا جاتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں اس کے برعکس ہے جواب۔ دونوں طرح اطلاق ہوتا رہتا ہے۔

باب مبا شرة الحائض

غرض کہ اٹھنا بیٹھنا حیض کی حالت میں بھی جائز ہے پھرعند الشافعی ومحمد صرف وطی حرام ہے باقی میں بلا حائل حیض میں جائز ہے وعندالجمھور موضع ازار پر مس بلا حائل جائز نہیں ہے۔ لنا۔ حدیث الباب عن عائشہ مرفوعاً وکان یأ مرنی فاتزر فیبا شرنی وانا حائض ولھما مافی ابی داؤدعن انس مرفوعاً واصنعو اکل شی غیرالنکاح جواب احتیاط ہماری دلیل پر عمل کرنے میں ہے۔

وایکم یملک اربه

بفتح الهمزة بمعنی الفرج و بکسرها بمعنی الحاجة مقصد۔ ا۔تم جماع کر بیٹھو گے اس لئے تمہارے لئے مضاجعت مع الحائض مناسب نہیں۔ ۲۔ تم صبر نہ کرسکو گے اس لئے تمہارے لئے مضاجعت بطریق اولیٰ جائز ہے۔

باب ترک الحائض الصوم

غرض وربط ایک حکم کے بعد دوسرا حکم حائضہ کا۔ سوال صوم کے ساتھ صلوٰۃ کا بھی ذکر چاہیئے تھا۔ جواب۔ ا۔ نماز کا حکم تو ظاہر ہی تھا کہ نماز کے لیے طہارت شرط ہے جو حائضہ کو حاصل نہیں۔ ۲۔ نماز کا ذکر آگے آجائے گا۔

باب تقضی الحائض المناسک کلھاالا الطواف بالبیت

غرض وربط ایک اور حکم حائضہ کا بیان فرمادیا پھرعند البخاری ومالک جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت جائز ہے وعندالجمھور جائز نہیں لنامافی الترمذی عن ابن عمر مرفوعاً لایقرأالحائض ولاالجنب شیئا من القرآن ولمالک۔ ا۔ فی ابی داؤد اسناداً وفی ھذاالباب تعلیقا عن عائشہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عزوجل علی کل احیانہ۔ جواب۔ تلاوت کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ ۲۔ فی البخاری تعلیقاً عن ابراھیم لا باس ان تقرالایۃ جواب۔ یہ ان کا اجتھاد ہے۔ ۳۔ فی البخاری تعلیقا ولم یرابن عباس بالقرأۃ للجنب باسا جواب محرم کو مبیح پر ترجیح ہے۔ ۴۔ فی البخاری تعلیقا وقالت ام عطیۃ کنا نوم ان یخرج الحیض فیکبرن بتکبیرھم ویدعون۔ جواب اس میں تلاوت داخل نہیں ہے۔ ۵۔ فی البخاری تعلیقا ہرقل کے خط میں آیت کا لکھنا کہ جب کافر پڑھے گا تو مسلم غیر طاہر بطریق اولیٰ پڑھ سکتا ہے۔ جواب۔ ا۔ یہ پوری آیت نہ تھی اقتباس تھا آیت سے۔ ۲۔ یہ تبلیغ کے طور پر تھا نہ کہ تلاوت کے لیے جیسے دعاء کی نیت سے آیت پڑھنی بالاتفاق جائز ہے۔ ۶۔ فی البخاری تعلیقا عن جابر حضرت عائشہؓ نے حیض کی حالت میں حج کے مناسک ادا فرمائے۔ جواب۔ تلاوت ان میں داخل نہین ہے۔ ۷۔ فی البخاری تعلیقاً وقال الحکم انی لاذبح واناجنب۔ جواب۔ یہ تلاوت نہیں ہے۔ ۸۔ فی البخاری اسناداً عن عائشہ مرفوعاً فافعلی مایفعل الحاج جواب اس میں تلاوت داخل نہیں ہے۔

باب الا ستحاضة

غرض وربط پہلے حیض کے احکام تھے اب استحاضہ کے ہیں پھر استحاضہ کے حکم میں اختلاف ہے حضرت عطاء بن ابی رباح اور روافض کے نزدیک ہر مستحاضہ غسل لکل صلوۃ کرے حنفیہ کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں۔ ا-مبتدءَ کہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی استحاضہ کی بیماری شروع ہوگئی تو دس دن حیض اور باقی مہینہ طہر شمار کرے اور دس دن پورے ہونے پر ایک دفعہ غسل کرے۔ ۲-معتادہ کہ کچھ عرصہ حیض ٹھیک رہا پھر استحاضہ کی بیماری شروع ہوگئی اور اس کو عادت یاد ہے تو عادت سابقہ کے مطابق حیض وطہر شمار کرے اور حیض کے دن پورے ہونے پر ایک دفعہ غسل کرے باقی وضوء لکل صلوۃ کرے۔ ۳-متحیرہ کہ بالغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ حیض ٹھیک رہا پھر استحاضہ شروع ہوگیا اور اپنی عادت بھول گئی تو یہ تحری کرے غلبہ ظن سے جو دن حیض کے سمجھ میں آئیں ان کو حیض باقی کو طہر سمجھے اور ایک دفعہ غسل کرے باقی وضوء لکل صلوۃ کرے اور اگر تحری پر قادر نہیں ہے تو اگر مکان ایام حیض یاد ہے کہ شروع ماہ حیض آتا تھا یا درمیان یا اخیر تو صرف ان دنوں میں غسل لکل صلوۃ کرے جن میں حیض سے نکل کر طہر میں داخل ہونے کا خیال ہے باقی وضوء لکل صلوۃ اور اگر مکان ایام حیض بھی یاد نہیں تو جب تک استحاضہ کی بیماری رہے غسل لکل صلوۃ کرے پھر جن صورتوں میں غسل لکل صلوۃ ہے ان میں اگر وقفہ والی ہے کہ اندازہ ہے کہ اگر ایک ہی غسل سے ظہر اخیر وقت میں اور عصر شروع وقت میں پڑھ لونگی تو درمیان میں قطرہ نہ آئے گا تو ایسا ہی کرے ایسے ہی مغرب اور عشاء کے لئے ایک ہی غسل کرے وعندالجمھو رمستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اول تمیز بالالوان کرے کہ سرخ اور سیاہ تیز رنگوں کو حیض شمار کرے وعندالجمھو رمستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ اول تمیز بالالوان کرے کہ سرخ اور سیاہ تیز رنگوں کو حیض شمار کرے اور زرد اور ہلکے رنگوں کو استحاضہ شمار کرے اور اگر تمیز بالالوان پر قادر نہیں ہے تو حنفیہ کی طرح عادت پر عمل کرے ہمارے سات دعوے ہوگئے ہر ایک کی الگ الگ دلیل ہے۔

ا-مبتدءَ۔ فی الکامل لابن عدی عن انس مرفوعاً الحیض ثلثۃ واربعۃ وخمسۃ وستۃ وسبعۃ وثمانیۃ وتسعۃ وعشرۃ فاذا جاوزت العشرۃ فھی مستحاضۃ ۲-عدم الغسل لکل صلوۃ فی کل مستحاضۃ۔ بخاری شریف میں عن عائشۃ مرفوعاً انما ذلک عرق اور دم عرق میں غسل لکل صلوٰۃ نہیں ہوتا اس لئے استحاضہ میں عام حالات میں غسل لکل صلوٰۃ نہیں ہے۔ ۳-عدم اعتبار الالوان فی البخاری تعلیقا وفی الموطین اسناداً ہے کہ عورتیں حیض کے اخیر میں ڈبیہ میں روئی رکھ کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کرتی تھیں کہ ہم غسل کرلیں تو فرمایا کرتی تھیں لاتعجلن حتی ترین القصۃ البیضاء کہ جب تک سفید پانی جو عموماً حیض کے اختتام پر آیا کرتا ہے جب تک وہ نہ دیکھ لو غسل نہ کرنا معلوم ہوا کہ ہر قسم کا رنگ حیض میں داخل ہے اور تمیز بالالوان کا بالکل اعتبار نہیں ہے اسی دعوے کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ استحاضہ والی عورتیں جو مسئلہ پوچھنے آتی تھیں ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عادت پر عمل کرنے کا حکم فرماتے تھے اگر تمییز بالالوان معتبر ہوتی تو پہلے یہ دریافت فرماتے کہ تم تمیز بالالوان پر قادر ہو یا نہ۔ یہ دریافت نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ شریعت میں تمیز بالوان کا اعتبار نہیں ہے۔ ۴-چوتھا دعویٰ معتادہ کا حکم ہے اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن ام سلمة مرفوعاً فی المستحاضة لتنظر عدةالليالی والا يام التی كانت تحيضهن من الشهر قبل ان يصيبها الذی اصابها فتترک الصلوة قدرذلک من الشهر فاذا خلفت ذلک فلتغتسل ثم لتستشفر بثوب ثم لتصل اسی دعویٰ کی دوسری دلیل بخاری شریف کی روایت ہے اسی باب میں عن عائشه مرفوعاً انما ذلک عرق وليس بالحيضته فاذا اقبلت الحيفته فاتر کی الصلوٰة فاذاهب قدرها فاغسلی عنک الدم وصلی۔ اس اقبال وادبار کے عنوان کی سب روایتیں عادت کے بیان کے لئے ہیں کیونکہ بخاری شریف کی اس روایت میں اور ابوداؤد میں بھی فاذا اقبلت کے ساتھ فاذا ذهب قدرها بھی ہے اور قدر کا لفظ عادت

کے بیان میں نص ہے۔ ۵-تحری اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت عن حمنة بنت جحش مرفوعاً تحیضی ستة ایام اوسبعة ایام فی علم اللہ تعالیٰ ذکرہ یعنی اللہ تعالیٰ کوتو معلوم ہے تو تحری کر کے غلبہ ظن سے چھ یا سات یا جتنا غلبہ ظن ہواس کو حیض سمجھ لے۔ ۶-بعض صورتوں میں غسل لکل صلوۃ ہے اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے۔ عن عائشة مرفوعاً فامرھا بالغسل لکل صلوۃ نیز دوسری دلیل قیاس ہے کہ جن دنوں میں شبہ ہو کہ آج میں طہر میں داخل ہورہی ہوں ان میں غسل لکل صلوۃ کرے اور یہ شبہ اس عورت کو جس کو مکان ایام حیض یاد ہو چند دن ہوتا ہے اور جس کو یہ بھی یاد نہ ہواس کو ہمیشہ یہی شبہ ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ غسل لکل صلوۃ کرے گی البتہ کمزوری اور بیماری کی وجہ سے غسل کی جگہ تیمم ہوہی جایا کرتا ہے۔ ۷-وقفہ والی کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن عائشة امرھا ان تجمع بین الظھر والعصر بغسل والمغرب والعشاء بغسل وتغتسل للصبح۔ وجمھور:۔ مافی ابی داؤد عن فاطمة بنت ابی جیش مرفوعاً اذا کان دم الحیضة فانہ دم اسود یعرف کہ گہرے رنگوں کو حیض شمار فرمایا جواب اس روایت کو امام انسائی امام طحاوی اور امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دلیل عطاء والشیعته

ہمارے چھٹے دعوے والی دلیل جواب یہ کمال تحیر اور مکان ایام حیض یاد ہونے والی صورتوں پر محمول ہے تا کہ روایات میں تعارض لازم نہ آئے۔

باب غسل دم الحیض

غرض اس کا حکم بیان کرنا ہے کہ ضروری ہے سوال کتاب الوضوء میں بھی باب غسل الدم گزر چکا ہے جواب۔ یہ اس سے اخص ہے اس لئے تکرار نہ ہوا۔ رأت ماء العصفر:۔ اردو میں اس کو کسم کہتے ہیں۔ اس کا پانی دیکھ کر فرمایا کہ فلاں عورت کو اسی رنگ کا خون آتا تھا پھر یہ اعتکاف ان عورتوں کی اپنی رائے سے تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترغیب دینا ثابت نہیں ہے بلکہ آبسر اردن سے کراہت معلوم ہوتی ہے کیونکہ عورتوں کا اعتکاف گھر میں ہوتا ہے۔

باب هل تصلی المراۃ فی ثوب حاضت فیه

غرض یہ کہ جائز ہے اور یہی ھل کا جواب مقدر ہے سوال صرف تھوک سے تو کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ جواب۔ ۱-نجاست قلیلہ معافی کی حد کے اندر اندر مراد ہے۔ ۲-بعد حیض ختم ہونے کے نماز پڑھنے سے پہلے دھولیا کرتی تھیں۔ ۳-روایت میں بھی دھونے کا ذکر تھا کسی راوی نے اختصار کیا ہے۔

باب الطیب للمراۃ عند غسلھا من الحیض

یعنی یہ مستحسن ہے حتی کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ احداد اور خاوند کے سوگ کے دنوں میں بھی حیض سے پاک ہو کر لگانی مستحسن ہے۔ قسط اظفار:۔ اس کو قسط بھی کہتے ہیں۔ عطر کی ایک قسم ہے اظفار کی طرف اضافت اس وجہ سے ہے کہ وہ ناخن کے برابر قلیل مقدار میں استعمال ہوتی تھی اور جب کست ظفار بلا ہمزہ کہتے ہیں تو ظفار جگہ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

باب ذلک المراۃ نفسھا

غرض بیان استحباب ہے دلک کا سوال۔ اس باب کی حدیث میں تو دلک کا ذکر نہیں ہے جواب۔ اسی حدیث کے ایک طریق میں جو مسلم شریف میں ہے اس میں دلک ہے لیکن وہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے سوال حدیث میں صرف خوشبو لگانے کا ذکر ہے غسل کا طریقہ تو مذکور ہی نہیں۔ جواب وہ ظاہر تھا اس لئے زائد چیز دلک اور خوشبو ذکر فرمادی۔

باب غسل المحیض

بضم الغین حیض کے غسل کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے اور اگر غین کا فتحہ پڑھیں تو محیض ظرف کا صیغہ ہوگا موضع حیض کی تنظیف خوشبو کے ذریعہ سے بیان کرنی مقصود ہے۔

باب امتشاط المرأۃ عند غسلھا من المحیض

غرض کنگھی کرنے کا مستحسن ہونا بیان کرنا ہے کہ جب حدیث پاک میں غسل بعد الاحرام میں کنگھی کا امر فرمایا تو غسل بعد الحیض

میں بطریق اولی یہ امر استحبابی جاری ہوگا۔

باب نقض المرأة شعرها عند غسل المحيض

غرض اس کا بیان ہے کہ غسل حیض میں بال کھول لینا ثابت ہے اور حدیث پاک میں غسل بعد الاحرام میں بال کھولنے کا امر ہے تو غسل حیض میں بطریق اولی یہ حکم ثابت ہوگا کیونکہ اس میں صفائی کی زیادہ ضرورت ہے پھر امام بخاری اور امام احمد کے نزدیک غسل حیض میں عورت کے ذمہ بال کھولنا واجب ہے عند الجمہور واجب نہیں صرف جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔لنا مافی ابی داؤد عن ام سلمۃ کہ ایک عورت نے پوچھا کیا میں بال کھولا کروں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما یکفیک ان تحفنی علیہ ثلثاً کہ تین دفعہ سر پر دونوں ہاتھ بھر کر پانی ڈال لیا کرو جس سے جڑیں تر ہوجائیں لھما مافی حدیث الباب عن عائشۃ مرفوعاً وانقضی رأسک جواب۔ ہماری دلیل قرینہ ہے کہ یہ امر استحبابی ہے پھر عورت جو حیض کی وجہ سے عمرہ چھوڑتی ہے جس کا بیان اس باب کی حدیث میں ہے تو اس عورت پر نقض عمرہ کی چٹی واجب نہیں ہوتی کیونکہ وہ مجبور ہے۔

باب مخلقة وغير مخلقة

غرض یہ ہے کہ حمل کے زمانہ میں جو خون آتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا کیونکہ دم حیض سے جنین کی تخلیق ہوتی ہے۔مضغہ مخلقہ حمل ہوتا ہے اور اگر غیر مخلقہ ہو تو پھر حمل نہیں ٹھہرتا اور حیض شروع ہو جاتا ہے۔اس باب کی حدیث کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ حدیث میں مضغہ کا ذکر ہے اسی کی دو صورتیں ہوتیں ہیں کبھی مخلقہ یعنی حمل کبھی غیر مخلقہ یعنی حیض پھر فی روایۃ عن مالک و فی روایۃ عن الشافعی حاملہ کو جو خون آتا ہے وہ حیض ہے و فی روایۃ عنھما و مذہب امامنا ابی حنیفۃ واحمد والبخاری والجمھور وہ استحاضہ ہے لنا مافی ابی داؤد فی سبایا اوطاس عن ابی سعید مرفوعاً لاتوطا حامل حتی تضع ولا حائل حتی تستبرا بحیضۃ تقابل سے معلوم ہوا کہ حائلہ کو حیض آتا ہے حاملہ کو نہیں آتا ولھما کہ اصل یہی ہے کہ وہ حیض ہوا اور کوئی مانع ہے نہیں جواب نص کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب كيف تهل الحائض بالحج والعمرة

غرض یہ ہے کہ حیض احرام سے مانع نہیں ہے۔

باب اقبال المحيض وادباره

غرض ۱-اقبال کا حکم ادبار کے حکم سے مختلف ہے۔۲-اقبال وادبار کی کیفیت کا اندازہ کیسے ہوتا ہے اور علامت کیا ہے۔۳-اقبال کی حقیقت کیا ہے اور ادبار کی حقیقت کیا ہے عادت یا رنگ پھر ادبار کی علامت میں دو اہم قول ہیں۔۱-روئی کا خشک ہوجانا۔۲-سفید پانی آنا اسی کی طرف امام بخاری کا میلان ہے اور پھر ہمارے امام ابوحنیفہ ہی کا مسلک اختیار فرمایا کہ الوان کا اعتبار نہیں ہے۔

وعابت عليهن

کیونکہ بلاضرورت اتنا تکلف مناسب نہیں کہ آدھی رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھیں کہ حیض بند ہوا یا نہ۔

باب لاتقضى الحائض الصلوٰة:.

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ حائضہ پر نماز کی قضا نہیں ہے

التجزی:۔۱-مجرد سے بمعنی تقضی، ۲-مزید سے بمعنی تکفی یعنی کیا طہر کی نمازیں ہی کافی ہوجاتی ہیں حیض کی نمازوں کی قضا کی ضرورت نہیں ہے۔

باب النوم مع الحائض وهى فى ثيابها

غرض کہ ایسا کرنا جائز ہے تعریض ہے یہود سے کہ ان کی طرح کمرے سے حائضہ کو نکالا نہیں جاتا۔

باب من اتخذ ثياب الحيض سوى ثياب الطهر

غرض یہ بھی مستحسن ہے سوال ایک حدیث میں حضرت عائشہ سے ہے کہ ہمارے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا ہے جواب۔یہ ایک کپڑے والی روایت شروع اسلام کی ہے اور زیر بحث روایت بعد کی ہے جب وسعت ہوگئی تھی یہاں گذشتہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ ایک ہی حدیث سے دونوں بابوں کے تراجم مستنبط ہیں۔

باب شهود الحائض العيدين

غرض کہ یہ جائز ہے۔

باب اذا حاضت فی شهر ثلاث حيض

غرض کہ حیض کے اقل واکثر کی کوئی حد نہیں۔لیکن امام بخاری کی یہ رائے درست نہیں کیونکہ کامل لابن عدی میں تعیین موجود ہے عن انس مرفوعاً الحیض ثلثۃ۔ واربعۃ وخمسۃ وستۃ وسبعۃ وثمانیہ وتسعۃ وعشرۃ فاذا جاوزت العشرۃ فہی مستحاضۃ:۔ **من بطانته اهلها:**۔ من خواص اھلھا۔ **اقرائها ماكانت:**۔ یعنی عدت سے پہلے جو عادت تھی اسی کے مطابق اگر عدت کے حیض ذکر کرتی ہے تو تصدیق کی جائے گی۔ورنہ نہیں۔

ترى الدم بعد قرئها نجمسته ايام

یعنی اس کی عادت پانچ دن تھی اب اس سے اوپر خون آیا تو وہ کیا کرے۔ابن سیرین کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ عادت پر عمل کرے۔

باب الصفرة والكدرة فی غير ايام الحيض

غرض دو حدیثوں کے درمیان تعارض کو اٹھانا ہے ایک حضرت عائشہ سے پیچھے تعلیقاً گزری ہے لاتعجلن حتی ترین القصته البیضاء اور دوسری یہاں زیر بحث عن ام عطیۃ قالت کنالانعد الکدرۃ والصفرۃ شیئاً کہ حیض یقیناً شروع ہو تو ہر رنگ حیض ہی میں شمار ہوگا اور اگر طہر کے دن ہوں اور اقل طہر بھی پورا نہ ہوا ہو تو ان رنگوں کا اعتبار نہیں ہے یہی حنفیہ اور امام بخاری اور جمہور کا مسلک ہے البتہ امام مالک ہر زمانہ میں ہر رنگ کو حیض شمار فرمالیتے تھے ان کا یہ قول اسی پر محمول ہے کہ ان کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی۔ باب عرق الاستحاضۃ:۔ غرض یہ کہ استحاضہ کا خون دم عرق ہوتا ہے دم رحم نہیں ہوتا۔

فكانت تغتسل لكل صلوٰة

اور ابو داؤد کی ایک روایت میں مرفوعاً غسل لکل صلوٰۃ کا امر بھی مذکور ہے اسی حدیث کے واقعہ میں اس لئے اس واقعہ کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔۱۔ امر استحبابی ہے۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امر غسل فرمایا تھا تو اس سے مقصود ایک دفعہ غسل کا حکم دینا تھا انہوں نے غسل لکل صلوۃ سمجھ لیا۔۳۔ خود حضرت ام حبیبہ کا اجتہاد تھا کہ غسل لکل صلوٰۃ مستحب ہے۔۴۔ متحیرہ تھیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل لکل صلوٰۃ کا امر فرمایا تھا۔۵۔ ازالہ نجاست کے لیے غسل لکل صلوۃ کا امر فرمایا تھا۔۶۔ کان فنسخ اور ناسخ وضوء لکل صلوۃ والی احادیث ہیں۔۷۔ علاجاً امر فرمایا تھا۔

باب المرأة تحيض بعد الا فاضة

غرض یہ کہ اس کے لئے طواف وداع چھوڑنا جائز ہے۔

اذارات المستحاضة الطهر

غرض۔۱۔ جب ہلکے رنگ آجائیں تو نماز پڑھے۔۲۔ اقل طہر کی کوئی حد نہیں جیسا کہ ابن عباس کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔۳۔ مستحاضہ سے وطی کا جواز بیان کرنا مقصود ہے اور اس شخص کا رد مقصود ہے جو صرف زنا کے خوف کے موقعہ میں جائز باقی نا جائز کہتا ہے۔ کہ زنا کا خطرہ نہ ہو تو خاوند کے لئے مستحاضہ سے وطی جائز نہیں ہے اس کا رد کر دیا کہ جائز ہے۔

باب الصلوٰة على النفساء و سنتها

غرض۔۱۔ نفاس میں فوت ہونے والی پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ وہ ناپاکی کی حالت میں فوت ہوئی ہے۔۲۔ ایسی عورت پر نماز جنازہ پڑھتے وقت امام کے کھڑے ہونے کی جگہ بتلانی مقصود ہے۔ پھر نفاس والی عورت کے جنازہ کا ذکر حیض کے بابوں میں اس لئے کیا کہ حیض والی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔
باب:۔ یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے تتمہ ہے ماقبل کا کہ حائضہ کی ذات پاک ہے اسی لئے اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی ہے اور اسی لئے وہ اگر نمازی کے سامنے بھی لیٹی ہو تو کچھ حرج نہیں۔

كتاب التيمم

ربط وغرض پہلے وضو اور غسل تھے جو اصل ہیں اب ان دونوں کا خلف ہے۔ لغت میں تیمم کے معنٰی لقصد کے ہیں اور شریعت میں

قصد الصعید الطاہر لارکان مخصوصۃ۔

نصرتُ بالرعب

سوال: یہ چیز تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی تھی اس کو خصوصیت کیوں شمار فرمایا جواب ان کے لئے ظاہری سلطنت کی وجہ سے تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلا اسباب ظاہرہ کے تھی۔ ابھی سلطنت دنیا کے لوگوں پر ظاہر نہ ہوئی تھی۔

وجعلت لی الارض مسجد اوطھورا

پہلی امتوں میں نہ تیمم تھا نہ ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت تھی صرف اپنے عبادت خانہ میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔

وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ

سوال حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت بھی تو عام تھی اس لئے سب پر عذاب آیا۔ جواب۔۱۔ان کی تبلیغ توحید کا ماننا سب کے ذمہ ضروری تھا دخول فی الشریعت ضروری نہ تھا۔۲۔ان کی بعثت نئے نبی کے آنے تک کے لئے تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے۔

باب اذا لم یجد ماًء و لا ترابا

غرض فاقد الطھورین کا مسئلہ بیان کرنا ہے اور امام بخاری کے نزدیک ادا کرے صحیح ہے استدلال صحابہ کے عمل سے فرمایا کہ انہوں نے بلا وضو و بلا تیمم نماز پڑھ لی اور ان کو اعادہ کا حکم نہیں فرمایا گیا جواب یہ ہے کہ یہ عمل نزول تیمم سے پہلے کا ہے نزول تیمم سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مسئلہ تفصیل سے پیچھے گزر چکا ہے۔

باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء و خاف فوت الصلوٰۃ

غرض اس کا جواز بیان کرنا ہے۔۱۔ پانی نہ ملے۔۲۔نماز فوت ہونے کا خدشہ ہو۔ ہمارے امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف نماز جنازہ اور عیدین کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کر کے شریک ہو جانا جائز ہے اگرچہ پانی قریب موجود ہو لیکن اگر وضو کرنے جاتا ہے تو یہ دونوں نمازیں فوت ہونے کا اندیشہ ہے البتہ ولی نماز جنازہ کے لئے تیمم نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ ہی نہ ہو گی اور دوبارہ پڑھی جائے گی وعند الجمھور ان دونوں صورتوں میں بھی وضو ہی ضروری ہے لنا زیر بحث باب کی مسند روایت عن ابی جھیم مرفوعاً رجل فسلم علیہ فلم یرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اقبل علی الجدار فمسح بوجھہ ویدیہ ثم رد علیہ السّلام کہ جب سلام کے جواب میں فوت بلا خلف کے خوف سے تیمّم فرمایا حالانکہ وہاں وضو واجب بھی نہ تھا مستحب تھا تو جہاں وضوٗ واجب ہے وہاں خوت بلا خلف کے خوف سے تیمم کر لینا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ وللجمھور فلم تجدوا ماء کی شرط ہے۔ اور مذکورہ صورت میں پانی موجود ہے جواب۔ پانی حکماً موجود نہیں ہے جیسے مریض میں ہوتا ہے۔ اور امام بخاری کا استدلال بھی مذکورہ صورت میں پانی موجود ہے جواب۔ پانی حکماً موجود نہیں ہے جیسے مریض میں ہوتا ہے۔ اور امام بخاری کا استدلال بھی مذکورہ زیر بحث روایت سے ہے جواب یہ ہے کہ آپ صرف خوف کی شرط لگاتے ہیں اور مذکورہ روایت میں خوف بلا خلف ہے کیونکہ مجلس ختم ہونے پر سلام کا جواب معتبر نہیں رہتا۔

فحضرت الصلوٰۃ بمر بدالنعم

یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک میل یا دو میل دور ہے اس لئے حنفیہ جو ایک میل تلاش کرنے کی شرط لگاتے ہیں یہ روایت اس کے خلاف نہیں ہے۔

باب المتیمم ھل ینفخ فیھما

غرض یہ ہے کہ پھونک مار کر یا جھاڑ کر زائد مٹی ہٹا لینی چاہئے تا کہ شکل نہ بگڑے اور مثلہ کی طرح نہ ہو جائے۔ پھر طریق تیمم میں اختلاف ہے عند امامنا ابی حنیفۃ والشافعی ضربتین ہیں ایک چہرے کے لئے دوسری ہاتھوں کے لئے الی المرفقین وعند احمد ایک ہی ضرب ہے چہرے اور ہاتھوں کے لئے رسغین تک وعند مالک ضربتین ہیں ضرب ثانی رُسغین تک وجوباً اور مرفقین تک استحباباً وعند الزھری ضربتین ہیں اور ضرب ثانی مناکب و آباط تک ہے لنا۔۱۔

فی الطحاوی عن اسلع مرفوعاً ضربتین ہیں اور ضرب ثانی مرافق تک ہے۔۲۔فی الدارقطنی وابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً اسی طرح۔۳۔فی الدارقطنی عن ابن عمر موقوفاً اسی طرح۔۴۔فی الدارقطنی عن جابر مرفوعاً اسی طرح۔ ۵۔ فی الدارقطنی موقوفاً علی جابر اسی طرح والزهری مافی ابی داؤد عن عمار بن یاسر فی واقعۃ نزول التیمم فمسحوا باید یھم کلھا الی المناکب والآباط ولاحمد حدیث الباب عن عبدالرحمن ابن ابزیٰ مرفوعاً حضرت عمار سے فرمایا کہ انما کان یکفیک ھکذا فضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکفیہ الارض ونفخ فیھما ثم مسح بھما وجھہ جواب حضرت عمار کو وضو کے تیمم کا طریقہ معلوم تھا صرف یہ بتلانا مقصود تھا کہ غسل کا تیمم بھی اِسی طرح ہوتا ہے جیسے وضو کا تیمم ہوتا ہے اِس لئے صرف اشارہ فرمادیا پورا طریقہ نہیں بتلایا اِس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوداؤد میں صرف ایک ہاتھ کا مارنا مذکور ہے مسلم شریف میں ظاہر کفین پر مسح مذکور ہے اور مسلم شریف کی ایک روایت میں صرف مسح الشمال علی الیمین ہے حالانکہ یہ صورتیں امام احمد کے نزدیک بھی کافی نہیں ہیں۔امام زہری کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مناکب تک صحابہ نے اس وقت کیا جبکہ ابھی طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھا نہ تھا ولمالک روایتیں دونوں قسم کی ہیں اِس لئے رسغین تک وجوباً اور مرافق تک استحباباً ہونا چاہیئے تاکہ تطبیق ہوجائے جواب رسغین تک تو صرف تعلیم سابق کی طرف اشارہ تھا اس لئے نہیں لے سکتے۔

باب التیمم للوجه والکفین

غرض۔۱۔امام احمد کے مذہب کو لینا مقصود ہے۔۲۔مقصود یہ ہے کہ تیمّم کا تعلق سر اور پاؤں سے نہیں ہے۔اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔۳۔مقصد یہ ہے کہ غسل کے تیمم میں پورے بدن پر مٹی ملنے کی ضرورت نہیں ہے **وقال تفل فیھما**:۔یعنی نفخ فیھما کی جگہ یہ لفظ ہیں دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔

باب الصعید وضوء المسلم یکفیه من الماء

باب کی تنوین ہی مناسب ہے۔امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے یہی مسلک ہے۔امام ابوحنیفہ کا اور جمہور کے نزدیک طہارت ضرور یہ ہے۔لنا۔ حدیث الباب عن عمران مرفوعاً علیک بالصعید فانہ یکفیک معلوم ہوا کہ تیمم بھی وضو کی طرح کافی ہے والجمہور کہ تیمم مجبوری کے درجہ میں ہوتا ہے اور اصول یہ ہے کہ مجبوری کے درجہ میں جو چیز ہو وہ بقدر ضرورت ہی رہتی ہے۔ جواب: حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہی ہوسکتا۔ **لا باس بالصلوة علی السنجته و التیمم بها**: سنجہ اس شور زمین کو کہتے ہیں جو کچھ نہ اگائے سوائے بعض درختوں کے۔مقصد یہ ہے کہ ایسی زمین بھی جنس ارض سے ہے اور اس پر تیمم صحیح ہے۔

یرفع صوته بالتکبیر

حضرت عمرؓ کے اس عمل میں دونوں مصلحتوں کی رعایت ہے۔ ۱۔خواب کی وحی کو بند نہ کیا جائے۔۲۔نماز کے لیے جگانے کی بھی کچھ نہ کچھ تدبیر کی جائے پھر اللہ اکبر کے لفظ کو اختیار فرمایا کیونکہ وہ اذان کا بنیادی لفظ ہے۔**ارتحلوا**:۔تاکہ مکان شیطان سے بھی الگ ہوجائیں اور زمان شیطان بھی گذر جائے۔

مکروہ وقت میں قضاء کرنے کا اختلاف

عند امامنا ابی حنیفۃ وقت مکروہ میں قضا صحیح نہیں ہے وعند الجمہور صحیح ہے۔لنا۔۱۔فی مسلم عن عقبۃ بن عامر اوقات مکروھہ والی روایت۔ ۲۔ زیر بحث روایت کیونکہ اِس میں وارد ہے۔ارتحلوا یہ حکم اسی لئے فرمایا کہ مکروہ وقت گزر جائے سوال۔ قضاء حاجات کے لئے تاخیر فرمائی جواب بعض روایات میں ہے کہ ارتفاع شمس کے بعد سواریوں سے اترے پھر قضا حاجات ہوئیں پھر نماز ہوئی۔سوال۔صرف شیطان کے اثر سے بچنے کے لیے سواریوں پر سوار ہوکر آگے جانے کا حکم فرمایا تھا ارتفاع شمس بالکل مقصود نہ تھا۔جواب۔۱۔وساوس کی وجہ سے نماز نہیں چھوڑی جاتی جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دفعہ شیطان کو پکڑنے کا نماز میں۔ارادہ فرمانا مذکور ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ شیطان کے آنے کی وجہ سے نماز توڑ دی ہو۔۲۔ شیطانی جگہ سے بھی بچنا

مقصود تھا اور شیطانی وقت سے نکلنا بھی مقصود تھا ایک سبب دوسرے سبب کی نفی نہیں کرتا **لھم ما فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من نسی صلوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا**

جواب۔ ۱۔ اذا بیان شرط کے لئے آتا ہے متی عموم اوقات کے لئے ہوتا ہے یہاں اذا ہے۔ ۲۔ فلیصلھا صلوۃ صحیحۃ مراد ہے اور وقت مکروہ میں نماز صحیح نہیں ہوتی۔ ۳۔ ہماری دلیل محرم ہے اور آپ کی مبیح ہے ایسے موقعہ میں ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔ ۴۔ ہماری روایت کو متواتر بھی کہا گیا ہے اس لئے اس کی سند بہر حال اقویٰ ہے۔ ۵۔ اوقات مکروھہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

ونفرنا خلوفاً:۔ یہاں کان مقدر ہے کان نفرنا خلوفاً کہ ہمارے گھر کے مرد سفر پر گئے ہوئے تھے اس لئے مجھے پانی لانا پڑا۔ **مزادتین او سطیحتین**:۔ دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ بڑی مشک جس میں دو جانوروں کی کھالیں جمع کی گئی ہوں اسی لئے مزادتین یعنی زیادتی والی کہتے ہیں۔

و او کاء افواھھما:۔ بیہقی میں زیادتی بھی ہے کہ اُس برتن میں کلی فرمائی اور پھر اُس پانی کو دوبارہ بڑے منہ میں ڈال کر اس کو بند کر دیا اور عزالی یعنی نیچے کے منہ کھول دیے مفرد عزلاء ہے اور جمع عزالی لام کے کسرہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھی جاتی ہے۔

اقلع عنھا: اُس عورت سے اس کا پانی بس تھوڑی دیر کے لیے روکا گیا تھا یعنی کم نہ کیا گیا تھا **اُقلِعَ بمعنی کُفَّ**. **الصِّرْمُ**:۔ چند گھروں کا مجموعہ جس کو گاؤں اور بستی کہتے ہیں ہیں۔ ماارى ان ھولاء القوم:۔ ما موصولہ ہے یعنی میرا خیال یہ ہے کہ صحابہ کرام قصداً تمہاری بستی پر حملہ نہیں کرتے اور نرمی کرتے ہیں۔ پھر نماز قضا ہو جانے کے واقعات بعض کے نزدیک متعدد ہوئے ہیں اور بعض کے نزدیک ایک ہی دفعہ نماز قضا ہوئی تھی خیبر سے واپسی پر زیادہ تر ایک دفعہ قضا ہونے کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم

غرض ان تین کاموں کا جواز بیان کرنا ہے۔ پھر اس باب میں جو دو مسند روایتیں ہیں، ان کو سمجھنا پانچ واقعات کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ ۱۔ نزول تیمم کا واقعہ جو حضرت عمار سے بھی تفصیل سے مذکور ہے۔ ۲۔ حضرت عمر و عمار سفر میں تھے پانی نہ تھا دونوں کو غسل کی حاجت ہوئی حضرت عمر نے اپنے اجتہاد کی بنا پر نماز نہ پڑھی حضرت عمار نے اپنے اجتہاد کی بنا پر پورے بدن پر پلٹیاں کھا کر مٹی مل لی۔ ۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عمار نے یہ دوسرا واقعہ ذکر کیا تو فرمایا کہ صرف اتنا ہی کافی تھا اور منہ اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیرا یعنی غسل کا تیمم بھی وضو کے تیمم کی طرح ہی ہوتا ہے پورے بدن پر مٹی ملنے کی ضرورت نہ تھی۔ ۴۔ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں ایک آدمی نے حضرت عمر سے مسئلہ پوچھا کہ غسل کی حاجت ہو پانی نہ ہو تو کیا کرے فرمایا میں تو نماز نہ پڑھوں حضرت عمار پاس بیٹھے ہوئے تھے دوسرا اور تیسرے واقعہ یاد کرایا لیکن ان کو یاد نہ آیا اور فرمایا کہ اپنی ذمہ داری پر بیان کرنا میں تائید نہیں کرتا کیونکہ مجھے یاد نہیں آیا۔ ۵۔ یہ مناظرہ کا واقعہ پھر مناظرہ میں ترتیب اِس باب کی دوسری روایت میں تو یوں ہے کہ حدیث عمار کا ذکر پہلے ہے اور آیت کا بعد میں ہے اور آیت پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے مان لیا کہ غسل کی جگہ بھی تیمم ہو سکتا ہے لیکن میں اس مسئلہ کو زیادہ بیان نہیں کرتا کہ کہیں لوگ معمولی سردی میں غسل کی جگہ تیمم نہ شروع کر دیں اس پر مناظرہ ختم ہو گیا۔ لیکن بخاری شریف کی اِس باب کی پہلی حدیث اور ابوداؤد کی روایت میں آیت کا ذکر پہلے ہے اور حدیث عمار کا بعد میں ہے اِس روایت میں کسی راوی نے غلطی سے ترتیب بدل دی ہے صحیح وہی ہے جو یہاں بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کیونکہ جب آیت سے مناظرہ ختم ہو گیا تو پھر حدیث عمار پیش کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

باب التیمم ضربۃ

۱۔ باب تنوین کے ساتھ اور ضربۃ مرفوع۔ ۲۔ باب بلا تنوین بطور اضافت اور ضربۃٍ منصوب۔ غرض ایک ضرب والے قول کو نقل کرنا ہے۔ اس باب کی حدیث میں بھی ترتیب صحیح نہیں ہے

کسی راوی نے غلطی سے بدل دی ہے۔ باب :۔بعض نسخوں میں یہاں باب ہے بلا ترجمہ اور بعض میں باب بھی نہیں ہے دونوں صورتوں میں اخیر میں فانہ یکفیک میں ایک ضرب بھی داخل ہے۔خواہ اِس حدیث کو گذشتہ باب میں داخل مانیں اور درمیان میں باب نہ مانیں خواہ باب مان کر اسی باب کو گذشتہ باب کا تتمہ مانیں دونوں صورتوں میں یہی لفظ محل ترجمہ یا محل تتمہ ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ

وجہ تسمیہ۔ا۔اصلی معنیٰ دعاء ہیں پھر جزء بول کر کل مراد ہے۔۲۔اقبال یعنی توجہ پھر عام بول کر خاص اقبال علی اللہ اور توجہ الی اللہ مراد ہے۔۳۔نرمی پھر لازم بول کر ملزوم مراد ہے۔۴۔رحمۃ پھر لازم بول کر ملزوم مراد ہے۔۵۔گھوڑ دوڑ میں دوسرے درجہ کے گھوڑے کو مصلی کہتے ہیں پہلے کو مجلی اور سابق کہتے ہیں۔یہاں مشبہ بہ بول کر مشبہ مراد ہے کہ نمازی دوسرے درجہ میں ہے پہلے درجہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔نمازی نماز پڑھنے کے سب کاموں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے اس لیے اس کو اتباع کرنے والا اور مصلی کہتے ہیں اور اس کے فعل کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔۶۔پہلے درجہ میں امام ہے دوسرے درجہ میں عام نمازی ہیں۔۷۔تعظیم پھر عام بول کر خاص مراد ہے نماز اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔۸۔تحریک الصلوین۔بدن کے نیچے کے حصہ کو ہلانا پھر عام بول کر خاص مراد ہے نماز میں بھی رکوع سجدہ کی صورت میں بدن کا ہلانا پایا جاتا ہے۔

نماز فرض ہونے کی حکمتیں

ا۔عبدیت کا اظہار۔۲۔حق ربوبیت کا اداء کرنا۔۳۔تقرب الی اللہ۔۴۔تکفیر سیئات۔۵۔حق نبوت کا ادا کرنا تشہد پڑھ کر اور درود شریف پڑھ کر۔۶۔اخوت ایمانیہ کا حق ادا کرنا وعلی عباد اللہ الصالحین پڑھ کر۔

دن میں سری اور رات میں جہری نمازیں کیوں ہیں

ا۔دن میں انوار انعامات بالکل ظاہر ہیں اس لئے بندہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ قرب محسوس کرتا ہے اور قرب میں گفتگو آہستہ ہوتی ہے۔رات میں انعامات مخفی ہوتے ہیں اِس لئے بندہ نسبۃً تھوڑا سا بعد محسوس کرتے ہوئے جھراً عرض معروض کرتا ہے۔۲۔دن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس میں زور سے بولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔اور رات میں شفقت و جمال ظاہر ہوتا ہے جو بولنے کی ہمت دلاتا ہے۔۳۔دن میں انسان کو بہت سے مشاغل ہوتے ہیں یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور پیار کی باتیں کرنے میں تکلف ہوتا ہے۔رات کو فارغ ہو کر اطمینان اور یکسوئی سے محبت کی باتیں کرنے کا جوش اٹھتا ہے اس لئے جوش اور جبر سے نماز پڑھتا ہے۔۴۔رقیبوں کا خوف دن میں جبر سے مانع ہوتا ہے رات کو تنہائی اور اندھیرے میں بے خوف ہو کر خوب محبت کی باتیں کی جاتی ہیں۔

ربط :۔تمہید طہارت کے بعد مقصود صلوٰۃ کا بیان ہے۔

باب کیف فرضت الصلوات فی الاسراء

غرض اِس شخص کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ اسراء الگ رات میں ہوا اور معراج الگ رات میں ہوا فرمانا چاہتے ہیں کہ دونوں ایک رات میں ہوئے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانے کو اسراء اور پھر وہاں سے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں۔

فقال یامرنا یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ والصدق والعفاف

سوال۔حدیث ہرقل کے اِس ٹکڑے میں تو کیفیۃ فرضیۃ مذکور نہیں ہے پھر اس ٹکڑے کو یہاں کیوں ذکر کیا گیا جواب یہ اِس کیفیت کے بیان کے لئے تمہید ہے کہ نماز ابتداء اسلام سے آ رہی ہے اس لئے اتنی مشہور ہے کہ کافر بھی اس کی فرضیت کو جانتے تھے۔

ففرج صدری :۔شق صدر کا معجزہ چار دفعہ ہوا۔ا۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کے پاس بالکل بچپن میں تھے مقصد بچپن کے فضول کھیل کود کے شوق کو نکالنا تھا۔۲۔جوانی میں غلط

خواہشات سے دل کو صاف کرنے کے لئے ہوا۔۳۔ابتداء وحی میں تا کہ وحی کا بوجھ برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔۴۔معراج کے لئے جاتے وقت تا کہ معراج کی قوت پیدا ہو جائے۔ **ارسل الیہ**:۔ا۔کیا نبی بنا دیا گیا ہے۔۲۔کیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے آسمانوں پر آنے کا دوسرے معنیٰ راجح ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت فرشتوں میں بھی مشہور ہو چکی تھی۔

والاسودۃ التی عن شمالہ اھل النار

سوال یہ تو بظاہر اس آیت کے خلاف ہے لا تُفَتَّحُ لھم ابواب السماء جواب۔ا۔اکراما دروازے نہ کھولے جائیں گے تھوڑی دیر کے لئے پیش کرنے کے لئے آجانا اس کے خلاف نہیں۔۲۔یہ عالم مثال تھا جیسے آج کل ٹیلیویژن میں تصویریں دکھا دی جاتی ہیں۔اوراسودہ کے معنیٰ اشخاص کے ہیں۔

حتٰی ظھرتُ لمستویً

ا۔سیڑھی۔۲۔برابر سطح والی جگہ۔

مایبدل القول لدی

سوال۔حدیث میں تو آتا ہے کہ دعاء سے تقدیر بدل دی جاتی ہے جواب۔تقدیر کے دو درجے ہیں۔ا۔معلّق۔۲۔مبرم اول بدل دی جاتی ہے دوسری نہیں بدلی جاتی اِس آیت میں دوسری کا ذکر ہے۔

فقال راجع ربک

موسٰی علیہ السلام نے جو مشورے دیئے یہ اس وعدہ کو پورا کیا جو نبیوں سے لیا گیا تھا ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنّنّ بہ و لتنصرنّہ۔

الی سدرۃ المنتھٰی

وجہ تسمیہ۔ا۔فرشتوں کے علوم یہاں تک ہیں آگے نہیں۔۲۔فرشتوں کے قدم اس سے آگے نہیں جا سکتے۔۳۔اوپر سے آنے والی چیزیں یہاں آکر ٹھہر جاتی ہیں اور نیچے سے جانے والی بھی یہاں پر آکر ٹھہر جاتی ہیں۔۴۔وہاں تک شہداء کی روحیں پہنچتی ہیں۔۵۔وہاں تک مومنین کی روحیں پہنچتی ہیں۔

حبائل اللؤلؤ

موتیوں کے ٹیلے۔

فاقرت صلوۃ السفر

سوال بظاہر یہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے **فلیس علیکم جناح ان تقصر وامن الصلوۃ** جواب۔ا۔قصر کا ذکر حضر کے مقابلہ میں ہے کہ حضر میں چار پڑھتے ہیں پھر جب سفر پر جاتے ہیں تو دو پڑھتے ہیں نماز کم کر دی جاتی ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اسلام میں پہلے سفر میں بھی چار رکعتیں تھیں پھر سفر کی کم کر دی گئیں اور سفر کی برقرار رہیں۔۲۔قصر کیفیت میں ہے کہ سفر کی نماز مختصر پڑھ لینے کی بھی گنجائش ہے اور اقرت صلوۃ السفر کا تعلق کم اور گنتی سے ہے کہ سفر کی نماز کی گنتی وہی رہی اور حضر کی رکعات کی تعداد بڑھا دی گئی۔۳۔ہجرت تک دو دو رکعتیں تھیں پھر بعض نمازوں کی چار کر دی گئیں پھر آیت نازل ہوئی اور سفر کی پھر پہلے کی طرح دو دو کر دی گئیں گویا مآل کے لحاظ سے سفر کی دو ہی رہیں۔

باب وجوب الصلوۃ فی الثیاب

غرض یہ ہے کہ ستر عورت نماز میں فرض ہے۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد

زینت میں حال بول کر محل یعنی ثوب مراد ہے اور مسجد میں محل بول کر حال یعنی نماز مراد ہے۔پھر لفظ مسجد میں اشارہ ہے کہ اصل نماز وہی ہے جو مسجد میں ہو۔

ان لا یطوف بالبیت عریان

پس نماز میں ستر عورت بطریق اولیٰ ضروری ہے۔۲۔نماز مثل طواف کے ہے۔اس لئے نماز میں بھی ستر عورت ضروری ہے یعنی نماز کا حکم بطور دلالۃ النص ثابت ہوا یا بطور قیاس ثابت ہوا۔

لتلبسھا صاحبتھا من جلبا بھا

یہی محل ترجمہ ہے کہ جب حائضہ کے لئے کپڑا اور چادر ضروری ہے تو طاہرہ کے لئے جس نے نماز بھی پڑھنی ہے اِس

کے لئے بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

باب عقد الازار علی القفا فی الصلوۃ

غرض یہ کہ یہ بھی جائز ہے۔ لیرانی احمق مثلک:۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بلاتحقیق اکابر علماء پر اعتراض کرنا حماقت ہوتا ہے۔

باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملحفابه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علیٰ عاتقیه

امام بخاری کے ابواب سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کندھوں کو ڈھانپنا مستحب ہے اور یہی بیان کرنا اِس باب کی غرض ہے پھر عن احمد روایتان۔ ا۔ کندھوں کا ننگا ہونا مفسد صلوٰۃ ہے۔۲۔ حرام ہے گو مفسد نہیں وعند الجمھور مکروہ تنزیہی ہے۔ لنا۔ بخاری شریف میں آئندہ باب کی روایت عن جابر مرفوعاً وان کان ضیقا فاتز ربہ ولاحمد زیر بحث باب کی پہلی روایت عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لایصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیہ شی اِسی روایت کے دونوں معنٰی ہیں کہ مفسد ہونے کی وجہ سے منع فرمایا یا نفس حرمت کی وجہ سے منع فرمایا جواب ہماری دلیل سے معلوم ہوا کہ نہی تنزیہی ہے۔

باب اذا کان الثوب ضیقا

غرض گذشتہ باب سے استثناء بیان کرنا ہے کہ کپڑا چھوٹا ہوتو صرف ازار کی طرح باندھ لے۔

قال ماالسُریٰ:۔ آپ رات کے وقت میرے پاس چل کر کیوں آئے۔

باب الصلوٰۃ فی الجبته الشامیته

غرض یہ ہے کہ کافروں کا بنایا ہوا کپڑا پہن کر نماز صحیح ہے جبکہ نجاست کا یقین نہ ہو۔ پھر شامیہ سے مراد شام کا بنا ہوا ہے یہ مراد نہیں کہ ان کے شعار پر سلا ہوا تھا۔ اگر کافروں کے شعار کے طرز پر سلا ہوا ہو تو اس سے ممانعت ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔

یلبس من یثاب الیمن ماصبغ بالبول

ا۔ دھونے کے بعد پہننا مراد ہے۔۲۔ امام زہری کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک تھا اس لئے پہن لیا اور بول سے یہاں ماکول اللحم کا بول ہی مراد ہے۔

وصلّی علّی فی ثوب غیر مقصور

کافروں کے ملک کا نیا کپڑا بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھی۔ یہ عبارت اِسی معنٰی پر محمول ہے اسی بنا پر اس باب میں لائے ہیں۔

باب کراهیته التعری فی الصلوۃ وغیرها

غرض یہ ہے کہ غیر صلوۃ میں بھی ستر ضروری ہے۔ اِس باب کی روایت بیان کرنے سے غرض حضرت جابر کی یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ جاہلیت کی غلط رسموں سے بھی محفوظ تھے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ آیا اُس نے ازار باندھ دیا۔

باب الصلوٰۃ فی القمیص والسراویل والتُبّان وغیرہ

تُبّان کے معنی جانگیا ہے جس کو آج کل انڈر ویر کہتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ستر عورت واجب ہے باقی مستحب ہے' پھر امام بخاری جو احرام والی روایت یہاں لائے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ سلوار قمیض کے بغیر بھی ازار اور رداء کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے۔

باب مایستر من العورۃ

یہ پہلا موقع ہے جس میں امام بخاری نے باب میں ما اور من کو استعمال فرمایا ہے اس کی مختلف توجیہات ہیں۔ ا۔ ما مصدریہ ہے اور من صلہ ہے یعنی باب ستر العورۃ۔۲۔ ما موصولہ ہے اور من بیانیہ ہے یعنی پوری عورت کو چھپانا ضروری ہے۔۳۔ ما موصولہ ہے اور من تبعیضیہ ہے کہ عورت میں مراتب ہیں بعض مراتب کا چھپانا ضروری ہے بعض کا مستحب ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ رکبہ عورت ہے یا نہ عندا امامنا واحمد عورت ہے۔ وعند مالک والشافعی عورت نہیں روایتیں دونوں طرح کی ہیں احوط یہی ہے کہ

عورت قرار دیا جائے۔ اور چھپانے کا اہتمام کیا جائے اس لئے حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک راجح ہے۔

ان یؤذّن ببراءۃ

اس میں براءۃ کا رفع ہے بطور اعراب حکائی کے۔

باب الصلوٰۃ بغیر رداء

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب مایذکر فی الفخذ:۔

غرض فخذ کا حکم بیان کرنا ہے کہ عورت میں داخل ہے یا نہ۔ امام بخاری اور امام مالک کے نزدیک فخذ عورت نہیں وعند الجمہو رعورت ہے بعض نے یہ بھی کہا کہ امام بخاری سند کے لحاظ سے امام مالک کی طرف مائل ہیں اور احتیاط کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ کی طرف مائل ہیں۔لنا ما فی الترمذی و حَسَّنَہ' عن جَرھد مرفوعاً حضرت جرھد کو خطاب فرمایا اما علمت ان الفخذ عورۃ لما لک۔ ا۔ حدیث الباب عن انس مرفوعاً ثم حسر الازار عن فخذہ جواب۔ا۔ ہماری دلیل پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔۲۔ نزول ستر عورت سے پہلے کا واقعہ ہے۔۳۔ بلا اختیار ایسا ہو گیا کیونکہ سواری تیز کرتے وقت بعض دفعہ اس طرف توجہ نہیں رہتی۔۴۔ ہماری دلیل قولی ہے۔ آپ کی فعلی ہے اور قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ دوسری دلیل امام مالک کی بخاری شریف کی اسی باب کی تعلیقاً روایت ہے غطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رکبتیہ حین دخل عثمان جواب۔ا۔ اس واقعہ کی تفصیل میں اضطراب ہے۔۲۔ مراد یہ ہے کہ گھٹنے کے قریب کی جگہ بھی ڈھانپ لی۔۳۔ ہماری حدیث جرھد والی قولی ہے حدیث کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔۳۔ امام مالک کی تیسری دلیل عن زید بن ثابت تعلیقاً فی ھذا الباب مرفوعاً وفخذہ علی فخذی جواب۔ا۔ اس میں ران کا ران پر گرنا مذکور ہے مکشوف ہونا تو مذکور نہیں۔۲۔ غیر اختیاری طور پر ہوا۔ پھر جمہور میں آپس میں اختلاف ہے عند الشافعی فخذ میں گھٹنا داخل نہیں ہے وعند امامنا واحمد داخل ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔

باب فی کم تصلی المراۃ من الثیاب

غرض یہ ہے کہ ایک سے ستر عورت ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے زائد مستحب ہے۔

باب اذا صلی فی ثوب لہ اعلام ونظر الی علمھا

غرض یہ ہے کہ اس سے نماز نہیں ٹوٹتی اور چھوڑ دینا ایسے کپڑے کو اولیٰ ہے۔ اس چھوڑنے کو غیرت کہتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

باب ان صلّی فی ثوب مصلّب اوتصاویر ھل تفسد صلوتہ و ما ینھی من ذلک

مصلّب کے معنیٰ وہ کپڑا ہے جس میں سولی کی شکلیں بنی ہوئی ہوں۔غرض اس صورت کی طرف توجہ دلانا ہے اور چونکہ امام بخاری کو تردد تھا اس لئے یقین کے الفاظ ذکر نہ فرمائے جمہور کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی کراہت ہے پھر یہ حکم تو نماز کا ہے نفس تصویر چھوٹی ہو یا بڑی بالاجماع حرام ہے اس کی تصریح حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کا ندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحفۃ القاری جلد ثانی صفحہ ۱۶۶ پر کی ہے۔

باب من صلی فی فروج حریر ثم نزعہ

غرض اس حدیث کا ذکر ہے جس میں مرفوعاً ایسا کرنا مذکور ہے اور یہ حدیث۔ا۔ تمہید ہے حرمت حریر کی۔۲۔ حرمت تشبہ بالکفار کی

باب الصلوٰۃ فی الثوب الاحمر

غرض یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔اور حدیث میں سرخ لکیروں والا جوڑا مراد ہے۔

باب الصلوٰۃ فی السطوح والمنبر والخشب

غرض یہ ہے کہ غیر ارض پر بھی نماز ہو جاتی ہے۔

علی الجمد:۔ا۔ سخت جگہ اونچی۔۲۔ جمی ہوئی برف۔

سوال۔اس باب کی حدیث میں رکوع کے بعد منبر سے اترنا مذکور ہے یہ تو عمل کثیر ہونے کی وجہ سے مفسد صلوٰۃ ہونا چاہئے۔

جواب۔ ۱۔ یہ عمل قلیل تھا۔ ۲۔ ابھی عمل کثیر کے مفسد ہونے کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔

قال فانما اردتُ

امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث آپ سے اس لئے پوچھی ہے کہ میں اِس سے ایک مسئلہ مستنبط کرنا چاہتا ہوں کہ امام مقتدیوں سے اونچا بھی ہوتو کچھ حرج نہیں۔

فقلتُ ان سفیان بن عیینة کان یسئل عن ھذا

حدیث کی مزید تقویت کرنا چاہتے تھے کہ آپ کے استاد سفیان بن عیینہ سے تو یہ حدیث بہت پوچھی جاتی تھی کیا آپ نے اُن سے نہیں سنی فرمایا نہیں:۔

باب اذا اصاب ثوب المصلی امراته اذا سجد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اِس سے نماز میں کچھ حرج لازم نہیں آتا۔

باب الصلوٰة علی الحصیر

غرض یہ ہے کہ مرفوع حدیث میں ہے جعلت لی الارض مسجداً تو شاید زمین پر بلا واسطہ نماز پڑھنی ضروری ہو اس شبہ کو دور کر دیا کہ نہیں چٹائی پر بھی نماز صحیح ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

باب الصلوٰة علی الخمرة

چھوٹی چٹائی کو خمرہ کہتے ہیں غرض بالکل گذشتہ باب کی طرح ہے۔

باب الصلوٰة علی الفراش

غرض گذشتہ دو بابوں کی طرح ہے۔

باب السجود علی الثوب فی شدة الحر

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں کپڑے پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے پھر امام شافعی کے نزدیک یہ اجازت صرف زخمی کے لئے ہے جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے ہر شخص ہر قسم کی آسانی اور ضرورت کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے۔ منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہم کپڑے پر سجدہ کر لیتے تھے اُن کے نزدیک یہ زخمی پر محمول ہے۔ جمہور کے نزدیک عام ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ احادیث میں اصل ظاہر پر محمول کرنا ہے یہاں ظاہر عموم ہے۔

باب الصلوٰة فی النعال

غرض یہ ہے کہ نعال میں نماز جائز ہے۔ انی انا ربک فاخلع نعلیک میں موسیٰ علیہ السلام کو امر استحبابی تھا۔ یہودیوں نے اس کو وجوب پر محمول کر لیا ہمیں حکم دیا گیا کہ یہود کی مخالفت کرو اس مخالفت کے لئے یہی کافی ہے۔ کہ واجب نہ سمجھیں جوتا اتارنے کو بلکہ دونوں طرح نماز کو جائز سمجھیں چونکہ جوتے سمیت نماز پڑھنا دین کے اور نماز کے مقاصد میں سے نہیں ہے اس لئے صلوٰۃ فی النعال کو مستحب نہیں کیا جائے گا بلکہ جائز کہا جائے گا۔ اور ظاہر قرآن سے بھی صلوٰۃ بلا نعال کی اولویت ثابت ہوتی ہے کیونکہ قرآن پاک میں علت مذکور ہے **انک بالواد المقدس طوٰی** یہ علت تو اب بھی موجود ہے مسجد اور نماز پڑھنے کی ہر جگہ مقدس ہوتی ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ ہیں حضرت مجاہد سے ہے قال کانت الانبیاء اذا اتوالحرم نزعوا نعالھم اور ابو داوٗد میں سند قوی سے ہے اور اس پر امام ابو داوٗد نے سکوت بھی فرمایا ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی حافیا ومتنعلا اِن سب ادلہ کو جمع کرنے سے یہی ثابت ہوا کہ اسلام میں بہتر یہ ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے اور جائز ہے کہ جوتے سمیت پڑھی جائے جبکہ جوتے میں نجاست بھی نہ ہو اور سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہو جاتی ہوں' پھر اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جوتا اتارنے کا حکم کیوں ہوا تھا۔ ۱۔ وہ جوتے ایسی کھال سے بنے ہوئے تھے جس کو پاک نہ کیا گیا تھا۔ ۲۔ تا کہ وادی کی برکت حاصل کر سکیں۔ ۳۔ خشوع وخضوع پیدا کرنے کے لئے۔ ۴۔ اس جگہ کی تعظیم کرنے کے لئے۔ ۵۔ نعلین کنایہ زوجہ سے ہے کہ ان کا تصور نہ کرو۔ ۶۔ حق تعالےٰ

نے اِس وادی میں نور و ہدایت کا بستر بچھایا تھا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس وجہ سے جوتے اتارنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔

باب الصلوٰۃ فی الخفاف

غرض یہ ہے کہ چونکہ ابو داؤد میں سند حسن کے ساتھ روایت ہے۔ عن شداد بن اوس مرفوعاً خالفوا الیہود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم تو امام بخاری نے اس حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے صلوٰۃ فی النعال کے بعد صلوٰۃ فی الخفاف کا باب رکھ دیا کہ یہ بھی جائز ہے۔

باب اذا لم یتم السجود

جزا محذوف ہے فقد خالف السنتہ۔ پھر اِس باب کو شرائط میں لا کر اشارہ فرما دیا کہ شرط بھی رکن کی طرح ضروری ہے چونکہ یہ باب دوبارہ صفت صلوٰۃ کے بیان میں بھی آئے گا اس لئے اختلاف وہاں ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب یبدی ضبعیه ویجا فی فی السجود

یجافی کے معنی یبعد کے ہیں کہ بازو سینے سے دور رکھے۔
سوال۔ یہ باب ابواب صفتہ الصلوٰۃ کے مناسب ہے یہاں شرائط میں کیوں بیان فرمایا جواب۔ ا۔ الشرط کالرکن ثابت کرنے کے لئے۔ ۲۔ کبھی بازو کو دور کرنے سے بغل ننگی ہوتی ہے اس کا تعلق ستر عورت سے ہے جس کا یہاں تذکرہ ہے پس غرض یہ ہوئی کہ مردوں کے لئے بغل ننگی ہونے میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔

باب فضل استقبال القبلة

غرض و ربط یہ ہے کہ ستر عورت کے بعد استقبال قبلہ بیان فرمایا کہ دونوں شرطیں ہیں پہلے نمازی ستر عورت کرتا ہے پھر متوجہ الی القبلہ ہوتا ہے۔ پس زیادہ سے زیادہ اعضا متوجہ الی القبلہ ہونے چاہئیں پھر حدیث سے مقصود۔ ا۔ شعائر اسلام ظاہر کیا کرو۔ ۲۔ سب احکام مان لو۔ اسی حدیث سے اہل قبلہ کا لقب لیا گیا ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو یعنی ضروریات دین ماننے والوں کو کافر نہ کہو اور ان تین کاموں سے خاص طور پر اسلام غیر اسلام سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ ا۔ نماز۔ ۲۔ استقبال قبلہ۔ ۳۔ اکل ذبیحہ۔

لا تخفرو االله فی ذمته

عہد شکنی اللہ تعالیٰ سے نہ کرو پھر احکام ظاہرہ کا تعلق اعمال ظاہرہ سے ہے جو نماز پڑھے استقبال قبلہ کرے ہمارا ذبیحہ کھائے ہم اسے مسلمان سمجھیں گے اس کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور احکام باطنہ ہے جس میں اخلاص ہوگا اس کو جنت ملے گی ثواب ملے گا قرب ملے گا پھر نماز کا شعائر میں سے ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی دو کا ذکر اس لئے ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوئی تو یہود نے بہت اعتراض کئے اور ذبیحہ وہ پہلے ہی نہ کھاتے تھے

باب قبلته اهل المدینة

غرض یہ ہے کہ حدیث الباب کے معنی یہ ہیں کہ مدینہ اور شام اور ان کے قریب جو مشرق میں رہتے ہیں ان کا قبلہ شمال و جنوب ہے مشرق و مغرب میں نہیں ہے۔

فنخرف و نستغفر الله تعالیٰ

ا۔ ہم ان بیت الخلاؤں کو استعمال نہ کرتے تھے اور ان کے بانی کافروں جیسے کاموں سے استغفار کرتے تھے۔ ۲۔ ہم ان کو استعمال نہ کرتے تھے اور ان کے بانی مسلمانوں کے لئے استغفار کرتے تھے کہ ان سے غلطی ہو گئی لیکن یہ توجیہ بعید ہے کیونکہ حضرت ابوایوب کے زمانہ میں ابھی مسلمانوں نے تعمیرات شروع نہ کی تھیں۔ ۳۔ ہم ان ہی بیت الخلاؤں کو تکلف کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور تکلف کر کے قبلہ سے ہٹ کر بیٹھتے تھے اور غلطی سے قبلہ رخ ہو جانے سے استغفار کرتے تھے۔

باب قول الله تعالیٰ واتخذ وا من مقام ابراهیم مصلی

غرض آیت کی تفسیر ہے۔ ۲۔ عند المقام بھی استقبال قبلہ ضروری ہے۔

ولم یصلی حتی خرج منه

سوال۔ گذشتہ روایت میں کعبہ شریف میں نماز پڑھنے کا اثبات ہے یہاں نفی ہے یہ تو تعارض ہے۔ جواب۔ مثبت زیادت کو ترجیح ہے کیونکہ ابن عباس یا تو حاضر نہ تھے یا اندھیرے اور اپنی دعاء میں مشغولی کی وجہ سے نماز پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ دیکھ سکے۔

وقال هذه القبلة

یعنی اب یہ کبھی منسوخ نہ ہوگا۔ باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان:۔ غرض یہ کہ فرائض میں ہر حال میں استقبال قبلہ ضروری ہے۔

فتحرف القوم حتی توجهوا نحو الكعبته

یہ عمل کثیر کے مفسد صلوۃ ہونے کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

فليتحر الصواب

عند امامنا ابی حنیفۃ اگر شاذ و نادر شک ہوتا ہے مثلاً دس سال میں ایک دفعہ تو دوبارہ پڑھے ورنہ اگر غلبہ ظن سے فیصلہ کر سکے کہ دو رکعت پڑھی ہیں مثلاً یا تین تو اس پر عمل کرے گا غلبہ ظن سے فیصلہ نہ کر سکے تو بناء علی الاقل کرے دو تین میں شک ہو مثلاً تو دو سمجھے اور ہر رکعت میں تشہد پڑھے اور سجدہ سہو کرے وعند الجمہور ہمیشہ بناء علی الاقل کرے لنا مافی بدائع الصنائع ومصنف ابن ابی شیبۃ عن ابن عمر موقوفاً یعید حتی یحفظ اس میں شاذ و نادر کا حکم ہے اور زیر بحث باب میں عن ابن مسعود مرفوعاً فلیتحر الصواب میں تحری کا حکم ہے یہ قدرت علی التحری پر محمول ہے اور ابوداؤد میں عن ابی سعید مرفوعاً اذا شک احدکم فی صلوتہ فلیلق الشک میں تحری پر قادر نہ ہونے کی صورت کا حکم مذکور ہے۔ جمہور یہی ابوداؤد والی عن ابی سعید ترجیح سب روایتوں کو لینا اور مناسب محمل پر محمول کرنا چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔

ثم ليسلم ثم يَسجُد سجد تين

عند امامنا ابی حنیفۃ سجدۃ سہو بعد السلام ہے وعند الشافعی قبل السلام ہے وعند مالک اگر نماز میں زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو کر رہا ہے تو بعد السلام ورنہ قبل السلام وعند احمد اگر وہ صورت پیش آئی ہے جو حدیث میں مذکور ہے تو حدیث کے مطابق قبل السلام یا بعد السلام کرے ورنہ قبل السلام لنا زیر بحث روایت عن عبداللہ مرفوعاً ثم لیُسلّم ثم لیسجُد سجدتین وللشافعی مافی ابی داؤد عن عطاء بن یسار مرفوعاً و یسجد سجدتین وھو جالس قبل التسلیم جواب قبل سلام الفراغ مراد ہے و لمالک روایتیں دونوں قسم کی ہیں تطبیق اُسی طرح ہے جیسے ہم کہتے ہیں کیونکہ اگر نماز میں زیادتی ہو جانے پر قبل السلام سجدہ سہو کرے گا تو زیادتی پر اور زیادتی ہوگی گویا فساد پر مزید فساد ہوگا ورنہ قبل السلام ہی اصلی ہے تا کہ نماز کے اندر ہی تدارک ہو سکے جواب۔ اگر کمی بھی ہو زیادتی بھی ہو تو کیا کرے یہی اعتراض امام ابو یوسف نے امام مالک پر کیا تھا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور امام احمد کے ادلہ مع الاجوبہ ضمناً ہو گئے۔ **فلما سلم قيل له يا رسول الله احدث فی الصلوٰة شی:۔** اس میں تکلم فی الصلوٰۃ نسیاناً پایا گیا عند امامنا ابی حنیفۃ تکلم نسیاناً بھی مفسد صلوٰۃ ہے وعند الجمہور نہیں منشاء اختلاف حضرت ذوالیدین اور حضرت ذوالشمالین کا ایک ہی صحابی ہونا ہے کہ ایک ہی صحابی کے یہ دونوں لقب تھے یا یہ دو لقب دو الگ الگ حضرات کے تھے ہمارے امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں لقب ایک ہی صحابی کے تھے جمہور کے نزدیک یہ دو صحابی الگ الگ ہیں کیونکہ بالاتفاق غزوہ بدر میں ذوالشمالین شہید ہو گئے تھے اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا اور غزوہ بدر کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بالاتفاق آیت وقوموا للہ قانتین نازل ہوئی جو بالاتفاق کلام فی الصلوٰۃ کے لئے ناسخ ہے۔ اور بالاتفاق ذوالیدین تکلم نسیاناً کے واقعہ میں موجود تھے۔ اب اگر یہ دونوں لقب ایک ہی صحابی کے مانے جائیں جیسے حنفیہ کہتے ہیں تو تکلم نسیاناً کا واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ماننا پڑے گا اور یہ ثابت ہو گیا کہ نسخ کلام فی الصلوٰۃ کے بعد مرفوعاً نسیاناً کلام نہیں پائی گئی اس لئے ہر قسم کی کلام منسوخ ہے اور اگر جمہور کی تحقیق کے مطابق دونوں کو الگ

الگ صحابی مانا جائے تو پھر یہ نسیاناً کلام کا واقعہ ممانعت کلام کے بعد کا ہے تو نسیاناً کلام مستثنیٰ ہوئی اور نسیاناً کلام مفسد صلوۃ نہ بنی ممانعت قصداً کلام کی ہے وہی صرف مفسد صلوٰۃ ہے۔ ہمارے مرجحات۔۱۔فی النسائی عن ابی ہریرۃ فادر کہ ذوالشمالین اسی حدیث میں آگے ہے اصدق ذوالیدین معلوم ہوا۔ دونوں ایک ہی صحابی کے لقب ہیں۔۲۔فی الطحاوی عن ابن عمر موقوفاً کان اسلام ابی ہریرۃ بعد ماقتل ذوالیدین مرجحات جمہور۔۱۔فی ابی داؤد عن ابی ہریرہ صلّٰی بنا اور حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہو چکا معلوم ہوا اس حضرت ابوہریرۃ والی حدیث میں جو ذوالیدین ہیں وہ ۷ھ میں زندہ ہیں اس لئے وہ ذوالشمالین سے الگ ہیں جو بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ جواب صلّٰی بنا کے معنیٰ ہیں صلی بجماعۃ المسلمین ہم آج بھی کہتے ہیں بدر میں ہمارے مجاہد کم تھے دشمن کے آدمی زیادہ تھے۔۲۔دوسرا مرجح جمہور کا یہ ہے کہ ذوالشمالین عمیر خزاعی ہیں اور ذوالیدین خرباق سُلمی ہیں۔ جواب عمیر نام ہے۔ خرباق۔ معنیٰ تیز چلنے والا لقب ہے بنی سلیم شاخ ہے بنی خزاعہ کی۔

فثنیٰ رجلیہ: ۔سوال۔عمل کثیر پایا گیا۔ جواب ابھی عمل کثیر کا مفسد ہونا نازل نہ ہوا تھا۔

باب ماجاء فی القبلته و من لایری الاعادة علی من سها فصلی الی غیر القبلته:

۔ اِس مسئلہ کا بیان مقصود ہے وعند البخاری وابی حنیفۃ والجمہور اعادۃ نہیں ہے اگر بھول کر غلط رخ کر کے نماز پڑھ لی ہو وعند الشافعی اعادہ ہے۔لنا گذشتہ باب والی روایت عن ابن مسعود مرفوعاً فثنیٰ رجلیہ واستقبل القبلۃ کہ بھول کر منہ قبلہ سے پھیر لیا پھر اُسی پر بنا فرمائی شروع سے نماز نہ پڑھی۔ وللشافعی جب شرط فوت ہوئی تو مشروط بھی نہ رہا اس لئے اعادہ ضروری ہے۔ کیونکہ استقبال قبلہ شرط صلوٰۃ ہے۔ جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر اِس باب کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ گذشتہ باب میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا ضروری ہونا بیان فرمایا اب اس باب میں اُس سے استثناء ہے کہ سہو معاف ہے۔

وافقتُ ربی فی ثلاث

تین میں حصر نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ بھی موافقت ہوئی ہے مثلاً۔۱۔منافقین پر نماز پڑھنے سے روکنا۔۲۔اساری بدر کو قتل کرنا۔۳۔شراب حرام ہونا۔

فی الغیرة علیه

کہ حضرت زینب کے پاس شہد پینے کے لئے زیادہ کیوں ٹھہرتے ہیں۔

فقالوا ازید فی الصلوٰة

اگرچہ مستقل باب نسیانا کلام کے مفسد ہونے کا۔ نہیں بنایا لیکن اِس مسئلہ میں امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

باب حک البزاق بالید من المسجد

یعنی ایسا کرنا مستحب ہے سوال ابوداؤد میں لکڑی سے صاف کرنا ہے۔ جواب مقصد یہ ہے کہ خود صاف فرمایا پھر ہاتھ سے ہو یا لکڑی سے دونوں کو یہاں کی عبارت شامل ہے۔ ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے قبلہ کے احکام تھے اب مسجد کے اصالۃً ہیں اور ضمناً فضائل استقبال بھی ہیں۔نخامتہ:۔بلغم پھر مسجد میں بلغم نکالنے یا تھوکنے کی ممانعت کیوں ہے۔۱۔احترام قبلہ۔۲۔احترام مسجد۔۳۔ احترام صلوٰۃ۔۴۔احترام مناجات اللہ تعالےٰ۔۵۔احترام کاتب حسنات۔۶۔احترام جانب یمین۔۷۔ترک ایذاء مسلمین۔

وان ربه بینه و بین القبلة:

یعنی اللہ تعالےٰ کی خصوصی تجلی اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتی ہے۔

ولکن عن یساره:

یہ خارج مسجد پر محمول ہے کیونکہ ایک حدیث میں جو آگے آرہی ہے مرفوعاً وارد ہے البزاق فی المسجد خطیئۃ۔

مخاطا او بصاقاأو نخامته

ناک کے پانی کو زخاط کہتے ہیں منہ سے جو پھینکا جاتا ہے وہ بزاق اور بصاق ہے اور سینے سے جو بلغم گلے کے راستہ منہ میں

آجاتی ہے کھنگار اس کو نخاسہ کہتے ہیں۔

باب حک المخاط بالحصٰی من المسجد

غرض۔۱۔جس نے کہہ دیا کہ ناک کا پانی ناپاک ہے اس کے رد کی طرف اشارہ ہے۔۲۔اس تھوکنے کی حدیث کے الفاظ مختلف آئے تھے ہر ہر لفظ کے لئے الگ باب باندھ دیا اور ایسا اِس کتاب میں کثرت سے کرتے رہتے ہیں۔۳۔ بزاق کو ہاتھ سے صاف کر دیا اور مخاط کو لزوجۃ کی وجہ سے کنکری سے صاف فرمایا اِس لحاظ سے دو کام مختلف قسم کے ہو گئے اس لئے باب بھی الگ الگ باندھ دیئے قذر: ہر نفرت کی چیز پاک ہو یا ناپاک ہو۔ باب **لا یصق عن یمینه فی الصلوة:** غرض یہ کہ نماز میں دائیں طرف تھوکنا منع ہے لیکن یہ صرف امام بخاری کی رائے ہے احوط یہی ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی ایسا نہ کرے باب **لیبزق عن یساره اوتحت قدمه الیسری:** دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں ایک میں نماز کی قید ہے ایک میں نہیں ہے مطلق کو مقید پر محمول کرنا چاہتے ہیں واللہ اعلم: باب **کفارة البزاق فی المسجد** :اس گناہ کا تدارک بتانا چاہتے ہیں خطیئۃ اس کو حرام کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے **و کفار تها دفنها** دفن اس صورت میں ہے کہ جبکہ کچی جگہ ہو ورنہ صاف کرے جیسے بھی ہو سکے۔ باب **دفن النخامته فی المسجد:** اس کا جواز بتانا چاہتے ہیں باب **اذا بدره البزاق فلیا خذه بطرف ثوبه:** مبادرۃ کا لفظ مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں ہے لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں اُس مبادرۃ والی حدیث کی صحت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

باب عظته الامام

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے بھی شدت اور نھی اور امر کی صورت میں وعظ و نصیحت تھی اب بھی اتمام صلوٰۃ کے متعلق وعظ ہے وعظ کے معنٰی ہیں خیر خواہی اور انجام کا ذکر کرنا اور انجام یاد دلانا۔

انی لاراکم من وراء ظهری

۱۔ ان ہی آنکھوں سے بطور معجزہ۔۲۔ ختم نبوت میں آنکھ لگی ہوئی تھی اُس سے۔۳۔ وحی سے اطلاع دی جاتی تھی۔۴۔ سامنے کی دیوار آپ کے لئے شیشہ کی طرح بنا دی جاتی تھی اِس میں سے نظر آتا تھا۔ پھر اس میں دو قول ہیں۔۱۔ یہ دیکھنا صرف نماز ہی میں تھا۔۲۔ ہر وقت ایسا ہوتا تھا۔

هل ترون قبلتی هٰهنا

استفہام انکاری ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں صرف سامنے دیکھتا ہوں۔

باب هل یقال مسجد بنی فلان

غرض اِس شبہ کا ازالہ ہے کہ مسجد کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سوئی کسی اور کی طرف جائز نہ ہونی چاہئے۔ اس کا ازالہ فرمادیا کہ گنجائش ہے۔ کسی مناسب کی وجہ سے مثلاً۔۱۔ وہ بانی ہو۔۲۔ متولی ہو۔۳۔ خادم و نگران ہو۔

باب القسمته و تعلیق القنو فی المسجد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے سوال۔ فقہاء نے مسجد میں اموال تقسیم کرنے سے منع فرمایا ہے جواب۔۱۔ امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا کرنے میں حرج نہیں ہے اور فقہا کا مقصد دوام سے منع کرنا ہے۔۲۔ حدیث سے مقصود بھی چبوترے پر مال تقسیم کرنا ہے جو مسجد سے ملحق تھا اور امام بخاری کا مقصد بھی یہی ہے ملحقات مسجد میں مال تقسیم کرنا جائز ہے اور فقہاء کا مقصد مسجد کے اندر مال لا کر تقسیم کرنے سے ممانعت ہے۔ سوال۔ حدیث میں قنو کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔۱۔ قنو کا مسئلہ قیاساً ذکر فرمایا ہے۔۲۔ نسائی میں عوف بن مالک سے روایت ہے اس میں قنو فی المسجد کا ذکر ہے لیکن وہ شرط بخاری پر نہیں ہے اِس حدیث کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

باب من دعا لطعام فی المسجد و من اجاب منه

غرض یہ کہ دعوت اور قبولِ دعوت کی مختصر گفتگو کی گنجائش ہے ضرورت کی بناء پر۔

باب القضاء و اللعان فی المسجد

غرض یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا کر لینا جائز ہے یہ مقصود نہیں کہ ہمیشہ مسجد ہی میں یہ کام ہونے چاہئیں اور ضرور ہونے چاہئیں۔

باب اذا دخل بیتا یصلی حیث شاء او حیث امر ولا یتجسس

غرض یہ ہے کہ کسی کے گھر جا کر دائیں بائیں نہ دیکھے جہاں وہ کہے بیٹھ جائے اور جہاں کہے نماز پڑھ لے۔ سوال۔ حدیث میں حیث شاء کا مضمون تو نہیں ہے جواب بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت عتبان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد معاملہ کر دیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرعاً پھر اُس کے سپرد کیا تو اُس نے اشارہ کر دیا۔ اِس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ گھر میں نفلوں کی جماعت ہو سکتی ہے۔ لیکن تداعی مکروہ ہے۔ تین سے زیادہ مقتدیوں کو تداعی میں شمار کیا گیا ہے۔

باب المساجد فی البیوت

غرض یہ ہے کہ گھر میں لغوی مسجد بنانا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اِس باب کی حدیث سے نکلا کہ صالحین کے آثار اور مصلّی سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے۔

خزیرۃ:۔ جو آٹے میں کچھ ڈال کر بنایا گیا ہو جسے ہم حلوہ کہتے ہیں۔**فانا نری وجهه و نصیحته الی المنافقین**:۔ شاید ان کو اس میں کوئی عذر ہو جیسے حاطب بن ابی بلتعہ کو عذر تھا اور انہوں نے کفار مکہ کی خیر خواہی میں ان کو خط لکھا تھا اگرچہ مومن مخلص تھے۔

ثم سألت الحصین:۔ چونکہ محمود بن الربیع نے یہ حدیث بچپن میں سنی تھی اور بعض بچپن کی حدیث کو نہیں لیتے اِس لئے میں نے تائید کرائی۔

باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ

غرض یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور غیرہ کا عطف ا۔ دخول پر ہے۔۲۔ مسجد پر ہے مثلاً بیت اور منزل، پھر حدیث میں تین کا ذکر بطور مثال کے ہے۔ ہر عزت اور زینت والی چیز میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحسن ہے۔

باب هل تبنش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد

غرض یہ ہے کہ مسجد بناتے وقت وہاں کی مشرکین کی ہڈیاں پھینک دینا ٹھیک ہے یا نہ؟ تا کہ قبور کو مساجد بنانے والا نہ بنے مقصد یہ ہے کہ جائز ہے اور استفہام تقریر کے لئے ہے جیسے **هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیأ مذکورا.** قید جاہلیت کی اتفاقی ہے اور مشرکین کی قید احترازی ہے مسلمین سے کہ اکراماً ان کے ابدان کو پھینکا نہ جائے گا بلکہ قبر پرانی ہونے پر اوپر تعمیر جائز ہے۔ مقابر میں نماز مکروہ ہے لیکن اعادہ واجب نہیں ہے جیسا کہ اِس باب میں اثر عمر سے ثابت ہو رہا ہے۔

اتخذ وا قبور ا نبیا. هم مساجد

طرز استدلال یہ ہے کہ قبور انبیاء علیہم السلام کو مسجد بنانا یہ افراط ہے اور نبش تفریط ہے لیکن مشرکین کی قبور میں نبش تفریط نہیں ہے اس لئے وہاں نبش ہو جانا چاہیے اسی لئے جب مسجد نبوی میں زیادتی کا ارادہ کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور شیخین کی قبور مبارکہ کے گرد دیواریں کر دی گئیں۔

وما یکره من الصلوة فی القبور

یہ من تبعیضیہ ہے کیونکہ قبر کے پیچھے زیادہ کراہت ہے اور برابر کم کراہت ہے کنیسہ : **معبد النصری اللهم لا خیر الاخیر الا خرہ** :سوال یہ تو شعر ہے اور قرآن پاک میں ہے **وما علمناه الشعرو ما ینبغی له** جواب: یہ رجز کے درجہ میں ہے یعنی مسجع نثر ہے شعر میں داخل نہیں ہے۔۲۔ شعر شاعری کو مشغلہ بنانے کی نفی ہے ایک آدھا شعر پڑھ دینا اِس کے خلاف نہیں ہے۔

باب الصلوٰۃ فی مرابض الغنم

غرض یہ کہ وہاں نماز پڑھنا صحیح ہے۔ سوال۔ اس مضمون کا باب

پیچھے گزر چکا ہے۔ جواب وہاں اِس حیثیت سے ذکر تھا کہ یہ محل نجاست ہے یا نہ اور یہاں اِس حیثیت سے ذکر ہے کہ وہاں نماز پڑھنی صحیح ہے یا نہ اِس لئے تکرار نہ ہوا پھر عند احمد مبارک ابل میں نماز صحیح نہیں ہے اور عند الجمہور صحیح ہے منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے عن البراء بن عازب مرفوعاً لاتصلوا فی مبارک الابل فانھا من الشیاطین جمہور کے نزدیک یہ نہی معلول ہے علّت سکون کے ساتھ کہ اونٹ اگر غصہ میں آجائے تو حملہ کر دیتا ہے اس لئے وہاں سکون سے نماز ادا نہ ہوگی لیکن اگر کسی کو سکون رہتا ہو تو وہ اگر پڑھ لے گا تو ہو جائے گی امام احمد کے نزدیک امر تعبدی ہے کسی علت پر مبنی نہیں ہے۔ اس لئے نماز وہاں بالکل نہ ہوگی ترجیح قول جمہور کو ہے کیونکہ اسی حدیث میں علّت بھی بیان فرما دی گئی ہے فانھا من الشیاطین شیطان کے معنٰی ہیں کل متمرد عادٍ من الجن والانس والدابۃ اور مرابض غنم میں بالاتفاق نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ پھر مرابض بقر کے متعلق دو قول ہیں بعض نے ان کو مرابض غنم کے ساتھ ملایا ہے اور بعض نے ان کو مرابض ابل کے ساتھ ملایا ہے۔ مسند احمد میں ایک مرفوع روایت ضعیف سند کے ساتھ آتی ہے ولا یصلی فی مرابض الابل والبقر اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو ان حضرات کی تائید ہو جائے گی جو مرابض بقر کو مرابض ابل کے ساتھ ملاتے ہیں۔

باب الصلوٰۃ فی مواضع الابل

امام بخاری کا مقصد بظاہر بیان جواز ہی ہے اور نہی کی روایات ان کی شرط پر نہیں ہیں اور فانھا من الشیاطین جیسا کہ ابوداؤد وابن ماجہ میں وارد ہے ان کے نزدیک قطع خشوع ہی پر محمول ہے عدم جواز پر محمول نہیں ہے اور مسئلہ ابھی گذشتہ باب میں گزر رہا ہے۔

باب من صلی وقدامہ تنور اونار

غرض۔ ۱۔ اگر آگ چھپی ہوئی ہو تو معاف ہے ۲۔ آگ کی طرف منہ کر کے بھی صحیح نیت کے ساتھ نماز پڑھ لے تو کچھ کراہت نہیں ہے لیکن یہ قول جمہور کی دلیل من تشبہ بقوم فھو منھم اور اس صورت میں بھی تشبہ بالمجوس پایا گیا۔ امام بخاری کی دلیل زیر بحث باب کی روایت ہے۔ عن ابن عباس انخسفت الشمس فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اُرِیتُ النار جواب۔ ۱۔ یہ صورت رفع حجاب کی تھی اس لئے یہ مبحث سے خارج ہے۔ ۲۔ یہ تو جہنم کی آگ تھی اور کلام دنیا کی آگ کے متعلق ہے جس کی مجوسی عبادت کرتے ہیں۔ ۳۔ یہ آگ ایسی تھی جو سب کو محسوس نہیں ہوتی اور اختلاف نار محسوس میں ہے۔ ۴۔ یہ آگ تو غیر اختیاری طور پر سامنے آگئی تھی اور کلام اختیاری آگ میں ہے اِس لئے روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

باب کراھیۃ الصلوۃ فی المقابر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مقابر میں نماز مکروہ ہے۔ سوال۔ ابواب مساجد میں بھی اسی مضمون کا باب گذرا ہے جواب۔ وہاں قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت بیان کرنی مقصود تھی اور یہاں ایک قبر کے پیچھے ہو کر نماز پڑھنے کی کراہت مقصد ہے۔ پھر اس باب کی روایت سے استدلال بہت بعید ہے کیونکہ اِس روایت کا مقصد تو یہ ہے کہ گھر میں بھی کچھ نفلی نماز پڑھا کرو ورنہ وہ قبرستان ہی کی طرح بن جائے گا کیونکہ مُردے مکلف نہیں ہیں اور وہ نماز نہیں پڑھتے اِس مسئلہ کا اصل استنباط تو ابوداؤد اور ترمذی کی روایت سے ہے جو قوی سند کے ساتھ مرفوعاً منقول ہے **الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ والحمام** لیکن یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے مذکورہ روایت سے بعید استنباط فرمایا۔ کہ قبور محل صلوٰۃ نہیں ہوتیں۔ پھر جو حدیث اس باب میں نقل فرمائی ہے اس کے ایک معنٰی تو ہو گئے کہ۔ ۱۔ اگر گھر میں نماز نہ پڑھی جائے تو وہ قبرستان کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ مُردے نماز نہیں پڑھتے۔ ۲۔ دوسرے معنٰی یہ بھی ہیں کہ جب گھر میں نماز نہ پڑھیں گے تو گھر صاف سونے کے لئے ہی رہ جائیں گے اِس لحاظ سے وہ قبرستان جیسے بن جائیں گے جہاں مُردے ہوتے ہیں۔ ۳۔ تیسرے معنٰی یہ ہیں کہ ولا تتخذوھا قبوراً الگ جملہ ہے اس میں دوسرا مسئلہ بیان فرمایا کہ مُردوں کو گھر میں دفن نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے سے ہر وقت غم سوار رہے گا اور دنیا کے ضروری کام نہ ہوسکیں گے۔

باب الصلوٰة فی مواضع الخسف والعذاب

غرض یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے ابردوا بالظھر فان شدة الحر من فیح جھنم. حضرت علی کے اثر سے بھی اسی غرض کی تائید ہوتی ہے۔

باب الصلوٰة فی البیعته

غرض یہ کہ اگر وہاں تصویریں نہ ہوں تو گنجائش ہے۔سوال۔ حدیث میں کنیسہ کا ذکر ہے اور باب میں بیعہ کا لفظ ہے جواب یہ اِس قول پر مبنی ہے کہ کنیسہ اور بیعہ دونوں لفظ عیسائیوں کے عبادت خانہ پر بولے جاتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ کنیسہ معبد الیھود ہے اور بیعہ معبد النصاریٰ ہے۔

باب:۔ یہ باب بلا ترجمہ ہے تتمہ ہے ماقبل کا کہ جیسے تصویر مانع صلوٰۃ ہے ایسے ہی قبر بھی مانع صلوۃ ہے۔

یحذر ماصنعوا:. ای یحذر اصحابه ان یفعلوا بقبره مثل الیهود.

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم جعلت لی الارض مسجد اوطهورا

غرض یہ ہے کہ گذشتہ بابوں میں جو ممانعت مذکور ہے وہ تحریم کے لیے نہیں ہے کیونکہ ذات ارض میں نماز جائز ہے۔

باب نوم المرأة فی المسجد

غرض یہ ہے کہ مجبوری کے درجہ میں گنجائش ہے یہ مقصد نہیں کہ مستحب ہے۔

ولیدة:۔ لونڈی

و شاح احمر من سیور:۔ وشاح خالص قسم کے زیور کا نام ہے۔سیور پتلے چمڑے ہیں دو چمڑوں میں سے ایک ہوتی اور دوسرے میں قیمتی پتھر پرو کر دونوں کو ایک دوسرے پر چوٹی کی طرح بل دے کر حمائل کی طرح کندھے سے کوکھ تک ٹیڑھا کر کے عورتوں اور بچیوں کو بطور زیور پہناتے تھے۔اِس واقعہ میں چونکہ چمڑا سرخ تھا لڑکی نے اتار کر رکھا تھا یا گر گیا تھا چیل نے گوشت سمجھ کر اٹھالیا اس ولیدہ کی تلاشی لی حتٰی کہ شبہ کی وجہ سے قُبل کی بھی تلاشی لی اتنے میں چیل آئی اور اس نے سب کے سامنے وہ وشاح پھینک دیا یہ ولیدہ ان سے ناراض ہو کر مدینہ منورہ آگئی اور اس کو ایمان کی دولت نصیب ہوگئی اس پر وہ خوشی کا اظہار کیا کرتی تھی حدیاۃ چیل حفش: چھوٹا سا کمرہ

مسائل مستنبط:۔ ا۔ دار الکفر سے ہجرت مستحب ہے۔ ۲۔عورت کی نیند مسجد میں جائز ہے۔ جبکہ شدید ضرورت ہو اور فتنہ سے امن ہو۔۳۔ضرورت کے وقت مرد یا عورت کیلئے مسجد میں خیمہ لگانا بھی جائز ہے۔ باب نوم الرجال فی المسجد غرض یہ ہے کہ ضرورۃ کے موقعہ پر گنجائش ہے۔

مامنهم رجل علیه رداء:۔ ان میں سے کوئی بھی نہ تھا جس کے پاس ازار کے ساتھ چادر بھی ہو یعنی سب کے پاس صرف ایک ایک چادر تھی جو بطور ازار استعمال کرتے تھے۔ظاہر یہی ہے۔ کہ وہ مسجد میں سوتے تھے اِسی بناء پر اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

باب الصلوٰة اذا قدم من السفر

غرض اور ربط یہ ہے کہ مساجد کے ابواب چل رہے ہیں اس مناسبت سے ذکر فرمایا کہ سفر سے واپس آئے تو بہتر ہے کہ پہلے مسجد میں آکر دو رکعت پڑھے پھر گھر جائے۔

فقضا نی وزادنی

سوال۔ بظاہر باب سے مناسبت نہیں ہے جواب بخاری شریف میں کتاب البیوع میں اِس واقعہ کی تفصیل ہے کہ سفر سے میں ذرا بعد میں واپس پہنچا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے پہنچ چکے تھے دروازے پر ملاقات ہوئی فرمایا اب پہنچے ہو عرض کیا ہاں فرمایا دو رکعت پڑھ لو۔اب مناسبت واضح ہوگئی۔

باب اذا دخل احد کم المسجد فلیر کع رکعتین

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے، بعض اہل الظواہر کے نزدیک فرض

ہے جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔لنا۔کثرت سے عمل صحابہ کہ مسجد میں داخل ہوتے دو رکعت نہ پڑھتے لاہل الظواہر۔یہ زیر بحث روایت عن ابی قتادہ مرفوعاً اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین جواب امر استحبابی ہے۔

باب الحدث فی المسجد

غرض۔ا۔اُس شخص پر رد کرنا مقصود ہے جو بلا وضو مسجد میں داخل ہونے کو حرام کہتا ہے۔۲۔اگر مسجد میں حدث لاحق ہو جائے تو جلدی سے نکل جائے اور وضو کر کے آئے تاکہ فرشتوں کو تکلیف نہ پہنچے۔

اللھم اغفر له اللھم ارحمه

المغفرۃ گناہ پر پردہ ڈالنا یعنی معاف کرنا۔الرحمۃ زائد انعام دینا۔

باب بنیان المسجد

غرض۔ا۔مسجد ایسی سادہ ہونی چاہئے کہ جو اس میں داخل ہو وہ دنیا کا فانی ہونا سوچے۔۲۔مسجد کیسی ہونی چاہئے جیسی مسجد نبوی تھی پرانی ہو جائے تو دوبارہ ویسی ہی بنالینی چاہئے جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے بنائی۔

سوال۔حضرت صدیق اکبر نے پرانے طرز پر بنائی حضرت عثمان نے طرز بدل دیا دونوں میں سے ایک کا کام ضرور غلط ہوگا۔

جواب: حضرت صدیق اکبر کی نیت فناء دنیا کا خیال رکھنے کی تھی حضرت عثمان کی نیت مضبوط بنا کر دیر تک کی نمازوں کا ثواب لینے کی تھی اور جنت میں اچھا ثواب لینے کی تھی طرز بدلنے کی وجہ سے جب صحابہ نے حضرت عثمان پر اعتراض کر دیا تو انہوں نے منبر پر چڑھ کر یہ حدیث سنائی من بنی للہ مسجدا بنی اللہ له مثله فی الجنته پھر کسی نے انکار نہ کیا۔ضرورت سے زائد تعمیر مسجد کی چند صورتیں ہیں۔ا۔چندہ دینے والوں کی اجازت کے بغیر ہو تو ناجائز ہے۔۲۔چندہ دینے والوں کی اجازت تو ہو لیکن دوسری مسجد کی توہین اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی نیت سے ہو تو پھر بھی ناجائز ہے۔۳۔ایسی تعمیر ہو کہ نمازیوں کے دلوں کی توجہ نماز میں اس طرف ہو جاتی ہو تو مکروہ ہے۔۴۔ان میں سے کوئی خرابی نہ ہو تو جائز ہے۔اَکِنَّ النَّاس:۔لوگوں کو بارش سے چھپا دو اور بلا ضرورت سرخ رنگ کر کے اور زرد رنگ و روغن کر کے لوگوں کو فتنے میں نہ ڈالو۔لتزخرفنھا:۔یہ اگرچہ قیامت کی نشانی ہے لیکن اگر نیت ٹھیک ہو تو گناہ نہیں کیونکہ قیامت کی ہر نشانی گناہ نہیں ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا دین کی خدمت کرنا۔

باب التعاون فی بناء المسجد

غرض۔ا۔تعاون بناء مسجد میں یہ بھی تعاون علی البر میں داخل ہے۔۲۔جتنا زیادہ تعاون ہوگا اتنا زیادہ ثواب ملے گا۔۳۔مسجد بنانے میں مشرکین سے تعاون حاصل نہ کرنا چاہئے جیسا کہ آیت دلالت کر رہی ہے۔پھر تعاون عام ہے مال سے ہو یا جان سے عملی خدمت کرنے سے ہو پھر جب تک مسجد باقی رہے گی اِس وقت تک ثواب بھی ملتا رہے گا۔جیسے کنواں لگوا دینے کا ثواب ہوتا ہے۔

ویح عمار تقتله الفئته الباغیته یدعو هم الی الجنته ویدعونه الی النار

ویح رحمت و شفقت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ عمار پر رحم فرماویں۔

سوال: حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں شہید ہوئے تو کیا وہ صحابہ جو حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے وہ آگ کی طرف بلا رہے تھے۔

جواب۔ا۔یہ فعل ایسا ہی تھا کہ امام حق کی بغاوت تھی اور امام حق کی بغاوت آگ کی طرف بلاتی ہے گو اُن حضرات کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے معافی ہو جائے یا کچھ ثواب بھی مل جائے کیونکہ مجتہد مخطی کو ایک ثواب ملتا ہے وہ قصاص کو سب کاموں پر مقدم کرنا چاہتے تھے۔اس بات کا انکار نہ تھا کہ حضرت علی خلافت کے مستحق ہیں۔۲۔بغاوت کا فعل آگ میں لے جانے والا ہے گو فاعل دوسری نیکیوں کی وجہ سے آگ سے بالکل بچ جائے۔

ے　واذا الجبیب اتی بذنب واحدة
جاء ت محاسنه بالف شفیع

۳۔بعض شریر دوزخی تھے ان کی صفت سب کی طرف منسوب

کی گئی جیسے فعقروھا حالانکہ عقر ایک نے کیا تھا اسی لئے لفظ باغی یا اور کوئی خلافت ادب لفظ حضرت معاویہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ ایک قرآن کو دوسرے قرآن پر رکھ سکتے ہیں نہ کہ جوتا نعوذ باللہ من ذلک۔ مشاجرات صحابہ میں زیادہ گفتگو منع ہے بلکہ یہ مشاجرات اسلام کی حقانیت کی دلیل ہیں کہ سمجھتے تھے کہ اسلام تو پھیل ہی جانا ہے۔ خلاف اولیٰ کام کی کیوں اجازت دی جائے۔ سکوت والے سے مواخذہ نہ ہوگا۔ مباحثہ والے سے مواخذہ کا اندیشہ ہے جب کسی ایک کی شان میں گستاخی کرے۔

باب الاستعانته بالنجار

غرض ایک درجہ میں مشرک والے باب سے استثناء ہے کہ مشرک سے امداد نہ لینگے لیکن اگر اجرت دے کر کوئی کام کافر اور مشرک سے کرالیا جائے تو اجرت دینے کی وجہ سے یوں سمجھیں گے کہ وہ کام اجرت دینے والے مسلمان نے خود کیا ہے اس لئے گنجائش نکل آئے گی۔

باب من بنی مسجد

ا:۔ غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے بناء مسجد کا ذکر تھا اب بناء مسجد کی فضیلت اور ثواب بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر لفظ مثل جیسا کہ مشابہت میں استعمال ہوتا ہے مناسبت میں بھی استعمال ہوتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں زنا کرے گا بلکہ یہ کہ جرم بڑا ہے اس لئے سزا بڑی ملے گی۔

باب یا خذ نبصول النبل اذا مر فی المسجد

غرض مسجد سے گزرنے کا ادب بیان کرتا ہے کہ لوہے کی جانب سے پکڑے تاکہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

باب المرور فی المسجد

غرض۔ تیر کے ساتھ مسجد سے گزرنا جائز ہے جبکہ نصل سے پکڑے۔ ۲۔ مسجد سے گذرنے کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب بھی مسجد سے گذرے ایذاء سے بچے۔ ۳۔ ضرورت کے وقت گذرنا جائز ہے جبکہ مسجد کو گذرگاہ نہ بنائے۔

باب الشعر فی المسجد

غرض شعر پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے مسجد میں۔ اس مسئلہ میں اصل ممانعت ہی ہے کیونکہ ابوداؤد میں عن حکیم بن حرام نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یستقاد فی المسجد وان تنشد فیہ الاشعار اسی لئے حضرت عمرؓ نے حضرت حسان کو منع فرمایا تھا۔ سوال۔ پھر حضرت حسان کے اِس کہنے پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ چکا ہوں جیسا کہ حدیث الباب میں بھی ہے حضرت عمر خاموش کیوں ہو گئے۔ جواب۔ ادباً خاموش ہوئے حاصل یہ کہ چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ۱۔ ضرورت دینیہ ہو جیسے حضرت حسان جہاد باللسان فرماتے تھے۔ ۲۔ کبھی کبھی ہو۔ ۳۔ نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔ ۴۔ اشعار کا مضمون غلط نہ ہو۔

باب اصحاب الحراب فی المسجد

غرضؔ یہ ہے کہ نیزوں سے جہاد کی مشق کرنے والوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ لفظ حراب کے معنیٰ چھوٹے نیزے کے بھی آتے ہیں اور مصدری معنی بھی آتے ہیں یہاں پہلے معنیٰ ہی مراد ہیں اور جہاد کی تیاری کے لئے نیزوں سے کھیلنا اور مشق کرنا جائز ہے پھر بظاہر یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے لیکن بعض نے قبل نزول حجاب شمار کیا ہے۔ پھر ظاہر حدیث سے ان کا مسجد کے اندر داخل ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن بعض نے اس کو ملحقات مسجد میں بھی شمار کیا ہے۔

باب ذکر البیع و الشراء علی المنبر فی المسجد

غرض یہ ہے کہ بیع وشراء کا ذکر مسجد میں جائز ہے مسئلہ سمجھانے کے لئے اور عقد بیع کا صرف معتکف کے لئے جائز ہوتا ہے۔

من اشترط شرطالیس فی کتاب اللہ فلیس لہ

سوال معلوم ہوا کہ صرف کتاب اللہ سے ہی استدلال ہوسکتا ہے۔ جواب وماأتکم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنہ

فانتھوا کی وجہ سے تمام احادیث کتاب اللہ کے حکم میں ہو جاتی ہیں اس لئے مراد دین اللہ ہی ہو گیا۔

باب التقاضی والملازمته فی المسجد

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا عندالضرورۃ جائز ہے لیکن بقدر ضرورت ہی ہو زائد از ضرورت نہ ہو سجف:۔ا۔دو اکٹھے پردے ہوں دروازے پر تو ہر ایک کو سجف کہتے ہیں۔۲۔مطلقاً پردہ کو سجف کہتے ہیں۔

باب کنس المسجد

غرض مسجد میں جھاڑو دینے کی فضیلت کا بیان ہے۔ پھر اس واقعہ کے بعض طرق میں خرق کا ذکر ہے کپڑے کے ٹکڑے بعض میں قذی کا ذکر ہے تنکے۔ بعض میں عیدان کا ذکر ہے لکڑیاں اس لئے باب کے عنوان میں سب کو جمع فرما دیا۔

باب تحریم تجارۃ الخمرفی المسجد

غرض یہ ہے کہ شراب کی حرمت کا بیان مسجد میں صحیح ہے۔ اور حرمت ہر جگہ ہے۔ پھر مناسبت خمر اور ربٰو میں یہ ہے کہ خمر سے دنیا میں بیہوشی ہوتی ہے اور سود والا آخرت میں بے ہوشوں کی طرح اُٹھے گا الذین یا کلون الربٰو لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس

باب الخدم المسجد

غرض یہ ہے کہ مسجد کے کاموں کے لیے خادم مقرر کرنا مستحسن ہے۔ اور تعلیق میں یہ اشارہ کر دیا کہ پہلی امتوں میں بھی اس کا اہتمام رہا ہے۔

باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد

غرض یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت صدیق کے زمانہ میں جیل خانہ نہیں تھا۔ حضرت شریح بھی مقروض کو مسجد ہی میں باندھ دیا کرتے تھے جیسا کہ بخاری شریف میں آئے گا۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے جیل خانہ بنایا تھا۔

رب ھب لی ملکا لا ینبغی لا حد من بعدی

یہ خیال فرمایا کہ کسی کو وہم نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول نہیں ہوئی اگرچہ اصل خصوصیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ وہ جنوں پر حکومت فرماتے تھے ایک جن کے پکڑنے سے جنات پر حکومت کرنا تو صادق نہیں آتا لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ شرکت کا شبہ ہو سکتا تھا اس لئے چھوڑ دیا۔ اِس حدیث کے واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالٰے کا جو ارشاد ہے انه یراکم هو و قبیله من حیث لا ترونهم یہ غالب حالات میں ہے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے یا آیت مبارکہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس وقت جنات ہمیں دیکھ رہے ہوں اس وقت ہم ان کو نہیں دیکھتے اُن کا منہ دوسری طرف ہو تو پھر ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ اِس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شریر جن کو دیکھا اور جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنات کو دیکھا کرتے تھے۔

باب الاغتسال اذا اسلم و ربط الا سیر ایضا فی المسجد

غرض اور ربط یہ ہے مسجد میں قیدی کو باندھنے کا جواز بیان فرمانا چاہتے ہیں اور مسجد سے غسل للا سلام کے لئے نکلنا اور پھر آ کر اسلام کا اظہار کرنا اس کے جواز کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پھر عندامامنا ابی حنیفۃ اگر جنابت کی حالت میں مسلمان ہو تو غسل واجب ہے ورنہ مستحب ہے یہی ایک روایت امام شافعی سے بھی ہے۔ اور ان کی دوسری روایت ہے کہ مطلقاً مستحب ہے اور عنداحمد و مالک مطلقاً واجب ہے لنا۔ا۔وان کنتم جنبا فا طھر وایه حکم نومسلم کو بھی ہے پرانے مسلم کو بھی ہے جس کو اسلام کے بعد جنابت لاحق ہوئی ہو۔۲۔ ابو داؤد عن قیس بن عاصم قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم ارید الا سلام فا مرنی ان اغتسل بماء و سدر اور بہت سے صحابہ کا اسلام لانا احادیث میں مذکور ہے اور امر غسل نہیں ہے معلوم ہوا کہ عام حالات میں مستحب ہے وللشافعی فی مسلم عن عمر و بن العاص مرفوعاً الم تعلم یا عمر وان الاسلام یھدم ما کان قبله جواب۔ا۔اِس پر اجماع ہے کہ اسلام حدث اصغر کو ختم

نہیں کرتا تو ایسے ہی ہم کہتے ہیں کہ حدث اکبر کو بھی ختم نہیں کرتا۔۲۔ هدم کا تعلق وجودی چیزوں سے ہے جیسے ذنوب وجودی ہیں جنابت تو عدمی چیز ہے باغسل نہ ہونا اس کے لئے اسلام ھادم اور ختم کرنے والا نہیں ہے۔ ولما لک واحمد۔ا۔کفر کا غسل معتبر نہیں ہے۔اور جنابت ہر انسان کو لاحق ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے جو بالغ بھی مسلمان ہوتا ہے وہ جنبی ہی ہوتا ہے اس لئے اس کے ذمہ غسل واجب ہے۔ جواب کافر کا غسل بھی ایسے ہی معتبر ہے جیسے کافر کا کپڑے پاک کرنا معتبر ہے کافر دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے بالاتفاق پاک ہی شمار کئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی اس کا غسل بھی صحیح شمار ہونا چاہئے۔۲۔ اُن حضرات کی دوسری دلیل ابوداؤد کی روایت قیس بن عاصم سے جو ابھی گذری جواب یہ امر استحبابی ہے کیونکہ اگر وجوبی ہوتا تو سب ایمان لانے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غسل کا حکم فرماتے۔

کان شریح یا مر الغریم ان یحبس

حضرت شریح نے زمانہ تو پایا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لیکن زیارت نصیب نہ ہوئی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں قاضی بنے تھے اور پھر ساٹھ سال تک قاضی رہے اور ۸۰ھ میں وفات پائی۔

باب الخیمة فی المسجد للمرضی وغیرھم

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ پر ایسا کر لینا بھی جائز ہے۔

فضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیمته فی المسجد

ا۔ مسجد نبوی مراد ہے اور امام بخاری کے طرز سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ مساجد کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔ ۲۔ موضع الصلوٰۃ مراد ہے جو محاصرہ بنی قریظہ کے زمانہ میں بنا رکھا تھا۔۳۔ مسجد نبوی کے ملحقات میں خیمہ بنانا مراد ہے۔

یغذ وجرحہ:۔ان کا زخم بہہ رہا تھا۔

فمات فیھا:۔ا۔ فی الخیمہ ۔۲۔ فی تلک ۔ الجراحۃ ۔

باب ادخال البعیر فی المسجد للعلة

غرض ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے یہاں اِس حدیث کے واقعہ میں ضرورت کیا تھی ۔ا۔ مشرکین کی خفیہ تدبیر سے محفوظ رہنا کیونکہ اِس باب کی تعلیقا حدیث کا واقعہ عمرة القضا کا ہے جس میں ابھی مکہ مکرمہ پر مشرکین کا قبضہ تھا۔۲۔ بیماری۔ جیسا کہ مسند حدیث میں حضرت ام سلمہ کی بیماری کی تصریح موجود ہے۔

باب: یہ باب بلا ترجمہ ہے اور ماقبل کا تتمہ ہے کہ مسجد میں دین کی باتیں کرنا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ دونوں حضرات جن کو واپسی پر غیبی روشنی ملی مسجد میں اس لئے ٹھہر گئے تھے تا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دینی باتیں کر سکیں۔ امام بخاری کے طرز سے اِس حدیث کے واقعہ کی یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرا احتمال نور ملنے میں یہ بھی ہے کہ وہ نماز کے انتظار کے لئے چونکہ کافی دیر بیٹھے رہے تھے اِس لئے ان کو یہ غیبی نور کا خصوصی انعام ملا پھر یہ واقعہ اس آیت کے مصداق کا نمونہ بھی ہے **نور ھم یسعٰی بین ایدیھم وبا یما نھم** اور اس حدیث کے مصداق کا نمونہ بھی ہے۔ **بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامته** اور اس حدیث کا بھی نمونہ ہے کہ قیامت میں وضوء کے اعضا روشن ہوں گے اعطانا اللہ تعالیٰ بفضلہ ومنّہ۔

باب الخوختہ و الممر فی المسجد

غرض۔ا۔ دروازہ لگانا اور مسجد میں سے گزرنا ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔۲۔ مسجد میں سے گزرنا اور مسجد کو گزرگاہ بنالینا منع ہے حضرت صدیق اکبر اس حکم سے ضرورت دینیہ کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔

ولو کنت متخذا خلیلا من امتی لا تخذت ابا بکر

ا۔خلہ کے معنیٰ ہوتے ہیں کہ دل محبت سے بھر جائے اس لئے اس میں ایک ہی داخل ہو سکتا ہے اور محبت صرف تعلق بالمحبوب کو کہتے ہیں اِس میں متعدد داخل ہو سکتے ہیں جیسے حضرت صدیق اکبر

حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت عائشہ وغیرھم۔۲۔خلہ کے معنی ہیں رجوع فی الحاجات یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ولکن خلته الا سلام افضل

یعنی اسلام کا تعلق جو آپ کے ساتھ ہے وہ باقی سب لوگوں سے افضل وازید ہے۔

غیر خوختہ ابی بکر:۔خوخہ کہتے ہیں چھوٹے دروازے کو۔ سوال مرفوعاً ترمذی میں عن ابن عباس ہے سدّ واالا بواب الا باب علّی جواب۔ا۔بخاری شریف والی حدیث سند کے لحاظ سے اقویٰ ہے۔۲۔بخاری شریف والی حدیث کا واقعہ مرض وفات کا ہے اس لئے یہ ناسخ ہے۔ اور اس میں اشارہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی طرف ہے۔

باب الابواب و الغلق للکعبته و المساجد

غلق کے معنی ہیں قفل لگانا۔غرض یہ ہے کہ دروازے بنانا اور قفل لگانا مساجد اور کعبۃ اللہ میں ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔

لو رایتَ مساجد ابن عباس و ابوابها

ا۔جزاء محذوف ہے لرأیت کذاوکذا۔۲۔لوتمنائیہ ہے جزاُ ماننے کی ضرورت نہیں۔ یہ فرمانا نشانات مٹ جانے کے بعد تھا معلوم ہوا کہ اُن کی مساجد میں بھی ابواب تھے یہی مقصد ہے امام بخاری کا۔

باب دخول المشرک المسجد

غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ مشرک کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے۔عندامامنا ابی حنیفۃ کافر کے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے وعندالشافعی واحمد مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز نہیں ہے باقی مساجد میں داخل ہونے کی اجازت دینا جائز ہے وعند مالک کسی مسجد میں بھی کافر کو داخل ہونے کی اجازت دینا جائز نہیں ہے لنا۔ا۔**فی ابی داؤد عن انس دخل رجل علی جمل فاناخه فی المسجد ثم عقله ثم قال** ا-ا یکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۲- فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ قال **الیهود اتو النبی صلی الله علیه وسلم وهو جالس فی المسجد.** ۳-حدیث الباب عن ابی ہریرۃ یقول بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیلاقبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ بن اثال فربطوہ بساریۃ من سواری المسجد وللشافعی واحمد **فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** جواب۔ا-ترمذی میں زید بن تبیع سے روایت ہے کہ حضرت علی سے پوچھا کہ آپ نے ۹ھ میں حج کے موقعہ پر کیا اعلان کئے تھے انہوں نے چار اعلان بتلائے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ لایطوفوا بالبیت عریاناً یعنی کافروں کو اب حج کرنے کی اور اپنی رسم بد کے مطابق ننگے طواف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔معلوم ہوا کہ ممانعت حج کرنے کی اور ننگے طواف کرنے کی تھی اگر صرف کسی ضرورت کی وجہ سے داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔۲-دوسرا جواب حضرت انور شاہ صاحب نے دیا ہے کہ **انماالمشرکون نجس** میں جزء علت ہے دوسرا جزء دوسری آیت میں ہے **اولک ماکان لهم ان یدخلوها الاخائفین** کہ مشرکین فاتحانہ طور پر داخل نہ ہوں ہماری اجازت سے ہوں تو گنجائش ہے۔ ولمالک جب علۃ ممانعت نجاست ہے **انما المشرکون نجس فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** تو کسی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتے۔جواب دونوں وہی جوابھی گزرے۔

باب رفع الصوت فی المساجد:۔

غرض ا-مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔۲- بہت زیادہ اونچی آواز مسجد میں منع ہے اسی لئے بعض کو منع نہ فرمایا کہ آواز زیادہ بلند نہ تھی اور بعض کو منع فرمایا کیونکہ وہ زیادہ بلند تھی۔۳-بلاضرورت بلند کرنا منع ہے ضرورت کی وجہ سے مسجد میں آواز بلند کرنا منع نہیں ہے جہاں منع فرمایا وہاں ضرورت نہ تھی جہاں منع نہیں کیا گیا وہاں ضرورت تھی۔اسی تفصیل کی طرف اشارہ کرنا امام بخاری کا مقصد ہے اسی لئے روایتیں دونوں قسم کی لے آئے ممانعت کی اور عدم ممانعت کی۔۴-ہر قسم کی آواز بلند کرنا منع ہے اسی لئے جلدی سے

تشریف لائے اور قرضہ کے معاملہ میں صلح کرادی۔ یہ جلدی تشریف لانا بمنزلہ انکار ہی کے ہے معلوم ہوا کہ ہر قسم کی رفع صوت فی المسجد منع ہے اور یہی مقصد ہے امام بخاری کے اس باب کا۔

ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم

اس انکار کا منشا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی صلی الله علیه وسلم. قال السبکی وقدروی عن ابی بکر موقوفاً لاینبغی رفع الصوت علی نبی حیاً ومیتاً حضرت عائشہؓ قریب کے مکانوں سے کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو پیغام بھیجتی تھیں لاتوذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ نے اپنے دروازے کے چوکھٹ اسی وجہ سے دور جا کر بنائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔

باب الحلق والجلوس فی المسجد

غرض یہ ہے کہ مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھنا بھی جائز ہے خصوصاً جبکہ علم یا ذکر یا تلاوت مقصود ہو بشرطیکہ نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے سوال۔ اس حدیث کو باب سے مناسبت نہیں ہے جواب اس حدیث میں خطبہ کا ذکر ہے اور خطبہ کے وقت حضرات صحابہ کرام حلقہ کی شکل میں ہوتے تھے اس لئے حدیث میں حلقہ کا ذکر پایا گیا۔
مثنیٰ مثنیٰ:۔ ۱۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔ ۲۔ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھا جائے اور یہ دوسرے معنیٰ راجح ہیں کیونکہ ابوداؤد میں مثنیٰ مثنیٰ والی روایت میں ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے تشہد فی کل رکعتین۔

فاذاخشی الصبح صلی واحدة

اس کے معنیٰ ہیں دو کے ساتھ ایک اور بھی ملائے اور تین پڑھ لے کیونکہ یہی مضمون حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور ان سے ہی وتر کی تین رکعتیں بھی منقول ہیں۔ تفصیل وتر کے باب میں آئیگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

باب الاستلقاء فی المسجد و مدالرجل

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور بعض نسخوں میں مدالرجل نہیں ہے۔ سوال۔ سیدھا لیٹنے سے تو نہی وارد ہوئی ہے جواب۔ ۱۔ منسوخ ہے اور ناسخ یہی زیر بحث روایت ہے۔ ۲۔ نہی اس صورت میں ہے جبکہ کشف عورت ہو۔ ان دونوں توجیہوں کی تائید اس تعلیق سے ہورہی ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ایسا کر لیتے تھے۔

باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس

غرض یہ ہے کہ راستہ میں مسجد بنالینا جائز ہے جبکہ لوگوں کو تکلیف نہ دے مسجد بنانے کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ کوئی اپنی ملک کو وقف کرے اور مسجد بنائے تو بالاتفاق صحیح ہے۔ ۲۔ کوئی دوسرے کی ملک میں زبردستی مسجد بنالے تو بالاتفاق یہ کام غلط ہے اور مسجد نہ بنے گی۔ ۳۔ عام راستہ میں کوئی مسجد بنالے تو اس میں دو قول ہیں صحیح ہے دوسرا یہ کہ صحیح نہیں ہے امام بخاری ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ صحیح نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ احیاء اموات کی طرح ہے والی اور قاضی کی اجازت سے صحیح ہے بلا اجازت صحیح نہیں ہے۔

باب الصلوٰة فی مسجدالسوق

غرض مسجد سوق میں نماز کا جواز بیان کرنا ہے مسند حدیث سے ثابت ہوا کہ بازار میں بھی نماز ہو جاتی ہے گو ثواب کم ملتا ہے جب بازار میں بلا جماعت نماز صحیح ہے تو بازار کی مسجد میں بطریق اولیٰ صحیح ہے سوال مسند بزار میں روایت ہے مرفوعاً ان الاسواق شرالبقاع وان المساجد خیر البقاع اس حدیث کی وجہ سے بازار میں نماز صحیح نہ ہونی چاہئے جواب۔ یہ حدیث مسند بزار والی ضعیف ہے۔ ۲۔ جب وہ ٹکڑا مسجد بن گیا تو خیر البقاع بن گیا اس لئے باب کے مقصد کے خلاف نہ ہوا۔ یہ تو مسجد سوق کا حکم تھا اس کے علاوہ بازار میں نماز پڑھنے کی جگہ بھی مستحسن ہے جیسے گھر میں نفل پڑھنے کی جگہ بنانا مستحسن ہے۔

صلی ابن عون فی مسجد فی داریغلق علیهم الباب

سوال: یہ تعلیق یعنی معلق روایت باب کے مناسب نہیں ہے

جواب باب کی غرض اصطلاحی مسجد کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ باب کا مقصد یہ ہے کہ جیسے گھر میں نفلوں کے لئے جگہ بنانی مستحسن ہے ایسے ہی بازار میں بھی نفلوں کے لئے جگہ بنانی مستحسن ہے اور اس کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ ابن عون والی تعلیق میں گھر کی مسجد کا ذکر ہے اس پر قیاس کرینگے بازار والی ایسی مسجد کو جو لغوی مسجد ہے شرعی مسجد نہیں ہے۔۲-اثر ابن عون یہ تو باب ہی میں داخل ہے کہ باب میں مقصود مسجد سوق اور مسجد بیت کا بیان ہے کہ دونوں مستحسن ہیں خواہ مسجد سوق اصطلاحی لیں یا لغوی لیں۔۳-بعض آثار امام بخاری معمولی مناسبت کی وجہ سے بیان کر دیا کرتے ہیں یہ بھی ایسے ہی آثار میں داخل ہے پھر باب کی غرض میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ شور وغل کی جگہ میں بھی مسجد بنا لینی جائز ہے۔ پھر ایک قول یہ بھی ہے کہ ابن عون والے اثر سے مقصود حنفیہ کی تردید ہے کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسجد کے لئے اذن عام شرط ہے جواب۔ حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ حنفیہ کی کلام مسجد شرعی میں ہے اور یہاں ابن عون کے اثر میں صرف مسجد لغوی کا ذکر ہے۔

باب تشبیک الاصابع فی المسجد وغیرہ

غرض یہ کہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا مسجد میں بھی اور خارج مسجد میں بھی جائز ہے سوال تشبیک سے تو ممانعت وارد ہے احادیث میں جواب۔۱-ممانعت نماز میں تشبیک کرنے سے ہے یا نماز کے لئے جا رہا ہو تو یہ بھی حکم میں نماز ہی کے ہے آداب میں اور اس حدیث میں نماز کے بعد کا واقعہ ہے ۲- ممانعت بلاضرورت تشبیک سے ہے اور یہاں سمجھانے کی ضرورت سے ہے۔۳-نھی تنزیہی ہے اور یہاں بیان جواز ہے۔

یقال لہ ذو الیدین

پہلے ان کا لقب ذوالشمالین تھا لیکن چونکہ اصحاب الشمال اہل جہنم کا لقب ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب ذوالیدین کر دیا۔ پھر یہ لقب کیوں تھا۔۱-ان کا قد لمبا تھا اور ہاتھ بھی لمبے تھے۔۲-وہ حتی الامکان اپنے سب کام خود اپنے ہاتھوں سے ہی کرتے تھے اور دوسروں سے حتی الامکان مدد نہ لیتے تھے۔

باب المساجد اللتی علی طرق المدینتہ والمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نماز کی جگہوں سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے پھر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک جہاں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہیں وہاں بعض جگہ تو تبرک کے طور پر مسجد بنا دی گئی ہے اس کو امام بخاری نے مساجد کے نام سے ذکر فرمایا ہے اور جہاں مسجد نہیں بنائی گئی اس کو مواضع وغیرہ کے نام سے ذکر فرمایا ہے پھر اس باب میں جو لمبی حدیث ہے اس کو امام مسلم نے ذکر نہیں فرمایا۔ ان دو بڑے اماموں میں سے صرف امام بخاری نے ہی بیان فرمایا ہے پھر ابن عمر کا مسلک یہ تھا کہ جہاں اتفاقی طور پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے یا آرام فرمایا ہے ان کو تلاش کرنا اور وہاں نماز پڑھنا یا وہاں آرام کرنا مستحسن اور مستحب ہے اور عبداللہ بن مسعود اس پر انکار فرمایا کرتے تھے کہ نماز کے بعد ہمیشہ دائیں طرف کو پھر جائے ایسے ہی حضرت ابن عباس حج کے بعد تحصیب کو یعنی ایک خاص میدان میں جمع ہونے کو سفر مدینہ سے پہلے سنت نہ سمجھتے تھے ایسے ہی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان خاص خاص جگہوں پر نماز پڑھنے کے اہتمام سے منع فرماتے تھے تاکہ لوگ بعد میں اس کو واجب نہ سمجھ لیں اس کے برخلاف حضرت عتبان بن مالک کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے کہ انہوں نے اپنے گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا کہ آپ ایک جگہ نماز پڑھیں تاکہ میں وہاں ضرورت کے موقعوں پر نماز پڑھتا رہوں۔ یہ تبرک کے جواز کی مرفوع صریح دلیل ہے خلاصہ یہ نکلا کہ منتظمین صحابہ کرام ایسے تبرکات کے اہتمام کو مناسب نہ سمجھتے تھے اور عشاق اور

مغلوب الحال اس کو تلاش کرتے تھے منتظمین کی مثال خلفاء اربعہ ہیں اور عشاق کی مثال حضرت ابن عمر ہیں ابن عمر کی تائید حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے ان آیة ملکه ان یاتیکم التابوت فیه سکینة من ربکم وبقیة مما ترک آل موسیٰ وال هارون تحمله الملئکة ان فی ذلک لایة لکم ان کنتم مومنین اور ایک قول کے مطابق اس صندوق میں موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور آپ کے نعلین مبارکین تھے ایسے ہی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لااقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد اس سے بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے حلول ونزول فی مکہ سے اس کی عظمت بڑھ گئی اور حدیث معراج میں طور سیناء پر جہاں موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور بیت اللحم میں نماز پڑھی جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ان سب دلائل سے درمیانہ مسلک یہ نکلا کہ تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے لیکن اگر اندیشہ ہو کہ لوگ اس مستحب کام کو واجب قرار دے لیں گے تو وقتاً فوقتاً وہ کام چھوڑ دیا جائے تا کہ کوئی ضروری نہ سمجھے۔

الا انهما اختلافا فی مسجد بشرف الروحاء

اختلاف کی صورت کیا تھی۔ ا۔ حضرت نافع نے ذکر فرمایا اور حضرت سالم نے ذکر نہ فرمایا۔ ۲۔ اِس جگہ کی تعیین میں دونوں حضرات کا اختلاف ہوا۔ اور شرف الروحاء ایک بستی کا نام ہے پھر وہ مدینہ منورہ سے کتنی دور ہے۔ ا۔ تیس میل۔ ۲۔ چھتیس میل:۔ **ان عبد الله اخبره**:۔ یہاں عبد اللہ بن عمر ہی مراد ہیں کیونکہ گذشتہ روایت میں ابن عمر کی تصریح موجود ہے اور ابن مسعود وہاں مراد ہوتے ہیں جہاں تصریح نہ ہو۔ **تحت سمرة**:۔ ببول کا درخت۔

وکان اذا رجع من غزوو کان فی تلک الطریق ایک نسخہ میں غزوۃ ہے پھر کان مذکر کیوں ہے۔ ا۔ بتاویل سفر۔ ۲۔ کان فی تلک الطریق میں کان کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔ زیادہ نسخوں میں کان فی تلک الطریق میں کان سے پہلے واو بھی ہے اور بعض نسخوں میں واو نہیں ہے تو پھر کان غزو کی صفت بن جائے گا۔ **ظهر من بطن وادٍ**:۔ یہاں ظهر صَعِدَ کے معنی میں ہے۔ **بالبطحاء**:۔ پانی کے بہنے کی جگہ جو وسیع ہوا ور اس میں چھوٹی کنکریاں بھی ہوں ایسے ہی ابطح۔ **المسجد الذی بحجارة**:۔ وہ مسجد جو پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ **الاکمہ**:۔ ٹیلا **خلیج**:۔ گہری وادی۔ **کثب**:۔ ریت کے ڈھیر۔ **العرق**:۔ پہاڑی۔ **منصرف الروحاء** روحاء جگہ کے خاتمہ کے پاس۔ **سرحة**:۔ گھنا درخت **الرویثة**:۔ جگہ کا نام۔ **فی مکان بطح**:۔ وسیع جگہ۔ **سهل**:۔ نرم جگہ۔ **یفضی من اکمتہ**:۔ ٹیلے سے نکل آتے تھے۔ **برید الرویثة**:۔ جگہ کا نام ہے۔ **قد انکسر اعلاها فانثنی فی جوفها**:۔ اس درخت کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے اور اس درخت کے درمیان کا حصہ مڑ گیا ہے۔ **تلعتہ**:۔ ٹیلا۔ **العرج**:۔ جگہ کا نام۔ **هضبہ**:۔ ایک گاؤں کا نام۔ **رضم من حجارة**:۔ بڑے بڑے پتھروں میں سے اس لفظ کا مفرد رضمۃ آتا ہے۔ بڑا پتھر۔ **عند سلمات الطریق**:۔ راستہ کے پتھروں کے پاس یعنی وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ لفظ الطریق کے بعد جو بین ہے یہ ابعد والے یروح کا ظرف مقدم ہے۔ **سرحات**:۔ درخت:۔ **هرشی**:۔ ایک پہاڑ کا نام ہے **بکراع هرشی**:۔ ہرشی پہاڑ کے پاس چھوٹی پہاڑیاں:۔ **بینہ وبین الطریق**:۔ درمیان اُس سیل کے اور درمیان راستہ کے۔ **غلوۃ**:۔ تیز گرنے کی جگہ تقریباً دو ثلث ایک میل کے۔ **الصغر اوات**:۔ پہاڑوں کے نام۔ **یسار المسجد**: معلوم ہوا کہ وہاں دو مسجدیں ہیں۔ **باب سترة الامام سترة من خلفه**:۔ غرض یہ ہے کہ مقتدیوں کو سترہ کی حاجت نہیں ہے اور مقتدیوں کے سامنے سے گذرنے والا گنہگار نہیں ہوتا اس مسئلہ سے حنفیہ کے اِس قول کی تائید ہوتی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ ہونی چاہئے کیونکہ نماز ایک ہے سترہ ایک ہے اس لئے قرأت بھی ایک ہی ہوگی۔ **الی غیر جدار**:۔ ا۔ الی شئی غیر جدار۔ ۲۔ امام شافعیؒ سے منقول ہے اس حدیث کی تفسیر بلا سترة

لیکن امام بخاری نے جو یہ باب باندھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی والی تفسیر نہیں لی۔

باب قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترة

غرض یہ ہے کہ مستحب ہے کہ سترہ کے قریب کھڑا ہو۔ کان جدار المسجد عند المنبر :۔ سوال۔ اس روایت کو باب سے مناسبت نہیں۔ جواب۔ مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے برابر قریب ہی کھڑے ہوتے تھے اور جتنا فاصلہ منبر اور دیوار قبلہ میں تھا اتنا ہی فاصلہ تقریباً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ اور دیوار قبلہ کا تھا۔

باب الصلوٰۃ الی الحربة:

غرض۔ا۔ ہتھیار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ ہتھیار آگ اور تصویر کی طرح نہیں ہے۔ پھر حربہ عام نیزہ سے کچھ کم نیزہ ہوتا ہے اور اس کا پھل ذرا چوڑا ہوتا ہے اور عنزہ عام نیزے کا نصف ہوتا ہے۔۲۔ غرض میں دوسرا قول یہ ہے کہ فقہاء نے جو سترہ کی حد مقرر کی ہے وہ اندازہ ہی ہے امام بخاری کے نزدیک کوئی خاص حد شرعاً مقرر نہیں لیکن راجح جمہور فقہاء ہی کا قول ہے اور جو یہاں مذکور ہے یہ۔ صرف امام بخاری کا اپنا اجتہاد ہے۔

باب الصلوٰۃ الی العَنزَة:۔

یعنی یہ بھی جائز ہے۔ عُکَّازۃ :۔ چھڑی کو کہتے ہیں۔ او عَنَزَۃ:۔ بعض نسخوں میں اِس کی جگہ او غیرہ ہے۔ا۔ یہ تصحیف ہے یعنی کسی راوی سے حرکات ونقاط کی غلطی ہوگئی۔ اصل لفظ عنزہ ہی ہے۔۲۔ یہ لفظ بھی صحیح ہے اور ضمیر لوٹتی ہے کل واحد منھما کی طرف اور باب سے مناسبت یوں ہے کہ غیرہ کا مصداق عنزہ ہے۔

باب السترة بمکة وغیرها

غرض رد کرنا ہے مصنف عبدالرزاق کے ایک باب کا کیونکہ اس میں ایک باب یوں ہے باب لا یقطع الصلوٰۃ بمکة شیء اور اس باب میں روایت یہ ہے عن کثیر بن المطلب عن ابیه عن جده قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی مسجد الحرام لیس بینه وبینهم سترة وجہ رد۔ا۔ یہ مصنف عبدالرزاق والی روایت ضعیف ہے امام بخاری کے نزدیک۔۲۔ مسجد حرام پر پورے مکہ مکرمہ کو قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ وہاں تو طواف والوں کی بہت کثرت ہوتی ہے۔ امام عبد الرزاق کی ایک دلیل تو یہی تھی جو اوپر گذری اس کے دو جواب بھی ہوگئے امام عبدالرزاق کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سترہ قبلہ کی طرح ہے جب حرم میں کعبہ کے قریب میں تو کعبہ ہی سترہ ہے اس لئے کسی اور سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ نص صریح کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب الصلوٰۃ الی الاسطوانة

غرض یہ ہے کہ ستون کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مستحب ہے تاکہ گزرنے والوں کو آسانی ہو۔

المتحدثین الیها

یعنی جو ستونوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔

التی عند المصحف

جگہ بنی ہوئی تھی جہاں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مصحف رکھے جاتے تھے۔

باب الصلوة بین السواری فی غیر جماعة

غرض یہ ہے کہ اکیلا اگر بین الساریتین پڑھ لے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فی غیر جماعۃ میں اشارہ کردیا کہ بعض کے نزدیک جماعت میں بین الساریتین کھڑا ہونا مکروہ ہے چنانچہ عند احمد مقتدیٰ کا بین الساریتین صف بنانا مکروہ ہے وعند الجمہور بلاکراہۃ جائز ہے۔ لنا۔ا۔ حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً فی الصلوۃ فی الکعبۃ بین العمودین المقدمین۔۲۔ امام اور منفرد کی نماز بین الساریتین بالاجماع جائز ہے۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ مقتدی

کو۔۳۔ وفی الترمذی والنسائی عن عبدالحمید بن محمود صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرنا الناس فصلینا بین السارتین فلما صلینا قال انس بن مالک کنا نتقی ھذا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لینا علامت ہے کہ کراہت اگر ہے تو تنزیہی ہے۔۴۔ یہ بھی صف ہے اگر چہ چھوٹی ہے اور ستون کا آنا سامان وغیرہ کے آ جانے کی طرح ہے۔ لاحمد۔ ا۔ فی ابن ماجہ عن معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قال کنا ننھی ان نصف بین السواری علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونطرد عنھا طرداً جواب اس میں ہارون بن مسلم بصری ہے جو مجہول ہے۔۲۔ فی مستدرک حاکم عن انس کنا ننھی عن الصلوۃ بین السواری ونطرد عنھا۔ جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوۃ فی الکعبہ سے معلوم ہوا کہ نہی تنزیہی ہے۔ نیز ہماری تیسری دلیل سے بھی معلوم ہوا کہ یہاں نہی تنزیہی ہے۔۳۔ ستون کی وجہ سے صف سیدھی نہ ہو سکے گی۔ جواب کوشش کر کے صف سیدھی ہو سکتی ہے۔۴۔ بین الاستوانتین تو جوتے رکھنے کی جگہ ہے۔ جواب جو صف بنائے گا وہ جوتے ہٹا کر ہی تو بنائے گا۔۵۔ یہ صف جنات کی جگہ ہے۔ جواب یہ محض احتمال ہے۔

باب: تتمہ ہے ماسبق کا کیونکہ اس میں دیوار سے فاصلہ بھی مذکور ہے کہ خانہ کعبہ کی سامنے کی دیوار سے تین گز کے فاصلہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ اور اس حدیث میں عبداللہ سے مراد ابن عمر ہیں کیونکہ اسی واقعہ کی گذشتہ روایت میں تصریح ہے۔ **تیوخی:** تحری تلاش کرتے تھے۔

باب الصلوٰۃ الی الراحلتہ

غرض یہ ہے کہ ان چیزوں کو سترہ بنانا جائز ہے۔

باب الصلوٰۃ الی السریر

غرض یہ کہ سترہ کا زمین پر ہونا ضروری نہیں ہے زمین سے اٹھا ہوا بھی ہو تو گنجائش ہے۔ **اُسْنِحَہٗ:** ظاہر ہو جاؤں اور تشویش کا سبب بنوں۔

باب یرد المصلی من مر بین یدیہ

غرض استحباب کا بیان ہے کہ عمل قلیل سے گزرنے والے کو دفع کر دینا مستحب ہے بعض اہل ظواہر کے نزدیک یہ دفع کرنا واجب ہے جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابی سعید مرفوعاً **فاذا اراد احدان یحتاز بین یدیہ فلیدفعہ فعہ** اُن بعض اہل ظواہر کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر اور عموم پر محمول ہے ہمارے نزدیک اس کی مختلف توجیہات ہیں۔ا۔ پہلے نرمی سے دفع کرے پھر زیادہ سختی سے لیکن بلا عمل کثیر۔۲۔ جب عمل کثیر منسوخ ہو گیا تو یہ قتال بھی جو عمل کثیر کے درجہ میں ہو منسوخ ہو گیا۔ ہماری توجیہات کے لئے مرجح یہ آیت ہے۔ **یا یھا الذین امنو ااطیعوا اللہ و اطیعو االرسول ولا تبطلوا اعمالکم:۔**

باب اثم المار بین یدی المصلی

حدیث کے معنٰی کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث گناہ اور حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

اقال اربعین یوماً

ای یُسرا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب استقبال الرجل الرجل وھو یصلی

غرض اس کی کراہت بیان کرنی ہے پھر اس میں آگے دو قول ہیں۔ا۔ جب مشغول ہونے کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ ۲۔ مطلقاً مکروہ ہے ظاہر دوسرا قول ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے کہ شاید کسی وقت اس طرف توجہ ہو جائے۔

باب الصلوٰۃ خلف النائم

غرض یہ ہے کہ صلوٰۃ خلف النائم سے نہی والی روایت کمزور ہے۔ عند مالک صلوٰۃ خلف النائم مکروہ ہے وعند الجمھور مکروہ نہیں ہے۔ لنا حدیث الباب عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وانا راقدۃ معترضۃ علی فراشہ ولمالک مافی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً لاتصلوا خلف النائم ولا المتحدث جواب۔ علامہ نووی

فرماتے ہیں اس حدیث کے متعلق ضعیف باتفاق الحفاظ۔

باب التطوع خلف المرأة

غرض یہ ہے کہ عورت کے سامنے لیٹنے سے نماز نہیں ٹوٹتی پھر تطوع کی قید اس لئے لگائی کہ فرضوں میں زیادہ احتیاط مناسب ہے۔

باب من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیئ

غرض اس شخص کا قول بیان کرنا ہے جس کے نزدیک نماز کے لئے غیر مصلی کا کوئی فعل ناقض نہیں ہے پھر دلیل عورت کی ذکر کی کہ عورت ناقض نہیں تو باقی چیزیں بطریق اولیٰ ناقض نہیں ہیں۔ عند احمد کلب اسود کا گذرنا مفسد صلوۃ ہے اور عورت اور گدھے میں توقف فرمایا وعند الجمھور کسی کا گذرنا مفسد نہیں لنافی ابی داؤد عن ابی سعید مرفوعاً لا یقطع الصلوٰۃ شیئ و لا احمد جو چیزیں نماز توڑ دیتی ہیں۔ ان کی روایات میں کلب اسود کا ذکر بہت زیادہ ہے اس لئے وہ مفسد صلوۃ ہے اور عورت اور گدھے کا ذکر کم ہے اس لئے ان دونوں میں توقف فرمایا جواب۔ ۱۔ یقطع الخشوع۔ ۲۔ صحابہ کا عمل منسوخ ہونے پر دال ہے۔

باب من حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقه فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ جب بچی کو اٹھانا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے تو عورت کا مرور بطریق اولیٰ مفسد نہیں ہے۔ پھر حدیث کے واقعہ میں نواسی کو جو اٹھاتے اور اتارتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ کیا تھی۔ ۱۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اوروں کیلئے اس کی گنجائش نہیں ہے اظہار خصوصیت ہی مقصود تھا۔ ۲۔ یہ حکم منسوخ ہے۔ ۳۔ یہ فعل اضطرار پر محمول ہے۔ ۴۔ عمل قلیل پر محمول ہے۔

باب اذا صلی الی فراش فیه حائض

غرض یہ کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

هل یغمز الرجل امراته عندالسجود لکی یسجد

غرض ۱۔ جیسے حائضہ پر کپڑے کا گر جانا نماز میں مفسد صلوٰۃ نہیں ایسے ہی عورت کو ہاتھ لگانا بھی مفسد صلوۃ نہیں۔ ۲۔ مس المراۃ ناقض وضو نہیں ہے۔

باب المراۃ تطرح عن المصلی شیئاً من الاذی

غرض یہ ہے کہ جب عورت کا چیز اٹھانا نمازی پر سے مفسد صلوٰۃ نہیں تو سامنے سے گزر جانا بطریق اولیٰ مفسد نہیں ہے۔

اتبع اصحاب القلیب لعنة

۱۔ اتبع ماضی مجہول کہ لگادی گئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصحاب قلیب کو لعنت' ۲۔ اتبع ماضی معروف اللہ تعالیٰ نے لگا دی اصحاب قلیب پر لعنت اصحاب اور لعنۃ دونوں منصوب ہیں۔ ۳۔ اتبع امر کا صیغہ بددعاء ہے کہ یا اللہ اصحاب قلیب کے پیچھے لعنت لگادے۔

کتاب مواقیت الصلوٰۃ:۔

مواقیت کا مفرو میقات ہے وقت الشئی کے معنی ہیں بین حدہ وعین اولہ واخرہ۔ اس لئے میقات کے معنیٰ ہو گئے ذریعہ تعیین یعنی زمان و مکان جو کہ معین ہوں کیونکہ یہ ذریعہ تعیین ہوتے ہیں۔ پھر اوقات کی تفصیل کا بہت کچھ مدار امامت جبریل والی روایت پر ہے جبکہ اس کو مفصلاً بیان کیا جائے یہاں صرف مختصراً وہ روایت نقل کی گئی ہے۔ اصحاب سنن نے مفصلاً ذکر کی ہے اور امام بخاری ومسلم نے مفصلاً ذکر نہیں فرمائی صرف مجملاً ذکر فرمائی ہے۔

باب مواقیت الصلوٰۃ وفضلها

غرض نمازوں کے اوقات بتانا ہے اور ساتھ ساتھ نماز کی فضیلت ذکر کرنا ہے پھر جو اعتراض حضرت عروہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز پر کیا اس کی مختلف توجیہیں ہیں۔ ۱۔ یہ اعتراض مفصل حدیث امامۃ جبریل کی بنا پر ہوتا ہے کیونکہ اس مفصل حدیث میں عصر کی نماز کا وقت بھی تفصیل سے مذکور ہے۔ ۲۔ اس اعتراض کیلئے مفصل حدیث امامت جبریل ذکر کرنی ضروری نہیں ہے بلکہ جیسے یہاں بخاری شریف میں ہے کہ اجمالاً حدیث امامت ذکر کردی

جائے اور ساتھ حضرت عائشہ والی حدیث ذکر کردی جائے تو اعتراض مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ والی روایت میں بھی عصر کا وقت مذکور ہے اور بعض ائمہ نے اس حدیث کو تعجیل عصر پر دال قرار دیا ہے۔۳- اعتراض کا دارومدار اجمالی حدیث امامت جبریل پر ہے کیونکہ اجمالی حدیث امامت جبریل سے اوقات کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے پوری تفصیل تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہی تھی اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔سوال نمازیں پانچ مختلف اوقات پر متفرق کیوں کی گئی ہیں۔جواب۔یہ تفریق تخفیفا ہے کہ اکٹھی سب رکعات میں مشقت تھی تھوڑی مختلف اوقات میں کردی گئیں تاکہ آسانی ہو۔۲-اصل مقصود تو سارا وقت ہی عبادت میں لگانا ہے لیکن کچھ حقیقۃً لگایا گیا اور کچھ حکما لگایا گیا کہ نماز کے بعد اس کا اثر کچھ دیر باقی رہتا ہے اور نئی نماز کا انتظار کرتا ہے اس طرح سے حکما وہ نماز اور عبادت میں رہتا ہے گویا سارا وقت اور ساری زندگی ہی عبادت میں گزرتی ہے۔

پھران پانچ وقتوں کی تعیین میں کیا حکمتیں ہیں

۱- فجر حیٰوۃ بعد الموت اور تھکنے کے بعد قوت آنے کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے۔پھر صبح سے نصف النہار تک جو نعمتیں ملی ہیں ان کا شکر ادا کرنے کیلئے اور زوال کے وقت جو حدیث کے مطابق رحمت کے خصوصی دروازے کھلتے ہیں ان سے فائدہ اٹھانے کیلئے ظہر کی نماز ہے اور عصر کی نماز پورے دن کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے اور مغرب اس لئے ہے کہ دن جو کام کاج کے لئے بنایا تھا اس کا بھی شکر ہو اور جو رات راحت کے لئے بنائی ہے وہ شروع ہوگئی اس کا بھی شکر ہو اور عشاء کا وقت اس لئے مقرر فرمایا گیا ہے کہ دن رات کے سب کام ختم ہونے پر شکر ادا ہو اور دن رات کے سب کاموں کو شکر اور ذکر سے ختم کیا جائے۔۲- دن کے شروع میں فجر درمیان میں ظہر اور اخیر میں عصر رکھ دی گئی ایسے ہی رات کے شروع میں مغرب درمیان میں عشاء اور اخیر میں تہجد رکھ دی گئی عوام کی آسانی کے لئے تہجد خواص کے لئے نفلی عبادت کردی گئی کہ عوام اس کی پابندی نہ کرسکیں گے۔۳- ان اوقات خمسہ میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اس لئے ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم بھی عبادت کر کے فرشتوں جیسے بن جائیں۔۴-ان پانچ وقتوں میں خاص طور سے دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اس لئے ہمیں یہ اوقات عبادت اور دعاء کے لئے دیئے گئے۔۵- یہ پانچ وقت انبیاء علیہم السلام کی عبادت کے ہیں ہم ان وقتوں میں عبادت کر کے ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اسی لئے شیطان کی پوجا کرنے والوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے اوقات مکروہہ میں عبادت کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

وقتہ علیہم:۔اشارہ کردیا کہ سب نمازوں کے اوقات معین ہیں اس لئے جمع بین الصلوٰتین کی گنجائش نہیں ہے ورنہ اوقات کی تعیین بے کار ہو جاتی ہے اور جمع بین الصلوٰتین کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ثابت نہیں تھی اس لئے اس کو اپنی اس صحیح میں درج نہیں فرمایا۔ثم صلی:۔باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہاں پانچ دفعہ نماز پڑھنے کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے یہی باب کا مقصود تھا۔

ان عمر بن عبدالعزیز اخرا لصلوٰۃ یوماً

یوماً سے معلوم ہوا کہ عام عادت دیر کرنے کی نہ تھی ایک دن دیر ہوئی اور بخاری شریف میں بدء الخلق کے ابواب میں یہ لفظ بھی آئے ہیں اسی واقعہ میں اخر العصر شیئاً معلوم ہوا کہ وقت مستحب میں تھوڑی سی دیر ہوئی تھی ان دنوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے حاکم تھے ابھی خلیفہ نہ بنے تھے ابھی خلافت ولید بن عبدالملک کی تھی۔

فدخل علیه ابو مسعود

اس فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عروہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں جو آپ پر اعتراض کر رہا ہوں میں اس میں بدری صحابی حضرت ابو مسعود کا اتباع کر رہا ہوں کہ جب حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ایک دن تھوڑی سی تاخیر ہوگئی تھی تو حضرت ابو مسعود نے ان پر اعتراض فرمایا تھا اسی طرح میں آپ پر اعتراض کر رہا ہوں۔

اعلم ماتحدث:۔حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کی

وجہ اور مقصد۔ ۱- جبریل علیہ السلام مفضول وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوکہ افضل ہیں ان کے امام کیسے بن گئے جواب کا۔ حاصل یہ ہے کہ نقل سے یونہی ثابت ہے ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ ۲- آپ نے بلاسند یہ بات کیوں بیان کی جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں سند پیش کئے دیتا ہوں۔ ۳- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت ذہین تھے اور ذہین آدمی کے لئے قولی تعلیم ہی کافی ہوتی ہے آپ عملی تعلیم ذکر کررہے ہیں جواب دیا کہ نقل سے یوں ہی ثابت ہے مزید پختگی اور تعیین کے لئے عملی تعلیم دی گئی۔

عصر کے وقت مستحب میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ عصر کا مستحب وقت تاخیر ہے کہ عصر کے پورے وقت کے دو برابر حصے کئے جائیں اور نصف اخیر میں نماز پڑھی جائے وعندالجمہور تعجیل افضل ہے یعنی نصف اول میں پڑھنا۔ لنا۔ ۱- فی ابی داؤد عن علی بن شیبان مرفوعاً فکان یوخر العصر مادامت الشمس بیضا نقیۃ۔ ۲- دیر سے پڑھینگے تو عصر کی نماز سے پہلے نوافل زیادہ پڑھنے کا موقعہ ملے گا۔ ۳- فی البیھقی عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یا مرنا بتاخیر العصر۔ ۴- بخاری شریف کی زیر بحث روایت عن عائشتہ مرفوعاً کان **یصلی العصروالشمس فی حجر تھا قبل ان تظھر** کیونکہ حجرہ یعنی صحن کی دیواریں چھوٹی تھیں اسی لئے صحابہ کرام صحن سے باہر مسجد نبوی میں آپ کی نماز کی اقتداء بھی بعض نوافل میں کر لیتے تھے معلوم ہوا کہ صحن کی دیواریں اتنی چھوٹی تھیں کہ باہر والا اندر والے کی اقتداء بھی کرلیتا تھا اور جب دیوار چھوٹی تھی تو دھوپ دیر تک صحن میں رہتی تھی تظھر کے معنیٰ نزول کے بھی صحیح ہیں کہ صحن سے دھوپ ختم ہونے سے ذرا پہلے نماز پڑھتے تھے قبل بمعنیٰ قبیل ہی ہے ورنہ ایک گھنٹہ پہلے دو گھنٹے پہلے نماز پڑھنے کا بیان لازم آئے گا حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے تعیین وقت مقصود ہے تظھر کے دوسرے معنیٰ تصعد بھی ہوسکتے ہیں کہ دھوپ کے سامنے کی دیوار پر چڑھنے سے ذرا پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے دونوں صورتوں میں عصر کے اخیر وقت میں یعنی نصف اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہوا۔ اس لئے یہی افضل ہے سوال جو اقتداء صحابہ کا واقعہ آتا ہے وہاں تو چٹائی کا حجرہ مراد ہے جو اعتکاف کے دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے اندر بنالیا کرتے تھے حضرت عائشہؓ کا صحن مراد نہیں ہے اور عصر کی نماز میں جو حجرہ کا لفظ ہے وہ صحن ہے اس لئے صحن کی دیواروں کا چھوٹا ہونا ثابت نہ ہوا۔ جواب۔ چٹائی کے حجرے کے باہر صحابہ نے کھڑے ہوکر بھی اقتداء فرمائی ہے اور صحن کے باہر کھڑے ہوکر بھی اقتداء فرمائی ہے کیونکہ بخاری شریف میں اقتداء کے ذکر کے ساتھ حضرت عائشہ سے یہ لفظ بھی منقول ہیں وجدار الحجرۃ قصیر اور چٹائی پر جدار کا لفظ نہیں بولا جاتا اس لئے لامحالہ صحن کے پیچھے بھی اقتداء کرنا اور صحن کی دیواروں کا چھوٹا ہونا ثابت ہوگیا سوال۔ دیوار کا چھوٹا ہونا تو پردے کے احکام کے خلاف ہے جواب۔ حضرت عائشہؓ کا قد چھوٹا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں تک حضرت عائشہ کا سر مبارک آتا تھا اس لئے دیواریں ایسی تھیں کہ حضرت عائشہؓ کا سر اور چہرہ باہر سے نظر نہ آتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک باہر سے نظر آجاتا تھا اس لئے پردہ بھی ہوجاتا تھا اور اقتداء بھی صحیح تھی رکوع سجدہ کا علم آواز سے ہوتا تھا۔ سوال صحن کی لمبائی چوڑائی بھی تو بہت تھوڑی تھی اور جو صحن چھوٹا ہوتا ہے اس میں سے دھوپ جلدی دور ہوجاتی ہے اس لئے تاخیر عصر پر دلالت صحیح نہ رہی۔ جواب۔ اگر صحن بہت لمبا چوڑا ہوتا ہے پھر تو غروب کے وقت دھوپ زائل ہوتی اور اگر صحن بھی چھوٹا ہوتا اور دیواریں بھی اونچی ہوتیں تو مثل اول پوری ہونے سے بھی پہلے دھوپ چلی جاتی اب ایک سبب تاخیر کا ہے دیواروں کا چھوٹا ہونا اور ایک سبب تعجیل کا ہے یعنی صحن کی لمبائی چوڑائی کا کم ہونا اس لئے یہ ثابت ہوا کہ اصفرار سے کچھ پہلے دھوپ جاتی تھی اس سے کچھ پہلے عصر کی جماعت ہوتی تھی۔ الجمہور۔ ۱- فی ابی داؤد عن انس مرفوعاً کان یصلی العصروالشمس بیضاء مرتفعۃ حیۃ ویذھب الذاھب الی

العوالی والشمس مرتفعۃ جواب عوالی دومیل سے آٹھ میل تک پھیلی ہوئی تھیں عوالی تک پہنچنے کے معنیٰ یہی ہیں کہ دومیل کے قریب فاصلہ طے کرلیتے تھے مدینہ منورہ اور حجاز میں پاکستان کی طرح عصر کا کم از کم وقت مثل ثانی کے بعد ایک گھنٹہ چالیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے دس منٹ ہوتا ہے اگر دو گھنٹے بھی لگائیں تو ۲۰ منٹ اصفرار کے نکال کر ایک گھنٹہ چالیس منٹ یعنی سومنٹ بچے ان کا نصف پچاس منٹ ہے تقریباً پانچ منٹ میں نماز ہوجاتی تھی باقی ۴۵ منٹ میں صحابہ جو تیز چلنے والے تھے آسانی سے دومیل دور اصفرار سے پہلے پہنچ جاتے تھے اس لئے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں۔ پرانا میل انگریزی میل سے ایک فرلانگ بڑا ہوتا تھا۔ فرلانگ میل کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے اور 1.6 کلومیٹر ایک میل انگریزی کے برابر ہیں گویا 16 کلومیٹر دس میل کے برابر ہوتے ہیں گویا پرانے دومیل 3.6 کلومیٹر بنے تقریباً ساڑھے تین کلومیٹر دوسرا جواب۔ یہ بھی ہے کہ ہماری دلیل قولی ہے آپ کی فعلی ہے اور قولی روایت کو فعلی روایت پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۲۔ جمہور کی دوسری دلیل۔ حدیث الباب عن عائشۃ قبل ان تظہر والی چونکہ صحن کی لمبائی چوڑائی کم تھی اس لئے دھوپ جلدی چلی جاتی تھی اس لئے عصر کی نماز کا جلدی پڑھنا ثابت ہوا جواب تفصیل سے ہو چکا۔ ۳۔ جمہور کی تیسری دلیل فی الصحیحین عن رافع بن خدیج کہ عصر کی نماز کے بعد صحابہ کرام اونٹ ذبح کرکے اس کے ٹکڑے کرکے پکا کر غروب شمس سے پہلے کھا بھی لیتے تھے جواب۔ ہم مرغی ذبح کرنے کھال اتارنے اور ٹکڑے کرنے میں آدھا گھنٹہ لگا دیتے ہیں۔ مرغا منڈی میں آدھ گھنٹے میں ۱۵ مرغیاں آسانی سے ذبح کرکے ٹکڑے کرکے گاہکوں کے حوالے کرتے ہیں گویا ہم سے ۱۵ گنا رفتار تیز ہے ایسے ہی ہماری ہنڈیا پکنے میں اور کھانے میں تقریباً دو گھنٹے کی ضرورت ہے۔ حضرات صحابہ کرام مرغا منڈی والوں کی طرح اونٹ ذبح کرنے میں بہت ماہر تھے اور پکانے اور کھانے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے ٹکڑوں کو آگ پر بھون کر نمک لگا کر کھا لیتے تھے تو ہم سے رفتار کم از کم دس گنا تھی اوپر کے حساب سے عصر کے بعد اصفرار تک ۴۵ منٹ بچے تھے اور اصفرار کے ۲۰ منٹ ملائیں تو غروب تک ایک گھنٹہ پانچ منٹ بچے۔ اگر ہم یہ سب کام دس گھنٹے میں کرتے ہیں تو صحابہ کرام دس گنا تیز ہونے کی وجہ سے ایک گھنٹہ میں کیوں نہیں کر سکتے تھے معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی ہمارے خلاف نہیں اور جمہور کا استدلال تعجیل پر صحیح نہیں ہے اور دوسرا جواب ان تینوں دلیلوں کا ہم یہ بھی دیتے ہیں کہ ہماری روایت قولی ہے آپ کی یہ تینوں دلیلیں اگر آپ کے حق میں بھی ہوں تو پھر بھی قولی دلیل سے کم ہیں قولی حدیث کو فعلی حدیث پر ترجیح ہوتی ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ

غرض باب کی اس آیت کی تفسیر ہے اور اس باب کا مواقیت صلوٰۃ کے ابواب سے ربط یہ ہے کہ اس آیت میں اور اس کی تفسیر میں جو حدیث نقل کی ہے دونوں میں اقامت صلوٰۃ کا ذکر ہے اور اقامت کے معنی ہیں وقت پر نماز کو ادا کرنا تو گویا وقت شرط اقامت صلوٰۃ ہے۔

باب البیعتہ علی اقامتہ الصلوٰۃ

باب سے غرض یہ ہے کہ اقامتہ صلوٰۃ ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اصل بیعت تو ایمان پر ہوتی ہے جس کو بیعت اسلام کہتے ہیں۔ بیعت طریقت دوسرے درجہ میں ہے بیعت اسلام کا اثر ہے یا اس کا جز ہے اس لئے اعمال پر بیعت اس بات کی علامت ہے کہ اعمال ایمان کے شعبے ہیں پھر جیسے حسی بیع میں ہر ایک دوسرے کو کچھ دیتا ہے ایسے ہی اس معنوی بیع میں جس کو بیعت کہتے ہیں بیعت لینے والا امر کا وعدہ دیتا ہے اور بیعت ہونے والا اتباع کا وعدہ دیتا ہے۔

باب الصلوٰۃ کفارۃ

غرض نماز کی یہ فضیلت بیان کرنا ہے کہ نماز کفارہ ہے اور اس باب کی مناسبت ابواب المیقات سے یہ ہے کہ نماز وہی کفارہ بنتی

ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔

انک علیه اوعلیها لجریٔ

اور شک راوی کے لیے ہے۔ اور یہ فرمانا بطور خوشی کے بھی ہے اور بطور تعجب کے بھی ہے دونوں کا اکٹھا اظہار مقصد ہے۔

ان بینها و بینک بابا مغلقاً

مقصد یہ ہے کہ اس فتنہ کی کوئی چیز آپ کی حیات میں ظاہر نہ ہوگی۔
لیس بالا غالیط: یعنی حدیث اپنی مراد میں صریح ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔

یذهبن السیئات

مراد صغائر ہیں کیونکہ۔ا۔ ایسے موقعوں میں الفاظ سیۂ اور خطیۂ اور ذنب کے استعمال کئے گئے ہیں اور یہ سب صغائر کے لئے ہوتے ہیں۔ کبائر کے لئے معصیۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ۲۔ کبائر کے عذاب کے ذکر کے بعد قرآن پاک میں الا کے حصر کے ساتھ توبہ کا جا بجا ذکر ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبائر کے عذاب سے بچنے کے لیے توبہ ضروری ہے صرف حسنات ان کے لئے کفارہ نہیں بنتیں۔۳۔ کفارہ کے ذکر کے بعد ایک حدیث پاک میں مالم یُؤتَ کبیرۃً بھی ہے اس کے بعض نے تو معنیٰ شرط کے کئے ہیں کہ نیک اعمال کے کفارہ بننے کی شرط یہ ہے کہ کبیرہ گناہ نہ کیا جائے لیکن راجح معنٰی یہ ہیں کہ بیان استثناء ہے کہ کبیرہ کے لئے نیکیاں کفارہ نہ بنیں گی۔۴۔ آگے ایک باب چھوڑ کر حدیث آرہی ہے اس میں ان گناہوں کو جو نماز سے معاف ہوتے ہیں وزن یعنی میل کچیل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ بھی علامت ہے کہ نماز سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جو صرف ظاہری میل کچیل کے درجہ میں ہوتے ہیں کبائر تو دل کی سیاہی کے درجہ میں ہوتے ہیں اس لئے نماز اُن کا کفارہ نہیں بنتی۔

باب فضل الصلوٰة لوقتها

غرض یہ ہے کہ نماز کی فضیلت وقت پر پڑھنے میں ہے بے وقت پڑھنے کی کوئی فضیلت نہیں۔

الی دار عبد الله: ای ابن مسعودؓ۔

باب الصلوات الخمس کفارة

غرض اور ربط اور فرق۔ا۔ یہ باب گذشتہ باب سے اخص ہے کیونکہ گذشتہ باب میں مطلق نماز کے کفارہ بننے کا ذکر تھا اس باب میں فرض نماز کے کفارہ بننے کا ذکر ہے۔۲۔ گذشتہ باب میں جنس نماز کا ذکر تھا اور اس باب میں پانچ کے اجتماعی کی شرط ہے یعنی جو پانچوں نمازوں کا پابند ہوگا اس کی نماز کفارہ بنے گی کیونکہ بعض دفعہ اجتماع کی وجہ سے وہ قوت آجاتی ہے جو انفراد میں نہیں۔ ہوتی۔ سوال۔ بعض نسخوں میں یہاں یہ بھی ہے فی جماعۃ وغیرھا کہ جماعت کے ساتھ پڑھو یا بغیر جماعت کے دونوں صورتوں میں کفارہ بنتی ہے تو اس باب کا تعارض ہو گیا آگے آنے والے باب وجوب الجماعۃ سے کہ اس سے وجوب معلوم ہوتا یہی یہاں مراد ہے باقی اگر بالا عذر جماعت چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ چاہیں گے تو کفارہ بنادینگے نہ چاہینگے تو نہ بنائیں گے وعدہ نہیں ہے اس لئے یہ باب جماعت کے وجوب کی نفی نہیں کرتا۔ **باب المصلی یناجی ربه عزوجل**: غرض یہ ہے کہ اوقات کی رعایت اس لئے بھی ضروری ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے اور بادشاہوں سے ملاقات کے اوقات متعین ہوتے ہیں دوسرے وقتوں میں ملاقات نہیں ہوسکتی۔

اعتدلوا فی السجود:۔ یعنی اعتدال یہ ہے کہ نہ تو اتنے پھیل جاؤ سجدہ کرتے وقت کہ منہ کے بل لیٹ جاؤ اور ٹانگیں پھیلا دو اور نہ اتنے سکڑ جاؤ کہ ایک عضو کی طرح بن جاؤ۔ بلکہ اعتدال کے ساتھ سنت طریقہ سے سجدہ کرو جس میں سب اعضاء سجدہ میں مشغول ہوں۔

باب الابراد بالظهر فی شدة الحر

غرض امام شافعی پر رد ہے کہ وہ مطلقاً تعجیل کو افضل قرار دیتے ہیں سوائے ایک نادر صورت کے جس کا ذکر عنقریب بیان اختلاف میں آئے گا اور اگلے باب میں پھر دوبارہ بطور تعریض

کے ان پر رد ہے اور پھر ابراد کو وقت ظہر کے بیان سے بھی مقدم فرمادیا اس کی وجہ۔۱۔اس میں بھی رد کا اہتمام ہے۔۲۔ابراد میں مقصود اول وقت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ابراد زوال سے ہی شروع ہوتا ہے زوال سے پہلے کچھ ابراد نہیں ہوسکتا۔اس لئے ذکر ابراد ظہر کے وقت بیان کے لئے تمہید ہے اِس لئے ابراد کے ذکر کو مقدم فرمایا۔۳۔ابراد کے ذکر کو اس لئے مقدم ذکر فرمایا کہ ابراد والی حدیث میں فیح جہنم کا ذکر ہے۔اور فیح جہنم ناراضگی کا وقت ہے ناراضگی میں بادشاہوں سے ملاقات مناسب نہیں ہوتی اس لئے فیح جہنم والی روایت کو مقدم ذکر فرمایا تا کہ بادشاہوں کی ملاقات والے گذشتہ باب کے ساتھ یہ باب مل جائے اور اس میں چونکہ ابراد کا بھی ذکر تھا اس لئے ابراد کو بھی ساتھ ہی مقدم ذکر فرمایا۔سوال۔جب ابراد کا امر ثابت ہے تو ابراد۔واجب ہونی چاہئے کیونکہ امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔جواب۔چونکہ بڑا مقصد شفقۃ علی المصلین ہے اور شفقت پر مشتمل امر استحبابی ہوتا ہے اس لئے ابراد مستحب ہے واجب نہیں۔

من فیح جھنم :۔فاح الحر اذا سطع گرمی بلند ہوئی اور تیز ہوئی اور جوش والی ہوئی فاحت القدر اذا غلت ہنڈیا اُبلی۔حاصل معنی جہنم کا جوش اور جہنم کی تیزی اور جہنم کی لپٹ ہے سوال۔بظاہر گرمی کی زیادتی سورج کے قریب ہونے اور دن کے بڑا ہونے کی وجہ سے ہے اور اس حدیث پاک میں ہے کہ جہنم کی وجہ سے ہے تو بظاہر یہ حدیث مشاہدہ کے خلاف ہوئی جواب۔۱۔ یُؤْمَنُ ولا یُدَقِّق گویا یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔۲۔یہ دنیا کی گرمی جہنم کی آگ کے مشابہ ہے۔۳۔مشاہدہ والا سبب بھی موجود ہے اور جہنم والا سبب بھی موجود ہے ایک سبب کے موجود ہونے سے دوسرے سبب کی نفی نہیں ہوتی جیسے دن کے وقت کمرے میں بجلی جل رہی ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ بجلی جل رہی ہے اس لئے سورج نہیں ہے یا سورج ہے اس لئے بجلی نہیں جل رہی۔۴۔ بعض فلاسفہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ اجرام علویہ میں حرارت ذاتی نہیں ہے وہ اجرام سفلیہ سے حرارت لے کر واپس نیچے بھیج دیتے ہیں یہ حدیث بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ جہنم اجرام سفلیہ میں سے ہے۔زمین کے اندر کسی جگہ رکھی گئی ہے قیامت میں ظاہر کی جائے گی۔

ظہر کے افضل وقت میں اختلاف

عند الشافعی ظہر ہمیشہ اول وقت افضل ہے البتہ اگر کسی دن بہت زیادہ گرمی پڑے اور مسجد ایسی ہو کہ لوگ اس میں دور دور سے نماز پڑھنے آتے ہوں جیسے مسجد نبوی میں آتے تھے اور گرمی کی وجہ سے دیواروں کے سایہ کے ساتھ ایک ایک کر کے آرہے ہوں سب جلدی نہ پہنچ سکتے ہوں تو ایسی شاذ و نادر صورت میں تاخیر اولیٰ ہوگی ورنہ گرمی سردی میں ہمیشہ اول وقت ہی اولیٰ ہے۔وعند الجمہور سردیوں میں جلدی یعنی نصف اول میں اور گرمیوں میں دیر سے یعنی نصف ثانی میں پڑھنا افضل ہے۔لنا۔فی ابی داؤد عن ابن مسعود قال کانت قدر صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصیف ثلاثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام وفی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ اقدام کیونکہ حجاز میں گرمیوں میں اصلی سایہ عدم سے تین قدم ہوتا ہے اور قدم ہر چیز کے ساتویں حصہ کو کہتے ہیں کیونکہ انسانی قدم انسانی لمبائی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے پس گرمیوں میں تین قدم تک ہوتا ہے یعنی بعض دنوں میں عین دوپہر کو بالکل سایہ نہیں ہوتا اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہے تو زیادہ سے زیادہ تین قدم سے پانچ قدم تک پڑھنا یہ زوال سے دو اڑھائی گھنٹے بعد پڑھنا ہے اور یہ تاخیر ظہر ہے اور سردیوں میں حجاز میں اصلی سایہ عین دوپہر کے وقت پانچ قدم سے سات قدم تک ہوتا ہے۔ان دنوں میں پانچ قدم سے سات قدم تک پڑھنا بالکل ابتداء وقت میں پڑھنا ہے۲۔بخاری شریف میں آئندہ باب میں عن ابی ذر مرفوعاً سفر کا واقعہ کہ موذن اذان دینے لگا تو دو دفعہ روکا فقال لہ ابرد حتی رأینا فیئ التلول فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰۃ ابوداؤد میں تین دفعہ روکنا مذکور ہے اور ٹیلوں کا سایہ آدھا

وقت گذرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے۔اس لئے یہ روایت صراحۃً تاخیر پر دال ہے۔۳۔طحاوی میں عن ابن مسعود فعل نقل فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ گرمیوں میں تاخیر سے اور سردیوں میں تعجیل سے پڑھتے تھے۔ وللشافعی ۱٬۲٬۳ ابوداؤد میں تین روایتیں ہیں ایک عن جابر بن عبد اللہ دوسری عن ابی برزہ تیسری عن جابر بن سمرۃ تینوں میں زوال کے فوراً بعد نماز پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور ہے۔تینوں کا جواب ایک تو یہ ہے کہ یہ سردیوں پر محمول ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو عام شمار کیا جائے تو پھر یہ منسوخ ہے کیونکہ طحاوی میں ہے عن المغیرۃ بن شعبۃ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الظہر بالہجیر ثم قال ان شدۃ الحر من فیح جہنم فابردوا بالصلوٰۃ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اِنّ شدۃ الحر من فیح جہنم کو مذکورہ شاذ و نادر صورت پر محمول فرماتے ہیں یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ بخاری شریف میں حضرت ابوذرؓ والی مذکورہ روایت میں جو ہمارے دلائل میں ابھی گذری ہے اس روایت میں تصریح ہے کہ یہ سفر کا واقعہ ہے اس لئے خاص مسجد پر اور دور دور سے آنے والے نمازیوں پر محمول کرنا صحیح نہ رہا کیونکہ سفر میں سب اکٹھے ہی ہوتے تھے۔۴۔امام شافعی کی چوتھی دلیل فی ابی داؤد عن جابر بن عبد اللہ قال کنت اصلی الظہر مع رسول اللہ۔ صلی اللہ علیہ وسلم فاٰخذ قبضۃً من الحصٰی لتبرد فی کفی اضعہا لجبھتی اسجد علیہا لشدۃ الحر ۔ جواب گرمی حجاز میں نصف اخیر میں بھی کافی ہوتی ہے اگر دھوپ میں نماز پڑھنی پڑھے تو کنکریاں ٹھنڈی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اشتکت النار الی ربھا:۔ ا۔ یہ اپنی حقیقت پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو تکلم کی قوت عطا فرمائی۔۲۔ یہ مجاز ہے اژدحام اجزاء سے کہ آگ کے اجزاء کی ایسی بھیڑ ہوگئی کہ گویا کہ جہنم نے شکایت کی۔ **نفس فی الشتاء**:۔ جہنم دنیا کی گرمی کو کھینچ لیتی ہے اس لئے دنیا میں سردی ہوجاتی ہے اور گرمیوں میں سانس لینے کا مطلب یہ ہے کہ جہنم اپنی گرمی باہر دنیا کی طرف پھینکتی ہے۔ جس سے دنیا میں گرمی بڑھ جاتی ہے۔ پھر حکمت ان دونوں سانسوں میں یہ ہے کہ دنیا والوں کو گرمی اور سردی کے فوائد حاصل ہوسکیں۔سوال جہنم کے اثر سے بچنے کے لئے فجر کی نماز سردیوں میں دیر سے پڑھنی چاہئے حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے جواب۔سردیوں میں سردی سے بچنے کا فجر میں اہتمام کیا جائے تو سورج کے بلند ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس وقت فجر کا وقت ہی ختم ہوجاتا ہے اس لئے یہاں ایسا نہیں کیا گیا صرف فجر کے وقت کے اندر تاخیر فجر حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے اس لئے اس سے زیادہ جہنم کے اثر سے بچنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

باب الابراد بالظھر فی السفر

غرض۔ا۔تعریض ہے امام شافعی پر کہ وہ ایک شاذ صورت پر ابراد کو محمول کرتے ہیں حالانکہ سفر میں وہ صورت نہیں ہوتی اور ابراد ثابت ہے جیسا کہ ابھی اختلاف میں گذرا۔۲۔ابراد عام ہے سفر اور حضر کو البتہ چلنے میں مشغول ہو تو یہ اضطراری صورت مستثنٰی ہے کیونکہ اس میں ضرورت وقتیہ ہے۔

قال ابن عباس تتفیأ تتمیل

اس کی مناسبت یہ ہے کہ سایہ بدلتا ہے پہلے مغرب کی طرف ہوتا ہے پھر مشرق کی طرف ہوجاتا ہے اسی لئے اس کو فئی کہتے ہیں اس تقریر سے حدیث کے اِس لفظ کی تفسیر کرنی مقصود ہے حتی رأینا فیئ التلول۔

باب وقت الظھر عند الزوال

غرض ظہر کا ابتدائی وقت بتلانا ہے۔ پھر اخیر وقت ظہر نہیں بیان فرمایا اور نہ حدیث امامت جبریل مفصلا بیان فرمائی اس لئے کہ یہ ان کی شرطوں پر نہ تھی اور کوئی صریح مثل اور مثلین والی روایت ان کی شرطوں پر نہیں ہے۔

فلا تسلو نی عن شی الا اخبر تکم ما دمتُ فی مقامی ھذا

بعض جاہلوں نے اس سے عالم الغیب ہونا نکالا ہے۔ حالانکہ الفاظ سے ہی صاف واضح ہے کہ یہ عرض وقتی تھا علم غیب تو

بلا اسباب جاننے کو کہتے ہیں جو صرف ذات غیر متناہی کی شان ہے انسان متناہی اس کا تحمل نہیں کرسکتا یہاں سبب کیا تھا ا۔تصویر کا پیش کرنا جیسے بیت المقدس کی تصویر پیش کر دی گئی شب معراج کے بعد۔۲۔رفع حجاب تھا دونوں سبب ہیں اور وقتی چیزیں ہیں۔

واحد نا یعرف جلیسه

یعنی عند الفراغ من الصلوٰۃ جیسا کہ اِس حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے اور یہ حدیث اسفار کی تائید کرتی ہے جو حنفیہ کا مسلک ہے۔

باب تاخیر الظهر الی العصر

غرض حدیث الباب کے معنٰی بیان کرنا ہے کہ جمع صوری ہے جمع حقیقی نہیں ہے۔آگے قول آئے گا عمرو بن دینار کا **قلت لجابر اظنه اخرالظهر و عجل العصر واخر المغرب و عجل العشاء قال وانا اظنه ایضاً** اور مسلم شریف کی روایت میں صراحۃً خوف اور مطر کی نفی ہے اور خوف کی نفی سے مرض کی نفی بھی ہو گئی کیونکہ اس میں بھی خوف زیادۃ مرض ہوتا ہے اس لئے بعض کا تاویل مرض کرنا بھی صحیح نہیں ہے پھر امام ترمذی فرماتے ہیں اجمع الناس علی ترک العمل بحدیث ابن عباس فی الجمع بالمدینہ من غیر خوف ولا سفر لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ حنفیہ نے جمع صوری لے کر اس حدیث پر عمل فرمایا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی روایت میں بھی عصر و مغرب کے درمیان جمع کا ذکر نہیں کیونکہ اس میں جمع صوری کریں تو عصر کو مکروہ وقت میں پڑھنا پڑتا ہے ایسے ہی عشاء اور فجر کے درمیان جمع کا ذکر نہیں کیونکہ عشاء کا وقت آدھی رات کے بعد مکروہ ہوتا ہے ایسے ہی فجر اور ظہر کے درمیان مذکور نہیں کیونکہ فصل کی وجہ سے جمع صوری نہیں ہوسکتی۔ اگر جمع حقیقی کی گنجائش ہوتی تو ان تین صورتوں میں بھی جمع کرنے کی گنجائش ہوتی اس سے واضح ہوگیا کہ حج کے دو موقعوں کے سوئی جہاں بھی جمع بین الصلوٰتین ہے وہ صوری ہے اس مسئلہ میں اختلاف اس طرح ہے کہ عند امامنا ابی حنیفۃ جمع بین الصلوٰتین سوائے حج کی دو اجماعی جمع کے جائز نہیں ہے وعند الجمھور جائز ہے سفر اور مطر کی وجہ سے اور عند احمد مرض کی وجہ سے بھی جائز ہے۔لنا ا۔ **ان الصلوٰة كانت على المومنين كتابا موقوتا**. ۲۔فی الترمذی عن ابن عباس مرفوعاً من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتی باباً من ابواب الکبائر اور عذر حدیث شریف میں صراحۃً صرف نوم اور نسیان مذکور ہیں وللجمھور مافی ابی داؤد عن معاذ بن جبل مرفوعاً جمع بین الظھر والعصر والمغرب والعشاء اور ابوداؤد ہی کی روایت میں حضرت ابن عمر سے سفر کی تصریح بھی ہے مرفوعاً جمع کرنے میں سفر پر ہی مطر کو قیاس کیا گیا اور عند احمد مرض کو بھی سفر پر قیاس کیا گیا جواب یہ جمع صوری ہے جیسا کہ ابھی ابن عباس والی روایت کی تقریر میں بیان ہوا کہ جمع صوری نہ لیں تو حدیث کو چھوڑنا پڑتا ہے دوسری دلیل جمع صوری کی ابن عمر کی روایت ہے ابوداؤد میں **حتى اذا كان قبل غيوب الشفق نزل فصلى المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلى العشاء ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا عجل به امر صنع مثل الذى صنعت.**

باب وقت العصر

غرض یہ ہے کہ عصر کے وقت کی ابتداء والی صریح روایتیں چونکہ ان کی شرط پر نہ تھیں اس لئے حضرت عائشہ والی اور دیگر روایات سے استنباطات فرما کر عصر کا ابتدائی وقت بتلانا چاہتے ہیں پھر عند مالک چار رکعت کا رقت ظہر اور عصر کے درمیان مشترک ہے عند الجمھور کوئی وقت مشترک نہیں۔لنا ا۔فی مسلم وابی داؤد عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً وقت الظھر مالم تحضر العصر۔۲۔ **ان الصلوٰة كانت على المومنين كتاباً موقوتاً.** لمالک حدیث امامت جبریل جو ابوداؤد میں ہے اس میں عن ابن عباس جو اوقات کی تفصیل ہے اس میں پہلے دن عصر کی نماز اور دوسرے دن ظہر کی نماز میں ایک ہی وقت ہے **حين كان ظله مثله.** جواب۔ا۔ نماز عصر کی ابتداء اور نماز ظہر کی انتہاء مراد ہے۔۲۔ہماری روایت سند کے لحاظ سے اقوی ہے۔۳۔ ہماری

روایت کا واقعہ آپ کی روایت کے واقعہ سے متاخر ہے زمانہ کے لحاظ سے کیونکہ امامت جبریل اس وقت ہوئی جب معراج میں نمازیں دو سے بڑھا کر پانچ کی گئیں باقی۔ سب روایتیں اوقات کی امامت جبریل کے بعد کی ہیں۔

باب اثم من فاتته والعصر

غرض۔۱۔ قضا بلا عذر کا گناہ اور نقصان کتنا زیادہ ہے۔۲۔ بلا عذر اصفرار میں پڑھنے کا نقصان بہت ہے۔۳۔ بلا عذر جماعت چھوڑنا کتنا بُرا ہے۔ سوال عصر کی کیوں تخصیص کی گئی جواب۔۱۔ عصر کی فضیلت باقی سب نمازوں سے زائد ہے۔۲۔ خصوصی ذکر ہے عصر کا قرآن پاک میں الصلوٰۃ الوسطیٰ کے عنوان ہے۔۳۔ پہلی امتوں نے ضائع کی تھی اس لئے تاکید فرمارہے ہیں۔۴۔ وقت بہت مشغولی کا ہے اس لئے تاکید فرمادی۔۵۔ سائل نے سوال میں عصر ہی کا ذکر کیا تھا اس لئے اس کا ذکر فرمادیا ورنہ حکم سب نمازوں کا یہی ہے۔

باب اثم من ترک العصر

سوال۔ اس باب اور گذشتہ باب میں کچھ فرق نہیں۔ جواب فوت عمد اور سہو دونوں کو شامل ہے اور ترک صرف عمد کو شامل ہے اسی لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ گذشتہ باب میں اثم کی جگہ نقصان فرماتے۔ فقد حبط عملہ:۔۱۔ گناہ اس نماز کو چھوڑنے کا اس دن کی نیکیوں سے زیادہ ہے۔۲۔ حدیث پاک میں حبط کی تھدید ہے خطرہ ہے کہ آہستہ آہستہ نعوذ باللہ کفر تک نہ پہنچ جائے کیونکہ حبط حقیقی تو کفر وارتداد سے ہی ہوتا ہے نعوذ باللہ من ذلک

باب فضل صلوٰۃ العصر

۱۔ فجر سے بھی عصر کی فضیلت زائد بیان فرمانی مقصود ہے کیونکہ اس نماز عصر کا لقب وسطیٰ قرار دیا گیا ہے۔۲۔ غرض یہ ہے کہ یہ نماز بہت فضیلت والی ہے افضلیت مقصود نہیں۔ لا تضامون:۔۱۔ یہ ضیم سے ہے بمعنی تعب تھکاوٹ نہ ہوگی۔۲۔ لا تضامّون میم کی تشدید کے ساتھ ہے اصل میں تھا لا تتضامون ایک تاء گرگئی بھیڑ نہ کروگے وجہ شبہ رویۃ محققۃ بلاخفاء ولا مشقۃ ہے پھر رویۃ کو رویۃ کے ساتھ تشبیہ ہے مرئی کو مرئی کے ساتھ تشبیہ دینی مقصود نہیں ہے۔ پھر عصر اور فجر کی مناسبت رویت باری تعالیٰ کے ساتھ متعنا اللہ بھا یہ ہے کہ ترمذی میں مرفوعاً وارد ہے ان اکرمھم علی اللہ من ینظر الی وجھہ غدوۃ و عشیۃ کہ زیادہ سے زیادہ زیارت فجر اور عصر کے وقت دن میں دو دفعہ جنت میں ہوگی اس سے زائد کی کسی انسان میں برداشت نہیں ہے۔ دنیا میں بھی اس زیارت کی طلب میں ضرور دربار میں حاضر ہوجایا کرو امید ہے یہ حاضری اس عالی درجہ کا سبب بن جائیگی۔ **اللھم افضل علینا بھا اللّٰھم انعم علینا بھا اللّٰھم** احسن علینا بھا آمین یارب العالمین بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

کیف ترکتم عبادی

اس دریافت فرمانے کی حکمت انسانوں کے ساتھ مولائے کریم کی محبت وشفقت ورحمت وعنایت ہے کہ فرشتوں نے عرض کردیا تھا۔ **اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء** اگرچہ مقصد اعتراض نہ تھا بلکہ زیادہ اطاعت کے ارادہ کا اظہار تھا کہ یہ کام بھی ہم کرنے کو حاضر ہیں نئی مخلوق نہ بھی پیدا فرمادیں تو کچھ حرج نہیں لیکن صورت اعتراض کی تھی اس لئے ہر روز صبح و شام فرشتوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ دیکھو یہ تو نمازی ہیں تم نے کیوں ان کو نااہل کہہ دیا تھا۔

باب من ادرک رکعتہ من العصر قبل الغروب

غرض یہ ہے کہ جو ایک رکعت غروب شمس سے پہلے پڑھ لے گا اس کی نماز صحیح ہوجائے گی امام بخاری نے جزاء اس لئے ذکر نہ فرمائی کہ حدیث پاک کو دیکھ کر جزاء خود ہی متعین کرلی جائے گی۔ پھر عصر کی نماز کے متعلق تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر غروب شمس سے پہلے ایک رکعت پڑھ لے گا اور باقی غروب کے دوران پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح ہوجائے گی لیکن فجر میں اختلاف ہے۔ عندامامنا ابی حنیفۃ اگر درمیان میں سورج طلوع کرے تو فجر کی نماز نہ ہوگی وعند الجمھور ہوگئی لنا۔۱۔ زیر بحث باب کی پہلی روایت ہے۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اذا ادرک احد کم سجدۃ من صلوٰۃ العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلوٰۃ واذا ادرک

سجدۃ من صلوۃ الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلوٰۃ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر اور عصر دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ دونوں اس صورت میں صحیح ہیں کہ ایک رکعت طلوع وغروب سے پہلے پڑھ لی جائے باقی نماز بعد میں پڑھی جائے اور مسلم شریف میں عن عقبۃ بن عامر جو مرفوع روایت منقول ہے۔ اوقات ثلثہ مکروہہ والی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع وغروب کے وقت کوئی نماز بھی صحیح نہیں ہوتی اس لئے نہ عصر کی صحیح ہوگی نہ فجر کی۔ جب ان دو حدیثوں میں تعارض ہوگیا تو حدیث سے ادنیٰ دلیل قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا تا کہ وہ قیاس ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکے، پھر اس قیاس کی دو تقریریں ہیں اور وہ ہماری دو دلیلیں ہیں پہلی تقریر اصولیین نے یہ کی کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اقیموا الصلوٰۃ یہ امر ہے اور بظاہر اس کا تقاضیٰ یہ ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ نماز پڑھ لینے سے ذمہ فارغ ہو جائے لیکن بالا جماع ایسا نہیں ہوتا تو وجہ تکرار وجوب کی تکرار اوقات ہے جب بھی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اقیموا الصلوٰۃ ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جب تک ہم نہ پڑھیں متوجہ رہتا ہے۔ جس وقت ہم نماز پڑھتے ہیں تو تحریمہ سے قُبیل جو آن ہوتی ہے اُس آن والا خطاب اس نماز کا سبب بنتا ہے کیونکہ تحریمہ سے وہ خطاب ختم ہو جاتا ہے اب اگر وہ تحریمہ سے پہلے والی آن کامل ہے تو نماز کامل واجب ہوگی جیسے فجر کی نماز اگر طلوع شمس سے ذرا پہلے شروع کریں تو نماز کامل واجب ہوئی لیکن طلوع میں ادا ہوئی تو مکروہ وقت کی وجہ سے ناقص ادا ہوئی اب واجب کامل ہوئی اور اداء ناقص ہوئی تو ذمہ بری نہ ہوا اس لئے سورج بلند ہونے کے بعد دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی اور عصر کی نماز اگر غروب سے ذرا پہلے شروع کی تو ناقص واجب ہوئی کیونکہ غروب سے تقریباً ۲۰ منٹ پہلے کا وقت اصفرار کا وقت ہوتا ہے اور وہ مکروہ وقت ہے اور ناقص وقت ہے اب اگر غروب شمس کے دوران پوری کرے گا تو ناقص ہی واجب ہوئی اور ناقص ہی ادا ہوئی اس لئے ذمہ فارغ ہوگیا اور نماز صحیح ہوگئی۔

۲۔ ہماری دوسری دلیل جو کہ تعارض کو اٹھانے کی دوسری قیاس کی تقریر ہے اور وہ امام سرخسی نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ عصر کے بعد مغرب کا وقت ہے اور وہ فرض نماز کا وقت ہے اس کی برکت اور انوار سے غروب کے وقت کی کراہت کچھ کم ہوگی اس لئے عصر کے متعلق جواز والی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے اور طلوع شمس کے بعد کسی فرض نماز کا وقت نہیں ہے اس لئے طلوع کی کراہت شدید کی شدید ہی رہی اس لئے فجر میں اوقات مکروہہ والی روایت پر عمل ہوگا اور فجر کی نماز صحیح نہ ہوگی و للجمھو ر یہی زیر بحث روایت کہ اس میں فجر اور عصر دونوں کے صحیح ہونے کا ذکر ہے اس کے دو جواب تو ہماری دو دلیلوں کی صورت میں ہو ہی گئے۔ ۳۔ تیسرا جواب امام طحاوی نے دیا ہے کہ یہ روایت کافر کے مسلمان ہونے اور بچے کے بالغ ہونے اور حائضہ کے پاک ہونے کے متعلق ہے کہ اگر اتنا وقت بھی ہوگا کہ یہ تینوں ایک رکعت پڑھ سکیں تو یہ نماز بھی ان پر فرض ہو جائے گی۔ ۴۔ حضرت انور شاہ صاحب نے دیا ہے کہ یہ روایت تو امام کے ساتھ ملنے اور جماعت کا ثواب پانے کے متعلق ہے کیونکہ بعض روایتوں میں من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ مع الامام ہے وہاں سب کے نزدیک یہی معنیٰ ہیں ایسے ہی زیر بحث روایت کے بھی یہی معنیٰ ہیں سوال یہ حکم تو سب نمازوں کا ہے پھر فجر اور عصر کا نام خاص طور سے کیوں لیا گیا۔ جواب یہ اس زمانہ کا ارشاد ہے جبکہ یہی دو نمازیں فرض تھیں۔ باقی نمازیں بعد میں فرض ہوئی ہیں۔ دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ ان دو نمازوں کی فضیلت باقی نمازوں سے زائد ہے اس لئے ان دو کا ذکر فرمایا۔ سوال اگر یہ مقصد ہوتا تو قبل طلوع الشمس اور قبل غروب الشمس کا لفظ نہ ہوتا۔ جواب۔ یہ دونوں فجر اور عصر کے لقب ہیں جو قرآن پاک میں جا بجا مذکور ہیں اس لئے فجر کے ساتھ اس کا لقب قبل طلوع الشمس مذکور ہے اور عصر کے ساتھ اس کا لقب قبل غروب الشمس مذکور ہے۔ ہماری اس مسئلہ میں دو دلیلوں سے اور پھر جمہور کی دلیل کے دو جوابوں سے اس اعتراض کے بھی چار جواب ہوگئے جو اس حدیث کے متعلق حنفیہ پر کیا جاتا ہے۔ کہ تم ایک ہی حدیث کے ایک حصہ کو لیتے ہو اور ایک حصہ کو چھوڑتے ہو اس حدیث میں جو عصر کا حکم ہے وہ تو لے لیتے ہو اور اسی حدیث میں جو فجر کا حکم ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو افتؤ منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض پھر یہ چاروں جواب تو حنفیہ

کے مُفتیٰ بہ قول کے مطابق تھے کہ اِس صورت میں فجر کی نماز نہیں ہوتی اور عصر کی ہو جاتی ہے۔ان چار جوابوں کے علاوہ ہمارے اکابر نے چار جواب اور بھی دیئے ہیں جو حنفیہ کے غیر مفتیٰ بہ اقوال پر مبنی ہیں۔۱۔امام طحاوی نے فرمایا ہے کہ اوقات مکروہہ والی روایت ناسخ ہے نہ عصر کی نماز اِس خاص صورت میں صحیح ہے نہ فجر کی صحیح ہے۔۲۔حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی جواب دیا ہے کہ حضرات شیخین کی ایک روایت یہ بھی ہے فقہ کے شیخین مراد ہیں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کہ اگر ایک رکعت کے بعد طلوع ہو جائے تو نمازی خاموشی سے کھڑا رہے جب بیس منٹ کے بعد سورج بلند ہو جائے تو ایک رکعت ملا کر دو نفل شمار کرلے اور اصل فجر کی نماز بعد میں پڑھے۔۳۔حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے دیا ہے کہ حنفیہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ طلوع کے وقت تحری للصلوۃ مکروہ ہے کہ روزانہ کوشش کر کے اسی وقت نماز پڑھتا ہے اور اگر اتفاقاً دیر ہو گئی اور ایک رکعت کے بعد سورج نکلنا شروع ہو گیا تو دوسری رکعت طلوع کے درمیان ہی پڑھ لے وہ نماز صحیح ہو جائے گی۔۴۔ ہمارے امام ابو یوسف سے ایک روایت بالکل جمہور کی طرح بھی منقول ہے اس روایت کے لحاظ سے بھی حنفیہ پر اعتراض نہیں پڑتا۔

انما بقاء کم فیما سلف قبلکم من الا مم کما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس

حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ یہود کی عمریں پانچ سو سے چھ سو سال تک تھیں اور نصاریٰ کی اوسط عمر یں ایک سو سے دو سو سال تک تھیں اور اس امت کی عمریں یعنی اوسط کے لحاظ سے ساٹھ سال اور ستر سال کے درمیان ہیں۔اور ثواب ان دونوں امتوں سے زیادہ ملتا ہے۔

فعملنا الی غروب الشمس

محل ترجمہ یہی حصہ ہے۔یعنی کام کرنے والا اگر غروب ہوتے ہوتے بھی کام کرتا رہے تو اس کو برا شمار نہیں کیا جاتا ایسے ہی اگر نمازی ایک رکعت غروب سے پہلے پڑھ لے اور باقی غروب کے دوران پڑھتا ہے تو گنجائش ہے لیکن اس تفصیل کو استدلال فقہی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ استیناس ہی کہہ سکتے ہیں کہ مناسبت کی وجہ سے کچھ تائید ہوتی ہے۔

فعملوا بقیته یومهم حتی غابت الشمس

یہ عبارت محل ترجمہ ہے کہ اس تیسری جماعت کا عمل غروب تک باقی رہا اسی طرح ہمارا عمدہ ترین عمل اس وقت میں نماز ہے اس لئے وہ بھی غروب تک رہ سکتا ہے اور عصر کا وقت غروب شمس تک ہے اور غروب کے دوران بھی کام کرنے والے کو برا نہیں سمجھا جاتا اسی طرح عصر کی نماز اگر غروب کے دوران پوری کرلے تو گنجائش ہے۔یہ بھی استیناس ہے دلیل فقہی نہیں ہے۔

دو حدیثوں کے مضامین میں فرق

۱۔پہلی حدیث میں اجر لینا مذکور ہے اس لئے وہ اُن اہل کتاب کی مثال ہے جنہوں نے اپنے دین میں تحریف نہیں کی اور نئے آنے والے نبی کے ساتھ بھی کفر نہیں کیا اور دوسری حدیث میں اجر لینے سے انکار ہے اسلئے یہ اُن اہل کتاب کی مثال ہے جنہوں نے تحریف کی اور نئے آنے والے نبی کی تکذیب کی۔۲۔دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں ایسے کام کرنے والے تھے جنہوں نے عاجز ہونے کی وجہ سے مجبوراً کام چھوڑا تھا وہ اچھے اہل کتاب کی مثال ہے اور اس دوسری حدیث میں بلا عذر کام چھوڑنے والوں کا ذکر ہے اس لئے یہ بُرے اہل کتاب کی مثال ہے۔

باب وقت المغرب

غرض۔۱۔مغرب کا وقت بیان کرنا مقصود ہے۔۲۔اس وقت کا بیان مقصود ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ سوال مغرب کے وقت کی کوئی تفصیل امام بخاری نے نہیں فرمائی جواب۔ چونکہ لفظ مغرب خود ہی وقت پر دلالت کرتا ہے اس لئے تفصیل کرنے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی

یجمع المریض بین المغرب و العشاء

ظاہر یہی ہے کہ اس قول کے نقل کرنے میں اس طرف اشارہ

ہے کہ بعض کا جو یہ قول ہے کہ مغرب کا وقت صرف تین رکعت پڑھنے کی مقدار ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس تین رکعت والے قول میں مغرب کے وقت کے استداد کی نفی ہے کہ اس نماز کے وقت میں کچھ بھی لمبائی نہیں ہے یہ قول ٹھیک نہیں۔ بلکہ مغرب کے وقت میں لمبائی ہے اور یہ عشاء کے وقت شروع ہونے تک چلا جاتا ہے اور مریض اگر چاہے تو جمع صوری کرے کہ مغرب کی نماز مغرب کے وقت کے اخیر میں پڑھے اور عشاء کی نماز نماز عشاء کے وقت کے شروع میں پڑھے۔

باب من کرہ ان یقال للمغرب العشاء

غرض یہ ہے کہ جو صاحب ایسا کہنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں ان کے پاس بھی دلیل حدیث سے موجود ہے سوال یہ کیوں نہ فرمادیا کہ ایسا کہنا مکروہ ہے جواب:۔ا۔حدیث پاک میں مغرب کو عشاء کہنے میں اعراب کے غلبہ سے منع فرمایا گیا ہے کہ عشاء کہنا غالب نہ آجائے اس سے یہ نکل آیا کہ کبھی مغرب کہے اور کبھی عشاء کہے تو گنجائش ہے اس لئے صراحتہ مکروہ قرار نہ دیا۔۲۔اگر کوئی عشاء کے ساتھ اولی ملالے تو حرج نہیں اس لئے بھی جزم کے ساتھ نہیں فرمایا کہ عشاء کہنا مکروہ ہے۔

باب ذکر العشاء والعتمه ومن راہ واسعاً

غرض یہ ہے کہ عشاء کو عتمہ کہنے کی گنجائش ہے۔سوال اِس باب کا عنوان گذشتہ باب کے عنوان سے کیوں بدل دیا حالانکہ مقصد دونوں بابوں کا ایک جیسا ہی ہے کہ مغرب کو عشاء نہ کہو اور عشاء کو عتمہ نہ کہو۔جواب مغرب پر عشاء کا اطلاق مرفوعاً ثابت نہیں ہے اور عشاء پر عتمہ کا اطلاق مرفوعاً ثابت ہے اس لئے دونوں کے بیان میں امام بخاری نے فرق فرمادیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مغرب کو عشاء کہنا مکروہ تنزیہی ہے اور عشاء کو عتمہ کہنا خلاف اولیٰ ہے۔اور خلاف اولیٰ اس لئے ہے کہ قرآن پاک میں عشا کا لفظ استعمال ہوا ہے عتمہ کا استعمال نہیں ہوا۔

لا یبقی ممن ہو علی ظہر الارض احد

مقصد عمل کا شوق دلانا ہے کہ اس امت کی عمریں چھوٹی ہیں خوب عمل صالح کرلو۔

قلیل عمرنا فی دار دُنیا — ومرجعنا الی بیت التراب
لہ ملک ینادی کل یوم — لدوا للموت وابنوا للخراب

باب وقت العشاء اذا جتمع الناس او تاخروا

غرض افضل وقت کا بیان ہے اور مسئلہ اتفاقیہ ہے۔

باب فضل العشاء

غرض:۔ا۔عشاء کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے۔اِس باب کے علاوہ بعض روایات میں نورتام کی بشارت آتی ہے اس شخص کے لئے جو رات کے اندھیرے میں عشاء پڑھنے آتا ہے اس قسم کی احادیث کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں۔۲۔اس باب سے مقصود عشاء کے انتظار کی فضیلت بیان کرنا ہے کیونکہ خاص نماز عشاء کی فضیلت میں اس باب میں کوئی روایت نہیں لائے۔۳۔اس باب کا مقصد عشاء کی فضیلت کا بیان ہے اور حدیث الباب میں عشاء کی فضیلت مذکور ہے کیونکہ ارشاد پاک ہے ماینتظرھا احد من اھل الارض غیرکم کیونکہ جب انتظار کی فضیلت بیان فرمادی تو اس سے خود ثابت ہوگیا کہ وہ چیز بھی بہت فضیلت والی ہے جس کا انتظار کیا جارہا ہے کیونکہ انتظار کی فضیلت اِسی بنا پر تو ہوتی ہے کہ جس کا انتظار ہورہا ہو وہ فضیلت والی چیز ہو۔پھر اس عبارت میں جو غیرکم کا لفظ ہے اس کے دومعنیٰ کئے گئے ہیں۔ا۔غیر اہل الاسلام کیونکہ پہلی امتوں میں عشاء کی نماز فرض نہ تھی۔۲۔غیر اہل مسجد کم مراد ہے۔ کہ باقی مسجدوں والے نماز پڑھ کر سوچکے ہیں تم جاگ رہے ہو۔

باب مایکرہ من النوم قبل العشاء

ما مصدر یہ ہے اور من زائدہ ہے معنٰی یہ ہوگئے باب کراہتہ النوم قبل العشاء۔ا۔اگر کوئی جگانے کا انتظام کرکے سوئے تو

گنجائش ہے ایسے ہی کسی کو معمولی اونگھ آ جاتی ہو اور امید ہو کہ جماعت فوت نہ ہوگی وہ یہ اونگھ یا ہلکی نیند کر لے تو اس کیلئے کراہت نہیں ہے۔۲۔بعض نے ضرورت کی بنا پر رمضان شریف کو اس کراہت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن شرط یہ ضرور ہے کہ جاگنے کا انتظام کر لے۔۳۔بعض نے کراہت صرف عشاء کا وقت شروع ہو جانے کے بعد سونے میں ذکر فرمائی ہے۔

باب النوم قبل العشاء لمن غلب

غرض اِس باب سے گذشتہ باب سے استثناء کا بیان ہے کہ نیند غالب آ جائے تو گناہ نہ ہوگا۔نام النساء:۔یہ محل ترجمہ ہے۔

لا یقصر ولا یبطش

نہ بہت آہستہ ہاتھ کو پھیرتے تھے نہ بہت تیز۔یہ سر پر ہاتھ رکھنا سر سے پانی نچوڑنے کے لئے تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد تشریف لائے تھے۔

باب وقت العشاء الی نصف اللیل

غرض۔۱۔وقت مختار کا بیان ہے۔۲۔وقت جواز کا بیان مقصود ہے کیونکہ مسلم شریف میں ہے عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً فاذا صلیتم العشاء فانہ وقت الی نصف اللیل پس شاید اِسی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔پھر عشاء کے اخیر وقت میں اختلاف ہے۔عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد طلوع فجر تک عشاء کا وقت ہے وفی روایۃ عن مالک وفی روایۃ عن الشافعی ثلث لیل تک وفی روایۃ روایۃ عنھما نصف لیل تک وقت ہے لنا...... مافی الطحاوی عن عائشۃ اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتیٰ ذھب عامۃ اللیل ولروایۃ الشافعی وروایۃ مالک مافی مسلم جو ابھی روایت گذری نصف لیل والی اور ثلث لیل والی روایت کی دلیل مافی الطحاوی کہ صحابہ کرام کا عمل مذکور ہے کہ ثلث لیل تک تاخیر فرما لیتے تھے جواب یہ ہے کہ ثلث لیل تک عشاء کا وقت مستحب ہے پھر نصف لیل تک مباح ہے اس لئے یہ روایتیں ہمارے خلاف نہیں ہیں۔

باب فضل صلوٰۃ الفجر

غرض فجر کی نماز کی فضیلت کا بیان ہے پھر بعض نسخوں میں مذکورہ الفاظ کے بعد والحدیث بھی ہے اس کی غرض کیا ہے۔۱۔بیان الحدیث الوارد فی فضلھا۔۲۔مقصد یہ ہے کہ فجر کے بعد گفتگو جائز ہے عشاء کی طرح مکروہ نہیں ہے۔۳۔حدیث کا لفظ کسی کا تب کا وہم ہے کیونکہ اکثر نسخوں میں اور اکثر شروح میں نہیں ہے۔ اولا تُضَا ھون:۔شک راوی ہے المفاھاۃ المشابھۃ یعنی صاف زیارۃ ہوگی کوئی اشتباہ نہ ہوگا۔متعنا اللہ بھا بفضلہ و منہ:۔

من صلی البردین دخل الجنته

۱۔البرد الطرف یہ دونوں نمازیں دن کی دو طرفوں اور دو کناروں پر واقع ہیں۔۲۔برد کے معنیٰ ٹھنڈک کے ہیں کہ ان دونوں نمازوں میں گرمی کی شدت نہیں ہوتی۔سوال کیا باقی ضروری نہیں ہیں۔جواب یہاں دخول جنت ہے۔ابتدائی دخول کے لئے پانچوں نمازوں کا پڑھنا ضروری ہے۔**باب وقت الفجر**:۔غرض اول وقت فجر کا بیان بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت میں نماز پڑھتے تھے اس کا بیان بھی ہے۔

قال قدر خمسین او ستین یعنی آیتہ:۔اس روایت میں قائل حضرت زید بن ثابت ہیں اور آئندہ روایت میں حضرت انس ہیں اور یہ کوئی تعارض نہیں ہے دونوں نے یہ بات بیان فرمائی ہے۔

لایعرفھن احد من الغلس:۔ **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب** اس آیت سے متبادر قبلیت قریبہ ہے اس سے حنفیہ کے مسلک تاخیر عصر و اسفار کی تائید ہوتی ہے۔اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ عندامامنا ابی حنیفۃ فجر کی نماز کا افضل وقت اسفار ہے نصف اخیر میں پڑھنا وعندالجمھور افضل غلس ہے نصف اول میں پڑھنا۔لنا۔فی الترمذی عن رافع بن خدیج مرفوعاً اسفروا بالفجر فانہ اعظم للا جر سوال مراد یقین فجر ہے۔جواب پھر تو فجر سے پہلے بھی صحیح ہونی چاہئے حالانکہ اس کا

کوئی قائل نہیں۔۲۔ ہماری دوسری دلیل صحیحین میں ہے عن ابن مسعود حجۃ الوداع میں یوم مزدلفہ کے متعلق مرفوعاً وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اس دن طلوع فجر سے پہلے نہ پڑھی تھی بلکہ غلس میں پڑھی تھی تو غلس میں پڑھنا قبل وقت معتاد تھا اس لئے وقت معتاد اسفار تھا اس لئے وہی افضل ہے۔۳۔ فی الطحاوی عن ابراہیم مقطوعاً اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی شئی ما اجتمعوا علی التنویر وللجمہور۔۱۔ فی ابی داؤد عن ابی مسعود مرفوعاً و صلی الصبح مرۃ بغلس ثم صلی مرۃ اخری فاسفر بھا ثم کانت صلوتہ بعد ذلک التغلیس حتیٰ مات و لم یعد الی ان یسفر جواب ایک اعرابی کو اوقات سمجھانے کے لئے ایک دن شروع وقت اور دوسرے دن اخیر وقت نمازیں پڑھیں پھر کامل اسفار کی طرف نہ لوٹے یعنی بالکل اخیر کی طرف نہ لوٹے۔۲۔ فی الصحیحین عن عائشۃ مایعرفن من الغلس جواب۔۱۔ معرفت جزئی نہ ہوتی تھی اور یہ اسفار میں پڑھنے میں بھی نہیں ہوتی۔۲۔ ہماری دلیل قولی روایت ہے آپ کی فعلی روایت ہے اور تعارض کے وقت قولی کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔۳۔ ہماری روایت کو علامہ سیوطی نے متواتر قرار دیا ہے آپ کی روایت کسی کے نزدیک بھی متواتر نہیں اس لئے قوتِ سند کی وجہ سے بھی ہماری روایت کو ترجیح حاصل ہے۔۴۔ حضرات صحابہ کے شوق کو پورا کرنے کے لئے بعض دفعہ جلدی نماز شروع فرمائی تاکہ لمبی قرأت سن سکیں اس لئے یہ جلدی پڑھنا خصوصیت صحابہ ہے ہمیں حکم اسفار میں پڑھنے کا ہی ہے۔۵۔ حضرات صحابہ کرام کے عمل سے ہماری دلیلوں کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور صحابہ کا عمل ہماری تیسری دلیل میں مذکور ہے۔۶۔ پہلے عورتیں نماز میں شریک ہوتی تھیں ان کی خاطر نماز جلدی ہوتی تھی پھر پردہ میں سختی ہوگئی اور جلدی پڑھنے کی ضرورت نہ رہی اس لئے آخری عمل اسفار ہی کا شمار ہوگا کیونکہ پردہ میں نرمی پہلے تھی سختی بعد میں ہوئی اس کے مناسب یہی ہے کہ غلس میں پڑھنا پہلے ہو اور اسفار میں پڑھنا بعد میں ہو اس لئے یہی ناسخ ہے۔۷۔ ابن ماجہ میں تعنی من الغلس ہے معلوم ہوا کہ من الغلس مدرج ہے اور یہی آپ کے استدلال کا مدار تھا۔۸۔ یہاں غلس لغوی ہے کیونکہ غلس اصطلاحی تو بعد کی فقہاء کی اصطلاح ہے اور اندھیرا کچھ نہ کچھ اسفار میں بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے۔۳۔ فی ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً والصبح بغلس جواب۔ یہی جواب سوائے پہلے جواب کے اور ساتویں جواب کے۔۴۔ فی ابی داؤد عن ابی برزۃ مرفوعاً وکان یصلی الصبح و ما یعرف احدنا جلیسہ الذی کان یعرفہ جواب۔ یہی آٹھ جواب سوائے ساتویں جواب کے۔ **باب من ادرک رکعۃ من الفجر**:۔ غرض یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہوگئی جیسا کہ جمہور ائمہ کا مسلک ہے بخلاف حنفیہ کے تفصیل پیچھے گزر چکی۔

باب من ادرک من الصلوۃ رکعۃ

غرض اور ربط اور فرق۔۱۔ گذشتہ باب میں وقت پانا مذکور تھا اور اب نماز پانا مذکور ہے کہ جو جماعت میں سے ایک رکعت پالے اسکو جماعت کا ثواب مل گیا اور گذشتہ باب کے معنیٰ تھے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت پڑھنے کا وقت مل گیا۔۲۔ گذشتہ باب میں صرف فجر کا ذکر تھا اور اب سب نمازوں کا ذکر ہے۔

باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس

غرض اور ربط اس باب کا ماقبل سے یہ ہے کہ پہلے اوقات صحیحہ کا ذکر تھا اب اوقات مکروہہ کا ذکر ہے پھر ظاہر یہی ہے کہ اس وقت میں نفل پڑھنے مکروہ ہیں تحری ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں کراہت ہے کیونکہ۔۱۔ تحری کا ذکر زیادہ قباحت ثابت کرنے کے لئے ہے اس لئے تحری کی قید کو اتفاقی کہا جائے گا اسی لئے امام بخاری نے اس باب میں تحری کی قید ذکر نہیں فرمائی۔۲۔ وجہ کراہت سورج کی پوجا کرنے والوں سے مشابہت ہے اور اس مشابہت کے پائے جانے میں تحری کا دخل نہیں ہے۔۳۔ ممانعت کا مطلق ہونا تو نصوص کا منطوق ہے اور تحری کے ساتھ مقید ہونا یہ مفہوم مخالف سے ثابت ہوگا اور یہ اصول ہے کہ جب منطوق اور

مفہوم کا تعارض ہوتو ترجیح منطوق کو ہوتی ہے۔

لا تحروا بصلوتکم طلوع الشمس ولا غروبها

بعض اہل ظواہر قائل ہوگئے کہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنے کی کراہت تحری پر مبنی ہے کہ قصداً اور کوشش کر کے اسی وقت میں پڑھے تو کراہت ہے اتفاق سے شروع کر لئے تو کراہت نہیں ہے جمہور کے نزدیک کراہت بہر حال ہے تحری کرے یا نہ کرے لنا مافی البخاری عن عمر مرفوعاً نہی عن الصلوۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب اور زیادہ روایات میں تحری کے ذکر کے بغیر ہی ممانعت مذکور ہے بعض اہل الظواہر مافی مسلم عن عائشۃ قالت وھم عمر انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتحری طلوع الشمس وغروبھا جواب۔ حضرت عائشہ کا حضرت عمر فاروقؓ کی طرف وہم کی نسبت کرنا یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے خود دیکھا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی بلا تحری کراہت نقل فرمائی ہے اور عصر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعتیں پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اس سے امت کے لئے حکم نہیں نکالا جاسکتا۔ سوال۔ احادیث میں فجر اور عصر دونوں کا ذکر ہے اور امام بخاری نے باب میں صرف فجر کا ذکر فرمایا ہے یہ تو مناسب نہیں۔ جواب۔ ا۔ فجر ذکر میں مقدم تھی اس لئے امام بخاری نے اسی کو لے لیا۔ ۲۔ عصر کے بعد چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعتیں پڑھنا بھی آتا ہے اس لئے عصر کے بعد نوافل کی کراہت میں کچھ کمی کا شبہ ہوگیا اس لئے امام بخاری نے اس کا ذکر نہ فرمایا۔

اشتمال الصماء

ا۔ کندھوں پر کپڑا ڈال لے اور اس کو لپیٹے نہیں اور جب ایک ہی کپڑا ہوتو اس میں کشف عورت بھی ہے۔ ۲۔ کپڑے کو نماز میں ایسا سختی سے لپیٹ لے کہ ہاتھ بھی اندر ہی بند ہو جائیں **الاحتباء**:۔ نیچے بیٹھ جائے گھٹنے کھڑے کر لے اور ایک ہی کپڑا ہو اس سے گھٹنوں کو کمر کے ساتھ باندھ لے اس میں کشف عورت ہے **المنابذہ**:۔ سودا کرتے کرتے بائع بیعہ کو مشتری کی طرف پھینک دے اس کو زمانہ جاہلیت میں پختہ بیع شمار کرتے تھے خواہ سودا کرنے والے راضی ہوں یا نہ ہوں اس سے منع کر دیا گیا کہ جب تک دونوں راضی نہ ہوں بیع نہ ہوگی۔ **الملامسہ**:۔ سودا کرتے کرتے مشتری مبیعہ پر ہاتھ رکھ دیتا تھا کہ بس اتنے پیسے دونگا اس کو بھی زمانہ جاہلیت میں پختہ بیع شمار کرتے تھے خواہ سودا کرنے والے راضی ہوں یا نہ ہوں شریعت میں اس کو ناجائز قرار دیا گیا کیونکہ عقد کرنے والوں کی رضا ضروری ہے۔

باب لا یتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس

غرض تحری کے خبیر عصر کے بعد نوافل جائز ہیں۔ سوال۔ یہاں تحری کی قید لگائی پیچھے نہ لگائی تھی جواب۔ ا۔ یہ تفنن ہے ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے بیان کرنا تفنن کہلاتا ہے امام بخاری نے بھی پہلے یہ مسئلہ اجمالا بیان فرمایا اب تفصیلاً بیان فرمایا۔ ۲۔ چونکہ اب وہ حدیث بیان فرمانا چاہتے ہیں جس میں تحری کی قید ہے اس لئے اس کے مناسب باب میں بھی تحری کی قید لگائی پیچھے وہ حدیث ذکر کرنا چاہتے تھے جس میں تحری کی قید نہ تھی اس لئے وہاں قید نہ لگائی۔ ۳۔ پیچھے دوسرے حضرات کا مسلک نقل کیا تھا اب اپنا مسلک بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عصر کے بعد بلا تحری نوافل جائز ہیں۔ اس میں ایک اختلاف تو اہل ظواہر کے ساتھ ہے وہ عنقریب پیچھے گذر چکا دوسرا اختلاف یوں ہے کہ عند الشافعی ظہر کے فرضوں کے بعد کی دوسنتوں کی قضا عصر کے فرضوں کے بعد جائز ہے وعند الجمھور جائز نہیں لنا فی الطحاوی عن ام سلمۃ فقلت یا رسول اللہ افنقضیھما اذا فاتتا قال لا۔ وللشافعی۔ ا۔ فی ابی داؤد عن علی مرفوعاً نھی عن الصلوۃ بعد العصر الا والشمس مرتفعۃ جواب۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد فرضوں میں

اتنی دیر نہ کیا کرو کہ اصفرار ہو جائے۔۲۔ دوسری دلیل امام شافعی کی فی ابی داؤد عن عائشۃ ما من یوم یاتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا صلی بعد العصر رکعتین جواب اس مسئلہ میں حضرت عائشہ کی روایات میں اضطراب ہے بعض روایات میں ہمیشہ پڑھنا ہے بعض میں ایک دفعہ کے بعد نہ پڑھنا ہے بعض میں عدم علم کا اظہار ہے۔ بعض میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا اظہار ہے اس لئے اس مسئلہ میں ان کی روایات کو نہیں لیا جا سکتا۔

باب من لم یکرہ الصلوۃ الا بعد العصر و الفجر

غرض دوسروں کا مذہب نقل کرنا ہے اپنی رائے نہیں ذکر فرمائی کیونکہ امام بخاری کو کچھ تردد تھا اور فیصلہ کن رائے نہ تھی۔ پھر امام مالک کے نزدیک نصف النہار کے وقت نفل مکروہ نہیں ہیں وعند الجمہور مکروہ ہیں لنا فی مسلم عن عقبۃ بن عامر مرفوعاً حدیث الاوقات الثلاثۃ المکروہۃ ولما لک حدیث الباب عن ابن عمر موقوفاً لا انھی احدا یصلی بلیل ولا نھار ماشاء غیر ان لا تحروا طلوع الشمس ولا غروبھا جواب۔ ہماری دلیل محرم ہے آپ کی دلیل مبیح ہے ایسے موقع میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ مراد صلوۃ صحیحہ ہے جس سے فرمایا کہ نہیں روکتا اور عین دوپہر کو نماز صلوۃ صحیحہ نہیں ہوتی۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ عندامامنا ابی حنیفہ جمعہ کے دن بھی نوافل نصف النہار کے وقت مکروہ ہیں وعندالجمہور نہیں لنا فی صحیح مسلم عن عقبۃ بن عامر مرفوعاً اوقات ثلثہ مکروہۃ والی روایت و للجمہور فی ابی داؤد عن ابی قتادۃ مرفوعاً کرہ الصلوۃ نصف النہار الا یوم الجمعۃ جواب۔۱۔ لیث راوی ضعیف ہے اور ابوالخلیل کا سماع حضرت ابوقتادہ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ امام ابوداؤد نے خود تصریح فرمائی ہے۔۲۔ مقصد ابراد چھوڑنے کی اجازت دینا ہے۔

باب ما یصلّی بعد العصر من الفوائت وغیرھا

غرض وربط حدیث الباب کی توجیہ مقصود ہے کہ عصر کے بعد جو رکعتیں مرفوعاً ثابت ہیں یہ ظہر کے بعد والی دو رکعتوں کی قضا تھی اور سنتوں کی قضا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

من الفوائت وغیرھا

فوائت کی اجازت بالاتفاق ہے اور وغیرھا کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱۔ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت اس کا مصداق ہے اور ان کا جواز بالاتفاق ہے۔۲۔ نوافل ذوات الاسباب اس کا مصداق ہیں جیسے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء اس میں جمہور اور شوافع کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک مکروہ ہیں اوقات ثلثہ مکروہہ میں اور شوافع کے نزدیک جائز ہیں ترجیح قول جمہور کو ہے کئی وجہ سے۔۱۔ اگر نھی سے بہت زیادہ افراد نکال لئے جائیں تو نھی کا فائدہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے نوافل نہیں نکالے جائیں گے۔۲۔ اس قسم کے نوافل کا نکالنا صرف فعل پر مبنی ہے قول کے عموم کا تقاضی یہ ہے کہ نہ نکالے جائیں اور جب قول اور فعل میں تعارض ہوتا ہے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے اس لئے جمہور کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام جو اس باب کی روایات میں مذکور ہے کہ عصر کے بعد ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھا کرتے تھے یہ دوام قضاء پر دلالت نہیں کرتا بلکہ خصوصیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قضا کا تعلق تو ایک دن سے ہوتا ہے قضا دواماً نہیں کی جاتی لامحالہ اس دوام کو خصوصیت پر محمول کیا جائے گا۔۴۔ نھی کی احادیث متواتر ہیں اور احادیث الباب اس درجہ کی نہیں ہیں اس لئے بھی نھی کو ترجیح دی جائے گی۔۵۔ صحابہ کا عصر کے بعد کی دو رکعت پر کثرت سے انکار ثابت ہے یہ بھی نھی کی احادیث کو ہی ترجیح دیتا ہے۔

باب التبکیر بالصلوۃ فی یوم غیم

غرض یہ ہے کہ بادل کے دن میں نماز میں احتیاط کرنی چاہئے قضا نہ ہو جائے یا مکروہ وقت میں ادا نہ ہو اور یہی حنفیہ کی رائے ہے اور امام شافعی اور اکثر ائمہ تو ہمیشہ ہی تعجیل کو افضل قرار دیتے ہیں پھر امام بخاری نے عصر پر غیر عصر کو قیاس فرمایا ہے کیونکہ حدیث میں صرف عصر کا ذکر ہے۔ حبط عملہ: ۔اس کی تفسیر پیچھے گذر چکی ہے۔

باب الا ذان بعد ذهاب الوقت

غرض یہ ہے کہ قضا کی بھی اذان واقامت ہونی چاہئے اور اگر ایک آدمی کی قضاء ہے تو آہستہ سے اذان دے کیونکہ اپنی کو تاہی کو چھپانا ہی اولیٰ ہوتا ہے۔

فلما ارتفعت الشمس وابیاضت قام فصلّٰی

اس میں حنفیہ کی تائید ہے کہ مکروہ وقت میں قضانہ فرمائی

باب من صلی بالناس جماعته بعد ذهاب الوقت

غرض یہ ہے کہ قضا میں بھی جماعت مشروع ہے اگرچہ واجب نہیں۔ پھر اس حدیث میں جو قضا ہوئی نماز تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی صلوۃ الخوف کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اب ایسے موقعہ میں صلوۃ الخوف پڑھی جائے گی نماز قضا نہ کی جائے گی۔

باب من نسی صلوة فلیصل اذا ذکرها ولا یعید الا تلک الصلوة

ای باب فی بیان حکم من نسی صلوة غرض ایک تو حکم بیان فرمانا ہے اس شخص کا جو نماز بھول گیا ہو یہاں تک کہ وقت نکل گیا ہو اس بھولنے میں دونوں صورتیں آگئیں نیند غالب آگئی کہ نہ جاگا نہ یاد آیا دوسری صورت یہ کہ دنیا کے کسی کام میں یا دین کے کسی کام میں اتنا زیادہ مشغول ہوا کہ نماز یاد نہ رہی اور نماز کا وقت گذر گیا اور اس حکم کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیان فرمانا بھی مقصود ہے کہ اعادہ صرف اسی نماز کا ہوگا جس کو بھولا ہے اور اس وقت ہوگا جب یاد آئے اور امام بخاری یہ اشارہ فرمارہے ہیں کہ مسلم شریف میں جو روایت آتی ہے۔ اسی واقعہ کے متعلق فاذا کان الغد فلیصلها عند وقتها یہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کے معنیٰ ظاہری تو یہ بنتے ہیں کہ ایک نماز کا دو دفعہ اعادہ کیا جائے ایک اس وقت جبکہ یاد آئے اور دوسرے اس وقت جب اُسی نماز کا اگلے دن وقت آئے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت ابوقتادہ سے اسی حدیث کے واقعہ میں یوں ہے کہ من ادرک منکم صلوۃ الغداۃ من غد صالحا فلیقض معها مثلها علامہ خطابی اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ اس کے ظاہر کو کسی امام نے واجب قرار نہیں دیا اس لئے یہ احتمال معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امر استحبابی ہوتا کہ وقت کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے لیکن یہ احتمال صحیح نہیں ہے اور صحیح یہی ہے کہ اعادہ صرف ایک دفعہ ہی ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں ایک ہی دفعہ قضا فرمائی ہے علامہ خطابی کی کلام کا خلاصہ ختم ہوا۔ بعض حضرات نے یہ احتمال بھی بیان فرمایا ہے کہ دوبارہ وقت آنے پر اُسی نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم تنبیہ اور تادیب کے طور پر ہوتا کہ پھر ایسی غفلت سے بچنے کی پوری کوشش کرے کیونکہ ہمارے امام الائمہ سراج الامہ امام ابوحنیفہ کا اپنا واقعہ منقول ہے کہ ایک دفعہ امام صاحب کی نماز قضا ہوگئی تو طویل زمانہ تک اس کو دہراتے رہے اس لئے یہ بھی احتمال ہے کہ دوبار یا بار بار دہرانے کا استحباب عوام کے لئے تو نہ ہو خواص کے لئے ہو جیسے مس المرأۃ سے اور مس الذکر سے وضو دہرانا بعض حضرات نے خواص کے لئے ذکر فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر نے علامہ خطابی کی تقریر پر اعتراض فرمایا ہے کہ وقت آنے پر دوبارہ اسی نماز کے پڑھنے کو مستحب کہنے کا احتمال کسی درجہ میں بھی نہیں ہے کیونکہ کوئی امام استحباب کا قائل نہیں ہے حافظ ابن حجر کے قول کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوئی ہے کہ اسی واقعہ میں عن انس مرفوعاً وارد ہے من نسی صلوۃ فلیصلها اذا ذکرها لا کفارۃ لها الا ذلک اور ابوداؤد کی روایت عن ابی قتادہ جو ابھی ذکر کی گئی ہے یہ اس پر محمول ہے کہ کسی راوی نے روایت بالمعنیٰ نقل فرمائی ہے اصل الفاظ وہی تھے جو ابوداؤد میں حضرت ابوقتادہ سے اس طرح آتے ہیں مرفوعاً فلیصلها حین یذکرها ومن الغد للوقت ان الفاظ کے راوی نے یہ معنیٰ کرلئے کہ کل دوبارہ قضا کرے حالانکہ معنیٰ یہ تھے کہ کل سے نماز کا خیال رکھے اور کل کی وقتی نماز وقت پر پڑھے یعنی روزانہ ہی قضا کرنے کی عادت نہ بنائے ایک دفعہ غلطی سے اور سستی سے قضا ہوگئی اور اس کا گناہ بھی نہ ہوا اب روزانہ ہی اگر

جان بوجھ کر قضا کرے گا تو گناہ ہوگا۔اس سارے بحث کا خلاصہ یہ نکل آیا کہ اگلے دن اُسی وقت کے آنے پر دوبارہ قضا کرنے کے بارے میں علما کے تین قول ہو گئے۔۱۔اس کا کوئی احتمال نہیں اور احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔۲۔ایک دفعہ یاد آنے پر تو قضا کرنی واجب ہے پھر دوبارہ جب وہی وقت آئے تو دوبارہ قضاء کرنی مستحب ہے۳۔یہ دوبارہ قضاء کرنے کا امر استحبابی بھی ہے اور اس کا تعلق بھی صرف خواص سے ہے جن کا مسلک یہ ہوتا ہے۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ خلالے کم بود

لا کفارۃ لھا الا ذلک:۔اس کے راجح معنی یہی شمار کئے گئے ہیں کہ اس نماز چھوٹنے کا تدارک صرف ایک دفعہ قضا کر لینا ہے دوبارہ روزے رکھنا اس قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہے البتہ اگر موت کے وقت نمازیں قضا باقی ہیں تو وصیت کر جائے کہ اتنی باقی ہیں ان کا فدیہ دے دیا جائے تو پھر ثلث مال میں سے ہر نماز فرض اور وتر کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے برابر خیرات کرنا ہے۔یاد آنے پر

قضا کرنے کے وقت میں اختلاف

عندا امامنا ابی حنیفۃ اگر مکروہ وقت میں بیدار ہو یا مکروہ وقت میں یاد آئے تو مکروہ وقت میں قضا کرنے سے قضا صحیح نہ ہوگی سوائے اُس دن کی عصر کے بلکہ مکروہ وقت گذارنے کے بعد قضا کرے وعندا الجمہور مکروہ وقت میں بھی اُٹھے نیند سے یا نسیان دور ہو تو فوراً اگر قضا کرلے تو وہ قضا صحیح ہو جائے گی لنا۔۱۔فی مسلم عن عقبۃ ابن عامر واوقات مکروہہ والی روایت ۲۔حدیث الباب عن انس مرفوعاً لیلۃ التعریس کا واقعہ کہ رات بھر سفر فرمایا اخیر رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے آرام فرمایا حضرت بلال نے خود اپنے آپ کو پہرے کے لئے پیش فرمایا کہ میں جاگتا رہو نگا اور فجر کی نماز کے لئے جگا دو نگا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب صحابہ کرام سو گئے حضرت بلال کجاوے پر ٹیک لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ ابھی طلوع فجر ہوتا ہے تو اذان دیتا ہوں ان کو بھی نیند آ گئی سب حضرات طلوع شمس ہونے پر اٹھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہاں سے آگے چلو چنانچہ سب آگے چلے حتیٰ کہ جب ارتفاع شمس ہو گیا تو نماز پڑھی ہم اس واقعہ سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ فوراً قضا نہ فرمائی بلکہ ارتفاع شمس کا انتظار فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ارتفاع سے پہلے کا وقت مکروہ تھا اس کا گذرنا مقصود تھا۔سوال تاخیر کا سبب قضاء حاجات تھا مکروہ وقت کا گذارنا نہ تھا اس لئے آپ کا استدلال صحیح نہیں ہے۔جواب۔روایات میں صراحتہ ہے کہ ارتفاع شمس کے بعد سواریوں سے اُترے پھر قضاء حاجات ہوئیں پھر نماز ہوئی۔ سوال۔اُس جگہ پر شیطان کا اثر تھا صرف شیطان کے اثر سے بچنا مقصود تھا۔مکروہ وقت گذارنا مقصود نہ تھا۔جواب۔۱۔وساوس کی وجہ سے نماز نہیں چھوڑی جاتی جیسے حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نماز میں شیطان کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا نماز توڑ دینا شیطان کے آنے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔ ۲۔یہ بھی وجہ تھی کہ شیطان کے اثر والے مکان سے بچنا مقصود تھا اور یہ بھی وجہ تھی کہ شیطان کے اثر والے زمان سے یعنی مکروہ وقت سے بچنا مقصود تھا دونوں مقصدوں میں کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں وللجمہور حدیث الباب یعنی لیلۃ التعریس والا واقعہ کیونکہ اس میں یہ لفظ بھی مرفوعاً ثابت ہیں فلیصلھا اذا ذکرھا اس کے معنیٰ ہیں کہ جب بھی یاد آئے خواہ وقت مکروہ ہو یا صحیح ہو نماز پڑھ لے۔جواب ا۔اذا بیان شرط کے لئے ہوتا ہے متیٰ عموم اوقات کے لئے ہوتا ہے یہاں اذا ہے۔۲۔معنیٰ یہ ہیں فلیصلھا صلوۃ صحیحۃ اور وقت مکروہ میں صلوٰۃ صحیحہ نہیں پائی جاتی۔۳۔ہماری دلیل محرم ہے اور آپ کی مبیح ہے اور محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔۴۔ہماری روایت کو متواتر بھی کہا گیا ہے اس لئے اس کی سند اقوی ہے۔۵۔اوقات مکروہہ مستثنیٰ ہیں۔

واقم الصلوۃ للذکریٰ

یہاں دو قرائتیں ہیں۔ا۔لِذِکْرِیْ ۲۔للذکریٰ ان دونوں قرائتوں کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ پہلے معنیٰ دوسری قرأت کے زیادہ قریب ہیں۔باقی معانی دونوں قرائتوں میں برابر درجہ میں

جاری ہوتے ہیں۔۱۔ جب میں نماز یاد کرادوں۔۲۔ تاکہ تم مجھے نماز میں یاد کرو۔۳۔ تاکہ میں تجھے مدح کے ساتھ یاد کروں۔۴۔ جس وقت تم بھولنے کے بعد میرے حکم کو یاد کرلو۔۵۔ میں جو تجھے انعامات میں یاد رکھتا ہوں اس کا شکر ادا کرنے کے لئے نماز قائم کر۔۶۔ میں نے تجھے اپنے ذکر کی توفیق دی ہے اس کا شکر کرنے کے لئے نماز قائم کر۔۷۔ صرف مجھے یاد کر اور صرف میری طرف توجہ کر نماز میں کسی اور کی طرف توجہ نہ کر۔۸۔ اس مقصد کے لئے نماز قائم کر کہ تو میرے امر صلوۃ کو یاد رکھنے والا ہے۔۹۔ اس لئے نماز پڑھ تاکہ تو نماز میں میرے اوامر ونواہی کو یاد کرے کیونکہ تو نماز میں میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور یاد کرنے کے بعد تو ان پر عمل بھی کر لے اور نماز کے بعد تو میرے سب اوامر ونواہی پر عمل کرنے والا بن جائے ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر۔۱۰۔ ذکر سے مراد نماز ہی ہے۔ تو نماز پڑھ تاکہ تو ذکر کی طرف یعنی نماز کی طرف متوجہ ہو جائے اور نماز کی طرف توجہ یہ میری طرف ہی توجہ ہے۔۱۱۔ نماز کے وقتوں میں نماز قائم کیا کر کہ یہ میرے ذکر کے وقت ہیں ای اقم الصلوۃ لاوقات ذکری ای فی اوقات ذکری۔۱۲۔ نماز قائم کر میرے ذکر کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ میں نے کتاب میں نماز کو ذکر کیا ہے۔۱۳۔ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھ اس میں صرف میرا ذکر مقصود ہو میرا غیر اس میں مقصود نہ ہو نہ مال نہ نام۔

آیت کی لیلۃ التعریس کے واقعہ سے مناسبت

مناسبت یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ختم ہو جائے تو یہ کہہ دینا کہ نماز کا تعلق تو وقت مقرر سے تھا جب وہ وقت نہ رہا تو اب قضا بھی نہ ہونی چاہئے ایسا نہیں ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ہے۔ وقت کے اندر اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے اور وقت گذرنے کے بعد اگرچہ وہ اعلےٰ درجہ کا ذکر تو نہ رہا لیکن عام ذکر میں تو پھر بھی داخل ہے اس لئے قضا کی جائے گی۔

باب قضاء الصلوٰۃ الاولی فالأولی

غرض یہ ہے کہ قضا نمازوں میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے فعند الشافعی ترتیب ضروری نہیں عند الجمہور ضروری ہے: لنا حدیث الباب عن جابر مرفوعاً فصلیٰ بعد ما غربت الشمس ثم صلی المغرب جب وقتی نماز سے پہلے قضا پڑھی اور وقت کی فضیلت بھی چھوڑی تو صرف قضا نمازوں میں ترتیب کا لحاظ بطریق اولیٰ ہے وللشافعی جب پانچ سے زائد نمازوں میں بالا جماع ترتیب معاف ہے تو کم میں بھی معاف ہی ہونی چاہئے۔ جواب وہاں حرج ہے اور کم میں حرج نہیں ہے۔

باب ما یکرہ من السمر بعد العشاء

غرض یہ ہے کہ قصہ گوئی مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں اگر تحریمی ہوتی تو کسی وقت بھی جائز نہ ہوتی۔

و السامر ھھنا فی موضع الجمع

۱۔ فی قولہ تعالےٰ سامرا تھجرون.۲۔ ہر موضع جمع میں یہ سامر کا لفظ جمع کے معنیٰ میں آجاتا ہے حاصل یہ کہ مفرد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پس ھھنا کا اشارہ گذشتہ عبارت میں والجمع السّمار کی طرف ہے۔

باب السمر فی الفقہ و الخیر بعد العشاء

غرض یہ ہے کہ بقدر ضرورت دین کی باتوں میں حرج نہیں اور فقہ کا خصوصی ذکر اہمیت کی وجہ سے ہے اس کی تائید ترمذی کی روایت سے بھی ہوتی ہے عن عُمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسمر ھو وابوبکر فی امر من امور المسلمین وانا معھما اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن بھی قرار دیا ہے۔

کان شطر اُللیل یبلغہ

شطر کان کا اسم ہے اور یبلغہ اس کی خبر ہے۔

قال قرۃ ھو من حدیث انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی قال الحسن یہ حضرت حسن بصری کا مقولہ نہیں گذشتہ حدیث کا حصہ ہے پھر مرفوع نہیں موقوف ہے حضرت انس کا قول ہے۔

باب السمر مع الضيف والاهل

یعنی اس کی بقدر ضرورت گنجائش ہے کیونکہ یہ اداء حقوق کے درجہ میں ہے لیکن فقہ سے درجہ اس کا کم ہے۔ **تعشّی**:۔ پہلے تعشّی کے معنٰی کھانا کھایا دوسرے تعشّی کے معنٰی آرام فرمایا۔ **یا غنثر**:۔ اسے کمینے۔ **فجدّع**:۔ کان کٹنے کی بددعاء کی اور تنبیہ مقصود تھی۔ **کلوا لا هنيئاً** یہاں اختصار ہے تفصیل یہ ہے کہ جب پتہ چل گیا کہ لڑکے عبدالرحمٰن کا تصور نہیں ہے مہمانوں نے خود ہی انکار کیا ہے تو مہمانوں سے فرمایا کھالو خوشگوار نہ ہوا انہوں نے قسم کھالی کہ آپ سے پہلے نہ کھائینگے حضرت صدیقؓ نے بھی قسم کھالی کہ میں نہ کھاؤں گا پھر حضرت صدیقؓ نے قسم توڑ دی تو کھانے میں برکت ہوگئی۔

قالت لا وقرة عيني

۱۔ لا نافیہ ای لاشئی الا ما اقول۔ ۲۔ لا زائد۔ پھر واو قسمیہ لفظ ربّ محذوف ہے و ربّ قرة عيني **فاصبحت عنده**:۔ صبح کے وقت کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا **ففرقنا اثنی عشر رجلا**:۔ وہ معاہدہ والے لوگ آگئے ہم نے ان کو ۱۲ سرداروں میں تقسیم کیا ہر سردار کے ساتھ کچھ آدمی تھے سب نے برکت والا کھانا کھایا۔

بفضلہ تعالےٰ جلد اول ختم ہوئی

کتبہ الاحقر محمد سرور عفی عنہ

۲۸ صفر ۱۴۱۰ھ

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے حجرہ خاص

تھانہ بھون میں یہ شعر لکھے ہوئے تھے ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

الخیر الجاری
شرح
صحیح البخاری
جلد ثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الاذان

کتاب المیقات کے بعد کتاب الاذان رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اذان سے بھی وقت ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے لغت میں اذان کے معنی اعلام کے ہیں۔ شریعت میں اذان کے معنی ہیں اعلام وقت الصلوٰۃ بالفاظ مخصوصۃ پھر اذان کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں دین کے اہم امور کا ذکر ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے وجود کا ذکر ہے کیونکہ جب اکبر ہونے کا ذکر آیا تو وجود کا ذکر خود آگیا۔ ۲۔ توحید کا ذکر ہے۔ ۳۔ رسالت کا۔ ۴۔ نماز کا۔ ۵۔ کامیابی کا ذکر ہے جو نماز کی وجہ سے آخرت میں حاصل ہوگی۔ پھر کلمات اذان میں جو تکرار ہے یہ تجدید ایمان کا سبب ہے تا کہ نماز میں ایمان کامل کے ساتھ شروع ہو۔

فوائد الاذان: ۱۔ وقتِ صلوٰۃ شروع ہونے کی اطلاع کرنا۔ ۲۔ توحید رسالت اور قیامت کا اعلان اور یہ تینوں امہات المسائل کہلاتے ہیں اور یہی تین مسئلے ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں بہت کثرت سے ہے۔ ۳۔ سب سے افضل عبادت یعنی نماز کی طرف بلانا۔ ۴۔ آخرت کی کامیابی کی طرف بلانا۔ ۵۔ شعائر اسلام کا اظہار۔ ۶۔ شیطان کو بھگانا۔ اتنے فوائد والی چیز اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اسی لیے اذان کے بارے میں مرفوعاً وارد ہے۔ انہا لرؤیا حق۔

ایک نکتہ: ۔ اذان جو ابتداً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جاری نہ ہوئی بلکہ صحابہ کے خوابوں سے جاری ہوئی اس میں ایک حکمت اور نکتہ یہ بھی ہے کہ اذان میں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک کی بہت بلندی ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہوا کہ دوسروں کی زبان سے اس کا اجراء ہو۔

باب بدء الاذان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس میں اذان سنائی گئی تھی پھر ساتویں آسمان پر سنائی گئی تھی جیسا کہ روایات سے ثابت ہے، پھر جب حضرت عبداللہ بن زید نے اپنی خواب کا ذکر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں اذانیں یاد آگئیں۔ پھر متعدد صحابہؓ کی خوابوں سے بھی اسی اذان کی تائید ہوئی ان خواب دیکھنے والوں میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ہیں۔ پھر ان دو آیتوں سے بھی تائید ہوگئی جن کو امام بخاری نے ذکر فرمایا ہے۔

اذان کب شروع ہوئی

۱۔ ہجرت کے بعد پہلے سال میں ۲-۱ھ میں۔

آیتیں شروع میں لانے کی وجہ

۱۔ تبرک۔ ۲۔ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اذان مدینہ منورہ میں شروع ہوئی کیونکہ یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں۔

باب کی غرض: ۔ اذان کی ابتداء کا بیان ہے جو بالکل ظاہر ہے۔

سوال: ۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مشروعیت اذان کی مفصل حدیث کیوں نہ لائے۔ جواب۔ مفصل روایت ان کی شرط پر نہ تھی۔ اُمِرَ: ۔ یہ صیغہ مجہول اس لیے کیا گیا کہ حضرت انس اس مجلس میں حاضر نہ تھے جس میں اذان کی ابتداء ہوئی ہے۔

کلمات اذان میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد اذان کے کلمات پندرہ (۱۵) ہیں

شروع میں تربیع یعنی اللہ اکبر چار دفعہ ہے اور درمیان میں عدم ترجیع ہے کہ شہادتین صرف دو دو دفعہ ہیں چار چار دفعہ نہیں ہیں وعند الشافعی انیس ۱۹ کلمات ہیں یعنی تربیع مع الترجیع ہے ترجیع کی صورت یہ ہے کہ شہادتین پہلے دو دو دفعہ آہستہ آواز کے ساتھ پھر دو دو دفعہ پوری قوت کے ساتھ کہے وعند مالک سترہ کلمات ہیں ترجیع بلا تربیع یعنی شروع میں اللہ اکبر دو دفعہ ہے۔ لنا:۔ ۱۔ فی ابی داؤد عن عبداللہ بن زید مرفوعاً تقول اللہ اکبر اللہ اکبر الحدیث اس میں جو خواب کی اذان حضرت عبداللہ بن زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی اس میں پندرہ کلمات ہیں۔ ۲۔ فی ابی داؤد النسائی عن ابن عمر قال انما کان الاذان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مرتین مرتین. ۳۔ صحیحین کی روایت جو یہاں مذکور ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان' و للشافعی روایته ابی داؤد عن ابی محذورة مرفوعاً ثم ترفع صوتک بالشهادة۔ جواب:۔ ابن ماجہ میں اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے کہ سفر میں مکہ مکرمہ کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن نے اذان دی تو مشرکین کے لڑکوں نے نقل اتاری ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔ حضرت ابو محذورہ سے اذان دلوائی انہوں نے شہادتین کو آہستہ آہستہ کہا کیونکہ شہادتین ان کے شرک کے عقیدہ کے خلاف تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھرا اور قم کی تھیلی دی۔ دعاء کی وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کو حکم دیا کہ شہادتین پورے زور سے کہو تو انہوں نے شہادتین زور زور سے کہیں۔ اذان کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ مجھے مکہ مکرمہ کا موذن بنا دیا جائے آپ نے اجازت دے دی وہ مکہ مکرمہ میں ترجیع کے ساتھ اذان دیتے رہے دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اذان کو سنا ہو یہ ثابت نہیں ہے۔ لمالک ابی داؤد کی ایک روایت میں حضرت ابو محذورہ سے ہی ہے اس میں ترجیع ہے اور شروع میں اللہ اکبر دو دفعہ مذکور ہے جواب ہماری روایت ذکر تربیع میں مثبت زیادہ ہے اور اصول یہی ہے کہ جب نافی زیادۃ اور مثبت زیادہ میں تعارض ہو تو مثبت زیادۃ کو ترجیح ہوتی ہے۔

اقامت کے کلمات میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ مسنون سترہ کلمات ہیں عند الشافعی واحمد گیارہ کہ قد قامت الصلوٰۃ دو دفعہ باقی کلمات شہادتین اور حی علی الصلوٰة اور حی علی الفلاح اور اخیر میں کلمہ طیبہ ایک ایک دفعہ اور اللہ اکبر شروع میں بھی اور اخیر میں بھی دو دو دفعہ ہے۔ وعند مالک دس کلمات ہیں کہ قد قامت الصلوٰۃ ایک دفعہ باقی امام شافعی کی طرح۔ لنا:۔ ۱۔ فی الترمذی عن عبداللہ بن زید کان اذان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم شفعاً شفعاً فی الاذان و الاقامة. ۲۔ فی ابی داؤد و الترمذی عن ابی محذورة ان رسول صلی اللہ علیه وسلم علمه الاذان تسع عشرة کلمة والاقامة سبع عشرة کلمة. ۳۔ فی الطحاوی عن الاسود عن. بلال انه کان یثنی الاذان و یثنی الاقامة. وللشافعی و احمد. ۱۔ صحیحین کی روایت جو بخاری شریف کے اسی باب میں ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة زاد حماد فی حدیثه الا الاقامة. ۲۔ فی ابی داؤد عن ابن عمر قال انما کان الاذان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مرتین مرتین والاقامةمرة مرة غیر ان یقول قد قامت الصلوٰة قدقامت الصلوٰة. دونوں دلیلوں کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو کلموں کو ایک سانس میں کہنا مراد ہے اس لئے صرف یہ ثابت ہوا کہ اقامت جلدی کہی جاتی ہے کلمات سب اذان والے ہوتے ہیں اور دو دو بار ہوتے ہیں۔ سوال:۔ پھر الا الاقامۃ کے معنی کیا ہوئے دو دفعہ تو یہ بھی ہے اس کو الا کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا ہے جواب ایک تو یہ ہے کہ یہ لفظ مدرج ہے کسی راوی نے بعد میں بڑھا دیا ہے اصل حدیث میں نہیں ہے۔ اسی لئے بعض روایتوں میں ہے بعض میں نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ معنی یہ ہیں اقامت

کے کلمات اذان کی طرح ہیں سوائے اقامت کے۔ ولمالک یہی حضرت انس والی روایت اور الا الاقامۃ یا تو مدرج ہے یا ہمارے قول کی طرح ماول ہے۔ جواب وہی جو ابھی گزرا۔

یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ

سوال۔ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے گھر پر اذان سنی اور اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اس روایت میں ہے کہ ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا یہ تو تعارض ہے جواب یہاں الصلوٰۃ جامعۃ پکارنے کا حکم ہے اور جس اذان کو سن کر حصرت عمر گھر سے آئے تھے وہ اللہ اکبر والی اذان ہے۔ پہلے الصلوٰۃ جامعۃ پکارنے کا مشورہ ہوا تھا بعد میں اللہ اکبر والی اذان خواب میں سنائی گئی تھی۔ پھر اس زیر بحث روایت کا باب سے ربط یہ ہے کہ الصلوٰۃ جامعۃ کا مشورہ بھی ان ہی مشوروں میں شامل ہے جو اذان کی ابتدا کے موقعہ میں ہوئے تھے۔

باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ

اس باب کا مقصد ترجیع کے مسنون ہونے کا رد کرنا ہے۔

باب الاقامة واحدة الاقوله قدقامت الصلوٰۃ

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ اقامت میں اولیٰ ایتار ہے

باب فضل التاذين

سوال۔فضل الاذان کیوں نہ فرمادیا۔ جواب اس حدیث میں چونکہ تاذین کا لفظ تھا اس لفظ کی رعایت کرتے ہوئے تاذین فرمایا۔

ولہ ضراط: ۱-شیطان بدحواس ہو جاتا ہے اور اس کی ہوا خارج ہو جاتی ہے۔۲-شیطان بطور استہزاء کے ہوا خارج کرتا ہے۔۳-صرف بدحواس ہونے سے کنایہ ہے ہوا نکلنی ضروری نہیں پھر اس بدحواسی کی وجہ کیا ہے۔۱-اذان میں شعائر اسلام ہیں ان کو سننا برداشت نہیں کرسکتا۔۲-اذان میں ایسی ہیبت ہے کہ اس حواس ٹھیک نہیں رہتے پھر اس شیطان کا مصداق ۱-ابلیس ہے ۲-ہر سرکش جن ہے پھر باب کا مقصد اذان کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب رفع الصوت بالنداء

اس باب کا مقصد آواز بلند کرنے کی فضیلت بیان کرنا ہے۔

اذن اذانا سمحا: بغیر نغمہ کے اذان دو تا کہ اذان بلند آواز والی ہو۔

باب مایحقن بالاذان من الدماء

گزشتہ دو بابوں میں اذان کے دو فائدے مذکور تھے۔ ۱-نماز کے لئے اجتماع۔۲-موذن کے حق میں قیامت کے دن شجر وحجر گواہی دیں گے اب تیسرا فائدہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کو جس بستی میں اذان ہو اس پر مسلمان حملہ نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے چوتھا فائدہ اگلے باب میں بیان فرمائیں گے کہ اذان سننے سے اور اس کا جواب دینے سے ثواب ملتا ہے۔

باب مایقول اذاسمع المنادی

اس باب کی غرض اذان کا جواب ذکر کرنا ہے پھر اذان کے جواب میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ اذان والے کلمات ہی کا اعادہ کیا جائے لیکن **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا جائے جمہور ائمہ کی ایک روایت تو ہمارے امام صاحب کی طرح ہی ہے اور دوسری روایت یہ بھی ہے کہ سب کے سب کلمات کے جواب میں وہی کلمات دہرائے جائیں جو موذن نے کہے ہیں۔ **لنا فی ابی داؤد عن عمر بن الخطاب مرفوعاً ثم قال حی علی الصلوٰۃ قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ. للجمھور فی ابی داؤد عن ابی سعید مرفوعاً اذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول الموذن** جواب یہ مثل کہنا اکثر کلمات کے لحاظ سے ہے کہ اکثر کلمات میں وہی کلمات دہرائے جاتے ہیں سب کلمات کے لحاظ سے نہیں فرمایا۔ یہ توجیہ ضروری ہے تا کہ روایات میں تعارض نہ رہے پھر ابن العربی اور بعض مشائخ اس کے قائل ہو گئے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں یہ کلمات بھی کہے اور ساتھ ساتھ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** بھی

کہے۔ اس قول پر اور جمہور کے قول پر اشکال ہے کہ یہ تو بظاہر موذن کے ساتھ استہزاء ہے کہ جب موذن کہے **حی علی الصلوٰۃ** جلدی کرونماز پر تو نعوذ باللہ باہر کھڑا آدمی بھی کہے کہ تم بھی جلدی سے باہر آ ؤ اور باہر آ کر نماز پڑھو جواب۔ا- یہ خطاب موذن کو نہیں بلکہ سننے والا اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے نفس جلدی کرونماز پر اور مسجد میں جا کر نماز پڑھو-۲- خطاب کسی کو بھی نہیں صرف کلمات کا دہرانا ثواب لینے کے لئے ہے۔

باب الدعاء عندالنداء

باب کا مقصد اس دعا کا بیان ہے جو اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

هذه الدعوة التامة

ا- تامہ اس لئے ہے کہ اس میں شریعت کے اصول صراحۃً یا اشارۃً آ گئے جیسا کہ پیچھے گزرا۔۲- اب اس اذان کو کوئی شریعت منسوخ نہ کر سکے گی۔

والصلوٰة القائمة

اس نماز کے پروردگار جو ابھی قائم ہونے والی ہے۔۲- اس نماز کے پروردگار جو قیامت تک قائم ہوتی رہے گی۔ **الوسيلة**:۔ جنت کا ایک خاص مرتبہ جو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ **والفضيلة**: باقی مخلوق پر زائد مرتبہ پھر یہ لفظ۔ا- عطف تفسیری ہے اور زائد مرتبہ وہی وسیلہ والا مراد ہے۔۲- تعیم بعد تخصیص ہے کہ کئی مرتبے ایسے ملیں گے جو باقی مخلوق پر زائد ہوں گے ان مراتب میں سے ایک کا نام وسیلہ ہے باقی اس کے علاوہ ہیں۔ **مقاماً محمودا**: مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد شفاعۃ کبریٰ ہے کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن حساب کتاب شروع ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش کریں گے اور کوئی شخص یہ سفارش نہ کر سکے گا اور اس کو مقام محمود اس لئے کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر سب اولین وآخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کریں گے کیونکہ سب کو اس سفارش کی وجہ سے انتظار کی تکلیف سے نجات ملے گی۔ **الذی وعدته**: وعدہ اس آیت میں ہے **عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً**۔ سوال: جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ یہ درجہ شفاعۃ کبریٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا تو پھر ہمارا دعا کرنا تو بے کار ہوا۔ جواب: اس دعا کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت اور فضیلت دنیا میں ظاہر ہوتی ہے۔

حلت له شفاعتی: یہ حسن خاتمہ کی بشارت ہے کہ جو یہ دعا پڑھتا رہے گا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور میری شفاعت ملے گی کیونکہ ایمان کے بغیر شفاعت صغریٰ کسی کو نصیب نہ ہوگی اور یہاں شفاعت صغریٰ ہی مراد ہے۔ شفاعت کبریٰ تو سب کے لئے ہے کہ سب کا حساب کتاب شروع ہو جائے۔ شفاعت کے لغوی معنی ملانے کے ہوتے ہیں یہاں بھی ایمان کے انعام کے ساتھ نجات کا انعام ملا دیا جاتا ہے پھر اس دعا میں ہاتھ اٹھانے کو مباح کا درجہ کہا جائے گا۔ سنت اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اس موقعہ میں خاص طور پر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے اور بدعت بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ نفس دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ یہ موقعہ بھی نفس دعا میں شامل ہے۔

باب الاستهام فی الاذان

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ اذان دینا اتنا بڑا فضیلت کا کام ہے کہ سب کو اس کا شوق ہونا چاہئے اور اس شوق کی وجہ سے قرعہ اندازی کی نوبت آنی چاہئے کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہو کہ کون اذان دے۔

والصف الاول: صف اول کا مصداق کیا ہے۔ا- پہلی قطار۔۲- جہاں امام اور مقتدی کے درمیان مقتدیوں کے سوئی کوئی چیز دیوار، منبر وغیرہ حائل نہ ہو اگرچہ دوسری قطار میں ہوں یا آٹھویں دسویں قطار میں ہوں۔۳- پہلی قطار میں جتنے آدمی آتے ہیں اتنے آدمی جو مسجد میں پہلے آئے ہوں اگرچہ کسی بھی قطار میں کھڑے ہو گئے ہوں۔ مثلاً پہلی قطار میں پچاس آدمی آتے ہیں تو مسجد میں جو پچاس آدمی پہلے داخل ہوں وہ صف اول ہیں اگرچہ کسی قطار میں کھڑے ہو جائیں۔ ان تینوں قولوں میں سے پہلے قول کو

راجح شمار کیا جاتا ہے۔ **التهجير**: اس کے معنی ہیں اول وقت میں نماز کے لئے تیاری کرنا یہ معنی نہیں کہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھ لینا ہی اولیٰ ہے کیونکہ اسفار کی فضیلت اور ابراد کی فضیلت احادیث میں صراحۃً مذکور ہے اور ان دونوں میں نماز دیر سے پڑھی جاتی ہے۔

باب الکلام فی الاذان

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اذان کے درمیان کلام کرنی جائز ہے۔ اور استدلال یوں فرمایا کہ اس باب کی روایت میں اذان کے درمیان **الصلوٰة فی الرحال** کا اعلان حضرت ابن عباس نے کرایا حالانکہ یہ غیر اذان ہے معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے گفتگو بھی ہو سکتی ہے وہ بھی اسی اعلان کی طرح غیر اذان ہے پھر اس قسم کا اعلان کرنے میں اختلاف ہوا۔ عند احمد اثناء اذان میں **صلوا فی رحالکم** جیسی زیادتی میں کچھ حرج نہیں وعند الجمہور درمیان میں ایسی زیادتی خلاف اولیٰ ہے البتہ اخیر میں ایسے اعلان کا کچھ حرج نہیں ہے۔ لنا: کلمات اذان متعین ہیں اس لئے درمیان میں زیادتی اس شرعی تعیین کو بدلنا ہے اس لئے کم از کم خلاف اولیٰ ضرور ہے اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو عن ابن عمر مرفوعاً وارد ہے **یامر المنادی فینادی بالصلوٰة ثم ینادی ان صلوافی رحالکم** اسی طرح ابوداؤد میں ہے **عن ابن عمر موقوفاً فقال فی آخر ندائه الا صلوا فی رحالکم'** لاحمد حدیث الباب **عن عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فی یوم ردغ فلما بلغ الموذن حی علی الصلوٰة فامره ان ینادی الصلوٰة فی الرحال فنظر القوم بعضهم الی بعض فقال فعل هذا من هوخیر منه و انها عزمة** جواب مرفوعاً مطلق زیادتی نقل کرنی مقصود ہے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے درمیان کی زیادتی کو قیاس فرما لیا اس لئے درمیان اذان کی زیادتی مرفوعاً ثابت نہ ہوئی۔ **ردغ**: اور بعض روایات میں رزغ ہے۔ دونوں کے معنی کیچڑ کے ہیں۔

باب اذان الاعمی اذاکان له من یخبره

غرض یہ ہے کہ بتانے والا ہو تو مکروہ نہیں اور اگر بتانے والا نہ ہو تو مکروہ ہے۔

باب الاذان بعدالفجر

امام بخاری کی غرض میں تین قول ہیں۔ ۱- معتبر وہ اذان ہے جو وقت شروع ہونے کے بعد ہو۔ ۲- وقت شروع ہونے کے فوراً بعد بھی اذان دے دینا صحیح ہے۔ ۳- اس باب اور بعد والے باب سے یہ غرض ہے کہ فجر کے طلوع ہونے سے پہلے ایک غرض کے لئے اذان دینی صحیح ہے اور طلوع فجر کے بعد دوسری غرض کے لئے اذان دینی صحیح ہے۔ سوال: جب یہ دو باب باندھنے مقصود تھے باب الاذان بعد الفجر اور باب الاذان قبل الفجر تو قرین قیاس یہ تھا کہ قبل الفجر کا ذکر پہلے ہوتا اور بعد الفجر کا ذکر پیچھے ہوتا۔ جواب۔ ۱۔ اصل اذان بعد الوقت ہی ہے اس لئے اسکو پہلے ذکر فرمایا۔ ۲۔ اذان بعد الفجر میں کوئی اختلاف نہ تھا اس لئے اس کو پہلے بیان فرمایا اور اذان قبل طلوع الفجر میں اختلاف تھا اس لئے اس کو بعد میں بیان فرمایا۔

اعتکف الموذن: ۱- جب موذن فجر کی اذان کے لئے وقت کا انتظار کرتے ہوئے بیٹھ جاتا کہ وقت ہو جائے تو اذان دے دوں اور پھر صبح ظاہر ہو جاتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ ۲- دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہاں لفظ سکت تھا کہ جب مؤذن فجر کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھا کرتے تھے ان دو توجیہوں میں سے پہلی راجح ہے۔

باب الاذان قبل الفجر

غرض یہ ہے کہ طلوع فجر سے پہلے اذان کا حکم کیا ہے صحیح ہے یا نہ ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ اس باب کی حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے مسئلہ اختلافی ہے عند امامنا ابی حنیفۃ ومحمد و مالک فجر کی اذان بھی قبل از وقت فجر کی نماز کے لئے کافی نہیں ہے وعند ابی یوسف والشافعی واحمد کافی ہے لنا۔

۱- **فی ابی داؤد عن ابن عمران بلالا اذن قبل طلوع الفجر فامره النبی صلی الله علیه وسلم ان یرجع فینادی الاان العبد قدنام** ۲- **فی ابی داؤد عن**

نافع عن موذن لعمر یقال له مسروح اذان قبل الصبح فامره عمر فذکر نحوه. ۳-فی ابی اذوٗد عن بلال مرفوعاً لاتوذن حتی یستبین لک الفجر ھکذاو مدیدیہ. ۴- فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً والموذن موتمن اور وقت سے پہلے اذان دینا یہ امانت میں خیانت ہے۔ ۵- جیسے باقی نمازوں میں وقت سے پہلے اذان کافی نہیں ہے اسی طرح فجر میں بھی کافی نہیں ہے لہم۔ ۱- فجر کے وقت میں اشتباہ ہے اگر یقین کا انتظار کریں تو دیر ہو جائے گی۔ جواب' تجربہ کار کے لئے کوئی اشتباہ نہیں۔ ۲-فی الترمذی و البخاری عن ابن عمر مرفوعاً ان بلالاً یوذن بلیل اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمایا ہوا تھا کہ وہ طلوع فجر سے پہلے اذان دیں اس لئے یہ اذان کافی ہونی چاہئے جواب:۔ اسی حدیث میں آگے یہ بھی تو ہے فکلوا واشر بو احتی تسمعوا اذاذین ابن ام مکتوم۔ یہ ترمذی کے الفاظ ہیں اس کے قریب قریب ہی بخاری شریف میں ہیں مقصد یہ ہے کہ رمضان شریف میں دو موذن مقرر فرمائے ہوئے تھے حضرت بلال طلوع فجر سے کچھ پہلے اذان دیتے تھے تاکہ جو سو رہے ہوں وہ اٹھ کر سحری کھالیں اور تہجد پڑھ لیں پھر طلوع فجر ہو جانے پر عبداللہ بن ام مکتوم اذان دیتے تھے۔ یہی فجر کی اذان تھی۔ پس اذان وقت سے پہلے ثابت نہ ہوئی۔ آج کل جو عوام میں مشہور ہے کہ اذان ہوتے ہوتے کھا پی لیں تو روزہ صحیح ہو جاتا ہے یہ اسی صورت میں صحیح ہے کہ کوئی موذن ایسا مقرر ہو جو فجر سے پہلے اذان دیتا ہو اور لوگ اس کی آواز پہچانتے ہوں اور اگر اذان طلوع فجر ہونے پر ہوئی ہے تو اذان کے دوران ایک قطرہ پانی پینے سے بھی روزہ باطل ہو جائے گا۔ **باب کم بین الاذان والاقامۃ:** امام بخاری کی غرض ۱- اذان و اقامت کے درمیان اتنی مقدار ہونی چاہئے کہ کم از کم دو رکعت نماز پڑھی جا سکے۔ ۲- امام بخاری کی غرض ایک حدیث کا ضعف بیان کرنا ہے کہ ایک حدیث میں جو اذان اور اقامت کے درمیان خاص مقدار مذکور ہے وہ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے اور صحیح یہی کہ دو رکعت کی مقدار ہونی چاہئے وہ حدیث ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہے عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال اجعل اذانک و اقامتک قدر مایفرغ الا کل من اکلہ والشارب من شربہ والمعتصر اذادخل لقضاء حاجۃ۔

ومن ینتظر اقامۃ الصلوٰۃ

بعض نسخوں میں یہ زیادتی نہیں ہے اور جن نسخوں میں ہے تو مقصد یہ ہے کہ انتظار اقامت صلوٰۃ کی بہت فضیلت ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے و باب یذکر فیہ من ینتظر اقامۃ الصلوٰۃ

ولم یکن بین الاذان والاقامۃ شتی

ای شی کثیر یعنی تنوین تفخیم کے لئے ہے اذان و اقامت کے درمیان زیادہ وقفہ نہ تھا۔ اس معنی کی تائید اگلی روایت سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں یوں ہے لم یکن بینھما الاقلیل

باب من انتظر الاقامۃ

امام بخاری کی غرض میں اقوال: ۱- اقامت کا انتظار کرنے والے کی فضیلت۔ ۲- اگر گھر پر اقامت سن سکتی ہے تو گھر پر انتظار کر لینا کافی ہے۔ ۳- امام کے لئے اور مسجد کے قریب گھر والے کے لئے گھر پر اقامت کا انتظار کرنا کافی ہے۔

باب بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء

باب کا مقصد یہی مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔ اس میں مغرب کی اذان بھی آ گئی۔ باقی نمازوں میں تو بالاتفاق نماز ہے مغرب کی نماز میں اختلاف ہے عند احمد مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعت مستحب ہیں جمہور ائمہ کے نزدیک مغرب میں مستحب نہیں ہیں۔ ہماری جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی نماز میں تعجیل اولیٰ ہے۔ اس کا تقاضیٰ یہی ہے کہ دو رکعت اس موقعہ میں مستحب

نہ ،ہوں ولاحمد حدیث الباب عن عبدالله بن مغفل مرفوعاً بین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ ثم قال فی الثالثة لمن شاء جواب۔ تعجیل مغرب کا اہتمام اس سے زیادہ اہم ہے اس کی دلیل خلفاء اربعہ کا عمل ہے کہ وہ مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں نہ پڑھتے تھے۔

باب من قال لیوذن فی السفر موذن واحد

اس باب کی غرض میں مختلف اقوال ہیں۔ ۱- سب مسافروں کے لئے ایک اذان ہی کافی ہے۔ ۲- حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ سفر میں فجر کی نماز کے لئے دو اذانیں دیا کرتے تھے امام بخاری اس عمل کی نفی کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایک اذان ہی کافی ہے۔ ۳- سفر کی قید اتفاقی ہے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حرمین شریفین میں جو کئی موذن اکٹھی اذان دیتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے۔ ۴- اس شخص کا رد کرنا چاہتے ہیں جو اس کا قائل ہوا کہ سفر میں دو آدمیوں کو اذان دینی چاہئے امام نسائی نے باب باندھا ہے۔ ان یوذن رجلان اور اس میں فاذنا والی روایت نقل کی ہے۔ ۵- امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ حضر میں تو متعدد موذنین کا اذان دینا مستحسن ہے کیونکہ لوگ منتشر ہوتے ہیں سفر میں سب قافلہ والے اکٹھے ہوتے ہیں اس لئے وہاں ایک اذان ہی کافی ہے۔ ۶- اذان الجوق کا رد کرنا مقصود ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں ایک ہی وقت کئی موذن اذان دیں۔ امام بخاری کے نزدیک یہ بدعت ہے بنی امیہ نے یہ بدعت شروع کی تھی لیکن حضرت انور شاہ صاحب کشمیری نے اذان جوق کو بدعت کہنے میں تردد فرمایا ہے کیونکہ موطا مالک میں اور بخاری شریف کی کتاب الحدود میں ہے فاذا خرج عمرو جلس علی المنبر واذن الموذنون جلسنا نتحدث فاذا سکت الموذنون وقام عمر یخطب انصتنا فلم یتکلم منا احد۔ ۷- امام بخاری کی غرض اذان جوق کا رد بھی ہے اور فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے دینے کا رد بھی ہے کیونکہ اس باب کی روایت میں فمااذا حضرت الصلوٰۃ فلیوذن لکم احد کم وارد ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اذان ہونی چاہئے۔

باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعةً والاقامة

غرض یہ ہے کہ سفر میں اذان اور اقامت دونوں مسنون ہیں اور یہی حکم عرفات ومزدلفہ میں ہے اور سردی اور بارش کی وجہ اپنے اپنے خیموں میں یا گھروں میں پڑھنے کا اعلان بھی جائز ہے۔ گویا یہ تین مسئلے بتلانے مقصود ہیں پھر اذا کانوا جماعۃً کی قید لگا کر منفرد کو نکال دیا کہ اس کے لئے اذان واقامت چھوڑنے کی گنجائش ہے اور سفر میں جماعت کے لئے دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

باب هل یتبع الموذن فاه ههنا وههنا وهل یلتفت فی الاذان

غرض یہ ہے کہ نماز میں تو استقبال قبلہ شرط ہے اذان میں شرط نہیں ہے۔ وہل یلتفت ماقبل ہی کی تفسیر ہے۔

وکان ابن عمر لایجعل الصبعیه فی اذنیه

ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری ابن عمر کے عمل کو ترجیح دینا چاہتے ہیں کہ انگلیاں کان میں نہ کرنا اولیٰ ہے اسی لئے امام بخاری نے اس سے پہلے جو حضرت بلالؓ کا عمل کانوں میں انگلیاں کرنے کا ذکر فرمایا ہے وہ صیغہ مجہول سے ذکر فرمایا ہے جو کمزور ہونے کی علامت ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک کانوں میں انگلیاں کرنا ہی اولیٰ ہے کیونکہ حضرت بلالؓ نبی کریمؐ کے سفر وحضر کے مؤذن ہیں۔

فجعلت اتتبع فاه ههنا وههنا بالاذان

۱- حضرت ابوحنیفہ فرما رہے ہیں کہ میں حضرت بلال کے چہرے کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دائیں اور بائیں طرف حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں پھیر رہے ہیں۔ ۲- حضرت ابوحنیفہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں جب اذان دیتا تھا تو حضرت بلالؓ کا اتباع

کرتے ہوئے بھی اپنے چہرے کو دائیں بائیں طرف پھیرتا تھا۔

باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ ایسا کہنا مکروہ نہیں ہے

وکرہ ابن سیرین ان یقول فاتتنا الصلوٰۃ ولکن یقل لم ندرک

ابن سیرین یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ قصور کی نسبت اپنی طرف کرنا بہتر ہے نماز کی طرف فوت کی نسبت کرنا خلاف اولیٰ ہے لیکن امام بخاری اس کا رد فرما رہے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فوت کی نسبت نماز کی طرف فرمادی ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں آ رہا ہے ومافاتکم فاتموا تو اسی کو ترجیح ہے اور ابن سیرین کے قول کو ترجیح نہیں ہے۔

باب ما ادرکتم فصلوا ومافاتکم فاتموا

غرض اس حدیث کا بیان ہے۔

باب متی یقوم الناس اذارأوا الامام عند الاقامۃ

غرض یہ ہے کہ شروع اقامت میں یا قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اصل مقصد صفوں کا درست کرنا ہے پھر لفظوں میں اذارأوا جواب ہے متیٰ یقوم کا

باب لایسعی الی الصلوٰۃ مستعجلا ولیقم بالسکین والوقار

غرض بھاگنے کی کراہت کا بیان ہے پھر باب کے الفاظ میں وقار کا لفظ سکینہ کے لفظ کی تاکید کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔ پھر سکینہ کا مصداق یہ چیزیں ہیں مثلاً ۱۔ آنکھیں نیچی کر کے چلے۔ ۲۔ دائیں بائیں نہ دیکھنے ۳۔ نماز کے لئے بھاگ کر نہ جائے۔ ۴۔ بات کرے تو پست آواز سے کرے۔

باب ھل یخرج من المسجد لعلۃ

اس باب سے غرض اس حدیث کی تفسیر کرنی ہے جو مسلم اور ابوداؤد میں آئی ہے کہ ایک آدمی اذان کے بعد مسجد سے باہر چلا گیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اما ھذا فقد عصیٰ ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہؓ کے اس فرمانے کی عقلی وجہ یہ تھی کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔ یہ جانے والا شیطان جیسا ہو گیا۔ اس کی تفسیر امام بخاری فرما رہے ہیں کہ ضرورت کی وجہ سے باہر جانے کی گنجائش ہے پھر اس واقعہ کی روایات میں تعارض ہے۔ بعض روایات میں اللہ اکبر ادا فرمانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا مذکور ہے اور بعض میں اس سے پہلے اس کی متعدد توجیہات کی گئی ہیں۔ ۱۔ بخاری شریف کی روایت میں پہلے جانا مذکور ہے اس لئے قوت سند کی وجہ سے اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ ۲۔ جس میں بعد میں تشریف لے جانا مذکور ہے اس لئے قوت سند کی وجہ سے اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ ۲۔ جس میں بعد میں تشریف لے جانا مذکور ہے وہاں معنی یہ ہیں ارادان یکبر اس لئے راجح یہی ہوا کہ پہلے تشریف لے گئے۔ ۳۔ تکبیر ادا فرمانے کے بعد تشریف لے گئے تھے اور جن روایتوں میں تکبیر سے پہلے تشریف لے جانے کا ذکر ہے ان کو بیان کرنے والے صحابی راوی صفوں میں پیچھے تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تکبیر کی نہ سنی تھی اس لئے یہ خیال فرمالیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر ادا فرمانے سے پہلے تشریف لے گئے۔

باب اذاقال الامام مکانکم حتی نرجع انتظروہ

غرض یہ ہے کہ نیا امام مقرر کرنے سے بہتر ہے کہ اصل امام ہی کا انتظار کیا جائے۔

باب قول الرجل ماصلینا

غرض رد کرنا ہے ان علماء پر جو ماصلینا کہنے کو مکروہ کہتے ہیں کراہت کی ایک دلیل وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کا چھوڑنا گناہ ہے اور گناہ اگر صغیرہ بھی ہو تو اظہار سے کبیرہ بن جاتا ہے جواب یہ کہ بلا ضرورت اظہار برا ہے ضرورت کی وجہ سے اظہار گناہ نہیں ہے۔ دوسری دلیل کراہت والوں کی یہ ہے کہ یہ وہی کہتا ہے جو کوشش کرتا رہا ہو پڑھنے کی پھر کسی عذر سے نماز رہ گئی ہو تو انتظار صلوٰۃ کرنے والا تو نماز پڑھنے والا ہی شمار ہوتا ہے اس لئے ماصلینا کہنا تو جھوٹ بن گیا جواب یہ ہے کہ حقیقۃً نہیں پڑھی اور حکماً پڑھی ہے اس لئے دونوں

میں سے کوئی بات بھی جھوٹ میں داخل نہیں ہے۔

باب الامام تعرض له لحاجة بعدالاقامة

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے اقامت کہنے کے بعد بھی نماز میں دیر ہوجانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

باب الکلام اذااقیمت الصلوٰة

غرض ان کا رد ہے جو اقامت کے بعد ہر قسم کی کلام کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ضرورت کی وجہ سے ہو یا بلاضرورت ہو پھر اس باب کا فرق گذشتہ باب سے دوطرح ہے۔ ۱- یہاں کلام ہے پیچھے مطلق حاجت تھی کلام ہو یا کچھ اور ہو۔ ۲- پیچھے حاجت امام کی تھی یہاں عام ہے امام کی حاجت کی وجہ سے گفتگو ہو یا مقتدی کی حاجت کی وجہ سے گفتگو ہو۔

باب وجوب صلوٰة الجماعة

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے پھر جماعت کے درجہ میں فقہا کا اختلاف ہے عند عامۃ الحنفیۃ واجب ہے وعنداحمد و فی روایۃ عن الشافعی فرض عین ہے والراجح عندالشافعی وروایۃ عن مالک جماعت فرض کفایہ ہے وفی روایۃ عن مالک وعند بعض الحنفیۃ جماعت سنت موکدہ ہے لنافی الوجوب:۔ ۱- فی ابی داؤد عن ابی الدردا' مرفوعاً فعلیک بالجماعة. ۲- فی ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً فاحرق علیهم بیوتهم بالنار. ۳- فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر قالو اومالعذر قال خوف اومرض لم تقبل منه الصلوٰة التی صلی لنافی السنیة مافی ابی داؤد عن ابن مسعود موقوفاً و لو صلیتم فی بیوتکم وترکتم مساجد کم ترکتم سنة بنیکم جواب اس سے ثابت بالسنۃ مراد ہے اس سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی ولاحمد یہی ابن عباس والی روایت جواب خبر واحد ظنی ہے اس سے فرض قطعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ ولمالک فی فرض الکفایة یہ تاکید والی مذکورہ روایتیں جبکہ ان کے ساتھ ابوداؤد کی یہ روایت ملالی جائے عن ابی بن کعب مرفوعاً و ان صلوٰة الرجل مع الرجل از کی من صلوته وحده۔ اس میں ازکیٰ کا لفظ ہے جو اولویت پر دلالت کرتا ہے۔ معلوم ہوا ہر واحد کے لحاظ سے جماعت مستحب اور مجموعی طور پر فرض ہے۔ یہی فرض کفایہ ہوتا ہے جواب خبر واحد سے فرض قطعی تو ثابت ہو ہی نہیں سکتا اور باقی رہا ازکیٰ کا لفظ تو اس کے معنی بہتر کے ہوتے ہیں یہ وجوب کی نفی نہیں کرتا۔ کیونکہ واجب غیر واجب سے بہتر ہوتا ہے۔ عرقا:۔ ہڈی گوشت کے ساتھ مرماتین:۔ پائے

باب فضل صلوٰة الجماعة

غرض جماعت کی فضیلت کا بیان ہے۔ جماعت کی فضیلت کی بہت سی وجوہ ہیں۔ ۱ موذن جب اذان دیتا ہے تو سننے والا اس کا جواب دیتا ہے اس سے ثواب ملتا ہے۔ ۲- نماز کے لئے جلدی پہنچنا موجب ثواب ہے۔ ۳- سکینہ اور وقار کے ساتھ مسجد کی طرف چلنا ثواب کا ذریعہ ہے۔ ۴- مسجد میں داخل ہوتے وقت دخول مسجد کی دعا پڑھتا ہے اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک اس دعا پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ ۵- تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھتا ہے جو موجب ثواب ہے۔ ۶- انتظار صلوٰة کا ثواب ملتا ہے۔ ۷- مسجد میں فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ ۸- فرشتے اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ ۹- جب اقامت کہی جاتی ہے تو یہ نمازی اس اقامت کا جواب دیتا ہے اس کا ثواب اس کو ملتا ہے۔ ۱۰- جب اقامت کہی جاتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے اتنی دیر یہ نمازی شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ ۱۱- جب اقامت کہی جاتی ہے تو نمازی امام کی تکبیر تحریمہ کا انتظار کرتا ہے کہ امام تکبیر تحریمہ کہے تو میں بھی کہوں۔ اس انتظار کا بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔ ۱۲- تکبیر اولیٰ پانے کا اس کو ثواب ملتا ہے پھر تکبیر اولیٰ کا مصداق کیا ہے اس میں چار قول ہیں ایک یہ کہ امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہہ دے دوسرا یہ کہ امام کے ثناء پڑھتے پڑھتے جماعت کے ساتھ مل جائے تیسرا یہ کہ امام کے آمین کہنے سے پہلے پہلے امام

کے ساتھ مل جائے چوتھا یہ کہ پہلی رکعت مل جائے پہلا قول سب سے زیادہ احتیاط والا ہے۔۱۳- صفیں سیدھی کرنے کا اور خالی جگہ پر کرنے کا ثواب ملتا ہے۔۱۴- جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو اس کے جواب میں مقتدی ربنا لک الحمد کہتا ہے اس کا بھی بہت ثواب ہے جو جماعت میں شریک ہونے والے کو ملتا ہے۔ ۱۵- غالبًا باجماعت نماز میں سہو نہیں ہوتا اور اگر ہو تو مقتدی کو تسبیح کے ذریعہ لقمہ دینے کا یا قرأت کی غلطی بتانے کا ثواب ملتا ہے۔ ۱۶- غالبًا باجماعت نماز خشوع اور توجہ سے ادا ہوتی ہے اور غفلت میں ڈالنے والی چیزوں سے نمازی بچا رہتا ہے۔ ۱۷- نیک لوگوں کی برکت سے ان جیسی نماز پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ۱۸- حدیث کے مطابق فرشتے احاطہ کرتے ہیں اس کی برکات نمازی کو نصیب ہوتی ہیں۔ ۱۹- عام طور پر امام اچھا قاری ہوتا ہے نمازی کو سننے سے تجوید کی مشق کا موقعہ ملتا ہے۔ مصر میں آج کل ٹیپ کے ذریعہ سے مشق کراتے ہیں۔ وہی صورت جماعت میں بن جاتی ہے۔ ۲۰- جماعت شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے باجماعت نماز پڑھنے والے کو شعائر اسلام کے قائم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ۲۱- اجتماع علی العبادۃ و الجماعۃ سے شیطان ذلیل ہوتا ہے اس ذلیل کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ ۲۲ جماعت چھوڑنا منافق کی علامت ہے اس علامت سے یہ شخص بچ گیا اور اس بدظنی سے بھی بچ گیا کہ شاید یہ تارک صلوٰۃ ہے۔ ۲۳- امام کو سلام کرنا جواب دینے کی نیت کرنے سے اس کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔ ۲۴- اجتماعی دعاء اجتماعی ذکر اور برکت کاملین نصیب ہوتی ہے۔ ۲۵- پڑوسیوں سے محبت اور ان کی ملاقات کا ثواب مل جاتا ہے پھر جہری نماز میں دو سبب زائد مل جاتے ہیں۔ ۱- قرآن پاک کی طرف پوری توجہ کرنا اور خاموش رہنا۔ استماع و انصات ۲- امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنا تا کہ فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت ہو جائے۔ اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض روایات میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا ہے

اور بعض میں ۲۷ گنا ہے ان دو قسم کی روایات میں تطبیق یہ ہے کہ سری نمازوں میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا اور جہری نمازوں میں ۲۷ گنا ہے کیونکہ ۲۵ اسباب ثواب کے سب نمازوں میں ہیں اور جہری نمازوں میں دو سبب زائد ہیں۔ ۲۷ گنا ثواب کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اقل جماعت جس میں جماعت کی ہیئت کا پورا لحاظ ہے کہ امام آگے اور مقتدیوں کی صف پیچھے ہو وہ تین ہیں۔ ایک امام اور دو مقتدی کیونکہ اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے برابر کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی اصل ہیئت ظاہر نہیں ہوتی پس جب اقل جماعت تین نمازیوں سے ہوئی والحسنۃ بعشرۃ امثالھا تیس نمازوں کا ثواب مل گیا اور تین نمازوں کا تو بلا جماعت بھی ملنا تھا اس لئے تیس میں سے تین کو نکال دیا باقی ۲۷ بچے اس لئے جماعت میں ۲۷ نمازوں کا زائد ثواب ملتا ہے۔ پھر یہ جو تعارض کا شبہ ہوتا ہے کہ بعض روایات میں جماعت کا ثواب ۲۵ گنا اور بعض میں ۲۷ گنا ہے ان میں تطبیق میں متعدد اقوال ہیں۔ ۱- عدد قلیل کثیر کے منافی نہیں کہ ۲۷ میں ۲۵ بھی ہے اور ۲۵ میں ۲۷ کی نفی نہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں۔ ۲- ۲۵ گنا نفس جماعت کا ثواب ہے اور ۲۷ گنا میں ادنی عدد جماعت کو یعنی دو کو بھی ساتھ ملا لیا گیا ہے اس لئے اگر نمازی تین ہوں گے تو ۲۸ گنا ثواب ہو جائے گا اگر ۴ ہوں گے تو ۲۹ گنا اور اگر ۵ ہوں گے تو ۳۰ گنا ثواب ہو جائے گا۔ علی ھذا القیاس ۳ پہلے ۲۵ گنا ثواب دیا گیا تھا پھر مزید انعام نازل ہوا اور ثواب ۲۷ گنا کر دیا گیا۔ ۴ فجر اور عشاء کا ۲۷ گنا باقی ۲۵ گنا ۵- فجر اور عصر کا ۲۷ گنا باقی ۲۵ گنا۔ ۶- جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا جہری نمازوں کا ۲۷ گنا اور سری نمازوں کا ۲۵ گنا۔ ۷- جماعت قلیلہ کا ۲۵ گنا اور جماعت کثیرہ کا ۲۷ گنا۔ ۸ خشوع و اخلاص زیادہ ہو تو ۲۷ گنا ورنہ ۲۵ گنا۔ ۹- پوری جماعت پائے تو ۲۷ گنا ورنہ ۲۵ گنا۔ ۱۰- پہلے سے جماعت کے لئے جا بیٹھے تو ۲۷ گنا عین وقت پر پہنچے تو ۲۵ گنا۔ ۱۱- دنیا میں انوار ۲۵ گنا آخرت کا ثواب ۲۷ گنا۔ ۱۲- ۲۷ درجے ۲۵ اجزاء کے برابر ہیں کیونکہ درجہ ذرا چھوٹا ہوتا ہے اور

جز ذرا بڑا ہوتا ہے جیسے ۲۵ بڑی کتابیں ۲۷ چھوٹی کتابوں کے برابر ہوں۔ ۲۵ بڑے مکان ۲۷ چھوٹے مکانوں کے برابر ہوں۔ ۱۳ مسجد کے اندر جماعت ہوتو ۲۷ گنا باہر ہوتو ۲۵ گنا۔ ۱۴-قریب سے چل کر مسجد میں آئے تو ۲۵ گنا دور سے چل کر آئے تو ۲۷ گنا۔

وجاء انس الی مسجد قد صلی فیه فاذن و اقام و صلی جماعةً

جماعت ثانیہ میں اختلاف ہے عند احمد جائز ہے بلا کراہت کہ جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو وہاں دوبارہ جماعت کر لی جائے تو کچھ حرج نہیں۔ وعند الجمہو رمکروہ ہے۔ لنا۔ ا- فی الطبرانی عن ابی بکرۃ مرفوعاً کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ کہیں تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس تشریف لائے تو جماعت ہو چکی تھی فمال الی منزله فجمع اهله فصلی لبهم اگر جماعت ثانیہ مکروہ نہ ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل مبارک کو مسجد میں لے آتے اور وہاں جماعت کراتے اور مسجد کے ثواب سے محروم نہ رہتے۔ ۲- بدائع الصنائع میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جب جماعت فوت ہوتی تھی تو مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے۔ ۳- اگر جماعت ثانیہ مکروہ نہ ہو تو پہلی جماعت کا اہتمام ختم ہو جائے ہر ایک یہ سوچے کہ جب بھی جائیں گے جماعت کر لیں گے اور جماعت جو شعائر اسلام میں سے ہے اور شوکت اسلام کے ظہور کا سبب ہے اس کی یہ شان ختم ہو جائے۔ ولاحمد ا- فی ابی داؤد عن ابی سعید مرفوعاً ابصر رجلا یصلی وحده فقال الارجل یتصدق علی هذا فیصلی معه جواب اس میں پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز نفلی ہے اس لئے یہ محل نزاع سے خارج ہے اختلاف اس صورت میں ہے کہ امام اور مقتدی دونوں فرض نماز پڑھ رہے ہوں۔ ۲- یہی بخاری شریف کی تعلیقاً روایت جس میں حضرت انس کا عمل مذکور ہے کہ انہوں نے جماعت ثانیہ کی جواب ان کا یہ عمل جمہور صحابہ کے عمل کے خلاف تھا اس لئے جمہور صحابہ ہی کے عمل کو ترجیح ہے جو ہمارے دلائل میں مذکور ہے۔ البتہ چند صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں جماعت ثانیہ بالاتفاق جائز ہے۔ ا- مسافروں کے لئے کھلی سڑک پر جو مسجد ہو کہ مسافر اس میں آتے ہوں نماز پڑھ کر چلے جاتے ہوں ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ نہیں۔ ۲- جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر نہ ہو اس میں بھی گنجائش ہے۔ ۳- کسی دن اذان عام معمول سے آہستہ ہوئی بعض نماز پہلی جماعت میں شریک نہ ہو سکے ہوں وہاں بھی جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔ ۴- دو تین آدمیوں نے اہل محلہ سے پہلے ہی جماعت کر لی ہو۔ اصل جماعت کرنے والے بعد میں آئیں تو اب ان کی جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔

باب فضل صلوٰة الفجر فی جماعة

غرض یہ ہے کہ جماعت کی فضیلت میں قوت وضعف ہے فجر کی جماعت کی زیادہ فضیلت ہے اس باب کا ردماقبل سے یہ ہوا کہ گذشتہ باب میں فضل عام تھا اب فضل خاص ہے۔ سوال۔ امام بخاری نے باب میں جماعت کی قید لگا دی حالانکہ جو حدیث فرشتوں کے حاضر ہونے کی ذکر فرمائی ہے اس میں تو جماعت کی قید نہیں ہے جواب امام بخاری کے نزدیک شرعی نماز باجماعت ہی ہے اس لئے شہود ملائکہ باجماعت نماز ہی سے متعلق ہے۔

الا انهم یصلون جمیعا

حضرت ابوالدرداء فرما رہے ہیں کہ صرف باجماعت نماز ہی ایک مسنون طریقہ رہ گیا ہے اس حدیث کا باب سے ربط یہ ہے کہ باجماعت نماز میں فجر کی نماز بھی داخل ہے۔

والذی ینتظر الصلوٰة ثم یصلیها مع الامام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام

سوال اس حدیث کی مناسبت باب سے نہ ہوئی کیونکہ باب تو ہے فجر کی جماعت کے متعلق اور اس حدیث میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ جواب ا- عشاء کی فضیلت نیند کی وجہ سے ہے یہ فضیلت فجر میں زیادہ ہے کیونکہ نیند دیر سے کرنے سے بھی زیادہ مشکل نیند سے اٹھنا ہوتا ہے اس لئے فجر کی فضیلت ثابت ہوگئی۔

اندھیرے میں جانے کے لحاظ سے فجر عشاء کی طرح ہے اس لحاظ سے بھی عشاء کی طرح فجر کی فضیلت ثابت ہوگئی۔سوال۔باب کا مقصد تو جماعت کی فضیلت کا بیان تھا۔اس حدیث میں جماعت کا بالکل ذکر نہیں ہے۔جواب۔یہ حدیث جماعت کی فضیلت کے تتمہ کے بیان میں ہے کہ جماعت میں اس لئے بھی فضیلت ہے کہ جماعت کی خاطر نیند میں دیر کرنی ہوتی ہے اور دور سے چل کر آنا ہوتا ہے۔

باب فضل التهجير الى الظهر

امام بخاری کی غرض ظہر کی نماز کی طرف جلدی جانے کی فضیلت کا بیان ہے سوال: بظاہر اس حدیث کا امر ابراد والی احادیث سے تعارض ہو گیا۔جواب ۱۔اس باب کا اور اس کی حدیث کا تعلق سردی کے موسم سے ہے اس میں بالاتفاق تعجیل و تھجیر ہی اولیٰ ہے۔۲۔یہاں جمعہ کی نماز جلدی پڑھنے کی ترغیب ہے اور جمعہ کی نماز ہر موسم میں جلدی پڑھنی ہی اولیٰ ہے۔۳۔تھجیر کے معنی جلدی تیاری کرنا ہے یہ معنی نہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھ لی جائے۔**الشهداء خمس**:سوال موطا مالک کی روایت میں یوں ہے **الشهداء سبعة**۔جواب شہادت کا ثواب ملنے کا دارومدار تین اصولوں پر ہے پھر ان اصولوں کی جزئیات اور صورتیں جتنی بھی پائی جائیں ان کو شہادت کہا جائے گا ان جزئیات میں سے بعض دفعہ پانچ ذکر فرمادیں بعض دفعہ سات پس یہ سب مثالیں ہیں کم ذکر کی جائیں یا زیادہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے وہ تین اصول یہ ہیں۔۱۔جس مرض میں درد شدید ہو اس کی موت شہادت میں شمار ہوتی ہے۔جیسے ہیضہ ۲۔جس مرض میں لوگوں کو خوف بہت ہو جیسے طاعون۔۳۔جو آفت اچانک آ جائے جیسے غرق ہونا **باب احتساب الاثار**:غرض احتساب آثار کی فضیلت بیان کرنی ہے۔احتساب کے معنی خالص نیت کے ساتھ ثواب طلب کرنا اور آثار جمع اثر کی ہے اصل معنی تو زمین پر کسی کے چلنے کے نشان کو کہتے ہیں پھر مراد قدم ہیں جن کی وجہ سے نشان پڑھتے ہیں پھر باب میں اور حدیث میں الی الصلوٰۃ یا الی المسجد مذکور نہیں ہے تا کہ ہر نیکی کے کام کے لئے چلنے کو شامل ہو جائے۔

باب فضل صلوٰة العشاء فى الجماعة

امام بخاری کا مقصد عشاء کی جماعت کی فضیلت کا بیان ہے اور منشاء اس فضیلت کا اندھیرے میں چلنا ہے اور نیند کو پیچھے کرنا ہے۔

باب اثنان فمافوقهما جماعة

مقصد ۱۔یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ دو سے بھی جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔۲۔باب والے الفاظ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مرفوعاً ابن ماجہ میں منقول ہیں لیکن چونکہ امام بخاری کی شرط پر یہ حدیث نہ تھی اس لئے باب میں الفاظ رکھ دیئے اور دوسری حدیث سے یہی مضمون ثابت فرمادیا۔

باب من جلس فى المسجد ينتظر الصلوٰة و فضل المساجد

اس باب کی دو غرضیں ہیں۔۱۔انتظار جماعت کی فضیلت۔۲۔مسجد کی فضیلت اور باب میں صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ مع الجماعۃ ہے۔

معلق فى المسجد:۱۔نماز کے شوق کی وجہ سے دل مسجد کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔

باب فضل من غدا الى المسجد ومن راح

غرض صبح و شام مسجد میں جانے کی فضیلت کا بیان ہے۔

نزلا من الجنة:وجہ یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور صبح و شام مسجد میں آنے والا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے اور مہمان کو مہمانی کھلائی ہی جاتی ہے اور کھانے کے اوقات صبح و شام ہوتے ہیں اس کی تائید کلام اللہ میں یوں ہے **ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا**۔

باب اذا اقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة

اس باب کی دو غرضیں ہیں ایک یہ کہ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ اقامت شروع ہو جائے تو نماز نہ پڑھنی چاہئے دوسرے یہ کہ یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے اور سنن اربعہ میں بھی ہے سنن اربعہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کو کہتے ہیں لیکن بعض نے ان الفاظ کو

مرفوعاً اور بعض نے موقوفاً ذکر فرمایا ہے اس لئے امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں مسند ذکر نہیں فرمایا بلکہ ترجمۃ الباب میں ذکر کر کے مضمون کی تائید ایک دوسری حدیث سے کر دی اس لئے دوسری غرض باب کی یہ ہوئی کہ اس حدیث کے مضمون کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ سوال:۔ باب کی حدیث میں صبح کا واقعہ ہے اور ترجمۃ الباب والی حدیث کے الفاظ عام ہیں سب نمازوں کو شامل ہیں جواب ترجمۃ الباب میں المکتوبہ کا الف لام عہد خارجی کا ہے فجر کی نماز ہی مراد ہے۔ پھر ترجیح اس حدیث کے موقوف ہونے کو ہے اور امام بخاری کے یہاں کے طرز سے بھی ترجیح موقوف ہونے کو ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس حدیث کو مرفوع قرار دیتے تو یوں فرماتے۔ باب **قول النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ الحدیث** لیکن جز رفع الیدین میں امام بخاری اس حدیث کے مرفوع ہونے کی طرف مائل ہوئے ہیں یہ تقریر تو ترجیح کے متعلق تھی حضرت انور شاہ صاحب کشمیری نے تطبیق بھی ذکر فرمائی ہے کہ صحابہ بعض دفعہ بطور ضرب المثل کے بلا اسناد حدیث بیان فرما دیا کرتے تھے **من کان له امام فقراء ۃ الامام له قرائۃ** کو بعض نے اسی طرح بطور ضرب المثل بیان فرمایا ہے ایسے موقعہ میں صحابہ سند ذکر نہ کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نہ لیتے تھے اس کی تائید علل ترمذی میں ابن سیرین کے قول سے ہوتی ہے کان فی الزمن الاول لا لیسئالون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ سالوا عن الاسناد پھر اس میں اختلاف ہو گیا کہ فجر کی اقامت شروع ہو جانے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا کیسا ہے عندالشافعی و احمد مکروہ ہے وعند مالک اگر دونوں رکعتیں مل جانے کی امید ہو تو خارج مسجد پڑھ لے۔ ہمارے امام صاحب کی تین روایتیں۔ ۱۔ مثل امام مالک۔ ۲۔ ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو خارج مسجد پڑھ لے۔ ۳۔ ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو مسجد کے اندر ہی صفوں سے ہٹ کر پڑھ لے گے اور یہ تیسری روایت ہی حنفی مذہب میں راجح اور مفتیٰ بہ ہے ہماری اس مفتیٰ بہ روایت کی دلیل بخاری شریف کی روایت ہے۔ **عن ابی هریرۃ مرفوعاً من ادرک رکعة من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ** اس کے ساتھ ہم روایت مسلم ملاتے ہیں **عن عائشه مرفوعاً رکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیها** اور صفوں سے الگ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرضوں کے ساتھ غیر فرضوں کے ملانے کی ممانعت ہے اور امام صاحب کی دوسری روایت کی دلیل یہ ہے مسجد سے بھی باہر پڑھ لے تاکہ فرضوں سے غیر فرض اچھی طرح الگ ہو جائیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے صفوں سے الگ ہو جانا ہی کافی ہے۔ امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتوں کے ملنے کی امید ہونی چاہئے کیونکہ جماعت کی بہت تاکید ہے۔ جواب یہ ہے کہ بخاری شریف کی مذکورہ روایت کے مطابق ایک رکعت کے مل جانے سے بھی جماعت کا ثواب مل جاتا ہے **وللشافعی و احمد' فی ابی داؤد عن ابی هریرۃ مرفوعاً اذااقیمت الصلوۃ فلاصلوٰۃ الا المکتوبة** جواب۔ بیہقی کی روایت میں الارکعتی الصبح بھی ہے اس لئے سنتوں کی اجازت ہے پھر جو روایت امام بخاری نے یہاں نقل فرمائی ہے اس میں آلصبح اربعاً کا لفظ حنفیہ ہی کی تائید کرتا ہے کیونکہ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے صفوں سے متصل دو سنتیں پڑھ لی تھیں جس سے شبہ ہوتا تھا کہ اس کے نزدیک شاید فجر کے فرض چار ہوں۔

باب حد المریض ان یشهد الجماعة

امام بخاری کی غرض کی متعدد توجیہات ہیں کہ اس باب کا مقصد کیا ہے ۱۔ کس درجہ کا مرض معتبر ہے جس کی وجہ سے مسجد میں جماعت کے لئے جانا واجب نہیں رہتا بلکہ مستحب بن جاتا ہے۔ ۲۔ کتنی مسافت معتبر ہے کہ اتنی دور سے مریض کے ذمہ مسجد میں جانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہو جاتا ہے۔ ۳۔ اس مریض کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے کہ جو مشقت اٹھا کر مسجد میں باجماعت پڑھنے آتا ہے۔ اسیف:۔ رقیق القلب جو جلدی رونے لگ جائے۔

انکن صواحب یوسف

کہ تم بھی حضرت زلیخا جیسی ہو جیسے انہوں نے ظاہر تو یہ کیا کہ

وہ دعوت اور ضیافت کر رہی ہیں لیکن دل میں یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں مجھے معذور سمجھ لیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہؓ نے ظاہر تو یہ کیا کہ حضرت ابوبکرؓ ضعیف القلب ہیں لیکن دل میں یہ تھا کہ اگر وہ امام بنیں گے تو لوگ ان کو منحوس سمجھیں گے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہو گئے یہ علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہونے کی ہے اور اس تفصیل کی تصریح بخاری شریف ہی میں مرض وفات کے باب میں جو روایت ہے اس میں موجود ہے کہ صواحب یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دینے کی یہی وجہ تھی جو اوپر ذکر کی گئی۔

جلس عن یسار ابی بکر

یہاں بظاہر چند تعارض ہیں۔ ۱- پہلا تعارض یہ ہے کہ بخاری شریف کی اس روایت میں تو حضرت صدیق کے بائیں طرف بیٹھنا مذکور ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں حضرت صدیقؓ کے دائیں طرف بیٹھنا مذکور ہے اس تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ سند کے لحاظ سے بخاری شریف کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ ۲- دوسرا تعارض یہ ہے کہ بعض روایات میں ایسے واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امام بننا مذکور ہے اور بعض روایات میں ایسے واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدی بننا مذکور ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہفتہ کے دن یا اتوار کے دن ظہر کی نماز میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام بنے تھے اور پیر کے دن فجر کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی بنے تھے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آخری نماز تھی۔ ۳- تیسرا تعارض یہ ہے کہ بعض روایات میں یوں ہے کہ پیر کے دن فجر کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پردہ ہٹا کر دیکھا اور پھر واپس تشریف لے گئے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے دن فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے پڑھی اس تعارض کی توجیہ یہ ہے کہ پیر کے دن فجر کی پہلی رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پردہ ہٹایا تھا پھر دوسری رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ۴- چوتھا تعارض یہ ہے کہ صحیحین میں ہے عن ام الفضل سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بالمرسلات عرفاً ثم ما صلی لنا بعد حتی قبضہ اللّٰہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں امامت کرائی تھی اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر میں امامت کرائی تھی اس کی توجیہ تو ظاہر ہے کہ ظہر میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کرائی تھی اور اس کے بعد مغرب میں بھی امامت کرائی تھی یہ تو چار قسم کے تعارض کا بیان تھا اس کے علاوہ علامہ ضیاء مقدسی نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں تین دفعہ حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحله

امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کی بھی گنجائش ہے لیکن عذر حقیقی ہونا چاہئے فرضی نہ ہو استفت قلبک ولو افتاک المفتون۔

باب هل یصلی الامام بمن حضر و هل یخطب یوم الجمعة فی المطر

امام بخاری کی غرض دو مسئلے بیان فرمانا ہے۔ ۱- معذور اور غیر معذور لوگوں میں سے جو بھی آ جائیں ان کو امام نماز پڑھا دے اور غائبین کا انتظار نہ کرے۔ ۲- بارش کے باوجود جمعہ کا خطبہ نہ چھوڑے اور ان دونوں موقعوں میں ہل معنی قد ہے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیاً مذکورا ردغ: کیچڑ

باب اذا حضر الطعام و اقیمت الصلوٰة

امام بخاری کی غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر عین نماز کے وقت کھانا تیار ہو جائے اور شدید بھوک بھی لگی ہوئی ہو تو پہلے کھانا

کھا لینا چاہئے۔ حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جزا محذوف ہے فابداؤ بالعشاء والطعام چونکہ حدیث میں صراحۃً جزاء آ رہی تھی اس لئے ترجمۃ الباب سے جزاء کو حذف فرمادیا۔

باب اذادعی الامام الی الصلوٰۃ وبیدہ ما یاکل

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام اگر کھانے میں مشغول ہو اورنماز کے لئے بلایا جائے تو وہ نماز کو طعام پر مقدم کرے۔

سوال:۔ یہ بات گذشتہ باب کے خلاف ہے کیونکہ گذشتہ باب میں یہ تھا کہ پہلے کھانا کھائے یہاں یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھے۔

جواب:۔ ۱- اگر خطرہ ہو کہ میں اگر پہلے نماز پڑھوں گا تو نماز خشوع اور توجہ سے نہ پڑھی جائے گی توجہ کھانے ہی کی طرف رہے گی پھر تو پہلے کھانا کھانا چاہئے اور اگر امید ہو کہ ایسا نہ ہوگا تو پہلے نماز پڑھ لے۔ ۲- کھانا پہلے کھا لینا مستحب ہے واجب نہیں ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا چھوڑ کر نماز نہ پڑھتے معلوم ہوا کہ پہلے نماز پڑھنا جائز ہے تو پہلے باب میں مستحب کا بیان تھا اس باب میں جائز کا بیان ہے کوئی تعارض نہیں۔ ۳- گذشتہ باب میں مقتدی کا حکم تھا کہ وہ کھانا پہلے کھائے اور اس باب میں امام کا حکم ہے کہ وہ نماز پہلے پڑھے۔ ۴- نماز پہلے پڑھنا یہ عزیمت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیمت پر عمل فرمایا اور کھانا پہلے کھانا رخصت ہے گذشتہ باب میں رخصت کا بیان تھا اس باب میں عزیمت اور اعلیٰ درجہ کا بیان ہے۔

باب من کان فی حاجۃ اھلہ فاقیمت الصلوٰۃ فخرج

۱- امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جیسے نماز کی خاطر کھانا چھوڑ دینا مستحب ہے ایسے ہی گھر کے کام کاج چھوڑ دینا بھی مستحب ہے بلکہ اس میں زیادہ ثواب ہے کیونکہ گھر کے کام کاج چھوڑنے میں زیادہ مشقت ہے۔ ۲- دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ کھانا کھانے میں تو کچھ عذر بھی ہے گھر کے دوسرے کاموں میں تو کوئی عذر نہیں کیونکہ اگر اہل ومال کی وجہ سے نماز چھوڑنے کی اجازت مل جائے تو پھر نماز کے لئے فرصت ہی نہ ملے ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگا رہے اس لئے نماز کے وقت گھر کے کاموں کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔

باب من صلی بالناس وھولا یرید الاان یعلمھم صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ

غرض یہ ہے کہ ایسی نماز میں ریا کا گناہ نہیں ہے بلکہ تعلیم کا ثواب ہے۔

وکان شیخا یجلس اذارفع راسہ من السجود قبل ان ینھض فی الرکعۃ الاولیٰ

اس شیخ کا مصداق حضرت عمرو بن سلمہ ہیں پھر جلسہ استراحت میں اختلاف ہے عند الشافعی پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے جلسہ استراحت مسنون ہے۔ وعند الجمہور مسنون نہیں لنا۔ ۱- **فی الطحاوی عن ابی حمید مرفوعاً فقام ولم یتورک**۔ ۲- **فی الترمذی عن ابی ھریرۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ**۔ ۳- **فی مصنف ابن ابی شیبۃ** حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن زبیرؓ حضرت ابن عباس حضرت ابنؓ عمر سے **نھوض علی صدور قدمیہ موقوفاً عملاً** منقول ہے۔ ۴- اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو اس میں کوئی نہ کوئی ذکر منقول ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ۵- نماز عبادت کے لئے ہے استراحت کے لئے نہیں ہے وللشافعی حدیث الباب عن مالک بن الحویرث کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر دکھائی اور وہ حضرت عمرو بن سلمہ جیسی تھی اور حضرت عمرو بن سلمہ جلسہ استراحت کرتے تھے الفاظ ابھی اوپر نقل کر دیئے گئے ہیں وکان شیخاً یجلس الحدیث جواب یہ اخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے

ہے اس کی تائید ابوداؤد کی اس مرفوع روایت سے ہوتی ہے لا تبادرونی برکوع ولا بسجود انی قد بدنت.

باب اهل العلم و الفضل احق بالا مامة

غرض یہ ہے کہ امامت کے لئے اعلم کو ترجیح حاصل ہے اور یہی حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے۔سوال۔امام بخاری پر اعتراض ہے کہ انہوں نے مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی کی مرفوع روایت یوم القوم اقرو هم لکتاب الله کا لحاظ کیوں نہ فرمایا۔جواب:۱۔ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے جو روایت ان کی شرط پر تھی اس کو ترجیح دے دی اور اس سے اعلم کو ترجیح ثابت ہوتی ہے۔۲۔اقراء کو ترجیح شروع اسلام میں دی گئی تھی تا کہ حافظ قرآن کا شوق بڑھے کیونکہ شروع اسلام میں قرآن پاک کے حافظ کم تھے اخیر زمانہ میں اعلم کو ترجیح دے دی گئی اور پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا کیونکہ اعلم کی ترجیح مرض وفات میں ثابت ہو رہی ہے۔۳۔اقرأکم لکتاب اللہ سے مراد اعرف اور اتقی اور اخشیٰ للہ ہے اس لئے اقرأ والی روایت امام بخاری کے اس باب کے خلاف نہ ہوئی اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر کو امام بنایا حالانکہ حدیث یاد کرنے میں حضرت ابوہریرہ بہت بڑھے ہوئے تھے اور قرآن پاک یاد کرنے میں حضرت ابی بن کعب بہت بڑھے ہوئے تھے اس سے ثابت ہوا کہ اقرأ کے معنی ایسے تھے جو حضرت ابوبکر پر صادق آتے تھے۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اقرأکم کی تفسیر ہوگئی۔یہ تو امام بخاری پر اشکال کا جواب تھا اب اختلاف مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے عندامامنا ابی حنیفۃ و مالک وفی روایۃ عن الشافعی وفی روایۃ عن احمد اعلم امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہے اور امام شافعی کی راجح روایت اور امام احمد کی راجح روایت یہ ہے کہ جو شخص قرآن پاک اچھی تجوید کے ساتھ پڑھے وہ امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہے لنا۔۱۔فی الترمذی عن عائشہؓ مرفوعاً لاینبغی لقوم فیهم ابوبکر ان یومهم غیره اس کے ساتھ ہم مانتے ہیں۔صحیحین کی روایت جو حضرت ابوسعید سے مرفوعاً وارد ہے کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اختیار دیا اس بندہ نے آخرت کو پسند کرلیا تو ابوبکرؓ رونے لگ گئے ہمیں رونے پر تعجب ہوا بعد میں جب جلدی ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہمیں پتہ چلا کہ ابوبکرؓ کیوں رو رہے تھے۔وکان ابوبکر اعلمنا۔۲۔قرأت و تجوید کی ایک رکن میں ضرورت ہے اور علم کی سب ارکان میں ضرورت ہے ولهما روایۃ ابی داؤد عن ابی مسعود البدری مرفوعاً یوم القوم اقرؤ هم لکتاب الله جواب:۱۔اقرأ بمعنی اعلم ہے تا کہ روایات میں تعارض نہ ہو۔۲۔اقراء کے معنی ہیں اکثر حفظاً للقران جس کو یاد زیادہ ہو کیونکہ ابوداؤد میں ہے عن عمرو بن سلمة موقوفاً فکنت اوفهم وانا ابن سبع سنین او ثمان سنین حضرت عمرو بن سلمہ کو اسی لئے ان حضرات نے امام بنایا تھا کہ اس زمانہ کے عرف میں اقرأ اس شخص کو کہتے تھے جس کو قرآن پاک زیادہ یاد ہو اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ اقرأ کو امام بنالینا تو ان حضرات نے حضرت عمرو بن سلمہ کو امام بنالیا کیونکہ ان کو قرآن پاک زیادہ یاد تھا۔۳۔اگر آپ حضرات کی بات مانتے ہوئے اقرأ بمعنی احسن تجویداً لیں تو پھر یہ روایت منسوخ ماننی پڑے گی کیونکہ مرض وفات میں حضرت ابوبکر کو امام بنایا گیا حالانکہ اس معنی کے لحاظ سے اقرأ حضرت ابی بن کعب تھے۔۴۔یہ حکم اس وقت ہے جب علم میں سب برابر ہوں۔

کان وجهه ورقة مصحف

قرآن پاک کے کاغذ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو تشبیہ دی کمال حسن کے لحاظ سے۔

فلم یقدر علیه حتی مات

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشی پر قادر نہ ہوئے وفات تک اور بعض روایات میں فلم یقدر علیہ حتی مات ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پر قادر نہ ہوئے سوال۔دوسرے حضرات نے

ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ والے واقعہ کے بعد مسجد میں تشریف لائے تھے۔ جواب:۔۱-دوسری رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تھے نماز یہی پردہ والے واقعہ والی تھی یعنی پیر کے دن فجر کی نماز اور حضرت انسؓ کا فرمانا فلم یقدر علیہ حتی مات اپنے علم کے لحاظ سے ہے۔۲-اس کے بعد امامت پر قادر نہ ہوئے وفات تک۔۳-اس کے بعد پوری نماز باجماعت پڑھنے پر وفات تک قادر نہ ہوئے کیونکہ اسی دن ظہر سے پہلے وفات پائی۔

باب من قام الی جنب الامام لعلة

باب کا مقصد یہ ہے کہ اصل طریقہ تو یہی ہے کہ جب مقتدی دو یا زائد ہوں تو وہ پیچھے کھڑے ہوں لیکن ضرورت کی وجہ سے مثلاً امام کی تکبیر کو زور سے کہنے کے لئے ایک آدمی اگر امام کے برابر بھی کھڑا ہو جائے تو گنجائش ہے اور جائز ہے۔

باب من دخل لیوم الناس فجاء الامام الاول فتاخر الاول ولم یتاخر جازت صلوته

من دخل سے مراد نائب امام ہے الامام الاول سے مراد اصل امام ہے فتاخر الاول سے مراد نائب امام ہے جو اس نماز میں اولاً امام بنا ہے امام بخاری کی غرض اس مذکورہ صورت کا جواز بیان کرنا ہے کہ اصل امام مسجد میں موجود نہ ہو نائب امام نے نماز شروع کر دی ہو پھر اصل امام آجائے اب نائب امام اس کو دیکھ کر پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہو جاتی ہے پھر ائمہ میں اختلاف ہو گیا امام شافعی کے نزدیک بلا عذر بھی نائب امام کا ہٹ جانا صحیح ہے اور جائز ہے جمہور کے نزدیک صرف عذر کی وجہ سے ہٹ جانا جائز ہے بلا عذر ہٹنا جائز نہیں منشاء اختلاف یہی زیر بحث حدیث کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پیچھے ہٹے جمہور کے نزدیک اس کی تین توجیہیں ہیں۔۱-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیۃ۔۲-ہیبت کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ آگے کھڑے ہونے پر قادر نہ رہے۔ ۳-اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ پر کھانسی کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے نماز پڑھانے پر قادر نہ رہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس واقعہ سے اصول نکل آیا کہ اصل امام کے آنے پر ہر حال میں نائب امام کا پیچھے ہٹ جانا جائز ہے گویا ان کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ اور عموم پر محمول ہے۔ اب بھی ایسا جائز ہے کہ نائب امام کو کوئی عذر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ جب ایک جماعت شروع ہو چکی ہو تو اس جماعت کی ہیئت میں اصل یہی ہے کہ اس کو نہ توڑا جائے اور پوری نماز نائب امام ہی پڑھائے البتہ عذر پیش آجائے تو مجبور ہے۔

باب اذااستو وافی القرأة فلیومهم اکبرهم

غرض یہ ہے کہ یہ الفاظ مرفوعاً مسلم میں حضرت ابو مسعود انصاری سے منقول ہیں لیکن امام بخاری کی شرط پر نہ تھے اس لئے ترجمۃ الباب میں حدیث کے الفاظ لے آئے اور اس مضمون کو ایک دوسری حدیث سے ثابت کر دیا جو ان کی شرط پر تھی گویا حدیث صحیح ہے لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے

باب اذازارالامام قومافامهم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ امام اعظم یعنی خلیفہ وقت یا اس کا نائب یا اس جیسا کوئی عالم یا بزرگ کسی دوسری جگہ جائے اور امامت کرنا چاہے تو وہاں والوں سے اجازت لے چنانچہ زیر بحث روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عتبان کے گھر جا کر یہ فرمانا این تحب ان اصلی من بیتک یہ اجازت لینا ہی تھا۔

باب انما جعل الامام لیوم تم به

غرض یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ امام کی متابعت ضروری ہے مگر جس چیز میں شریعت نے متابعت سے منع کر دیا ہو وہ چیز متابعت سے نکل جائے گی جیسے مرض وفات کے واقعہ سے ثابت ہوا کہ امام اگر بیٹھا ہو اور کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو مقتدی کھڑے ہو کر ہی اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور اگر متابعت کے حکم کو عام مان لیا جائے تو وہ مرض وفات کی حدیث کی وجہ سے بیٹھنے میں متابعت کا

حکم منسوخ ہو چکا ہے۔امام اگر کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو مقتدی امام کی متابعت کرتے ہوئے بیٹھے گا نہیں بلکہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی وفی روایت عن مالک امام کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو اس لئے بیٹھا ہو اور مقتدی کھڑے ہوں تو اقتداء صحیح ہے وعند مالک فی روایت صحیح نہیں ہے وعنداحمد اقتداء تو صحیح ہے لیکن مقتدیوں کو بھی بیٹھنا ہی پڑے گا۔ لنا۔مرض وفات کا واقعہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ کرامؓ نے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ولروایۃ مالک فی بدل المجھو دمرفوعالا یوم احد بعدی جالسا جواب:۔ا۔نہی تنزیہی ہے تا کہ روایات میں تعارض نہ ہو۔۲۔سند کے لحاظ سے ہماری روایت اقویٰ ہے ولاحمد فی ابی داؤد عن انس و فی البخاری فی هذا الباب عن عائشة مرفوعاً واذا صلی جالسا فصلوا جلو سا۔ جواب:۔حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ یہ فرمانا ۵ھ کے واقعہ میں ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک میں موچ آ گئی اور ہماری دلیل مرض وفات کی ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ معنی یہ ہیں کہ امام بیٹھا ہو تو دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرو بلکہ فوراً شریک ہو جاؤ۔

فیمکث بقدر مارفع

حضرت ابن مسعود یہ مسئلہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھالیا تو جلدی سے دوبارہ رکوع یا سجدہ میں چلا جائے اور جتنی دیر سر اٹھا رکھا تھا اتنی دیر امام کے بعد اس رکوع یا سجدہ میں رہے تا کہ غلطی کا تدارک ہو جائے وجہ اس ارشاد کی یہ ہے کہ رکن کو مکمل کرنا امام کی متابعت سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

ثم یقضی الرکعة الاولیٰ

حضرت حسن بصری یہاں دو مسئلے بتلانا چاہتے ہیں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بھیڑ وغیرہ کی وجہ سے اگر پہلی رکعت کے سجدے نہ کر سکے تو دوسری رکعت کے سجدے کرلے امام کے ساتھ پھر ایک رکعت امام کے بعد مسبوق کی طرح پڑھ لے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھیڑ کی وجہ سے نہ چھوڑے بلکہ اگلے نمازی کی پشت پر کرلے اگر چہ وہ اگلا نمازی امام ہی ہو۔دوسرا مسئلہ حضرت حسن بصری یہ فرمارہے ہیں کہ اگر امام کے پیچھے سجدہ کرنا بھول گیا اور امام کے ساتھ کھڑا ہو گیا تو پھر بیٹھ جائے اور سجدہ کر کے پھر امام کے ساتھ قیام میں مل جائے کیونکہ پہلی رکعت کا سجدہ کئے بغیر کھڑا ہو جانا نماز کے طریقہ اور ترتیب کے خلاف ہے پھر دوبارہ کھڑا ہو جائے اور امام کی متابعت شروع کر دے چونکہ اس متابعت کا ذکر اس قول حسن میں ہے اس لئے اس قول کو اس متابعت کے باب میں امام بخاری نے ذکر فرمایا۔

فصلینا وراءہ قعوداً

سوال۔اس روایت میں صحابہؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا مذکور ہے اور اس سے پہلے متصلاً جو روایت ہے اس میں صحابہ کا پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مذکور ہے یہ تو تعارض ہے جواب۔ا۔اس دوسری روایت میں اختصار ہے اصل واقعہ یہ تھا کہ صحابہ پیچھے کھڑے ہو گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا تو بیٹھ گئے تو راوی نے صرف آخری حالت بیٹھنے کی ذکر کر دی پہلے کھڑے ہونے کا ذکر چھوڑ دیا۔۲۔بعض صحابہ شروع میں بیٹھ گئے ان کا ذکر حضرت انس نے فرمایا اور بعض اشارہ کے بعد بیٹھے ان کا ذکر حضرت عائشہ نے فرمایا۔۳۔واقعہ دو دفعہ پیش آیا ایک دفعہ صحابہ کرامؓ شروع ہی میں بیٹھ گئے اور ایک دفعہ اشارہ کے بعد بیٹھے۔

باب متی یسجد من خلف الامام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام سے پہلے سجدہ میں نہ جائے۔

باب اثم من رفع راسه قبل الامام

غرض ایسا کرنے کا گناہ بیان کرنا ہے کیونکہ یہ امام کی متابعت کے خلاف ہے پھر اس باب کی حدیث میں جو خوف مذکور ہے کہ امام سے پہلے سر اٹھانے والے کو خوف کرنا چاہئے کہ اس کا سر گدھے کا سر نہ بن جائے اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ا۔یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے چنانچہ ایک محدث نے امتحاناً ایسا کیا تو

گدھے جیسا لمبا سر ہو گیا پھر وہ نقاب ڈال کر حدیث پڑھاتے تھے۔نعوذ باللہ من مثل ہذا۔۲-گدھے جیسا احمق بنا دینا ہے کہ عقل کم ہو جاتی ہے اور سزا کو اس گناہ سے یہ مناسبت ہے کہ یہ امام سے پہلے سر اٹھانا انتہائی احمقانہ کام ہے کیونکہ امام کے سلام سے پہلے کہیں جا تو سکتا نہیں پھر جلدی سر اٹھانے کا کیا فائدہ۔ پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔فی روایۃ عن احمد امام سے پہلے سر اٹھانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے وعند الجمہور فعل مکروہ تحریمی ہے نماز نہیں ٹوٹتی منشاء اختلاف اسی حدیث کے دونوں معنی کرنا ہیں جو اس باب میں عن ابی ہریرہ مرفوعاً وارد ہے **الا یخشی احد کم اذا رفع راسه قبل الامام ان یجعل اللہ راسه راس حمار** ان کے نزدیک اتنی سخت وعید فساد صلوٰۃ کی علامت ہے اور جمہور کے نزدیک کراہت تحریمی کی دلیل ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ کوئی لفظ ایسا نہیں جو فساد صلوٰۃ پر دال ہو۔

باب امامة العبد و المولیٰ

غرض دونوں کا صحیح ہونا بیان کرنا ہے اگرچہ صحیح ہونے کو صراحۃً ذکر نہیں فرمایا لیکن روایتیں صحیح ہونے کی ذکر فرما دی ہیں اس لئے امام بخاری دونوں کی امامت کو بلا کراہت صحیح قرار دے رہے ہیں۔ امامۃ عبد کے جواز بلا کراہت کے قائل امام بخاری اور امام احمد اور امام شافعی ہیں۔حنفیہ کے نزدیک عبد کی امامت مکروہ ہے امام مالک کے نزدیک جمعہ کی امامت مکروہ ہے باقی بلا کراہت صحیح ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام کو عرف میں گھٹیا سمجھا جاتا ہے اس لئے امامت میں کراہت ہے وللشافعی واحمد اس باب کی تعلیق ہے وکانت عائشہؓ یومھا عبدھا ذکوان جواب جب کراہۃ اور اباحت میں تعارض ہو تو ترجیح کراہۃ کو ہوتی ہے اس لئے ہمارا قول احوط ہے۔ ولمالک دونوں قسم کے دلائل موجود ہیں اس لئے تطبیق یہ ہے کہ جمعہ میں امام نہ بنے باقیوں میں حرج نہیں جواب احوط ہمارا قول ہے۔ باقی رہا مولیٰ یعنی آزاد شدہ غلام تو اس کی امامت میں کچھ حرج نہیں کیونکہ سابقہ غلامی سابقہ کفر کی طرح ہے جیسے سابقہ کفر امامت سے مانع نہیں ایسے ہی سابقہ غلامی بھی امامت سے مانع نہیں۔

من المصحف:۔ امام مالک کے نزدیک رمضان المبارک میں مصحف میں دیکھ کر بھی نماز میں قرآن پاک پڑھنا جائز ہے امام بخاری کے نزدیک سارا سال جائز ہے۔ امام احمد کے نزدیک مع الکراہت جائز ہے سارا سال ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایسا کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔لنا۔ ۱-**فی کنز العمال عن ابن عباس قال نهانا امیر المومنین عمران نؤم الناس فی المصحف ونهانا ان یومنا الامحتلم.** ۲-**حدیث مسئی الصلوٰۃ فی ابو داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً ثم اقراء ماتیسر معک من القرآن** اس میں معک سے بالکل واضح ہے کہ حفظ کے طور پر پڑھنا ہی ضروری ہے۔۳- فاقرءوا ماتیسر من القران میں تیسر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ جتنا آسانی سے حفظ ہو اور پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔امام بخاری کی دلیل اسی باب کی تعلیق ہے وکانت عائشہ یومھا عبدھا ذکوان من المصحف جواب معنی یہ ہیں کہ حضرت ذکوان نماز سے پہلے مصحف کو اچھی طرح دیکھ لیتے تھے تاکہ حفظ کے طور پر پڑھنے میں غلطی نہ ہو۔ ولمالک یہی تعلیق کیونکہ اسی روایت کے بعض طرق میں رمضان المبارک کی قید بھی ہے جواب وہی جو ابھی گزرا۔امام احمد کی دلیل سب دلائل کو جمع کرنا ہے۔(جواب) ہمارے قول میں احتیاط ہے۔

وولد البغی: اس کا عطف والمولیٰ پر ہے غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ ولد الزنا کی امامت بھی صحیح ہے اور بلا کراہت جائز ہے یہی مذہب امام احمد کا ہے جمہور کے نزدیک مکروہ ہے ولنا۔۱-اس کو عرف عام میں گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔۲-فی ابی داؤد ولد زنا کے متعلق مرفوعاً وارد ہے شر الثلاثۃ ولاحمد والبخاری تعلیق ہذا لباب اور یہ روایت مسلم اور سنن اربع میں سند کے ساتھ منقول ہے **عن ابی مسعود مرفوعاً یوم القوم اقرأ هم لکتاب اللہ تعالیٰ** یہ الفاظ عام ہیں ولد الزنا کو بھی شامل ہیں۔ جواب۔ ۱-حدیث سے اقرأ ہونے کی صفت ثابت ہوتی ہے باقی تفصیل

دوسرے دلائل سے معلوم ہوگی۔۲- جب اباحت اور کراہت میں تعارض ہوتو ترجیح کراہت کو ہوتی ہے۔ والاعرابی:۔ اس کا عطف والبغی پر ہے غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ دیہاتی آدمی کی امامت بھی بلا کراہت صحیح ہے وعندالجمہور مکروہ ہے ولنا۔ ۱- عام طور پر دیہاتی پر جہالت ہی غالب ہوتی ہے۔ ۲- فی الدار قطنی عن ابن عباس مرفوعاً لایتقدم الصف الاول اعرابی ولاعجمی ولاغلام لم یحتلم یہاں تقدم سے مراد یا تو امامت ہے۔ یا صف اول میں شریک ہونا ہے اگر امامت مراد ہے تو استدلال عبارۃ النص سے ہے یعنی امامت کا مسئلہ ہی بیان فرمانا مقصود ہے اور اگر صف اول میں شریک ہونا مراد ہے تو استدلال دلالۃ النص سے ہے کہ جب دیہاتی پہلی صف میں شریک نہیں ہو سکتا تو امام بطریق اولیٰ نہیں بن سکتا اور اعرابی کے قرینہ سے عجمی دیہاتی ہی مراد ہے وللبخاری گذشتہ مسئلہ والی اقرءھم والی روایت ہے جواب دہی دونوں جو گذشتہ مسئلہ میں گزرے۔

والغلام الذی لم یحتلم

عطف ہے والاعرابی پر غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ نابالغ بچے کے پیچھے بھی نماز بالغ کی صحیح ہے۔ امام بخاری اور امام شافعی جواز کے قائل ہیں اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں لنا۔ ۱- فی سنن اثرم عن ابن مسعود لا یوم الغلام حتی تجب علیہ الحدود. ۲- فی مسند احمد عن ابی امامۃ مرفوعاً الامام ضامن نابالغ کی نفل نماز بالغ کی فرضی نماز کی ضامن نہیں بن سکتی وللشافعی ابوداؤد کی روایت ہے عن عمرو بن سلمۃ موقوفاً فکنت اومھم وانا ابن سبع سنین اوثمان سنین. جواب:۔ یہ ان صحابہ کا اجتہاد تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اقراء کے امام بننے کا ذکر فرمایا تھا۔ صرف کسی صحابی کے اجتہاد سے استدلال نہیں ہو سکتا جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جاننا اور پھر جاننے کے بعد انکار نہ کرنا ثابت نہ ہو۔ یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

وان استعمل حبشی: اس کی مناسبت بات سے یوں ہے کہ جب عبد حبشی کو امیر بنا دیا جائے گا تو وہ امام فی الصلوٰۃ بھی بنے گا۔ پس غلام کی امامت کا صحیح ہونا ثابت ہو گیا جواب یہ تو اضطرار اور مجبوری کی حالت ہے اختلاف اختیاری حالت میں ہے۔

باب اذالم یتم الامام و اتم من خلفه

غرض امام بخاری کی جمہور کی تائید ہے حنفیہ کے خلاف۔ اختلاف یوں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے حنفیہ کے نزدیک مقتدیوں کی بھی فاسد ہو جاتی ہے جمہور کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی۔ لنا۔ روایۃ مصنف عبدالرزاق عن ابن جعفران علیا صلی بالناس وھو جنب او علی غیر وضوء فاعاد وامرھم ان یعیدوا ولھم حدیث الباب عن ابی ھریرۃ یصلون لکم فان اصابوا فلکم وان اخطا و افلکم وعلیھم جواب یہ تو اوقات کے متعلق ہے جیسا کہ دوسری روایتوں میں تصریح ہے اس حدیث کا تعلق ارکان سے نہیں ہے معنی صرف یہ ہیں کہ مستحب وقت کا امراء لحاظ نہ کریں گے۔ یا بعض دفعہ وقت گزار کر پڑھیں گے تم اکیلے بروقت پڑھ لینا پھر ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا۔ اس صورت میں جو کوتاہی ہوگی اس کا ان کو گناہ ہوگا تم کو نہ ہوگا۔

باب امامة المفتون والمبتدع

غرض جمہور کی تائید ہے مالکیہ کے خلاف' فتنہ میں داخل ہونے والے اور خلاف سنت اعتقاد رکھنے والے بدعتی کے پیچھے جمہور کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے لیکن کراہت کے ساتھ امام مالک کے نزدیک نہیں ہوتی۔ منشاء اختلاف یہی زیر بحث روایت ہے کہ حضرت عثمان نے فتنہ والے امام کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا فاذااحسن الناس فاحسن معھم واذااساء و فاجتنب اساتھم ہمارے نزدیک یہ معنی ہیں کہ نماز ایک اچھی چیز ہے اس لئے جب فتنہ کا امام نماز پڑھے تو نماز اس کے ساتھ پڑھ لو جب وہ قتل و غارت ناجائز کرے تو اس کا ساتھ نہ دو امام

مالک کے نزدیک اسی حدیث کا مقصد امام فتنہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنا ہے کیونکہ وہ فتنہ والا یا کافر ہوگا یا فاسق دونوں صورتوں میں اس کی نماز صحیح نہیں ہے اس لئے واذا اساءو میں داخل ہے اور اس سے حضرت عثمانؓ نے منع فرمادیا جواب یہ ہے کہ الفتوح میں حضرت عثمان سے موقوفاً وارد ہے من دعا الی الصلوۃ فاجیبوہ اس سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوگئی۔ فتنہ والے امام ہی کے حکم میں ہر بدعتی ہے۔ المخنث:۔ اس مرد کو کہتے ہیں جس کی عادتیں عورتوں جیسی ہوں۔ اگر غیر اختیاری طور پر ایسا ہے تو کوئی گناہ نہیں اور اگر جان بوجھ کر تکلف سے ایسا کرتا ہے تو فاسق اور مذموم اور گنہگار ہے۔

باب یقوم عن یمین الامام بحذاته سواء اذا کانا اثنین

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ مسنون اسی طرح ہے کہ ایک مقتدی برابر دائیں طرف کھڑا ہو۔

باب اذاقام الرجل عن یسار الامام محوله الامام یمینه لم تفسد صلوٰۃ

وجہ یہ ہے کہ یہ عمل قلیل ہے اور ہے بھی نماز کی اصلاح کے لئے مقصد یہ مسئلہ بتلانا ہے۔

باب اذالم ینو الامام ان یوم ثم جاء قوم فامهم

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اقتداء صحیح ہے کیونکہ امام کے ذمہ مقتدی کی امامت کی نیت کرنا واجب نہیں صرف مستحب ہے تا کہ ثواب زیادہ ملے اور مقتدی کے ذمہ اقتداء کی نیت کرنا واجب ہے۔

باب اذا طول الامام و کان للرجل حاجة فخرج فصلی

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے پھر فخرج:۔ ا- جزاء ہے۔ ۲- فخرج شرط پر عطف ہے اور جزاء محذوف ہے صحت صلوٰۃ یعنی شروع کرنے سے اقتداء لازم نہیں ہو جاتی ضرورت کی بنا پر اقتداء ترک بھی کی جاسکتی ہے۔ پھر اختلاف ہو گیا عندامامنا ابی حنیفۃ و مالک وفی روایة احمد فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز اگر پڑھے گا تو نماز صحیح نہ ہوگی اور دوسری روایت امام احمد کی اور مسلک امام شافعی کا صحیح ہو جائے گی۔ لنا۔ ا- فی ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً الامام ضامن متنفل کا درجہ کم ہے مفترض کا زیادہ ہے اس لئے متنفل مفترض کا ضامن نہیں ہوسکتا اس لئے امام بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس حدیث کی وجہ سے امام کا ضامن ہونا ضروری ہے۔ ۲- فی سنن اثرم عن ابن عباس موقوفاً لایوم الغلام حتیٰ یحتلم و للشافعی. ا-فی ابی داؤد عن عمرو بن سلمة موقوفاً فکنت اؤ مهم وانا ابن سبع سنین اوثمان سنین جواب:۔ یہ صحابہ کا صرف اپنا اجتہاد تھا قرینہ یہ ہے کہ اسی واقعہ میں ابوداؤد میں یہ بھی مذکور ہے کہ امامت کی صورت میں حضرت عمرو بن سلمۃ پر جو چھوٹی سی چادر ہوتی تھی وہ ہٹ جاتی تھی اور کشف عورت ہو جاتا تھا اس پر ایک عورت نے اعتراض کر دیا کہ اپنے امام کے بدن کو تو ڈھانپو تو جیسے یہ کشف عورت ہو جانا اور اس کے باوجود نماز کچھ دن پڑھتے رہنا ان حضرات کا اپنا اجتہاد تھا اسی طرح نابالغ کو امام بنانا بھی ان چند صحابہ کا اپنا اجتہاد تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ساتھ شامل نہ تھی اور صحابی کی صرف روایت پر عمل ہوتا ہے اجتہاد پر دوسرا مجتہد عمل نہیں کرسکتا ہر مجتہد اپنے اجتہاد کا مکلف ہوتا ہے البتہ غیر مجتہد کسی ایک مجتہد کی تقلید کرنے کا پابند ہے اور یہاں کلام اسی میں ہے کہ مجتہدین کی دلیل کیا کیا ہیں۔ ۲- اس باب کی روایت جو ابوداؤد میں بھی ہے عن جابر بن عبدالله ان معاذ بن جبل کان یصلیٰ مع النبی صلی الله علیه وسلم ثم یر جع فیوم قومه جواب۔ ا- یہ حضرت معاذ کا اپنا اجتہاد تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو دوجگہ نماز پڑھنے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ طحاوی میں یوں منع فرمانا منقول ہے اما ان تصلی معی واماان تخفف علی قومک تقابل سے معلوم ہوا کہ دوجگہ نماز پڑھنے سے منع فرمانا مقصود ہے۔ ۲- آپ کا استدلال جب

صحیح ہوگا جب آپ یہ ثابت کریں کہ حضرت معاذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرضوں کی نیت کرتے تھے اور جب اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے تو اس وقت نفلوں کی نیت کرتے تھے جب تک آپ یہ ثابت نہ کریں آپ اس واقعہ سے استدلال نہیں کر سکتے اور یہ ثابت نہیں اس لئے استدلال صحیح نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ چونکہ حضرت معاذ اپنے محلہ میں امام مقرر تھے اس لئے اصل فرض نماز اپنے محلہ میں جا کر پڑھتے تھے اس لئے پہلے تبرکاً نفلوں کی نیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔۳- امام طحاوی نے ثابت کیا ہے کہ پہلے ایک فرض نماز دو دفعہ فرضوں ہی کی نیت سے پڑھنے کی اجازت تھی بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی تھی۔ حضرت معاذ والا واقعہ بھی اسی اجازت والے زمانہ پر محمول ہے کہ اسی زمانہ میں پیش آیا تو فرضوں والے کے پیچھے فرضوں والوں نے نماز پڑھی پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا اس لئے اب ایسا کرنا جائز نہیں اور اب اس سے استدلال بھی ٹھیک نہیں کیونکہ منسوخ حکم سے استدلال ٹھیک نہیں ہوتا۔۳- امام شافعیؒ کی تیسری دلیل امامۃ جبریل والی روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام مکلف نہ تھے وہ امام بنے تو ان کی نماز نفلی تھی ان کے پیچھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن نمازیں پڑھیں وہ نمازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تھیں تو اقتداء المفترض خلف المتنفل پایا گیا۔ جواب۔۱- بخاری شریف اور موطا امام مالک میں حضرت جبریل علیہ السلام کا قول منقول ہے۔ بھذا امرت اس لئے دو دن کے لئے ان پر بھی نماز فرض ہو گئی تو اقتداء المفترض خلف المفترض ہوئی آپ کا استدلال صحیح نہ ہوا۔۲- یہ اس وقت کی خصوصیت تھی یہ عام حکم نہ تھا اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔۳- یہاں امامت تعلیم ہے امامت اقتداء نہیں ہے پھر امامت تعلیم میں دو احتمال ہیں جبریل علیہ السلام بیٹھے ہوں سمجھا رہے ہوں یوں پڑھیں یوں پڑھیں اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے ہوں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام امام بنے ہوں لیکن اصل نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے علاوہ تھی۔ یہ جماعت صرف نماز سیکھنے کے لئے اور وقت معلوم کرنے کے لئے تھی۔

باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحسن ہے۔ سوال حدیث میں تو قیام کا ذکر نہیں ہے پوری نماز کی تخفیف کا ذکر ہے پھر امام بخاری نے اپنے ترجمۃ الباب میں صرف قیام میں تخفیف کا ذکر کیوں فرمایا۔ جواب:۔۱- امام بخاری کی تحقیق کے مطابق اس واقعہ میں امام نے قیام ہی میں تطویل کی تھی اس لئے ترجمۃ الباب میں قیام کی تخفیف ذکر فرمائی۔۲- عام طور پر نماز میں جو ثقل آتا ہے وہ قیام کی تطویل کی وجہ سے آتا ہے۔ اس لئے امام بخاری نے قیام کو خاص طور سے ذکر فرمایا ہے۔

باب اذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تخفیف کا حکم صرف امام کے لئے۔ اکیلا نمازی اپنی نماز کو جتنا چاہے لمبا کرے کچھ ممانعت نہیں۔

باب من شکا امامه اذا طول

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ امام اگر نماز بہت لمبی کرے تو اس کی شکایت ایسے شخص کے پاس کرنی جو اس کی اصلاح کر سکے جائز ہے۔

عن قیس بن ابی حازم

ان کے متعلق امام احمد کا ارشاد ہے کہ یہ افضل التابعین ہیں کیونکہ صرف یہ یکتا تابعی ہیں جنھوں نے عشرہ مبشرہ کی زیارت کی ہے ان کے علاوہ کسی تابعی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ انتہیٰ۔ امام احمد کے اس ارشاد سے حنفیہ کی ایک دلیل کی تائید بھی ہوگئی رفع یدین کے مسئلہ میں ہماری دلیل آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ کہ عشرہ مبشرہ صرف شروع صلوٰۃ میں رفع یدین فرماتے تھے۔ یہ تابعی جو عشرہ مبشرہ کی زیارت کرنے والے ہیں ان کا مسلک بھی یہی تھا

کہ یہ بھی صرف شروع صلوٰۃ میں رفع یدین فرماتے تھے۔اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی عشرہ مبشرہ کا عمل یہی پایا تھا جوامام ابوحنیفہ نے اختیار فرمایا۔ بنا ضحتین:۔ ناضحہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پر پانی لایا جاتا ہے اور باغ اور کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے۔
وقد جنح اللیل:۔ رات اندھیرے والی ہوگئی۔

احسب ھذا فی الحدیث

یہ اس حدیث کے راوی حضرت شعبہ کا مقولہ ہے کہ **فانہ یصلی وراء ک الکبیر والضعیف و ذوالحاجۃ** کے الفاظ بھی غالب گمان ہے کہ اس حدیث میں مذکور تھے اگر چہ اس میں تین قسم کے مقتدیوں کا ذکر ہے لیکن پھر بھی ہذا جو استعمال فرمایا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ہذا کو بتاویل مذکور شمار فرمایا جس میں کبیر اور ضعیف اور ذوالحاجۃ تینوں داخل ہیں۔

باب الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالھا

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ نماز کے فرائض اور سنن میں تو اکمال ہونا چاہئے اور مستحبات میں بقدر تحمل اختصار ہونا چاہئے۔

باب من اخف الصلوٰۃ عندبکاء الصبی

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ نمازی عورت کے بچے کے رونے کی وجہ سے امام اگر نماز مختصر کر دے تو تو یہ جائز بلکہ مستحسن ہے اور گذشتہ ابواب سے ربط یہ ہے کہ پیچھے مقتدین کی رعایت تھی اب مقتدین کے متعلقین کی رعایت کا ذکر ہے۔

باب اذاصلی ثم ام قوماً

یعنی اگر ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کا مقصد اقتداء المفترض خلف المتنفل کا جواز بیان کرنا ہے۔اختلاف کی تفصیل پیچھے عنقریب گزری ہے۔

باب من اسمع الناس تکبیر الامام

غرض یہ ہے کہ مکبر مقرر کرنا جو امام کی آواز لوگوں تک پہنچائے اور تکبیرات زور زور سے کہہ دے جائز ہے۔

باب الرجل یا تم بالامام و یاتم الناس بالماموم

ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کی غرض اس باب سے حضرت مسروق اور حضرت شعبی کے مسلک کی طرف میدان ظاہر کرنا اور ان کی تائید کرنی ہے وہ دونوں حضرات اس کے قائل ہیں کہ جماعت کی ہر صف اپنے سے اگلی صف کی اقتداء کرتی ہے صف ثانی صف اول کی اور صف ثالث صف ثانی کی ہکذا اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ سب کی سب صفیں امام کی ہی اقتداء کرتی ہیں۔ ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں جماعت کے ساتھ شریک ہوا کہ امام رکوع سے اٹھ چکا تھا اور صف اول مثلاً ابھی رکوع میں تھی یہ نیا آنے والا صف ثانی میں شریک ہوگیا تو ان دونوں حضرات کے نزدیک اس نئے شریک ہونے والے کو یہ رکعت مل گئی اور جمہور ائمہ کے نزدیک نہ ملی۔ لنا۔ ا۔ **فی البخاری عن عائشہ مرفوعاً انما جعل الامام لیؤتم بہ** اگر صفوف بھی ایسی ہوتیں کہ ان کا اقتداء کیا جاتا تو ارشاد یوں ہوتا **انما جعل الامام والصفوف الاول لیؤتم بھم** امام **شعبی** اور حضرت مسروق کی دلیل یہ زیر بحث روایت ہے جو یہاں تعلیقا ہے اور مسلم میں **عن ابن سعید مرفوعاً مسنداً** ہے **اتمو ابی ولیأ تم بکم من بعد کم**. جواب:۔اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ دوسری صف والوں کو امام کی حرکات کا علم اگلی صفوں کی امداد سے ہو جاتا ہے اقتداء تو امام ہی کا ہوتا ہے۔۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اے صحابہ تم میرا اتباع کرو تابعین حضرات تمہارا اتباع کریں گے۔اس لئے یہ روایت محل نزاع سے خارج ہے اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں۔

باب ھل یاخذ الامام اذاشک بقول الناس

غرض امام بخاری کی یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ جب امام کو شک ہو تو وہ مقتدیوں کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے نماز پڑھ لے تو صحیح ہے یا نہیں پھر فیصلہ امام بخاری نے نہ فرمایا کیونکہ مسئلہ اختلافی تھا

اور امام بخاری کو تردد تھا کہ کس قول کو لوں۔ اختلاف یہ ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح ہے اور جمہور کے نزدیک صحیح نہیں ہے منشاء اختلاف زیر بحث باب میں ذوالیدین والی حدیث کا واقعہ ہے عن ابی هریرة مرفوعاً اصدق ذوالیدین فقام رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی ثنتین اخریین ہمارے امام صاحب کی تحقیق کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی بات پر اعتماد فرماتے ہوئے دو رکعتیں پڑھیں جمہور کے نزدیک صحابہ کے کہنے سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یاد آ گیا اور یقین ہو گیا کہ میں نے دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں جب خود یقینی طور پر یاد آ گیا تو اپنے یقین پر عمل فرمایا ہے صحابہ کے قول پر عمل نہیں فرمایا ترجیح قول حنفیہ کو ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھولنا تو یقیناً ثابت ہے اب صحابہ کے عرض کرنے پر آپ کا نسیان اور بھولنا ختم ہو گیا یا نہ اس میں شک ہے پس نسیان یقینی صرف احتمال اور شک کی بنا پر زائل نہیں مان سکتے کیونکہ یہ مسلمہ ضابطہ ہے الیقین لا یزول بالشک۔

باب اذابکی الامام فی الصلوٰة

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نماز میں اگر کوئی شخص جنت یا دوزخ الٰہی کی وجہ سے روئے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ امام کی قید اتفاقی ہے کیونکہ اس باب کی تعلیق اور مسند دونوں روایتوں میں امام کے رونے کا ذکر ہے۔ حکم امام اور غیر امام سب کا ایک ہی ہے۔

سمعت نشیج عمر:۔ نشیج کے معنی۔

۱- بہت رونا اشد البکاء ۲- بچوں کی طرح ہچکیاں لے کر رونا۔

۳- ہر آواز کو نشیج کہتے ہیں جو ظاہر ہو جائے۔

لم یسمع الناس من البکاء:۔ یہ محل ترجمہ ہے

حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ نماز اس سے ٹوٹ جائے گی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس احتمال کے کہ حضرت ابوبکر رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرأت اور تکبیرات کی آواز نہ سنا سکیں گے۔ یہی حکم فرمایا مروا ابا بکر فلیصل بالناس اس سے بھی معلوم ہوا کہ رونے سے نماز نہیں ٹوٹتی اس کی تائید ابوداؤد اور نسائی کی روایت سے ہوتی ہے عن عبدالله بن الشخير رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی بناو فی صدره ازیز کاز یزالمرجل من البکاء کہ ہنڈیا کی آواز کی طرح رونے کی آواز آ رہی تھی معلوم ہوا کہ دین اور آخرت کی وجہ سے رونے سے نماز نہیں ٹوٹتی اگرچہ آواز ظاہر ہو جائے۔

باب تسویة الصفوف عندالاقامة وبعد ها

غرض یہ ہے کہ اقامت پڑھنے کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے صفوں کا درست کرنا اور اس کا خیال رکھنا ضروری ہے پھر ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری کے نزدیک تسویہ وجوب کے درجے میں ہے جیسا کہ آگے آنے والے بابوں سے ظاہر ہوتا ہے خصوصاً باب اثم من لم یتم الصفوف اسی وجوب تسویہ کے قائل ابن حزم ہیں۔ جمہور فقہا سنیت موکدہ کے قائل ہیں منشاء اختلاف زیر بحث باب کی دونوں حدیثیں ہیں۔ ۱- عن النعمان بن بشیر مرفوعاً لتسنون صفوفکم او لیخالفن الله بین وجوهکم۔ ۲- عن انس مرفوعاً اقیمواالصفوف فانی اراکم خلف ظهری امام بخاری اور ابن حزم کے نزدیک یہ حدیثیں وجوب پر دال ہیں حتیٰ کہ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ تسویہ نہ ہونے کی صورت میں نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ تصریح خلاف اجماع شمار کی گئی ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے گو ان سے صراحۃً بطلان صلوٰۃ منقول نہیں جمہور ائمہ کے نزدیک یہ دونوں روایتیں تاکید پر محمول ہیں ترجیح قول جمہور کو ہے کیونکہ وجوب اعادہ پر کوئی لفظ دال نہیں ہے۔

او لیخالفن الله بین وجوهکم

اس کے معنی۔ ۱- چہرے مسخ ہو جائیں کہ آنکھ منہ ناک ختم کر دیا جائے سر کا اگلا حصہ بھی سر کے پچھلے حصہ کی طرح بنا دیا جائے۔

۲- چہرے کا حسن اور رونق اور انوار ختم کر دیئے جائیں۔

۳- دلوں میں نفرت ہو اور اس کا اثر چہروں کے انقباض کی صورت میں ظاہر ہو۔

فانی اراکم خلف ظهری

پیچھے دیکھنے کی مختلف تفسیریں گزر چکی ہیں۔

باب اقبال الامام الناس عند تسویة الصفوف

یعنی لوگوں کی طرف امام کا متوجہ ہونا مستحسن ہے جبکہ لوگ صفیں سیدھی کر رہے ہوں۔ **باب الصف الاول**:۔ صف اول کا ثواب بیان کرنا مقصود ہے۔ صف اول کا مصداق کیا ہے اس میں تین قول اذان کے ابواب میں گزر چکے ہیں۔

باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة

یعنی صف کے درست کرنے میں اگر کمی ہوگی تو ثواب میں کمی ہو جائے گی سوال تمام کا لفظ عموماً وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں ان کی کمی بیان کرنی مقصود ہو اور اس باب کی حدیث میں جو مرفوعاً وارد ہے فان اقامة الصف من حسن الصلوة اس میں تو صفات کا حسن مذکور ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں تمام کا لفظ مناسب نہیں ہے جواب۔ یہ صفت اہمیت کی وجہ سے امام بخاری کے نزدیک اجزاء کی طرح ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں تمام کا لفظ استعمال فرمایا۔

فلا تختلفوا علیه

معنی یہ ہیں کہ رکوع سجدہ وغیرہ میں امام سے اختلاف نہ کرو ان الفاظ مبارکہ سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ جب عملی طور پر امام سے اختلاف کرنے سے منع فرمادیا تو نیت کے طور پر اختلاف کرنا کہ امام تو نفل کی نیت کئے ہوئے ہے اور مقتدی فرض کی نیت کرے یہ بطریق اولیٰ منع ہے کیونکہ نیت کا اختلاف عمل کے اختلاف سے زیادہ سخت اور اشد ہوتا ہے اس لئے اقتداء المفترض خلف المتنفل صحیح نہیں ہے۔

باب اثم من لم یتم الصفوف

امام بخاری کی غرض تسویہ صفوف کا وجوب ثابت کرنا ہے اس باب میں ہے کہ حضرت انس نے صفوں کے معاملہ میں تابعین حضرات سے فرمایا **ماانکرت شیأ الا انکم لاتقیمون الصفوف** گویا حضرت انس نے صفیں پوری سیدھی نہ کرنے کو اچھا نہ شمار فرمایا اور اس پر انکار فرمایا اس انکار کو امام بخاری نے وجوب پر محمول فرمالیا جمہور کی طرف سے جواب یہی ہے کہ صرف انکار سے یعنی اچھا نہ سمجھنے سے وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایسا انکار تو ترک مستحب اور ترک سنت پر بھی ہوسکتا ہے۔

باب الصاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف

امام بخاری کی غرض خالی جگہ پر کرنے کی تاکید ہے مبالغۃً کہ مل کر کھڑے ہونا چاہئے کوئی جگہ خالی نہ رہے۔ ابوداؤد میں عن ابن عمر فی حدیث صحیح مرفوعاً ہے **حاذوا بین المناکب وسدوا الخلل** اس حدیث سے بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت کی تفسیر ہوگئی جس میں یہ لفظ ہیں **عن انس و کان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه** معلوم ہوا کہ ایک سیدھ میں کندھوں کا اور قدموں کا کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود ہے کہ درمیان جگہ خالی نہ بچے پس آج کل کے غیر مقلد جو بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ ہر ایک پاؤں خوب پھیلا کر کھڑا ہو اور ساتھ والے کے پاؤں سے پاؤں حساً جڑ جائے اور ٹخنے کا ٹخنے سے جوڑنا حسی طور پر ضروری سمجھتے ہیں یہ ان کی سمجھ کی کمی ہے اس کی دلیل۔ ۱- ابوداؤد کی مذکورہ روایت جو صحیح ہے اور مرفوع ہے کیونکہ محاذاۃ کی تصریح ہے اور خالی جگہ نہ چھوڑنے کا حکم ہے اس لئے کندھے اور پاؤں دونوں میں محاذاۃ ضروری ہے کندھے مل بھی جائیں گے تاکہ سد خلل ہو جائے پاؤں میں صرف محاذاۃ ہوگی۔ ۲- دوسری دلیل کہ پاؤں کا ملانا اور حساً جوڑنا دوسرے کے پاؤں کے ساتھ مراد نہیں ہے بلکہ پاؤں کا ساتھ والے کے پاؤں کی سیدھ میں کرنا مراد ہے یہ ہے کہ یہی معنی ائمہ اربعہ کے نزدیک ہیں۔ ۳- یہی تعامل آج تک چلا آرہا ہے۔ ۴- دو بھاری بدن کے نمازی ساتھ ساتھ

کھڑے ہوں تو وہ پاؤں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ فقہاء تعامل کا لحاظ سند سے بھی زیادہ رکھتے ہیں اور محدثین صرف سند پر مدار رکھتے ہیں۔ پھر جب محدثین کسی موقعہ میں تعامل کو سند کے خلاف دیکھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں۔ فقہاء تعامل کو ترجیح دے دیتے ہیں وجہ یہ ہے کہ تعامل خبر متواتر ہوتی ہے۔

باب اذااقام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفه الی یمینه تمت صلوٰۃ

سوال بیس باب پہلے ایک باب یوں تھا باب اذاقام الرجل عن یسار الامام فحوله الامام الی یمینه لم تفسد صلوتهما اس لئے ان دونوں بابوں میں تکرار پایا گیا۔ جواب یہاں غرض میں دو قول ہیں۔ ا- پہلا قول یہ ہے کہ تحویل یعنی ترتیب ٹھیک کرنے سے پہلے جو نماز مقتدی کی تھی اس میں نقصان نہ تھا اور وہ بھی ٹھیک تھی اگرچہ ترتیب غلط تھی لیکن یہ ایسی غلطی نہ تھی کہ نماز نہ ہو یا بہت ناقص ہو۔ ۲- امام کی نماز تحویل سے پہلے ٹھیک تھی تمت صلوٰۃ کی ضمیر امام کی طرف لوٹتی ہے ان دو قولوں میں سے پہلے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے بیس باب پہلے جو باب تھا اس کی غرض یہ تھی کہ امام کی تحویل یعنی پھیرنا اور مقتدی کا تحول یعنی پھر جانا یہ نماز کو توڑنے کا سبب نہ بنے کیونکہ۔ ا- یہ عمل قلیل تھا۔ ۲- تعلیم کے لئے تھا۔ ۳- نماز کی اصلاح کے لئے تھا۔

باب المراۃ وحدها تکون صفا

سوال صف کا لفظ تعدد کو چاہتا ہے کیونکہ صف کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دو یا زیادہ مرد یا عورتیں ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں اور وحدها کا لفظ صریح ہے کہ ایک عورت کا ذکر کرنا مقصود ہے۔
جواب:۔ ا- پہلا یہ ہے کہ اکیلی عورت صف کے حکم میں ہے کیونکہ وہ مردوں کے ساتھ تو کھڑی ہو ہی نہیں سکتی وہ پیچھے اکیلی کھڑی ہوگی اس لئے وہ اکیلی ہی صف کے قائم مقام ہے امام ابن عبدالبر نے حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے المراۃ وحدها صف۔ ۲- دوسرا جواب اور ترجمۃ الباب کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں جنس مراد ہے کہ عورتوں کی جنس الگ صف بنائے اور عورتیں مردوں کے ساتھ کھڑی نہ ہوں۔ یہ تو اشکال کے دو جواب تھے۔ اب امام بخاری کی غرض ذکر کی جاتی ہے غرض میں بھی دو قول ہیں۔ ا- یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عورت مردوں کے ساتھ کھڑی نہ ہو۔ ۲- دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ حضرت عائشہؓ والی مذکورہ حدیث صحیح ہے۔

باب میمنة المسجد والامام

امام بخاری کا مقصد مسجد کی دائیں جانب اور امام کی دائیں جانب کی فضیلت بیان کرنا ہے کہ وہاں کھڑے ہونے میں ثواب زیادہ ہے۔ پھر مسجد کی دائیں جانب اور امام کی دائیں جانب اکٹھی ہی ہیں کیونکہ دونوں کا رخ قبلہ کی طرف ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ مسجد کا رخ نمازیوں کی طرف ہوتا اس لئے مسجد کی دائیں جانب امام اور مقتدی کی بائیں جانب ہے لیکن اس قول کو صحیح نہیں شمار کیا گیا۔ پہلا قول ہی صحیح ہے۔ پھر حدیث کی مطابقت امام کی دائیں جانب سے مطابقتاً اور صراحۃً ہے اور مسجد کی دائیں جانب کے ساتھ لزوماً ہے کیونکہ جو جانب امام کی دائیں ہے وہی مسجد کی بھی دائیں ہے۔ سوال۔ حدیث پاک میں تو ایک مقتدی کا واقعہ ہے۔ زیادہ مقتدیوں کا حکم تو ثابت نہ ہوا۔ جواب ٹھیک ہے صراحۃً تو ایک مقتدی کا حکم ہی ثابت ہوا لیکن اشارتاً زیادہ کا حکم بھی ثابت ہو گیا اشارہ کی دو صورتیں ہیں۔ ا- قیاس کریں گے زیادہ کو ایک پر۔ ۲- اشارہ فرما دیا ابوداؤد کی روایت کی طرف عن عائشة مرفوعاً ان الله وملئكته يصلون على ميامن الصفوف۔

وقال بیده من وراتی

معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اے ابن عباس تم میرے پیچھے سے ہو کر دائیں طرف آ جاؤ اور ایک نسخہ میں یہاں یوں ہے وقال بیده من ورائه اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے دست مبارک سے مجھے پکڑ کر اپنے پیچھے سے لا کر دائیں طرف کھڑا کر دیا قال بمعنی تناول ہے۔

باب اذا کان بین الامام و بین القوم حائط او سترة

امام بخاری کا مقصد اس باب سے یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان دیوار بھی ہو تو اقتدا ٹھیک ہو جائے گی یا سترہ درمیان میں ہو تو پھر بھی اقتداء ٹھیک ہو جائے گی لیکن فقہاء نے اس میں دو شرطیں بھی بیان فرمائی ہیں۔

۱- امام کا رکوع سجدہ میں جانا مقتدیوں کو معلوم ہوتا رہے۔

۲- امام اور مقتدیوں کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ دونوں الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں۔

واجدار احجرة قصير: ۔حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں نماز پڑھا کرتے تھے وجدار الحجرۃ قصیر اور حجرہ کی دیوار یعنی حضرت عائشہ کے مکان کے صحن کی دیوار چھوٹی تھی حجرہ سے مراد صحن ہے اور جدار کا لفظ چٹائی کے حجرہ پر نہیں بولا جاتا اس سے صاف معلوم ہوا کہ صحن کی دیوار مراد ہے اور حجرہ سے مراد صحن ہے چٹائی کا حجرہ نہیں ہے تفصیل عصر کی تاخیر کے مستحب ہونے کے مسئلہ میں گزر چکی ہے حنفیہ حجرہ سے مراد حضرت عائشہؓ صدیقہ کا صحن لیتے ہیں کہ بعض دفعہ ٹھیک ہے چٹائی کے حجرہ میں جماعت ہوئی ہے لیکن بعض دفعہ حضرت عائشہ کے صحن میں بھی جماعت ہوئی ہے کہ اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور صحابہ باہر تھے اور جمہور ائمہ کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اقتداء کے واقعہ میں صرف چٹائی کا حجرہ ہی مراد ہے صحیح بخاری کی اس زیر بحث روایت سے حنفیہ کے قول کی تائید ہوگئی مزید تائید ابونعیم کی روایت سے ہوتی ہے اس میں یہ لفظ ہیں **کان یصلی فی حجرة من حجر ازواجه۔**

انی خشیت ان تکتب علیکم صلوٰة اللیل

سوال معراج کے واقعہ میں وارد ہے کہ جب نمازیں پچاس سے کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **لایبدل القول لدی۔** جب یہ فرما دیا تھا کہ اب پانچ نمازوں میں تبدیلی نہ ہوگی تو اب یہ خطرہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تراویح کی نماز فرض کر دی جائے۔ جواب:۔۱-معراج والے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ اب پانچ سے کمی نہ ہوگی زیادتی کا احتمال تو باقی تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادتی کا خوف ذکر فرمایا۔ ۲-معراج والے ارشاد کا تعلق پورے سال کے ساتھ تھا کہ پورے سال والی نمازوں میں نہ کمی ہوگی نہ زیادتی ہوگی۔ اکیلے رمضان میں زیادتی کا خطرہ موجود تھا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ذکر فرمایا۔۳-نمازیں چھ ہونے کا خطرہ تو نہ تھا لیکن تراویح کی جماعت جو سنت ہے اس جماعت کے فرض ہونے کا خطرہ تھا جس کو زیر بحث روایت میں ذکر فرمایا۔

باب صلوٰة اللیل

سوال۔ اس باب کو جماعت کے ابواب سے بالکل مناسبت نہیں ہے پھر یہاں جماعت کے ابواب کے اخیر میں کیوں یہ باب رکھ دیا۔ جواب:۔۱- بہت سے نسخوں میں یہاں یہ باب نہیں ہے اور جو روایتیں یہاں مذکور ہیں وہ گذشتہ باب ہی کا حصہ ہیں اور یہی نسخہ زیادہ مناسب ہے کہ یہاں یہ باب نہ ہوتا کہ کوئی اشکال نہ پڑے۔ ۲- یہاں صلوٰۃ اللیل مع الجماعۃ مراد ہے اور مقصد امام بخاری کا یہ ہے کہ صلوٰۃ اللیل میں بھی جماعت کی گنجائش ہے اس لحاظ سے جماعت کے ابوب کے مناسب ہے اور نفس صلوٰۃ اللیل کا استحباب یہ یہاں بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کا ذکر آگے آئے گا وہاں استحباب بیان کرنا مقصود ہوگا۔ اس تقریر سے تکرار کا اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ صلوٰۃ اللیل کا باب دو جگہ کیوں رکھا۔ ۳- یہاں صلوٰۃ اللیل کے باب کے ذکر کرنے سے صرف یہ مقصد ہے کہ جیسے دیوار اقتداء سے نہیں روکتی اسی طرح رات کا اندھیرا جماعت سے نہیں روکتا لیکن [illegible] حال ملحوظ ہے کہ امام کا رکوع سجدہ میں

جانا اور اٹھنا مقتدیوں کو معلوم ہوتا رہے۔

باب ایجاب التکبیر و افتاح الصلوٰۃ

بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** بھی ہے اور ابواب **صفۃ الصلوۃ** بھی ہے اور یہ زیادتی والا نسخہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ پیچھے ابواب اذان جماعت تھے اب صفۃ صلوٰۃ کے اہم ترین ابواب شروع ہو رہے ہیں گویا پہلے شرائط و مبادی تھے اب اصل نماز کا طریقہ شروع ہو رہا ہے پھر باب ایجاب التکبیر سے غرض امام بخاری کی کیا ہے اس میں متعدد قول ہیں۔۱۔ اللہ اکبر کا لفظ ضروری ہے تسبیح وتہلیل کے الفاظ تحریمہ منعقد ہونے کے لئے کافی نہیں ہیں۔۲۔بعض کا شاذ قول ہے کہ نماز کی سب تکبیریں واجب ہیں اس قول کا امام بخاری کی رد کرنا چاہتے ہیں کہ صرف شروع میں تکبیر واجب ہے بعد میں صرف سنت ہے۔۳۔بعض کا جو قول ہے کہ ہر تکبیر نماز میں واجب ہے اسی شاذ قول کی تائید امام بخاری کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ائمہ کا اس میں اختلاف ہو گیا کہ تحریمہ منعقد ہونے کے لئے کون کون سے الفاظ کافی ہیں۔امام مالک اور امام احمد کے نزدیک تحریمہ کا مصداق صرف اللہ اکبر ہے **وعندالشافعی اللہ الاکبر بھی ھے وعندابی یوسف اللہ کبیر اللہ الکبیر اللہ الکبار** بھی ہیں کل پانچ لفظ ہو گئے **وعند الطرفین** ہر لفظ جو موجب تعظیم ہو تحریمہ کے لئے کہنا صحیح ہے جیسے **اللہ اجل ' الرحمٰن اعظم وغیرہ' للطرفین و ذکر اسم ربہ فصلی** کیونکہ نماز سے پہلے متصلا تحریمہ ہی ہے تو حق تعالیٰ نے تحریمہ کا ذکر ان لفظوں میں فرمایا وذکر اسم ربہ معلوم ہوا کہ جو لفظ بھی ذکر اسم رب کا مصداق ہے وہی تحریمہ کا مصداق ہے اور اس پر فصلی مرتب ہو سکتا ہے فاء تعقیب بلافصل کے ہوتا وہ چیز جس کے فوراً بعد نماز ہو وہ تحریمہ ہی تو ہے پس تحریمہ اور ذکر اسم رب ایک ہی چیز ہوئی۔اس لئے ہر لفظ جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرے وہ ذکر اسم ربہ کا مصداق بھی ہے اور تحریمہ کا مصداق بھی ہے۔ ولمالک واحمد توارث عملی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک مسلمان اللہ اکبر کہتے چلے آئے ہیں اور توارث عملی تواتر کی ایک قسم ہے اس لئے اللہ اکبر تواتر سے ثابت ہو گیا۔ جواب۔ توارث عملی سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ اکبر سے تحریمہ منعقد ہو جاتی ہے ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ اس لفظ سے تحریمہ منعقد ہو جاتی ہے اور یہی کہنا مسنون ہے لیکن اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ اگر کوئی شخص کوئی اور لفظ کہہ دے گا تو تحریمہ منعقد نہ ہوگی اس لئے یہ توارث عملی ہمارے خلاف نہیں ہے۔ وللشافعی یہی توارث عملی اللہ اکبر کو ثابت کرتا ہے اور اگر اکبر پر الف لام لگا لیا جائے تو زیادتی ہوئی کمی تو نہ ہوئی۔ یعنی اللہ الاکبر میں اللہ اکبر بھی موجود ہے اس لئے دونوں لفظوں سے تحریمہ منعقد ہو جائے گی۔ جواب بالکل وہی ہے جو ابھی دیا گیا۔ ولابی یوسف۔۱۔**فی ابی داوٗد عن علی مرفوعاً تحریمها التکبیر** کہ تکبیر کے مادہ سے جو لفظ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا وہ تحریمہ کا مصداق بن جائے گا اور اسی میں حصر بھی ہوگا کیونکہ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اور تعریف الطرفین سے حصر ثابت ہو جاتا ہے اس لئے صرف تکبیر کے مادہ سے ہی تحریمہ منعقد ہوگی اور کسی لفظ سے نہ ہوگی اور تکبیر کے مادہ سے یہی پانچ لفظ استعمال ہوتے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں اس لئے تحریمہ ان ہی پانچ لفظوں میں بند ہے۔۲۔دوسری دلیل امام ابو یوسف کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وربک فکبر** تقریر وہی جو ابھی گزری کہ کبر کے مادہ کا لحاظ ضروری ہے اور اس آیت میں تکبیر کہنے کا امر ہے اور اس پر اجماع ہے کہ نماز کے علاوہ تکبیر کہنا فرض نہیں ہے لامحالہ اس آیت میں نماز کی تحریمہ ہی کا ذکر ہے کہ نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہا کرو اور اسماء الٰہیہ میں اسم تفضیل اکبر اور صفۃ کبیر اور کبار میں کچھ فرق نہیں اس لئے یہ پانچوں صیغے برابر درجہ کے ہیں اور ان سب سے تحریمہ منعقد ہو جاتی ہے۔ جواب ان دونوں دلیلوں کا یہ ہے کہ حدیث پاک میں اور آیت مبارکہ میں تکبیر کا مادہ مراد نہیں ہے بلکہ کلمہ تعظیم مراد ہے کہ ایسا لفظ کہو جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ظاہر ہوتی ہو اس لئے سب الفاظ جو عظمت پر دلالت کرتے ہیں اس کا مصداق بن

جائیں گے اوران سے تحریمہ منعقد ہو جائے گی اس کی تائید سورہ یوسف کی اس آیت سے ہوتی ہے فلماً رائینه اکبر نه وقطعن ایدیهن۔ یہاں اکبرن سے مراد اللہ اکبر کہنا نہیں ہے بلکہ عظیم سمجھنا ہے معلوم ہوا کہ اکبرن اور کبرن تعظیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

باب رفع اليدين فى التكبيرة الاولى مع الافتتاح سواءً

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ رفع یدین تحریمہ کے ساتھ ہونا ہی مسنون ہے یہ نہ ہو کہ تحریمہ سے پہلے ہو جائے یا تحریمہ کے بعد ہو۔ سواء ترکیب میں حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے حال کون رفع الیدین مع الافتتاح متساویین۔ پھر شروع میں ہاتھ اٹھانے میں مختلف حکمتیں ہیں مثلاً ۱- اشارہ ہے کہ یا اللہ میں دنیا ساری کو ایک طرف پھینک کر آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں ۲- ہاتھ اٹھا کر وہ پردہ ہٹا دیا جاتا ہے جو عابد اور معبود کے درمیان تھا یعنی اے اللہ میں آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہو گیا ہوں ۳- کعبۃ اللہ کی طرف پورے بدن کے ساتھ استقبال مقصود ہے کہ ہتھیلی اور انگلیاں بھی قبلہ رخ ہو جائیں ۴- ہاتھ اٹھانا عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اظہار ہے یعنی قولاً اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ عملاً ہاتھ اٹھانے سے مولائے عظیم کی تعظیم و کبریائی کا اظہار ہے ۵- اتباع سنت کا اظہار ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے تھے اس لئے ہم بھی اٹھائیں گے ۶- نماز کی شوکت وعظمت و زینت ظاہر ہوتی ہے خصوصاً باجماعت نماز میں جو اصل نماز ہے ۷- بادشاہوں کے پاس لوگ آتے ہیں تو شاہی آداب کے ساتھ سلام کرتے ہیں نماز کے شروع میں بھی احکم الحاکمین ملک الملوک شہنشاہ کے دربار کی حاضری کے وقت بھی شاہانہ ادب کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے۔

باب رفع اليدين اذا كبر واذا ركع واذا رفع

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ان تین موقعوں میں رفع یدین مسنون ہے اس مسئلہ میں اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک اور اشہر روایات امام مالک کی یہ ہے کہ صرف شروع نماز میں رفع یدین مسنون ہے وعندالشافعی و احمد و فی روایة لمالک شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مسنون ہے اور شوافع حضرات نے تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین امام شافعی کے اصول کے مطابق مسنون قرار دی ہے اگرچہ صراحۃً امام شافعی سے منقول نہیں ہے لنا۔ ۱- فی ابی داؤد و الترمذی والنسائی عن عبدالله بن مسعود موقوفاً الا اصلی بکم صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الامرةً اور امام ترمذی نے اس روایت کو حسن اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ۲- فی ابی داؤد عن البراء مرفوعاً کان اذاافتتح الصلوٰة رفع یدیه الی قریب من اذینه ثم لایعود۔ سوال:۔ امام ابوداؤد نے ثم لایعود کی زیادتی کو صحیح قرار نہیں دیا۔ جواب:۔ امام طحاوی نے یہ زیادتی تین سندوں سے ثابت کی ہے۔ ۳- ہماری تیسری دلیل الخلافیات للبیہقی میں حضرت عباد بن الزبیر سے مرفوعاً وارد ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صرف پہلے موقعہ میں رفع یدین کا مذکور ہے۔ ۴- طبرانی میں عن ابن عباس مرفوعاً لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن پھر سات جگہیں مذکور ہیں۔ ۱- ابتداء صلوٰة ۔ ۲- صفا ومروہ پر۔ ۳، ۴- مقامین عندالجمر تین ۔ ۵- عرفات ۔ ۶- مزدلفہ ۔ ۷- عنداستقبال القبلة یعنی جب پہلی نظر خانہ کعبہ پر پڑے۔ ۵- ہماری پانچویں دلیل فی مسلم عن جابربن سمرة خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة. سوال:۔ مسلم میں اس روایت کے بعد قریب ہی ایک اور روایت ہے جابر بن سمرۃ ہی سے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس روایت میں بھی کانها اذناب خیل شمس کے الفاظ ہیں پس اس روایت سے اس پہلی روایت کی

وضاحت ہوگئی کہ سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے سے منع فرمانا مقصود تھا رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانے سے منع کرنا مقصود نہ تھا۔ جواب:۔ ہماری پانچویں دلیل اور اس روایت میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔ ۱- ہماری نفلوں کے بارے میں ہے آپ کی فرضوں کے بارے میں ہے۔ ۲- ہماری روایت میں بلا جماعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے آپ کی روایت میں باجماعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ ۳- ہماری دلیل میں اسکنوافی الصلوٰۃ کی تصریح ہے جو ہمارے قول کو ثابت کرنے میں صریح ہے جو روایت آپ ذکر کر رہے ہیں اس میں یہ لفظ نہیں ہیں۔ ۴- ہماری دلیل کے راوی الگ ہیں آپ کی روایت کے راوی الگ ہیں صرف حضرت جابر بن سمرۃ مشترک ہیں عام طور پر جب ایک ہی واقعہ دو سندوں سے منقول ہوتا ہے تو اس میں متعدد راوی مشترک ہوتے ہیں یہاں ایک کے سوا سب راویوں کا الگ الگ ہونا بھی اس کی علامت ہے کہ یہاں دو واقعے الگ الگ ہیں ان سب باتوں سے ثابت ہوا کہ یہاں دو واقعے الگ الگ ہیں اور رکوع میں بھی ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ۶- ہماری چھٹی دلیل المعرفہ للبیہقی اور طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت مجاہد عمل نقل کرتے ہیں حضرت ابن عمر کا کہ وہ صرف پہلے موقعہ میں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ ۷- طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابراہیم عمل نقل فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود کا یہی کہ شروع صلوٰۃ میں رفع یدین فرماتے تھے بعد میں نہیں۔ سوال:۔ حضرت ابراہیم کا سماع حضرت عبداللہ بن مسعود سے ثابت نہیں روایت منقطع ہو گئی جو ضعیف ہوتی ہے۔ جواب:۔ طحاوی شریف میں سند کے ساتھ منقول ہے کہ حضرت اعمش نے حضرت ابراہیم سے عرض کیا **اذا حدثتنی فاسند** تو جواب دیا کہ میرا یہ اصول ہے کہ جب ایک دو راوی ہوں تو ان کو ذکر کر دیتا ہوں اور جب بہت سے راوی ہوں تو سند ذکر نہیں کرتا۔ ۸- ہماری آٹھویں دلیل طحاوی شریف اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے جو علی شرط مسلم ہے عن الاسود کہ حضرت عمرؓ کا عمل نقل فرماتے ہیں کہ شروع صلوٰۃ میں ہی رفع یدین فرماتے تھے بعد میں نہ فرماتے تھے کثیر صحابہ کا امامت عمر فاروق کو دیکھنا اور انکار نہ فرمانا تقریباً اجماع صحابہ ہے۔ ۹- فی الطحاوی عن کلیب علی شرط مسلم حضرت علی کا عمل نقل فرماتے ہیں صرف شروع میں رفع یدین کا۔ یہ بھی بظاہر زمانہ خلافت ہی کا عمل ہے۔ ۱۰- دلیل عاشر عشرہ مبشرہ کا عمل ہے جن کو ایک ہی حدیث میں جنت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سعیدؓ بن زید۔ ان سب حضرات کا عمل حضرت ابن عباسؓ سے بدائع الصنائع میں منقول ہے کہ صرف افتتاح کے موقعہ پر رفع یدین فرماتے تھے بعد میں نہ فرماتے تھے۔ ۱۱- رفع یدین دنیا سے ہاتھ اٹھانے اور سب گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے ہے اس لئے یہ شروع نماز ہی کے مناسب ہے۔ رکوع جاتے وقت ہاتھ اٹھانے کے معنی یہ ہوئے کہ قرأت قرآن پاک سے توبہ کی جارہی ہے یہ مناسب نہیں۔

للشافعی و احمد:۔ ۱- فی ابی داؤد و صحیح البخاری فی هذا الباب و فی صحیح مسلم عن ابن عمر قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاقام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتیٰ یکونا حذومنکبیہ وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ویفعل ذلک اذارفع راسہ من الرکوع اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی حضرت ابن عمر سے مرفوعاً عملاً منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان فرمایا کہ اس طرح تھا۔ جواب۔ جب حضرت ابن عمر کا اپنا عمل اپنی ہی نقل کی ہوئی مرفوع روایت کے خلاف ہمارے دلائل میں گزر چکا ہے تو یہ عمل اور روایت میں مخالفت تین چیزوں میں سے ایک چیز کی

دلیل ہے کہ جو روایت نقل فرمائی ہے وہ روایت ضعیف ہے یا منسوخ ہے یا ماول ہے یعنی اس کے ایسے معنی ہیں جو صحابی کے عمل کے خلاف نہیں ہیں۔ تینوں صورتوں میں استدلال نہیں ہوسکتا۔ سوال:۔ بیہقی میں ایک سند میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اخیر عمر تک رہا۔ جواب:۔ یہ روایت اتنی کمزور ہے کہ اس کو موضوع قرار دیا گیا ہے اس لئے اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ ۲- امام شافعی اور امام احمد کی دوسری دلیل فی الصحیحین عن مالک بن الحویرث عمل نقل فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ رفع یدین فرماتے تھے شروع میں اور رکوع میں اور رکوع سے اٹھتے وقت جواب نسائی میں ان صحابی سے ہی مرفوعاً سجدہ میں بھی رفع یدین ہے جو آپ سجدہ والی رفع یدین کا جواب دیں گے وہی ہم رکوع والی رفع یدین کا جواب دے دیں فما هو جوابكم فهو جوابنا۔ ۳- فی ابی داؤد عن ابی حمید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل منقول ہے شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا۔ جواب:۔ اس روایت کے متن میں اضطراب ہے بعض راویوں نے اخیر میں تورک اور بعض نے افتراش نقل کیا ہے۔ نیز اس کی سند میں عبدالحمید راوی ہے جس کو یحیی بن سعید قطان نے ضعیف قرار دیا ہے اس کے علاوہ امام طحاوی نے ابی حمید سے پہلے ایک راوی چھوٹا ہوا ثابت کیا ہے جس کی وجہ سے یہ روایت منقطع ہوگئی جو ضعیف ہوتی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ سمعت کا لفظ جو یہاں منقول ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ راوی چھوٹا ہوا نہیں ہے بلکہ سماع ثابت ہے اس کے متعلق امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ سمعت نقل کرنا عبدالحمید راوی کا وہم ہے اس لئے سمعت ثابت نہیں ہے انقطاع ثابت ہے اور روایت ضعیف ہے جب اس روایت میں تین قسم کا ضعف پایا گیا تو اس روایت سے استدلال کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ ۴- بیہقی میں حضرت عمرؓ سے مرفوعاً عمل منقول ہے رفع یدین کا شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔ جواب۔ اس روایت کے راوی

حضرت عمرؓ کا عمل چونکہ اس کے خلاف ہمارے دلائل میں مذکور ہے اس لئے یہ روایت ضعیف یا منسوخ یا ماؤل ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی کو صرف رجل کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ ایک راوی مجہول ہے اس لئے روایت ضعیف ہے۔ ۵- بیہقی میں حضرت علیؓ کا عمل تینوں موقعوں میں رفع یدین کا منقول ہے جواب یہ ہے کہ ہمارے دلائل میں جو حضرت علیؓ کا عمل صرف ایک موقعہ میں رفع یدین کا منقول ہے وہ اس بیہقی کی روایت سے اقویٰ ہے کیونکہ وہ علی شرط مسلم ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔ ۶- **فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً فلما اراد ان یرکع رفعهما مثل ذلک ثم وضع یدیه علی رکبتیه فامارفع راسه من الرکوع رفعهما.** جواب:۔ اسی باب میں ابوداؤد میں اس روایات سے پہلے دو روایتیں چھوڑ کر ان ہی صحابی سے جو عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منقول ہے اس میں رکوع کے ساتھ ساتھ سجدہ میں بھی رفع یدین ہے فما هو جوابكم فهو جوابنا کیونکہ آپ سجدہ میں رفع یدین کے قائل نہیں ہیں اور ایک جواب ہمارے پاس ان مذکور اور غیر مذکور سب دلائل کا انتہائی جامع ہے وہ یہ ہے کہ پہلے نماز میں عمل کثیر کی بھی ممانعت نہ تھی گفتگو کی بھی اجازت تھی آہستہ آہستہ سکون اور یکسوئی کے احکام نازل ہوتے گئے پہلے یہ حکم تھا کہ جماعت ہو رہی ہو تو نیا آنے والا اس شخص سے جو جماعت میں پہلے سے شریک ہوتا تھا پوچھ لیتا تھا کہ کتنی رکعتیں ہوگئی ہیں وہ بول پڑتا تھا کیونکہ نماز میں بولنے کی اجازت تھی وہ بتلا دیتا کہ دو رکعتیں مثلاً ہو چکی ہیں نیا شریک ہونے والا جلد جلدی دو رکعتیں پڑھ لیتا اور پھر جماعت کے ساتھ شریک ہو جاتا تھا۔ ہر نیا آنے والا اسی طرح کرتا تھا اس طرح مسجد میں ایک انتشار کی سی حالت رہتی تھی کوئی کھڑا ہے کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں ہے یہ انتشار بھی منسوخ کر دیا گیا۔ اب رفع یدین کی روایات سب کی سب اگر جمع کی جائیں تو کل چار قسم کی روایات بنتی ہیں۔ ۱- ہر رفع وخفض میں رفع یدین حتیٰ کہ

دونوں سجدوں میں بھی رفع یدین۔۲- چار موقعوں میں رفع یدین شروع میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت۔۳- تین رفع یدین شروع میں پھر رکوع کو جاتے وقت پھر رکوع سے اٹھتے وقت۔۴- صرف ایک رفع یدین شروع صلوٰۃ میں ان تمام حالات اور روایات کو دیکھنے سے قرین قیاس یہی ہے کہ پہلے ہر رفع وخفض میں رفع یدین تھا پھر چار جگہ رہ گیا پھر تین جگہ اور اخیر میں پھر صرف ایک جگہ رہ گیا اور اس پر حکم پختہ ہو گیا اور یہی ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک اور امام مالک کی اشہر روایت ہے اور چار اماموں میں سے ان دو کا مقام بھی تو اونچا ہے امام احمد کے استاد امام شافعی ہیں ان کے استاد امام مالک ہیں ان کے استاد امام ابوحنیفہ ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

باب الی این یرفع یدیه

امام بخاری کی غرض ہاتھ اٹھانے کی حد بتلانی ہے کہ منکبین تک ہے۔ باب کے عنوان میں تصریح نہیں فرمائی کیونکہ آگے حدیث میں تصریح آ رہی تھی منکبین تک اٹھانے کی۔ اس سلسلہ میں کل روایتیں تین قسم کی مرفوعاً وارد ہیں۔ ۱- الی المنکبین. ۲- الی شحمتی الاذنین. ۳- الی الاذنین. امام بخاری نے تو ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا کہ منکبین کو ترجیح ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک تینوں کو جمع کرنا اولیٰ ہے اس طرح سے کہ ہتھیلیاں کندھوں تک ہوں۔ انگوٹھے شحمتین تک یعنی کانوں کی لو تک ہوں جہاں عورتیں سوراخ کر کے کانٹے پہنتی ہیں اور انگلیاں کانوں کے برابر ہوں جمہور کا قول ہی اولیٰ ہے کیونکہ اس میں جامعیت ہے۔

باب رفع الیدین اذاقام من الرکعتین

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ایک چوتھی رفع بھی مسنون ہے تفصیل گذشتہ بابوں میں گزر چکی۔

ورواه حماد بن سلمة عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم

اس سند کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگرچہ حضرت ابن عمر سے رفع رابع میں روایتیں دو قسم کی ہیں۔ ۱- مرفوع۔ ۲- موقوف لیکن میرے نزدیک (یعنی امام بخاری کے نزدیک) مرفوع ہونا راجح ہے البتہ امام ابوداؤد کے نزدیک موقوف ہونا راجح ہے۔

ورواه ابن طهمان عن ایوب وموسی بن عقبه مختصراً

اس اختصار کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱- موقوف نقل فرمایا مرفوع نقل نہ فرمایا۔ ۲- چوتھی رفع ذکر نہ فرمائی صرف شروع کی تین ذکر فرمائیں۔ ۱- ابتداء صلوٰۃ میں رفع یدین۔ ۲- رکوع کو جاتے وقت۔ ۳- رکوع سے اٹھتے وقت اور چوتھی رفع یدین تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت ذکر نہ فرمائی۔

باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ

امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا نماز میں مسنون ہے۔ پھر علماء نے اس وضع میں حکمتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ۱- سائل دلیل کی صفت یہی ہے کہ اسی طرح اپنے آقائے عظیم وجلیل کے سامنے کھڑا ہو۔ ۲- جب ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے تو ہاتھ فضول حرکتوں سے محفوظ رہیں گے۔ ۳- یہ حالت اقرب الی الخشوع بلکہ مصداق ہی ہے خشوع کا ایک قول کے مطابق اور خشوع کی تاکید قرآن پاک میں موجود ہے الذین هم فی صلوتهم خاشعون اسی مناسبت سے امام بخاری نے اس باب کے فوراً بعد خشوع کا باب رکھا ہے۔ ۴- انسان کا نصف اعلیٰ روحانی ہے جس میں دل ودماغ ہیں آنکھیں کان اور زبان ہیں ان سب سے روح کو بہت ترقی ہو سکتی ہے اور انسانی بدن کا نیچے کا آدھا حصہ نفسانی ہے جس میں گناہوں کا خطرہ ہو سکتا ہے خواہ گناہوں کا تعلق کھانے سے ہو یا زنا سے ہو جو درمیان میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں تاکہ روح جو متوجہ الی اللہ ہونا چاہتی ہے اس کو نفس نہ روکے اور روح کے کام میں خلل نہ ڈالے۔ وہ چیز جس کی وجہ سے جسمانی ظاہری وباطنی قلبی حیوٰۃ ہے اس کو روح کہتے ہیں اور کھانے کی خواہش اور نکاح کی خواہش

کے مجموعہ کو نفس کہتے ہیں۔ پس ہاتھوں کا باندھنا نفس کے لئے رکاوٹ کا کام کرتا ہے تاکہ نفس کی شرارت سے محفوظ رہ کر روح اپنے خالق ومالک کی طرف پوری پوری متوجہ رہے۔ **ہاتھ کہاں باندھے جائیں**:۔عندامامنا ابی حنیفۃ وفی اشہر روایۃ عن احمد ناف کے نیچے باندھے جائیں وعندالشافعی ومالک وفی روایۃ عن احمد ہاتھ فوق السرہ باندھے جائیں۔لنا۔ **ما فی ابی داؤد عن علی موقوفا من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰة تحت السرة** اور پھر ابوداؤد نے اس پر سکوت فرمایا ہے جو بہت سے محدثین کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے کی علامت ہے **وللشافعی و مالک ما فی صحیح ابن خزامة عن وائل بن حجر مرفوعاً فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ جواب**:۔ا- لفظ من السنة اصل سنت پر دلالت کرتا ہے اس لئے حضرت وائل بن حجر والی روایت کو بیان جواز پر محمول کیا جائے گا۔۲- روایتیں دونوں قسم کی وارد ہوگئیں اس لئے قیاس مرجح ہوگا اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تحت السرح کو ترجیح ہو کیونکہ یہ ادب سے زیادہ قریب ہے۔ ۳- قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تحت السرہ کو راجح قرار دیا جائے کیونکہ فوق السرہ یہود کا طریق ہے۔تشبہ بالیہود سے بچنے کے لئے تحت السرہ کو ترجیح ہے۔۴ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تحت السرہ باندھنے میں ستر عورت زیادہ ہے اس لئے اس کو ترجیح ہے۔

باب الخشوع فی الصلوٰة

غرض خشوع کا شوق دلانا ہے کیونکہ کلام ازلی میں ہے **الذین هم فی صلوتهم خاشعون**۔ پھر خشوع کی حقیقت میں اقوال مختلف ہیں۔ا- اظہار ذلت و اظہار تواضع مولائے جلیل کے سامنے۔۲-حق تعالیٰ کے ناراض ہونے کے خوف کو خشوع کہتے ہیں۔۳-تین چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ایک تواضع دوسرے لین الکتف للمسلم یعنی جب کوئی مسلمان بھائی کہے صف میں آگے یا پیچھے ہو جاؤ تو فوراً ہو جائے تکبر وانکار نہ کرے تیسرے نماز میں دائیں بائیں نہ دیکھنا ان تین چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔۴- چوتھا قول خشوع کے معنی میں یہ ہے کہ دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں ایک غض البصر ہے یعنی جہاں نماز میں نگاہ رکھنا مسنون ہے وہاں ہی رکھے آگے پیچھے نہ دیکھے کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نگاہ ہو رکوع میں پاؤں پر سجدہ میں ناک کی طرف بیٹھنے میں رانوں کی طرف سلام پھیرتے وقت دائیں اور بائیں کندھے کی طرف نگاہ ہو۔دوسری چیز خفض الجناح یعنی تواضع حسی کہ اکڑا اکڑ کر پریڈ کی طرح نماز نہ پڑھے بلکہ ہر ہر رکن میں حسی طور پر تواضع اور انکساری کی صورت بنائے۔ان دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔۵- دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں ایک سکون ظاہری و باطنیٰ سکون ظاہری یہ کہ بلاضرورت بدن کو ہلاتا جلاتا نہ رہے۔سکون باطنی کا مطلب یہ ہے کہ دل کی توجہ ایک طرف رہے مثلاً نماز کے الفاظ کی طرف کہ کچے حافظ کی طرح الفاظ سوچ سوچ کر پڑھے جب توجہ غیر اختیاری طور پر دوسری طرف چلی جائے تو یاد آنے پر پھر توجہ کرلے پھر چلی جائے تو یاد آنے پر پھر توجہ کرلے اگر اس طرح کرتا رہے گا تو کامل خشوع ہی کا ثواب مل جائے گا دماغ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالنا کہ بالکل دوسری طرف ایک لحہ کے لئے بھی خیال نہ جائے اس سے اکابر دین نے منع فرمایا ہے کیونکہ بعض دفعہ اس سے دماغ ضائع ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے خشوع کا ارادہ بالکل ہی چھوڑ دیتا ہے یا یہ سوچتا ہے کہ جب خشوع ہو نہیں سکتا اور خشوع کے بغیر نماز بہت کمزور ہے تو ایسی نماز ہی کا کیا فائدہ اور نماز ہی چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔نعوذ باللہ من ذلک بہرحال باطنی یکسوئی کی ایک صورت نماز کے الفاظ کو سوچ کر پڑھنا ہے دوسری صورت کلمات صلوٰۃ کے معنی سوچتے رہنا ہیں۔تیسری صورت اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور ہے کہ میں اپنے خالق ومالک کے سامنے ادب سے کھڑا ہوں رکوع اور سجدہ کر رہا ہوں ادب سے بیٹھا ہوں۔چوتھی صورت سکون باطنی کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مبارکہ سوچتا رہے کہ وہ رحیم وکریم ہیں

خالق و مالک ہیں۔ محسن عظیم ہیں ہم ان کے انعامات میں ڈوبے ہوئے ہیں وغیرہ اور پانچویں یہ صورت بھی اکابر دین نے جائز قرار دی ہے کہ خانہ کعبہ کے سامنے ہونے کا تصور نماز میں رکھے کہ گویا مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا ہوں ان سب صورتوں میں اصول وہی ہے کہ دوسرا خیال غیر اختیاری آ جائے تو یاد آنے پر پھر توجہ کرلے اس فکر میں نہ پڑے کہ ایک لحہ کے لئے بھی دوسرا خیال ہرگز نہ آنے پائے۔ خشوع کے پانچویں معنی کا خلاصہ یہ ہوا کہ خشوع دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک سکون ظاہری و باطنی جس کی تفصیل ہوگئی دوسری چیز ہے حسن الھیہ کہ گندا مندا مولائے کریم کے سامنے کھڑا نہ ہو بلکہ صاف ستھرے بدن اور صاف ستھرے کپڑوں کے ساتھ باادب کھڑا ہو ان دو چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ ۶- خشوع کے چھٹے معنی یہ ہیں کہ نماز کے ارکان مختلفہ میں جس جس جگہ نگاہ رکھنے کا حکم ہے وہاں ہی نگاہ رکھے کسی اور طرف نہ دیکھے۔ اس قول اور چوتھے قول میں فرق یہ ہے کہ چوتھے قول میں خشوع دو چیزوں کا مجموعہ تھا یہاں چھٹے قول میں ایک ہی چیز کا نام خشوع ہے۔ ۷- دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا نام خشوع ہے۔ ۸- جمع الھمۃ للصلوٰۃ کو خشوع کہتے ہیں۔ جس کو پانچویں قول میں سکون باطنی کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے پھر اس آٹھویں قول اور پانچویں قول میں فرق یہ ہے کہ پانچویں قول میں سکون باطنی کے ساتھ سکون ظاہری اور حسن الھیۃ کا بھی لحاظ تھا اور اس آٹھویں قول میں صرف سکون باطنی کو ہی خشوع قرار دیا گیا ہے۔ ۹- اخلاص کے اونچے مقام کو خشوع کہتے ہیں۔ اخلاص کے چھ مرتبے ہیں۔ ۱- عذاب سے بچنے کی نیت۔ ۲- جنت حاصل کرنے کی نیت۔ ۳- اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت۔ ۴- جنت کی نیت صرف اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کا محل ہے۔

عاشقاں جنت برائے دوست مے دارند دوست

۵- جنت کی نیت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں اس قابل کہاں کہ اپنے آپ کو طالب رضا حق کہہ سکوں اور کبھی کبھی بارگاہ الٰہی میں عرض بھی کر دیتا ہے کہ میں اپنے آپ کو طالب رضا حق کہنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس درجہ کو فناء کا درجہ کہتے ہیں۔ ۶- فناء الفناء جنت طلب کرتا ہے اور طالب حق و طالب رضا حق اپنے آپ کو کہنے کی کبھی جرات نہیں کرتا گو جی چاہتا ہے کہ طالب حق اور طالب رضاء حق بنوں لیکن اپنے آپ کو اس مقام سے گھٹیا شمار کرتا ہے اور اپنی اس تواضع کو کبھی زبان پر بھی نہیں لاتا۔ ان چھ مرتبوں میں سے ہر بعد کا مرتبہ اپنے ماقبل سے اونچا ہے۔ ۱۰- دسواں قول خشوع کے معنی میں یہ ہے کہ چار چیزوں کے مجموعہ کو خشوع کہتے ہیں۔ ۱- تعظیم۔ ۲- اخلاص۔ ۳- یقین۔ ۴- جمع الھمۃ یعنی سکون باطنی۔ ان دس قولوں میں سے آٹھواں راجح ہے جمع الھمۃ والا یعنی سکون باطنی والا کیونکہ لغت میں خشوع کے معنی سکون کے ہیں اور شریعت میں خشوع کو آداب باطنہ میں سے شمار کیا جاتا ہے اس لئے خشوع بمعنی جمع الھمۃ یعنی سکون باطنی راجح ہے۔

باب مایقول بعد التکبیر

اس باب کا ذکر بخاری شریف کے مبادی میں بھی کر دیا گیا تھا بطور مثال کے کہ بظاہر تو غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کونسی دعا متعین ہے اس متعین دعا کو بیان کر دیا جائے لیکن امام بخاری کا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ اس ظاہری معنی کا لازم اس باب کی غرض ہے وہ یہ کہ ثناء میں اختیار ہے جو دعائیں حدیث میں بطور ثناء مذکور ہیں ان میں سے جو چاہے پڑھ لے اور چاہے تو ثناء چھوڑ دے اب اس باب کی تینوں روایتیں ترجمۃ الباب کے ساتھ منطبق ہو جائیں گی۔ اگر صرف ظاہری معنی کو باب کا مقصد قرار دیا جائے تو انطباق روایات کا نہیں ہوتا کیونکہ پہلی روایت سے بظاہر ثناء نہ پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ دوسری روایت میں ایک ثناء مذکور ہے تیسری میں فاطال القیام میں اشارہ ہے کہ ثناء پڑھنے کی وجہ سے پہلی رکعت کا قیام لمبا ہوا ہے پس غرض لازمی معنی ہیں یعنی توسیع فی دعاء الاستفتاح کہ ثناء پڑھو یا نہ پڑھو اور اگر پڑھو تو جو ثناء چاہو پڑھ لو۔ تنبیہ:- الخیر الجاری جلد اول صفحہ ۲۰ سطر ۱۸ میں دس

لفظ بڑھا کر عبارت یوں کر لینی چاہئے لیکن مقصود اس کے لازمی معنی ہیں کہ مذکورہ دعاؤں میں سے جو بھی پڑھ لو یا ترک ثناء کر لو تب بھی صحت صلوٰۃ کے لئے کافی ہے۔ انتھی اس اصلاح سے اس مثال کی وضاحت مکمل ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ثناء کے متعلق اختلاف

امام مالک کے نزدیک فرضوں میں ثناء نہیں ہے جمہور کے نزدیک مسنون ہے پھر عندابی حنیفۃ واحمد فرضوں میں **سبحانک اللّٰھم** والی ثناء مسنون ہے سنت غیر مؤکدہ کے درجہ میں جس کو مستحب بھی کہہ دیا جاتا ہے نفلوں میں جو ثناء چاہے پڑھے یعنی احادیث میں جو مختلف الفاظ سے ثناء کی دعائیں منقول ہیں ان میں سے جو چاہے پڑھ لے گنجائش ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرضوں اور نفلوں میں جو ثناء چاہے پڑھ لے۔ لنا۔ ۱- ابوداؤد کی روایت عن ابی سعید مرفوعاً **اذا قام من اللیل کبر ثم یقول سبحانک اللھم الحدیث**۔ سوال:۔ اس روایت پر امام ابوداؤد نے اعتراض فرمادیا کہ یہ جعفر راوی کا وہم ہے جس نے مرسل روایت کو مسند بنادیا۔ جواب:۔ یہ ہے کہ جعفر راوی ثقہ ہے اس پر ابن عمار کے سوا کسی نے اعتراض نہیں کیا اور ابن عمار نے بھی جو جرح کی ہے وہ مبہم ہے اور ائمہ اسماء رجال کے نزدیک تعدیل تو مبہم بھی معتبر ہو جاتی ہے لیکن جرح مبہم معتبر نہیں ہوتی بلکہ صرف مفصل جرح ہی معتبر ہوتی ہے اس لئے یہ اعتراض معتبر نہ رہا اور راوی ثقہ ہو گیا۔ اب ثقہ راوی نے اگر روایت مرسل کی جگہ مسند نقل کی ہے تو یہ زیادۃ ثقہ ہے جو معتبر ہے اس لئے حدیث کمزور نہ ہوئی اس سے استدلال صحیح ہے۔ ۲- ہماری دوسری دلیل ابوداؤد ہی کی روایت ہے **عن عائشہ مرفوعاً اذا استفتح الصلوٰۃ قال سبحانک اللھم الحدیث**۔ سوال:۔ امام ابوداؤد نے اعتراض کر دیا کہ عبدالسلام اور طلق راوی متفرد ہیں۔ جواب:۔ عبدالسلام صحیحین کے راوی ہیں اور طلق بخاری شریف کے راوی ہیں اس لئے ان کی زیادتی ثقہ کی زیادتی ہے جو سب کے نزدیک معتبر ہے اور ابوداؤد کے علاوہ یہ روایت سنن ابن ماجہ اور سنن دارقطنی میں بھی موجود ہے۔ ۳- ہماری تیسری دلیل مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر کبھی کبھی جہراً سبحانک اللھم والی ثنا پڑھا کرتے تھے یہ جہر تو یہ بتلانے کے لئے تھا کہ میں یہ پڑھ رہا ہوں اتنی بات ضرور ثابت ہوئی کہ فرائض میں یہ ثناء پڑھنی مسنون ہے۔ ولمالک فی مسلم عن انس کہ میں نے نماز پڑھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان کے پیچھے وہ **الحمد للہ رب العالمین** سے نماز شروع کرتے تھے اس کے قریب الفاظ اسی باب میں پہلی روایت میں بھی ہیں۔ جواب:۔ مضاف محذوف ہے قرأت صلوٰۃ الحمد للہ رب العالمین سے شروع فرماتے تھے اس کی دلیل ابوداؤد میں حضرت انس اور حضرت عائشہؓ سے روایتیں ہیں جن میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرأت **الحمد للہ رب العالمین** سے شروع فرماتے تھے اس کے علاوہ ابوداؤد میں ایک باب مستقل سکتہ کے متعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے سکتہ فرماتے تھے۔ صحیحین میں بھی یہ سکتہ مرفوعاً منقول ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ قراءت **الحمد للہ رب العالمین** سے شروع ہوتی تھی اور اس سے پہلے ثناء سراً پڑھی جاتی تھی جس کو سکتہ سے تعبیر کیا گیا ہے وللشافعی زیر بحث باب کی دوسری روایت اور ہماری دلیلیں اور ابوداؤد کے دو مستقل باب جن میں کئی قسم کی ثنائیں مذکور ہیں۔ جواب۔ ابوداؤد کے جو دو مستقل باب ثناء کے مختلف الفاظ نقل کرنے کے لئے باندھے گئے ہیں ان میں سے پہلے باب کی چھٹی، ساتویں، آٹھویں، بارھویں اور تیرھویں روایات میں تصریح ہے کہ یہ ثنائیں نفلی نمازوں میں تھیں اس لئے یہ روایتیں ہمارے خلاف نہیں ہیں ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ نفلوں میں جو ثناء چاہے پڑھے اس کے علاوہ چونکہ فرض نماز میں تخفیف کا حکم ہے اس لئے بھی **سبحانک اللھم** والی دعا فرضوں کے مناسب ہے کیونکہ یہ دعا نہایت مختصر ہے اور دوسری دعائیں زیادہ تر لمبی ہیں۔ اس لئے وہ نفلوں کے مناسب ہیں۔

باعدبینی و بین خطایای

سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے پاک تھے پھر خطایا کو اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا کہ میری خطایا کو مجھ سے دور فرما دیجئے۔ جواب:۔ ا- یہ اظہار عبدیت ہے کہ اپنے آپ کو خطا کار ہی شمار کیا جائے۔ ۲- یہ امت کو تعلیم ہے کہ امت یوں دعا مانگا کرے۔ ۳- خلاف اولیٰ کام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لحاظ سے خطا کہلانے کے قابل تھا حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ۴- اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عبادت خواہ کتنی ہی عمدہ طریق سے کی جائے لیکن ان کی اونچی شان کو دیکھتے ہوئے وہ خطا کہلانے کے قابل ہے۔ ۵- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاواسطہ متوجہ رہیں۔ ضرورت کی وجہ سے صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت۔ اصلاح ظاہر و باطن کرنی پڑتی تھی اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ بلاواسطہ نہ رہتی تھی بلکہ بواسطہ بن جاتی تھی جیسے محبوب کو شیشہ کے ذریعہ سے دیکھا جائے اس کو خطا اور بعض موقعوں میں غین یعنی غبار سے تعبیر فرمایا۔ ۶- چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر و فکر وغیرہ کی وجہ سے ترقی فی القرب فرماتے رہتے تھے پھر جب کبھی گذشتہ زمانہ پر نظر پڑتی اور گذشتہ زمانہ میں اپنی حالت اللہ تعالیٰ سے بُعد کی ملاحظہ فرماتے تو خیال فرماتے کہ گذشتہ حالت میں شاید کوئی خطا ہوگئی ہو جس میں اتنا بُعد تھا اس لئے خطا سے معافی مانگتے تھے۔

نقنی من الخطایا: ا- باعد کا تعلق استقبال سے ہے کہ اے اللہ آئندہ خطایا سے دور رکھئے۔ ۲- نقنی کا تعلق حال سے ہے اس وقت خطایا سے پاک فرما دیجئے۔ ۳- اغسل کا تعلق ماضی سے ہے کہ ماضی کی غلطیاں معاف فرما دیجئے پورے الفاظ یہ ہیں **اللّٰھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق والغرب اللّٰھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللّٰھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد**۔ پھر اس حدیث پاک کی دعا کے اخیر میں جو تین چیزوں سے غلطیوں کو دھونے کی التجا ہے تو ان تین چیزوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ ا- یہ تینوں چیزیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں اس لئے بابرکت ہیں۔ ۲- گناہ آگ میں جانے کا سبب ہیں جو گرم ہیں ان گناہوں کا تدارک ٹھنڈی چیز سے ہونا چاہئے العلاج بالضد اور یہ تینوں چیزیں ٹھنڈی ہیں۔

فاطال القیام: یہ محل ترجمہ ہے کیونکہ قیام کا لمبا ہونا ثناء اور قرأت کی وجہ سے ہے معلوم ہوا کہ ثناء بھی پائی گئی پھر بعض نسخوں میں یہاں باب بلاترجمہ ہے اس حدیث سے پہلے اس نسخہ کی بنا پر یہ حدیث اور یہ باب گذشتہ باب کا تتمہ ہے اور تتمہ ہونے کی وجہ بھی یہی فاطال القیام کا لفظ ہے وجہ وہی جو ابھی ذکر کی گئی۔

باب رفع البصر الی الامام فی الصلوٰۃ

امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ اصل طریقہ تو یہی ہے کہ نظر قیام میں سجدہ کی جگہ رہے لیکن ضرورت کی بنا پر مقتدی اگر امام کی طرف بھی دیکھ لے تو گنجائش ہے۔

باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

باب الالتفات فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ دائیں بائیں دیکھنا نماز میں مکروہ تنزیہی ہے۔

باب هل یلتفت لامر ینزل به اویری شیئاً اوبصاقاً فی القبلة

غرض یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ سجدہ کی جگہ کی طرف دیکھے لیکن ضرورت کی بنا پر دائیں بائیں دیکھنا یا قبلہ کی دیوار کی طرف دیکھنا کہ کوئی نامناسب چیز یا تھوک لگا ہوا تو نہیں یہ بھی جائز ہے۔

باب وجوب القرأة للامام والماموم فی الصلوات کلها فی الحضر والسفر وما یجهر فیها و مایخافت

اس باب سے امام بخاری کی غرض امام شافعی کے مسلک کو

اختیار کرنا ہے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں لیکن ترجمۃ الباب میں فاتحہ کا لفظ امام بخاری نہیں لائے کیونکہ بہت سی احادیث میں صرف لفظ قرأت ہے۔ اور امام بخاری کو فاتحہ والی حدیث کے بارے میں تردد تھا کہ یہ وجوب پر دلالت کرتی ہیں یا نہ اس لیے ترجمۃ الباب میں صرف قرأت کا لفظ رکھ دیا اور تعیین فاتحہ کا استدلال ناظر کے سپر دکر دیا کہ وہ خود تلاش کرے کہ تعیین کی دلیل کیا ہے۔

اصلی بھم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ محل ترجمہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قرأت سے خالی نہ تھی لیکن ہم حنفیہ یہ عرض کرتے ہیں کہ اتنی بات تو ہم بھی لیتے ہیں کہ امام کے ذمہ قرأت فرض ہے اور یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے آپ جو فرما رہے ہیں والماموم کہ مقتدی کے ذمہ بھی فرض ہے یہ کہاں سے نکلا۔ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔**

فارکد فی الاولیین:۔ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عمر کے سامنے عرض کر رہے ہیں کہ میں پہلی دو رکعتوں میں ٹھہرتا ہوں یعنی ان کو لمبا کرتا ہوں۔

فارسل معه رجلا اور رجالاً الی الکوفة

حضرت عمرؓ نے جو تحقیق کے لیے ایک یا زائد آدمی حضرت سعد کے ساتھ کوفہ بھیجے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمر کو حضرت سعد کے متعلق کسی کوتاہی کا شبہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ حضرت سعدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کسی کو ان کے متعلق بدگمانی نہ رہے اور تہمت کا ازالہ ہو جائے۔ حضرت سعد مستجاب الدعوات بھی تھے جیسے کہ اس حدیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔

ولم یدع مسجداً الاسال عنه

اس سے معلوم ہوا کہ اہل مسجد سے تحقیق کرنا مستحسن ہے کیونکہ مسجد میں آنے والے لوگ نیک ہوتے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ حضرت سعد بے قصور ہیں لیکن اس کے باوجود حضرت عمر نے جو حضرت سعد کو کوفہ کی ولایت سے معزول فرمادیا اس کی وجہ ۱۔ فتنہ کا ازالہ تھا۔ ۲۔ حضرت عمر حضرت سعد کو مدینہ منورہ میں رکھنا چاہتے اور اپنے اہل شوریٰ میں داخل فرمانا چاہتے تھے۔

رکنیت فاتحه کا اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ فاتحہ رکن صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ رکنیت سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں۔ وعند الشافعی رکن ہے وعن مالک واحمد دو دو روایتیں ہیں۔ ۱۔ رکنیت۔ ۲۔ عدم رکنیت۔ لنا۔ ۱۔ فاقرأوا ما تیسر من القرآن۔ اس پر اجماع ہے کہ تلاوت قرآن نماز سے باہر فرض نہیں ہے اور قرآن پاک کا امر کا صیغہ فرضیت ثابت کر رہا ہے پس اس آیت میں نماز میں قرآن پڑھنے کو فرض قرار دیا گیا ہے اور اس میں ماتیسر کے قید بھی ہے معلوم ہوا کہ نماز میں قرآن پاک ماتیسر پڑھنا فرض ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے کہ نفس قراءت فرض ہے اور سورہ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہے البتہ احادیث میں چونکہ تاکید ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور احادیث خبر واحد کے درجہ میں ہیں اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے۔ اس سے فرض کا درجہ تو ثابت نہیں ہوتا البتہ فرض سے کم درجہ واجب کا ہے وہ ثابت ہو جاتا ہے اس لئے فاتحہ کا پڑھنا نماز میں فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔ سوال:۔ سورہ مزمل کے شروع میں حکم نازل ہوا کہ آدھی رات یا کچھ کم یعنی رات کا تیسرا حصہ یا نصف سے کچھ زیادہ یعنی دوثلث نماز میں تلاوت کیا کرو یعنی نماز کی صورت میں عبادت کیا کرو۔ پھر ایک سال کے بعد سورہ مزمل کا دوسرا رکوع نازل ہوا کہ تم زیادہ عبادت برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ گھڑی نہ ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کی ساری رات ہی عبادت میں گزر جاتی تھی **فاقرء و ماتیسر من القرآن** اب رات کے وقت جتنی عبادت آسانی سے کرسکو کرلیا کرو گویا رات کی عبادت فرض نہ رہی نفل ہوگئی یہ معنی نہیں جو حنفیہ لیتے ہیں کہ نماز میں ماتیسر فرض ہے سورہ فاتحہ فرض نہیں۔ جواب:۔ **العبرۃ لعموم الالفاظ لالخصوص المورد۔** اگرچہ تہجد کی فرضیت بھی اس آیت سے منسوخ ہوئی لیکن عموم الفاظ کی وجہ سے ہمارا استدلال بھی صحیح ہے۔ ۲۔ تہجد کی تخفیف کے معنی اسی طرح تو بنتے

ہیں کہ نفلوں میں جتنا قرآن پاک پڑھ سکو آسانی سے اتنا پڑھ لیا کرو۔ جب اس آیت کی وجہ سے نفلوں میں فاتحہ کا پڑھنا رکن صلوٰۃ نہیں ہے تو کسی نماز میں بھی قرأت فاتحہ فرض نہیں ہے لعدم القول بالفصل کہ کوئی بھی امام ایسا نہیں جو نفلوں میں فاتحہ کو رکن نہ مانتا ہو اور فرضوں میں مانتا ہو۔ ۳۔ تہجد میں جو تخفیف کا حکم نازل ہوا اس کی ایک تقریر یہ بھی ہے کہ قرآن بول کر نماز مراد ہے جزء بول کر کل مراد ہے اس تقریر پر بھی ہمارا استدلال صحیح ہے کہ نفس قرآن جزء صلوٰۃ ہے فاتحہ جزء صلوٰۃ نہیں۔ اس لیے نفس قرأت فرض ہے سورہ فاتحہ کی تعیین ضروری اور فرض کے درجہ میں نہیں ہے۔ سوال:۔ آیت مجمل ہے حدیث **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** اس آیت کی تفسیر ہے۔ اس لیے فرضیت کا حکم سورۃ فاتحہ پر جاری ہو گیا۔ جواب:۔ آیت عام ہے مجمل نہیں ہے۔ مجمل وہ ہوتا ہے کہ بغیر تفسیر اس پر عمل نہ ہو سکے عام وہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل بغیر کسی تفسیر یا تخصیص کے بھی عمل ہو سکتا ہے۔ یہاں ایسا ہی ہے کہ **فاقرء وا ما تیسر من القرآن** پر عمل کرنے کے لیے نہ کسی تفسیر کی ضرورت ہے نہ کسی تخصیص کی ضرورت ہے۔ پس جب آیت مذکورہ عام ہے تو فاتحہ والی حدیث جو خبر دار واحد ہے اور ظنی ہے اس سے قرآن پاک کے عام کی جو قطعی ہے تخصیص نہ ہو سکتی گویا یہ مسئلہ اصولی اختلاف پر مبنی ہو گیا ہمارے اصولوں کے مطابق قطعی آیت کی تخصیص ظنی خبر واحد سے نہیں ہو سکتی اور شوافع کے نزدیک ہو سکتی اس اصولی اختلاف میں بھی حنفیہ کی دلیل بہت قوی ہے کیونکہ قطعی کی تخصیص قطعی سے ہی ہونی چاہیے ظنی سے نہ ہونی چاہیے ورنہ ظن کی وجہ سے یقین کا چھوڑنا لازم آئے گا جو عقلاً و نقلاً قبیح ہے۔ پس حنفیہ کا استدلال آیت سے صحیح رہا۔ سوال:۔ سورہ فاتحہ والی حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور ایسی حدیث سے قرآن پاک کی تخصیص بالاتفاق صحیح ہے۔ جواب:۔ ا۔ خبر مشہور میں راجح قول یہی ہے کہ صحابہ کی تعداد حدیث نقل کرنے میں کم ہو بعد میں ہر زمانہ میں مادی درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہوں اس حدیث کے نقل کرنے والے صحابہ بھی کم ہیں اور تابعین بھی کم ہیں اس لئے اس روایت کو خبر واحد ہی کہنا ضروری ہے خبر مشہور نہیں کہہ سکتے۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک کی تخصیص کرنے والی روایت کا محکم ہونا بھی ضروری ہوتا ہے کہ نہ نسخ کا احتمال ہو نہ تاویل کا نہ تخصیص کا۔ اس روایت میں تاویل کا احتمال موجود ہے یعنی نفی کمال کی مراد ہے نفی جنس کی نہیں ہے اس لحاظ سے بھی یہ روایت قرآن پاک کی مذکورہ آیت کے لئے مخصص نہیں بن سکتی اور آیت اپنے عموم پر رہی اور ہمارا استدلال صحیح رہا کہ نفس قرأت فرض ہے اور سورہ فاتحہ اس سے کم درجہ کی ہے یعنی واجب ہے۔

۲۔ ہماری دوسری دلیل

حدیث مسیئ الصلوٰۃ ہے جو ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ جلدی نماز پڑھنے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلایا تو اس میں یہ ارشاد فرمایا **ثم اقراء ماتیسر معک من القرآن** اس میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے نفس قرأت کا حکم ہے لنا۔ ۳۔ **فی مسلم عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لاصلوٰۃ لابقراۃ.** صرف قرأت کو ضروری قرار دیا گیا ہے فاتحہ کی تعیین نہیں کی گئی۔ لنا۔ ۴۔ **فی مسلم عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً لاصلوٰۃ لم یقرأ بام القرآن فصا عداً** اس حدیث میں فصاعداً سے ثابت ہوا کہ فاتحہ اور غیر فاتحہ کا ایک ہی حکم ہے متعین طور پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرضیت کے درجہ میں ثابت نہ ہوا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد غیر فاتحہ کا ساتھ ملانا فرض نہیں ہے اور اس حدیث سے فاتحہ اور غیر فاتحہ کا ایک ہی درجہ ثابت ہو رہا ہے تو معلوم ہوا کہ فاتحہ کا پڑھنا بھی فرض نہیں ہے۔ لنا۔ ۵۔ **فی الصحیحین عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب.** استدلال یوں ہے کہ حافظ ابن القیم نے بدائع الفوائد میں قاعدہ بیان کیا ہے کہ قرأت جب

بلاواسطہ متعدی ہوتو صرف مفعول مذکور کا پڑھنا مراد ہوتا ہے اور جب بواسطہ باء کے متعدی ہوتو مذکور مع الغیر کا پڑھنا مراد ہوتا ہے اس حدیث میں بفاتحۃ الکتاب باء کے ساتھ متعدی ہے اس لئے فاتحہ مع الغیر کا پڑھنا مراد ہے اور فاتحہ اور غیر فاتحہ دونوں برابر ہو گئے اور غیر فاتحہ کی رکنیت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس لئے فاتحہ کی رکنیت بھی ثابت نہ ہوئی لنا۔ ۶- فی ابوداؤد عن ابی سعید قال امرنا ان نقراء بفاتحۃ الکتاب و ماتیسر تقریر وہی فصاعداً والی جو ابھی گزری۔ وللشافعی:۔ ۱- فی الصحیحین عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔

جواب:۔ ۱- لانفی جنس کبھی نفی وجود کے لئے آتا ہے کبھی نفی کمال کے لئے۔ نفی وجود کی مثال لاصلوۃ لحائض الابخمار. نفی کمال کی مثال لاعیش الاعیش الآخرۃ اور لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد فاتحہ والی حدیث میں نفی کمال ہے۔ قرینہ ہمارے دلائل ہیں پھر نفی کمال کی ایک تقریر یہ ہے کہ تقدیر عبارت یہ مانی جائے لاصلوٰۃ کاملۃ دوسری تقریر نفی کمال کی حضرت انور شاہ صاحب نے بیان فرمائی کہ ایسے موقعوں میں معنی تو یہی ہوں گے کہ یہ چیز نہیں ہے لیکن مراد یہ ہوگی کہ یہ چیز اتنی کمزور ہے گویا کہ نہیں ہے الوجود کالعدم پھر حضرت انور شاہ صاحب کو اس مسئلہ میں نفی کمال والا جواب پسند نہ تھا کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اگر اس حدیث کو ظاہر پر اور نفی وجود پر رکھیں تو پھر بھی اس سے وجوب فاتحہ ثابت ہوتا ہے اور اگر مجازی معنی یعنی نفی کمال پر محمول کریں تو واجب سے کم مرتبہ یعنی استحباب کا مرتبہ رہ جائے گا حالانکہ ہم مستحب نہیں قرار دیتے بلکہ فرض سے کم وجوب کا درجہ مانتے ہیں حضرت انور شاہ صاحب کو صاحب ہدایہ والا جواب پسند تھا اور وہ یہ دوسرا جواب ہے۔ ۲- قرآن پاک کے قطعی حکم کو جو اس آیت میں ہے فاقرؤا ماتیسر من القرآن خبر واحد سے مخصص نہیں کیا جاسکتا یا یوں کہیں کہ خبر واحد ظنی ہے اس سے رکنیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ ۳- حدیث پاک میں خبر بول کر نہی مراد ہے لاتصلوا الابفاتحۃ الکتاب اس لئے یہاں رکنیت کا ذکر ہی نہیں ہے۔ ۴- جیسا کہ ہماری پانچویں دلیل میں گزرا کہ یہاں باء کی وجہ سے فاتحہ اور غیر فاتحہ کو برابر قرار دیا گیا ہے جب غیر فاتحہ رکن نہیں تو فاتحہ بھی رکن نہیں۔

دوسری دلیل:۔ فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج فھی خداج فھی خداج غیر تمام. جواب:۔
۱- خدجت الناقۃ کے معنی محاورات میں ہیں نتجت قبل اوانھا کہ وقت سے پہلے بچہ جن دیا اگر چہ تام الخلقۃ ہو اور دوسرا محاورہ ہے اخدجت الناقۃ ای نتجت ناقص الخلقۃ کہ بچہ اعضاء کے لحاظ سے ناقص جنا پہلے محاورہ میں بچے کو خداج کہتے ہیں وہ بچہ جو قبل از وقت جنا گیا اگر چہ کامل الخلقۃ ہے اور دوسرے محاورہ سے بچہ کو مخدج کہتے ہیں وہ بچہ جو اعضاء کے لحاظ سے ناقص ہو۔ اب حدیث پاک میں اگر لفظ مخدج ہوتا تو آپ کا استدلال مناسب تھا لیکن یہاں تو لفظ خداج ہے اس لئے استدلال صحیح نہ رہا۔ ۲- دوسرا جواب ہم یہ بھی دیتے ہیں کہ مرکب خارجی میں اجزاء زائدہ کی نفی سے کل کی نفی نہیں۔ مثلاً بچے کی ایک ٹانگ نہیں ہے یا ایک کان نہیں ہے تو یہ نہ کہیں گے کہ بچہ موجود ہی نہیں ہے۔ حدیث پاک میں اگر بالفرض خداج بمعنی مخدج ہی لے لیا جائے تو پھر بھی فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ مخدج مردہ بچے کو نہیں کہتے بلکہ ایسا بچہ جو زندہ تو ہے لیکن پاؤں یا کان وغیرہ میں سے کوئی عضو نہیں ہے پس حدیث کے معنی یہ ہو گئے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ہو تو جاتی ہے لیکن کمزور ہوتی ہے حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں اس لئے یہ حدیث ہمارے خلاف نہ ہوئی۔ سوال:۔ غیر تمام کی تاکید کی وجہ سے معنی یہ ہو گئے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ایسی ناقص ہوتی ہے کہ رکن اصلی ہی نہ رہا اس لئے نماز صحیح نہ ہوئی۔ **جواب:۔** حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں وضو کے ذکر کے بعد تشہد پڑھنے کا بھی بعض روایات میں حکم ہے اور اخیر میں ہے کہ ایسا نہ کرنے سے نماز

غیر تمام ہوتی ہے حالانکہ یہ تشہد یعنی وضو کر کے نماز سے پہلے کلمہ شہادت پڑھنا نہ رکن وضو ہے نہ رکن صلوٰۃ ہے۔

قرأت خلف الامام کا اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ قرأت خلف الامام مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری دونوں میں ایک ہی حکم ہے وفی القول الجدید للشافعی وہی روایۃ عن مالک وروایۃ عن احمد مقتدی پر سری اور جہری دونوں نمازوں میں قرأت فاتحہ فرض ہے۔ **وفی القول القدیم للشافعی و ھی روایۃ عن مالک وروایۃ عن احمد** جہری نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی کے لئے مکروہ ہے اور سری نماز میں فرض ہے۔ منشاء اختلاف:۔۱۔ اس مسئلہ کا مدار تین روایتوں پر ہے ایک **لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** دوسری **واذا قرأ فانصتوا**۔ تیسری روایت **من کان لہ امام فقراء ۃ الامام لہ قراۃ** ہمارے امام ابوحنیفہ نے قاری کا لحاظ فرمایا کہ پہلی روایت امام اور منفرد کے لئے ہے دوسری اور تیسری روایتیں مقتدی کا حکم بیان کرنے کے لئے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منفرد کا لحاظ فرمایا کہ پہلی روایت سورہ فاتحہ سے متعلق ہے اور دوسری اور تیسری غیر فاتحہ سے متعلق ہیں اور امام مالک اور امام احمد نے منفرد فیہ کا لحاظ فرمایا کہ پہلی روایت سری نمازوں سے متعلق ہے اور دوسری اور تیسری جہری نمازوں کے بارے میں ہیں۔۲۔ منشاء اختلاف کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ہمارے امام صاحب نے پہلی روایت کو اصل قرار دیا اور مقتدی کو دوسری اور تیسری روایتوں کی وجہ سے مستثنیٰ قرار دیا کہ اس کے ذمہ قرأت نہیں ہے نہ فاتحہ کی امام شافعی نے دوسری اور تیسری حدیثوں کو اصل قرار دیا اور پہلی حدیث کی وجہ سے سورہ فاتحہ کو مستثنیٰ قرار دیا کہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے بھی پڑھنی ہو گی۔ امام مالک اور امام احمد نے پہلی حدیث کو اصل قرار دیا لیکن دوسری اور تیسری حدیثوں کی وجہ سے جہری نماز کو مستثنیٰ قرار دیا کہ جہری نماز میں مقتدی نہ پڑھے گا۔

تفصیلی دلائل میں سے ہمارے حنفیہ کے دلائل

لنا۔۱۔ فی ابی ابوداؤد والترمذی اور امام ترمذی نے اس کو حسن اور امام ابوحاتم اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ **عن ابی ھریرۃ مرفوعاً بل قرأ معی احد منکم انفا فقال رجل نعم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی اقول مالی انازع القران قال فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر النبی صلی اللہ علیہ وسلم** اس سے ہمارا استدلال کئی طرح سے ہے۔۱۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہوا نہ تھا ورنہ آپ پیچھے پڑھنے والے پر مواخذہ نہ فرماتے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کو نقل کرنے والے حضرت ابوہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے وہ فرما رہے ہیں صلی بنا اور ظاہر یہی ہے کہ یہ لفظ اپنی حقیقت پر ہیں اس لئے یہ واقعہ ۷ھ یا اس کے بعد کا ہے اور اس سے پہلے یہ آیت **واذا قرئ القران فاستمعو الہ وانصتوا لعلکم ترحمون** مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی ہجرت سے پہلے اور امام زیلعی نے قول نقل فرمایا ہے امام احمد کا اس آیت کے متعلق **اجمع الناس علی ان ھذہ الایۃ فی الصلوٰۃ** اس لحاظ سے بھی امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو چکی تھی اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں۔۲۔ دوسرا طرز استدلال اسی حدیث سے یہ ہے کہ قال انی اقول مالی انازع القران کہ مجھ سے قرآن پاک کے بارے میں جھگڑا ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ قرأت امام کا منصب ہے جو امام کے پیچھے پڑھے گا وہ امام کے منصب کو چھیننے کی کوشش کرے گا اور یہ ناجائز ہے اس لئے امام کے پیچھے پڑھنا ناجائز ہے۔۳۔ تیسرا طرز استدلال اسی حدیث سے یہ ہے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا صرف ایک آدمی تھا کیونکہ رجل مذکور ہے۔ عام

صحابہ جانتے تھے کہ امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ۴- چوتھا طرز استدلال یہ ہے کہ یہاں انازع مذکور ہے اور منازعت میں یہ اشارہ ہے کہ یکے بعد دیگرے امام اور مقتدی کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کہ امام کے سکتوں میں مقتدی پڑھ لے جیسا کہ بعض توجیہ کرتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتوں میں پڑھ لے۔ اشارہ اس طرح ہے کہ قرآن پاک میں ہے یتنازعون فیھا کاساً یعنی یکے بعد دیگرے ایک ہی پیالہ سے دوست جمع ہو کر شربت وغیرہ پیا کریں گے یہاں بھی مادہ منازعت کا ہے اس لئے یکے بعد دیگرے پڑھنے کی ممانعت بھی ثابت ہوگی۔ سوال:۔ یہ حدیث غیر فاتحہ کے متعلق ہے جواب: ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین۔ سوال:۔ ممانعت صرف پیچھے جہراً پڑھنے کی ہے سراً پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ جواب۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ سوال:۔ اس روایت میں جو فانتھی الناس ہے یہ امام زہری کا اپنا قول ہے حضرت ابو ہریرہ کا قول نہیں ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے جواب:۔ بعض حضرات کو واقعی یہ شبہ ہو گیا ہے کہ یہ امام زہری کا قول ہے لیکن غور سے اس روایت کے مختلف الفاظ اور طرق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت ابو ہریرہ کا ہی ہے قال الزہری جو بعض روایات میں ہے اس کی وجہ صراحۃً ابوداؤد میں منقول ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ کو اپنے استاد امام زہری کے آخری الفاظ جو انہوں نے اس حدیث میں نقل فرمائے تھے آہستہ بولنے کی وجہ سے نہ سنائی دیئے اس لئے اپنے استاد بھائی حضرت معمر سے پوچھا کہ استاد جی نے اخیر میں کیا فرمایا ہے فقال معمرانہ قال فانتھی الناس الحدیث اس لئے بعض کو شبہ ہوا کہ فانتھی الناس امام زہری کے اپنے الفاظ ہیں حالانکہ یہ اصل حدیث ہی کا حصہ ہیں اور بواسطہ ابن اکیمہ حضرت ابو ہریرہ ہی سے منقول ہیں۔ ۲- دوسرا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ الفاظ امام زہری ہی کے بلاسند شمار کئے جائیں تو پھر بھی ارسال تجرد نہ ہوگا کہ ضعیف ہونے کی وجہ سے امام زہری نے اپنے استاد کا نام نہیں لیا بلکہ ارسال توارث ہوگا کہ راوی کثیر ہونے کی وجہ سے سب کا نام نہ لیا قرینہ اس کا فانتھی الناس کے الفاظ ہیں کیونکہ الناس جمع ہے اور جمع پر جو الف لام آتا ہے اس میں اصل استغراق ہے کہ سب لوگوں نے پیچھے پڑھنا چھوڑ دیا۔ ایسا عمل بہت سے راویوں سے ہی ثابت ہوا کرتا ہے۔ ۳- اگر بالفرض یہ بھی مان لیں کہ رواۃ کثیرہ سے نقل کرنا مقصود نہیں ہے امام زہری صرف اپنا قول ذکر فرما رہے ہیں تو پھر بھی یہ بات ثابت ہے کیونکہ امام زہری تابعی ہیں اور تابعی صحابہ کا عمل بغیر کسی سند کے بھی بیان کردے تو وہ مقبول ہے۔ ۴- اگر بالفرض آپ کی بات مانتے ہوئے یہ بھی مان لیا جائے کہ فانتھی الناس ثابت ہی نہیں ہے تو پھر بھی ہمارے استدلال میں کچھ کمزوری نہیں کیونکہ ہم نے جو اوپر اس حدیث سے استدلال کرنے کے چار طرز ذکر کئے ہیں ان میں فانتھی الناس کا کچھ بھی دخل نہیں۔ لنا۔ ۲- ہماری دوسری دلیل فی مسلم عن ابی موسیٰ الاشعری مرفوعاً فی حدیث الایتمام جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتدا کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں مرفوعاً ہے واذا قرأ فانصتوا صحیح مسلم میں جہاں یہ روایت ہے وہاں یہ بھی ہے کہ امام مسلم کے شاگرد ابو بکر نے اپنے استاد امام مسلم پر اشکال کیا تو امام مسلم نے فرمایا ترید احفظ من سلیمان ہمزہ استفہام محذوف ہے کیا تم ان الفاظ کے اثبات کیلئے سلیمان تیمی راوی سے بڑھ کر کسی راوی سے نقل حاصل کرنا چاہتے ہو یعنی وہ ثقہ راوی ہیں۔ اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے پھر شاگرد نے پوچھا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں جو یہی الفاظ آتے ہیں واذاقرأ فانصتوا ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے امام مسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے شاگرد نے پوچھا کہ پھر آپ نے اپنی اس صحیح میں حضرت ابو ہریرہ والی روایت کو درج کیوں نہیں کیا تو فرمایا کہ اس کتاب میں میں نے صرف وہ روایتیں درج کی ہیں جو بالاجماع صحیح ہیں۔ انتھی امام

مسلم کے علاوہ امام احمد امام اسحاق بن راھویہ امام نسائی اور حافظ ابن حجر نے بھی صراحۃً حضرت ابوموسیٰ والی اس روایت کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔لنا۔۳۔ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ کی روایت عن ابی ہریرہ مرفوعاً واذا قرأ فانصتوا اور ابھی گزرا کہ امام مسلم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے ہماری دوسری اور تیسری دلیلوں سے طرز استدلال کئی طرح ہے۔۱۔صراحۃً یہ الفاظ واذا قرأ فانصتوا دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ امام کے پیچھے خاموش رہنا ضروری ہے۔۲۔دوسرا طرز استدلال یہ ہے کہ اس حدیث کا لقب حدیث اہتمام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اقتداء کا طریقہ سمجھا رہے ہیں اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوتا تو ضرور ارشاد فرماتے کہ فاتحہ پڑھا کرو معلوم ہوا پیچھے پڑھنا فرض نہیں سکوت موضع بیان میں بیان ہوتا ہے۔۳۔تیسرا طرز استدلال یوں ہے کہ اس روایت میں یہ بھی ہے واذاقال غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا امین اگر مقتدی کے ذمہ فاتحہ ہوتی تو ارشاد یوں ہوتا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا غیر المغضوب علیھم ولاالضالین معلوم ہوا کہ مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا نہیں ہے۔۴۔فقولوا امین کے الفاظ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کا سننا ہے تا کہ بروقت آمین کہہ سکے اور جب سننا ضروری ہے تو پڑھنا مشکل ہے کیونکہ ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں ہوا کرتی النفس لاتتوجہ فی ان الی جھتین۔۵۔بعض طرق میں اسی حدیث میں الفاظ یوں ہیں واذاامن القاری فامنوا معلوم ہوا کہ پڑھنے والا صرف امام ہے۔اسی لئے اس کا لقب قاری ہے۔لنا۔۴۔فی کتاب القرأۃ للبیھقی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً ماکان من صلوۃ یجھر فیھا الامام بالقرأۃ فلیس لاحدان یقرأ معہ اس حدیث پاک میں جہر کی قید واقعی ہے اور مقتدی کو قرأت کی صراحۃً ممانعت ہے۔سوال:۔امام بیہقی نے

اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ جواب:۔ حضرت انور شاہ صاحب نے دیا ہے کہ راوی ثقہ ہیں۔متابعات موجود ہیں اس لئے منکر کہنا صحیح نہیں۔لنا۔۵۔واذاقری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔سوال:۔ یہ آیت آیت مبارکہ تو خطبہ کے متعلق ہے جواب:۔۱۔علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں امام احمد کا قول نقل فرمایا ہے۔ اجمع الناس علی ان ھذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ ۲۔دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ اگر بالفرض یہ آیت مبارکہ خطبہ کے متعلق بھی مان لی جائے تو ممانعت کی وجہ یہی تو ہے کہ خطبہ میں چونکہ قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اس لئے حکم ہے کہ توجہ سے کان لگاؤ اور خاموش رہو اور خود کچھ نہ پڑھو تو نماز میں جو قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اس کو سننے کا اور خاموش رہنے کا اور خود کچھ نہ پڑھنے کا حکم بطور دلالۃ النص ثابت ہو گیا کیونکہ وہاں بھی قرآن پاک پڑھا جا رہا ہے۔سوال:۔ یہاں فاستمعوا کا لفظ ہے اور سننا صرف جہری نماز میں ہوسکتا ہے اس لئے صرف جہری نماز میں سننے کا اور خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہوا حالانکہ آپ کا مقصد سری اور جہری سب نمازوں میں خاموشی ثابت کرنا ہے۔ جواب:۔ استماع کے معنی توجہ کرنے کے ہوتے ہیں آواز سنے یا نہ سنے چنانچہ مسلم شریف میں حضرت انس سے مرفوعاً منقول ہے اغارات وجھارات کی روایات میں کان یستمع الاذان فان سمع اذاناً امسک والا اغار لنا۔۶۔فی مسند احمد بن منیع و موطا محمد و مصنف ابن ابی شیبۃ و الطحاوی عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً من کان لہ امام فقراء ۃ الا مام لہ قرأۃ اور علامہ عینی اور امام زیلعی اور حافظ ابن جوزی نے یہ روایت ان صحابہ سے بھی نقل فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابوسعیدؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمران بن حصینؓ اس لئے یہ ایک دلیل آٹھ دلیلوں کے قائم مقام ہے اور مسند احمد بن منیع کی روایت علی شرط الشیخین ہے۔

سوال:۔ اس حدیث کی ایک سند حضرت عبداللہ بن شداد سے بھی ہے وہ مرسل ہے اور مرسل امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں۔ **جواب:۔** فتاوی ابن تیمیہ میں اس پر اتفاق نقل کیا گیا ہے کہ اکابر تابعین کی مرسلات سب ائمہ اربعہ کے نزدیک حجت ہیں اور حضرت عبداللہ بن شداد اصاغر صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو فرمائی ہے لیکن سماع نہیں فرمایا۔ پس جب اکابر تابعین کی مرسلات کی حجیت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے تو اصاغر صحابہ کی مرسلات کے حجت ہونے پر بطور دلالۃ النص اتفاق ثابت ہو گیا۔ **سوال:۔** عبداللہ بن شداد کا سماع حضرت جابر سے ثابت نہیں۔ روایت منقطع ہو گئی۔ **جواب:۔** حضرت عبداللہ بن شداد اصاغر صحابہ میں سے ہیں اور حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے۔ اس لئے امکان لقاء ثابت ہے جو جمہور کے نزدیک حدیث کے متصل ہونے کے لئے کافی ہے فعلیت لقاء اور ذکر سماع صراحۃً ضروری نہیں جیسا کہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں ثابت کیا ہے۔ سوال بعض سندوں میں حضرت عبداللہ بن شداد اور حضرت جابر کے درمیان راوی ابوالولید ہے جو مجہول ہے اس لئے روایت ضعیف ہو گئی۔ **جواب:۔** عن ابن شداد عن ابی الولید میں دوسرا عن پہلے عن سے بدل ہے اور ابوولید حضرت ابن شداد ہی کی کنیت ہے۔ **سوال:۔** اس روایت کو متصل کہنے والے چار راوی ہیں۔ ۱- جابر جعفی ۲- لیث بن ابی سلیم۔ ۳- امام ابوحنیفہ۔ ۴- حسن بن عمارۃ اور حدیث کا راوی ہونے کی حیثیت سے یہ چاروں کمزور ہیں۔ اس لئے سند متصل قوی نہ رہی۔ **جواب:۔** ۱- مصنف ابن ابی شیبۃ میں ان چار حضرات میں سے کوئی بھی نہیں۔ ۲- امام ابوحنیفہ کے متابع سفیان ثوری اور شریک بھی ہیں۔ ۳- امام ابوحنیفہ پر اعتراض کر کے دارقطنی خود اس لائق ہو گئے کہ ان کو ضعیف کہہ دیا جائے دارقطنی جرح میں حد سے آگے نکلے ہوئے ہیں جس طرح امام حاکم توثیق میں حد سے زیادہ نرم ہیں اسی لئے حضرات محدثین کا فیصلہ ہے کہ جس راوی پر جرح میں دارقطنی متفرد ہوں وہ جرح معتبر نہیں اور جس راوی کی توثیق میں امام حاکم متفرد ہوں وہ توثیق معتبر نہیں۔ امام ابوحنیفہ کی توثیق و تعدیل امام مالک امام احمد امام شافعی اور کثیر ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ سے صراحۃً ثابت ہے اور مشرق و مغرب میں کتابیں امام ابوحنیفہ کے مناقب وکمالات سے بھرپور ہیں۔ لنا۔ ۷- **فی مسلم و ابی داؤد عن عمران بن حصین مرفوعاً صلی الظهر فجاء رجل فقرأ بسبح اسم ربک الاعلیٰ فلما فرغ قال ایکم قرأ قالو ارجل قال قد عرفت ان بعضکم خالجنیها** اس میں واقعہ سری نماز کا ہے اور علت مخالجت ہے جو فاتحہ اور غیر فاتحہ دونوں کو شامل ہے۔ لنا۔ ۸- **فی مسند احمد و مسند ابی یعلی و مسند بزار عن عبداللہ بن مسعود قال کانوا یقرؤن خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال خلطتم علی القرآن** اس روایت کے راوی علی شرط البخاری ہیں اور واقعہ سری نماز کا ہے۔ لنا۔ ۹- **عن جابر فی الترمذی موقوفاً و فی الطحاوی مرفوعاً من صلی رکعۃ لم یقرا فیها بام القرآن فلم یصل الأن یکون وراء الامام......** یہ روایت درجہ حسن کی ہے۔ لنا۔ ۱۰ **فی مصنف عبدالرزاق عن موسیٰ بن عقبۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابابکرو عمرو عثمان کا نوا ینهون عن القرأۃ خلف الامام** اس حدیث کی توثیق اعلاء السنن میں ثابت کردی گئی ہے۔ لنا۔ ۱۱- **فی الموطاء لمالک عن ابی هریرۃ موقوفا من ادرک الرکعۃ فقد ادرک السجدۃ** یعنی جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے وہ رکعت پالی اور اس مسئلہ پر اجماع بھی ہے کہ رکوع میں مل جانے سے وہ رکعت مل جاتی ہے حالانکہ اس مقتدی نے قرأت بالکل نہیں کی تو وجہ یہی تو ہوئی کہ امام اس کا وکیل ہے اس لئے امام کا فعل اس مقتدی کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ گویا اس نے قرأت کرلی اور

شریعت میں توکیل کا باب بہت وسیع ہے ہمارے پاس بہت سے نظائر ہیں۔۱۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان میں شہادت کے جواب میں ایک دفعہ صرف وانا وانا فرمایا کہ میری طرف سے بھی موذن کی گواہی قبول کر لی جائے۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن کو اپنا وکیل بنا دیا۔نظیر۔۲۔حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم نے کیسے احرام باندھا ہے عرض کیا اھللت بما اھل به النبی صلی اللہ علیه وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی انکار نہ فرمایا۔گویا حضرت علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وکیل بنایا۔نظیر۔۳۔وقال موسیٰ ربنا انک اٰتیت فرعون وملاہ زینة واموالافی الحیوٰة الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم و اشدد علی قلوبھم فلا یومنواحتیٰ یرواالعذاب الالیم قال قداجیبت دعوتکما۔دونوں نے تو دعا نہ مانگی پھر دو کی دعا کیوں شمار کی گئی اس کی وجہ مفسرین حضرات نے یہ بیان فرمائی کہ حضرت ہارون علیہ السلام امین کہہ رہے تھے تو آمین کہنا وکیل بنانا ہے اس لئے دونوں دعا مانگنے والے شمار کئے گئے۔نظیر۔۴ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ۳۷ اونٹوں کی قربانی حضرت علیؓ نے کی تو وکیل بنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔نظیر۔۵۔حضرت عمرؓ نے ایک لشکر کو رخصت فرمایا اور فرمایا امضوا وانا شریککم۔اب لڑیں گے لشکر والے سمجھا جائے گا کہ حضرت عمرؓ بھی جہاد فرما رہے ہیں۔نظیر۔۶:۔ایک دفعہ صحابہ کی دو جماعتیں تیراندازی کا مقابلہ کر رہی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو فرمایا ارموا بنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیا. وانا مع بنی فلان کہ فلاں قبیلہ میرا وکیل ہے اس کی جیت میری جیت ہے اس کی ہار میری ہار ہے۔نظیر۔۷:۔لاتحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرانه فاذاقرأ ناہ فاتبع قرانه۔اس آیت میں قرأنا کے معنی یہی ہوئے کہ ہمارا وکیل جبریل علیہ السلام پڑھے۔اس کا پڑھنا یہ ہمارا ہی پڑھنا ہے معلوم ہوا کہ شریعت میں وکالت کا باب بہت وسیع ہے ایک دفعہ امام ابوحنیفہ سے مناظرہ کرنے کے لئے چند حضرات تشریف لے آئے فرمایا آپ سب سے تو میں بات نہیں کر سکتا آپ اپنا ایک وکیل بنائیے وہ آپ سب کی طرف سے بات کرے گا۔انہوں نے کہا بالکل ٹھیک ہے فرمایا کہ مناظرہ تو تم ہار گئے کیونکہ مناظرہ قرأت خلف الامام ہی کے مسئلہ پر کرنا تھا تم نے وکالت کو مان لیا تو قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں بھی میرا مسلک مان لیا۔سوال:۔اگر امام وکیل ہوتا ہے تو پھر مقتدی کے ذمہ رکوع، سجدہ، اذکار، تشہد، درود شریف، دعا اور ثناء بھی نہ ہونے چاہئیں کہ امام ہی سب کی طرف سے کرے گا۔

جواب:۔قرأت کے علاوہ دو چیزیں ہیں۔۱۔اعمال رکوع سجدہ وغیرہ ۲۔اذکار وادعیہ۔اعمال میں تو وکالت کا اثر ظاہر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اعمال بھی سب مقتدیوں کی طرف سے امام ہی کرے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ مقتدی نیت باندھنے کے بعد صرف کھڑے رہیں اور امام رکوع اور سجدہ میں جائے اس میں امام کی مخالفت لازم آتی ہے اس مخالفت سے توکیل لوٹ جائے گی اور اذکار میں توکیل اس لئے جاری نہ ہوگی کہ قرأت اور اذکار میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔۱۔قرأت فرض ہے اور اذکار میں سے کوئی بھی فرض نہیں۔۲۔قرأت میں اصل سننا اور سنانا ہے اور ادعیہ اور اذکار میں اصل انفراد ہے کہ ہر ایک اکیلا اکیلا کرے اور ایک کی طرف سے دوسرا نہ کرے۔اسی لئے قرآن پاک میں جو دعائیں بھی آئی ہیں وہ زیادہ تر جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں۔۳۔قرأت میں منازعت اور ممانعت منصوص ہے۔ادعیہ اور اذکار میں منازعت اور ممانعت منصوص نہیں ہے۔۴۔قرأت میں اصل جہر ہے اور ادعیہ اور اذکار میں اصل اخفاء ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة اور امام کے جہر کے ساتھ مقتدی کا بھی پڑھنا عقلاً بہت بعید ہے کہ امام کی قرأت اگر کسی نے سنی ہی نہیں اپنی

اپنی پڑھنے میں سب نے مشغول ہونا ہے تو امام جہر کیوں کر رہا ہے ان سب وجوہ کی بنا پر ادعیہ واذکار کو قرأت پر قیاس نہیں کر سکتے۔لنا۔ ۱۲ فی الدارقطنی عن ابن عباس مرفوعاً یکفیک قرأة الامام خافت اوجهر لنا۔ ۱۳:۔ فی کشف الاسرار عن زید بن اسلم کان عشرة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ینهون عن القرٰة خلف الامام اشد النهی ' ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی الوقاص وعبداللہ بن مسعود وزید بن ثابت و ابن عمر وابن عباس لنا۔ ۱۴:۔ ہماری چودھویں دلیل چودھویں کے چاند حافظ بدرالدین عینی نے اپنی کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں نقل فرمائی ہے روی منع القراة خلف الامام عن ثمانین من الصحابة الکبار۔لنا۔۱۵:۔ فی مسلم عن عبادة بن الصامت مرفوعاً لاصلوٰة لمن لم یقرأ بام القران فصاعداً معلوم ہوا کہ فاتحہ اور مازاد برابر ہیں اور جب مازاد کسی کے نزدیک امام کے پیچھے فرض نہیں ہے تو فاتحہ بھی فرض نہیں۔لنا۔۱۶:۔فی الصحیحین عن عبادة بن الصامت مرفوعاًلاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحه الکتاب 'باء چاہتی ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا مقرون بالغیر ہو جیسا کہ بدائع الفوائد کے حوالہ سے پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے پس فصاعداً کے معنی پائے گئے۔لنا۔ ۱۷:۔ فی موطأ محمد ومصنف ابن ابی شیبة و مصنف عبدالرزاق عن عمر موقوفاً لیت فی فم الذین یقرأ خلف الامام حجراً۔لنا۔ ۱۸ فی الدار قطنی و مصنف ابن ابی شیبة و مصنف عبدالرزاق عن علی موقوفاً من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرة. لنا۔۱۹فی مسلم عن زید بن ثابت موقوفاً لاقراة مع الامام فی شی. لنا ۲۰۔فی عمدة القاری عن علی وسعد و زید بن ثابت موقوفاً لاقراء ة مع الامام لافیما اسرو لافیما جهران بیس دلائل میں سے چودھویں دلیل اسی کے برابر ہے تیرھویں دلیل دس کے برابر چھٹی دلیل آٹھ کے برابر دسویں دلیل چار کے برابر بیسویں دلیل تین دلیلوں کے برابر ہے۔اس طرح یہ پانچ دلیلیں ایک سو پانچ (۱۰۵) کے برابر ہو گئیں باقی پندرہ کو ایک ایک ہی شمار کر لیا جائے تو کل ایک سو بیس (۱۲۰) دلیلیں ہو گئیں۔ للشافعی.ا۔ فی ابی داؤد و الترمذی عن عبادة بن الصامت مرفوعاً لاتفعلو الابفاتحة الکتاب فانه لاصلوٰة لمن لم یقرأ بها۔طرز استدلال ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمایا اور سورہ فاتحہ کو ممانعت سے مستثنٰی قرار دیا اور فرمایا کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے فرض ہے۔

جواب:۔اس روایت میں کئی قسم کا اضطراب ہے۔

اضطراب(۱) آخری راوی عبادہ بن الصامت ہیں یا عبداللہ بن عمرو ہیں۔

اضطراب(۲) روایت مرفوع ہے یا موقوف ہے

اضطراب(۳) مکحول اور عبادہ بن الصامت کے درمیان واسطہ مذکور ہے یا نہ اور جس روایت میں واسطہ مذکور نہیں ہے وہ روایت منقطع بھی ہے۔

اضطراب(۴) وہ واسطہ نافع کا ہے یا محمود کا ہے۔

اضطراب(۵) واسطہ ایک راوی کا ہے یا واسطہ دو راویوں کا ہے

اضطراب(۶) اگر دو راویوں کا واسطہ ہے تو نافع کے استاد محمود ہیں یا ابونعیم ہیں۔بعض سندوں میں محمود ہیں بعض سندوں میں ابونعیم ہیں۔

اضطراب(۷) بعض سندوں میں مکحول اور عبداللہ بن عمرو کے درمیان واسطہ مذکور ہے اور بعض سندوں میں واسطہ مذکور نہیں ہے جب سات قسم کا اضطراب ہے تو اس روایت سے استدلال کیسے کیا جاتا ہے۔

جواب ۔۲:۔ امام احمد، امام ابن حبان، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن عبدالبراورحضرت انورشاہ صاحب نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔حافظ ابن تیمیہ نے معلول ہونے کی تقریر یہ کی ہے کہ اصل واقعہ صرف اتنا تھا کہ حضرت عبادہ بن الصامت نے امام کے پیچھے قرأت کی شاگرد نے اعتراض کیا تو جواب میں یہ حدیث پڑھ دی **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام رواج امام کے پیچھے نہ پڑھنے کا تھا اسی لئے تو شاگرد نے اعتراض کیا اور پھر حضرت عبادہ بن الصامت کے نزدیک بھی فاتحہ کا پڑھنا مستحب تھا ورنہ اپنے شاگرد سے فرماتے کہ جن نمازوں میں تم نے سورہ فاتحہ امام کے پیچھے نہیں پڑھی ان نمازوں کا اعادہ کرو پھر یہ استحباب بھی حضرت عبادہ کا اپنا اجتہاد تھا کہ امام کے پیچھے جو پڑھنے کی ممانعت ہے اس ممانعت سے سورہ فاتحہ مستثنیٰ ہے اور حضرت انورشاہ صاحب نے معلول ہونے کی تقریر یوں کی ہے کہ حضرت مکحول تک دو حدیثیں پہنچی تھیں ایک بواسطہ محمود کے جو صحیحین میں ہے **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** اور دوسری بواسطہ نافع کے پہنچی تھی جو حافظ ابن تیمیہ نے نقل فرمائی ہے حضرت مکحول سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے ان دونوں روایتوں کو خلط کر دیا اور اس خلط سے وہ حدیث بن گئی جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے۔ **سوال:۔** حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

جواب:۔ حضرت انورشاہ صاحب نے دیا کہ امام بخاری نے صرف اس حدیث کو اپنی کتاب جزء القرأت میں نقل کیا ہے اور جزء القرأت کی وہ شرطیں نہیں ہیں جو صحیح بخاری کی ہیں اس لئے صرف نقل کر دینے کو صحیح قرار دینا نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اگر امام بخاری صحیح بخاری میں مسنداً نقل فرماتے تو کہہ سکتے تھے کہ صحیح قرار دیا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ **جواب ۔۳:۔** ابوداؤد اور ترمذی والی روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اقرار فرمایا ہے کہ الفاظ اگرچہ اس حدیث کے پندرہ قسم کے ہیں لیکن یہ واقعہ ایک ہی ہے انتھی جب ایسا ہے تو سب سے قوی الفاظ کو لیں گے باقی سب چھوڑ دیں گے اور وہ الفاظ صحیحین کے ہیں **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** ان سے مقتدی کے ذمہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ امام شافعی کے شاگرد امام احمد اور امام شافعی کے استاد سفیان بن عیینہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لئے ہے۔ ابوداؤد میں ہے **قال سفیان لمن یصلی وحدہ۔** **جواب ۔۴:۔** حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے دیا ہے کہ پہلے مکہ مکرمہ میں یہ آیت نازل ہوئی **واذاقرئ القراٰن فاستمعو الہ وانصتوا لعلکم ترحمون** اس سے جہری نماز میں قرأت خلف الامام منع ہوگئی پھر مدینہ منورہ میں فرمایا **لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** تو اس سے کسی نے یہ مستنبط کر لیا کہ امام کے پیچھے بھی سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دے دی جیسا کہ حضرت مکحول والی روایت میں ہے لیکن بعد میں اُس پڑھنے سے تکلیف محسوس فرمائی تو ابن اکیمہ والی حدیث والا واقعہ پایا گیا تو لوگوں نے جہری نماز میں پڑھنا بالکل بند کر دیا لیکن سری نمازوں میں پڑھتے رہے پھر اس سے بھی تکلیف محسوس فرمائی تو سری نمازوں میں پڑھنے سے بھی منع فرمادیا اور فرمادیا **من کان لہ امام فقراءۃ الا مام لہ قراءۃ۔**

جواب ۔۵:۔ یہ جواب بھی حضرت گنگوہی نے دیا ہے کہ جب نہی کے بعد امر اباحت کے لئے ہوتا ہے تو نہی کے بعد استثناء بطریق اولیٰ اباحت کے لئے ہے۔ وہ اباحت بھی اباحت مرجوحہ ہے یعنی اباحت مع الکراہتہ یہی حنفی مسلک ہے۔ **واذا حللتم فاصطادوا** پہلے شکار سے ممانعت کا ذکر ہے پھر شکار کا امر ہے اس لئے مقصود اباحت ہے۔ یہ نہیں کہ شکار کرنا واجب شمار کیا جائے۔ **وابتغوا من فضل اللہ۔** پہلے جمعہ کی اذان کے وقت بیع وشراء کے حرام ہونے کا ذکر ہے پھر یہ امر ہے بیع وشراء کا اس سے مقصود اباحت ہے وجوب نہیں۔ پس روایت مذکور سے شوافع

کا مذہب ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ زیادہ سے زیادہ اباحت مع الکراہت ثابت ہوگی۔
سوال نہی کے بعد امر اباحت کے لئے ہوتا ہے یہ تو صرف شوافع حضرات کا اصول ہے حنفیہ کا اصول نہیں ہے۔ جواب:۔ ا۔ حنفیہ کا بھی ہے۔ ۲۔ اگر صرف شوافع حضرات کا بھی مانا جائے تو پھر بھی ہمارا جواب ٹھیک ہے کیونکہ اس صورت میں ہمارا جواب الزامی جواب بن جائے گا یعنی مخاطب کے مسلمہ اصولوں کے مطابق جواب ہو جائے گا گو تحقیقی نہ ہو۔ تحقیقی جواب وہ ہوتا ہے جو متکلم کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو۔

سوال۔ فانه لا صلوٰة الا بها یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہاں استثناء اباحت کے لئے نہیں ہے بلکہ وجوب کے لئے ہے۔ جواب:۔ فانہ لاصلوٰۃ الا بھا میں عقلی طور پر دو احتمال ہیں یہ عبارت تعلیل کے طور پر مذکور ہے یا استشہاد کے طور پر مذکور ہے تعلیل کے معنیٰ ہیں کہ مسئلہ کا دارومدار بتلا دیا گیا اِس صورت میں تو واقعی وجوب ثابت ہونا چاہئے اور استشہاد کے معنیٰ یہ ہیں کہ معمولی مناسبت کی وجہ سے کسی دوسری نوع کا کوئی حکم ذکر کیا گیا۔ اس صورت میں وجوب نہ بنے گا بلکہ معنیٰ یہ ہونگے کہ پیچھے پڑھنے سے منازعت ہوتی ہے بقیہ غیر فاتحہ میں منازعت شدید ہے کہ وہ آیتیں یا سورتیں بدل بدل کر پڑھی جاتی ہیں اس لئے نسبۃً کم یاد ہوتی ہیں کوئی پیچھے پڑھے گا تو امام بالکل نہ پڑھ سکے گا اور سورہ فاتحہ میں منازعت نسبۃً کم ہوگی کیونکہ اس کے بغیر تو منفرد کی نماز نہیں ہوتی اس لئے کہ سورہ فاتحہ روزانہ بار بار پڑھی جاتی ہے۔ بہت کمی ہوتی ہے۔ وہ پیچھے پڑھنے کے باوجود بھی امام کے لئے پڑھنی زیادہ مشکل نہ ہوگی۔ امام کو پیچھے پڑھنے کی وجہ سے مشقت ہوگی لیکن دوسری سورتوں کی نسبت کم ہوگی اس لئے سورۃ فاتحہ پیچھے پڑھنے کی اباحت مرجوحہ حاصل ہوگی اور پیچھے پڑھنا حرام نہ ہوگا صرف مکروہ ہوگا۔ اب یہاں استشہاد ہے تعلیل نہیں ہے اس بات کو ثابت کرنے کی چند وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ:۔ اگر اس عبارت کو تعلیل بنایا جائے تو یہاں صریح تعارض بنتا ہے کیونکہ بعض روایات میں **لا صلوٰة لمن یقرء بام القران فصا عداً** ہے اور واقعہ سب میں ایک ہی ہوگا اور معنیٰ یہ ہونگے کہ میرے پیچھے کچھ نہ پڑھا کرو سوائے فاتحہ کے کیونکہ فاتحہ اور مازاد کے بغیر نماز نہیں ہوتی گویا پہلے ارشاد فرمایا کہ امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھا کرو پھر ساتھ ہی فرمایا کہ فاتحہ اور مازاد دونوں کا پڑھنا واجب ہے یہ صریح تناقض ہے۔ پس تحلیل پر محمول کریں تو صریح تناقض ہے اور استشہاد پر محمول کریں تو تناقض نہیں ہے۔

دوسری وجہ:۔ **لا تفعلوا لا بفاتحة الكتاب** اس کا تعلق امام اور مقتدی بننے سے ہے اور **فانه لا صلوٰة الا بها** اِس عبارت کا تعلق نماز کے اجزاء اور ارکان سے ہے۔ یہ دونوں مسئلے الگ الگ باب سے اور الگ الگ قسم سے تعلق رکھتے ہیں ایسی صورت میں استشہاد ہی کے معنیٰ کرنے پڑتے ہیں کیونکہ تعلیل کے لئے ضروری ہے کہ دونوں باتوں کا تعلق ایک ہی باب اور ایک ہی قسم اور ایک ہی مسئلہ سے ہو۔

تیسری وجہ:۔ اگر تعلیل پر محمول کریں تو مقتدی بننے میں جو وکیل بنانا ہوتا ہے وہ باقی نہیں رہتا اس لحاظ سے بھی تعلیل پر محمول نہیں کر سکتے بلکہ استشہاد پر ہی محمول کرنا ضروری ہے توکیل کے تفصیل پیچھے گذر چکی ہے ہماری گیارہویں دلیل میں۔

چوتھی وجہ:۔ فصاعداً سے فاتحہ اور غیر فاتحہ کی برابری معلوم ہوتی ہے اور تعلیل بنانے میں سورہ فاتحہ کا وجوب ثابت کرنا مقصود ہے اور غیر فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں تو فاتحہ اور غیر فاتحہ کے درمیان تسویہ نہ رہا۔ استشہاد لینے میں یہ تسویہ باقی رہتا ہے اس لحاظ سے بھی استشہاد ہونا چاہئے۔ تعلیل نہ ہونی چاہئے۔

پانچویں وجہ:۔ **لا تفعلوا** میں نہی کا صیغہ ہے جو انشاء ہے اور **لا صلوٰة الا بها** میں نفی ہے جو خبر میں داخل ہے یہ بھی علامت ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں جو استشہاد کے مناسب ہیں تعلیل کے مناسب نہیں ہیں۔

للشافعی ۲:۔ مسلم اور ابو داؤد میں ہے عن ابی ھریرة موقوفاً اقراء بھایا فارسی فی نفسک معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حضرت ابو ہریرہ نے حکم فرمایا اس لئے سورہ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا فرض ہے۔

جواب ا: اس میں حضرت ابو ہریرہ اپنے شاگرد کو ڈانٹ رہے ہیں کہ اے فارسی اے کم علم جاؤ جا کر امام کے پیچھے بھی ضرور پڑھو یعنی میں تو امام اور منفرد کے بارے میں بتلا رہا ہوں تم کہتے ہو کہ میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں اس حدیث کا مقتدی سے تعلق نہیں ہے۔ اس ڈانٹنے کا قرینہ کہ امر مقصود نہیں بلکہ ڈانٹنا اور روکنا مقصود ہے ایک تو غمز ذراعی ہے دوسرے یا فارسی ہے

جواب ۲:۔ قرأت کے حقیقی معنیٰ ہیں تلفظ باللسان اور مجازی معنیٰ ہیں تصور الالفاظ فی القلب ایسے ہی فی نفسک کے حقیقی معنیٰ ہیں فی قلبک اور مجازی معنی ہیں منفرداً جیسا کہ حدیث شریف قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من ذکر نی فی نفسه ذکر ته فی نفسی و من ذکر نی فی ملا ذکرته۔ فی ملا خیر من ملاہ یہاں فی نفسی اور فی نفسی دونوں کے معنی منفرداً کے ہیں اب زیر بحث حدیث میں قرأت اور فی نفسک دونوں کے حقیقی معنیٰ تو ہو ہی نہیں سکتے کہ تلفظ کر فاتحہ کا دل میں کیونکہ تلفظ زبان سے ہوتا ہے دل سے نہیں ہوتا اس لئے یا تو قراءۃ کے حقیقی معنیٰ اور فی نفسک کے مجازی معنیٰ کرینگے ای اقراء منفرداً یا قرأت کے مجازی معنیٰ اور فی نفسک کے حقیقی معنیٰ کرینگے تصوّرفی قلبک دل میں سورہ فاتحہ کے الفاظ کا تصور کر اور دونوں کے مجازی معنیٰ نہیں لے سکتے کیونکہ جب ایک کے حقیقی معنیٰ ہو سکتے ہیں تو دونوں کے مجازی معنیٰ کیوں لے جائیں۔

جواب ۳۔ اگر وہی معنیٰ لیں جو آپ لیتے ہیں کہ قرأت کر سراً تو پھر بھی یہ حضرت ابو ہریرہ کا اجتہاد ہے مرفوع روایت تو پیش نہیں کی بلکہ بعید استنباط فرمایا کہ دیکھو صلوٰۃ کا اطلاق سورہ فاتحہ پر ہوا ہے قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی معلوم ہوا کہ فاتحہ جزء صلوٰۃ ہے اس لئے امام اور مقتدی دونوں پڑھیں۔

للشافعی ۳۔ فی الدار قطنی عن انس مرفوعاً فلا تفعلو الا ان یقرأ احد کم بفاتحة الکتاب فی نفسه.

جواب ۔ا۔ علامہ ماردینی نے الجوہر النقی میں اضطراب شدید ثابت کیا ہے اس روایت میں

جواب ۲: حضرت انور شاہ صاحب نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے

جواب ۳: حضرت انور شاہ صاحب نے یہاں بھی فی نفسک کے معنیٰ منفرداً کے لئے ہیں۔

جواب ۴: امام بخاری نے صحیح بخاری میں اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف میں حضرت انس کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے تسبیحات کی جائیں قرأت نہ کی جائے جب راوی کا عمل اپنی ہی بیان کی ہوئی روایت کے خلاف ہو تو وہ مرفوع روایت منسوخ یا ماول یا ضعیف ہوگی۔

للشافعی ۔۴۔ فی کتاب القرائة للبیھقی و جزء القراء ة للبخاری عن ابن عمر کہ کسی نے حضرت ابن عمر سے قرأت خلف الامام کے متعلق پوچھا تو فرمایا انی لا ستحی من رب ھذا البیت ان اصلی صلوٰة لا اقراء فیھا بام القران

جواب ا: حافظ عینی نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے

جواب ۲: علامہ ماردینی نے حضرت ابن عمر کا مشہور مذہب ترک قرأت خلف الامام نقل فرمایا ہے جیسا کہ ہماری تیرھویں دلیل میں بھی مذکور ہے۔

جواب ۳: یہ معنیٰ ہیں کہ قرأت نہ حقیقی ہو نہ حکمی ہو تو مجھے شرم آتی ہے اور مقتدی کی طرف سے امام کے پڑھ لینے سے مقتدی کی قرأت حکمی پائی جاتی ہے۔

جواب ۴: ان کا اپنا اجتہاد ہے۔

جواب ۵: ان دونوں کتابوں میں جن میں یہ روایت ہے بعض حضرات کا مذہب تیسری اور چوتھی رکعت میں پڑھنے کا نقل

کیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہ معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ اور ائمہ میں اختلاف کا مدار پہلی دو رکعتیں ہیں۔

للشافعی ۵: فی جزء القراءۃ للبخاری عن ابی مریم سمعتُ ابن مسعود یقراء خلف الا مام

جواب:۔ ہمارے دلائل میں حضرت ابن مسعود کا قول منع عن القراءۃ خلف الامام مذکور ہے اور یہاں ان کا فعل ہے اور یہ اصول ہے کہ قول اور فعل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے۔

للشافعی ۶:۔ فی ابی داؤد عن ابی عثمان عن بلال انہ قال یا رسول اللہ لا تسبقنی بآمین معلوم ہوا کہ حضرت بلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

جواب ۱۔ حضرت ابوعثمان کا سماع حضرت بلال سے ثابت نہیں

جواب ۲۔ حضرت بلال سے کچھ پیچھے کھڑے ہو کر اقامت پڑھتے تھے پھر جگہ تلاش کرنے میں بعض دفعہ کچھ دیر ہو جاتی تو عرض کیا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ نماز میں سورہ فاتحہ میرے شریک ہونے سے پہلے پڑھ لیں۔

ولمالک واحمد: ادلہ قراءت خلف الامام کے متعلق دونوں قسم کے ہیں ان میں تطبیق یہ ہے کہ منع جہری نماز پر اور وجوب سری نماز پر محمول ہے اور اس تطبیق کے قرائن بھی ہیں۔

پہلا قرینہ:۔ ابن اکیمہ والی روایت میں فانتھی الناس الخ ہے کہ صحابہ کرام نے جہری نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنا چھوڑ دیا۔

جواب ۱۔ بعض روایات میں یہ ظہر یا عصر کا واقعہ ہے معلوم ہوا کہ جہر کی قید واقعی ہے۔

جواب ۲۔ خبر واحد میں جہر کی قید سے قران پاک کے مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا

جواب ۳۔ ہماری روایات میں سری نمازوں کی تصریح بھی ہے اور جو ائمہ مفہوم مخالف کو حجت سمجھتے ہیں ان کے نزدیک بھی منطوق کے مقابلہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

دوسرا قرینہ: فی البیھقی عن عائشۃ وابی ہریرۃ موقوفاً کانا یا مران بالقراءۃ وراء الا مام اذالم یجھر۔

جواب: نصوص صریحہ کے مقابلہ میں اجتہاداتِ صحابہ پر عمل نہیں کر سکتے۔

تیسرا قرینہ:۔ ہمارے دلائل میں سے چوتھی دلیل۔

جواب:۔ یہ روایت سری نماز کے حکم سے ساکت ہے اور ہمارے دلائل ناطق ہیں اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔ الحمدللہ کہ قرأت خلف الامام کا مسئلہ پورا ہوا۔

ثم اقراء ما تیسر معک من القران

یہ اس باب کی تیسری روایت ہے اس حدیث کا لقب حدیث مسیئ الصلوۃ ہے ثم اقراء امر کا صیغہ ہے امام بخاری اس سے باب کا مقصد ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امر سے ثابت ہوا کہ قرأت فرض ہے۔ یہی امر کا صیغہ محل ترجمہ ہے ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ قرأت کا فرض ہونا ضرور ثابت ہوا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں لیکن یہ تو ثابت نہ ہوا کہ امام کے پیچھے بھی قرأت فرض ہے کیونکہ یہ واقعہ تو منفرد کا ہے کہ ایک شخص نے اکیلے نے نماز پڑھی تھی اور اچھی نہ پڑھی تھی تو دوبارہ پڑھنے کا اس کو حکم دیا تین دفعہ ایسے ہی ہوا پھر اُس کو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا اس میں امام کے پیچھے پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

تعدیل ارکان کا اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک تعدیل ارکان فرض نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وعندالشافعی واحمد تعدیل ارکان فرض ہے کہ ہر رکن میں اچھی طرح اعضاء کو قرار ہو جائے پھر اس رکن سے اٹھے۔ لنا۔ ۱۔ **یایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون** یہاں رکوع کا امر ہے اور رکوع خارج صلوٰۃ فرض نہیں ہے اس لئے نماز ہی کا رکوع مراد ہے اور اس رکوع میں اور کوئی قید نہیں ہے جس سے تعدیل کی فرضیت ثابت ہو رکوع بمعنی انحناء جھکنا ہی فرض بنا۔ ایسے ہی اس آیت میں سجدہ مقرون بالرکوع ہے جو نماز والا سجدہ ہے اس لئے سجدہ بمعنی وضع الجبھت علی الارض ہی

فرض بنا اس سے زائد رکوع سجدہ کا اطمینان جو احادیث ظنیہ سے ثابت ہے اس کا درجہ کم ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں۔۲۔ابوداؤد اور بخاری شریف کی روایت یہی زیر بحث روایت جس کو حدیث **مسیئی الصلوٰۃ** کہتے ہیں اس میں ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ارجع فصل فانک لم تصل اس واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ایسی نماز کی اجازت دی جو تعدیل ارکان سے خالی تھی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تعدیل ارکان فرض نہیں ہے کیونکہ فرض کے بغیر نماز ایک فعل عبث ہے اور عبث فعل کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں دے سکتے۔معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض نہیں۔

وللشافعی واحمد۔۱۔ **فی ابی داؤد عن ابی مسعود البدری مرفوعاً لا تجزی ٔ صلوٰۃ الرجل حتی یقیم ظهره' فی الرکوع و السجود۔** جواب۔۱۔ ہمارے دلائل کی بناء پر یہ کہا جائے گا کہ اس حدیث میں کمال کی نفی ہے ورنہ تعارض لازم آئے گا۔۲۔ خبر واحد سے قرآن پاک پر زیادتی نہیں کی جا سکتی۔لھما۔۲۔ **فی ابی داؤدو البخاری یھی حدیث مسیئی الصلوٰۃ** جو زیر بحث ہے اس حدیث پاک سے ان حضرات کا استدلال تین طریقہ سے ہے۔۱۔ **فصّل** امر کا صیغہ ہے۔۲۔ **فانک لم تصل** کہ بغیر تعدیل ارکان کے نماز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معدوم شمار فرمایا معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان رکن اور فرض ہے۔۳۔**ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً** اس میں تعدیل ارکان کی تصریح ہے کہ پورا اطمینان اور اعضاء کا سکون ہو جائے پھر اٹھنا پہلے نہ اٹھنا۔جواب پہلا یہ ہے کہ خبر واحد سے قرآن پاک پر زیادتی نہیں ہو سکتی دوسرا جواب یہ ہے کہ امر ضرور موجود ہے لیکن یہ امر بھی خبر واحد میں ہے اور خبر واحد چونکہ ظنی ہے اس لئے اِس کے امر سے بھی فرضیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ فرض سے کم درجہ کی چیز واجب ثابت ہو جائے گا۔اور نفی جو اِس حدیث پاک میں ہے یہ نفی کمال کی ہے تاکہ نصوص میں تعارض لازم نہ آئے۔

باب القراءة فی الظهر

امام بخاری کی غرض اس باب میں کیا ہے اس میں دو اہم قول ہیں۔۱۔حسن بن صالح وغیرہ بعض حضرات پر رد کرنا ہے جو ظہر اور عصر کی قرأت کے وجوب کے قائل نہیں ہیں۔۲۔ظہر وعصر میں قرأت کی صفت بیان کرنی مقصود ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت دوسری سے زائد ہوتی تھی اور قرأت دونوں نمازوں میں سراً ہوتی تھی اور اب بھی ایسے ہی ہونی چاہئے۔

یطوّل فی الاولیٰ و یقصّر فی الثانیته

۱۔بعض فقہاء کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے اور ان کے نزدیک ہر نماز کی پہلی رکعت دوسری سے زیادہ لمبی ہونی چاہئے۔۲۔ جمہور فقہاء کے نزدیک فجر میں تو پہلی رکعت ہمیشہ دوسری سے کچھ لمبی ہونی ہی اولیٰ ہے اور پہلی رکعت کی قرأت دوسری رکعت کی قرأت سے کچھ زائد ہونی چاہئے باقی نمازوں کی قرأت مقدار کے لحاظ سے تقریباً برابر ہونی چاہئے اس لئے ان کے نزدیک اِس حدیث کی ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء کی وجہ سے رکعت کچھ لمبی ہو جاتی تھی قرأت کی مقدار دونوں رکعتوں میں تقریباً برابر ہی تھی ۳۔جمہور کی طرف سے ایک توجیہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت بہت آہستہ فرماتے تھے جس کو ترتیل کہتے ہیں دوسری رکعت میں ذرا تیز ہوتی تھی جس کو تدویر کہتے ہیں۔مقدار آیات کی تقریباً برابر ہی ہوتی تھی۔۴۔ جمہور کی طرف سے ایک توجیہ یہ ہے ظہر و عصر میں پہلی رکعت کبھی کبھار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذرا لمبی فرما لیتے تھے کیونکہ نمازیوں کے ملنے کا انتظار ہوتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پہلی رکعت میں شریک ہو جائیں عام طریقہ جس کو سنت کہا جائے گا وہ دونوں رکعتوں کو تقریباً برابر رکھنے ہی کا تھا۔

باب القراءة فی العصر

یہاں بھی غرض میں گذشتہ باب کی طرح وہ قول ہیں فرق یہ ہے کہ وہاں ظہر کا ذکر تھا یہاں عصر کا ذکر ہے۔

باب القراءة فی المغرب

امام بخاری کی غرض مغرب کی قرأت کی مقدار بیان فرمانا ہے۔

یقرأ بطولی الطولیین

اس کی تفسیر ابوداؤد میں مائدہ اور اعتراف سے کی گئی ہے۔ کہ مغرب میں اِن دو میں سے ایک پڑھی بیان جواز کا درجہ ہے۔

باب الجهر فی المغرب

غرض یہ ہے کہ مغرب کی قرأت میں جہر ثابت ہے۔

باب الجهر فی العشاء

غرض عشاء میں جہر کا اثبات ہے۔ سوال قرین قیاس یہ تھا کہ قرأت فی العشاء کا باب پہلے ہوتا اور جہر فی العشاء کا بعد میں ہوتا کیونکہ موصوف کا اثبات یعنی قرأت کا پہلے مناسب ہے اور صفت کا اثبات یعنی جہر کا بعد میں مناسب ہے الٹا کیوں کیا۔ جواب۔ کسی کاتب کی غلطی پر محمول ہے۔

باب القراء ة فی العشاء بالسجدة

غرض یہ کہ سجدہ والی سورت پڑھنا بھی جائز ہے۔

باب القراء ة فی العشاء

عشاء میں قرأت کا اثبات مقصود ہے۔

باب یطول فی الا ولیین ویحذف فی الا خرّین

غرض یہ حکم بتانا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورۃ نہیں ملائی جاتی۔

با ب القراء ة فی الفجر

اس باب کی غرض کی مختلف توجیہات ہیں۔ ا۔ قرأت کا ثابت کرنا مقصود ہے۔ ۲۔ صفت قرأت بیان کرنی مقصود ہے کہ جہراً قرأت ہے۔ ۳۔ مقدار مسنون بیان کرنی مقصود ہے کہ ساٹھ آیتوں اور سو آیتوں کے درمیان ہے۔

باب الجهر بقراء ة صلوٰة الصبح

غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ فجر کی نماز کی قراءۃ میں جہر ہے۔

الی سوق عُکاظِ :۔ اس بازار کی طرف جانا یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ شمار کیا گیا ہے۔ عکاظ ایک جگہ کا نام ہے جو نخلہ اور طائف کے درمیان تھی وہاں زمانہ جاہلیت میں یکم تا ۲۰ ذی قعدہ لوگ جمع ہوتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے اور فخر کرتے تھے اور اشعار پڑھتے تھے۔

فرجعت الشیاطین الی قومهم

اِس قوم سے مراد۔ ا۔ جنات۔ ۲۔ کاھن۔

فلما سمعوا القران استمعوا له

مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق اِن سننے والے جنّات کی تعداد ۹ تھی پھر سمعوا کے معنیٰ اتفاقاً کان میں آواز پڑگئی اور استمعوا کے معنیٰ ہیں کے قصداً قرأت کو سنا اور یہی محل ترجمہ ہے کہ فجر کی قرأت جہراً ہونی چاہئے جو کان میں پڑ جائے۔

قرأ صلی الله علیه وسلم فیما اُمر و سکت فیما اُمر

یعنی جہراً پڑھنا اور سراً پڑھنا مراد ہے۔

باب الجمع بین السورتین فی الر کعته والقراء ة بالخو اتیم وبسورةِ قبل سورةِ وباول سورةِ

غرض یہ ہے کہ اِن سب طریقوں سے قرأت کرنی جائز ہے۔

هذّا کهذّا الشعر یعنی تم نے بہت تیز قرأت کی ہوگی۔ ہذ کے معنیٰ جلدی کاٹنے اور جلدی پڑھنے کے آتے ہیں اُس زمانے میں شعراء جب اشعار حفظ کرنے کے لئے یا کوئی واقعہ نقل کرنے کے لئے پڑھتے تھے تو بہت جلدی جلدی پڑھتے تھے یہی یہاں مراد ہے لیکن جب شعراء خوشی میں شعر گاتے تھے تو آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔

باب یقرأ فی الا خر یین بفاتحة الکتاب

غرض یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے ساتھ سورت نہیں ملائی جاتی۔

باب من خافَتَ القراء ة فی الظهر والعصر

غرض یہ حکم بیان فرمانا ہے کہ ظہر اور عصر میں قرأت سراً ہونی چاہئے۔

باب اذا اسمع الا مام الآیتہ

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے۔

باب یطول فی الرکعتہ الاولیٰ

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ سب نمازوں میں پہلی رکعت دوسری سے زیادہ لمبی ہونی چاہئے۔ مسئلہ اور حدیث کی تفصیل عنقریب گذری ہے

باب جھرا لا مام بالتأمین

تامین کے معنیٰ آمین کہنے کے ہیں۔ پھر آمین کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ا۔ ایسا ہی ہو جائے لیکن کذلک۔۲۔ فعل۔۳۔ استجب۔۴۔ اقبل۔۵۔ لاتخیب رجاءنا۔ ہماری امید کو ناکام نہ کیجئے۔ غرض امام بخاری کی امام شافعی کا قول اختیار کرنا ہے اس مسئلہ میں اور حضرت وائل کی روایت ذکر نہ کی کیونکہ ان کی شرط پر نہ تھی۔

امام کے آمین کہنے میں اختلاف

فی روایۃ عن مالک امام جہری نماز میں آمین نہ کہے سری میں کہے۔ وفی روایۃ عنہ امام کسی نماز میں بھی آمین نہ کہے اور تیسری روایت امام مالک سے یہ ہے اور یہی جمہور کا قول ہے کہ امام سب نمازوں میں آمین کہے۔ لنا۔ ا:۔ **حدیث الباب عن ابی ھریرۃ مرفوعاًاذا من الامام فامنوا.** لنا۔ ۲- **فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً اذا قراء ولاالضالین قال آمین.** لنا۔ ۳- **فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً مجھر بآمین** لنا۔ ۴- **فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذا تلاغیر المغضوب علیھم ولاالضالین قال آمین.** لمالک:۔ **فی ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذاقال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا آمین** اس روایت میں امام اور مقتدی کا کام الگ الگ بتلا دیا گیا امام سورہ فاتحہ پڑھے آمین نہ کہے اور مقتدی آمین کہے سورہ فاتحہ نہ پڑھے پھر امام مالک کے نزدیک امام سری اور جہری دونوں میں اس پر عمل کرے یا صرف جہری میں اس پر عمل کرے یہ دونوں روایتیں ہیں۔ جواب: آپ کی روایت میں امام کے آمین پڑھنے سے سکوت ہے اور ہماری روایت میں نطق ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔

آمین سراً اور جہراً کہنے میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفتہ و مالک وفی روایۃ عن الشافعی سراً آمین کہنا افضل ہے وفی روایۃ عنہ وعنداحمد جہراً کہنا افضل ہے منشاء اختلاف یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر سے سفیان ثوری مرفوعاً جہر نقل کرتے ہیں اور وہ روایت ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں ہے اور شعبہ حضرت وائل بن حجر ہی سے مرفوعاً سراً امین کہنا نقل فرماتے ہیں اور وہ روایت ابی داؤد الطیالسی اور ترمذی اور مسند احمد میں ہے شعبہ کی روایت کئی وجوہ سے راجح ہے ا- تہذیب الآ ثار للطبرانی میں ہے **عن ابی وائل قال لم یکن عمر وعلی رضی اللہ عنھما. یجھران. بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بآمین.**

۲- ادعوار بکم تضرعا و خفیۃ اس آیت میں دعاء آہستہ مانگنے کا حکم ہے آمین بھی دعا ہے۔ ۳- تعلیماً بعض دفعہ جہر فرمایا اصل سنت آہستہ پڑھنا تھا۔ یہ توجیہ اس کے برعکس نہیں ہو سکتی کہ اصل سنت جہر تھی تعلیماً سراً پڑھی جو کیونکہ جہراً پڑھنے میں تعلیم ظاہر ہو چکی ۴- **فی الطحاوی عن وائل کان عمر و علی لایجھران بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین.** ۵- ابوداؤد میں حضرت سمرہ سے مرفوعاً دو سکتے مذکور ہیں ایک تحریمہ کے بعد اور ایک ولا الضالین کے بعد اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آمین آہستہ ہی ادا فرمایا کرتے تھے اسی لئے ولا الضالین کے بعد آمین آہستہ کہنے کو سکتہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر عادت مبارکہ جہراً آمین ادا فرمانے کی ہوتی تو اس آمین کہنے کو سکتہ کے لفظ کے ساتھ بیان نہ کیا جاتا۔ ۶- سفیان ثوری راوی مدلس ہیں اور ان کی روایت بھی عن کے ساتھ ہے اور مدلس کی روایت عن

کے ساتھ معتبر نہیں ہوتی مدلس اس راوی کو کہتے ہیں جو بعض دفعہ اپنے استاد کا نام چھوڑ دے اور دادا استاد کا نام عن کے ساتھ ذکر کردے۔ حضرت شعبہ مدلس بھی نہیں ہیں اور ان کی روایت ابوداؤدطیالسی میں صیغہ سماع کے ساتھ ہے۔

حنابلہ اور شوافع حضرت کے مرجحات

۱-حضرت شعبہ نے ابن العنبس راوی کو ابوالعنبس کہہ دیا ہے حالانکہ ان کی کنیت تو ابوالسکن ہے جیسا کہ امام بخاری نے تصریح فرمائی ہے اور یہ اعتراض امام ترمذی نے اپنی جامع میں نقل فرمایا ہے ہم اس کا جواب دیتے ہیں ان کی دونوں کنیتیں تھیں چنانچہ ابوداؤد سجستانی اور ابن حبان نے ابوالعنبس ہی بیان فرمائی ہے' ۲-شعبہ نے ابوالعنبس کا استاد علقمہ ذکر کیا ہے یہ واسطہ شعبہ کی خطا ہے جواب شعبہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں ان کی زیادتی کو زیادہ ثقہ کہیں گے۔ خطانہ کہیں گے ابوالعنبس کا سماع بلاواسطہ بھی ہے اور بواسطہ بھی ہے ۳- **فی ابی داؤد السجستانی عن ابی ھریرۃ مرفوعاً قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول۔** جواب۔ اس روایت میں بشر بن رافع ہے جس کو بخاری اور ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۴- حضرت شعبہ خود فرماتے ہیں سفیان احفظ منی جواب یہ تواضعاً ہے جیسے حضرت سفیان ثوری بھی تو فرماتے ہیں شعبۃ امیر المومنین فی الحدیث اور مومنین میں خود سفیان ثوری بھی داخل ہیں۔ ۵- رفع زیادہ ہے اور مثبت زیادہ کو ترجیح ہوتی ہے جواب۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ سراً پڑھنا اور جہراً پڑھنا یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں سر ہو تو جہر نہیں اور جہر ہو تو سر نہیں زیادہ وہاں ہوتی ہے کہ ایک چیز باقی رہتے ہوئے دوسری ثابت ہو جائے یہاں سر کے رہتے ہوئے جہر ثابت نہیں ہو سکتی۔ ۶- سفیان ثوری کے متابع علا بن صالح اور محمد بن سلمۃ بن کھیل ہیں۔ جواب۔ یہ دونوں راوی ضعیف ہیں اس لئے ان سے تائید ثابت نہیں ہو سکتی۔

قال عطاء آمین دعاء

ترجمۃ الباب سے مناسبت یہ ہے کہ دعا میں امام اور مقتدی دونوں کو شریک ہونا چاہئے۔ **للجۃ**:۔ بلند آواز کو لجہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن الزبیر اور ان کے مقتدی جہراً آمین کہتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا اجتہاد تھا۔

وکان ابوھریرۃ ینادی الامام لاتفتنی باآمین

معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ مروان کی خلافت میں اذان اور اقامتہ دیا کرتے تھے اس لئے مروان سے فرما رہے ہیں کہ میری اقامت سے پہلے ہی تحریمہ نہ کہہ دیا کرو ایسا نہ ہو کہ میں سورہ فاتحہ سننے سے اور آمین تمہارے ساتھ کہنے سے رہ جاؤں۔ **وسمعتُ منہ فی ذلک خیراً**:۔ نافع فرما رہے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے آمین کے متعلق فضیلت سنی ہے۔

اذا امّنَ الا مام فامنّوا

امام بخاری کا مقصد اس مرفوع روایت سے جہر آمین ثابت کرنا ہے۔ جواب۔ یہ کیا ضروری ہے کہ آمین امام زور ہی سے کہے جب ولا الضالین پڑھے گا تو مقتدی آمین کہہ دے گا۔ اس لئے جہر امام فی التامین ثابت نہ ہوا۔

باب فضل التامین

غرض آمین کہنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب جھرا لما موم بالتا مین

غرض مقتدی کے جہر کو ثابت کرنا ہے آمین کہنے میں۔

باب اذا رکع دون الصف

غرض یہ ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے نمازی کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے وقال احمد صحیح نہیں۔ لنا۔ حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔ ابوداؤد جب بغیر نسبت کے ہو تو سجستانی ہی مراد ہوتے ہیں عن ابی بکرۃ مرفوعاً زادک اللہ حرصاً ولا تعد اس حدیث کے چھ معنی کئے گئے ہیں سب کے سب جمہور کی دلیل بنتے ہیں۔ ۱۔ اے ابوبکرہ تم پھر تاخیر کی طرف نہ لوٹنا کہ پھر بھی تم کو صف کے پیچھے اکیلے رکوع کرنا پڑے۔ ۲۔ پھر کبھی بھاگ کے جماعت پکڑنے

کے لئے نہ آنا کہ اس سے سانس پھول جاتا ہے اور نماز توجہ سے نہیں پڑھی جاتی۔۳۔اب تو رکوع صف سے پیچھے کرلیا اور نماز ٹھیک ہوگئی پھر صف کے پیچھے رکوع نہ کرنا یہ اچھا نہیں گو نماز ہو جاتی ہے۔۴۔تم رکوع کی حالت میں چل کر اگلی صف کے ساتھ ملے آئندہ اس طرح چوپایوں کی طرح نہ چلنا۔۵۔لفظ لاتَعْدُ ہے عدو بمعنی ھرب سے پھر نہ بھاگ کر آنا۔۶۔لاتُعِدْ باب افعال سے اعادہ سے کہ نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ان سب معنوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔معلوم ہوا کہ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز صحیح ہے گو بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں۔

ولاحمد۔۱۔فی ابی داؤد عن وابصته ان رسول الله صلی الله علیه وسلم رای رجلا یصلی خلف الصف وحده فامره ان یعید جواب۔زجراً اعادہ کا حکم فرمایا کہ آئندہ احتیاط رکھے اگر اعادہ واجب ہوتا تو حضرت ابوبکرہ کو ضرور اعادہ کا حکم فرماتے حالانکہ ایک روایت کے مطابق صراحۃً فرمایا لاتُعِدْ کہ اعادہ نہ کرو۔۲۔فی مسند احمد وابن ماجته عن علی بن شیبان مرفوعاً فلا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف۔جواب لانفی کمال کے لئے ہے تاکہ تعارض نہ ہو۔

باب اتمام التکبیر فی الرکوع

اس باب سے امام بخاری کی غرض کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔اللہ اکبر کو لمبا کر کے کہے تاکہ اکبر کی راء رکوع میں ختم ہو اور پورا انتقال اللہ اکبر سے بھر جائے۔۲۔ہر رکوع وسجدہ اور نماز کی ہر حرکت میں اللہ اکبر کہے اس باب میں رکوع کا ذکر اور آئندہ باب میں سجدہ کا ذکر ان دونوں کی عظمت کی وجہ سے ہے مراد ہر رفع وخفض ہے ان دونوں میں حصر مقصود نہیں ہے۔۳۔اللہ اکبر کے الفاظ خوب صاف صاف کہے۔۴۔غرض ابوداؤد کی ایک روایت کو کمزور قرار دینا ہے جس میں ہے عن عبد الرحمٰن بن ابزی انه صلی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم دکان لا یتم التکبیر اس روایت کی مختلف توجیہات ہیں۔۱۔کمزور ہے۔۲۔بیان جواز ہے۔۳۔تکبیر کا جہر پورا نہ فرماتے تھے۔۴۔زیادہ مد نہ کرتے تھے۔۵۔بعض موقعوں میں تکبیر نہ پڑھتے تھے لیکن یہ اس زمانہ پر محمول ہے جبکہ ابھی نماز میں کمی وبیشی ہو رہی تھی آخری درجہ یہی تھا کہ ہر رفع وخفض میں تکبیر پڑھنے کو مسنون قرار دیا گیا۔اس حدیث کی توجیہات مکمل ہوگئیں پھر حکمت ہر رفع وخفض میں تکبیر پڑھنے کی یہ ہے کہ شروع میں جو نیت کی تھی تحریمہ کے وقت اس کی تجدید مقصود ہے کیونکہ تکبیر علامت ہے ابتدائی نیت کی۔

باب اتمام التکبیر فی السجود

غرض میں وہی چار قول ہیں جو گذشتہ باب میں مذکور ہوئے۔

باب التکبیر اوا قام من السجود

غرض یہ ہے کہ یہ بھی مسنون ہے۔

باب وضع الاکف علی الرکب فی الرکوع

غرض یہ ہے کہ پہلے تطبیق فی الرکوع مسنون تھی کہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر ان کو دونوں گھٹنوں کے درمیان دبایا جائے۔پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم نازل ہوگیا۔سوال۔بعض حضرات نے حنفیہ پر اعتراض کیا ہے کہ آپ کی فقہ کا زیادہ مدار حضرت ابن مسعود اور حضرت علی پر ہے۔اور حضرت ابن مسعود سے ابوداؤد میں تطبیق منقول ہے تو کیا نعوذ باللہ حضرت ابن مسعود کو نسخ کا پتہ نہ چلا حالانکہ دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھی جاتی ہے۔جواب پتہ تو چلا لیکن اُن کی تحقیق یہ تھی کہ نسخ کی صورت یہ ہوئی ہے کہ رخصت ہوگئی ہے کہ بہتر تطبیق ہے جس کو عزیمت کہتے ہیں اور رخصت وضع علی الرکبتین ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی آسانی کے لئے کثرت سے رخصت پر عمل فرماتے تھے۔اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے۔عن علی موقوفاً قال اذا رکعتَ فان شئت قلتَ ھکذا یعنی وضعتَ یدیک علی رکبتیکَ و ان شئت طبقتَ۔

باب اذا لم یتم الرکوع

غرض یہ ہے کہ اگر رکوع بغیر تعدیل کے ادا کیا تو نماز کا اعادہ

کرے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے ثابت ہے اور ترجمۃ الباب میں حکم کی تصریح نہ فرمائی کیونکہ مسئلہ اختلافی تھا اور اختلاف عنقریب گذر چکا ہے۔

باب استواء الظهر في الركوع

غرض یہ ہے کہ رکوع میں نہ پشت کو سر سے اونچا کرے نہ نیچا کرے۔ ہصر :۔اس کے معنیٰ ہیں مال جھکایا۔

باب حد اتمام الركوع والاعتدال فيه والاطمانينة

غرض یہ ہے کہ رکوع میں پورا اطمینان اور سکون اعضاء ہونا چاہئے۔ا۔اختلاف عنقریب گذر چکا ہے۔

باب امر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا يتم ركوعه بالاعادة

غرض یہ ہے کہ تعدیل ارکان فرض ہے دلیل یہ پیش فرمادی کہ اعادہ کا حکم فرمایا ہم یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ یہ اعادہ کا حکم تادیبا ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی مزید تفصیل عنقریب گذر چکی۔

باب الدعاء في الركوع

غرض یہ ہے کہ رکوع میں دعاء کرنی بھی جائز ہے۔سوال۔دعاء تو ذکر فرمادی۔ تسبیح ذکر نہ فرمائی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حالانکہ حدیث میں دونوں ہیں۔ جواب۔ تسبیح میں تو اتفاق ہے کہ مسنون ہے دعاء کو بعض نے مکروہ قرار دیا تھا ان کی تردید کرنے کے لئے باب میں صرف دعاء کا ذکر فرمایا۔ ور یک روایت امام مالک سے بھی دعاء کے انکار کی ہے اس روایت کے لحاظ سے امام بخاری امام مالک پر انکار کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث سے دعاء ثابت ہے۔ عند الجمہور کراہت نہیں لنا۔ حديث الباب عن عائشة قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم يقول في ركوعه و سجوده سبحانك اللهم ربنا و بحمدك اللهم اغفرلى ولما لك روايته مسلم عن حذيفة مرفوعاً ركع نجعل يقول سبحان ربى العظيم و فى سجوده سبحان ربى الا على. جواب ہماری روایت مثبت زیادت ہے۔

باب ما يقول الامام و من خلفه اذا رفع راسه من الركوع

غرض بظاہر تائید ہے۔امام شافعی واحمد کے قول کی کہ امام اور مقتدی دونوں ربنا لک الحمد کہیں وعند مالک وابی حنیفۃ امام ربنا لک الحمد نہ کہے۔لنا آئندہ باب کی روایت عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد وللشافعى و احمد حديث الباب عن ابى هريرة كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا و لك الحمد جواب۔ا- ہماری قولی ہے اس لئے اس کو آپ کی فعلی روایت پر ترجیح ہے۔۲- آپ کی روایت اکیلے نماز پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ اس میں امامت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

باب فضل اللهم ربنالك الحمد

غرض ربنا لک الحمد پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔باب۔بعض نسخوں میں یہاں باب القنوت ہے یعنی قنوت نازلہ کا بیان مقصود ہے۔کیونکہ قنوت وتر کا ذکر آگے آئے گا۔پھر باب بلاترجمہ جو تتمہ ہوتا ہے ماقبل کا اس کے ساتھ مناسبت اس باب کی پہلی روایت کی یوں ہے کہ ربنا لک الحمد ایسی جگہ پڑھا جاتا ہے جس جگہ دعا قبول ہوتی ہے یہ ربنا لک الحمد کی فضیلت کا تتمہ ہوگیا۔بعینہ یہی مناسبت اس باب کی دوسری حدیث کی ہے اور تیسری روایت میں ربنالك الحمد مع زائد کی فضیلت ہے اس سے صرف ربنا لك الحمد کی فضیلت بھی ظاہر ہوگئی پھر اکیلا باب بلاترجمہ ہونے کی صورت میں مبنی پڑھیں گے جیسے چند چیزوں کو شمار کیا جاتا ہے۔

باب الاطمانينة حين يرفع راسه من الركوع

غرض تعدیل ارکان کی تاکید ہے۔

فانصب هنيتة: تھوڑی دیر سیدھے کھڑے ہوگئے۔

باب یھوی بالتکبیر حین یسجد

غرض یہ ہے کہ اللہ اکبر کہنا سجدہ کے لئے جھکنے کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے نہ پہلے نہ پیچھے۔

کان ابن عمر یضع یدیه قبل رکبتیه

اس روایت کی مناسبت باب کے ساتھ یہ ہے کہ باب میں جھکنے کا ذکر تھا اس روایت میں اسی جھکنے کی تفصیل ہے پھر اختلاف ہے جھکنے کے طریق میں عند مالک مسنون یہ ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر رکھے پھر گھٹنے اور عند الجمھو راس کا عکس مسنون ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ۔ لنا۔ ۱- فی ابی داؤد عن وائل بن حجر مرفوعاً اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه۔ ۲- فی صحیح ابن خزیمه عن سعد بن ابی الوقاص کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الدین ولمالک روایة ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً اذا سجداحد کم فلا یبرک کما یبرک البعیر و لیضع یدیه قبل رکبتیه۔ جواب ۱- یہ طریقہ منسوخ ہے جیسا کہ ہماری روایت میں تصریح ہے ۲- کسی راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ کہہ دیا اصل حدیث صرف اتنی تھی اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر اور اس میں ہاتھ پہلے رکھنے کی ممانعت تھی راوی یہ سمجھا کہ اونٹ کے ہاتھ تو ہیں ہی نہیں اس لئے اونٹ گھٹنے ہی لگاتا ہے اس لئے اونٹ کی طرح بیٹھنے کی ممانعت کے معنی یہی ہوئے کہ گھٹنے پہلے نہ لگاؤ بلکہ پہلے ہاتھ لگاؤ حالانکہ معنیٰ یہ تھے کہ اونٹ کے اگلے پاؤں ہاتھوں کی جگہ ہیں گویا اونٹ پہلے ہاتھ لگاتا ہے تم پہلے ہاتھ نہ لگایا کرو بلکہ پہلے گھٹنے لگایا کرو۔ ۳- حضرت ابو ہریرہ سے روایتیں دونوں قسم کی ہیں پہلے ہاتھ لگیں یا پہلے گھٹنے لگیں اس لئے استدلال نہیں ہو سکتا اذا تعارضا تساقطا۔ ۴- اونٹ کی طرح نہ بیٹھنے کے معنی ہیں کہ ہاتھ پہلے نہ رکھے کیونکہ اونٹ پہلے ہاتھ یعنی اگلے پاؤں جھکاتا ہے اور پھر فرمایا کہ ہاتھ پہلے رکھے گویا اس حدیث کے شروع حصہ اور اخیر حصہ میں تعارض ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

قال سفیان کذا جاء به معمر قلت نعم

یعنی سفیان بن عیینہ نے اپنے شاگرد علی بن عبداللہ مدینی سے فرمایا اکذا جاء۔ بہ معمر ہمزہ استفہام کا محذوف ہے کیا آپ کے پاس معمر نے بھی ایسے ہی حدیث کو نقل فرمایا ہے جیسے میں نے ولک الحمد کا لفظ نقل کیا ہے علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا نعم۔

قال لقد حفظ

حضرت ابن عیینہ نے فرمایا کہ معمر نے ٹھیک یاد کیا ہے امام زہری سے یونہی ثابت ہے ولک الحمد اس سے غرض یہ ہے ابن عیینہ کی کہ لیث وغیرہ سے جو لک الحمد بغیر واؤ کے منقول ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔

حفظت من شقه الایمن

اب حضرت سفیان اسی حدیث کی ایک دوسری غلطی بتلانا چاہتے ہیں جو امام زہری کے شاگرد حضرت ابن جریج سے واقع ہوئی کہ ابن جریج نے شق کی جگہ ساق نقل کیا ہے۔

فلما خرجنا من عندالزهری قال ابن جریج و انا عنده فجحش ساقه الایمن

جحش کے لغوی معنیٰ ہیں چھیلا گیا چھلکا اور کھال اتر گئی مراد زخمی ہونا ہے اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ پاؤں مبارک میں موچ آ گئی تھی اور جوڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ فلما خرجنا کے تین معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- حضرت سفیان فرما رہے ہیں کہ جب ہم امام زہری کے پاس سے نکلے تو ابن جریج فرمایا کہ میں امام زہری کے پاس ہی تو بیٹھا ہوا تھا جب امام زہری نے فرمایا جحش ساقہ الایمن اس تقریر میں وانا عندہ ابن جریج کا مقولہ ہے اور عندہ کی ضمیر امام زہری کی طرف لوٹتی ہے۔ ۲- جب ہم امام زہری کے پاس سے نکلے ابن جریج نے فرمایا فحجش ساقه الایمن حالانکہ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ امام زہری کی مجلس میں میں ابن جریج کے پاس ہی تو بیٹھا ہوا تھا جیسے ابن جریج نے سنا ایسے ہی میں نے سنا۔ پھر بھی ابن جریج بھول گئے اور باہر آ کر ساق کا لفظ کہہ دیا۔ وانا عندہ یہ منقولہ

حضرت سفیان کا ہے اور عندہ کی ضمہ حضرت ابن جریج کی طرف لوٹتی ہے اور بیٹھنا امام زہری کی مجلس میں مراد ہے۔۳- وانا عندہ مقولہ حضرت سفیان کا ہے لیکن عندہ کی ضمیر امام زہری کی طرف لوٹتی ہے کہ سفیان فرماتے ہیں کہ میں امام زہری کے پاس ہی تو بیٹھا ہوا تھا جیسے ابن جریج قریب ہی تھے پھر بھی ابن جریج بھول گئے اور شق کی جگہ ساق کا لفظ حدیث میں نقل فرمادیا۔

باب فضل السجود

غرض سجدہ کی فضیلت کا بیان فرمانا ہے۔

تمارون:۔۱- تاء اور راء کے ضمہ کے ساتھ جھگڑا کرتے ہو۔ ۲-تماروں۔اصل میں تتماروں در تاؤں کے ساتھ اور راء کے فتحہ کے ساتھ پھر ایک تاء کو حذف کردیا گیا معنی تشکون۔شک کرتے ہو۔

لایتکلم:۔ای لاتکلم علی الصراط۔یخر دل:۔گرایا جائے گا۔

ویعرفو نهم باثار السجود:۔یہ محل ترجمہ ہے کہ دوزخ میں فرشتے سجدہ کے نشانوں کی وجہ سے پہچان لینگے کیونکہ آگ سجدہ کے نشانوں کو نہ کھائے گی اس سے سجدہ کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

امتحشوا:۔احترا قواجل گئے۔

قشبنی:۔زہر پلادی یعنی ماردیا۔

ذلک لک وعشرة امثاله:۔پہلے اللہ تعالیٰ فرمائینگے لک ذلک ومثلہ معہ پہلے ایک مثل ظاہر فرمائیں گے پھر دس مثل ظاہر فرمائیں گے اور مزید شفقت کا اظہار فرمائینگے اور دس مثل ظاہر فرمادینگے دونوں باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں آخری حصہ حضرت ابوہریرۃ نہ سن سکے اس لئے وہ نقل نہ فرمایا۔

باب یبدی ضبعیه ویجافی فی السجود

غرض بازوں کو سینے سے دور رکھنے کی وضاحت کرنا ہے پھر یجافی۔۱-اس کا مفعول محذوف ہے ضبعیہ بازوؤں کو سینے سے دور رکھے اس معنیٰ کے لحاظ سے یہ ماقبل کی تاکید ہے۔۲- معفول محذوف ہے بطنہ کہ پیٹ کو رانوں سے دور رکھے اس صورت سے تاسیس ہے اور نئے معنی ہیں۔

باب لیستقبل القبلته باطراف رجلیه

غرض یہ ہے کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ **باب اذالم یتم السجود:**۔غرض تعدیل ارکان کے فرض ہونے کی تاکید ہے کہ تعدیل ارکان سجدہ میں نہ ہو تو نماز نہ ہوگی اختلاف کی تفصیل گزرچکی اور ترجمۃ الباب میں اذا کا جواب ذکر نہ فرمایا کہ حدیث سے خود ہی نکال لیا جائے گا۔

باب السجود علی سبعته اعظم

غرض اعضاء سجود کا بیان ہے۔ **باب السجود علی الانف:** غرض کیا ہے دو قول ہیں۔۱-صرف ناک لگ جائے تو پھر بھی سجدہ صحیح ہے۔۲- ناک اور پیشانی دونوں کا لگنا ضروری ہے صرف پیشانی کافی نہیں بلکہ ناک کا لگنا بھی ضروری ہے۔اختلاف:عند امامنا ابی حنیفہ: ناک اور ماتھے میں سے ایک کا لگنا کافی ہے اور صاحبین اور جمہور کے نزدیک ماتھا لگانا ضروری ہے اور عنداحمد دونوں کا لگانا ضروری ہے حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے **للصاحبین والجمهور فی الصحیحین عن ابن عباس امر النبی صلی الله علیه وسلم ان یسجد علی سبعته اعضا ولایکف شعرا ولا ثوبا الجبهته والیدین والرکبتین والرجلین ولابی حنیفته عن ابن عباس حدیث الباب مرفوعاً امرت ان اسجد علی سبعته اعظم علی الجبهته واشارعلی انفه والیدین والرکبتین واطراف القدمین** معلوم ہوا کہ ناک اور ماتھا ایک ہی ہڈی ہے کسی ایک کا لگالینا کافی ہے۔جواب احتیاط یہی ہے کہ ماتھا لگائے تاکہ سب روایت پر عمل ہوجائے ولاحمد آئندہ باب کی روایت جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے **عن ابی سعید مرفوعاً رایت اثر الطین والماء علی جبهته رسول الله صلی الله علیه وسلم وارنبته** جواب۔ناک اور ماتھا دونوں کا وجود ہے وجوب نہیں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر دونوں واجب ہوں تو اعضاء سجدہ آٹھ ہوجائیں گے حالانکہ سات کا عدد ہماری روایت میں صراحتہ مذکور ہے۔

واشاربیده علی انفه:۔اشارمیں صنعت تضمین ہے امر کی۔

باب السجود علی الانف فی الطین

امام بخاری کی غرض اس باب میں کیا ہے اس میں مختلف قول ہیں ۔ا۔ ناک سجدہ میں ضرور لگنی چاہئے اسی کی تاکید کے لئے یہ دوسرا باب باندھا حالانکہ مسئلہ گذشتہ باب میں بیان فرما چکے تھے۔۲۔ اگر ناک کیچڑ میں ڈوب جائے تو سجدہ صحیح ہے۔ البتہ اگر پورا چہرہ ڈوب جائے تو سجدہ صحیح نہیں ہے۔۳۔ سجدہ میں ناک لگانا مستحب ہے کیونکہ سجدہ قبول ہونے کی ایک نشانی کیچڑ کا ناک پر لگ جانا بھی ہے۔

قزعۃ:۔بادل کاٹکڑا۔

تصدیق رویاہ:۔یعنی بیداری میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے اور ناک پر کیچڑ کا نشان دیکھا تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کی تصدیق ہوگئی کہ اس سال لیلۃ القدر وہ رات ہوگی جس میں میرے ماتھے اور ناک پر کیچڑ لگے گا۔ پھر یہاں عبارت میں تصدیق مضاف ہے اور رویاہ مضاف الیہ ہے۔

باب عقد الثیاب و شدھا و من ضمّ الیہ ثوبہ اذا خاف ان تنکشف عورتہ

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ گرہ لگانی تو جائز ہے ہی ضرورت کی وجہ سے کپڑے کو پکڑ لینا بھی جائز ہے البتہ بلاضرورت کف ثوب اور ضم ثوب مکروہ ہے۔

باب لا یکف شعراً

غرض میں اقوال ۔ا۔ بہتر ہے کہ بال کھلے چھوڑ دے تاکہ وہ بھی سجدہ کریں۔۲۔ نماز پڑھتے وقت سر پر بالوں کو نہ باندھے۔ یعنی جوڑا سر کے درمیان نہ بنائے۔ پہلے قول میں یہ ہے کہ کسی قسم کے نہ باندھے دوسرے قول میں یہ ہے کہ سر کے درمیان جوڑے کی صورت میں نہ باندھے۔

باب لا یکف ثوبہ فی الصلوٰۃ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ نماز میں کپڑے پکڑنا منع ہے۔

باب التسبیح و الدعاء فی السجود

غرض یہ ہے کہ تسبیح اور دعاء سجدہ میں مسنون ہیں۔ پھر اس کی وجہ کہ یہ دونوں سجدے میں کیوں مسنون ہیں ۔ا۔ سجدہ میں زیادہ قرب ہے جیسا کہ سورہ علق کی آخری آیت میں صراحۃً مذکور ہے اس لئے اس قرب کی حالت میں تسبیح بھی قبول ہوگی دعاء بھی قبول ہوگی۔۲۔ سجدہ چونکہ دنیا میں سب سے پہلی عبادت جاری ہوئی تھی اس لئے اس میں تسبیح اور دعاء قبول ہوتی ہیں۔۳۔ آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد دنیا میں سب سے پہلا گناہ ابلیس نے سجدہ چھوڑ کر کیا ہمیں اس کی مخالفت کا حکم ہوا اس اہمیت کی وجہ سے سجدہ میں تسبیح اور دعاء قبول ہوتی ہیں۔ **وبحمدک**:۔ دو ترکیبیں ہیں ۔ا۔ یہ حال ہے نسبحک حال کونک متلبساً بحمدک۔۲۔ یہ عطف ہے نسبحک ونحمدک

باب المکث بین السجدتین

یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں تھوڑا سا ٹھہر جانا مستحب ہے

کان یقعد فی الثالثۃ ھو الرابعۃ

یعنی حضرت عمرو بن سلمۃ جو جلسہ استراحت کرتے تھے یہ دوسرے حضرات نہ کرتے تھے معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین میں جلسہ استراحت کرنے والے بہت کم تھے۔

اختلاف:۔ عند الشافعی پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے جلسہ استراحت مسنون ہے وعند الجمہور مسنون نہیں۔لنا۔ا۔ **فی الطحاوی عن ابی حمید مرفوعاً فقام و لم یتورک.۲. فی الترمذی عن ابی ھریرۃ کا ن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھض فی الصلوٰۃ علی صد ورقدمیہ**۔۳۔ **فی مصنف ابن ابی شیبتہ عن عمر وعلی وابن مسعود ابن الزبیر وابن عباس وابن عمر موقوفاً نھوض علی صدور القدمین** منقول ہے۔۴۔ اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو اس میں کوئی ذکر منقول ہوتا اور بعد میں اللہ اکبر ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۵۔نماز عبادت کے لئے ہوتی ہے استراحت کے لئے نہیں ہوتی۔ وللشافعی۔ روایته ابی داؤد و البخاری عن مالک بن الحویرث مرفوعاً اذا کان فی وتر من الصلوٰة لم ینهض حتی لیستوی قاعداً۔ جواب۔ یہ اخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے ہے کیونکہ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے لاتبادرونی برکوع ولا سجود انی قد بدّنتُ قال فاتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم :۔عبارت محذوف ہے۔ا۔اسلمنا فاتینا۔۲۔ارسلنا قومنا۔ فاتینا۔

باب لا یفترش ذراعیه فی السجود

وجہ افتراش سُستی کی نشانی ہے۔۲۔ ہاتھوں کا سجدہ یہ ہے کہ بلندی سے پستی کی طرف آئیں۔افتراش میں نہ رہا۔۳۔افتراش میں تشبہ ہے جانوروں کے ساتھ

باب من استوی قاعداً فی وتر من صلوته ثم نهض

غرض یہ کہ جلسہ استراحت کے قائل کے لئے بھی دلیل موجود ہے لفظ من سے معلوم ہوا کہ خود امام بخاری اس کے قائل نہیں ہیں مسئلہ میں اختلاف ابھی گذرا۔

باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة

غرض یہ ہے کہ جب کسی رکعت کے بعد کھڑا ہونے لگے تو زمین پر سہارا لے کر اُٹھے بظاہر امام شافعی کا مسلک ہی امام بخاری لے رہے ہیں ان کا یہی مسلک ہے کہ یہی اولیٰ ہے جمہور کے نزدیک ہاتھ نیچے لگائے بغیر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا اولی ہے اور زمین پر اعتماد کر کے اور سہارا لگا کر اٹھنا مکروہ ہے۔لنا۔روایته ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یعتمد الرجل علی یدیه اذا نهض فی الصلوٰة اور اس پر امام ابوداؤد نے سکوت فرمایا ہے جو بہت سے محدثین کے نزدیک صحیح ہونے کی دلیل ہے وللشافعی حدیث الباب عن مالک بن الحویرث کہ انہوں نے نماز پڑھ کر دکھائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے پڑھتے تھے اور وہ مشابہ حضرت عمرو بن سلمہ کی نماز کے تھی اور عمرو بن سلمۃ یوں کرتے تھے کہ واذا رفع راسه عن السجدة الثانیه جلس واعتمد علی الارض ثم قام۔ جواب۔ ا۔ بیان جواز۔۲۔ضعف پر محمول ہے۔۳۔ترجیح قول کو ہے ہماری روایت قولی ہے۔یہ فعلی ہے۔

وکان ذلک الشیخ یتم التکبیر

اس کے معنی۔ا۔عدد تکبیر کا پورا کرتے تھے یہ نہ کرتے تھے کہ کسی رفع و خفض میں تکبیر کہی کسی میں نہ کہی۔۲۔اللہ اکبر لمبا کر کے پڑھتے تھے ایسے طریقہ سے کہ پورا انتقال اس پڑھنے سے بھر جائے۔

باب یکبر وهو ینهض من السجدتین

امام بخاری کی غرض کیا ہے۔اس میں اقوال ہیں۔ا۔جب دو رکعتوں سے اٹھے تو تکبیر کہے تاکہ ہر رفع و خفض میں تکبیر کہنا پایا جائے۔۲۔دو رکعتوں سے اٹھنے میں جتنا وقت لگے اس میں اللہ اکبر کو پھیلا دے اور بھر دے۔

باب سنته الجلوس فی التشهد

غرض تشہد کے لئے بیٹھنے کا مسنون طریقہ بتلانا ہے اور جو روایتیں اس باب میں لائے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے امام شافعی والا قول ہی اس مسئلہ میں اختیار فرمایا ہے اختلاف کی تفصیل یہ ہے عندامامنا ابی حنیفۃ مسنون سب قعدوں میں افتراش ہی ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پر بیٹھ جائے وفی روایۃ عن مالک سب قعدوں میں تورک ہی مسنون ہے کہ پاؤں دائیں طرف نکال کر نیچے بیٹھ جائے اور امام مالک کی دوسری روایت وعندالشافعی درمیانی قعدہ میں افتراش مسنون ہے اور آخری قعدہ میں تورک مسنون ہے وعند احمد رکعت ثانیہ کے بعد جب بھی بیٹھے خواہ یہ آخری رکعت ہو یا درمیانی رکعت ہو افتراش مسنون ہے اور تیسری اور چوتھی رکعت کے بعد تورک مسنون ہے۔لنا فی مسلم عن عائشة مرفوعاً کان یفرش رجله الیسری و ینصب رجله الیمنیٰ و للشافعی ثانی الباب

اور یہ ابوداؤد میں بھی ہے بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں عن ابی حمید الساعدی مرفوعاًفاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسریٰ و نصب الیمنیٰ واذا جلس فی الرکعته الآخرة قدم رجله الیسریٰ و نصب الاخریٰ وقعد علی مقعد ته ولا حمد روایته ابی داؤد عن ابی حمید مرفوعاً فاذا کانت الرابعته افضیٰ بورکه الیسریٰ الی الارض ولمالک روایته ابی داؤد عن سهل الساعدی مرفوعاً فتورُّک جواب سب کا یہ ہے کہ یہ ضعف بدنی پر محمول ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے مرفوعاً لا تبادرونی برکوع ولا بسجود انی قدبدّ منت۔

وکانت ام الدرداء تجلس فی صلوتها جلسته الرجل وکانت فقیهتةً

یہ ان کا اجتہاد ہے اور اسی کو امام بخاری نے اختیار فرمایا ہے وعندالجمہو رعورت ہمیشہ تورک کرے لنا۔ روایته مراسیل ابی داؤد عن یزید بن ابی حبیب انه صلی الله علیه وسلم مر علی امرأ تین تصلیان فقال اذا سجد تما فضمّا بعض اللهم الی الا رض فان المرأة فی ذلک لیست کا لرجل و للبخاری. تعلیق هذا الباب اور یہ مسنداً مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے عن مکحول و کانت ام الدر داء تجلس فی صلوٰتها جلسته الرجل و کانت فقیهة جواب یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے پھر یہ ام الدرداء صغریٰ تابعیہ ہیں کبریٰ صحابیہ نہیں ہیں کیونکہ اُن کبریٰ کو مکحول نے نہیں پایا۔ پھر اس مقام میں علامہ عینی نے امام ابوحنیفہ کا مسلک امام بخاری کی طرح نقل کیا ہے یہ علامہ عینی کی غلطی ہے کذا قال استاذ مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ تعالیٰ انتہی۔ احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ یہ چھاپے کی غلطی ہے ہمارے چھاپے میں یہ غلطی نہیں ہے اور احقر کے دادا استاد مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علامہ عینی سے نقل مذاہب میں غلطی بہت ہی شاذ ونادر واقع ہوتی ہے انتہی

ھضر۔ امال جھکایا

کل قفار۔ یعنی یہ روایت قاف کی تقدیم کے ساتھ ہے بغیر ضمیر کے اور بغیر تاء کے اس کے بعد والی روایت میں فاء مقدم ہے۔ اور تقدم فاء والی روایت بغیر ضمیر اور بغیر تاء بھی ہے اور ضمیر کے ساتھ بھی ہے اور تاء کے ساتھ بھی ہے فقارۃ معنیٰ سب کے ایک ہی ہیں اور روایات کے الفاظ چار قسم کے ہیں فقارہ فقارہ فقارہ فقارۃ

باب من لم یر التشهد الاول واجبا

غرض جمہور فقہاء کا مذہب بیان کرنا ہے کہ پہلا تشہد فرض نہیں ہے یہاں اپنا مسلک امام بخاری نے صراحۃً بیان نہیں فرمایا اگلے باب میں بیان فرمائیں گے۔

اختلاف: عنداحمد درمیانہ تشہد فرض ہے۔ عندامامنا ابی حنیفۃ فرض سے کم درجہ واجب ہے۔ کہ بھول کر چھوڑنے میں سجدہ سہو ہے جمہور کے نزدیک سنت کا درجہ ہے لنا و لجمہو رحدیث الباب عن عبد الله بن مالک مرفوعاً فقام من الرکعتین الا ولیین لم یجلس الی قوله فسجد سجدتین قبل ان یسلم ثم سلّم جمہور کے نزدیک سنّیت پر محمول ہے کہ دوبارہ آپ پہلے تشہد کی طرف نہ لوٹے ہمارے نزدیک فرضیت کی نفی تو ہوئی سنت سے درجہ اونچا ہے ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ سجدہ سہو بھی مذکور ہے ولاحمد روایۃ ابی داؤد عن مطلّب مرفوعاً الصلوٰة مثنیٰ مثنیٰ ان تشهّد فی کل رکعتین جواب۔ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ خبر واحد سے فرض ثابت نہیں ہوتا وجوب ہی ثابت ہوتا ہے۔

باب التشهد فی الا ولیٰ

امام بخاری کی غرض کیا ہے مختلف اقوال ہیں۔ ا۔ تشہد اول بھول کر چھوڑنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ اس میں سجدہ سہو آتا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے باب فی بیان حکم التشهد فی الجسلته الا ولیٰ وهو سجود السهو فی ترکه. ۲۔ باب فی بیان فرضیته التشهد فی الجلسته اولیٰ اور گذشتہ باب کا مقصد اپنا مسلک بیان کرنا نہیں تھا بلکہ جوانکار

فرضیت کرتے ہیں ان کی دلیل بتلانی مقصود تھی اپنا مسلک اب بیان فرمایا۔۳۔گذشتہ باب میں بھی اپنا مسلک ہی تھا کہ پہلا تشہد فرض نہیں ہے اب بھی اپنا مسلک ہی ہے کہ فرض سے کم درجے ہے جس کے چھوڑنے سے نماز ہوتو جاتی ہے لیکن سجدہ سہو آتا ہے۔۴۔تشہد اول کی کیفیت بیان کرنی مقصود ہے کہ اس میں درود شریف اور دعاء نہیں ہے۔۵۔گذشتہ باب کی تاکید ہے کہ تشہد فرض نہیں تاکد ضرور ثابت ہے۔

باب التشهد فی الآخرة

امام بخاری کی غرض میں مختلف اقوال ہیں۔ا۔قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔۲۔غرض یہ ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کی تاکید پہلے قعدہ میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔ ۳۔قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا فرض ہے۔اِن تینوں بابوں کو ملانے سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا فرض ہے اولیٰ میں فرض نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

ان الله هو السلام:۔ بعض روایتوں میں تفصیل ہے کہ ہم کہتے تھے۔ السلام علی الله اس سے منع فرماتے ہوئے ارشادفرمایا ان الله هو السلام اس لئے یوں نہ کہا کروالسلام علی اللہ

اختلاف:۔ عند امامنا ابی حنیفته و احمد حضرت ابن مسعود والا تشهد راجح ہے وعند الشافعی حضرت ابن عباس والا راجح ہے وعند مالک حضرت عمر والا تشہد راجح ہے۔لنا۔حدیث الباب جو صحاح سته میں آتی ہے عن ابن مسعود مرفوعاً التحيات لله والصلوٰت والطيبات وللشافعی روایته مسلم والنسائی وابی داؤد عن ابن عباس وكان يقول التحيات المباركات الصلوٰت الطيبات لله ولمالک فی الطحاوی عن عمر کہ انہوں نے منبر پر تعلیم فرمائی التحيات لله الزاكيات لله والصلوٰت لله حنفیہ کے لئے وجوہ ترجیح۔ا۔حضرت ابن مسعود والی روایت کے متعلق ترمذی میں ہے وهو اصح حديث عن النبی صلی الله عليه وسلم فی التشهد اور صحاح ستہ میں آنا بھی قوۃ سند کی دلیل۔۲۔فی الترمذی عن خصيف کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ان الناس قد اختلفوا فی التشهدفقال عليک بتشهد ابن مسعود۔۳۔ہمارے تشہد میں دو واو ہیں اس لئے تین جملے بن گئے اور تین مستقل حمدیں گئیں باقیوں میں ایک یا دو حمدیں بنتی ہیں۔مقام حمد میں کثرت محامد اولیٰ ہے چنانچہ اخیر وقت میں کسی نے امام ابو یوسف سے پوچھا بواوِاوین جواب دیا بواوین۔یہ اسی مسئلہ کی طرف اشارہ تھا بہت ذہین تھے معمولی اشارہ سے سمجھ گئے اور نہایت مناسب جواب ذکر فرمایا۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعتہ۔

حکمتِ خطاب:۔ تشہد میں جو السلام عليک ايها النبی ورحمته الله وبركاته 'میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اس کی حکمت میں اقوال مختلف ہیں۔ا۔یونہی حکم ہے ہم عمل کرتے ہیں اور حکمت تلاش نہیں کرتے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

نعمل ولانحقق۔۲۔اس تصور کی بنا پر خطاب کے صیغہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کہ فرشتے یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادیتے ہیں جیسے مکتوبات میں السلام عليكم لکھا جاتا ہے۔حالانکہ جس کو خط لکھا ہے وہ خط لکھتے وقت سامنے موجود نہیں ہوتا۔۳۔ہم بطور حکایت کے یہ الفاظ پڑھتے ہیں معراج میں نبی کریم صلی علیہ وسلم نے پڑھا تھا التحيات لله والصلوٰت والطيبات حق تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا السلام عليک ايها النبی ورحمة الله وبركاته پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا السلام علينا وعلیٰ عباد الله الصالحين پھر جبریل علیہ السلام نے پڑھا اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً عبده ورسوله۔پھر یہ سارے کلمات ہماری نماز میں بطور معراج کی حکایت کے رکھ دیئے گئے کیونکہ نماز بھی معراج المومنین ہے۔

باب الدعاء قبل السلام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ سلام سے پہلے دعاء مستحب ہے۔

باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشهد ولیس بواجب

غرض یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو اس باب میں مذکور ہے اس میں جو لفظ یتخیر کا آرہا ہے یہ وجوب کے لئے نہیں کہ دعاء کا اختیار کرنا ضروری ہو بلکہ استحباب کے لئے ہے کہ بہتر ہے کہ کوئی دعاء اختیار کرلے۔

باب من لم یمسح جبهته وانفه حتیٰ صلی

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ نماز کے اندر پیشانی اور ناک کو صاف نہ کرے البتہ نماز ختم کرنے کے بعد اگر صاف کرلے تو کچھ حرج نہیں۔

باب التسلیم غرض اس سلام کا حکم بیان کرنا ہے جو نماز کے اخیر میں ہے۔ پھر حکم کیا ہے اس کی تصریح نہ فرمائی کیونکہ اختلافی مسئلہ ہے اور اختلاف یہ ہے کہ عند امامنا ابی حنیفۃ لفظ سلام فرض نہیں ہے وعند الجمہور فرض ہے۔ لنا۔ فی مسند احمد تشہد پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا **فاذا قضیت هذا وقال فاذا فعلت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد.** ہمارا استدلال اس روایت سے دو طرح سے ہے۔ ا۔ فقد قضیت سے معلوم ہوا کہ نماز اس تشہد کے پڑھنے سے پوری ہوگئی۔ ۲۔ اٹھنے کا اختیار دیا اس سے بھی یہی ثابت ہوا۔ **وللجمهور روایة ابی داؤد عن علیؓ مرفوعاً و تحلیلها التسلیم** کہ نماز سے نکلنے کا طریقہ صرف سلام ہے جواب یہ کامل طریقہ ہے اور حصر ادعائی ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ لفظ سلام فرض تو نہیں ہے لیکن فرض سے تھوڑا سا کم درجہ جس کو حنفیہ وجوب کا درجہ کہتے ہیں یہ درجہ لفظ سلام کو حاصل ہے۔

باب یسلم حین یسلم الامام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ امام کے ساتھ ہی سلام پھیرنا مستحب ہے۔

باب من لم یرد السلام علی الامام واکتفی بتسلیم الصلوٰة

غرض امام بخاری کی بعض مالکیہ پر رد ہے جو تین سلاموں کے قائل ہوئے کہ دو سلاموں کے درمیان امام کے سلام کا جواب دینے کے لئے تیسرا سلام بھی ہونا چاہئے۔ امام مالک کے نزدیک ایک سلام ہے اور جمہور کے نزدیک دو سلام ہیں بظاہر امام بخاری جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔ لنا۔ روایۃ الطحاوی جو ۱۳ صحابہ سے منقول ہے ان میں حضرت علی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر بھی ہیں جو مرفوعاً دو سلام نقل فرماتے ہیں **ولمالک روایة الطحاوی عن سعد بن ابی وقاص ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لیسلم من الصلوٰة بتسلیمة واحدة** جواب امام طحاوی نے اس روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔ **ولبعض المالکیة قول الله تعالیٰ واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها اور ردّوها** جواب دو دفعہ جو مقتدی سلام کہے گا۔ اس سے جواب ہوجائے گا۔

باب الذکر بعد الصلوٰة

غرضُ اس ذکر کا مستحب ہونا بیان کرنا ہے پھر ابن حزم ظاہری کے نزدیک ذکر جہری فرض نماز کے بعد مستحب ہے اور عند الجمہور مستحب نہیں ہے بلکہ سراً ہونا چاہئے منشاء اختلاف بخاری شریف کے اس باب کی دوسری روایت ہے جو ابوداؤد میں بھی ہے **عن ابن عباس قال کنتُ اعرفُ انقضاء صلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم بالتکبیر** ابن حزم کے نزدیک یہ اپنے ظاہر پر ہے اور جمہور کے نزدیک اس کی دو توجیہیں ہیں۔ ا۔ تعلیم پر محمول ہے کہ بعض دفعہ آپ نے زور سے ذکر فرمایا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ میں خاموش بیٹھا ہوا نہیں ہوں بلکہ ذکر کررہا ہوں۔ ۲۔ تکبیرات تشریق کے ساتھ خاص ہے۔ ترجیح قول جمہور کو ہی ہے۔ کیونکہ ذکر میں اصل اخفاء ہی ہے اور یہی مسنون ہے جہر

صرف علاج کے طور پر جواز کے درجہ میں ہے اگر جہر کو مستحب یا سنت کہے گا تو پھر یہی جہر بدعت بن جائے گا۔

رجعت الیہ: حضرت ابو ہریرہ فرمارہے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

باب یستقبل الا مام الناس اذا سلم

غرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ سلام پھیر کر امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے یہی اولیٰ ہے۔

سوال۔ یہاں بخاری شریف میں تو یوں منقول ہے عن سمرة بن جندب قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلّٰی صلٰوةً اقبل علینا بوجهه اور ابو داؤد کی روایت میں ہے عن البرأ بن عازب قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجبنا ان نکون عن یمینه فیقبل علینا بوجهه صلی اللہ علیہ وسلم

جواب۔ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے بیٹھ جاتے تھے اور بعض اوقات دائیں طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے اس لئے تعارض نہ رہا پھر حضرت انور شاہ صاحب کی تحقیق یہ تھی کہ اصل سنت بخاری شریف والی روایت میں ہے اور دوسری روایت بیان جواز پر محمول ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی تحقیق یہ تھی کہ اصل سنت دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنے کی تھی اور دوسری روایت بیان جواز پر محمول ہے دونوں طرح عمل کی گنجائش ہے لیکن جن فرضوں کے بعد سنن بھی ہیں ان میں اولیٰ قبلہ رُخ رہنا اور مختصر دعاء کر کے سنتوں میں مشغول ہونا ہے۔

علی اثر سماء:۔ یہاں سماء بول کر مطر مراد ہے ظرف بول کر مظروف مراد ہے۔

فقال هل تدرون ماذا قال ربکم

یہ بھی چونکہ ذکر اللہ ہی ہے اس لئے باب کے مناسب ہے کیونکہ باب میں یہی مقصود تھا کہ نمازیوں کی طرف مُنہ کر کے ذکر کرنا چاہئے۔

وانکم لن تزالوا فی صلوٰة ما انتظر تم الصلوٰة

اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ مسئلہ کا بتلا دینا یہ بھی ذکر ہی کی طرح ہے۔

باب مکث الا مام فی مصلا ہ بعد السلام

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ جگہ سے پھر جانا امر استحباب ہے اُسی جگہ امام کا ٹھہرے رہنا بھی جائز ہے۔

وقال لنا اٰدم

سوال۔ عام سندوں کی طرح یہاں حدثنا کیوں نہ ذکر فرمایا۔

جواب۔ا۔ یہ حدیث باقاعدہ حدیث پڑھانے کی مجلس میں حاصل نہ فرمائی تھی بلکہ مذاکرہ کے دوران حاصل فرمائی تھی امام بخاری نے اس لئے عام طرز سے اس کو الگ سے ذکر فرمایا۔۲۔ یہ حدیث موقوف تھی اس لئے مرفوع احادیث سے الگ کرنے کے لئے اس کو الگ طرز سے ذکر فرمایا۔

هذاالقرشیه :۔ فراسیہ کو ہی قرشیہ بھی کہتے ہیں کیوں۔ا۔ ایک نیچے کے رادا کی طرف نسبت ہے اور ایک اوپر کے دادا کی طرف نسبت ہے۔۲۔ ایک نسب کے لحاظ سے نسبت ہے اور ایک سوالات کے لحاظ سے نسبت ہے۔

باب من صلی بالناس فذکر حاجته فتخطاهم

امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ گذشتہ باب میں جو امام کے ٹھہرنے کا ذکر تھا اس سے بعض صورتوں کا استثناء ہے کہ ضرورت کی وجہ سے ٹھہرے بغیر اُٹھ کر چلا جائے کچھ حرج نہیں۔ سوال اس واقعہ میں تخطی رقاب پائی گئی۔ جواب۔ا۔ ضرورت کا موقعہ مستثنیٰ ہے۔۲۔ جب لوگوں کو تکلیف نہ ہو تو کچھ حرج نہیں۔۳۔ جس بزرگ کی تخطی کو لوگ تبرک سمجھتے ہوں اس کے لئے گنجائش ہے۔

باب الا نفتال والا نصراف عن الیمین والشمال

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ اٹھ جانے اور بیٹھے رہنے دونوں

کاموں کی گنجائش ہے لفظ انفتال اور انصراف احادیث میں ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں اس گنجائش کو استعمال کی مختلف صورتیں ہیں۔ ۱۔ امام چاہے تو قبلہ رخ بیٹھا رہے۔ ۲۔ امام چاہے تو دائیں جانب یا بائیں جانب مڑ کر ذکر میں مشغول ہو جائے۔ ۳۔ امام چاہے تو اپنی حاجت کے لئے اٹھ کر چلا جائے۔ ۴۔ چاہے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور اس صورت میں ذکر اور دعاء کرے۔ یہ تو اختیار کا ذکر تھا پھر اولیٰ کیا ہے پیچھے گذر چکا ہے۔ یتوخیٰ:۔ جو واجب سمجھتا ہو۔

باب ماجاء فی الثوم النیّی والبصل والکراث

کرّاث کے معنی بد بودار سبزیاں ہیں جیسے مُولی ہے۔ غرض ان سب کا حکم بیان کرنا ہے کہ ان کو کھا کر بد بو دور ہونے سے پہلے مسجد میں نہ جائے یعنی جب نماز کا وقت قریب ہو تو ان کا کھانا مکروہ ہے بعض اہل ظواہر کے نزدیک کراہت تحریمی ہے اور جمہور کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے سوال۔ احادیث میں تو کرّاث کا ذکر نہیں ہے۔ جواب جن احادیث میں کرّاث کا ذکر تھا وہ امام بخاری کی شرط پر نہ تھیں اس لئے باب میں لفظ کرّاث کا ذکر کر دیا کہ یہ بھی ثوم کی طرح ہی ہیں۔

فلا ادری هومن قول الزهری اوفی الحدیث

یہ فلا ادری کون فرما رہے ہیں اس میں مختلف احتمال ہیں۔ ۱۔ امام بخاری۔ ۲۔ سعید بن حفیر ۳۔ ابن وھب۔ پھر قول زہری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قدر کا ذکر مرسلاً ہے اور فی الحدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قدر اور ہنڈیا کا ذکر مسنداً ہے۔

باب وضوء الصبیان و متی یجب علیهم الغسل والطهور و حضور هم الجماعته والعیدین والجنائزو صفو فهم

غرض یہ ہے کہ ان پر وضوء کب واجب ہوگا۔ پھر امام بخاری نے جزم سے اور یقین سے حکم بیان نہیں فرمایا کیونکہ موقعہ اعتراض کا تھا اس لئے کہ اگر کہا جائے کہ بچے پر وضوء واجب ہے تو اعتراض ہوگا کہ نابالغ کیسے مکلف ہو گیا اور اگر کہا جائے کہ مستحب ہے اور بغیر وضو بھی نماز صحیح ہے تو اعتراض ہوگا کہ بلا وضو نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ پھر راجح یہی ہے کہ مستحب ہے اور بلا وضو نماز کا صحیح نہ ہونا یہ بالغین کا حکم ہے۔

قبر منبوذ:۔ باقی قبروں سے الگ قبر تھی۔ یہ اس عورت کی قبر تھی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔

باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس

غرض یہ ہے کہ رات میں اور اندھیرے میں عورتوں کے مسجد میں آنے کا حکم بتلانا چاہتے ہیں لیکن یقین سے نہ بتلایا ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک فتنہ نہ ہونے کی صورت میں گنجائش ہے

لوادرک رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن

معنیٰ یہ ہیں کہ اب عورتوں میں حیاء کی کمی آگئی اور لا پرواہی اور غفلت آگئی ہے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات کو دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے۔

باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال

غرض یہ ہے کہ عورتیں اگر مردوں کے پیچھے صف بنالیں تو ان کی نماز صحیح ہو جائے گی اور عورتوں کے متعلق جو پیچھے ہونے کا حکم ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں عورتوں کا زیادہ پردہ ہے۔

باب سرعته انصراف النساء من الصبح وقلّته مقامهن فی المسجد

غرض یہی مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد عورتیں جلدی مسجد سے نکل آئیں تاکہ پہچانی نہ جائیں عشاء میں جلدی کا حکم نہیں کیونکہ عشاء میں اندھیرا زیادہ ہو رہا ہے اور فجر میں اندھیرا کم ہو رہا ہے۔ یہ فجر کے بعد جلدی نکلنا مستحب ہے۔

باب استیذان المرأۃ زوجها بالخروج الی المسجد

غرض یہ ہے کہ یہ اجازت یعنی مسجد کے لئے بھی ضروری اور جب مسجد

کیلئے ضروری ہے تو دوسری جگہ جانے کے لئے بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

كتاب الجمعة

لفظ جمعہ کی تحقیق میں اقوال۔ا۔ یہ مصدر ہے اور مصدری معنی ہی میں استعمال ہوتا ہے۔۲۔ یہ ہے تو مصدر لیکن اسم فاعل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔۳۔ یہ مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ مجموع فیہ یہ ایسا وقت ہے کہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں۔

وجہ تسمیہ:۔ا۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سب کام اس دن میں جمع ہوئے تھے اور تخلیق مکمل ہوئی تھی۔۲۔ اس دن قیامت آئے گی اور لوگ جمع ہونگے۔۳۔ بہت سے بڑے بڑے امور اِس دن میں پائے گئے اور پائے جائینگے جیسا کہ احادیث میں تفصیل موجود ہے اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تاء کیسی ہے:۔ا۔ جمعۃ کی تاء مبالغہ کے لئے ہے۔۲۔ تاء تانیث ہے کیونکہ ساعۃ جمعہ مراد ہے۔

غرض:۔ کتاب الجمعۃ کی غرض احکام جمعہ کا بیان ہے تقدیر عبارت یوں ہے کتاب یذکر فیہ احکام الجمعۃ:۔ **باب فرض الجمعۃ**:۔ امام بخاری کی غرض اس باب سے جمعہ کی فرضیت کا ثابت کرنا ہے۔ فرضیت کی دلیلیں۔ا۔ **فاسعوا الی ذکر اللہ** اِس آیت میں امر ہے اور امر وجوب و فرضیت کے لئے ہوتا ہے اِسی لئے اذان کا ذکر بھی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ وذروا البیع جمعہ کی اذان پر بیع وشراء اور سب کاروبار بند کرنے کا حکم بھی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ ظہر کی فرض نماز جمعہ کی خاطر چھوڑی جاتی ہے۔ اور فرض کو اس سے بڑے فرض کی خاطر ہی چھوڑا جاسکتا ہے۔

اختلافِ حرمتِ بیع

عند مالک واحمد جمعہ کی اذان شروع ہونے کے بعد بیع باطل ہے عند الجمہور بیع مکروہ تحریمی کے درجہ میں ہے گو منعقد ہوجاتی ہے۔ منشاء اختلاف وذروا البیع کی نہی ہے۔ ہمارے نزدیک کراہۃ تحریمی پر اور ان کے نزدیک بطلان بیع پر محمول ہے ترجیح قول جمہور کو ہے کیونکہ خرابی عقد سے خارج ہے اس لئے انعقاد سے مانع نہ ہوگی۔

نحن الآخرون السابقون یوم القیامة

ہم دنیا میں اگر چہ بعد میں ظاہر ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بہت سی چیزوں میں ہمیں باقی امتوں پر مقدم فرمائینگے۔ مثلاً۔ا۔ ہمارا حساب کتاب سب سے پہلے شروع ہوگا۔۲۔ ہمارے حساب کتاب کے فیصلے باقی امتوں سے پہلے ہونگے۔۳۔ ہم باقی امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہونگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بَیدَا نهم او تو االکتاب من قبلنا

ان کو اگر چہ کتاب پہلے دی گئی لیکن نزول قرآن پاک سے وہ سب کتابیں منسوخ ہوگئیں۔

ثم هذا یومهم الذی فرض الله علیهم فاختلفوا فیه

اس کی راجح تقریر یہی ہے کہ جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کر دیا گیا تھا لیکن اہل کتاب نے اختلاف شروع کر دیا کہ یہ دن اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے اور اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے یا ہمیں اختیار دے دیا ہے کہ چاہو تو یہ دن عبادت کے لئے لے لو اور چاہو تو کوئی اور دن لے لو انہوں اپنے اجتہاد سے اِسی کو اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تبدیلی کا اختیار دیا ہے اس لئے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے انہوں نے جمعہ کی جگہ ہفتہ اور اتوار کا دن عبادت کے لئے مقرر کر لیا۔ یہود نے ہفتہ کا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔

فهد انا الله له:۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی صورت یہ ہوئی کہ یہ آیت نازل فرمائی جس میں نماز جمعہ کی طرف جانے کا حکم فرمایا **اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله**۔ اس حدیث سے جمعہ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے۔ جمعہ کی فضیلت کی بہت سی وجوہ ہیں مثلاً۔ا۔ حضرت آدم علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں ان کی خلقت جمعہ

کے دن مکمل ہوئی۔۲۔ جمعہ کے دن آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا گیا۔۳۔ جمعہ کے دن خلافت کے لئے زمین پر اتارا گیا۔۴۔ جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔۵۔ جمعہ کے دن ہی قیامت ہوگی۔ جو ہمیشہ کی راحت شروع ہونے کا ذریعہ ہوگی۔۶۔ جنت میں عام اہل جنت کو جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوا کریگی۔

فالناس لنا فيه تبع اليهود غداً والنصٰرى بعد غد

جمعہ کے دن کو دو حیثیتیں حاصل ہیں موخر ہونے کی اور مقدم ہونے کی۔ موخر ہونے کی وجہ۔۱۔ مخلوق کی خلق ہفتہ کے دن سے شروع ہوئی اور جمعہ کے دن پر مکمل ہوئی اِس ترتیب کو دیکھیں تو جمعہ موخر ہے۔۲۔ ہفتہ کے سات دنوں کو گنتی شنبہ اور یوم ہفتہ سے شروع ہوتی ہے ہفتہ اتوار پیر منگل بدھ جمعرات جمعہ اس لحاظ سے بھی جمعہ اخیر میں شمار ہوتا ہے۔ مقدم ہونے کی وجہ۔۱۔ فضیلت جمعہ کی زیادہ ہے اس لحاظ سے شرافت میں جمعہ مقدم ہے۔۲۔ اگر صرف اِن تین دنوں کو دیکھیں باقی چار دنوں کا خیال نہ کریں تو جمعہ ہی مقدم ہوتا ہے جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار۔

باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبى شهو ديوم الجمعة اوعلى النساء

امام بخاری کی غرض تین باتیں ہیں۔۱۔ یوم جمعہ کے غسل کی فضیلت۔۲۔ بچے پر جمعہ نہیں ہے۔۳۔ عورتوں پر جمعہ نہیں ہے۔ آخری دو مسئلوں کو اِسی باب کی آخری حدیث سے مستنبط فرمایا ہے جو ابو داؤد میں بھی آتی ہے **عن ابى سعيد الخدرى مرفوعاً غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم۔** اس حدیث میں محتلم کا ذکر ہے اور صبی کو احتلام ہوتا ہی نہیں اور عورتوں کو بہت کم ہوتا ہے جو کالعدم ہے اس لئے عورتوں اور بچوں پر نہ غسل جمعہ نہ حضور جمعہ کیونکہ غسل تو اِسی پر ہونا چاہئے جس نے جمعہ میں شرکت کرنی ہے۔

غسل یوم الجمعہ میں اختلاف

عند مالک فی روایۃ وعند حسن البصری وعند بعض اہل الظواہر واجب ہے وعند الجمہور مستحب ہے۔ لنا۔۱۔ **فى ابى داؤد عن عائشته قالت كان الناس مهتان انفسهم فيروحون الى الجمعة بهتيهم فقيل لهم لوا اغتسلتم.** ۲۔ **فى ابى داؤد عن ابن عباس موقوفاً و مَن لم يغتسل فليس عليه بواجب.** ۳. **فى ابى داؤد عن سمرة مرفوعاً من توضأ فيها و نعمت و من اغتسل فهو افضل.** ۴۔ ابو داؤد اور بخاری شریف کی زیر بحث باب کی روایت عن ابن عمر ایک صحابی بلا غسل جمعہ پڑھنے تشریف لے آئے تو ان کو حضرت عمرؓ نے ڈانٹا اور فرمایا والوضوء ایضاً یعنی **تتوضا الوضوء ايضاً** کہ صرف وضو کر کے آ جاتے ہو وقد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بالغسل اس روایت سے استدلال یوں ہے کہ اگر غسل جمعہ کے لئے واجب ہوتا تو حضرت عمرؓ بغیر غسل کے آنے والے صحابی جو حضرت عثمان تھے ان کو واپس گھر بھیجتے کہ جاؤ غسل کر کے آؤ لیکن نہ بھیجا یہ نہ بھیجنا دلیل ہے کہ غسل واجب نہ تھا لمالک۔۱۔ **فى ابى داؤد و البخارى عن عمر وقد علمتَ اِن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يا مر با لغسل.** ۲. **عن ابى سعيد الخدرى فى البخارى وابى داؤد مرفوعاً غسل يوم الجمعته واجب على كل محتلم.** ۳. **عن حفصته فى ابى داؤد مرفوعاً و علىٰ من راح الى الجمعته الغسل۔** جواب ان سب دلیلوں کا۔۱۔ اذیٰ کی وجہ سے غسل کا حکم دیا تھا کیونکہ شروع میں گھر کے اور باہر کے سب کام صحابہ خود کرتے تھے اور اِسی طرح پسینہ کے ساتھ مسجد میں آ جاتے تھے اور پسینہ کی بو کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف پہنچتی تھی۔ جب بعد میں فراخی کی وجہ سے یہ اذی نہ رہی تو یہ حکم بھی نہ رہا جیسا کہ ابو داؤد میں حضرت ابن عباس کی روایت میں یہی تفصیل صراحتہً مذکور ہے گویا یہ حکم معلول بالعلتہ تھا اور علت اذیٰ

تھی۔۲۔ کان نفسخ اور اس کی دلیل بھی یہی حضرت ابن عباس والی روایت ہے۔۳۔ امر استحبابی تھا اس کی دلیل ہماری مذکورہ دلیلوں میں سے پہلی دلیل حضرت عائشہ والی حدیث ہے۔

والوضوء ایضاً:۔ اس عبارت میں ۹ نو احتمال ہیں۔۱۔ واو عاطفہ ہے اور جو انکار ماقبل سے مفہوم ہو رہا ہے اس پر عطف ہے حاصل معنیٰ یہ ہیں کہ دیر سے آنا بھی محل انکار ہے اور صرف وضوء کرنا اور غسل نہ کرنا بھی محل انکار ہے دو انکار جمع ہو گئے۔۲۔ واو بمعنیٰ استفہام انکاری ہے جیسے ایک قرأت ہے **قال فرعون و اٰمنتم به بمعنیٰ ء اٰمنتم به**۔ ۳۔ بغیر واو کے۔ پھر تینوں میں سے ہرایک میں تین تین احتمال ہیں الوضوء کا رفع اور نصب الوضوء کے رفع کی صورت میں تقدیر عبارت دو طرح ہے اس لئے یہ تین احتمال ہو گئے پہلے تین میں سے ہرایک کے ساتھ جب تین تین احتمال ملائیں گے تو کل ۹۔ احتمال ہو جائیں۔۱۔ رفع کی پہلی تقدیر عبارت یہ ہے الوضوء یقتصر علیہ ایضاً۔۲۔ رفع کی دوسری تقدیر عبارت یہ ہے کفایتک الوضوء ایضاً۔۳۔ نصب کی تقدیر عبارت یہ ہے توضاء الوضوء ایضاً۔

باب الطیب للجمعة:۔ غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ جمعہ کے لئے خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

باب فضل الجمعة:۔ غرض امام بخاری کی جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ باب کے عنوان کا یہ لفظ دونوں کو شامل ہے۔ **ومن راح فی الساعة الثانية**:۔ ان ساعات کی تفصیل میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔ زوال کے بعد تھوڑے تھوڑے وقت کو ساعت شمار کیا گیا ہے جن کو ساعات عرفیہ کہتے ہیں۔ اہل ہیئت کی اصطلاح دن رات کا چوبیسواں حصہ مراد نہیں ہے۔۲۔ طلوع فجر سے لے کر ساعات عرفیہ مراد ہیں اور رواح کے معنیٰ مطلق ذہاب کے ہیں۔۳۔ طلوع شمس سے لے کر ساعات عرفیہ مراد ہیں۔۴۔ ارتفاع نہار سے لے کر ساعات عرفیہ مراد ہیں۔ **باب**:۔ یہ باب ترجمہ کے بغیر ہے اس لئے ماقبل والے باب کا تتمہ ہے اس میں جلدی غسل کر کے جمعہ کے لئے پہنچنے کی تاکید ہے جب جلدی کرنے کی تاکید ہے اور دیر سے آنے کی مذمت ہے تو اس سے جمعہ کی اہمیت اور فضیلت بھی ظاہر ہو گئی کیونکہ فضیلت والی چیز ہی میں جلدی کرنے کا حکم ہوا کرتا ہے۔

باب الدهن للجمعة: ظاہر یہی ہے کہ غرض بیان استحباب ہے۔ **باب یلبس احسن مایجد**:۔ غرض اس کا استحباب ہے اور اس باب کی حدیث سے استنباط یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جمعہ کے لئے عمدہ جوڑے کے خریدنے کا ارادہ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عمدہ جوڑا پہننا متعارف اور مشہور و معروف تھا اس مشہور ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا اس سے تقریر کے طور پر استحباب ثابت ہو گیا۔ اس حدیث میں جو انکار ہے وہ صرف ریشمی ہونے پر ہے عمدہ جوڑا پہننے والی بات جو مشہور تھی اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔

باب السواک یوم الجمعة

غرض یہ ہے کہ مسواک جمعہ کے لئے مسنون ہے پھر حدیث میں جب ہر نماز کے لئے مسواک کو پسند کیا گیا ہے تو جمعہ کے لئے بطریق اولیٰ پسند اور مسنون ہے۔ **اذا قام من اللیل یشوص فاه**:۔ یہ زینت باطن کے لئے ہے اس سے خود ثابت ہو گیا کہ جب رات کی تنہائی میں زینت باطن کی خاطر یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے صاف ستھرا ہو کر کھڑے ہونے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرماتے تھے تو جمعہ میں تو زینت باطن بھی ہے اور زینت ظاہر بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی صاف ستھرا ہو کر کھڑا ہونا ہے اور لوگوں کو بھی منہ کی بو کی تکلیف سے بچانا ہے اس لئے جمعہ کے لئے مسواک بطریق اولیٰ ثابت ہے۔

باب من تسوک بسواک غیره

غرض یہ ہے کہ دوسرے شخص کی اجازت سے اس کی مسواک استعمال کرنا جائز ہے یہ مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے نیز اس جواز سے ایک اور مسئلہ بھی نکل آیا کہ انسانوں کا تھوک پاک ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ نے مسواک چبا کر دی اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر دھوئے استعمال فرمائی۔

باب مایقرأ فی صلوٰۃ الفجر یوم الجمعۃ

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل السجدہ پڑھنی چاہئے کیونکہ اس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے اور وہ جمعہ کے دن مکمل ہوئی اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان پڑھنی مستحب ہے کیونکہ اس میں قیامت کا ذکر ہے اور قیامت جمعہ کے دن آئے گی۔

باب الجمعۃ فی القری والمدن

غرض یہ ہے کہ جیسے شہر میں جمعہ واجب ہے گاؤں میں بھی واجب ہے گویا امام بخاری جمہور کے قول کی تائید کرنا چاہتے ہیں عندامامنا ابی حنیفۃ گاؤں میں جمعہ نہ واجب ہے نہ صحیح ہے اس لئے وہاں پڑھنا بدعت بھی ہے اور ظہر کی نماز بھی ذمہ میں رہتی ہے بہت سے دیوبندی بھی اس میں احتیاط نہیں کرتے البتہ بہت بڑا گاؤں ہو جو ہر لحاظ سے شہر ہی کی طرح ہو شہر کے لوازم عرفیہ۔ ہسپتال تھانہ حاکم سکول بازار وغیرہ موجود ہوں آس پاس کے گاؤں والے وہاں سودا سلف کے لئے آتے ہوں تو متاخرین حنفیہ کے نزدیک وہ شہر کے حکم میں ہو جائے گا اور اگر شبہ ہو کہ شہر کے حکم میں ہوا یا نہ تو اصل گاؤں کا حکم ہی جاری ہوگا۔ وعندالجمہور شہر ہونا شرط نہیں ہے۔ لنا۔ ۱- فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن علیٰ موقوفاً لاجمعۃ ولاتشریق ولاصلوٰۃ فطر ولا اضحی الافی مصر جامع۔ ۲- ہجرت کے موقع میں مدینہ منورہ کے قریب قباء بستی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ دن قیام فرمایا اس میں جمعہ نہ پڑھا مدینہ منورہ پہنچتے ہی پہلا جمعہ وہاں پڑھا جہاں بعد میں مسجد بنی سلیم بنی ہے ۳- بخاری شریف کی حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن ابن عباس انہ قال ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین. ہمارا استدلال یوں ہے کہ وفد عبدالقیس ۶ ھ یا ۸ ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور واپس جا کر جواثی میں جمعہ قائم کیا جواثی اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا کسی جگہ جمعہ قائم کرنا حیاۃ طیبہ میں ثابت نہیں حالانکہ اکثر عرب کا علاقہ مسلمان ہو چکا تھا اور اس میں بیشمار بستیاں تھیں اگر گاؤں میں جمعہ کا وجوب مانا جائے تو اکثر صحابہ کا تارک فرض ہونا ماننا پڑے گا نعوذ باللہ من ذلک ۴- مسلم شریف میں تصریح ہے کہ حجۃ الوداع میں وقوف عرفات جمعہ کے دن تھا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود جمعہ قائم فرمایا نہ مکہ والوں کو جو مقیم تھے ان کو جمعہ قائم کرنے کا امر فرمایا وجہ یہی تو تھی کہ عرفات شہر نہیں تھا للجمہور ۱- بخاری شریف اور ابوداؤد کی حدیث جواثی والی کہ جواثی گاؤں تھا اس میں جمعہ پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کہ جمعہ کے لئے شہر شرط نہیں۔ جواب۔ ۱- منشاء استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں جواثی کے ساتھ بعض روایات میں لفظ قریہ کا استعمال کیا گیا ہے یہ منشاء استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ قریہ کا لفظ قرآن پاک میں مکہ مکرمہ اور طائف پر بھی بولا گیا ہے لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم حالانکہ مکہ مکرمہ اس زمانہ میں بھی یقیناً شہر تھا۔ ۲- لغت کے دو اماموں ابوالحسن اور ابوعبید نے تصریح کی ہے کہ جواثی شہر تھا۔ ۳- اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ جواثی گاؤں تھا تو پھر بھی ہم پر حجت نہیں کیونکہ اس روایت میں صرف صحابہ کا اپنا اجتہاد مذکور ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا اور انکار نہ فرمانا ثابت نہیں ہے۔ وللجمہور ۲- دوسری دلیل فی ابی داؤد عن کعب بن مالک موقوفا لانہ اول من جمع بنانی ھزم البنیت من حرۃ بنی بیاضۃ فی نقیع یقال لہ نقیع الخضمات جواب۔ ۱- اس روایت کو نقل کرنے میں محمد بن اسحاق راوی متفرد ہے اور ان کے بارے میں شدید اختلاف ہے بعض نے بہت بڑا محدث قرار دیا ہے اور بعض نے رجال کذاب تک کہہ دیا ہے۔ درمیانہ قول ان کے متعلق یہ ہے کہ استدلال کے موقعہ میں وہ حدیث جس میں یہ متفرد ہوں حجت نہیں ہوتی۔ ۲- دوسرا جواب یہ ہے کہ طبرانی کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ جگہ مدینہ منورہ ہی کا حصہ تھی مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ سے پہلے حضرت اسعد نے یہاں

جمعہ قائم کر دیا تھا کہ مکہ مکرمہ میں امن نہ ہونے کی وجہ سے فتح میں پہلے اور ہجرت سے پہلے جمعہ نہیں قائم کیا گیا۔ ۳- تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ الگ کوئی چھوٹی سی بستی تھی تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا ثابت نہیں ہے اور بعض صحابہ کا اجتہاد دوسرے مجتہدین پر حجت نہیں ہے کیونکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کر سکتا۔

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ تم حاکم ہو اور حاکم کے ذمہ رعایا کے حقوق ہیں اور حقوق میں سے اقامت جمعہ بھی ہے اس لئے تم جہاں بھی ہو جمعہ قائم کیا کرو۔ جواب۔ یہ ابن شہاب کا اجتہاد ہے ہمارے دلائل کے مقابلہ میں ایک تابعی کا اجتہاد کافی نہیں خصوصاً اس لئے کہ ہمارے دلائل میں حضرت علی کا قول ہے جو حکم میں مرفوع روایت کے ہے **لا جمعته ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع۔**

باب هل علی من لم یشهد الجمعته غسل من النساء والصبیان وغیر هم

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ غسل صلوٰۃ جمعہ کے لئے ہے یوم جمعہ کے لئے نہیں ہے اس لئے بچوں پر اور عورتوں پر چونکہ صلوٰۃ جمعہ نہیں ہے اس لئے غسل بھی نہیں ہے علماء کے قول دونوں طرف ہیں بعض نے غسل کو صلوٰۃ جمعہ کے لئے اور بعض نے یوم جمعہ کے لئے مانا ہے اس لئے مردوں کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے قریب ہی غسل کریں کہ اس کے بعد اسی غسل والے وضو کے ساتھ جمعہ پڑھا جا سکے تاکہ دونوں قولوں کی حتی الامکان رعایت ہو جائے۔

ایذنوا النساء باللیل الی المساجد

سوال۔ اس روایت کی مناسبت باب سے نہیں ہے۔
جواب۔ جب صرف رات کے وقت عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ہے تو معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے اجازت نہیں اور جب عورتوں نے جمعہ نہیں پڑھنا تو عورتوں پر غسل جمعہ بھی نہیں ہے اور یہی باب کا ترجمہ تھا کہ عورتوں اور بچوں پر غسل جمعہ نہیں ہے۔

باب الرخصة ان لم یحضر الجمعة فی المطر

غرض یہی مسئلہ بیان کرنا ہے کہ بارش میں جمعہ معاف ہے۔
والدحض: ۔پھسلنا۔

باب من این توتی الجمعةُ وعلی من تجب

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ کتنی دور تک کے لوگوں پر جمعہ واجب ہوتا ہے اس باب کی سب روایتیں حنفیہ کی تائید کرتی ہیں اس لئے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری نے حنفیہ والا قول ہی لیا ہے

وکان انس رضی الله عنه فی قصره احیاناً یجمعّ واحیانا لا یجمعّ وهو بالزاویة علی فرسخین

زاریہ بہت چھوٹی بستی تھی جو بصرہ سے دو فرسخ تھی حضرت انس کبھی جمعہ پڑھنے بصرہ تشریف لے آتے تھے اور کبھی زاویہ میں ظہر پڑھ لیتے تھے اور بصرہ جمعہ پڑھنے تشریف نہ لاتے تھے۔
اختلاف: ۔عندامامنا ابی حنیفۃ مصر والے پر جمعہ ہے اذان سنے یا نہ سنے وعندالجمہور اذان سننے پر وجوب جمعہ کا مدار ہے مصر میں ہو یا نہ ہو۔ لنا **روایته مصنف ابن ابی شیبته عن علّی موقوفاً لا جمعته ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطرولا اضحی الا فی مصر جامع وللجمهور روایة ابی داؤد عن عبد الله بن عمر و مرفوعاً انما الجمعة علی من سمع النداء جواب. قال ابو داؤد اختلاف فی رفعه و وقفه** ظاہر یہی ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرو کا اجتہاد ہی ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں حضرت عائشۃ کا ارشاد ہے کہ اہل عوالی باری باری جمعہ پڑھنے آتے تھے اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان پر جمعہ واجب نہ تھا ورنہ سب تشریف لاتے کیونکہ عوالی مدینہ منورہ سے دو میل سے شروع ہو جاتی تھیں اور اتنی دور اذان کی آواز کا پہنچ جانا بعید نہیں ہے۔

باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس

غرض جمہور کے قول کو اختیار کرنا ہے کہ زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا صحیح نہیں ہے وقال احمد صحیح ہے و جمہور رابوداؤد کی روایت جو بخاری شریف میں زیر بحث باب میں ہے عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس ولاحمد فی ابی داؤد من سلمة بن الاکوع کہنا فصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة ثم ننصرف ولیس للحیطان فیئ جواب جلدی پڑھنے کو مبالغہ سے بیان فرمایا ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ حقیقتاً بالکل سایہ نہ تھا۔ مقصد یہ ہے کہ بہت تھوڑا سایہ تھا گویا کہ نہیں تھا۔ کانوا اذا راحوا الی الجمعة :۔ رواح کے معنیٰ زوال کے بعد جانے کے ہیں اس سے امام بخاری ثابت فرما رہے ہیں کہ جمعہ زوال کے بعد ہوتا تھا۔

باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة

ظاہر میں ہے کہ امام بخاری کی غرض جمعہ کو ظہر پر قیاس کرنا ہے کہ جمعہ میں بھی گرمیوں میں تاخیر اولیٰ ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ جمعہ میں تبکیر اور جلدی پڑھنے کا امر موجود ہے۔ اس لئے قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ یعنی الجمعة :۔ یہ راوی کی طرف سے تفسیر ہے اور بعض روایتوں میں نہیں ہے اس لئے جمعہ کا حکم ثابت نہ ہوا کہ جمعہ میں بھی ابراد فی شدة الحر ہے۔ جمعہ ہمیشہ شروع وقت میں ہونا چاہئے۔

باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعة

غرض تفریق کی ممانعت کا بیان کرنا ہے پھر۔ا۔ لا ناھیہ ہے اور یفرق مجزوم ہے۔۲۔ لا نافیہ ہے اور یفرق مرفوع ہے پھر تفریق کے معنیٰ۔ا۔ تخطی رقاب۔۲۔ دو کے درمیان بیٹھنا جبکہ دو آدمی کوشش کر کے اکٹھے بیٹھے ہوں ایسی حالت میں زبردستی ان کو دور کر کے بیٹھنا منع ہے۔

باب لا یقیم الرجل اخاه یوم الجمعة ویقعد فی مکانه

غرض یہ ہے کہ جمعہ میں کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا منع ہے۔

سوال۔ حدیث میں جمعہ کی قید تو نہیں ہے۔ جواب۔ مسلم کی روایت میں جمعہ کی قید موجود ہے لیکن وہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے باب کے عنوان سے اشارہ فرمادیا کہ جمعہ کی قید والی روایت بھی صحیح ہے گو میری شرط پر نہیں ہے۔

باب الاذان یوم الجمعة

غرض میں اقوال۔ا۔ اذان کا وقت بتلانا مقصود ہے۔۲۔ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اذانیں کتنی ہونی چاہئیں۔ حدیث میں دونوں باتوں کی تفصیل موجود ہے کہ اذان اس وقت ہو جب امام منبر پر بیٹھے اور ایک اذان اُس سے پہلے ہونی چاہئے۔ اور گنتی بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان سے پہلے دو اذانیں تھیں ایک جب امام منبر پر بیٹھے اور دوسری اقامت پھر تیسری اذان امام کے منبر پر بیٹھنے سے کچھ پہلے حضرت عثمان نے شروع فرمائی کیونکہ نمازی بہت زیادہ ہو گئے تھے اس کو تیسری اذان اس لئے کہا گیا کہ یہ منبر والی اذان اور اقامت کے جاری ہونے کے بہت بعد شروع ہوئی اور دین میں داخل ہے کیونکہ ہمیں خلفاء راشدین کے اتباع کا حکم ہے اور خلفاء راشدین کے کسی کام کو اگر بدعت کہا گیا ہے تو وہ بدعت لغوی ہے۔ بدعت شرعی نہیں جو گناہ ہو۔ بدعت لغوی نئی چیز اور عجیب چیز کو کہتے ہیں۔

باب المؤذن الواحد یوم الجمعة

غرض یہ ہے کہ اولیٰ عند البخاری یہی ہے کہ جمعہ کے لئے ایک ہی موذن ہو۔ گو کئی موذنوں کا اکٹھا اذان دینا بھی جائز ہے۔

باب یجیب الا مام علی المنبر اذا سمع النداء

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ اگرچہ مقتدیوں کے لئے منبر والی اذان کا جواب مکروہ ہے لیکن امام کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ پھر ایک نسخہ میں یجیب کی جگہ یوذن ہے اس میں جواب اذان کو اذان کہا گیا ہے کیونکہ صورت کے لحاظ سے دونوں ایک جیسے ہیں کیونکہ جواب دینے والا اکثر الفاظ موذن ہی کے دہراتا ہے۔ پھر اس باب کی حدیث سے یہ مسائل مستنبط کئے گئے

ہیں۔ا۔امام سے علم حاصل کرنا جبکہ وہ منبر پر خطبہ جمعۃ کے لئے بیٹھا ہو مستحسن ہے۔۲۔اسی حالت میں تعلیم دینا بھی مستحسن ہے۔ ۳۔منبر پر بیٹھ کر موذن کی اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔۴۔ شہادتین کے جواب میں وانا کہنا بھی جائز ہے گو اولیٰ پورے الفاظ کا دہرانا ہے۔۵۔منبر پر بیٹھ کر خطبہ سے پہلے گفتگو کرنا جائز ہے۔۶۔ اذان کے وقت خطبہ سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا مسنون ہے۔

باب الجلوس علی المنبر عند التاذین

غرض رد کرنا ہے اس شخص پر جو کہتا ہے کہ اذان سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا سنت نہیں ہے۔

سلام عند الصعود

عند الشافعی واحمد منبر پر چڑھتے وقت امام کے لئے مسنون ہے کہ وہ مقتدیوں کو سلام کرے وعند امامنا ابی حنیفۃ ومالک مسنون نہیں ہے منشاء اختلاف مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے عن الشعبی مرسلاً کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صعدا لمنبر یوم الجمعۃ استقبل الناس فقال السلام علیکم یہ روایت عند الشافعی واحمد ثابت ہے اور عند ابی حنیفہ ومالک ثابت نہیں ہے۔راجح عدم ثبوت ہے کیونکہ اس میں راوی عبداللہ بن لہیعۃ ضعیف ہے اور امام بیہقی نے فرمایا ہے الحدیث لیس بقوی۔

باب التاذین عند الخطبۃ

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ خطبہ کے وقت اذان مسنون ہے۔ حکمۃ خطبہ:۔نماز میں ایسی حالت میں داخل ہونے کے لئے وعظ و نصیحت کرنا ہے کہ مولائے کریم کی ناراضگی کا خوف بھی ہو اور اس کی بے پایاں رحمت کی امید بھی ہو اس محسن ذات سے محبت بھی ہو اور اس کی مناجاۃ کی لذت کا شوق بھی ہو اور گناہوں سے توبہ بھی کرے اور آئندہ کے لئے اس منعم کی اطاعۃ کا عزم بالجزم بھی کرے اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ یہ سب کچھ استعداد پیدا کرنا ہے اس عالی دربار کی حاضری کی۔

باب الخطبۃ علی المنبر

غرض یہ ہے کہ بہتر یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے اگر نہ ہو سکے تو کسی اونچی جگہ پر بھی نہ ہو سکے تو کھڑے ہو کر ٹیک لگا کر۔

سمعنا للجذع مثل اصوات العشار

عشار جمع ہے عشراء کی دس ماہ کی حاملہ اونٹی کو کہتے ہیں اس حدیث سے رد ہو گیا قدریہ کا جو بغیر مُنہ اور زبان کے کلام ممتنع قرار دیتے ہیں۔

باب الخطبته قائما: غرض یہ ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا مسنون ہے۔

باب یستقبل الا مامُ القوم واستقبال الناس الا مام اذا خطب

غرض یہ ہے کہ خطبہ کے وقت امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ مقتدیوں کی طرف منہ کرے اور مقتدیوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ امام کی طرف منہ کریں۔

وجلسنا حوله:۔اردگرد حلقہ سے بنانا یہ جمعہ کے علاوہ وعظ پر محمول ہے اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مقتدی امام کی طرف متوجہ ہوں بیٹھنا صفوں کی شکل میں ہی چاہے امام کی طرف توجہ صرف چہروں سے ہو حلقہ نہ ہو۔

باب من قال فی الخطبة بعد الثناء

امابعد:۔غرض یہ ہے کہ مسنون ہے کہ خطبہ میں ثناء کے بعد امابعد کہے۔

ذکرت ما یغلظ علیه:. یعنی پھر اُس سختی کا ذکر فرمایا جو منافق پر قبر میں کی جاتی ہے۔**الجزع:**. بے صبری۔ **الهلع:** زیادہ گھبراہٹ۔**فتابو الیه:**. لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے اور قریب جمع ہو گئے۔**یقلون:**. یہ غیب کی خبر ہے جو پوری ہوئی اور انصار بعد میں کم ہو گئے۔

فاستطاع ان یضرَّ فیه احداً او ینفع فیه احداً

یعنی والی بن کر نفع اور نقصان لوگوں کو پہنچانے پر قادر ہو جائے تو انصار کا بہت خیال رکھے۔

باب القعدة بين الخطبتين يوم الجمعة

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ دوخطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے پھر حکمت اس بیٹھنے میں کیا ہے۔ا۔ پہلے خطبہ میں احکام کی تبلیغ ہوتی ہے اوردوسرے میں زیادہ تر دعائیں ہوتی ہیں اِن دونوں قسموں کو الگ الگ کرنے کے لئے درمیان میں بیٹھنا مسنون قرار دیا گیا ہے۔۲۔ درمیان میں بیٹھنے سے خطبے دو بن جاتے ہیں اور ظہر کی جو دو رکعتیں جمعہ میں چھوڑی ہوئی ہیں ان کے قائم مقام یہ دو خطبے ہو جاتے ہیں۔ پھر اِن دو خطبوں کے درمیان کیا ہونا چاہئے۔ا۔ امام سِرّاً زبان سے دعا مانگے اور مقتدی صرف دل میں دعا مانگیں۔۲۔امام سِراً قرأت تھوڑی سی کرے۔۳۔امام سراً سورہ اخلاص پڑھ لے اِن تین قولوں میں سے نقل اور روایت کے لحاظ سے دوسرا قول راجح ہے کیونکہ مرقاۃ میں صحیح ابن حبان سے منقول ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی جلوسہ کتاب اللہ۔اور عقل ودرایت کے لحاظ سے تیسرا قول راجح ہے کیونکہ یہ قول تینوں قولوں کے لئے جامع ہے کیونکہ جب سورہ اخلاص پڑھے گا تو قرأت بھی پائی گئی اور دعا بھی پائی گئی کیونکہ حدیث کے مطابق تلاوت کرنے والے کے حق میں اللہ تعالےٰ بلاتلفظ ہی اُس کی دعائیں پوری فرماتے ہیں۔

باب الا ستماع الى الخطبه

غرض یہ کہ خطبہ سنناواجب ہے کہ پوری توجہ اس کی طرف رکھے۔

يستمعون الذكر: جب فرشتے جو کہ مکلف بھی نہیں ہیں وہ توجہ خطبہ کی طرف کرتے ہیں تو انسان مکلف کے ذمہ بطریق اولیٰ ہے کہ توجہ خطبہ کی طرف کرے۔

باب اذا راى الا مام رجلاً وهو يخطب امره ان يصلى ركعتين

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ نئے آنے والے کو خطبہ کے درمیان ہی یہ کہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو اور یہی مسلک امام شافعی اور امام احمد کا ہے وعند امامنا ابی حنیفۃ ومالک ایسی حالت میں یہ دو رکعت مکروہ ہے ولنا۔ا۔فی ابی داؤد عن ابی هريرة مرفوعاً اذا قلتَ انصت و الامام يخطب فقد لغوت استدلال یوں ہے کہ جب اس حالت میں نہی عن المنکر کی اجازت نہیں تو دو رکعت نفل جس کا درجہ نہی عن المنکر سے ہے اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔۲۔واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اگرچہ بالا جماع عبارۃ النص نماز میں امام کے پیچھے پڑھنے سے منع کرنا ہے لیکن بطور اشارۃ النص کے سب موقعوں میں جہاں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اور اس نے سننے کا التزام بھی کیا ہے خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس لئے دو رکعت تحیۃ المسجد بھی اس حالت میں نہیں پڑھا سکتا وللشافعی واحمد اِس باب کی روایت ہے جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے عن جابر بن عبد الله قال جاء رجل والنبى صلى الله عليه وسلم يخطب الناس يوم الجمعته فقال اصليت يا فلان قال لا قال قم فاركع ركعتين جواب۔ا۔فی الدار قطنی عن انس مرفوعاً انصتَ حتیٰ فرغ معلوم ہوا کہ یہ اس کی خصوصیت تھی۔۲۔فی السنن الكبرى للنسائى باب الصلوٰة قبل الخطبته اور حدیث میں بھی جو اس باب میں ہے یہ مذکور ہے کہ وہ آدمی خطبہ سے پہلے آیا تھا اور اختلاف خطبہ شروع ہونے کے بعد کی صورت میں ہے اس لئے اس روایت سے استدلال نہیں ہوسکتا۔۳۔ یہ اُس زمانہ پر محمول ہے جب کہ نماز میں کلام جائز تھی تو خطبہ میں بھی کلام اور نماز جائز تھی بعد میں جب کلام منسوخ ہوئی تو صورت بھی منسوخ ہوگئی۔۴۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے بعد اسی صاحب کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیرات کی لوگوں کو ترغیب دی تھی اس لئے دو رکعت پڑھانے سے اس کا حال لوگوں کو دکھانا مقصود تھا اس لحاظ سے یہ واقعہ خصوصیت پر محمول ہے اس سے عام حکم نکالا نہیں جاسکتا۔

باب من جاء والا مام یخطب صلّی رکعتین خفیفتین

سوال۔ یہی عنوان گذشتہ باب کا تھا تکرار پایا گیا۔ جواب گذشتہ باب میں امام کا حکم تھا اور اِس باب میں مقتدی کا حکم ہے۔

باب رفع الیدین فی الخطبۃ

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ خطبہ کے درمیان دعاء کے لئے ہاتھوں کو اٹھانا جائز ہے **الکراع**: گھوڑوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں۔

باب الاستسقاء فی الخطبۃ یوم الجمعۃ

غرض یہ ہے کہ بارش کی دعا مانگنا بھی خطبہ میں جائز ہے گذشتہ باب میں مطلق دعا مذکور تھی اب خاص دعا ہے اس لئے تخصیص بعد تعمیم پائی گئی۔ قزعۃ:۔ بادل کا ٹکڑا۔

حوالینا: یہ تثنیہ ہے حوال کا جس کے معنیٰ حول کے اور اردگرد کے ہیں ہمارے دونوں طرف یعنی چاروں طرف۔

الجوبۃ: گول حوض۔

قناۃ: مدینہ منورہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔

حدَّث بالجَود: زیادہ بارش کی خبر دی:۔

باب الانصات یوم الجمعۃ والا مام یخطب

غرض اُس شخص پر رد ہے جو قائل ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو خاموشی واجب ہے رد فرمادیا کہ جب خطبہ شروع ہوا س وقت خاموشی واجب ہے اس سے پہلے مستحب ہے۔

باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ

غرض اُس ساعت جمعہ کا بیان ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے اور اس کو صاف صاف نہیں بیان فرمایا گیا تا کہ جمعہ کے پورے دن میں خوب توجہ الی اللہ کریں جیسے حق تعالےٰ نے اپنے خصوصی اولیاءاللہ کو مخلوق میں چھپا رکھا ہے تا کہ سب نیک لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھا جائے احقر کی تلاش میں کل چوالیس (۴۴) قول منقول ہیں طلبہ کے لئے ان میں سے شروع کے دس یاد کر لینے کافی ہیں باقی کا صرف مطالعہ کر لیں۔ ناظرین میں سے جو صاحب اس ساعت میں دعا فرمادیں' اِس خادم محمد سرور عفی عنہ کے لئے مغفرت بلا عذاب کی دعا بھی فرمادیں جزا کم اللہ تعالےٰ احسن الجزاء وہ اقوال یہ ہیں۔ ۱۔ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک اور یہ قول سب اقوال میں سے سند کے لحاظ سے قوی ترین شمار کیا گیا ہے۔ ۲۔ عصر کی نماز کے بعد آخری ایک گھنٹہ سورج غروب ہونے تک۔ اور یہ قول علماء میں مشہور ترین شمار کیا گیا ہے۔ ۳۔ جمعہ کے دن میں ایک ساعت عند اللہ متعین ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں اس لئے جو پانا چاہے پورا دن دعا اور عبادت میں مشغول رہے۔ ۴۔ جمعہ کے دن اذان فجر کے وقت۔ ۵۔ طلوع فجر سے طلوع شمس تک۔ ۶۔ طلوع شمس کے بعد پہلا گھنٹہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں سے۔ ۷۔ عین طلوع شمس کے وقت۔ ۸۔ عین زوال کے وقت۔ ۹۔ خطبہ کی اذان کے وقت۔ ۱۰۔ یہ ساعت ختم کر دی گئی ہے۔ ۱۱۔ ہر سال ایک جمعہ میں وہ ساعت آتی ہے۔ ۱۲۔ ہر جمعہ میں وہ ساعت ہے لیکن بدلتی رہتی ہے کبھی کوئی ساعت کبھی کوئی ساعت ہوتی ہے۔ ۱۳۔ مرکب ہے دو ساعتوں سے طلوع فجر سے طلوع شمس تک اور عصر سے مغرب تک۔ ۱۴۔ تین ساعتوں سے مرکب ہے دو تو یہی جن کا ابھی ذکر ہوا تیسری نزول امام عن المنبر سے تکبیر فرضِ جمعہ تک۔ ۱۵۔ طلوع فجر کے بعد تیسری ساعت (گھنٹہ) کا آخری حصہ۔ ۱۶۔ زوال سے لے کر سایہ نصف ذراع ہونے تک (سوائے اصلی سایہ کے)۔ ۱۷۔ زوال سے سایہ ایک ذراع ہونے تک۔ ۱۸۔ زوال کے بعد جب سایہ ایک بالشت ہوجائے اس وقت سے سایہ ایک ذراع ہونے تک (شرعی ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ انگریزی گز کا آدھا۔ اور نصف میٹر سے آدھی گرہ کم)۔ ۱۹۔ زوال سے نماز جمعہ شروع ہونے تک۔ ۲۰۔ زوال سے امام کے خطبہ کے لئے نکلنے تک۔ ۲۱۔ زوال سے غروب تک۔ ۲۲۔ امام کے خطبہ کے لئے نکلنے سے لے کر اقامتِ صلوٰۃ

تک۔۲۳۔ جب امام خطبہ کے لئے نکلے۔۲۴۔ بیع کے حرام ہونے سے بیع کے حلال ہونے تک یعنی پہلی اذان کے شروع سے امام کے فرضوں کا سلام پھیرنے تک۔۲۵۔ اختتام اذان سے اختتام نماز تک۔۲۶۔ امام کے خطبہ کے لئے نکلنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک۔۲۷۔ تین سے مرکب اذان کا وقت۔ خطبہ کا وقت اور اقامت کا وقت۔۲۸۔ تین سے مرکب اذان کا وقت۔ امام کا منبر پر چڑھنے کا وقت اور اقامت کا وقت۔۲۹۔ خطبہ کا وقت۔۳۰۔ منبر کے قریب امام کے پہنچنے سے لے کر خطبہ شروع کرنے تک۔۳۱۔ دوخطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت۔۳۲۔ ابتداء اقامت سے لے کر امام کے امامت کی جگہ پہنچنے تک۔۳۳۔ خطبہ دے کر اترتے وقت۔۳۴۔ اقامت اور صف سیدھی کرنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک (فرض نماز)۔۳۵۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے یعنی زوال کے بعد جلدی۔۳۶۔ عصر کی نماز کے اندر دعا قبول ہوتی ہے دل میں دعا مانگے۔۳۷۔ عصر سے غروب تک۔۳۸۔ عصر کے بعد اصفرار تک۔۳۹۔ عصر کی نماز کے فوراً بعد۔۴۰۔ وسط نہار سے اختتام نہار کے قریب تک۔۴۱۔ اصفرار سے غروب تک۔۴۲۔ آدھے سورج کے غروب ہونے سے پورا غروب ہونے تک۔۴۳۔ قرب غروب سے اختتام غروب تک۔۴۴۔ سورۃ فاتحہ کے نماز میں شروع کرنے سے آمین کہنے تک دل میں دعا کرے۔

باب اذا نفر الناس عن الا مام فی صلوٰۃ الجمعۃ فصلوٰۃ الا مام و من بقی جائزۃ

غرض یہی مسئلہ بتلانا ہے کہ جمعہ کی نماز سے کچھ مقتدی بھاگ بھی جائیں تو بقیہ کے ساتھ امام کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ نہ بھاگنے والوں کا مصداق اس حدیث میں عشرہ مبشرہ اور حضرت بلال اور حضرت ابن مسعود ہیں۔ پھر ظاہر ترجمہ اور ظاہر حدیث سے صحابہ کا نماز توڑنا معلوم ہوتا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ نماز کا تتمہ خطبہ چھوڑنے پر محمول ہے جو ابتداء اسلام میں بعد الصلوٰۃ تھا اس کی دلیل مراسیل ابی داؤد کی روایت ہے عن مقاتل بن حبان مرسلاً قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الجمعۃ قبل الخطبتہ مثل العیدین حتی کان یوم الجمعۃ (ای وقع) والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب وقد صلی الجمعۃ قد خل رجل فقال ان دحیۃ قدم بتجارتہ و کان دحیۃ اذا قدم تلقاہ اہلہ بالدفوف فخرج الناس لم یظنوا لا انہ لیس فی ترک الخطبۃ شیء فانزل اللہ عزوجل واذا رأو التجارۃً الا یتہ فقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخطبتہ یوم الجمعتہ واخر الصلوٰۃ فکان احد لا یخرج لرُعافِ او حدث بعد النھی حتی یستاذن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم یشیر الیہ باصبعہ التی تلی الا یھام فیاذن لہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم یشیر الیہ بیدہ یعنی پہلے سر وغیرہ کے اشارہ سے اجازت مرحمت فرمادیتے تھے اسی کی تاکید کے لئے ہاتھ سے بھی اشارہ فرمادیتے تھے۔ آیۃ میں لھو کا مصداق دف ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ وقبلھا

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ کتنی رکعتیں سنن کی جمعہ کی فرض نماز سے پہلے اور پیچھے ثابت ہیں۔ سوال۔ قرین قیاس یہ تھا قبل الجمعۃ کا ذکر پہلے ہوتا اور بعد الجمعۃ کا پیچھے ہوتا اس کا الٹ کیوں کیا۔ جواب۔ اُلٹ اس لئے کیا کہ بعد الجمعۃ کی رکعات صراحۃً مذکور ہیں۔ سوال جمعہ سے پہلے کی رکعات تو حدیث میں مذکور ہی نہیں ہیں اس لئے وہ تو ذکر ہی نہ کرنی چاہئیں تھیں جواب۔ ظہر پر قیاس کرتے ہوئے وہ بھی ثابت ہیں۔

اختلاف:۔ عند ابی یوسف ۲۔ رکعت مسنون ہیں اور یہی حنفیہ کے نزدیک راجح ہے وفی روایۃ عن ابی حنیفۃ وفی روایۃ عن الشافعی چار رکعت مسنون ہیں وفی روایۃ عن الشافعی ومسلک الجمھور دو رکعت مسنون ہیں۔ چھ رکعت کی دلیل فی ابی داؤد عن ابن عمر موقوفاً تقدم فصلی رکعتین ثم تقدم

فصلّی اربعاً الی قوله کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ذلک چار رکعت کی دلیل فی ابو داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من کان مصلیا بعد الجمعۃ فلیصل اربعاً اور دو رکعت کی دلیل فی ابی داؤد فی البخاری فی ہذا الباب عن ابن عمر مرفوعاً و کان لا یصلی بعد الجمعتہ حتّٰی ینصرف فیصلی رکعتین اور امام بخاری بھی بظاہر جمہور کے ساتھ ہی ہیں کیونکہ اس باب میں صرف دو رکعت والی روایت لائے ہیں۔ ترجیح امام ابو یوسف والی روایت کو ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے کیونکہ جب چھ رکعت پڑھے گا تو اسی میں دو اور چار بھی آجائیں گی۔

باب قول اللہ تعالٰی فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ

غرض یہ ہے کہ زمین میں پھیلنے اور تجارت کرنے کا جو حکم اس آیت میں ہے یہ وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے کیونکہ نہی کے بعد ہے اور ایسا امر اباحت کے لئے ہوتا ہے۔

اربعاء:۔ جمع ہے ربیع کی نہر کا کنارہ۔ فتکون

اصول السلق عرقہ:. اس جو کے دلیہ میں وہ چقندر کی جڑیں ایسی ہوتی تھیں جیسے شوربے میں عرق یعنی ہڈی گوشت والی ہوتی ہے۔

باب القائلتہ بعد الجمعۃ

قائلہ اور قیلولہ کے معنٰی ہیں دوپہر کو لیٹنا نیند آئے یا نہ آئے اس باب کی غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ جمعہ کے دن قیلولہ کی سنت جمعہ کے بعد ادا کرنی ہی اولیٰ ہے۔

ابواب صلوٰۃ الخوف

ای ہذہ ابواب فیہا بیان احکام صلوٰۃ الخوف۔ غرض دو چیزوں کا بیان ہے۔ ۱۔ صلوٰۃ الخوف ضرورت کے وقت جائز ہے۔ ۲۔ صلوٰۃ الخوف کا طریقہ عام نمازوں سے مختلف ہے۔ پھر شروع میں آیت لانے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت احادیث کے علاوہ آیت سے بھی ہے پھر اس باب میں جو ابن عمر والی روایت لائے ہیں یہ صحاح ستہ میں آئی ہے ابن عبدالبر نے فرمایا ہے انہ اصحہا اسناداً اسی کو حنفیہ نے راجح قرار دیا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ امام بخاری اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

صلوٰۃ الخوف میں اختلاف

احادیث میں تقریباً ۱۷ طریقے صلوٰۃ الخوف پڑھنے کے منقول ہیں۔ یہ سب طریقے بالاتفاق جائز ہیں سوائے ایک طریقہ کے کہ امام دو دفعہ ایک ہی نماز پڑھے اور ہر جماعت دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک دفعہ پڑھے۔ یہ منسوخ ہے کیونکہ فرضوں کی نیت سے ایک ہی نماز دو دفعہ پڑھنا پہلے مشروع تھا پھر منسوخ ہو گیا باقی طریقوں میں سے حنفیہ کے نزدیک دو طریقے راجح ہیں۔ ۱۔ پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر دشمن کی طرف جائے دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھا کر امام سلام پھیر دے اور دوسری جماعت اپنی ایک رکعت مسبوق کی طرح پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کی طرف چلی جائے پھر پہلی جماعت اپنی ایک رکعت لاحق کی طرح پڑھے یعنی قرأت نہ کرے گویا امام کے پیچھے ہے۔ ۲۔ دوسری جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر دشمن کی طرف چلی جائے پھر پہلے پہلی جماعت ایک رکعت لاحق کی طرح پڑھے اور سلام پھیر دے پھر دوسری جماعت مسبوق کی طرح اپنی بقیہ رکعت پڑھے شوافع کی راجح صورت یہ ہے کہ پہلی جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر دوسری رکعت فوراً لاحق کی طرح پڑھ لے امام کھڑا رہے پہلی جماعت سلام پھیر کر دشمن کی طرف فارغ ہو کر چلی جائے اور اب دوسری جماعت آئے وہ امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے اور امام سلام پھیر دے پھر یہ دوسری جماعت مسبوق کی طرح اپنی چھوٹی ہوئی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے وعند مالک واحمد راجح صورت یہ ہے کہ باقی

توشوافع کی طرح ہے صرف یہ فرق ہے کہ امام دوسری جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر سلام نہ پھیرے بلکہ خاموش بیٹھا رہے جب دوسری جماعت سلام پھیرنے لگے تو امام بھی ان کے ساتھ سلام پھیر دے ہمارے وجوہ ترجیح یہ ہیں۔ا۔ ہماری دونوں راجح صورتیں آیت قرآنیہ سے زیادہ قریب ہیں **فاذا سجدوا فلیکو نوامن وراء کم** میں **فلیکو نوا** کا **فاء** چاہتا ہے کہ پہلی جماعت بلا تاخیر دشمن کی طرف چلی جائے یہ ہماری راجح صورتوں ہی میں ہے۔۲۔ ہماری راجح صورتوں میں امام کو مقتدیوں کی خاطر طویل انتظار کرنا نہیں پڑتا۔ باقی حضرات کی راجح صورتوں میں کرنا پڑتا ہے۔۳۔ ہماری راجح صورتوں میں امام سے پہلے کسی جماعت کا سلام پھیرنا لازم نہیں آتا۔ دوسروں کی راجح صورتوں میں لازم آتا ہے۔ اور یہ نماز کے اصل طریقہ کے خلاف ہے کہ امام سے پہلے کوئی مقتدی نماز سے فارغ ہو جائے۔۴۔ ہماری راجح صورتوں میں سلام میں امام کا کسی جماعت کے تابع ہونا لازم نہیں آتا۔ مالکیہ اور حنابلہ کی راجح صورت میں لازم آتا ہے اور یہ نماز کی اصلی وضع کے خلاف ہے کہ امام مقتدیوں کے تابع ہو جائے۔۵۔ ہماری صورتوں والی ابن عمر والی روایت سند کے لحاظ سے اقوی ہے جیسے ابھی ذکر کیا گیا ہے اسی لئے امام بخاری نے صلوٰۃ الخوف میں اسی روایت کو ذکر فرمایا ہے اور جمہور والی صورت جس روایت میں ہے اس کو کتاب المغازی میں ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ روایت بھی امام بخاری کی شرط پر تو ہے لیکن امام بخاری کے نزدیک ترجیح اسی ابن عمر والی روایت کو ہے۔

صلوٰۃ الخوف اب مشروع ہے یا نہ

عند المزنی منسوخ ہے وعند ابی یوسف خصوصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وعند الجمہور اب بھی مشروع ہے۔ اور جائز ہے۔ لنا۔ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء نے بھی صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔۲۔ قرآن وحدیث سے یہ نماز ثابت ہے اور خصوصیۃ کی صراحۃً کوئی دلیل نہیں اس لئے اب بھی جائز ہے۔ وللمزنی۔ مرض وفات کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعض نماز میں حضرت صدیقؓ کے پیچھے پڑھی ہیں معلوم ہوا نبی کی موجودگی میں غیر نبی امامت کرا سکتا ہے۔ اور خلیفہ وقت کی موجودگی میں غیر خلیفہ امام بن سکتا ہے۔ پس ضرورت کے موقعہ میں رد جماعت یکے بعد دیگرے ہو جائیں گی اور صلوٰۃ الخوف کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب حالت خوف الگ ہے اور حالت مرض الگ ہے۔ اس لئے مرض وفات والی روایات سے صلوٰۃ الخوف کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ ولابی یوسف.ا۔ **واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ** اس آیت مبارکہ میں صلوٰۃ الخوف کا ذکر ہے۔ اور خطاب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ جواب ایک یہ ہے کہ آپ نے جو اس آیت سے خصوصیت نکالی یہ مفہوم مخالف سے نکالی ہے اور ہمارے پاس خلفاء کا عمل ہے جو منطوق کے درجہ میں ہے۔ اور منطوق کے ہوتے ہوئے کسی امام کے نزدیک بھی مفہوم مخالف پر عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اوّلی خطاب تو سب احکام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ہے لیکن وہ سب احکام قیامت تک کے لئے ہیں جب تک کہ خصوصیت کی تصریح ثابت نہ ہو مثلاً **خذمن اموالھم صدقۃ تطھر ھم و تزکیھم بھا** یہ خطاب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حضرت صدیق نے صدقہ نہ دینے والوں کے ساتھ جہاد کو ضروری قرار دیا معلوم ہوا کہ خصوصیت نہیں ہے۔ ولابی یوسف ۲۔ چونکہ صلوٰۃ الخوف میں نماز کے اصل طریقہ کی مخالفت ہے اس لئے اس کی مشروعیت خصوصیت ہی کے درجہ میں ہو سکتی ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ جواب۔ اس سے فقط یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولیٰ ہے کہ صلوٰۃ الخوف نہ پڑھی جائے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جائز ہی نہیں ہے۔ امام ابن ہمام نے بھی اولیٰ یہی قرار دیا ہے کہ اب دو دفعہ الگ الگ اماموں کے ساتھ آدھے آدھے مجاہدین نماز پڑھ

لیں یکے بعد دیگرے لیکن بہرحال صلوٰۃ الخوف کا جواز باقی ہے اور اسی میں کلام ہے۔ ولابی یوسف۔۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے سب آپ کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد یہ بات نہ رہی اس لئے دو حصے کر کے باری باری ہر ایک کو الگ الگ امام نماز پڑھادے گا۔

صلوٰۃ الخوف کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ جواب یہ بھی صرف اولویت کی دلیل ہے اس سے جواز کی نفی نہیں ہوتی۔

فقام کل واحد منهم فركع لنفسه ركعة وسجد سجدتين

دو احتمال ہیں۔۱۔ سب نے اکٹھی نماز پڑھی یہ مرجوح ہے کیونکہ مقصد صلوٰۃ الخوف کا فوت ہوتا ہے۔۲۔ دونوں جماعتوں نے باری باری پڑھی۔ یہی راجح ہے پھر پہلی جماعت نے پہلے پڑھی یا دوسری نے دونوں احتمال ہیں اس لئے حنفیہ کی دونوں راجح صورتیں اس حدیث میں آجاتی ہیں۔

باب صلوٰۃ الخوف رجالاً و ركبانا

غرض امام ابوحنیفہ کے مسلک کو اختیار کرنا ہے کہ پیدل چلتے ہوئے نماز نہیں ہوتی وعند الشافعی واحمد و مالک ہو جاتی ہے منشاء اختلاف اس آیت کے معنی ہیں فان خفتم فرجالاً او رکبانا ہمارے رجالاً کے معنی سواری کے بغیر نیچے کھڑے ہونے والے کے ہیں اُن کے نزدیک پیدل چلنے والے کے ہیں۔ ترجیح ہمارے قول کو ہے کیوں۔۱۔ رکباناً کے مقابلہ میں قائم آتا ہے اگر چلنا مراد ہوتا یوں ہوتا فرجالا او واقفین۔۲۔ ہمارے قول میں احتیاط ہے۔۳۔ ہماری تفسیر زیر بحث باب میں مرفوعاً منقول ہے عن ابن عمر مرفوعاً وان کانوا اکثر من ذلک فلیصلوا قیاماً و رکباناً۔

عن ابن عمر نحواً من قول مجاهد اذا اختلطوا قياما

یعنی حضرت مجاہد سے تو یوں منقول ہے کہ جب لڑائی میں خلط ہو اور دو جماعتیں بنا کر صفیں بنا کر نماز نہ پڑھی جا سکے تو بغیر صف کے قیاماً نماز پڑھ لیں اور ابن عمر سے بھی مرفوعاً اسی طرح منقول ہے جیسے حضرت مجاہد کا قول ابھی نقل کیا گیا۔

وزاد ابن عمر عن النبی صلی الله عليه وسلم وان كانوا اكثر من ذلك فليصلوا قياماً وركبانا

مقصد یہ ہے کہ ابن عمر کی مرفوع روایت مجاہد کی مقطوع روایت کی۔ طرح تو ہے حاصل معنیٰ ہیں لیکن ابن عمر کی مرفوع روایت کے الفاظ مجاہد کی مقطوع روایت کے الفاظ سے زائد ہیں اور وہ زائد الفاظ جن میں مطابقت بھی ہے اور زیادتی بھی یہ ہیں وان کانوا اکثر من ذلک فلیصلو اقیاماً و رکبانا اِن زائد الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر دشمن زائد ہوں من ذلک اُس خوف سے جس میں صلوٰۃ الخوف پڑھی جاتی ہے اور دشمن کے زائد ہونے کی وجہ سے خوف زائد ہو جائے اور صفیں نہ بنا سکیں تو پھر صفوں کے بغیر ہی قیام کی صورت میں یا سوار ہونے کی صورت میں باجماعت یا بلا جماعت پڑھ لیں یعنی دو تین جماعت کر لیں یا ہر ایک الگ الگ پڑھ لے۔

باب يحرس بعضهم بعضاً فی صلوٰۃ الخوف

اس باب میں یہ صورت بیان کرنی مقصود ہے کہ دشمن قبلہ کی جانب ہو اس لئے سب نے اکٹھی نماز شروع کر لی البتہ پہلے پہلی جماعت نے امام کے ساتھ رکوع سجدہ کیا پھر دوسری جماعت نے بلا امام رکوع سجدہ کیا پھر پہلی جماعت دوسری کی جگہ اور دوسری جماعت پہلی جماعت کی جگہ آ گئی پھر تشہد اکٹھے پڑھا اور اکٹھے سلام پھیرا سوال۔ ایک دوسرے کی چوکیداری کرنا تو صلوٰۃ الخوف کی سب صورتوں میں ہے پھر اس صورت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا۔ جواب۔۱۔ اِس خاص صورت میں سب اکٹھی حراست کر رہے ہیں اس لئے اس میں حراست کو ذکر فرمایا۔۲۔ حراست صلوٰۃ الخوف کی

سب صورتوں میں بیان فرمانی مقصود ہے یہاں طرف شبہ کا جواب ہے کہ حراست تو نماز کے خشوع اور یکسوئی کے خلاف ہے جواب دیا کہ صلوٰۃ الخوف میں ضرورت کی وجہ سے حراست جائز ہے۔

باب الصلوٰۃ عند منا هضة الحصون ولقاء العدو

مہوض کے معنیٰ اٹھنے کے ہیں یعنی جب ہر فریق دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑا ہو مقصد شدت حرب کا بیان ہے پھر لقاء العدوّ تعیم بعد التخصیص ہے۔

صلّوا رکعۃ عند الاوزاعی شدید خوف کی مجبوری میں صرف ایک رکعت کافی ہے اور عند الثوری صرف تکبیر کافی ہے وعند الجمھور نماز موخر کردینگے۔لنا۔ایک رکعت اور تکبیر ثابت نہیں ہے البتہ غزوہ خندق میں نماز کا قضا فرمادینا ثابت ہے ولہما بعض دفعہ اتنی ہی قدرت ہوتی ہے کہ ایک رکعت یا ایک تکبیر کہہ دی جائے اس لئے مجبوری ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

وصلی العصر بعد ما غابت الشمس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصر کی نماز کیوں قضا ہوئی تھی مختلف اقوال ہیں۔ا۔مشغولی کی وجہ سے آپ بھول گئے تھے۔ا۔قتال کی سختی کی وجہ سے وقت نہ ملا۔۳۔گو نماز کا وقت ملا لیکن طہارۃ کا وقت نہ ملا۔۴۔ابھی صلوٰۃ الخوف نازل نہ ہوئی تھی اور عام طریقہ سے پڑھنے میں دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا۔

باب صلوٰۃ الطالب والمطلوب راکباً وایماء

جبکہ۔ا۔وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔۲۔عدو فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔۳۔نفل فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔غرض امام بخاری کی بظاہر امام مالک کی تائید ہے۔ اختلاف طالب میں ہے مطلوب میں اتفاق ہے۔کہ وہ اگر سواری پر سوار ہونے کی صورت میں اشارہ سے نماز پڑھ لے تو اس مطلوب کی نماز صحیح ہے۔ طالب میں یہ اختلاف ہے کہ امام مالک کے نزدیک صحیح ہے جمہور کے نزدیک صحیح نہیں ہے وللجمھور نماز فرض ہے۔اور دشمن کو پکڑنا اور طالب بننا مستحب ہے اور مستحب کام کی وجہ سے فرض کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ولمالک۔ا۔طالب کو قیاس کیا جائے گا مطلوب پر وہاں بھی ضرورت ہے یہاں بھی ضرورت ہے۔جواب۔مطلوب مجبور ہے طالب مجبور نہیں ہے اس لئے قیاس مع الفارق ہے۔ ولمالک۔۲۔فی ابی داؤد عن عبداللہ بن اُنیس جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان ھزلی کی طرف بھیجا تھا تو اس موقعہ میں حضرت عبداللہ بن اُنیس فرماتے ہیں فرأیتُہ وحضرتِ العصر فخشیت فوتھا فانطلقتُ امشی وانا اصلی اُدمی ایماءً اور اس کی سند بھی درجہ حسن کی ہے۔جواب۔یہ اِن صحابی کا اپنا اجتہاد ہے۔ولمالک۔۳۔حدیث الباب فی البخاری عن ابن عمر مرفوعاً لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ اس روایت سے استدلال یوں ہے کہ جب طالب ہونے کی صورت میں نماز چھوڑ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی تو اشارہ سے پڑھنے کی اجازت بطریق اولیٰ ثابت ہوئی جواب یہاں غرض صرف جلدی کا امر فرمانا تھا کہ عصر کی نماز سے پہلے ضرور وہاں پہنچ جاؤ یہ مقصد نہ تھا کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے دیر ہوجائے تو نماز ہی چھوڑ دینا۔

ذکرتُ للاوزاعی صلوٰۃ شرحبیل بن السمط

حضرت انور شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ مجھے یہ تحقیق نہیں ہوسکی کہ حضرت شرجیل کی نماز جو سواری پر منقول ہے تو اُس وقت حضرت شرجیل طالب تھے یا مطلوب تھے۔انتہیٰ احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ عمدۃ القاری میں متعدد روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ شرجیل مطلوب تھے اب حضرت انور شاہ صاحب کے ارشاد کی توجیہ یہ تو مناسب نہیں کہ اس مقام کا مطالعہ نہ فرماسکے ہوں کیونکہ فتح الباری اور عمدۃ القاری بہت زیادہ پیش نظر رہتی تھیں البتہ یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ ان روایات کو ضعیف یا ماول شمار فرمایا ہو واللہ اعلم۔حضرت شرجیل صحابہ کرام میں سے ہیں رضی اللہ عنہم:۔

باب التکبیر والغلس بالصبح والصلوٰۃ عند الاغارۃ والحرب

یہاں دو نسخے ہیں۔ا۔التکبیر۔۲۔التبکیر۔ پھر الصلوٰۃ کا عطف بھی التکبیر پر ہی ہے اصلی غرض تو یہ ہے کہ جیسے خوف ہیں

تاخیر وقت مستحب سے اور شدید خوف میں نفس وقت سے جائز ہے ایسے ہی تعجیل وقت مستحب سے بھی جائز ہے۔ اور ضمناً التکبیر کے نسخہ میں دو مسئلوں کا بیان ہے۔ا۔ فجر میں ترک اسفار کی گنجائش ہے ضرورت کی وجہ سے۔۲۔ بہتر ہے کہ حملہ سے پہلے نماز سے فراغت حاصل کرلی جائے اور التکبیر کے نسخہ میں تیسرا مسئلہ بھی بیان فرمادیا۔۳۔ اللہ اکبر کہنا بھی مستحب ہے لڑائی میں التکبیر والے نسخہ میں غلس کا عطف تفسیری ہے۔ اور الاغارہ کے معنیٰ اچانک حملہ کردینے کے ہیں۔ اور حرب عام ہے۔ کتاب العیدین ای کتاب فی بیان احکامھما وفضائلھما غرض عیدین کے احکام وفضائل کا بیان ہے اور ربط یہ ہے کہ پیچھے ہفتہ کی عید یعنی جمعہ کا ذکر تھا اب سال کی دو عیدوں کا ذکر ہے اور تینوں عیدیں شکر کے لئے ہیں عید الفطر میں روزے کی عبادت ادا ہو جانے کا شکر ہے عید الاضحیٰ حج اور عمرہ جو ہم نے یا ہمارے بھائی مسلمانوں نے کئے ہیں اُن کے شکر کے لئے ہے اور جمعہ میں کس چیز کا شکر ہے مختلف اقوال ہیں۔ا۔ ہفتہ بھر زندہ رکھنے کا شکر۔۲۔ عبادت خاصہ کے لئے دن دینے کا شکر۔۳۔ عبادت خاصہ کی توفیق دینے کا شکر۔

باب ماجاء فی العیدین والتجمل فیھما

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ عیدین میں اچھے کپڑے پہن کر زینت اختیار کرنا مستحب ہے۔

باب الحراب والدَّرَق یومَ العید

حراب بالکسر جمع ہے حربتہ کی چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں اور درق کھالوں سے بنی ہوئی ڈھال کو کہتے ہیں غرض میں اقوال۔ ا۔ عید کے دن خوشی کے طور پر کچھ لھو ولعب کی گنجائش ہے جو عام دنوں میں تضییع اوقات کی وجہ سے منع ہوتا ہے بشرطیکہ مباح کی حد کے اندر ہو۔۲۔ نیزہ بازی کا مقابلہ اِسلام کی عظمت ظاہر کرنے کی نیت سے مستحب ہے۔۳۔ نیزہ بازی کا مقابلہ جہاد کی تیاری کی نیت سے مستحب ہے۔ سوال حضرت عائشہ کا دیکھنا تو پردہ کے حکم کے خلاف ہے کہ غیر مردوں کو بلا ضرورت دیکھا جائے جواب۔ا۔ ۹ سال کی عمر میں حضرت عائشہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آ گئی تھیں اور یہ واقعہ بالغ ہونے سے پہلے کا ہے۔۲۔ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے۔۳۔ جب فتنہ سے امن ہو تو گنجائش ہوتی ہے۔

باب سنتہ العیدین لا ھل الا سلام

غرض اہل السلام کا طریقہ بیان فرمانا ہے عیدین میں اور وہ یہ چیزیں ہیں۔ا۔ تکبیر پڑھنا نماز کے لئے جاتے وقت اور آتے وقت عید الفطر میں آہستہ اور عید الاضحیٰ میں آواز سے۔۲۔ عید کی نماز۔۳۔ خوشی کا اظہار۔۴۔ جائز درجہ کی زینت۔۵۔ خوش الحانی سے نظم پڑھنا بشرطیکہ کوئی ناجائز مضمون نہ ہو۔۶۔ عید الاضحیٰ میں قربانی کرنا۔ ایک نسخہ میں یوں ہے

باب سنیة الدعاء فی العیدین

اور ایک نسخہ میں ہے

باب الدعافی العید

ان دونوں نسخوں کے لحاظ سے حدیث الباب کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ حدیث الباب کا خطبہ کا ذکر ہے اور خطبہ میں عموماً دعا مذکور ہوتی ہے پھر ان دونوں نسخوں کے لحاظ سے باب کی غرض میں دو قول ہیں۔ا۔ یہی خطبہ والی دعا کا ذکر مقصود ہے کہ خطبہ عیدین میں دعا کا ہونا مستحب ہے۔۲۔ اس حدیث کی صحت کی طرف اشارہ ہے جو ابن عدی نے حضرت واثلہ سے نقل فرمائی ہے انه لقی النبی صلی الله علیه وسلم یوم عید فقال نقبل الله منا ومنک فقال نعم تقبل الله منا ومنک پس غرض میں دوسرے قول کا حاصل یہ ہوا کہ اِس قسم کی دعا مستحب ہے۔

با ب الا کل یوم الفطر قبل الخروج

غرض یہ ہے کہ عید الفطر کی صبح عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا مستحب ہے اور نہ کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔

باب الا کل یوم الخر

غرض یہ کہ سارا دن کھانا پینا جائز ہے جیسا کہ اس باب میں حضرت براء کی حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ بہتر اپنی قربانی سے

بعد صلوٰۃ العید کھانا ہے۔

ومن نسک قبل الصلوٰۃ فانہ قبل الصلوٰۃ ولا نسک لہ

سوال یہ تو حمل اولیٰ ہے کیونکہ مبتدا اور خبر ایک ہیں جواب معنیٰ یہ ہیں کہ اس کو کوئی اعتبار نہیں ولا نسک لہ عطف تفسیری ہے۔

باب الخروج الی المصلی بغیر منبر

غرض یہ ہے کہ مسنون ہے نکلنا بلا منبر ہی ہے پس بنی امیہ کا منبر نکالنا امام بخاری کے نزدیک مکروہ ہے اور امام بخاری نے حدیث الباب سے یوں استدلال فرمایا کہ اِس حدیث میں ہے فیقوم مقابل الناس کیونکہ اگر منبر ہوتی تو یوں ہوتا فصعد المنبر پھر ایک حدیث میں مرفوعاً یوں بھی آیا ہے خطب یوم العید علی رجلیہ لیکن یہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے۔ پھر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مروان نے منبر پر عید کا خطبہ دیا لیکن ایک دوسری حدیث میں حضرت عثمان کا منبر پر عید کا خطبہ دینا بھی منقول ہے اس لئے فقہاء کے نزدیک منبر نکالنے یا عیدگاہ میں بنانے کا جواز بلا کراہت ثابت ہوتا ہے اور ہمارے امام ابوحنیفہ سے بھی صراحۃً یہ جواز منقول ہے۔ ابا سعید: حرف ندا محذوف ہے ای یا ابا سعید۔

باب المشی والرکوب الی العید والصلوٰۃ قبل الخطبۃ بغیر اذان ولا اقامۃ

غرض تین مسئلہ بتلانا ہے۔ ا۔ سوار ہونا جائز ہے اور جن روایتوں میں مشی کا ذکر ہے وہ امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہیں اور پھر فضیلت پر محمول ہیں وجوب پر محمول نہیں۔ ۲۔ دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمانا مقصود ہے کہ عید کی نماز خطبہ سے پہلے ہے۔ ۳۔ یہ نماز بلا اذان اور بلا اقامت ہے۔ سوال۔ اس باب کی احادیث میں رکوب کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔ ا۔ شاید بعض دوسرے طریق میں ہو جو یہاں مذکور نہیں ہیں۔ ۲۔ وھو یتوکا علی ید بلال سے استدلال فرمایا ہے کہ جسے دوسرے شخص کے ہاتھ سے سہارا لینا جائز ہے ایسے ہی سواری پر سوار ہونا اور سواری کا سہارا لینا بھی جائز ہے۔

باب الخطبۃ بعد العید

غرض یہ ہے کہ مسنون یہی ہے۔ کہ خطبہ عید کے بعد ہو یہی خلفاء راشدین کا معمول تھا اور جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے عید کا خطبہ مقدم کرنا یہ مَروان کی بدعت شمار کیا گیا ہے سوال یہ مسئلہ تو گذشتہ بابوں میں آچکا جواب۔ وہاں تبعاً آیا تھا اب قصداً بیان فرمایا۔

باب ما یکرہ من حمل السلاح فی العید و الحرم

غرض یہی مسئلہ بیان کرنا ہے کہ عید و حرم میں ہتھیار لے جانا مکروہ ہے۔ سوال پیچھے حراب اور درق یعنی ڈھال کا مسجد میں لے جانا مذکور ہے جواب۔ ا۔ ممانعت ایذاء کی صورت میں ہے۔ ۲۔ ممانعت تکبر کی نیت سے ہے۔

باب التبکیر الی العید

غرض جلدی جانے کا استحباب بیان فرمانا ہے۔ پھر ایک نسخہ میں التکبیر ہے یہ تصحیف و تحریف پر محمول ہے۔

باب فضل العمل فی ایام التشریق

غرض یہ ہے کہ ایام تشریق میں عمل صالح کا ثواب زیادہ ہے پھر تشریق کے معنیٰ دھوپ میں ڈالنے کے ہیں کیونکہ اِن دنوں میں گوشت لمبا لمبا کاٹ کر دھوپ میں ڈالا جاتا تھا اور یہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم النحر سمیت چار دن ہیں کیونکہ اس میں بھی یہی کام ہوتا ہے پہلے قول میں جو یوم النحر کو شمار نہیں کیا گیا اس کی وجہ سے صرف یہ ہے کہ اس کا مستقل نام ہے۔

واذکروا اللہ فی ایام معلومات ایام العشر والایام المعدودات ایام التشریق

حضرت ابن عباس کے اِس قول میں آیات کی تلاوت مقصود نہیں ہے بلکہ صرف تفسیر ذکر کرنی مقصود ہے کیونکہ آیات تو اِس طرح ہیں ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات اور دوسری

آیت یوں ہے واذکر واللہ فی ایام معدودات۔

یخرجان الی السوق فی ایام العشر

سوال۔ اس اثر میں اور اس کے بعد والی مسند روایت میں ایام عشر کا ذکر ہے ایام تشریق کا ذکر نہیں ہے پھر ایام تشریق والے باب میں کیوں ذکر فرمایا جواب۔ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایام عشر اور ایام تشریق دونوں فضیلت میں برابر ہیں۔

خرج یخاطر بنفسہٖ و مالہ

جہاد کے لئے نکلا اس حال میں کہ اپنے نفس اور مال کو خطرہ میں ڈال رہا ہے کہ نہیں معلوم بچیں گے یا نہ یعنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا۔

باب التکبیر ایام منی و اذا غدا الی عرفۃ

ایام منٰی دس تاریخ اور تین دن بعد ہیں اور عرفات کو جاتے ہیں۔ ۹ تاریخ کو گویا ۹ سے ۱۳ تک تکبیرات تشریق ہیں یہ مسئلہ بتلانا اِس باب سے مقصود ہے۔

کنّ النساء یُکبرن

النساء فاعل سے بدل ہے اور تکبیر آہستہ مراد ہے کیونکہ جہر پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

نخرُجُ البکر من خِدرھا

خِدر کے معنی۔ ا۔ وہ پردہ جو کمرہ کے کونہ میں باکرہ عورت کے بیٹھنے کے لئے لگایا جاتا تھا۔ ۲۔ ھودج۔ ۳۔ تخت جس پر کپڑا لگایا ہوا ہو۔ ۴۔ کمرہ۔

باب الصلوٰۃ الی الحربۃ یوم العید

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عید کے دن چھوٹے نیزے کو سترہ بنا کر کر نماز پڑھنی مسنون ہے جبکہ کوئی دیوار وغیرہ سترہ نہ ہو۔ سوال۔ یہ باب تو سترہ کے ابواب میں گذر چکا ہے۔ جواب یہاں یوم العید کی قید زائد ہے اس لئے تخصیص بعد التعمیم ہے۔

باب حمل العَنَزۃِ او الحَربۃ بین یدی الامام یوم العید

غرض یہ ہے کہ سترہ کی ضرورت کے موقع پر ایسا کرنا مسنون ہے۔ یہ دونوں چھوٹے نیزے ہوتے ہیں حربہ کا پھل چوڑا ہوتا ہے۔ سوال۔ اس حدیث میں حربہ کا ذکر نہیں ہے جواب۔ عنزہ پر قیاس فرمایا۔

باب خروج النساء والحیّض الی المصلی

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ان کا نکلنا مستحب ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو الی المصلی فرمایا الی الصلوٰۃ نہ فرمایا کیونکہ انہوں نے نماز نہیں پڑھنی۔ **العواتق:** جمع ہے عاتق کی بالغ عورت ا۔ کیونکہ اب یہ ماں کی خدمت کی محتاج نہیں رہی بالغ ہونے کی وجہ سے اپنے کام خود کر سکتی ہے۔ ۲۔ پہلے والدین اس کے مال میں تصرف کرتے تھے اب اس سے آزاد ہوگئی۔

باب خروج الصبیان الی المصلی

غرض یہ ہے کہ بچوں کا لے جانا بھی مستحب ہے الی المصلی میں اشارہ ہے کہ اگر نماز پڑھنے کے قابل نہ بھی ہوں تو وہاں بیٹھے رہیں تکثیر سواد اور اظہار شوکت اسلام کا ذریعہ ہوں گے اِسی الی المصلی فرمایا الی الصلوٰۃ نہ فرمایا۔

باب استقبال الامام الناس فی خطبتہ العید

غرض یہ ہے کہ مسنون یہی ہے کہ امام مقتدیوں کی طرف منہ کر کے خطبہ دے قبلہ کی طرف پشت کرے۔

باب العَلم الذی بالمصلی

غرض یہ ہے کہ عیدگاہ پر کوئی علامت لگا دینا مستحب ہے تا کہ لوگوں کو پہنچنے میں آسانی ہو۔

باب موعظۃ الا امام النساء یوم العید

غرض یہ ہے کہ عید کے دن عورتوں کو امام کا نصیحت کرنا مستحب ہے۔ ھلُمّ :۔ اس کے معنی ہیں لاؤ۔

باب اذا لم یکن لھا جلباب فی العید

سوال۔ جزأ کو کیوں نہ ذکر فرمایا۔ جواب۔ حدیث پاک سے معلوم ہو رہی تھی لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا۔ باب کی غرض یہی ہے کہ جب فتنہ سے امن ہو تو ایک چادر میں دو

عورتیں بھی چلی جائیں تو یہ بھی مستحسن اور مستحب ہے۔

باب اعتزال الحیّض المصلّی

غرض یہ ہے حائضہ عورتوں کے لئے واجب ہے کہ وہ نماز میں شریک نہ ہوں۔ اور نماز کے وقت ایک طرف بیٹھ جائیں۔

باب النحر و الذبح یوم النحر بالمصلّی

غرض یہ ہے کہ عیدگاہ میں قربانی کرنا مسنون ہے اور گھر میں کرنا جائز ہے اور سُستی کی علامت ہے۔

باب کلامِ الا مامِ و النّاسِ فی خطبة العید واذا سّل الا مام عن شیء وھو یخطب

اذا کا جواب محذوف ہے۔ ینبغی للامام ان یجیب۔ غرض یہ ہے کہ عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ کی طرح نہیں کیونکہ جمعہ کے خطبہ میں گفتگو جائز نہیں عید کے خطبہ میں گفتگو دینی ضرورت کی وجہ سے اور سوال کا جواب دینا جائز ہے۔

باب من خالف الطریق اذار جع یوم العید

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عید کی نماز کے لئے جانے اور آنے کا راستہ الگ الگ کر لینا مستحب ہے اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ تا کہ قیامت کے دن دونوں راستے گواہی دیں۔ ۲۔ تا کہ دونوں راستوں کے فقراء پر خیرات کی جاسکے۔ ۳۔ تا کہ ہم دائیں طرف چلنے والے بن سکیں جانے میں بھی اور آنے میں بھی۔ ۴۔ تا کہ ہم دونوں راستوں کی برکات حاصل کرسکیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں راستے تبرک حاصل کرتے تھے۔

باب اذا فاته العید یصلی ر کعتین

غرض دو مسئلوں میں امام شافعی کی موافقت کا ظاہر کرنا ہے۔ پہلا مسئلہ:۔ جس شخص کی عید کی نماز با جماعت فوت ہو جائے تو عندالشافعی اس کی قضا واجب ہے۔ وعندالجمہور واجب نہیں استحبابا تدارک کرنا چاہئے تو کرے۔ ولنا۔ ہم قیاس کرتے ہیں جمعہ پر کہ امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ جائے تو جمعہ کی کوئی قضا نہیں ہے۔ ظہر تو پہلے ہی فرض تھی وہ ادا کرنی ہوگی اور جمعہ پر قیاس کرنے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے **عن علّی فی مصنف ابن ابی شیبة موقوفاً لا جمعته ولا تشریق ولا صلوٰة فطر ولا اضحٰی الا فی مصر جامع انتھی** اِس حدیث پاک میں جمعہ اور عیدین کو اکٹھے ہی ذکر کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ دونوں کے احکام ایک جیسے ہیں اس لئے ہمارا قیاس صحیح ہے **وللشافعی تعلیق البخاری فی ھذا الباب** اور یہی مضمون ابوداؤد اور نسائی میں مسنداً بھی آیا ہے ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں عن عقبة بن عامر مرفوعاً **ایام منی عیدنا اھل الاسلام** اور اِسی کے قریب قریب اِسی باب کی مسند روایت میں بھی ہیں **عن عائشته مرفوعاً فانھا ایام عید** ان سب روایات میں عموم مذکور ہے کہ یہ عید کے دن ہم سب کے لئے ہیں۔ اس عموم میں امام کے ساتھ نماز پڑھنا اور جماعت فوت ہونے پر اکیلے نماز پڑھنا دونوں آ گئے۔ جواب۔ عموم خوشی میں ہے نہ کہ بلا جماعت نماز کے واجب ہونے میں۔ دوسرا مسئلہ:۔ یہ حقیقت میں پہلے مسئلہ پر متفرع ہے اور اس کا تتمہ ہے عندالشافعی جس شخص کی امام کے ساتھ عید کی نماز فوت ہو جائے تو وہ وجوبا دو رکعت پڑھے وعند مالک واجب تو کچھ نہیں استحبابا چاہے تو دو رکعت پڑھ لے وعنداحمد واجب تو کچھ نہیں استحبابا چاہے تو چار رکعت پڑھ لے وعندامامنا ابی حنیفة واجب تو کچھ نہیں استحبابا چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار پڑھ ولنا۔ **ما ورد مرفوعاً المتطوع امیر نفسه** اس لئے واجب تو کچھ نہیں پڑھنا چاہے تو پورا اختیار ہے دو پڑھے یا چار پڑھے **وللشافعی قیاس** ہے پنجوقتہ نماز پر جتنی اصل ادا میں ہوتی ہیں اُتنی ہی قضا میں ہوتی ہیں ولاحمد قضاء واجب تو نہیں جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں گذرا اگر پڑھنا چاہے تو جمعہ کی طرح چار رکعت پڑھے ولمالک واجب تو نہیں جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں گذرا لیکن قضا کرنا چاہے تو پھر تہجد کی طرح ہے جتنی اصل ادا میں ہیں اتنی ہی قضا میں ہیں۔ والترجیح لنا کیونکہ ہمارا استدلال حدیث سے ہے

حدیث کے مقابلہ میں قیاسات پر عمل نہیں ہوسکتا۔

تدفّفان:۔ دف بجارہی تھیں آگے تضربان اسی کا بیان ہے اور عطف تفسیری ہے۔ دعہم امناً:۔ ا۔ امنا تمیز واقع ہورہی ہے۔ ان کو چھوڑ دو فتنہ سے امن کے لحاظ سے۔ ۲۔ منصوب نبزع الخافض ہے ای للامن من الفتنتہ۔ یعنی من الامن:۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لفظ فتنہ سے امن کے معنیٰ میں ہے امان للکفار کے معنیٰ مراد نہیں ہیں۔

باب الصلوٰۃ قبل العید و بعد ھا

غرض نماز کا حکم بیان کرنا ہے عید کی نماز سے پہلے اور پیچھے۔ سوال اپنا مسلک صراحتہً کیوں بیان نہ فرمایا۔ جواب۔ ان کو ترجیح کی وجہ صاف صاف معلوم نہ ہوئی اس لئے باب میں اپنا مسلک ذکر نہ فرمایا بظاہر امام احمد کے قول کو ترجیح دینا چاہتے ہیں اختلاف یوں ہے۔ عندامامنا عید کے بعد گھر میں نوافل پڑھنا جائز ہیں بلا کراہت اور عیدگاہ میں نماز کے بعد بھی مکروہ ہیں اور نماز سے پہلے گھر پر بھی اور عیدگاہ میں بھی مکروہ ہیں وعند احمد وھو روایۃ عن الشافعی مطلقاً مکروہ ہیں پہلے بھی پیچھے بھی گھر پر بھی اور عیدگاہ میں بھی نوافل مکروہ ہیں وعند احمد وھو روایۃ عن الشافعی مطلقاً مکروہ ہیں پہلے بھی پیچھے بھی گھر پر بھی عیدگاہ میں بھی نوافل مکروہ ہیں۔ وفی روایۃ عن الشافعی مطلقاً جائز ہیں ہر جگہ پہلے بھی اور نماز عید کے بعد بھی ولناما فی ابن ماجتہ عن ابی سعید الخدری کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یصل قبل العید شیئاً فاذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین و لمالک یہی روایت کہ جب گھر میں جائز تو عیدگاہ میں بھی جائز ہوئے ولہ روایۃ عن الشافعی اصل امور میں اباحت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ پڑھنا کراہۃ کی دلیل نہیں ہے۔ جواب دونوں حضرات کی دلیلوں کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حریص تھے عبادت پر اس کے باوجود ساری عمر عید کی نماز سے پہلے کبھی نفل نہ پڑھنا اور بعد نماز عیدگاہ میں نہ پڑھنا اور نہ ہی کسی کو پڑھنے کا امر فرمانا علامت ہے کراہت کی ورنہ بیان جواز قول مبارک ہے یا عمل مبارک سے ظاہر فرمادیتے۔ ولنا حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن ابن عباس مرفوعاً لم یصلّ قبلھا و لا بعد ھا جواب اسی کی تفصیل ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ عید کی نماز کے بعد عیدگاہ میں بھی نوافل نہ پڑھے گھر پر پڑھے ہیں۔ **ابواب الوتر:۔** ہذہ ابواب فیھا احکام الوتر ربط یہ ہے کہ پانچ نمازوں کے بیان کے بعد ان کے تتمہ وتر کو شروع فرمایا۔

باب ماجاء فی الوتر

غرض بظاہر حنفیہ کا قول لینا ہے وجوب وتر میں۔ اور جمہور کا قول لینا ہے۔ بتسلیمتین ہیں۔ گویا دو اختلافی مسلوں میں سے ایک میں امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں جمہور کے ساتھ ہیں حنفیہ کے ساتھ ہونا وجوب میں یوں ظاہر ہو رہا ہے کہ امام بخاری نے وتر کے ابواب کو تطوع اور تہجد کے ابواب سے الگ ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک وتر کا درجہ تطوع سے اونچا ہے اسی کو حنفیہ وجوب کا درجہ قرار دیتے ہیں اور جمہور کی موافقت تسلیمتین کے مسئلہ میں یوں ثابت ہوئی کہ امام بخاری حضرت ابن عمر کا عمل تسلیمتین کا نقل کر رہے ہیں اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کی رائے بھی یہی ہے واللہ اعلم پھر وتر میں حکمت یہ ہے کہ فرض رکعات ۱۷ ہیں دن رات میں ۳ بڑھادی گئیں تا کہ ۲۰ ہو جائیں کیونکہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے تقریباً چار گھنٹے نوافل مکروہ ہوتے ہیں باقی بیس گھنٹے بچے اس کے مناسب ۲۰۔ رکعات ہیں۔ اور اس تقریر سے حنفیہ کے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے جو فرض اور نفل کے درمیان برزخی درجہ ہے اس تقریر سے تراویح کے بیس ہونے کی بھی تائید ہوتی ہے کہ رمضان کی برکت کی وجہ سے عبادت کو حدیث دگنا کر دیا گیا۔

ان رجلاً سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ اللیل

سائل کا مقصد کیا تھا مختلف قول ہیں۔ ا۔ صلوٰۃ اللیل کا عدد پوچھنا۔ ۲۔ فصل و وصل کے متعلق پوچھنا کہ وتر کی دو رکعت کے ساتھ تیسری رکعت کو ملانا چاہئے یا الگ پڑھنی چاہئے۔ ۳۔ صلوٰۃ

اللیل کا طریقہ کیا ہے۔ ۴۔ صلوٰۃ اللیل کو طاق بنانے کا طریقہ پوچھنا مقصود تھا چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کیف اوتر صلوٰۃ اللیل۔ انتھی طریقہ ارشاد فرمایا کہ وتر کی تین رکعت پڑھنے سے صلوٰۃ اللیل طاق ہوجائے گی۔

صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ:۔ اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ا۔ نفلوں میں دو رکعت سے زائد کی نیت باندھنا جائز ہی نہیں ہے۔ ۲۔ بہتر ہے کہ نفلوں میں دو رکعت سے زائد کی نیت نہ باندھی جائے۔ ۳۔ دو رکعت سے کم کی نیت نہ باندھی جائے نہ نفلوں میں نہ فرضوں میں گویا یہ حدیث نھیٰ عن البتیرا والی حدیث ہی کے ہم معنیٰ ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حدیث کے اخیر میں یوں ہے کہ **فاذا خشی احد کم الصبح صلّی رکعۃ واحدۃ تو ترلہ ماقد صلّی**۔ معلوم ہوا کہ مثنیٰ ایتار کے مقابلہ میں ہے ایتار میں ایک رکعت ملانے کا ذکر ہے اور مثنیٰ میں دو رکعت کا ذکر ہے کہ ایک نہ ہو۔ ۴۔ مقصد یہ ہے کہ ہر دو رکعت مستقل ہیں اگر چہ چار رکعت پڑھے اگر فاسد ہو جائیں تو قضا دو ہی کی ہوگی۔ سوال۔ اس معنیٰ پر لیل کی قید بے کار ہوگئی کیونکہ دن کے نوافل کا بھی تو یہی حکم ہے۔ جواب ایک تو یہ ہے کہ مفہوم مخالف معتبر نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ سائل کے سوال میں رات کی قید تھی اس مناسبت سے جواب میں بھی یہ قید ذکر کر دی گئی مقصود نہیں ہے اور احترازی نہیں ہے۔ ۵۔ دو سے زائد اکٹھی رکعتیں پڑھنے سے منع فرمانا مقصود ہے اور یہ ممانعت امر شرعی اور امر تعبدی نہیں ہے بلکہ صرف دنیا کی آسانی کے لئے ہے کہ جی چاہے تو درمیان میں دنیا کی بات یا کام کر لیا کرے اور پھر نئی نیت باندھ لے۔ کوئی امر شرعی بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔ ۶۔ نہی تو زیادتی سے ہے لیکن تغلیباً کہ زیادہ نمازوں میں دو سے زائد کی نیت نہ باندھا کرو۔ کیونکہ وتر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ۷۔ ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہونا چاہئے چنانچہ ابوداود میں اس کے بعد صراحۃ وارد ہے ان تشھّدَ فی کل رکعتین۔

فاذا خشی احد کم الصبح صلّی رکعۃً واحدۃً تو ترلہ ماقد صلّی

اِس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نفل پڑھنے کے درمیان تردد ہو تو پھر ایک رکعت اور ملائے بلکہ معنیٰ یہ ہیں جب یہ شبہ ہو کہ اگر مزید نفل پڑھوں گا تو طلوع فجر سے پہلے وتر پڑھنے کا وقت نہ رہے گا تو اب دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اور تین بنا کر پڑھے یہ تیسری رکعت ساری رات کی نماز کو طاق بنا دے گی۔ پھر اس خشی کے لفظ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وتر کا اخیر رات میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

وتر واجب ہیں یا نہ:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ وتر واجب ہیں کہ قضاء بھی ہے اور سواری پر بھی نہیں ہو سکتے نفلوں کی طرح وعند الصاحبین والجمہور سنت ہیں۔ ان کی قضاء بھی واجب نہیں اور سواری پر ادا کرنا بھی صحیح ہے۔ لنا۔ ا۔ **فی مسلم عن ابن عمر مرفوعاً بادروالصبح بالوتر**۔ ۲۔ **فی ابی داؤد عن بریدۃ مرفوعاً الوترحق فمن لم یوتر فلیس منا**۔ ۳۔ فی الطحاوی عن ابن عمر مرفوعاً وتر کا نیچے اتر کر پڑھنا اور نوافل کا سواری پر پڑھنا منقول ہے وللجمہور ا۔ **فی ابی داؤد عن عبد اللہ الصنابحی قال زعم ابو محمد ان الوتر واجب فقال عبادۃ بن الصامت کذب ابو محمد** جواب یہ حضرت عبادہ کا اپنا اجتہاد ہے کہ پانچ نمازوں والی روایت سے استنباط فرما لیا کہ وتر مستحب ہیں کیونکہ پانچ نمازوں میں وتر بھی داخل ہیں کیونکہ وتر عشاء کے تابع ہیں یا وتر کا وجوب اس پانچ نمازوں والی حدیث کے بعد ہوا۔ ۲۔ **فی البخاری وابی داؤد عن طلحتہ بن عبید اللہ مرفوعاً لا الا ان تطوع** کہ پانچ نمازوں کے سوا اور کچھ واجب نہیں جواب۔ ا۔ وتر عشاء کے تابع ہیں اس لئے پانچ نمازوں میں داخل ہیں۔ ۲۔ وتر کے واجب ہونے سے پہلے کا ارشاد ہے۔ ۳۔ فی الصحیحین عن ابن عمر مرفوعاً سواری پر وتر کا پڑھنا مذکور ہے۔ جواب۔ یہ وجوب سے پہلے تھا۔

وتر ایک رکعت یا تین:۔ **عند اما منا** وتر تین رکعت

ہیں ایک سلام سے۔ وعندالجمہور وتر ایک ہی رکعت ہے۔ لنا۔۱- فی النسائی و مستدرک حاکم عن عائشة کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوتر بثلاث لایسلم الافی آخرهن۔۲- بخاری شریف کی حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً فاذا خشی احد کم الصبح صلی رکعةً واحدةً توترله ما قد صلی۔ اس میں مراد تین اکٹھی پڑھنی ہیں درمیان میں سلام پھیرے بغیر کیونکہ ایک رکعت تو وتر ہے ہی اس کو تو طاق بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ مقصود دو رکعت کو طاق بنانا ہے اور یہ جبھی ہوگا۔ جبکہ اس ایک رکعت کو ماقبل سے ملایا جائے۔ ۳- بخاری شریف کی آئندہ باب کی روایت عن ابن عمر کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ ویوتر برکعة اس میں باء الصاق کے لئے ہے کہ ایک رکعت کو ماقبل سے ملایا کرتے تھے۔۴- فی الطبرانی عن ابن عباس مرفوعاً صلوٰة اللیل مثنی مثنی والوتر رکعة فی اٰخر اللیل یہاں وتر سے مراد تین رکعتیں ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ حضرت امیر معاویہ پر اکیلی ایک رکعت وتر کی پڑھنے پر انکار فرمایا کرتے تھے معلوم ہوا کہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے مرفوعاً ثابت ہیں اور اس حدیث میں بھی وہی تین ہی مراد ہیں۔۵- فی النسائی عن ابی بن کعب کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یایها الکافرون وقل هو اللہ احد ولایسلم الافی آخرهن. ۶- فی الترمذی عن علی کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوتر بثلث. ۷- اخرج ابن عبدالبر فی التمهید عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نهی عن البتیراء اس حدیث کو علامہ عینی نے شرح طحاوی میں صحیح قرار دیا ہے یہ روایت نهی عن البتیرا والی نقض وتر کے مسئلہ کے لئے بھی ناسخ ہے پہلے یہ حکم تھا کہ وتر کے بعد کوئی نفل پڑھنا چاہے تو صرف ایک رکعت پڑھ کر وتر کو توڑ دے نوافل کے بعد پھر دوبارہ وتر پڑھے اس میں بھی چونکہ ایک رکعت پڑھنی ہوتی تھی اس لئے بتیراء کی نہی سے یہ نقض وتر والی صورت بھی منسوخ ہوگئی ایسے ہی اسی نهی عن البتیراء والی روایت سے یہ روایت بھی منسوخ ہوگئی جس میں مرفوعاً وارد ہے من شاء اوتر برکعة ومن شاء اوتر بثلاث اوبخمس کیونکہ اس میں بھی ایک رکعت وتر پڑھنے کی اجازت تھی نہی عن البتیراء سے یہ اجازت ختم ہوگئی۔ نقض وتر کے منسوخ ہونے کی دلیل ابوداؤد کی یہ مرفوع روایت بھی ہے لاوتران فی لیلة کیونکہ نقض وتر کی صورت میں وتر دو دفعہ پڑھنے ہوتے تھے اگر کسی کو مقدم اور مؤخر ہونے کے لحاظ سے شبہ بھی ہو کہ کیا معلوم پہلے کون سا ارشاد وارد ہوا اور بعد میں کون سا ارشاد وارد ہوا تو پھر بھی نهی عن البتیراء والی روایت محرم ہے اور اصول ہے کہ محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے سوال۔ اس نہی عن البتیراء والی حدیث میں ایک راوی عثمان بن محمد ہے جس کے بارے میں امام عقیلی فرماتے ہیں الغالب علی حدیث الوهم جواب۔ متقدمین ائمہ رجال میں سے صرف عقیلی نے ہی ان پر اعتراض کیا ہے بعد میں اگر کسی نے اعتراض کیا بھی ہے تو صرف امام عقیلی ہی کا اتباع کیا ہے۔ اس لئے غالب اس راوی میں ثقہ ہونا ہے۔ سوال۔ فی البهیقی عن ابن عمر موقوفاً البتیراء ان یصلی الرجل رکعة فلایتم لها رکوعاً ولاسجوداً ولاقیاماً جواب۔۱- اس میں سلمة بن فضل الابرش راوی ضعیف ہے۔۲- بتیراء سے نہی والی ایک روایت میں مرفوعاً یہ بھی ہے ان یصلی الرجل واحدةً یوتر بها پس مرفوعاً تفسیر کو ترجیح ہے۔۳- ایک روایت میں حضرت ابن عمر سے ایک رکعت وتر پڑھنے کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ یہ ایک رکعت تو بتیراء ہے انتہیٰ اب یہ لوگ کون تھے صحابہ اور تابعین ہی تو تھے معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین کے نزدیک ایک رکعت پڑھنا ہی بتیراء کا

مصداق تھا رکوع سجدے اچھے کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں ممانعت ہے۔ ۸- ہماری آٹھویں دلیل یہ ہے کہ بخاری شریف میں زیر بحث باب میں تعلیق ہے عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان یسلم بین الرکعته والرکعتین فی الوترحتیٰ یا مربعض حاجته اس روایت کے متعلق مستدرک حاکم میں حضرت حسن بصری کا قول یوں منقول ہے۔ کان عمر افقه منه وکان ینهض فی الثالثة یا لتکبیر۔ ۹- فی مصنف ابن ابی شیبة عن الحسن البصری اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لایسلم الا فی آخر هن. ۱۰- فی البخاری فی هذا الباب تعلیقاً قال القاسم (وهو تا بعی) ورابنا انا سامنذا درکنا (ای بلغنا) یوترون بثلاث تو ایک تابعی ہیں جو سلف کا عمل نقل فرما رہے ہیں۔ سوال بخاری شریف میں اس کے بعد یہ بھی تو ہے وان کلاً لواسع ارجوان لایکون بشئی منه باس۔ جواب۔ حضرت قاسم کا مسلک یہی تھا کہ وتر تین رکعت ہیں اس لئے وسعت رکعات میں بیان کرنی مقصود نہیں ہے کسی اور چیز میں ہے مثلاً شروع رات میں پڑھو یا اخیر رات میں وتر کے بعد نوافل پڑھو یا نہ پڑھو وغیرہ یہ دس دلیلیں ہوگئیں تلک عشرة کاملته۔ وللجمهور۔ ۱- اس باب کی پہلی حدیث عن ابن عمر مرفوعاً فاذا خشی احد کم الصبح صلی رکعة واحدة توترله ماقد صلی جواب ہو چکا کہ یہاں ایک رکعت کو دو سے ملانا ہی مقصود ہے کیونکہ ایک رکعت تو وتر ہے ہی ماقبل کو وتر بنانا ہے اور وہ جبھی ہوگا۔ جبکہ اس ایک کو ماقبل سے ملائیں گے اور تین بنائیں گے۔ ۲- اسی باب میں تعلیق ہے عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان یسلم بین الرکعة والرکعتین فی الوتر حتی یامر ببعض حاجته۔ جواب ۱- حضرت حسن بصری نے دے دیا جیسا کہ ابھی گزرا۔ ۲- دوسرا جواب جمہور صحابہ اس مسئلہ میں ان کے خلاف تھے۔ ۳- ان کی تیسری دلیل فی البخاری عن ابن عمر مرفوعاً یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ ویوتر برکعة. جواب۔ ہو چکا کہ باء الصاق کے لئے ہے ماقبل سے ملانے پر دال ہے تین رکعات ثابت ہوئیں۔ ۴- فی الطبرانی عن ابن عباس مرفوعاً صلوٰة اللیل مثنیٰ مثنیٰ والو تر رکعة من آخر اللیل جواب ہو چکا کہ ابن عباس حضرت امیر معاویہ پر ایک رکعت پڑھنے پر انکار فرماتے تھے معلوم ہوا کہ ابن عباس کے نزدیک اس طبرانی والی روایت کے معنی ایک رکعت کو دو کے ساتھ ملانے کے ہیں بلاتسلیم پھر ان سب دلائل کا جواب یہ بھی ہے کہ نہی عن البتیر اءان سب کے لئے ناسخ ہے یا کم از کم محرم ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔

باب ساعات الوتر: غرض وتر کا وقت بیان کرنا ہے کہ عشاء کے فرضوں کے بعد ہے اور جو امید رکھتا ہو کہ اخیر رات اٹھ جاؤنگا اس کے لئے بہتر اخیر رات ہے ورنہ پڑھ کر سوئے جیسے حضرت ابوہریرہ جو طالب العلم تھے وہ سونے سے پہلے پڑھ لیتے تھے۔

والا ذان فی اذنیه: اذان سے مراد اقامت ہے کہ اقامت بالکل قریب ہوتی تھی اور اقامت سے ذرا پہلے شروع فرماتے تھے اور مختصر دو رکعت جلدی سے ادا فرما لیتے تھے امت کے لئے آسانی فرما دی کہ سنتوں کی خاطر بہت جلدی اٹھنا اور لمبی سنتیں پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

باب ایقاظ النبی صلی اللہ علیه وسلم اهله بالوتر

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کو تہجد کے لئے تو اٹھانے کا اہتمام نہ فرماتے تھے وتر کے لئے اٹھانے کا اہتمام فرماتے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا درجہ تہجد سے زائد ہے اور وہ وہی ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں۔

باب لیجعل آخر صلوته وترا

غرض وجوب کی طرف اشارہ فرمانا ہے کیونکہ باب میں بھی اور حدیث پاک میں بھی امر کا صیغہ ہے جو تاکید اور وجوب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

باب الوتر علی الدابته

غرض۔۱۔ وتر واجب نہیں ہیں کیونکہ واجب سواری پر نہیں پڑھے جاتے ۲۔وتر واجب ہیں لیکن امام بخاری کے نزدیک واجب سواری پر بھی پڑھنے جائز ہیں سوال۔ موطأ محمد اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر کا عمل نوافل کو سواری پر پڑھنے کا اور وتر کو اتر کر پڑھنے کا منقول اور موطا محمد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی سواری سے اُتر کر وتر پڑھنے کا منقول ہے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اور ابن عمر کے عمر میں بھی تعارض پایا گیا۔ جواب۔۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر وتر پڑھنے کا عمل مبارک وجوب سے پہلے پر محمول ہے اور ابن عمر کا عمل بھی اسی پر محمول ہے کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا عمل وجوب کے بعد والا نیچے اتر کر وتر پڑھنے کا معلوم نہ ہوا تھا اُس وقت تک ابن عمر سواری پر پڑھتے رہے پھر علم ہو جانے کے بعد اتر کر پڑھنا شروع فرما دیا۔۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وجوب ہی کے قول میں اور نیچے اتر کر پڑھنے والے قول میں ہی احتیاط ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔

باب الوتر فی السفر

غرض ا۔سفر میں بھی وتر کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اِس سے بھی وجوب کے قول کی تائید ہوتی ہے۔۲۔ حضرت ضحاک کے قول کو رد کرنا مقصود ہے جو اس کے قائل تھے کہ سفر میں وتر مسنون نہیں ہیں

باب القنوت قبل الرکوع و بعده

غرض۔ا۔قنوت کا وقت بتلانا ہے کہ قبل الرکوع بھی ثابت ہے بعد الرکوع بھی وتر میں بھی غیر وتر میں بھی۔۲۔اس شخص کا رد مقصود ہے جو کہتا ہے کہ قنوت بدعت ہے۔

قنت بعد الرکوع یسیراً

ا۔سیدھا کھڑے ہو جانے کے تھوڑی دیر بعد پڑھتے تھے یعنی پورا اعتدال فی القیام پائے جانے کے بعد شروع فرماتے تھے۔
۲۔ایک مہینہ پڑھی ہے زیادہ عرصہ نہیں پڑھی۔

الی قوم من المشرکین دون اولئک و کان بینھم وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عھد

یعنی اہل نجد کی طرف قراُ ارسال فرمائے تھے جن کو مشرکین کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اُن اہل نجد کی طرف یہ قراء حضرات تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں رعل وذکوان وغیرہ تھے جن سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ اِن معاہدین نے عہد شکنی کی اور ان کو شہید کر دیا پھر ان عہد شکنی کرنے والوں پر ایک ماہ بددعاً فرمائی۔ اہل نجد کی طرف تبلیغ کے لئے پہنچ ہی نہ سکے۔ بخاری شریف جلد ثانی کتاب المغازی میں اس کی تفصیلی روایت آتی ہے۔

قنوت وتر قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع

عند اما منا ابی حنیفته و مالک قنوت وتر قبل الرکوع ہے وعند الشافعی بعد الرکوع ہے وعند احمد اختیار ہے۔
لنافی الصحیحین عن عاصم الا حول سألتُ انس بن مالک عن القنوت فی الصلوة کان قبل الرکوع او بعده قال قبل الرکوع انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد الرکوع شھراً و للشافعی روایة ابن ماجة سئل انس بن مالک عن القنوت فقال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد الرکوع جواب یہ قنوت نازلہ ہے۔

قنوت سارا سال ہے یا نہ

عند الشافعی قنوت وتر میں صرف رمضان المبارک کے نصف اخیر میں مسنون ہے سارا سال مسنون نہیں ہے وعند الجمھور سارا سال ہی پڑھنی ضروری ہے وللجمھور گذشتہ مسئلہ والی عاصم احول والی روایت **وللشافعی روایة ابی داؤد عن اُبی بن کعب موقوفاً وکان یقنت فی النصف الآخر من رمضان** جواب۔ یہ قنوت نازلہ ہے کیونکہ رمضان شریف میں دعا قبول ہوتی ہے اور نصف اخیر زوال قمر کے دن ہیں ان دنوں کے مناسب ہے زوال کفار کی دعاء۔

قنوت نازلہ میں دوام ہے یا نہ

عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد دوام مسنون نہیں ہے وعند الشافعی و ما لک دوام مسنون ہے۔لنا۔**فی الترمذی عن ابی ما لک الا شجعی قال قلتُ لا بی یا ابت انک قد صلیتَ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان و علی ھھنا با لکوفۃ نحواً من خمس سنین کا نو ایقنتون قال ای بُنَیَّ مَحدث** مراد دوام کا بدعت ہونا ہے کیونکہ نفس قنوت نازلہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔ **و للشافعی و ما لک روایتہ ابی داؤد عن انس انہ سُئِل ھل قنتَ النبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الصبح فقال نعم** جواب یہ پڑھنا صرف ایک مہینہ مراد ہے اس کی دلیل ابوداؤد ہی کی روایت ہے۔**عن انس مرفوعاً قنت شھرا ثم ترکہ**

کان القنوت فی المغرب و الفجر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی ہے تاکہ جلدی قبول ہو جائے پھر یہ آیت نازل ہوئی **لیس لک من الامر شیء** تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دی امام طحاوی نے فرمایا کہ مغرب میں قنوت نازلہ کا منسوخ ہونا۔بالاجماع ہے اسی پر فجر کو بھی قیاس کریں گے۔سوال۔اس باب کی بعض روایات میں قنوت نازلہ ہے حالانکہ باب تو قنوت وتر میں ہیں جواب۔مغرب وتر النہار ہے اس پر وتر اللیل کو قیاس کریں گے۔

ابواب الا ستسقاء یعنی یہ ابواب استسقاء کے احکام کے۔بیان میں ہیں۔استسقاء کے لغوی معنیٰ پانی مانگنا اپنے لئے یا دوسرے کے لئے اور شریعت میں طلب الماء من اللہ تعالےٰ عند حصول الجدب علیٰ وجہ مخصوص پھر استسقاء بالاتفاق مستحب ہے البتہ طریق استسقاء میں اختلاف ہے عن امامنا ابی حنیفۃ روایتان۔۱۔ استسقاء کی حقیقت صرف دعاء ہے ۲۔استسقاء کی تین صورتیں ہیں۔صرف دعاء میں صرف نماز۔نماز اور دعاء۔

دونوں کو جمع کرنا وعند الشافعی یہ مثل صلوٰۃ العید کے ہے وعند الجمہور نماز اس میں ضروری ہے۔ ہماری دلیل صرف دعاء والے قول کی۔۱۔**فی ابی داؤد وعن عمیر مولیٰ ابی اللحم مرفوعاًید عوا یستسقی رافعاً یدیہ.** ۲۔**فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا** اور ہماری دوسری روایت کی دلیل مذکورہ دونوں دلیلیں مع روایت **ابی داؤد عن عباد بن تمیم عن عمہ مرفوعاً خرج بالناس یستسقی فصلیٰ بھم رکعتین و للجمھور** یہی روایت عباد والی **وللشافعی روایۃ ابی دائود عن ابن عباس مرفوعاً ثم صلی رکعتین کما یصلی فی العید** جواب امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف سے یہ ہے کہ یہ عموم بلویٰ یعنی عام معاملہ میں ایک دو کی روایت کافی نہیں ہوتی دوسری روایت کی طرف سے جواب یہ ہے کہ آپ کی یہ روایتیں حصر پر دلالت نہیں کرتیں یہ بھی استسقاء ہے صرف دعاء بھی مصداق ہے۔

با ب الا ستسقاء و خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الا ستسقاء

غرض یہ کہ استسقاء کے لئے کھلے میدان میں نکلنا مسنون ہے

باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف

غرض کافروں پر بددعاء کرنا جائز ہے سوال ابواب تو استسقاء کے چل رہے ہیں ان میں یہ دعاء مناسب نہیں ہے۔جواب۔۱۔ لوگوں کے حق میں دعاء کرنے کو امام بخاری قیاس فرما رہے ہیں لوگوں کے خلاف دعاء کرنے پر جیسے اس فائدہ کی دعاء جائز ہے ایسے ہی یہ بھی جائز۔۲۔کافروں کا کمزور ہونا یہ مسلمانوں کے واسطے فائدہ ہے جیسے اس فائدہ کی دعاء جائز ہے ایسے ہی استسقاء کی دعا بھی جائز ہے۔۳۔کافر قحط کی وجہ سے مجبور ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعاء کرانے آتے تھے تو یہ قحط کی دعا سبب ہے

استسقاء کی دعا کا اس مناسبت سے استسقاء کے بابوں میں اِس باب کو ذکر فرمایا چنانچہ اس باب کی حدیث کے اخیر میں کا فروں کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا مذکور ہے۔

وقد مضت الدخان والبطشته واللزام و آیة الروم

یعنی یہ سب صورتیں گذر چکی ہیں۔ دخان سے مراد وہ دھواں ہے جو بھوک کی وجہ سے کفار قریش کو اوپر دیکھنے سے محسوس ہوتا تھا۔ اور بطشہ سے مراد غزوہ بدر میں کفار کا قتل ہونا ہے اور لزوم میں ایک قول یہ ہے کہ عطف تفسیری ہے اس سے مراد بھی قتل مذکور ہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ بدر میں کفار کا قید ہونا مراد ہے اور آیۃ الروم کا مصداق یہ ارشاد پاک ہے **وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین** کہ اب تو رومی عیسائی مغلوب ہوئے ہیں چند سالوں کے بعد رومی غالب آئیں گے ساتھ یہ بھی تھا **یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ** چنانچہ غزوہ بدر ہی کے دن رومی غالب آئے اور مولائے کریم قادر مطلق کی پیشین گوئی حرف بحرف روشن دن کی طرح پوری ہوئی اور یہ سب چیزیں گذر چکی ہیں۔ قرب قیامت کے متعلق نہیں ہیں اِسی لئے فرما رہے ہیں قد مضت۔

باب سوال الناس الامام الاستسقأ اذا قحطوا

غرض یہ ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ قحط کے موقعہ پر امام سے درخواست کریں کہ وہ استسقاء کی دعاء کریں۔

یستسقی الغمام بوجھه

یہ ایسے ہیں کہ ان کے چہرے کے توسل سے بارش طلب کی جاتی ہے یہی محل ترجمہ ہے کہ جب ان کے توسل سے دعاء قبول ہوتی ہے تو خود اِن سے درخواست کرنا کہ دعاء کریں بطریق اولیٰ مستحسن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہر بادشاہِ وقت سے درخواست کرنا مستحسن ہے۔

ثمال:۔ کھانا کھلانے والا۔

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه کان اذا قحطوا ستسقی بالعباس

امام بخاری کی غرض اس روایت کو لانے سے یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عباس کو مثل امام وقت شمار فرمایا جب ان سے دعاء کی درخواست کرنا مستحسن ہے تو امامِ وقت سے بطریق اولیٰ مستحسن ہے۔ پھر اس حدیث میں جو صراحۃً صورت ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت عباس سے درخواست کی جاتی تھی دعاء کی وہ دعاء فرماتے تھے اور بارش ہو جایا کرتی تھی اس صورت کے جائز ہونے پر تو اجماع ہے اس کے قریب قریب دوسری صورت توسل بالذوات کی ہے کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے ہماری دعا قبول فرماویں اس کے جائز ہونے پر جمہور سلف وخلف تو جمع اور متفق ہیں۔ صرف ابن تیمیہ کا شاذ قول اس کے جائز نہ ہونے کا ہے۔ صحیح جمہور ہی کا قول ہے کئی وجہ سے۔ ا۔ سلف وخلف کے اتفاق کی وجہ سے اس کو اجماع یا قریب اجماع کے کہا جا سکتا ہے اس کے مقابلہ میں ابن تیمیہ کا قول شاذ ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ہے ۲۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ مجھے اِسی مسئلہ میں کچھ شبہ ہوا تو شبہ دور کرنے کے لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت توسل بالذوات کے مسئلہ میں کچھ شبہ ہے اُس وقت آواز نہ پہچانی نابینا ہو چکے تھے فرمایا کون پوچھتا ہے عرض کیا اشرف علی فرمایا آپ پوچھتے ہیں۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں بس دوبارہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن اتنی گفتگو سے ہی میری سمجھ میں مسئلہ آ گیا۔

؎ اے لقاء تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

پھر بے پوچھے ہی ایسا حل ہوا کہ ابن تیمیہ بھی ہوں تو قائل ہو جائیں رہ اس طرح کہ توسل بالاعمال تو اجماع ثابت ہے جس کا ذکر بخاری شریف کی روایت میں بھی ہے کہ تین آدمی بارش میں ایک غار میں بیٹھے تو ایک بڑا پتھر اوپر آ گیا تینوں نے اپنے اپنے

اعمال ذکر کر کے دعا مانگی تو ہٹ گیا توسل بالذوات بھی اسی کے حکم میں ہے کیونکہ اس کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص آپ کا پیارا ہے اُس سے ہمیں محبت ہے اور اولیاء اللہ سے محبت عبادت ہے اس عبادت کی برکت سے ہماری دعاء قبول فرمادیں۔ ابن تیمیہ چونکہ بڑے درجہ کے عالم تھے اس لئے ان کا احترام کرتے ہوئے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اصل انکار اِس صورت کا کیا کہ بعض لوگوں کی نیت یہ ہوتی ہے کہ جس بزرگ کا توسل کیا جاتا ہے وہ دعاء قبول کرانے میں کوئی دخل دیتا ہے یہ نیت واقعی ناجائز ہے پھر انتظام کے طور پر مطلقاً توسل بالذوات سے منع کر دیا۔۳۔ **عمل الیوم واللیلة لا بن السّنی** میں مرفوعاً روایت ہے **اللھم انی اسئلک بحق السائلین** اس روایت کو حافظ عراقی نے مغنی میں حسن کے درجہ کی روایت قرار دیا ہے اس سے توسل بالذوات ثابت ہوا۔۴۔ **و کانوا یستفتحون علی الذین کفروا** کے ماتحت متعدد تفاسیر میں لکھا ہے کہ خیبر اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی اور یہود مدینہ نبی آخر الزمان کے توسل سے فتح طلب کیا کرتے تھے۔ جب ولادت سے بھی پہلے توسل جائز ہے تو وفات کے بعد بھی جائز ہونا چاہئے۔۵۔ منقول حضرت عباس کی دعاء میں یوں ہے وقد توجہ القوم بی الیک لمکانی من نبیک انتھی تو اس میں توسل میں فرق ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ حضرت عمر کے اِس توسل سے اموات کے توسل کی نفی نہیں ہوتی اور حضرت عباس سے جو توسل فرمایا تو اس میں توسل بالذوات اور طلب دعاء دونوں کو جمع کرنا تھا۔

باب تحویل الرداء فی الاستسقاء

غرض اس شخص کا رد ہے جو تحویل رداء کا انکار کرتا ہے۔

کان ابن عیینه: ا۔ یہ تعلیق ہے۔۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گذشتہ سند میں جو استاد ہیں ان کے واسطہ سے ابن عیینہ کا قول نقل کرنا مقصود ہے۔

با ب انتقام الرب عزوجل من خلقه بالقحط اذا انتهک محارمه

غرض یہ ہے کہ قحط اللہ تعالےٰ کی طرف سے انتقام اور عذاب ہوتا ہے اس لئے اس میں کثرت سے استغفار ہونا چاہئے۔ پھر اس باب میں کوئی مسند روایت بھی نقل نہ فرمائی اور نہ ہی کوئی تعلیق ذکر فرمائی وجہ ا۔ طالب کا امتحان مقصود ہے اور مناسب حضرت ابن مسعود والی روایت ہے جو عنقریب گذری ہے جس میں حضرت ابوسفیان کا دعاء کی درخواست کرنا بھی مذکور ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔۲۔ ارادہ تھا کِسی روایت کے ذکر کرنے کا مگر نہ ملی جو بلا تکرار ذکر فرما سکتے۔

باب الا ستسقاء فی المسجد الجامع

غرض یہ ہے کہ استسقاء کے لئے عیدگاہ وغیرہ کی طرف نکلنا ضروری نہیں ہے مقصود صرف اجتماع ہے خوف اور امید کے ساتھ یہ چیز جامع مسجد میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

سلع: مدینہ منورہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ **حوالینا**: حوال بمعنیٰ حول کا تثنیہ ہے جس کے معنیٰ طرف کے ہیں دونوں طرف بول کر چاروں طرف مراد ہے۔

والآجام: بعض نسخوں میں جبال کے بعد والآجام بھی ہے اس کی تحقیق میں دو قول ہیں۔ا۔ اَجمۃ کی جمع اُجُم اور اس کی جمع آجام ہے معنیٰ جھاڑی اور گھنے درخت کے ہیں۔۲۔ اُجُم کی جمع ہے جس کے معنیٰ قلعہ کے ہیں۔

باب الا ستسقاء فی خطبة الجمعة غیر مستقبل القبلة

غرض یہ ہے کہ استسقاء کو جمعہ ہی میں درج کر دینا بھی صحیح ہے۔

دار القضاء: پورا نام یہ تھا دار قضاء دَین عمر کہ حضرت عمر ضرورت کے موقعہ میں بیت المال سے قرضہ لے لیتے تھے پھر اُس قرضہ کو ادا کرنے کے لئے گھر کو بیچا گیا اور قرضہ ادا کیا گیا۔

دار قضاء القاضی مراد نہیں ہے

باب الاستسقاء علی المنبر

غرض یہ ہے کہ منبر پر استسقاء کی دعاء مانگ لینا بھی جائز ہے۔

لا یمطرون: بعض نسخوں میں یہاں لاحرف نفی کے

ساتھ لایمطر ون چھپا ہوا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ لانہیں ہے یمطر ون ہے یعنی یمین وشمال کے علاقوں میں بارش ہو رہی تھی۔

باب من اکتفی بصلوٰۃ الجمعۃ فی الاستسقاء

نیت کرے یا نہ کرے جمعہ کی نماز میں صلوٰۃ استسقاء داخل ہو جاتی ہے۔ یہی مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے۔

فانجابت: پھٹ گئے بادل۔

باب الدعاء اذا تقطعت السبل من کثرۃ المطر

غرض یہ ہے کہ جیسے بارش طلب کرنے کے لئے دعاء جائز ہے۔ ایسے ہی بارش بند کرنے کے لئے بھی دعاء جائز ہے۔

باب ما قیل ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحول رداءہ فی الاستسقاء یوم الجمعۃ

غرض یہ ہے کہ جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں چادر نہیں بدلی ان کے لئے بھی دلیل موجود ہے جمعہ کی قید اس لئے لگائی کہ تحویل رداء جو آتی ہے وہ عیدگاہ میں آتی ہے۔

با اذا استشفعوا الی الامام یستسقی لھم لم یردھم

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے جائز نہیں ہے کہ طلب استسقاء کو رد کردے سوال۔ عنقریب اسی مضمون کا باب گذرا ہے جواب وہاں لوگوں کا فعل بتلانا مقصود تھا اور یہاں امام پر جو کچھ واجب ہے اس کا بیان مقصود ہے۔ پھر باب کے بعض نسخوں میں لم یردھم سے پہلے واو بھی ہے ولم یردھم اس صورت میں جزاء محذوف ہوگئی ای فھوا لصحیح اور واو عطف کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور حالیہ بھی ہوسکتا ہے۔

باب اذا استشفع المشرکون بالمسلمین عند القحط

جواب حدیث کی بنا پر ذکر نہیں فرمایا فلیجیبوا غرض یہی ہے کہ اگر مسلمانوں سے کافر درخواست کریں طلب مطر کی دعاء کی تو مسلمانوں کو قبول کر لینی چاہئے خصوصاً ایسے موقعہ میں جبکہ دعاء قبول ہونے سے اسلام کی عظمت ظاہر ہونے کی امید ہو۔

فُسقُوا الناس حَولھم

الناس کا نصب تخصیص کی وجہ سے ہے اعنی الناس حول اہل المدینۃ۔

باب الدعاء اذا کثر المطر حوالینا ولا علینا

غرض بارش بند ہونے کی دعاء کا طریقہ بیان فرمانا ہے۔ سوال۔ اسی مضمون کا باب پیچھے بھی گذرا ہے جواب۔ وہاں دعاء کا جواز بیان فرمانا تھا اور یہاں دعاء کا طریقہ بتلانا مقصود ہے۔

تکشطت: خالی ہوگیا مدینہ منورہ

باب الدعاء فی الاستسقاء قائما

غرض یہ ہے کہ یہ دعاء کھڑے ہو کر مانگنا ہی اولیٰ ہے وجہ۔ ۱۔ کھڑا ہونا تواضع سے زیادہ قریب ہے۔ ۲۔ تاکہ لوگ دیکھیں اور وہ بھی اس امام کا اقتداء کریں۔ ۳۔ کھڑے ہونے سے اہتمام ہو جاتا ہے اور دعاء قابل اہتمام ہے۔

باب الجھر بالقراءۃ فی الاستسقاء

غرض صلوٰۃ استسقاء میں قراءت کا حکم بیان فرمانا ہے کہ جہراً ہونی چاہئے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے۔

باب کیف حول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ظھرہ الی الناس

غرض پشت پھیرنے کا طریقہ بیان فرمانا ہے۔ پھر امام بخاری نے تصریح نہ فرمائی کہ کیسے پشت پھیری تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات مشہور ومعروف تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے اس لئے سب سمجھ جائیں گے کہ دائیں طرف سے پھرنے کی صورت پائی گئی۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء رکعتین

غرض رکعات کی گنتی بیان کرنا ہے۔

باب الاستسقاء فی المصلی

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ عید گاہ میں استسقاء مستحب ہے۔
سوال۔ یہ مضمون تو پیچھے گذرا ہے باب الخروج الی الا ستسقاء
جواب یہ باب اخص ہے کیونکہ اس میں مصلّی کی قید ہے۔

باب استقبال القبلة فی الاستسقاء

غرض یہ کہ قبلہ رخ ہو کر دعاء کرنا مستحب ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ خطبہ کے دوران بھی اگر دعاء کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ قبلہ رخ ہو جائے۔**ابن زید ھذا مازنی والاول کوفی**:۔ دوراویوں کے درمیان فرق بیان فرمانا چاہتے ہیں لیکن اولیٰ یہ تھا کہ **باب الدعاء فی الا ستسقاء قائماً** میں بیان فرماتے کیونکہ وہاں دونوں روایوں کا ذکر تھا۔

باب رفع الناس ایدیهم مع الا مام فی الاستسقاء

غرض کیا ہے دوقول ہیں۔ا۔ یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ امام اور مقتدی سب رفع یدین کر کے دعاء کریں۔۲۔ اس شخص پر رَد ہے جو کہتا ہے کہ صرف امام کا دعاء کر لینا ہی کافی ہے۔

باب رفع الا مام یده فی الاستسقاء

غرض رفع کی کیفیت کا بیان ہے کہ خوب بلند اٹھانے چاہئیں اور گذشتہ باب میں صرف رفع کا ذکر تھا۔

باب ما یقال اذا مطرت

غرض یہ ہے کہ حدیث والے الفاظ کہنا مستحب ہے۔

باب من تمطر فی المطر حتی یتحادر علی لحیة

غرض یہ ہے کہ بارش میں کچھ دیر کھڑے ہو جانا مستحسن ہے کیوں۔ا۔اس کا اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق ہے خصوصی رحمت لے کر آتی ہے۔۲۔ ابھی تک کسی گنہگار ہاتھ نے اس کو چھوا نہیں ہے۔۳۔ ابھی تک یہ اس زمین تک نہیں پہنچی جس پر غیر اللہ کی عبادت کی گئی۔**الجوبته**: گول حوض۔**قناة**:۔ ایک وادی کا علم ہے اسی لئے غیر منصرف ہے تانیث اور علمیت کی وجہ سے۔
بالجود:۔جَود کے معنیٰ مطر کثیر کے ہیں۔

باب اذا هبت الریح

غرض یہ ہے کہ جب آندھی آئے تو کیا کرنا اور کیا پڑھنا چاہئے۔ استغفار کرے اور نزول عذاب سے پناہ مانگے۔سوال استسقاء کے بابوں میں آندھی کا ذکر تو مناسب نہیں تھا۔جواب۔ مناسب تھا کیونکہ آندھی عموماً بارش سے پہلے یا بعد آیا کرتی ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم نُصرت بالصبا

غرض اور ربط یہ ہے کہ جب ہوا کا ذکر ہوا تو اس کی اقسام کا ذکر بھی مناسب تھا کہ کبھی ہوا ہلاک کرنے کے لئے آتی ہے کبھی امداد کے لئے آتی ہے۔پھر حدیث پاک میں اشارہ پایا گیا کہ اپنی فضیلت بطور فخر کے تو جائز نہیں لیکن بطور تحدیث بالنعمت کے جائز ہے۔

باب ما قیل فی الزلازل والآیات

غرض غیب کی خبر کا ذکر ہے اور ربط یہ ہے کہ زلزلے بھی آندھی کی طرح ہیں دونوں میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ جو توبہ اور خشوع و خضوع کا سبب بنتا ہے۔

وبها یطلع قرن الشیطان

یہ اس لئے فرمایا کہ نجد کا علاقہ مدینہ منورہ سے مشرق میں واقع ہے پھر ترک دعاء کی وجہ یہ ہے کہ جب علم یقینی سے ایک کام کا واقع ہونا معلوم ہو جائے تو پھر اس کے خلاف دعاء کرنا خلاف ادب ہے۔

باب قول الله تعالیٰ وتجعلون رزقکم انکم تکذبون

غرض اور ربط یہ ہے کہ ا۔ بارش تو موضع شکر ہے اس کو ناشکری سے کافر بدلتے ہیں ہمیں ایسا نہ کرنا چاہئے۔۲۔ نوء کو سبب قرار دینا اسلام کے خلاف ہے۔

باب لا یدری متی یجیئی المطر الا الله

غرض اور ربط یہ ہے کہ جب یہ ذکر فرمایا کہ بارش اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے تو اب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے۔

خمس لا یعلمها الا الله

اِن پانچ کا قرآن میں بالتخصیص کیوں ذکر ہے۔ا۔اس لئے کہ یہ امہات الدنیا والآخرہ ہیں کیونکہ معاملہ آخرت کا ہوگا یا دنیا کا ثانی علم الساعۃ ہوگیا اور اول یا تو ابتداء سے متعلق ہوگا تو مافی الارحام اور انتہاء سے تو بای ارض تموت اور درمیان سے تو پھر دو حال سے خالی نہیں اختیار کا اِس سے کچھ تعلق ہوگا یا نہ تعلق ہو تو ماذا تکسب غدا اور نہ ہو تو ینزل الغیث. ۲۔ ان پانچ چیزوں کے متعلق لوگ کثرت سے پوچھا کرتے تھے۔۳۔ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہم ان پانچ چیزوں کو جانتے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو جو باتیں بتلائی جاتی ہیں وہ ابناء غیب ہوتی ہیں علم الغیب نہیں ہوتیں کیونکہ علم غیب کے معنیٰ بلا اسباب کے جاننا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے سوال اس حدیث پاک میں قیامت کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔ا۔ ماذا تکسب غدا میں آ گیا۔۲۔ اصل روایت میں تھا۔ کسی راوی نے اختصاراً چھوڑا ہے کیونکہ اِسی حدیث کے بعض طرق میں ذکر قیامت کا بھی ہے۔

کتاب الکسوف:۔ غرض کسوف وخسوف کا احکام بیان کرنا ہے۔ کسوف وخسوف میں فوائد وحکم۔ا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار کہ اتنے بڑے جسموں میں تصرف فرمایا۔۲۔ ازالہ غفلت کہ عذاب سے بے خوف نہ رہو۔۳۔ قیامت کا دکھانا کیونکہ قیامت میں یہ دونوں بے نور کر کے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔۴۔ پھر دوبارہ صحیح ہو جانے میں اشارہ ہے کہ توبہ سے امید معافی کی ہونی چاہئے۔۵۔ پکڑ کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے کہ جب چاند اور سورج کو بلا گناہ پکڑا جاسکتا ہے تو گناہ کی وجہ سے پکڑے جانے کا بہت زیادہ احتمال ہے۔

باب الصلوٰۃ فی کسوف الشمس

غرض یہ ہے کہ سورج گرہن میں نماز مشروع ومسنون ہے۔ پھر ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری نے حنفیہ کا مسلک لیا ہے اس مسئلہ میں کہ کسوف میں رکوع ایک ہے ہر رکعت میں یا زائد کیونکہ زائد رکوع والی روایت کو صدقہ فی الکسوف میں ذکر فرمایا ہے صلوٰۃ فی الکسوف میں ذکر نہ فرمایا۔

کسوف نماز میں رکوع ایک ہے یا زائد

عند امامنا ابی حنیفۃ ایک رکوع ہر رکعت میں وعند الجمہور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں لنا روایۃ ابی داؤد عن قبیصۃ مرفوعاً فاذا رأ یتموھا فصلوا کا حدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ و للجمھور روایۃ ابی داؤد عن جابر مرفوعاً فکان اربع رکعات واربع سجدات جواب۔ا۔ ہماری قولی ہے آپ کی روایت فعلی ہے قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ آپ کی روایت میں راوی زیادہ تر بچے اور عورتیں ہیں ہماری روایت میں زیادہ تر راوی مرد ہیں۔ جماعت کے مسئلہ میں مردوں کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔۳۔ جب کسوف کی روایتیں دونوں قسم کی ہیں تو عام نماز کو دیکھ کر ترجیح ہوگی اور عام نماز میں ایک رکوع ہر رکعت میں ہوتا ہے۔

کسوف شمس کی نماز کی قرأت سری ہے یا جہری

عند احمد جہری ہے وعند الجمہو رسری ہے ولنا۔ روایتہ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعاً لا نسمع لہ صوتاً ولا حمد روایۃ النسائی عن سمرۃ مرفوعاً جہر فرمانا مذکور ہے۔ کسوف شمس میں جواب یہ بعض کلمات کا جہر ہے تعلیماً کہ میں پڑھ رہا ہوں۔

باب الصدقۃ فی الکسوف

غرض یہ کہ کسوف میں صدقہ مستحب ہے ما من احدا غیر من اللہ:. سوال۔ غیرت کے معنیٰ ہیں ہیجان الغضب لارتکاب القبیح اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔ جواب۔ مبدا بول کر غایت مراد ہے یعنی منع فرمانا۔

باب النداء بالصلوٰۃ جامعۃ فی الکسوف

غرض یہ ہے کہ الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان مستحب ہے اور اس

پر اجماع ہے کہ اذان واقامت صلوٰۃ الکسوف میں نہیں ہیں۔ **ان الصلوٰۃ جامعۃ**: یہ عبارت مختلف طرق سے منقول ہے۔۱۔ان کی تخفیف اور دونوں کا نصب اعلان یوں ہے الصلوٰۃَ جامعۃً ای احضروا الصلوٰۃَ حال کو نہا جامعۃ۔۲۔ نون کی تخفیف اور دونوں کا رفع اعلان یوں ہے الصلوٰۃُ جامعۃ مبتدأ اور خبر ہیں۔۳۔نون کی تشدید اعلان یوں ہے اِنّ الصلوٰۃ جامعۃً دونوں کا نصب ای ان الصلوٰۃ حاضرۃ حال کونہا جامعۃ۔۴۔ نون کی تشدید پہلے لفظ کی نصب دوسرے کی رفع اعلان یوں ہے انّ الصلوٰۃَ جامعۃ انّ کے اسم وخبر ہیں۔۵۔نون کی تخفیف پہلے لفظ کا رفع دوسرے کا نصب الصلوٰۃُ جامعۃ ای الصلوۃ حاضرۃ حال کو نہا جامعۃ ۶۔اُن کے بغیر دونوں کا رفع اعلان یوں ہے الصلوٰۃُ جامعۃ مبتدا اور خبر ہیں۔

باب خطبۃ الا مام فی الکسوف

غرض کسوف میں خطبہ کا استحباب بیان کرنا ہے اور یہی امام شافعی کا مسلک ہے امام مالک کے نزدیک کسوف میں خطبہ نہیں ہے اور ہمارے امام صاحب اور امام احمد کی اس مسئلہ میں دو دو روایتیں ہیں منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن عائشتہ مرفوعاً ثم قام فاثنیٰ علی اللہ بما ھوا ھلہ ثم قال انتھی اِس میں خطبہ مرفوعاً کسوف میں مذکور ہے امام شافعی کے نزدیک یہ سنیت پر دال ہے امام مالک کے نزدیک ضرورت پر محمول ہے اصل سنت نہیں ہے۔ چونکہ ہماری دونوں روایتیں ہیں اس لئے ترجیح دینے کی ضرورت نہیں دونوں احتمال ہیں۔**فقلت لعروۃ**:۔ای قال الزھری فقلتُ۔**انّ اخاک** :۔یعنی عبداللہ بن الزبیر۔ **مثل الصبح** :۔ صلوٰۃ الکسوف حضرت عبداللہ بن الزبیر کی فجر کی نماز کی طرح تھی دو چیزوں میں ۔۱۔ ہر رکعت میں ایک رکوع تھا۔۲۔قراءت زیادہ لمبی نہ تھی۔لانہ اخطاء السنتہ :۔ سوال۔اتنے بڑے صحابی کو خطا کار کہہ دینا تو توہین ہے جواب۔ بھائی تھے ادلال اور ناز میں کہہ دیا حقیقت یہی ہے کہ راجح مسلک اس موقعہ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر ہی کا تھا کئی وجہ سے۔۱۔وہ صحابی ہیں اور عروۃ بن الزبیر تابعی ہیں صحابی تابعی سے زیادہ سنت کو سمجھنے والا ہوتا ہے۔۲۔حضرت عبداللہ بن الزبیر کے ساتھ بہت سے صحابہ وتابعین نے نماز پڑھی تھی کسی کا انکار منقول نہیں ہے۔۳۔حضرت عبد اللہ بن الزبیر نے حدیث پر عمل فرمایا تھا صلّوہ کا حدث صلوٰۃ صلتیموھا من المکتوبۃ جیسا کہ مرفوعاً ابوداؤد میں قبیصۃ الھلالی سے منقول ہے۔

باب ھل یقول کسف الشمس او خسفت

غرض یہ ہے کہ شمس وقمر دونوں کے گرہن پر یہ دونوں استعمال کرنے جائز ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخوف اللہ عبادہ بالکسوف

غرض امام بخاری کی اُن اہل ہیئت پر رد ہے جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ چاند گرہن اور سورج گرہن تو عادی چیزیں ہیں ان میں کوئی تخویف نہیں ہے کیونکہ یہ عین حساب کے مطابق ہوتے ہیں حساب سے آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ وجوہ رد کی متعدد ہیں ا۔اسباب کے خالق بھی تو اللہ تعالےٰ ہیں۔۲۔چونکہ نماز اور صدقہ وغیرہ کا ذکر ہے یہ علامت تخویف کی ہے اور نقل کو عقل پر ترجیح ہے۔۳۔امر عادی بھی تو تخویف کا ذریعہ بن سکتا ہے کیونکہ بعض عادی امور موت اور قیامت کو یاد دلاتے ہیں جیسے النوم اخ الموت۔آندھی کا چلنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف طاری کر دیتا تھا۔

گفتہ یونانیاں پیغام نفس است وہوا
حجت ایمانیاں فرمودہ پیغمبر است

باب التعوذ من عذاب القبر فی الکسوف

غرض یہ ہے کہ یہ تعوذ کسوف کے موقعہ میں مستحب ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر ہو وجہ مناسبت کی کیا ہے۔ا۔دونوں میں اندھیرا ہوتا ہے قبر اور خسوف قمر میں بھی۔۲۔دونوں میں ڈر لگتا ہے۔۳۔خسوف

میں نجات مل جانے سے امید نجات کی قبر میں بھی ہوتی ہے۔

عائذاً باللہ مِن ذلک: ترکیب اور معنیٰ ۔ا۔ مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے اعوذ عائذ اً باللہ ۲۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور حال واقع ہو رہا ہے اعوذ عائذ اً باللہ۔ ۳۔ ایک روایت میں مرفوع ہے پھر خبر ہے مبتدا محذوف کی انا عائذ باللہ پھر اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سرّاً پناہ مانگا کرتے تھے اب حضرت عائشہ کے پوچھنے کے بعد جہراً پناہ مانگنی شروع فرمادی۔ ۲۔ پہلے آپ کو اجمالی علم دیا گیا تھا اب قدرے تفصیل نازل ہوگئی اس لئے جہراً پناہ مانگنی شروع فرمادی تا کہ امت کا عقیدہ مکمل ہو جائے اور گناہوں سے بچنے کے لئے خوف پیدا ہو۔

باب طول السجود فی الکسوف

غرض بعض مالکیہ پر رد ہے جو فرماتے ہیں کہ صرف قیام لمبا ہونا چاہئے سجدے چھوٹے ہونے چاہیں۔ رد فرمادیا کہ سجدہ لمبا کرنا بھی مستحب ہے۔

باب صلوٰۃ الکسوف جماعۃ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ کسوف میں جماعت مسنون ہے۔ **فی صُفۃ زمزم:** ۔ا۔ مسجد نبوی والا چھپر مراد ہے جس میں بے گھر مہاجرین رہتے تھے۔ ۲۔ مکہ مکرمہ میں بیر زمزم کا چھپر مراد ہے۔ **رائیت الجنتہ:** ۔ا۔ پردے ہٹادئے گئے۔ ۲۔ تصویر جنت کی سامنے کی دیوار میں دیکھی۔

باب صلوٰۃ النساء مع الرجال فی الکسوف

غرض ان پر رد کرنا ہے جو عورتوں کے شریک ہونے کو ناجائز کہتے ہیں اور گھر میں اکیلی پڑھنے ہی کو جائز سمجھتے ہیں لیکن فتنہ سے امن ہونا بہر حال ضروری ہے۔

باب من احب العتاقۃ فی کسوف الشمس

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے۔ سوال یہ تو ہمیشہ ہی مستحب ہے جواب۔ چونکہ حدیث میں یہ قید ہے اس لئے یہ قید لگائی گویا استحباب میں حدیث کی وجہ سے تاکد آ گیا۔

باب صلوٰۃ الکسوف فی المسجد

غرض یہ کہ مسجد میں بھی جائز ہے سوال۔ اِس باب کی حدیث میں مسجد کا ذکر نہیں ہے جواب مسلم کی روایت میں اور بخاری شریف میں باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر کی روایت میں مسجد کا ذکر ہے اُن روایتوں کا لحاظ کرتے ہوئے قید لگائی ہے۔

باب لا تنکشف الشمس لموت احد ولا لحیاتہ

غرض جاہلیت کی مشہور بات کا رد ہے کہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن ہوتا ہے۔ **باب الذکر فی الکسوف:** ۔ غرض یہ ہے کہ کسوف میں ذکر زبان سے اور دل سے مستحب ہے۔ دل سے ذکر یہ ہے کہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ ان کی ذات' صفات انعامات' احکام' عنایات' شفقت' رحمت' عذاب وغیرہ سوچتا رہے اور ان کو راضی کرنے کی فکر ہر وقت لگی رہے۔ کسی قسم کی آواز دل سے آنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یخشی ان تکون الساعۃ

سوال۔ قیامت کی نشانیوں میں سے تو نزول عیسیٰ علیہ السلام بھی ہے۔ مثلاً تو اس سے پہلے تو قیامت آنے کا احتمال نہ تھا پھر خوف قیامت کا کیوں ہوا۔ جواب ا۔ غلبہ خوف کی وجہ سے اِس طرف توجہ نہ ہوئی اور تھوڑی دیر کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی نشانیوں کو بھول گئے۔ ۲۔ یہ جو حدیث پاک میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا ڈر ہوا یہ راوی کی اپنی رائے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسا کوئی لفظ ارشاد نہ فرمایا تھا۔ ۳۔ راوی صرف تشبیہ دے رہے ہیں کہ ایسا زیادہ خوف ہوا جیسے قیامت کا خوف ہوتا ہے۔

باب الدعاء فی الخسوف

غرض یہ کہ خوف میں دعاء مستحب ہے۔

باب قول الامام فی خطبۃ الکسوف اما بعد

غرض یہی مسئلہ بتلانا ہے کہ خطبہ کسوف میں اما بعد کہنا مستحب ہے۔

باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر

غرض یہ کہ چاند گرہن میں بھی نماز مسنون ہے پھر عند الشافعی

واحمد جماعت چاند گرہن میں مسنون ہے وعند امامنا ابی حنیفۃ و مالک مستحب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب عن ابی بکرۃ مرفوعاً ان الشمس و القمر آیتان من آیات اللہ انتہیٰ ہمارے نزدیک دونوں کا اکٹھا ذکر نماز کی وجہ سے ہے اُن کے نزدیک نماز باجماعت کی وجہ سے ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے دو وجہ سے۔۱۔ رات خصوصاً آدھی رات جماعت کا اہتمام مشکل ہوتا ہے۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خسوف قمر میں جماعت منقول نہیں ہے۔ پھر امام بخاری بھی بظاہر ہمارے ساتھ ہیں کیونکہ یہاں جماعت کا لفظ باب میں نہ رکھا اور کسوف شمس میں رکھا ہے۔

باب صب المرأۃ علی راسها الماء اذا طال الا مام القیام فی الرکعته الاولیٰ

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ سر پر پانی ڈالنا بھی جائز ہے۔ غنودگی دور کرنے کے لئے پھر حدیث ذکر نہ فرمائی وجہ۔۱۔ سات باب پہلے باب صلوٰۃ النساء مع الرجال فی الکسوف والی حدیث پر اکتفاء فرمایا۔۲۔ بیاض چھوڑی کہ بعد میں کوئی روایت درج کر دونگا لیکن نہ مل سکی اب مناسب وہی روایت ہے جو سات باب پہلے ذکر فرمائی۔

باب الرکعة الاولی فی الکسوف اطول

غرض میں دو قول۔۱۔ پہلی رکعت لمبی ہونی چاہئے۔۲۔ پہلا رکوع لمبا ہونا چاہئے۔

باب الجهر بالقراء ۃ فی الکسوف

غرض کسوف کی نماز کی قراءت میں جہر ہے اختلاف پیچھے گذر چکا ہے۔

باب ماجاء فی سجود القران و سنتها

غرض سجدہ تلاوت کا طریقہ بتلانا ہے۔ سجود تلاوت کی مشروعیت تو بالا جماع ہے لیکن درجہ میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک وجوب ہے کہ چھوڑنے سے گناہ ہوگا اور فدیہ بھی مرنے کے بعد ایک نماز کے برابر ہے یعنی ایک صدقہ فطر فی سجدہ جمہور کے نزدیک مسنون ہے چھوڑنے سے گناہ نہ ہوگا اور مرنے کے بعد فدیہ بھی نہیں ہے منشاء اختلاف سورہ علق والی سجدہ کی آیت ہے۔ اس میں سجدہ کا امر ہے یہ امر ہمارے نزدیک وجوب پر اور ان کے نزدیک استحباب پر محمول ہے۔ ترجیح ہمارے قول کو ہے دو وجہ سے۔۱۔ اصل امر میں وجوب ہے۔۲۔ سورہ انشقاق میں جو سجدہ کی آیت ہے اس میں ترک سجدہ کو ترک ایمان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ترک ایمان تو انتہائی قبیح ہے اس لئے ترک سجدہ بھی بہت قبیح ہے یہ علامت وجوب کی ہے۔ **غیر شیخ** یہ شیخ امیہ بن خلف ہے جیسا کہ کتاب التفسیر فی البخاری میں تصریح ہے۔ **فرایتہ**: یہ دیکھنے والے حضرت ابن مسعود ہیں۔

باب سجدۃ تنزیل السجدۃ

غرض یہ ہے کہ اس سورت میں بھی سجدہ کی آیت ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

باب سجدۃ ص

غرض یہ ہے کہ یہ سجدہ ضروری نہیں ہے۔ **اختلاف**:۔ عندالشافعی سورہ ص میں سجدہ نہیں ہے وعن الجمہور ہے منشاء اختلاف حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ص لیس من عزائم السجود وقد رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسجد فیها ہمارا استدلال یوں ہے کہ مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ فرمانا ثابت ہوگیا۔ امام شافعی کا استدلال یوں ہے کہ ابن عباس فرما رہے ص لیس من عزائم السجود جواب یہ حضرت ابن عباس کا اپنا اجتہاد ہے۔ مرفوع روایت کے مقابلہ میں صحابی کے اجتہاد پر عمل نہیں ہوسکتا۔

سورہ حج کے دوسرے سجدہ میں اختلاف

عندامامنا و مالک سورہ حج میں ایک سجدہ ہے وعندالشافعی واحمد دو سجدے ہیں دلیلنا۔ دوسرے موقعہ پر نماز مراد ہے کیونکہ رکوع اور سجدہ دونوں کا اکٹھا ذکر ہے اور امر کے صیغوں سے ہے اور بالا جماع اکیلا رکوع ثابت نہیں لامحالہ نماز والا رکوع ہے اور اس کے ساتھ ہی سجدہ کا ذکر ہے اِس لئے یہ سجدہ بھی نماز والا ہی ہے۔ پس

جیسے جابجا قرآن پاک میں اقیموا الصلوة ہے اس پر کسی کے نزدیک بھی سجدہ نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی سجدہ نہیں ہے وللشافعی واحمد۔۱۔ فی ابی داؤد عن عمرو بن العاص مرفوعاً فی سورة الحج سجدتان جواب۔ اس کی سند میں الحارث اور ابن مُنَیْن دو راوی مجہول ہیں۔۲۔ ان کی دوسری دلیل فی ابی داؤد عن عقبة بن عامر قلتُ لرسول الله صلی الله علیه وسلم فی سورة الحج سجدتان قال نعم و من لم یسجد هما فلا یقرأ هما جواب۔ اس روایت میں دو راوی ابن لهیعة اور ابن هاعان ضعیف ہیں۔

مفصلات کے سجدوں کا اختلاف

عند مالک مفصلات میں سجدہ نہیں ہے سورہ حجرات سے لے کر اخیر تک کی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں۔ عند الجمہور مفصلات میں تین سجدے ہیں سورہ نجم میں سورہ انشقاق میں اور سورہ علق میں وللجمهور فی ابی داؤد و البخاری عن عبدالله بن مسعود مرفوعاً قرأ سورة النجم فسجد بها و فی ابی داؤد عن ابی هريرة سجدنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی اذا السماء انشقت واقرأباسم ربک الذی خلق و لما لک روایة ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً لم یسجد فی شی من المفصل منذ تحول الی المدینة جواب یہ اپنے علم کے مطابق فرما رہے ہیں۔

سجدوں کے اختلاف کا خلاصہ

تینوں اختلافوں کا لحاظ کرتے ہوئے ائمہ اربعہ کے مذاہب یوں ہیں عند امامنا ابی حنیفة ۱۴۔ سجدے ہیں۔ ص اور مفصلات میں چار سورہ حج میں ایک باقی ۱۹ اجماعی۔ وعند الشافعی ۱۴۔ سجدے ص کا نہیں اس کی جگہ سورہ حج کے دو۔ وعند احمد ۱۵۔ ص کا بھی اور حج کے بھی دو وعند مالک ۱۱۔ ہمارے والے ۱۴۔ میں سے تین مفصلات کے نکال دیں تو باقی ۱۱ بچ گئے۔

باب سجود المسلمین مع المشرکین و المشرک نجس لیس له وضوء

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ سجدہ تلاوت بلا وضوء جائز ہے امام بخاری کے نزدیک سجدہ تلاوت بلا وضوء صحیح ہے وعند الشعبی سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ دونوں بغیر وضوء صحیح ہیں وعند الجمہور دونوں میں سے کوئی بھی بغیر وضوء صحیح نہیں ہے۔ وللجمهور ولا تصل علی احد منهم مات ابداً اس آیت میں حق تعالیٰ نے نماز جنازہ کو بھی صلوٰة سے تعبیر فرمایا ہے اور ابو داؤد میں عن ابی الملیح عن ابیه (اسامته بن عمیر) مرفوعاً لا یقبل الله صدقته من غلول و لا صلوٰة بغیر طهور اس لئے نماز جنازہ میں وضوء ضروری ہے اور سجدہ نماز کا ایسا رکن ہے جو کبھی ساقط بھی نہیں ہوتا اور نماز کے علاوہ اکیلا بھی مشروع ہے اس لئے نماز کے لئے وضوء کی شرط سجدہ کے لئے بھی شرط ہے وللشعبی نماز جنازہ کی حقیقت صرف دعاء ہے اور دعاء کے لئے بالا جماع وضوء ضروری نہیں اس لئے نماز جنازہ کے لئے بھی وضوء ضروری نہیں ہے۔ جواب قرآن پاک میں چونکہ صلوٰة کا اطلاق آیا ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔ قرآن پاک کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا سجدہ تلاوت میں امام بخاری اور امام شعبی کی دلیل۔۱۔ فی البخاری حدیث الباب عن ابن عباس مرفوعاً سجد با لنجم و سجد معه المسلمون و المشرکون و الجن والا نس استدلال یوں ہے کہ مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہ فرمایا کہ بلا وضوء سجدہ نہ کرو معلوم ہوا کہ بلا وضوء سجدہ کرنا صحیح ہے۔ دوسری وجہ استدلال کی یہ بھی ہے کہ صحابی ابن عباس نے مشرکین کے فعل کو سجدہ سے تعبیر فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان کا سجدہ شرعی سجدہ تھا اور معتبر سجدہ اور شرعی سجدہ کے لئے وضوء کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب۔۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو منع نہ فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرتے تھے اس لئے ان کو منع فرمانا فضول تھا۔ باقی رہا صحابی کا ان کے فعل کو سجدہ کہنا تو اس کی وجہ صرف تشبہ بالسجدہ تھی۔۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مشرکین کا سجدہ کرنا تجلی قہری کی وجہ سے تھا اور اضطراری تھا۔ اور کلام سجدہ اختیاریہ میں ہو رہی ہے اس لئے اس واقعہ سے استدلال نہیں

ہوسکتا۔۲۔امام بخاری وشعبی کی دوسری دلیل حدیث الباب ہے تعلیقاً وکان ابن عمر رضی الله عنهما یسجد علی غیر وضوء جواب۔ بخاری شریف ہی کے ایک نسخہ کی عبادت یوں ہے کان ابن عمر رضی الله عنهما یسجد علی وضوء اذا تعارضا تسا قطا۔۲۔ یہ حضرت ابن عمر کا اپنا اجتہاد ہے اور اس اجتہاد میں ان کی تائید شعبی کے سوا کسی نے نہیں کی۔اس لئے یہ اجتہاد شذوذ کے درجہ میں ہے۔۳۔تیسرا جواب یہ ہے کہ بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ عن ابن عمر موقوفاً ہے لایسجد الرجل الا وھو طاھر فاذا تعارضا تساقطا۔۴۔بیہقی کی روایت کو دیکھتے ہوئے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابن عمر کے قول وفعل میں تعارض پایا گیا ایسے موقعہ میں قول کو ترجیح ہوتی ہے۔۵۔علامہ عینی نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ ترک وضوء ابن عمر کا عذر اور اضطرار پر محمول ہے۔علامہ عینی کی یہ تقریر تطبیق پر دلالت کرتی ہے۔۶۔دونوں دلیلوں کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ احتیاط وجوب وضوء والی روایت و دلائل کو ترجیح دینے میں ہے۔

مشرکین کے سجدہ کی وجہ

اس سجدہ کی وجہ تجلی قہری تھی اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ جس قلم اور دوات سے سورہ نجم لکھی جارہی تھی اس نے بھی سجدہ کیا اور درختوں نے بھی سجدہ کیا اور بخاری شریف کی حدیث الباب میں جن وانس کا سجدہ کرنا مذکور ہے پھر یہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔بعض حضرات کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ مشرکین نے بتوں کو سجدہ کیا تھا اس کی تفصیل بخاری شریف جلد ثانی میں آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ پھر جس مشرک نے تکبر کیا اور صرف مٹی اٹھا کر ماتھے کو لگالی اس کو بہت جلدی سزا دے دی گئی اور غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔اس سے بھی حنفیہ کے قول ہی کی تائید ہوتی ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے۔

باب من قرأ السجدة ولم یسجد

غرض یہ ہے کہ سجدہ کی آیت پڑھ کر اسی وقت سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے **فلم یسجد فیھا**: بعض حضرات نے اس روایت میں استدلال کرلیا کہ جب تلاوت کرنے والا سجدہ نہ کرے تو سامع بھی نہ کرے کیونکہ اس زیر بحث روایت میں حضرت زید بن ثابت تالی ہیں انہوں نے سجدہ نہ کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو اس روایت کے واقعہ میں سامع تھے سجدہ نہ فرمایا۔جواب احتمال ہے کہ یہ مسئلہ ظاہر ہوجائے کہ سجدہ علی الفور ضروری نہیں ہے۔ان دو احتمالوں کے ہوتے ہوئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

باب سجدة اذا السماء انشقت

غرض رد کرنا ہے امام مالک پر جو فرماتے ہیں کہ مفصلات سجدہ نہیں ہے۔

باب من سجد سجود القاری

غرض اس شخص کا قول ذکر کرنا ہے جو سننے والے پر سجدہ واجب ہونے کی شرط یہ قرار دیتا ہے کہ پڑھنے والا بھی سجدہ کرے لیکن یہ قول شاذ ہے اس لئے کہ مدار تو سماع پر ہے وہ پایا گیا قاری سجدہ کرے یا نہ کرے پھر جو تعلیق ذکر کی قول ابن مسعود کہ قاری سے فرمایا اسجد فانک امامنا فیھا تو اس سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو عمل میں اتباع ہے وجوب میں تو اتباع نہیں اور کلام وجوب میں ہے۔

باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدة

غرض میں دو قول :۱-ایسی بھیڑ کرنی جائز ہے۔۲-ترغیب ہے سجدہ جلدی کرنے کی۔

باب من رای ان الله عزو جل لم یوجب السجود

غرض جمہور کے قول کی تائید ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں بخلاف حنفیہ کے قول کے کہ ان کے نزدیک واجب ہے دوسرے لفظوں میں حنفیہ کی تردید مقصود ہے **فمن دلالته لفظ الحدیث المسند و من لم یسجد فلااثم علیه** جواب:۱-فوراً سجدہ کرنے کی نفی ہے۔۲-وجوب میں احتیاط ہے سوال یہ مسند حدیث تو موقوف ہے جواب اصاب سے مراد اصاب السنة ہے چنانچہ بعض نسخوں میں یہاں اصاب السنة ہی ہے اس لئے حدیث مرفوع ہوگئی اس لئے امام

بخاری کا اصول باقی رہا کہ وہ صرف مرفوع احادیث کو مسند لائے ہیں۔

کانه لایوجبه علیه:۔ حضرت عمران بن حصین فرمارہے ہیں کہ قصداً سنے یا بلا قصد کان میں آواز پڑ جائے دونوں صورتوں میں سامع پر سجدہ واجب نہیں ہے۔ جواب۔۱- یہ ان کا اجتہاد ہے۲-صرف سامع پر وجوب کی نفی ہے اصل اختلاف تو تالی پر وجوب میں ہے۔

وقال سلمان مالهذا غدونا

بیہقی میں اس کی تفصیل ہے مرّ سلمان علی قوم قعود فقرا واالسجدة فقیل له فقال لیس لهذا غدونا ۔اس سے بھی استدلال کرنا مقصود ہے جواب۔۱- یہ ان کا اجتہاد ہے کہ قصداً سننے پر وجوب ہے ہم کہتے ہیں کہ مدار سماع پر ہے کہ سن لے اور پتہ چل جائے کہ سجدہ کی آیت پڑھی ہے۔۲-اس سے تلاوت کرنے والے پر وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔

وقال عثمان انماالسجدة علی من استمعها

جواب۔۱- یہ ان کا اجتہاد ہے‘ ۲- تالی پر وجوب کی نفی نہیں ہوتی اور اصل کلام اسی میں ہے۔

فان کنت راکبا فلاعلیک حیث کان وجهک

جواب یہ امام زہری کا اجتہاد ہے کہ سجدہ میں استقبال قبلہ ضروری نہیں جبکہ سواری پر سوار ہو۔

وکان السائب بن یزید لایسجد لسجود القاص

جواب۔ یہ ان کا اجتہاد ہے۔

زاد نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما ان الله لم یفرض السجود الاان نشاء

۱- یہ ابن عمر کا قول ہے۲- یہ عمر فاروق کا ارشاد ہے جواب بھیڑ میں علی الفور واجب نہیں ہے۔

باب من قرأ السجدة فی الصلوٰة فسجد بها

غرض امام مالک کے قول کا رد ہے کہ نماز میں سجدہ کی آیت پڑھنا مکروہ ہے۔

باب من لم یجد موضعاً للسجود من الزحام

غرض بھیڑ میں سجدہ کرنے کی تین صورتوں کی طرف اشارہ ہے ۱-اگلے آدمی کی پشت پر کرے‘ ۲-موخر کردے۔۳-اشارہ سے سجدہ کرے۔

ابواب تقصیر الصلوٰة

آیت قصر **واذاضر بتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا. واذا کنت فیهم فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم طائفة منهم معک. الآیة**۔ لفظ مبینا تک آیت القصر کہلاتی ہے اس آیت القصر کی چار اہم تفسیریں ہیں۔۱- جمہور مفسرین اور جمہور فقہاء نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ یہ آیت قصر سفر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں جو قید ہے **ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** یہ قید اتفاقی ہے اور قصر سے مراد گنتی کی قصر ہے یعنی چار رکعت کی جگہ ظہر‘ عصر اور عشاء میں دو رکعت پڑھی جائیں ہیئت کی تبدیلی مراد نہیں ہے جیسی کہ صلوٰۃ الخوف میں ہوتی ہے کہ پہلے ایک جماعت امام کے ساتھ پڑھے پھر دوسری جماعت پڑھے اس پہلے قول کے لئے چند مرجحات ہیں۔۱- ابوداؤد کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کو صدقہ قرار دیا ہے اس سے جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ رکعات کی کمی مراد ہے۔۲- حدیث ذی الیدین میں یہ لفظ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کی جگہ دو رکعت پڑھ لی تھیں تو ذی الیدین نے عرض کیا اقصرت الصلوٰۃ ام نسیت معلوم ہوا کہ قصر کا لفظ عدد کی گنتی میں استعمال ہوتا ہے اس سے بھی جمہور کی تفسیر کی تائید ہوئی۔۳- قصر بمعنی تغییر الہیئۃ اس آیت قصر کے بعد والی آیت میں مذکور ہے **واذاکنت فیهم فاقمت لهم الصلوٰة الآیة** اسلئے آیت قصر کے بھی یہی معنیٰ کئے جائیں کہ نماز پڑھنے کے طریقہ کی تبدیلی مراد ہے تو پھر دونوں آیتوں کے ایک ہی معنیٰ بن جائیں گے اور دوسری آیت پہلی آیت کی تاکید ہی بن جائے گی اور اگر جمہور کی تفسیر لی جائے کہ پہلی آیت

میں رکعات کی کمی ہے اور دوسری آیت میں طریقہ کی تبدیلی ہے تو پھر دوسری آیت میں تاسیس ہوگی اور بلاغت کے اصول میں تاسیس اولیٰ ہوتی ہے تاکید سے اس لحاظ سے بھی جمہور کی تفسیر راجح ہے۔ دوسرا قول:۔ اس کے قائل مجاہد اور ضحاک وغیرہ ہیں کہ سفر کی قید اتفاقی ہے اور قصر والی آیت کا نزول خوف کے موقعہ میں ہوا تھا پھر اگرچہ خوف نہ رہا اور اسلام کو غلبہ نصیب ہوا لیکن حکم وہی دو رکعت والا باقی رہا۔ جیسے طواف میں رمل عمرۃ القضاء میں کافروں کو مسلمانوں کی شجاعت دکھانے کے لئے جاری ہوا تھا کہ بھاگ کر اور اکڑ کر طواف کریں لیکن یہی طریقہ قیامت تک باقی رکھا گیا۔ ایسے ہی چار کی جگہ دو رکعت گو خوف کی وجہ سے شروع ہوئی تھیں لیکن بعد میں بھی باقی رکھی گئیں امام بخاری کے طرز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ آیۃ القصر کو صلوۃ الخوف کے ابواب میں ذکر فرمایا ہے قصر فی السفر کے ابواب جواب چل رہے ہیں ان میں ذکر نہیں فرمایا اور تفسیر ابن جریر کی ایک روایت کے الفاظ سے بھی اس دوسرے قول کی تائید ثابت ہوتی ہے وہ روایت حضرت عمرؓ سے ہے موقوفاً انما القصر صلوۃ المخافته کہ قصر کے معنی تو صلوٰۃ الخوف کے ہیں گویا صلوٰۃ القصر اور صلوٰۃ الخوف کو ایک ہی قرار دیا۔ تیسرا قول:۔ بعض مفسرین کا یہ بھی ہے کہ یہاں دو علتیں ہیں ایک سفر اور ایک خوف جب دونوں علتیں جمع ہونگی تو قصر کی بھی دونوں صورتیں جمع ہو جائیں گی گنتی کے لحاظ سے بھی دو رکعتیں ہونگی اور ہیئت بھی بدل جائے گی اور جب دونوں میں سے ایک علت ہوگی تو پھر صرف قصر گنتی کے لحاظ سے ہوگی۔

چوتھا قول امام جرجانی کا ہے:۔ وہ یہ ہے کہ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا علیحدہ کلام ہے۔ یہ قصر سابق کی شرط نہیں ہے اس کی جزاء محذوف ہے وہ یہ ہے فاقم لھم یا محمد صلوٰۃ الخوف اور حق تعالیٰ کا ارشاد پاک ان الکافرین کانوا لکم عدواً مبینا یہ جملہ معترضہ ہے اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی سے منقول ہے کہ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا یہ ایک سال بعد نازل ہوا اس آیت سے واذا ضربتم فی الارض۔

قصر کیسی ہے:۔ عندنا امامنا ابی حنیفته قصر اسقاط ہے چار رکعت پڑھنا گناہ ہے وعند الجمہور قصر رخصت ہے کہ سفر میں بھی چار رکعت پڑھنا اولیٰ اور عزیمت ہے۔ لنا۔ ۱۔ فی ابی داؤد عن عائشته موقوفاً فاقرت صلوۃ السفر و زید فی صلوۃ الحضر۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن عمر مرفوعاً صدقته تصدق اللہ عزوجل بھا علیکم فاقبلوا صدقته۔ صدقہ قرار دینا بھی چاہتا ہے کہ چار پڑھنی جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو رد کرنا جائز نہیں ہے اور فاقبلوا امر کا صیغہ بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے و للجمہور روایته الدار قطنی عن عائشته مرفوعاً افطرو صمتُ وقصروا تممتُ فقلتُ بابی وامیّ افطرتُ وصمتُ و قصرتُ واتممتُ فقال احسنتِ یا عائشته جواب۔ قال ابن تیمیته ھذا حدیث کذب علی عائشته:

باب ماجاء فی التقصیر و کم یقیم حتی یقصُر

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ کتنے دن ٹھہرنے کی نیت سے سفر ختم ہو جاتا ہے اور مسئلہ اختلافی ہے عند امامنا ابی حنیفته پندرہ دن کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا اس سے کم دنوں کی نیت میں قصر کرے گا وفی روایۃ للشافعی اٹھارہ دن کی نیت کرے گا تو اتمام اس سے کم میں قصر وفی روایة عن الشافعی و مذھب مالک و مذھب احمد چار دن سے زائد کی نیت کرے گا تو اتمام اور چار دن اور اس سے کم میں قصر ہے۔ ولنا فی الطحاوی عن ابن عباس وابن عمر موقوفاً پندرہ دن کی نیت کرو تو پوری نماز پڑھو اور دلیل الشافعی اٹھارہ دن والے قول کے لئے روایة ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً اقام سبع عشرة بمکة یقصر الصلوۃ قال ابن عباس و من اقام سبع عشرة قصر ومن اقام

اکثر اتم جواب یہ الفاظ حضرت ابن عباس کے اجتہاد کو صراحۃً بیان کررہے ہیں۔ کہ اس مقام پر جو کچھ فرمایا اجتہاد سے فرمایا۔ ہماری روایت نقل مرفوعاً پر دال ہے اس لئے ہماری روایت کو ترجیح ہے۔ ودلیل مالک واحمد روایت البخاری وابی داؤد عن انس خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المدینۃ الی مکۃ فکان یصلی رکعتین حتی رجعنا الی المدینتہ فقلنا ھل اقمتم بھا شیئا قال اقمنا بھا عشراً ان دس دنوں کی تفصیل یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجۃ کو مکہ مکرمہ پہنچے آٹھ ذی الحجۃ کو منیٰ روانہ ہو گئے۔ ۹ کو عرفات شام کو مزدلفہ دس کو منیٰ شام کو مکہ شام کو ہی واپس منیٰ تیرہ کو مکہ اور چودہ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ روانگی ہوگئی تو زیادہ سے زیادہ چار دن اکٹھا ٹھہرنا ہوا اس لئے چار دن اور کم میں قصر ہونی چاہئے چار دن سے زائد میں اتمام ہونی چاہئے جواب یہ ہے کہ یہ روایت حنفیہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہم حنفیہ بھی تو چار دن میں قصر ہی کے قائل ہیں چار سے زائد کا اتمام یہاں مذکور ہی نہیں۔ اس لئے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے۔

باب الصلوٰۃ بمنیً

غرض منیٰ میں نماز کا حکم بیان کرنا ہے اور حکم صراحۃً بیان نہیں فرمایا کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ عند مالک القصر لا حکام الحج یعنی ہر حاجی منیٰ میں قصر کرے گا۔ اگرچہ مقیم ہو وعند الجمھو رصرف مسافر قصر کرے گا وللجمھو را۔ واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصر وامن الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا اس آیت کی تفسیر جمہور کے نزدیک یہی ہے کہ سفر کی قید احترازی ہے اور خوف کی قید واقعی ہے۔۲۔ فی ابی داؤد عن عائشۃ موقوفاً فاقرت صلوٰۃ السفر و زید فی صلوٰۃ الحضر معلوم ہوا کہ مدار قصر کا سفر ہے۔ حج نہیں ہے۔ ولمالک ابوداؤد اور صحیحین کی روایت جو حدیث الباب ہے عن حارثتہ بن وھب قال صلّی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم امن ماکان بمنیً رکعتین. استدلال یوں ہے کہ حضرت حارثہ مکی تھے پھر بھی انہوں نے دو رکعتین پڑھیں جواب۔۱۔ ان کا مکی ہونا ثابت نہیں ہے۔۲۔ یہ کہاں ہے کہ بعد میں اٹھ کر دو رکعت نہ پڑھی تھیں۔

صرف یہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باجماعت دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ اگر یہ مکی تھے تو ظاہر یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ دو رکعتیں انہوں نے ضرور پڑھی ہوں گی جیسا کہ ہر مقیم مسافر کے پیچھے کرتا ہے۔۳۔ اگر بالفرض یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ مکی بھی تھے اور انہوں نے جماعت کے ساتھ دو رکعت پڑھ کر پھر کوئی رکعت نہ پڑھی تھی تو پھر بھی یہ ان کا اجتہاد ہی شمار ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِس پر مطلع ہونا اور ان کا رنہ کرنا مذکور نہیں ہے۔ ثم اتمھا۔ یعنی حضرت عثمان پہلے منیٰ میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے پھر چار رکعت پڑھنی شروع فرمادیں ایسا کرنے کی وجہ کیا تھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔ ان کے زمانہ خلافت میں لوگ بہت دور دور سے حج کرنے آئے تھے تو ان کی خاطر حضرت عثمان نے اقامت کی نیت کر لی تھی تا کہ مقیم ہونے کی وجہ سے پوری نماز پڑھیں کیونکہ اگر دو رکعتین پڑھتے تو وہ دور دور سے آنے والے یہ سمجھتے کہ ظہر۔ عصر۔ عشاء کی رکعتیں ہیں ہی دو جیسا کہ ابوداؤد میں ہے عن الزھری ان عثمان بن عفان اتم الصلوٰۃ بمنیً من اجل الاعراب. ۲۔ منیٰ کے علاقہ کو بوجہ وہاں نکاح فرمانے کے وطن اصلی بنا لیا تھا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ عن ابراھیم قال ان عثمان صلّٰی اربعاً لا نہ اتخذھا وطنا. ۳۔ وہاں جاگیر خریدنے کی وجہ سے اِس علاقہ کو وطن اصلی بنا لیا تھا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے عن الزھری قال لما اتخذ عثمان الا موال بالطائف وار ادان یقیم بھا صلی اربعاً. ۴۔ کسی کام کے لئے وہاں اقامت کی نیت فرمائی تھی جیسا کہ ابوداؤد میں ہے عن الزھری ان عثمان انما صلی بمنیً ابعاً لانہ اجمع علی الاقامۃ بعد الحج

باب کم اقام النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة

غرض ان دنوں کی گنتی کا بیان ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر گذارے۔

باب فی کم یقصر الصلوٰة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ کتنی دور جانے کی نیت سے مسافر بنتا ہے ہمارے امام ابوحنیفہ سے وہ مقدار منقول ہے جس کا اندازہ آجکل کے ۴۸ میل انگریزی سے کیا گیا ہے وعند الجمھو راندازہ ۴۸ میل پرانے کیا گیا ہے پرانا میل انگریزی میل سے ایک فرلانگ یعنی میل کا آٹھواں حصہ زائد تھا۔ منشاء اختلاف یہ ہے کہ سفر کے احکام میں تین دن کا ذکر ہے مثلاً یہ کہ مسافر تین دن مسح علی الخفین کرسکتا ہے۔ اور تین دن کا سفر عورت بلا محرم نہیں کرسکتی۔ معلوم ہوا کہ تین دن کا سفر کم از کم ہونا ضروری ہے پھر اس کا اندازہ ائمہ نے اپنی اپنی فراست سے فرمایا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ترجیح کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے امام صاحب کی فراست کا بڑھا ہوا ہونا سب فقہاء کے نزدیک مسلم ہے۔

باب یقصر اذا خرج من موضعه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سفر کی نیت سے جب اپنی بستی سے باہر نکل جاتا ہے تو سفر کے احکام شروع ہوجاتے ہیں اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

تاولت ماتاوّل عثمان رضی الله عنه

حضرت عثمان کے چار رکعت منیٰ میں پڑھنے کی چار توجیہیں عنقریب گذر چکی ہیں۔ بعض حضرات نے دو تاویلیں اور بھی کی ہیں۔ ۱۔ ان کے نزدیک قصر و اتمام دونوں جائز تھے۔ ۲۔ ان کا اجتہاد یہ تھا کہ جب سفر میں چل رہا ہو تو قصر کرے اگر ایک دو دن ٹھہر گیا ہو تو اتمام کرے چار اور دو چھ توجیہیں ہوگئیں ان میں سب سے زیادہ قوی یہ ہے کہ اس علاقہ میں نکاح فرمالیا تھا اور اس بناء پر وہ وطن اصلی بنالیا تھا کیونکہ مسند احمد اور مسند ابی یعلیٰ میں روایت ہے عن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب ان عثمان بن عفان صلی بمنیً اربع رکعات فانکرہ الناس علیه فقال یاایھا الناس انی تاھلتُ بمکته منذ قدمتُ وانی سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من تاھل فی بلد فلیصل صلوٰة المقیم انتھیٰ وحسّنه مولانا ظفر احمد فی اعلاء السنن یہ روایت حنفیہ کے اس قول کی بھی تائید کرتی ہے کو یہ قصر قصرِ اسقاط ہے قصرِ رخصت نہیں ہے کیونکہ یہ نہ فرمایا کہ جب قصر رخصت ہے تو اعتراض کیوں کیا جارہا ہے۔

حضرت عائشہ کیوں اتمام فرماتی تھیں

۱۔ اجتہاد فرمایا کہ میں ماں ہوں سب گھر میرے ہیں لیکن اس توجیہ پر اشکال ہے کہ حضرت ابی بن کعب کی قرأت یوں ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجه امھا تھم و ھواب لھم الآیة۔ پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصر فرماتے تھے تو حضرت عائشہ کا اتمام مناسب نہ رہا۔ اس لئے یہ توجیہ کمزور ہے۔ ۲۔ حضرت عائشہ کے نزدیک قصر صرف حج، عمرہ اور غزوہ میں تھی۔ یہ توجیہ بھی کمزور شمار کی گئی ہے کیونکہ یہ قول ان سے منقول نہیں اور پھر جو سفر حضرت علیؓ کی طرف فرمایا اس میں بھی اتمام ہی منقول ہے حالانکہ وہ ایک قسم کا ان کے نزدیک غزوہ کا سفر تھا۔ ۳۔ فی النسائی عن عائشة قالت یارسول الله بابی انت وامی قصرت و اتممت و افطرت وصمت فقال احسنت یا عائشه وماعاب علی فقیل حدیث صحیح لیکن اس پر بھی اعتراض کیا گیا ہے قال ابن تیمیه ھذا الحدیث کذب علی عائشة اور یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ صرف معافی اور چشم پوشی کا درجہ تھا کہ میری اجازت کے بغیر تو نے کیوں ایسا کیا اس لئے استدلال مناسب نہیں کہ ان کے نزدیک قصر رخصت تھی۔ ۴۔ فی تفسیر القرطبی من عائشة انھا کانت تقول فی السفر اتموا صلوٰتکم فقالوا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان

یقصر فقالت انه کان فی حرب و کان یخاف وھل انتم تخافون انتھیٰ معلوم ہوا ان کے نزدیک صرف خوف میں قصر تھی۔۵- فی البیھقی عن عائشة موقوفاً کہ جس کو سفر میں مشقت نہ ہو اس کے لئے اتمام افضل ہے گویا قصر صرف مشقت میں لازمی ہے بلا مشقت سفر میں قصر رخصت ہے۔ ان سب تو جیہات میں سے چوتھی زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔ باب یصلی المغرب ثلاثاً فی السفر: غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مغرب میں قصر نہیں ہے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے۔

باب صلوٰة التطوع علی الدواب حیثما توجھت به

۱- غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ نوافل سواری پر پڑھنا جائز ہے لیکن سفر ہو یا آبادی سے خارج ہو۔

باب الایماء علی الدابـة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سواری پر اشارہ کے ساتھ نفل پڑھنے جائز ہیں اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے

باب ینزل للمکتوبـة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ فرض چھوٹی سواری پر نہیں ہوتے البتہ فقہاء نے چند صورتیں مستثنیٰ قرار دی ہیں مثلاً۔۱- دشمن سے جان کا خطرہ ہو۲- دشمن سے مال کا خطرہ ہو۳- درندہ سے جان کا خطرہ ہو۴- ڈاکو سے جان یا مال کا خطرہ ہو۵- قافلہ سے رہ جانے کا خطرہ ہو۔ راستہ گم ہو جانے کا خطرہ ہو۔

باب صلوٰة التطوع علی الحمار

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ حمار پر نماز صحیح ہے پھر خاص گدھے کو کیوں ذکر فرمایا۔ ۱- حدیث میں اس کا ذکر تھا۔۲- یہ شیطان کو دیکھ کر ہنہناتا ہے شبہ ہوسکتا تھا کہ شیطان سے خصوصی تعلق کی وجہ سے شاید اس پر نماز صحیح نہ ہو اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔ ۳- یہ اشارہ کرنے کے لئے کہ اس کا پسینہ پاک ہے۔

باب من لم یتطوع فی السفر د بر الصلوٰة و قبلھا

بعض نسخوں میں قبلھا نہیں ہے غرض یہ کہ سنن رواتب غیر موکدہ ہو جاتی ہیں نوافل غیر رواتب بھی سفر میں پڑھنے ثابت ہیں اور سنن رواتب یعنی جو روزانہ فرض کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں وہ بھی بعض دفعہ پڑھی ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ صرف تاکید ختم ہوئی ہے یہ معنیٰ نہیں کہ پڑھنی جائز ہی نہیں اور حنفیہ کا زیادہ تر فتویٰ یہ ہے کہ جب ایک دو دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو تو تاکید ختم نہیں ہوتی۔ بالفعل سفر کر رہا ہو تو تاکید ختم ہوتی ہے۔

باب من تطوع فی السفر فی غیر دبر الصلوٰة و قبلھا

غرض یہ ہے کہ گذشتہ باب میں نفی صرف رواتب کی تھی وہ بھی فجر کی دو سنت کے سوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو سنتیں سفر میں پڑھا کرتے تھے۔ افضل طرز یہ ہے کہ چل رہا ہو تو رواتب چھوڑ دے ایک دو دن ٹھہرا ہوا ہو تو نہ چھوڑے اور نہ پیدل چلنے میں پڑھے نہ سواری پر پڑھے یہی رواتب۔

باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء

غرض میں دو قول ہیں۔۱- جمع بین الصلوٰتین سفر میں جائز ہے اور ربط ماقبل و مابعد سے یہ ہے کہ پہلے قصر پھر جمع بین الصلوٰتین اور پھر صلوٰة قاعداً کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ تینوں صورتیں عذر پر محمول ہیں اور ان میں اصلی نماز سے کچھ کوتاہی ہے۔۲- غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ احادیث میں صرف جمع صوری ہے کیونکہ آگے ایک باب چھوڑ کر تاخیر ظہر کی تصریح ترجمة الباب میں مذکور ہے۔ اختلاف:۔ عندا ماما ابی حنیفة حج کے دو موقعوں میں تو بالا جماع جمع بین الصلوٰتین ہے اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ عندالجمھو رسفر اور مطر کی وجہ سے جمع بین الصلوٰتین جائز ہے ان میں سے امام احمد کے نزدیک مرض کی وجہ سے بھی جائز ہے۔ لنا۔۱- ان الصلوٰة کانت علی المومنین

کتابا موقوتا. ۲۔فی الترمذی عن ابن عباس مرفوعاً من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقداتی بابا من ابواب الکبائر اور عذر حدیث. پاک میں صرف نوم ونسیان ہیں۔ وللجمہور روایۃ الباب عن انس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین صلوۃ المغرب والعشاء فی السفر اور سفر ہی پر مطر کو اور عند احمد مرض کو بھی قیاس کیا جائے گا۔جواب۔ احادیث میں جو جمع آ رہی ہے یہ جمع صوری ہے ظہر کو پیچھے کرنا اور اخیر وقت میں پڑھنا اور عصر کو شروع وقت میں پڑھنا ایسے ہی مغرب کو اخیر وقت اور عشاء کو شروع وقت میں پڑھنا مراد ہے۔اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً جمع بین الظھر و العصر و المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولامطر اس روایت میں لفظ بالمدینۃ سے سفر کی نفی ہوئی اور والامطر سے بارش کی نفی ہوئی اور من غیر خوف سے مرض کی نفی ہوئی لامحالہ اس روایت کو جمع صوری ہی پر محمول کرنا پڑے گا اس سے ظاہر ہو گیا کہ سفر میں بھی جمع صوری ہی ہوتی تھی۔دوسری دلیل اسی بات کی کہ روایت میں جہاں بھی جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے وہاں جمع صوری ہے سوائے حج کے دو اجماعی موقوں کے وہ دوسری دلیل بھی ابوداؤد کی ایک روایت ہے عن ابن عمر موقوفاً حتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتیٰ غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر صنعت مثل الذی صنعتُ اس روایت میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمع صوری ہی فرمایا کرتے تھے۔

باب ھل یوذن اویقیم اذا جمع بین المغرب والعشاء

غرض اشارہ کرنا ہے اس حدیث کی طرف جس میں ابن عمر کا عمل منقول ہے کہ وہ سفر میں اذان نہیں دیا کرتے تھے اس کی وضاحت کرنی مقصود ہے کہ ابن عمر اقامتہ پر اکتفاء فرمالیتے تھے۔

یوخر صلوٰۃ المغرب

یعنی قبل غروب شفق تک تاخیر فرماتے تھے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں تصریح ہے اور ابھی اختلاف میں اس روایت کا تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔سوال۔بعض روایات میں تو یہ لفظ ہیں ابن عمر کے عمل میں صلی المغرب بعد ما غاب الشفق۔جواب۔۱۔قریب غیبوبتہ مراد ہے بطور مجاز بالمشارفہ کے جیسے طالب علم کو مولوی کہہ دیا جاتا ہے اور جیسے انی ارانی اعصر خمرا ہے۔۲۔کسی راوی کو غلطی لگی ہے کیونکہ واقعہ ایک ہی ہے۔

باب یوخر الظھر الی العصر اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر مسافر زوال سے پہلے سفر شروع کر لے تو ظہر کو مؤخر کر کے اخیر وقت میں پڑھے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھنا یا عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھنا ثابت نہیں ہے اس لئے جمع صوری ہی مراد ہے۔

باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلی الظھر ثم رکب

غرض یہ ہے کہ اگر مسافر نے زوال کے بعد سفر شروع کرنا ہو تو پھر جمع بین الصلوتین نہ کرے۔سوال۔مسند اسحاق بن راھویہ میں یوں ہے عن شبابتہ فقال اذا کان فی سفر فزالت الشمس صلی الظھر و العصر جمیعاً ثم ارتحل جواب۔۱۔ذکر عصر اس روایت میں محدثین کے نزدیک محفوظ نہیں ہے۔۲۔جمع صوری ہی مراد ہے۔مقصد یہ ہے کہ پھر سفر کو عصر کے وقت تک موخر فرماتے تھے تاکہ ظہر اخیر وقت اور عصر شروع وقت میں پڑھ کر سفر شروع کیا جا سکے۔

باب صلوٰۃ القاعد

غرض۔۱۔ہر قاعد کی نماز صحیح ہے خواہ امام ہو یا مقتدی ہو معذور ہو یا نہ ہو لیکن نفل پڑھ رہا ہو کیونکہ بلا عذر فرض پڑھنے والا بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا اور اس پر اجماع ہے کہ فرض بلا عذر بیٹھ کر

پڑھنے جائز نہیں ہیں۔۲۔غرض صرف عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ذکر کرنا ہے کہ جائز ہے۔اور عذر کی قید ترجمۃ الباب میں ذکر نہ فرمائی کیونکہ احادیث میں یہ قید آرہی ہے۔

ومن صلی نائما فله نصف اجرا القاعد

سوال۔اس عبارت کو نہ نوافل پر محمول کر سکتے ہیں نہ فرائض پر کیونکہ نوافل تو لیٹ کر پڑھنے بلا عذر جائز ہی نہیں ہیں اور عذر کی وجہ سے اگر لیٹے گا تو ثواب پورا ملے گا ایسے ہی فرائض بلا عذر نہ بیٹھ کر پڑھنے جائز ہی نہیں ہیں اور عذر کی وجہ سے اگر لیٹے گا تو ثواب پورا ملے گا ایسے ہی فرائض بلا عذر نہ بیٹھ کر پڑھنے جائز نہ لیٹ کر اور عذر کی وجہ سے ثواب پورا ملتا ہے۔جواب۔۱۔بعض حضرات نے اس روایت کو نوافل پر محمول کر لیا اور اس کے قائل ہو گئے کہ نوافل بلا عذر لیٹ کر پڑھنے جائز ہیں لیکن ثواب بیٹھنے سے آدھا ملے گا۔۲۔اگر لیٹ کر تو آسانی سے پڑھ سکتا ہو اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنے میں کافی تکلیف ہو اس صورت میں لیٹ کر نماز صحیح ہو جائے گی لیکن اگر ہمت کر کے مشقت برداشت کرتے ہوئے بیٹھ کر پڑھ لے گا تو لیٹنے سے ثواب دوگنا ملے گا اس خاص صورت پر یہ حدیث محمول ہے۔نفل ہوں یا فرض ہوں دونوں اس میں داخل ہیں۔۳۔بعض راویوں نے یہ آخری حصہ قیاس کر کے خود ہی بڑھا دیا اصل حدیث میں لیٹنے کا ذکر نہیں ہے۔۴۔پہلے معذور کو لیٹ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا تھا۔پھر یہ حکم نازل ہو گیا کہ پورا ثواب ملے گا تو یہ روایت نسخ سے قبل پر محمول ہے۔

باب صلوٰۃ القاعد بالا یماء

غرض یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا بلا عذر بھی اشارہ سے رکوع سجدہ کر سکتا ہے۔لیکن امام بخاری کا یہ مسلک جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔جمہور ائمہ کے نزدیک جو رکوع سجدہ پر قادر ہو وہ فرض اور نفل دونوں رکوع سجدہ سے ہی پڑھے گا اشارہ سے نماز نہ ہوگی۔استدلال امام بخاری کا یوں ہے کہ جب لیٹنے والا رکوع سجدہ کی جگہ اشارہ کر سکتا ہے تو بیٹھنے والا بھی کر سکتا ہے۔جواب یہ ہے کہ وہ معذور ہے اور کلام غیر معذور میں ہو رہی ہے۔غیر معذور کو معذور پر قیاس نہیں کر سکتے۔

باب اذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب

غرض یہ ہے کہ معذور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر بھی پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔

با ب اذا صلی قاعداً ثم صح او وجد خفةً تممّ مابقی

غرض امام محمد پر رد ہے کہ ان کے نزدیک پہلے نماز بیٹھ کر پڑھتا ہو پھر کھڑے ہونے کی طاقت آجائے تو پہلی نماز پر بنا نہیں کر سکتا بلکہ شروع سے نماز پڑھے امام ابوحنیفہ اور جمہور اور امام بخاری کے نزدیک بنا کرنا اور کھڑے ہو کر باقی رکعتیں پڑھ لینا جائز ہے ولنا۔**حدیث الباب عن عائشته مرفوعاً فکان یقرأ قاعداً حتی اذا ارادان یرفع قام فقرانحواً من ثلاثین آیته اواربعین آیتهً ثم رکع و لمحمد ادنی** پر اعلیٰ کی بنا نہیں ہو سکتی۔جواب۔حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہو سکتا۔پھر یہ کھڑا ہونا فرائض میں واجب اور ضروری ہے نفلوں میں مستحب ہے۔

کتاب التہجد:۔غرض ایسی کتاب کا بیان ہے جس میں تہجد کے احکام اور فضائل ہیں۔یہ بمنزلہ جنس کے ہے اس میں احکام بمنزلہ انواع کے ہیں۔ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے ایک نوع تھی نماز کی سفر کی نماز اب دوسری نوع ہے نماز کی تہجد پھر وتر اور تہجد کو الگ الگ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وتر تہجد سے الگ درجہ رکھتے ہیں جس کو حنفیہ وجوب کا درجہ کہتے ہیں۔پھر تہجد انتہائی لذیذ عبادت ہے لیکن اس شخص کے لئے جس نے ایمان کی حلاوت کو حاصل کیا ہو اس کو سحری کے وقت تنہائی میں مولائے کریم کی چاپلوسی میں لطف آتا ہے۔

باب التهجد باللیل

اور ایک نسخہ میں من اللیل بھی ہے یہ قرآن پاک کے زیادہ مطابق ہے **ومن اللیل فتهجد به نافلتهً لک**، پھر تہجد

افضل صلوٰۃ بعد الفریضۃ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ پھر تہجد ہجود سے ہے جس کے معنیٰ نیند کے ہیں تہجد کے معنیٰ ترک نوم کے ہو گئے جیسے تاثم کے معنیٰ ترک اثم کے ہیں۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ نافلۃ لک میں یہ اشارہ بھی ہے کہ تہجد اکیلے اکیلے ہی پڑھنی چاہئے اور تداعی مکروہ ہے۔ کیونکہ نفل انفرادی غنیمت کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں غنیمت کا اطلاق اجتماعی غنیمت پر ہوتا ہے۔ پھر اس باب کا مقصد تہجد کی مشروعیت اور استحباب کا بیان ہے۔ تصریح یہاں نہیں فرمائی یہاں اجمالاً حکم بتلا رہے ہیں اور آگے عدم وجوب کی تصریح کر دینگے کہ امت پر واجب نہیں ہے۔ پھر ایک شاذ قول امت پر فرضیت کا بھی ہے جو بعض متقدمین کی طرف منسوب ہے لیکن اس کو شاذ ہی شمار کیا گیا ہے جمہور کے نزدیک مستحب ہے فرض نہیں ہے۔ نور السمٰوات والارض تقدیر عبارت یوں ہے انت نور السموت والارض معنیٰ میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ آپ نور ہدایت ہیں جو ہدایت لینا چاہے اس کو ہدایت دیتے ہیں۔ ۲۔ آپ نے ہی سب کو وجود دیا ہے اور دیتے ہیں۔

باب فضل قیام اللیل

یعنی اس کا ثواب باقی نفلوں سے زائد ہے یہی غرض ہے۔ اس باب کی کہ یہ بات بتلا دی جائے کہ اس عبادت کا درجہ باقی نفلی نمازوں سے اونچا ہے دلیل۔ ا۔ فی مسلم مرفوعاً افضل الصلوٰۃ بعد الفریضۃ صلوٰۃ اللیل۔ ۲۔ زیر بحث باب کی حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نماز عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ ۳۔ ومن اللیل فتهجد به نافلة لک عسی ان یبعثک ربک مقاماً محمودا۔ ۴۔ تتجافیٰ جنو بھم عن المضاجع الی قوله تعالیٰ فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین یعنی چھپ کر عبادت کرنے کا بدلہ بھی چھپا ہوا ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ پھر اس حدیث کے مضمون میں حضرت ابن عمر کے لئے صلوٰۃ اللیل کی تاکید اس لئے بھی زیادہ ہوگئی کہ وہ مسجد میں سوتے تھے اس کا حق بھی تھا کہ عبادت زیادہ کریں۔

باب طول السجود فی قیام اللیل

غرض یہ ہے کہ سجدہ کا لمبا ہونا زیادہ ثواب کا ذریعہ ہے بنسبت طول قیام کے وجہ ا۔ اس میں دعاء قبول ہوتی ہے۔ ۲۔ اس میں عاجزی زیادہ ہے یعنی اظہار تواضع۔ ۳۔ اس میں قرب زیادہ ہے کیونکہ حدیث مرفوع میں ہے اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد اور سورہ علق کی آخری آیت سجدہ والی کا مضمون بھی یہی ہے لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے استاد محمد یعقوب صاحب کی تحقیق یہ تھی کہ جس موقعہ میں ایسی چیزوں میں سے طبیعت کا میلان جس عمل کی طرف زیادہ ہو وہی اس وقت افضل ہوتا ہے کیونکہ شوق کی وجہ سے زیادہ توجہ اور خشوع وخضوع سے وہ عبادت کرے گا تو کیفیات کے عمدہ ہونے کی وجہ سے ثواب بڑھ جائے گا۔

باب ترک القیام للمریض

غرض یہ ہے کہ مرض کی وجہ سے قیام چھوڑنے میں کچھ کراہت نہیں یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

ماودّعک ربک و ما قلیٰ

سوال۔ اس روایت کا باب سے تعلق نہیں۔ جواب یہ روایت گذشتہ روایت کا تتمہ ہے جس میں مذکور ہے۔ کہ بیماری کی وجہ سے ایک دو راتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد نہ پڑھ سکے مزید تفصیل کتاب التفسیر اور فضائل القرآن میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب تحریض النبی صلی الله علیه وسلم علی صلوٰۃ اللیل والنوافل من غیر ایجاب

اس باب کی دو غرضیں ہیں ایک شوق دلانا یہ حضرت عائشہ والی روایت سے ظاہر ہے کہ محبت تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل سے لیکن خوف وجوب کی وجہ سے چھوڑ دی دوسری غرض عدم وجوب کا بیان ہے اور یہ بات اس باب کی چاروں حدیثوں سے بالکل ظاہر ہے۔

یارُبَّ کا سیته: ای یا قوم رُبّ کاسیۃ الخ **ماذا انزل من الخزائن**:۔ اشارہ ہے کہ جو غفلت چھوڑتا ہے وہ خزانے

پاتا ہے اور فتنوں سے بچتا ہے لان العطایا علی متن البلایا۔

۔الالایحبون اخو البلیته فللرحمن ا لطاف خفیه

یضرب فخذه: یہ ضرب فخذ اظہار تاسف کے طور پر تھا کیونکہ قضا کا حوالہ دار التکلیف میں صحیح نہیں ہے اور کافی نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام نے جو موسیٰ علیہ السلام کو چپ کرانے کے لئے تقدیر کا حوالہ دیا تھا تو وہ عالم برزخ میں تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں عذر نہیں تھا اسی لئے دنیا میں یہی عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین. پھر حضرت علی کا مقصد معارضہ کرنا نہ تھا بلکہ اپنی کمزوری اور عذر کا ذکر تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو کافی شمار نہ فرمایا اسی لئے اعراض فرمایا جو علامت تھی۔ اس بات کی کہ یہ عذر کافی نہیں ہے۔ **خشیتُ ان تفرض**:۔ سوال سنن موکدہ پر تو دوام فرمایا ہے وہ کیوں فرض نہ ہوگئیں جواب۔ یہ بات وحی سے معلوم ہوگئی تھی کہ فلاں نماز دوام سے فرض ہوگی فلاں نہ ہوگی۔

باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم حتی ترم قد ماه

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی کیفیت بتلانی ہے کہ اتنا قیام فرماتے تھے کہ پاؤں مبارک پر ورم آ گیا تھا وجہ۔ ا۔ غلبہ شوق محبت۔ ۲۔ خوف عظمۃ ۳۔ شکر نعمت ہمارے لئے بھی افضل تو کثرت عبادت ہی ہے اعتدال کے ساتھ گو قلت کی بھی گنجائش ہے۔ **عبداً شکورا**:۔ یعنی عبدیت چاہتی ہے شکر کو۔ **باب من نام عند السَحَر**:۔ غرض یہ کہ ایسا شخص محبوب عند اللہ ہے کیوں۔ ا۔ تاکہ دن کے اعمال میں نشاط ہو۔ ۲۔ سونے سے پہلے جو عبادت کی ہے وہ مخفی رہے **احب الصلوٰة الی الله صلوٰة داؤد**:۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں حق اللہ کی بھی رعایت ہے اور حق نفس کی بھی رعایت ہے۔ اور روزہ میں چونکہ دو حصے نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے ایک دن روزہ ایک دن افطار اختیار فرمایا۔ **اذا سمع الصارخ**:۔ صارخ مرغے کو کہتے ہیں یہ آخری تیسرے حصہ کے شروع میں اذان دیتا ہے۔ **ما الفاه السَحَرُ عندی الا نائما**:۔ یہ حضرت عائشہ کا ارشاد ہے اس میں السَحَرُ مرفوع ہے فاعلیت کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحری کا وقت نہیں پاتا تھا مگر سویا ہوا یعنی تہجد پڑھنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔

باب من تسحر ثم قام الی الصلوٰة فلم ینم حتی صلی الصبح

غرض یہ ہے کہ رمضان المبارک میں سحری کھا کر فجر کی نماز تک نہ سونا بھی سنت کے مطابق ہے۔

باب طول الصلوٰة فی قیام اللیل

غرض یہ کہ تہجد اور صلوٰۃ اللیل کو لمبا کرنا مستحسن ہے مرفوع حدیث میں یوں ہے افضل الصلوٰۃ طول القیام جس پر شوق ملاقات غالب ہو وہ قیام لمبا کرے اور جس پر تذلل اور شوق تقرب اور استجابتہ دعاء کا غلبہ ہو وہ سجدہ لمبا کرے ولکل وجھتہ ھو مولیھا یہ رائے تو حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور ان کے استاد محترم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہما اللہ تعالی کی رائے دیکھی جائے تو احقر محمد سرور عفی عنہ یوں تطبیق عرض کرتا ہے کہ جس رات ملاقات محبوب کا شوق غالب ہو اس رات تلاوت اور قیام لمبا کرے اور جس رات تواضع کا غلبہ ہو سجدے زیادہ یا لمبے کرے۔

کان اذا قام للتهجد من اللیل یشوص فاه بالسواک

سوال یہ روایت باب کے مناسب نہیں ہے جواب۔ ا۔ یہ کسی کاتب کی غلطی ہے کہ اس روایت کو اس باب میں ذکر کر دیا۔ ۲۔ امام بخاری اپنی کتاب کی ابھی مزید تہذیب کرنا چاہتے تھے لیکن وفات ہوگئی نہ کر سکے یہ مقام بھی تہذیب کا اور صحیح ترتیب کا محتاج رہ گیا۔ ۳۔ ایک روایت مسلم شریف میں حضرت حذیفہ سے ہی

ہے اس میں طول صلوٰۃ اللیل کا بھی ذکر ہے اس روایت کی طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے لائے نہیں کیونکہ ان کی شرط پر نہ تھی۔۴۔ مسواک کرنا یہ لمبی نماز کی تیاری پر دلالت کرتا ہے اس مناسبت سے رات کو لمبی نماز پڑھنے کے باب میں مسواک والی روایت کو لے آئے۔۵۔امام بخاری نے یہاں حدیث سے پہلے جگہ خالی چھوڑی تھی تا کہ یہاں نیا ترجمۃ الباب لکھ سکیں۔لیکن لکھنے کا موقعہ نہ ملا اس لئے وفات کے بعد یہ روایت گذشتہ باب ہی میں شمار کر لی گئی۔۶۔ اس حدیث سے استدلال مقصود نہیں ہے معمولی مناسبت کی وجہ سے یہاں ذکر کر دی گئی ہے اور معمولی مناسبت یہ ہے کہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے۔تو مسواک بھی فرماتے تھے۔مسواک کے بعد تہجد ہوتی وہ عموماً لمبی ہوتی تھی اور لمبی ہونے کی وجہ زیادہ تر طول قیام ہی تھی اس لحاظ سے طول قیام کے باب میں یہ روایت لے آئے اس تقریر سے دونوں نسخوں کے ساتھ یہ روایت معمولی مناسبت رکھتی ہے وہ دو نسخے یہ ہیں۔۱۔باب طول الصلوٰۃ فی قیام اللیل ۲۔باب طول القیام فی صلوٰۃ اللیل۔

باب کیف صلوٰۃ اللیل و کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل

غرض گنتی اور کیفیت بتلانا ہے کہ دو دو کی نیت فرماتے تھے یا چار کی اور مع الوتر یا بلا وتر۔پھر کیت یعنی گنتی میں کمی بیشی کی وجہ یہ تھی کہ کبھی طبیعت میں نشاط ہوتا کبھی نہ کبھی بیماری ہوتی کبھی نہ کبھی رات لمبی ہوتی کبھی نہ کبھی سفر کی وجہ سے تھکاوٹ ہوتی کبھی نہ۔ پھر گنتی میں ۱۷ والی روایتیں نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے ۷ سے ۱۵ تک منقول ہیں ۱۵ کی صورت یہ تھی کہ پہلے دو رکعت ہلکی پھر ۸ پھر ۳ پھر ۲ اور کل سات یہ اخیر عمر میں ضعف پر محمول ہیں ۴ پھر

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل و نومه و مانسخ من قیام اللیل

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات بھی بیداری نہ فرماتے تھے اور پوری رات نوم بھی نہ فرماتے تھے تا کہ اللہ تعالیٰ کا حق اور نفس کا حق دونوں ادا ہو جائیں اور تا کہ تھکاوٹ اور سستی نہ پیدا ہو اور ساتھ ساتھ اسی باب میں منسوخ ہونے کا بھی ذکر ہے پھر من قیام اللیل کی وضاحت میں دو قول ہیں۔۱۔یہ من بیانیہ ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے جو بیان فرمادیا کہ قیام اللیل کا جوب کلی طور پر منسوخ ہے اور اب تہجد میں سے کچھ بھی واجب نہیں۔۲۔یہ من تبعیضیہ ہے کچھ نہ کچھ تہجد باقی ہے اور یہی مسلک حسن بصری اور ابن سیرین کا ہے اور اسی طرف امام بخاری اور حضرت انور شاہ صاحب کا میلان ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد ہے **فاقرءوا ماتیسر من القرآن۔ یاایها المزمل**:۔وحی کے پہلے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا تھا زملونی زملونی اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے **قال ابن عباس نشاء قام بالحبشية**:۔اس کو توافق اللغتین کہتے ہیں۔

باب عقد الشیطان علی قافیته الراس اذالم یصل باللیل

غرض یہ ہے کہ تہجد نہ پڑھنے والا ست رہتا ہے پھر اس ترجمۃ الباب میں جولم یصل ہے اس میں کونسی نماز مراد ہے دو قول ہیں۔۱۔ صلوٰۃ اللیل ۲۔صلوٰۃ العشاء پہلا قول لیں تو اسی بات کی تائید ہو جائے گی کہ امام بخاری کے نزدیک کچھ نہ کچھ صلوٰۃ اللیل ضروری ہے۔**فان صلی**:۔اس حدیث کے سب طریق غور سے دیکھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں صلوٰۃ اللیل ہی مراد ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں بھی پہلا قول ہی راجح ہے پس امام بخاری جمہور کے خلاف کچھ نہ کچھ صلوٰۃ اللیل واجب ہونے کی تائید ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ارشاد فاقرؤا ما تیسر من القرآن میں مادہ تیسر جمہور کی تائید کرتا ہے معلوم ہوا کہ امر استحبابی ہے کیونکہ وجوب تو تعسر کو مستلزم ہے۔

اما الذی یثلغ راسه بالحجر فانه یاخذالقران فیر فضه وینام عن الصلوٰۃ المکتوبه

یثلغ کے معنیٰ یکسر کے ہیں امام بخاری کا مقصد اس باب میں

اس حدیث کے لانے سے صلوٰۃ اللیل کا وجوب ثابت کرنا ہے لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے جمیع طرق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا سر عالم برزخ میں توڑا جاتا تھا اس کا مصداق وہ شخص تھا جس میں تین عیب تھے۔۱-صلوٰۃ اللیل نہ پڑھنا' ۲-فرض نماز نہ پڑھنا۔۳-دن میں قرآن کے خلاف عمل کرنا اس لئے اس روایت سے صلوٰۃ اللیل کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ پھر آگے عنقریب ایک روایت میں صلوٰۃ اللیل نہ پڑھنے والے کے کان میں شیطان کا پیشاب کرنا بھی آتا ہے وہ بھی تلعب شیطان پر دال ہے اس سے بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

باب اذا نام ولم یصل بال الشیطان فی اذنہ

غرض غافل کو تنبیہ کرنا ہے کہ غافل کی شیطان توہین کرتا ہے پھولوں کی صورت کیا ہے۔۱-حقیقت پر محمول ہے۔۲-استعارہ تمثیلیہ ہے غفلت سے۔ پھر استدلال کرنا اس حدیث سے صلوٰۃ اللیل کے وجوب پر اس کا جواب گذشتہ باب میں گزر چکا ہے کہ یہ صرف تلعب شیطان ہے اور اظہار غفلت ہے اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

باب الدعاء فی الصلوٰۃ من آخر اللیل

غرض اخیر رات کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ وہ مخلصین کی عبادت کا وقت ہے اور نزول رحمت کا وقت ہے۔

ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلتہ الیٰ السماء الدنیا

اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔۱-قال ابوحنیفہؒ ہم نزول کو مانتے ہیں لیکن اس کی کیفیت نہیں جانتے۔اس قول کی شرح یہ ہے کہ نزول ضرور ہوتا ہے لیکن اس کی صورت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہے کیونکہ ہر چیز کا آنا اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے جمعہ کا دن آیا اس کی صورت الگ ہے۔ زید آیا اس کی صورت الگ ہے گاڑی میں بیٹھے ہوتے ہیں کہتے ہیں لاہور آ گیا اس کی صورت الگ ہے۔ دوست کا خیال آیا اس کی صورت الگ ہے۔ زخمی مسافر کو دیکھ کر مجھے رحم آ گیا اِس رحم کی آنے کی صورت الگ ہے۔زید کے گھر خوبصورت بیٹا آ گیا۔ اس کی صورت الگ ہے۔اسی طرح امام صاحب کے ارشاد میں حق تعالیٰ کا آنا اُن کی شان کے مناسب ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔۲-اللہ تعالیٰ کا اہل دنیا کی طرف خصوصی توجہ سے متوجہ ہونا۔۳-اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا نازل ہونا۔۴-اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نازل ہونا۔۵-اللہ تعالیٰ کے خصوصی فرشتوں کا نازل ہونا۔۶-تجلی ربوبیت کا نازل ہونا۔ ۷-یہ متشابہات میں سے ہے ہمیں اس کے معنیٰ نہیں دیئے گئے۔

باب من نام اول اللیل واحیا آخرہ

غرض اس عمل کی فضیلت ہے کہ شروع رات میں سو جائے اور اخیر رات میں عبادت کرے۔

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز عموماً رمضان اور غیر رمضان میں ایک جیسی تھی البتہ نادراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات بھی عبادت فرماتے تھے جیسے اعتکاف کی راتیں۔

باب فضل الطہور باللیل والنہار وفضل الصلوٰۃ بعد الوضوء باللیل والنہار

غرض۔۱-ہمیشہ باوضوء رہنے کی فضیلت۔۲-تحیۃ الوضوء کی فضیلت اور تحیۃ الوضوء کی حکمت یہ ہے کہ وضوء اپنے مقصد سے خالی نہ رہے۔

سمعتُ دفّ نعلیک بین یدیّ فی الجنتہ

بطور کشف کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا گیا کہ آپ کا خادم بلال جنت میں بھی خادمانہ طور پر آپ کے آگے آگے ہوگا جیسے سواری کو آگے سے پکڑ کر خادم لے جاتے ہیں۔اس میں اظہار ہے کہ حضرت بلال دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی خادم رہے ہیں۔اِسی بناء پر بعض نے کہہ دیا کہ قیامت کے بعد جس انسان کا قدم سب سے پہلے جنت میں پڑے گا وہ حضرت بلال ہو

نکے۔شیخ عطار فرماتے ہیں کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی بلندی بھی ظاہر ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوتو مقام مقدس میں جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کو بھی جوتے اتارنے کا حکم نہیں دیا گیا واللہ اعلم برموز احکامہ

باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ

غرض زیادہ مشقت کا مکروہ ہونا ہے۔کیوں۔متعدد وجوہ ہیں۔ا۔اس سے چند دن بعد عبادت کا چھوڑنا لازم آئے گا۔۲۔ لا تغلوا فی دینکم کے خلاف ہے۔۳۔ وماجعل علیکم فی الدین من حرج کے خلاف ہے۔۴۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا کے خلاف ہے۔البتہ بعض خواص اس سے مستثنیٰ ہیں جن کے لئے عبادت قرۃ عینین ہے انہی کے متعلق ارشاد ہے قلیلاً من اللیل ما یھجعون

باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ

غرض قیام اللیل شروع کر کے چھوڑ دینے کی مذمت وکراہت ہے کیونکہ یہ اعراض ہے۔باب:۔گذشتہ باب کا تتمہ ہے۔ ہجمت عینک :۔دو معنیٰ کئے گئے۔ا۔غارت نیچے چلی گئی آپ کی آنکھیں۔۲۔کمزور ہو گئیں۔نفہت نفسک:۔تھک گیا آپ کا نفس۔

باب فضل من تعارّ من اللیل فصلّٰی

تعارّ کے معنیٰ۔ا۔چیخ ماری۔۲۔جاگا اور پلٹیاں کھاتا رہا اور بولتا رہا غرض یہ ہے کہ جو دعاء کے ساتھ چیختا ہوا اٹھتا ہے اس کی دعاء قبول ہوتی ہے اِس چیخنے کے لفظ میں حکمت یہ ہے کہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی عادت ہی کثرتِ دعاء اور کثرتِ ذکر کی ہوتی ہے اِسی لئے نیند سے چیختا ہوا اٹھتا ہے۔

باب المداومۃ فی رکعتی الفجر

غرض فجر کی سنتوں کی فضیلت کا بیان ہے۔ربط ماقبل سے کیا ہے اس میں دو قول ہیں۔ا۔تہجد کی احادیث سے فارغ ہو کر اب سنن رواتب شروع فرما رہے ہیں اور ان میں سب سے اونچا مرتبہ فجر کی سنتوں کا ہے اس لئے ان کو سب سے پہلے ذکر فرمایا۔ ۲۔پیچھے تہجد کا ذکر تھا۔اب سنن رواتب کا ذکر ہے جو فرضوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔فجر کی دو سنتیں تہجد کے فوراً بعد آتی ہیں اِس وقتی اتصال کی وجہ سے فجر کی سنتوں کو تہجد کے فوراً بعد ذکر فرمایا۔

باب الضجعہ علی الشق الایمن بعد رکعتی الفجر

الضجعۃ کسرہ کے ساتھ ہیئت کے معنیٰ میں آتا ہے اور فتحہ کے ساتھ مرّہ کے معنیٰ میں آتا ہے غرض یہ ہے۔کہ دو رکعت کے بعد لیٹنا جائز ہے۔اِس لیٹنے میں اختلاف یوں ہے۔کہ عندامامنا ابی حنیفۃ مباح ہے وعند مالک مکروہ ہے وعند الشافعی واحمد مسنون ہے ولنا روایتہ البخاری وابی داؤد عن عائشتہ مرفوعاً اذاصلی رکعتی الفجر فان کنتُ نائمتہ اضطجع وان کنت مستیقظتہ حدثنی ولمالک فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود موقوفاً مابال الرجل اذا صلی رکعتین تیمعک کما تتمعک الدابتہ او الحمارا ذا سلم فقد فصل جواب سختی کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے غیر سنت کو سنت کہنا شروع کر دیا تھا۔وللشافعی روایۃ ابی داؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذا صلی احد کم الرکعتین قبل الصبح فلیضطجع علی یمینہ۔جواب دنیوی آسانی کے لئے لیٹنے کا امر فرمایا ہے عبادت کے طور پر یہ لیٹنا نہیں ہے اس لئے لیٹنے کو عبادت اور سنت سمجھنا صحیح نہیں اسی لئے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لیٹتے تھے کبھی نہیں اگر یہ عبادت میں داخل ہوتا تو بلاعذر نہ چھوڑتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت پر بہت حریص تھے۔

باب من تحدث بعد الرکعتین ولم یضطجع

غرض اُن ائمہ پر رد کرنا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ یہ لیٹنا فصل کے لئے ہے اس لئے سنت ہے وجہ رد کی یہ ہے کہ فصل کے لئے لیٹنا ضروری نہیں ہے بات کرنے سے اور جگہ بدلنے سے بھی تو فصل ہو جاتا ہے اِس باب

اور گذشتہ باب کو ملانے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری نے حنفیہ کی موافقت فرمائی ہے واللہ اعلم۔

باب ماجاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ

غرض یہ ہے کہ دن رات میں دو رکعت سے زائد نفل ایک نیت سے نہ پڑھنے چاہئیں لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری اِس باب میں جو روایتیں لائے ہیں وہ کافی نہیں ہیں کیونکہ ان میں تو صرف دو رکعت پڑھنی ہی مقصود تھیں اگر یوں ہوتا کہ چار کا ارادہ ہو پھر دو دو پڑھی جائیں تو استدلال مناسب تھا۔

قال محمد ویذکر ذلک عن عمار

یہاں محمد سے مراد خود امام بخاری ہی ہیں۔

یعلمنا الا ستخارۃ فی الا مور کلھا

یعنی جس کام کی دونوں جانبین جائز ہوں پھر استخارہ میں خواب کا آنا ضروری نہیں ہوتا صبح اُٹھ کر جو رائے غالب ہو اس پر عمل کرنے سے برکت ہوتی ہے۔

باب الحدیث یعنی بعد رکعتی الفجر

غرض یہ ہے کہ فجر کی دو سنت پڑھنے کے بعد فرضوں سے پہلے گفتگو جائز ہے۔

قلت لسفیان قال بعضھم یرویہ رکعتی الفجر

اس عبارت میں بعضھم کا مصداق امام مالک ہیں جیسا کہ دار قطنی میں تصریح ہے۔ اور یرویہ کے معنیٰ مرفوعاً بیان کرنا ہے۔ یعنی اس روایت میں رکعتین کی جگہ رکعتی الفجر ہے۔

باب تعاھد رکعتی الفجر ومن سماھما تطوعا

غرض اظہار تردد ہے کہ فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعت سنت موکدہ ہیں جیسا کہ جمہور کا قول اور حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول ہے اور اس کی طرف اشارہ تطوع کا اطلاق کرکے فرمایا یہ دو رکعتیں واجب ہیں جیسا کہ ہمارے امام ابو حنیفہ کی ایک شاذ روایت ہے۔ تعاہد کے لفظ میں امام بخاری وجوب کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں بہر حال امام بخاری اِس مسئلہ میں تردد کا اظہار فرمارہے ہیں فیصلہ نہیں فرمایا۔ راجح جمہور کا اور حنفیہ کا مفتیٰ بہ قول ہی ہے کہ سنت موکدہ کا درجہ ہے۔

باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ فجر کی سنتوں میں قرأت مختصر ہی ہونی چاہئے۔

باب التطوع بعد المکتوبۃ

غرض اُن سنن کی تفصیل ہے جو فرائض کے بعد ثابت ہیں۔ ان سنن میں حکمت یہ ہے کہ فرائض میں اگر کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو اس کا تدارک ہو جائے سوال۔ باب میں صرف بعد کا ذکر ہے حالانکہ حدیث میں تو پہلے کا بھی ذکر ہے۔ جواب۔۱۔ زیادہ ضرورت تدارک کی فرائض کے بعد پیش آتی ہے اس لئے بعد کی تصریح فرمائی اہمیت کی وجہ سے۔۲۔ یہاں صنعت اکتفاء ہے کہ ایک ضد یا ایک مناسب کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ دوسری ضد یا دوسرا مناسب سامعین خود ہی سمجھ جائینگے جیسے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وجعل لکم سرابیل تقیکم الحرای والبرد۔۳۔ بعدیۃ شرافت میں ہے کہ سنتوں کا درجہ فرضوں سے کم ہے۔۴۔ بعدیۃ کے معنیٰ تبعیۃ کے ہیں کہ سنتیں فرضوں کے تابع ہیں۔۵۔ یہاں بعد المکتوبہ کا بیان ہی مقصود ہے۔ آگے قصداً قبل المکتوبہ بیان کرینگے۔

باب من لم یتطوع بعد المکتوبۃ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ بعض دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں چھوڑی بھی ہیں تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واجب نہیں ہیں۔

باب صلوٰۃ الضحی فی السفر

غرض یہ ہے کہ یہ نماز ضحیٰ کی ایسی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اور کبھی کبھی سفر میں پڑھی ہے اور اس پر دوام حضر میں چھوڑا ہے اِس ڈر سے کہ امت پر فرض نہ ہو جائے۔ سوال۔ اس باب کی دو روایتوں میں تعارض ہے کیونکہ ایک میں ضحیٰ کا اثبات ہے اور ایک میں نفی ہے جواب۔ اثبات کبھی کبھی پڑھنے کا ہے اور

نفی دوام کی ہے۔ سوال حضرت ابن عمر سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ صلوٰۃ الضحیٰ بدعت ہے جواب۔ا۔اس کے وجوب کا اعتقاد بدعت ہے۔۲۔مسجد میں اظہار اور دکھاوے کی نیت سے پڑھنا بدعت ہے کیونکہ نوافل میں اصل یہی ہے۔ کہ گھر میں پڑھے جائیں۔ پھر حضرت انور شاہ صاحب نے ایسے موقعہ میں یہ تحقیق فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ایک کام کا شوق دلاتے تھے لیکن خود وہ کام نہ کرتے تھے اس نہ کرنے میں کوئی حکمت اور اشارہ غیبیہ ہوتا تھا جیسے اذان کی فضیلت تو مذکور ہے لیکن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان دینا ثابت نہیں ہے کیونکہ نبوت کے زیادہ مناسب امامت تھی اذان نہ تھی۔ ایسے ہی صلوٰۃ ضحیٰ کا معاملہ ہے کہ ترغیب دی ہے اور خود بہت کم پڑھی ہے۔

باب من لم یصل الضحیٰ وراہ واسعاً

غرض یہ ہے کہ جو شخص ضحیٰ کے نوافل نہ بھی پڑھے اس کے لئے بھی گنجائش ہے اور سنت سے اس کی اصل ثابت ہے مَن کی جزاء محذوف ہے فلہ اصل من السنۃ۔ پھر یہ باب باندھ کر جو حدیث لائے ہیں اُس حدیث کے لانے میں یہ اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ پڑھنے سے چھوڑنا اولیٰ نہ بن گیا بلکہ پڑھنا اولیٰ بنا اور تاکید ثابت ہوئی کیونکہ حضرت عائشہؓ اہتمام فرماتی تھیں معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑنا فرض ہونے کے ڈر سے تھا اس لئے اِس چھوڑنے سے تاکید بڑھ گئی کم نہ ہوئی۔

باب صلوٰۃ الضحیٰ فی الحضر

غرض یہ ہے کہ حضر میں بھی مستحب ہے اور مسنون ہے سنت غیر موکدہ کے درجہ میں۔ باب الرکعتین قبل الظہر:۔ غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے رواتب بعد الفرائض کا ذکر تھا اب قبل الفرائض کا ذکر ہے۔ سوال اس باب کی دوسری روایت میں ظہر سے پہلے چار رکعات مذکور ہیں اس لئے باب کے مناسب نہ ہوئی کیونکہ باب میں دو رکعتیں ظہر سے پہلے مذکور ہیں جواب۔ امام بخاری کے نزدیک ظہر سے پہلے ہیں تو چار رکعتیں لیکن دو موکدہ ہیں دو غیر موکدہ ہیں۔ باب میں موکد کا ذکر ہے اور روایت میں موکد اور غیر موکد ملا کر کل چار رکعتیں مذکور ہیں اس لئے دوسری روایت باب کے مطابق ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک چار رکعتیں موکد ہیں۔ دو کا ثبوت بہت کم ہے اس لئے دو کو سنت نہ کہینگے۔

اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ سنت موکدہ ہیں وعند الجمہور دو سلاموں کے ساتھ سنت موکدہ ہیں۔ ولنا۔ا۔ **روایۃ ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً کان یصلی قبل الظھر اربعاً. ۲. فی ابی داؤد عن ام حبیبتہ مرفوعاً من حافظ علی اربع قبل الظھر واربع بعد ھا حرّم علی النار. ۳. فی ابی داؤد عن ابی ایوب مرفوعاً اربع قبل الظھر لیس فیھن تسلیم تفتح لھن ابواب السماء** یہ تیسری روایت اگرچہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے لیکن پہلی دو دلیلوں کی تائید کے لئے کافی ہے اصل پہلی دو روایتیں ہیں وللجمہور **روایتہ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً صلوٰۃ اللیل والنھار مثنیٰ مثنیٰ.** جواب۔ا۔ اس روایت کے فوراً بعد ابوداؤد میں روایت ہے عن المطلب مرفوعاً الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ ان تشھد فی کل رکعتین معلوم ہوا کہ مثنیٰ مثنیٰ کے معنیٰ درمیان میں تشہد پڑھنا ہے۔۲۔ قال النسائی نھار کی زیادتی کسی راوی کی خطا ہے چنانچہ صحیحین میں صرف یہ ہے صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ۔

باب الصلوٰۃ قبل المغرب

غرض مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے۔ سوال۔ امام بخاری نے صلوٰۃ قبل العصر کے لئے باب کیوں نہ باندھا حالانکہ ابو داؤد۔ ترمذی اور مسند احمد میں ہے **عن ابی ھریرۃ مرفوعاً رحم اللہ امراً صلّی قبل العصر اربعاً** جواب۔ یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے۔

اختلاف:۔ فی روایۃ عن احمد دو رکعت قبل المغرب مسنون ہیں اور عند الجمہور مسنون نہیں ہیں اور یہی دوسری روایت ہے امام احمد سے لنا **روایتہ ابی داؤد عن ابن عمر**

ماراًیتُ احداً علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلیهما ولا حمد روایت الباب عن عبد الله المزنی مرفوعاً صلوا قبل صلوٰة المغرب قال فی الثالثته لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة

جواب ۔ا۔ منسوخ ہے جیسا کہ ابن شاہین نے تصریح کی ہے۔۲۔ تعامل سلف صالحین حضرت ابن عمر کی روایت کے لئے مرجح ہے۔۳۔ سند حضرت ابن عمر والی روایت کی اقویٰ ہے۔ سوال۔ ابوداؤد کی روایت بخاری شریف کی روایت سے زیادہ قوی کیسے ہوگئی۔ جواب۔ بخاری شریف پوری کتاب ابو داؤد پوری کتاب سے زیادہ صحیح ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بخاری شریف کی ہر ہر روایت ابوداؤد کی ہر ہر روایت سے اقوی ہے سند کے لحاظ سے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ابن عمر والی یہ روایت عبد اللہ مزنی والی بخاری شریف کی روایت سے اقوی ہے۔ مسنداً۔

خاتمہ ایمان پر حاصل کرنے کی تدبیریں

ا۔ اِس باب کی شرح میں جو یہ روایت نقل کی گئی ہے مرفوعا رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعاً اس سے اکابر نے یہ استنباط بھی فرمایا ہے کہ عصر سے پہلے چار سنت غیر موکدہ کا اہتمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعاء رحمت کا سبب ہے اس لئے جو شخص عصر کی اِن چار سنتوں کا اہتمام کرے گا امید ہے کہ اس کا خاتمہ اچھا ہوگا اس کے علاوہ۔۲۔ خاتمہ علی ایمان کی دوسری تدبیر لا الہ الا اللہ کا کثرت سے ورد ہے تھوڑے تھوڑے سے وقفہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملاتا رہے۔ جب کلمہ طیبہ کا ورد کثرت سے ہو گا تو کلمہ طیبہ رگ وریشہ میں سرایت کر جائے گا تو امید غالب یہی ہے کہ اخیر وقت میں کلمہ طیبہ ضرور زبان پر جاری ہوگا اور حدیث پاک میں ہے من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنتہ۔۳۔ اعمال کا پورا اہتمام خاتمہ بالخیر کی سب سے بڑی تدبیر ہے کیونکہ عمل کے بغیر ایمان کھلے میدان میں چراغ رکھ دینے کی طرح ہے اعمال ایمان کے محافظ ہیں جیسے چمنی اور کمرہ چراغ کی حفاظت کرتے ہیں اس لئے اعمال کی برکت سے ایمان محفوظ ہو جائے گا اور اللہ تعالٰے کے فضل وکرم سے خاتمہ ایمان پر ہوگا۔۴۔ ایمان موجود پر شکر کثرت سے کیا جائے اور اس کی ایک آسان صورت ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر احسان فرماتے ہوئے سکھادی کہ جب کچھ کھاؤ پیئو تو یہ دعا کرلیا کرو الحمدلله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین جب ہر روز تین چار دفعہ ایمان پر شکر ادا کرے گا تو یہ وعدہ مولائے کریم کا جس کے سب وعدے سچے ہیں ضرور پورا ہوگا لئن شکر تم لا زید نکم اور ایمان جب کامل اور زائد ہوتا رہے گا تو بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہ ومنّہٖ واحسانہ خاتمہ ایمان پر ہوگا ۵۔ دورد شریف کی کثرت بھی ایک لحاظ سے خاتمہ بالخیر کا سبب ہے کیونکہ عموماً اخلاص کے ساتھ بدعات کے طرز سے بچتے ہوئے کثرت سے درود شریف پڑھنا سبب بن جایا کرتا ہے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں مقام صحابیت کا سبب ہے اور خواب میں حسن خاتمہ کی علامت شمار کی گئی ہے۔ وفقنا الله تعالیٰ بمنه و کرمه. بحرمته النبی الکریم صلی الله علیه وعلی اله و اصحابه واتباعه و بارک و سلم تسلیما کثیرا.

باب صلوٰة النوافل جماعة

غرض یہ ہے کہ نوافل کی جماعت جائز ہے فقہاء نے اِس میں عدم تداعی کی شرط لگائی ہے کہ مقتدی تین سے زائد نہ ہوں۔ شبینہ میں کراہت سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ امام بننے والے حافظ صاحبان صرف دو رکعت تراویح میں امام نہ بنیں اُن کی جگہ کوئی اور دو رکعت تراویح پڑھادے اور وہ پیچھے نفل کی نیت کرلیں۔ ان ہی دو رکعت تراویح کی نیت شبینہ میں کرلیں۔ اس طرح شبینہ تراویح میں ہوگا۔ نوافل میں نہ ہوگا۔ مقتدیوں کی نیت چاہے تراویح کی ہو چاہے نفل کی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا۔

خزیر:۔ جس میں گوشت اور دلیہ ہو جس کو ہم حلیم کہتے ہیں۔

اہل الدار: محلّہ والے مراد ہیں۔

باب التطوع فی البیت

غرض یہ بتلانا ہے کہ نوافل میں مستحب یہی ہے کہ وہ گھر پر پڑھے جائیں البتہ اگر کسی زمانہ میں لوگ تارک سنن رواتب ہونے کی تہمت لگاتے ہوں تو تہمت سے بچنے کی نیت سے مسجد میں پڑھنا سنن رواتب کا اولیٰ ہو جائے گا فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے پھر عام حالات میں گھر پر نوافل کیوں اولیٰ ہیں اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ا- گھر پر پڑھنا ریاء سے محفوظ رکھتا ہے۲- گھر میں پڑھنے سے گھر پر رحمت اور فرشتوں کا نزول ہوگا۔۳- مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ گھر پر نوافل کا ثواب ۲۵ گنا ہوتا ہے اعلانیہ پڑھنے سے اور ظاہر ہے کہ مسجد کے نوافل اعلانیہ میں ہی شمار ہونگے۔

ولاتتخذوھا قبورا: مختلف معانی کئے گئے۔ا- جب گھر میں نوافل نہ پڑھیں گے تو وہ مقابر کی طرح ہو جائیں گے کیونکہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ گویا گذشتہ مضمون کی تاکید ہے'۲- جب گھر میں نوافل نہ پڑھیں گے تو وہ صرف سونے کے لئے رہ جائینگے اس معنیٰ میں بھی گذشتہ مضمون کی تاکید ہی مقصود ہے۔۳- یہ علیحدہ مضمون ہے کہ مردوں کو گھروں میں دفن نہ کیا کرو ورنہ زیادہ غم کی وجہ سے دنیا کے کاروبار بگڑ جائیں گے البتہ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو وہاں ہی دفن کیا جاتا ہے جہاں وہ وفات پائیں۔اسی لئے غیر نبی کی قبر پر تعمیر جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دفن فی البیت کیا گیا نہ کہ تعمیر علی القبر کی گئی۔ غیر نبی کو دفن فی البیت بھی نہ کرینگے۔ **باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ:** غرض مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔ **سمعت اباسعید رضی اللہ عنہ اربعا۔** ان چار روایتوں کی تفصیل آگے چھ روایتیں چھوڑ کر بخاری شریف ہی میں ہے۔ **ثلاثۃ مساجد:** ان تین مسجدوں کی جو ترتیب یہاں مذکور ہے وہی ترتیب ان تینوں میں نماز پڑھنے کے ثواب کی ہے کہ سب سے زیادہ مسجد حرام میں پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں۔ **ومسجد الاقصی:** وجہ تسمیہ ا- کیونکہ یہ مسجد مکہ مکرمہ سے بہت دور ہے۔۲- دنیا کی سب مساجد سے یہ مسجد زیادہ اونچی ہے ای اقصیٰ فی العلو۔

لاتشدد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد

سوال۔ یہ سوال اور اعتراض حافظ ابن تیمیہ نے کیا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روضہ مقدسہ کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر جائز نہیں اس لئے مسلمانوں کو اس نیت سے مدینہ منورہ کا سفر نہ کرنا چاہئے۔ جواب جمہور ائمہ کی طرف سے اس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہیں کیونکہ جمہور ائمہ کے نزدیک اسی نیت سے یہ سفر مستحب بلکہ حاجی کے لئے قریب وجوب کے ہے۔ا- پہلا جواب یہ ہے کہ مسند احمد میں سند حسن کے ساتھ مرفوعاً ان الفاظ سے یہ حدیث آتی ہے **لاینبغی للمطی ان تشدر حالہ الی مسجد تبغیٰ فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والا قصیٰ و مسجدی ھذا۔** اس روایت سے وضاحت ہوگئی کہ کسی مسجد کی طرف زیادہ ثواب کے لئے سفر کر کے جانا منع ہے سوائے ان تین مسجدوں کے روضہ اقدس کا سفر مسجد کے ثواب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ روضہ اقدس کی زیارت ہی کے لئے ہوتا ہے اس لئے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے۔۲- معنیٰ یہ ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے سفر تین سفر ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی سب سفر ناجائز ہیں۔ گویا حصر ادعائی ہے حقیقی نہیں کہ باقی سب سفر ناجائز ہیں۔۳- صرف مکان کی وجہ سے جو سفر ہونے چاہیں وہ یہی تین ہونے چاہئیں۔ علم کی خاطر یا جہاد کی خاطر یا اور کسی اچھے مقصد کی خاطر کوئی اور سفر بھی ہو تو اس سے یہاں سکوت ہے مدینہ والے محبوب کی خاطر اگر سفر ہو تو اس کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے لیلیٰ سے تعلق رکھنے والا مجنون کہتا ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذاالجدار و ذاالجدارا
وماحب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

۵۵۵ھ میں حضرت احمد رفاعی مدینہ منورہ حاضر ہوئے عرض کیا السلام علیک یا جدّی روضہ اقدس سے آواز آئی وعلیک السلام یاولدی عرض کیا۔

فی حالته البعد روحی کنتُ ارسلها
تقبلُ الارض عنی وھی نائبتی
فھذہ دُولته الا شباح قد حضرت
فامدو یمینکَ کَیُ تحظی بھا شفتی

پہلے میری روح زیارت کے لئے آتی تھی اب دُولتہ الاشباح صورت کا غلبہ یعنی بدن حاضر ہو گیا ہے اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ وہ میرے لبوں کو عزّت دے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالےٰ نقل فرمارہے ہیں کو سورج سے زیادہ روشن دست مبارک روضہ اقدس سے نکلا بوسہ دیا واپس چلا گیا نوّے ہزار کے مجمع نے یہ واقعہ دیکھا۔ یہ ہیں اہل محبت۔ حضرت عبدالرحمٰن بُرائی زیارت روضہ اقدس کے لئے مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو روضہ اقدس کا خادم تلاش کرتا کرتا آگیا کہ آپ کی شکل مجھے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی ہے کہ ان کو کہہ دو واپس چلے جائیں۔ چلے گئے تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ اب عرض کیا کہ اگلی دفعہ ایسا ہو تو وجہ پوچھنا چنانچہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی دفعہ فرمایا کہ اُن سے ہمارا تعلق ایسا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ قبر سے باہر آکر ملوں لیکن قیامت سے پہلے یہ مناسب نہیں ہے اس لئے واپس چلے جائیں یہ سن کر بطور شکر دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد روح پرواز کر گئی۔ یہ ہے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی محبت کی وجہ سے محبوب کے روضہ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے کی کیسے ممانعت ہو سکتی ہے۔ ان مذکورہ تین جوابوں کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ا۔ ابن ہمّام فرماتے ہیں کہ حاجی کے لئے روضہ اقدس کی زیارت قریب وجوب کے ہے۔ ایک حدیث کی وجہ سے جو مرفوع ہے من حج ولم یزرنی فقد جفانی۔ ۲۔ سلف صالحین ہمیشہ روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرتے رہے ہیں مسجد نبوی کا دل میں خیال بھی نہیں گزرتا رہا۔ اس لئے ابن تیمیہ کا یہ قول ٹھیک نہیں ہے۔

صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام

اس عبارت کے دو معنیٰ کیے گئے۔ ا۔ اس ثواب کا مدار مسجد ہونے پر ہے اس لئے بعد میں مسجد نبوی میں جو اضافہ کیا گیا اس میں بھی یہی زائد ثواب ملے گا۔ ۲۔ مدار ہذا کے اشارہ پر ہے اس لئے جو حصہ اس وقت مسجد بنا ہوا تھا صرف اسی میں یہ زائد ثواب ملے گا بعد کی زیادتی میں یہ ثواب نہیں ہے۔ احوط دوسرے قول پر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔

باب مسجد قباء

ا۔ غرض مسجد قباء اور اس میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے لمسجداُسّس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیه. پھر لفظ قباء میں قاف کا ضمہ ہے اور مد ہے اور منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہے مذکر شمار کریں تو منصرف مؤنث شمار کریں تو غیر منصرف۔

کان لا یصلی من الضحٰی الا فی یومین

یہاں ضحٰی کی نماز لغوی معنٰی کے لحاظ سے ہے کیونکہ یہاں جو دو نمازیں مذکور ہیں پہلی نماز طواف کی رکعتیں ہیں دوسری نماز تحیۃ المسجد سے اتفاق سے یہ دونوں ضحٰی کے وقت پائی گئیں۔

باب من اتی مسجد قباء کل سبت

غرض ہر ہفتہ مسجد قبا جانا مستحب ہے یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

باب ایتان مسجد قباء ماشیا وراکبا

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد قباء جانا دونوں طرح مستحسن ہے پیدل جائے یا سوار ہو کر جائے۔

باب فضل ما بین القبر والمنبر

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد نبوی کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں سے افضل ہیں مابین بیتی ومنبری روضۃ ریاض الجنۃ:۔ اور ایک روایت میں بیتی کی جگہ قبری ہے۔ یہ اخبار بالغیب پر محمول ہے کہ مجھے میرے گھر ہی دفن کیا جائے گا۔

سوال۔ بعض روایتوں میں کچھ اختلاف منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں صحابہ میں اختلاف ہوا کہ کہاں دفن کیا جائے۔ جب پیشین گوئی فرمادی تھی تو اختلاف کیوں ہوا۔ جواب۔ گھبراہٹ میں اس حدیث کی طرف ذہن نہیں گیا۔ وفات کی وجہ سے صحابہ کچھ گھبرا گئے تھے۔ پھر روضۃ من ریاض الجنۃ کی تفصیل میں متعدد قول ہیں۔ ا۔ یہ زمین کا ٹکڑا جنت سے یہاں لایا گیا ہے۔ جیسے حجر اسود جنت سے لایا گیا ہے اور قیامت کے بعد دوبارہ یہ ٹکڑا زمین کا جنت ہی میں داخل کر دیا جائے گا۔ ۳۔ اس ٹکڑے میں عبادت کرنے والا جنت میں جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے الجنۃ تحت ظلال السیوف کہ جہاد میں شریک ہونے والا جنت میں جائے گا۔ ۳۔ تشبیہ دینی مقصود ہے کہ نزول رحمت کے لحاظ سے اور برکت کے لحاظ سے یہ ٹکڑا جنت جیسا ہے۔

ومنبری علی حوضی

مختلف معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ اس منبر کو اُٹھا کر قیامت کے دن حوض پر رکھ دیا جائے گا گویا کلام حقیقت پر محمول ہے۔ ۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نیا منبر حوض کوثر پر بنایا جائے گا۔ ۳۔ منبر کے پاس عبادت حوض کوثر کا پانی پینے کا سبب ہوگی اللھم انعم بہ علینا۔

باب مسجد بیت المقدس

غرض بیت المقدس کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب استعانۃ الید فی الصلوٰۃ اذا کان من امر الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے وقت عمل قلیل کی گنجائش ہے لفظ استعانۃ حاجت پر دلالت کرتا ہے بلا حاجت وہ کام عبث ہوگا اور مکروہ ہوگا ایسے ہی جس کام کا تعلق نماز سے نہ ہو وہ بھی عبث اور مکروہ ہوگا۔

باب ما ینھی من الکلام فی الصلوٰۃ

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ جمہور ائمہ کے قول کی تائید کرنی مقصود ہے کہ نسیاناً کلام سے نماز نہیں ٹوٹتی اور من جو اس ترجمۃ الباب میں ہے یہ تبعیضیہ ہے کہ صرف عمداً کلام سے ممانعت ہے اور وہی مفسد صلوٰۃ ہے۔ ۲۔ ہمارے امام ابوحنیفہ کی موافقت فرمائی ہے کہ ہر قسم کی کلام مفسد صلوٰۃ ہے۔ اور من بیانیہ ہے اور یہ دوسرا احتمال ہی راجح ہے کیونکہ نسیاناً کلام میں مستقل باب نہیں باندھا حالانکہ ذوالیدین والی حدیث امام بخاری اپنی کتاب میں کئی جگہ لائے ہیں۔ اِس باب کی روایت میں جو یہ مذکور ہے ان فی الصلوٰۃ شُغُلًا اس کی تنوین میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ تنویع کے لئے ہے۔ ۲۔ تعظیم کے لئے ہے۔ اختلاف: ۔ عندامامنا ابی حنیفۃ نماز میں تکلم عمداً اور نسیاناً دونوں مفسد صلوٰۃ ہیں۔ وعندالجمھور صرف عمداً کلام کرنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ نسیاناً کلام کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے منشاء اختلاف حضرت ذوالیدین اور حضرت ذوالشمالین کا ایک ہی صحابی ہونا ہے یا دو الگ الگ صحابی ہونا ہے ہمارے امام صاحب کے نزدیک ایک ہی ہیں جمہور کے نزدیک دو ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ بدر میں ذوالشمالین شہید ہو گئے تھے۔ اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قوموا للہ قانتین نازل ہوئی جس سے تکلم فی الصلوٰۃ کی ممانعت ہوگئی اور حضرت ذوالیدین تکلم نسیاناً کے واقعہ میں موجود تھے اب اگر حضرت ذوالشمالین اور حضرت ذوالیدین ایک ہی صحابی ہیں تو لامحالہ یہ نسیاناً کلام والا واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ہے۔ اور کلام کی ممانعت غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی اور ممانعت نازل ہونے کے بعد نسیاناً کلام واقع نہ ہوئی۔ اس لئے ہر قسم کی کلام منسوخ ہوگئی خواہ وہ قصداً ہو یا نسیاناً جمہور ائمہ کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین دو صحابی الگ الگ ہیں ذوالشمالین غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ پھر کلام منسوخ ہوئی پھر ذوالیدین والا واقعہ پایا گیا جس میں کلام نسیاناً ہوئی اور اُسی نماز پر باقی نماز پڑھی گئی معلوم ہوا کہ صرف قصداً کلام مفسد صلوٰۃ ہے نسیاناً مفسد نہیں ہے۔ ہمارے مرجحات۔ ا۔ فی النسائی عن ابی ہریرۃ فادرکہ ذوالشمالین شہید ہوئے تھے ان ہی کو ذوالیدین بھی

کہتے تھے۔ جمہور کے مرجحات۔ ا۔ فی ابی داؤد عن ابی هريرة صلى بنا اور حضرت ابو ہریرہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہو چکا۔ معلوم ہوا کہ ذوالیدین جو حضرت ابو ہریرۃ والی روایت میں ہیں یہ الگ ہیں اور ذوالشمالین جو غزوۃ بدر میں شہید ہوئے وہ الگ ہیں۔ جواب صلی بنا کے معنیٰ ہیں صلی بجماعۃ المسلمین آج بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدر میں ہمارے مجاہد کم تھے ہمارے دشمن ایک ہزار تھے ہمیں اللہ تعالےٰ نے فتح دی۔ حالانکہ ہم اُس وقت موجود نہ تھے۔ ۲۔ دوسرا مرجح جمہور کا یہ ہے کہ ذوالشمالین عُمیر خزاعی ہیں اور ذوالیدین خرباق سلمی ہیں۔ جواب۔ عُمیر نام ہے خرباق بمعنیٰ تیز چلنے والا لقب ہے۔ اور نبی سُلیم شاخ ہے نبی خزاعہ کی اس لئے دو ہونا ثابت نہ ہوا۔

باب مایجوز من التسبیح والحمد فی الصلوٰۃ للرجال

غرض یہ ہے کہ لقمہ دینے کی ضرورت ہو تو مَردوں کو چاہیے کہ سبحان اللہ یا الحمدللہ کہیں اور عورتوں کو چاہیے کہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیاں ہاتھ ماریں۔ اور زبان سے کچھ نہ کہیں کیونکہ اُن کی آواز میں بھی پردہ کا لحاظ ہونا چاہئے۔

باب من سمّٰی قوما اوسلم فی الصلوٰۃ علی غیرہ مواجھته وھو لا یعلم

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خطاب کے صیغہ کے ساتھ غائب کو سلام کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی جیسے السلام علیک ایھا النبی ورحمة الله و برکاته۔ اس صورت میں وھو لا یعلم میں ھو کی ضمیر مسلَّم علیہ کی طرف لوٹتی ہے اور یہ باب نسیاناً کلام ہی کا تتمہ ہے کہ جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ غائب ہے اور اس کو علم نہیں کہ مجھے سلام کیا جارہا ہے ۲۔ ھو ضمیر مسلِّم کی طرف لوٹتی ہے۔

کہ غلطی سے اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نمازی نے کسی کو سلام کر دیا تو معاف ہے اور نماز نہ ٹوٹے گی۔ اور یہ امام بخاری ہی کی رائے ہے ان کے نزدیک بہت سے مسائل میں جہالتہ عذر ہے جمہور فقہاء کے نزدیک صرف بعض شاذ و نادر صورتوں میں جہالتہ عذر ہے مثلاً روزہ میں قی آگئی اور کسی مفتی نے غلطی سے فتویٰ دے دیا کہ روزہ ٹوٹ چکا ہے روزہ دار نے اس کے بعد کچھ کھا پی لیا تو اس روزہ دار پر کفارہ نہ آئے گا اور یہاں جہالت کی وجہ سے معافی ہو جائے گی۔ امام بخاری کے نزدیک بہت سے موقعوں میں جہالت کی وجہ سے معافی ہے اُن میں سے ایک موقعہ یہاں بھی مذکور ہے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نماز کے اندر ہی کسی گذرنے والے کو سلام کر دیا تو نماز نہ ٹوٹے گی۔

باب التصفیق للنساء

غرض یہ ہے عورتیں لقمہ دینے کے لئے بھی نہ بولیں بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیاں ہاتھ ماریں عورتوں کی آواز کا بھی پردہ ہوتا ہے۔

باب من رجع القهقریٰ فی صلوته او تقدم بامر ینزل به

غرض یہ ہے کہ عمل قلیل کے درجہ میں کچھ پیچھے ہٹنا یا تھوڑا سا آگے بڑھنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

باب اذا دعت الاُمّ ولدھا فی الصلوٰۃ

غرض اِس خاص صورت کا حکم بتلانا ہے کہ نمازی کو اگر ماں پکارے تو نماز میں جواب دینا ضروری ہے یا نہ اور جواب دینے سے نماز ٹوٹے گی یا نہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالےٰ نے جواب سے سکوت فرمایا کیونکہ اِس مسئلہ میں تین قول ہیں۔ ا۔ فقہاء کا راجح قول یہ ہے کہ جواب دینا واجب نہیں ہے اور اگر جواب دے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جواب دینا واجب ہے۔ ۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر وقت تھوڑا ہو کہ دوبارہ نہ پڑھ سکتا ہو تو جواب نہ دے ورنہ دے دے۔ ظاہر یہی ہے کہ آخری قول میں بھی نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی دوسرے قول میں اعادہ واجب نہیں۔ پہلے قول کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ۔ ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ واقعہ بیان فرمایا تو مقصد جریج کی مدح بیان

کرنی ہے کہ نماز کا بہت خیال کیا اور اس کی نیکی کی وجہ سے کرامت ظاہر ہوئی کہ بچے نے بول کر جریج کی تصدیق کی۔ ۲۔ دوسری وجہ راجح قول کی ترجیح میں یہ ہے کہ جریج کا یہ کہنا اللھم امی وصلوتی یہ بھی نماز کے فاسد ہونے ہی پر دلالت کرتا ہے کہ یا اللہ میں نماز کا لحاظ کروں یا امی کا لحاظ کروں۔ یہ تقابل جبھی تو درست ہوگا جبکہ امی کا لحاظ کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہو۔ اگر نماز نہ ٹوٹتی ہو تو پھر کوئی تقابل نہیں کہ نماز بھی پڑھو امی کو جواب بھی دے دو جواب دینا بھی ضروری ہے اور نماز کا بھی نقصان نہیں۔ دوسرے قول کا استدلال یوں ہے کہ ماں کی بددعاء جو قبول ہوئی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ جریج نے ماں کو تکلیف پہنچائی جواب دینا واجب تھا۔ یہ ریا اور کلام کرنا نماز میں جائز تھی مفسد صلوٰۃ نہ تھی۔ پھر بھی جواب نہ دینا جریج کی غلطی تھی اس لئے اس کے خلاف ماں کی بددعاء قبول ہوگئی اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر جریج گنہگار ہوگیا ہوتا تو اِس کے ہاتھ پر بچے کے بولنے کی کرامت ظاہر نہ ہوتی تیسرے قول کی دلیل جمع بین الدلیلین ہے کہ دلیلیں دونوں قسم کی ہیں تطبیق یہ ہے کہ وقت دیکھ لیا جائے اگر وقت فراخ ہو تو جواب دے کر نماز دوبارہ پڑھ لی جائے اور اگر وقت تنگ ہو تو پھر نماز کو ترجیح دی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ جب دوسرے قول کی دلیل کا جواب ہوگیا تو دو قسم کی دلیلیں باقی نہ رہیں۔ **اللھم امی وصلوتی**:. الادب المفرد للبخاری کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ لفظ حضرت جریج نے دل میں کہے تھے زبان سے نہ کہے تھے۔ **المیامس** :۔ یہ جمع ہے مومسة کی اس کے معنیٰ ہیں اعلانیہ زنا کرنے والی عورت۔ **یابابوس** :۔ ا۔ اس کے معنیٰ چھوٹے بچے کے ہیں کہ فرمایا اے چھوٹے بچے تم خود بتاؤ کہ تمہارا باپ کون ہے۔ ۲۔ بابوس اُس بچے کا نام رکھا گیا تھا **من ابوک** :۔ سوال زنا سے تو نسب ثابت نہیں ہوتا پھر ابوک کیوں فرمایا جواب مجازاً فرمایا کیونکہ زانی باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ **المسائل المستنبطه**: ا۔ ماں باپ کی فرمانبرداری کی عظمت بیان کرنی مقصود ہے کہ حضرت جریج سے تھوڑی سی بات ایسی ہوگئی جو مشابہ نافرمانی کے تھی اُسکی بھی تھوڑی سی سزا دی گئی تو جو نافرمانی جان بوجھ کر ہو تو کیوں نہ قابل سزا ہوگی۔ دنیا میں سزا ہو یا آخرت میں ۲ عام طور پر ماں باپ کی دعاء قبول ہو جاتی ہے۔ ۳۔ اولیاء اللہ کرام کی کرامات حق ہیں جیسے حضرت جریج کی کرامت ظاہر ہوئی کہ بچہ بولا۔ ۴۔ اس آیت کا مضمون ظاہر ہوا **ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا**......

سوال' بہت دفعہ تو اولیاء اللہ پر بھی مصیبت باقی رہتی ہیں۔ جواب۔ وہ صورت مصیبت کی ہوتی ہے حقیقت مصیبت کی نہیں ہوتی۔ علامت یہ ہے کہ حقیقی مصیبت میں پریشانی ہوتی ہے۔ مصیبت کی صورت میں پریشانی نہیں ہوتی ایک قسم کا سکون ہوتا۔

باب مسح الحصافی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ نماز میں کنکری ٹھیک کر لینا ایک دفعہ عمل قلیل سے جائز ہے۔

باب لبسط الثوب فی الصلوٰۃ للسجود

غرض یہ ہے کہ عمل قلیل سے نماز میں کپڑا بچھا لینا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ نماز سے پہلے بچھا لے۔

باب مایجوز من العمل فی الصلوٰۃ

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے عمل قلیل کی بعض جزئیات تھیں جو مفسد صلوٰۃ نہیں ہیں اب قاعدہ کلیہ ذکر فرمادیا کہ کسی عمل قلیل سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی **ان الشیطان عرض لی**: یہ ابلیس نہیں تھا کیونکہ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا غلبہ نہ تھا اُس نے قیامت تک کی مہلت لی ہوئی ہے اور نہ ہی قرین تھا کیونکہ اس پر بھی سلیمان علیہ السلام کا غلبہ نہ تھا کیونکہ اگر اس پر غلبہ ہوتا تو اُن کے زمانہ میں گناہ نہ ہوتے۔ حالانکہ گناہ ان کے زمانہ میں بھی ہوتے رہے ہیں بلکہ ان دونوں کے علاوہ عام بڑے جنات میں سے کوئی جن تھا۔

اذا انفلتت الدابة فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ اگر نماز پڑھ رہا ہو اور پتہ چلے کہ کوئی جانور بھاگ گیا ہے تو جائز ہے کہ نماز توڑ کر پہلے جانور پکڑے پھر نماز دوبارہ شروع سے پڑھ لے تاکہ مصیبت میں پڑنے سے بچ جائے۔

جعلتُ اتقدم الی قوله تا خرتُ

یہ تقدم وتاخر جانور پکڑنے کی طرح ہے معلوم ہوا کہ جانور کی رسی ہاتھ میں پکڑ کر بھی نماز ہو جاتی ہے جبکہ بھاگ جانے کا خطرہ ہو اور کوئی جگہ باندھنے کی نہ ہو۔

باب مایجوز من البزاق والنفخ فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ ایسا تھوکنا اور پھونک مارنا نماز میں جائز ہے جس میں حروف نہ بنیں اور کلام الناس کے مشابہ نہ ہو اس عبارت میں من تبعیضیۃ ہے۔

ثم نزل:۔ اس کے معنی ہیں نزل من المنبر۔

باب من صفق جا ھلا من الرجال فی صلوته لم تفسد صلوته

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر مرد مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے امام کو لقمہ دینے کے لئے بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیاں ہاتھ ماردے تو نماز نہیں ٹوٹتی اس عبارت میں جاہلاً کی قید لگا کر یہ اشارہ فرمارہے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر کہ ایسا کرنا تو عورتوں کے لئے ہے مردوں کو زبان سے سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنا چاہئے یہ جاننے کے باوجود اگر پھر بھی تصفیق ہی کرے گا مرد تو اُس مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ لیکن یہ امام بخاری کی انفرادی رائے ہے جمہور فقہاء کے نزدیک جان بوجھ کر کرنے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور جمہور کی رائے ہی راجح ہے کیونکہ امام بخاری کا استدلال صرف مفہوم مخالف سے ہے اور جمہور کا استدلال منطوق سے ہے کہ عمل قلیل سے نماز نہیں ٹوٹتی اور یہ نہ ٹوٹنا گذشتہ بابوں کی احادیث میں مذکور ہے۔

باب اذا قیل للمصلی تقدم او انتظر فانتظر فلا باس

یہاں انتظر کے معنٰی ہیں تأخر پیچھے ہو جاؤ۔ غرض یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہو دوسرا جو نماز نہیں پڑھ رہا وہ اس نمازی کو کہہ دے کہ آگے ہو جاؤ یا پیچھے ہو جاؤ وہ ہو جائے تو اس سے نماز نہ ٹوٹے گی۔ سوال۔ حدیث میں یہ تو نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں فرمایا تھا بلکہ نماز سے پہلے فرمایا تھا۔ پھر امام بخاری نے اس حدیث سے کیسے استدلال فرمالیا۔ جواب۔ واقعہ تو یہی ہے کہ نماز سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لیکن لفظوں سے یہ بھی نکل سکتا ہے کہ عورتیں نماز پڑھ رہی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی آدمی باہر سے آیا اُس نے نماز میں شریک ہونے سے پہلے عورتوں سے کہا کہ آگے ہو جاؤ یا پیچھے ہو جاؤ عورتیں ہو گئیں۔ گویا امام بخاری نے ظاہر لفظوں سے استدلال فرمالیا اور بخاری شریف میں ایسے استدلال کثرت سے ہیں کہ ظاہر لفظوں سے استدلال فرمالیتے ہیں۔ جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ اگر ایسی صورت پیش آئے اور نمازی اُس باہر کے آدمی کی بات سُن کر فوراً عمل کرلے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ امام بخاری کا تفرد ہی شمار کیا گیا ہے۔

باب لا یرد السلام فی الصلوٰۃ

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر کسی کے سلام کے سلام کا جواب دے گا تو یہ ناجائز ہے اور مفسد صلوٰۃ ہے۔

باب رفع الایدی فی الصلوٰۃ لا مر نزل به

ضرورت میں ہاتھ اُٹھانے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور گناہ بھی نہیں ہوتا۔

باب الحضر فی الصلوٰۃ

غرض یہ ہے کہ تہی گاہ جس کو کوکھ کہتے ہیں اس پر ہاتھ رکھنا نماز میں مکروہ ہے۔ مکروہ ہونے کی وجہ میں مختلف قول ہیں۔ ۱۔ شیطان جب آسمانوں سے زمین پر اتارا گیا تھا تو اُس نے اختصار کیا ہوا تھا جیسا کہ ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں مذکور ہے۔ ۲۔ یہودی کثرت سے نماز میں ایسا کرتے رہتے ہیں۔ ۳۔ اہل جہنم ایسا کرینگے۔ ۴۔ یہ تینوں وجہیں ملحوظ ہیں کیونکہ ان میں کچھ تعارض نہیں ہے۔

باب تفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ

باب کی غرض میں تین توجیہیں وہی ہیں جو اس باب کی پہلی تعلیق کی توجیہیں آئیں گی۔ اس مسئلہ کا ضابطہ یہ ہے کہ نماز میں تفکر

کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں۔ا۔غیر اختیاری خیال آئے یہ معاف ہے۔جب ہوش آئے تو توجہ نماز کی طرف کرے۔۲۔اختیاری طور پر نماز کے الفاظ یا معانی یا ذات اللہ یا صفات اللہ یا استقبال الی القلبۃ سوچنا یہ عین مطلوب ہے۔۳۔اختیاری طور پر دنیا کی باتیں سوچنا یہ مکروہ تحریمی ہے۔۴۔اختیاری طور پر دین کی ایسی باتیں سوچنا جن کی وقتی طور پر شدید ضرورت ہے۔یہ جائز ہے۔۵۔اختیاری طور پر دین کی باتیں سوچنا اور باتیں بھی ایسا ہوں جن کی فوری طور پر کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس صورت کے متعلق دو قول ہیں ایک کراہت کا اور دوسرا عدم کراہت کا احتیاط کراہت والے قول میں ہے۔

قال عمر رضی الله عنه انی لا جهنر جیشی و انا فی الصلوٰة

اس روایت کی توجیہات اور وہی باب کی غرض کی توجیہات ہیں ا۔مذکورہ پانچ توجیہات میں سے پہلی کہ غیر اختیاری طور پر لشکر کا خیال آتا تھا۔۲۔مذکورہ پانچ میں سے چوتھی کہ وقتی ضرورت کی وجہ سے ایسا اختیاری طور پر سوچتے تھے۔۳۔مذکورہ پانچ میں سے آخری کہ حضرت عمر دو عبادتیں جمع فرماتے تھے نماز اور تفکر جہاد لیکن حضرت عمر محدَّث تھے یعنی مُلہَم من اللہ تعالےٰ اس لئے ان کا یہ سوچنا عام مسلمانوں کے خشوع سے بھی اونچا تھا۔اس لئے عام مسلمانوں کے لئے احوط یہی ہے کہ وہ ایسا نہ کریں اور خشوع فی الصلوٰۃ کا خیال رکھیں۔

لکن انا ادری قرأسورة کذا و کذا

حضرت ابوہریرہ فرمارہے ہیں کہ مجھے تو یاد ہے کہ گذشتہ رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء میں فلاں فلاں سورتیں پڑھی تھیں اس روایت کی باب سے مناسبت میں دو قول ہیں۔ا۔بعض صحابہ کی توجہ نماز میں دینا کی باتوں کی طرف چلی جاتی تھی۔۲۔حضرت ابو ہریرۃ بہت زیادہ توجہ نماز کی قراءت کی طرف رکھتے تھے۔

باب ماجاء فی السهوا ذا قام من کعتی الفریضته

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر نمازی دو رکعت پر غلطی سے کھڑا ہو جائے اور تشہد کے لئے بیٹھنا بھول جائے تو قبل السلام سجدہ سہو کرے۔سجدہ سہو کے متعلق کل پانچ حدیثیں آتی ہیں چار فعلی ہیں اور ایک قولی ہے۔ا۔حدیث الباب عن عبد الله بن بحَینته مرفوعاً قام من النتین من الظهر لم یجلس بینهما فلما قضیٰ صلوٰة سجد سجدتین ثم سلم بعد ذلک ۲۔حدیث ذی الیدین جس میں رباعی نمازیں دو پر غلطی سے سلام پھیرنا مذکور ہے۔۳۔عمران بن حصین کی روایت جس میں رباعی نماز میں تین پر غلطی سے سلام پھیرنا مذکور ہے۔۴۔ابن مسعود والی حدیث جس میں پانچ رکعات غلطی سے پڑھ لینا مذکور ہے۔۵۔ابوسعید خدری والی روایت جس میں مرفوعاً قولاً شک کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے کا ذکر ہے۔

باب اذا صلی خمساً

غرض یہ ہے کہ اگر نمازی چار کی جگہ غلطی سے پانچ رکعات پڑھ لے تو بعد السلام سجدہ سہو کرے جیسا کہ اِس باب کی حدیث میں ہے عن ابن مسعود مرفوعاً فسجد سجدتین بعد ما سلم امام بخاری رحمہ اللہ تعالےٰ نے امام مالک کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔

اختلاف عند امامنا ابی حنیفته سجدہ سہو سلام ورنہ قبل السلام وعند احمد اگر ایسی صورت پیش آئی ہے جیسی کہ حدیث میں آ چکی ہے تو حدیث کے مطابق عمل کرے جس صورت میں قبل السلام ہے اُس میں اب بھی قبل السلام ہی کرے اور حدیث کی جس صورت میں بعد السلام مذکور ہے ویسی صورت اگر پیش آگئی ہے تو یہ بھی بعد السلام ہی کرے اور اگر کوئی ایسی صورت پیش آگئی جو حدیث میں نہیں ہے تو پھر قبل السلام سجدہ سہو کرے۔ ولنا روایه ابی داؤد عن عتبه بن محمد مرفوعاً من شک فی صلوٰة فلیسجد سجد تین بعد ما یسلّم وللشافعی روایه ابی داؤد عب عطاء بن یسار مرفوعاً و یسجد سجد تین وهو جالس قبل التسلیم جواب قبل سلام الفراغ مراد ہے۔ ولما لک روایتیں

دونوں قسم کی ہیں تطبیق اُسی طرح ہے جیسے ہم کہتے ہیں کیونکہ اگر زیادتی کی صورت میں قبل التسلیم سجدہ سہو کرے گا تو زیادتی پر اور زیادتی لازم آئے گی اور فساد زیادہ ہوگا اس لئے بھول کر زیادتی ہو جانے کی صورت میں سجدہ سہو بعد التسلیم ہی ہونا چاہئے اور اگر صورت ایسی پیش آئی کہ زیادتی نہ ہوئی تو سجدہ سہو قبل التسلیم ہو کیونکہ سلام پھیرنے سے تو نماز ختم ہو جاتی ہے۔ جواب۔ آپ کی اس تطبیق پر یہ اشکال ہے کہ اگر ایک ہی نماز میں کمی بھی ہو اور زیادتی بھی ہو تو پھر کیا کرے یہی اعتراض امام ابو یوسف نے امام مالک پر کیا تھا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور امام احمد کے ادلہ واجوبہ ضمناً ہو گئے۔

باب اذا سلم فی رکعتین اوفی ثلاث فسجد سجدتین مثل سجود الصلوٰۃ او اطول

جزاء محذوف ہے ای تصح صلوتہ اور ایک نسخہ میں فسجد کی جگہ سجد ہے بغیر فاء کے اس نسخہ پر سَجَدَ ہی جزاء بن جائے گی۔ غرض یہی مسئلہ بتلانا ہے کہ دو یا تین رکعتوں پر سلام پھیر دیا ہو اور پڑھنی چار ہوں تو پھر باقی پڑھ کر سجدہ سہو کرے۔

فقال له ذوالیدین نماز میں سہواً کلام مفسد ہے یا نہ۔ یہ مسئلہ تفصیل سے پیچھے گذر چکا ہے حنفیہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی صحابی کے دو لقب قرار دیتے ہیں۔ طبقات ابن سعد اور ثقات لابن حبان اور الکامل للمبرد میں بھی تصریح ہے کہ یہ دونوں لقب ایک ہی صحابی کے ہیں۔ نیز اس واقعہ میں عمل کثیر کا پایا جانا بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ کہ یہ واقعہ شروع اسلام کا ہے جبکہ عمل کثیر بھی جائز تھا اس سے بھی حنفیہ ہی کی تائید ہوتی ہے۔

باب من لم یتشهد فی سجدتی السهو

ای فان له اصلاً من السنة غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد نہیں ہے۔

اختلاف: عند امامنا ابی حنیفة سجدہ سہو کے بعد تشہد ہے وعند الجمہور نہیں لنا روایته ابی داؤد عن عمران بن حُصین مرفوعاً فسھیٰ فسجد سجدتین ثم تشهد ثم سلم و للجمهور فی ابی داؤد عن محمد بن سیرین مقطوعاً لم اسمع فی التشهد جواب ہماری روایت علم پر مبنی ہے آپ کی عدم علم پر مبنی ہے اس لئے ہماری روایت راجح ہے۔ **تنبیہ**:۔ ایک روایت جمہور کی حنفیہ کے ساتھ بھی ہے۔

باب یکبر فی سجدتی السهو

غرض یہ اجماعی مسئلہ بتلانا ہے کہ سجدہ سہو میں تکبیر بھی کہی جاتی ہے۔

بلیٰ قد نسیتَ:۔ سوال۔ نبی کو نسیان ہو تو شبہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی کوئی بات بھی نسیان والی ہو پھر وحی پر اعتماد کیسے رہے گا۔ جواب۔ جمہور کی تصریح ہے کہ وحی پہنچانے میں نبی نسیان سے پاک ہوتا ہے۔ افعال ذاتیہ میں نبی سے بعض دفعہ نسیان ظاہر ہوتا ہے اس میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے مثلاً یہاں سجدہ سہو کی تعلیم کی حکمت تھی۔ سوال۔ عبادت میں تو سہو نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں شبہ ہوتا ہے کہ عبادت کی طرف توجہ کم ہے۔ جواب۔

یا سائلی عن رسول الله کیف سها
والسهو عن کل قلب غافل لاهی
قد غاب عن کل شیء سرّه فسها
عماسوی الله فی التعظیم لله

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعظیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے زیادہ مشغول ہو جاتے تھے کہ بعض دفعہ رکوع سجدوں اور رکعات کی طرف سے بھی توجہ ہٹ جاتی تھی اس لئے سہو ہو جاتا تھا اس سے عبادت کی بہت اونچی شان ثابت ہوئی۔ کوتاہی ثابت نہ ہوئی۔

باب السهو فی الفرض والتطوع

غرض امام ابن سیرین کا رد ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تطوع میں سجدہ سہو معاف ہے۔ امام بخاری فرما رہے ہیں کہ معاف نہیں ہے۔

باب اذا کُلِّم وهو یصلی فاشار بیده واستمع

غرض یہ ہے کہ نمازی سے کوئی آدمی خطاب کرے اور نمازی سُن کر کوئی اشارہ کر دے تو اس سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

وقد بلغنا ان النبی الله علیه وسلم نها عنهما

اس روایت میں حضرت ابن عباس اور حضرت مسور اور حضرت عبدالرحمن بن از ہر حدیث کو بلغنا کے لفظ سے ذکر فرمار ہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ثقہ بلغنا کے لفظ سے حدیث بیان کر دے تو وہ معتبر ہے۔اس لئے بلاغات مالک اور بلاغات ابی حنیفہ معتبر ہیں۔

باب الا شارة فی الصلوٰة

غرض یہ ہے کہ اشارہ سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا سوال۔ابھی عنقریب اشارہ کا حکم گذر چکا ہے۔دوبارہ کیوں ذکر فرمایا جواب۔اس باب میں اصل ذکر دوسرے کی کلام سننے اور سمجھنے کا تھا اور اشارہ کا ذکر تبعاً تھا۔اب اشارہ کا ذکر قصداً کرنا مقصود ہے۔**کتاب الجنائز**:۔ غرض جنازہ کے متعلق احکام بتلانا ہے اور ربط یہ ہے کہ پہلے زندوں کی نمازوں کا ذکر تھا اب مرنے والوں کے متعلق نماز کا ذکر ہے۔

باب ماجاء فی الجنائز ومن کان آخر کلامه لا اله الا الله

اس کی جزاء محذوف ہے حدیث کی وجہ سے یعنی دخل الجنتہ۔ غرض ایسے شخص کا حکم اور حال بیان کرنا ہے جس کی زبان پر اخیر وقت میں کلمہ طیبہ ہو کہ وہ جنتی ہے۔وجہ یہ ہے کہ۔ا۔کلمہ توبہ کی طرح ہے اس لئے اس سے سب گناہ مٹا دئے جاتے ہیں۔ ۲۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اخیر وقت میں کلمہ طیبہ پڑھنا ایمان کے راسخ اور کامل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اخیر وقت میں وہی چیز زبان پر آتی ہے جس میں ساری عمر مشغول رہا ہو اور جب ایمان کامل ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دخول جنت بھی ضرور نصیب ہوگا۔پھر امام بخاری اشارہ فرمار ہے ہیں مسلم شریف کی حدیث کی طرف عن ابی هريرة لقنوا موتا کم لا اله الا الله اور صحیح ابن حبان اور مسند احمد میں عن ابی ہریرۃ مرفوعاً وارد ہے لَقِنُوا موتا کم لا اله الا الله فانه من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة پھر اس تلقین کے مستحب ہونے پر اجماع ہے لیکن اس میں زیادہ مبالغہ جس سے قریب الموت گھبرا جائے مکروہ ہے جب ایک دفعہ وہ پڑھ لے تو چپ ہو جانا چاہئے پھر اگر دنیا کی کوئی بات کرے تو دوبارہ تلقین کی جائے ورنہ نہیں تلقین کی صورت یہی ہے کہ خود پاس بیٹھ کر پڑھے اُسے کچھ نہ کہے۔دفن کے بعد تلقین نہ کرنا ہی راجح ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس کو منع بھی نہ کیا جائے کیونکہ گنجائش ہے پھر یہ پڑھنا ضمیمہ کے ساتھ ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام نجم الدین عمر نسفی کے بارے میں منقول ہے کہ وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ آپ نے منکر اور نکیر کا کیسے جواب دیا تو فرمایا کہ انہوں نے مجھے نثر کے ساتھ خطاب کیا تو میں نے انہیں نظم میں جواب دیا پس اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ واپس چلے گئے اور اپنے جواب والے اشعار بھی خواب میں سنائے جو بحر خفیف سے ہیں۔

ربی الله لا اله سواه　　ورسولی محمّد مصطفاه
ور لی کتاب ربی ودینی　　هو ما اختاره لنا وار تضاه
ملهبی مرتضی وفعلی ذمیم　　اسال الله عفوه ورضاه

اسی مضمون کے اشعار احقر محمد سرور عفی عنہ کے استاذ محترم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہیں جو ان کی غیر مطبوعہ تصنیف تحفتہ القاری فی حل مشکلات البخاری میں ہیں جس کے مسودہ کا تقریباً بالاستیعاب مطالعہ احقر کو کرنے کی توفیق ہوئی ہے اور تراجم کے اکثر مباحث احقر نے وہاں سے ہی لئے ہیں البتہ مسائل اور اختلافات اور دلائل اور فوائد زیادہ تر احقر نے اپنی تصنیف حسن المعبود فی حل سنن ابی داؤد سے لئے ہیں اور وقتاً فوقتاً عمدۃ القاری اور فتح الباری اور فیض الباری اور اوجز المسالک اور المدونتہ الکبریٰ اور المغنی اور رحمتہ الامتہ اور تفسیر مظہری اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ اور اپنے مشائخ ثلثہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ و حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ و حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہم العالی اور اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری رحمتہ اللہ

تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ بذل المجہود اور معارف السنن اور صحاح ستہ کے حواشی متفرقہ سے بھی احقر نے استفادہ کیا ہے یا اللہ ان سب اکابر کے درجات بلند فرما۔ آمین۔ قبر میں سوالات کے جواب والے اشعار زائد فائدہ کے طور پر احقر لکھ رہا ہے طلبہ کے ذمہ ان کا یاد کرنا ضروری نہیں ہے اور وہ یہ ہیں قال حضرت مولانا محمد ادریس الکاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

الاقا سمعو امنی اهیل مودتی
جواب سوال المنکرین بحفرنی
اذا ستلا عن ربکم ونبیکم
وعن وینکم قولوالجسن تثبت
هوالله ربی مالک الملک کله
و دینی هوالاسلام آخر ملته
واشهد ان الله ارسل احمرا
الی سائرالاکوان انس وجنته
لقد جاء نا بالبینات و بالهدیٰ
هرانا الی الرحمن مولی البریته
علیه صلوٰة الله ثم سلامه
الی ابدالآباد من غیر فترة

من مات لیشرک باللہ شیاءً دخل النار وقلت انامن مات لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنته

یہ الفاظ حضرت ابن مسعود کی روایت میں ہیں گویا وعید مرفوعاً نقل فرمائی اور بشارت موقوفاً نقل فرمائی۔ سوال: مسلم کی روایت میں اس کا عکس ہے عبداللہ بن مسعود ہی سے من مات لایشرک باللہ شیئا دخل الجنته وقلت انامن مات یشرک باللہ شیئا دخل النار یہ تو تعارض پایا گیا جواب۔۱۔ دونوں روایتوں میں سے کسی ایک میں کسی راوی سے نسیان ہوئی ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ بخاری شریف والی روایت میں نیچے کے کسی راوی سے نسیان ہوئی یا مسلم شریف کی روایت میں نسیان ہوئی۔۲۔ اقویٰ سند کے لحاظ سے بخاری شریف والی روایت ہے۔۳۔ حضرت ابن مسعود نے دونوں باتیں مرفوعاً سنی تھیں جیسا کہ دوسرے صحابہ سے دونوں مرفوعاً منقول ہیں پھر حدیث آگے پہنچاتے وقت ابن مسعود کو بعض دفعہ وعید میں شک ہوا تو وہ صرف اپنی طرف منسوب کی مرفوعاً ذکر نہ فرمائی اور بعض موقعوں میں بشارت میں کچھ شک ہوا تو اس کو اپنی طرف منسوب کر دیا یہ بہت اعلیٰ درجہ کی احتیاط تھی حاصل یہ کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور کوئی تعارض نہیں دو مختلف وقتوں میں حضرت ابن مسعود کے بیان فرمانے پر محمول ہیں تعارض میں اتحاد زمانہ شرط ہوتا ہے۔

درتنا قض هشت وحدت شرط داں
وحدت موضوع و محمول و مکان
وحدت شرط واضافت جز وکل
قوة وفعل است درآخر زمان

سوال۔ جس حصہ میں شک تھا اس کو بالکل بیان نہ فرمانا چاہئے تھا۔ اس کو کیسے جان لیا اور کیسے یہاں بیان فرما دیا یہ تو احتیاط کے خلاف ہے۔ جواب۔۱۔ قیاس سے جان لیا اور وہ بھی ادلہ میں داخل ہے۔۲۔ اس آیت کی وجہ سے جان لیا ان الله لایغفران یشرک به ویغفرمادون ذلک لمن یشاء۔

باب الامر باتباع الجنائز: غرض جنازہ کے ساتھ جانے کی مشروعیت کا بیان ہے پھر وجوب یا استحباب کی تصریح نہ فرمائی اس لئے کہ حدیث پاک میں امر مذکور ہے اور امر میں دونوں احتمال ہیں کہ وجوب کے لئے ہو یا استحباب کے لئے ہو اور جمہور فقہاء نے اس کو فرض علی الکفایہ قرار دیا ہے جس میں مجموعی طور پر وجوب وفرضیت ہے کہ کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہونگے اور انفرادی طور پر مستحب ہے پس فقہاء کے قول میں وجوب اور استحباب دونوں کی رعایت موجود ہے۔

والدیباج: ریشم کی ایک قسم۔ **قسی:**۔ ریشمی گدی۔ **والاستبرق:**۔ ریشم کی ایک قسم۔ سوال۔ شروع حدیث میں تو

نھانا عن سبع ہے اور یہاں چھ مذکور ہیں۔ جواب ساتویں چیز کسی راوی سے اس روایت میں رہ گئی وہ ہے المیثرۃ الحمراء سرخ ریشمی گدیاں۔ باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی اکفانہ:۔غرض امام نخعی کا رد ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ مرنے کے بعد غسل دینے والے اور خصوصی گھر والوں کے سوا کسی کے لئے میت کی زیارت مناسب نہیں کیونکہ اس کی خوبصورتی میں تبدیلی آ چکی ہوتی ہے اسی لئے آنکھیں بند کرنے کا اور منہ ڈھاپنے کا حکم ہے ان کا رد کر دیا کہ چہرہ دیکھنا سب کے لئے جائز بلکہ مستحب ہے جیسا کہ اس باب کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے۔

لایجمع اللہ علیک موتتین

دو معنی کئے گئے۔ا۔ایسا نہیں ہے جیسا کہ حضرت عمر کہہ رہے ہیں کہ عنقریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ کئے جائینگے پھر بعد میں دوبارہ موت آئے گی کیونکہ بار بار موت آنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونچے مرتبہ کے خلاف ہے جیسا کہ بطور سزا کے ایسا کیا گیا الم ترالی الذین خرجوا من دیار ھم وھم الوف حذر الموت یا خاص حکمت کی وجہ سے ایسا کیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے اوکالذی مرعلی قریۃوھی خاویۃ علی عروشھا الآیۃ۔ یہاں نہ خاص حکمت ہے نہ زجر مناسب ہے۔۲۔قبر میں سوال جواب کے بعد عام مسلمانوں کی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہ آئے گی کیونکہ نیند تو موت کی بہن ہے النوم اخ الموت۔ ماادری وانا رسول اللہ مایفعل بی:۔اس فرمانے سے غرض۔ ا۔عبدیت کا اظہار۔۲۔یہ فرمانا اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پر محمول ہے لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر۔۳۔آخرت کے انعامات کی تفصیلات کا پتہ نہیں۔

باب الرجل ینعیٰ الی اھل المیت بنفسہ

غرض یہ ہے کہ موت کا اعلان کرنا جائز ہے تا کہ لوگ جنازہ میں شریک ہوسکیں میت کے لئے استغفار کریں اور اس کی وصایا کو نافذ کیا جا سکے۔ سوال نعی سے تو احادیث میں ممانعت آتی ہے جواب۔ا۔میت کے رشتہ داروں کو تکلیف پہنچانے کی نیت سے اعلان کرتے پھرنا منع ہے۔۲۔نوحہ کے ساتھ اعلان کرنا جیسا کہ جاہلیت میں رسم تھی یہ منع ہے۔ بنفسہ:۔اور بعض نسخوں میں نفسہ ہے بغیر باء کے یہ زیادہ واضح ہے دونوں نسخوں کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ آدمی خود ہی اپنے گھر والوں کو اطلاع دے کہ ہمارا فلاں آدمی فوت ہو گیا ہے۔اھل المیت:۔دو معنی کئے گئے۔ا۔یہاں اہل کا لفظ عام ہے رشتہ داروں کو بھی شامل ہے اور اخوت دینیہ والے سب مسلمانوں کو شامل ہے یہاں دینی بھائی ہی مراد ہیں کیونکہ مدینہ منورہ والے مسلمان حضرت نجاشی کے دینی بھائی تھے۔۲۔ترجمۃ الباب میں اہل المیت سے مراد رشتہ دار ہیں۔حدیث سے امام بخاری استنباط فرمانا چاہتے ہیں کہ جب اجنبی لوگوں کو موت کی خبر دینا جائز ہے تو میت کے رشتہ داروں کو بطریق اولیٰ خبر دینا جائز ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ میں اختلاف

عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے وعندالشافعی واحمد جائز ہے منشاء اختلاف اس باب کی حدیث والا واقعہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعاً نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ خرج الی المصلیٰ فصف بھم وکبر اربعاً۔ ہمارے نزدیک یہ حضرت نجاشی کی خصوصیت تھی وعندالشافعی واحمد اس سے قاعدہ کلیہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک کی نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے ہماری وجوہ ترجیح۔ا۔چونکہ وہ خفیۃً مسلمان ہوئے تھے اس لئے ان کے ملک میں کسی نے بھی ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی تھی اس مجبوری سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی اس کو قاعدہ کلیہ نہیں بنا سکتے۔۲۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نجاشی کا بدن مبارک غائب نہ رہا تھا پردے درمیان سے ہٹا دیئے گئے تھے۔یا تھوڑی دیر کے لئے میت کو مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا تھا اس لئے یہ غائبانہ نماز جنازہ نہ رہی حاضرانہ نماز جنازہ ہوئی۔۳۔یہ ان کی خصوصی فضیلت تھی کیونکہ بہت سے صحابہ غائبانہ فوت ہوئے اور غائبانہ

نماز جنازہ صرف حضرت نجاشی کی اور صرف ایک صحابی کی وارد ہے اس کی تفصیل بھی بخاری شریف کی شرح میں کافی دور آئے گی انشاءاللہ تعالےٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے ایک صحابی مدینہ منورہ میں فوت ہوئے تھے اُن کا جنازہ سفر میں حاضر کیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔ ان دو کے علاوہ کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت نہیں ہے۔ خصوصاً غزوہ مؤتہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہونے کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے اُسی وقت بطور معجزہ کے دی لیکن نماز جنازہ نہ پڑھی اس لئے صرف دو حضرات کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا باقیوں کی نہ پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اِن دو حضرات کی خصوصیت ہے یہ عام قاعدہ نہیں ہے۔

ثم اخذ ھا خالدبن ولید من غیر امرۃ ففتح له

اس حدیث پاک سے چند مسائل مستنبط کئے گئے ہیں۔ ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزہ کے اخبار بالغیب فرمائی کہ اب فلاں شہید ہوا۔ اب فلاں شہید ہوا۔ اور معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا ہمارے دلوں میں اور زیادہ پختہ ہوا اور رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا اللھم زدفزد۔ ۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غم ظاہر فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ دل میں شفقت اور رحمت اور رقت کا پایا جانا اچھا ہے۔ نوحہ کی طرح عیب نہیں ہے۔ ۳۔ اضطرار کے درجہ میں بغیر بادشاہ کے امر کے بھی ولایت اور لشکر کی امیری کی گنجائش ہے جیسے حضرت خالد بن الولید امیر لشکر بن گئے حالانکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر نہ بنایا تھا لیکن اُس وقت اضطرار تھا اور بغیر امیر کے مسلمانوں کا بہت نقصان ہونے کا اندیشہ تھا۔ ۴۔ وکیل بنانے میں تعلیق بھی جائز ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر فلاں شخص میرا وکیل ہے جیسے ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر بن جائیں وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر بن جائیں یہ صورت جائز ہے۔

باب الاذن بالجنازۃ

غرض یہ ہے کہ۔ ا۔ یہ خواہش کرنا کہ مجھے نماز جنازہ کے وقت کی اطلاع ہو جائے مستحسن ہے۔ ۲۔ یہ اعلان کرنا کہ فلاں وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی مستحسن ہے۔ فرق:۔ گذشتہ باب اور اِس باب میں یہ فرق ہے کہ گذشتہ باب موت کی خبر کرنے کے متعلق تھا کہ جس کو موت کا پتہ نہ ہو اس کو بتلا دیا جائے کہ فلاں شخص کی موت واقع ہوگئی ہے اور اس باب میں نماز جنازہ کا وقت بتلانا یا معلوم کرنا مقصود ہے۔

باب فضل من مات له ولد فاحتسب

غرض اُس شخص کی فضیلت کا بیان کرنا ہے کہ جس کا کوئی بچہ فوت ہو گیا ہو اور اس نے اس کو ثواب کا ذریعہ سمجھا ہو کہ اس کو واقعی بہت ثواب ملے گا۔ **لا یموت لمسلم ثلاثة من الولد فیلج النار الا تحلة القسم** :۔ اس تحلۃ القسم میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے وان منکم الا واردھا تقدیر عبارت یوں ہے وان منکم واللہ الا واردھا حاصل معنیٰ یہ ہوئے کہ تھوڑا سا جہنم پر سے گذر جائے گا نہ داخل ہوگا نہ اِس کو عذاب ہوگا صرف آیت والی قسم پوری ہونے کے لئے تھوڑا سا گذرنا پڑے گا۔ **باب قول الرجل للمرأة عند القبر اصبری** غرض یہ ہے کہ کوئی عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی ہو تو اسے کہنا کہ صبر کر یہ مستحسن ہے۔

باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر

غرض یہ ہے کہ میت کو بیری کے پتوں والے پانی سے غسل اور وضوء دونوں کرانے چاہئیں پھر غسل تو واجب ہے اور وضوء سنت ہے۔

وحنطه ابن عمر رضی اللہ عنھما ابناً لسعید بن زید

سوال۔ یہ روایت تو باب کے مناسب نہیں کیونکہ اس میں خوشبو لگانے کا ذکر ہے تحنیط کے معنی خوشبو لگانے کے ہیں اور باب میت کو غسل دینے کا باندھا ہوا ہے۔ جواب خوشبو غسل دینے کے بعد ہی تو

لگائی جاتی ہے اس لئے بطور اقتضاء النص کے غسل کا ذکر پایا گیا۔

باب مایستحب ان یغسل وتراً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ طاق کالحاظ کرنا غسل میں مستحب ہے۔

باب یبدأ بمیامن المیت

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ غسل میت میں دائیں طرف کو پہلے دھونا مستحب ہے اور اس میں حکمت نیک فالی کی ہے کہ امید ہے کہ اس کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

باب مواضع الوضوء من المیت

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت پہلے وضوء کی جگہوں کو دھونا سنت غیر موکدہ کے درجہ میں ہے۔

باب یجعل الکافور فی آخرہ

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ غسل کے اخیر میں کافور لگانا سنت غیر موکدہ ہے۔ باب نقض شعر المرأة:۔ غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ میت عورت کو غسل دیتے وقت بالوں کا کھولنا اور دھونا ضروری ہے۔

باب کیف الا شعار للمیت

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے۔ کہ زندہ آدمی کی طرح ازار کو بل دینے کی یا گرہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سادہ طریقے سے لپیٹ دے۔

باب ھل یجعل شعر المرأة ثلثة قرون

ہل کا جواب محذوف ہے جو حدیث سے سمجھ میں آرہا ہے یعنی نعم اور بعض نسخوں میں ہل نہیں ہے غرض یہ بتلانا ہے کہ عورت میت کے بال تین مینڈیوں کی صورت میں کرنے چاہئیں اختلاف:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ بغیر کنگھی کئے عورت کے بال دو حصے کر کے آگے ڈالنے چاہیں وعندالجمہور تین مینڈیاں کر کے پیچھے ڈالنی چاہیں لنا روایۃ عمدۃ القاری ومصنف عبد الرزاق عن عائشۃ موقوفاً عَلامَ تَنصُوْن میتکم تم کسی بنا پر اپنی میت کو کنگھی کرتے ہو معلوم ہوا کہ میت کا حال زندہ کی ضد پر ہے زندہ عورت کنگھی کرتی ہے میت کو کنگھی نہ کی جائے زندہ عورت کی مینڈیاں ہوتی ہیں میت کی نہ کی جائیں زندہ عورت کے بال پیچھے ہوتے ہیں اس کے آگے کئے جائیں۔ وللجمہور حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن ام عطیۃ موقوفاً ضفرنا شعر بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تعنی ثلاثۃ قرون وفی روایۃ للبخاری والقینا ھا خلفھا جواب۔ یہ ان صحابی عورتوں کا اپنا اجتہاد تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین مینڈیاں پیچھے کرنے کا امر فرمانا یا مطلع ہونا ثابت نہیں اور حضرت عائشہ صحابیات میں سب سے زیادہ فقیہہ تھیں۔

باب یلقی شعرا لمرأة خلفھا

غرض یہ کہ مستحب یہ ہے کہ میت عورت کے بال پیچھے رکھے جائیں تفصیل اختلاف کی ابھی گذر چکی۔

باب الثیاب البیض للکفن

غرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ کفن سفید کپڑوں کا بنانا سنت ہے۔ ربط یہ ہے کہ پیچھے غسل کا ذکر تھا اب کفن کا ذکر ہے۔ یمانیۃ:۔ یمن کی طرف نسبت ہے الف بڑھا دیا گیا ہے اور الف کے بڑھانے ہی کی وجہ سے یائے نسبت جو مشدد ہوتی ہے اس کو مخفف کر دیا گیا ہے۔ سحولیۃ یمن میں ایک جگہ ہے۔ سَحُول اُس کی طرف نسبت ہے۔

باب الکفن فی ثوبین

غرض غریبی اور مجبوری کا کفن بیان کرنا ہے کہ ایسی صورت میں دو کپڑے بھی کافی ہیں۔ فوقصتہ:۔ وقص کے معنیٰ گردن توڑنے کے ہیں۔ معنیٰ یہ کہ اونٹی نے گرادیا لیکن یہ گرانا سبب تھا گردن ٹوٹنے کا اس لئے اسناد مجازی کے طور پر فرمادیا گیا کہ اونٹنی نے گردن توڑ دی۔

باب الحنوط للمیت

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ غیر محرم کے لئے مرنے کے بعد خوشبو لگانا مستحب ہے۔ اقعاص اور اقصاع کے معنیٰ جلدی قتل کرنے کے ہیں۔

باب کیف یکفّن المحرم

غرض طریقہ بیان کرنا ہے محرم کو کفن دینے کا۔ اختلاف:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ و مالک مرنے کے بعد احرام کا حکم باقی نہیں رہتا عند الشافعی واحمد باقی رہتا ہے ولنا روایۃ موطأ محمد عن نافع ان ابن عمر کفّن ابنہ واقد بن عبد اللہ وقد مات محرما با لجحفۃ و خمّر راسہ و للشافعی واحمد روایۃ ابی داؤد والبخاری حدیث الباب عن ابن عباس مرفوعاً ولا تمسوہ طیباً ولا تخمرّ وا راسہ فان اللہ یبعثہٗ یوم القیا مۃ ملبّدا و فی روایۃ للبخاری ملّبیا. جواب یہ اُس صحابی کی خصوصیت ہے کیونکہ ضمیر میں اصل یہی ہے کہ وہ شخص مُعین کی طرف لوٹتی ہے۔ اُس صحابی کو مُعین فرما کر فرمادیا کہ یہ تلبیہ کہتا ہوا اُٹھے گا جو حج قبول ہونے کی قطعی دلیل ہے ہم ہر ایک کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے اس لئے ہر ایک پر مرنے کے بعد حج کے احکام کو باقی بھی نہیں رکھ سکتے کہ نہ خوشبو لگائیں نہ سر ڈھانپیں۔

باب الکفن فی القمیص الذی یُکفُّ اولا یکف و من کفن بغیر قمیص

غرض میں اقوال مختلف ہیں۔ ا۔ القمیص المکفّف اِس قمیص کو کہتے ہیں جس کے حاشیہ پر سلائی کی گئی ہو اور یُکفّ مجہول کا صیغہ ہے۔ اور معنیٰ یہ ہیں کہ مکففّ اور غیر مکفّف ہر طرح قمیص میں دفنانا جائز ہے اور غرض رد کرنا ہے اس شخص پر بھی جو مکفف سے منع کرتا ہے اور اس شخص پر بھی جو مکفّف کو مستحب قرار دیتا ہے۔ یعنی مباح ہے نہ مستحب ہے نہ مکروہ ہے۔ ۲۔ یہ لفظ فاء کے شد کے ساتھ معروف پڑھا گیا ہے اور غرض یہ ہے کہ صالحین کی قمیص سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے پھر واقع میں وہ قمیص عذاب سے روکے یا نہ روکے جیسا کہ منافع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص نے عذاب سے نہ روکا۔ ۳۔ کاف کی تخفیف کے ساتھ ہے اور اصل لفظ یکفی اولا یکفی تھا یاء کسی کاتب سے ساقط ہوئی ہے غرض یہ ہے کہ قمیص گھٹنوں تک یا پوری قمیص پاؤں تک ہو دونوں طرح ٹھیک ہے۔ **ومن کفّنَ بغیر قمیص**:۔ باب کے ترجمہ کے اِس حصہ کا مقصد یہ ہے کہ فقر یا سفر کی وجہ سے قمیص کے بغیر بھی کفن دے دینا جائز ہے۔

ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم

سوال۔ جب استغفار پر بخشش کی نفی کر دی گئی تھی تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کیوں فرمایا جواب۔ بلغاء کی اصطلاح میں اس کو تلقی المخاطب المتکلم بغیر ماارادہ کہتے ہیں کہ مخاطب متکلم کی کلام کو ایسے معنیٰ پر محمول کر لے جو بظاہر متکلم نے مراد نہیں لئے اِس امید پر کہ مخاطب کی درخواست متکلم قبول کر لے اور ارادہ بدل دے کہ یا اللہ ظاہری ایمان پر ہی بخشش فرمادیں اِس بخشش کی خاطر میں ستّر سے زائد مرتبہ استغفار کرلونگا آپ نے جو او کے ساتھ ذکر فرمایا ہے استغفرلھم اولا تستغفر لھم اس میں لفظوں کے لحاظ سے اختیار بھی نکل سکتا ہے آپ اِسی تخییر اور اختیار دینے ہی کا ارادہ فرمالیں اور اِن منافقین کی بخشش فرمادیں پھر نبی کریم صلی علیہ وسلم کا منافق پر نماز پڑھنا کِس وجہ سے تھا اس میں دو قول ہیں۔ ا۔ ظاہری اسلام لانے پر مدار رکھا۔ کہ اللہ تعالےٰ اسے ہی بخشش کا ذریعہ بنا دیں۔ ۲۔ اس نماز پڑھنے سے خزرج کے قبیلہ کے لوگوں کے ایمان لانے کی امید تھی اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس منافق پر نماز پڑھی تھی چنانچہ ایک روایت کے مطابق ایک ہزار آدمی خزرج قبیلہ کے مسلمان ہوگئے اس لحاظ سے یہ ارشاد استغفر لھم اولا تستغفر لھم ایسا ہی ہے جیسے ارشاد پاک ہے۔ ان الذین کفروا سواء علیھم انذرتھم ام لم تنذر ھم لا یومنون۔ کہ تبلیغ کا کافروں کو فائدہ نہ ہوگا آپ کو ثواب ہوگا ایسے ہی استغفار کا اِس منافق کو فائدہ نہ ہوگا جس کے لئے استغفار کیا جارہا ہے دوسرے کافروں کو فائدہ ہوسکتا ہے کہ شاید اس نرمی کی وجہ سے اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئیں جیسا کہ ابھی روایت نقل کی گئی ایک ہزار کے ایمان لانے کی۔

باب الكفن بغير قميص

غرض رد کرنا ہے ہمارے امام ابوحنیفہ پر جو قمیص کے قائل ہیں اور جمہور ائمہ کے نزدیک کفن میں قمیص نہیں ہے۔ ولنا۔ا۔ روایۃ کامل لا بن عدی عن جا بر قال كَفَنَ النبی صلی الله علیه وسلم فی ثلثته اثواب قميص وازار ولفافته. ۲. فی ابی داؤد عن ابن عباس قال كفن رسول الله صلى الله عليه وسلم فی ثلثته اثواب قميصه الذی مات فيه وحُلتِهِ نجرنیته و للجمهور. ا حديث الباب عن عائشته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كفن فی ثلثته اثواب ليس فيها قميص ولا عمامته. جواب۔ا۔ ہماری روایت مثبت ہے آپ کی نافی ہے اور عند التعارض مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ اس معاملہ میں مردوں کی روایت عورتوں پر راجح ہے۔۳۔ نفی قمیص متعارف کی ہے کہ کوئی نئی قمیص متعارف طریقہ سے سلائی گئی ہو اور یہ پہنائی گئی ہو۔

باب الكفن بلا عمامته

غرض اُس شاذ قول کا رد ہے کہ عمامہ بھی کفن میں ہونا چاہئے ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ عمامہ نہ ہونا چاہئے۔

باب الكفن من جميع المال

غرض رد کرنا ہے حضرت خلاس بن عمرو اور حضرت سعید بن مسیب اور حضرت طاؤس کے قول پر جو قائل تھے اس کے کہ کفن ثلث مال میں سے ہوتا ہے ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک کل مال میں سے ہوتا ہے ہماری دلیل حديث الباب عن عبدالرحمن بن عوف موقوفاً قُتل حمزۃ اور رجل آخر خیر منّی فلم یوجدله مایكفن فيه الا بُردة ولطاؤس و من معه قياس ہے وصیت پر جواب۔ حدیث کی موجودگی میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب اذا لم يوجد الا ثوب واحد

غرض میں دو قول ہیں۔ا۔ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر ایک ہی کپڑا ہو تو دوسرے اور تیسرے کپڑے کے انتظار میں دفن میں دیر نہ کی جائے۔۲۔ یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر میت دو ہوں اور کپڑا ایک ہو تو ایک میں دفن کر دینا جائز ہے درمیان میں گھاس رکھ دی جائے گی سوال۔ اس باب کی حدیث میں تو دو کا ذکر نہیں ہے۔ جواب۔ا۔ جس حدیث میں دو کا ذکر ہے وہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے صرف باب میں اشارہ فرما دیا۔۲۔ باب کی حدیث پر قیاس فرمایا اور علتِ مشترکہ ضرورت ہے۔ جیسے ضرورت کی وجہ سے تین کی جگہ ایک کپڑا کفن میں دیا جا سکتا ہے ایسے ہی ضرورت کی وجہ سے دو کو ایک کپڑے میں بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔

باب اذا لم يجد كفنا الا ما يوارى راسه او قدميه غَطّٰی به راسه

غرض اِس مسئلہ کا بیان ہے کہ اگر کفن کا ایک ہی کپڑا ہو اور وہ چھوٹا ہو تو سر ڈھانپ دیا جائے اور پاؤں پر گھاس وغیرہ ڈال دی جائے۔ یَھْدِ بُھا:۔ پھل کاٹتا ہے۔

باب من استعدالكفن فی زمن النبی صلى الله عليه وسلم فلم ينكر عليه

غرض یہ ہے کہ زندگی میں ہی کفن اپنا خود تیار کر لینا جائز ہے بلکہ قبر کھود لینا بھی جائز ہے تاکہ نفس نیکی میں زیادہ کوشش کرے سوال۔ ماتدری نفس بای ارض تموت تو اس کے خلاف ہے جواب۔ اس آیت میں علم کی نفی ہے کہ پتہ نہیں ہے۔ نفس کو کہ کس زمین میں موت آئے گی۔ قبر کھودنے کی کراہت تو اس سے ثابت نہیں ہوتی باب اتباع النساء الجنائز:۔ غرض یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ ساتھ عورتوں کا جانا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے ولم یُعزَمَ علینا۔

باب حدّ المرأة على غير زوجها

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عورت کے لئے جائز ہے کہ غیر زوج کے مرنے پر تین دن زینت کے کپڑے نہ پہنے البتہ زوج کی موت

پر زینت کا چھوڑنا پوری عدّت میں ضروری ہے۔ **باب زیارۃ القبور**:۔غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مَردوں کے لئے تو مطلقاً قبرستان میں جانا جائز ہے اور عورتوں کے لئے اگر فتنہ کا اور جزع فزع کا اندیشہ نہ ہو تو گنجائش ہے اور دوسرا قول جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً منع ہے البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر سب کے نزدیک عورتوں اور مردوں کی حاضری مستحسن ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعذب المیّت ببعض بکاء اھلہ علیہ اذا کان النوح من سنتہ

غرض میں دو قول ہیں ا۔حضرت عمر اور ابن عمر کا قول منقول ہے کہ نوحہ کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے اور حضرت عائشہ اس کا انکار فرمایا کرتی تھیں اِن دونوں قولوں میں جو تعارض ہے امام بخاری اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں کہ جب مرنے والے کا اپنا طریقہ ہی نوحہ کرنے کا تھا تو اُس طریقہ کی وجہ سے اُس کے مرنے کے بعد بھی نوحہ کیا جائے تو چونکہ وہ سبب بنا اس لئے اس کو عذاب ہوتا ہے یہی مراد حضرت عمر اور ابن عمر کی ہے اور اگر اُس کا طریقہ نہ ہو تو پھر مرنے کے بعد اگر اُس پر نوحہ کیا جائے تو مرنے والے کو عذاب نہ ہوگا اور یہی مراد حضرت عائشہ کی ہے پس کوئی تعارض نہ رہا۔۲۔امام بخاری کی غرض میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں ہے ببعض بکاء اہلیت اور بعض دوسری روایات میں ہے بکاء اہلیت تو امام بخاری مطلق کو مقید پر محمول کرنا چاہتے ہیں کہ سب میں یہی مراد ہے ببعض بکاء اہلیت پھر میت کو جو عذاب ہوتا ہے اس کی تفصیل میں متعدد قول ہیں۔ا۔ یہ عذاب والی حدیث کافروں کے متعلق ہے کہ اُن کو تو عذاب ہو رہا ہے اور اُسی عذاب کے زمانہ میں لوگ اُن پر نوحہ کر رہے ہیں اور ان کی تعریفیں کر کر کے رو رہے ہیں باء ظرفیت کی ہے سببیت کی نہیں ہے۔۲۔ یہ حدیث اُس شخص کے متعلق ہے۔جس نے وصیت کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری خوب تعریفیں کرنا اور خوب نوحے کرنا۔۳۔گھر والوں کی عادت تھی نوحہ کرنے کی یہ منع کر سکتا تھا پھر بھی اس میت نے مرنے سے پہلے منع نہ کیا تو یہ بھی اسی درجہ میں ہے کہ گویا مرنے کے بعد نوحہ کرنے کی وصیت کر دی اس لئے مرنے کے بعد اپنی اِس بُرائی کی وجہ سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔۴۔ جب عورتیں جھوٹی تعریفیں نوحہ میں کرتی ہیں واسیداہ واجبلاہ تو فرشتے اُس مرنے والے کو کہتے ہیں کہ کیا تم ایسے تھے تو اس سے اُس میت کو تکلیف ہوتی ہے اور افسوس ہوتا ہے اسی کو عذاب سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی مرفوع روایت میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔۵۔مسلمانوں اور کافروں کو نوحہ کرنے کے زمانے میں اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔۶۔بعض دفعہ میت کو نوحہ کرنے والوں کی حالت دکھائی یا بتلائی جاتی ہے تو میت کو افسوس ہوتا ہے کہ اِس نوحہ کا کیا فائدہ۔ اِس افسوس کو عذاب کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا ہے۔۷۔ ایک خاص یہودی کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے اور مقصود اتحادِ زمان ہے کہ اُس کو تو عذاب ہو رہا ہے اور یہ اس کی تعریفیں کر کے نوحہ کر رہے ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے **عن عائشۃ انما مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قبر یہودی فقال ان صاحب ھذا لیعذب واھلہ یبکون علیہ**

وما یرخص من البکاء فی غیر نوح

اِس عبارت کا عطف ترجمۃ الباب کے شروع حصہ پر ہے اور اس میں ترجمۃ الباب کی وضاحت ہے۔ تقعقع:۔اس کی حالت بدل رہی تھی۔کانھا شن:۔معنیٰ یہ ہیں کہ بچہ کمزوری میں پرانے مشکیزے کی طرح تھا۔اور ایک روایت میں یوں ہے کانھافی شن۔وہ ایسا تھا جیسے کنکریاں پرانی مشک میں ہوں۔گویا بچے کے بدن کو کمزوری میں پرانے مشکیزے سے تشبیہ دی گئی اور اس میں روح کو کنکریاں کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی کہ بدن کمزور تھا اور معمولی روح باقی تھی۔

ھل منکم رجل لم یقارف اللیلتہ

اس کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ا۔کیا کوئی ہے کہ جس نے آج رات کوئی گناہ نہ کیا ہو۔۲۔جماع نہ کیا ہو اس دوسرے معنیٰ میں

حضرت عثمان پر تعریض ہے یعنی اشارۃ اعتراض ہے کہ تم نے اپنی اُس بیوی سے اعراض کیا جو اُسی رات فوت ہوگئی اور اپنی کسی لونڈی کے ساتھ مشغول ہوگئے لیکن یہ اعتراض اور تنبیہ خلاف اولیٰ ہی پر تھی کیونکہ حضرت عثمان کو کیا پتہ تھا کہ یہ ان کی آخری رات ہے اور ان کی لمبی بیماری کی وجہ سے اپنی خواہش پوری کرنے کے محتاج ہوگئے تھے اور یہ ثابت نہیں ہے کہ حالت نزع شروع ہونے کے بعد یا وفات کے بعد مشغول ہوئے ہوں اس لئے یہ مشغول صرف خلاف اولیٰ تھی۔ پھر حضرت ابوطلحہ کا یہ قبر میں اترنا کچی اینٹیں درست کرنے کے لئے تھا اور قبر میں رکھ دینے کے بعد تھا اس لئے بدن کو مس کرنا لازم نہ آیا اور حضرت ابوطلحہ اینٹیں درست کرنے میں ماہر بھی تھے۔

قال ابن عباس عند ذلک والله هو اضحک وابکی

غرض یہ ہے کہ جیسے رونا اور ہنسا غیر اختیاری ہے ایسے ہی نوحہ کرنے والوں کا نوحہ کرنا میت کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو عذاب نہ ہونا چاہئے گویا حضرت عائشہ کے قول کی تائید فرما دی پھر اس پر ابن عمر کا سکوت ترک مجادلہ کے درجہ میں ہے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے بھی حضرت عائشہ کے قول کی تائید فرمادی۔

سَمُرہ:۔ ببول کا درخت جو گھنا ہوتا ہے۔

باب ما یُکرَہُ من النیاحته علی المیّت

غرض یہ ہے کہ نوحہ مکروہ ہے اور من بیانیہ ہے۔

باب: یہ ماقبل کا تتمہ ہے۔

باب لیس منا من شق الجیوب

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ جو غم میں کپڑے پھاڑتا ہے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے سوال۔ حدیث پاک میں تو تین چیزیں تھیں باب میں صرف ایک کیوں ذکر فرمائی۔ جواب امام بخاری یہ اشارہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تینوں میں سے ہر ایک محل وعید ہے اسی لیے تین باب باندھے اور ہر ایک میں ایک ایک گناہ ذکر فرمایا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ صرف تینوں کا مجموعہ محل وعید ہے۔

باب رثی النبی صلی الله علیه وسلم سعد بن خولته

غرض یہ ہے کہ مرنے والے پر شفقت کا اظہار جائز ہے۔ سوال ابن ماجہ اور مسند احمد میں **عن عبد الله بن ابی اوفی مرفوعاً ھے نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی** اور یہاں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رثاء فرمانا مذکور ہے جواب رثاء مصدر ہے اس کے دو معنیٰ آتے ہیں۔ ا۔ غم بڑھانا۔ ۲۔ شفقت ظاہر کرنا یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں اور ابن ماجہ والی روایت میں پہلے معنیٰ سے ممانعت ہے۔

باب ما ینهی من الحلق عند المصیبته

غرض عورتوں کا حلق راس حرام ہے اور مصیبت کے اظہار کے لئے مردوں کے لئے بھی منع ہے۔ سوال۔ حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے باب میں امام بخاری نے صرف ایک کیوں ذکر فرمائی۔ جواب۔ ا۔ عورتوں کے حق میں حلق ان تینوں مذکورہ چیزوں میں سے زیادہ قبیح ہے وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ ا۔ صالقہ۔ نوحہ میں آواز بلند کرنے والی۔ ۲۔ حالقہ سر منڈانے والی۔ ۳۔ شاقہ گریبان پھاڑنے والی۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر ایک گناہ ہے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہر ایک کے لئے الگ الگ باب باندھ دیا اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ شاید صرف تینوں کا مجموعہ گناہ ہے اکیلے اکیلے ہر ایک کام میں شاید کوئی گنجائش ہو پھر اس باب میں جو ما ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ موصولہ اور من بیانیہ ۲۔ ما مصدریہ اور من زائدہ ای باب نهی الحلق عند المصیبته۔

باب لیس منامن ضرب الخدود

غرض ضرب خدود کی کراہت کا بیان ہے۔

باب ما ینهی من الویل و دعوی الجاهلیته عند المصیبة

غرض نوحہ کی ممانعت کا بیان ہے۔ ما موصولہ ہے اور من میں

دونوں احتمال ہیں بیانیہ اور تبعیضیہ دوسرے احتمال میں اُن آیات اور احادیث کو نکالنا مقصود ہے جن میں لفظ ویل استعمال کیا گیا ہے۔

باب من جلس عند المصيبته يعرف فيه الحزن

غرض یہ ہے کہ مصیبت میں اعتدال کے ساتھ غم ظاہر کرنے کی گنجائش ہے۔

ولم تترک رسول الله صلی الله علیه وسلم من العناء

اس عبارت کی دو توجیہیں ہیں۔ا۔حضرت عائشہ یہ فرمارہی ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ اگر حرام کے درجہ کا نوحہ کررہی ہیں تو منع کردو۔ وہ ایسا نہیں کررہیں۔تم اُن کو پوری بات نہیں پہنچارہے جاکر یہ کہہ رہے ہو کہ رونا بند کردو اور پھر شکایت کررہے ہو کہ وہ بات نہیں مان رہیں اس سے نبی کریم کو مشقت ہو رہی ہے یہ چھوڑ دو۔۲۔بعض رونے والی نوحہ بھی کررہی تھیں لیکن یہ صاحب اُن کو پورا پیغام نہیں پہنچارہے تھے۔مثلاً یہ کہ ایسے طریقہ سے منع کررہے تھے کہ وہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ اپنی طرف سے منع کررہے ہیں اور اپنی کوتاہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ بتلارہے تھے کہ کسی اور کو بھیج دیا جاتا اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشقت ہو رہی تھی کہ وہ گناہ کررہی ہیں اور میری بات نہیں مان رہیں اس مشقت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نجات مل جاتی:۔

باب من لم يظهر حزنه عند المصيبة

غرض اِس باب سے یہ ہے کہ صبر کا اونچا مقام ہے۔سوال گذشتہ باب میں اظہار حزن تھا یہاں عدم اظہار حزن ہے تو یہ تعارض ہے۔جواب۔گذشتہ باب میں بیان جواز تھا اب بیان اولو یۃ ہے ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین۔

فرأيتُ لهم تسعة اولادِ

مراد بلا واسطہ اولاد ہے اوران کے مبارک نام یہ ہیں۔اسحٰق۔ اسماعیل۔یعقوب۔عُمیر۔عمر۔محمد۔عبداللہ۔زید۔قاسم۔

باب الصبر عند الصدمه الاولىٰ

غرض اُس صبر کا مصداق بتلانا ہے جس کے فضائل قرآن وحدیث میں ہیں اور جس کو قرآن پاک میں مورد صلوٰت اور مورد رحمۃ قرار دیا گیا ہے اور جس کے ساتھ موصوف ہونے والوں کو مہتدین قرار دیا گیا ہے۔**العدلان**:۔جانور پر جو بوجھ لادا جاتا ہے اُس بوجھ کی ہر جانب کو عِدل کہتے ہیں اور دونوں جانبوں کو عدلان کہتے ہیں۔**العلاوہ**:۔وہ وزن جو عدلان کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ یہاں عدلان کا مصداق صلوٰت اور رحمت ہیں اور علاوہ کا مصداق ہدایۃ ہے جو ھم المھتدون کے ضمن میں مذکور ہے۔ باب کے مقصد کا حاصل یہ ہوا کہ یہ سب فضائل اُسی صبر کے ہیں جو مصیبت کے بعد فوری طور پر اختیار کیا جائے کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد تو ہر ایک کو صبر آہی جاتا ہے۔

انا لله وانا اليه راجعون

اِن آیتوں میں متعدد اسباب صبر صراحتہً یا اشارۃً بیان فرمائے گئے ہیں مثلاً۔ا۔وبشر الصابرین میں تبشیر میں اشارہ ہے کہ مصیبت آئے تو سوچا کرو کہ اس کا ثواب بہت ملے گا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی وفات پر سب سے زیادہ سکون ایک دیہاتی کے دو شعروں سے ہوا۔

اصبر نكن بک صابرين فانما
صبرا لرعيته بعد صبر الراس
خير من العباس اجرک بعده
والله خير منک للعباس

۲۔وبشر الصابرین الذین میں جمع کے صیغوں میں اِس مراقبہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایسی مصیبتوں میں اکیلا نہیں ہوں سب کو آتی رہتی ہیں مرگ انبوہ جشنے دارد۔۳۔ اذا اصابتھم مصیبۃ میں اذا استعمال فرمایا جو یقین کے لئے ہے اشارہ تقدیر کے مسئلہ کی طرف ہے جو مشکل تھا لیکن صرف اس لئے اجمالاً ذکر فرمادیا گیا تاکہ مصیبت میں زیادہ غم نہ ہو اور راحت میں فخر وتکبر نہ

پیدا ہو لکیلاتأ سوا علی ما فاتکم ولا تفرحوابما اتکم۔۴۔ انا للہ میں عقلی غم کا ازالہ ہے کہ وہ حاکم ہیں کسی کو اعتراض کا حق نہیں جس کو چاہیں دنیا میں رکھیں جس کو چاہیں آخرت میں لے جائیں جس کو چاہیں امیر بنائیں جس کو چاہیں غریب بنائیں جس کو چاہیں صحت دیں جس کو چاہیں مرض دیں تعزّمن تشاء و تذل من تشاء. ۵. وانا الیہ راجعون میں طبعی غم کا ازالہ ہے اگر کسی ملنے والے سے یا مال سے یا صحت سے جدائی ہوئی ہے تو یہ جدائی عارضی ہے ہمارے مرنے کے بعد یہ جدائی دور ہوجائے گی اور وہ ہم سے پہلے مرنے والا بھی ہمیں مل جائے گا اور جنت میں مال اور صحت بھی اعلیٰ درجے میں مل جائینگے ۔۶۔ راجعون میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مرنے والا اپنے اصلی وطن کی طرف لوٹ گیا ہے۔ ہم بھی اپنے اصلی وطن آخرت کی طرف لوٹنے والے ہیں فی الحال سفر میں ہیں۔ سفر میں تھوڑی بہت تکلیف آیا ہی کرتی ہے سفر سمجھ کر برداشت کرلینی چاہئے کن فی الدنیا کا نک غریب اوعابرُ سبیل.۷. اولئک علیھم صلوٰت. مصیبت والوں پر کامل رحمتیں کئی قسم کی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مصیبت سے تواضع اور انکساری پیدا ہوتی ہے اور تکبر دور ہوتا ہے جو بلا مصیبت دور ہونا بہت مجاہدوں سے ہوتا ہے۔ مصیبت سے عبدیت ملی جو عبدہ ورسولہ کے اندر بھی مذکور ہے اور عبدیت ذریعہ نبی صلوٰت کا۔ ۸۔اولئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ' اِس رحمت میں جہاں اور بہت سے انعامات ہیں وہاں ایک بڑا انعام کفارہ سیئات ہے کہ مصیبت سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ۹۔واولئک ھم المھتدون۔ ہدایت پانے میں جہاں اور بہت سی چیزیں ہیں ایک ازالہ عقلت بھی ہے جو مصیبت سے حاصل ہوتا ہے اور اس سے نیکی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ مصیبت کے اِس فائدہ کو سوچ کر بھی مصیبت میں صبر آسان ہوجاتا ہے۔ وفقنا اللہ تعالےٰ حضرت عمر کے ارشاد میں یہ آخری تین چیزیں مذکور ہیں۔ واستعینوا با لصبر والصلوٰۃ :۔ صبر یعنی روزہ سے خواہشات اعتدال پر آئینگی کہ جب آقا کی رضا کی خاطر حلال چیزیں چھوڑ دیں تو حرام چیزیں بطریق اولیٰ چھوڑنی ضروری ہیں پس خواہش کو بے موقعہ استعمال نہ کرنا چاہئے اپنے موقعہ پر استعمال کرنا چاہئے اس کو عفت کہتے ہیں یہ خواہش اور شہوۃ کا اعتدال ہے حد سے بڑھ جانا شہوۃ کا کہ کھانے پینے کی خواہش کو اور نکاح کی خواہش کو حلال وحرام کا فرق کیئے بغیر پورا کرتے رہنا فجور ہے جو افراط ہے اور بالکل ہی خواہش نہ ہو یہ تفریط ہے جس کو جمود کہتے ہیں۔ انسان میں تین قوتیں ہیں جو انسان کے تمام اخلاق واعمال کی بنیاد ہیں ایک قوۃِ عاقلہ ہے جس سے انسان اپنا نفع نقصان سوچتا ہے۔ یہ علمی قوۃ ہے پھر نفع ونقصان حاصل کرنے نہ کرنے کے لئے دو قوتیں دی گئی ہیں قوۃ غضبیہ کہ مرضی کے خلاف چیز کو اپنے سے دور کرنے کی خواہش اور جوش۔ اور دوسری قوۃ شہوانیہ کہ مرضی کے مطابق چیزوں کو حاصل کرنے کی خواہش۔ ان تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنا انسان کا کمال ہے اور افراط اور تفریط عیب ہیں۔ قوۃ شہوانیہ کا اعتدال اور افراط اور تفریط بیان کیا جاچکا ہے اور یہ اعتدال صبر یعنی روزہ سے حاصل ہوتا ہے اور قوۃ غضبیہ کا اعتدال نماز سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ نماز سے ماتھا پاؤں رکھنے کی جگہ پر بار بار رکھنے سے تکبر دور ہوتا ہے جو افراط قوۃ غضبیہ کا سبب ہے۔ اِس افراط کا نام تھوّر ہے تفریط کا نام جُبُن اور بزدلی ہے۔ شیطان اور نفس نماز سے روکتے ہیں ہمت کر کے اِن دونوں سے جہاد کرتے ہوئے جب پابندی سے باجماعت نماز پڑھی جائے گی تو جبن بھی ختم ہوجائے گا اور اعتدال شجاعت نصیب ہوجائے گا۔ نماز اور روزہ بغیر ایمان کے معتبر نہیں اور ایمان قوۃ عاقلہ کا اعتدال ہے کہ عقل کو وحی کے ماتحت رکھا جائے افراط کا نام جزبرہ ہے کہ وحی کی جگہ بھی عقل سے فیصلہ کیا جائے کہ مرنے کے بعد کی تفصیل صرف عقل سے سوچی جائے حالانکہ یہاں وحی کے بغیر ہدایت نہیں مل سکتی جو خالق موت وحیوۃ ہے وہی بتلا سکتا ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا یہ جزبرہ عیب ہے اور تفریط کو حماقت کہتے ہیں درمیان میں حکمت ہے۔

شریعت کی ساری تعلیم حکمت اور عفت اور شجاعت پر مبنی ہے اور یہی انسانی کمال ہے۔ اس لئے صلوٰۃ وصبر وایمان سے دنیا اور آخرت کے سب امور میں استعانۃ کا حکم حق تعالےٰ فرمار ہے ہیں۔

وانها لكبيرة الا على الخا شعين

یہاں کبیرۃ بمعنی شاقۃ ہے کہ نماز میں مشقت ہے اور خشوع سے وہ مشقت ختم ہوجاتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان آزادی پسند ہے اس لئے نماز کی قیود اس کو مشکل نظر آتی ہیں جب خشوع کا اہتمام کرے گا تو اپنی توجہ قلبی ایک طرف رکھے گا اس یکسوئی کی عادت سے آزادی کی عادت ختم ہوجائیگی اور نماز مشکل نہ رہے گی کیونکہ تمام اعضاء دل کے تابع ہیں جب دل یکسو ہوجائے گا تو تمام اعضاء میں آزاد پھرنے کی خواہش کمزور ہوجائے گی اور نماز پڑھنی آسان ہوجائے گی۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم انا بک لمحزون

غرض یہ ہے کہ اس قسم کا قول صبر کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ میت کا حق ادا کرنے کے لئے ہے۔

ثم اتبعها باخریٰ

دو معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ آنسو بہائے ضمیر کا مرجع ومعتہ ہے۔ ۲۔ ایک کلمہ کے بعد دوسرا کلمہ ارشاد فرمایا۔ ضمیر کا مرجع کلمتہ ہے۔ یہ دونوں ومعتہ اور کلمتہ پیچھے حکماً اور ضمناً مذکور ہیں۔

باب البکاء عند المریض

غرض یہ ہے کہ بغیر نوحہ کے رونا جائز ہے

فوجده فی غاشیة اهله

دو معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ گھر کی عورتیں جو اُن پر جمع تھیں اُن کے درمیان تھے حضرت سعد بن عبادہ۔ ۲۔ غاشیہ کے معنیٰ بستر کے ہیں۔ اپنے گھر کے لوگوں کے بستر پر تھے

قد قضی:۔ ہمزہ استفہام محذوف ہے کیا ان کی وفات ہوگئی۔ **او یرحم**:۔ اس کا عطف **یُعَذَّبُ** پر ہے یعنی زبان کے نوحہ کرنے پر عذاب ہوتا ہے اور اسی زبان سے اچھے کلمات کہنے پر مغفرت اور رحمت ہوتی ہے۔

باب ما ینهی عن النوح والبکاء والزجر عن ذلک

غرض نوحہ سے نہی اور زجر کو ذکر کرنا ہے نہی صرف منع کرنے کو کہتے ہیں اور زجر سختی سے روکنے اور وعید ذکر کرنے کو کہتے ہیں۔

فما وفت منا امرأة: مراد پورے پورے وفاء کی نفی ہے۔ **باب القیام للجنازة:** غرض جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم بیان کرنا ہے۔ طرز سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے امام احمد کا مسلک اس مسئلہ میں اختیار کیا ہے اُن کے نزدیک کھڑا ہونا مستحب ہے جمہور کے نزدیک نہیں وللجمہور روایته ابی داؤد عن علی مرفوعاً قام فی الجنازة ثم قعد بعُد ولا حمد حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن عامر بن ربیعته مرفوعاً اذا رائیتم الجنازة فقو مواحتیٰ تُخلّفِکم جواب کھڑے ہونے کا حکم منسوخ ہے جیسا کہ ہماری روایت میں تصریح موجود ہے

باب متیٰ یقعد اذا قام للجنازة

غرض مذکورہ مسئلہ بتلانا ہے جواب حدیث میں موجود ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا کہ جب گذر جائے یا رکھدیا جائے تو بیٹھ جائے۔

باب من تبع جنازة فلا یقعد حتی توضع عن مناکب الرجال فان قعد امر بالقیام

غرض زیر بحث باب کی روایت کو ترجیح دینی ہے ابوداؤد کی روایت پر ابوداؤد کی روایت میں ہے حتیٰ توضع فی اللحد اور زیر بحث باب کی روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ توضع علی الارض مراد ہے وجہ ترجیح بظاہر قوتِ سند ہے۔ دوسری غرض یہ بھی ہے کہ اگر بھول کر بیٹھ گیا ہو تو مستحب ہے کہ یاد آنے پر کھڑا ہو جائے پھر روایت الباب میں جو حضرت ابو ہریرہ کا بیٹھنا مذکور ہے

اس کی وجہ کیا تھی دو قول ہیں۔ا۔نسیان۔۲۔وہ قیام کو مستحب ہی تو سمجھتے تھے اور مستحب کے چھوڑنے کی گنجائش ہوتی ہے حضرت ابو سعید کا کھڑا کرانا تاکید استحباب کے درجہ میں تھا۔**باب من قام لجنازة یہودی**:۔غرض یہ بتلانا ہے کہ قیام للجنازہ عبرت کے لئے ہے۔میت کی تعظیم کے لئے نہیں ہے اس لئے کافر کے جنازہ کے لئے کھڑے ہونا بھی مستحب ہے۔

باب حمل الرجال الجنازة دون النساء

غرض یہ ہے کہ جنازہ اٹھانا مردوں کا کام ہے عورتوں کے لئے مناسب نہیں ہے کئی وجہ سے۔ا۔مسند ابی یعلیٰ میں حضرت انس سے مرفوعاً عورتوں کے جنازہ کے لئے نکلنے اور جنازہ اٹھانے اور دفن میں شریک ہونے پر زجر منقول ہے۔۲۔وہ کمزور ہیں ۳۔مردوں اور عورتوں میں خلط سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔**باب السرعتہ بالجنازة**:۔غرض جنازہ کو جلدی لے جانے کا استحباب بیان کرنا ہے۔پھر اس باب کی پہلی تعلیق کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ حضرت انس چاروں طرف چلنے کا حکم فرمارہے ہیں اس سے بھی جلدی چلنے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ایک طرف چلنے کی صورت میں باری باری اُٹھانے میں مشقت ہوگی اور چلنے کی رفتار سُست ہوجائے گی۔

وقال غیرہ قریبا منھا: یعنی حضرت انس کے سوا دوسرے حضرات کا ارشاد ہے کہ جنازہ سے قریب رہو چاہئے جس جانب بھی چلو۔**باب قول المیت وھو علی الجنازة** غرض میت کا یہ قول بیان کرنا ہے جو اس سے جنازہ کی چارپائی پر صادر ہوتا ہے کہ مجھے جلدی لے جاؤ یا کہاں لے جاتے ہو پھر اس میں دو قول ہیں۔ا۔یہ قول روح سے صادر ہوتا ہے۔۲۔روح اور جسم کے مجموعہ سے صادر ہوتا ہے۔

باب من صف صفین او ثلاثة علی الجنازة خلف الا مام

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ایک صف کی نسبت زیادہ صفوں کا ہونا بہتر ہے کیونکہ ابوداؤد اور ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اِس روایت کو حسن بھی قرار دیا ہے **عن مالک بن ھُبیرة مرفوعاً من صُف علیہ ثلثہ صفوف فقدا وجب۔**

باب الصفوف علی الجنازة

غرض اور باب سابق سے فرق میں دو توجیہیں ہیں۔ا۔گذشتہ باب میں عدد بتلانا مقصود تھا صفوں کا اور اِس باب میں نفسِ صف بندی کا ذکر ہے۔۲۔یہاں تین کی تصریح مقصود ہے کیونکہ اقل جمع تین ہے اور گذشتہ باب تین کی تصریح بیان کرنی مقصود نہ تھی۔پھر ان دو غرضوں کے علاوہ تیسری غرض رد یہ ہے حضرت عطاء کے قول پر جو فرماتے ہیں کہ جنازہ پر صف بنانے کی ضرورت نہیں جیسے چاہیں کھڑے ہوجائیں پھر دوسرے شہر میں فوت ہونے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ پڑھنا ایک تو حضرت نجاشی کے حق میں ثابت ہے دوسرے معجم طبرانی میں ہے **عن ابی امامة قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتبوک فنزل جبریل علیہ السلام فقال یا رسول اللہ ان معاویہ بن معافیة المزنی مات بالمدنیتہ اتحبُّ ان تطویٰ لک الا رض فتصلی علیہ قال نعم فضرب بجناحہ علی الا رض ورفع لہ سریرہ فصلّٰی علیہ وخلفہ صفان من الملئکتہ فی کل صف سبعون الف مَلک ثم رجع** لیکن اِس سے حنفیہ اور مالکیہ کے قول پر اعتراض نہیں پڑتا جو غائبانہ نماز جنازہ کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ اِس روایت میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین سکیڑ دی گئی تھی اور مدینہ منورہ پہنچ کر میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی تھی غائبانہ نہ پڑھی تھی۔

باب صفوف الصبیان مع الرجال علی الجنائز

غرض یہ ہے کہ نماز جنازہ میں بچے اگر بڑوں کے ساتھ بھی کھڑے ہوجائیں تو کراہت نہیں ہے گو نماز پنج وقتہ میں کراہت ہے۔

باب سنة الصلوٰة علی الجنازة

یہاں سنت کے معنیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہیں جو

فرض وواجب کو بھی شامل ہے غرض اس باب کی رد ہے امام شعبی پر جو بلا وضوء نماز جنازہ کو جائز قرار دیتے ہیں اس لئے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ نماز جنازہ بھی پنج وقتہ نمازوں کی طرح ہے سب شرطوں میں اور اکیلی دعاء کی طرح نہیں ہے اسی لئے اس پر صلوٰۃ کے لفظ کا اطلاق صحیح ہے۔ اختلاف کی تفصیل کتاب الوضوء کے شروع میں گذر چکی ہے۔

باب فضل اتباع الجنائز

جنازہ کے ساتھ جانے کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے۔

ما علمنا علی الجنازة اذناً

یعنی جنازہ میں حاضر ہونا میت کا حق ہے اولیاء میّت کا حق نہیں ہے اس لئے اولیاء میت سے اذن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

باب من انتظر حتی یُدْفن

مَن کا جواب حدیث میں ہے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے گا غرض دفن تک ساتھ رہنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب صلوٰة الصبیان مع الناس علی الجنائز

ا۔ ایک غرض تو یہ ہے کہ بچوں کا شریک ہونا بھی جائز ہے۔ سوال پیچھے خلط صبیان کا باب اُس سے ثابت ہوگیا تھا کہ بچوں کا شریک ہونا جائز ہے پھر الگ باب بنانا تکرار ہے جواب۔ ا۔ وہاں بچوں کی شرکت کا جواز ضمناً نکلا تھا اب قصداً بیان کرنا مقصود ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ۔ درمیان میں اتباع الجنائز کا باب رکھ دیا اس میں اشارہ فرما دیا کہ اتباع جنائز کی حدیث میں بچے بھی داخل ہیں۔ ۲۔ دوسری غرض اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اکیلے بچوں کے نماز جنازہ پڑھنے سے یہ فرض کفایہ ساقط نہ ہوگا جب تک کہ کوئی بڑا اُن کے ساتھ شریک نہ ہو گویا امام احمد کے قول کی تائید مقصود ہے اِس سے مذکورہ شبہ کا جواب خود نکل آیا۔ جمہور ائمہ کے نزدیک بچوں کا پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ ہماری جمہور کی دلیل اذان اور جواب سلام پر قیاس ہے کہ بچے کی اذان بھی کافی ہے اور سلام کا جواب صرف بچہ دے دے تو سب کی طرف سے کافی شمار کیا جاتا ہے اِسی طرح یہاں بچوں کا نماز جنازہ پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ ولاحمد والبخاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف بچّوں نے نماز جنازہ پڑھ لی ہو یہ ثابت نہیں ہے اس لئے کافی نہیں۔ جواب بڑے جو جنازہ خود پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے یہ اولویت کا درجہ تھا۔

باب الصلوٰة علی الجنائز بالمصلی والمسجد

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ غرض امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے قول کو اختیار کرنا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے دو حدیثیں جو لائے ایک میں مصلّی میں پڑھنی مذکور ہے اور دوسری میں مسجد میں کیونکہ عند المسجد میں عند فی کے معنیٰ میں ہے گویا خارج مسجد اولیٰ ہے اور مسجد میں جائز ہے فی المسجد والی........ حدیث ان کی شرط پر نہ تھی۔ ۲۔ غرض امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے قول کو اختیار کرنا ہے اور عند اپنے اصل معنیٰ میں ہی ہے اور مسجد کے قریب موضع الجنائز کا متعین ہونا اس کی دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اختلاف:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ و مالک مکروہ ہے وعند الشافعی واحمد مکروہ نہیں ولنا روایة ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شئی له وللشافعی واحمد. ا. فی ابی داؤد عن عائشته ما صلّی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی سُبیل بن البیضاء الا فی المسجد. جواب بارش یا اعتکاف کے عذر کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا۔ ۲۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر بھی مسجد میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔ جواب چونکہ ان دونوں حضرات کو مسجد نبوی کے ساتھ ملحق روضۂ اقدس ہی میں دفن کرنا تھا اس لئے یہ بھی عذر تھا۔

ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور

غرض یہ ہے کہ قبرستان کو عبادت کی جگہ بنا لینا مکروہ ہے سوال آٹھ باب کے بعد باب آئے گا باب بناء المسجد علی القبر تکرار پایا گیا۔ جواب۔ ا۔ اتخاذ مساجد اور بناء مسجد میں فرق ہے۔ ۲۔ ایک ہی مقصد

ہے لیکن چونکہ حدیثوں میں لفظ دو قسم کے آرہے تھے اس لئے دو باب باندھ دیئے۔ پھر من یہاں تبعیضیہ ہے کیونکہ سورہ یٰسین مثلاً روزانہ بھی کوئی قبرستان میں جا کر پڑھے تو مکروہ نہیں ہے۔

لولاذالک لابرزوا قبرہ

یعنی اگر صحابہ کرام کو خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ سجدہ کرینگے تو قبر مبارک کو بند کوٹھڑی میں نہ رکھئے بلکہ دیواریں چاروں طرف سے گرادیتے اور کھلی جگہ میں کر دیتے۔

باب الصلوٰۃ علی النفساء اذا ماتت فی نفاسھا

غرض ۱- شبہ کا ازالہ ہے کہ نفاس والی عورت تو ناپاک ہوتی ہے۔ شاید اس پر نماز جنازہ جائز نہ ہو اس کا جواب دے دیا کہ جائز ہے۔ ۲- غرض میں دوسری تقریر یہ ہے کہ نفاس میں مرنے والی تو شہید ہوتی ہے اور شہید پر امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی شاید ان حضرات کے نزدیک نفاس میں فوت ہونے والی عورت پر بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی ہو اسی شبہ کا زالہ کر دیا کہ اس پر بالاتفاق نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ النفساء: ۱- یہ لفظ بضم النون وفتح الفاء والمد مفرد استعمال ہوتا ہے علی خلاف القیاس کیونکہ وزن یہ جمع کا ہے جیسے علماء اور یہی اس لفظ میں لغت فصیحہ ہے۔ ۲- دوسری لغت بفتح النون وسکون الفاء مع المد ہے نفساء۔ ۳- تیسری لغۃ بفتح النون وسکون الفاء مع القصر ہے۔ نفسی۔ یہ آخری دونوں لغتیں بہت قلیل الاستعمال ہیں اور ردی لغتیں شمار ہوتی ہیں۔ تینوں کے معنیٰ وہ عورت جو ولادت سے نئی نئی فارغ ہوئی ہو۔

باب این یقوم من المرأۃ والرجل

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ امام عورت اور مرد کے جنازہ میں کہاں کھڑا ہو۔ سوال حدیث میں مرد کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ جواب۔ ۱- عورت پر قیاس فرمایا۔ ۲- امام بخاری ابو داؤد کی اس حدیث کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جس میں حضرت انس کا عمل ہے کہ مرد کے سر کے پاس اور عورت کی عجیزہ کے پاس کھڑے ہوئے اور پھر جب پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کھڑے ہوتے تھے مرد کے سر کے پاس اور عورت کی عجیزہ بیٹھنے کی جگہ کے پاس تو فرمایا نعم۔ یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے صرف باب کے عنوان میں اشارہ فرما دیا۔ پھر وجہ فرق یہ ہے کہ عورت کے ستر کا زیادہ لحاظ ہے اس مسئلہ میں خنثیٰ بھی عورت ہی کے حکم میں ہے۔ اختلاف: عندامامنا ابی حنیفۃ ایک روایت میں یہ ہے کہ اصلی بدن کے درمیان میں یعنی سینے کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے مرد میں بھی اور عورت میں بھی اور یہی مسنون ہے وفی روایۃ ثانیتہ عن امامنا اور یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد کا کہ مرد کے سر کی سیدھ میں اور عورت کی بیٹھنے کی جگہ کے سامنے یعنی چارپائی کے درمیان میں کھڑا ہونا مسنون ہے۔ وعند مالک مرد اور عورت دونوں کے سر کے سامنے کھڑا ہونا مسنون ہے۔ دلیل روایتنا الثانیۃ روایۃ ابی داؤد عن انس موقوفاً فقام عندراسہ الی قولہ فقام عند عجیز تھا اور ہماری پہلی روایت کی دلیل حدیث الباب ہے جو ابو داؤد میں بھی ہے عن سمرۃ بن جندب مرفوعاً فقام علیہا وسطہا اور انسان کے اصلی بدن کا وسط سینہ ہی ہوتا ہے کیونکہ ہاتھ اور پاؤں تو زائد ہوتے ہیں ہماری چونکہ دونوں روایتوں پر فتوے موجود ہیں اس لئے کسی روایت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں دونوں میں سے ہر ایک پر عمل کی گنجائش ہے گو ہمارے قریبی اکابر کا زیادہ تر عمل مرد و عورت کے سینے کے برابر کھڑے ہونے کا ہی ہے۔ امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ ایمان دماغ میں ہوتا ہے اور وہی سبب ہے نماز جنازہ کا کیونکہ نماز جنازہ ایک شفاعت ہے جو ایمان کی وجہ سے کی جاتی ہے اس لئے ایمان کے محل دماغ اور سر ہی کے سامنے کھڑا ہونا مناسب ہے جواب احادیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب التکبیر علی الجنازۃ

غرض یہ اجماعی مسئلہ بتلانا ہے کہ تکبیرات جنازہ پر چار ہیں کیونکہ ۱- فی البھیقی عن ابی وائل قال کانوا یکبرون

علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم سبعاً وستاً وخمساً واربعاً فجمع عمر الناس علی اربع کا طول الصلوٰة. ۲- کتاب الآثار میں بھی عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم بہت تفصیل سے یہی ثابت کیا گیا ہے کہ آخری عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چار تکبیر تھا اس لئے اسی پر اجماع ہو گیا۔ اصحمۃ :۔ وقال یزید سے مقصود ابن ابی شیبہ والی روایت کا رد ہے کیونکہ اس میں حضرت نجاشی کا نام صحمۃ بلا ہمزہ نقل کیا گیا ہے۔

باب قراءة فاتحة الکتاب علی الجنازة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأت مسنون ہے۔ گویا جمہور کا مسلک لے لیا وعند امامنا ابی حنیفۃ قرأت فاتحہ مسنون نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک مسنون ہے ولنا فی ابی داؤد عن ابی هریرة مرفوعاً اذا اصلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کی حقیقت دعاء ہے اس لئے قرأت اس کا حصہ نہیں ہے وللجمهور حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔ عن ابن عباس موقوفاً فقرأ بفاتحة الکتاب قال لیعلموا انها سنة جواب یہ پڑھنا بطور ثناء کے ہے بطور قرأت کے نہیں ہے۔

باب الصلوٰة علی القبر بعد مایدفن

غرض قبر پر نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے کہ جائز ہے اور عند امامنا ابی حنیفۃ و مالک مکروہ ہے وعند الشافعی احمد مکروہ نہیں ہے بلکہ بلا کراہۃ جائز ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے عن ابن عباس انه مر مع النبی صلی الله علیه وسلم علی قبر منبوذ فامهم وصلوا خلفه ہمارے نزدیک یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیۃ پر محمول ہے اور ان کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے ہمارے قول کی ترجیح۔ ۱- مسلم شریف کی روایت سے ہے عن ابی هریرة مرفوعاً وان الله ینورها لهم بصلوتی علیهم' ۲- دوسری وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ سلف صالحین نے قبروں پر نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔

باب المیت یسمع خفق النعال

غرض امام بخاری کی اثبات ہے سماع موتی ہے خفق کے معنی آواز کے ہیں ہمارے اکابر دیوبند کی تحقیق یہ ہے کہ فی الجملہ سماع ثابت ہے۔ یعنی بعض اوقات مردہ سنتا ہے بعض اوقات نہیں سنتا اور اس مسئلہ میں زیادہ مباحثہ اور تفصیل میں مبالغہ مناسب نہیں کیونکہ صحابہ سے یہ اختلاف چلا آ رہا ہے بعض صحابہ سماع موتی کے قائل تھے بعض نفی کرتے تھے نفی کرنے والے حضرات جیسے حضرت عائشہ استدلال فرماتے تھے اس آیت سے انک لاتسمع الموتی اثبات والے حضرات کی طرف سے جواب ۱- اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں۔ ۲- سماع نافع اور سماع ہدایت کی نفی ہے علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

سماع الموتی کلام الخلق قاطبةً
قد صح فیها لنا الأثار بالکتب
وآیة النفی معنا ها سماع هدیً
لایسمعون ولایصغون للادب

دلائل الاثبات:۔ ۱- بخاری شریف میں کتاب المغازی میں ہے کہ خطاب فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مقتولین کو بعد غزوہ بدر اور فرمایا قد وجد نا ما وعد نا ربنا حقاً فهل وجد تم ما وعد ربکم حقا اور تصریح فرمائی کہ یہ سنتے ہیں۔ ۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے جاتے تو سلام کرتے تھے السلام علیکم یا اہلِ القبور۔ ۳- حدیث الباب عن انس مرفوعاً انہ یسمع قرع نعالہم۔ ہمارے اکابر دیو بند دونوں قسم کے دلائل کو جمع فرماتے ہیں۔ کہ ہر مردہ کے ہر وقت سننے کی نفی ہے اور فی الجملہ سماع کا اثبات ہے۔

یسمع قرع نعالهم

سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ جوتے سمیت قبرستان میں چلنا جائز ہے اور ابوداؤد میں عن بشیر بن الخصاصیۃ مرفوعاً وارد ہے کہ قبرستان میں چلنے والے کو فرمایا اَلقِ نعلیکَ تو یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

ما کنت تقول فی هذا الرجل محمد صلی الله علیه وسلم

ظاہر یہی ہے کہ اِس روایت میں نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرج ہے۔

واما الکافر او المنافق

ا۔ یہاں او بمعنیٰ واو ہے۔۲۔ شک راوی ہے پھر سوال کس سے ہوتا دو قول ہیں۔ا۔ مومن اور منافق سے۔۲۔ سب سے اور یہی راجح ہے۔ **لا دریتَ ولا تلیتَ**:۔ اصل تھا لا تلوت۔ قریب والے لفظ کی مناسبت سے واو کو یا سے بدلا گیا اس کو صنعت ازدواجِ کہتے ہیں۔ معنیٰ یہ ہیں کہ نہ تو خود سمجھدار اور مجتہد تھا اور نہ تو نے دوسرے کی تقلید کی۔ **بمطرقته** گرز اور اس حدیث کے شروع میں جو قال العبد ہے اِس سے مراد مومن مخلص ہے **من احب الدفن فی الا رض المقدسة او نحوها**:۔ غرض۔ا۔ یہ کہ بیت المقدس کے قریب دفن ہونے کی خواہش مستحسن ہے۔ دو وجہ سے ایک تبرک حاصل کرنا دوسرے حشر کے میدان میں جان کی آسانی ہوگی کیونکہ حشر شام میں قائم ہوگا۔۲۔ دوسری غرض یہ ہے کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا امام بخاری کے نزدیک متبرک مسجد کے قرب کی نیت سے جائز ہے اِسی کو یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ہر جگہ نقل کرنا جائز ہے صرف کراہتہ تنزیہی ہے۔ سب کا استدلال زیر بحث روایت سے ہے **عن ابی هريرة موقوفاً فی موسیٰ علیه السلام فسأل الله ان یدنیه من الا رض المقدسة رمیةً بحجر** اور **کراهته تنزیهی** کی وجہ بخاری شریف کی روایت ہے عن ابی سعید الخدری مرفوعاً فان کانت صالحۃً قالت قدّمونی۔ کہ میت جلدی دفن ہونا چاہتی ہے اس لئے دوسری جگہ لے جانے سے چونکہ دیر لگے گی اس لئے وہ مکروہ ہے۔ **فلمّا جاء ه صکّه**:۔ وجہ کی مختلف تقریریں ہیں۔ کیونکہ ظاہری طور پر تو اشکال ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے **من احبَّ لقاء الله احبَّ الله لقاء ه موسیٰ علیه السلام** کا ملک الموت کو طمانچہ مارنا اس کے خلاف ہے۔ جواب۔ا۔ پہچانا نہیں۔۲۔ بیت المقدس فتح کرنے کا شوق اس قدر غالب تھا کہ اس کے خلاف بات سن کر اتنے پریشان ہوگئے کہ ہوش نہ رہا اور طمانچہ مار دیا اس کو غلبہ حال کہتے ہیں اس میں انسان معذور ہوتا ہے۔۳۔ طبعی طور پر موت کے خوف سے مغلوب الحال ہوگئے اس وجہ سے بھی انسان معذور ہوتا ہے اور گناہ نہیں ہوتا۔

فسأل الله ان یدنیه من الارض المقدسته رمیته بحجر

سوال۔ یہ کیوں نہ دعا کی کہ بیت المقدس کے اندر ہی دفن کردیا جاؤں جواب۔ا۔ تاکہ بنی اسرائیل کہیں عبادت نہ شروع کردیں۔ ۲۔ چالیس سال بیت المقدس میں داخلہ تمام بنی اسرائیل کا ممنوع قرار دیا جاچکا تھا اور موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں داخل تھے اس لئے بیت المقدس میں دفن ہونے کی دعا خلاف ادب تھی۔ پہلے ہارون علیہ السلام کی اور پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات اِسی وادی تیہ میں ہی چالیس سال گذرنے سے پہلے اور بیت المقدس کے فتح ہونے سے پہلے ہی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ دعا نہ فرمائی۔

باب الدفن باللیل

غرض امام احمد کی ایک روایت کا رد کرنا ہے کہ رات کو دفن کرنا مکروہ ہے اُن کی دوسری روایت اور قول جمہور ہے کہ کراہتہ نہیں ہے۔ وللجمہور حدیث الباب **عن ابن عباس قال صلی النبی صلی الله علیه وسلم علی رجل بعد ما دفن بلیلتهِ ولاحمد روایة مسند احمد والطحاوی عن جابر مرفوعاً فنهی عن الدفن باللیل** جواب یہ نہی تنزیہی تھی تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمین کثیرین کی برکات مرنے والا لے سکے۔

باب بناء المسجد علی القبر

غرض قبر پر مسجد بنانے سے منع کرنا ہے۔ سوال آٹھ باب پہلے

تھا باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور۔ تکرار پایا گیا۔ جواب اتخاذ بناء سے عام ہے۔ سوال۔ قرآن پاک میں اصحاب کہف کے متعلق ہے لنتخذن علیھم مسجدا اس سے تو اتخاذ مسجد کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ جواب اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کے قریب مسجد منائینگے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ قبروں کو سجدہ کرنے کے لئے مسجد بنائینگے اور ممانعت اِس دوسری صورت کی ہے۔

باب من یدخل قبر المرأة

غرض یہ ہے کہ اول محارم کو قبر میں اترنا چاہیئے وہ نہ ہوں یا عذر ہو تو پھر متقی کو اترنا چاہئے۔ اراہ یعنی الذنب:۔ یہ ان کی رائے ہے دوسری رائے یہ بھی ہے جو اِس حدیث میں مرفوعاً وارد ہے لا یدخل القبر رجل قارف اللیلتہ اھلہ. اور تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب الصلوٰة علی الشہید

غرض صرف تعارض کا بیان ہے کہ صلوٰۃ علی الشہید میں روایتیں دونوں قسم کی ہیں فیصلہ امام بخاری نے نہیں فرمایا پہلی روایت نفی کی نقل کردی دوسری اثبات کی نقل کردی مسئلہ اختلافی ہے عندامامنا ابی حنیفۃ شہید پر نماز جنازہ پڑھنی ضروری ہے وعند مالک وشافعی شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی اور امام احمد کی اس میں دونوں روایتیں ہیں ایک ہمارے ساتھ اور ایک امام شافعی کے ساتھ ولنا روایتہ ابن ماجتہ عن ابن عباس اتی بھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد فجعل یصلی علی عشرۃ عشرۃ و حمزۃ وھو کما ھو یرفعون و ھو کما موضوع و للشافعی و ما لک روایتہ ابی داؤد و ھی روایتہ الباب فی البخاری عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاًفی قتلی احد و لم یصل علیھم جواب۔ حضرت حمزہ کی طرح اُن پر نماز نہ پڑھی۔

یَجْمَعُ بُین الرجلین من قتلیٰ اُحُد فی ثوب واحد

سوال۔ دو مردوں کے بدن کا ملنا تو مناسب نہیں ہے جواب درمیان میں گھاس رکھی جاتی تھی نیز چونکہ یہ شہید ہیں ان کے اپنے کپڑے بھی اتارے نہ جاتے تھے

باب دفن الرجلین والثلاثتہ فی قبر واحد

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے وقت دو تین یا زیادہ مردوں اور عورتوں کو ایک قبر میں دفن کرنا بھی جائز ہے البتہ مجبوری نہ ہو تو ہر ایک کو الگ الگ ہی دفن کرنا مستحب ہے۔

باب من لم یر غسل الشہداء

غرض سعید بن المسیب اور حسن بصری کے قول کا رد ہے کہ ان کے نزدیک شہید کو بھی غسل دیا جائے گا جمہور کے نزدیک نہیں دیا جائے گا وللجمہور ہذا حدیث الباب عن جابر مرفوعاً و لم یغسلھم اُن دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شہید میں جُنبی ہونے کا بھی تو احتمال ہے اس لئے غسل ہونا چاہئے جواب نص کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

باب من یقدم فی اللحد

غرض یہ ہے کہ جس کو قرآن پاک زیادہ یاد ہو اس کو لحد میں آگے رکھا جائے گا۔ لانہ فی ناحیتہ:۔ لحد کی وجہ تسمیہ بیان فرما رہے ہیں کہ لحد کے معنیٰ طرف کے ہوتے ہیں۔ لحد بھی قبر سے ایک جانب کو واقع ہوتی ہے اس لئے اس کو لحد کہتے ہیں

باب الا ذخر والحشیش فی القبر

غرض یہ ہے کہ اینٹوں کے درمیان خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے اذاخر اور خشک گھاس کا ڈال دینا جائز ہے

باب ھل یُخرج المیت من القَبر واللحد لعلّیتہِ

غرض رد کرنا ہے اس شخص پر جو قبر میں رکھنے کے بعد میت نکالنے کو مطلقاً منع کہتا ہے۔ پہلی حدیث میں کرتہ پہنانے کے لئے نکالا گیا جو میت کی مصلحت تھی اور دوسری حدیث میں زندہ حضرت جابر کی تطییب قلبی کی مصلحت تھی۔ غیر اُذُنہ:۔ کہ سارا بدن ٹھیک تھا ایک کان پر ذرا سا زمین کا اثر تھا سوال۔ ایک

روایت میں ہے الا شُعَیْراتِ کن من لحیته مما یلی الا رض اورایک روایت میں یوں ہے الا قلیلاً من شحمۃ اُذُنه بظاہر اِن سب روایات میں تعارض ہے جواب تھوڑے سے داڑھی کے بال اوراُس کے قریب ہی تھوڑا سا کان کی لَو کا حصہ زمین سے متاثر تھا اِس لئے کچھ تعارض نہیں ہے۔سوال۔طبرانی میں ہے عن جابر ان اباہ قتل یوم احد ثم مثّلوا به فجدعوا انفه و اذنیه پس جب کان پہلے سے ہی کٹے ہوئے تھے تو پھر دفن کے بعد تھوڑا اثر ہونا کیسے ذکر کر دیا گیا۔جواب یہ طبرانی والی روایت اِس پر محمول ہے کہ کانوں کے کچھ کچھ حصے بطور مُثلہ کاٹے گئے تھے۔کچھ حصے موجود تھے۔

باب اللحد والشق فی القبر

غرض میں دوتقریریں ہیں۔ا۔لحد اور شق دونوں جائز ہیں اور لحد افضل ہے۔۲۔اسلام میں اصل لحد ہی ہے۔لحد نہ بن سکے تو پھر شق کی گنجائش ہے مجبوری کے درجہ میں دلیل اس کی ابوداؤد کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً اللحد لنا والشق لغیر نا.

باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلّی علیه وهل یعرض علی الصبی الاسلام

غرض دومسئلوں کا بیان ہے اور ہر دو بکا جواب نعم ہے کہ مسلمان بچے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور بچے پر اسلام بھی پیش کیا جائے گا اور اگر وہ ایمان لے آیا تو اس کا ایمان بھی معتبر ہے اور دلیل حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس کا بچپن میں ایمان لانا اور بچپن کے اس اسلام کا موجب فضیلت ہونا ہے۔اگر معتبر نہ ہوتا تو موجب فضیلت کیسے ہوجاتا۔

وقال الا سلام یعلو ولا یُعلیٰ

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ پیچھے حضرت ابن عباس کا ذکر ہے اس لئے یہ بھی حضرت ابن عباس ہی کا ارشاد ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ دارقطنی میں حضرت عائذ بن عمرو سے یہ روایت مرفوعاً منقول ہے پھر مناسبت اِس روایت کی باب سے یہ ہے کہ بچہ جو مسلمان ہوگیا تھا اس پر کفر کے احکام جاری نہ کرینگے بلکہ ایمان کے احکام جاری کرتے ہوئے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس لئے بچے کے معاملہ میں اسلام غالب رکھا جائے گا مغلوب نہ ہونے دیا جائے گا۔

ابن صیاد:۔ابن صیاد کی بعض صفات دجال سے ملتی جلتی تھیں اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق کے لئے ابن صیاد کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت جابر بن عبداللہ قسم کھایا کرتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے لیکن جمہور کے نزدیک راجح یہی ہے کہ وہ دجّال اکبر نہیں ہے صرف اُس کے مشابہ ہے چند صفات میں۔ا۔دونوں یہود میں سے ہیں۔۲۔ابن صیاد طبعی طور پر کچھ کاھن سا واقع ہوا تھا۔اور دجال اکبر بھی کاھنوں جیسے کام کرے گا۔۳۔دونوں ایک آنکھ والے ہیں۔جمہور کی دلیل حضرت تمیم داری والی روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ دجال ایک جزیرہ میں جکڑا ہوا ہے اور اس کی جاسوس ایک بالوں والی ایسی جاندار ہے جو عورت کے مشابہ ہے اس کو جساسہ کہا گیا ہے۔اور حضرت جابر اور حضرت عمر اور بعض دوسرے صحابہ کے اقوال جو اس کے خلاف ہیں تو وہ اِسی پر محمول ہیں کہ وہ یہ اُسی وقت تک فرماتے رہے جب تک ان کو تمیم داری والی حدیث نہ پہنچی تھی جس کی تصدیق صراحتہً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی۔سوال۔جب ابن صیاد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا اتشهد انی رسول الله تو نبی کریم صلی الله علیه وسلم نے جھوٹے مدعی نبوت ہونے کی وجہ سے اس کو قتل کیوں نہ کروادیا۔جواب وہ ابن صیاد ابھی نابالغ تھا مکلف نہ تھا اس لئے قتل نہ کروایا۔سوال۔جب دجال کا خروج نبی آخرالزمان کے زمانہ میں ہونا تھا تو پہلے نبی دجال سے کیوں ڈرایا کرتے تھے۔جواب چونکہ دجال کا نکلنا پوری دنیا کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہے اس لئے جیسے قیامت سے سب نبی ڈرایا کرتے تھے۔اِسی طرح دجال سے بھی سب نبی ڈرایا کرتے تھے۔

وھو یختل ان یسمع من ابن صیاد شیاءً قبل ان یرال ابن صیاد

ختل کے معنیٰ دھوکہ دینے کے ہوتے ہیں معنیٰ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابن الصیاد کو غفلت میں دیکھنا چاہتے تھے اور اُس کی باتیں سننا چاہتے تھے تاکہ اندازہ لگاسکیں کہ وہ کاھن ہے یا جادوگر ہے یا کچھ اور ہے۔ **رَمزۃ**:۔ اِس موقعہ پر مختلف الفاظ منقول ہیں جن کے معنیٰ قریب قریب ہیں۔۱۔ زمزمہ کے دو معنیٰ کئے گئے ایک یہ کہ کلام کے لئے لبوں کو ہلانا دوسرے ناک اور گلے سے آواز نکلے زبان اور لب نہ ہلیں۔۲۔ رمرمہ اور رمزہ ہلکی آواز گفتگو کے لئے نکالنا جو سمجھ میں نہ آئے ۳۔ زمرہ۔ منہ کے اندر سے آواز آئے سب کے حاصل معنیٰ یہ ہوئے کہ ہلکی سی آواز تھی معنیٰ سمجھ میں نہ آرہے تھے۔ **الفطرۃ**:۔ اس کے معنیٰ ۔۱۔ اسلام ۔۲۔ فطرت سلیمہ جس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہ اخیر عمر تک باقی رہتی ہے یہودی اور عیسائی ہونا عارضی صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اِس سے اسلام کی بہت بڑی مدح ثابت ہوئی۔ **وان کان لغیّت**:۔ غوایہ سے ہے جس کے معنیٰ ضلالت کے ہیں کفر اور زنا دونوں کو شامل ہے معنیٰ یہ ہیں کہ بچے کی ماں اگر چہ کافرہ ہو یا زاینہ ہو بچے پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے کیونکہ اُس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہیں یا باپ مسلمان ہے۔

باب اذا قال المشرک عند الموت لا الہ الا اللہ

غرض یہ ہے کہ نا امیدی ہو جانے پر کہ اب نہ بچے گا کلمہ شریف دل سے پڑھ لینا مفید ہے البتہ جب آخرت نظر آنی شروع ہو جائے جس کو حالت بأس کہتے ہیں اُس وقت معتبر نہیں پہلی حالت یأس کہلاتی ہے۔

لما حضرت ابا طالب الوفاۃ

مراد وفات کی علامتیں ہیں۔

باب الجرید علی القبر

باب کی غرض میں تین قول ہیں۔۱۔ حدیث شریف میں جو مرفوعاً شاخیں گاڑنا آتا ہے یہ خصوصیت تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسا کہ ابن عمر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ عمل ہی کرتا ہے البتہ حضرت بریدہ نے کھجور کے درخت کی برکت سمجھی یا غلبہ حال کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو عام سمجھ کر اتباع کر لی۔۲۔ نافع اصحاب قبور کے لئے اعمال صالحہ ہیں۔ قبر پر بیٹھنا یا قبر کو اونچا بنانا وغیرہ میت کے لئے نہ نافع ہے نہ ضار ہے۔۳۔ مقصد باب کا ضاعات مختلفہ متعلقہ بالقبور کا بتلانا ہے جیسے شاخ گاڑنا بعض کے نزدیک نافع ہے اور خیمہ لگانا بیکار ہے۔ اور کودنا اور چھلانگ لگانا مکروہ تنزیہی ہے اور بیٹھنا مباح ہے اور بول و براز کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

وان اشدنا وثبتۃً الذی یثب قبر عثمان بن مظّعون حتیٰ یجاوزہ

اِس روایت کی مناسبت غرض کے تینوں قولوں میں سے ہر ایک سے ہے۔۱۔ پہلے قول کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ بعض کے نزدیک شاخ گاڑنا مستحسن ہے اور یہ قبر کے اونچا بنانے کی طرح ہے جیسے حضرت ابن مظعون کی قبر اونچی تھی۔۲۔ دوسرے قول پر یہ مناسبت ہے کہ چھلانگ لگانا ایک غیر مفید کلام ہے۔۳۔ تیسرے قول پر مناسبت یہ ہے کہ صناعات متعلقہ بالقبور میں سے ایک چھلانگ لگا بھی ہے جو مکروہ تنزیہی ہے۔

انہ مرّبقبرین: راجح یہ ہے کہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں اور **لاتمس النار من رانی** جو مرفوعاً وارد ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کوئی صحابی دوزخ میں نہ جائے گا۔ قبر میں مواخذہ ہوسکتا ہے اور ارجح ہونے کی وجہ۔۱۔ مسند احمد میں ہے **وما یعذ بان الا فی الغیبتہ والبول** اور کافر کا عذاب تو اصل کفر کی وجہ سے ہے۔ یہاں حصر آ گیا کہ صرف غیبت کی وجہ سے یا بول کی وجہ سے ہے یعنی کفر کی وجہ سے نہیں ہے۔۲۔ مسند احمد میں ہی ہے۔ **من دفنتم الیوم ھھنا** خطاب صحابہ کو ہے ۔۳۔ کافر

میں اصل یہ ہے کہ تخفیف نہ ہو۔ اگر ہوتی ہے تو خصوصیت کی تصریح ہوتی ہے جیسے خواجہ ابو طالب کی تخفیف میں خصوصیت کی تصریح ہے یہاں خصوصیت کی تصریح نہیں ہے کہ تھے تو یہ کافر لیکن میری شفاعت کی وجہ سے تخفیف ہونا ان کی خصوصیت ہے۔

وما یعذ بان فی کبیر: یہاں کبیر کی نفی ہے بعض روایات میں کبیر کا اثبات ہے۔ جواب۔ نفی میں کبیر بمعنی مشقت والا ہے کہ بچنا مشکل نہ تھا اور اثبات میں کبیرہ گناہ مراد ہے۔ **اما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ**:۔ سوال۔ یہاں نمیمہ ہے اور ابھی اوپر جو مسند احمد کے الفاظ اِسی حدیث کے نقل کئے گئے ہیں **وما یعذ بان الا فی الغیبته والبول** اس میں غیبت کا ذکر ہے غیبت کے معنی الگ ہیں اور نمیمہ کے معنیٰ الگ ہیں یہ بھی تعارض ہے۔ جواب۔ غیبت کے معنی ہیں ذکر العیب علی وجہ الغیب اور نمیمۃ کے معنی ہیں ذکر الحدیث علی جھتہ الفساد دونوں میں نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے جس میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوتے ہیں۔ یہاں اجتماعی مادہ ہے اس لئے اس کو نمیمہ بھی کہہ سکتے ہیں غیبت بھی کہہ سکتے ہیں۔

اما احد هما فکان لا یستتر من البول: قبر میں ترک طہارت پر عذاب کی وجہ یہ ہے کہ قیامت میں پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ مقدمہ قیامت میں یعنی قبر میں مقدمہ صلوٰۃ یعنی طہارت کا سوال مناسب ہے حضرت عثمانؓ قبر دیکھ کر روتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے یہ اچھی ہوئی تو بعد میں بھی آسانی ہوگی الحدیث ہمیں زمین دیکھ کر موت اور آسمان دیکھ کر جنت یاد کرنی چاہئے۔

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسروہ استخوان شکستہ سے چور تھا
بولا ذرا سنبھل کے چلو راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

قبر پر پھول چڑھانے کا استدلال
اِس حدیث سے غلط ہے

وجہ۔۱۔ راجح یہی ہے کہ دعاء یا قبولیت دعاء میں شاخوں کا تر رہنا وقت مقرر کیا گیا تھا شاخوں کا تخفیف میں دخل نہ تھا۔ اِسی لیے سلف صالحین نے شاخیں گاڑنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔۲۔ تمہاری غرض خوشبو پہنچانا ہوتی ہے نہ کہ تخفیف عذاب۔۳۔ اگر آپ تخفیف عذاب کی نیت کرتے ہیں تو یہ بزرگوں کی توہین ہے۔۴۔ اُن کو تو جنت کی خوشبوئیں مل رہی ہیں ان کی قبر پر دنیا کے پھول گندگی کے ڈھیر کی طرح ہیں کیونکہ اعلیٰ خوشبو والے کے لئے ادنیٰ خوشبو بدبو ہوتی ہے۔

باب موعظته المحدث عند القبر وقعود اصحابه حوله

غرض یہ ہے کہ قبرستان میں وعظ مستحب ہے دو وجہ سے۔۱۔ سننے والے پر اثر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ قبروں کی وجہ سے اپنی موت پیش نظر ہوتی ہے۔۲۔ چونکہ یہ بھی عبادت ہے اس لئے جیسے قرآن پاک قبر کے پاس پڑھنے سے صاحب قبر کو انوار پہنچتے ہیں اِسی طرح وعظ سے بھی انوار پہنچتے ہیں۔

یوم یخرجون من الا جداث

اس آیت کو ذکر کرنے کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ جیسے اس آیت مبارکہ میں وعظ ونصیحت ہے اور اس میں قبروں کا ذکر ہے اِسی طرح قبروں کے پاس وعظ و نصیحت کرنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ **الا یفاض الا سراع**:۔ اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کا نهم الی نصب یو فضون۔

قال اما اهل السعادة فیسیرون لعمل السعادة

ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ قادر ہونا بدیہی ہے اس لئے عمل کرو اِسی عمل سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے آسانی حاصل ہوگی جیسے رزق میں کوشش کی جاتی ہے اور حاصل تقدیر سے ہوتا ہے۔ علاج میں کوشش کی جاتی ہے تندرستی تقدیر سے ہوتی ہے ورنہ مرجاتا ہے

تو جیسے علاج اور رزق کمانا چھوڑا نہیں جاتا ایسے ہی عمل چھوڑا نہیں جا سکتا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کسب انسان کا ہے اور خلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اِسی خلق کو تیسیر اور اعانت فرمایا گیا ہے۔

باب ما جاء فی قاتل النفس

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ انسانی جان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ سوال۔ باب تو ہے قاتل نفس میں کہ کسی انسان کا قتل کرنا بُرا ہے اور حدیث میں خودکشی کا ذکر ہے۔ جواب۔ خودکشی پر ہی غیر کے قتل کو بھی قیاس فرمایا۔ سوال۔ امام بخاری نے جزم اور یقین کے ساتھ کیوں نہیں فرمادیا کہ خودکشی پر ہی غیر کے قتل کو بھی قیاس فرمایا۔ سوال۔ امام بخاری نے جزم اور یقین کے ساتھ کیوں نہیں فرمادیا کہ خودکشی کرنے والے یا قاتل کا کیا حکم ہے۔ جواب۔ ا۔ تاکہ ناظر کو خود سوچنے کا موقعہ ملے۔ ۲۔ امام بخاری ایک حدیث کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں جو ان کی شرط پر نہ تھی اِس لئے اِس کو اسناد کے ساتھ نہ لائے وہ حدیث ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں ہے عن جابر بن سمرة ان النبی صلی الله علیه وسلم اُتی برجل قتل نفسه فلم یصلی علیه۔

اختلاف:۔ عندالامام الاوزاعی خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ وعندالجمہور اس زمانے کے اکابر دین نہ پڑھیں عام مسلمانوں میں سے کچھ پڑھ کر دفن کر دیں منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے عن جابر بن سمرة مرفوعاً اذا لا اصلی علیہ۔ امام اوزاعی کے نزدیک جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے پر نماز نہ پڑھی تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ کوئی بھی اس پر نماز نہ پڑھے جمہور کے نزدیک اوروں کو پڑھنے سے منع نہیں فرمایا اس لئے یہی معنیٰ ہوئے کہ اکابر دین نہ پڑھیں عوام پڑھ لیں، ترجیح جمہور کے معنیٰ کو ہے دو وجہ سے۔ ا۔ ترمذی میں عن ابی ہریرہ مرفوعاً وارد ہے مدیون کے متعلق کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شروع اسلام میں مدیون پر نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے بلکہ فرمادیتے تھے صلّوا علی صاحبکم انتھی پھر فتوحات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرضہ کی ذمہ داری خود لے لیتے تھے اور نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے تو یہاں بھی خود نہ پڑھنا اشارہ ہے صلّوا علی صاحبکم کی طرف یہ مطلب نہیں کہ کوئی بھی نہ پڑھے۔ ۲۔ نسائی میں خودکشی کے موقعہ پر مرفوعاً یہ الفاظ منقول ہیں امّا انا فلا اصلی علیه ان الفاظ میں صاف اشارہ موجود ہے کہ میرا اِس پر نماز پڑھنا مناسب نہیں ہے تم پڑھ لو۔

من حلف بملّته غیر الا سلام کا ذباً متعمدا فهو کما قال

اس کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ ا۔ ماضی میں کام کر چکنے کے بعد غیر اسلام کی جھوٹی قسم کھائی کہ اگر اُس نے یہ کام کیا ہے تو وہ کافر ہے اس سے تو کافر ہو جائے گا اور اگر آئندہ کے متعلق قسم کھائی کہ اگر اُس نے یہ کام کیا تو وہ کافر ہوگا پھر وہ کام بھی کر لیا تو کافر نہ ہوا۔ ۲۔ دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ماضی اور مستقبل دونوں کی قسم کی صورت میں گنہگار ہی ہوگا کافر نہ ہوگا کیونکہ قسم کھانے کا مقصد تو اس کام سے رُکنا ہی تھا اتفاق سے وہ کام کر لیا تو گنہگار ہی ہوگا کافر نہ ہوگا حدیث پاک میں زجر ہی مقصود ہے کہ وہ کافر جیسا ہو گیا۔

باب ما یکره من الصلوٰة علی المنافقین والاستغفار للمشرکین

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ منافق پر نماز جنازہ پڑھنا اور مشرک کے لئے استغفار کرنا دونوں مکروہ ہیں۔ **باب ثناء الناس علی المیت**:۔ غرض یہ ہے کہ مرنے کے بعد میت کی مدح مستحسن ہے اگرچہ زندگی میں اُس کے سامنے قبیح ہے کیونکہ اس سے تکبیر اور خود بینی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جو دونوں کے دونوں حرام ہیں۔ مرنے کے بعد اچھا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مدح علامت ہے کہ ارحم الرحمین نے اس کی پردہ پوشی دنیا میں فرمادی ہے اور یہ پردہ پوشی علامت ہے آخرت میں بھی مولائے کریم اِس کے ساتھ یہی معاملہ فرمائینگے۔ پھر یہ شہادۃ کس کی معتبر ہے اِس میں دو قول ہیں۔ ا۔ اہل علم و فضل گواہی دیں اور گواہی بھی سچی ہو۔ ۲۔ عامتہ

المومنین کی گواہی مراد ہے اور پھر وہ آدمی گنہگار ہو یا نیک ہو دونوں صورتوں میں عامۃ المومنین کی گواہی معتبر ہے کیونکہ یہ گواہی علامت ہوگی اِس بات کی کہ اُس بخشنے والی ذات نے اس کے گناہ بخش دئے ہیں اور یہ دوسرا قول ہی راجح ہے کیونکہ پہلے قول میں اگر وہ نیک ہی ہے تو اِس گواہی کے پائے جانے اور نہ پائے جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا اِس لئے اس کا بیان فضول ہوا۔

باب ماجاء فی عذاب القبر

غرض عذاب قبر کا اثبات ہے اور معتزلہ پر رد کرنا ہے کیونکہ معتزلہ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور بعض معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ کافروں کو عذاب قبر ہوگا مسلمانوں کو نہ ہوگا پھر عذاب القبر میں جو عذاب کی اضافت قبر کی طرف ہے یہ اکثر حالات پر مبنی ہے کیونکہ بعض دفعہ سمندر میں غرق ہونے سے موت آ جاتی ہے اور لاش سمندر ہی میں گم ہو جاتی ہے اور سمندر ہی میں گناہوں کی وجہ سے بغیر قبر بنے عذاب ہوتا ہے بعض کو شیر وغیرہ کوئی درندہ کھا جاتا ہے اور قبر بنے بغیر جانور کے پیٹ میں ہی عذاب ہوتا ہے اور وہاں ہی روح کا تعلق بدن کے ٹکڑوں سے ہو جاتا ہے۔ روح تو ایسی چیز ہے کہ اس کا تعلق مشرق اور مغرب میں پھیلے ہوئے بدن کے ٹکڑوں سے بھی ہو سکتا ہے جیسے سورج بیک وقت آدھی زمین کو روشن کر دیتا ہے کیونکہ روح کا حلول کی صورت میں بدن کے اندر داخل ہونا ضروری نہیں ہے تدبیر و تصرف کا تعلق ہے۔ پھر جو احادیث میں آتا ہے کہ روح سوال و جواب کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے اس لوٹانے اور اعادہ کی مقدار اتنی ہی مراد ہے جس سے سوال سمجھ سکے اور جواب دے سکے اور ثواب و عذاب کو محسوس کر سکے اتنا تعلق ضروری نہیں جتنا موت سے پہلے تھا قبر میں ثواب و عذاب کی مثال سونے والے جیسی ہے جو جاگنے والے کی طرح چلتا پھرتا تو نہیں ہے لیکن تکلیف اور راحت محسوس کرتا ہے۔ اتحاف شرح احیاء العلوم میں ہے عن ابن مسعود مرفوعاً فاذا وضع فی قبره اجلس وجیئی بالروح وجعلت فیه فیقال له من ربک ومادینک و من نبیک فیقول ربی الله ودینی الاسلام و نبی محمد صلی الله عنیه وسلم فیقال له صدقت فیوسع له فی قبره مدبصره ثم ترفع روحه فتجعل فی اعلیٰ علیین الحدیث اور متکلمین نے تصریح فرمائی ہے کہ تعلق ارواح مومنین کا جسموں کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے سورج کا تعلق زمین سے ہے اور میت سونے والے کی طرح ہوتا ہے ہنستا بھی ہے اور تکلیف بھی محسوس کرتا ہے اگرچہ روح بدن کے اندر نہیں ہوتی الله یتو فی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها۔ ا۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السوال وھو قول الجمهور انتھی۔ ۲۔ فی الاتحاف شرح احیاء العلوم کہ بعض اس کے قائل ہوئے کہ بدن بلا روح سے سوال جواب ہوتے ہیں۔ ۳۔ اتحاف میں ہے کہ سوال جواب صرف روح سے ہوتے ہیں۔ بدن کا دخل نہیں ہے اور یہ ابن حزم کا قول ہے اور غلط ہے اس لئے کہ اگر بدن کا دخل نہیں تو پھر قبر کی کیا خصوصیت ہوئی۔

قبر میں سوال کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے یوم الست میں توحید کا وعدہ لیا اور سب کو گواہ بنایا پھر دنیا میں نبیوں اور مومنوں کو گواہ بنایا پھر قبر میں فرشتوں کو گواہ بنایا توحید پر بس جب شیطان قیامت میں گناہوں کی وجہ سے یہ کہے گا کہ یہ تو میری جماعت ہے تو اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین اس کا رد فرمادینگے اور بندہ کو جنت میں داخل فرمادینگے۔ ادخلنا الله ایاها بلا عذاب۔ آمین۔

اتی ثم شهد: آنے والے منکر اور نکیر ہیں اور جس کے پاس آتے ہیں وہ بندہ مومن مراد ہے۔ پھر شہد کی جگہ ایک نسخہ میں تشہد بھی ہے۔

ماانتم باسمع منهم ولکن لایجیبون

باب سے مناسبت یہ ہوئی کہ جب مردے سنتے ہیں تو ثواب اور تکلیف بھی محسوس کرتے ہیں۔ سماع موتیٰ کے دلائل۔ ا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دھلوی نے فرمایا کہ متکلمین حضرات نے عذاب قبر اور ثواب قبر کے انکار کو کفر قرار دیا ہے اور بغیر شعور و

ادراک کے ثواب وعذاب کا تصور ہی نہیں ہوسکتا اس لئے شعور و ادراک بھی ماننا ضروری ہے۔۲- احادیث صحیحہ سے قبرستان میں السلام علیکم کہنا ثابت ہے۔۳- اہل بدر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا۔۴- **ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا** یہ چاروں فتاوٰی عزیزیہ میں ہیں۔۵- ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں سند قوی سے نقل فرمایا **عن عطاء بن یسار مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یا عمر کیف بک اذا انت مت واتاک فتانا القبر منکرو نکیرفقال عمرو یکون معی مثل عقلی الآن قال نعم قال اذا اکفیھما انتہٰی** اتحاف شرح احیاء العلوم میں اس حدیث کونقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جزء باقی رہتا ہے جس سے موت کے بعد شعور کا تعلق ہوجاتا ہے اگر چہ اس کا بدن مشرق ومغرب میں منتشر ہوجائے۔ **انما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم لیعلمون الآن ان ماکنت اقول حق:** حضرت عائشہ کی غرض اس قول سے حضرت عمر کی تردید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہ تھی کہ قلیب بدر میں کافروں کی لاشیں اس وقت سن رہی ہیں بلکہ مراد یہ تھی کہ اب وہ جان رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا وہ ٹھیک تھا سماع ثابت کرنے والے حضرات اس قول عائشہ کے مختلف جواب دیتے ہیں۔۱- جمہور صحابہ اور بعد کے حضرات نے ابن عمر کے قول کو ظاہر ہی پر رکھا ہے۔ ۲- احادیث کثیرہ سے ابن عمر...... کی روایت کے ظاہری معنیٰ ہی کی تائید ہوتی ہے۔۳- حضرت عائشہ تو بدر کے میدان میں موجود نہ تھیں۴- جیسے وہ جانتے تھے ایسے ہی وہ سن بھی سکتے تھے جاننا سننے کے قریب ہی تو ہے۔۵- حضرت عائشہ صرف علم کو ثابت کررہی ہیں اور دوسرے حضرات علم اور سماع دونوں کو ثابت کررہے ہیں اور مثبت زیادہ کو ترجیح ہوتی ہے۔۶- شیخ الاسلام زکریا انصاری اور مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا اس مسئلہ میں رجوع ثابت ہے کیونکہ مسند احمد میں حسن کے درجہ کی سند سے ثابت ہے۔ **عنھا مرفوعاً ما انتم باسمع لمااقول منھم** اس روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سے سننے کے بعد حضرت عائشہ نے رجوع فرمالیا تھا کیونکہ خود تو حاضر نہ تھیں۔

اہل قلیب کوسنانے کا فائدہ

کہ زندوں کو عبرت ہو کہ کفر کا انجام بہت برا ہے۔

انک لاتسمع الموتٰی :۔اس آیت سے حضرت عائشہؓ نے استدلال فرمایا اس کے دو جواب پیچھے گزر چکے ہیں۔۱- سماع نافع کی نفی ہے۔۲- اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں ہے۔**نعم عذاب القبر**:. بعض نسخوں میں یہاں اس طرح ہے نعم عذاب القبر حق۔سوال: **فی مسلم عن عائشتہ قالت وخلت علی امرأۃ من الیھود وھی تقول بل شعرت انکم تفتنون فی القبور قالت فارتاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال انما تفتن یھود قالت عائشۃ فلبثنا لیالی ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل شعرت انہ اوحی الی انکم تفتنون فی القبور الحدیث** تعارض ہوگیا جواب قال الطحاوی وہ عورت دو دفعہ آئی پہلی دفعہ وہ گفتگو ہوئی جو مسلم شریف میں ہے دوسری دفعہ آئی تو وہ گفتگو ہوئی جو بخاری شریف میں ہے درمیان میں وحی نازل ہوئی۔ **لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم**:۔ یہ راوی نے وضاحت کی ہے **اشھدانہ عبداللہ ورسولہ**:۔ایک کتاب ہے الانصاف اس میں روایت ہے **عن ابن عمر رایت ابی فی النوم فقلت لہ یا ابت منکرو نکیر حق فقال ای واللہ الذی لاالہ الاھو لقد جاء انی فقالالی من ربک فاغذت علیھما وقلت لھما لاا خلی عنکما حتیٰ تعر فانی من ربکما فقال احدھما للآخروعہ فانہ عمر الفاروق سراج اھل الجنتہ.**

باب التعوذ من عذاب القبر

غرض یہ ہے کہ عذاب قبر سے پناہ پکڑنا مسنون ہے۔

فسمع صوتا: ا- عذاب کے فرشتوں کی آواز تھی۔ ۲- عذاب واقع ہونے کی آواز تھی۔ ۳- جس کو عذاب ہو رہا تھا اس کے چیخنے کی آواز تھی مناسبت باب سے یہ ہے کہ ایسے موقعہ میں پناہ پکڑنا مسنون ہے۔ سوال: احادیث میں تو یہ ہے کہ عذاب قبر کی آواز انسانوں اور جنوں سے مخفی رکھی جاتی ہے جواب۔ ا- یہ مخفی رکھنا قاعدہ اکثریہ ہے۔ ۲- عادۃ اللہ تعالیٰ یہی ہے کہ مخفی رکھا جاتا ہے یہ واقعہ خرق عادت بطور معجزہ کے صادر ہوا۔ **فقال یهود تعذب فی قبورها۔** یہود قال کے فاعل نہیں ہیں بلکہ یہود مبتدا ہے اور تعذب خبر ہے یعنی یہودیوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے۔

باب عذاب القبر فی الغیبته والبول

غرض یہ ہے کہ عذاب قبر صرف کافر کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ مسلمان کو بھی ہوتا ہے۔

باب المیت یعرض علیه مقعده بالغداة والعشی

غرض ثواب وعذاب فی القبر کی ایک خاص صورت کا بیان ہے تخصیص بعد التعمیم ہے پھر مسلم شریف میں اس مضمون کی روایت میں الفاظ یوں ہیں **ثم یقال هذا مقعدک الذی تبعث الیه یوم القیامة** ان الفاظ کی روشنی میں زیر بحث بخاری شریف کی روایت کے جو یہ الفاظ ہیں **فیقال هذا مقعدک حتیٰ یبعثک الله یوم القیامة** ان کا مطلب یہ ہے کہ تجھے یہ ٹھکانا قیامت تک دکھایا جائے گا حتیٰ یبعثک اللہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس ٹھکانے میں قیامت کے بعد پہنچا دینگے پھر یہ دکھایا جانا بھول جاؤ گے جیسے اس آیت کے معنیٰ ہیں وان علیک لعنتی الی یوم الدین کہ قیامت تک تو تم پر لعنت ہوتی رہیگی پھر ایسا عذاب آئے گا کہ یہ لعنت بھول جاؤ گے۔

باب کلام المیت علی الجنازة

غرض یہ ہے کہ میت کو دنیا کے کچھ کاموں کا پتہ چلتا ہے یہ تمہید ہے اس کی کہ اس کو قبر میں بھی سوال جواب کا پتہ چلے گا کیونکہ چارپائی قبر کی تمہید ہے اور پیچھے جو اسی قسم کا باب تھا باب قول المیت قدمونی وہاں مقصود یہ تھا کہ میت کو جلدی دفن کرنا چاہئے پس تکرار نہ رہا۔

باب ما قیل فی اولاد المسلمین

بظاہر غرض امام بخاری کی اولاد مسلمین غیر بالغین میں توقف ذکر کرنا ہے۔ کیونکہ صراحتہ جنتی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ امام نووی نے اجماع نقل کیا ہے ذراری مومنین کے جنتی ہونے پر اور توقف کرنے والے حضرات کے دلائل۔ ا- **فی مسلم عن عائشة توفی صبی من الانصار فقلت طوبیٰ له لم یعمل سوءً ولم یدرکه فقال النبی صلی الله علیه وسلم اوغیر ذلک یا عائشة ان الله خلق ...... للجنه اهلاً الحدیث** جواب اہل اجماع کی طرف سے یہ ہے کہ اس حدیث میں بلا دلیل جلدی سے قطعی فیصلہ کر دینے سے منع فرمانا مقصود ہے کہ مجھ سے پوچھے بغیر کیوں فیصلہ کیا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ جنتی نہیں ہے۔ ۲- حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں جو مذکور ہے طبع یوم طبع کافرا یہ بھی توقف کی تائید کرتا ہے۔ ۳- حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ عمل مفقود ہے جس کی وجہ سے دخول جنت ہوتا ہے استعداد موجود ہے اور وہ کافی نہیں دخول جنت کے لئے کیونکہ استعداد تو کافر بالغ میں بھی موت تک رہتی ہے اس لئے ادلہ کا مقتضی توقف ہے۔ ۴- ذراری مشرکین میں جمہور توقف کی طرف چلے گئے ہیں اس پر قیاس کا تقاضی یہ ہے کہ ذراری مومنین میں بھی توقف ہی کیا جائے۔ ان سب ادلہ کا جواب یہی ہے کہ اجماع کی وجہ سے ترجیح جنتی ہونے کو ہی ہے اجماع کی تائید مختلف ادلہ سے بھی ہوتی ہے۔ ا- ثانی الباب **عن انس مرفوعاً ما من الناس مسلم یموت له ثلثته من الولدلم یبلغوا الحنثَ الا ادخله الله الجنة بفضل رحمته ایا هم.** ۲. اول الباب **عن ابی هریرة مرفوعاً من مات له ثلثة من**

الولدلم یبلغوا الحنث کان له حجاباً من النار اودخل الجنته جب آگ سے حجاب ہونگے والدین کے لئے تو خودبطریق اولیٰ آگ سے باہراور جنت میں داخل ہونگے۔۳۔ فی زیادات مسند احمد لعبد الله بن احمد عن علی مرفوعاً ان المسلمین واولادهم فی الجنة. الی قوله. ثم قرأ والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمانِ الآیة۔ ۴۔خود یہی آیت مبارکہ مستقل دلیل ہے۔ والذین امنوا واتبعهم ذریتهم بایمانِ الحقنا بهم ذریتهم الآیة. ۵۔ ثالث الباب عن البراء قال لما توفی ابراهیم علیه السلام قال رسول اللہ صلی اللہ ان له مرضعا فی الجنته۔

باب ما قیل فی اولاد المشرکین

غرض اولادمشرکین میں اظہار توقف ہے۔ کافروں کے جو بچے نابالغ ہونے کی حالت میں مرجاتے ہیں ان کے متعلق چھ اہم قول ہیں۔۱۔ کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ اگر وہ بڑے ہونگے تو کافر ہونگے اسی لئے ان کوکافروں کے گھر پیدا فرمایا اب وہ دوزخ میں اپنے والدین کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔۲۔ اہل جنت ہیں اس کی دلیلیں عنقریب تفصیل سے آرہی ہیں۔۳۔ بین الجنتہ والنار ہونگے اُعراف میں نہ ثواب ہوگا ان کو نہ عذاب ہوگا۔۴۔ اہل جنت کے خادم ہونگے ۵۔ بعض جنتی ہونگے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ایسے کہ اگر یہ زندہ رہیں اور بالغ ہوجائیں تو یہ مومن بن جائیں گے اور بعض دوزخی ہونگے جو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر یہ زندہ رہینگے تو بالغ ہونے کے بعد کافر ہونگے۔۶۔ توقف۔ امام بخاری کے طرز سے بظاہر یہی معلوم ہورہا ہے کہ وہ توقف ہی کے قائل ہیں اور یہی توقف ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی سے منقول ہے اور یہی ایک روایت امام احمد کی بھی ہے۔ لیکن بہت سے محدثین اور ہمارے قریب زمانہ کے اکابر نے ان کے جنتی ہونے کو ترجیح دی ہے اور اس کے خلاف جو دلائل ہیں ان کو منسوخ یا ماول قرار دیا ہے۔

ذراری مشرکین کے جنتی ہونے کے ادلہ

۱۔حدیث الباب عن ابی هریرة مرفوعاً کل مولود یو لدعلی الفطرة فابواه یهود انه او ینصرانه او بمجسانه الحدیث. ۲۔معراج کی احادیث میں صراحتہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اوران کے گرد بچوں کو دیکھا اوران کی تفصیل یہ بتلائی گئی کل مولودعلی الفطرة ۔۳۔ وما کنا معذبین حتّٰی نبعث رسولا.۴۔ زیر بحث باب کے بعد جو باب بلاترجمہ ہے اِس میں لمبی حدیث ہے اس میں تصریح ہے اُن بچوں کے متعلق جو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اردگرد دیکھے والصبیان حوله فاولاد الناس۔۵۔ فی مسند ابی یعلیٰ عن انس مرفوعاً سالت رُبی اللاهین (ای الا طفال) من ذریته البشران لا یعذبهم فاعطانیهم اوراس حدیث کی سند حسن کے درجہ کی ہے۔۶۔فی مسند احمد عن خنساء بنت معاویة بن مریم عن عمتها قلتُ یا رسول الله من فی الجنه قال النبی فی الجنة والشهید فی الجنة والمولود فی الجنة اس کی سند بھی درجہ حسن کی ہے۔

الله اذا خلقهم اعلم بما کانوا عاملین

ما کے مصداق میں دو احتمال ہیں۔۱۔عمل ۔۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخفیہ دونوں صورتوں میں یہ روایت توقف پردال ہے۔

کل مولود دیولد علی الفطرة

فطرۃ کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔۱۔سبب اسلام ۔۲۔ اسلام۔ سوال۔ حضرت خضرعلیہ السلام کے واقعہ میں جس بچہ کو قتل فرمادیا اس کے بارے میں ثابت ہے طبعه اللہ یوم طبعه کافراً تو زیر بحث روایت کے ساتھ اِس بچہ والے واقعہ کا تعارض ہوگیا جواب۔ پہلے شقاوت وسعادت کا تعلق بچے سے ہوتا ہے پھر ولادت اور اس کے ساتھ ہی فطرۃ کا ظہور ہوتا پھر طبع کا وقوع ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے فطرة سلیمہ پر ولادت ہوئی پھر کفر کی مہر جس کو طبعه اللہ

یوم طبعه کافرا میں ذکر کیا گیا ہے اُس کا وقوع ہوا اس لئے کچھ تعارض نہیں کیونکہ زمانہ ایک نہ رہا۔ سوال جب ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور فطرۃ کے معنیٰ اسلام کے کئے گئے ہیں تو کافروں کے جو بچے نابالغی کے زمانہ میں فوت ہوتے ہیں ان پر نماز جنازہ بھی پڑھنی چاہئے جواب نماز جنازہ پڑھنا یہ اسلام کا دنیوی حکم ہے اور فطرۃ جو بمعنیٰ اسلام ہے اس میں چھپا ہوا اسلام مراد ہے جو آخرت ہی میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس پر دنیا میں کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا۔ **باب** :۔ یہ تتمہ ہے ماقبل کا **کلوّب** لوہے کا کانٹا۔ **شدق** :۔ منہ کی بانچھ یعنی منہ کی ایک جانب۔ **حتی ثیلغ قضاہ**:. منہ کی ایک جانب کو پھاڑتا ہوا گدی تک یعنی سر کے پچھلے حصہ تک پہنچ جاتا تھا۔ **بفهر** :۔ اس کے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ ۱۔ اتنا بڑا پتھر جو ہتھیلی کو بھر دے۔ ۲۔ ہر پتھر کو فہر کہتے ہیں۔ **فیشدخ به**:۔ شدخ کے معنیٰ ہیں کھوکھلی چیز کو یعنی ایسی چیز کو جو اندر سے خالی ہو اس کو توڑنا۔ **رمی الرجل بحجر فی فیه** :۔ کنارہ والا آدمی نہر والے آدمی کے مُنہ میں پتھر مارتا تھا ای فی فمہ۔ **والصبیان حوله فاولاد الناس**:۔ یہ محل ترجمہ ہے کہ مشرکین کی اولاد بھی نجات پانے والی ہے کیونکہ اس میں الناس کا لفظ ہے جو مسلمانوں اور کافروں سب کو شامل ہے۔

باب موت یوم الا ثنین

غرض پیر کے دن مرنے کی فضیلت کا بیان کرنا ہے کیونکہ اُس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ سوال۔ **فی الترمذی عن عبد الله بن عمرو مرفوعاً ما من مسلم یموت یوم الجمعته الا وقاه الله فتنته القبر**۔ جواب۔ اس کی سند میں کچھ ضعف تھا اِسی لئے اس کو امام بخاری نے نہ لیا۔ **انما هو للمهلته** :۔ یعنی نئے کپڑے تو زندہ کے لئے ہوتے ہیں جس کو دنیا میں کچھ مہلت رہنے کی ملی ہوئی ہے۔

باب موت الفجَائة البغتة

غرض شبہ کا ازالہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موتِ فجاءۃ سے یعنی اچانک موت آجانے سے پناہ مانگی ہے شاید اس میں کوئی کراہت ہو اور مرنے والے کو تکلیف ہونے کا اندیشہ قبر میں یا بعد میں ہو تو اس کا ازالہ فرمادیا کہ اِس باب کی حدیث میں موتِ فجاءۃ کا ذکر ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت کا اظہار نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ استعاذہ صرف عارض کی وجہ سے ہے کہ توبہ اور خصوصی تیاری کا موقعہ نہ ملا۔ اصل اِس موت میں کوئی قباحت یا کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ غیر اختیاری چیز ہے۔

باب ما جاء فی قبر النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله عنهما

غرض یہ ہے کہ تینوں قبریں مسنّم تھیں کوہان کی شکل میں چورس جس کو مسطح کہتے ہیں نہ تھیں کفاتاً:۔ **کَفَتَ الشئ اذا جمعه وضمه** سَحْری :۔ پیٹ کا اوپر کا حصہ درمیان والا۔ **وعن هلال**:۔ اوپر والی پوری سند مراد ہے کنّانی :۔ میری کنیت رکھی وہ کیا تھی ۔ ۱۔ ابو اُمیّہ ۔ ۲۔ ابو الجہم ۔ ۳۔ ابو عمرو اور تیسری ہی مشہور ہے **انه رایٰ قبر النبی صلی الله علیه وسلم مُسنّماء**:۔ عند الشافعی اولیٰ ہے قبر کو مسطح یعنی چار کونوں والی بنانا اور جمہور کے نزدیک اولیٰ ہے مُسَنّم یعنی کوہان جیسی بنانا **وللجمهور حدیث الباب عن سفیان التّمار انه رأی قبر النبی صلی الله علیه وسلم مسنّماً و للشافعی روایته الترمذی عن الهیاج الا سدی قال لی علّی الا ابعثُکَ علی ما بعثی علیه النبی صلی الله علیه وسلم ان لا ادع قبرا مشرفاً الا سویتَه ولا تمثالاً الا طمتَه.** جواب اِس سے مراد صرف وہ قبر ہے جو فخر کے طور پر بہت اونچی بنائی گئی ہو۔ **لا اعلم احداً احق بهذا الا مر**:۔ مراد امر خلافت ہے۔ **اُوصیه بذمة الله** مراد عامۃ المومنین ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کے ذمہ میں ہوتے ہیں۔

باب ما ینهی من سبّ الا موات

غرض یہ ہے کہ مرنے کے بعد بُرا کہنا برا ہے البتہ حدیث کی سند میں جرح مقصود ہو یا کسی کو کسی گناہ سے بچانا مقصود ہو تو

بقدرِ ضرورت گنجائش ہے۔

باب ذکر شرار الموتیٰ

غرض گذشتہ باب سے ایسے شخصوں کو نکالنا ہے جو ایذاء اور شر میں مشہور ہوں جیسے ابولہب اور ابوجہل کہ ان کی برائی گنجائش ہے۔

کتابُ الزکوٰۃ

ای کتاب یذکر فیہ احکام الزکوٰۃ۔ یہ تقدیر عبارت ہے اور اِس سے غرض بھی ظاہر ہوگئی کہ زکوٰۃ کے احکام بیان کرنے مقصود ہیں اور ربط یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ایمان اور نماز کے بعد سب سے زیادہ ذکر زکوٰۃ کا ہے اس لئے تیسرے درجہ پر امام بخاری بیان فرما رہے ہیں۔لغوی معنیٰ ۱۔نماء اور ۲۔طہارۃ کے ہیں زکوۃ دینے والا اوراس کا مال پاک ہوجاتے ہیں اور مال میں برکت کی وجہ سے نماء اور زیادتی ہوتی ہے۔حدیث پاک میں ہے **ما نقص مال من صدقة** اور قرآن پاک میں ہے **یمحق الله الربا و یُربی الصدقات**۔

باب وجوب الزکوٰۃ

غرض فرضیت زکوٰۃ کا بیان ہے لفظ وجوب کثرت سے فرضیت پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ وجوب کے لغوی معنیٰ ثبوت اور تحقق کے ہیں۔**قال ما له ما له**:۔قائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ما استفہامیہ ہے تعجب کا اظہار ہے اُس کی حرص آخرت پر اور ایک روایت میں یوں ہے قال الناس ماله ماله فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارب ماله اس صورت میں ظاہر ہے کہ ماله پہلا دو دوفعہ یہ صحابہ کی کلام ہے۔البتہ ارب کے بعد ماله بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام ہے۔**ارب ماله**:۔اس کے مختلف معنیٰ کئے گئے اور مختلف طریقے سے پڑھا گیا۔۱۔اَرِبٌ بمعنی صاحب حاجت تقدیر عبارت یہ ہے ھو اَرِب کہ وہ صاحب حاجت ہے۔آگے ماله الگ جملہ ہے جس کے معنیٰ گذر چکے۔۲۔اَرَبٌ میں راء کا فتحہ ہے جس کے معنیٰ حاجت کے ہیں۔ ما اسی کی تاکید ہے له حال یا صفت ہے اور خبر محذوف ہے واقع یعنی کچھ نہ کچھ حاجت اس کی ثابت اور واقع ہے۔۳۔اَرِبَ فتحہ ءراء کے ساتھ ماضی کا صیغہ ہے بمعنیٰ احتاج اور ماله جملہ استفہامیہ الگ جملہ ہے۴۔یہی لفظ بمعنی بلغ جُھدہ ای صار ماھراً اظہار تعجب ہے اور ماله الگ جملہ استفہامیہ تعجب کے لئے ہے۔۵۔یہی لفظ بمعنی سقط اٰرابُہ ای اعضاءہ یہ بھی اظہار تعجب ہے اور ماله بھی مزید تعجب کے لئے الگ جملہ ہے ۶۔۷۔۸یہی تینوں معنیٰ صرف بکسر الراء ہے اَرِبَ۔

من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ

سوال۔حضرت ابن عمر اور حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ سے یہ بھی مرفوعاً منقول ہے کہ مجھے لڑنے کا حکم ہے یہاں تک کہ کلمہ شریف پڑھیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔تو پھر حضرت صدیق نے اِسی سے استدلال کیوں نہ فرمایا کہ جب تک زکوٰۃ صحیح طریقہ سے نہ دیں میں جہاد کرونگا زکوٰۃ کو نماز پر کیوں قیاس فرمایا جواب۔۱۔حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ حصہ حدیث کا نہ پہنچا تھا۔۲۔پہنچا تھا لیکن کبھی تو اِسی زائد حصہ سے بھی استدلال فرمایا جیسا کہ نسائی میں حضرت انس سے مروی ہے اور کبھی الا بحقہٖ سے استدلال فرمایا کہ الا بحقہ میں عموم ہے زکوٰۃ کو بھی شامل ہے اور کبھی زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر قیاس فرمایا۔

باب البیعة علی ایتاء الزکوٰۃ

غرض یہ ہے کہ جب تک بیعت میں زکوٰۃ پر عمل کرنے کا وعدہ نہ کرے بیعت پوری نہیں ہوتی۔

باب اثم مانع الزکوٰۃ

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

یحملها علی رقبته

شاید گردن پر اٹھانا خیانت کی وجہ سے ہو اور جانور جو روندیں گے یہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے **هو له زبیتبان**:۔سانپ کی آنکھوں پر دو نکتے کالے رنگ کے۔

ماادی زکوته فلیس بکنز

غرض یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے کے بعد جو مال باقی بچ گیا وہ کنز مذموم نہیں ہے اور موجب عذاب نہیں ہے کیونکہ جو شخص اپنی حاجت

سے بچاہوامال خیرات نہ کرے اس پر عذاب کا ذکر نہیں آتا۔

لیس فیما دون خمس اوسق صدقة

عندامامنا ابی حنیفۃ ہر قلیل و کثیر میں عشر ہے وعندالجمہور پانچ اوسق سے کم میں عشر نہیں ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ولنا۔ ا. **یا ٔیھا الذین انفقوا من طیبات ماکستبم و مما اخر جنا لکم من الارض.** اس آیت میں **ماآخر جنا من الارض** عام ہے۔۵اوسق اور کم اور زائد سب کو شامل ہے۔ ۲. **فی ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً فیما سقت السماء والا نہار والعیون او کان بعلا العشرُ** اس حدیث میں ماسقت السماء عام ہے پانچ اوسق کی قید نہیں ہے۔ **وللجمہور** حدیث الباب جوابوداؤد میں بھی ہے **عن ابی سعید مرفوعاً لیس فیما دون خمس اواقِ صدقة ولیس فیما دون خمس ذود صدقة ولیس فیما دون خمس اوسق صدقة** جواب۔ا۔اس میں غلّہ کی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ کیونکہ پانچ اوسق غلہ کی قیمت عموماً پانچ اواقی ہوجاتی تھی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اِس حدیث میں اونٹوں کا نصاب اور چاندی کا نصاب مذکور ہے اور ان دونوں کا تعلق زکوٰۃ سے ہے عشر سے نہیں ایسے ہی غلّہ کا ذکر بھی زکوٰۃ کے درجہ میں ہے کہ مال تجارت کے طور پر غلّہ کتنا ہو کہ اس کی قیمت پانچ اواقی ہوجائے گی اور اس میں زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ عشر کا تو اس حدیث میں بالکل ذکر ہی نہیں اس لئے عشر پر محمول کرنا ٹھیک نہیں ہے۔۲۔دوسرا جواب یہ ہے کہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے **واتوا حقه یوم حصاده** اس میں دبھی عشر کا بیان ہے اور کوئی قید نہیں ہے اِس لئے حدیث کے بھی ایسے معنیٰ ہی ہونے چاہئیں جو آیت کے خلاف نہ ہوں اور وہ ہمارے بیان کئے ہوئے معنیٰ ہیں۔ اور یہ آیت ہمارے دلائل میں سے بھی شمار کی جاسکتی ہے۔۳۔ ہمارے معنیٰ میں احتیاط ہے۔۴۔خمسۃ اوسق کا ذکر اس لئے ہے کہ اتنی مقدار کا عشر بیت المال میں پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ مالک خود ہی ادا کردے۔۵۔اتنی مقدار عرایا میں شمار ہوتی ہے۔مقصد یہ ہے کہ جس فقیر کو عرایا کے درجہ میں غلّہ ملا ہو اس فقیر کے ذمہ عُشر نہیں ہے۔ کیونکہ عشر مالک کے ذمہ ہوتا ہے یا مزارع کے ذمہ ہوتا ہے عرایا لینے والے فقیر کے ذمہ نہیں ہوتا۔۶۔ہم جو معنیٰ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ مراد ہے مال تجارت میں۔ یہ معنیٰ بالا جماع معمول بہ ہیں اور جو آپ معنیٰ لیتے ہیں وہ محل اختلاف ہیں اس لئے ایسے معنیٰ لینے اولیٰ ہیں جو بالاجماع معمول بہ ہوں۔ **فجاء رجل خشن الشعر و الثیاب والھیئته:۔** پراگندہ بالوں والا اور سخت اور موٹے کپڑے والا اور پراگندہ ہیئت والا **برضف:۔** رضف کے معنیٰ پتھر کے ہیں۔**باب انفاق المال فی حقه:۔**غرض یہ ہے کہ نیکی میں مال خرچ کرنا مستحب ہے۔

باب لا یقبل الله صدقة من غلول

غرض یہ ہے کہ یہ مسلم شریف کی حدیث کے الفاظ ہیں یہ ان کی شرط پر نہ تھے اس لئے ترجمۃ الباب میں لائے اور ان کو آیت سے ثابت کیا۔ آیت اِس حدیث کی تائید کیسے کرتی ہے۔اس میں دو قول ہیں۔ا۔ خائن کو قیامت کے دن اذیٰ اور عذاب پہنچے گا جیسے صدقہ کرنے والا صدقہ کے بعد اذی پہنچاتا ہے۔۲۔ جب صدقہ کے بعد اذیٰ مبطل صدقہ ہے تو صدقہ کے ساتھ اذیٰ غصب وغیرہ کی صورت میں بطریق اولیٰ مبطل ہے۔

باب الصدقة من کَسْبِ طَیِّب

غرض اور ربط یہ ہے کہ یہ باب گذشتہ باب کا عکس ہے کہ پیچھے تھا وہ صدقہ جو قبول نہیں ہوتا اب وہ ہے جو قبول ہوتا ہے۔

ویُربی الصدقات

سود بدن کے ورم کی طرح ہے اور صدقہ بیماری کی وجہ سے جو اسہال اور دستوں کی دوا دیتے ہیں اس کی طرح ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ جو مال کی زیادتی چاہتا ہے وہ سود نہ لے بلکہ خیرات کرے اِس سے زیادتی ہوگی زیادتی کے لئے ناجائز طریقہ نہ اختیار کرے جائز طریقہ اختیار کرے۔

کما یربّی احد کم فلُوَه

اشارہ ہے کہ جیسے گھوڑے کا بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہے ایسے ہی

برکت صدقہ کی وجہ سے آہستہ آہستہ ظاہر ہوتی ہے کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل میں بھی یہی اشارہ ہے کہ جیسے پودا آہستہ آہستہ بڑا ہوتا ہے۔ایسے ہی صدقات کی برکت آہستہ آہستہ ظاہر ہوتی ہے۔

باب الصدقۃ قبل الرد

غرض یہ ہے کہ صدقہ میں جلدی کرلو ورنہ ایسا زمانہ آجائے گا جس میں کوئی صدقہ لینے والا نہ ہوگا۔

بغیر خفیر:۔بغیر کسی محافظ کے

باب اتقوالنار ولو بشق تمرة

باب کی غرض اور حدیث الباب کے معنیٰ ۔۱۔صدقہ ضرور کرو ترغیب مقصود ہے یہ نہ سوچو کہ جو صدقہ کر رہا ہوں وہ تھوڑا مال ہے۔زیادہ نہیں تو وہی سہی ۔۲۔کسی کا حق نہ دباؤ اگرچہ تھوڑا ہو وہ بھی آگ میں لے جا سکتا ہے۔کنا نحامل ہم بوجھ اٹھاتے تھے تا کہ جو پیسے ملیں وہ خیرات کر دیں۔

باب فضل صدقة الشحيح الصحيح

غرض یہ ہے کہ احتیاج کی حالت میں صدقہ استغناء کی حالت کے صدقہ سے افضل ہے شح کے معنیٰ ہیں بخل مع الحرص

باب:۔یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے گذشتہ باب کا تتمہ ہے اور جیسے گذشتہ باب میں احتیاج کے زمانہ میں صدقہ کی زیادہ فضیلت کا ذکر تھا اسی طرح اس باب میں بھی صدقہ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ صدقہ کی ایسی فضیلت ہے کہ صدقہ کی زیادتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جلدی ملنے کا سبب بن گئی۔

وكانت اسرعنا لحوقاً به وكانت تحبُّ الصدقة

بظاہر اس عبارت کی جو اس باب کی حدیث کے اخیر میں واقع ہے اس عبارت کی مونث کی تینوں ضمیریں اور اس سے پہلے جو متصلا اسی حدیث میں یہ جملہ ہے انما کانت طول یدھا الصدقۃ اس میں یدھا کی مونث کی ضمیر بھی یہ سب حضرت سودہ کی طرف لوٹتی ہیں۔اور امام بخاری کی کتاب التاریخ الصغیر میں اسی سند کے ساتھ روایت اسی مضمون کی منقول ہے اس میں یہ لفظ ہیں فکانت سودۃ اسرعنا الحدیث اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سودہ ہی کے ظاہری ہاتھ لمبے تھے اور حضرت سودہ ہی کے معنوی ہاتھ بھی لمبے تھے اور وہ زیادہ خیرات کیا کرتی تھیں اور وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے دنیا سے رخصت ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملیں۔لیکن امام واقدی نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہے حضرت سودہ کے لحاظ سے اور فرمایا کہ لحوق میں مقدم حضرت زینب بنت جحش تھیں جن کی وفات حضرت عمر کی خلافت میں ہوئی ۲۰ھ میں جبکہ حضرت سودہ کی وفات حضرت معاویہ کی خلافت میں شوال ۵۴ھ میں ہوئی۔اور مسلم شریف کی روایت سے بھی امام واقدی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔وہ مسلم شریف کی روایت عن عائشۃ اس طرح ہے **وكانت زينب اطولنا يداً لا نها كانت تعمل و تتصدق الحديث**۔جواب۔۱۔اُس مجلس میں حضرت عائشہ اور حضرت سودہ کے سوا کوئی زوجہ محترمہ نہ تھیں اس لئے ان دونوں میں سے پہلے فوت ہونے والی کا ذکر فرمایا تھا کہ تم دونوں میں سے پہلے لمبے ہاتھ والی فوت ہوگی اور حضرت سودہ حساً و معناً لمبے ہاتھ والی تھیں اس لئے حضرت عائشہ سے پہلے فوت ہوگئیں اور پیشین گوئی پوری ہوگئی لیکن یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ صحیح ابن حبان میں اسی واقعہ میں ہے لم تغادر منھن واحدۃ۔۲۔دوسرا جواب اور اصل اعتراض کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت سودہ کی وفات حضرت عمر کی خلافت میں نقل فرمائی ہے۔۳۔لفظ زینب بخاری شریف کی روایت سے گر گیا ہے۔اصل عبارت یہ تھی وکانت زینب اسرعنا لحوقا بہ۔۴۔اس زیر بحث حدیث کا آخری حصہ اُس حدیث سے لیا گیا ہے جس میں حضرت زینب کی طرف لوٹتی ہیں۔۵۔حدیث کے آخری حصہ کی ضمیریں حضرت زینب کی طرف لوٹتی ہیں اس

لحاظ سے کہ حضرت زینب سخی ہونے کے لحاظ سے محدثین کے ذہنوں میں تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں بہت زیادہ مشہو رتھیں۔۶۔ یہ ضمیریں اُس زوجہ محترمہ کی طرف لوٹتی ہیں جو سخاوت میں مشہور ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں تھیں۔ اور وہ حضرت زینب ہی تھیں۔

باب صدقته العلانية

غرض صدقہ اعلانیہ کے جواز کا بیان ہے جبکہ مقصد دکھاوا نہ ہو۔کوئی اور مقصد ہو مثلاً دوسروں کو شوق دلانا یا تہمت سے بچنا کہ سرّاً صدقہ میں شاید لوگ کہیں کہ یہ تارک زکوٰۃ ہے۔ پھر اس باب میں حدیث نہ لائے کیونکہ ان کی شرط پر نہ تھی۔

باب صدقته السِّر

غرض سراً خیرات کرنے کا جواز بیان کرنا ہے پھر اس میں صرف تعلیقاً حدیث لائے ہیں اور آیت لائے ہیں اسناداً حدیث نہ لائے کیونکہ جو حدیث باب کے مناسب تھی وہ پیچھے کتاب الصلوٰۃ میں بھی بیان فرما چکے ہیں۔ اور آگے تیسرے باب میں بھی آئے گی۔ اگر یہاں بھی اسناداً لاتے تو تکرار بن جاتا کیونکہ صرف دوقسم کے الفاظ ہی ان کی شرط پر تھے پھر یہاں اور گذشتہ باب میں نفسِ فضیلت سراً اور علانیۃ کی بتلادی۔ افضیلت آئندہ بابوں میں بیان فرمادینگے کہ افضیلت سراً خیرات کرنے کی ہے۔

باب اذا تصدق علی غنی وھو لا یعلم

غرض یہ ہے کہ غلطی سے غنی پر بھی صدقہ کردیا تو وہ بھی مقبول اور صحیح ہے کیونکہ وہ معذور ہے۔

اللھم لک الحمد

ا۔ کیونکہ یہ آپ کا فعل ہے میرا فعل نہیں ہے۔۲۔ یہ حمد رضا علی القضا ظاہر کرنے کے لئے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی ناپسند چیز دیکھتے تھے تو یوں فرماتے تھے الحمد للہ علی کل حال. سوال۔ بظاہر باب تو واجب صدقہ میں ہے اور حدیث میں کوئی دلیل صدقہ کے واجب ہونے کی نہیں ہے جواب۔ا۔ امام بخاری کا دائرہ اجتہاد عام فقہاء سے کچھ زیادہ وسیع تھا اس لئے ان کے نزدیک فرض کو مستحب پر قیاس کرنے کی بھی گنجائش تھی۔

باب اذا تصدق علی ابنه وھو لا یشعر

غرض یہ ہے کہ جب بعد میں پتہ چل گیا کہ یہ تو میرا بیٹا ہی تھا تو صدقہ کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ سوال یہاں شعور کی نفی ہے۔ لا یشعر اور گذشتہ باب میں علم کی نفی ہے۔ دونوں جگہ ایک ہی لفظ ہونا چاہئے تھا۔ جواب۔ یہاں ابن کا ذکر ہے اور اس کا ادراک صرف دیکھنے سے ہوجاتا ہے اور پیچھے اجنبی کا ذکر تھا اور اس کا غریب ہونا دلائل سے معلوم ہوتا ہے جس کو علم کہتے ہیں شعور نہیں کہتے کیونکہ شعور ادراک حسی کا نام ہے جو دیکھنے سننے وغیرہ سے حاصل ہوجاتا ہے اور علم ادراک عقلی ہوتا ہے جو دلائل سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر جمہور فقہاء غنی کے مسئلہ میں تو امام بخاری کے ساتھ ہیں کیونکہ اس کے واقع ہونے کا زیادہ احتمال ہے اس لئے صدقہ صحیح ہوجائے گا ورنہ حرج لازم آتا ہے۔ اور بیٹے کے مسئلہ میں صدقہ جمہور فقہاء کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ صورت بہت ہی نادرالوقوع ہے اس میں مدار نفس واقعہ پر ہے۔ لیکن غنی کے مسئلہ میں بھی تحری اور جستجو ضروری ہے ورنہ پھر فقیر کی شرط جو شریعت میں ہے وہ بے کار ہوجاتی ہے۔

خطب علّی:۔ میری منگنی کرادی یعنی نکاح کا رشتہ طے کرادیا علّی کے یہی معنیٰ ہیں اگر خطب کے بعد الٰی آئے تو معنیٰ ہوتے ہیں کہ لڑکی کے ولی کی طرف اپنے لئے پیغام بھیجا۔

باب الصدقته باليمين

غرض میں وہ قول ہیں۔ا۔ مستحب ہے کہ صدقہ دائیں ہاتھ سے ہو کیونکہ اس میں صدقہ کا اکرام ہے دوسرے اس میں فقیر کا بھی اکرام ہے اور وہ قابل اکرام ہے کیونکہ یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ ہم سے صدقہ لے کر جنت تک پہنچاتا ہے۔

وہاں ہمیں وہ صدقہ کئی گنا ہو کر مل جائے گا۔۲۔ دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ یہ باب اور آئندہ باب ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہیں آئندہ میں صدقہ کرنا بواسطہ خادم اور وکیل کے ہے اور اس باب میں اس کے مقابلہ میں خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کرنا مراد ہے۔ تو غرض یہ ہوئی کہ خود اپنے ہاتھ سے صدقہ کرنا اولیٰ ہے گو وکیل اور خادم کے ذریعہ سے بھی جائز ہے۔

فاما اليوم فلا حاجته لی فيها

سوال۔ بظاہر اس حدیث کو باب سے مناسبت نہیں ہے کیونکہ باب تو صدقہ بالیمین کا ہے اور اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ اخیر زمانہ میں کوئی محتاج نہ ملے گا اس لئے زمانہ سے پہلے صدقہ کرلو کوئی صدقہ لے کر جائے گا تو دوسرا یہ کہے گا کہ کل تو حاجت تھی آج نہیں ہے جواب۔ ا۔ اس حدیث پاک میں صدقہ لے کر جانے کا ذکر ہے۔ یہ صدقہ لے کر جانا اس لئے بھی ہے کہ خیرات کی عبادت میں اخفاء ہو اور کامل اخفاء یہ ہے کہ دائیاں ہاتھ دے بائیں کو پتہ نہ چلے اس لحاظ سے دائیں ہاتھ کا ثبوت ہو گیا۔۲۔ جب صدقہ کرنے والا خود صدقہ لے کر جائے گا تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ صدقہ کرنے والا افضل صورت اختیار کرنا چاہتا ہے کہ خود خیرات کرنا چاہتا ہے خادم اور وکیل بھیجنا نہیں چاہتا تو وہ ہاتھ بھی دایاں ہی استعمال کرے گا کیونکہ دائیں ہاتھ کی فضیلت بائیں پر تو بہت ظاہر اور مشہور ہے جب ایک ایسی فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے جو زیادہ مشہور نہیں ہے تو ضرور ایسی فضیلت بھی حاصل کرنا چاہے گا جو مشہور ہے۔

باب من اَمَرَ خادمه بالصدقة ولم يناول بنفسه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے کہ خادم کے ذریعہ صدقہ کر دے۔ پھر جو یہ لفظ بڑھا دیئے ولم یناول بنفسہ ان میں یہ اشارہ ہے کہ خادم کا استعمال ضرورت اور حاجت ہی۔ کہ موقعہ میں مناسب ہے حتی الامکان خود ہی یہ کام کرنا چاہئے کیونکہ تناول کا مادہ اچھے کام میں استعمال ہوتا ہے یعنی خود خیرات کا کام نہ کر سکا مجبوراً دوسرے کو کرنے کے لئے کہا۔

بفضلہٖ تعالیٰ جلد دوم ختم ہوئی

الخیر الجاری شرح صحیح البخاری جلدسوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب لا صدقة الا عن ظهر غنیً

غرض اِس حدیث کے مضمون کا ثابت کرنا ہے اوراس حدیث کو صحیح قرار دینا ہے اگر چہ ان کی شرط پر نہیں ہے اِسی لئے اس حدیث پاک کو صرف تعلیقاً کتاب الوصایا میں لائے ہیں اور حصرادعائی ہے کہ کامل صدقہ وہی ہے جو غنیٰ کے بعد ہو یعنی اپنے اور اہل کا خرچہ اور دَین ادا کرنے کے بعد سوائے اس کے کہ اس کے اہل اور خود کامل فی الصبر ہوں۔ **الا ان یکون** :۔ یہ حدیث مرفوع کا حصہ نہیں ہے بلکہ امام بخاری کی کلام ہے۔

وکذلک اثر الانصار المهاجرین:۔ یہ بھی امام بخاری ہی کی کلام کا تتمہ ہے۔ **باب المنان بما اعطی** غرض احسان جتلانے والے کی مذمت ہے کہ صدقہ کر کے جس پر صدقہ کیا ہے اس کو صدقہ یاد دلا کر تکلیف پہنچائے یہ کام کیوں بُرا ہے اس کی کئی وجہیں ہیں۔۱۔ منّان متکبر ہوتا ہے اور اپنے تکبر کو ظاہر کر رہا ہے۔۲۔ وہ خود بین ہوتا ہے اور اپنی خود بینی اور عُجب کا اظہار کر رہا ہے جو گناہ ہے کہ بلا ضرورت اپنے کمالات سوچے یا ذکر کرے۔ مَیں ایسا مَیں ایسا بکری کی طرح مَیں مَیں کرے۔۳۔ اس احسان جتلانے کا منشا اور سبب بخل ہوتا ہے جس کا ایک درجہ حرام ہے۔۴۔ اِس احسان کا جتلانے والا بھول جاتا ہے کہ اِس پر بھی تو اللہ تعالیٰ بے شمار احسانات کر چکے ہیں اگر اِس نے کسی پر ایک چھوٹا سا احسان کر دیا تو کیا ہے۔

جان دیدی کہ دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

باب من احب تعجیل الصدقة من یومها

غرض اُس شخص کی فضیلت کا بیان ہے جو ایسے دن سے پہلے صدقہ کر دے جس دن ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے جس کو وجوب ادا کہتے ہیں گو یا نفس وجوب ہو چکا ہو وجود نصاب کی وجہ سے وجوب اداء نہ ہوا ہو تو وجوب اداء سے پہلے ہی صدقہ کر دے اس کو بڑا ثواب ہے جیسے شروع وقت میں نماز پڑھ لینے کا بہت ثواب ہے

باب التحریض علی الصدقة والشفاعة فیها

دو کاموں کا مستحب ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔۱۔ شوق دلانا صدقہ کا۔۲۔ کسی خاص شخص پر صدقہ کرنے کی سفارش کرنا ان دونوں کاموں میں مُشترک چیز یہ ہے کہ دونوں میں محتاج کی راحت کا لحاظ ہے **القُلب** کنگن۔ **الخُرص** :۔کانوں میں ڈالنے کے لئے بالیاں۔

باب الصدقة فیما استطاع

غرض یہ ہے کہ صدقہ اتنی ہی مقدار میں ہونا چاہئے جتنے کی برداشت آسانی سے ہو سکے۔ **اِرضَخِی**:۔ تھوڑا دینے کو رَضخ کہتے ہیں۔

باب الصدقة تکفر الخطیئة

غرض صدقہ کی ایک اہم فضیلت بیان کرنی ہے کہ صدقہ کفارۂ سیئات ہوتا ہے۔

باب من تصدق فی الشرک ثم اسلم

غرض اسلام سے پہلے صدقہ کا حکم بیان کرنا ہے پھر مَن کا جواب ذکر نہ فرمایا۔۱۔ کیونکہ حدیث میں آ رہا تھا۔۲۔ شدت اختلاف کی وجہ سے فیصلہ نہ فرمایا اور تفصیل بخاری شریف میں

کتاب الایمان میں گذر چکی ہے۔

باب اجر الخادم اذا تصدق بامر صاحبه غير مفسد

غرض یہ ہے کہ خادم اگر مالک کی اجازت سے خیرات کرے تو اِس خادم کو بھی ثواب ملے گا اور اشارہ فرما دیا کہ بلا اجازت صدقہ جائز نہیں ہے۔

باب اجر المرأة اذا تصدقت او اطعمت من بيت زوجها غير مفسدة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ بیوی خاوند کے مال سے اگر صدقہ کرے تو اس کو بھی اجر ملے گا اس میں امام بخاری نے تید نہ لگائی کہ خاوند کی اجازت بھی لے کیونکہ بیوی کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو خادم کو نہیں ہوتا اور بخاری شریف میں کتاب البیوع میں روایت آئے گی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اذا انفقت المرأۃ من کسب زوجہا من غیر امرہ فلہا نصف اجرہ انتہی غرض اتنی مقدار کی خیرات ہے جتنی کی خاوند کی طرف سے دلالۃً اجازت ہوتی ہے ترجمۃ الباب میں بھی یہی مراد ہے اور حدیث پاک میں بھی یہی مراد ہے۔

باب قول الله تعالىٰ فاما من اعطىٰ واتقى وصدق بالحسنىٰ فسنيسرّه لليسرىٰ واما من بخل واستغنى وكذب بالحسنىٰ فسنيسره للعسرىٰ

غرض صدقہ پر دنیا اور آخرت کے فوائد ذکر کر کے ترغیب دینی ہے اور بخل پر نقصانات ذکر کے تہدید و ترہیب ہے۔

اللهم اعط منفق المال خلفا

یہ حدیث کے الفاظ ہیں آیت کے بعد ان الفاظ مبارکہ کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ حدیث اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔

باب مثل المتصدق والبخيل

غرض خیرات کرنے والے اور بخیل کی مثالیں بیان کر کے ترغیب و ترہیب ہے۔

وقال حنظلة عن طاؤس جُنتّان

یعنی انہوں نے جُبتّان کی جگہ جُنتّان نقل فرمایا ہے بمعنی دِرعین۔ لوہے کے کرتے۔

باب صدقة الكسب والتجارة

غرض یہ ہے کہ کسب اور تجارت سے جو مال حاصل ہو اس کا صدقہ مستحب ہے۔ اور اس میں کوئی نصاب نہیں اور نہ ہی حولان حول شرط ہے کیونکہ یہ نفلی صدقہ ہے اور یہ دونوں شرطیں فرضی صدقہ کی ہوتی ہیں۔ پھر تجارۃ کا عطف کسب پر عطف الخاص علی العام ہے کیونکہ کسب میں مثلاً مزدوری بھی داخل ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ جس مال سے خیرات کی جائے وہ حلال ہونا چاہئے۔ اور پھر صرف آیت ذکر فرمائی اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس مقصد کے لئے آیت ہی کافی ہے حدیث کی تفسیر کے بغیر بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

باب على كل مسلم صدقة فمن لم يجد فليعمل بالمعروف

غرض۔ ۱۔ وجوب استحسان بیان کرنا ہے کہ ہر مسلمان پر کچھ نہ کچھ صدقہ مستحب ہے۔ ۲۔ بعض پر وجوب استحقاق ہے اور بعض پر وجوب استحسان ہے۔

باب قدر كم يعطى من الزكوٰة والصدقة ومن اعطىٰ شاةً

غرض۔ ۱۔ وہ مقدار بیان کرنی مقصود ہے جو ایک فقیر کو دی جا سکتی ہے۔ ۲۔ امام ابوحنیفہ کے اِس قول کا رد مقصود ہے کہ ایک ہی فقیر کو نصاب کی مقدار دے دینا مکروہ ہے کہ دیکھو ایک پوری بکری اِس حدیث میں خیرات کرنا مذکور ہے جو مال تجارت کے لحاظ سے چاندی کے نصاب کے برابر بھی ہو سکتی ہے۔ جواب۔ ۱۔ ہمارے امام ابو حنیفہ کی طرح سے یہ ہے کہ ہم کراہت اپنے اجتہاد سے نہیں کہہ رہے حدیث شریف میں ہے کہ توخذ من اغنياء هم وترد على فقراء هم۔ اگر مثلاً نصاب ساڑھے تین ہزار روپے ہے اور بکری چار ہزار کی دیدی تو پانچ سو روپے غنی کو دینے کا شبہ ہے جو اِس حدیث مذکور کے

خلاف ہے۔۲۔ بکری میں تو بکریوں کا نصاب دیکھیں گے اور وہ چالیس بکریاں ہیں۔اس لئے حنفیہ کے خلاف کچھ بھی ثابت نہ ہوا۔

باب زکوٰۃ الورِق

غرض چاندی کانصاب بتلانا ہے۔

باب العرض فی الزکوٰۃ

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ میں اصل واجب کی جگہ اس کی قیمت کی کوئی اور چیز دینی بھی جائز ہے۔اوراس مسئلہ میں امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کا قول لیا ہے اور جمہور کا قول چھوڑا ہے کیونکہ ہمارے امام ابوحنیفہ کی دلیل اس مسئلہ میں اقوی نظر آئیں اختلاف یہی ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصل واجب فی الزکوٰۃ کی جگہ قیمت دینی جائز ہے جمہور کے نزدیک نہیں ولابی حنیفۃ ۔۱۔ قیمت فقیر کی حاجت کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ نقد رقم کو جہاں چاہے گا اپنے کام میں لے آئے گا۔۲۔ اس باب کی تعلیق عن طاؤس قال معاذ رضی اللہ عنہ لا ھل الیمن ائتونی بعرض ثیاب خَمِیْصٍ اولَبِیسٌ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لا صحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ۔سوال۔ یہ تعلیق تو مرسل ہے۔ جواب۔ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے گویا یہ اختلاف اصولی ہوگیا اس میں تو حنفیہ کا پلّہ بہت ہی بھاری ہوتا ہے کیونکہ حدیث اگر چہ مرسل ہو قیاس سے تو اونچی ہی ہے۔سوال یہاں صدقہ سے مراد جزیہ ہے اس لئے جزیہ میں اصل کی جگہ قیمت دینے کا جواز ثابت ہوا۔ زکوٰۃ اور عشر کی جگہ قیمت دینے کا جواز تو ثابت نہ ہوا۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت معاذ والی روایت میں مدینہ منورہ نقل کرنا بھی مذکور ہے حالانکہ مذہب حضرت معاذ کا یہ تھا کہ نقل کرنا صدقات کا منع ہے اسی کی دوسری تائید یہ ہے کہ اس میں مدینہ منورہ کے صحابہ کو دینا مذکور ہے جو مہاجرین وانصار تھے اور جزیہ ہجرت اور نصرت کے مناسب ہے زکوٰۃ کے مناسب تو فقر ہے اور مسکنت ہے۔ تیسری تائید یہ ہے کہ زکوٰۃ میں تو یہ وارد ہے تو خذمن اغنیائھم فتردنی فقرائھم اس لئے زکوٰۃ دوسری جگہ نہ جانی چاہئے اِس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جزیہ ہی ہے۔ جواب اول جزیہ مراد اس لئے نہیں لیا جاسکتا کہ یہاں مذکور ہے مکان الشعِیْر والذُرّۃ اوراس پر اجماع ہے کہ جزیہ میں شعیر اور ذرہ واجب نہیں ہوتے جواب دوم' بخاری شریف کی روایت میں صدقہ کا لفظ صراحۃ مذکور ہے جو عبادت ہے۔ تو اس سے جزیہ مراد لینا جو ایک قسم کی عقوبت اور ذلّت ہے ہرگز جائز نہیں۔ جواب سوم' جب حضرت معاذ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا تو وہ زکوٰۃ کی جگہ جزیہ وصول کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے بھیجنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت معاذ امر کے خلاف کیسے کرسکتے ہیں۔ جواب چہارم یہ ہے کہ حضرت معاذ اہل یمن کے مسلمانوں سے گفتگو فرما رہے ہیں جو مہاجرین وانصار کے خیر خواہ تھے کافروں کو یہ کہنا کہ تم ایسی چیز دو جس میں مہاجرین و انصار کی خیر خواہی ہو فضول ہے معلوم ہوا کہ معاملہ عشر وزکوٰۃ کا تھا جزیہ کا نہ تھا۔ باقی رہی معترض کی یہ بات کہ حضرت معاذ کا مذہب یہ تھا کہ صدقات کا دوسری جگہ منتقل کرنا منع ہے یہ کلام بے بنیاد ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کا نہ کوئی اختلاف تھا نہ کوئی مذہب تھا یہ اختلافات و مذاہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شروع ہوئے ہیں۔ اور حضرت معاذ والا یہ واقعہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیٰوۃ طیبہ کا ہے۔ پھر معترض کا یہ کہنا کہ ہجرت اور نصرت کے مناسب جزیہ ہے یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ مطلقاً مہاجرین وانصار تھوڑا ہی مراد تھے اُن میں سے فقراء مراد تھے اور فقر زکوٰۃ کے عین مناسب ہے باقی رہا معترض کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ ہوتی تو مدینہ منورہ منتقل ہی نہ ہوتی تو خذ من اغنیائھم فتردفی فقرائھم تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہی اس لئے تھا کہ مدینہ منورہ لے کر آؤ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی وجہ سے مدینہ منورہ زکوٰۃ نقل کی جارہی تھی اس امر کی وجہ سے یہ موقعہ مستثنیٰ تھا دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اُس وقت مدینہ منورہ میں تنگی اور ضرورت تھی اور

ایسے حالات میں دوسرے شہر میں زکوٰۃ لے جانے میں کچھ حرج نہیں ہوتا۔ سوال۔ اُس زمانہ میں بعض عرب جزیہ کو صدقہ کہہ دیتے تھے شاید حضرت معاذ نے بھی اِسی وجہ سے جزیہ کو صدقہ فرما دیا ہو۔ جواب حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں بنی تغلب اور عرب کے نصاریٰ نے درخواست کی تھی کہ ہمارے جزیہ کو صدقہ کہا جائے اس کا جواب حضرت عمرؓ نے دیا تھا هی جزیة فسمّو ها ما شئتم معاذ والا واقعہ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ہے اور پھر مسلمانوں سے تو کہیں منقول نہیں کہ وہ جزیہ کو صدقہ کہتے ہوں یہ تو صرف نصاریٰ نے درخواست دی تھی جس کو حضرت عمرؓ نے رد فرما دیا سوال۔ مدینہ منورہ کے صحابہ میں تو بنی ہاشم بھی تھے اور غنی بھی تھے ان کو زکوٰۃ کیسے دی جاسکتی ہے اس لئے یہ جزیہ ہی تھا۔ جواب صحابہ میں سے مصرف مراد تھے سب صحابہ کہاں مراد تھے اور جزیہ بھی تو ہر ایک کو نہیں دیا جاتا مصرف ہی میں خرچ ہوتا ہے اس لئے یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی کہ جزیہ مراد تھا زکوٰۃ نہ تھی سوال۔ یہ حضرت معاذ کا اجتہاد تھا۔ جواب' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا تھا زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس لئے آپ کا نائب اور رسول ہونے کی حیثیت سے اِسی طریقہ سے عمل کریں گے جس طریقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا اور پھر لانا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہے اگر غلطی کی تھی تو مدینہ منورہ پہنچ کر اس کی اصلاح ہونی ضروری تھی جو منقول نہیں ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اور اجازت سے تھا۔۳۔ ہماری تیسری دلیل اِسی باب کی تعلیق ہے وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واَمّا خالد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ اس سے ہمارا استدلال یوں ہے اولاً کہ اگر یہ چیزیں وقف نہ ہوتیں تو حضرت خالد اِن سے زکوٰۃ ادا کر دیتے معلوم ہوا سونا چاندی کی جگہ اِس سامان سے بھی زکوٰۃ ادا ہوسکتی ہے۔ ثانیاً استدلال یوں ہے کہ فی سبیل اللہ اِن چیزوں کا استعمال یہ بھی زکوٰۃ کا ایک مصرف ہے۔ انما الصدقات للفقراء و المساکین والعٰملین علیها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل الآیة۔ پس اِس سامان کو زکوٰۃ کے مصارف میں دینا صحیح ہے۔ جیسے فی سبیل اللہ وقف کرنا جائز ہے ایسے ہی فی سبیل اللہ تملیک بھی جائز ہے۔ ۴۔ ہماری چوتھی دلیل اِسی باب کی روایت ہے تعلیقاً فجعلت المرأۃ تلقی خرصُها وسخابها اس سے معلوم ہوا کہ زیورات اور باقی استعمال کی چیزیں زکوٰۃ کی قیمت کے طور پر دی جاسکتی ہیں۔ یہ استدلال امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیونکہ ان کے استدلال میں کچھ وسعت ہے وہ فرضوں کو نفلوں پر قیاس فرما لیتے ہیں۔ حنفیہ اگر اس دلیل کو نہ بھی لیں تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ دوسرے دلائل موجود ہیں۔ ۵۔ بخاری شریف کے اِسی باب کی مسند روایت ہے عن انس مرفوعاً فان لم یکن عندہٗ بنت مخاض علی وجهها وعندہ ابن لبون فانه یقبل منه ولیس معه شئی اس کی بھی تو وجہ ہے کہ وہ دونوں قیمت میں تقریباً برابر ہی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ قیمت سے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جو واجب ہوا ہے وہی ادا کرنا ہوگا جیسے نماز واجب ہو تو اس کی جگہ روزہ رکھنا کافی نہیں ہوتا۔ جواب نص کے مقابلہ میں قیاس معتبر نہیں ہے۔ الخمیص :۔ کالی چادر مربع اس کے دو کناروں پر نقش و نگار بھی ہوتے تھے۔ اور خمیس سین کے ساتھ پانچ گز کا کپڑے کا ٹکڑا ہوتا تھا اور پہلے اس کو جاری بھی ایسے بادشاہ نے کیا تھا جس کو خمیس کہتے تھے۔ لبیس :۔ لباس۔ باب لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع :۔ غرض خلطۃ شیوع اور خلطۃ جوار کا اختلاف بیان کرنا ہے۔ خلطۃ الشیوع کا دوسرا نام خلطۃ الاعیان ہے اور تیسرا نام خُلطۃ الاشتراک ہے اور خلطۃ الجوار کا دوسرا نام خلطۃ الاوصاف ہے خلطۃ جوار کا اختلاف :۔ عندا مامنا ابی حنیفۃ خلطۃ جوار موثر نہیں ہے وعند الجمہور موثر ہے یعنی جانوروں کا چرواہا۔ باڑہ۔ چراگاہ۔ دودھ نکالنے کے برتن وغیرہ اکٹھے ہوں تو زکوٰۃ کا حساب اکٹھا کیا جائے گا۔ اس اکٹھا حساب کرنے کو خُلطۃ جوار کہتے ہیں۔ پھر جمہور میں آپس میں اختلاف ہے عند مالک ہر مالک کا صاحب نصاب ہونا ضروری ہے باقی

جمہور کے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں اگر چالیس بکریاں اکٹھی رہتی ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اگر چہ ان کے مالک چالیس ہوں ہر ایک کی ایک ایک بکری ہو منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے۔ عن ابی بکر مرفوعاً و ما کان من خلیطین فانھما یتراجعان بینھما بالسویۃ ہمارے نزدیک یہ خلطۃ شیوع پر محمول ہے مثلاً زید اور عمرو نے مشترک طور پر ۱۲۰ بکریاں خریدیں یہ تین لاکھ کی آئیں زید کے دو لاکھ اور عمرو کے ایک لاکھ تھے اب حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا ساعی آئے گا اور ۱۲۰ مشترک میں سے ۲ بکریاں لے جائے گا ایک عمرو کی زکوٰۃ ہے کیونکہ اس کی ۴۰ بکریاں بنتی ہیں اور ایک بکری زید کی زکوٰۃ ہے کیونکہ اِس کی ۸۰ بکریاں بنتی ہیں۔ جمہور ائمہ کے نزدیک اِسی حدیث کے یہ الفاظ خلطۃ جوار پر محمول ہیں کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی بکریاں اکٹھی رہتی ہیں ایک آدمی کی ۴۰ بکریاں ہیں جو وہ پہچانتا ہے دوسرے کی ۸۰ بکریاں متعین ہیں جو وہ پہچانتا ہے تو ساعی صرف ایک بکری لے جائے گا کیونکہ ۱۲۰ بکریوں کا اکٹھا حساب کیا جائے گا ان میں ایک بکری ہی واجب ہوتی ہے۔ تو اختلاف ائمہ کا اِس وجہ سے ہوا کہ ایک ہی حدیث کے دو مختلف معنیٰ کئے گئے۔ ترجیح خلطۃ شیوع والے معنیٰ کو ہے دو وجہ سے۔ ۱۔ لفظ خلطۃ کا اطلاق عربی محاورات میں اور احادیث میں خلطۃ شیوع پر ہوتا ہے۔ خلطۃ جوار پر تو جار کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہاں حدیث پاک میں خلطۃ جوار مراد ہوتی تو یہاں لفظ جارین ہوتا۔ خلیطین نہ ہوتا۔ ۲۔ دوسری وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے **فانھما یترا جعان بینھما بالسویۃ** کہ دونوں درست حساب کر کے رجوع کریں گے یتراجعان کا لفظ باب تفاعل سے ہے باب تفاعل میں خاصہ ہے تشارک من الجانبین کا کہ دونوں کے دونوں شریک رجوع کریں گے اور یہ صرف خلطۃ شیوع ہی میں ہوتا ہے خلطۃ جوار میں دونوں رجوع نہیں کرتے بلکہ ایک وقت میں صرف ایک ہی رجوع کرتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلطۃ شیوع کی اُسی صورت میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے کہ زید نے دو لاکھ کی رقم ڈالی

اور عمرو نے ایک لاکھ کی رقم ڈالی اور دونوں نے مل کر ۱۲۰ بکریاں خریدیں ساعی آیا اور دو بکریاں اُن ۱۲۰ بکریوں میں سے لے گیا تو زید عمرو سے کہے گا کہ جس بکری سے آپ کی زکوٰۃ ادا ہوئی اس میں دو حصے میرے تھے اور ایک حصہ آپ کا تھا اگر اس بکری کی قیمت تین سو روپے تھی تو دو سو میرے گئے اور ایک سو آپ کا گیا اور زکوٰۃ صرف آپ کی ادا ہوئی اس لئے آپ دو سو مجھے دیں اُس کو دینے پڑیں گے پھر عمرو کہے گا زید سے کہ جس بکری سے آپ کی زکوٰۃ ادا ہوئی اس میں تیسرا حصہ میرا تھا اگر قیمت تین سو روپے تھی تو اس میں ایک سو میرا تھا اور دو سو آپ کے تھے تو آپ کی زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک سو میرا گیا اس لئے آپ مجھے ایک سو روپیہ ادا کریں اس کو ادا کرنا پڑے گا اِس طرح سے خلطۃ شیوع میں۔ دونوں شریک رجوع کریں گے اور یتراجعان کے لفظ مبارک پر عمل ہو جائے گا۔ خُلطۃ جوار والے معنیٰ لئے جائیں تو صرف ایک آدمی رجوع کرتا ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کی بکریاں ممتاز اور متعین ہوتی ہیں۔ اب زید اور عمرو کی بکریاں اکٹھی رہتی ہیں زید کی بکریاں ۸۰ ہیں اور عمرو کی بکریاں ۴۰ ہیں۔ ساعی مثلاً زید کی بکریوں میں سے ایک بکری لے گیا تو صرف زید عمرو سے رجوع کرے گا بکری کی قیمت مثلاً ۳۰۰ روپے ہے تو زید کہے گا کہ جو بکری ساعی لے گیا ہے اس سے آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہوئی جو کہ ایک سو روپیہ تھی اور میری بھی ادا ہوئی جو کہ ۲۰۰ روپے تھی کیونکہ آپ کی بکریاں ۴۰ تھیں اور میری بکریاں ۸۰ تھیں جو بکری میری زکوٰۃ میں گئی اُس سے ۲۰۰ روپے تو میری زکوٰۃ ادا ہوئی کیونکہ میری بکریاں آپ کی بکریوں سے دوگنی تھیں اور ۱۰۰ روپے آپ کی زکوٰۃ ادا ہوئی کیونکہ آپ کی بکریاں میری بکریوں سے آدھی تھیں صرف ۴۰ تھیں اب آپ کی زکوٰۃ میں جو میرے ایک سو روپے چلے گئے یہ ایک سو روپے آپ مجھے ادا کریں۔ تو اس کو ادا کرنے پڑیں گے۔ بس ایک ہی طرف سے رجوع ہوا دونوں طرف سے رجوع نہ ہوا اس لئے یتراجعان لے لفظ پر صرف حنفیہ عمل کرتے ہیں جمہور ائمہ عمل نہیں کرتے اس بناء پر حنفیہ کا مسلک

راجح ہے۔ پھر امام مالک کے نزدیک نصاب والی احادیث کی وجہ سے ہرایک کا مالک نصاب ہونا ضروری ہے باقی جمہور کے نزدیک سب کامل کر نصاب پورا ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ **ولا یجمع بین متفرق**:۔ اس حدیث پاک میں دو جملوں کے بعد خشیۃ الصدقۃ کا جو لفظ مبارک ہے یہ دنوں جملوں کے ساتھ لگتا ہے اس لئے پہلا جملہ یوں ہو گیا ولا یجمع بین متفرق خشیۃ الصدقۃ بہت جامع کلمہ ہے دو احتمال ہیں اور دونوں ہی مراد ہیں ساعی کو بھی خطاب ہے اور مالک کو بھی خطاب ہے۔ ساعی کو خطاب ہونے کی صورت میں ایک معنیٰ ہیں خشیۃ سقوط الصدقۃ اس معنیٰ کو لیتے ہوئے حنفی مسلک پر مثال یہ بنے گی کہ مثلاً اگر ایک آدمی زید کی بیس بکریاں ہیں اور عمرو کی بھی ۲۰ بکریاں ہیں۔ ساعی یہ نہ کہے کہ سب چالیس کی چالیس بکریاں صرف زید کی ملک میں ہیں اور ایک بکری زکوۃ واجب ہو چکی ہے اس لئے میں ایک بکری لے کر جاؤں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرما رہے ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے لا یجمع ملکا بین متفرق ملکا خشیۃ سقوط الصدقۃ یہی مالکیہ کی بھی پہلی مثال ہے۔ ۲- مالکیہ کے مذہب پر دوسری مثال یہ ہوگی کہ زید کی ۴۰ بکریاں ہیں لیکن دو الگ الگ جگہ رہتی ہیں سب انتظامات الگ الگ ہیں ۲۰ الگ رہتی ہیں ۲۰ الگ رہتی ہیں ساعی سب کو اکٹھی شمار کر کے ایک بکری لینا چاہتا ہے تو اس سے منع فرما دیا گیا لا یجمع جوارا بین متفرق جوارا خشیۃ سقوط الصدقۃ۔ ۳- مالکیہ کے مسلک پر تیسری مثال یہ ہے کہ زید کی ۲۰ بکریاں الگ رہتی ہیں اور عمرو کی ۲۰ بکریاں سب انتظاموں کے لحاظ سے الگ رہتی ہیں اب ساعی کہتا ہے کہ ان کا مالک بھی ایک ہی ہے اور ان کا جوار بھی ایک ہی ہے اس لئے میں ایک بکری لے کر جاؤنگا اس سے منع فرما دیا لا یجمع ملکا وجوارا بین متفرق ملکا وجوارا خشیۃ سقوط الصدقۃ جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ زید کی ۲۰ بکریاں ایک چراگاہ میں ہیں اور عمرو کی ۲۰ بکریاں دوسری چراگاہ میں ہیں ساعی دونوں کی بکریوں کو ایک چراگاہ کی شمار کر کے اس میں سے زکوۃ ایک بکری لینا چاہتا ہے تو اس کو منع کر دیا گیا ولا یجمع جوارا بین متفرق جوارا خشیۃ سقوط الصدقۃ کہ ساعی کا اس طرح جمع کرنا ظلم ہے۔

دوسرا احتمال:۔ حذف مضاف میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ نقصان محذوف مانا جائے عند الحنفیہ مثال یہ ہے کہ زید کی ۱۰۱ بکریاں ہیں اور عمرو کی بھی ۱۰۱ بکریاں ہیں ساعی کہتا ہے کہ یہ سب زید کی ہی ۲۰۲ بکریاں ہیں اس لئے میں تین بکریاں بطور زکوۃ کے لے جاؤنگا اس ظلم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ الگ بکریوں کو الگ ہی شمار کرو اس خیال سے کہ الگ شمار کرنے میں دو بکریاں واجب ہونگی۔ ۱۰۱ میں ایک اور دوسرے کی ۱۰۱ میں ایک اور اکٹھا شمار کرنے میں دو کی جگہ تین واجب ہو جائیں گی اس لئے ساعی کہتا ہے کہ میں اکٹھی شمار کر کے تین بکریاں لے جاؤنگا یہ منع ہے تقدیر عبارت یوں ہے لا یجمع ملکا بین متفرق ملکا خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ مالکیہ اور جمہور کی مثال یہ ہے کہ زید کی ۱۰۱ بکریاں ایک چراگاہ میں ہیں اور عمرو کی ۱۰۱ بکریاں دوسری چراگاہ میں ہیں ساعی سب کو ایک چراگاہ کی بکریاں شمار کر کے تین بکریاں لے جانا چاہتا ہے اس سے اسے منع کر دیا گیا تقدیر عبارت یوں ہے لا یجمع جوارا بین متفرق جوارا خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ **تیسرا احتمال**:۔ خطاب مالک کو ہے لفظ زیادۃ کا محذوف ہے حنفیہ کی مثال یہ ہے کہ تین آدمیوں میں سے ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہیں وہ ساعی کو یہ نہ کہیں کہ ان ۱۲۰ بکریوں کا مالک ایک ہی شخص ہے تا کہ ایک بکری دینی پڑے تین نہ دینی پڑیں۔ کیونکہ تین مالک شمار ہوں تو پھر تین بکریاں زکوۃ میں دینی پڑتی ہیں۔ تقدیر عبارت یوں ہے لا یجمع ملکا بین متفرق ملکا خشیۃ زیادۃ الصدقۃ۔ مالکیہ اور جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ تین آدمیوں میں سے ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہیں اور وہ الگ الگ چراگاہوں میں چرتی ہیں وہ مالک یہ نہ کہیں کہ یہ ایک ہی چراگاہ کی ہیں اور صرف ایک بکری ہی واجب ہے تین واجب نہیں ہیں تقدیر عبارت یہ ہے ولا یجمع جوارا بین متفرق جوارا خشیۃ زیادۃ الصدقۃ۔ **لا یفرق بین مجتمع خشیۃ الصدقۃ**: یہاں بھی تین احتمال ہیں اور تینوں ہی مراد ہیں اسی لئے صیغہ مجہول کا رکھا گیا ہے اور مضاف

ذکر نہیں فرمایا گیا تاکہ تینوں احتمال جاری ہوسکیں پہلا احتمال یہ ہے کہ ساعی کو خطاب ہے اور مضاف محذوف نقصان ہے اس صورت میں حنفیہ کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ واقع میں ایک شخص کی ۱۲۰ بکریاں ہیں ساعی ان کو تین شخصوں کی قرار دیتا ہے کہ ہر ایک کی چالیس چالیس ہیں تاکہ میں تین بکریاں لے کر جاؤں اس ظلم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تقدیر عبارت یوں ہے لا یفرق ملکاً بین مجتمع ملکاً خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ مالکیہ اور جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ تین شخصوں کی بکریاں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں اس لئے واقع میں ایک بکری واجب ہوتی ہے ساعی کہتا ہے کہ یہ تو تین چراگاہوں کی ہیں اور تین بکریاں واجب ہیں ایسا نہ کرے تقدیر عبارت یوں ہے لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ نقصان الصدقۃ۔ **دوسرا احتمال**:۔ مالک کو خطاب ہے اور لفظ وجوب بطور مضاف محذوف ہے اس صورت میں حنفیہ کی مثال یوں بنے گی کہ ایک آدمی کی چالیس بکریاں ہیں تو وہ جھوٹ بول رہا ہے کہ آدھی میری ہیں۔۲۔ اور آدھی فلاں شخص کی ہیں تاکہ زکوٰۃ سے بچ جائے یہ زکوٰۃ سے بھاگنا بھی ہے اور جھوٹ بولنا بھی ہے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تقدیر عبارت یوں ہے۔ لا یفرق ملکاً بین مجتمع ملکاً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔ مالکیہ کا مسلک سمجھنے کے لئے تین مثالیں سمجھنی ہونگی۔۱۔ ایک شخص کی ۴۰ بکریاں ہیں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں یہ نہ کہنے آدھی میری ہیں آدھی کسی اور کی ہیں لا یفرق ملکا بین مجتمع ملکاً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔۲۔ ایک شخص کی چالیس بکریاں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں وہ یہ نہ کہے کہ بیس ایک چراگاہ میں چرتی ہیں بیس دوسری چراگاہ میں چرتی ہیں لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔۳۔ ایک شخص کی چالیس بکریاں ایک ہی چراگاہ میں چرتی ہیں وہ یہ بھی نہ کہے کہ دو شخصوں کی ہیں اور دو چراگاہوں میں رہتی ہیں لا یفرق ملکا اوجواراً بین مجتمع ملکاو جواراً خشیۃ وجوب الصدقۃ جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ ایک آدمی کی چالیس بکریاں ایک ہی چراگاہ میں رہتی ہیں وہ یہ نہ کہے کہ یہ دو چراگاہوں میں رہتی ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ وجوب الصدقۃ۔ **تیسرا احتمال**:۔ مالک کو خطاب ہے اور زیادۃ محذوف ہے حنفیہ کے مسلک پر اس کی مثال یہ ہے کہ جس کی ۲۰۲ بکریاں ہوں وہ یہ نہ کہے کہ آدھی کسی اور کی ہیں اور کل دو بکریاں ہم دونوں پر واجب ہیں ایک مجھ پر ایک میرے ساتھی پر کیونکہ ہر ایک کی ۱۰۱ بکریاں ہیں۔ یہ جھوٹ نہ بولے بلکہ ۲۰۲ پر تین بکریاں زکوٰۃ ادا کردے لا یفرق ملکاً بین مجتمع ملکاً خشیۃ زیادۃ الصدقۃ اور مالکیہ اور جمہور کے مسلک پر مثال یوں ہوگی کہ دو آدمیوں کی ۲۰۲ بکریاں اکٹھی رہتی ہیں اور ان میں تین بکریاں واجب ہیں وہ یہ نہ کہیں کہ ۱۰۱ الگ چراگاہ میں رہتی ہیں اور ۱۰۱ الگ چراگاہ میں رہتی ہیں اور ہم پر صرف دو بکریاں واجب ہیں۔ لا یفرق جواراً بین مجتمع جواراً خشیۃ زیادۃ الصدقۃ۔ **حنفیہ کا ایک مرجح**:۔ یہ بھی ہے کہ دو آدمیوں کے پاس تھوڑی رقم ہو ہر ایک رقم حج کے خرچ کے لئے ناکافی ہو لیکن مل کر کافی ہو جاتی ہو تو کسی امام کے نزدیک اُن دونوں میں سے کسی ایک پر بھی حج فرض نہیں ہوتا ایسے ہی دو آدمیوں کے جانوروں کو زکوٰۃ میں بھی نہیں ملا سکتے۔

باب ما کان من خلیطین فانھما یتراجعان بینھما بالسویۃ

غرض خلط کا حکم بیان فرمانا ہے پھر خلط میں دونوں احتمال ہیں خلطہ الشیوع اور خلطہ الجوار اور حضرت طاوس اور حضرت ثوری کے اقوال کے شروع میں لانے سے بظاہر یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری نے حنفیہ کا مسلک لیا ہے اور اختلاف کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے۔

باب زکوٰۃ الابل

غرض اونٹوں کی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ **اختلاف**:۔ ۱۲۰ اونٹ تک اتفاق ہے کہ ۵ میں ایک بکری ۱۰ میں ۲ اور پندرہ میں تین اور ۲۰ میں ۴ اور ۲۵ میں بنت مخاض ایک سال کی اونٹنی ۳۶ میں بنت

لبون دو سال کی اونٹنی ۴۶ میں حقہ تین سال کی اونٹنی ۶۱ میں جذعہ ۴ سال کی اونٹنی ۷۶ میں ۲ بنت لبون ۹۱ میں حقے ۱۲۰ تک پھر عندا مامنا ابی حنیفۃ دو قسم کے استیناف ہیں پہلا ۱۲۰ اونٹ سے ۱۵۰ اونٹ تک دوسرا ۱۵۰ اونٹ سے غیر متناہی درجہ تک ۱۲۵ میں ۲ حقہ اور ایک بکری ۱۳۰ میں دو حقہ اور ۲ بکری ۱۳۵ میں ۲ حقہ ۳ بکری ۱۴۰ میں ۲ حقہ ۴ بکری ۱۴۵ میں ۲ حقہ ایک بنت مخاض ۱۵۰ میں ۳ حقہ اب ہر پچاس پر استیناف ہوگا جیسے بالکل شروع میں تھا مثلاً ۱۵۵ میں ۳ حقہ ایک بکری ۱۶۰ میں ۳ حقہ ۲ بکری ۱۶۵ میں ۳ حقہ ۳ بکری ۱۷۰ میں ۳ حقہ ۴ بکری ۱۷۵ میں ۳ حقہ ایک بنت مخاض ۱۸۶ میں ۳ حقہ ایک بنت لبون ۱۹۶ میں چار حقہ اب پھر استیناف ہوگا ۲۰۵ میں ۴ حقہ ایک بکری ۲۱۰ میں ۴ حقہ ۲ بکری علی ھذا القیاس۔ عند مالک ۱۲۰ کے بعد ۱۳۰ میں یہ اصول جاری ہوگا کہ ہر ۴۰ میں بنت لبون ہر ۵۰ میں حقہ یہی اصول غیر متناہی درجہ تک چلے گا اس لئے ۱۳۰ میں ایک حقہ ۲ بنت لبون ۱۴۰ میں دو حقے اور ایک بنت لبون ۱۵۰ میں تین حقے ۱۶۰ میں ۴ بنت لبون ۱۷۰ میں ایک حقہ اور ۳ بنت لبون علی ھذا القیاس اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک باقی تو امام مالک ہی کی طرح ہے صرف ۱۲۱ میں ۳ بنت لبون ۱۲۹ تک ہیں۔ دلائل:۔لنا۔ فی مشکل الآثار و مراسیل ابی داؤد یہ مراسیل ابی داؤد نام کی کتاب سنن ابی داؤد کے اخیر میں چھپی ہوئی ہے اس کے صفحہ ۸ پر باب فی صدقۃ الماشیۃ میں روایت ہے عن حماد مرفوعاً و مافضل فانہ یُعاد الی اول فریضۃ من الابل۔ ولمالک روایۃ ابی داؤد عن ابی بکر مرفوعاً فاذا زادت علی مائۃ وعشرین ففی کل اربعین بنت لبون و فی کل خمسین حقۃ امام مالک کے نزدیک فاذا زادت میں زیادۃ سے مراد وہ زیادت ہے جس میں حساب کیا جاسکے یعنی دس کی زیادتی۔ جواب ہم بھی اس حدیث پر پورا پورا عمل کرتے ہیں کہ ہر چالیس پر بنت لبون اور پچاس پر حقہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس کو معیار قرار دیا ہے اس لئے ہم بھی ہر پچاس پر استیناف کرتے ہیں پھر ۱۲۰ سے ۱۵۰ تک صرف ۳۰ کا فاصلہ ہے اس لئے نہ اس میں چالیس کا حساب ہو سکتا ہے نہ پچاس کا اس مجبوری سے یہاں ہم صرف استیناف پر عمل کرتے ہیں اور بکریاں اور بنت مخاض ہی ثابت کرتے ہیں ۱۵۰ پر حدیث کے مطابق تین حقے لیتے ہیں اس کے بعد ہر چالیس پر ہم بھی بنت لبون لیتے ہیں کیونکہ ہر استیناف میں ۳۶ سے ۴۵ تک بنت لبون ہے۔ ایسے ہی ہر پچاس پر ہم بھی حقہ لیتے ہیں کیونکہ ہر استیناف میں ۴۶ سے ۵۴ تک ہم حقہ لیتے ہیں۔ دلیل امام شافعی اور امام احمد کی۔ یہی امام مالک والی روایت ہے فاذا زادت علی مائۃ وعشرین الخ ان دونوں حضرات کے نزدیک زادت میں زیادہ حقیقیہ مراد ہے اس لئے ۱۲۱ میں تین بنت لبون آجائیں گے جو ۱۲۰ میں آئے تھے لیکن ۱۲۰ میں صریح نص کی وجہ سے دو حقے ہیں ۱۲۱ میں تین بنت لبون ہوں گے اور ۱۲۹ تک یہی رہیں گے۔ جواب تفصیل سے ابھی گذر چکا اسی جواب کا تتمہ یہ بھی ہے کہ ہم استیناف میں منطوق کو لیتے ہیں اور مالکیہ وشوافع وحنابلہ مفہوم مخالف کو لیتے ہیں کہ چالیس سے کم میں کچھ نہیں اور یہ اصول بالا جماع مُسلم ہے کہ اگر مفہوم اور منطوق کا تعارض ہو تو ترجیح منطوق کو ہوتی ہے۔

باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض وليست عنده

اس صورت کا حکم بیان فرمانا مقصود ہے کہ جانوروں کے مالک پر بنت مخاض واجب ہو چکی ہو لیکن بنت مخاض اس کے پاس نہ ہو تو کیا کرے حکم چونکہ حدیث سے ثابت ہو رہا تھا اس لئے باب میں صراحۃً بیان نہ فرمایا۔

باب زكوة الغنم

بکریوں کی زکوۃ بیان کرنی مقصود ہے۔

باب اخذ العناق فی الصدقة

بکری کا چار ماہ کا بچہ اگر مذکر ہو تو اس کو جدی کہتے ہیں اور اگر مونث ہو تو اس کو عناق کہتے ہیں۔ غرض یہ بیان کرنا ہے کہ جس صورت میں بکری واجب ہوئی ہو تو اس میں بکری کی جگہ عناق

دے دینا بھی کافی ہے۔لیکن یہ امام بخاری کی انفرادی رائے ہے جمہور کے نزدیک کم از کم چھ ماہ کا بچہ دیا جاسکتا ہے ہماری جمہور کی دلیل یہ ہے کہ شاۃ واجب ہوئی ہے اوراس کا اطلاق کم از کم چھ ماہ کے بچے پر ہوتا ہے وللبخاری حدیث الباب عن ابی بکر موقوفا لومنعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا جواب یہ کلام تو بطور مثال کے ہے اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔

باب لا توخذ کرائم اموال الناس فی الصدقة

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ مین درمیانے جانور لئے جائیں گے نہ بہت عمدہ نہ بہت گھٹیا۔

باب لیس فیما دون خمس ذود صدقة

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے وجوب کی زکوٰۃ کا ذکر تھا اب عدم وجوب کا محل بتلانا مقصود ہے۔

باب زکوٰة البقر

غرض گائے کی زکوٰۃ کا بیان ہے۔ پھر جو حدیث لائے ہیں اِس میں نفس وجوب کا ذکر ہے نصاب کا ذکر نہیں ہے کیونکہ نصاب والی روایت ان کی شرط پر نہ تھی۔

باب الزکوٰة علی الا قارب

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ زکوٰۃ رشتہ داروں کو دینی جائز ہے۔فقہاء کے نزدیک ولادت اور زوجیت کے علاقے مستثنیٰ ہیں اور حدیث میں تو صرف نفلی صدقۃ کا ذکر ہے اس سے زکوٰۃ کے مصرف کا استنباط صحیح نہیں ہے۔اور پھر ہیں بھی ابن عم جو بالاجماع مصرف ہیں۔

باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة

غرضہ جمہور کا مذہب اختیار کرنا ہے اور حنفیہ کی مخالفت کرنا ہے کہ گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔اختلاف:۔عندامامنا ابی حنیفۃ گھوڑے جب مذکر و مونث نسل بڑھانے کے لئے رکھے ہوں سواری کے لئے نہ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے یا تو قیمت کا چالیسواں حصہ دے دیا ہر گھوڑے کے بدلہ ایک دینار دے یعنی ساڑھے چار ماشہ سونا یا اس کی قیمت وعندالجمھور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ ولنافی البیہقی مرفوعاً عن جابر فی الخیل السائمۃ فی کل فرس دینار وفی الدار قطنی عن السائب بن یزید رایت ابی یقوم الخیل ثم یدفع صدقتھا الی ربع عشر قیمتھا ولھم فی الصحیحین وابی داؤد حدیث الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لیس علی المسلم فی فرسہ وغلامہ صدقۃ جواب فرس رکوب مراد ہے جیسے غلام سے مراد عبد خدمت ہے۔

باب لیس علی المسلم فی عبده صدقة

غرض یہ ہے کہ عبد خدمت پر زکوٰۃ نہیں ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب الصدقة علی الیتامیٰ

غرض یتیموں پر صدقہ کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ حدیث پاک کے مطابق یتیم پر خیرات کرنے سے دل کی قساوت دور ہوتی ہے۔ **لایاتی الخیر بالشر**:۔غرض یہ ہے کہ مال فی ذاتہ شر کو نہیں لاتا البتہ عوارض کی وجہ سے شر آ سکتا ہے مثلاً مال جمع کرنے میں یا ضرورت کے موقعہ میں خرچ کرنے سے رک جانے سے یا بے موقعہ خرچ کرنے سے شر آ سکتا ہے۔**الربیع**:۔۱-موسم بہار۔۲- چھوٹی نہر۔ **یقتل حَبَطاً** پودے جن کو موسم ربیع یا نہر اگاتی ہے وہ پودے حقیقۃً اونٹ کو قتل کر دیتے ہیں جبکہ وہ زیادہ کھالے اور ہیضہ ہو جائے یہ کافر کی مثال ہے۔**اویلمّ**:۔یا وہ پودا جس کو موسم ربیع نے یا نہر نے اگایا اپنے کھانے والے کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے یہ فاسق کی مثال ہے۔**الا آکلة الخضر اء**:۔مگر گھاس کھانے والی اونٹنی یہ اس شخص کی مثال ہے جو نیکی بھی کرتا ہے اور گناہ بھی کرتا ہے اور متقی کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ میں بیان نہ فرمائی کیونکہ مال اس کو نقصان نہیں پہنچاتا۔**فنعم صاحب المسلم**:۔یعنی اچھا مال مسلم کا ساتھی وہ ہے جو وہ یتیم اور مسکین اور مسافر کو دے دے۔

باب الزکوٰة علی الزوج والا یتام فی الحجر

غرض امام شافعی کے مسلک کی تائید کرنا ہے۔اختلاف:۔ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک خاوند اور بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ دیں تو صحیح ہے جمہور کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ منشاء

اختلاف یہ ہے کہ زیر بحث روایت عندنا نفلی صدقہ پر محمول ہے اور امام شافعی کے نزدیک نفلی اور فرضی دونوں کو شامل ہے ترجیح اسی کو ہے کہ یہاں نفلی صدقہ ہی مراد ہے کیونکہ اسی باب کی دوسری روایت میں اپنی اولاد پر صدقہ کرنے کی اجازت بھی اسی قسم کے واقعہ میں مذکور ہے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ فرضی صدقہ اولاد کو دینا جائز نہیں ہے معلوم ہوا کہ ایسے واقعات میں نفلی صدقہ ہی مراد ہے اس باب کے دونوں واقعے بالکل ایک جیسے ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ

غرض آیت مبارکہ میں ذکر کیئے ہوئے مصارف زکوٰۃ کی وضاحت ہے کہ ان کے مصداق کیا کیا ہیں۔ پھر اس باب کی پہلی تعلیق میں حضرت ابن عباس کا عمل نقل فرمایا کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے غلام آزاد کر دیا کرتے تھے اس سے امام مالک کے قول کو ترجیح دینا چاہتے ہیں۔ **اختلاف**:۔ اس طرح ہے کہ عند مالک زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی صحیح ہے وعند الجمھور صحیح نہیں ہے۔ منشاء اختلاف باب کے ترجمہ میں ذکر کی ہوئی آیت ہے کیونکہ اس میں ایک مصرف وفی الرقاب ہے امام مالک کے نزدیک یہ عام ہے اور غلام کو خرید کر آزاد کرنے کو بھی شامل ہے جمہور کے نزدیک اس کا مصداق رقاب مکاتبین ہے کہ ان کو رقم دی جائے اور وہ مالک بن جائیں اور چاہیں تو اپنے بدل کتابت کے ادا کرنے میں استعمال کریں ترجیح جمہور کے معنیٰ کو ہے کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنانا شرط ہے اور اس پر دال اسی آیت میں انما الصدقات للفقراء کا لام ہے جو تملیک کے لئے آتا ہے اور غلام آزاد کرنا اسقاط ہے تملیک نہیں ہے اسی لئے تکفین میں اور تعمیر مسجد میں اور سڑک اور پل بنانے میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی کیونکہ ان صورتوں میں کسی متعین شخص کو مالک بنانا نہیں پایا جاتا۔ ۲۔ دوسری وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ زکوٰۃ میں ضروری ہے کہ دینے والے کا تعلق زکوٰۃ سے نہ رہے اور غلام آزاد کرنے کی صورت میں ولاء آزاد کرنے والے کو ملتی ہے اس لئے دینے والے کا تعلق ختم نہیں ہوتا۔

باب الاستعفاف عن المسئلة

غرض فضیلت کا بیان کرنا ہے اس کی کہ سوال کرنے سے بچے۔

باب من اعطاه اللہ شیئاً من غیر مسئلة و اشراف نفس

غرض استحباب بیان کرنا ہے ایسی چیز کے قبول کرنے کا جو مانگنے بغیر اور نفس کے انتظار کے بغیر مل جائے۔

باب من سأل الناس تکثرا

غرض مذمت کرنا ہے اس شخص کی جس نے مانگنے کا پیشہ بنا رکھا ہو مسلم شریف میں مذمت میں یہ لفظ بھی وارد ہیں فانما یسئل جمراً کہ وہ آگ کے انگارے مانگ رہا ہے۔ مزعۃ لحم :۔ گوشت کا ٹکڑا۔ فیمشی حتی یا خذ بحلقة الباب :۔ ا۔ جنت کے دروازے کی کنڈی پکڑ لیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲۔ کنایۃ اللہ تعالیٰ کے قرب سے ہے کہ شفاعتِ کبریٰ کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی قرب ظاہر ہوگا۔

باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا

غرض ایسے لوگوں کی مدح ہے جو مانگتے نہیں ہمارے اکابر کا ارشاد ہے کہ مانگنے سے بہتر ہے کہ فاقہ سے مرجائے۔ وکم الغنیٰ :۔ یہ باب ہی کا تتمہ ہے کہ کتنی مقدار مال کی موجود ہو تو سوال کرنا ناجائز ہوتا ہے۔ غرض اسی مسئلہ کا بیان فرمانا ہے۔ وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یجد غنیً یغنیہ :۔ یہ بھی ترجمۃ الباب ہی کا تتمہ ہے بظاہر غرض حنفیہ کے قول کی تائید ہے کہ ایک دن کے کھانے پینے کا انتظام ہو تو مانگنا ناجائز ہوتا ہے۔

اختلاف :۔ عند امامنا ابی حنیفۃ جس کے پاس ایک دن رات کے کھانے کا سامان نہ ہو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے واجب پھر بھی نہیں ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے اکابر کا ارشاد ہے کہ فاقہ سے مرجانا سوال کرنے سے بہتر ہے اور

ہمارے امام صاحب کے نزدیک مصرف زکوٰۃ ہر وہ شخص ہے جو صاحب نصاب نہ ہو وعند احمد سوال کے جواز اور مصرف زکوٰۃ دونوں کا مدار ۵۰ درہم پر ہے کہ ۵۰ درہم کا مالک نہ سوال کر سکتا ہے نہ اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اس سے کم کا مالک ہو تو دونوں جائز ہیں وعند الشافعی و مالک دونوں کا مدار ضرورت پر ہے کوئی حد مقرر نہیں ہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن سہل بن الحنظلیۃ فقالوا یا رسول اللہ و ما الغنی الذی لا ینبغی معہ المسئلۃ قال قدر ما یغد یہ و یعشیہ اور ابو داؤد ہی میں روایت ہے عن عبداللہ بن عمرو مرفوعاً لا تحل الصدقۃ لغنی اور ابو داؤد ہی میں ہے عن ابن عباس مرفوعاً زکوٰۃ کے بارے میں توخذ من اغنیائھم وترد فی فقرائھم ان تین حدیثوں میں سے پہلی حدیث سے سوال کرنے کے جواز کی حد واضح ہوگئی کہ ایک دن رات کے کھانے کا سامان ہو تو سوال جائز نہیں ہے۔ اس سے سوال کرنے کی حد تو متعین ہوگئی اب رہی یہ بات کہ بغیر سوال کئے کس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تو اس کے لئے مذکورہ تین روایتوں میں سے دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ غنی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے پھر غنی کے کہتے ہیں یہ بات مذکورہ تین روایتوں میں سے تیسری روایت سے معلوم ہوگئی کہ غنی اور فقیر ایک دوسرے کے مقابل ہیں غنی صاحب نصاب ہے اور فقیر وہ ہے جو صاحب نصاب نہ ہو اس لئے وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ ولاحمد:۔

روایت ابی داؤد عن عبداللہ فقیل یا رسول اللہ و ما الغنی قال خمسون درھما جواب اس حدیث پاک میں صرف سوال کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اور اس مسئلہ میں یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ۵۰ درھم والے کے پاس عموماً ایک دن رات کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے مصرف کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے اس لئے امام احمد کا استدلال مصرف زکوٰۃ کے متعلق اس روایت سے صحیح نہیں ہے۔ وللشافعی و مالک دونوں مسئلوں میں ضرورت پر دار و مدار ہونا چاہئے کیونکہ سوال بھی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور مصرف بھی وہی ہونا چاہئے جو ضرورت والا ہو۔

ضرورت میں مال کی حد مقرر نہیں کی جاسکتی جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ **فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ فجمع بین عنقی و کتفی**:۔۱۔ یعنی ایسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیارا ہاتھ مجھے مارا جہاں میری گردن اور کندھا جمع ہوتے ہیں یعنی گردن اور کندھے کے درمیان۔ مقصد تنبیہ فرمانا تھا جیسے بچوں کا کان کھینچ کر تنبیہ کی جاتی ہے۔۲۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں مجمع بین عنقی و کتفی اور معنیٰ وہی ہیں جو ابھی گذرے اس صورت میں بین اسم ہے ظرف نہیں ہے جیسے ایک قرأت ہے لقد تقطع بینکم۔۳۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں فجمع بین عنقی و کتفی یعنی دست مبارک جمع فرمایا اور مکّہ بنایا اور میرے کندھے اور گردن کے درمیان مارا۔ مقصد وہی ہے تنبیہ فرمانا۔ **اَقْبِلْ ای سعد**:۔۱۔ اَقْبِلْ ہمزہ قطعی کے ساتھ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے جارہے تھے اس لئے فرمایا اقبل باب افعال سے کہ ای سعد میرے ساتھ آؤ میں تمہیں وجہ بتلاؤں کہ میں کیوں دیتا ہوں اور کیوں چھوڑتا ہوں۔۲۔ اِقبل سمع یسمع سے ہمزہ وصلی کے ساتھ معنیٰ یہ ہیں کہ میری بات قبول کرلو اے سعد اور معارضہ اور مقاتلہ میرے ساتھ نہ کرو اس دوسری روایت کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اس میں یوں ہے اَقِتَالاً اَیْ سَعْدُ معنیٰ یہ ہیں کہ اے سعد کیا تم مجھ سے لڑنا چاہتے ہو اَتُقَاتِلُ قِتَالاً یا سَعْدُ۔

باب خرص التمر

غرض یہ ہے کہ خرص مشروع ہے۔ **اختلاف** عند امامنا خرص مکروہ ہے خرص کی صورت یہ ہے کہ عشر وصول کرنے کے لئے اندازہ لگا لیا جائے کہ اس باغ سے مثلاً دس من کھجوریں اتریں گی اس لئے ایک من عشر وصول کیا جائے کٹی ہوئی کھجوروں میں سے اور پھر جب باغ کی کھجوریں اُتریں تو عشر نہ لیا جائے یعنی درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عشر کے بدلہ میں الگ کھجوروں سے عشر وصول کر لیا جائے ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ صورت

مکروہ ہے امام شافعی کے نزدیک واجب ہے اور جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ ولنا روایۃ الطحاوی عن جابر مرفوعاً نھی عن الخرص وللشافعی حدیث الباب عن ابی حمید الساعدی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابہ اُخرُصوا اور جمہور کی دلیل بھی یہی روایت ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے کیونکہ بہت کم خرص کرنا آتا ہے اگر واجب ہوتا تو پورے اہتمام سے ہمیشہ کیا جاتا ہم جمہور اور شوافع کو جواب دیتے ہیں کہ یہ خرص منسوخ ہے کیونکہ یہ ربوٰ ہی کے مشابہ ہے کیونکہ جو اصل پھل درختوں پر ہیں ان کے بدلہ میں اُترا ہوا پھل لیا جاتا ہے اس لئے جب سود حرام ہوا تو سود کے مشابہ صورت بھی مکروہ ہوگئی۔ اختلاف کی وجہ سے امام بخاری نے فیصلہ نہ فرمایا اور یقین سے خرص کا حکم نہ بتلایا بظاہر امام شافع کے قول کی طرف میلان معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

باب العشر فیما یُسقیٰ من ماء السماء و بالماء الجاری

غرض یہ ہے کہ بارانی علاقہ میں اور جہاں دریا کا پانی نہر کھودے بغیر آسانی سے پہنچ جاتا ہے وہاں عشر واجب ہوگا۔ نصف عشر کافی نہ ہو گا۔ ھذا التفسیر الاول:۔ ھذا کا اشارہ تو اس باب کی حضرت ابن عمر والی روایت کی طرف ہے اور الاول کا مصداق حضرت ابو سعید والی روایت ہے جو کہ کافی پیچھے گذر چکی ہے اس لئے اول قرار دیا اور دوبارہ بھی آرہی ہے اگلے باب میں بلا فصل اس میں مرفوعاً وارد ہے لیس فیما اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ لیکن اس پر یہ اعتراض باقی رہتا ہے کہ خمسۃ اوسق والی روایت میں تو زکوٰۃ کا بیان ہے اور حضرت ابن عمر والی روایت میں عشر کا بیان ہے اس لئے ایک کو دوسری روایت کی تفسیر بنانا صحیح نہیں ہے اور اختلاف کی تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

باب لیس فیما دون خمسہ اوسق صدقۃ

غرض حنفیہ پر رد ہے جو عشر میں نصاب کا اعتبار نہیں فرماتے۔

اختلاف:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ ہر قلیل و کثیر میں عشر واجب ہے وعند الجمہور پانچ اوسق سے کم میں عشر واجب نہیں ہے ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تین سیر ۹ چھٹانک کا ہوتا ہے۔ ولنا ۱۔ یھا الذین امنو ا انفقو من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنالکم من الارض اس آیت مبارکہ میں ما اخرجنا عام ہے قلیل و کثیر کو شامل ہے۔ ۲۔ فی ابی داؤد والبخاری عن ابن عمر مرفوعاً فیما سقت السماء والانھار والعیون اوکان بعلا العشر والجمہور یہی زیر بحث بخاری شریف کی روایت جو ابو داؤد میں بھی آتی ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فیما اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ ولا فی اقل من خمس اواق من الورق صدقۃ جواب اس میں غلہ کی زکوٰۃ کا ذکر ہے کیونکہ پانچ اوسق غلہ کی قیمت عموماً پانچ اواقی ہو جاتی تھی دلیل اس کی یہ ہے کہ اس حدیث میں سب نصاب زکوٰۃ کے ہیں عشر کا بالکل ذکر ہی نہیں اس لئے عشر کے متعلق اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

باب اخذا لتمر عند صرام النخل وھل یترک الصبی فیمس تمر الصدقۃ

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے پہلا مسئلہ اختلافی ہے اور دوسرا اتفاقی ہے۔ **پہلا اختلافی مسئلہ:۔** عند البخاری وعند امامنا ابی حنیفۃ وعند احمد نفس وجوب توبدوّ وصلاح سے ہوجاتا ہے اور وجوب اداء صرام وحصاد سے یعنی جب غلہ اور پھل کاٹا جائے اس وقت ہوتا ہے وعند الشافعی و مالک صرف کاٹنے سے ہی وجوب ہوتا ہے۔ ولنا۔ چونکہ بدّو سے نفس نفع شروع ہوجاتا ہے اس لئے وجوب کے لئے کافی ہے البتہ کمال نفع صرام وحصاد سے ہوتا ہے اس لئے وجوب اداُسی وقت ہوگا۔ وللشافعی و مالک واتو حقہ یوم حصادہ جواب یہ وجوب اداء ہے۔ **دوسرا اتفاقی مسئلہ:۔** کہ بچہ اگر کھاتا نہ ہو تو صدقہ کے مال کو ہاتھ لگانے کی گنجائش ہے جبکہ بچہ بنی ہاشم میں سے ہو۔

باب من باع ثمارہ او نخله او ارضه اوزرعه و قد وجب فيه العشر او الصدقة

غرض ان چیزوں کی بیع وجوب صدقہ سے پہلے اور پیچھے جائز ہے

باب هل يشتری صدقة

غرض یہ ہے کہ مناسب نہیں ہے کہ اپنا صدقہ خریدے کیونکہ وہ فقیر اس کو بازار کی قیمت سے سستی قیمت پر دے دے گا۔ لیکن اگر خرید لے گا تو بیع صحیح ہو جائے گی گویا کراہت تنزیہی ہے۔

باب ما يذكر فی الصدقة للنبی صلی الله عليه وسلم

غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ حرام تھا وجہ۔ ۱- خذمن اموالهم صدقة تطهر هم وفی مسلم مرفوعاً الصدقۃ اوساخ الناس پس نبی کریم جو طاہر اور مطہر ہیں ان کے لئے لوگوں کی میل کچیل والا پانی مناسب نہیں۔ ۲- حدیث شریف میں ہے الید العلیا خیر من الید السفلیٰ پس لینا ذل وھوان ہے اس لئے بھی مناسب نہیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نفلی اور فرضی دونوں صدقے حرام تھے اور بنی ہاشم کے لئے صرف فرضی حرام تھا اور حرام ہے۔ کخ کخ: ۔ یہ لفظ چار طرح پڑھا گیا ہے۔ کاف کا فتحہ اور کسرہ ہر صورت میں خاء کا سکون اور خاء کا تنوین کے ساتھ کسرہ۔ معنی ہیں اتر کہ چھوڑ دو پھر اس میں دو قول ہیں۔ ۱- عربی ہے۔ ۲- فارسی سے لیا گیا ہے امام بخاری کے نزدیک دوسرا قول راجح ہے کیونکہ انہوں نے باب من تکلم بالفارسیہ میں بھی اس روایت کو ذکر فرمایا ہے۔

باب الصدقة علی موالی ازواج النبی صلی الله عليه وسلم

غرض یہ ہے ازواج مطہرات کے موالی کے لئے صدقہ لینا جائز ہے۔ سوال۔ امام بخاری نے ازواج مطہرات کے موالی کا حکم ذکر فرمایا خود ازواج مطہرات کا کیوں نہ ذکر فرمایا حالانکہ وہ زیادہ اہم تھا۔ جواب ازواج مطہرات کے متعلق ان کو حدیث نہ ملی اس لئے ذکر نہ فرمائی اور موالی کے بارے میں مل گئی اس لئے ذکر فرما دی۔

باب اذا تحولت الصدقة

غرض یہ ہے کہ تبدل ملک سے حکم بدل جاتا ہے صدقہ کا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ کو بھیجا انہوں نے صدقہ کی بکری کو ذبح کر کے اس کا گوشت حضرت عائشہ کو بھیجا اسی میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا تو اس سے یہ لازم نہ آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا گوشت تناول فرمایا بلکہ ام عطیہ کے ہدیہ کا گوشت تناول فرمایا۔ نُسیبه: ۔ یہ حضرت ام عطیہ کا نام ہے یہ اس وقت غریب ہونگی اسی لئے ان کو صدقہ کا جانور دیا گیا۔ **قد بلغت محلها**: ۔ ۱- جہاں پہنچانا واجب تھا وہاں پہنچ گیا۔ ۲- حلال ہونے کی جگہ کہ جہاں اس کا کھانا یا ذبح کرنا حلال تھا وہاں پہنچ گیا۔

باب اخذ الصدقة من الاغنياء وترد فی الفقراء حيث كانوا

ظاہر یہی ہے کہ غرض حنفیہ کے قول کی تائید ہے کہ زکوٰۃ کا دوسرے شہر منتقل کرنا جائز ہے جبکہ دوسرے شہر والوں کو زیادہ ضرورت ہو۔ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام احمد اس کے قائل ہیں کہ جتنی دور جانے سے مسافر بن جاتا ہے اور قصر ثابت ہو جاتی ہے اتنی دور منتقل کرنا جائز نہیں اس سے کم جائز ہے منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً تو خذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم ہمارے نزدیک فقراء عام ہیں شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اسی جگہ کے فقراء ہیں اور حنابلہ کے نزدیک اس جگہ کے اور قریب قریب کے فقراء ہیں جو سفر کی مقدار سے کم دور ہوں۔ ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ اگر خاص اسی قوم کے فقراء بھی لئے جائیں تو وہ بھی تو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جگہ کی طرف تو ضمیر لوٹ ہی نہیں سکتی فقرائھم میں مطلق مسلمین کی طرف لوٹے گی یا اس قوم کی طرف لوٹے گی دونوں صورتوں میں عموم ہی اقویٰ ہے۔

باب صلوٰة الامام ودعائه لصاحب الصدقة وقوله تعالیٰ خذمن اموالهم الاية

غرض۔۱-امام کے لئے مستحب ہے کہ صدقہ لانے والے کے لئے دعا کرے۔۲-لفظ صلوٰۃ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی جائز ہے۔ **اختلاف**:۔اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔۱-حرام ۲-مکروہ تحریمی ۳-مکروہ تنزیہی ۴-مباح۔ بظاہر مکروہ تحریمی راجح ہے دلیل مکروہ تحریمی کی تعامل سلف صالحین ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے کہ شبہ نہ ہو کہ یہ نبی ہے اور چونکہ منشاء احتیاط ہے اس لئے مکروہ تحریمی کہیں گے حرام نہ کہیں گے جو حضرات حرام قرار دیتے ہیں ان کا استدلال بھی تعامل سلف صالحین ہی ہے ان کے نزدیک یہ تعامل حرمت پر دال ہے جواب۔ منشاء ممانعت کا چونکہ احتیاط ہے اس لئے حرمت کا اطلاق مناسب نہیں ہے اس کے لئے تو دلیل قطعی ہونی چاہئے اباحت کی دلیل ۱- روایت ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً صلی اللہ علیک وعلی زوجک۔۲- فی البخاری زیر بحث باب کی روایت عن عبداللہ بن ابی اوفی مرفوعاً اللهم صلی علی ال ابی اوفی۔۳-**وصلی علیهم ان صلوتک سکن لهم** جواب ان تینوں دلیلوں کا یہ ہے کہ یہ خصوصیت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ لفظ صلوٰۃ کے ساتھ آپ کا دعاء کرنا صحیح تھا اگر یہ حکم عام ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن حضرات کو ساعی بنا کر بھیجتے تھے۔ان کو بھی حکم فرماتے کہ تم بھی صدقہ لانے والے کے لئے اس لفظ کے ساتھ دعاء کیا کرو کیونکہ قرآن پاک میں صیغہ امر کا ہے جو وجوب کے لئے ہوتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساعی حضرات کو حکم نہیں فرمایا تو اس سے ظاہر ہوا کہ امن دعاء کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی تھا۔امت کے لئے نہ تھا مکروہ تنزیہی والے قول کی دلیل دونوں قسم کی دلیلوں کو جمع کرنا ہے جواب محرم کو مبیح پر ترجیح ہے۔

باب مایستخرج من البحر

غرض یہ ہے کہ سمندر سے جو موتی وغیرہ نکالے جاتے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اور یہ مسئلہ اتفاقیہ ہے۔ **دسرہ البحر**:۔جس کو سمندر پھینک دے۔

انما جعل النبی صلی الله علیه وسلم فی الرکاز الخمسلیس فی الذی یصاب فی الماء

یہ امام بخاری کی کلام ہے اور مقصود حضرت حسن بصری کے قول کا رد ہے کہ ان کا فرمانا کہ عنبر میں اور موتیوں میں جو سمندر سے نکلتے ہیں خمس ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خمس تو رکاز پر ہے اور رکاز خشکی میں ہوتا ہے۔ سمندر کی چیزیں رکاز کا مصداق نہیں ہیں۔ **فاخذها لاهله حطباً**:۔ باب سے مناسبت یہ ہے کہ سمندر کی لکڑی اور دوسری چیزوں کو جو چاہے اٹھالے اس سے خمس کا تعلق نہیں ہے۔

باب فی الرکاز الخمس

غرض رکاز کا حکم بیان کرنا ہے کہ اس میں خمس واجب ہے۔ **اختلاف**:۔عندامامنا ابی حنیفۃ جو سونے چاندی وغیرہ کی کان خلقۃ ہوتی ہے اس میں بھی خمس ہے وعند الجمہور اس میں خمس واجب نہیں ہے ولنا فی البیہقی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً فی الرکاز الخمس قیل وما الرکاز یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذهب الذی خلقه الله فی الارض یوم خلقت الارض ولهم روایۃ الصحیحین عن ابی ہریرۃ مرفوعاً حدیث الباب العجماء جبار البئر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس جواب اس کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ معدن میں گر کر کوئی مرجائے تو دیت نہیں ہے قرینہ اس سے پہلے کے دونوں جملے ہیں کہ جس کو جانور ماردیں اس میں دیت نہیں جو کہ کنویں میں گر کر مرجائے اس میں دیت نہیں۔ اسی طرح جو معدن میں گر کر مرجائے اس میں دیت نہیں وفی الرکاز الخمس شبہ کا جواب ہے کہ شاید دیت واجب نہ ہونے کی طرح خمس بھی واجب نہ ہو جواب دیا کہ خمس واجب ہے کیونکہ خمس تو ہر رکاز میں ہے خواہ

وہ معدن کے درجہ میں قدرتی سونا چاندی وغیرہ ہو یا کنز کے درجہ میں انسان کا دفن کیا ہوا خزانہ ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ معدن رکاز کے مقابلہ میں ہے اس لئے معدن رکاز میں داخل نہیں ہے جیسا کہ جمہور ائمہ معنیٰ کرتے ہیں۔ یہ معنیٰ صحیح نہیں ہیں۔ **وان وجدتَ اللقطۃ فی ارض العدو فتعر فہا وان کانت من العدو ففیہا الخمس**:۔ یہ عبارت بھی حضرت حسن بصری ہی کا مقولہ ہے کہ اگر دشمن کی زمین میں لقطہ ملے اور وہاں اس زمانہ میں مسلمان مجاہدین بھی ہوں اور احتمال ہو کہ شاید وہ لقطہ کسی مسلمان کا ہے تو اس کی تعریف کرو اور مالک تلاش کرو جیسا کہ لقطہ کا حکم ہوتا ہے اور اگر ایسی جگہ کوئی چیز ملی ہے جس میں یہ احتمال نہیں ہے۔ کہ کسی مسلمان کی ہو بلکہ یقین ہے کہ دشمن کی ہی وہ چیز ہے تو پھر وہ مال غنیمت کی طرح ہے اور اس میں خمس ہے۔ **قال بعض الناس المعدن رکاز مثل دفن الجاهلیۃ**:۔ امام ابن التین نے جزم سے فرمایا ہے کہ اس مقام پر امام بخاری کا مقصد امام ابو حنیفہ پر اعتراض کرنا ہے اور وہی بعض الناس کا مصداق ہیں۔ لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ بعض الناس کا مصداق سفیان ثوری یا امام اوزاعی ہوں کیونکہ وہ دونوں حضرات بھی معدن کو رکاز میں شمار فرماتے ہیں۔ امام بخاری دو اعتراض فرمارہے ہیں۔

پہلا اعتراض:۔ یہ ہے کہ بعض الناس نے یہ محاورہ لیا ہے ارکز المعدن اذا خرج منہ شئی پھر اس پر امام بخاری یوں اعتراض فرمارہے ہیں کہ اگر کسی کو بطور ھبہ کے کوئی چیز مل جائے یا تجارت وغیرہ میں نفع کثیر مل جائے یا اس کے باغ میں پھل زیادہ آجائے تو اس کو بھی کہہ دیا جاتا ہے ارکزتَ تو ان صورتوں میں بھی رکاز پایا گیا اور اس موھوب لہ اور رابح اور صاحب ثمر کثیر کے ذمہ بھی خمس ہونا چاہیئے حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ امام بخاری کے اِس اعتراض کا پہلا جواب یہ ہے کہ بعض الناس سے یا اُن کے تلامذہ سے یا اہل عرب سے یہ محاورہ منقول ہی نہیں ہے کہ ارکز المعدن استعمال ہوتا ہے اس معنیٰ میں کہ معدن سے کوئی چیز نکل آئی محاورہ یوں ہے ارکز الرجل اس لئے امام بخاری کا یہ اعتراض بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ رکاز کا اطلاق ربح عظیم وغیرہ پر آتا ہے تو یہ اطلاق اور استعمال صرف مبالغہ اور تشبیہ پر مبنی ہے یہ معنیٰ تھوڑا ہی ہیں کہ وہ شخص حقیقی طور پر رکاز والا ہو گیا اور اس پر خمس واجب ہو گیا۔ **دوسرا اعتراض**:۔ امام بخاری دوسرا اعتراض یہ فرمارہے ہے کہ بعض الناس نے پہلے تو کہہ دیا کہ معدن رکاز ہے اور اس میں خمس واجب ہے پھر خود ہی اس خمس کو ساقط کر دیا یہ تو تناقض ہے اس کی تفصیل یوں فرمائی امام بخاری نے کہ وہ بعض الناس اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر وہ شخص جس کے پاس معدن ہے اپنے معدن کو چھپالے اور خمس نہ دے تو پھر بھی کچھ حرج نہیں یہ تو صریح تناقض ہے کہ خمس واجب بھی ہے اور نہ دینے کی بھی گنجائش ہے۔ اِس اعتراض کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ سے یہ نقل فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے رکاز پایا اُس کے لئے یہ بھی گنجائش ہے کہ بیت المال میں دینے کی بجائے خود ہی مساکین میں خمس تقسیم کر دے اور اگر خود محتاج ہے تو خود ہی استعمال کر لے پھر اس کی وضاحت امام طحاوی نے یہ فرمائی کہ امام ابوحنیفہ کا مقصد یہ ہے کہ اُس رکاز پانے والے کا حق مسکین ہونے کی وجہ سے بیت المال پر بنتا ہے تو وہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے وہ خمس جو بیت المال میں دینا تھا خود رکھ لے اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ خمس واجب ہی نہیں ہوا یا واجب ہو کر ساقط ہو گیا بلکہ یہ صرف مصرف کی تفصیل ہے کہ اصل طریق تو بیت المال میں پہنچانا ہے لیکن اگر بیت المال پر اِس شخص کا حق بنتا ہے تو اپنا حق وصول کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیت المال کی چیز خود رکھ لے اِس طرح سے اپنا حق وصول کرلے گا۔ اگر ایسا کرلے تو گناہ نہ ہوگا اس لئے امام بخاری کا اعتراض فرمانا کہ تناقض پایا گیا اس کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے۔

وکم من عائب قولاً صحیحا　　وآفة من الفهم السقیم

باب قول الله تعالیٰ والعاملین علیها ومحاسبة المصدقین مع الا مام

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ کا کام کرنے والے بھی زکوٰۃ کا مصرف ہیں اور امام اُن سے حساب بھی لیتا رہے پھر اس میں دونوں قول ہیں کہ عاملین کے مصرف بننے میں ان کا فقیر ہونا بھی شرط ہے یا نہ راجح یہی ہے کہ شرط نہیں ہے۔

باب استعمال ابل الصدقة والبانها لابناء السبیل

غرض یہ ہے کہ مصرف صدقات میں جو قرآن پاک میں آٹھ انواع مذکور ہیں ان سب کو دینا ضروری نہیں ہے گویا حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک اختیار فرمایا۔ **اختلاف**:۔ عندامامنا ابی حنیفة ومالک اصناف ثمانیہ کا ہر صدقہ واجبہ میں لحاظ ضروری نہیں کہ سب کو دینا ضروری ہے۔ بلکہ اُن میں سے جتنی قسموں کو چاہے دے دے صحیح ہے وعند الشافعی واحمد سب کا لحاظ ضروری ہے۔ ولنا حدیث الباب عن انس ان ناسا من عرینة اجتوؤا المدینة فرخص لهم رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یا توا ابل الصدقة فیشر بوا من البانها اوبوالها الحدیث صرف مسافروں کو صدقہ کے اونٹوں سے نفع اٹھانے کی اجازت مرحمت فرمائی آٹھ اقسام میں سے باقی سات قسموں میں کچھ تقسیم نہ فرمایا وللشافعی و احمد انما الصدقات للفقراء الا یة جواب یہ بیان مصرف ہے کہ ان میں سے جس کو چاہو دے دو بیان ملک اور بیان استحقاق نہیں ہے۔

باب وسم الا مام ابل الصدقة بیده

غرض یہ ہے کہ نشانی کے طور پر صدقہ کے اونٹوں پر امام خود داغ لگائے تو یہ بھی مستحسن ہے۔

ابواب صدقة الفطر

غرض صدقہ فطر کے احکام کا بیان ہے اور بعض نسخوں میں یہ ابواب والی سرخی نہیں ہے۔

باب فرض صدقة الفطر

غرض جمہور کے مذہب کی تائید کرنی ہے۔ **اختلاف**:۔ عند امامنا ابی حنیفة صدقہ فطر فرض نہیں ہے بلکہ فرض سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وعندالجمھور فرض ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمرٍ الحدیث ہمارے نزدیک یہ وجوب پر محمول ہے اور جمہور کے نزدیک فرضیت پر محمول ہے ترجیح قول حنفیہ کو ہے کیونکہ خبر واحد ظنّی ہے اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی فرضیت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

باب صدقة الفطر علی العبد وغیره من المسلمین

غرض دو اختلافی مسئلوں کو بیان کرنا ہے ایک یہ کہ صدقہ فطر عبد پر بھی واجب ہے دوسرا یہ کہ جس عبد پر صدقہ فطر ہے اس میں اسلام شرط ہے **پہلا اختلاف**:۔ عندالامام البخاری صدقہ فطر کا وجوب عبد پر بھی ہے البتہ اس کی طرف سے اداء کرنا سید پر واجب ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک عبد پر واجب نہیں ہے صرف عبد کے سید پر وجوب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمر او صاعاً من شعیر علی کل حرٍ او عبدٍ الحدیث امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور غلام پر بھی صدقہ فطر واجب ہے اور جمہور کے نزدیک وجوب صرف حُر پر بیان فرمانا مقصود ہے۔ عبد کا ذکر تبعاً ہے ترجیح قول جمہور کو ہی ہے کیونکہ عبد تو مال کا مالک ہی نہیں ہوتا اس پر وجوب مالی کیسے ہوسکتا ہے۔ **دوسرا اختلاف**:۔ عندامامنا کافر عبد کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب ہے وعن الجمھور صرف مسلم عبد کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب ہے وعندالجمھور صرف مسلم عبد کی طرف سے صدقہ فطر واجب ہے عبد کافر کی طرف سے واجب نہیں ہے۔ منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن ابن عمر مرفوعاً فرض زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمر او صاعاً من شعیر علی کل حرا وعبد ذکر او انثی من المسلمین اور بخاری شریف میں صدقۃ الفطر کے ابواب کی آخری روایت میں یوں ہے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقۃ الفطر طعاماً من شعیر او صاعاً من تمر علی الصغیر والکبیر والحر والمملوک اس روایت میں من المسلمین کی قید نہیں ہے ہمارے نزدیک دونوں روایتوں پر الگ الگ عمل کرنا ضروری ہے وعند الجمہور مطلق کو مقید پر محمول کریں گے ترجیح ہمارے قول کو ہے وجہ۔ا۔ ہمارا اصول قوی ہے کہ ہر ایک حدیث پر الگ الگ عمل کریں گے۔۲۔ قال الطحاوی من المسلمین مالک کے متعلق ہے۔ امام طحاوی کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فی فرسہ صدقۃ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی قید کا ذکر مالک پر بھی احادیث میں ہوتا رہتا ہے۔

باب صدقة الفطر صاع من شعير

غرض یہ کہ جَو بھی ایک صاع دو۔

باب صدقة الفطر صاعاً من طعام

غرض جمہور کے قول کی تائید ہے کہ گندم سے صدقہ فطر دینا ہو تو صاع دیا جائے گا۔ اختلاف:۔ عندامامنا گندم سے نصف صاع کافی ہے وعند الجمہور گندم سے صاع ضروری ہے دلنا روایۃ ابی داؤد عن عبداللہ بن ابی صعیر مرفوعاً صاع من بر او قمح علی کل اثنین وللجمہور حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن ابی سعید موقوفاً کنا نخرج زکوٰۃ الفطر صاعاً من طعام جواب طعام کا لفظ گندم کے متعلق صریح نہیں۔

باب صدقة الفطر صاعاً من تمر

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ کھجور سے اگر صدقہ فطر دینا ہو تو ایک صاع دینا ہوگا۔ اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب صاع من زبيب

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر کشمش سے صدقہ فطر ادا کرنا ہو تو ایک صاع دینا ہوگا اور یہ مسئلہ بھی اتفاقی ہے۔

باب الصدقة قبل العيد

صدقہ فطر کا وقت بتلانا مقصود ہے کہ نماز عید سے پہلے مستحب ہے اور عید کی نماز کے بعد مکروہ ہے بالاتفاق اور عید کا دن گذار دینا اور نہ دینا گناہ ہے اور قضاء پھر بھی لازم ہے۔

باب صدقة الفطر على الحر و مملوك

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ حر اور عبد دونوں پر صدقہ فطر واجب ہے حر خود ادا کرے گا اور غلام کی طرف سے اس کا آقا ادا کرے گا۔ پھر امام بخاری کا مسلک کیا ہے اسلام کی قید ہے یا نہ غلام میں دونوں احتمال ہیں۔ دو اختلاف پیچھے عنقریب گذر چکے ہیں۔ سوال دوبارہ یہ مسئلہ کیوں بیان فرمایا۔ جواب پیچھے ذکر وجوب تھا کہ عبد پر واجب ہے صدقہ فطر اب عبد اور حر کی برابری بیان کرنی مقصود ہے کہ اس مسئلہ میں حر اور عبد برابر ہیں۔ حتیٰ اَنْ کان یعطی عن بنی:۔ یہ حضرت نافع کا قول ہے کہ ابن عمر میرے بیٹوں کی طرف سے بھی صدقہ فطر دیا کرتے تھے وجہ۔ا۔ حضرت نافع حضرت ابن عمر کے آزاد شدہ غلام تھے آزادی سے پہلے حضرت ابن عمر ہی کے ذمہ غلاموں کا صدقہ فطر بھی تھا۔۲۔ آزاد ہو جانے کے بعد دیتے تھے تبرعاً اور استحباباً یعطیھا الذین یقبلونھا:۔ اس کے معنیٰ۔ا۔ بلا تحقیق حضرت ابن عمر دے دیا کرتے تھے جو بھی کہتا کہ میں مستحق ہوں اس سے اچھا گمان فرماتے اور دے دیتے تھے۔۲۔ وہ ایسے فقراء تھے جن کو حکومت نے کہہ دیا تھا کہ یہ واقعی مستحق ہیں ان کو دے دیتے تھے۔۳۔ حکومت نے کچھ آدمی مقرر کئے ہوئے تھے وہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر وصول کر کے پھر غرباء میں تقسیم کرتے تھے ان کو حضرت ابن عمر دے دیا کرتے تھے یہی معنیٰ خود امام بخاری بیان فرما رہے ہیں ان لفظوں کے ساتھ کانوا یعطون لیجمع لا للفقراء۔

باب صدقة الفطر على الصغير و الكبير

غرض یہ ہے کہ صدقہ فطر صغیر اور کبیر دونوں پر ہے لیکن کبیر خود ادا کرے گا اور صغیر کی طرف سے اس کی ولی ادا کرے گا۔ البتہ زکوٰۃ صغیر پر نہیں ہے۔ فقہاء کے نزدیک صدقہ فطر بھی صغیر پر واجب نہیں صغیر کے والد پر ہے جبکہ وہ غنی ہو منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقۃ

الفطر صاعاً من شعیر او صاعاً من تمر علی الصغیر والکبیر امام بخاری کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے اور فقہاء کے نزدیک علیٰ جو وجوب کے لئے ہے اس کا اصل ذکر کبیر کے لئے ہے اور صغیر کا ذکر تبعاً ہے۔ ترجیح فقہاء کے قول کو ہے کیونکہ صغیر تو مکلف ہی نہیں ہے۔

کتابُ الحج

ای کتاب فی بیان احکام الحج غرض حج کے احکام بتلانا ہے بعض نسخوں میں یہاں کتاب المناسک ہے۔ ربط۔۱۔ بُنی الا سلام علیٰ خمس والی حدیث میں چونکہ حج کا ذکر صوم سے پہلے ہے اس لئے امام بخاری نے حج کو صوم سے پہلے ذکر فرمایا۔۲۔ جب نماز اور زکوٰۃ سے فارغ ہوئے تو گویا صرف بدنی اور صرف مالی عبادت سے فارغ ہوئے تو اب مناسب ہوا کہ ایسی عبادت ذکر فرمائیں جو بدنی اور مالی سے مرکب ہو اور وہ حج ہے

باب وجوب الحج و فضله

غرض حج کی فرضیت اور حج کی فضیلت کا بیان ہے۔ **وقول اللہ تعالیٰ وللہ علی الناس حج البیت الا یۃ**:۔ اس آیت مبارکہ کو یہاں نقل فرما کر جمہور کے قول کی تائید کر دی کہ حج کی فرضیت اسی آیت سے ثابت ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس آیت سے فرضیت ثابت ہوتی ہے **واتموا الحج والعمرة لله** لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ اتمام کے اصلی معنیٰ ہوتے ہیں شروع کر کے پورا کرنا یعنی اگر حج اور عمرہ شروع کر لیا ہو تو ان کو پورا کرو۔

باب قول اللہ تعالیٰ یا توک رجالا وعلی کل ضامر الایة

غرض۔۱۔ راحلہ وجوب حج کے لئے شرط نہیں ہے۔۲۔ سوار ہونا اور پیدل چلنا دونوں جواز میں برابر ہیں اور وجوب کے لئے راحلہ شرط ہے پھر افضل کیا ہے اس میں دو قول ہیں۔۱۔ افضل سوار ہونا ہی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہو کر حج ادا فرمایا ہے'۲۔ افضل پیدل ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں رجالاً کو پہلے ذکر فرمایا ہے اور **وعلیٰ کل ضامر** کو بعد میں ذکر فرمایا ہے اور دوسری دلیل پیدل کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ بہت سے نبیوں اور اولیاء اللہ نے پیدل حج ادا فرمایا ہے جیسا کہ پیدل حج کرنے والوں میں عینی میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت ابراھیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت حسن بن علی حضرت ابن جریج اور حضرت سفیان ثوری کو ذکر کیا گیا ہے۔

باب الحج علی الرحل

غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱۔ یہ بیان کرنا ہے کہ اولیٰ رحل پر سوار ہونا ہے یعنی اونٹ پر زین ڈال کر ایسے سوار ہونا جیسے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح سوار ہونا بھی جائز ہے کہ لکڑی کا پالان ڈال کر دو حصے کئے جائیں ایک طرف ایک آدمی بیٹھے یا سوئے اور دوسری طرف دوسرا آدمی بیٹھے یا سوئے۔۲۔ حج کے سفر میں زینت نہ ہونی چاہئے جیسا کہ پہلی تعلیق میں ہے کہ حضرت عائشہ نے قتب پر بیٹھ کر عمرہ ادا فرمایا اور قتب چھوٹا سا رحل ہوتا ہے جو صرف اونٹ کے کوہان کے برابر ہوتا ہے۔ **ولم یکن شحیحا**:۔ شحیح کے معنیٰ بخیل مع الحرص کے ہیں مقصد یہ ہے کہ حضرت انس بخیل نہ تھے پھر ھودج کی جگہ رحل کیوں اختیار فرمایا ھودج پالان ہوتا ہے جس پر دو آدمی بیک وقت سوار ہوتے ہیں دونوں بیٹھیں یا دونوں لیٹ جائیں ایک دائیں طرف ایک بائیں طرف۔ پھر حضرت انس نے ایسا کیوں کیا۔۱۔ تواضعاً'۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرماتے ہوئے۔ **وکانت زاملة**:۔ زاملہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پر صرف سامان لادا جاتا ہے مقصد یہ ہے کہ ایک ہی اونٹنی تھی وہی سواری بھی تھی اور وہی سامان اٹھانے والی بھی تھی۔ **فاحقبھا**:۔ اردفھا اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھایا۔ **باب فضل الحج المبرور**:۔ غرض حج مبرور کی فضیلت کا بیان ہے پھر حج مبرور کا مصداق کونسا حج ہے مختلف اقوال ہیں۔۱۔ حج مقبول عنداللہ تعالیٰ'۲۔ جس میں حاجی نے کوئی گناہ نہ کیا ہو'۳۔ محظورات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کیا ہو'۴۔ جب حج کر کے آئے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق اس میں بھرا ہوا ہو'۵۔ واپس آنے کا دینی حال جانے کے دینی حال سے

بہتر ہوگا۔ حج کے بعد معاصی کی طرف نہ لوٹے۔

باب فرض مواقیت الحج والعمرة

غرض حج اور عمرہ کے لئے مواقیت کا بیان ہے۔ وسرادق:۔ قنات یعنی کپڑے کی دیوار مقصد اپنے گھر والوں کا پردہ تھا فخر نہ تھا

باب قول اللہ تعالیٰ و تزودوا فان خیر الزاد التقویٰ

غرض اور ربط۔ ا۔ پیچھے میقات کا بیان تھا اب یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی میقات سے احرام باندھے اس کے پاس زاد ہونا چاہئے تاکہ سکون سے حج اور عمرہ کر سکے۔ ۲۔ زاد توکل کے خلاف نہیں ہے، پھر حق تعالیٰ نے زاد لیجانے کے حکم کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے آخرت کی ترغیب بھی ذکر فرمائی فان خیر الزاد التقویٰ کہ بہتر زاد عمل صالح ہے مراد آخرت کا توشہ ہے فتبارک اللہ ارحم الراحمین۔ **فاذا قدموا المدینة**:۔ اور ایک روایت میں یہاں مکۃ ہے یہ زیادہ اچھی ہے کیونکہ لفظ مدینہ سے مراد بھی مکہ مکرمہ ہی ہے۔

باب مهل اهل مكة للحج والعمرة

غرض اہل مکہ کے لئے وہ جگہیں بتلانی ہیں جہاں سے وہ احرام باندھیں اور یہ بات گذشتہ میقات والے باب کی تفصیل ہے اسی طرح آئندہ چند باب بھی اُسی میقات والے باب کی تفصیل کے طور پر آئیں گے۔

باب میقات اهل المدینة ولا یهلّون قبل ذی الحلیفة

غرض اہلِ مدینہ کی میقات کا بیان ہے اور یہ بھی تفصیل ہے میقات والے باب کی اور ساتھ ساتھ امام بخاری جمہور کے خلاف اپنی رائے ظاہر فرما رہے ہیں کہ میقات سے پہلے اہل مدینہ کے لئے احرام باندھنا منع ہے ایسے ہی باقی علاقوں سے آنے والوں کے لئے بھی میقات سے پہلے احرام باندھنا منع ہے جمہور کے نزدیک میقات سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے ہماری جمہور کی دلیل مستدرک حاکم کی روایت ہے حضرت علی سے کہ واتموا الحج والعمرة للہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَن تحرم مَن دویرة اھلک امام بخاری کی دلیل حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً یھل اہل المدینۃ من ذی الحلیفۃ جواب یہ بیان جواز ہے۔

باب مُهَلّ اهل الشام

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

باب مهل اهل نجد

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

باب مهل من كان دون المواقيت

غرض ان لوگوں کی احرام باندھنے کی جگہ کا بیان ہے جو میقات کے اندر رہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے احرام باندھیں

باب مهل اهل الیمن

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔

باب ذات عرق لاهل العراق

غرض میقات والے باب کی تفصیل بیان کرنا ہے۔ پھر اس میں دو قول ہیں کہ اہل عراق کے لئے ذات کا میقات مقرر ہونا حضرت عمرؓ کا اجتہاد ہے یا یہ مرفوعاً ثابت ہے۔ راجح یہی قول ہے کہ یہ مرفوعاً ثابت ہے اور حضرت عمرؓ نے اجتہاد اس لئے فرمایا تھا کہ ان کو اس کا مرفوعاً ثابت ہونا معلوم نہ تھا اور یہ بھی اُن مسائل میں داخل ہے جن میں حضرت عمرؓ کی رائے وحی کے موافق ہوئی اِس قول کی تائید ابو داؤد کی روایت سے ہوتی ہے جو عن عائشہ مرفوعاً وارد ہے وَقّتَ لاھل العراق ذات عرقٍ اور اس پر امام ابو داؤد نے سکوت فرمایا ہے۔ سوال۔ فی ابی داؤد والترمذی ومسند احمد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقت لاھل المشرق العقیق۔ جواب۔ ا۔ عقیق اور ذات عرق ایک دوسرے کی سیدھ اور محاذاۃ میں ہیں اس لئے یہ کوئی تعارض نہیں ہے۔ ۲۔ طحاوی میں

ہے عن انس مرفوعاً وَقَّتَ لاھل بصرۃ ذات عرق ولاھل المدائن العقیق انتہٰی اس سے معلوم ہے کہ بعض اہل عراق کے لئے ذات عرق ہے اور بعض اہل عراق کے لئے عقیق ہے۔

باب الصلوٰۃ بذی الحلیفۃ

غرض یہ ہے کہ ذی الحلیفۃ میں نماز پڑھنا مستحسن ہے۔ کیونکہ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے

ے　من مذھبی حب الدیار لا ھلھا
وللناس فیما یعشفون مذاھب

باب خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی طریق الشجرۃ

غرض یہ ہے کہ شجرہ کے راستہ سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانا مستحسن ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستہ سے تشریف لے گئے ہیں اور شجرہ مشہور جگہ ہے جو مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر مکہ مکرمہ کے راستہ پر واقع ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العقیق وادٍ مبارک

غرض یہ ہے کہ وادی عقیق میں نوافل مستحب ہیں۔ **وقل عمرةً فی حجة**:۔ان الفاظ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے اور حنفیہ کا مسلک راجح ہے تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ **باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب**:۔غرض یہ بیان کرنا ہے کہ خلوق جو کہ مرکب ہوتی ہے۔ زعفران سے اس کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے۔

باب الطیب عند الاحرام وما یلبس اذا اراد ان یحرم ویترجل ویدھن

غرض یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا اور تیل لگانا اور کنگھی کرنا مستحب ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ امام مالک کے نزدیک احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا منع ہے۔ ولنا. حدیث الباب عن عائشة قالت کانی انظرُ الی وبیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم ولمالک۔ا۔ جب محرم کو خوشبو لگانے سے منع کیا گیا ہے تو احرام باندھتے وقت بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کا اثر بعد میں بھی رہتا ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہو سکتا۔۲۔امام مالک کی دوسری دلیل گذشتہ باب کی روایت عن صفوان بن یعلیٰ مرفوعاً اغسل الطیب الذی بک ثلث مرات الحدیث جواب اس میں خلوق کو دھونے کا حکم ہے کیونکہ وہ مردوں کے لئے منع ہے احرام میں بھی اور پہلے بھی اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ **لیشم المحرم الریحان**:۔عند امامنا و مالک مکروہ ہے، وعند الشافعی حرام ہے اور امام احمد نے توقف فرمایا ہے منشاء اختلاف بیہقی کی روایت ہے بسند صحیح عن ابن عمر موقوفاً انہ کان یکرہ شم الریحان للمحرم امام شافعی کے نزدیک یہ حرمت پر اور عند امامنا ابی حنیفۃ و مالک کراہت پر محمول ہے امام احمد کے نزدیک چونکہ اِس میں دونوں احتمال ہیں کہ شاید بدن پر استعمال کرنے کے بعد سونگھنے سے ممانعت ہو یا صرف سونگھنے سے ممانعت ہو اِس لئے توقف اختیار فرمایا ترجیح حنفیہ اور مالکیہ کے قول کو ہے کیونکہ ایسے موقعہ میں محرِم کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور چونکہ دلیل ظنی ہے اس لئے مکروہ کہیں گے۔ حرام نہ کہیں گے محرم کو مبیح پر ترجیح دینا بھی احتیاط پر مبنی ہے پھر حرام کی جگہ مکروہ کہنا بھی احتیاط پر مبنی ہے۔ ہم دو احتیاطوں پر عمل کرتے ہیں۔ **ولم تر عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بالتبان باساللذین یرحلون ھودجھا**:۔ یہ حضرت عائشہ کا اپنا اجتہاد ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک محرم کے لئے تبان یعنی جانگیا بھی سلوار کی طرح ناجائز ہے اور یہ سلوار کی طرح مخیط میں داخل ہے سلوار کی ٹانگیں بڑی ہوتی ہیں اس کی چھوٹی ہوتی ہیں ولنا روایات جن میں سلوار کے پہننے کی صریح ممانعت ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں آگے دو باب چھوڑ کر روایت آرہی ہے عن ابن عمر مرفوعاً لا یلبس القمص ولا العمائم ولا السراویلات الحدیث

ولعائشۃ۔ ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے۔ جواب ضرورت تو ازار پر رسی باندھنے سے بھی پوری ہو جاتی ہے اس لئے تبان اور جانگیے کی ضرورت نہیں جس کو نیکر یا انڈرویر کہتے ہیں۔ نیکر تو ویسے بھی نوکروں کا لباس ہے۔ نہ نیکر پہننا اچھا نہ پینٹ پہننا اچھا۔ پینٹ میں ستر عورت پورا نہیں ہوتا۔

باب من اھلّ ملبّداً

غرض یہ کہ تلبید کر کے احرام باندھنا جائز ہے تاکہ جوئیں نہ پڑیں اور بال منتشر نہ ہوں بلکہ اگر عبادت اچھی ادا ہونے کی نیت سے احرام سے پہلے تلبید کرے تو عبادت میں داخل ہو جائے گی کیونکہ عبادت کی تیاری بھی عبادت ہے۔

باب الا ھلال عند مسجد ذی الحلیفۃ

غرض یہ ہے کہ اِس مسجد کے پاس سے احرام باندھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے باندھا تھا۔

باب مالا یلبس المحرم من الثیاب

غرض ان کپڑوں کا بیان جن کا پہننا محرم کے لئے منع ہے۔

باب الرکوب والا رتداف فی الحج

غرض یہ ہے کہ سوار ہونا اور سوار کے پیچھے بیٹھنا حج میں جائز ہے۔

باب ما یلبس المحرم من الثیاب والا ردیۃ والا زار

غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے اُس لباس کا ذکر تھا جو محرم کے لئے منع ہے اور جب اس سے فارغ ہوئے تو اب امام بخاری وہ لباس بیان فرمانا چاہتے ہیں جس کا پہننا محرم کے لئے جائز ہے۔

لبست عائشۃ رضی اللہ عنہا الثیاب المعصفرۃ وھی محرمۃ

عندامامنا ابی حنیفۃ عصفور سے رنگا ہوا لباس احرام میں عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے وعندالجمھور جائز ہے منشاء اختلاف یہ ہے کہ ایسا لباس خوشبو لگانے میں داخل ہے یا نہ ہمارے امام صاحب کے نزدیک داخل ہے۔ اور جمہور کے نزدیک داخل نہیں ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے احتیاط کی وجہ سے۔ ولاتلثم :۔ یہ لفظ لثام سے لیا گیا ہے اس کے معنیٰ ہیں وہ پردہ اور نقاب جس سے لبوں کو ڈھانپا جاتا ہے۔

تردع علی الجلد

ردع کے معنیٰ چمٹانے کے ہونے ہوتے ہیں یعنی ایسی خوشبو والا کپڑا منع ہے جس کا جسم بدن سے چمٹتا ہو۔

باب من بات بذی الحلیفۃ

غرض دو تقریریں ہیں۔ ا۔ یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ میقات پر رات گذارنا جائز ہے یہ نہ سمجھیں گے کہ وہ ایسے آدمی کی طرح ہے جو میقات سے بلا احرام باندھے گذر جائے۔ ۲۔ اپنے شہر کے قریب رات گذارنی جائز ہے تاکہ اگر کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آجائے تو وہ آسانی سے جا کر لے آئے دونوں تقریروں پر یہ رات گذارنا سنن مقصودہ اور سنن ھدیٰ میں سے نہیں ہے البتہ عشاق کے لئے اتباع کا سامان ہے اور تبرک کا مقام ہے۔ جیسے حضرت ابن عمر کی عادت مبارکہ تھی۔

باب رفع الصوت بالا ھلال

غرض یہ کہ تلبیہ کہتے وقت آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ یصرخون بھما جمیعا :۔ بھما سے مراد حج اور عمرہ ہیں۔

باب التلبیۃ

غرض۔ ا۔ تلبیہ کہنے کا طریقہ۔ ۲۔ تلبیہ کا حکم کیا ہے۔ پھر حکم تلبیہ میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک تلبیہ کہنا واجب ہے وعندالشافعی واحمد سنت ہے منشاء اختلاف یہ ہے کہ احادیث میں تلبیہ کا امر تو موجود ہے عندابی حنیفہ ومالک یہ امر وجوب کے لئے ہے اور امام شافعی واحمد کے نزدیک سنّت کے لئے ہے ہمارے قول کے راجح ہونے کی وجہ۔ ا۔ اصل امر میں وجوب ہے۔ ۲۔ سلف صالحین سے ایسا احرام منقول نہیں ہے جس میں نہ تلبیہ ہو نہ تلبیہ کے قائم مقام کوئی چیز ہو۔ دوسرا اختلاف :۔ عند مالک جانور کے گلے میں ہار ڈالنا تلبیہ کے قائم نہیں ہے۔ جمہور

کے نزدیک تقلید تلبیہ کے قائم مقام ہے وللجمہور ما نقل مرفوعاً فی تحفۃ القاری بلا ذکر الراوی من قلد بدنہ فقد احرم ولما لک جب تلبیہ واجب ہے تو اداء کرنا ہوگا یا پھر قضاء ہوگی اس کے بغیر ساقط نہ ہوگا جواب نص کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کر سکتے۔

باب التحمید والتسبیح والتکبیر قبل الاهلال عند الرکوب علی الدابة

غرض میں دو تقریریں ہیں۔ا۔احرام باندھ کر تسبیح اور تحمید اور تکبیر کی ممانعت نہیں ہے۔۲۔رد کرنا مقصود ہے امام ابوحنیفہ کے قول کا کہ تسبیح تلبیہ کے قائم مقام ہو جاتی ہے جواب۔امام ابوحنیفہ سے صرف یہ منقول ہے کہ تلبیہ پر تسبیح وتحمید کی زیادتی ہو سکتی ہے یہ منقول نہیں ہے کہ تلبیہ کی جگہ تسبیح وتحمید ہو سکتی ہے۔ثم اهل بحج وعمرة:۔اس حدیث سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قارن ہونا ثابت ہوتا ہے اور حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ قران ہی افضل ہے تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب من اهل حین استوت به راحلة

غرض یہ ہے کہ سواری پر سوار ہوتے وقت تلبیہ کہنا مستحب ہے۔امام بخاری نے گو تصریح نہیں کی لیکن ان کے طرز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک راجح جمہور کا قول ہے کہ تلبیہ کی ابتداء میں افضل یہ ہے کہ سواری پر سوار ہوتے وقت ہو اس کے برخلاف ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ احرام کی دو رکعت پڑھ کر فوراً تلبیہ کہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً فلما صلّی فی مسجد بذی الحلیفۃ رکعتیہ اوجب فی مجلسہ وللجمہور۔ا۔فی ابی داؤد عن انس مرفوعاً فلما رکب راحلتہ واستوت بہ اہل۔۳۔حدیث الباب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال اہل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین استوت بہ راحلتہ قائمۃً جواب دونوں دلیلوں کا یہ ہے کہ یہ دونوں دلیلیں ہمارے خلاف نہیں ہیں کیونکہ جب احرام نماز کے فوراً بعد شروع ہو گیا تو پھر احرام والا بار بار تلبیہ پڑھتا ہے گویا ہماری روایت مثبت زیادۃ ہے ہم سواری پر سوار ہونے سے پہلے بھی تلبیہ ثابت کرتے ہیں اور جمہور نفی کرتے ہیں اور ایسے موقعہ میں مثبت زیادۃ کو ہی ترجیح ہوتی ہے اور یہی بات حضرت ابن عباسؓ نے تفصیل سے بیان فرمائی اجو ابوداؤد میں ہماری مذکورہ روایت میں ہے۔

باب الاهلال مستقبل القبلة

غرض یہ ہے کہ قبلہ رخ ہو کر تلبیہ پڑھنا مستحب ہے۔

باب التلبية اذا انحدر فی الوادی

غرض۔ا۔جب کسی وادی میں اترے تو اس وقت بھی محرم کے لئے مستحب ہے کہ وہ تلبیہ کہے۔۲۔جیسے بلندی پر چڑھتے وقت تلبیہ پڑھنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے ایسے ہی پستی میں اترتے وقت تلبیہ پڑھنا یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ احرام کی حالت میں کسی وادی میں تلبیہ کہتے ہوئے اُترے ہیں اس کی صورت کیا تھی اس کی مختلف توجیہات ہیں۔ا۔موسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک کو جسم مثالی دیا گیا تھا اُس جسم کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔۳۔اکیلی روح مبارک تھی جو جسم کی صورت میں ظاہر ہوئی۔۴۔خواب میں یہ واقعہ دکھایا گیا۔۵۔بیداری ہی میں کشف ایسا ہی ہوتا ہے جیسے آج کل فلم بنائی جاتی اور دکھائی جاتی ہے۔گویا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا واقعہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔

اما موسی کانی انظر الیه اذا انحدر فی الوادی یلبی

اِس عبارت کی معنوی تحقیق تو ہو چکی اب ایک لفظی تحقیق ذکر کی جاتی ہے کہ لفظ کانی لفظ امّا کی جزاء ہے اور کانی سے فاء محذوف ہے اس لحاظ سے اس حدیث پاک سے ان نحوی حضرات کی تردید ہوگئی جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اما کی جزاء سے فاء کا حذف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام قرآن پاک کے بعد فصیح ترین اور بلیغ ترین کلام ہے۔حدیث پاک کی دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ کسی روای نے فاء کو حذف کیا ہے۔

باب کیف تھلّ الحائض والنفساء

غرض حائضہ اور نفساء کے احرام باندھنے کا طریقہ بتلانا ہے اور اشارۃً یہ مسئلہ بھی بتلا رہے ہیں کہ یہ دونوں عورتیں باقی تو سب کام کریں گی صرف طواف اور سعی نہ کریں گی کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور یہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتیں اور سعی طواف پر متفرع ہے۔ واھلی بالحج ودعی العمرۃ:۔ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ متمتعہ تھیں اور تردید ہوگئی امام بیہقی کے قول کی کیونکہ انہوں نے قارنہ قرار دیا ہے۔

باب من اھل فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ھلال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض یہ کہ احرام باندھتے وقت صرف یہ نیت کرلینا کہ میں ایسا ہی احرام باندھتا ہوں جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحیح تھا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ وذکر قول سراقۃ:۔ اس سے مراد وہ قول ہے جو آگے بخاری شریف میں باب عمرۃ التنعیم میں آئے گا ان سراقۃ لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعقبۃ وھو یرمیھا فقال الکم ھذہ خاصۃ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا بل لابد الابد ان ناخذ بکتاب اللہ فانہ یامرنا بالتمام حضرت عمرؓ کے اس قول کا مقصد کیا تھا مختلف قول ہیں ۱۔ فسخ الحج بالعمرہ سے منع فرمانا جیسا کہ مسلم میں ہے کہ فسخ کرنے والے کو مارا کرتے تھے۔ ۲۔ متعہ سے منع فرماتے تھے تنزیہاً اور واتموا الحج والعمرۃ کے معنیٰ کرتے تھے کہ ہر ایک کے لئے الگ سفر ہوتا کہ خانہ کعبہ سارا سال آباد رہے۔ اور پہلے قول پر آیت کے معنیٰ یہ ہوئے کہ حج کا احرام باندھو تو اُسی کو پورا کرو اور عمرہ سے فسخ نہ کرو کہ درمیان میں حج کی جگہ عمرہ کی نیت کرلو۔ ۳۔ کبھی فسخ سے منع کرنا ہوتا تھا کبھی متعہ اصطلاحیہ سے تنزیہاً اور کبھی قرآن اور متعہ دونوں سے منع کرنا ہوتا تھا تنزیہاً کہ دو سفر الگ ہوں۔

باب قول اللہ تعالیٰ الحج اشھر معلومات

غرض یہ ہے کہ اشھر حج سے پہلے احرام نہ باندھو کیونکہ یہ میقات زمانی ہے اور یہ صرف امام بخاری کا اجتہاد ہے جمہور کے نزدیک ممانعت نہیں ہے بلکہ جتنا جلدی باندھے گا عبادت کا ثواب زیادہ ہو گا۔ ذکرہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان یحرم من خراسان اوکرمان:۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں عن الحسن اور تاریخ مرو لاحمد بن سیار میں ہے عن داؤد بن ابی ھند لما فتح عبداللہ بن عامر خراسان قال لاجعلن شکری للہ ان اخرج من موضعی ھذا محرما فاحرم من نیسابور فلما قدم علی عثمان لامہ علی ما صنع۔ جواب۔ یہ منع فرمانا اور ملامت فرمانا صرف شفقۃً تھا تحریماً نہ تھا اس لئے امام بخاری کا اِس سے استنباط فرمانا کہ جیسے میقات مکانی سے پہلے احرام سے حضرت عثمان نے منع فرمایا ایسے ہی میقات زمانی سے پہلے احرام باندھنا بھی منع ہے۔ یہ استنباط صحیح نہیں ہے دلیل جمہور کی مستدرک حاکم کی روایت ہے عن علی فی تفسیر قولہ تعالیٰ واتموا الحج والعمرۃ للہ ان تحرم من دویرۃ اھلک۔ فلم یقدروا علی العمرۃ:۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ ھدی کی وجہ سے اگر مفرد بالحج تھے تو فسخ الحج بالعمرہ کی اجازت نہ تھی اور اگر متمتع یا قارن تھے تو ایسا عمرہ نہ کرسکتے تھے جس کے بعد حلال ہوسکیں کیونکہ ھدی والوں کو درمیان میں حلال ہونے کی شرعاً اجازت نہ تھی۔ یا ھنتاہ:۔ ۱۔ یا ھذہ نہ مدح ہے نہ ذم ہے۔ ۲۔ یا بلھاء ای بھولی بھالی مدح بھی ہوسکتی ہے کہ لوگوں کے مکروشر سے ناواقف اور ذم بھی ہوسکتی ہے کہ ناتجربہ کار ہو اس لفظ کی اصل ھَن بروزن اَخ ہے یہ کنایہ ہوتا ہے اُس چیز سے جس کو تم نام کے ساتھ ذکر نہ کرنا چاہو۔ پھر تاء تانیث کے لئے ہے اور الف اور ھاء نداء کے لئے ہے۔

باب التمتع والاقران والافراد بالحج وفسخ الحج لمن لم یکن معہ ھدی

غرض حج کی تین قسموں کا جواز بیان فرمانا ہے تمتع۔ قِران۔ افراد اور اختلافِ اقوال بیان فرمانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان تین اقسام میں سے کونسی حجۃ الوداع میں عملاً اختیار فرمائی تھی اس کے بعد اسی ترجمۃ الباب کا جو دوسرا حصہ ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ا۔فسخ کے لفظ سے پہلے مشروعیۃ کا لفظ محذوف ہے اور مقصد امام احمد کا قول اختیار کرنا ہے کہ یہ فسخ جائز ہے۔۲۔صرف اختلاف کی طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے جواز کو ترجیح دینا مقصود نہیں اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔لفظ حکم۔ **پہلا اختلاف**:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ حج کے تین طریقوں میں سے سب سے افضل قِران ہے کہ عمرہ اور حج کا اکٹھا احرام باندھا جائے وعند احمد واشھر روایۃ مالک تمتع افضل ہے کہ اشھر حج میں پہلے عمرہ کیا جائے پھر فارغ ہو کر حج کا احرام باندھا جائے وفی روایۃ مالک ومسلک الشافعی افراد افضل ہے......منشاء اختلاف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ہے حجۃ الوداع میں۔روایات تینوں قسم کی ہیں۔

بخاری شریف میں پیچھے دو روایتیں قِران کی گذر چکی ہیں اس کے علاوہ ابوداؤد میں عن انس مرفوعا یلبی بالحج والعمرۃ جمیعا اس سے بھی قِران ثابت ہوا اور افراد کی روایت ابوداؤد میں ہے عن عائشۃ مرفوعاً افرد الحج اور تمتع کی روایت ابوداؤد میں ہے عن ابن عمر تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع۔ترجیح قران کو ہے کیونکہ جو صحابہ کرام قران نقل فرماتے ہیں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کے تلبیے سنے ہیں۔حج کا بھی اکیلے عمرے کا بھی اور دونوں کا اکٹھا بھی کیونکہ قارن تینوں قسم کا تلبیہ پڑھتا ہے اور جو صحابی افراد نقل فرما رہے ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف حج کا تلبیہ سنا ہے کیونکہ مفرد بالحج صرف حج کا نام لیتا ہے اور جن صحابی نے تمتع نقل فرمایا ہے انھوں نے سفر میں صرف عمرہ کا تلبیہ سنا ہے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف حج کا تلبیہ سُنا ہے اس لئے قران ذکر فرمانے والے صحابہ کرام مثبتِ زیادت ہیں اس لئے ان کی روایات راجح ہیں۔ **دوسرا اختلاف**:۔عند احمد فسخ الحج بالعمرہ اب بھی جائز ہے وعند الجمھور اب جائز نہیں ہے وللجمھور روایۃ ابی داؤد والنسائی عن بلال بن الحارث قال قلتُ یارسول اللہ فسخ الحج لنا خاصۃ اولمن بعدنا قال بل لکم خاصۃ ولاحمد روایۃ ابی داؤد جو صحیحین میں بھی آتی ہے عن جابر بن عبداللہ ثم قام سراقۃ بن مالک فقال یا رسول اللہ ارایت متعتنا ھذہ لعامنا ھذا ام للابد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ھی للابد جواب اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اب اشھر حج میں عمرہ کرنا جائز ہے اور یہ جواز کا حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔زمانہ جاہلیت میں اشھر حج میں عمرہ کو حرام سمجھنا اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ہے۔یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ فسخ الحج بالعمرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جائز قرار دے دیا گیا ہے۔یہ معنیٰ کرنے ضروری ہیں تا کہ روایات میں تعارض لازم نہ آئے۔حافظ ابن تیمیہ حنبلی اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تشدد اختیار کیا ہے۔یہاں تک کہ ان دونوں حضرات نے فسخ الحج بالعمرہ کو واجب قرار دے دیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو حج کا احرام باندھ کر جائے گا تو بیت اللہ کو دیکھتے ہی وہ احرام خود بخود ٹوٹ جائے گا اور حافظ ابن القیّم نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ حارث والی حدیث یعنی عن الحارث بن بلال بن الحارث عن ابیہ صحیح نہیں ہے جواب اس روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے نقل فرمایا ہے اور دونوں حضرات نے اس پر سکوت اختیار فرمایا ہے اور اِن دونوں حضرات ابوداؤد اور نسائی کا سکوت بہت سے محدثین کے نزدیک صحیح ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔بلا دلیل اس کو ضعیف کہہ دینا جائز نہیں **ولا نری الا انہ الحج**:۔اس عبارت کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ا۔ہمارا خیال تھا کہ عمرہ کرنا اِن دنوں میں افجر فجور میں سے ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مشہور تھا۔۲۔ہمارا اصل مقصود حج تھا اور ہمارا عمرہ کرنا تبعاً تھا۔۳۔ہماری نیت حج کی تھی تجارت کی نہ تھی۔ **فلما قدمنا تطوفنا بالبیت**:۔اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے طواف ادا فرمایا گویا میں نے نہ کیا کیونکہ میں حائضہ تھی۔اس سے ذوالیدین والی حدیث کے وہی معنیٰ واضح ہو گئے جو حنفیہ لیتے ہیں کہ حضرت

ابو ہریرہ ذوالیدین والی حدیث میں فرماتے ہیں صلی بنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی گو میں ان میں داخل نہ تھا کیونکہ میں تو ۷ھ میں مسلمان ہوا اور ذوالیدین والی حدیث کا واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ہے اور غزوہ بدر ۲ھ میں واقع ہوا۔ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم:۔ سوال یہ امر تو مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ہے اور بعض روایات میں مقام سرف پر امر مذکور ہے یہ تو تعارض ہوا۔ جواب اصل حکم سرف کے مقام پر فرمایا تھا اب مکہ مکرمہ آکر اس کی تاکید فرمادی۔ وعثمان ینھی عن المتعۃ:۔ ممانعت کی توجیہ۔۱۔ فسخ الحج بالعمرہ سے منع فرماتے تھے۔۲۔ متعہ شرعی یعنی حج اور عمرہ کو ایک ہی سفر میں کرنا یہ مراد ہے لیکن اس سے منع فرمانا حضرت عثمان کا تنزیہا تھا۔ وان یجمع بینھما:۔ اس سے مراد قران ہے اور قران سے ممانعت بھی تنزیہی تھی کہ ایک سفر سے بہتر دو سفر ہیں عمرہ کے لئے الگ سفر ہوا اور حج کے لئے الگ سفر ہوتا کہ سارا سال خانہ کعبہ آباد رہے سوال بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے متعہ سے منع کرنے والے حضرت امیر معاویہ تھے اور یہاں آ گیا کہ اُن سے پہلے حضرت عثمان بھی منع فرما چکے ہیں یہ تو تعارض ہوا۔ جواب حضرت امیر معاویہ نے اس منع فرمانے میں مبالغہ اختیار فرمایا تھا اس لئے منع فرمانا اُن کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ الدَّبَر:۔ وہ زخم جو اونٹ کی پشت پر زین وغیرہ باندھنے سے ہو جاتا تھا۔ ایُّ الحِلِّ:۔ ای ایُّ الحِلِ نَحِلُّ۔

قال حِلٌّ کلہ:۔ ای الکم کلہ قال ابو عبداللہ ابو شہاب لیس لہ مسند الا ھذا:۔ اس کے دو معنیٰ کئے گئے۔۱۔ ابو شہاب نے صرف یہی ایک روایت مسنداً نقل فرمائی ہے پھر یہ ابو شہاب ہیں اور ابن شہاب زہری دوسرے ہیں جو مشہور محدّث ہیں۔

باب من لبّٰی بالحج وسماہ

غرض۔۱۔ افضل یہ ہے کہ تلبیہ میں حج یا عمرہ کا نام بھی زبان سے لے لے۔۲۔ بعض جو یہ کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ کا زبان سے نام لینا واجب ہے صرف قلبی نیت کافی نہیں ہے ان کا رد کرنا مقصود ہے کہ زبان سے نام لینا صرف افضل ہے واجب نہیں ہے۔۳۔ فسخ الحج بالعمرہ اب بھی جائز۔ ہے اِسی مسئلہ کی تاکید کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے صرف مسئلہ بیان کیا تھا اب تاکید کرنا چاہتے ہیں۔

باب التمتع علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض۔۱۔ جواز بیان کرنا مقصود ہے تمتع کا اور رد کرنا مقصود ہے اس شخص کا جو تمتع کو مکروہ کہتا ہے۔۲۔ پیچھے یہ بیان کر چکے ہیں کہ حج کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ افراد تمتع' قران' اب اِن تینوں میں سے تمتع کو ترجیح دینا چاہتے ہیں کہ تمتع افضل ہے۔ دونوں قولوں میں یہ اشارہ ہے کہ ہمارے اس قول کی تائید آیت مبارکہ سے ہوتی ہے کیونکہ اتموا الحج والعمرہ میں مراد تمتع اصطلاحی ہے اور آیت کے یہ معنیٰ امام بخاری کی رائے ہے۔ دوسرے حضرات نے دوسری تفسیریں بھی بیان فرمائی ہیں۔ پھر اسی روایت میں جو رجل ہے اس کے مصداق میں تین قول ہیں۔۱۔ حضرت عمر۔۲۔ حضرت عثمان۔۳۔ حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان۔

باب تفسیر قول اللہ تعالیٰ ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام

غرض اِس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان فرمانی ہے۔ اباحہ للناس غیر اھل مکۃ:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ اہل مکہ کے لئے قران اور تمتع جائز نہیں ہے جمہور کے نزدیک جائز ہے البتہ اہل مکہ پر دمِ تمتع اور دم قران نہیں ہے منشاء اختلاف اِس باب کے ترجمہ والی آیت کی تفسیر ہے ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ معنیٰ ہیں ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام یہ عمرہ اور حج کو ایک سفر میں جمع کرنا صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں اور جمہور کے نزدیک معنیٰ یہ ہیں کہ قربانی اِس شخص پر واجب ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں ترجیح

حنفیہ کی تفسیر کو ہے دو وجہ سے۔ا۔ زیر بحث روایت میں سید المفسرین سے یہی تفسیر منقول ہے جو حنفیہ لیتے ہیں۔اباحہ للناس غیر اہل مکۃ کے یہی معنیٰ ہیں کہ عمرہ اور حج کو ایک ہی سال میں جمع کرنا اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا سب لوگوں کے سوائے اہل مکہ کے۔۲۔ دوسرا مرجح ہمارا یہ ہے کہ **ذلک لمن لم یکن** فرمایا ہے اس میں مَن پر لام داخل فرمایا ہے جو نفع اور جواز کے لئے ہوتا ہے اس سے ہماری تفسیر ہی ثابت ہوتی ہے۔ جمہور کی تفسیر جب راجح ہوتی جبکہ یہاں علیٰ ہوتا جو وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

باب الا غتسال عند دخول مکة

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ دخول مکہ کے لئے غسل مستحب ہے اگر غسل نہ کر سکے تو وضو کر لے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم بھی صحیح ہے اور غسل اور وضو کے بغیر بھی داخل ہونے میں گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ صرف مستحب ہیں۔

باب دخول مکة نهاراً اولیلاً

غرض بظاہر یہ بیان کرنا ہے کہ دخول مکہ کے لئے دن اور رات دونوں کا درجہ برابر ہے چاہئے دن میں داخل ہو چاہے رات میں ثواب برابر ہے لیکن اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ دن میں داخل ہونا افضل ہے۔

باب من این یدخل مکة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ ثنیہ عُلیا کی طرف سے داخل ہونا افضل ہے وجہ۔ا۔ ثنیۂ عُلیا مشرق کی جانب ہے اور اسی جانب کعبۃ اللہ کا دروازہ ہے اور بادشاہ کے دربار میں چہرے کی جانب سے داخل ہونا چاہئے اور دروازہ چہرے ہی کی طرح ہے اور مکہ مکرمہ سے نکلنا مغرب کی جانب سے چاہئے کیونکہ اس طرف خانہ کعبہ کا دروازہ نہیں ہے گویا اس طرف پشت ہے۔۲۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو حج کے لئے لوگوں کو پکارا تھا تو وہ بھی ثنیہ عُلیا کی طرف سے پکارا تھا اس لحاظ سے بھی مناسب یہی ہے کہ اسی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو۔

باب من این یخرج من مکة

غرض یہ ہے کہ بہتر ثنیہ سفلیٰ کی طرف سے نکلنا ہے دو وجہیں گذشتہ باب میں گزر چکیں۔

باب فضل مکة وبنیانها

غرض مکہ مکرمہ کی فضیلت اور اس کی تعمیر کا بیان ہے **عن الجدر**:۔ جدار ہی کو ایک لغت کے لحاظ سے جدر بھی کہتے ہیں مراد یہاں حطیم ہے اور بعض نسخوں میں یہاں الحجر ہے یعنی حطیم۔

باب فضل الحرم

غرض حرم پاک کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب توریث دور مکة وبیعها وشرائها وان الناس فی المسجد الحرام سواء خاصة

غرض امام شافعی واحمد کے قول کی تائید ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین و مکان کی بیع جائز ہے اور مساوات صرف مسجد حرام میں ہے مکہ مکرمہ کے مکانات میں مساوات نہیں ہے وعندامامنا ابی حنیفۃ و مالک مکہ مکرمہ کی زمین کی بیع جائز نہیں ہے عمارت کی بیع اور کرایہ پر دینا جائز ہے منشاء اختلاف فتح مکہ کی صورت ہے ہماری تحقیق یہ ہے کہ فتح مکہ عنوۃ ہوئی ہے اور فتح کے بعد مکہ مکرمہ کی زمین تقسیم نہیں کی گئی بلکہ وقف کردی گئی اور وقف کی بیع جائز نہیں ہے اور امام شافعی واحمد کے نزدیک صلحاً فتح ہوئی ہے اور جو مالک پہلے تھے ان کو ہی برقرار رکھا گیا ہے اس لئے وہ اور ان کے وارث اپنی زمین کو بیچ سکتے ہیں ترجیح حنفیہ اور مالکیہ کے قول کو ہے وجہ۔ا۔ اولاً فتح غلبہ سے ہوئی پھر نرمی کے طور پر معاملہ صلح کا کیا گیا اس طرح دونوں قسم کی روایات جمع ہو جاتی ہیں اور مدار ابتداء پر ہوتا ہے۔۲۔ جہاں ممانعت بیع کا ذکر ہے وہاں زمین کی بیع مراد ہے اور جہاں جواز کا ذکر ہے وہاں عمارت مراد ہے اس لئے ہم ہر قسم کی روایات کو جمع کرتے ہیں۔

باب نزول النبی صلی الله علیه وسلم مکة

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ وادی محصب میں اترنا مستحب ہے وجہ۔ ا۔ شکر کا اظہار کہ جس جگہ کفار قریش نے بنی ہاشم کو بند کر دیا تھا وہاں

اب اسلام کا غلبہ پایا گیا۔۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔۳- حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا اتباع اس کے خلاف جو حضرت ابن عباس سے منقول ہے لیس التحصب بشئی اس کے معنی یہ ہیں کہ محصب میں رات گزارنا مناسک حج میں داخل نہیں ہے۔ حیث تقاسموا علی الکفر:۔ نبوت کے ساتویں سال جب حضرت جعفر اور ان کے ساتھی حبشہ تشریف لے گئے اور نجاشی نے ان کی بہت عزت کی تو قریش کے کفار کو بہت صدمہ پہنچا انہوں نے بنی کنانہ سے معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا کہ بنی ہاشم سے نکاح اور خرید وفروخت بند ہے جب تک کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ نہیں کرتے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے منصور بن عکرمہ نے یہ معاہدہ لکھا اور اس کا ہاتھ بعد میں شل ہو گیا۔ بنو مطلب بنی ہاشم کے ساتھ مل گئے اور ابولہب نکل کر کفار قریش سے جا ملا۔ غلہ اور قافلہ بھی بنی ہاشم پر بند کر دیا۔ صرف موسم حج میں باہر نکلتے تھے تین سال بہت مشقت اٹھائی پھر دسویں سال نبوت سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع فرمائی کہ ان کے معاہدہ والے کاغذ کو کیڑے نے کھا لیا ہے صرف وہ حصہ چھوڑا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا نام تھا باقی ظلم وستم کی باتوں کو کیڑے نے کھا لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات خواجہ ابوطالب کو بتلائی انہوں نے کفار قریش کو بتلائی اور کہا کہ اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو اپنی بری رائے کو چھوڑ دو اور اگر جھوٹا ہے تو میں اس کو تمہارے سپرد کر دونگا پھر چاہو تو قتل کرو اور چاہو تو زندہ رکھو انہوں نے کہا کہ آپ نے پورا انصاف کیا ہے دیکھا تو وہ کاغذ واقعی کھایا ہوا تھا تو یہ قطع تعلق ختم ہو گئی۔ قال ابوعبداللہ بنی المطلب اشبہ:۔ وجہ یہ ہے کہ عبدالمطلب تو ہاشم کے بیٹے ہیں اس لئے بنی ہاشم میں بنی عبدالمطلب آ گئے البتہ مطلب ہاشم کے بھائی ہیں اور عبد مناف کے یہ دونوں بیٹے ہیں۔ نسب مبارک یوں ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف

باب قول اللہ تعالیٰ واذقال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد امنا الایة

غرض اہل مکہ کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر کرنا ہے۔ سوال حدیث ذکر نہ فرمائی۔ جواب شرط پر نہ ملی۔

باب قول اللہ تعالیٰ جعل اللہ الکعبة البیت الحرام قیاماً للناس الایة

غرض سے پہلے قیام کے معنیٰ ذکر کئے جاتے ہیں قیام کے معنی ہیں مایقوم بہ الشئی۔ پھر خانہ کعبہ کو جو قیاماً للناس قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے بعض اہم معاملات کا مدار بھی خانہ کعبہ پر ہے مثلاً ۱- حج کا ذریعہ ہے۔۲- عمرہ کا ذریعہ ہے ۳- نماز کا قبلہ ہے اور دنیا کے بعض اہم معاملات کا مدار بھی خانہ کعبہ پر ہے مثلاً ۱- امن کا ذریعہ ہے ۲- دنیا کا مبدأ ہے کہ زمین کی سب سے پہلے یہی جگہ بنائی گئی تھی جہاں خانہ کعبہ ہے۔ ۳- جب خانہ کعبہ شہید ہوگا تو دنیا ختم کر دی جائے گی اب غرض ذکر کی جاتی ہے۔ ترجمۃ الباب میں اور احادیث میں چند امور اشارۃً ذکر کئے گئے ہیں وہی امام بخاری کی اغراض ہیں۔ ۱- کعبۃ اللہ کا احترام واجب ہے۔۲- دنیا کی ابتداء بھی خانہ کعبہ کی جگہ سے ہوئی اور انتہاء بھی خانہ کعبہ سے ہی ہوگی۔ ۳- یاجوج ماجوج کے ظاہر ہونے کے بعد بھی خانہ کعبہ کا حج ہوتا رہے گا۔۴- قرب قیامت تک خانہ کعبہ امن کا ذریعہ بنا رہے گا۔ والاول اکثر یعنی پہلی روایت جس میں حج کا اثبات ہے اس کے راوی زیادہ ہیں اور نفی کے راوی فقط شعبہ ہیں اس لئے اثبات والی روایت راجح ہے۔ امام بخاری کی یہ کلام اس پر مبنی ہے کہ قول شعبہ اور روایت اولیٰ میں تعارض مانا جائے کہ روایت اولیٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کی قریبی نشانیوں کے بعد بھی حج ہوگا اور قول شعبہ سے نہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کی قریبی نشانیوں سے پہلے بھی اور پیچھے بھی حج ہوتا رہے گا جب تک دنیا قائم ہے۔

باب کسوة الکعبة

غرض میں اقوال مختلف ہیں۔ ۱- کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ میں چڑھایا

گیا۔ حضرت علی کے زمانہ میں فتنوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں چڑھایا گیا بعد میں بھی ہر زمانہ میں خلفائے غلاف چڑھایا ہے زیر بحث باب کی حدیث میں حضرت عمر کا غلاف والے کعبہ میں بیٹھنا اوراعتراض نہ فرمانا غلاف کے جواز کی دلیل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلاف چڑھانے کا ذکر گذشتہ باب کی روایت میں ہے۔ **عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت کا نوایصومون عاشوراء قبل ان یفرض رمضان وکان یوماً تستر فیه الکعبة.** ۲- دوسرا قول غرض میں یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا جو غلاف اتارا جائے اس کے ٹکڑوں کو لوگوں میں تقسیم کر دینا ایسے ہی جائز ہے جیسے خانہ کعبہ کے مال کو تقسیم کرنا جائز ہے اس تقریر سے روایت کی مناسبت باب کی غرض سے واضح ہوگئی۔ ۳- غرض میں تیسرا قول یہ ہے کہ کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے کا استحباب بیان فرمانا مقصود ہے کہ جیسے خانہ کعبہ کے خزانہ میں مال ڈالنا تعظیم ہے ایسے ہی غلاف ڈالنا بھی تعظیم ہے اس لئے دونوں مستحب ہیں۔

باب هدم الکعبة

غرض اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں کعبۃ اللہ کو گرا دیا جائے گا۔ **فیخسف بھم** یعنی کافروں کا جو لشکر خانہ کعبہ پر حملہ کرنے آئے گا اس کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور یہ کعبۃ اللہ کی آخری تعظیم ظاہر کی جائے گی۔ **کانی بہ اسود:**۔ بہ کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمال ہیں ا- بیت اللہ اور اس پر قرینہ حالیہ ہے ۲- قالع اور اس پر بھی قرینہ حالیہ ہے۔ ۳- ضمیر مبہم ہے اور اس کی تفسیر بعد میں ہے اسود۔ **افج** :۔ اس کے معنی۔ ا- جس کے پاؤں کے اگلے حصے قریب ہوں اور پچھلے حصے دور ہوں۔ ۲- جس کی فخذین یعنی رانیں دور دور ہوں۔ **باب ماذکر فی الحجر الاسود:**- حجر اسود کی شان بیان فرمانی مقصود ہے۔ بعض احادیث میں حجر اسود کو یمین اللہ فی الارض قرار دیا گیا ہے اس لئے استلام حجر اسود یہ ایک درجہ میں اللہ تعالیٰ سے مصافحہ اور بیعت ہے۔ اور ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے۔ نزل من الجنۃ اشد بیاضاً من اللبن فسودتہ خطایا بنی آدم۔

لولا انی رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ماقبلتک:۔ اسی مضمون کو لیلیٰ کے مجنوں نے یوں ادا کیا ہے۔

امرُّ علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذا الجدار وذاالجدار
وماحب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

باب اغلاق البیت و یصلی فی ایّ نواحی البیت شاء

دو مسئلے بیان فرمانے مقصود ہیں:۔ بیت اللہ کو بند کرنا جائز ہے۔ ۲- اس میں نماز جس طرف چاہے منہ کر کے پڑھ لے ٹھیک ہے۔ اس دوسرے مسئلہ کی دلیل اس باب کی حدیث کا وہ طریق ہے جو آئندہ باب میں مذکور ہے۔ **فاغلقوا علیھم** وجہ ا- تاکہ بھیڑ نہ ہو۔ ۲- تاکہ دخول کعبہ کو مناسک حج میں سے شمار نہ کیا جائے۔

باب الصلوٰة فی الکعبة

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنی جائز ہے **اختلاف**:۔ عند مالک فرائض کعبہ میں صحیح نہیں وعند الجمہور فرائض ونوافل دونوں صحیح ہیں۔ امام شافعی کا مسلک ہدایہ میں غلطی سے امام مالک کے ساتھ مذکور ہے ولنا حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے۔ عن ابن عمر اخبرہ بلال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فیہ اور استقبال قبلہ میں غیر راکب کے لئے نفل وفرض برابر ہیں ولمالک استقبال قبلہ کا حکم قرآن پاک سے ثابت ہے اور خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے والا من وجہ استقبال کرتا ہے اور من وجہ استدبار کرتا ہے۔ اس لئے نماز صحیح نہیں ہوگی اور نفلوں میں کچھ نرمی ہے اسی لئے نفل سواری پر بلا استقبال صحیح ہو جاتے ہیں۔ جواب۔ مقصود بعض کعبہ کا استقبال ہے کسی ایک حصہ کا استقبال ہو جائے تو نماز صحیح ہے اور یہ چیز خانہ کعبہ کے اندر حاصل ہے پورے خانہ کعبہ کا استقبال تو ہمارے اختیار سے باہر ہے کیونکہ ہمارا بدن اتنا لمبا اور اتنا چوڑا نہیں ہے کہ خانہ کعبہ پورے کا پورا ہمارے بدن کے سامنے ہو پس جو مقصود ہے وہ حاصل ہے باہر بھی اور اندر

بھی۔یتوخی:۔تحری حضرت ابن عمر تلاش کرتے تھے۔

باب من لم یدخل الکعبة

غرض اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ دخول کعبہ مناسک حج میں سے ہے اور اس مقصد کے لئے حضرت ابن عمر کے عمل سے استدلال فرمایا ہے امام بخاری نے کہ وہ باوجود عاشقانہ شان کے اور باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول کعبہ اور صلوٰۃ فی الکعبہ نقل کرنے کے کثرت سے حج کرتے تھے اور بیت اللہ میں داخل نہ ہوتے تھے معلوم ہوا کہ دخول کعبہ مناسک حج میں سے نہیں ہے۔

باب من کبر فی نواحی الکعبة

غرض یہ ہے کہ برکت حاصل کرنے کے لئے تکبیر کہہ لینا بھی بہت بڑی سعادت ہے تعارض کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ مثبت زیادت کو ترجیح حاصل ہے۔ باب کیف کان بدء الرمل:۔ غرض۔رمل کی ابتداء بیان کرنی ہے کہ کیسے ہوئی تھی۔

باب استلام الحجر الاسود حین یقدم مکة اول مایطوف ویرمل ثلثا

استلام حجر کا مسنون ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔

باب الرمل فی الحج والعمرة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ رمل حج اور عمرہ میں مسنون ہے رمل یہ ہے کہ طواف کے تین چکروں میں چادر دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر دونوں کنارے ڈال دینا اور تین چکر بھاگ کر اور پہلوانوں کی طرح اکڑ اکڑ کر لگانا اور رمل کے مسنون ہونے پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے صرف ابن عباس کا قول منقول ہے کہ سنت نہیں ہے مرضی ہے کرے مرضی ہے نہ کرے۔ منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ہے کہ آپ نے جو رمل فرمایا یہ جواز کے درجہ میں تھا یا سنیت کے درجہ میں تھا حضرت ابن عباس کے نزدیک جواز کے درجہ میں تھا اور جمہور کے نزدیک سنت کے درجہ میں تھا ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں اصل اسوہ حسنہ ہونا ہی ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة

باب استلام الرکن بالمحجن

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ عذر کے موقعہ میں اگر حجر اسود تک ہاتھ نہ پہنچے تو چھڑی اور شاخ حجر اسود کو لگا کر اس شاخ کو چوم لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ یستلم الرکن بمحجن:۔اور مسلم شریف میں اس کے بعد یہ بھی ہے ویقبل المحجن۔

باب من لم یستلم الاالرکنین الیمانیین

تقدیر عبادت یہ ہے کہ خبر محذوف ہے فلہ اصل من السنة۔ اس تقدیر عبارت سے غرض بھی واضح ہوگئی کہ ان ائمہ کا قول ذکر کرنا ہے جو صرف رکنین یمانیین کا استلام کرتے ہیں کہ ان کے پاس بھی دلیل ہے۔ اختلاف:۔حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے نزدیک چاروں کونوں کا استلام مستحب ہے رکنین یمانیین کا بھی اور رکنین شامیین کا بھی اور جمہور کے نزدیک صرف یمانیین کا مسنون ہے شامیین کا نہیں نہ مستحب نہ مسنون۔ وللجمہور ۱۔فی مسلم عن ابن عباس لم ار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستلم غیر الرکنین الیمانیین۔۲۔ ثانی الباب عن ابن عمر قال لم ار النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستلم من البیت الا الرکنین الیمانیین ولمعاویة وابن الزبیر اول الباب عن معاویة لیس شی من البیت مھجورا جواب۔نص کے مقابلہ میں اجتہاد پر عمل نہیں ہوسکتا۔ ومن یتقی شیئا من البیت:۔یہ استفہام انکاری ہے کہ کون ہے جو بچتا ہے بیت اللہ کے کونوں میں سے کسی سے مقصد یہ ہے کہ نہ بچنا چاہئے اور نہ چھوڑنا چاہئے بلکہ چاروں کونوں کا استلام کرنا چاہئے۔

باب تقبیل الحجر

غرض حجر اسود کے استلام اور تقبیل کے مسنون ہونے کا ذکر ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ اس کی فضیلت ثابت ہے رکن یمانی پر کیونکہ رکن یمانی کا صرف استلام ہے اور حجر اسود کا استلام بھی ہے اور تقبیل بھی ہے۔ استلام کی صورت صرف دونوں ہاتھوں کا اس

کونے پر رکھ دینا ہے اور تقبیل کے معنیٰ چومنا ہے۔

باب من اشار الی الرکن اذااتی الیه

غرض یہ ہے کہ استلام نہ ہو سکے تو دور سے رکن کی طرف اشارہ بھی کافی ہے

باب التکبیر عند الرکن

غرض یہ ہے کہ حجر اسود کے پاس اللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔

باب من طاف بالبیت اذا قدم مکة قبل ان یرجع الی بیة ثم صلی رکعتین ثم خرج الی الصفا

غرض حضرت ابن عباس اور امام اسحٰق بن راھویہ کے قول کی تردید ہے وہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا صرف طواف کر کے حلال ہو جاتا ہے امام بخاری اور جمہور کے نزدیک طواف کے بعد صفا مروہ کی سعی اور حلق یا تقصیر کے بعد حلال ہوتا ہے۔ ہماری جمہور کی دلیل ثانی الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً کان اذا طاف فی الحج والعمرۃ اول مایقدم یسعی ثلثۃ اطواف ومشی اربعۃ ثم سجد سجدتین ثم یطوف بین الصفا والمروۃ ولاسحٰق وابن عباس اول الباب عن عروۃ بن الزبیر اس روایت میں مرفوعاً اور عمل ابی بکر اور عمل عمر میں طواف ہی کا ذکر ہے پھر حضرت زبیر اور بعض دوسرے حضرات کے متعلق ہے کہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا فلما مسحوا الرکن حلوا اس کے یہ معنیٰ تو بالا جماع نہیں ہیں کہ طواف کے بغیر صرف استلام سے ہی حلال ہو گئے بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ طواف کے بعد حلال ہوئے۔ جواب۔۱- یہاں طواف کے ساتھ سعی اور حلق بھی محذوف ہیں اور شہرت کی وجہ سے حذف واقع ہوا ہے۔۲- مسحوا رکن المروہ مراد ہے۔۳- اس روایت میں مختصراً حجۃ الوداع کے واقعات کا ذکر ہے اور حجۃ الوداع میں سعی اور حلق ثابت ہیں پس اس مجمل کو مفصل پر محمول کریں گے۔ عن محمد بن عبدالرحمٰن ذکرت لعروۃ قال فاخبرتنی عائشۃ:۔ اس روایات کی تفصیل مسلم شریف میں ہے حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد بن عبدالرحمٰن نے حضرت عروۃ بن الزبیر کے پاس حضرت ابن عباس کا قول نقل فرمایا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی حج کا احرام باندھے تو طواف شروع کرتے ہی حج کا احرام فسخ ہو کر عمرہ کا احرام بن جاتا ہے ارادہ کرے یا نہ کرے اس قول کا رد فرمایا حضرت عروۃ ابن الزبیر نے اور اس رد کا حاصل یہی ہے کہ فسخ الحج بالعمرۃ یہ صرف ان صحابہ کی خصوصیت تھی جو حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہدی ساتھ نہ تھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حلال نہ ہوئے تھے اور اب قیامت تک ہر مفرد بالحج اور قارن کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ حلال نہیں ہوتا اور اس کا حج فسخ ہو کر عمرہ نہیں بنتا۔ ثم لم تکن عمرۃ:۔ اس کے مختلف معنیٰ کئے گئے ہیں۔۱- فسخ الحج بالعمرہ نہ ہوا۔۲- حجۃ الوداع کے بعد وفات تک عمرہ نہ پایا گیا۔۳- مستقل سفر حجۃ الوداع کے بعد عمرہ کے لئے نہ فرمایا یعنی سفر حج میں حج کے بعد عمرہ پایا گیا ہو تو اس کی نفی نہیں ہے۔

باب طواف النساء مع الرجال

غرض یہ ہے کہ عورتوں کا طواف مردوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں جائز ہے جبکہ خلط نہ ہو جیسے نماز میں عورتیں مردوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں شریک ہوتی ہیں لیکن صف پیچھے ہوتی ہے۔ ادرکتہ بعد الحجاب:۔ ای ادرکت الطواف یہ مقولہ حضرت عطاء کا ہے جو تابعی ہیں اور یہ گفتگو ابن جریج اور حضرت عطاء کے درمیان ہے۔ تطوف حجرۃ من الرجال:۔ مردوں سے الگ رہتے ہوئے۔ متنکرات:۔ اور ایک نسخہ میں ہے متسترات دونوں کے ایک ہی حاصل معنیٰ ہیں پہچانی نہ جائیں۔ چھپی رہیں۔ رائیت علیھا درعاً موردأ:۔۱- چونکہ یہ اس وقت صغیر تھے اس لئے دیکھ لیا۔۲- اچانک نگاہ پڑ گئی۔ باب الکلام فی الطواف:۔ غرض یہ ہے کہ طواف کے دوران گفتگو جائز ہے اور اس سے طواف نہیں ٹوٹتا۔ نماز کی طرح نہیں ہے۔ نماز تو گفتگو سے ٹوٹ جاتی ہے طواف نہیں ٹوٹتا۔ باب اذا رای سیراً اوشیأ

یکرہ فی الطواف قطعہ:۔ غرض یہ ہے کہ اگر کوئی طواف میں دیکھے کہ دو آدمیوں نے اپنے درمیان دھاگا باندھ رکھا ہے یا اور کوئی ایسی نامناسب چیز دیکھے تو اس کو ختم کردے اور ختم کردینا جائز ہے۔ سیر کے لفظ سے ایسا دھاگا ہی مراد ہے جس سے دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو باندھ رکھا ہو۔ **باب لایطوف بالبیت عریان ولایحج مشرک**:۔ غرض یہ دو حکم بیان کرنے ہیں ا۔ ننگا طواف حرام ہے اور ۲۔ کسی کافر کو حج کرنے کی ہم اجازت نہیں دے سکتے۔

باب اذا وقف فی الطواف

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ طواف کے درمیان میں کھڑے ہونے سے طواف نہیں ٹوٹتا بلکہ اگر درمیان میں نماز بھی پڑھ لے تو جہاں سے طواف چھوڑا ہے وہاں سے ہی شروع کرسکتا ہے۔

باب صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لسبوعہ رکعتین

غرض طواف کے بعد دو رکعت کا ثبوت بیان کرنا ہے پھر ان رکعتوں کا درجہ عندامامنا و مالک وجوب کا ہے وعندالشافعی و احمد سنیت کا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنا مسلک صراحۃ بیان نہیں فرمایا بظاہر ان کے طرز سے وجوب ہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعا ثم صلی خلف المقام رکعتین ہمارے نزدیک کبھی نہ چھوڑنا وجوب کی علامت ہے اور امام شافعی واحمد کے نزدیک صرف عمل سے سنیت ہی ثابت ہو گی ترجیح ہمارے قول کو ہے آیت کی وجہ سے **واتخذو امن مقام ابراھیم مصلی** اس میں مراد طواف کی رکعتیں ہی ہیں۔

باب من لم یقرب الکعبۃ ولم یطف حتیٰ یخرج الی عرفۃ ویرجع بعد الطواف الاول

غرض امام مالک کے قول کی تائید ہے کہ طواف قدوم سے طواف زیارت تک کوئی طواف جائز نہیں ہے وعندالجمہور جائز ہے منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس زمانہ میں طواف نہ کرنا ہے ان کے نزدیک یہ کراہۃ اور ممانعت پر محمول ہے ہمارے نزدیک یہ خوف فرض پر محمول ہے ہمارے قول کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت امت پر بہت زیادہ تھی یہ اسی کا تقاضی کرتی تھی کہ امت پر تخفیف کا بہت خیال کیا جائے جیسے تراویح کی جماعت ترک فرمائی تھی اسی خوف سے۔

باب من صلی رکعتی الطواف خارجا من المسجد

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ طواف کی دو رکعتیں مسجد حرام سے باہر بھی پڑھنی جائز ہیں۔

باب من صلی رکعتی الطواف خلف المقام

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت طواف کی پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب الطواف بعد الصبح والعصر

ای باب رکعتی الطواف بعد الصبح والعصر اس تقدیر عبارت سے غرض بھی واضح ہوگئی کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد طواف کی رکعتیں پڑھنے کا حکم بیان فرمانا چاہتے ہیں پھر امام بخاری کا مقصد اپنا مسلک بیان کرنا ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ ا۔ مقصد یہ ہے کہ اپنا مسلک نہ ذکر فرماویں اختلاف آثار کی وجہ سے ۲۔ اپنا مسلک اشارۃً بیان فرمانا مقصود ہے کیونکہ ترجمہ کے فوراً بعد اپنا مسلک ظاہر فرمانے کے لئے ابن عمر والا اثر نقل فرمایا ہے۔ **اختلاف**:۔ عندامامنا و مالک مکروہ ہیں وعندالشافعی و احمد بلاکراہت جائز ہیں ولنا روایۃ مسلم عن عقبۃ بن عامر مرفوعا اوقات ثلثہ مکروھہ والی روایت وللشافعی واحمد۔ ا۔ ابن عمر والا اثر اسی باب میں تعلیقاً وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یصلی رکعتی الطواف مالم تطلع الشمس جواب۔ ا۔ طحاوی شریف میں اس کے خلاف ہے

عن نافع ان ابن عمر قدم عند صلوٰۃ الصبح فطاف ولم یصل الا بعد ماطلعت الشمس پس تعارض کی وجہ سے ابن عمر کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا اذا تعارضا تساقطا۔۲-محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔۲- دوسری دلیل امام شافعی واحمد کی حدیث الباب عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان ناسا طافوا بالبیت بعد صلوٰۃ الصبح ثم قعدوا الی المذکر حتیٰ اذا طلعت الشمس قاموا یصلون فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا قعدوا حتیٰ اذا کانت الساعۃ التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ قاموا یصلون۔ جواب۔۱-محرم کو مبیح پر ترجیح ہے۔۲-فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن عائشۃ موقوفاً ان کا فتویٰ منقول ہے جس میں صراحۃ ارتفاع سے پہلے اور بعد الصبح کراہت بیان کی گئی ہے پس تعارض کی وجہ سے استدلال نہیں ہوسکتا اذا تعارضا تساقطا۔

باب المریض یطوف راکبا

غرض امام ابوحنیفہ و مالک کے قول کی تائید ہے کہ مرض اور عذر کی وجہ سے طواف سوار ہو کر جائز ہے بلا عذر جائز نہیں وعند الشافعی واحمد بلاعذر بھی جائز ہے صرف خلاف اولیٰ ہے۔ منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار ہو کر طواف فرمانا ہے جیسا کہ حدیث الباب میں عن ابن عباس مرفوعاً وارد ہے طاف بالبیت وھو علی بعیر ہم اس روایت کو عذر پر اور وہ حضرات بیان جواز پر محمول کرتے ہیں ہمارے لئے مرجح۔۱-فی ابی داؤد عن ابن عباس قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یشتکی فطاف علی راحلۃ ۔۲- فی ابی داؤد و النسائی وابن ماجۃ عن ابن عباس مرفوعاً وموقوفاً الطواف بالبیت صلوٰۃ الا ان اللہ اباح فیہ الکلام وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان۔

طواف میں وضوء شرط ہے یا نہ:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ شرط نہیں البتہ فرض سے کم درجہ جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وہ ثابت ہے وعندالجمھو رشرط ہے۔ منشاء اختلاف یہی روایت ہے جس میں طواف کو صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک خبر واحد سے وجوب ثابت ہوا جمہور کے نزدیک فرضیت اور شرطیت ثابت ہوگئی ترجیح اصول کی قوت کی وجہ سے ہے کہ ظنی دلیل سے فرضی قطعی کیسے ثابت ہوسکتا ہے اور قرآن پاک کے مطلق کو جو اس آیت میں ہے ولیطوفوا بالبیت العتیق اس کو ظنی خبر واحد سے کیسے مقید کیا جاسکتا ہے البتہ وجوب ثابت ہے کیونکہ ظنی دلیل سے وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔ **باب سقایۃ الحاج:۔** غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانا بہت فضیلت کا کام ہے۔ **باب ماجاء فی زمزم:۔** غرض ۱- وہ روایات بتلانی ہیں جو ماءِ زمزم کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ۲- ماءِ زمزم کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے پھر فضیلت میں وارد ہے۔۱-فی المستدرک عن ابن عباس مرفوعاً ماء زمزم لما شرب لہ۔۲-فی الطبرانی عن ابن عباس مرفوعاً خیر ماء علی وجہ الارض ماء زمزم فیہ طعام الطعم وشفاء السقم پھر ماءِ زمزم لے کر آنا دوسری جگہ سے مستحسن ہے لما فی الترمذی عن عائشۃ کہ وہ خود بھی ماءِ زمزم لیجایا کرتی تھیں اور خبر دیتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لیجایا کرتے تھے۔

باب طواف القارن:۔ غرض میں دو قول ہیں۔۱- امام بخاری تردد ظاہر فرمانا چاہتے ہیں کہ قارن ایک طواف کرتا ہے یا دو اور ایک سعی کرتا ہے یا دو۔۲- امام بخاری جمہور کے قول کی تائید کرنا چاہتے ہیں کہ قارن ایک طواف ہی کرے گا۔ **اختلاف:۔** عندامامنا ابی حنیفۃ قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا اور عندالجمھو ر ایک طواف اور ایک سعی کرے گا ولنا فی مصنف عبدالرزاق والدار قطنی حضرت علی نے دو طواف اور دو سعی فرمائیں اور فرمایا ھکذا رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وللجمھو ر روایۃ ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً طوافک بالبیت و بین الصفا والمروۃ یکفیک لحجک وعمر تک جواب حلال ہونے کے لئے ایک طواف اور ایک سعی دونوں عبادتوں حج اور عمرہ کے لئے کافی ہیں۔ بظاہر شبہ تھا کہ چونکہ عبادتیں قارن دو کرتا ہے ایک ہی احرام میں اس لئے ان دونوں عبادتوں کا احرام کھولنے کے لئے شاید دو طواف اور دو عدد سعی کرنی پڑیں اس شبہ کا ازالہ فرما دیا کہ دونوں عبادتوں سے حلال ہونے کے لئے صرف ایک طواف اور ایک سعی کافی ہیں یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ جب سے احرام باندھا ہے اس وقت سے لے کر ایک طواف اور ایک سعی ہی کافی ہیں کیونکہ طواف قدوم اور طواف وداع تو سب کے نزدیک کیا جاتا ہے اس لئے صرف ایک طواف تو کسی کے نزدیک بھی کافی نہیں ہوتا۔ پھر حنفی مذہب میں اس

تقریر کے علاوہ بھی کچھ مرجح ہیں مثلاً۔ا۔ہمارا مسلک مثبت زیادت ہے کیونکہ ہم دو طواف اور دو سعی کے قائل ہیں اور جمہور ایک طواف اور ایک سعی کے قائل ہیں۔۲۔ہمارا مسلک حضرت علی سے منقول ہے اور مشہور ہے کہ انہوں نے دو طواف اور دو عدد سعی کی تھیں اور حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۳۷ اونٹ بھی اس موقعہ میں ذبح فرمائے تھے اور ۶۳ اونٹوں کے نحر کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد بھی کی تھی اور احرام بھی اسی طرح باندھا تھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا۔اس لئے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے عمل سے حنفی مسلک ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے دلائل میں ذکر کیا گیا۔۳۔حضرت علی بھی فتویٰ اپنے زمانہ خلافت میں دیا کرتے تھے اور ان پر کسی کا انکار منقول نہیں ہے اس لئے کثیر صحابہ کی تائید بھی ان کے فتوے کو حاصل ہے۔۴۔حضرت ابن مسعود بہت بڑے فقیہ صحابی تھے ان کا فتویٰ بھی حنفی مذہب کے مطابق ہی منقول ہے۔

ظھرہ:۔سواری ان کی۔ **ولم یزد علی ذلک:**۔اس کے معنیٰ۔ا۔آگے جو عبارت آرہی ہے وہ اسی کی تفسیر ہے یعنی لم یحل من شئی۔۲۔ایک ہی قربانی حج اور عمرہ کے لئے کی ایک سے زائد قربانی نہ کی۔

ورأی ان قد قضی طواف الحج والعمرۃ بطوافہ الاول:۔اس طواف اول سے مراد طواف زیادۃ ہے طواف قدوم مراد نہیں ہے۔

باب الطواف علی وضوء:۔غرض یہ ہے کہ طواف باوضو ہونا چاہئے پھر وضو کا درجہ بیان نہ فرمایا کہ شرط ہے یا واجب ہے یا مستحب ہے کیونکہ امام بخاری کو اس میں تردد تھا اور اختلاف پیچھے گزر چکا ہے۔ باب المریض یطوف راکبا میں جو زیر بحث باب سے پہلے تین باب چھوڑ کر ہے۔ **ثم لم تکن عمرۃ:**۔یعنی فسخ الحج بالعمرہ نہ فرمایا۔اس حدیث کے کچھ مباحث پیچھے بھی گزر چکے ہیں پھر عمرۃً کو منصوب پڑھیں تو کان ناقصہ ہوگا یا افعال عمرہ نہ بنے اور عمرۃٌ کو مرفوع پڑھیں تو کان تامہ ہوگا۔ **فلما مسحوا الرکن حلوا:**۔ان حضرات کی نیت صرف عمرہ کی تھی اس لئے استلام اور طواف اور سعی کے بعد حلال ہو گئے مزید توجیہات پیچھے گزر چکی ہیں باب من طاف بالبیت اذا قدم مکۃ الخ میں جو زیر بحث باب سے چودہ باب چھوڑ کر پہلے واقع ہے۔

باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ

ای وجوب السعی بین الصفا والمروۃ کیونکہ وجوب کا تعلق افعال عباد سے ہوتا ہے کسی مکان کی ذات سے نہیں ہوتا۔غرض بظاہر جمہور ہی کی تائید کرنا ہے **اختلاف** عندامامنا ابی حنیفۃ سعی فرض نہیں ہے بلکہ فرض سے کم درجہ ہے جس کو حنفیہ واجب کہتے ہیں وعندالجمہور فرض ہے منشاء اختلاف مسند احمد کی روایت ہے عن صفیۃ بنت شیبۃ مرفوعاً کتب علیکم السعی فاسعوا یہ روایت ہمارے نزدیک وجوب پر دال ہے کیونکہ خبر واحد ہے اور ظنی ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک فرضیت پر دال ہے ترجیح حنفیہ کے قول کو اصول کی وجہ سے ہے کہ ظنی چیز سے فرض قطعی نہیں ثابت ہو سکتا۔

لمناۃ الطاغیۃ:۔ا۔الطاغیۃ صفۃ لمناۃ ۲۔مضاف الیہ لمناۃ ای لمناۃ التی ھی صنم جماعۃ طاغیۃ۔دونوں توجیہوں پر خواہ صفت مناۃ کی قرار دیں یا مناۃ کا مضاف الیہ قرار دے کر پوجا کرنے والی جماعت کی صفت قرار دیں طاغیہ کو صفت مقرر کرنے والے اہل اسلام ہیں۔پھر مناۃ کو مناۃ اس لئے کہتے تھے کہ تمنیٰ بمعنی تذبح آتا ہے اس بت کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ **المشلل:**۔یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو سمندر کے کنارے پر تھا صفا اور مروہ سے خارج تھا۔ **انا کنا نتحرج ان نطوف بین الصفا والمروۃ:**۔یعنی ایمان لانے سے پہلے تو اس لئے حرج سمجھتے تھے کہ ہمارے بت صفا مروہ پر نہ تھے اور اسلام لانے کے بعد اس لئے حرج سمجھتے تھے کہ شاید صفا مروہ پر سعی کرنا رسوم جاہلیت سے ہو۔ **الا من ذکرت عائشۃ:**۔یہ الا غیر کے معنیٰ میں ہے۔ **الا من ذکرت عائشۃ فمن کان یھل بمناۃ:**۔اس عبارت میں فمن کے اندر جو من ہے یہ بیانیہ ہے اور من کان یھل بمناۃ یہ بیان ہے من ذکرت کا۔ **کانوا یطوفون کلھم:**۔یہ کانوا کی ضمیر الناس کی طرف لوٹتی ہے جو الا سے پہلے ہے یہ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ کے چکر لگانے والے لوگ وہ تھے جو اساف اور نائلہ کی عبادت کرتے

تھے۔اساف مرد کی شکل پر بت تھا اور نائلہ عورت کی شکل پر بت تھا اساف صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر تھا اصل میں اساف اور نائلہ انسان تھے انہوں نے خانہ کعبہ کے اندر زنا کی تو بطور سزا کے ان کو اللہ تعالیٰ نے بت بنا دیا اور لوگوں نے عبرت کے طور پر ان کو صفا اور مروہ پر رکھ دیا پھر بعد کے لوگ شیطان کے پیچھے ایسے لگے کہ ان کی پوجا شروع کر دی نعوذ باللہ من ذلک۔ **حتیٰ ذکر ذلک بعد ماذکر الطّواف بالبیت:**۔ حضرت ابوبکر کے اس مفصل قول کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ آیت شبہ کے ازالہ کے لئے نازل ہوئی ہے اس میں وجوب کی نفی نہیں ہے اور پھر وجوب کا اثبات دوسرے دلائل سے ہے جیسے ابھی اختلاف کے ضمن میں ذکر کیا گیا۔ **باب ماجاء فی السعی بین الصفا والمروۃ:**۔ غرض اور ربط یہ ہے کہ گذشتہ باب میں صفا مروہ کی سعی کا وجوب بیان فرمانا مقصود تھا اب سعی کی کیفیت اور طریقہ کا بیان مقصود ہے۔ **باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطّواف بالبیت واذا سعیٰ علی غیر ضوء بین الصفا والمروۃ:**۔ غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔۱۔ حائض طواف کے سویٰ سب کام کرتی ہے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔۲۔ اگر بغیر وضوء سعی بین الصفا والمروہ کرلے تو اس کیا حکم ہے عندالحسن البصری یہ سعی صحیح نہیں اور وضوء اس کے لئے شرط ہے اور عندالجمھور صحیح ہے دلیل جمہور کی اباحت اصلیہ ہے۔ اور حسن بصری کی دلیل قیاس کرنا ہے طواف پر جواب دونوں میں بہت فرق ہے اس لئے یہ قیاس صحیح نہیں ہے پھر امام بخاری نے اپنا مسلک بیان نہیں فرمایا وجہ۔۱۔ تردد ہے ۲۔ ظہور ہے کہ جمہور ہی کے ساتھ ہیں کمال ظہور کی وجہ سے تصریح فرمانے کی ضرورت نہ سمجھی۔

باب الاھلال من البطحاء وغیرھا للمکی و للحاج اذا خرج الی منی

غرض مکی کے لئے اور جو باہر سے آکر عمرہ کر کے حج کے لئے مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا ہے جس کو آگے ایک روایت میں مجاور کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے ان دونوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ اور وقت بتلانا ہے جگہ تو ہے حرم اور وقت ہے یوم الترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ۔ **وجعلنا مکۃ بظھر:**۔ جب ہم نے مکہ مکرمہ کی طرف پشت کی یعنی یہاں سے منیٰ روانہ ہوئے۔

باب این یصلی الظھر یوم الترویۃ

غرض یہ ہے کہ اس دن بہتر اور مستحب یہی ہے کہ ظہر کی نماز منیٰ میں جا پڑھے۔

باب الصلوٰۃ بمنیً

غرض منی کی نماز کی مقدار کا بتلانا ہے کہ قصر ہے یا اتمام ہے اور ظاہر یہی ہے کہ تردد کی وجہ سے اپنا مسلک ذکر نہیں فرمایا اور اختلاف کی تفصیل پیچھے تقصیر کے ابواب میں گزر چکی ہے۔

باب صوم یوم عرفۃ

غرض یوم عرفہ کے روزے کا حکم بیان کرنا ہے اور اپنا مسلک تردد کی وجہ سے نہیں بیان فرمایا جمہور کے نزدیک حاجی کے لئے مکروہ ہے ضعف کا خوف ہو یا نہ ہو اور باقیوں کے لئے مستحب ہے۔

باب التلبیۃ و التکبیر اذا غدا من منیً الی عرفۃ

غرض اس شخص کا رد ہے جو اس کا قائل ہے کہ جب منیٰ سے عرفات جانے لگے تو تلبیہ بند کر دے۔ **باب التھجیر بالرواح یوم عرفۃ:**۔ غرض یہ ہے کہ وقوف عرفات کے لئے زوال ہوتے ہی نکلنا مستحب ہے۔

باب الوقوف علی الدابۃ بعرفۃ

غرض میں دو قول ہیں۔۱۔ وقوف عرفات میں امیر موسم کا سواری پر سوار ہو کر وقوف کرنا مستحب ہے۔۲۔ وقوف عرفات میں سواری پر سوار ہونے کا حکم بیان فرمانا مقصود ہے اور یہ دوسرا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر سوار ہونا تعلیم کی ضرورت کی وجہ سے تھا اور سواری کو بطور منبر کے استعمال فرمایا۔ یہ سوار ہونا استحباب پر مبنی نہ تھا ضرورت پر مبنی تھا۔

باب الجمع بین الصلوتین بعرفة

غرض عرفات میں ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں پڑھنے کا حکم بیان کرنا ہے کہ سنت ہے اور سنت ہونے کی تصریح اس لئے نہیں کی کہ حدیث میں تصریح موجود ہے۔ **سال عبد اللہ**:۔ یہاں مراد ابن عمرؓ ہیں کیونکہ اسی روایت میں آگے ابن عمر کی تصریح موجود ہے **اختلاف**:۔ عند امامنا واحمد جمع بین الصلوتین فی عرفہ کے جواز کی شرط ہے کہ امام موسم کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے عند الشافعی ومالک یہ شرط نہیں ہے منشاء اختلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے جو حدیث الباب میں مذکور ہے عن ابن عمر انہم کانوا یجمعون بین الظہر والعصر فی السنة ہمارے امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ عصر کا قبل از وقت پڑھنا خلاف قیاس ہے اس لئے اپنے مورد پر بندر ہے گا امام مالک وشافعی کے نزدیک یہ حکم عام ہے ہمارے لئے مرجح اِسی اہم اصول کا لحاظ ہے اُن کے لئے مرجح اس باب کی تعلیق ہے وکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما اذا فاتتہ الصلوٰۃ مع الامام جمع بینھما جواب یہ حضرت ابن عمر کا اپنا اجتہاد ہے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے اجتہاد کا اتباع نہیں کر سکتا۔ **باب قصر الخطبة یوم عرفة**:۔ غرض یہ ہے کہ خطبہ کا چھوٹا کرنا ہی مسنون ہے۔

باب التعجیل الی الموقف

غرض تھجیر والے باب کی تاکید ہے کہ وقوف عرفات کے لئے زوال کے فوراً بعد نکلنا مستحب ہے پھر یہاں تین نسخے ہیں۔ ا۔ یہاں نہ یہ باب ہے نہ اس کے بعد کوئی عبارت ہے بلکہ بعد والا باب ہے۔ ۲۔ صرف یہ ترجمۃ الباب ہے اس کے بعد نیا باب ہے۔ ۳۔ یہ ترجمۃ الباب بھی ہے اور اس کے بعد قال ابو عبد اللہ الخ والی عبارت بھی ہے۔ **یزاد فی ھذا الباب ھم ھذا الحدیث حدیث مالک عن ابن شہاب**:۔ یہ الفاظ امام بخاری نے اس مقام کی تدریس کے وقت فرمائے تھے کسی شاگرد نے ان کو بھی متن کتاب میں داخل کر دیا۔ پھر یہ ہَم کا کلمہ فارسی زبان کا ہے اور امام بخاری سے بلا قصد تدریس کے وقت نقل گیا۔ **ولکنی اریدان أُدخل فیہ غیر معاد**:۔ یعنی بظاہر جہاں تکرار نظر آتا ہے وہاں کچھ نہ کچھ متن یا سند کا فرق ہوتا ہے مکمل تکرار کسی جگہ بھی نہیں الا نادراً یہاں چونکہ لفظی فرق والی روایت مجھے دوسری نہ ملی اس لئے میں نے یہاں کوئی حدیث نہ رکھی صرف ترجمۃ الباب ہی رہنے دیا۔

باب الوقوف بعرفة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ وقوف عرفات کے بغیر حج نہیں ہوتا قال تعالیٰ ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔

باب السیر اذا دفع من عرفة

غرض اطمینان وسکون کی تلقین ہے عرفات سے واپسی پر کیونکہ بھیڑ بہت ہوتی ہے۔ **مناص لیس حین فرار**:۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں امام بخاری سے غلطی ہوگئی کہ ولات حین مناص والی آیت کی تفسیر یہاں ذکر کر دی اور مناص اور نصّ کا ایک ہی مادہ شمار فرمالیا حالانکہ مناص نوص سے اجوف واوی ہے جس کے معنیٰ تاخر اور فرار کے ہیں اور نصّ مضاعف ہے جس کے معنیٰ تیز بھاگنے کے ہیں دونوں کا مادہ الگ الگ ہے۔ توجیہ۔ ا۔ صحیح نسخہ وہی ہے جس میں مناص الخ نہیں ہے۔ ۲۔ اتحاد مادہ بیان فرمانا مقصود نہیں ہے معمولی مناسبت کی وجہ سے ذکر فرما دیا۔

باب النزول بین عرفة و جمع

غرض یہ کہ بضرورت عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے کچھ ٹھہر جانا جائز ہے لیکن یہ مناسک حج میں داخل نہیں ہے۔ **فیتنفض**:۔ انتفاض سے ہے جس کے معنیٰ استنجاء کے ہیں یعنی ابن عمر قضاء حاجت فرماتے تھے اور استنجاء فرماتے تھے۔

باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسکینة عند الافاضة واشارته الیھم بالسوط

غرض یہ واقعہ بیان فرمانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات سے واپسی پر سکون سے چلنے کا حکم فرمایا اور اسی سکون کی طرف کوڑے سے اشارہ فرمایا۔ امام وقت کو اور امیر موسم کو بھی ایسا ہی

کرنا چاہئے۔ اوضعوا اسرعوا خلالکم:۔ ایضاع کے لفظ کی مناسبت سے اِس آیت کی تفسیر فرمارہے ہیں لو خرجوا فیکم مازادکم الا خبالا (ای فساداً) ولا وضعوا خلالکم یبغونکم الفتنۃ۔

باب الجمع بین الصلوتین بالمزدلفة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء بالاجماع بلاشرط واجب ہے۔

باب من جمع بینھما ولم یتطوع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مزدلفہ کی جمع بین الصلوتین کرتے وقت مغرب اور عشاء کے فرضوں کے درمیان تطوع کا چھوڑنا بھی بالاجماع ہے۔

باب من اذن واقام لکل واحد منھما

غرض اُس امام کا مسلک بیان فرمانا ہے جو مزدلفہ میں دو اذانوں اور دو اقامتوں کے قائل ہیں اور وہ امام مالک ہیں۔ اپنا مسلک بیان نہیں فرمایا بظاہر اس کا منشاء بھی تردد ہی ہے واللہ اعلم

اختلاف:۔ مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء میں عندامامنا ابی حنیفہ ایک اذان اور ایک اقامت ہے۔ وعند مالک دو اذانیں اور دو اقامتیں ہیں وعند الجمہور ایک اذان اور دو اقامتیں ہیں۔ ولا مامنا روایۃ ابی داؤد عن جابر مرفوعاً فصلی المغرب والعتمۃ باذان واقامۃ ولمالک ھذا حدیث الباب عن ابن مسعود موقوفاً فامر رجلا فاذن واقام الی قولہ ثم امر رجلاً فاذن واقام وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً جمع بین المغرب والعشاء باذان واحد واقامتین۔ ترجیح قیاس کی وجہ سے ہے کیونکہ قیاس کا تقاضیٰ یہ ہے کہ اذان ایک ہی ہو جیسے اول میں جو عرفات میں ہوتی ہے اس میں اذان ایک ہی ہے اور اُس کے ایک ہونے پر اتفاق ہے اذان سے مقصود دور والوں کو بلانا ہوتا ہے دونوں نمازیں اکٹھی پڑھنے کے لئے ایک دفعہ بلانا کافی ہے۔ اقامت پہلی جمع میں دو دفعہ ہوتی ہے کیونکہ ظہر کے وقت میں ظہر پڑھنے کے بعد عصر کی نماز پڑھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی کیونکہ اس کا ابھی وقت نہیں آیا ہوتا اس لئے تنبیہ کے طور پر دوسری اقامت ہونی چاہئے۔ اور جمع ثانی میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھنے کے بعد عشاء کی نماز ذہن میں ہوتی ہے کیونکہ عشاء کا وقت آچکا ہوتا ہے اس لئے دوبارہ تنبیہ کی ضرورت نہیں ہے اور ایک ہی اقامت کافی ہے۔ حین یبزغ الفجر:۔ جب فجر ظاہر ہو یعنی طلوع فجر ہو جائے۔

باب من قدم ضعفة اھله بلیل فیقفون بالمزدلفة ویدعون ویقدم اذا غاب القمر

غرض یہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کو منیٰ جلدی بھیج دینا جائز ہے تاکہ بھیڑ سے پہلے پہلے رمی کرلیں۔ یا ھنتاہ:۔ ا۔ ای بھولی بھالی۔ ۲۔ یا ھذہ۔ تفصیل گذر چکی۔ اذِن للظُعُن:۔ یہ جمع ہے ظعینۃ بمعنیٰ امرأۃ کی ظعن کے معنیٰ سفر کے ہیں کیونکہ عورت رفیقہ سفر ہوتی ہے اور سفر میں مرد کے تابع ہوتی ہے اس لئے اس کو ظعینہ کہتے ہیں۔ پھر لفظ اَذِنَ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی عادت اسفار میں پڑھنے کی تھی صرف ضرورت کے موقعہ میں عورت کے لئے جلدی پڑھنے کا اذن تھا۔ مفروح بہ:۔ ہر خوشی کی چیز:۔

باب متیٰ یصلی الفجر بجمع

غرض فجر کی نماز کا وقت مزدلفہ میں بتلانا ہے۔ کہ عام دنوں سے پہلے ہوتی تھی یعنی غلس میں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ اسفار کی تھی اور یہی احناف کے نزدیک اولیٰ ہے۔ یعتموا:۔ عشاء کے وقت میں داخل ہوتے تھے۔

باب متیٰ یدفع من جمع

غرض وقت بیان کرنا ہے مزدلفہ سے روانہ ہونے کا پھر یدفع۔ ا۔ مجہول کا صیغہ ہے۔ ۲۔ معروف کا صیغہ ہے اور مفعول محذوف ہے نفسہ:۔

باب والتکبیر غداة النحر حین یرمی الجمرة والارتداف فی السیر

غرض۔ ا۔ ایک تو یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ تلبیہ کے ساتھ تکبیر و تحلیل کا خلط بھی جائز ہے۔ ۲۔ دوسرا مسئلہ یہ بیان کرنا ہے کہ عرفہ

سے مزدلفہ اور پھر منیٰ آنے میں کسی کو پیچھے بٹھا لینے میں کچھ حرج نہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہوا کہ تلبیہ کب بند کیا جائے گا عند احمد یوم النحر میں آخری کنکری کے ساتھ بند کیا جائے گا وعند الجمہور پہلی کنکری کے ساتھ ہی بند کر دیا جائے گا منشاء اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً انہ لم یزل یلبی حتی رمی الجمرۃ ہمارے نزدیک ابتداء رمی مراد ہے اُن کے نزدیک انتہاء رمی مراد ہے ترجیح ابتداً کو ہے کیونکہ رمی کے لئے تو تکبیر کا مسنون ہونا ثابت ہے۔ اس لئے تلبیہ رمی شروع کرتے ہی بند کرنا ہوگا۔

باب فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الهدی الا یۃ

غرض ھدی کی تفسیر کرنا ہے اور ربط یہ ہے کہ پیچھے بلوغ الی منیٰ کا ذکر تھا۔ ھدی چونکہ عموماً منیٰ ہی میں ذبح کی جاتی ہے اس مناسبت سے اب ھدی کا ذکر ہے۔ **باب رکوب البدن**:۔ غرض قربانی کے جانوروں پر سوار ہونے کا جواز بیان کرنا ہے گویا امام شافعی واحمد کے قول کی تائید فرما رہے ہیں۔ **اختلاف**:۔ عند امامنا ابی حنیفۃ ومالک وفی روایۃ عن الشافعی بلا اضطرار ھدی پر سوار ہونا جائز نہیں ہے وفی الاشہر عن الشافعی ومذہب احمد معمولی ضرورت میں بھی سوار ہونا جائز ہے۔ ولنا روایۃ ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً ارکبھا بالمعروف اذا الجئت الیھا حتی تجد ظہراً ولاحمد روایۃ الباب اور ابو داؤد میں بھی ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً رایٰ رجلا یسوق بدنۃ فقال ارکبھا جواب ہماری روایت مثبت زیادت ہے اس لئے اس کو ترجیح ہے۔ **قال مجاہد سمیت البدن لبدنھا**: بُدن کے معنیٰ ضخامت اور بدن کا بڑا ہونا ہے۔ قربانی کا جانور بھی بڑے بدن کا اور موٹا تازہ ہونا چاہئے اس لئے اس کو بدن کہتے ہیں۔ **والمعتر الذی یعتر الانسان**:۔ یعنی انسان سے قریب ہوتا ہے۔

باب من ساق البدن معہ

غرض یہ بتلانا ہے کہ ھدی کے جانور کو ساتھ لے جانا مسنون ہے سب سے زیادہ ثواب تو اس میں ہے کہ گھر سے جانور لے جائے دوسرا درجہ راستہ سے خریدے تیسرا درجہ عرفات سے خریدے چوتھا درجہ اور آخری درجہ منیٰ سے خرید ہے۔

باب من اشتھری الهدی من الطریق

غرض یہ بتلانا ہے کہ راستہ سے ھدی کا خریدنا بھی جائز ہے۔

باب من اشعر و قلد بذی الحلیفۃ ثم احرم

غرض میں دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ میقات سے پہلے اشعار و تقلید نہ ہونی چاہئے۔ ۲۔ حضرت مجاہد کے قول کی تردید مقصود ہے جو یہ فرماتے تھے کہ احرام سے پہلے اشعار نہ ہونا چاہئے اسی لئے ثم احرم فرمایا۔

باب، فتل القلائد للبدن و البقر

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ ھدی کے جانوروں کے لئے ہار تیار کرنا مستحسن ہے پھر تقلید کو اشعار سے پہلے ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ تقلید اشعار سے افضل ہے پھر بقر کو بھی اونٹ کے ساتھ ذکر کرکے اشارہ فرما دیا کہ تقلید کی اونٹ کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ بیل میں بھی مشروع ہے۔

باب اشعار البُدن

غرض میں دو تقریریں۔ ۱۔ اشعار کا حکم بتلانا مقصود ہے۔ ۲۔ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اشعار سنت ہے۔ سوال۔ جب اشعار احادیث سے ثابت ہے اور اسی لئے جمہور ائمہ نے اسے سنت قرار دیا ہے تو امام ابوحنیفہ نے کیوں اشعار کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جواب۔ ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے حفاظت کے لئے اشعار فرمایا تھا۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا تو اس تدبیر حفاظت کی ضرورت نہ رہی۔ یہ کام مناسک حج میں داخل نہیں تھا۔ گویا منسوخ ہے تو منسوخ چیز کو اگر امام ابوحنیفہ نے مکروہ قرار دیا تو اس میں کیا حرج ہے۔ ۲۔ حضرت ابن عباس سے اشعار میں تخییر منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اشعار فرمانا بیان جواز کے درجہ میں تھا بطور سنیۃ کے نہ تھا تو ایک جائز کام کو امام ابوحنیفہ نے لوگوں کے مبالغہ کو دیکھتے

ہوئے اور مبالغہ کی وجہ سے جانور کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے اگر مکروہ قرار دیا تو اس میں کیا حرج ہے۔۳۔ ۹ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ھدی مکہ مکرمہ ارسال فرمائی تھیں اُن ۳۶ یا ۳۷ ھدایا میں سے صرف ایک میں اشعار فرمایا تھا۔ ظاہر یہی ہے کہ پہلی میں اشعار فرمایا باقی ۳۵ یا ۳۶ میں نہ فرمانا اس لحاظ سے آخری عمل ترک اشعار کا ہے۔ اُسی پر عمل ہونا چاہئے۔۴۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں جو لوگ مبالغۃ فی الاشعار کرنے لگ گئے تھے امام صاحب صرف اُسی کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ نفس اشعار کو مکروہ نہ قرار دیتے تھے۔ **فما حرم علیہ شی کان لہ حل**:۔ عند النخعی وابن سیرین وعطاء ھدی بھیجنے سے حکماً محرم بن جاتا ہے جس وقت ھدی نحر یا ذبح ہوگی اُس وقت احرام کے احکام سے نکلے گا۔ عند الجمھو رمحرم کے احکام جاری نہیں ہوتے کہ سلا ہوا کپڑا نہ پہنے خوشبو نہ لگائے وغیرہ ولنا روایۃ الباب اور ابوداؤد میں بھی ہے عن عائشۃ فما حرم علیہ شی کان لہ حل ولھم روایۃ مصنف ابن ابی شیبۃ عن نافع ان ابن عمر کان اذا بعث بالھدی یمسک عما یمسک عنہ المحرم الا انہ لایلبی۔ جواب حافظ ابن حجر نے اس مضمون کی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

باب من قلد القلائد بیدہ

غرض یہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ہار پہنائے دو وجہ سے۔۱۔ شعائر کی تعظیم اِسی میں ہے۔۲۔ عبادات میں جہاں تک ہوسکے خود ہی سب کام کرنا مستحب ہے۔

باب تقلید الغنم

غرض یہ ہے کہ تقلید غنم کی مسنون ہے گویا تائید کرنا چاہتے ہیں امام شافعی اور احمد کی وعند امامنا ابی حنیفۃ ومالک مسنون نہیں ہے ولنا۔ مشہور تقلید حجۃ الوداع میں ہے اور ہے بھی مشہور ابل ہی میں۔۲۔ بکری کمزور جانور ہے اس کو تقلید سے مشقت ہوتی ہے۔ وللشافعی واحمد حدیث الباب عن الاسود عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کنت افتل القلائد للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فیقلد الغنم جواب۔۱۔ حضرت اسود اس روایت میں متفرد ہیں اس لئے بعض نے اس کو شاذ کہہ دیا ہے اس لئے استدلال مناسب نہیں۔۲۔ حضرت اسود کو حضرت عائشۃ کے گھر والے نہ جانتے تھے۔۳۔ جب روایات میں تعارض ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔۴۔ ان روایات سے جواز ثابت ہو رہا ہے اور کلام مسنون ہونے میں ہے۔ نفس جواز کا ہم بھی انکار نہیں کرتے۔

باب التقلید من العِھن

غرض یہ ہے کہ عِھن سے ھدی کے ہار بنانے بھی جائز ہیں۔ تاکہ واضح نشانی بن جائے واضح ہونے کی وجہ۔۱۔ زیادہ تر عِھن سرخ ہوتی تھی۔۲۔ عھن کئی رنگوں والی اون کو کہتے تھے اس لحاظ سے بھی نشانی بنانے کے لئے زیادہ مناسب تھی۔

باب تقلید النعل

غرض یہ ہے کہ ہار کے طور پر جانور کے گلے میں جوتا ڈالنے کا حکم بتلانا چاہتے ہیں کہ جائز ہے اور ساتھ ساتھ حضرت سفیان ثوری کے قول کا رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ فرماتے تھے کہ دونوں جوتے اکٹھے ایک ہی جانور کے گلے میں ڈالنے ضروری ہیں پھر حکمت جوتا گلے میں ڈالنے میں کیا ہے۔۱۔ سفر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ جانور ایک اچھے سفر میں مشغول ہیں اور ان کا سفر کوشش سے ہونا چاہئے راستے میں کسی کو اس سفر میں رکاوٹ نہ ڈالنی چاہئے یہ اشارہ اس طرح ہوا کہ سفر جوتے پہن کر ہی کیا جاتا ہے۔ جوتے کے بغیر سفر میں چلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔۲۔ دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ اہل عرب کے نزدیک جوتا سواری شمار کیا جاتا ہے تو اب ھدی کے گلے میں جوتا ڈالتے ہیں یہ اشارہ ہے کہ یہ جانور اب اللہ تعالیٰ کے راستے میں ذبح ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ان جانوروں کو سواری بننے سے آزاد کردیا گیا ہے۔ **فلقد رایتہ راکبھا یسایر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والنعل فی عنقھا**:۔ عند الجمھو رایک جوتا کافی ہے۔ وعند الثوری دو ہونے شرط ہیں ولنا ھذا الحدیث عن ابی ہریرۃ فلقد رایتہ راکبھا یسایر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والنعل فی عنقھا اس میں نعل

کا لفظ ہے جو جنس کے لئے ہے معلوم ہوا کہ ایک جوتا بھی کافی ہے۔ ولکثوری حکمت ہے اشارہ کرنا کہ یہ سواری نہ بنی چاہئے اور سواری بننے کا تعلق دو جوتوں سے ہے مسافر دونوں پہن کر چلتا ہے ایک پہن کر تو نہیں چلتا اس لئے جوتے میں دو کا ہونا شرط ہے جواب۔۱- یہ صرف علامت اور نمونہ ہے حقیقۃً اس جوتے کو پہن کر کسی نے سفر نہیں کرنا نمونہ اور علامت کے لئے ایک بالکل کافی ہے۔۲- دوسرا جواب یہ ہے اور یہ ہماری جمہور کی دوسری دلیل بھی بن سکتی ہے کہ دو جوتوں میں جانور کو بلا ضرورت تکلیف پہنچانا ہے اس لئے مناسب نہیں۔۳- تیسرا جواب اور یہ ہماری تیسری دلیل بھی ہے کہ دو جوتوں میں بلا ضرورت اسراف ہے پھر ہار بنانے میں صرف جوتے میں حصر نہیں ہے یہی صحیح ہے بلکہ کھجور کے درخت کا چھلکا یا کوئی کھال وغیرہ بھی بطور ہار کے استعمال ہو سکتی ہے۔

باب الجلال للبدن

غرض جلال استعمال کرنے کا استحباب بیان کرنا ہے اور جلال جمع ہے جل کی ہے ہر اس چیز کو جل کہتے ہیں جو اونٹ وغیرہ پر ڈالی جائے کمبل ہو یا چادر ہو پھر قربانی کے بعد اس کو خیرات کر دیا جاتا ہے پھر مقصد اس چادر وغیرہ ڈالنے کا کیا ہے۔۱- گرمی سے جانور کو بچانا۔۲- سردی سے بچانا۔۳- زینت برائے تعظیم شعائر اللہ قال تعالیٰ و من یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب.

باب من اشتری هدیه من الطریق وقلده

غرض دو چیزوں کا بیان ہے کہ راستہ سے جانور کا خریدنا جائز ہے اور راستہ ہی سے اس کے گلے میں ہار ڈال دینا بھی مستحسن ہے۔ سوال۔ ہدی خریدنے کے جواز کا باب پیچھے آٹھ باب چھوڑ کر گزر چکا ہے اب ذکر فرمانا تو تکرار ہے جواب۔ اب ایک قید بڑھا دی وقلدہ اس لئے تکرار محض نہ ہوا زائد فائدہ ہو گیا۔ ورأی ان قد قضی طوافه الحج والعمرة بطوافه الاول:۔ منصوب نزع الخافض ہے ای للحج پھر معنیٰ کیا ہیں۔۱- قران میں ایک طواف بیت اللہ کو کافی سمجھا۔۲- صفا مروہ کے درمیان دوبارہ طواف نہ کیا۔

باب ذبح الرجل البقر عن نساءہ من غیر امرهن

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ بغیر اجازت کے بھی کسی کی طرف سے قربانی کر دینا جائز ہے سوال جمہور فقہاء تو اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔ جواب۔ عدم جواز واجب قربانی میں ہے۔ یہاں مستحب قربانی کا ذکر ہے سوال۔ دس ازواج مطہرات کی طرف سے ایک قربانی کیسے صحیح ہو گئی کیونکہ ایک قربانی میں تو صرف سات شریک ہو سکتے ہیں۔ جواب۔۱- قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نفلی ادا فرمائی تھی اس کا ثواب دس ازواج مطہرات کو پہنچایا۔۲- ایک قول کے مطابق اس وقت ازواج مطہرات ہی سات تھیں۔

باب النحر فی منحر النبی صلی اللہ علیه وسلم بمنیً

غرض یہ کہ افضل یہ ہے کہ وہاں ذبح کرے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر فرمایا تھا اور وہ جمرہ اولیٰ کے قریب جگہ ہے اور جمرہ اولیٰ مسجد کے پاس ہے اور عمرہ کرنے والے کے لئے افضل مروہ کے پاس ذبح کرنا ہے۔

باب من نحر بیده

غرض یہ ہے کہ اگر خود ذبح کر سکتا ہو تو بہتر یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔

باب نحر الابل مقیدة

غرض یہ ہے کہ اونٹ میں مسنون یہی ہے کہ کھڑا کر کے ایک پاؤں باندھ کر نحر کیا جائے۔ باب نحر البدن قائمة:۔ غرض یہ کہ نحر کے وقت اونٹ کو کھڑا کرنا ہی مسنون ہے۔ پیچھے پاؤں باندھنے کا ذکر تھا اب کھڑا کرنے کا ذکر ہے دونوں ہونے چاہئیں اور پھر پہلے باب میں ابل اور یہاں بدن فرمایا یہ محض تفنن ہے کل جدید لذیذ لکھی بھما جمیعا:۔ یعنی حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا تلبیہ پڑھا اس سے یہ بھی

ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں قارن تھے۔

باب لایعطی الجزار من الھدی شیئاً

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ قصائی کی اجرت کھال وغیرہ کے ذریعہ سے ادا کرنی جائز نہیں ہے اور رد بھی فرمار ہے ہیں حضرت حسن بصری کے قول کا جو جمہور کی مخالفت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جائز ہے وللجمہور وروالبخاری حدیث الباب عن علی مرفوعا امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی البدن ولا اعطی علیہا شیئا فی جزارتھا وللحسن کہ وہ مالک ہے اپنی ملک جس کو چاہئے دے۔ قربانی تو نحر اور ذبح سے مکمل ہوگئی کھال اور گوشت وغیرہ کا یہی مالک ہے جس کو چاہے دے جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب یتصدق بجلود الھدی

غرض یہ کہ ھدی کی کھال کو خیرات کرنا مستحب ہے اور اپنے استعمال میں لے آئے تو یہ بھی جائز ہے اور بیچنا جائز نہیں ہے۔

باب یتصدق بجلال البدن

غرض یہ بتلانا ہے کہ ھدی پر جو کپڑے ڈالے جاتے ہیں یہ کھال ہی کی طرح ہیں۔

باب واذ بوأنا لابراھیم مکان البیت الایة

غرض تاکید کرنی ہے کہ اس آیت کے احکام پر ضرور عمل کیا جائے اس آیت مبارکہ میں متعدد احکام ہیں۔ مثلاً ۱- بیت اللہ کو بتوں سے پاک صاف رکھنا تاکہ نمازی نماز پڑھ سکیں اور طواف کرنے والے طواف کرسکیں۔ ۲- ذی الحجہ کے شروع کے دس دن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارنا۔ ۳- اس نعمت کا خاص طور سے شکر کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جانور عطا فرمائے۔ ۴- ان ھدی کے جانوروں کا بابرکت گوشت کھانا ۵- غریبوں کو گوشت کھلانا ۶- سر منڈا کر میل کچیل دور کرنا۔ ۷- اگر کوئی نذر مانی ہو تو اس کو پورا کرنا۔ ۸- خانہ کعبہ کا طواف کرنا۔ ۹- شعائر اللہ کا احترام کرنا۔ سوال۔ اس باب میں حدیث کیوں نہ لائے۔ جواب۔ ۱- اس مضمون کی حدیث نہ ملی ۲- اس مضمون کی حدیث ان کی شرط پر نہ ملی۔

باب مایاکل من البدن وما یتصدق

غرض قربانی کی تقسیم ہے کھانے اور نہ کھانے کے لحاظ سے کہ کس قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اور کس قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جزاالصید وغیرہ جنایات کی قربانی کا گوشت اور نذر والی قربانی کا گوشت تو خود کھانا جائز نہیں ہے بلکہ صدقہ کرنا ہی ضروری ہے باقی قربانیوں میں اختیار ہے چاہے صدقہ کردے اور چاہے تو کھالے اور بہتر تین برابر حصے کرنا ہے ایک حصہ خود کھالے ایک حصہ خیرات کردے اور ایک دوستوں کو ہدیہ دے دے۔ **قلت لعطاء اقال حتیٰ جئنا المدینۃ** یہ حضرت ابن جریج کا مقولہ ہے کہ میں نے اپنے استاد حضرت عطاء سے عرض کیا کہ کیا اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ثابت ہیں حتیٰ جئنا المدینۃ تو حضرت عطاء نے جواب دیا کہ یہ ثابت نہیں ہیں۔

اذا طاف بالبیت ثم یحل:۔ جزاء محذوف ہے ای یتم عمرتہ ثم یحل۔

باب الذبح قبل الحلق

غرض کی تین تقریریں ہیں۔ ۱- حلق سے پہلے ذبح کرنے کا استحباب بیان فرمانا مقصود ہے۔ ۲- وجوب بیان فرمانا مقصود ہے۔ ۳- حکم بیان فرمانا مقصود ہے۔ **لم یحل حتیٰ بلغ الھدی محلّہ**:۔ حضرت عمر کا مقصد کیا ہے۔ ۱- یہ بتلانا کہ بہتر یہ ہے کہ حج کے لئے الگ سفر کرے اور عمرہ کے لئے الگ سفر کرے۔ ۲- یہ بتلانا کہ افراد افضل ہے ان دو احتمالوں میں سے پہلا راجح ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ایک سفر میں حج اور عمرہ کرنے سے بہتر ہے کہ دو سفر کرے تاکہ سارا سال کعبۃ اللہ آباد رہے۔

باب من لبد راسہ عند الاحرام و حلق

غرض حنفیہ کے قول کا رد ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ تلبید کی صورت میں بھی احرام کھولتے وقت حلق واجب نہیں ہے چاہے سر منڈائے

اور چاہے تو بال سر کے کٹوالے وعند الجمہور حلق راس واجب ہے۔ تلبید کی صورت یہ ہوتی ہے کہ احرام باندھتے وقت سر پر شہد یا کوئی اور چیز چپکنے والی لگالے تاکہ بال منتشر نہ ہوں اور جوئیں بھی نہ پڑیں۔ ہماری حنفیہ کی دلیل قول اللہ تعالیٰ محلقین رؤسکم و مقصرین. حلق اور تقصیر کو اللہ تعالیٰ نے برابر ذکر فرمایا ہے عطف کے ساتھ کہ نفس جواز میں دونوں برابر ہیں۔ وللجمہور قول اللہ تعالیٰ و لیقضوا تفثھم کہ میل کچیل اتاریں۔ جواب یہ امر استحبابی ہے۔

باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

غرض امام شافعی کی ایک کمزور روایت کا رد ہے وہ ہے کہ حلق اور تقصیر مناسک حج میں سے نہیں بلکہ محذورات احرام میں سے کسی ایک محذور کو بھی کرے تو حلال ہو جائے گا مثلاً سر ڈھانپ لے وعند الجمہور حلق یا تقصیر بھی مناسک میں داخل ہے اس کے بغیر حلال نہ ہوگا منشاء اختلاف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حلق فرمایا تھا اس کا درجہ کیا تھا جمہور کے نزدیک مناسک حج میں سے تھا اور امام شافعی کے نزدیک یہ ایک محذور کا ارتکاب تھا جمہور کے قول کے راجح ہونے کی وجہ۔ ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلقین کے لئے دعاء فرمائی ہے اور دعا ثواب کے کام پر ہوتی ہے اور ثواب عبادت پر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر حلق عبادت ہے اور نسک حج میں داخل ہے۔ ۲۔ حدیث پاک میں حلق کی فضیلت قصر پر مذکور ہے اور فضیلت مباحات میں نہیں ہوتی اس سے بھی عبادت ہونا اور مناسک حج میں داخل ہونا ثابت ہوا۔ پھر امام بخاری جو عند الاحلال کی قید لگا رہے ہیں تو اس میں اشارہ ہے کہ حلق یا تقصیر کے بغیر حلال نہ ہوگا البتہ کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔ قالھا ثلثاً قال وللمقصرین:۔ اس باب کی سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ بعض روایات میں چوتھی مرتبہ تقصیر کا ذکر ہے لیکن زیادہ روایات میں تیسری دفعہ تقصیر کا ذکر ہے اس لئے یہی راجح ہے۔ بمشقص:۔ قینچی۔

باب تقصیر المتمتع بعد العمرۃ

غرض یہ ہے کہ متمتع کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ جب عمرہ کا احرام کھولے تو اس وقت صرف بال کٹائے حلق نہ کرائے تاکہ حج کے بعد حلق کرا سکے کیونکہ حلق افضل ہے اس افضل پر عمل کرنا حج میں اولیٰ ہے کیونکہ حج کا درجہ عمرہ سے اونچا ہے۔ باب الزیارۃ یوم النحر:۔ یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ طواف زیارت یوم النحر میں کرنا افضل ہے۔ اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزیارۃ الی اللیل:۔ سوال مسلم اور ابوداؤد اور نسائی میں عن ابن عمرو جابر و عائشۃ یہ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت دن کے وقت فرمایا تھا ان دو روایتوں میں تعارض پایا گیا۔ جواب۔ ا۔ یوم النحر میں دن میں طواف فرمایا اور ایام منیٰ میں رات کو طواف فرمایا۔ ۲۔ بخاری شریف کی زیر بحث روایت کے معنیٰ ہیں اخر الی الزوال کیونکہ زوال سے اسباب لیل شروع ہو جاتے ہیں بطور مجاز بالمشارفہ آنے والی صفت کو پہلے ہی ذکر کر دیا گیا۔ ۳۔ فی روایۃ ابن حبان مرفوعاً ثم رکب الی البیت ثانیا وطاف بہ طوافاً آخر باللیل انتھیٰ معلوم ہوا کہ دو دفعہ طواف فرمایا پہلے دن میں پھر رات میں۔ ۴۔ فی البیہقی عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن لاصحابہ فزاروا البیت یوم النحر ظھرہ (ای فی ظھر یوم النحر) وزار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع نسآء لیلاً اس روایت سے معلوم ہوا کہ دن میں صحابہ کرام کو حکم فرمانے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف طواف کی نسبت کر دی گئی اور رات کو طواف کرنے کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حقیقی ہے۔ کان یزور البیت ایام منیٰ:۔ اس روایت کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوتی ہے جو عن طاؤس مرسلاً منقول ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفیض کل لیلۃ بخاری شریف کی اس تعلیق میں بھی ایام کا مصداق لیالی ہی ہیں۔ پھر طواف قدوم اور طواف زیارت کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرماتے تھے یا نہ تو امام بخاری نے نفی فرمائی ہے اور امام بیہقی نے اثبات فرمایا ہے اور مثبت زیارت کو ہی ترجیح ہوتی ہے اس لئے بیہقی کا قول راجح ہے۔

باب اذا رمی بعد ما امسیٰ او حلق قبل ان یذبح نا سیاً او جا ھلاً

غرض جمہور کے مسلک کی تائید کرنا ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ ترتیب بدلنے سے دم واجب نہیں ہے وعندا امامنا ابی حنیفۃ واجب ہے ولنا فی الطحاوی ومصنف ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس موقوفا من قدم شیاء من حجۃ اواخر فلیھرق لذلک دما وللجمھور حدیث الباب اور اس کے قریب قریب ابوداوٗد میں بھی ہے عن ابن عباس مرفوعاً فسأ لہ رجل فقال حلقتُ قبل ان اذبح قال اذبح ولاحرج جواب یہاں گناہ کی نفی ہے کیونکہ پہلے پتہ نہ تھا۔ دم کی نفی نہیں ہے۔ سوال۔ اس مضمون کا باب تو پیچھے بھی گذر چکا ہے تکرار پایا گیا جواب صرف حلق اور ذبح تھا۔ یہاں ساتھ زیادتی بھی ہے۔

باب الفتیا علی الدابۃ عند الجمرۃ

غرض یہ ہے کہ رمی کے دوران مسئلہ بتلا دینا جائز ہے۔ سوال۔ کتاب العلم میں اسی مضمون کا باب گذر چکا ہے جواب۔ وہاں غرض تعلیم وتعلیم کا طریقہ بتلانا تھی کہ علم کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ رمی کے درمیان بھی سوال جواب کی اجازت دے دی گئی ہے اور یہاں یہ بتلانا ہے کہ حج کی عبادت میں اس سوال جواب سے نقصان نہیں ہوتا۔ سوال یہاں جو روایات ہیں ان میں جمرہ کا ذکر تو ہے ہی نہیں۔ جواب۔ کتاب العلم میں ان ہی عبداللہ بن عمرو سے جو روایت ہے اس میں یوں ہے رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الجمرہ وھو یسئل الحدیث۔

باب الخطبۃ ایام منیً

غرض حنفیہ اور مالکیہ کے قول کا رد ہے کہ منیٰ میں خطبہ مناسک حج میں سے نہیں امام بخاری مناسک میں سے شمار فرما رہے ہیں اور یہی مسلک شوافع اور حنابلہ کا ہے منشاء اختلاف اسی حدیث الباب کا خطبہ ہے اُن کے نزدیک یہ مناسک کا جزء ہے ہمارے نزدیک عام وعظ ونصیحت ہے ہمارا مرجح یہ ہے کہ اس میں حج کے خصوصی احکام مذکور نہیں ہیں معلوم ہوا کہ اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وعظ ونصیحت ارشاد فرمائی ہے ان کے لئے مرجح یہ ہے کہ یہاں خطب کا لفظ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ لفظ تو عام وعظ ونصیحت میں بھی استعمال ہوتا رہتا ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ وقتاً فوقتاً وعظ ونصیحت فرماتے رہتے تھے۔

باب ھل یبیت اصحاب السقایۃ او غیر ھم بمکۃ لیالی منیٰ

غرض یہ ہے کہ یہ رخصت کہ ایام منیٰ کی راتیں منیٰ کی بجائے مکہ مکرمہ میں گذارے یہ رخصت صرف پانی پلانے والوں ہی کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ ہر عذر والا اس رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔

باب رمی الجمار:۔ غرض رمی جمار کا وقت بتلانا ہے کہ یوم النحر میں صبح ضحیٰ کا وقت ہے اور بعد میں زوال کا وقت ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے چاروں امام اسی کے قائل ہیں۔ **باب رمی الجمار من بطن الوادی**:۔ غرض رمی کا مسنون طریقہ بتلانا ہے کہ نیچی جگہ سے اونچی جگہ کی طرف رمی کرنا ہی مسنون طریقہ ہے۔

باب رمی الجمار بسبع حصیات

غرض رمی کا عدد واجب بیان فرمانا ہے کہ سات کنکریاں مارنی واجب ہیں۔

باب من رمی جمرۃ العقبۃ فجعل البیت عن یسارہ

غرض اس جگہ کا بیان ہے کہ جہاں سے رمی کرنا مستحب ہے کہ بیت اللہ بائیں طرف ہو اور منیٰ دائیں طرف ہو۔

باب یکبر مع کل حصاۃ

غرض یہ بتلانا ہے کہ ہر کنکری کو مارتے وقت اللہ اکبر کہنا مسنون ہے۔ حتیٰ اذا حاذی الشجرۃ اعترضھا:۔ جب درخت کی سیدھ میں تشریف لائے تو اس کے سامنے آگئے یعنی درخت اور جمرہ کے درمیان کھڑے ہو گئے اور کنکریاں مارنی شروع فرما دیں۔

باب من رمی جمرۃ العقبۃ ولم یقف

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسنون یہی ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی

کے بعد یوم النحر میں دعاء کے لئے کھڑا نہ ہو۔

باب اذا رمی الجمر تین یقوم مستقبل القبلة ویسهل

غرض یہ بتلانا ہے کہ رمی جمرتین کے وقت قبلہ رخ ہو کر نرم جگہ یعنی وادی میں کھڑا ہو ڈھلان پر کھڑا نہ ہو۔

باب رفع الیدین عن جمرة الدنیا والوسطیٰ

غرض یہ ہے کہ دُنیا اور وسطی کے پاس ہاتھ اُٹھانے چاہئیں دعاء کے لئے دُنیا جو مسجد خیف سے قریب ہے۔ **باب الدعاء عند الجمر تین:**۔ غرض یہ کہ طول دعاء جمرتین کے پاس مسنون ہے۔

باب الطیب بعد رمی الجمار والحلق قبل الا فاضة

غرض خوشبو لگانے کا جواز بیان کرنا ہے بعد الرمی والحلق اور یہی جمہور فقہاء کا اتفاقی مسلک ہے۔

باب طواف الوداع

غرض یہ ہے کہ حائضہ کے سوا سب پر طواف وداع واجب ہے۔

باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت

غرض یہ کہ طواف زیارت کے بعد حیض آ جائے تو طواف وداع معاف ہو جاتا ہے۔ **وندع قول زید:**۔ حضرت زید حائضہ کو بلا طواف وداع جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ **وقال مسدد قلت لا:**۔ غرض یہ ہے کہ مسدد اور جریر کی روایتیں بھی لمبی روایت کی طرح ہی ہیں۔

باب من صلی العصر یوم النفر بالا بطح

غرض یہ ہے کہ واپسی کے دن ابطح میں عصر کی نماز پڑھنے کا واقعہ بیان فرمانا چاہتے ہیں۔

باب المحصب

غرض یہ ہے کہ محصب میں واپسی پر رات گذارنا مناسک حج میں داخل نہیں ہے۔ پھر محصب اور ابطح اور بطحاء اور خیف بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں۔ عشاق کے لئے واپسی پر یہاں رات گذارنا مستحب ہے بشرطیکہ اس کو واجب نہ سمجھیں اور مناسک حج میں داخل شمار نہ کریں۔

باب النزول بذی طوىٰ قبل ان یدخل مکة والنزول بالبطحاء التی بذی الحلیفة اذا رجع من مکة

غرض یہ ہے کہ ذی طویٰ میں اور واپسی پر ذی الحلیفہ کی بطحاء میں اترنا ایسا ہی ہے جیسے واپسی میں محصب میں اترنا ہے

باب من نزل بذی طوىٰ اذا رجع من مکة

غرض یہ ہے کہ واپسی کے موقعہ پر ذی طویٰ میں اترنا محصب میں اترنے ہی کی طرح ہے۔

باب التجارة ایام الموسم والبیع فی اسواق الجاهلیة

غرض یہ ہے کہ ایام حج میں تجارت کرنا اور جاہلیت والے بازاروں میں بیع وشراء کرنا جائز ہے۔ موسم کا لفظ سِمَة سے لیا گیا ہے جس کے معنیٰ علامت کے ہیں کیونکہ ایام حج علامت ہیں لوگوں کے اجتماع کی **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم من مواسم الحج:**۔ ۱۔ کسی راوی نے بطور تفسیر فی مواسم الحج ذکر فرما دیا۔ ۲۔ شاذ قراءت میں یہ بھی ہے۔ اور شاذ قراءت حدیث کے درجہ میں ہوتی ہے جس سے تفسیر ہو سکتی ہے۔

باب الا دّلاج من المحصب

لفظ اِدّلاج جب دال کی تشدید سے ہو تو اخیر رات کے چلنے پر بولا جاتا ہے اور اگر دال کے سکون سے ہو تو رات کے چلنے پر بولا جاتا ہے مطلقاً شروع رات میں ہو یا اخیر رات میں۔ یہاں تشدید کے ساتھ ہے پھر باب کی غرض۔ ۱۔ ادّلاج کا جواز بیان فرمانا ہے کہ محصب سے اخیر رات میں روانہ ہو جانا جائز ہے۔ ۲۔ عشاق کے لئے استحباب بیان فرمانا مقصود ہے۔ **ابواب العمرة:**۔ ای ابواب تذکر فیها مباحث العمرة اس تقدیر عبارت سے غرض بھی

ظاہر ہوگئی کہ عمرہ کے مباحث کا بیان مقصود ہے۔لغۃ میں عمر زیارۃ کرنے کواور مکان معمور کا قصد کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں قصد بیت اللہ بافعال مخصوصۃ۔وجوب العمرۃ وفضلھا:۔غرض امام شافعی اورامام احمد کے مسلک کی تائید کرنا ہے کہ عمرہ فرض ہے۔ اس کے برخلاف عند مالک وھو روایۃ عن اما منا ابی حنیفۃ سنت موکدہ ہے وفی روایۃ عن اما منا عمرۃ واجب ہے۔سنت ہونے کی دلیل روایۃ الترمذی عن جابران النبی صلی اللہ علیہ وسلم سُئِل عن العمرۃ اواجبۃ ھی قال لاوان تعمر واھوافضل اورامام ترمذی نے اس حدیث کوحسن صحیح قرار دیا ہے۔وجوب کی دلیل حدیث الباب قال ابن عباس رضی اللہ عنہما انھا لقرینتھا فی کتاب اللہ واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ. یہ آیت قطعی الثبوت اور ظنی الدلالت ہے کیونکہ یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں یہ مقصود ہوکہ اگرحج اور عمرہ شروع کرلوتو پھر پورا کرنا واجب ہے اور دلیل امام شافعی اورامام احمد کی یہی حضرت ابن عباس والی روایت ہے اِن کے نزدیک یہ حدیث اور آیت وجوب پرمحمول ہیں جواب ابھی ہوگیا۔پھر ہمارے امام صاحب کی دوروایتوں میں سے وجوب والی کوترجیح ہے احوط ہونے کی وجہ سے یہی سنّت کی دلیل کا جواب بھی ہے کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کی دلیلیں ہیں احتیاط کی بناپروجوب کوترجیح ہے۔

باب من اعتمر قبل الحج

غرض یہ ہے کہ حج سے پہلے صرف عمرہ کرکے واپس چلا جانا بھی جائز ہے۔کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم:۔غرض یہ بتلانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کتنے عمرے ادا فرمائے ہیں۔فقال بدعۃ:۔چاشت کی نماز کا اظہار کرنے کے لئے مسجد میں پڑھنا بدعت ہے۔ما اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رجب:۔یہی راجح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں کوئی عمرہ ادانہیں فرمایا۔وعمرۃ الجعرانۃ:۔راجح یہ ہے کہ یہ بھی ذی قعدہ میں ہی تھا۔اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ فرمایا کیونکہ راجح یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔

وعمرۃ فی ذی القعدۃ:۔یہی راجح ہے۔

باب عمرۃ فی رمضان

غرض عمرہ فی رمضان کی فضیلت کا بیان کرنا ہے۔فرکبہ ابو فلان وابنہ لزوجھا وابنھا:۔ابوفلان سے مراد اُس عورت کا خاوند ہے اور ابنہ سے مراد اس عورت کا بیٹا ہے۔

باب العمرۃ لیلۃ الحصبۃ وغیرھا

غرض یہ ہے۔کہ واپسی کے دنوں میں جب محصب میں رات گذاری جاتی ہے ان دنوں میں بھی اور آگے پیچھے بھی عمرہ سارا سال جائز ہے۔

باب عمرۃ التنعیم

غرض یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے عمرہ کرنے والے کے لئے بہتر تنعیم سے احرام باندھنا ہے کیونکہ۔۱۔حرم کے اندر رہتے ہوئے جو عمرہ کرنا چاہے وہ حرم سے باہر جاکر احرام باندھ کر آتا ہے اور حرم سے باہر جگہ کو حل کہتے ہیں اور حل میں قریب ترین جگہ نماز کعبہ سے تنعیم ہے اور شریعت میں آسانی ہی کا لحاظ ہے اِن سب باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے۔۲۔حضرت عائشہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنعیم سے ہی احرام باندھنے کا امر فرمایا تھا۔پھر یہ تو افضلیت کا ذکر تھا جواز حل کی سب جگہوں میں ہے کہ حرم سے باہر جاکر جہاں سے چاہے احرام باندھ کر آجائے۔

باب الا عتماد بعد الحج بغیر ھدی

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ حج کے بعد عمرہ کرنے والا متمتع نہیں ہوتا اس لئے اُس پر دم تمتع نہیں ہے۔ولم یکن فی شئی من ذلک ھدی ولا صدقۃ ولا دم:۔سوال۔بعض فقہاء کے نزدیک حضرت عائشہ پر دم قران تھا اور بعض کے نزدیک دم رفض عمرہ تھا۔جواب۔یہ حضرت ہشام کا قول ہے جیسا کہ کتاب الحیض میں صحیح بخاری میں تصریح ہے اور اُن کا قول ان کے اپنے علم پرمبنی ہے۔۲۔ھدی کے معنیٰ وہ جانور جو حاجی یا معتمر گھر سے لے کر چلتا ہے۔یہ حضرت عائشہ پر واجب نہ تھا کہ گھر سے لے کر

جانور چلتیں اِن دونوں جوابوں کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ موطأ امام محمد میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کی طرف سے قربانی دی تھی پھر اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ ترجمۃ الباب تو فقہاء کے قول کے مطابق ہے لیکن استدلال امام بخاری کا ظاہر الفاظ سے ہے اور یہ امام بخاری کی عادات سے ہے کہ بعض دفعہ صرف ظاہری الفاظ سے استدلال فرما لیتے ہیں۔

باب اجر العمرة علی قدر النصب

غرض یہ ہے کہ جان اور مال میں مشقت زیادہ ہونے سے ثواب بڑھ جاتا ہے جیسے مکان کی فضیلت سے ثواب بڑھتا ہے جیسے مسجد حرام اور جیسے زمان کی وجہ سے ثواب بڑھتا ہے جیسے رمضان المبارک۔

باب المعتمر اذا طاف طواف العمرة ثم خرج هل یجزئه من طواف الوداع

غرض یہ ہے کہ حج کے بعد عمرہ کا طواف کر کے اگر روانہ ہو جائے تو طواف وداع واجب نہیں رہتا۔ فلم تکن لهم عمرةٌ :۔ ای لم تکن هذه الافعال عمرةً یعنی انہوں نے فسخ الحج بالعمرہ نہ کیا۔ فارتحل الناس ومن طاف بالبیت قبل صلوٰة الصبح :۔ ومن طاف یہ عطف خاص علی العام ہے کہ بعض نے رات ہی طواف وداع کر لیا تھا باقیوں نے نماز فجر سے پہلے کر لیا اور سب مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

باب یفعل بالعمرة ما یفعل بالحج

غرض یہ ہے کہ صرف احرام اور جنایات کے احکام میں حج اور عمرہ ایک جیسے ہیں۔ کغطیط البکر :۔ جوان اونٹ کی آواز کی طرح آواز تھی۔ وکانت مناةُ حذوَ قُدَیْد :۔ ان کا مناۃ بُت قُدید کی سیدھ میں تھا اور قُدید ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تھی۔ متیٰ یحل المعتمر :۔ غرض یہ کہ طواف اور سعی کے بعد حلق یا قصر کر کے معتمر حلال ہو جاتا ہے۔ ویطوفوا ثم یقصروا ویحلّوا :۔ یعنی طواف خانہ کعبہ کا اور طواف صفا مروہ کا کر کے قصر کر کے حلال ہو جائیں۔ فقال له صاحب لی :۔ یہ حضرت اسماعیل کا مقولہ ہے۔ اکان دخل الکعبة قال لا :۔ یہ عمرۃ القضاء کا موقعہ ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل نہ ہوئے تھے۔ بعد میں داخل ہوئے تھے۔ بشروا خدیجة :۔ حضرت خدیجہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔ لاصَخَبَ ولا نصَبَ :۔ صخب کے معنیٰ شور کے ہیں اور نصب کے معنیٰ تھکاوٹ کے ہیں۔ مناسبت کعبۃ اللہ کے مضمون کے ساتھ یہ ہوئی کہ دنیا کے گھروں میں اگرچہ وہ فضیلت والے ہی ہوں جیسے خانہ کعبہ ہے ان میں شور بھی ہوتا ہے اجتماع کی وجہ سے اور مشقت بھی ہوتی ہے بنانے میں۔ جنت کے گھر ان دونوں تکلیفوں سے خالی ہوں گے متعنا اللہ بھا۔ آمین۔

باب ما یقول اذا رجع من الحج او العمرة او الغزو

غرض یہ ہے کہ ہر اچھے سفر سے واپس آکر شکر اور توبہ کے کلمات کہے۔

باب استقبال الحاج القادمین والثلاثة علی الدابة

حاجی حضرات کے استقبال کا جائز ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔ وجہ ۱۔ تبرک۔ ۲۔ تعظیم اور دوسری غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر جانور برداشت کر سکے تو ایک جانور پر تین آدمیوں کا سوار ہونا بھی جائز ہے۔ پھر الحاج القادمین میں الحاج کا لفظ جنس کے معنیٰ کو بھی شامل ہے اس لئے اس کی صفت جمع لائی گئی۔

باب القدوم بالغداة

غرض یہ ہے کہ مستحب ہے کہ سفر سے گھر صبح کے وقت پہنچے تا کہ گھر والوں کو آسانی ہو۔

باب الدخول بالعشی

غرض یہ ہے کہ شام کے وقت داخل ہونا گھر میں سفر سے واپسی پر جائز ہے ممانعت صرف رات کو داخل ہونے سے ہے۔

باب لا یطرق اهله اذا دخل المدینة

غرض یہ کہ گھر میں سفر سے واپسی پر رات کے وقت داخل ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس میں گھر والوں کو شبہ ہوتا ہے کہ ہماری جاسوسی کر رہا ہے پھر مدینہ سے مراد۔۱۔ آنے والے کا شہر ہے۔۲۔ مدینہ منورہ مراد ہے پھر ظاہر یہی ہے کہ نہی تنزیہی ہے جب کہ لمبے سفر سے بلا اطلاع آئے......... کیونکہ دنیا کی راحت کی وجہ سے ہے تا کہ کوئی نامناسب حالت نہ دیکھے جیسے اڑھائی سال کی انڈیا کی قید کے بعد ایک سپاہی صوبہ سرحد آدھی رات کے قریب اپنے گھر آیا صرف بیوی کو پتہ چلا صبح سویرے بیوی بول و براز کے لئے باہر چلی گئی ساتھ والے مکان میں اس سپاہی کا بڑا بھائی اور اس کی بیوی رہتے تھے بھائی کی بیوی نے مردانہ جوتا دیکھا اور مرد کو منہ ڈھانپے ہونے سویا ہوا دیکھا تو اپنے خاوند کو جگا کر کہا کہ دیکھو تمہاری بھائی کی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد نے رات گذاری ہے وہ بندوق لے آیا اور سوئے ہوئے مرد کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ سپاہی کی بیوی بھاگی ہوئی آئی کہ یہ تو تیرا بھائی ہے بدحواسی اور غصہ میں بڑے بھائی نے پہلے اپنی بیوی کو گولی ماری اور پھر خودکشی کر لی اگلے دن نوائے وقت اخبار میں یہ خبر احقر محمد سرور عفی عنہ نے خود پڑھی۔

باب من اسرع ناقة اذا بلغ المدینة

غرض یہ ہے کہ وطن کی محبت کی وجہ سے اپنے شہر کے قریب آ کر اپنی سواری کو تیز کر لینا بھی جائز ہے۔

باب قول الله تعالىٰ واتوا البیوت من ابوابها

غرض اس آیت کا شان نزول بیان فرمانا ہے کانت الانصار اذا حجوا:۔ انصار میں حصر نہیں ہے۔ غیر قریش کا یہی طریقہ تھا جیسا کہ دوسری روایات میں تصریح ہے۔ البتہ قریش اپنے اصلی دروازوں سے ہی داخل ہوتے تھے۔ **باب السفر قطعة من العذاب:۔** ظاہر یہی ہے کہ غرض اشارہ کرنا ہے ایک حدیث کی طرف عن عائشة مرفوعاً اذا قضی احدکم حجه فلیعجل الی اهله اس حدیث کا لحاظ کرتے ہوئے یہ باب ابواب حج کے مناسب ہو جائے گا کہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ حج کرنے کے بعد جو حقوق اللہ میں سے ہے حقوق العباد کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور سفر سے جلدی واپس پہنچ جانا چاہئے۔ **نهمته:۔** حاجته **باب المسافر اذا جدبه السیر یعجل الی اهله:۔** غرض یہ ہے کہ اگر گھر والوں کے پاس جلدی جانے کی ضرورت ہو تو سفر تیز کر دینا مستحسن ہے بعض نسخوں میں یعجل سے پہلے واو بھی ہے اس نسخہ میں جزاء محذوف مانی جائے گی ماذا یصنع۔ **حتی اذا کان بعد غروب الشفق:۔** یہ بعد کا لفظ کسی راوی کا وہم ہے کیونکہ صحیح روایات میں قبل غروب الشفق کی تصریح موجود ہے۔

باب جزاء الصید و نحوه

غرض جزاء صید کی تفصیل ہے اور آیت کی تفسیر ہے۔ پھر ان احصار کے بابوں میں امام بخاری دشمن کی قید نہیں لگا رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے حنفیہ ہی کے قول کو لیا ہے۔ اختلاف عندامامنا احصار کے احکام ہر قسم کی رکاوٹ سے جاری ہو جاتے ہیں وعندالجمہور صرف دشمنوں کی رکاوٹ سے جاری ہوتے ہیں۔ منشاء اختلاف آیت احصار ہے **فان احصرتم فما استیسر من الهدی** ہمارے نزدیک یہ آیت عام ہے ہر قسم کی رکاوٹ کو شامل ہے جمہور کے نزدیک چونکہ یہ آیت دشمن کی رکاوٹ کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی اس لئے دشمن کی رکاوٹ ہی مراد ہے اور اس کے سوِیٰ کوئی رکاوٹ بیماری وغیرہ کی اِس حکم میں داخل نہیں ہے۔ ترجیح ہمارے امام صاحب کے قول کو ہے ابوداؤد کی روایت کی وجہ سے عن الحجاج بن عمرو مرفوعاً من کسر اوعرج فقد حل وعلیه الحج من قابل۔

باب اذا احصر المعتمر

غرض کی دو تقریریں ہیں۔۱۔ جب عمرہ کے ارادہ والے کو روک دیا جائے تو کیا کرے جزاء محذوف ہے۔ ماذا یصنع۔۲۔ تقدیر عبارت تو یہی ہے اور غرض امام مالک کے قول کا رد ہے جو فرماتے ہیں کہ احصار صرف حج میں ظاہر ہوتا ہے عمرہ میں ظاہر نہیں ہوتا وعندالجمہور حج اور

عمرہ دونوں میں ظاہر ہوتا ہے وللجمہور واقعہ صلح حدیبیہ کا جس میں عمرہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احصار کے احکام جاری فرمائے ولما لک جب سارا سال عمرہ کے لئے موجود ہے جب بھی موقعہ ملے گا عمرہ کرے گا تو پھر احصار کیسے پایا گیا۔ جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

لا یحل حتی یطوف طوافاً واحداً یوم یدخل مکة

مراد طواف زیارت اور یوم سے مراد یوم النحر ہے۔ **لواقمت بھذا:** ۔ھذا سے مراد ھذا المکان یا ھذا العام ہے کہ اسی جگہ ٹھہرے رہیں اور مکہ مکرمہ تشریف نہ لے جائیں یا اس سال سفر نہ فرمائیں۔ دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ **باب الاحصار فی الحج:**۔ غرض احصار کے حکم میں حج کو عمرہ پر قیاس فرمانا ہے۔ کہ عمرہ کا احصار تو نص سے ثابت ہے اور حج کا احصار اس پر قیاس کرنے سے ثابت ہے۔

باب النحر قبل الحلق فی الحصر

غرض یہ ہے کہ حصر اور حج میں نحر حلق سے پہلے ہونا چاہئے اس لئے حصر کی قید احترازی نہیں ہے اقتضاءِ مقام کی وجہ سے ہے۔

باب من قال لیس علی المحصر بدل

غرض یہ ہے کہ جو امام یہ بیان کرتے ہیں کہ محصر کے ذمہ بدل نہیں ہے ان کے لئے سنت سے اصل ہے۔ اس ضمن میں دو اختلافی مسئلے بیان فرمارہے ہیں۔ **پہلا اختلاف:**۔ عندامامنا ابی حنیفۃ دم احصار حرم میں ذبح ہوگا وعندالجمہور جہاں حلال ہو رہا ہے وہاں ذبح کرے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی جمہور ہی کے ساتھ ہیں ولنا۔۱۔ ھدیا بالغ الکعبۃ ۔۲۔ ثم محلھا الی البیت العتیق وللجمہور فی الباب قول مالک تعلیقاً والحدیبیۃ خارج الحرم۔ جواب۔ فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن عطاء کان منزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ فی الحرم۔ **دوسرا اختلاف:**۔ عندامامنا ابی حنیفۃ محصر پر حج اور عمرہ کی قضاء واجب ہے وعندالجمہور والبخاری قضاء واجب نہیں ہے ولنا ما نقل الواقدی من طریق الزھری قالوا امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ ان یعتمروا فلم یتخلف الا من قتل بخیبر وللجمہور تعلیق الباب عن مالک ثم لم یذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر احداً ان یقضوا شیئاً جواب ہماری روایت مثبت زیادۃ ہے اس لئے اُسی کو ترجیح ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ فمن کان منکم مریضا او بہ اذیً من راسہ ففدیۃ من صیام اوصدقۃ اونسک

غرض اس آیت کی تفسیر ہے اور معذور کا حکم بیان کرنا ہے کہ اس کے لئے حلق جائز ہے اور فدیہ واجب ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ او صدقۃ وھی طعام ستۃ مساکین

غرض اس آیت کی تفسیر اور صدقہ کا مصداق بیان کرنا ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

باب الاطعام فی الفدیۃ نصف صاع

فدیہ کی مقدار بتلانی مقصود ہے اور وہ بالاتفاق نصف صاع ہے۔ **باب النسک شاۃ:**۔ غرض آیت میں مذکور نُسُکُ کا مصداق بتلانا ہے کہ کم از کم درجہ بکری کا ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ فلا رفث

غرض اس آیت کی تفسیر ہے اور پھر اس باب کا ربط احصار کے بابوں سے یہ ہے کہ محصر کو بھی رفث اور فسوق اور جدال کی ممانعت ہے اِس لئے وہ حتی الامکان احصار کو دفع نہ کرے۔

باب قول اللہ عزوجل ولا فسوق ولا جدال فی الحج

غرض گذشتہ باب کا تتمہ بیان کرنا ہے اور اسی آیت کی تفسیر ہے۔

باب جزاء الصید و نحو و قول اللہ تعالیٰ لا تقتلوا الصید و انتم حرم

غرض صید کی جزاء اور دیگر محظورات احرام کی جزاء کا بیان ہے پھر یہ

باب بمنزلہ کلی کے ہے اور آئندہ کئی باب بطور جزئیات کے آئیں گے۔ پھر اپنی شرط پر حدیث نہ پانے کی وجہ سے صرف آیت پر اکتفاء فرمایا۔

باب اذا صاد الحلال فاهدی للمحرم الصیدا کله

غرض حنفیہ کی تائید ہے اختلافی مسئلہ میں اختلاف یوں ہے کہ عند امامنا ابی حنیفۃ حلال شکاری جانور کا گوشت کھانا محرم کے لئے جائز ہے جبکہ کسی حلال شخص نے محرم کو کھلانے کی نیت سے شکار کیا ہو وعند الجمھور جائز نہیں ولنا روایۃ الباب فی البخاری وابی داؤد وا للفظ لابی داؤد عن ابی قتادۃ مرفوعاً انما ھی طعمۃ اطعمکموھا اللہ تعالیٰ وللجمھور روایۃ ابی داؤد عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاً صید البر لکم حلال مالم تصیدوہ او یصاد لکم جواب مراد بامرکم ہے تاکہ تعارض نہ ہو۔ قیاماً قواماً:۔ یعنی جس سے کسی چیز کا نظام ہو اور جس پر کسی شئی کے وجود کا مدار ہو۔ فخشینا ان نقتطع:۔ ہمیں ڈر ہوا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ سے جدا نہ ہو جائیں کیوں؟ ا۔ زیادۃ فاصلہ کی وجہ سے۔ ۲۔ ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دشمن نہ آ جائے۔ ترکتہ بتعھن وھو قایل السقیا:۔ اُس شخص نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعھن نام کی جگہ پر چھوڑا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ السقیا نام کی جگہ پر پہنچ کر دو پہر کا قیلولہ فرمائیں گے۔ فاحرم اصحابہ ولم یحرم:۔ یہ عبارت اسی حدیث میں اوپر والی دو عبارتوں سے پہلے ہے۔ اس میں مختلف قول ہیں کہ حضرت ابو قتادہ نے احرام کیوں نہ باندھا تھا۔ ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ کو کسی جگہ زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا اسی زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ حدیبیہ کے لئے روانہ ہو گئے جب حضرت ابو قتادہ واپس تشریف لائے تو عمرہ کا ارادہ کئے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ۲۔ حضرت ابو قتادہ عمرۃ الحدیبیہ میں ساتھ نہ نکلے تھے مدینہ منورہ ہی قیام کا ارادہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احرام باندھ کر تشریف لے جارہے تھے تو پیچھے مدینہ منورہ والوں کو شبہ ہوا کہ کوئی دشمن مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والا ہے اس کی اطلاع کرنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آئے تھے۔ ۳۔ حضرت ابو قتادہ کا ارادہ عمرہ کا نہ تھا صرف تکثیر جماعت کے طور پر کچھ دور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے۔ ۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ کو سمندر کے کنارہ والے راستہ سے آنے کے لئے فرمادیا تھا کیونکہ اُس طرف سے کسی دشمن کا خطرہ تھا اور اُس طرف کی میقات ابھی شروع نہ ہوئی تھی ۵۔ ابھی میقات کی تعیین اچھی طرح نہ کی گئی تھی اس لئے کچھ آگے جاکر بھی احرام باندھنے کی گنجائش تھی اسی گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت ابو قتادہ نے ابھی احرام نہ باندھا تھا ارادہ تھا کہ آگے جاکر باندھ لوں گا۔ ان اقوال میں سے پہلے قول کو علامہ عینی نے اقوی قرار دیا ہے۔ ارفع فرسی شاءوأ واسیر شاءوأ:۔ شاواً کے معنیٰ ہیں مرۃ یعنی کبھی میں زیادہ تیز چلاتا تھا گھوڑے کو اور کبھی کچھ آہستہ چلتا تھا۔

باب اذا رأی المحرمون صیداً فضحکوا ففطن الحلال

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مُحرم کا ہنسنا اشارہ الی الصید میں داخل نہیں ہے۔ فاتُبنا بعد و بغیقہ:۔ غیقہ حرمین کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

باب لا یعین المحرم الحلال فی قتل الصید

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ محرم کے لئے جائز نہیں ہے کہ حلال کی شکار میں امداد کرے۔

کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقاحۃ من المدینۃ علی ثلٰث

یعنی ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قاحہ جگہ پر تھے جو مدینہ منورہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ قال لنا عمرو:۔ یہ حضرت سفیان بن عیینہ کا مقولہ ہے۔ اذھبوا الیٰ ابی صالح فسلوہ عن ھذا وغیرہ:۔ غرض شوق دلانا تھا کہ حضرت ابو صالح

کے پاس جائیں اور یہ حدیث اور دوسری احادیث ان سے حاصل کریں۔ وقدم علینا ھھنا:۔ یعنی حضرت ابوصالح مدینہ منورہ سے یہاں مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تھے۔

باب لایشیر المحرم الی الصیدلکی یصطادہ الحلال

غرض یہ ہے کہ محرم کے لئے شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی جائز نہیں ہے اس نیت سے کہ حلال آدمی شکار کرے۔ خرج حاجاً یہاں حج اصغر مراد ہے یعنی عمرہ کیونکہ عمرہ کو بھی مجازاً حج اصغر کہہ دیتے ہیں کیونکہ یہ حج کے مشابہ ہے۔

باب اذا اھدی للمحرم حماراً وحشیاحیاً لم یقبل

غرض دو چیزیں ہیں ۱۔ یہ مسئلہ بیان کرنا کہ زندہ شکاری جانور کا ہدیہ قبول کرنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے۔ ۲۔ مسلم شریف کی ایک روایت میں وہم ہونے کی طرف اشارہ ہے اس میں یوں ہے مرفوعاً انہ اُھدی قطعۃ لحم صحیح یہ ہے کہ زندہ جانور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمایا تھا۔

باب مایقتل المحرم من الدواب

غرض ان جانوروں کا بیان ہے جن کا قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے وجہ جواز ۱۔ یہ جانور موذی ہیں۔ ۲۔ یہ جانور حرام ہیں۔ راجح پہلی وجہ ہے۔

باب لایعضد شجر الحرم

غرض یہ ہے کہ حرم کے درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔

وانما اذن لی ساعۃً من نھار

اس ساعت کا مصداق طلوع شمس سے صلوٰۃ عصر تک تھا۔

باب لاینفر صید الحرم

غرض یہ ہے کہ حرم کے شکاری جانوروں کا بھگانا جائز نہیں ہے۔

باب لایحل القتال بمکۃ

یہ غرض ہے کہ مکہ مکرمہ کے اندر قتال جائز نہیں ہے۔

باب الحجامۃ للمحرم

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ محرم اگر اپنے بدن پر سینگی لگوائے تو اس کا کیا حکم ہے مسئلہ اختلافی ہے عند مالک مکروہ ہے وعند الجمھور بلا کراہت جائز ہے وللجمھور حدیث الباب فی البخاری وابی داؤد عن ابن عباس احتجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم ولمالک سینگی لگوانے میں خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی بال کٹ جائے اس لئے مکروہ ہے جواب۔ ۱۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ ۲۔ ایسا معمولی احتمال تو بوجھ اٹھانے اور منہ دھونے میں بھی ہے جب یہ دونوں کام کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہیں تو سینگی لگوانا بھی مکروہ نہ ہونا چاہئے۔

باب تزوج المحرم

غرض حنفیہ کے قول کی تائید ہے کہ محرم کے لئے جائز ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح کرے اور یہ نکاح صحیح ہے وعند الجمھور صحیح نہیں ہے۔ منشاء اختلاف حضرت میمونہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح فرمانا ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نکاح احرام کی حالت میں فرمایا تھا جیسا کہ صحاح ستہ میں حضرت ابن عباس سے مرفوعاً منقول ہے۔ اور جمہور کی تحقیق یہ ہے کہ حلال ہونے کی حالت میں یہ نکاح فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابورافع والی روایت میں ہے جو ترمذی اور مسند احمد میں منقول ہے۔ ہمارے مرجحات۔ ۱۔ ہماری روایت کی سند زیادہ قوی ہے چنانچہ صحاح ستہ میں موجود ہے۔ ۲۔ حضرت ابن عباس کا فقہ۔ حدیث اور تفسیر میں بہت اونچا مقام ہے۔ حضرت ابورافع کا ایسا مقام نہیں ہے۔ ۳۔ احرام کی حالت میں بیوی کی طرح رکھنے کی نیت سے لونڈی کا خریدنا جائز ہے بالاجماع اسی پر نکاح کو قیاس کریں گے پس قیاس ہمارے لئے مُرجح ہے۔ ۴۔ ہم دونوں قسم کی روایتوں کو جمع کرتے ہیں کہ نکاح کا ایجاب وقبول احرام کی حالت میں ہوا اور ظہور نکاح کا یعنی رخصتی حلال ہونے کی حالت میں ہوئی۔ اس کے برعکس توجیہ نہیں ہو سکتی کہ نکاح حلال ہونے کی صورت میں مکہ مکرمہ میں ہوا اور رخصتی بعد میں احرام کی صورت میں ہوئی کیونکہ واپسی پر تو احرام نہ تھا۔ ۵۔

فی الطحاوی عن ابن عباس انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تزوجہا وھو محرم فاقام بمکۃ ثلاثا فاتاہ حویطب فی نفر من قریش فی الیوم الثالث فقالوا قد انقضی اجلک فاخرج عنا فقال وما علیکم لو ترکتمونی فعرست بین اظہرکم فصنعنا لکم طعاماً فحضرتموہ فقالوا لا حاجۃ لنا فی طعامک فاخرج عنا فخرج وخرج بمیمونۃ حتی عرس بھا بسرف۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نکاح پہلے احرام کی حالت میں ہو چکا تھا اب عمرہ کے بعد مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا رخصتی کے لئے تھا۔ ۶۔ فی الطحاوی عن ابی ہریرۃ مثل روایۃ ابن عباس۔ ۷۔ فی الطحاوی عن عائشۃ مثل روایۃ ابن عباس اور آخری دونوں روایتوں کو حافظ ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔

مرجحات الجمہور۔ ۱۔ روایۃ ابی داؤد عن عثمان بن عفان مرفوعاً لا ینکح المحرم ولا ینکح۔ جواب نہی تنزیہی ہے کیونکہ لا یخطب بھی تو ساتھ ہی ہے یعنی نسبت کرنا احرام میں بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے اس لئے نکاح پڑھنا بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن یزید بن الاصم ابن اخی میمونۃ عن میمونۃ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن حلالان بسرف اس روایت میں ابن اخی میمونۃ کسی راوی کی غلطی ہے صحیح ابن اخت میمونۃ ہے جب یہ بھانجے ہیں تو ان کی روایت سے بہت زیادہ قوت حاصل ہوئی کیونکہ یہ گھر کے آدمی ہیں۔ جواب حضرت ابن عباس بھی تو بھانجے ہی ہیں پھر کمال علمی حضرت ابن عباس کا حضرت یزید بن الاصم پر بہت زائد ہے۔ ۳۔ فی ابی داؤد عن سعید بن المسیب قال وھم ابن عباس فی تزویج میمونۃ وھو محرم جواب خلفاء اربعہ کے علاوہ کوئی صحابی بھی حضرت ابن عباس کو وہم کرنے والا کہتا تو وہ بھی معتبر نہ تھا کیونکہ حضرت ابن عباس کا مقام علمی بہت بلند ہے حضرت سعید بن المسیب تو تابعی ہیں اُن کا یہ قول کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ ۴۔ حضرت ابو رافع نکاح کا پیغام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت میمونہ کے پاس لائے تھے۔ اس لئے وہ حالات کو زیادہ جانتے ہیں۔ جواب۔ نسبت اور منگنی ہو جانے سے حضرت ابو رافع کا کام ختم ہو گیا۔ بعد میں جب نکاح ہوا تو حضرت عباس حضرت میمونہ کے وکیل تھے اور حضرت ابن عباس حضرت عباس کے حالات حضرت ابو رافع سے زیادہ جانتے ہیں۔ ۵۔ جمہور کے دوسرے مرجح والی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت میمونہ جو صاحب واقعہ ہیں وہ خود یہی نقل فرما رہی ہیں کہ میرا نکاح حلال ہونے کی صورت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ جواب۔ حضرت میمونہ صاحب واقعہ رخصتی کے واقعہ میں ہیں اور اس روایت میں رخصتی ہی کو ذکر فرما رہی ہیں، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رخصتی حلال ہونے کی صورت میں واپسی میں ہوئی ہے۔ نکاح کے ایجاب وقبول میں وہ صاحب واقعہ نہیں ہیں ان کے وکیل صاحب واقعہ ہیں یعنی حضرت عباس۔ ۶۔ محرم ہونے کی حالت میں نکاح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر پہلے نکاح فرمایا پھر عمرہ ادا فرمایا یہ تو شان نبوت کے خلاف ہے کہ جس اہم عبادت کے لئے لمبا سفر فرمایا اس کی طرف توجہ نہ فرمائی ہو اور پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح میں مشغول ہو گئے ہوں۔ جواب۔ یہ خرابی اس وقت لازم آتی ہے جبکہ نکاح مکہ مکرمہ میں مانا جائے۔ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے سفر کی حالت میں مقام سرف پر جہاں حضرت عباس استقبال کے لئے مکہ مکرمہ سے باہر ایک دو منزل پہلے حاضر ہوئے تھے وہاں نکاح ہوا ہے اور واپسی پر اُسی جگہ رخصتی ہوئی اور پھر بعد میں حضرت میمونہ کی وفات بھی اِسی سرف کے مقام پر ہوئی اور آپ کو اسی مقام پر دفن کیا گیا۔ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام عمرہ ادا فرمانے کا ہی کیا۔ ۷۔ حضرت ابن عباس کی عمر نکاح کے وقت دس سال کی تھی اور حضرت ابو رافع بالغ تھے اس لئے بالغ کی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے جواب علمی فضیلت عمر کی فضیلت سے زائد ہوتی ہے۔

باب ما ینھی من الطیب للمحرم و المحرمۃ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ خوشبو احرام کے خلاف ہے۔

باب الاغتسال للمحرم:۔ ظاہر یہی ہے کہ غرض رد کرنا ہے امام مالک کے قول کا کہ بلا جنابت غسل کرنا محرم کے لئے عند مالک جائز نہیں ہے اور عند البخاری والجمھور جائز ہے۔ لنا۔ حدیث

الباب جس میں حضرت ابوایوب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام میں ہاتھوں کو سر پر پھیر کر سر دھونا اور غسل فرمانا نقل فرمایا ہے۔ ولمالک غسل کرنا سر پر کپڑا اوڑھنے کی طرح ہے جواب۔ قیاس سے حدیث کو نہیں چھوڑ سکتے۔

باب لبس الخفین للمحرم اذا لم یجد النعلین

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ جوتا نہ ہو تو موزے کا پہننا محرم کے لئے جائز ہے پھر اختلاف کی وجہ سے کاٹنے کی تصریح نہ فرمائی عند احمد کاٹنا ضروری نہیں ہے بلا کاٹے موزے پہننے جائز ہیں جمہور کے نزدیک کاٹنا واجب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً ولیقطعہما حتیٰ یکونا اسفل من الکعبین امام احمد کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے اور عند الجمہور وجوبی ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ اصل امر میں وجوب ہی ہے۔

باب اذا لم یجد الازار فلیلبس السراویل

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ تہ بند نہ ہو تو سلوار کو ہی تہ بند کی طرح بند کی طرح بدن پر لپیٹ لے۔

باب لبس السلاح للمحرم

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں ہتھیار پہننا بھی جائز ہے لیکن یہ شرط ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

باب دخول الحرم و مکة بغیر احرام

غرض امام مالک اور امام شافعی کی ایک ایک روایت کی تائید کرنا ہے کہ بغیر احرام کے بھی حرم شریف اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونا جائز ہے ان دونوں حضرات کی اشہر روایت اور مسلک امام ابو حنیفہ واحمد کا یہ ہے کہ جائز نہیں ولنا روایۃ ابن ابی شیبۃ بسند حسن عن ابن عباس مرفوعاً لاتجاوز والمیقات الا بالاحرام وللشافعی و مالک۔ ا۔ اول الباب عن ابن عباس مرفوعاً ھن لھن ولکل آتٍ اتی علیھن من غیرھم من اراد الحج والعمرۃ جواب ہماری دلیل منطوق کے درجہ میں ہے اور آپ کی مفہوم مخالف کے درجہ میں ہے اور منطوق کو مفہوم مخالف پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۲۔ ثانی الباب عن انس مرفوعاً دخل عام الفتح وعلیٰ راسہ المغفر جواب۔ یہ خصوصیت تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسا کہ روایات میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ روایات میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طلوع شمس سے صلوۃ عصر تک اجازت دی گئی تھی کہ جہاد فرما کر مکہ مکرمہ فتح فرمالیں۔

باب اذا احرم جاھلاً وعلیه قمیص

غرض امام شافعی واحمد کا قول اختیار فرمانا ہے کہ لاعلمی یا نسیان میں محرم لباس سلا ہوا پہن لے تو کفارہ نہیں ہے وعند امامنا ابی حنیفۃ و مالک کفارہ واجب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن یعلی بن اُمیۃ مرفوعاً جہالت سے جبہ پہننے والے سے فرمایا۔ اصنع فی عمرتک ماتصنع فی حجّک ہمارے نزدیک ممانعت ثابت ہوگئی کہ حاجی کی طرح سارے کام کرو۔ اور حاجی کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے اور پہننے پر کفارہ ہے اسی طرح جہالت یا نسیان سے پہننے کا حکم بھی ثابت ہوگیا کہ کفارہ ہے اور اس حدیث میں جہالت کی وجہ سے ہی جُبّہ پہنے ہوئے تھے۔ اور امام شافعی واحمد کا استدلال یوں ہے کہ یہاں کفارہ کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کفارہ جہالت میں نہیں ہے اسی حکم میں نسیان ہے۔ ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ شہرت کی بناء پر کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا۔

باب المحرم یموت بعرفة ولم یامر النبی صلی الله علیه وسلم ان یودی عنه بقیة الحج

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ حج کے دوران فوت ہونے والے کی طرف سے حج بدل کرانا ضروری نہیں ہے اور یہ اس پر محمول ہے کہ مرنے والے نے حج بدل کی وصیت نہ کی ہو، اور اگر وصیت کی ہو تو پھر حج بدل کرانا ثلث مال میں سے ضروری ہوتا ہے۔

باب سنة المحرم اذامات

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ محرم احرام میں وفات پاجائے تواس کے کفن دفن کا کیا طریقہ ہوگا۔اختلاف:۔ کتاب الجنائز میں گذر چکا۔

باب الحج والنذور عن الميت والرجل يحج عن المرءة

غرض دومسئلوں کا بیان ہے۔ پہلا مسئلہ:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ اپناحج کرنے سے پہلے بھی حج بدل کرلے توصحیح ہوجاتا ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی اسی طرف مائل ہیں وعندالجمھو رصحیح نہیں ہوتا ولابی حنیفۃ حدیث الباب عن ابن عباس ان امراءۃ من جھینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتیٰ ماتت افاحج عنھا قال نعم اُس عورت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دریافت نہ فرمایا کہ تم اپناحج بھی کرچکی ہو یا نہ وللجمھو ررواية ابی داؤدعن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا يقول لبیک عن شبرمۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من شبرمۃ قال اخ لی اوقریب لی قال احججت عن نفسک قال لا قال حج عن نفسک ثم عن شبرمۃ۔ جواب۔ا۔استحباب پر محمول ہے۔ دوسرا مسئلہ:۔ اس پرائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں کہ مردعورت کی طرف سے بھی حج بدل کرسکتا ہے اور دلیل یہی حدیث الباب ہے جس میں عن ابن عباس مرفوعاً منقول ہے اراء یت لوکان علی امکَ دین اکنتِ قاضیۃً معلوم ہوا حج قرضہ کی طرح ہے جب مردعورت کی طرف سے قرضہ ادا کرسکتا ہے تواس کی طرف سے حج بھی کرسکتا ہے۔

باب الحج عمن لا يستطيع الثبوت على الراحلة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جو اتنا کمزور ہو کہ سواری پر سوار نہ ہو سکے۔اس کی طرف سے حج بدل ہوسکتا ہے۔

باب حج المرأة عن الرجل

غرض شبہ کا ازالہ ہے کہ عورت تلبیہ کے ساتھ آواز بلند نہیں کرتی رمل نہیں کرتی شاید وہ مرد کے حج بدل کی اہل نہ ہواس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ شریعت نے اس کو اہل قرار دیا ہے۔

باب حج الصبيان

غرض یہ ہے کہ بچے کا حج بھی صحیح ہے اوراس کو حج کرنے کی مشق کرائی جائے لیکن احرام کے خلاف کام کرنے سے بچے پر چٹی نہیں آتی۔حج بی:۔ای حُجّت بی امّی اسی طرح ایک روایت میں مذکور ہے۔

باب حج النساء

غرض یہ ہے کہ عورتوں کا حج مردوں کے حج ہی کی طرح ہے کسی کسی حکم میں فرق ہے۔ **باب من نذر المشي الى الكعبة**:۔غرض یہ ہے کہ اگر کوئی نذر مان لے کہ میں پیدل حج کروں گا تو اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ **كان ابو الخير لا يفارق عقبة**:۔غرض یہ ہے کہ سماع ثابت ہے۔

باب فضائل المدينة

غرض مدینہ منورہ کے فضائل اوراحکام کا ذکر کرنا ہے لفظ مدینہ مَدَنَ بمعنیٰ اقام سے لیا گیا ہے۔ جب مطلق بولا جائے تو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی اقامت میں کامل ہے جیسے الکتاب مطلق ہوتو کتاب اللہ مراد ہوتی ہے البیت مطلق ہو تو بیت اللہ اور کعبۃ اللہ مراد ہوتا ہے۔ **باب حرم المدينة**:۔غرض بظاہر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تائید ہے کہ مدینہ منورہ کا حرم ہونا استحبابی ہے وعندالجمھو ر وجوبی ہے ولنا ثانی الباب عن انس مرفوعاً فامر بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسُوّیت وبالنخل فقطع وللجمھو راول الباب عن انس مرفوعاً المدینۃ من کذا الی کذا لا یقطع شجرھا جواب نہی تنزیہی ہے کیونکہ حرم مکہ کی طرح درخت کاٹنے کی سزامذکورنہیں ہے۔ **لا بتي المدينة**:۔ پہلے سرسری نظر سے دیکھ کرفرمادیا تھا کہ مجھے شبہ ہے کہ شاید تم حرم سے باہر رہتے ہو پھر غور فرمایا تو اندازہ فرمایا کہ نہیں حرم کے اندر ہی ہو اس لئے پہلے قول سے رجوع فرمالیا۔ عائر:۔ مدینہ منورہ کے کنارے پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ **صرف ولا عدل**:۔ا۔عند

الجمہور صرف فرضی عبادت عدل نفلی عبادت۔۲۔عند الحسن البصریؒ اس کا عکس صرف نفلی عبادت اور عدل فرضی عبادت۔

باب فضل المدینة وانهاتنفی الناس

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مدینہ منورہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ پاک شہر شریر لوگوں کو نکال باہر کرتا ہے۔ **تاکل القری**:۔یعنی یہ پاک شہر دُنیا کے بہت سے شہروں پر غالب آجائے گا۔جیسا کہ غلبہ اسلام سے ظاہر ہوگیا۔

باب المدینة الطابة

مدینہ منورہ کا ایک نام طابہ بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ پاک روحوں کی جائے قرار ہے۔

باب لا بتی المدینة

غرض حد بیان فرمانی ہے عیر اور ثور کے درمیان واقع ہے مدینہ منورہ۔

باب من رغب عن المدینة

غرض مذمت بیان کرنی ہے مدینہ منورہ چھوڑنے کی پھر اس حدیث کے مصداق ہیں دوقول ہیں۔۱۔مدینہ منورہ کو چھوڑنا پایا جا چکا ہے کیونکہ خلافت شام کی طرف اور پھر عراق کی طرف منتقل ہوگئی اور چند دن فتنوں کی وجہ سے مدینہ منورہ خالی بھی رہا۔۲۔یہ بالکل قرب قیامت میں ہوگا کیونکہ بعض روایتوں میں چالیس سال چھوڑنا بھی مذکور ہے اور ایسا ماضی میں کبھی نہیں ہوا۔**ینعقال**:۔چیختے ہوں گے اور زور سے آواز نکالتے ہوں گے۔**تفتح الیمن**:۔جس ترتیب سے اِس حدیث پاک میں مذکور ہوا اُسی ترتیب سے یہ تینوں مُلک فتح ہوئے یمن خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں فتح ہوا اور پھر شام اور پھر عراق دونوں حضرت عمرؓ کی خلافت میں فتح ہوئے اور پیشین گوئی کا معجزہ ظاہر ہوا۔**یبسّون**:۔باب ضرب یضرب سے اونٹوں کو تیز چلاتے ہوں گے۔

باب الایمان یارزالی المدینة

غرض اس پیشین گوئی کا ذکر ہے کہ جیسے سانپ بہت تیزی سے الٹا چلتا ہے اسی طرح اخیر زمانہ میں نیک لوگ مدینہ منورہ کی طرف آئینگے۔

باب اثم من کا داهل المدینة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اہل مدینہ کو تکلیف پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے۔**انماع**:۔پگھل جائے گا یعنی ہلاک ہوجائے گا۔

باب اٰطام المدینة

آطام جمع ہے اطم کی بمعنی حصن یعنی قلعہ پس غرض مدینہ منورہ کے قلعوں اور مکانوں کی شرافت کا بیان ہے اور یہ شرافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں تشریف لانے اور قیام فرمانے اور مدفون ہونے کی وجہ سے ہے۔

باب لایدخل الدجال المدینة

غرض مدینہ منورہ کی یہ فضیلت بیان فرمانی ہے کہ فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوسکے گا۔**هل تشکون فی الامر فیقولون لا**:۔کافر حقیقت کی بنا پر کہیں گے کہ ہم تیرے خدا ہونے میں شک نہ کرینگے اور مومن بطور توریہ کے کہیں گے کہ ہم تیرے کفر میں شک نہ کرینگے اور تیرے دجال و کذاب ہونے میں شک نہ کرینگے۔

باب المدینة تنفی الخبث

غرض اس فضیلت کا بیان ہے کہ خراب لوگوں کو مدینہ منورہ نکال دیتا ہے لیکن اس کا ظہور تدریجاً ہوتا ہے یعنی وقتاً فوقتاً۔ ہر وقت نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً صفائی ہوتی رہتی ہے۔ **اقلنی**:۔کس چیز کا اقالہ کرنا چاہتا تھا تین احتمال ہیں۔۱۔ہجرت سے رجوع کرنا چاہتا تھا۔۲۔اسلام چھوڑنا چاہتا تھا۔۳۔مدینہ منورہ میں چند دن رہائش رکھنے سے رجوع کرنا چاہتا تھا۔**وینصع طیبہا**:۔نصوع کے معنیٰ خلوص کے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ اچھے آدمی کی تائید کرتا ہے اور اس کو مدینہ منورہ مضبوط کرتا ہے سوال۔ منافقین کیسے مدینہ منورہ میں رہ گئے اور نہ نکالے گئے جواب۔ان کا چونکہ یہ وطن اصلی تھا اور وہ اسلام کی خاطر ہجرت کر کے یہاں نہ آئے تھے اس لئے وہ مستثنیٰ قرار دے گئے۔۲۔اس حدیث پاک

کے یہ معنیٰ ہیں کہ ایمان لانے کے بعد جو شخص کمزوری اختیار کرتا ہے اس کو مدینہ منورہ نکال دیتا ہے اور منافقین تو کافر ہی تھے وہ ایمان لائے ہی نہ تھے پھر یہ اعرابی والا واقعہ کب پیش آیا اس میں دونوں قول ہیں۔ ا- جس زمانے میں ہجرت شرط ایمان تھی اس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور وہ دیہاتی یہ نہ جانتا تھا کہ ہجرت چھوڑنے سے ایمان ہی ختم ہو جائے گا۔

۲- فتح مکہ کے بعد جب ہجرت شرط ایمان نہ رہی تھی اس وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ سوال اس گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیہاتی مرتد ہو گیا تھا کیونکہ اس نے کہہ دیا کہ میں ایمان یا ہجرت یا یہاں کا قیام واپس کرنا چاہتا ہوں تو ارتداد کی وجہ سے تو اس کو قتل کر دینا چاہئے تھا پھر اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیوں نہ کروایا۔ جواب۔ جہالت کی وجہ سے ایسا کہا تھا اور بخار تیز ہونے کی وجہ سے وہ معذور تھا مرتد نہ ہوا تھا اگر مرتد ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کرنے کیوں آتا بلکہ عرنیین کی طرح بھاگ جاتا جو مرتد ہوئے اور چرواہے کو قتل کر کے بھاگ گئے تھے۔
باب:۔ تتمہ کے طور پر برکت زیادہ ہونے کی دعا ہے اور برکت زیادہ ہونے سے خراب چیز کا نکالنا بھی زیادہ ہو جائے گا اور ایک نسخہ میں یوں ہے باب الدعاء للمدینۃ اس صورت میں مناسبت حدیث کی اور باب کا مقصد ظاہر ہے کہ یہ فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے کہ مدینہ منورہ کی برکت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔ **اللھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ماجعلت بمکۃ من البرکۃ**: معنیٰ ا- دنیا کی برکتیں مکہ مکرمہ سے دوگنا فرما دیں۔ ۲- دنیا اور دین دونوں کی برکتیں دوگنا فرما دیں لیکن مسجد حرام کی نماز کا ثواب مسجد نبوی سے زائد ہے یہ ثواب اس دوگنا ہونے سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس ثواب کا ذکر نصوص میں صراحۃً ہے کہ مسجد حرام کا ثواب مسجد نبوی کی نماز سے زائد ہے۔ **باب کراھیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعری المدینۃ**:۔ غرض یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے کناروں پر رہائش چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ **باب**:۔ یہ باب گذشتہ باب کا تتمہ ہے کیونکہ اس میں مدینہ منورہ میں نفس سکونت کی ترغیب ہے اس لئے یہ اطراف کی سکونت کی ترغیب کا تتمہ ہے۔ **اُقلع عنہ**: جب بخار اتر جاتا۔ **عقیرتہ**:۔ وہ آواز جو گانے یا رونے میں بلند ہو۔ **الالیت شعری الخ**:۔ یہ دو شعر حضرت بلال کے اپنے نہیں ہیں بلکہ بکر بن غالب کے ہیں یا کسی اور شاعر کے ہیں **جلیل**:۔ کمزور گھاس۔ **مجنۃ**:۔ ایک پانی کا نام تھا جو عکاظ کے قریب تھا۔ **شامۃ و طفیل**:۔ ا- دو پہاڑوں کا نام ہے۔ ۲- دو چشموں کا نام۔ **بطحان**:۔ مدینہ منورہ کے قریب صحراء میں ایک وادی کا نام ہے۔ **یجری نجلاً**:۔ ای یجری واسعاً بہت بہتی تھی۔ **لعنی ماء واسعاً**:۔ حضرت عائشہ کی مراد یہ ہے کہ وہاں پانی وسیع تھا یہ کسی راوی نے تفسیر کی ہے۔

کتابُ الصوم

تقدیر عبارت یہ ہے کتاب فیہ بیان احکام الصوم وفضائلہ اس سے غرض بھی ظاہر ہوگئی کہ روزے کے احکام اور فضائل بیان کرنے مقصود ہیں۔ پھر لغت میں صوم کے معنیٰ امساک کے ہیں اور شرع میں ھوالامساک عن الاکل والشرب والجماع مع النیۃ۔ پھر ربط یہ ہے کہ ایمان اور علم کو مقدم فرمایا کیونکہ ان دونوں پر سب اعمال موقوف ہیں پھر کتاب الصلوٰۃ ذکر فرمائی کیونکہ قرآن و حدیث میں ایمان کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر ہے مثلاً **یومنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ** اسی طرح حدیث میں ہے **بُنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لاالہ الا اللہ وان محمد الرسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان**۔ اسی حدیث کی ترتیب سے صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ حج اور صوم کا بخاری شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

باب وجوب صوم رمضان

غرض روزے کی فرضیت کا بیان ہے اور جو آیت ذکر فرمائی ہے وہ دلالت کرتی ہے کہ پہلی امتوں میں بھی روزے فرض رہے ہیں۔

باب فضل الصوم

غرض روزے کی فضیلت کا بیان ہے اور نسائی کی مرفوع

روایت میں ہے علیک بالصوم فانہ لامثل لہ ای لانظیر فی کسر الشھوہ۔
یترک طعامہ وشرابہ وشھوتہ من اجلی:۔ یہاں یترک سے پہلے قال اللہ تعالیٰ محذوف ہے کیونکہ پیچھے والذی نفسی بیدہ ہے وہ حدیث نبوی ہے اور آگے من اجلی ہے اور یہ حدیث قدسی ہے۔ پھر حدیث قدسی اور قرآن پاک میں دو فرق ہیں۔ ۱- قرآن پاک میں اعجاز ہے اور حدیث قدسی میں اعجاز ضروری نہیں۔ ۲- قرآن پاک سارے کا سارا بواسطہ جبریل علیہ السلام نازل ہوا ہے اور حدیث قدسی میں یہ ضروری نہیں بلکہ الہام خواب وغیرہ بھی ہوسکتا ہے اور حدیث نبوی اور حدیث قدسی میں یہ فرق ہے کہ حدیث قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ مذکور یا محذوف کے ذریعہ سے کوئی چیز بیان فرماتے ہیں۔

باب الصوم کفارة

غرض یہ ہے کہ روزہ گناہوں کا کفارہ ہے یہ فضیلت روزے کی بیان فرمانی مقصود ہے۔

باب الریان للصائمین

غرض اس باب کا ذکر ہے جو روزہ داروں کے لئے خاص ہے اور اس کا لقب باب الریان ہے ان کو الگ باب دینے کی حکمت۔ ۱- ان کا اکرام ہے۔ ۲- ان کے لئے الگ باب مقرر کیا گیا ورنہ اگر ایک ہی دروازہ سے سب اہل جنت داخل ہوتے تو بھیڑ کی وجہ سے پیاس لگ جاتی اسی لئے الگ باب مقرر کیا گیا کہ پیاس نہ لگے یہی وجہ ہے اس کے باب الریان نام رکھنے کی سیرابی کا دروازہ سیرابی پیاس کی ضد ہے سوال روزہ تو تقریباً سب مسلمان ہی رکھتے ہیں تو پھر سبھی اس میں سے داخل ہونگے پھر بھیڑ ہو جائیگی۔ جواب ۱- اس میں سے صرف وہ روزہ دار داخل ہونگے جو اپنے روزے کو رفث اور فسوق سے یعنی ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ۲- مراد وہ حضرات ہیں جن کی روزہ کی عبادت باقی عبادتوں پر غالب آ جائے جیسے فضل عالم علی العابد والی روایت میں عالم سے وہ مراد ہے جس کا علم عبادت پر غالب ہو یہ

مراد نہیں ہے کہ عالم ہو اور عبادت سے بالکل خالی ہو کیونکہ وہ عالم ہی نہیں جو بالکل عبادت نہ کرے اور عالم بے عمل ہو اس کا علم تو ابلیس جیسا ہے۔ **نودی من ابواب الجنة:۔** ای نودی من باب من ابواب الجنة:۔ **یا عبداللہ ھذا خیر:۔** یہ دروازہ بہت اچھا ہے یہاں سے گزرو یہ الفاظ اس دروازہ کا چوکیدار فرشتہ کہے گا۔ **ارجوان تکون منھم:۔** اے ابوبکر مجھے امید ہے کہ آپ کو سب دروازوں سے پکارا جائے گا۔ یہ صرف اعزازاً ہوگا کیونکہ داخل تو ایک ہی دروازہ سے ہونا ہے پھر یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت ابوبکر جامع الکمالات تھے اور ہر کمال اعلیٰ درجہ کا رکھتے تھے۔

باب ھل یقال رمضان اور شھر رمضان ومن رایٰ کلہ واسعاً

تین غرضیں ہیں۔ ۱- دونوں طرح کہنا جائز ہے رمضان اور شھر رمضان یہی جمہور فقہاء اور محققین کی رائے ہے۔ ۲- حضرت عطاء اور حضرت مجاہد کے قول کا رد مقصود ہے کہ وہ فرماتے تھے صرف رمضان کہنا مکروہ ہے شھر رمضان کہنا چاہئے جمہور کی دلیل اباحت اصلیہ ہے اور اس باب کی اکثر روایتیں ہیں جن میں صرف رمضان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مثلاً عن ابی ہریرة مرفوعاً اذا جاء رمضان فتحت ابواب الجنة۔ حضرت عطاء کی دلیل کامل لابن عدی کی روایت ہے عن ابی ہریرة مرفوعاً لاتقولوا رمضان فان رمضان اسم من اسماء اللہ تعالیٰ ولکن قولوا شھر رمضان جواب یہ روایت ضعیف ہے۔ ۳- تیسری غرض امام بخاری کی بھی یہی ہے کہ اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے ہیں۔ **باب رویة الھلال:۔** غرض رویت ہلال کے اثبات کا طریقہ بتلانا ہے پھر بعض نسخوں میں یہاں باب نہیں ہے اُن نسخوں پر اشکال ہے کہ یہ روایت باب کے مناسب نہیں ہے جواب اِسی حدیث کے بعض طرق میں یوں ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال لاتصوموا حتیٰ تروا الھلال۔

باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا ونیة

غرض روزے کی فضیلت کا بیان ہے جبکہ فرضیت صوم پر

ایمان بھی ہواور ثواب صوم کی رغبت بھی ہو۔اور نیت اخلاص کی بھی ہو۔ پھر نیت والی حدیث مرفوعاً اپنی شرط پر نہ پائی اس لئے تعلیق پر اکتفاء فرمایا البتہ ایمان اور احتساب والی مرفوعاً روایت ان کی شرط پر تھی اس لئے اس کو مسنداً ذکر فرمادیا۔

باب اجود ما كان النبى صلى الله عليه وسلم يكون فى رمضان

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ رمضان المبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجودیۃ زائد ہو جاتی تھی۔ اور یہ بھی رمضان المبارک کے فضائل میں سے ہے۔

باب من لم يدع قول الزور والعمل به فى رمضان

غرض قول زور اور گناہوں کی جو رمضان شریف میں ہوں مذمت ہے پھر قول زور کا مصداق کیا ہے مختلف قول ہیں۔ ا۔ جھوٹ بولنا۔۲۔ سیدھے راستہ سے ہٹنا یعنی غلط عقیدہ رکھنا۔ ۳۔عمل باطل اس میں سب گناہ آ گئے۔۴۔کسی پر تہمت لگانا۔

باب هل يقول انى صائم اذا شُتم

غرض یہ ہے کہ اگر چہ اصل یہ ہے کہ اپنی نیکی ظاہر نہ کی جائے لیکن اس نیت سے کہ مخالف شخص فضول جھگڑا چھوڑ دے یہ کہنا جائز ہے کہ میں روزہ دار ہوں پھر اس قول کی تفصیل میں مختلف اقوال ہیں کہ حدیث میں جو یہ کہنا مذکور ہے اس سے کیا مراد ہے۔ ا۔زبان سے کہہ دے۔۲۔ دل میں کہے اور خود جھگڑے سے رُک جائے۔۳۔خود بھی سوچے اور زبان سے بھی کہے تا کہ خود بھی رُک جائے اور مخالف بھی رُک جائے۔۴۔ اگر رمضان المبارک کا مہینہ ہو تو زبان سے کہے۔اور باقی مہینوں میں دل میں کہے۔

باب الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة

غرض فضیلت بیان کرنی ہے روزے کی اس شخص کے لئے جس کو نکاح نہ کر سکنے کی وجہ سے زنا کا اندیشہ ہو ومن لم یستطع

فعلیہ بالصوم:۔حضرت تھانوی کی مجلس میں کسی نے شہوت کے غلبہ اور زناء کے خوف کی شکایت کی تو ایک غیر مقلد صاحب خود ہی بول پڑے کہ روزے رکھو اس شخص نے کہا کہ میں نے روزے رکھے ہیں مجھے فائدہ نہیں ہوا۔حضرت نے فرمایا اب اس اشکال کا جواب دیں وہ نہ دے سکے تو حضرت نے فرمایا کہ حدیث میں فعلیہ بالصوم ہے۔علیٰ غلبہ کے لئے ہوتا ہے۔اس لئے معنیٰ یہ ہوئے کہ روزہ غالب آجائے اس لئے روزے مسلسل اتنے زیادہ رکھے کہ روزے شہوت پر غالب آجائیں۔

باب قول النبى صلى الله عليه وسلم اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رأيتموه فافطروا

غرض یوم شک کے روزہ کی کراہت کا بیان ہے۔فان غمی علیکم:۔اگر تم پر غمی بنادیا گیا ہو غباوۃ ضد ہے فطنۃ کی یعنی معلوم نہ ہوا۔غدا اور راح:۔اپنے گھر تشریف لے گئے صبح کے وقت یا شام کے وقت۔

باب شهرا عيد لا ينقصان

غرض اس حدیث کا بیان ہے کہ عید کے دو مہینے کم نہیں ہوتے اس کے معنیٰ ۔ا۔ رمضان اور ذی الحجہ کے مہینے اگر ۲۹ کے بھی ہوں تو ثواب ۳۰ ہی کا ملتا ہے۔دونوں عبادت کے مہینے ہیں۔۲۔ اکثر دونوں اکٹھے ۲۹ کے نہیں ہوتے بلکہ یا دونوں ۳۰ دنوں کے ہوتے ہیں یا ایک ۳۰ دن کا ایک ۲۹ دن کا ہوتا ہے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۳۰۔رمضان شریف کی طرح ذی الحجۃ کا بھی بہت ثواب ہے یہ دونوں مہینے ایک دوسرے سے ثواب میں کم نہیں ہیں۔

باب قول النبى صلى الله عليه وسلم لا نكتب ولا نحسب

غرض یہ ہے کہ مدار یقین پر ہے جو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اٹکل اور اندازوں اور حساب کتاب پر مدار نہیں ہے جو علم ہیت اور علم نجوم میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

باب لا یتقدمن رمضان بصوم یوم ولا یومین

غرض رد کرنا ہے اس شخص پر جو شریعت کی حد سے تجاوز کرے کہ رمضان شریف سے ایک دو دن پہلے ہی روزے شروع کردے کیونکہ یہ رمضان کو غیر رمضان سے خلط کرنا ہے وتلک حدود اللہ فلا تعتدوھا۔

باب قول اللہ جل ذکرہ احل لکم لیلۃ الصیام الآیۃ

غرض کی متعدد تقریریں ہیں۔ا۔اس آیت کی تفسیر کرنی مقصود ہے۔۲۔رمضان کی رات میں خلاف صوم کاموں کی اجازت کیسے شروع ہوئی اس کو بیان کرنا مقصود ہے۔۳۔رخصت نازل ہونے سے پہلے کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔۴۔یہ مقصود ہے کہ اِس آیت سے رات کو کھانے پینے کی حرمت منسوخ ہوئی تھی۔

باب قول اللہ تعالیٰ وکلوا واشربوا حتیٰ یتبین الآیۃ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ خلاف صوم کا استعمال کب ختم ہوجاتا ہے اور پھر روزہ شروع ہوجاتا ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعنکم من سحور کم اذان بلال

ظاہر یہی ہے کہ غرض سحری کھانے کی تشویق ہے۔ ولم یکن بین اذانیھما الا ان یرقی ذا وینزل ذا:۔سوال۔اگر صرف اتنا ہی وقفہ تھا کہ ایک اترتا تھا تو دوسرا موذن چڑھ جاتا تھا تو یہ وقفہ تو کھانا کھانے کے لئے کافی نہیں ہے۔جواب۔ا۔یہ تو کبھی کبھی کا بیان ہے اور اکثر فاصلہ اتنا ہوتا تھا کہ اطمینان سے کھانا کھا لیتے تھے۔۲۔حضرت بلال اذان کے بعد دعاء میں کافی دیر مشغول رہتے تھے پھر جب اُترتے تھے تو حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم جلدی اوپر چڑھ جاتے تھے تاکہ اونچی جگہ اذان دے سکیں اس لئے کھانے کا کافی وقت مل جاتا تھا۔۳۔پہلے سے صحابہ کرام سحری کھا رہے ہوتے تھے حضرت بلال کی اذان میں کھاتے رہتے تھے اس طرح کافی وقت سحری کھانے کا مل جاتا تھا۔

باب تاخیر السحور

غرض یہ کہ مستحب یہ ہے کہ سحری اخیر وقت میں کھائی جائے اور بعض نسخوں میں یوں ہے باب تعجیل السحور پھر مقصد یہ ہے کہ جب خوف ہو طلوع فجر کا تو جلدی سحری کھانی چاہئے تاکہ طلوع فجر سے پہلے فارغ ہوجائے۔

باب قدر کم بین السحور وصلوٰۃ الفجر

غرض سحری اور صلوۃ فجر کے درمیان کا وقفہ بتلانا ہے کہ کتنا ہونا چاہئے۔

باب برکۃ السحور من غیر ایجاب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ واصلوا ولم یذکرا لسحور

غرض یہ ہے کہ سحری میں برکت ہے لیکن واجب نہیں ہے کیونکہ صوم وصال کا پایا جانا سحری کے وجوب کی نفی کرتا ہے۔

باب اذا نوی بالنھار صوماً

روزہ کی نیت رات سے نہ کرنے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔پھر حکم کی تصریح نہ فرمائی اختلاف کی وجہ سے پھر جو روایات لائے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کی رائے حنفیہ ہی کے موافق تھی۔**اختلاف**:۔عند امامنا ابی حنیفۃ رمضان نذر معین اور نفل روزے کے سوا باقی روزوں کی نیت رات سے کرنی ضروری ہے۔ وعند الشافعی واحمد نوافل کے سوا سب میں رات سے نیت کرنی ضروری ہے وعند مالک سب روزوں میں رات سے ہی ضروری ہے۔منشاء اختلاف ابو داؤد کی روایت ہے عن حفصۃ مرفوعاً من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہ عند مالک یہ روایت اپنے عموم پر ہے وعند الشافعی واحمد نوافل مستثنیٰ ہیں کیونکہ ابو داؤد میں روایت ہے عن عائشۃ مرفوعاً اذا دخل علی قال ہل عندکم طعام فاذا قلنا لا قال انی صائم وعند امامنا فرضی روزہ رمضان

شریف کا بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث الباب میں ہے عن سلمۃ بن الاکوع مرفوعاً بعث رجلا ینا دی فی الناس یوم عاشوراء ان من اکل فلیتم او فلیصم ومن لم یاکل فلا یاکل اسی کے قریب قریب ابوداؤد میں عن ابن عباس ہے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے روزے بھی مستثنیٰ ہیں کیونکہ پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا پھر اس کی جگہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے اور نذر معین رمضان المبارک کے روزوں ہی کی طرح ہے اور ترجیح مسلک حنفیہ کو ہے کیونکہ ایک مسئلہ کی سب روایات کا لحاظ کرنا ایک یا دو روایتوں کے لحاظ کرنے سے اولیٰ ہے۔

باب الصائم یصبح جنباً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر طلوع فجر کے وقت کوئی جنبی ہو تو اس کا روزہ صحیح ہے یا نہ لیکن یقین سے نہ بیان فرمایا کیونکہ اختلاف ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری جمہور ہی کے ساتھ ہیں۔ جمہور ائمہ کے نزدیک روزہ صحیح ہے نفلی روزہ ہو یا فرضی۔ اور طلوع فجر جنابت کی حالت میں عمداً کیا ہو یا نسیان کی وجہ سے دیر ہوگئی ہو اور طلوع فجر تک غسل نہ کیا ہو آیت سے بھی یہی جمہور کا قول ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ رفث کی اجازت طلوع فجر تک ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کی گنجائش ہے کہ طلوع فجر سے ذرا پہلے جنبی بنا ہو اور غسل طلوع فجر کے بعد کیا ہوا۔ **لتقرعن لبھا**:۔ تقریع کے معنیٰ ہیں اچھی طرح بتلا دینا۔ **فقال کذلک حدثنی الفضل بن عباس وھو اعلم**:۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ مجھے فضل بن عباس نے بتلایا ہے کہ روزہ ایسے شخص کا نہیں ہوتا اور فضل مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ پہلے حضرت ابو ہریرہ حضرت فضل سے سننے کی وجہ سے یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ ایسے شخص کا روزہ نہیں ہوتا۔ اور یہ حکم بھی رہا ہے لیکن یہ حکم اُس زمانہ میں تھا جبکہ نیند کے بعد رات کے وقت کھانا پینا اور جماع جائز نہ تھا۔ جب جواز نازل ہوگیا تو یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا اور حضرت ابو ہریرہ نے بھی حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ والی۔ روایت سن کر رجوع کر لیا تھا اور جمہور ہی کا قول اختیار کر لیا تھا۔ **والاول اسند**:۔ یعنی سند کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔

باب المباشرۃ للصائم

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ روزہ میں مباشرت جائز ہے یعنی مس الجسدین بلا جماع۔

باب القبلۃ للصائم

غرض یہ ہے کہ تقبیل روزہ میں جائز ہے اور ایک نسخہ میں یہ بھی ہے ان لم تحرک الشھوۃ والافحرام۔ **ان نظر فامنیٰ یتم صومہ**:۔ یعنی اگر صرف دیکھنے سے منی نکل جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور اگر تقبیل یا مباشرت سے منی نکلے تو قضاء واجب ہوگی۔

باب اغتسال الصائم

غرض یہ ہے کہ ٹھنڈک کے لئے جائز ہے کہ روزہ دار غسل کر لے۔ ابزنا' حوض' از درد:۔ نکل گیا۔ **سالتُ اباعبداللہ اذا افطر یکفر**:۔ اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ امام بخاری اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد کے ساتھ ہیں جو اسی کے قائل ہیں کہ رمضان شریف کا روزہ اگر کھانے پینے سے توڑا جائے تو کفارہ نہیں ہے اور عندامامنا ابی حنیفۃ و مالک کفارہ واجب ہے۔ ولنا۔ واقعہ اعرابی کا ابوداؤد میں مذکور ہے کہ اُس نے رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جماع کر لیا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ واجب ہونے کا حکم سنایا اس واقعہ میں کفارہ کے حکم میں تخریج مناط کا درجہ تو اُس اعرابی کا فعل ہے کہ اسی علّت کی وجہ سے اس پر کفارہ کا حکم جاری ہوا۔ تخریج مناط کے بعد فقہاء تنقیح مناط نکالتے ہیں کہ علّت کا کونسا درجہ معتبر ہے شخص کا یا نوع کا یا جنس کا۔ یہاں شخص کا درجہ کسی فقیہ نے نہیں لیا کہ صرف اُسی اعرابی کے لئے حکم کفارے کا نازل ہوا ہو اور کوئی انسان اس میں داخل نہ ہو پھر شوافع اور حنابلہ نے نوع کا درجہ لیا کہ جو بھی رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جماع کرے گا اس پر کفارہ واجب ہو

جائے گا اور ہم نے جنس کا درجہ لیا کہ جو بھی ہتک حرمۃ رمضان کرے گا اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا خواہ کھانے سے ہو یا پینے سے ہو یا جماع سے ہو۔ ہماری تنقیح مناط اولی ہے کیونکہ وہ موثر فی الحکم ہے کیونکہ حکم کفارہ ہے جو سزا ہے۔ سزا کے مناسب جرم ہونا چاہئے۔ رمضان المبارک کی عزت کو توڑنا جرم ہے۔ اور شوافع اور حنابلہ جو علت لیتے ہیں وہ ہے بیوی سے جماع کرنا یہ تو کوئی جرم نہیں اس کے جرم بننے کی وجہ رمضان شریف کی توہین ہے۔ یہ توہین جیسے بھی ہو جماع سے ہو یا کھانے سے ہو یا پینے سے ہو سب کا ایک درجہ ہونا چاہئے۔ **کفارہ میں دوسرا اختلاف نسیان والا:۔** عند احمد ناسیا جماع پر بھی کفارہ ہے وعند الجمہور نہیں ہے لنا۔ **لایکلف اللہ نفسا الاوسعها ولاحمد** روایت ابوداؤد کی **عن ابی هریرة مرفوعاً فهل تجد ماتعتق رقبة قال لاقال فهل تستطیع ان تصوم شهرین متتابعین قال لاقال فهل تستطیع ان تطعم ستین مسکینا** اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا مذکور نہیں ہے کہ یہ جماع نسیانا ہوا یا قصداً ہوا معلوم ہوا کہ دونوں کا حکم ایک ہے اس لئے نسیان پر بھی کفارہ ہونا چاہئے جواب جب اس دیہاتی نے آتے ہی ہلکت کہہ دیا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ کوئی کام اپنے اختیار سے کیا ہے اس لئے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ نسیانا جماع کیا ہے یا قصداً کیا ہے۔ **کفارہ میں تیسرا اختلاف تخییر والا:۔** امام مالک کے نزدیک کفارہ ادا کرنے میں تخییر ہے کہ چاہے غلام آزاد کرے چاہے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے چاہے ساٹھ روزے رکھے وعند الجمہور پہلے اعتاق کا حکم ہے وہ نہ کر سکے تو ساٹھ روزے وہ نہ رکھ سکے تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ولنا۔ ابوداؤد کی روایت جو دوسرے اختلاف میں امام احمد کی دلیل کے طور پر ذکر کی گئی اس میں ترتیب کی تصریح موجود ہے۔ ولمالک روایۃ ابی داؤد عن ابی **هریرة مرفوعاً فامره ان یعتق رقبة اویصوم شهرین متتا بعین او یطعم ستین مسکینا۔** جواب آپ کی روایت او کے ساتھ ہے اس میں دونوں احتمال ہیں ترتیب ضروری ہو یا نہ ہو اس لئے آپ کی روایت بیان ترتیب سے ساکت ہے ہماری روایت بیان ترتیب کے لئے ناطق ہے اور یہ اصول ہے کہ جب ناطق اور ساکت کا تعارض ہو تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔

باب الصائم اذا اکل اوشرب ناسیاً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بھول کر کھا پی لینے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہ۔ یقین کا اظہار باب میں نہ فرمایا کیونکہ اختلافی مسئلہ تھا طرز بیان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔ **اختلاف:۔** عند مالک بھول کر کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وعند الجمہور نہیں ٹوٹتا وللجمہور حدیث الباب عن ابی ہریرۃ **مرفوعاً اذانسی فاکل وشرب فلیتم صومه فانما اطعمه اللہ وسقاه ولمالک** روزے کی حقیقت ختم ہو گئی کیونکہ امساک اشیاء ثلاثہ سے باقی نہ رہا اس لئے روزہ نہ رہا قضاء لازم ہے۔ جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

باب السواک الرطب والیابس للصائم

غرض ایک روایت کا رد ہے جو بعض مالکیہ سے منقول ہے کہ روزہ میں تر مسواک منع ہے پھر نفس مسواک میں اختلاف ہے عند امامنا ابی حنیفۃ مسواک روزے کے ساتھ سارا دن مسنون ہے وعند المالکیۃ سارا دن مکروہ ہے وعند الشافعی واحمد شام کو مکروہ ہے **ولنا روایة ابی داؤد عن عامر بن ربیعة قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یستاک وهو صائم و للمالکیة روایة الترمذی عن ابی هریرة مرفوعاً لخلوف فم الصائم اطیب عنداللہ من ریح المسلک۔** جواب۔ خلوف وہ بو ہے جو معدے کے خالی رہنے سے پیدا ہوتی ہے مسواک سے یہ بو دور نہیں ہوتی **وللشافعی و احمد روایة الطبرانی عن ابن عمر مرفوعاً ولاتستاکوا بالعشی۔** جواب دار قطنی اور بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا توضاء فلیستنشق لمنخره الماء

غرض یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا روزہ دار کے لئے جائز ہے جبکہ مبالغہ نہ ہو کیونکہ ابوداؤد اور نسائی میں ہے عن لقیط بن صبرۃ

مرفوعا بالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما

باب اذا جامع فی رمضان

غرض یہ ہے کہ رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر دن میں جماع کرنے والے پر کفارہ ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری قضاء کے وجوب کے قائل نہیں ہیں صرف کفارہ ہے قضاء نہیں ہے اور کھانے اور پینے میں بھی کفارہ کے قائل نہیں ہیں اختلاف کی تفصیل عن قریب گزر چکی۔ **یذکر عن ابی ہریرۃ**:۔ یہ روایت حنفیہ کے لئے مؤید ہے اس کو ابوداؤد و نسائی و ابن ماجۃ والترمذی نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اس روایت میں افطر کا لفظ ہے معلوم ہوا کہ جماع کی طرح اکل وشرب میں بھی کفارہ ہے اس کی تائید دار قطنی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے عن ابی ہریرۃ ان رجلا اکل فی رمضان فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعتق رقبۃ اویصوم شہرین او یطعم ستین مسکینا۔ **یقضی یوماً مکانہ**:۔ غرض یہ ہے کہ ان سب حضرات کے نزدیک قضاء ہے کفارہ نہیں ہے وہ حضرات یہ ہیں سعید بن المسیب والشعبی و ابن جبیر وابراہیم وقتادہ وحماد۔

باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن له شئی فتصدق علیه فلیکفر

غرض یہ ہے کہ کفارہ والا کام کوئی غریب بھی کر لے تو کفارہ معاف نہ ہوگا جب کفارہ ادا کرنے پر قادر ہو ادا کرے۔ **قال اطعمہ اھلک**:۔ سوال اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ اسے معاف ہے۔ جواب:۔ ۱- غرض یہ ہے کہ فی الحال اپنے بچوں کو کھلا دو اور کفارہ بعد میں ادا کر دینا۔ ۲- اس شخص کی خصوصیت ہے کہ ان پر سے کفارہ معاف ہو گیا ہر غریب آدمی کا یہ حکم نہیں ہے جیسے یہ ان کی خصوصیت ہے کہ پہلے یہ فرمایا تھا کہ تم یہ پندرہ صاع کا ٹوکرا صدقہ کر دو حالانکہ ساٹھ مسکینوں کے لئے تو ساٹھ صاع کی ضرورت تھی تو جیسے ان کے لئے خصوصیت تھی کہ یہ دیہاتی صحابی ۱۵ صاع ہی صدقہ کر دیتے تو ان کا کفارہ ادا ہو جاتا ایسے ہی یہ بھی ان کی خصوصیت تھی کہ ان کو کفارہ بالکل ہی معاف کر دیا گیا۔ ہر غریب آدمی کا یہ حکم نہیں۔ ۳- پہلے غریب کو کفارہ معاف تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اب غریب کو کفارہ معاف نہیں ہے۔

باب المجامع فی رمضان هل یطعم اهله من الکفارة اذا کانوا محاویج

غرض یہ ہے کہ اگر غریب آدمی کے بال بچے محتاج ہوں اور صدقہ کا مصرف بن سکیں تو ان کو دینا بھی کفارہ میں شمار ہوگا یا نہ ہوگا۔ اصل تو یہی ہے کہ شمار نہ ہوگا لیکن اگر اس اعرابی کے واقعہ میں یہ توجیہ کی جائے کہ شمار کر لیا گیا تھا تو پھر یہ ان کی خصوصیت ہی شمار ہوگی۔ اتجد ما تحرر رقبۃ اس میں رقبۃ: ۱- بدل ہے ما کا۔ مفعول ہے تحرر کا اور اظہار موضع اضمار ہے۔ **الحجامۃ والقئ للصائم**:۔ غرض یہ ہے کہ حجامت یعنی سینگی لگوانے سے اور قئی سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

باب الصوم فی السفر والافطار

غرض یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا بھی جائز ہے نہ رکھنا بھی جائز ہے۔ **قال یا رسول اللہ الشمس**:۔ تقدیر عبارت میں دو احتمال ہیں۔ ۱- الشمس باقیۃ یعنی ٹکیہ سورج کی ابھی باقی ہے آپ ابھی کیوں روزہ کھولنا چاہتے ہیں اس کا رد فرما دیا کہ تم غلط کہتے ہو کہ ٹکیہ سورج کی باقی ہے سورج تو غروب ہو چکا ہے۔ ۲- سورج کی روشنی باقی ہے رد فرما دیا کہ اس روشنی کا ختم ہونا ضروری نہیں اس روشنی میں روزہ کھول لینا چاہئے مدار غروب شمس پر ہے اس شفق اور روشنی کے غروب ہونے پر مدار نہیں ہے۔

باب اذا صام ایام من رمضان ثم سافر

اذا کا جواب حدیث سے معلوم ہوگا غرض یہ ہے کہ کچھ دن رمضان المبارک کے روزے رکھ چکا ہو پھر مسافر بن جائے تو وہ بھی چاہے تو افطار کرلے اور باقی روزے نہ رکھے۔ **باب**:۔ تتمہ ہے گذشتہ باب کا کہ بعض نے سفر میں روزے رکھے بعض نے نہ رکھے معلوم ہوا دونوں طرح جائز ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لمن ظلل علیه واشتد الحر لیس من البر الصوم فی السفر

غرض یہ ہے کہ سفر میں آسانی ہوتو روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہیں یہ مسلک تو امام بخاری کا ہے وعند احمد سفر میں افطار افضل ہے وعند الجمہور صوم افضل ہے وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن سلمة ابن المحبق مرفوعاً من کان له حمولة یاوی الی شبع فلیصم رمضان حیث ادرکه ولا حمد حدیث الباب جو ابوداؤد میں بھی ہے عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً لیس من البر الصیام فی السفر جواب شدید مشقت پر محمول ہے عام حالات میں ممانعت نہیں ہے۔

باب لم یعب اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم بعضهم بعضاً فی الصوم والا فطار

غرض گذشتہ باب کی تائید ہے کہ عام حالات میں سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔ باب من افطر فی السفر لیراہ الناس:۔ غرض یہ ہے کہ مقتدی کے لئے مناسب یہی ہے کہ لوگوں کو آسانی عمل بتلائے اگرچہ خود مشکل کام کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

باب وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین

غرض یہ بتلانا ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ طاقت رکھنے کے باوجود فدیہ دینے کی اجازت تھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ فنسختها وان تصوموا خیر لکم:۔ سوال ناسخ تو یہ آیت ہے فمن شهد منکم الشهر فلیصمهٗ ہے۔ جواب۔ وان تصوموا مع مابعدہ مراد ہے اور بعدہ فمن شہد ہے۔ پھر فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا یہ تو جمہور کی تفسیر ہے اور حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیت وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ بوڑھے کے بارے میں ہے جو روزے نہ رکھ سکے۔

باب متی یقضی قضاء رمضان

غرض بظاہر جمہور کے قول کو تائید ہے کہ قضاء رمضان میں مسلسل ہونا شرط نہیں بعض اہل ظواہر کے نزدیک مسلسل ہونا شرط ہے درمیان میں وقفہ نہ ہو منشاء اختلاف قراءۃ ابی بن کعب ہے فعدة من ایام اخر متتابعات یہ عند الجمہور استحباب پر محمول ہے اور عند بعض اہل الظواہر وجوب پر محمول ہے۔ ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ ا۔ یہ قراءت شاذ ہے اور شاذ قراءت خبر واحد کے درجہ میں ہوتی ہے اس لئے اس سے مشہور یا متواتر قراءت کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ ۲۔ سید المفسرین حضرت ابن عباس کی تفسیر اسی باب میں منقول ہے لاباس ان یفرق لقول اللہ تعالیٰ فعدة من ایام اخر۔ لا یصلح حتیٰ یبدأ برمضان:۔ غرض یہ ہے کہ پہلے رمضان شریف کے فرض روزے پورے کرنے چاہئیں پھر نفلی روزے رکھے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نفلوں کے لئے شرط ہے کہ پہلے قضاء رمضان پوری کرے۔ یصومهما:۔ ایک ماہ اداء رکھے اور ایک ماہ قضاء رکھے گذشتہ سال کے۔ ولم یر علیه طعاماً:۔ بعض صحابہ اور بعض تابعین کے قول کو رد کرنا مقصود ہے جو فدیہ کے قائل ہیں کہ اگر دوسرا رمضان آجائے اور گذشتہ رمضان کی قضاء پوری نہ کی ہو تو اس پر فدیہ ہے۔ انه یطعم:۔ یہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ دوسرا رمضان آگیا اور ابھی پہلے رمضان کی قضاء پوری نہیں کی تو اب قضاء بھی کرے اور ساتھ ساتھ اطعام بھی کرے اس قول پر امام بخاری نے دو طرح سے رد فرمایا۔ ا۔ ایک تو یذکر مجہول کے صیغہ سے کہ یہ نقل ہی ضعیف ہے۔ ۲۔ ولم یذکر اللہ الا طعام کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اطعام کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ صرف قضاء کا حکم فرمایا فعدة من ایام اخر۔

باب الحائض تترک الصوم والصلوة

غرض یہ ہے کہ حائضہ کے ذمہ نماز و روزہ چھوڑنا ضروری ہے۔ وجوہ الحق:۔ ای طرق الحق غرض یہ ہے کہ بعض احکام فوق العقل ہیں۔ خلاف العقل اسلام میں ایک مسئلہ بھی نہیں ہے کیونکہ خلاف عقل وہ ہے جس کے غلط ہونے پر عقلی دلائل موجود ہوں جیسے عیسائیوں کا تثلیث کا مسئلہ ہے اور فوق العقل وہ ہے جس کو سمجھنے سے ہماری لنگڑی عقل قاصر ہو۔ یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ نماز کی قضا نہیں

اور روزے کی قضاء ہے بعض حضرات نے اس مسئلہ کو بھی تحت العقل قرار دیا کیونکہ روزے کی قضاء آسان ہے ۱۱ ماہ میں سات آٹھ روزے آسانی سے رکھے جاسکتے ہیں اور ہر ماہ سات آٹھ دن کی نمازیں قضاء کرنے میں مشقت اور حرج ہے۔ اس لئے قضاء معاف کر دی گئی۔

باب من مات وعليه صوم

غرض بظاہر امام ابوثور کے قول کی تائید ہے اُن کے نزدیک مرنے والے کی طرف سے اس کا ولی رمضان اور نذر دونوں قسم کے روزے رکھ لے تو ذمہ بری ہو جائے گا وعند احمد نذر کے روزے تو ولی رکھ سکتا ہے رمضان کے روزوں میں فدیہ ہی ہے اور عند الجمھور ولی کسی قسم کے روزے میت کی طرف سے نہیں رکھ سکتا سب روزوں کا فدیہ ہی دیا جائے گا فی روزہ ایک صدقہ فطر ولنا فی الترمذی عن ابن عمر مرفوعاً من مات وعليه صيام شهر رمضان فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين ولاحمد رواية ابي داؤد عن ابن عباس موقوفاً اذا مرض الرجل في رمضان ثم مات ولم يصح اطعم عنه ولم يكن عليه قضاء وان نذر قضى عنه وليه۔ جواب فی السنن الکبری للنسائی عن ابن عباس لا يصلى احد عن احد ولا يصوم احد عن احد پس حضرت ابن عباس کے دوقولوں میں تعارض پایا گیا واذا تعارضا تساقطا ولابی ثور حدیث الباب جو ابو داؤد میں بھی ہے عن عائشہ مرفوعاً من مات وعليه صيام صام عنه وليه۔ جواب فی البیہقی عن عائشة موقوفاً انها سئلت عن امرأة ماتت وعليها صوم قالت يطعم عنها صحابی کا فتوی اپنی ہی نقل کی ہوئی مرفوعا روایت کے خلاف ہو تو وہ مرفوع روایت ضعیف ہو گی یا ماول ہوگی یا منسوخ ہوگی تینوں صورتوں میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ متی يحل فطر الصائم :۔ غرض یہ ہے کہ سورج غروب ہونے سے افطار کا وقت ہو جاتا ہے غروب شفق پر مدار نہیں ہے۔

باب يفطر بما تيسر عليه بالماء وغيره

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ پانی وغیرہ جو کچھ میسر آجائے اس سے افطار صحیح ہے۔ گو افضل کھجور ہے دوسرے درجہ میں پانی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ کھجور پر افطار آنکھوں کی حفاظت کا سامان ہے۔

باب تعجيل الا فطار

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں مخالفت یہود ہے وہ دیر سے کھولتے ہیں۔

باب اذا افطر في رمضان ثم طلعت الشمس

یہ مسئلہ بتلاتا ہے کہ اگر غلطی سے غروب سے پہلے روزہ کھول لے بعد میں غلطی کا پتہ چلے تو قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

باب صوم الصبيان

غرض یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو روزہ رکھوانا مستحب ہے۔ واجب نہیں لیکن کمزور بچے کو یا زیادہ چھوٹے کو نہ رکھوانا چاہئے ایک نے رکھوایا افطار سے کچھ پہلے فوت ہو گیا۔ گرمی تھی سارا دن گھڑوں کو چمٹ چمٹ کر گذارا شام کو جبکہ بڑا مجمع اسی خوشی میں دعوت کے لئے بلایا تھا فوت ہو گیا ایسے ہی زیادہ بوڑھا ہو کمزور ہو تو رخصت پر عمل کرنا چاہئے۔ احقر محمد سرور عفی عنہ کا ایک دوست بہت بوڑھا تھا بچوں نے بہت زیادہ منع کیا لیکن روزے رکھنے نہ چھوڑے اسی سال ۱۴۱۰ھ کے رمضان المبارک میں افطار سے کچھ دیر پہلے فوت ہو گیا۔ نشوان :۔ نشہ میں بے ہوش۔

باب الوصال

غرض صوم وصال کا حکم بیان کرنا ہے پھر یقین کے ساتھ حکم نہ بیان فرمایا۔ ۱۔ احادیث کی وجہ سے کہ احادیث سے خود ہی سمجھ جائیں گے کہ مکروہ ہے۔ ۲۔ اختلاف کے مشہور ہونے کی وجہ سے۔ اختلاف ائمہ اربعہ اور جمہور محدثین کے نزدیک مکروہ ہے پھر کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی دونوں قول منقول ہیں اور بہت سے مشائخ جواز کے قائل ہوئے منشاء اختلاف اِس باب کی احادیث ہیں مثلاً عن انس مرفوعاً لا تواصلوا قالوا انک تواصل قال لست كا حد منکم انی اطعم واسقیٰ فقھاء ومحدثین کے نزدیک ظاہر اور کراہت پر محمول ہیں اور ان مشائخ کے نزدیک شفقت ورحمت وارشاد پر یعنی دنیوی آسانی پر محمول ہیں۔ امام بخاری اس طرف گئے ہیں کہ شہوة کو قابو کرنے کے لئے اور خصوصی انوار حاصل کرنے کے

لئے گنجائش ہے جبکہ تعمق وتکلف نہ کرے یعنی اپنی برداشت کے مطابق صوم وصال رکھے۔ اصل کو دیکھیں تو امام بخاری کا قول ہی اعدل الاقوال ہے لیکن ہم اپنے زمانہ کی طبعیتوں کے ضعف کو دیکھیں تو فقہاء اربعہ ہی کے قول کراہت کو لینا اولیٰ وانسب ہے کیونکہ ہم تکلف سے نہیں نکل سکتے یعنی ہم آسانی سے صوم وصال پر قادر نہیں ہوسکتے۔ یہ تو عام عادت اور عامۃ الناس فی زماننا کا حال ہے البتہ خرق عادت کے طور پر کسی میں زائد قوۃ ہو اور اس کو صوم وصال میں کچھ بھی تکلف نہ ہوتا ہو اور یہ ہمارے زمانہ میں بہت نادر ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ ایک دو قطرے پانی کے عند الا فطار ضرور پی لے تا کہ احادیث کی نہی سے نکل جائے پھر حقیقت وصال کیا ہے اس میں دو قول ہیں ۱۔ افطار بالکل نہ کرے۔۲۔ ہلکی سی چیز پر افطار تو کر لے لیکن کھانا نہ کھائے۔ **انی اطعم واسقی**:۔ ۱۔ مجھے جنت کے کھانے کھلائے جاتے ہیں اور ان سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ وصال ختم ہوتا ہے۔۲۔ ملزوم بول کر لازم مراد ہے کہ مجھے کھلایا پلایا تو کچھ نہیں جاتا قوۃ اتنی دے دی جاتی ہے جیسے کھانے پینے سے قوت آتی ہے۔۳۔ مجھے روحانی غذائیں ملتی رہتی ہیں کہ مولائے کریم محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں غرق رہتا ہوں اور ان سے مناجاۃ کی لذت محسوس ہوتی ہے اور دعاء اور عبادت کی لذت پاتا ہوں۔

باب التنکیل لمن اکثر الوصال

غرض یہ ہے کہ تھوڑا سا وصال شہوۃ وغیرہ پر قابو پانے کے لئے جائز ہے تنکیل کے معنیٰ ڈانٹنے کے ہیں۔

باب الوصال الی السحر

غرض میں دو قول ہیں۔ ۱۔ سحری تک نہ کھانا پینا جائز ہے۔ ۲۔ ایسا کرنا مستحب ہے پھر اس پر وصال کا اطلاق مجازاً اور مشابہۃ ہے کیونکہ اصل وصال تو یہ ہے رات بھر کھانا نہ کھائے۔

باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع ولم یر علیہ قضاءً اذا کان اوفق لہ

غرض یہ ہے عذر کے موقعہ میں نفلی روزہ کا توڑ دینا جائز ہے پھر اگر توڑ لیا تو قضاء بھی نہیں ہے گویا امام شافعی واحمد کا قول اختیار فرما لیا۔ اوفق کے معنیٰ ہیں ذا مصلحۃ و ذا عذر۔ **اختلاف**۔ عند امامنا ابی حنیفۃ و مالک نفلی روزہ توڑنے والے پر قضاء ہے وعند الشافعی واحمد نہیں ہے ولنا روایۃ ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً صوما مکانہ یوماً آخر وللشافعی واحمد روایۃ ابی داؤد عن ام ھانی مرفوعاً فلا یضرک ان کان تطوعاً جواب۔ اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ روزہ توڑنے میں جبکہ نفلی ہو گناہ نہیں ہے پھر قضاء ہے یا نہ اس سے آپ کی حدیث ساکت ہے ہماری ناطق ہے اور جب ناطق اور ساکت میں تعارض ہو تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔ **باب صوم شعبان**:۔ غرض وربط یہ ہے کہ فرضی روزوں کے بعد اب نفلی روزوں کا ذکر شروع فرما دیا اور اس باب میں شعبان کے روزوں کا استحباب بیان فرمانا مقصود ہے۔ **کان یصوم شعبان کلہ**:۔ مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ شعبان رمضان المبارک کے لئے ایسے ہی ہے جیسے فجر کے فرضوں کے لئے فجر کی سنتیں ہیں۔

باب مایذکر من صوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و افطارہ

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صوم وافطار کا بیان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور روزہ دونوں میں سے ہر ایک میں دو حالتیں تھیں۔ کبھی رات میں زیادہ نفل نماز پڑھتے اور نیند کم فرماتے تھے اور کبھی نیند زیادہ فرماتے اور نفل نماز کم پڑھتے تھے اسی طرح روزوں میں کسی مہینہ میں روزے کم رکھتے تھے اور افطار زیادہ فرماتے تھے اور کسی مہینہ میں روزے زیادہ رکھتے تھے اور افطار کم فرماتے تھے اس سب تفصیل کا لحاظ کرنے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نفلی عبادت کا مدار انبساط اور نشاط پر ہوتا ہے۔ جس موقعہ میں جس عبادت اور جتنی عبادت میں نشاط زیادہ ہو وہی عبادت اور اتنی ہی عبادت زیادہ مناسب ہوتی ہے کیونکہ نشاط سے خشوع وخضوع وشوق ومحبت زیادہ ہوتے ہیں ان سے اعمال کی کیفیت عمدہ ہوتی ہے اور عمدگی سے ثواب

وقرب جو اصل مقصود ہے وہ زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

باب حق الضیف فی الصوم

غرض یہ ہے کہ اگر مہمان ایسا ہو کہ وہ میزبان کے بغیر کھانا نہ کھاتا ہو تو اس کی خاطر روزہ نہ رکھنا یا رکھا ہوا بھی توڑ دینا جائز ہے۔

باب حق الجسم فی الصوم

غرض یہ ہے کہ بدن کی رعایت ضروری ہے تا کہ فرائض و نوافل میں سستی اور کمزوری نہ پیدا ہو جائے بدن کی رعایت رکھ کر نفلی روزے رکھے اپنی برداشت کے اندر اندر اور نشاط کے اندر اندر

باب صوم الدھر

غرض صوم دھر کا حکم بیان کرنا ہے کہ ہمیشہ ہی روزے رکھنا مستحب ہے یا نہ پھر یقین اور جزم سے کچھ نہ فرمایا کیونکہ ادلہ میں تعارض ہے۔ بظاہر امام بخاری کے طرز سے عدم استحباب ہی معلوم ہوتا ہے امام شافعی سے استحباب منقول ہے پھر بعض مشائخ نے جو اجازت دی ہے وہ علاج کے طور پر اجازت دینی مقصود ہے اس بناء پر نہیں کہ صوم دھر کوئی قربات مقصودہ میں سے ہے جیسے کسی بیماری میں کھانا چھڑا دیا جاتا ہے۔ ہمارے امام ابو حنیفہ اور امام محمد سے بھی جواز بلا کراہت منقول ہے جبکہ پانچ ممنوع دنوں میں روزے نہ رکھے عیدین کے اور بقرعید کے بعد تین دن امام سبکی نے فرمایا ہے کہ اگر صوم دھر سے کوئی فرض حقوق اللہ یا حقوق العباد میں سے چھوٹتا ہو جیسے بیوی کی حق تلفی ہوتی ہو پھر تو صوم دھر حرام ہے اور اگر مستحب چھوٹتا ہو جیسے مہمان کا حق تو خلاف اولیٰ ہے ورنہ صوم دھر مستحب ہے۔

باب حق الاھل فی الصوم

غرض یہ ہے کہ نفلی روزے میں بیوی کے حقوق کی رعایت ضروری ہے **ولا یفر اذا لاقی**:۔ غرض یہ بتلانا ہے کہ داؤد علیہ السلام اس لئے ایک دن افطار فرماتے تھے کہ جہاد میں کمزوری نہ آئے اس لئے جہاد میں بھاگتے نہ تھے۔ **قال من لی بھذہ**:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو عرض کر رہے ہیں کہ میرے لئے کون کفیل ہوگا اس نہ بھاگنے کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے یعنی میری تمنا ہے کہ یہ میدان سے نہ بھاگنے کی فضیلت جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو حاصل تھی مجھے بھی حاصل ہو جائے۔

باب صوم یوم و افطار یوم

غرض ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی فضیلت کا بیان ہے۔ **باب صوم داؤد علیہ السلام**:۔ غرض یہ ہے کہ اس مسئلہ میں داؤد علیہ السلام کے اتباع کی فضیلت ہے۔ **ہجمت**:۔ نیچے ہو گئی۔ **نفہت**: تھک گئی۔ **فجلس علی الارض**:۔ زمین پر تشریف فرما ہو جانا تواضعاً تھا کہ یہ نہ ظاہر کیا جائے کہ میں عبداللہ بن عمرو سے بڑا ہوں۔ **قلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**:۔ جواب نداء محذوف ہے کہ مجھے یہ کافی نہیں ہے۔

باب صیام البیض

بیض جمع ہے ابیض کی اصل عبارت یوں ہے صیام ایام اللیالی البیض غرض جمہور کی تائید ہے کہ ان تین دنوں کے روزے ہر ماہ افضل ہیں بعض اہل علم نے کراہت بھی ذکر کی ہے کہ اس میں تو تعیین پائی گئی جو بدعت ہے جواب۔ تعیین بلا اذن شرعی بدعت ہے یہاں تو تعیین شریعت کی طرف سے ہے۔ **صیام ثلثۃ ایام**:۔ سوال۔ اس حدیث میں ایام بیض کا ذکر نہیں ہے صرف تین دنوں کا ذکر ہے جواب: ایام بیض والی روایت ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے باب میں بیض کی تصریح کر کے ایام بیض والی روایت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ وہ بھی ثابت ہے گو میری شرط پر نہیں ہے۔

باب من زار قوما فلم یفطر عندھم

غرض اور ربط یہ ہے کہ دس باب پہلے ایک باب گزرا ہے باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع یہ باب اس باب کے مقابلہ میں ہے اس لئے دونوں بابوں کو ملانے سے تین اصول نکل آئے۔ ۱۔ مہمان کو چاہئے کہ وہ اگر روزے سے میزبان کے گھر پہنچا ہے تو افطار نہ کرے۔ ۲۔ میزبان کو چاہئے کہ اگر مہمان اس کے بغیر شوق سے کھانا نہیں کھاتا تو مہمان کی خاطر نفلی روزہ توڑ دے۔ ۳۔ مہمان کے آجانے کے بعد میزبان کے لئے بہتر ہے

کہ نفلی روزہ نہ رکھے بلا اذن ضیف۔ ان لی خویصۃ:۔ میرے پاس ایک خاص روح ہے اور امید ہے آپ بھی اس کے لئے خصوصی دعائیں فرمادینگے پس دو وجہ سے خصوصیت پائی گئی میرا خصوصی لاڈلا بیٹا ہے اور دوسرے آپ کی خدمت اور دعائیں لینے کے لئے مختص کرنا چاہتی ہوں۔ وحدثتنی ابنتی امینۃ:۔ یہ حضرت انس کا مقولہ ہے اور روایۃ الآباء من الابناء کے قبیل سے ہے۔ لِصلبی:۔ یعنی بلا واسطہ اولاد فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ سبحانہ ما اعظم شانہ:۔

مقدم حجاج:۔ وہ ۷۵ھ میں آیا تھا اور وفات حضرت انس ۹۱ھ میں ہوئی اور عمر سو سال کے قریب ہوئی بعض نے ۷۰ھ اور بعض نے ۸۷ھ میں بھی وفات نقل کی ہے۔

باب الصوم آخر الشهر

غرض اخیر مہینہ کے روزوں کی فضیلت کا ذکر فرمانا ہے اور ایسے شخص کے لئے جو ہمیشہ ہر ماہ کے اخیر میں روزے رکھتا ہو شعبان کے اخیر میں رکھنے مکروہ نہیں ہیں اگرچہ دوسروں کے لئے مکروہ ہیں۔

اصمت سَرَرَ هذا الشهر:۔ یہ لفظ سَرَر سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے معنیٰ ا۔ اشہر معنیٰ آخر شہر کے ہیں یہی معنیٰ لے کر یہاں امام بخاری باب باندھ رہے ہیں۔ ۲۔ اول الشہر۔ ۳۔ اوسط الشہر پھر حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ یہ صاحب اخیر شہر میں روزے رکھا کرتے تھے شعبان کے اخیر میں نہی کی وجہ سے نہ رکھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتلا دیا جس کی عادت ہمیشہ اخیر ماہ میں روزے رکھنے کی ہو تو وہ اگر شعبان کے اخیر میں بھی رکھ لے تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

لم یقل الصلت اظنہ یعنی رمضان:۔ غرض یہ ہے کہ امام بخاری کے استاد ابوالنعمان نے تو اظنہ قال یعنی رمضان نقل فرمایا ہے الصلت راوی نے جو امام بخاری کے اس روایت میں استاد ہیں انہوں نے یہ لفظ ذکر نہیں فرمائے اور یہ لفظ صحیح بھی نہیں ہیں کیونکہ مسلم میں اس موقعہ پر شعبان کا لفظ بلاشک ثابت ہے۔ آگے امام بخاری خود بھی شعبان کے لفظ کو ہی ترجیح دے رہے ہیں۔

باب صوم يوم الجمعة

غرض امام شافعی واحمد کا قول لینا ہے کہ اکیلا روزہ جمعہ کا مکروہ تنزیہی ہے وعندامامنا ومالک مکروہ نہیں ہے ولنا روایۃ النسائی والترمذی وحسنہ الترمذی وصححہ ابن حبان وابن عبدالبر عن ابن مسعود مرفوعاً قل ما کان یفطر یوم الجمعۃ وللشافعی واحمد روایات الباب مثلاً عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لا یصومن احدکم یوم الجمعۃ الا یوماً قبلہ او بعدہ جواب یہ اُس صورت میں ممانعت ہے جبکہ جمعہ کے دن کا زائد ثواب سمجھے۔

باب هل يخص شيئاً من الايام

غرض یہ کہ اپنی طرف سے روزے کے لئے دن نہ مقرر کرے البتہ اگر شریعت کی طرف سے تعیین ہو تو وہ ٹھیک ہے جیسے پیر اور جمعرات کے روزے کی تعیین شرعاً ثابت ہے۔

باب صوم يوم عرفة

غرض۔ ا۔ یوم عرفہ کے روزے کا حکم بیان کرنا ہے لیکن جزم سے بیان نہ فرمایا کیونکہ فضیلت کی حدیثیں ان کی شرط پر نہ تھی۔ ۲۔ غرض میں دوسری تقریر یہ ہے کہ غیر حاجی اور قوی حاجی کے لئے فضیلت ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھ لیں اور عام حاجیوں کے لئے اس دن روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اِس دن کی دعاء روزے سے زیادہ اہم ہے۔ بحلاب:۔ ا۔ دوہا ہوا دودھ۔ ۲۔ وہ برتن جس میں دودھ دوہا جاتا ہے۔ یعنی نکالا جاتا ہے۔

باب صوم يوم الفطر

غرض یہ ہے کہ عید الفطر کا روزہ حرام ہے پھر باب میں حرمت کی تصریح نہیں فرمائی کیونکہ حدیث میں تصریح آ رہی تھی اور مسئلہ بھی اجماعیہ ہے۔ وعن الصماء:۔ ا۔ چادر کندھوں پر لٹکالی جائے اور لپیٹی نہ جائے۔ ۲۔ چادر اتنی سخت لپیٹی جائے کہ ہاتھ اندر محبوس ہو جائیں رکوع سجدہ اچھا نہ ہو سکے۔

باب الصوم يوم النحر

غرض یوم النحر کے روزے کی حرمت کا بیان ہے اور تصریح نہ فرمائی حدیث کی وجہ سے اور مسئلہ اجماعیہ ہے

باب صيام ايام التشريق

غرض بظاہر امام مالک کے قول کی تائید ہے کہ متمتع کے لئے ایام تشریق میں روزے رکھنے جائز ہیں جبکہ ان سے پہلے نہ رکھ سکا ہو اور بدی پر قادر نہ ہو۔ ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک نہیں رکھ سکتا اور امام احمد کی دونوں روایتیں ہیں ایک ہمارے ساتھ اور ایک امام مالک کے ساتھ ولنا روایۃ مسند احمد عن سعد بن ابی وقاص قال امرنی ان انادی ایامنی انھا ایام اکل وشرب ولاصوم فیھا یعنی ایام التشریق ولمالک روایۃ الباب عن عائشۃ وعن ابن عمر قالالم یرخص فی ایام التشریق ان یصمن الالمن لم یجد الھدی جواب ہماری روایت محرم ہے آپ کی مبیح ہے ایسے موقعہ میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

باب صيام يوم عاشوراء

مشہور یہ لفظ مد کے ساتھ ہے عاشوراء اور قصر بھی منقول ہے عاشوریٰ۔ غرض عاشوراء کے روزے کا استحباب بیان کرنا ہے۔ پھر اکثر کے نزدیک تو اس کا مصداق دس محرم ہے اور حضرت ابن عباس کا ایک قول ۹ محرم بھی منقول ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ اکیلا دس محرم کا روزہ مکروہ ہے اس لئے نو اور دس دونوں دنوں کا رکھنا چاہئے تا کہ تشبہ بالیہود نہ ہو پھر امام بخاری پہلے وہ روایتیں لا رہے ہیں جن سے وجوب کی نفی ہوتی ہے پھر وہ لا رہے ہیں جن سے ترغیب دینی مقصود ہے مجموعہ سے استحباب ثابت ہو گیا۔ **این علماءکم** حضرت امیر معاویہ کی غرض کی تین توجیہیں ہیں۔ ا۔ اس شخص کا رد ہے جو وجوب کا قائل تھا۔ ۲۔ حرمت کی تردید فرما رہے ہیں۔ ۳۔ کراہۃ کی نفی مقصود ہے۔ **کان یوم عاشوراء تعدہ الیھود عیداً**:۔ سوال عید ہونا گذشتہ روایت کے خلاف ہے کیونکہ گذشتہ روایات میں یہود کا روزہ رکھنا مذکور ہے جواب ا۔ یہود کے مذہب میں عید کے دن روزہ رکھنا منع نہ تھا۔ ۲۔ بعض یہود عید مناتے تھے اور کھاتے پیتے تھے اور بعض یہود روزہ رکھتے تھے۔

باب فضل من قام رمضان

غرض تراویح کی فضیلت ہے تراویح جمع ہے ترویحۃ کی جس کے معنیٰ ایصال الراحۃ کے ہیں کیونکہ ہر چار رکعت کے بعد ایصال راحت ہے اور مشروعیت تراویح کی فرائض کی تکمیل کے لئے ہے۔ اسی لئے اس کی رکعات بھی بیس ہیں جیسے دن رات کے فرائض اور وتر مل کر بیس رکعت بن جاتے ہیں۔ **فاذا الناس اوزاع متفرقون**:۔ مختلف جماعتوں کی صورت میں تراویح پڑھ رہے تھے کوئی اکیلا کوئی چند آدمیوں کی جماعت کے ساتھ:۔

نعم البدعۃ ھذہ:۔ اس ارشاد کی متعدد توجیہات ہیں۔ ا۔ ظاہر کے لحاظ سے نئی چیز ہے حقیقت کے لحاظ سے چھپی ہوئی سنت کا اظہار ہے۔ باجماعت تراویح پر خوف فرضیت کا پردہ پڑا ہوا تھا تو اب ہٹ گیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے خوف فرضیت ختم ہو گیا اور جس چیز کی اصل سنت سے ثابت ہو وہ شرعی بدعت نہیں ہو سکتی یہاں تراویح کی اصل سنت سے ثابت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن باجماعت تراویح پڑھائی ہیں پس بدعت کا لفظ امر بدیع کے معنیٰ میں ہے اور اس کا استعمال یہاں بطور ترغیب کے ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عمر فاروق جو محدَّث باللہ اور ملہم من اللہ ہوں وہ بدعت شرعیہ کا ارتکاب کریں اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کی کثیر جماعت ایک بدعت شرعیہ کو دیکھے اور اس پر کوئی انکار نہ کرے۔ ۲۔ فرمانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک جماعت کئی جماعتوں سے بہتر ہے طویل عرصہ متفرق جماعتیں رہیں اب ایک جماعت بن گئی یہ بہت عجیب وغریب کام ہے۔ ۳۔ اگر بالفرض اس کو ایک نیا کام ہی کہیں تو پھر بھی تو یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ نیا کام کس نے کیا ہے یہ کام ان حضرات نے کیا جن کے متعلق نسائی میں مرفوعاً ہے **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین** الحدیث اور جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **اطیعوا اللہ واطیعو االرسول واولی الامر منکم** الآیۃ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے متعلق نازل ہوئی اور جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **وشاورھم فی الامر** الایۃ اور جن کے متعلق مرفوعاً وارد ہے **اقتدوا بالذین**

من بعدی ابی بکر و عمر پس یہ باجماعت تراویح سنت ہی کا شاخ ہے اس لئے اس کو شرعاً سنت ہی کہیں گے نیز اس تقریر سے یہ بھی نکل آیا کہ جو لوگ بیس تراویح کا انکار کرتے ہیں اور آٹھ تراویح کے قائل ہیں وہ اِن سب مذکورہ آیات واحادیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ **والتی ینا مون افضل من التی یقومون یرید آخر اللیل**۔ اس کے معنیٰ۔ ا۔ تراویح کو اتنا لمبا کیا جائے کہ آدھی رات سے کچھ اوپر ہو جائے تا کہ سحری میں تراویح پڑھنے کا ثواب مل جائے۔ ۲۔ جو تم کر رہے ہو یہ تیسرے درجہ کا کام ہے اس سے دو درجے اونچے ہیں سب سے اونچا درجہ یہ ہے کہ رات کو تراویح پڑھو اور پھر سحری کے وقت تہجد پڑھو دوسرے درجہ کا کام یہ ہے کہ تراویح تہجد کے وقت پڑھو اور تم تیسرے درجہ کا کام کر رہے ہو کہ عشاء کے بعد تراویح پڑھ رہے ہو۔ ۳۔ فضیلت جزئی بیان کرنی مقصود ہے کہ اخیر رات میں پڑھنے کی ہے اس سے یہ لازم نہ آیا کہ فضیلت کلی بھی اُسی وقت تراویح پڑھنے میں ہے۔ فضیلت کلی عشاء کے بعد ہی تراویح پڑھنے میں ہے کیونکہ اس میں تکثیر جماعت کی فضیلت ہے جو فضیلت وقت سے زائد ہے اِس لئے فضیلت کُلی عشاء کے بعد پڑھنے میں ہی ہے۔ **خشیت ان تفترض علیکم**:۔ ا۔ وحی نازل ہوئی تھی کہ اگر تم مواظبت کرو گے تو میں فرض کر دوں گا۔ ۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں یہ بات آئی کہ اگر اس پر باجماعت دوام کیا گیا تو فرض ہونے کا اندیشہ ہے شاید ذہن مبارک میں وہ صلوٰۃ اللیل آئی ہو جس کا ذکر سورہ مزمل کے شروع میں ہے پھر یہ ہر عمل کا معاملہ نہیں ہے کہ جس پر دوام کیا جائے وہ فرض ہو جاتی ہے بلکہ جس عمل کے متعلق ذہن مبارک میں آئے اِسی میں یہ اندیشہ ہوتا تھا۔ **ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرھا علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ**:۔ یہ ۱۱ رکعت پر زیادتی نہ ہونا غالب حالات میں تھا کیونکہ بخاری شریف میں زیادتی بھی آتی ہے عن عائشۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد میز رہ واحیٰ لیلہ الحدیث یہ عبادت کی زیادتی صرف قرأۃ کی زیادتی نہ تھی بلکہ کم اور کیف دونوں کی زیادتی تھی کہ گنتی رکعات کی بھی زائد اور قرأت اور رکوع سجدے بھی لمبے ہو جاتے تھے۔

اختلاف:۔ ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تراویح ۲۰ رکعت ہیں اور امام مالک کا قول جدید باقی ائمہ اربعہ کے ساتھ ہے اور قول قدیم جو ۳۶ رکعات کا آتا ہے اس کی بھی وجہ یہ تھی کہ اہل مدینہ کو جب یہ پتہ چلا کہ مسجد حرام میں ہر چار رکعت کے بعد طواف کر لیتے ہیں تو انہوں نے چار وقفوں میں سے ہر ایک میں چار نفل شروع کر دیئے اس طرح ۱۶ نفل بھی پڑھ لیتے تھے اور ۲۰ تراویح کے ساتھ سولہ نفل مل کر کل ۳۶ رکعت ہو جاتی ہیں اور پھر یہ ہے بھی قول قدیم جس سے رجوع فرمالیا تھا بہر حال ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے ۲۰ رکعت پر اور آج کل کے غیر مقلد آٹھ تراویح کے قائل ہیں لنا ا۔ فی البیہقی عن السائب ابن یزید کہ عمر فاروق کے زمانہ میں صحابہ بیس رکعت پڑھتے تھے ۲۰۔ فی ابی داؤد عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی اُبی بن کعب فکان یصلی لھم عشرین رکعۃ غیر مقلد اِسی زیر بحث روایت سے استدلال کرتے ہیں عن عائشۃ مرفوعاً ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ جواب۔ حضرت عائشہ کی روایت میں تہجد کا بیان ہے اور تہجد اور تراویح میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔ ا۔ تہجد بعد النوم ہے اور تراویح قبل النوم ہی عموماً پڑھی جاتی ہیں۔ ۲۔ تراویح باجماعت ہے۔ تہجد بلا جماعت۔ ۳۔ تہجد کی مشروعیت قرآن پاک سے ہے اور تراویح کی حدیث پاک سے۔ ۴۔ تہجد ایک قول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی تراویح میں ایسا کوئی قول نہیں۔ ۵۔ تراویح مختص برمضان ہیں اور تہجد سارا سال ہے۔ **سوال**:۔ امام زیلعی اور امام ابن ہمام اور علامہ سیوطی اور امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ والی اِس گیارہ رکعت والی روایت کو حضرت ابن عباس والی روایت پر ترجیح ہے اور اس کے مقابلہ میں حضرت ابن عباس والی روایت متروک ہے حضرت ابن عباس عباس والی روایت مصنف

ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس سے یوں ہے کان رسول صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔ جواب:۔ حضرت عائشہ والی روایت پورے سال کے متعلق اور حضرت ابن عباس والی رمضان المبارک کے متعلق ہے ان میں تو کچھ تعارض ہی نہیں اگر تعارض ہو تو راجح مرجوح کو دیکھا جاتا ہے۔۲۔ حضرت عائشہ والی روایت تہجد کے متعلق ہے اور حضرت ابن عباس والی تراویح کے متعلق ہے اس لحاظ سے بھی تعارض نہیں ہے اس لئے متروک وغیر متروک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سوال:۔ جب حضرت عائشہ والی روایت تہجد کے متعلق ہے اسی بناء پر امام بخاری اس روایت کو تہجد کے ابواب میں بھی لائے ہیں تو یہاں قیام رمضان کے ابواب میں اس روایت کو لانا مناسب نہ تھا جواب:۔ا۔ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں اضافہ نہ فرماتے تھے۔ ۲۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ تہجد تراویح کے قائم مقام ہو جاتی ہے اس رائے پر بھی یہ لازم نہیں آتا کہ تراویح کی رکعت آٹھ ہیں جیسے جمعہ ظہر کے قائم مقام ہو جاتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظہر کی رکعتیں دو ہیں۔۳۔ امام بخاری یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ تراویح جو شروع رات میں ہوتی ہیں تہجد کے قائم مقام نہیں ہوسکتیں جو کہ اخیر رات میں ہے۔۴۔ امام بخاری یہ اشارہ فرمانا چاہتے ہیں کہ قیام رمضان کا لفظ تراویح اور تہجد دونوں کو شامل ہے اگر درمیان میں سو جائے گا تو دونوں نمازیں الگ الگ ہو جائیں گی اور اگر نہ سوئے گا تو دونوں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی گویا ساری رات تہجد اور تراویح اور صلوۃ اللیل اور قیام رمضان کا وقت ہے۔ا۔ اگر امام بخاری کے نزدیک حدیث عائشہ میں تراویح کا بیان ہوتا جیسے غیر مقلد کہتے ہیں تو امام بخاری اس قسم کا بابؔ باندھتے باب التراویح ثمان رکعاتٍ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام مالک اپنے موطأ میں حضرت عائشہ والی حدیث تو لائے ہیں اس کے باوجود ان کے نزدیک تراویح بیس رکعات ہیں قول جدید میں اور ۳۶ رکعات ہیں قول قدیم ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ والی روایت میں تہجد کا بیان ہے تراویح کا نہیں ہے۔ سوال:۔ حضرت عمر کے عمل میں ۲۰ رکعات بھی منقول ہیں اور گیارہ بھی منقول ہیں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں اختیار ہے۔ جواب: صحیح ابن خزیمہ میں اور صحیح ابن حبان میں سند ضعیف کے ساتھ روایت ہے عن جابر صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعاتٍ ثم اوتر شاید حضرت عمر کو پہلے یہ روایت پہنچی ہو پھر حضرت ابن عباس والی بیس رکعتوں والی مذکورہ روایت پہنچی ہو اس لئے دو قسم کا عمل پایا گیا۔۲۔ بیس رکعت والی متعدد روایات کے مقابلہ میں یہ گیارہ رکعت والی فعل عمر والی شاذ ہے اسی لئے اس کو ابن عبد البر نے وہم قرار دیا ہے۔۳۔ بیس تراویح کے ساتھ تلقی امت بالقبول ہو چکی ہے اور توارث عملی پایا گیا ہے اور یہ تواتر ہے جو تواتر اسناد سے بھی اقویٰ ہے اس لئے جو اس کا مخالف ہے وہ سواد اعظم کا مخالف ہے یہ شراب میں ۸۰ کوڑے مارنے کی طرح اور وجوب غسل فی الاکسال کی طرح ہے جیسے یہ دونوں کام حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بالا جماع ثابت ہونے ایسے ہی ان کے زمانہ میں ۲۰ رکعت پر اجماع ہوا اور یہ جمع القرآن فی زمان ابی بکر وعثمان کی طرح ہے بیہقی میں سند صحیح سے ثابت ہے انھم کانوا یقومون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما بمثلہ اسی کو علامہ عینی فرماتے ہیں ھذا کالا جماع انتھیٰ پھر حضرت عمر بلا نقل بیس اختیار نہیں کر سکتے لامحالہ ان کو بیس رکعات والی حضرت ابن عباس والی یا ایسی ہی کوئی روایت ملی ہے کہ بیس پر سب کو جمع فرما دیا پس ۱۱ اور ۲۰ میں اختیار دینا مقصود نہ تھا ورنہ حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانوں میں ۲۰ پر عمل نہ ہوتا اور ائمہ اربعہ ۲۰ نہ اختیار فرماتے ابن قاسم نے امام مالک کے ۳۶ والے قول کو ان کا قول قدیم شمار فرمایا ہے۔

باب فضل لیلۃ القدر

غرض لیلۃ القدر کی فضیلت کا بیان ہے اور اس سورت کی تفسیر

ہے۔ پھر اس سورت کی مناسبت باب کے ساتھ کیا ہے دو تقریریں ہیں۔ا۔ کسی زمانہ میں قرآن پاک کا نازل ہونا یہ اس زمانہ کی فضیلت کا سبب ہوتا ہے۔۲۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کا نام رکھ دیا لیلۃ القدر اور قدر کے معنی ہی فضیلت اور عزت کے ہوتے ہیں اس لئے یہ رات فضیلت والی رات ہے پھر اس میں مختلف قول ہیں کہ یہ نام اس رات کا کیوں ہے۔ا۔نزول قرآن پاک کی وجہ سے اس رات میں عزت اور قدر آ گئی۔۲۔نزول ملائکہ کی وجہ سے اس رات میں عزت وقدر آ گئی۔۳۔ جو اس رات میں عبادت کرتا ہے وہ عزت وقدر والا ہو جاتا ہے عند اللہ تعالیٰ۔۴۔امور مقدرہ جو حق تعالیٰ طے فرما چکے ہیں وہ مدبرات الامور فرشتوں کے سپرد اس رات کئے جاتے ہیں اور مدبرات الامور یعنی دنیا کے انتظامات کرنے والے فرشتے چار ہیں باقی ان کے ماتحت ہیں جبریل و میکائیل و اسرافیل وعزرائیل علیہم السلام۔ پھر لیلۃ القدر کے مصداق میں ۴۴ قول ہیں شروع کے دس زیادہ اہم ہیں اور طلبہ کے لئے یہی دس یاد کر لینے کافی ہیں اور پھر ان دس میں بھی سب سے پہلا سب سے زیادہ راجح ہے۔ (۱) رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتیں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ (۲) رمضان المبارک کی ۲۷ ویں رات۔ (۳) لیلۃ القدر پورے سال میں گھومتی ہے جو لیلۃ القدر پانا چاہے پورا ایک سال ہر رات کچھ نہ کچھ عبادت کرے۔ (۴) پورے رمضان المبارک میں گھومتی ہے۔ (۵) یکم رمضان المبارک (۶) لیلۃ نصف رمضان (۷) ۲۱ رمضان (۸) اب باقی نہیں رہی (۹) رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں گھومتی ہے۔ (۱۰) آخری سات راتوں میں گھومتی ہے (۱۱) ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ رمضان المبارک میں گھومتی ہے۔ (۱۲) ۲۲ رمضان المبارک (۱۳) ۲۳ رمضان (۱۴) ۲۴ رمضان (۱۵) ۲۵ رمضان (۱۶) صرف ایک سال میں تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پھر باقی نہ رہی۔ (۱۷) اس امت کی خصوصیت ہے (۱۸) پورے سال کی ایک معین رات ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں (۱۹) ۱۵ شعبان (۲۰) ۱۷ رمضان (۲۱) رمضان کے عشرہ وسطانیہ میں گھومتی ہے۔ (۲۲) ۱۸ رمضان (۲۳) ۱۹ رمضان (۲۴) اگر مہینہ ۳۰ کا ہو تو ۲۱ ورنہ ۲۰ رمضان (۲۵) ۲۶ رمضان (۲۶) ۲۸ رمضان (۲۷) ۲۹ رمضان (۲۸) ۳۰ رمضان (۲۹) آخری دس رمضان کی طاق راتیں ساتھ آخری رات ان میں سے ایک ہے۔ (۳۰) آخری دس راتوں میں گھومتی ہے لیکن زیادہ امید ۲۱ کی ہے (۳۱) لیکن زیادہ امید ۲۳ کی ہے (۳۲) لیکن زیادہ امید ۲۷ کی ہے۔ (۳۳) رمضان کے نصف اخیر میں گھومتی ہے (۳۴) ان چار راتوں میں گھومتی ہے ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸۔ (۳۵) رمضان ۱۶، ۱۷ میں گھومتی ہے (۳۶) رمضان کی پہلی اور آخری رات میں گھومتی ہے (۳۷) رمضان کی ۱۶، ۱۷، ۱۹ میں گھومتی ہے۔ (۳۸) رمضان کی ۱۹، ۲۱، ۲۳ میں گھومتی ہے۔ (۳۹) رمضان کی یکم۔ ۹، ۱۷، ۲۱ اور آخری میں گھومتی ہے۔ (۴۰) ۲۳ اور ۲۷ میں گھومتی ہے۔ (۴۱) رمضان ۲۱، ۲۳، ۲۵ میں گھومتی ہے (۴۲) رمضان ۲۲، ۲۳ میں گھومتی ہے۔ (۴۳) رمضان ۱۲، ۱۴، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۳۰ میں گھومتی ہے۔ (۴۴) رمضان ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ میں گھومتی ہے۔ لیلۃ القدر تلاش کرنے والے میرے بھائیو! اس خادم محمد سرور عفی عنہ کے لئے بھی بخشش بلا عذاب کی دعا کر دینا شکریہ۔

باب التمسوا لیلۃ القدر فی السبع الاواخر

غرض یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری سات دنوں میں تلاش کرنی چاہئے۔ لیلۃ القدر کیونکہ ان میں ملنے کی قوی امید ہے۔

باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر

غرض یہ ہے کہ آخری دس راتوں میں سے طاق راتیں یعنی رمضان المبارک کی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ میں لیلۃ القدر تلاش کرنی چاہئے اور سب سے قوی یہی قول شمار کیا جاتا ہے۔

باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر لتلاحی الناس

غرض یہ ہے کہ لیلۃ القدر کس رات کو کہتے ہیں اس کا علم اٹھا لیا

گیا تھا اور خود لیلۃ القدر باقی رکھی گئی تھی پھر حضرت ابن عیینہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دے دیا گیا تھا۔

باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان

غرض آخر رمضان المبارک کے دس راتوں کی فضیلت زیادہ ہے اس لئے ان میں عمل کی زیادہ کوشش کرنا مستحب ہے۔

ابواب الاعتکاف

غرض ان ابواب کا ذکر ہے، جن میں اعتکاف کے احکام اور احوال ہیں۔

باب الاعتکاف فی العشر الاواخر

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ آخری دس دن کا اعتکاف مسنون ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔ **والاعتکاف فی المساجد کلھا:**۔ غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مسجد کوئی خاص ضروری نہیں ہے اعتکاف کے لئے جس مسجد میں چاہے اعتکاف بیٹھ جائے **ثم اعتکف ازواجہ بعدہ:**۔ یعنی اعتکاف نہ منسوخ ہے نہ خصوصیت یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **اذا کان لیلۃ احدیٰ وعشرین:**۔ یعنی جب ۲۱ ویں رات شروع ہونے والی تھی **باب الحائض ترجل المعتکف:**۔ غرض یہ جائز ہے کہ حیض والی عورت معتکف کو کنگھی کرے۔ **لایدخل البیت الالحاجۃ:**۔ غرض یہ ہے کہ بول و براز اور کھانے کی حاجت کے بغیر گھر آنا معتکف کے لئے جائز نہیں ہے۔

باب غسل المعتکف

غرض یہ کہ معتکف کے لئے سر دھونا اعتکاف میں جائز ہے۔

باب الاعتکاف لیلاً

غرض یہ ہے کہ نفلی اعتکاف ایک رات کا بھی جائز ہے۔

باب اعتکاف النساء

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ۱- عورتوں کے لئے اعتکاف بیٹھنا جائز ہے۔ ۲- عورتوں کے لئے اعتکاف کا کیا حکم ہے یہ دوسرا احتمال راجح ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں عورتوں کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان کے لئے افضل گھر پر اعتکاف بیٹھنا ہے۔ **آلبر ترون بھن:**۔ آلبر کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں مبتدا ہونے کی وجہ سے اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے۔ بھن کی ضمیر حضرات ازواج مطہرات کی طرف لوٹتی ہے۔ **فترک الاعتکاف:**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف ختم کر دیا تا کہ ان کو زیادہ تنبیہ ہو جائے۔ **ثم اعتکف عشراً من شوال:**۔ ۱- یہ قضاء استحباباً فرمائی تھی ۲- یہ قضاء وجوباً فرمائی تھی اور ازواج مطہرات نے چونکہ گھر میں قضاء کی ہوگی اس لئے اس کا اس حدیث میں ذکر نہیں کیا گیا۔ **باب الاخبیۃ فی المسجد:**۔ غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد میں عورتوں کے لئے خیمے لگانا اعتکاف کے لئے منع ہے کیونکہ انہیں گھر پر اعتکاف بیٹھنا چاہئے۔

باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے معتکف مسجد کے دروازے تک آ جائے تو جائز ہے باب میں جواب اس لئے ذکر نہ فرمایا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

باب الاعتکاف و خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صبیحۃ عشرین

غرض درمیانہ عشرہ کے اعتکاف کی کیفیت بتلانا ہے۔ **ارنبۃ:**۔ ناک کا کنارہ:۔

باب اعتکاف المستحاضۃ

غرض یہ ہے کہ مستحاضہ کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور مسجد کے خون سے ملوث ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔

باب زیارۃ المراۃ زوجھافی اعتکافہ

غرض یہ ہے کہ بیوی خاوند سے اعتکاف میں بھی ملاقات کر سکتی ہے مسجد میں جا کر جبکہ کوئی ضروری کام ہو۔

باب ھل یدرأ المعتکف عن نفسہ

غرض یہ ہے کہ تہمت کے احتمال سے بچنا مستحب ہے اور اگر کسی

کے ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر تہمت کو دور کرنا واجب ہے اور یہ دونوں حکم غیر معتکف کے لئے بطریق ادنیٰ ثابت ہیں۔

باب من خرج من اعتکافه عندالصبح

غرض یہ ہے کہ اگر درمیانہ عشرہ کی راتوں کا اعتکاف کیا ہو تو صبح کو نکلنا چاہئے۔ فلما کان صبیحة عشرین نقلنا متاعنا :۔سوال۔ بعض روایتوں میں مغرب کے وقت نکلنا آتا ہے جواب۔ ا۔سامان صبح منتقل کیا اور خود مغرب کے بعد منتقل ہوئے یا منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔

باب الاعتکاف فی شوال

غرض رمضان شریف کے اعتکاف کی قضاء کا بیان کرنا ہے کہ شوال میں ہوسکتی ہے۔

باب من لم یر علی المعتکف صوماً

غرض اس شخص کی رائے کا بیان ہے جو رات کے اعتکاف کے لئے روزہ کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اوف تدرک:۔ یہ محل استدلال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کا حکم نہیں فرمایا لیکن یہ استدلال قدرے کمزور ہے کیونکہ احتمال ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بغیر روزے کے اعتکاف بیٹھتے ہوں اس لئے روزہ کا حکم نہ فرمایا کیونکہ نذر زمانے جاہلیت میں تھی دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ نذر ہی یہ مانی ہو کہ میں بغیر روزے کے ہی اعتکاف بیٹھونگا۔ پھر یہ کفر کے زمانہ کی نذر کے پورا کرنے کا امر صرف استحبابی ہے۔

باب اذا نذر فی الجاهلیة ان یعتکف ثم اسلم

غرض جاہلیہ کی نذر کا حکم بیان کرنا ہے اور جمہور استحباب کے قائل ہیں اور بظاہر اسی کے امام بخاری بھی قائل ہیں۔

باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان

دو غرضیں ہیں۔ ا۔اوسط رمضان کا اعتکاف بھی مشروع ہے ۲۔اخیر رمضان ہی مختص نہیں ہے اعتکاف کے لئے بلکہ عشرہ اخیرہ کا اعتکاف سنت اور باقی زمانوں میں مستحب ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے تاکہ ثواب کے ڈھیر جمع کرسکے۔

باب من اراد ان یعتکف ثم بداله ان یخرج

غرض یہ ہے کہ اعتکاف کا ارادہ کرکے چھوڑ دینا بھی جائز ہے اور امام بخاری کے نزدیک اس حدیث میں یہی صورت پائی گئی تھی وعند الجمہور اعتکاف شروع کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑا تھا کیونکہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہونے سے اعتکاف شروع ہوجاتا ہے اور امام بخاری کے نزدیک اعتکاف کی خاص جگہ داخل ہونے سے اعتکاف شروع ہوتا ہے۔

باب المعتکف یدخل راسه البیت للغسل

غرض یہ ہے کہ گھر میں صرف سر داخل کرنا معتکف کا دھونے کے لئے جائز ہے۔

کتاب البیوع

تقدیر عبارت یہ ہے کتاب فیہ احکام البیوع۔ مختلف انواع کی بیوع کے احکام بتلانا مقصود ہے۔ اور بیان انواع ہی کے لئے بیوع جمع کا صیغہ لائے ہیں اور ربط یہ ہے کہ پیچھے عبادات تھیں جن سے مقصود خالص طور پر آخرت ہی آخرت تھی اب دین کے پانچ شعبوں میں سے معاملات کا ذکر ہے جن میں دنیا کی ضروریات حاصل کرنی مقصود ہوتی ہیں۔ عقائد کا ذکر عبادات سے بھی پہلے تھا کیونکہ عبادات ان پر موقوف ہیں باقی دو شعبے معاشرات اور اخلاق بعد میں بیان کریں گے اور عبادات کو مقدم اس لئے فرمایا کہ ان میں تعلق باللہ بلا واسطہ ہوتا ہے اور یہ تعلق بڑھانا ہی مقصود حیات ہے معاملات تو بقدر ضرورت ہیں جیسے بیت الخلاء میں انسان بقدر ضرورت بیٹھتا ہے اصل کام وہی ہونا چاہئے۔ جس کیلئے ہماری روحوں کو بدن دیئے گئے اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں ہمارے بدنوں سے پہلے پیدا فرمائیں اور ان کو اپنی ذات وصفات کی معرفت دی اس معرفت سے اللہ تعالیٰ کی محبت

ہم میں پیدا ہوئی کیونکہ وہ ذات ہے ہی ایسی کہ جو اس کو پہچانتا ہے عاشق ہو جاتا ہے اِس عشق کا تقاضیٰ تھا قرب محبوب اور وہ مصالح کی بناء پر بدن ملنے اور نیکی کرنے پر موقوف فرما دیا تھا۔ اس لئے بدن کا گھوڑا یکے بعد دیگرے دیا جا رہا ہے کہ اس گھوڑے پر سوار ہو کر ہمارے قرب کے لئے بھاگتے چلے آؤ اس لئے ہمیں اصل مقصود سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیئے اسی نکتہ کی وجہ سے عبادات کو معاملات پر مقدم فرمایا۔

باب ماجاء فی قول الله تعالیٰ فاذا قضیت الآیة

غرض بیع کا جواز اور بیع کی حقیقت کا بتلانا ہے کہ مبادلۃ المال بالمال بالتراضی ہے۔ وعلیہ وضر من صفرۃ خلوق یا کسی اور رنگدار خوشبو کا اثر تھا۔

باب الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشبّهات

دو غرضیں ہیں۔ ا۔ بیع کی تین قسمیں بتلانا حلال اور حرام اور مشتبہ۔ ۲۔ ورع اور تقویٰ یہ ہے کہ مشتبہ چیز سے بچے جس میں دلیلیں حلال ہونے کی بھی ہوں حرام ہونے کی بھی ہوں اور اس کو وجہ ترجیح کی معلوم نہ ہو۔

باب تفسیر المشبهات

غرض مشتبہ کی تفصیل کرنی ہے کہ مشتبہ کیا ہے پھر اس میں دو اہم قول ہیں۔ ا۔ مشتبہ وہ ہے جو من وجہ حلال کے مشابہ ہو اور من وجہ حرام کے مشابہ ہو۔ ۲۔ جس میں حرام ہونے کا احتمال دلیل سے ظاہر ہو وہ تو مشتبہ ہوتا ہے اور جس میں بلا دلیل احتمال حرام ہونے کا ہو وہ وسوسہ ہوتا ہے۔ **دع ما یریبک الی مالا یریبک**: لیکن یہ معیار کہ جس چیز سے دل میں کھٹکا پیدا ہو اس کو چھوڑے یہ معیار اُن پاک حضرات کے لئے ہے جن کے دل منور ہیں پھر اجتناب کے تین مرتبے ہیں۔ ا۔ واجب اور وہ ایسا کام ہے جو سبب بنتا ہو حرام میں پڑنے کا مثلاً ایسے بازاروں وغیرہ میں بلا ضرورت جانا جہاں بے پردہ عورتیں پھرتی ہوں کیونکہ یہ بدنظری کا سبب ہے یا بلا ضرورت ملاقاتیں اور باتیں کرنا کیونکہ یہ غیبت کا سبب ہے۔ ۲۔ مستحب۔ ایسے شخص سے معاملہ کرنے سے بچنا جس کا اکثر مال حرام ہو۔ ۳۔ مکروہ۔ رخصتِ شرعیہ سے بچنا۔ **فاعرض عنہ**: ۔ یہ اعراض اس کی علامت ہے کہ اُس عورت سے نکاح حرام نہ تھا صرف خلاف اولیٰ اور ورع کا درجہ تھا ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعراض نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ فوراً الگ ہو جاؤ وہ تو تم پر حرام ہے نکاح صحیح نہیں ہوا۔ اختلاف عند احمد رضاعت ثابت کرنے کے لئے ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ وعند الجمهور کافی نہیں ولنا واستشهد واشهید ین من رجالکم ولاحمد روایۃ ابی داؤد عن عقبۃ بن الحارث مرفوعاً دعها عنک جواب یہ فرمانا احتیاطاً ہے۔ یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نکاح ہی نہیں ہوا کیونکہ دعها کے معنیٰ ہیں طلاق دیدو اگر نکاح ہی نہ ہوا ہوتا تو طلاق کی کیا ضرورت تھی اسی کی تائید بخاری شریف کی روایت کے الفاظ سے ہوتی ہے فاعرض عنہ جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ **هولک یا عبد بن زمعۃ**: ۔ یہ دلیل ہے عدم حجاب کی کہ ظاہر کے لحاظ سے وہ حضرت سودہ کے بھائی بن گئے۔ **لما رأی من شبہ بعتبۃ**: ۔ یہ دلیل ہے حجاب کی اس لئے تورع کے طور پر حجاب کا حکم دیا اور اس تورع کو واجب شمار کیا گیا ہے۔ آگے تورع مستحب کی مثال آئے گی اگلے باب میں بلا فصل۔

باب مایتنزّہ من الشبهات

غرض مقدار بیان کرنا ہے پرہیز کرنے کی اور گذشتہ باب میں واجب تورع کا ذکر تھا اور اب مستحب تورع کرنے کا ذکر ہے یہ ربط ہو گیا ماقبل سے۔

باب من لم یر الوساوس ونحوها من الشبهات

غرض ورع میں تعمق اور حد سے آگے گذرنے کا بیان ہے جس کو تقوے کا ہیضہ کہتے ہیں۔ جیسے کوئی گندم کا ایک دانہ اُٹھا کر اعلان کرتا پھرے کہ یہ کس کا ہے یہ دین کا مذاق اڑانا ہے۔ اسی میں داخل ہے کہ وساوس سے بچنا چاہے حالانکہ یہ غیر اختیاری ہے پھر امام بخاری کی ترتیب عجیب وغریب ہے جسے ترتیب بدیع کہنا

چاہئے کہ پہلے شبہات کی تفسیر کی پھر مراتب مشتبہات کے بیان فرمائے۔ کہ اس سے بچنا واجب ہے اور اس سے مستحب ہے پھر وسوسہ اور مشبہ میں فرق بیان فرمارہے ہیں۔ کیونکہ وساوس سے پریشان ہونا دین کو برباد کرنا ہے جیسا کہ مشتبہات سے بچنا تکمیل دین ہے۔

باب قول الله تعالیٰ واذا رأواتجارة اولهوا انفضوّا الیها

غرض اس آیت کا شان نزول بیان فرمانا ہے۔ سوال یہ آیت تو کتاب البیوع کے بالکل شروع میں بیان کر چکے ہیں یہ تو تکرار ہوا۔ جواب۔ وہاں مقصود تجارت کا جواز فی نفسہا تھا یہاں یہ بیان ہے کہ ضروریات دین سے غفلت کا سبب بن جائے جیسے جمعہ ہے تو پھر یہی تجارت مکروہ ہو جائے گی۔

باب من لم یبال من حیث کسب المال

غرض اس کی مذمت ہے کہ مال کمانے میں حلال وحرام کی پرواہ چھوڑ دے۔

باب التجارة فی البروغیره

غرض تجارت کی بعض قسموں کا جواز بیان کرنا ہے پھر نسخے اور معانی مختلف ہیں ۱۔ فی البر باء کے ضمہ کے ساتھ اور راء کی شدید کے ساتھ گیہوں وغیرہ غلہ کی بیع وتجارت کا جواز بیان کرنا مقصود ہے۔ ۲۔ فی البر باء کا فتحہ راء کی تشدید خشکی کے معنیٰ میں مقصد یہ ہوا کہ تجارت خشکی اور سمندر دونوں میں جائز ہے ۳۔ باء کا فتحہ اس کے بعد زیٰ کی تشدید سوتی کپڑا کہ ہر قسم کے سوتی اور غیر سوتی کپڑے کی تجارت جائز ہے۔ ۴۔ لفظ تو یہی مراد یہ ہے کہ سوتی کپڑے اور دیگر گھر کے سامان کی تجارت جائز ہے گویا غیر سے مراد دوسرا سامان ہے دوسری قسم کا کپڑا مراد نہیں ہے۔

باب الخروج فی التجارة

غرض یہ ہے کہ ورع میں ایسا تعمق بھی نہ اختیار کرے کہ ضرورت کے موقعہ پر بھی بازار نہ جائے۔

باب التجارة فی البحر

غرض یہ ہے کہ تجارت کے لئے سمندر کا سفر بھی جائز ہے اور بنی اسرائیل کے ایک صاحب کا واقعہ ذکر فرما کر یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ سمندر کا سفر پہلے زمانوں میں بھی متعارف تھا اور یہ بھی اشارہ فرمادیا کہ چونکہ نقل کے بعد انکار وارد نہ ہوا اس لئے ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔

باب واذا راواتجارةً اولهوا انفضوا الیها

غرض یہ ہے کہ احکام شرع کی رعایت کرتے ہوئے تجارت جائز ہے۔ سوال یہ آیت تیسری دفعہ ذکر فرمائی بہت تکرار پایا گیا جواب۔ پہلی دفعہ نفس جواز تجارت بیان فرمایا دوسری دفعہ عارض کی وجہ سے کراہۃ اور مذمت مقصود تھی گویا اس میں مفہوم مخالف کا بیان تھا اب نفس واقعہ بیان فرمانا مقصود ہے جس کو مفہوم موافق کہا جائے گا اور بعض نسخوں میں یہاں یہ باب نہیں ہے اور بعض میں دوسری جگہ آیت والا باب نہیں ہے اس لئے ان نسخوں میں تکرار کم ہے۔

باب قول الله تعالیٰ انفقوا من طیبات ما کسبتم

غرض آیت کی تفسیر ہے۔

باب من احب البسط فی الرزق

غرض یہ ہے کہ صلہ رحمی رزق کی وسعت کا سبب ہے۔ جواب حذف فرمادیا کہ حدیث سے سب سمجھ جائیں گے پھر حدیث پاک سے یہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ ذی رحم رشتہ داروں سے محبت جائز ہے اور جو شخص ذی رحم رشتہ داروں سے محبت کو مکروہ کہتا ہے اس کا قول ٹھیک نہیں ہے۔ سوال: عمر اور رزق تو تقدیر میں لکھے جا چکے ہیں اور تقدیر بدلا نہیں کرتی جواب۔ تقدیر معلق بدل جاتی ہے کیونکہ اس میں شرط ملفوظ یا مقدر ہوتی ہے کہ مثلاً اگر صلہ رحمی کرے گا تو عمر ۹۰ برس ہوگی نہ کرے گا تو ۶۰ برس ہوگی البتہ تقدیر مبرم نہیں بدلا کرتی وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ضرور ہوتی ہے لکھی ہو یا نہ لکھی ہو۔

باب شری النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئة

غرض ادھار خرید نے کا جواز بیان فرمانا ہے اور شاید ساتھ ساتھ یہ غرض بھی ہو کہ اشارہ کر دیا جائے اس شخص کے رد کا جو یہ وہم کر رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ادھار سودا نہیں خریدا۔ اھالۃ:۔ چربی سنخۃ:۔ کچھ زمانہ گزرنے کی وجہ سے ہلکی سی بو پیدا ہو گئی ہو۔

باب کسب الرجل و عملہ بیدہ

غرض ہاتھ کی کمائی کی فضیلت کا بیان ہے پھر اختلاف ہوا ہے کہ سب سے افضل کونسی کمائی ہے۔ مختلف اقوال ہیں ۱- جہاد میں مال غنیمت، ۲- تجارت، ۳- زراعت کیونکہ اس میں توکل علی اللہ بہت زیادہ ہے۔ ۴- احوال واشخاص کے اختلاف کی وجہ سے افضل بدل جائے گا۔ بظاہر ان چار اقوال میں سے راجح پہلا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو یہ حاصل رہا ہے۔ ویحترف للمسلمین فیہ میں آہستہ آہستہ کما کر جتنی رقم لی ہے اتنی یا زائد بیت المال میں داخل کر دونگا۔ یہ داخل کرنا صرف مستحب ہے۔

باب السہولة والسماحة فی الشراء والبیع

غرض یہ ہے کہ بیع وشراء میں نرمی اور دوسروں کی آسانی اور سخاوت سے کام لینا مستحب ہے۔ فی عفاف:۔ ای بلاظلم۔ باب من انظر موسرا:۔ غرض یہ ہے کہ امیر کو بھی ڈھیل دینا مستحب وافضل ہے

باب من انظر معسراً

غرض یہ ہے کہ غریب کو ڈھیل دینے کا بڑا ثواب ہے۔

باب اذا بین البیعان ولم یکتما ونصحا

غرض یہ ہے کہ عیب کو بیان کر دینا اور دوسرے کی خیر خواہی کا خیال رکھنا برکت کا ذریعہ ہے جواب اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی ذکر نہیں فرمایا کیونکہ حدیث پاک میں آ رہا ہے خبثۃ:۔ بدخلقی غائلۃ: فسق وفجور النخاسین:۔ جانوروں کے دلال اوری: ہمزہ پر ضمہ ہے اس کے بعد واو ساکن ہے معنیٰ ۱- معلف الدابہ وہ جگہ جس میں جانور کا چارہ ڈالا جاتا ہے میز کی طرح ذرا اونچی ہوتی ہے، پنجابی میں کھرلی کہتے ہیں خراسان وسجستان:۔ دو مشہور علاقے ہیں دھوکا دینے کے لئے یہ فرضی نام رکھ لیتے تھے جیسے ایک شخص نے اپنی بیوی کا نام چاند رکھ لیا تھا۔ عید الفطر کے موقعہ میں کہتا تھا میں ابھی چاند دیکھ کر آیا ہوں۔

باب بیع الخلط من التمر

غرض یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے مصداق۔ ۱- کئی قسم کی کھجوروں کو ملا دیا جائے۔ ۲- ایک ردی قسم کی کھجور کا نام ہے۔

باب ماقیل فی اللحام والجزار

لحام گوشت بیچنے والے کو کہتے ہیں اور جزار اونٹ نحر کرنے والے کو کہتے ہیں اور حدیث میں قصاب واقع ہوا ہے اس کے معنیٰ بکری ذبح کرنیوالے کے ہیں غرض یہ ہے کہ یہ پیشے اختیار کرنے بھی جائز ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائے گئے اور انکار نہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے جواز ثابت ہو گیا اور بعض نسخوں میں یہ باب آگے چھ باب کے بعد ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہاں مختلف حرف اور پیشوں کا ذکر ہے یہاں لانے کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں بطور صنعت اور پیشہ کے ان قصاب وغیرہ کا ذکر مقصود نہیں ہے بلکہ یہاں ایک دو دفعہ گوشت بیچنے والے کو قصاب وغیرہ کہہ دیا گیا ہے گویا گوشت کی بیع وشراء کا جواز بیان کرنا ہے اس لحاظ سے یہاں کے ابواب کے مناسب ہے سوال۔ باب میں لحام اور جزار کا ذکر ہے اور حدیث پاک میں قصاب کا ذکر ہے اور ان تینوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں جیسے ابھی ذکر کئے گئے تو حدیث کو باب سے مناسبت نہ ہوئی۔ جواب۔ ۱- یہاں تینوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں گوشت بیچنے والا ۲- قصاب پر لحام اور جزار کو قیاس فرمایا۔

باب ما یمحق الکذب والکتمان فی البیع

ما مصدریہ ہے غرض یہ ہے کہ جھوٹ اور عیب چھپانا برکت کو مٹا دیتے ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ یایها الذین اٰمنو الاتاکلوا الربو اضعافاً مضاعفة

غرض سود کی ممانعت اور حرمت کا بیان ہے اور اضعافاً مضاعفۃً

کی قید زیادہ قباحت کے لئے ہے کسی امام کے نزدیک بھی یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں۔

باب اکل الربا وشاھدہ وکاتبہ

غرض سود کے کھانے والے اور گواہ اور کاتب کی مذمت ہے۔ واحل اللہ البیع وحرم الربا:۔ یہ حق تعالیٰ کا حاکمانہ جواب ہے کہ ہم نے بیع کو جائز اور سود کو ناجائز قرار دیا ہے حکیمانہ جواب ظاہر تھا کہ بیع کا مدار تعاون پر ہے کیونکہ ایک آدمی معاش کی سب ضروریات تیار نہیں کرسکتا اور سود کا مدار حرص اور ظلم پر ہے یہاں تک کہ حرص میں مجنون ہوجاتا ہے اسی لئے قیامت کے دن پاگل اٹھایا جائے گا اور صدقہ سود کی ضد ہے کیونکہ سود میں بلا معاوضہ لیتا ہے اور صدقہ میں بلا معاوضہ دیتا ہے یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات۔ فیہ رجل قائم وعلی وسط النھر:۔ قائم اور علی کے درمیان ایک نسخہ میں واؤ نہیں ہے اس صورت میں علی قائم کے متعلق ہے اور ایک نسخہ میں واؤ ہے تو یہ واؤ حالیہ ہے۔ رجل بین یدیہ حجارۃ:۔ یہاں بھی رجل سے پہلے واؤ ہونے والے نسخے میں تو ظاہر ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور جس نسخہ میں یہاں واؤ نہیں ہے تو واؤ مقدر ہے جملہ بہر حال نیا ہے۔

باب یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات

غرض سود اور صدقہ کا انجام بیان کرنا ہے کہ سود سے بے برکتی اور صدقہ سے برکت ہوتی ہے۔

باب مایکرہ من الحلف فی البیع

غرض بیچنے میں قسم کھانا مکروہ ہے اگر سچی ہے تو کراہۃ تنزیہی ہے ورنہ تحریمی ہے۔ اعطی مالم یعط:۔ ۱۔ معروف پڑھنا بھی صحیح ہے کہ میں نے اتنی قیمت دے کر یہ چیز خریدی ہے واقع میں اتنے پیسے نہیں دیئے دونوں فعل معروف ہیں۔ ۲۔ دونوں مجہول مجھے اتنے پیسے دیئے گئے ہیں یعنی لوگ اتنے پیسے دے رہے تھے میں نے نہیں بیچی حالانکہ اتنے نہیں دیئے گئے۔

باب ماقیل فی الصواغ

غرض اس باب سے اور بعد کے چند بابوں سے یہ ہے کہ یہ پیشے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائے گئے اور انکار نہ فرمایا معلوم ہوا جائز ہیں اور غیر مذکور پیشوں کو ان مذکور پر قیاس کریں گے جب تک صریح گناہ کا کام نہ ہو جیسے فلم سازی وغیرہ۔

باب ذکر القَین والحداد

غرض یہ دونوں پیشے جائز ہیں سوائے غلط مضمون کی نظم پڑھنے یا باجہ بجانے کے ان دونوں کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں لوہے کا کام کرنے والا۔ ۲۔ حدّاد لوہے کا کام کرنے والا اور قَین تلوار بنانے والا۔ ۳۔ حداد لوہے کا کام کرنے والا اور قین مختلف پیشوں والا مثلاً گانا گانے والا دولھا دلھن کو تیار کرنے والا مرد یا عورت امام بخاری جو دو لفظ لائے ہیں تو بظاہر دونوں کے معنیٰ الگ الگ کرنا چاہتے ہیں۔

باب ذکر الخیاط

غرض یہ کہ درزی کا پیشہ جائز ہے۔

باب ذکر النسّاج

غرض یہ ہے کہ جولاہے کا پیشہ بھی جائز ہے

باب النجار

غرض یہ ہے کہ بڑھئی کا پیشہ جو لکڑی کی چیزیں بناتا ہے جائز ہے۔ بکت علی ما کانت تسمع من الذکر:۔ اس سے چند مسائل نکلے۔ ۱۔ ذکر کی فضیلت ظاہر ہوئی۔ ۲۔ معجزہ ظاہر ہوا۔ ۳۔ قدریہ کا رد ہوا جو بلا فم ولسان کلام کو محال کہتے ہیں اس آیت سے بھی قدریہ کی تردید ہوتی ہے وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیء وھو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون۔ ۴۔ غیر ذی روح چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ سمجھ ہوتی ہے اگرچہ وہ کلام بلا اجازت نہیں کرسکتیں۔

باب شراء الامام الحوائج بنفسہ

غرض میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ یہ وہم دور کرنا مقصود ہے امام کا خود بازار سے کچھ خریدنا مروّت کے خلاف ہے۔ ۲۔ اس وہم کو دور کرنا

مقصود ہے کہ امام کا خود خریدنا امام کی شان کے خلاف ہے دونوں احتمالوں کی نفی کردی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بازار تشریف لے جاکر خود خرید وفروخت فرمالیتے تھے تو اب تواضع اور اتباع سنت بھی یہی ہے۔ پھر مراد امام سے سلطانِ وقت ہے یا ہر بڑا شخص ہے دونوں احتمال ہیں اور ایک نسخہ میں یوں ہے باب شراء الحوائج بنفسہ تو غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ پر اپنا سامان خود خرید لینا مسنون ہے۔

باب شری الدواب و الحمیر

غرض بیان جواز ہے جانوروں اور دراز گوشوں کے خریدنے کا آگے جو ہے واذا اشتری دابۃ او جملا وھو علیہ ھل یکون ذلک قبضا قبل ان ینزل یہ عبارت بھی ترجمۃ الباب ہی کا حصہ ہے اور اس میں یہ مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے کہ اگر خریدنے والا اُسی اونٹ پر سوار ہو جس کو خریدا ہے تو یہ سوار ہونا اس پر قبضہ شمار ہو جائے گا جبکہ اترنے سے پہلے پہلے خرید لیا ہو۔

فاذا قدمتَ فالکیس الکیس

یعنی مدینہ منورہ پہنچ جاؤ تو ہوشیاری اور سمجھ اور احتیاط سے کام لینا کہیں حیض ہی میں بیوی سے جماع نہ کر لینا۔

باب الا سواق التی کانت فی الجاھلیة فتبایع بھا الناس فی الا سلام

غرض یہ کہ جن مقامات پر زمانہ جاہلیت میں گناہ کے درجہ میں بھی بیع وشراء وفخر وریاء وغیرہ ہوتے تھے اب وہاں مباحات و طاعات جائز ہیں:۔

باب شراء الا بل الھیم او الا جرب

غرض کی دو تقریریں ہیں ۔ا۔عیب دار چیز کو بیچنا بھی جائز ہے جب کہ عیب بتلا دیا جائے اور مشتری راضی ہو۔۲۔عیب والی چیز کی بیع عیب ذکر کئے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ پھر خریدنے والے کے لئے عیب کی وجہ سے واپس کر دینا جائز ہے۔ پھر وہیم جمع ہے اہیم کی اس کے معنیٰ ۔ا۔ وہ اونٹ جس کو استسقاء کی بیماری ہو۔۲۔ وہ اونٹ جو شام کو پاگل ہو جاتا ہو۔ **الھائم المخالف للقصد فی کل شئی** :۔ یعنی اعتدال سے ہٹنے والی چیز کو ہائم کہتے ہیں خواہ انسان ہو یا جانور ہو دوسرے معنیٰ اس لفظ کے عاشق کے بھی آتے ہیں سوال۔ ہیم تو ہائم کی جمع نہیں ہے بلکہ اہیم کی ہے پھر یہاں امام بخاری نے ہیم کے ساتھ ہائم کا ذکر کیوں فرمایا جواب ہائم اس لئے ذکر نہ فرمایا کہ یہ مفرد ہے ہیم کا بلکہ اشتراک فی المادہ کی وجہ سے ہائم کا لفظ بھی ذکر فرما دیا۔ **لا عدویٰ** :۔ یہاں لا عدویٰ کے تین معنیٰ کئے گئے ہیں ۔ا۔ ہماری میں تعدیہ نہیں ہے اس لئے میں ان اونٹوں پر راضی ہوں ۔۲۔ میں اُس بیچنے والے پر واپس کر کے اُس سے انتقام نہیں لینا چاہتا عدویٰ کے معنیٰ انتقام لینے کے آتے ہیں ۔۳۔ میں بیچنے والے پر عُدوان اور زیادتی نہیں کرنا چاہتا میرے نزدیک یہ واپس کر اُس پر زیادتی ہوگی کیونکہ اس کو اس سے تکلیف ہوگی میرے نزدیک یہ بھی زیادتی ہی ہے۔

سمع سفیان عمروا :۔ یہ امام بخاری کے استاد حضرت علی بن عبداللہ کا مقولہ۔

باب بیع السلاح فی الفتنة وغیرھا

غرض یہ ہے کہ جو باغی نہ ہو اسکے ہاتھ ہتھیار بیچنا جائز ہے زمانہ فتنہ کا ہو یا نہ ہو اس کی تفصیل یہ ہے ۔ا۔ فتنہ نہ ہو تو مطلقا ہتھیار کی بیع جائز ہے ۔۲۔ فتنہ کے زمانہ میں جس شخص کا حال مشتبہ ہو کر یہ باغی ہے یا نہ تو مکروہ ہے ۔۳۔ فتنہ میں جب باغی اور غیر باغی متعین ہوں تو باغی کے ہاتھ بیچنا حرام ہے اور غیر باغی کے ہاتھ بیچنا جائز ہے۔ امام بخاری کے ترجمۃ الباب اور تعلیق اور مسند روایات سے ان صورتوں کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ واللہ اعلم

باب فی العطار و بیع المسک

غرض رد ہے حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء کے قول پر کہ یہ دونوں حضرات مشک کی بیع کے ناجائز ہونے کے قائل تھے کیونکہ مشک ہرن کے ناف کے خون سے بہت سارد و بدل کر کے تیار ہوتی ہے۔ پھر جواز پر اجماع ہو گیا تھا استعمال بھی جائز ہے اور

بیع بھی جائز ہے اسی پر امام بخاری نے باقی خوشبو کی انواع کو قیاس فرمایا یعد مک :۔ دو طرح پڑھا گیا ہے۔ا۔ یعد مک ضرب یضرب سے معروف۔۲۔ یعد مک باب افعال سے معروف معنی دونوں کے ہیں یفقدک پھر لفظ اما اس عبارت مبارکہ میں ترکیب کے لحاظ سے تو زائد ہے لیکن معنیٰ میں معتبر ہے عبارت یہ ہے لایعد مک من صاحب المسک اما تشتریہ اور تجد ریحہ۔ لفظ تشتریہ معنیٰ میں ان تشتریہ کے ہے اور یہ لایعد مک کا فاعل ہے دونوں میں سے ایک چیز تو گم نہ ہوگی یا تو مشک خرید لوگے یا کم از کم اس مجلس میں تو خوشبو سے لطف اندوز ہوگے۔ ایسے ہی نیک صحبت یا تو زندگی کا رُخ ہی بدل دے گی یا کم از کم تھوڑی دیر تو نیکی میں گذرے گی ابوسلمان دارانی فرماتے ہیں کہ ایک واعظ کی مجلس میں پہلی دفعہ گیا تو اس مجلس میں گناہ چھوڑنے کا ارادہ رہا اٹھا تو ختم دوبارہ گیا تو واپسی میں راستہ بھی اثر رہا گھر پہنچ کر ختم تیسری دفعہ گھر آ کر بھی رہا اور گھر آ کر گناہ کے سب اسباب ختم کر دیئے اور ایسے اللہ والے بن گئے کہ کسی نہ یہ واقعہ سن کر کہا عصفورۃ صارت النعامۃ کہ چڑیا نے شتر مرغ کا شکار کر لیا کہ معمولی واعظ کے وعظ سے اتنا بڑا بزرگ پیدا ہو گیا۔

ے　یک زمانہ صحبتت با اولیأ
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

بقول حضرت تھانوی بہتر از صد لک سالہ طاعت بھی ہوتا تو مبالغہ نہیں تھا کیوں۔ا۔ زندگی کا رخ بدلنے والی کوئی بات مل جاتی ہے جو دل پر اتنا اثر کرتی ہے کہ شیطانیت سے نکل کر ولایت میں داخل ہو جاتا ہے۔۲۔ حق تعالیٰ کی خصوصی نظر عنایت وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ پر پڑتی ہے اگر اُس وقت کوئی پاس بیٹھا ہو تو اس پر بھی پڑتی ہے اور وہ بھی اُسی نور سے منور ہو جاتا ہے یہ چیز صد لک سالہ طاعت سے بھی شاید نصیب نہ ہوتی۔ مثلاً حضرت بشر حافی گناہوں کی زندگی میں تھے ایک درویش دروازے پر آئے لونڈی باہر گئی پوچھا یہ آزاد کا مکان ہے یا غلام کا کہا آزاد کا فرمایا اگر غلام کا مکان ہوتا تو ایسے نہ کرتا جیسے یہ کر رہا ہے لونڈی سے سن کر ننگے پاؤں پیچھے بھاگے دوبارہ سنا ایسا اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی غلام اور ولی اللہ ہی بن گئے یہ صرف ایک جملے کا اثر تھا ننگے پاؤں گئے تھے اس لئے بشر حافی نام ہو گیا بشر ننگے پاؤں والے وفقنا اللہ تعالیٰ

باب ذکر الحجام

غرض یہ ہے کہ حجامت کا پیشہ یعنی سینگی لگانے کا جائز ہے ربط ماقبل سے یہ ہے کہ جب مشک کا ذکر آیا تو اس سے ذہن خون کا بیع کی حرمت کی طرف جاتا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ سینگی لگوانے کا پیشہ بھی جائز نہ ہوگا اس کا تدارک فرما دیا کہ حجامت سے نہی منسوخ ہے یا نہی تنزیہی پر محمول ہے کہ یہ کام گھٹیا ہے۔ اور اباحت ضرورت کی وجہ سے ہے۔

باب التجارة فيما يكره لبسه للرجال والنساء

غرض یہ ہے کہ ایسے مال کی تجارت بھی جائز ہے جو صرف مردوں پر حرام ہو جیسے ریشم یا مردوں اور عورتوں دونوں پر حرام ہو جیسے تصویر والا کپڑا جبکہ کوئی طریقہ اس کے استعمال کا جائز ہو جیسے تصویر کا سر مٹا کر استعمال جائز ہے۔

باب صاحب السلعة احق بالسوم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بھاؤ بتلانے کا زیادہ حق بائع کا ہے۔

باب كم يجوز الخيار

اس باب کی غرض میں تین تقریریں ہیں۔ا۔ کم مدۃ یجوز الخیار۔ خیار شرط میں مدت کتنی ہے اور امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ کوئی تحدید نہیں بلکہ وہ متعاقدین کی رائے پر ہے خواہ خیار شرط ہو یا خیار قبول ہو یا خیار مجلس ہو۔۲۔ کم مرۃ یخیر احد المتعاقدین یعنی عقد کو لازم کرنے کے لئے کتنی دفعہ خر لی کہے یا خیار شرط کے الفاظ کہے مبہم چھوڑ دیا ظاہر یہی ہے کہ ایک دفعہ کہنا کافی ہے گو تین دفعہ کہنا اولیٰ ہے سوال۔ تین بابوں کے بعد چوتھے باب میں ہے قال ہمام وجدتُ فی کتابی یختار ثلث مرار تو ابہام نہ رہا پھر امام بخاری نے اس باب میں ابہام کیوں رکھا جواب ظاہر یہی ہے کہ یہ قال ہمام والی زیادتی امام بخاری کے نزدیک قابل اعتماد نہیں

ہے۔۳۔کم قسما یجوز الخیار فیھا پھر اقسام خیار میں سے صرف ایک ہی قسم کی تفصیل پانچ بابوں میں بیان فرمائی اور ان سب بابوں میں ایک ہی حدیث الفاظ مختلفہ کے ساتھ بیان فرمائی اور باقیوں کی طرف صرف اشارہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ **خیار شرط میں اختلاف**:۔عند مالک والبخاری خیار شرط کی کوئی حد نہیں جتنے دن کے لئے عاقدین چاہیں خیار شرط لگالیں شرعاً جائز ہے وعند الجمہور صرف تین دن خیار شرط دیا جا سکتا ہے ولنا فی البیہقی عن ابن عمر مرفوعاً الخیار ثلثۃ ایام ولمالک ضرورۃ کبھی دیادہ دن غور وخوض کرنے کی بھی ہوتی ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔**اویکون البیع خیاراً**:۔ا۔یکون کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں اوالی ان یا الاان کے معنیٰ میں ہے۔۲۔یکونُ مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں اَوا پنے ظاہر پر ہے یعنی تردید کے لئے ہے یہ اوعاطفہ ہی ہوتا ہے۔ **خیار مجلس ثابت ہے یا نہ**:۔عند امامنا ابی حنیفہ ومالک ثابت نہیں ہے وعند الشافعی واحمد ثابت ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر مرفوعاً ان المتبایعین بالخیار فی بیعھما مالم یتفرقا۔ ہمارے نزدیک یہ روایت خیار قبول پر محمول ہے کہ عاقدین میں سے پہلے کا قول جس کو ایجاب کہتے ہیں جب وہ پایا جا چکے اور دوسرے کا قول جس کو قبول کہتے وہ ابھی نہ پایا گیا ہو مثلاً دوکاندار نے کہہ دیا میں نے یہ کپڑے کا تھان دوسو روپے کا بیچا خریدار نے ابھی نہیں کہا کہ میں نے خریدا اس زمانہ میں دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ عقد کرے یا نہ کرے اس کو خیار قبول کہتے ہیں وعند الشافعی واحمد یہ حدیث پاک خیار مجلس پر محمول ہے کہ ایجاب اور قبول دونوں پائے جا چکے اس کے بعد بھی خریدنے والا اگر دوکان پر کچھ دیر بیٹھا رہے تو دونوں کو پورا پورا اختیار ہوتا ہے کہ چاہیں تو بیع کو باقی رکھیں اور چاہیں تو ختم کردیں اور کوئی ایک کہہ دے کہ میں نہیں بیچتا یا میں نہیں خریدتا تو پھر بھی بیع نہ ہوگی۔ **حنفیہ ومالکیہ کے مرجحات**:۔ا۔آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خیار مجلس نہ ہوار شاد ہے **لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃً عن تراض منکم** کیونکہ جب ایجاب وقبول دونوں پائے گئے تو جانبین سے رضا مندی پائی گئی اسی کو تراضی کہتے ہیں اور آیت کے مطابق تراضی سے عقد مکمل ہو جاتا ہے۔۲۔اگر اس حدیث پاک میں تفرق ابدان معنیٰ بھی کر لئے جائیں جیسا کہ شوافع وحنابلہ حضرات کرتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق ابدان ہے اور حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب تک بیچنے والے اور خریدنے والے ایک ہی مجلس میں ہیں اُس وقت تک ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے حنفیہ اور مالکیہ کی اصل رائے تو یہی ہے کہ حدیث پاک میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال ہے کہ جب تک دو متفرق قول جمع نہیں ہوتے اور ایجاب کے ساتھ قبول نہیں ملتا اُس وقت تک عاقدین کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے لیکن ہم دوسرے مرجح کے طور پر ارخاء عنان کے درجہ میں اور مخالف کی بات ایک حد تک مانتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر یہاں حدیث پاک میں تفرق سے مراد تفریق ابدان بھی لے لیا جائے تو پھر بھی معنیٰ خیار قبول ہی کے باقی رہتے ہیں کہ مجلس ختم ہونے تک خیار قبول باقی رہتا ہے جہاں مجلس بدلی خیار قبول ختم ہوگیا۔اب اگر قبول کرے گا تو وہ قبول معتبر نہ ہوگا۔۳۔ہمارا تیسرا مرجح یہ ہے کہ اگر تفرق سے مراد تفرق ابدان ہی لیا جائے تو پھر بھی حدیث پاک کو خیار قبول ہی پر محمول کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کے لئے ایک موید یہ ہے کہ ہماری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اگر تفرق ابدان بھی مراد ہو تو خیار قبول لینے کی صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ لوازم عقد میں سے کوئی چیز یا اجزاء عقد میں سے کوئی چیز اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے نہ پائی گئی تو عقد منفسخ ہوجائے اور اس حالت میں تفریق ابدان موجب فسخ ہے اس کی نظیر اجماعی موجود ہے کہ عقد صرف کہ مثلاً ایک تولہ سونا دے کر چالیس تولہ چاندی خریدی سونا تو مجلس میں ہی دے دیا لیکن چاندی دینے سے پہلے مجلس ختم ہوگئی اور تفرق ابدان پایا گیا تو یہ عقد فسخ ہوجاتا ہے بالاجماع آپ کے

مسلک کی تقریر یہ ہے کہ تفرق ابدان سے عقد لازم ہو جاتا ہے اس کی کوئی نظر شریعت میں نہیں ہے کہ جب تک مجلس رہے عقد غیر لازم رہے تفرق ابدان ہوتے ہی عقد لازم ہو جائے۔ ۴- ایک شرعی اصول ہے کہ مجلس جامع المتفرقات ہے یہ اصول خیار قبول کی تائید کرتا ہے کہ جب تک مجلس ہے قبول ایجاب کے ساتھ جمع ہو جائے گا بعد میں نہیں ہوگا کیونکہ اگر ایسا ہو تو ایجاب کرنے والے کو مشقت ہے کہ دوسرا جب چاہے اس کو مشقت میں ڈال دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اب وہ خریدنا یا بیچنا چاہتا ہے بعد میں نہیں چاہتا۔ خیار مجلس کی یہ اصول تردید کرتا ہے کیونکہ اس میں مجلس کو جامع المتفرقات نہیں شمار کیا گیا بلکہ عقد کو کمزور رکھنے والی اور قبول کو ایجاب سے دور رکھنے والی شمار کیا گیا ہے جب مجلس ختم ہوتی ہے تو قبول ایجاب سے مل جاتا ہے اور عقد لازم ہو جاتا ہے۔ ۵- اس آیت مبارکہ سے تفرق بالاقوال کی تائید ہوتی ہے وان یتفرقا یغن الله کلامن سعته کہ خلع کا ایجاب وقبول جب یہ دونوں متفرق قول پائے جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کر دینگے جیسے یہاں عقد خلع میں تفرق بالاقوال ہے ایسے ہی ہم بیع میں لیتے ہیں اور خلع میں یہ معنیٰ اجماعی ہیں۔ ۶- واعتصموا بحبل الله جمیعاً ولا تفرقوا میں بھی تفرق بالاقوال ہی مراد ہے۔ ۷- لانفرق بین احد من رسله میں بھی تفرق بالاقوال ہی مراد ہے۔ ۸- افترقت الیهود علی احدیٰ اور ثنتین وسبعین فرقة رواه ابوداؤد عن ابی هریرة اس حدیث پاک میں بھی تفرق باقوال ہی بالاجماع مراد ہے۔ ۹- اوفوا بالعقود جب ایجاب وقبول پائے گئے تو عقد پورا ہو گیا اب اس کو باقی رکھنے کا حکم ہے خیار مجلس میں اس حکم پر عمل نہ کرنا پایا جاتا ہے۔ ۱۰- اس پر اجماع ہے کہ مجلس کے اندر ہی مشتری اپنی خریدی ہوئی چیز کو آگے بیچ سکتا ہے کھا پی سکتا ہے۔ ھبہ کر سکتا ہے۔ غلام ہو تو آزاد کر سکتا ہے یہ سب تصرفات خیار مجلس کے خلاف ہیں۔ ۱۱- واشهدوا اذا تبایعتم۔ بالاجماع مجلس کے اندر ہی گواہ بنانا مستحب ہے اس سے بھی خیار مجلس کی نفی ہوتی ہے اگر عقد پختہ نہیں ہے تو گواہوں کا کیا فائدہ عاقد کہہ سکتا ہے کہ گواہ بننے کے بعد میں نے عقد فسخ کر دیا تھا۔ ۱۲- اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه اگر خیار مجلس باقی ہے تو کتابت بیکار ہے۔ ۱۳- عقد اجارہ میں خیار مجلس بالاجماع نہیں تو عقد بیع میں بھی نہ ہونا چاہئے۔ ۱۴- عقد نکاح میں خیار مجلس بالاجماع نہیں تو عقد بیع میں بھی نہ ہونا چاہئے ۱۵- عقد خلع میں خیار مجلس بالاجماع نہیں تو عقد بیع میں بھی نہ ہونا چاہئے۔ ۱۶- ابوداؤد میں اسی خیار والی حدیث میں یہ بھی ہے حتیٰ یتخایرا اس کے معنیٰ ہم تو خیار شرط کے کرتے ہیں۔ شوافع حضرات اس کے معنیٰ کرتے ہیں کہ عقد کے فوراً بعد عاقدین میں سے کوئی ایک کہہ دے خرلیٔ اور دوسرا کہہ دے اخترتُ تو خیار مجلس ختم ہو جاتا ہے اگر چہ مجلس باقی رہے اور یہ کہنا اور نہ کہنا دونوں میں سے ہر ایک جائز ہے واجب نہیں بلکہ کہہ لینا بالاجماع مستحب ہے جب خیار مجلس کو مجلس کے اندر ہی ختم کر دینا مستحب ہے تو اس سے لازم آیا کہ خیار مجلس مستحب ہے اور مستحب ہونے کا ہم بھی انکار نہیں کرتے اسی کو اقالہ کہا جاتا ہے پس وجوب کا قول ختم ہو گیا۔ ۱۷- اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ روایت خیار مجلس پر دلالت کرتی ہے تو پھر بھی اہل مدینہ کا عمل تواتر اور توارث عملی کے ساتھ اس کے خلاف پایا گیا اور یہ تواتر و توارث عملی تواتر اسنادی سے بھی اونچے درجہ کا ہوتا ہے اسی لئے امام مالک نے یہ روایت عن نافع عن ابن عمر اپنے موطا میں نقل فرمائی ہے اور مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید شمار کیا گیا ہے اور بعض نے قطعی الثبوت تک کہہ دیا ہے اس کے باوجود امام مالک نے تواتر عملی کو ترجیح دی اور خیار مجلس کا انکار فرمایا۔ حاصل یہ ہوا کہ تواتر عملی خیار مجلس کے خلاف ہے۔ ۱۸- لفظی ترجمہ تو اس حدیث میں تفرق ابدان کا ہی ہے لیکن تفرق ابدان کنایہ ہے تفرق اقوال سے کیونکہ عموماً عقد تام ہوتے ہی تفرق ابدان ہو جایا کرتا ہے اور کنایہ میں حقیقی معنیٰ بالکل چھوڑے

نہیں جاتے کبھی پائے جاتے ہیں کبھی نہیں پائے جاتے۔۱۹۔ حدیث میں لفظ بیعان اور متبایعان آ رہا ہے اور عاقدین کو متبایعین کہنا حقیقۃً ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے ہی ہوتا ہے ایجاب سے پہلے ان کو متبایعان کہنا مجاز بالمشارفہ کے طور پر ہوتا ہے جیسے طالب العلم کو مولوی کہہ دیتے ہیں اور قبول پائے جانے کے بعد بھی ما کان کے لحاظ سے مجازاً ان کو متبایعین کہا جاتا ہے جیسے ارشاد ہے واتوا الیتامیٰ اموالھم حالانکہ یہ مال دینا بالغ ہونے کے بعد ہے اور حقیقی یتیم نابالغ ہی ہوتا ہے اب اسے یتیم کہنا ما کان کے لحاظ سے ہے۔ پس خیار قبول میں متبایعان حقیقی معنیٰ میں ہے اور خیار مجلس کے معنیٰ کریں تو مجازی معنیٰ پر محمول کرنا پڑتا ہے جو کہ خلاف اصل ہے۔۲۰۔ مجلس کا وقت تو مجہول ہے اس لئے عقد کے لازم ہونے کو مجلس ختم ہونے پر معلق کرنا ایسا ہی ہے جیسے ثمن موجل ہو اور اجل مجہول ہو اس لحاظ سے بھی خیار مجلس کے معنیٰ لینے مناسب نہیں ہیں۔ **شوافع اور حنابلہ کے مرجحات:** ۔۱۔ زیر بحث روایت میں یہ بھی ہے او یکون البیع خیاراً اس کے معنی شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہ ہیں کہ احد المتعاقدین کہہ دے اختر یا خیر تک یا خرلی تو اس کہنے والے کا خیار مجلس ختم ہو جاتا ہے اور اگر دوسرا کہہ دے اخترتُ تو اب دوسرے کا خیار مجلس بھی ختم ہو جائے گا کیونکہ یہ قول لزوم عقد پر راضی ہونا ہے پس او یکون البیع خیاراً یہ شوافع اور حنابلہ کے لئے مرجح ہے جواب۔ بیع الخیار یہ شریعت میں خیار شرط کا لقب ہے اور حقیقت شرعیہ کو بلا دلیل نہیں چھوڑا جا سکتا ہے اس لئے حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ عقد کرنے کے دوران بھی خیار ہے قبول سے پہلے پہلے جب قبول پایا گیا تو خیار قبول ختم ہو گیا البتہ خیار شرط ہو تو جس کو خیار ہے وہ بعد میں بھی بیع فسخ کر سکتا ہے۔۲۔ روایۃ البیہقی والدارقطنی مالم یتفرقا عن مکانھما۔ جواب اس کا جواب ہم اپنی دوسری ترجیح میں دے چکے ہیں۔۳۔ ایجاب وقبول کے بعد وہ حقیقی معنیٰ پر محمول کرتے ہیں آپ مجازی پر۔ جواب اس کا جواب ہماری ترجیح ۱۹۔ میں گزر چکا ہے۔۴۔ تفرق کے ظاہری معنیٰ تفرق بالابدان ہی کے ہیں بلا ضرورت ظاہر سے پھیرنا ٹھیک نہیں جواب ہماری ترجیحات میں یہ بات تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے کہ شریعت میں اشہر تفرق بالاقوال ہے۔۵۔ روایۃ ابی داؤد والترمذی والطحاوی ان رجلین اختصما الیٰ ابی برزۃ فی فرس بعد ما تبایعا وکانا فی سفینۃ او خباء فقال لا اراکما تفرقتما وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البیعان بالخیار مالم یتفرقا۔ یہاں تصریح ہے تفرق بالابدان کی جواب یہاں خیار کا جاری فرمانا استحبابی ہے بالاجماع کیونکہ اسی واقعہ میں یہ بھی منقول ہے ان الرجل قام یسرج فرسہ جب قیام پایا گیا تو مجلس تو ختم ہو گئی شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی پس معنیٰ یہ ہیں مالا کما تفرقتما عن ھذا البیع علی الانبساط۔۶۔ زیر بحث حدیث الباب میں ہے وکان ابن عمر اذا اشتریٰ شیئاً یعجبہ فارق صاحبہ جواب۔ استحباب واحتیاط پر محمول ہے۔۷۔ آگے دو باب چھوڑ کر ایک روایت میں یوں ہے مرفوعاً عن ابن عمر اذا تبایع الرجلان فکل واحد منھما بالخیار مالم یتفرقا وکانا جمیعاً اس سے صاف معلوم ہوا کہ تفرق بالابدان مراد ہے جواب۔ ۱۔ وکانا جمیعاً میں ابدان ہیں اور مالم یتفرقا میں اقوال ہیں تاکہ تاسیس ہو اور آپ جو معنیٰ لے رہے ہیں ان میں تاکید ہے اور تاسیس تاکید سے اولیٰ ہوتی ہے۔۲۔ اگر مان بھی لیں کہ تفرق بالابدان ہے تو جواب ہماری دوسری ترجیح میں گزر چکا۔

باب اذالم یوقت فی الخیار ھل یجوز البیع

غرض یہ ہے کہ خیار شرط بغیر تعیین مدت کے بھی جائز ہے گویا امام مالک کے قول کو اختیار فرما لیا اور اس تقریر سے گذشتہ باب کی غرض میں جو تین تقریریں ذکر کی گئی تھیں ان میں سے پہلی تقریر کی تائید بھی ہو گئی گویا گذشتہ باب میں خیار کی مدت کا اجمالی ذکر تھا اِس باب میں قدرے تفصیل ہے۔

اختلاف خیار شرط غیر موقت میں: ۔عند مالک اگر خیار شرط میں مدت مقرر نہ کی گئی ہو تو عقد ٹھیک ہو جائے گا اور اتنی مدت مقرر کر دی جائے گی جس میں عادۃً بیع کا اندازہ ہو سکے کہ اچھا ہے یا نہ وعند الا

وزاعی وابن ابی لیلیٰ وہ خیار شرط مجہول مدت والا ساقط ہوجائے گا اور عقد ٹھیک ہوجائے گا وعند الجمہور بیع ہی باطل ہوجائے گی ولنا یہ مدۃ عقد کے ساتھ ملحق ہے اس لئے اس کی جہالت سے عقد باطل ہوجائے گا دللا وزاعی وابن ابی لیلیٰ۔ یہ جہالت نکاح کی شرط فاسد کی طرح ہے اس لئے خیار گر جائے گا اور عقد ٹھیک ہوجائے گا جواب۔ نکاح اور بیع میں بہت فرق ہے ولمالک خیار کی مدت مقرر کردی جائے گی جیسی کہ اُس مبیعہ کے مناسب ہوگی جس میں عاقدین اُس مبیعہ کا امتحان کر سکیں۔ اور یہی خیار شرط میں مقصود تھا۔ جواب۔ اس میں کوئی عادت اور عرف نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا

غرض یہ ہے کہ خیار مجلس معتبر ہے۔

باب اذا خیّر احد هما صاحبه بعد البیع فقد وجب البیع

غرض یہ ہے کہ جب بیع کے بعد دوسرے کو کہہ دے اختر تو بیع لازم ہوجاتی ہے جبکہ دوسرا بھی کہہ دے اخترتُ۔

باب اذا کان البائع بالخیار هل یجوزالبیع

غرض یہ ہے کہ خیار مجلس بیع کو منع نہیں کرنا ساتھ ساتھ اشارہ ہے حضرت سفیان ثوری کے قول کے رد کی طرف جنہوں نے یہ فرمادیا کہ خیار شرط صرف مشتری کو ہوتا ہے امام بخاری کا استدلال کل بیّعین میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں بائع اور مشتری دونوں داخل ہیں۔

یختار ثلث مرار:۔ ابن التین اور امام ابو داوٗد نے ان الفاظ کو شاذ قرار دیا ہے اسی لئے امام بخاری نے ان الفاظ کو الگ ذکر فرمایا ہے۔ علی تقدیر الثبوت ان الفاظ کے نقل کرنے میں نسخے مختلف ہیں۔ ا۔ بخیار ثلث مراتٍ معنیٰ یہ ہیں کہ حدیث مرفوعاً ہیں لفظ بخیار تین مرتبہ تھا تاکید مقصود تھی۔ ۲۔ بخیار ثلث مرات۔ ۳۔ یختار ثلث مرات ان آخری دونوں نسخوں کے معنیٰ یہ ہیں کہ خرلی یا خیار شرط کے الفاظ تین دفعہ کہنا مستحب ہے۔ اور ایک دفعہ کہنے پر اکتفاء بھی جائز ہے۔

باب اذا اشتریٰ شیئاً فو هب من ساعة قبل ان تیفرقا ولم ینکر البائع علی المشتری او اشتری عبد ا فاعتقه

غرض یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد مجلس ہی میں ہبہ کر دینے اور اعتاق سے بیع لازم ہوجاتی ہے جبکہ بائع انکار نہ کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بائع سے اذن نہ لینا اس کی بھی دلیل ہے کہ صرف ایجاب وقبول سے بیع لازم ہوگئی اور خیار مجلس ثابت نہیں ہے۔ **وقال الحمیدی**:۔ یہاں حدثنا کی جگہ قال فرمایا یہ اس عادت کی بناء پر ہے کہ جب استاد سے مجلس حدیث میں حدیث نہ سنی ہو تو اسی طرح قال سے بیان فرماتے ہیں۔ **رأیت انی قد غبنتہ**:۔ غبن عرفی مراد نہیں ہے کہ میں نے بہت مہنگی چیز دی اور بہت سستی لی بلکہ اظہار مسرت ہے کہ میں تین دن کی مسافۃ مدینہ منورہ سے قریب آگیا۔

باب ما یکره من الخداع فی البیع

یعنی دھوکہ دینا مکروہ ہے لیکن ایسی صورتوں میں بیع فسخ نہ ہو گی۔ **انّ رجلاً**:۔ اُس شخص کا نام حبان بن منقذ ہے۔ **فقل لا خلابۃ**:۔ خلابۃ کے لفظی معنیٰ دھوکہ کے ہوتے ہیں اور یہ لقب ہے بیع بخیار الشرط کا پھر دو قول ہیں۔ ا۔ یہ لفظ صرف اُسی شخص کے لئے خیار شرط کا لقب ہے باقیوں کو صاف کہنا چاہیئے کہ میں خیار شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ ۲۔ یہ لفظ سب کے لئے لقب مقرر کیا گیا ہے پھر اس لفظ کے استعمال کرنے میں تقدیر عبارت میں بھی دو قول ہیں۔ ا۔ لا یلزمنی خدیعتک۔ ۲۔ بشرط ان لا تکون الخدیعۃ۔ **اختلاف** اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اگر غبن فاحش کے ساتھ کسی نے کوئی چیز بیچ دی تو بعد میں خریدنے والے کو بلا خیار شرط بھی واپس کرنے کا اختیار ہے یا نہ عندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی خیار شرط لگانے سے ہی ہوگا صرف مہنگی چیز ہونے سے خیار شرط ثابت نہ ہو گا تھوڑی مہنگی ہو یا زیادہ وعند مالک واحمد زیادہ مہنگی چیز ہو تو واپس

کرنے کا اختیار ہوگا اور وہ حضرات فرماتے ہیں کہ قیمت کا تیسرا حصہ عام بھاؤ سے زائد لیا ہے تو یہ زیادہ مہنگی ہے منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے ہمارے نزدیک یہ لقب خیار شرط کا ہے وہ مہنگی سمجھے تو خیار شرط کی وجہ سے واپس کردے اگر بلا خیار شرط ہی واپس کرنے کا اختیار مہنگی چیز ہونے کی وجہ سے دینا مقصود ہوتا تو پھر خیار شرط کی شریعت میں اجازت نہ ہوتی ولھما اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دھوکہ نہ ہونا چاہئے اور زیادہ مہنگی چیز بیچنا دھوکہ ہے اس لئے خیار شرط ملنا چاہئے عقد میں خیار شرط لگایا ہو یا نہ لگایا ہو ترجیح کی ہمارے پاس دو وجہیں ہیں۔ا۔ اصل بیع کا لازم ہونا ہے اور اس حدیث میں دونوں احتمال ہیں ایک جو ہم نے لیا دوسرا جو دوسرے حضرات نہ لیا۔ اس لئے اصل لزوم ان احتمالوں کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔۲۔ ابن عربی نے اس حدیث کو صرف اُس دیہاتی کے لئے خاص کیا ہے اس لحاظ سے بھی اس سے کوئی ایسا حکم نکالنا جو دوسری ادلّہ سے ثابت نہ ہو مناسب نہیں ہے۔

باب ماذكر فى الاسواق

غرض یہ ہے کہ شرافت والوں کا نکلنا بازار کی طرف جائز ہے **وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم ليأ كلون الطعام و يمشون فى الا سواق** اثم لكع :۔ کمینہ کے معنیٰ میں ہے لاڈ کی وجہ سے حضرت حسن یا حضرت حسین کو اس نام سے ذکر فرمایا انہ رائ نافع بن جبیر اوتر بر كعة :۔ یہ ابن عیینہ کا مقولہ ہے غرض سماع کا اثبات ہے۔ تاکہ حدیث معنعن میں شبہ نہ ہو۔

باب كراهية السخب فى السوق

بازار میں بلاضرورت شور کرنے کی ممانعت بیان کرنی مقصود ہے۔ پھر ترجمۃ الباب کے بعض نسخوں میں السخب سین کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں صاد کے ساتھ ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ حرز أللا ميين :۔ا۔ حفاظت کا ذریعہ میں دشمنوں کے غلبہ سے۔۲۔ دنیا اور آخرت کے عذاب سے **و ما كان الله ليعذ بهم وانت فيهم**. پھر امیین کا ذکر خاص طور سے اس لئے ہے

کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان میں ہوئی ہے۔ لیس بفظ :۔ بداخلاق نہیں ہیں۔ وغليظ :۔ سخت بات کرنے والے نہیں۔ حتی يقيم به الملة العوجاء :۔ حق تعالیٰ ان کو اس وقت تک وفات نہ دیں گے جب تک ان کے ذریعہ سے اس ملت کی اصلاح نہ فرمالیں جو زمانہ فترت وحی میں ٹیڑھی ہو چکی ہے۔

باب الكيل على البائع والمعطى

غرض یہ ہے کہ کیل کرنا اور ناپ کر برتن سے دینا یہ تسلیم کے توابع سے ہے مبیعہ کو بائع ناپ کردے گا اور دین کو مدیون ناپ کردے گا۔

باب ما يستحب من الكيل

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بائع کے لئے مستحب ہے کہ وہ مشتری کے سامنے ناپے تاکہ مشتری کو کم ناپنے کا شبہ نہ ہو۔

باب بركة صاع النبى صلى الله عليه وسلم مدّه

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع اور مد کے استعمال میں برکت ہے یہ بات بتلانی مقصود ہے۔ اللھم بارک لھم فی مکیالھم :۔ اس دعاء سے کیا مقصود تھا مختلف تقریرات ہیں ۔ا۔ مدینہ والے دین پر ثابت قدم رہیں اور زکوٰۃ و کفارات وغیرہ میں مکیلات خوب استعمال کریں۔۲۔ تجارت میں ترقی ہو اور پہلے سے زائد کیل کی نوبت آئے۔۳۔ فتوحات زیادہ ہوں اور مال زیادہ آئے اور زیادہ ناپیں۔۴۔ ان کے ان کیل کے برتنوں میں برکت ہو اور ان کے ذریعہ سے جو کیل کیا جائے اس میں دوسرے برتنوں سے کیل کرنے سے زیادہ برکت ہو۔

باب ما يذكر فى بيع الطعام والحكرة

غرض بیع قبل القبض کا حکم بیان کرنا ہے کہ ممنوع ہے اور احتکار کا حکم بیان کرنا ہے کہ بعض صورتوں میں مکروہ ہے۔ حتی یؤوہ الیٰ رحالھم :۔ مقصود قبضہ کرنا ہے سوال۔ احتکار کی حدیث ذکر نہ فرمائی۔ا۔ اپنی شرط پر نہ پائی۔ قیاس فرمایا کہ جیسے بیع قبل القبض میں عوام کا نقصان ہے کہ بلا مشقت خرید کر بیچ دینے سے چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں اسی طرح احتکار سے بھی چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں۔ دراھم بدراھم والطعام مرجا :۔ یعنی جب بیع سلم میں

قبل القبض بیع کردے گا مثلاً ایک ہزار دراہم کی خرید کردو ہزار دراہم کی بیع دی تو گویا ایک ہزار دراہم کو دو ہزار کے بدلے میں بیچ دیا اور یہ جائز نہیں ہے۔ **من عنده صرف**:۔ من استفہامیہ ہے اور صرف کے معنیٰ ریزگاری کے ہیں کہ دینار لے کے دراہم دے دے۔ **لیس فیہ زیادۃ**:۔ یعنی جواب تک نقل کیا ہے وہ ٹھیک ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہے لیکن کچھ اور زائد بات بھی ہے وہ آگے آرہی ہے۔

باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع ما لیس عندک

غرض دوصورتوں کا فساد بیان فرمانا ہے۔ ا۔ بیع قبل القبض ۲۔ جو پاس نہیں اس کو بیچے۔ سوال۔ حدیث پاک میں دوسری صورت نہیں ہے۔ جواب۔ وہ پہلی صورت کی طرح ہی ہے اس لئے اسی پر قیاس فرمالیا پھر اس کی تائید سنن اربعہ ابوداؤد نسائی ترمذی ابن ماجہ کی حدیث سے ہوتی ہے جو مرفوعاً ثابت ہے لا تبع مالیس عندک۔ **ولا احسب کل شئی الا مثلہ**:۔ یہ حضرت ابن عباس کا اپنا اجتہاد ہے اور یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ جمہور کے نزدیک عقار مستثنیٰ ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عباس اما الذی نهی عنه النبی صلی الله علیه وسلم فهو الطعام ان یباع حتیٰ یقبض۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حکم عام ہے اور جمہور کے نزدیک عقار اس سے مستثنیٰ ہے اور ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ بیع المہر اور بیع بدل الخلع اور بیع بدل الصلح دم عمد اور بیع المیراث بالا جماع اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علت قبل القبض ممانعت کی یہ ہے کہ اگر وہ چیز قابض کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو پہلا عقد فسخ ہو جائے گا مذکورہ چار چیزوں میں ہلاکت سے عقد فسخ نہیں ہوتا بلکہ ان چیزوں کی قیمت ان کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور عقار میں ہلاکت نادر ہے اس لئے اس میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

باب من رای اذا اشتری طعاماً جزا فاان لا یبیعه حتی یؤویه الی رحله والا دب فی ذلک

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بلا کیل خریدے تو جب تک اپنے ٹھکانے پر نہ لے جائے طعام نہ بیچے اور سزا دینے کا ذکر کرتا ہے یعنی اگر اس مسئلہ کی مخالفت کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ کئے بغیر بیع نہ ہونی چاہئے۔ اور جو شخص تلقی جلب کرے اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک اپنے ٹھکانے پر نہ لے جائے نہ بیچے۔

باب اذا اشتری متاعاً او دابة فوضعه عند البائع او مات قبل ان یقبض

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ اگر مبیعہ قبل القبض ہلاک ہو جائے تو وہ مشتری کی ضمان میں ہلاک ہوگا۔ یعنی وہ مشتری کا نقصان شمار کیا جائے گا اور یہی امام احمد کا مسلک ہے وعندا امامنا ابی حنیفۃ والشافعی وہ بائع کی ضمان میں ہلاک ہوگا وعند مالک حیوان میں امام احمد کے ساتھ ہیں باقی چیزوں میں حنفیہ وشافعیہ کے ساتھ ہیں اس مسئلہ کا مدار اس پر ہے کہ ہمارے نزدیک قبضہ بیع کا تتمہ ہے اور امام احمد کے نزدیک نہیں اور امام مالک کا اصول تو وہی ہے جو ہمارا ہے لیکن اس باب کی مرفوع روایت کی وجہ سے انہوں نے حیوان کو اس اصول سے خارج کر دیا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں تبرعاً قبضہ بائع کا رکھا گیا ہے اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ بائع کا قبضہ ہی مشتری کا قبضہ حیوان میں شمار ہوتا ہے اور ضمان مشتری کی ہو جاتی ہے امام احمد کے مقابلہ میں ہم کہتے ہیں کہ ہمارا اصول قوی ہے کیونکہ خریدنے سے مقصود قبضہ ہوتا ہے نیز ضمان کے مسئلہ میں وجہ ترجیح کی یہ بھی ہے کہ ہمارے مسلک میں احتیاط زیادہ ہے کیونکہ پہلے بائع کی ضمان تھی اب بیع کے بعد قبضہ سے پہلے ضمان ختم ہونے میں شک ہے اس لئے شک کی وجہ سے ضمان ختم نہ ہوگی۔ الیقین لا یزول بالشک۔ **وقال ابن عمر ما ادرکت الصفقۃ حیاً مجموعاً فهو من المبتاع** یہ بظاہر امام احمد کے لئے موید ہے لیکن جواب یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا اجتہاد ہے اور مجموع کے معنیٰ صحیح سالم کے ہیں۔

باب لا یبیع علی بیع اخیه ولا یسوم علی سوم اخیه حتیٰ یاذن له او یترک

غرض دوصورتوں کی کراہۃ بیان کرنا ہے کہ۔ ا۔ بیع مع خیار

الشرط ہو چکی ہو اس پر کوئی بیع یا شراء نہ کرے مشتری سے یوں نہ کہے کہ ایسی چیز تھوڑی قیمت پر دے دوں گا یہ بیع توڑ دو یا بائع سے کہے میں زیادہ پیسے دے دوں گا تم وہ بیع توڑ کر مجھ سے یہی چیز بیچ دو۔۲۔ بھاؤ ہو رہا ہو اور راضی ہونے کے قریب ہوں تو بائع کو نہ کہے کہ اُس کے پاس نہ بیچو میں زیادہ قیمت دوں گا میرے پاس بیچ دو یا مشتری سے کہے کہ اس سے نہ خریدو میرے پاس ایسی چیز ہے سستی دوں گا وہ خرید لینا یہ سب مکروہ ہے۔ البتہ اگر بیع ابتدائی مراحل میں ہو تو گنجائش ہے جس کو بولی دینا کہتے ہیں۔ **ان یبیع حاضر لباد:۔** یعنی شہر والا دیہاتی کا وکیل اور دلال نہ بنے تا کہ وہ دیہاتی خود بیچے تا کہ سستی بیچے کیونکہ دیہاتی نے فارغ ہو کر جلدی واپس جانا ہوتا ہے۔ البتہ اگر غلہ میں وسعت ہو تو ظاہر یہی ہے کہ نہی تنزیہی ہے۔ **ولا تناجشو:۔** گاہک کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹے مشتری نہ بنو۔

ولا تسئل المرأة طلاق اختها لتكفأ ما فی انائها

اس کے مختلف معانی کئے گئے۔۱۔ منکوحہ اپنے خاوند سے یہ نہ کہے کہ اپنی دوسری بیوی کو یعنی میری سوکن کو جس کو عربی میں ضرّہ کہتے ہیں اس کو طلاق دے دے بلکہ اسی طرح اس کے ساتھ یہ بھی نکاح میں رہے دونوں اپنی اپنی قسمت لیتی رہیں۔۲۔ اجنبی عورت جس کو کسی نے پیغام نکاح کا دیا ہو مخطوبہ۔ منکیتر اس پیغام دینے والے خاطب کو یہ نہ کہے کہ پہلے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دو پھر میں نکاح کروں گی ایسا نہ کرے بلکہ اس کی موجودگی میں یہ بھی نکاح کر لے اس کو اپنا حصہ مل جائے گا۔۳۔ یہ مخطوبہ کسی اور سے نکاح کر لے وہاں اس کو اپنا حصہ مل جائے گا۔۴۔ بیوی کی بہن اپنی بہن کو طلاق دلوا کر اس کی جگہ خود اس بہنوئی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور جگہ نکاح کرے اس کو وہاں اپنا حصہ مل جائے گا۔

باب بیع المزایدة

غرض یہ ہے کہ بولی دینا جائز ہے جائز کا باب میں صراحۃً ذکر نہ فرمایا کیونکہ حدیث میں ذکر آ رہا ہے اور یہ جواز اجماعی ہے۔

اعتق غلاماً له عن دبر:۔ عندامامنا ابی حنیفة مالک جائز نہیں ہے مدبر کی بیع وعند الشافعی واحمد جائز ہے ولنا روایة الدار قطنی عن ابن عمر مرفوعاً المدبر لا یباع ولا یوہب وللشافعی واحمد حدیث الباب عن جابر فی المدبر مرفوعاً من یشتریہ منی جواب یہ بیع الخدمة ہے جس کو اجارہ کہتے یہ تاویل ضروری ہے تا کہ دونوں روایتوں میں تعارض نہ رہے۔ **سوال:۔** بخاری شریف کی اس روایت میں بیع مزایدہ تو نہیں ہے بلکہ مدبر کی بیع ہے جواب چونکہ مرفوعاً من یشتریہ منی مذکور ہے۔ بیع مزایدہ میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اس لئے یہ بیع مزایدہ کے مشابہ ہے اس مشابہت کی بناء پر یہاں ذکر فرمایا۔

باب النجش

غرض جھوٹا گاہک بن کر خریدنے والے کو دھوکہ دینا ناجائز ہے جمہور کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے گو بیع صحیح ہو جاتی ہے عند بعض اہل الظواہر بیع ہی صحیح نہیں ہوتی منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابن عمر نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النجش ان کے نزدیک عدم صحت پر یہ حدیث محمول ہے اور جمہور کے نزدیک کراہۃ تحریمی پر ترجیح جمہور کی توجیہ کو ہے کیونکہ فساد پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

باب بیع الغرر وحبل الحبلة

غرض بیع الغرر اور حبل الحبلة کی ممانعت کا بیان ہے اور حبل الحبلة بھی بیع الغرر ہی کی ایک نوع ہے گویا تخصیص بعد التعمیم ہے کیونکہ بیع الغرر میں بیع الآبق اور بیع المعدوم بھی داخل ہیں پھر بیع حبل الحبلة کے معنی کیا ہیں مختلف اقوال ہیں۔۱۔ کسی بیع میں مدت مقرر کی جائے ثمن ادا کرنے کی کہ اس حاملہ اونٹنی وغیرہ کے جو اونٹنی پیدا ہوگی اس اونٹنی کے بطن سے جب بچہ پیدا ہوگا اس وقت اس مبیعہ کی ثمن ادا کر دونگا۔۲۔ اونٹنی وغیرہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو بیچ دے پیدا ہونے سے پہلے۔۳۔ اس حاملہ اونٹنی وغیرہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے یہ پیدا ہوگا بڑا ہوگا اور پھر یہ مونث بچہ حاملہ بنے گا تو اس وقت جو پیٹ میں بچہ ہوگا اس کو ابھی سے بیچ دے جس کو مختصر الفاظ میں بیع جنین الجنین بھی کہتے ہیں۔ پھر غرر

والی حدیث مسلم شریف میں عن ابی ہریرۃ اور مسند احمد میں عن ابن عمر وارد ہے نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الغرر لیکن یہ ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے یہاں ذکر نہ فرمائی۔ **ومن عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد**:۔ بدعت کی تردید ہے کہ جو چیز ہماری شریعت میں نہ ہواس کو کوئی اختیار کرے تو وہ مردود ہے عمل بھی مردود ہے مقبول نہیں اور وہ شخص بھی مردود ہے عذاب کا مستحق ہے یہ روایت آگے بخاری شریف میں کتاب الصلح میں اسناد کے ساتھ آئے گی اس میں بدعات اور امور جاہلیت کی تردید شدید ہے۔ **بیع الملامسۃ**:۔ اس کے تین اہم معنیٰ ہیں تینوں کو باطل قرار دینا مقصود ہے۔ ۱- بائع کہہ دیتا کہ میں نے یہ کپڑا بیچا اب تو جب اس کو ہاتھ لگا دے گا تو بیع پختہ ہو جائے گی۔ ۲- بھاؤ کرتے کرتے کپڑے وغیرہ کو چھو دینا پختہ بیع شمار ہوتا تھا۔ ۳- اندھیرے میں رات کے وقت مشتری کپڑے کو ہاتھ لگاتا پھر خریدتا اور خیار رویۃ کو ساقط سمجھتا صرف ہاتھ لگانے کی وجہ سے۔ **نھی عن لبستین**:۔ سوال آگے مذکور تو ایک ہی ہے جواب شہرت کی وجہ سے دوسری صورت چھوڑ دی اور وہ اشتمال الصماء ہے۔

باب بیع المنابذۃ

۱- بھاؤ کرتے کرتے جب مبیعہ بائع پھینک دیتا تو اس کو پختہ بیع سمجھتے تھے۔ ۲- دو عاقدوں میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف ایک ایک چیز پھینک دیتا اس کو بیع سمجھتے تھے حالانکہ نہ ان چیزوں کی تفصیل معلوم ہوتی نہ بھاؤ طے کرتے۔ اس باب کا مقصد ان دونوں میں سے جو تفسیر بھی لی جائے بیع منابذہ کو باطل قرار دینا مقصود ہے۔

باب النھی للبائع ان لایحفل

محفلۃ اور مصراۃ کے ایک ہی معنیٰ ہے کہ بائع پانی کے چھینٹے مار کر تھن میں دودھ جمع کرے کہ بیع کے وقت زیادہ محسوس ہو یہ فعل بالاتفاق ممنوع ہے اختلاف حکم میں ہے عندامامنا اس حدیث کا حکم معمول بہ نہیں ہے وعند الجمہور معمول بہ ہے منشاء اختلاف زیر بحث باب کی احادیث ہیں مثلاً عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لاتصروا الابل والغنم فمن ابتاعھا بعد فانہ بخیر النظرین بعد ان یحتلبھا ان شاء امسک وان شاء ردھا وصاع تمر ہمارے نزدیک یہ روایت معلول ہیں وعند الجمہور صحیح ہیں راجح معلول ہونا ہے کیونکہ یہ روایات اس آیت کے خلاف ہیں وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ کہ بدلہ نقصان کے برابر ہونا چاہئے ہر موقعہ میں ایک صاع مناسب نہیں ہے۔ ۲- یہ روایات حدیث پاک کے اس مسلم اصول کے خلاف ہیں جو ابوداؤد میں عن عائشۃ مرفوعاً منقول ہے الخراج بالضمان جب ہلاکت پر ضمان مشتری کی ہے کہ اس کا نقصان شمار ہوگا تو خراج یعنی آمدنی جو دودھ کی صورت میں ہے وہ مشتری کی ملک ہے اس کا معاوضہ ایک صاع مشتری کے ذمہ نہ ہونا چاہئے اس باب کی غرض بیان ممانعت ہے۔

باب ان شاء ردالمصراۃ وفی حلبتھا صاع من تمر

غرض اور ربط اور فرق یہ ہے کہ گذشتہ باب میں دودھ بکری وغیرہ میں جمع کرنے کی ممانعت کا بیان تھا اب حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی ایسا کر ہی لے تو اس کا کیا حکم ہے امام بخاری جمہور کے قول کی تائید فرمانا چاہتے ہیں حنفیہ کے خلاف حنفیہ ایک توجیہ یہ بھی کرتے ہیں کہ حدیث پاک صلح پر محمول ہے قضاء پر محمول نہیں ہے۔

باب بیع العبد الزانی

غرض میں دو تقریریں ہیں۔ ۱- زانی غلام کا بیچنا جبکہ اسکے اس عیب کو ذکر کر دے جائز ہے۔ ۲- عبد زانی کا بیچ دینا مستحب ہے۔ **الضغیر**:۔ بٹی ہوئی رسی یعنی دو رسیوں کو جوڑ کر ایک بنائی گئی ہو۔

باب البیع والشراء مع النساء

غرض یہ کہ عورتوں کے ساتھ بیع وشراء بھی جائز ہے۔

باب ھل یبیع حاضر لباد بغیر اجر وھل یعینہ اوینصحہ

اعانت یہ ہے کہ اس دن کے بھاؤ سے بیچ دے نصیحت یہ ہے کہ دیہاتی وہ چیز شہری دوست کے پاس چھوڑ جائے اور وہ آہستہ آہستہ بیچتا رہے غرض یہ ہے کہ شہری اگر بلا اجر یہ سارے کام دیہاتی کی طرف سے کرے تو یہ اسلامی ہمدردی اور اعانت میں

آئینگے اور مع الاجر کرے تو ممنوع ہیں۔ لیکن یہ امام بخاری کی انفرادی رائے ہے کہ خیر خواہی اور نصیحت کی عام روایات میں بیع الحاضر للبادی کو شامل کر دیا اور نہی کو صرف بیع بالاجر پر محمول کر دیا اور یہی اس باب کی غرض ہے فقہاء کے نزدیک یہ سب صورتیں بھی مکروہ ہیں اور منشاء اختلاف نہی کو عام رکھنا ہے یا خاص بیع مع الاجر پر محمول کرنا ہے۔ جمہور عام رکھتے ہیں اور امام بخاری بیع مع الاجر پر محمول فرماتے ہیں۔ ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ مدار تو عوام کے ضرر پر ہے اور وہ دونوں صورتوں میں ہے بیع بالاجر ہو یا بلا اجر ہو۔

والنصح لکل مسلم:۔ اس حدیث کو اس باب میں لانے سے شبہ کا ازالہ بھی مقصود ہے کہ خیر خواہی تو مستحسن ہے پھر دیہاتی کی خیر خواہی سے منع کیوں فرمایا گیا امام بخاری یہ جواب دے رہے ہیں کہ خیر خواہی کرنا چاہئے تو بلا اجر کرے ممانعت صرف اجر لیکر بیع کرنے سے ہے اور جمہور فقہاء کی طرف سے شبہ کا ازالہ یوں ہے کہ ضرر عامہ کی وجہ سے خیر خواہی کی یہ صورت مستثنیٰ ہے۔

باب من کره ان یبیع حاضر لباد باجر

غرض۔۱۔ گذشتہ باب کا اعادہ کراہۃ کی تصریح کے لئے ۲۔ اپنا مسلک بیان کر چکے اب دوسروں کا مسلک بتلانا چاہتے ہیں۔

باب لایشتری حاضر لباد بالسمرة

ایک ہی مسئلہ کے لئے تین باب باندھنے سے مقصود۔ ۱۔ طرق متعددہ کا ذکر کرنا۔ ۲۔ معنیٰ کو خوب مضبوط کرنا کہ یہ نہی بہت قوی ہے پھر نہی اس وقت ہے جب جانبین میں سے کسی کا نقصان ہو دیہاتی بائع ہو یا مشتری حکم دونوں کو شامل ہے سوال حدیث میں شراء کا لفظ تو نہیں ہے۔ جواب۔۱۔ بیع خریدنے اور بیچنے میں مشترک ہے امام بخاری نے دونوں معنیٰ اکٹھے مراد لئے ہیں جس کو عموم مشترک کہتے ہیں۔ ۲۔ عموم مجاز ہے بمعنی عقد ملزوم بول کر لازم مراد ہے اور عقد بیع اور شراء دونوں کو شامل ہے۔

باب النهی عن تلقی الرکبان

غرض یہ ہے کہ تلقی الرکبان جس کو تلقی الجلب بھی کہتے ہیں اس میں جو بیع کرے گا وہ باطل ہوگی لیکن یہ صرف بعض اہل ظواہر کا قول ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک فعل مکروہ ہے جبکہ اس میں دھوکا ہو یا شہر والوں کا قحط وغیرہ کی وجہ سے نقصان ہو کیونکہ مسلم شریف میں ہے **عن ابن عمر کنا نتلقی الرکبان فنشتری منهم الطعام فنهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نبیعه حتی نبلغ به سوق الطعام** پس امام بخاری کا یہ اصول صحیح نہ رہا کہ ہر نہی موجب فساد عقد ہے کیونکہ خود امام بخاری نے بیع المصراۃ کو ممانعت کے باوجود جائز قرار دیا اور بیع الحاضر للبادی کو بلا اجر جائز قرار دیا حالانکہ دونوں مکروہ ہیں۔

باب منتهی التلقی

غرض یہ ہے کہ جب قافلہ والے بازار کی ابتداء میں پہنچ جائیں تو پھر ان سے خریدنے کی کوئی ممانعت باقی نہیں رہتی۔

باب اذا اشترط شروطاً فی البیع لاتحل

غرض یہ ہے کہ شروط فاسدہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی اور شرط گر جاتی ہے گویا ابن ابی لیلیٰ کا مذہب لے لیا عند الجمہور عقد فاسد ہو جاتا ہے ولنا فی الطبرانی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً نھی عن بیع وشرط وللبخاری وابن ابی لیلیٰ حدیث الباب عن عائشۃ مرفوعاً **خذیها واشترطی لهم الولاء** جواب۔۱۔ یہ صرف تذکرہ قبل البیع تھا۔ ۲۔ یہ نہی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ۳۔ محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔ ۴۔ اس واقعہ کی خصوصیت ہے تاکہ ابطال ظاہر کر دیا جائے۔ ۵۔ یہ فرمانا بطور تہدید کے ہے جیسے ارشاد ہے **فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظالمین ناراً** اور ارشاد ہے **واستفزز من استطعت منهم. بیع التمر بالتمر:۔** غرض یہ کہ کھجور کے بدلہ کھجور کا بیچنا جائز ہے۔ **باب بیع الزبیب بالزبیب والطعام بالطعام:۔** غرض یہ ہے کہ کشمش کو کشمش بدلہ اور طعام کو طعام کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ **باب بیع الشعیر بالشعیر:۔** غرض یہ ہے کہ جو کو جو کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ **صرفاً:۔** ریز گاری دینار کے بدلے دراہم فتراوضنا: تساومنا بھاؤ طے کیا۔

باب بیع الذهب بالذهب

غرض یہ ہے کہ سونے کوسونے کے بدلے بیچنا جائز ہے۔

باب بیع الفضة بالفضة

غرض یہ ہے کہ چاندی کو چاندی کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ **یاابا سعید ماھذا الذی تحدث**:۔ حضرت ابن عمر پہلے اس کے قائل تھے کہ تفاضل جائز ہے ایک درھم دے کر دو لینے جائز ہیں اس لئے حضرت ابوسعید سے بار بار تحقیق فرمائی۔ **ولا تشفوا**:۔ اشفاف کے معنی کمی کے بھی آتے ہیں زیادتی کے بھی آتے ہیں ایسے لفظ کو جس کے معنی میں دونوں ضدیں ہوں یہ کہتے ہیں ھو من الاضداد۔

باب بیع الدینار بالدینار نساءً

غرض یہ ہے کہ دینار کے بدلے دینار کا ادھار بیچنا جائز نہیں ہے۔ **لاربا الا فی النسیئة**:۔ اس مرفوع حدیث کی مختلف توجیہات ہیں۔ ا- علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ اس حدیث کو اپنے ظاہر پر باقی رکھنا بالاجماع متروک ہے۔ ۲- یہ اختلاف جنس پر محمول ہے ۳- مستدرک حاکم میں منقول ہے عن ابی مجلز کہ حضرت ابن عباس نے اس سے رجوع فرمالیا تھا اور استغفار فرمایا تھا کہ نقد سونے کے بدلے سونا کم وبیش دینا جائز ہے ایسے ہی چاندی اس سے رجوع فرمالیا تھا۔ ۴- کامل درجہ کا ربا ادھار میں ہے اور یہ جاہلیت میں بھی سود شمار ہوتا تھا اور بہت مشہور تھا۔

باب بیع الورق بالذهب نسیئة

غرض یہ ہے کہ چاندی کوسونے کے بدلے میں ادھار بیچنا ناجائز ہے۔

باب بیع الذهب بالورق یداً بید

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں تفاضل کے ساتھ بیچنا نقد جائز ہے۔

باب بیع المزابنة وهی بیع التمر بالثمر وبیع الزبیب بالکرم وبیع العرایا

غرض دو مسئلے بیان فرمانا ہے۔ ا- بیع مزابنہ ناجائز ہے ۲- بیع العرایا جائز ہے۔ عرایا کی تفسیر عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

بیع الثمر علی رءوس النخل بالذهب والفضة:۔ غرض یہ ہے کہ سونے اور چاندی سے پھلوں کو خریدنا جائز ہے جو درختوں پر لگے ہوئے ہوں اور سونے اور چاندی کی قید واقعی ہے سامان کے ذریعہ بھی خریدا جاسکتا ہے صرف ممانعت اس صورت میں ہے کہ اسی نوع کا کٹا ہوا پھل دیکر درخت کے اوپر والا پھل خریدا جائے جس کو مزابنہ کہتے ہیں۔ **قال ھوسواء**:۔ اس قال کے فاعل امام بخاری ہیں یا کوئی راوی ہیں مطلب یہ ہے کہ قول سفیان سے پہلے اور پیچھے والی کلام کے الفاظ مختلف ہیں معنیٰ برابر ہیں۔ **ان اہل مکة یقولون**:۔ دونوں روایتوں میں تین فرق ہیں کہ اہل مکہ کی روایت میں عرایا جمع کا صیغہ ہے۔ ۲- بلا قید خرص ہے۔ ۳- بغیر اس قول کے ہے ویا کلونھا رطباً اس کے برخلاف اہل مدینہ کی روایت میں صیغہ بھی مفرد ہے عریہ اور خرص کی قید بھی ہے اور یہ بھی ہے ویا کلونھا رطباً۔ **وما یدری اھل مکة**:۔ اہل مکہ کو کس نے بتلایا غرض یہ ہے کہ یہ حدیث اہل مدینہ پر گھومتی ہے اس لئے ان کی روایت کے الفاظ زیادہ اہم ہیں۔

باب تفسیر العرایا

غرض یہ ہے کہ حدیث پاک میں جو عرایا کا لفظ ہے اس میں مختلف تفسیروں کا احتمال ہے چنانچہ اس باب میں بعض تفسیریں نقل فرمارہے ہیں۔ **وقال ابن ادریس**:۔ ا- اکثر کے نزدیک اس کا مصداق عبداللہ بن ادریس الاودی ہیں ۲- بعض نے اس کا مصداق محمد بن ادریس الشافعی امام الفقہ کو قرار دیا ہے۔ **اختلاف**:۔ عندامامنا ابی حنیفة بیع المزابنہ اور بیع المحاقلہ مطلقا ناجائز ہے چاہے مقدار کم ہو یا زیادہ ہو مزابنہ کی صورت یہ ہے کہ کٹے ہوئے پھل دے کر درخت کے اوپر والے پھل لئے جائیں اور محاقلہ کی صورت یہ ہے کہ کٹے ہوئے غلّہ کو دے کر کھیتی میں لگے ہوئے غلہ گندم جَو وغیرہ لئے جائیں وعندالجمہور پانچ اوسق یا کم میں جائز ہیں مزابنہ بھی اور محاقلہ بھی زیادہ میں جائز نہیں ہیں۔ ولنا۔ ا- روایة ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعا نھی عن بیع الثمر بالتمر کیلا وعن بیع العنب بالزبیب

کیلاً وعن بیع الزرع بالحنطة کیلاً ۔۲۔ابوداؤد میں عن جابر بن عبداللہ و فی البخاری عن ابن عباس مرفوعاً نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلة والمزابنة۔ وللجمہور۔۱۔فی ابی داؤد البخاری عن زید بن ثابت مرفوعاً رخص فی العرایا ان تباع بخرصھا کیلاً ۔۲۔فی ابی داؤد عن سھل بن ابی حثمة مرفوعاً ورخص فی العرایا۔ جواب عرایا کی مختلف تفاسیر منقول ہیں عن الشافعی یوں منقول ہے کہ کسی غریب کے پاس خشک پھل پانچ اوسق سے کم ہوتے تھے وہ تازہ لگی ہوئی کھجوریں وغیرہ کھانا چاہتا تو اس کی اجازت دی گئی کہ تم خشک کھجور کے بدلہ تر کھجوریں درخت پر لگی ہوئی خرید لو اور عن ابی حنیفة و مالک واحمد یوں تفسیر عرایا کی منقول ہے کہ کوئی باغ والا ایک دو درخت کسی کو خیرات کرتا کہ تم غریب ہو ان کے پھل کھالینا پھر اُس غریب کے باغ میں آنے جانے سے باغ والے کو تکلیف محسوس ہوتی تو اس سے ان درختوں کی کھجوروں کو جو ابھی درختوں پر ہی ہوتی تھیں خرید لیتا اور ان کے بدلے خشک کھجوریں دے دیتا تھا پھر عندامامنا ابی حنیفة یہ ہبہ جدیدہ تھا گو مجازاً اس کو بیع کہہ دیتے تھے وعند مالک واحمد یہ حقیقة بیع تھی اس لئے عندما لک واحمد اتنی مقدار میں بیع جائز ہے اور عندالشافعی تو ہے ہی بیع اس لئے ان کے نزدیک بھی اتنی مقدار میں بیع جائز ہے۔ ان سب تفسیروں میں سے ہمارے امام ابوحنیفة کی تفسیر کو ترجیح حاصل ہے وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ ہماری تفسیر لغوی معنیٰ کے قریب ہے کیونکہ لغت میں عریہ بمعنیٰ عطیہ آتا ہے۔ **امام مالک اور امام شافعی کی تفسیروں میں فرق:**۔۱۔امام مالک کے نزدیک بیع العرایا پانچ اوسق میں بھی جائز اس سے کم میں بھی جائز ہے امام شافعی کے نزدیک پورے پانچ اوسق میں جائز نہیں ہے صرف پانچ اوسق سے کم میں جائز ہے۔۲۔امام مالک کے نزدیک صرف مُعری یعنی ھبہ کرنے والے کے لئے یہ بیع العرایا جائز ہے۔اور عندالشافعی سب کے لئے اتنی مقدار میں جائز ہے چاہے اس بیع سے پہلے ہبہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔۳۔عندالشافعی صرف تمر وزبیب میں یہ بیع جائز ہے اور عند مالک ہر خشک پھل اور غلّہ میں جائز ہے۔۴۔عندالشافعی تقابض فوراً یدا بید ضروری ہے وعند مالک ضروری نہیں۔ **قال ابن اسحاق:**۔ اس روایت کو امام ابوداؤد نے سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہ تفسیر امام ابوحنیفہ وامام مالک کی تفسیر کے قریب ہے۔ **وقال یزید:**۔ یہ تفسیر امام شافعی کی تفسیر کے قریب ہے۔

باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا

غرض حنفیہ کے قول کو رد کرنا ہے اور جمہور کی تائید کرنی ہے۔ **اختلاف:**۔عندامامنا پھل جب نکل آئے تو بیع جائز ہے بشرطیکہ یہ شرط نہ لگائے خریدنے والا کہہ میں ابھی نہ کاٹوں گا اور طویل عرصہ تمہارے درختوں ہی پر لگا رہے گا وعندالجمہور جائز نہیں ہے کوئی شرط لگائے یا نہ لگائے منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن زید بن ثابت مرفوعاً فلا تتبایعوا حتیٰ یبدو صلاح الثمر کا لمشورة یشیربھا لکثرة خصومتھم ہمارے نزدیک یہ شرط بقاء پر محمول ہے اور جمہور کے نزدیک اپنے عموم پر ہے ترجیح حنفیہ کی توجیہ کو ہے کئی وجہ سے۔۱۔نھی محمول ہے بیع الثمار قبل وجودھا پر کہ بعض دفعہ پھل آنے سے پہلے ہی بیچ دیتے تھے۔۲۔نھی تنزیہی ہے جیسا کہ اس حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ صرف جھگڑوں کی وجہ سے بطور مشورہ کے فرمایا تھا کہ ایسے جھگڑے کرنے ہیں تو بہتر ہے کہ بدّو صلاح سے پہلے نہ بیچا کرو۔۳۔نھی محمول ہے شرط ترک پر۔۴۔اصل حکم اور ضابطہ شرعی سے جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ شرعی ضابطہ یہی ہے کہ جب عقد اہل سے صادر ہو اور محل پر وارد ہو تو عقد صحیح ہوتا ہے اس لئے یہاں ممانعت کسی عارض پر محمول ہے وہ عارض جو بھی ہو پھلوں کے وجود سے ہی پہلے کر دی ہو یا جھگڑے ہوں یا شرط ترک ہو۔ **الدُّمَانُ:**۔خوشہ کا کالا ہو جانا اور خراب ہو جانا۔ **مُرَاض:**۔سب بیماریوں کو مُراض کہہ دیتے ہیں۔ **قُشام:**۔شروع ہی میں پھل کا جھڑ جانا یعنی گر جانا آندھی وغیرہ کی وجہ سے۔ **لم یکن یبیع ثمار ارضہ حتیٰ تطلع الثریا:**۔جس زمانہ میں ثُریّا ستارے کا طلوع عین طلوع فجر کے ساتھ ہوتا تھا اُس زمانہ میں اُن کی زمین کے پھل آفت سے محفوظ ہو جاتے تھے اس لئے اس

زمانہ میں وہ فروخت فرماتے تھے۔

باب بیع النخل قبل ان یبدو صلاحھا

غرض بدو صلاح سے پہلے بیع کی ممانعت بیان فرمانی ہے۔ پیچھے بھی بدّو صلاح کا باب گذرا ہے لیکن یہ اس سے اخص ہے کیونکہ اس میں نخل کی تعیین ہے گویا اسی مسئلہ کی بعض جزئیات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ الا انی لم اکتب ھذا الحدیث عنہ:۔ غرض یہ ہے کہ یہ حدیث مجھے بواسطہ ہی پہنچی ہے اگرچہ بعض حدیثیں میں نے اُن سے بلا واسطہ بھی لی ہیں۔

باب اذا باع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا ثم اصابۃ عاھۃ فھومن البائع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بیع قبل بدّو الصلاح میں آفت کا نقصان بائع سے وصول کیا جائے گا۔ اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بیع قبل بدو الصلاح صحیح ہے۔ اور گذشتہ بابوں سے معلوم ہوتا تھا کہ صحیح نہیں ہے اس لئے امام بخاری اس مسئلہ میں متردد ہیں باب شراء الطعام الی اجل:۔ غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ کھانے کی کوئی چیز خریدنا اور قیمت ادھار رکھنا جائز ہے۔

باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ

غرض یہ بتلانا کہ ایک قسم کی کھجور دے کر اس سے بہتر خریدنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی کھجوروں کو سونے چاندی کے عوض بیچ دے پھر اس سونے چاندی سے دوسری قسم کی کھجوریں خریدے کیونکہ کھجور کے بدلے میں کھجور بیچنا تفاضل کے ساتھ ربٰو کا طریقہ ہے۔

باب قبض من باع نخلا قد ابرت اوارضاً مزروعۃ او باجارۃ

غرض یہ ہے کہ پھل والی کھجور کو یا کھیتی والی زمین کو بیچے یا کرایہ پر دے تو پھل اور کھیتی بائع کی اور مالک کی ملک میں ہی رہے گی۔

باب بیع الزرع بالطعام کیلاً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ کٹی ہوئی کھیتی اور غلّہ کے بدلے لگی ہوئی کھیتی کو بیچنا جائز نہیں اس کو محاقلۃ کہتے ہیں۔

باب بیع النخل باصلہ

غرض یہ ہے کہ کھجور کا درخت جڑ سمیت بیچ دے تو جائز ہے اور اس میں بدّو صلاح ضروری نہیں ہے۔

باب بیع المخاضرۃ

غرض یہ ہے کہ کھیتی کو بدّو صلاح سے پہلے بیچ دینا جائز نہیں ہے اور تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب بیع الجُمّار واکلہ

غرض یہ ہے کہ کھجوروں کے گچھے اور خوشہ کے درمیان جو سفید مغز ہوتا ہے جس کو جمّار کرتے ہیں اس کا کھانا اور بیچنا جائز ہے اور اشارہ ہے کہ اسکو پھینک دینا اضاعت مال ہے پھر حدیث پاک میں کھانے کا ذکر ہے اس سے استنباط فرمایا کہ جب کھانا جائز ہے تو بیچنا بھی جائز ہے۔

باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینھم

غرض یہ ہے کہ مسکوت عنھا میں عرف کے مطابق معاملہ کرنا جائز ہے۔ للغزّ الین:۔ سُوت بیچنے والے۔ لا باس العشرۃ باحد عشر:۔ یعنی بیع مرابحہ میں اس حساب سے بیچنا کہ دس روپے کی خرید کر گیارہ روپے کی بیچوں گا جائز ہے اور خرچہ بھی قیمت کے ساتھ جمع کرے گا کیونکہ یہی عرف ہے۔ فبعث الیہ بنصف درہم:۔ دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے عرف کے مطابق دو دانق کافی تھے لیکن نصف درہم یعنی تین دانق دے ایک دانق تفضلاً زائد دیا۔

باب بیع الشریک من شریکہ

غرض یہ ہے کہ ہبہ میں تو شیوع اور شرکت ہبہ سے مانع ہے کہ مشترک چیز جو قابل تقسیم ہو اس کو تقسیم کرنے سے پہلے ہبہ نہیں ہوسکتا لیکن اس کی بیع ہوسکتی ہے یہاں جو حدیث بیان فرمائی اس میں شفعہ کا ذکر ہے شفیع جو کہ نفس مبیع میں شریک ہو وہ جب شفعہ

کر کے وہ مبیع مکان لے لے گا تو یہ ایک شریک کی بیع دوسرے شریک کے ہاتھ بن جائے گی مثلاً ایک مکان کے دو بھائی مالک تھے برابر کے شریک تھے جب ایک نے اپنا آدھا مکان بیچا اور دوسرے بھائی نے شفعہ کر کے وہی لے لیا تو ایک شریک نے دوسرے شریک کے ہاتھ بلا تقسیم کئے بیچ دیا اور یہ صحیح ہے۔

باب بیع الارض والدور والعروض مشاعاً غیر مقسوم

غرض یہ ہے کہ مشاع کی بیع جائز ہے عقار ہو یا غیر عقار ہو فرق گذشتہ باب سے یہ ہے کہ پیچھے مشاع کی بیع ضمناً مذکور تھی اب صراحۃً ہے گویا تصریح بما علم ضمناً ہے۔ **فی کل مال لم یقسم** :۔ مراد عقار ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ شفعہ صرف عقار میں ہوتا ہے اور حضرت عطاء کا قول کہ ہر شئی میں شفعہ ہے شاذ قرار دیا گیا ہے۔

باب اذا اشتری شیئاً بغیره بغیر اذنه فرضی

غرض یہ ہے کہ اجازت سے فضولی کی بیع جائز ہو جاتی ہے

باب الشراء والبیع مع المشرکین واهل الحرب

غرض یہ ہے کہ بیع کے لئے اتحاد ملت شرط نہیں ہے۔
مُشعان :۔ عام لوگوں سے زیادہ لمبا۔

باب شراء المملوک من الحربی وهبة وعتقه

غرض یہ ہے کہ حربی کی ملک اور تصرف بھی ثابت ہے **فَغُطّ** :۔ گلا دبایا گیا یہاں تک کہ چیخ سُنی گئی۔ **واخدم ولیدة** :۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ بادشاہ نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا اور تواضعاً بیٹی کو ولیدہ کہا۔ **اتحنث** :۔ اکثر روایات میں ثاء مثلثہ سے ہے معنیٰ دونوں کے یہی ہیں کہ میں عبادت سمجھتا تھا۔

باب جلود المیتة قبل ان تدبغ

غرض یہ ہے کہ دباغت سے پہلے بھی میتہ کی کھال کا استعمال جائز ہے لیکن یہ امام بخاری کا اپنا استنباط ہے جمہور فقہاء کے نزدیک دباغت کے بعد نفع اٹھانا مراد ہے۔

باب قتل الخنزیر

غرض یہ ہے کہ خنزیر کا قتل جائز ہے سوال ان ابواب کے مناسب نہیں جواب جس کا قتل جائز ہے اس کی بیع ناجائز ہے اس اصول کے مطابق یہ باب یہاں ذکر فرمایا۔ **ویصنع الجزیة** :۔ سوال اس دین کے حکم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے منسوخ کر سکیں گے۔ جواب یہ حدیث ناسخ ہے وہ اس پر عمل کرائیں گے۔

باب لا یذاب شحم المیتة ولا یباع ودکه

غرض یہ ہے کہ بیع میتہ کی طرح اس کے اجزاء کی بھی حرام ہے۔ پھر ودک اور شحم میں فرق یہ ہے کہ گوشت کے ساتھ چمٹی ہوئی چیز کو شحم کہتے ہیں پھر گرم کر کے جب تیل کی شکل بن جاتی ہے تو اس کو ودک کہتے ہیں۔

باب بیع التصاویر التی لیس فیها روح وما یکره من ذلک

غرض یہ کہ غیر ذی روح نقش و نگار کی بیع جائز ہے اور ذی روح کی تصویر کی ناجائز ہے۔ **فربا الرجل** :۔ ۱۔ خوف سے اُچھلا۔ ۲۔ خوف سے سانس پھول گیا۔ ۳۔ شرم سے سانس پھول گیا۔ **هذا الواحد** :۔ ای هذا الحدیث الواحد :۔

باب تحریم التجارة فی الخمر

غرض شراب کی تجارۃ کا حرام ہونا بتلانا مقصود ہے سوال مساجد کے ابواب میں بھی اس مضمون کا باب تھا۔ جواب وہ خاص تھا باب تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد اور یہ عام ہے

باب اثم من باع حراً

غرض یہ ہے کہ حُر کی بیع باطل ہے۔ **اعطی بی ثم غدر**

:۔وعدہ کیا میرا نام لے کر یا میری قسم کھا کر پھر اس کے خلاف کیا۔

باب امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہود بیع ارضھیم حین اجلاھم

غرض یہ ہے کہ مصیبت میں اور شدید مجبوری میں بھی کوئی شخص اپنی کوئی چیز بیچ دے تو بیع ٹھیک ہو جاتی ہے۔ پھر لفظ ارضھیم میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو باتیں ایسی واقع ہوئی ہیں جو شاذ ہیں اور عربیت کے قاعدوں کے خلاف ہیں۔ا۔ یہاں ارضھیم میں راء کا فتحہ امام بخاری ذکر فرما رہے ہیں حالانکہ جمع سالم میں واحد کا وزن سلامت رہتا ہے یہاں راء کا سکوت باقی رہنا چاہیے تھا اس لئے فتحہ شاذ ہے۔۲۔ غیر ذوالعقول کے لئے جمع سالم استعمال نہیں ہوتی امام بخاری نے ارض کی جمع سالم استعمال فرمائی ہے جو کہ غیر ذوالعقول میں سے ہے۔ یہ بھی شاذ ہے۔

وذ معنھم :۔بعض نسخوں میں یہ لفظ ارضھیم کے بعد ترجمۃ الباب میں ہے اس کے معنیٰ عبید اور غلاموں کے ہیں۔ سوال:۔اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے۔ جواب۔ کتاب الجہاد میں اس واقعہ کی روایت موجود ہے اس روایت کا کوئی ایسا طریق نہ تھا جو یہاں لاتے اگر وہی طریق لاتے جو کتاب الجہاد میں ہے اور کچھ فرق بھی نہ ہوتا تو یہ تکرار محض ہو جاتا اس لئے نہیں لائے بخاری شریف میں جو روایتیں بار بار آتی ہیں ان میں کچھ نہ کچھ سند میں یا متن میں فرق ہوتا ہے۔

باب بیع العبید والحیون بالحیوان نسیئة

غرض یہ ہے کہ حیوان کو حیوان کے بدلے بیچنا ادھار جائز ہے گویا امام شافعی والا قول لے لیا جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے و للجمھور روایۃ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعا نھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ وللشافعی روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر موقوفا فکان یاخذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقۃ۔ جواب۔ا۔ ہماری روایت محرم ہے اور آپ کی مبیح ہے ایسے موقعہ میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔۲۔ ہماری قولی ہے آپ کی فعلی ہے۔۳۔ ہماری روایت کی سند قوی ہے کیونکہ اس کی تائید میں حضرت جابر اور حضرت ابن عباس سے بھی روایت آتی ہے۔۴۔اباحت والی آپ کی روایت اس پر محمول ہے کہ اونٹ پہلے قیمت سے خریدے گئے پھر قیمت کی جگہ اونٹ دے دیئے گئے۔ رھواً:۔ اصل معنیٰ ہیں نرم چلنا مراد یہ ہے کہ میں نرمی سے ادا کروں گا اور دیر نہ کروں گا۔ ودرھم بدرھم:۔ یعنی ادھار سوال درھم کو درہم کے بدلے میں بیچنا ادھار تو بالاجماع حرام ہے۔ جواب یہاں قرضہ مراد ہے جو بالاجماع جائز ہے البتہ بعض نسخوں میں بدرھمین ہے یہ نسخہ غلط شمار کیا گیا ہے۔ کان فی السبی صفیۃ:۔سوال یہ روایت تو باب کے مناسب نہیں ہے جواب۔ بخاری شریف کے ایک طریق میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی سے فرمایا تھا خذ جاریۃ من السبی غیرھا انتھیٰ یہ بمنزلہ بیع کے تھا اور بیع نقد بھی نہ تھی اس لئے بیع العبید نسیئۃ کے جواز کی دلیل بنالی امام بخاری نے جواب یہ دیا ہے کہ یہاں بیع مقصود نہ تھی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حق جو مال غنیمت میں سے ایک چیز منتخب کرنے کا تھا وہ استعمال فرمایا تھا اور دحیہ کلبی نے اپنا حق علیحدہ حاصل کر لیا تھا۔

باب بیع الرقیق

غرض یہ کہ جائز ہے کہ غلام کو خریدا یا بیچا جائے۔

باب بیع المدبر

مدبر کی بیع کا جواز بیان فرمانا مقصود ہے اس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ ثم ان زنت فاجلدوھا:۔سوال اس حدیث میں بیع المدبر نہیں ہے جواب راجح وہ نسخہ ہے جس میں یہ باب نہیں ہے اور یہ حدیثیں باب بیع الرقیق میں داخل ہیں۔۲۔ زانیہ عام ہے مدبرہ ہو یا غیر مدبرہ ہو لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے کیونکہ زناء تدبیر پر کسی درجہ میں بھی دال نہیں۔ لا یثرب علیھا:۔ دو معنیٰ۔ا۔اس کو جلاوطن نہ کریں گے۔۲۔اس کو ملامت نہ کریں گے۔

باب ھل یسافر بالجاریۃ قبل ان یستبرئھا

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ استبراء سے پہلے بھی لونڈی کے

ساتھ سفر کرنا جائز ہے۔ قال عطاء لا باس ان یصیب من جاریۃ الحامل مادون الفرج:۔ اس حاملہ سے مراد حاملہ بالنکاح ہے جو مطلقہ ہو طلاق بائن کے ساتھ یحوی:۔ دو طرح پڑھا گیا۔ا۔ یحوّی باب تفعیل سے۔۲۔ یحوی ضرب یضرب سے دونوں کے معنیٰ ہیں کوہان کے اردگرد چادر پیٹتے تھے حضرت صفیہ کے بیٹھنے کے لئے۔ بعباءۃ:۔ ایک قسم کی چادر ہے۔

باب بیع المیتة والا صنام

غرض یہ ہے کہ مردار اور بتوں کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ پھر اصنام کو مردار کے ساتھ ذکر کرنے سے مقصود نفرت دلانا ہے۔

باب ثمن الکلب

غرض یہ ہے کہ کلب کی بیع باطل ہے گویا حنفیہ کے خلاف جمہور کے قول کی تائید فرمائی اختلاف عندامامنا ابی حنیفۃ جب کتا منتفع بہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے یعنی چوکیداری کے لئے ہو یا شکار کے لئے ہو وعندالجمہو ربیع باطل ہے ولنافی مسندابی حنیفۃ عن ابن عباس مرفوعاً رخص رسول اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید وللجمہو رحدیث الباب فی البخاری وابی داؤد عن ابی مسعود مرفوعاً نھی عن ثمن الکلب۔ جواب یہ اُس زمانہ پر محمول ہے جب کتوں پر سختی کی گئی تھی:۔

کتاب السلم

تقدیر عبارت یہ ہے ہذا کتاب فی بیان احکام بیع السلم اس بیع کے جواز پر اجماع بھی ہے اور حضرت ابن عباس نے اس آیت سے بھی اس بیع کا جواز ثابت فرمایا ہے اذا تداینتم بدین.

باب السلم فی کیل معلوم

یعنی اگر کیلی چیز کی بیع سلم ہے تو کیل کی مقدار بتلانی ضروری ہے اسی طرح وزن اور عدد اور مساحت یعنی گزوں سے ناپنا ہے۔

باب السلم فی وزن معلوم

غرض یہ کہ وزنی چیز میں وزن بتلانا ضروری ہے۔

باب السلم الی من لیس عنده اصل

غرض یہ ہے کہ بیع سلم میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلم الیہ کے پاس مبیعہ موجود ہو بلکہ صرف بازار میں ہونا ہی کافی ہے۔ نبیط اہل الشام:۔ شامی کسان۔ فی النخل:۔ ای فی ثمر النخل۔

باب السلم فی النخل

غرض یہ ہے کہ جب تک کھجوریں بازار میں نہ آجائیں ثمر نخل میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

باب الکفیل فی السلم

غرض یہ ہے کہ بیع سلم میں کفیل لینا بھی جائز ہے سوال اس باب کی حدیث میں کفیل فی السلم کا تو کوئی ذکر نہیں ہے جواب۔ا۔ ادھار کے رھن پر سلم کے کفیل کو قیاس فرمایا کیونکہ بیع سلم میں مبیعہ ادھار ہوتا ہے اور ادھار بیع میں ثمن ادھار ہوتی ہے اور رھن بھی وثیقہ ہے ایسے ہی کفیل بھی وثیقہ ہے۔۲۔ اسی حدیث کے طریق میں جو کتاب الرہن میں آئے گا یوں ہے عن اعمش قد تذاکرنا عند ابراہیم الرھن والقبیل (ای الکفیل) فی السلف اس پر حضرت ابراہیم نے یہی حدیث مرفوع سنائی انہوں نے بھی رھن پر کفیل کو قیاس فرمایا اس لحاظ سے یہ روایت باب کے مناسب ہے۔

باب الرھن فی السلم

غرض سلم من رہن کا جواز بیان فرمانا ہے اور اس شخص پر رد ہے جو انکار کرتا ہے۔

باب السلم الی اجل معلوم

غرض جمہور کی تائید اور امام شافعی کے قول کی تردید ہے امام شافعی کے نزدیک مدت شرط نہیں ہے بیع سلم نقد بھی ہوسکتی ہے اور ادھار بھی ہوسکتی ہے اور جمہور کے نزدیک مدت ضروری ہے منشاء اختلاف اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیً فاکتبوه ہے کہ اس میں اجل کا ذکر قید لازمی کے درجہ میں ہے یا قید اختیاری کے درجہ میں ہے ترجیح لازمی کو ہے کیونکہ بیع سلم کا مقصد فقراء کی آسانی ہے اور اس کے لئے مہلت ضروری ہے۔ باب السلم الی ان تنتج الناقۃ:۔ غرض یہ ہے کہ کسی اونٹنی کے بچہ جننے تک مدت مقرر کرنا

جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مدت مجہول ہے پھر حدیث عام ہے جو بیع سلم اور بیع بثمن الی اجل اور قرض کو شامل ہے۔ الی ان تنتج الناقۃ مافی بطنھا: تنتج مجہول کا صیغہ ہے اور مافی بطنھا یہ ناقہ کا بدل ہے۔

باب الشفعة فی ما لم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة

غرض دو اختلافی مسئلہ بتلانے ہیں۔ ا۔ منقول اشیاء میں شفعہ نہیں ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ ۲۔ جوار میں شفعہ نہیں ہے گویا جمہور کا مذہب اختیار فرمایا حنفیہ کے خلاف حنفیہ کے نزدیک جار کو بھی شفعہ کا حق حاصل ہے۔ ولنا روایۃ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعاً جار الدار احق بدار الجار او الارض وللجمہور حدیث الباب عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاً فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعۃ اور اس کے قریب قریب الفاظ ابوداؤد میں عن ابی ہریرہ وارد ہیں جواب۔ مقصود شرکت والے شفعہ کی نفی ہے ہر شفعہ کی نفی مقصود نہیں ہے یہ توجیہ ضروری ہے تا کہ تعارض نہ رہے۔ پھر بعض نسخوں میں اس باب سے پہلے ہے کتاب السلم فی الشفعہ اس کی غرض یہ ہے شفیع پر شفعہ کرنا واجب نہیں ہے وہ چھوڑنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے سلم بمعنی تسلیم ہے۔

باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ا۔ مستحب ہے کہ شفیع پر دار پیش کر دے۔ ۲۔ امام ثوری اور حضرت حسن بصری کا قول اختیار کرنا چاہتے ہیں کہ بیع سے پہلے شفیع پر دار پیش کرنے سے اور اس کے انکار سے شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ وعند الائمۃ الاربعۃ ساقط نہیں ہوتا وللجمہور ابھی تو ثابت ہی نہیں ہوا ثابت ہونے سے پہلے ساقط کیسے ہو گا جیسے نماز وقت سے پہلے ادا کرنے سے ادا نہ ہو گی کیونکہ ابھی واجب ہی نہیں ہوئی وللثوری والحسن تعلیق الباب وقال الحکم اذان اذن له قبل البیع فلا شفعة له. جواب یہ ان تابعی کا اجتہاد ہے اور ائمہ اربعہ کا اجتہاد اقوی ہے کیونکہ بظاہر ان کا اجتہاد قیاس کرنا ہے زکوۃ پر کہ کئی سالوں کی زکوۃ پہلے دینی جائز ہے لیکن یہ قیاس کمزور ہے کیونکہ زکوۃ میں سبب موجود ہے نصاب اور یہاں سبب ہے بیع اس سے پہلے ساقط نہیں ہو سکتا۔

باب ای الجوار اقرب

غرض یہ ہے کہ جوار میں مراتب ہیں۔ اس باب سے معلوم ہوا کہ امام بخاری شفعہ للجار کے ثبوت کے قائل ہیں اور گذشتہ بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قائل نہیں ہیں اس لئے اس مسئلہ میں ان کا مسلک واضح نہیں ہے۔ **فی الا جارات باب فی استجئار الرجل الصالح**:۔ اجارہ کے معنیٰ میں دو قول ہیں۔ ا۔ تملیک المنافع بالعوض۔ ۲۔ بیع منفعۃ معلومۃ باجر معلوم۔ پھر اجارہ ثابت ہے قرآن پاک سے اور سنت سے اور اجماع امت سے قال اللہ تعالیٰ ان خیر من استاجرت القوی الا مین پھر اس پہلے باب کی غرض یہ ہے کہ رجل صالح کا اجارہ مستحب ہے اور رد ہے اُس شخص کا جو کہتا ہے کہ رجل صالح کا اجارہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے۔ **والخازن الا مین**:۔ یہ بھی ترجمۃ الباب کا حصہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ خازن امین ہونا چاہئے۔ **ومن لم یستعمل من اراده**:۔ یہ بھی ترجمۃ الباب کا حصہ ہے غرض یہ ہے کہ جو خود عہدہ کا مطالبہ بلا اضطرار کرے وہ مال کا حریص ہو گا اس کو یہ عہدہ نہ دینا چاہیے۔

باب رعی الغنم علی قراریط

غرض یہ ہے کہ بکریوں کا چرانا یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کیونکہ بکری جنت کا جانور ہے۔

باب استیجار المشرکین عند الضرورة او اذا لم یوجد اهل الاسلام

غرض۔ ا۔ ضرورت کے موقعہ میں مشرکین کو کرایہ پر لینا بھی جائز ہے۔ ۲۔ اجارہ کے لئے اتحاد ملت شرط نہیں ہے پھر یہ تو امام بخاری کی رائے ہے اور جمہور کے نزدیک مجبوری ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں کافر کا استجار جائز ہے کیونکہ اس میں اکرام کافر تو نہیں ہے بلکہ توہین کافر ہی ہے۔

باب اذا استاجرا اجیراً لیعمل له بعد ثلثة ایام

غرض یہ ہے کہ کام شروع کرنے سے کچھ دن پہلے معاملہ اجارہ کا طے کرلینا بھی جائز ہے۔

باب الاجیر فی الغزو

غرض یہ ہے کہ جہاد میں بھی اجیر لے جانا جائز ہے۔ فاندر ثنیة:۔ کھینچ کر اس کا سامنے کا دانت توڑ دیا۔

باب من استاجر اجیراً فبین له الاجل ولم یبین له العمل

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- مدت معلوم ہو عمل بالکل معلوم نہ ہو تو پھر بھی اجارہ جائز ہے اور یہ مسلک جمہور فقہاء کے خلاف ہے۔ ۲- مدت معلوم ہو عمل کا ذکر نہ کیا ہو لیکن اجیر اور مستاجر کے درمیان شہرت وعرف کی وجہ سے متعین ہو تو اجارہ صحیح ہے اور جمہور کی مخالفت بھی نہیں ہے۔

باب اذا استاجر اجیراً علی ان یقیم حائطا یرید ان ینقض جاز

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- عالم کو عمارت بنانے کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے جیسے حضرت خضر علیہ علیہ السلام کا واقعہ ہے اور یرید ان ینقض کی قید اتفاقی ہے۔ ۲- اس شخص کا رد ہے جس کے نزدیک اقل مدت اجارہ کی ایک دن ہے۔ وغیرھما قال قد سمعتہ یحدثہ عن سعید:۔ تقدیر عبارت یوں ہے قال ابن جریج غیرھما ای غیر یعلی وعمر وایضا یحدث عن سعید قال ای ابن جریج قد سمعتہ ای سمعت غیرھما یحدثہ ای یحدث ھذا الحدیث عن سعید۔

باب الاجارة الی نصف النهار

غرض یہ ہے کہ اجر بھی معلوم ہو مدت بھی معلوم ہو تو اجارہ جائز ہے۔ فقالوا مالنا اکثر عملاً واقل عطاء:۔ یہ مکالمہ کہاں ہوا دو قول ہیں۔ ۱- یہ مکالمہ تخیلی ہے اگر وہ ناراض ہو کر کہیں تو اللہ تعالیٰ یہ جواب دینگے۔ ۲- عالم الست بر کم میں ہو چکا ہے سوال۔ اس حضرت ابن عمر والی روایت میں الی نصف النهار ہے اور الی العصر ہے اور آگے وہ باب چھوڑ کر روایت آئے گی حضرت ابوموسی والی اس میں الی اللیل ہے یہ تو تعارض ہے جواب یہ دو مثالیں الگ الگ ہیں حضرت ابن عمر والی ان اہل کتاب کی ہے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہ پایا اور حضرت ابوموسیٰ والی روایت میں ان کی ہے جنہوں نے زمانہ پایا اور ایمان نہ لائے لک ماعملنا کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اکثر عملاً:۔ یہ ہر واحد کی عمر کے لحاظ سے ہے کیونکہ اس امت میں ہر واحد کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے اور پہلی امتوں میں زیادہ عمریں تھیں جیسا کہ پیچھے گزرا مجموعی امت کی عمر مراد نہیں ہے کیونکہ نصریٰ پوری امت کی عمر تقریباً ۶۰۰ سال تھی اور اس امت کی عمر کاتب حروف کے زمانہ میں ۱۴۱۱ھ میں چودہ سو سال سے زائد گزر چکی ہے۔

باب الاجارة الی صلوٰة العصر

غرض یہ ہے کہ کسی نماز کے وقت تک اجارہ کرنا بھی جائز ہے۔ انما مثلکم والیهود والنصاریٰ تین ترکیبیں ہیں ۱- والیہود مجرور ضمیر پر عطف ۲- مرفوع اور اصل ہے ومثل الیہود مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا اعراب دیا گیا۔ ۳- منصوب واو بمعنی مع۔

باب اثم من منع اجر الاجیر

مزدوری اجیر کو نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے یہ بتلانا مقصود ہے۔

باب الاجارة من العصر الی اللیل

عصر سے غروب تک بھی اجارہ کرنا جائز ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے۔

باب من استاجرا جیراً فترک اجره فعمل فیه المستاجر فزاد اومن عمل فی مال غیره فاستفضل

غرض یہ ہے کہ مستاجر اگر اجیر کی اجرت کو کاروبار میں لگا کر بڑھا

دے تو بہت ثواب ہے اور ایسے ہی کسی دوسرے کے مال کو بڑھا دے تو بہت ثواب ہے۔ لا اغبق:۔ غبوق کے معنیٰ شام کو کچھ پینا۔ ولا مالاً:۔ یہاں مال سے مراد رقیق ہے۔ فنأ یٰ بی طلب شئی:۔ ایک چیز کا تلاش کرنا مجھے دور لے گیا۔ الممت بھا سنۃ من السنین:۔ اس پر ایک سال قحط کا آیا قحط کے سالوں میں سے۔

باب من آجر نفسه ليحمل على ظهره ثم تصدق به واجرة الحمال

غرض دو مسئلے بتلانا ہے۔ ا- مزدوری کر کے خیرات کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔ ۲- بوجھ اٹھانے کی مزدوری بھی جائز ہے۔

باب اجرا لسمسرة

دلال بننا جائز ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے۔ وقال ابن عباس الخ وقال ابن سیرین الخ:۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن سیرین اور امام احمد کے نزدیک یہ تین صورتیں جائز ہیں۔ ا- یہ کپڑا جتنے کا چاہو بیچو دس روپے سے زائد تمہارے۔ ۲- سارا نفع تمہارا' ۳- نفع آدھا آدھا اور جمہور کے نزدیک ظاہراً یہ صورتیں اجرت کی جہالت کی بناء پر ناجائز ہیں البتہ پہلی دو کو قرضہ پر اور تیسری کو عقد مضاربت پر محمول کر لیں تو جائز ہیں ان حضرات کے نزدیک بلا تاویل جائز ہیں ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ جہالت کو محرم قرار دینا احوط ہے۔ لا یکون لہ سمساراً:۔ جب اہل بلد کے لئے ضرر ہو تو دیہاتی کا دلال نہ بنے عام حالات دلال بننا جائز ہے۔

باب هل يواجر الرجل نفسه من مشرک فی ارض الحرب

غرض یہ کہ دار الحرب میں کسی مشرک کا اجیر بننا بھی جائز ہے جبکہ مسلمانوں کا نقصان یا تذلیل نہ ہو۔

باب مايعطىٰ فی الرقية علی احياء العرب بفاتحة الكتاب

غرض دو مسئلے بتلانے ہیں۔ ا- تعویذ پر اجرت لینی جائز ہے۔ ۲- ایسے موقعہ میں اجرت طے کر لینی بھی جائز ہے۔ تعویذ گنڈا کر کے اجرت لینے پر تو اتفاق ہے کہ جائز ہے لیکن تعویذ گنڈے کے جائز ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ ا- کوئی لفظ یا عمل ناجائز نہ ہو۔ ۲- جائز موقعہ میں ہو مثلاً بیوی اور اولاد کو جائز درجہ میں تابع کرنے کے لئے تعویذ جائز ہے اجنبی عورت کو تابع کرنے کے لئے یا فلاں شخص اپنی بچی کا نکاح کرنے کے لئے مجھ سے راضی ہو جائے اس کے لئے تعویذ استعمال کرنا ناجائز ہے۔ ۳- تعویذ کو موثر بالذات نہ سمجھے دوا کی طرح ایک سبب سمجھے موثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے بہرحال تعویذ گنڈے کی اجرت جائز ہے کیونکہ یہ ایک دنیا کا کام ہے اسی لئے اسی میں زندگی کھپا دینا کوئی دینی ترقی نہیں ہے نہ ہی پیر کے لئے اس کا ماہر ہونا شرط ہے بلکہ اس سے حتی الامکان الگ رہنا ہی اولیٰ ہے باقی رہا عبادات کی ملازمت کرنا مثلاً تدریس کتب' تعلیم قرآن۔ امامت' خطابت' اذان اس میں اختلاف ہے۔ **عبادات کی تنخواہ میں اختلاف**:۔ ہمارے امام صاحب کسی عبادت پر اجرت اور تنخواہ لینے کی اجازت نہ دیتے تھے لیکن متاخرین حنفیہ کا فتویٰ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ دین کا موقوف علیہ کام ہو جیسے تعلیم قرآن و کتب دینیہ یا وہ کام شعائر اسلام میں سے ہو جیسے اذان' امامت' خطابت جمعہ و عیدین البتہ تراویح میں قرآن پاک سنا کر طے کر کے لینا یا طے تو نہیں کیا دل میں امید تھی پھر لے لیا یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں بعض دفعہ اخیر رمضان میں ایک صاحب اعلان کرتے ہیں کہ حافظ صاحب نے اخلاص سے سنایا ہم نے اخلاص سے سنا صرف ہمارا دل خوش کرنے کے لئے تھوڑا سا ہدیہ قبول فرما لیں یہ بھی ناجائز ہے۔ تلاوت قرآن میں ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ او ر باوضو ۲۵ اور نماز میں بیٹھ کر پڑھنے میں ۵۰ اور کھڑے ہو کر پڑھنے میں ۱۰۰ اور رمضان شریف کی وجہ سے ثواب ۷۰ گنا اور جماعت کی وجہ سے ۲۷ گنا اور مسواک کی وجہ سے ۷۰ گنا اور فتنہ کے زمانہ کی وجہ سے ۵۰ گنا ہے الحمد میں پانچ حرف ہیں پھر سورہ

فاتحہ کا کتنا ثواب بنا اور پورے قرآن پاک کا کتنا بنا اور ایک نیکی دنیا بھر کی دولتوں سے بڑھ کر ہے یہ سب ثواب ہزار روپے یا کم و بیش لے کر ضائع کر دینا بہت بڑی غلطی ہے اجرت والے حافظ سے بہتر ہے کہ بلا اجرت الم ترکیف سے تراویح پڑھ لی جائیں۔ ایسے ہی ایصال ثواب کر کے معاوضہ لینا بھی حرام ہے۔ تعلیم قرآن وغیرہ میں جو جائز ہے اس کی دلیل ۱- والعاملین علیها میں حق تعالیٰ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے جمع رکھنے والے لکھنے والے تقسیم کرنے والے کے لئے اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے ایسے ہی دوسرے ضروری دینی کاموں میں گنجائش ہے۔ ۲- خلیفہ وقت کے لئے بالا جماع بیت المال میں سے تنخواہ لینی جائز ہے حالانکہ اس کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنا ہے جو عبادت ہے ایسے ہی باقی ضروری عبادتوں میں بھی گنجائش ہے۔ ۳- قاضی کے لئے تنخواہ لینی بالا جماع جائز ہے حالانکہ وہ شرعی احکام نافذ کرتا ہے جو عبادت ہے اسی طرح مذکورہ عبادتیں ہیں۔ ۴- بیوی خاوند کے لئے محبوس رہتی ہے اس لئے خاوندوں کو حکم ہے قرآن پاک میں وانفقوا علیهن اسی طرح مذکورہ عبادات میں مدرس وغیرہ دینی ضروری کام میں محبوس رہتا ہے اس لئے عامۃ المومنین کے ذمہ ان کی تنخواہ ہے۔ بے سمجھ سرکاری ملازم خود تو معمولی کام کر کے بیت المال سے تنخواہ ہزاروں روپے لیتے ہیں اور علماء کو جو دن رات خون پسینہ ایک کر کے ضروری دینی کام میں مشغول رہتے ہیں ان کو مفت خورہ کہتے ہیں یہ ان کی کم علمی کی دلیل ہے پھر علماء و قراء حضرات کو اس فکر میں بھی نہ پڑنا چاہئے کہ تجارت وغیرہ ضرور کریں اور دینی خدمت مفت کریں کیونکہ جب اصل مقصود دین کی خدمت ہے اور تنخواہ بضرورت ہے تو ثواب میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر نام روشن کرنا مقصود ہے یا صرف مال ہی مقصود تو پھر ثواب نہ ملے گا چاہے مفت ہی پڑھائیں یا مفت ہی امامت وغیرہ کریں۔ مال مقصود ہونے کی علامت یہ ہے کہ صرف تنخواہ کے زیادہ کرنے کے لالچ میں ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ بھاگ جائے جبکہ یکسوئی سے کام کر رہا تھا اور دال روٹی کا گزارہ بھی ہو رہا تھا۔ ہمارے امام ابوحنیفہ جو عدم جواز کے قائل تھے اس کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے عن عثمان بن ابی العاص مرفوعاً و اتخذ موذنا لایاخذ علی اذانہ اجراً جواب یہ بیان اولویت ہے۔ ما بہ قلبۃ:- کوئی بیماری نہ رہی قلبہ کے معنی ہیں بیماری۔

باب ضريبة العبد وتعاهد ضرائب الاماء

غرض یہ ہے کہ غلام اور لونڈی پر یومیہ مقرر کر دینا کہ اتنا کما کر لایا کرو باقی تمہارا یہ جائز ہے اور لونڈیوں کی نگرانی بھی کرنی ضروری ہے کہ جائز کمائی لائیں۔ لونڈیوں کا خاص طور سے ذکر اس لئے فرمایا کہ ۱- وہاں زنا کی کمائی کا اندیشہ ہے۔ ۲- حدیث پاک میں حکم ہے۔ تعاهد واضرائب الاماء۔

باب خراج الحجام

غلام حجامت کی کمائی بھی لائے تو آقا کے لئے جائز ہے کہ لے لے۔ ولم یکن یظلم احداً اجرہ: کسی کو اس کا اجر کم نہ دیتے تھے۔

باب من كلم موالى العبد ان يخففوا عنه من خراجه

غرض یہ ہے کہ آقا کو بطور سفارش کہنا کہ اپنے غلام سے روزانہ رقم کچھ کم لیا کر یہ کہنا اور سفارش کرنا مستحب ہے اس سے ضریبہ مقرر کرنے کے جائز ہونے کی تائید بھی ہوگئی ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کیوں فرماتے۔

باب كسب البغى والاماء

غرض یہ ہے کہ زناء کی کمائی حرام ہے حرہ کرے یا لونڈی کرے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے۔

باب عسب الفحل

غرض یہ ہے کہ نر بھینسا۔ بیل۔ بکرے وغیرہ سے اپنی بھینس وغیرہ پر نزوان کرانا جس سے حمل ٹھہر جائے اور اس کی اجرت دینا مکروہ ہے اس کا حیلہ یہ ہے کہ بیل وغیرہ کے مالک کو کہہ دیا جائے

کہ یہ کام مفت کردو ہم انعام کے طور پر تمہیں امید سے بھی کچھ زائد دے دیں گے پھر لفظ عسب کے معنیٰ ۔ا۔ نزوان کا کرایہ ۔۲۔ فعل نزوان ۔۳۔ ماء الفحل ۔

باب اذا استاجر احدار ضاً فمات احد هما

غرض یہ ہے کہ اجارہ عاقدین میں سے کسی کی موت سے فسخ نہیں ہوتا البتہ اگر کسی کا اپنا عمل ہی کرایہ پر لیا گیا ہو کہ وہ خود یہ کام کرے تو پھر موت سے فسخ ہو جائے گا کیونکہ اس کا عمل باقی نہ رہا دلیل پیش فرمادی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے معاملہ طے فرمایا تھا اور وفات کے بعد بھی وہ معاملہ باقی رہا۔

باب فی الحواله وهل یرجع فی الحوالة

حوالہ کے معنیٰ ہیں نقل الدین من ذمہ الی ذمۃ اخریٰ۔ دائن محتال لہ ہوتا ہے مدیون محیل ہوتا ہے اور مدیون جدید کو محتال علیہ کہتے ہیں۔ پھر اس باب کی غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر مدیون جدید سے قرضہ ملنے کی امید نہ رہی ہو تو کیا دوبارہ اصل مدیون پر قرضہ آجائے گا۔ جزم اور یقین سے امام بخاری کچھ نہیں فرمارہے اختلاف کی وجہ سے لیکن ان کے طرز سے اور پہلی تعلیق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کا مسلک لے رہے ہیں کہ دوبارہ اصلی مدیون پر قرضہ آجائے گا وعند الجمہور کسی صورت میں بھی قرضہ واپس پہلے مدیون پر نہ آئے گا ولنا روایۃ البیہقی عن عثمان موقوفاً ومرفوعاً لیس علی مال امرئ مسلم توی یعنی الحوالۃ وللجمہور تعلیق الباب وقال ابن عباس یتخارج الشریکان واہل المیراث فیاخذ ھذا عیناً وھذا دیناً فان توی لاحدھما لم یرجع علی صاحبہ جواب ہمارے قول میں احتیاط ہے۔ مطل الغنی ظلم فاذا اتبع احدکم علی ملی فلیتبع :۔ عند بعض اہل الظواہر وکثیر من الحنابلۃ حوالہ کا قبول کرنا محتال لہ یعنی دائن پر واجب ہے وعند الجمہور مستحب ہے۔ منشاء یہی زیر بحث روایت ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے اور بعض حنابلہ کے نزدیک وجوب پر محمول ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ حوالہ سے مقصود دائن کی آسانی ہے دُنیا کے لحاظ سے اور کبھی محتال علیہ جھگڑالو ہوتا ہے اس لئے دائن کو آسانی حوالہ نہ قبول کرنے میں ہوتی ہے۔ سوال۔ اس روایت کے لفظ فاذا اتبع پر اشکال ہے کہ فاء تو ہوتا ہے ماقبل پر ترتب کے لئے یہاں ترتب نہیں ہو رہا اسی لئے امام رافعی نے فرمایا ہے کہ الاشھر ھھنا واذا اتبع۔ جواب۔ حوالہ کا مقصد یہی ہے کہ ظلم ختم ہو جائے اور اصل یہی ہے کہ دائن کو محتال علیہ سے لینا آسان ہوتا ہے اور دائن کو اپنا مال آسانی سے مل جاتا ہے اور اُس پر ظلم کا احتمال نہیں رہتا اس لئے ترتب صحیح ہے۔

باب اذا احال علی ملی فلیس له رد

باب کی غرض میں دو تقریریں ہیں ۔ا۔ مذہب لیا بعض اہل ظواہر کا اور بہت سے حنابلہ کا کہ دائن کے ذمہ واجب ہے کہ حوالہ قبول کرلے۔ ۲ محتال علیہ کے مفلس قرار دئے جانے کی صورت میں محیل کی طرف عود نہیں کرسکتا اس تقریر پر امام بخاری کو اس مسئلہ میں متردد شمار کیا جائے گا کہ حنفیہ کا مسلک لیا یا جمہور کا لیا۔ **فان افلست بعد ذلک فلہ ان یتبع صاحب الحوالۃ فیاخذ منہ**:۔ حضرت انور شاہ صاحب نے اس عبارت پر اعتراض کر کے چھوڑ دیا ہے توجیہ نہیں فرمائی وہ اعتراض یہ ہے کہ محیل کے افلاس کا تو اس مسئلہ میں دخل نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کے نزدیک رجوع الی المحیل نہیں ہوتا جمہور کی طرح محیل مفلس ہو یا نہ ہو پس امام بخاری اگر محتال علیہ کا افلاس ذکر فرماتے تو اس کی کچھ وجہ ہو سکتی تھی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس عبارت کی دو توجیہیں فرمائی ہیں ۔ا۔ شاید امام بخاری کے نزدیک دونوں سے مطالبہ جائز ہو جیسے کفالت میں ہوتا ہے۔۲۔ جب محیل سے مطالبہ اس صورت میں نہیں کیا جاسکتا جبکہ وہ غنی ہو تو اس صورت میں بھی مطالبہ بطریق اولیٰ نہیں کیا جاسکتا جبکہ وہ مفلس قرار دے دیا گیا ہو۔

باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز

غرض یہ ہے کہ میت کے دین میں بھی حوالہ صحیح ہے۔ سوال اس حدیث میں تو حوالہ کا ذکر نہیں ہے جواب۔ ضامن ہو جانا بھی حوالہ ہی کی طرح ہے کیونکہ اس سے بھی مدیون بری ہو جاتا ہے جیسے حوالہ سے بری ہوتا ہے۔

كتاب الكفالة

الکفالۃ الضمان پھراس کی دو قسمیں ہیں۔ا۔کفالۃ بالمال اس کی دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم. ۲۔کفالۃ بالنفس اس کی دلیل بھی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لن ارسله معكم حتى توتون موثقامن الله لتاتنني به.

باب الكفالة فى القرض والديون بالابدان وغيرها

غرض یہ ہے کہ دونوں قسم کی کفالتیں صحیح ہیں وعذره بالجهالة:۔ زانی کو معلوم نہ تھا کہ بیوی کی لونڈی حرام ہوتی ہے اس لئے رجم نہ فرمائی تعزیر فرمائی سوال تعزیر تو چالیس کوڑوں سے کم ہوتی ہے جواب۔سو کوڑوں کے ساتھ تعزیر یہ حضرت عمر کا اپنا اجتہاد ہے اس گنتی میں مرفوع روایت کو ہی ترجیح ہے ان تک وہ مرفوع روایت نہ پہنچی ہوگی۔

ثم زجج موضعها:۔ پھراس کا منہ بند کر دیا۔

باب قول الله تعالىٰ والذين عاقدت ايمانكم فاتوهم نصيبهم

غرض یہ ہے کہ کفالت صحیح ہے کیونکہ یہ مولی موالات کی وراثت کی طرح ہے کیونکہ دونوں میں ضمان بلاعوض ہوتی ہے۔الرفادة:۔ اس کے معنیٰ ہیں معاونت۔لا حلف فى الاسلام:۔ گناہ میں معاہدہ ٹھیک نہیں ہے کہ گناہ میں امداد کریں گے۔قد حالف النبى صلى الله عليه وسلم بين قريش والانصار:۔ یہ معاہدہ اور بھائی بنا دینا مظلوم کی امداد پر تھا اور صلہ رحمی پر تھا اور تعاون علی البر پر تھا۔

باب من تكفل عن ميت دينا فليس له ان يرجع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ میت کی طرف سے جو کفیل بن جائے وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

باب جوار ابى بكر فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم وعقده

غرض یہ کہ کافر کا امان دینا بھی صحیح ہے اور یہ کفالۃ کی طرح ہے کیونکہ اس میں بھی ضمانت ہوتی ہے کہ کوئی تکلیف نہ پہنچائے گا گویا اس میں اتحاد ملت ضروری نہیں وان احد من المشركين استجارك فاجره. وهوسيد القارة:۔ یہ قبیلہ کا نام ہے فيتقصف عليه نساء المشركين:۔قصف کے معنیٰ کسر کے ہیں ایک دوسرے کو توڑ رہی تھیں اور بھیڑ کر رہی تھیں۔

كتاب الوكالة ووكالة الشريك فى القسمة وغيرها

دوسرا لفظ شریک پہلے لفظ شریک کا بدل ہے۔غرض وکالت کی انواع اور احکام کا بیان ہے پھر وکالۃ کے واو پر فتحہ ہے اور کسرہ بھی جائز ہے لغۃ میں وکالت کے معنیٰ تفویض کے ہیں اور شریعت میں تفويض شخص امره الى آخر فيما يقبل النيابة اور اس کے جواز کی دلیل ہے فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها. وقد اشرك النبى صلى الله عليه وسلم عليًا فى هديه ثم امره بقسمتها:۔ یہ شرکت صورۃ تھی نہ حقیقۃً پھر اپنے شریک کو تقسیم کا وکیل بنادیا۔ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا۔يقسمها على صحابته:۔اپنے ساتھیوں کی طرف سے وکیل بن گئے اور تقسیم قبول کر لی عتود:۔ایک سال کی بکری۔

باب اذا وكل المسلم حربيافى دار الحرب اوفى دار الاسلام جاز

غرض یہ ہے کہ وکالت میں اتحاد ملت واجب نہیں ہے۔

باب يحفظنى فى صاغتى بمكة

صاغتی کے معنیٰ۔ا۔مال۔۲۔خادم۔۳۔اہل۔فكاتبة عبد عمرو:۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ لفظ عبد جب غیر اللہ کی طرف مضاف کیا جائے تو۔ا۔اگر وہ غیر اللہ معبود بنایا گیا ہے تو اضافت حرام ہے جیسے عبد العزّٰی وعبد منات۔۲۔اگر معبود ہونے کا شبہ ہو تو مکروہ ہے جیسے عبد النبی اور عبد الرسول۔۳۔اگر یہ دونوں نہ ہوں تو جائز ہے جیسے عبد المطلب۔حتى قتلوه:۔سوال جب عبد الرحمن بن عوف نے امان دی تھی تو قتل کیسے کر دیا۔جواب ا۔امان نہ دی تھی حسی طور پر

حفاظت فرما رہے تھے۔۲۔لڑائی کے وقت امان معتبر نہیں ہوتی۔پھر اس حفاظت سے ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی ظاہر ہوگئی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اس حفاظت میں مثل وکیل کے تھے۔

باب الوکالة فی الصرف والمیزان

غرض یہ ہے کہ صرف میں اور میزان سے تولنے میں بھی وکالت جائز ہے بیان اس لئے فرمادیا۔صراحۃ کہ توکیل میں شبہ نسیئہ ہونے کا ہوتا ہے اس کا ازالہ کر دیا کہ وکیل قائم مقام مؤکل کے ہے استعمل رجلا علی خیبر:۔یہ عامل بنانا بھی توکیل ہی ہے۔

باب اذا ابصر الراعی اوالوکیل شاةً تموت اوشیاء یفسد ذبح واصلح ما یخاف علیه الفساد

غرض یہ ہے کہ کسی کی چیز خراب ہورہی ہو یا جانور مر کر ضائع ہونے لگا ہو تو راعی یا وکیل اصلاح کردے یا ذبح کردے تو جائز ہے پھر حدیث میں راعی کا ذکر ہے قیاس فرمایا کہ وکیل بھی راعی کی طرح ہے۔

باب وکالة الشاهد والغائب جائزه

غرض یہ ہے کہ غائب کو وکیل بنانا بھی جائز ہے۔قھر مان:۔خادم منتظم۔اپنے خادم کو خط لکھ کر وکیل بنایا۔ان یزکی:۔صدقہ فطر ادا کرنے میں وکیل بنایا۔

باب الوکالة فی قضاء الدیون

غرض یہ ہے کہ وکالت قرضہ ادا کرنے میں بھی جائز ہے پھر جو حدیث اس باب میں ذکر فرمائی اس میں اونٹوں کے قرضہ کا ذکر ہے اور جانوروں کا قرضہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک جائز ہے منشاء اختلاف یہی زیر بحث روایت ہے۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً اعطوا سنا مثل سنہ معلوم ہوا کہ اونٹوں میں قرضہ پایا گیا تھا جمہور کے نزدیک یہ روایت اپنے ظاہر پر ہے اور حنفیہ کے نزدیک اونٹ خریدنے پر اور قیمت جو ادھار تھی اس کو اونٹوں کی صورت میں ادا کرنے پر محمول ہے ترجیح حنفیہ کے معنیٰ کو ہے قیاس کی وجہ سے کہ قرضہ اُس چیز کا ہوتا ہے جس کا مثل دینے پر انسان قادر ہو حیوان کے مثل پر انسان قادر نہیں ہے کیونکہ حیوانات میں مماثلت نہیں ہوتی

باب اذاوهب شیئا لوکیل او شفیع قوم جاز

غرض یہ ہے کہ کسی قوم کے وکیل یا شفیع کو کوئی چیز دینا یہ اُس قوم کو دینا ہی شمار کیا جاتا ہے۔

باب اذا وکل رجل ان یعطی شیئا ولم یبین کم یعطی فاعطیٰ ما یتعارفه الناس

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی وکیل بنائے کہ فلاں شئی دوں گا اور مقدار نہ متعین کرے تو وہ لوگوں کے کے دینے کے عرف پر محمول کی جائیں گی۔ولم یبلغه کلهم رجل واحد منهم عن جابر:۔تقدیر عبارت میں دو اہم قول ہیں ۱۔عبارت محذوف ہے بل بلغه رجل واحد منهم ۲۔کلهم پر وقف ہے دونوں صورتوں میں معنیٰ یہ ہیں کہ سب راویوں نے مکمل حدیث مجھے نہیں پہنچائی بلکہ صرف ایک نے مکمل حدیث پہنچائی ہے۔ولک ظهره الی المدینة:۔یہ شرط فی العقد نہیں ہے بلکہ اعارہ بعد البیع ہے۔علی جمل ثقال:۔یہ الفاظ شروع حدیث میں ہیں۔ثقال کے معنیٰ سُست کے ہیں آہستہ چلنے والا۔

باب وکالة الا مرأةالامام فی النکاح

غرض یہ ہے کہ کوئی عورت اگر امام کو اپنا وکیل فی النکاح بنا دے تو جائز ہے۔

باب اذا وکل رجل رجلاً فترک الوکیل شیئاً فاجازه الموکل فهو جائز وان اقرضه الی اجل مسمیً جاز

غرض یہ ہے کہ وکیل اگر مؤکل کی چیز چرانے والے کو چھوڑ دے اور مؤکل بعد میں اجازت دے دے تو جائز ہے۔ایسے ہی وکیل مؤکل کی چیز بطور قرض کسی کو دے دے اور مؤکل بعد میں اجازت دے دے تو جائز ہے۔سوال۔قرضہ کا تو حدیث پاک میں ذکر نہیں ہے جواب

قرضہ دینا مہلت دینے اور چور کو چھوڑ دینے کی طرح ہی ہے اس لئے اُسی پر قیاس فرمالیا وکانوا احرص شئی علی الخیر :۔ا۔کسی راوی کی طرف سے مدرج ہے یعنی صحابہ بھلائی پر بڑے حریص تھے۔۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی کا مقولہ ہے اور اپنے آپ کو غائب سے تعبیر فرمایا بطور صنعت التفات کے۔ **باب اذا باع الوکیل شیئاً فاسداً فبیعہ مردود:۔** غرض یہ ہے کہ وکیل کا ناجائز کام معتبر نہیں ہے۔

باب الوکالة فی الوقف و نفقة دان یطعم صدیقاً له ویا کل بالمعروف

غرض یہ ہے کہ جیسے حقوق العباد میں وکالۃ جائز ہے حقوق اللہ میں بھی جائز ہے اور وکیل تنخواہ بھی لے اور معروف طریقے سے اپنے دوستوں کو کچھ کھلا پلا بھی دے تو جائز ہے۔

باب الوکالة فی الحدود

غرض یہ ہے کہ حدود میں بھی وکالت جائز ہے۔

باب الوکالة فی البدن و تعا هدها

غرض یہ ہے کہ اونٹوں کو لے جانے اور ان کی نگرانی کرنے میں بھی وکالت جائز ہے۔

باب اذا قال الرجل لوکیله ضعه حیث اراک الله وقال الوکیل قد سمعتُ ما قلت

غرض یہ ہے کہ اگر موکل کہہ دے کہ یہ چیز جسے چاہو دو اور وکیل کہہ دے کہ میں نے آپ کی بات سن لی تو پھر بھی وکالت منعقد ہو جاتی ہے۔

باب وکالة الامین فی الخزانة ونحوها

غرض یہ ہے کہ مالی امور میں امین کو وکیل بنانا چاہے۔

ابواب الحرث والمزارعة و ما جاء فیها

غرض مزارعت کے احکام بتلانا ہے۔

باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منه

غرض یہ ہے کہ درخت اور کھیتی میں سے لوگ یا جانور بھی کھا جائیں تو ثواب ہے۔

باب ما یحذر من عواقب الاشتغال بالة الزرع او مجاوزة الحد الذی امر به

غرض یہ ہے کہ کھیتی باڑی میں زیادہ انہماک جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے یا ممنوعہ صورتیں اختیار کرنا بچنے کے قابل ہے۔ سکتہ:۔ہل جس سے کھیتی کرتے ہیں۔ الا ادخلہ الذل:۔یعنی ۱۔کھیتی سے آدمی بادشاہ کے ہاں عزت والا شمار نہیں ہوتا۔۲۔عموماً کھیتی کی وجہ سے جہاد اور علم سے محروم رہ جاتا ہے۔

باب اقتناء الکلب للحرث

غرض یہ ہے کہ کھیتی باڑی کے لئے کتا پالنا جائز ہے اس سے بھی اس بات کی تاکید ثابت ہوئی کہ کھیتی باڑی کا کام جائز ہے کیونکہ کتا پالنا جو مکروہ تھا وہ اسی کی وجہ سے جائز ہو گیا۔

باب استعمال البقر للحراثة

غرض یہ ہے کہ بیل کو کھیتی کے کام کے سوا استعمال نہ کرنا چاہئے۔ آمنتُ بہ:۔یعنی میں ایمان لایا گائے کے بولنے پر۔ یوم السبع:۔ا۔باء کے ضمہ کے ساتھ درندہ کے معنیٰ میں ہے مراد وہ دن ہے اخیر زمانہ میں جب مدینہ منورہ ویران ہو جائے گا اور وہاں درندوں کی ہی حکومت ہوگی۔۲۔باء کے سکون کے ساتھ یہ جگہ کا نام ہے جہاں قیامت قائم ہوگی اس لئے مراد قیامت کا دن ہے۔ آمنت انا وابو بکر وعمر:۔ یہ دونوں حضرات مجلس میں موجود بھی نہ تھے پھر بھی ان کا اس طرز سے ذکر اس پر دلالت کرتا ہے کہ ا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات سے بہت محبت تھی۔۲۔ان دونوں کے فنا فی الشرع ہونے پر پورا اعتماد تھا۔

باب اذا قال اکفنی مؤنة النخل اوغیره و تشر کنی فی الثمر

اذا کا جواب حدیث سے معلوم ہو رہا ہے غرض یہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے کہ تم میرے باغ کی نگرانی کرنا پھل میں میرے ساتھ

شریک ہو جانا اس میں مزارعت والا ہی اختلاف ہے جو عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اقسم بیننا و بین اخواننا النخیل:۔ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ہمارے کھجوروں کے درخت تقسیم فرمادیں یہ اس لئے عرض کیا کہ بیعت العقبہ میں مہاجرین کی امداد کا وعدہ کر چکے تھے۔

باب قطع الشجر والنخل

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے درختوں کا کاٹنا جائز ہے جسے دشمن کو ذلیل کرنا۔ سراۃ بنی لؤی:۔ قریش کے سردار۔
باب: یہ باب ماقبل کا تتمہ ہے کیونکہ اجارہ کی مدت ختم ہونے پر مستجیر کے درخت کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ واما الذہب والفضۃ فلم یکن یومئذ:۔ ان دونوں سونے چاندی کے عوض باغ اور زمین کرایہ پر نہ دیئے جاتے تھے یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ان دنوں میں سونا اور چاندی موجود ہی نہ تھے۔

باب المزارعة بالشطر ونحوه

غرض عقد مزارعت بالشطر وغیرہ کا جواز بیان کرنا ہے امام احمد کے قول کی تائید فرمادی عند احمد وابی یوسف ومحمد جائز ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے وعند ابی حنیفۃ والشافعی و مالک ناجائز ہے ولاحمد روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً عامل اہل خیبر بشطر مایخرج من ثمر اور زرع وللجمہور روایۃ ابی داؤد و مسلم عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً نھی عن المزابنۃ والمحاقلۃ والمخابرۃ والمعاومۃ جواب۔ یہ روایت بھی اور امام ابو حنیفہ کا قول بھی ان صورتوں پر محمول ہے جن میں شروط فاسدہ لگائی گئی ہوں تاکہ احادیث میں تعارض نہ ہو یہی اختلاف مساقاۃ یعنی باغوں کو پھل کے حصہ پر دینے میں ہے۔ لاباس ان یجتنی القطن علی النصف:۔ حضرت حسن بصری فرمارہے ہیں کہ روئی چننا کہ جو چنی جائے آدھی مالک کی آدھی چننے والے کی تو یہ جائز ہے اختلاف یہ ہے کہ عند احمد وفی روایۃ عن الحنفیہ جائز ہے وعند ابی حنیفۃ و مالک وللشافعی ناجائز ہے جواز کی دلیل یہی قول حسن اور جمہور کی دلیل کہ جہالت ہے اجرت کی ترجیح کی ضرورت نہیں کیونکہ حسی فتوے دونوں طرف ہیں۔ لاباس ان یعطی الثوب بالثلث والربع ونحوہ:۔ مذکورہ مسئلہ ہی کی ایک جزئی ہے کہ سوت یعنی دھاگا دینا کپڑا بنانے کے لئے کہ جو کپڑا بنے آدھا تیرا آدھا میرا دونوں قسم کے فتوؤں کی وجہ سے حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں سختی نہیں کرتا۔ ان تکون الماشیۃ علی الثلث اوالربع الی اجل مسمی:۔ حضرت معمر کے نزدیک جائز ہے کہ جانوروں کا مالک کسی کو وکیل بنادے کہ تم میرے جانوروں گھوڑوں وغیرہ کو کرایہ پر دیا کرو جو کرایہ آئے آدھا تمہارا آدھا میرا جمہور کے نزدیک جہالت کی وجہ سے ناجائز ہے حضرت معمر کی دلیل قیاس ہے مزارعت وغیرہ پر جواب وہاں تعامل وضرورت ہے ان میں ایسا نہیں ہے اور قول جمہور ہی میں احتیاط ہے۔

باب اذالم یشترط ایسنن فی المزارعة

غرض یہ ہے کہ اگر مزارعت کی مدت بھی مقرر نہ کرے تو پھر بھی جائز ہے لیکن جمہور کے نزدیک ناجائز ہے جہالت کی وجہ سے۔

باب تتمہ سے ماقبل کا ای عمرو

یعنی یاعمرو۔

باب المزارعة مع الیہود

غرض یہ ہے کہ عقد مزارعت میں اتحاد ملت شرط نہیں ہے۔

باب مایکرہ من الشروط فی المزارعة

غرض مفسد شرطوں کی کراہت وقباحت کا بیان ہے۔ حقلا:۔ ای زرعاً۔

باب اذا زرع بمال قوم تعبیر اذنہم وکان فی ذلک صلاح لہم

غرض یہ ہے کہ کسی کا مال لے کر کھیتی کرے اس کی اجازت کے بغیر جس سے اس کو فائدہ ہو جائے تو یہ جائز ہے اور کھیتی اس کی ہوگی جس کا بیج ہوگا۔ سعیت:۔ یعنی دوسرے شخص کی دعاء میں بغیت کی جگہ سعیت ہے۔

باب اوقاف اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وارض الخراج و مزارعتهم ومعاملتهم

غرض صحابہ کی کھیتی باڑی وغیرہ کا ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا حصہ وقف کر دیا گیا تھا اور باقی صحابہ میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ لولا آخر المسلمین ما فتحت قریۃ الا قسمتھا بین اھلھا: حضرت عمر مزارعت پر دیتے تھے تا کہ رقم بیت المال کے ذریعہ سب مسلمانوں کو پہنچے فرمایا اگر ان مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا۔ من احیا ارضاً مواتا: غرض جمہور کے قول کی تائید ہے عند امامنا ابی حنیفہ بے آباد زمین کو آباد کر کے مالک بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ امام کی طرف سے اجازت ہو و عند الجمہور اذن امام شرط نہیں ہے۔ ولنا۔ ۱- فی الطبرانی عن معاذ مرفوعاً لیس للمرء الا ما طابت بہ نفس امامہ ۲- زمین غنیمت کا حصہ ہے اس لئے مال غنیمت کی طرح اس میں بھی اذن امام شرط ہے۔ ۳- روایۃ ابی داؤد عن الصعب بن جثامۃ مرفوعاً لا حمی الا للہ ولرسولہ وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن سعید بن زید مرفوعاً من احیی ارضاً میتۃ فھی لہ جواب آپ کی روایت اذن امام سے ساکت ہے ہماری ناطق ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔

باب: یہ تتمہ ہے کیونکہ اس میں یہ مقصود ہے کہ معرس ارض موات نہیں ہوتا کیونکہ اس میں مسافر آرام کرتے ہیں۔

باب اذا قال رب الارض اقرک ما اقرک الله ولم یذکر اجلا معلوماً فهما علی تراضیهما

غرض اس مسئلہ کی ایک صورت بتلانی ہے کہ مزارعت میں مدت بیان کرنی ضروری نہیں۔ اختلاف عن قریب گزر چکا ہے۔

باب ما کان من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یو اسی بعضهم بعضاً فی الزراعة والثمرة

غرض یہ ہے کہ مزارعت سے ممانعت کی احادیث میں نہی ہمدردی پر مبنی ہے اس لئے تنزیہی ہے بما فلکم:۔ کھیت اوا مسکوا:۔ یہ وعید ہے مقصود پہلے دونوں امر ہیں کہ خود کھیتی کر دیا دوسرے کو مفت کھیتی کے لئے دے دیا کرو ورنہ پھر رک جاؤ یعنی کچھ نہ کرو اور یہ سب کچھ بھی تنزیہی کے درجہ میں ہے سمعاً وطاعۃً:۔ دونوں منصوب ہیں اسمع کلامک سمعاً واطیعک طاعۃ۔ ۲- دونوں مرفوع کلامک سمع ای مسموع وامرک طاعۃ ای مطاع او انت طاعۃ ای مطاع یہ حمل مبالغۃً ہے جیسے زید عدل میں ہے۔ بما علی الاربعاء:۔ جمع ہے ربیع کی بمعنی نہر یعنی ممانعت شروط فاسدہ کی بناء پر تھی۔ فترک کراء الارض: یہ ان کی احتیاط تھی۔

باب کراء الارض بالذهب والفضة

غرض یہ ہے کہ سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینا جائز ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ باب غرض اس باب سے یہ ہے کہ بھی جو مزارعت سے ہے کہ کھیتی باڑی عزت کا کام نہیں ہے یہ صرف تنزیہی ہے ورنہ جنت میں کھیتی باڑی کیوں ہوتی۔

فبادر الطرف:۔ ۱- آنکھ کے دیکھنے سے بھی پہلے اُگ آئی ای بادر لحظ الطرف۔ ۲- بادر حرکۃ الطرف آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے اُگ آئی۔

باب ماجاء فی الغرس

غرض یہ ہے کہ پودے لگانا مستحب ہے کیونکہ یہ رزق حلال کا ذریعہ ہے۔ شحم چربی پگھلانے سے پہلے۔ ودک:۔ چربی پگھلانے کے بعد۔

کتاب المساقاة

غرض مساقاۃ کے احکام بتلانا ہے۔ سوال۔ ابواب زیادہ تر شرب کے اور احیاء موات کے رکھے ہیں۔ جواب۔ لغوی معنیٰ لئے پانی پلانا اور اصطلاحی معنیٰ ہیں درختوں کو دینا کہ حفاظت وغیرہ کرو پھل آدھا آدھا یا جتنا طے کر لیں حاصل یہ ہے کہ مساقاۃ باغ میں ایسے ہی ہے جیسے مزارعت کھیتی میں ہے اختلاف بھی وہی جو مزارعت میں ہے۔

باب فی الشرب

یہ باب بمنزلہ کلی کے ہے اس کے بعد جزئیات ہیں۔ غرض شرب

یعنی پانی کے حصہ کے احکام بتلاتے ہیں۔ ومن رای صدقۃ الماء وھبتہ ووصیتہ جائزۃ غرض اس شخص کا رد ہے جو فرماتے ہیں کہ پانی کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ فشرب منہ:۔ اس واقعہ میں بھی پانی میں حق ثابت ہوا اور یہی باب کا مقصد تھا۔ وشیب لبنھا بماء:۔ معلوم ہوا کہ دودھ کی طرح پانی میں بھی حق ہوتا ہے۔

باب من قال ان صاحب الماء احق بالماء حتیٰ یروی

غرض یہ ہے کہ جو پانی سے قریب ہے اس کو سیراب کرنے کا حق پہلے ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے اور اس کی ضرورت میں خود پینا بال بچوں کو پلانا جانوروں اور کھیتی کو سیراب کرنا بھی داخل ہے۔ لایمنع فضل الماء:۔ فضل الماء سے پہلے صاحب ماء کا حق ہے اس لئے اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ باب والا ثابت ہوگیا۔

باب من حفر بئرا فی ملکہ لم یضمن

غرض یہ ہے کہ اپنی زمین میں کسی نے کنواں کھودا اس میں کوئی گر کر مر گیا تو کنواں والا ضامن نہ ہوگا اصل مقام تو اس مسئلہ کا کتاب الدیات ہے لیکن کنویں کے ذکر کے تبعاً یہاں بیان فرمادیا۔

باب الخصومۃ فی البئر والقضاء فیھا

دو غرضیں ہیں۔ ۱- کنویں میں خصومت اور قضاء جائز ہیں۔ ۲- اشارہ کرنا ہے کہ کنواں مملوک ہوتا ہے

باب اثم من منع ابن السبل من الماء

غرض یہ ہے کہ مسافر کو پانی سے روکنا حرام ہے۔

باب سکر الانھار

دو غرضیں ہیں۔ ۱- دریا کا پانی جس میں انسان کے بنانے کا اور کھودنے کا دخل نہیں ہے اس کو ضرورت سے زائد روکنا جائز نہیں ہے۔ ۲- بقدر ضرورت پانی روکنا جائز ہے۔ فغضب الانصاری فقال ان کان ابن عمتک:۔ تین توجیہیں ہیں۔ ۱- منافق تھا اور انصاری کہنا صرف اس لئے تھا کہ انصار کے قبیلہ سے تھا۔ ۲- یہودی تھا۔ ۳- مسلمان بدری تھا یہ جو کچھ کہا یہ غلبہ بشریت کی وجہ سے تھا جیسے غزوہ حنین کے بعد بعض نوجوان انصار سے صادر ہوگیا۔ یغفر اللہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی قریشا ویترکنا وسیوفنا تقطر من دمائھم جیسا کہ مغازی کی روایات میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں شرمندہ ہوئے اور توبہ کی جب معلوم ہوگیا کہ ضرورت دینیہ کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔

باب شرب الاعلی قبل الاسفل

غرض یہ بتانا ہے کہ پانی سے قریب والے کا حق زیادہ ہے اور پہلے ہے۔

باب شرب الاعلیٰ الی الکعبین

غرض یہ ہے کہ قریب والے کو پورا سیراب کرنے کا حق حاصل ہے۔

باب فضل سقی الماء

غرض یہ بتلانا ہے کہ پیاسے کو پانی پلانے کا بڑا ثواب ہے۔ ای رب وانا معھم:۔ استفہام کا ہمزہ محذوف ہے جو اظہار تعجب کے لئے ہے۔

باب من رای ان صاحب الحوض والقربۃ احق بماءہ

غرض یہ ہے کہ حوض والے اور مشکیزہ والے کا زیادہ حق ہے۔ فاعطاہ ایاہ:۔ اسی طرح حوض کھودنے والے کا زیادہ حق ہے یعنی صاحب یمین پر حوض کھودنے والے کو قیاس فرمایا۔ ولا حق لکم فی الماء:۔ یہی محل ترجمہ ہے کہ احاطہ کرنے سے ان کا حق بن گیا۔ لاحمی الا للہ ولرسولہ:۔ اذن امام کے بغیر چراگاہ کی تخصیص کسی شخص کے لئے نہیں ہوسکتی۔

باب شرب الناس وسقی الدواب من الانھار

انسانی دخل کے بغیر جاری ہونے والے دریاؤں سے پانی پینے کے لئے بالاجماع کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

باب بیع الحطب والکلاء

غرض یہ ہے کہ لکڑیوں کی اور گھاس کی بیع جائز ہے۔ سوال پانی کے

بابوں میں لکڑیوں اور گھاس کی بیع کا کیوں ذکر فرمایا جواب یہ دونوں اس بات میں پانی کی طرح ہیں کہ ہر شخص کو قبضہ کر کے مالک بننے کی اجازت ہے جیسے پانی برتن میں ڈالنے سے ملک میں آجاتا ہے ایسے ہی لکڑیاں چن لینے سے اور گھاس کھود لینے سے ملک میں آجاتا ہے۔ سوال۔ پھر تو زمین کا مالک بننے میں بھی اذن امام کی ضرورت نہ ہونی چاہئے جواب پانی لکڑیوں اور گھاس میں تو اذن عام ہے۔ زمین میں اذن امام ہے جیسا کہ احیاء موات کے اختلاف میں گذر گیا اس لئے۔ دونوں میں فرق ہے۔ **للشُرُ ف**:۔ جمع ہے شارف کی جوان اونٹنی۔ **النواء**:۔ جمع ہے ناویۃ کی موٹی **باب القطائع**:۔ یہ جمع ہے قطیعہ کی قطیعہ کا حکم بیان فرمانا مقصود ہے اس کے معنیٰ ہیں ما اقطعہ الامام لاحد پھر اس کی دو قسمیں ہیں ۔۱۔ امام مالک بنادے ۔۲۔ ایک مدت کے لئے نفع اٹھانے کی اجازت دے دے اور رقبہ کا مالک نہ بنائے بلکہ بیت المال ہی کی رہے۔ **باب کتابۃ القطائع** قطیعہ کے حساب کو لکھ لینا بھی مستحسن ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے لکھنے کا فائدہ نزاع سے بچنا ہے۔

فلم یکن ذلک عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم:۔۱۔ آپ نے انصار کی اس بات کو پسند نہ فرمایا۔۲۔ آپ کے پاس اتنے قطائع نہ تھے کہ مہاجرین میں بھی تقسیم فرماتے کیونکہ ابھی فتوح کم ہوئی تھیں

باب حلب الابل علی الماء

غرض یہ ہے کہ مستحب ہے کہ اونٹنیوں کا دودھ پانی پر لے جا کر نکالا جائے تاکہ وہاں جو فقراء اسی مقصد کے لئے جمع ہیں ان کو کچھ دیا جاسکے۔

باب الرجل یکون له ممر او شرب فی حائط او فی نخل

غرض یہ ہے کہ جس کا حق راستہ کا یا پانی کا کسی کھجوروں کے باغ یا دوسرے باغ میں ہو تو کوئی دوسرا شخص اس حق کو ختم نہیں کر سکتا۔ **فللبائع الثمر**:۔ یہ امام بخاری کی کلام ہے۔

کتاب فی الاستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس

غرض ان چاروں کے احکام بتلانے ہیں۔ تفلیس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ۔۱۔ اس کے پاس فلس نہیں ہوتے اس لئے حاکم دائنین کو منع کرتا ہے کہ اس سے مطالبہ فی الحال نہ کرو۔۲۔ اس کا مال سونے چاندی سے فلوس کی طرف چلا جاتا ہے۔ پھر زیادہ تعلق کی وجہ سے ان چاروں مسئلوں کو اکٹھا بیان فرما دیا۔

باب من اشتری بالدین ولیس عنده ثمنه اولیس بمحضرته

غرض یہ ہے کہ ادھار خریدنا بھی جائز ہے۔ قیمت نہ ہو یا قیمت ساتھ نہ ہو گھر میں ہو اور یہی صورت آخری اس باب کی حدیث میں ہے۔

باب من اخذ اموال الناس یرید اداءها او اتلافها

غرض یہ ہے کہ قرضہ لینا ادا کرنے کے لئے جائز ہے اور نہ ادا کرنے کی نیت سے ناجائز ہے۔

باب اداء الدیون

غرض یہ ہے کہ قرضہ لے کر واپس ادا کرنا واجب ہے۔

باب استقراض الابل:۔ غرض یہ کہ اونٹوں کا قرضہ جائز ہے تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب حسن التقاضی

غرض یہ کہ اچھے طریقے سے قرضہ مانگنا مستحب ہے۔

باب هل یعطیٰ اکبر من سنه

غرض یہ ہے کہ قرضہ میں اصل چیز سے بہتر دینا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

باب حسن القضاء

غرض یہ ہے کہ اچھے طریقہ سے قرضہ واپس کرنا مستحب ہے۔

باب اذا قضی دون حقه او حلّله فهو جائز

غرض یہ کہ دائن پورا حق یا کچھ حصہ معاف کر دے تو یہ جائز ہے۔

باب اذا قاص او جازفه فی الدین

غرض یہ ہے کہ قرضے کے بدلے قرضہ معاف کر دینا جائز ہے

اور دین معاف کرنے میں دین کی مقدار پوری پوری معلوم نہ بھی ہوتو معاف کرنا صحیح ہے۔ بیع میں اٹکل ٹھیک نہیں۔

باب من استعاذ من الدین

غرض یہ ہے کہ دین سے پناہ پکڑنی مستحب ہے اور اصل پناہ پکڑنا دین کے بُرے آثار سے ہے۔

باب الصلوٰة علی من ترک دینا

غرض یہ ہے کہ نفس دین میں خرابی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے بُرے آثار میں ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مدیون میت پر نماز پڑھنی چھوڑ دی تھی پھر شروع فرما دی معلوم ہوا کہ نفس دین میں خرابی نہیں ہے۔

باب مطل الغنی ظلم

غرض اس حدیث کا بیان ہے مطل الغنی ظلم۔

باب لصاحب الحق مقال

غرض یہ ہے کہ صاحب حق اگر مانگنے میں تھوڑی سی سختی بھی کرے تو اس کے لئے گنجائش ہوتی ہے۔

باب اذا وجد ماله عند مفلس فی البیع والقرض والودیعة فهو احق به

غرض جمہور کی تائید کرنی ہے بیع اور قرض میں کہ صاحب حق اپنا حق مفلس سے بھی لے سکتا ہے جبکہ اپنی ہی چیز کو پالے وعندا منا ابی حنیفۃ وہ بائع اور دائن جس نے بعینہ اپنی ہی چیز مفلس کے پاس پائی ہے باقی غرماء اور دائنین ہی کے برابر ہے البتہ ودیعت میں بالاتفاق مالک زیادہ حق دار ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن ابی ہریرة مرفوعاً من ادرک ماله بعینه عندرجل اوانسان قد أفلس فهو احق به من غیره جمہور اور امام بخاری کے نزدیک یہ عموم پر محمول ہے اور حنفیہ اور امام طحاوی کے نزدیک امانات پر محمول ہے مرجح قول ہے حضرت علی کا جو عینی میں منقول ہے اور ابن حزم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے انه (ای البائع) اسوة الغرماء۔ هذا الاسناد کلهم کانوا علی القضاء۔ عجیب نکتہ بیان فرما دیا کہ اس حدیث کے چھ راوی مدینہ منورہ کے قاضی رہے ہیں۔

باب من اخر الغریم الی الغدا ونحوه ولم یرذلک مطلا

غرض مطل کے معنیٰ بیان کرنے ہیں کہ ایک دو دن کی دیر کو مطل نہیں کہا جاتا۔

باب من باع مال المفلس اوالمعدم فقسمه بین الغرماء اواعطاه حتی ینفق علی نفسه

غرض یہ کہ حاکم اگر مناسب سمجھے تو مفلس کا مال بیچ کر خود غرباء میں تقسیم کر دے یا اُسی مدیون کو دے دے کہ وہ تقسیم کر دے اور بقدر ضرورت خود بھی اپنے آپ پر خرچ کرلے تو یہ جائز ہے۔

باب اذا اقرضه الی اجل مسمّی او اجله فی البیع

غرض یہ ہے کہ بیع اور قرضہ دونوں میں مدت مقرر کرنا صحیح ہے مدت پوری ہونے سے پہلے بائع اور دائن مطالبہ نہیں کر سکتے اس مسئلہ میں امام مالک والشافعی کی تائید فرمائی وعندامامنا ابی حنیفۃ واحمد بیع میں تو مدت مقرر کرنی ٹھیک ہے لیکن قرضہ میں ٹھیک نہیں۔ اگر مقرر کی ہے تو اس سے پہلے بھی مانگنے کا حق حاصل ہے۔ منشاء اختلاف زیر بحث حدیث ہے عن ابی ہریرة مرفوعاً سال بعض بنی اسرائیل ان یسلفه فدفعها الیه الی اجل مسمّٰی ہمارے نزدیک یہ استحباب پر اور ان کے نزدیک وجوب پر محمول ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ قرضہ تبرع محض ہے اس میں مطالبہ سے روکا نہیں جاسکتا۔

باب الشفاعة فی وضع الدین

غرض یہ ہے کہ قرضہ معاف کرنے میں شفاعت جائز ہے۔

فاخبرتُ خالی ببیع الجمل فلا منی

کیوں ملامت فرمائی مختلف توجیہیں ہیں۔ ا۔تم نے بیع

کیوں کی ہبہ کیوں نہ کر دیا۔۲۔ عیب والا اونٹ کیوں بیچا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی۔۳۔ جب تم خود جمل کے محتاج تھے تو بیچنا مناسب نہ تھے۔

باب ما ینھی عن اضاعة المال...... الی قوله...... والحجر فی ذلک و ما ینھی عن الخداع

غرض تین باتیں بیان فرمائی ہیں۔۱۔ اسراف کی قباحت۔۲۔ اسراف کرنے پر قاضی اگر حجر کر دے اور اس کے تصرفات ختم کر دے کہ اب اس کی قباحت۔۲۔ اسراف کرنے پر قاضی اگر حجر کر دے اور اس کے تصرفات ختم کر دے کہ اب اس کو تصرف فی المال کی اجازت نہیں ہے تو ٹھیک ہے یا نہ اب اجازت رہے گی یا نہ رہے گی۔۳۔ دھوکہ دینے کی قباحت۔ پھر اس دوسرے مسئلہ میں امام بخاری بظاہر حنفیہ ہی کا قول لے رہے ہیں عندامامنا ابی حنیفۃ حجر نہ کیا جائے گا وعند الجمہور کیا جائے گا ولنا۔۱۔ حجر کرنا تو ایک انسان کو انسانیت سے نکالنا ہے۔۲۔ حدیث الباب عن ابن عمر مرفوعاً اذا بایعت فقل لا خلابۃ۔ حجر نہ فرمایا باوجود موقعہ اسراف کے اور سکوت موضع بیان میں بیان ہوتا ہے۔ صرف خیار شرط کا مشورہ عنایت فرمایا معلوم ہوا کہ ایسے موقعوں میں حجر نہ ہونا چاہئے۔ وللجمہور۔۱۔ روایۃ ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ ان رجلاً اعتق غلاماً لہ عن دبر منہ ولم یکن لہ مال غیرہ فامر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبیع بسبع مائۃ معلوم ہوا کہ اُس تدبیر کرنے والے کے تصرف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑ دیا اور یہی حجر ہے۔ جواب یہ فسخ تدبیر نہ تھی بلکہ بیع خدمت تھی اُس مدبّر کو اجارہ پر دیا تھا اور یہ حجر نہیں ہے۔۲۔ اسی باب کی دوسری روایت عن المغیرۃ بن شعبۃ مرفوعاً ان اللہ حرم علیکم عقوق الامھات ووأد البنات و منع وھات و کرہ لکم قیل وقال و کثرۃ السؤال واضاعۃ المال جب اسراف کی مذمت ہے تو اسراف سے روکنے کے لئے حجر بھی ضروری ہے۔ جواب اس سے تو الٹا حجر کی نفی ہوتی ہے کہ اسراف کی مذمت بیان فرمائی اور حجر کا ذکر نہ فرمایا اگر حجر ثابت ہوتی تو یہاں ضرور مذکور ہوتی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ سکوت موضع بیان میں بیان ہوتا ہے۔

باب العبد راع فی مال سیدہ ولا یعمل الا باذنہ

غرض یہ ہے کہ نگران کے ذمہ نگرانی ضروری ہے عبد کے ذمہ سید کے مال کی نگرانی اور حفاظت ضروری ہے۔

فی الخُصومات

غرض جھگڑوں اور عدالت کے کاموں کا ذکر ہے۔

باب الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیھودی

غرض عدالت میں حاضر کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ خصومت میں اتحادِ ملت ضروری نہیں ہے۔ لاتخیرونی علی موسیٰ علیہ السلام:۔ مختلف توجیہات ہیں۔۱۔ ایسے طریقہ سے میری فضیلت نہ بیان کرو کہ موسیٰ علیہ السلام کی توہین ہو۔۲۔ ایسے طریقہ سے میری فضیلت نہ بیان کرو کہ جھگڑا شروع ہو جائے۔۳۔ تواضعاً فرمایا اور تواضع سے بڑے کی بڑائی کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔۴۔ خصوصیت جو موسیٰ علیہ السلام کو ملی ہے اس میں مجھے بڑا نہ کہو ہر نبی کو کوئی نہ کوئی جزئی خصوصیت دی جاتی ہے۔۵۔ یہ ارشاد اُس زمانہ کا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی افضلیت کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ سب نبیوں اور پوری مخلوق سے افضل ہیں۔ فان الناس یصعقون یوم القیامۃ نفخہ اُولیٰ کے وقت غیر انبیاء علیہم السلام پر موت یا بے ہوشی ہوگی اور انبیاء علیہم السلام پر بے ہوشی ہوگی اور اُس وقت دُنیا میں جو زندہ ہوں گے ان پر موت طاری ہو گی۔ اور دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

باب من رد امر السفیہ والضعیف العقل وان لم یکن حجر علیہ الامام

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے جائز ہے کہ سفیہ کے تصرف کو رد کر دے اگرچہ تصرف سے پہلے حجر نہ کیا ہو۔ یذکر عن جابر:۔ اس سے مراد وہی روایت ہے جو پیچھے گذری کہ محتاج نے مدبر بنا

دیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع فرمائی اس روایت میں بیع مدبر اور حجر مذکور ہے دونوں کی تفصیل گذر چکی ہے۔ **ولم یا خذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالہ**:۔ معلوم ہوا کہ حجر نہ ہونا چاہئے۔

باب كلام الخصوم بعضهم في بعض

غرض یہ ہے کہ قاضی کے پاس بقدر ضرورت غیبت کی گنجائش ہوتی ہے اور اس میں تعزیر نہیں ہے۔ **ان القران انزل علی سبعۃ احرف**:۔ اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ ۱۔ سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ پہلے آسانی کے لئے سات لغات میں قرآن پاک پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی پھر جب سب نے لغت قریش میں پڑھنا سیکھ لیا تو باقی لغات میں پڑھنا منسوخ ہو گیا اور صرف لغت قریش باقی رہ گئی اور سات متواتر اور تین مشہور قرآئتیں اور ہر ایک کی دو دو روایتیں کل بیس روایتیں اور ہر ایک روایت کے چار چار طرق کل ۸۰ طرق یہ سب لغت قریش ہی میں ہیں۔ قرآن پاک کو اب بھی ۸۰ طرق سے نماز میں بھی اور باہر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ سب کے سب محفوظ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر یا شہرت کے درجہ میں ثابت ہیں اور شہرت کے درجہ سے بھی قرآن پاک ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ سات لغات جو منسوخ ہو گئیں اور اُن سے صرف ایک لغت رہ گئی وہ سات یہ ہیں۔ قریش ثقیف۔ طئی ہوازن۔ ہزیل۔ یمن۔ تمیم اس راجح قول کے علاوہ چند اہم قول یہ ہیں۔ ۲۔ قریش کے سات شعبوں جن کو بطون قریش کہتے ہیں ان کی لغات مراد ہیں۔ ۳۔ سات قرآئتیں۔ ۴۔ سات اقلیمیں مراد ہیں کہ قرآن پاک کا حکم سات اقلیموں پر ہے۔ یعنی ساری دُنیا پر ہے پرانے اہل ہیئت نے موسم کے لحاظ سے دنیا کو یعنی دنیا کے آباد حصہ کو جس کو ربع مسکون کہتے ہیں سات لمبے لمبے حصوں میں تقسیم کیا تھا ہر حصہ کو اقلیم کہتے تھے۔ ۵۔ قرآن پاک میں سات قسم کے معانی ہیں۔ امر۔ نھی۔ امثال۔ وعدہ۔ وعید۔ قصص۔ موعظہ۔ ۶۔ قرآن پاک میں سات قسم کے معانی ہیں۔ امر نھی۔ امثال۔ حلال حرام۔ محکم۔ متشابہ۔

باب اخراج اهل المعاصي والخصوم من البيوت بعد المعرفة

غرض یہ ہے کہ اہل معاصی کو جان لینے کے بعد گھروں سے نکال دینا بطور سزا کے جائز ہے اور مسند مرفوع حدیث پاک میں جلانا مذکور ہے جو نکالنے ہی کی طرح ہے۔

باب دعوى الوصي للميت

غرض یہ ہے کہ وصی کے لئے دعویٰ کرنا میت کے حق میں جائز ہے جیسے بھتیجا ہونے کا اور بھائی ہونے کا دعویٰ حدیث میں مذکور ہے۔

باب التوثق ممن تخشى معرّته

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ جس شخص سے معرّہ یعنی فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو اس کو قید کر دینا یا پاؤں میں زنجیر ڈال دینا جائز ہے توثق کے معنیٰ یہاں قید کرنے اور پاؤں میں زنجیر ڈالنے کے دونوں صحیح ہیں۔

باب الربط والجس في الحرم

غرض یہ ہے کہ حرم میں بھی قید کرنا اور ستون وغیرہ سے باندھ دینا جائز ہے اور اس میں رد ہے حضرت طاؤس کے قول کا جو فرماتے تھے کہ بیت الرحمۃ یعنی مکہ مکرمہ میں جیل خانہ جو بیت العذاب ہے نہ ہونا چاہئے جواب یہ ہے کہ حدیث سے مدینہ منورہ میں مسجد کے ستون سے باندھنا ثابت ہے اور حرم مکہ مثل حرم مدینہ کے ہے۔ اس لئے جائز ہے اور قیاس محض کی وجہ سے حدیث کو چھوڑا نہیں جا سکتا خصوصاً جب کہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے عمل سے بھی تائید حدیث کی ہو گئی۔

باب في الملازمة

غرض یہ ہے کہ مدیون وغیرہ کیساتھ ساتھ رہنا بھی جائز ہے قال اللہ تعالیٰ **الا مادمتَ علیه قائما**. **بالتقاضی**:۔ غرض یہ ہے کہ اپنا حق مانگنا جائز ہے۔

كتاب اللقطة

غرض لقطہ کے احکام بتلانا ہے۔

باب اذااخبره رب اللقطة بالعلامة دفع اليه

غرض یہ ہے کہ علامت بتانے پر دیانۃً دینا جائز ہے اور واجب اس وقت ہوتا ہے جب قاضی کے سامنے بینہ سے ثابت کرے۔
اختلاف:۔عندامامنا ابی حنیفۃ لقطہ اٹھانے والا اگرغنی ہے تو تعریف کے بعد خود استعمال نہیں کرسکتا وعندالجمہور کرسکتا ہے منشاء اختلاف حضرت ابی بن کعب کا ہمارے نزدیک فقیر ہونا اور جمہور کے نزدیک غنی ہونا ہے۔راجح فقیر ہونا ہی ہے کیونکہ ابوداؤد میں حضرت ابوطلحہ کا حضرت ابی بن کعب پر اپنے باغ کی خیرات کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے مذکور ہے معلوم ہوا کہ وہ فقیر تھے دوسری وجہ ترجیح کی ہمارے پاس یہ بھی ہے کہ لقطہ میں اصل مقصود مالک تک وہ چیز اور نہ ملنے کی صورت میں اس چیز کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ فقیر پر صدقہ کرنے سے ہی ہوسکتا ہے۔اس سے بھی قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت ابی بن کعب فقیر ہی ہوں گے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لقطہ خود استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی

باب ضالة الابل

غرض یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ اونٹ کو نہ پکڑے لیکن یہ امن کے زمانہ میں تھا کاتب الحروف کے زمانہ میں ۱۴۱۱ھ میں جو کہ فتنہ کا زمانہ ہے پکڑ لینا ہی مناسب ہے کیونکہ غلط آدمی اونٹ کو بھی ہضم کرجاتے ہیں۔عفاصھا:۔وعائھا برتن

باب ضالة الغنم

غرض یہ ہے کہ بکری کو پکڑ لینا مستحب ہے کیونکہ اس کی ہلاکت کا خوف غالب ہے۔

باب اذا لم يوجد صاحب اللقطة بعد سنة فهي لمن وجدها

اس باب کی غرض میں دو تقریریں ہیں۔ا۔ایک سال کے بعد ملتقط مالک بن جائے گا غنی ہو یا فقیر ہو تعریف کی ہو یا نہ کی ہو اور یہ مذہب داؤد ظاہری کا ہے اور شوافع میں سے امام کرابیسی کا ہے جمہور فقہاء کے نزدیک اگر موجود ہو تو واپس کرنا ضروری ہے ورنہ قیمت واجب ہے ولنا حدیث الباب عن زید بن خالد مرفوعاً فان جاء صاحبھا والافشانک بھی ولداؤد والکرابیسی آئندہ باب کی روایت عن ابی ہریرۃ مرفوعاً فاذا ھو بالخشبۃ فاخذھا لاھلہ حطباً جواب۔معمولی چیز میں گنجائش ہوتی ہے ہر چیز کا یہ حکم نہیں ہے۔۲۔باب کی غرض میں دوسری تقریر یہ ہے اگر سال بھر گذرنے پر بھی مالک نہ آئے تو اُس چیز سے نفع اٹھالے اس غرض کی تقریر کی تائید آئندہ ایک باب سے ہوتی ہے جس میں یوں ہے

باب اذا جاء صاحب اللقطة بعد سنة ردهااليه لا نها وديعة عنده انتهىٰ

اس دوسری تقریر پر جمہور کے قول سے مخالفت نہ رہی۔

باب اذا وجد خشبة في البحر اوسوطا اونحوه

غرض میں تین تقریریں ہیں۔ا۔ظاہر یہ غرض ہے کہ سمندر کی لکڑی وغیرہ پائے تو مالک بن جائے گا اور جمہور کے نزدیک سمندر کی چیز بھی خشکی کی چیز کی طرح ہی ہے اگر قیمت والی چیز ہوگی تو لقطہ ہوگی بے قیمت ہو تو استعمال کرلے۔۲۔ایک سال اگر مالک نہ آئے تو سمندر سے ملنے والی چیز کا مالک بن جائے گا۔۳۔ایک سال کے بعد مالک نہ ملا تو پھر استعمال کرلے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

باب اذا وجدتمرة في الطريق

غرض یہ ہے کہ کھجور کے ایک دانہ کی تعریف نہیں ہے لیکن ہاشمی اور سید اس کو کھانے سے بچے کہ شاید صدقہ واجبہ ہو زکوٰۃ عشر وغیرہ جو ہاشمی اور سید کے لئے جائز نہیں ہے۔کیف تعرف لقطۃ اہل مکۃ:۔غرض کی تین تقریریں ہیں۔ا۔مکہ مکرمہ کے لقطہ کی تعریف کی زیادہ تاکید ہے۔۲۔حرم کے لقطہ کا کوئی مالک نہیں بن سکتا اور یہی مسلک امام شافعی کا ہے وعندالجمہور لقطہ حرم اور غیر حرم کا ایک جیسا ہے۔منشاء اختلاف اس باب کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً ولا تحل لقطتھا الالمنشد ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ۔ا۔تاکید کے

سوا کوئی زائد حکم ارشاد نہیں فرمایا۔۲۔ کوئی بھی مالک نہ بن سکے نہ غنی۔ نہ فقیر تو اس صورت میں خراب ہونے والی چیز ضائع ہو جائے گی جو اسراف ہے۔۳۔ تیسری تقریر غرض کی یہ ہے کہ امام بخاری اس شخص کا رد فرمانا چاہتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حرم کا لقطہ نہ اٹھایا جائے خود مالک ہی آ کر اٹھائے گا حدیث میں الا لمنشد سے رد ہو گیا۔

باب لا تحلب ما شیة احد بغیر اذن

کسی کی بکری گائے اونٹنی وغیرہ کا دودھ بلا اجازت نکالنا جائز نہیں ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے پھر لفظ ماشیہ بکری۔ گائے اور اونٹنی تینوں پر بولا جاتا ہے اور زیادہ استعمال بکری پر ہوتا ہے۔

باب اذا جاء صاحب اللقطة بعد سنة ردها علیه لا نها و دیعة عنده

غرض یہ ہے کہ اگر سال کے بعد بھی مالک آجائے تو مالک کو دیا جائے گا سوال پیچھے دو باب ایسے گذرے ہیں جو اس باب کے خلاف ہیں جواب اُن بابوں کی اغراض میں راجح وہی توجیہات ہیں جو اس باب کے بھی مطابق ہیں اور جمہور کے قول کے بھی مطابق ہیں گویا اس باب نے اُن دونوں بابوں کی وضاحت کر دی۔

باب هل یا خذ اللقطة و لا یدعها تضیع حتیٰ لا یا خذ ها من لا یستحق

غرض یہ ہے کہ لقطہ اٹھائے یا نہ اٹھائے افضل کیا ہے یہ رائے مبتلیٰ بہ پر ہے۔

باب من عرّف اللقطة و لم یدفعها الی السلطان

غرض رد کرنا ہے امام اوزاعی کے قول کا جو فرماتے ہیں کہ زیادہ قیمتی ہو تو بادشاہ تک پہنچائے ورنہ خود تعریف کرے۔ باب۔ تتمہ ہے ماقبل کا کہ بکری وغیرہ کا دودھ بھی لقطہ ہی کی طرح ہے اسی لئے حضرت ابو بکر نے راعی سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں جب مالک کا پتہ چل گیا کہ وہ ہمارا واقف ہے تو اُس وقت ایک بکری کا دودھ لیا کیونکہ مالک کی ولالتہً اجازت تھی۔ کُثبة من لبن:۔ اس کے معنیٰ۔۱۔ ایک دفعہ جتنا دودھ نکلتا ہے۔۲۔ تھوڑا سا دودھ۔۳۔ ایک پیالہ دودھ۔ علیٰ فمها خرقة:۔ یہ مستحسن نظافت تھی۔

ابواب المظالم و القصاص

غرض ظلم کی مذمت اور بدلہ لینے کے جواز کے احکام بتلانا ہے۔

باب فی المظالم و الغصب

غرض یہ ہے کہ غصب بھی ظلم میں داخل ہے۔

باب قصاص المظالم

غرض یہ ہے کہ قیامت کے دن سب ظلموں کا بدلہ دینا ہوگا۔ فیتقاصّون مظالم کانت بینهم فی الدنیا:۔ مراد چھوٹے ظلم ہیں جو صغیرہ گناہ کے درجہ میں تھے لا حدهم بمسکنه فی الجنة ادل بمنزله فی الدنیا:۔ کیوں جنت کا گھر جلدی پہچان لیں گے وجہ میں چار تقریریں ہیں۔۱۔ وہاں پہچاننا بداهةً ہوگا جبکہ یہاں پہچاننا اسباب کے ذریعہ سے ہے۔۲۔ قبر میں صبح و شام یہ گھر دکھایا جاتا تھا۔ ۳۔ فرشتوں کی رہنمائی میں پہچاننا آسان ہوگا۔۴۔ روحیں سب مومنین کی ایک روایت کے مطابق مرتے ہی جنت میں چلی جاتی ہیں قیامت بعد مع الابدان جائیں گی اس لئے پہچاننا بالکل آسان ہوگا۔

باب قول اللّٰه تعالیٰ الا لعنة اللّٰه علی الظالمین

غرض یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتے یا انبیاء علیہم السلام ظالمون پر لعنت فرمائیں گے اور کہیں گے الا لعنة الله علی الظالمین:۔

باب لا یظلم المُسلم المسلَم و لا یُسلمه

غرض یہ ہے کہ نہ خود ظلم کرے نہ کسی کو کرنے دے۔

المسلم اخو المسلم کیونکہ دونوں کا باپ ایک یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماں ایک یعنی شریعت و من ستر مسلماً:۔ گناہ سے روکنا اعلیٰ درجہ کی پردہ پوشی ہے۔

باب اعن اخاک ظالما او مظلوماً

غرض یہ ہے کہ امداد مستحب ہے اور نفس اور شیطان جس پر ظلم

کر رہے ہیں اور گناہ کر رہے ہیں وہ بھی مظلوم ہے۔

باب نصر المظلوم

غرض یہ ہے کہ مظلوم کی امداد واجب ہے۔

باب الا نتصار من الظالم

غرض یہ ہے کہ بدلہ لینا جائز ہے اور بعض حالات میں اولیٰ ہوتا ہے جبکہ بغض پیدا ہونے کا خطرہ ہو بدلہ نہ لینے کی صورت میں پھر حدیث مسند ذکر نہ فرمائی آیتوں پر اکتفاء فرماتے ہوئے۔ **لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول:**۔ بصورت غیبت اور بصورت بددعاء یہ دونوں بھی ایک قسم کا بدلہ لینا ہی ہے۔

باب عفو المظلوم

فرض یہ ہے کہ مستحب ہے۔ کہ مظلوم معاف کر دے پھر حدیث مسند ذکر نہ فرمائی اپنی شرط پر نہ پانے کی وجہ سے یا آیات کو ہی کافی شمار فرمایا۔

باب الظلم ظلمات یوم القیامة

غرض یہ کہ ظلم کی سزا یہ ہے کہ قیامت میں اندھیروں میں ہوگا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ظلم دل کی ظلمت اور سیاہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

باب الا تقاء والحذر من دعوة المظلوم

غرض یہ ہے کہ ظلم سے بچے تاکہ بدعاء سے بچ جائے۔

باب من کا نت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل یبیّن مظلمة

غرض یہاں ابہام سے بیان فرمایا ہے اختلاف کی وجہ سے کہ معافی مانگتے وقت ظلم کی تفصیل ضروری ہے یا نہ آگے ایک باب جوڑ کر اپنی رائے بیان فرمادی کہ ضروری نہیں اور یہی راجح قول شمار کیا گیا ہے اور علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ اگر غیبت صاحب حق تک نہ پہنچی ہو یعنی جس کی غیبت کی ہے اس کو اطلاع نہیں پہنچی کہ فلاں نے میری غیبت کی ہے تو اس صورت صرف توبہ کر لینی کافی ہے اُس سے معافی مانگنی ضروری نہیں ہے۔

باب اذا حلله من ظلمه فلا رجوع فیه

غرض یہ ہے کہ معاف کر دینے کے بعد مال وغیرہ کسی چیز میں رجوع کا حق نہیں رہتا۔ **اجعلکَ من شاء نی فی حل:**۔ میں اپنا آئندہ کا حق معاف کرتی ہوں اس سے استنباط فرمایا کہ جب آئندہ کا حق معاف ہوسکتا ہے تو ماضی کا بطریق اولیٰ ہوسکتا ہے۔

باب اذا اذن له او حلله ولم یبین کم هو

غرض یہ ہے کہ حق کی تفصیل بیان کرنا معافی مانگنے کے لئے ضروری نہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام سے معافی مانگی حالانکہ یہ تو معلوم نہ تھا کہ وہ کتنے گھونٹ دودھ کے پئے گا۔ **فتلّه**: رکھدیا۔

باب اثم من ظلم شیئا من الارض

غرض اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ زمین میں غصب نہیں ہے۔ **طوقه من سبع ارضین**۔ یعنی اتنے ٹکڑے کے برابر ہر ہر زمین سے سات زمینوں میں سے لے کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

باب اذا اذن انسان لآخر شیئا جاز

غرض یہ ہے کہ کوئی اپنا حق معاف کر دے تو پھر حق تلفی کرنے والے کو گناہ نہیں ہوتا۔

باب قول الله تعالیٰ وهو الدالخصام

الد کے معنی۔ ۱۔ ٹیڑھا۔ ۲۔ اشد۔

باب اثم من خاصم فی باطل وهو یعلمه

غرض جان بوجھ کر خصومة بالباطل کرنے کی مذمت۔ سوال یہ باب اور گذشتہ ایک ہو گئے جواب۔ گذشتہ میں اشدّیة کی مذمت تھی اور اس باب میں نفس خصومة بالباطل کی مذمت ہے۔

باب اذا خاصم فجر

غرض کی دو تقریریں۔ ۱۔ اس کی مذمت جو جھگڑے میں گالی دیتا ہے۔ ۲۔ اس کی مذمت جو جھگڑے میں حق سے عدول کرتا ہے۔

باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمه

غرض یہ ہے کہ مظلوم کے لئے جائز ہے کہ ظالم کے مال سے

اپنا حق لے لے۔ فان لم یفعلوا فخذ وا منہم حق الضیف :۔ سوال جمہور فقہاء کے نزدیک ضیافۃ سنت موکدہ ہے واجب نہیں ہے۔ جواب یہ حدیث اضطرار پر محمول ہے کھا کر قیمت دے دے۔۲۔اس زمانہ پر محمول ہے جب کہ ساعی کی تنخواہ بیت المال سے مقرر نہ کی گئی تھی۔ اب ایسا نہیں کر سکتا۔۳۔اس زمانہ پر محمول ہے جب ضیافۃ واجب تھی۔ جب واجب نہ رہی تو یہ حکم بھی ختم ہو گیا۔ باب ماجاء فی السقائف :۔ دو غرضیں ہیں۔ا۔ سقائف سے نفع اٹھانا جائز ہے یہ جمع ہے سقیفہ کی چھت والی جگہ۔۲۔ سقائف بنانے جائز ہیں اگر چہ کسی کی ہوا رک جانے یا دھوپ رُک جائے کیونکہ اس میں عوام کا فائدہ ہے اس کو آج کل سرائے کہتے ہیں۔

باب لا یمنع جار جاره ان یغرز خشبة فی جداره

غرض پڑوسی کا حق بتلانا ہے کہ اس سے زائد ظلم ہے پھر اکثر فقہاء کے نزدیک یہ حق استحبابی ہے بعض وجوب کے بھی قائل ہوئے ہیں جبکہ پڑوسی کا اس میں نقصان نہ ہو۔ امام بخاری کی کلام میں دونوں احتمال ہیں حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ امر دیانۃ ہے قضاء نہیں ہے۔

باب صب الخمر فی الطریق

غرض یہ ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تو اس کی ذلت ظاہر کرنے کے لئے راستوں میں بہادی گئی اب نجاست راستہ میں ڈالنا ظلم شمار ہوگا۔ا لفضیخ :۔ بُسر سے بنائی ہوئی شراب۔

باب افنیة الدور والجلوس فیها والجلوس علی الصعدات

صُعُدات کے معنیٰ اور وزن طُرُقات ہے۔ غرض یہ ہے کہ راستہ میں بیٹھنا جائز ہے جبکہ گذرنے والوں کا نقصان نہ ہو۔

باب الآبار علی الطرق اذا لم یتاء ذبها

غرض یہ ہے کہ راستہ میں کنواں بنانا جبکہ گزرنے والوں کا نقصان نہ ہو جائز بلکہ مستحب ہے۔ باب اماطۃ الاذیٰ :۔ غرض یہ ہے کہ جو چیز راستہ چلنے والوں کو نقصان دے اس کا ہٹا دینا ثواب کا کام ہے۔

باب الغرفة والعلية المشرفة وغير المشرفة فی السطوح وغيرها

غرض یہ ہے بالاخانے بنانا جائز ہے۔ مشرفہ جن میں سے جھانکا جا سکے۔ جواز عام ہے چھت پر بنے ہوں یا اونچی جگہ مثلاً ٹیلے پر بنے ہوں۔ اوضاً :۔ احسن انی ارید اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ :۔ جب آخرت کا ارادہ کر لیا تو وفات کے بعد نکاح چھوڑنے کا ارادہ بھی کر لیا کیونکہ وہ بھی دنیا کا فائدہ ہی ہے۔

باب من عقل بعيره علی البلاط اوباب المسجد

بلاط صحن کو کہتے ہیں غرض یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو تو صحن کے کنارے پر یا مسجد کے دروازے پر اونٹ باندھنا جائز ہے۔ سوال مسجد کے دروازے پر باندھنے کا تو ذکر حدیث میں نہیں ہے۔ جواب اس کو بلاط پر قیاس فرمایا

باب الوقوف والبول عند سباطة قوم

غرض یہ کہ کوڑے کرکٹ پر کھڑے ہونا یا وہاں پیشاب کرنا ظلم نہیں ہے۔

باب من اخذ الغصن و ما یوذی الناس فی الطریق فرمی به

غرض یہ کہ اماطۃ الاذی ثواب کا کام ہے۔

باب اذا اختلفوا فی الطریق المیتاء الخ

المیتاء مفعال کا وزن ہے اتیان سے آنے کا ذریعہ اختلاف کے موقعہ میں راستہ سات گز ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ بیان فرمانا مقصود ہے اس کی تائید مصنف عبدالرزاق کی روایت سے بھی ہوتی ہے عن ابن عباس مرفوعاً اذا اختلفتم فی الطریق المیتاء فاجعلوھا سبعۃ اذرع۔

باب النهبیٰ بغير اذن صاحبه

نُھبیٰ کی مذمت مقصود ہے اس کے اصل معنیٰ تو ڈاکہ ڈالنے کے

ہیں لیکن اس کی یہ دو تفسیریں بھی کی گئی ہیں گویا یہ بھی ڈاکہ کے مشابہ ہیں ۱۔ دعوت میں جو چیز کسی ایک کے سامنے رکھی گئی ہو وہ دوسرا بلا اجازت اٹھالے ۲۔ تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے کچھ لے لینا۔

باب کسر الصلیب وقتل الخنزیر

غرض کی تین تقریریں ہیں۔ ۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے صلیب توڑنا جائز ہے۔ ہمارے لئے صرف جہاد میں جائز ہے ذمی بننے کے بعد ذمیوں کی صلیب توڑنی جائز نہیں ۲۔ عیسائیوں کا عقیدہ غلط کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھائے گئے تھے ۳۔ اہل حرب کی صلیب توڑنی جائز ہے۔

باب هل تکسر الدنان التی فیها خمر الخ

غرض یہ ہے کہ محتسب کے اذن سے شراب کے مٹکے توڑنا مشکیزے پھاڑنا بت توڑنا۔ صلیب توڑنا ڈھول توڑنا جائز ہے اور ضمان بھی نہیں ہے اور بلا اذن محتسب صرف لکڑی اور لوہے کی ضمان آئے گی اومالا ینتفع بخشبہ :۔ دو معنیٰ ۱۔ عطف عام علی الخاص کہ ایسی ہی اور نا جائز چیزیں ۲۔ اوبمعنیٰ الی آن کہ ان کو توڑ کر ایسا بنا دیا گیا کہ لکڑی بھی قابل انتفاع نہ رہی۔ سھوۃ :۔ دیوار میں طاق۔ نمرقتین: نیچے بچھانے کے گدے دو توجیہیں ۱۔ تصویروں کے سر مٹا دیئے تھے ۲۔ صرف نقش ونگار تھے نیچے آنے سے زینت ختم ہوگئی۔

باب من قتل دون ماله

غرض اُس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ مال کی حفاظت میں جو قتل کر دیا جائے وہ شہید نہیں ہے۔

باب اذا کسر قصعة اوشیئاً بغیره

جواب محذوف ہے مثلی شی میں مثل دینی ہوگی اور ذوی القیم میں قیمت دینی ہوگی یہی مسئلہ بتلانا باب کی غرض ہے۔ سوال پیالہ تو ذوی القیم میں سے ہے جواب امام بیہقی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دونوں پیالے دو گھروں میں رکھے ہوئے تھے اس لئے ضمان صرف طعام کی تھی۔

باب اذا هدم حائطاً فلیبن مثله

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ کسی کی دیوار گرائے تو ویسی بنا کر دے۔

باب الشرکة فی الطعام

الشرکۃ راء کے سکون اور راء کے کسرہ کے ساتھ لغۃً اختلاط اور شرعاً ثبوت حق فی شئی لاثنین فما زاد غرض یہ ہے کہ کھانے میں بھی شرکت جائز ہے۔ النھد :۔ بفتح النون وکسرھا سفر وغیرہ میں کھانے پینے کا اکٹھا انتظام کرنا۔

مجازفة الذهب والفضة

ایک صرف سونا لے لے دوسرا صرف چاندی لے لے۔
قران فی التمر :۔ جب اجازت ہو تو کچھ حرج نہیں یہ اباحت کی صورت ہے بیع کی صورت نہیں ہے۔ **مزودی تمر**:۔ کھجور کے دو تھیلے مزود کے معنیٰ توشہ دان کے ہیں۔ **الظرب**:۔ چھوٹی پہاڑی **وبرک علیہ**:۔ برکت کی دعاء فرمائی **ارملوا**:۔ زاد ختم پایا انہوں نے **فھم منی وانا منھم**:۔ میرا اور ان کا طریقہ ایک ہے۔

باب ما کان من خلیطین فانهما یتراجعان بینهما بالسویة فی الصدقة

غرض یہ ہے کہ دو شریک اگر خرچ کم زیادہ کریں تو اسی حساب سے ایک دوسرے سے رجوع کریں۔

باب قسمة الغنم

غرض یہ ہے کہ معمولی چھوٹی بڑی ہونے کا لحاظ نہیں کیا جاتا اما السن فعظم دانت اکھڑا ہوا بھی ہو تو وہ اکثر قطع نہیں کرتا اس لئے ذبح میں شک رہتا ہے۔

باب القران فی التمر بین الشرکاء حتیٰ یستاذن اصحابه

غرض یہ کہ دو کھجوریں اکٹھی کھانا آداب مجلس کے خلاف ہے۔

باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمة عدل

غرض یہ ہے کہ قیمت کے حساب سے تقسیم بالا جماع جائز

ہے۔ثم استسعی غیر مشقوق علیہ:۔عند امامنا ابی حنیفۃ اگر کوئی اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کرے اور ہو بھی غریب تو غلام اپنے باقی حصہ کی قیمت میں سعی کرے گا یعنی کما کر لائے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا جمہور کے نزدیک بقیہ غلام رہے گا ولنا روایۃ ابی داؤد وحدیث الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ثم استسعی غیر مشقوق علیہ وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً والا فقد اعتق منہ ما اعتق جواب یہ سعی سے پہلے پہلے اس کا جو حال ہے وہ بیان فرمایا ہے۔

باب یقرع فی القسمة والا ستهام فيه

غرض یہ ہے کہ قیمت کے لحاظ سے برابر حصے کر کے قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کرنا مسنون ہے کہ کون کونسا حصہ لے تاکہ تہمت کا موقعہ نہ ہو۔ یہاں استہام کے معنیٰ قرعہ اندازی کے نہیں کیونکہ پھر تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قرعہ اندازی میں قرعہ اندازی کرنی چاہئے بلکہ معنیٰ میں حصہ لینا۔ **وان اخذ واعلیٰ ایدیھم نجوا ونجوا جمیعاً:**۔ مقصد یہ ہے کہ عوام نیچے کی منزل میں سوار ہونے والوں کی طرح ہیں اور علماء اوپر کی منزل میں سوار ہونے والوں کی طرح ہیں۔عوام کے ذمہ ہے کہ علماء کا ادب واحترام کریں اور اُن سے مسائل پوچھ کر عمل کریں اور علماء کے ذمہ ہے کہ وہ علم کا پانی عوام کو دیں جو آب حیات ہے اور ان کی نگرانی رکھیں کہیں وہ غلط کاری سے اپنے آپ کو بھی اور علماء کو بھی ہلاک نہ کر دیں:۔

باب شركة اليتيم واهل الميراث

غرض یہ ہے کہ یتیم کو صرف شدید ضرورت میں شریک کرنا چاہئے **وان تخا لطوهم فاخوانكم والله يعلم المفسدمن المصلح.**

باب الشركة في الا رضين وغيرها

غرض اُس شخص کا رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ صرف اُسی زمین مکان کی تقسیم جائز ہے جس کی تقسیم کے بعد ہر شخص حصہ قابل انتفاع بچے فرما رہے ہیں کہ ہر زمین اور مکان کی تقسیم جائز ہے ہر تقسیم کرانے والا فائدہ اٹھا سکے یا نہ۔

باب اذا اقتسم الشركاء الدوراو غيرها فليس لهم رجوع ولا شفعة

غرض یہ ہے کہ تقسیم لازم ہوتی ہے اس میں رجوع یا شفعہ نہیں ہوتا۔

باب الا شتراک فی الذهب والفضة و ما يكون فيه من الصرف

غرض یہ ہے کہ سونے چاندی اور صرف یعنی کھوٹ والے دراہم میں بھی شرکت جائز ہے۔

باب مشاركة الذمي والمشركين في المزارعة

غرض یہ کہ کافروں کے ساتھ بھی مزارعت میں شرکت جائز ہے۔

باب قسمة الغنم والعدل فيها

غرض یہ ہے کہ بکریوں کی تقسیم میں بھی انصاف ضروری ہے۔ پھر جس حدیث سے استدلال فرمایا وہ تبرع والی ہے اور ظاہر اس میں برابری ہے اس لئے عدل اور برابری کا استدلال فرمالیا

باب الشركة في الطعام وغيره

غرض یہ ہے کہ طعام میں بھی شرکت جائز ہے۔ فغمزہ آخر اشارہ سے دیانۃً تو شرکت ثابت ہوسکتی ہے قضاءً نہیں۔

باب الشركة في الرقيق

غرض یہ ہے کہ غلام میں بھی شرکت صحیح ہے۔

باب الا شتراک فی الهدى والبدن

غرض یہ ہے کہ ھدی میں اور ھدی کے اونٹوں میں بھی شرکت صحیح ہے۔ پھر حضرت علی کا شریک ہونا کیسے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو کچھ اونٹ بطور ہبہ کے دیئے تھے جو انہوں نے نحر فرمائے پس دونوں حضرات اونٹ نحر فرمانے والے بن گئے اس لئے صورۃً شرکت پائی گئی ۔۲۔ ۳۷ اونٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی نے نحر فرمائے یہ صورۃً شرکت ہوئی ۔۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ۶۳ اونٹ نحر

فرمائے تو اس میں بھی حضرت علی ساتھ ساتھ اعانت کر رہے تھے اور یمن سے اونٹ لے کر آئے اس لحاظ سے مُعین بن گئے یہی صورۃً شرکت تھی۔ ففشت فی ذلک القالة :۔اور بعض نسخوں میں المقالة ہے معنیٰ دونوں کے ایک ہی ہیں۔ یکفُہٗ اور بعض نسخوں میں بکفہ بھی ہے دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں اور وہ معنیٰ یہ ہیں کہ ہاتھ کی انگلیاں اکٹھی کر کے قطرے ٹپکنے کا اشارہ کیا۔

باب من عدل عشراً من الغنم بجز ورفي القسم

غرض یہ ہے کہ جس بعض قیمت کے لحاظ سے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر شمار کرتے ہیں ان کے لئے بھی سنت سے اصل ہے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ قربانی میں اونٹ دس بکریوں کے برابر ہوتا ہے۔

باب الرهن في الحضر

غرض رہن کے احکام بیان کرنے میں اور حضر کی قید اس لئے لگائی کہ یہ اشارہ کر دیں کہ آیت میں جو سفر کی قید ہے وہ اتفاقی ہے۔ لغت میں رہن کے معنیٰ احتباس کے ہیں اور شرع میں دو معنیٰ کئے گئے۔ ۱۔جس شئی وثیقة فی دین۔ ۲۔توثیق الدین بالعین۔

باب من رهن درعه

غرض یہ ہے کہ لوہے کا کرتہ جس کو درع کہتے ہیں اس کو رہن رکھنا جائز ہے۔

باب رهن السلاح

غرض تعمیم بعد التخصیص ہے۔

باب الرهن مركوب و محلوب

غرض رہن رکھے ہوئے جانور پر سوار ہونا اور اس کا دودھ نکالنا جائز ہے اگر چہ اصل یہی ہے کہ مرتھن رہن سے نفع نہیں اٹھا سکتا لیکن اگر راہن جانور کا نفقہ نہ دے تو دودھ سے نفقہ لے سکتا ہے۔ ۱۔یہی ایک توجیہ ہے اس باب کی روایت کی جس میں رہن سے نفع اٹھانے کا جواز مذکور ہے۔ ۲۔دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ روایت حرمت ربوٰ سے پہلے کی ہے۔

باب الرهن عند اليهود وغيرهم

غرض یہودیوں اور دوسرے کافروں مثلاً نصاریٰ کے پاس رہن رکھنا جائز ہے۔

باب اذا اختلف الراهن والمرتهن ونحوه فالبينة على المدعي واليمين على المدعى عليه

غرض یہ ہے کہ جب راہن اور مرتھن یا مثلاً متبایعین میں اختلاف ہو اصل رہن میں یا مقدار رہن میں مثلاً تو یہ اصول جاری ہوگا کہ مدعی کے ذمہ گواہ ہوں گے اور مدعیٰ علیہ کے ذمہ قسم ہوگی۔

فی العتق وفضله :۔غرض عتق کے احکام اور فضیلت کا بیان ہے اور عتق کے معنیٰ ہیں ھو التخلص عن الرقیة۔

باب اى الرقاب افضل

غرض یہ ہے کہ کس غلام کو آزاد کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔

او تصنع لاخرق :۔جو صنعت سے ناواقف ہو اس کے لئے کام کردو۔

تصدق بها علی نفسک :۔اپنے نفس کو ظلم کے عذاب سے بچالوگے۔

باب ما يستحب من العتاقة في الكسوف والآيات

غرض یہ ہے کہ کسوف اور دوسری آیات مثلاً آندھی اور زلزلہ اور اندھیرا ان میں غلام کو آزاد کرنا مستحب ہے۔

باب اذا اعتق عبداً بين اثنين اوامة بين الشركاء

غرض عبد مشترک کا حکم بیان کرنا ہے پھر عبد اور امة کے ذکر میں فرق کیوں فرمایا کہ ایک میں اثنین اور دوسرے میں شرکاء ذکر فرمایا۔ ۱۔تفنن ہے ۲۔لفظ حدیث کی محافظت ہے پھر جواب اذا کا محذوف ہے حکمه فی الحدیث :۔یقوم علیه قیمة عدل یہ جزا نہیں بلکہ صفت ہے۔ فاعتق منه ما اعتق :۔یہ جزاء ہے۔ ما یبلغ :۔ای ما یبلغ ثمنه۔

باب اذا اعتق نصيباله في عبد وليس له مال استسعى العبد غير مشقوق عليه على نحو الكتابة

غرض یہ ہے کہ غلام کے ایک حصہ کو آزاد کرنے والا اگر

غریب ہو تو غلام سعی کرے گا اس میں حنفیہ کا مذہب اختیار فرمایا تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ تابعہ حجاج بن حجاج: غرض یہ ہے کہ استعا کی زیادتی یہ حضرت قتادہ کی طرف سے مدرج نہیں ہے جیسا کہ جمہور کی طرف سے کہا گیا ہے اختلاف گزر چکا۔

باب الخطاء و النسیان فی العتاقة و الطلاق و نحوه

غرض یہ ہے کہ خطا اور نسیان اور اکراہ میں طلاق اور عتاق نہ ہوں گے گویا جمہور کی موافقت فرمائی حنفیہ کے نزدیک اکراہ میں طلاق و عتاق واقع ہو جاتے ہیں۔ منشاء اختلاف روایۃ الطبرانی عن ثوبان مرفوعاً رفع عن امتی الخطاوالنسیان وما استکرھوا علیہ ہمارے نزدیک اخروی گناہ کی نفی پر محمول ہے اور جمہور کے نزدیک..... دنیوی اثر بھی اس میں داخل ہے کہ دنیا میں بھی طلاق وعتاق واقع نہ ہونگے اور ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ خطا میں کفارہ بالا جماع ثابت ہے نسیان سے نماز قضا ہو جائے تو یاد آنے پر پڑھنی ہوتی ہے پھر جمہور کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے عن عائشۃ مرفوعاً لاطلاق ولاعتاق فی غلاق جواب۔ ۱۔ قال ابوداؤد الغلاق اظنہ فی الغضب انتھی یعنی ایسا غصب جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہو۔ ۲۔ اکراہ علی الکفر مراد ہے جبکہ دل مطمئن بالایمان ہو۔ ولا عتاقۃ الا لوجہ اللہ تعالیٰ: غرض رد کرنا ہے بعض حنفیہ کا جنہوں نے کہہ دیا کہ اگر کوئی یوں کہے ھوحر لوجہ الشیطان یا کہے ھوحر لوجہ الصنم تو پھر بھی غلام آزاد ہو جائے گا رد فرما دیا کہ آزاد نہ ہوگا ہم جواب دیتے ہیں کہ اگر معبود کے درجہ میں تعظیم مقصود ہے تو مرتد ہو گیا ورنہ فاسق ہو گیا اس کی سزا آخرت میں ہو گی ھوحر کہنے سے غلام دنیا میں آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس کا تعلق تلفظ سے ہے اور خطا و نسیان بھی نہیں ہے۔

باب اذا قال رجل لعبده هو لله و نوى العتق و الاشهاد فى العتق

غرض یہ ہے کہ صرف ھو للہ کہنے سے اور اعتاق کی نیت کرنے سے بھی غلام آزاد ہو جاتا ہے اور دوسرا مسئلہ یہ بھی بیان فرما دیا کہ اعتاق میں گواہ بنالینا بھی مستحب ہے۔

باب ام الولد

غرض ام ولد کی بیع کا جواز بیان فرمانا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شروع شروع میں اختلاف رہا ہے کہ ام ولد کی بیع جائز ہے یا نہ پھر حضرت عمر کے زمانہ میں اجماع ہو گیا عدم جواز پر اور یہی ائمہ اربعہ کا مسلک ہے اس لئے امام بخاری کے اس قول کو شاذ شمار کیا گیا ہے اجماع کے علاوہ ہماری دلیل مسند احمد کی روایت ہے عن ابن عباس مرفوعاً من وطئی امۃ فولدت لہ فھی معتقۃ عن دبر منہ وللبخاری کہ اس باب کی روایت میں عن عائشۃ ھذا اخی ابن ولیدۃ زمعۃ اس میں ام ولد کو ولیدہ کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ وہ بھی دوسرے غلاموں کی طرح محل بیع ہے جواب۔ ۱۔ چونکہ بچہ زنا سے ہوا تھا اس لئے اس کو ام ولد شمار نہ کیا گیا۔ ۲۔ یہ اجماع کے خلاف ہے جیسے حرمۃ متعہ پر اجماع ہوا اور وجوب غسل فی الاکسال پر اجماع ہوا۔ اور مخالف روایتوں کو چھوڑا گیا۔ ۳۔ اطلاق ولیدہ کا تشبیہاً ہے اس سے جواز بیع ثابت نہیں ہوتا۔ ان تلد الامۃ ربتھا: بعض نے اس سے ام ولد کی بیع کا جواز اور بعض نے حرمت ثابت کی ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ نہ جواز پر دال ہے نہ حرمت پر کیونکہ اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں مثلاً عقوق والدین اور کثرت حروب۔

باب بيع المدبر

غرض بیع مدبر کا حکم بیان فرمانا ہے اور تفصیل پیچھے گزر چکی ہے

باب بيع الولاء و هبة

غرض یہ ہے کہ ولاء کا بیچنا یا ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

باب اذا اسر اخو الرجل او عمه هل يفادى اذا كان مشركا

غرض رد ہے حنفیہ کے قول پر کہ ذی رحم محرم ملک میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عباس چچا تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے اور حضرت علی اپنے بھائی عقیل کے مالک بنے لیکن وہ آزاد نہ ہوئے بلکہ فدیہ دینا پڑا۔ جواب:۔ صرف قید ہونا کافی نہیں ہے جب تک کہ امام ان کو غلام نہ بنائے۔ کیونکہ امام کو یہ بھی تو اختیار ہوتا ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مفت چھوڑ دے یا قتل کروادے۔ ۲- ملک تقسیم بین المجاہدین کے بعد آتی ہے اس سے پہلے حق تملک ہوتا ہے۔ اختلاف: ۱- عند امامنا ابی حنیفۃ واحمد ہر ذی رحم محرم آزاد ہو جاتا ہے وعند الشافعی صرف اصول وفروع آزاد ہوتے ہیں وعند مالک اصول وفروع اور بہن بھائی آزاد ہوتے ہیں۔ منشاء اختلاف روایۃ ابی داؤد عن سمرۃ مرفوعاً من ملک ذارحم محرم فھو حر ہمارے نزدیک یہ روایت اپنے عموم پر ہے وعند الشافعی کامل ذی رحم محرم مراد ہیں اور وہ اصول وفروع ہیں وعند مالک بہن بھائی بھی کامل ذی رحم محرم ہیں جواب دونوں کے استدلال کا یہ ہے کہ بلا دلیل نص کے ظاہر کو نہیں چھوڑ سکتے۔

باب عتق المشرک

غرض یہ ہے کہ کافر کا آزاد کرنا بھی معتبر ہے اس باب میں حدیث کی وجہ سے اضافت الی الفاعل ہے۔

باب من ملک من العرب رقیقا فوھب وباع وجامع وفدی وسبی الذریۃ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اہل عرب سے بھی غلام بنانا اور غلاموں والے سب تصرفات کرنا ہبہ۔ بیع وغیر جائز ہے گویا امام مالک وامام شافعی کا مسلک لیا وعند امامنا ابی حنیفۃ اہل عرب کو غلام نہیں بنا سکتے اور امام احمد کی دو روایتیں ہیں ایک امام شافعی کے ساتھ ایک ہمارے ساتھ ولنا۔ ۱- تقاتلونھم اویسلمون. ۲- ان کی شرافت ' ۳- فی کتاب الاموال لابی عبید عن الشعبی عن عمر موقوفا لیس علی عربی ملک ولمالک والشافعی۔ ۱۔ قولہ تعالیٰ ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لایقدر علی شئی اس میں قید نہیں ہے عربی کی نہ عجمی کی۔ ۲- زیر بحث باب کی روایات عن المسور رفسا لوہ ان یرد الیہم اموالھم وسبیھم جواب ان کو تو آزاد کر دیا گیا تھا ان میں کوئی تصرف ھبہ وغیرہ کا نہیں کیا گیا۔ ۳- حدیث احباب عن ابی سعید فاصبنا سبیاً من سبی العرب جواب محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔

باب فضل من ادب جاریۃ وعلمھا

غرض جاریہ کو ادب اور علم سکھانے کی فضیلت کا بیان ہے کہ یہ مستحب ہے۔

باب قول. نبی صلی اللہ علیہ وسلم العبید اخوانکم فاطعموھم مماتا کلون

غرض اس حدیث کا بیان ہے اور اس میں امر استحبابی ہے ہمدردی مراد ہے مساوات جو حضرات ابوذر کرتے تھے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے یہ ان کا کمال فضل ہے۔ باب العبد اذا احسن عبادۃ ربہ ونصح سیدہ:۔ غرض اس غلام کی فضیلت کا بیان ہے جو حق اللہ اور حق العباد یعنی حق مولا دونوں ادا کرے۔

باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق وقولہ عبدی اوامتی

غرض میں دو قول ہیں۔ ۱- غلام پر تکبر ظاہر کرنے کی کراہت اور عبدی اور امتی کہنے کی بھی کراہت ہے اس صورت میں قولہ کا عطف تطاول پر ہے۔ ۲- غلام پر تکبر ظاہر کرنے کی کراہت اور عبدی اور امتی کہنے کا جواز ہے اور عطف کراہت پر ہے پھر باب کی اکثر حدیثوں سے عبدی اور امتی کہنے کا جواز ظاہر ہوتا ہے اور ایک حدیث سے کراہت معلوم ہوتی ہے یہ کراہت تنزیہی ہے وہ بھی اپنی بڑائی کے شبہ کے ساتھ اور اگر صرف تعریف مقصود ہو تو کراہت نہیں ہے۔ اپنی بڑائی کا شبہ ہو تو شرک کا بھی وہم ہوتا ہے۔

باب اذا اتاہ خادمہ بطعامہ

غرض یہ ہے کہ جب خادم کھانا لے کر آئے تو اس کو بھی ساتھ بٹھالے یا کم از کم کچھ اس کے ہاتھ پر رکھ دے اور یہ مستحب ہے۔

باب العبد راع فی مال سیدہ

غرض یہ ہے کہ عبد کے ذمہ آقا کے مال کی حفاظت واجب ہے پھر

مال کوسید کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ غلام مالک نہیں ہوتا۔

باب اذا ضرب العبد فليجتنب الوجه

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کچھ تنبیہ غلام کو کرنی ہی ضروری ہے تو چہرہ پر ہرگز نہ مارے وجہ۔۱۔ اس انسان کا اکرام۔۲۔ چہرہ جامع المحاسن ہوتا ہے اس لئے اس کو قبیح نہ بنائے۔۳۔ چہرہ بدن کا لطیف عضو ہے اس پر اثر جلدی ہوتا ہے۔۴۔ خلق اللہ ادم علی صورتہ اس حدیث کی رو سے چہرے کا احترام اللہ تعالیٰ کا احترام ہے۔ قاری اور مدرس حضرات بھی ذہن میں رکھیں کہ اول تو بچوں کو مارنے کی ضرورت ہی نہیں زبان سے ڈانٹ ڈپٹ ہی بہت کافی ہونی چاہئے ضرور ہی تنبیہ کرنی ہو تو چہرے پر مارنا اور گھونسہ مارنا منع ہے۔ زیادہ مارنا ظلم اور گناہ ہے۔

كتاب المكاتب

غرض مکاتب کے احکام بیان فرمانا ہے۔

باب المكاتب و نجومه فی كل سنة نجم

غرض یہ ہے کہ مکاتب بنانا واجب ہے جب مکاتبۃ طلب کرے اور اس میں صلاحیت بھی ہو بدل کتابت ادا کرنے کی جمہور کے نزدیک مستحب ہے منشاء اختلاف یہی آیت مبارکہ ہے والذین یبتغون الکتاب مماملکت ایمانکم فکا تبوھم ان علمتم فیھم خیراً ہمارے نزدیک استحباب پر اور امام بخاری کے نزدیک وجوب پر محمول ہے۔ ہمارے قول کے راجح ہونے کی وجہ۔۱۔ آپ کے قول میں حاکم کو محکوم بنانا ہے۔۲۔ جب باقی معاملات مدبر بنانا۔ ام ولد بنانا وغیرہ واجب نہیں تو یہ بھی واجب نہیں۔

باب مايجوز من شروط المكاتب و من اشترط شرطاً ليس فی كتاب الله

غرض یہ کہ کتاب اللہ کے احکام کے خلاف شرط باطل ہے۔

باب استعانة المكاتب و سواله الناس

غرض یہ ہے کہ مکاتب کے لئے سوال جائز ہے۔

باب بيع المكاتب اذا رضی

غرض یہ کہ مکاتب کی رضامندی سے اس کی بیع جائز ہے۔

باب اذا قال المكاتب اشترنی واعتقنی فاشتراه لذلک

غرض یہ ہے کہ شرط تو نہ لگائے وعدہ آزاد کرنے کا کرے اور مکاتب کو خرید لے تو جائز ہے۔

كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها

غرض ھبہ کے احکام وفضائل کا بیان ہے ھبہ کے لغت میں معنیٰ ہیں الاعطاء اور شرع میں ھو التملیک بلاعوض فی الحیٰوۃ پھر اس کی تین قسمیں ہیں۔۱۔ الابراء۔ قرضہ معاف کر دینا۔۲۔ الصدقۃ ثواب کے لئے کچھ دینا۔۳۔ الھدیۃ کسی انسان کو خوش کرنے کے لئے کچھ دینا۔

باب القليل من الهبة

دو غرضیں ہیں۔۱۔ قلیل سمجھ کر دینے سے نہ رکے۔۲۔ قلیل سمجھ کر لینے والا رد نہ کرے کراع:۔ دو معنیٰ ۱۔ بکری وغیرہ کے پائے۔۲۔ ایک جگہ کا نام۔

باب من استوهب من اصحابه شيئاً

غرض یہ ہے کہ جب بے تکلفی ہو اور کچھ مانگنے سے وہ خوش ہوتے ہوں تو مانگ لینے میں کچھ حرج نہیں۔ باب من استسقیٰ:۔ غرض یہ کہ جب مخاطب راضی ہو تو پانی مانگنے میں کچھ حرج نہیں۔

باب قبول هدية الصيد

غرض یہ ہے کہ شکار کے گوشت کا ٹکڑا بطور ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ انفجنا ارنباً:۔ ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا۔ فلغبوا:۔ وہ تھک گئے۔ قال فخذیھا لاشک:۔ پہلے شک سے فرمایا پھر یقین سے فرمایا۔

باب قبول الهدية

تعمیم بعد التخصیص۔

باب من اهدی الی صاحبہ وتحری بعض نساءہ دون بعض

غرض یہ ہے کوئی اپنے دوست کی ایک بیوی کو ہدیہ دے دوسری بیویوں کو نہ دے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ مساواۃ خاوند کے ذمہ ہے خاوند کے دوستوں کے ذمہ نہیں ہے۔

باب مالایرد من الھدیة

غرض یہ ہے کہ خوشبو کا ہدیہ واپس نہ کرنا چاہئے تین وجہ سے۔ ا- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق فرشتوں سے بہت تھا اور فرشتوں کو خوشبو پسند ہے اور ہمارا بھی کچھ نہ کچھ تعلق فرشتوں سے ہے۔ ۲- فی ابی داؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من عرض علیہ طیب فلا یردہ فانہ خفیف المحمل طیب الرائحۃ' ۳- اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علت جو بھی ہو ہمیں اس کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔

باب من رای الھبة الغائبة جائزة

غرض کی تین تقریریں ہیں۔ ا- موہوب چیز ابھی واھب کی ملک میں نہ آئی ہو بلکہ کچھ تعلق ہوگیا ہو تو پھر بھی ھبہ جائز ہے۔ ۲- موہوب لہ غائب ہے جیسے حدیث پاک میں سب بنی ہوازن تو حاضر خدمت نہ ہوئے تھے صرف ان کا وفد آیا تھا اور موہوب لہ سب تھے۔ ۳- موہوب چیز مملوک تو ہو لیکن مجلس میں حاضر نہ ہو تو پھر بھی ھبہ جائز ہے۔

باب المکافاة فی الھبة

غرض یہ ہے کہ ھبہ کا بدلہ دینا مستحب ہے یہی جمہور کا قول ہے وعند المالکیۃ واجب ہے منشأ اختلاف زیر بحث باب کی روایت ہے عن عائشہ مرفوعاً یقبل الھدیۃ ویثیب علیہا ہمارے نزدیک استحباب پر اور ان کے نزدیک وجوب پر محمول ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ وجوب پر دال کوئی لفظ نہیں ہے۔ لم یذکر وکیع ومحاضر: غرض یہ ہے کہ یہ روایت ان دو حضرات نے بلا ذکر عائشہ نقل فرمائی ہے اور یہی راجح ہے۔

باب الھبة للولد

غرض یہ ہے کہ اگر کئی بچے ہوں تو سب کو برابر دینا واجب ہے اور جمہور کے نزدیک مستحب ہے منشاء اختلاف اس باب کی حدیث کا واقعہ ہے عن النعمان بن بشیر مرفوعاً اکل ولدک نحلت مثلہٗ قال لا قال فارجعہ جمہور کے نزدیک اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے اور امام بخاری اس سے وجوب ثابت فرماتے ہیں ترجیح عقلا استحباب کو ہے کیونکہ ضرورت بچوں کی مختلف ہوتی ہے مثلاً کوئی بال بچوں والا ہوتا ہے کوئی نہیں ہوتا پس حدیث اس پر محمول ہے کہ کسی بچے کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا ہو تو ناجائز ہے عام حالات میں برابری مستحب ہے۔

باب الاشھاد فی الھبة

غرض یہ ہے کہ ھبہ پر گواہ بنانا مستحب ہے۔

باب ھبة الرجل لامراته والمرأة لزوجھا

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ زوجین ایک دوسرے کو ھبہ کریں اور یہ ھبہ لازم ہوگا اس میں رجوع نہ ہوسکے گا۔

باب ھبة المراۃ لغیر زوجھا

غرض یہ ہے کہ شادی شدہ عورت غیر زوج پر صدقہ کرے تو جائز ہے یہی جمہور کا مسلک ہے امام مالک کے نزدیک صرف ثلث مال کا صدقہ کرسکتی ہے وللجمہور روایۃ الباب عن اسماء قالت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالی مال الاما ادخل الزبیر علی افا تصدق قال تصدقی ولمالک قیاس کرنا ہے وصیت پر کہ وہ صرف ثلث میں جاری ہوتی ہے جواب حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کرسکتے۔

باب بمن یبدأ بالھدیة

غرض حکم بتلانا ہے کہ ہدیہ پہلے کس کو دینا چاہئے یعنی پہلے ذی رحم محرم کو دینا چاہئے۔ اور اگر پڑوسیوں کو ہدیہ دینا ہو تو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اس کا زیادہ حق ہے۔

باب من لم یقبل الھدیة لعلة

غرض یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے ہدیہ رد کردینا بھی جائز ہے مثلاً۔ ا- مدیون دین ادا کرنے سے پہلے دائن کو ہدیہ دے تو اس

میں شبہ سود ہونے کا ہوتا ہے یہ ہدیہ رد کر دینا چاہئے۔۲-بطور رشوت کے ہدیہ دے۔۳-ایسی چیز کا ہدیہ دے جو محرم نہیں قبول کر سکتا یعنی زندہ شکاری جانور۔۴-ہدیہ دینے والا رشوت کی کمائی سے ہدیہ دے۔۵-حرام کمائی سے کوئی ہدیہ دے۔

باب اذا وهب او وعدثم مات قبل ان تصل اليه

غرض دو مسئلوں کا بتلانا ہے اور دونوں اختلافی ہیں۔ پہلا اختلاف:۔عندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی هبہ بغیر قبضہ کے تام نہیں ہوتا وعند مالک واحمد تام ہو جاتا ہے اور امام مالک ہی کے قول کی طرف امام بخاری مائل ہیں ولنا روایۃ مصنف عبدالرزاق عن ابراہیم مقطوعاً لاتجوز الھبۃ حتی تقبض اور یہ حکم میں مرفوع کے ہے ولمالک واحمد قیاس ہے بیع پر جیسے بیع بغیر قبضہ کے تام ہے ایسے ہی ہبہ بھی تام ہے جواب حدیث کو قیاس پر ترجیح ہے۔ دوسرا اختلاف:۔امام بخاری کے نزدیک میت کے وعدہ کا پورا کرنا ورثہ پر واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک مستحب ہے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن جابر فامر ابوبکر منادیا فنادی من کان لہ عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم عدۃ او دین فلیأ تنا عندالجمہور یہ دیانت اور استحباب پر محمول ہے اور عندالبخاری وجوب پر محمول ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ استحباب اقل ہے اور اقل یقینی ہوتا ہے۔

باب كيف يقبض العبد والمتاع

غرض قبضہ کی کیفیت کا بیان ہے بظاہر امام بخاری کا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک چیز کا الگ کر دینا کافی ہے اور گذشتہ باب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ھبہ کے تام ہونے کے لئے قبضہ کی ضرورت ہی نہیں ہے گویا اس مسئلہ میں بھی امام بخاری کا قول واضح نہیں ہے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قبضہ ضروری ہی نہیں ہے وعند الشوافع موھوب شی کو منتقل کرنا اُس جگہ سے ضروری ہے جبکہ وہ قابل نقل ہو اور عند الحنفیہ قبضہ عرفی کافی ہے اور یہ درجہ چونکہ بین بین ہے اس لئے راجح ہے خیر الامور اوساطہا دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ چونکہ قبضہ کی تعیین شرعاً نہیں کی گئی اس لئے مدار عرف ہی پر ہے جس کو عرف میں قبضہ شمار کیا جائے وہی کافی ہے کبھی افراز سے ہوگا کبھی انتقال سے ہوگا اس لحاظ سے بھی حنفیہ کا قول ہی راجح ہے۔

باب اذا وهب هبة فقبضها الآخر ولم يقل قبلتُ

غرض یہ ہے کہ قبضہ ہی قبلتُ کہنے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

باب اذا وهب دينا على رجل

قرضہ معاف کرنے کی صورت میں اگر ہبہ ہو تو اس میں قبضہ کے بغیر بھی ہبہ تام ہو جاتا ہے کیونکہ قبضہ پہلے سے موجود ہے اس مسئلے کا بیان کرنا ہی اس باب کی غرض ہے۔

باب هبة الواحد للجماعة

غرض یہ ہے کہ ہبہ مشاع کا جائز ہے یعنی ایک مکان کا تقسیم کئے بغیر نصف یا ثلث ہبہ کیا جائے گویا جمہور کے مذہب کی تائید فرمائی وعندامامنا ابی حنیفۃ جس چیز میں تقسیم ہو سکتی ہے اس کا مشاع کا ہبہ صحیح نہیں ہے منشاء اختلاف مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے عن ابراہیم مقطوعاً لاتجوز الھبۃ حتی تقبض یہ قبضہ مطلق مذکور ہے اور المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اور کامل قبضہ تقسیم کے بعد ہوتا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک نفس قبضہ پایا گیا ہمارے قول کو ترجیح ہے اس بناء پر کہ اس میں احتیاط ہے۔ جمہور کے لئے مرجح۔۱۔اس باب کی تعلیق ہے وقالت اسماء للقاسم بن محمد وابن ابی عتیق ورثت عن اختی عائشۃ مالا بالغابۃ وقد اعطانی بہ معاویۃ مأتہ الف فھو لکما جواب۔۱۔یہ وصیت تھی اور وصیت ہمارے نزدیک بھی مشاع کی جائز ہے۔۲۔یہاں آگے تفصیل نہیں ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ دونوں کو الگ الگ کر کے ہی دی ہوگی اور ہمارے نزدیک بھی اگر ہبہ کے وقت چیز مشاع ہو لیکن بعد میں قبضہ کے وقت الگ کر دے تو صحیح ہے۔۲۔دوسرا مرجح جمہور کے لئے اسی باب کی مسند روایت ہے۔ عن سہل بن سعد مرفوعاً فقال للغلام ان اذنت لی اعطیت ھولا

ء یہ دنیا مشاع ہی کا تو تھا جواب یہ اباحت ہے ہبہ نہیں ہے۔

باب الهبة المقبوضة وغير المقبوضة والمقسومة وغير المقسومة

غرضیں دو ہیں ۔ا۔ واہب کے قبضہ میں شی ہو اس کا ہبہ بھی ٹھیک ہے اور قبضہ میں نہ ہو تو اس کا بھی ٹھیک ہے ۔۲۔ تائید کرنا گذشتہ باب کے مسئلہ کی کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے۔ پھر اس باب میں تائید کے درجہ میں تین زائد ترجیحات بیان فرمائی ہیں ۔ا۔ تعلیق جس میں ہوازن کو غنائم واپس کرنے کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے کیونکہ سب غنیمت اکٹھی واپس کی گئی الگ الگ واپس نہ کی گئی جواب ۔ا۔ یہ تو فسخ القسمت ہے ہبہ جدیدہ نہیں ہے۔۲۔ ہر ایک نے اپنے اپنے بال بچے لے لئے تو قبضہ کے وقت تقسیم ہوگئی اور یہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے کہ ہبہ کے وقت چیز غیر منقسم ہو پھر قبضہ کے وقت منقسم ہو۔۲۔ دوسرا نیا مرجح حدیث الباب ہے عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاً فوزن لی فارجح جواب۔ یہ زیادۃ فی الثمن ہے ھبہ نہیں ہے۔۳۔ تیسرا نیا مرجح حدیث الباب عن ابی ہریرۃ فقالوا انا لانجد سناً الا سناً ھی افضل من سنہ قال (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم) فاشتروھا فاعطوھا ایاہ جواب۔ یہ زیادۃ فی اداء الدین ہے نہ کہ ھبہ۔

باب اذا وهب جماعة لقوم اووهب رجل جماعة جاز

غرض یہاں بھی مشاع ھبہ کے جواز کے لئے مرجح پیش کرنا ہے اور یہ واقعہ وہی ہوازن کا ہے جواب ہو چکا۔

باب من اهدى له هدية وعنده جلساؤه فهو احق به

غرض یہ ہے کہ جس مجلس میں ہدیہ پہنچا ہو اس میں صاحب مجلس کے کچھ ساتھی بھی بیٹھے ہوں تو وہ ہدیہ صاحب مجلس کے لئے ہی ہوگا لیکن اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اہل مجلس کو بھی شریک کرلے پھر تفسیر قرطبی میں حدیث مرفوع نقل کی گئی ہے جلساء کم شرکاء کم فی الھدیۃ ۔ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں ہے وانی مرسلة اليهم بهدية پھر اس حدیث کی مختلف تقریریں اسی تفسیر میں منقول ہیں۔ اور وہ یہ ہیں ۔ا۔ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے ہر مجلس میں اُس ہدیہ میں سب شرکاء حقیقۃً شریک ہوں گے ۔۲۔ یہ شرکت مستحب ہے ۔۳۔ پھلوں میں اور پھلوں جیسی کھانے پینے والی چیز میں شرکت ہوگی باقی چیزوں میں نہیں ۔۴۔ وہ خوشی میں شریک ہیں جو ہدیہ کی وجہ سے ہوتی ہے نفس ہدیہ میں شریک نہیں ہیں ۔۵۔ یہ حدیث اصحاب صفہ اور ان جیسی مجالس پر محمول ہے جیسے سرائے وغیرہ میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ **ثم قضاء افضل من سنه** :۔ یہ محل ترجمہ ہے کیونکہ جتنا زائد اُس میں تھا اس میں صرف وہی مالک بنا جس کو دیا گیا باقی اہل مجلس شریک نہ ہوئے۔

باب اذا وهب بعير الرجل وهو راكبه فهو جائز

غرض یہ ہے کہ جب موہوب پر پہلے سے موہوب لہ کا قبضہ ہو تو کسی نئے قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ **باب هدية ما يكره لبسها**:۔ غرض یہ ہے کہ ہبہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ قیمت والا ہو اگرچہ موہوب لہ کے لئے اس کا استعمال حلال نہ ہو۔

باب قبول الهدية من المشركين

غرض یہ ہے کہ اگر مصلحت قبول کرنے میں ہی ہو تو جائز ہے سوال۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے لا اقبل ہدیۃ مشرک جواب ۔ا۔ جب مشرک ولی دوستی کرنا چاہے تو منع ہے ورنہ قبول کرنے کی گنجائش ہے ۔۲۔ مشرک خصوصی مراعات حاصل کرنا چاہے تو منع ہے ورنہ نہیں ۔۳۔ اصل عدم قبول ہے جہاں قبول فرمایا وہاں اسلام سے مانوس کرنا مقصود تھا۔۴۔ جب مشرکین سے عداوت ہو تو منع ہے ورنہ نہیں۔ **فما زلت اعرفها فی لهوات رسول الله صلی الله علیه وسلم** :۔ شہادت فی الجہاد میں

مصلحت نہ تھی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ نصرت اور غلبہ نہیں دیا گیا اس لئے ایک قسم کی شہادت زہر کے ذریعہ سے دے دی گئی۔ **باب الھدیۃ للمشرکین:**۔غرض یہ کہ کسی مصلحت کی بناء پر جائز ہے مثلاً ۱۔صلہ رحمی ۔۲۔اسلام سے مانوس کرنا۔

باب لا یحل لا حدان یرجع فی ھبة وصدقة

غرض یہ ہے کسی ہبہ اور کسی صدقہ میں بھی دیانۃً رجوع جائز نہیں ہے گو قضاءً بعض صورتوں میں جائز ہے۔ **باب:** یہ تتمہ ہے ماقبل کا کیونکہ اس میں ہبہ کا ذکر ہے اور یہ شبہ مذکور نہیں ہے کہ شاید رجوع کرلیا گیا ہو معلوم ہوا کہ ہبہ میں اصل یہی ہے کہ رجوع نہ ہو۔ سوال۔ یہاں ایک کی گواہی پر کیسے فیصلہ کردیا گیا۔ جواب۔۱۔ غالبًا یہ مکان ظلماً بیت المال میں شامل کر لئے گئے تھے اس لئے ان کو بلا بینہ ہی واپس کرنا ضروری تھا اس لئے ایک گواہ کی گواہی پر ہی واپس کردیا گیا۔۲۔ قاضی شریح وغیرہ بعض سلف سے منقول ہے کہ قرائن کے ساتھ ایک کی گواہی پر بھی عمل ہوسکتا ہے۔۳۔شاید حضرت ابن عمر کے ساتھ دوسرا گواہ بھی ہو لیکن ذکر صرف حضرت ابن عمر کا ہی کیا گیا ان کی عظمت شان کی وجہ سے۔

باب ما قیل فی العمریٰ والرقبیٰ

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی عمریٰ یا رقبیٰ کے لفظ سے ہبہ کرے تو یہ بھی عام ہبہ کی طرح ہے سوال۔ رقبیٰ کی روایت ذکر نہ فرمائی جواب عمریٰ پر قیاس فرمایا لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں البتہ عمریٰ میں امام بخاری نے جمہور کی موافقت فرمائی ہے۔ **عمریٰ میں اختلاف:**۔عند مالک اگر عمریٰ کے لفظ سے ہبہ کیا ہے جس کے معنیٰ ہیں عمر بھر کے لئے دیا تو اگر ولعقبک بھی ساتھ کہہ دیا ہے کہ تیرے مرنے کے بعد تیرے ورثہ کو دیا پھر تو یہ ہبہ ہی ہے ورنہ اس کے مرنے کے بعد دینے والے کی طرف لوٹ آئے گا وہ نہ زندہ ہوگا تو اس کے وارثوں کی طرف لوٹ آئے گا اور جمہور کے نزدیک یہ ہبہ ہی ہے کسی صورت میں بھی واپس نہ لوٹے گا ولنا روایۃ ابی داؤد والبخاری حدیث الباب عن جابر قال قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعمریٰ انھالمن وھبت لہ ولما لک۔۱۔روایۃ ابی داؤد عن جابر موقوفاً اذا قال ھی لک ما عشت فانھا ترجع الی صاحبھا جواب۔ یہ ان کا اپنا اجتھاد ہے ہمارے پاس مرفوع روایت ہے۔۲۔ان کی دوسری دلیل فی ابی داؤد والبخاری روایت الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعاً العمریٰ جائزۃ جواب اس کی تفصیل ابوداؤد میں ہے عن جابر مرفوعاً من اعمر عمریٰ فھی لہ ولعقبہ۔ **رقبیٰ میں اختلاف:**۔عندامامنا و مالک باطل ہے وعندالشافعی واحمد جائز ہے کہ اس لفظ کے ساتھ کوئی چیز کسی کو دے تو اگر دینے والا پہلے مرا تو موھوب لہ اس چیز کا مالک بن جائے گا ورنہ اُس موھوب لہ کے مرنے کے بعد واہب کے پاس لوٹ آئے گی ولنا **انما الخمر المیسر والا نصاب والا زلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ**۔ وللشافعی واحمد روایۃ ابی داؤد عن جابر مرفوعاً والرقبیٰ جائزۃ لاھلھا جواب قمار کے حرام ہونے سے یہ بھی حرام اور باطل ہوگیا کیونکہ یہ صورت قمار کی ہی ایک صورت ہے۔

باب من استعار من الناس الفرس والدابة وغیرھا

غرض یہ ہے کہ گھوڑے وغیرہ جانور کو استعمال کے لئے لینا جائز ہے ربط ماقبل سے یہ ہے کہ جب ہبہ کے احکام سے فارغ ہوئے تو عاریت کے احکام میں شروع ہوگئے کیونکہ ہبہ تملیک عین بلا معاوضہ ہے اور عاریہ تملیک منافع بلا معاوضہ ہے۔ اور اس کی اصل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ویمنعون الماعون** کیونکہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے اس کی تفسیر میں منقول ہے انہ العواری۔

باب الا ستعارة للعروس عند البناء

غرض یہ ہے کہ رخصتی کے وقت کسی سے اچھے کپڑے مانگ کر پہن لینا جائز ہے۔ **درع قطر:** یہ ایک قسم کی چادر ہوتی تھی۔ **تزھیٰ:** تکبر میں ڈالی جاتی ہے یعنی تکبر کی وجہ سے گھر میں پہننا بھی پسند نہیں کرتی حالانکہ پہلے یہی چادر دلہنوں کے لئے مانگی جاتی تھی۔ **تقیّن:** تُزَیَّنُ زینت دی جاتی تھی۔

باب فضل المنیحة

غرض منیحہ دینے کی فضیلت کا بیان ہے منیحہ کے اصل معنیٰ تو وہ بکری یا گائے یا اونٹنی ہوتی ہے جو کسی کو دے دی جائے کہ اس کو مناسب چارہ ڈالتے رہنا اور دودھ پیتے رہنا پھر واپس کر دینا لیکن یہاں احادیث میں عام معنیٰ مراد ہیں زمین یا درخت جو عاریت کے طور پر دیئے ہوں ان کو بھی شامل ہے۔ گو یہ لفظ ہبہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں چونکہ عاریت کے باب چل رہے ہیں اس لئے ہبہ مراد نہیں ہے۔

باب اذا قال اخدمتک هذه الجارية على ما يتعارف الناس فهو جائز

غرض یہ ہے اگر کوئی یوں کہے اخدمتک ھذہ الجاریہ تو عرف پر مدار ہوگا اگر وہاں عرف ہبہ میں ہے تو ہبہ ہو جائے گا اور اگر وہاں کا عرف یہ ہوگا کہ یہ لفظ عاریت میں استعمال ہوتا ہوگا تو پھر عاریت ہی ہوگی۔

وقال بعض الناس هذه عارية

بعض الناس سے مراد حنفیہ ہیں امام بخاری امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین پر اعتراض فرما رہے ہیں کہ وہ اخدمت کے لفظ کو عاریہ قرار دے رہے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے فاخدمھا ھاجر اور یہ ہبہ کے معنیٰ میں ہے۔ جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ اسی باب کی روایت میں ہے فاعطوھا آجر یہ قرینہ ہے کہ یہاں اخدم اعطیٰ کے معنیٰ میں ہے۔

وان قال کسوتک هذا الثوب فهو هبة

یعنی حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسوتک ہبہ ہے اور کسوتک الی اجل عاریۃ ہے ہبہ کی مثال آیت بھی ہے **فکفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم.** امام بخاری حنفیہ پر دوسرا اعتراض اشارۃً کرنا چاہتے ہیں کہ اخدمتُ اور کسوتُ میں فرق کرنا ترجیح بلا مرجح ہے جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ اخدمتُ کی اصل عاریت ہے کیونکہ اباحت خدمت عاریت ہوتی ہے اور اصل کسوتُ کی اعطیتُ ہے لیکن خدمت کا لفظ قرینہ کی وجہ سے جیسے یہاں اعطوا آجر ہے ہبہ میں آ جاتا ہے اگر کسی قوم کا محاورہ ہی ہبہ کے معنیٰ ہوں تو یہ ان کا محاورہ ہی قرینہ بن جائے گا کسوت اصل ہبہ میں ہے البتہ اگر اجل کا ذکر ہوگا تو یہ قرینہ ہوگا عاریت کے لئے کسوتُ اور اخدمتُ کا فرق ظاہر ہو گیا اور حنفیہ پر سے اعتراض اٹھ گیا۔

باب اذا حمل رجل على فرس فهو كالعمرىٰ والصدقة

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کو کہے حملتک علی ھذا الفرس تو یہ ہبہ اور صدقہ ہوتا ہے عُمریٰ کی طرح **وقال بعض الناس له ان يرجع فيها**: یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک حملتک علی ھذا الفرس کہنے میں چار احتمال ہیں۔ ۱۔ عاریت کی نیت ہو تو عاریت۔ ۲۔ ہبہ کی نیت ہو تو ہبہ۔ ۳۔ وقف کی نیت ہو تو وقف فی سبیل اللہ۔ ۴۔ کچھ نیت نہ ہو تو ادنیٰ یعنی عاریت ہے۔ اب امام بخاری کا جو کالعمریٰ فرما رہے ہیں ہم کہتے ہیں **ھا تو ا بر ھانکم ان کنتم صادقین** اس کے بعد امام بخاری ہمارے امام صاحب پر اعتراض فرما رہے ہیں کہ حدیث میں تو حمل کے لفظ کو صدقہ قرار دیا گیا ہے آپ کیسے اس کو عاریت قرار دے رہے ہیں جواب۔ اصل وضع عاریت کے لئے ہے لیکن ہبہ اور صدقہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے کوئی اعتراض نہیں۔

کتاب الشهادات

غرض شہادہ کے احکام بتلانا ہے۔ لفظ شہادہ مشتق ہے مشاہدہ اور شہود سے اور لغت میں حضور کو کہتے ہیں شریعت میں ھو الاخبار عند الحاکم بحق الغیر اور عند الفقہاء اثبات الحق عند الحاکم تین قسم پر ہے۔ ۱۔ اثبات الرجل حقہ علی الغیر دعویٰ اگر کوئی اپنا حق غیر پر ثابت کرنا چاہئے تو یہ دعوی ہے۔ ۲۔ اثبات حق الغیر علی نفسہ یہ اقرار ہے۔ ۳۔ اثبات حق الغیر علی الغیر یہ شہادت ہے۔

باب ما جاء في البينة على المدعي

غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱۔مسئلہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں۔۲۔شوافع اور جمہور کے قول کا رد فرمانا چاہتے ہیں جو اس کے قائل ہو گئے کہ اگر مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ مدعی قسم کھالے گا اور اس طرح سے مدعی کے حق میں قاضی فیصلہ کردے گا وعندنا امنا ایک گواہ سے فیصلہ نہیں ہوسکتا اس صورت میں مدعیٰ علیہ سے یمین لی جائے گی اگر مدعیٰ علیہ نے قسم کھالی تو مدعیٰ علیہ کے حق میں فیصلہ ہوگا ورنہ مدعی کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ ولنا۔۱۔زیر بحث باب والی آیت واستشهد واشهيدين من رجالكم۔۲۔فی الترمذی عن ابن عمرو مرفوعاً البینة علی المدعی والیمین علی المدعیٰ علیہ وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً قضی بیمین وشاھد۔ جواب۔۱۔معنیٰ یہ ہیں کہ چونکہ گواہ ایک تھا اس لئے مدعیٰ علیہ کی یمین سے فیصلہ فرمایا یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ مدعی سے یمین لی۔ ۲۔ہماری روایت قولی ہے آپ کی واقعہ جزئیہ ہے ترجیح روایت قولی کو اور قاعدہ کلیہ کو ہوتی ہے۔۳۔یہ فیصلہ بطور قضاء کے نہ تھا بلکہ بطور صلح کے تھا اور اختلاف قضاء میں ہے۔ پھر امام بخاری نے کوئی حدیث اس باب میں ذکر نہ فرمائی کیونکہ مقصد کے اثبات کے لئے یہ دو آیتیں ہی کافی شمار فرمائیں۔

باب اذا عدّل رجل احداً فقال لا نعلم الا خيراً اوقال ما علمت الا خيراً

غرض کی دو تقریریں ہیں۔۱۔تعدیل کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے لانعلم الا خیراً یا یوں کہہ دے ماعلمت الا خیراً۔۲۔تزکیہ کے لئے ایک شخص کافی ہے۔

باب شهادة المختبي

غرض یہ ہے کہ چھپ کر واقعہ دیکھنے والے اور کلام سننے والے کی گواہی بھی قاضی کے سامنے معتبر ہے اور یہی جمہور کا قول ہے وعندنا امنا ابی حنیفۃ معتبر نہیں ہے۔ ولنا۔۱۔چھپ کر لوگوں کے رازوں کی باتیں سننے سے تو عدالت باقی نہیں رہتی۔۲۔چھپ کر دیکھنے میں واقعہ پورا معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی بات سنی کوئی نہ سنی وللجمہور حدیث الباب عن عبداللہ بن عمر مرفوعاً وھو یختل ان یسمع من ابن صیاد شیئاً قبل ان یراہ۔ جواب۔ یہ کوئی موقع گواہی دینے کا نہیں ہے اس لئے یہ روایت محل نزاع سے خارج ہے۔

باب اذا شهد شاهد او شهود بشئي فقال الآخرون ما علمنا ذلک يحكم بقول من شهد

اگر کچھ گواہ گواہی دیں اور کچھ کہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تو گواہی دینے والوں کا قول ہی راجح ہوگا یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے امام بخاری کا۔

باب الشهداء العدول

غرض یہ ہے کہ شہادۃ میں عدالت شرط ہے اور عدالت کے مصداق میں مدار ظاہر پر ہے کیونکہ دل کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عادل کون ہے پھر عادل کے مصداق میں تین قول ہیں۔۱۔حدیث الباب سے ظاہر ہوتا ہے کہ عادل وہ ہے جس سے زنا ظاہر نہ ہوئی ہو۔۲۔جس کی حسنات سیئات پر غالب ہوں۔۳۔جو کبائر سے بچتا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو اور گھٹیا کاموں سے بچتا ہو جیسے راستہ میں کھانا اور راستہ میں پیشاب کرنا۔

باب تعديل كم يجوز

غرض یہ ہے کہ ایک کی تعدیل کافی ہے اور یہی قول ہے ہمارے امام ابوحنیفہ کا اور امام احمد کا اور فرمایا مالک و شافعی نے کہ ایک کی تعدیل و تزکیہ کافی نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں ولنا اول الباب عن انس مرفوعاً المومنون شهداء الله في الا رض کیونکہ اصول یہ ہے کہ جمع معرف باللام اگر استغراق کے لئے نہ ہو تو جنس کے لئے ہوتی ہے اور جنس ایک کو بھی شامل ہے۔ ولمالک والشافعي واستشهدوا شهيدين من رجالكم جواب۔ یہ تو شہادت کے متعلق ہے اور کلام تزکیہ میں ہو رہی ہے اور حکم تزکیہ پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ شہادت پر مرتب ہوتا

ہے اس لئے تزکیہ کو شہادت پر قیاس بھی نہیں کر سکتے۔

باب الشهادة على الانساب والرضاع المستفيض والموت القديم

غرض یہ ہے کہ۔ا۔نسب میں اور مشہور رضاعت میں اور پرانی موت میں دیکھنا شرط نہیں ہے گواہی دینے کے لئے بلکہ سُنی ہوئی بات پر اعتماد کر لینا ہی کافی ہے۔۲۔دوسری تقریر غرض میں یہ ہے کہ ان مذکور چیزوں میں گواہی کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ بغیر گواہی کے ہی ثابت ہو جاتی ہیں۔سوال باب میں تو صرف رضاعت کی احادیث مذکور ہیں نہ نسب مذکور ہے نہ موت قدیم جواب نسب کو رضاعت میں زیادہ تعلق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رضاعت سے وہ موقعے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔اور موت قدیم کو رضاعت ہی پر قیاس فرمالیا۔

والتثبت فیہ:۔ یہ ترجمۃ الباب کا حصہ ہے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک میں تحقیق اور احتیاط کرنی چاہئے۔

باب شهادة القاذف والسارق والزانی

غرض یہ ہے کہ قاذف اور سارق اور زانی کی شہادت بعد التوبہ قبول ہو جائے گی۔سارق اور زانی میں تو اتفاق ہے قاذف میں امام بخاری نے جمہور کا قول لے لیا وعندامامنا ابی حنیفۃ توبہ کے بعد بھی تہمت لگانے والے کی گواہی قبول نہ ہوگی جس کا تعلق دُنیا سے ہے البتہ توبہ سے تہمت کے اُس عذاب سے نجات مل جائے گی جس کا تعلق آخرت سے ہے۔منشاء اختلاف آیۃ قذف کی تفسیر میں اختلاف ہے **فاجلد وهم ثمانين جلدةً ولا تقبلوا لهم شهادة اَبَداً واولئک هم الفاسقون. الا الذين تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان الله غفور رحيم** پس عندامامنا مغفرت کا تعلق صرف فسق سے ہے اور عند الجمہور فسق اور شہادت دونوں سے ہے۔**حنفیہ کے مرجحات:۔** ا۔مغفرت کے ذکر سے فسق اقرب ہے اس لئے مغفرت کا تعلق صرف اُسی سے ہونا چاہئے۔۲۔توبہ سے اَسّی کوڑے کی سزا بالا جماع معاف نہیں ہوتی جو کہ حد ہے اِسی طرح توبہ سے عدم قبول شہادت بھی معاف نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی حد قذف میں داخل ہے۔۳۔**وا والئک هم الفاسقون** جملہ مستانفہ ہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور **ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً** جملہ انشائیہ ہے اور خبریہ کا عطف انشائیہ پر نہیں ہوا کرتا۔اس لئے توبہ کا تعلق صرف فسق کے ساتھ ہی ہوگا۔فسق اور شہادت دونوں سے نہ ہوگا۔۴۔استثناء میں ضابطہ یہ ہے کہ یا تو مذکورہ سب چیزوں کی طرف لوٹے گا یا صرف آخری چیز کی طرف لوٹے گا یہاں سب کی طرف تو بالا جماع لوٹ نہیں سکتا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے حد معاف نہیں ہوتی تو لامحالہ استثناء صرف آخری چیز یعنی فسق کی طرف لوٹے گا اور توبہ سے فسق ختم ہوگا شہادت جائز نہ ہوگی۔ ۵۔سارق اور قاطع الطریق جو پکڑے جانے کے بعد توبہ کریں تو ان کی توبہ سے ان کی حد معاف نہیں ہوتی اِسی طرح قاذف کی حد بھی توبہ سے معاف نہ ہوگی۔مرجحات الجمہور ابداً کے معنیٰ ہیں مادام فی الاصرار علی القذف کہ جب تک قذف پر اصرار کرتا رہے اس وقت تک گواہی قبول نہ ہوگی جب حد لگ چکی اور توبہ بھی کر لی تو اصرار علی القذف ختم ہوگیا اس لئے ابداً کا حکم بھی ختم ہوگیا جیسے کہا جائے لاتقبل شہادۃ الکافر علی المسلم ابداً اس کے معنیٰ ہیں جب تک وہ کفر پر اصرار کرے اسی طرح یہاں ہے۔جواب اس تقریر سے تو ابداً کا لفظ بے کار ہو جاتا ہے اس لئے یہ ترجیح صحیح نہیں ہے

بقذف المغیرۃ:۔ اس واقعہ میں جو روایات آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ جلیل القدر صحابی ہیں اور اہل حدیبیہ میں سے ہیں جن کے متعلق حق تعالیٰ نے اپنی نص قطعی میں اعلان فرمایا ہے **لقدر ضی الله عن المومنين اذيبا يعونک تحت الشجرہ.** پندرہ سو صحابہ اس مبارک بشارت میں داخل ہوئے ان ہی میں سے ایک حضرت مغیرۃ بن شعبہ بھی ہیں ان کو حضرت عمر فاروق نے اپنے زمانہ خلافت میں امیر بصرہ مقرر فرمایا اور ان کی ایک عجیب شان ظاہر ہوئی کہ یکے بعد دیگرے انہوں نے بہت سے نکاح فرمائے حتیٰ کہ ایک روایت

کے مطابق انہوں نے شرعی اصولوں کی رعایت فرماتے ہوئے تین سوعورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح فرمائے ان ہی نکاحوں میں ایک نکاح حضرت ام جمیل بنت عمرو سے بھی تھا لیکن ان تین حضرات نے جنکا ذکر بخاری شریف کی اس تعلیق میں ہے ابوبکرۃ اور شبل بن معبد اور نافع ان تین حضرات نے یہ تحقیق نہ فرمائی کہ نکاح ہو چکا ہے اور جاکر حضرت عمر فاروق کے پاس گواہی دے دی کہ انہوں نے زنا کی ہے ام جمیل کے ساتھ ان تین کے ساتھ ایک چوتھا گواہ بھی تھا زیاد جو ابوبکرۃ کا بھائی تھا۔ لیکن پہلے تین شخصوں نے تو صریح زناء کی گواہی دی اور ان چوتھے صاحب نے صرف یہ کہا کہ رایت منظرا قبیحا یا اس کے مثل الفاظ کہے چونکہ ان الفاظ میں زناء کی تہمت صریح نہ تھی اس لئے زیاد کو حد نہ لگائی باقی تین کو حد قذف لگائی کیونکہ چار گواہ زناء کے نہ پائے گئے اور جس وقت یہ حضرات گواہی دے رہے تھے تو اُس وقت حضرت مغیرہ مسکرا رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کیسے بینہ سے ثابت کروں کہ میرا تو ام جمیل کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے **ثم استتابھم** :۔سوال۔ قاذف کو توبہ کرانا تو مناسب نہیں ہے اس سے تو اس فعل قبیح کی تائید ہوتی ہے۔ جواب۔ اصل میں ان تینوں سے خطا ہوگئی تھی کہ معاملہ کی پوری تحقیق نہ فرمائی کہ نکاح ہو چکا ہے یا نہ اور چار گواہی کا نصاب بھی پورا نہ فرمایا اس لئے ان کی قذف کچھ ناقص تھی اس سے حنفیہ کی طرف سے جواب بھی ثابت ہو گیا کہ ان کی قذف کو کچھ کم سمجھ کر ایک حصہ حد کا حضرت عمر نے جاری فرمایا کہ کوڑے لگا دئے دوسرا حصہ معاف فرما دیا کہ توبہ کرنے پر گواہی قبول فرما لینے کا ذکر فرمایا واللہ اعلم۔ **قال بعض الناس لا تجوز شہادۃ القاذف وان تاب** :۔ غرض امام الائمہ امام اعظم امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین پر اعتراض ہے کئی وجوہ سے۔ ا۔ آپ فرماتے ہیں کہ محدود فی القذف کی شہادت معتبر نہیں پھر محدود کی گواہی سے نکاح کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں یہ تو تعارض ہے۔ ۲۔ عبد کی گواہی آپ کے ہاں نکاح میں کافی نہیں اور محدود فی القذف کی کافی ہے حالانکہ دونوں گواہی میں ناقص ہیں یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ جواب ان دونوں اعتراضوں کا یہ ہے کہ عقد نکاح میں مقصود شہرت ہے اور وہ غیر عادل سے بھی حاصل ہے بخلاف اداء شہادت عند القاضی کے کہ اس میں غیر پر الزام قائم کرنا ہوتا ہے محدود فی القذف اس کا اہل نہیں ہے۔ باقی رہا عبد تو اس کو تو اپنے نفس پر بھی ولایت حاصل نہیں جیسے بچہ اور مجنون اس لئے وہ نکاح میں گواہ نہیں بن سکتا۔ محدود فی القذف کو اپنے نفس پر بھی ولایت حاصل ہے اس لئے وہ گواہ بن سکتا ہے پس فرق واضح ہو گیا اور دونوں اعتراض ختم ہو گئے۔ ۳۔ آپ نے عبد اور امہ کی گواہی نکاح میں قبول نہ فرمائی لیکن رؤیۃ ہلال میں قبول فرمالی یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے۔ جواب۔ روایۃ ہلال کا مسئلہ صرف خبر دینے سے متعلق ہے اس میں کسی ولایت کی ضرورت نہیں ہے اور نکاح کا گواہ بننے کے لئے ولایت کی ضرورت تھی۔ غلام اور لونڈی میں ولایت نہیں ہے اور نفس خبر دینے کی اہلیت تو ہر عادل مسلمان میں ہے اس باریک فرق کی وجہ سے ہمارے امام صاحب نے حکم میں فرق فرمایا ہے اس لئے یہ ترجیح بلا مرجح نہیں ہے ترجیح بالمرجح ہے۔ **وکیف تعرف توبتہ** :۔ یہ امام بخاری کا قول ہے اور باب کا تتمہ ہے مقصد یہ ہے کہ زبان سے تکذیب اپنی ضروری نہیں ہے بلکہ آئندہ کے عمل سے توبہ ظاہر ہو جاتی ہے کیونکہ بعض دفعہ سچا ہی ہوتا ہے مثلاً گواہ چار پورے نہ ہونے کی وجہ سے حد قذف لگ جاتی ہے جیسے حضرت کعب بن مالک نے اپنی زبان سے اپنی تکذیب نہ فرمائی تھی بلکہ حالات سے توبہ ظاہر ہو گئی تھی ایسے ہی اُن کے دونوں ساتھی تھے۔ سوال امام بخاری نے حضرت ابوبکرہ کو محدود فی القذف بھی شمار فرمایا اور پھر ان کی روایات بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمادیں۔ جواب۔ شک صرف شہادت میں ہوا روایت میں تو شک نہ ہوا۔ **وتغریب عام** :۔ ایک سال کے لئے جلاوطن کر دینا ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف سیاسۃً و تدبیراً ہے حدّ کا حصہ نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حدّ کا حصہ ہے منشاء اختلاف یہی زیر بحث روایت ہے عن زید بن خالد مرفوعاً امر فیمن زنی ولم یحصن بجلد مائۃ وتغریب عام ہمارے نزدیک یہ وقتی تدبیر اور

سیاست پر محمول ہے اور عندالجمہور حدّ کا جزء ہونے پر محمول ہے ہمارے قول کی ترجیح کی وجہ۔ا۔قرآن پاک میں سوکوڑوں کا ذکر ہے تغریب عام کا ذکر نہیں ہے۔۲۔عمدۃ القاری میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو جلاوطن فرمایا وہ نعوذ باللہ مرتد ہوگیا اور دارالحرب میں بھاگ گیا اس کے بعد قسم کھائی حضرت عمر نے کہ اب میں کسی کو جلاوطن نہ کروں گا اگر تغریب حدّ شرعی ہوتی تو حضرت عمر کبھی اس حدّ کو چھوڑنے کی قسم نہ کھاتے اور کسی کے مرتد ہونے نہ ہونے کا کبھی اثر قبول نہ فرماتے۔

باب لا یشهد علی شهادة جور اذا اشهد

غرض یہ ہے کہ ظلم پر گواہ بننا جائز نہیں۔ خیرکم قرنی ثم الذین یلوھم ثم الذین یلوھم:۔ یہ خیریت علم اور تقویٰ کے لحاظ سے ہے اور مجموعہ کے لحاظ سے ہے جس میں اکثر کا اعتبار ہے ہر واحد کا اعتبار نہیں ہے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ تین صدیوں کے بعد بھی کسی کا مرتبہ ان تین صدیوں کے بعض افراد سے اونچا ہو البتہ صحابہ کرام اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں اُن کے برابر قیامت تک کوئی امتی نہیں ہوسکتا۔ لا ادری اذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدُ قرنین او ثلاثۃ:۔ بعدُ کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اپنی قرن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قرنوں کا ذکر فرمایا یا تین کا ذکر فرمایا۔

باب ما قیل فی شهادة الزور

غرض شہادۃ زور کی مذمت ہے زور کے اصل معنیٰ ہیں وصف الشئی بخلاف صفتہ مراد کذب ہی ہے۔ جلس وکان متکئا:۔ یہ اہتمام کی علامت ہے۔

باب شهادة الاعمیٰ

غرض یہ ہے کہ نابینا کی گواہی صحیح ہے اور یہ قول احمد ہے لیکن عند الجمہور صحیح نہیں ولنا شہادت کا زیادہ تعلق معاینہ سے ہے۔ ولاحمد اس باب کی روایتیں جن میں اذان وغیرہ کا ذکر ہے مثلاً عن ابن عمر مرفوعاً فکلوا واشر بوا حتی تسمعوا اذان ابن ام مکتوم جواب ان روایات میں صرف اذان وغیرہ دیانات کا ذکر ہے اور کلام حقوق العباد اور معاملات میں ہے اُن کا ذکر نہیں ہے ارأیت ابن عباس:۔ اخیر میں حضرت ابن عباس نابینا ہوگئے تھے اس لئے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی اُدخُلن فانک مملوک:۔ سوال یہ تو حضرت میمونہ کے غلام تھے حضرت عائشہ کے غلام تو نہ تھے پھر داخل ہونے کی اجازت کیوں دی جواب۔ ادخل علی میمونۃ مراد ہے۔

باب شهادة النساء

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ حدود وقصاص کے سوئی باقی موقعوں میں عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ باب شہادۃ الاماء والعبید:۔ غرض یہ ہے کہ عبد اور امہ کی گواہی مطلقاً معتبر ہے اور یہ امام احمد کا مذہب ہے اور عندالحسن والشعبی والشریح والنخعی معمولی چیز میں گواہی غلام اور لونڈی کی معتبر ہے بڑی چیز میں نہیں۔ وعندالجمہور کسی چیز میں بھی معتبر نہیں منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن عقبۃ بن الحارث فجاءت امۃ سوداء فقالت قد ارضعتکما الی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکیف وقد زعمت ان قد ارضعتکما فنھاہ عنھا پس امام احمد کے نزدیک اسی پر باقی سب چیزوں کو قیاس کریں گے اور ان چار حضرات کے نزدیک یہ معمولی چیز پر محمول ہے اور عندالجمہور اس روایت میں قبول شہادت نہیں ہے۔ کیونکہ آئندہ باب میں یہی روایت ہے اس میں ہے دعھا عنک معلوم ہوا کہ نکاح ٹھیک ہے اور اب احتیاط طلاق کا مشورہ دیا ہے اگر گواہی معتبر ہوتی تو نکاح ہی صحیح نہ ہوتا اور ترجیح جمہور ہی کے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے

باب شهادة المرضعة

غرض یہ ہے کہ مرضعہ کی شہادت دیانت معتبر ہے قضاء معتبر نہیں ہے دلیل اس کی ارشاد پاک ہے وکیف وقد قیل حدیث الافک:۔ ای الآن یاتی حدیث الافک یہ ایک قسم کی سرخی ہے کہ اب حدیث افک آرہی ہے۔

باب تعدیل النساء بعضهن بعضاً

غرض یہ کہ اگر ایک عورت دوسری عورت کی تعدیل کردے تو یہ بھی

صحیح ہے اور محل ترجمہ اس حدیث میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب اور حضرت بریرہ سے پوچھا تو انہوں نے حضرت عائشہ کی اچھی ثناء فرمائی اور ان کی ثناء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا گویا اس مسئلہ میں امام بخاری نے ہمارے امام ابوحنیفہ کے قول کی تائید فرمائی وعندالجمہور ایسی تعدیل صحیح نہیں ہے ولنا ھذا الحدیث وللجمہور عورتوں کا ناقص العقل ہونا ہے۔ جواب صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ مارام مجلس:۔ای ما برح مجلسہ ابھی مجلس ختم نہ ہوئی کہ وحی نازل ہوگئی۔ البرحاء:۔ بُخار:۔ باب اذا زکیٰ رجل رجلا کفاہ غرض یہ ہے کہ اگر ایک مرد ایک مرد کا تزکیہ کر دے تو کافی ہے گویا کتاب الشہادات کے شروع میں جو باب تعدیل کم یجوز تھا اس کی یہاں وضاحت ہوگئی کہ ایک مرد کا تزکیہ بھی کافی ہے۔ وجدتُ منبوذاً میں نے ایک راستہ میں پڑا ہوا بچہ پایا۔ عسی الغویر ابوسا:۔ غویر کا لفظ غار کی تصغیر ہے اور ابوس یہ بوس کی جمع ہے جس کے معنیٰ سختی کے ہیں اس ضرب المثل کے واقعہ میں دو قول ہیں۔ا۔ ایک غار میں کچھ لوگوں نے پناہ لی وہ غار اُن پر گر گئی۔۲۔ دشمن کو پتہ چل گیا تو دشمن نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور یہ ضرب المثل ایسے موقعہ میں استعمال ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایسے کام میں داخل ہو جس کے انجام کا پتہ نہ ہو حضرت عمر نے جو اس ضرب المدل کو اس موقعہ میں ذکر فرمایا تو مقصد یہ تھا کہ تم جس بچہ کو لقیط قرار دے رہے ہو مجھے شبہ ہے کہ شاید یہ تمہارا اپنا ہی بیٹا ہو اور تم صرف بیت المال سے وظیفہ لینے کے لئے اس کو لقیط قرار دے رہے ہو پھر جب عَریف نے یعنی محلہ یا گاؤں کے نمبردار نے کہہ دیا انہ رجل صالح تو حضرت عمر نے اُس کے تزکیہ پر اعتماد فرمالیا معلوم ہوا کہ ایک مرد کا تزکیہ کافی ہے۔

باب ما یکرہ من الاطناب فی المدح ولیقل ما یعلم

غرض یہ ہے کہ زیادہ مدح کرنا مکروہ ہے۔ وہی بات کہے جس کی تحقیق ہے۔

باب بلوغ الصبیان و شهادتهم

غرض:۔ یہ بیان کرنا ہے کہ بچوں کو کب بالغ شمار کیا جائے گا۔۲۔ یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بلوغ سے پہلے بچوں کی گواہی معتبر نہیں ہے یہی جمہور کا قول ہے اس باب میں وجوب احکام کی روایات ہیں ان پر ہی قبول شہادت کو قیاس کیا جائے گا۔

باب سؤال الحاکم المدعی هل لک بینه قبل الیمین

غرض قاضی کو قضاء کا طریقہ بتلانا ہے کہ دعوے کے بعد مدعیٰ علیہ کو بلائے اور مدعی سے گواہ طلب کرے نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ سے یمین لے نہ کھائے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے۔

باب الیمین علی المدعیٰ علیه فی الاموال والحدود

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ا۔ قاضی ایک گواہ ہونے کی صورت میں مدعی سے یمین نہ لے گا کیونکہ یمین صرف مدعیٰ علیہ کا وظیفہ ہے۔۲۔ حدود میں بھی قسم لی جاسکتی ہے۔ باب:۔ گذشتہ دو بابوں کا تتمہ ہے جن میں قضاء کا طریقہ بتلا دیا گیا تھا اب یہ مقصود ہے کہ مدعی کو قاضی کہے گواہ لاؤ چنانچہ اس باب کی حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مدعی کو خطاب کر کے وارد ہے شاہداک تمہارے گواہ کہاں ہیں ان کو لاؤ۔

باب اذا ادعی او قذف فله ان یلتمس البینة وینطلق لطلب البینة

غرض یہ ہے کہ قاضی مدعی کو گواہ تلاش کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دے۔

باب الیمین بعد العصر

غرض یہ ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے قسم میں تغلیظ مستحب ہے اور یہی ہمارے امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے اور جمہور کے نزدیک ضروری ہے منشاء اختلاف زیر بحث روایت ہے عن ابی ہریرۃ

مرفوعاً وعید شدید کا مصداق ایک یہ ذکر فرمایا رجل سام رجلا بسلعۃ بعد العصر مخلف باللہ لقد اعطی بہ کذا وکذا ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ استحباب پر محمول ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات عزیز منتقم قاہر جبار وغیرہ سے تغلیظ میں کچھ حرج نہیں کیونکہ یہ نفس قسم ہی کا کمال ہے زائد چیز نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک یہ حدیث وجوب پر محمول ہے ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیونکہ عصر کے وقت کے اہتمام میں زائد تکالیف ہیں مثلاً ۔۱۔ غیر ضروری تکلف۔ ۲۔ قاضی کی مشقت ۔۳۔ اہل خصومۃ کی مشقت

باب يحلف المدعىٰ عليه حيثما وجبت عليه اليمين ولا يصرف من موضع الى غيره

غرض یہ ہے کہ جگہ کے لحاظ سے قسم میں تغلیظ نہیں ہے گویا تائید کر دی حنفیہ اور حنابلہ کی البتہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مکان کے لحاظ سے بھی تغلیظ معتبر ہے ولنا ۔۱۔ حدیث الباب عن ابن مسعود مرفوعاً من حلف علی یمین لیقتطع بھا مالاً لقی اللہ وھو علیہ غضبان ۔۲۔ گذشتہ باب کی روایت دو باب چھوڑ کر عن ابی وائل مرفوعاً شاہداک اویمینہ ۔ان دونوں حدیثوں میں یمین ہے اور جگہ کی قید نہیں ہے۔ وللشافعی و مالک مکان کی تغلیظ میں زیادہ احتیاط ہے۔ جواب اس احتیاط کا اعتبار نہیں کیونکہ اس میں زائد تکلف ہے کیونکہ ۔۱۔ غیر ضروری تکلف ہے ۔۲۔ قاضی کی مشقت ہے ۔۳۔ اہل خصومت کی مشقت ہے ۔۴۔ مساجد میں نمازیوں کی تشویش ہے۔

باب اذا تسارع قوم فى اليمين

غرض میں تین تقریریں ۔۱۔ مدعیٰ علیہم کثیر ہوں اور بینہ نہ ہوں ۔ مدعی کے پاس اور سب مدعیٰ علیہم جلدی فارغ ہونا چاہیں اور ہر ایک پہلے قسم دینا چاہے تو قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جائے گا کہ پہلے کون قسم کھائے اور یہ مسئلہ اتفاقیہ ہے ۔۲۔ ایک چیز پر دو شخصوں کا برابر کا قبضہ ہے اور بینہ نہیں ہیں یا دونوں کے پاس ہیں پس قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آیا وہ قسم کھا کر چیز کا مالک بن جائے گا ۔۳۔ ایک چیز ید ثالث میں ہے ان دو دعویداروں میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ باقی صورت وہی ہے جو بھی دوسری غرض میں گذری۔ یہ دوسری اور تیسری غرض والی صورت میں امام بخاری نے بظاہر امام احمد ہی کا قول لیا ہے کہ ایسی صورت میں قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوگا جس کے نام کا قرعہ نکل آیا وہ قسم کھا کر چیز لے جائے گا۔ وعندا امامنا ابی حنیفۃ والشافعی وہ چیز دونوں کے درمیان برابر درجہ کی مشترک ہو جائے گی اور امام مالک کے نزدیک توقف ہوگا جب تک ترجیح کی وجہ ظاہر نہ ہو ولنا روایۃ داؤد عن ابی موسیٰ فقسمہ بینھما نصفین ولاحمد ۔۱۔ زیر بحث حدیث عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض علی قوم الیمین فاسرعوا فامران یسھم بینھم فی الیمین ایھم یحلف ۔ جواب ۔۱۔ یہ قمار کے حرام ہونے سے پہلے پر محمول ہے ۔۲۔ وہ صورت مراد ہے جو اس باب کی پہلی غرض کی تقریر میں مذکور ہے کہ مدعیٰ علیہم کئی ہوں سب جلدی قسم کھانا چاہیں تو صرف تقدیم یمین میں قرعہ اندازی ہوگی نہ کہ اثبات حق میں ۔۲۔ ولاحمد دلیل دوسری قیاس ہے کہ جب استحقاق میں برابر ہیں تو قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوگا۔ جواب یہ تو قمار ہے ولمالک جب دونوں برابر ہیں تو توقف ہوگا۔ جواب نص کی موجودگی میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب قول الله تعالىٰ ان الذين يشترون بعهد الله وايمانهم ثمنا قليلا

غرض جھوٹی قسم پر وعید ذکر فرمانا ہے۔

باب كيف يستحلف

غرض قسم کھانے کا طریقہ بیان فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے ہوتی ہے۔

باب من اقام البينة بعد اليمين

غرض یہ ہے کہ بینہ یمین کے بعد بھی معتبر ہیں۔ **وقال النبى صلى الله عليه وسلم لعل بعضكم الحن بحجة من بعض:** ۔غرض یہ ہے کہ بینہ کا درجہ اونچا

ہے کیونکہ قول خصمین باطل بھی ہوسکتا ہے جس کو چرب لسانی کی وجہ سے سچ بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔ **البینة العادلة احق من الیمین الفاجرة** :۔ بینہ کے احق ہونے کی دو وجہیں ہیں۔۱۔ بینہ میں دو ہیں اور یمین میں ایک ہے۔۲۔ بینہ غیر کا حق ثابت کرنے کے لئے ہیں اور یمین اپنا حق ثابت کرنے کے لئے ہے اور اپنے حق ثابت کرنے میں۔ تہمت کا موقعہ زیادہ ہے۔

باب من امر بانجاز الوعد

غرض یہ ہے کہ قاضی وعدہ پورا کرنے کا حکم دے گا گویا مذہب لیا امام مالک کا وعندالجمہور ایفاء وعدہ میں قاضی دعویٰ نہ سُنے گا ادلہ مالک احادیث الباب ہیں مثلاً عن ابی ہریرۃ مرفوعاً آیۃ المنافق ثلث اذا حدّث کذب واذا ائتمن خان واذا وعد اخلف جواب یہ مروت کا بیان ہے قضاء کا بیان نہیں ہے۔ ولنا کہ وعدہ دَین کی طرح نہیں ہے اور اس کا درجہ کم ہے اس لئے اس میں قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہے۔

باب لا یُسئل اهل الشرک عن الشهادة وغیرها

غرض یہ ہے کہ مشرکین کی نہ تو گواہی کسی مسلمان کے خلاف معتبر ہے نہ ان کی روایت معتبر ہے البتہ اُن کی گواہی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف اور حق میں معتبر ہے اور مسلمان کی تائید میں بھی معتبر ہے۔ **وقال الشعبی لا تجوز شهادة اهل الملل بعضهم علی بعض** :۔ یعنی ایک ملت کی دوسری ملت سے دشمنی ہوتی ہے اور دشمنی کے ساتھ شہادت معتبر نہیں ہوسکتی لیکن جمہور کے نزدیک صرف اختلاف ملت رد شہادت کے لئے کافی نہیں ہے جب تک کہ عداوت ظاہر نہ ہو کیونکہ مدار عداوت پر ہے جب تک ظاہر نہ ہو اس وقت تک رد نہیں کر سکتے۔ **لا تصد قوا اهل الکتاب ولا تکذبو هم** :۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھ میں حق اور باطل ملا جُلا ہے اس لئے نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں کیونکہ احتمال ہے کہ باطل کی تصدیق ہوجائے اور نہ ہم تکذیب کر سکتے ہیں کہ شاید حق ہو اور ہم حق کی تکذیب کرنے والے بن جائیں۔ **وغیر وابایدیهم الکتاب** :۔ ید کا تعلق لکھنے سے ہے اس لئے صاف ثابت ہوا کہ تحریف لفظی کی کتابت پائی گئی اس لئے جو علماء صرف تحریف معنوی کے قائل ہیں ان کا قول صحیح نہیں ہے۔ **باب القرعة فی المشکلات** :۔ غرض یہ ہے کہ تطییب خاطر کے لئے قرعہ اندازی جائز ہے لیکن حق ثابت کرنے کے لئے جائز نہیں کیونکہ وہ تو جُوا اور قمار بن جاتا ہے جو حرام ہے۔ **من المسهومین من المغلوبین کتاب الصلح** :۔ غرض صلح کے احکام کا بیان ہے جو نزاع کو ختم کردے۔ **باب ما جاء فی الا صلاح بین الناس** :۔ غرض یہ ہے کہ اصلاح بین الناس بہت ثواب کا کام ہے۔

باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس

غرض یہ ہے کہ صلح کرانے کے لئے توریہ کا استعمال جائز ہے حتی الامکان صریح کذب نہ ہونا چاہئے۔ **فینمی** :۔ ای یرفع یعنی نقل کرے۔

باب قول الامام لا صحابه اذهبوا بنا نصلح

غرض یہ ہے کہ قضاء پر قادر ہونے کے باوجود صلح کرا دینا بہتر ہے۔

باب قول الله تعالیٰ ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ **یری من امرأته مالا یعجبه کبراً اوغیره** :۔ لا نافیہ ہے اور ما موصولہ ہے کبراً ما کا بدل ہے اپنی بیوی سے ایسی چیز دیکھے جو اس کو پسند نہ ہو مثلاً تکبر وغیرہ۔

باب اذا اصطلحوا علی صلح جو رفالصلح مردود

غرض یہ ہے کہ اگر کسی ناجائز کام پر صلح ہوجائے تو اُس پر عمل

کرنا جائز نہیں ہے۔

باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان بن فلان و فلان بن فلان وان لم ینسبه الی قبیلة او نسبه

غرض یہ ہے کہ اتنا نام لکھنا کافی ہے جس سے شبہ ختم ہو جائے فکتب هذا ما قاضی علیه محمد بن عبدالله:۔ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صورت کیا ہوئی تھی تین قول ہیں۔ا۔ امر فرمایا تھا لکھنے کا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ لکھا تھا۔۲۔ بطور معجزہ کے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا اور یہ معجزہ صرف وقتی طور پر ظاہر ہوا تھا۔۳۔ بعض نے کہہ دیا امامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کتب یعنی آپ کو اخیر زمانہ میں کتابت پر قدرت ہوگئی تھی لیکن یہ قول شاذ ہے اسی شاذ ہونے کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

؎ برئتُ ممن شریٰ دُنیا باٰ خرة
وّقال ان رسول اللهﷺ قد کتبا

فلما دخلها و مضی الاجل:۔ یعنی ایک سال گذرنے کے بعد جب عمرة القضاء کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد تین دن کی مدت جو مقرر کی ہوئی تھی گذر گئی۔ وقال زید ابنة اخی:۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زید اور حضرت حمزہ کی ہجرت کے وقت بھائی بھائی بنادیا گیا تھا۔

باب الصلح مع المشرکین

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی مصلحت ہو تو مشرکین سے صلح کرنی جائز ہے۔ فرده الیهم:۔ کیونکہ ابو جندل اپنے والد کی وجہ سے محفوظ تھے ان کو کوئی مشرک تکلیف نہ پہنچا سکتا تھا

باب الصلح فی الدیة

غرض یہ ہے کہ دم عمد میں بھی دیة پر صلح جائز ہے۔
لاتکسر ثنیتها:۔ یہ غلبہ ناز میں عرض کردیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ایسا اسباب بنادیں گے کہ ان کے دانت نہ نکالنے پڑیں گے مخالفت مقصود نہ تھی۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم للحسن بن علی ابنی هذا سید و لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظمتین

غرض پیشین گوئی کا ذکر ہے جو صلح کے متعلق تھی اور بطور معجزہ پوری ہوئی۔ سمعتُ الحسن یقول:۔ یہاں حسن بصری مراد ہیں۔ وکان والله خیر الرجلین:۔ یہ حضرت حسن بصری کا مقولہ ہے کہ دو مردوں یعنی حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص میں سے بہتر حضرت امیر معاویہ ہیں کیونکہ وہ صلح چاہتے تھے اور حضرت عمرو لڑائی چاہتے تھے حضرت حسن بن علی کے ساتھ۔ ای عمرو یعنی یا عمرو۔ قد اصبنا من هذا المال:۔ یعنی ہمیں خلافت میں بہت سا مال ملا تھا وہ ہم نے اپنے خادموں وغیرہ پر خرچ کیا اس لئے ہم کچھ مال خرچنے کے عادی بن گئے ہیں اس لئے ہمیں آئندہ بھی کچھ مال لینا چاہئے۔ تا کہ ہمارا گذارہ آسانی سے ہو سکے۔ وان هذه الامة قد عاثت فی دمائها:۔ یعنی یہ ہماری جماعت فاسد ہو چکی ہے اپنے خونوں میں ان میں بہت قتل ہو چکے ہیں اس لئے مالی طور پر کافی کمزور ہو چکے ہیں ان کو کچھ مال دینے کی ضرورت ہے تا کہ یہ خوشی سے لڑائی چھوڑ کر خوشی خوشی اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ ان ابنی هذا سیّد:۔ سیّد کے لفظ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو ثواب آخرت کی خاطر حکومت چھوڑ دے وہ سید کامل ہوتا ہے۔ لعل الله ان یصلح به بین فئتین:۔ حضرت علی کے شہید ہونے کے چھ ماہ بعد یہ صلح واقع ہوئی حضرت حسن بن علی کے ہاتھ پر چالیس ہزار حضرات نے بیعت کی تھی اور اہل شام نے حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی تھی یہ صلح ۴۱ھ میں ربیع الاول یا ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ کے شروع میں ہوئی گویا تیس سال خلافت کے پورے ہوگئے اور حدیث مرفوع میں ہے الخلافة بعدی ثلثون سنة حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنة میں نقل فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں حضرت علی نے حضرت امیر معاویہ

کو صلح کی طرف دعوت دی تھی جبکہ حضرت علی اُن کا مقابلہ کرنے سے عاجز آگئے تھے اور یہ مطالبہ فرمایا تھا کہ میں اور آپ اُس حصہ پر قابض رہیں جس پر اب قابض ہیں انتھی اس ابن تیمیہ کی نقل کی ہوئی بات سے شیعہ کے اس قول کا رد ہو گیا کہ نعوذ باللہ حضرت امیر معاویہ کے سب ساتھی مرتد تھے کیونکہ ایسا ہوتا تو حضرت علی ان پر ضرور غالب آجاتے وانتم الاعلون ان کنتم مومنین.

باب هل یشیر الامام بالصلح

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ پہلے صلح کا مشورہ دے اگر وہ صلح نہ کریں تو فیصلہ کردے۔ ولہ ای ذلک احب:۔ میرے مخالف کو اختیار ہے چاہے وہ رقم کی کمی کو اختیار کرے اور چاہے تو مطالبہ کی نرمی اختیار کرلے۔

باب فضل الاصلاح بین الناس والعدل بینهم

غرض لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور انصاف کرنیکی فضیلت کا بیان ہے۔

باب اذا اشار الامام بالصلح فابیٰ حکم علیه بالحکم البیّن

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے کہ امام جب صلح کا مشورہ دے اور وہ انکار کرے تو اس پر اصل حکم جاری کرے۔ احفظہ اغضب۔

باب الصلح بین الغرماء واصحاب المیراث والمجازفة فی ذلک

غرض یہ ہے کہ اس صلح میں الکل اور اندازے سے لینا دینا بھی جائز ہے کیل ووزن ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ صلح مسالحات میں سے ہے معاوضات میں سے نہیں ہے۔

باب الصلح بالدین والعین

غرض یہ ہے کہ دَین اور عین میں صلح جائز ہے۔ سوال باب کی حدیث میں عین کا ذکر نہیں ہے جواب دین پر عین کو قیاس فرمایا۔ **کتاب الشروط**۔ غرض شروط کے احکام کا بیان ہے۔ الشرط ما یلزم من عدمہ العدم ولا یلزم من وجودہ الوجود پھر شرط کی تین قسمیں ہیں ۱۔ عقلی جیسے حیوٰۃ علم کی عقلی شرط ہے کہ بغیر حیوٰۃ کے علم نہیں ہے اور حیوٰۃ کے ساتھ علم ضروری نہیں ممکن ہے کہ جاہل رہے۔ ۲۔ شرعی جیسے وضو نماز کے لئے کہ وضوء کے بغیر شرعاً نماز نہیں ہے اور وضوء پایا جائے تو نماز کا وجود ضروری نہیں ہے۔ ۳۔ لغوی جیسے کوئی کہے ان اکرمتنی اکرمک کہ پہلا اکرام نہ ہو تو دوسرا بھی نہ ہوگا اور اگر پہلا ہو تو دوسرے کا ہونا لازم نہیں ہے۔

باب ما یجوز من الشروط فی الاسلام والاحکام والمبایعة

غرض جائز اور ناجائز شرطوں کا بیان ہے پھر لفظ مبایعۃ سے کیا مراد ہے دو احتمال ہیں۔ ۱۔ بیعۃ اسلام اور ۲۔ عقد بیع وامتعضوا یعنی مسلمانوں پر شاق ہوا اور ناراض ہوئے۔

فکاتبه النبی صلی الله علیه وسلم علیٰ ذلک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے علم ہوگیا کہ قریش اس معاہدہ کو توڑیں گے اور پھر یہ توڑنا فتح مکہ کا سبب ہوگا

باب اذا باع نخلا قدابرت: غرض یہ ہے کہ تابیر کے بعد اگر کھجور کی بیع ہو تو پھل بائع کا ہوگا تابیر خاص قسم کا پیوند ہوتا تھا کہ نر کھجور کی شاخوں کو مادہ کھجور میں لگاتے تھے اس سے پھل زیادہ آتا تھا۔

باب الشروط فی البیع: غرض یہ ہے کہ شرط فاسد لگانا بیع میں جائز نہیں ہے تفصیل کتاب البیوع میں گذر چکی۔

باب اذا اشترط البائع ظهر الدابة الی مکان مسمیً جاز

غرض یہ ہے کہ سواری کی بیع میں اگر بائع یہ شرط لگادے کہ میں فلاں جگہ تک سواری بھی کروں گا تو جائز ہے گویا امام مالک واحمد کا مسلک لے لیا وعندامامنا ابی حنیفۃ والشافعی جائز نہیں ہے منشاء اختلاف اس باب کی روایتیں ہیں مثلاً اول الباب عن جابر موقوفا فاستثنیت حُملا نہ الی اہلی ہمارے نزدیک یہ بطور ہمدردی کے عقد سے پہلے یا بعد میں ذکر کیا گیا ہے امام مالک واحمد کے نزدیک یہ نفس عقد میں شرط تھی اس لئے ایسی شرط لگا لینے میں کچھ حرج نہیں ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے کہ ایسی شرطوں سے بچا جائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور احد المتعاقدین کا یا معقود علیہ کا جبکہ وہ ذوی العقول میں سے ہو اس شرط میں فائدہ ہو کیونکہ ایسی شرط مفسد عقد ہوتی ہے۔ افقرنی:۔ ای حملنی علی فقارہ وھو عظام ظہرہ یعنی مجھے اپنی سواری پر سوار کرایا۔

باب الشروط فی المعاملة: غرض یہ ہے کہ معاملات مثلاً مزارعت وغیرہ میں شرطیں لگانے کا حکم کیا ہے۔

باب الشروط فی المهر عند عقدة النکاح:

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ نکاح کے مہر میں متعجل یا منجم جو بھی طے کرلیا ہو اس کی پابندی ہونی چاہئے۔ **ان مقاطع الحقوق عند الشروط:** مقاطع کے معنی مواضع کے ہیں یعنی مطالبہ حق کا شرط کے مطابق ہونا چاہئے۔

باب الشروط فی المزارعة: غرض یہ ہے کہ ایک باب چھوڑ کر پیچھے جو باب تھا۔

باب الشروط فی المعاملة

اس کی جزئیات میں سے ایک جزئی کا ذکر ہے یعنی اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں ان میں سے ایک صورت کا ذکر ہے۔

باب ما لا یجوز من الشروط فی النکاح

غرض ان شرطوں کا بیان ہے جن کا لگانا نکاح میں جائز نہیں ہے۔

باب الشروط التی لا تحل فی الحدود

غرض ان شروط کا بیان ہے جو حدود میں لگانی جائز نہیں ہیں۔

باب ما یجوز من شروط المکاتب اذا رضی بالبیع علی ان یعتق

غرض یہ ہے کہ مکاتب کی رضاء سے کتابت فسخ کردینی بھی جائز ہے۔

باب الشروط فی الطلاق

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ طلاق معلّق کا کیا حکم ہے۔

المهاجر: یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جو شہر میں مقیم ہے۔

باب الشروط مع الناس بالقول

غرض یہ ہے کہ بغیر گواہ بنائے اور بغیر لکھے بھی شرط لگانی جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول فرمائی۔

قرأها ابن عباس اما مهم مَلِک: وراءهم کی جگہ حضرت ابن عباس نے امامهم پڑھا بطور تفسیر کے کہ وراء یہاں امام کے معنیٰ میں ہے۔

باب الشروط فی الولاء: غرض ولاء کے متعلق شرطوں کا حکم بتلانا ہے کہ شریعت کے خلاف کوئی شرط نہیں لگ سکتی۔

باب اذا اشترط فی المزارعة اذا شئتُ اخرجنک

غرض یہ ہے کہ مزارعت بلا تعیین اجل بھی صحیح ہے۔ اور اس مسئلہ کی تفصیل پیچھے کتاب المزارعت میں گذر چکی ہے فدَعَ۔ ہڈیوں کے جوڑوں کو ہلا دیا۔ **فاجلا هم عُمر:** یہ تعزیراً کیا کیونکہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس نے زیادتی کی ہے۔ اور مرفوعاً اشارہ موجود ہی تھا اخرجوا الیهود من جزیرة العرب

باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وکتابة الشروط مع الناس بالقول

دو غرضیں ہیں۔ ۱۔ جہاد اور صلح میں بھی شرطیں طے کرنی جائز ہیں۔ ۲۔ پیچھے ایک باب گذرا تھا کہ بغیر لکھے بھی شرطیں ٹھیک ہیں یہ باب اس کا تتمہ ہے کہ بہتر ہے کہ شروط کو لکھ لیا جائے۔

اذا هم بقترة الجیش: قترہ کے معنیٰ غبار کے ہیں **خلأت:** بیٹھ گئی القصواء اونٹنی کا نام۔ **ثمد:** گڑھا یتبرضه الناس لوگ اس کو تھوڑا تھوڑا لے رہے تھے۔ **عیبة:** اس کے اصل معنی موضع الثیاب ہیں مراد رجل موضع السر والامانة **تهامة:** مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کو تھامہ کہتے ہیں۔ **معهم العُوذ المطافیل:** دونوں لفظوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں بچوں والی اونٹنیاں یعنی دودھ کی خاطر ایسی اونٹنیاں لائے اور وہ لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ **فقد جَمُّوا:** ای استراحوا ان کو آرام کا موقعہ مل جائے گا صلح کے زمانے میں۔ **حتی تنفرد سالفتی:** یہاں تک کہ میری گردن الگ ہوجائے یعنی میں شہید کردیا جاؤں۔ **استنفرتُ اهل عکاظ:** میں نے اہل عکاظ کو تمہاری امداد کے لئے بلایا۔ **فلما بلّحوا:** جب وہ عاجز ہوگئے اور تمہاری امداد کے لئے نہ آسکے۔ **فانی واللہ لا رٰی وجوها وانی لأرٰی اشوابا من الناس:** اس عبارت کے تین معنیٰ کئے گئے۔ ۱۔ مشرکین قریش میں تو اعلیٰ درجہ کے سردار دیکھ کر آیا ہوں اور آپ کے ساتھیوں میں ملے جلے مختلف قبیلے ہیں جو قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ۲۔ دونوں جملوں میں مسلمانوں ہی کا حال ذکر کرنا مقصود ہے کہ میں آپ کے ساتھیوں میں مختلف قسم کے چہرے دیکھتا ہوں دوسرا جملہ اسی پر عطف تفسیری ہے اور اسی کی تاکید ہے۔ ۳۔ میں آپ کے ساتھیوں میں تھوڑے تو سردار دیکھتا ہوں اور زیادہ ملے جلے لوگ دیکھتا ہوں۔ **امْصَص بَظْرَ اللّات:** بظر کے معنیٰ فرج کے ایک حصہ کے ہیں غصہ میں حضرت ابوبکر نے ارشاد فرمایا کافر تم لات بت کی شرمگاہ کو جا کر چوسو کیا ہم بھاگ جائیں گے۔ ضغطة: **ای قهراً لا یأتیک منا رجل:** رجل کے لفظ سے عورتیں نکل گئیں لیکن ایک روایت میں احد ہے پھر آیت کی وجہ سے اتنے حصے کو عورتوں کے حق میں منسوخ کہا جائے گا۔ **یرسُفُ:** بیڑی کی وجہ سے آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ **قال مکرز بلیٰ قد اجزناه لک:** گو مکرز نے یہ بات کہہ دی کہ ہم نے اجازت دی لیکن دوسرے مشرکین نے یہ بات نہ مانی اور حضرت ابوجندل کو واپس کرنے ہی کا فیصلہ ہوا۔ **الستَ نبی اللہ حقاً:** یہ اظہار شک نہ تھا بلکہ ۱۔ کافروں کی ذلت ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ ۲۔ اور نرمی سے صلح کر لینے کی حکمت پوچھنے کے لئے تھا۔ **لستُ اَعْصِیه:** اس میں حکمت ارشاد فرمادی کہ وحی کی وجہ سے میں نے نرمی کے ساتھ صلح کر لی ہے اور شروع ہی میں جب اونٹنی قصواء بیٹھی تھی اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ نرمی کرنے کے متعلق ہوگیا تھا۔ **فاخبرتک انا ناتیه العام:** یہاں

استفہام کا ہمزہ محذوف ہے کیا میں نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ ہم بیت اللہ تک ضرور اسی سال جائیں گے۔ **فاتیتُ ابا بکر**:۔ حضرت عمر فاروق کا اس موقعہ میں حضرت ابوبکر کے پاس جانا حضرت ابوبکر صدیق کے امتحان کے لئے تھا کہ دیکھوں ان کے جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوتے ہیں یا کچھ فرق ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اِس امتحان میں اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے اور ان کے پیارے جوابات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے عین مطابق تھے یہ حضرت صدیق اکبر کی کمال فراست اور کمال رسوخ ایمان تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہما **فاستمسک بغرزہ**:۔ اونٹ پر گھوڑے کی طرح سوار ہوں تو جیسے گھوڑے کی زین کے ساتھ پاؤں رکھنے کی جگہ بنی ہوتی ہے جس کو رکاب کہتے ہیں ایسی ہی جگہ اونٹ کی زین کے ساتھ بھی ہوتی ہے اس کو غرز کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک رکھنے کی جگہ کو پکڑلو اور پوری پوری اطاعت کرو۔ **قال عمر فعملتُ لذلک اعمالاً**:۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس نامناسب گفتگو کے تدارک کے لئے بعد میں کئی عمل کئے نماز روزہ اعتاق وغیرہ **غمّاً**:۔ بھیڑ کی وجہ سے **ثم جاء نسوۃ**:۔ یعنی مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد عورتیں ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں جیسا کہ ایک روایت میں تصریح ہے۔ **لو کان لہ احد**:۔ جزاء محذوف ہے لابتدأ الحربُ یعنی اگر اُس مشرک کا کوئی اور ساتھی ہوتا تو لڑائی شروع ہو جاتی۔ **تناشدہ باللہ والرحم لما ارسل**:۔ قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے رہے تھے اور صلہ رحمی کا واسطہ دے رہے تھے لما بمعنی الّا ہے کہ اور کچھ نہ کریں مگر ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلالیں۔ **فمن اتاہ فھو آمن**:۔ وہ شرط ہم خود ہی ختم کرتے ہیں۔ اب جو آپ کے پاس مسلمان ہو کر جائے اس کو امن ہے وہ آپ کے پاس ہی رہے گا۔ **ما نعلم احداً من المھاجرات ارتدت بعد ایمانھا**:۔ یعنی ایمان کے بعد کوئی مرتد نہ ہوئی یہاں یہ روایت امام زہری کی ہے اور تفسیر قرطبی میں یہی بات حضرت ابن عباس سے بھی منقول ہے۔

باب الشروط فی القرض : غرض قرض میں مدت مقرر کرنے کا حکم بیان کرنا ہے اور اختلاف کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

باب المکاتب وما لا یحل من الشروط التی تخالف کتاب اللہ تعالیٰ

غرض مکاتب بنانے کی شروط فاسدہ کا بیان ہے۔ سوال۔ اس مضمون کا باب پیچھے گذر چکا ہے جواب پیچھے شروط جائزہ تھیں اب شروط فاسدہ ہیں۔

باب ما یجوز من الاشتراط والثنیا: غرض شروط اور استثناء کا بیان ہے۔ **فان لم ارحل معک یوم کذا وکذا فلک مائۃ**:۔ اگر اجارہ کا چند دن پہلے وعدہ کر لیا تو اب اجرت قاضی شریح کے نزدیک دینی پڑے گی سواری کا جانور لے جائے یا نہ لے جائے جمہور کے نزدیک یہ صرف وعدہ خلافی ہے معافی مانگے اور توبہ کرے اُجرت واجب نہ ہوگی۔ **الکریّہ**:۔ کرجی کہتے ہیں اس شخص کو جو سواریاں کرائے پر دیتا ہے۔ **ادخل رکابک**:۔ سواریاں سفر کے لئے تیار کرو۔ **ان لم اٰتک الاربعاء فلیس بینی وبینک بیع**:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد وشریح یہ بیع باطل ہے کہ سودا طے کر لے اور کہے بدھ کے دن میں آ گیا تو بیع ہے ورنہ نہیں ہے وعند مالک والشافعی یہ شرط ساقط ہو جائے گی اور بیع صحیح ہو جائے گی ولنا یہ تو قمار ہے ولمالک والشافعی نکاح پر قیاس کریں گے۔ جواب۔ نکاح اور بیع میں بہت فرق ہے۔ **مائۃ الا واحدا**:۔ یہ محل ترجمہ ہے **من احصاھا دخل الجنۃ**:۔ احصاء کے معنیٰ میں اقوال ۱۔ حفظ کر لینا ۲۔ معانی جاننا ۳۔ تخلق باخلاق اللہ تعالیٰ واسماء اللہ تعالیٰ کہ ان پیارے ناموں کی شانوں کے عکس اختیار کرنے کی پوری کوشش کرے۔

باب الشروط فی الوقف: غرض وقف کی شرطوں کا بیان ہے۔

کتاب الوصایا

غرض وصیت کے احکام بتلانا ہے ربط جب زندگی میں تملیک وتملک کے احکام سے فارغ ہوئے تو اب تملیک بعد الموت کے احکام شروع فرمائے۔

باب ان یترک ورثۃ اغنیاء خیر من ان یتکففوا الناس

غرض یہ ہے کہ قلیل المال کے لئے ترک وصیت اولیٰ ہے۔

باب الوصیۃ بالثلث: غرض یہ ہے کہ ثلث مال کی وصیت جائز ہے۔ **وقال الحسن لا یجوز للذمی وصیۃ الا الثلث**:۔ اور یہی مذہب جمہور ائمہ کا ہے کہ ذمی کے لئے بھی ثلث سے زائد کی وصیت جائز نہیں ہے اور اگر کرے گا تو نافذ نہ ہوگی لیکن عندامامنا ابی حنیفۃ ذمی کی وصیت ثلث سے زائد میں بھی نافذ ہے منشاء اختلاف اس آیت کی تفسیر ہے **وان احکم بینھم بما انزل اللہ** ہمارے نزدیک یہ حکم اُس وقت ہے جب وہ ہمارے پاس اپنا جھگڑا لائیں جمہور کے نزدیک یہ عام ہے ہمارے پاس جھگڑا لائیں یا نہ لائیں ترجیح حنفیہ کی تفسیر کو ہے اس دوسری آیت کی وجہ سے **لا اکراہ فی الدین**۔

باب قول اموصی لوصیّہ تعاھد ولدی وما یجوز للوصی من الدعوی: دوغرضیں ہیں۔ا۔ یہ وصیت کرنا جائز ہے کہ میرے بیٹے کا خیال کرنا۔۲۔وصی کیادعویٰ کرسکتا ہےاس کا بیان مقصود ہے

باب اذا اومأ المریض اشارۃ بینۃ جاز: بینۃ یہ صفت ہے اشارہ کی کہ اشارہ واضح ہونا چاہئے۔ پھرغرض کی دوتقریریں ہیں۔ا۔اشارہ کے ساتھ بھی وصیّت کی جاسکتی ہے۔۲۔قاتل کی تفتیش میں اشارہ بھی کافی ہے۔ سوال۔بلابینۃ قصاص کیسے جاری فرمادیا۔جواب۔اشارہ کے بعدجب قاتل کوپکڑا گیاتواس نے قتل کااقرار کرلیا تھااس لئے اس اقرار کی بناء پرقصاص جاری فرمایا۔

باب لا وصیۃ لوارث: غرض اس حدیث پاک کابیان ہے جوابو داؤدترمذی اورمسنداحمد میں ہےلاوصیۃ لوارث اوربیہقی میں زیادتی بھی ہےالاان تجیز الورثۃ لیکن امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے اسناداً نہ لائے اور ترجمۃ الباب میں ذکرفرمادی کہ یہ حدیث بھی ثابت ہے۔

اس حدیث پاک کا درجہ:۔مختلف اقوال ہیں۔ا۔حافظ ابن حجر نے اس حدیث کوحسن الاسناد قرار دیا ہے۔۲۔دوسرے موقعہ میں حافظ ابن حجر ہی نے فرمایا ہے سندہ قوی۔۳۔بعض محدثین کاقول ہے کہ حدیث کی سندتو کمزور ہے لیکن تلقی لامۃ بالقبول کی وجہ سے معتبر ہوگئی۔۴۔امام شافعی نے اپنی کتاب جس کانام کتاب الام ہےاس میں فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک کامتن متواتر ہے۔

باب الصدقۃ عند الموت: غرض یہ ہے کہ موت کے وقت بھی صدقہ جائز ہے اگرچہ افضل صحت میں ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ من بعد وصیۃ یوصی بہا اودین

غرض کی دوتقریریں ہیں۔ا۔وصیت کی اہمیت بیان فرمانی مقصود ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے وصیت کودین پر اور وراثت پر مقدم ذکر فرمایا۔۲۔مریض کا اقرار مرض موت میں صحیح ہے وہ اقرار ورثہ کے لئے ہویاغیر ورثہ کے لئے ہواور اس مسئلہ میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ اور جمہور کی مخالفت اختیار فرمائی کیونکہ جمہور کے نزدیک وارث کے لئے اقرار مرض الموت میں صحیح نہیں ہے وجہ۔ا۔ مرض الموت میں ورثہ کاحق مال میت سے متعلق ہوجاتا ہے۔۲۔لاوصیۃ لوارث ابھی مرفوع حدیث گذری جوابوداؤدترمذی اورمسنداحمد اوربیہقی میں مرفوعاًوارد ہے اور امام شافعی نے اس کومتواتر قرار دیا ہےاورمرض الموت میں اقرارتو وصیت ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔اس لئے یہ اقرار ورثہ کے لئے صحیح نہیں ہے جیسے ورثہ کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے۔۳۔مریض کومرض وفات میں ہرقسم کے تبرعات سے منع کیاجاتا ہے کہ کسی وارث کوکسی قسم کاتبرع نہ کرے تواقرار سے بھی منع کیا جائے گااوراگروارث کے لئے اقرار کرے تواس کوجاری نہ کیاجائے گا۔ **وقال بعض الناس لا یجوز اقرارہ لسوء الظن بہ للورثۃ**:۔امام ابوحنیفہ پر اعتراض ہے۔ا۔کہ آپ مریض کے ساتھ کیوں بدظنّی کرتے ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدظنّی سے منع فرمایا ہےاورحدیث نقل فرمادی ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث خیانت کی مذمت والی حدیث نقل کی کہ خیانت تو منافق کی علامت ہے گویاامام ابوحنیفہ اس مریض کومرض الموت میں خیانت پرمجبور فرمارہے ہیں کہ دین کااقرار نہ کرےاورخیانت کرےاورآیت نقل فرمادی ان اللہ یا مر کم ان تو دوا الا ما نات الی اھلھا. جواب۔ا۔ان دونوں اعتراضوں کاہم جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں مریض کااپناقصور ہے کہ اُس نے ایسی صورت اختیار کی کہ وہ بدظنی کا موقعہ ہے ہم نے بدظنی نہیں کی مریض نے خوداپنے آپ کوبدظنی کے موقعہ پرکھڑا کردیااوراس حدیث پاک پر عمل چھوڑ دیااتقوامواضع التھم ایسے ہی ہم نے اُسے خیانت پرمجبورنہیں کیابلکہ وہ خودباقی وارثوں کے ساتھ خیانت کی تہمت کی جگہ کھڑاہورہا ہے کیادوسرے ورثہ کو خیانت کاشبہ نہ ہوگاکہ ہماراحق اس ایک وارث کودےرہاہےاسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اگردین کاسبب ظاہر ہوتواقرار صحیح ہے کیونکہ اس میں تہمت کااحتمال نہیں ہے۔۲۔دوسری بات اس موقعہ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مسلک توائمہ اربعہ کا ہے کہ مرض وفات میں مریض کااقرارکسی وارث کے دین کے لئے صحیح نہیں ہے جیساکہ ابھی اختلاف گذرااس لئے اگراعتراض کرناہی تھاامام بخاری نے تو چاروں اماموں پرکرتے یہ کیوں کیاکہ صرف بعض الناس کے لفظ سے اعتراض فرمادیاجوعلامت ہےاعتراض علی ابی حنیفۃ کی اگرامام بخاری کااونچامقام نہ ہوتاتو اس کوقلت علم بھی کہاجاسکتاتھااورسوءالظن بالاکابر بھی کہاجاسکتاتھا۔ **ثم استحسن**:۔یہ امام ابوحنیفہ پرتیسرااعتراض ہے کہ آپ کی کلام میں تعارض ہے۔ مریض کے لئے اقرارکی توآپ اجازت نہیں دیتے کہ دین کااورقرضہ کااقرار معتبرنہیں ہے لیکن مریض مرض الوفات میں ودیعۃ کااقرارکرے کہ یہ فلاں کی ودیعت ہے یامال بضاعہ کااقرارکرے کہ یہ مال فلاں کا ہے میرے پاس صرف بیچنے کے لئے رکھاہے کہ میں بیچ دوں نفع سارے کاسارامالک کاہی ہے اسی کوبیع بضاعہ اورعقد بضاعہ کہتے ہیں یامریض کہے کہ یہ مال مضاربت ہےاورفلاں اس کامالک ہے

اوران تینوں صورتوں میں جس کے لئے اقرار کرے وہ اگر چہ وارث ہی ہوتو اس کو آپ جائز قرار دیتے ہیں۔ جواب۔ یہ تینوں صورتیں امانت کی ہیں امانت اور دین میں فرق ہوتا ہے تعجب کی بات ہے کہ امام بخاری جیسے محقق پر دین اور عین کا فرق مخفی رہ گیا۔ پھر اعتراض میں استحسان کے معنی قیاس خفی کے ہیں۔

باب تاویل قول الله تعالیٰ من بعد وصیة توصون بها او دین:

غرض وجہ بیان کرنی ہے کہ دین ذکر میں موخر ہے اور اداء میں وصیت پر مقدم ہے اس کی کیا وجہ ہے مختلف توجیہات ہیں۔ا۔ وصیت نیکی اور احسان ہے اور واجب سے زائد ایک چیز ہے اور دین صرف اداء واجب ہے اس لحاظ سے وصیت کا درجہ اونچا ہے اسی لئے وصیت کا ذکر پہلے ہے۔۲۔ وصیت ورثہ پر زیادہ شاق ہے کیونکہ وہ بلاعوض دینا ہے اسی لئے اس کو پہلے ذکر فرمایا کہ کہیں وصیت رہ نہ جائے۔۳۔ دین کا مطالبہ کرنے والا دائن موجود ہوتا ہے اور وصیت کا مطالبہ کرنے والا عموماً موجود نہیں ہوتا پس وہ موقعہ ہے کوتاہی کا س اس لئے کوتاہی سے بچانے کے لئے اس کو پہلے ذکر فرمایا۔

باب اذا وقف او اوصیٰ لا قاربه ومن الا قارب

دو غرضیں ہیں۔ا۔ وقف اور وصیت اقارب کے لئے جائز ہے۔۲۔ اقارب کا مصداق کیا ہے۔ پھر اقارب کے مصداق میں اختلاف ہے عند امامنا ابی حنیفۃ مصداق اقارب کا سب ذی رحم محرم ہیں سوائے والدین اور اولاد کے کیونکہ ان کو اقارب نہیں کہا جاتا۔ وعند الشافعی واحمد اقارب کا مصداق وہ رشتہ دار ہیں جو باپ اور دادا پڑدادا اور اُن سے اوپر کے دادوں میں شریک ہوں۔ وعند مالک اقارب کا مصداق وہ ہیں جن کو وراثت میں عصبہ کہتے ہیں وارث ہو یا نہ ہو۔ پھر ترجیح قول حنفیہ کو ہے کیونکہ حنفیہ کا مقام لغت میں بھی بہت اونچا ہے۔ پھر امام بخاری بظاہر امام شافعی کے مسلک کی طرف مائل ہیں۔ پھر اس باب سے امام بخاری وقف کے مسائل شروع فرمارہے ہیں حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ امام بخاری نے وقف کے مسائل میں صاحبین کے اقوال کی موافقت کی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امام بخاری نے وقف کے مسائل کی بنیاد محمد بن عبداللہ انصاری کی کتاب کو بنایا ہے اور وہ محمد بن عبداللہ امام زفر کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور ان کو انصاری اس لئے کہتے تھے کہ یہ حضرت انس ابن مالک انصاری کی چھٹی پشت میں سے تھے۔

باب هل يدخل النساء والولد في الا قارب

غرض یہ ہے کہ اقارب کے لفظ میں عورتیں بھی داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد نازل ہوا تھا وانذر عشیرتک الا قربین اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ۔ جو پھوپھی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کو اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کو بھی داخل فرمایا تھا سوال۔ یہ تو تذکیر اور وعظ و نصیحت میں عورتوں کو داخل کرنا ثابت ہوا۔ وصیت اور صدقہ میں داخل کرنا تو ثابت نہ ہوا۔ جواب امام بخاری ان فرقوں کا اعتبار نہیں فرماتے۔

باب هل ينتفع الواقف بوقفه

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ وقف کرنے والا خود بھی اپنے وقف سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے اور یہی جمہور ائمہ کا مسلک ہے اس کو ثابت کرنے کیلئے حدیث بیان فرمائی ھدی کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی لے جانے والے کو اُس ھدی پر سوار ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ بظاہر ھدی میں اور وقف میں فرق ہوتا ہے ایک دوسرے پر قیاس نہ ہونا چاہئے۔ لیکن امام بخاری اس قسم کے فرق کو قیاس میں مضر خیال نہیں فرماتے اسلئے وہ قیاس فرمالیتے ہیں۔

باب اذا وقف شيئاً فلم يد فعه الى غيره فهو جائز

غرض یہ ہے کہ وقف کو اگر وقف اپنے قبضہ میں ہی رہنے دے اور ولی خود ہی بن جائے تو یہ بھی جائز ہے گویا وقف میں اور ھبہ میں فرق ہے۔ ھبہ میں تو واہب کے قبضہ سے نکلنا اور موہوب لہ کا قبضہ کرنا ضروری شمار کیا گیا ہے۔ لیکن وقف میں یہ ضروری نہیں ہے۔

باب اذا قال داري صدقة لله ولم يبين الفقراء او غير هم فهو جائز

غرض یہ ہے کہ وقف میں فقراء کا معین کرنا ضروری نہیں ہے۔

باب اذا قال ارضي او بستاني صدقة عن امي فهو جائز وان لم يبين لمن ذلك:

غرض یہ ہے کہ ماں باپ وغیرہ کی طرف سے بھی صدقہ کرنا بصورت وقف جائز ہے۔

باب اذا تصدق او وقف بعض ماله او بعض رقيقه او دوا به فهو جائز

غرض دو مسئلوں کا بیان کرنا ہے۔ا۔ مشاع کا وقف جائز ہے یعنی ایک زمین کا آدھا مثلاً وقف کردیا اور آدھا حصہ اپنے پاس رہنے دیا اور تقسیم نہ کیا تو یہ وقف مشاع ہوا۔۲۔ منقولات کا وقف بھی جائز ہے جیسے غلام گھوڑے وغیرہ ان دونوں مسئلوں میں امام بخاری نے ہمارے امام ابوحنیفہ کی مخالفت فرمائی ہے اور جمہور ائمہ کی موافقت فرمائی ہے۔ **پہلا اختلافی مسئلہ منقول کا وقف:** ۔عند امامنا

منا منقول کا وقف جائز نہیں ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ ولنا۔ وقف قیامت تک کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے اس کا مصداق وہی چیزیں ہوسکتی ہیں جو باقی رہیں۔ اور ظاہر ہے کہ منقولات جلدی ختم ہونے والی چیزیں ہوتی ہیں اس لئے ان میں وقف جاری نہیں ہوسکتا۔ وللجمہور آئندہ باب کی روایت عن انس حضرت ابوطلحہ کا قول نقل فرمایا جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا وان احبّ اموالی الیّ بیرحاء کہ میرے اموال میں سے سب سے پیارا میرے لئے یہ بیرحاء کا باغ ہے اس باغ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف فرمایا تھا تو احب اموالی میں ہر قسم کا مال داخل ہے خواہ وہ منقول ہو یا عقار ہو۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کا مال منقول اور غیر منقول قابل وقف ہے۔ جواب جب اس کی تفسیر باغ کے ساتھ فرمادی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی باغ کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تو صرف احبّ اموالی اپنے عموم پر باقی نہ رہا۔ اس لئے استدلال مناسب نہیں ہے۔ **دوسرا اختلافی مسئلہ مشاع کا وقف عندنا** امامنا مشاع کا وقف صحیح نہیں ہے وعندالجمہور صحیح ہے۔ ولنا۔ وقف اور غیر وقف میں فرق کرنا ضروری ہے اور مشاع کی صورت میں یہ فرق نہیں ہوتا کیونکہ مشاع کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اپنی زمین کا نصف وقف کیا اور نصف وقف نہ کیا اور تقسیم بھی زمین کو نہیں کیا یہ صحیح نہیں ہے بوجہ خلط مذکور کے وللجمہور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت ابوطلحہ نے دوصحابیوں پر باغ کو وقف فرمایا جیسا کہ آئندہ باب کی روایت میں ہے عن انس فتصدق بہ ابوطلحہ علی ذوی رحمہ قال وکان منھم ابی وحسان یہ مشاع کا وقف پایا گیا۔ جواب یہ مشاع بین الفقراء ہے اس میں اختلاف نہیں ہے اختلاف تو اس صورت میں ہے کہ ایک زمین وغیرہ میں سے آدھا حصہ وقف ہو آدھا وقف نہ ہو مشاع بین الوقف وغیر الوقف ہو اور یہاں صرف اشتراک بین الفقراء ہے اس لئے اس روایت کی صورت محل نزاع سے خارج ہے۔ **باب من تصدق الی وکیلہ ثم ردالوکیل الیہ** :۔ غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے صدقہ اور وقف کو اپنے وکیل کے سپرد کرے اور وکیل پھر اصل مالک ہی کے سپرد کردے تو صحیح ہے اور اس صدقہ اور وقف کا انتظام پھر دوبارہ اصل مالک ہی کے اختیار میں ہوجائے گا۔

باب قول اللہ عزوجل واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوھم منہ

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے پھر اس آیت مبارکہ کی دو اہم تفسیریں ہیں۔ ا۔ تقسیم کے وقت اگر ایسے رشتہ دار آجائیں جن کا کچھ حصہ وراثت میں سے نہیں ہے تو وارثوں کو چاہئے کہ اُن آنے والے رشتہ داروں کو کچھ نہ کچھ دے دیں۔ یہ دینا پہلے واجب تھا۔ پھر آیت وراثت کی وجہ سے ان کا حصہ ختم ہوگیا اور یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ اور یہی جمہور مفسرین حضرات کا قول ہے۔ ۲۔ دوسری اہم تفسیر اس آیت کی ہے کہ یہ مذکورہ حکم استحبابی ہے اور اب بھی باقی ہے بعض مفسرین نے اسی کو لیا ہے۔ اس باب کی روایت میں بھی اسی دوسری تفسیر ہی کا اصل ذکر ہے اور ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری بھی اسی کو لے رہے ہیں۔ **وال یرثُ وذاک الذی یرزق** :۔ ایک والی ایسا ہوتا ہے جو وارث ہوتا ہے۔ مثلاً میت کا بیٹا جو ہو بھی بالغ اس کے لئے مستحب ہے کہ آنے والوں کو کچھ نہ کچھ دے دے۔ **ووال لا یرث فذلک الذی یقول بالمعروف** :۔ ایک والی ایسا ہوتا ہے جو وارث نہیں ہوتا مثلاً میت کے نابالغ بیٹے کا متولی یہ متولی تو وارث نہیں ہے یہ قول بالمعروف کرے گا اور آنے والوں سے کہہ دے گا کہ میں یہ حق نہیں رکھتا کہ نابالغ وارث کے مال میں سے آپ کو کچھ دے سکوں۔

باب ما یستحب لمن یتوفیٰ فجاءۃ ان یتصدقوا عنہ وقضاء النذور عن المیت

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ا۔ جو شخص اچانک فوت ہوگیا ہو مستحب ہے کہ اس کی طرف سے اس کے وارث کچھ خیرات کردیں کہ شاید اگر اس کو موقعہ ملتا تو وہ کچھ نہ کچھ خیرات کی وصیت کرتا۔ ۲۔ جو نذر مرنے والے نے مانی ہو مستحب ہے کہ اس کو پورا کردیا جائے اور یہ استحباب اس وقت ہے جبکہ اس نے وصیت نہ کی ہو اور اگر وصیت کی ہو تو ثلث مال میں سے اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

باب الاشھاد فی الوقف والصدقۃ والوصیۃ

غرض یہ ہے کہ وقف میں اور صدقہ میں اور وصیت میں گواہ بنالینا مستحب ہے۔

باب قول اللہ عزوجل واٰتوا الیتامیٰ اموالھم الآیۃ

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے سوال۔ اس آیت میں تو یتامیٰ کے احکام ہیں ان احکام کی مناسبت وقف کے ابواب سے نہیں ہے پھر اس باب کو یہاں کیوں رکھا۔ جواب۔ مناسبت موجود ہے اور وہ اس طرح سے کہ وقف کے انتظامات کے لئے بھی متولی کی ضرورت ہوتی ہے اور یتیم کے مال کے انتظامات کے لئے بھی متولی کی ضرورت ہوتی ہے اس لحاظ سے دونوں مسئلے ایک دوسرے کے مناسب ہیں۔

باب قول اللہ عزوجل وابتلوا الیتامیٰ الآیۃ ومالِلوصی ان یعمل فی مال الیتیم وما یاکل منہ بقدر عمالۃ

دو غرضیں ہیں ا۔ آیت کی تفسیر ۲۔ موصی کا حکم بیان کرنا کہ وہ یتیم کے مال کا انتظام

کرے گا انتظام کی مشغولی کی وجہ سے مناسب تنخواہ لینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے اور یتیم کے باب کی مناسبت وقف کے ابواب کے ساتھ گزشتہ باب میں ذکر کی جاچکی ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم نارا

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر کا بیان ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔

باب قول اللہ عزوجل ویسئلونک عن الیتامیٰ قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم فاخوانکم واللہ یعلم المفسد من المصلح الآیۃ

غرض آیت کی تفسیر ہے اور یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ انتظامات کی آسانی کے لئے یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانا جائز ہے بشرطیکہ نیت ٹھیک ہو یتیم کا مال کھانا مقصود نہ ہو بلکہ انتظامات کی آسانی اور یتیم کے مال کی ضائع ہونے سے حفاظت مقصود ہو۔ ماردابن عمر علی احد وصیۃ: ۔غرض یہ ہے کہ جو صاحب بھی حضرت ابن عمر کو وصی بنانا چاہتے اور یتیم کو ان کی کفالت میں دینا چاہتے تو حضرت ابن عمر اس کی پیش کش کو رد نہ فرماتے تھے۔ اور یتیم کے کفیل بن جاتے تھے اور مقصد ثواب حاصل کرنا ہوتا تھا۔ وقال عطاء فی الیتامیٰ الصغیر والکبیر ینفق الولی علی کل انسان بقدرہ من حصتہ اس عبارت میں صغیر سے مراد غریب اور ایسے خاندان کا مراد ہے جو تھوڑے مال سے گذارا کر لیتے ہیں اور کبیر سے مراد یہ ہے کہ امیر خاندان کا ہو جو وسعت کے ساتھ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور بقدرہ سے مراد یہ ہے کہ اس کے حال کے مناسب ہو اور من حصتہ سے مراد اُس یتیم کا مال ہے حاصل یہ ہوا۔ کہ یتیم اگر امیر اور خوش حال خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے مناسب ولی یتیم کے مال میں سے یتیم پر خرچ کرے اور اگر غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے مناسب ولی یتیم کے مال میں سے خرچ کرے۔

باب استخدام الیتیم فی السفر والحضر اذا کان صلاحاً لہ ونظر الام او زوجھا للیتیم

غرض یہ ہے کہ ۱۔ اگر یتیم کی مصلحت اسی میں ہو کہ اسکو کسی کا سفر وحضر کا خادم بنادیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ ۲۔ اور دوسری غرض یہ ہے کہ یتیم کی والدہ کو اور یتیم کے سوتیلے باپ کو یتیم کی مصلحتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ ما قال لی لشیٔ صنعتہ لم صنعت ھذا ھکذا: ۔اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم کا کمال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دس سال حضرت انس نے خدمت کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا فداہ ابی وامی ونفسی صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب اذا وقف ارضاً ولم یبین الحدود فھو جائز و کذلک الصدقۃ:

غرض یہ ہے کہ اگر کسی باغ یا زمین کی حدود مشہور ہوں تو وقف کرتے وقت اُن سب حدود کا بتلانا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وقف کرنے کے بعد حدود کی تعیین کردے۔

باب اذا وقف جماعۃ ارضاً مشاعاً فھو جائز

غرض یہ ہے کہ چند آدمیوں کی زمین مشترک ہو وہ سب کے سب اس زمین کو وقف کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے۔ قالوا لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ: ۔یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے بنی النجار نے اس زمین کو وقف کیا تھا مسجد نبوی کے لئے لیکن راجح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے خرید لی تھی اور اپنی طرف سے مسجد بنائی تھی اس لئے امام بخاری کا مشاع قرار دینا مناسب نہیں ہے۔

باب الوقف وکیف یکتب

غرض وقف کے لکھنے کا طریقہ بتلانا ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث پاک میں ہے اور یہ غیر مسجد میں پہلا وقف ہے اسلام میں

باب الوقف للفقیر والغنی والضیف

غرض یہ ہے کہ وقف میں مصرف کا فقیر ہونا شرط نہیں ہے۔ ضیف بھی کبھی امیر ہوتا ہے کبھی فقیر ہوتا ہے۔ **باب وقف الارض للمسجد:** ۔غرض یہ ہے کہ مسجد کے لئے زمین کا وقف کرنا جائز ہے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت

صامت کے معنیٰ نقد یعنی سونا اور چاندی کے ہیں۔ کراع گھوڑوں کو کہتے ہیں اس باب کی غرض یہ ہے کہ جانور اور گھوڑے اور سامان اور سونے اور چاندی کا وقف کرنا جائز ہے اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ منقولات کا وقف کرنا بھی جائز ہے اور یہ مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ سوال جب پیچھے یہ مسئلہ بتلا چکے ہیں تو اب دوبارہ امام بخاری نے یہاں کیوں ذکر فرمایا۔ جواب پیچھے اصل ذکر مشاع کا تھا اور منقول کا ذکر تبعاً تھا اور

اب منقول کا ذکر قصداً ہے۔ اس فرق پر دونوں بابوں کی حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں۔ **تحمل علیہا**: یہی محل ترجمہ ہے کہ فی سبیل اللہ جہاد وغیرہ کے لئے کسی کو دے دینا لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اگر وقف ہوتا تو وہ شخص آگے بیع کیوں کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ بھی چل گیا کہ وہ بیع کر رہا ہے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا معلوم ہوا کہ وقف نہ تھا بلکہ صدقہ ہی تھا۔ **قد وقفہا**:۔ کھڑا کیا بازار میں وقف شرعی مراد نہیں ہے۔

باب نفقة القیم للوقف

غرض یہ ہے کہ وقف کے قیم کے لئے اُسی وقف کی آمدنی میں سے اپنا خرچہ لینا جائز ہے۔ قیم میں وکیل اور نگران اور اجیر سب داخل ہیں۔ ان سے کے لئے مناسب تنخواہ لینی جائز ہے۔

باب اذا وقف ارضا او بئراً و اشترط لنفسه مثل دلاء المسلمین

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ وقف کرتے وقت یہ شرط لگا لے کہ میں بھی اس وقف سے نفع اٹھاتا رہوں گا اگر یہ شرط لگا لے گا تو خود اس کے لئے بھی اس وقف سے نفع اٹھانا جائز ہوگا۔ ترجمۃ الباب میں کنویں کی مثال بھی ذکر فرمائی کہ کوئی شخص کنواں وقف کرے اور یہ شرط لگائے کہ باقی مسلمانوں کی طرح میں بھی اس کنویں سے پانی لیتا رہوں گا تو یہ جائز ہے۔ لفظ دلاء جمع ہے دلو کی جس کے معنیٰ ڈول کے ہوتے ہیں کہ میرا ڈول بھی باقی مسلمانوں کے ڈولوں کی طرح ہوگا۔ **للمر دودة**:۔ اس سے مراد مطلقہ ہے۔

باب اذا قال الواقف لا نطلب ثمنه الا الی الله فهو جائز

غرض یہ ہے کہ اُن لفظوں سے وقف صحیح ہو جاتا ہے جو خود مقصود پر دلالت کریں یا قرینہ کی وجہ سے مقصود پر دلالت کریں۔

باب قول الله تعالیٰ یایها الذین اٰمنو اشهادة بینکم اذا حضر احد کم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم او آخر ان من غیر کم الی قوله لا یهدی القوم الفاسقین

غرض اس آیت کا شان نزول بیان فرمایا ہے اور مناسبت اس باب کی وقف کے بابوں سے اس طرح ہے کہ جس طرح وقف میں قیم اور نگران ہوتا ہے اسی طرح وصیت کا انتظام کرنے والا وصی ہوتا ہے اور اس آیت میں وصی ہی کا ذکر ہے۔ سوال۔ بظاہر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر ہے حالانکہ پیچھے گذر چکا ہے کہ معتبر نہیں ہے معتبر ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہے کہ اس آیت میں او آخر ان من غیر کم کی تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے کافر مراد ہیں معلوم ہوا کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر ہے۔ جواب۔ا۔ یہ آیت منسوخ ہے حکم کے لحاظ سے گو تلاوت منسوخ نہیں ہے۔۲۔ یہاں دو وصی مراد ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ یہاں قسم کھانے کا ذکر ہے اور گواہ کے ذمہ قسم نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ دو وصی مراد ہیں۔ اور کافر وصی بن سکتا ہے۔۳۔ یہاں صرف خبر ہے شہادت نہیں ہے اور خبر کی تاکید کے لئے حلفی بیان کا ذکر ہے شہادت شرعیہ مراد نہیں ہے۔ **مخوصاً**:۔ اس کے معنیٰ ہیں کہ اس میں سونے کے نقش تھے

باب قضاء الوصی دین المیت بغیر محضر من الورثة

غرض یہ ہے کہ ورثہ موجود نہ بھی ہوں تو وصی کے لئے میت کے دین کا ادا کرنا جائز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ورثہ کی موجودگی میں ہی وصی دَین ادا کرے۔

بفضلہ تعالیٰ الخیر الجاری جلد ثالث ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ مکمل ہوئی
جلد رابع کتاب الجہاد سے شروع ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ

کتبہ:۔ محمد سرور عفی عنہ

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی
اک آن بھی رحمٰن سے غافل نہ چلو تم
شاید وہ توجہ کریں اور سوئے رہو تم

تمّت

الخیر الجاری شرح صحیح البخاری جلد چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الجهاد

غرض جہاد کے احکام اور فضائل کا بیان ہے۔ لغۃ میں جہاد کے معنی مشقۃ کے ہیں اور شریعۃ میں بذل الطاقۃ فی مقاتلۃ اعداء اللہ تعالیٰ لاعلاء کلمۃ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ نفس کی مخالفۃ پر بھی جہاد کا لفظ بولا جاتا ہے پھر حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر جھگڑوں کا فیصلہ مسلمانوں کے اختیار میں ہو تو اس کو دارالاسلام کہیں گے ورنہ وہ دارالحرب ہے۔ رہنے والوں پر مدار نہیں ہے۔

ربط:۔ پہلے جب منفعت کا ذکر تھا اب دفع مضرت کا ذکر ہے۔

باب فضل الجهاد والسير:۔ لفظ سیر کا مفرد سیرت ہے جس کے لغوی معنی طریقہ کے ہیں اور مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ **غزوات میں لیستن:**۔ بھاگتا ہے۔

باب افضل الناس مومن مجاهد بنفسه وماله فی سبیل الله

اس باب کی دو غرضیں ہیں۔ ۱۔ جہاد جان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی۔ ۲ جہاد باقی تمام اعمال سے افضل ہے بشرطیکہ ضروریات دین میں خلل نہ ہو۔ **ان يدخله الجنة:**۔ معنی۔ ۱۔ بلا عذاب اور بلا حساب جنت میں داخل فرماویں گے۔ ۲۔ مرتے ہی روح جنت میں چلی جائے گی۔

باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ مردوں اور عورتوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ یہ دعا کریں کہ یا اللہ مجھے جہاد کی توفیق دیجئے اور مجھے شہادت فی سبیل اللہ نصیب فرمائیے۔ ۲۔ اس شخص پر رد ہے جو کہتا ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی دعا مانگنی مکروہ ہے کیونکہ یہ شہادۃ غلبہ کفار کا سبب ہے جواب یہ ہے کہ مقصود درجات قرب میں اور ثابت قدمی ہے اور فتح پر اللہ تعالیٰ کی نصرت مانگنا ہے اس لئے اس کو مکروہ کہنا مناسب نہیں ہے۔ **انت من الاولين:**۔ یعنی تو سمندر کے شہداء میں سے ہے اور فریق ثانی تو خشکی کے مجاہدین کا ذکر ہے۔ **ثبج:**۔ اس کے معنی متن اور معظم بحر کے ہیں۔

باب درجات المجاهدين فی سبيل الله

غرض یہ ہے کہ نیت کے اخلاص کی وجہ سے جہاد کے عمل کے مختلف درجات ہو جاتے ہیں جتنی اچھی نیت ہوگی اتنا ہی اونچا درجہ ملیگا۔ **ان فی الجنة مائة درجة** غرض یہ ہے کہ صرف دخول جنت پر اکتفا نہ کرنا چاہئے بلکہ جہاد اور اعمال صالحہ کے ذریعہ سے اونچے درجے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

باب الغدوة والروحة فی سبيل الله

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ تھوڑا سا وقت صبح اور شام جہاد میں گزارنے کی بہت فضیلت ہے۔ **قاب:**۔ لمبائی

باب الحور العين و صفتهن

حوروں کی صفا کا ذکر ہے تا کہ جہاد اور اعمال صالحہ کا شوق ہو جن کے بدلہ میں یہ نعمتیں ملیں گے۔ **يحار فيها الطرف:** جس میں آنکھ حیران ہوگی مقصود عجیب وغریب صفات کا بیان ہے لفظ حور کا مادہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ حور تو اجوف وادی ہے اور یحار کا لفظ حیرت سے ہے جو اجوف یائی ہے۔ **ولنصيفها** نصیف کے معنی دوپٹہ اوڑھنی کے ہیں یعنی سر پر لپٹنے کا کپڑا۔

باب تمني الشهادة: غرض یہ ہے کہ شہادت کی تمنا کرنا مستحب ہے اور تمنا ایسے ہی موقعہ میں ہوتی ہے جب امید کم ہو اس لئے ایسے موقعہ میں یہ تمنا کرنی مراد ہے جبکہ ظاہری طور پر جہاد اور شہادت کے اسباب نظر نہ آ رہے ہوں اور اس تمنا کا حاصل یہ ہوا کہ دل چاہے کہ میری زندگی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ختم ہو۔

باب فضل من يصرع في سبيل الله فمات فقد وقع اجره على الله

غرض یہ ہے کہ جو شخص سفر جہاد میں جانور سے گر کر مر جائے وہ بھی شہید ہی شمار ہوگا عند اللہ۔

باب من ينكت اويطعن في سبيل الله

غرض یہ ہے کہ اس شخص کی بہت فضیلت ہے جس کو کوئی تکلیف جہاد میں پہنچے یا نیزہ لگ جائے اور بہت ثواب ہے نکبہ کے معنی مصیبت اور تکلیف کے ہیں۔ **من بني سليم الى بني عامر:** یہ الفاظ کسی راوی کا وہم شمار کیا گیا ہے۔ صحیح یہ ہے بنی سلیم کی طرف اور بنی عامر کی طرف انصار کو بھیجا گیا تھا اور یہ وہم امام بخاری کے بلا واسطہ استاد حفص بن عمر سے ہوا ہے اور بعض نے خود امام بخاری ہی کی خطا شمار کی ہے۔ **ثم نسخ بعد:**۔ ا۔ یہ اپنے ظاہر پر ہے۔ ۲۔ ہم قرآن پاک کی طرح ان الفاظ کو پڑھا کرتے تھے پھر ہمیں منع کر دیا گیا کہ ایسا نہ کرو ایسا نہ ہو کہ لوگ ان الفاظ کو قرآن پاک ہی شمار کر لیں اسی کو نسخ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

باب من يجرح في سبيل الله عزوجل

غرض یہ ہے کہ جیسے شہادت فی سبیل اللہ کا اونچا مقام ہے ایسے ہی جہاد میں زخمی ہونے کا بھی بہت ثواب ہے۔

باب قول الله عزوجل هل تربصون بنا الا احدى الحسنيين

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔

فزعمت ان الحرب سجال و دول

لفظ دول جمع ہے دولۃ کی کسی چیز کا کبھی تیرے ساتھی کے پاس جانا اور کبھی واپس تیرے پاس آنا۔

باب قول الله عزوجل من المومنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه

غرض فی سبیل اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب عمل صالح قبل القتال

تقدیر عبارت یوں ہے هذا باب یذکر فیہ عمل صالح قبل القتال اور اضافت باب کی عمل صالح کی طرف بھی صحیح ہے۔ غرض یہ ہے کہ جہاد شروع کرنے سے پہلے کوئی نہ کوئی نیک کام کر لینا مستحب ہے۔ اس سے جہاد میں ثابت قدمی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور آسان ترین عمل استغفار ہے۔ **كانهم بنيان مرصوص:**۔ اس آیت مبارکہ کو ذکر کرنے کی مناسبت باب کے ساتھ یہ ہے کہ صف کو درست کرنا بھی ایک عمل صالح ہے جو قتال سے پہلے پایا جاتا ہے۔ **مقنع بالحديد:** یہ لفظ مقنع اسم مفعول کا صیغہ ہے لوہے سے ڈھانپا ہوا۔

باب من اتاه سهم غرب فقتله: غرض یہ ہے کہ جس مجاہد کو ایسا تیر لگ جائے کہ پتہ نہ چلے کہ کس نے مارا ہے وہ بھی شہید ہی ہے۔

باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا

غرض یہ ہے کہ جہاد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتا ہے وطن یا قوم کے لئے نہیں ہوتا ہے اور یہ جو مرفوعاً وارد ہے حب الوطن من الایمان یہ وطن جنت ہے کیونکہ یہی حقیقۃً وطن اصلی ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے جنت کا شوق دلانے کے لئے ایک رسالہ لکھا جس کا نام شوق وطن رکھا۔

باب من اغبرت قدماه في سبيل الله

غرض یہ ہے کہ جہاد میں شامل ہونے کا بہت ثواب ہے پھر لفظ فی سبیل اللہ امام بخاری نے بھی عام رکھا اور حدیث پاک میں بھی عام ہے لیکن یہ بطور عبارۃ النص کے تو جہاد کے لئے ہے اور اشارۃ النص اور دوسرے درجہ میں حج اور علم اور تبلیغ کے سفر کو بھی شامل ہے۔

باب مسح الغبار عن الراس فی سبیل الله

غرض اس شبہ کا ازالہ ہے کہ شاید عبادت کا اثر دور کرنا مکروہ ہو۔ مثلاً جہاد کا غبار ہے یا وضو کا پانی ہے۔

باب الغسل بعد الحرب و الغبار

غرض یہ ہے کہ لڑائی کے بعد غبار کو باقی رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں جیسے اس باب کی حدیث پاک میں حضرت جبریل علیہ السلام کا باقی رکھنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل فرمالینا مذکور ہے۔

باب فضل قول الله تعالیٰ والا تحسبن الذين قتلوا فی سبیل الله امواتا

تقدیر عبارت یہ ہے باب فضل من نزل فیہ ھذا الایات اس سے غرض بھی واضح ہوگئی کہ شہداء کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے پھر ان آیات میں جو شہداء کی حیات کا ذکر ہے اس کی تفصیل میں اقوال مختلف ہیں۔ ۱- جمہور اس کے قائل ہونے کے شہداء کا کھانا پینا اور حیٰوۃ جسمانیہ بیان فرمانا مقصود ہے کیونکہ صرف روح کی حیٰوۃ تو سب مسلمانوں کو حاصل ہے بلکہ کافروں کو بھی حاصل ہے کیونکہ قبر پر آنے والوں کو مردے پہچانتے ہیں اور ان کو بھی پہچانتے ہیں جو ان کو سلام کرتے ہیں اس لئے انبیاء علیہم السلام اور شہدا کی حیوٰۃ فرشتوں جیسی ہے جو اشکال مختلفہ اختیار کرتے ہیں پس انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام کو اس قسم کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جو عامۃ المومنین کو قیامت کے بعد حاصل ہوں گی۔ ۲- دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عنقریب آخرت میں اور قیامت میں زندہ ہوں گے۔ ۳- ان کا ذکر اور ان کا شہید ہونا باقی رہتا ہے۔ ۴- وہ دین میں زندہ ہیں یعنی ان کو دین میں اونچا مقام دیا گیا ہے۔ ان سب قولوں میں سے پہلے جمہور کے قول کو ہی صحیح قرار دیا گیا ہے۔

فقیل لسفیان من اٰخر ذلک الیوم قال لیس هذا فيه

سوال۔ یہاں تو یہ آ گیا کہ اس حدیث کے اخیر میں من آخر ذلک الیوم کے الفاظ نہیں ہیں اور بخاری شریف میں ہی کتاب التفسیر میں یہی روایات آتی ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ یہ تعارض پایا گیا۔ جواب۔ حضرت سفیان بن عیینہ بھول گئے تھے بعد میں یاد آ گیا تو وہ الفاظ بھی بیان فرما دیئے۔

باب ظل الملئكة علی الشهيد

غرض شہید کی یہ کرامت بیان فرمانی ہیں کہ بعض دفعہ فرشتے شہید پر سایہ بھی کرتے ہیں۔ **قلت لصدقة**: یہ امام بخاری کی کلام ہے کہ میں نے اپنے استاد حضرت صدقہ سے کہا۔

باب تمنی المجاهد ان یرجع الی الدنیا

غرض شہادت کا اونچا مرتبہ بیان فرمانا ہے کہ اس کا مرتبہ اتنا اونچا ہے کہ شہید بار بار دنیا میں آنا اور شہید ہونا چاہتا ہے تاکہ بار بار یہ اونچا مرتبہ ملے۔

باب الجنة تحت بارقة السيوف

بارقہ کے معنی چمک کے ہیں غرض یہ ہے کہ جنت جہاد میں ثابت قدم رہنے سے ملتی ہے۔

باب من طلب الولد للجهاد

غرض یہ ہے کہ جو ولد طلب کرے جہاد کے لئے اس کو بھی مجاہد بیٹے کے جہاد کا ثواب مل جاتا ہے اگرچہ اس کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو۔ **فلم یقل ان شاء الله**: یعنی دل سے کہا زبان سے نہ کہا اور دل سے کہنے ہی کو کافی شمار فرمالیا۔

باب الشجاعة فی الحرب والجبن

غرض جہاد میں شجاعت کی مدح کرنا اور بزدلی کی مذمت کرنا ہے۔

باب مايتعوذ من الجبن

غرض یہ ہے کہ دوسروں کو جہاد کا شوق دلانے کے لئے اگر کوئی شخص اپنے جہاد کے واقعات ذکر کرے تو یہ جائز بلکہ مستحب ہے البتہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے بطور فخر بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

باب وجوب النفير وما يجب من الجهاد و النية

نفیر کے معنی خروج للجہاد کے ہیں پھر اس باب کی تین غرضیں

ہیں۔۱۔جہاد فرض ہے۲۔فرضیت اور وجوب کا درجہ بیان کرنا ہے۔۳۔ اخلاق نیت جہاد کے لئے ضروری ہے۔دوسری غرض کی تفصیل یہ ہے کہ جہاد کس حالت میں فرض ہوتا ہے اور فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے۔مزید تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفیر عام کا حکم فرماتے تھے تو فرض عین ہو جاتا تھا ورنہ فرض کفایہ رہتا تھا اب بھی یہی حکم ہے کہ اصل تو فرض کفایہ ہے کہ ہر وقت مسلمانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت جہاد یا جہاد کی تیاری میں مشغول رہے اور اگر کسی وقت مسلمانوں کا بادشاہ سب کو نکلنے کا حکم دے تو سب پر فرض عین ہو جائیگا۔

باب الکا فریقتل المسلم ثم یسلم فیسدد بعد ویقتل

غرض یہ ہے کہ کفر میں کسی نے مسلمان کو قتل کیا پھر مسلمان ہو کر ایمان مضبوط کیا پھر شہید ہو گیا تو قاتل اور مقتول دونوں جنتی ہیں یہ حکم ترجمۃ الباب میں نہیں بیان فرمایا کیونکہ حدیث سے معلوم ہو رہا تھا۔

یضحک اللہ الی رجلین ہاں صنعت تضمین ہے متوجھا الی رجلین۔

باب من اختار الغزو علی الصوم

غرض یہ ہے کہ جو صاحب جہاد میں شریک ہونے کو روزے پر ترجیح دیتے ہیں ان کے پاس سنت سے دلیل موجود ہے اور جو شخص روزے سے کمزوری محسوس نہ کرتا ہو وہ جہاد کے ساتھ روزہ بھی اگر جمع کرلے تو جائز ہے۔

باب الشھادۃ سبع سوی القتل

غرض یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں جو جہاد کے سوئی چار شہدا کا ذکر ہے ان میں حصر نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں سات بھی مذکور ہیں لیکن وہ ان کی شرط پر نہیں ہے پھر ان ساتھ میں بھی حصر نہیں ہے۔پھر مشقت اور نیت کے اختلاف کی وجہ سے درجات میں فرض ہوتا ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ

غرض آیت کی تفسیر ہے اور مجاہدین کی غیر مجاہدین پر فضیلت کا بیان ہے۔

باب الصبر عند القتال

غرض کی دو تقریریں۔۱۔جہاد میں صبر کی فضیلت۔۲۔جہاد میں صبر کا وجوب۔

باب التحریض علی القتال

غرض یہ ہے کہ امیر کے لیے مستحب ہے کہ جہاد کا شوق دلائے۔

باب حفر الخندق

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقع میں کافروں کا طریقہ لینا بھی جائز ہے۔یہ خندق کھودنا کفار فارس کا طریقہ تھا۔

ینقل: ای ینقل التراب۔

باب من حبسه العذر من الغزو

غرض یہ ہے کہ جو عذر کی وجہ سے لڑائی سے رہ جائے اس کو غازی کا ثواب مل جاتا ہے۔

باب فضل الصوم فی سبیل اللہ

غرض یہ ہے کہ قوی کے لیے جہاد میں روزہ افضل ہے اور کمزور کے لیے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ

جہاد میں مال خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ہے مقصود ہے۔

ای فل :۔دو طرح پڑھنا صحیح ہے۔۱۔لام کے ضمہ کے ساتھ۔ ۲۔لام کے فتحہ کے ساتھ اس کی اصل ہے یافلان۔لاتویٰ علیہ:۔ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خوف نہیں ہے۔اوخیر ھو کیا مال کامل خیر ہے استفہام انکاری ہے۔

ان الخیر لا یاتی الابالخیر

یعنی خیر حقیقی تو صرف خیر ہی کو لاتی ہے مال خیر حقیقی نہیں ہے یہ کبھی خیر کو لاتا ہے کبھی شر کو لاتا ہے۔

باب فضل من جھز غاز یا اوخلفه بخیر

غرض دو چیزوں کی فضیلت کا بیان ہے۔۱۔غازی کو سامان سفر دینا۔۲۔غازی کے جانے کے بعد اس کے بچوں کا خیال

رکھنا۔ام سلیم:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ ہیں۔
قتل اخوھا معی:۔حضرت ام سلیم کے بھائی کا نام تھا حرام بن ملحان معی کے معنی ہیں میرے لشکر کے ساتھ جو بئر معونہ میں شہید ہوئے تھے ان میں یہ بھی تھے۔

باب التحنط عندالقتال

غرض یہ کہ حنوط لگانا لڑائی شروع کرتے وقت جائز ہے۔حنوط دواء ہوتی تھی جو چند قسم کی خوشبو سے مرکب ہوتی تھی اس کو بدن پر مل لیتے تھے کیونکہ اس سے بدن جلدی خراب نہ ہوتا تھا اس لئے کہ شاید مشغولی کی وجہ سے شہید ہونے کے بعد بدن اٹھانے میں کچھ دیر ہو جائے اس دوران بدن خراب نہ ہو۔ذکر:۔حضرت انس نے ذکر فرمایا۔
انکشافاً من الناس:۔ بعض مسلمانوں کا جنگ میں بھاگ جانا۔**فقال ھکذا عن وجوھنا**: یہ عن بمعنی من ہے اذا تقارب الکفار من وجوھنا جب ایسا ہوتا اور کافر ہمارے چہروں کے قریب آتے۔**حتیٰ نضارب القوم**: ہم نہ ہٹتے تھے یہاں تک کہ ہم لڑتے تھے کافروں کی قوم سے۔**ما ھکذا کنا نفعل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** ایسا بھاگنا ہم نہ کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔
بئس ماعود تم اقرانکم: تم نے اپنے کافر دشمنوں کو بری چیز کا عادی بنا دیا ہے کہ تم بھاگ جاتے ہو پھر روایات میں حضرت ثابت بن قیس کا عجیب واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس جنگ یمامہ میں انہوں نے جہاد فرمایا اور شہید ہو گئے اور جب لشکر واپس مدینہ منورہ آ رہا تھا تو کسی نے خواب میں ان کو دیکھا خواب میں فرمایا کہ میرے شہید ہونے کے بعد میری عمدہ درع جو چوری ہو گئی تھی وہ اسی لشکر کے پچھلے حصہ میں ابلق گھوڑے والے مسلمان کے پاس ہے خالد بن ولید امیر لشکر سے کہو کہ اس سے لے کر میرے گھر والوں کو دے دیں اس شخص نے وہ درع ہنڈیا کے نیچے چھپا رکھی ہے اور اسے خواب نہ سمجھنا اور واپس پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ سے کہنا کہ میں نے اپنے دو غلاموں کو آزاد کر دیا ہے جن کا نام سعد اور سالم ہے اور میرے ذمہ اتنا دین ہے وہ ادا کر دینا چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے درع حاصل کر لی اور حضرت ابوبکر نے وصیت جاری فرما دی۔ان کے سوا کسی کی وصیت مرنے کے بعد جاری نہیں کی گئی۔

باب فضل الطلیعہ

غرض یہ ہے کہ جہاد کے لئے جاسوس بننے کا بھی ثواب ہے۔

باب ھل یبعث الطلیعة وحدہ

غرض یہ ہے کہ اگر فتنہ سے امن ہو تو جاسوس اکیلا بھیجنا بھی جائز ہے۔

باب سفر الاثنین

غرض کی دو تقریریں ہیں۔۱-سنن میں یہ روایت ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً الراکب شیطان والراکبان شیطانان والثلاثۃ رکب اس حدیث کے متعلق بتلانا چاہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔۲- یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ مذکورہ روایت استحباب پر محمول ہے۔پھر بعض شارحین کو یہاں وھم ہو گیا ہے کہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ یوم الاثنین یعنی پیر کے دن سفر کرنا اچھا ہے۔یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث الباب میں یہ مضمون نہیں ہے۔

باب الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامة

غرض اس حدیث پاک کا بیان ہے اور گھوڑے کی پیشانی میں جو خیر پائے جانے کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے جامع ہے اور گھوڑا جہاد کا بہت بڑا آلہ ہے پھر ناصیہ کا خصوصی ذکر اس لئے ہے کہ پیشانی سب سے زیادہ دشمن کی طرف متوجہ ہوتی ہے پس حاصل یہ ہوا کہ جہاد اور اس کے آلات قیامت تک باقی رہیں گے۔

باب الجھاد ماض مع البر و الفاجر

غرض یہ ہے کہ جہاد نماز کی طرح ہے جیسے نماز گنہگار بادشاہ کے پیچھے بھی پڑھنی پڑتی ہے اسی طرح جہاد بھی بادشاہ کے ظالم ہونے کی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتے اور یہ الفاظ باب والے ابوداؤد اور مسند ابی یعلی

میں مرفوعاً وارد ہوئے ہیں۔ **معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة:۔** اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جب جہاد قیامت تک باقی رہے گا اور امام اچھے برے دونوں قسم کے آتے ہی ہیں تو جہاد برے امام کے ساتھ مل کر کرنا بھی ضروری ہوا۔

باب من احتبس فرسا فی سبیل الله

غرض کی دو تقریریں ہیں۔١۔ جو شخص اپنے لئے ہی گھوڑا روک رکھے یعنی اس نیت سے اپنے پاس رکھے کہ اس پر جہاد کروں گا اس کو بہت ثواب ملے گا۔٢۔ جو شرعی وقف میں گھوڑا دے دے کہ لوگ اس پر سوار ہو کر جہاد کیا کریں اس کو بہت ثواب ملے گا۔

باب اسم الفرس و الحمار

غرض یہ ہے کہ گھوڑے اور حمار کا نام رکھنا بھی جائز ہے۔

باب مایذکر من شوم الفرس

یہاں دو بحثیں ہیں ایک یہ کہ نحوست مطلقاً گھوڑے میں ہے یا کسی خاص گھوڑے میں ہے باقی گھوڑوں میں نہیں ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ یہ نحوست اپنے ظاہر پر ہے یا اس میں تاویل ہے پھر امام بخاری کی غرض میں ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک ہر گھوڑے میں نحوست نہیں ہے بلکہ صرف اس گھوڑے میں ہے جو جہاد کے لئے نہ ہو بلکہ فخر وریاء کے لئے ہو جیسا کہ اس باب کے بعد والے باب میں بیان فرما دیا ہے اور گھوڑے کی تین قسمیں ذکر فرمائی ہیں پھر وہ احادیث جن میں شوم اور نحوست کا ذکر ہے دو قسم کی ہیں۔ ١۔شوم کا ذکر بطور خبر کے ہے جیسے اس باب کی پہلی حدیث ہے عن عبداللہ بن عمر مرفوعاً انما الشوم فی ثلاثة فی الفرس والمرأة والدار۔ ٢۔شرط کے ساتھ شوم کا ذکر فرمایا جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے عن سہل بن سعد الساعدی مرفوعاً ان کان فی شیئ ففی المرأة والفرس والمسکن اس میں سیاق کے لحاظ سے مراد شوم ہی ہے کہ اگر شوم کسی چیز میں ہے تو ان تین چیزوں میں ہے۔ بظاہر یہ تعارض ہے تطبیق۔١۔ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شوم کا علم نہ دیا گیا تھا اس لئے شک اور شرط کے ساتھ ذکر فرمایا بعد میں علم دے دیا گیا اس لئے خبر کے ساتھ ذکر فرمایا۔٢۔شرط کو خبر پر محمول کریں گے کہ ان تین چیزوں میں سے جب کوئی چیز ایسی ہو جو موافقت نہ کرے تو اس کو بدل لیا کرو پھر شوم کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی چیز شریعت کے احکام کی مخالفت کا سبب بنتی ہو یا طبیعت کے خلاف ہو پھر گھوڑے میں اس مخالفت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ١۔گھوڑے کا قابو میں نہ آنا اور شوخی کرنا۔٢۔گھوڑے کا جہاد میں استعمال نہ کرنا بلکہ فخر اور ریاء کے لئے رکھنا۔ ایسے ہی بیوی میں شوم کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ١۔ ایذاء پہنچاتی ہو ٢۔ مال زیادہ مانگتی ہو۔٣۔ اس سے اولاد نہ ہوتی ہو۔ ایسے ہی مکان میں شوم کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً ١۔ پڑوسی اچھے نہ ہوں۔٢۔ مسجد سے دور ہو۔٣۔ تنگ ہو کہ ضرورت رہائش کی پوری نہ ہوتی ہو۔ سوال۔ طاعون وغیرہ میں شہر چھوڑنے سے ممانعت احادیث میں وارد ہے اور اس شوم والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکان میں نحوست بھی بعض دفعہ ہوتی ہے اس لئے اس نحوست سے بچنے کے لئے اس مکان کو چھوڑنا بھی جائز ہے یہ بظاہر تعارض ہے جواب چیزیں تین قسم کی ہیں۔١۔ وہ چیزیں جو بالکل کسی اثر کا سبب نہیں ہیں نہ حقیقتاً نہ عادتاً جیسے لاھامة حدیث پاک میں وارد ہے کہ الو کو منحوس سمجھنا غلط ہے۔٢۔ وہ چیزیں جو عادتاً مؤثر ہیں لیکن وہ کبھی کبھی دنیا کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں وہاں شہر چھوڑنے سے منع فرما دیا گیا ہے جیسے طاعون کیونکہ ایسے موقعہ میں نقل مکانی سے معاشی طور پر مشقتیں پیش آتی ہیں۔٣۔ وہ چیزیں جن میں تاثیر عادتاً ہے اور ان کا وقوع زیادہ ہے ان میں تبدیلی کی اجازت دے دی گئی۔

باب الخیل لثلاثة

غرض گھوڑوں کی تین قسمیں بیان کرنی ہیں نیت کے لحاظ سے۔ نواءً:۔ دشمنی۔

باب من ضرب دابة غیره فی الغزو

غرض یہ ہے کہ جہاد کے سفر میں یا کسی اور سفر میں دوسرے کے جانور کو اچھے مقصد کے لئے مارنا جائز ہے اچھے مقصد کی مثال۔١۔ مالک کی اعانت کرنا۔٢۔ خوش طبعی کرنا اور خوش طبعی

سے مالک کا دل خوش کرنا۔۳- جانور میں برکت کا سبب بننا لیکن یہ تیسرا مقصد خصوصیۃ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ارمک:۔ سرخ رنگ کا اونٹ ساتھ سیاہی بھی ہو۔شیۃ:۔داغ۔

باب الرکوب علی دابة والفحولة من الخيل

غرض یہ ہے کہ جہاد میں سخت جانور پر سوار ہونا بھی جائز ہے کیونکہ یہ جہاد میں نرم جانوروں سے بھی زیادہ مفید ہوتا ہے۔

باب سهام الفرس

غرض گھوڑے کا حصہ بیان کرنا اور بظاہر امام بخاری جمہور ائمہ کے ساتھ ہیں۔اختلاف:۔عندامامنا ابی حنیفۃ گھوڑے والے کے لئے دو حصے ہیں اور عندالجمہور تین حصے ہیں ولنا۔روایۃ ابی داؤد عن مجمع بن جاریۃ مرفوعاً فاعطى الفارس سهمين وللجمهور رواية ابى داؤد والبخارى حديث الباب عن ابن عمران رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل للفرس سهمين ولصاحبه سهماً جواب یہاں فرس بمعنی فارس ہے معنی حدیث کے یہ ہو گئے کہ گھوڑ سوار کے لئے دو حصے مقرر فرمائے اور اس کے پیدل ساتھی کے لئے ایک حصہ مقرر فرمایا۔**والبراذين**: یہ جمع ہے برذون کی جس کے معنی ترکی گھوڑے کے ہیں۔ **والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة**:۔یہ آیت مبارکہ اس لئے ذکر فرمائی کہ گھوڑے کو اللہ تعالیٰ بطور نعمت کے ذکر فرما رہے ہیں یہ علامت ہے اہمیت کی۔

باب من قاد دابة غيره فى الحرب

غرض یہ ہے کہ دوسرے کے جانور کو آگے سے پکڑ کر پیدل چلنا جائز ہے اور کبھی یہ مستحب ہو جاتا ہے جبکہ تواضع کی وجہ سے ہو یا اصلاح باطن کے لئے ہو یعنی تواضع پیدا کرنے کے لئے ہو۔

باب الركاب والغرز للدابة

غرض یہ ہے کہ جانور پر سوار ہونے کے لئے رکاب اور غرز کا بنانا جائز ہے پھر رکاب اور غرز کے معنی اور مصداق میں تین قول ہیں۔یہ دونوں مترادف ہیں وہ چیز جس میں پاؤں رکھے جاتے ہیں سواری پر سفر کرنے کے دوران اس کو رکاب بھی کہتے ہیں اور غرز بھی کہتے ہیں۔۲-وہ چیز لوہے کی بنی ہوئی ہو تو رکاب کہتے ہیں اور اگر چمڑے کی بنی ہوئی ہو تو غرز کہتے ہیں۔۳-گھوڑے کی سواری میں اس چیز کو رکاب کہتے ہیں اور اونٹ کی سواری میں غرز کہتے ہیں۔

باب ركوب الفرس العرى

غرض یہ ہے کہ بغیر زین کے بھی گھوڑے پر سوار ہونا جائز ہے۔

باب الفرس القطوف

قطوف کے معنی آہستہ چلنے والے کے ہیں غرض ست گھوڑے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر سوار ہونے کی ایسی برکت ہوئی کہ پھر گھوڑ دوڑ میں اس گھوڑے کا کوئی مقابلہ ہی نہ کر سکتا تھا۔

باب السبق بين الخيل

غرض یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ مستحب ہے تاکہ اس آیت پر عمل ہو سکے **واعدوا لهم مااستطعتم**۔

باب اضمار الخيل للسبق

یہ تخصیص بعد التعمیم ہے کہ اضمار جائز ہے یعنی گھوڑے کو خوب کھلا پلا کر موٹا کر کے پھر کمبل وغیرہ ڈال کر پسینہ نکالنا اس سے گھوڑا بہت مضبوط ہو جاتا ہے اور ایک ہی دوڑ میں دیر تک دوڑ سکتا ہے یعنی اس کے لئے ایک ہی وقت میں بہت سا دوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

باب غاية السبق للخيل المضمرة

اضمار اور تضمیر دونوں سے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اس لئے اس باب میں بھی دونوں احتمال ہیں اور غرض اضمار والے گھوڑوں کی غایت کا ذکر ہے کہ ان کی غایت زیادہ دور ہونی چاہئے۔

باب ناقة النبى صلى الله عليه وسلم

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا ذکر ہے پھر مفرد کا صیغہ لا کر امام بخاری نے اشارہ فرما دیا کہ قصواء اور عضباء ایک ہی اونٹنی کے دو نام تھے۔

باب بغلة النبى صلى الله عليه وسلم البيضا

غرض یہ ہے کہ خچر پر جہاد کرنا بھی جائز ہے۔

باب جهاد النساء: غرض عورتوں کے جہاد کا حکم بیان کرنا ہے کہ ان کے لئے حج جہاد کے قائم مقام ہے کیونکہ اس میں زیادہ ستر ہے۔

باب غزو المرأة فی البحر

غرض یہ ہے کہ کوئی عورت اگر خاوند یا محرم کے ساتھ جہاد میں نکل آئے تو گنجائش ہے اگر چہ اس پر جہاد واجب نہیں ہے۔

باب حمل الرجل امرأته فی الغزو دون بعض نسائه

غرض یہ ہے کہ کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو جہاد میں یا سفر میں سب کو نہ بھی لے جانا چاہے تو جس کو مناسب سمجھے لے جائے یہ جائز ہے اس موقعہ میں قسم اور برابری ضروری نہیں ہے۔ قرعہ اندازی بھی واجب نہیں ہے۔

باب غزو النساء وقتالهن مع الرجال

غرض یہ ہے کہ عورتوں کی جہاد میں شرکت جائز ہے لیکن اس کی صورت مرد مجاہدین کی اعانت کرنا ہے۔ **خدم:** ۔ یہ خدمۃ کی جمع ہے اس کے معنی پاؤں کے زیور کے ہیں۔ **تنقز ان:** ۔ یہ لفظ نقز سے لیا گیا ہے جس کے معنی وثب اور کودنے کے ہیں۔

باب حمل النساء القرب الی الناس

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ عورتوں کے جہاد کی ایک نوع یہ ہے کہ وہ مشکیزے سے لوگوں کو پانی پلائیں۔ **یریدون ام کلثوم بنت علی** یعنی حضرت عمر کے نکاح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی حضرت فاطمہ اور حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم تھیں۔ **تزفر:** ۔ مشک اٹھاتی تھیں۔ ۲- سلائی کرتی تھیں جیسا کہ خود امام بخاری بھی یہی دوسرے معنی ذکر فرما رہے ہیں۔

باب مداواة النساء الجرحی فی الغزو

غرض عورتوں کے جہاد کی ایک اور نوع بیان فرمانا ہے زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا۔

باب ردالنساء الجرحی و القتلیٰ

غرض یہ ہے کہ عورتیں شہیدوں اور زخمیوں کو میدان سے اٹھا کرلائیں تو یہ جائز ہے۔

باب نزع السهم من البدن

غرض یہ ہے کہ شہید ہونے کے بعد یا پہلے تیر اور ہتھیار شہید کے بدن سے اتار لینا اور ان سے نفع اٹھانا جائز ہے اور ہتھیار کپڑوں کی طرح نہیں ہیں۔ شہید کے کپڑے بدن سے نہیں اتارے جاتے اور کپڑوں سمیت دفن کیا جاتا ہے۔ **فترا منه الماء:** ۔ ای وثب یعنی پانی زور سے نکلا۔ **اللهم اغفر لعبید ابی عامر** اس فرمانے سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے یا فراست سے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ اس زخم سے فوت ہو جائیں گے۔

باب الحراسته فی الغزوفی سبیل الله عزوجل

غرض یہ ہے کہ ۱- جہاد میں پہرہ دینے کا بھی بہت ثواب ہے۔ ۲- دوسری غرض یہ بھی ہے کہ جہاد میں پہرہ دینا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ **تعس:** ۔ ہلاک ہوگیا۔ **اذا شیک فلا انتقش:** ۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کریں کہ جب کانٹا لگے تو نہ نکلے۔

باب فضل الخدمة فی الغزو

غرض یہ ہے کہ جہاد کے سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کرنے میں بھی بہت ثواب اور فضیلت ہے پھر اس خدمت کی تین صورتیں ہیں ہر ایک کے لئے امام بخاری اس باب میں ایک ایک حدیث لائے ہیں ۱- بڑا چھوٹے کی خدمت کرے اس کی مثال کے لئے پہلی حدیث ہے۔ ۲- اس کا عکس اس کے لئے دوسری حدیث ہے اور برابر والا اپنے برابر والے کی خدمت کرے اس کے لئے تیسری حدیث لائے ہیں۔

باب من حمل متاع صاحبه فی السفر

غرض یہ ہے کہ سفر میں کسی کا سامان اٹھا کر اس کے جانور پر لاد دینا بھی بہت ثواب کا کام ہے۔ **باب فضل رباط یوم فی سبیل الله:** ۔ غرض یہ ہے کہ سرحد پر گھوڑے باندھنا ایک دن یا پیدل سرحد کی حفاظت میں کھڑے رہنا بھی بہت فضیلت اور ثواب کا کام ہے۔

باب من غزا بصبی للخدمة

غرض یہ ہے کہ جہاد میں خدمت کے لئے بچے کو ساتھ لے

جانا بھی جائز ہے۔ **ضلع الدين**۔قرضہ کا بوجھ۔

باب ركوب البحر غرض یہ ہے کہ جہاد کے لئے سمندر کا سفر بھی جائز ہے۔ **قال يوماً في بيتها**:۔ان کے گھر میں دوپہر کے وقت آرام فرمایا یہ مال قیلولہ سے ہے۔

باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب

غرض یہ ہے کہ کمزوروں اور صالحین سے امداد لینا لڑائی میں مستحب ہے۔اس کی وجہ کیا ہے اس کی مختلف تقریریں ہیں۔۱-صالحین اور ضعفاء کا لڑائی میں موجود ہونا ہی باعث برکت اور باعث فتح ہے۔۲-صالحین اور ضعفاء کی برکت سے فتح ہوتی ہے۔۳-صالحین کے تقویٰ کی وجہ سے فتح ہوتی ہے کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا محل ہے اور صحابہ میں ان کا صحابی ہونا فتح ہے کا سبب ہے۔

کیونکہ یہ بھی حق تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا محل ہے اور کمزور ہونا حق تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا محل ہے۔اس کی تین اہم وجہیں ہیں۔۱-عموماً ضعیف کی دعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔۲-عموماً ضعیف کی عبادت میں تواضع زیادہ ہوتی ہے۔۳-عموماً ضعیف کا دل دنیا کے تعلق سے خالی ہوتا ہے اس لئے اس کی توجہ دین کی طرف غنی کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ان سب باتوں کی تائید چند چیزوں سے ہوتی ہے۔۱-بخاری شریف کا ایک نسخہ یوں ہے۔ **انما ينصرالله هذه الامة بضعفاء هم بدعواتهم و صلاتهم اخلاصهم**۔۲-قال اللہ تعالیٰ **و نريد انمن على الذين استضعفوا في الارض ونجعلهم ائمه ونجعلهم الورثين ونمكن لهم في الارض**۔۳-اس باب کی احادیث سے بھی ان باتوں کا ثبوت ملتا ہے صراحۃً اور دلالۃً۔ **ورای سعد ان له فضلاً على من دونه**: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ ہوا کہ شاید حضرت سعد اپنے آپ کو بعض کمزوروں سے افضل سمجھتے ہیں تو ان کو سمجھایا کہ کسی مسلم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔

باب لايقول فلان شهيد

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بلاوحی یقین سے نہ کہنا چاہئے کہ فلاں شخص یقیناً شہید ہے اور حدیث الباب کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ اس واقعہ میں اس شخص کو خودکشی سے پہلے بعض صحابہ نے کہہ دیا تھا کہ یہ اگر مارا جائے گا تو شہید ہوگا اور واقع میں یہ شخص منافق تھا کیونکہ اس نے اخیر وقت میں یہ کہا تھا ما قاتلت وعلى دين ما قاتلت الاعلى الحفاظ یعنی میں نے کسی دین پر لڑائی نہیں کی بلکہ اپنی عزت کی حفاظت کے لئے لڑائی کی ہے اس شخص کا نام قزمان تھا یہ غزوہ احد میں شریک نہیں ہوا تھا تو عورتوں نے اس کو عار دلائی تھی۔ ماانت الاامرأة اس لئے یہ غزوہ خیبر میں شریک ہوا اور یہ واقعہ پیش آیا جو اس حدیث میں ہے کہ خوب لڑائی کی اور پھر زخموں سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔

باب التحريض على الرمي

غرض یہ ہے کہ امیر کے لئے مستحب ہے کہ وہ جنگ کی تیاری کا شوق دلائے۔

قال ابوعبدالله اكثبو كم يعني اكثروكم

امام بخاری کی یہ تفسیر مشہور نہیں ہے مشہور تفسیر یہی ہے کہ قریب آجائیں۔

باب اللهو بالحرب ونحوها

غرض یہ ہے کہ نیزے وغیرہ آلات حرب سے کھیلنا اور لڑائی کی مشق کرنا جائز ہے۔

باب المجن و من تيترس بترس صاحبه

اس باب کی دو غرضیں ہیں۔۱-ڈھال کا استعمال توکل کے خلاف نہیں ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے خذوا حذركم۔۲-ساتھی کی ڈھال سے پناہ لینا بھی جائز ہے۔

باب الدرق

غرض یہ ہے کہ درق کا استعمال بھی جائز ہے۔درق اس ڈھال کو کہتے ہیں جو چمڑوں سے بنائی گئی ہو۔

باب الحمائل و تعليق السيف بالعنتق

۱-غرض یہ ہے کہ حمائل استعمال کرنا اور گردن میں تلوار لٹکا لینا بدعت نہیں ہے پھر حمائل کی تحقیق لغوی میں تین قول ہیں۔۱-جمع ہے حمالۃ بکسر الحاء کی تلوار وغیرہ لٹکانے کا ذریعہ۔۲-محمل کی جمع علی خلاف القیاس آلہ حمل۔۳-حمیلہ کی جمع لیکن یہ تیسرا قول ضعیف شمار کیا گیا ہے کیونکہ حمیلہ تو ان تنکوں وغیرہ کو کہتے ہیں جن کو سیلاب بہا کر لاتا ہے۔**قد استبراء الخبر** خبر کی تحقیق فرمائی۔

باب ماجاء فى حلية السيوف

غرض یہ ہے کہ تلوار کو مزین کر لینا بھی جائز ہے۔**العلابى**:کھالیں دباغت سے پہلے**الآ نک**:رانگا۔

باب من علق سيفه بالشجر فى السفر عندالقائلة

غرض یہ ہے کہ سفر میں درخت پر تلوار لٹکا کر سو جانا بھی جائز ہے۔
قلت الله ثلثا: یعنی میں نے تین دفعہ اللہ اللہ اللہ کہا۔**فشام السيف** تلوار کو نیام میں کیا اور اس کے معنی تلوار کو نیام سے نکالنے کے بھی آتے ہیں اس لئے یہ الفاظ اضداد میں سے ہے۔اضداد میں سے وہ لفظ شمار ہوتا ہے جس کے معنی میں دو ضدیں ہوں۔

باب لبس البيضة غرض یہ ہے کہ لوہے کی ٹوپی جس کو خود کہتے ہیں اس کا پہننا لڑائی میں جائز ہے اور توکل کے خلاف نہیں ہے۔**وهشمت البيضة**:ہشم کے معنی ہیں خشک چیز کو توڑنا۔

باب من لم يركسر السلاح عندالموت

غرض زمانہ جاہلیت کی رسم کا رد ہے کہ بادشاہ اپنی موت کے وقت اپنے ہتھیاروں کو توڑ دینے کی وصیت کر دیا کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کی مخالفت فرمائی اور اس رسم کو توڑ دیا۔

باب تفرق الناس عن الامام عندالقائلة والاستظلال بالشجر

غرض یہ ہے کہ بادشاہ کے سفر میں قیلولہ کرتے وقت لوگوں کا متفرق ہو جانا جائز ہے۔

باب ماقيل فى الرماح

غرض یہ ہے کہ جہاد میں نیزہ استعمال کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔

باب ماقيل فى درع النبى صلى الله عليه وسلم والقميص فى الحرب

اس باب کی دو غرضیں ہیں۔۱-لوہے کا کرتہ جس کو درع کہتے ہیں اس کا پہننا توکل کے خلاف نہیں ہے۔۲-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درع کس چیز کی بنی ہوئی تھی۔

اللهم انى انشدك عهدك ووعدك

اس وعدہ سے مراد وہ وعدہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔
واذيعدكم الله احدى الطائفتين انها لكم اور یہ دعاء غلبہ حال کے طور پر تھی جو انبیاء علیہم السلام میں بہت کم ہوتا ہے اور اولیاء اللہ میں کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔**فقال حسبك**: حضرت ابوبکر کا یہ عرض کرنا من جانب اللہ اشارہ تھا کہ آپ کی دعا قبول ہو چکی ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔
سيهزم الجمع ويولون الدبر۔**تقلصت عليه**:بل گئی۔

باب الجبة فى السفر والحرب

غرض یہ ہے کہ سفر اور حرب میں جبہ پہننا جائز ہے۔

باب الحرير فى الحرب

غرض یہ ہے کہ حرب میں ریشم پہننا مردوں کے لئے جائز ہے گویا امام شافعی اور امام احمد کی تائید کر دی۔ ہمارے امام صاحب اور امام مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے۔منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن انس رضی اللہ عنہ ان عبدالرحمٰن بن عوف والزبیر شکوا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی القمل فارخص لھما فی الحریر فرایتہ علیہما فی غزاۃ ہمارے نزدیک خصوصیت پر اور ان کے نزدیک عموم پر محمول ہے ترجیح ہمارے استدلال کو ہے کیونکہ ہماری توجیہ محرم ہے ان کی مبیح ہے۔

باب مايذكر فى السكين

غرض یہ ہے کہ چھری کا استعمال بھی جائز ہے۔سوال۔ابواب

جہاد سے مناسبت نہیں ہے جواب۔ جیسے چھری کھانے پینے میں استعمال ہوتی ہے ایسے ہی آلہ جہاد بھی ہے۔ **یحتز منها**: چھری سے اس کندھے میں سے کاٹ رہے تھے یہاں تو صرف کاٹنے کا ذکر ہے لیکن فوراً بعد آنے والی روایت میں ہے فالقی السکین اس سے معلوم ہوا کہ چھری سے کاٹنا مراد ہے اس لئے یہی محل ترجمہ ہے۔

باب ماقیل فی قتال الروم

غرض یہ ہے کہ رومیوں سے جہاد کرنے میں بہت ثواب ہے۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قداوجبوا

اس کا مصداق وہ لشکر ہے جو حضرت عثمان کی خلافت میں حضرت امیر معاویہ کی سرداری میں گیا تھا قداوجبوا کے معنی ہیں کہ انہوں نے اپنے لئے مغفرت اور رحمت ثابت کرلی۔

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفورلهم

مدینہ قیصر سے مراد تو قسطنطنیہ ہے یہ شہر حضرت امیر معاویہ کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا تھا فتح کرنے والے لشکر کے سردار کون تھے۔ اس میں دو قول ہیں۔ ۱- یزید بن معاویہ۔ ۲- سفیان بن عوف اور یہ فتح ۵۲ھ میں ہوئی حافظ ابن عبدالبر نے التمہید میں لکھا ہے کہ یزید نے حضرت حسین کو شہید کرنے کا حکم نہیں دیا تھا صرف یہ حکم دیا تھا کہ ان کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے بلا امر ہی شہید کردیا تھا پھر یزید پر لعنت کرنے میں تین قول ہیں۔ ۱- جائز۔ ۲- ناجائز۔ ۳- توقف اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اسی تیسرے قول میں زیادہ احتیاط ہے۔

باب قتال الیهود

غرض پیشین گوئی ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں سے لڑائی ہوگی اور مسلمان یہودیوں کو قتل کریں گے۔

باب قتال الترک

غرض پیشین گوئی ہے کہ مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان لڑائی ہو گی۔ ترکوں کے مصداق میں تین اہم قول ہیں۔ ۱- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لونڈی قنطوراء کی اولاد ہیں۔ ۲- نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد ہیں۔ ۳- تبع کی اولاد ہیں۔

ینتعلون نعال الشعر

۱- بالوں والے جوتے پہنیں گے۔ ۲- بال لمبے ہوں گے گویا بال جوتوں کے قریب پہنچ جائیں گے۔

باب قتال الذین ینتعلون الشعر

غرض پیشین گوئی ہے کہ بالوں والے جوتوں والوں سے مسلمان لڑیں گے یا ایسے لوگوں سے لڑیں گے جن کے بال اتنے لمبے ہوں گے کہ جوتوں کے قریب تک پہنچ جائیں گے۔ پھر ان کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ۱- ترک ہی ہیں۔ ۲- ترک کا غیر کوئی قوم ہے۔ ۳- ترک کی دو قسمیں ہیں ایک لمبے بالوں والے یا بالوں والے جوتے والے اور دوسری قسم ان کے علاوہ بظاہر امام بخاری یہی تیسرا قول لے رہے ہیں اسی لئے ان کو دو بابوں میں ذکر فرمایا اور دونوں میں حدیث ایک ہی بیان فرمائی جس کے طرق مختلف ہیں۔

باب من صف اصحابه عندالهزیمة ونزل عن دابة واستنصر

غرض یہ دو تقریریں ہیں۔ ۱- شکست کے موقعہ پر امام کو چاہئے کہ دوبارہ صف بندی کرے اور سواری سے اتر آئے اور اللہ تعالیٰ سے نصرت کی دعا مانگے۔ ۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرف غزوہ حنین میں اختیار فرمایا تھا اس کی حکایت کرنی مقصود ہے کہ اس طرح سے یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ حسراً: جمع ہے حاسر کی بلا ہتھیار۔

فرشقوهم: ان کو تیر مارے۔

باب الدعا علی المشرکین بالهزیمة والزلزلة

غرض یہ ہے کہ کافروں پر بددعا شکست اور زلزلہ کی جائز ہے۔ اتباعاً للسنۃ۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکست کی بددعا

فرمائی ہلاک کی نہ فرمائی کیونکہ ان کی ہدایت کا احتمال تھا اوران کی اولاد میں بھی ہدایت کا احتمال تھا۔

لابی جهل بن هشام

یہ لام للبیان ہے جسے ہیت لک میں ہے ای ھذا الدعاء مختص بابی جہل واصحابہ۔

باب هل یرشد المسلم اهل الکتاب اویعلمهم الکتاب

غرض یہ ہے کہ دینی تعلیم اور قرآن پاک کی تعلیم کافروں کو دینا جائز ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لکھ کر قیصر روم کو بھیجی۔

باب الدعاء للمشرکین بالهدیٰ لیتاً لفهم

غرض یہ ہے کہ کافروں کی تالیف قلبی کے لئے ان کی ہدایت کی دعا بھی جائز ہے۔ سوال کچھ پیچھے تو کافروں پر بددعا کا ذکر تھا۔ جواب۔ بددعا اس وقت ہے جب ان کی ہدایت سے مایوسی ہوجائے۔

باب دعوة الیهود والنصریٰ وعلی مایقاتلون علیه و ماکتب النبی صلی الله علیه وسلم الیٰ کسریٰ و قیصر والدعوة قبل القتال

غرض دعوت الی الاسلام کا ذکر ہے جو قتال سے پہلے مستحب ہے اگر پہلے دعوت پہنچ چکی ہو اور واجب ہے اگر پہلے نہ پہنچی ہو۔ پھر ترجمۃ الباب میں چار جزئیات کا ذکر ہے۔ ۱- اہل کتاب کو بھی دعوت دی جاتی ہے جیسے دوسرے کافروں کو دی جاتی ہے۔ ۲- کن الفاظ سے دعوت ہونی چاہئے۔ ۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کن الفاظ سے دعوت دیا کرتے تھے۔ ۴- دعوت قتال سے پہلے ہونی چاہئے پھر لفظ دعوۃ بفتح الدال مطلقاً پکارنے اور بلانے کے معنی میں ہے اور دعوۃ بضم الدال خاص ولیمہ کی دعوت میں استعمال ہوتا ہے اور دعوۃ بکسر الدال نسب کے دعوے میں استعمال ہوتا ہے پھر کسریٰ کا لفظ خسرو سے معرب ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں یہ فارس کے بادشاہوں کا لقب تھا اور قیصر لغت روم میں بقیر کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں وہ بچہ جو ماں کا پیٹ کاٹ کر پیدا ہوا ہو۔ سب سے پہلا قیصر روم ایسا ہی تھا کہ ولادت کے وقت اس کی ماں فوت ہوگئی تھی اور پیٹ کاٹا گیا تو یہ زندہ نکل آیا۔ اور وہ فخر کیا کرتا تھا کہ میں شرم کی جگہ سے پیدا نہیں ہوا۔ پھر روم کے سب بادشاہوں کا یہی لقب ہوگیا۔

باب دعاء النبی صلی الله علیه وسلم الی الاسلام والنبوة وان لایتخذ بعضهم بعضاً ارباباً من دون الله

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت الی الاسلام کا بیان ہے کہ کیسے تھی۔ گویا اہمیت کی وجہ سے گذشتہ باب کی چار جزئیات میں سے ایک کی تفصیل ہے۔

باب من اراد غزوةً فوریٰ بغیر هاومن احب الخروج یوم الخمیس

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ۱- مستحب یہ ہے کہ لڑائی میں اصل جانے کی جگہ کی تصریح نہ کی جائے بلکہ توریہ سے کام لیا جائے تاکہ دشمن پر اچانک حملہ ہو سکے۔ ۲- جمعرات کے دن جہاد کا سفر شروع کرنا مستحب ہے۔

باب الخروج بعد الظهر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر ظہر کے بعد بھی جہاد کا سفر شروع کر لیا جائے تو گنجائش ہے کیونکہ ایک حدیث پاک میں جو آتا ہے بورک فی امتی فی بکورھا اس میں صرف استحباب ہے کہ صبح کو سفر شروع کرنا مستحب ہے اور برکت کا سبب ہے وجوب بیان نہیں فرمایا گیا اس لئے ظہر کے بعد بھی سفر جائز ہی ہے۔

باب الخروج آخر الشهر

غرض زمانہ جاہلیت کے قول کا رد ہے کہ آخر مہینہ میں سفر کرنا منحوس ہوتا ہے۔

باب الخروج فی رمضان

غرض اس شخص کا رد ہے جو اس کا قائل ہوا کہ رمضان المبارک میں جہاد کے لئے نکلنا مکروہ ہے۔ **انما یوخذ بالاخر:.** اوروہ اس روایت میں افطار ہے۔

باب التودیع عندالسفر

غرض کی تین تقریریں ہیں۔ ۱- یہ مسنون ہے کہ مسافر مقیم سے مل کر جائے گویا یہ مسافر کی سنن میں سے ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں صحابہ مسافرین کا مل کر جانا صراحۃً مذکور ہے۔ ۲- مقیم کے لئے مسنون ہے کہ مسافر اور مہمان جب جانے لگے تو اس کو رخصت کرے اور یہ مسئلہ اس باب کی حدیث سے قیاساً ثابت ہوا۔ ۳- دونوں کام ہی مسنون ہیں اور امام بخاری کی مراد دونوں سنتوں کا بیان ہے۔

باب السمع والطاعة للامام مالم یامر بمعصیة

غرض یہ ہے کہ امیر کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ گناہ کا حکم نہ کرے۔

باب یقاتل من وراء الامام و یتقی به

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ امام حفاظت کا ذریعہ ہونے میں ڈھال کی طرح ہے پھر اس ڈھال کی طرح ہونے کی تفصیل میں تین قول ہیں۔ ۱- امام کے بغیر لڑائی نہیں ہو سکتی۔ ۲- ایسے امام کے ساتھ مل کر جہاد کرنا چاہئے جس کو مسلمانوں کے اتفاق نے خلیفہ بنایا ہو نہ ایسے کے ساتھ جو غالب آ کر امام بن گیا ہو۔ ۳- غرض امام کا واجب الاطاعۃ ہونے کا بیان ہے۔

باب البیعة فی الحرب علی ان لایفروا

غرض ایک اختلاف کا بیان ہے اور ساتھ ساتھ ایک قول کو ترجیح دینی مقصود ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان میں نہ بھاگنے پر بیعت لی تھی یا موت تک لڑتے رہنے پر بیعت لی تھی اور یہ صرف لفظوں ہی کا اختلاف ہے مال دونوں کا ایک ہی ہے۔ امام بخاری پہلے قول کو ترجیح دے رہے ہیں کیونکہ اس کو پہلے ذکر فرمایا ہے۔

فمااجتمع منا اثنان علی الشجرة التی بایعنا تحتها

معنی کیا ہیں دو قول ہیں۔ ۱- ہم پہچان نہ سکے۔ ۲- اللہ تعالیٰ نے ہم پر مشتبہ فرما دیا۔ **کانت رحمة من الله:.** یہ علیحدہ جملہ ہے معنی یہ ہیں کہ یہ درخت کا مخفی ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھی ورنہ خوف تھا کہ بعض جاہل عبادت کے درجہ میں تعظیم نہ شروع کر دیں جیسے زمانہ جاہلیت میں ہوتا رہا ہے۔

باب عزم الامام علی الناس فیما یطیقون

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ امام اسی چیز کا وعدہ لے جو وہ کر سکیں۔ **مودیا:.** اداۃ حرب والا یعنی مسلح۔ **لن یزال بخیر مااتقی الله:.** غرض یہ ہے کہ جب تک تقویٰ کے خلاف نہ ہو امام کی اطاعت کرو۔ **والذی لااله الا هو مااذکر ماغبر:.** یہ قسم ہے اور اس قسم سے نیا جملہ شروع ہوتا ہے پھر مااذکر والی مانافیہ ہے اور ماغبر والی ماموصولہ ہے مقصد یہ ہے کہ اچھے لوگ چلے گئے گھٹیا رہ گئے۔

باب کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا لم یقاتل اول النهار اخر القتال حتیٰ تنزول الشمس

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال کا وقت بیان فرمانا ہے کہ شروع نہار میں قتال شروع فرمایا کرتے تھے اور اگر شروع نہار میں شروع نہ فرماتے تو پھر زوال تک مؤخر فرماتے تھے اور اس تاخیر کی کئی وجوہ تھیں۔ ۱- زوال کے وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی امداد نازل ہوتی ہے۔ ۲- ظہر کی نماز کے بعد دعاء مانگنے کا موقعہ مل جائے گا اور نماز کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے۔ ۳- گرمی کا زور کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ٹھنڈک میں لڑائی آسان ہوتی ہے۔

باب استیذان الرجل الامام

غرض یہ ہے کہ جہاد سے کسی نے واپس وطن آنا ہو تو امام سے

اجازت لیناواجب ہے۔

باب من غزاوھوحدیث عھد بعرسه

غرض یہ ہے کہ نکاح کے بعد جلدی جہاد میں چلے جانا بھی جائز ہے۔ پھراس باب میں تعلیقا حدیث لاکر گذشتہ باب کی حدیث مسند کی طرف اشارہ کر دیا۔ تفصیل سے مسنداً نہ لائے تاکہ تکرار نہ ہواور گزری بھی متصلاً گذشتہ باب میں ہے۔ بلافصل اس لئے تلاش کرنے میں بھی کچھ مشقت نہیں۔

باب من اختار الغزو بعد البناء

غرض کی دوتقریریں ہیں۔ا- نکاح ہو چکا ہوتو مستحب ہے کہ رخصتی سے فارغ ہوکر جہاد میں جائے پہلے نہ جائے تاکہ اس کے افکارجمع رہیں اور یکسوئی سے جہاد کی عبادت میں مشغول ہو۔۲- بناء اور رخصتی ہو جانے کے بعد بھی جو جہاد میں جانا پسند کرے اور غزو اختیار کرے اس کو بھی منع کیا جائے گا یا نہ حدیث ابی ہریرہ مرفوعاً آگے مفصلاً آئے گی۔ انشاءاللہ اور وہ یہ ہے غزانبی من الانبیاء فقال لقومہ لایتبعنی رجل ملک بضع امراۃ وھویرید ان یبنی بھا ولمایبن بھا الحدیث لفظ بضع کے تین معنی آتے ہیں۔ا-عقد نکاح' ۲- جماع' ۳-فرج۔ اس حدیث سے بطور دلالۃ النص کے ثابت ہوتا ہے کہ مستحب ہے کہ بناء کے بعد بھی قریب زمانہ میں جہاد میں نہ جائے بلکہ کچھ عرصہ کے بعد جائے تاکہ یکسوئی سے جہاد میں شریک ہوسکے۔

باب مبادرة الامام عندالفزع

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ گھبراہٹ کے موقعہ پرخود سب سے پہلے جا کر تحقیق کرے۔

باب السرعة والرکض فی الفزع

غرض یہ ہے کہ گھبراہٹ کے موقع پرگھوڑے کو ایڑھی مار کر بھگانا اور جلدی گھبراہٹ کی چیز کی تحقیق کرنا مستحب ہے اور یہ باب گذشتہ باب کی تاکید کے لئے ہے۔

باب الخروج فی الفزع وحده

غرض یہ ہے کہ گھبراہٹ کے موقعہ میں امام کا اکیلا نکل جانا بھی جائز ہے۔سوال۔اس باب میں حدیث کیوں نہ ذکر فرمائی۔ جواب۔ا- بلافصل گذشتہ باب والی حدیث کوکافی خیال فرمالیا۔۲-ارادہ تھا کہ گذشتہ باب والی حدیث ہی کو دوسرے الفاظ کے ساتھ لکھ دوں گا لیکن نہ ملی۔

باب الجعائل والحملان فی السبیل

غرض یہ ہے کہ فوج کی ملازمت کی تنخواہ یا مجاہدین کے بوجھ اٹھانے کا کرایہ ضرورت کے درجہ میں لینے اور دینے میں کچھ حرج نہیں اپنے کام کا معاوضہ سمجھ کر اور مقصود سمجھ کر لینا مکروہ ہے ایسے ہی دینا ہے۔ **باب الاجیر**: غرض یہ ہے کہ اجیر کا جہاد میں شریک ہونا جائز ہے پھر اگر باقاعدہ جہاد کیا تو پورا حصہ غنیمت سے ملے گا ورنہ نہیں۔ **واخذعطیة بن قیس فرساً علی النصف** اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ گھوڑا جہاد کے لئے کرایہ پر لینا اس شرط پر ہے کہ مال غنیمت جو گھوڑے کی وجہ سے ملے گا آدھا میرا آدھا تیرا اس طرح لینا جائز ہے یا نہ عند احمد جائز ہے عندالجمہور جائز نہیں۔ ولنا اس میں جہالت ہے جو مفسد عقد ہے ولاحمد یہ حضرت عطیہ والی روایت واخذ عطیۃ بن قیس فرساً علی النصف۔جواب حضرت عطیہ جو کہ تابعی ہیں یہ ان کا اپنا اجتھاد ہے۔

باب ما قیل فی لواء النبی صلی اللہ علیه وسلم

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی جھنڈا ہوتا تھا پھر لواء اور رایہ کے بارے میں تین اہم قول ہیں کہ ان کا مصداق کیا ہے۔ا- دونوں لفظ مترادف ہیں ہر جھنڈے کو لواء بھی کہتے ہیں اور رایہ بھی کہتے ہیں۔۲-لواء نیزے پر باندھا جاتا ہے اور نیزے کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے اور رایہ ہوا کی حرکت سے حرکت کرتا ہے۔ بانس وغیرہ کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ ۳-لواء بڑا جھنڈا ہوتا ہے اور رایہ امیر کی جگہ کی نشانی کے طور پر چھوٹا جھنڈا ہوتا ہے پھر راجح یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا کوئی رنگ متعین نہ تھا جو کپڑا سامنے آگیا بطور علامت کے باندھ لیا جاتا تھا کیونکہ ابوداؤد کے ایک ہی باب میں جھنڈے کی صفات میں لمرہ بھی ہے ابیض بھی ہے صفراء بھی ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ عیہ وسلم نصرت بالرعب مسیرۃ شھر

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے یہ خصوصی شان عطاء فرمائی تھی کہ ایک ماہ کے سفر کی دوری پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت اور رعب اور دبدبہ محسوس ہوتا تھا۔سوال۔ بہت سے لوگ بادشاہوں سے دور بیٹھے ڈرا کرتے ہیں۔جواب۔۱-اس رعب کی تائید فتوحات کثیرہ سے ہوئی۔۲-بادشاہوں کے پاس ڈرانے کے ظاہری اسباب ہوتے ہیں۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب ظاہری اسباب کے بغیر تھا۔ تنتثلو نھا: تم وہ خزانے نکال رہے ہو۔

باب حمل الزاد فی الغزو

غرض یہ ہے کہ جہاد میں زاد لے کر جانا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ فاحتثی الناس:۔لوگوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے برتنوں کو بھرا۔

باب حمل الزاد علی الرقاب

غرض یہ ہے کہ جب سواریاں زاد اٹھانے کے لئے نہ ہوں تو گردنوں پر لاد کر زاد لے جانا بھی جہاد میں جائز ہے۔ ما احیینا:۔ ماموصولہ ہے مفعول ہے فاکلنا کا۔

باب ارداف المراۃ خلف اخیھا

غرض یہ ہے کہ کسی عورت کو اس کے بھائی کے پیچھے بٹھانا بھی جائز ہے۔

باب الارتداف فی الغزو والحج

غرض یہ ہے کہ حج اور جہاد کے سفر میں کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھنا بھی جائز ہے۔پھر اس باب کی حدیث پاک میں تو حج کا ذکر ہے۔امام بخاری جہاد کو حج پر قیاس فرمارہے ہیں۔

باب الردف علی الحمار

غرض یہ ہے کہ اگر حمار برداشت کرسکتا ہو تو اس پر کسی کے پیچھے بیٹھنے والا بن جانا بھی جائز ہے ردف کے معنی پیچھے بیٹھنے والا۔

باب من اخذ بالرکاب و نحوہ

غرض یہ ہے کہ کسی عالم کا احترام کرتے ہوئے اس کی رکاب پکڑنا جہاں پاؤں رکھے جاتے ہیں یہ بھی ثواب کا کام ہے نحوہ سے مراد ہے کہ مثلاً اس کے سوار ہونے میں امداد کرنا عینی میں اس باب میں یہ واقعہ نقل فرمایا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس نے حضرت زید بن ثابت کی رکاب پکڑلی۔انہوں نے فرمایا لاتفعل یا ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے فرمایا ھکذا امرنا ان نفعل بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب کراھیۃ السفر بالمصحف الی ارض العدو

غرض یہ ہے کہ اگر خطرہ ہو کہ دشمنوں کے ہاتھوں میں قرآن پاک لکھا ہوا آجائے گا اور وہ اس پاک کتاب کی توہین کریں گے تو دشمن کے علاقہ میں قرآن پاک کا نسخہ لے کر جانا مکروہ ہے اور اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو گنجائش ہے۔

وھم یعلمون القرآن

اس عبارت کی تین توجیہات ہیں۔۱-یعلمون باب سمع یسمع سے ہے۔۲-باب تفعیل سے ہے اور مصحف دیکھ کر پڑھانا مراد ہے۔۳-باب تفعیل سے ہے اور حفظاً پڑھانا مراد ہے۔پھر امام بخاری کی غرض اس عبارت سے کیا ہے اس کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱-پہلی یا تیسری توجیہ لینا چاہتے ہیں اور غرض یہ ہے کہ آگے اسی باب کی مسند روایت میں جو قرآن پاک دشمن کی زمین میں لے جانے سے ممانعت آرہی ہے اس کا تعلق قرآن پاک کے مصحف سے ہے نفس قرآن پاک سے نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام کے سینوں میں قرآن تھا اور وہ حفظاً پڑھتے پڑھاتے بھی تھے اور دشمن کی زمین میں جاتے بھی تھے۔۲-دوسری توجیہ امام بخاری لینا چاہتے ہیں کہ ممانعت چھوٹے لشکر میں مصحف ساتھ لے جانے سے ہے کیونکہ بڑے لشکروں میں تو صحابہ کرام بھی مصحف لے جاتے تھے۔

باب التکبیر عند الحرب

غرض یہ ہے کہ جہاد میں اللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔

باب مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر

غرض یہ ہے کہ تکبیر کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔سوال

یہ باب گذشتہ باب کے خلاف ہے۔ جواب ۱-گذشتہ باب میں بیان جواز تھا اور اس باب میں کراہت تنزیہی کا ذکر ہے کیونکہ نہی دنیا کی آسانی کے لئے ہے۔۲-گذشتہ باب میں ہلکی آواز سے کہنا مراد تھا اور اب بہت زور سے کہنے سے ممانعت ہے۔

باب التسبيح اذاهبط واديا

غرض یہ ہے کہ نیچی جگہ کی طرف جاتے وقت تسبیح مسنون ہے تا کہ اتباع ہو حضرت یونس علیہ السلام کا جنہوں نے مچھلی کے پیٹ میں جو نیچی جگہ تھی تسبیح سے نجات پائی تھی اور کمال قرب خاص ہوا تھا ہم بھی نجات عن العذاب اور کمال قرب چاہتے ہیں۔

التكبير اذا علاشرفاً

غرض یہ کہ پہاڑوں وغیرہ کی بلندی دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار اور اللہ اکبر پڑھنا مستحب ہے۔ **فدفد**: اونچی جگہ جو سخت بھی ہو۔

يكتب للمسافر مثل ماكان يحمل في الاقامة

غرض یہ ہے کہ اقامت کے زمانہ میں نفلوں کی عادت ڈالنی چاہئے تا کہ سفر میں وہ ساری عبادت بالا عمل ہی مل جائے۔

باب السير وحده

غرض یہ ہے کہ امن ہو اور ضرورت ہو تو اکیلے آدمی کا سفر بھی جائز ہے اور خوف میں اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔ اس باب کی دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ سب باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

باب السرعة في السير

غرض یہ ہے کہ وطن کو واپس آتے وقت بھیڑ کئے بغیر سواری کو قدرے تیز کر لینا بھی جائز ہے۔

باب اذاحمل على فرس فرأها تباع

غرض یہ ہے کہ کسی کو گھوڑا ھبہ کیا ہو پھر وہ بیچ رہا ہو تو یہ ھبہ کرنے والا نہ خریدے یہ جواب حدیث سے معلوم ہو رہا تھا اس لئے ذکر نہ فرمایا۔

باب الجهاد باذن الابوين

غرض یہ ہے کہ والدین کی خدمت فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے اس لئے والدین کی خدمت مقدم ہے۔

باب ما قيل في الجرس ونحوه في اعناق الابل

غرض یہ ہے کہ اونٹوں کے گلے میں گھنٹی ڈالنا مکروہ ہے کیوں۔ ۱-فرشتے اس سے نفرت رکھتے ہیں۔۲-اس کی آواز سے دشمن کو پتہ چل جاتا ہے۔ اسی لئے کراہت عدم ضرورت کے موقعہ میں ہے۔ ضرورت کے موقعہ میں مکروہ نہیں۔ پھر نحوہ سے مراد گلے میں بطور تعویذ کے دھاگا ڈالنا ہے۔ اور تعویذ کے جائز ہونے کی تین شرطیں ہیں ۱-مؤثر بالذات نہ سمجھے۔۲-کوئی لفظ یا کام گناہ کے درجہ کا نہ ہو۔۳-بے موقعہ استعمال نہ ہو۔

باب من اكتتب في جيش فخرجت امراته حاجة اوكان له عذرهل يوذن له

غرض یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ حج پر جانے کا عذر ہو یا کوئی اور عذر ہو تو جہاد میں نام لکھنے کے بعد بھی جہاد کی شرکت چھوڑنی جائز ہے۔

باب الجاسوس

جاسوس کا حکم بیان کرنا مقصود ہے جاسوس اسے کہتے ہیں جو دشمن کے حالات معلوم کرے پھر اس کی تین قسمیں ہیں۔ ۱-مسلمان جاسوس بھیجیں یہ ضرورت کے موقعہ پر جائز ہے۔۲-کافر کسی مسلمان کو جاسوس بنائیں اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔۳-کافر کسی کافر کو جاسوس بنائیں اس کو قتل کیا جائے گا۔

فاخرجة من عقاصها

عمدۃ القاری للعینی میں یحییٰ بن سلام کی تفسیر سے اس خط کے الفاظ یوں منقول ہیں یا معشر قریش فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءکم بجیش کاللیل یسیر کالسیل فواللہ لو جاءکم وحدہ نصرہ اللہ وانجز لہ وعدہ فانظروا لانفسکم والسلام۔

قال سفيان واى اسناد هذا

حضرت سفیان بن عیینہ فرما رہے ہیں کہ کیا ہی اچھی سند ہے یہ

اور مقصد اس سند کی قوت کا بیان ہے۔

باب الکسوة للاساری

غرض یہ ہے کہ کافر قیدی جو ہمارے قبضہ میں آ جائیں ان کو کپڑے پہنانا ہمارے ذمہ واجب ہوتا ہے کیونکہ کسی کی چھپانے کی جگہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے۔ یقدر علیہ: عبداللہ بن ابی کا کرتہ لمبائی چوڑائی میں حضرت عباس پر پورا آتا تھا اور ناپ برابر تھا۔

باب فضل من اسلم علی یدیه رجل

غرض یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ پر کوئی ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو اس کا بھی بہت ثواب ہے۔

باب الاساریٰ فی السلاسل

غرض اسلام کے کمال کا بیان ہے کہ بعض مسلمان زنجیروں سے جنت میں جائیں گے پھر اس حدیث پاک کے معنی میں اور شان ورود میں تین قول ہیں۔ ا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث باب والی روایت حضرت عباس اور دوسرے اساری بدر کے متعلق وارد ہوئی ہے۔ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً عجب اللہ من قوم یدخلون الجنۃ فی السلاسل اس لئے معنی یہ ہوئے کہ بعضوں کو اللہ تعالیٰ زبردستی اسلام میں داخل فرماتے ہیں کہ قیدی بن کر آتے ہیں۔ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور مسلمان ہونا جنت میں داخل ہونا ہے کیونکہ اسلام دخول جنت کا سبب ہے۔ ۲۔ یہ حدیث ان مسلمانوں کے متعلق ہے جو اضطراراً کافروں کے قیدی بن جاتے ہیں اور اسی حالت میں شہید کر دیئے جاتے ہیں یا فوت ہو جاتے ہیں۔ یہ قیامت کے دن زنجیروں کے ساتھ اٹھیں گے جیسے شہدا اپنے خون کے ساتھ اٹھیں گے اس قیامت میں اٹھنے کو دخول جنت سے تعبیر فرمایا گیا مجازاً کیونکہ یہ اٹھنا سبب ہے دخول جنت کا۔ ۳۔ بعض خواص کو اللہ تعالیٰ ایک دم گمراہی سے ہدایت کی طرف کھینچ لیتے ہیں جیسے بشر حافی اپنے گھر میں گناہوں میں مشغول رہتے تھے کہ ایک درویش نے دروازے پر آواز دی ایک لونڈی باہر گئی پوچھا یہ آزاد کا گھر ہے یا غلام کا کہا آزاد کا یہ کہہ کر چل دیئے کہ اگر غلام کا ہوتا ایسے نہ کرتا جیسے یہ کر رہا ہے جب اندر پیغام پہنچا تو ایک دم دل پر اثر ہو گیا۔ ان کے پیچھے بھاگے ننگے پاؤں اور دوبارہ یہی الفاظ سنے اور توبہ کی اور بزرگ بن گئے حافی لقب ہوا کیونکہ ننگے پاؤں بھاگ کر گئے تھے ایسے ہی بادشاہ ابراہیم بن ادھم رات اپنے محل میں تھے چھت پر کسی کے چلنے کی آواز آئی پوچھا کون کہا میرے بیل گم ہو گئے ہیں۔ فرمایا بھلا چھت پر بھی بیل ملا کرتے ہیں کہا جیسے تمہیں تخت پر اللہ تعالیٰ مل جائیں گے ایسے ہی مجھے چھت پر بیل مل جائیں گے۔ اس پر سلطنت چھوڑی اور دن رات عبادت شروع کی۔ بزرگوں میں شمار کئے گئے ایسے ہی حضرت شیخ عطار کی پہلے عطاری کی دکان تھی ایک درویش نے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا پوچھنے پر فرمایا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کی جان ان لیس دار چیزوں میں اٹکی ہوئی ہے یہ نکلے گی کیسے فرمایا جیسے آپ کی نکلے گی ایسے ہی ہماری نکل جائے گی وہ درویش کہنے لگے کہ ہماری جان تو لو ابھی نکلے جاتی ہے یہ کہہ کر لیٹ گئے اور روح پرواز کر گئی۔ اس سے ایسا دھکا دل کو لگا کہ دن رات عبادت میں لگ گئے۔ عجب اللہ: سوال تعجب کے معنی تو ہیں ادراک امور غریبۃ اور اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز امر غریب یعنی نئی چیز نہیں ہے اس لئے تعجب اللہ تعالیٰ کی ذات میں پایا جانا محال ہے۔ جواب۔ مبدا یعنی سبب بول کر غایت یعنی مسبب مراد ہے اور تعجب بول کر اس کا اثر جو یہاں رضا اور ثواب ہے وہ مراد ہے۔

باب فضل من اسلم من اهل الکتاب

غرض یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو ایمان لائے اس کو دوگنا ثواب ہے اس کی تفصیل کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

باب اهل الدار یبیتون فیصاب الولدان والذراری

غرض یہ ہے کہ کافروں پر رات کے وقت حملہ کرنا جس کو شب خون مارنا کہتے ہیں جائز ہے اس میں تبعاً بچے اور عورتیں بھی ہلاک ہوتے ہیں یہ معاف ہے قصداً ان کا قتل جائز نہیں ہے۔

باب قتل الصبیان فی الحرب

غرض یہ ہے کہ بچوں کا قتل جائز نہیں ہے دو وجہ ہے۔

۱-وہ کافر نہیں ہیں کیونکہ کفر تو بالغ ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔
۲-ان کے باقی رکھنے میں مسلمانوں کا نفع ہے کیونکہ یا تو ان کو غلام بنایا جائے گا یا فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا۔ دونوں میں ہمارا نفع ہے۔ البتہ اگر بچے بھی لڑتے ہوں تو ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

باب قتل النساء فی الحرب

غرض یہ ہے کہ عورتوں کا قتل کرنا منع ہے۔

باب لایعذب بعذاب الله

غرض یہ ہے کہ آگ سے جلانا بلاضرورت ممنوع ہے۔ البتہ اگر اس کے بغیر فتح نہ ہوتی ہو تو ان کے قلعوں کو آگ لگانا جائز ہے۔

ان علیا رضی الله عنه حرق قوماً

مرتدین اور ملحدین پر تشدید فرماتے ہوئے جو ایسا کیا تو اس کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱-حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قتل کرنے کے بعد جلایا تھا۔ ۲-حضرت علیؓ اور حضرت خالد بن الولیدؓ کے نزدیک جلانا جائز تھا ان کے نزدیک نہی تنزیہی تھی اور ان کا محل استدلال عرنیین کی آنکھوں میں لوہے کی سلائیاں ڈالنے کا واقعہ تھا حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک جلانا ممنوع و مکروہ تھا خواہ کافر ہو یا مقاتل ہو یا قصاص لیا جا رہا ہو کیونکہ نہی ان کے نزدیک تحریم کے لئے ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ ۱-اسی میں احتیاط ہے۔ ۲-نہی میں اصل تحریم ہی ہے۔ باقی رہا واقعہ عرنیین والا تو اس کی سزا منسوخ ہے کیونکہ بالاتفاق مثلہ منسوخ ہے۔

باب قوله فامامنا بعد و امافداءً حتی تضع الحرب اوزارها

غرض یہ ہے کہ قید کرنے کے بعد مفت چھوڑنا بھی جائز ہے اور فدیہ لے کر چھوڑنا بھی جائز ہے۔

باب هل للاسیران یقتل اویخدع الذین اسروه حتی ینجومن الکفرة

غرض اس مسلمان کا حکم بتلانا ہے جس کو کافروں نے قید کر لیا ہو کہ اس کے لئے وہاں سے بھاگ آنا جائز ہے یا نہ۔ ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں کہ بھاگ آنا جائز ہے امام مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ولنا۔ واقعہ ابی بصیر جو کہ پیچھے کتاب الشروط میں گزر چکا ہے ان کے بھاگنے پر انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمایا۔ البتہ معاہدہ کی وجہ سے اپنے پاس نہ رکھا۔ ولمالک اوفوابالعهدان العهد کان مسئولا۔ جواب۔ اس مجبوری کے عہد کا اعتبار نہیں ہے۔ **فیه مسور عن النبی صلی الله علیه وسلم:**۔ اس سے وہی روایت مراد ہے جو پیچھے مسنداً کتاب الشروط میں گزری ہے جس میں حضرت ابوبصیر کا واقعہ مذکور ہے۔

باب اذاحرق المشرک المسلم هل یحرق

غرض میں دو قول ہیں۔ ۱-ابتداءً تو کافر کو جلانا جائز نہیں ہے۔ لیکن کوئی کافر مسلمان کو جلائے تو اسی کافر کو بطور سزا کے جلانا جائز ہے۔ ۲-سیاست اور انتظام کے درجہ میں کافر کو جلانا جائز ہے۔
ابغنارسلاً:۔ ایسا انتظام فرماویں کہ جانوروں کے دودھ کی دھاریں ہم اپنے منہ میں مار سکیں۔ **فاتی الصریخ النبی صلی الله علیه وسلم:**۔ پناہ مانگنے والے کی چیخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ **فماترجل النهار:**۔ نہ بلند ہوا دن۔
باب:۔ یہ باب بلاترجمہ ہے اور گذشتہ باب کا تتمہ ہے۔ تتمہ ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ گذشتہ باب میں انسانوں کے جلانے کا ذکر تھا اور اس باب کی روایت میں چیونٹیوں کو جلانے کا ذکر ہے۔
احرقت امةً من الامم تسبح الله اس وحی کا مقصد کیا تھا دو قول ہیں۔ ۱-یہ خلاف اولیٰ کرنے پر اس نبی کو عتاب تھا۔ اس نبی کی شریعت میں چیونٹیوں کا جلانا صرف خلاف اولیٰ ہی تھا اور یہ عتاب اس درجہ میں تھا حسنات الابرار سیئات المقربین۔
۲-وحی بطور عتاب کے نہ تھی بلکہ اس حکمۃ کا بتلانا مقصود تھا کہ جب مجرم کے ساتھ غیر مجرم خلط کرے اور امتیاز مشکل ہو جائے تو دنیا میں سب پر عذاب آ جاتا ہے۔

باب حرق الدور والنخیل

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ پر گھروں اور کھجوروں وغیرہ کو جلا دینا بھی جائز ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ماقطعتم من لینة اوترکتموھا قائمة علی اصولھا فباذن اللہ ولیخزی الفاسقین**

باب قتل النائم المشرک

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی کافر موذی ہو اور ذمی ہونے کے عہد کو توڑنے والا ہو تو اس کو سونے کی حالت میں قتل کر دینا بھی جائز ہے۔

باب لاتتمنو القاء العدو

غرض یہ ہے کہ دشمن سے لڑنے کی تمنا کرنا ممنوع ہے۔ وجہ ۱-بظاہر یہ عجب اور خود بینی کی علامت ہے اور خود بینی گناہ ہے۔ ۲-بظاہر یہ اپنی قوت پر اعتماد اور توکل چھوڑنے کی علامت ہے۔ ۳-انجام کا پتہ نہیں کہ اس وقت لڑائی مفید ہوگی یا نہ۔۴-یہ بظاہر تواضع کے خلاف ہے۔تواضع یہ ہے کہ ہمیشہ عافیت مانگے۔

باب الحرب خدعة

دوغرضیں ہیں۔۱-لڑائی میں دھوکے اور خفی تدبیر کی گنجائش ہے کیونکہ المماکرة انفع من المکابرة۔۲-غرض دوسری یہ ہے کہ غفلت سے روکنا مقصود ہے ایسا نہ ہو کہ کافر کوئی خفیہ تدبیر کرلیں کیونکہ الحرب خدعة لیکن تین چیزیں اس خداع سے مستثنیٰ ہیں۔۱-نقض عہد۔۲نقض امان۔۳-صریح جھوٹ۔

باب الکذب فی الحرب

غرض اس کا بیان ہے کہ لڑائی میں جھوٹ جائز ہے یا نہ اور اگر جائز ہے تو صریح یا توریہ جواب حدیث پاک سے سمجھ میں آرہا ہے کہ توریہ جائز ہے۔

باب الفتک باھل الحرب

غرض یہ ہے کہ اہل حرب کو اچانک قتل کر دینا بھی جائز ہے۔

باب مایجوز من الاحتیال والحذر مع من تخشی معرته

غرض یہ ہے کہ جس کے فساد کا اندیشہ ہو اس سے احتیاط اور خفیہ تدبیر جائز ہے۔

باب فی الحرب ورفع الصوت فی حضر الخندق

غرض یہ ہے کہ بلند آواز سے رجز پڑھنا بھی لڑائی میں اور خندق کھودنے میں جائز ہے اور رجز کو بعض نے نظم اور شعر شمار کیا ہے اور بعض نے نثر مسجع شمار کیا ہے۔

باب من لایثبت علی الخیل

غرض کی دوتقریریں ہیں۔۱-واقعہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے صحابی کے لئے کیا دعا فرمائی تھی جو گھوڑے پر سوار نہ رہ سکتے تھے۔۲-اہل خیر کو چاہئے کہ جو گھوڑے پر سوار نہ ہو سکے اس کے لئے دعا کریں سنت کا اتباع کرتے ہوئے۔

باب دواء الجرح باحراق الحصیر وغسل المرأة عن ابیھا الدم عن وجھه وحمل الماء فی الترس

غرض تین مسئلے بتلانا ہے۔۱-چٹائی جلا کر زخم کا علاج کرنا جائز ہے۔۲-عورت اگر اپنے والد کے چہرے کا زخم دھوئے تو جائز ہے۔۳-ڈھال کو پانی لانے کے لئے استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

باب مایکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب و عقوبة من عصی امامه

دوغرضیں ہیں۔۱-لڑائی میں اختلاف اور جھگڑا مکروہ ہے۔ ۲-بعض دفعہ مخالفت امام کی سزا دنیا ہی میں شکست اور غنیمت سے محرومی کی صورت میں دے دی جاتی ہے۔

باب اذا فزعوا باللیل

غرض یہ ہے کہ اگر رات کے وقت امام کوئی گھبراہٹ کی آواز سنے تو اسے چاہئے کہ تحقیق میں جلد کرے۔

باب من رای العدو فنادی باعلی صوته یا صباحاه حتی یسمع الناس

غرض یہ ہے کہ یا صباحاہ کے لفظ سے بھی ساتھیوں کو امداد کے

لئے بلانا جائز ہے اگر چہ یہ لفظ زمانہ جاہلیت میں استعمال ہوتا تھا اور صبح کا لفظ اس لئے استعمال کیا جاتا تھا کہ زیادہ تر ڈاکے صبح کے وقت پڑتے تھے۔ **الوضع**: ذلیل گویا اس نے اپنے آپ کو یا ساتھیوں کو قتل کرا کے ملامت کے بطور دودھ کے پی لیا۔ **فاسجح**:۔ معاف کر دو۔ **یقرون فی قومھم**: ان کو اپنی قوم میں مہمانی کھلائی جارہی ہے یعنی وہ تو اب اپنی قوم میں واپس پہنچ چکے ہیں۔

باب من قال خذها وانا ابن فلان

غرض یہ ہے کہ اپنے آپ کو جوش دلانے کے لئے اس قسم کا لفظ کہنا جائز ہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں۔ بطور فخر کے کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ فخر تکبر کی ایک قسم ہے اور تکبر حرام ہے اس لئے فخر بھی حرام ہے۔

باب اذا نزل العدو علیٰ حکم رجل

غرض یہ ہے کہ اگر کافر کسی خاص مسلمان کے ثالث بننے پر راضی ہو جائیں تو اس مسلمان کو ثالث بنا دینا جائز ہے۔ **قوموا الی سید کم**: وجہ میں دو احتمال ہیں۔ ۱- وہ بیمار تھے اس لئے سواری سے اترنے میں اعانت کرنے کے لئے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا تھا۔ ۲- احترام اور اظہار محبت کے لئے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بطور اظہار محبت کھڑے ہونا چند صحابہ کے لئے ثابت ہے۔ مثلاً حضرت فاطمہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت زید بن حارثہؓ حضرت صفوان بن امیہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

باب قتل الاسیر وقتل الصبر

غرض یہ ہے کہ قیدی کو قتل کر دینا جائز ہے قتل صبر کی صورت یہی ہوتی ہے کہ ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جائیں اور ایک آدمی اس کو پکڑے دوسرا قتل کر دے۔ **فقال اقتلوہ**: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم کیوں صادر فرمایا تھا اس کی کئی وجہیں تھیں۔ ۱- وہ مسلمان ہو کر مرتد ہو گیا تھا نعوذ باللہ من ذلک۔ ۲- اس کا ایک خادم مسلمان تھا اس کو اس نے قتل کر دیا تھا۔ ۳- وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ ۴- اس کی دو گانے والی عورتیں تھیں جو مسلمانوں کی ہجو کیا کرتی تھیں۔

ھل یستاسر الرجل ومن لم یستاسر ومن رکع رکعتین عندالقتل

غرض تین مسئلے ہیں۔ ۱- عزیمت یہ ہے کہ شہید ہو جائے کافروں کا قیدی نہ بنے۔ ۲- رخصت ہے کہ اضطرار میں قیدی بن جائے۔ ۳- کافر جب شہید کرنے لگیں تو مستحب ہے کہ دو رکعتیں پڑھ لے۔ **جدعاصم بن عمر**:۔ یہاں جد سے مراد ابوالام ہے جسے ہم نانا کہتے ہیں۔ **اوصال شلو ممزع**:۔ کٹے ہوئے عضو کے جوڑ۔ الدبر:۔ زنبور جس کو اردو میں بھڑ اور تتیا اور پنجابی میں بھونڈھ کہتے ہیں۔

باب فکاک الاسیر

غرض یہ ہے کہ مسلمان جو کافروں کی قید میں ہوں ان کو چھڑانا واجب ہے۔ بیت المال سے فدیہ دے کر ہو یا کسی اور طریقہ سے ہو اس کا درجہ فرض کفایہ کا ہے۔

باب فداء المشرکین

غرض یہ ہے کہ کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا جائز ہے۔

باب الحربی اذا دخل دارالاسلام بغیر امان

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی کافر حربی بغیر امان کے دارالاسلام میں داخل ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے یقین سے حکم ذکر نہ فرمایا کیونکہ اختلافی مسئلہ تھا لیکن ظاہر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔ عندالشافعی ایسا آدمی اگر کہے کہ میں تو ایلچی ہوں تو اس کو قتل نہیں کر سکتے وعندالجمھور وہ قیدی کی طرح ہے اور امام کو قتل کرنے یا غلام بنانے وغیرہ کا اختیار ہے ولنا۔ حدیث الباب عن سلمۃ بن الاکوع مرفوعاً اطلبوہ واقتلوہ یعنی حضرت سلمۃ بن الاکوع نے اس جاسوس کو قتل کر دیا وللشافعی اجماع ہے کہ ایلچی کو قتل نہیں کیا جاتا اور یہ اجماع اہل اسلام کا بھی ہے اور جمیع ملل عالم کا بھی ہے جواب

ایلچی وہ ہوتا ہے کہ امن لے کر دارالاسلام میں داخل ہو یہ تو نہیں کہ جو چاہے جاسوسی کرتا رہے اور جب پکڑ لیا جائے تو کہہ دے کہ میں ایلچی ہوں۔اس طرح تو کوئی جاسوس پکڑا نہیں جاسکتا۔

باب يقاتل عن اهل الذمة ولايسترقون

غرض یہ ہے کہ ذمی بن جانے کے بعد ان کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور ہم ان کو غلام بھی نہیں بنا سکتے۔**واوصيه بذمة الله** یعنی جو شخص میرے بعد خلیفہ بنے گا میں اس کو وصیت کرتا ہوں۔

باب هل يستشفع الى اهل الذمة ومعاملتهم

غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱۔ہم اہل ذمہ کے پاس سفارش نہ لے جائیں گے بلکہ ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ ہمیں یہی ہے کہ جب وہ ہماری مصلحت کے خلاف کام کریں گے تو ہم ان کو نکال باہر کریں گے۔۲۔الی یہاں پر لام کے معنی میں ہے کہ اگر اہل ذمہ ہماری مرضی کے خلاف کوئی کام کریں گے تو ہم ان کے حق میں کسی کی سفارش نہ سنیں گے بلکہ ان کو نکال باہر کریں گے۔سوال اس باب میں حدیث کیوں ذکر نہ فرمائی۔جواب۔۱۔ اپنی شرط پر نہ پائی۔۲۔آئندہ باب والی حدیث دونوں بابوں کے لئے کافی ہے اسی پر دونوں بابوں میں اکتفاء فرمالیا۔محل ترجمہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میں یہودیوں کے جزیرہ عرب سے اخراج کا حکم مذکور ہے یہی اس باب کے لئے محل ترجمہ ہے کہ نہ ہم ان کی طرف سفارش لے جائیں گے اور نہ ہی ان کے حق میں سفارش قبول کریں گے بلکہ ان کو نکال باہر کریں گے پھر بعد میں اگر ان میں سے کوئی ہمارا مہمان بنے گا تو اس کے لئے جائزہ بھی ہوگا۔

باب جوائز الوفد

غرض یہ ہے کہ کافروں کے وفد کو مناسب عطیہ دینا بھی جائز ہے اور اس عطیہ کو جائزہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی مقدار اتنی ہوتی ہے کہ ایک منزل سے دوسری منزل تک گزرنے اور جواز کے لئے کافی ہوتی ہے پھر بعض نسخوں میں جوائز والا باب پہلے ہے اور بلا حدیث اس کے بعد استشفاع والا باب ہے اس کی بھی تقریباً یہی تقریر ہے کیونکہ جو حدیث دونوں بابوں کے بعد ہے اس کی مناسبت دونوں بابوں کے ساتھ ہے۔

باب التجمل للوفد

غرض یہ ہے وفد کے احترام کی نیت سے عمدہ لباس پہننا بھی جائز ہے۔

باب كيف يعرض الاسلام على الصبى

غرض یہ ہے کہ نابالغ پر جبکہ سمجھدار ہو اسلام پیش کرنا اور اس کا اسلام لے آنا صحیح ہے اور محل استشہاد ابن صیاد پر اسلام پیش فرمانا ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لليهود اسلموا تسلموا

غرض وہ طریقہ بیان فرمانا ہے جس طریقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں پر اسلام پیش فرمایا کرتے تھے تاکہ ہم بھی اس اسوہ حسنہ پر عمل کرسکیں۔پھر تسلموا کے معنی یہ ہیں کہ اسلام لانے کی صورت میں تم دنیا میں جزیہ اور قتل سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں عذاب نار سے بچ جاؤ گے۔**قاله المقبری عن ابی هريرة:**۔یہ حدیث آگے جزیہ کے باب میں آئے گی۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

باب اذا اسلم قوم فی دار الحرب ولهم مال وارضون فهی لهم

غرض یہ ہے کہ دارالحرب کی کوئی زمین و مال والی قوم اگر ہمارے حملہ سے پہلے ہی مسلمان ہوجائے تو ان کا مال اور زمین ان کے پاس ہی رہے گی۔**یدعی هنيا**:۔یہ ایک فضیلت والے مسلمان تھے ان کو سرکاری چراگاہوں کا نگران مقرر فرمایا تھا۔**ادخل رب الصريمة ورب الغنيمة**:۔داخل ہوجانے دو تھوڑے اونٹوں والے کو اور تھوڑی بکریوں والے کو سرکاری چراگاہوں میں کیونکہ ان کے جانور اگر ہلاک ہوگئے تو وہ اپنے بال بچے لے کر میرے پاس آجائیں گے پھر میرے لئے ان کو سونا اور چاندی دینا مشکل ہوجائے گا۔**وایای ونعم ابن عوف و نعم ابن عفان** یہ دونوں بہت باغوں اور کھیتوں والے ہیں ان کے جانوروں کا کچھ نقصان بھی

ہو گیا تو یہ اپنے باغوں اور کھیتوں کے ذریعہ اپنا گزارا کر لیں گے۔
لولا المال اس مال سے مراد اونٹ ہیں۔

باب كتابة الامام الناس

غرض یہ ہے کہ آسانی کے لئے مجاہدین کے نام لکھ لینا بھی جائز ہے۔**ليصلى وحده وهو خائف**: مقصد میں دو قول ہیں۔ پہلے پندرہ سو مجاہد ہوتے تھے پھر بھی خوف سے تعجب ہوتا تھا گویا بالکل نہ ڈرتے تھے اب بہت زیادہ ہیں پھر بھی کافروں سے ڈر کر چھپ کر اکیلے نماز کیوں پڑھتے ہیں۔۲-اب باغیوں سے ڈر کر چھپ کر اکیلے نماز کیوں پڑھتے ہیں پھر پندرہ سو کب لکھے گئے تین قول ہیں۔۱-غزوہ خندق میں،۲-غزوہ احد میں،۳-صلح حدیبیہ میں۔

باب الله الله يويد الدين بالرجل الفاجر

غرض یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک بے دین سے بھی دین کی تائید اللہ تعالیٰ کرا دیتے ہیں۔

باب من تامر فى الحرب من غير امرة اذاخاف العدو

غرض یہ ہے کہ دشمن کا خوف ہو تو امام کی اجازت کے بغیر بھی لڑائی کا امیر بن جانا جائز ہے لیکن اس میں دو شرطیں بھی ہیں۔۱-امام کی اجازت کے انتظار میں مسلمانوں کا نقصان ہو جانے کا اندیشہ ہو۔۲-حاضرین اس کی سرداری پر متفق ہوں۔

باب العون بالمدد

غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱-فوج بادشاہ سے مزید فوج امداد کے لئے مانگے یہ جائز ہے۔۲-بادشاہ مزید فوج بطور امداد کے پہلی فوج کی طرف بھیج دے یہ جائز ہے۔**حتى بلغوا بئر معونة**:-رعل وذکوان والے واقعہ میں بئر معونہ کا ذکر کسی راوی سے غلطی سے ہو گیا ہے۔یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں۔ تفصیل کتاب المغازی میں آئے گی۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب من غلب العدو فاقام على ء صتهم ثلثاً

غرض یہ ہے کہ غلبہ کے بعد تین دن وہاں ٹھہرنا مستحب ہے تا کہ دشمن کو ڈرایا جا سکے اور غلبہ کی تکمیل ہو سکے۔

باب من قسم الغنيمة فى غزوه وسفره

غرض جمہور کی تائید اور حنفیہ پر رد ہے عندامامنا ابی حنیفۃ دارالاسلام میں لانے سے پہلے غنیمت تقسیم کرنی جائز نہیں ہے و عندالجمہور جائز ہے منشاء اختلاف اس باب کی دونوں روایتیں ہیں۔۱-وقال رافع کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بذی الحلیفۃ فاصبنا غنماً وابلا فعدل عشرۃ من الغنم ببعیر۔
۲-عن انس اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجعرانۃ حیث قسم غنائم حنین ہمارے نزدیک یہ ہے۔دارالاسلام بنا لینے پر محمول ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلا دیا گیا تھا کہ اب یہ جگہیں کافر نہ لے سکیں گے ان کے نزدیک یہ اس پر دال ہیں کہ امام جہاں چاہے تقسیم کر دے دارالحرب ہو یا دارالاسلام ہو ہمارے قول کے راجح ہونے کی وجوہ۔۱-احتیاط ہمارے قول میں ہے کیونکہ دارالحرب میں مال غنیمت ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور غلبہ وہاں مکمل نہیں ہوتا کیونکہ غلبہ دارالاسلام میں لانے سے ہوتا ہے اور غلبہ سے ملک آتی ہے اس لئے دارالاسلام میں لانے سے پہلے تقسیم صحیح نہیں ہے۔۲-ان روایات میں ذی الحلیفہ اور جعرانۃ کا ذکر ہے اور یہ دونوں جگہیں دارالاسلام بلاشبہ تھیں۔۳-جن احادیث میں بیع الغنیمۃ فی دارالحرب کی ممانعت ہے ان سے بھی ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ تقسیم میں معنیٰ بیع کے پائے جاتے ہیں۔

باب اذاغنم المشركون مال المسلم ثم وجده المسلم

غرض یہ ہے کہ اگر مسلمان کے مال پر کافر غالب آ جائیں پھر وہ دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ صراحۃ حکم بیان نہ فرمایا اختلاف کی وجہ سے ظاہر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاری امام شافعی کے ساتھ ہیں وعندالجمہور تقسیم سے پہلے تو اس کا حق ہے تقسیم کے بعد نہیں۔اگر تقسیم کے بعد بھی لینا چاہے تو قیمت دینی ہوگی۔منشاء اختلاف اس باب کی تعلیق ہے اور

یہ تعلیق ہے اور یہ تعلیق اس لئے ہے کہ ابن نمیر سے امام بخاری کا سماع ثابت نہیں ہے۔ تعلیق یہ ہے عن ابن عمر قال ذھب فرس له فاخذه العدو فظهر عليه المسلمون فرد عليه فی زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم ہمارے نزدیک یہ تقسیم سے پہلے واپس کرنے پر محمول ہے اوران کے نزدیک بعد القسمة پر ہمارے لئے مرجح حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم معلوم ہوا کہ ہجرت کی وجہ سے ان کے مال کافروں کی ملک میں داخل ہوگئے تھے اسی لئے ان کو فقراء شمار فرمایا ہے۔

باب من تكلم بالفارسية والرطانة

رطانۃ کے معنی غیر عربی کے ہیں غرض یہ ہے کہ کبھی سفر جہاد میں غیر عربی بولنے کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے اس لئے گنجائش ہے اس تقریر سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہوگیا کہ ابواب جہاد میں زبانوں کا ذکر مناسب نہیں۔ **ان جابرا قد صنع سورا:۔** بضم السین وسکون الواو معنی۔ ۱- فارسی لفظ وہ کھانا جس کی طرف بلایا جائے۔ ۲- فارسی لفظ مطلقاً کھانا۔ ۳- فارسی لفظ ولیمہ۔ ۴- حبشہ کا لفظ بمعنی الطعام یہاں مراد سب سے پہلے معنی ہیں۔ **فبقيت حتىٰ ذكرت:۔** وہ کرتہ طویل عرصہ باقی رہا حتیٰ کہ باقی رہنے کی وجہ سے اس کا ذکر کیا جاتا تھا یہ برکت تھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ **کخ کخ:** فارسی لفظ ہے جو عربی میں لایا گیا ہے اس کو چھ طرح پڑھتے ہیں۔ ۱- کخ کاف کا فتحہ۔ ۲- کاف کا کسرہ ہر ایک کے ساتھ خاء کو تین طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ۱- خ کا سکون۔ ۲- کسرہ بلا تنوین۔ ۳- کسرہ مع تنوین کل چھ طرح ہوگیا۔

باب الغلول

غرض مال غنیمت کی خیانت کی حرمت کا بیان ہے۔

باب القليل من الغلول

غرض یہ ہے کہ غنیمت میں تھوڑے مال کی خیانت بھی حرام ہے۔

وهذا اصح: غرض یہ ہے کہ ابوداؤد میں جو مرفوع روایت ہے اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه یہ روایت ضعیف ہے چنانچہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس روایت کے متعلق فرمایا ہے۔ وهو باطل ليس له اصل وراوی لا يعتمد پھر عند احمد غنیمت میں خیانت کرنے والے کا مال جلا دیں گے وعند الجمہور نہیں منشاء اختلاف روایت ہے ابوداؤد کی عن عمر مرفوعاً اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه ان کے نزدیک یہ ظاہر پر محمول ہے ہمارے نزدیک تشدید اور زجر پر محمول ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ عملاً مرفوعاً سامان جلانا ثابت نہیں ہے۔ دوسری وجہ ترجیح کی اوپر گزر گئی کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اس روایت کو کمزور قرار دیا ہے۔

باب مايكره من ذبح الابل والغنم فى المغانم

غرض یہ ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر تقسیم سے پہلے اونٹ یا بکری ذبح کرنا مکروہ ہے۔

باب البشارة فى الفتوح

غرض یہ ہے کہ اچھی خبر دینا جائز اور مشروع ہے پھر باء کے کسرہ کے ساتھ معنی ہیں دل میں خوشی ڈالنا اور ضمہ کے ساتھ معنی ہیں وہ چیز جو خوشخبری سن کر بطور انعام دی جائے جیسے عمالہ وہ تنخواہ جو عامل کو دی جائے۔

باب مايعطى البشير

غرض یہ ہے کہ اچھی خبر سن کر بطور انعام کچھ دے دینا جائز ہے۔

باب لاهجرة بعد الفتح

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جو ہجرت ایمان کا حصہ تھی وہ فتح مکہ سے ختم ہوگئی کیونکہ مکہ سے پہلے ہجرت نہ کرنے کی صورت میں مرتد ہوجانے کا خوف تھا نعوذ باللہ من ذلک اب وہ خوف نہ رہا اس لئے وہ ہجرت جو جزء ایمان تھی ختم ہوگئی۔ البتہ وہ ہجرت اب بھی باقی ہے جس میں ایسی جگہ چھوڑی جائے جہاں رہ کر فرض ادا نہ کرسکے یہ فرض ہے اور جہاں واجب نہ ادا کرسکے وہاں سے ہجرت واجب ہے اور جہاں مستحب سے رکاوٹ ہو وہاں سے مستحب ہے۔

باب اذااضطر الرجل الی النظر فی شعور اهل الذمة والمومنات اذا عصین الله و تجریدهن

غرض یہ ہے کہ مومن اور ذمی عورتوں کے بالوں اور بدن کی طرف شدید مجبوری کے موقعہ پر دیکھنا بقدر ضرورت جائز ہے۔ **وکان عثمانیا:** وہ حضرت عثمان کو حضرت علی سے افضل سمجھتے جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا راجح قول ہے۔ **وکان علویا:** وہ حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل سمجھتے تھے جیسا کہ بعض کا قول ہے۔ **انی لاعلم ماالذی جرا صاحبک علی الدماء:** یہ بطور خوش طبعی فرمایا ورنہ مناسبت نہ تھا اور فرمایا یہ کہ حضرت علیؓ بدری صحابی ہیں اور بدری صحابہ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں اس لئے قتل کرنے میں جلدی کرتے ہیں یہ صرف خوش طبعی میں فرما دیا اصل حقیقت یہی تھی کہ ضرورت شرعیہ اور ادا شرعیہ کی بنا پر قتال وغیرہ میں مشغول ہوئے تھے۔ **فاخرجت من حجز تها:** سوال۔ حجزہ کہتے ہیں معقد ازار کو جہاں تہ بند باندھا جاتا ہے اور بخاری شریف میں پیچھے باب الجاسوس میں گزرا ہے کہ اس نے عقاص سے خط نکالا تھا اور عقاص کے معنی ہیں گندھے ہوا اور بٹے ہوئے بال بظاہر یہ تعارض ہے جواب۔ ۱- تہ بند باندھنے کی جگہ سے نکال کر بالوں میں چھپالیا پھر مجبوری دیکھ کر وہاں سے نکال کر دے دیا۔ ۲- حجزہ کے معنی مطلقاً باندھنے کی جگہ کے بھی آتے ہیں یہاں یہی مراد ہیں گویا سر کے بال باندھنے کی جگہ مراد ہے۔ ۳- حجزہ اور حجاز رسی کو بھی کہتے ہیں یہاں یہی معنی مراد ہیں کہ وہ رسی جس سے بال باندھے ہوئے تھے۔ ۴- اس کے سر کے بٹے ہوئے بال جس کو چوٹی کہتے ہیں ازار باندھنے کی جگہ تک پہنچی ہوئی تھی اس لئے عقاص سے نکالنا اور حجزہ سے نکالنا ایک ہی بات ہے۔ ۵- اس کے پاس دو خط تھے اور دونوں کا مضمون ایک ہی تھا ایک سر کے بالوں میں تھا ایک معقد ازار میں تھا۔

باب استقبال الغزاة

غرض یہ ہے کہ غازیوں کا استقبال مستحب ہے۔
لابن جعفر اس سے مراد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ہیں۔

باب مایقول اذا رجع من الغزو

غرض یہ ہے کہ ایسی دعائیں جہاد سے واپسی پر پڑھنا مستحب ہے جن سے تواضع اور توبہ اور اللہ تعالیٰ کی حمد ظاہر ہو۔

باب الصلوٰة اذا قدم من سفر

غرض یہ ہے کہ مستحب ہے کہ سفر سے واپسی پر دو رکعت پڑھ لے۔

باب الطعام عند القدوم

غرض یہ ہے کہ وطن پہنچنے پر اچھے کھانے کا اہتمام مسنون ہے تاکہ خود بھی کھائے اور جو ملنے آئے اس کو بھی کھلائے چنانچہ پہلی تعلیق میں حضرت ابن عمر کا سفر سے واپس آکر کچھ دن روزے نہ رکھنا مذکور ہے تاکہ جو ملنے آئیں ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکیں۔

باب فرض الخمس

غرض خمس کی فرضیت کا وقت بیان کرنا ہے اور ابتداء خمس میں چار قول ہیں۔ ۱- غزوہ بدر جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے ان علیا قال کانت لی شارف فی نصیبی من المغنم یوم بدر وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطانی شارفا من الخمس۔ ۲- قبیل بدر اور زیر بحث باب کی پہلی روایت کے معنی صرف یہ ہیں کہ جو خمس قبیل بدر لیا گیا تھا اس میں سے مجھے ایک قوی اونٹنی عطا فرمائی عطا فرمانا یوم بدر میں ہے خمس کچھ پہلے نکالا گیا تھا۔ ۳- قتل قریظہ سے کچھ پہلے۔ ۴- حنین سے پہلے پوری تعین نہیں کی جا سکتی پھر وہ آیت جس سے خمس فرض ہوا یہ ہے **واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول الایۃ** اسی آیت مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ باقی چار خمس مجاہدین کے ہیں کیونکہ غنمتم میں غنیمت مجاہدین کی طرف منسوب ہے اور صرف پانچواں حصہ اس میں سے نکالا گیا معلوم ہوا کہ باقی حصے مجاہدین کے پاس ہی رہیں گے۔ یہی بات کہ باقی چار

حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور اس پر اجماع بھی ہے۔ پھر فئی وہ مال ہوتا ہے جو بلا قتال لیا جائے اسی میں خراج اور جزیہ بھی داخل ہوتا ہے۔ یہ بیت المال میں داخل ہوتا ہے اور اس میں سب مسلمانوں کا حق ہوتا ہے اور نفل وہ مال ہوتا ہے جو امام غنیمت کے حصہ کے علاوہ ایک یا زائد مجاہدین کو بطور انعام دیتا ہے۔ **الغرائر:**۔ یہ جمع ہے غرارۃ کی اس کے معنی وہ جال ہیں جس میں بھوسہ وغیرہ باندھا جاتا ہے۔

ان يقسم لها ميراثها: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق سے یہ سوال تقسیم وراثت کا اس لئے کیا تھا کہ ان کا خیال تھا کہ وراثت جیسے غیر انبیاء کے لئے ہے ایسے ہی انبیا علیہم السلام کے لئے بھی ہے۔ **مماافاء الله عليه:** اس کی تفصیل اسی حدیث میں آگے مذکور ہے من خیبر وفدک وصدقۃ بالمدینۃ ان تینوں کی تفصیل یہ ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ لڑائی سے فتح ہوا تھا اور کچھ حصہ بغیر لڑائی کے فتح ہوا تھا۔ یہ دوسرا حصہ فئی میں شمار کیا گیا اور بیت المال کا حصہ بنا اور فدک ایک بستی تھی مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلہ پر تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلیم نے خیبر فتح فرمایا تو فدک کے رہنے والوں نے جو یہودی تھے یہ پیغام بھیجا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہ ہمیں امن دے دیا جائے گویا یہ بغیر لڑائی کے فتح واقع ہوئی تھی اس لئے یہ فئے میں داخل ہے اور جس کو صدقہ مدینہ کہا گیا ہے اس سے مراد بنی نضیر کی چھوڑی ہوئی زمین ہے ان کو جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ یہ یہودی تھے ان کی زمین اکثر مہاجرین میں تقسیم کر دی گئی تھی تھوڑا سا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلیم نے اپنی ضروریات کے لئے رکھا تھا۔

لانورث ماتركنا صدقة: سوال۔ بظاہر یہ آیت وراثت کے خلاف ہے اسی لئے حضرت فاطمہؓ کو شبہ ہوا کہ شاید میرا حق بنتا ہے۔ جواب۔ ا۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام اس آیت مبارکہ سے احادیث متواترہ کی وجہ سے خارج کر دیئے گئے۔ **انما الصدقات للفقراء والمساكين الاية** اسی طرح آیت وراثت سے انبیاء علیہم السلام خارج کر دیئے گئے اور یہ اخراج احادیث متواترہ کی وجہ سے ہے گویا احادیث متواترہ ناسخ ہیں اس آیت کے لئے صرف انبیاء علیہم السلام کے حق میں اور چونکہ حضرت ابوبکرؓ نے بلا واسطہ یہ حدیث سنی تھی اس لئے اگر یہ حدیث خبر واحد بھی ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کے حق میں قطعی تھی اور متواتر کے برابر تھی کیونکہ متواتر اور خبر واحد کا فرق تو بواسطہ سننے والوں کے لئے ہے۔ بلا واسطہ سننے والوں کے لئے سب احادیث قطعی تھیں پھر یہ حدیث تو ہے بھی متواتر اس لئے یہ نسخ ایسا ہی ہے جیسے مسح علی الخفین والی احادیث پاؤں دھونے کے حکم کے لئے ناسخ ہیں حالانکہ وہ حکم آیت کا ہے اور جیسے رجم والی متواتر احادیث محصن کے حق میں آیت جلد کے لئے ناسخ ہیں۔ ۲۔ حافظ ابن تیمیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ وراثت کی آیت میں صرف امت کو خطاب ہے جیسے **فانكحواما طاب لكم من النساء مثنىٰ و ثلث و رباع** الایۃ میں صرف امت کو خطاب ہے کہ چار سے زائد عورتوں سے ایک وقت میں نکاح نہیں کر سکتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زائد نکاح کی اجازت تھی۔ ۳۔ آیت وراثت میں موروث اور وارث کی تفصیل سے سکوت ہے اختلاف دین کی وجہ سے وراثت جاری نہیں ہوتی۔ رقیۃ کی وجہ سے وارثت جاری نہیں ہوتی۔ قتل کی وجہ سے وراثت جاری نہیں ہوتی اسی طرح نبوت کی وجہ سے بھی وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ۴۔ وراثت اموال مملوکہ میں جاری ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اموال وقف کے درجہ میں تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف مالکانہ نہ تھا بلکہ متولی ہونے کے درجہ میں تھا اس لئے وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔

سوال:۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **وورث سليمان داؤد** زیر بحث روایت اس کے خلاف ہے یہ بھی تعارض ہے جواب۔ ا۔ یہ وراثت علم ونبوت کی ہے کیونکہ داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ بھی تھے ان کے وارث ہونے کا ذکر نہیں ہے اگر وراثت مال کی مراد ہوتی تو ان کا بھی ذکر ہوتا معلوم ہوا علم ونبوت کی وراثت مراد ہے۔ ۲۔ اگر مال کی وراثت ہی مراد ہوتی تو پھر یہ آیت عبث بن جاتی نعوذ باللہ من ذلک کیونکہ یہ تو ہر ایک جانتا ہے کہ بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے اس کو بیان کرنے کی کیا ضرورت

تھی معلوم ہوا کہ عام وراثت کے علاوہ کوئی وراثت ہے اور وہ علم وحکمت ونبوت کی وراثت ہے۔ **یرثنی ویرث من اٰل یعقوب کی وجہ سے اشکال:** یہ ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام میں وراثت کا جاری ہونا ثابت ہوتا ہے کہ زکریا علیہ السلام دعا مانگ رہے ہیں کہ مجھے بیٹا دیجئے جو میرا وارث بن جائے اور زیر بحث روایت لانورث ماترکنا صدقۃ اس کے خلاف ہے جواب۔ا- یہ بھی وراثت علم ونبوت کی ہی ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا کوئی مال حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو یہ ثابت نہیں ہے اس لئے یہ مال کی وراثت نہیں ہے بلکہ نبوت وعلم ہی کی وراثت ہے۔۲- بڑے سے بڑا بخیل بھی یہ ارادہ نہیں کرتا کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد کے سوا کوئی بھی میرے مال کا وارث نہ ہو۔ زکریا علیہ السلام نبی ہو کر یہ کیسے قصد فرما سکتے ہیں کہ میرے مال کا وارث صرف میرا لڑکا ہو اور کوئی رشتہ دار نہ ہو لامحالہ یہ نبوت وعلم کی وراثت ہے۔۳- حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس مال کثیر ہونا ثابت نہیں ہے وہ غریب آدمی تھے لکڑی کا کام کر کے گزارا کرتے تھے اور ان کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام تو زہد میں بہت ہی اونچے مقام پر تھے وہ تو دنیا کے مال واسباب کی طرف توجہ ہی نہ کرتے تھے اس لئے یہ معنی کرنا کہ اپنے مال کی وراثت کے لئے دعا فرمائی تھی ہرگز صحیح نہیں ہے لامحالہ یہ وارثت علم ونبوت کی تھی۔۴- حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں قرآن پاک میں یہ بھی ہے کہ عرض کیا **وانی خفت الموالی من ورائی** لاآیۃ مال کے متعلق دعا ہوتی تو یہ ہرگز نہ فرماتے کہ مجھے موت کے بعد موالی سے ڈر ہے کیونکہ مال کے متعلق تو زندگی میں ڈر ہوتا ہے کہ کوئی مال کے لالچ میں قتل نہ کر دے مرنے کے بعد ڈر صرف بے دینی کا تھا کہ میرے بعد بے دین ہو جائیں گے کوئی میرا نیک بیٹا ہو جو میری طرح ان کے دین کا خیال رکھے۔ اس لئے نبوت اور علم کی وراثت مراد ہے مال کی وراثت مراد نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام میں وراثت جاری نہ ہونے میں حکمتیں

ا- تا کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کے لئے مال جمع فرمایا ہے۔۲- انبیاء علیہم السلام کو دیکھ کر لوگ بھی دنیا سے زہد اور بے رغبتی اختیار کریں کہ جیسے انبیاء علیہم السلام نے یہ اپنے لئے مال جمع کیا نہ اپنی اولاد کے لئے ایسے ہی ہم بھی مال کے پیچھے زیادہ نہ پڑیں۔۳- تا کہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ان کی موت کی تمنا نہ کریں۔۴- انبیاء علیہم السلام امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہوتے ہیں اس لئے ساری امت ہی ان کی اولاد ہوتی ہے اس لئے سب ہی ان کے وارث ہوئے یہی معنی ہیں اس ارشاد پاک کے ماترکنا صدقۃ ساری امت ہی اس مال متروک کی مالک ہوتی ہے۔۵- انبیاء علیہم السلام اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مہمان سمجھتے ہیں اور مہمان بقدر ضرورت اور بقدر خواہش مہمانی لے لیتا ہے اور کھا پی لیتا ہے باقی میزبان کا ہی ہوتا ہے۔ ماترکنا صدقۃ یہ صدقۃ اللہ تعالیٰ کا ہی تو ہے وہی تو میزبان ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔۶- چونکہ انبیاء علیہم السلام کی حیوۃ شہداء سے بھی زیادہ قوی ہے۔ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں کچھ دیر کے لئے آرام کرنے کے لئے چلا جائے جیسے اس دوسرے کمرے میں جانے والے کی وراثت تقسیم نہیں کی جاتی ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کی وراثت بھی تقسیم نہیں کی جاتی۔۷- انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خلفاء کاملین ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی وراثت تقسیم نہیں ہوسکتی ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے کامل خلفاء کی وراثت بھی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ **تحریف الامامیہ:۔** شیعہ کو امامیہ بھی کہا جاتا ہے بعض شیعہ نے اس حدیث پاک کی یہ تحریف کی ہے کہ صدقۃ جو مرفوع ہے اس کو صدقۃ منصوب بنا دیا ہے اور معنی یہ کر لئے ہیں کہ جو ہم نے بطور صدقۃ کے چھوڑا ہے صرف اس میں وراثت جاری نہ ہوگی لانورث ماترکناہ حال کونھا صدقۃ باقی مال میں وراثت جاری ہوگی۔ نعوذ باللہ من ذلک:۔ جواب ا- اگر یہ معنی لئے جائیں جو شیعہ کرتے ہیں تو نعوذ باللہ یہ کلام لغو بن جائے گی کیونکہ یہ حکم تو سب کا ہے ہی کہ جو صدقہ اور وقف مال کوئی چھوڑتا ہے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس میں انبیاء علیہم السلام کی کیا تخصیص ہے۔ اور یہاں تو مقصود انبیاء

علیہم السلام کا خصوصی حکم بیان فرمانا ہے اس لئے یہ معنی غلط اور تحریف معنوی شمار ہوں گے۔۲- اگر یہ معنی ہوتے تو حضرت صدیق اکبر کا جواب نہ بن سکتا حالانکہ وہ جواب دے رہے ہیں حضرت فاطمہؓ کو آپ کو وراثت نہ ملے گی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں بالکل وراثت جاری نہیں ہوتی اور وہ سارے کا سارا صدقہ اور وقف ہوتا ہے۔۳- اس تحریف کی تردید بخاری شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے جو آگے باب نفقۃ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ میں آئے گی اس کے الفاظ یہ ہیں لاتقتسم ورثتی دینارا ماترکت بعد نفقۃ نسائی ومونۃ عاملی فھو صدقۃ اس روایت کے الفاظ میں صدقۃ کے لفظ کے حال بننے کا قطعاً کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔ **فغضبت فاطمة**:۔ سوال۔ حضرت صدیقؓ حضرت فاطمہؓ کے غصہ میں آگئے جو حضرت صدیقؓ کے شایان شان نہیں ہے۔ جواب۔۱- صحیحین کی ایک روایت میں یہاں فغضبت کی جگہ فوجدت ہے وہ غمگین ہوگئیں راوی نے یہ خیال کیا کہ یہ غم ناراضگی اور غصہ کی وجہ سے ہے اس لئے وجدت کی جگہ غضبت نقل کر دیا۔ اس لئے حضرت صدیق کا صرف غم کا سبب بننا لازم آیا مورد غضب ہونا لازم نہ آیا۔۲- اصل روایت میں وجدت ہی تھا اور غم کے معنی مراد تھے لیکن کسی راوی نے وجدت کو غضبت کے معنی میں سمجھ کر روایت بالمعنی کرتے ہوئے غضبت نقل کر دیا۔۳- وقتی طور پر طبعاً کچھ ناراضگی ہوئی جو تھوڑی دیر کے بعد ختم ہوگئی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچھڑے کی پوجا کا سن کر غصہ آیا تھا پھر اتر گیا۔ ۴- شیعہ جو اس کو دائمی ناراضگی پر محمول کرتے ہیں وہ حقیقت میں حضرت فاطمہؓ پر اعتراض کر رہے ہیں حضرت صدیقؓ پر تو کوئی اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ انہوں نے تو صرف شرعی حکم پر عمل فرماتے ہوئے وراثت سے انکار فرمایا تھا ان کی کوئی ذاتی مصلحت نہ تھی۔ شیعہ نے حضرت فاطمہؓ کو ان منافقین جیسا سمجھا جن کے بارے میں قرآن پاک میں ہے **فان اعطوا امنھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون** حالانکہ حضرت فاطمہؓ ہرگز ایسی نہ تھیں۔ ۵- حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں حضرت فاطمہؓ کے ترجمہ میں نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے غسل کی نگرانی حضرت صدیقؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت علیؓ کریں اور یہ بھی نقل فرمایا کہ حضرت اسماء مذکورہ نے ہی جنازہ اٹھاتے وقت چاروں کونوں پر لکڑیاں لگا کر اوپر کپڑا ڈالنے کا انتظام فرمایا تھا۔ اس کو نعش کہتے ہیں انہوں نے حبشہ میں ایسا دیکھا تھا۔

فھجرت ابابکر فلم تزل مھاجرته حتی توفیت

سوال۔ اس سے بھی بظاہر حضرت ابوبکرؓ پر حرف آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ ان سے الگ رہیں اور وفات تک ملاقات نہ فرمائی۔

جواب۔۱- ملاقات نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناراض رہیں۔ اپنی بیماری کی وجہ سے یا دوسری مشغولیوں کی وجہ سے ملاقات نہ فرمائی۔۲- اگر کچھ انقباض تھا تو طبعی تھا عقلی طور پر ناراضگی ثابت نہیں ہے۔۳- یہ ملاقات نہ کرنا ندامت کی وجہ سے تھا کہ میں نے نامناسب سوال کیوں کیا جیسے نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے بارے میں سوال کیا تھا اور بعد میں بہت ندامت ہوئی تھی۔ ۴- اگر بالفرض کچھ اختیاری ناراضگی تھی تو حضرت صدیق نے وہ دور فرما دی تھی جیسا کہ بیہقی میں ہے عن الشعبی قال لما مرضت فاطمۃ اتاھا ابوبکر لیستاذن علیھا فقال علی یا فاطمۃ ھذا ابوبکر یستاذن علیک فقالت اتحب ان اذن له قال نعم فاذنت له فدخل علیھا یترضاھا فقال واللہ ماترکت الدار والمال والاھل والعشیرۃ الا ابتغاء مرضاۃ رسوله ومرضاتکم اھل البیت ثم ترضاھا حتیٰ رضیت۔ اس حدیث کی سند حافظ ابن حجر اور حافظ عینی کے نزدیک عمدہ ہے۔

سوال:۔ روافض نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہؓ کو ھبہ کر دیا تھا اور حضرت علیؓ اس کے گواہ تھے لیکن حضرت صدیق نے زوج ہونے کی وجہ سے حضرت علی کی گواہی کا اعتبار نہیں فرمایا اور ان کو فدک نہیں دیا۔ جواب۔۱- ھبہ اور وراثت ایک دوسرے کی نقیضیں ہیں جب روایات میں صراحۃً وراثت مانگنے کا ذکر ہے تو ھبہ کا احتمال باطل ہوگیا کیونکہ ایک نقیض کے ثابت ہونے سے دوسری نقیض کی نفی ہو جاتی ہے۔۲- اگر ھبہ

فرمایا ہوتا تو یہ بات مشہور ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ ۳۔ ھبہ بغیر قبضہ کے معتبر نہیں ہوتا اور قبضہ ہرگز ثابت نہیں ہے اس لیے اگر بالفرض ھبہ تھا بھی تو قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ ختم ہوگیا۔ **فاما صدقة بالمدينةفد فعها عمر الى على وعباس:** یہ دنیا متولی بنا کر تھا مالک نہیں بنایا تھا۔ پھر اس طریقہ کو حضرت علی نے اپنی خلافت کے زمانے میں بھی نہ بدلا۔ معلوم ہوا کہ ان کی رائے بھی بالکل وہی تھی جو حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی تھی۔ **اقض بيني وبين هذا** سوال۔ مسلم شریف میں اس موقعہ میں یہ لفظ ہیں اقض بيني وبين هذ الكاذب الآثم الغادر یہ تو برا بھلا کہنا ہوا حضرات صحابہ کا آپس میں ایسے الفاظ استعمال فرمانا بعید ہے۔ جواب۔ بھتیجا بیٹے کی طرح ہوتا ہے اس لیے بطور ناز کے ایسے الفاظ سے ڈانٹنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ **تيدكم:**۔ یہ لفظ چار طرح پڑھا جاتا ہے تاء کے فتحہ کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ پھر دونوں صورتوں میں دال کے فتحہ کے ساتھ اور دال کے ضمہ کے ساتھ پھر تقدیر عبارت اور معنی میں دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ چاروں لفظ اسم فعل ہیں بمعنیٰ اصبروا۔ ۲۔ یہ مصدر ہے نصب کی صورت میں مفعول بہ ہے فعل محذوف کا الزموا تیدکم لازم پکڑو اپنے صبر کو اور رفع کی صورت میں یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے تیدکم لازم ای صبرکم لازم۔ وما افاء الله على رسوله الاية:۔ ان دو آیتوں کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ۱۔ یہ دونوں آیتیں فئی کے متعلق ہیں۔ ۲۔ پہلی آیت بنی نضیر کے متعلق ہے او دوسری باقی اموال فئی کے متعلق ہے مال دونوں تفسیروں کا ایک ہی ہوجاتا ہے پھر دوسری آیت مال غنیمت کو بھی شامل ہے اسی لیے فتح عراق کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے اس سے استدلال فرمایا تھا کہ غنیمت والی زمین کا فیصلہ امامِ وقت کے اختیار میں ہوتا ہے۔ انتھیٰ اس اختیار کا حاصل یہ ہے کہ امام چاہے تو کفار کو اس زمین پر برقرار رکھے اور ان سے خراج وصول کرتا رہے چاہے تو غانمین مجاہدین میں تقسیم کردے اور چاہے تو سب مسلمانوں کے لیے وقف کردے۔ **تسئلني نصيبك من ابن اخيك:**۔ سوال۔ جب حضرت عباس وحضرت علی کو حدیث پہنچ چکی تھی لا نورث ما ترکنا صدقۃ تو پھر ان حضرات نے حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں اپنا حصہ کیوں مانگا۔ جواب۔ ۱۔ ان دونوں حضرات کا خیال تھا کہ حدیث کا تعلق خاص وراثت سے ہے اور یہ باقی وراثت کے متعلق سوال فرما رہے تھے۔ ۲۔ ان دونوں حضرات کا خیال تھا کہ حدیث معنی یہ ہیں کہ ورثہ کو بقدر کفایت دینے کے بعد ما ترکنا صدقۃ پر عمل ہوگا۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بخاری شریف میں آگے باب نفقہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ میں روایت مرفوعاً آئے گی...... انشاء اللہ تعالیٰ لا تقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ لیکن اس سے حضرت عباس اور حضرت علی کا استدلال صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں ازواج مطہرات کی تصریح وتخصیص ہے کیونکہ اس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نکاح حرام تھا اس لیے ان کے لے نفقہ کے انتظام کی ضرورت تھی۔ باقی ورثہ میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ ۳۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک ما ترکنا صدقۃ کا تعلق عقار کے ساتھ تھا۔ منقولات کے ساتھ نہ تھا اس لیے منقولات متعلقہ بالا راضی میں وراثت کا سوال کیا تھا۔ ۴۔ یہ سوال مالک بننے کے لیے نہ تھا بلکہ بطور تولیت کے تھا کہ ہم نگرانی کرینگے اور اس نگرانی کی تنخواہ ہمیں مل جائے گی۔

باب اداء الخمس من الدين

غرض یہ ہے کہ خمس دین کا شعبہ ہے۔ سوال۔ کتاب الایمان میں گزرا ہے۔ باب اداء الخمس من الایمان اور دین امام بخاری کے نزدیک ایک ہی ہے اس لیے تکرار پایا گیا۔ جواب وہاں ایمان کا مرکب ہونا بیان فرمانا مقصود تھا اور یہاں خمس کی اہمیت بیان فرمانی مقصود ہے۔

باب نفقة نساء النبي
صلى الله عليه وسلم بعد وفاته

غرض یہ ہے کہ ازواج مطہرات وارث تو نہ ہونگی لیکن ان کا نفقہ بیت المال میں ہوگا وجہ کی دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ ازواج مطہرات کی پوری زندگی ایک درجہ میں عدت تھی کیونکہ ان کو نکاح کی اجازت نہ

تھی اورعدت میں خاوند پر نفقہ ہونا چاہیے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیت المال کے ذریعہ نفقہ دیا گیا۔ ۲۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ازواج مطہرات کا نفقہ بھی تھا جو بیت المال کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔ **شطر شعیر**:۔ شطر کے معنی میں تین قول ہیں ۱۔ نصف وسق ۔۲۔ شطر بمعنی شیٔ یعنی کچھ جو تھے ۳۔ شطر کے معنی جزء کے ہوتے ہیں اس لیے معنی یہ ہوئے کہ شعیر کی کسی چیز کا جزء تھا مثلاً صاع کا جزء پھر زیادہ تر جزء نصف لیا جاتا ہے اس لحاظ سے نصف صاع یا نصف وسق کے معنی ہونگے۔ **فی رف لی**:۔ رف وہ لکڑی ہوتی ہے جو دیوار میں لگائی جاتی ہے اور بطور آلہ کے استعمال ہوتی ہے۔

باب ماجاء فی بیوت ازواج النبی صلی الله علیه وسلم ومانسب من البیوت الیهن

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ ازواج مطہرات کے مکانات ان کی زندگی میں ان کی رہائش کے لیے تھے کیونکہ ان کی پوری زندگی عدت کی طرح تھی اور ان کے لیے نکاح حرام تھا اسی لیے ان کی وفات کے بعد ان کے مکانات ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں کئے گئے بلکہ مسجد میں شامل کرائے گئے۔ **وبین سحری و نحری**:۔ نحر کے معنی تو سینہ کے ہیں اور سحر کے معنی سینہ کا وہ کنارہ جو گلے سے ملا ہوا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میرے سینہ اور گلے کے درمیان تھا۔

باب ماذکر من درع النبی صلی الله علیه وسلم وعصاه وسیفه وقدحه وخاتمه

الخ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ کی درع عصا۔ تلوار۔ پیالہ۔ انگوٹھی۔ بال۔ جوتا اور برتنوں کا ذکر ہے جن کو وفات کے بعد خلفاء نے رکھا یا صحابہ وغیرہ نے بطور تبرک استعمال فرمایا کسی میں بھی وراثت کے طور پر تقسیم جاری نہ ہوئی۔ **جرداوین**:۔ یہ نعلین کی صفت ہے تثنیہ ہے خبردار کا جو مونث ہے اجرد کی معنی پرانا۔ **تدعونها الملبدة**: ایک کپڑا تھا جو پیوند کے مشابہ تھا اس کو ملبدہ کہتے ہیں۔ **مکان الشعب**:۔ پھٹن کی جگہ مقصد یہ ہے کہ جہاں سے پیالہ پھٹ گیا تھا وہاں چاندی کی زنجیر لگائی تھی۔ **خطب بنت ابی جهل**:۔ حضرت مسور نے جو یہ واقعہ بیان فرمایا تھا تو مقصد یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صاحبزادی سے بہت محبت تھی اس لیے میرے دل میں صاحبزادی کا بیت اکرام وتعظیم ومحبت ہے اور امام بخاری اس لمبی حدیث کو اس لیے لائے ہیں کہ اس میں تلوار مبارک کا ذکر ہے۔ **فاتیته بها**:۔ میں اس صحیفہ کو لے کر حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں حضرت علیؓ نے صدقات کے احکام لکھ کر رکھے ہوئے تھے۔ **اغنها عنا**: اس صحیفہ کو آپ لے جائیں یہ کیوں فرمایا اس کی وجہ کی دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ عاملین پر جو لوگ اعتراض کرتے تھے وہ حضرت عثمان کے نزدیک ثابت نہ تھے اور صدقات کے احکام ان کو اچھی طرح معلوم تھے۔ ۲۔ صحیفہ میں صرف مستحبات مذکور تھے۔ واجبات نہ تھے۔

باب الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسول الله صلی الله علیه وسلم والمساکین

غرض امام بخاری کی خمس کے مصرف میں امام مالک کے قول کی تائید فرمانی ہے یہی تائید آئندہ تین بابوں میں بھی ہے کل چار باب امام مالک کے مسلک کی تائید کے لئے باندھے ہیں۔ ۱۔ پہلا تو یہی ہوا۔ ۲۔ دوسرا اس کے بعد بلا فصل ہے باب قول اللہ تعالیٰ فان للہ خمسه و للرسول یعنی للرسول قسم ذلک۔ ۳۔ سات باب کے بعد ہے باب ومن الدلیل علی ان الخمس لنوائب المسلمین۔ ۴۔ اس کے بعد ایک باب چھوڑ کر ہے باب ومن الدلیل علی ان الخمس للامام الخ **اختلاف**:۔ عند مالک خمس کا مصرف بعینہ فیٔ کا مصرف ہے کہ امام وقت کی رائے پر ہے جہاں مناسب ہو خرچ کرے وعند الجمہور خمس کا مصرف وہی پانچ قسمیں ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ منشاء اختلاف یہی آیت ہے واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسه وللرسول

ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل امام مالک کے نزدیک اس آیت میں سب مصارف مذکورنہیں ہیں بلکہ بعض مصارف کا ذکر ہے اور جمہور کے نزدیک آیت میں خمس کے سب مصارف کا ذکر ہے اور ترجیح جمہور ہی کے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے کہ ان مذکورہ مصارف ہی میں خرچ کیا جائے ان سے باہر مصارف میں خرچ نہ کیا جائے۔ البتہ فئی کا مال بالاتفاق امام کی رائے پر ہی ہوتا ہے پھر جوذوی القربیٰ کا حصہ ہے یہ بطور صلہ رحمی کے بقدر حاجت ہوتا تھا اس لئے بعض دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اور بعض دفعہ نہ دیتے تھے اس تقریر سے روایات کا تعارض ختم ہوگیا کہ بعض میں دینا مذکور ہے بعض میں نہ دینا ہے پھر امام بخاری نے اس باب میں پہلی دلیل یہ ذکر فرمائی عن علی مرفوعاً الا ادلکما علی خیر مما سالتما یہ حصہ نہ دینا اس کی دلیل ہے کہ ذوی القربیٰ کا حق نہ تھا۔ جواب۔۱- ذوی القربیٰ کا حق حاجت پر مبنی تھا وجوبی نہ تھا۔۲- اس واقعہ میں خمس نہ تھا بلکہ مال فئی تھا۔

باب قول الله تعالیٰ فان لله خمسه وللرسول یعنی قسم ذلک

غرض تائید کرنی ہے۔ امام مالک کی کہ خمس کا مصرف وہی ہے جو فئی کا مصرف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خمس کا مالک بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ صرف تقسیم ہے اور شروع میں جو حدیث نقل فرمائی واللہ یعطی اس سے اشارہ فرما دیا کہ آیت میں للہ میں حق تعالیٰ کا ذکر بطور تبرک ہے اس سے رد ہوگیا حضرت ابوالعالیہ کے قول کا جو یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہئے اور اس سے خانہ کعبہ کی ضروریات پوری ہونی چاہئیں۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم احلت لکم الغنائم

غرض یہ ہے کہ اس امت کی یہ خصوصیت ہے کہ غنیمت حلال قرار دے دی گئی ہے۔ پہلی امتوں میں مال غنیمت جس میں غلول نہ ہو اس کو آگ کھا جاتی تھی البتہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں بھی آگ نہ آتی تھی۔ گویا یہ آخری دو امتیں آگ کے کھانے سے مستثنیٰ تھیں۔

باب الغنیمة لمن شهدالوقعة

غرض یہ ہے کہ مال غنیمت حاضرین کے لئے ہے غائبین کے لئے نہیں ہے۔ سوال۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی غزوہ خیبر میں شریک نہ ہوئے تھے۔ پھر ان کو خیبر کی غنیمت میں سے حصہ کیوں دیا گیا تھا۔ جواب۔۱- مجاہدین کی اجازت سے ایسا کیا گیا تھا۔۲- امام طحاوی نے تفصیل فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے نصف کو مجاہدین میں تقسیم فرمایا تھا اور باقی نصف کو اپنی اور مسلمانوں کی ضروریات کے لئے وقف فرما دیا تھا اور یہ جو وقف کیا تھا یہی یہود خیبر کو بطور مزارعت کے دیا تھا اور اسی نصف میں سے حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کو دیا تھا جو حبشہ سے کشتی میں آئے تھے۔ اس تفصیل سے اس باب کی پہلی حدیث کی تفصیل بھی ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو غانمین میں تقسیم فرمایا تھا۔ بین اصلها سے مراد بین الغانمین ہے۔

باب من قاتل للمغنم هل ینقص من اجره

غرض مجاہدین کی تین قسموں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔۱- جس کی نیت خالص اعلاء کلمۃ اللہ کی ہے اس کو ثواب پورا ملے گا۔۲- جس نے کچھ غنیمت کا ارادہ بھی کیا اس کو ثواب کم ملے گا۔۳- جس کا مقصد صرف غنیمت ہے اس کا ثواب ضائع ہوجائے گا۔

باب قسمة الامام ما یقدم علیه ویخبأ لمن لم یحضره اوغاب عنه

غرض یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے چاہے تو حاضرین ہی میں ہدیہ تقسیم کردے اور چاہے تو غائبین کو بھی شریک کرے اور اس باب سے رد ہوگیا ان صاحب کا جو یہ فرماتے ہیں کہ ہدیہ صرف حاضرین کا ہی حق ہے پھر من لم یحضرہ سے مراد وہ شخص ہے جو مجلس میں حاضر نہ ہو اور غاب عنہ سے مراد وہ شخص ہے جو تقسیم کے شہر سے غائب ہو۔

باب کیف قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قریظة والنضیر و ما اعطیٰ من ذلک فی نوائبه

غرض بنی قریظہ اور بنی نضیر کی زمینوں کی تقسیم کا بیان ہے پھر اس باب کی روایت میں اجمال ہے کتاب المغازی کی روایت میں تفصیل ہے حاصل یہ ہے کہ بنی نضیر کی زمین فیٔ تھی اس کا اکثر حصہ مہاجر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ تقسیم سے پہلے انصار سے فرمایا تھا کہ اگر تم چاہو تو بنی نضیر کی زمین تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دی جائے اس صورت میں بھائی چارہ اور ہمدردی تمہارے پھلوں میں مہاجرین کے لئے پہلے کی طرح باقی رہے گی اور اگر تم چاہو تو بنی نضیر کی زمین تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دی جائے اس صورت میں بھائی چارہ اور ہمدردی تمہارے پھلوں میں مہاجرین کے لئے پہلے کی طرح باقی رہے گی اور اگر تم چاہو تو صرف مہاجرین میں تقسیم کر دی جائے اس صورت میں تمہارے پھلوں میں ان کی شرکت جو بطور بھائی چارہ اور ہمدردی کے تھی وہ باقی نہ رہے گی۔ انصار نے عرض کیا کہ آپ صرف مہاجرین میں تقسیم فرمادیں اور بھائی چارہ اور پھلوں میں ہمدردی بھی باقی رہے گی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین ہی میں اکثر زمین بنی نضیر کی تقسیم فرمادی اور مہاجرین انصار کے پھلوں سے مستغنی ہو گئے اس طرح دونوں جماعتیں مستغنی ہوگئیں مہاجرین اس زمین کے ملنے کی وجہ سے اور انصار اس وجہ سے کہ اب ان کو وہ پھل نہ دینے پڑتے تھے جو پہلے مہاجرین کو دیا کرتے تھے پھر خیبر فتح ہوگیا۔ اسی زمانہ میں جب بنی قریظہ کے یہودیوں نے عہد شکنی کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمالیا۔ بنی قریظہ حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ بنی قریظہ کی زمین بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں تقسیم فرمادی اور اپنے حصہ میں سے نوائب کا انتظام فرمایا۔ نوائب سے مراد اپنی ازواج کا نفقہ اور مہمانوں کا انتظام ہے جو بچتا وہ جہاد کے آلات کے لئے خرچ فرماتے تھے۔ **وما اعطیٰ**:۔ اس کا عطف۔ ۱۔ کیف پر ہے تفصیل گزر گئی۔ ۲۔ قسم پر ہے اور عطف تفسیری ہے۔ **یرد علیهم**:۔ ان انصار صحابہ پر واپس فرما دیتے تھے کھجوریں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اب حاجت نہ رہی تھی۔

باب برکة الغازی فی ماله حیاً و میتاً مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وولاة الامر

غرض یہ ہے کہ جہاد کی برکت سے غازی کے مال میں برکت ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت زبیر کی حیوٰۃ میں تو جائیداد بیچ کر قرضہ پورا ہونے کی بھی امید نہ تھی لیکن شہادت کے بعد قرضہ بھی ادا ہوا وصیت بھی پوری ہوئی پھر ورثہ کے لئے بھی بہت زیادہ مال بچ گیا جس کی تفصیل ابھی ذکر کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ **احدثکم هشام**:۔ یہاں روایت کے اخیر میں نعم نہیں ہے لیکن اسی سند سے مسند اسحاق بن راھویہ میں یہی روایت ہے۔ اس کے اخیر میں نعم ہے۔ **فوجدته الفی الف و مائتی الف**:۔ یہ بائیس لاکھ ہوا کیونکہ سو الف ایک لاکھ ہوتا ہے ہزار الف جس کو الف الف کہتے ہیں دس لاکھ بن گیا اس کا دوگنا بیس لاکھ ہوا۔ پس فوجدته الفی الف کے معنی ہوئے کہ میں نے بیس لاکھ قرضہ پایا آگے ومائتی الف بھی ہے مائۃ الف ایک لاکھ اور مائتا الف دو لاکھ اس طرح کل قرضہ بائیس لاکھ ہوگیا جس کو ہندسوں میں ۲۲ کے ساتھ پانچ صفر لگا کر لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح ۲۲۰۰۰۰۰۔ **اشتری الغابة بسبعین ومأته الف**:۔ ایک لاکھ ستر ہزار کا خریدا تھا ٹکڑا غابہ جگہ کا حضرت زبیر نے (۱۷۰۰۰۰) **فباعها عبداللہ بالف الف وستمأته الف**:۔ بیچا یہی ٹکڑا سولہ لاکھ کا (۱۶۰۰۰۰۰) **اربعمأته الف**:۔ چار لاکھ (۴۰۰۰۰۰) **فاصاب کل امرأة الف الف و مأتا الف**:۔ چار بیویاں تھیں ہر ایک کو ۱۲ لاکھ (۱۲۰۰۰۰۰) ملا تو کل چار بیویوں کو اڑتالیس لاکھ ملا (۴۸۰۰۰۰۰) کیونکہ بارہ کا چار گنا اڑتالیس ہوتا ہے اور بیویوں کو چونکہ ترکہ کا آٹھواں حصہ ملتا ہے اس لئے یہ ثابت ہوا کہ کل ترکہ جو ورثہ میں تقسیم ہوا وہ اڑتالیس لاکھ کا آٹھ گنا تھا اور یہ آٹھ گنا تین کروڑ چوراسی لاکھ بنتا ہے۔

(۳۸۴۰۰۰۰۰) وصیت اس کے علاوہ تھی۔ وصیت کل مال کا تیسرا حصہ ہوتی ہے اور وارثوں کے حق سے آدھی ہوتی ہے۔ مثلاً زید نے تین سو روپے چھوڑے ہوں تو اس کا ثلث ایک سو ہے اور ورثہ کا حق دو سو ہے اور ظاہر ہے کہ ایک سو دو سو کا نصف ہے اس لئے اگر ہمیں معلوم ہو کہ زید کے وارثوں کو دو سو ملے ہیں اور یہ معلوم کرنا ہو کہ وصیت کتنی تھی یعنی زیادہ سے زیادہ کتنی ہو سکتی تھی تو ہم دو سو کا نصف نکال لیں گے ایک سو اس سے وصیت کی مقدار معلوم ہو جائے گی ایسے ہی یہاں وارثوں کا حق ہمیں معلوم ہو چکا تین کروڑ چوراسی لاکھ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت اس کا نصف تھی یعنی ایک کروڑ بانوے لاکھ (۱۹۲۰۰۰۰۰) ان دونوں کو جمع کریں تو قرضہ کے سوا باقی مال کی مقدار معلوم ہو جائے گی۔ یعنی پانچ کروڑ چھہتر لاکھ (۵۷۶۰۰۰۰۰) اور قرضہ بائیس لاکھ تھا (۲۲۰۰۰۰۰) ان دونوں کو جمع کریں تو کل مال جو حضرت زبیر نے چھوڑا معلوم ہو جائے گا یعنی پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ درہم (۵۹۸۰۰۰۰۰)۔

سوال: اس حدیث کے اخیر میں کل مال خمسون الف الف و مائتا الف مذکور ہے جو پانچ کروڑ دو لاکھ ہے (۵۰۲۰۰۰۰۰) اور اوپر کے حساب میں اس سے چھیانوے لاکھ زائد بنتا ہے۔ جواب۔ چونکہ وراثت چار سال بعد تقسیم کی گئی تھی تو چار سال کے عرصہ میں مکانوں کا کرایہ اور زمین کی آمدن چھیانوے لاکھ ہو گئی۔

باب اذابعث الامام رسولا فی حاجة اوامره بالمقام هل یسهم له

غرض یہ ہے کہ امام کسی شخص کو ایلچی بنا کر بھیجے یا ٹھہرنے کا حکم کرے تو اس کو حصہ ملے گا یا نہ؟ حدیث سے جواب مل گیا کہ ملے گا اور اس مسئلہ میں حنفیہ کی تائید فرمائی جمہور کے نزدیک حصہ نہ ملے گا ہماری دلیل زیر بحث باب کی روایت عن ابن عمر قال انما تغیب عثمان عن بدر فانه کانت تحته بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت مریضة فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لک اجر رجل ممن شهد بدراً وسهمه وللجمهور تین باب چھوڑ کر پیچھے گزر چکی عن عمر موقوفا لولا آخر المسلمین مافتحت قریة الا قسمتها بین اهلها کما قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اس روایت میں اهلها سے مراد مجاہدین ہیں معلوم ہوا کہ غنیمت مجاہدین کا حق ہے جواب جہاد میں حاضر ہونا عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو جس کو خود امام نے کسی ضروری کام میں مشغول کر کے جہاد سے روکا ہے وہ حکماً جہاد میں شریک ہونے والا شمار ہوگا۔

باب من قال ومن الدلیل علی ان الخمس لنوائبا لمسلمین ماسال هوازن النبی صلی اللہ علیه وسلم برضاعه فیهم فتحلل من المسلمین

غرض امام مالک کے مسلک کی تائید ہے کہ خمس کا مصرف وہی ہے جو فئی کا مصرف ہے۔ پھر واؤ کی ترکیب میں دو قول ہیں۔ ۱۔ ومن الدلیل کا واؤ عطف کے لئے ہے اور اس کا عطف آٹھ باب چھوڑ کر پہلے جو باب گزرا ہے اس پر ہے وہ باب یہ تھا باب الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اور یہاں فرمادیا لنوائب المسلمین مقصد یہ ہے کہ خمس دونوں کی حاجات کے لئے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمین جیسے فئی کا مصرف دونوں کی حاجات کو شامل ہے۔ ۲۔ یہ واو استفتاح اور استیناف کے لئے ہے اور فاصلہ زیادہ ہو جانے کی وجہ سے عطف مناسب نہیں ہے۔ **برضاعه**:۔ حضرت حلیمہ سعدیہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ تھیں وہ ان میں سے تھیں۔ **فتحلل من المسلمین**:۔ اس لفظ تحلل کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱۔ حلة سے ہے حلت طلب فرمائی کہ ہوازن کے لئے حلال کر دو۔ ۲۔ حلول بمعنی نزول سے ہے کہ اپنے حق سے اتر آؤ اور اپنا حق چھوڑ دو۔ **ماسال هوازن**:۔ یہ مبتدأ مؤخر ہے اور اس سے پہلے وہ من الدلیل خبر مقدم ہے۔ استدلال یوں ہے کہ جب اخماس اربعہ میں امام کی رائے پر عمل کرنا جائز ہے جو مجاہدین کا حق ہے تو خمس میں بطریق اولیٰ امام کی رائے پر عمل کرنا جائز ہے اور خمس کی مصرف وہی ہے جو فئی کا ہے اور یہی امام مالک کا مسلک ہے جواب۔ یہ واپسی تو اہل حق کی رضا سے ہوئی ہے اگر امام ہی کو اختیار تھا تو پھر مجاہدین سے اجازت لینے کی اور

اس کا بہت اہتمام فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ تم اپنے خیموں میں جاؤ اور تمہارے سردار تم سے ملیں اور وہ تسلی کریں کہ تم دل سے اجازت دے رہے ہو یا نہ اور پھر وہ سردار میری تسلی کریں کہ انہوں نے دل سے اجازت دی ہے پھر میں غنیمت کے تقسیم شدہ بچے اور عورتیں واپس کروں گا۔ **وما كان النبی صلی الله عليه وسلم يعد الناس ان يعطيهم من الفيئی:**۔ اس کا عطف ماسال پر ہے۔ **والانفال من الخمس:**۔ والانفال کا عطف ان یعطیہم پر ہے معنی یہ ہوگئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعدے فئی سے پورے فرماتے تھے اور انفال کے وعدے خمس سے پورے فرماتے تھے۔ وعدے پورے کرنے میں فئی اور خمس ایک جیسے تھے اور وعدے پورے کرنے میں ان پانچ قسموں کے علاوہ قسمیں بھی آ سکتی ہیں اس لئے خمس مذکور فی الآیۃ پانچ قسم میں بند نہیں ہے پھر انفال جمع ہے نفل کی فاء کا فتح اور سکون دونوں آتے ہیں اور فتحہ اکثر استعمال میں آتا ہے اور نفل کے معنی ہیں۔ مایشترط الامیر زائداً علی السہم لتعاطی عمل ذی خطر۔ امام بخاری وامام مالک کی دلیل کا جواب اسی باب کی تیسری حدیث کی تقریر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالی۔ **حتیٰ نعطيه اياه مناول مايفئی الله علينا:**۔ یہ عبارت محل ترجمہ ہے کہ اس میں فئی میں سے دینا مذکور ہے اور بظاہر مراد خمس میں سے دینا ہے تو خمس پر فئی کا اطلاق کیا گیا معلوم ہوا کہ خمس اور فئی ایک ہی چیز ہیں۔ جواب۔ یہ اطلاق مجازی ہے اس لئے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ **ونفلو ابعيرا بعيراً:**۔ اس میں اختلاف ہوا کہ نفل اصل غنیمۃ میں سے ہے یا کہ خمس میں سے عند احمد اصل غنیمت میں سے ہے وعند الجمہور خمس میں سے جو پانچویں حصہ امام کے لئے ہوتا ہے اس میں سے ہے منشاء اختلاف طحاوی کی روایت عن معن بن یزید مرفوعاً لانفل الابعد الخمس عند احمد یہ اربعۃ اخماس پر محمول ہے اور ہمارے نزدیک خمس الخمس پر محمول ہے۔ ترجیح جمہور کے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے پھر

انعام مقرر کرنا مستحب ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یاایھا النبی حرض المومنين علی القتال لیکن امام کے حصہ سے نہ کہ مجاہدین کے حصہ سے پھر اس تقریر سے ترجمۃ الباب والے امام بخاری اور امام مالک کے استدلال کا جواب بھی ہوگیا کہ نفل امام صرف اپنے حصہ میں سے دیتا ہے اس سے یہ لازم نہ آیا کہ خمس کا مصرف فئی والا ہی ہے اور یہ نفل اقسام خمسہ مذکورہ فی الآیۃ ہے خارج ہے جواب ہوگیا کہ اقسام مذکورہ میں جو امام کا حصہ مذکور ہے اس میں سے نفل ہے۔ **فاسهم لنا:**۔ یہ محل ترجمہ ہے کہ جب اصل غنیمت میں سے حضرت ابوموسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو دیا گیا تو اس قسم کا خرچ خمس میں سے بطریق اولی جائز ہے۔ جواب۔ ۱۔ امام ابوعبیدہ نے کتاب الاموال میں اس دینے کو خمس پر محمول کیا ہے کیونکہ مقاتلین سے اجازت لینا منقول نہیں ہے اور حاجت کی وجہ سے یہ حضرات ان پانچ قسموں میں داخل ہیں۔ ۲۔ امام ابن منیر نے اصل غنیمت میں سے دینا خصوصیت کی بنا پر شمار کیا ہے۔ ۳۔ بعض نے اصل غنیمت میں سے دینا مقاتلین سے اجازت لینے پر محمول کیا ہے۔ ۴۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ امام طحاوی نے اس حصہ میں سے دینا شمار فرمایا ہے جو بلا قتال فتح ہوا تھا۔ **يقسم غنيمة بالجعرانة:**۔ یہی محل ترجمہ ہے اور مراد خمس کو اپنی رائے سے تقسیم فرمانا ہے اسی لئے اس شخص نے اعتراض کر دیا جواب۔ یہ غنیمت کا تقسیم کرنا ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔ **شقيت ان لم اعدل:**۔ اکثر نے شقیت بضم التاء متکلم کا صیغہ نقل فرمایا ہے اس صورت میں معنی ظاہر ہیں ایک روایت میں شقیت بفتح التاء خطاب کا صیغہ بھی ہے اس کے معنی میں دو قول ہیں۔ ۱۔ تو شقی بن گیا کیونکہ غیر عادل کا اتباع کرلیا۔ تو شقی بن گیا کیونکہ اپنے نبی پر اعتراض کر دیا اور یہ خیال کرلیا کہ تیرا نبی انصاف نہیں کرتا۔

باب مامن النبی صلی الله عليه وسلم علی الاساریٰ من غيران يخمس:

غرض یہ کہ تقسیم بین

الغانمین سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مال غنیمت میں تصرف کا حق تھا کیونکہ ابھی ان سے غانمین کا حق متعلق نہ ہوا تھا۔

باب و من الدليل على ان لخمس للامام وانه يعطي بعض قرابة دون بعض ماقسم النبي صلى الله عليه وسلم لبني المطلب و بني هاشم من خمس خيبر:.

غرض تائید ہے امام مالک کی اس مسئلہ میں کہ خمس کا مصرف وہی ہے جوفئی کا مصرف ہے اور یہ تائید میں چوتھا باب ہے تائید اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ذوی القربیٰ کو دیا اس میں سے بعض کو نہ دیا جواب یہ ہے کہ مدار قرابۃ مع الحاجۃ پر ہے اکیلی قرابت پر نہیں۔ **وان كان الذى اعطى:.** اس کے بعد عبارت محذوف ہے ابعد من الذی لم یعطہ پس باب سے مناسبت یوں ہوگئی کہ قرابت پر مدار ہوتا تو اقرب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیتے۔ جواب۔ قرابت مع الحاجۃ پر مدار ہے اکیلی قرابت پر مدار نہیں ہے پھر بعض روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ذوی القربیٰ کو خمس اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ صدقات واجبہ سے نہیں لے سکتے کیونکہ وہ اوساخ الناس ہیں۔

باب من لم يخمس الاسلاب و من قتل قتيلا فله سلبه من غير الخمس و حكم الامام فيه

اس ترجمۃ الباب کے اخیر میں جو وحکم الامام فیہ ہے اس کا عطف من لم یخمس پر ہے پھر اس باب کی غرض دو اختلافی مسئلوں میں امام شافعی اور امام احمد کے قول کی تائید کرنا ہے اور وہ دو اختلاف یہ ہیں ١- **من قتل قتيلاً فله سلبه کا اختلاف:**۔ عند امامنا ابی حنیفۃ و مالک مقتول کے بدن پر جو سامان ہو سارا قاتل مسلم کو مل جانے کا حکم صرف اس وقت ہوگا جب مسلمانوں کا سپہ سالار اعلان کردے کہ ایسا ہوگا۔ اگر اعلان نہ کرے تو پھر یہ مال بھی عام غنیمت ہی میں شمار ہوگا۔ وعند الشافعی واحمد ہر لڑائی میں ایسا ہی ہوگا امیر لشکر اعلان کرے یا نہ کرے منشاء اختلاف زیر بحث باب کی دوسری روایت من ابی قتادۃ مرفوعاً من قتل قتیلا لہ علیہ بینۃ فلہ سلبہ ہمارے نزدیک یہ اعلان کے موقعہ پر محمول ہے وعند الشافعی واحمد عام حکم اور قاعدہ کلیہ کا بیان ہے ترجیح ہماری توجیہ کو ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سلب بہت کم قاتل کو دیا گیا ہے۔

۲- سلب میں سے خمس نکالنے کا اختلاف

عند مالک سلب میں سے خمس نکالا جائے گا وعند الجمہور نہیں نکالا جائے گا وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن عوف بن مالک مرفوعاً ولم یخمس السلب ولمالک **واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه** لایۃ جواب۔ یہاں غنمتم جمع کا صیغہ ہے یہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ خمس عمومی غنیمت سے نکالا جائے گا اور سلب خصوصی غنیمت ہے اس لئے امام مالک کا استدلال آیت سے صحیح نہیں ہے۔ **فقال كلا كما قتله:.** دونوں کی تطییب قلبی کے لئے یہ فرمایا **سلبه لمعاذ بن عمر وبن الجموح :.** کیونکہ انہوں نے قتل اور خون بہانے میں زیادہ کوشش کی تھی۔ سوال بعض روایات میں حضرت معوذ بن عفراء اور بعض میں حضرت عبداللہ بن مسعود کو بھی ابوجہل کا قاتل شمار کیا گیا ہے اور یہاں صرف معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء ہی کو قاتل شمار کیا گیا ہے۔ جواب۔ گو حضرت معوذ نے بھی کچھ اعانت کی تھی اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی لڑائی ختم ہونے کے بعد ابوجہل کا سر کاٹ کر الگ کر دیا تھا لیکن زیادہ کام ان دو حضرات نے ہی کیا تھا جن کا ذکر یہاں بخاری شریف کی روایت میں ہے۔

اسی واقعہ کا تتمہ عجیبہ:۔ ابوجہل کے قتل میں یہ بھی منقول ہے کہ لڑائی کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود دیکھ رہے تھے کہ کون کون سا کافر مارا گیا ہے تو دیکھا کہ ابوجہل شدید زخمی پڑا ہے لیکن ابھی سانس آ رہا ہے تو ارادہ فرمایا کہ گردن کاٹ کر الگ کر دیا جائے تو ابوجہل نے یہ کہا کہ ذرا نیچے سے گردن کاٹنا تاکہ جب مرنے والوں کے سر اکٹھے کئے جائیں تو میرا سر اونچا نظر آئے اسی لئے بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ ابوجہل کا تکبر فرعون کے تکبر سے بھی زیادہ تھا کیونکہ فرعون نے آثار موت دیکھ کر کہا تھا **آمنت انه لااله الاالذى آمنت به بنو اسرائيل وانا من المسلمين** گو یہ ایمان معتبر نہ

ہوا کیونکہ مرتے وقت جب آخرت کی چیزیں نظر آنی شروع ہو جائیں جس کو حالت باس کہتے ہیں اس وقت ایمان معتبر نہیں ہوتا اس سے پہلے حالت یاس میں معتبر ہو جاتا ہے اگر چہ پھانسی کے تختہ پر کھڑا ہو۔ بہرحال فرعون کا تکبر مرتے وقت ٹوٹ گیا۔ ابوجہل کا تکبر نہ ٹوٹا اس لئے ابوجہل کا تکبر فرعون کے تکبر سے بڑھ گیا۔

باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المولفة قلوبھم وغیر ھم من الخمس وغیرہ

یہاں وغیرھم سے مراد مولفۃ القلوب کے غیر ہیں پھر غرض باب سے یہ ہے کہ خمس میں سے مولفۃ القلوب کو دینا جو خمس کے پانچ آیت والے مصارف میں سے نہیں ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ خمس کا مصرف پانچ مصارف آیت میں بند نہیں ہے اس سے بھی امام مالک کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ خمس کے مصارف وہی ہیں جو فئی کے ہیں کہ دونوں خمس اور فئی امام کی رائے پر ہیں۔ جواب اس باب کی بعض روایات میں خمس کا ذکر نہیں ہے اس لئے وہ فئی ہی پر محمول ہیں اور بعض احادیث غزوہ حنین والی ہیں وہاں رد کرنا مقصود ہے۔ اصلی مالکوں کی طرف مصرف خمس نہیں ہے۔ **مولفة القلوب کا مصداق:۔** دو قسم پر ہے۔ ا۔ وہ نئے اسلام لانے والے جن کی نیت میں ضعف کا شبہ ہو۔ ۲۔ وہ شرفاء کہ جن کے اسلام لانے سے دوسرے کافروں کے ایمان لانے کی امید ہو۔ **لم یعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الجعرانة:۔** یہاں عمرہ کی نفی ہے دوسری روایات میں اثبات ہے اور ترجیح مثبت کو ہوتی ہے نافی پر اس لئے عمرہ جعرانہ ثابت ہے۔ **عن ابن عمر قال من الخمس:۔** یعنی وہ دونوں لونڈیاں خمس میں سے تھیں۔ یہی محل ترجمہ ہے اس سے تائید ہوئی امام مالک کے مسلک کی جواب۔ یہ خمس کا مصرف نہیں ہے بلکہ اصل مالکین کی طرف بچوں اور عورتوں کو واپس کرنا ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے۔ **انکم سترون بعدی اثرة:۔** اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ میرے فعل میں اثرہ یعنی ترجیح ناجائز درجہ کی نہیں ہے بعد میں ایسی ترجیح آئے گی اس وقت صبر کرنا۔ **قال رجل واللہ ان ھذہ القسمة ما عدل فیھا:۔** اس قول کی توجیہ میں دو قول ہیں۔ ا۔ یہ ارتداد تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کر دینے کی وجہ سے معاف ہو گیا اور معاف کر دینے کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حاصل تھا ہمیں حاصل نہیں ہے۔ اب اگر کوئی ایسی گستاخی کرے اور توبہ نہ کرے تو ارتداد کی سزا قتل جاری ہوگی۔ ۲۔ یہ قول صرف مال کے لالچ میں صادر ہوا۔ گستاخی ہرگز مقصود نہ تھی۔ اس لئے یہ صرف فسق کا درجہ تھا امید ہے کہ توبہ کر لی ہوگی اور معاف ہو گیا ہوگا۔

باب مایصیب من الطعام فی ارض الحرب

غرض یہ ہے کہ شدید حاجت میں تقسیم اور دارالاسلام میں لانے سے پہلے بھی کھانے پینے کی چیز کھا پی لینے کی گنجائش ہوتی ہے ذخیرہ بنانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

باب الجزیة والموادعة مع اھل الذمة والحرب

غرض دو چیزوں کا حکم بیان کرنا ہے بطور لف ونشر مرتب کے۔ ا۔ اہل ذمہ کے ساتھ جزیہ کا معاملہ کرنا۔ ۲۔ اہل حرب کے ساتھ ایک معین وقت تک کے لئے صلح کر لینا یہ دونوں جائز ہیں پھر جزیہ کی وجہ تسمیہ کی دو توجیہیں۔ ان کو جو ہم نے دارالاسلام میں رہنے کی اجازت دی یہ اس کی جزاء ہے۔ ۲۔ ہم جو مسلمانوں کو ان سے قتال کرنے سے روکتے ہیں یہ اس کی جزاء ہے۔ **من الذین اوتوا الکتاب:۔** سوال جب حکم جزیہ کا عام ہے تو آیت مبارکہ میں اہل کتاب کے لئے جزیہ کا خصوصی ذکر کیوں فرمایا گیا ہے جواب ان کی زیادہ قباحت بیان فرمانی مقصود ہے۔ کہ علم کامل رکھتے ہوئے حق کا انکار کیوں کیا۔ **وکم یذھب الی السکون:۔** یہ امام بخاری کے شاگرد امام فریدی کا مقولہ ہے کہ امام بخاری نے مسکین کے لفظ کو سکون سے مشتق نہیں مانا جو ضد ہے حرکت کی بلکہ مسکنۃ سے مانا ہے جس کے معنی

احتیاج کے ہیں۔ سوال۔ یہاں تو مسکین کا لفظ نہیں ہے پھر یہ تفصیل کیوں بیان فرمائی۔ جواب یہاں وهم صاغرون ہے اور اسی مضمون کو دوسری آیت میں یوں بیان فرما دیا گیا ہے ضربت عليهم الذلة والمسكنة اس مناسبت سے مسکین اور مسکنت کا ذکر فرما دیا اور یہ امام بخاری کی عادت مبارکہ ہے کہ معمولی مناسبت کی وجہ سے بھی بعض دفعہ تفسیر کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔ **وماجاء في اخذالجزية من اليهود والنصرىٰ والمجوس والعجم**: یہ ترجمۃ الباب کا جزء ہے اور اس سے مقصود ہمارے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے قول کی تائید ہے کہ مشرکین عرب کے سوا سب کفار سے جزیہ لیا جاتا ہے البتہ مشرکین عرب کے لئے صرف اسلام یا قتال ہے کیونکہ ان کے لئے اسلام کی حقانیت کا ظہور علی اکمل وجہ ہو چکا ہے۔ امام شافعی واحمد کے نزدیک صرف اہل کتاب سے ہی جزیہ لیا جائے گا اور ان حضرات کے نزدیک مجوسی بھی اس مسئلہ میں اہل کتاب ہی کے حکم میں ہیں۔ منشاء اختلاف یہی آیت ہے جو اس باب میں نقل کی گئی ہے قاتلوا الذين لايومنون بالله ولاباليوم الآخر ولا يحرمون ماحرم الله و رسوله ولايدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يدوهم صاغرون ہمارے نزدیک اس آیت مبارکہ کا حکم عام ہے سب کافروں کو شامل ہے اور اہل کتاب کا ذکر اس لئے ہے کہ اہل کتاب کی زیادہ مذمت مقصود ہے کیونکہ وہ علم کامل رکھتے ہوئے بھی حق کا انکار کرتے ہیں يعرفونه كما يعرفون ابناء هم البتہ مشرکین عرب اس آیت کی وجہ سے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ستدعون الى قوم اولى باس شديد تقاتلونهم او يسلمون اس کا مصداق مشرکین عرب قرار دیئے گئے ہیں۔ اہل کتاب کی علمی غلطی تھی۔ اس لئے ان کی علمی مذمت کی گئی کہ قرآن پاک میں جزیہ میں ان کا خصوصی ذکر فرمایا اور مشرکین عرب کی حسی غلطی تھی کہ وحی اور صاحب وحی کا مشاہدہ حساً کرنے کے باوجود بعض نے ایمان سے منہ پھیرا اس لئے ان کی سزا عملی

اختیار فرمائی کہ بلا ایمان زندہ رہنے کی اجازت نہ دی گئی۔ امام شافعی وامام احمد کے نزدیک اہل کتاب کی قید احترازی ہے اور اہل کتاب کے سوئی کسی سے جزیہ نہ لیا جائے گا اور ان کے نزدیک مجوسی بھی اہل کتاب ہی میں داخل ہیں۔ ترجیح حنفیہ اور مالکیہ کے قول کو ہے اس باب کی روایت کی وجہ سے عن بجالة ولم يكن عمر اخذ الجزية من المجوس حتىٰ شهد عبدالرحمٰن بن عوف ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذها من مجوس هجر حنابلہ اور شوافع حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مجوسی بھی اہل کتاب ہی میں داخل ہیں لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر مجوسی اہل کتاب میں داخل ہوتے تو ان کا ذبیحہ حلال ہوتا اور ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح بھی صحیح ہوتا حالانکہ بالا جماع ایسا نہیں ہے۔ **جزیہ کی مقدار میں اختلاف**:۔ عندامامنا وفی روایۃ عن احمد بطور جزیہ امیر سے سالانہ چار دینار متوسط مال والے سے دو دینار اور غریب سے ایک دینار لیا جائے گا اور دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے وعند الشافعی سب سے ایک دینار لیں گے وعند مالک سب سے چار دینار لیں گے اور امام احمد سے چار روایتیں ہیں۔ ۱- ایک تو ہمارے مسلک کے ساتھ گزر گئی۔ ۲- بادشاہ کی رائے پر ہے۔ ۳- غریب پر ایک دینار ہے باقی بادشاہ کی رائے پر ہے۔ ۴- اہل یمن میں سے ہر ایک سے ایک دینار باقی بادشاہ کی رائے پر ہے ولنا فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن عمر موقوفاً جیسے ہم کہتے ہیں وللشافعی روایۃ ابی داؤد عن معاذ مرفوعاً امره ان ياخذ من كل حالم يعني محتلماً ديناراً۔ جواب۔ ان کے ساتھ صلح کے طور پر یہی طے ہوا تھا۔ یہ عام حکم نہ تھا ولمالک فی البخاری تعلیقا عن مجاہد مقطوعاً چار دینار اہل شام پر مقرر کئے گئے تھے جواب اسی قول میں یہ بھی تصریح ہے کہ وہ غنی تھے اس لئے یہ ہمارے خلاف نہیں ہے اور امام احمد کی پہلی روایت کی دلیل تو ہمارے ساتھ ہوگئی دوسری روایت کہ بادشاہ کی رائے پر ہے اس کی دلیل یہی روایت ابوداؤد کی عن معاذ مرفوعاً امره ان ياخذ من كل حالم يعني محتلماً ديناراً کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معین فرمانا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے تھا نبی

ہونے کی حیثیت سے قیامت تک کے لئے ضابطہ بیان فرمانا مقصود نہ تھا اس لئے ہر زمانہ کا بادشاہ حالات کے لحاظ سے کمی بیشی کرسکتا ہے۔ جواب۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک میں دونوں احتمال برابر درجے کے ہوں کہ نبوت کی وجہ سے ہے یا بادشاہ ہونے کی وجہ سے ہے تو نبوت کا لحاظ راجح ہوتا ہے کیونکہ اصل یہی ہے امام احمد کی تیسری روایت کہ اقل ایک دینار ہے۔ زیادہ بادشاہ کی رائے پر ہے اس کی دلیل بھی یہی ابوداؤد ہی کی روایت ہے جواب۔ یہ ایک دینار صلحاً تھا امام احمد کی چوتھی روایت کی دلیل بھی یہی ابوداؤد والی روایت ہے۔ حضرت معاذ والی کہ اہل یمن کی خصوصیت تھی باقی امام کی رائے پر ہے کیونکہ وہ مسکوت عنہ ہے اور ایسے موقعہ میں امام کی رائے پر مدار ہوتا ہے۔ جواب ہو چکا کہ اہل یمن سے اسی پر صلح ہوئی تھی۔

فرقوابين كل ذي محرم من المجوس: اصل تو یہی ہے کہ ہم ذمیوں کو ان کے دین پر عمل کرنے کی آزادی ہی دیتے ہیں لیکن اگر کوئی بہت ہی قبیح چیز کا اظہار کرے تو ممانعت کی جاتی ہے جیسے اس موقعہ میں مجوسیوں نے محارم سے نکاح شروع کردیئے تھے جو سب دینوں میں حرام تھے اس لئے اس سے منع فرمایا ورنہ ہم ان کے مخفی معاملات دینیہ میں دخل نہیں دیتے البتہ کفر کی تبلیغ سے لامحالہ روکیں گے یا وہ شعائر کفر نئے جاری کرنے کی کوشش کریں تو اس سے روکیں گے۔ **بعث عمر الناس في افناء الامصار** افناء کے معنی جماعات کے بھی آتے ہیں اور افناء الناس اخلاط الناس کو بھی کہتے۔ یہاں افناء الامصار سے مراد اخلاط الامصار ہے مختلف قسم کے شہروں میں مسلمانوں کو فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ **فاسلم الهرمزان:** یہ ھرمزان حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں فارس کے کئی حصوں کا کسرائے فارس یزدجرد کی طرف سے گورنر تھا اور جنگ قادسیہ میں کافروں کے لشکر کے میمنہ کا سردار تھا اور پورے لشکر کفار کا سردار مشہور پہلوان رستم تھا۔ کافروں کا لشکر دو لاکھ تھا اور مسلمانوں کا لشکر ے ہزار اور آٹھ ہزار کے درمیان تھا۔ مسلمانوں کے لشکر کے

سردار حضرت سعد بن ابی وقاص تھے کافروں کے ساتھ ۳۳ ہاتھی بھی تھے قادسیہ کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر ایک بستی کا نام تھا یہ لڑائی یکم محرم ۱۴ھ کو ہوئی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد آندھی سے فرمائی جس سے کافروں کے خیمے اکھڑ گئے اور رستم کا تخت بھی گر گیا جو کافروں کے لشکر کے اگلے حصہ میں تھا۔ رستم ایک خچر پر سوار ہو کر بھاگا دو مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا آگے دریا آ گیا رستم نے اس میں چھلانگ لگا دی تو ان دو مسلمانوں نے ٹانگوں سے پکڑ کر باہر نکالا اور اس مشہور پہلوان کو قتل کیا اس لڑائی میں تیس ہزار کافروں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا ان سب کو مسلمان شیروں نے قتل کردیا اور ان کے علاوہ دس ہزار کافروں کو واصل جہنم کیا اور اس لڑائی کے بعد مسلمان مدائن شہر میں داخل ہو گئے جس میں کسریٰ کا ایک خصوصی محل بھی تھا۔ ھرمزان نے جنگ قادسیہ میں بھاگ کر جان بچائی اس کے بعد ھرمزان اور مسلمانوں کے درمیان ایک اور لڑائی بھی ہوئی پھر ہرمزان نے مسلمانوں سے صلح کرلی پھر ہرمزان نے صلح توڑ دی تو مسلمانوں نے ھرمزان کا تستر نامی شہر میں محاصرہ کرلیا تو ھرمزان نے کہا کہ مجھے اپنے خلیفہ عمر کے پاس لے چلو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مان گئے۔ مدینہ منورہ میں آ کر ھرمزان نے حضرت عمرؓ سے مناظرہ کیا اور پھر بخوشی اپنے بال بچوں سمیت اسلام قبول کرلیا اور پھر حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو ابولؤلؤ نے شہید کردیا پھر بعض لوگوں نے ان پر الزام لگایا کہ حضرت عمرؓ کے قاتل ابولؤلؤۃ کے ساتھ ان کے کچھ تعلقات تھے۔ اس الزام کی وجہ سے حضرت عبید اللہ بن عمر نے ھرمزان کو قتل کردیا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ حضرت عمرؓ جہادات میں ھرمزان سے مشورے لیا کرتے تھے۔ ان مشوروں میں سے ایک مشورہ کا ذکر اس زیر بحث حدیث میں ہے۔ **فقال اني مستشيرك في مغازي هذه:** حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں آپ سے اپنے ان جہادات میں مشورہ لینے والا ہوں وجہ اس کی یہی تھی کہ ھرمزان ان علاقوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ **قال**

نعم مثلها ومثل من فیھا:. اس عبارت کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱-نعم نون اور عین کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ حرف اثبات کہ ہاں میں مشورہ دوں گا آگے مشورہ کا بیان ہے۔ ۲-نعم نون کے کسرہ عین کے سکون اور میم کے فتحہ کے ساتھ فعل مدح ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے نعم المثل مثلھا ومثل من فیھا کہ اچھی مثال ہے ان شہروں کی اور ان کے رہنے والوں کی آگے مثال کا بیان ہے سوال اس مثال میں پرندے کے پاؤں کا مصداق نہیں بیان کیا۔ جواب شہرت کی بنا پر چھوڑ دیا کہ ظاہر ہے کہ فارس کا پاؤں ھند تھا اور روم کا پاؤں افرنج تھا جس کو انگلستان کہتے ہیں۔ **وان شدخ الراس:.** شدخ کے معنی ہیں ایسی چیز کو توڑنا جو اندر سے خالی ہو۔ **نعرف اباہ وامہ:** غرض یہ کہ ان کے ماں باپ دونوں اچھے حسب ونسب والے تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ فلم یندمک:۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت زوال تک جہاد مؤخر کرنے سے شرمندہ نہ ہوئے شاید آپ ان واقعات کو بھول گئے ہیں۔ لیکن میں تو نہیں بھولا اس لئے میں زوال تک تاخیر کرنا اتباعاً للسنۃ اولیٰ سمجھتا ہوں یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت مغیرہ زوال سے پہلے لڑائی شروع کرنا چاہتے تھے۔

باب اذا وادع الامام ملک القریة هل یکون ذلک لبقیتهم

غرض یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا امام کسی کافروں کی بستی کے سردار سے صلح کرلے تو کیا یہ صلح پوری بستی کے لئے شمار ہوگی یا نہ؟ جواب یہی ہے کہ شمار ہوجائے گی۔

باب الوصاة باهل ذمة رسول الله صلی الله علیه وسلم

وصاۃ بفتح الواو معنی وصیت ہوتا ہے غرض یہ ہے کہ اہل ذمہ سے اچھا سلوک کرنے کی شریعت میں بہت تاکید ہے۔

ورزق عیالکم:. یہ معنی ہیں کہ ذمیوں سے جو لیا جاتا ہے وہ تمہارے بچوں کے لئے رزق بنتا ہے۔

باب ما اقطع النبی صلی الله علیه وسلم من البحرین وما وعد من مال البحرین والجزیة ولمن یقسم الفیئی والجزیة

یہاں اقطاع کے معنی زمین کا ٹکڑا دینے کے نہیں بلکہ مال کا حصہ معین کرنے کے ہیں یعنی مال دینا کیونکہ بحرین کی زمین وہاں کے رہنے والوں ہی کے پاس تھی۔ بطور صلح کے اور ان سے جزیہ اور خراج لیا جاتا تھا۔ اس باب کی غرض تین چیزوں کا بیان ہے۔ ۱-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بحرین کا جزیہ اور خراج تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ ۲-اور کیسے اس مال کے آنے سے پہلے بھی وعدے فرما لیا کرتے تھے۔ ۳-فئی اور جزیہ کا مصرف کیا ہے۔ **دعا النبی صلی الله علیه وسلم الانصار لیکتب لهم بالبحرین:** بحرین کے خراج میں سے حصہ معینہ انصار کے لئے رکھنے کا ارادہ فرمایا۔ بحرین کی زمین دینے کا ارادہ مراد نہیں ہے کیونکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ بحرین کی زمین وہاں کے رہنے والوں ہی کے پاس صلحاً رکھی گئی تھی اور ان سے صرف خراج اور جزیہ لیا جاتا تھا۔ **ذلک لهم ماشاء الله:.** ذالک کا اشارہ مال کی طرف ہے یا خلافت کی طرف ہے کہ مہاجرین کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت سا مال یا خلافت عطا فرمائیں گے۔ **علیٰ ذلک یقولون له:.** علی کا تعلق مابعد سے ہے وہ انصار یہی بات بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے رہے کہ بحرین کے مال میں سے مہاجرین کو بھی دیجئے۔

باب اثم من قتل معاهداً بغیر جرم

غرض یہ ہے کہ بلا جرم ذمی کو قتل کرنا حرام ہے۔ پھر یہ بغیر جرم کی قید اگرچہ حدیث میں نہیں ہے لیکن امام بخاری نے قواعد شرع کا لحاظ فرماتے ہوئے لگائی ہے۔

باب اخراج الیهود من جزیرة العرب

غرض یہ ہے کہ سب کافروں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا چاہئے۔ یہود کا خصوصی ذکر اس لئے ہے کہ وہ دعویٰ توحید کا کرتے ہیں۔ جب ان کو بھی نکال دینے کا حکم ہے تو باقیوں کے لئے بطریق اولیٰ نکال

دینے کا حکم ہے۔ **اتجحر**:۔ اس میں ھمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے۔

باب اذا عذر المشر کون بالمسلمین هل یعفیٰ عنهم

غرض یہ ہے کہ جب کافر مسلمانوں سے عہد شکنی کریں تو معاف کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ امام کی رائے پر ہے۔ **نعم یا اباالقاسم**:۔ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ سے نہ پکارتے تھے کیونکہ یہ نام پاک ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا۔

باب دعاء الامام علی من نکث عهداً

غرض یہ ہے کہ عہد شکنی کرنے والوں پر امام کا بددعا کرنا جائز ہے۔

باب امان النساء وجوارهن

غرض یہ ہے کہ مسلمان عورت ایک یا زائد کسی کافر کو امان دے دیں تو وہ امان بھی معتبر ہے۔

باب ذمة المسلمین وجوارهم واحدة یسعیٰ بها ادناهم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مسلمانوں کا امان دینا ایک ہی ہے ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی کسی کافر کو امان دے دے تو وہ سب کی طرف سے معتبر ہے۔

باب اذا قالوا صبأ ناولم یحسنو ااسلمنا

غرض یہ ہے کہ کافر اگر اسلمنا کہنا نہ جانتے ہوں تو اپنی زبان میں اس کے ہم معنی لفظ بھی کہہ دیں تو وہ بھی معتبر ہے۔ پھر وہ حدیث جس میں صبأ نا کہنے کا اور حضرت خالد بن ولید کی اجتھادی غلطی کہ اس کو کافی نہ سمجھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے لیکن اجتھادی غلطی ہونے کی وجہ سے قصاص نہ لیا یہ حدیث یہاں صرف ترجمۃ الباب میں اشارتاً بیان فرمادی آگے کتاب المغازی میں غروۃ الفتح کے باب میں تفصیل سے بیان فرمائیں گے۔ **اذاقال مترس فقد آمنه**:۔ یعنی اگر فارسی میں بھی کہہ دے کہ مت ڈر تو یہ بھی امن دینا ہے مترس فارسی لفظ ہے اس کے معنی ہیں مت ڈر۔

باب الموادعة والمصالحة مع المشر کین بالمال وغیره و اثم من لم یف بالعهد

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ۱- کافروں سے صلح کر لینی جائز ہے۔ ۲- عہد شکنی جائز نہیں ہے پھر اس باب اور آئندہ باب میں فرق یہ ہے کہ اس باب میں کافروں سے عہد شکنی کی مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور آئندہ باب عام ہے مسلمان اور کافر دونوں سے عہد شکنی کی مذمت مقصود ہے۔ **اتحلفون وتستحقون قاتلکم**:۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ **قسامہ میں اختلاف**:۔ عندامامنا ابی حنیفۃ قسامہ میں مدعی پر قسم نہیں ہے وعندالجمھور اگر علامت یعنی خون یا عداوت یا ایک گواہ موجود ہو تو مدعی قسمیں کھائیں گے ورنہ مدعیٰ علیہ قسمیں کھائیں گے ولنا روایة ابی داؤد عن سهل بن ابی حثمة مرفوعاً تبراکم یهود بحمسین یمیناً وللجمهور حدیث الباب عن سهل بن ابی حثمة مرفوعاً اتحلفون و تستحقون قاتلکم ترجیح ہمارے مسلک کو ہے ترمذی کی روایت کی وجہ سے عن عبدالله بن عمرو مرفوعاً البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه. **وهویتشحط**:۔ ای یضطرب وتڑپ رہے تھے۔ **فعقله النبی صلی الله علیه وسلم من عنده**: نبی کریم نے اپنے پاس سے دیت ادا فرمادی تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

باب فضل الوفاء بالعهد

غرض وعدہ پورا کرنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب هل یعفیٰ عن الذمی اذا سحر

غرض یہ ہے کہ ذمی اگر جادو کر دے یا کوئی اور تکلیف پہنچائے تو معاف کر دینا بھی جائز ہے پھر اس جادو اور زہر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی ان دونوں کا اثر وحی پر نہ ہوا تھا خیال پر اثر ہوا تھا کہ خیال ہوتا کہ یہ کام کر چکا ہوں لیکن ابھی کیا نہ ہوتا تھا۔

باب مایحذر من الغدر

غرض یہ ہے کہ دھوکہ دینا گناہ ہے۔ **موتان**:۔ موت کی

کثرت کقصاص الغنم: یہ بیماری ایسی ہوتی ہے کہ ناک سے خون یا خون جیسی کوئی چیز پیپ وغیرہ بہتی ہے اور جلدی ہی بکری مرجاتی ہے پھر اس حدیث میں جو چھ نشانیاں مذکور ہیں ان میں سے پانچ پائی جاچکی ہیں۔۱- وفاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔۲- فتح بیت المقدس یہ حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا۔۳- موت کی کثرت یہ طاعون عمواس کی صورت میں پائی گئی جس میں تین دن ستر ہزار اموات واقع ہوئیں۔ یہ طاعون حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں فتح بیت المقدس کے بعد پایا گیا۔۴- کثرت مال یہ حضرت عثمان کے زمانہ میں کثرت فتوحات کی وجہ سے پائی گئی۔ ۵- فتنہ یہ حضرت عثمان کی شہادت اور اس کے بعد کے واقعات تھے۔۶- البتہ چھٹی نشانی هدنہ خاص قسم کی صلح ابھی نہیں پائی گئی۔

باب کیف ینبذالی اهل العهد

غرض طریقہ بیان کرنا ہے معاہدہ ختم کرنے کا کہ صاف صاف اعلان کردیا جائے کہ اب ہمارا معاہدہ ختم ہے۔

باب اثم من عاهد ثم غدر

غرض یہ ہے کہ معاہدہ کر کے اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔

باب: یہ باب تتمہ ہے گذشتہ باب کا کیونکہ اس میں صلح حدیبیہ کا ذکر ہے جوایک معاہدہ تھااور گذشتہ باب معاہدہ ہی کا بیان تھا۔

باب المصالحة علی ثلثة ایام اووقت معلوم

غرض یہ ہے کہ معاہدہ میں مدت مقرر کرنی بھی اچھی ہے۔ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو۔ولا یدعو منہم احداً:۔ یعنی کسی کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

باب المو ادعة من غیر وقت

غرض یہ ہے کہ مدت مقرر کئے بغیر بھی کافروں سے معاہدہ کر لینا جائز ہے۔

باب طرح جیف المشرکین فی البئر ولایوخذ لهم ثمن

غرض یہ ہے کہ کافر کا جسم بیچنا جائز نہیں ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے عن ابن عباس ان المشرکین ارادوا ان یشتر واجسد رجل من المشرکین فابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ **حدثنا عبداللہ بن عثمان:**۔ اور بعض نسخوں میں یہاں عبدان بن عثمان ہے۔ عبدان حضرت عبداللہ کا لقب تھا۔

باب اثم الغادر للبر و الفاجر

غرض یہ ہے کہ امام کی اطاعت کا معاہدہ کر کے توڑنا حرام ہے خواہ امام نیک ہو یا گنہگار ہو۔ **عن ابی وائل عن عبداللہ:**۔ مراد عبداللہ بن مسعود ہیں۔ جہاں مطلق عبداللہ صحابہ میں مذکور ہو تو وہاں اصل یہی ہے کہ عبداللہ بن مسعود ہی مراد ہوتے ہیں جب تک کوئی قرینہ اس کے خلاف نہ پایا جائے۔

کتاب بدأالخلق

ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پیچھے احکام تھے اب احوال بیان فرماتے ہیں علی ترتیب التاریخ گویا امام بخاری تاریخ بیان کرنے کی ایک عمدہ بنیاد رکھ رہے ہیں کہ ابتداء عالم سے قرن صحابہ تک کے حالات ترتیب وار بیان فرمارہے ہیں۔ اہمیت کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مستقلاً کتاب المغازی کے عنوان سے بیان فرمائیں گے۔ **تقدیر عبارت:**۔ هذا کتاب فی بیان ابتدا خلق العالم واجزاءہ واصنافہ۔ **خالق و خلق میں اهم مذاهب:**۔ چند اہم مذاہب یہ ہیں۔ **اول مذهب:**۔ اہل حق کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوئی سب مخلوق ہیں اور حادث ہیں اور حدوث کی دلیل تغیر ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ کان اللہ ولم یکن معہ شئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا۔ لا احب الآفلین۔ **دوسرا مذهب:**۔ حکماء کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوئی هیولیٰ کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ بغیر کسی چیز کے کسی چیز کا پیدا ہونا ہم کبھی نہیں دیکھتے اس لئے هیوالیٰ کو قدیم کہنا ضروری ہے اسی سے سارا عالم بنا ہے جواب۔ تغیر حدوث کی دلیل ہے اور نہ دیکھنا امتناع کی دلیل نہیں ہے۔ **تیسرا مذهب:**۔ دهریہ کا ہے

کہ یہ عالم بلا صانع پایا گیا ہے اور یہ قول بداهۃً باطل ہے بطور تنبیہ کے چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ۱- ایک دیہاتی نے کہا تھا البعرۃ تدل علی البعیر والاثر علی المسیر فالارض ذات الفجاج والسماء ذات الابراج کیف لا یدلان علی اللطیف الخبیر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک شعر نقل فرمایا

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے — کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

۲- ایک مولوی صاحب وعظ کے لئے گاؤں تشریف لائے صرف ایک بڑی بی چرخہ کاتتی ہوئی نظر آئی۔ سمجھانے کے لئے پوچھا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کی کوئی دلیل معلوم ہے یا نہ بڑھیا نے کہا یہ چرخہ دلیل ہے کیونکہ جب یہ معمولی سا چرخہ خود بخود نہیں چل سکتا تو زمین و آسمان اور زندگی اور موت کا عجیب و غریب نظام خود بخود کیسے چل سکتا ہے۔ ۳- ہمارے امام صاحب نے ایک دہریہ سے مناظرہ کا وقت مقرر فرمایا قصداً کچھ دیر سے پہنچے وجہ پوچھنے پر سمجھانے کے لئے ایک فرضی صورت بیان فرمائی کہ میں ایک عجیب تماشا دیکھنے میں مشغول ہو گیا تھا کہ ایک دریا کے کنارے درخت گرا۔ ہوا سے اس کے ٹکڑے ہوئے پھر اتفاق سے ایک ہوا سے جڑے اور کشتی کی شکل بن گئی اور آندھی سے وہ دریا میں گر گئی اور اس پر مسافر آنے جانے لگے۔ اس دہریے نے کہا کہ یہ تو ناممکن ہے۔ فرمایا تو بس پورے عالم کا خود بخود بننا بھی ناممکن ہے۔ ۴- جنگل میں ایک خوبصورت کوٹھی اور اس کے اردگرد باغیچہ اور سڑکیں اور فوارہ اور قطار میں پھول اور کسی کمرے میں کھانے کا دسترخوان اور کسی میں سونے کی چارپائیاں اور کسی کمرے میں بیٹھنے کے غالیچے وغیرہ دیکھ کر دو شخص ان کے تیار ہونے کی صورت سوچنے لگے ایک کہے کہ ہوا چلی تھی اس سے مٹی کے ٹکڑے اور اینٹیں بن گئیں پھر ہوا چلی درخت گرے اور ٹوٹے اور چھت کی لکڑیاں بن گئیں پھر ہوا چلی تو اینٹیں اوپر نیچے ہو کر دیواریں بن گئیں پھر ہوا چلی تو کچھ لکڑیاں دیواروں پر آ گئیں اور چھت بن گئی ایسے ہی غالیچے اور برتن اور چارپائیاں اور فوارے اور قطار میں پھول اور سڑکیں بن گئیں دوسرا آدمی کہے نہیں ایسا نہیں ہوا کسی سمجھدار نے نقشہ بنایا سامان جمع کیا۔ راج اور مزدور اور بڑھئی بلائے اور یہ عمدہ مکان اور مالی سے باغیچہ بنوایا۔ ظاہر ہے کہ دوسرے شخص ہی کی بات صحیح ہے اسی طرح دہریہ اور موحد کا حال ہے۔ ۵- حضرت مفتی محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ چار پانچ شخص مجھ سے ملنے آئے باتوں باتوں میں ان میں ایک صاحب جن کو ان کے ساتھی شیخ صاحب کہتے اس نے کہا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں میں نے کہا کہ تمہارا بولنا دلیل ہے کیونکہ زبان مختلف جگہوں پر لگتی ہے جب جا کر مختلف الفاظ اور حروف ادا ہوتے ہیں ہم کو تو مخارج کا پتہ بھی نہیں ہوتا یہ ایک کام ہے اس کا کرنے والا یہ بولنے والا تو ہے نہیں کیونکہ اس کو مخارج کا پتہ ہی نہیں یہ کام کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ ۶- طالب علم کمرے سے درس گاہ تک آتا ہے یہ نہیں بتا سکتا کہ کتنے قدم اٹھائے پھر ہر قدم میں کتنی رگیں سکڑیں اور کتنی پھیلیں کون کون سے جوڑوں نے حرکت کی لامحالہ یہ خود ان حرکات و سکنات کا خالق نہیں ہے اس کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ ۷- یہ موٹی بات ہے کہ کاتب کے بغیر کتاب نہیں پائی جاتی عمارت بنانے والے کے بغیر عمارت نہیں بنتی تو یہ اتنا بڑا عالم بنانے والے کے بغیر کیسے بن سکتا ہے۔ ۸- ایک شی اپنے مثل سے پہلے ہوتی رہتی ہے مثلاً ایک انسان اپنے جیسے انسان سے پہلے ہوتا ہے دن دن سے پہلے ہوتا ہے رات رات سے پہلے ہوتی ہے ایسے ہی انسان انسان سے پیچھے ہوتا ہے دن دن سے پیچھے ہوتا ہے رات رات سے پیچھے ہوتی ہے تو یہ تقدم اور تاخر لنفسہ ہوگا یا لغیرہ یعنی اس تقدم کو جاری کرنے والی کوئی ذات اور ہوگی یا یہ خود ہی آگے یا پیچھے ہوگا اگر خود ہی آگے یا پیچھے ہوگا اگر خود ہی شی آگے اور پیچھے ہوتی ہو تو سب انسان پہلے بھی ہو جائیں اور سب پیچھے بھی ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں ہے معلوم ہوا کہ کوئی ذات ان کے علاوہ ہے جو ان چیزوں کو آگے یا پیچھے کرتی ہے وہ صانع ہی تو ہے جو اپنے

ارادہ سے آگے یا پیچھے کرتا ہے۔ ۹-کوئی چیز مربع یعنی چورس شکل کی ہے کوئی گیند کی طرح گول ہے کوئی انسان لمبا ہے کوئی چھوٹا ہے کسی کا چہرہ خوبصورت ہے کوئی بدشکل ہے۔ کوئی کالے رنگ کا ہے کوئی سفید رنگ کا ہے کیا یہ سب خود بخود ہیں اگر یہ خود ان کے اختیار میں ہوتو دنیا میں کوئی کالا ہونہ کوئی بدشکل ہو لامحالہ یہ سب بنانے والی کوئی الگ ذات قدرت وارادہ والی ہے حکمت والی ہے جو اپنی حکمت وارادہ کی وجہ سے مختلف قسم کی شکلیں بناتی ہے وہی صانع کی ذات ہے۔ ۱۰- جمادات اینٹ پتھر وغیرہ میں تو حیٰوۃ نہیں ہے وہ اپنی خالص کیسے ہوسکتی ہیں کیونکہ خالق کے لئے تو حیٰوۃ علم۔ ارادہ اور قدرت ضروری ہے اس لئے لامحالہ یہ خالق کی محتاج ہیں۔ ۱۱- انسان نطفہ کی شکل میں مردہ تھا۔ پھر حیی قادر عالم ماہر بن گیا لیکن پھر بھی نہ وہ ایک بال پیدا کرسکتا ہے نہ رگ نہ کان نہ آنکھ نہ دل نہ دماغ تو جب علم وقدرت کے زمانہ میں یہ چیزیں نہیں بنا سکتا تو جب نطفہ مردہ تھا اس وقت کیسے اپنے آپ کو پیدا کرلیا معلوم ہوا کہ اس کو کسی اور ذات نے پیدا کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے قال اللہ تعالیٰ **اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفاو شیبۃ یخلق مایشاء وھو العلیم القدیر۔** ۱۲-امام رازی نے ایک دیہاتی سے فرمایا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں اور ایک ہیں اس نے مارنے کے لئے لاٹھی اٹھائی کہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے معلوم ہوا کہ یہ بات دیہاتیوں کے لئے بھی بالکل بدیہی ہے۔ **چوتھا مذہب:۔** بعض نے کہہ دیا خالق دو ہیں نور اور ظلمت۔ جواب اگر ایک خالق وجود زید کا ارادہ کرے تو دوسرا عدم کا ارادہ کرنے پر قادر ہے یا نہ اگر ہے تو اجتماع ہے نقیضان کا کہ زید موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو اگر قادر نہیں تو وہ خدا ہی نہیں۔ **پانچواں مذہب:۔** خالق ہے تو ایک لیکن وہ انسان کا ہم شکل ہے اور اعضا وجوارح والا ہے جواب پھر ہماری طرح محتاج ہوگا اور حادث ہوگا۔ **چھٹا مذہب:۔** عیسائیوں کا جو اس آیت میں مذکور ہے **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ.** جواب۔ چوتھے مذہب کے جواب کی طرح۔ **ساتواں مذہب:۔** حشویہ کا کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات مخلوق کے مشابہ ہیں اور قرآن پاک یا حدیث پاک میں ہیں اور واقع میں متشابہات میں سے ہیں یا خلاف ظاہر پر محمول ہیں ان کو بالکل ظاہر پر محمول کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے جہت مانتے ہیں۔ جواب **لیس کمثلہ شئی۔** **آٹھواں مذہب:۔** بعض فلاسفہ کا ہے کہ خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں لیکن خلق بالا ضطرار اور بالطبع ہے دوسرے لفظوں میں ہر چیز کی طبیعت اس کی خالق ہے۔ مثلاً آگ اپنی طبیعت کی وجہ سے جلاتی ہے جواب۔ خود طبیعت کا ثبوت بھی خلاف عقل ہے اور اس کا اثر بھی خلاف عقل ہے جو دلائل ثبوت طبیعت کے لئے پیش کرتے ہیں نہایت ضعیف ہیں اور پھر اس کا فعل بلا علم اور بلا قدرت اور بلا ارادہ خلاف عقل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ہی کی خلق سے سب کام ہوتے ہیں۔

باب ماجاء فی قول اللہ وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعید وھوا ھون علیہ

اھون فرمانا مخاطبین کے لحاظ سے ہے ورنہ حق تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں۔ **کان اللہ ولم یکن شئی غیرہ وکان عرشہ علی الماء:۔** کان اللہ میں کان ازلی ہے اور وکان عرشہ علی الماء میں کان حادث ہے کہ جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو پہلے پانی کو پیدا فرمایا پھر عرش کو پیدا فرمایا چنانچہ مرفوعاً ترمذی میں ہے اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے ان الماء خلق قبل العرش۔

ابن تیمیہ کے مختصر حالات وعقائد

یہ ساتویں صدی کے عالم ہیں۔ انہوں نے اور ان کے شاگرد ابن قیم نے اس مقام پر بہت بڑی لغزش کی ہے اور تفرد اختیار کیا ہے کہ حوادث ازل میں نعوذ باللہ موجود تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم تھے جواب یہ بداھۃً تناقض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جیسے جنت کی نعمتیں غیر متناھی ہیں اور ان میں ابطال تسلسل

کے براھین جاری نہیں ہوتے ایسے ہی ماضی میں بھی چیزیں یکے بعد دیگرے ازل سے اور غیر متناھی درجہ سے آ رہی ہیں اور ان میں بھی ابطال تسلسل کے دلائل جاری نہ ہوں گے۔ جواب۔ ماضی کی چیزیں وجود حقیقی میں ہوتی ہیں اور مستقبل کی چیزیں وجود مقدر میں ہوتی ہیں اور فرضی محض ہوتی ہیں۔ موجود مجتمع اجزاء نہیں ہوتیں۔ اس لئے ان میں ابطال تسلسل کے دلائل نہیں چل سکتے اور ماضی کی چیزوں میں چل سکتے ہیں۔ پھر ابن تیمیہ کے بہت سے تفردات ہیں۔ مثلاً ۱- یہ عالم قدیم بالنوع ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی نہ کوئی مخلوق ہمیشہ رہی ہے۔ ۲- اللہ تعالیٰ خود بھی نعوذ باللہ محل حوادث ہیں۔ ۳- انبیاء علیہم السلام نعوذ باللہ معصوم نہیں ہیں۔ ۴- اہل نار کا عذاب نعوذ باللہ دائمی نہیں ہے۔ ۵- تین طلاقتیں ایک ہی شمار ہوں گی۔ ۶- روضہ مقدس کے لئے سفر گناہ ہے اس لئے اس میں قصر بھی جائز ہیں۔ ۷- توسل بالذوات ناجائز ہے پھر ابن تیمیہ کی کتابوں میں سے چار کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ الجواب الصحیح فی الرد علی من بدل دین المسیح اس میں نصرانی کی تردید کی ہے۔ ۲- منہاج السنۃ اس میں شیعہ کی تردید کی ہے۔ ۳- بیان موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول یہ کتاب منہاج السنۃ کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے اس میں بہت سے مسائل میں ماتریدیہ اور اشعریہ کا رد کیا ہے۔ ۴- کتاب الفرقان بین اولیاء الرحمان واولیاء الشیطان۔ اس میں بہت سے اولیاء اللہ تعالیٰ پر رد کر دیا ہے کہ بلکہ بعض کو کافر تک کہہ دیا ہے جیسے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کو کافر قرار دے دیا ہے۔ ابن تیمیہ کا طریق ابن حزم ظاہری سے ملتا جلتا ہے جنہوں نے مشہور کتاب الملل والنحل لکھی۔ بعض عقائد میں ابن تیمیہ کا عقیدہ حشویہ کے عقیدہ سے ملتا جلتا ہے۔ یہ حشویہ وہ فرقہ ہے جس کے افراد حضرت حسن بصری کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے جب انہوں نے ان کے عقائد کی کمزوری دیکھی تو ان کو ایک طرف بیٹھنے کا حکم دیا تھا اسی لئے ان کا لقب حشویہ ہوا کیونکہ حشو کے معنی طرف کے ہیں یہ حشویہ اللہ تعالیٰ میں چہرہ اور قدم اور خوشی اور مخلوق جیسا غضب اور حسی طور پر عرش پر بیٹھنا اور حسی طور پر پہلے آسمان پر اترنا مانتے ہیں بلکہ بعض نے تو اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ جسم ہی قرار دے دیا ہے اور اس کی نسبت امام احمد کی طرف کر دی ہے حالانکہ وہ اس سے بری ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے عقیدہ سے پاک ہیں۔ امام زبیدی فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے شیخ نہ پکڑا تھا اس لئے ایسی غلطیوں میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ ان کے زمانہ کے علماء کا اتفاق ہو گیا کہ ان کو قید کر دینا ضروری ہے چنانچہ اس زمانہ کے بادشاہ نے ان کو قید کر دیا اور قید ہی میں ان کی وفات ہوئی۔ **و کتب فی الذکر کل شئی:**. یہاں ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے اور اس حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کو حق تعالیٰ نے پانی اور عرش کے بعد پیدا فرمایا اور لوح محفوظ کے ساتھ ہی قلم کو پیدا فرمایا۔ **تقطع**: ۱- تاء کے ساتھ باب تفعل سے ماضی کا صیغہ بمعنی تحول میرے اور اونٹنی کے درمیان سراب حائل ہو گیا تھا۔ ۲- یقطع مجرد سے مضارع معروف ہے بمعنی ینقطع کہ سراب میرے اور اس کے درمیان ختم ہو رہا تھا۔ دونوں توجیھوں کا حاصل یہی ہے کہ بہت دور چلی گئی۔ **اماشتمه فقوله ان لی ولداً:**. کیونکہ شتم سے مقصود عیب بیان کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ صاحب اولاد کہنا عیب بیان کرنا اور تنقیص ہے کیونکہ اس سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا اور مرکب ہونا اور حادث ہونا اور محتاج ہونا اور صاحب مثل ہونا لازم آتا ہے اور یہ سب تنقیصات ہیں۔

باب ماجاء فی سبع ارضین

غرض سات زمینوں کے حالات کا بیان ہے۔ پھر سات زمینوں کے وجود کا اثبات تو اس آیت سے ہو رہا ہے جو یہاں نقل فرمائی ہے **اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلهن** اور ان سات زمینوں میں مخلوق کا ثبوت بھی بعض روایات سے ہے جیسا کہ عنقریب ایک روایت نقل کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ لیکن اس مخلوق کی تفصیل میں چار اہم قول ہیں۔ ۱- یہ تفصیل

مفوض الی اللہ ہے۔ گویا اس مخلوق کی حقیقت کو متشابہات میں سے شمار کیا گیا ہے اور دعوت ایمان کی اسی زمین کے ساتھ مختص ہے جس پر ہم رہتے ہیں کیونکہ کسی نبی کا باقی زمینوں میں سے کسی زمین کی طرف جانا کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ ۲۔ بعض حضرات نے مستدرک حاکم کی روایت کو لے لیا جو حضرت ابن عباس سے موقوفاً منقول ہے فی کل ارض آدم کا دلکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسکم ونبی کنبیکم اور اس کے معنی یہ کئے کہ عالم مثال ہے۔ تصویروں کی طرح ہے جس قسم کی چیزیں خواب میں اور کشف میں نظر آتی ہیں۔ عالم غیب اور عالم شہادت کے علاوہ ایک تیسرا عالم ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ ۳۔ بعض حضرات نے اسی مذکورہ روایت کو لے لیا اور معنی یہ کئے کہ ان طبقات ارض میں ہادی ہیں جو ہماری زمین کے انبیاء علیہم السلام سے ہدایت لیتے رہے ہیں وہ ہادی ہماری زمین کے انبیاء علیہم السلام کے مشابہ اور ان کے متبع ہیں حقیقی نبی نہیں ہیں۔ ۴۔ بعض حضرات نے اسی روایت کو لے لیا اور وہاں حقیقی نبی مان لئے۔ سوال پھر تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال نہ رہے۔ جواب۔ دوسری زمینوں کے آخری نبی بعض صفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہیں۔ سب صفات میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نہیں ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل البشر ہونے پر کوئی اشکال نہ رہا۔ سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت باقی نہ رہی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان زمینوں میں کوئی نبی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آیا ہو۔ جواب ان زمینوں کے نبی آخر الزمان کا آخری نبی ہونا صرف ان کی اپنی زمین کے لحاظ سے ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا مطلقاً ہے اور سب زمینوں کے لحاظ سے ہے یعنی ان سب زمینوں کے آخری نبی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہلے ہو چکے ہیں کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ **الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق السمٰوٰت والارض:** زمانہ جاہلیت میں مہینے آگے پیچھے کرتے رہتے تھے ۹ھ میں جب حضرت ابوبکر صدیق کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے بھیجا تھا اس سال بھی حقیقت کے لحاظ سے وہ ذی قعدہ تھا اسی لئے قدرت کے باوجود خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف نہ لے گئے اگلے سال سے حساب درست کر دیا گیا اس لئے ۱۰ھ میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے گئے۔ **اروی**:۔ اس سے مراد اروی بنت ابی اویس ہیں۔ **انا انتقص من حقھا شیئاً**: شروع میں استفہام انکاری کا ہمزہ محذوف ہے۔ **فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین**: سوال مسند احمد میں ہے ان بین الارض والتی تلیہا خمسمائۃ ایک انسان کے گلے میں کیسے ڈالی جاسکتی ہیں۔ جواب اتنا ٹکڑا کاٹ کہ ہر زمین کے اتنے ٹکڑے کے ساتھ ملا کر گلے میں بطور سزا کے ڈالا جائے گا۔

باب فی النجوم

غرض ستاروں کو مؤثر ماننے کا رد کرنا ہے کہ جو ستاروں کو حوادث میں مؤثر مانتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ یہ ستارے بیچارے خود اپنے طلوع وغروب اور تیز اور آہستہ ہونے سے عاجز ہیں یہ بیچارے دوسروں پر کیا اثر ڈالیں گے۔

باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان

غرض سورج اور چاند کا حال بیان کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی حساب کے مطابق چلتے ہیں۔ **فانھا تذھب حتی تسجد تحت العرش**: اس سجدہ کی صورت کیا ہوتی ہے یہ ہم نہیں جانتے سجدہ بہرحال کرتا ہے جو بھی اس کی شان کے مناسب ہے۔ **الشمس والقمر مکوران یوم القیامۃ**: اور مسند بزار اور بعض دوسروں کتابوں میں یہ زیادتی بھی ہے اور فی النار پھر اس کی توجیہ میں دو قول ہیں۔ ۱۔ جن لوگوں نے سورج اور چاند کی عبادت کی ہے ان کو ڈانٹنا مقصود ہے خود چاند اور سورج کو عذاب نہ ہوگا جیسے دوزخ کا انتظام کرنے والے فرشتے

دوزخ میں ہوں گے لیکن ان کو عذاب نہ ہوگا۔۲۔ یہ دونوں آگ سے پیدا کئے گئے ہیں اس لیے دوزخ میں اور اپنی اصل میں داخل کر دیئے جائیں گے اور عمدۃ القاری میں ایک روایت یوں منقول ہے عن ابن مسعود مرفوعاً تکلم ربنا بکلمتین صیر احداھما شمسا والاخری قمرا و کلاھما من النور ویعاوان یوم القیامۃ الی الجنۃ لیکن راجح پہلا قول ہے کیونکہ اس کی تائید آیت سے ہوتی ہے اذا الشمس کورت۔

باب ماجاء فی قوله تعالیٰ وھو الذی ارسل الرياح بشرا بين يدی رحمة

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلتی ہیں۔ **قاصفا تقصف کل شئی**:. ہوا کی صفات میں سے جو قاصف آیا ہے اس کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جس چیز پر سے گزرتی اس کو توڑ پھوڑ دیتی ہے۔

باب ذكر الملائكة

غرض فرشتوں کا اور ان کی انواع کا ذکر ہے پھر ملائکۃ جمع ہے ملک اور ملک کی اصل میں چار قول ہیں۔۱۔ اصل ملاک ہے ثقل کی وجہ سے ہمزہ چھوڑا گیا ہے۔ جیسے شمائل جمع ہے شمائل کی اور یہ ماخوذ ہے ملئکۃ بمعنی رسالت سے اور میم زائد ہے۔۲۔ ماخوذ ہے الوکۃ بمعنی رسالت سے پھر لام اور ہمزہ میں قلب واقع ہوا باقی تقریر قول اول والی ہے۔۳۔ ماخوذ ہے ملک بفتح المیم سے جس کے معنی اخذ بالقوۃ کے ہیں اور ملائکۃ میں ہمزہ زائد ہے جیسے طرائق جمع ہے طریقۃ کی۔۴۔ ماخوذ ہے ملک بکسر المیم سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو موت کا مالک بنایا بعض کو صور کا۔ ایسے ہی اوروں کو۔ اور ہمزہ ملائکۃ میں تیسرے قول کی طرح زائد ہے۔ پھر مصداق میں تین قول ہیں۔۱۔ جمہور مسلمین کے نزدیک ملائکہ اجسام ہیں اور مستقل نوع ہیں ان میں توالد و تناسل نہیں ہے۔ **لا یعصون اللہ**۔۲۔ عیسائیوں کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ فرشتے بعض صالحین کی روحیں ہیں۔۳۔ حکماء فرشتوں کو جواہر مجردہ مانتے ہیں پھر فرشتوں کی دو قسمیں ہیں۔۱۔ کچھ فرشتے ہمیشہ عبادت میں مستغرق رہتے ہیں یسبحون اللیل والنهار لايفترون۔۲۔ کچھ فرشتے مختلف تدابیر میں مشغول رہتے ہیں قال اللہ تعالیٰ والمدبرات۔ **امراً بين النائم واليقظان** یہ نیند اور بیداری کے درمیان ہونا شروع شروع میں تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے بیدار ہو گئے تھے۔ **حتی اتینا السماء الدنیا**:۔ راجح یہی ہے کہ بیت المقدس سے آسمان کا سفر سیڑھی پر یا فرشتوں کے پروں پر ہوا اور مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک براق پر ہوا۔ **فلما جاوزت بكئى**:. موسیٰ علیہ السلام کا یہ رونا حسد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اپنی امت پر شفقت اور ان کی کوتاہیوں پر افسوس کی وجہ سے رونا آ گیا۔ **هذا الغلام**: غلام جو فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی دو توجیہیں ہیں۔۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جوانوں کی طرح قوی تھے۔۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر زیادہ لمبی نہ تھی۔ **مراق البطن**:. یہ لفظ اس حدیث کے ابتدائی حصہ میں ہے اس کے معنیٰ پیٹ کے نیچے کے حصہ کے ہیں۔ **سلمت بخير**: یعنی میں نے اپنے پروردگار کے فریضہ کو قبول کر لیا۔ **موکب**:۔ سواروں کی جماعت ہو زینت کے ساتھ تو اس کو موکب کہتے ہیں۔

باب اذا قال احدكم امين والملئكة فی السماء فوافقت احداهما الاخری غفر له ماتقدم من ذنبه

غرض یہ ہے کہ کچھ فرشتے امین کہنے پر مقرر ہیں۔ **رفرفا**:. بچھونا۔ **فجئث**:۔ پہلے جیم پھر ھمزہ پھر ثاء کے معنی ہیں رعب ڈالا گیا اس کے قریب قریب ایک اور لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جیم اور دو ثاؤں کے ساتھ اس کے معنی ہیں میں گر گیا لیکن اس حدیث صرف پہلا لفظ ہی منقول ہے۔ **فلاتكن فی مرية من لقاء**:. ایسے قادر کی ملاقات میں اور قیامت قائم کرنے میں شک نہ کریں۔

باب ماجاء صفة الجنة وانها مخلوقة

غرض معتزلہ کا رد ہے جو اس کے قائل ہونے کہ جنت اور دوزخ قیامت کے دن پیدا کی جائیں گی۔

التسنیم یعلو شراب اہل الجنة

یہ تسنیم جنت میں ایک خاص قسم کا پانی ہوگا۔

ختامه طينه مسك: اس آیت کی تفسیر مقصود ہے رحیق مختوم کی طین کی جگہ مشک پر مہر لگائی گئی ہوگی۔ **ومنه وضين الناقة**: اونٹنی کی زین کا اندرونی حصہ جو دوہرا بنا ہوا ہو۔

والكوب مالااذن له ولا عروة اذن سے مراد پانی نکلنے کی جگہ ہے اور عروہ سے مراد پکڑنے کا دستہ ہے۔ **عربا مثقلة**: یہاں تثقیل سے مراد ضمہ ہے جو فتحہ کی نسبت ثقیل ہوتا ہے یعنی دوضموں کے ساتھ۔ **عروب**: پسندیدہ۔ **المنضود الموز**: یہ تفسیر ہے وطلح منضود کی کہ تہ بتہ جس چیز کا ذکر ہے وہ کیلے ہیں۔ **واطلعت فی النار فرایت اکثر اهلها النساء**: سوال۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ ہر اہل جنت کی دو بیویاں ہونگی تو اس طرح مردوں سے عورتیں جنت میں دوگنی ثابت ہوگئیں اس لیے دوزخ میں عورتیں مردوں سے کم ہونی چاہئیں اور زیر بحث روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں عورتوں کی تعداد امردوں سے زائد ہوگی یہ تعارض ہوگیا۔ جواب ہر جنتی کی جو دو بیویاں ہونگی اور اس زیر بحث روایت میں دنیا کی عورتوں کا ذکر ہے۔ حوریں جنت میں مردوں سے زیادہ ہونگی اور دنیا کی عورتیں جنت میں مردوں سے کم ہونگی دوزخ میں مردوں سے زیادہ ہونگی واللہ اعلم۔ **مجا مرهم الالوة**: مجامر کے معنی ہیں انگیٹھیاں جن میں آگ جلائی جاتی ہے اس سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ وقود اور الالوۃ ایک خوشبودار لکڑی ہوتی ہے معنی یہ ہو گئے کہ ان کی انگیٹھیوں میں خوشبودار لکڑیاں جلتی اور سلگتی رہیں گی۔

لكل امرئ منهم زوجتان: سوال۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر ایک کے لئے بہتر (۷۲) زوجات ہوں گی اور یہاں والی روایت میں صرف دو ہیں تو یہ بظاہر تعارض ہے۔ جواب۔ ۱- دو جماعتیں ہوں گی ایک جماعت میں سے ہر ایک کے لئے دو زوجہ ہونگی اور دوسری جماعت میں سے ہر ایک کے لئے بہتر (۷۲) زوجات ہوں گی۔ ۲- دو زوجہ خاص صفات کی ہوں گی اور باقی ستر میں یہ خاص صفتیں نہ ہوں گی۔ **سبعون الفا او سبعمائة الف**: یہ اوشک راوی کی وجہ سے ہے راجح سبعون الفاً ہے کیونکہ مسند بزار میں عن انس مرفوعاً ہے مع کل واحد من السبعین الفاً سبعون الفاً۔ **لايدخل اولهم حتىٰ يدخل اٰخرهم**: حاصل یہی ہے کہ سب اکٹھے داخل ہوں گے۔ **الغابر فی الافق**: اس کے معنی ہیں الذاهب فی الافق۔

باب صفة ابواب الجنة

غرض جنت کے دروازوں کا حال بیان کرنا ہے۔

باب صفة النار وانها مخلوقة

غرض معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ جہنم قیامت کے دن پیدا کی جائے گی اس کا رد کر دیا کہ جہنم اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دی ہے۔ **غسقت عینه**: اس کی آنکھ سے ٹھنڈا پانی نکلا۔ **یساط**: اس کے معنی ہیں یخلط۔

مارج خالص الی قوله مرج امر الناس اختلط

مارج کے دو معنی آیت میں ہو سکتے ہیں آیت یہ ہے وخلق الجان من مارج من نار۔ ۱- پہلے معنی یہ ہیں خالص۔ ۲- دوسرے معنی ہیں ملی ہوئی یعنی ہوا سے ملی ہوئی آگ سے اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا فرمایا جیسے انسان کو پانی سے ملی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا۔ انسان میں آگ اور ہوا بھی ہیں لیکن پانی اور مٹی غالب ہیں اور ان دونوں میں سے بھی مٹی غالب ہے۔ پھر امام بخاری نے اس لمبی عبارت میں پہلے معنی صراحۃً بیان فرمائے ہیں اور دوسرے معنی اشارۃً بیان فرمائے ہیں۔ **قیل لاسامة لواتیت فلاناً**: فلان سے مراد حضرت عثمان ہیں کہ فتنہ ختم کرنے کے متعلق ان سے گفتگو کرو۔

انکم لترون انی لا اکلمه الا اسمعکم

تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے سامنے ہی ان سے باتیں کرتا ہوں تمہیں سنا کر ایسا نہیں ہے بلکہ میں تنہائی میں بھی ان سے فتنہ کے بارے میں باتیں کرتا رہتا ہوں۔

ان كان علي اميراً لام محذوف ہے لان کان یعنی امیر ہونے کی وجہ سے میں کسی کو خیر الناس نہیں کہتا جو بات دل میں ہوتی ہے وہی کہتا ہوں کیونکہ ظاہر اور باطن میں فرق کرنے والے کا عذاب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں۔

باب صفة ابليس وجنوده

غرض ابلیس اور اس کی فوج کے حالات کا بیان کرنا ہے پھر جنات کی نسل کس سے چلی اس میں دو قول ہیں۔ا۔تفسیر جلالین میں ہے کہ ابلیس ابوالجن ہے۔۲۔المبتدا لابی حذیفۃ اسحاق بن بشر القرشی میں ہے عن ابن عباس موقوفاً خلق اللہ سومیا ابا الجن وھوالذی خلق من مارج من نار قال تبارک وتعالیٰ تمن قال اتمنیٰ ان نری ولانریٰ وان نغیب فی الثریٰ وان یصیر کھلنا شابا فاعطی ذلک پھر اس میں دو قول ہیں کہ جنات آدم علیہ السلام سے پہلے کتنا عرصہ زمین پر رہے۔بعض روایات میں سومیا ہے اور شین ہی راجح ہے تین نقطوں والا۔ا۔چالیس (۴۰) سال ۲۔دو ہزار (۲۰۰۰) سال) **مشط**: کنگھی۔**مشاقة**: روئی کا گالا یعنی روئی کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا جو انگلی کی شکل میں بنایا جاتا ہے اور چرخے پر کاتا جاتا ہے۔**وجف طلعة ذكر**: غلاف مذکر خوشے کا۔**ان الفتنة ههناحيث يطلع قرن الشيطان**: اس فتنہ کے مصداق میں دو قول ہیں۔ا۔حضرت عثمان کو شہید کرنے کا فتنہ۔۲۔روافض کا فتنہ کیونکہ روافض مشرقی بلاد میں پھیلے تھے جیسے عراق، خراسان وغیرہ۔**فقال فهل بي جنون**: اس شخص کا خیال تھا کہ تعوذ صرف جنون میں پڑھا جاتا ہے۔اس شخص کے مصداق میں امام نووی نے دو احتمال بیان فرمائے ہیں۔ا۔منافقین میں سے تھا۔۲۔موٹی عقل کے دیہاتیوں میں سے تھا۔**ولم يسلط عليه**: یعنی دعا پڑھنے کی برکت سے شیطان پورا مسلط نہ ہو سکے گا کیونکہ وسوسہ تو آتا ہی ہے۔**فطعن في الحجاب**: حجاب کے مصداق میں دو توجیہیں ہیں۔ ا۔حجاب سے مراد وہ کھال ہے جو شکم مادر میں بچے پر ہوتی ہے۔

۲۔وہ کپڑا مراد ہے جس میں بچے کو ولادت کے بعد لپیٹا جاتا ہے۔حدیث پاک کا حاصل یہ ہوا کہ شیطان جب عیسیٰ علیہ السلام تک نہ پہنچ سکا تو مذکورہ حجاب تک جا پہنچا۔سوال۔اس سے تو یہ لازم آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام سب انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ حالانکہ افضلیت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ جواب۔ا۔قاضی عیاض نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ شیاطن سے محفوظ رہنے کا حکم سب انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے اور اس حکم میں سب انبیاء علیہم السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔۲۔فضیلت جزئی اس معاملہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے اور کلی فضیلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔کلی فضیلت اصل مقصد میں ہوتی ہے اور جزئی فضیلت کسی خاص صفت میں ہوتی ہے یہاں کلی فضیلت اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔سوال۔اگر انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا حملہ مانا جائے تو نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کا گمراہ ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہیں۔جواب یہ شیطان کا حملہ صرف وسوسہ کے درجہ میں ہے سلطان اور غلبہ کے درجہ میں نہیں ہے اور وسوسہ معصوم ہونے کے خلاف نہیں ہے البتہ شیطان کا سلطان اور غلبہ معصوم ہونے کے خلاف ہے اور وہ نیک لوگوں پر شیطان کو حاصل نہیں ہے جیسا کہ ارشاد پاک ہے حق تعالیٰ کا ان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔**افيكم الذي اجاره الله من الشيطان على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم**: کیا تمہارے اندر یعنی عراق میں وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے پناہ دی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پناہ دیئے جانے کو بیان فرمایا ہے اور اس کا مصداق حضرت عمار بن یاسر ہیں جو صفین کی لڑائی میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک تھے اور اسی لڑائی میں شہید کر دیئے گئے تھے۔زیر بحث روایت کے بعد والی روایت میں تصریح ہے کہ مصداق حضرت عمار بن یاسر ہی ہیں پھر حضرت ابوالدرداءؓ کو کیسے معلوم

ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک میں ان کو شیطان سے محفوظ قرار دیا گیا ہے اس کی چار توجیہات ہیں۔ ۱- اس حدیث پاک سے حضرت ابودرداء نے استنباط فرمایا یدعوھم الی الجنة ویدعونہ الی النار کہ ایسا کرنے والا وہی ہوگا جو شیطان سے محفوظ ہو۔ ۲- کسی موقعہ میں حضرت ابوالدرداء کے سامنے اس قسم کے الفاظ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے عمار کو شیطان سے پناہ دے دی ہے۔ ۳- حضرت عمار بن یاسر ان صحابہ کرام میں سے ہیں جو شروع میں ایمان لے آئے تھے اور ان ہی کے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اس سے حضرت ابوالدرداء نے استنباط فرمایا کہ دل میں اطمینان ہونا شیطان سے محفوظ ہونے کی علامت ہے۔ ۴- حضرت عمار بن یاسر کے متعلق ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا مرحبا بالطیب المطیب اس سے حضرت ابوالدردا نے استنباط فرمالیا کہ ایسا شخص شیطان سے محفوظ ہوتا ہے۔ **فتقر فی اذن الکاھن کماتقر القارورة:** یعنی جیسے شیشی میں پانی وغیرہ ڈالنا ہو تو پانی کے برتن کے ساتھ شیشی کو جوڑا جاتا ہے ایسے ہی یہ شیاطین کاھن کے کان کے ساتھ منہ لگا کر بات کرتے ہیں۔ **فصاح ابلیس ای عباد اللہ اخراکم:** یعنی ابلیس نے پکارا کہ اے اللہ کے بندو اپنے سے پیچھے جو لوگ ہیں ان سے لڑو چنانچہ مسلمانوں نے پیچھے آنے والوں سے لڑنا شروع کر دیا مشرک سمجھ کر حالانکہ وہ تو مسلمان ہی تھے۔ اس طرح غلطی سے کچھ مسلمان شہید ہو گئے۔ ان شہید ہونے والوں میں حضرت حذیفہؓ کے والد حضرت یمان بھی تھے۔ **فمازالت فی حذیفة منہ بقیة خیر حتیٰ لحق باللہ:** اس عبارت کی چار توجیہات کی گئی ہیں۔ ۱- اخیر دم تک حضرت حذیفہؓ اپنے والد صاحب کے خطأً قتل کے لئے دعا اور استغفار فرماتے رہے۔ ۲- اخیر دم تک حضرتؓ حذیفہ کو یہ غم رہا کہ ان کے والد صاحب کو ایک مسلمان نے قتل کیا کافر نے شہید نہ کیا۔ ۳- اپنے والد صاحب کے اس طریقہ سے قتل ہونے کے غم کا ثواب عنداللہ اخیر دم تک سوچتے رہے۔ ۴- مسلمان جو اس خاص آزمائش میں پڑے کہ خطأً مسلمانوں سے ہی لڑنا شروع کر دیا اس کا غم حضرت حذیفہ کو اخیر دم تک رہا۔ **الرویا الصالحة من اللہ:** یعنی اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو خوش کرنے کے لئے ہوتے ہیں تاکہ وہ نشاط سے عبادت کرے ان میں شیطان کا دخل نہیں ہوتا اور اس کا فیصلہ ماہر معتبر ہی کرتا ہے کہ یہ خواب شیطان کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے اسی لئے خواب خیر خواہ سمجھدار ہی کے پاس ذکر کرنا چاہئے۔ **فلیبصق عن یسارہ:** بائیں جانب اس لئے ہے کہ بائیں جانب گھٹیا شمار کی جاتی ہے۔ **انت افظ واغلظ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:** یہ جو دو لفظ ہیں افظ اور اغلظ ان دونوں کے معنی ہیں اخلاق میں زیادہ سخت۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی تو صرف کافروں اور منافقوں کے لئے تھی۔ یایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم اور اے عمر آپ کی سختی حد سے آگے بڑھ گئی اور مسلمان مردوں اور عورتوں پر بھی جاری ہوتی ہے۔

باب ذکر الجن وثوابھم و عقابھم

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ جنات بھی موجود ہیں اور ان کو نیکی پر ثواب اور گناہ پر عقاب بھی ہوتا ہے اور وہ انسانوں کی طرح مکلّف ہیں۔ بہت سے فلاسفہ اور زنادقہ اور قدریہ سے جنات کے وجود کا انکار نقل کیا گیا ہے۔ یہ انکار باطل ہے کیونکہ قرآن پاک اور احادیث سے جنات کا وجود ثابت ہے صراحۃً باقی ان کا نظر نہ آنا یہ عدم کی دلیل نہیں ہے جیسے ہوا نظر نہیں آتی لیکن موجود ہے لطافت یا کسی اور مانع کی وجہ سے وہ ہمیں نظر نہیں آتے اس لئے نظر نہ آنا عدم کی دلیل نہیں ہے۔ پھر اہل اسلام میں جنات کے بارے میں تین اہم مذاہب ہیں۔ ۱- جمہور اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جنات بھی مکلّف ہوتے ہیں اور ثواب

وعقاب میں اور دخول جنت اور دخول نار میں انسانوں کی طرح ہیں اور اسی قول کو امام فخر الاسلام نے حنفیہ کا راجح قول قرار دیا ہے۔۲- ہمارے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ جنات کا ثواب یہی ہے کہ وہ عذاب سے بچ جائیں حضرت انور شاہ صاحب نے اس کی وضاحت یہ فرمائی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے دنیا میں جنات آبادیوں کے کناروں میں رہتے ہیں ایسے ہی نیک جن جنت میں بھی کناروں پر رہیں گے۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ اصل روایت یہی تھی ناقلین نے تصرف کیا اور جنت میں جان کی مطلقاً نفی امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کردی۔ حضرت انور شاہ صاحب کی اس وضاحت کا لحاظ کیا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس روایت میں اور آئندہ آنے والے امام مالک کے قول میں فرق باقی نہیں رہتا۔ ۳- فتح الباری میں اسی باب میں امام مالک کا قول یوں منقول ہے کہ جنات میں سے برے دوزخ میں جائیں گے اور نیک جنت کے حواشی واطراف میں جائیں گے۔ ہماری حنفیہ کی راجح روایت اور جمہور کی متعدد دلیلیں ہیں۔ ۱- **لم یطمثھن انس قبلھم ولاجان** اور طمث سے مراد جماع ہی ہے۔ ۲- **یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا**۔ ۳- **ولمن خاف مقام ربه جنتٰن**۔ ۴- **فیومئذ لایسئل عن ذنبه انس ولاجان**۔ یہ چاروں آیتیں سورہ رحمٰن کی ہیں اور سورہ رحمان میں انسانوں اور جنوں کو صراحۃ بار بار خطاب ہے **فبای الاء ربکماتکذبان** اس خطاب کے ساتھ مذکورہ چار آیتوں میں مکلف ہونے اور جنت میں جانے اور حوریں ملنے کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ جنات کا داخلہ جنت میں انسانوں کی طرح ہوگا۔ امام مالک کی دلیل آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا ہے کہ جیسے دنیا میں جنات آبادیوں کے کناروں پر رہتے ہیں ایسے ہی جنت میں بھی رہیں گے جواب یہ ہے کہ نص کی موجودگی میں قیاس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ہمارے امام صاحب کی ایک روایت کی دلیل یہ آیت ہے **یغفرلکم من ذنوبکم و یجرکم من عذاب الیم**۔ اس میں بھی اچھے جنات کا ثواب مذکور ہے کہ عذاب سے بچ جانا ان کا ثواب ہے۔ اور **واما القاسطون فکانوالجھنم حطبا** میں جنات کا دوزخ میں جانا مذکور ہے کیونکہ یہ جنات کی کلام ہے جو اپنے بارے میں فرمارہے ہیں۔ **وانامنا المسلمون و منا القاسطون**۔ جواب یہ ہے کہ جنت میں جانے کی نفی ان آیات میں نہیں ہے بلکہ سکوت ہے اور ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان میں جنت میں جانے کا اثبات ہے اور ترجیح مثبت زیادۃ کو ہوتی ہے۔

یٰمعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم

ان آیتوں سے استدلال یوں ہے کہ ان آیتوں میں یہ بھی ہے **ینذرونکم لقاء یومکم ھذا** اس سے جنات کا عذاب ثابت ہوا اور یہ آیت بھی ہے **ولکل درجات مماعملوا** اس سے ان کا جنت میں جانا ثابت ہوا کہ کیونکہ درجات کا لفظ جنت کے مختلف حصوں پر بولا جاتا ہے۔ **ولقد علمت الجنة انھم لمحضرون ستحضر للحساب** اس سے صاف معلوم ہوا کہ جنات مکلف ہیں اور ان کا حساب ہوگا۔

باب قوله عزوجل واذصرفنا الیک نفراً من الجن

اس باب کی دوغرضیں ہیں۔ ۱- جنات موجود ہیں۔ ۲- ان کے لئے ثواب وعقاب ہے۔

باب قول الله عزوجل وبث فیھا من کل دابة

اس باب کی دوغرضیں ہیں۔ ۱- سب جانور اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ۲- ترتیب خلق کی یوں ہے کہ پہلے فرشتے پھر جن پھر حیوانات پھر آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ **الجان والافاعی والاساود** جان باریک ہلکا سا سانپ ہوتا ہے۔ الافاعی جمع ہے

افعیٰ کی یہ کالے رنگ کا ہوتا ہے اور انسان پر بہت حملہ کرتا ہے اور اساود جمع ہے اسود کی یہ بہت بڑا سانپ ہوتا ہے اور سب سانپوں میں سے زیادہ مہلک ہوتا ہے۔ پھر بعض نسخوں میں الجان کی جگہ الجنان ہے جیم کے کسرہ اورنون کی تشدید کے ساتھ یہ جمع ہے جان کی۔ **یستسقطان الحبل**: یعنی یہ دونوں قسم کے سانپ حمل پر حملہ کرکے اس کو گرادیتے ہیں۔ فرأنی ابولبابۃ اوزید بن الخطاب:۔ مقصد یہ ہے کہ گذشتہ روایت شک کے ساتھ بھی منقول ہے اور زید بن الخطاب حضرت عمر بن الخطاب کے بھائی ہیں جو جنگ یمامہ میں شہید ہوگئے تھے۔

باب خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال

باب خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال:۔ ظاہر یہی ہے کہ غرض یہ ہے کہ بکری برکت والا جانور ہے فتنوں سے بھاگنے کے لئے اس سے استعانت لی جاتی ہے۔ **راس الکفر نحو المشرق**:۔ اس میں اشارہ ہے کہ مجوسی کفار کا کفر بہت شدید ہے یہ فارس میں رہتے تھے اور متکبر تھے ان کے بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک پھاڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے کر دی۔ **اذاسمعتم صیاح الدیکۃ فاسئلوا اللہ من فضلہ فانھارات ملکا**:۔ الدیکۃ دال کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ جمع ہے دیک کی جس کے معنی مرغ کے ہیں اس ارشاد پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں جن کو مسائل مستنبطہ کہتے ہیں۔ ۱- صالحین کی ملاقات کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے۔ ۲- رحمت کے فرشتہ کی موجودگی میں دعاء مانگی جائے تو امید ہوتی ہے کہ وہ آمین کہے گا۔ ۳- مرغا فضیلت والا جانور ہے اور بابرکت ہے اور رات کے اوقات کا ماہر ہے ہمیشہ اذان دیتا ہے رات چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ **وانی لااراھا الاالفار**:۔ ابواسحٰق زجاج اور ابن العربی اس کے قائل ہوگئے کہ بندر جو اس وقت موجود ہیں یہ ان بندروں کی نسل سے ہیں جو اصل میں بنی اسرائیل تھے اور بطور عذاب کے بندر بنا دیئے گئے تھے۔ اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ یہ ان کی نسل سے نہیں ہیں۔ ہماری جمہور کی دلیل مسلم شریف کی روایت ہے عن ابن مسعود مرفوعاً ان اللہ لم یھلک قوماً اویعذب قوماً فیجعل لہ نسلاً وان القردۃ والخنازیر کانوا قبل ذلک حضرت زجاج اور ابن عربی کی دلیل زیر بحث بخاری شریف کی روایت ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً انی لااراھا الاالفار کہ میرا خیال یہی ہے کہ بنی اسرائیل کی جو ایک جماعت گم ہوگئی تھی وہ یہ چوہے ہیں معلوم ہوا کہ عذاب والی امت کی نسل باقی رہتی ہے۔ اس لئے جس جماعت کا بندر بننا قرآن وحدیث میں مذکور ہے ان کی نسل بھی باقی ہے جو ہمارے زمانہ میں موجود ہیں۔ جواب۔ ۱- زیر بحث حدیث پاک کے معنی یہ ہیں کہ یہ موجودہ چوہے ان کی جنس سے ہیں یہ معنی نہیں کہ ان کا شخص یا ان کی نسل باقی ہے۔ ۲- یہ ارشاد پاک اس زمانہ پر محمول ہے جبکہ ان کی موت کی اطلاع ابھی نہ دی گئی تھی۔

فقلت افاقرأ التورٰة: یہ حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد ہے اور استفہام انکاری ہے کہ میں تو توراۃ نہیں پڑھتا کہ اس میں سے نقل کروں اس لئے جو نقل کر رہا ہوں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی نقل کر رہا ہوں۔ **وزعم سعد بن ابی وقاص**:۔ یہ کس کا مقولہ ہے اس میں دو قول ہیں۔ ۱- حضرت عروہ کا مقولہ ہے ۲- حضرت عائشہ کا مقولہ ہے۔

باب خمس من الدواب فواسق یقتلن فی الحرم

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ ان پانچ جانوروں کو حرم میں قتل کرنا بھی جائز ہے پھر ان کا نام جو فواسق رکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فسق کے معنی حد سے نکلنے کے ہوتے ہیں اور یہ پانچ جانور بھی عام حشرات کے طریقہ سے نکلے ہوئے ہیں کیونکہ یہ انسانوں کو زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ **واجیفواالابواب**: دروازے بند کر دیا کرو۔ **نزل بنی من الانبیاء تحت شجرۃ**: یہ کون سے نبی تھے اس میں دو قول ہیں۔ ۱- حضرت عزیر علیہ السلام ۲- حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ **بجھازہ**:۔ اس کے معنی سامان کے ہیں۔ **فاوحی**

اليه فهلا نملةً واحدة:. اس وحی مبارک کی تفصیل میں تین توجیہیں ہیں۔ ۱- چیونٹیوں کو جلانا اس امت میں جائز تھا صرف خاف اولیٰ کرنے پر تنبیہ کی گئی۔ ۲- اس نیت سے انہوں نے جلایا کہ بعد میں کسی انسان کو ان سے تکلیف نہ پہنچے اس لئے اس جلانے کا درجہ اماطۃ الاذیٰ من الطریق جیسا ہے۔ ۳- یہ ضابطہ ظاہر فرمانا مقصود ہے کہ دنیا میں بعض دفعہ بعض کی معصیت کی وجہ سے پوری قوم پر بھی عذاب آ جاتا ہے۔

باب اذاوقع الذباب في شراب احد كم فليغمسه

غرض مکھی کی عجیب وغریب خلقت کا بیان فرمانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے پر میں شفا رکھی ہے جیسے سانپ کے زہر کا تریاق اللہ تعالیٰ نے اسی کے سر میں رکھا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ پھر وہ مکھی پہلے بیماری والا پر ڈالتی ہے ایسا کیوں کرتی ہے۔ اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ ۱- اس کی طبیعت ہی ایسی بنادی گئی ہے کہ پہلے بیماری والا پر پانی وغیرہ پر پڑتا ہے۔ ۲- اس کو اس موقعہ پر الہام ہوتا ہے جیسا کہ شہد کی مکھی کا الہام قرآن پاک میں مذکور ہے۔ واوحی ربک الی النحل۔

كتاب الانبياء عليهم السلام

ربط:۔ ۱- پیچھے ذکر کر دیا گیا تھا کہ جس ترتیب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اسی ترتیب سے امام بخاری ذکر فرما رہے ہیں یعنی پہلے ملائکہ پھر جنات پھر حیوانات پھر انبیاء علیہم السلام۔ ۲- پیچھے مخلوقات کا ذکر تھا اب اشرف المخلوقات کا ذکر ہے اور پھر اشرف المخلوقات میں الاشرف فالاشرف کا ذکر ہے پہلے انبیاء علیہ السلام کا ذکر ہے پھر صحابہ کا اور غرض انبیاء علیہم السلام کے احوال کا بیان ہے۔ پھر غرض اصلی تو انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہی ہے تبعاً حضرت لقمان اور حضرت مریم کا ذکر بھی ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ دونوں حضرات امام بخاری کے نزدیک نبی تھے۔ **عدد الانبياء عليهم السلام:.** عدد میں۔ ۱- راجح قول ایک لاکھ چوبیس ہزار کا ہے جیسا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذرؓ سے مرفوعاً وارد ہے۔ ۲- دوسرا قول عدد میں آٹھ ہزار کا ہے جیسا کہ مسند ابی یعلیٰ حضرت انس سے مرفوعاً وارد ہے پھر ابن حبان والی مذکورہ روایت میں یہ بھی ہے کہ ان میں سے تین سو تیرہ رسل ہیں۔ **لفظ نبی کی تحقیق:۔** اس میں متعدد اقوال ہیں۔ ۱- نبأ بمعنی خبر دینا سے لیا گیا ہے کیونکہ نبی خبر دیتا ہے فعیل بمعنی اسم فاعل ہے۔ ۲- نبأ بمعنی خبر دینا سے لیا گیا ہے اور فعیل بمعنی اسم مفعول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیا ہوا۔ ۳- نبوۃ بمعنی ارتفاع سے لیا گیا ہے کیونکہ نبی کا مرتبہ اونچا ہوتا ہے۔ ۴- نبی کے معنی لغت میں طریق کے بھی آتے ہیں۔ نبی بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہوتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے لاتصل علی النبی کہ راستہ پر نماز نہ پڑھ۔

مدار النبوة:. نبوت کا مدار اللہ تعالیٰ کے اعلام اور وحی پر ہوتا ہے انسان کے علم یا کشف یا جسامۃ پر مدار نہیں ہوتا۔ اسی لئے نبی کی وفات سے نبوت ختم نہیں ہوتی۔ **نبوۃ کے اصطلاحی معنی:۔** النبوۃ ھی سفارۃ العبد بین اللہ و بین خلقہ لازاحۃ عللہم فیما یحتاجون من مصالح الدارین۔ **نبی اور رسول میں فرق مختلف اقوال ہیں۔** ۱- کوئی فرق نہیں۔ مصداق ایک ہے۔ ۲- رسول کے لئے نئی کتاب اور نئی شریعت ضروری ہے نبی عام ہے۔ ۳- رسول کے لئے کم از کم ایک زائد حکم ہونا ضروری ہے۔ نبی سب احکام میں سابق نبی کے تابع بھی ہوسکتا ہے نیا حکم ہو یا نہ ہو نبی کہہ سکتے ہیں اس قول میں بھی نبی عام ہے۔ ۴- رسول کے لئے ضروری ہے کہ جبریل علیہ السلام ان کے پاس آئیں نبی عام ہے جبرئیل علیہ السلام آئیں یا صرف نداء یا خواب کی صورت میں وحی آ جائے۔ **نبی کی تعریف:۔** ھوانسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ احکامہ۔

عصمة الانبياء عليهم السلام:۔ عصمت کے معنی ہیں الزامة عن مادة المعصية اور معصیت کا مادہ ہے نفس یا شیطان کا غلبہ اور معصیۃ کے معنی ہیں قصداً مخالفت کرنا۔ المعصیۃ ھی المخالفۃ قصداً اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبائر سے معصوم ہوتے

ہیں۔صغائر میں اختلاف ہوا ہے اور عقل ونقل اس پر بھی جمع ہیں کہ وہ ہر قسم کے نقص وعیب سے بھی پاک ہوتے ہیں اور جمہور فقہا جن میں حنفیہ بھی آ گئے اسی کے قائل ہیں کہ صغائر سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ **دلائل عصمت**:۔اجماع مذکور کے علاوہ بہت سی آیات بھی عصمت پر دلالت کرتی ہیں بطور نمونہ صرف چند آیات ذکر کی جاتی ہیں۔۱- **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** اگر نبی صغیرہ گناہ بھی کرتا ہوتو لازم آئے گا کہ وہ گناہ بھی اسوہ حسنہ کا مصداق بن جائے اور اس کا بھی ہمیں امر ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ گناہ کا امر نہیں فرماتے۔۲- **وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار**۔۳- **ان اللہ اصطفیٰ اٰدم و نوحاً** اور کبیرہ گناہ کے ساتھ اصطفا کیسے جمع ہوسکتا ہے۔۴- اگر کبیرہ جائز ہوتو کبائر بھی جائز ہوں گے اور کثرت کبائر والا فاسق اور ظالم ہوتا ہے اور ارشاد ہے **الا لعنۃ اللہ علی الظالمین** حالانکہ انبیاء علیہم السلام تو مورد رحمت ہوتے ہیں۔وہ مورد لعنت کیسے ہو سکتے ہیں۔نعوذ باللہ من ذلک کیونکہ لعنت کے معنی ہیں ترک رحمت۔ ۵- **اطیعو اللہ واطیعوا الرسول' من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔**صغائر صادر ہونے کے شبہ کا جواب**:۔جو شاذ قول ہے کہ صغائر ہو سکتے ہیں تو اس شاذ قول والوں کو شبہ لگنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب وارد ہوا ہے۔اس شبہ کے متعدد جواب ہیں۔۱- یہ بہت نادر ہے اور النادر کالمعدوم۔۲- ایسا فعل خطایا نسیاناً وارد ہوا ہے اس لئے اس کو گناہ نہیں کہہ سکتے۔۳- ایسے افعال کی تاویل بالکل ظاہر ہوتی ہے جو ان افعال کو گناہ سے نکال دیتی ہے۔۴- حضرت جنید کا مقولہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین اس لئے انبیاء علیہم السلام کو خلاف اولیٰ پر بھی عتاب ہو جاتا ہے وہ گناہ نہیں ہوتا۔ **بل فعلہ کبیر ھم ھذا پر اشکال وجواب**:۔بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا بل فعلہ کبیر ھم ھذا کذب ہے اور کذب گناہ ہے۔

جواب ۱- میں ان کا بڑا ہوں میں نے یہ کیا ہے۔۲- **بل فعلہ** پر وقف ہے کہ ہاں کیا ہے آگے مبتدا اور خبر ہیں کہ ان کا بڑا یہ ہے۔ اس سے پوچھ لو کس نے کیا ہے۔کذب نہ رہا۔۳- کنایہ کے طور پر فرما دیا کہ میں نے ہی یہ کام کیا ہے جیسے کسی کمرے میں دو شخص رہتے ہوں ایک لکھنا جانتا ہو دوسرا نہ جانتا ہو تو تیسرا آدمی آئے۔ وہاں پڑی ہوئی اچھی لکھائی دیکھے اور پوچھے کہ یہ کس نے لکھ دیا تو لکھنے والا کہے کہ میرے اس ساتھی نے لکھ دیا ہوگا تو کنایہ ہوتا ہے کہ میں نے ہی تو لکھا ہے دوسرا تو کوئی احتمال نہیں ہے۔اسی طرح یہاں ہے کہ اس بڑے بت کے متعلق تو کوئی احتمال ہی نہیں ہے کہ اس نے سب بتوں کو توڑا ہو اس لئے بالکل ظاہر ہے کہ میں نے ہی یہ کام کیا ہے۔تو کنایہ ہوا جھوٹ نہ ہوا۔۴- اس بڑے نے مجھے غصہ دلایا میں نے گردنیں کاٹ دیں تو یہ بڑا سبب بنا اور سبب ہونے کی وجہ سے نسبت بڑے کی طرف کر دی اس کو اسناد مجازی کہتے ہیں اور اسناد مجازی جھوٹ نہیں ہوتا۔

انی سقیم پر اشکال وجواب

بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تندرست تھے پھر جو فرمایا انی سقیم تو بظاہر یہ کذب ہے جو گناہ ہے جواب۔۱- یہ معنی ہیں کہ احتمال ہے کہ آئندہ کبھی بیمار ہو جاؤں کذب نہیں ہے۔۲- باری کا بخار ہوا کرتا تھا جو ایک دن چھوڑ کر وقت مقرر پر ہوا کرتا ہے اس لئے ستاروں کو دیکھ کر وقت کا اندازہ لگایا اور فرمایا کہ عادت کے مطابق مجھے تو بخار ہونے والا ہے اس لئے میں تمہارے ساتھ میلے میں نہیں جا سکتا یہ جھوٹ نہیں ہے۔۳- میں آئندہ زمانہ میں مرنے والا ہوں۔سقم سے مراد سقم کامل یعنی موت ہے۔وہ سمجھے کہ فی الحال بخار وغیرہ ہے یہ توریہ ہوا کہ ایک لفظ کے دو معنی ہیں ایک جلد ذہن میں آنے والے ایک ذرا غور سے ذہن میں آنے والے بولنے والا یہ دور کے معنی مراد لے اور سننے والا قریب والے معنی لے۔ضرورت کے موقعہ میں یہ جائز ہے جھوٹ نہیں ہے جو گناہ کا شبہ ہو۔۴- یہ معنی ہیں کہ مجھے

تمہارے کفر کی وجہ سے غم کی بیماری ہے وہ ظاہری بیماری سمجھے یہ بھی توریہ ہی کی ایک صورت ہے جھوٹ نہیں ہے کہ گناہ کا شبہ ہو۔

خلاف اولیٰ صادر ہونے میں حکمتیں

١- انبیاء علیہم السلام سے جو خلاف اولیٰ کام صادر ہو جاتے تھے ان میں ایک حکمت یہ تھی کہ اگر کبھی بھی غلطی نہ ہوتی تو جاہل ان کو خدا کہنا شروع کر دیتے۔ خلاف اولیٰ کام ہوئے عتاب ہوا توبہ فرمائی درجہ پہلے سے بھی بہت اونچا ہو گیا۔ ٣- بعض کوئی شرعی مسئلہ عملی طور پر ظاہر فرمانا ہوتا تھا جیسے مثلاً اخیر رات میں نیند کے غلبہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فجر کی نماز قضا ہوئی تو نماز قضا کرنے کا طریقہ ظاہر کر دیا گیا۔

آدم علیہ السلام کی غلطی میں خصوصی مصلحتیں

شیطان نے تکبر کر کے شقاوت کا دروازہ کھولا تو حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام توبہ کریں تا کہ قیامت تک کے لئے توبہ کا دراوزہ کھل جائے جو بہت بڑی سعادت ہے۔ ٢- مکلف ہونے کی ابتدا اسی غلطی سے ہوئی اور مکلف ہونا رفع درجات کا ذریعہ ہے مکلف ہونے کی جگہ زمین ہے۔ غلطی ہوئی زمین پر آئے مکلف بنے ترقی فی درجات القرب کا دروازہ کھل گیا۔ ٣- زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہونے کا ذریعہ یہی غلطی بنی۔ خلافت زمین پر ہی ظاہر ہونی تھی انی جاعل فی الارض خلیفه۔ ٤- انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ذریعہ یہی غلطی بنی زمین پر آئے مکلف بنے تو رہنمائی کے لئے رسل کی ضرورت ظاہر ہوئی۔ ٥- رفع درجہ کی حکمت ظاہر ہوئی جو باقی انبیاء علیہم السلام کی غلطیوں میں بھی قدر مشترک ہے۔

اس کی توجیہات کہ آدم علیہ السلام کی غلطی گناہ نہ تھی

١- نسی ولم نجد عزما یعنی نہی اور عداوت کو بھول گئے اور نسیان میں گناہ نہیں ہوتا۔ ٢- ابلیس نے عجیب وغریب تقریر کی کہ نہی اب ختم ہو چکی ہے جب نہی کی گئی تھی اس وقت اس دانہ کے کھانے پر واقعی قادر نہ تھے کیونکہ نئے نئے جنت میں آئے تھے۔ اب رہتے رہتے مناسبت ہو چکی ہے اس لئے کھانے میں کچھ حرج نہیں اور نہ کھانے میں نقصان ہے کیونکہ اس کے بغیر جنت میں خلود نہیں ہو سکتا پھر آدم علیہ السلام نے ابلیس کو یا تو پہچانا نہیں کیونکہ شکل بدل کر آیا تھا یا وسوسہ کی صورت تھی یا پہچان تو لیا لیکن اس اصول پر عمل فرمایا نظر الی ما قال ولاتنظر الی من قال۔ ٣- ابلیس نے چونکہ بات یوں شروع کی تھی کہ اب آپ کی اپنی بیوی سے جدائی ہونے والی ہے کیونکہ اس دانہ کے بغیر یہاں ہمیشہ رہ نہیں سکتے جب نکلیں گے تو الگ الگ ہو جائیں گے اس جدائی کا صدمہ ایسا ہوا کہ زیادہ غور نہ فرما سکے اور ابلیس کی باتوں میں آ گئے۔ ٤- چونکہ ابلیس نے آتے ہی چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا تھا آدم علیہ السلام نرم دل والے تھے اس کے رونے سے گھبرا گئے اور زیادہ غور نہ فرما سکے اور اس کی باتوں میں آ کر دانہ کھا لیا۔ ٥- ابلیس نے چونکہ قسم کھائی تھی اور آدم علیہ السلام کے ذہن میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی شخص جھوٹ بول ہی نہیں سکتا اس لئے اس کی باتوں میں آ گئے اور دانہ کھا لیا۔

باب خلق آدم و ذرية

اس باب کی غرض آدم علیہ السلام کے حالات کا بیان ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حالات میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے حالات ذکر فرمائے کیونکہ وہ اول الرسل اور اول الانبیاء ہیں۔ یہی قول اصح بلکہ یہی صحیح ہے اس کے خلاف صحیح ہی نہیں ہے اور آیت مبارکہ میں جو وارد ہے **انی جاعل فی الارض خلیفة** تو اس میں خلیفہ کے مصداق حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام زمین تک پہنچانے میں اور جاری کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں۔ سوال۔ حدیث شفاعۃ میں مرفوعاً حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وہ اول الرسل ہیں جواب نوح علیہ السلام کو اول الرسل فرمانے کے معنی ہیں اول الرسل الی الکفار گویا یہ اولیت اضافی ہے اور آدم علیہ السلام کا اول الرسل ہونا حقیقی ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی

ہے کہ بخاری شریف میں آگے آئے گا کتاب التوحید میں باب قولہ تعالیٰ وجوہ یومئذ ناظرة الی ربها ناظرہ میں نوح علیہ السلام کے متعلق اول نبی بعثہ اللہ فی الارض۔ اس روایت میں بالا جماع یہی توجیہ ہے اول نبی بعثہ اللہ فی الارض الی الکفار ایسے ہی اول الرسل الی الکفار ہے پس معتزلہ کا آدم علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرنا تمہید کتاب میں ابوالشکور السالمی کی تصریح کے مطابق یہ انکار معتزلہ کا کفر ہے۔ معتزلہ کی دلیل ایک یہ ذکر کی جاتی ہے کہ اولاد سے پہلے رسالت کی ضرورت نہ تھی جواب۔ آدم علیہ السلام کو شریعت دی گئی تھی تاکہ وہ خود عمل فرمادیں اور حضرت حوا عمل فرما دیں۔ معتزلہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نعوذ باللہ ان سے عصیان صادر ہوئی اور عاصی اسوہ حسنہ نہیں بن سکتا۔ جواب یہ خطا تھی گناہ نہ تھا۔ لفظ عاصی آدم علیہ السلام پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے جیسے ایک مرتبہ کچھ سی لینے والے کو خیاط نہیں کہا جاتا اسی طرح ایک دفعہ غلطی ہو جانے سے نعوذ باللہ نہ عاصی کہہ سکتے ہیں نہ فاسق کہہ سکتے ہیں۔

خلق اللہ آدم وطولہ ستون ذراعاً

اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا قد آدم علیہ السلام کا عمر بھر میں ہونا تھا وہ شروع میں ہی بنادیا گیا تھا ان کی اولاد کی طرح نہ تھا کہ پہلے چھوٹا قد ہو پھر آہستہ آہستہ بڑا ہو۔

ان اول زمرة یدخلون الجنة علی صورة القمر لیلة البدر

یہ انبیاء علیہم السلام کی پاک جماعت کا حال ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یا اللہ ان پاک ہستیوں کے طفیل ہماری بخشش بھی بلا عذاب فرمادے آمین یا رب العالمین۔ **ثم الذین یلونھم علی اشد کوکب دری:** یہ اولیاء اللہ کا حال ہے یا اللہ بلا استحقاق محض اپنے فضل سے ہمیں بھی ان میں داخل فرمادے۔ آمین یارب العالمین۔ **ستون ذراعاً فی السماء** یہاں بمعنی العلو الطول ہے۔ ان کے قد اتنے بڑے ہونگے۔ کبثہ:۔ یہ لفظ اس حدیث پاک سے کچھ پہلے ہے اس کے معنی ہیں قلبۃ میں نے الٹا

کیا۔ **انه علی رجعه لقادر النطفة فی الاحلیل:** یہ ایک تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نطفہ کو واپس احلیل میں داخل فرمانے پر بھی قادر ہیں گو اس کا وقوع نہیں ہوا کرتا صرف بیان قدرت ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعثت پر قادر ہیں اور اس کا وقوع ہوگا۔ **لولا بنواسرائیل لم یخنز اللحم:** وادی تیہ میں بنی اسرائیل نے ایک دن سے زائد من وسلویٰ رکھنا شروع کردیا تو وہ بدبو دار ہونا شروع ہوگیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو گوشت خراب نہ ہوا کرتا۔ **ولولا حواء لم یخن انثیٰ زوجها** یعنی حضرت حواء نے مشورہ دیا تھا حضرت آدم علیہ السلام کو دانہ کھانے کا اور وہ سبب بنی تھیں اس اجتہادی خطاء کا اس لئے ان کی اولاد میں بھی عورتیں خاوندوں کی غلطیوں کا سبب بنتی رہتی ہیں۔

باب الارواح جنود مجندة

تین غرضیں ہیں۔ ۱- ارواح کے حالات کا بیان کرنا۔ ۲- یہ ثابت کرنا کہ بنی آدم اور خود آدم علیہ السلام مرکب ہیں روح اور جسد سے۔ ۳- روح جسم پر مقدم ہے پھر اس باب کا ربط انبیاء علیہم السلام کے ابواب کے ساتھ یہ ہے کہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں ہماری روحیں انبیاء علیہم السلام کی ارواح پر عاشق تھیں۔ پھر جنود مجندہ کے معنی یہ ہیں کہ روحوں کی جماعتیں جمع تھیں اور ان میں اچھے اور برے ملے جلے تھے۔

باب قول اللہ عزوجل ولقد ارسلنا نوحاً الی قومه

غرضیں باب سے دو ہیں۔ ۱- حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا بیان۔ ۲- سورہ نوح کی آیات کی تفسیر۔

بتمثال الجنة والنار جنت اور دوزخ کی تصویریں دجال کے ساتھ ہوں گی۔ **ھل تدرون لمن یجمع اللہ الاولین والآخرین:** یہاں من بمعنی ما ہے اور باء سببیہ ہے یعنی لای شئی **فیبصر ھم الناظر:** اس لئے کہ پہاڑ اور ٹیلے ہٹا کر ایک میدان بنا دیا جائے گا۔ **فیقول بعض**

الناس :. شاید اس حدیث شفاعۃ کبریٰ میں بھی بعض الناس کا مصداق امام ابوحنیفہ ہی ہوں کہ بعض الناس کے مشورہ سے لوگ انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں شفاعت کبریٰ کے لئے حاضر ہوں گے۔ **فیقولون یا نوح انت اول الرسل**:. سوال اول الرسل تو آدم علیہ السلام ہیں۔ جواب۔ ۱۔ نوح علیہ السلام ان رسولوں میں سب سے پہلے تھے جو بعثت کے وقت موجود لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ آدم علیہ السلام کی بعثت کے وقت کوئی آدمی آدم علیہ السلام کے سویٰ موجود ہی نہ تھا جس کی طرف ان کو بھیجا جاتا۔ ۲۔ کافروں کی طرف وہ پہلے رسول تھے۔ ۳۔ ان لوگوں کی طرف وہ پہلے رسول تھے جو زمین میں پھیلے ہوئے تھے۔ ۴۔ وہ پہلے رسول تھے جو غیر اولاد کی طرف بھیجے گئے۔ ۵۔ وہ ان رسولوں میں سے پہلے تھے جن کی قوم کفر کی وجہ سے ہلاک کی گئی۔ ۶۔ ھو کاول الرسل کیونکہ وہ آدم ثانی تھے بعد میں صرف ان کی اولاد ہی دنیا میں رہی باقی ہلاک کر دیئے گئے یا ان کی نسل آگے نہ چلی اسی لئے ان کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وجعلنا ذریۃ ھم الباقین۔

باب وان الیاس لمن المرسلین

غرض حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات کا بیان ہے پھر امام بخاری نے دو باب الگ الگ باندھے ہیں ایک حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات کے لئے اور ایک حضرت ادریس علیہ السلام کے حالات کے لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک دونوں الگ الگ ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے ابن عربی اس کے قائل ہوئے کہ دونوں ایک ہی ہیں، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب دو نام قرآن پاک میں الگ الگ مذکور ہیں تو اصل یہی ہے کہ دو شخص الگ الگ ہیں۔ ابن عربی کی ایک دلیل یہ ہے کہ دونوں کے بارے میں زندہ آسمان پر اٹھایا جانا بعض روایات میں منقول ہے یہ علامت ہے کہ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ جواب اس سے دونوں کے حالات کا ایک جیسا ہونا معلوم ہوا ذات کا ایک ہونا لازم نہ آیا۔ دوسری دلیل ابن عربی کی اس باب کی تعلیق ہے ویذکر عن ابن مسعود وابن عباس ان الیاس ھو ادریس جواب۔ ۱۔ یہ تعلیق صیغہ تمریض سے ہے اور یہ تمریض اور مجہول کا صیغہ علامت کمزور ہونے کی ہوتا ہے۔ ۲۔ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ الیاس نام کے ایک شخص حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں جیسے حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔ البتہ جو الیاس علیہ السلام نبی ہیں وہ تو نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور بنی اسرائیل میں سے ہیں۔

باب ذکر ادریس علیہ السلام

غرض حضرت ادریس علیہ السلام کے حالات کا بتلانا ہے پھر بعض نسخوں میں ترجمۃ الباب کے بعد یہ بھی ہے وھو جدابی نوح علیہ السلام اس پر اشکال ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر جو امام بخاری نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد فرمایا یہ علامت ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام بعد کے زمانہ کے ہیں کیونکہ امام بخاری ترتیب وار انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما رہے ہیں اور یہ عبارت چاہتی ہے مقدم ہوں حضرت نوح علیہ السلام پر جواب۔ ۱۔ ترجمۃ الباب کی ترتیب بعض کے قول پر مبنی ہے اور اس عبارت کا ذکر امام بخاری کی اپنی تحقیق ہے۔ ۲۔ حضرت ادریس علیہ السلام بالا جماع مقدم ہیں حضرت نوح علیہ السلام پر اور ابواب کی ترتیب میں امام بخاری نے ابھی مزید غور کرنا تھا لیکن نہ کر سکے۔ **ویقال جد نوح علیھما السلام**:. یہ عبارت بہت کم نسخوں میں ہے پھر جن نسخوں میں ہے تو اس عبارت کی توجیہ یہ ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ والد کے دادا تھے لیکن والد کا دادا خود اس شخص کا بھی دادا کہلاتا ہے مجازاً اس لئے جد نوح علیہما السلام کہہ دیا گیا۔ **ثم ادخلت**:. مفعول محذوف ہے ای ادخلت الجنۃ اور بعض روایات میں یہی مفعول مذکور ہے اور یوں عبارت ہے ثم ادخلت الجنۃ۔

فاذا فیھا جنا بذاللولو واذا ترابھا مسک

اس کے دو معنی کئے گئے۔ ۱۔ سنگریزے موتی تھے یعنی دنیا میں

فرش میں جہاں پتھر استعمال ہوتے ہیں وہاں موتی تھے۔ بجری کی جگہ موتی تھے اور مٹی مشک تھی۔۲۔ موتیوں کے گنبد تھے۔

باب قول اللہ عزوجل والی عاداخاھم ھودا

باب کی دوغرضیں ہیں۔۱۔ حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر مبارک۔ ۲۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر۔ **اذانذر قومہ بالاحقاف**:۔ یہ احقاف ایک وادی کا نام ہے۔ **خاویہ**:۔ گرے ہوئے۔

باب قصة یاجوج و ماجوج

غرض یاجوج ماجوج کے قصہ کا ذکر کرنا ہے اور اس قصہ کے ذکر کرنے سے بھی اصل مقصود حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا ذکر ہے اسی بنا پر یہ باب انبیاء علیہم السلام کے ابواب کے مناسب ہوا۔ پھر امام بخاری کا طرز یہ ظاہر کرتا ہے کہ امام بخاری اس قول کو ترجیح دینا چاہتے ہیں جس میں حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام میں شمار کیا گیا ہے دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وہ نبی نہ تھے ایک نیک بادشاہ تھے۔ اس تقریر سے ان لوگوں کا رد بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ قرآن پاک والے واقعہ میں اسکندر یونانی کا ذکر ہے رد کی تفصیل یہ ہے کہ اسکندر یونانی جو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا یہ تو مشرک تھا اس کو صرف اس لئے اسکندر کہتے تھے کہ اس کی فتوحات بھی اسکندر رومی حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کی طرح بہت تھیں۔ رد کی صورت یہ اختیار فرمائی امام بخاری نے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے پہلے فرمایا کیونکہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا نام راجح قول کی بنا پر عبداللہ تھا۔ دوسرا قول ہے کہ مصعب تھا تیسرا قول ہے کہ اسکندر ہی نام تھا لقب جو ذوالقرنین ہوا اس کی وجہ میں مختلف اقوال ہیں۔۱۔ انہوں نے جب اپنی قوم کو حق کی طرف بلایا تو قوم نے قرن راس یمین پر مارا شہید ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے زندہ کردیا پھر دعوت دی تو قرن یسار فی الراس پر قوم نے مارا پھر شہید ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا اس لئے ذی القرنین علیہ السلام لقب ہو گیا۔۲۔ زمین کے مغرب و مشرق کے انتہاء تک پہنچے گویا زمین کے قرنین تک پہنچے۔۳۔ فارس و روم دنیا کے قرنین تھے دونوں کو فتح فرمایا۔۴۔ ضفیر تین تھیں جس کو اردو میں چوٹی اور پنجابی میں گت کہتے ہیں۔ عربی میں قرن کہتے ہیں۔۵۔ سر پر دو مینڈیاں تھیں یعنی تھوڑے تھوڑے بال بٹے ہوئے تھے۔ ان کو عربی میں ذؤابہ بھی کہتے ہیں اور قرن بھی کہہ دیتے ہیں۔۶۔ ان کے تاج کے دو کنارے تھے۔۷۔ سر مبارک میں قرن اور سینگ کی طرح چھوٹے چھوٹے کنارے تھے۔۸۔ اندھیرا اور روشنی قرنین ہیں دونوں میں سفر فرماتے رہے اس لئے یہ لقب ہوا۔۹۔ ظاہر اور باطن قرنین ہیں دونوں کا علم دیا گیا تھا اس لئے یہ لقب پایا۔

باب و قول اللہ عزوجل ویسئلونک عن ذی القرنین

راجح یہاں پر باب کے بغیر ہے جیسا کہ عینی میں لئے گئے بخاری شریف کے نسخہ میں ہے اور جس نسخہ میں یہاں باب ہے تو یہ باب پہلے باب کا بدل ہے۔ اور اس کے بعد وقول اللہ عزوجل گذشتہ قول اللہ تبارک وتعالیٰ پر معطوف ہے بہر حال یہ باب گذشتہ باب کا تتمہ ہے اور غرض حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے حالات کا بیان ہے۔

فلذلک فتح اسطاع:۔ یعنی اصل میں استطاع تھا پھر تاء کو حذف کر کے اس کا فتحہ ہمزہ کو دے کر ہمزہ کو قطعی بنا دیا گیا۔ اسی بنا پر ایک قرأۃ ہے فما اسطاعوا۔ **والد کداک من الارض مثلہ**:۔ ای مثل مامر یعنی زمین سے ملا ہوا اور زمین کے برابر۔ **وتلبد**:۔ ای لم یرتفع بلند نہ ہوا۔ **حدب اکمة**:۔ یعنی حدب کے معنی ٹیلا ہیں۔ **مثل البرد المحبر**:۔ سیاہ سفید لکیروں والی چادر کی طرح تھی وہ دیوار۔ **قال رأیتہ**:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی تصدیق فرمادی کہ تو نے واقعی وہ دیوار دیکھی ہے۔ وہ ایسی ہی ہے۔ **ویل للعرب من شر قداقترب**:۔ یہ حضرت عثمان کی شہادت

کی طرف اشارہ شمار کیا گیا ہے اسی لئے عرب کی تخصیص ہے مقصد یہ ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت سے فتنے شروع ہو جائیں گے پھر آہستہ آہستہ بڑھتے رہیں گے۔ **مثل ھذا وعقد بیده تسعین**:. تسعین کا اشارہ یوں ہوتا ہے کہ دائیں ہاتھ کی سبابہ (مسبہ) کے کنارے کو انگوٹھے (ابھام) کی جڑ پر رکھ دیا جائے اس طرح مسبہ سے گول دائرہ بن جاتا ہے اس لیے معنی یہ ہو گئے اتنا گول سوراخ بن گیا ہے اس دیوار میں جو یا جوج ماجوج کو بند رکھنے کے لیے حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے بنائی تھی۔ سوال۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے **وعقد وھیب بیده تسعین** اور زیر بحث روایت میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد فرمانا مذکورہ ہے۔ یہ تعارض ہوا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد کے ذریعہ سے اشارہ فرمایا یا راوی نے اشارہ فرمایا۔ جواب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گول دائرہ بنا کر سمجھا دیا کہ دیوار میں سے اتنا سوراخ ہو گیا ہے۔ اسی کو آگے راویوں نے **عقد تسعین** وغیرہ کے ساتھ تعبیر کر کے بیان فرمایا۔ سوال بخاری شریف کی کتاب الفتن میں ابن عیینہ کے بارے میں ہے عقد سفیان تسعین اومائۃ اور مائۃ کا اشارہ بائیں ہاتھ سے خنصر بند کر کے اور باقی چاروں انگلیاں کھول کر ہوتا ہے اور مسلم میں ہے عقد سفیان بیدہ عشرۃ اور عشرہ کا اشارہ یوں ہے کو دائیں ہاتھ کی سبابہ کے ناخن کے کنارے کو انگوٹھے کی اوپر والی لکیر پر رکھ دیا جائے یہ تعارض پایا گیا کہ اشارہ **تسعین** کا تھا یا **مائتہ** کا یا **عشرہ** کا جواب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دائرہ بنا دیا راویوں نے اسی دائرہ کو بیان کرنے کے لئے کبھی تسعین کبھی مائۃ کبھی عشرہ کی صورت بنائی ان سب میں دائرہ بنتا ہے مقصود دائرہ کا ذکر تھا خاص عدد مقصود نہیں تھا۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد
کل الی ذاک الجمال لیشیر

سوال۔ یہ سب حدیثیں اس مرفوع حدیث کے خلاف ہیں **انا امة امیة لانکتب و لانحسب**۔ جواب نفی حساب کی تعیین اور تفصیل کی ہے کہ ہم حساب وغیرہ کی زیادہ تفصیلات سے واقف نہیں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ثابت ہے وہ اجمالی اشارہ دائرہ کا ہے کہ دیوار میں گول سوراخ ہو گیا۔ حساب کی تفصیل بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔ **من کل الف تسعمأته و تسعة و تسعین**:. غرض یہ ہے کہ جہنم میں زیادہ جائیں گے اور جنت میں بہت کم جائیں گے۔ خاص عدد بیان فرمانا مقصود نہیں۔ **فکبرنا**:. حضرات صحابہ کرام کا یہ اللہ اکبر کہنا تعجب اور خوشی کی وجہ سے تھا۔

باب قول الله عزوجل
واتخذ الله ابراهیم خلیلا

ا۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کا بیان ہے۔ پھر خلیل کے معنی میں اقوال مختلف ہیں۔ ۱- **الخلیل مالیس فی محبته خلل**۔ ۲- **الخلیل میں محبته تخلل القلب بحیث لایسعه غیره**۔ ۳- **الخلة حب فیه احتیاج للمحاجات** اسی لئے اللہ تعالیٰ کے سوئی کسی دوسرے کے ساتھ خلہ نہیں ہو سکتی۔ **الرحیم بلسان الحبشة**:۔ یعنی اواہ حبشہ کی زبان میں رحیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور عربی میں متفرع یعنی آہ وزاری کرنے والا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ **انکم محشورون حفاة عراة غرلا**:. لفظ غرل جمع ہے اغرل کی جس کے معنی ہیں ایسا شخص جس کے بدن سے کوئی چیز بھی دور نہ کی گئی ہو حتیٰ کہ ختنہ کی کھال بھی دور نہ کی گئی ہو۔ سوال۔ ابو داؤد میں ہے **عن ابی سعیدانه لماحضره الموت دعا بیثاب جدد فلبسھا ثم قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان ا لمیت یبعث فی ثیابه التی یموت فیھا** اور زیر بحث روایت میں بغیر کپڑوں کے حشر مذکور ہے یہ تو تعارض ہے۔ جواب ا- قبر سے کپڑوں کے ساتھ اٹھیں گے حشر میں کپڑے نہ ہوں گے۔ ۲- کپڑے شہداء کے ہوں گے باقیوں کے نہ ہوں گے۔ ۳- مومنین کا حشر کپڑوں کے ساتھ اور کفار کا بغیر کپڑوں کے ہوگا۔ **واول من**

یکسی یوم القیامة ابراهیم:. ایسا کیوں ہوگا اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ ا- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کو کپڑے پہنائے تھے اس لئے اس کے بدلہ میں قیامت میں آپ کو سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ ۲- حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چونکہ کپڑے اتار کر دنیا میں کافروں نے آگ میں ڈالا تھا اس تکلیف کے بدلہ میں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں آئی تھی یہ بدلہ دیا جائے گا کہ آپ کو سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ ۳- چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے زیادہ پردہ کی نیت سے سلوار پہنی تھی اس نیکی کا بدلہ پہلے کپڑے پہننے کی صورت میں قیامت کے دن دیا جائے گا۔ پھر ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے اول من یکسی ابراهيم حلة من الجنة اس سے وضاحت ہوگئی کہ یہ اولیت مطلقاً کپڑے پہننے کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ جنت کے کپڑے پہننے کے لحاظ سے ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی رحمت سے امید یہی ہے کہ سب مومن کپڑوں کے ساتھ ہی قبروں سے اٹھیں گے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ **فيقال انهم لم يزالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم**:. سوال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا مرتد ہونا کیسے مخفی رہ گیا۔ جواب موحدین کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ مرتدین کے اعمال نہیں پیش کئے جاتے پھر ان مرتدین کے مصداق میں توجیہات متعدد ہیں۔ ا- جو اسلام سے مرتد ہوئے **نعوذ بالله من ذلک**. ۲- اعمال صالحہ چھوڑنے والے مراد ہیں۔ ۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جو مرتد ہوئے صرف وہی مراد نہیں ہیں بلکہ قیامت تک مختلف زمانوں میں مرتد ہونے والے مراد ہیں۔ سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمائیں گے اصحابی اصحابی جیسا کہ اسی زیر بحث روایت میں صراحۃً مذکور ہے اس سے اس تیسری توجیہ کی نفی ہوتی ہے کہ قیامت تک کے مرتدین مراد ہیں۔

جواب۔ بعد کے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علامتوں سے پہچان لیں گے کیونکہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ اس امت کے عصاۃ اور گنہگاروں کو بھی پہلی امتوں کے گنہگاروں سے پہچانا جاسکے گا جیسا کہ اس امت کے صالحین کو پہلی امتوں کے صالحین سے علامات کے ذریعہ قیامت میں پہچانا جاسکے گا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچان لینے پر کچھ اشکال نہیں ہے۔ سوال۔ تیسری توجیہ پر یہ اشکال بھی ہے کہ اگر قیامت تک آنے والے مرتدین مراد ہوں تو ان کو اصحابی اصحابی فرمانا مناسب نہیں ہے۔ جواب۔ یہ اصحابی فرمانا ایسا ہی ہے جیسے امام ابوحنیفہ کے مقلدین کو اصحاب ابی حنیفہ کہہ دیا جاتا ہے اگرچہ بہت بعد کے زمانہ میں ہوں۔ پھر کس قسم کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد یا بعد کے زمانوں میں مرتد ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے لوگ چند قسم کے ہوئے ہیں۔ ا- موٹی عقل کے بے سمجھ دیہاتی جو اپنی عافیت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ۲- منافقین۔ ۳- نومسلم مولفة القلوب جو ابھی تردد میں ہوتے ہیں کہ مضبوطی سے اسلام قبول کریں یا نہ کریں۔ ۴- گنہگار لالچ میں آ کر اپنی آخرت برباد کر لینے والے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذرا سا سمجھدار بھی دین کو کچھ نہ کچھ سمجھ لینے کے بعد اس سچے دین کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ **قترة**:. اس کے معنی ہیں سیاہی۔ **فاذا هو بذيخ ملتطخ**:. ذیخ کے معنی ہیں ضبع کثیر الشعر اور ضبع کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ا- بجو ہے جو مردے کھاتا ہے۔ ۲- گفتار اور ہنڈار ہے بجو نہیں ہے۔ یہ ہنڈار بکری جیسا ہوتا ہے نہروں کے کنارے پر ہوتا مردے نہیں کھاتا۔ ۳- بجو اور ہنڈار اور گفتار ایک ہی ہے اور یہی ضبع کا مصداق ہے۔ ان تین قولوں میں سے ہے ہمارے استاد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے پھر اس حدیث پاک میں جو ملتطخ کا لفظ ہے اس کی صورت میں چار قول ہیں۔ ا- گوبر لید سے بھرا ہوا۔ ۲- کیچڑ سے بھرا ہوا۔ ۳- خون سے بھرا ہوا۔ ۴- انسانی پاخانہ

سے بھرا ہوا۔ حاکم کی روایت میں ہے **عن ابی هريره فيمسخ الله اباه صنبعاً** اور ابن منذر کی روایت میں ہے **فاذاراٰه كذلك تبرا منه**۔ صورت بدلنے سے قرابت کا پہچاننا ختم ہو گیا اس سے ندامت بھی ختم ہو گئی جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح** اور ایک روایت میں یوں بھی ہے **يوجد بحجرة ابراهيم عليه الصلوٰة والسلام فانتزع منه ابراهيم عليه السلام**۔ **قال اتقاهم**:۔ یعنی زیادہ عزت والا لوگوں میں سے وہ ہے جو عمل میں بڑھ کر ہو۔ **قال فيوسف نبي الله**:۔ یعنی اگر تم اکرم الناس نسباً پوچھنا چاہتے ہو جمیع ازمنہ کے لحاظ سے تو یوسف علیہ السلام اور ان کے نسب کی تین پشتیں ہیں کہ مسلسل چار پشتیں نبوت کی ہیں۔ **قال فعن معاون العرب تسالون**:۔ اس زمانہ میں نسب میں سب سے اونچا کون ہے اگر یہ پوچھنا چاہتے ہو جواب یہ ہے کہ جس نسب کو لوگ اشرف سمجھتے ہیں اس کا شریعت میں لحاظ ہے لیکن دارومدار علم پر ہے یعنی عرفی شرافت نسبی ہی معتبر ہے جبکہ اسلام اور علم بھی ساتھ ہو۔ پھر نسب کو معاون سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ جیسے سونے چاندی سے مختلف قسم کی اور مختلف شکل کی چیزیں بن سکتی ہیں ایسے ہی نسب بھی مختلف فضائل علمیہ اور عملیہ قبول کر لیتا ہے۔ **بين عينيه مكتوب كافر**:۔ صحیح یہی ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اور یہ ہر مومن کے لئے حسی علامت ہو گی اس کے دجال ہونے کا مومن خواہ پڑھا لکھا ہو یا نہ ہو یہ علامت پہچان لے گا۔ **فانظر واالي صاحبكم**:۔ یعنی صورت اور حلیہ کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں ابراہیم علیہ السلام کے بہت مشابہ ہوں۔ **محظوم بخلبة**:۔ موسیٰ علیہ السلام کے اونٹ کی لگام جب میں نے دیکھا تو کھجور کے چھلکے کی تھی۔ تفصیل پیچھے کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔ **بالقدوم**:۔ اس لفظ کو اگر دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے تو دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ١- بڑھئی یعنی لکڑی کا کام کرنے والے کا آلہ جسے تیسہ کہتے ہیں۔ ٢- شام میں ایک جگہ کا نام ہے اور اگر اس لفظ کو دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر ایک ہی معنی ہوں گے یعنی شام میں ایک جگہ کا نام **لم يكذب ابراهيم عليه السلام الاثلث كذبات**:۔ سوال یہ تو توریہ وغیرہ کی صورتیں تھیں جیسا کہ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے پھر ان کو کذبات کیوں فرمایا۔ جواب۔ مراد یہ ہے کہ کذب کے مشابہ صورتیں تھیں۔ ٢- فہم مخاطب کے لحاظ سے کذب تھیں اگرچہ نیست متکلم کے لحاظ سے کذب نہ تھیں اسی لئے شدید ضرورت میں اور خوش طبعی میں جبکہ مخاطب کو ایذاء نہ پہنچے ایسی صورتوں کا استعمال جائز ہے۔ **ثنتين منهن في ذات الله عزوجل**:۔ سوال۔ ایک روایت میں ہے **كلهن في ذات الله تعالىٰ** یہ تو تعارض ہوا۔ جواب۔ تیسری صورت جس میں بیوی کو بہن فرمایا۔ اس میں اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہی تھی لیکن ساتھ ساتھ نفس کا نفع بھی تھا اس لئے ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل مقصد کا لحاظ فرمایا تینوں کو ذات اللہ تعالیٰ میں قرار دیا اور دوسرے موقعہ پر نفس کے نفع کے غلط کا لحاظ فرماتے ہوئے صرف پہلی دو کو فی ذات اللہ عزوجل قرار دیا۔ **انما اتيتموني بشيطان**:۔ کیونکہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ شیاطین ہی عادت کے خلاف کام کیا کرتے ہیں۔ **وهو قائم يصلي**:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کونسی نماز پڑھ رہے تھے دو احتمال ہیں۔ ١- صلوۃ الحاجۃ کہ دشمن سے نجات مل جائے۔ ٢- صلوٰۃ شکر کہ پتہ چل گیا تھا کہ حضرت سارہ واپس آ رہی ہیں۔ **مهيا**:۔ یہاں تین نسخے ہیں۔ ١- مھیا ٢- مھین ۔٣- مھیم تینوں کے معنی ہیں ماحالک و ماشانک اور کہا جاتا ہے کہ اس کلمہ کا تلفظ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے ہی فرمایا تھا۔ **واخدم هاجر**:۔ یعنی بطور تعظیم کے حضرت سارہ کو حضرت ھاجرہ بطور خادم دیں پھر حضرت ھاجرہ کے نسب میں دو روایتیں ہیں۔ ١- حضرت ھاجرہ کے والد قبط کے بادشاہوں میں سے تھے اور ان

کی حکومت مصر کے علاقہ میں ایک شہر پر تھی جسکو حفصن کہتے تھے یہ بادشاہ جس نے حضرت سارہ کو تحفہ دیا اس نے اس بادشاہ پر حملہ کیا اور غالب آ کر اس کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی حضرت ہاجرہ کو قیدی بنا لیا پھر حضرت سارہ کو دے دیا اور حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے دیں۔۲۔بعض روایات سے یوں ثابت ہو رہا ہے کہ اس بادشاہ نے جس کے ساتھ حضرت سارہ والا قصہ پیش آیا اس نے اپنی ہی بیٹی حضرت ھاجرہ کا نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا اور لفظ خادم بنانے کا تواضعاً ذکر کیا کہ میں اپنی بیٹی ھاجرہ آپ کی خادمہ بناتا ہوں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دیتا ہوں۔اسی دوسری صورت کو حضرت انورشاہ صاحب نے ترجیح دی ہے۔**یا بنی ماء السماء**:. اہل عرب کو بنی ماء السماء کہتے ہیں کیونکہ ان کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پرورش ماء السماء یعنی آب زمزم سے ہوئی تھی۔اسی بنا پر حضرت ابوہریرہ کا قول اس روایت میں منقول ہے۔**فتلک امکم یا بنی ماء السماء**

باب یزفون النسلان فی المشی

یہاں راجح یہ ہے کہ باب بلاترجمہ ہے اور یہ باب گذشتہ باب کا تتمہ ہے اور گذشتہ باب کی طرح اس میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات ہی ہیں اور اس نسخہ کو اگر لیا جائے جس میں باب کے ساتھ ترجمہ بھی ہے تو مقصد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے حالات کا تتمہ بھی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جو یہ آیت آتی ہے **فاقبلو الیه یزفون** اس کی تفسیر بھی مقصود ہے۔پھر نسلان فی المشی کے معنی ہیں چلنے میں جلدی کرنا۔**فقال ماهکذا**:. کسی نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا تھا کہ کیا یہ واقعہ صحیح ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ایک دفعہ حضرت سارہ کے پاس قسم کھا کر آئے تھے کہ میں مکہ جا رہا ہوں لیکن وہاں سواری سے اتروں گا نہیں تو مکہ آ کر سوار ہی رہے اور مقام ابراہیم علیہ السلام پر پاؤں رکھا اترے نہیں اور واپس آ گئے تو سعید بن جبیر نے فرمایا ماهکذا کہ ایسے ثابت نہیں ہے پھر حدیث سے مختصر حدیث سنائی۔**شنة**:. خشک اور پرانا مشکیزہ۔**لم یرفعه**:. موقوفاً نقل فرمایا مرفوعاً نقل نہ فرمایا۔**اتخذت منطقاً لتعفی اثرها علی سارة**:. سب سے پہلے حضرت ھاجرہ نے ازار بند باندھا اور ازار کو باندھ کر ازار کو نیچے زیادہ لٹکا دیا تاکہ پاؤں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ کو پتہ نہ چلے کہ حضرت ھاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئی ہیں یا نہ۔**عند دوحة فوق زمزم**:. ایک بڑے درخت کے پاس جو زمزم کی جگہ کے پاس اونچائی کی جانب تھا۔**ورفع یدیه**:. معلوم ہوا کہ دعا کے وقت استقبال قبلہ اور رفع یدین انبیاء علیہم السلام کی سنن میں سے ہے۔**یتلویٰ اوقال یتلبط**:. یہ شک راوی ہے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یضطرب۔**ان کان عندک غواث**:. غواث کے معنی امداد کے ہیں جزاء محذوف ہے فاغثنی اور غواث کی غین پر تینوں حرکتیں صحیح ہیں۔**فقال لها الملک**:. اس سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کی گفتگو غیر نبی سے بھی ہو سکتی ہے جیسے حضرت مریم کے ساتھ فرشتے کی گفتگو قرآن پاک میں مذکور ہے۔**فکانت کذلک**:. یعنی حضرت ھاجرہ کو ماء زمزم کھانے اور پینے دونوں سے کافی ہوتا رہا۔**فرأوا طائرا عائفا**:. معنی عائف کے ہیں وہ پرندہ جو پانی پر گھومتا ہے اور وہ مرد جو پانی والی زمین پہچانتا ہو۔**جریا**:. اس کے معنی رسول کے ہیں کیونکہ یہ اپنے مرسل کی جگہ جاری ہوتا ہے اور اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔**فالفیٰ ذلک ام اسماعیل وهی تحب الانس**:. پس پایا اس اجازت مانگنے نے ام اسماعیل علیہ السلام کو کہ وہ مانوس ہونا چاہتی تھیں۔**ینشغ لموت**:. تیز سانس نکال رہا تھا نشغ کے معنی شہیق کے ہیں وہ سانس جو باہر نکالا جاتا ہے۔**فقال بعقبه**:. اشارہ کیا اپنی ایڑھی سے۔**فانبثق**:. زمین پھاڑ کر پانی نکالا۔**اربعون سنة**:. بعض آثار سے ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام نے پہلے بیت اللہ بنایا پھر بیت المقدس بنایا۔ذکر ابن

هشام فی کتابه التیجان ان آدم لما بنی البیت امره جبریل علیه السلام بالمسیرالی بیت المقدس وان یبنیه فبناه اور زیر بحث حدیث سے معلوم ہوا کہ فاصلہ چالیس سال کا تھادونوں کی تعمیر کے درمیان پس یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا کعبہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنابیت المقدس مرادنہیں ہے کیونکہ ان دونوں حضرات کے درمیان تو فاصلہ ایک ہزارسال سے بھی زائد کا ہے۔**فان الفضل فیه**: فضیلت اسی میں ہے کہ نماز بروقت پڑھی جائے۔**کما صلیت علی اٰل ابراهیم**: اس میں تشبیہ ہے خصوصی عنایات میں اورتشبیہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہی ہو جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **مثل نوره کمشکوة فیها مصباح**۔ پھر خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر مبارک کی مختلف ترجیہات ہیں۔ مثلاً ١-ابراہیم علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعاء فرمائی تھی **ربنا وابعث فیهم رسولا منهم**۔٢-**واجعل لی لسان صدق فی الآخرین** یہ دعاء ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور آخرین کا مصداق یہ امت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اوراس امت میں نمازوالے درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اچھاذکر باقی رکھا۔٣-قرآن پاک میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کوخطاب کر کے یہ کہا تھا رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت انہ حمید مجید اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوئی کسی نبی کے لئے ثابت نہیں ہے کہ ان کے گھر والوں کے لئے قرآن پاک میں رحمت اور برکت جمع ہونے کا ذکر ہواس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل کا ذکر درودشریف میں کیا جاتا ہے۔**من کل شیطان و هامة**: یہ لفظ ھامۃ ہرزہریلے جانور پر بولا جاتا ہے۔

باب قول الله عزوجل و نبئهم عن ضیف ابراهیم

غرض ابراہیم علیہ السلام کے بعض حالات کی تفصیل ہے۔

نحن احق بالشک من ابراهیم: اس ارشاد کی مختلف توجیہات ہیں۔١-یہ توجیہ تمہید کے بعد واضح ہوگی وہ تمہید یہ ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں ایک علم الیقین سننے سے اور دلائل سے یقین کا درجہ حاصل ہو جائے جس کو شنیدہ بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرادرجہ جواس سے اونچا ہے وہ یہ ہے کہ دیکھ کر کسی چیز کا یقین ہو جائے اس کو دیدہ بھی کہا جاتا ہے اور تیسرادرجہ جواس سے بھی اونچا ہے کہ خودانسان پر حالت طاری ہواور وہ خود چکھ لے جیسے حضرت عزیرعلیہ السلام پر موت آئی پھر دوبارہ زندہ کئے گئے اس کو چشیدہ بھی کہتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کو علم الیقین حاصل تھا وہ اس سے ترقی کر کے عین الیقین حاصل کرنا چاہتے تھے یہ تو ایمان اور یقین میں ترقی تھی صرف صورت شک کی تھی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمار ہے ہیں کہ ہم زیادہ حقدار ہیں کہ ہمیں یہ صورت شک کی ملے یعنی یقین میں ترقی ملے لیس الخبر کالمعاینہ۔٢-ہمیں ایسے معاینہ کا زیادہ شوق ہے یعنی سبب ذکر کے مسبب مراد ہے۔٣-نحن سے مراد سب انبیاء علیہم السلام ہیں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے اور معنی یہ ہیں کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کو شک ہوتا تو ہم سب کو ہوتا جب ہم سب کو شک نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی نہیں ہے۔٤-حضرت ابراہیم علیہ اسلام کا سوال ان کی امت دعوت کے انکار قیامت پر مبنی تھا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ میری امت دعوت کا انکار ان کی امت دعوت سے زیادہ شدید ہے اس لئے ہم اس سوال کے زیادہ مستحق ہیں۔٥-حق تعالیٰ نے جو ابراہیم علیہ السلام سے سوال کرایا تھا تو مقصود یہ تھا کہ لوگ دیکھ لیں کہ میرے نبی کی دعا کیسے قبول ہوتی ہے اور یہ دیکھ کر ایمان لے آئیں اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ میں زیادہ حق دار ہوں کہ لوگ دیکھیں کہ میری دعا قبول ہوتی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں اور ایمان لے آئیں۔**یرحم الله لوطاً لقد کان یاوی الی رکن شدید**: یعنی قوی خاندان کی

تمنا کرنا حضرت لوط علیہ السلام کے اونچے مرتبہ کو دیکھتے ہوئے خلاف اولیٰ تھا۔**ولولبثت فی السجن طول مالبث یوسف لاجبت الداعی**:. اس ارشاد کی مختلف توجیہات ہیں۔ا۔صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت بیان فرمانی مقصود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اپنے بارے میں کچھ بیان فرمانا نہیں ہے یعنی کوئی اور ہوتا تو جلدی قید خانہ سے نکل آتا یوسف علیہ السلام نے نکلنے میں جلدی نہ مچائی بلکہ دینی مصلحت کی خاطر کچھ اور رہنا گوارا فرمالیا۔۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بطور تواضع فرمارہے ہیں کہ میں تو کمزور ہوں شاید ایسے موقعہ میں مزید صبر نہ کرسکتا۔ یہ صرف تواضع ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے اور تواضع سے بڑے کی عظمت کم نہیں ہوتی۔۳۔ یہاں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ کا شوق ذکر فرمارہے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ نے تبلیغ کا اتنا شوق عطا فرمایا ہے کہ ایسے موقعہ میں میں جلدی قید خانہ سے باہر آتا اور تبلیغ میں مشغول ہوجاتا۔

باب قول اللہ عزوجل و اذکر فی الکتاب اسمٰعیل

غرض حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور ان کی مدح ہے وعدہ میں سچا ہونے کے لحاظ سے۔

باب قصة اسحاق بن ابراهیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض حضرت اسحاق علیہ السلام کا ہے اور چونکہ امام بخاری کو اس سلسلہ میں اپنی شرط پر حدیث نہیں ملی اس لئے کوئی مسند حدیث اس باب میں نہیں لائے۔

باب قوله تعالیٰ ام کنتم شهدا اذحضر یعقوب الموت

غرض حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر ہے اور اس آیت کی تفسیر ہے۔

باب ولوطا اذقال لقومه اتاتون الفاحشة

غرض لوط علیہ السلام کا ذکر ہے انہوں نے کیسے اپنی قوم کے عذاب سے نجات پائی۔**یغفراللہ للوط ان کان لیاوی الی رکن شدید**:. اس پاک ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ قبیلہ کے قوی ہونے کی تمنا حضرت لوط علیہ السلام کی اونچی شان کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھی پھر خلاف اولیٰ ہونے کی دو توجیہیں ہیں۔ا۔چونکہ فرشتے نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے اس لئے حضرت لوط علیہ السلام بہت زیادہ گھبرا گئے کہ اب تو قوم کے لوگ ان سے برا کام کریں گے اس گھبراہٹ میں یہ الفاظ نکل گئے کہ میرا قبیلہ قوی ہوتا تو آج میری امداد کرتا۔۲۔دل میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے لیکن مہمانوں کے سامنے یہی عذر پیش فرمایا کہ میں معذور ہوں میرا قبیلہ ایسا نہیں کہ آپ حضرات کو برے کام سے بچاسکے۔

باب قوله تعالیٰ فلما جاء اٰل لوط المرسلون

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ **انکرهم ونکرهم واستنکرهم واحد**:. یعنی ان تینوں لفظوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

باب قول اللہ عزوجل والیٰ ثمود اخاهم صالحا

غرض ان آیات کی تفسیر ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے۔**اماحرث حجر حرام**:. یعنی اس آیت میں حجر جگہ کا نام نہیں ہے بلکہ حرام کے معنی میں ہے۔ **انتدب لها رجل**:. اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے قوم کی بات کو ایک شخص نے مان لیا۔ **کابی زمعة**:. اونٹنی کے قاتل کو قوم میں عزت اور قوۃ مانعہ کے لحاظ سے ابوزمعہ کے سات تشبیہ دی یہ ابوزمعہ جاہلیت میں فوت ہوا تھا اس کا نام اسود بن المطلب تھا۔ **امر هم ان یطرحوا ذلک العجین**:. تاکہ معذب لوگوں کی جگہ کا پانی قساوت قلبی کا سبب نہ بنے اسی لئے اس پانی سے گوندھے ہوئے آٹے کو بھی گرانے کا حکم دیا۔

باب قوله تعالیٰ ام كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت

غرض اس آیت کی تفسیر ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر ہے۔**الكريم ابن الكريم**:. کرم کے معنی ہیں کثرت خیر دینا اور آخرت میں۔

باب قول الله عزوجل لقد كان في يوسف و اخوته ايات للسائلين

غرض ان آیات کی تفسیر اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے اور آیات سے مراد یہ ہے کہ ان کے صبر اور امتحان میں بہت نشانیاں ہیں۔ **عليها حمسىٰ بنا فض**:. بخار سردی سے **بحمدالله لا بحمد احد**:. یہ بطور ادلال اور ناز کے عرض کیا ورنہ ظاہر ہے کہ اتنا اونچا مقام کہ تہمت دور کرنے کے لئے بہت سی آیات کا قرآن پاک میں اترنا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہونے ہی کی وجہ سے تو تھا۔**قالت هم اتباع الرسل**:. کہ انبیاء علیہم السلام کو گمان ہوا کہ عذاب کی تاخیر سے شاید مومنین مرتد ہو جائیں نعوذ باللہ اور تخفیف والی قرأت کے معنی ہی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو وسوسہ ہوا کہ شاید ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے یہ وسوسہ شیطان کا کام ہوتا ہے اس لئے اس میں ذرہ برابر گناہ بھی نہیں ہوتا۔

باب قول الله عزوجل و ايوب اذنادىٰ ربه

غرض حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر اور نداء کا ذکر کرنا ہے۔

باب و اذكر في الكتاب موسىٰ

غرض موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے۔

باب قول الله عزوجل وهل اتاك حديث موسىٰ

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔ **ويقال مغيثا او معينا**:. یعنی یہ الفاظ رذءا کی تفسیر میں کہے جاتے ہیں۔ **تمتمة**:. تاء کے ادا کرنے میں تردد ہو۔**فأفأة**:. فاء کے ادا کرنے میں تردد ہو۔ **الامثل**:. اس کے معنی ہیں مستقیم۔ **يقول بدينكم**:. یہ طریقتکم کے معنی ہیں اس آیت میں **ويذهبا بطريقتكم المثلى** یہ دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام چاہتے ہیں کہ تمہارا مستقیم دین ختم کر دیں۔**يعني المصلىٰ**:. جمع ہونے کی جگہ۔

باب وقال رجل مومن من ال فرعون

غرض مومن ال فرعون کا ذکر ہے پھر کوئی حدیث اس مضمون کی اپنی شرط پر نہ پائی اس لئے آیت پر اکتفاء فرمایا۔

باب قول الله عزوجل وهل اتاك حديث موسىٰ و كلم الله موسىٰ تكليما

غرض ان آیتوں کی تفسیر ہے۔ **ضرب**:. پتلے بدن والا۔ **ربعة**:. درمیانے قد والا نہ بہت لمبا نہ بہت چھوٹا۔ پھر ربعۃ مونث کا صیغہ بتاویل نفس ہے۔ **كانما خرج من ديماس**:. عیسیٰ علیہ السلام ایسے صاف ستھرے ہیں گویا کہ ابھی حمام سے نکلے ہیں۔ **فاخذت اللبن فشربته فقيل اخذت الفطرت**:. اس عبارت کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱- گویا اہل اسلام کی تربیت علم دین سے ایسی ہی ہوگی جیسے بچے کی دودھ سے ہوتی ہے۔ ۲- جیسے بدن کے لئے غذا دودھ سے بہتر نہیں ایسے ہی روح کے لئے کوئی غذا اسلام اور علم اسلام سے بہتر نہیں۔ پھر امت تابع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت کو اختیار فرمایا تو گویا پوری امت نے فطرت کو اختیار فرما لیا۔ **لا ينبغي لعبد ان يقول انا خير من يونس بن متي**:. اس ارشاد کی مختلف توجیہات ہیں۔ ۱- یہ ارشاد تواضعاً ہے کہ میں تو اپنی ذات میں اس قابل نہیں ہوں کہ حضرت یونس علیہ السلام سے اپنے آپ کو بہتر کہہ سکوں اللہ تعالیٰ کچھ دے دیں تو عطا ہے میرا کمال نہیں ہے۔ اس تقریر سے اس حدیث پاک کا تعارض دوسری حدیث پاک سے نہ رہا جس میں یوں آیا ہے انا سید ولد آدم۔ ۲- مقصد صرف یہ ہے کہ ایک آیت کی وجہ سے کسی کو حضرت یونس علیہ السلام

سے بدگمانی نہ کرنی چاہئے کہ نعوذ باللہ ان کا مرتبہ بہت کم ہو گیا بلکہ مجھے بھی مناسب نہیں ہے کہ میں بطور فخر کے کہوں کہ میرا مرتبہ ان سے اونچا ہے وہ آیت یہ ہے **ولا تکن کصاحب الحوت**۔ ۳- مجھے ہر لحاظ سے یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہو کہ ان کے لئے کوئی بھی جزئی فضیلت باقی نہ رہے کیونکہ ہر نبی کی کوئی نہ کوئی جزئی فضیلت ہوتی ہے۔ ۴- ایسے طریقہ سے میری تعریف کہ کسی نبی کی توہین ہو کفر ہے۔ ۵- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہ دیا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے سردار ہیں۔ ۶- کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام سے افضل سمجھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے سوئی کوئی بھی نبی نہیں ہے اور مراد بھی ان تینوں کے سوئی کا حکم بیان کرنا ہی ہے کہ ان تینوں کے سوئی کوئی بندہ اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام سے افضل نہ سمجھے کیونکہ غیر نبی کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا۔

باب قول اللہ عزوجل وواعدنا موسی ثلثین لیلة

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔ پھر اس آیت مبارکہ میں جو وارد ہے لن ترانی اور یہ وارد نہ ہوا انی اری تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں رویۃ ہو سکتی ہے۔ دنیا میں کوئی انسان نہیں دیکھ سکتا اور اخیر میں جو یہ وارد ہے **وانا اول المومنین** اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ میں پہلا مومن ہوں اس عقیدہ کے لئے کہ دنیا میں زیارت نہیں ہو سکتی۔

باب طوفان من السیل

غرض یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن پاک میں جو وارد ہے **فارسلنا علیهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم ایات مفصلات** تو اس آیت مبارکہ میں طوفان وغیرہ کا مصداق کیا ہے۔ **القمل الحمنان یشبه صغار الحلم**:۔ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں جو قمل کا لفظ آیا ہے اس سے مراد بڑی بڑی جوئیں ہیں جو چیچڑیوں جیسی تھیں قمل چیچڑی کو کہتے ہیں حمنان چھوٹی جوں کو کہتے ہیں اور حلم جمع ہے حلمة کی بڑی چیچڑی کو کہتے ہیں۔

باب حدیث الخضر مع موسیٰ علیهما السلام

یہاں باب کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱- باب بطور وقف اور یہ باب بلا ترجمہ شمار کیا گیا ہے اس صورت میں یہ تتمہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا اور مابعد الگ جملہ ہے ہذا حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام۔ ۲- باب کی اضافت ہے حدیث کی طرف اس صورت میں دونوں حضرات کا قصہ بیان فرمانا مقصود ہے۔ **حضرت خضر علیہ السلام کا درجہ**:۔ تین اہم قول ہیں۔ ۱- نبی تھے یہی جمہور کے نزدیک راجح ہے ۲- اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ۳- فرشتہ ہیں۔ **ان کے نام کے بارے میں اقوال**:۔ ۱- بلیا ۲- الیسع ۳- ایلیا ۴- ارمیا۔ ۵- خضرون ۶- معمر۔ **حضرت خضر علیہ السلام کے نسب میں اقوال**:۔ ۱- **فی الدار قطنی عن ابن عباس موقوفاً الخضر بن آدم لصلبه ونسیء له فی اجله حتیٰ یکذب الدجال**۔ ۲- **هو ابن قابیل بن آدم**۔ ۳ **هو ابن فرعون معاصر موسیٰ علیه السلام**. ۴- **فی النسل السابع من نوح علیه السلام**۔ ۵- حضرت نوح علیہ السلام کی آٹھویں نسل میں ہیں۔ ۶- حضرت اسحاق علیہ السلام کی چوتھی نسل میں ہیں۔ ۷- حضرت الیاس علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ **حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کرنے والے حضرات**:۔ راجح یہی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور بہت سے اہل کشف نے ان کی زیارت کی ہے۔ زیارت کرنے والے بہت سے ہیں۔ مثلاً ۱- حضرت عمر بن عبد العزیز ۲- ابراہیم بن ادھم ۳- بشر الحافی ۴- معروف کرخی ۵- سری سقطی ۶- جنید بغدادی ۷- ابراہیم الخواص ۸- اس کتاب الخیر الجاری کا مؤلف احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ احقر کے بڑے بھائی مولانا محمد انور جو اس تحریر کے وقت بقید حیات ہیں

انہوں نے بلاواسطہ احقر کو بتلایا کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو فضاء میں معلق دیکھا انہوں نے فرمایا کہ میں خضر ہوں اور مجھے ایک تکوینی کام کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو تمہیں سزائے موت دی جائے گی۔ چنانچہ میں نے وہ کام کر دیا احقر محمد سرور عفی عنہ نے پوچھا کہ وہ کام کیا تھا بھائی صاحب نے فرمایا کہ بتلانا مناسب نہیں ہے اور بھائی صاحب نے اپنا دوسرا واقعہ بھی احقر محمد سرور عفی عنہ کو سنایا کہ میں جب حج کرنے گیا تو مسجد حرام میں ہم اخیر شب پہنچے ہمارے معلم صاحب نے بہت بھگا بھگا کر ہمیں عمرہ کا طواف کرانا شروع کرایا میں نے کتاب کھول کر دیکھنا شروع کیا تو معلم صاحب ناراض ہو گئے کہ تم کتاب دیکھ کرتے رہو ہم طواف کر کے جاتے ہیں چنانچہ وہ سب ساتھیوں کو طوائف اور صفا مروہ کی سعی جلدی جلدی کرا کے ساتھ لے گئے ہیں اکیلا رہ گیا طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت مقام ابراہیم کے پاس پڑھ کر میں نے عاجزی سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے تو ملتزم کا پتہ نہیں ہے کہاں ہے۔ اتفاق سے اس وقت مجھے کوئی شخص وہاں نظر نہ آیا اور یہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہے کہ کوئی بھی طواف نہ کر رہا۔ میری دعا پر آسمان سے ایک روشن لکیر نیچے آئی اور اس میں سے سرخ چہرہ والے لمبے قد والے خضر علیہ السلام نمودار ہوئے اور گرجدار آواز کے ساتھ ملتزم کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا ہذا الملتزم میں خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس جا کھڑا ہوا تو میرا بازو پکڑ کر ملتزم کے سامنے کھڑا کر دیا اور غائب ہو گئے۔ **انما سمی الخضر انه جلس علی فروة بيضاء فاذاهی تهتز من خلفه خضراء:**. لفظ فروہ کے دو معنی کئے گئے ہیں اس لئے وجہ تسمیہ میں بھی دو قول ہو گئے۔ خالی سخت زمین۔ اب وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ جس خالی زمین پر بیٹھتے تھے وہ سرسبز ہو جاتی تھی اس لئے ان کو خضر علیہ السلام کہا گیا۔ ۲-فروہ کے معنی خشک گھاس اب وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ جس خشک گھاس پر تشریف فرما ہوتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرسبز ہو جاتی تھی۔ ۳-اس کے علاوہ اسی کے قریب قریب ایک تیسری وجہ تسمیہ حضرت مجاہد سے یوں منقول ہے عمدۃ القاری میں کہ جب نماز پڑھتے تھے تو آس پاس کی جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ **حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائلین۔ ان کے ادلہ مع الاجوبہ:**۔ امام بخاری، ابن الجوزی، ابراہیم الحربی اور ابوالحسن المنادی یہ حضرات خضر علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں کہ وفات ہو چکی ہے۔ ۱-ان کی دلیل ایک تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **وماجعلنا لبشر من قبلک الخلد** جواب یہ ہے کہ خلود کے ہم بھی قائل نہیں ہیں جب نفخ صور ہوگا تو خضر علیہ السلام بھی وفات پائیں گے۔ ۲-**فی مسند احمد عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم قبل موته بقليل اوبشهر مامن نفس منفوسته اومامنكم اليوم من نفس منفوسته ياتی عليها مائة سنة وهی يومئذ حية.** جواب اول جو حضرات اس وقت مجلس میں حاضر تھے صرف ان کے بارے میں ہی یہ ارشاد ہے کیونکہ حضرت سلمان فارسی کی عمر تین سو سال ہوئی اور حضرت حکیم بن حزام کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی احقر محمد سرور عفی عنہ کے استاد حضرت مولانا رسول خان صاحب کی وفات ایک سو تیس سال کی عمر میں ہوئی اور بہت سے لوگوں کی عمر سو سال سے زائد ہوئی۔ جواب ثانی یہ حدیث پاک صرف اس وقت زمین پر موجود لوگوں کے متعلق تھی کہ یہ آج کے بعد سو سال کے اندر فوت ہو جائیں گے اور حضرت خضر علیہ السلام اس وقت سمندر میں تھے۔ جواب ثالث یہ ہے کہ ابلیس تو بالاجماع اس حدیث سے مستثنیٰ ہے ایسے ہی حضرت خضر علیہ السلام بھی اس حدیث سے مستثنیٰ ہیں۔

باب:۔ یہ باب بلاترجمہ ہے اور تتمہ ہے گذشتہ ابواب کا جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات ہیں۔ **وان الحجر عداثبوبه:**. اس حدیث پاک سے چند مسائل مستنبط کئے گئے۔ ۱-حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بغیر کپڑوں کے نہانا جائز تھا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام خود شرم کی وجہ سے تنہائی میں نہاتے تھے۔ ہماری شریعت میں چونکہ صراحۃً ممانعت ہے اس لئے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ۲-ضرورت کے موقع میں

کپڑوں کے بغیر چلنا جائز ہے۔۳- علاج وغیرہ کی ضرورت کی وجہ سے نظر کرنا چھپانے کی جگہ کی طرف جائز ہے۔۴- حضرات انبیاء علیہم السلام ظاہری اور باطنی نقائص سے پاک ہوتے ہیں۔ ۵ کسی نبی کے بدن میں عیب نکالنا ایذاء پہنچانا ہے جس میں کفر تک کا خطرہ ہے۔۶- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا کہ پتھر پر لاٹھی کے نشان پڑ گئے۔۷- کپڑوں کے بغیر گفتگو جائز ہے۔

باب قوله يعكفون على اصنام لهم

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔ **بختتی الكباث**:. ہم پیلو چنتے تھے۔ **وهل من نبی الاوقدر عاها**:. یعنی نبوت تواضع والوں کو دی جاتی تھی متکبرین آرام طلبوں کو نہ دی جاتی تھی پھر اس حدیث کی مناسبت باب سے کیسے ہے اس میں مختلف قول ہیں۔۱- عکوف علی الاصنام بھی ایک حال ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں سے اور بکریاں چرانا بھی ایک حال ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ضمن میں مذکور ہے۔۲- **عکوف علی الاصنام** ایک گھٹیا حالت ہے اس کے بعد نبوت سے عزت ملی۔ایسے ہی انبیاء علیہم السلام بکریاں چرانے کے گھٹیا کام میں ہوتے ہیں پھر نبوت سے عزت ملتی ہے۔۳- یہ باب اور اس سے پہلے تین بابوں میں راجح صرف باب بلاترجمہ ہے اس سے پہلے باب **قوله تعالیٰ و واعدنا موسیٰ ثلثین ليلةً** ہے اس سے اس حدیث کو مناسبت ہے کہ وہ بھی حال تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور اس حدیث میں حال ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہ باقی حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرح وہ بھی بکریاں چراتے تھے۔

باب واذقال موسیٰ لقومه ان الله يامركم ان تذبحوا بقرة الأيه

اس باب کی غرض اس آیت کی تفسیر بیان فرمانا ہے **صفراء ان شئت سوداء ويقال صفراء كقوله تعالیٰ جمالت صفر**:. اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ صفراء اپنے مشہور معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی زرد رنگ اور سیاہ میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جمالت صفر سیاہ اونٹ جو زردی مائل ہوں۔بقرہ کے واقعہ میں لفظ صفراء کے دونوں معنی صحیح ہیں اسے مخاطب تو دونوں معنوں میں سے جو چاہے لے لے۔

باب وفاة موسیٰ عليه الصلوٰة واسلام وذكره بعد

غرض دو چیزوں کا بیان ہے۔۱- وفات کا واقعہ ۲- وفات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہمیشہ احترام سے ہوتا ہے۔ **فلما جاءه صكه**: اس کی دو توجیہیں ہیں۔۱- فرشتہ ایک انسان کی شکل میں آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونے لگا بلا اذن تو غصہ آ گیا اور منہ پر طمانچہ مارا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ پہچانا کہ فرشتہ ہے کیونکہ امتحان تھا ورنہ فرشتہ جب کسی نبی کے پاس آتا ہے تو نبی اس کو پہچان لیتا ہے۔۲- چونکہ انبیاء علیہم السلام سے جان قبض کرنے سے پہلے مشورہ لیا جاتا ہے اور اس موقعہ میں امتحاناً ایسا نہ ہوا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ پہچان سکے اور ایسا واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ دو فرشتے انسانی شکل میں دیوار پھاند کر جب آئے تو حضرت داؤد علیہ السلام ان کو پہچان نہ سکے کہ یہ فرشتے ہیں۔

لا تخير و فی علی موسیٰ:. اس عبارت کی مختلف توجیہات ہیں مثلاً۔۱- ایسے طریقہ سے مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کہ ان کی توہین ہو۔۲- ایسے طریقے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کہ ان کی کوئی فضیلت جزئی بھی باقی نہ رہے کیونکہ ہر نبی کی کوئی نہ کوئی فضیلت جزئی ہوتی ہے۔

احتج آدم و موسیٰ:. یہ مناظرہ کب ہوا اس میں دو قول ہیں۔۱- دونوں کی وفات کے بعد عالم برزخ میں۔۲- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لایا گیا۔ عرضت علی الامم:۔ اس کی تین توجیہات ہیں۔۱- کشف میں صورتیں دکھائی گئیں۔ ۲- معراج میں دکھائی گئیں۔۳- خواب میں دکھائی گئیں۔

باب قول الله عزوجل و ضرب الله مثلاً الی قوله و کانت من القانتین

غرض یہ ہے کہ شدید مجبوری میں کافروں کے ساتھ مل کر رہنے کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ اس باب کا ربط ان ابواب سے یہ ہے کہ حضرت آسیہ کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا تتمہ ہے۔ حضرت آسیہ کے والد کا نام مزاحم تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں اونچے مرتبہ والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے تقریباً سب سے بڑے دشمن کی بیوی تھیں یعنی فرعون کی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آگئے تو حضرت آسیہ مسلمان ہوگئیں۔

باب قوله ان قارون کان من قوم موسیٰ الایة

غرض قارون کا ذکر ہے۔ قارون کے بارے میں تین قول ہیں ۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم تھا ۲۔ ابن خالہ تھا ۳۔ عم تھا۔ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حسد کیا اس لئے ہلاک ہوا اس لئے اس کا ذکر الاشیاء تعریف باضدادھا کے قبیل سے ہے۔ قال المتنبی

ونذیمهم وبهم عرفنا فضله　　وبضدها تتبین الاشیاء

باب قول الله عزوجل والی مدین اخاهم شعیبا

غرض حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے۔

باب قول الله عزوجل وان یونس لمن المرسلین الی قوله و هو ملیم

غرض حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے اور اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مرسلین میں سے تھے اس کے باوجود ان کا یہ حال ہوا کہ قرعہ اندازی میں مغلوب ہوئے اور مچھلی کے پیٹ میں رہے تو اس کی وجہ یہ تھی۔ **حسنات الابرار سیات المقربین** کہ خلاف اولیٰ پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے۔ **قال مجاهد مذنب:** یعنی صورت کے لحاظ سے گنہگار کے مشابہ تھے۔ جیسے بھول کر روزہ میں کھانے والا قصداً کھانے والے جیسا نظر آتا ہے۔

من غیر ذات اصل:۔ تنے کے بغیر جیسے بیل کہتے ہیں۔ **ولاتکن کصاحب الحوت:۔** یعنی آپ ان کی طرح نہ ہوں کہ انہوں نے کچھ تنگی محسوس فرمائی اور صبر کامل سے کام نہ لیا اور قوم کے پاس سے نکلنے میں کچھ جلدی کی۔ ابھی قوم سے نکلنے کا صریح حکم نازل نہ ہوا تھا۔ ان کا غالب گمان یہ ہوگیا تھا کہ اب مجھے قوم کے پاس سے جانے کی اجازت ہے اور اب اللہ تعالیٰ کا حکم یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں قوم کے پاس سے چلا جاؤں یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ جان بوجھ کر گناہ نہ کیا تھا۔ لیکن ان کے اونچے مرتبہ کی وجہ سے اس اجتہادی غلطی پر پکڑ ہوگئی گناہ ہرگز نہ تھا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں **انما رجع من رجع من الطریق** کہ جو بھی راستہ میں ہوتا ہے وہ تو اس دین کے راستہ کو چھوڑ سکتا ہے اور جو وصول الی اللہ کی منزل مقصود تک پہنچ چکا ہو وہ واپس نہیں آیا کرتا۔ انبیاء علیہم السلام اس منزل تک پہنچ چکے ہوتے ہیں اس لئے وہ گناہ کی طرف نہیں لوٹا کرتے۔ **لایقولن احد کم انی خیر من یونس:۔** وجہ یہ ہے کہ یہ مچھلی کے پیٹ میں جانا حضرت یونس علیہ السلام کے لئے معراج نزول تھا مزید تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

باب قوله و اسالهم عن القریة التی کانت حاضرة البحر

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔ جمہور مفسرین کی رائے کے مطابق یہ ایلہ بستی تھی بحیرہ طبریہ کے ساحل پر تھی مدین اور کوہ طور کے درمیان واقع تھی اور یہ لوگ توریت کی شریعت پر تھے اور ان کو حکم تھا کہ ہفتہ کا دن عبادت کے لئے فارغ رکھیں جب اس کی مخالفت کی تو جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا۔

باب قول الله عزوجل واتینا داؤد زبورا

غرض ذکر کرنا ہے اس بات کا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے زبور عطا فرمائی۔ نبوۃ اور عجیب آواز اور تسخیر جبال اور تسخیر طیور عطا فرمائی۔ **لاتدق المسمار فیتسلسل**

ولا تعظم فیقصم :۔ نہ کیل اتنے پتلے بنائیں کہ حلقے ڈھیلے رہیں نہ کیل اتنے موٹے بنائیں کہ حلقے ٹوٹ جائیں۔

خفف علی داؤد علیه السلام القرآن:. یہاں قرآن سے مراد داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے جو پڑھی جاتی تھی توریت یا زبور اس حدیث پاک میں ان کی کتاب کو قرآن اس لیے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی قرأۃ میں معجزہ ظاہر ہوتا تھا کہ حکم فرماتے تھے کہ میری سواری پر زین کسو، خادم کسنے میں مشغول ہو جاتے اور داؤد علیہ السلام پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ان کا کام مکمل ہوتے ہوتے وہ اپنی کتاب پوری پڑھ لیتے تھے۔ جس طرح زمین لپیٹی جاسکتی ہے اسی طرح زمانہ لپیٹا جاسکتا ہے لیکن اس لپیٹنے کی تفصیل فوق العقل ہے جو اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے شاید کسی کی سمجھ میں آجائے ورنہ عام عقل سے بالا ہے۔ سمجھنے کے لئے اس کی مثال سونے والے اور جاگنے والے کی ہوسکتی ہے کہ کبھی خواب میں چند گھنٹوں میں کئی سال کی باتیں دیکھتا ہے کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ کئی سال کا زمانہ ذرا سا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے لبثت یوماً او بعض یوم حالانکہ ایک سو سال گزر گئے تھے ایسے ہی اصحاب کہف کے واقعہ میں۔

باب احب الصلوٰۃ الی اللہ صلوٰۃ داؤد علیه السلام

غرض حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا ذکر ہے۔

باب واذکر عبدنا داؤد ذاالایدانه اواب

غرض حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات کا بیان ہے دنیا کے بھی بادشاہ تھے اور آخرت کے بھی بادشاہ تھے۔ سلطنت والے بھی تھے اور گدڑی والے بھی تھے کیونکہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے گزارا کرتے تھے۔ **یقال للمرأۃ نعجه**:. اس عبارت سے اشارہ فرمادیا کہ آیت مبارکہ میں نعجہ سے مراد عورت ہے۔ پھر اس واقعہ کی تفصیل میں چند اہم اقوال یہ ہیں۔ ۱- حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک عورت کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا ان سے پہلے ایک شخص اوریا نے اسی عورت کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا ہوا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو پتہ نہ تھا کہ انہوں نے پہلے سے پیغام بھیجا ہوا ہے لیکن اگر ذرا احتیاط فرماتے اور تحقیق فرماتے تو پتہ چل سکتا تھا۔ یہ تحقیق نہ فرمانا خلاف احتیاط تھا اونچے مرتبہ کی وجہ سے اس خلاف احتیاط کام پر فرشتوں کے ذریعہ سے تنبیہ کی گئی کہ دو فرشتے آئے انہوں نے ایک جھگڑا بطور استعارہ تمثیلیہ فرض کر کے گفتگو فرمائی کہ ایک آدمی کے پاس ننانوے (۹۹) بکریاں ہوں اور دوسرے کے پاس ایک ہو پھر یہ ۹۹ والا دوسرے سے ایک بکری بھی چھیننا چاہے تو یہ کام کیسا ہے۔ فرمایا یہ تو ظلم ہے۔ یہ فرمانے کے بعد سمجھ گئے کہ یہ تو مجھے ہی تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ ۲- ننانوے ازواج مطہرات سے نکاح فرمانے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک اور نکاح فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ اس نکاح سے پہلے زیادہ مناسب یہ تھا کہ وحی کا انتظار فرماتے اگر حکم ہوتا تو نکاح فرماتے ورنہ نہ فرماتے جیسا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے طلاق دینے کے باوجود اور عدت گزرنے کے باوجود خود نکاح فرمانے میں جلدی نہ فرمائی بلکہ وحی کا انتظار فرمایا۔ وحی نازل ہوگئی **فلما قضی زید منها وطراً زوجنکها**۔ اس انتظار نہ فرمانے پر حضرت داؤد علیہ السلام کو دو فرشتوں کے ذریعہ سے تنبیہ حق تعالیٰ نے فرمائی۔ ۳- **فی مستدرک الحاکم عن ابن عباس موقوفاً مااصاب داؤد مااصابه بعد القدر الامن عجب عجب به من نفسه وذلک انه قال یا رب ما من ساعة من لیل اونهار الاو عابد من ال داؤد یعبدک یصلی لک اویسبح او یکبر وذکر اشیاء فکره الله ذلک فقال یاداؤد لم یکن الابی فلولا عونی ماقویت علیه و جلالی لا کلنک الی نفسک یوما قال یارب فاخبر نی به فاصابته الفتنة ذلک الیوم انتهیٰ** وہ فتنہ یہ ہوا کہ خصمین کے ساتھ مشغول ہوگئے اور تسبیح و تہلیل سے غافل ہوگئے۔ ۴- امتحان یوں ہوا کہ ضروری فیصلہ تھا اس کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ۵- حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ تقریر فرمائی ہے کہ یہاں خلاف اولیٰ پر عتاب ہوا تھا اس لئے کہ عبادت میں مشغول تھے

ایک کی بات سن کر دوسرے کی بات سننے سے پہلے اس کی تائید فرما دی۔ اگر ایسا عدالت کی مجلس میں کرتے تو گناہ تھا لیکن عبادت کی مجلس میں تھے اور اچانک آنے سے وہ بھی دیوار پھاند کر آئے تو گھبرا گئے اس لئے یہ کام خلاف اولیٰ ہو گیا۔

باب قول اللہ عزوجل ووھبنا لداؤد سلیمان

غرض ذکر فرمانا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جن کی سلطنت بطور معجزہ کے ہوا اور پرندوں اور جنات پر بھی تھی اور یہ بہت بڑا معجزہ تھا۔ **وتماثیل:** تصویریں اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھیں ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ شاید وجہ فرق کی یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا کہ اس شریعت کے زمانہ میں ٹی وی جیسی لعنت جاری ہونے والی تھی جس کی وجہ سے گھر گھر ناچ گھر بن چکا ہے پہلے زمانوں میں یہ لعنت نہ تھی۔ فیصل آباد کا ایک آدمی مرنے کے بعد اپنے پڑوسی کو خواب میں ملا کہ خدا کے لئے میرے گھر سے ٹی وی نکلوا دو۔ لایا تو میں ہی تھا۔ اب میرے بچے دیکھتے ہیں اور میرے بدن پر ہر روز اس کے پرزے گرم کر کے لگائے جاتے ہیں۔ **یمسح اعراف الخیل وعراقیبھا:** کاٹ رہے تھے گردنیں اور ایڑھیاں۔ **عفریت متمر و من انس او جان:** عفریت کا اطلاق انسان پر مجازاً ہوتا ہے بطور استعارہ تصریحیہ کے کہ مشبہ بہ بول کر مشبہ مراد ہوتا ہے انتہائی شریر انسان کو عفریت کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ شریر جن جیسا ہے پھر جنات میں مراتب ہیں ا۔ ہر جن کو جنی کہتے ہیں۔ ۲۔ پھر جنات میں سے جو انسانوں سے ملتا ہے اس کو عامر کہتے ہیں۔ ۳۔ جو جن انسانی بچوں کو چھیڑتا ہے اس کو روح کہتے ہیں۔ ۴۔ جو جن خباثت میں بڑھ جاتا ہے اس کو شیطان کہتے ہیں۔ ۵۔ جو اور زیادہ خباثت میں بڑھ جاتا ہے اس کو مارد کہتے ہیں۔ ۶۔ جو جن مارد سے بھی خباثت میں بڑھ جاتا ہے اس کو عفریت کہتے ہیں۔ **الزبانیہ:** دوزخ کے فرشتوں کو کہتے ہیں اور یہ لفظ زبن بمعنی الدفع سے لیا گیا ہے سپاہیوں کو کہتے ہیں جو مدافعت اور حفاظت کرتے ہیں دوزخ کے فرشتے کافروں کو دوزخ میں دفع کریں گے یعنی دھکے دینگے اس زبانیہ کا مفرد کیا ہے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ ا۔ زبنی۔ ۲۔ زابن ۳۔ زبانی۔ **فقضیٰ به الکبری:** حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلوں کے متعلق دو قول ہیں۔ ا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے قیاس سے فیصلہ فرمایا تھا کیونکہ کبری صاحب ید تھی اور بینہ موجود نہ تھے۔ اس صورت میں قول صاحب ید کا معتبر ہوتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ استحسان کا تھا جو قیاس خفی تھا اور قوت علت کی وجہ سے اس کو ترجیح تھی۔ اگر پہلا فیصلہ وحی سے ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام اس میں کلام نہ فرماتے۔ ۲۔ دونوں فیصلے وحی سے تھے لیکن دوسری وحی نے پہلی وحی کو منسوخ کر دیا۔

باب قول اللہ عزوجل و لقد اٰتینا لقمان الحکمة

غرض حضرت لقمان علیہ السلام کا ذکر ہے پھر تفسیر قرطبی میں روایت ہے **عن ابن عمر مرفوعاً لم یکن لقمان نبیا ولکن کان عبداً کثیرا تفکر حسن الیقین احب اللہ تعالیٰ فاحبه فمن علیه بالحکمة** اس لئے علماء کا اتفاق ہے کہ نبی نہ تھے سوائے حضرت عکرمہ اور حضرت شعبی کے قول کے کہ وہ دونوں حضرات ان کو نبی مانتے ہیں۔ ہماری جمہور کی دلیل تو مذکورہ حدیث ہے ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حکمت نبوت ہی تو ہے خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام فرمانا بھی ثابت ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ ساری تقریر صرف قیاس کے درجہ میں ہے اور مرفوع روایت میں نبوت کی نفی صراحتہ آ گئی تو حدیث کو ہی قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔ پھر حکمت کے معنی میں مختلف قول ہیں مثلاً ا۔ **العقل الکامل مع العلم الکامل والعمل الکامل۔ ۲۔ اصابة الرامی فی الامور ۳۔ کمال النفس فی القوة العلمیة والعملیة بقدر الطاقة البشریته۔**

باب قول اللہ تعالیٰ واضرب لھم مثلاً اصحاب القریة اذجاء ھاالمرسلون

غرض اس بستی والوں کا ذکر ہے اور اس بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

باب قول الله تعالیٰ ذکر رحمة ربک عبده زکريا

حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر اور آیات کی تفسیر مقصود ہے۔
قال ابن عباس مثلا:۔ یہ لفظ سمیا کی تفسیر ہے۔

باب قوله تعالیٰ واذكر فی الكتاب مريم اذانتبذت من اهلها

غرض حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر ہے اور یہ تمہید ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ نبی نہیں تھیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ومارسلنا من قبلک الارجالاً نوحی اليهم** اس لئے یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی صرف بعض کا شاذ قول ہے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق کہ وہ نبی تھیں کیونکہ ان کی طرف وحی ہوئی جواب اس کا یہ ہے کہ یہ وحی ایسی ہی ہے جیسے اوحیٰ ربک الی النحل قرآن پاک میں وارد ہوا ہے یہ وحی احکام نہ تھی جو نبوت کے لوازم سے ہے۔**قال ابن عباس وآل عمران المومنون:۔** غرض یہ ہے کہ ان آیتوں میں ال ابراہیم اور ال عمران میں عام بول کر خاص مراد ہے پھر آیت کے ال عمران میں عمران کے مصداق دو ہیں اور یہاں دونوں ہی مراد ہیں اور دونوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ ۱۔عمران بن یصھرا جو والد ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے۔ ۲۔عمران بن ماثان یہ والد ماجد ہیں حضرت مریم علیہا السلام کے۔ **ال يسين:۔** یعنی ایک آیت مبارکہ میں الیاسین ہے اس کی دوسری قرأت ال یٰسین ہے یہاں بھی ال سے مراد مومنین ہیں۔

يقول ان اولی الناس بابراهيم للذين اتبعوه وهم المومنون:۔ اس میں قائل حضرت ابن عباس ہی ہیں اور انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی گذشتہ قول کی تائید میں کہ اس آیت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ ال ابراہیم سے مراد مومنین ہیں۔

باب واذ قالت الملئكته يا مريم ان الله اصطفاک

اس باب میں آیت ترجمۃ الباب نہیں ہے اور باب بلا ترجمہ ہے اس لئے یہ باب تتمہ ہے گذشتہ باب کا اور اس میں بھی حضرت مریم علیہا السلام کے حالات ہیں اور ان کی طہارت اور نساء عالمین سے افضل ہونا بیان کیا گیا ہے۔

باب قوله جل جلاله واذ قالت الملئكته يا مريم ان الله يشبرک بكلمته منه اسمه المسيح عيسى بن مريم

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت بیٹے کی دی گئی تھی۔

باب قوله تعالیٰ يااهل الكتاب لاتغلوا فی دينكم

غرض اہل کتاب کی گمراہی کا منشا بیان فرمانا ہے کہ غلو تھا یعنی افراط و تفریط تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہ یہود نے تفریط کی کہ ان کے نسب پر اعتراض کر دیا اور نصریٰ نے افراط کہ ان کو خدا کہہ دیا۔

باب قول الله عزوجل واذكر فی الكتاب مريم اذانتبذت من اهلها

غرض اور ربط یہ ہے کہ یہ باب عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے لئے ہے اور تین باب پہلے اسی قسم کا باب تھا اس میں مقصود حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر تھا۔ قرآن پاک میں ہے **وجعلنا ها وابنها اية** اس میں اشارہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر قرآن پاک میں تبعاً ہے ورنہ ارشاد ہوتا آیتین۔ **لم يتكلم فی المهد الاثلثة:۔** یہ حصر صرف بنی اسرائیل کے لحاظ سے ہے۔ **ذوشارة:۔** حسن و جمال والا۔ **مضطرب:۔** اس کے معنیٰ میں یہاں دو قول ہیں کہ معنیٰ مرادی یہاں کونسے ہیں۔ ۱۔ لمبے قد والے جبکہ بہت زیادہ لمبائی نہ ہو یعنی عام قد سے کچھ زیادہ۔ ۲۔ پتلے بدن والے۔ **رجل:۔** سیدھے بالوں والے۔ **رايت عيسىٰ و موسىٰ و ابراهيم:۔** یہاں دو قول ہیں۔ ۱۔ ظاہر محققین کے نزدیک یہاں ملاقات روح مع الجسد سے ہے۔

۲۔بعض قائل ہوئے کہ یہاں ملاقات فقط روح سے بیان فرمانی مقصود ہے۔ **سبط**:. اس کے وہی معنیٰ ہیں جو پیچھے رجل کے گزرے ہیں سیدھے بالوں والے۔ **کانه من رجال الزط**:. یہ معرّب ہے جٹ کا جو کہ ہند میں ایک قبیلہ ہے اور اس لفظ کو زاء کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے کیونکہ اس کی اصل جٹ ہے اور وہ فتحہ کے ساتھ ہے۔ **ارانی اللیلته عندالکعبته فی المنام**:. اس حدیث پاک میں اور اس کے بعد والی حدیث پاک میں تو خواب میں دیکھنے کی تصریح ہے اور گذشتہ دو حدیثوں میں معراج میں بیداری میں دیکھنا مراد ہے گذشتہ دو حدیثوں میں سے پہلی میں لیلۃ اسری بہ کی تصریح ہے جس سے بیداری میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا صراحۃً ثابت ہوا یہ اشخاص اور اجسام ہی کا دیکھنا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی حیوٰۃ فی القبور المبارکہ ثابت ہے اور نماز پڑھنا اور حج کرنا اور طواف کرنا ثابت ہے۔ اس حیوٰۃ کے چند دلائل یہ ہیں۔ ۱۔ **قال الحافظ السیوطی حیاۃ النبی صلی اللہ علیه وسلم فی قبرہ ھو وسائرالانبیاء معلومته عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلة فی ذلک وتواترت به الاخبار**۔ ۲۔ **فی مسند ابی یعلی عن انس مرفوعاً الانبیاء احیاء فی قبور ھم یصلون قال المنادی ھو حدیث صحیح**۔ ۳۔ **فی صحیح مسلم عن انس مرفوعاً مررت بموسیٰ لیلته اسری بی عندالکثیب الاحمرو ھو قائم یصلی فی قبرہ** پھر اس عبادت نماز اور حج اور طواف کی ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ لذت لینے کے لیے ہے مکلف ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے اسی لیے ہم ان کو طواف فرماتے ہوئے دیکھتے نہیں جیسے ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے کہ ان کو عالم برزخ کے اعمال کا بھی ثواب ملتا ہے۔ ۴۔ قرآن پاک سے صراحۃً شہداء کی حیوٰۃ ثابت ہے **ولاتقولوالمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ھل احیاء ولکن لا تشعرون** اور انبیاء علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں اس لئے انبیاء علیہم السلام کی حیوٰۃ بطریق اولیٰ اور بطور دلالۃ النص ثابت ہوئی۔ ۵۔ ابوداؤد اور نسائی میں روایت ہے اور ابن خزیمۃ اور بعض دوسرے ائمہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے **عن اوس بن اوس الثقفی مرفوعاً ان من افضل ایامکم یوم الجمعته فاکثرواعلیٰ من الصلوۃ فیه فان صلوٰتکم معروضته علی قالو ایارسول اللہ وکیف تعرض علیک صلوٰتنا و قدارمت یعنی بلیت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء**۔ ۶۔ **فی ابن ماجته برجال ثقات عن ابی الدرداء مرفوعاً اکثر وامن الصلوۃ علی یوم الجمعته فانه یوم مشھود تشھدہ الملئکته وان احداً لن یصلی علی الاعرضت علی صلوته حتیٰ یفرغ منھا قلت وبعد الموت قال و بعدالموت انااللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء**۔ ۷۔ **نقل السبکی فی کتبه شفاء السقام عن ابی بکر موقوعاً لاینبغی رفع الصوت علی نبی حیا ومیتاً**۔ ۸۔ **فی شفاء السقام عن عائشته انھا کانت تسمع صوت الوتدیوتد والمسمار یضرب فی بعض الدورالمطینته بمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فترسل الیھم لاتوء ذوا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم**۔ ۹۔ **فی شفاء السقام قالوا وماعمل علی بن ابی طالب مصراعی دارہ الابالمناصع توقیا لذالک**۔ ۱۰۔ **فی شفاء السقام عن عروۃ قال وقع رجل فی علی عند عمر بن الخطاب فقال له عمر بن الخطاب قبحک اللہ لقد اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی قبرہ**۔ دلیل سابع سے لیکر عاشر تک احقر نے تحفۃ القاری سے لی ہیں ان کے طرز سے ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے شفاء السقام سے نقل فرمائی ہیں۔ احقر محمد سرور عفی عنہ نے بلاواسطہ شفاء السقام سے نقل نہیں کیں۔ ۱۱۔ **فی البخاری عن عمر بن الخطاب انه قال لرجلین من**

اهل الطائف لو كنتمامن اهل البلد لاوجعتكما ترفعان اصواتكما فی مسجد رسول الله صلی اللهٔعليه وسلم۔ ان اخیر کی متعدد روایات سے حضرات صحابہ کرام کا عقیدہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے۔سوال۔ بہت سی آیات وروایت انبیاء علیہم السلام کی موت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً ۔ ا۔ **كل نفس ذائقته الموت**۔۲۔ **انک میت وانهم میتون**۔۳۔ حدیث شریف میں ہے انی امرءمقبوض ۔۴۔حضرت صدیق اکبر کا ارشاد **من كان يعبد محمداً فان محمداً** قدسات جواب امام بیہقی نے دیا کہ شہداء کی طرح انبیاء علہیم السلام پر بھی موت کے بعد دوبارہ حیات دی جاتی ہے۔سوال۔ حدیث شریف میں ہے **ما من مسلم يسلم علی الاردالله علی روحی** اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیوٰۃ باقی نہیں رہتی بلکہ صرف جواب دینے کے لئے تھوڑی سی دیر کے لئے ہوتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے جواب ۔ا۔اس رد کے معنی ہیں اس سلام کرنے والے کی طرف توجہ کرنا۔ نفس حیوٰۃ تو قبر مبارک میں شروع ہونے کے بعد باقی رہتی ہے۔۲۔ رد کے معنی ہیں ردمن رجل الی رجل آخر۔ ومن انسان الی انسان آخر۔۳۔ ردفی النطق ہے کہ بولنے کی اجازت دی جاتی ہے۔نفس حیوٰۃ تو شروع ہونے کے بعد باقی رہتی ہے سوال۔ سلام تو روضہ اقدس پر تقریباً ہر وقت پڑھا جاتا ہے اور حدیث پاک کے مطابق جو دور سے پڑھا جاتا ہے وہ بھی فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچایا جاتا ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو توجہ الی اللہ کا تو وقت ہی نہ ملتا ہو گا جو حیٰوۃ سے اصل مقصود ہے جواب۔ اس اشکال کا مدار فلاسفہ کے اس قول پر ہے **النفس لاتتوجه فی وقت الی جهتين** یہ اصول دنیا میں تو انسانوں کے حق میں مسلم ہے لیکن آخرت میں روح قوی ہو جاتی ہے وہ دو طرف توجہ کر سکتی ہے۔توجہ الی اللہ بھی ہو جو اصل مقصود ہے اور سلام کا جواب دیتے ہوں جو حدیث پاک سے ثابت ہے اس لئے اشکال نہ رہا۔ **چوتھی دلیل کا تتمہ**:۔ انبیاء علیہم السلام کی حیوٰۃ کے ادلہ میں سے چوتھی دلیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ جب شہداء کی حیوٰۃ قرآن پاک سے ثابت ہے تو انبیاء علیہم السلام کی حیوٰۃ کے بطور دلالتہ النص ثابت ہوگئی اس کی ایک وجہ تو پیچھے بیان کردی گئی کہ انبیاء علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں۔۲۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں ہے **من سّن سنته فله اجرها وا جر من عمل عليها الی يوم القيامته**۔اس لئے قیامت تک جتنے مسلمان شہید ہوں گے سب کا ثواب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا اس لحاظ سے لاکھوں کروڑوں شہیدوں کا ثواب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ تو کروڑوں شہیدوں کی حیوٰۃ کے برابر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوٰۃ ماننی پڑے گی۔۳۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دی گئی اور اس کا اثر وفات تک رہا اس لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں اور شہید والی حیواۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تحقیق

حضرت موصوف کی تحقیق یہ ہے کہ نبی کی موت ساتر ہوتی ہے اور شہید کی موت قاطع ہوتی ہے یعنی شہید کی روح تو بدن سے الگ کر دی جاتی ہے اور نبی کی موت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ روح کا پھیلاؤ پورے بدن سے ختم کر کے صرف دل میں روح کو چھپا دیا جاتا ہے۔ یہ موت کا انکار نہیں بلکہ موت کی کیفیت میں ان کی یہ رائے ہے۔ چونکہ موت خاص قسم کی ہے اسی لئے ازواج مطہرات کسی اور جگہ نکاح نہیں کر سکتیں اور اسی لئے نبی کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی حضرت موصوف کی اس تحقیق کی تائید دیگر خصوصیات سے ہوتی ہے مثلاً ۔ا۔ بیہقی میں ہے حضرت عائشہ سے **قالت كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا دخل الغائط دخلت علی اثره فلا اری شيئاً الا كنتُ اشُتم رائحته الطيب فذكرتُ ذلک له فقال اما علمتِ ان اجساد ناتنبت علی ارواح اهل الجنته**۔۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مشک سے زیادہ خوشبو دار تھا۔۳۔ چالیس اہل جنت کے برابر مردانہ قوت تھی۔۴۔ احتلام سے محفوظ تھے۔۵۔ جمائی کبھی نہ آتی تھی۔ جیسے عام آدمی کا منہ نیند کے غلبہ سے کھل جاتا ہے ایسا نہ ہوتا

تھا۔۶۔کبھی قہقہہ نہ فرمایا۔۷۔خواب وحی تھی۔۸۔موت سے پہلے پوچھا گیا کہ دنیا میں اور رہنا چاہتے ہیں۔۹۔پیچھے بھی دیکھتے تھے جیسے آگے دیکھتے تھے۔۱۰۔ارشاد فرمایا تنام عینا ی ولا ینام قلبی۔صلی اللہ علیہ وسلم جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی خصوصیات ثابت ہیں جن کا تعلق بدن مبارک اور روح مبارک سے ہے تو کسی نقلی قرینہ سے یا طبعی ذوق سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے موت کے بارے میں بھی خصوصیات کا قول اختیار فرما لیا تو یہ کچھ بعید نہیں اور نہ ہی موت کے انکار کو مستلزم ہے۔

قالوا المسیح الدجال :۔خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دجال کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے طواف کرتے دیکھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بنائے ہوئے دینی کاموں کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو دجال کا پیچھے لگنے سے مقصد عبادت نہ ہوگا بلکہ دینی کاموں کا توڑنا ہوگا پس اس خواب سے یہ لازم نہ آیا کہ دجال مکہ مکرمہ میں داخل ہوگا۔صرف تعاقب کا ایک نقشہ خواب میں دکھایا گیا ہے۔**انا اولی بابن مریم** :۔یہ فرمانا کئی وجوہ کی بناء پر ہے۔۱۔و **مبشرا بر سول یاتی من بعدی اسمہ احمد**۔۲۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دین کی تائید کے لئے آسمان سے قرب قیامت میں اتریں گے ۔۳۔ان کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بالکل قریب گذرا ہے۔**والا نبیاء اولاد علات**:. اس کی وجہ یہ ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام میں اصول توحید رسالت قیامت کے عقیدے ایک ہیں یہ اتحاد اب کی طرح ہے اور فرعی احکام الگ الگ ہیں یہ اختلاف امّ کی طرح ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام علاتی یعنی باپ شریک بھائیوں کی طرح ہیں۔**لیس بینی وبینہ نبی** :۔یہی راجح ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہے اس لئے مستدرک حاکم میں جو درمیان میں خالد بن سنان کا نبی ہونا مذکور ہے اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے اور زیر بحث بخاری شریف کی روایت صحیح ہے اس صحیح روایت کے مقابلہ میں مستدرک حاکم کی اس کمزور روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔**ان رجلا من اهل خراسان قال للشبعی فقال الشعبی**:. اُس خراسانی نے کیا کہا تھا یہ یہاں مذکور نہیں ہے۔صحیح ابن حبان میں مذکور ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہ کہتے رہتے ہیں کہ اپنی ام ولد کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کرنے والا اپنی ہی اونٹنی پر سوار ہونے والے کی طرح ہے۔اس کے جواب میں حضرت شعبیؒ نے یہ حدیث سنائی کہ نہیں اس کا تو دوگنا ثواب ہے۔

باب نزول عیسی بن مریم علیهما السلام

غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان ہے۔اور اس نزول میں بہت سی حکمتیں ہیں مثلاً ۱۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب انبیاء علیہم السلام میں سے قریب ترین ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لئے مناسب ہوا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرما دیں۔۲۔چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبشر ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے و **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** اس لحاظ سے بھی مناسب ہوا کہ وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرما دیں۔۳۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود نے بہت تفریط کی اور ان کو گرایا حتیٰ کہ ان کے نسب پر اعتراض کیا اور نصریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق افراط کی اُن کو حد سے زائد اونچا قرار دیا اور خدا قرار دیا دونوں کی تردید خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کرینگے۔۴۔دجال مسیح الضلالۃ ہے حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کو مسیح الھدایۃ ہی قتل کرے۔۵۔جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ختم ہونے لگے گی تو ان کو زمین پر اتار دیا جائے گا کیونکہ وہ زمین سے پیدا ہوئے ہیں اور جو زمین سے پیدا ہوا ہے اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ زمین ہی میں دفن ہو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **منہا خلقنا کم وفیہا نعید کم و منہا نخرجکم تارۃ اُخری**۔۶۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہونے کی دعاء کی تھی اس لئے دیگر مجددین حضرات کی طرح ان کو اسلام کا ایک

مجدد بنایا گیا۔ ۷۔ چونکہ عیسائیوں نے ان کو خدا کہہ دیا اس لئے وہ اپنی الوهیتہ کے ابطال کے لئے خود اتریں گے۔ ۸۔ حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں حضرت جبریل علیہ السلام نے دم کر دیا تھا تو وہ حاملہ ہوگئی تھیں اس کا حق تعالیٰ نے یہ اثر ظاہر فرمایا کہ طویل عرصہ فرشتوں کی طرح آسمانوں پر رہے اب اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کا اثر ظاہر ہوگا اور اتریں گے۔

واقرأوا ان شئتم وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته:. حضرت ابو ہریرہ قبل موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا رہے ہیں اور آیت کی مناسبت سجدہ کی قدر و قیمت والی بات کے ساتھ یہ ہے کہ جب سب اہل کتاب ایمان لے آئیں گے تو سب کے دل میں دین کی قدر بڑھ جائے گی اس لئے سجدہ کی قدر بھی بڑھ جائے گی اور ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی محسوس ہوگا۔ **كيف انتم اذا نزل ابن مريم فيكم واما مكم منكم:.** اس عبارت کے تین معنیٰ کئے گئے ہیں۔ ا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور اس سے دو باتیں ظاہر ہوں گی ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس امت کے تابع ہونا اور دوسرے اسلام کا قیامت تک باقی رہنا اور آخری اُمت ہونا ان ہی دونوں باتوں سے صحابہ کو خوش کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استفہام کے ارشاد فرمایا کیف انتم۔ ۲۔ دوسرے معنیٰ یہ کئے گئے کہ مبتداء محذوف ہے **وهو امامكم منكم** کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے امام ہوں گے حال کونہ منکم **ای من اهل دينكم** کیونکہ وہ حضرت مہدی سے افضل ہوں گے۔ ۳۔ تیسرے معنیٰ بھی خذف مبتداء کے ساتھ ہی ہیں اور امامت سے مراد فیصلے کرنا ہے کہ وہ چونکہ تمہارے دین پر ہوں گے اس لئے وہ فیصلے قرآن پاک کے مطابق کریں گے انجیل کے مطابق نہ کریں گے ان تین معنوں میں سے راجح پہلے معنیٰ ہیں کیونکہ مسند احمد میں حضرت جابر کی حدیث میں الفاظ یوں ہیں **واذا هم بعيسىٰ فيقال تقدم ياروح الله فيقول ليتقدم امامكم فليصل بكم** پھر بخاری شریف کی اس حدیث سے ابن ماجہ کی ایک روایت کا ضعف ظاہر ہوگیا جس میں ہے **عن انس لا مهدی الا عيسىٰ** یعنی اس ابن ماجہ والی روایت میں کسی راوی سے وہم ہوا ہے۔

باب ما يذكر عن بني اسرائيل

غرض بنی اسرائیل کی عجیب و غریب حکایات کا ذکر ہے۔ یوماً راحاً آندھی کا دن۔ **بلغوا عني ولو اٰية:.** اس شریعت کے احکام آگے پہنچاؤ معلوم ہوا کہ اس شریعت کے احکام کو آگے پہنچانا فرض ہے پھر ولو اٰیۃ کے تین معنیٰ کئے گئے ہیں۔ ا۔ علامۃٌ ظاہرۃٌ یعنی صرف فعل ہو یا اشارہ ہو تو وہ بھی آگے پہنچاؤ معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ کا آگے پہنچانا تو بطریق اولی ضروری ہے۔ ۲۔ آیت قرآنیہ مراد ہے کہ آیت کی حفاظت کا تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہوا ہے جب اس کو آگے پہنچانا ضروری ہے تو حدیث پاک کا آگے پہنچانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ ۳۔ ایک آیت مراد ہے یعنی یہ نہ سوچے کہ جب تک پورا قرآن پاک نہ پڑھ لوں یا حفظ نہ کرلوں آگے نہیں پہنچا سکتا۔ نہیں اگرچہ پورا حافظ نہیں ہوا اگر آگے پڑھ سکتا ہے تو پڑھا دے تاکہ ایک ایک آیت کر کے اور ایک ایک حدیث کر کے سارا دین آگے پہنچ جائے یہ تینوں معنی عینی میں نقل کئے گئے ہیں اور کوئی چوتھے معنیٰ اس حدیث کے ماتحت نہیں نقل فرمائے۔ اس لئے اس حدیث سے یہ نکالنا کہ جاہل کے لئے بھی خطاب عام جائز ہے صحیح نہیں کیونکہ جاہل اگر خطاب عام کرے گا اور کوئی غلطی کرے گا تو اس کا تدارک نہ ہو سکے گا کہ سب کو تلاش کر کے تدارک مشکل ہو جائے گا۔ **وحدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج** مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے واقعات کا نقل کرنا عبرت کے لئے مباح ہے البتہ اُن واقعات سے مسائل کا استنباط صحیح نہیں ہے اور لاحرج کے دو معنیٰ کئے گئے۔ ا۔ ان کے نقل کرنے میں حرج نہیں۔ ۲۔ ان کے

چھوڑنے میں حرج نہیں حضرت انور شاہ صاحب نے ان واقعات کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ا۔ وہ واقعات جو ہماری شریعت کے مطابق ہیں۔ان پر ہم عمل کرلیں گے۔۲۔وہ واقعات جو ہماری شریعت کے موافق نہیں ہیں لیکن صحیح سند سے ثابت ہیں۔ایسے واقعات کی دو توجیہیں ہم کریں گے ایک یہ کہ پہلے ایسا کرنا جائز تھا اب منسوخ ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنی شریعت میں تحریف کر کے ایسا کیا ہے۔۳۔تیسری قسم اُن واقعات کی ہے جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں اور اُن واقعات کا ثبوت کمزور سند سے ہے یا ہمیں سند کی تفصیل معلوم نہیں تو ایسے واقعات کی نہ ہم تصدیق کریں گے نہ تکذیب کریں گے لیکن اجمالی طور پر ایمان لے آئیں گے۔سوال زیر بحث روایت میں تو بنی اسرائیل کے واقعات نقل کرنے کی اجازت ہے اور بعض احادیث میں بیان کرنے اور ان میں نظر کرنے سے ممانعت ہے جواب۔ا۔ اجازت قصص میں ہے اور ممانعت مسائل کے استنباط سے ہے۔۲۔پہلے ممانعت تھی کہ احادیث سے خلط نہ ہو جائے۔جب قرآن وحدیث کی تفاصیل سے حضرات صحابہ کرام اچھی طرح واقف ہو گئے اور خلط کا اندیشہ نہ رہا تو نقل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

ان الیھود والنصری لایصبغون فخالفوھم:. اس حدیث پاک کی وجہ سے سر اور داڑھی کے بالوں پر مہندی وغیرہ لگانا مستحب ہے۔البتہ بالکل کالے خضاب میں راجح قول یہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہے۔**ھو شکٌّ فی ذلک**:. مسلم شریف میں تصریح ہے کہ یہ شک اسحاق راوی کو ہوا ہے

باب حدیث الغار

غرض کی دو توجیہیں ہیں۔ا۔ یہ اشارہ فرمانا ہے کہ قرآن پاک میں جو وارد ہوا ہے **ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایا تنا عجبا** اس آیت مبارکہ میں اصحاب الرقیم کا مصداق یہی تین حضرات ہیں جن کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے کہ غار میں آئے اور اوپر پتھر آ گیا اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے دعاء کی تو پتھر ہٹ گیا۔گویا امام بخاری کے نزدیک رقیم بمعنیٰ غار ہے اور مراد ان تین حضرت والی غار ہے۔۲۔امام بخاری کی غرض اس باب سے کیا ہے اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان تین حضرات کا واقعہ یہاں بیان فرمایا اس بناء پر کہ یہ تین حضرات بھی بنی اسرائیل میں سے ہی تھے جیسا کہ بعض روایات میں صراحتہ بیان فرما دیا گیا ہے۔

الرقیم میں اقوال:۔ا۔اصحاب کہف کی غار۔۲۔ان تین حضرات کی غار جن کا ذکر زیر بحث روایت میں ہے۔۳۔رصاص یعنی سکہ کی تختی جس پر اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے تھے۔ان کے بادشاہ نے لکھوا کر رکھے تھے تا کہ ان کو پکڑا جا سکے۔۴۔الرقیم ایک شہر کا نام ہے وہاں ایک غار ہے۔یہ شہر روم کے علاقہ میں ہے۔اس غار میں اکیس آدمی سوئے ہوئے ہیں۔وہ بھی اصحاب کہف کی طرح زندہ ہیں۔**فانسا خت**:. اس کے معنیٰ ہیں پتھر پھٹ گیا۔**فیتکنا**:. اپنے کِن یعنی مکان میں انتظار کریں اور ایک نسخہ میں یہاں ہے **فیتکینا** یہ لفظ استکانہ سے ہے جس کے معنیٰ ہیں کمزور ہونا کہ والدین دودھ نہ پینے کی وجہ سے کمزور نہ ہو جائیں۔

باب:. بلا ترجمہ ہے تتمہ ہے ماقبل کا۔**محدَّثون**:۔محدَّث کے معنی میں دو قول ہیں۔ا۔ **من یلھم من الصواب** ۲. **من یتکلم معه ولا یکون نبیاً**. **فناء بصدرہ**:. اس کے معنیٰ ہیں کہ سینے سے رینگا مال بصدرہ **یحکی نبیاً من الا نبیاء**:. اس عبارت کی مختلف توجیہات ہیں۔ا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہی واقعہ ارشاد فرما رہے ہیں اور عجیب ہونے کی وجہ سے امام بخاری نہ بنی اسرائیل کے عجیب واقعات میں تبعاً ذکر فرمایا ہے۔۲۔بنی اسرائیل کے کسی نبی کا واقعہ ہے۔۳۔حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے اور عجیب ہونے کی وجہ سے تبعاً بنی اسرائیل کے عجیب واقعات میں امام بخاری نے ذکر فرمایا ہے۔**رغسه الله مالاً**:۔سوال۔اس قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص بعثت کا منکر تھا پھر تو وہ کافر ہوا اور کافر کی بخشش نہیں ہوتی حالانکہ اس شخص کی بخشش اسی

حدیث پاک میں مذکور ہے۔ جواب۔ ا۔ بعثت کو مانتا تھا صرف جہالت سے یہ سمجھا کہ شاید یہ تدبیر مجھے بعثت سے مستثنیٰ بنانے کا ذریعہ بن جائے۔ ۲۔ قدر بمعنی ضیّق ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی فرمائی نرمی نہ فرمائی اور معافی نہ دی تو سخت عذاب دیں گے۔ ۳۔ عقیدہ ٹھیک تھا صرف گھبراہٹ کی وجہ سے کچھ بے ہوشی سی ہوگئی اس میں اس طرح کہہ دیا۔ اور بے ہوشی کی بات معاف ہوتی ہے۔ **من خشاش الارض**:۔ نقطہ والی خاء کے ساتھ ہے اور اس کے معنیٰ حشرات الارض کے ہیں یعنی کیڑے مکوڑے۔ کہ بلی کو کیڑے مکوڑے نہ کھانے دیئے۔

کتابُ المناقب

لفظ مناقب جمع ہے منقبۃ کی پھر مکارم و مفاخر کو مناقب کیوں کہتے ہیں اس میں دو قول ہیں۔ ا۔ **لان المکرمته لعظمتها کا نها تنقب الصخرة**۔ ۲۔ **المکرمته تنقب قلب الحاسد** پھر یہاں دو نسخے ہیں۔ ا۔ کتاب المناقب۔ ۲۔ باب المناقب دوسرا نسخہ باب والا زیادہ مناسب ہے کیونکہ حقیقت میں یہ باب المناقب کتاب الانبیاء علیہم السلام کا تتمہ ہے اور جو پہلا نسخہ ہے کتاب والا اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو اہتمام کی وجہ سے مستقل کتاب قرار دے دیا۔ پھر غرض اس کتاب المناقب کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل اور معجزات اور حالات کا بیان ہے۔ اسی لئے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کا ذکر فرمایا پھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و مناقب ذکر فرمائے جو حقیقت میں تمہید ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کی۔ پھر کتاب المغازی کے عنوان سے تاریخ وار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات ذکر فرمائے اور ترتیب تاریخ کے حساب سے رکھی کہ جس واقعہ کو امام بخاری نے مقدم مانا اس کو پہلے ذکر فرمایا اور جس واقعہ کو موخر مانا اس کو بعد میں ذکر فرمایا ان تمام ابواب کو جمع کرنے سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مکمل ہوگئے اور اس طرح سے کتاب الانبیاء کی تکمیل ہوگئی پھر قبائل کا ذکر صلہ رحمی کی نیت سے ہونا چاہئے اسی لئے یہاں امام بخاری نے دو آیتیں اکٹھی ذکر فرمائیں ایک قبائل کی اور ایک ارحام کی۔ اس کی تائید طبرانی کی ایک روایت سے ہوتی ہے **تعلّموا من انسابکم ماتصلون به من ارحامکم** پھر جو پہلی آیت یہاں نقل فرما رہے ہیں یا یھا **الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثیٰ وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعار فوا ان اکر مکم عند الله اتقاکم** اس آیت مبارکہ کا حاصل یہی ہے کہ نسب پر فخر نہ کرنا کیونکہ سب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کی اولاد ہیں۔ اور عزّت کا دار و مدار تو تقویٰ اور اعمال صالحہ پر ہے اس میں کوشش کرو۔ **وتجدون خیر الناس فی هذا الشان اشدهم له کراهیته**:. یہاں فی ھذا الشان سے مراد ولایت اور سرداری اور امیر بننا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ امیر بننے کا زیادہ اہل وہی شخص ہوتا ہے جو امیر بننے سے زیادہ نفرت رکھتا ہو۔ اس نفرت کی دو بڑی وجہیں ہیں۔ ا۔ لوگوں کے درمیان پورا پورا انصاف کرنا اور ظلم و ستم کو ختم کرنا بہت ہی مشقت کا کام ہے۔ ۲۔ آخرت میں حقوق العباد اور حقوق اللہ چھوڑنے پر سخت مواخذہ کا اندیشہ ہے امیر بننے کے زمانہ میں تعلقات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں اس لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں بڑھ جاتے ہیں اس لئے آخرت میں مواخذہ کا اندیشہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ **تجدون من خیر الناس اشد الناس کراهیتهً لهذا الشان حتیٰ یقع فیه**:. گذشتہ حدیث پاک کے الفاظ مبارکہ سے اس حدیث پاک میں کچھ الفاظ زائد ہیں یعنی حتیٰ یقع فیہ اس لئے اس حدیث کی تفصیل میں چار تقریریں ہیں۔ ا۔ خلافت اور امارت کا زیادہ اہل وہی شخص ہوتا ہے جو اس سے ڈرتا رہتا ہے کیونکہ انصاف کرنا مشقت کا کام ہے اور تعلقات بڑھ جانے کی وجہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد بڑھ جاتے ہیں اس لئے آخرت میں مواخذہ سخت

ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن جب کراھیۃ اور نفرت کے باوجود کندھوں پر بوجھ آہی پڑے تو کراھیۃ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خصوصی امداد فرماتے ہیں اور اس امداد کی وجہ سے راحت محسوس کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دین کو بچا لیا اور امیری کی وجہ سے میرے دین کا نقصان نہ ہوا۔ گویا پہلے کراہت تھی پھر اللہ تعالیٰ کی خصوصی امداد کی وجہ سے یہ کراہت ختم ہو جاتی ہے یہ معنیٰ ہیں حتیٰ یقع فیہ کے۔۲۔ امیر اور خلیفہ بننے سے پہلے پہلے تو امیری سے نفرت مستحسن ہے لیکن امیر بن جانے کے بعد امیری سے نفرت رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ پوری ہمت اور کوشش سے ذمہ داری کو پورا کرے اگر اب بھی کراھیۃ کو باقی رکھے گا تو ہمت اور کوشش نہ کر سکے گا۔۳۔ حدیث پاک کا مقصد یہ ہے کہ عام طور پر امارت اور خلافت صالح آدمی کو فاسق و فاجر بنا دیتی ہے کیونکہ حکومت میں اصل فساد ہی ہے الا نادراً۔۴۔ حدیث پاک کا مقصد امارت وخلافت کی طلب سے ڈرانا ہے اگرچہ سلطنت کی ذات میں تو فساد نہیں ہے لیکن امیر بننے کے بعد عام طور پر اپنے دین کی حفاظت کے اسباب موافقت نہیں کیا کرتے اور نیک آدمی بھی عموماً فسق وفجور میں پڑ جاتا ہے اس لئے احوط دور رہنا ہی ہے۔

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے تتمہ ہے اہمیت قبائل کے لئے۔ **الا المودة فی القربیٰ**:۔ اس آیت والی حدیث کو امام بخاری اس باب میں اس لئے لائے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کے مختلف معانی میں سے اہم ترین معنیٰ یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرما رہے ہیں **قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ** کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ قریش سے فرما دیں کہ اے قریش میری تمہاری ہر ہر بطن میں رشتہ داری ہے اور تم اس رشتہ داری کا خیال کیا کرتے تھے نبوت کے دعوے سے پہلے اب بھی اس رشتہ داری کا خیال کرو اور صلہ رحمی کرو اور مجھ پر ایمان لے آؤ میں تم سے مال نہیں مانگتا صرف صلہ رحمی مانگتا ہوں کہ صلہ رحمی کے طور پر میری بات غور سے سنو اور سمجھو اور ضد نہ کرو اور اپنی آخرت برباد نہ کرو۔ اور ایمان لے آؤ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ قریش میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونے کو بہت اہمیت حاصل ہے اور اسی اہمیت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور اسی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ ابواب باندھے ہیں۔ **فقال سعید بن جبیر قربی محمد صلی الله علیه وسلم**:۔ اس حدیث پاک کے واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت سعید بن جبیر نے اس آیت کی ایک تفسیر کی طرف اشارہ کیا تو حضرت ابن عباس نے اس کا رد فرما دیا کہ میرے نزدیک راجح تفسیر دوسری ہے اور وہی تفسیر بیان فرمائی جو ابھی اوپر ذکر کر دی گئی ہے۔ پھر اس آیت کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔۱۔ جو حضرت سعید بن جبیر نے اشارۃً حضرت ابن عباس کے سامنے ذکر فرمائی کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ مومنین سے فرما دیں کہ میں تبلیغ اور دین پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا صرف یہ حکم دیتا ہوں کہ میرے قریبی رشتہ داروں سے محبت رکھنا۔۲۔ جو حضرت ابن عباس نے ذکر فرمائی جس کی پوری تفصیل ابھی گذر چکی ہے۔۳۔ خطاب سب انسانوں کو ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سب انسانوں سے فرما دیجئے کہ میں تبلیغ پر کوئی مال نہیں مانگتا البتہ یہ کہتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے قرب سے محبت رکھو اور ثواب آخرت کی تیاری کرو۔۴۔ القربیٰ کا مصداق حضرت علی حضرت فاطمہ اور ان کے دونوں بچے ہیں کہ اے مسلمانو! ان سے دوستی رکھو۔۵۔ اے مسلمانو قریش کی تعظیم کرو اور قریش سے دوستی رکھو۔۶۔ اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والوں سے محبت رکھو۔ **فنزلت علیه الا ان تصلوا قرابته بینی و بینکم**:۔ سوال۔ یہ الفاظ تو قرآن پاک میں نہیں ہیں۔ جواب۔۱۔ **الا ان تصلوا قرابته بینی و بینکم** کا مضمون نازل ہوا اس تقریر پر الا ان

تصلوا الخ نزلت کا فاعل ہے۔۲۔فنزلت کی ضمیر لوٹتی ہے آیت مذکورہ کی طرف اور آگے الا ان تصلوا یہ اُس آیت مذکورہ کی تفسیر ہے یعنی مذکورہ آیت نازل ہوئی جس کی تفسیر یہ ہے۔

باب مناقب قریش

غرض قبیلہ قریش کے مناقب کا بیان ہے پھر قریش قبیلہ کا مصداق کیا ہے۔۱۔محققین مورخین کے نزدیک نضر بن کنانہ کی اولاد کو قریش کہتے ہیں۔۲۔مشہور قول یہ ہے کہ فہر بن مالک بن نضر کی اولاد کو قریش کہتے ہیں پھر فہر کے بارے میں دو قول ہیں۔۱۔نام فہر تھا اُن کی والدہ محبت اور شفقت سے قریش کہہ دیا کرتی تھی۔۲۔نام قریش تھا اور فہر لقب تھا کیونکہ فہر اس چکنے پتھر کو کہتے ہیں جو ہتھیلی بھرنے کی مقدار ہو۔**وھو عندہ فی وفد من قریش**:۔یہ دونوں جملے محمد بن جبیر سے حال ہیں۔ **انّ عبد الله بن عمرو بن العاص یحّدث**:۔ اس انّ کا عامل بلغ ہے۔پوری عبارت کا مطلب یہ بنا کر جب محمد بن جبیر حضرت امیر معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور قریش کا ایک وفد بھی حضرت امیر معاویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو حضرت امیر معاویہ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بادشہ قحطان قبیلہ کا ہوگا اس پر حضرت امیر معاویہ غضبناک ہوگئے اور یہ حدیث نقل فرمائی **ان ھذا الا مر فی قریش لا یعاد یھم احد الا کبہ الله علی وجھه ما اقاموا الدین**۔سوال قحطان قبیلہ غیر قریش ہے کیونکہ یہ یمن کا قبیلہ ہے۔اب حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت معاویہ کی روایات میں بظاہر تعارض ہوگیا۔جواب۔۱۔حضرت ابن عمرو کی روایت میں بیان واقعہ ہے اور حضرت امیر معاویہ والی روایت میں بیان استحقاق ہے۔۲۔قحطانی اس وقت بادشاہ ہوگا جب قریش میں سے کوئی بادشاہ نہ بن سکے گا اور کوئی بادشاہ بننے کے لائق اور اہل نہ رہے گا۔۳۔جب دین پر عمل کرنے والے کمزور ہو جائیں گے تو قحطان قبیلہ سے بادشاہ بن جائے گا اور اسی طرف اشارہ ما اقاموا الدین کے لفظ میں موجود ہے۔**وددتُ انی جعلتُ حین حلفت عملاً اعمله فافرغ منه**:۔یعنی میں بجائے قسم کھانے کے کوئی عمل متعین کر لیتی کہ اگر میں یہ کام کروں تو مثلاً دس نفل پڑھوں گی یا دو روزے رکھوں گی تو زیادہ اچھا تھا وہ عمل کر لیتی اور فارغ ہو جاتی۔

باب نزل القراٰن بلسان قریش

غرض قبیلہ قریش کی ایک بہت بڑی فضیلت کا بیان ہے کہ کتاب اللہ ان کی لغت میں اتری ہیں۔

باب نسبته الیمن الی اسماعیل علیه السلام

غرض یہ ہے کہ یمن قبیلہ اگر چہ قریش سے خارج ہے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نسب میں داخل ہے۔**منھم اسلم بن افصیٰ بن حارثته بن عمرو بن عامر من خزاعته**:۔یعنی یمن قبیلہ میں سے بنی اسلم قبیلہ بھی ہے جس کا ذکر بلا فصل آگے مرفوع حدیث آرہا ہے کہ بنی اسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔اور یہ بنی اسلم یمن قبیلہ سے ہے معلوم ہوا کہ یمن قبیلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔پھر لفظ من خزاعہ یہ حال ہے اسلم سے کہ یہاں وہ اسلم قبیلہ مراد ہے جو بنی خزاعہ سے ہے کیونکہ افصیٰ ہی خزاعہ ہے۔اور من خزاعہ کی قید سے دو اسلم قبیلے نکل گئے۔۱۔اسلم جو مذحج قبیلہ سے ہے۔۲۔اسلم جو بجیلہ قبیلہ سے ہے۔

باب: یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے گذشتہ باب کا تتمہ ہے کیونکہ اس میں نسب میں احتیاط کرنے کی تاکید ہے۔

باب ذکر اسلم و غفار و مزینته وجھینته و اشجع

اس باب میں ان قبیلوں کی فضیلت بیان فرمانی مقصود ہے کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کرنے میں جلدی کی تھی جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث میں اشارہ موجود ہے۔

باب ذکر قحطان

قحطان یمن کے اب ہیں۔ان سے یمن قبیلہ شروع ہوا ہے۔

باب ما ینهی عنه من دعوة الجاهلیته

غرض عصبیتہ سے منع کرنا ہے کہ اپنے خاندان کے لوگوں کا ساتھ دے خواہ وہ حق پر ہوں یا ناحق پر ہوں۔

باب:۔اس کے معنیٰ ہیں جمع ہو گئے۔**فکسع** :۔خوش طبعی سے دوسرے کے مقعد پر ہاتھ یا پاؤں ماردیا۔

باب قصته خزاعه

غرض بنی خزاعہ کا قصہ بیان فرمانا ہے۔**قصته اسلام ابی ذر باب قصته زمزم** :۔غرض حضرت ابوذر کے اسلام کا اور زمزم کا قصہ بیان فرمانا ہے۔بعض نسخوں میں یہاں یہ قصہ نہیں ہے اور نہ ہونا ہی راجح ہے کیونکہ حضرت ابوذر کے اسلام کا ذکر حضرت ابوبکر اور حضرت سعد وغیرہ کے ذکر کے بعد آئے گا انشاءاللہ تعالےٰ۔

باب جهل العرب

زمانہ جاہلیۃ کا ذکر مقصود ہے بعض نسخوں میں یہاں یوں ہے باب قصتہ زمزم وجھل العرب یہ صحیح نہیں ہے۔کیونکہ اس باب میں زمزم کا بالکل ذکر نہیں ہے۔

باب من انتسب الی اٰبائه فی الاسلام والجاهلیة

غرض رد کرنا ہے اس شخص کا جو نسب کے ذکر کو مطلقاً قبیح قرار دیتا ہے کیونکہ ممانعت صرف فخر اور تکبر کے طور پر ذکر کرنے سے ہے بلافخر صرف تعارف کے لئے ذکر کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور اس کی دلیل اس باب کی مرفوع روایات ہیں جن میں نسب کا ذکر موجود ہے۔

باب ابن اخت القوم ومولی القوم منهم

غرض یہی مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ ابن اخت اور مولیٰ یہ دونوں اسی قوم میں سے شمار ہوتے ہیں۔

باب قصته الحبش و قول النبی صلی الله علیه وسلم یا بنی ارفدة

غرض حبش کا ذکر ہے اور حبش حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حام کی اولاد بلا واسطہ میں سے ایک ہیں یہ سات بھائی تھے۔۱۔ السند .۲. الهند .۳. الزنج .۴. القبط .۵. الحبش .۶. النوبته ۔۷۔کنعان پھر باب کے عنوان میں جو ارفدۃ کا ذکر ہے اس میں دو قول ہیں۔۱۔ارفدۃ حبش کی والدہ تھیں ۔۲۔ارفدہ بنی حبش میں سے کسی دادا کا نام تھا۔

باب من احب ان لا یسب نسبه

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ جائز ہے کہ کوئی شخص یہ پسند کرے کہ کوئی میرے نسب کو برا بھلا نہ کہے۔**وعن ابیه قال ذهبت** یعنی ہشام کے والد سے منقول ہے جو حضرت عروۃ بن الزبیر تھے۔

ینافح:۔ مدافعت کرتے تھے۔

باب ما جاء فی اسماء رسول الله صلی الله علیه وسلم

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ناموں کا ذکر ہے۔

لی خمسته اسماء :۔سوال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک تو اور بھی بہت سے ہیں جواب ۔۱۔ یہ پانچوں میرے ساتھ خاص ہیں۔باقی اوروں پر بھی بولے جاسکتے ہیں۔۲۔ یہ پانچ نام زیادہ عظمت والے ہیں ۔۳۔ یہ پانچ نام پہلی امتوں میں مشہور تھے ۔۴۔ پانچ کا عدد راوی نے بڑھایا ہے اصل حدیث صرف ناموں کا ذکر تھا۔**یمحوا الله بی الکفر** :۔اس کے مختلف معنیٰ کئے گئے ہیں ۔۱۔ جزیرۂ عرب سے کفر میری وجہ سے مٹا دیا جائے گا۔۲۔اکثر شہروں سے کفر میری وجہ سے مٹا دیا جائے گا جیسا کہ قرب قیامت میں ہوگا۔۳۔جمیع بلاد سے کفر کی عزت کو مٹا دیا جائے گا۔**وانا العاقب** :۔اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اخیر زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں۔

باب خاتم النبیین

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا بیان ہے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وجود اور نبوت دونوں کے لحاظ سے اخیر میں ہیں اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرماویں گے وہ بھی نبوت اور وجود دونوں میں اخیر میں ہوگئے۔ جواب ان کو نبوت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی اور اب ان کا اترنا ایک مجدد اور دین کا ایک بڑا خادم ہونے کی حیثیت سے ہوگا نبوت کی حیثیت سے نہ ہوگا۔ اس لئے وہ صرف وجود میں پیچھے ہوئے وجود اور نبوت کے مجموعہ کے لحاظ سے پیچھے نہ ہوئے۔ **فانا اللبنته وانا خاتم النبیّن** سوال۔ اینٹ تو ایک چھوٹی سی چیز ہے اس کے ساتھ تشبیہ سے تو عظمت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر نہیں ہوتی جواب تشبیہ صرف تکمیل میں ہے کہ جیسے ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو اس سے محل کی تکمیل ہو جاتی ہے ایسے ہی مجھ سے نبوت کی تکمیل ہوگئی حجم اور لمبائی چوڑائی تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اس کا بیان مقصود نہیں ہے۔

باب وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہاں غرض عمر مبارک کا بیان ہے واقعہ وفات بیان فرمانا مقصود نہیں ہے۔ بعض نسخوں میں یہ باب نہیں ہے اور یہی نہ ہونا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اصل محل اس باب کا کتاب المغازی کا اخیر ہے۔ اور وہاں تفصیل سے واقعہ وفات کا آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ یہاں صرف بیان عمر کے درجہ میں ذکر کیا گیا ہے پھر اسماء کے ابواب سے اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ پہلی کتابوں میں جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ لکھے ہوئے تھے ایسے ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بھی پہلی کتابوں میں لکھی ہوئی تھی۔

باب کنیته النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت کا بیان ہے اور کنیت کے حکم کا بیان ہے کنیت کے حکم میں چار اہم قول ہیں۔ ا۔ حیاۃ طیبہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت رکھنی منع تھی۔ وفات کے بعد کچھ حرج نہیں ہے۔ ۲۔ نام اور کنیت کو جمع کرنا اب بھی منع ہے۔ ۳۔ کنیت رکھنی اب بھی منع ہے۔ ۴۔ جمع کرنا پہلے بھی جائز تھا اور اب بھی جائز ہے۔ ان اقوال میں سے پہلا قول راجح شمار کیا گیا ہے منشاء اختلاف اس باب کی پہلی روایت ہے۔ **عن انس رضی اللہ عنه قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم فی السوق فقال رجل یا ابا القاسم فالتفت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال سموا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی** ۔ پہلے قول والوں کے نزدیک ممانعت کا منشاء اشتباہ تھا جو وفات کے بعد نہ رہا دوسرے قول والوں کے نزدیک منشاء جمع تھا جواب یہ ہے کہ جمع پر کوئی چیز دال نہیں کہ صرف جمع کی ممانعت تھی اور اب بھی ممانعت ہے، تیسرے قول والوں نے ظاہری ممانعت کو لیا جواب اصل احکام میں یہ ہے کہ ہر حکم کسی نہ کسی علت پر مبنی ہوتا ہے چوتھے قول والوں نے اصل اباحت کو لیا اور ممانعت کو تنزیہ پر محمول فرمایا جواب۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ممانعت کا اعتبار کیا جائے اور مبیح اور موجب کراہت میں تعارض ہو تو موجب کراہت کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔

باب: یہ باب بلاترجمہ ہے اس لئے یہ تتمہ ہے گذشتہ باب کا اور تتمہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ گذشتہ باب نام مبارک اور کنیت مبارکہ کے متعلق تھا اور اس باب کی روایت میں خطاب کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ نام مبارک یا کنیت مبارکہ سے نہ پکارنا چاہئے بلکہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ سے پکارنا چاہئے۔

باب خاتم النبوة

غرض مہر نبوۃ کی صفت کا بیان کرنا ہے یہ مہر کندھوں کے درمیان قلب مبارک کی سیدھ میں تھی اور یہ اہل کتاب میں مشہور تھی اسی لئے اس کا لقب خاتم النبوۃ تھا یعنی ایسی مہر جس سے نبوت جانی جاتی تھی حق تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے **مکتوباً عندھم فی التورته والانجیل** اور پیچھے ہونے میں شاید یہ اشارہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور سب نبیوں کے اخیر میں ہیں ان کے بعد

اور کوئی نبی نہیں ہے۔ وقع:۔اس کے معنی ہیں بیمار **الحجلته من حجل الفرس الذی بین عیینه** :۔اس تفسیر پر اشکال ہے دولحاظ سے۔۱۔ماتھے کی سفیدی کو غرہ کہتے ہیں تحجیل تو پاؤں کی سفیدی کو کہتے ہیں۔۲۔پھراس کا تعلق خاتم النبوۃ سے نہیں ہے اس لئے اس موقعہ میں یہ تفسیر مناسب نہیں ہے۔

باب صفته النبی صلی الله علیه وسلم

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خَلق اور خُلق کا بیان ہے۔ **قد شمط**:. یعنی سر کے بال کھچڑی تھے کچھ سیاہ اور کچھ سفید تھے۔ **العنفقته**:. لب کے نیچے چھوٹی داڑھی کو کہتے ہیں۔ **فاحشاً**:. پیدائشی طور پر حد سے نکلنے والا۔ **متفحشا**:. کسی طور پر حد سے باہر نکلنے والا۔ **او عر فاقط**:. عرف کے بھی وہی معنیٰ ہیں جو ریح کے ہیں یعنی بو اور یہ او بطور شک راوی کے ہے۔

باب کان النبی صلی الله علیه وسلم تنام عینه ولاینام قلبه

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ نیند کی حالت میں بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک بیدار رہتا تھا تاکہ خواب کی باتیں بھی سمجھ سکیں جو وحی ہوتی تھیں۔ **قبل ان یوحیٰ الیه**:. اس عبارت کی دو توجیہیں ہیں۔۱۔معراج سے پہلے آپ پر یہ وحی نہ آئی تھی کہ آپ عنقریب معراج کے طور پر آسمانوں پر جانے والے ہیں۔۲۔معراج کا واقعہ نبوۃ سے پہلے کا ہے لیکن اس معنیٰ کے لحاظ سے یہ روایت راوی کا وہم شمار کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ معراج وحی اور نبوت کے بعد ہوا ہے۔ **فتولاہ جبریل**:. حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانوس کیا۔

باب علامات النبوۃ فی الاسلام

غرض نبوت کی علامات یعنی معجزات وغیرہ کا بیان فرمایا ہے پھر لفظ معجزات کا اس لئے نہ رکھا کہ علامات کا لفظ معجزات کے علاوہ بہت سی چیزوں کو شامل ہے۔ مثلاً (۱) کرامت جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی متبع سنت امتی سے خرق عادت کے طور پر صادر ہو۔ ۲۔ارھاصات یعنی وہ خرق عادت باتیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت سے پہلے صادر ہوئی ہوں۔۳۔محاسن اخلاق جو عام آدمی کے لحاظ سے خرق عادت کے درجہ میں تھے۔۴۔محاسن اعمال جو عام آدمی کے لحاظ سے خرق عادت کے درجہ میں تھے۔ **فی الاسلام**:. ترجمۃ الباب کے اس لفظ کی دو توجیہیں ہیں۔۱۔ ارھاصات کو نکالنا مقصود ہے کیونکہ وہ نبوت اور اسلام سے پہلے پائی گئیں۔۲۔قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے اور اس لفظ سے ارھاصات خارج نہیں ہوتیں کیونکہ ارھاصات کا وقوع اگرچہ اسلام سے پہلے ہوا لیکن ان کا علامت حقیقۃ اسلام بننا یہ نبوۃ اور ظہور اسلام کے بعد ہی ہوا اس لئے وہ بھی علامات نبوۃ میں داخل ہیں اور فی الاسلام کے باوجود داخل ہی رہیں۔ **عدد الصحف**:. حضرت آدم علیہ السلام پر ۱۰ صحیفے نازل ہوئے حضرت شعیب علیہ السلام پر ۵۰ حضرت ادریس علیہ السلام پر ۳۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ۱۰ کل صحیفے ۱۰۰ نازل ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا رسول ہونا اور ان کی عمر:۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اولاد کی طرف رسول تھے اور بلاواسطہ حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے ہوئے بیس مرد اور بیس عورتیں ہر دفعہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر میں دو اہم قول ہیں۔۱۔ایک ہزار سال ۲۔۹۷۰۔

معجزہ کی تعریف:۔ھوامر خارق للعادۃ مقرون بالتحدی موافق المدعیٰ سالم من المعارضۃ:۔ **معجزہ اور جادو اور کہانت میں فرق**:۔یہ فرق کئی وجوہ سے ہے۔۱۔نبی کی ہر خبر سچی ہوتی ہے اور کاھن وغیرہ کی کوئی سچی کوئی جھوٹی ۲۔نبی کا ہر امر عدل پر مبنی ہوتا ہے اور نبی کا ہر عمل صالح ہوتا ہے اور ساحر و کاھن کے امر اور عمل مختلط ہوتے ہیں۔۳۔معجزہ اسباب کو توڑنے والا ہوتا ہے اور جادو وغیرہ میں اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔۴۔سحر اور کھانتہ کسبی چیزیں ہیں معجزہ بلا کسب ہوتا ہے ۵۔ساحر اور کاھن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اس کے مثل یا اس سے اعلیٰ کرتب دکھایا جاسکتا ہے۔ نبی کا مقابلہ

نہیں کیا جاسکتا۔ ۶۔ ایک نبی کا معجزہ دوسرے کسی نبی کے معجزہ کو توڑنے والا نہیں ہوتا اور ساحر کا سحر بعض دفعہ دوسرے ساحر کے سحر کو توڑنے والا ہوتا ہے۔ **ظہور المعجزات:۔** معجزات کا ثبوت قرآن پاک سے بھی ہے اور احادیث متواترہ سے بھی ہے پھر تواتر کی چونکہ چار قسمیں ہیں تو معجزات کے اثبات میں بھی بعض معجزات کا اثبات ایک قسم سے ہے بعض کا دوسری قسم سے بعض کا باقی اقسام سے اور یہ بات ہم تک پہنچ چکی ہے کہ ایک ذات پاک زمین ہی پر رہتی تھی اُس نے یہ پاک دعویٰ فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے اس دعوے پر بعض نے اُس پاک ذات کی بات کو مان لیا اور بعض نے مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ نے اُس ذات پاک کی امداد فرمائی اور غلبہ نصیب فرمایا اور اس کے دشمنوں کی سزادی اور اُس کی زبان پاک پر عمدہ علوم کو ظاہر فرمایا۔ ان سب باتوں کا ظہور ملوک سابقہ اور فلاسفہ سابقہ ارسطو افلاطون وغیرہ سے کہیں زیادہ روشن اور واضح ہے اس طرح سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اظہر من الشمس ہے۔ **اہم مشترک معجزات کی انواع:۔** جو معجزات تقریباً سب جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک رہے ان کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ انبیاء علیہم السلام بتلاتے رہے کہ دیکھو ہماری امداد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہے اور ہمیں نہ ماننے والے ہلاک ہونے والے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوگیا۔ ۲۔ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کو خرق عادت طریقوں سے ہلاک کیا گیا ہے جیسے فرعون کا غرق ہونا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے کافروں کا طوفان نوح علیہ السلام سے غرق ہونا۔ ۳۔ انبیاء علیہم السلام کی پاک زبانوں سے ایسے احکام مخلوق تک پہنچائے گئے اور ایسے عقائد اور اخلاق خلق کو سکھائے گئے جو شاہد عدل تھے کہ یہ پاک ہستیاں سراپا صدق ہیں اور دجال وکذاب نہیں ہیں اور ایسی پاک ذات کی طرف سے بھیجی ہوئی ہیں جو منبع علم وحکمت ہے اور جو مخلوق پر رحمت وشفقت صادر ہونے کا سرچشمہ ہے اور جو مخلوق کی اعلیٰ درجہ کی بھلائی اور منفعت کا ارادہ رکھتی ہے۔ جل جلالہ وعم نوالہ وسبحانہ عما یصفون۔ **معجزہ اور کرامت میں فرق:۔** ا۔ نبی پر معجزہ کا اظہار واجب ہوتا ہے۔ ولی پر کرامت کا اظہار واجب نہیں ہوتا بلکہ اظہار سے منع کیا جاتا ہے صرف نادراً گنجائش ہوئی ہے جیسے حضرت عمر نے منبر پر فرمایا یا ساریۃ الجبل اے ساریہ پہاڑ کو لازم پکڑ اور جیسے حضرت خالد بن الولید نے ایک موقعہ میں زہر پی لی تھی یہ دکھانے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر موت نہیں آتی۔ مخلوق کی ہدایت کی مصلحت کی وجہ سے ان کرامتوں کو ظاہر کرنا جائز بلکہ مستحب ہوگیا تھا۔ ۲۔ کرامات اگرچہ معجزات کی جنس سے ہوتی ہیں لیکن معجزات بڑی علامتیں ہوتی ہیں کیفیت کے لحاظ سے بھی اور کمیت کے لحاظ سے بھی جیسے بعض بزرگوں کا ہوا میں اڑنا بطور کرامت کے واقع ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کا ہوا میں اڑنا بطور معجزہ کے تھا۔ تو اس تخت کا اڑنا کم اور کیف کے لحاظ سے ایک آدمی کے اڑنے سے بہت بڑا تھا۔ ۳۔ معجزات اور ان کے آثار نبی کی وفات کے بعد بھی باقی رہتے ہیں جیسے طوفان نوح علیہ السلام کی خبر آج تک باقی ہے غرق فرعون اور ابراہیم علیہ السلام کی آگ کی خبر آج تک باقی ہے انشقاق قمر اور معراج کی خبر آج تک باقی ہے۔ کرامات کا یہ مقام نہیں ہوتا۔ **انواع المعجزات:۔** ا۔ الاخبار بالغیب پھر اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں ماضی بعید کی خبریں مثلاً آدم علیہ السلام اور ابلیس اور نوح علیہ السلام کے واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے حالانکہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے تھے کہ تاریخ کی کتابیں گھر میں چھپا رکھی ہوں اور پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنا دیتے ہوں۔ اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ تاریخ دانوں سے تھا۔ کہ اُن سے معلوم کر کے یہ باتیں یاد کر لی ہوں لامحالہ یہ باتیں وحی سے بتلاتے تھے دوسری قسم آئندہ کی باتیں جو دنیا میں ہونے والی تھیں مثلاً **فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقود ھا الناس والحجارہ** کہ تم ہرگز قرآن پاک کی سورت جیسی

سورت نہ لاسکو گے۔ چنانچہ آج چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا آج تک قرآن پاک کی سورتوں جیسی سورت کوئی نہ لا سکا تیسری قسم آخرت کی باتیں کہ قیامت کی باتوں کی تردید نہ ہو سکی کہ قرآن وحدیث میں جو قیامت کے واقعات مذکور ہیں ان میں سے کوئی غلط ہے اور فلاں آسمانی کتاب سے اس کی غلطی ثابت ہوتی ہے ۔۲۔ معجزات کی دوسری قسم وہ معجزات ہیں جن کا تعلق اجرام علویہ سے ہے۔ مثلاً معراج انشقاق قمروحی کی حفاظت کے لئے شہاب ثاقب کا شیاطین پر گرنا ۔۳۔ وہ معجزات جن کا ظہور فضاء میں ہوا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے فوراً بادلوں کا آجانا اور بارش برسانا اور زیادہ بارش ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاء فرمانا حوالینا ولا علینا اور بادلوں کا گول حوض کی شکل میں درمیان سے پھٹ جانا کہ مدینہ منورہ پر بارش نہ ہو۔ باقی ہوتی رہے۔ ایسے ہی غزوہ خندق میں ہوا سے کافروں کے پاؤں کا اکھڑ جانا **فارسلنا علیهم ریحاً وجنوداً لم تروها**۔۴۔ حیوانات میں معجزات ظاہر ہونے جیسے ایک اونٹ نے شکایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ میرا مالک مجھے کھانے کو کم دیتا ہے اور کام زیادہ کراتا ہے جیسا کہ ابوداؤد اور مسلم میں منقول ہے ۔۵۔ کھانے پینے کی چیزوں میں معجزات کا ظہور ہوا جیسے تھوڑے پانی کا زیادہ ہو جانا۔۶۔ بعض معجزات پتھروں میں ظاہر ہوئے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے **عن انس قال صعد النبی صلی الله علیه وسلم احد ا ومعه ابو بکر و عمر و عثمان فرجف بهم فقال اسکن و ضربه برجله فلیس علیک الا نبی اوصدیق او شهیدان** ایسے ہی صحیحین کی روایت میں ہے **عن جابر بن سمرة عن النبی صلی الله علیه سلم قال انی لا عرف حجراً بمکته کان یسلّم علّی** ایسے ہی ترمذی میں اور مستدرک حاکم میں حضرت علی سے روایت ہے **قال کنت مع النبی صلی الله علیه وسلم بمکته فخر جنا فی بعض نواحیها فما استقبله شجره لا جبل الا وهو یقول السلام علیک یا رسول الله (صلی الله علیه وسلم)**

ایسے ہی غزوہ بدر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹی پھینکنا بھی آیا ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **و ما رمیت اذرمیت ولکن الله رمیٰ**۔۷۔ فرشتوں کا تائید کرنا قرآن پاک میں **اذ تستغیثون ربکم انی ممد کم بالف من الملئکته مرد فین** اور یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے اس کے علاوہ غزوہ خندق کے متعلق قرآن پاک میں ہے **فارسلنا علیهم ریحاً و جنو دالم تروها** ایسے ہی غزوہ حنین کے متعلق قرآن پاک میں ہے۔ **وانزل جنوداً لم تروها و عذب الذین کفروا وذلک جزاء الکفرین** ۔اور ہجرت کے واقعہ کے متعلق قرآن پاک میں ہے **ثانی اثنین اذهما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سکینته علیه واید ہ بجنود لم تروها**۔۸۔ حق تعالیٰ کی خصوصی حفاظت اس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے **والله یعصمک من الناس** اور اسی طرح دوسری آیت میں ہے **انا کفیناک المتهزئین** ۔۹۔ دعاء کا قبول ہونا اور اس کی مثالیں بہت ہیں مثلاً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء پر حق تعالیٰ نے فوراً بارش شروع فرمادی اور ایک ہفتہ بعد دعاء سے مدینہ منورہ پر سے بادل ہٹ گئے ۔۱۰۔ دشمنوں کی ہلاکت جیسا کہ بدر کے واقعہ میں لڑائی سے ایک دن پہلے فرما دیا تھا کہ کل یہاں فلاں کافر مرا پڑا ہوگا اور یہاں فلاں کافر مرا پڑا ہوگا۔ اور اسی طرح ہوا۔ **انه**:۔ یہ اسم فعل ہے ھیھات کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی پانی بہت دور ہے۔ **انها مؤ تمته**:: ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کی اولاد یتیم ہو چکی ہو۔ **تنض** :۔ اور ایک نسخہ میں نون کی جگہ باء ہے تبض دونوں کے معنیٰ ہیں پھٹ رہی تھی **ذلک الصرم** :۔ وہ بستی **فرأیت الماء ینبع من تحت اصابعه** :۔ یہ ایسا عجیب وغریب معجزہ تھا کہ جس کی مثال انبیاء سابقین علیہم السلام میں نہیں ملتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نیچے سے پانی اچھل رہا تھا۔ **فجهش الناس** :۔ لوگوں نے جلدی کی۔

ولاٹھنی مجھ پر لپیٹ دیا۔ **ثم قال اندن بعشرة** :۔صرف دس کواجازت کیوں دی دوتوجیہیں ہیں۔ا۔تاکہ کھلانا آسان ہو جائے ۔۲۔ برتن دس سے زیادہ کی گنجائش نہ رکھتا تھا۔ **کنا نعد الأیات برکته وانتم تعدونها تخویفاً**۔معجزات میں برکت اورتخویف کے لحاظ سے دوتوجیہیں ہیں۔ا۔ ابتداء اسلام میں معجزات میں غلبہ تخویف کفار کا تھا پھرظہور غلبہ اسلام کے بعد غلبہ برکت کا ہوگیااورمومنین کے دلوں کومضبوط کرنے کا غلبہ ہوگیا۔۲۔ بعض نشانیاں برکت کے لئے ہیں جیسے کھانے کا زیادہ ہونااور پانی کا زیادہ ہونااور بعض نشانیاں تخویف کے لئے ہیں جیسے زلزلہ سورج گرہن اور چاند گرہن ۔ **وابو بکر و ثلثته**:. یہاں ثلثته مرفوع ہے اصل عبارت یوں ہے وانطلق ابو بکر و ثلثته ۔ **یاغنثم** :۔اس کے معنیٰ ہیں یاجاہل۔ **کصوت العشار**:. یہ جمع ہے عشراء کی دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں ۔ **لا تقوم الساعته حتیٰ تقاتلوا حوزا و کرمان** :۔یہ دونوں جگہوں کے نام ہیں جن کومسلمان فتح کر چکے ہیں۔ **لم اکن فی شئی احرص علیٰ ان اعی الحدیث منی فیهن**:. یعنی جتنا میں ان تین سالوں میں حدیث یاد کرنے پر حریص تھا اتنا کسی زمانہ میں حدیث یاد کرنے پر حریص نہ تھا۔گویا مفضل بھی حضرت ابو ہریرہ ہی ہیں ان تین سالوں کے لحاظ سے اور مُفضل علیہ بھی حضرت ابو ہریرہ ہی ہیں باقی عمر کے لحاظ سے **وهو هذا البارز**:. راء کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ نکلنے والا مراد جنس ہے جہاد کے لئے نکلنے والے۔ **وقال سفیان مرة وهم اهل البازر**: ۔اس میں زاء کا فتحہ ہے اور یہ عجمی لفظ بازار سے لیا گیا ہے۔کہ جوسوق کو بازار کہتے ہیں ان سے تم جہاد کرو گے اوراس حدیث پاک میں جواشارہ ہے وہ اوپر سے نیچے ہاتھ کوترچھالانا ہے یعنی تلوار چلانا اور جہاد کرنا **فاین دعار طیئی** :۔یہ لفظ دعار جمع ہے داعر کی جس کے معنیٰ ہیں مفسد **قد سعروا البلاد**:. شہر جلادئے یعنی بہت فتنہ برپا کیا۔

رعامها:۔وہ پانی جوبکری کے ناک سے بہتا ہے۔ **لا تقوم الساعته حتی یقتل فئتان دعوا هما واحدة** :۔ اس کے دومعنیٰ کئے گئے ہیں۔ا۔ دونوں کا دین ایک ہوگا ۔۲۔ دونوں میں سے ہرایک کہتا ہوگا کہ میں حق پر ہوں ۔ پھراس کا مصداق جنگ صفین قرار دیا گیا ہے جوحضرت علی اورحضرت امیر معاویہ کے درمیان ہوئی ان میں سے ایک حق پر تھےاور دوسرے کی خطا اجتہادی تھی۔اوراس میں سکوت اولیٰ ہے۔ **یمرقون من الدین**:. اس کے دومعنیٰ کئے گئے ہیں ایمان سے نکل جائیں گے ۔۲۔ امام کی اطاعت سے نکل جائیں گے ۔ **رصافه**:. وہ پٹھا جوتصل پر لپیٹا جاتا ہے جہاں وہ لکڑی میں داخل ہوتا ہے۔گویا تیر کے جوڑ پر لپیٹا ہوا پٹھا۔ **قذذه** :۔اس کا مفرد قذة ہےایک پرضابتہ:۔ **دهندا قرا فلان**:. یہاں حرف نداء محذوف ہے تقدیرعبارت یوں ہے اقرایا فلان فروةٌ وہ کھال جو پہنی جاتی ہے۔ **انفض** :۔میں پہرہ دوں گا۔ **قعب** :۔دودھ کے لئے پیالہ فارتطمت سخت زمین میں گھوڑا دھنس گیا۔ **رایتُ فی یدی سوارین من ذهب**:. دونوں ہاتھ بمنزلہ دوشہروں کے تھے ایک صنعا جو اسود عنسی کا شہر تھا اور دوسرا یمامہ جومسیلمہ کذاب کا شہر تھااورسواران یعنی کنگن مولی چوڑیاں خود ان دونوں کذابوں کی صورت مثالیہ تھی اوران کا سونے سے بنا ہوا ہونا اشارہ تھاان کی ان باتوں کی طرف جو یہ کرتے تھے جن کی وجہ سےلوگ دھوکے میں آجاتے تھےاوران کے پیچھے لگ جاتے تھے **یخر جان بعدی**:۔میرے ظہور کے بعد ظاہر ہوں گے۔ **انی هززتُ سیفا فانقطع صدره**:. سیف کا مصداق مومنین ہیں جودین کی امداد کرتے ہیں۔اورتلوار کو ہلانا یہ مومنین کا استعمال کرنا ہے کافروں کے ساتھ لڑنے میں اور تلوار کے اگلے حصے کا ٹوٹنا یہ بعض صحابہ مثلاً حضرت حمزہ وغیرہ کا شہید ہونا ہے غزوہ احد میں۔ **ورائیت فیها بقراً** :۔یعنی گائے میں نے خواب میں دیکھی جوذبح ہورہی تھی ۔ یہ بھی وہی بعض مسلمانوں کا غزوہ

احد میں شہید ہونا ہے۔ **واللہ خیر:** یعنی یہ الفاظ مبارکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں سنے۔ان الفاظ مبارکہ کی تعبیر میں اقوال مختلف ہو گئے۔ا۔اللہ تعالیٰ کا معاملہ شہداء کے ساتھ اُن کے دنیا میں رہنے سے بہتر ہے۔۲۔اللہ تعالیٰ کی فتوح اور ثواب جو بدر ثانیہ کے بعد حاصل ہوئیں وہ بہتر تھیں اس نقصان سے جو غزوہ احد میں ظاہری طور پر مسلمانوں کو برداشت کرنا پڑا۔۳۔واللہ خیر کا تعلق خواب سے نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے لیکن یہ تیسرا قول ضعیف شمار کیا گیا ہے کیونکہ آگے حدیث پاک میں واللہ خیر کی تعبیر مذکور ہے **واذاالخیر ما جاء اللہ به من الخیرو ثواب الصدق الذی اتا نا اللہ بعد یوم بدر۔**

ولعل اللہ ان یصلح به بین فئتین من المسلمین:۔ اس حدیث پاک سے شیعہ کے دوعقیدوں کی تردید ہوگئی۔ا۔شیعہ حضرت امیر معاویہ کونعوذ باللہ اسلام سے خارج شمار کرتے ہیں اس حدیث میں اُن کے اسلام کی تصریح ہے کیونکہ فئتین من المسلمین ارشادفرمایا ہے اسی بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حسن کوتو شیعہ مانتے ہیں تو ان کا صلح کر لینا حضرت امیر معاویہ سے خوداس بات کی دلیل ہے کہ حضرت حسن ان کودائرہ اسلام سے خارج نہ مانتے تھے ورنہ لازم آتا کہ نعوذ باللہ مسلمانوں کی سلطنت ایک کافر کے حوالے کر دی۔۲۔شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کی مخالفت کفر ہے اس کی صراحتہ تردید ہوگئی کہ حضرت امیر معاویہ نے مخالفت فرمائی اس کے باوجود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مومن قرار دیا **اما انها سیکون لکم الا نما ط:۔** دو باتیں ثابت ہوئیں۔ا۔اخبار بالغیب بطور معجزہ ۲۔نمدوں کا استعمال جائز ہے۔ **ضرب الناس بعطن:۔** اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کو عطن کہتے ہیں۔

باب قول اللہ یعرفونه کما یعرفون ابناء هم

غرض اور ربط یہ ہے کہ توراۃ اور انجیل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اتنی زیادہ بیان فرمادی گئی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی یہودی اور عیسائی علماء پہچان لیتے تھے کہ یہی نبی آخر الزمان ہیں صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ **اولم یکن لهم آیته ان یعلمه علماء بنی اسرائیل۔**

باب سوال المشرکین ان یریهم النبی صلی اللہ علیه وسلم آیته فاراهم انشقاق القمر

غرض معجزہ انشقاق قمر کا بیان فرمانا ہے اور یہ واقعہ قرآن پاک سے بھی ثابت ہے اور حدیث متواتر سے بھی ثابت ہے۔سوال بعض ملحد اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ایک عجیب واقعہ ہے اور عجیب واقعہ کو لوگ بہت نقل کیا کرتے ہیں اس کو بہت زیادہ لوگوں نے نقل نہیں کیا ۔جواب چونکہ یہ رات کے وقت واقع ہوا جبکہ اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے اس لئے انھوں نے توجہ نہ کی جیسے چاند گرہن کا پتہ بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔حضرت تھانوی نے تاریخ سے ایک ہندو راجہ کا واقعہ نقل فرمایا ہے کہ وہ اپنے محل میں سیر کر رہا تھا کہ اس نے چاند کا دوٹکڑے ہونا دیکھا۔اور تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ عرب کے ایک شخص کے اشارہ سے ایسا ہوا ہے۔اوراب تو یہ بات مشاہدہ سے بھی ثابت ہوگئی ہے کہ چاند کے دوٹکڑے ہوئے ہیں اور دوبارہ چاند کو جوڑا گیا ہے۔اور وہ اس طرح کہ امریکہ نے چاندگاڑی وغیرہ کے ذریعہ سے جو چاند تک آدمی پہنچائے ہیں انھوں نے مشاہدہ کیا ہے کہ پورے چاند کے درمیان ایک لکیر موجود ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں چاند کے دوٹکڑے کئے گئے ہیں اور پھر دوبارہ ان دونوں ٹکڑوں کو جوڑا گیا ہے اوران چاند پر جانے والوں نے اس لکیر کا نام بھی اسی قسم کا رکھا ہے جس کے معنیٰ ہیں اہل عرب کی کھائی یا اہل عرب کی لکیر کیونکہ اہل عرب کی وجہ سے دوٹکڑے ہوئے تھے **سبحان اللہ وبحمده سبحان اللہ العظیم۔**

باب: یہ باب علامات النبوۃ کا تتمہ ہے۔ **حتی یا تیهم امر اللہ وهم ظاهرون:۔** بعض نے اس حدیث سے یہ استدلال کرلیا کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا

ہے کہ اجتھاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ کیونکہ اس حدیث پاک میں ہے کہ قیامت تک دین غالب رہے گا اور غلبہ دین کے بقاء سے اور علم دین کے بقاء سے اور اجتھاد فی الدین کے بقاء سے ہے اس لئے اجتھاد بھی قیامت تک باقی رہے گا جواب اس کا یہ ہے کہ دین کا بقاء علم دین پر تو موقوف ہے اجتھاد فی الدین پر موقوف نہیں۔ **مسئلته الا جتهاد و التقليد:.** اس مسئلہ میں ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کے سات دعوے ہیں۔ ا۔ پہلی چار صدیوں میں بعض پر تقلید واجب تھی اور بعد میں سب پر تقلید واجب ہے۔ کیونکہ اجتھاد کے معنیٰ ہیں قرآن اور حدیث اور قواعد عقلیہ صحیحہ اور قواعد عربیہ صحیحہ کی امداد سے ایسے اصول مرتب کرنا جن کی امداد سے قیامت تک پیش آنے والے مسائل کو قرآن وحدیث سے نکالا جا سکے اور نصوص کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ واضحہ غیر متعارضہ ۔۲۔ غیر واضحہ ۔۳۔ واضحہ متعارضہ۔ پہلی قسم میں نہ اجتھاد کی ضرورت ہے نہ تقلید کی بلکہ بلا واسطہ قرآن و حدیث پر عربی لغت جاننے والا عمل کر سکتا ہے اور ایسے مسائل عموماً مشہور ومعروف ہوتے ہیں جیسے نماز کا فرض ہونا۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کا فرض ہونا۔ چوری ڈاکہ۔ زنا سود کا حرام ہونا وغیرہ نصوص کی باقی دوقسموں میں اگر مجتھد ہے تو اپنے اجتھاد کی وجہ سے خفاء کو دور کرے گا۔ تو تعارض اٹھائے گا اور اگر مجتھد نہیں ہے تو مخفی نص پر بھی عمل نہیں کر سکتا اور متعارض نصوص پر بھی عمل نہیں کر سکتا کیونکہ متعارض نصوص میں ہے ہر ایک پر عمل کرنا محال ہے دونوں کو چھوڑ دے تو سارا دین چھوٹ جاتا ہے کیونکہ اکثر اعمال میں اجتھادی اختلاف اور تعارض نصوص موجود ہے اور ظاہر ہے کہ پورے دین کو چھوڑنا اس آیت کے خلاف ہے **ایحسب الا نسان ان يترك سدىٰ** لامحالہ غیر مجتھد کے ذمہ مجتھد کی تقلید ہے تاکہ اس کی رائے کے مطابق خفاء کو دور کرے اور تعارض کو اٹھائے اور ان دونوں قسم کی نصوص پر عمل کرے اب غیر مجتھد چار صدیوں کے بعد سب ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ چار صدیوں کے بعد نہ ۹ سال کی بچی درجہ اجتھاد کو پہنچتی ہے۔ نہ ۱۲ سال کا بچہ اجتھاد کے درجہ تک پہنچتا ہے۔ اور ۹ سال کی بچی بالغ ہوسکتی ہے اور ۱۲ سال کا بچہ بالغ ہوسکتا ہے اب وہ عمل کیسے کریں ظاہر ہے کہ تقلید کریں البتہ شروع کی چار صدیوں میں بعض حضرات بالغ ہونے کے کچھ عرصہ بعد یا بالغ ہوتے ہی درجہ اجتھاد کو پہنچ جاتے تھے تو ان کے ذمہ صرف یہ تھا کہ جب تک درجہ اجتھاد کو نہ پہنچیں تقلید کریں جب پہنچ جائیں تو اجتھاد کریں پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ پہلی چار صدیوں میں بعض پر اور بعد میں سب پر تقلید واجب ہوئی ۔۲۔ دوسری دلیل اسی دعوے کی کہ ہم سب درجہ اجتھاد کو پہنچے ہوئے نہیں اور ہم پر تقلید واجب ہے اور پہلی چار صدیوں میں بعض درجہ اجتھاد کو پہنچے ہوئے نہ ہوتے تھے اور ان بعض پر تقلید واجب ہوتی تھی یہ ہے کہ جب خیر القرون میں حضرات صحابہ کرام دونوں قسم کے تھے۔ بعض درجہ اجتھاد کو پہنچے بعض نہ پہنچے تو آج کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب یقیناً درجہ اجتھاد کو پہنچ چکے ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے **عن جابر قال خرجنا في سفر فا صاب رجلا منا حجر فشجه في راسه ثم احتلم فسال اصحابه فقال هل تجدون لي رخصته في التيمم قالوا ما نجد لك رخصته وانت تقدر على الماء فاغتسل فحات فلما قد منا على النبي صلى الله عليه وسلم اخبر بذلك فقال قتلوه قتلهم الله تعالىٰ الا سئلوا اذلم يعلموا فانما شفاء العيي السوال** یہ دو تین صحابی جنھوں نے فتویٰ دیا کہ سر کا دھونا ضروری ہے درجہ اجتھاد کو پہنچے ہوئے نہ تھے۔ ان پر تقلید واجب تھی **انما شفا العي السوال** پھر بھی تقلید نہ کی اور اجتھاد کیا تو ایک صحابی کی موت کا ذریعہ بن گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید ناراض ہوئے اسی طرح سنن ابی داؤد میں ہے **عن ابی سعيد الخدری قال خرج رجلان في سفر فحضرت الصلوة وليس معهما ماء فيتمما صعيدا طيبا فصلّيا ثم وجد الماء في الوقت فاعاد احدهما الصلوٰة ولم يعد**

الآخر ثم ایتار سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرا ذلک لہ فقال للذی لم یعدا صبت السنتہ واجزأ تک صلوتک وقال للذی توضأ واعادلک الا جر مرتین جس نے نماز دہرائی وہ غلطی پر تھا لیکن کسی سے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوئے کیونکہ دونوں درجہ اجتھاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ پس جب صحابی بعض درجہ اجتھاد تک پہنچے ہوئے نہ تھے تو آج کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ہم سب یقیناً درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پس غیر مجتھد کے ذمہ تقلید ہے۔ ۳۔ تیسری دلیل حق تعالےٰ کا ارشاد ہے لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم کہ غیر مجتھد صحابہ کے ذمہ ہے کہ وہ صحابہ میں سے ان کو جہاد کی خبریں پہنچائیں جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں تو وہ مجتھدین جان لیں گے کہ اس خبر کو مشہور کرنا مناسب ہے یا نہ اس آیت سے بھی صاف معلوم ہوا کہ سب صحابہ درجہ اجتھاد کو پہنچے ہوئے نہ تھے۔ ۴۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الا مر منکم ان اولی الامر سے مراد یا تو بادشاہ اور اس کے ساتھی حکام ہیں یا فقہاء ہیں اگر حکام ہیں تو حکام کے ذمہ بھی بالا تفاق واجب ہے کہ اگر وہ مجتھد نہیں ہیں تو فقہاء کا اتباع کریں۔ دونوں تفسیروں سے یہی ثابت ہوا کہ فقہاء کی تقلید ضروری ہے اور منکم سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سب مجتھد نہیں ہیں۔ ۵۔ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر معلوم ہوا کہ نجات کے دو ہی راستے ہیں۔ خود عاقل و مجتھد ہو یا عاقل و مجتھد کی بات سن کر اس کو مانے اور عمل کرے یہی تقلید ہے۔ دعویٰ ۲۔ تقلید شخصی ضروری ہے وجہ۔ ۱۔ واتبع سبیل من اناب الیّ اصل مفرد کا صیغہ ایک کے لئے ہی ہوتا ہے۔ ۲۔ حدیث پاک میں صحابہ کرام کے متعلق ارشاد ہے بایھم اقتدیتم اھتدیتم کہ کسی ایک صحابی کا اتباع نجات کے لئے کافی ہے۔ ۳۔ دو کی تقلید سے لازم آتا ہے کہ کسی ایک اصول کے مطابق اس نے قرآن وحدیث پر عمل نہیں کیا جو ضروری تھا مثلاً مفہوم مخالف سے سینکڑوں مسائل متفرع ہوتے ہیں جو ایک کی تقلید نہیں کرتا اس نے ایک دن میں پچاس مسئلے مفہوم مخالف کو حجت مان کر لئے اور پچاس حجت نہ مان کر لئے کسی ایک اصول کے لحاظ سے وہ قرآن وحدیث پر عمل کرنے والا نہ رہا۔ بعض غیر مقلد کہہ دیتے ہیں کہ ہم اصول نہیں مانتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو آپ نماز کو فرض بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ نماز کا فرض ہونا بھی تو اصول کی بناء پر ہے وہ اصول یہ ہے الامر للوجوب اور اقیموا الصلوٰہ میں امر ہے اس لئے نماز واجب بمعنی فرض ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم اصول کو نہیں مانتے۔ اسی طرح جو دو اماموں کی تقلید کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ ایک دن میں وہ پچاس دفعہ اپنا اصول بدلتا ہے مثلاً خبر واحد ہمارے نزدیک ایسی ہے کہ اس سے قرآن پاک پر زیادۃ نہیں ہوسکتی شوافع حضرات کے نزدیک زیادتی ہوسکتی ہے اس اصولی اختلاف سے بھی سینکڑوں مسائل نکلتے ہیں اب جو شخص تقلید شخصی نہیں کرتا اُس نے مثلاً ایک دن میں ایک سو عمل کئے جن کا تعلق خبر واحد سے زیادتی کے جواز وعدم جواز سے ہے اب ان صاحب کو کچھ پتہ نہیں کہ میں خبر واحد سے زیادتی کر رہا ہوں یا نہ اس نے ایک دن میں پچاس باتوں میں حنفیہ کا قول لیا پچاس کاموں میں شوافع کا لیا گویا پہلے خبر واحد سے قرآن پاک پر زیادتی کو جائز کہا پھر پانچ منٹ کے بعد ناجائز کہہ دیا کسی ایک اصول کے مطابق بھی قرآن و حدیث پر عمل کرنے والا نہ بنا گویا تارک قرآن وحدیث بن گیا اور جو صرف حنفی فقہ پر عمل کر رہا ہے اُس نے زیادتی کو ناجائز کہا۔ پس کوئی خرابی لازم آئی اور جس نے صرف امام شافعی کی تقلید کی اُسی نے صرف جائز کہا بس۔ کوئی خرابی لازم نہ آئی اس لئے تقلید شخصی ضروری ہے۔ ۴۔ چوتھی دلیل تقلید شخصی کے واجب ہونے کی یہ ہے کہ اگر تقلید شخصی نہ کی جائے تو بعض دفعہ خلاف اجماع لازم آجاتا ہے مثلاً گھر سے نکلتے وقت بیوی کو ہاتھ لگالیا تو کہے گا حنفی مسلک پر میرا وضو نہیں ٹوٹا راستہ میں کانٹا چبھ گیا تو کہے گا کہ اگرچہ خون بہہ گیا ہے۔ لیکن شافعی مسلک کے لحاظ سے میرا وضو نہیں ٹوٹا

اب جا کر جونماز پڑھی یا پڑھائی بالا جماع نہ ہوئی۔ ۵۔ دواماموں کو تقلید کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک مسجد کے دو دروازے ہوں ایک سے داخل ہو کر پھر باہر نکلے اور دوسرے سے داخل ہو جائے۔ مقصد اتباع سنت ہے ہر امام اسی کی کوشش کرتا ہے اس لئے ایک امام کا اتباع کافی ہے۔ دوسرے امام کے اتباع کی کیا ضرورت ہے۔ ۶۔ دواماموں کا اتباع کرنا بیک وقت دو گھوڑوں پر یا دو کاروں پر یا دو بسوں پر سوار ہونے کی طرح ہے۔ جب نجات کے لئے ایک امام کا اتباع کافی ہے تو بیک وقت دواماموں کا اتباع غلط طریقہ ہے۔ دعویٰ ۔۳۔ چارصدیوں کے بعد اجتہاد کرنے والا کوئی پیدا نہ ہوا۔ اس کی دلیل ۔۱۔ علماء کا اجماع ہے جو تتبع اور تلاش کے بعد واقع ہوا ہے۔ اکابر علماء کی جستجو اور تلاش سے یہ بات بالا تفاق ثابت ہو چکی ہے کہ چار صدیوں کے بعد دنیا بھر میں ایک عالم بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو اور علماء نے اس کو مجتہد تسلیم کر لیا ہو۔ ۲۔ دوسری دلیل مشاہدہ ہے کہ چالیس سال فقہ اور حدیث پڑھانے والے اقرار کرتے ہیں کہ ہم درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے۔ اگر تقلید حرام ہو تو بالغ ہونے سے پہلے ہر بچہ اور بچی کا درجہ اجتہاد کو پہنچنا ضروری ہے آپ ہمیں دکھاویں کہ ۹ سال کی کونسی بچی درجہ اجتہاد کو پہنچی ہوئی ہے اور ۱۲ سال کا کونسا بچہ درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہے۔ کوئی ایک دو حدیث کی کتابیں پڑھنے والا اگر اپنے آپ کو مجتہد سمجھتا ہے تو وہ علماء کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرے وہ فیصلہ کر دیں گے کہ جناب کتنے پانی میں ہیں

بہماصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

دعویٰ ۔۴۔ ہمارے علاقوں میں حنفیت کے سوا چارہ نہیں کیونکہ دوسرے مسالک کے مفتی نہیں ملتے۔ شام میں حنفی اور شافعی دونوں قسم کے مفتی حضرات موجود ہیں۔ مصر میں مالکیہ کے مفتی ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں چاروں فقہوں کے مفتی مل جاتے ہیں۔ دعویٰ ۔۶۔ چارصدیوں میں اجتہاد پائے جانے میں حکمت تھی۔ اگر قرآن وحدیث میں معانی مختلفہ اور ظاہراً تعارض نصوص اور ناسخ ومنسوخ کا مخفی رہنا اور بہت سی حدیثوں کے متعلق ضعیف اور قوی ہونے کا اختلاف نہ ہوتا تو سارا دین صرف قدوری جیسی ایک کتاب میں بند ہو کر رہ جاتا۔ نہ فقہ کی کتابوں کے انبار ہوتے نہ دلائل نہ طلب علم کی ضرورت ہوتی نہ فضیلت علم ظاہر ہوتی۔ نہ علماء کی فضیلت ثابت ہوتی نہ علم کی وسعت ہوتی نہ مدارس ہوتے اس لئے حق تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ اجتہاد ہو اور اجتہاد میں اختلاف ہو اور یہ سب چیزیں ثابت ہو جائیں دعویٰ ۔۷۔ چارصدیوں کے بعد اجتہاد بند ہونے ہی میں حکمت تھی۔ ورنہ دین میں اجتماعیت اور اتفاق واتحاد ختم ہو جاتا ہر شخص کا اپنا مسلک ہوتا۔ اور ایک شہر میں ہزار ہزار مسلک ہوتے اور اسلام کی اجتماعی عظمت و شوکت ظاہر نہ ہوتی۔ **غیر مقلدین کی دلیلیں اور جواب**:۔۱۔ واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اباء نا ۔ یہ مقلد بھی قرآن وحدیث کو چھوڑ کر ائمہ کا اتباع کرتے ہیں ۔ جواب ۔ ہمارے آباء یعنی حضرات مجتہدین اور مشرکین کے آباء واجداد میں دو فرق ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے آباء جاہل تھے۔ ہمارے مقتداء علم وتقویٰ کے پہاڑ ہیں۔ دوسرے وہ صریح دلائل اور صریح آیات ومعجزات کو چھوڑ کر آباء کے اقوال لیتے تھے۔ ہم صریح آیات میں تو تقلید کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے صرف تعارض اور آیات واحادیث کے معانی مخفی ہونے کی صورت میں تقلید کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ہم نہ خود تعارض اٹھا سکتے ہیں نہ مخفی آیات واحادیث کے معانی خود سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے تقلید کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ۔۲۔ غیر مقلدین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم تو کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں یہ لکھا ہے اور تم اس کے مقابلہ میں کہتے ہو کہ ہمارے امام نے یوں کہا ہے بتلاؤ کس کا قول اقویٰ ہے۔ جواب ۔ تم قرآن وحدیث میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہو اور ہم قرآن وحدیث کے معنیٰ سمجھنے میں بڑے درجہ کے علماء ومجتہدین کی رائے پر عمل کرتے ہیں مقابلے تمہاری رائے اور امام ابوحنیفہ کی رائے کا ہے تم میں تو قرآن وحدیث کے اردو ترجمہ پڑھنے کی بھی

آج کل کے مجتہد نے یہ کیا کہ جب اکیلا نماز پڑھتا تھا تو آرام سے پڑھتا تھا اور جب کبھی امام بن جاتا تو بہت ہل ہل کر اور بدن کو ہلا ہلا کر پڑھتا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو جناب اردو ترجمہ والی مشکوٰۃ شریف اٹھا لائے اس میں حدیث پاک تو یوں تھی **فمن امّ قوماً فليخفّف** کہ تم میں سے کوئی کسی قوم کا امام بنے تو وہ ہلکی نماز پڑھائے یعنی بہت لمبی نہ پڑھائے وہ مجتہد صاحب ترجمہ یوں پڑھتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی قوم کا امام بنے تو وہ ہل کے نماز پڑھائے۔ ایک جلد ساز بھی مجتہد تھے ہر کتاب میں جو جلد بننے آتی کانٹ چھانٹ کرتے ایک شخص نے قرآن پاک جلد بنانے کے لئے دیا اور تاکید کر دی کہ اس میں کوئی کانٹ چھانٹ نہ کرنا لیکن جب جلد تیار ہوئی تو علامہ وقت جلد ساز صاحب فرماتے ہیں کہ صرف چھاپے کی دو تین غلطیاں ٹھیک کی ہیں ایک یہ کہ تمہارے قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام کے ساتھ کفر کا لفظ غلطی سے چھپ گیا تھا ما کفر سلیمان میں نے ٹھیک کر دیا ما مسلما ن سلیمان دوسرے خرّ موسیٰ صعقا۔ چھپ گیا تھا۔ حالانکہ خر ا گدھا تو عیسیٰ علیہ السلام کا تھا اس لئے میں نے ٹھیک کر دیا خر عیسیٰ اور تمہارے قرآن پاک میں کافروں کے نام فرعون اور ھامان لکھ دیئے گئے تھے میں نے کہیں تمہارا نام لکھ دیا کہیں اپنا نام لکھ دیا یہ ہے تمہاری رائے کا حال اور ہمارے ائمہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ علم کے پہاڑ تھے جن کے سامنے قرآن وحدیث کے مضامین دو دو نے چار کی طرح واضح تھے۔ ۳۔ غیر مقلدوں کی تیسری دلیل یہ ہے کہ دیکھو شاہ ولی اللہ جیسے بڑے درجے کے علماء غیر مقلد تھے جن کے تم شاگرد ہو۔ جواب۔ یہ غلط ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ غیر مقلد تھے وہ پکے حنفی تھے ان کی نگرانی میں عالمگیری حنفی فتویٰ کی کتاب تیار ہوئی تھی لیکن وہ حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ جہاں تک ہو سکے دوسرے فقہاء کے اقوال کا بھی لحاظ فرماتے تھے اور یہ مستحب ہے جبکہ اپنے مذہب کے لحاظ سے مکروہ تحریمی لازم نہ آئے۔ ایسے ہی مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی حنفی تھے لیکن دوسرے فقہاء کی بھی رعایت فرماتے رہتے تھے کسی نے پوچھا حضرت آپ قراءت خلف الامام کے مسئلہ میں کیسے دوسرے فقہاء کے اقوال کی رعایت فرما سکتے ہیں حنفی مسلک میں پیچھے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور شافعی مسلک میں فرض ہے۔ فرمایا میں تو ہمیشہ امام ہی بنتا ہوں۔

وهم بالشام: یہ الفاظ موقوفاً ہیں مرفوعاً ثابت نہیں ہیں کہ حضرت معاذ فرما رہے ہیں کہ وہ دین پر رہنے والی جماعت شام میں ہوگی پھر حضرت معاویہ یہ جو حوالہ دے رہے ہیں کہ دیکھو مالک بن یخامر یہ بھی فرما رہے ہیں **وهم بالشام** کہ وہ دین پر قائم رہنے والی جماعت شام میں ہوگی تو گویا حضرت امیر معاویہ اپنا حق پر ہونا ثابت فرمانا چاہتے ہیں اس پر یہ اشکال ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک تو حضرت علی حق پر تھے اور حضرت امیر معاویہ کی غلطی اجتہادی تھی جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ کی تفسیر کا تعلق قرب قیامت سے ہے کہ قرب قیامت میں جو جماعت حق پر ہوگی وہ شام میں ہوگی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شام میں دمشق میں اتریں گے۔

باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض حضرات صحابہ کرام کے فضائل کا بیان فرمانا ہے اس پر اجماع امت ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک ہستیاں اعلیٰ درجہ کی عادل تھیں روایت میں بھی اور شہادت میں بھی بہت سے دلائل ان پاک ہستیوں کی فضیلت میں وارد ہیں مثلاً۔ ۱۔ **محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم** الآیۃ حق تعالیٰ خود حضرات صحابہ کرام کی مدح فرما رہے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ مدح فرما دیں ان پر اعتراض کرنے والے کا منہ کالا۔ **وكذالك جعلنا كم امته وسطاً** یہاں وسط بمعنی خیار کے ہے اور اس آیت کا اولی مصداق حضرات صحابہ کرام ہیں۔ ۳۔ **يوم لايخزى الله النبى والذين امنوا معه نورهم يسعىٰ بين ايديهم وبايمانهم**۔ ۴۔ حدیث پاک ہے **اصحابى كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم** رواہ رزین اس میں اقتداء کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ فاسق کا اقتداء نہیں ہوتا

بلکہ عادل کا اتباع ہوتا ہے پھر اس حدیث پاک کی سند میں گو محدثین نے کچھ کلام کی ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے اس حدیث پاک کا درجہ حسن کا شمار کیا گیا ہے۔ ۵۔ صحیحین میں مرفوع روایت ہے خیر القرون قرنی اور خیریت بلا عدالت کیسے ہوسکتی ہے اس لحاظ سے بھی عدالت کا اعلیٰ مقام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ثابت ہے۔ ۶۔ فی مسند بزار و رجالہ ثقات عن جابر مرفوعاً ان اللہ اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین۔ ۷۔ خود عقل اور قیاس عادل گواہ ہے ان پاک ہستیوں کی عدالت وعظمت بیان کرنے کے لئے کیونکہ ان پاک ہستیوں نے اپنی جانیں اور اپنے مال دین مبین کی نصرت میں خرچ کردیئے اس لئے ان پاک ہستیوں پر اعتراض کرنے والا اپنے آپ پر اعتراض کرنے والا ہے۔

؎ حملہ برخود مے کنی اے سادہ مرد　　ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

ایک خرگوش نے ایک شیر سے کہا کہ اس کنویں میں شیر رہتا ہے اس کو ختم کردو اس نے جھانک کر دیکھا تو اپنا عکس نظر آیا اس پر حملہ کر دیا اور ہلاک ہوگیا۔ بس ان پاک ہستیوں کی عدالت قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے اور ان حضرات کا آپس میں اختلاف اجتہادی ہے۔ پس جب حق تعالیٰ نے ہم پر فضل فرمایا ہے کہ ان پاک ہستیوں کے خون سے ہمارے ہاتھ نہیں رنگے تو ہمیں ہوش کرنی چاہئے ہم اپنی زبانوں کو ان پاک ہستیوں کی برائیوں کا ذکر کر کے کیوں گندا کریں۔ ہم کیوں کسی صحابی کی برائی کریں۔ ہم کوئی قاضی ہیں ثالث ہیں ہم نے ان میں سے کسی کو سزا دینی ہے کہ ہم بحث کریں کہ نعوذ باللہ فلاں کی یہ غلطی تھی فلاں کہ یہ غلطی تھی پس سکوت سکوت ہی مناسب ہے۔ ان حضرات کی عدالت کا انکار حقیقت میں قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس کا انکار ہے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مربی اور مزکی اور مصلح ہونے کا انکار ہے پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی اصلاح نہ فرما سکے نعوذ باللہ وہ حقیقت میں نبوت ہی کے منکر ہیں کیونکہ اصلاح ہی تو مقصد تھا نبوت کا جب نعوذ باللہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح نہ فرما سکے بقول ان معترضین کے تو بعد والوں کی کیا اصلاح فرمائیں گے۔ نعوذ باللہ من ذلک اگر ان احمق معترضین کے قول کے مطابق قرن صحابہ شر القرون ہے تو پھر خیر کس صدی میں ہوگی اس لئے حضرات صحابہ کرام پر اعتراض کرنے والے دین کے دشمن اور قرآن وحدیث کے منکر ہیں۔ ۸۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی عدالت پر اجماع امت خود مستقل دلیل ہے۔ ۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جماعت کا تزکیہ فرمایا ہے۔ ۱۰۔ اگر وہ عادل نہ ہوں گے تو عادل کون ہوگا۔ ۱۱۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی عدالت کا انکار اس کو مستلزم ہے کہ دین کا فائدہ کوئی حاصل ہی نہیں کر سکتا۔ ۱۲۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عادل نہ ملنا قرن اول کو شر القرون قرار دیتا ہے جو باطل ہے۔ ۱۳۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی پاک ہستیوں پر جرح کرنے سے لازم آئے گا کہ قرآن پاک اور حدیث کا نقل ہو کر آگے پہنچنا صحیح نہ ہو۔ ۱۴۔ اس جرح سے معجزات کا ثبوت نہ ہوسکے گا۔ ۱۵۔ اس جرح سے لازم آئے گا کہ سینکڑوں سالوں سے دنیا ساری اندھیرے میں ہے اور قیامت تک اندھیرے میں ہی رہے گی کیونکہ یہ آخری دین ہے اور قیامت تک رہنے والا ہے جب نعوذ باللہ یہ ثابت ہی نہیں ہے تو پوری دنیا نعوذ باللہ اندھیرے میں ہی ہے۔ ۱۶۔ تواتر سے سلف و خلف سے ثابت ہے کہ وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی مخالفت سے ڈرتے تھے اور ان کی قوی محبت رکھتے تھے اور ان کے اتباع سے محبت رکھتے تھے۔ **عدالت کے معانی مختلفہ:** ۔ ۱۔ الانصاف فی المعاملات وایصال الحقوق الی مستحقیھا اسی معنیٰ کے لحاظ سے بادشاہ کو بھی عادل کہا جاتا ہے۔ ۲۔ فسق وعصیان کے مقابلہ میں تقویٰ کو عدالت کہتے ہیں۔ ۳۔ عصمت یعنی گناہ ہونا محال ہو جائے۔ ۴۔ حفاظت کہ گناہ کا ارتکاب نہ ہوا گرچہ ممکن ہو یہ درجہ اللہ تعالےٰ کی خصوصی عنایت سے حاصل ہوتا ہے۔ **اللھم احفظنا اللھم احفظنا اللھم احفظنا** اور شیخ اکبر نے جو اپنی کتاب

فتوحات مکیہ میں امام مہدی کو معصوم کہہ دیا ہے وہ بمعنی محفوظ ہی ہے۔
۵۔ التجنب عن تعمد الکذب فی الروایة و النحراف فیھا اور یہ محدثین کی اصطلاح ہے اور بعض حضرات کے نزدیک یہ پانچویں معنیٰ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں پائے جاتے ہیں لیکن راجح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عدالت میں یہ ہیں کہ ان پاک ہستیوں میں چوتھے معنیٰ اور پانچویں معنیٰ دونوں جمع ہیں اور اگر شاذ و نادر کسی صحابی سے کوئی گناہ ہوا ہے مثلاً زنا یا شراب پیا تو اس نے موت سے پہلے بلکہ گناہ کے فوراً بعد توبہ کر لی ہے اور ظاہر ہے کہ ہر توبہ کرنے والے کو معافی مل جاتی ہے اس لئے ایسے صحابی بھی پاک صاف ہی فوت ہوئے ہیں۔ عدالت کے تیسرے معنی انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور فرشتوں کی خصوصیت ہے اور دوسرے معنیٰ بہت سے مومنین کاملین میں پائے جاتے ہیں۔ پس تاریخ میں جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اعتراض مذکور ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تاریخوں کو مدون کرنے والے کافر ہیں یا شیعہ ہیں پس قرآن پاک اور احادیث کے مقابلہ میں ان تاریخ والوں کے اعتراض کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر کسی صحابی سے کوئی اجتہادی غلطی ہوئی ہے تو وہ عند اللہ تعالیٰ معاف ہے۔ **ایک اشکال:** مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرھما میں سند جید کے ساتھ عن الحارث ابن ضرار اس آیت مبارکہ کا شان نزول ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا یوں مذکور ہے آئندہ عبارت کا اکثر حصہ روایت باللفظ ہے الجائی کان صحابیا وھو الولید بن عقبة بن ابی معیط اخو عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ لامه بعثه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی الحارث بن ضرار الخزاعی لیقبض ماکان عنده مما جمع من زکوٰۃ قومه فلما بلغ بعض الطرق فرق منه لما کانت لبینھما شحناء فی الجاھلیة فرجع واتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال ان الحارث منعنی الزکوٰۃ واراد قتلی فبعث الیه علیه الصلوٰۃ والسلام بعثاً فصاد فوہ فی الطریق متوجھاً الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نانبروہ الخیر فقال والذی بعث محمد اصلی اللہ علیه وسلم بالحق ماراية بتته ولااتانی فلما دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال منعت الزکوٰۃ واردت قتل رسولی فقال لاوالذی بعثک بالحق ماراية ولارانی ولا اقبلت الاحین احبس علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خشیته ان یکون سخطةمن اللہ ورسوله فنزل یاَیھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا الی قوله سبحانه حکیم بظاہر اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ خود ایک صحابی کو فاسق قرار دے رہے ہیں تو اس جزئی واقعہ سے قاعدہ کلیہ ٹوٹ گیا الصحابتہ کلھم عدول کیونکہ منطق کا اصولی ہے کہ سالبہ جزئیہ سے موجبہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے۔ **جواب:۔** صاحب روح المعانی علامہ آلوسی نے اس کے دو جواب اپنی کتاب الاجوبتہ العراقیة علی الاسئلته الایرانیته میں دیئے ہیں وہ دونوں بلفظہٖ نقل کئے جاتے ہیں۔ ا۔ لایغکر علی العدالة اللتی ندعیھا لھم اعنی مامات من ابتلی بما یفسق الاتائباً عدلاً ببرکة نور الصحبة فلایرد ایضاً صلوته ابالناس الصبح وھو سکران حین دلی کوفته من قبل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه وشربه الخمر قبل ذلک حتی جلدہ علیه بعد ثبوته عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه کما ھو مخرج فی الصیحیحن. ۲. وقیل ' ای فی شان نزول الأیة المذکورہ' ان القوم لما احسوا بقددمه خرجوا یتلقونه وعلیھم السلاح فظن انھم خرجوا یقاتلونه فرجع وقال ماقال بناءً علی ظنه فاخبارہ انما کان عما فی ذھنه علی نحو قول ذی الیدین (ای قول النبی صلی اللہ علیه وسلم مخاطباً لذی الیدین) کل ذلک لم یکن ومثله لایعد کذبا بل ھو صدق مطابق للواقع.لکن بحسب الاعتقار فلایفسق به حقیقةً انما قیل له فاسق مجازاً **عدد الصحابة:۔** حضرات صحابہ کرام رضی

اللہ تعالےٰ عنہم کی گنتی میں تین اہم قول ہیں۔۱۔ ساٹھ ہزار ۲۔ ۱۲۰ ہزار ۳۔ ۱۵۰ ہزار یعنی ڈیڑھ لاکھ یہ تیسرا قول ہی راجح ہے کیونکہ یہ مثبت زیادہ ہے پھران میں سے احادیث نقل کرنے والے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانچ ہزار شمار کئے گئے ہیں۔ **حجیتہ اقوال الصحابة:۔** ۱۔ **والسبقون الاولون من المهاجرين والا نصار والذين اتبعو هم باحسان رضى الله عنهم ورضو اعنه** ۔معلوم ہوا کہ مہاجرین وانصار کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالےٰ راضی ہو چکے ہیں۔۲۔ **اولئک حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون** حضرات صحابہ کرام کو حزب اللہ اور مفلح قرار دیا معلوم ہوا کہ ان جیسا کام کرنے والے اوران کی پیروی کرنے والے بھی کامیاب ہیں۔۳۔ دار قطنی میں حضرت ابن عمر سے مرفوعاً وارد ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم اور کثرۃ طرق کی وجہ سے یہ روایت درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہے۔۴۔ **فی الترمذی عن عبد الله بن عمر و مرفوعاً و تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملةً کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه و اصحابی** .۵. **روىٰ احمد والترمذی وابو داؤد عن عرباض بن سارية رضى الله تعالےٰ عنه مرفوعاً عليكم بسنتى و سنته الخلفاء الراشدين** اور بعض روایتوں میں من بعدی بھی ہے اس سے خلفاء اربعہ کی پیروی کا واجب ہونا ثابت ہوا۔۶۔ **اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرو عمر** اس سے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اتباع کا واجب ہونا ثابت ہوا سوال حضرات صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی رائے میں تو تناقض رہا ہے جواب جیسے اخبار آحاد کا تناقض دور کیا جاتا ہے مختلف مرجحات سے ایسے ہی اقوال صحابہ کا تناقض بھی مختلف مرجحات سے دور کیا جاسکتا ہے۔ **انواع اقوال الصحابة:۔** ۱۔ جب قول صحابی پھیل جائے اور کوئی دوسرا صحابی اس کی مخالفت نہ کرے تو وہ حکم میں اجماع کے ہوجاتا ہے۔۲۔ صحابہ میں اختلاف ہو اور کسی ایک صحابی کا قول ایسا ہو کہ وہ رائے اور اجتھاد سے نہ ہوسکتا ہو تو وہ **عند ابی حنیفته و مالک** حکم میں مرفوع روایت کے ہے اور یہی قول جمہور علماء کا ہے پھر بعض نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ صحابی ایسے ہوں جو اسرائیلیات میں سے نہ لیتے ہوں جیسے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ یہ حضرات بنی اسرائیل سے لی گئی روایات بیان نہ فرمایا کرتے تھے اور دیگر بعض علماء نے یہ قید بھی نہیں لگائی کہ اسرائیلیات میں سے نہ لیتے ہوں بلکہ حکم عام رکھا کہ قول صحابی غیر قیاسی حکم میں مرفوع کے ہے۔۳۔ تیسری قسم قول صحابی کی یہ ہے کہ ایسے معاملہ میں قول صحابی وارد ہوا ہو کہ اس میں رائے کا دخل ہوسکتا ہو اور پھر وہ قول صحابی ہو بھی مرفوع روایت کے خلاف تو ایسے قول کے چھوڑنے پر اتفاق ہے۔۴۔ چوتھی قسم قول صحابی کی یہ ہے کہ معاملہ ایسا ہو کہ رائے کا اس میں دخل ہوسکتا ہو اور مرفوع روایت کے خلاف نہ ہو تو بعض فقہائے نے اسے لے لیا ہے اور اسی میں احتیاط ہے کیونکہ سماع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احتمال موجود ہے اور بعض فقہاء نے ایسے قول صحابی کو نہیں لیا۔ **فضائل صحابہ کا اجمالی ذکر:۔** روافض نے کہہ دیا کہ نعوذ باللہ حضرت علی کی بیعت جو صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد نہ کی تو نعوذ باللہ سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم مرتد ہو گئے حتیٰ کہ شیعہ میں ایک فرقہ ہے کاملیہ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ اُن سے قتال واجب ہو گیا تھا اس واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے نعوذ باللہ حضرت علی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مرتد ہو گئے۔ شیعہ شنیعہ کی یہ سب باتیں انتہائی گستاخانہ ہیں۔ اہل السنتہ والجماعت کا اجماع ہے کہ جو لوگ کندہ حنیفہ فزارہ بنی اسد اور بنی بکر بن وائل میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے یہ نہ تو انصار میں سے تھے نہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں

سے تھے اور مہاجرین کا مصداق شریعت کی اصطلاح میں وہی حضرات ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرمائی اور اس پر بھی اہل السنۃ والجماعت کا اجماع ہے کہ بدری صحابہ اور قزمان کے سوٰی غزوہ احد میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور بیعت رضوان میں شریک ہونے والے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب جنتی ہیں اور قزمان کا استثناء ایک روایت میں مذکور ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ اس امت میں سے ستر ہزار جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے جن میں سے ایک حضرت عکاشہ بن محصن بھی ہوں گے اس حدیث کے مصداق میں ظاہر یہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم ہی میں سے ہوں گے۔ پھر اسی حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک ستر ہزار کی سفارش کرے گا اور اہل السنۃ والجماعت اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ عشرہ مبشرہ یا ازواج مطہرات کو کافر کہنے والا خود کافر ہے اور اس کے بھی قائل ہوئے کہ ہم سب کے دل میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے مشہور بزرگان سے محبت ہونی چاہئے۔ مثلاً الحسن بن الحسن وعبداللہ بن الحسن وعلی بن الحسین زین العابدین ومحمد بن علی بن الحسین المعروف بالباقر وجعفر بن محمد المعروف بالصادق وموسیٰ بن جعفر علی بن موسی الرضاء رحمہم اللہ تعالےٰ۔ اور اہل السنۃ والجماعۃ اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ مشہور تابعین اور صحابہ و تابعین کے تبعین سے بھی محبت ہونی چاہئے۔ اضام: اس کے معنیٰ ہیں لوگوں کی جماعت اور اس کے لئے اس مادہ سے مفرد نہیں ہے۔

باب مناقب المهاجرين و فضلهم

باب کی غرض حضرات مہاجرین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے فضائل کا بیان فرمانا ہے۔ پھر مہاجرین کے مصداق میں دو قول ہیں ۱. من هاجر من مكته الى المدينة قبل مكته. ۲. من هاجر من مكته الى المدنية قبل فتح مكته او امن يوم الفتح. پھر ہجرۃ اور نصرۃ کے لحاظ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقسیم میں دو قول ہیں پہلا قول تین قسموں والا ہے۔ ۱۔ من هاجر قبل الفتح. ۲. الا نصارای الاوس والخزج حلفاء هم و مواليهم. ۳. من اسلم بعد الفتح يوم الفتح بعده دوسرا قول پانچ قسموں والا ہے۔ ۱. سباق المهاجرين ۲. سباق الا نصار. ۳. بقيته المهاجرين. ۴. بقية الا نصار۔ ۵۔ بقيته الصحابته الاّ تنصرو لا فقد نصره الله الى قوله ان الله معنا: اس آیت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خصوصی فضیلت کا ذکر ہے حضرت صدیق اکبر کے بہت فضائل ہیں مثلاً ۱۔ ایمان میں باقی حضرات صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر سبقت لے جانا۔ ۲۔ بہت زیادہ دین کی امداد کی اپنی جان سے بھی اور اپنے مال سے بھی۔ ۳۔ مسلمانوں میں بہت زیادہ خیرات فرمانے والے تھے۔ ۴۔ اسلام کی دعوت دوسروں تک پہنچانے میں باقی صحابہ کرام پر سبقت لے گئے کیونکہ حضرت صدیق اکبر کی دعوت پر حضرت عثمانؓ حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عثمان بن مظعون وغیرہ مسلمان ہوئے جو کہ خود اکابر صحابہ بنے۔ ۵۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ میں بھی اور بعد میں بھی کافروں کے جھگڑے حضرت صدیق اکبر نمٹایا کرتے تھے۔ ۶۔ حضرت علی نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کوفہ کی منبر پر اعلان فرمایا جبکہ ان پر کوئی خوف نہ تھا اور پھر شیعہ تو ان کو معصوم بھی مانتے ہیں اور وہ اعلان یہ تھا خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر الصدیق سوال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں یہ بھی فرمایا تھا اقيلونی اقيلونی فلست بخير كم جواب پہلا یہ ہے کہ اقالہ بعد عقد کے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ خلافت لازم ہونے کے بعد یہ کلام فرمائی جبکہ سب صحابہ حضرت صدیق اکبر کو اپنا سردار مان چکے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بہتر تو وہی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو کمتر سمجھے حتیٰ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تفضلو نی

علیٰ یونس بن متّٰی ۔۷۔آگے ایک باب چھوڑ کر بخاری شریف میں ہی باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے عن ابن عمر موقوفاً کنا نخیر بین الناس فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنخیز ابا بکر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم ۔۸۔ آگے دو باب چھوڑ کر بخاری شریف میں ہی باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذاً خلیلاً ہےاس کی پہلی روایت میں ہے عن ابن عباس مرفوعاً لو کنت متخذا من امتی خلیلا لا تخذ ت ابا بکر ۔۹۔عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثہ علی جبش ذات السلاسل فاتیتہ فقلت ای الناس احب الیک قال عائشتہ فقلت من الرجال فقال ابوھا یہ روایت بخاری شریف میں ہی ہے آگے تین باب چھوڑ کر باب میں چوتھی روایت ہے ۔۱۰۔اسی بلاترجمہ باب کی باقی ۱۶ احادیث بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل سے لبریز ہیں ۔۱۱۔مستدرک حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ ان کا نام اللہ تعالیٰ نے صدیق رکھا ہے علی لسان جبریل ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث اور یہ صدیق کا لقب اتنا اونچا مقام ہے کہ اس لقب والے شخص اور نبی کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں ہوتا۔۱۲۔قرآن پاک میں ہے ثانی اثنین اذ ھما فی الغار حق تعالیٰ حضرت صدیق کو یار غار قرار دے رہے ہیں۔۱۳۔قرآن پاک میں ہے اذیقول لصاحبہ گویا حق تعالیٰ حضرت صدیق اکبر کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی مصاحب قرار دے رہے ہیں ۔۱۴۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وسیجنبھا الا تقی الذی یوتی ما لہ یتزکی بالاجماع یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اور آپ کی مدح میں نازل ہوئی ہے اس میں آپ کو اتقیٰ قرار دیا گیا ہے اور قرآن پاک میں یہ بھی ہے ۔ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ۔معلوم ہوا کہ آپ اکرم المومنین عنداللہ ہیں ۔۱۵۔مرفوع حدیث پاک میں ارشاد ہے انہ امّن الناس علیّ فیؔ مالہ و نفسہ و صحبتہ ۔۱۶۔مسجد کے اردگرد باقی صحابہ کے دروازے جو مسجد میں کھلتے تھے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بند کرادئے کہ دوسری طرف راستہ بناؤ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دروازہ باقی رہنے دیا۔ ۱۷۔اپنی مرض وفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود بعض کے دوسرا مشورہ دینے کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی اپنی جگہ مقرر فرمایا اور بہت سی نمازیں انھوں نے مرض وفات میں پڑھائیں ۔۱۸۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث مرفوع کے مطابق جنت کے سب دروازوں سے پکارا جائے گا کہ یہاں سے داخل ہو جائیں۔۱۹۔مجلس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بائیں طرف بیٹھا کرتے تھے۔ باقی حضرت ذرا ہٹ کر بیٹھا کرتے تھے۔۲۰۔ فی الترمذی عن ابن عمر مرفوعاً قال لا بی بکرانت صاحبی علی الحوض و صاحبی فی الغار.

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سدوا الابواب الا باب ابی بکر

امام بخاری کی غرض اس حدیث پاک کا بیان ہے اور یہاں یہ حدیث تعلیقا بیان فرمائی ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں یہی حدیث اسناداً بھی بیان فرمائی ہے۔ پھر یہ حدیث پاک مرض وفات کے زمانہ کی ہے جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کا بھی حکم دیا تھا اس لئے اس میں خلافت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے اس حدیث کے معنیٰ یہ کئے ہیں سدوا ابواب طلب الخلافتہ الاباب خلافتہ ابی بکر سوال مسند احمد اورنسائی میں ہے عن سعد بن ابی وقاص قال امر نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسد الا بواب الشارعتہ فی المسجد وترک باب

علی جواب ۔۱۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ والی حدیث سند کے لحاظ سے اقوی ہے۔۲۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ والی حدیث متاخر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا شکایت کرنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منقول ہے انک اخرجت عمک وادخلت ابن عمک فقال ما فعلتہ عن امری اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ حضرت حمزہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور حضرت صدیق اکبر والی روایت کا واقعہ مرض وفات کا ہے۔۳۔ پہلے حضرت علی والی حدیث میں دروازے بند کرنے کا حکم تھا چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آنے کی غرض سے بند نہ کی گئی تھیں پھر کھڑکیوں کے بھی بند کرنے کا حکم حضرت ابو بکر والی حدیث میں دے دیا گیا اس لحاظ سے بھی تعارض نہ رہا اور آخری حکم وہی بنا جو حضرت صدیق اکبر والی حدیث میں ہے۔ **الا باب ابی بکر**:۔ طبرانی کی روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے فانی رأیت علیہ نوراً پس اس نور میں اشارہ خلافت کی طرف پایا گیا۔

باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض حضرت صدیق اکبر کی فضیلت کا بیان ہے اور یہاں بعدیت سے مراد شرافت کی بعدیت ہے زمانی بعدیت نہیں ہے اور شرافت کی بعد بہت ثواب کے لحاظ سے ہوتی ہے اور یہ سمع اور توقیف سے ہی معلوم ہو سکتی ہے حضرات صحابہ کرام نے یہ چیز اقوال وقرائن سے معلوم کی اور ہم نے اقوال منقولہ سے معلوم کی۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنتُ متخذا خلیلا قالہ ابو سعید

غرض یہ ہے کہ خلتہ محبت کے مقامات میں سے سب سے اونچا ہے اس لئے اس حدیث پاک سے حضرت صدیق اکبر کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہونا ثابت ہوا کہ وہ احبّ الناس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **لو کنتُ متخذا خلیلا لا تخذ تہ خلیلا و لکن**

اخوۃ الا سلام افضل: سوال۔ اس روایۃ کے شروع کے حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلّتہ اخوۃ سے افضل ہے اور آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اخوت سب سے افضل ہے اس لئے اخوت خلتہ سے بھی افضل ہے جواب۔۱۔ یہ روایت بالمعنیٰ ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ محفوظ نہیں ہے۔۲۔ معنی یہ ہے کہ پہلے خلتہ کا درجہ ہے پھر اخوۃ اسلام باقی تعلقات سے افضل ہے اور تیسرا درجہ باقی تعلقات کا ہے گویا اخوۃ کی افضیلت اضافی ہے کہ خلتہ کے ماسویٰ سے افضل ہے۔ سوال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کا اسلام افضل ہے حالانکہ اسلام میں تو سب مسلمان برابر ہیں۔ جواب نفس اسلام میں سب برابر ہیں کمال اسلام کے لحاظ سے حضرت صدیق کا درجہ اونچا ہے۔ **اما الذی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذاً من ھذہ الا متہ خلیلاً لا تخذ تہ انزلہ ابا یعنی ابا بکر**:۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق جن کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وارد ہے کہ اگر میں امت میں سے خلیل پکڑتا تو ان کو پکڑتا ان ابو بکر صدیق کا فتویٰ یہ ہے کہ دادا بمنزل آب کے ہے وراثت کے احکام میں اما الذی کی خبر ہے انزلہ اباً اور انزلہ میں فاء محذوف ہے

باب: یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے تتمہ ہے ما قبل کا اور اس میں اشارہ ہے اثبات خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف۔ یعنی ایسی روایات ہیں جن میں اشارے خلافت بلا فصل کے ملتے ہیں۔ **ان لم تجد ینی فاتی ابابکر** سوال اس حدیث پاک سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو اپنے بعد خلیفہ قرار دے دیا تھا اور اس کے معارض ہے حضرت عمر کا قول جو انہوں نے اپنی مرض وفات میں فرمایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ مقرر نہ فرمایا تھا جواب۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قول کا مطلب یہی ہے کہ صراحتہ یہ نہ فرمایا تھا کہ میرے بعد ابو بکر کو خلیفہ بنا لینا اور

زیر بحث روایت میں صرف اشارہ ہی تو ہے تصریح نہیں ہے۔اس لئے تعارض نہ رہا۔غامر: اس کے معنیٰ ہیں خاصم **فھل انتم تار کولی صاحبی**: دو دفعہ اپنی طرف نسبت فرمانا یعنی دو دفعہ یائے متکلم کا استعمال فرمانا حضرت صدیق اکبر کی عظمت ظاہر فرمانے کے لئے ہے۔**فانی اومن بذلک وابو بکر و عمر بن الخطاب رضی اللہ عنھما**: یعنی تصدیق بلاتردد و بلا تعجب میں بھی کرتا ہوں اور اگر یہ دونوں حضرات سنیں تو وہ بھی میری طرح ہی ایمان لے آئیں یہ بات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں حضرات کی مجلس میں عدم موجودگی میں بھی فرماتے رہتے تھے۔**وفی نزعہ ضعف**: اس کمزوری کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔۱۔اشارہ ہے روت کے فتنہ کی طرف کیونکہ ارتداد کے اس فتنہ کا مقابلہ بہت مشکل تھا۔۲۔ضعف کا مطلب یہ ہے کہ ان کا زمانہ خلافت چھوٹا ہوگا اس لئے فتوحات کم ہوں گی اس فتوحات کی کمی کو ضعف سے تعبیر فرمایا۔۳۔ضعف کا مصداق تو قلتہ فتوحات ہی ہے لیکن قلتہ فتوحات کی وجہ سے مشغولی ہے فتنہ ارتداد میں۔۴۔حضرت صدیق اکبر کی شان بہت بلند تھی اس شان کو دیکھتے ہوئے فتوحات کا کم ہونا اور فتنہ ارتداد کا مقابلہ کرنا ضعف کے درجہ میں ہوگا۔یعنی جتنی اونچی شان ہے اس شان کے لحاظ سے فتوحات کم ہوں گی اور اس شان کے لحاظ سے اس فتنہ کا جس طرح سے مقابلہ ہونا چاہئے اس سے کچھ کم ہوگا اور جتنی قوت استعمال فرمانی چاہئے۔اس سے کچھ کم استعمال فرمائیں گے۔

واللہ یغفر لہ: اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔۱۔اشارہ فرما دیا کہ ان کی وفات جلدی ہو جائے گی جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا گیا تھا ان آیات میں فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔۲۔اس ضعف کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا کیونکہ یہ ضعف غیر اختیاری ہے **انک لست تصنع ذلک خیلاء**: یعنی کسی وقت آپ کے ازار کا ٹخنوں سے نیچے ہو جانا آپ کے اختیار سے نہیں ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر نیت تکبر کی نہ ہو تو قصداً ٹخنے ڈھانپنا بھی جائز ہے بلکہ معافی صرف اُسی صورت میں ہے کہ غیر اختیاری طور پر ایسا ہو جائے اور علم کے بعد ٹھیک کر لے پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بھی ذکر فرما دی کہ آپ تکبر سے خالی ہیں اور آپ میں عبدیت کامل ہے۔

فقال ابو بکر ما علی ھذا الذی یُدعی من تلک الا بواب من ضرورۃ: یعنی یہ پکارا جانا ضرورت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مولائے کریم کا احسان عظیم اور انعام و تکریم ہے فضل و عطاء ہے احترام و اکرام ہے اللھم ارزقنا وانعم علینا بھذا یا ارحم الراحمین پھر اس حدیث پاک میں جنت کے آٹھ دروازوں میں سے چار کا ذکر ہے۔۱۔باب الصلوۃ ۲۔باب الجہاد۔۳۔باب الصدقۃ۔۴۔باب الصیام اور اسی کا دوسرا نام باب الریان بھی ہے تروتازگی کا دروازہ۔باقی چار دروازے کون کون سے ہوں گے۔۵۔بعض شارحین نے ظناً واحتمالاً باب الحج کا ذکر فرمایا ہے گو کسی حدیث پاک میں مذکور نہیں ہے۔۶۔باب المتوکلین اسی کو الباب الایمن بھی کہتے ہیں۔۷۔باب کاظمین الغیظ اور اس کے متعلق مسند احمد میں ایک حدیث ہے۔۸۔باب الذکر یا باب العلم اور اس کی طرف ترمذی شریف کی ایک حدیث پاک میں اشارہ موجود ہے۔پھر جس شخص کو کئی دروازوں سے پکارا جائے گا وہ کیسے داخل ہوگا اس میں مختلف احتمال بیان فرمائے گئے ہیں۔۱۔جس باب کا عمل اس شخص میں غالب ہوگا اسی باب سے داخل ہوگا۔۲۔اس شخص کے اجسام مثالیہ بنائے جائیں گے ایک ایک باب میں سے ایک ایک جسم مثالی داخل ہو جائے گا۔اجسام مثالی تصویریں ہوتی ہیں۔۳۔اُس شخص کے اعمال کو جسموں کی شکل میں ظاہر کیا جائے گا اور وہ اعمال ان مختلف دروازوں سے گذریں گے۔ہر عمل اپنے مناسب دروازے سے گذرے گا۔

وارجوان تکون منھم یا ابا بکر: وجہ ظاہر ہے کہ حضرت صدیق اکبر جامع الکمالات تھے۔**وقال عمر**

والله ما كان يقع في نفسي الا ذاك وليبعثنه الله :۔حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بعد میں فرمایا کہ خدا کی قسم میرے دل میں یہی تھا کہ آپ کی وفات ابھی نہیں ہوئی اور اللہ تعالےٰ اس بے ہوشی سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھائیں گے ۔**فنشج الناس يبكون**:. لوگوں نے ہچکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔ **فاخذ عمر بيده فبايعه و بايعه الناس**:. مسایرہ کی شرح مسامرہ میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس بیعت خاصہ کے دوسرے دن یا تیسرے دن لوگ بیعت عامہ کے لئے جمع ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف بھی پیغام بھیجا اور وہ بھی تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **ايها الناس ان الذى رأيتم منى لم يكن حرصاً على ولا يتكم ولكن خفت الفتنته والا ختلاف وقدرددث امركم اليكم فولو امن شئتم فقالوالا نقيلك وقال ابو بكر هذا على بن ابى طالب لا بيعته لى فى عنقه وهو بالخيار فى امره الا فانتم بالخيار جميعاً فى بيعتكم ايا ى فان رأيتم لها غيرى فانا اول من يبايعه فقال على رضى الله عنه لا نرى لها احداً غيرک فبا يعه هو و سائر المتخلفين فتم بذلک اجماع الصحابته على بيعته وقال على والزبير ما غضبنا الا لا نا اخرّ نا عن المشورة وانا لنرى انّ ابا بكر احق الناس بها بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وانه لصاحب الغار و ثانى اثنين وانا لنعرف شرفه وسنّه ولقد امره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يصلى بالناس وهو حيى انتهىٰ** اور اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے امام حاکم نے حضرت ابی سعید رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں اور اس حدیث کے متعلق ابن کثیر فرماتے ہیں اسنادہ جید اس لمبی حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت علیؓ کی ناراضگی ایسی تھی جیسے ایک دوست دوسرے دوست سے ناراض ہوتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ اس کی توجہ میری طرف کم ہوگئی ہے۔**سوال** : بخاری شریف کی بعض روایات میں ایسی عبارت ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد فرمائی تھی اور ان کی وفات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد ہوئی تھی۔**جواب**:امام بیہقی نے اپنی تصنیف کتاب الاعتقاد میں اس کا جواب ان لفظوں میں دیا ہے والذی روی ان علیالم یبایع ابا بکر فی ستۃ اشہر لیس من قول عائشۃ انما ھو من قول الزہری فادرجہ بعض الرواۃ فی الحدیث عن عائشۃ فی قصۃ فاطمۃ رضی اللہ عنہم وحفظہ معمر بن راشد فرواہ مفصلا وجعلہ من قول الزہری منقطعاً وقد روینا فی الحدیث الموصول عن ابی سعید الخدری و من تابعہ من اہل المغازی ان علیا بایعہ فی بیعۃ العامۃ بعد البیعۃ التی جرت فی السقیفۃ (ای سقیفۃ بنی ساعدۃ) ویحتمل ان علیا بایعہ فی بیعۃ العامۃ کما روینا فی حدیث ابی سعید الخدری وغیرہ ثم شجر بین فاطمۃ وابی بکر کلام بسبب المیر اث اذ الم تسمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی باب المیر اث ماسمعہ ابوبکر وغیرہ فکانت معذورۃ فیما طلبتہ وکان ابوبکر معذوراً فیما منع فتخلف علیؓ عن حضور ابی بکر حتی توفیت ثم کان منہ تجدید البیعۃ والقیام بواجباتہا کما قال الزہری انتھیٰ بلفظہ امام الحرمین کا قول اس بارے میں یوں منقول ہے ماتخرص (ای قال بالخرص) بہ الروافض فی ذلک (ای فی تاخیر بیعۃ علی) فھو کذب صریح انتھیٰ۔ واقعہ کا حاصل یہ نکلا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ کے مشورہ میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ وہ بہت غمگین تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اور اس مشورہ کے لئے بلانے کا اہتمام نہ کیا گیا تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلا دعوت خود بخود تشریف لے گئے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس ڈر سے خلافت جلدی سے قبول فرمائی تھی کہ ان کو خوف تھا فتنہ کا اور ارتداد کا اور حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی باقی حضرات کے ساتھ بیعت فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطیع رہے اور غزوہ بنی حنیفہ میں بھی حضرت علی تشریف لے گئے اور اس غنیمت میں ان کو ایک لونڈی بھی ملی۔ روایۃ غدیر خم :۔ شیعہ میں ایک روایت حدیث غدیر خم کے نام سے مشہور ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر غدیر خم جگہ پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا اور اس میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے اور اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی تصریح فرما دی تھی۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔ ا۔ یہ روایت باطل محض اور محال محض ہے کیونکہ ذخیرہ احادیث میں یہ منقول نہیں ہے کسی نے بھی اس کو نقل نہیں کیا اور خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تو اس حدیث کو پیش کر کے مخاصمہ نہیں فرمایا اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ ایک لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث کو چھپالیا تو یہ جواب بالکل باطل و مہمل ہے کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ ایک لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نعوذ باللہ کتمان حق کیا اتنے بڑے کتمان حق کو دیکھ کر تو ہر دشمن اسلام کہہ سکتا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن پاک کا مثل پایا گیا تھا صحابہ نے کتمان حق کیا۔ نعوذ باللہ مسیلمہ کذاب کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزات ظاہر ہو گئے تھے صحابہ کرام نے نعوذ باللہ کتمان حق کیا۔ دین کا ایک مسئلہ بھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ ۲۔ جب آپ یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک لاکھ صحابہ نے سنی اور پھر وہ نعوذ باللہ جھوٹ پر اتفاق کرنے والے بھی بن گئے اور دوسری طرف آپ خود یہ حدیث بیان بھی کرتے ہیں تو یہ صریح تعارض ہے جب چھپانے پر اتفاق ہو گیا تو وہ وہیں ختم ہو گئی یہ ختم ہونا اور آپ تک پہنچ جانا اجتماع ضدین اور تعارض ظاہر ہے اس لئے اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ۳۔ یہ واقعہ غدیر خم اگر ثابت ہے تو خبر واحد ہے اور شیعہ کے نزدیک خبر واحد معتبر ہی نہیں ۔ ۴۔ شاید خبر غدیر خم اُن لوگوں کا تقیہ ہو جنہوں نے یہ خبر نقل کی ہے گویا تقیہ کا مذہب اختیار کر کے شیعہ سوفسطائیہ میں داخل ہو چکے ہیں وہ کوئی چیز بھی ثابت نہیں کر سکتے ہر چیز میں تقیہ اور جھوٹ کا احتمال موجود ہے۔ ۵۔ خبر غدیر خم دو حال سے خالی نہیں ظاہر تھی یا مخفی تھی اگر ظاہر تھی تو اس پر عمل کیوں نہ ہوا اور اگر مخفی تھی تو نہ آپ تک پہنچ سکتی تھی نہ ہم تک۔ ۶۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع حضرت صدیق اکبر کی بیعت پر اس روایت کو رد کرتا ہے اگر ایسا ہوتا تو سب حضرات حضرت صدیق اکبر کی بیعت پر کیسے جمع ہو جاتے۔ ۷۔ اس نص میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نص اہل تواتر تک پہنچائی ثانی یہ کہ نہ پہنچائی دونوں احتمال باطل ہیں اس لئے یہ روایت باطل ہے اول احتمال کئی وجوہ سے باطل ہے اولاً اس لئے باطل ہے کہ جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خود خلافت کے اپنے لئے خواہش مند نہ تھے اور تقریباً سبھی ایسے ہی تھے سوائے چند ایک کے تو انہوں نے کیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوڑ دیا اور عذاب الیم کے مستحق بن گئے حالانکہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے ثانیاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالا جماع بہادر تھے اور شیعہ کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمزور تھے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بہادر ایک کمزور آدمی سے ڈر جائے۔ اور حق کو چھپالے۔ ثالثاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبعین بڑی عظمت والے تھے جیسے حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت زبیرؓ جنہوں نے بقول شیعہ حضرت ابوبکر پر تلوار بھی نکالی تھی۔ تو ایسے متبعین کی موجودگی میں حضرت علی کو ڈرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ رابعاً ۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی اُمیہ کے سرادر تھے اور شیعہ کے نزدیک ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شدید بغض تھا۔ اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت برا نگیختہ کیا تھا کہ تم اپنا حق ضرور امامت کا مانگو پس جب ان کی حمایت بھی حاصل تھی تو حضرت علی نے کیوں اس حدیث کو چھپالیا۔ خامساً بعض انصار نے اس موقعہ میں مشورہ کے طور پر یہ بھی فرمایا تھا من

امیر ومنکم امیر اگر یہ نص موجود ہوتی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف اس کو ضرور ذکر فرماتے جب وہ بطور مشورہ کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف باتیں ذکر فرما رہے ہیں تو یہ بات حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ والی بھی ضرور ذکر فرماتے۔ اور اگر احتمال ثانی لیا جائے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث پاک اہل تواتر تک نہ پہنچائی تو یہ احتمال بھی باطل ہے کئی وجہ سے اولاً اس لئے باطل ہے کہ اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ خیانت ظاہر ہو رہی ہے کہ جو حدیث اہل تواتر تک پہنچانی تھی وہ اہل آحاد تک پہنچائی نعوذ باللہ من ذلک ثانیاً یہ احتمال اس لئے باطل ہے کہ خبر واحد سے بالا جماع قطعی مسائل ثابت نہیں ہوتے ثالثاً شیعہ کے نزدیک خبر واحد عملیات میں بھی معتبر نہیں ہے تو پھر یہ مسئلہ جو اُن کے نزدیک جزو ایمان ہے اور قطعی ہے اس میں خبر واحد کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔ یعنی مسئلہ امامت۔ ۸۔ آٹھواں جواب اہل السنتہ والجماعتہ حدیث غدیر خم کا یہ دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب نصوص خفیہ کو بھی ہمیشہ ذکر فرمایا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسی نص جلی کو چھپالیا ہو اور ذکر نہ فرمایا ہو معلوم ہوا کہ اس روایت کی بالکل کسی درجہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔ سوال۔ اگر یہ روایت کسی درجہ میں بھی ثابت نہ تھی تو شیعہ کے درمیان کیسے مشہور ہوگئی حتیٰ کہ شیعہ اس مشرق ومغرب میں بیان کرتے پھرتے ہیں۔ جواب۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب معالم اصول الدین میں لکھا ہے کہ اس خبر کو ابن الراوندی نے وضع کیا پھر شیعہ نے اس کو قبول کر کے مشہور کر دیا کیونکہ وہ اس مسئلہ میں بہت زیادہ منہمک تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا مسئلہ شروع میں پانچ چھ آدمیوں نے مشورہ کر کے گھڑا اور یہود نصریٰ نے اس خبر کو لے کر مشہور کر دیا۔ **فما كانت من خطبتهما من خطبته الا نفع الله بها**:. وجہ یہ کہ حضرت عمرؓ کے خطبہ میں منافقوں کو ڈرانا تھا اور اس کی بھی ضرورت تھی اور حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں اظہار حق اور اظہار حقیقت اور اصل واقعہ کا بیان تھا اور اس کی بھی ضرورت تھی۔ **عن محمد بن الحنفيه**: یہ محمد بن علی بن ابی طالب ہیں۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں حضرت علیؓ جب شریک ہوئے تو بطور غنیمت کے حصہ کے ان کو خولہ حنفیہ ملی تھیں ان سے یہ محمد بن علی پیدا ہوئے تھے اور یہ اپنی والدہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے محمد بن الحنفیہ کہلاتے تھے اس سے اس کی بھی تائید ہوئی کہ حضرت علی حضرت صدیق کے ماتحت لڑائیوں میں شریک ہوتے تھے اور حضرت ابوبکر کے حکم پر اپنی جان بھی قربان کرنے کے لئے حاضر رہتے تھے اور آج شیعہ اپنی جہالت اور حماقت اور اسلام دشمنی کی وجہ سے ان دونوں حضرات کو ایک دوسرے کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وخشيتُ ان يقول عثمان:. اس عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد بن الحنفیہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل ہیں۔ **قال ما انا الا رجل من المسلمين**:. حضرت علی کا اس وقت یہ فرمانا تواضعاً تھا کیونکہ حقیقت یہی تھی کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی خیر الناس فی ذلک الوقت تھے۔ **و توسط قفّها**:. یعنی کنویں کی منڈیر کے درمیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔

قال سعيد بن المسيب فاولتها قبورهم:. اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر کا تعلق خواب کے علاوہ بیداری کے واقعات سے بھی ہوتا ہے۔

باب مناقب عمر بن الخطاب ابی حفص القرشی العدوی رضی الله عنه

غرض حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مناقب کا بیان ہے۔ آپ کے چند اہم مناقب یہ ہیں۔ ا۔ آپ کا لقب فاروق ہے اور یہ لقب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے استعمال فرمایا تھا یا حضرت جبریل علیہ السّلام نے یا اہل کتاب نے وجہ یہ تھی کہ جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول فرمایا اس دن حق اور باطل کا فرق بالکل واضح ہو گیا اور مشرکین نے بھی کہہ دیا

انصف القوم الیوم منا اور یہ آیت بھی نازل ہوئی یایھا النبی حسبک الله ومن اتبعک من المومنین۔۲۔مستدرک حاکم میں ہے عن ابن مسعود موقوفاً ما استطعنا ان نصلی عند الکعبۃ ظاہرین حتیٰ اسلم عمر۔۳۔فی مستدرک حاکم وابی داؤد ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ۔۴۔روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کے مطابق شیطان حضرت عمر سے ڈرتا تھا اور بھاگتا تھا۔۵۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ محدَّث تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرت سے الھامات ہوتے رہتے تھے۔۷۔لوکان بعدی نبی لکان عمر۔**انا بالرمیصاء**:۔یہ حضرت انس کی والدہ محترمہ کا نام ہے۔**خشفتۃ**: اس کے معنیٰ ہیں حرکت۔**فقالوا لعمر**:۔ انبیاء علیھم السلام کی خواب وحی ہوتی ہے۔اس لئے وحی سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر فاروق جنتی ہیں اور شیعہ کے خرافات کا جواب ہو گیا۔اصول الدین میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہ فرمایا اور الصواعق المحرقہ میں حافظ ابن حجر مکی جو اس کتاب کے مصنف ہیں فرماتے ہیں اخرج ابن عساکر عن یسار بن حمزۃ قال لما ثقل ابوبکر اشرف علی الناس من کوۃ فقال ایھا الناس انی قد عھدت عھداً افترضون بہ فقال الناس رضینا یا خلیفہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقام علیؓ فقال الا نرضیٰ الا ان یکون عمر قال فانہ عمر انتھی بلفظہ اسی کتاب الصواعق المحرقۃ لابن حجر المکی میں یہ بھی ہے ثم کان یکتب (ای عمر) من خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا ھذ ا لیطول فقالوا امّر ناک علینا وانت امیرنا قال نعم انتم المومنون وانا امیر کم فلقب امیر المومنین انتھی **عبقریاً**:۔ای کاملاً **یفری فریہ**:۔ان کی طرح کام کرتا ہو۔**عتاق الزرابی**: عمدہ غالیچے۔یہ سورہ رحمٰن کے اخیر کی آیت کی تفسیر ضمناً کردی متکئین علی رفرف خضرو عبقری حسان یہاں غالیچہ والے معنیٰ مراد نہیں ہیں۔**الزرابی الطنا فس لھا خمل**:۔ یعنی زرابی ان بستروں کو کہتے ہیں جن کے کنارے پر دھاگے بھی ہوں۔ **ایہ** :۔اس بات کو چھوڑ و کوئی اور بات کرو۔**حتی انتھیٰ**:۔ای حتیٰ مات۔**ما من نبی ولا محدَّث**:۔آیت یوں ہے **وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّی** تو اس آیت میں جو حضرت ابن عباس نے ولا محدث کا ذکر فرمایا تو اس کی مختلف توجیھات ہیں۔۱۔بطور قیاس اور تفسیر کے محدَّث کا لفظ ذکر فرمایا۔۲۔منسوخ قرأت ذکر فرمائی۔۳۔شاذ قرأت ذکر فرمائی **مناقب عثمان بن عفان**:۔ غرض حضرت عثمان کے مناقب کا بیان فرمانا ہے پھر حضرت عثمان کا جو لقب ذوالنورین تھا اس کی وجہ تسمیہ میں اقوال مختلف ہیں۔۱۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے فرما دیا پھر ان کی وفات کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح بھی حضرت عثمان سے فرما دیا اور کسی اور شخص کے بارے میں معلوم نہیں ہوا کہ اس کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں۔۲۔آپ کا عہد خلافت نور نبوت اور نور ولایت کے لئے جامع تھا اور عہد شیخین میں نور نبوت تھا اور عہد علیؓ میں نور ولایت تھا۔۳۔ ہر رات میں نفلوں میں ایک قرآن پاک ختم فرماتے تو اس میں ایک نور قیام اور دوسرا نور قرآن ہوتا تھا اس لئے آپ ذی النورین تھے۔**فحفرھا عثمان** سوال بعض روایات میں خریدنے کا ذکر ہے جواب خریدا تھا پھر کھودا تھا۔**فجلدہ ثمانین**:۔ شراب پینے کی وجہ سے **لا نفاضل بینھم**:۔ اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔۱۔ان تین حضرات کا تفاضل بہت مشہور تھا باقیوں کا اتنا مشہور نہ تھا۔۲۔ حجت ہے کرنے میں کہ ان تین کی فضیلت ثابت ہے مرفوعاً نہ کرنے میں حجت نہیں ہے کیونکہ وہاں عدم دلیل ہے۔۳۔ان تین حضرات کے فضائل بیان کرنے کی ہم پوری کوشش کرتے تھے تا کہ ان کے فضائل سب کو معلوم ہو جائیں باقی میں ہم کوشش نہ کرتے تھے کیونکہ اس کی کوئی شدید ضرورت نہ تھی۔

باب قصتہ البیعتہ والا تفاق علی عثمان بن عفان دفیہ مقتل عمر بن الخطاب

غرض وفات عمر وخلافۃ عثمان کا واقعہ بیان فرمانا ہے۔**ما فیھا کبیر فضل**: ہم نے کچھ زیادہ خراج مقرر نہیں کیا۔**لا وعن**

ارا مل اهل العراق لا يحتجن الى رجل بعدی اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ا۔ راستوں کی حفاظت کا ایسا انتظام کردوں گا کہ حفاظت کے لئے ساتھ محافظ نہ لے جانا پڑے گا۔۲۔ میں ان کو ایسے ٹکڑے زمین کے دے دوں گا کہ خرچ میں کسی کی محتاج نہ رہیں گی۔۳۔ میں ان کا وظیفہ بیت المال میں مقرر کردوں گا پھر وہ خرچ میں کسی کی محتاج نہ رہیں گی۔ **کذبت**:۔ اس کے معنیٰ یہاں ہیں انطأت۔ **ما اجدا حق بهذا الا مر من هو لاء النفر**:۔ یہاں هذا الامر کا اشارہ امر خلافت کی طرف ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے چھ کے نام ذکر کر دیئے باقی چار میں سے دو تو خود حضرات شیخین ہیں اور تیسرے حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح وفات پاچکے تھے اور چوتھے سعید بن زید کو چھوڑ دیا کیونکہ حضرت عمر کے قریبی رشتہ دار تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بھی اختیار فرمایا کہ صاف نام کسی ایک کا نہ لیا۔ اور حضرت صدیق اکبر کا طریقہ بھی اختیار فرمایا کہ چھ کا نام لے دیا۔ البتہ یہ بھی منقول ہے کہ اگر ابوعبیدۃ بن الجراح زندہ ہوتے تو پھر مجھے ان کے مقرر کر دینے میں کوئی تردد نہ ہوتا۔ **كهئيته التعزيته له**:۔ یعنی عبداللہ بن عمر کی دلجوئی اور تسلی کے لئے فرمادیا کہ صرف مشورہ میں ان کو بھی شریک کر لینا باقی خود ان کو خلیفہ بننے کا حق نہ ہوگا۔ **وجباة المال**:۔ مال کو جمع کرنے والے۔ **واقعته شهادت عثمان**:۔ حضرت عثمان کو شہید کرنے کے لئے ایک ہزار یا چار ہزار باغی مدینہ منورہ آئے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں ۲۰ ہزار افراد ان کا مقابلہ آسانی سے کر سکتے تھے لیکن حضرت عثمان نے اپنی خاطر کسی ایک کا ایک قطرہ خون بہانا بھی پسند نہ فرمایا اور سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ مسند احمد میں ہے عن ابی سعید مولیٰ عثمان ان عثمان اعتق عشرین مملوکا ودعا بسراویل فشدھا علیہ ولم یلبسھا فی جاہلیۃ ولا اسلام وقال انی رأیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البارحۃ فی المنام ورأیتُ ابا بکر وعمر وانہم قالوا لی اصبر فانک تفطر عندنا القابلۃ ثم دعا بمصحف فنشرہ بین یدیہ فقتل وھو بین یدیہ انتھیٰ حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہ مہاجرین اور انصار نے اپنی امداد پیش کرنے میں کوتاہی نہ فرمائی کہ ہم امام اہل حق کی حفاظت کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن حضرت عثمان نے ان کی امداد لینے سے انکار فرمادیا اور ان کو وصیت فرمائی کہ اپنے ہاتھوں کو روکیں اور فتنہ کا دروازہ کھولنے کی بجائے اپنی جان کی قربانی دے دی کہ مسلمانوں کا خون نہ بہے اور یہ قربانی دینا آپ کا اختیاری فعل تھا۔ ایسا کرنے پر کسی نے مجبور نہ کیا تھا پھر ایک قول یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر نے آپ کی داڑھی مبارک سے آپ کو پکڑا تھا اور کنانہ نے ذبح کر دیا تھا اور بہت سے صحابہ کرام کے لئے یہ عذر بھی تھا امداد کی کمی میں کہ ایک جھوٹا خط مشہور ہو چکا تھا جو مروان کی طرف منسوب تھا اس کی وجہ سے بعض صحابہ کی اجتہادی خطا ہوگئی تھی کہ امداد کرنے کو ضروری نہ سمجھا تھا اور یہ اجتہادی غلطی ایسی ہی تھی جیسی بعض صحابہ سے اس وقت ہوئی جب ان حضرات نے حضرت علی سے لڑائی کی۔ اور پھر ان حضرات کا خیال یہ نہیں تھا کہ حضرت عثمان کو شہید ہی کر دیا جائے گا اور معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا۔ پھر شہید کرنے کے واقعہ میں راجح یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر داخل ہوئے حضرت عثمان کے پاس اور آپ کی داڑھی مبارک کو پکڑا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ کے والد صاحب دیکھتے تو ان کو اس صورت سے تکلیف ہوتی تو ان کا ہاتھ پیچھے ہٹ گیا اور پھر دو آدمی داخل ہوئے۔ انہوں نے آپ کو شہید کر دیا اور بھاگتے ہوئے جس طرف سے آئے تھے اسی طرف کو واپس چلے گئے اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے بلند جگہ سے اعلان فرمادیا کہ امیر المومنین کو شہید کر دیا گیا ہے۔ احقر مولف کہتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ **مناقب علی بن ابی طالب**:۔ غرض حضرت علیؓ کے مناقب کا بیان ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب کو زیادہ مشہور ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی مخالفت بہت کی گئی تھی اس لئے اہل حق نے اہتمام فرمایا آپ کے مناقب کی تشہیر کا تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ ان اختلافات میں آپ ہی

حق پر تھے۔ ورنہ مناقب چاروں خلفاء کے بہت زیادہ ہیں آپ کے دست مبارک پر بیعت اواخر ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی اور اہل شام کے سوئی سب مسلمانوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت فرمالی تھی۔ اور حضرت علی باغوں میں چھپتے رہے ہیں بیعت سے بھاگتے ہوئے اور جو آپ کو ملتے تھے ان کو واپس کرتے رہے ہیں۔ لیکن لوگوں نے آپ کو بیعت کے لئے مجبور کر دیا تا کہ زیادہ فتنہ سے حفاظت ہو جائے طبرانی میں ہے عن علیؓ موقوفاً ولولا الخشية علی الدین لم اجبھم (ای للبیعۃ) انتھی۔ **یدوکون**:۔ سوچتے رہے۔ **لیا خذن الرایته غداً رجل یحبه الله ورسوله**:۔ اس حدیث خیبر سے شیعہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی خلافت بلا فصل کے مستحق تھے جواب یہ ہے کہ اس سے خلافت بلا فصل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ قرآن پاک میں ہے **فسوف یاتی الله بقوم یحبهم و یحبونه** اور اس آیت کا مصداق وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر کے ساتھ مل کر مرتدین سے جہاد فرمایا اس کے علاوہ احادیث میں حبّ کا لفظ حضرت عائشہ حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم حضرت زینب حضرت حسن حضرت حسین کے لئے۔ ثابت ہے تو کیا یہ سب حضرات خلافت بلا فصل کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں ہرگز نہیں نہ اس کا کوئی قائل ہوا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کیونکہ صریح تعارض ہے کہ خلافت بلا فصل کا مستحق تو صرف ایک شخص ہی ہوسکتا ہے ایک سے زائد کو مستحق کہنا صریح تعارض و تناقض ہے۔ **حدیث البغض**:۔ بعض احادیث میں حضرت علی سے بغض پر وعید ہے اس سے شیعہ استدلال کر کے حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ ان میں خوارج حروریہ کی مذمت ہے جو دنیا کی خاطر حضرت علی سے لڑے حضرت عائشہ تو صرف حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ فرما رہی تھیں ان کی مذمت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان میں حضرت علی سے بغض اور دشمنی نہ تھی صرف ایک مطالبہ اور مشورہ اور رائے پیش کی تھی۔ اس کو بغض نہیں کہہ سکتے یہ تو خیر خواہی ہے کہ قصاص کا معاملہ بہت اہم ہے اگر اس کی طرف توجہ نہ کی گئی تو کل کو آپ کی جان بھی خطرہ میں پڑسکتی ہے اور حضرت عائشہ کو احادیث میں جنت کی بشارت دی جا چکی ہے۔ اس لئے بھی ان پر بدگمانی جائز نہیں ہے۔ **اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی**:۔ شیعہ اس سے حضرت علی کے لئے خلافت بلا فصل ثابت کرتے ہیں جواب۔ ۱۔ یہ تو خلافت فی اہل تھی حیاۃ میں کہ غزوہ تبوک میں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت علی کو مدینہ منورہ ہی میں رہنے کا حکم فرمایا تو انھوں نے عرض کیا اتخلفنی مع الذریۃ فقال اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ جیسا کہ نسائی اور ابن ماجہ میں تفصیل موجود ہے۔ ۲۔ مختلف اسفار میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حضرات کو اپنا خلیفہ مدینہ منورہ میں بنا کر چھوڑا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور حضرت عثمان اور دیگر حضرات اس لئے اگر اس خلافت کو وفات کے بعد خلافت بلا فصل کی دلیل بنایا جائے تو صریح تناقض ہے کہ حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل قرار دیا ہے۔ یا حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو یا حضرت عثمان کو یا دوسرے حضرات کو کیونکہ وفات کے بعد خلیفہ بلا فصل تو ایک ہی ہوسکتا ہے کئی تو نہیں ہوسکتے۔ ۳۔ اسی غزوہ تبوک ہیں میں امامت صلوۃ کے لئے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور باقی انتظامات میں حضرت علی کو خلیفہ بنایا تھا تو خاص اسی سفر کے واقعہ میں بھی خلافت کی کمی بلکہ تناقض لازم آ گیا کہ اصل خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم ہیں یا حضرت علی ہیں۔ اس لحاظ سے بھی استدلال شیعہ کا صحیح نہیں ہے۔ ۴۔ غزوہ تبوک رجب ۹ھ میں ہوا اس کے بعد ذی الحجہ ۹ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو امیر حجاج بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بھیجا اور بعد میں حضرت علیؓ کو چند اعلانات کے لئے پیچھے بھیجا کیونکہ اہل عرب بادشاہ کے قریبی رشتہ دار کا اعلان مانتے تھے جب حضرت علی

حضرت ابو بکر پاس پہنچے ہیں تو حضرت ابو بکر نے پوچھا امیر ام مامور تو حضرت علی نے عرض کیا مامور اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز بھی پڑھتے رہے تو یہ واقعہ چونکہ بعد کا ہے اس لئے اس کو ناسخ کہا جائے گا۔ تبوک والے واقعہ کے لئے۔ صحیحین کی روایات میں مذکور ہے کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابو بکر نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کا مشورہ دیا اور حضرت عمر نے قتل کا مشورہ دیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مثلک یا ابا بکر کمثل ابراہیم اذا قال فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم ومثل عیسیٰ اذا قال ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم ومثلک یا عمر مثل نوح اذ قال ربّ لا تذر علی الا رض من الکافرین دیارا اور مثل موسیٰ اذ قال ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم تو جیسے حضرت علی کو حضرت عیسیٰ اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الا لیم تو جیسے حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ ذکر فرمائی ایسے ہی حضرات شیخین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ ذکر فرمائی ایسے ہی حضرات شیخین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بیان فرمائی ان میں سے کسی سے بھی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہوتی۔

حدیث الموالاۃ:۔ حدیث پاک میں مرفوعاً ثابت ہے من کنتُ مولاہ فعلّی مولاہ اس سے بھی شیعہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی خلافت بلافصل کے مستحق تھے جواب۔ ۱۔ اس میں صرف حضرت علی سے محبت رکھنے کی ترغیب ہے خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ۲۔ اس حدیث پاک کا شان ورود یہ ہے کہ جب حضرت علی یمن کے والی تھے تو بعض حضرات نے ان کی کچھ شکایت کی تھی اس پر یہ ارشاد فرمایا تھا اس لئے مقصد یہ ہوا کہ ان کی شکایت مناسب نہیں ہے۔ خلافت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے۔ ۳۔ حضرت علی کو اس حدیث پاک کا علم تھا پھر بھی انھوں نے کبھی اس سے خلافت بلافصل پر استدلال نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ خود حضرت علی کے نزدیک بھی اس حدیث پاک کا خلافت سے تعلق نہیں ہے۔ **خلفاء اربعہ کے لئے ترتیب خلافت کے ادلہ:۔** ۱۔ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی ترتیب ثابت ہوئی۔ ۲۔ وعد اللہ الذین امنو ا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض الایۃ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ اسی ترتیب سے پورا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہی ترتیب اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ تھی۔ ۳۔ اس ترتیب سے چاروں حضرات کو خلافت میں حصہ مل گیا۔ اگر بالفرض حضرت علی کو ہی بلافصل خلیفہ بنا دیا جاتا تو باقی تین حضرات تو بالکل محروم رہ جاتے کیونکہ حضرت علی کی وفات ان چاروں میں سب سے اخیر میں ہوئی ہے۔ ۴۔ اسی ترتیب سے ان چاروں حضرات سے تمکین دین واقع ہوئی اور ان چاروں حضرات نے پوری ہمت سے دین کو مضبوط فرمایا اس سے ان حضرات کی فضیلت اسی ترتیب سے ثابت ہوتی ہے پس جب واقعات سے ترتیب فضیلت ثابت ہو گئی تو ترتیب فضیلت سے استحقاق خلافت بھی اسی ترتیب سے ثابت ہو گیا۔ ۵۔ جیسا کہ نبوۃ اس زمانہ کے افضل ترین شخص کو دی جاتی ہے ایسے ہی خلافت نبوۃ بھی اس زمانہ کے افضل ترین کو دی جاتی ہے جبکہ وہ واقعی خلافت نبوت ہو اور ان چاروں حضرات کی خلافت خلافت نبوت تھی۔ ۶۔ شیعہ میں سے فرقہ راوندیہ اس کا قائل ہوا کہ حضرت عباس احق للخلافت تھے اور باقی شیعہ کا قول ہے کہ حضرت علی احق بالخلافۃ تھے اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر احق بالخلافۃ تھے جب حضرت علی حضرت عباس دونوں نے حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت فرمالی تو حضرت ابو بکر کی خلافت پر اجماع منعقد ہو گیا۔ سوال یہ تقیہ تھا جواب اگر اس معاملہ میں تقیہ مانا جائے

تو خوارج کا مذہب ثابت ہو جائے گا جو کہتے تھے کہ حضرت علی نے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک پر بیعت کی تھی اس میں ظاہر خلاف باطن تھا اس لئے تقیہ کی توجیہ باطل ہے۔ ۷۔ قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقا تلو نهم او یسلمون فان تطیعوا یوتکم الله اجرا حسنا وان تتولوا کما تو لیتم من قبل یعذبکم عذاباً الیما۔ اب راعی خرد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ حق تعالٰے کا ارشاد ہے لن تخرجوا معی ابدا و لن تقاتلوا معی عدوا۔ لامحالہ داعی حیوٰۃ مخاطبین میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہی ہیں اس لئے ان دونوں حضرات کی اطاعت کا وجوب قرآن پاک سے ثابت ہو گیا پھر اولی باس شدید کا مصداق ایک قول میں مسلیمہ کذاب کے ساتھی ہیں دوسرے قول میں اہل روم ہیں تیسرے قول میں اہل فارس ہیں۔ قتال جمل یا قتال صفین والے مصداق نہیں بن سکتے کیونکہ اس میں یہ بھی وارد ہے۔ تقاتلو نهم اویسلمون اور اہل جمل اور اہل صفین پہلے سے مسلمان تھے پس جب داعی واجب الاطاعۃ ہے تو وہ خلیفہ حق ہے اور روم اور فارس کا قتال حضرت صدیق اکبر کے زمانہ میں شروع ہوا اور حضرت عمر کے زمانہ میں مکمل ہوا۔ ۸۔ بعض احادیث میں اسی ترتیب سے خلافت کے اشارے موجود ہیں اگر چہ تصریح خلافت کی نہیں ہے ان میں سے ایک حدیث میزان ہے عن ابی بکرۃ ۔ ۹۔ ایک حدیث الدلو و النزع من البئر ہے ۔ ۱۰۔ ایک حدیث وہ ہے جس میں صدقات حضرات شیخین کو دینے کا حکم فرمایا ہے ۔ ۱۱۔ دخلت انا وابو بکر و عمر ۔ ۱۲۔ آمنت انا وابو بکر و عمر ۔ ۱۳۔ ما من نبی الا ولہ وزیران ۔ ۱۴۔ ھما کالسمع والبصر منّی ۔ ۱۵۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر ۔ ۱۶۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف بیٹھا کرتے تھے اور حضرت عمر بائیں طرف کھڑے ہو جایا کرتے تھے مزید تفصیل قرۃ العین فی تفضیل الشیخین للشاہ ولی اللہ الدھلوی میں ہے۔ **کیا حضرت ابوبکر کی خلافت پر نص موجود ہے:** ۔ اس میں تین قول ہیں پہلا قول موجود ہے دلیل ۔ ۱۔ فی البخاری ان امرأۃ قالت یارسول اللہ ارأیت ان رجعتُ فلم اجدک کانھا تعنی الموت قال فاتی ابا بکر ۔ ۲۔ صحیح حدیث میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعائشۃ فی مرضہ الذی توفی فیہ لقد ھممتُ ان ابعث الی ابیک واخیک واکتب کتاباً واعھد عھداً کیلا یقول قائل انا احق او یتمنی متمن ویابی اللہ ورسولہ والمومنون الا ابا بکر ۔ ۳۔ حدیث حذیفۃ مرفوعاً اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر دوسرا قول کہ حضرت ابوبکر کی خلافت پر نص موجود نہیں ہے اس کی دلیل ۔ ۱۔ قول عمر ان استخلف فقد استخلف من ھو خیر منی یعنی ابا بکر وان اترک فقد ترک من ھو خیر منی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۲۔ عن عائشۃ اذ سئلت من کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستخلفا لو استخلف قالت ابوبکر اس روایت میں لو سے معلوم ہوا کہ استخلاف نہ فرمایا تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ خلافت ابی بکر نص خفی سے ثابت ہے اس کے ادلہ متعدد ہیں ۔ ۱۔ فی البخاری مرفوعاً رایت کانی علی قلیب انزع منھا فاخذ ھا ابن ابی قحافۃ فنزع ذنوباً او ذنوبین و فی نزعہ ضعف واللہ یغفر لہ ثم اخذ ھا ابن الخطاب فاستحالت غرباً فلم ار عبقریا من الناس یفری فریاحتی ضرب الناس بعطن ۔ ۲۔ فی البخاری مرفوعاً مروا ابا بکر فلیصل بالناس ۔ ۳۔ فی البخاری مرفوعاً لا یبقین فی المسجد خوختہ الا سدت الا خوختہ ابی بکر ۔ ۴۔ فی ابی داؤد عن ابی بکرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ذات یوم من رای منکم رؤیا فقال رجل انا رأیتُ کانّ میزانا انزل من السماء فوزنتَ انتَ وابو بکر فرجحتَ ثم وزن ابو بکر و عمر فرجح ابو بکر و وزن عمر و عثمان فرجح عمر ثم رفع المیز ان فرأیتُ الکراھیۃ فی وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۵۔ فی ابی داؤد عن جابر انہ کان یحدثُ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اریَ اللیلۃ رجل صالح ان ابا بکر نیط (علق) برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونیط عمر بابی بکر ونیط عمر بابی بکر ونیط عثمان بعمر قال جابر فلما قمنا من عند رسول اللہ علیہ وسلم قلنا اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما نوط

بعضھم ببعض فھم ولاۃ ھذا الامر الذی بعث اللہ بہ نبیہ۔ ۶۔ فی ابی داؤد عن سمرۃ بن جندب ان رجلا قال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رأیت کان دلوا ادلی من السماء فجاء ابوبکر فاخذ بعراقیھا جمع عرقوۃ وھی الخشبۃ المعروضۃ علی الدلو) فشرب حتی تضلع فشرب شربا خفیفاً ثم جاء عمر فاخذ بعراقیھا فشرب حتیٰ تضلع ثم جاء عثمان فاخذ بعراقیھا فشرب حتیٰ تضلع ثم جاء علی فاخذ بعراقیھا فانتشطت (فاضطربت) فانتضح (فرش) علیہ منھما شی۔ ۷۔ فی ابی داؤد عن سعید بن جمھان عن سفینۃ مرفوعاً خلافۃ النبوۃ ثلاثون سنۃ ثم یوتی اللہ ملکہ من یشاء قال سعید قال سفینۃ امسک مدۃ ابی بکر سنتان وعمر عشر وعثمان اثنتا عشر وعلیّ کذا قال سعید قلتُ لسفینۃ ان ھولاء (یعنی بنی مروان) یزعمون ان علیّا لم یکن بخلیفۃ فقال کذبت استاہ بنی زرقآ یعنی نبی مروان اھ ھذا الفظ ابی داؤد اور مسند احمد میں یوں ہے وعلی ستۃ پھر ان تین قولوں میں تطبیق یہ ہے کہ مذکورہ ادلہ میں سے ہر ایک کو الگ الگ دیکھیں تو نص خفی ہے لیکن جب سب ادلہ کو جمع کر لیں اور ساتھ آیت استخلاف بھی ملالیں تو نص جلی بن جاتی ہے اور نفی استخلاف کا مطلب یہ ہے کہ جیسے بادشاہوں میں متعارف ہے کہ ایک شخص کو ولی عہد نامزد کر کے اس کو مشہور کر دیتے ہیں یہ صورت نہ ہوئی تھی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع انہی نصوص کو ولی عہد نامزد کر کے اس کو مشہور کر دیتے ہیں یہ صورت نہ ہوئی تھی اور سقیفہ نبی ساعدہ میں اجتماع انہی نصوص کو یاد کرانے کے لئے تھا۔

شیعہ کے دلائل حضرت علی کی افضلیت پر مع الاجوبہ:۔

شیعہ کی پہلی دلیل۔ ۱۔ اسلام لانے میں حضرت علی سب پر مقدم تھے اس لئے سب صحابہ سے افضل تھے جواب۔ پہلا قال ابوحنیفۃ الا ورع ان یقال اول من اسلم من الرجال الاحرار ابوبکر ومن الصبیان علی ومن النساء خدیجۃ ومن الموالی زید ومن العبید بلال انتھیٰ پھر اولیت حقیقیہ میں اقوال مختلف ہیں۔ پہلا قول حضرت ابو بکر ہیں کیونکہ ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے مخاطباً لابی بکر الستُ اولَ من اسلم الحدیث دوسرا قول مائی خدیجہ تیسرا قول حضرت زید چوتھا قول حضرت بلال پانچواں قول جناب بن الارت چھٹا قول حضرت علی اتنے اقوال کے ہوتے ہوئے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ثعلبی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ سب سے مقدم ایمان لانے میں حضرت خدیجہ تھیں تیسرا جواب یہ ہے کہ نفس اولیت اگر دیکھیں تو وہ حضرت خدیجہ کو حاصل ہوئی اور اگر اولیت موثرہ فی الفضیلۃ کو دیکھیں تو وہ حضرت صدیق اکبر کو حاصل ہوگی کیونکہ حضرت خدیجہ حضرت زید حضرت بلال حضرت علی یہ سب حضرات تابع تھے اور حضرت ابو بکر رئیس تھے ذو وجاہت تھے مستقل تھے اور ایمان لائے بلا تاخیر بلا طلب معجزہ طوعاً بلا اخفاء جبکہ حضرت علی اپنے والد ابو طالب سے اپنا ایمان چھپاتے تھے۔ چوتھا جواب حضرت علی کا ایمان لازمی تھا اور حضرت صدیق کا ایمان متعدی تھا اور وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مبلغ بھی تھے چنانچہ حضرت ابو بکر کے دست مبارک پر حضرت عثمان بن عفان حضرت زبیر حضرت طلحہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جیسے جلیل القدر صحابہ جو عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں ایمان لائے اسی لئے امام دارقطنی کے شاگرد ابو طالب عشاری حنبلی کی کتاب جزء فضائل ابی بکر میں ایک روایت ہے عن ابن عمر قال لما ولی علی ابن ابی طالب قال لہ رجل یا امیر المومنین کیف تخطاک المہاجرون والا نصار الی ابی بکر رضی اللہ عنہ وانت اکرم منقبۃً واقدم سابقۃً فقال لہ ویحک ان ابا بکر سبقنی الی اربع لم اتھن ولم اعتقن منھن الی مرافقۃ الغار والی تقدم الھجرۃ وانی امنتُ صغیراً ومن کبیراً والی اقام الصلوٰۃ انتھیٰ ۔۲۔ شیعہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی شجاعت میں حضرت ابو بکر سے بڑھے ہوئے تھے جیسا کہ غزوہ بدر غزوہ احد غزوہ احزاب اور غزوہ حنین کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ جواب پہلا یہ ہے کہ شجاعت سے مقصود اعانت فی الدین اور نصرت دین ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس نصرت دین میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کا مقام بہت اونچا تھا اور وہ اس میں حضرت علی پر سبقت لے جا

چکے تھے کیونکہ ان دونوں حضرات نے اپنی جان اور مال اسلام پر خرچ کیا اور ہجرت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دین کی نصرت کے لئے مجاہدات فرمائے اور اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی دونوں حضرات نے نصرت دین فرمائی اور حضرت صدیق اکبر کی استقامتہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن اور فتنہ ارتداد اور فتنہ منع زکوٰۃ اور جیش اسامہ کو روانہ کرنے کے موقعہ پر روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئی دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت شاہانہ تھی اور حضرت ابوبکر کی شجاعت وزیرانہ تھی اور حضرت علی کی شجاعت سپاہیانہ تھی حضرت ابوبکر غزوات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوتے تھے اور قدم قدم پر مشورہ دیتے تھے اور تدبیریں ذکر فرماتے تھے اس لئے شجاعت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کا مقام سب سے اونچا تھا۔ شیعہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مرفوعاً ثابت ہے اقضا کم علی اور حضرات صحابہ ان کی طرف بہت سے واقعات میں رجوع کرتے تھے غلطی کے بعد حتیٰ کہ عمر فاروق نے فرمایا لولا علی لھلک عمر اور بعد کے فضلا نے بھی سب علوم میں حضرت علی کی طرف سند بیان کی ہے۔ جواب۔۱۔ قضاء کا منصب صدیقیت اور فاروقیت اور محدثیت کے منصب سے بہت نیچے ہے پس علم وحکمت میں پہلا مقام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور دوسرا حضرت ابوبکر کا تیسرا حضرت فاروق کا تھا جو محدث بھی تھے اور ان کی رائے کے مطابق کئی معاملات میں قرآن پاک بھی نازل ہوا۔۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں صدق تو قرآن پاک میں آیا ہے۔ قضاء کا لفظ نہیں آیا۔۳۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کا موقعہ حضرت صدیق اکبر کو حضرت علی سے زائد ملا ہے اور اصل علم یہی تعلیم من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔۴۔ حضرت ابوبکر کی عادت سکوت کی تھی اور حضرت علی کی عادت تکلم کی تھی اس لئے ظہور حضرت علی کے علوم کا زیادہ ہوا گو علمی مقام حضرت ابوبکر کا اونچا تھا۔۵۔ صحابہ کرام کا رجوع حضرت ابوبکر کی طرف ظاہر ہوا

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر اور فتنہ ارتداد کے موقعہ پر اور حضرت اسامہ کے لشکر کو روانہ کرنے کے موقعہ پر ان سب واقعات سے حضرت ابوبکر کی اعلمیت ظاہر ہوتی ہے۔۶۔ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں اختیار دیا اُس بندہ نے آخرت کو اختیار کرلیا اس پر حضرت ابوبکر رونے لگے تو ہمیں تعجب ہوا بعد میں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جلدی ہوگئی تو اس وقت ہمیں اس ارشاد کی تفصیل معلوم ہوئی کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کی طرف اشارہ فرمایا تھا وکان ابوبکر اعلمنا۔۷۔ حضرت ابوبکر وحضرت عمر نے شریعت کے قواعد کی بنیاد رکھی ہے اور قیاس اور اجماع کو شروع فرمایا قضاء کے معنیٰ تو صرف ذہن کا جلدی منتقل ہونا ہے۔ اس کا درجہ دین کی بنیاد رکھنے اور اس پر فروع کو تفریع بٹھانے اور علوم کی تنقیح کرنے سے بہت نیچے ہے۔ پھر اب ہمارے زمانہ کی قضاء تو تقلیدی ہے اور حضرت علی کے زمانہ کی قضاء اجتہادی تھی یہ دونوں تاسیس قواعد شرح سے بہت نیچے ہیں یہ تاسیس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ہی کا کام تھا۔۸۔ اقضا کم علی فضیلۃ جزئیہ ہے جیسے اقراء کم ابی۔ اعلمکم بالحلال والحرام معاذ افرضکم زید (بن ثابت) لکل امتہ امین وامین ھذہ الامتہ ابوعبیدۃ بن الجراح ان لکل نبی حواریا وحواریی الزبیر خذوا ربع العلم من ھذہ الحمیراء (عائشہ) اور فضیلت کلیہ حضرات شیخین کے فضائل سے معلوم ہوتی ہے۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر۔ سیدا کھول اھل الجنۃ ابوبکر وعمر۔ ما سلک (عمر) فجاً الا سلک الشیطان فجاً غیرہ۔ رویا القمیص واللبن اور ان کی تعبیر دین اور علم۔۹۔ حضرت علی کی طرف علوم کی نسبت حقیقت میں حضرات شیخین ہی کی طرف ہے کیونکہ حضرت علی نے حضرات شیخین ہی سے تو علوم لئے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ قراء توں کی نسبت سات اور دس قراء حضرات کی طرف ہے حالانکہ سب سے پہلے کتابی شکل میں قرآن پاک کو جمع کرنے والے حضرت عمر

کے مشورہ سے حضرت ابوبکر ہیں اس لئے علوم کی نسبت جو حضرت علی کی طرف ہے یہ حقیقت میں حضرات شیخین ہی کی طرف ہے۔ پھر فقہاء کے علوم کا مدار اجماعیات عمر اور قضایا شیخین پر ہے پھر جو کتابیں حدیث کی امہات السنۃ القدیمۃ کے درجہ میں ہیں جیسے مسند امام اعظم موطا مالک کتاب الآثار لمحمد اور مسند الشافعی یہ کتابیں شیخین کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں کہ کیا فرمایا اور کیا ان کے سامنے ہوا اور کیا ان کے زمانہ میں ہوا اور ان بنیادی حدیث کی کتابوں میں حضرت علی کی روایتیں کم ہیں پس قراءات، فقہ اور حدیث کی اصل بنیاد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات شیخین کے زمانہ پر ہے۔۱۰۔ حضرت علی حضرات شیخین کی مجلس میں کثرت سے حاضر رہتے تھے اور ان سے علم حاصل فرماتے تھے اور حضرات شیخین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل فرمایا تھا۔۱۱۔ سب سے پہلے اصول فقہ کو تہذیب کے ساتھ مدون فرمانے والے امام شافعی ہیں اپنی تصنیف کتاب الام کے مقدمہ میں اور یہ مقدمہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی کلام سے ماخوذ ہے۔ ایسے ہی متکلمین حضرات نے اہل السنۃ والجماعۃ کے مذاہب مرتب فرمائے ایمان بالقدر کے متعلق اور اسماء حسنیٰ کے متعلق اور صفات باری تعالےٰ اور عذاب قبر اور رویۃ باری تعالےٰ اور شفاعت کے متعلق ان سب کی بنیاد بھی ان روایتوں پر ہے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے منقول ہیں اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء للشاہ ولی اللہ میں ایک رسالۃ التصوف منقول ہے۔ جو حضرت عمر کی طرف منسوب ہے۔۱۲۔ حافظ ابن تیمیہ نے ایک مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا اذا اتفقتما علی امر لم اخالفکما اس سے حضرات شیخین کے علم اور قرب نبی کا اندازہ ہوتا ہے۔۱۳۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی حضرات شیخین امر ونہی فرمالیتے تھے اور ان دونوں کے سوئی کسی کو بھی ایسا کرنے کی جرأت نہ تھی۔۱۴۔

حضرت ابن عباسؓ حضرات شیخین کے قول پر فتویٰ دیتے تھے کتاب وسنت کے بعد اور باقی سب حضرات کے اقوال پر ان دونوں حضرات کے قول کو مقدم قرار دیتے تھے کتاب وسنت کے بعد۔۱۵۔ فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن عمر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیسمر فی الامر عند ابی بکر من امر المسلمین وانا معہ **شیعہ کی چوتھی دلیل:** یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی ازھد الناس تھے اس لئے خلافت بلافصل کے مستحق تھے جواب۔۱۔ حضرات شیخین کے بعد ازھد کہنا صحیح ہے۔ ابوطالب عشاری نے اپنی کتاب جزء فضائل الصدیق میں نقل کیا ہے عن ابی الحجاف لما بویع ابوبکر رضی اللہ عنہ اغلق بابہ ثلثۃ ایام یخرج الیہم فی کل یوم فیقول ایھا الناس قد اقلتکم بیعتکم فبایعوا من احببتم فکل ذلک یقوم الیہ علی بن ابی طالب فیقول لانقیلک ولانستقیلک وقد قدمک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن ذا یوخرک۔۲۔ زہد کی دو قسمیں ہیں۔ زہد الاولیاء یہ ہے ترک دنیا یہ حضرت علی میں تھا اور دوسری قسم ہے زہد الانبیا کہ ہر ایک کا حق ادا کیا جائے یہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اور اسی کا عکس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میں تھا۔۳۔ اس لحاظ سے بھی حضرات شیخین کا زہد بڑھا ہوا تھا کہ حضرات شیخین بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے حتیٰ کہ مختلف اطراف کے عامل اور گورنر اپنے رشتہ داروں میں سے نہ بناتے تھے حضرت علیؓ میں اس اونچے درجہ کی احتیاط نہ تھی۔۴۔ حضرت ابوبکر کے زہد کا مقام اتنا اونچا تھا کہ اسلام سے پہلے وہ بہت بڑے مالدار تھے اور وفات کے وقت فقیر تھے اور ترکہ بہت ہی تھوڑا چھوڑا اور حضرت علی ابتداء اسلام میں محتاج اور وفات کے وقت مالدار تھے حتیٰ کہ ۱۹ ام ولد چھوڑیں اور ۲۴ افراد اولاد میں سے چھوڑے اور اتنا مال چھوڑا کہ سب اولاد کے گذارے کے لئے کافی تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکر کے زہد عالی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ **شیعہ کی پانچویں دلیل:** حضرت علی کے لئے قرابت تھی۔ اخوت تھی۔ وجوب محبت ونصرت تھی خصوصاً

حدیث غدیر کی وجہ سے جواب۔ا۔رشتہ داری کی وجہ سے خلیفہ بنانا دنیا کے بادشاہوں کا طرز ہے۔دین میں خلافت کا مدار تقرب الی اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔یعنی تقوے پر ہے جیسا کہ حضرت طالوت کے واقعہ میں اور آیت استخلاف میں مذکور ہے۔علم ۔قوت جسمانیہ اور عمل صالح ۔۲۔اگر نفس قرابت کا لحاظ ہو تو سب سے قریبی حضرت عباس ہیں اور اگر قرابت ولادت کو لیا جائے تو حضرت فاطمہ پھر حضرت حسن پھر حضرت حسین پھر حضرت علی آتے ہیں اور اگر مصاہرت کا لحاظ کیا جائے تو حضرت عثمان ذوالنورین ہیں اگر چہ ان کی دونوں اہلیہ محترمہ فوت ہوگئی تھیں لیکن فوت ہونے سے فضیلت میں کمی نہیں آتی جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے سے حضرت علی کی فضیلت میں کمی نہ آئی۔باقی رہی حدیث غدیر تو اس کا جواب پیچھے گذر چکا ہے۔

شیعہ کی چھٹی دلیل:۔حضرت علی اعبدھم تھے اشرفہم خلقاً تھے اطلقہم وجھاً تھے افصحہم لساناً تھے اسدھم رایاً تھے جواب۔ا۔یہ سب کچھ حضرات شیخین کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھا مثلاً قیام لیل ہی کو لیجئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی مواظبت قیام لیل میں احادیث میں منقول ہے بخلاف حضرت علی کے جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت علی سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں رات کے وقت تشریف لائے اور فرمایا الا تصلیان فقلتُ انفسنا بید اللہ فاذا شاء اللہ ان یبعثنا بعثنا فانصرف حین قلت ذلک ولم یرجع الی بشی ثم سمعتہ وھو مولّ یضرب فخذہ وھو یقول و کان الا نسان اکثر شیء جدلا ۔۲۔مسلمانوں کا انتظام یہ متعدی طاعت ہے یہ عبادت سے بہتر ہے جو لازمی طاعت ہے حسن خلق اور سداورای یہ دونوں حضرات شیخین کے بعد مسلم ہیں کیونکہ حضرات شیخین کے لئے پوری امت کی محبت مسلم ہے اور حضرت علی سے بہت سے حضرات نے مخالفت بھی کی ہے۔اسی طرح سداہ رای کی برکات شیخین کے زمانہ میں ظاہر ہوئیں کہ امت متفق رہی اور حضرت علی کے زمانہ میں انتشار پیدا ہو گیا طلاقۃ وجہ اور خوش طبعی تو خلافت کے لئے مضر ہے کیونکہ ہنسی مذاق کی کثرت سے رعب ختم ہو جاتا ہے اور خلافت وانتظام میں کچھ رعب کی بھی ضرورت ہوتی ہے جیسے حضرت عمر فاروق کا رعب اور دبدبہ مشہور تھا۔باقی رہی فصاحت تو اس کا خلافت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

شیعہ کی ساتویں دلیل:۔قوت نفسانیہ اور قوت بدنیہ حضرت علی کی زیادہ تھی جواب۔اس کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

صدیقیت اور محدّثیت میں فرق:۔صدیقیت کی علامات یہ ہیں۔ا۔صدیق کی شان یہ ہے کہ وہ نبی کی خبر کی ایسی تصدیق کرتا ہے کہ گویا خبر وہ خود دے رہا ہے اور اس چیز کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے پھر جیسا بھی مطالبہ ہوتا ہے اس کے مطابق وہ اپنے نفس اور مال کو خرچ کرتا ہے گویا کہ وہ فانی فی النبوت ہوتا ہے۔۲۔تعبیر رویا میں مہارت بھی علامات صدیقیت میں شمار کی گئی ہے۔۳۔ایک علامت تقدم فی الایمان ہے کہ بالکل ابتداء میں نبی پر ایمان لاتا ہے۔۴۔بلا طلب معجزہ و بلا رویۃ معجزہ ایمان لے آتا ہے۔۵۔گویا نبی کی روح اس کی زبان پر بولتی ہے اور محدثیت کی علامتیں یہ ہیں۔ا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر موقعہ میں اصلح کا القاء اس پر ہوتا ہے۔۲۔وحی (قرآن) اس کی رائے کے مطابق نازل ہوتی ہے۔۳۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دودھ پی کر سیراب ہو کر باقی حضرت عمرؓ کو دیا یہ بھی ان کے محدث ہونے کی علامت تھی۔

الا مساک من مشاجرات الصحابته:۔ اس پر اجماع ہے کہ حضرات صحابہ کرام کا اختلاف ایسے طریقہ سے بیان کرنا جس سے کسی ایک صحابی کی اونچی شان میں گستاخی لازم آئے منع ہے حق تعالےٰ نے جب ہمارے ہاتھوں کو ان پاک ہستیوں کے خون سے رنگنے سے محفوظ رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو کیوں ان پاک ہستیوں کی گستاخی سے ملوث کریں۔طبرانی میں ہے عن ابن مسعود مرفوعاً اذا ذکر اصحابی فامسکوا اور ابن عدی نے نقل فرمایا حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً شرار امتی اجرأھم علی اصحابی۔ **سبب المخالفته بینهم مع**

لحاظ کمال ادبهم:. اب ڈرتے ڈرتے پوری احتیاط اور ادب کے ساتھ اجمالی طور پر کچھ سبب اختلاف ذکر کر رہا ہوں تا کہ ناظرین کے دل میں اگر کوئی وسوسہ ان پاک ہستیوں کے بارے میں کبھی آیا ہو تو وہ صاف ہو جائے اور کسی قسم کی بدگمانی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے متعلق بھی باقی نہ رہے اور جن کافروں اور بے دینوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تاریخی واقعات کو غلط رنگ میں پیش کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے دل میں ان پاک ہستیوں کی عظمت کم کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے ان کا ناپاک منہ بند ہو جائے یا اللہ ذکر حق باخلاص عمدہ الفاظ میں ذکر کرنے کی توفیق نصیب فرما آمین ۔ یا رب العالمین ۔ سبب اختلاف میں دو اہم قول ہیں ۔ ا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کی رائے یہ تھی کہ حضرت علیؓ کی بیعت اور متابعت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ پہلے حضرت عثمان کے ورثہ کو قاتلین پر قدرت دی جائے پھر وہ قصاص لے لیں یا معاف کر دیں اور حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ قاتلین پر قابو اسی وقت پایا جا سکتا ہے جبکہ سب لوگ میرے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لیں پھر حضرت عثمان کے ورثہ اور قاتلین میرے پاس مقدمہ لائیں ۔۲۔ سبب اختلاف میں دوسرا اہم قول یہ ہے کہ حضرت علی نے خیال فرمایا کہ باغیوں نے قتل شبہ کی بناء پر کیا ہے کیونکہ انہوں نے کچھ چیزیں دیکھیں اور ان چیزوں کو صحیح سمجھ لیا اور یہ سمجھ لیا کہ اجتھادی خطا کی وجہ سے جو قتل ہوا اس پر پکڑ نہیں ہے خصوصاً جبکہ خطا ظاہر ہونے پر تو بہ بھی کر لی ہو ۔ ان دونوں قولوں میں سے راجح پہلا قول شمار کیا گیا ہے ۔ پھر جنگ جمل کا واقعہ یوں پیش آیا کہ جب حضرت علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے پیغامات ایک دوسرے کی طرف بھیجے اور صلح پر اتفاق کر لینے کا ارادہ فرما لیا اور یہ طے فرما لیا کہ جب خلافت پختہ ہو جائے گی تو حضرت عثمان کے قاتلین کو ضرور تلاش کریں گے تو حضرت عثمان کے قاتلین کو اس صلح اور اتفاق کی اطلاع مل گئی تو ان قاتلین نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے لشکر پر حملہ کر دیا ۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر یہ سمجھے کہ حضرت علی نے ہم پر حملہ کر دیا پس مدافعت کے طور پر ان حضرات نے لڑائی شروع کر دی ۔ حضرت علی نے یہ خیال فرمایا کہ میرے لشکر پر حملہ کر دیا گیا ہے تو انھوں نے اپنی جان بچانے کے لئے لڑائی شروع فرما دی اسی طرح سے غیر اختیاری طور پر غیر ارادی طور پر یہ لڑائی شروع ہو گئی اور حضرت عائشہ نے کسی سے لڑائی نہ فرمائی اور نہ ہی لڑائی کے ارادہ سے نکلی تھیں وہ تو صرف مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے نکلی تھیں اور یہ خیال فرمایا کہ میرا نکلنا مسلمانوں میں صلح کا سبب ہو گا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ میرا نہ نکلنا ہی اولیٰ تھا ۔ نہ انہوں نے کسی کو قتل کیا نہ لڑائی کا حکم فرمایا اور بعد میں حضرت عائشہؓ جب اپنے اس نکلنے کو ذکر فرمایا کرتی تھیں تو رویا کرتی تھیں حتیٰ کہ آنسوؤں سے دوپٹہ گیلا ہو جاتا تھا اور اسی طرح اکابر صحابہ اس لڑائی پر شرمندہ ہوئے حتیٰ کہ حضرت علی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی اس لڑائی پر نادم ہوئے کتاب الاعتقاد میں امام بیہقی فرماتے ہیں وردی ان علیا بعث الی طلحۃ یوم الجمل فاتاہ فقال نشدتک اللہ ھل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من کنت مولاہ فعلّی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ قال نعم قال فلم تقاتلنی قال لم اذکر قال فانصرف طلحۃ ثم روی انہ حین رمی بایع رجلاً من اصحاب علی ثم قضی نحبہ فاخبر علّی بذلک فقال اللہ اکبر صدق اللہ ورسولہ ابی اللہ ان یدخل الجنۃ الا وبیعتی فی عنقہ و(روی) ان علیا بلغہ رجوع الزبیر بن العوام فقال اما واللہ ما رجع جبنا ولکنہ رجع تائباً وحین جاء ابن جرموز قاتل الزبیر قال لیدخل قاتل ابن صفیۃ النار سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لکل نبی حواری وحواریّی الزبیر انتھٰی اصول الدین کے صفحہ ۲۸۹ پر امام عبدالقاھر البغدادی فرماتے ہیں اجمع اصحابنا علیٰ ان علیاً رضی اللہ عنہ کان مصیباً فی قتال اصحاب الجمل وفی قتال اصحاب معاویۃ انتھیٰ استاد محترم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اپنی تصنیف تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری میں زیر بحث حدیث کے ما تحت حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی جلد اول صفحہ ۲۳۱ سے

مکتوب نمبر ۲۵۱ کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں ان منشاء اثارۃ ھذہ الفتنۃ ھو قتل عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ وطلب القصاص من قتلتہ فان طلحۃ وزبیراً انما خرجا اولاً من المدینۃ بسبب تاخیر القصاص ووافقتھم الصدیقۃ (ای عائشۃ الصدیقۃ) فی ھذا الامر فوقع حرب الجمل التی قتل فیھا ثلثۃ عشر الفاً من الصحابۃ وقتل فیھا طلحۃ والزبیر اللذ ان ھما من العشرۃ المبشرۃ ثم خرج معاویۃ من الشام وصار شریکاً لھم فوقع حرب الصفین۔ صرح الامام الغزالی ان تلک المنازعۃ لم تکن لامر الخلافۃ بل کانت لاستیفاء القصاص فی بدأ خلافۃ علیؓ وحدّ ابن حجر ھذا القول من معتقدات اھل السنۃ وقال الشیخ ابوشکور السالمی الذی ھو من اکابر علماء الحنفیۃ ان منازعۃ معاویۃ لعلی کانت فی امر الخلافۃ فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاویۃ اذا ملکت الناس فارفق بھم رواہ ابن ابی شیبۃ واحمد والطبرانی عن ابی ہریرۃ بمعناہ فحصل لمعاویۃ الطمع فی الخلافۃ من ھذا الکلام ولکن کان وقت خلافۃ علیؓ والتوفیق بین ھذین القولین ھو ان منشاء المنازعۃ یمکن ان یکون اولاً تاخیر القصاص ثم بعد ذلک یقع فی طمع الخلافۃ وعلی کل الا جتھاد واقع فی محلّہ فان (کان) خطا فدرجۃ واحدۃ من الثواب وللمحق درجتان (ایھا الاخ) ان الطریق الاسلم فی مثل ھذہ المواطن السکوت عن ذکر ماشجر بینھم کما تقدم من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذکر اصحابی فامسکوا انتھیٰ۔ **اقضوا کما کنتم تقضون** :۔ حضرت علیؓ جب عراق تشریف لائے تو فرمایا کنت رایت مع عمران تعتق امھات الاولاد وقد رایت الان ان یسترققن فقال عبیدۃ رایک یومئذ فی الجماعۃ احب الی من رایک الیوم فی الفرقۃ فقال اقضوا کما کنتم تقضون ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ ام ولد مرنے کے بعد آزاد ہوتی ہے۔ **فانی اکرہ الاختلاف** :۔ سوال۔ حدیث پاک میں تو مرفوعاً اختلاف امتہ کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ جواب۔ یہاں وہ اختلاف مراد ہے جو لڑائی جھگڑے کی طرف لے جائے۔ **ان عامتہ ما یروی علیٰ علیؓ ن الکذب** :۔ ایک روایت میں عن علیؓ بھی آیا ہے یعنی شیعہ جو مخالفت شیخین کی باتیں نقل کرتے ہیں حضرت علیؓ سے وہ جھوٹ ہیں۔ **حدیث الثقلین** :۔ طبرانی میں ہے عن زید بن ثابت مرفوعاً انی تارک فیکم ثقلین کتاب اللہ حبل ممدود ما بین السماء والارض وعترتی اھل بیتی وانھما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض یہ حدیث صحیح ہے اس کے دو معنیٰ ہیں۔ ا۔ اگر تم کتاب اللہ کے اوامر ونواھی کو پکڑو گے اور اس وقت جو میری اولاد ہدایت یافتہ موجود ہے ان کی طرح ہدایت اختیار کرو گے تو گمراہ نہ ہوگے۔ ۲۔ قرآن پاک اور قیامت تک میری اولاد کے علماء وصلحاء یعنی جن میں علم وعمل دونوں ہوں یہ ہدایت کا ذریعہ ہوں گے۔ اہل بیت کی تخصیص اس لئے ہے کہ سید علماء کا اثر دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے دلوں پر۔ **مناقب جعفر بن ابی طالب** :۔ غرض حضرت جعفر بن ابی طالب کے مناقب کا بیان ہے یہ حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی ہیں حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے قدیم الاسلام ہیں۔ ذوھجرتین ہیں۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی پھر مدینہ منورہ کی طرف یہی سبب بنے تھے حضرت نجاشی کے خفیہ اسلام کا جب یہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے ایسی حالت میں کہ ان کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے تو اللہ تعالےٰ نے ان کو دو پر عطا فرمائے جن سے جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے تھے اس لئے ان کا لقب ذوالجناحین ہوگیا۔ **ذکر عباس بن عبد المطلب** :۔ سوال۔ امام بخاری نے یہاں مناقب کی جگہ صرف ذکر کا لفظ رکھا۔ یہ تو مناسب نہ تھا۔ جواب چونکہ اس باب کی روایات میں صرف حضرت عمر کا ذکر ہے کہ وہ حضرت عباس کی تعظیم فرماتے تھے اس کے علاوہ کوئی خصوصی منقبت مذکور نہیں ہے۔ اس لئے مناقب کی جگہ امام بخاری نے صرف ذکر کا لفظ درج فرمایا۔ **مناقب قرابتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** :۔ غرض قرابت کے مناقب کا بیان ہے اور لفظ قرابت نسب اور نکاح دونوں کے رشتوں کو شامل ہے پھر شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ حضرت علیؓ حضرت

فاطمہ حضرت حسن اور حضرت حسین کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ان کا یہ کہنا کذب ہے اس لئے کہ ۔۱۔ یہ آیت مکی ہے اور حضرت فاطمہ کا نکاح بدر کے بعد ہوا تھا اور ولادت حضرت حسن کی ۳ھ کی ہے اور حضرت حسین کی ۴ھ کی ہے۔ ۲۔ اگر شیعہ کی بات ٹھیک ہوتی تو الفاظ یوں ہوتے الا المودة لذی القربیٰ۔ **ارقبو محمداً صلى الله عليه وسلم فى اهل بيته**:۔ حضرت ابُوبکر کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت کی محبت یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت ہے۔ **مناقب الزبير بن العوّام**:. غرض حضرت زبیر کے مناقب کا بیان ہے۔ حضرت زبیر سولہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کا ذکر مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ یہ دس صحابہ جنتی ہیں ہر ایک کا نام لے کر فی الجنتہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب جہادات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ فتح مصر میں بھی شریک ہوئے حضرت علی کے زمانہ میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے جنگ جمل میں اور جنگ جمل سے واپس جا رہے تھے کہ وادی السباع جگہ میں ابن جرموز نے شہید کر دیا حالانکہ حضرت علی نے فرمایا ہوا تھا کہ جو واپس جا رہا ہو یا بھاگ رہا ہو اس کو قتل نہ کرنا اور قتل کر کے جب ابن جرموز نے آ کر خبر دی حضرت علی کو کہ میں نے حضرت زبیر کو جبکہ وہ واپس جا رہے تھے قتل کر دیا ہے تو حضرت علی نے فرمایا قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر قاتل ابن صیفتہ بالنار اس حدیث کو سن کر اس کو چاہیئے تھا کہ روتا اور توبہ کرتا لیکن ابن جرموز غصہ میں آ گیا اور کہا ان قاتلنا کم فنحن فی النار وان قاتلنا لکم فنحن فی النار اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ منافق تھا یا فاسق تھا چنانچہ یہ کہہ کر اس نے خودکشی کر لی۔ **ذکر طلحة بن عبيد الله**:۔ غرض حضرت طلحہ کا ذکر ہے۔ مناقب کے لفظ کی جگہ ذکر کے لفظ کی وجہ پیچھے گذر چلی کہ ان کی شرط پر مناقب کی زیادہ روایتیں نہ تھیں اس لئے لفظ مناقب نہ استعمال فرمایا حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی تھے اور اُن آٹھ حضرات میں سے بھی تھے جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان چھ میں سے بھی تھے جن کے نام حضرت عمر نے خلافت کے لئے ذکر فرمائے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی تو ان سے راضی تھے اور ان پانچ میں سے بھی ہیں جو حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بالکل شروع میں مسلمان ہوئے ان کو طلحتہ الخیر اور طلحتہ الجود بھی کہا جاتا تھا جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کا ساتھ دیا اور اسی میں ۳۶ھ میں شہید ہوئے۔ لڑائی کے بعد حضرت علی حضرت طلحہ کے بدن مبارک کے پاس کھڑے ہو کر اتنا روئے کہ آنسوؤں نے داڑھی مبارک کو تر کر دیا پھر فرمایا انی لارجوان اکون انا وانت ممن قال اللہ تعالےٰ ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا على سرر متقابلين۔ **مناقب سعد بن ابى وقاص الزهرى**:. غرض حضرت سعد کے مناقب کا بیان ہے ان کا لقب تھا فارس الاسلام اور مستجاب الدعوات یہ دونوں ان کے لقب تھے۔ **لقد رايتني وانا ثلث الاسلام**:. یہ ان کا اپنا خیال تھا کہ وہ تیسرے اسلام لانے والے ہیں راجح یہ ہے کہ وہ ساتویں اسلام لانے والے تھے جیسا کہ حافظ ابن عبد البّر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں ذکر فرمایا ہے۔ **ما سالم احد الا فى اليوم الذى اسلمتُ فيه** :۔ یہ بھی اُن کے اپنے علم کے لحاظ سے ہے ورنہ ان سے پہلے چھ حضرات اسلام لا چکے تھے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ **مالہ خلط**:۔ ہم ایسی مینگنیاں کرتے تھے جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی نہ ہوتی تھیں کیونکہ بالکل خشک ہوتی تھیں۔

باب ذكر اصهار النبى صلى الله عليه وسلم منهم ابو العاص بن الربيع

غرض اصہار کا ذکر ہے اور اصہار کہتے ہیں ان رشتہ داروں کو جو بیوی کی وجہ سے ہوں یا بیٹی کی وجہ سے ہوں۔

باب مناقب زيد بن حارثة:. غرض حضرت زید کے مناقب کا ذکر ہے۔ یہ نبی پاک کے منہ بولے بیٹے تھے اور ان کا نام مبارک

قرآن پاک میں مذکور ہے یہ غزوہ موتہ میں ۸ھ میں شہید ہو گئے تھے۔

باب ذکر اسامته بن زید

غرض حضرت اسامہ کا ذکر ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے تھے اور پیارے کے بیٹے تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے اور حضرت حسن کے لئے اکٹھی دعاء فرمایا کرتے تھے اور دونوں کے لئے دعاء کے الفاظ بھی ایک ہی ہوتے تھے۔ **وکانت حاضنته النبی صلی اللہ علیہ وسلم**۔ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کی آزاد شدہ لونڈی تھیں اور انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں پالا تھا۔ دودھ پلانا ثابت نہیں ہے۔

باب مناقب عبد اللہ بن عمر بن الخطاب

غرض حضرت ابن عمر کے مناقب کا بیان ہے

باب مناقب عمار و حذیفته

غرض حضرت عمار اور حضرت حذیفہ کے مناقب کا بیان ہے۔ پھر ان دونوں حضرات کا اکٹھا ذکر اس لئے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداء نے ان دونوں حضرات کی ثناء اکٹھی بیان فرمائی تھی۔ سوال حضرت ابوالدرداء کے ذکر میں تو حضرت ابن مسعود بھی تھے پھر ان کے لئے الگ باب کیوں باندھا۔ جواب ابن مسعود کے لئے الگ حدیث بھی مل گئی تھی اس لئے ان کے لئے الگ باب باندھا۔ سوال جب حضرت حذیفہ کا ذکر یہاں ہو گیا تو پھر مناقب کے اخیر میں ان کے لئے دوبارہ باب کیوں باندھا جواب اس باب میں مقصود حضرت حذیفہ کے والد ماجد کا ذکر ہے۔ الیس فیکم اومنکم صاحب السواک اوالسواد حضرت ابن مسعود کو صاحب سواد اس لئے قرار دیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا اذنک ان ترفع الحجاب وتسمع سوادی (ای شخصی) اور ایک روایت میں ہے وتسمع سراری حتیٰ انهاک (ما اتکلم سرّا) یعنی یہ فرمایا ہوا تھا کہ جب تمہیں پتہ چل جائے کہ میں اندر موجود ہوں تو آنے کی اجازت ہے یا جب میری آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز سن لو تو آنے کی اجازت ہے اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ حضرت ابن مسعود ازواج مطہرات اور محرم عورتوں پر بھی داخل ہو جاتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھانس کر آ جایا کرو اگر ضرورت ہو گی تو اس وقت منع کر دوں گا۔

باب مناقب ابی عبیدة بن الجراح

غرض حضرت ابو عبیدہ کے مناقب کا بیان ہے۔ ان کا نام عامر بن عبد اللہ بن الجراح ہے انھوں نے غزوہ بدر میں اپنے کافر باپ کو قتل کر دیا تھا اور غزوہ احد میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے حضرات میں سے تھے اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ **ذکر مصعب بن عمیر**: یہ باب بعض نسخوں میں متن میں ہے اور بعض نسخوں میں حاشیہ پر ہے۔ اس باب میں مقصود حضرت مصعب بن عمیر کا ذکر مبارک ہے۔ سوال اس باب میں حدیث کیوں نہ لائے۔ جواب۔ ۱۔ اس حدیث پر کفایت فرمائی جو ان کے متعلق کتاب الجنائز میں لا چکے ہیں۔ ۲۔ کوئی ایسی حدیث جو بطور مناقب کے ذکر کر سکیں امام بخاری نے اپنی شرط پر نہ پائی۔

مناقب الحسن و الحسین: غرض حضرت حسن اور حضرت حسین کے مناقب کا بیان ہے۔ سوال دونوں کے لئے الگ الگ باب کیوں نہ باندھا جواب۔ دونوں حضرات کے مناقب ایک جیسے تھے اور اکثر احادیث میں دونوں حضرات کا ذکر اکٹھا ہے اس لئے ایک ہی باب میں دونوں حضرات کا ذکر فرمایا۔ حضرت حسن کی خلافت چھ ماہ تھی ان چھ ماہ کی وجہ سے ۳۰ سال خلافت راشدہ کے پورے ہو گئے۔ جب حضرت علی شہید کر دیئے گئے تو اسی دن چالیس ہزار حضرات نے حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ میں قیام فرمایا جب حضرت معاویہ ایک بڑا لشکر لے کر لڑنے کے لئے آئے تو حضرت حسن نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خلافت چھوڑ دی اور معاملہ حضرت معاویہ کے سپرد کر دیا تا کہ امت پر شفقت ہو ایسا کرنے سے حضرت معاویہ کی خلافت پختہ ہو گئی اور ایسے ہی ان کے بعد بنی امیہ کے خلفاء کی خلافت بھی پختہ ہو گئی۔ پھر خلافت بنی عباس کی طرف منتقل ہوئی پھر دوسروں

کی طرف منتقل ہوئی جب حضرت معاویہ کی وفات ہوئی تو حضرت حسین کا اقدام یزید کی خلافت کو دفع کرنے کے لئے تھا کیونکہ ابی خلافت تام نہ ہوئی تھی اس لئے اس اقدام کو بغاوت نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت صرف اہل شام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اہل حرمین نے ابھی بیعت نہ کی تھی اگر چہ حضرت حسین کے اقدام کی گنجائش تھی لیکن محمد بن حنفیہ نے حضرت حسین کو اس اقدام سے منع فرمایا تھا اور حضرت ابن عباس اور بعض دوسرے حضرات نے بھی منع فرمایا تھا لیکن حضرت حسین نے اہل عراق پر اعتماد فرمالیا جنہوں نے خط لکھ کر حضرت حسین کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن ابھی راستہ ہی میں تھے کہ شہید کر دیئے گئے حالانکہ حضرت حسین نے فرمادیا تھا کہ میں نے خلافت کو چھوڑا مجھے یا تو اپنے شہر کی طرف واپس جانے دو یا سرحد تک جانے دو یا لوگوں کے متولی یزید کے پاس جانے دو اور اس حالت میں ایسی نرمی کرنی ہی مناسب تھی جیسا کہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ ان الحجاج عذاب فلا تدفعوا عذاب اللہ بایدیکم ولکن علیکم بالاستکانۃ والتضرع فان اللہ تعالیٰ یقول و لقدا خذنا ھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرعون۔ **ینکت:۔** ناک میں درخت کی شاخ ڈال رہا تھا۔ **بالوسمتہ:۔** ایک قسم کا خضاب ہے۔

باب مناقب بلال بن رباح

غرض حضرت بلال کے مناقب کا بیان ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام حمامہ تھا حضرت ابوبکر نے ان کو پانچ اوقیہ سے خرید کر آزاد فرمادیا تھا۔

باب مناقب ابن عباس

غرض حضرت ابن عباس کے مناقب کا ذکر ہے آپ کا لقب ترجمان القرآن اور سید المفسرین ہے۔

باب مناقب خالد بن الولید

غرض حضرت خالد بن الولید کے مناقب کا بیان ہے۔ آپ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا لقب سیف اللہ رکھا۔ حضرت عمر کی خلافت میں حمص میں بلا شہادت فوت ہوئے حالانکہ بہت تمنا تھی شہادت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تلوار توڑی نہیں جاسکتی۔

باب مناقب سالم مولی ابی حذیفتہ

غرض حضرت سالم کے مناقب کا بیان ہے۔ **مناقب عبد اللہ بن مسعود:۔** غرض حضرت ابن مسعود کے مناقب ذکر فرمانا ہے۔ متقدمین اہل اسلام میں سے تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے بھی پہلے مسلمان ہوگئے تھے ان کے القاب صاحب الوسادہ صاحب الطھو رصاحب الغلین ہیں۔ **ذکر معاویۃ:۔** غرض حضرت معاویہ کا ذکر مبارک ہے۔ آپ کب اسلام لائے اس میں دو قول ہیں۔ ۱۔ صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے پہلے۔ ۲۔ صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے دونوں قولوں پر اپنا اسلام اپنے والدین سے چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے موقعہ پر ظاہر فرمایا۔ سوال۔ امام بخاری نے لفظ مناقب یہاں استعمال کیوں نہ فرمایا۔ جواب جیسے حضرت عباس اور حضرت اسامہ کے احوال میں مناقب کا لفظ چھوڑا ایسے ہی یہاں چھوڑا ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کو ان کی شرط پر ایسی روایات نہ ملیں۔ جو اعلیٰ مناقب پر مشتمل ہوں اس لئے صرف لفظ ذکر درج فرمایا۔ حضرت معاویہ کے چند مناقب یہ ہیں۔ ۱۔ صحابی ہونا ہی بہت بڑی منقبت ہے۔ ۲۔ آپ کاتب وحی بھی تھے۔ ۳۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ حضرت معاویہ کی ہمشیرہ تھیں۔ ۴۔ خلفاء راشدین کے بعد سب بادشاہوں سے افضل و بہتر تھے اس پوری امت میں۔ ۵۔ بنی عباس کے دار الخلافۃ مدینۃ السلام کی مساجد کے دروازوں پر لکھا ہوا تھا۔ خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی ثم معاویہ خال المومنین رضی اللہ عنہم۔ ۶۔ فی الترمذی وقال الترمذی انہ حدیث حسن مرفوعاً اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔ ۷۔ فی مصنف ابن ابی شیبۃ عن معاویۃ موقوفاً مازلت اطمع فی الخلافۃ منذ قال لی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ املکت فاحسن۔۸۔حضرت عمر نے آپ کو شام کا عامل اور گورنر مقرر فرمایا تھا۔۹۔حضرت عثمان نے بھی اس گورنری کو باقی رکھا۔۱۰۔جب حضرت حسن نے خلافت آپ کے سپرد کر دی تو آپ بالا جماع خلیفہ بن گئے۔۱۱۔آپ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور اور حضرت ام حبیبہ سے احادیث حاصل فرمائیں اور آگے امت تک پہنچائیں۔۱۲۔آپ سے احادیث حاصل کرنے والوں میں حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر حضرت عبداللہ بن الزبیر حضرت ابوسعید خدری حضرت ابوامامہ اور دیگر صحابہ اور تابعین ہیں۔۱۳۔آپ کی احادیث صحاح ستہ میں بھی ہیں مسند احمد میں بھی ہیں اور دوسرے ائمہ حدیث نے بھی لی ہیں۔۱۴۔آپ سے حضرت علی کی مذمت پوری عمر میں کبھی بھی منقول نہیں بلکہ مسند احمد میں حضرت علی کی مدح منقول ہے۔۱۵۔آپ کے زمانہ خلافت میں بہت سی فتوحات ہوئی ہیں۔**یزید کو ولی عہد بنانا**:۔یزید کو ولی عہد بنانے میں حضرت امیر معاویہ معذور تھے کیونکہ یزید اپنے والد صاحب پر یہی ظاہر کرتا تھا کہ میں عادل ہوں صالح ہوں یہاں تک کہ حضرت معاویہ نے یہی خیال فرمایا کہ دوسرے صحابہ کرام کی اولاد سے یزید ہی خلافت کے لئے زیادہ مناسب ہے اور یہ خیال فرمایا کہ جو یزید کو برا کہتا ہے وہ صرف حسد کی بنا پر ایسا کرتا ہے اور اگر حضرت معاویہ پر یزید کا فسق ظاہر ہو جاتا تو وہ کبھی اس کو اپنا ولی عہد نامزد نہ فرماتے۔حضرت معاویہ فتنہ اور اختلاف سے ڈرتے تھے اور اس پر اجماع ہے کہ افضل کی موجودگی میں بھی اگر مفضول کو خلیفہ بنا دیا جائے تو یہ خلافت صحیح ہے۔**مناقب فاطمة** :۔غرض حضرت کے مناقب کا بیان ہے آپ کی ولادت نبوت سے ساڑھے سات سال پہلے ہوئی تھی جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے پھر جن پانچ عورتوں کے بارے میں پانچ قول پائے جاتے ہیں کہ یہ تمام عورتوں سے افضل ہیں تو بعض حضرات نے ان پانچوں قولوں کو اس طرح جمع فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ افضل ہیں علم کے اعتبار سے اور حضرت خدیجہ افضل تقدم فی الاسلام اور اعانت فی المھمات کے لحاظ سے اور حضرت فاطمہ افضل ہیں قرابت کے لحاظ سے اور حضرت مریم افضل ہیں اس لحاظ سے کہ ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے۔قرآن پاک میں حتیٰ کہ بعض ان کے نبی ہونے کے قائل بھی ہو گئے گو راجح یہی ہے کہ کوئی عورت نبی نہ ہوئی اور حضرت آسیہ افضل ہیں اس لحاظ سے کہ ان کا ذکر قرآن پاک میں مدح کے ساتھ ہے۔**فضل عائشة**:۔غرض حضرت عائشہ کی فضیلت کا بیان ہے آپ کے القاب میں سے حمیراء بھی ہے آپ کی اور حضرت مریم کی براءت کا منکر کافر ہے۔**تقدمين على فرط صدق**:۔ آپ ان دو حضرات کے پاس جا رہی ہیں جو صادق فرط ہیں۔اور آپ کے لئے جنت میں جگہ بنانے والے ہیں۔

باب مناقب الانصار

غرض حضرات انصار کے مناقب کا ذکر ہے انصار کا مصداق اوس اور خزرج ہیں اور ان کے حلفاء ہیں اور انصار جمع ناصر کی ہے جیسے اطہار جمع طاہر کی ہے یا جمع نصیر کی ہے جیسے اشراف جمع شریف کی ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لولاالھجرة لکنت من الانصار

غرض اس حدیث پاک کا بیان ہے اور اس حدیث پاک میں اشارہ ہے کہ ہجرت کے بعد نصرۃ کا بہت اونچا مقام ہے۔

باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المھاجرین والانصار

غرض مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کا بیان ہے۔

باب حب الانصار غرض انصار کی محبت کی اہمیت کا بیان ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار انتم احب الناس الی

غرض اس حدیث پاک کا بیان فرمانا ہے سوال ایک حدیث پاک

میں مرفوعاً حضرت ابوبکر کو احب الناس فرمانا مذکور ہے یہ بظاہر تعارض ہے جواب مجموعہ کے لحاظ سے انصار احب الناس ہیں اور اشخاص کے لحاظ سے حضرت ابوبکر احب الناس ہیں **ممثلا**:۔ قائما۔

باب اتباع الانصار

اتباع ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے انصار کے حلفاء امراد ہیں اور باب کی غرض انصار کے اتباع کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب فضل دور الانصار

یہاں حذف مضاف ہے اہل الدور یعنی قبیلے اس لئے غرض انصار کے قبائل کی فضیلت ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للا انصارا صبر واحتیٰ تلقو نی علی الحوض

غرض اس حدیث پاک کا بیان ہے۔

باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلح الانصار والمهاجره

غرض اس حدیث پاک کا بیان ہے۔ **علی اکتادنا**:۔ یہ جمع ہے کتد کی کندھے اور پشت کے درمیان کی جگہ کو کہتے ہیں۔

باب ويوثرون علی انفسهم ولو كان بهم خصاصه

غرض انصار کی فضیلت بیان فرمانی ہے اس آیت کے ذریعہ سے۔ **اصبحی سراجک**:۔ اپنے چراغ کو جلالو۔

باب قول النبی اللہ علیہ وسلم اقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسيئهم

غرض اس حدیث پاک کا بیان ہے **کرشی**:۔ اوجری۔ **وعیبتی**:۔ کپڑے رکھنے کا برتن ٹرنک وغیرہ۔ **متعطفا**:۔ اوڑھنے والے تھے۔

باب مناقب سعد بن معاذ

غرض حضرت سعد بن معاذ کے مناقب کا بیان ہے یہ سردار ہیں قبیلہ اوس کے جیسا کہ حضرت سعد بن عبادۃ سردار ہیں قبیلہ خزرج کے **اهتزالعرش لموت سعد بن معاذ**:۔ عرش رحمٰن نے حرکت کی خوشی کے اظہار کے لئے کہ ان کی روح عرش کی طرف آ رہی ہے اور بعض روایات میں اهتز از سریر ہے یعنی وہ چارپائی جس پر جنازہ اٹھایا جاتا ہے تطبیق یہ ہے کہ دونوں نے حرکت کی تھی جیسے زمین اور آسمان صالحین کی موت کے وقت روتے ہیں۔ **بين هذين الحيين ضغائن**: ضغائن جمع ہے ضغینۃ کی اس کے معنی ہیں حقد یعنی کینہ۔ دلی دشمنی۔ پھر حضرت جابر کے اس ارشاد کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ ا۔ حضرت سعد بن معاذ اوس قبیلہ کے ہیں اور حضرت براء خزرج قبیلہ کے ہیں اور دونوں قبیلوں میں رنجش رہتی ہے شاید اسی رنجش کی وجہ سے عرش سے مراد حضرت براء نے سریر لیا ہو کہ عرش رحمٰن مراد نہیں عرش انسان یعنی سریر مراد ہے چارپائی جس پر جنازہ رکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ پہلی توجیہ باطل قرار دی گئی ہے اس لئے کہ حضرت براء بھی اوس قبیلہ کے ہیں۔ ۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اوس وخزرج میں کچھ دشمن ضرور ہے لیکن میں خزرجی ہونے کے باوجود حدیث میں عرش سے مراد عرش رحمٰن ہی لے رہا ہوں تو حضرت براء اوس قبیلہ سے ہونے کے باوجود عرش سے عرش انسان کیوں مراد لے رہے ہیں لیکن عذر حضرت براء کی طرف سے یہ ہے کہ وہ فضیلت کا انکار نہیں کرنا چاہتے بلکہ ان کی تحقیق ہی یہ ہے کہ یہاں سریر ہی مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر کی بھی پہلے یہی تحقیق تھی کہ اس حدیث میں عرش رحمٰن مراد نہیں بلکہ عرش انسان اور سریر انسان مراد ہے کیونکہ حضرت ابن عمر کا قول منقول ہے لایھتز العرش لاحد لیکن بعد میں حضرت ابن عمر نے رجوع فرمالیا تھا اور یقین فرمالیا تھا عرش رحمٰن ہی مراد ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف سے عذر یہ ہے کہ یہی شبہ ہوا کہ حضرت براء حضرت سعد بن معاذ کی فضیلت کو قصداً چھپانا چاہتے ہیں اس لئے حضرت سعد بن مُعاذ کی حمایت فرمائی۔

باب منقبت اُسید بن حضیر و عباد بن بشر

غرض ان دونوں حضرات کی منقبت کا بیان فرمانا ہے۔ **ان رجلین خرجا** :۔رجلین کے نام آئندہ دوروایتوں میں آرہے ہیں۔

باب مناقب معاذ بن جبل

غرض حضرت مُعاذ کے مناقب کا بیان ہے۔

باب منقبت سعد بن عبادۃ

غرض حضرت سعد بن عبادہ کی منقبت کا بیان فرمانا ہے۔

باب مناقب ابی بن کعب

غرض حضرت ابی بن کعب کے مناقب ذکر فرمانا ہے۔

باب مناقب زید بن ثابت

غرض حضرت زید بن ثابت کے مناقب کا ذکر ہے **کلهم من الانصار** :. بطور تحدیث بالنعمۃ اپنے قبیلہ کا ذکر فرما دیا دوسرے قبیلوں کی نفی مقصود نہیں ہے۔

باب مناقب ابی طلحته

غرض حضرت ابوطلحہ کے مناقب کاذکر ہے۔

باب مناقب عبد الله بن سلام

سلام کے لام کی تخفیف ہے غرض حضرت عبداللہ بن سلام کے مناقب کا بیان ہے ان کا نام جاہلیت میں حصین تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھ دیا اور ان کی کنیت ابو یوسف تھی اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ **لا ادری قال ما لک ادفی الحدیث** :۔ یہ عبداللہ بن یوسف راوی کا مقولہ ہے کہ آیت کا ذکر امام مالک نے خود فرمایا ہے۔ یا حدیث مسند میں ہے۔ **منصف** چھوٹا خادم **وصیف**:۔اس کے معنی بھی چھوٹا خادم ہی ہیں۔

باب تزویج النبی صلی الله علیه وسلم خدیجة وفضلها

تزویج بمعنی تزوج ہے اور بعض نسخوں میں تزوج ہے غرض حضرت خدیجہ کی فضیلت اور نکاح کا ذکر ہے۔

باب ذکر جریر بن عبد الله البجلی

غرض حضرت جریر کا ذکر ہے۔

باب ذکر حذیفته بن الیمان العبسی

غرض حضرت حذیفہ کا ذکر ہے اور اصل مقصد اُن کے والد صاحب کا ذکر ہے جیسا کہ پیچھے بتلایا جاچکا ہے۔

باب ذکر هند بنت عتبته بن ربیعته

غرض حضرت ھند کا ذکر ہے۔

باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل

غرض زید بن عمرو بن نفیل کا واقعہ بیان فرمانا ہے۔سوال جب زید بن عمرو صحابہ میں سے نہیں ہیں تو ان کا ذکر یہاں صحابہ کے تذکرہ کے ساتھ مناسب نہ تھا جواب بعثت سے پہلے ان کی ملاقات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جنتی ہونا بھی مرفوع حدیث میں مذکور ہے تو امام ذھبی نے ان کو بھی صحابہ میں شمار فرمایا ہے۔ امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کو حضرات صحابہ میں ذکر فرما دیا۔ **بلدح**:۔ ایک وادی کا نام ہے۔ جو مکہ مکرمہ اور تنعیم کے درمیان ہے۔ **فابیٰ ان یا کل منها**:. زید بن عمرو نے کھانے سے انکار کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تناول فرمانا بھی ثابت نہیں ہے۔ سوال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ میں کیوں نہ سب کو منع فرمایا کھانے سے جواب ابھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنی شروع نہ ہوئی تھی کیونکہ یہ واقعہ بعثت سے پہلے کا ہے۔

باب بنیان الکعتبه

غرض تعمیر کعبہ کے واقعہ کا بیان ہے اور اس وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی

باب ایام الجاهلیته

غرض ایام جاہلیت کا ذکر ہے اور ایام جاہلیت کے مصداق میں دو قول ہیں۔ ا۔ مدت فترۃ وحی ۔۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بعثت تک کا زمانہ **فکسا ما بین الجبلین**:.

سیلاب نے احاطہ کیا جیسا کہ کپڑا احاطہ کرتا ہے۔ **قال سفیان:** مراد ابن عیینہ ہیں **یقول ان هذا الحدیث له شان:.** حضرت عمرو راوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث لمبی تھی یہاں مختصر مذکور ہے **کنت فی اهلک ما انت مرتین:.** اس عبارت کے مختلف معنیٰ کئے گئے ہیں۔ا۔ دو مرتبہ کہتے تھے کہ جیسے تم پہلے اپنے عزیزوں میں تھے اب بھی ہو کیونکہ ان میں سے بعض میں یہ مشہور تھا کہ مرنے والا اُلو پرندے کی شکل میں دوبارہ عزیزوں میں آجاتا ہے۔ای کما انت۔ ما موصولہ ہے۔۲۔ دو مرتبہ کہتے تھے کہ تم اپنے عزیزوں میں شرافت والے تھے اب تمہارا کیا حال ہے۔ ما استفہامیہ ہے۔۳۔ مرتین کا لفظ مقولہ میں داخل ہے اور ما نافیہ ہے کہ پہلے تو تم اپنی قوم اور اپنے عزیزوں میں تھے اب دوبارہ ان میں نہ آؤ گے۔ **القسامته فی الجاهلیته:.** غرض یہ ہے کہ قسامہ کی صورت زمانہ جاہلیت میں بھی تھی۔ اسلام نے اس کو باقی رکھا۔ بعض نسخوں میں یہ سرخی نہیں ہے اور اس سرخی کا نہ ہونا ہی اولیٰ ہے کیونکہ اس پہلی لمبی حدیث میں تو قسامہ کا ذکر ہے اس کے بعد اس باب کی باقی احادیث میں قسامہ کا ذکر نہیں ہے۔ **اشد به عروة جو القی:.** بوری کا دستہ باندھ لوں۔ جو الق بوری بالضم مفرد ہے اور جوالق بالفتح جمع ہے۔ **ما حال الحول ومن الثمانیته والا ربعین عین تطرف:.** ا یک سال میں وہ ۴۸ سب کے سب مر گئے۔ **فی دخولهم فی الاسلام :.** یعنی زمانہ جاہلیت میں جو جنت بعاث ہوئی اور اس میں تفرق ہوا۔ موتیں واقع ہوئیں اس سے کفار کا تکبر کچھ ٹوٹا اور یہ تکبر ٹوٹنا اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بن گیا۔ **لیس السعی ببطن الوادی بین الصفاء والمروة سنته:.** یہ صرف حضرت ابن عباس کا اجتهاد ہے۔ **ولا تقولوا الحطیم:.** یہ حضرت ابن عباس کی رائے ہے کہ اس کو حطیم نہ کہو کیونکہ یہ نام بھی زمانہ جاہلیت کی نشانی ہے۔ لیکن جمہور نے اس نام پر انکار نہیں فرمایا پھر وجہ تسمیہ میں ایک قول تو یہی ہے جو حضرت ابن عباس نقل فرما رہے ہیں۔ا۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں کوئی معاہدہ کرتے تھے اور کوڑا یا جوتا یا کمان حطیم میں ڈال دیتے جب تک وہ گل سڑ نہ جاتا عہد کو باقی سمجھتے۔۲۔ دوسری یہ ہے کہ حطیم بمعنی حاطم نہیں ہے جیسا کہ پہلی وجہ تسمیہ میں تھا بلکہ حطیم بمعنی محطوم ہے توڑی ہوئی چیز یعنی تعمیر میں اور چھت ڈالنے میں چھوڑی ہوئی جگہ۔۳۔ حطیم بمعنی محطوم فیہ یعنی ایسی جگہ جس میں لوگ ایک دوسرے کو توڑتے ہیں بھیڑ کی وجہ سے۔

باب مبعث النبی صلی الله علیه وسلم

غرض اور ربط یہ ہے کہ کتاب بدأ الخلق میں ابتداء عالم کے حالات تھے پھر کتاب الانبیاء علیہم السلام میں انبیاء علیہم السلام کے حالات تھے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پھر کتاب للمناقب تمہید تھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی اور اس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب کے ساتھ ساتھ کچھ ذکر جاہلیت بھی تھا اور کچھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت سے نبوت تک کے تھے اب یہاں سے کتاب المغازی تک نبوت سے ہجرت تک کے حالات ہیں۔ اور پھر کتاب المغازی میں ہجرت سے لے کر وفات تک کے حالات ہیں اس طرح سے امام بخاری نے تاریخ اسلام بالمعنی الاعم اور تاریخ اسلام بالمعنی الاخص کی بنیاد رکھی۔ اسلام بالمعنی الاعم ہر زمانہ کے اہل حق کے دین کو کہتے ہیں اور اسلام بالمعنی الاخص ہمارے مذہب کا علم ہے۔ جیسا کہ شروع میں حدیث ہرقل میں دونوں معنوں کی تفصیل گذر چکی ہے۔ **محمد بن عبد الله صلی الله علیه وسلم :.** بعض حضرات اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے کم از کم تین حضرات کا نام یاد کرنا واجب ہے۔ **ابن عدنان:** عدنان کے بعد اجداد کے نام میں اختلاف کثیر ہے اس لئے امام بخاری نے چھوڑ دیا۔

باب ذکر ما لقی النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه من المشرکین بمکته

غرض ان تکلیفوں کا بیان فرمانا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کواور حضرات صحابہ کرام کو مکہ مکرمہ میں شروع اسلام میں پہنچیں۔ **والذئب علی غنمه:** بھیڑیئے کا خطرہ تو ہوگا انسانوں کا خطرہ نہ ہوگا پورا امن ہوگا

باب اسلام ابی بکر ن الصدیق

حضرت ابوبکر کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہے

باب اسلام سعد

غرض حضرت سعد کے اسلام کا بیان فرمانا ہے۔

باب ذکر الجنّ

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ جنات میں سے بھی بعض صحابہ ہیں۔**یعنی عبد الله:**۔مراد عبداللہ بن مسعود ہیں۔

باب اسلام ابی ذر

غرض حضرت ابوذر کے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمانا ہے۔ **اسلام سعید بن زید:** غرض حضرت سعید بن زید کے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمانا ہے۔**ولو ان احدا ن ارفض للذی صنعتم بعثمان لکان:** اور اگر احد پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو بعید نہیں شہادت عثمان کی وجہ سے۔

باب اسلام عمر بن الخطاب

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ حضرت عمر ایک غیبی آواز کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے۔**الا کان کما یظن :**۔حضرت عمر کسی کے بارے جیسا خیال ظاہر فرماتے وہ ویسا ہی نکلتا تھا یعنی حضرت عمر محدث تھے والمحدث ھوالذی یلقیٰ فی نفسہ شی فیخبر بہ حدسا و فراسۃً **لقد اخطا ظنی او ان هذا علی دینه فی الجاهلیته او لقد کان کاهنهم** دو دفعہ او ہے اور کل تین احتمال مذکور ہیں۔۱۔میرا خیال اس شخص کے جاہلیت پر باقی رہنے کا غلط ہے اور یہ اسلام بھی لا چکا ہے اور پہلے کاھن بھی نہیں رہا۔۲۔اس وقت یہ جاہلیت کے دین پر ہے۔۳۔اس وقت تو مسلمان ہو چکا ہے لیکن زمانہ جاہلیت میں کاھن رہ چکا ہے۔پھر تحقیق کے بعد معلوم ہوگیا کہ ان تین احتمالوں میں سے تیسرا ٹھیک تھا۔**فقال ما رایت کا لیوم استقبل به رجل مسلم:** پس کہا اس شخص نے اور ان کا نام حضرت سواد بن قارب ہے رضی اللہ عنہ اور وہ مسلمان ہو چکے تھے یہ عبارت تین طرح پڑھی گئی ہے ہر ایک کی تقدیر عبارت الگ الگ ذکر کی جاتی ہے۔۱۔استقبل مجہول کا صیغہ اور رجلاً مسلماً منصوب تقدیر عبارت یہ ہے ارایت یوماً کالیوم رایت رجلاً مسلمان استقبل فی ھذا الیوم بہ ای المثل ھذا الکلام القبیح کہ میں تو مسلمان ہو چکا ہوں پھر میرے سامنے جاہلیت کا ذکر کلام قبیح ہے۔۲۔رجل مسلم مرفوع اور استقبل معروف تقدیر عبارت یوں ہے مارایت یوماً مثل ھذا الیوم حیث استقبل بہ ای فیہ رجل مسلم مثل ھذا الکلام القبیح ۔۳۔ استقبل مجہول اور رجل مسلم مرفوع تقدیر عبارت یہ ہے مارایت یوماً مثل ھذا الیوم حیث استقبل بہ ای فیہ رجل مسلم کلاماً قبیحاً پھر حضرت سواد بن قارب کا مسلم ہو چکے ہونا اس مکالمہ کے وقت تو یہاں صراحۃً مذکور ہے لیکن حضرت عمر کا اس مکالمہ کے وقت مسلم ہو چکے ہونا گو صراحۃً مذکور نہیں ہے لیکن قرائن سے احقر محمد سرور عفی عنہ کا اندازہ یہی ہے کہ وہ بھی اس مکالمہ کے وقت مسلمان ہو چکے تھے۔**جائتنی:** یعنی وہ جن عورت آئی جو پہلے مجھے کچھ خبریں سنایا کرتی تھی۔**ابلا سها:** اس کے معنیٰ ہیں حیرت۔**ان کاسها:**۔رد کیا جانا فرشتوں کی کلام سننے سے کہ وحی کی وجہ سے جنات پر سختی کر دی گئی تھی وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکتے تھے۔**ولحوقها بالقلاص واحلا سها:** ۔کہ اب اونٹوں کے ساتھ اور ان کے ٹاٹوں کے ساتھ ہی رہیں گے و بمعنیٰ مع ہے اور احلاس منصوب ہے کیونکہ اب کاہنوں کے پاس تو جا ہی نہ سکیں گے کیونکہ فرشتوں کے پاس جانے میں سختی کر دی گئی ہے اس لئے اب شہروں میں نہ جا سکیں گے اب جنگلوں ہی میں رہنا پڑے گا۔**یا جلیح :**۔کھلا دشمن۔امر نجیح :۔ای امر ذونجاح یعنی کامیابی والا کام **ما نشبنا:** ہم نہ ٹھہرے۔پھر اس واقعہ کو اس باب میں

اس لئے بیان فرمایا کہ یہ غیبی آواز کا واقعہ حضرت عمرؓ کے اسلام کا سبب ہوا۔ **سمعتُ سعید بن زید:**. یہ حضرت عمرؓ کے بہنوئی ہیں فاطمۃ بنت الخطاب کے خاوند ہیں۔ **ولو ان احداً انقضّ لما صنعتم بعثمان لکان محقوقاً ان ینقض**:. اگر احد پہاڑ غم سے ٹوٹ جائے اور مر جائے تو مناسب ہے کہ تم نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

باب انشقاق القمر

غرض معجزہ انشقاق قمر بیان فرمانا ہے انبیاء سابقین کے معجزات زمین ہی سے تعلق رکھتے تھے نبی پاک کے معجزات کا تعلق علوی اجرام سے بھی تھا۔ سوال۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام علویہ ٹوٹ نہیں سکتے اور وہ خرق والتیام کو قبول نہیں کرتے۔ جواب جس ذات نے ان کو پیدا کیا ہے وہ جوڑ توڑ پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔

باب هجرة الحبشه

مکہ مکرمہ سے حبشہ صحابہ کرام کی ہجرت بیان فرمانا مقصود ہے اور یہ دو دفعہ ہوئی پہلی دفعہ ۵ھ نبوت میں ۱۱ مرد اور ۴ عورتیں مکہ مکرمہ سے حبشہ ہجرت فرما گئے اور کچھ عرصہ بعد ۸۲ مرد اور ان کے علاوہ کچھ عورتیں اور بچے مکہ مکرمہ سے حبشہ ہجرت فرما گئے۔

باب موت النجاشی

غرض حضرت نجاشی کی وفات کا بیان ہے۔ اور نجاشی لقب تھا حبشہ کے ہر بادشاہ کا سوال۔ ان کی وفات تو ۷ھ یا ۸ھ یا ۹ھ میں ہوئی ہے اس لئے یہاں ذکر مناسب نہ تھا کیونکہ یہاں تو قبل الھجرۃ کے واقعات ہیں جواب۔ ہجرت حبشہ کا ذکر تھا تبعاً شاہ حبشہ کی وفات کا ذکر فرما دیا۔

باب تقاسم المشرکین علی النبی صلی الله علیه وسلم

غرض اس قطع تعلقی کا بیان ہے جو مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی۔ **باب قصة ابی طالب**:۔ غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا خواجہ ابو طالب کا واقعہ بیان کرنا ہے ان کی وفات ۱۰ھ نبوت میں ہوئی شعب سے نکلنے کے بعد ان کا نام عبد مناف تھا۔

هو فی ضحضاح من نار:. ضحضاح کے معنی ہیں ٹخنوں تک پانی۔ یہاں بطور استعارہ تصریحیہ کے ٹخنوں تک آگ مراد ہے اور یہ حدیث دلیل ہے ان کے کفر پر مرنے کی ایک روایت جو ان کے اسلام کی ذکر کی جاتی ہے اگر وہ روایت صحیح بھی ہو تو اس بخاری شریف کی روایت کی برابری نہیں کر سکتی۔

باب حدیث الاسراء

غرض اسراء کا بیان ہے۔ پھر اسراء اور معراج میں یہ فرق ہے کہ اسراء کہتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک جانے کو اور معراج کہتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں پر جانے کو معراج کے لغوی معنیٰ سیڑھی کے ہیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ ولم کا اوپر جانا بھی ایک سیڑھی کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ سوال یہاں امام بخاری نے اسراء اور معراج کو دو بابوں میں بیان فرمایا اور کتاب الصلوٰۃ میں باب یوں باندھا باب کیف فرضت الصلوۃ لیلۃ الاسراء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہیں۔ جواب راجح یہ ہے کہ اسراء اور معراج ایک ہی رات میں واقع ہوئے اس لئے کتاب الصلوٰۃ کا باب دونوں کے اکٹھے ہونے پر دلالت کرنے والا رکھ دیا اور دونوں کا واقعہ الگ الگ ہے کہ پہلے اسراء کا تحقق ہوا پھر اُسی رات معراج کا تحقق ہوا اس لحاظ سے یہاں دو باب الگ الگ رکھ دیئے پھر حکمت بیت المقدس لے جانے کی یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی برکت بھی حاصل ہو جائے جس کی طرف اکثر انبیاء علیہم السلام نے ہجرت فرمائی ہے اور اسی زمین میں حشر قائم ہوگا۔ پھر اسراء اور معراج کے متعلق تین قول ہیں۔ ا۔ معراج اور اسراء ایک رات میں واقع ہوئے یہی صحیح ہے اور اسی پر جمہور ہیں۔ ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک رات میں اسراء واقع ہوا اور ایک دوسری رات میں معراج

واقع ہوا۔۳۔اولاً اسراء اور معراج اکٹھے خواب میں واقع ہوئے اور یہ بیداری کے لئے تمہید تھے پر دونوں اکٹھے بیداری میں واقع ہوئے پھر انبیاء علیہم السلام سے جو ملاقاتیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف آسمانوں میں ایک خاص ترتیب سے ہوئی ہیں اس ترتیب کی حکمت یہ ہے کہ سب سے پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے اس لئے ملاقات ہوئی کہ وہ جد اول ہیں۔ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی کیونکہ ان کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قرب ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ پھر تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ یہ امت حضرت یوسف علیہ السلام کی شکل پر جنت میں داخل ہوگی پھر چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ ان کے بارے میں قرآن پاک میں ہے **ورفعناہ مکانا علیا** اور چوتھا آسمان سات آسمانوں کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے بلند اور معتدل ہے جیسے ہار میں درمیان کا موتی بڑا اور عمدہ شمار کیا جاتا ہے۔ پھر پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تاکہ وہ اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب رہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درجہ چونکہ تکلم مع اللہ کی وجہ سے اونچا تھا اس لئے وہ ان سے ایک درجہ اونچے آسمان پر ملے یعنی چھٹے آسمان پر اور سب سے اوپر ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی کیونکہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الانبیاء ہیں راجح ترتیب یہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی دوسرے آسمان پر ملے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ زاد بہن حضرت مریم علیہا السلام کے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار ہیں پھر اس ترتیب کو یاد کرنے کی آسانی کے لئے بقول حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ایک لفظ یاد کر لینا کافی ہے اعیاھما اس میں ہر آسمان کے نبی کے نام کا پہلا حرف ہے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کا ہمزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عین حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قریبی رشتہ کی وجہ سے الگ یاد کر لیا جائے حضرت یوسف علیہ السلام سے یا حضرت ادریس علیہ السلام سے الف حضرت ہارون علیہ السلام سے ھاء حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے الف اور اگر زیادہ بامعنی لفظ یاد کرنا ہو تو اعیاھم یاد کر لیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سب انبیاء علیہم السلام کو تھکا دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام مبارک الگ یاد کر لیا جائے۔**فجلا اللہ لی بیعت المقدس**:۔تین چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں۔۱۔تجلی۔ایک جھلک دکھانا۔یہ مبدأ انکشاف ہے اس سے اجمالی علم تو آجاتا ہے تفصیلی علم کا آنا ضروری نہیں ہے کبھی آتا ہے کبھی نہیں آتا۔ جیسے معراج کی روایات میں ہے تجلت لی کل شی۔ایک جھلک دکھائی گئی اس سے تفصیلی علم لازم نہیں آتا اسی لئے قیامت میں فرشتے کہیں گے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مرتدین کے بارے میں لاتدری ما احدثوا بعدک معلوم ہوا قیامت کے موقعہ میں بھی علم ما کان وما یکون کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہ ہوگا۔۲۔عرض۔جیسے ارشاد ہے فعرضھم علی الملٰئکۃ یہ بھی تجلی کے قریب قریب ہی ہے۔۳۔علم یہ انکشاف تام کا نام ہے **وعلّم آدم الاسماء کلھا**۔

باب المعراج

غرض واقعہ معراج کا بیان فرمانا ہے۔**فقلتُ للجارودو ھوالی جنبی ما یعنی بہ**:۔حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جارود سے کہا جو کہ میرے قریب ہی تھے یہ کہا کہ مایعنی بہ کہ حضرت انسؓ اس عبارت سے کیا مراد لیتے ہیں فشق مابین ھذہ الی ھذہ۔**ثغرۃ نحرہ**:۔ راس الصدر یعنی سینہ کے اوپر کا کنارہ یہی معنیٰ قص کے ہیں جو آگے مذکور ہے۔**الی شعرتہ**:۔ اس کے معنیٰ ہیں موئے عانہ یعنی زیر ناف بال۔**قال ھی رؤیا عین**:۔ حضرت ابن عباسؓ کی غرض یہ ہے کہ معراج کا واقعہ خواب کا نہیں ہے بلکہ بیداری کا ہے۔حضرت انور شاہ صاحب کشمیری نے

فرمایا کہ لغت عرب میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو بیداری میں غیب کی چیزیں دیکھنے میں استعمال کیا جاتا ہو اس لئے رؤیا کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے جس کے معنیٰ خواب میں دیکھنے کے ہوتے ہیں اسی لفظ کو بیداری میں غیب کی چیزیں دیکھنے میں استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ یہ معنیٰ رویا کے حقیقی معنیٰ کے قریب ہیں تورات میں لفظ رویا کثرت سے مشاہدات انبیاء علیہم السلام میں استعمال ہوا ہے ایسے ہی کشف کا لفظ ہے اس کے معنیٰ وضاحت کے ہیں پھر بیداری میں غائب چیزوں کو ان آنکھوں سے دیکھنے میں استعمال ہوتا ہے اور اس معنیٰ کے لئے بھی لغت عرب میں الگ لفظ نہیں ہے۔ پس لفظ رویا اور لفظ کشف دونوں اس لحاظ سے ایک جیسے ہیں۔

باب وفود الانصار الی النبی صلی الله علیه وسلم بمكته و بيعته العقبته

غرض بیعۃ عقبہ کا بیان فرمانا ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم حج میں منیٰ میں لی انصار سے اور انصار کا مصداق اوس و خزرج اور ان کے حلیف ہوتے ہیں۔ **فبايعته على ذلک** امام بخاری اور قاضی عیاض اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک اس حدیث میں جو بیعت تفصیلاً مذکور ہے یہ بیعت عقبہ ہی ہے جو ہجرت سے پہلے ہوتی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد اور سورہ ممتحنہ کے نزول کے بعد ہے۔ پھر بیعت عقبہ چونکہ جمرہ عقبہ کے پاس ہوئی تھی اسی گھاٹی میں جس کی وجہ سے جمرہ عقبہ کو جمرہ عقبہ کہتے ہیں اس لئے اس بیعت کا نام بھی بیعۃ العقبہ ہو گیا گویا بیعت کا نام اور جمرہ عقبہ کا نام ایک ہی گھاٹی کی وجہ سے ہے اور عقبہ کے معنی پہاڑی راستہ کے ہیں بیعت عقبہ دو دفعہ ہوئی دونوں دفعہ موسم حج میں ہوئی بیعت عقبہ اولیٰ میں بارہ صحابہ نے جو انصار میں سے تھے اور ان میں حضرت عبادہ بن الصامت بھی تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ایمان کی بیعت اختیار فرمائی اور اس کے بعد والے سال میں انصار میں سے ستر (۷۰) حضرات کو سعادت نصیب ہوئی کہ وہ اسی عقبہ میں موسم حج میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے یہ بیعت عقبۃ ثانیہ کہلاتی ہے۔

باب تزويج النبی صلی الله عليه وسلم عائشة و قدومه المدينته و بناء و بها

غرض حضرت عائشہؓ کے نکاح اور رخصتی کا بیان فرمانا ہے پھر تزویج کے لفظ کی دو توجیھیں ہیں۔ ا۔ بمعنی التزوج ہے جیسے تقدیم بمعنی تقدم آتا ہے۔ ۲۔ تزویجہ لنفسہ لیا تھا۔ **تمرق** :۔ تقطع۔ بال گر گئے۔ **وانی لا نهج** :۔ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔

باب هجرة النبی صلی الله عليه وسلم و اصحابه الی المدينته

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام کی ہجرت الی المدینہ کا بیان فرمانا ہے۔ **وضعت الحرب** اثبت آپ نے ثابت کی۔ **رسل** :۔ تازہ دودھ۔ **رضيفهما** :۔ وہ دودھ جس میں گرم پتھر ڈال کر اس کے ثقل کو کم کیا گیا ہوتا کہ ہضم ہو جائے **اثان** :۔ غبار۔ **اوفى** :۔ چڑھا۔ **اطم** :۔ ا۔ ٹیلا ۲۔ قلعه **مبيّضين يزول بهم السراب** :۔ سفید کپڑوں والے کہ سراب ان سے چھپ گیا تھا۔ **مربداً للتمر** :۔ کھجوروں کا کھلیان جس میں کھجوریں توڑ کر ڈالی جاتی تھیں۔ **هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا و اطهر** :۔ بوجھ تو یہ ہے اس کے مقابلہ میں خیبر سے کھجوروں کا بوجھ لانا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اے پروردگار یہ زیادہ نیکی کا کام ہے اور زیادہ پاکی کا کام ہے۔ **غير هذه الا بيات** :۔ یہ صرف امام زہری کی رائے ہے ورنہ اور شعر بھی ثابت ہیں۔ **وانا متم** :۔ میں حمل کی مدت پوری کرنے والی تھی۔ **مسلحته له** :۔ ان کے لئے باہتھیار محافظ بنے ہوئے تھے۔ **يخترف لهم** :۔ پھل چن رہے تھے۔ **ان اباک والله خير من ابى** :۔ حضرت ابو موسیٰ نے جو فرمایا وہ بھی ٹھیک تھا لیکن حضرت عمر کا مقام تواضع میں زیادہ اونچا تھا۔ **اشمط** :۔ کچھ بال سفید کچھ سیاہ جس کو اردو میں کھچڑی کہتے

ہیں۔**قنا لونها**:. زیادہ سرخ ہوگیا رنگ اس کا و**ما ذا با لقلیب قلیب بدر من الشیزیٰ تزیّن بالسنام**:. شیزی لکڑی کے پیالے جن کی زینت کوہان کے گوشت سے ہو مطلب یہ ہے کہ قریش کے سردار یہاں دفن ہوگئے اور وہ سردار نہ رہے جوان پیالوں میں شراب پیتے تھے اور کوہان کا گوشت کھاتے تھے۔ **اصداء** :۔ہڈیاں۔**هام** :۔کھوپریاں۔**فاعمل من وراء بحار فان الله لن یترک**:. اگر تو بالفرض سمندر سے پار جا کر بھی عمل صالح کرتا رہے گا تو مولائے کریم کمی نہ فرمائیں گے۔

باب مقدم النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه الی المدینته

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مدینہ منورہ پہنچنے کو بیان فرمانا ہے۔**فما قدم حتیٰ قرأت سبح اسم ربک الا علی**:. اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکی ہے سوال ایک روایت میں ہے کہ **وذکر اسم ربه فصلی** ۲ھ میں صلوۃ العید اور صدقہ فطر میں نازل ہوئی جواب نازل تو مکہ مکرمہ میں ہوئی لیکن ۲ھ یہ بتلایا گیا کہ صلوۃ العید اور صدقہ فطر بھی اس کے مصداق ہیں۔**مصبّح** :۔۱۔صبح موت دیا جاتا ہے ۔۲۔صبح کے وقت کہا جاتا ہے صبحک اللہ بالخیر لیکن باقی دن میں موت اچانک آجاتی ہے۔ **مجنتہ** :۔ایک چشمہ کا نام ہے **شامته وطفیل** :۔دو پہاڑیوں کے نام ہیں جو مکہ مکرمہ کے قریب تھیں۔ **بالجحفة** :۔مدینہ منورہ سے یہ جگہ سات منزل دور تھی اور سمندر سے چھ میل دور تھی اس وقت یہودی وہاں رہتے تھے اب اہل مصر کی میقات ہے۔**یجمع رعاع الناس**:. موسم حج تو گھٹیا لوگوں کو بھی جمع کر لیتا ہے اس لئے یہاں آپ کچھ نہ کہیں وجہ یہ تھی کہ کسی نے کہہ دیا تھا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت اچانک ہوگئی تھی اب حضرت عمرؓ کے بعد ہم فلاں کو خلیفہ بنائیں گے۔اس کے متعلق حضرت عمرؓ کچھ موسم حج میں فرمانا چاہتے تھے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے مشورہ دیا کہ یہاں کچھ نہ کہیں مدینہ منورہ جا کر کچھ فرما

ویں۔**من نسائهم** :۔ای من نساء الانصار **ان عثمان بن مظعون طارلهم فی السکنیٰ** :۔حضرت عثمانؓ بن مظعون کا قرعہ ہمارے نام پر نکل آیا۔وہ مہاجرین میں سے تھے۔ **وما ادری والله وانا رسول الله ما یفعل بی**:. اس ارشاد پاک کی مختلف توجیہات ہیں۔۱۔وحی کے بغیر کسی چیز کا جزم اور یقین نہ کرنا چاہیے۔۲۔اظہار تواضع ہے کہ اللہ تعالےٰ خصوصی انعام نہ فرمائیں تو میں کسی قابل نہیں ہوں۔۳۔تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔۴۔اللہ تعالےٰ کے مستغنی ہونے کی طرف توجہ فرمانی مقصود ہے اگر چہ یقین تھا کہ انجام اچھا ہوگا۔۵۔اس میں یہ بیان ہے کہ مجھے یقین نہیں کہ میری شفاعت امت کے حق میں قبول ہوگی یا نہ لیکن بعد میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی گئی تھی کہ شفاعت قبول ہوگی۔۶۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اپنے جنت کے گھر کا علی التعیین پورا پورا علم نہیں کہ مجھے کون سا گھر دیا جائے گا۔

باب اقامته المهاجر بمکته بعد قضاء نسکه

غرض مہاجرین کے لئے اقامتہ مکتہ کا مسئلہ بیان فرمانا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے تو مہاجرین کے لئے اقامتہ مکتہ حرام تھی۔اور فتح مکہ کے بعد تین دن کے اقامت کی اجازت دی گئی البتہ غیر مہاجرین کے لئے اقامتہ مکہ جائز تھی۔

باب: یہ باب بلاترجمہ ہے اس لئے تتمہ ہے ماقبل کا اور بعض نسخوں میں یہاں باب کا ترجمہ بھی ہے اور وہ ترجمہ یہ ہے باب التاریخ ومن این ارخوا التاریخ اس ترجمہ کے لحاظ سے غرض تاریخ کی مشروعیت کا بیان ہے اور تاریخ کی ابتداء کا بیان ہے۔پس اہم مراتب تاریخ کے ۹ ہیں۔۱۔ھبوط آدم علیہ السلام۔۲۔طوفان نوح علیہ السلام۔۳۔نار ابراہیم علیہ السلام۔۴۔زمان یوسف علیہ السلام۔ ۵۔خروج موسیٰ علیہ السلام من مصر۔۶۔زمان داؤد علیہ السلام۔ ۷۔زمان سلیمان علیہ السلام۔۸۔ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام۔ ۹۔ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی ہجرت سے اسلامی تاریخ

شروع کرنے پر حضرات صحابہ کرام کا اتفاق ہوا کیونکہ عقلی احتمال چار تھے۔ا۔ولادت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔۲۔**وفات**۔۳۔ بعثت۔۴۔ہجرت۔ پہلے احتمال کو نہ لیا گیا کیونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت تھی دوسرے احتمال کو اس لئے نہ لیا گیا کہ اس سے مسلمانوں کو غم ہوگا۔باقی دو احتمالوں میں سے چوتھے کو تیسرے پر ترجیح اس لئے ہے کہ اس میں عظمت اسلام کا ظہور ہے پھر پہلا مہینہ محرم کا رکھا گیا کیونکہ۔ا۔اس میں ہجرت واقع ہوئی تھی۔ ۲۔اس مہینہ میں حج سے فارغ ہو کر حاجی واپس جاتے ہیں۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم اللهم امض لا صحابی هجر تهم و مرثیته لمن مات بمکته

غرض اس دعاء اور اس مرثیہ کا بیان پھر مرثیہ کے مختلف معانی آتے ہیں۔ا۔دل کی نرمی۔۲۔رونا۔۳۔کسی کے محاسن بیان کرنا۔۴۔ غمگین ہونا یہاں یہ چوتھے معنیٰ مراد ہیں۔

باب کیف اٰخی النبی صلی الله علیه وسلم بین اصحابه

غرض مواخاۃ کی کیفیت کا بتلانا ہے۔پھر مواخاۃ میں دو احتمال ہیں۔ا۔مکہ مکرمہ میں ایمان کی وجہ سے جو بھائی چارہ پیدا ہوا تھا وہ بھی مواخاۃ تھی۔۲۔مدینہ منورہ میں انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ مقرر فرمایا تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک ایک انصار کے حضرات میں سے ایسا تھا کہ اس کے ساتھ ایک ایک مہاجر کو ملا دیا تھا اس باب میں یہی دوسری مواخاۃ مراد ہے۔

باب: یہ باب بلا ترجمہ ہے اس لئے تتمہ ہے ماقبل کا۔

باب ایتان الیهود النبی صلی الله علیه وسلم حین قدم المدینته

غرض یہ ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود آئے تھے امتحان کی نیت سے اس کا بیان فرمانا مقصود ہے۔**لو اٰمن بی عشرة من الیهود لاٰ من بی الیهود**:۔سوال دس سے تو زائد یہودی ایمان لائے ہیں۔ جواب دس خاص احبار مراد ہیں جو مدینہ منورہ میں تھے وہ سب ایمان نہ لائے ان میں سے صرف دو ایمان لائے حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت عبداللہ بن صوریا اس لئے سب یہود ایمان نہ لائے۔

باب السلام سلمان الفارسی

غرض حضرت سلمان فارسی کے اسلام لانے کا بیان ہے۔

تداوله بضعته عشر من رب الی رب:. یعنی ان کو پکڑ کر غلام بنالیا گیا تھا اور دس سے زائد مالکوں نے ان کو یکے بعد دیگرے بیچا۔

رام هُر مز:. یہ فارس میں ایک جگہ کا نام ہے۔**فترة بین عیسیٰ علیه السلام و محمد صلی الله علیه وسلم ستما ئته سنته**:. فترۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ارسال رسل کو بند کر دیا گیا تھا پھر ایک روایت میں مرفوعاً وارد ہے انا اولی الناس بعیسی بن مریم لیس بینی و بینہ نبی۔اس سے امام کلبی کی نقل کی ہوئی اس روایت کی تردید ہوگئی کہ ان دونوں حضرات کے درمیان چار نبی آئے ہیں تین بنی اسرائیل میں سے اور ایک عرب سے خالد بن سنان العبسی پھر کلبی والی اس روایت کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ا یہ حضرات نیک لوگ تھے نبی نہ تھے۔۲۔ خالد بن سنان نبی تھے لیکن حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلے تھے۔ ۳۔چار حضرات نبی تو تھے لیکن صرف عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی تبلیغ کے لئے نبی بنائے گئے تھے مستقل شریعت والے نہ تھے۔

ذکر معاویه:. بعض نسخوں میں یہاں یہ الفاظ ہیں امام بخاری کو حضرت معاویہ کے مناقب میں سے کسی منقبت کے متعلق کوئی حدیث اپنی شرط پر نہ ملی اس لئے ذکر کا لفظ رکھا چند مناقب ذکر کئے جاتے ہیں۔ا۔کاتب وحی تھے۔۲۔زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ کے بھائی ہیں۔۳۔مدینۃ السلام جو کہ بنی عباس کے خلفاء کا دار الخلافۃ تھا اس کی مساجد کے دروازوں پر لکھا ہوا تھا

خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ ثم عمرؓ عثمانؓ ثم علیؓ ثم معاویہؓ خال المومنین وجہ یہی کہ حضرت ام حبیبہؓ ام المومنین ہیں۔ اس لئے ان کے بھائی حضرت معاویہؓ خال المومنین ہوئے۔۴۔ کبھی حضرت علیؓ کی برائی نہ کی نہ کوئی گناہ کا عمل منقول ہے کہ کیا ہو۔۵۔ ان سے اکابر صحابہ جیسے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو سعیدؓ خدری حضرت عبد اللہؓ بن الزبیر اور اکابر تابعین جیسے حضرت سعیدؓ بن المسیب اور حضرت عروۃ بن الزبیر اور حضرت ابن سیرین وغیرہ نے روایتیں لی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن کل الصحابۃ اجمعین۔

کتاب المغازی

احقر محمد سرور عفی عنہ کو ۱۴۰۹ھ میں سب سے پہلے مولائے کریم نے بخاری شریف جلد ثانی پڑھانے کا موقعہ بلا استحقاق محض اپنے فضل سے عطا فرمایا پھر اگلے سال جلد اول پڑھانے کا موقعہ بلا استحقاق محض اپنے خصوصی فضل وکرم سے عطا فرمایا الحمد للہ علیٰ ذلک اس لئے کتاب المغازی کی ابتداء میں پہلے بھی دعاء کی اب بھی کرتا ہوں کہ یا اللہ محض اپنے فضل سے اخلاص ومحنت سے پڑھانے کی اور خود سمجھنے کی توفیق نصیب فرما اور قبول فرما اور نجات بلا عذاب کا ذریعہ بنا گو احقر ہر لحاظ سے گھٹیا ہے لیکن حق تعالےٰ نے تو طیراً ابابیل سے ہاتھیوں کے لشکر کو ختم فرما دیا اور ایک لنگڑے مچھر سے خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے نمرود کو قتل کروا دیا وہ ناک کے راستے نمرود کے دماغ میں گھس گیا اور چکر لگانے لگا ڈنڈے مارنے والے مقرر کئے کیونکہ ڈنڈا مارنے سے وہ مچھر کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتا تھا اور نمرود کو سکون مل جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک خادم نے ایسا ڈنڈا مارا کہ نمرود کا سر پھٹ گیا اور مر گیا تو جیسے طیراً ابابیل نے چھوٹے ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ کی توفیق سے بڑا کام کیا تھا اور مچھر نے چھوٹا ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ کی قوت سے بڑا کام کیا تھا کیا عجب کہ احقر جیسے چھوٹے آدمی سے تدریس بخاری علی احسن وجہ کا کام حق تعالےٰ لے لیں حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میں ایک واعظ کی مجلس میں گیا صرف وعظ میں اثر رہا دوسری مرتبہ موقعہ ملا تو واپس میں راستہ میں بھی اثر رہا تیسری مرتبہ موقعہ ملا تو گھر پہنچنے کے بعد بھی اثر باقی رہا اور گناہ کے اسباب ختم کر دیئے چونکہ حضرت ابو سلیمان دارانی بڑے درجہ کے بزرگ ہوئے ہیں اور جن کا وعظ سنا تھا وہ معمولی واعظ تھے اس لئے کسی نے یہ واقعہ سن کر فرمایا عصفورۃ صادت النعامتہ یا اللہ جیسے ان تین واقعات میں صرف آپ کی امداد سے معمولی چیزوں کو بڑے کاموں کی توفیق ہوئی اس طرح اس احقر کو بھی دین مبین کی عمدہ خدمت کی توفیق نصیب فرمایئے آمین۔ یا رب العالمین بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ الہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

کتاب المغازی کا ربط:۔ ۱۔ پیچھے کتاب الجہاد تھی۔ جہاد میں چونکہ ایک بڑا مقصد شہادت بھی ہے۔ اس لئے موت کی مناسبت سے ابتدا تخلیق کا ذکر فرمایا کتاب بدء الخلق میں پھر کتاب الانبیاء اور مناقب صحابہ میں دو بڑے درجے کے مجاہدین کا ذکر فرمایا اب کتاب المغازی میں واقعات جہاد ہیں۔۲۔ دوسرا ربط یہ ہے کہ کتاب الجہاد کے اختتام تک ایمان کے بعد احکام تھے اب کتاب بداء الخلق سے احوال شروع ہوتے ہیں تاریخ کے طرز پر کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے زمین وآسمان پیدا فرمائے پھر فرشتے پھر جنات پھر دواب پھر آدم علیہ السلام پھر یکے بعد دیگرے مخلوق میں انبیاء علیہم السلام ارسال فرمائے حتیٰ کہ اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ مناقب صحابہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ کا ہی حصہ ہیں چنانچہ مناقب صحابہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ ہجرت تک کے حالات آگئے اب کتاب المغازی میں ہجرت سے وفات تک کے حالات کا بیان ہے۔ اس طرح سے امام بخاری نے کتاب بداء الخلق اور کتاب الانبیاء علیہم السلام اور کتاب المناقب اور کتاب المغازی میں ترتیب وار زمین وآسمان کی تخلیق سے لے کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کی تاریخ بیان فرما کر اسلام تاریخ کی بنیاد رکھی ہے۔

فضائل جہاد:۔ پیچھے صحیح بخاری کے متن میں کتاب الجہاد میں

گذر چکے۔ **مقاصد جہاد:** ۱۔مظلوم کی طرف سے انتقام لینا کیونکہ سب سے پہلے جواذن جہاد نازل ہوا۔اس میں ارشاد ہے۔ **اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصر ھم لقدیر** اور مظلوم کی طرف سے بدلہ لینا شرعاً اور عقلاً اور طبعاً مستحسن ہے۔شریعت عقل پر مقدم ہے اور عقل طبع پر مقدم ہے۔اور شریعت جامع ہے حکمۃ اور شجاعۃ اور عفّت کے لئے انسان میں تین قوتیں ہیں عقل غضب شہوت پھر عقل کی کمی حماقت ہے حد سے زائد استعمال کرنا جز برہ کہلاتا ہے درمیانہ درجہ حکمت ہے غضب کے معنیٰ ہیں مرضی کے خلاف چیز کو دور کرنے کی خواہش۔اس کی کمی جبن اور بزدلی ہے حد سے زائد کہ مثلاً میں منارے سے گر جاؤں تو کچھ نہ ہوگا تہور کہلاتا ہے درمیانہ درجہ شجاعت ہے۔شہوت کے معنیٰ مرضی کے مطابق چیز کو حاصل کرنے کی خواہش۔اس کی کمی کو خمود اور جمود کہتے ہیں حد سے زائد استعمال کرے تو فسق و فجور کہتے ہیں درمیان درجے کا نام عفت ہے تو شریعت حکمت اور شجاعت اور عفت کا مجموعہ ہے۔طبع یعنی نفس کی حقیقت یہ ہے کہ غضب اور شہوت کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔حاصل یہ ہوا کہ شریعت کا مقام طبع اور عقل دونوں سے اونچا ہے لیکن یہاں شرع اور عقل اور طبع تینوں جمع ہیں اور تینوں کے نزدیک مظلوم کی طرف ظالم سے بدلہ لینا مستحسن ہے۔پس کفار مغرب کا اعتراض کہ جہاد میں خون بہا کر ظلم کیا جاتا ہے غلط ہے کیونکہ قتل بُرا ہے لیکن قصاص مستحسن ہے جہاد قصاص کے درجہ میں ہے۔۲۔جہاد میں دوسری حکمت یہ ہے کہ جہاد کافروں پر عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک تو آسمان سے ہی عذاب نازل ہوتا رہا۔جہاد کا حکم نہ تھا۔پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جہاد نازل ہوا اور جہاد کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے باغیوں کو سزا دی گئی اور باغی کو سزا دینا عقلاً بھی مستحسن ہے۔۳۔ **وقاتلو ھم حتیٰ لا تکون فتنہ و یکون الدین للہ** فساد کرنے والے کافر ناسور کی طرح ہیں بدن انسان پر جہاد جراح کے علاج اور اپریشن کی طرح ہے اور مسلمان صرف جراح اور اپریشن کرنے والے ہیں۔۴۔ **ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الا رض ولکن اللہ ذوفضل علی العالمین** یعنی کفار مفسدین کے غلبہ کو ختم کرنا مقصود ہے۔اور تیسرے مقصد میں ازالہ فساد تھا اور اب چوتھے مقصد میں ازالہ غلبہ مفسدین ہے اس لئے دونوں میں فرق ہے۔۵۔اعلاء کلمۃ اللہ لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کے ایمان لانے میں جو لوگ رکاوٹ بنتے ہیں ان سے جہاد کیا جاتا ہے۔یہ صورت نہیں ہے جیسا کہ کافر اعتراض کرتے ہیں کہ بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے اور اس کی ہمارے پاس کئی دلیلیں ہیں کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔پہلی دلیل یہ ہے کہ جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے ان پر شمشیر کس نے چلائی تھی مکی زندگی میں تو مسلمان ہونے والوں کو سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں جیسے وہاں پھیلا ایسے ہی بعد میں پھیلا دوسری دلیل یہ ہے کہ ایمان تو دل کی صفت ہے جبراً زبان سے کچھ کہلوایا جا سکتا ہے دل کو تلوار سے بدلا نہیں جا سکتا تیسری دلیل یہ ہے کہ اسلام میں اجازت ہے کہ کافر ذمّی بن کر ہمارے ملک میں رہیں۔معلوم ہوا کہ ہم کافروں کو کفر کے ساتھ زندہ رہنے کی اجازت دیتے ہیں اور ان کی حفاظت ہم پر واجب ہو جاتی ہے اس لئے یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے چوتھی دلیل مشاہدہ ہے کہ ہمیشہ اپنی مرضی سے کافر مشرف باسلام ہوتے رہے ہیں چنانچہ ہندوستان میں کچھ لوگ تو مسلمان تاجروں کی دیانت تقویٰ اور صفائی معاملات کو دیکھ کر مسلمان ہوئے اور کچھ اولیاء اللہ کے دینی کمالات اور روحانیت اور تعلق مع اللہ کے انوار کو دیکھ کر مسلمان ہوئے۔۶۔اہل حق کی حفاظت کے لئے بھی جہاد کیا جاتا ہے۔۷۔بعضوں کو زنجیروں کے ذریعہ سے جنّت میں لے جانا مقصود ہوتا ہے کہ جہاں میں کافر قید ہو کر آئیں اہل اسلام کے گھروں میں رہ کر اسلام کے کمالات و انوار محسوس کریں اپنی خوشی سے مسلمان ہو جائیں جبر نہیں کیا جاتا بلکہ نرم سلوک کی ہمیشہ تاکید کی جاتی ہے کہ بھائیوں کی طرح گھر میں رکھیں اگر بخوشی مسلمان ہو

جائیں تو جنّت میں چلے جائیں۔۸۔ جہاد کے سفر میں ثواب اعمال صالحہ کا بڑھ جاتا ہے۔مسلمانوں کو یہ زائد ثواب دینا مقصود ہے۔۹۔ شہادت سے گناہ معاف کرانے مقصود ہیں ۔۱۰۔ شہادت سے حیات ابدیہ حاصل کرنی مقصود ہے **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات**۔۱۱۔ثواب جہاد حاصل کرنا مقصود ہے کیونکہ جہاد بہت بڑی عبادت ہے۔۱۲۔شہادت سے بلند مرتبہ اللہ تعالےٰ کے قرب میں حاصل کرنا مقصود ہے۔۱۳۔مشقت کی وجہ سے جہاد کا خصوصی ثواب حاصل کرنا مقصود ہے۔۱۴۔صبر کے موقعے چونکہ جہاد میں بہت ہیں اس لئے صبر کا خصوصی ثواب حاصل کرنا مقصود ہے۔

جہاد کے بعض آداب:۔۱۔ثابت قدم رہنا **یایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئتہ فاثبتوا** ۔۲۔اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرنا **واذ کروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون**۔۳۔اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت کرنا کیونکہ مومن کی فتح اس سے ہے کثرۃ الرجال و السلاح سے نہیں ہے۔ **واطیعوا اللہ ورسولہ** ۔۴۔ آپس میں جھگڑا نہ کیا جائے اور یہ چیز تواضع سے حاصل ہوتی ہے اسی لئے تواضع پر دینی ترقی کا دارومدار ہے قال اللہ تعالےٰ **ولا تنازعوا**۔۵۔صبر کرنا قال تعالےٰ **واصبروا** اور صبر کے چھ اسباب قرآن پاک میں یکجا جمع ہیں **وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبتہ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون** پہلا سبب بشر میں ہے کہ مصیبت میں اور پھر صبر میں ثواب اتنا زیادہ ہے کہ قیامت کے دن جب مصیبت والوں کو اونچے درجات ملیں گے تو راحت سے دنیا میں رہنے والے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں آج ہمیں یہ درجے تو مل جاتے اور حضرت ابن عباس سے ان کے والد کی وفات پر سب سے زیادہ سکون ایک دیہاتی کے شعروں سے ہو۔

اصبر نکن بک صابرین فانما　　صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس
خیر من العباس اجرک بعدہ　　واللہ خیر منک للعباس

دوسرا سبب الصابرین کے جمع کے صیغہ میں ہے کہ اکیلے ایک آدمی پر مصیبت آتی تو برداشت مشکل تھی اب یہ سوچ لے گا کہ سب پر مصیبت آتی رہتی ہے مرگ انبوہ جشنے دارد ایک عورت نے ایک عالم سے کہا دعاء کرو میرا بیٹا زندہ ہو جائے فرمایا ایسے گھر سے تھوڑا آٹا لاؤ جس گھر میں کوئی فوت نہ ہوا ہو گئی گھروں میں گئی سب گھروں سے تین تین چار چار موتوں کے حالات سن کر آئی تو تسلی ہوگئی تیسرا سبب کلمہ اذا میں ہے جو یقین کے لیے آتا ہے کلمہ اذا میں اللہ تعالےٰ نے تقدیر کے مسئلہ کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ مصیبت تو تقدیر میں لکھی تھی اور ضرور ہی آنی تھی کوئی تدبیر اس میں کامیاب نہ ہوسکتی تھی تقدیر کا مسئلہ کچھ مشکل تھا اس لئے بظاہر بیان نہ فرمانا چاہئے تھا لیکن دو حکمتوں کی وجہ سے قرآن و حدیث میں بیان فرمایا گیا پہلی حکمت **لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم** اگر تقدیر کا مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو ہمیشہ پریشان رہتا کہ والد صاحب کو مثلاً فلاں دوامل جاتی تو بچ جاتے فلاں ڈاکٹر کو دکھانے تو بچ جاتے۔دوسری حکمت **ولا تفرحوا بما اتکم** کہ راحت میں حسد سے زیادہ خوش نہ ہو جو فخر اور تکبر تک جا پہنچے بلکہ سوچے کہ اللہ تعالےٰ نے فضل فرمایا اور تقدیر میں بھی لکھ دیا کہ یہ نعمت ملے میرا اس میں کمال نہیں ہے۔چوتھا سبب **قالوا انا للہ** میں ہے کہ مصیبت میں دو غم ہوتے ہیں ایک عقلی اور ایک طبعی **انا للہ** میں عقلی کا ازالہ ہے کہ ہمارے والد کو کون ہے ہم سے جدا کرنے والا اس شبہ پر سوچو کہ ہم سب اللہ تعالےٰ کے ہیں کوئی شخص اپنی المار ی کی ایک کتاب کو ایک خانہ سے اٹھا کر دوسرے خانہ میں رکھ دے تو کسی اجنبی آدمی کو اعتراض کا حق نہیں ہوتا پانچواں سبب ہے **وانا الیہ راجعون** کو معنیٰ سوچ کر پڑھنا تاکہ طبعی غم بھی دور ہو جائے کہ اکٹھے رہنے کی وجہ سے طبعاً جدائی کا غم ہے ازالہ فرمادیا کہ سوچو کہ یہ جدائی عارضی ہے ہم بھی وہاں ہی جانے والے ہیں جہاں ہمارے والد مثلاً گئے ہیں اسی لفظ **راجعون** میں چھٹا سبب بھی صبر حاصل کرنے کا مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ رجوع کہتے ہیں جہاں سے آئے ہوں وہاں واپس جانے کو معلوم ہوا کہ آخرت

ہمارا اصلی وطن ہے اور دنیا میں ہم مسافر ہیں اور سفر میں کچھ تکلیف بھی ہو تو عارضی ہونے کی وجہ سے وہ تکلیف بہت ہلکی لگتی ہے اور برداشت کرنی آسان ہوتی ہے اس تصور سے بھی صبر آسان ہو جاتا ہے۔ یہ چھ سبب تو اکٹھے قرآن پاک میں مذکور ہیں ایک ساتواں سبب قریب ہی مذکور ہے **ان الله مع الصابرین** کہ مصیبت میں سوچا کرو کہ صبر کرنے سے معیت حق تعالیٰ مل جائے گی اور آٹھواں صبر کا سبب سلف کا کلام میں یوں مذکور ہے کہ مصیبت میں سوچا کرو۔

خدا گر بحکمت بہند درے
بفضلش کشاید درے دیگرے

ان سب اسباب کا لحاظ کر کے اے میرے روحانی بچو بے صبری اور گناہ سے بچو اے بچو بچو وفقکم اللہ تعالیٰ **کتاب المغازی کی تقدیر عبارت اور لفظی تحقیق**:۔ تقدیر عبارت یہ ہے هذا کتاب فی بیان مغازی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور لفظ مغازی جمع ہے مغزیٰ کی اور یہاں یہ مصدری معنیٰ میں ہی ہے البتہ بعض دفعہ یہی لفظ ظرفی معنیٰ میں بھی استعمال ہو جاتا ہے یہاں بہر حال مصدری معنیٰ میں ہی استعمال ہوا ہے۔ پھر مغزیٰ اور غزو کے اصل لغوی معنیٰ قصد کے ہیں یہاں مراد ہے قصد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الکفار للقتال اور یہ مغزیٰ کے شرعی معنیٰ ہیں۔ پھر غزوہ اور سریہ میں فرق یہ ہے کہ جس جہاد میں خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے ہوں اس کو غزوہ کہتے ہیں ورنہ سریہ کہتے ہیں لیکن احادیث میں ایک دوسرے کی جگہ یہ الفاظ استعمال ہو جاتے ہیں غزوہ کی جگہ سریہ اور سریہ کی جگہ غزوہ استعمال ہو جاتا ہے پھر غزوہ اور غزو میں یہ فرق ہے کہ تاء لگنے سے معنیٰ ہو جاتے ہیں ایک دفعہ کی لڑائی۔ **غزوات اور سرایا کی تعداد**:۔ راجح یہ ہے کہ غزوات ۱۹ اور سرایا ان سے دو گنے یعنی ۳۸ ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ غزوات ۱۶ اور سرایا ۴۷ ہیں لیکن پہلا قول راجح شمار کیا گیا ہے اور بعض نے یہ تطبیق بھی دی ہے کہ ایک سفر کے دو جہادوں کو بعض راویوں نے ایک ہی شمار کر لیا اور بعض راویوں نے دو شمار فرمایا اس لئے تعداد کے ذکر کرنے میں فرق ہو گیا۔ **کتاب المغازی کے ابواب کی ترتیب**:۔ امام بخاری نے کتاب المغازی کے ابواب کو علم تاریخ کی طرح ترتیب وار بیان فرمایا ہے یعنی جس ترتیب سے وقوع ہوا اسی ترتیب سے باب باندھے ہیں۔ اور حضرات محدثین میں سے یہ امام بخاری کا خصوصی طرز ہے دوسرے محدثین حضرات ترتیب وقوعی کا اہتمام نہیں فرماتے۔ **مدار روایات مغازی**:۔ امام بخاری نے مغازی کی روایات کا مدار محمد بن اسحٰق بن یسار المدنی پر رکھا ہے جنہوں نے حضرت انسؓ کی زیارت کی ہے کتاب المغازی کے مصنف ہیں وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے مسائل میں امام بخاری نے اس صحیح میں ان کو بطور استشہاد لیا ہے اور امام بخاری نے اپنی کتاب جزء القراء خلف الامام میں بھی ان کی روایت کو لیا ہے اور امام مسلم نے متابعات میں ان کی روایت لی ہے اور امام نسائی امام ابوداؤد امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان سے روایات لی ہیں۔ امام محمد بن اسحٰق کے علاوہ اسلامی مورخین میں سے واقدی اور موسیٰ بن عقبہ سے بھی امام بخاری نے اپنی اس کتاب المغازی میں روایات لی ہیں۔

باب غزوة العشيرة او العسيرة

جہاد کی سب سے پہلی آیت یہ شمار کی گئی ہے **اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر**۔ اور اس مغازی کے پہلے باب کی غرض اس غزوہ عشیرہ کا بیان ہے۔ امام بخاری نے او کے ساتھ دو لفظ ذکر فرمائے یہ او شک کے لئے ہے امام نووی نے العسیر بغیر تاء کے بھی ذکر فرمایا اور ان سب میں راجح العشیرۃ ہے پھر عسیرہ کے معنیٰ ہیں ما فیہ قلۃ الاذیۃ جس میں مشقت تھوڑی تھی اور العشیرہ جگہ کا نام ہے ینبع جگہ کی جانب واقع تھی **اول ما غزا النبی صلی الله علیه وسلم الابواء ثم بواط ثم العشیرة**:۔ الابواء ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے اور مدینہ منورہ سے زیادہ قریب ہے۔ یہ سب سے پہلا جہاد تھا۔

اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود نکلے تھے ہجرت کے تقریباً بارہ ماہ بعد صفر ۲ھ میں ہوا اور مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن عبادہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قریش اور بنی ضمرہ پر حملہ فرمانا تھا۔ بنی ضمرہ نے صلح کر لی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے واپس تشریف لے آئے۔ **بواط**:۔ قبیلہ جھینہ کے پہاڑوں میں سے ایک کا نام بواط ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً ۳۶ میل دور واقع ہے۔۲۔ ربیع الاوّل ۲ھ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایک قافلہ سے جہاد فرمانے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے السائب بن عثمان بن مظعون کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسو سوار تھے۔ اور جھنڈا اس جہاد میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے اٹھایا ہوا تھا۔ قریش کے اس قافلہ میں اُمیۃ بن خلف بھی تھا اور قریش کے سو مرد تھے اور پانچ سو اونٹ تھے بواط پہاڑ کے پاس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول کے آخر اور جمادی الاولیٰ کے کچھ دن قیام فرمایا پھر بغیر لڑائی کے واپس تشریف لے آئے۔ **العشیرۃ**:۔ اس مقام پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا ۲ھ میں جمادی الاولیٰ میں اور کچھ دن جمادی الاخری میں ارادہ تھا کہ قریش کا جو قافلہ شام کی طرف جا رہا ہے اس پر حملہ کیا جائے اس میں جھنڈا حضرت حمزہ کے ہاتھ میں تھا وہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح فرمائی بنی مدلج قبیلہ سے اور ان کے حلفاء سے جو بنی ضمرہ قبیلہ کے تھے پھر بغیر لڑائی کئے واپس تشریف لے آئے اور اس سفر میں حضرت ابوسلمۃ بن عبدالاسد کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ چھوڑا تھا۔ **فایھم کانت اوّل**:۔ اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے اٰتھن یہ محاورات کے زیادہ قریب ہے سوال اصحاب سیر نے غزوہ عشیرہ سے پہلے تین غزوے ذکر کئے ہیں جن میں سے دو یہاں بخاری شریف میں بھی مذکور ہیں جواب۔۱۔ حضرت زید بن ارقم ان تین کے بعد اسلام لائے تھے۔۲۔ یہ تین چھوٹے چھوٹے تھے۔۳۔ یہ تین مشہور نہ تھے اس لئے حضرت زید بن ارقم کو معلوم نہ ہوئے۔

باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر

بعض نسخوں میں قتل ماضی مجہول کا صیغہ ہے لیکن راجح مضارع کا صیغہ ہے تاکہ روایت جو اس باب میں ہے باب اس کے مطابق ہو جائے اور روایت میں واقعہ سے پہلے اطلاع دینا مذکور ہے جو اخبار بالغیب ہونے کی وجہ سے معجزہ ہے اسی معجزہ کے اظہار کے لئے خبر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دی تھی اور اسی معجزہ کا بیان باب کا مقصد ہے **الصباۃ**:۔ یہ جمع ہے صحابی کی جو ہٹنے والا ہو اپنے دین سے دوسرے دین کی طرف۔ **لا منعنک ماھو اشد علیک منہ طریقک**:۔ دو طرح پڑھ سکتے ہیں ۔۱۔ طریقک منصوب اس صورت میں یہ بدل ہوگا ما کا۔۲۔ طریقک مرفوع اس صورت میں یہ خبر ہوگی مبتدا محذوف کی ای ھو طریقک **انھم قاتلوک**:۔۱۔ اے امیہ مسلمان تجھے قتل کر دیں گے۔۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تجھے قتل کر دیں گے اور جمع کا صیغہ تعظیماً ہے ۔۳۔ ابوجھل اور اس کے ساتھی تجھے قتل کر دیں گے کیونکہ یہ قتل کا سبب بنیں گے۔ **قتلہ اللہ عزوجل ببدر**:۔ اللہ تعالیٰ نے امیہ کا قتل مقدر فرمادیا حضرت بلال مؤذّن کے ذریعہ سے بدر میں۔

باب قصتہ غزوۃ بدر

غرض غزوہ بدر کے واقعہ کا بیان ہے۔ لفظ باب مضاف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ھذا باب قصۃ غزوۃ بدر معنیٰ یہ ہیں ھذا باب فی بیان واقعۃ غزوۃ بدر **وقول اللہ تعالیٰ**:۔ یہ قول کا لفظ مجرور ہے اور عطف ہے قصہ پر **لقد نصر کم اللہ ببدر**:۔ یہ بیان بطور منت کے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا مسلمانوں پر کہ باوجود عدد کی اور ہتھیار کی قلت کے اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا۔ **ببدر**:۔ اس جگہ کو بدر اس لئے کہتے تھے۔۱۔ کہ یہاں ایک کنواں تھا ایک آدمی کا جس کا نام بدر بن الحارث تھا۔۲۔ یہ کنواں بدر کی طرح گول تھا اس لئے اس کنویں کو بدر کہتے تھے۔

۳۔اس کنویں کا پانی صاف تھا اور اس میں سے بدر کا چاند صاف نظر آتا تھا۔اس بدر جگہ میں سال میں ایک دفعہ بازار بھی لگا کرتا تھا **وانتم اذله**:۔ کیونکہ صحابہ کرام کی گنتی بھی کم تھی۔ہتھیار بھی کم تھے اور سواریاں بھی کم تھیں۔ **فاتقوا الله لعلکم تشکرون**:۔ ثابت قدم رہ کر تقویٰ اختیار کرو اور اگر ایسا کرو گے تو تمہیں احد میں ایسی نعمت دی جائے گی جس پر تم شکر کرو گے یہاں شکر کا اطلاق شکر کے سبب نعمت پر کیا گیا ہے۔ **الن یکفیکم ان یمد کم ربکم بثلاثته الاف من الملئکته منزلین**:۔ مسلمانوں کو اطلاع پہنچی تھی کہ کرز بن جابر مشرکین مکہ کی امداد کے لئے آنا چاہتا ہے تو مسلمانوں کو یہ شاق گذرا اس پر یہ آیت نازل ہوئی **الن یکفیکم ان یمدکم ربکم** الایۃ پھر جب کرز کو مشرکین کی شکست کی اطلاع پہنچی تو وہ امداد کو نہ آیا تو اللہ تعالےٰ نے بھی فرشتے نہ بھیجے لیکن راجح یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتے پہلے ایک ہزار بھیجے پھر تین ہزار کر دئے پھر پانچ ہزار کر دیئے۔ **بخمسه الاف من الملئکته مسومین**:۔فرشتوں کی نشانیاں کیا تھیں اس میں مختلف اقوال ہیں۔ا۔ بدر میں کالی پگڑیاں تھیں اور احد میں سرخ۔۲۔ زرد پگڑیاں تھیں کیونکہ حضرت زبیر کی پگڑی زرد تھی۔۳۔ بدر میں سفید اور حنین میں سرخ پگڑیاں تھیں۔۴۔گھوڑے فرشتوں کے سیاہ سفید تھے چتکبرے اور پگڑیاں زرد تھیں۔۵۔گھوڑوں کے کانوں پر اور ماتھوں پر سفید اون تھی۔ **فینقلبوا خائبین**:۔یعنی جو امید لے کر آئے تھے مسلمانوں کو شکست دینے کی وہ حاصل نہ کر سکے۔

سوال:۔قافلہ پر حملہ کرنا تو ایک قسم کا ڈاکہ ہوتا ہے۔مسلمانوں نے یہ کیوں اختیار فرمایا۔ **جواب**:۔کوئی حکومت اور کوئی قوم اس بات کی اجازت نہیں دیتی ہے کہ دشمن ان کی زمین میں سے یا زمین کے ملحقات میں سے گذرے۔قریش گزرنا چاہتے تھے اس لئے ان کو سزا دینی ضروری تھی۔ **وقال وحشی قتل حمزة طعیمته بن عدی بن الخیار یوم بلر**:۔ یہ وحشی بیٹے ہیں حرب کے یہ مولیٰ ہیں طعیمہ کے یا مولیٰ ہیں جبیر بن مطعم بن عدی کے جب حضرت حمزہ نے طعیمہ کو قتل کر دیا بدر میں تو جبیر نے حضرت وحشی سے کہا اگر تم حمزہ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دو تو تم آزاد ہو چنانچہ غزوہ اُحد میں حضرت وحشی نے جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حضرت حمزہ کو شہید کر دیا۔پھر بخاری شریف کی اس عبارت میں ابن الخیار کا لفظ کسی راوی کا وہم ہے صحیح نام ہے عدیم بن نوفل۔

باب قول الله تعالےٰ اذیستغیثون ربکم الآیة

غرض ان آیات کی تفسیر ہے۔ **اذیغشیکم النعاس**:۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا النعاس فی القتال امنۃ من اللہ وفی الصلوۃ وسوسۃ من الشیطان۔ **فثبتوا الذین امنوا**:۔ تثبیت کی صورت میں چند قول ہیں۔ا۔ شاباش کہنا۔۲۔تکثیر سواد کہ دیکھنے میں زیادہ لگیں اس سے بھی دشمنوں کا حوصلہ پست ہوتا ہے۔۳۔ساتھ مل کر کافروں سے لڑائی کرنا اس تیسرے قول پر بعد والا ارشاد فاضر بوا فوق الا عناق اسی تثبیت کی وضاحت ہوگی۔ **فوق الا عناق**:۔اس کے مصداق میں دو احتمال ہیں۔ا۔ جہاں جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔گردن کا اوپر کا حصہ۔۲۔ سر مراد ہیں۔ **کل بنان**:۔ اس کے مصداق میں بھی دو احتمال ہیں۔ا۔انگلیوں کے کنارے۔۲۔سب جوڑ **احبُّ الّی مما عدل به**:۔اس ما کے مصداق میں فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے تین احتمال بیان فرمائے ہیں۔ا۔ایسا ثواب کا کام۔۲۔ایسا دنیا کا کام۔۳۔دونوں احتمال ایسا ثواب کا یا دنیا کا کام **اللهم انشدک عهدک**:۔اے اللہ میں آپ سے وعدہ کا پورا ہونا مانگتا ہوں۔ **اللهم ان شئت لم تعبد**:۔ اے اللہ اگر ہمیں آج شکست ہوگئی تو آپ کی عبادت نہ ہوگی کیونکہ میں آخری نبی ہوں تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی عبادت نہ ہو۔ اس لحاظ سے یہ دعاء بھی ختم نبوت کی ایک دلیل ہے۔ **فاخذ ابو بکر بیده فقال حسبک**:۔سوال بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اللہ تعالےٰ کے وعدہ پر زیادہ بھروسہ تھا اسی لئے دعاء ختم کرنے کا مشورہ دیا حالانکہ نبی کا توکل غیر نبی سے

زیادہ ہوتا ہے جواب ۔ا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت حضرات صحابہ پر زیادہ تھی اس لئے اس عاجزانہ ومسکینانہ دعاء سے صحابہ کی تسلی فرمائی کیونکہ صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب الدعوات ہیں ۔۲۔ حضرت ابوبکرؓ کا قول اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول فرمالی ہے ۔اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **سیھزم الجمع ویولون الدبر** ۔۳۔ کیفیات اور ان کی کمی بیشی غیر اختیاری حالات ہوتے ہیں ان پر درجات کی کمی بیشی کا مدار نہیں ہوتا ۔۴۔ حضرت ابوبکر کو جو کچھ بھی حاصل ہوا یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہی تو حاصل ہوا ۔۵۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ کا فکر زیادہ تھا اس لئے یہ توکل کی کمی نہ تھی فکر کی زیادتی تھی ۔ پھر اس قسم کی دعاء غزوہ بدر کے علاوہ غزوہ احد میں بھی منقول ہے اور یہ دعاء غلبہ حال پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہماری عبادت کے محتاج نہیں ہیں اور یہ غلبہ حال انبیاء علیہم السلام میں بہت کم ہوتا ہے اور اولیاء اللہ میں کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔

باب: یہ باب بلاترجمہ ہے اس لئے تتمہ ہے ماقبل کا۔

باب عدة اصحاب بدر

غرض اصحاب بدر کی گنتی کا بیان ہے ۔سوال ۔اس روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کو غزوہ بدر میں چھوٹا شمار کیا گیا اس کے برخلاف ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر کو غزوہ احد میں چھوٹا شمار کیا گیا۔ جواب دونوں موقعوں میں حضرت ابن عمر کو چھوٹا شمار کیا گیا ۔ چنانچہ ایک روایت میں حضرت ابن عمر سے صراحۃً منقول ہے کہ مجھے بدر اور احد میں چھوٹا شمار کیا گیا **نیفا علی ستین**: لفظ نیف کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے ۔ پھر شرکاء بدر صحابہ کرام کی پاک ہستیوں کی تعداد میں اقوال مختلف ہیں ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۹ ۔پھر وجہ اختلاف اور تطبیق یہ ہے کہ حقیقۃً شریک ہونے والے تو ۳۰۵ حضرات ہیں ان کے علاوہ چند قسم کے حضرات حکماً شریک ہوئے ا۔ صغر کی وجہ سے ساتھ جانے کی اجازت نہ ملی ۔۲۔ حاجت کی وجہ سے راستہ سے واپس آگئے ۔۳۔ خدمت کی پانی پلایا۔ لڑائی میں شریک نہ ہوئے ۔۴۔ حضرت ابولبابہ کو مدینہ منورہ انتظامات کے لئے اپنا نائب بنا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ۔۵۔ حضرت عاصم بن عدی کو اہل عالیہ کے انتظامات کے لئے اپنا نائب بنا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ۔۶۔ اپنی حاجات کی وجہ سے بعض حضرات مدینہ منورہ رہ گئے اگرچہ جانا چاہتے تھے ۔۷۔ بعض حضرات کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوس بنا کر بھیجا تھا اس لئے وہ لڑائی میں شریک نہ ہوسکے ۔۸۔ بعض کی ہڈی راستہ میں ٹوٹ گئی اس مجبوری سے وہ واپس تشریف لے گئے ۔۹۔ بعض حضرات کی وفات راستہ میں ہوگئی ۔۱۰۔ حضرت عثمان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم فرمایا وہ حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ تھیں اس لئے وہ حقیقۃً شریک نہ ہوئے حکماً ہوئے کیونکہ اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے ۔اب ان انواع مذکورہ میں سے بعض نے بعض کو لیا بعض نے سب کو لیا بعض نے کسی کو بھی نہ لیا اور حقیقی شرکاء کی گنتی ۳۰۵ ذکر فرمادی **انھم کانوا عدة اصحاب طالوت**: بنی اسرائیل پر عمالقہ کا بادشاہ جالوت غالب آ گیا اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اشمویل علیہ السّلام نبی ہوئے تو بنی اسرائیل نے ان سے بادشاہ مقرر فرمانے کی درخواست کی انہوں نے دعاء مانگی ایک عصا اور ایک سینگ میں تیل دیا گیا کہ جو آنے والا اس لاٹھی کے برابر ہو اور تیل اس کے آنے پر خشک ہو جائے وہ بادشاہ ہوگا۔ حضرت طالوت گدھے پر پانی لوگوں کو پلایا کرتے تھے ۔ان کا گدھا ایک دفعہ گم ہوگیا اس کو تلاش کرتے کرتے حضرت اشمویل علیہ السلام کے پاس آئے انھوں نے حضرت طالوت کو ناپا تو اس

عصا کے برابر نکلے دیکھا تو سینگ میں تیل خشک ہو گیا بعد میں بنی اسرائیل کی تسلی کے لئے متبرک صندوق ان کے گھر کے سامنے پہنچا دیا گیا۔ ۸۰ ہزار میں سے ۳۱۰ سے کچھ زائد نہر پر سے گزر سکے حضرت داؤد علیہ السلام بھی ان مجاہدین میں تھے ایک پتھر نے ان سے عرض کیا مجھے رکھ لو میں جالوت کو قتل کروں گا۔ ۴۰ سال حضرت طالوت کی حکومت رہی اور کہا گیا ہے کہ ان کو نبی بھی بنا دیا گیا تھا لیکن راجح یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام جوان کی وفات کے بعد بادشاہ بنے تھے ان پر نبوت اور بادشاہت جمع ہوئی تھیں۔

باب دعاء النبی صلی الله علیه وسلم علی کفار قریش

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار قریش پر بددعاء کا بیان فرمانا ہے اور بعض نسخوں میں یہ باب نہیں ہے۔

باب قتل ابی جهل

ایک نسخہ میں یہ باب نہیں ہے اور ایک نسخہ میں یوں ہے باب قتل ابی جہل وغیرہ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس باب میں قتل ابی جہل کے علاوہ بھی بعض واقعات جہاد مذکور ہیں پس غرض اس قتل کا اور بعض واقعات جہاد کا بیان فرمانا ہے۔ وبہ رمق:۔ بقیہ روح جو حلق میں اٹکی ہوئی تھی۔ **هل اعمد من رجل قتلتموه** لفظ اعمد کے یہاں مختلف معانی کئے گئے ہیں ۔۱۔ اعجب۔۲۔ اغضب ۔۳ اھلک ۔۴۔ ازید۔ ۵۔ افضل ان پانچوں معنوں میں سے جو بھی لیں تقدیر عبارت میں تین قول ہیں۔۱۔ لیس حالی اعجب من حال رجل قتلہ قومہ یعنی مجھ پر کوئی عار نہیں کیونکہ عار اس وقت ہوتی جبکہ میری قوم کا غیر کوئی مجھے قتل کرتا اور تمہارے لئے بھی کوئی فخر نہیں ہے۔ کیونکہ تم نے اپنی قوم میں سے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے اور ساری قوم شجاعت میں برابر ہے۔۲۔ دوسری تقدیر عبارت یہ مانی گئی ہے لا افضل منی قتل الیوم ۔ کہ آج جتنے قتل ہوئے ہیں ان میں مجھ سے افضل کوئی نہیں ۔۳۔ تیسری تقدیر عبارت یہ بھی مانی گئی ہے کہ یہاں دو جملے ہیں ہل کان ذلک الاھذا اور پھر اعمد سے پہلے ھمزہ استفہام کا محذوف ہے صرف جملے دو ہو گئے دوسرے جملے کے پھر وہی دو معنیٰ ہیں جو پہلی تقدیر عبارت اور دوسری تقدیر عبارت میں کئے گئے۔ **قد ضربه ابنا عفراء** :۔ مسلم شریف اور بخاری شریف کتاب الجہاد میں حضرت معاذ بن عمرو کا بھی ابوجہل کا پاؤں کاٹنا اور گرانا آتا ہے تطبیق یہ ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو نے پاؤں کاٹ کر گرایا پھر حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت معوذ بن عفراء نے حملہ کر کے شدید زخمی کیا پھر لڑائی کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود نے گردن کاٹی ۔ **هل فوق رجل قتلتموه**:. اس کے وہی معنیٰ اور تقدیر عبارت ہے جو گذشتہ حدیث پاک میں اعمد من رجل کے ذکر کئے گئے ہیں۔ **قال احمد بن یونس انت ابو جهل** :۔ یعنی پہلے دو ہمزوں کے ساتھ نقل کیا گیا تھا اس روایت میں انت میں ایک ہمزہ ہے۔ **ابنا عفراء** :۔ یعنی حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت معوذ بن عفراء حتیٰ برد اور مسلم شریف کی روایت میں ہے حتیٰ برک کہ زمین پر گر گیا اور مسلم شریف والے الفاظ کو ترجیح دی گئی ہے معنیٰ کے لحاظ سے کیونکہ لڑائی کے بعد ابوجہل کا حضرت عبداللہ بن مسعود سے گفتگو کرنا ابھی دو روایتوں میں گذرا ہے اور ایک روایت میں یہ گفتگو بھی لڑائی کے بعد منقول ہے کہ ابوجہل نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا کہ میری گردن نیچے سے کاٹنا تاکہ جب سر جمع ہوں تو میرا سر اونچا نظر آئے گویا ابوجہل کا تکبر فرعون کے تکبر سے بھی بڑھ کر تھا کیونکہ فرعون کا تکبر تو مرتے وقت ٹوٹ گیا تھا چنانچہ اس نے کہا تھا آمنتُ انه لا اله الا الذی آمنت به بنو اسرائیل وانا من المسلمین گو یہ ایمان اس کے کام نہ آیا کیونکہ جب آخرت کی چیزیں نظر آنی شروع ہو جائیں تو ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ یہ ایمان بھی ایسے ہی وقت میں تھا۔ اس کو حالت باس کہتے ہیں اس سے پہلے جو حالت یاس ہوتی ہے اس میں توبہ

اور ایمان معتبر ہو جاتے ہیں **انا اول من یجثو بین یدی الرحمٰن للخصومته یوم القیامته:.** یہ اولیت اس امت کے مجاہدین کے لحاظ سے ہے کیونکہ یہ اسلام میں پہلی مبارزة تھی۔ **حمزة وعلی وعبیدة:.** حضرت علیؓ نے ولید سے لڑائی کی اور اسے قتل کر دیا۔ حضرت حمزہ نے عتبہ سے یا شیبہ سے لڑائی کی اور اسے قتل کر دیا حضرت عبیدہ کے گھٹنے میں زخم آیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے حضرت عبیدہ کی امداد فرمائی اور تیسرے کافر کو بھی قتل فرمادیا پھر سفر سے واپسی پر صفراء کے مقام پر حضرت عبیدہ کی اسی گھٹنے کے زخم کی وجہ سے شہادت واقع ہوگئی۔ **کان ینزل فی بنی ضبیعته:.** اس بناء کا ان کو ضبیعی کہتے تھے۔ **وھو مولیٰ لبنی سدوس :۔** اسی لئے ان کو سدوسی کہتے تھے۔ **کاتبتُ اُمّیته بن خلف :۔** حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرمارہے ہیں کہ میں نے امیہ بن خلف سے معاہدہ کیا تھا کہ تم مکہ میں میری حفاظت کرنا میں تمہاری حفاظت کروں گا اور اس معاہدہ میں رشتہ دار اور دوست بھی داخل تھے۔ **فذکر قتله وقتل ابنه:.** اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ یوم بدر میں ایک پہاڑ کی طرف نکلا تا کہ میں اس کی حفاظت کروں جبکہ لوگ سو گئے حضرت بلال نے ان کو دیکھ لیا پس حضرت بلال نے انصار کی ایک جماعت کے پاس کھڑے ہو کر پکارا لا نجوت ان نجا امیته تو ایک جماعت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کے نشان قدم پر روانہ ہوگئی۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ جب ہمیں خطرہ ہوا کہ یہ ہمیں پکڑ لیں گے تو میں نے امیہ کے ایک بیٹے کو پیچھے چھوڑ دیا تا کہ وہ اس میں مشغول ہو جائیں اور ہم بھاگ جائیں وہ اسے قتل کر کے پھر ہمارے پیچھے آ پہنچے اور امیہ بھاری بدن کا تھا تیز بھاگ نہ سکتا تھا تو میں نے کہا تو زمین پر گر جاوہ گر گیا تو میں اس کے اوپر گر گیا تا کہ اس کی حفاظت کرسکوں تو میرے نیچے سے تلواریں مار کر اسے قتل کر دیا حضرت بلال اس امیہ کے غلام تھے بہت تکلیف پہنچاتا رہا۔ حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ کسی نے اسی وجہ سے یہ شعر کہا۔

ہنیئاً زادک الرحمٰن فضلاً
فقد ادرکت ثارک یا بلال

قرا والنجم فسجد بھا:. سورہ نجم والے واقعہ کو یہاں لانے کی مناسبت یہ ہے کہ اگر آخری دو باب نہ مانے جائیں تو پھر یہ روایت باب عدۃ اصحاب بدر کا حصہ بنے گی تو اس صورت میں مناسبت ظاہر ہے کہ امیہ بن خلف کو جس نے پورا سجدہ نہ کیا تھا بدر میں قتل کیا گیا تھا اور اگر آخری باب میں اس روایت کو شمار کیا جائے اور باب یوں مانا جائے باب قتل ابی جھل وغیرہ تو پھر بھی مناسبت ظاہر ہے اور یہ واقعہ غیرہ میں آجائے گا اور اگر صرف یہ مانا جائے باب قتل ابی جھل تو پھر گذشتہ روایات کا تتمہ شمار کی جائے گی یہ روایت اور ایسے ہی اگر قتل ابی جھل والا باب نہ مانا جائے اور اس روایت کو بد دعا والے باب میں شمار کیا جائے تو پھر بھی یہ روایت گذشتہ روایات کا تتمہ شمار کی جائے گی **وسجد من معه:۔** یعنی جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کے اخیر کی آیتیں پڑھیں اور آخری آیت میں سجدہ آیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا تو اس مجلس میں جتنے مشرک بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا سوائے ایک بوڑھے کے پھر اس کی مختلف توجیہات ہیں کہ مشرکین نے کیوں سجدہ کیا۔ ا۔ علامہ جلال الدین محلی نے تفسیر جلالین میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی **افرایتم اللات والعزی و منات الثالثته الا خری** تو شیطان نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسی آواز بنا کر پڑھ دیا **تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی**۔ اور یہی معنیٰ علامہ محلی کے نزدیک اس آیت کے ہیں **وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطٰن فی امنیته** لیکن جمہور ائمہ کے نزدیک یہ روایت معلول ہے اور اصول ثابتہ فی

الدین کے خلاف ہے کہ اگر شیطان نبی جیسی آواز بنا کر پڑھ سکتا ہے یا نبی کی زبان پر جاری کر سکتا ہے جیسا کہ بعض نے یہ معنیٰ بھی کئے ہیں کہ شیطان نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ مذکورہ الفاظ جاری کر دیئے تھے تو اس صورت میں وحی سے امان اٹھ جائے گا۔ اس لئے یہ روایت معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور آیت کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ شیطان لوگوں کے دلوں میں نبی کی تلاوت کے بارے میں وساوس ڈالتا ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ نبی کی زبان پر جاری کرتا ہے یا نبی جیسی آواز بنا کر تلاوت کرتا ہے۔۲۔ دوسری توجیہ کافروں کے سجدہ کرنے کی یہ کی گئی ہے کہ بتوں کا نام سن کر وہ کافر خوش ہو گئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرلیا۔۳۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ تجلّی قہری نے مجبور کر دیا ان کو سجدہ کرنے پر سوائے امیہ بن خلف کے کہ وہ کفر میں ایک مضبوط درخت کی طرح تھا اور باقی شاخوں کی طرح تھے آندھی کا اثر شاخوں پر ہوتا ہے درخت پر نہیں ہوتا۔ **یوم الیرموک** :۔ جنگ یرموک حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا ۱۵ھ میں ہوئی ہرقل کے لشکر کے ساتھ اس میں کافروں کا امیر لشکر ماہان ارمنی تھا اور مسلمان لشکر کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح تھے اس میں سو بدری صحابی شریک ہوئے اور لڑائی میں چار ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ایک لاکھ پانچ ہزار کافر مارے گئے اور چالیس ہزار کافر قید ہو کر آئے۔ **فاقمناہ بیننا ثلاثته الاف** :۔ حضرت عروہ کی وراثت تقسیم کرتے وقت اس تلوار کی قیمت ہم نے تین ہزار لگائی **واخذہ بعضنا**:. اس بعضنا کا مصداق حضرت عثمانؓ بن عروہ ہیں **کان سیف الزبیر محلّی بفضته**:. جنت کے نمونہ کے طور پر تھوڑی سی چاندی تلوار میں لگانی جائز ہے جو ہاتھ کو نہ لگے جیسے چار انگل ریشم کی پٹی لگانی مردوں کے لئے بطور نمونہ جنّت کے جائز ہے لیکن یہ نمونہ ہی ہو زائد نہ ہو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا کہ ایک شخص بطور نمونہ کے پورا ایک پیڑا ہی کھا گیا اور ایک نے بطور نمونہ کے پانچ پیسے کی شکر کھالی پھر ایک پیسہ کی خریدی۔ **ثم رجع مقبلا**:. یعنی حملہ کر کے پھر واپس مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ **فضربوہ ضربتین علی عاتقه بینهما ضربته ضربها یوم بدر**:. سوال اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ پر بدر کی ایک ضرب کا نشان باقی تھا اور گذشتہ روایت سے پہلے جو روایت ابھی گذری ہے اس میں یہ تھا کہ بدر کی دو ضربوں کے نشان باقی تھے یہ تو بظاہر تعارض ہے جواب یہاں ایک نشان یرموک کی ضربوں کے نشان کے درمیان بتلانا مقصود ہے اور ایک روایت چھوڑ کر جو گذشتہ روایت میں بدر کے دو نشان مذکور ہیں ان میں سے ایک تو یہی تھا جو یرموک کے نشانوں کے درمیان تھا اور دوسرا کچھ فاصلہ پر علیحدہ تھا۔ سوال اس حدیث میں یرموک کی دو ضربوں کا ذکر ہے اور گذشتہ سے گذشتہ میں یرموک کی ایک ضرب مذکور ہے۔ جواب ۱۔ ایک ضرب کا نشان مٹ گیا تھا۔۲۔ ایک ضرب چھوٹی تھی اس لئے گذشتہ روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے **وھو ابن عشر سنین** :. سوال بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت بارہ سال کے تھے جواب یہاں جو دس سال مذکور ہے تو اس میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی دہائی سے زائد کو حذف کر دیا گیا ہے **باربعة و عشرین رجلا**:. آگے حضرت براء کی حدیث میں تفصیل آئے گی کہ کل کافر غزوہ بدر میں ۷۰ مارے گئے تھے ان میں سے جو بڑے بڑے سردار تھے صرف وہ قلیب بدر میں ڈالے گئے تھے۔ اس لئے یہاں ۲۴ کا ذکر ہے جو قلیب بدر میں ڈالے گئے تھے۔ **من صنادید قریش** :۔ یہ جمع ہے صندید کی عظیم شجاع سردار کو کہتے ہیں۔ **طویّ** :۔ اس کنویں کو کہتے ہیں جس میں پتھر لگا کر قابل استعمال بنا لیا گیا ہو۔ **مُخبث** :۔ ایسے ساتھی لینے والا جو خبیث ہوں **علی شفته الرّکیّ**:. سوال ایک ہی کنویں کو اس حدیث میں طویّ بھی کہا گیا ہے جس کے معنیٰ ہیں کہ استعمال کے لیے اس میں پتھر لگائے جا چکے ہوں اور الرّکیّ بھی کہا گیا ہے

جس کے معنیٰ ہیں کہ گڑھا ہوا اندر پتھرا بھی نہ لگائے گئے ہوں یہ تو تعارض ہے۔جواب پہلے آباد تھا پھر بے آباد ہو گیا تھا اس لئے طوق کہنا مجازاً ہے ماسبق کے لحاظ سے۔**الیسرّ کم**:۔یہ فرمانا کس لئے تھا دو قول ہیں۔ا۔استہزاء مقصود تھا تا کہ عظمت اسلام اور شوکت اسلام ظاہر ہو۔۲۔توبیخ اور ڈانٹنا مقصود تھا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔**ما انتم باسمع لما اقول منهم**:۔اس حدیث کی مناسبت باب سے کیسے ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بد دعاء والا باب اور باب قتل ابی جہل نہ مانے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیث باب عدۃ اصحاب بدر میں ہے اس لئے مناسبت باب سے ظاہر ہے کہ اس میں بدر میں شریک ہونے والے مسلمانوں اور کافروں کا ذکر ہے اور اگر باب قتل ابی جہل وغیرہ مانا جائے یعنی غیرہ کا لفظ بھی زیر بحث باب میں مانا جائے تو پھر بھی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ غیرہ میں یہ واقعہ بھی ہے۔اور اگر وغیرہ کی زیادتی نہ مانی جائے تو پھر یہ روایت اس باب میں معمولی مناسبت کی بناء پر لائی گئی جس کو استیناس کہتے ہیں ایسے ہی اگر باب قتل ابی جہل والا باب نہ مانا جائے اور اس روایت کو بد دعاء والے باب میں شمار کیا جائے تو پھر بھی معمولی مناسبت کی بنا پر اس روایت کا یہاں لانا شمار کیا جائے گا۔**قال قتادہ احیاھم اللہ حتیٰ اسمعھم**:۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول سماع موتی کی نفی پر مبنی ہے اور اہل السنۃ والجماعت کے دونوں قول حضرات صحابہ کرام کے زمانہ سے چلے آرہے ہیں۔ا۔نفی ۔۲۔ اثبات۔ہمارے اکابر دیو بند نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ فی الجملہ سماع ہے یعنی بعض مردے بعض وقتوں میں سنتے ہیں سب مردے ہمیشہ سنتے ہوں ایسا نہیں ہے۔مثبتین حضرات کی ایک دلیل تو یہی قلیب بدر والی حدیث ہے جبکہ اس کو اپنے ظاہر اور عموم پر رکھا جائے دوسری دلیل حدیث پاک کی یہ دعاء ہے السلام علیکم یا دار قوم مومنین ۔نفی فرمانے والے حضرات کی دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرین** اس کا مثبتین حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ۔ا۔مطلق سماع کی نفی نہیں ہے بلکہ سماع نافع کی نفی ہے کیونکہ کافروں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس کی تائید اس لفظ سے ہوتی ہے **اذا ولو امدبرین** کیونکہ مردے تو نہیں بھاگتے اور کافروں سے سماع نافع کی نفی ہے نفس سماع کی نفی نہیں ہے۔۲۔اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں ہے اور ہمارے اکابر چونکہ سماع فی الجملہ کے قائل ہیں اس لئے کوئی دلیل بھی ہمارے خلاف نہیں ہے۔**قال النار یوم بدر**:۔ اس حدیث کی باب سے مناسبت کیا ہے اس کی وہی مفصل تقریر ہے جو گذشتہ حدیث پاک میں گذری۔**وھل ابن عمر**:۔یہ لفظ دو طرح پڑھ سکتے ہیں۔ا۔وَھِل ھا کے کسرہ کے ساتھ ای غلط لفظا و معنیً۔۲۔وَھَل ھاء کے فتحہ کے ساتھ ای نسی۔**انه یعذب بخطیئة**:۔یعنی میت کو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور اسی زمانہ میں لوگ رو رہے ہیں اور اس کی تعریفیں کر رہے ہے حضرت عائشہ صدیقہ تعارض اٹھا رہی ہیں جو بظاہر ایک حدیث اور ایک آیت میں ہو رہا ہے حدیث پاک یہ ہے ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ اور آیت مبارکہ یوں ہے **ولا تزروازرۃ وزر اخریٰ**۔ اس تعارض کو اٹھانے کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ا۔ایک یہی جبکہ یہ کافروں کے ساتھ خاص کی جائے کہ کافروں کے عذاب اور ان پر رونے کا زمانہ ایک ہے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ رونا سبب ہے عذاب کا اس لئے حدیث آیت کے خلاف نہیں ہے۔۲۔حدیث پاک اسی شخص کے متعلق ہے جس نے نوحہ کا حکم دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد خوب نوحہ کرنا تا کہ پتہ چلے کہ کوئی بڑا آدمی فوت ہوا ہے تو یہ شخص اپنے اس حکم کی وجہ سے عذاب پاتا ہے۔۳۔گھر والوں کی عادت تھی نوحہ کی اس کو منع کرنے کا موقعہ ملا پھر بھی منع نہ کیا تو یہ بھی اسی حکم میں ہے کہ گویا نوحہ کرنے کا خود حکم کیا۔اور یہ حکم سبب بنا عذاب قبر کا۔۴۔جب رونے والی عورتیں نوحہ میں جھوٹی تعریفیں اور مدحیں کرتی ہیں تو فرشتے اس میت کو کہتے ہیں کہ اکنت ھکذا اس سے اس میت کو کچھ

شرمندگی ہوتی ہے اسی کو عذاب کے لفظ کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔۵۔ پہلی توجیہ کی طرح اور حدیث کفار اور مسلمین دونوں سے متعلق ہے۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ والی توجیہ اس پر بھی محمول ہوسکتی ہے۔۶۔ جب میت کو بتلایا جاتا ہے کہ تجھ پر یوں نوحہ ہو رہا ہے تو اس کو افسوس ہوتا ہے کہ یہ کیوں ایسا غلط کام کر رہی ہیں اسی کو عذاب کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔۷۔ ایک خاص یہودی کے متعلق حدیث پاک وارد ہوئی ہے کہ اس کو تو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور یہ عورتیں اس پر نوحہ کر رہی ہیں زمانہ ایک ہے سببیت نہیں ہے اور یہ توجیہ بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک روایت میں منقول ہے۔ **قالت وذاک مثل قوله:**۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرما رہی ہیں کہ گذشتہ قول کی طرح قلیب بدر والے قول کو بھی ابن عمر نے ظاہر پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ ظاہر پر محمول نہیں ہے دونوں قول حضرت ابن عمر کے نزدیک ظاہر پر محمول ہیں اور حضرت عائشہؓ صدیقہ کے نزدیک خلاف ظاہر پر محمول ہیں۔۱۔ ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ۔۲۔ انھم یسمعون ما اقول۔ **انما قال انهم الآن ليعلمون:**۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کی غرض یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صرف یہ فرما رہے تھے کہ ان کو پتہ چل گیا ہے کہ میں جو کچھ کہا کرتا تھا وہی ٹھیک تھا یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ وہ اس وقت میری بات سن رہے ہیں اس کا جواب۔۱۔ امام بیہقی نے یہ دیا ہے کہ علم سماع کی نفی نہیں کرتا یعنی جیسے علم ثابت ہوسکتا ہے ایسے ہی حق تعالیٰ کی قدرت سے سماع بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ ابن عمر کے قول کا رد نہ ہوا جو علم بصورت سماع مانتے تھے۔۲۔ امام اسماعیلی نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ الفاظ کی روایت کے لحاظ سے اعتراض فرما رہی ہیں کہ الفاظ یسمعون ثابت نہیں ہیں لیعلمون ثابت ہیں تو یہ اعتراض کافی نہیں ہے کیونکہ الفاظ یسمعون بھی ابن عمر کے نزدیک ثابت ہیں اور اگر معنیٰ کے لحاظ سے اعتراض فرما رہے ہیں کہ یسمعون بمعنیٰ لیعلمون ہے تو پھر بھی اعتراض کافی نہیں ہے کیونکہ اثبات علم سے سماع کی نفی نہیں ہوتی علم بھی ہے سماع بھی ہے۔۳۔ اس حدیث سے ایک چھوڑ کر پہلی حدیث میں جو حضرت عمرؓ کا عرض کرنا مذکور ہے یارسول اللہ ماتکلم من اجساد لا ارواح لھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ما انتم باسمع لما اقول منھم یہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کی تاویل کی نفی کرتا ہے۔ **ثم قرأت انک لا تسمع الموتیٰ:**۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔۱۔ سماع نافع کی نفی ہے۔۲۔ اسماع کی نفی ہے۔ سماع کی نفی نہیں ہے کہ آپ قادر نہیں ہیں اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ ان کو زندہ کر دیں اور سنا دیں جیسا کہ حضرت قتادہ کا قول بھی گذرا ہے احیاھم اللہ حتی اسمعھم۔ **تقول حين تبو ؤ ا مقاعد هم من النار:**۔ یہ حضرت عروہ کا قول ہے وہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے قول اور حضرات مثبتین سماع موتیٰ کے قول کے درمیان تطبیق دینا چاہتے ہیں کہ قرار فی النار سے پہلے سماع ہے بعد میں نہیں لیکن اس حدیث کے بعد جو حدیث آرہی ہے اس میں صراحتہ مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تکلم کے وقت سماع کی نفی فرما رہی ہیں اس لئے یہ تطبیق یہاں جاری نہیں ہوسکتی۔ بہر حال ہمارے اکابر کے قول سماع فی الجملہ کے لئے ان دلائل میں سے کوئی بھی مضر نہیں اور مثبتین کے لئے وہ روایات بھی مؤید ہیں جن میں قبر میں سوال جواب کے وقت روح کا عود فی الجسم مذکور ہے اور یہی جمہور کا قول ہے صرف شاذ قول ہے کہ اکیلی روح سے سوال جواب ہوتا ہے۔

باب فضل من شهد بدراً

غرض ان صحابہ کی خصوصی فضیلت کا بیان فرمانا ہے جو غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت کبریٰ سے بہرہ ور ہوئے۔ **ويحک:**۔ دو قول ہیں۔۱۔ شفقت کے اظہار کے لئے یہ کلمہ استعمال فرمایا۔۲۔ ڈانٹنے کے لئے یہ کلمہ استعمال فرمایا۔ **او هبلت:**۔ ہمزہ استفہام کا ہے اور صیغہ دو طرح پڑھا گیا ہے۔۱۔ معروف اور معطوف علیہ محذوف ہے فقدت تقدیر عبارت مع المعنیٰ یوں ہوئی افقدت و ثکلت۔۲۔ مجہول اور معطوف علیہ جننت محذوف ہے تقدیر عبارت

مع المعنیٰ یوں ہوگئی اجفت وغلبت۔ **او جنة واحدة هی** اس میں ھی مبتدا موخر ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے الہ درجۃ ناقصۃ وھی جنۃ واحدۃ۔ **وانه فی جنة الفردوس** :۔فردوس کے معنیٰ باغ کے ہوتے ہیں اور یہ لفظ کس زبان کا ہے دوقول ہیں۔۱۔عربی۔۲۔رومی یہ ایسی جنت ہے کہ یہاں سے جنت کے سب درجوں کو نہریں جاتی ہیں اور حدیث پاک میں ہے الفردوس ربوۃ الجنۃ واواسطھا وافضلھا **حجزتها**:۔اس کے معنیٰ ہیں۔تہہ بند باندھنے کی جگہ لیکن مراد یہاں مطلق باندھنے کی جگہ ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے عقاص سے خط نکالا جو بالوں کے باندھنے کی جگہ ہے **ان لا اکون** :۔یہاں دو اہم نسخے ہیں۔۱۔ان لا اکون۔۲۔الا ان اکون دونوں کا مال ایک ہی ہے۔ **اردت ان تکون لی عند القوم ید**:. بعض حضرات نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ حضرت حاطب کی نیت یہ تھی کہ اہل مکہ لڑائی سے پہلے پہلے مسلمان ہوجائیں لیکن یہ توجیہ ضعیف قرار دی گئی ہے کیونکہ اگر یہ ارادہ ہوتا تو حضرت حاطب اس کو ضرور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کردیتے بلکہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی مکہ مکرمہ جانے کا اعلان فرمادیتے اور چھپانے کا بہت زیادہ جو اہتمام فرمایا یہ اہتمام نہ فرماتے۔ **قد خان الله ورسوله** :۔حضرت عمرؓ کا دوبارہ عرض کرنا کہ یہ جھوٹا ہے اس پر مبنی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حاطب کی تاویل پر اعتماد نہ فرمایا۔ **لعل الله اطلع الی اهل بدر**:. یہاں لعل یقین ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ **فقد غفرتُ لکم**:۔یہ معافی آخرت کے لحاظ سے ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے ایک بدری صحابہ کو شراب پینے کی وجہ سے حد لگائی تھی۔پھر اس میں دو قول ہیں کہ یہ معافی گذشتہ گناہوں کی تھی یا گذشتہ اور آئندہ سب گناہوں کی آخرت میں معافی تھی راجح یہی ہے کہ یہ معافی گذشتہ گناہوں کی تھی یا گذشتہ اور آئندہ سب گناہوں کی آخرت میں معافی تھی راجح یہی ہے کہ معافی عام تھی اور یہ اہل بدر کی خصوصیت تھی اور ماضی کا صیغہ تحقیق وقوع کے لئے ہے کہ معافی یقیناً ملے گی کوئی شک نہیں ہے معافی ملنے میں یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ ماضی کے گناہ صرف ہم نے معاف کئے آئندہ جو گناہ کروگے پکڑے جاؤ گے۔ **فدمعت عینا عمر**:۔احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ آنسو خوشی کے ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ خود بھی بدری صحابی ہیں۔

باب:۔یہ باب بلا ترجمہ ہے اور تتمہ ہے ماقبل کا اور اس میں غزوہ بدر کی متفرق چیزوں اور واقعات کا بیان ہے۔ **اذا اکثبوکم فارموهم واستبقوا نبلکم**:. جب تم سے کافر قریب آجائیں تو ان کو پتھر مارنا اور تیروں کو جہاں تک ہوسکے بچانے کی کوشش کرنا کیونکہ تیر تھوڑے تھے۔ **یعنی اکثر و کم** :۔راوی نے جو اکثبوکم کی یہ تفسیر کی ہے تو اس تفسیر کو لغت کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ **والحرب سجال**:۔جیسے ڈول لوگ باری باری استعمال کرتے ہیں ایسے ہی ہم لڑائی میں باری باری جیتتے ہیں کبھی تم جیت گئے کبھی ہم جیت گئے۔ **واذا الخیر ما جاء الله به من الخیر بعد** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ایک گائے ذبح ہوتی دیکھی اور بہت سامال دیکھا اس کی تعبیر کا ایک حصہ یہاں مذکور ہے تعبیر کا حاصل یہ تھا کہ گائے کا ذبح ہونا تو مسلمانوں کی احد کی مصیبت تھی اور مال جو دیکھا وہ اس مال کی طرف اشارہ تھا جو احد کے بعد ملا اور جو بدر کا ثواب ملا۔

جد عاصم بن عمرؓ بن الخطاب:. یہاں جد سے مراد ابوام ہیں جس کو ہم نانا کہتے ہیں۔ **بالهدأة**:. یہ ایک جگہ کا نام ہے۔اور اس کی طرف نسبت ھدوی ہوتی ہے۔ **ورجل آخر**:. یہ حضرت عبداللہؓ بن طارق تھے **فابیٰ ان یصحبهم** :۔دوسری روایتوں میں تصریح ہے کہ ان کو شہید کردیا **فدرج**:. ای ذھب۔

واقتلهم بددا:. ان کو قتل کردیجئے اس حال میں کہ وہ متفرق ہوں۔ **اوصال شلو ممزع** :۔ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے اعضاء کے جوڑ ممزع ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے۔شلو

کے معنیٰ عضو کے ہیں اوصال کے معنیٰ جوڑ کے ہیں۔ **واخبر اصحابہ یوم اصیبوا خبر ھم**:. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن مدینہ منورہ میں صحابہؓ کرام کو ان صحابہ کے شہید ہونے کی خبر دے دی بطور معجزہ کے جس دن ان کو شہید کیا گیا اور امام بیہقی کی کتاب دلائل الاعجاز میں یہ بھی ہے کہ حضرت خبیبؓ نے تمنا کی تھی کہ میرا اسلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا جائے حق تعالےٰ نے ان کی تمنا کو پورا فرمایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت خبیبؓ کا سلام پہنچا دیا۔ **وکان قتل رجلا عظیماً**:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عاصمؓ نے عقبۃ بن ابی معیط کو یوم بدر میں قتل کیا تھا جب کہ عقبہ قید ہو کر آیا تھا باقی قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ **فبعث اللہ لعاصم مثل الظلّۃ من الدّبر**:. امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد دبر کی تفسیر میں منقول ہے زنا بیر یعنی بھڑ اور ایک قول یہ بھی بعض کا منقول ہے کہ اس کا مصداق نحل یعنی شہد کی مکھیاں تھیں۔ امام ابو یوسفؒ نے ایک روایت یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کے خبیبؓ کو کون لکڑی سے اتار کر دفن کرے گا۔ جو ایسا کرے گا اس کو جنت ملے گی حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ تشریف لے گئے جس دن بدن مبارک کے پاس پہنچے اس دن شہادت کو چالیس دن گذر چکے تھے۔ ابھی تک بدن نرم تھا۔ ہاتھ زخم پر تھا خون ٹپک رہا تھا۔ واپس لا رہے تھے تو کافروں نے تعاقب کیا مجبوراً گھوڑے سے گرا دیا زمین پھٹی اور وہاں دفن ہو گئے۔ لقب بلیع الارض ہوا زمین کا نگلا ہوا۔ اس خون سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ **رجلین صالحین قد شھدا بدراً**:. امام زہری نے انکار کیا تھا ان دونوں حضرت کے بدری ہونے سے اس لئے امام بخاری یہاں اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا نقل فرما رہے ہیں جو غزوہ تبوک کے بیان میں آئے گی تاکہ امام زہری کے اس قول کی تردید ہو سکے۔ **ان سعید بن زید بن عمرو بن نفیل وکان بدریا**:. ان کو اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو شام کے راستہ کی طرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کی جاسوسی کے لئے بھیجا تھا اس لئے یہ دونوں حکماً شریک بدر ہوئے اسی لئے ان کو بدر کی غنیمت میں سے حصہ بھی دیا گیا۔

باب شھود الملئکۃ بدرا

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ بدر میں فرشتے بھی شریک ہوئے تھے اور فرشتوں کی شرکت قرآن پاک اور حدیث پاک دونوں سے ثابت ہے اور حضرات صحابہ پہچانتے تھے کہ کس کافر کو انسانوں نے قتل کیا ہے اور کس کافر کو فرشتوں نے قتل کیا ہے کیونکہ جس کافر کو فرشتوں نے قتل کیا تھا اس کی گردن اور ہاتھوں کی انگلیوں کے کناروں پر ایسا نشان تھے جیسے آگ سے داغ لگایا گیا ہو کیونکہ حق تعالےٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا تھا **فاضربوا فوق الا عناق واضربو ا منھم کل بنان**۔ **کان رافع من اھل العقبۃ**:. ہجرت سے پہلے بعض اہل مدینہ انصار حج کے موقعہ میں مکہ مکرمہ حاضر ہوتے رہے اور چھپ کر منیٰ کی ایک گھاٹی میں جو جمرہ عقبہ کے پاس تھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام کی اور نصرت دین کی بیعت کرتے رہے ان کو اہل عقبہ کہتے ہیں پہلے سال چھ حضرات نے بیعت فرمائی تھی دوسرے سال ۱۲ نے اور تیسرے سال ۷۰ نے حضرت رافع تینوں میں شریک ہوئے۔ **ما یسرّنی انی شھدتُ بدراً بالعقبۃ**:۔ حضرت رافع کی اجتہادی رائے یہی تھی کہ شہود عقبہ کا درجہ شہود بدر سے اونچا ہے کیونکہ بیعت عقبہ ہجرت اور نصرت اسلام کا سبب تھی لیکن جمہور کے نزدیک شہود عقبہ کا کوئی الگ درجہ نہیں ہے اور ترتیب مراتب یوں ہے۔ ۱۔ خلفاء اربعہ علی ترتیب الخلافۃ کہ سب سے اونچا مقام انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ۔ ۲۔ عشرہ مبشرہ۔ ۳۔ اہل بدر۔ ۴۔ اہل بیعت رضوان۔ ۵۔ من امن قبل الفتح۔ ۶۔ من امن قبل حجۃ الوداع۔ ۷۔ بقیۃ الصحابۃ۔ ۸۔ تابعین۔ ۹۔ تبع تابعین۔ ۱۰۔ بقیۃ المسلمین۔

باب: یہ باب تتمہ ہے باب من شھد بدراً کا کیونکہ باب

شهود الملئکۃ بدراً بھی باب من شہد بدراً ہی کا تتمہ ہے۔ **ولم یترک عقباً**:. کوئی اولاد وغیرہ وارث نہ چھوڑی۔ **حدث بعدک امر نقض** :۔آپ کے سفر پر جانے کے بعد نسخ واقع ہوا ہے۔ **مد جج**:. اسم فاعل اور اس مفعول دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے ہتھیاروں سے ڈھکا ہوا یا اپنے آپ کو ڈھانپنے والا۔ **اباذات الکرش**:. کرش کے تین معنی آتے ہیں ۔۱۔ اوجری ۔۲۔ عیال ۔۳۔ جماعت۔ یہاں لقب میں تینوں احتمال ہیں۔ **تمطات فکان الجهدان نزعتها وقد انثنیٰ طرفاها**:. نیزے کو (آنکھ سے) کھینچا۔ کھینچنے میں بہت مشقت ہوئی اس کے کنارے مڑ گئے **شارف**:۔ بوڑھی اونٹنی **الغرائر** :. گھاس ڈالنے کے لئے بورے **فلم املک عینی**:. وجہ ۱۔ حضرت فاطمہ کے ولیمہ کا حق تلف ہوا۔۲۔ غصہ کی شدّت کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر آنسو آ گئے۔ **النواء**:۔ یہ جمع ہے ناویہ کی بمعنی موٹی۔ **ثمل** :۔ نشہ میں بے ہوش۔ **کبّر علی سهل بن حنیف**:. دو احتمال ہیں ۔۱۔ چھ تکبیریں کہیں۔۲۔ پانچ تکبیریں کہیں۔ اور مستدرک حاکم میں ہے التفت الینا فقال انہ من اہل بدر اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور یہی تھا کہ جنازے پر چار تکبیریں ہوتی تھیں جیسا کہ صراحۃ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں چار تکبیروں پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا لیکن حضرت علیؓ کا اجتہاد تھا کہ کسی کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے ایک یا دو تکبیریں زائد کہنی بھی جائز ہیں۔ **انفذه**:۔ یہ لفظ اوپر والی عبارت سے پہلے ہے اس کے دو معنی کئے گئے ہیں ۔۱۔ ٹھیک ٹھیک نقل فرمایا ہے ابن اصبہانی نے ۔۲۔ ابن اصبہانی نے یہ روایت لکھ کر میرے پاس بھیج دی یعنی تحمل کی صورت مکاتبہ ہوئی ہے سماع من الشیخ یا قراءۃ علی الشیخ وغیرہ نہیں ہوئی ہیں۔ **فصدقه**:۔ یعنی یہ سند صرف پچھلی سند کی تاکید کے لئے ہے۔ **وکان من اکبر بنی عدی**:. یعنی یہ راوی عبد اللہ بن عامر بنی عدی قبیلہ کے سرداروں میں سے تھے۔ **ان رافعا اکثر علی نفسه** :۔ حضرت رافع نے اپنے آپ پر ذمہ داری کا بوجھ بڑھا لیا ہے ممانعت تو مزارعت سے ہے کہ پیداوار کا حصہ بطور کرایہ کے لیا جائے یہ ممانعت کو عام قرار دے رہے ہیں کہ نقد کے عوض میں بھی زمین کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔ **نهیٰ عن قتل جنّان البیوت** :. جنان میں نون کی تشدید ہے یہ جمع ہے جان کی اس کے معنی ہیں ۔۱۔ سفید سانپ ۔۲۔ پتلا سانپ ۔۳۔ چھوٹا سانپ۔ ان تین معنی میں یہ لفظ مشترک ہے پھر ممانعت کی صورت یہ ہے کہ جب گھر میں سوراخ سے سانپ نکلے تو اس کو تین دفعہ کہا جائے چلے جاؤ اگر نہ جائے تو مار دیا جائے پھر اس ممانعت میں چار قول ہیں۔ بیوت مدینہ منورہ میں صرف ممانعت ہے۔۱۔ سب شہروں کے گھروں میں ممانعت ہے ۔۳۔ سب گھروں میں ممانعت ہے ۔۴۔ صرف اس سانپ کو مارنے کی ممانعت ہے جو سفید ہو اور اپنے چلنے میں ٹیڑھا نہ ہو بلکہ سیدھا چلے۔ ان چار قولوں میں سے پہلے قول کو امام مالک علامہ سیوطی اور حضرت گنگوہی نے ترجیح دی ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں کثرت سے جنّات سانپ کی شکل میں رہتے ہیں۔ **ان رجالا من الانصار استاذ نوا**:۔ اس روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ یہ اجازت مانگنے والے حضرات بدری صحابہ تھے اور حضرت عباسؓ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ **فلو غیر اکّار قتلنی** :۔ جن انصار نے ابوجہل کو زخمی کیا تھا ان کی تحقیر کرنی چاہتا ہے ابوجہل ۔ کیونکہ اکار کہتے ہیں کھیتی کا کام کرنے والے کو انصار کا کام زیادہ تر کھیتی باڑی کا تھا سوال۔ پیچھے ابوجہل کا قول خوشی کے اظہار کا گذرا ہے کہ میری قوم نے ہی قتل کیا ہے یہاں اس کے خلاف

ہے جواب۔۱۔ وہ انتہاء کے لحاظ سے تھا کہ گردن کاٹنے والے ابن مسعود ہیں۔۲۔ وہ خوشی کا اظہار غلبہ کے لحاظ سے تھا کیونکہ مسلمانوں کے حاکم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو قریش میں سے تھے۔ **وذلک اوّل ماوقر الا یمان فی قلبی**:۔ سوال یہ موقعہ ہے بدر کا یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبیر اس موقعہ میں مسلمان ہوئے اور ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے یہ بظاہر تعارض ہے۔ جواب دل میں ایمان بدر کے موقعہ میں آیا لیکن اظہار فتح کے موقعہ پر کیا۔ **فی ھولاء النتنی**:۔ نتنیٰ کے معنیٰ بدبودار چیز کے ہیں یہ اس آیت کا مضمون ہے انما المشرکون نجس۔ **لترکتھم لہ**:۔ کیونکہ مطعم بن عدی نے وہ کاغذ پھاڑا تھا جس میں قریش نے مقاطعہ بنی ہاشم سے لکھا تھا اور اس کی وجہ سے بنی ہاشم تین سال تکلیف میں رہے تھے اس کے علاوہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تھے تو مطعم بن عدی نے آپ کو پناہ دی تھی۔ یہ مطعم بن عدی غزوہ بدر سے کچھ پہلے کفر ہی کی حالت میں نوّے سال سے کچھ زائد کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔ **ثم وقعت الثالثة**:۔ اس سے مراد ابوحمزہ خارجی کا حملہ ہے مردان بن محمد بن مروان بن الحکم پر جو ۱۳۰ھ میں ہوا۔ **طباخ**:۔ اس کے اصلی معنیٰ موٹاپے کے ہیں مراد قوۃ ہے۔ **وھو یلقیھم**:۔ اور دوسرے نسخہ میں ہے یلقیھم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈالنے کا حکم دے رہے تھے۔ **ما انتم باسمع لما قلت منھم**:۔ یہ منھم متعلق ہے اسمع کے اور اس سے معلوم ہوا کہ اس تفصیل اور اس کے متعلق کے درمیان فصل جائز ہے۔ **فجمیع من شھد بدراً الخ**:۔ یہ کس کا مقولہ ہے دو احتمال ہیں۔۱۔ امام بخاری کا مقولہ ہے۔۲۔ موسیٰ بن عقبہ کا مقولہ ہے ایسے ہی آگے جو عبارت ہے وکان عروۃ اس میں بھی دونوں احتمال ہیں۔ پھر مثبت زیادۃ کو ترجیح ہے اس لئے قریش میں سے بدری صحابی سو ہونا راجح ہے اور چونکہ بعض نسخوں میں فجمیع من شھد بدراً سے پہلے قال ابوعبداللہ بھی ہے اس لئے ان دونوں کلاموں میں امام بخاری کا مقولہ ہونا راجح ہے۔

الحمدللہ چوتھی جلد ختم ہوئی

الخیر الجاری شرح صحیح البخاری جلد پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب تسمية من سمى من اهل بدر فى الجامع

یہ باب گذشتہ ابواب کا تتمہ ہے کیونکہ اس میں اجمال ہے گذشتہ ابواب کا اور مراد جامع سے یہی صحیح بخاری ہے۔ غرض اِن حضرات کی فضیلت کا ذکر ہے تا کہ لوگ اِن کے لئے خصوصی دعا فرمائیں اور لمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں قیل **ان الدعاء عند ذكر هم فى البخارى مستجاب۔ كان فى النظارة:** یہ بدر کا پانی دیکھ رہے تھے قتال کے لئے نہ آئے تھے ان کو حبان بن العرقۃ نے قتل کر دیا اور یہ بدر میں انصار میں سے سب سے پہلے شہید ہوئے **۔هلال بن اُميّة الا نصارى:** یہاں تک ۴۴ بدری صحابہ کے نام مبارک ذکر فرمائے اِن کے ذکر کے بعد بھی دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا اور بعض حضرات نے سب کے نام بھی جمع فرمائے ہیں ان کے ذکر کے بعد بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

باب حديث بنى النضير

غرض بیان ہے غزوہ بنی نضیر کا یہ مدینہ منورہ کے قریب قبیلہ یہودیوں کا تھا ان سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا لیکن انھوں نے خود ہی معاہدہ توڑ دیا تھا**۔فى دية الرجلين:** یہ فی تعلیلیہ ہے جیسے حق تعالیٰ کے ارشاد میں ہے **فذلک الذى لمتننى فيه۔ وما ارادوامن الغدر برسول الله صلى الله عليه وسلم:** غزوہ بنی نضیر کی تفصیل یہ ہے کہ بنی عامر اور بنی نضیر اور بنی ضَمُرہ یہ تینوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے۔ ایک دفعہ بنی عامر کے دو آدمی سایہ میں آرام کرنے آئے وہاں عمرو بن اُمیّہ ضَمُری تھا۔ پوچھا کس قبیلہ کے ہو انھوں نے بتلا دیا کہ بنی عامر قبیلہ کے ہیں اُس کو پتہ نہ تھا کہ یہ قبیلہ بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہے۔

جب وہ دونوں سو گئے تو اِن دونوں کو اِس نے قتل کر دیا۔ اُس سے دیت لینے میں بنی نضیر سے امداد لینے کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کو ساتھ لے کر بنی نضیر کے ہاں تشریف لے گئے وہ صحابہ یہ تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعدؓ بن معاذ حضرت سعدؓ بن عبادہ حضرت اسید بن حُضیرؓ۔ یہ سب حضرات ایک دیوار کے پاس تشریف فرما تھے کہ بنی نضیر نے عمرو بن حجاش کو مقرر کیا کہ وہ اوپر سے بڑا پتھر گرا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو شہید کر دے۔ وحی سے اطلاع کر دی گئی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اُٹھ کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور پیغام بھیجا کہ دس دن میں یہاں سے نکل جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے عبداللہ بن ابی منافق نے بنی نضیر کو جانے سے روک دیا اس لئے انھوں نے پیغام بھیجا کہ ہم نہیں جاتے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۵ یا ۲۳ یا ۲۵ دن محاصرہ فرمایا صحابہ کرام کے ساتھ مل کر پھر یہ بنی نضیر نکلنے کے لئے تیار ہو گئے اور چونکہ لڑائی نہ ہوئی تھی اِس لئے یہ مال فئی بن گیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں آ گیا یہ بنی نضیر کچھ شام میں چلے گئے کچھ خیبر میں چلے گئے اور دو حضرات اِن میں سے مشرف باسلام ہو گئے حضرت یامین بن عمیر اور ابوسعید بن وھب اس لئے اِن دونوں حضرات کا مال نہ چھینا گیا۔

وجعله ابن اسحق بعد بئر معونة واُحُدِ: اور یہی قول راجح ہے**۔فكان بعد ذلك يرد عليهم:** انصار کا ایک آدمی تھا وہ اپنی کھجوروں کے درختوں کے پھل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ جب قریظہ اور نضیر فتح ہو گئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کھجوریں

واپس فرمادیں کہ اب مجھے ضرورت نہیں رہی کیونکہ دینے والے نے پھل دیئے تھے درختوں کی ذات نہ دی تھی۔

سِراة بنی لُؤیّ: قریش کے سردار اس کا مصداق مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور مشرکین مکہ کے سردار بھی ہو سکتے ہیں۔

حریق بالبویرة: بُویرہ جگہ کا نام ہے۔

ابو سفیان بن الحارث: یہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے یہ نبی پاک کے چچازاد بھائی تھے کیونکہ حارث عبد المطلب کے بیٹے تھے۔**ادام الله ذلک:** سوال ابوسفیان نے زمانہ کفر میں بنی نضیر کی آگ کی تائید کیسے کردی یہ تو مسلمانوں کی تائید ہوگئی۔ جواب۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بنی نضیر کی آگ اتنی زیادہ بھڑ کے کہ مدینہ منورہ بھی جل جائے نعوذ باللہ من ذالک۔

ایُّنا منها بنزُه: ہم میں سے کون برائی سے دور ہے۔

ایّ اَرْضَینا تضیر: اس میں لفظ اَرْضَینا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اور تضیر کے معنیٰ تضّر کے ہیں اور ایک روایت میں آخری لفظ نضیر ہے بمعنی تر و تازہ کیونکہ نضارۃ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ تر و تازگی کے ہیں۔ کہ ہم دونوں کی زمینوں میں سے کس کی زمین تر و تازگی والی ہے۔**قال فحدثتُ هذا الحدیث عروة بن الزبیر:** اِس قال کے فاعل حضرت ابن شہاب زھری ہیں۔

باب قتل کعب بن الاشرف

غرض کعب بن الاشرف کے قتل کے واقعہ کا بیان ہے۔ یہ واقعہ ۳ھ ماہ رمضان المبارک میں پایا گیا۔ یہ کعب بن الاشرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ھجو کرتا تھا اور مسلمانوں کے خلاف کافروں کی امداد کرتا تھا۔ بدر پر بہت روتا تھا اور شعر کہتا تھا۔ اگرچہ یہ ذمّی تھا لیکن کافروں کی مدد کرنے کی وجہ سے اس نے خود ہی ذمی ہونے کا معاہدہ توڑ دیا تھا اِس لئے ضابطہ کے مطابق اِس کا قتل جائز ہوگیا تھا۔**وسقاً:** یہ ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

وحدثنا عمرو غیر مرة: یہ سفیان بن عیینہ کا مقولہ ہے۔

قائل بشَعَره: میں اُس کے بالوں کو کھینچنے والا بنوں گا۔ یعنی جب میں اِس کے بال کھینچوں گا تو تم حملہ کر کے اُسے قتل کر دینا۔

متوشحا: کپڑے اور ہتھیار پہن کر اترا۔

باب قتل ابی رافع

غرض ابو رافع کے قتل کے واقعہ کو بیان فرمانا ہے۔ اور قتل کی وجہ خود متن بخاری شریف کی مسند حدیث میں مذکور ہے۔

وراح الناس بسرجهم: لوگ اپنے چرنے والے مویشی لے آئے۔ اِن میں بکریاں اونٹ گائے سب داخل ہیں۔

الاغالیق: چابیاں۔**ظُبَة السیف:** تلوار کی نوک۔

النجاءَ: جلدی سے چلے جاؤ۔**فتلطفتُ:** میں باریک تدبیر سوچ رہا تھا۔**فی کُوَّةٍ:** ایک آلہ میں چابیاں رکھ دیں۔ سوال پچھلی روایت میں تھا کہ ایک کیل میں لٹکا دیں۔ یہاں ہے کہ آلہ میں رکھ دیں یہ بظاہر تعارض ہے۔ جواب کیل آلہ کے اندر تھا۔ تعارض نہ رہا۔**فانخلعت رجلی:** پاؤں میں موچ آ گئی۔ سوال گذشتہ روایت میں تھا کہ ہڈی ٹوٹ گئی یہاں ہے کہ موچ آ گئی یہ تو بظاہر تعارض ہے۔ جواب۔ ا۔ دونوں تکلیفیں واقع ہوئی تھیں ایک روایت میں ایک کا ذکر ہے دوسری روایت میں دوسری تکلیف کا ذکر۔ ۲۔ دونوں روایتوں میں صرف یہ مراد ہے کہ پاؤں کو تکلیف ہوگئی تھی۔**اَحْجُلُ:** ایک ٹانگ پر چلتا تھا۔

فقمتُ امشی مابی قَلَبَة: قلبہ کے معنیٰ تکلیف کے ہیں۔ سوال۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی جگہ ہی میں تکلیف ختم ہوگئی تھی اور گذشتہ روایت میں یہ مذکور ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پھیرنے سے تکلیف ختم ہوئی تھی یہ تو بظاہر تعارض ہے۔ جواب۔ کچھ تکلیف قتل کی جگہ ختم ہوئی اور باقی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پھیرنے سے ختم ہوئی۔

باب غزوة اُحُد

غرض غزوہ احد کا بیان فرمانا ہے۔ یہ غزوہ ۱۱ شوال ۳ھ میں واقع ہوا اُحد پہاڑ مدینہ منورہ سے ایک فرسخ سے بھی کم فاصلہ پر واقع

تھا۔ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور پرانا میل انگریزی میل سے ایک فرلانگ بڑا ہوتا ہے اور فرلانگ میل کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے اور انگریزی میل ۶۰ء۱ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے یعنی تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔اس پیارے پہاڑ کا احد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں توحد ہے یعنی یہ پہاڑ باقی پہاڑوں سے الگ تھلگ واقع ہے۔ ایک روایت کے مطابق جنت کے اندر دروازے کے قریب ہوگا اور ایک روایت کے مطابق باب جنت کا ستون بنے گا۔

هذا جبریلُ: یہ حدیث پاک بہت سے نسخوں میں یہاں نہیں ہے اور یہ حدیث اِسی سند کے ساتھ باب شهود الملٰئکة میں گذر چکی ہے اور اس میں یوم احد کی جگہ یوم بدر ہے اس لئے یہاں یوم احد کا لفظ کسی راوی کا وہم شمار کیا گیا ہے۔

صلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی قتلٰی احد: اس حدیث پاک سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ شہید پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔سوال۔میت پر تین دن کے بعد نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی جبکہ دفن کرنے کے بعد تین دن گذر چکے ہوں اور یہاں آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھنی منقول ہے۔جواب۔ا۔یہ خصوصیت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی۔۲۔یہاں لفظ صلّٰی سے مراد دعاء ہے لیکن یہ توجیہ بعید ہے صلّٰی کا لفظ قرآن وحدیث میں نماز ہی میں بولا جاتا ہے۔

یهد بُها: چُن رہا ہے یعنی دنیا ہی میں بدلہ نیکی کا وصول کر رہا ہے شاید آخرت میں کچھ کمی ہو جائے یہ غلبہ حالی ہے آخرت میں کمی نہیں ہوتی۔**ما اَجِدُّ:** یہ لفظ چار طرح پڑھا گیا ہے۔ا۔ما اَجِدُّ میں کوشش کرتا ہوں باب ضرب یضرب۔۲۔ما اَجُدُّ میں کوشش کرتا ہوں۔باب نصر ینصر۔۳۔مَا اَجِدُ میں پاتا ہوں وجدان سے۔۴۔ما اُجِدُّ جو میں مبالغہ کرتا ہوں باب افعال سے۔

فمنهم من قضٰی نحبه: اس آیت کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ا۔لیلتہ العقبتہ میں جو اسلام اور نصرۃ پر وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا۔۲۔نہ بھاگنے کا بعض نے وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا۔ان دونوں تفسیروں میں نحب کے معنٰی وعدہ کے ہیں۔۳۔بعض نے نذر مانی تھی کہ شہید ہونے تک لڑتا رہوں گا اِس کو پورا کر دکھایا اِس تفسیر پر نحب بمعنٰی نذر ہے۔

باب اذهمت طائفتان منکم ان تفشلا

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔

خرقاء: دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ا۔عقل اور علم سے خالی۔ ۲۔ایسی لڑکی جس میں نہ نرمی ہو نہ تدبیر وسیاست ہو نا تجربہ کار ہو۔

فَبَیْدِرْ: ڈھیر لگادو۔**اُغرُوا:** وہ دائنین جو کافر تھے غصہ میں آ گئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کریں گے کہ قرضہ معاف کر دو یا کم کر دو اور وہ نہ کم کرنا چاہتے تھے نہ معاف کرنا چاہتے تھے۔

ترک ست بنات: یہ لفظ اوپر کے دو لفظوں سے پہلے ہے۔سوال پیچھے ایک روایت میں ۹ بیٹیاں مذکور تھیں جواب۔ا۔تین شادی شدہ تھیں ان کا ذکر یہاں نہ فرمایا۔۲۔چھ شادی شدہ تھیں یہاں ان کا ذکر فرمایا۔**ومعه رجلان لیقاتلان:** یہ جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام تھے۔جیسا کہ مُسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے۔

نثل لی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کنانة: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے اپنے تیر نکال کر دیئے کہ لڑائی میں یہ میرے تیر استعمال کرو۔

لسعد بن مالک: حضرت سعد بن ابی وقاص ہی مراد ہیں مالک ابی وقاص کا نام تھا۔**عن حدیثهما:** ان دونوں حضرات نے خود اپنا واقعہ حضرت ابوعثمان کو بتلایا تھا سوال۔حضرت مقداد کا بھی تو ساتھ ہونا پیچھے مذکور ہوا ہے جواب۔ ا۔حضرت مقداد اس حملہ کے بعد حاضر ہوئے۔۲۔بعض مقامات میں صرف یہی دو تھے۔۳۔بعض حالات میں صرف یہی دو تھے۔ ۴۔مہاجرین میں سے صرف یہی دو تھے۔

رایتُ یدطلحة شلّاء: امام حاکم اپنی کتاب اکلیل میں نقل فرماتے ہیں کہ ۳۵ یا ۳۹ زخم ہوئے تھے اور سبابہ اور ساتھ

والی انگلی شل ہوگئی تھی۔ **مجوّب:** ڈھال بنانے والے۔

بحجفة: ڈھال۔ **خلم:** پاؤں کا زیور۔ **تنقزان:** اٹھاتی تھیں۔ **ولقد وقع السیف:** قال ابن عباس النعاس فی القتال اٰمنته من الله وفی الصلوة وسوسته من الشیطان.

ای عباداللّٰه اُخراکم: ابلیس نے کافروں سے کہا پیچھے دیکھو۔ جب دیکھا تو رامی اتر چکے تھے جگہ خالی تھی تو واپس آگئے۔ اور آگے اور پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔

فاذا هو بابیه الیمان: ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں عورتوں کے ساتھ کمزوری کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا لیکن بعد میں آگئے اور لوگ ان کو کم جانتے تھے۔ مسلمانوں نے ہی غلطی سے شہید کر دیا پھر ان کی دیت دی گئی جو حضرت حذیفہ نے خیرات کر دی اس لئے ان کے درجے بلند ہوئے اور لوگوں نے عزت بھی کی۔ **بصُرتُ علمتُ:** روایت میں بصُر حذیفہ آیا تھا اور زیادہ البصر آتا ہے اس لئے امام بخاری نے معنیٰ کر دیئے کہ بعض البصر اور بصُر میں فرق کرتے ہیں بعض نہیں کرتے۔

باب قول الله تعالیٰ
ان الذین تولوا منکم الا یة

غرض اس آیت میں مبارکہ کی تفسیر ہے بعض نے اس آیت کو بدر کے متعلق کہا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری بھی احد کے واقعات ہی میں اس پاک آیت کو ذکر فرما رہے ہیں۔

باب اذتصعد ون الآیه

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔

فاصابکم غمّاً بغم: اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ۱۔ تم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو غم پہنچایا کہ گھاٹی میں کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا نافرمانی کی کہ اُتر آئے اس کے بدلہ میں ہم نے تم کو غم پہنچایا کہ شکست دلوا دی اس صورت میں باء بدلیت کے لئے ہے۔ ۲۔ باء علیٰ کے معنیٰ میں ہے۔ غم پر غم پہنچایا یعنی بہت زیادہ غم پہنچایا۔ ۳۔ باء علیٰ کے معنیٰ میں ہے معنیٰ یہ ہیں کہ ایک غم پر دوسرا غم پہنچایا پہلا شکست کا دوسرا مشرکین کے پہاڑ پر چڑھ کر جھانکنے کا۔ ۴۔ باء علیٰ کے معنیٰ میں ہے کہ ایک غم پر دوسرا غم دیا اور پہلا غم غنیمت اور فتح فوت ہونے کا ہے اور دوسرا غم مشرکین کے پہاڑ پر چڑھ کر جھانکنے کا ہے۔

لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم: تین تفسیرین کی گئی ہیں ۱۔ لازائدہ ہے۔ ۲۔ لکیلا ذرا دور سے متعلق ہے ولقد عفا عنکم ہم نے معاف کر دیا تا کہ غم نہ ہو۔ ۳۔ ہم نے دنیا میں سزا دے دی تا کہ تم گناہ سے پاک ہو جاؤ اور تمہارا غم ہلکا ہو جائے کیونکہ سلیم الطبع کو سزا مل جانے سے سکون ہو جاتا ہے کہ اچھا ہوا گناہ سے پاک ہو گیا۔ یہ تین تفسیریں اس لئے کی گئی ہیں کہ ظاہر کے لحاظ سے اشکال ہوتا ہے کہ غم پہنچایا تا کہ تم غمگین نہ ہو یہ تو اجتماع ضدین ہے اب اِن تین توجیہوں کے بعد یہ اشکال نہ رہا۔

باب قوله تعالیٰ ثم انزل علیکم الا یة

غرض اُس نعاس کی وضاحت ہے جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے۔

باب لیس لک من الا مرشیء الا یة

غرض اِس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ اس آیت مبارکہ میں لام الی کے معنیٰ میں ہے ای لیس الیک من الا مرشیء پھر دو اہم تفسیریں کی گئی ہیں۔ ۱۔ ان کی اصلاح اور عذاب میں سے کچھ بھی آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ ۲۔ ان کی فتح وشکست میں سے کچھ بھی آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ پھر اویتوب علیهم میں او بمعنیٰ حتّٰی ہے اور فانهم ظالمون کا تعلق اویعذ بهم سے ہے کہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔ پھر اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں پانچ اہم قول ہیں۔ ۱۔ اِس باب کے شروع میں جو تعلیق ہے اس کی تفصیل مسلم شریف میں یوں ہے عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کسرت رباعیته یوم احد وشج جبیته حتی سال الدم علیٰ وجهه قال کیف یفلح قوم فعلوا هذا بنبیهم وهو یدعوهم الی ربهم اور زیر بحث باب میں جو تعلیق ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اس فرمانے پر یہ آیت

نازل ہوگئی لیس لک من الا مر شئی۔۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی ایک قوم پر لعنت فرمائی تھی اُس وقت یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔۳۔ مسلمانوں میں سے جو حضرات غزوہ احد میں بھاگ گئے تھے ان میں حضرت عثمان بھی تھے ان کو بُرا کہنے کا ارادہ فرمایا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔۴۔ کچھ اصحاب صُفّہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجے تھے اور ان کو عُصَیَّہ اور ذکو ان قبیلوں نے شہید کیا تھا۔ چالیس دن اُن پر قنوت نازلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ ۵۔ جب غزوہ احد میں کافروں نے حضرت حمزہ کا مثلہ کیا تھا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کو دیکھ کر فرمایا کہ میں بھی مثلہ کروں گا۔ اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وعن حنظلة بن ابی سفیان: اس روایت کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ اس باب میں جو تعلیق سب سے پہلے بیان کی گئی ہے اس میں اُسی کی تفصیل ہے کہ یہ تین حضرات غزوہ احد کے موقعہ پر کافر تھے ان کے خلاف بددُعاء فرمانے کا ارادہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تو آیت نازل ہوگئی اور تینوں حضرات بعد میں مسلمان ہوگئے۔

باب ذکر ام سلیط

غرض اِن صحابی عورت کا ذکر مبارک ہے یہ بیعت بھی ہوئی تھیں اور غزوہ احد میں شریک بھی ہوئی تھیں۔

تُزْفِرُ لنا القِرَبَ: تین معنٰی کئے گئے ہیں۔۱۔ مشکیزوں کی سلائی فرماتی تھیں۔۲۔ مشکیزے اٹھاتی تھیں۔۳۔ مشکیزے کمر پر اٹھاتی تھیں۔

باب قتل حمزة: غرض حضرت حمزہ کے غزوہ احد میں شہید ہونے کا واقعہ کا بیان فرمانا ہے۔

کانّه حَمِیت: گویا کہ وہ گھی کا مشکیزہ ہیں۔ بھاری بدن کے تھے حضرت وحشی اس لئے گھی کے مشکیزہ کے ساتھ تشبیہ دی۔

وعبید اللہ معتجز بعمامته: حضرت عبید اللہ نے پگڑی سر پر باندھی ہوئی نہ تھی بلکہ سر اور منہ پر لپیٹی ہوئی تھی کہ حضرت وحشی کو پاؤں اور آنکھوں کے سِوا حضرت عبید اللہ کا باقی بدن نظر نہیں آرہا تھا چہرہ بھی نظر نہ آرہا تھا۔ **استر ضع له:** میں دودھ پلانے والی اُس بچے کے لئے تلاش کر رہا تھا اُس بچے کے قدم تمہارے قدموں جیسے تھے گویا پچاس سال کے بعد صرف قدم دیکھ کر پہچان لیا۔ **سباع:** ایک کافر کا نام تھا۔

ام انمار: یہ نام ہے۔

مقطعة البظور: یعنی تم ختنہ کرنے والی عورت کے بیٹے ہو بظر ایک گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے جو ختنہ کرتے وقت کاٹ دیا جاتا ہے۔ یہ لفظ بطور ملامت کے حضرت حمزہ نے فرمایا۔

اَتحادّ: اس کے معنٰی ہیں کہ کیا تم ضد کرتے ہو۔

فاضعها فی ثنَّتِه: عانہ میں نیزہ مارا یعنی وہ جگہ جو پیشاب کی جگہ کے اوپر ہوتی ہے۔ **فکان ذاک العهدبه:** یہ کنایہ ہے موت سے۔

لا یهیج رسولا: ایلچی سے ناراض نہیں ہوتے۔

جمل اورق: گندم گونی رنگ والا اونٹ:

باب ما اصاب النبی صلی اللہ علیه وسلم من الجراح یوم احد

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کا واقعہ کا بیان ہے غزوہ احد میں۔ **اشتد غضب اللہ علی رجل یقتله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:** اس رجل کا مصداق اور اس حدیث پاک کا شان ورود یہ ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد میں زخمی ہوگئے تو اُبی بن خلف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور اُس نے یہ قسم کھائی کہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردوں گا اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلکہ میں اُسے قتل کردوں گا اور فرمایا یا کذّاب این تفر اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی درع کے دامن پر حملہ فرمایا وہ گر پڑا اور بیل کی طرح چیخا اس کو اٹھا کر لے گئے ایک دن کے اندر فوت ہوگیا تو فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اشتد غضب اللہ علی رجل یقتلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبیل اللہ۔

باب: بعض نسخوں میں یہاں باب نہیں ہے اور جن نسخوں میں ہے تو پھر وہ تتمہ ہے گذشتہ باب کا۔

باب الذین استجابوا للّٰہ والرسول

اس باب کی غرض اس آیت مبارکہ کا شان نزول بتلانا ہے اور ربط اس باب کا ان ابواب سے یہ ہے کہ شان نزول کا تعلق غزوہ احد سے ہے۔

باب من قتل من المسلمین یوم احد

غرض شہداء احد کا ذکر ہے۔ **ولم یصل علیهم:** شہید پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے یا نہ یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں گذر چکا ہے۔ **حتی رفع:** یعنی ان کا جسم مبارک نماز کے لئے یا دفن کرنے کے لئے اٹھالیا گیا۔ **ورائیتُ فیها بقرا:** اور ایک روایت میں ہے بقرا تذبح اور اس خواب مبارک کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ **اذا غطی بهار جلیه:** منصوب بنزع الخافض ہے علی رجلیہ۔ **یهدبها:** پھل چن چن کر کھا رہا ہے۔

باب احد یحبنا: غرض احد پہاڑ کی ایک خصوصی فضیلت کا بیان ہے کہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہے اس محبت کی دو توجیہیں ہیں۔ ا۔ احد پہاڑ والے ہم سے محبت رکھتے ہیں۔ ۲۔ خود احد پہاڑ میں اللہ تعالیٰ نے محبت پیدا فرمادی ہے واللہ علیٰ کل شئی قدیر۔

لا بتیها: لفظ لابتہ کے معنیٰ پتھریلی زمین کے ہوتے ہیں۔

باب غزوة الرجیع ورعلٍ وذکوان وبئر معونة وحدیث عَضل والقارة وعاصم بن ثابت وخبیب واصحابه

غرض غزوۃ الرجیع اور غزوہ بئر معونۃ کا ذکر ہے۔ رجیع جگہ کا نام ہے چونکہ اس جگہ کے قریب یہ غزوہ ہوا اس لئے اس کا نام غزوۃ الرجیع ہوا۔ پھر امام بخاری کے الفاظ سے جو یہاں ترجمۃ الباب میں ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۃ الرجیع اور غزوۃ بئر معونۃ ایک غزوہ کے دو نام ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ غزوۃ الرجیع میں دس صحابہ کرام تشریف لے گئے تھے ان میں حضرت عاصم اور حضرت خبیب بھی تھے اور ہمارے مخالف اس میں قبیلہ عَضل اور قبیلہ قارہ کے کافر تھے اِن دونوں قبیلوں کا ذکر صحیح بخاری میں تو نہیں ہے البتہ کتاب المغازی لابن اسحٰق میں ہے اور غزوہ بئر معونۃ میں ستر حضرات قراء تشریف لے گئے تھے اور ان کی لڑائی قبیلہ رعل وذکوان کے ساتھ ہوئی تھی اور یہ دونوں واقعے غزوہ احد کے بعد جلدی ہی پیش آئے تھے اور اکٹھے ہی پیش آئے تھے زمانہ ایک تھا واقعے الگ الگ تھے اور دونوں واقعوں کی خبر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی رات وحی سے دی گئی تھی پھر غزوۃ الرجیع کی صورت یہ پیش آئی تھی کہ قبیلہ عَضل اور قبیلہ قارہ کے چند آدمی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ چند قراء حضرات ہمارے ساتھ آپ بھیج دیں جو ہمیں اسلام کے احکام سکھائیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دس حضرات کو ساتھ بھیجا اور ان میں سے حضرت عاصم کو ان کا سردار بنایا یہاں تک کہ جب الرجیع مقام تک پہنچے تو انھوں نے عہد شکنی کی اور چیخ کر ھذیل قبیلہ کو بلایا اور ان میں سے اکثر کو شہید کر دیا جیسا کہ روایات میں تفصیل آ رہی ہے۔ **وهو جد عاصم بن عمر بن الخطاب:** یعنی حضرت عاصم بن ثابت حضرت عاصم بن عمر کے ماں کی طرف سے دادا تھے جس کو ہم نانا کہتے ہیں۔ **وکان عاصم قتل عظیماً من عظمائهم:** اس عظیم سے مراد عقبۃ بن ابی معیط ہے جس کو بدر میں پکڑ لیا گیا تھا لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عاصم نے قتل کر دیا تھا۔ **من الدبر:** ہمارے امام ابوحنیفہ کی تحقیق ہے کہ دبر سے مراد یہاں زنابیر ہیں زنبور کی جمع جس کو اردو میں بھڑ اور تتیا کہتے ہیں اور پنجابی میں بھونڈ کہتے ہیں دوسرے حضرات نے اس کا مصداق شہد کی مکھیاں قرار دیا ہے۔ **هو ابو سِرُوَعَة:** یہ کنیت ہے عقبۃ بن الحارث کی۔ **بعث النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم سبعین رجلالحاجة:** یہ حاجت تھی دعوت اسلام کی۔ **اهل السهل:** جنگل والے۔ **اهل المدر:** شہر والے۔ **فطعِنَ عامر:** عامر کو طاعون کی

بیاری ہوگئی۔ **وھو رجل اعرج**: صحیح عبارت یوں ہے ھو ورجل اعرج کسی کاتب نے غلطی سے واوکو ھو سے پہلے کردیا ہے۔ **قال بالدم**: اس کے معنی ہیں فعل بالدم یعنی نیزہ لگا تھا وہاں سے خون لے کر اپنے چہرہ اور سر پر چھڑک دیا۔ **یارسول اللہ الصحبة**: اصل عبارت یوں ہے اترید الصحبة اور جواب کی اصل عبارت یوں ہے نعم اریدالصحبة۔ **وھی الجدعاء**: یعنی جس کا کان کٹا ہوا ہو۔ واقع میں اس اونٹنی کا کان کٹا ہوا نہ تھا صرف لاڈ پیار کی وجہ سے یہ اُس کا نام رکھا ہوا تھا۔ **فیدلج الیھما**: اخیر رات میں آتا تھا۔ **ثم لیسرح**: پھر اونٹ چرانے چلا جاتا تھا۔ **یُعْقِبانه**: دونوں حضرات باری باری اپنے پیچھے بٹھاتے تھے۔ **فقتل عامر بن فُھَیرۃ یوم بئر معونة**: یہی عبارت ترجمۃ الباب کا محل ہے۔ **اُسر عمرو بن اُمیة الضَّمری**: اِن کو عامر بن طفیل نے قتل نہ کیا بلکہ قید کیا غلام بنایا پھر اپنی ماں کی طرف سے آزاد کیا کیونکہ اس کی ماں کے ذمہ ایک غلام کا آزاد کرنا تھا اس لئے ان ستر میں سے یہ بچ گئے۔ **سمّی به منذراً**: ان شہید ہونے والے ستّر حضرات میں عروہ اور منذر نام کے بھی دو صحابی تھے اس لئے حضرت زبیر نے بعد میں اپنے دو بچوں کے نام عروہ اور منذر رکھے۔ **وبینھم و بین رسول اللہ صلی علیه وسلم عھد قبلھم**: اس عبارت میں جو قبلھم ہے اس کی دو تقریریں ہیں ۱۔ قِبَل بمعنی جانب پھر یہ مفعول فیہ ہے بعث کے لئے۔ ۲۔ قبلھم پھر یہ قریب کے متعلق ہے کہ ان حضرات کے جانے سے پہلے ان سے عہد تھا۔ سوال۔ جب ان سے عہد تھا تو ان سے لڑنے کے لئے ستر حضرات کا لشکر کیوں بھیجا جواب۔ ان کی امداد کے لئے ان کے مخالفین سے لڑنے کے لئے یہ لشکر بھیجا تھا لیکن انھوں نے عہد شکنی کی اور شہید کردیا۔

باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب

غرض غزوہ خندق کی تفصیل ہے۔ **قال موسیٰ بن عقبة**: یہ بھی مغازی کے بیان میں مشہور ہیں ۱۴۱ھ میں وفات ہوئی امام بخاری نے اپنی کتاب المغازی میں زیادہ تر محمد بن اسحٰق اور موسیٰ بن عقبہ کی روایات پر اعتماد فرمایا ہے۔ **کانت فی شوال سنة اربع**: دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا۔ غزوہ احد کے فوراً بعد غزوہ حمراء الاسد ہوا پھر سریہ ابی سلمة پھر سریۃ عبداللہ بن انیس اور بعث الرجیع حضرت خبیب والا واقعہ اور بئر معونۃ ستر قراء والا واقعہ پھر غزوہ بنی نضیر پھر غزوۃ ذات الرقاع پھر غزوہ بدر آخرۃ جس کو غزوہ بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں پھر غزوۃ دومۃ الجندل پھر غزوہ خندق۔ اس غزوہ خندق میں مشرکین ۲۴ دن یا ۲۷ دن ٹھہرے رہے لڑائی زیادہ نہ ہوئی۔ تیراندازی ہوتی رہی حضرت سعد بن معاذ زخمی ہوئے۔ **علی اکتادنا**: کندھے اور پشت کے درمیان کے حصہ کو کتد کہتے ہیں۔ **فیصنع لھم باھالة سنخة**: پکائے جاتے تھے وہ جو بو والی چربی میں۔ **وھی بشعة فی الحلق**: بد ذائقہ گلا پکڑنے والی غذا۔ **کدیة شدیدة**: سخت زمین۔ **فعاد کثیبا اھیل او اھیم**: پس ہوگئی وہ ریت بہنے والی اھیل اور اھیم کے ایک ہی معنی ہیں بہنے والی۔ **والعجین قد انکسر**: گندھا ہوا آٹا نرم ہوگیا۔ **ولا تضا عظوا**: بھیڑ نہ کرنا۔ **فجعل یکسرِ الخبز**: شروع ہوئے روٹیاں توڑتے تھے۔ الخبز کا الف لام جنس کے لیے ہے یعنی جتنے صحابہ کمرے میں آجاتے ان کے سامنے روٹیاں توڑ کر رکھ دیتے تھے۔ **واجن**: پالتو۔ **سورا**: ایک بنائی ہوئی چیز حبشی زبان کا لفظ ہے بمعنی الصنیع ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فارسی زبان کا لفظ ہے عرس کے معنی میں ایک خوشی کی چیز۔ **فقالت بک وبک**: ای فعل اللہ بک کذا و کذا۔ **لتغط**: ابل رہی تھی بھرا ہوا ہونے کی وجہ سے یعنی اس میں کچھ بھی کمی نہ آئی۔ **قالت ذلک یوم الخندق**: قریش مکہ دس ہزار کا لشکر لائے خندق کھودی گئی تین ہزار مسلمان مقابلہ کے لیے نکلے درمیان میں خندق تھی۔ تیر اندازی ہوئی چند گھوڑا سوار کافروں نے ایک طرف سے جہاں خندق کچھ چھوٹی تھی عبور کرلی

اور چھلانگیں لگا کر مسلمانوں کی طرف آ گئے۔ ان کافروں میں سے عمرو بن عبدود نامی کافر سے حضرت علیؓ نے مبارزت فرمائی اکیلے اکیلے کی لڑائی کو دو لشکروں کے درمیان مبارزت کہتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے اس کافر کو قتل کر دیا پھر نوفل بن عبداللہ نامی کافر سے حضرت زبیرؓ نے مبارزت فرمائی اور اس کافر کو قتل کر دیا باقی کافر واپس بھاگ گئے ۲۴ یا ۲۷ دن کافر ٹھہرے رہے پھر آندھی چلی جس سے کافر اکھڑ گئے اور بھاگ گئے جس کو حق تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا ہے **فارسلنا علیهم ریحا و جنودا لم تروها۔**

غمر: مٹی سے چھپا دیا۔

یرتجز بکلمات ابن رواحة:. نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابن رواحہ کے اشعار پڑھنے کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے خلیفہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب کا یہ شعر جب پڑھتے تھے تین دفعہ پڑھتے تھے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو صرف صاحب قال تھا۔ حضرت یعنی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی صاحب حال تھے یعنی دین رگ و ریشہ میں رچا ہوا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کے جوش میں میرا یہ شعر پڑھتے تھے۔

عن ابن عمر قال دخلت علی حفصة: اس روایت کو یہاں دو وجہ سے ذکر کیا گیا۔ ۱۔ گذشتہ روایت میں یہ مذکور تھا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا اول یوم شہدتہ ھو یوم الخندق۔ اور اب یہ روایت حضرت ابن عمر ہی کے ایک اہم واقعہ کے بیان میں ہے۔ ۲۔ اس روایت میں اس عبارت میں غزوہ خندق کا اشارۃً ذکر ہے من قاتلک واباک علی الاسلام کہ اے معاویہ آپ سے اور آپ کے والد سے حضرت علی نے غزوہ احد اور غزوہ خندق میں اسلام پر لڑائی کی تھی۔

و نسواتها تنطف:. اصل لفظ ہے نوساتھا بطور قلب کے بھی استعمال میں آ جاتا ہے نسواتھا معنیٰ یہ ہیں کہ جب حضرت ابن عمر اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ سے ملنے گئے تو ان کی مینڈھیاں ٹپک رہی تھیں کیونکہ وہ غسل کر کے ابھی ابھی تشریف لائی تھیں۔

فلم یجعل لی من لا مرشیء: دو معنیٰ:۔ ۱۔ امر خلافت میں سے مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ ۲۔ مجھے مشورہ میں خصوصی طور پر شریک نہیں کیا گیا۔ یہ حضرت ابن عمر کی شان کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ امر خلافت کی کبھی بھی امید رکھنے والے نہ تھے۔

خطب معاویة: حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ صفین ہو چکی تھی اور اب آئندہ جھگڑا ختم کرنے کے لیے اجتماع ہو رہا تھا تو حضرت ابن عمر نے حضرت حفصہ سے مشورہ کیا کہ اس اجتماع میں میں شرکت کروں یا نہ تو حضرت حفصہؓ نے بہت تاکید سے مشورہ دیا کہ آپ ضرور شریک ہوں تا کہ فساد مٹے۔ پھر اجتماع میں یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو موسیٰ کو اور حضرت معاویہ نے حضرت عمرو بن العاص کو اپنا اپنا حکم بنایا تھا حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمرو بن العاص نے یہ طے کیا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مجلس شوریٰ قائم کی جائے وہ دوبارہ نیا خلیفہ مقرر کرے چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق حضرت ابو موسیٰ نے دونوں کو معزول کر دیا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے یوں اعلان کر دیا کہ میں حضرت معاویہ کو باقی رکھتا ہوں اس اختلاف پر لوگ متفرق ہو گئے اور حضرت معاویہ نے خطاب فرمایا اس خطاب کا یہاں ذکر ہے۔ **فلیطلع لنا قرنه:**. قرن سے مراد سر ہے مقصد یہ ہے کہ اپنی رائے پیش کرے۔ **فلنحن احق به منه و من ابیه:**. دو معنیٰ کئے گئے۔ ۱۔ کنایہ حضرت ابن عمر اور حضرت عمر سے ہے لیکن یہ اجتہادی غلطی اور تقاضائے بشریت ہے۔ حضرت عمر فاروق سے حضرت معاویہ کیسے افضل ہو سکتے ہیں۔ ۲۔ دینی فضیلت تو حضرت ابن عمر اور حضرت عمر کی ہی ہے لیکن سیاسی فضیلت مجھے حاصل ہے یہ بھی اجتہادی غلطی ہی ہے۔ **قال حبیب بن مسلمة فهلا اجبته:**. حضرت حبیب اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں یہ حضرت حبیب اگرچہ

حضرت امیر معاویہ کے حامی تھے لیکن اس موقعہ میں حضرت ابن عمر ہی کی تائید فرمائی۔**قال عبد الله فحللت حبوتی:**۔ وہ عمامہ جس سے حضرت ابن عمر نے اپنی پنڈلی اور کمر کو باندھ رکھا تھا اور آرام سے بیٹھے ہوئے تھے اس کو کھولا اور کھڑے ہو کر حضرت علی کی حمایت میں کچھ کہنے کا ارادہ فرمایا۔**من قاتلک واباک علی الاسلام:**۔ مراد حضرت علی ہیں کیونکہ انہوں نے غزوہ احد اور غزوہ خندق میں حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد حضرت ابو سفیان سے لڑائی کی تھی جبکہ یہ دونوں حضرات ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے کیونکہ فتح مکہ کے موقعہ میں یہ دونوں حضرات مسلمان ہوئے۔**قال النبی صلی الله علیه وسلم یوم الاحزاب نغزوهم ولا یغزوننا:**۔ یہ بہت بڑی پیشین گوئی تھی کہ اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ کافر ہم پر حملہ نہ کریں گے مراد مشرکین مکہ ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا یہ بہت بڑی پیشین گوئی اور معجزہ ہے کہ غزوہ خندق کے بعد اسی دن فرمادیا اور ایسا ہی ہوا۔

من یاتینا بخبر القوم: اس قوم سے مراد بنی قریظہ ہیں۔

حواری الزبیر:۔ حواری کے معنی ناصر کے ہیں یہاں یاء کی طرف اضافت ہے اور وہ یاء متکلم تخفیفاً گر گئی ہے اور اس کے قائم مقام یاء پر کسرہ پڑھا جاتا ہے لیکن فتحہ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔

فلاشی بعده:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے کل شئی ھالک الا وجھه

باب مرجع البنی صلی الله علیه من الاحزاب ومخرجه الی بنی قریظة ومحاصرة ایاهم

۲۳ ذی قعدہ ۵ھ کو تین ہزار لشکر کے ساتھ بنی قریظہ کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ فرمایا ان میں ۳۶۸ گھوڑ سوار بھی تھے ۱۵ دن محاصرہ فرمایا۔**فاخرج الیھم:**۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کا حکم نقل فرمایا کہ بنی قریظہ کی طرف نکلیں اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی قریظہ کے یہود نے احزاب مکہ کی اعانت کی تھی اس لیے ان کا جو معاہدہ تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ ختم ہو گیا۔**موکب جبریل**:۔ زینت والی جماعتِ راکبین کو موکب کہتے ہیں جس کو آج کل جلوس کہتے ہیں۔**لایصلین احد العصر الافی بنی قریظة:** سوال مسلم میں یہاں عصر کی جگہ ظہر کا لفظ ہے تعارض ہو گیا جواب۔۱۔اس جانے والی جماعت میں سے بعض نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی اس لیے ان کو تو عصر کے متعلق فرمایا کہ بنی قریظہ میں جا کر پڑھنا اور بعض نے ابھی ظہر کی نماز بھی نہ پڑھی تھی ان کو فرمایا کہ تم ظہر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھنا۔۲۔دو جماعتیں بھیجی تھیں ایک ظہر سے پہلے اور ایک عصر سے پہلے ظہر کے بعد۔۳۔ بعض راویوں کو غلط یاد ہو گیا پھر غلطی ظہر والوں کو لگی یا عصر والوں کو یہ دونوں احتمال برابر درجے کے ہیں۔**کان الرجل یجعل للنبی صلی الله علیه وسلم النخلات:** یہاں کھجوروں کا پھل مراد ہے کہ انصار کے کسی آدمی نے ان کھجوروں کا پھل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ جب قریظہ اور نضیر فتح ہو گئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاری کے اس پھل کی ضرورت نہ رہی۔**یقول لک کذا:**۔ فرماتے تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کہ کھجوروں کے پھل کے بدلے میں اے ام ایمن تم مجھ سے اتنی چیز لے لو انہوں نے انکار کیا تو بڑھاتے گئے یہاں تک کہ جتنا بدلہ پہلے ذکر کیا تھا اس کا دس گنا کر دیا۔**فرد الحکم الی سعد:**۔ کیونکہ بنی اوس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ ہمارے سردار سعد بن معاذ کو فیصلہ کرنے والا بنا دیں۔**قد وضعت الحرب:**۔ اے اللہ آپ نے ہمارے اور قریش کے درمیان لڑائی ختم فرمادی ہے۔**فانفجرت من لبته:**۔ سینہ کے پاس جو جانور کو ذبح کرنے کی جگہ ہوتی ہے وہاں سے خون بہہ پڑا۔**فلم یر عهم الا الدم:**۔ مسجد والوں کو نہیں خوف زدہ کیا مگر خون نے۔**یغذوا جرحه دماً:**۔ ان کا زخم بہہ رہا تھا خون کے لحاظ سے۔سوال مسجد میں تو

خون بہنا اچھا نہیں ہے۔ جواب یہاں مسجد نبوی مراد نہیں ہے۔ جب بنی قریظہ کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ فرمایا تو ایک جگہ عادت مبارکہ کے مطابق نماز کے لیے مقرر فرمادی تھی اسی کو اس روایت میں مسجد کہا جارہا ہے۔ مسجد نبوی مراد نہیں ہے۔
هاجهم: ہجو میں ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

باب غزوة ذات الرقاع

اس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع کیوں کہتے ہیں۔ ا۔ جس جگہ یہ لڑائی ہوئی تھی وہاں ایک درخت تھا جس کے پتے اور پھل اور پھول مختلف رنگوں کے تھے جیسے پیوند کپڑے پر لگے ہوں اس لیے اس درخت کو ذات الرقاع کہتے تھے اور اس کی وجہ سے لڑائی کا بھی یہی نام ہوگیا۔ ۲۔ وہاں ایک پہاڑ مختلف رنگوں کے پتھروں والا تھا اس لیے پہاڑ کا نام ذات الرقاع تھا۔ ۳۔ اس لڑائی میں مختلف قبیلے شریک ہوئے تھے اور ہر قبیلے کے سردار کا الگ جھنڈا وہاں ہوتا تھا جہاں سردار ہوتا کہ اس سے پوچھنا آسان ہو تو اس طرح لشکر میں بہت سے جھنڈے ہو گئے جو کپڑے کے پیوند کی طرح تھے۔ ۴۔ حضرات صحابہ کرام کو اس لشکر میں کافی چلنا پڑا تھا اس لیے بہت سے حضرات کے پاؤں میں زخم ہو گئے تھے اور ان پر کپڑے باندھنے پڑے تھے اس لیے اس غزوہ کا یہ نام ہوا۔ اس لڑائی کے لیے جاتے۔ وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نائب کسے بنایا تھا اس میں دو قول ہیں۔ ا۔ حضرت ابوذر غفاری۔ ۲۔ حضرت عثمان یہ لڑائی کب ہوئی تین اہم قول ہیں۔ ا۔ ۴ھ میں۔ ۲۔ غزوہ خندق سے پہلے اور غزوہ بنی نضیر کے بعد اور یہ دوسرا قول جمہور کے نزدیک راجح ہے۔ ۳۔ غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں یہی راجح ہے امام بخاریؒ کے نزدیک پھر کتنے حضرات صحابہ کرام شریک ہوئے اس میں تین قول ہیں۔ ا۔ ۴۰۰۔ ۲۔ ۷۰۰۔ ۳۔ ۸۰۰ اس غزوہ میں پندرہ دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں رہے۔
وهي غزوة محارب خصفة: یہاں اضافت باپ کی طرف ہے اصل یوں ہے محارب بن خصفة اس کے بعد جو ہے من بنی ثعلبة اس میں راجح یوں ہے وبنی ثعلبة کیونکہ محارب اور ثعلبہ دو قبیلے الگ الگ ہیں۔ **فنزل نخلاً:** یہ نخل ایک جگہ ہے جو مدینہ منورہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ **وهي بعد خيبر لان اباموسیٰ جاء بعد خيبر:** اور حضرت ابوموسیٰ غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے۔ سوال۔ جب یہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر سے پیچھے واقع ہوا تو امام بخاری کو چاہئے تھا کہ اس کو اپنی اس کتاب میں ذکر بھی غزوہ خیبر کے بعد ہی کرتے۔ پہلے کیوں ذکر فرمایا جواب یہ غزوہ خیبر سے پہلے ذکر کرنا یہ امام بخاری کے شاگرد نقل کرنے والے کاتبین کی طرف سے ہوا ہے ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری نے غزوہ خیبر کے بعد ہی ذکر کیا ہوگا۔ **في غزوة السابعة:** اصل میں غزوہ موصوف ہے اور یہاں اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہو رہی ہے۔ **بذی قرد:** یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک دن کے سفر کے فاصلہ پر ہے۔ **يوم القرد:** اس غزوہ میں کافروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا تھا اس لئے لڑائی ہوئی یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع سے الگ ہے۔ یہاں امام بخاری نے صلوٰۃ الخوف کے بیان کے لئے مذکورہ غزوہ کے ساتھ ہی تبعاً بیان فرمادیا ہے اور بیان بھی دو دفعہ کیا ہے ایک یہاں ایک دو روایت چھوڑ کر پہلے بیان کیا ہے وقال ابن عباس کے عنوان سے۔ **واتموا لانفسهم ثم سلم بهم:** یہ مالکیہ اور حنابلہ کی صلوٰۃ الخوف کی راجح صورت ہے۔ **في غزوة بني انمار:** بنی انمار کی رہائش بنی ثعلبہ کی رہائش کے قریب ہی تھی اس لئے امام بخاری کی تحقیق میں یہ غزوہ اور غزوہ ذات الرقاع ایک ہی ہے اسی لئے یہ روایت یہاں ذکر فرمائی ہے۔ **ثم يركعون ويسجدون سجدتين:** اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ امام اپنی دوسری رکعت پڑھتے ہی فوراً سلام پھیرے یا انتظار کرے اور طائفہ ثانیہ کے ساتھ سلام پھیرے اس لئے یہ روایت شوافع کی راجح صورت پر بھی محمول ہو سکتی ہے کہ امام فوراً سلام پھیرے اور مالکیہ وحنابلہ کی راجح صورت پر بھی محمول ہو سکتی ہے کہ امام انتظار کرے اور

طائفہ ثانیہ کے ساتھ سلام پھیرے۔**وقام هولاء فقضوا رکعتهم**:۔ یہ روایت حنفیہ کی راجح دونوں صورتوں پر محمول ہے۔ تفصیل صلوٰۃ الخوف میں گزر چکی ہے۔**العضاة**:۔ ہر بڑا کانٹے والا درخت۔**فاذاعنده اعرابی**:۔ اس کا نام غورث بن الحارث نقل کیا گیا ہے۔**صلتاً**:۔ بمعنیٰ مصلوتا نیام سے نکالی ہوئی۔ **وللقوم رکعتان**:۔ یہ صورت منسوخ ہے پہلے ایک ہی نماز دو دفعہ فرض کی نیت سے جائز تھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا۔**وقاتل فیها محارب خصفة**:۔ اس عبارت میں قاتل کے فاعل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔**وهی غزوة المریسیع**: یہ جگہ کا نام ہے۔**فشامه**:۔ واپس نیام میں ڈال دی۔

باب حدیث افک

واقعہ افک غزوہ بنی مصطلق میں پیش آیا اس واقعہ کی حکمت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر وحلم کو ظاہر کرنا تھا۔**بمنزلة النجس والنجس**:۔ دو لغتوں کا بیان کرنا مقصود ہے اور افک زیادہ مشہور ہے اور یہ مصدر ہے بمعنی کذب۔**افکهم وافکهم**: یہ دونوں شاذ قرأتیں ہیں اور یہ دونوں فعل ہیں پوری آیت یوں ہے بل ضلوا عنهم وذلک افکهم و ما کانو ایفترون۔ **اوعی لحدیثها**:۔ زیادہ یاد کرنے والا۔**واثبت له اقتصاصاً**:۔ زیادہ مضبوط بیان کرنے کے لحاظ سے۔ **قافلین**: اس حال میں کہ ہم لوٹ رہے تھے۔**من جزع ظفار**:۔ ظفار جگہ کے سفید موتیوں سے بنا ہوا۔**لم یهبلهن ولم یغشهن اللحم**:۔ عطف تفسیری ہے عورتوں پر گوشت چڑھا ہوا نہ تھا بلکہ وہ دبلی پتلی تھیں۔**السلمی ثم الذکوانی**:۔ پہلے سلمی مشہور تھے پھر ذکوانی مشہور ہو گئے بنی سلیم شاخ ہے بنی ذکوان کی۔**وهویٰ**:۔ اس کے دو معنی آتے ہیں۔۱-جلدی کی۔۲-اترا یہاں دونوں معنوں میں سے ہر ایک ہو سکتا ہے۔**موغرین**: یہ جمع کا صیغہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور تثنیہ کا بھی پڑھ سکتے ہیں ہم سخت گرمی میں داخل ہونے والے تھے۔

وان کبر ذلک:۔ سب سے زیادہ شور مچانے والا والذی تولی کبره۔**حین نقهت**:۔ جب میں بیماری سے اٹھی۔ **المناصع**:۔ یہ نصع سے لیا گیا ہے جس کے معنی واضح ہونے اور ظاہر ہونے کے ہیں مناصع کے معنی ہو گئے ظاہر ہونے کی جگہیں یعنی کھلی جگہیں۔**ای هنتاه**:۔ دو معنی۔۱-یاهذه۔۲-یابلهاء ای بھولی بھالی۔**اولقد تحدث الناس**:۔ معطوف علیہ محذوف ہے القد تکلم الناس ولقد تحدث الناس۔**وقال اسامة اهلک**:۔ مرفوع و منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں ھی اهلک یاالزم اهلک۔**لم یضیق الله علیک**: حضرت علیؓ نے یہ بات کسی بغض کی وجہ سے نہ کہی تھی بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی دور کرنے کے لئے کہی تھی کہ عورتوں کی آپ کے لئے کیا کمی ہے آپ بریرہ سے تحقیق کر لیں اور اس تحقیق کے مطابق عمل کریں۔**قلص دمعی**: میرے آنسو خشک ہو گئے۔ **مارام**:۔ جدا نہ ہوئے۔**من البرحاء**: مشقت سے۔ **احمی سمعی وبصری**:۔ میں اپنی آنکھ اور کان کو غلط دیکھنے اور سننے سے محفوظ رکھتی ہوں میں وہی کہوں گی جو دیکھا یا سنا غلط نہ کہوں گی ای احفظ سمعی من ان اقول سمعت ولم اسمع واحفظ بصری من ان اقول بصرت ولم ابصر۔**تسامینی**:۔ میرے برابر کی تھیں۔**تحارب لها**:۔ تعصب کرتی تھی اور اپنی بہن کی خاطر میرے خلاف باتیں کرتی تھی۔**ماکشفت من کنف انثیٰ قط**:۔ کنف کہتے ہیں اس کپڑے کو جو ستر کی جگہ پر پہنا جاتا ہے کنایہ جماع سے ہے کہ آج تک میں نے جماع نہیں کیا نہ حلال نہ حرام پھر بعض نے کہہ دیا کہ حضرت صفوان بن المعطل عنین تھے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ان کی اہلیہ محترمہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی شکایت کی تھی کہ یہ مجھے رات کو زیادہ دیر نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور نفلی روزے رکھنے سے روکتے ہیں اور حضرت صفوان نے اس شکایت کا جواب دیا تھا کہ یہ رات کو نفلی نماز

بہت زیادہ لمبی کر دیتی ہیں میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا اور بہت زیادہ نفلی روزے رکھتی ہیں میں صبر نہیں کر سکتا یہ دلیل ہے کہ وہ عنین نہیں تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ کی برأت مسئلہ قطعیہ ہے کیونکہ قرآن پاک میں آ چکا ہے اس لئے اس کا انکار کفر ہے شیعہ میں سے فرقہ امامیہ بھی اس کا قائل ہے کہ برأت کا انکار ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ **ثم قتل بعد ذلک فی سبیل اللہ:** ارمینیہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے جو حضرت عمرؓ کی خلافت میں ۱۹ھ میں واقع ہوئی۔ **کان علی مسلما فی شانها:** یہاں تین نسخے ہیں۔ ۱۔ مسلما اسم فاعل بمعنی ساکت۔ ۲۔ مسلما اسم مفعول بچائے ہوئے اس معاملہ میں زیادہ مشغول ہونے سے۔ ۳۔ مسیئاً خلاف اولیٰ کام کرنے والے اولیٰ یہ تھا کہ حضرت اسامہ کی طرح حضرت عائشہ کی برأت صاف لفظوں میں کرتے۔ یہ تیسرا نسخہ مرجوح ہے کیونکہ ظاہری معنی ہیں برا کام کرنے والا۔ اس لئے یہ نسخہ اگر لیں گے تو یہ معنی کریں گے خلاف اولیٰ کام کرنے والے اسی کی کچھ تفصیل آگے صحیح بخاری کے متن میں بھی ہے۔ **فراجعوه فلم یرجع:** بعض حضرات نے امام زہری سے کہا تھا کہ آپ ولید بن عبدالملک کے پاس دوبارہ جائیں اور ان کو مسلماً کی جگہ مسیئاً کا لفظ سنائیں لیکن امام زہری نے ان کی بات نہ مانی اور فرمایا کہ مجھے مسلما کے لفظ میں شک نہیں ہے کہنے والے ناصبیہ تھے یعنی حضرت علیؓ کے مخالف۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مسیئاً والا نسخہ صحیح نہیں ہے۔ ناصبیہ کا مقصد بنی امیہ کا قرب حاصل کرنا تھا اس مسیئاً کے لفظ اللہ تعالیٰ بھلا کریں امام زہری کا کہ انہوں نے ناصبیہ کا ساتھ نہ دیا اور مسلماً کے لفظ پر ہی قائم رہے۔ **وعلیه کان فی اصل العتیق کذلک:** یعنی حضرت ہشام راوی نے حفظاً تو علیہ کا لفظ نہیں بیان فرمایا تھا اور مذکورہ روایت حفظاً تھی لیکن ان کی پرانی کاپی میں علیہ کا لفظ بھی تھا یہ علیہ کا لفظ فلم یرجع کے بعد ہے اور علیہ کی ضمیر ولید بن عبدالملک کی طرف لوٹتی ہے کہ ناصبیہ نے امام زہری کو بھیجنا چاہا لیکن وہ دوبارہ ولید بن عبدالملک کے پاس مسیئاً کا لفظ بتانے تشریف نہ لے گئے۔ پھر فراجعوه والی عبارت بعض نسخوں میں صحیح بخاری کے متن میں ہے اور بعض نسخوں میں حاشیہ پر ہے۔ **ولجت:** اس کے معنی ہیں دخلت۔ **وعلیها حمی بنافض:** وہ بخار جو سردی لگ کر ہو۔ **اذ تلقونه بالسنتکم:** یہ قرأت عشرہ میں سے نہیں ہے بلکہ شاذ ہے۔ **ینافح:** اس کے معنی ہیں یخاصم۔ **حصان رزان لاتزن بریبة:** (حضرت عائشہ صدیقہؓ) عفیفہ ہیں وقار والی ہیں نہیں تہمت لگائی جاتیں کسی تہمت کے ساتھ۔ **وتصبح غرثیٰ من لحوم الغوافل:** اور صبح کرتی ہیں (غیبت سے) خالی پیٹ (کیونکہ غیبت کرنے والا تو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے) غافل عورتوں کے گوشت سے (جو گناہ کے تصور سے بھی غافل ہیں)۔

باب غزوة الحدیبیة

اس باب کی چوتھی روایت میں ہے ونحن نعد الفتح بیعۃ الرضوان اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ فتح مکہ کا مقدمہ تھی۔ **رکوة:** چمڑے کا چھوٹا برتن جس سے وضو کیا کرتے تھے اور صوفیہ حضرات اس کو اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ **فجعل الماء یفور من بین اصابعه:** اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ چمڑے کے چھوٹے برتن میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں رکھ دی تھیں اور ان کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا اور گذشتہ روایت میں ہے کہ پانی میں اپنا تھوک مبارک ملا کر کنویں میں ڈال دیا تھا اس سے کنویں میں پانی بہت زیادہ آ گیا تھا بظاہر ان دو روایتوں میں تعارض ہے اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ صلح حدیبیہ ہی کے سفر میں ایک دفعہ رکوہ میں انگلیاں رکھی تھیں اور ایک دفعہ کنویں میں پانی ڈالا تھا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلے رکوہ میں انگلیاں ڈالیں اور سب نے وضو فرما لیا پھر کنویں میں پانی ڈال دیا اور اس پانی کو بھی استعمال کرتے رہے۔ **کانوا خمس عشرة مائة:** سوال۔ ابھی چودہ سو گزرا ہے یہ تو تعارض ہے جواب۔

عدد قلیل عدد کثیر کے خلاف نہیں ہوتا۔ پندرہ سو میں چودہ سو بھی تو تھے۔ **کانت اسلم ثمن المهاجرين:** . اور بنی اسلم ایک سو تھے اس لئے بیعت رضوان میں شریک ہونے والے مہاجرین آٹھ سو تھے۔ **کحفالة التمر:** . حفالہ کے اور حثالہ کے ایک ہی معنی ہیں ہر چیز کا ردی حصہ اسی حدیث پاک کے مضمون کو ایک درجہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

تھے جو نوری وہ گئے افلاک پر
رہ گیا میں مثل تلچھٹ خاک پر

یعنی موضع الاشعار: . کہ زمین کے کس حصہ میں اشعار فرمایا حضرت علی بن المدینی فرما رہے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے پہلے بہت دفعہ اشعار کی جگہ نقل فرمائی پھر بھول گئے۔ **ماینضجون کراعاً:** تین معنی کئے گئے۔ ۱- ان کے پاس پائے نہیں ہیں کہ پکا کر کھاسکیں۔ ۲- کنایہ ہے کہ ان کے پاس کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ ۳- ان کا چھوٹا ہونا بیان کرنا مقصود ہے کہ اتنے چھوٹے ہیں کہ خود کچھ پکا نہیں سکتے۔ **وخشیت ان تاکلهم الضبع:** ۱- مشہور جانور ہے جو مردے کھاتا ہے بچے بھی کھا جاتا ہے۔ مقصد بچوں کا چھوٹا ہونا ظاہر کرنا ہے کہ اتنے چھوٹے ہیں کہ ضبع سے بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ۲- ضبع قحط کو بھی کہتے ہیں کیونکہ بعض دفعہ اتنے زیادہ آدمی قحط میں مر جاتے ہیں کہ بعضوں کو دفن کرنے میں دیر لگ جاتی ہے اور ضبع جانور ان کو کھانا شروع کر دیتے ہیں جب قحط والے معنی لیں گے تو مقصد یہ ہوگا کہ میں ڈرتی ہوں کہ قحط بچوں کو نہ کھا جائے اور وہ قحط سے نہ مر جائیں۔ **ثم قال مرحباً بنسب قریب:** . ۱- بنی غفار قریب ہے قریش سے۔ ۲- تیرا باپ مشہور ہے پس تو ہمارے علم سے قریب ہے مقصد یہ ہے کہ ہم نے تجھے پہچان لیا ہے۔ **ظهیر:** . اس کے معنی ہیں قوی۔ **ثم اصبحنا نستفیئی سهما نهما فیه:** .

یہ دونوں محاصرہ کر کے غنیمت لائے لیکن چونکہ لڑائی نہ ہوئی تھی اس لئے ہم نے وہ مال لے لیا جو یہ دونوں لائے تھے کیونکہ جو مال بغیر لڑائی کے آئے وہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے گویا ان دونوں نے بغیر کسی دنیوی فائدہ کے اسلام کی سربلندی کے لئے مشقت اٹھائی اس لئے ان کی بیٹی کو بہت ملنا چاہئے۔ یقیناً تو نہیں غالباً یہ فتح خیبر میں ہوا کیونکہ اس میں چند قلعے فتح ہوئے تھے۔ **ثم انسیتها بعد:** . یعنی گذشتہ روایت میں ثم اتیتها کی جگہ یہ عبارت ہے اور اکثر نسخوں میں ثم انسیتها والی عبارت نہیں ہے۔ **فانتم اعلم:** . یہ بطور تھکم اور استہزاء کے فرمایا مقصد یہ کہ تم نہیں جانتے۔ **فعمیت علینا:** . اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ بعض حضرات اس درخت کے نیچے نماز پڑھتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوا دیا یہ بھلا دیا جانا یا کٹوا دینا اس لئے تھا کہ لوگ اس کی پوجا نہ شروع کر دیں۔ **اللهم صل علیٰ اٰل ابی اوفیٰ:** . غیر نبی کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کرنا بعض کے نزدیک حرام بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی بعض کے نزدیک مباح اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ راجح مکروہ تحریمی والا قول ہے کیونکہ اس لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ نبی ہے اور شبہ دلیل ظنی ہے اس لئے مکروہ تحریمی ہے اور حرام کہنے والوں کی دلیل بھی یہی ہے کہ سننے والے کو شبہ ہوتا ہے کہ کہنے والا غیر نبی کو نبی کہہ رہا ہے اس لئے اس طرح کہنا حرام ہے جواب یہ دلیل چونکہ قیاس ہے جو کہ ظنی ہے اس لئے حرام کی جگہ مکروہ تحریمی ہی کہہ سکتے ہیں۔ قول اباحت کی دلیل ایک تو آیت ہے **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزکیهم بها وصل علیهم ان صلوتک سکن لهم** جواب یہاں صلوۃ کے معنی دعا کرنے کے ہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ لفظ صلوۃ استعمال کریں۔ قول اباحت کی دوسری دلیل زیر بحث روایت ہے جو ابوداؤد میں بھی آتی ہے عن عبداللہ بن ابی اوفی مرفوعاً فقال اللهم صل علی اٰل ابی اوفی۔ جواب۔ یہ نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کی خصوصیت تھی ہر ایک کو ایسا کہنے کی اجازت نہیں ہے اور ابوداؤد کی روایت کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی اسود بن قیس مجہول ہے کراہت تنزیہی والے قول کی دلیل یہ ہے کہ دلیلیں ممانعت کی بھی ہیں اباحت کی بھی ہیں دونوں کو جمع کرنے سے کراہت تنزیہی نکلتی ہے۔ جواب۔ اصول یہ ہے کہ جب اباحت اور کراہت میں تعارض ہو تو ترجیح کراہت کو ہوتی ہے۔**لما کان یوم الحرۃ:** یہ یوم الحرہ والی لڑائی یزید اور اہل مدینہ کے درمیان ۶۳ھ میں ہوئی تھی۔**لیس للحیطان ظل:** عند احمد جمعہ زوال سے پہلے بھی صحیح ہے وعند الجمہور صحیح نہیں ہے ہماری جمہور کی دلیل فی ابی داؤد عن انس مرفوعاً یصلی الجمعۃ اذا مالت الشمس ولاحمد ھذا الحدیث عن سلمۃ بن الاکوع مرفوعاً کنا نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ ثم تصرف ولیس للحیطان ظل نستظل فیہ جواب یہ صرف جلدی پڑھنے میں مبالغہ ہے گویا کہ سایہ نہ تھا یہ توجیہ ضروری ہے تاکہ ہماری دلیل اور اس روایت میں تعارض نہ ہو۔**انک لاتدری ما احدثنا بعدہ:** ۱- حضرت براء کا یہ فرمانا تواضع کی بنا پر ہے۔۲- بہت سے فتنے آچکے ہیں جن میں مسلمانوں کی آپس میں لڑائیاں بھی ہیں اس لئے ڈر لگتا ہے کہ ہم سے کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو۔**ھنیئاً مریئاً:** دونوں لفظ خوشی کے اظہار کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ھنیئاً کے معنی ہیں کہ مبارک ہے اس لئے کہ گناہ سے پاک ہے اور مریئاً کے معنی ہیں کہ خوشگوار ہے کیونکہ عیب سے خالی ہے۔**ثم رجعت فذکرت لہ:** میں دوبارہ حضرت قتادہ کے پاس گیا اور ان کو یہ حدیث دوبارہ سنائی۔ **واما ھنیئاً مریئاً فعن عکرمۃ:** یعنی یہ دونوں لفظ حضرت عکرمہ سے مرسلاً ہیں۔**اوتوا بسویق فلاکوہ:** یہ لوک سے ہے منہ میں پھیر کر مزے لینا۔**اذا اوترت من اولہ فلاتوتر من آخرہ:** اس روایت سے بھی نقض وتر کی تردید ہوتی ہے عند اسحاق نقض وتر مشروع ہے عند الجمہور مشروع نہیں ہے نقض وتر کی صورت یہ ہے کہ رات کو وتر پڑھنے کے بعد اگر جی چاہے مزید مزے لینے کو اور نفل پڑھنے کو تو وتر جو پڑھ چکا ہے ان کو توڑ دے یعنی ایک رکعت پڑھے اس نیت سے کہ وتر تین کی جگہ چار ہو جائیں اور نفل بن جائیں پھر نفل پڑھ لے پھر اخیر میں وتر پڑھ لے منشا اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے عن طلق بن علی مرفوعاً لاوتران فی لیلۃ جمہور کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ دوبارہ وتر نہ پڑھے نہ پہلے توڑے بس ایک دفعہ ہی وتر ہیں جو پڑھ لئے اب صرف نفل پڑھ لے اور امام اسحاق کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ چونکہ دو دفعہ وتر ہو نہیں سکتے اور وتر اخیر میں ہونے چاہئیں اس لئے اگر پہلے وتر پڑھ لئے ہیں تو ایک رکعت پڑھ کر ان کو توڑے پھر اخیر میں پڑھے جمہور کے قول کو ترجیح ہے تین وجہ سے۔۱- اس روایات کے راوی حضرت طلق بن علی نے جب یہ فرمایا تھا لاوتران فی لیلۃ تو پہلے وتر توڑے نہ تھے۔۲- فی الترمذی عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین۔۳- زیر بحث روایت عن ابی جمرۃ قال سالت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اصحاب الشجرۃ ھل ینقض الوتر قال اذا اوترت من اولہ فلاتوتر من اخرہ۔**نزرت:** اس کے معنی ہیں الحت تو نے بہت اصرار کیا۔ **سفیان:** یہاں ابن عیینہ مراد ہیں۔**وقد جمعوالک الاحابیش:** ۱- وہ جماعتیں جو ایک قبیلہ کی نہ ہوں یہاں مراد بنو قارہ اور بنو حارث ہیں جو اپنے بال بچے چھوڑ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئی تھیں قریش مکہ کی امداد کے لئے کیونکہ تحبش کے معنی جمع ہونے کے ہیں۔۲- ہیں تو یہی قبیلے لیکن ان کو احابیش اس لئے کہتے ہیں کہ ایک پہاڑ کا نام تھا حبیش اس کے قریب ان قبیلوں نے قریش کی امداد کرنے کی قسم کھائی تھی۔ **فان یاتونا کان اللہ عزوجل قد قطع عینا من المشرکین والاتر کناھم محروبین:** یہ مشکل عبارت ہے اس کی پانچ تقریریں ہیں۔۱- ہم اچانک ان احابیش کی اولادوں پر حملہ

کردیں ان احابیش کا لشکر اگر واپس اپنے گھروں کو آ گیا تو جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے جاسوس کو ان احابیش مشرکین سے محفوظ رکھا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ اس لڑائی میں بھی ہماری امداد فرما دیں گے والا ترکناھم محروبین یعنی اگر وہ احابیش اپنے گھروں کو واپس نہ آئے تو ہم ان کا سب کچھ چھین کر ان کے مال و اولاد ختم کر دیں گے اور وہ احابیش محروب و مسلوب ہو جائیں گے۔۲۔ بعض نسخوں میں یہاں عیناً کی جگہ عنقاً ہے جس کے معنیٰ جماعت کے ہیں اس صورت میں مذکورہ عبارت کے معنیٰ یوں ہو جائیں گے کہ فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے لوگو مجھے مشورہ دو کیا تم یہ رائے رکھتے ہو کہ ہم اچانک احابیش کی اولادوں پر حملہ کر دیں۔ حملہ کی وجہ سے اگر یہ احابیش ہم سے لڑنے کے لیے اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئیں تو جیسے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک جماعت کو غزوہ بدر میں ہمارے ہاتھوں کاٹا ہے اور ختم کیا ہے اب بھی اللہ تعالیٰ ہمیں ان احابیش پر فتح دیں گے اور اگر وہ احابیش اپنے گھروں کو لوٹ کر نہ آئے تو ہم ان احابیش کے گھروں کا سب کچھ چھین لیں گے اور یہ محروب و مسلوب ہو جائیں گے۔۳۔ جب ہم ان احابیش کے گھروں پر حملہ کریں گے تو اگر یہ احابیش اپنے گھروں کو بچانے کے لیے واپس آ گئے تو ہم ان احابیش کو اللہ تعالیٰ کی امداد سے ختم کر دیں گے گویا اللہ تعالیٰ ان احابیش کو جو اہل مکہ کے جاسوس ہیں بالکل کاٹ کر رکھ دیں گے والا ترکناھم محروبین کہ اگر احابیش سب کے سب ہمارے ہاتھوں نہ بھی مارے گئے تو اہل مکہ کم از کم محروب و مسلوب ہو جائیں گے کیونکہ یہ احابیش اہل مکہ سے الگ ہو جائیں گے۔۴۔ اور اگر عیناً کی جگہ عنقاً ہو تو ساری تقریر یہی تیسری ہوگی کیونکہ یہی احابیش عین بھی ہیں اہل مکہ کے عنق بمعنیٰ جماعت بھی ہیں۔۵۔ اگر وہ احابیش ہم سے لڑنے گھروں کو واپس آ جائیں گے تو ہم یہ سمجھیں گے کہ کان اللہ عزوجل قد قطع عیناً من المشرکین کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھیجے ہوئے جاسوس کو ان تک پہنچنے سے روک دیا ہے گویا کہ ہم نے جاسوس بھیجا ہی نہیں اور اگر وہ گھروں کو نہ آئے تو پھر ہم ان کے گھروں کا صفایا کر دیں گے اور وہ احابیش محروب و مسلوب ہو جائیں گے **لما کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:** ایک معین مدت کی مصالحت کا معاہدہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا۔ **ابی سھیل ان یقاضی:** سہیل نے انکار کیا کہ صلح کرے بغیر اس شرط کے کہ کافروں میں سے ایمان لا کر اگر کوئی مدینہ منورہ جائے گا تو اسے واپس کیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے نعوذ باللہ مرتد ہو کر کوئی مکہ مکرمہ جائے تو واپس نہ کیا جائے گا۔ **و امعضوا:** غضبناک ہوئے۔ **وھی عاتق:** تین معنیٰ آتے ہیں۔ ا۔ شابۃ نوجوان۔ ۲۔ قریب البلوغ۔ ۳۔ غیر شادی شدہ۔ **کان یمتحن:** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان مہاجر عورتوں کا امتحان یوں لیتے تھے کہ ہجرت کا سبب پہلے خاوند سے نفرت تو نہیں۔ زمین بدلنا اور جگہ بدلنا اور سیر کرنا تو نہیں اور دنیا کی طلب تو نہیں صرف اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی ہجرت کا سبب ہے نا۔ **یایھا النبی اذا جاء ک المومنات یبایعنک:** بخاری شریف کے دوسرے نسخہ میں یہاں یہ آیت ہے یایھا الذین امنو اذا جاء کم المومنات مھاجرات اور یہی راجح ہے کیونکہ یا ایھا النبی والی آیت تو فتح مکہ میں نازل ہوئی تھی جب مرد بیعت کر چکے اور عورتیں بیعت ہونے آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یایھا النبی اذا جاء ک المومنات یبا یعنک چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صفا کے اوپر کے حصہ میں تشریف فرما ہوئے اور نیچے کے حصہ میں حضرت عمر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عورتوں کو بیعت فرماتے رہے پس زیر بحث روایت میں آیت بدل کر لکھ دینا یہ بخاری شریف کو نقل کرنے والے کسی کاتب کی غلطی ہے۔ **وعن عمه:** اس کا عطف شروع روایت میں عن عمہ پر ہے وہاں بھی اور یہاں بھی عن عمہ سے مراد ابن شہاب زہری ہیں۔ **ان ابابصیر فذکرہ بطولہ:** دوسری

روایت میں حضرت ابوالبصیر کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی وجہ سے واپس فرمادیا جن دو مشرک آدمیوں کے ساتھ واپس جارہے تھے ان میں سے ایک کی تلوار حیلہ سے چھین لی اور اسے قتل کر دیا دوسرا بھاگ کر مدینہ پہنچا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے کہ تم تو لڑائی کرانا چاہتے ہو اس پر حضرت ابوالبصیر سمندر کے کنارے چلے گئے اب جو صاحب ایمان قبول فرماتے وہ ان کے ساتھ مل جاتے اب یہ ایک بڑی جماعت بن گئی اور کافروں کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اس پر مشرکین مکہ نے خود ہی کہا کہ ہم یہ شرط ختم کرتے ہیں کہ جو مسلمان ہو اس کو مکہ مکرمہ واپس کر دیا جائے۔ **یستلئم:۔** ہتھیار باندھ رہے تھے۔ **ان ابن عمر اسلم قبل عمر:۔** حاصل حدیث کا یہ ہے کہ لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ ابن عمر حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے تھے اس کی حقیقت صرف یہ ہے صلح حدیبیہ کے موقعہ میں بیعت رضوان حضرت ابن عمر نے اپنے والد صاحب سے پہلے کر لی تھی اسلام پہلے نہیں لائے تھے۔ **فاذا الناس محدقون:۔** لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کر رہے تھے اس حدیث کی وجہ سے اشکال ہوتا ہے کہ گذشتہ حدیث سے تو معلوم ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے کو کسی سے گھوڑا لانے کے لیے بھیجا تھا تو راستہ میں حضرت ابن عمر نے دیکھا کہ لوگ بیعت ہو رہے ہیں تو بیعت ہو گئے پھر گھوڑا لائے پھر والد صاحب سے بیعت کا ذکر کیا تو وہ بھی بیعت ہو گئے اور اب اس حدیث میں یوں آ گیا کہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو اپنے بیٹے کو تحقیق کرنے بھیجا انہوں نے جا کر دیکھا کہ لوگ بیعت ہو رہے ہیں تو وہ بھی بیعت ہو گئے پھر والد صاحب کو آ کر بتلایا تو وہ بھی بیعت ہو گئے تو ان دونوں حدیثوں کے واقعے ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور متعارض ہیں جواب یہ ہے کہ پہلے یہی فرمایا تھا بیٹے کو کہ جاؤ گھوڑا لے آؤ وہ جانے ہی لگے تھے کہ لوگوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کرتے دیکھا تو بیٹے سے فرمایا کہ یہ بھی دیکھو کہ احاطہ کیوں کر رہے ہیں حضرت ابن عمر احاطہ کی وجہ معلوم کرنے گئے تو بیعت ہو گئے پھر گھوڑا لے آئے اور آ کر والد صاحب کو احاطہ بتلائی تو والد صاحب بھی بیعت ہو گئے۔ **من صفین:۔** یہ جگہ کا نام ہے اس جگہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان لڑائی ہوئی تھی حضرت معاویہؓ چاہتے تھے کہ پہلے حضرت عثمانؓ کا قصاص لیا جائے پھر کچھ اور کیا جائے اور حضرت علیؓ پہلے خلافت کے معاملات مضبوط کرنا چاہتے تھے اجتہادی اختلاف تھا جمہور کے نزدیک حضرت علیؓ کی رائے اولیٰ تھی اور حضرت امیر معاویہؓ کی غلطی اجتہادی تھی زیادہ بحث خلاف ادب ہے کیونکہ اس میں کسی صحابی کی توہین کا اندیشہ ہے۔ **یوم ابی جندل:۔** یہ لفظ ہی محل ترجمہ ہے کیونکہ یوم ابی جندل یوم حدیبیہ ہی کو کہتے ہیں کیونکہ حضرت ابوجندل مسلمان ہو کر میدان حدیبیہ میں آئے تھے اور معاہدہ کی وجہ سے ان کو واپس کر دیا گیا تھا۔ **لرددت:۔** یوم حدیبیہ میں میرا نہ لڑنا کوتاہی اور کمزوری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اطاعت کی وجہ سے تھا ایسے ہی اب صفین وغیرہ میں میرا شریک نہ ہونا کمزوری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ احتیاط اور تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ **وما وضعنا اسیا فنا علی عواتقنا:۔** جب بھی ہم کندھے پر تلوار اٹھاتے تھے لڑنے کے لیے تو وہ تلواریں مشکل کام کو آسان کر دیتی تھیں۔ **یفظعنا:۔** اس کے معنی ہیں یفزعنا گھبراہٹ میں ڈالتا تھا۔ **ھذا الامر:۔** امر صفین۔ **خصماً:۔** مشکیزہ کی جانب یعنی ہم مشکیزہ کی ایک جانب ٹھیک کرتے ہیں تو دوسری جانب سے پانی بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ معاملہ ہمارے قابو میں نہیں آتا۔ **وفرۃ:۔** سر کے بال کانوں کی لوتک۔

باب قصة عكل وعرينة

یہ دو قبیلے ہیں ان کا قصہ بیان کرنا مقصود ہے۔

تکلموا بالاسلام:. کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا اظہار کیا۔ **اهل ریف:.** کھیتی باڑی کرنے والے۔ **واستو خموا المدینة:.** مدینہ منورہ کی آب وہوا کو اپنے لئے ناموافق پایا۔ **بذود:.** تین سے دس تک اونٹوں کو ذود کہتے ہیں۔ **فاین حدیث انس فی العرنیین:.** مقصد یہ تھا کہ عرنیین کا واقعہ بھی قسامہ کے مشابہ ہے۔ سوال۔ عرنیین کے واقعہ میں قسامہ کی طرح قسمیں جاری نہ فرمائی تھیں بلکہ لوث یعنی علامت پائی جانے کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص لیا تھا اس سے بظاہر حنفیہ کے خلاف جمہور کی تائید ہوتی ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک اگر علامت ہو تو قصاص ہوسکتا ہے جبکہ علامت کے ساتھ مدعی حضرات کی قسمیں بھی ہوں حنفیہ کے نزدیک قسامہ میں صرف مدعا علیہ حضرات سے قسمیں ہوتی ہیں۔ جواب عرنیین والے واقعہ میں کوئی اشتباہ نہ تھا اور معلوم تھا کہ کس نے قتل کیا ہے۔ قسامہ میں اشتباہ ہوتا ہے اس لیے عرنیین کے واقعہ کا قسامہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

باب غزوة ذی قرد

یہ ایک پانی کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان تھا اور اس راستہ پر واقع تھا جو مدینہ منورہ سے شام کو جاتا تھا یہ غزوہ ربیع الاوّل ۶ھ میں پیش آیا۔ قرد کے لغوی معنی ہیں ردی اون۔

لقاح:. یہ جمع ہے لقحہ کی دودھ دینے والی اونٹنی۔ ان اونٹنیوں پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا چرواہے کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی کو قید کر لیا۔ **قبل خیبر بثلاث:.** کہ یہ غزوہ ذی قرد غزوہ خیبر سے تین سال پہلے ہوا لیکن راجح یہی ہے کہ ایک سال پہلے ہوا کیونکہ غزوہ خیبر جمادی الاخری ۷ھ میں ہوا۔ **قبل ان یوذن بالاولیٰ:.** یہاں اولیٰ سے مراد فجر کی نماز ہے۔ **اندفعت علی وجهی:.** میں سیدھا بھاگا دائیں بائیں نہ دیکھا۔ **الیوم ایوم الرضع:.** یہ جمع ہے راضع کی اس شخص کو کہتے ہیں جو فقیر کے ڈر سے اپنی بکری کے تھن کو منہ لگا کر دودھ پئے کہ کہیں فقیر دودھ دوہنے کی آواز سن کر دودھ نہ مانگ لے۔ **استلبت:.** میں نے چھین لیں۔ **قد حمیت القوم الماء:.** میں نے ان کو پانی نہیں پینے دیا۔ **فاسجح:.** باب افعال سے ہے نرمی کر سجاحۃ کے معنی سہولت کے ہوتے ہیں۔

باب غزوة خیبر

مدینہ منورہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں چند قلعے آتے تھے ان کا نام خیبر تھا راجح یہ ہے کہ یہ غزوہ ۷ھ میں ہوا۔ بعض نے ۶ھ میں بھی مانا ہے۔ قوم عمالیق کا ایک آدمی خیبر نام کا یہاں اترا تھا اس کے نام پر یہ نام ہوا۔ **هنیاتک:.** اصل میں مبہم چیز کو کہتے ہیں جیسے کہیں فلاں بن فلاں یہاں مراد اشعار ہیں۔ **یحدو بالقوم:.** حدو کے معنی ہیں اونٹوں کو چلانے کے لیے نظم پڑھنا وہ نظم سن کر زیادہ چلتے ہیں۔ سب سے پہلے نضر بن نزار نے نظم پڑھی تھی وہ اونٹ سے گر گیا اور ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اس لیے پڑھا وایداہ وایداہ۔ **فاغفر فداء لک ما ابقینا:.** یہ ماموصولہ ہے دو معنیٰ کئے گئے ہیں۔ ۱۔ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں وہ حقوق معاف فرما دیں جو ہم نے چھوڑے ہیں۔ ۲۔ یا اللہ آپ ہمارے گناہ معاف فرما دیں جو ہم نے کمائے ہیں۔ **اتینا:.** کہ جب ہمیں حق کی امداد کے لیے پکارا جاتا ہے تو ہم آ جاتے ہیں اور ایک نسخہ میں اس کی جگہ ابینا ہے پھر معنیٰ یہ ہیں کہ جب ہمیں غیر حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔ **عولوا علینا:.** ہمیں امداد کے لیے پکارتے ہیں۔ **وجبت:.** جنت ثابت ہوگئی یا شہادت ثابت ہو گئی۔ **لولا امتعتنا به:.** آپ کیوں نہیں دعا فرماتے کہ کچھ دن اور زندہ رہ جائے۔ **مشیٰ بها:.** اس میں ہا ضمیر کے مرجع میں چار احتمال ہیں۔ ۱۔ ارض۔ ۲۔ مدینہ۔ ۳۔ حرب۔ ۴۔ خصلۃ۔ **نشاء بها:.** بڑا ہوا اور جوان ہوا اور ایک نسخہ میں ہے مشابھا پھر یہ حال ہوگا۔ **بمساحیهم:.** یہ جمع ہے مسحاۃ کی کسی۔ **ومکاتلهم:.** یہ جمع ہے مکتل کی ٹوکرا۔ **والخمیس:.**

لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں میمنہ میسرہ۔ مقدمہ ساقہ اور قلب۔ **فجعل عتقها صداقها:** عند امامنا ابی حنیفۃ والجمہور لونڈی کا عتق مہر نہیں بن سکتا وعند احمد بن سکتا ہے لنا فی البیہقی عن رزینۃ مرفوعاً وامہرھا رزینۃ ولاحمد ھذا الحدیث عن انس مرفوعاً فجعل عتقھا صداقھا جواب ہماری روایت مثبت زیادت ہے اور منشاء اختلاف یہی واقعہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ سے جب نکاح فرمایا تو عتق کے علاوہ کسی چیز کو مہر بنایا یا نہ جمہور کے نزدیک حضرت رزینہ کو مہر بنایا امام احمد کے نزدیک عتق ہی کو مہر قرار دیا۔ **فرأی طيالسة:** چادریں دیکھیں چونکہ ان چادروں کا رنگ یہود کی چادروں جیسا تھا اس لیے حضرت انس نے فرمایا کہ یہ تو اس وقت خیبر کے یہودی معلوم ہوتے ہیں۔ **رجل يحبه الله ورسوله:** اس سے شیعہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی خلافت بلافصل کے مستحق تھے جواب۔ ا۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حضرت علی اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں لیکن اس محبوب ہونے میں اور بھی بہت سے حضرات شریک ہیں ان الله يحب الذين يقاتلون فی سبيله صفاً كانهم بنيان مرصوص. فيه رجال يحبون ان يتطهروا والله يحب المطهرين ۔۲۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے محبوب ہونے سے افضلیت بھی مان لی جائے تو خلافت بلافصل تو پھر بھی ثابت نہ ہوئی کیونکہ خلافت اور امامت تو غیر افضل کی بھی صحیح ہے جیسے حضرت شمویل علیہ السلام کی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادشاہت اور خلافت حضرت طالوت کو دی گئی ۔۳۔ اسی باب میں آگے روایت آئے گی لمبی جس میں حضرت علی کا حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت فرمانا بھی مذکور ہے اس میں عن عائشہ یہ بھی وارد ہے وتشہد علی فعظم حق ابی بکر اس میں تصریح ہے کہ حضرت علی بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو ہی افضل سمجھتے تھے صرف برادرانہ رنجش یہ تھی کہ جب خلافت کے متعلق مشورہ ہوا تو اس وقت حضرت علی کو مشورہ میں شریک کیوں

نہ کیا گیا اور اس مسئلہ میں حضرت صدیق اکبر معذور تھے کہ بہت جلدی میں سقیفہ بنی ساعدہ جانا پڑا جہاں انصار خلافت طے کرنے کے لیے جمع ہو چکے تھے حضرت علی غسل اور کفن کے انتظامات میں مشغول تھے اگر جلدی سے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر نہ پہنچتے تو غلط فیصلہ ہو سکتا تھا جو انتشار کا سبب بنتا اس لیے حضرت صدیق اکبر معذور تھے۔۴۔ اگر حضرت علی کے قلب مبارک میں خلافت کے متعلق کوئی خیال تھا بھی تو جب حضرت صدیق اکبر کے دست مبارک پر بیعت فرمالی تو حضرت علی کی رائے بدل گئی سوال حضرت علی نے بطور تقیہ کے بیعت فرمائی۔ جواب۔ یہ آپ کی مسلم شجاعت کے خلاف ہے۔ **يدوكون:** یہ دوک سے ہے جس کے معنی اختلاط کے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام نے رات اختلاط اور اختلاف میں گذاری کہ دیکھیں صبح کس کو یہ فضیلت ملتی ہے۔ **انفذ علی رسلك:** سیدھے جاؤ۔ **صنع حيسا:** حلوہ بنایا جو کھجور اور گھی اور پنیر سے بنایا جاتا تھا۔ **فی نطع صغير:** چھوٹے دستر خوان پر۔ **يحوی لها:** کوہان کے گرد چادر لپیٹ لیتے تھے۔ **كانت فيمن ضرب عليها الحجاب:** یعنی حضرت صفیہ لونڈی نہ رہی تھیں بلکہ آزاد فرما کر نکاح فرمایا تھا کیونکہ پورا پردہ حرہ کیا کرتی تھیں۔ **وطالها خلفه:** نیچے بچھانے کی چیز درست فرمائی۔ **فاستحييت:** کہ مجھے حریص سمجھیں گے۔ **نهی عن متعة النساء:** شیعہ متعہ کو اب بھی جائز سمجھتے ہیں کہ صرف ایک دو دن کے لیے نکاح کر لیا جائے لفظ تمتع کے ساتھ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک متعہ بالا جماع حرام ہے۔ لنا۔ا۔ **فمن ابتغیٰ وراء ذلك فاولئك هم العادون** کہ منکوحہ اور لونڈی کے سوا نفع اٹھانا حرام ہے اور متعہ والی عورت نہ لونڈی ہے نہ منکوحہ ہے اس لیے حرام ہے۔۲۔ یہ زیر بحث روایت عن علی مرفوعاً نھی عن متعۃ النساء یوم خیبر ان کا استدلال اس آیت سے ہے۔ **فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن** جواب

یہاں لغوی معنی مراد ہیں نفع اٹھانا کیونکہ اس آیت سے پہلے بھی اور پیچھے بھی نکاح کی تصریح موجود ہے۔ **ورخص فی الخیل**:. عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک مکروہ ہے وعند شافعی واحمد بلا کراہت جائز ہے۔ لنا۔ ا۔ **والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ** اگر کھانا جائز ہوتو حق تعالیٰ یہاں کھانے کا ذکر ضرور فرماتے کیونکہ انعامات کے ذکر میں بڑی نعمت کا چھوڑنا اور چھوٹی نعمت سواری اور زینت کا ذکر کرنا بلاغت کے اصول کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ کھانا جائز نہیں ہے۔ ۲۔ فی ابی داؤد عن خالد بن الولید مرفوعاً نھی عن اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر ۔لھماھذ االحدیث عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً ورخص فی الخیل جواب ترجیح موجب کراہت کو ہے۔ **اذالقی الخیل اوقال العد وقال لھم ان اصحابی یا مرونکم ان تنتظر وھم**:. اس کے چار معنی کئے گئے ہیں ۔ا۔ جب وہ بھاگتے ہوئے دشمن سواروں کو یا بھاگتے ہوئے دشمن کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ٹھہرو میرے ساتھی تم سے لڑنے آرہے ہیں۔۲۔صرف الخیل والی روایت کے یہ معنیٰ بھی ہیں کہ جب وہ اپنے مسلمان سواروں سے ملتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں کہ ذرا ٹھہرو پیچھے پیدل آنے والے مسلمان بھائیوں کو بھی ساتھ ملا لو۔۳۔صرف الخیل والی روایت کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مسلمان سورا روں کا حوصلہ بڑھانا مقصود ہوتا ہے کہ جب ان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حوصلہ رکھو عنقریب امداد آجائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔۴۔الخیل اور العدو دونوں روایتوں کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ دشمن خواہ لڑنے والے ہوں یا بھاگنے والے ہوں ان پر رعب ڈالنے کے لیے جب ان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہماری امداد آرہی ہے۔ **فقسم لنا**:. یہ اشعری حضرات اگرچہ لڑائی کے بعد پہنچے تھے لیکن غنیمت دارالاسلام میں لانے سے پہلے پہنچے تھے اس لیے ان کو بھی شریک فرمالیا۔ **سھم عائر**:. جس کا چلانے والا معلوم نہ ہو۔ **اخبرنی زید**

عن ابیہ:. یہ زید بن اسلم ہیں جو حضرت عمر کے آزاد شدہ غلام تھے۔**لولاان اترک الناس ببانا**:. ای شیئا واحداوھو الفقر کہ اگر عامۃ المسلمین پر فقر کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس زمین کو ایسے ہی غانمین میں تقسیم کرتا جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین غانمین میں تقسیم فرمائی تھی لیکن اب عامۃ المسلمین کے فائدہ کے لیے غانمین کی اجازت سے اس زمین کو وقف کرتا ہوں کہ اس کی آمدنی قیامت تک مسلمان کھاتے رہیں۔ **بعض بنی سعید**:. اس سے مراد ابان ہے۔**ابن قوقل**:. یہ حضرت نعمان بن قوقل ہیں جو بدر میں شریک ہوئے اور احد میں شہید ہوئے۔**واعجبا**:. یہ تعجب کے اظہار کے لیے ہے جیسے واسیداہ کہا جاتا ہے۔ **لوبر**:. پہاڑی بلے کو وبر کہتے ہیں۔ **تدلی**:. ای نزل اتر آیا۔**قدوم الضان**:. ا۔ بلا ہمزہ دونوں لفظوں کا مجموعہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔۲۔ ہمزہ کے ساتھ۔ بھیڑ کا کنارہ۔ **ان حزم خیلھم للیف**:. ان کے گھوڑوں کی پیٹیاں چھال کی تھیں یعنی کھجور کے چھلکوں کی تھیں۔ **تحدرمن راس ضال**:. بیری کے درخت سے اتر آیا۔ اس روایت میں یہ آ گیا کہ حضرت ابوہریرہ نے حضرت ابان کو دینے سے منع کیا اور گذشتہ روایت میں اس کا عکس ہے جواب یہ ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کو دینے سے منع کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ نے اس لیے منع کیا کہ ابان نے ابن قوقل کو غزوہ احد میں قتل کیا تھا اور حضرت ابان نے اس لیے منع کیا کہ حضرت ابوہریرہ کمزور تھے۔ **لم یوذن بھا ابابکر**:. کیونکہ اسی کی حضرت فاطمہ نے وصیت فرمائی تھی کیونکہ وہ بہت زیادہ پردہ میں دفن ہونا چاہتی تھیں اور شاید اس لیے بھی حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی طرف خصوصی پیغام نہ بھیجا ہو کہ خیال فرمایا کہ ان کو خود ہی اطلاع ہو جائے گی اور یہ کسی روایت میں نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر کو بالکل اطلاع نہ ہوئی اور آپ نے نماز جنازہ نہ پڑھی ظاہر یہی ہے کہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔**ولم یکن یبایع تلک الا**

شھر :. ا۔ یہ نفی حضرت عائشہ کے اپنے علم کے درجہ میں ہے ورنہ حضرت ابو سعید کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت علی نے شروع ہی میں بیعت فرمائی تھی اور ترجیح مثبت زیادت کو ہوتی ہے۔ ۲۔ اطاعت کرنا اور بغاوت نہ کرنا یہی تسلیم خلافت کے لیے کافی ہوتا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنا صرف ان اہل حل وعقد ہی پر واجب ہوتا ہے جو مشورہ خلافت کی مجلس میں موجود ہوں سب مسلمانوں پر واجب نہیں ہوتا۔ مستدرک حاکم میں ہے عن عبدالرحمٰن بن عوف قال خطب ابوبکر فقال واللہ ما کنت حریصاً علی الامارۃ یوماً ولا لیلۃ قط ولا کنت راغباً فیھا ولا سالتھا اللہ سرا ولا علانیۃ ولکن اشفقت من الفتنۃ ای لو اخرت الی اجتماعھم اور صحیح ابن حبان میں ہے اور انہوں نے اس روایت کو صحیح بھی قرار دیا ہے عن ابی سعید ان علیا بایع ابا بکر فی اول الامر سوال۔ فی مسلم عن الزھری ان رجلا قال لہ لم یبایع علی ابا بکر حتی ماتت فاطمۃ قال ولا احد من بنی ھاشم۔ جواب۔ ا۔ اس روایت کو امام زہری نے سند سے بیان نہیں فرمایا اس لیے امام بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ۲۔ پہلے شروع میں بیعت فرمائی تھی پھر وراثت نہ ملنے سے لوگوں میں جو شبہ سا اختلاف کا ہو گیا تھا اس کے ازالہ کے لیے دوبارہ بیعت فرمائی۔ **کنا نری لقرابتنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیباً :.** خلافت کا مشورہ کرنے میں ہمیں کیوں شریک نہ کیا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ جلدی جانے کی ضرورت تھی اور حضرت علی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل وغیرہ کے انتظام میں مشغول تھے اور انصار نے خلافت کا مشورہ شروع کر دیا تھا حضرات شیخین کو اطلاع ملی تو جلدی سے تشریف لے گئے کہیں انصار جلدی میں کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کر لیں اور انتشار اور فتنہ نہ شروع ہو جائے اس مجبوری میں حضرت علی کو بلانے کا انتظار نہ کیا گیا۔

باب استعمال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اھل خیبر

اس باب کی غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ خیبر فتح فرمانے کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو عامل بنا کر بھی بھیجا تھا تا کہ وہاں کے پھل تقسیم کر دے۔ **استعمل رجلا علی خیبر :.** ان کا نام سوار بن غزیۃ تھا۔ **جنیب :.** ایک بہت عمدہ قسم کھجور کی۔ **الجمع :.** ا۔ ایک ردی قسم کھجور کی۔ ۲۔ کئی قسم کی کھجوریں ملی جلی۔

باب معاملۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھل خیبر

غرض اس معاملہ کا بیان ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے بارے میں اہل خیبر سے فرمایا۔

باب الشاۃ التی سمت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بخیبر

غرض اس زہر والی بکری کا ذکر ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی طرف سے خیبر میں بطور ہدیہ کے دی گئی تھی۔

باب غزوۃ زید بن حارثۃ

اس غزوہ کا بیان مقصود ہے جو حضرت زید بن حارثہ کی سرداری میں ہوا علامہ عینی نے ایسے غزوے سات شمار فرمائے ہیں جو ان کی سرداری میں ہوئے۔ ا۔ اہل نجد سے۔ ۲۔ بنی سلیم سے۔ ۳۔ قریش کے قافلہ سے۔ ۴۔ بنی ثعلبہ سے۔ ۵۔ بنی جذام سے۔ ۶۔ وادی القریٰ سے۔ ۷۔ بنی فزارہ سے۔

باب غزوۃ القضاء

اور بعض نسخوں میں ہے باب عمرۃ القضاء غزوہ اس لئے قرار دیا گیا کہ اس میں لڑائی کا اندیشہ تھا اور قضاء نام کیوں رکھا گیا۔ ا۔ گذشتہ سال جو عمرہ واجب ہو گیا تھا احرام باندھنے کی وجہ سے اس کی قضاء نام کیوں رکھا گیا۔ ا۔ گذشتہ سال جو عمرہ واجب ہو گیا تھا احرام باندھنے کی وجہ سے اس کی قضاء مقصود تھی۔ ۲۔ مقاضاۃ معاہدہ کو بھی کہتے ہیں یہ عمرہ معاہدہ پر مبنی تھا جو ایک سال پہلے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان ہوا تھا۔ پہلی وجہ تسمیہ کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ **ولیس یحسن یکتب :.** یہ لکھنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور معجزہ کے تھا۔ **قال زید ابنۃ اخی :.** کیونکہ حضرت حمزہ اور حضرت زید کے درمیان مواخاۃ بنا دی تھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ **انھا ابنۃ اخی**

من الرضاعة. کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ کو حضرت ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ **الاماحبوا:.** اور ایک روایت میں تین دن کی تصریح ہے۔ **استنان عائشة:.** مسواک کرنا۔ **تزوج النبی صلی الله علیه وسلم میمونة و هو محرم:.** یہ مسئلہ کتاب الحج میں گزر چکا ہے۔

باب غزوة موتة من ارض الشام

غرض غزوہ موتہ کا بیان ہے یہ سریہ ۷ھ یا ۸ھ ہوا راجح ۸ھ ہے موتہ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بغیر واو کے ساتھ دونوں طرح منقول ہے یہ جگہ کا نام ہے جو بیت المقدس سے دو دن کے سفر پر ہے لڑائی کی وجہ یہ ہوئی کہ ہرقل کے ماتحت بصریٰ کا حاکم شرجیل بن عمرو تھا اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر کو ایلچی بنا کر بھیجا اس نے ان کو قتل کر دیا ان کے سوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایلچی کو قتل نہیں کیا گیا اس پر تین ہزار کا لشکر دے کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو جو متبنیٰ بھی تھے بھیجا اور یہ فرمادیا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کر سردار بنالیں اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ کو سردار بنالیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں اپنا سردار بنالیں۔ ہرقل کو پتہ چلا تو اس نے ایک لاکھ کا لشکر بھیجا جب یہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو حضرت خالد بن الولید نے جھنڈا لے لیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں وحی سے بتلا رہے تھے کہ اب فلاں شہید ہو گیا اب فلاں شہید ہو گیا جب حضرت خالد بن الولید نے جھنڈا لیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔

اللھم انہ سیف من سیوفک فانت تنصرہ۔ حضرت خالد بن الولید نے یہ حکمت عملی اختیار فرمائی کہ فوج کے میمنہ کو میسرہ کر دیا اور میسرہ کو میمنہ کر دیا اور مقدمہ کو ساقہ اور ساقہ کو مقدمہ بنا دیا روی یہ سمجھے کہ امداد آ گئی ہے وہ گھبرا گئے اور ان کی فتح شکست سے بدل گئی بھاگ کھڑے ہوئے اور بے شمار قتل ہوئے اور ہمیں بہت سی غنیمت ملی اسی لیے حضرت خالد بن الولید کا لقب سیف اللہ ہوا۔

بضعا وتسعين من طعنة ورمية:. سوال۔ گذشتہ روایت میں ہے خمسین بین طعنة وضربة یہ تو تعارض ہوا جواب۔ ۱۔ خمسین میں پشت والے زخم شمار نہ فرمائے تھے۔ ۲۔ خمسین میں تیر کے زخم نہ شمار فرمائے تھے صرف نیزے اور تلوار کے شمار فرمائے تھے۔ ۳۔ عدد قلیل عدد کثیر کے منافی نہیں ہوتا۔

وعیناه تذرفان:. آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔

مستنبطات:. ۱۔ صرف موت کی خبر دینا منع نہیں ہے۔ منع صرف نوحہ کے ساتھ خبر دینا ہے۔ ۲۔ بادشاہ شرط کے ساتھ امیر بنا دے تو یہ بھی صحیح ہے جیسے یہاں فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا۔ ۳۔ کسی لشکر میں بادشاہ یکے بعد دیگرے کئی امیر بھی مقرر کر دے تو جائز ہے۔ ۴۔ شدید مجبوری میں بادشاہ کی اجازت کے بغیر بھی امیر بن جانے کی گنجائش ہے جیسے حضرت خالد بن الولید امیر بنے۔ ۵۔ امیر کے فوت ہونے پر یا شہید ہونے پر فوراً دوسرا امیر بنانا واجب ہے۔ ۶۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دور ہونے کی صورت میں اجتہاد جائز تھا جیسے حضرات صحابہ کرام نے اجتہاد سے حضرت خالد بن الولید کو اپنا سردار بنایا۔ ۷۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ جب چاہتے تھے وقتاً فوقتاً غیب کی خبریں پہنچا دیتے تھے۔ ۸۔ حضرت خالد بن الولید کو بہت بڑی فضیلت اس جہاد میں ملی کہ سیف اللہ کا لقب ملا اپنے سے ۳۳ گناہ لشکر پر فتح نصیب ہوئی۔ ۹۔ الحرب خدعة کی تائید ہوئی۔ ۱۰۔ اگر کافر مسلمانوں کو ذلیل کریں تو بدلہ لینا اور اس ذلت کو دور کرنا قابل اہتمام ہے جیسے اس جہاد میں اس ذلت کا بدلہ لیا گیا کہ ہمارے ایلچی کو کافروں نے قتل کیا۔ ۱۱۔ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله کا مصداق پایا گیا۔ **من صائر الباب:.** اور ایک نسخہ میں ہے من ضیر الباب دونوں کے معنی ہیں دراڑ یعنی دروازے کی لکڑی کے درمیان پتلے پتلے سوراخ لکیر کی شکل میں۔ **یا ابن ذی**

الجناحین: وہ یہ تھی کہ مرفوعاً وارد ہو چکا تھا۔ رأیت جعفر اً یطیر فی الجنۃ۔ پھر اڑنے کی صورت کیا تھی۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی شکل کے ساتھ ہی اڑنے کی قوت عطا فرمائی۔ ۲۔ آپ کے دونوں بازو جہاد میں شہید ہو گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی طرح بازو عطا فرمائے تھے۔ ۳۔ اڑنے کی کیا صورت تھی یہ متشابھات میں سے ہے۔ **صعیفة:** چوڑی تلوار۔ **یمانیة:** اصل میں یاء نسب مشدد تھی تخفیفا ایک یاء گرا کر اس کے عوض الف دیا گیا۔ **صبرت:** اس تلوار نے صبر کیا اور نہ ٹوٹی۔ **انت کذلک:** سوال اس حدیث میں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کی اس بیماری کا ذکر ہے جو غزوہ موتہ سے پہلے پائی گئی اس لئے اس روایت کا ذکر غزوہ موتہ میں مناسب نہیں۔ جواب حضرت عبداللہ بن رواحہ کا تذکرہ مقصود ہے جو غزوہ موتہ میں امیر بنے پھر شہید ہوئے اس مناسبت سے یہاں اس روایت کو ذکر فرمایا۔

باب بعث النبی صلی اللہ علیه وسلم اسامة بن زید الی الحرقات من جهینة

اس جہاد کا تذکرہ مقصود ہے اور الحرقات یہ بنی جہینہ ہی کا ایک قبیلہ تھا۔

باب غزوة الفتح

غرض فتح مکہ کا بیان ہے چونکہ مشرکین مکہ نے صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تھا اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر تشریف لائے اور مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ نے فتح فرما دیا۔

باب غزوة الفتح فی رمضان

فتح مکہ کا وقت بتلانا مقصود ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان ۸ھ بروز بدھ فتح کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔

الیٰ حنین: مناسبت باب سے یہ ہے کہ حنین فتح مکہ کے بعد ہوا نیز گذشتہ حدیث کی وضاحت بھی مقصود ہے۔

باب این رکز النبی صلی اللہ علیه وسلم الرایة یوم الفتح

غرض اس جگہ کا بیان ہے جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اسلام کا جھنڈا گاڑا تھا۔ **عند حطم الخیل:** تنگ راستہ جہاں گھوڑے ایک دوسرے کو کاٹیں یعنی گھوڑوں کو بھیڑ ہو اور سب گھوڑے وہاں سے گزریں تاکہ حضرت ابوسفیان کے دل میں اسلام کی عظمت زیادہ ہو اور خوشی ہو اور اسلام مضبوط ہو۔ **جندا یوم الذمار:** ۱۔ یہ ہلاکت کا دن ہے کاش میں اپنے رشتہ داروں کو ہلاکت سے بچالوں یہ بات عاجزی اور ذلت کے موقعہ میں کہی جاتی ہے۔ ۲۔ یہ حفاظت کا دن ہے۔ اے عباس آپ کے ذمہ میری حفاظت ہے۔ **یرجع:** گلے میں آواز لوٹا رہے تھے یعنی بہت خوشنما بنا کر پڑھ رہے تھے۔ **اقتله:** یہ عبداللہ بن خطل تھا جو اسلام لایا پھر مرتد ہوا نعوذ باللہ من ذالک پھر اس نے ایک شخص کو قتل کیا اور اس کی دو گانے والی عورتیں تھیں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ھجو کیا کرتی تھیں اور راجح یہی ہے کہ اس کو حضرت ابو برزہ نے قتل فرمایا اور ساعت حلت کے اندر اندر ہی قتل فرما دیا جو یوم الفتح میں طلوع فجر سے عصر تک تھی۔ **لایبدی الباطل ولا یعید:** ۱۔ نہ اولاً غالب ہوگا دلائل کے لحاظ سے نہ ثانیاً۔ ۲۔ باطل نہ اہل باطل کو دنیا میں نفع دے گا نہ آخرت میں۔ ۳۔ باطل سے مراد ابلیس ہے نہ اس نے پہلے کسی کو پیدا کیا نہ وہ دوبارہ اٹھائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے پہلے پیدا کیا وہی دوبارہ اٹھائیں گے۔

باب دخول النبی صلی اللہ علیه وسلم من اعلیٰ مکة

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ فتح مکہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کس جانب سے داخل ہوئے تھے۔

باب منزل النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم الفتح

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ فتح مکہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں قیام فرمایا تھا۔

باب: ماقبل کا تتمہ ہے پہلی روایت کی مناسبت یہ ہے کہ سورہ نصر میں فتح مکہ کے متعلق جو حکم ہے اس پر کیسے عمل فرمایا اس طرح

کہ یہ الفاظ رکوع اور سجدہ میں پڑھتے تھے سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی۔ **بخربة:** فتح کے ساتھ سرقہ اور ضم کے ساتھ بمعنی فساد۔ **بیان مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکة زمن الفتح:** غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں کتنا قیام فرمایا۔ **تسعة عشر یوماً:** سوال یہ روایت گذشتہ روایت کے خلاف ہے کیونکہ گذشتہ روایت میں مکہ مکرمہ دس دن ٹھہرنا مذکور ہے اور اس روایت میں ۱۹ دن۔ جواب۔ گذشتہ روایت کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے اور زیر بحث روایت کا تعلق فتح مکہ سے ہے۔ باب۔ ماقبل کا تتمہ ہے۔ **قد مسح وجھه:** صحابی ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ زیارت کو سمجھتا ہو یا کوئی حدیث حاصل کی ہو۔ حضرت عبداللہ بن ثعلبہ میں یہ بات پائی گئی۔ **وکانما یغریٰ فی صدری:** گویا کہ میرے دل میں اتر جاتی تھی۔ **تلوم:** ایک تاء حذف کی گئی ہے۔ انتظار کرتے تھے فتح مکہ کا اسی بنا پر یہ روایت فتح مکہ کے ابواب کے مناسب ہو گئی۔ **وللعاھر الحجر:** کنایہ ہے اس سے کہ زانی کے لئے ناکامی اور محرومی ہے۔ **فلقیت معبداً:** راجح ابو معبد ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں آ رہا ہے ان کا نام مجالد تھا اور کنیت ابو معبد تھی۔ **فان وجدت شیئاً ولارجعت:** شیئاً سے مراد جہاد یا قدرۃ علی الجہاد ہے اس سے پہلے یہ بھی ہے فاعرض نفسک اس کے معنی ہیں آگاہ کن نفس خود را وآگاہ باش حاصل معنی یہ ہوئے کہ اپنے دل میں غور وفکر کرلو۔ **ولکن جھاد ونیة:** یعنی ہجرت کی نیت رکھے کہ جب ضرورت ہوگی کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

باب قول اللہ عزوجل ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم

اور بعض نسخوں میں قول اللہ تعالیٰ سے پہلے غزوہ حنین بھی ہے پھر آیت مبارکہ میں یوم سے پہلے موطن محذوف ہے تاکہ مکان کا عطف مکان پر ہو زمان کا عطف مکان پر نہ ہو کیونکہ شروع آیت یوں ہے

لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرة و یوم حنین پھر حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دس سے کچھ زائد میل دور ہے۔ **ثم ولیتم مدبرین:** مراد یہ ہے کہ چند کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے ان چند نہ بھاگنے والوں میں خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے ۱۰ رمضان ۸ھ کو فتح مکہ کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے نکلے۔ فتح مکہ سے فارغ ہوتے ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی ھوازن بہت سے قبیلوں کے ساتھ حملہ کی تیاری کر رہے ہیں چنانچہ شوال ۸ھ میں ۱۲ ہزار کے لشکر کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نکلے کافروں کا امیر مالک بن عوف النظری تھا۔ صبح کے غلس میں کافروں نے جو چھپے بیٹھے تھے ایک دم تیروں اور تلواروں سے حملہ کر دیا مسلمان ایک سو یا اسی کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ نہ بھاگنے والوں میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عباس اور حضرت فضل بن عباس اور حضرت ابوسفیان اور حضرت ایمن بن ام ایمن اور حضرت اسامۃ بن زیدؓ وغیرہ تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار فرما رہے تھے۔

انا النبی لا کذب　　انا ابن عبدالمطلب

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو حکم دیا تو انہوں نے مسلمانوں کو آواز دی تو کچھ مسلمان لوٹ آئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان سے مٹھی مٹی کی مانگی۔ انہوں نے دی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹھی کافروں کی طرف پھینکی سب کافروں کی آنکھوں اور منہ میں پڑی پھر کافروں نے آسمان سے آواز سنی جیسے طشتری پر زنجیر رگڑتے ہیں اور فرشتے چیونٹیوں کی شکل میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان اترے اس پر کافر بھاگ کھڑے ہوئے کچھ مارے گئے کچھ پکڑے گئے فرشتے پانچ ہزار یا آٹھ ہزار یا سولہ ہزار تھے۔ سرخ پگڑیوں کے ساتھ تھے۔ چھ ہزار کافر قیدی ہوئے اس کے علاوہ اونٹ بیس ہزار بکریاں ۴۰ ہزار سے زائد چاندی چار ہزار اوقیہ غنیمت میں آئی۔ بیس دن کے بعد

بقیہ ہوازن مسلمان ہوئے اور مسلمانوں سے اجازت لے کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سب قیدی چھوڑ دیئے بلکہ بعض قیدیوں کو سوسو اونٹ بھی دیئے اور ارشاد فرمایا کہ اگر مالک بن عوف مسلمان ہو جاتا تو اسی کو دوبارہ امیری دے دی جاتی وہ بھاگ گیا تھا یہ سن کر واپس آ گیا اور سچا مسلمان ہوا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سو اونٹ بھی دیئے اور سرداری بھی دی۔ **اذا عجبتکم کثرتکم:۔** تم نے اپنی کثرت پر فخر کیا جو اللہ تعالیٰ نے پسند نہ فرمایا۔ **قال قبل ذلک:۔** یعنی صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے ایمان کی حالت میں اور یہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ ہیں ان کے والد صاحب بھی صحابی تھے جنہوں نے اپنا صدقہ عبداللہ کے ہاتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا یہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کوفہ میں سب سے اخیر میں ۸۶ھ میں وفات پانے والے ہیں اور امام ابوحنیفہ کی پیدائش میں راجح قول ۸۰ھ کا ہے آپ نے ان کا زمانہ پایا ہے اور زیارت کی ہے کیونکہ چھ سال کی عمر تک اپنے شہر کے صحابی کی زیارت نہ کی ہو یہ محال ہے اور ایک قول میں تو امام ابوحنیفہ کی پیدائش ۷۰ھ کی ہے اس قول کے لحاظ سے تو تابعی ہونا اور بھی ظاہر ہے۔ **فرشقتھم:** تیر مارے۔ سوال یہاں بظاہر جواب سوال کے مطابق نہیں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ اے براابن عازب کیا آپ غزوہ حنین میں بھاگے تھے اور جواب یہ دیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہ بھاگے تھے جواب۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یہ تھا کہ کیا سب بھاگ گئے تھے اور سب میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور پھر اگلی روایت میں تو الفاظ ہی یہ ہیں اولیتم اس لئے جواب سوال کے مطابق ہو گیا۔ **نزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بغلة:۔** خچر زیادہ نہیں بھاگتی اس لئے اس پر سوار ہونا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی کی دلیل ہے اور پھر نیچے اتر آنا مزید ثابت قدمی کی دلیل ہے۔ **استأنیت:۔** میں نے تمہارا انتظار کیا **ھذا الذی بلغنی عن سبی ھوازن:۔** یہ مقولہ امام زہری کا ہے۔

لاھا اللہ:۔ اس کے معنی ہیں لا واللہ اور ھا قسمیہ ہے بمعنی واو قسمیہ۔ **یختلہ:۔** دھوکا دینا چاہتا تھا۔ **اصیبغ:۔** چڑیا جیسا ایک چھوٹا سا پرندہ۔ **خرافاً:۔** باغ۔

باب غزوة اوطاس

اوطاس جگہ کا نام ہے اور باب کی غرض غزوہ اوطاس کی تفصیل بتلانا ہے۔ اس غزوہ کا واقعہ یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حنین میں فتح عظیم نصیب فرمائی تو کچھ ہوازن کے لوگ وادی اوطاس میں جمع ہوئے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا حضرت ابو عامر کی سرداری میں لشکر اوطاس بھیجا ان کی سرکوبی کے لئے چنانچہ لڑائی ہوئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

فنزا منه الماء: گھٹنے میں سے پانی نکلا۔

باب غزوة الطائف

یہ ایک بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے تین دن یا دو دن کے فاصلہ پر ہے۔ وجہ تسمیہ میں دو اہم قول ہیں۔ ۱۔ لدمون بن عبید بن مالک نے اپنے ابن عم عمر کو قتل کیا۔ حضرموت میں اور بھاگ آیا اور مسعود بن معتب ثقفی کو دیکھا جو کہ لنگڑا رہا تھا اور مالدار تھا تو لدمون نے مسعود سے معاہدہ کر لیا کہ ہم ایک دوسرے کا نکاح کرا دیں گے اور لدمون نے کہا کہ میں تمہارے مال سے تمہارے شہر کے گرد فصیل بناؤں گا کہ کوئی اہل عرب حملہ نہ کر سکے چنانچہ بنا دی تو اصل میں تو اس فصیل کا نام طائف ہے پھر پورے شہر کا نام طائف ہو گیا۔ ۲۔ امام سہیلی نے نقل فرمایا (جیسا کہ عینی میں ہے) کہ **طاف علیھا طائف من ربک وھم نائمون** کہ جبریل علیہ السلام نے اس زمین کو اٹھا لیا **فاصبحت کالصریم وھو اللیل** کہ وہ رات کی طرح کالی اور بے آباد رہ گئی پھر اس جگہ کو خانہ کعبہ کا طواف کرایا اور اس جگہ رکھ دیا جہاں اب طائف ہے اصل میں یہ زمین صنوران میں تھی جو صنعاء سے ایک فرسخ دور تھا اسی لئے طائف میں پانی اور درخت ہیں آس پاس نہیں ہیں اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے اٹھائے جانے کے کچھ بعد کا ہے پھر غزوہ طائف کی تفصیل اس باب کی غرض ہے اور وہ تفصیل اس باب کی روایات میں ہے حاصل یہ ہے کہ فتح حنین کے بعد تقسیم غنائم سے پہلے طائف کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ فرمایا ۱۵ یا ۱۷ یا ۲۰ یا ۳۰ یا ۴۰ دن مختلف روایات ہیں اور کچھ لڑائی بھی ہوئی پھر بغیر فتح فرمائے واپس تشریف لے آئے۔ **مخنث**: ۱-نون کے کسرہ کے ساتھ زیادہ فصیح شمار کیا جاتا ہے۔ ۲-نون کے فتح کے ساتھ زیادہ مشہور ہے۔ عورتوں جیسے بدن والا مرد اپنی کلام کی نرمی میں جس کو ہم ہجڑا کہتے ہیں۔ **لایدخلن ہولا علیکن**: کیونکہ یہ غیر اولی الاربۃ من الرجال میں داخل نہیں ہے۔ **ہیت**:۔ یہ اس مخنث کا علم ہے اور دونوں طرح منقول ہے ھاء کے کسرہ کے ساتھ اور ھاء کے فتح کے ساتھ اور بخاری شریف کے بعض نسخوں میں یہاں لفظ ھنب ہے جس کے معنی احمق کے ہوتے ہیں۔ **حدثنا سفیان الخبر کلہ**:۔ یعنی سفیان بن عیینہ نے پوری حدیث سنائی اور دوسرے نسخہ میں ہے کلہ بالخبر اس کے معنی یہ ہیں کہ عن کی جگہ بھی اخبرنا یا اخبرنی ہی کے الفاظ ہیں۔ **وکان تسور حصن الطائف**:۔ دیوار پھاند کر آ گئے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے اور دیوار پھاندے بغیر نکلنا مشکل تھا ان کے ساتھ کچھ اور حضرات بھی جو پہلے طائف میں غلام تھے دیوار پھاند کر آئے تھے اور پکے مسلمان ہوئے۔ **ثالث ثلثۃ و عشرین**: سوال۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے اپنے مغازی میں لکھا ہے کہ صرف حضرت ابوبکرۃ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ جواب۔ ۱-صحیح بخاری کی روایت سند کے لحاظ سے اقویٰ ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہے۔ ۲- پہلے صرف حضرت ابوبکرۃ آئے باقی بعد میں آئے۔ **جعرانۃ**:۔ دو طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱-جعرانۃ بسکون العین وتخفیف الراء۔ ۲-جعرانۃ بکسر العین وتشدید الراء۔ **الاتنجزنی ما وعدتنی**: ۱-ان اعرابی سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خصوصی وعدہ فرمایا ہوا تھا اس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے۔ ۲-عمومی وعدہ تھا کہ طائف سے واپس آ کر جعرانہ میں غنیمت تقسیم کریں گے اب وہ دیہاتی اسی وعدہ کو یاد کرا رہا تھا کہ اب جلدی تقسیم فرما دیں۔ **ابشر**:۔ ۱-خوش ہو جاؤ کہ اب میں تقسیم کرنے لگا ہوں۔ ۲-خوش ہو جاؤ کہ تم نے اب تک صبر کیا تمہیں اس صبر کا بہت ثواب ملے گا۔ **لما افاء اللہ**:۔ یہ فیئی سے ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں کیونکہ یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا ہے کافر عارضی طور پر غالب آ گئے اب اصل مالک کی طرف لوٹ آیا۔ **فی المولفۃ قلوبھم**:۔ ۱-کافر جن کے ایمان لانے کی امید ہو کہ کچھ مال لے کر خوش ہو جائیں اور اسلام کی حقیقی دولت حاصل کرنے کی توفیق ہو جائے۔

۲-ایسے مسلمان جن کے خادم اور ماتحت جن کو اتباع کہا جاتا ہے بہت سے ہوں تو ان مسلمانوں کو مال و دولت دی جاتی تھی کہ ان اتباع کو جو کافر ہیں ان کو شوق پیدا ہو کہ ایمان کے بعد بھی دنیا سے ہم محروم نہ ہو جائیں گے بلکہ بہت کچھ ملے گا ایسے مسلمانوں کو مولفۃ القلوب کہا جاتا تھا۔ ۳- جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں ان کی امداد کی جاتی تھی کہ غریبی اور تنگدستی کی وجہ سے کہیں گھبرا کر ایمان کی دولت سے محروم نہ ہو جائیں اور دوبارہ کفر کے اندھیروں میں نہ چلے جائیں۔ **ولم یعط الا نصار شیئاً**: سوال۔ جب انصار جہاد میں شریک تھے تو ان کو ان کا حصہ کیوں نہ دیا گیا۔ جواب۔ ۱-حنین کی غنیمت عام جہادات کی غنیمت سے مستثنیٰ قرار دی گئی تھی اور اس کے لیے خصوصی حکم نازل ہوا تھا۔ جواب۔ ۲- یہ انصار کو نہ دینا صرف خمس میں سے تھا۔ اصل غنیمت عام اصول کے مطابق تقسیم فرمائی تھی۔ **لو شئتم قلتم جئتنا کذا و کذا**: اس کی تفصیل مسند احمد میں ہے عن انس مرفوعاً افلا تقولون جئتنا خائفاً فامناک وطریداً فاویناک ومخذولا فنصرناک قالوا بل المن علینا للہ ولرسولہ اور یہ فرمانا تواضعاً تھا ورنہ اصل احسان تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ان پر تھا۔ **مایمنعکم ان تجیبوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**: کہ تم نے مجھ پر اعتراض کیوں کیا کہ اہل مکہ کو دیا ہمیں نہ دیا۔ **والناس وثار**: وہ لباس جو شعار کے اوپر

پہنا جاتا ہے۔ اس کو دثار کہتے ہیں۔ **والطلقاء:** اس سے مراد اہل مکہ ہیں کیونکہ ان کو فتح مکہ کے موقعہ میں قید سے آزاد کیا گیا تھا اور قیدی نہ بنایا گیا تھا اور ان سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا لاتثریب علیکم الیوم ایک روایت کے مطابق غزوہ حنین میں دو ہزار اہل مکہ شریک ہوئے تھے۔ **لم یخلط بینھما:** دونوں آوازیں صاف تھیں۔

غزوہ حنین میں حکمتیں اور فوائد

۱۔ اذا عجبتکم کثر تکم ۔ عجب اور خود پسندی کو ختم کرنا۔ ۲۔ خود پسندی کا علاج فرمانے کے بعد پھر حق تعالیٰ نے احسان فرمایا اور فتح بھی عنایت فرمادی تاکہ اہل مکہ کو ہوازن سے خطرہ نہ رہے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے بنی ہوازن کے دل میں ڈالا کہ سب مال اسباب اور اولاد لے چلو لڑنے کے لیے تاکہ مسلمانوں کو خوب غنیمت ملے۔ ۴۔ اہل مکہ کو خوب غنیمت ملی اس سے ان کا اسلام پختہ ہوا کیونکہ حب مال انسان میں فطرتی چیز ہے۔ ۵۔ جب بنی ہوازن کے بچے اور عورتیں واپس ہوئے تو اس سے ان کا اسلام مضبوط ہوا اور ان کو بہت خوشی نصیب ہوئی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوا۔ ۶۔ انصار کو کم دے کر ان کے ایمان کی عظمت کا ظاہر فرمانا مقصود تھا۔ ۷۔ انصار کو سمجھانے کا طریقہ اور اتمام حجت کا طریقہ ہمیں بتلا دیا۔ ۸۔ انصار کی کمال اطاعت ظاہر ہوئی کہ انہوں نے اف نہ کی۔ ۹۔ انصار نے واقعہ کی حقیقت بلاتکلف بیان فرمادی کہ ہمارے کچھ نوجوانوں سے غلطی ہوئی ہے اور انہوں نے کچھ اعتراض کی باتیں کی ہیں۔ ۱۰۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کا اونچا درجہ ظاہر فرمادیا کہ وہ میرے پیارے ہیں۔ ۱۱۔ بڑوں کو چاہیے کہ وہ چھوٹوں کو سمجھائیں۔ ۱۲۔ اظہار عتاب ضرورت کے موقعہ میں مستحسن ہے۔ ۱۳۔ ترغیب توبہ مستحسن ہے۔ ۱۴۔ انصار نے معذرت چاہی اور ثابت ہوا کہ غلطی والے کا معذرت چاہنا مستحسن ہے اگر کوئی معقول وجہ ہو تو بیان کردے۔ ۱۵۔ جو مناسب طریقہ سے معذرت چاہے تو اس کو معاف کردینا چاہیے جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیا۔ ۱۶۔ پیشین گوئی اور اخبار بالغیب کا معجزہ ظاہر ہوا کہ تم پر ترجیح ظاہر ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۷۔ بیت المال کی تقسیم میں حسب ضرورت کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ ۱۸۔ غنی کو بھی مصلحت کی وجہ سے کچھ دیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۔ دنیا کا حق مانگنے کی گنجائش ہے جیسے ہوازن نے مانگا۔ ۲۰۔ ضرورت کے موقعہ میں وعظ کہنا چاہیے۔ ۲۱۔ وعظ خصوصی بھی ہوسکتا ہے جس میں کسی کو آنے کی اجازت ہو کسی کو نہ ہو۔ ۲۲۔ دنیا فوت ہونے پر تسلی دینی چاہیے۔ ۲۳۔ ہدایت ملنے پر۔ اتفاق ملنے پر۔ غنی پر شکر کرنا چاہیے۔ ۲۴۔ اللہ تعالیٰ کا اور پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ماننا چاہیے۔ ۲۵۔ آخرت کو دنیا پر ترجیح حاصل ہے۔

باب السریة التی قبل نجد

سری کے معنی نفیس کے ہیں کیونکہ عموماً سریہ لشکر میں سے عمدہ ہوتا ہے۔ نجد کے لغوی معنی بلند جگہ کے ہوتے ہیں۔ یہاں نجد کا مصداق وہ بلند حصہ ہے جو عراق اور حجاز کے درمیان واقع ہے۔ امام بخاری نے گو اس سریہ کو غزوہ حنین کے ذکر کے بعد ذکر کیا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ سریہ شعبان ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے واقع ہوا نجد میں ارض محارب کی طرف حضرت قتادہ کو پندرہ (۱۵) حضرات کا سردار بنا کر بھیجا گیا جو ۲۰۰ اونٹ دو ہزار (۲۰۰۰) بکریاں اور بہت سے قیدی لائے ۱۵ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے خمس نکالا گیا اور باقی اہل سریہ پر تقسیم کیا گیا اور باب کا مقصد اسی سریہ کا بیان ہے۔

باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید الی بنی جذیمة

باب کی غرض اس واقعہ کا بیان ہے۔ بنی جذیمہ شاخ ہے بنی کنانۃ کی ان کی طرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولید کو ۳۵۰ حضرات کے ساتھ شوال ۸ھ کو فتح مکہ کے بعد اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تھا لڑائی مقصود نہ تھی۔ یہ چھوٹا سا لشکر صرف احتیاطاً ساتھ کر دیا تھا۔

باب سرية عبدالله بن حذافة

غرض اس سریہ کا بیان ہے اور اس سریہ کی بس یہی تفصیل متداول کتب حدیث میں منقول ہے جو اس زیر بحث باب کی حدیث میں آگئی۔ **ادخلوها:.** ان کی غرض صرف امتحان تھا حقیقۃً جلانا مقصود نہ تھا۔ **بعث ابی موسیٰ ومعاذ بن جبل الی الیمن قبل حجة الوداع:.** غرض اس واقعہ کا بیان ہے۔ **مخلاف:.** ایک بڑا حصہ جس کو آج کل صوبہ کہتے ہیں۔ **الی عمله:.** مضاف محذوف ہے الی موضوع عملہ۔ **احدث به عهداً:.** ملاقات کرتا تھا۔ **اتفوقه تفوقاً:.** تھوڑے تھوڑے وقفے سے پڑھتا ہوں۔ **وتطاوعا:.** ایک دوسرے کو خوش رکھنا۔ **وضرب فسطاطاً:.** اس ضرب کے فاعل حضرت ابوموسیٰ اشعری ہیں۔ **ومکثنا بذلک حتی استخلف عمر رضی الله تعالیٰ عنه:.** ہم ایک سفر میں حج اور عمرہ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر خلیفہ بنے انہوں نے ایک سفر میں دونوں کا کرنا ممنوع قرار دیا لیکن یہ ممانعت تنزیہی تھی۔ **لقد قرت عین ام ابراهیم:.** سوال۔ یہ لفظ اگر نماز میں مقتدی کہے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے تو حضرت معاذ نے اس شخص کو نماز کے اعادہ کا حکم کیوں نہ دیا۔ جواب۔ ا۔ اس وقت ان کی تحقیق یہی تھی کہ یہ الفاظ ناقض صلوۃ نہیں ہیں۔ ۲۔ حکم اعادہ کا فرمایا لیکن راوی نے اختصار کیا ہے اعادہ کا ذکر نہیں کیا۔ ۳۔ یہ الفاظ اس شخص نے سلام کے بعد اسی جگہ بیٹھے بیٹھے کہے تھے۔

باب بعث علی بن ابی طالب

غرض اس واقعہ کا بیان ہے۔

من شاء منهم ان یعقب معک فلیعقب جو چاہے ان میں سے کافروں کو سزا دینے کے لیے یعنی جہاد کرنے کے لیے تمہارے ساتھ چلا جائے ومن شاء فلیقبل اور جو چاہے مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو جائے اور وطن واپس آجائے۔ **فان له فی الخمس اکثر من ذلک:** سوال۔ حضرت علی نے خمس میں سے جاریہ کیسے لے لی۔ جواب۔ حضرت علی بھی تو رعیہ میں داخل ہیں جن کے لیے خمس ہوتا ہے تو انہوں نے اپنا حصہ لے لیا۔ سوال۔ استبراء یعنی ایک حیض گزارے بغیر اس جاریہ سے وطی کیسے کرلی۔ جواب۔ ا۔ وہ نابالغہ تھی یا غیر شادی شدہ تھی اور ایسی کے ساتھ بلا استبراء بھی وطی ان کے نزدیک جائز تھی جیسا کہ بعض صحابہ کا مذہب اسی طرح منقول ہے۔ ۲۔ قبضہ کے بعد ایک حیض گزر گیا تھا اور استبراء مکمل ہو گیا تھا اس کے بعد وطی فرمائی تھی۔ **مقروظ:.** مدبوغ رنگا ہوا۔ **لم تحصل من ترابها:.** وہ سونا ایسا تھا کہ ابھی تازہ تازہ کان سے نکالا ہوا تھا اس لئے مٹی سے ملا ہوا تھا ابھی مٹی سے الگ کیا ہوا نہ تھا۔ **الرمیه:.** بمعنی مرمیہ مطلب یہ کہ تیر شکار میں سے نکل کر پار ہو جائے اور تیر پر خون کا نشان نہ ہو۔ **این یقیم علیٰ احرامه:.** باب سے مناسبت یہ ہے کہ حضرت علی یمن سے حج کے لئے آئے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ میں۔ **بسعایة:.** ان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس لینے بھیجا تھا تو وہ خمس لے کر آئے۔ **غزوة ذی الخلصة:.** غرض اس غزوہ کا بیان ہے۔ مکان کا نام خلصۃ تھا اور اس میں جو بت رکھا ہوا تھا اس کا نام ذوالخلصۃ رکھا تھا۔ **والکعبة الشامیة:.** سوال۔ اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالخلصہ کا نام کعبہ یمانیہ بھی تھا اور کعبہ شامیہ بھی تھا حالانکہ کعبہ شامیہ تو مکہ مکرمہ والے کعبۃ اللہ کا نام تھا جواب یہاں الکعبۃ مبتدا ہے اور الشامیۃ خبر ہے کہ اصل کعبہ تو کعبہ شامیہ تھا اور یہ جملہ ترکیب میں حال واقع ہو رہا ہے۔ **ولاحمس:.** یہ احمس حضرت جریر کا قبیلہ تھا۔ **جمل اجرب:.** ا۔ خارش والے اونٹ کی طرح بے رونق اور بدصورت ہو گیا۔ ۲۔ خارش والے اونٹ کی طرح کالا ہو گیا۔ **غزوة ذات السلاسل:.** اس غزوہ کا بیان مقصود ہے وجہ تسمیہ۔ ا۔ کافروں نے پاؤں میں زنجیریں ڈال رکھی تھیں کہ مرجانا ہے بھاگنا نہیں ہے۔ ۲۔ وہاں کے پانی کا نام السلسل یہ جگہ مدینہ منورہ سے دس

دن کے فاصلہ پر تھی۔ ۸ھ یا ۷ھ میں ہوا۔ **بلی وعذرۃ وبنی القین:** یہ قبیلوں کے نام ہیں۔ **علی جیش ذات السلاسل:** اس غزوہ کا واقعہ یوں ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی قضاعہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو ان کی سرکوبی کے لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو ۳۰۰ کا لشکر دے کر بھیجا پھر ان کے امداد مانگنے پر دو سو کا لشکر حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کی سرداری میں بطور امداد بھیجا ان دو سو میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی تھے اس طرح حضرت عمرو بن العاص کو ایک فضیلت جزئی ملی کہ ان کی سرداری میں حضرات شیخین نے جہاد فرمایا۔

باب ذهاب جرير الى اليمن

غرض اس واقعہ کا بیان ہے اور یہ جانا ذی الخلصۃ کی طرف جانے کے علاوہ ہے۔ **ذاکلاع:** ان کے بارے میں تین اہم روایتیں ہیں۔ ۱- یہ اپنی قوم کے سردار تھے اور زمانہ جاہلیت میں غلطی یہ بھی کر چکے تھے کہ نعوذ باللہ خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن بعد میں توبہ کی توفیق ہوئی اور مسلمان ہو گئے اور وفد کی صورت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابی ہونے کی فضیلت سے مشرف ہوئے اور ایک قول میں غلاموں کے دس ہزار خاندانوں کو آزاد کیا اور ایک قول میں بارہ ہزار خاندانوں کو آزاد کیا اور ان کی طرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھی بھیجا تھا کہ مسلمہ کذاب اور اسود عنسی کے خلاف مسلمانوں کی امداد کریں۔ ۲- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف حضرت جریر کو بھیجا تو یہ مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے لیکن مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ ۳- حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ پھر ان کی وفات ۳۷ھ میں جنگ صفین میں ہوئی اور یہ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔ زیر بحث حدیث کے الفاظ سے بظاہر اسی تیسرے قول ہی کی تائید ہوتی ہے۔ **ذاعمرو:** ان کے بارے میں دو اہم قول ہیں۔ ۱- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور صحابی ہونے کی فضیلت سے مالا مال ہوئے۔ ۲- مسلمان ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن ابھی راستہ ہی میں تھے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ **وانی مخبرک خبرا:** اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتب سابقہ پڑھتے تھے اسی لئے فرما رہے ہیں کہ جب تک مشورہ سے خلافت بناؤ گے بھلائی پر رہو گے پھر لڑائی اور بادشاہت شروع ہو جائے گی اس کی تائید مرفوع روایت سے ہوتی ہے جو مسند احمد اور سنن اربع میں ہے عن سفینۃ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تصیر ملکا۔

باب غزوة سيف البحر

اس غزوہ کا بیان مقصود ہے اور سیف بکسر السین ساحل کو کہتے ہیں۔ **ابوعبیدۃ بن الجراح:** ان کا نام کیا تھا۔ ۱- عامر بن الجراح ۲- عبداللہ بن عامر بن الجراح عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بدری صحابی ہیں۔ ۵۸ سال کی عمر میں طاعون میں اردن میں ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ کی خلافت میں وفات پائی اور وہاں ہی ان کی قبر مبارک ہے حضرت معاذ بن جبل نے نماز جنازہ پڑھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعن کل الصحابۃ اجمعین۔ **مزودی تمر:** مزود اس تھیلے کو کہتے ہیں جس میں زاد رکھا جاتا ہے۔ **انطرب:** چھوٹا پہاڑ۔ **الخبط:** سلم کے ورق اور سلم ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جس کے پتوں سے چمڑا رنگا جاتا ہے۔ **ثابت الینا:** لوٹ آئے اور پہلے کی طرح مضبوط ہو گئے۔ **جزائر:** جمع ہے جزور کی بمعنی اونٹ۔ **قال انحر:** کہنے والے ان کے والد ہیں۔ **نهيت:** روکنے والے حضرت ابوعبیدہ ہیں۔ **حج ابی بکر بالناس فی سنة تسع:** سوال۔ غزوات میں حج کا ذکر تو مناسب نہیں۔ جواب۔ مناقب سے لے کر یہاں تک اصل ذکر سیرت کا ہے اس میں

احوال نبوت علامات رسالت۔ احوال صحابہ خصوصیہ ہجرت جہادات ذکر فرمائے اب سیرت کے آخری حالات ہیں ان آخری حالات میں واقعہ وفات اور حج ابی بکر وغیرہ مذکور ہیں۔ **وفد بنی تمیم:.** یہاں سے امام بخاری وفدوں کا ذکر شروع کر رہے ہیں جو عام الوفود یعنی ۹ھ میں آئے اور اپنے اپنے قبیلوں کا اسلام ظاہر کیا اور وروایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا کا مصداق پایا گیا۔ **باب:.** تتمہ ہے۔ ماقبل کا **عیینة بن حصن:.** محرم ۹ھ میں گئے ۱۱ مرد ۱۱ عورتیں اور ۳۰ بچے قید کر کے لائے۔

باب وفد عبدالقیس

اس وفد کا بیان مقصود ہے۔ **خشیت ان افتضح:.** یہ ان اکثرت کی جزاء ہے کہ اگر زیادہ یہ شربت پیؤں تو ڈر ہوتا تھا کہ میں نشہ کی وجہ سے مجلس میں ذلیل نہ ہو جاؤں۔ سوا۔ اس باب کی پہلی اور دوسری روایت میں بظاہر تعارض ہے پہلی روایت میں پانچ چیزیں ہیں اور دوسری میں چار چیزیں مذکور ہیں۔ صوم رمضان کا ذکر نہیں ہے جواب۔ ۱- دو دفعہ گفتگو ہوئی۔ پہلی دفعہ چار زیادہ اہم کا ذکر فرمایا اور دوسری دفعہ پوری پانچ کا ذکر فرمایا پہلے ایمان میں چار چیزیں اجمالاً پھر چاروں تفصیلاً۔ ۲- راوی سے ایک چیز نسیاناً چھوٹ گئی دوسری روایت میں۔ **الیمامة:.** یمن کا بڑا شہر۔

احدھما العنسی:. اسود عنسی کے متعلق دو اہم قول ہیں۔ ۱- اس نے نبوت کا دعویٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا تھا اس قول پر یخرجان من بعدی بالکل ظاہر ہے۔ ۲- دوسرا قول جس کو راجح شمار کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کا قتل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک رات پہلے ہوا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں نے اطلاع دی چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح حضرات صحابہ کرام کو اطلاع فرما دی اور پیغام لانے والے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک دن بعد پہنچے۔ اسود عنسی کا شور تین ماہ رہا۔ یہ کاہن تھا ایک یا دو جن اس کے قبضہ میں تھے لوگوں کو کرتب دکھایا کرتا تھا۔ نبوت کا دعویٰ بھی کیا۔ اس کی موت کا واقعہ یوں پیش آیا کہ صنعاء یمن کا ایک بڑا شہر تھا اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا عامل باذان جب فوت ہوا تو اسود عنسی کے جن نے اس کو خبر دے دی تو اس نے آ کر صنعاء پر قبضہ کر لیا اور اس کی بیوی مرزبانہ سے نکاح کر لیا۔ حضرت فیروز اور ان کے ساتھیوں نے بیوی کی امداد سے اسود عنسی کو قتل فرمایا۔ بیوی نے شراب پلا دی حضرت فیروز نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں اس نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت فیروز نے اس کو قتل کر دیا۔ دوسرے قول پر یخرجان من بعدی کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کا تذکرہ میرے بعد ہوگا۔ **والآخر مسیلمة:.** باب سے مناسبت یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب وفد بنی حنیفہ میں مدینہ منورہ آیا تھا اور آ کر کہا تھا کہ اب ہم آپ کی حکومت مان لیتے ہیں لیکن آپ کے بعد میں آپ کا خلیفہ ہوں گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات نہ مانی واپس جا کر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور حضرت صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں وحشی بن حرب اور ایک انصاری نے اسے قتل کیا اور یہ جو ارشاد فرمایا یخرجان من بعدی اس کی ایک توجیہ تو ابھی اسود عنسی کے واقعہ میں گزری کہ ان دونوں کا تذکرہ میری وفات کے بعد بہت ہوگا اس کے علاوہ مسیلمہ کذاب کے واقعہ میں دو توجیہیں بالکل ظاہر ہیں۔ ۱- میرے بعد سے مراد ہے میرے غلبہ کے بعد اور غلبہ ہوا فتح مکہ میں اور یہ توجیہ اسود عنسی کے واقعہ میں بھی جاری ہوتی ہے۔ ۲- مسیلمہ کذاب کا شور میری وفات کے بعد ہوگا اور یہ توجیہ اسود عنسی کے متعلق پہلے قول پر تو ہو سکتی ہے دوسرے قول پر مناسب نہیں۔ **صاحب صنعاء وصاحب الیمامة:** یہ دونوں یمن میں بڑے شہر ہیں پہلے میں اسود عنسی نے اور دوسرے میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں۔ **جثوة:.** ٹیلا مٹی کا۔ **طفنابه:.** لپائی کرتے تھے۔ **ننصل:.** نیزوں کے کناروں سے لوہا اتار دیتے تھے رجب

کے احترام میں تاکہ لڑائی نہ کرسکیں آگے اسی کی وضاحت ہے۔
فلما سمعنا بخروجه:. یہاں خروج سے مراد ظہور سے ہے بصورت فتح مکہ۔**قصة الاسود العنسی:.** غرض اس قصہ کا بیان ہے۔**وھی ام عبدالله بن عامر:** بنت الحارث مسیلمہ کی بیوی تھی اور مسیلمہ کے مرنے کے بعد انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر سے نکاح کرلیا تھا اس نکاح سے جولڑکا پیدا ہوا اس کا نام بھی عبداللہ ہی رکھا گیا اس لئے ان کو ام عبداللہ بن عامر کہہ دیتے تھے اصل میں ان کا نام تھا ام عبداللہ بن عبداللہ بن عامر دوسری توجیہ یہ بھی ہے کہ مراد ہے ام اولاد عبداللہ بن عامر یہ بنت الحارث مسیلمہ کے مدینہ منورہ آنے کے وقت یمامہ میں تھی لیکن اس کی ملک میں ایک مکان مدینہ منورہ میں تھا اس لئے مسیلمہ کذاب اپنی بیوی کے مکان میں آکر ٹھہرا۔
خلیت بیننا وبین الامر:. ای تخلیت کہ اب آپ اکیلے بادشاہ رہیں پھر میں اکیلا بادشاہ رہوں آپ کی وفات کے بعد اور دوسرے نسخہ میں یوں ہے خلینا بینک وبین الامر اس کے معنی ظاہر ہیں کہ ہم نے اب حکومت آپ کے لئے چھوڑ دی۔ پھر مسیلمہ کذاب نے واپس جا کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔
ففظعتهما:. اس کی تفسیر اس کے فوراً بعد واؤ تفسیر یہ سے فرما دی فکر ھتھما۔**قصة اهل نجران:.** غرض ان کا قصہ بیان فرمانا ہے مکہ مکرمہ سے یمن کی طرف جائیں تو مکہ مکرمہ سے سات دن کے سفر پر ۷۳ بستیاں عیسائیوں کی تھیں ان کو نجران کہتے تھے کہ تیز گھوڑ سوار ایک دن میں ان تمام بستیوں کو طے کرسکتا تھا۔**قصه عمان والبحرین:.** ان دونوں جگہوں کا حال بتلانا مقصود ہے یمن کے ایک حصہ کو عمان کہتے ہیں اور بصرہ اور عمان کے درمیان کی جگہ کا نام بحرین ہے۔

باب قدوم الاشعریین واهل الیمن

غرض ان کے آنے کا حال بیان فرمانا ہے۔

لما قدم ابو موسیٰ:. جب حضرت ابوموسیٰ کوفہ امیر بن کر تشریف لائے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں۔
اکرم هذاالحی من جرم:. اس قبیلہ کا بہت احترام فرمایا من بیانیہ ہے۔اکرم کے فاعل حضرت ابوموسیٰ ہیں۔
تغفلنا:. ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم سے غفلت کو غنیمت سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قسم کو بھول گئے ہیں اور بھول کر قسم کے خلاف کرلیا ہے۔
اجل:. ہاں مجھے اپنی قسم یاد ہے اور میں بھولا نہیں ہوں۔
الفدادین عند اصول اذناب الابل: پہلی دال کی شد کے ساتھ زور سے آواز نکالنے والے۔اونٹوں والے کسانوں کی عادت تھی کہ اونٹوں کی دموں کے پاس آواز نکالتے تھے۔۲۔پہلی دال کی تخفیف کے ساتھ۔ہل والے کیونکہ اونٹوں والے کسان اونٹوں کی دموں کے پاس ہل باندھتے تھے۔دونوں صورتوں میں مقصد یہ ہے کہ عموماً کھیتی باڑی کرنے والے دین سے غافل ہوتے ہیں۔
من حیث یطلع قرنا الشیطان: یہ دونوں قبیلے مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف واقع ہے۔**ارق افئدة والین قلوباً:** فواد غلاف قلب کو کہتے ہیں اس لئے اس کے مناسب رقیت ہے اور قلب مغز کو کہتے ہیں اس لئے اس کے مناسب لین اور نرمی ہے۔**الایمان یمان والحکمة یمانیة:.** یعنی اہل یمن کے دل ایمان اور حکمت کے معادن ہیں کانیں ہیں خزانے ہیں۔**والفتنة ھھنا ھھنا یطلع قرن الشیطان:.** یعنی اہم ترین فتنہ خروج دجال کا مشرق کی طرف سے شروع ہوگا۔**فی قومک و قومه:.** مقصد یہ ہے کہ تیری قوم سے اے زید بن حدیر اس کی قوم بہتر ہے کیونکہ اس کی یعنی علقمہ کی قوم نخع ہے اور بعض روایات میں نخع کی مدح آئی ہے اور تمہاری قوم اے زید بن حدیر بنی اسد ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنی جھینہ بہتر ہے بنی اسد اور بنی غطفان سے اسی روایت کے شروع میں جو یا ابا عبدالرحمٰن ہے یہ کنیت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کی۔**قصة دوس:.** قبیلہ دوس کا ذکر کرنا مقصود

ہے۔**من دارة الكفر نجت:** . اے رات باوجود درازی اور مشقت کے (تیرا شکریہ) تو نے دارالکفر سے نجات دی۔**فلا ابالی اذاً:** . ۱-آپ کی زبان مبارک سے اتنی تعریفیں ہی میرے لئے بہت بڑی سعادت ہے مزید تعریفوں کی ضرورت نہیں۔۲-اب مجھ پر غیر کو مقدم بھی کر دیں تو پرواہ نہیں۔

باب حجة الوداع

غرض حجۃ الوداع کا بیان ہے حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے وجہ معلوم نہیں ہوئی کہ امام بخاری نے حجۃ الوداع کو غزوہ تبوک سے پہلے کیوں ذکر فرمایا جبکہ غزوہ تبوک ۰۹ھ میں ہوا اور حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوا۔**یراہ قبل و بعد:** . حضرت ابن عباس کے نزدیک وقوف عرفات سے پہلے بھی حلال ہونے کی اجازت تھی اور بعد بھی یعنی جبکہ تمتع کرنے والا ہو اور ھدی ساتھ نہ ہو۔**احججت:** . کیا آپ نے حج اکبر یا حج اصغر کا احرام باندھ لیا ہے **ففلت راسی:** . میرے سر سے جوں تلاش کی۔**وماندری ماحجة الوداع:** . نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا ذکر فرمایا تھا لیکن ہمیں یہ پتہ نہ چلا کہ کس کو رخصت کرنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیتیں فرما کر اشارہ فرما دیا کہ میں رخصت ہو رہا ہوں لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں وفات کے بعد آئی۔**حجة الوداع:** . اس سے پہلے مبتدا محذوف ہے۔ھی حجۃ الوداع۔**وبمكة اخرى:** . یہ شبہ کا جواب ہے شبہ یہ کہ شاید پوری زندگی میں ایک ہی حج فرمایا ہو جواب دیا کہ مکی زندگی میں اور بھی کیے بہت سے جن کی گنتی معلوم نہیں۔**قال محمد احسبه:** . یعنی محمد بن سیرین جو راوی ہیں انہوں نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ روایت میں واعراضکم کا لفظ بھی تھا۔**فی حجة الوداع:** . مقصد یہ ہے کہ اوپر کی روایت میں مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فی حجۃ الوداع کا لفظ بھی روایت میں منقول ہے۔**عن عامر بن سعد:** . یعنی سعد بن ابی وقاص۔**رثی له:** . ای رق ورحم شفقت کا اظہار فرمایا اور یہ مقولہ امام زہری کا ہے۔**اخلف بعد اصحابی:** . کیا میں مدینہ منورہ جانے سے اور اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا۔**انک لن تخلف:** . اس کے دو معنی ہیں۔۱-اگر تم پیچھے رہ بھی گئے تو نیکی سے درجے بلند ہوں گے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔۲-اشارہ فرمایا کہ ابھی تمہاری موت نہیں آ رہی اور تم دنیا میں ابھی رہو گے اور اس زندگی میں اگر اخلاص سے نیکی کرو گے تو درجے بلند ہوں گے۔**لعلک تخلف:** . امید ہے کہ تمہاری زندگی ہوگی اس میں تصریح فرما دی کہ ابھی موت نہ آئے گی اور مکہ مکرمہ میں نہیں رہ جاؤ گے بلکہ زندہ رہ جاؤ گے۔

باب غزوة تبوک

غرض غزوہ تبوک کا بیان ہے تبوک ایک چشمہ تھا جو مدینہ منورہ سے شام کی طرف ۱۴ دن کے سفر کے فاصلہ پر تھا۔ تبوک سے آگے دمشق ۱۱ دن کی مسافت پر ہے اور کہا گیا ہے کہ اصحاب ایکہ اسی مقام تبوک میں رہتے تھے پھر لفظ تبوک میں مشہور غیر منصرف ہونا ہے علیت اور تانیث کی وجہ سے لیکن بخاری شریف کی ایک روایت میں تبوکا بھی آیا ہے جو بتاویل مکان مذکر شمار کرنے کی وجہ سے ہے یا بتاویل موضع۔ پھر یہ غزوہ تبوک وہ آخری غزوہ ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شرکت فرمائی یہ رجب ۰۹ھ میں واقع ہوا اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ ہرقل نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے شام میں بہت سے قبیلوں کو ساتھ ملا کر فوجیں تیار کی ہیں اور بلقاء جگہ تک فوجوں کا مقدمہ آ چکا ہے اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جانا ہے وہاں کی تصریح فرما کر تیاری کا حکم دیا کیونکہ دور کا سفر تھا جبکہ عام عادت مبارکہ صرف توریہ کرنے کی تھی کہ ایک لڑائی میں جانا ہے سخت گرمی تھی۔ اپنا خلیفہ محمد بن مسلمہ کو بنایا اور کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کو بنایا اور بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنی جگہ چھوڑنے کا ذکر ہے اس تعارض میں تطبیق یہ ہے کہ نماز کی امامت کے لئے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مقرر فرمایا اور گھر کی عورتوں اور بچوں کے انتظامات کے لئے حضرت علی کو اور باقی انتظامات

کے لئے حضرت محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ منورہ ہی میں رہا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا جس میں دس ہزار گھوڑ سوار تھے بعض نے چالیس ہزار اور بعض نے ستر ہزار کا لشکر ذکر فرمایا ہے تطبیق غزوہ بدر کی طرح ہے کہ بعض نے تبعاً جانے والوں کو بھی شمار کیا اور بعض نے نہ کیا تبوک کے میدان میں پہنچ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۰ دن وہاں قیام فرمایا۔ کافر واپس چلے گئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ واپس روانہ ہو گئے اور رمضان ۹ھ میں واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ امام بیہقی نے سند حسن کے ساتھ عبدالرحمن بن غنم سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ یہود نے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو باقی نبیوں کی طرح شام میں رہیں سفیر فرمایا تبوک میں وحی نازل ہوئی **وان کا دوالیستفزونک من الارض لیخرجوک منها واذ الایلبثون خلفک الاقلیلا سنة من قدارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا** رجوع کا حکم نازل ہو گیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے۔ **وھی غزوۃ العسرۃ:** یہ لقب اس آیت سے ماخوذ ہے **لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعة العسرۃ**۔ وجہ یہ تھی کہ پانی، سواریاں اور کھانے کی چیزیں کم تھیں اور گرمی سخت تھی۔ **الحملان:** سواری **وو افقة و ھو غضبان ولا اشعر:**. جب میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص پر ناراض تھے اور مجھے پتہ نہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں۔ **سویعةً:**. یہ تصغیر ہے ساعۃ کی جس کے اصل معنی زمانہ کا ایک حصہ ہیں پھر دن رات کے چوبیسویں حصہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ **لستة العبرۃ:**. سوال اس سے پہلے قرینین دو دفعہ ہے کہ یہ جوڑی لے لو یہ جوڑی لے لو یہ تو کل چار اونٹ ہوئے راوی نے چھ اونٹ کیوں فرمایا۔ جواب۔ ۱- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ھذین القرینین دو دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ فرمایا تھا۔ راوی نے تیسری دفعہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے اس لئے چھ اونٹ شمار کرنا صحیح ہے۔

۲- قرینین جو دوسرا ہے اس میں چار اونٹ تھے ان چاروں کو قرینین شمار کیا گیا ہے اور اس طرح بھی شمار کر لیا جاتا ہے اس طرح سے بھی کل چھ اونٹ ہو جاتے ہیں۔ **واستخلف علیا:**. اس سے شیعہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی بلافصل خلافت کے حق دار بن گئے تھے کیونکہ نبوت کے سوا سب چیزوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرما دیا تھا۔ جواب۔ یہ تو سفر پر جانے کی وجہ سے استخلاف تھا اس سے وفات کے بعد استخلاف ثابت نہیں ہوتا۔

باب حدیث کعب بن مالک

غرض حضرت کعب بن مالک کا واقعہ بیان فرمانا ہے۔ **یرید الدیوان:**. یہ تفسیر امام زہری نے فرمائی ہے۔ **تفارط الغزو:**. مجھ سے غزوہ فوت ہو گیا۔ **رجلا مغموصاً علیه النفاق:**. ایسا شخص جس پر منافق ہونے کی تہمت لگی ہوئی تھی۔ **حبسه برداہ و نظرہ فی عطفیه:**. اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- بردین کے معنی چادریں اور عطفین کے معنی بدن کے دو کنارے کہ ان میں عجب اور خود پسندی ہے نفس کی وجہ سے اور لباس کی وجہ سے اس لئے وہ غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے۔ ۲- بردین کے معنی چادریں اس کے بعد بھی عطف تفسیری ہے کیونکہ عطف کنایہ ہوتا ہے چادر سے حاصل یہ ہوا کہ اس کی دو چادروں نے اس کو روک دیا پھر چادر بول کر کنایہ خوبصورتی اور تروتازگی سے ہے حاصل یہ ہوا کہ خود پسندی جوان کو ان کی شکل وصورت کی وجہ سے تھی اس نے ان کو جہاد کی دولت سے محروم کر دیا۔ **زاح عنی الباطل:**. میں نے جو ارادہ جھوٹ بولنے کا کیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ **مازالوا یونبوننی:**. ہمیشہ رہے مجھے شدید ملامت کرتے تانیب کے معنی ہیں اللوم العنیف سخت ملامت۔ **صارخ اوفیٰ علی جبل سلع:**. چیخنے والا جو چڑھ گیا تھا سلع پہاڑ پر یہ حضرت صدیق اکبرؓ تھے یا بنی اسلم قبیلہ کے کوئی آدمی تھے اور تطبیق یہ ہے کہ دونوں

حضرات نے چیخ کر خوش خبری سنائی تھی۔ **وانما هو تخليفه ايانا:** یعنی آیت میں جو لفظ ہے **و علی الثلثة الذین خلفوا** اس کے یہ معنی نہیں کہ جہاد سے پیچھے چھوڑے ہوئے بلکہ اس کے معنی ہیں توبہ قبول ہونے ہیں پیچھے چھوڑے ہوئے کیونکہ ان تین حضرات کی توبہ پچاس دن کی قطع تعلقی کی سزا کے بعد قبول ہوئی تھی۔ پھر ان حضرات کی توبہ کے قبول ہونے میں جو دیر کی گئی تھی تو اس سے ان حضرات کا اونچا مقام ظاہر ہوتا ہے کہ اتنے مقرب ہونے کے باوجود جہاد سے پیچھے کیوں رہے جبکہ حکم سب کو نکلنے کا تھا ورنہ عام ضابطہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر توبہ کرنے والے کی توبہ فوراً قبول فرما لیتے ہیں یہ ان کا فضل اور کرم اور احسان اور انعام اور رحمت اور شفقت ہے ورنہ چہ نسبت خاک را باعالم پاک ۔ **فوائد الحديث:** ۱- رجب میں غزوہ کے لئے تشریف لے گئے حالانکہ رجب اشہر حرم میں داخل ہے اس سے معلوم ہوا کہ اشہر حرم میں لڑائی سے ممانعت کراہۃ تنزیہیہ کے درجہ میں ہو چکی تھی۔ ۲- جہاد کے لئے جس طرف جانا ہو اس کی تصریح جائز ہے۔ ۳- جب مسلمانوں کا بادشاہ سب کو جہاد میں شامل ہونے کا حکم دے دے تو جہاد سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ ۴- اہل حرب سے مال چھین لینا بغیر جہاد کے بھی جائز ہے جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقعہ میں کفار قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور اس کا ذکر اس حدیث میں ضمناً ہے۔ ۵- اس امت کے لئے مال غنیمت حلال ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے یرید عیر قریش۔ ۶- اس حدیث میں اہل بدر کی فضیلت بھی مذکور ہے وہ بھی ثابت ہوئی۔ ۷- اس حدیث میں اہل عقبہ کی فضیلت بھی مذکور ہے وہ بھی ثابت ہوئی۔ ۸- امام کا اتباع ضروری ہے۔ ان تین حضرات پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ ہوا یہ متابعت امام چھوڑنے کی وجہ سے تھا۔ ۹- بلا مطالبہ بھی قسم کھانی جائز ہے جیسے حضرت معاذ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلا مطالبہ قسم کھائی تھی۔ ۱۰- اگر کوئی بھلائی فوت ہو جائے تو اس پر افسوس کرنا مستحسن ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک نے کیا۔ ۱۱- اہل بدعت اور اہل ذنوب خصوصاً اعلانیہ گناہ کرنے والوں سے قطع تعلقی جائز ہے۔ ۱۲- بطور سزا کے پکڑ لینا یا چھوڑ دینا امام کی رائے پر ہوتا ہے جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو چھوڑ دیا بعض پر مواخذہ فرمایا۔ ۱۳- سزا کے طور پر بیوی سے الگ رہنے کا حکم بھی دینا امام کے لئے جائز ہے۔ ۱۴- سفر سے واپس آنے والے کے لئے مستحب ہے کہ پہلے مسجد میں آکر دو رکعت پڑھے جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے واپسی پر بھی کیا اور اس حدیث میں مذکور ہے۔ ۱۵- امام کی موجودگی میں بھی کسی آنے والے کی طرف لوگ متوجہ ہو جائیں اور اس کا استقبال کر لیں تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت طلحہ نے حضرت کعب بن مالک کا استقبال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر کیا۔ ۱۶- بلا تدقیق بھی عذر قبول کرنے کی گنجائش ہے جیسا کہ بہت سوں کے بارے میں ہوا۔ ۱۷- اپنی غلطی پر رونا مستحب ہے جیسے ان تین حضرات میں سے ھلال بن امیہ کے متعلق بہت زیادہ رونا اس حدیث میں نقل کیا گیا ہے۔ ۱۸- اگر آنکھ چرا کر پاس والے کو نماز میں دیکھ لے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی جیسے حضرت کعب بن مالک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے۔ ۱۹- سچ بولنے کی فضیلت ظاہر ہوئی کیونکہ سچ ہی کی وجہ سے ان تینوں حضرات کی توبہ قبول ہوئی۔ ۲۰- سلام اور اس کا جواب بھی کلام میں داخل ہے اسی لئے جب کلام کی ممانعت ہوئی تو حضرات صحابہ نے سلام اور سلام کا جواب بھی چھوڑ دیا۔ ۲۱- دوست کے باغ میں داخل ہونے کے لئے صریح اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ۲۲- کنایہ میں نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی جیسے حضرت کعب نے اپنی اہلیہ سے فرمایا تھا الحقی باھلک اور نیت طلاق کی نہ کی تو طلاق نہ ہوئی۔ ۲۳- امام کی اطاعت قریبی دوست کی دوستی سے زیادہ اہم ہے اسی لئے حضرت ابو قتادہ نے اطاعت امام کی اور حضرت کعب سے گفتگو نہ

کی۔۲۴- بیوی کو خاوند کی خوب خدمت کرنی چاہئے جیسے حضرت ہلال بن امیہ کے اہلیہ نے اپنے خاوند کی خدمت کرنے کی اجازت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے لی۔ ۲۵- گناہ کا خطرہ ہو تو دنیا کا فائدہ چھوڑ دینا ضروری ہے جیسے حضرت کعب نے بیوی کی خدمت چھوڑ دی کہ خطرہ تھا کہ وطی میں مشغول نہ ہو جائیں جوان دنوں میں گناہ تھی۔ ۲۶- کسی کاغذ کو جلانے میں ضمناً اگر اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا نام جل جائے تو گناہ نہیں ہوتا جیسے حضرت کعب نے ملک غسان کا خط جلا دیا اگرچہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ۲۷- تکلیف دور ہونے پر اور نعمت ملنے پر خوشخبری سنانا مستحب ہے۔ ۲۸- اہم امور میں لوگوں کا امام کے پاس جمع ہوا مستحسن ہے۔ ۲۹- رعایا کی خوشی میں امام کا شریک ہونا مستحسن ہے۔ ۳۰- غم دور ہونے پر صدقہ کرنا مستحسن ہے۔ ۳۱- جب صبر مشکل ہو تو سارا مال خیرات کرنا منع ہے۔ ۳۲- خوشخبری دینے والے کو لباس دینا مستحسن ہے۔ ۳۳- عاریۃ کپڑے وغیرہ لے کر استعمال کرنا جائز ہے۔ ۳۴- آنے والے کے لئے کھڑا ہونا اور مصافحہ کرنا مستحسن ہے۔ ۳۵- سچ وغیرہ نیکیوں پر دوام مستحسن ہے۔ ۳۶- سجدہ شکر مستحب ہے۔ ۳۷- گناہ کو بہت برا سمجھنا چاہئے اور اتنا غم ہونا چاہئے کہ گویا زمین تنگ ہو گئی۔ **ضاقت علیهم الارض بما رحبت**۔ ۳۸- جو دین میں قوی ہوتا ہے اس پر پکڑ بھی سخت ہوتی ہے گھبرانا نہ چاہئے۔ ۳۹- عبرت کے لئے اپنی غلطی کا اظہار جائز ہے جیسے حضرت کعب نے اپنا واقعہ سنایا۔ ۴۰- اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو تعریف جائز ہے جیسے حضرت کعب نے فرمایا رجلین صالحین۔ ۴۱- مرگ انبوہ جشنے دارد۔ جب معلوم ہوا دو حضرات اور میرے جیسے ہیں تو کچھ تسلی ہو گئی۔ ۴۲- گناہ کی وجہ سے کسی سے سلام چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔ ۴۳- سزا کے طور پر سلام کا جواب نہ دینا بھی جائز ہے جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کے سلام کا جواب چھوڑ دیا تھا۔ ۴۴- اللہ ورسولہ اعلم کہنا کلام کرنے میں داخل نہیں ہے۔

باب نزول النبی صلی الله علیه وسلم الحجر

غرض اس نزول کا بیان ہے۔ حجر قوم ثمود کی رہائش گاہ تھی جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان واقع تھی۔ **قنع راسه**: سر مبارک کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ **لاصحاب الحجر**: ۱- ان صحابہ کرام سے فرمایا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجر میں سے گزر رہے تھے۔ ۲- لام عن کے معنی میں ہے اصحاب الحجر کے متعلق ارشاد فرمایا۔ ۳- لام عند کے معنی میں ہے اصحاب حجر کی قبروں کے پاس سے گزرتے وقت فرمایا۔ پھر یہ ارشاد کب واقع ہوا تین احتمال ہیں۔ ۱- تبوک کو جاتے وقت۔ ۲- واپسی پر ۳- دونوں دفعہ۔ **باب**: غزوہ تبوک کے حالات کا تتمہ ہے۔ **هذه طابة**: یہ مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ہے۔

باب کتاب النبی صلی الله علیه وسلم الیٰ کسریٰ و قیصر

غرض ان خطوط کا بیان ہے۔ کسریٰ لقب تھا فارس کے ہر بادشاہ کا بمعنی مظفر اس کا نام ابرویز بن ھرمز بن انوشیرواں تھا اور قیصر روم کے بادشاہ کا لقب تھا اس وقت کے بادشاہ کا نام ھرقل تھا۔ **باصحاب الجمل**: حضرت عائشہ جمل پر سوار تھیں ان کی رائے تھی کہ پہلے حضرت عثمانؓ کا قصاص ہو پھر کچھ اور ہو اور حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ پہلے انتظامات ٹھیک ہونے چاہئیں اس کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ **بنت کسری**: اس کا نام بوران تھا اس کی بہن بھی بادشاہ بنی اس کا نام اوزیمدخت تھا۔ **لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة**: علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے نکلا کہ عورت نہ خلیفہ بن سکتی ہے نہ قاضی بن سکتی ہے۔ **قال سفیان مرة**: ابن عیینہ مراد ہیں۔ یہاں غزوہ تبوک سے واپسی پر استقبال مراد ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں تصریح ہے اسی مناسبت سے اس روایت کو یہاں لائے ہیں۔

باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم ووفاته

غرض مرض الوفاۃ اور پھر وفات کا بیان ہے۔ **الم**

الطعام:. اس کی صورت کیا تھا۔ ا-پیٹ میں درد تھی۔ ۲-لذت ذوق میں کمی آ گئی تھی۔**اوان**:. بمعنی وقت پھر یہ لفظ۔ا- مرفوع ہے۔۲-بنی ہے فتحہ پر۔**ابھری**:. اس کا مصداق کیا ہے چار قول ہیں۔ا-دل میں چھپی ہوئی رگ۔۲-وہ رگ جس کے ساتھ دل لٹکایا گیا ہے اس رگ کے ٹوٹنے سے انسان مرجاتا ہے۔۳-ابھران دل کی دو بڑی رگوں کو کہتے ہیں۔۴-دل کے قریب پشت میں رگ ہوتی ہے۔**من ذلک السم**: یہ لفظ سم سین کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھنا صحیح ہے زہر اور اس سے مراد وہ زہر ہے جو یہودی عورت زینب بنت الحارث نے بکری کے گوشت میں بھر کر دی تھی ایام خیبر میں۔**لاینبغی عند نبی تنازع**:. دو احتمال ہیں۔ا-مقولہ ابن عباس ۲-مقولۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ کتاب العلم والی روایت میں یوں ہے لاینبغی عندی التنازع۔**اھجر**:. سوال۔ھجر کے معنی تو بہکی بہکی باتیں کرنا ہیں یعنی غلط سلط اور بے سمجھی کی باتیں کرنا اس لئے ھجر کی نسبت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا جائز نہیں ہے **لا ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ** اور حدیث مرفوع میں ہے لااقول فی الغضب والرضا الاحقاً جواب۔ا-اس مجلس میں بعض نو مسلم بھی تھے انہوں نے کم سمجھی کی وجہ سے ایسا کہہ دیا تھا۔۲-یہ استفہام انکاری ہے۔۳-یہاں ھجر کے صرف یہ معنی ہیں کہ ایسی بات جس کی مراد سمجھ میں نہ آئی ہو۔بہکی بہکی باتوں والے معنی یہاں مراد نہیں ہے۔**فذھبوا یردون علیه**:. اور ایک روایت میں یردو بغیر نون کے ہے اور یہ بھی ایک لغت ہے کہ بعض بغیر ناصب اور جازم کے بھی نون گرا دیتے ہیں پھر ایک روایت میں علیہ کی جگہ عنہ ہے اور علی اور عن دونوں کے حاصل معنی یہی ہیں کہ کتابت کے متعلق مشورہ عرض کرنے لگے تھے کہ آپ تکلیف میں ہیں اس وقت نہ لکھائیں طبیعت ذرا ٹھیک ہو جائے پھر لکھائیں اور امر استحبابی تھا ورنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ فرماتے۔**فالذی انافیه خیر مماتدعونی الیه**:.

اب میں مراقبۃ اللہ میں ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی زیارت کا تصور کر رہا ہوں اور زیارت کی تیاری میں ہوں اور تم مجھے ترک کتابت کی طرف بلا رہے ہو گویا اب میں کتابت اور ترک کتابت دونوں سے اونچی حالت میں ہوں۔**واوصاھم بثلاث**:. یعنی مرض وفات ہی میں اسی دن لکھائے بغیر زبانی تین وصیتیں فرمائیں۔**من جزیرۃ العرب**:. لمبائی میں عدن سے عراق تک اور چوڑائی میں جدہ سے شام تک۔**سکت عن الثالثة اوقال فنسیتھا**:. اس عبارت کے قائل حضرت سفیان بن عیینہ ہیں کہ استاد جی نے بیان ہی نہ فرمایا یہ بیان تو فرمایا لیکن میں بھول گیا پھر وہ تیسری چیز کیا تھی مختلف اقوال ہیں ا-قرآن پاک پر عمل کرنا۔۲-حضرت اسامہ کے لشکر کو تیار کرنا۔۳-لاتتخذ واقبری وثنا یعبد کیونکہ موطا امام مالک میں اخراج عن جزیرۃ العرب کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔۴- الصلوۃ و ماملکت ایمانکم۔**بنحو ماکنت اجیزھم**:. نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم دیا کرتے تھے۔**قدغلبه الوجع**:. یہ نعوذ باللہ رووحی نہیں ہے بلکہ باب مراجعت سے ہے کہ دوبارہ وضاحت حاصل کر کے عمل کرنا مقصود تھا جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں پچاس نمازیں فرض ہونے پر دوبارہ کمی کی درخواست پیش کی اور جیسے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا **انی اخاف ان یکذبون**۔**اخذته بحةٌ**:. ہچکی لگ گئی بحہ کے معنی ہوتے ہیں کہ گلے میں کوئی چیز اٹک جائے جس سے بولنے میں کچھ فرق پڑ جائے۔**فی الرفیق الاعلیٰ**:. ا- جنت۔۲-انبیاء علیہم السلام۔۳-الملئکۃ۔۴-اللہ تعالی۔۵-جنت کی نعمتیں۔ ۶-اس کا مصداق وہ ہے جو اس آیت مبارکہ میں ہے **من النبیین و الصدیقین والشھداء والصالحین** فی بمعنی مع بھی آتی ہے یہاں بھی بعض توجیہات میں ایسا ہی ہے پھر سب سے پہلا کلمہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں مائی حلیمہ کے پاس تلفظ فرمایا تھا اور اللہ اکبر تھا اور سب سے آخری کلمہ جو

پاک زبان سے صادر ہوا وہ فی الرفیق الاعلیٰ تھا۔**فابدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصرہ:**. اور بعض نسخوں میں ہے فامدہ دونوں کے معنی ہیں طولہ ای طول الیہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی طرف زیادہ دیر تک دیکھا۔**طیبۃ:**. میں نے عمدہ بنایا یعنی نرم کیا۔**حاقنتی:**. سینہ کا اوپر کا حصہ۔**ذاقنتی:**. ٹھوڑی۔**ثم قضیٰ:**. وصال واقع ہوا۔**بالمعوذات:**. ۱-آخری دو سورتیں اور جمع فوق الواحد ہے۔۲-مع سورۃ الاخلاص اور معوذات کا اطلاق تغلیبا ہے۔۳-وہ دعائیں مراد ہیں جن میں شیطان اور بیماریوں اور آفتوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔**مسح عنہ بیدہ:**. ہاتھ پر دم کر کے پورے بدن پر پھیر لیتے تھے۔**لابرز قبرہ:**. ہم اس قبر مبارک والے کمرے میں آنے کی ہر ایک کو کھلی اجازت دیتے۔**سبع قرب:**. اس سے معلوم ہوا کہ سات کے عدد میں برکت ہے اس سے زہر کا اثر کم ہوگا۔**اعہد:**. میں وصیت کروں گا لوگوں کو۔**فاذا اغتم:**. جب دل گھبراتا۔**عبدالعصا:**. کنایہ فرما رہے ہیں حضرت عباس کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اے علی تم عبدالعصا ہو جاؤ گے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کسی اور کے تابع بن جاؤ گے جو خلیفہ وقت ہوں گے اور پھر تمہاری پہلے جیسی عزت نہ رہے گی اور بعد الثلاث حضرت عباس کا اندازہ تھا خاندانی تجربہ کی وجہ سے کہ اب وفات میں تقریباً تین دن رہ گئے ہیں۔**فیمن ہذا الامر:**. امر سے مراد خلافت ہے۔**لا اسالہا:** ضمیر امر کی طرف لوٹتی ہے بتاویل خلافت۔اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی خلافت کا ذکر نہ فرمایا تھا اگر کسی موقعہ میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہوتا تو حضرت علی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس کا ذکر فرماتے۔**سحری:**. مابین ثدیین۔**رکوۃ:**. لوٹے جیسا چمڑہ کا برتن۔**علبۃ:**. بضم العین وسکون اللام چمڑے کا برتن جس میں دودھ دوہتے ہیں۔**لایجمع اللہ علیک موتتین:**. ۱-یہ رد تھا حضرت عمر کا کیونکہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عنقریب اللہ تعالیٰ اٹھائیں گے تاکہ ان لوگوں کے ہاتھ کاٹیں جنہوں نے کہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں پھر کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ وفات ہوگی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کا رد فرما دیا حضرت ابوبکرؓ نے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دو موتیں دنیا میں نہیں آئیں گی بلکہ صرف ایک موت ہی آنی تھی اور وہ آچکی۔۲-قبر میں کافر کی روح بدن میں ڈالی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور مومن کو سوالات کے جواب کے بعد کہا جاتا ہے نم کنومۃ العروس یہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دوسری موت نہ آئے گی۔۳-نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر موت جیسی مشقت دوبارہ نہ آئے گی اور آپ ﷺ قبر اور قیامت کے اہوال سے محفوظ رہیں گے۔۴-نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر تو موت آچکی اب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ پر موت نہ آئے گی کیونکہ یہ بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی موت ہے۔**وعمر بن الخطاب یکلم الناس:**. مسند احمد میں ہے عن عائشۃ فقال عمر لا یموت رسول اللہ ﷺ حتی یفنی المنافقین۔**فاخبر فی سعید بن المسیب:**. یہ کلام امام زہری کی ہے۔**عقرت:**. ۱-مجہول کا صیغہ ہے عقرت بمعنی ہلکت۔۲-معروف کا صیغہ ہے عقرت بمعنی تحیرت۔۳-معروف کا صیغہ ہے بمعنی سقطت۔۴-یہ لفظ معروف کا صیغہ ہے فاء کے ساتھ عفرت میں مٹی میں مل گیا یعنی گر گیا۔**تلاہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدمات:**. سوال۔آیت تو یوں نہیں ہے جواب۔۱-ایسی آیت تلاوت فرمائی جس کے معنی یہ بنتے ہیں۔۲-ایک روایت میں یوں ہے تلاہا علمت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدمات۔**لددناہ:**. ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر اور آپ ﷺ کے اختیار کے بغیر منہ

کی ایک جانب میں دوا ڈال دی۔**فدعا بالطست**:. تھوکنے کے لئے بڑا برتن منگوایا۔**فانخنث**:. انخناث کے معنی ہوتے ہیں۔ا-ایک طرف جھکنا۔۲-بدن کا ڈھیلا ہونا۔ یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔**اوصیٰ بکتاب الله**:. سوال۔ اس حدیث پاک میں وصیت کی نفی بھی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی اور اثبات بھی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی وصیت فرمائی یہ تو تعارض ہوا۔ جواب۔ا-جو وصیت معہود و مشہور ہے جس کو وصیت حقیقیہ کہہ سکتے ہیں اس کی نفی ہے اور وصیت بمعنی امر بطور صنعت مشاکلہ کے اس کا اثبات ہے اور صنعت مشاکلہ یہ ہوتی ہے کہ ایک معنی کو ایسے لفظ سے ذکر کرنا جو اس کے لئے وضع کیا گیا نہ ہو بوجہ مجاورت اور پڑوس کے یہاں امر فرمانا تھا اوصیٰ فرما دیا کیونکہ پڑوس میں یعنی سوال میں وصیت کا ذکر تھا۔۲-نفی ہے مال اور خلافت کی وصیت کی کہ صراحۃً خلافت کا ذکر نہیں فرمایا گو اشارات موجود تھے اور اثبات ہے کتاب اللہ کی وصیت کا کہ قرآن پاک پر پورا پورا عمل کرنا۔ سوال۔ جواب حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کا سوال کے مطابق نہیں کیونکہ سوال یہ تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی یا نہ اور آپ کے پہلے جواب کے مطابق حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے جواب دیا کہ امر فرمایا قرآن پاک پر عمل کرنے کا۔ گویا سوال تھا وصیت کا اور جواب دیا امر کا یہ تو سوال گندم جواب جو بن گیا کہ سوال کچھ اور ہے اور جواب کچھ اور ہے جواب۔ امر عام ہے اور وصیت معہودہ خاص ہے اور یہ اصول ہے کہ عام کی نفی سے خاص کی نفی ہو جاتی ہے اس لئے امر کی نفی سے وصیت کی نفی ہو گئی اور جواب سوال کے مطابق ہو گیا۔

باب آخر ما تكلم به النبی صلی الله عليه وسلم

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ سب سے آخر میں کونسا کلمہ مبارکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے صادر ہوا۔ **اللهم الرفيق الاعلىٰ**:. اس روایت میں رفیق کا لفظ منصوب ہے اس کی دو توجیہیں ہیں۔ا-اختار محذوف کا مفعول بہ ہے۔ ۲-ارید محذوف کا مفعول بہ ہے۔

باب وفاة النبی صلی الله عليه وسلم

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس عمر میں ہوئی چنانچہ بعض نسخوں میں مذکورہ عنوان کے بعد یہ بھی ہے ومتی توفی وابن کم۔**لبث بمكة عشر سنين**:. اس روایت مبارکہ میں باب سے مناسبت التزاماً ہے کیونکہ دس سال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش مکہ مکرمہ میں وحی کے ساتھ ہوئی دس سال مدینہ منورہ میں اور چالیس سال وحی سے پہلے گزرے کل ساٹھ سال کی عمر مبارک ہو گئی۔ سوال۔ اسی باب کی دوسری روایت میں عن عائشہ ۶۳ سال عمر مذکور ہے یہ تو تعارض ہوا۔ جواب۔ا۔ جس روایت میں ساٹھ سال ہے اس میں کسر کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ۲۔۶۳ سال والی روایت میں وحی کی ابتداء ۴۳ سال سے مانی گئی ہے۔ سوال۔ فی مسلم عن ابن عباس ۶۵ سال عمر وارد ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ منقول ہے اس سے زیادہ کسی روایت میں نہیں آئی۔ جواب زیادہ مشہور ۶۳ ہی ہے اس لیے ۶۳ کو ہی ترجیح ہے۔

باب:. یہ تتمہ ہے ماقبل کا۔

باب بعث النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم اسامة

غرض حضرت اسامۃ بن زید والے لشکر کا واقعہ ذکر کرنا ہے جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے صرف دو دن پہلے تیار فرمایا تھا کیونکہ وفات پیر کے دن ہوئی اور اس لشکر کو دو دن پہلے ۱۰ ربیع الاول ۱۱ھ بروز ہفتہ تیار فرمایا شام کی طرف جانے کے لیے اور فرمایا کہ جاؤ جہاں تمہارے والد کو قتل کیا گیا کفار سے جہاد کرو۔ شیخین اور حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح بھی تیار ہوئے بعض نے حضرت اسامہ پر چھوٹی عمر کی وجہ سے اعتراض کیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتراض پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا گیا ہے کہ معترض منافق تھے۔ پیر کے دن یہ لشکر روانہ ہونے ہی والا تھا کہ حضرت ام ایمن کا ایلچی لشکر کے پاس پہنچا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ

وسلم پر نزع کی حالت ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ اور حضرت اسامہ حاضر خدمت ہوئے زوال کے بعد انتقال فرمایا۔ جرب کے مقام پر لشکر تیار کھڑا تھا اور وہ واپس آ گیا۔ پھر حضرت صدیق اکبر کی بیعت کے بعد لشکر دوبارہ روانہ ہوا بیس دن تک چلے جس کافر نے مقابلہ کیا اس کو یا تو قتل کر دیا گیا یا قید کر لیا گیا ان ہی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں حضرت زید بن حارثہ کا قاتل بھی قتل کر دیا گیا اور مسلمان کوئی بھی شہید نہیں ہوا۔ بیس دن کافروں پر خوب ہیبت ڈال کر غنیمت تقسیم کی اور واپسی فرمائی کیونکہ مقصد کافروں پر ہیبت ڈالنا ہی تھا وہ پورا ہو گیا واپسی پر حضرت صدیق اکبرؓ اور مہاجرین نے مدینہ منورہ میں استقبال فرمایا۔ ہرقل کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے اپنی سرحد پر فوج مقرر کر دی تا کہ پھر ایسا نہ ہو۔ پھر بعد میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر کے زمانوں میں مسلمانوں کے لشکر آئے اور شام مکمل طور پر فتح ہوا۔

باب:. یہ ماقبل کا تتمہ ہے۔ **عن الصنابحی:.** عبداللہ بن عسیلۃ۔ **دفنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم منذ خمس:.** اس حدیث پاک کا تعلق وفات والے باب سے ہے اور وفات والے باب کے بعد دو باب عنوان والے تبعاً ذکر کئے گئے ہیں۔

باب کم غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض غزوات کی گنتی بیان فرمائی ہے۔

کتاب التفسیر

ربط یہ ہے کہ پہلے دعویٰ تھا اب دلیل ہے تفسیر کے لغوی معنی بیان اور اصطلاحی معنی ہیں ھو التکشیف عن مدلولات نظم القرآن پھر سب سے پہلے تفسیر میں ائمہ نحو داخل ہوئے امام ابن جریر نے ائمہ نحو سے بہت کچھ لیا ہے اسی لیے ان کی تفسیر عدیم النظیر ہے۔ پھر امام بخاری مفردات القرآن میں ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ کے طرز پر چلتے ہیں اور ان کی کتاب مجاز القرآن سے بہت کچھ لیا ہے مجاز کے معنی ہیں مورد استعمال اس لیے امام بخاری ایک مادہ سے دوسرے مادہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اور ایک سورت سے دوسری سورت پہلے کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں اس لیے امام بخاری کی کتاب التفسیر در منثور ہے ایسے موتیوں کی طرح ہے جو بغیر دھاگے کے پھیلا دیئے گئے ہوں اور متاخرین کی تفسیر کی طرح نہیں ہے کہ حل مشکلات بھی ہو مسائل بھی ہوں دلائل بھی ہوں۔ امام بخاری زیادہ تر مناسبت والی حدیث نقل کرتے ہیں اگرچہ مناسبت معمولی سی ہو اور امام بخاری کی تفسیر میں تکرار بھی ہے جو بہت میٹھا ہے اور امام مسلم کی صحیح میں مادہ تفسیر کا بہت کم ہے البتہ ترمذی میں تفسیر بہت زیادہ ہے اور صحاح ستہ میں جامع ترمذی تفسیر کے لحاظ سے سب سے زیادہ نافع شمار کی گئی ہے۔ پھر بخاری شریف میں جو تعلیقات ابن عباس ہیں یہ علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس والے نسخہ سے لی گئی ہیں اور ابن جریر اور ابی حاتم میں ان کی اسانید ہیں پھر متقدمین کے نزدیک بیان المصداق نقلاً کو تفسیر اور بیان المصداق عقلاً کو تاویل کہتے ہیں اور متاخرین کے نزدیک تاویل کے معنی ہیں صرف الکلام عن الظاہر پھر یہ صرف اگر قواعد عربیہ اور قواعد شرعیہ کے ماتحت ہے تو یہ تاویل مقبول ہے ورنہ مردود ہے۔ **الرحمٰن الرحیم:.** رحمۃ کے معنی ہیں حنو اور عطف یعنی رقت قلب لیکن اللہ تعالیٰ میں مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ انعام علی عبادہ مخلوقہ پھر رحمٰن اور رحیم میں فرق کرنے میں پانچ اہم قول ہیں۔ ۱۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ رحمٰن تو رفیق کو کہتے ہیں شفقت کرنے والا اور رحیم کہتے جو اپنی مخلوق پر رزق کے ساتھ نرمی کرے العاطف علی خلقہ بالرزق۔ ۲۔ رحمٰن کا تعلق پوری مخلوق سے ہے اور رحیم کا تعلق مومنین سے ہے۔ ۳۔ رحمٰن کا تعلق دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے۔ ۴۔ رحمٰن اسے کہتے ہیں جو مانگنے پر دے کہ جب بھی مانگو دے اور رحیم وہ ہے کہ نہ مانگنے پر ناراض ہو۔ ۵۔ رحمٰن عبرانی زبان کا لفظ ہے اور ہے اصل میں خاء کے ساتھ پھر عربی میں خاء کی جگہ حاء بغیر نقطہ کے ہو گیا اور رحیم عربی لفظ ہی ہے معنی ایک ہی ہیں۔ **الرحیم والراحم بمعنی واحد:.** سوال۔ رحیم کو اگر صفت مشبہ کا صیغہ مانا جائے تو پھر بھی اس میں دوام وثبوت ہے اور اگر مبالغہ کا صیغہ مانا جائے تو پھر مبالغہ ہے اور راحم تو صرف حدوث پر دال ہے اس لئے دونوں

کے ایک معنی قرار دینا تو صحیح نہ رہا۔ جواب۔ اصل معنی ایک ہیں۔ مبالغہ اور ثبوت کی نفی کرنی مقصود نہیں ہے۔ **وقال مجاهد بالدين بالحساب**:۔ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ ارایت الذین یکذب بالدین۔ **وعلم آدم الاسماء كلها**:۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا ایک بڑا مدار علم تھا۔ اس سے علم کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی پھر ان سب چیزوں کے نام سکھلانے مراد ہیں جن کی ضرورت زمین پر پیش آنی تھی۔ حقیقۃً سب چیزوں کے نام مراد نہیں ہیں جیسے قرآن پاک میں حضرت بلقیس کے متعلق ہے اوتیت من کل شئی کیونکہ ظاہر ہے نہ ان کو مرد ہونا دیا گیا تھا نہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت دی گئی تھی پھر حضرت آدم علیہ السلام سے جو اجتہادی غلطی ہوئی اس میں ایک یہ حکمت بھی تھی کہ عبدیت اور تواضع کا کمال پیدا ہو جائے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا تو بالکل گفتگو بند کر دی حضرت آدم علیہ السلام نے اور روتے ہی رہے اور یہ پڑھتے رہے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ بخلاف ابلیس کے کہ اس پر جب اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا تو اس نے مناظرہ شروع کر دیا پھر جب حضرت آدم علیہ السلام میں علم اور عبدیت کا ہونا فرشتوں پر ظاہر ہو گیا تو یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ خلافت کے لئے وہی زیادہ حق دار ہیں اور چیزوں کے نام سکھانے میں یہ بھی حکمت تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد جوان کی پشت میں تھی اس نے بھی ضرورت کی چیزوں کے نام کسی نہ کسی درجہ میں سیکھ لئے یعنی استعداد پیدا ہو گئی بالفعل بعد میں حاصل ہو گئے۔ **فادخلهم الجنة**:۔ سوال یہ جنت میں داخلہ کی شفاعت تو شفاعت صغریٰ ہے حالانکہ ذکر چل رہا تھا شفاعت کبریٰ کا کہ حساب کتاب شروع ہو جائے۔ جواب۔ شفاعت کبریٰ کا ذکر فیوذن تک تھا اس کے بعد شفاعت صغریٰ کا ذکر ہے۔ **لیسومونکم یولونکم**:۔ تمہیں قریب کرتے تھے عذاب کے۔ **المن**:۔ عسل تھا یا ترنجبین یعنی سنگترا تھا۔ **صمغة**:۔ گوند۔ **والسلوىٰ**:۔ بٹیریا یا بٹیر جیسا پرندہ۔ **الکماة من المن**:۔ جیسے چھتری خود اگ آتی ہے ایسے ہی یہ من بھی بلا مشقت تھا۔ **یختروف**:۔ پھل چن رہے تھے۔ **ومانیزع الولدالی ابیه اوامه**:۔ کون سی چیز کھینچتی ہے اور مشابہ بناتی ہے باپ کے یا ماں کے۔ **فقرأ هذه الاية من كان عدو الجبريل**:۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہو بلکہ صرف پڑھنا مراد ہے۔ استشہاداً پھر پڑھنے والے میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲۔ کوئی راوی پھر عداوت کی وجہ میں تین اہم قول ہیں۔ ۱۔ یہود کے ایک نبی نے فرمایا تھا کہ بخت نصر بیت المقدس کو ویران کرے گا تو یہود نے ایک آدمی بخت نصر کو قتل کرنے کے لئے بھیجا حضرت جبریل علیہ السلام نے اس آدمی کو قتل کرنے سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ دیکھو اگر یہ وہی شخص ہے جس نے بیت المقدس کو ویران کرنا ہے تو تم قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکو گے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمہیں قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے تو وہ آدمی قتل سے رک گیا اس زمانہ میں بخت نصر نوجوان تھا اور کمزور تھا بعد میں وہی بخت نصر طاقتور ہوا اور اس نے بیت المقدس کو فتح کیا اور ویران کیا اور یہودیوں کو قتل کیا اس وجہ سے یہودی حضرت جبریل علیہ السلام کے دشمن بن گئے۔ ۲۔ یہودی اس لئے حضرت جبریل علیہ اسلام کے دشمن بن گئے تھے کہ وہ ان یہودیوں کے راز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلاتے تھے۔ ۳۔ یہودی یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا تھا بنی اسرائیل میں نبوت لانے کو انہوں نے بنی اسماعیل میں جاری کر دی۔ اس عداوت کا ظاہر کرنے والا عبداللہ بن سوریا یہودی تھا۔ **قوم بهت**:۔ یہ جمع ہے بہوت کی زیادہ بہتان لگانے والا۔

باب قوله تعالىٰ ماننسخ من آية او ننسهانات بخير منها

اس خیر ہونے کی ایک تفسیر حضرت انور شاہ صاحب سے یوں منقول ہے کہ منسوخ التلاوت درجہ اعجاز سے بنسبت محکمات کے کم ہوا کرتی تھیں مطلب یہ ہے کہ چونکہ ان کا نزول وقتی ضرورت کی

بناء پر ہوتا تھا اس لیے ان میں اعجاز نسبۃً کم ہوتا تھا۔ **احدیٰ نساء ہ:** اس سے مراد حضرت ام سلمہ ہیں۔ پھر اسی حدیث پاک میں جو یہ ہے کہ حضرت عمر فرمار ہے ہیں۔

وافقنی ربی فی ثلث اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ان تین موقعوں کے علاوہ بھی تو موافقت پائی گئی ہے مثلاً ا۔ حضرت عمر نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تھا کہ عبداللہ بن ابی منافق پر نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ تائید میں وحی نازل ہوئی۔ ۲۔ مشورہ دیا تھا کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کیا جائے۔

تائید میں وحی نازل ہوئی۔ ۳۔ مشورہ دیا تھا کہ شراب حرام ہونی چاہیے حق تعالیٰ نے حرام فرمادیا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں جو تین کا ذکر ہے اس میں زائد کی نفی نہیں ہے۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ حضرت انس سے یہ گفتگو فرمار ہے تھے اس وقت ابھی تین موقعوں ہی میں موافقت ہوئی ہوگی باقی موقعے بعد میں پائے گئے ہوں گے۔ **ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام:** یہ حکم بار بار کیوں ذکر فرمایا اس کی تین اہم توجیہیں ہیں۔ ا۔ تاکید مقصود ہے کیونکہ یہ پہلا نسخ تھا۔ ۲۔ مختلف اشخاص کے احوال کی طرف اشارہ ہے ایک وہ شخص جو خانہ کعبہ دیکھ رہا ہے دوسرے وہ شخص جو مکہ مکرمہ میں ہے تیسرے وہ شخص جو کسی اور شہر میں ہے۔ ۳۔ اشخاص مختلفہ کے حالات کی طرف اشارہ ہے ایک وہ شخص جو مکہ مکرمہ میں ہے دوسرے وہ شخص جو کسی اور شہر میں ہے تیسرے وہ شخص جو سفر میں ہے۔ **وقلت انا من مات وھو لاید عو للہ ندا دخل الجنۃ:** حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ کس بنا پر فرمایا اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ جب نبی پاک ﷺ نے فرمایا من مات وھو یدعو من دون اللہ ندا دخل النار تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے استنباط فرمایا کہ سبب کی نفی سے مسبب کی نفی ہو جائے گی کیونکہ جنت اور دوزخ کے درمیان واسطہ نہیں ہے پس جب دوزخ میں جانے کا سبب نہ ہوگا تو اور کوئی جگہ جانے کی ہے ہی نہیں سوائے جنت کے۔

اس حدیث پاک کی تفصیل پیچھے بھی الخیر الجاری میں گزر چکی ہے۔ **وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین:** ان لوگوں پر جو یہ روزہ کا کام مشقت سے کرتے ہوں فدیہ ہے مسکین کو کھانا کھلانا۔ **فنسختھا:** سلف صالحین مطلق کی تقیید اور مجمل کی توضیح کو بھی نسخ سے تعبیر فرمادیتے تھے کیونکہ اس میں بعض جزئیات کا رفع ہوتا تھا اور امام طحاوی نے اس معنی میں نسخ کا لفظ اپنی کتاب میں بہت زیادہ استعمال فرمایا ہے۔ **کانوالایقربون النساء رمضان کله:** سوال۔ یہاں تو پورا رمضان عورتوں کو چھوڑنا ہے اور دوسری روایات میں یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد سونے تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت تھی تو عورتوں کو پورا رمضان چھوڑنا تو لازم نہ آیا یہ عورتوں کے بارے میں تعارض پایا گیا۔ جواب۔ یہاں غالب کا ذکر ہے کہ زیادہ تر صحابہ کرام اس ایک مہینہ میں عورتوں سے الگ ہی رہتے تھے گو بعض حضرات افطار کے بعد سونے سے پہلے مشغول بھی ہو جاتے تھے اس لئے تعارض نہ رہا۔ **وکان رجال یخونون انفسھم:** ان رجال میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے کہ ایک دفعہ رات کے وقت گھر تشریف لائے تو اہلیہ سے مشغول ہونے کا ارادہ فرمایا وہ عرض کرنے لگیں کہ میں تو ابھی تھوڑا سا سوگئی تھی اس لئے اب یہ مشغول ہونا جائز نہیں ہے فرمایا تو جھوٹ بولتی ہے اور مشغول ہو گئے یہ اجتہادی غلطی ہے جو مشابہ خیانت کے ہے اور اگر گناہ بھی شمار کیا جائے تو آیت مبارکہ میں جو اسی حدیث میں نقل کی گئی ہے معافی کا اعلان بھی ہے فتاب علیکم وعفا عنکم۔ **انک لعریض القفاان ابصرت الخیطین:** اگر تم سفید اور سیاہ دھاگے کو اپنے تکیہ کے نیچے دیکھ لیتے ہو تو تمہارا تکیہ بہت لمبا ہے اور تمہاری گدی یعنی سر کا پچھلا حصہ بہت چوڑا ہے جس کے نیچے اتنا بڑا تکیہ ہے کہ افق کی سیاہی اور سفیدی اس کے نیچے آجاتی ہے غرض یہ ہے کہ یہ سوت کے کالے اور سفید دھاگے مراد نہیں ہیں بلکہ آسمان کے کنارے کی سفید لکیر اور اس کے نیچے سیاہ لکیر مراد ہے اور طلوع فجر مراد ہے۔ **ھذابیة حیث**

ترون: حضرت ابن عمر نے نبی پاک علیہ کے گھروں کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ دیکھو یہ حضرت علی کا مکان نبی پاک علیہ کے مکانوں کے درمیان ہے۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کو نبی پاک علیہ سے بہت قرب حاصل تھا۔ **نزلت فی النفقۃ:** یہاں نفقہ سے مراد مجاہدین کا نفقہ ہے کہ مجاہدین پر خرچ کرنا نہ چھوڑو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ **قال رجل برایہ ماشاء:** اس رجل سے مراد حضرت عمرؓ ہیں یا حضرت عثمانؓ یا حضرت امیر معاویہؓ ہیں کیونکہ یہ تینوں حضرات تمتع سے منع فرماتے تھے، کیوں؟ ا۔ دو سفر سب کے نزدیک ایک سفر سے بہتر ہیں اس لئے ان حضرات کا روکنا تنزیہا تھا کہ ایک سفر کی جگہ دو سفر کرنے اولیٰ ہیں۔ ۲۔ ان حضرات کا قول شاذ ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔ ۳۔ عند الشوافع روکنے کی وجہ یہ تھی کہ افراد تمتع سے افضل ہے لیکن یہ تیسری توجیہ اس لئے مناسب نہیں کہ جب پہلی توجیہ اتفاقی موجود ہے تو اس اختلافی توجیہ کی کیا ضرورت ہے۔ **فی مواسم الحج:** دو توجیہیں ہیں۔ ا۔ یہ الفاظ قراءۃ شاذہ ہے۔ ۲۔ یہ الفاظ بطور تفسیر کے حضرت ابن عباس نے ذکر فرمائے اس دوسری توجیہ کو راجح شمار کیا گیا ہے۔ **تطوف الرجل بالبیت ما کان حلالاً:** اور دوسرے نسخہ میں ہے یطوف الرجل حاصل معنیٰ ایک ہی ہیں اور ما بمعنیٰ مادام ہے یعنی کافی عرصہ سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہے تو جب تک وہ حلال ہے اور حج کا احرام نہیں باندھ رہا تو وقتاً فوقتاً طواف کرتا رہے یا اگر باہر سے عمرہ کا احرام باندھ کر آیا ہے اور عمرہ کر کے اب حلال ہوگیا ہے تو جب تک مکہ مکرمہ میں ہے اور حج کا احرام نہیں باندھ رہا تو وقتاً فوقتاً طواف کرتا رہے۔ **ما تیسر لہ من ذلک:** یہاں پوری عبارت یوں ہے فمن تیسر لہ ھدیۃ من الابل اوالبقر اوالغنم ما تیسر لہ من ذلک اس عبارت کی چار توجیہیں ہیں۔ ا۔ ما تیسر سے پہلے مبتداء محذوف ہے ففدیۃ اور مبتدا اور خبر مل کر فمن تیسر کی جزاء ہے۔ ۲۔ ما تیسر سے پہلے خبر مقدم محذوف ہے فعلیہ اور فمن تیسر کی جزاء ہے۔ ۳۔ ما تیسر بدل ہے من تیسر کا اور جزاء محذوف ہے ففدیۃ ذلک۔ ۴۔ ما تیسر بدل ہے من تیسر کا اور جزاء محذوف ہے فلیفتد ذلک۔ **حتی یقف بعرفات من صلوۃ العصر الی ان یکون الظلام:** ا۔ وقت صلوٰۃ عصر مراد ہے۔ ۲۔ صلوٰۃ عصر مراد ہے جو عرفات میں ظہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ **حتی ترموا الجمرۃ:** یہ غایت ہے۔ ا۔ ثم افیضوا کی یا ۲۔ واکثر والتکبیر کی۔ **حتی اذا استیاس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا:** آیت کے بعد جو خفیفۃ ہے اس سے مراد کذبوا کی ذال کی تخفیف ہے اور ذھب بھاھناک سے یہ مراد ہے کہ حضرت ابن عباس سورہ یوسف کی اس آیت کو سورہ بقرہ میں لے گئے اور دونوں کے معنیٰ ایک ہی قرار دیئے سورہ بقرہ والی آیت یہ ہے **حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللّٰہ الا ان نصر اللّٰہ قریب** پھر سورہ یوسف والی آیت کے مختلف معنی گئے گئے ہیں۔ ا۔ ہمارے نفسوں نے ہم سے جھوٹ بولا یعنی ہم غلط سمجھ گئے تھے کہ بہت جلدی امداد آئے گی۔ بظاہر یہی مراد ہے حضرت ابن عباس کی کہ دونوں آیتوں کے یہی معنی ہیں۔ ۲۔ سورہ یوسف میں ظنوا میں ظن وسوسہ کے معنیٰ میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو صرف وسوسہ آیا کہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے اور وسوسہ معاف ہوتا ہے۔ ۳۔ جو ایمان لا چکے ہیں کہیں وہ بھی مرتد نہ ہو جائیں اور یہی مراد یہاں حضرت عائشہ کی ہے۔ اس توجیہ میں کذبوا تشدید سے ہے اور پہلی دو میں کذبوا بغیر شد کے تخفیف سے ہے۔ ۴۔ اضطراب پر تنبیہ ہے کہ اونچی شان والے کا اضطراب یہ شبہ ڈالتا ہے کہ شاید ان کو عذاب آنے میں شبہ ہے۔ واقع میں ان کو شبہ نہیں ہے۔ یہ تخفیف والی قرأت ہی کی عجیب توجیہ ہے اور یہی معنیٰ اس آیت کے ہیں وظن ان لن نقدر علیہ۔ **انزلت فی کذا وکذا:** اس حدیث کا ربط باب سے یہ ہے کہ یہاں یہ آیت مراد فاتوا حرثکم انی شئتم اور کذا وکذا اشارہ شان نزول کی طرف ہے جیسا کہ آئندہ روایت میں ہے۔ **عن**

ابن عمر فاتو احرثكم انی شئتم قال يا تيهافی:. بخاری شریف کے سب نسخوں میں یہاں فی کے بعد خالی جگہ ہے اور الجمع بین الصحیحین للحمیدی میں یوں ہے یاتیھا فی الفرج البتہ اسی سند کے ساتھ تفسیر ابن جریر میں ہے یاتیھا فی الدبر شیعہ کہتے ہیں کہ بیوی سے لواطت جائز ہے۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے کہ نا جائز ہے لنا فی الطحاوی والطبرانی عن ابن خزیمۃ مرفوعاً لا تاتوا النساء فی ادبارھن اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ شیعہ کا استدلال اس آیت سے ہے **فاتو احرثكم انی شئتم** جواب مراد ہے کیف شئتم اور انی کیف کے معنی میں آتا ہے اور یہاں قرینہ ہے لفظ حرث پھر امام بخاری نے یہاں خالی جگہ کیوں چھوڑ دی۔ ا۔ ان کو لفظ دبر کا پہنچا تھا لیکن جمہور کے قول کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ لفظ پسند نہ فرمایا اس لیے امام بخاری نے جگہ خالی چھوڑ دی۔ ۲۔ امام بخاری کے نزدیک یہاں جو راوی نے دبر کا لفظ نقل کیا تھا وہ ثابت نہ تھا کیونکہ سعید بن یسار سے عن ابن عمر اسی فعل کے بارے میں منقول ہے۔ اف اویقول ذلک مسلم۔ ۳۔ رواۃ نے جو دبر کا لفظ نقل کیا تھا یہ امام بخاری کے نزدیک روایت بالمعنیٰ تھی حضرت ابن عمر کی مراد من جھۃ الدبر تھی کہ الٹا الٹا کر فرج میں ہی جماع کیا جائے کسی راوی نے ان لفظوں سے ذکر کر دیا یاتیھا فی الدبر اس سے غلط معنیٰ کی طرف ذہن جاتا ہے اس لیے امام بخاری نے دبر کا لفظ ہی ذکر نہ فرمایا اس کی تائید نسائی کی روایت سے ہوتی ہے عن نافع عن ابن عمر اس میں ادبار کی اباحت کا ذکر ہے۔ ساتھ موضع حرث کی تصریح بھی ہے پھر قرطبی میں ہے کہ ابن وھب اور علی بن زیاد نے امام مالک سے عرض کیا کہ لوگ مصر میں آپ سے نقل کرتے ہیں کہ بیوی سے لواطت جائز ہے تو فوراً تکذیب فرمائی کذبوا علی کذبوا علی ثم قال الستم قوماً عرباً الم یقل اللہ عزوجل نساء کم حرث لکم وھل یکون الحرث الا فی موضع المنبت۔ **كانت لی اخت:.** اس کی تفصیل آگے ایک سند کے بعد آرہی ہے۔ **قال قد نسختها الآية الا خرىٰ:.** اس قال کے فاعل عبداللہ بن الزبیر ہی ہیں۔ **فلم تكتبها اوتد عها:.** یہ شک راوی ہے دونوں کے معنیٰ ایک ہیں اوتدعھا مکتوبۃً مراد ہے۔ **لااغير شيئا منه من مكانه:.** غرض یہ ہے کہ منسوخ الحکم کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ منسوخ التلاوت بھی ہو۔ **زعم ذالک عن مجاهد:.** یہ حضرت مجاہد کا اپنا اجتھاد ہے کہ واجب عدت تو چار ماہ دس دن کی ہی ہے بقیہ سال وصیت کے درجہ میں ہے اس میں مدار عورت کی رائے پر ہے اگر وہ چاہے تو وصیت سے جو مکان کی رہائش اس کو ملی ہے اس کو قبول کر لے اور چاہے تو قبول نہ کرے اور نکاح کر لے یا بلا نکاح ہی کسی اور جگہ رہائش اختیار کر لے اس لیے حول والی آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے ان کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ حول والی آیت ترتیب تلاوت میں چار ماہ دس دن والی آیت کے پیچھے ہے اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ ترتیب نزولی میں بھی متاخر ہے اس لیے منسوخ نہیں ہے۔ جمہور کی طرف سے اس تائید کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کہ ترتیب تلاوت ترتیب نزول کے مطابق ہو کلیہ نہیں ہے یہاں ایسا نہیں ہے حول والی آیت نزول میں مقدم ہے اور منسوخ ہے چار ماہ دس دن والی ناسخ ہے۔ **فتعتد حيث شاء ت:.** جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کے لیے بلا عذر خاوند والے گھر سے نکلنا عندامامنا ابی حنیفہ و مالک واحمد جائز نہیں ہے وعند الشافعی جائز ہے لنا فی موطا مالک عن فریعہ مرفوعاً ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لفریعۃ بنت مالک بن سنان وکانت متوفی عنھا امکثی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجلہ قالت فاعتددت فیہ اربعۃ اشھر وعشرا وللشافعی قولہ تعالیٰ **فان خرجن فلاح جناح عليكم فيما فعلن فی انفسهن بالمعروف** ۔ جواب۔ یہاں یہ ہے کہ اگر عورتیں گھر سے نکل جائیں تو خاوند کے رشتہ داروں کو گناہ نہیں ہوگا اس کو یہ لازم نہیں آتا کہ عورتوں کو بھی گناہ نہ ہوگا اس لیے استدلال صحیح نہیں

ہے۔**ولکن عمه کا ن لا یقول ذلک:۔** یہاں عم کا مصداق حضرت عبد اللہ بن مسعود ہیں۔**فقلت انی ابحری:۔** میں نے بہت جرأت کر لی کہ کوفہ کے ایک آدمی یعنی عبداللہ بن عتبہ پر جھوٹ باندھ دیا اور میں نے اپنی آواز بلند کی۔**فیصلون لا نفسهم رکعةبعدان ینصرف الامام:۔** یہ الفاظ مبارکہ حنفیہ والی دونوں راجح صورتوں پر منطبق ہوتے ہیں۔**وسع کرسیه علمه:۔** یہ حضرت ابن جبیر کی رائے ہے اور جمہور کے نزدیک راجح یہ ہے کہ کرسی ایک جسم ہے۔**فصر هن قطعهن:۔** یعنی ذبح کرنے کے بعد ان پرندوں کے ٹکڑے کردو لیکن راجح یہ ہے کہ فصرھن کے معنی ہیں املھن یعنی اپنے ساتھ مانوس کر لو کہ تمہاری آواز پر بھاگتے چلے آئیں۔**نحن احق بالشک من ابراهیم:۔** سوال۔احیاء موتی میں شک تو کفر ہے۔ابراہیم علیہ السلام تو اس سے پاک تھے۔جواب۔ا۔معنی یہ ہیں کہ اگر ان میں شک ہوتا تو ہم میں ان سے بھی زیادہ ہوتا اور جب ہم میں نہیں ہے تو ان میں بھی نہیں ہے۔۲۔شک اس میں نہیں تھا کہ زندہ کریں گے یا نہ بلکہ اس میں کہ زندہ کرنے کا طریقہ اور کیفیت کیا ہوگی اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔۳۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شک اس میں تھا کہ حق تعالیٰ میری درخواست کو قبول فرمائیں گے یا نہ پھر ان تینوں توجیہوں میں سے جو بھی لیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے آپ کو شک کا زیادہ حق دار ہونا فرمایا یہ تواضعاً تھا ورنہ افضلیت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا فرمائی گئی تھی۔**قال ابن عباس لعمل:۔** یعنی میری سمجھ میں تو اتنا ہی آتا ہے کہ عمل کی مثال حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اس سے زیادہ میری سمجھ میں نہیں آتا اس غرض کرنے پر پھر حضرت عمرؓ نے خود ہی عمل کی وضاحت فرمائی۔**لرجل غنی:۔** اور ایک نسخہ میں یوں ہے لرجل غنی ای ارید کہ ایسے شخص کا عمل مراد ہے جو پہلے نیکی کرے پھر اتنے معاصی کرے کہ اپنے اعمال صالحہ کو غرق کردے اور ختم کردے۔سوال۔کبیرہ گناہوں سے اعمال صالحہ کا ضائع ہونا تو معتزلہ کا عقیدہ ہے جواب مراد یہ ہے کہ گناہ نیکیوں سے زائد ہو جائیں اس ضابطہ کے مطابق وہ سیدھا جنت میں جانے کا مستحق نہ رہے بلکہ گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں جا سکے۔البتہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیویں تو سیدھا جنت میں بھی جا سکتا ہے۔**اصراً عهداً:۔** یعنی ایسے احکام جو برداشت نہ ہوں۔**وان تبدوامافی انفسکم اوتخفوه:۔** اس آیت کے بارے میں جو اس روایت میں وارد ہے کہ اس کو بعد والی آیت **لا یکلف الله نفسا الا وسعها** نے منسوخ کر دیا اس نسخ سے مراد اجمال کی تفصیل ہے کیونکہ اس تفصیل سے کچھ جزئیات نکل گئیں۔ظاہری الفاظ میں غیر اختیار وساوس پر بھی پکڑ ہونے کا شبہ تھا اس تفصیل سے کہ غیر اختیاری پر پکڑ نہیں ہے یہ شبہ دور ہو گیا گویا غیر اختیاری وساوس مواخذہ کے حکم سے خارج ہو گئے اور منسوخ ہو گئے۔**سوره ال عمران.المومه المطهمة:۔** لفظ المطھمۃ کے معنی تامہ کے ہوتے ہیں۔**واخر متشابهات یصدق بعضه بعضا:۔** یعنی جو آیتیں ایسی ہوں کہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوں معنی کے لحاظ سے یہ بھی ایک معنی کئے گئے ہیں متشابہات کے جو مشہور معنیٰ کے علاوہ ہیں۔**زیغ شک ابتغاء الفتنة:۔** جن کے دلوں میں شک ہو اور وہ فتنہ تلاش کرتے ہیں۔**والراسخون یعلمون یقولون آمنابه:۔** حضرت مجاہد کا مسلک وہی تھا جو متاخرین کا ہے کہ راسخین فی العلم بھی متشابہات کے ظنی معنی جانتے ہیں۔**فاولئک الذین سمی الله فا حذروهم:۔** اس مرفوع حدیث پاک سے متقدمین کے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں یہ آ گیا کہ جو متشابہات کے معانی کے پیچھے پڑتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ زیغ اور کجی اور گمراہی والا قرار دیتے ہیں ان سے بچو۔متشابہات کے معنی راسخ فی العلم بھی عن المتقدمین نہیں جانتے وعند المتاخرین جانتے ہیں۔منشاء اختلاف

یہ آیت ہے **وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون امنابه** کہ متقدمین والراسخون کے واو کو متانفہ قرار دیتے ہیں اس لیے معنیٰ جاننے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور متاخرین اس واو کو عاطفہ قرار دیتے ہیں کہ معنیٰ اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں اور راسخ فی العلم بھی جانتے ہیں۔ ترجیح متقدمین کے قول کو ہی ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے پھر یہ اختلاف صرف لفظی ہے اور لفظی اختلاف یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک لفظ کے ایک معنیٰ لے کر اس پر ایک حکم لگائے اور دوسرا شخص اسی لفظ کے دوسرے معنی لے کر اس حکم کے خلاف حکم لگائے یہاں متقدمین کی مراد یہ ہے کہ مرادی یقینی معنیٰ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور متاخرین کی مراد یہ ہے کہ ظنی معنیٰ راسخ فی العلم بھی جانتے ہیں کہ شاید یہ مراد ہو اور اس اختلاف لفظی کی وجہ یہ ہوئی کی متقدمین کے زمانہ میں کسی نے متشابھات کے معنیٰ معلوم نہ ہونے پر اعتراض نہ کیا تھا اور متاخرین کے زمانہ نے بعض لوگوں نے اعتراض کر دیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی لفظ نازل فرمائیں اور اس کے معنی کسی کو معلوم ہی نہ ہوں تو متاخرین نے جواب دیا کہ معنیٰ معلوم ہیں۔ **الامریم وابنها**: یہ حضرت مریم اور حضرت عیسی علیہ السلام کی فضیلت جزئی ہے کہ ان کو ولادت کے وقت شیطان نے نہ چھوا۔ **یمین صبر**: صبر کے معنی حبس کے ہوتے ہیں یعنی ایسی قسم جس کے لیے اپنے آپ کو روکے۔ **لقد اعطی بهامالم یعطه**: قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس چیز کی قیمت اتنی ملتی تھی حالانکہ اتنی نہ ملتی تھی۔ سوال۔ گذشتہ روایت میں اسی آیت کا شان نزول کچھ اور ہے۔ جواب۔ ا۔ دونوں واقعوں کے بعد نازل ہوئی۔ ۲۔ گذشتہ روایت کو ترجیح ہے اور یہ روایت اس پر محمول ہے کہ اس موقعہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ صحابی راوی حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے پہلے موقعہ میں یہ آیت نہ سنی تھی اس لیے خیال فرمایا کہ ابھی نازل ہوئی ہے۔ **باشغی**: وہ لوہے کی سلائی جس کے کنارے پر پکڑنے کے لیے لکڑی لگی ہوئی ہو جس سے موچی جوتے میں سوراخ کرتے ہیں سینے کے لیے۔ **اخر الابد**: اس کے معنی ہیں الی اخرالزمان۔ **فحاصوا**: بھاگے۔ **یحنباء**: اس کے معنی ہیں یکب جھکتا تھا۔ **فاتو ابالتوراة فاتلو هاان کنتم صادقین**: سوال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کو تورات میں تحریف لفظی نہیں ہے۔ جواب۔ وحی سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ اس جگہ تحریف نہیں ہوئی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری جگہ بھی نہ ہوئی ہو اور چونکہ قرآن پاک میں جابجا تحریف کا ذکر ہے اس لیے دوسرے موقعوں میں یقیناً ہوئی ہے۔ **له زبیبتان**: سانپ کی آنکھوں کے پاس دو نقطے۔ **قطیفة فدکیة**: فدک جگہ کی بنی ہوئی موٹی چادر۔ **یثاورون**: ثور سے ہے جاری اٹھنا یہاں لڑنے کے لیے جلدی اٹھنا مراد ہے۔ **البخیرة**: بستی مراد مدینہ منورہ ہے۔ **شرق**: گلے میں کسی چیز کے اٹکنے کو شرق کہتے ہیں مراد حسد ہے۔ **یتاول العفو**: لیتے تھے معافی کو۔ **قد توجه**: اے ظہر وجہ ظاہر ہو گیا۔ **یعنی اثنتین وثلاثا واربعاً**: سوال۔ مثنیٰ وثلاث ورباع کے معنی میں تو تکرار ہے یہاں جو بغیر تکرار کے معنی مذکور ہیں یہ تو ٹھیک نہیں۔ جواب۔ شہرت کی وجہ سے تکرار ذکر نہیں فرمایا مقصود تکرار ہی ہے۔ **ولا تجاوز العرب رباع**: یہاں دو قول ہیں۔ ا۔ رباع سے اوپر یہ صیغہ تکرار کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ ۲۔ استعمال ہوتا ہے۔ پہلا قول راجح قرار دیا گیا ہے۔ **ولم یکن لها من نفسه شیء**: یتیم لڑکی مال والی کسی کی ولایت میں ہوتی تھی شکل وصورت پسند نہ ہوتی تھی صرف مال کے لالچ میں اس سے نکاح کر لیتے تھے پھر حقوق ادا نہ کرتے تھے اس سے منع کر دیا گیا کہ دوسری عورتیں جو پسند ہوں صرف ان سے نکاح کر دو سے یا تین سے یا چار سے۔ جو پسند نہیں ہے۔ اس سے نکاح نہ کرو۔ **ولکل جعلنا موالی**: عندامامنا

ابی حنیفۃ مولیٰ موالاۃ کی وراثت اب بھی باقی ہے جب دوسرے ورثہ نہ ہوں۔ وعند الجمہور اب مولیٰ موالاۃ کی وراثت بالکل باقی نہیں منشاء اختلاف اس آیت کی تفسیر ہے **واو لوا الا رحام بعضھم اولی ببعض** ہمارے نزدیک اس آیت سے صرف تاخیر ثابت ہوتی ہے کہ مولی موالات کا درجہ باقی ورثہ سے بعد ہے اور جمہور کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ اسکی وراثت بالکل باقی نہیں رہی ترجیح ہمارے قول کو ہے اس لیے کہ اولیٰ کا لفظ صرف اولویت پر دال ہے اس پر دال نہیں کہ صرف یہی وارث ہونگے اور مولیٰ موالات وارث نہ ہوگا۔ پھر اس حدیث پاک میں تو یہ ہے کہ **والذین عقدت ایمانکم** ناسخ ہے۔ دوسری روایات میں حضرت ابن عباس سے ہی یہ بھی منقول ہے کہ ناسخ **واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض** ہے اور یہی راجح ہے۔ **ضوءِ لیس فیھا سحاب:.** یہ عبارت بدل ہے شمس سے۔ **ادنی صورۃ:.** ا۔ اقرب صورت یعنی اقرب صفت ۲۔ اقرب شان یعنی اقرب تجلی یہ دوسرے معنی راجح ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کل یوم ھو فی شان معلوم ہوا کہ شان بدلتی ہے اور صفت نہیں بدلتی اور قیامت میں بدلنے کا ذکر ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسری صورت میں ان کے پاس آئیں گے۔ یہاں پوری عبارت یوں ہے اتاھم رب العالمین فی ادنی صورۃ من التی راوہ فیھا اس سے پہلے کب دیکھا تھا۔ ا۔ یوم الست بربکم میں۔ ۲۔ یہاں رویت سے مراد علم ہے۔ پھر صورت تبدیل کرنے میں حکمت یہ ہے کہ حق تعالیٰ چاہیں گے کہ منافق حق تعالیٰ کو نہ دیکھ سکیں۔ اس لیے پہلے زیادہ پردوں کے ساتھ ظاہر ہوں گے پھر جب منافقین جا چکیں گے تو پھر ایسی صورت میں ظاہر ہوں گے جس کو اہل حق پہچان لیں گے۔

قال یحییٰ بعض الحدیث عن عمرو بن مرۃ:. مقصد یہ ہے کہ یحییٰ راوی فرما رہے ہیں کہ بعض الحدیث نقل کرنے والے عمرو بن مرہ ہیں عن ابراہیم عن ابیہ عن ابی الضحیٰ عن عبداللہ۔ **قال امسک فاذا عیناہ تذرفان:.** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی کیا وجہ تھی۔ ا۔ ان آیتوں میں یہ مذکور ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں امت کے متعلق گواہی دیں گے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ میری گواہی کی وجہ سے بعض کو عذاب بھی ہوگا۔ اس عذاب کے تصور سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ۲۔ قیامت کے دن کے ہولناک واقعات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگئے اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ۳۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کا تصور فرمایا جبکہ یہ امت پہلے انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر گواہی دے گی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کا تزکیہ فرمائیں گے کہ واقعی یہ امت سچی ہے اس خوشی کی بات کا تصور فرمایا اور خوشی سے آنسو آگئے یہ آنسو خوشی کے تھے غم کے نہ تھے۔ **وقال عمر الجبت السحر:.** یہاں مراد عمر بن الخطاب ہیں۔ **قلادۃ لاسماء:.** اور یہ ہار حضرت عائشہ کے پاس عاریۃً تھا۔ **واولی الامر منکم:.** اس آیت مبارکہ میں اولی الامر کا مصداق کیا ہے مختلف اقوال ہیں۔ ا۔ احکام۔ ۲۔ حضرت ابوبکر وحضرت عمر۔ ۳۔ جمیع الصحابۃ۔ ۴۔ الخلفاء الا ربعہ۔ ۵۔ المہاجرون والانصار۔ ۶۔ الصحابۃ والتابعون۔ ۷۔ وہ عقلاء جو لوگوں کے انتظامات کرتے ہیں۔ ۸۔ علماء اور فقہاء ۹۔ لشکروں کے سردار۔ ۱۰۔ علم والے اور حفاظ۔ ۱۱۔ جس کے سپرد بھی کوئی کام کر دیا جائے۔ یہی قول صحیح قرار دیا گیا ہے اور اسی طرف امام بخاری اس قول میں مائل ہوئے ہیں ذوی الامر۔ **احفظہ:.** اس کے معنی ہیں ناراض کیا۔ **بحۃ:.** آواز میں سختی آنا اور گلے کا خشک ہونا جس کو ہم ہچکی لگنا کہتے ہیں۔ **کنت انا وامی من المستضعفین:.** یہ حضرت ابن عباس کی والدہ محترمہ حضرت لبابۃ بنت الحارث ام الفضل ہیں یہ حضرت خدیجہ کے بعد ہی ایمان لے آئی تھیں اور ان کے خاوند حضرت عباس خفیہ طور پر اسلام لے آئے تھے اور بدر میں کافروں نے ان کو

مجبور کر کے مرضی کے خلاف لڑائی کے لیے نکالا تھا۔ اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقعہ میں فرمادیا تھا کہ جس کے سامنے عباس آجائیں تو وہ قتل نہ کرے چنانچہ یہ قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے۔ **بددهم**:. متفرق کیا اور جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ **وما نسخها شیء**:. حضرت ابن عباس ہی سے یہ منقول ہے کہ وہ جو قاتل مومن کے متعلق سخت الفاظ استعمال فرماتے تھے یہ صرف زجر اور توبیخا تھے حقیقۃً نہیں فرماتے تھے کہ قاتل مومن مخلد فی النار ہے۔ گویا خلود کی سزا کا مستحق ہے اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ فرماویں۔ ۲ قاتل مومن کے بارے میں جو وارد ہے فجزاءہ جهنم خالداً فيها اس میں خلود سے مراد مکث طویل ہے۔ ۳۔ تیسری توجیہ اسی آیت مبارکہ کے متعلق یہ بھی ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ **قال قرأ ابن عباس السلام**:. یہ عبارت یہاں دو دفعہ ہے دونوں میں قال کے فاعل حضرت عطاء ہیں۔ **قال عبدالرحمٰن بن عوف كان جريحاً**:. اس عبارت میں قال کے فاعل حضرت ابن عباس ہیں۔

باب ويستفتونک فی النساء

وراثت کے متعلق یہ آیت آخری شمار کی گئی ہے۔

حتیٰ فی العذق:. عین کے فتحہ کے ساتھ کھجور کا درخت اور عین کے کسرہ کے ساتھ کھجور کا گچھا یہاں دونوں میں سے جو بھی لے لیں ٹھیک ہے۔ **فیر غب ان ینکحها**:. شکل پسند نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہ کرتا تھا۔ متولی اپنی ولایت میں بنت کے متعلق مختلف بدعنوانیاں کرتے تھے سب سے منع کیا گیا۔ ا۔ نکاح کر لیتے مہر پورا نہ دیتے۔ ۲۔ نکاح کر لیتے شکل پسند نہ ہونے کی وجہ سے حقوق ادا نہ کرتے۔ ۳۔ نہ خود نکاح کرتے نہ کسی اور جگہ نکاح کرنے دیتے کہ مال وغیرہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ **لیس بمستکثر منها**:. بیوی سے زیادہ تعلق نہ رکھتا تھا نہ دلی دوستی میں نہ ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں۔ **نفقا سربا**:. منافق کے مادہ سے نفق تھا اس لیے یہاں ذکر کر دیا۔ **لقد انزل النفاق علی قوم خیر منکم**:. مقصد یہ تھا کہ ڈرتے رہو کہ کہیں ہم بھی منافق نہ بن جائیں بعض ظاہری طور پر صحابی تھے لیکن حقیقت میں منافق تھے۔ پھر توبہ کر کے صحیح صحابی بن گئے۔ **انا خیر من یونس بن متیٰ**:. یہ متیٰ والد کا نام ہے۔ معنی یہ ہیں۔ ا۔ کہ کہنے والا اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر نہ سمجھے۔ ۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں فرمارہے ہیں کہ مجھے بہتر نہ کہے یہ تواضعاً فرمایا۔ ۳۔ ایسے طریقہ سے مجھے بہتر نہ کہے کہ ان کی تحقیر ہو۔ ۴۔ جس وقت یہ فرمایا اس وقت ابھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید ولد آدم ہیں۔ **تکلله النسب**:. ای تطرفہ کہ نسب نے اس کو ایک طرف کر دیا کہ نہ باپ ہے نہ اولاد ہے۔ **واخر آیة نزلت یستفتونک**:. سوال سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزرا ہے کہ آخری آیت یہ ہے **واتقوا یوماً ترجعون فیه الی الله** جو ربوا کی آیات کے ساتھ نازل ہوئی تھی اور یہاں یہ آ گیا کہ آخری آیت یستفتونک والی ہے یہ تو تعارض ہے۔ جواب ا۔ یہاں حضرت براء کی تحقیق ہے اور وہاں حضرت ابن عباس کی تحقیق تھی۔ ۲۔ وہاں احکام ربوا میں آخری آیت کا ذکر تھا اور یہاں وراثت کے احکام میں آخری آیت کا بیان مقصود ہے۔

باب تفسیر سورة المائده فبنقضهم

اشارہ فرمادیا کہ آیت میں فبما نقضهم میں ما زائدہ ہے۔

دائره دولة:. مراد مصائب کا غلبہ ہے۔ **والافضاء النكاح**:. اشارہ ہے وقد افضیٰ بعضکم الی بعض میں مراد جماع ہے۔ ایسی ہی لمستم النساء اور من قبل ان تمسوهن اور واللاتی دخلتم بهن میں بھی جماع ہی کے معنی مراد ہیں۔ **فبی الموت**:. یعنی مجھے ایسی شدید تکلیف ہوئی جیسے مرنے والے کو ہوتی ہے۔ **المحاربة الله الكفر به**:. ا۔ یہ امام بخاری کا قول ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا اور حضرت

سعید بن جبیر اور حضرت حسن بصری سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔
۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ڈاکوؤں کا حکم بیان کرنے کے لیے ہے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر ہوں اور بعض حضرات سے صرف یوں منقول ہے کہ یہ آیت عرنیین کے بارے میں نازل ہوئی یہ تیسرا قول پہلے دونوں قولوں میں سے کسی کی تائید نہیں کرتا کیونکہ عرنیین ڈاکو بھی تھے اور مرتد بھی تھے۔ **فذکروا وذکروا**:۔ ان حضرات نے قسامہ کا ذکر کیا۔ **قداقادت بها الخلفاء**:۔ خلفاء نے قسامہ میں قصاص لیا ہے۔ **فما یستبطأ من هولاء**:۔ پس کیا دیر کی جاسکتی ہے ان لوگوں سے جنہوں نے اتنے جرم کئے۔ پس حضرت ابوقلابہ کی رائے یہی تھی کہ قسامہ میں دیت ہے قصاص نہیں ہے اور عرنیین والی حدیث پر قیاس نہیں کی جاسکتا۔ **فرخص لنا بعد ذلک**:۔ حضرت انور شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ شریعت میں اصطلاحی متعہ کبھی بھی جائز نہیں قرار دیا گیا۔ صرف اجازت ہوئی تھی اس کی کہ تھوڑے مہر کے ساتھ نکاح کرلے اور دل میں نیت ہو کہ جلدی طلاق دے دوں گا یہ بھی پھر بعد میں منسوخ ہوگیا۔ یہ صورت متعہ کے مشابہ ہے متعہ نہیں ہے۔ اس تقریر پر اس زیر بحث روایت پر کچھ اشکال نہیں ہے۔ اس کی کچھ تفصیل کتاب النکاح میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کو پہلے ناسخ کا علم نہ ہوا تھا انتہی عینی میں ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ شروع اسلام میں متعہ کی رخصت تھی مجبوری کے درجہ میں جیسے مردار کھانا جائز ہے اور امام مازری فرماتے ہیں کہ متعہ اول اسلام میں جائز تھا پھر احادیث صحیحہ سے اس کا منسوخ ہونا ثابت ہوگیا اور اس کی حرمت پر اجماع ہوگیا اور صرف مبتدعین کی ایک جماعت اب بھی جواز کی قائل ہے اور وہ منسوخ احادیث سے استدلال کرتے ہیں پس منسوخ میں ان کے لیے استدلال صحیح نہیں۔ **والانصاب**:۔ یہ بت نہ تھے بلکہ پتھر تھے جو بیت اللہ کے قریب ہوتے تھے ان پتھروں کے پاس لات اور عزیٰ کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور ان کا خون ان پتھروں پر ڈالتے تھے۔

باب ماجعل الله من بحيرة

یہ جو الفاظ ہیں بحیرہ۔ سائبہ وغیرہ ان کے معنیٰ بخاری شریف میں آگے خود آرہے ہیں۔ **واذهبنا صلة**:۔ یہاں اذ تحسین لفظی کے طور پر ہے۔ کیونکہ مراد قیامت کا دن ہے۔ **وتطليقة بائنة**:۔ امام بخاری پر اعتراض باقی رہتا ہے کہ یہاں تطلیقۃ بائنۃ کی مثال ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس میں اسم فاعل اس مفعول کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اسم فاعل ہی کے معنی میں ہے۔ **والمعنى ميد بها**:۔ غلہ دیا ہوا۔ ماد غلہ دیا۔ **متوفيک مميتک**:۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی موت آئے گی نزول کے بعد۔ **يجر قصبه في النار**:۔ وہ اپنی انتڑیوں کو کھینچ رہا تھا آگ میں۔ **غولاً**:۔ یہ جمع ہے اغرل کی جس کا ختنہ کیا ہوا نہ ہو۔ **وان تغفر لهم فانک انت العزيز الحكيم**:۔ سوال۔ آیت مبارکہ پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ کافر کے لیے تو طلب مغفرت جائز نہیں ہے۔ جواب۔ آیت میں صرف اظہار قدرت ہے طلب مغفرت نہیں ہے۔

اذنبت ذنباً عظیما وانت للعفو اهل
فان عفوت ففضل وان جزیت فعدل

البسط الضرب:۔ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی باسطوا یدیھم بالضرب پھر بسط کی صورت میں مختلف احتمال ہیں۔ ۱۔ ضرب ۲۔ عذاب ۳۔ جسموں سے روح نکالنے میں شدت ہو۔ پھر یہ بسط کب ہوگی اس میں بھی احتمالات ہیں۔ ۱۔ موت کے وقت۔ ۲۔ قیامت کے دن۔ ۳۔ جہنم میں۔ **البسلوا ١١ سلموا**:۔ یعنی سپرد کئے گئے ہلاکت کی طرف۔ **وهي الترهات**:۔ یعنی امور باطلہ۔ **الصور جماعة صورة**:۔ مقصد یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں جو وارد ہے یوم ینفخ فی الصور تو اس میں صور جمع ہے صورۃ کی اور معنی ہوگئے

کہ صورتوں میں یعنی جسموں میں روح ڈالی جائے گی لیکن صحیح تفسیر یہ ہے کہ صور ایک سینگ کی شکل کی چیز ہے اور وہ واحد کا صیغہ ہے اسم جمع یا جمع نہیں ہے کیونکہ مسند احمد میں ہے عن عبداللہ بن عمر وقال قال اعرابی یا رسول اللہ ماالصور قال قرن ینفخ فیہ۔ **ترھب خیر من ان ترحم :.** تیرا ڈرایا جانا تجھ پر مہربانی سے بہتر ہے۔ **وان تعدل تقسط لا یقبل منھا فی ذلک الیوم:.** مقصود اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے وان تعدل کل عدل لا یوخذ منھا مطلب یہ ہے کہ نفس کافرہ قیامت میں اگر پورا انصاف بھی ظاہر کرنا چاہے تو قبول نہیں دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ یہاں عدل سے مراد توبہ ہے کہ اس دن توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ **یقال حسبانا مرامی ورجوماً للشیاطین:.** حسبان کے معنی شیطان کو تیر مارنے کے ہیں۔ **فبھدا ھم اقتدہ :.** مقصد یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا ہمیں بھی کرنا چاہیے۔ آپ ان کے طریق تبلیغ رسالت اور صبر علی ایذاء المکذبین میں اتباع کریں۔ سوال یہ تو ان کے تابع ہونا ہوا۔ جواب ان کے تابع ہونا نہیں ہے بلکہ ان کی ہدایت کے تابع ہونا ہے۔ اگر ان کے تابع کرنا مقصود ہوتا تو یوں ہونا فبھم اقتدہ۔ **الحوایاالمبعر:.** وہ آنتیں جن میں مینگنی رہتی ہے۔ **اما حجر الیمامۃ فھو منزل :.** ایک جگہ کا نام ہے۔ **سورۃ الاعراف. یخصفان اخذ الخصاف من ورق الجنہ:.** خصاف کے معنی ہوتے ہیں چوڑا پتہ۔ **شرعا شوارع:.** مقصود یہ ہے کہ شرع جمع ہے شوارع کی اور وہ جمع ہے شارع کی اور شارع کے معنی ہیں ظاہر۔ **ان رجلا من اصحابک من الا نصار لطم فی وجھی:.** بعض نے یہ کہا ہے کہ طمانچہ مارنے والے حضرت صدیق اکبرؓ تھے لیکن چونکہ بخاری شریف کی اس روایت میں انصاری ہونے کی تصریح ہے اس لیے اسی بخاری شریف والی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ **لاتخیر ونی من بین الانبیاء :.** ۱۔ ایسی تخییر سے منع فرمایا جس سے دوسرے کسی نبی کی تحقیر ہو۔ ۲۔ افضلیت کے علم سے پہلے فرمایا تھا۔ ۳۔ تواضعاً فرمایا۔ ۴۔ ایسے طریقہ سے فضلیت نہ بیان کرو جس سے جھگڑا پیدا ہو۔ **اماصاحبکم ھذا فقد غامر:.** نیکی میں بڑھ گئے۔ **ھل انتم تار کولی صاحبی:.** اصل ہے تارکون لی اور نون کے ساتھ منقول بھی ہے۔ حذف کی وجہ اضافت ہے اگر چہ حرف جار بھی ہے اور اس طرح کا استعمال کلام عرب میں کثرت سے ہے۔ **سورۃ الانفال ھم نفر من بنی عبد الدار:.** یعنی ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یا یہ بھی اس آیت کا مصداق ہیں۔ **ان رجلا جاء ہ:.** ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص خارجی تھا کیونکہ خارجی لوگ حضرات شیخین سے محبت کا اظہار کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے بغض رکھتے تھے۔ **اغتربھذہ الایۃ:.** یہاں اغترار کے معنی ہیں خلاف ظاہر معنیٰ کرنا۔ **واری الامر بالمعروف والنھی عن المنکر مثل ھذا:.** یعنی دو گناہوں تو امر و نہی نہ چھوڑے۔ **سورۃ البراء ۃ :.** سوال:۔ بسم اللہ شروع میں کیوں نہ لکھی گئی۔ جواب۔ ۱۔ نازل نہ ہوئی اس لیے نہ لکھی گئی۔ ۲۔ حضرت عثمان نے اپنے زمانہ خلافت میں جب ایک نسخہ کی جگہ سات یا آٹھ نسخے قرآن پاک کے بنا کر پورے عالم میں پہنچانے کا ارادہ فرمایا تو اس وقت حضرات صحابہ میں اختلاف ہوا کہ سورہ براءت الگ سورت ہے یا سورہ انفال کا حصہ ہے تو حضرت عثمان نے دونوں جماعتوں کے قول کی رعایت فرمائی بسم اللہ نہ لکھی تاکہ سورہ انفال کا حصہ ہونے کا احتمال باقی رہے اور دونوں سورتوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ایک سطر کا چھوڑ دیا تاکہ الگ سورت ہونے کا احتمال بھی باقی رہے تو دونوں فریق خوش ہوگئے اور دونوں کی حجت قرآن پاک کے نسخہ میں ثابت رہی۔ ۳۔ سورہ براءت سورہ بقرہ کی طرح بڑی

سورت تھی۔شروع کا حصہ منسوخ التلاوت ہوگیا اسی میں بسم اللہ بھی تھی اس لیے بسم اللہ کی تلاوت بھی منسوخ ہوگئی۔۴۔بسم اللہ میں کلمات امان کے ہیں رحمٰن ورحیم اور سورہ براءت میں مضامین ہیں رفع امان کے اس لیے بسم اللہ یہاں نہیں رکھی گئی۔**اھوی القاه فی ھوة:**. گڑھے میں ڈالا۔**الخوالف الخالف الذی خلفنی:**. امام بخاری نے دو احتمال بیان فرمائے کہ۔ا۔خالف کی جمع ہے۔۲۔خالفۃ کی جمع ہے پھر وان کان جمع الذکور سے دوسرے احتمال کو ترجیح دی کہ فاعل کی جمع جو فواعل آتی ہے اس کے صرف دو مصداق ہیں ھوالک اور فوارس اس لیے خوالف کو خالف کی جمع کہنا غلط ہے۔پھر امام بخاری کی اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ خالفۃ کی جمع ہے لیکن یہ دلیل ٹھیک نہیں ہے کہ دو لفظ ہی فاعل کی جمع میں آتے ہیں لفظ تو اور بھی آتے ہیں لیکن خوالف بہر حال ان میں سے نہیں ہے اور یہ خالفۃ کی جمع ہی ہے۔**الجرف ما تجرف من السیول:**. پانی سے کھدی ہوئی جگہ۔**ھار ھائر:**. گرنے والی چیز۔**تاوه:**. اس کی اصل ہے تاوہ۔**ونحوھا کثیر:**. یعنی اختلاف لفظ مع اتحاد المعنیٰ لغت عرب میں کثیر ہے۔**والزکاة الطاعة والاخلاص:**. یعنی لفظ زکوٰۃ کے یہ دو معنی آتے ہیں۔**ثم اردف رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعلی بن ابی طالب:**. یہ سن ۹ ھجری کا واقعہ ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر کو حج کے لیے بھیجا پھر حضرت علی کو اعلان کے لیے بھیجا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکہ اہل عرب بادشاہ کے قریبی رشتہ دار ہی کا اعلان معتبر سمجھتے تھے۔**یوم النحر یوم الحج الاکبر من اجل حدیث ابی ھریرة:**. مقصد یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں تصریح ہے کہ اعلان یوم النحر میں ہوئے اور قرآن پاک میں اعلان حج اکبر کے دن کرنے کا ذکر ہے اس لیے یوم النحر ہی یوم حج اکبر ہوا۔**مابقی من اصحاب ھذه الایة الا ثلاثة:**. ان تین میں حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت سہیل بن عمرو کا ذکر صحیح ہے اور اب یہ حضرات کفر سے توبہ کر کے مومن مخلص ہو چکے تھے آیت یہ ہے **فقاتلوا ائمة الکفر** البتہ اس حدیث میں ثلاثۃ کے مصداق میں ابوجہل بن ہشام اور عتبۃ بن ربیعۃ کا ذکر صحیح نہیں ہے کیونکہ جس وقت حضرت حذیفہ یہ گفتگو فرما رہے ہیں اس وقت یہ دونوں دنیا سے جا چکے تھے کیونکہ یہ دونوں کفر کی حالت میں غزوہ بدر میں مارے جا چکے تھے۔**ولا من المنافقین الا اربعة:**. ان چاروں میں سے کسی کا نام ظاہر نہیں ہوا کیونکہ حضرت حذیفہ کو اخفاء کا حکم تھا۔**یبقرون بیوتنا:**. ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں۔**یسرقون اعلاقنا:**. اس میں اعلاق جمع ہے علق کی دل سے تعلق رکھنے والی چیز یعنی قیمتی چیز۔**اولئک الفساق:**. یعنی یہ نہ کافر ہیں نہ منافق ہیں بلکہ مومن فاسق ہیں۔**بین جمادی وشعبان:**. نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہی تھا کہ اب ان مہینوں کی پوری حفاظت کرنا چنانچہ حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے امت نے اپنے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر پورا پورا عمل کیا آج احقر محمد سرور عفی عنہ شوال ۱۴۱۴ھ میں لکھ رہا ہے کہ چودہ سو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں یہ مہینے محفوظ ہیں فالحمد للہ علی ذلک۔**حین وقع بینه وبین ابن الزبیر:**. یہاں ابن الزبیر سے مراد عبداللہ بن الزبیر ہیں۔جب یزید کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر نے خلافت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابن عباس کو بعیت کی دعوت دی لیکن انہوں نے قبول نہ فرمائی تو ان دونوں بزرگوں کے درمیان کچھ رنجش رہی اس کا ذکر ہے ان الفاظ میں وقع بینہ وبین ابن الزبیر اور اس کے بعد کی روایت میں بھی ان الفاظ سے اسی بات کا ذکر ہے وکان بینھما شیئ۔**واین بھذا الامر عنه:**. خلافت حضرت ابن الزبیر سے دور نہیں ہے یعنی وہ اس کے اہل ہیں۔**واما امه فذات النطاق:**. نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کی ہجرت کے موقعہ پر

حضرت اسماء نے اپنے ازار کی پٹی جس کو نطاق کہتے ہیں اس کو پھاڑ کر دو حصے کئے تھے ایک زاد باندھنے کے لئے ایک مشکیزہ باندھنے کے لئے اس لئے حضرت اسماء کا لقب ذات النطاقین اور ذات النطاق ہوا۔ **واما عمة فزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم:**۔ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد پھوپھی ہیں حضرت زبیر بن عوام بن خویلد کی مجازاً حضرت عبداللہ بن الزبیر کی پھوپھی قرار دیا۔ **ان وصلونی وصلونی من قریب:**۔ اس عبارت میں حضرت ابن عباس حضرت عبداللہ بن الزبیر پر عتاب ظاہر فرما رہے ہیں اور بنی امیہ کا شکر ادا کر رہے ہیں کیونکہ جب حضرت ابن عباس نے اس وقت تک بیعت سے انکار کر دیا تھا جب تک کہ آپ کا اور بنی امیہ کا اتفاق نہ ہو جائے اس پر حضرت عبداللہ بن الزبیر کے ساتھیوں نے حضرت ابن عباس کو محاصرہ میں لے لیا بنی امیہ نے محاصرہ سے نکالا تو حضرت ابن عباس بنی امیہ کے ساتھ طائف تشریف لے گئے اور وہاں ہی ۶۸ھ میں وفات پائی۔ پھر وصلونی من قریب اس لئے فرمایا کہ قریبی رشتہ تھا اس لئے کہ عباس بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبد مناف ہیں اور امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں۔ **وان ربونی ربونی اکفاء اکرام:**۔ اکفاء کا لفظ فاعل سے بدل ہے یعنی بنی امیہ والے اگر حاکم بنے ہیں عبدالملک مراد ہے تو وہ ہمارے برابر کے ہیں اور کرام یعنی عزت والے ہیں۔ آگے ابن ابی العاص سے مراد عبدالملک ہے اور القدمیۃ بمعنی تقدم ہے یعنی عبدالملک متکبرانہ طور پر بڑھ رہا ہے۔ **وانہ لوی ذنبہ:**۔ یہ کنایہ بزدلی سے ہے دم پھیر دی ہے یعنی ترقی سے بزدلی کی ہے۔ **لاحاسبن نفسی لہ:**۔ میں اپنے نفس سے اس کے لئے رعایت طلب کروں گا۔ **لان یربنی بنو عمی:**۔ میرے حاکم بنیں اور بنو عمی کا مصداق یہاں بنو امیہ ہیں۔ **نتحامل:**۔ بوجھ اٹھا کر کمائی کرتے تھے۔ **فیحتال احدنا:**۔ مشقت سے کما کر لاتا تھا۔ **وقد نہاک ربک ان تصلی علیہ:**۔ حضرت عمرؓ کیسے نہی سمجھے اور پھر اس پر عمل کیوں نہ فرمایا۔ نبی پاک ﷺ نے اس کی تین اہم توجیہات ہیں۔ ۱- اس آیت سے حضرت عمرؓ نہی سمجھے **ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین** اور نماز بھی استغفار ہی کے درجہ میں ہے جواب یہ ہے کہ مشرکین غیر منافقین ہیں۔ ۲- **استغفرلھم اولا تستغفرلھم ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفراللہ لھم** معلوم ہوا کہ استغفار عبث ہے اور عبث منہی عنہ ہے اس لئے استغفار اور نماز بھی منہی عنہ ہے جواب۔ فائدہ اگرچہ میت کو نہ تھا لیکن دور کے لوگوں کو تو تھا کہ جو بھی زبان سے ایمان لے آتا ہے اس کی بہت رعایت ہوتی ہے اس لئے یہ نماز عبث محض نہ تھی۔ ۳- یہ نہی حضرت عمرؓ کے الہام میں تھی جواب نبی کا اجتہاد غیر نبی کے الہام سے اونچا ہوتا ہے۔ **معنیۃ:**۔ شفقت کرنے والی ایک نسخہ میں معینۃ بھی ہے اعانت کرنے والی۔ **یحطمکم الناس:**۔ لوگ روند ڈالیں گے کہ ساری رات آتے جاتے رہیں گے نیند برباد ہو جائے گی۔ **مقتل اھل الیمامۃ:**۔ اہل یمامہ سے لڑائی ۱۱ھ میں ہوئی یہ مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ لڑائی تھی۔ مسیلمہ کذاب بھی اس میں مارا گیا تھا اور مسلمان بھی اس میں گیارہ سو یا چودہ سو شہید ہوئے تھے ان میں ستر حضرات ایسے تھے جو پورے قرآن پاک کے حافظ تھے۔ **ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ:**۔ یعنی قتل بہت سخت ہوا۔ اہل عرب شدت کو حرارت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور راحت کو ٹھنڈک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ **وانی لاری ان تجمع القراٰن:**۔ جمع اول حضرت صدیق اکبر کے حکم سے ہوئی اور جمع ثانی حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں ان کے حکم سے ہوئی دونوں جمعوں میں زیادہ محنت اور مکمل نگرانی حضرت زید بن ثابت کی تھی ان دونوں جمعوں میں کئی لحاظ سے فرق تھا۔ ۱- جمع اول میں لغت قریش اور لغت غیر قریش دونوں تھیں اور جمع

ثانی صرف لغت قریش میں تھی کیونکہ غیر قریش میں پڑھنے کی اجازت صرف آسانی کے لئے تھی اصل نزول صرف لغت قریش ہی میں تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں سب مسلمان لغت قریش میں پڑھنے پر پورے پورے قادر ہو گئے تھے اس لئے غیر قریش میں پڑھنے کی اجازت کی کوئی ضرورت نہ تھی اور چونکہ اختلاف شروع ہو گیا تھا کہ ہمارا قرآن تمہارے قرآن سے بہتر ہے اس اختلاف کی وجہ سے دوسری لغات کا چھوڑنا واجب ہو گیا تھا اس لئے حضرت عثمان نے صرف لغت قریش پر قرآن پاک جمع کرایا اور سب موجود صحابہ نے حضرت عثمان کی اس مسئلہ میں تقلید فرمائی اس سے تقلید شخصی بھی ثابت ہوئی۔۲- جمع اول کا مقصد تمام حروف قران کا یکجا کرنا تھا اور جمع ثانی میں صرف ان آیات کا جمع کرنا تھا جو عرضہ اخیرہ میں پڑھی گئی تھیں اور منسوخ التلاوت کا چھوڑنا مقصود تھا۔۳- جمع اول چند چھوٹے چھوٹے صحیفوں کی شکل میں واقع ہوئی تھی اور جمع ثانی میں مکمل قرآن پاک ایک ہی مصحف کی شکل میں کر دیا گیا تھا۔۴- جمع اول میں صرف ایک نسخہ تیار کیا گیا تھا اور جمع ثانی میں سات یا آٹھ آنسخے تیار کئے گئے تھے۔۵- جمع اول میں لکھا ہوا نسخہ حضرت صدیق اکبر کے پاس رہا وفات پر حضرت عمرؓ کے پاس رہا ان کی وفات پر حضرت حفصہ کے پاس رہا اور جمع ثانی میں سات یا آٹھ نسخے بڑے بڑے شہروں میں پہنچا دیئے تاکہ سب نقل کریں اور پوری دنیا میں قرآن پاک آسانی سے پہنچ جائے۔۶- جمع ثانی میں اس کے خلاف جتنے نسخے تھے وہ ضائع کر دیئے گئے تھے اور جمع اول میں ضائع کرنا منقول نہیں ہے۔ **العسب**: . یہ جمع ہے عسیب کی کھجور کی موٹی شاخ۔ **لم اجدھما مع احد غیرہ**: . یعنی لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ کے پاس تھیں اور یہ تصریح دوسری روایات میں ہے کہ حضرت زید نے نبی پاک ﷺ سے دونوں آیتیں سنی ہوئی تھیں اگر سنی ہوئی بھی نہ ہوتیں تو یوں فرماتے عرفنی خزیمۃ انھما من القران۔ **سورۃ یونس**

تلک ایات یعنی ھذا اعلام القران: . دو باتیں بتلانی مقصود ہیں ایک یہ کہ یہاں آیت نشانی کے معنی میں ہے اور دوسرے یہ کہ یہاں ھذہ کا موقعہ تھا لیکن تلک استعمال کیا گیا اس میں مقصود بعد رتبی کو بیان کرنا ہے کہ آیات کا درجہ اتنا اونچا ہے کہ ان کو تلک سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ صنعت التفات بھی ہے کہ غائب کی جگہ حاضر استعمال کیا گیا کمال ظہور کی وجہ سے۔ **ومثلہ حتیٰ اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم المعنی بکم**: . یہ آیت اوپر والی آیت کی طرح ہے اس میں صنعت التفات تھی تعظیما کہ آیات اتنی واضح ہیں کہ ان کی غائب بھی حاضر ہیں اور یہاں صنعت التفات ہے تحقیراً کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے اس لئے ان کو ھم سے تعبیر کیا گیا۔ **سورۃ ھود علیہ السلام یثنون صدورھم**: . اخنس بن شریق منافق کے متعلق نازل ہوئی اور آگے مسند روایت میں یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ غلبہ حیاء کی وجہ سے بول و براز اور جماع کے وقت بھی بدن سے کپڑا ہٹانے سے شرماتے تھے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تو گویا غلو سے بچنے اور اعتدال اختیار کرنے کا حکم ہوا۔ **الجودی جبل بالجزیرۃ**: . باقی پہاڑوں نے تکبر کیا کہ اونچے ہو گئے جودی اور طور اور حراء نے تواضع اختیار کی تو ان تینوں کو باقی سب پہاڑوں پر عزت دی گئی جودی پر کشتی ٹھہری۔ طور پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور حراء میں نبی پاک ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ **ورجلۃ یضربون البیض ضاحیۃ ضرباً تواصیٰ بہ الا بطال سجیناً**: . بعض پیدل چلنے والے اپنے بدن مضبوط کرنے کے لیے اپنے آپ پر دن کے وقت پتھر سفید تلواروں جیسے سخت مارتے ہیں ایسا مارنا جو سخت ہے جیسا مارنے کی پہلوانوں نے وصیت کی ہے کہ ایسے مارو گے تو بدن سخت ہو جائیں گے۔ اس شعر سے معلوم ہوا کہ سجین بمعنی سخت ہے۔ **سحاء**: . بہت بہنے والا۔ **یخفض ویر فع**: . اپنی

حکمت سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیتے ہیں۔ **الظھری ھھنا ان تاخذ معک دابة او دعاء تستظھربه**:۔ الظھری کا لفظ جو یہاں آیا ہے۔ یہی لفظ ایک اور معنیٰ میں بھی آیا ہے گو وہ معنیٰ آیت میں نہیں ہے یعنی معین دابہ ہو یا برتن ہو۔ **اما زلفی فمصدر من القربیٰ**:۔ زلفیٰ مصدر ہے جو مشابہ قربیٰ کے ہے یہ معنی نہیں زلفیٰ قربیٰ سے مشتق ہے۔ **سورۃ یوسف علیه السلام** :۔ الاترج لیموں۔ **صواع**: ٹوکری یا زنبیل جیسا بڑا پیالہ جس کی اوپر کی دونوں جانبیں ملی ہوئی ہوں۔ **الجب الرکیة التی لم تطو**:۔ وہ کنواں جس میں گولائی والے پتھر ابھی نہ لگائے گئے ہوں۔ **والمتکأ ما اتکات علیه**:۔ یہ امام بخاری کی کلام ہے ان لوگوں کا رد ہے جو متکأ بمعنی اترج لیتے ہیں لیکن راجح اترج کے معنی ہی ہیں کیونکہ علامہ عینی نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے اترج کے معنی نقل کیئے ہیں۔ امام بخاری کی طرف سے یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ ان تک یہ روایت نہیں پہنچی۔ **ابطل**:۔ جاء باطل۔ **المتک**: تکیہ کے معنیٰ ہیں بسکون التاء بھی آتا ہے۔ **البظر**:۔ وہ کھال جو عورت کے ختنہ کے بعد رہ جاتی ہے۔ **متکاء** :۔ بے ختنہ عورت۔ **المشعوف**:۔ جو محبت میں بہت دور جا چکا ہو۔ **واحد ھا ضغث**:۔ یہ مشترک ہے۔ ا۔ مالا تاویل لہ بے معنیٰ چیز۔ ۲۔ مٹھی بھر تنکے جن کو جھاڑو کہتے ہیں یہاں سورہ یوسف علیہ السلام میں پہلے معنیٰ مراد ہیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں **وخذ بیدک ضعثاً فاضرب به ولا تحنث** میں دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ **غاشیة**:۔ ڈھانپنے والی چیز یعنی عام عذاب اور مجللة کے معنی بھی عام کے ہی ہیں۔ **بل عجبت ویسخرون**: سوال۔ اس آیت کو یہاں ذکر کرنا مناسب نہ تھا کیونکہ یہ سورہ یوسف علیہ السلام کی آیت نہیں ہے۔ جواب۔ جیسے حضرت ابن مسعود سے ھیت کی جگہ ھیت منقول ہے ایسے ہی حضرت ابن مسعود سے عجبت کی جگہ عجبت منقول ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں کہ ان کا یہ کام میں انسانوں کے لیے قابل تعجب سمجھتا ہوں۔ **احصت کل شیء**:۔ سب چیزوں کو ختم کردیا۔ حصاء سے ہے حصاء اس سال کو کہتے ہیں جس میں خیر نہ ہو۔ **افیکشف عنھم العذاب یوم القیامة**:۔ معنیٰ یہ ہیں لا یکشف۔ **مضی الدخان**:۔ یعنی دخان بمعنی قحط گزر چکا ہے۔ **ومضت البطشة**:۔ کہ بطشہ کا مصداق غزوہ بدر بھی گزر چکا ہے۔ **ولو لبثت فی السجن مالبث یوسف لا جبت الداعی**:۔ ا۔ تواضعاً فرمایا۔ ۲۔ تبلیغ کے شوق میں فرمایا کہ جلدی قید سے باہر آکر تبلیغ کرتا۔ **سورہ الرعد. السباخ**:۔ شور زمین۔ **العقیب**:۔ پیچھے آنے والا۔ **قارعة واھیة** :۔ ہلاک کرنے والا۔ **املیتُ اطلتُ من الملیّ**:۔ اس کے معنیٰ ہیں لمبا زمانہ۔ **ملیاً**: قرآن پاک میں آیا ہے **واھجرنی ملیاً** ای زمانا طویلا ایسے ہی ملاوہ کے معنی ہیں طویلہ اقمت عندہ ملاوۃً من الزمان ای حیناً من الزمان الملا من الارض کے معنی ہے لمبی زمین۔ **سورۃ ابراھیم. ردوا ایدیھم فی افواھھم**:۔ امام بخاری بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کے حاصل معنی یہ ہیں کفوا عما امروا بہ یہ حاصل معنی کیسے نکلے اس کی چند توجیہات ہیں۔ ا۔ کافروں نے غصہ کی وجہ سے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں ڈالے اور کاٹے اور اس طرح اپنی ناراضگی اور غصہ کا اظہار کیا۔ ۲۔ کافروں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا کہ ہمارا بس یہی جواب ہے اور کچھ جواب نہیں جو آگے آرہا ہے وقالوا انا کفرنا بما ارسلتم به۔ ۳۔ کافر زمی سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے افواہ مبارکہ پر ہاتھ رکھتے تھے یہ اشارہ کرنے کے لیے کہ آپ خاموش ہوجائیں۔ ۴۔ کافر انبیاء علیہم السلام کے افواہ مبارکہ پر سختی سے ہاتھ رکھتے تھے اور ان کو زبردستی چپ کراتے تھے۔ **ھذا مثل کفوا عما امروا به**:۔ یہ لفظ مثل بھی پڑھا گیا میم کے کسرہ اور ثاء کے

سکون کے ساتھ جس کی چار تقریریں اوپر ذکر کی گئی ہیں اور مَثُل بھی پڑھا گیا ہے کہ ضرب المثل بن چکی ہے اور حاصل معنی یہی ہیں کفوا عما امروا بہ اور تفصیل کی وہی چار تقریریں ہیں جو اوپر ذکر کی گئی ہیں۔ **بمصرخکم**: . امداد کرنے والا۔ **استصرخنی**: . مجھ سے امداد مانگی۔ **الصراخ**: . چیخ۔ **مصدر خاللته**: . مقصد یہ ہے کہ یہاں لفظ خلال کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ا۔ مصدر ہے۔ ۲۔ جمع ہے خلۃ کی۔ **لایتحات**: . پتے جھڑتے نہیں ہیں۔ **ولا ولا ولا**: . یہاں جو تین دفعہ ولا ہے اس میں اختصار کے طور پر تین صفتوں کو راوی نے ذکر کیا ہے کہ ایسا بھی نہیں ایسا بھی نہیں دوسری روایتوں میں تفصیل گزر چکی ہے۔ **ولاتؤتی اکلها کل حین**: . یہ پانچویں صفت ہے۔ پیچھے تفصیل اس حدیث کی گزر چکی ہے۔ **الم تعلم**: . یہ معنی ہیں الم ترالی الذین بدلو نعمة الله کفراً کے۔ حاصل یہ ہے کہ یہاں رویت علمیہ ہے۔ **سورة الحجر. صراط علیّ مستقیم**: . حضرت مجاہد اس کے تین معنوں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ ا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ اپنے راستہ کی دلالت لے رکھی ہے تفضلاً نہ استحقاقاً اس لیے علیّ فرمایا۔ ۲۔ یہ تہدید ہے اور ابلیس کو خطاب ہے جیسے کوئی لڑائی میں مخالف کو کہتا ہے طریقک علیّ تجھے میں ٹھیک کروں گا تجھے ٹھیک کرنے کا طریقہ میرے ذمہ ہے۔ ۳۔ علیٰ بمعنیٰ الیٰ ہے اور اسکی طرف اشارہ حضرت مجاہد کے اس قول میں ہے الحق یرجع الی اللہ۔ **وللاولیاء ایضاً شیع**: . دوستوں کو بھی شیعہ کہہ دیا جاتا ہے جمع شِیَع ہے۔ **بروجاً منازل للشمس والقمر**: . ا۔ علم ھیت والے بارہ برج۔ ۲۔ نجوم۔ **لواقح ملاقح ملقحة**: . ا۔ بمعنی ملاقح کے ہے جو جمع ہے ملقِحۃ کی یعنی ہوائیں بادلوں کو مشابہ حاملہ کے بناتی ہیں۔ ۲۔ دوسری توجیہ جو یہاں مذکور نہیں ہے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لواقح جمع ہے لاقحۃ کی اور اسم فاعل نسبت کے لیے ہے جیسے لابن اور تامر میں ہوتا ہے

لبن سے تعلق رکھنے والا تمر سے تعلق رکھنے والا ایسے ہی یہاں ہے کہ حمل سے تعلق ہے ہواؤں کا۔ **الصیحة الهلکة**: غرض یہ ہے کہ صیحہ ہلاکت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ **خضعاناً لقوله کا لسلسلة علی صفوان**: . اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ا۔ حق تعالیٰ کے لیے صفت کلام ثابت ہوئی۔ ۲۔ حق تعالیٰ کی کلام مسموع بھی ہے۔ **نیفذهم ذلک**: . ینفذ اللہ الی الملئکۃ ذلک الامر یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں تک اپنا حکم پہنچاتے ہیں۔ **زادو الکاهن**: . یعنی روایت میں جہاں ساحر کا لفظ ہے اس کے ساتھ والکاھن کا لفظ بڑھایا ہے۔ **وحد ثنا سفیان**: . واؤ کی وجہ سے سند متصل ہو گئی یعنی علی بن عبداللہ نے یہ روایت بھی حضرت سفیان سے نقل فرمائی ہے۔ **سورة النحل . تمید تکفاء**: . پلٹیاں کھائے اس آیت کے معنی کرنا چاہتے ہیں والقیٰ فی الارض رواسی ان تمیدبکم کہ پہاڑ اس لیے گاڑ دئے کہ زمین تمہارے ساتھ پلٹیاں نہ کھائے۔ **فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله**: . اس آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں ارادِ قراءت مراد ہے۔ **کل شیٔ لم یصح فهو دخل**: . ہر دھوکے کی چیز کو دخل کہتے ہیں۔ **حفدة من ولد الرجل**: . یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو حفدہ کہہ دیتے ہیں۔ **سورة بنی اسرائیل. من العتاق الاول**: . لفظ عتاق کے معنی عمدہ کے ہیں اور اول میں یہ بتلا دیا کہ یہ شروع میں نازل ہوئی ہیں یعنی مکی ہیں۔ **وهن من تلادی**: . میرے پرانے مال میں سے ہیں یعنی مجھے بہت پرانی یاد ہیں۔ **فسنیغضون یهزون**: . سر ہلائیں گے تعجب کے طور پر اور استھزاء کے طور پر۔ **حصیرا مجسامحصرا**: . مقصد یہ ہے کہ حصیر اور محصر مترادف ہیں دونوں کے معنی ہیں قید خانہ پھر محصر فتح میم سے بھی آتا ہے نصر ینصر سے اور ضم میم سے بھی آتا ہے باب افعال سے دونوں ظرف کے صیغے ہیں۔ **من الاثم خطئت**

بمعنی اخطأت: لفظ من الاثم کا تعلق مابعد سے ہے کہ خلطت اثم کے معنی میں ہے۔**فوصفھم بھا:**. یعنی واذھم نجوی میں نجوی مصدر ہے اور اس کا حمل ھم پر مبالغۃ ہے۔**رفاتا حطاماً:**. ٹکڑے ٹکڑے۔ **ولی من الذل لم یخالف احداً:**. مقصد یہ ہے کہ یہاں ولی بمعنی حلیف ہے۔**ھداک اللہ للفطرۃ:**. یہاں فطرت سے مراد اسلام ہے کیونکہ اسلام فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے۔سوال ایک حدیث میں تین پیالے آتے ہیں یہاں دو ہیں۔ جواب۔ان دو میں تیسرے کی نفی نہیں ہے۔ **قاصفا ریح تقصف کل شیٔ:**. ای تکسرہ۔**ضعف الحیاۃ:**. غرض امت کو ڈانٹنا ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم تھے۔ **من شکلۃ:**. اس کے معنی ہیں قیدۃ پھر قل کل یعمل علی شاکلۃ کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔۱۔علی طریقۃ۔۲۔علی نیۃ۔ ۳۔علی طبیعۃ۔ **صرفنا وجھنا:**. ہم نے امثال وغیرہ بیان کئے۔**املق:**. اس کے معنی ہیں صار فقیراً۔ **مقتوراً:**. بخیلا۔اقتر قصرنی الا نفاق۔ **ثائراً:**. ای طالباً للثأرای القصاص۔ **واذااردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا:**. ۱۔ ہم حکم کرتے ہیں۔۲۔ہم زیادہ کرتے ہیں امیروں کو۔**امر بنو فلان:**. ای کثر۔**حدثنا الحمیدی حدثنا سفیان وقال امر:**. یعنی علی بن المدینی نے تو امر میں میم کا کسرہ نقل کیا ہے اور حمیدی نے فتحہ نقل کیا ہے معنی ایک ہی ہیں کثر۔

باب ذریۃ من حملنا مع نوح

معنی یوں ہیں یا ذریۃ یعنی حرف نداء محذوف ہے۔**فیبلغ الناس من الغم والکرب ما لا یطیقیون:**. اس میں الناس مفعول ہے مالا یطیقون فاعل ہے اور من الغم بیان مقدم ہے۔ ماکا۔**نفسی نفسی:**. ای لا ارید الانجاۃ نفسی۔**دعوتھا علی قومی:**. مجھے قوم پر بددعاء نہ کرنی چاہیے تھی۔ **کذبت ثلاث کذبات:**. واقع میں یہ تو رہے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اونچی شان کے لحاظ سے ان سے بھی بچنا ہی اولیٰ تھا جیسا کہ صریح کذب سے بچنا ضروری ہوتا ہے گویا یہ جھوٹ کے مشابہ تھے اس لیے ان کو کذبات کہہ دیا گیا۔**اول:**. **بل فعلہ کبیرھم** توجیہات۔۱۔کنایہ تھا کہ میں نے ہی تو کیا ہے اور کون کر سکتا تھا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک کمرے میں دو شخص رہتے ہوں ایک لکھنا جانتا ہو دوسرا نہ جانتا ہو تو ایک تیسرا شخص آئے اور وہاں پڑی ہوئی کوئی عمدہ تحریر ہو اس کو دیکھ کر کہے کہ کس نے لکھ دی ہے تو لکھنا جاننے والا یوں کہے کہ یہ میرے ساتھی نے لکھ دی ہوگی تو حقیقت میں یہ کنایہ ہوتا ہے کہ میں نے ہی تو لکھی ہے اور کس نے لکھنی تھی۔۲۔حقیقت میں فعلہ پر وقف ہے کہ ہاں میں نے یہ کام کیا ہے کبیرھم ھذا یہ نیا جملہ ہے اس میں جھوٹ نہیں لیکن پوری آیت اکٹھی پڑھنے میں جھوٹ کا شبہ ہوتا ہے۔۳۔ **کبیرھم** کا مصداق خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ انسان بتوں سے بڑا ہوتا ہی ہے۔۴۔ **بل فعلہ کبیرھم** اس لیے فرمایا کہ یہ بڑا بت ان سب بتوں کو توڑنے کا سبب بنا کیونکہ میں نے ان کی طرف دیکھا اور بڑے کی طرف بھی دیکھا تو مجھے بہت غصہ آیا اس لیے یہ بڑا بت ان سب کو توڑنے کا سبب بنا اور سبب کی طرف نسبت کی ہی جاتی ہے جیسے یاھامان ابنِ لی صرحاً اے ہاھامان تو قلعہ بنا یعنی بنانے کا سبب بن جا کیونکہ ھامان تو فرعون کا وزیر تھا اس نے خود تو قلعہ نہیں بنانا تھا صرف سبب بنتا تھا اور انتظام کرنا تھا۔**ثانی:**. دوسرا موقعہ ثلاث کذبات میں سے **انی سقیم** کا ہے یہ بھی صریح کذب نہ تھا توجیہات۔۱۔سقیم صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس میں حال یا استقبال کے معنی ہوتے ہیں یہاں استقبال کے معنی مراد تھے درجہ احتمال میں کہ احتمال ہے کہ میں کبھی نہ کبھی بیمار ہو جاؤں اور یہ سچ ہے وہ یہ سمجھے کہ شاید حال کے معنی ہیں اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہیں۔۲۔سقم سے مراد سب سے بڑی بیماری موت ہے اور معنی یہ ہیں کہ میری کبھی نہ کبھی موت آنے والی ہے۔۳۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باری کا بخار

چڑھا کرتا تھا جو ایک دن چھوڑ کر چڑھتا ہے تو ستاروں کی طرف دیکھ کر وقت کا اندازہ لگایا اور فرمایا کہ مجھے تو تھوڑی دیر میں بخار چڑھنے والا ہے اس لیے میں آپ لوگوں کے ساتھ میلے میں نہیں جا سکتا۔ ۴۔ میں تمہارے کفر کی وجہ سے غمگین ہوں اور مجھے غم کی بیماری ہے۔ وہ سمجھے کہ عام بیماری ہے اسی کو توریہ کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور ایک بعید مخاطب قریب معنی سمجھے اور متکلم کی مراد بعید معنی ہوں۔ **ثالث:** تیسرا موقعہ یہ تھا کہ ایک جابر بادشاہ کے سامنے اپنی اہلیہ محترمہ کو اپنی بہن فرما دیا تھا کیونکہ وہ بہن بھائی کو کچھ نہ کہتا تھا اور بیوی ہو تو چھیننے کی کوشش کرتا تھا اور نیت فرمائی تھی دینی بہن ہونے کی اور بادشاہ نسبی بہن سمجھا۔ **وقد غفر الله لک ماتقدم من ذنبک وماتاخر:** یہ اس لیے ذکر کیا جائے گا کہ سفارش کرنے والے کے لیے مناسب ہوتا ہے کہ وہ خود مواخذہ سے محفوظ و مامون ہو۔ **حمیر:** یہ یمن میں ہے۔ **بصریٰ:** یہ شام میں ہے۔ **یعنی القرآن:** یہاں زبور کو قرآن کہہ دیا گیا ہے کیونکہ قراءت کے معنی جمع کے بھی آتے ہیں۔ تورات اور زبور میں بہت سی چیزیں جمع کی گئی ہیں اس لئے ان کو قرآن کہہ دیا جاتا ہے۔ **حدثنا سفیان:** یہاں سفیان ثوری مراد ہیں۔ **کان ناس من الانس:** اس کے معنی ہیں طائفۃ من الانس۔ **وتمسک ھولاء بد ینھم:** وہ انسان گمراہ ہی رہے ان کے معبود مسلمان ہو گئے ان جنات کے مسلمان ہونے پر یہ آیت نزل ہوئی۔ **زاد الاشجعی:** انہوں نے صرف آیت کی تلاوت کا زائد ذکر فرمایا۔

باب وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس

رویا کا زیادہ استعمال خواب میں ہوتا ہے کبھی کبھی بیداری میں دیکھنے پر بھی ہو جاتا ہے یہاں بیداری میں دیکھنا مراد ہے کیونکہ خواب میں عجیب وغریب چیزیں دیکھنے سے کسی کو تعجب اور فتنہ یعنی مذاق کا موقعہ نہیں ملتا۔ لفظ رویت کا استعمال زیادہ بیداری پر ہوتا ہے کبھی خواب پر بھی اطلاق ہو جاتا ہے کہ خواب میں یوں دیکھا۔ **فضل صلوٰة الجمیع علی صلوٰة الواحد خمس و عشرون درجة:** جمیع سے مراد جماعت ہے ۲۵ گنا اور ۲۷ گنا میں جو بظاہر تعارض کا شبہ ہوتا ہے اس کا جواب الخیر الجاری الجلد الثانی ص ۱۶ پر گزر چکا ہے۔ **جثا:** جیم کے ضمہ اور ثاء کی تشدید کے ساتھ جمع ہے جاث کی گھٹنوں کے بل بیٹھنے والا۔

باب ویسئلونک عن الروح

۱۔ اولیٰ روح کے متعلق یہی ہے کہ تکلم نہ کیا جائے کہ اس کی کیا حقیقت ہے بس یہ سمجھا جائے کہ ایک چیز ہے جو موجود ہے حقیقت ہم نہیں جانتے۔ ۲۔ جمہور متکلمین ظنی طور پر یہ احتمال بیان فرماتے ہیں کہ جسم لطیف ہے جو بدن میں اس طرح پھیلا ہوا جیسے پانی سبز لکڑی میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اسی لیے جب مرنے کے بعد بعض روحیں ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں تو بالکل بدن جیسی صورت نظر آتی ہے۔ ۳۔ عند بعض المتکلمین ھو عرض بہ البدن حیّ۔ ۴۔ عن الفلاسفة وکثیر من الصوفیة ھو جوھر مجرد یتعلق بالبدن تعلق التدبیر والتصرف لا داخل فیہ ولا خارج عنہ کیونکہ مجرد مکان سے خالی ہوتا ہے۔ **حرث:** کھیتی۔ **مارا بکم الیه:** کس چیز نے شک میں ڈالا ذاھبا الیہ کہ ان کی طرف جاتے ہو۔ **وما اوتیتم من العلم الا قلیلا:** حاصل یہ ہے کہ روح بھی ان کثیر میں داخل سمجھ لو جو مجہول ہیں اس لیے اس کا سوال نہ کرو یہ رازوں میں داخل ہے۔ **سورة الکھف. اکثر ریعا:** یہ از کی طعاماً کی تفسیر ہے کہ جس کی مقدار زیادہ ہو۔ **اکلھا:** یہ بھی از کی طعاماً ہی کی دوسری تفسیر ہے کہ ایسی چیز لاؤ جس سے پیٹ بھر جائے۔ **الرقیم اللوح من رصاص:** ۱۔ حضرت ابن عباس سے جو یہ تفسیر آ گئی تو اس کے مطابق اصحاب الکھف اور اصحاب الرقیم کا مصداق ایک ہی ہے کہ رقیم کے معنی اس تختی کے ہیں جس میں اصحاب کہف کے

نام لکھ کر محفوظ کروائے گئے تھے۔ ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اصحاب الرقیم الگ ہیں اور امام بخاری بھی الگ ہی مانتے ہیں چنانچہ امام بخاری نے اصحاب رقیم ان تین حضرات کو قرار دیا تھا جو بارش میں ایک غار میں چھپے اور اوپر پتھر آگیا تو تینوں نے اپنے اپنے اعمال کے وسیلہ سے دعا مانگی تو آہستہ آہستہ پتھر ہٹ گیا اور نجات مل گئی ایک نے ماں باپ کی خدمت کا ذکر کیا ایک نے زنا سے بچنے کا ذکر کیا اور ایک نے مزدور کی مزدوری میں تجارت کرنے کا اور پورا نفع بعد میں مزدور کو دینے کا ذکر کیا۔ **قال الا تصلیان:.** حضرت علی سے دوسری روایات میں تفصیل ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تہجد کیوں نہ پڑھی تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں اٹھایا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہوئے تشریف لے گئے وکان الا نسان اکثر شئی جدلاً۔ مزید تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ **سرادقھا مثل السرادق:.** خیمہ کے قریب جو قناتیں زائد صحن بنانے کے لیے لگائی جاتی ہیں ان کو سرادق کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ دھواں ہے جو کافروں کو گھیر کر دوزخ میں لے جائے گا۔ **قبلا وقبلا وقبلا:.** تینوں میں سے ہر ایک کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ سامنے ۲۔ عیاناً ظاہر طور پر۔ ۳۔ اچانک۔ ۴۔ قبلا کے معنی اصنافاً کے بھی آتے ہیں۔ **لید حضوا:.** تین معنی آتے ہیں۔ ۱۔ پھسلادیں۔ ۲۔ فساد مچائیں۔ ۳ باطل کردیں۔ **او امضی حقبا:.** ۱۔ زمانہ ۲ طویل زمانہ۔ ۳۔ اسی سال۔ ۴۔ ستر سال۔ **کذب عدو اللّٰہ:.** حضرت ابن عباس سے غصہ میں ذرا سخت لفظ نکل گیا ورنہ حضرت نوف بکالی بھی مومن مخلص تھے۔ **علی طنفسة خضراء:.** چھوٹے بچھونے کو طنفسہ کہتے ہیں۔ **علی کبد البحر:.** اس کے معنی ہیں سمندر کا درمیان لیکن اس روایت کو غریب شمار کیا گیا ہے زیادہ روایات میں خشکی پر ملاقات کا ذکر ہے۔ **معابر صغاراً:.** چھوٹی کشتیاں۔ **فی مکان ثریان:.** ترمٹی والی جگہ۔ **وو تدفیھا وتداً:.** ایک کیل اس لیے لگادیا تاکہ کچھ رکاوٹ بن جائے پانی سے۔ **انھا جاریة:.** لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حنہ رکھا گیا اس لڑکی سے حضرت شمعون علیہ السلام پیدا ہوئے جن کے زمانہ میں حضرت طالوت نے جالوت سے لڑائی کی۔ **سألت ابی:.** اس روایت میں ابی کا مصداق حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں۔ **سورة کھیعص:.** **اسمع بھم وابصر الله یقولہ** اس عبارت میں لفظ اللہ مبتداء ہے یقولہ خبر ہے مقصد یہ ہے کہ یہ کافر دنیا میں اندھے ہیں مرنے کے بعد ان کی آنکھیں کھلیں گی اور کان سنیں گے اس وقت ہوش آنے سے فائدہ نہ ہوگا۔ **کھئیة کبش املح:.** دنبہ کی شکل میں موت اس لئے ہوگی کہ جیسے دنبہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر فدا ہوا اور ان کی حیوة کا ذریعہ بنا ایسے ہی یہ دنبہ ذبح ہوکر سب اہل جنت واہل نار کی زندگی کا سبب ہوگا پھر بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام ذبح کریں گے اس میں حکمت شاید یہ ہو کہ ان کا نام حیوة سے مشتق ہے پھر املح کے معنی ہوتے ہیں کہ سفیدی زیادہ ہو اور کچھ سیاہی ہو۔ سفیدی جنت کے لحاظ سے ہے اور سیاہی دوزخ کے لحاظ سے ہے۔ **لیشرئبون:.** گردنیں بلند کریں گے تاکہ دیکھ سکیں۔ **وکلھم قدرا ۱۵:.** سب دیکھیں گے اور سب پہچانیں گے حق تعالیٰ کے القاء فی القلب کی وجہ سے۔ **سورہ طه تمتمة:.** تاء ادا کرنے میں تردد ہو۔ **فأفاة:.** فاء ادا کرنے میں تردد ہو۔ **یقول بدینکم:.** تفسیر ہے اس آیت کی **ویذھبا بطریقتکم المثلیٰ** ای بدینکم الامثل ای بدینکم الاعلیٰ تمہارے اچھے دین کو ختم کردیں۔ **یعنی المصلی:.** یہاں ثم ائتوا صفا کی تفسیر کرنی چاہتے ہیں کہ لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ پہنچو۔ **حشرتنی اعمیٰ عن حجتی:.** حضرت مجاہد کی تفسیر ہے دلائل سے اندھا حضرت ابن عباس کی تفسیر ہے آنکھوں کا اندھا۔ **اعضلھم:.** اس کے معنی ہیں افضلھم۔

ضنکاً الشقاء:. مختلف معانی کیے گئے ہیں ضنک کے لفظ کے جو اس آیت میں آیا ہے **ومن اعرض عن ذکر فان له معیشة ضنکا** ۔ا۔ بدبختی ۔۲۔ فارسی کے لفظ تنگ سے عربی میں لایا گیا اس لیے یہی معنی ہیں ضیق اور تنگی ۔۳۔ عذاب ۔۴۔ زقوم وغسلین وغیرہ۔ ۵۔ حرام۔ ۶۔ کسب خبیث۔ **فحج آدم موسیٰ:.** حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملامت ختم کرنے کے لیے تقدیر کا حوالہ دیا۔ نامناسب کام پر تقدیر کا حوالہ دینے کی دو صورتیں ہیں۔ا۔ حوالہ دینے والا اس وقت مکلف ہو اور گناہوں پر دلیری ظاہر کرنے کے لیے تقدیر کا حوالہ دے جیسے آج کل بعض بے دین دیتے ہیں یہ تو بہت زیادہ قبیح ہے۔۲ مکلّف ہونے کا زمانہ ختم ہو چکا ہو یعنی موت آچکی ہو اور موت سے پہلے تقدیر ظاہر ہو چکی ہو اور توبہ بھی موت سے پہلے کر چکا ہو اب صرف دفع ملامت کے لیے کسی انسان کے سامنے تقدیر کا حوالہ دے تو گنجائش ہے۔ یہاں یہی صورت تھی کیونکہ یہ مناظرہ یا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی وفات کے بعد ہوا۔ **سورة الانبیاء علیهم السلام هن من العتاق الاول:.** عتاق اس مال کو کہتے ہیں جو عمدگی میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ ان سورتوں کو عتاق اس لیے قرار دیا کہ ان میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ **وهن من تلادی:.** تلاد پرانے مال کو کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں اور ان کو میں نے شروع میں حفظ کیا تھا۔ **خامدین هامدین:.** بجھ گئے۔ **فاقول یا رب اصحابی:.** مصداق کون ہیں۔ا۔ بعض کم عقل دیہاتی مرتد ہو گئے تھے وہ مراد ہیں۔۲۔ حضرات صحابہ کے بعد کے کچھ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بہت گناہ کیے اور ان کو اصحابی فرمانا ایسا ہی ہے جیسے ایک ہزار سال کے بعد کے حنفیہ کو اصحاب ابی حنیفہ کہہ دیتے ہیں۔ **سورة الحج. اذا حدث القی الشیطان فی حدیثه:.** اس آیت مبارکہ کی **وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته** تین اہم تفسیریں ذکر کی جاتی ہیں۔ا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام خالی ہاتھ ہو جاتے تھے مال سے تو شیطان وسوسہ ڈالتا کہ دنیا کا مال بہت ضروری ہے تمنی کے معنی ہیں سوچا۔۲۔ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا **افرأیتم اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری** تو شیطان نے گلی میں کھڑے ہو کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسی آواز بنا کر پڑھا۔

تلک الغر انیق العلیٰ　　وان شفا عتهن لتر تجیٰ

ان الفاظ کو سن کر مشرکین خوش ہوئے کہ آج سے پہلے کبھی ہمارے بتوں کی تعریف نہ کی۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔۳۔ شیطان نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہی شعر اوپر والا جاری کر دیا اس لیے مشرکین نے خوش ہو کر ساتھ سجدہ کیا پہلی تفسیر ہی راجح ہے کیونکہ دوسری اور تیسری تفسیر والی روایات میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کی سندیں کمزور ہیں اور عقلاً بھی یہ دونوں واقعے بعید ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور شیطان کی کلام میں فرق ہی نہ ہو سکے اگر ایسا ہوتا تو بہت سے صحابہ نعوذ باللہ مرتد ہو جاتے اور ایک شور مچ جاتا اور بہت سے اکابر صحابہ اس واقعہ کی تفصیل سے بیان کرتے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین نے سجدہ کیوں کیا اس کی دو اہم توجیہیں ہیں۔ا۔ صرف بتوں کا نام سن کر خوش ہو گئے۔۲۔ تجلی قہری ایسی نازل ہوئی کہ جس کی وجہ سے سب نے سجدہ کیا مجبوراً۔ **ثم قال شطرا هل الجنة:.** سوال۔ اس حدیث پاک میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس امت کو اہل جنت کا ربع قرار دیا پھر ثلث پھر شطر یعنی نصف۔ یہ تو بظاہر تعارض ہے۔ جواب۔ اس امت میں طبقات مختلف ہیں مقربین اور صلحاء اور عامۃ المومنین اس لیے یہ مختلف حصے قرار دئے مثلاً مقربین تو ربع ہوں اور صلحاء ثلث ہوں اور عامۃ المومنین نصف ہوں اہل جنت میں سے اور اس کی تائید سورہ واقعہ کی آیات سے

بھی ہوئی ہے کہ سابقین کے بیان میں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ ثلة من الاولین الاخرین اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہت اونچے درجات میں جو انبیاء علیہم السلام اور اعلیٰ مقربین کے درجات ہیں ان میں اس امت کے لوگ کم ہوں گے وجہ ظاہر ہے کہ اس امت میں ایک یہ نبی ہیں اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اس امت میں مان لیں اور خضر علیہ السلام کو نبی مان کر اس امت میں شمار کرلیں تو پھر بھی صرف تین نبی ہوئے اور پہلی امتوں میں ہزاروں کی تعداد میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں۔

باب ومن الناس من يعبد الله على حرف

آیت کے بعد جو امام بخاری فرمارہے شک یہ لفظ حرف کی تفسیر ہے جو اس باب کی آیت میں وارد ہے یعبد الله علی حرف۔ **سورة النور يقال للمستخذى مذ عن:** . اس آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں وان یکن لھم الحق یاتو االیه مذعنین کہ جھکنے والے کو مذعن کہتے ہیں۔ **سورة انزلنا ها بينا ها:** . امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ اختصار فرمادیا طبری میں سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے ہی منقول ہے فرضنا ھا بیناھا۔ **ماقرأت بسلاقط:** . یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قرأ بمعنی جمع آتا ہے بسلا میں باء جارہ ہے اور سلی اس باریک کھال کو کہتے ہیں جس میں بچہ ہوتا ہے معنی اس محاورہ کے یہ ہوگئے کہ اس عورت نے کبھی اپنی بچہ دانی کے ساتھ بچے کو جمع نہیں کیا۔ **اسحم:** . بہت کالا۔ **اوعج العينين:** . بہت کالی آنکھوں والا۔ **خدلج الساقين:** . بھاری پنڈلیوں والا۔ **وحرة:** . چھپکلی جیسا سرخ رنگ کا جانور جس کو بچے سانپ کی خالہ کہتے ہیں۔ **فانكر حملها:** . سوال۔ انکار حمل تو لعان کے لیے کافی نہیں۔ جواب۔ دوسری روایات میں ہے کہ زنا کی تہمت بھی لگائی تھی۔ **ان هلال بن امية قذف امراته:** . سوال۔ بعض روایات میں بعض دوسرے حضرات کا واقعہ ہے۔ جواب۔ دو تین واقعے قریب قریب پائے گئے ان سب کے بعد آیات لعان کی نازل ہوئیں۔ **موجبة:** . معنی یہ ہیں کہ یہ پانچویں قسم موجب عذاب ہے اگر وہ جھوٹی ہوئی۔ **خدلج الساقين:** . بھاری پنڈلیوں والا۔ **على عائشه وهي مغلوبة:** . موت کی تکلیف کی وجہ سے کچھ بے ہوش سی تھیں۔ مدینہ منورہ میں ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں وفات پائی۔ **ابنو اهلى:** . تہمت لگائی۔ **لا اجد منه قليلا ولا كثيرا:** . ایسی بے ہوش ہوئی کہ جس کام کے لیے نکلی تھی اس کا کچھ یاد نہ رہا۔ **حتى اسقطوا الهابة:** . صاف صاف بیان کردیا کہ ہم تم سے اس واقعہ کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ **قارفت سوءا:** . اگر تو نے براکام کیا ہے۔ **سورة الفرقان عتت على الخزان:** . یہ لفظ خزان جمع ہے خازن کی ہوا کے خزانچی فرشتے۔ **ولا يقتلون النفس التى حرم الله الا بالحق:** . ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل عمد کی توبہ بھی معتبر ہے حضرت ابن عباس سے مومن قاتل مومن عمداً کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ۱۔ یہ توبہ والی آیت صرف اس شخص کے لیے ہے جس نے کفر کی حالت میں مومن کو قتل کیا پھر ایمان لے آیا۔ ۲۔ یہ توبہ والی آیت مومن اور کافر قاتل مومن دونوں کو شامل ہے لیکن منسوخ ہے اور سورۃ النساء والی آیت ناسخ ہے ومن يقتل مومنا متعمدا فجزاء ه جهنم خالداً فيها۔ لیکن جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے حضرت ابن عباس کی یہ دونوں روایتیں صرف زجر پر محمول ہیں راجح ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ ہر گناہ سے توبہ قبول ہو جاتی ہے اور کوئی مومن مخلد فی النار نہ ہوگا کبھی نہ کبھی ضرور نکل جائے گا۔ **يبدل الله سيئا تهم حسنات:** . ۱۔ توبہ کی برکت سے ملکہ سیئات کو اللہ تعالیٰ ملکہ حسنات سے بدل دیتے ہیں کہ پہلے دن رات گناہوں کا شوق تھا اب دن رات نیکی کا شوق ہوگا۔ ۲۔ قیامت میں بعض مومن گنہگاروں سے خصوصی شفقت کا معاملہ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل

دیں گے جیسا کہ ایک حدیث پاک میں وارد ہے۔۳۔ یہاں سیئات سے ناقص عبادات مراد ہیں جو گناہ کہلانے کے قابل ہیں۔حق تعالیٰ توبہ کی برکت سے ان کو نیکیوں ہی میں شمار فرما لیتے ہیں۔**فسوف یکون لزاما:**. لزام کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں۔ا۔قحط۔۲۔مقتولین کو قلیب بدر میں ڈالنا۔۳۔بدر میں قید ہونا کافروں کا۔**الا یفاع من الارض:**. بلند ٹکڑے زمین کے جن کو سطح مرتفع کہتے ہیں اس کا مفرد یافع آتا ہے۔**واریاع واحد الریعة:**. یہ واؤ استینافیہ ہے ارياع کی جمع بھی ریعہ ہی آتی ہے۔**مصانع کل بناء فھو مصنعة:**. مقصد یہ ہے کہ مصانع کا مفرد مصنعۃ ہے اور اس کے معنی ہیں بناء۔**یارب انک وعدتنی ان لا تخزنی:**. سوال۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد صاحب کے لیے شفاعت فرما رہے ہیں حالانکہ کافر کے لیے تو شفاعت کی نفی آتی ہے **فما لنا من شافعین**۔ جواب۔ اخراج من النار کے لیے کوئی سفارش نہ کر سکے گا تخفیف کے لیے شفاعت ہو سکے گی جیسے خواجہ ابوطالب کے لیے شفاعت ثابت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی۔**سائر الیوم:**. اس کے معنی ہیں فی جمیع الیوم۔**سورۃ النمل الصرح کل ملاط:**. لفظ صرح کے دو معنی بیان فرمادئے۔ا۔کل ملاط ہر عمارت۔۲۔قصر یعنی قلعہ۔**او تینا العلم یقوله سلیمان:**. مقصد یہ ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے لیکن راجح قول دوسرا ہے کہ یہ حضرت بلقیس کا مقولہ ہے یہ دوسرا قول ہی سیاق وسباق کے زیادہ مناسب ہے۔**البسھا ایاہ:**. مقصد یہ ہے کہ تالاب پر شیشے کا فرش لگادیا۔**سورۃ القصص ماارید به وجه اللّٰه:**. ای رضاء اللہ تعالیٰ۔**لیس فیھا لھب:**. یعنی معمولی آگ ہو جو نہ ہونے کے برابر ہو۔**الحیات اجناس:**. مقصد یہ ہے کہ جبہ جنس ہے۔ ثعبان سب سے بڑے سانپ کو کہتے ہیں۔جان سب سے چھوٹے کو کہتے ہیں۔وہ پہلے چھوٹا تھا پھر بڑا بن گیا الافاعی مطلق سانپوں کو کہتے ہیں جمع افعی کی۔اسود بڑے سانپ کو کہتے ہیں۔**بطرت اشرت:**. اس آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں **وکم اھلکنا من قریة بطرت معیشتھا** یعنی سرکشی والی ہوئی زندگی اس کی۔**ویکان اللّٰه:**. تنبیہ کا کلمہ ہے خطا پر۔**سورۃ العنکبوت وکانوامستبصرین ضللة:**. یعنی وہ گمراہ تھے لیکن اپنے آپ کو اہل بصیرت سمجھتے تھے۔

آنکس کہ نداندو بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالآباد بماند

سورۃ الم غلبت الروم. فاخذتھم سنة:. معنی یہ ہیں کہ ان پر قحط آیا۔**جدعاء:**. اس کے معنی ہیں کان کٹا یا ناک کٹا۔**سورۃ السجدۃ قیل لسفیان روایة:**. یعنی حضرت سفیان بن عیینہ راوی سے عرض کیا گیا کہ آپ یہ روایت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور روایت کے نقل فرما رہے ہیں یا اپنے اجتھاد سے فرما رہے ہیں۔**قال فای شیء:**. اس کا حاصل یہی ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ فرما رہے ہیں کہ روایت کے سوا اور کوئی احتمال نہیں ہے۔**ذخراً:**. یہ اعددت کا مفعول مطلق ہے اعداداً مذخوراً۔**بله:**. چھوڑ دو مذکور فی القرآن والحدیث کو کیونکہ یہ تو بہت کم ہے اس سے جس کا ذکر نہیں کیا۔**معروفافی الکتاب:**. اس عبارت میں اس آیت کی تفسیر ہے **الاان تفعلوا الی اولیائکم معروفا** مقصد یہ ہے کہ معروفاً کا مصداق وہ چیزیں ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔**نزلت فی انس بن النضر:**. یہ صحابی غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔**وتخفی فی نفسک مااللّٰه مبدبه:**. ا۔وحی آچکی تھی کہ آپ کا نکاح حضرت زنیب سے کبھی نہ کبھی ہوگا لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ کے ڈر سے اس وحی کو ذکر نہ فرماتے تھے اور نہ ہی ذکر کرنے کا حکم نازل ہوا تھا اس لیے گناہ نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا عقیدہ باطل کرنے کے لیے ظاہر فرمادیا۔۲۔ایک دفعہ اچانک نظر پڑی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی

تو بلا اختیار میلان ہوا۔ یہ بھی غیر اختیاری تھا اس لیے گناہ نہ ہوا۔ **کنت اغار علی اللاتی وھبن انفسھن:.** میں بے غیرت ہونے کا عیب لگاتی تھی ان عورتوں پر جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی ذات کا ھبہ کرنا چاہتی تھیں۔ **کان یستا ذن یوم المراۃ منا:.** یعنی اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک کی باری میں دوسری بیوی کے پاس جانا چاہتے تو باری والی سے اجازت لیا کرتے تھے پھر یہ اجازت لینا واجب تھا یا مستحب تھا دونوں قول ہیں۔ **واذاھو کانہ یتھیأ للقیام:.** یہ بھی عملی توریہ تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو یہ تھے کہ وہ جب کھانا کھا چکے ہیں تو اب اٹھ کر چلے جائیں اور یہ بعید معنیٰ تھے اور خود کہیں جانے کا ارادہ ہو یہ قریب معنی ہیں۔ دیکھنے والے قریب معنی سمجھ رہے تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد بعید معنی تھے اسی کو توریہ کہتے ہیں۔ **فتقریٰ حجر نسائہ:.** ازواج مطہرات کے حجروں کو تلاش کیا یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب ازواج مطہرات کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے گئے۔ **اسکفۃ الباب:.** دروازے کی دہلیز۔ **سورۃ سباء فارتفعتا عن الجنتین:.** وہ دونوں باغ ایسے ویران ہو گئے کہ باغ ہونے سے اٹھ گئے اور ختم ہو گئے دوسرے نسخہ میں ہے عن الجنبتین یعنی دونوں کناروں سے اونچے ہو گئے اکھڑ گئے اور جب پانی خشک ہوا تو دونوں باغ خشک ہو گئے۔ **العرم المسناۃ:.** بند۔ **کالجوبۃ من الارض:.** یہ اس آیت کی تفسیر ہے وجفان کالجواب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیالے حوض کے برابر تھے چنانچہ ایک پیالہ پر ایک ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے۔ **الخمط الاراک:.** پیلو۔ **الاثل الطرفاء:.** جھاؤ کا درخت۔ **اذاقضی اللہ الامر:.** اس امر سے مراد۔ ۱۔ امر شفاعت ہے۔ ۲۔ مطلقاً معاملہ ہے یہی زیادہ مناسب ہے سیاق وسباق سے آیت یہ ہے **ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الالمن اذن لہ حتی اذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم قالواالحق وھو العلی الکبیر** آیت کے مضمون کا حاصل یہ ہوا کہ جب فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے امر کو سن کر تو بتوں کی کیا مجال ہے کہ شفاعت کر سکیں صرف وہ فرشتے جو وحی پر مقرر کیے ہوئے ہیں وہ اس امر کا سماع برداشت کرتے ہیں اور وہ دوسروں کو بھی بتلاتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔ **سورۃ یٰسین یتطالبان حثیثیں:.** اس کا تعلق شمس وقمر سے ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ایسے طریقہ سے نہیں پکڑ سکتے کہ ایک دوسرے کی روشنی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ **مرقدنا مخرجنا:.** ۱۔ قبر مراد ہے کیونکہ دوزخ کے مقابلہ میں قبر کا عذاب آرام کی جگہ محسوس ہوگا یہ تفسیر ہے اس آیت مبارکہ کی **یاویلنا من بعثنا من مرقدنا** ۔۲۔ دوسری یہ تفسیر یہ کی گئی ہے کہ **بین النفختین** چونکہ موت کی کیفیت اور بے حسی کی کیفیت طاری رہے گی اس لیے اٹھ کر جب عذاب نظر آئے گا تو تمنا کریں گے کہ کاش ہم اسی طرح مردہ ہی رہتے جیسے بین النفختین تھے۔ **سورۃ والصافات یزفون النسلان فی المشی:.** یعنی وہ چھوٹے قدموں کے ساتھ جلدی جلدی چلتے ہوئے آئے اس کو نسلان کہتے ہیں یہ بھاگنے سے کم ہوتا ہے۔ **سروات:.** سردار۔ **لشوباً یخلط طعامھم ویساط بالحمیم:.** یہ تفسیر ہے اس آیت کی **ثم ان لھم علیھا لشوباً من حمیم** شوب اور خلط اور سوط تینوں کے معنی ملانے کے ہیں۔ **سورۃ ص:.** اس سورت میں ایک اہم واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کا ہے اس کی دو اہم تقریریں ذکر کی جاتی ہیں۔ ۱۔ ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بنی اسرائیل نے گفتگو کی کہ کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جو پورا دن بغیر گناہ کے گزار دے حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ میں اس پر قادر ہوں اس پر امتحان میں ڈالے گئے کہ عبادت کے دن عبادت کی جگہ ایک پرندہ آ گیا اس کو پکڑ کر جو باہر پھینکا تو اس پرندے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ایک عورت پر نگاہ پڑ گئی اس کو نکاح کا پیغام بھیج دیا پھر آگے دو قول ہیں کہ معلوم تھا کہ اور یا نامی ایک شخص نے حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے پیغام بھیجا ہوا ہے اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا پیغام

بھیجنا خلاف اولیٰ تھا گو جائز تھا دوسرا قول یہ ہے کہ معلوم نہ تھا لیکن اگر کوشش فرماتے تو معلوم ہو سکتا تھا کہ کسی اور نے پیغام بھیجا ہے یا نہ۔ اس پیغام بھیجنے پر تنبیہ کی گئی اور تنبیہ کی یہ صورت ہوئی کہ وہ فرشتے جھگڑے کی فرضی صورت بنا کر آئے کہ ایک کے پاس ۹۹ بکریاں ہوں دوسرے کے پاس ایک ہی بکری ہو وہ اس سے ایک بکری بھی لینا چاہے تو یہ اچھا ہے یا نہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو ظلم قرار دیا بکری کنایہ عورت سے تھی پھر حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ تو مجھے تنبیہ کی گئی ہے اور توبہ فرمائی۔ ۲۔ بیویوں سے امتحان کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ واقعہ صرف یہ تھا کہ عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک دو آدمی دیواریں پھاند کر آ گئے کیونکہ دروازے سے پہرہ دار نے آنے نہ دیا تھا آ کر جھگڑا پیش کیا کہ اس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں میرے پاس صرف ایک بکری ہے۔ یہ میری ایک بکری بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے اس کی بات سننے کے بعد یہ چاہیے تھا کہ دوسرے کی بات سن کر کچھ فرماتے لیکن دوسرے کی بات سنے بغیر اس کو ظالم قرار دے دیا داؤد علیہ السلام نے۔ اگر عدالت کے کمرے میں ایسا کرتے تو یہ گناہ تھا لیکن عبادت کے کمرے میں تھے اچانک وہ آ گئے اور آئے بھی دیوار پھاند کر جس سے حضرت داؤد علیہ السلام گھبرا گئے اور گھبراہٹ کی وجہ سے معذور تھے اس لئے یہ کام خلاف اولیٰ تھا۔ غلطی سمجھ میں آنے پر فوراً توبہ فرمائی۔ **القط الصحیفة**: جب یہ آیت نازل ہوئی **فاما من اوتی کتابه بیمینه** تو کافروں نے بطور استہزاء کہا ربنا **عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب** حق تعالیٰ اس کا ذکر فرما رہے ہیں اور صبر کا حکم فرما رہے ہیں۔ **فی عزة معازین**: اس آیت مبارکہ کی تفسیر فرما رہے ہیں بل الذین کفروا فی عزة وشقاق اس کے معنی ہیں معازین کہ کافر عزت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ **یمسح اعراف الخیل و عراقیبها**: اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے **فطفق مسحا بالسوق والاعناق** کہ تلوار مارنی شروع کی گردن اور پاؤں پر یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کر دیا۔ **هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی**: اس کی تین اہم تفسیریں ذکر کی جاتی ہیں۔ ۱۔ مجھے جو بادشاہی دی جائے میرا غلبہ ہونے کے بعد میری زندگی میں کوئی مجھ سے چھین نہ سکے۔ ۲۔ ہوا اور پرندوں پر مجھ جیسی حکومت ملے میرے مرنے کے بعد قیامت تک کسی کو ایسی حکومت نہ ملے۔ ۳۔ مجھے اپنے نفس پر غلبہ دیجئے اور غلبہ ملنے کے بعد شیطان نہ چھین سکے۔ **فاخذتهم سنة فحصت کل شئ**: ایسے قحط نے ان کو پکڑا جو ہر چیز کو لے گیا۔ **سورة الزمر ان الله یغفر الذنوب جمیعا**: یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر گناہ کو اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے ہمیشہ معاف فرما دیتے ہیں کیونکہ اگر یہ معنی ہوں تو پھر اوامر ونواہی کا کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ مقصد صرف بیان قدرت ہے اور مایوسی کا علاج کرنا ہے کہ گذشتہ گناہوں سے مایوس نہ ہو جاؤ اگر توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرما دیں گے آئندہ کے لئے گناہوں کی جرات دلانا مقصود نہیں ہے۔ **تصدیقاً لقول الحبر**: سوال اللہ تعالیٰ کے لئے تو اصبع محال ہے اور محال چیز کی تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے فرما دی۔ جواب ۱۔ اصبع تو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے لیکن اس کی حقیقت کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ۲۔ کسی مخلوق کی انگلی مراد ہے اس لئے تصدیق صحیح ہے۔ **ابیت**: یہ لاعلم ہی کے معنی میں ہے۔ **سورة مومن. یذکرنی حامیم والرمح شاجر**: اس شعر کے شان ورود میں دو واقعے نقل کئے گئے ہیں۔ ۱۔ شاعر نے جب حضرت علی کی طرف سے جنگ جمل میں شرکت کی تو محمد بن طلحہ کو نیزہ مارا تو نیزہ لگنے کے بعد انہوں نے حٰم پڑھا جو کہ شعار تھا حضرت علیؓ کے ساتھیوں کا اس پر شاعر نے شعر کہا۔

یذکرنی　حامیم　والرمح　شاجر
فهلا　تلا　حامیم　قبل　التقدم

کہ تم نے حٰم اب پڑھا جبکہ نیزہ ملنے والا تھا شاجر کے معنی ہیں مختلط یعنی لڑائی ہو رہی ہے اور نیزہ لگ چکا ہے۔ میرے سامنے آنے سے پہلے کیوں نہ حامیم پڑھ لیا تا کہ میں سمجھ جاتا کہ تم ہمارے ساتھی ہو اور میں نیزہ نہ مارتا۔ ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ محمد

بن طلحہ کو جب شاعر نے نیزہ مارا تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله اس پر شاعر نے یہ شعر پڑھا حامیم پڑھنا صرف کنایہ تلاوت سے ہے کسی شعار کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ پھر اس شعر والے واقعے کو یہاں ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ شاعر کے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ حامیم اسم ہے کیونکہ اس پر نصب شاعر نے پڑھی ہے اور رفع نصب جر کا جاری ہونا اسماء کا خاصہ ہے پھر حامیم کے معنی کیا ہیں اور یہ کس کا اسم ہے اس میں متاخرین کے قول پر پھر چند اقوال ہیں کیونکہ متقدمین کے نزدیک تو یہ متشابھات میں سے ہے واللہ اعلم بمرادہ بذلک۔ پس متاخرین جو ظنی معنی کرتے ہیں ان کے اس حم میں یہ قول ہیں۔ ا- اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کے معنی ہیں مفتاح خزائن اللہ تعالیٰ۔ ۲- یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ ۳- یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور یہاں بطور قسم کے ذکر کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا واللہ۔ ۴- قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ۵- سورۃ کا نام ہے۔ ٦- اس میں اشارہ ہے حم کی طرف اور اس کے معنی ہیں قضی ماھو کائن۔

سورۃ حم السجدۃ اعطیا:۔ مقصد یہ ہے کہ ائتیا طوعاً او کرھاً اس کے معنی ہیں اعطیا الطاعۃ اس کے بعد ہے قالتا اتینا طائعین ای اعطینا الطاعۃ ہم نے خوشی سے اطاعت کی **خلق الجبال و الجمال:**۔ یہ جمل کی جمع ہے بمعنی اہل۔ **سمی نفسه بذلک:**۔ حاصل یہ ہے کہ جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ماضی کا صیغہ آیا ہے اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ یہ نام اللہ تعالیٰ نے ماضی میں رکھے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تا کہ اپنی معرفت مخلوق کو عطا فرمائیں باقی مصداق ان صفات اور معانی ان صفات کے پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ **قشر الکفریٰ ھی الکم:**۔ یعنی گچھے کے چھلکے کو کم کہتے ہیں۔ **سورۃ حم عسق یذرؤ کم فیه:**۔ اس کے معنی ہیں تخلقکم۔ **سورۃ الزخرف ای ماکان فانا اول الاانفین:**۔ اس آیت مبارکہ کی دوسری تفسیر کرنا چاہتے ہیں۔ ان کان للرحمٰن ولدفانا اول العابدین۔ ا- پہلی تفسیر یہ ہے کہ ان شرطیہ ہے اور عابدین بمعنی مومنین مطیعین ہے۔ ۲- ان نافیہ اور عابدین بمعنی جاحدین انفین یعنی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لئے ولد پس میں پہلا انکار کرنے والا ہوں۔ **وقال الرسول یارب:**۔ یہ حضرت ابن مسعود کی قرأت ہے اور دوسرے حضرات کی قرأت یوں ہے وقیل یارب۔ **فی ام الکتاب جملة الکتاب:**۔ یعنی ام الکتاب کے معنی ہیں کتاب کے مضمون میں اور دوسرے حضرات کی تفسیر یہ ہے کہ ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ **سورۃ حم الدخان بین ظهریه:**۔ یہاں اس آیت کی تفسیر فرمانا چاہتے ہیں۔ ولقد اخترنا ھم علیٰ علم علی العالمین یعنی ان کے ہم عصروں پر فضیلت دی۔ **یحار فیها الطرف:**۔ یہ حور کا مصداق ہے کہ آنکھ اس میں حیران ہوگی یہ معنی نہیں ہیں کہ حور حیرت کے مادہ سے ہے کیونکہ حیرت اجوف یائی ہے اور حورا جوف واوی ہے اور عین جمع ہے عینا کی بڑی آنکھ والی۔ **اسود کمهل الزیت:**۔ تلچھٹ زیتون کا وہ کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ **استعصوا:**۔ نافرمانی ظاہر کی۔ **انک لجری ء:**۔ تم بڑے جرأت والے ہو کہ عذاب ہٹتا ہے تو پھر دوبارہ مشرک بن جاتے ہو۔ **سورۃ حم الجاثیه مستوفزین علی الرکب:**۔ گھٹنوں کے بل گھبرا کر بیٹھنے والا۔ **یوذینی ابن اٰدم:**۔ یہ ایسی بات ہے کہ اگر ایسے شخص کے متعلق ہو جس کو تکلیف پہنچ سکتی ہو تو اس کو تکلیف پہنچے اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچنے سے پاک ہیں۔ **یسبُّ الدهر وانا الدهر:**۔ ا- دھر کے معنی ہیں مدت عالم پھر اطلاق مدت کثیرہ پر ہوتا ہے یہاں یسب الدھر میں مراد مدبر اللیل والنہار ہے حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ دھر بمعنی مدبر اللیل والنہار کو گالی دیتا ہے اور مدبر اللیل والنہار تو میں ہوں اس لئے گالی مجھے لگتی ہے۔ ۲- دھر اللہ تعالیٰ کے اسماء

میں سے ہے اس لئے دھر کو گالی دینا جائز نہیں ہے پھر جو شخص حقیقۃً زمانہ کی طرف تصرفات منسوب کرے وہ تو کافر ہے ہی جو شخص مجازاً بھی منسوب کرے وہ بھی مشابہ کفار کے ہو جاتا ہے ایسے ہی جو شخص آسمان کی طرف یا آسمان کی کسی وضع یعنی حالت کی طرف حقیقتاً منسوب کرے تو کافر اور مجازاً منسوب کرے تو کافروں جیسا بن جاتا ہے۔**سورة الاحقاف اراتیم هذه انما هی توعد:.** مقصد یہ ہے کہ اراتیم کے معنی ہیں اخبرونی**فقال له عبد الرحمن بن ابی شیئاً:.** کچھ اعتراض کیا اس اعتراض کا حاصل یہ تھا کہ اے مروان تم حضرت معاویہؓ کے بعد یزید کی بیعت کی لوگوں کو ترغیب دے رہے ہو کہ جب حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو جائے تو ضرور یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا یہ طرز تو قیصر و کسریٰ کا ہے کہ باپ بادشاہ ہو تو مرنے کے بعد ضرور اس کا بیٹا ہی بادشاہ بنے۔ اسلام کا طریقہ تو یہ ہے کہ خلیفہ کی وفات کے بعد فوراً اہل حل وعقد جمع ہوں اور جس کو بھی اہل سمجھیں خلیفہ بنادیں پھر وہ موت تک خلیفہ رہتا ہے۔**لهواته:.** گلے کے پاس گوشت جسے ہم کوا کہتے ہیں۔**سورة محمد. اوزارها اثا مها:.** یہ تفسیر کہ اوزار بمعنی اٰثام ہے صرف بخاری شریف میں ہے آیت یہ ہے۔ فامامناً بعد وامافداء حتی تضع الحرب اوزارها باقی حضرات نے اوزار بمعنی اسلحے والی تفسیر لی ہے۔**قامت الرحم فاخذت بحقو الرحمٰن:.** حقو کے لغوی معنی تہی گاہ اور کوکھ کے ہوتے ہیں یعنی پیٹ اور کمر کے دائیں بائیں جو خالی جگہ ہوتی ہے اور کھانا کھانے سے بھر جاتی ہے۔ حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے دل میں جو بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی ظاہر ہوئی تھی جس میں انسانی شکل کے مشابہ شکل ظاہر ہوئی۔ اسی طرح جنت میں جو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی اس زیارت کے متعلق جو احادیث آتی ہیں ان سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ تجلی ایسی ہوگی جو انسانی شکل کے مشابہ ہوگی اسی طرف ایک حدیث پاک میں بھی اشارہ موجود ہے رایت ربی فی صورة شاب امرد۔**سورة الفتح. السحنة:.** اس کے معنی ہیں چہرے کی کھال اور چہرے کی حالت۔**شطأه فراخه:.** پنیری جس کو آج کل نرسری بھی کہہ دیتے ہیں۔**ولو کانت واحدة لم تقم علیٰ ساق:.** اس کی مثال گھاس ہے کیونکہ اس کی ایک ہی شاخ ہوتی ہے اس لئے وہ سیدھی کھڑی نہیں ہوتی بلکہ بیلوں کی طرح زمین پر لیٹ جاتی ہے۔**نزرت:.** تو نے الحاح کیا اور جھگڑا کیا۔**انافتحنالک فتحا مبیناً قال الحدیبیه:.** مقصد یہ ہے کہ صلح حدیبیہ فتح مکہ کا ذریعہ بنی۔**فرجع فیها:.** ۱-خوش آوازی سے پڑھنے والوں کی طرح گلے میں سے آواز پوری خوش آوازی سے نکالی۔ ۲-مد کے موقعہ میں مد کو خوب لمبا کیا لیکن اونٹنی پر سوار ہونے کی وجہ سے اس مد کے کئی ٹکڑے ہو گئے دونوں توجیہوں کا حاصل خوش الحانی اور تحسین الصوت ہی ہے جو بالاجماع مستحسن ہے بشرطیکہ تجوید میں خلل نہ آئے۔**لیغفرلک الله ماتقدم من ذنبک وماتاخر:.** فتح کے ساتھ مغفرت کا ذکر اس مناسبت سے ہے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتیں جمع ہو جائیں دنیا میں فتح مکہ اور آخرت میں بخشش جیسے سورہ نصر میں فتح کے موقعہ میں استغفار کا حکم ہے کہ دنیا کی نعمت فتح جب نصیب ہو تو آخرت کی نعمت مغفرت کی طرف توجہ کریں۔**بینمارجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یقرأ:.** دوسری روایت میں ان کا نام بھی ہے حضرت اسید بن حضیر۔**تلک السکینة تنزلت بالقراٰن:.** یعنی فرشتوں کی ایک جماعت ہے اس کا لقب سکینہ ہے وہ جماعت اتری تھی۔**اتهموا انفسکم:.** اپنی رائے کو یقینی نہ سمجھو۔**سورة الحجرات لاتقدموا لاتفتاتوا:.** بغیر پوچھے نہ بولو۔**الخیران:.** دو شخص جو خیر کثیر والے

تھے۔**ابابکر وعمر:**. یہ دونوں علم منصوب اس لئے ہیں کہ ان سے پہلے کانا کالفظ محذوف ہے۔**ولم یذکر ذلک عن ابیه یعنی ابابکر:**. یہ آہستہ بات کرنے والی تفصیل حضرت عبداللہ بن الزبیر نے حضرت عمرؓ کے بارے میں تو ذکر فرمائی ہے اپنے والد یعنی حضرت ابوبکر کے بارے میں ذکر نہیں فرمائی۔عبداللہ بن الزبیر حضرت اسماء بنت ابی بکر کے صاحبزادے ہیں اس لئے حضرت ابوبکرؓ ان کے نانا بنتے ہیں لیکن یہاں نانا کو مجازاً اب کہہ دیا گیا ہے۔**ولکنک من اهل الجنة:**. سوال۔اس حدیث میں حضرت ثابت بن قیس کو جنت کی بشارت دی گئی ہے حالانکہ نام لیکر جنت کی بشارت تو عشرہ مبشرہ کی خصوصیت ہے اور یہ صحابی ان عشرہ میں داخل نہیں ہیں۔جواب۔عشرہ مبشرہ حضرات کو ایک ہی دفعہ بشارت دی گئی اکٹھی۔بس صرف یہ خصوصیت ہے باقی آگے پیچھے دوسرے حضرات کو بشارت جنت کی دینا یہ اس کے خلاف نہیں ہے۔ان دس حضرات کی یہ فضیلت ہے کہ ہر ایک کا نام لیا۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہر ایک کے نام کے ساتھ فی الجنة فرمایا ابوبکر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة الحدیث اور دس کے دس نام اکٹھے لئے اس لئے ان حضرات کا مرتبہ بہت اونچا شمار کیا گیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے وقتوں میں بھی کسی اور صحابی کو جنت کی بشارت نہیں دی بلکہ بہت سے حضرات کو دی ہے۔**مااردت الی اوالاخلافی:**. اس میں الی والی روایت میں ما بمعنی لم ہے یہ معنی ہو گئے لم اردت الی خلافی کہ آپ نے میری مخالفت کا کیوں ارادہ کیا۔

باب قوله ولوانهم صبروا حتیٰ تخرج الیهم لکان خیر الهم

بہت سے نسخوں میں یہ باب نہیں ہے اور جن نسخوں میں ہے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ یہاں باب ہے روایت نہیں ہے۔اس کی دو توجیہیں ہیں۔۱-باب لکھ کر امام بخاری نے حدیث لکھنے کی جگہ چھوڑی تھی کہ بعد میں ملاؤں گا لیکن بعد میں کوئی حدیث نہ ملی۔۲-حدیث تو مل گئی تھی لیکن یہاں لکھنے سے پہلے امام بخاری وفات پا گئے۔**سورة ق. وقال قرینه الشیطان الذی قیض له:**. دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہاں مراد وہ فرشتہ ہے جو اس پر مقرر کیا ہوا ہے۔**فتقول قط قط:**. اس لفظ میں تین لغات ہیں۔۱- قط بفتح القاف وسکون الطاء مع التخفیف۔۲-قط بفتح القاف وکسر الطاء مع التخفیف بلاتنوین۔۳-قط بفتح القاف وکسر الطاء مع التخفیف ومع التنوین۔تینوں کے معنی ہیں انتہی اور یہ اسم فعل ہے۔یہاں یہ مراد ہے حسبی حسبی قد اکتفیت۔**فیضع الرب تبارک وتعالیٰ قدمه علیها:**. یہ قدم متشابہات میں سے ہے اس لئے متقدمین حضرات تو صرف یہ فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ بذالک اور متاخرین حضرات مختلف معانی جو ظنی اور احتمالی ہیں یقینی نہیں ہیں بیان فرماتے ہیں مثلاً۔۱-من قدمہ للنار من اهل العذاب کہ قدم سے مراد وہ جن اور انسان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پہلے بھیجیں گے دوزخ میں عذاب کے لئے۔۲-کوئی مخلوق ہوگی جو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اس مخلوق کا قدم دوزخ میں رکھا جائے گا۔۳-کوئی مخلوق ہوگی اس مخلوق کا نام قدم ہوگا۔۴-قدم بمعنی موضع ہے یعنی بعض کافروں کی جگہ کو اللہ تعالیٰ جہنم پر رکھ دیں گے تو وہ کہے گی کہ بس بس کافی ہے۔۵-کوئی عمل جو موجب عذاب ہے وہ جسم کی شکل میں بنا دیا جائے گا اور وہ جہنم میں داخل ہوگا۔۶-نوع من الزجر والتسکین یعنی اللہ تعالیٰ کسی خاص طریقہ سے جہنم کو ڈانٹیں گے اور سکون دلائیں گے کہ اب صبر بھی کر اس سے اس کو صبر آ جائے گا۔۷-آخری جہنمی کا قدم مراد ہے۔۸-اهل جہنم کی تذلیل سے کنایہ ہے یعنی اهل جہنم کی ایسی ذلت ظاہر ہوگی جیسے کسی کو پاؤں کے نیچے رکھنے سے ذلت ظاہر ہوتی ہے۔اس سے جہنم کو سکون ہو جائے گا۔۹-قدم ایک خاص قسم کی تجلی ہوگی جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یوم یکشف عن ساق یہ تجلی اهل اخلاص اور اهل نفاق میں فرق ظاہر کرنے کے لئے ہوگی قدم والی تجلی

قہر وغضب کی تجلی ہوگی۔ ایک تجلی حقو والی یوم میثاق میں ظاہر ہو چکی ہے وہ صلہ رحم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھی ایک تجلی وجہ کی اہل جنت کے لئے جنت میں ظاہر ہوگی یہ تجلی کی انواع میں سب سے اونچی ہوگی اس کے بعد صرف یہ اعلان باقی رہ جائے گا کہ اے اہل جنت اب میں تم سے ہمیشہ راضی رہوں گا کبھی ناراض نہ ہوں گا اور بعض روایات میں الرجل کا لفظ بھی آیا ہے بغیر ضمیر کے یہ مرجوح اور متروک ہے ایک توجیہ اس کی یہ بھی کی گئی ہے کہ الرجل سے مراد معذبین کی جماعت ہے۔ **ویزوی بعضها الی بعض:**. بلایا جائے گا بعض کو بعض سے **سورة والذاریات. اذاییس ودیس:**. یہ لفظ دیس قیل کے وزن پر ہے ماضی مجہول ہے دوس سے جس کے معنی روندنا ہے۔ **ففروا الی الله من الله الیه:**. اس کے معنی ہیں من معصیۃ اللہ الی طاعۃ اللہ۔ **ولیس فیه حجة لاهل القدر:**. یعنی تقدیر کے منکر معتزلہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **وماخلقت الجن والانس الالیعبدون** کہ اللہ تعالیٰ صرف خلق خیر ہی کا ارادہ فرماتے ہیں ان کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ ۱-خلق شر میں حکمت ہوتی ہے اس لئے وہ خیر ہی خیر ہے البتہ کسب شر قبیح ہے۔ ۲-تکوینی غایت کا پورا نہ ہونا عیب ہے اور ایسا نہیں ہوتا تشریعی غایت کا پورا نہ ہونا کچھ عیب نہیں جیسے حق تعالیٰ ایمان، نماز، روزہ کا حکم دیتے ہیں کوئی کرتا ہے کوئی نہیں کرتا اس لئے اللہ تعالیٰ اچھوں کو بھی عبادت کے لئے پیدا فرماتے ہیں اور بروں کو بھی عبادت ہی کے لئے پیدا فرماتے ہیں آگے ان کی غلطی ہے کہ وہ عبادت نہیں کرتے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق شر نہیں ہیں۔ ۳-اس آیت میں جو مذکور ہے کہ عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے یہ نوع کی غایت ہے پوری نوع میں اگر کوئی نہ کوئی عبادت کرنے والا موجود ہے تو مقصد حاصل ہے اور جب قرب قیامت میں ایسا ہوگا کہ صرف شر ہی شر رہ جائے گا اور سب ایمان اور عبادت کو چھوڑ دیں گے تو اس وقت پوری نوع عبادت سے خالی ہو جائے گی اسی لئے اس وقت دنیا کو ختم کر دیا جائے گا اور قیامت آجائے گی۔ **والذنوب الدلو العظیم:**. یہ اس آیت کی تفسیر ہے **فان للذین ظلموا ذنوباً مثل ذنوب اصحابهم فلا یستعجلون** اس آیت کی تفسیر میں ذنوب کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ۱-بڑا ڈول گناہوں کا۔ ۲-سبیل ۳-ظرف ۴-عذاب ۵- خط و نصیب۔ **قال غیره تواصوا توطؤا:**. موافقت کی۔ **الخر. اصون:**. اس کے معنی ہیں شک کرنے والے۔ **سورة الطور لم اسمعه زادالذی قالوالی:**. حضرت سفیان بن عیینہ فرمارہے ہیں کہ میں نے امام زہری سے بلاواسطہ صرف حدیث کے شروع کا حصہ سنا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مغرب میں سورہ طور کی تلاوت فرمارہے تھے باقی مجھ پر جو اثر ہوا یہ میں نے امام زہری سے بواسطہ دوسرے حضرات کے سنا ہے۔ **سورة والنجم. رب الشعری هو مرزم الجوزاء:**. مقصد یہ ہے کہ جس ستارے کو قرآن پاک میں شعریٰ کہا گیا ہے اس کا نام مرزم بھی ہے اور وہ جوزاء کے برج میں واقع ہے۔ **سامدون البرطمة:**. مقصد یہ ہے کہ سامدون کے معنی۔ ۱-اعراض کرنے والے ہیں اس کے علاوہ اور معنی بھی کئے گئے ہیں۔ ۲-غصہ والے ۳-تکبر والے ۴-گانے والے ایسے طریقہ سے کہ الفاظ سمجھ میں نہ آئیں۔ ۵- غافل۔ **لقد قف شعری مماقلت:**. جو تم نے کہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے تو اس کہنے سے خوف کی وجہ سے میرے بال کھڑے ہوگئے حضرت عائشہ کی تحقیق یہی تھی کہ زیارت نہیں فرمائی۔ **اومن وراء حجاب:**. اس آیت میں جو حصر ہے **وماکان لبشران یکلمه الله الاوحیا اومن وراء حجاب** یہ حصر صرف دنیا کے لحاظ سے ہے۔ راجح یہی ہے کہ مکان آخرت میں جا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے کیونکہ پہلے آسمان کے اوپر مکان

آخرت ہے۔**رأی رفرفاً اخضر قدسدالافق:**. سبز رنگ کا جوڑا حضرت جبریل علیہ السلام پر دیکھا۔۲-پردہ ۳-بچھونے کا دوہرا کیا ہوا کنارہ۔۴-پرندے دونوں پر جب پھیلے ہوئے ہوں۔ ۵-بچھونا۔۶-رفرف وہ چیز ہے کہ جب اس پر اس کا آقا بیٹھ جاتا ہے تو اس کو لے کر وہ چیز اڑ جاتی ہے اور ادھر ادھر جہاں آقا کہتا ہے وہاں جاتی ہے رفرف کے لغوی معنی ہیں طار اس چھٹے معنی کی تائید تفسیر قرطبی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو مرفوعاً وارد ہے۔ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بلغ سدرۃ المنتہیٰ جاءہ الرفرف فتناولہ من جبریل وطاربہ الی مسند العرش فذکرانہ قال طاربی یخفضنی ویرفعنی حتیٰ وقف بی بین یدی ربی۔ **ومن قال لصاحبہ تعال اقامرک فلیتصدق:**. ۱- جتنا روپیہ جوئے کے لئے نکالا ہے سارا ہی خیرات کردے۔۲-اس میں سے کچھ خیرات کردے تاکہ آئندہ نصیحت رہے جیسے وطی فی الحیض میں خیرات کا حکم ہے مسلم شریف کی روایت سے اس دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے فلیتصدق بشیٔ۔**وسجد معہ المسلمون والمشرکون:**. کافروں نے کیسے سجدہ کرلیا۔۱-تجلی قہری ہوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس سے مشرکین مجبور ہوگئے۔۲-صرف بتوں کا نام سن کر خوش ہوگئے۔۳-شیطان نے نبی پاک جیسی آواز بنا کر بتوں کی تعریف کی تھی۔۴-شیطان نے بتوں کی مدح کے الفاظ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری کردیئے تھے۔

تلک الغرانیق العلیٰ
منھا الشفاعۃ تر تجیٰ
یایوں تھا وان شفا عتھن لترتجی۔

۵-مشرکین نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا شروع کیا تھا کہ تم اگر سجدہ کرتے ہو تو ہم بھی تو سجدہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور اسلام میں یہ پہلا سجدہ تلاوت تھا۔۶-اس وقت کافروں پر مسلمانوں کا خوف طاری ہوگیا اس خوف میں یہ سجدہ کیا۔**سورۃ اقتربت الساعۃ مزد جر متنا ہ:**. اس آیت کی تفسیر ہے ولقد جاء ھم من الانباء مافیہ مزدجر یعنی اتنی زیادہ ڈانٹ کہ اس سے زیادہ ڈانٹ نہ ہو۔**مھطعین النسلان الخبب السراع:**. نسلان تیز چلنے کو کہتے ہیں سعی سے کم۔**فتعاطیٰ فعاطھا بیدہ:**. خود اپنے ہاتھ سے یہ کام کیا۔**المحتظر کحظار من الشجر محترق:**. درخت کی جلی ہوئی ٹوٹی ہوئی شاخ۔**سورۃ الرحمٰن بحسبان کحسبان الرحیٰ:**. مقصد گھومنا ہے چکی کے قطب کی طرح یعنی جیسے چکی کے کیل کے ارد گرد چکی گھومتی ہے اسی طرح ہے سورج اور چاند گھومتے ہیں یعنی گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس معنی کے علاوہ بھی چند معانی کئے گئے ہیں۔ ۲-بحساب یعنی سورج اور چاند کی منزلیں ہیں ان پر وہ خاص حساب سے چلتے ہیں۔۳-ان دونوں سے لوگ حساب کرتے ہیں اوقات کا اور مدتوں کا۔۴-حسبان بمعنی اجل ہے یہ دونوں اپنی موت کے وقت تک چلتے رہیں گے۔۵-یہ دونوں دنیا کی موت تک چلتے رہیں گے جب دنیا ختم ہوگی تو ان کا چلنا بھی ختم ہو جائے گا۔**ھبوراً:**. پنیری چھوٹے چھوٹے پودے۔**قلعہ:**. وہ لنگر جس کے اٹھانے سے کشتی چلنے لگ جاتی ہے۔**کمایصنع انفخار:**. پکی ہوئی ٹھیکری کی طرح آدم علیہ السلام کو بنایا گیا۔**الری:**. تروتازگی۔**منتن یریدون بہ صل:**. پرانا خشک گوشت اس آیت کی تفسیر ہے خلق الانسان من صلصال کالفخار۔صل اور صلصل کے ایک ہی معنی ہیں۔**ومابین القوم و بین ان ینظروا الی ربھم الارداء الکبر علیٰ وجھہ:** یہ حدیث متشابہات میں سے ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے وجہ کا اور اس پر رداء ہونے کا ذکر ہے اس لئے متقدمین کے نزدیک اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور متاخرین کے نزدیک ظنی طور پر جو معنی نقل کئے گئے ہیں وہ امام قرطبی نے حضرت ابن عباس سے یوں نقل فرمائے ہیں کہ وجہ بول کر ذات مراد ہے جیسے اس

آیت میں ہے ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ **سورة الواقعة منضود الموز:**. یعنی کیلا تہ بتہ ہو گا۔**ومنه وضين الناقة:**. اونٹنی کا تنگ جس سے اونٹنی پر کجاوا کسا جاتا ہے۔**بمواقع النجوم بمحكم القرآن:**. اس میں نجم قسط کے معنی میں ہے کیونکہ قرآن پاک تھوڑا تھوڑا کر کے اترا ہے۔**والغيت:**. یعنی ان یہاں محذوف ہے۔**عن قليل:**. اس کے معنی ہیں عنقریب۔ **كقولك سقيامن الرجال:**. یعنی جیسے کہا جاتا ہے فسقیاً من الرجال یعنی سقاک اللہ سقیا حال کونک من الرجال ایسے ہی یہاں ہے **فسلام لک من اصحاب اليمين** یعنی سلام لک حال کونک من اصحاب الیمین۔**ان رفعت السلام:**. مقصد یہ ہے کہ آیت میں اگر چہ لفظ سلام مرفوع ہے پھر بھی دعاء کے معنی ٹھیک ہیں کیونکہ دعا کے معنی نصب کے ساتھ خاص نہیں ہیں یہاں کوئی قرأت نصب کی نہیں ہے۔**سورة الحشر باب وماآتا كم الرسول فخذوه:**. اس باب کی حدیث میں متنمصات کے معنی ہیں چہرے کے یعنی آنکھوں کے اوپر ابرو کے بال اکھاڑنے والی اور متفلجات کے معنی ہیں دانت رگڑ کر ان کے درمیان خالی جگہ کو بڑھانے والی۔**سورة الممتحنة فيقولون لوكان هو لاء على الحق مااصابهم هذا:**. حضرت مجاہد سے اس آیت کے معنی نقل فرما رہے ہیں **ربنا لاتجعلنا فتنة للذين كفروا** کہ دیکھنے والے لوگ یہ نہ کہیں کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ مصیبت نہ آتی۔**لاادرى الآية في الحديث اوقول عمرو:**. مقصد یہ ہے کہ اخیر میں جو آیت منقول ہے یہ اصل حدیث میں ہی ہے یا حضرت عمرو بن دینار نے وضاحت کے طور پر خود پڑھی تھی۔**سورة الصف وانا الحاشرالذى يحشر الناس على قدمى:** یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یوم حشر میں سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے باقی سب لوگ بعد میں اٹھیں گے۔**واناالعاقب:**. بعد میں تشریف لانے والے دنیا میں۔ سوال۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تو بہت ہیں یہاں صرف پانچ مذکور ہیں۔ جواب۔ کتب سابقہ میں یہی مذکور تھیں۔ **سورة الجمعة. قرأ عمر فامضواالى ذكر الله:** ظاہر یہی ہے کہ یہ بطور تفسیر کے پڑھا ہے کیونکہ یہ لفظ قراءات متواترہ میں بھی نہیں ہیں اور مشہورہ میں بھی نہیں ہیں۔ **وآخرين منهم لما يلحقوابهم:** آخرین کا مصداق ۱-التابعون ۲-العجم ۳-ابناء الصحابۃ ۴-کل من کان بعد الصحابۃ ۵-جمیع من اسلم الی یوم القیامۃ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ایمان لانے والے۔ ۶-فارسی حضرات اور اس حدیث پاک کی وجہ سے اسی چھٹے قول کی تائید ہوتی ہے۔ پھر آیت میں اگر چہ یہ چھ احتمال ہیں لیکن اس حدیث میں تو صرف فارسی ہی مراد ہیں جن کی مدح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ پس اس حدیث پاک میں امام ابوحنیفہ کے لئے بشارت ہے دنیا وآخرت میں اونچے مقام کی اور مدح عظیم ہے۔ سید الاولین والآخرین کی طرف سے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ فارسی حضرات میں سے کوئی بھی علم، فقہ، زہد، ورع اور ایثار آخرت میں امام ابوحنیفہ کے مقام کو نہ پہنچ سکا اور اتنے مقلدین آپ کو ملے کہ فقہا وائمہ اسلام میں سے کسی کو بھی نہ ملے اور آپ کے علم اور آپ کے شاگردوں کے علم سے جتنا زیادہ علماء اور عوام نے فائدہ اٹھایا دوسرے کسی فقیہ اور امام سے نہ اٹھایا یہ فائدہ اٹھانا شبہ والی احادیث کی تفسیر میں بھی ہے مسائل کے استنباط میں بھی ہے اور قضایا میں بھی ہے اور آج تک کی امت کے دوثلث امام ابوحنیفہ کے متبعین ہیں اس حدیث پاک کا مصداق بننے کی وجہ یہ ہے کہ فارسیوں کی مدح فرمائی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اہل کوفہ بھی فارسی ہیں۔**ماالردت الى ان كذبك رسول الله صلى الله عليه وسلم ومقتك:** تم نے ایسی بات کیوں کی

کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جھوٹا قرار دیا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ **ان اللہ قد صدقک یا زید:۔** اے زید بن ارقم اللہ تعالیٰ نے آپ کو سچا قرار دیا ہے اور منافقین کو جھوٹا قرار دیا ہے اس حدیث سے آیت کے معنی بالکل واضح ہو گئے کہ **واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون** کا تعلق منافقین کی جھوٹی قسموں کے ساتھ ہے اور اس کہنے کے ساتھ ہے کہ ہم نے نہیں کہا **ولان رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعزمنھا الاذل۔** اس تقریر پر ان تکلفات کی ضرورت نہ رہی جو صاحب تلخیص نے کئے ہیں کہ کاذبون کا تعلق شہادت سے ہے یا تسمیہ سے ہے یا مشہود بہ فی زعمہم سے ہے۔ **وقولہ خشب مسندہ قال کانو ارجالاً اجمل شیء:۔** یہ الفاظ حدیث پاک میں داخل ہیں مدرج نہیں ہیں اور قال کانوا میں قال کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو خشب مسندہ قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ منافق شکل وصورت کے اچھے تھے۔ پھر تشبیہ دینے کی وجہ میں دو تقریریں ہیں۔ یہ منافقین ان لکڑی کے بتوں کی طرح ہیں جو مشرکین دیواروں میں نصب کرتے تھے کہ صورت اچھی تھی فائدہ کچھ نہیں۔ ۲- جیسے کڑی اکیلی مفید نہیں ہوتی دیوار میں دروازہ کی شکل میں لگائیں یا چھت میں لگائیں تو پھر فائدہ ہوتا ہے ایسے ہی یہ منافقین بلاتوبہ بے کار ہیں البتہ توبہ کرلیں تو کامیاب ہیں۔

باب قولہ سواء علیھم. فکسع

دبر پر ہاتھ یا پاؤں مارا۔ **فانھا منتنۃ:۔** یہ کلمہ یاللمہاجرین برا ہے گویا کہ اس سے بدبو آرہی ہے یہ جاہلیت کا پکارنا ہے کہ مہاجر مہاجرین کو پکاریں اور انصار دوسرے انصار کو پکاریں اور لڑائی شروع ہو جائے۔ **ھوالذی یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذاالذی اوفی اللہ لہ باذنہ:۔** اس میں ھو کی ضمیر حضرت زید بن ارقم کی طرف لوٹتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کان کو پورا کام کرنے والا قرار دیا کیونکہ حضرت زید بن ارقم کی تصدیق میں آیت نازل ہونے سے پہلے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا **لعلہ اخطأ سمعک** پھر جب ان کی تصدیق نازل ہو گئی تو ارشاد فرمایا وفت اذنک یا غلام۔ **سورۃ الطلاق فضمن لی بعض اصحابہ:۔** ابن ابی لیلیٰ کے بعض شاگردوں نے میرے لئے ضمانت دی کہ تو غلطی پر ہے یعنی میری تکذیب کی۔ **وقال ولکن عمہ لم یقل ذلک:۔** یعنی فرمایا حضرت ابن ابی لیلیٰ نے کہ عبداللہ بن عتبہ کے چچا عبداللہ بن مسعود نے یہ نہیں کہا۔ **سورۃ لم تحرم:۔** شان نزول میں تین قول ہیں۔ ۱- عندالبخاری شہد کے واقعہ میں یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ ۲- عندالنسائی حضرت ماریہ قبطیہ کے واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ ۳- بعض کے نزدیک دونوں کے بعد نازل ہوئی اور دونوں واقعے قریب قریب تھے حقیقت کے لحاظ سے بھی قریب قریب تھے کہ دونوں ایک جیسے تھے اور زمانہ کے لحاظ سے بھی قریب قریب تھے۔ **ان ابن عباس قال فی الحرام یکفر:۔** یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہہ دے کہ تو مجھ پر حرام ہے پھر وہ اس کے پاس جائے تو قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ لیکن راجح قول اور یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک بھی ہے کہ اگر اس لفظ سے نیت طلاق کی کرے گا تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر ظہار کی نیت سے کہے گا تو ظہار ہو جائے گا اور اگر کچھ بھی نیت نہ کرے تو ایلاء ہو جائے گا۔ **انی اجد منک ریح المغافیر:۔** اس کے معنی ہیں گوند یا بدبو والی سبزی۔ سوال۔ ان ازواج مطہرات سے بعید ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور جھوٹ بولا۔ جواب۔ مقصد ایذا پہنچانا نہ تھا بلکہ فطرتی غیرت کی وجہ سے ایسا ہوا کہ ایک زوجہ محترمہ کے پاس ہم سے زیادہ کیوں آپ ٹھہرے ہیں اور جھوٹ شاید اس لئے نہ ہو کہ اس شہد میں معمولی سی بو ہو جو مغافیر کی بو کے مشابہ ہو

وکم ذنب مولدہ دلال　　وکم بعد مولدہ اقتراب

باب تبتغی مرضاۃ ازواجک اتامرہ

اس کے معنی ہیں اتفکر فیہ۔ **بعجلۃ:۔** سیڑھی کے ذریعہ

سے۔ **قرظامصبوبا**: سلم کے پتے جمع کئے ہوئے۔ **اھب معلقة**: کچے چمڑے لٹکے ہوئے۔ **اجتمع نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغیرة علیہ**:۔ یعنی غیرت دلانے کے لئے اور کوئی مطالبہ منوانے کے لئے۔ **سورة ن والقلم حرد جد فی انفسھم**:۔ اس عبارت میں حرد کے معنی کرنے مقصود ہیں کہ کوشش کے ہیں۔ **عتل بعد ذلک زنیم**:۔ اس آیت مبارکہ میں جو عتل ہے اس کے معنی ہیں فاتک شدید منافق بھی تھا اور بہت زیادہ اچانک قتل کرنے والا بھی تھا اور زنیم کے معنی ہیں ولد الزنا۔ **له زنمة مثل زنمة الشاة**: بعض بکریوں کے گلے یا کان کے پاس کھال لٹکی ہوئی ہوتی ہے اس کھال کو زنمة کہتے ہیں۔ ولید بن مغیرہ کی بھی چھ چھ انگلیاں تھیں۔ ہاتھوں میں۔ **جواظ**:۔ شور مچانے والا۔

باب یوم یکشف عن ساق

اس آیت مبارکہ میں چونکہ بلا اضافت مذکور ہے اس لئے اس میں تین احتمال ہیں۔ ۱۔ تکشف القیامة عن ساقھا ای عن اصلھا و کربھا وشدتھا اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ عن کرب رشدہ اور ساق کے لغوی معنی اصل کے ہوتے ہیں۔ قیامت اپنی اصل ظاہر کرے گی یعنی شدت اور تکلیف ظاہر کرے گی۔ ۲۔ تکشف جہنم عن ساقھا ای عن اصلھا وشدتھا۔ ۳۔ یکشف العرش عن ساقه ای عن اصله وعظمته اور اس باب کی حدیث مرفوع میں چونکہ اضافت کے ساتھ مذکور ہے۔ یکشف ربنا عن ساقه اس لئے اس میں دو احتمال ہیں۔ عن العظیم من امرہ ۲۔ عن نورہ۔ ان دونوں احتمالوں کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابوموسیٰ اشعری سے مرفوعاً منقول ہے فی قولہ تعالیٰ عن ساق قال یکشف عن نور عظیم یخرون له سجدا۔ **سورة الحاقة. الوتین نیاط اقلب**:۔ اس کے معنی ہیں حبل الورید شہ رگ جب اس کو کاٹا جاتا ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔ سوال۔ جب اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ نبی جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جاتا ہے تو دجال نبوت کا دعویٰ بھی کرے گا اس کو کیوں قتل نہ کیا جائے گا جواب یہ آیت مبارکہ تو انبیاء صادقین کے بارے میں ہے جن کی تائید وتصدیق کھلے کھلے دلائل سے ہو چکی ہے اور ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ جو کچھ کہیں وہ سچ ہے اور جو راز کی باتیں بتلائیں وہ ٹھیک ہیں اور ان پر عمل ضروری ہے وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اب اگر ان حضرات کو بفرض محال جھوٹ بولنے پر نہ پکڑا جائے تو حق اور باطل میں غلط ہو جائے گا بخلاف کذاب و دجال کے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کی کوئی تصدیق نہیں کی گئی کوئی بات اگر عادت کے خلاف ہوگئی تو وہ بھی دعوائے نبوت کے زمانہ میں نہ ہو گی تا کہ سچے ہونے کا شبہ نہ پڑے بلکہ جب وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اس وقت بطور استدراج اور ڈھیل کے بعض باتیں عادت کے خلاف ہوں گی کیونکہ اس کا خدا نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے کیونکہ وہ انسان ہے اور پھر ایک آنکھ والا عیب والا ہے اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہے کوئی شبہ واقع نہیں ہوتا۔ پس جب اس کی تصدیق نہیں کی گئی تو یہ جھوٹ بولنے پر قتل نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کے جھوٹ بولنے سے حق اور باطل کے خلط کا شبہ نہیں ہوگا۔ **طغت علی الخزان کما طغی الماء علی قوم نوح علیه السلام**:۔ یعنی ہوا کی نگرانی کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں یہ ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان فرشتوں کی نگرانی سے نکل گئی جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی حد سے نکلا تھا بامر اللہ۔ **سورة المزمل. منفطر به**:۔ اس کے معنی کر دیئے مثقلة بہ کہ آسمان بہت بوجھ والا ہو جائے گا گویا پھٹنے ہی والا ہے بظاہر منفطرة بھا ہونا چاہئے تھا لیکن بتاویل سقف مذکر کا صیغہ استعمال فرمایا گیا۔ **سورة المدثر جاورت بحراء**:۔ غار حرا میں میں نے اعتکاف کیا۔ **جواری**: اعتکافی۔ **فنزلت یایھا المدثر**: سوال۔ صحیح بخاری کی ابتداء والی حدیث پاک میں ہے کہ پہلے اقرأ باسم ربک الذی خلق والی آیات اُتری تھیں اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سورہ مدثر والی آیات اتری

تھیں۔ یہ تو تعارض ہوا۔ جواب ا-اقرأ والی حدیث کو ترجیح ہے۔ ۲-یاٴیھا المدثر کا پہلے ہونا اضافی ہے اکثر آیات سے پہلے نازل ہوئی۔ ۳-سورہ مدثر احکام میں سب سے پہلے ہے۔ ۴-فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر ہے۔ **فجثت:**. یہ الجاث سے لیا گیا ہے جس کے معنی خوف اور رعب کے ہوتے ہیں۔ **سورة القيامة. اولیٰ لک توعد:**. یعنی یہ ابوجہل کے لئے دھمکی ہے۔ **سورة هل اتی لم يجر بعضهم:**. بعض نے تنوین جاری نہ کی سلاسلا میں بلکہ سلاسل غیر منصرف پڑھا پرانی اصطلاح میں منصرف کو مجری اور غیر منصرف کو غیر مجری کہتے تھے۔ **من قتب اوغبيط:**. پالان یا عورتوں کا کجاوا۔ **سورة المرسلات' جمالات حبالات:** وہ رسی جس سے کشتی باندھی جاتی ہے۔ **كنا نرفع الخشب بقصر ثلثة اذرع اواقل:** ہم تین تین گز کے لکڑی کے ٹکڑوں کو جمع کرتے تھے ان کے نام قصر رکھتے تھے جیسے ٹال میں ہوتے ہیں۔ **سورة عم يتساء لون كان الغساق والغسيق واحد:**. دونوں کے معنی پیپ کے ہیں بعض نسخوں میں یہ لفظ نہیں ہیں۔ **سورة والنازعات. الطامة تطم كل شئ:**. یہ اس محاورہ سے لیا گیا ہے طم الفرس طمیماً جب کہ بھاگنے میں اپنی پوری طاقت لگا دے۔ **سورة عبس تصدیٰ تغافل عنه:**. لیکن مشہور معنی متوجہ ہونے کے ہیں یہاں بھی ایک نسخہ میں ہے تصدیٰ اقبل علیہ یہی نسخہ صحیح شمار کیا گیا ہے۔ **سورة اذا الشمس كورت. والضينن يضن به:**. بخل کرے۔ **يزوج نظيره من اهل الجنة والنار:** یہ تفسیر ہے واذا النفوس زوجت کی۔ حاصل یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنی جماعت کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ جنتی کو اہل جنت کی جماعت کے ساتھ اور دوزخی کو اہل جہنم کی جماعت کے ساتھ۔ **سورة اذا السماء انفطرت بعثرت ايثرت:**. کھودا جائے گا۔ **ومن خفف يعنى في اى صورة شاء:**. مقصد یہ ہے کہ جو معنی تشدید کے ہیں فعدلک برابر اور مناسب اعضاء والا بنایا وہی معنی تخفیف والی قرأت کے ہیں قولہ فی ایی صورۃ یہ نیا جملہ ہے یعنی کا مفعول نہیں ہے۔ **سوره ويل للمطففين. بل ران ثبت الخطايا:**. یعنی ران کے معنی ہیں گناہوں کا جم جانا۔ **طينة التسنيم:**. اس شراب کی ملاوٹ ہوگی تسنیم کے ساتھ جو اہل جنت کی شراب کے اوپر آئے گی یعنی جنت عدن سے جو کہ اوپر ہوگی باقی جنتوں میں بارش کی طرح آئے گی باقی جنتیں نیچے ہونگی۔ **فی رشحه:**. پسینہ میں۔ **سورة اذاالسماء انشقت. قال ابن عباس لتركبن:**. یعنی ایک قرأت باء کے فتحہ کے ساتھ ہے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اس میں خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ **سورة الطارق. يتوهج:**. چمکتا ہے۔ **سورة هل اتاک حديث الغاشيه. عين انيه بلغ اناها:**. اس کے معنی ہیں بلغ وقتھا۔ **سورة والفجر. والعماواهل عمود لايقيمون:**. خیموں والے جو ایک شہر میں نہ ٹھہریں۔ خانہ بدوش۔ **اكلالماً السف:** زیادہ پینا جبکہ سیری پھر بھی نہ ہو اور پیاس ختم نہ ہو مقصد یہ ہے کہ تم بچوں اور عورتوں کی وراثت کھا جاتے ہو۔ **السماء شفع:**. یعنی آسمان زمین کا جوڑا ہے۔ **سورة والشمس وضحاها. دسا ها اغواها:**. بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ **عارم:**. طاقت والا جس کو جبار کہتے ہیں۔ **مثل ابی زمعة:**. یہ مکہ کا ایک طاقتور شخص تھا جو مکہ ہی میں کفر کی حالت میں فوت ہوا اور اس کا بیٹا زمعہ بدر میں کافر مارا گیا۔ **سورة والليل اذايغشیٰ. كذب بالحسنیٰ بالخلف:** اس کے معنی ہیں بدلہ مراد آخرت ہے۔ **توهج:** چمکا۔ **محضرة:** لاٹھی۔ **سورة والضحیٰ. اذا سجیٰ استوی:** درست ہو جائے۔ **تقرأ بالتشديد و**

التخفیف: یعنی ما ودعک کی دال میں شد اور بغیر شد دونوں قرأتیں ہیں۔**سورة الم نشرح لک، وزرک فی الجاهلیة**: یعنی زمانہ جاہلیت میں جو آپ نے خلاف اولیٰ کام کئے ہیں۔افضل چھوڑ کر فاضل کئے ہیں۔اس توجیہ کے علاوہ بھی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔۲- خطا اور سہو مراد ہے۔ ۳-امت کے گناہ جو آپ کو غمگین کرتے ہیں۔**کقوله هل تربصون بنا الااحدی الحسنیین**:. وجہ شبہ یہ ہے کہ جیسے مومن کے لئے دو حسنیٰ ہیں ایسے ہی مومن کے لئے دو یسر ہیں۔**سورة والتین**:. حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ والتین کی واو نحویوں کے نزدیک تو قسم کی واو ہے لیکن میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ اسے واو استشہاد کہا جائے کہ یہ چیزیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر گواہی دیتی ہیں اور یہ استشہاد جواب قسم کی تاکید اور تحقیق کے لئے ہوتا ہے۔**فمایکذبک**: ۱-انسان کو خطاب ہے بطور صنعت التفات کے کہ پہلے انسان کو غائب کے صیغہ سے ذکر فرمایا اب خطاب کے صیغہ سے ذکر فرمایا۔۲- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔**سورة اقراء باسم ربک الذی خلق**: حضرت حسن بصری کا قول نقل فرما رہے ہیں کہ بسم اللہ صرف قرآن پاک کے شروع میں لکھنی چاہئے باقی جگہ دو سورتوں کے درمیان صرف لکیر کھینچ دینی چاہئے یہی مذہب ہے قاری حمزہ کا کہ دو سورتوں کے درمیان نہ پڑھی جائے۔**سورة لم یکن. اصناف الدین الی المونث**:. اس آیت کے متعلق فرما رہے ہیں وذلک دین القیمة گویا اصل عبارت یوں تھی وذلک دین الملة القیمة۔**ان الله امر فی ان اقرأ علیک**:. تاکہ قرأت کی سند کا اتصال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابی بن کعب تک صاف صاف ظاہر ہو جائے۔۲- تاکہ حضرت ابی بن کعب کا لقب اقرأ ہونے کا ثابت ہو جائے۔ان دو حکمتوں کی وجہ سے حکم دیا تھا اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ حضرت ابی بن کعب کو سورہ لم یکن پڑھ کر سنائیں۔**سورة اذازلزلت الارض. نواءً**: دشمنی۔**الفاذة الجامعه**:. یکتا ہے اور الفاظ کم اور معانی زیادہ ہیں۔**سورة الم تر. من سجیل هی سنک وکل**:. سنگ و گل۔**سورة لایلاف قریش. لایلاف لنعمتی علی قریش**:. مقصد یہ ہے کہ ایلاف کے معنی انعام کے ہیں۔**سورة انا اعطیناک الکوثر. حافتاه قباب اللؤلؤ مجوفا**:. اس کے کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے خیمے تھے۔**سورة اذا جاء نصرالله. اذا جاء نصرالله والفتح**:. یہاں تو فتح سے مراد فتح مکہ ہے لیکن سورۃ الفتح میں انا فتحنا لک فتحا مبینا میں مراد فتح سے صلح حدیبیہ ہے بطور مجاز بالمشارفہ کے کہ آنے والی صفت کو موجود مان کر گفتگو کی جائے جیسے طالب العلم کو مولوی صاحب کہہ دیتے ہیں۔**نعیت له نفسه**:. یہاں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارتاً موت کی خبر دی گئی ہے کہ جب مکہ فتح ہو جائے اور لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو جائیں تو آپ تسبیح وتحمید واستغفار میں مشغول ہو جائیں اور اپنی موت کو قریب سمجھیں اور بعض آیتوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ذکر صراحۃً بھی ہے۔مثلاً ۱-**وما محمدا لا رسول قدخلت من قبله الرسل افائن مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم**. ۲- **انک میت وانهم میتون**۔**سورة تبت یداابی لهب. فنزلت تبت یداابی لهب وتب وقدتب**:. ۱-یہ بطور تفسیر حضرت اعمش نے بڑھا دیا۔ ۲-شاذ قرأت ہے ۳-وقدتب نازل ہوا تھا پھر منسوخ التلاوت ہو گیا۔یہی تین توجیہیں اسی حدیث پاک کے شروع میں ان الفاظ میں ہیں **وانذر عشیرتک الاقربین ورهطک منهم المخلصین** پھر اسی حدیث میں جو صفح هذا الجبل ہے اس کے معنی وجہ الجبل اور اسفل الجبل ہیں۔**مسدلیف المقل**:. کل دو تفسیریں کی گئی

ہیں یہاں صرف پہلی ہے۔ ا-مونج کی رسی یہ دنیا میں مراد ہے کہ اس طرح کانٹے اٹھا کر لاتی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں ڈالتی ہے۔ ۲- آخرت کا حال اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں جس کے الفاظ حضرت ابن عباس سے موقوفاً منقول ہیں عمدۃ القاری میں سلسلۃ من حدید ذرعھا سبعون ذراعا تدخل من فیھا وتخرج من دبرھا وتلوی سائرھا فی عنقھا۔ **سورۃ قل ھو اللہ احد . یقال لاینون احد:.** یعنی بعض دفعہ ملانے کی صورت میں بھی احد کی تنوین چھوڑ دی جاتی ہے۔ **الذی انتھیٰ سوددہ:.** کامل سردار یہ صمد کے معنی بیان فرمائے ہیں۔ **سورۃ قل اعوذ برب الفلق. ابین من فرق وفلق الصبح:.** مقصد یہ ہے کہ فرق اور فلق کے ایک ہی معنی ہیں محاورہ ہے فلان ابین من فرق کہ فلاں شخص صبح سے بھی زیادہ روشن ہے ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ فلان ابین من فلق الصبح اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ فلاں شخص صبح سے بھی زیادہ روشن ہے۔ **سالت ابی بن کعب عن المعوذتین:.** چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ان دونوں سورتوں کو داخل قرآن نہ سمجھتے تھے اس لئے حضرت زر بن حبیش نے حضرت ابی بن کعب سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مرفوعاً دونوں کا جزو قرآن ہونا بیان فرما دیا حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی رجوع فرما لیا تھا کیونکہ ان دونوں کے جزو قرآن ہونے پر اجماع ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے رجوع فرما لیا تھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سورتوں کو نماز میں بھی پڑھا ہے پھر تین متواتر قرأتیں۔ امام عاصم کی ۲- امام حمزہ کی۔ ۳- امام کسائی کی اور ایک مشہور قرأت امام خلف کی یہ چار قرأتیں حضرت عبداللہ بن مسعود تک پہنچتی ہیں اور ان چاروں قرأتوں میں بھی باقی قراءات کی طرح معوذتین اور فاتحہ اجزاء قرآن پاک ہیں۔ پس ان میں سے کسی کا خارج از قرآن ماننا غلط

فاحش ہے اور اگر کسی سند میں ان میں سے کسی کا خارج قرآن ہونا مذکور ہے تو وہ سند ان اسانید صحیحہ متواترہ ومشہورہ اور اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے اور تفسیر قرطبی میں ہے قد روی ان عبداللہ بن مسعود کان لایکتب الفاتحۃ فی مصحفہ فقیل لہ لم لم تکتب فاتحۃ الکتاب فی مصحفک فقال لو کتبتھا لکتبتھا مع کل سورۃ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے جو معوذتین اور فاتحہ کو نہ لکھا تھا اپنے مصحف میں اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تینوں سورتیں بہت زیادہ یاد ہوتی ہیں اس لئے ان کو قیامت تک محفوظ رکھنے کے لئے لکھنے کی ضرورت ہی نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ تین یا ان میں سے بعض قرآن پاک سے خارج ہوتیں حضرت ابن مسعود کے نزدیک تو حضرت ابن مسعود ان کو نماز میں نہ پڑھتے اور پھر حضرت ابن مسعود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور وہ سب حضرات یہ تینوں سورتیں نماز میں پڑھتے تھے۔ اگر ان کو بالفرض کچھ شک تھا بھی تو اجماع کی وجہ سے شک باقی نہ رہا اس لئے اب یہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان تینوں کو یا ان میں سے کسی کو قرآن پاک سے خارج مانے اگر ایسا کرے گا تو کافر ہو جاوے گا اور اجماع سے پہلے انکار میں اور اجماع کے بعد انکار میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اگر حضرت ابن مسعود کا انکار تھا بھی تو وہ اجماع سے پہلے تھا۔ اب جو انکار کرے گا وہ اجماع کے بعد کرے گا اور کافر ہو جائے گا اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ پہلے جو حضرت ابن مسعود مصحف میں لکھنے سے انکار فرمایا کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی رائے یہ تھی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مصحف میں لکھنا صحیح نہیں ہے اور ان دونوں سورتوں کے لکھنے کی اجازت ان کو نہ پہنچی تھی جو بھی توجیہ کی جائے جب اجماع پایا گیا تو سب اختلافات ختم ہو گئے پھر جیسے حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ سورتیں لکھی ہوئی نہ تھیں اسی طرح حضرت ابی ابن کعب کے مصحف میں سورۃ القنوت زائد تھی اور حضرت زید بن ثابت کے مصحف میں معوذتین اور فاتحہ بھی ہے اور سورۃ القنوت

نہیں ہے اور حضرت زید بن ثابت کا مصحف باقی سب مصاحف کے لئے ناسخ ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابت عرضہ اخیرہ میں حاضر تھے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن پاک کا دور کیا تھا اور روح البیان میں ہے عن محمد بن المنکدر من لم یزعم انھما (ای المعوذتین) من کتاب اللہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔ **قیل لی فقلت:**۔ یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تو میں نے کہہ دیا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے داخل قرآن ہونے میں کچھ شک نہیں۔ **کتاب فضائل القرآن:**۔ اس کتاب کا ربط کتاب التفسیر سے یہ ہے کہ فضائل اور تفسیر دونوں کا تعلق قرآن پاک سے ہے۔ **باب کیف نزول الوحی و اول مانزل** سوال: شروع کتاب صحیح البخاری میں باب کیف کان بدا الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ تو تکرار ہوا۔ جواب۔ ۱- یہاں وہ آیات بتلانی اصل مقصود ہیں جو سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں اور ابتداء کتاب میں کیفیت وحی اور شرائط وحی بتلانی مقصود ہیں۔ ۲- یہاں مطلقاً قرآن پاک کے نزول کی کیفیت بتلانی مقصود ہے اور شروع کتاب میں اول قرآن کی کیفیت نزول بتلانی مقصود تھی۔ **فارجوان اکون اکثر ھم تابعاً یوم القیامۃ:**۔ چونکہ قرآن میرا معجزہ سب نبیوں کے معجزات سے اونچا ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔ **اکثر ماکان الوحی:**۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں ابتدائی زمانہ سے وحی زیادہ ہوئی گویا مکہ مکرمہ میں کم اور مدینہ منورہ میں زیادہ ہوئی۔

باب نزل القران بلسان قریش والعرب

غرض اس باب سے یہ ہے کہ قرآن پاک لغت قریش میں نازل ہوا تھا صرف آسانی کے لئے چھ دوسری لغتوں میں بھی پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی جب حضرت ابوبکرؓ نے قرآن پاک کو جمع فرمایا تو اس میں سب حروف کو سب لغات میں جمع فرمایا تاکہ کوئی شی قرآن پاک میں سے ضائع نہ ہو جائے پھر کثرت فتوح اور انتشار مسلمین کی وجہ سے اور دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام پہنچ جانے کی وجہ سے اداء حروف اور قراءات کی وجوہ اور انواع میں اور لغات میں اختلاف واقع ہو گیا حتیٰ کہ بعض نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ میرا قرآن تیرے قرآن سے بہتر ہے اس لئے حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ صرف لغت قریش ہی میں کیوں نہ جمع کر دیا جائے کیونکہ باقی چھ لغات کی ضرورت اب نہ رہی تھی چنانچہ اسی کا حکم دے دیا حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو کہ صرف لغت قریش پر قرآن پاک کو جمع کریں اور ان مصحف کو سامنے رکھیں جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں تیار کئے گئے تھے اور اس وقت حضرت حفصہ کے پاس تھے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد سے اور اب اس لکھنے کے کام میں ان سب حضرات کا سردار حضرت زید بن ثابت کو قرار دیا چنانچہ ان حضرات نے چھ مصحف جمع فرمائے اور ان کے سوا باقی سب صحیفوں کو جلا دینے کا حکم دیا اور سب صحابہ ان چھ کو قبول کرنے پر جمع ہو گئے جو صحابہ کاتب وحی تھے وہ بھی جو حافظ تھے وہ بھی باقی سب بھی اور مختلف اطراف میں یہ چھ نسخے بھیج دیئے اور ہر ایک نسخہ کے ساتھ ایک ایک ماہر حافظ قاری کو بھی بھیجا جو اس علاقہ کے لوگوں کو مختلف قراءات متواترہ اور مشہورہ پڑھائے یہ ایسی قراءات ہیں جن کا کتابت بھی احتمال رکھتی ہے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ اہل مدینہ کو مدنی مصحف پڑھائیں جو مدینہ منورہ میں رکھا گیا تھا حضرت عبداللہ بن السائب کو مصحف کے ساتھ اہل مکہ کو پڑھانے کے لئے بھیجا حضرت مغیرۃ بن ابی شہاب کو اہل شام کے لئے جو مصحف تھا اس کے ساتھ بھیجا اور اس مصحف کا نام شامی ہوا ایسے ہی مدنی اور مکی اور کوفی اور بصری نام ہوئے ان مصاحف

کے جوان علاقوں میں بھیجے اور حضرت ابوعبدالرحمن السلمی کو کوفی مصحف کے ساتھ بھیجا اور حضرت عامر بن عبد قیس کو بصری مصحف کے ساتھ بھیجا اور چھٹے مصحف کو اپنے پاس رکھا اور اس کا نام مصحف امام ہوا باقی پانچ کو امام بھی کہتے تھے۔ سات قراءات متواترہ اور تین مشہورہ کل دس قراءات یہ سب لغت قریش کے اندر ہی ہیں باقی چھ لغات چھوڑ دی گئیں کیونکہ ان کی ضرورت نہ رہی تھی اور پوری امت نے اور سب حفاظ نے ان ہی چھ مصاحف کو قبول کر لیا جیسا کہ امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں تصریح فرمائی ہے۔ سوال۔ جب حضرات صحابہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے باقی چھ لغات میں قرآن پاک پڑھا تھا تو اب زمانہ عثمان میں کیوں باقی چھ لغات چھوڑی گئیں۔ جواب۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا تھا کہ باقی چھ لغات میں پڑھنا واجب نہ تھا صرف آسانی کے لئے تھا۔ باب سے یہاں تک کی تفصیل امام ابن جریر طبری نے بیان فرمائی ہے جن کی پیدائش ۲۲۴ھ کی ہے اور وفات شوال ۳۱۰ھ کی ہے۔ ان کے مناقب میں سے ہے کہ یہ چالیس سال تک متواتر ہر روز چالیس صفحے لکھتے رہے۔ اس امت کا اجماع معصوم ہے اور حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ یہ جمع قرآن کا کام نہ کرتے تو میں کرتا۔ انتہیٰ پھر اگر حضرات صحابہ کرامؓ ایک حرف بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے لئے ہوئے حروف کے خلاف پاتے تو حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیتے اور بہت سے صحابہ نعوذ باللہ مرتد ہو جاتے اور اہل کتاب ہم پر اعتراض کرتے کہ تمہارے قرآن میں بھی نعوذ باللہ تحریف پائی گئی حالانکہ ان چیزوں میں سے کوئی بھی نہ پائی گئی۔ الحمد للہ الذی اوفی وعدہ لحفاظۃ القرآن۔

باب جمع القرآن

غرض اس کیفیت کا بیان جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جمع قرآن کے لئے پائی گئی کہ کیسے جمع فرمایا تھا پھر دو بابوں کے بعد باب تالیف القرآن آئے گا۔ اس میں آیات کو سورۃ میں جمع کرنے کا ذکر مقصود ہے یا سورتوں کی ترتیب مصحف میں رکھنے کی بیان کرنی مقصود ہے پس جمع القرآن اور تالیف القرآن میں تکرار کا شبہ نہ رہا۔ سوال۔ جب حضرت زید بن ثابت حافظ قرآن تھے تو ان کو حضرت عثمانؓ نے یہ حکم کیوں دیا تھا کہ سب صحف کو جمع کرو۔ جواب۔ ۱- تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ فلاں صحیفہ والی آیت رہ گئی۔ ۲- کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ آیت تو ہمارے صحیفہ میں نہیں ہے یہ کہاں سے لی۔ **واللخاف:** یہ جمع ہے لخفۃ کی۔ سفید پتھر باریک۔ **لم اجدها مع احد غیرہ:** سوال جب یہ آیت صرف ایک صحابی کے پاس تھی تو تواتر نہ رہا۔ جواب۔ ۱- لکھی ہوئی صرف ایک کے پاس تھی۔ ۲- مجھے صرف ایک آدمی ملا جس نے بلاواسطہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی پھر میں نے تلاش نہ کیا واقع میں اور بھی تھے۔ **ارسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف:** حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ سے وہ اوراق منگوائے جو اجزاء تھے اس مصحف کے جو حضرت ابوبکرؓ نے لکھوایا تھا۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ صحف اور مصحف میں یہ فرق ہے کہ صحف وہ اوراق تھے جن میں حضرت ابوبکر کے زمانہ میں قرآن پاک لکھا گیا تھا اور وہ الگ الگ سورتیں تھیں۔ البتہ ہر سورت میں آیات کو ترتیب سے لکھا گیا تھا اور سورتوں کی ترتیب قائم نہیں کی گئی تھی جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں سورتوں کی ترتیب بھی قائم کر دی گئی تو مصحف تیار ہو گئے۔ انتہیٰ حضرت عثمانؓ نے جو مصحف لکھوانے اور باقی ضائع کر دینے کا حکم فرمایا تھا۔ یہ حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد تھا چنانچہ ابن ابی داؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سوید بن غفلۃ سے نقل فرمایا ہے قال قال علی لاتقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ مافعل الذی فعل فی المصاحف الاعن ملامنا قال ماتقولون فی هذه القراءة فقد بلغنی ان بعضهم یقول ان قراءتی خیر من قراءتک وهذا یکاد ان یکون کفرا قلنا فما تری قال اری ان نجمع الناس علی مصحف واحد فلا تکون فرقة ولا اختلاف قلنا فنعم ما رایت (فتح الباری وعمدۃ القاری) وامر بما سواہ۔ **من القرآن فی کل صحیفة**

اومصحف ان یخرق: خاء معجمہ اور حاء مھملہ دونوں کے ساتھ یہ لفظ ثابت ہے یخرق اور حرق۔ اس جلانے یا پھاڑنے کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱- صرف منسوخ التلاوت آیات کو یا تفسیر سے ملی ہوئی آیات کو یا غیر قریش لغات کو یا قراءات شاذہ کو جلایا یا پھاڑا گیا تھا۔ ۲- راجح یہ ہے کہ ان نئے لکھے ہوئے مصاحف کے سواسب موجود مصاحف اور صحف کو ضائع کرنے کا حکم دیا تھا ظاہر الفاظ سے یہی نکلتا ہے اس لئے یہی راجح ہے اور اس ضائع کرنے سے مقصود۔ ۱- قرآن پاک کے حروف کو پاؤں کے نیچے آنے سے بچانا مقصود تھا۔ ۲- دوسرا مقصد یہ تھا کہ دشمن شک میں نہ ڈالیں کہ دیکھو یہ بھی تو قرآن تھا اس کو کیوں چھوڑ دیا گیا۔

فائدہ: ۱- نقطے اور اعراب زیر زبر وغیرہ اور تیس پارے بنانا اور سات منزلیں بنانا اور رکوع مقرر کرنا یہ سب جائز ہے کیونکہ اس میں صرف آسانی مقصود ہے اس سے کسی لفظ میں کمی بیشی لازم نہیں آتی۔ ۲- شیعہ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ ایک قرآن حضرت علیؓ کے پاس موجود تھا جو اس ہمارے قرآن پاک کے خلاف تھا لیکن شیعہ کا یہ قول باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت علیؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں ضرور ظاہر فرماتے اور یہ ظاہر فرمانا صحیح احادیث میں منقول ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

فقدت اٰیة من الاحزاب حین نسخنا المصحف: یہاں مصحف کے لفظ سے بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ آیت گم پائی تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں مصحف صحف ہی کے معنی میں ہے اور یہ گم پانا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں تھا کیونکہ یہ کہنا ناممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک قرآن پاک ناقص ہی رہا۔

باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض وحی کے کاتبین کا ذکر فرمانا ہے لیکن چونکہ امام بخاری کو حضرت زید بن ثابت کے سوا باقی کاتبین کی کوئی روایت اپنی شرط پر نہیں ملی اس لئے کاتب مفرد کا صیغہ استعمال فرمایا۔

باب انزل القراٰن علی سبعة احرف

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ سات لغات میں سے جس لغت میں چاہے قرآن پاک پڑھ لے پہلے اس کی اجازت تھی پھر سبعۃ احرف کی تفسیر میں چالیس قول ہیں ان میں سے چھ اہم اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ پوری تفصیل دیکھنی ہو تو علامہ سیوطی کی تالیف الاتقان میں دیکھ لی جائے وہ چھ اہم قول یہ ہیں۔ ۱- اور یہ پہلا قول سب سے زیادہ راجح ہے کہ پہلے آسانی کے لئے سات لغات میں قرآن پاک پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی اگرچہ نزول صرف لغت قریش ہی میں ہوا تھا۔ پھر جب سب نے لغت قریش میں پڑھنا سیکھ لیا تو باقی لغات منسوخ ہو گئیں اور صرف لغت قریش میں پڑھنے کی اجازت باقی رہ گئی اور موجودہ سات متواتر قرأتیں اور تین مشہور قرأتیں کل دس قرأتیں پھر ہر ہر قرأت کی دو دو روایتیں کل بیس روایتیں اور ہر ہر روایت کے چار چار طرق کل اسی (۸۰) طرق یہ سب لغت قریش کے اندر ہی ہیں وہ سات لغات یہ ہیں۔ قریش' ثقیف' طی' ہوازن' ھزیل' یمن اور تمیم۔ ۲- دوسرا قول انزل القران علی سبعۃ احرف کی تفسیر میں یہ ہے کہ قریش کی سات شاخیں مراد ہیں جن کو بطون قریش کہتے ہیں کہ ان کی لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی۔ ۳- سات قرأتیں مراد ہیں۔ ۴- سات اقلیمیں مراد ہیں کہ قرآن پاک کا حکم سات کی سات اقلیموں پر جاری ہوتا ہے یعنی پوری دنیا پر جاری ہوتا ہے۔ دنیا کا جو پرانا آباد حصہ ہے اس کو ربع مسکون کہتے تھے۔ کیونکہ دنیا میں تین حصہ پانی اور سمندر ہے اور ایک حصہ میں خشکی ہے۔ پھر خشکی بھی پہلے ساری آباد نہ تھی کچھ حصہ آباد تھا کچھ بے آباد تھا صرف آباد حصہ کو ربع مسکون کہتے تھے۔ پرانے اہل ہیئت نے اس آباد حصہ کو سات لمبے لمبے حصوں میں تقسیم کیا تھا اس لحاظ سے کہ ان کا موسم تقریباً ایک جیسا رہتا تھا ہر حصے کو اقلیم کہتے تھے مزید تفصیل تصریح وغیرہ ہیئت کی کتابوں میں ہے۔ ۵- قرآن پاک میں سات قسم کے معانی و مضامین ہیں۔ امرٗ نہیٗ

امثال، وعدہ، وعید، قصص، موعظہ۔ ٦ قرآن پاک میں سات قسم کے معانی ومضامین ہیں۔ امر، نہی، امثال، حلال، حرام۔ **محکم متشابہ. حتیٰ انتہیٰ الی سبعة احرف:.** اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ سات لغات میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی لیکن پھر کیا ہوا اس کی دو تقریریں ہیں۔ ا۔عرضہ اخیرہ میں جب آخری رمضان المبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن پاک کا دور کیا تو قریش کے سوئی باقی لغات میں پڑھنے کی اجازت منسوخ کر دی گئی اور اس منسوخ ہونے کا اظہار واعلان حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں کیا گیا جبکہ صرف لغت قریش پر قرآن پاک لکھا گیا اور باقی لغات والے مصاحف کو ضائع کر دیا گیا۔ ۲۔امت کو اختیار دیا گیا تھا سات لغات میں جیسے کفارہ یمین میں اختیار ہے چاہو تو غلام آزاد کر دو چاہو تو دس مسکینوں کو کھانا کھلا دو چاہو تو دس مسکینوں کو کپڑے پہنا دو پھر امت نے ان چھ لغات میں سے صرف لغت قریش کو اختیار کر لیا تا کہ اختلاف واقع نہ ہو اور جو اختلاف ہو چکا ہے وہ بھی ختم ہو جائے اور امت کا یہ اختیار کرنا ظاہر ہوا حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں اساورہ سر سے پکڑلوں۔

باب تالیف القرآن

غرض آیات کی ترتیب کا بتلانا ہے۔ آیات کی ترتیب میں تو اجماع ہے کہ سماعی اور توقیفی ہے کہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمانے سے ثابت ہے اور سورتوں کو ترتیب میں تین قول ہیں۔ ا۔سب سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ ۲۔سب کی اجتہادی ہے حضرات صحابہ کے اجتہاد سے ہے۔ ۳۔سورہ انفال اور سورہ توبہ کی اجتہادی ہے اور باقی سب سورتوں کی توقیفی ہے اور یہ تیسرا قول ہی راجح شمار کیا گیا ہے۔ **اذ جاءها عراقی:.**

عراق کے کوئی صاحب تھے ان کا نام شروح میں مذکور نہیں ہے۔

ای الکفن خیر:. یعنی کپڑوں کی گنتی کے لحاظ سے یا رنگ کے لحاظ سے یا کپڑے کی نوع کے لحاظ سے کونسا کفن بہتر ہے۔ **ومایضرک:.** جیسا بھی کفن ہو مرنے کے بعد تجھے اس کا کیا احساس ہوگا۔ **لعلی اؤلف القراٰن علیه:.** یہی محل ترجمۃ الباب ہے اسی بات کو بیان کرنے کے لئے اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں پھر حضرت عائشہ نے جو فرمایا کہ ومایضرک آیة قرأت کہ جس ترتیب سے بھی پڑھ لو نقصان نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اور نماز سے باہر جس ترتیب سے بھی پڑھ لو گناہ نہیں ہے سورتوں کی ترتیب کا لحاظ مستحب ہے واجب نہیں ہے پھر یہاں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ سوال جواب حضرت عثمانؓ کی ترتیب والے مصاحف مختلف علاقوں میں پہنچنے سے پہلے پائے گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہنچنے کے بعد پائے گئے پہلا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت یوسف بن ماھک نے ترتیب عثمانی سے پہلے کا زمانہ نہیں پایا اس لئے صحیح یہی ہے کہ اگرچہ حضرت عثمانؓ کا مصحف عراق میں پہنچ چکا تھا لیکن عراق میں ابھی حضرت ابن مسعود کی ترتیب والا مصحف بھی باقی تھا اور انہوں نے اپنی ترتیب سورتوں کی چھوڑنے سے اور اپنے مصحف کو جلانے سے انکار کر دیا تھا اور اس سوال کرنے والے عراقی کے پاس ابن مسعود والی ترتیب والا مصحف موجود تھا اور یہ سائل مصحف عثمانی والی مشہور ترتیب کے ساتھ پڑھنا چاہتے تھے۔ **اذا ثاب الناس الی الاسلام:.** جب لوٹے لوگ اسلام کی طرف اور اسلام کے اعمال سب کے رگ و ریشہ میں خوب سرایت کر گئے۔ **فقام عبدالله ودخل معه علقمة:.** یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود مجلس سے اٹھے اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے اور ان کے ساتھ حضرت علقمہ بھی گھر میں داخل ہوئے پھر حضرت علقمہ باہر تشریف لائے تو ہم نے ان سے پوچھا۔ **اٰخرهن من الحوامیم حم دخان و عم یتساء لون:.** یہ ترتیب صرف حضرت عبداللہ بن مسعود کی تالیف میں تھی۔

باب کان جبریل یعرض القراٰن علی النبی صلی الله علیه وسلم

ایک دوسرے کو قرآن پاک سنانے کا ذکر کرنا مقصود ہے اور اس

کی تفصیل بخاری شریف کے سب سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

باب القراء من اصحاب النبی ﷺ

قراء صحابہ کا ذکر مقصود ہے۔ **فماسمعت رادا یقول غیر ذلک:**. یعنی سب نے ان کی بات کوتسلیم فرمالیا۔ **اتجمع ان تکذب بکتاب اللہ وتشرب الخمر:**. غرض یہ ہے کہ تو دوگناہ کررہا ہے۔ا- انکار قرآن ۲- شرب خمر۔ **فضر به الحد:**. ظاہر یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اس وقت اس علاقہ کے گورنر بھی تھے اس لئے حد لگائی کیونکہ حد لگانا حکومت کا کام ہوتا ہے۔ **قال اربعة:**. غرض یہ ہے کہ مکمل لکھنے والے یہ چار ہیں اگرچہ صرف یاد کرنے والے بہت سے تھے۔ **ابوزید:**. ان کا نام سعد بن عبید تھا۔ **لم یجمع القرآن غیر اربعة:**. ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ سب قراءات کے ساتھ جمع کرنے والے یہی چار تھے۔ سوال اس روایت میں حضرت ابی بن کعب کی جگہ حضرت ابوالدرداء ہیں۔ جواب۔ ا- ترجیح گذشتہ روایت کو ہے۔ ۲- یہاں اس سامع کا رد مقصود ہے جو یہ کہتا تھا کہ حضرت ابولدرداء نے جمع نہیں فرمایا اور حصر اضافی ہے مبالغۃً کو حضرت الدرداء نے اتنا زیادہ جمع کیا کہ گویا اوروں نے جمع ہی نہیں کیا سوائے ان تین کے۔

باب فضل فاتحة الکتاب

اب یہاں سے بعض سورتوں کے خصوصی فضائل بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ **سلیم:**. سانپ کے ڈسے ہوئے کو نیک فالی کے طور پر سلیم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو بچالیں۔ **غیب:**. اور غیب بھی ایک روایت میں ہے دونوں جمع ہیں غائب کی۔ **ماکنانابنه برقیة:**. ہم ان پر تعویذ گنڈے کی تہمت نہ لگاتے تھے یعنی ہمیں پتہ نہ تھا کہ ان کو تعویذ گنڈا کرنا آتا ہے۔ **من قرأ بالآیتین من اٰخر سورة البقرة:**. یعنی اٰمن الرسول سے اخیر سورت تک۔ **کفتاه:**. ا- اس کے وظیفہ کی جگہ کافی ہوجائیں گی۔ ۲- بہت زیادہ ثواب کے لئے کافی ہو جائیں گی۔ ۳- جب سورہ فاتحہ کے ساتھ ملا کر پڑھے گا تو رات کی عبادت سے کافی ہوجائیں گی۔ ۵- سورہ کہف اور آیت الکرسی کی تلاوت نہ کرنی پڑے گی ان کی جگہ یہی دو آیتیں کافی ہوجائیں گی۔ **یحثو من الطعام:**. دونوں ہاتھ بھر کر لے جانے لگا۔ **حصان:**. عمدہ گھوڑا۔ **تلک السکینة تنزلت بالقرآن:**. مصداق میں اقوال مختلف ہیں کیونکہ مختلف حضرات کو جونظر آیا انہوں نے وہ بیان فرمادیا۔ ا- ہوا ہے جس کا چہرہ انسان جیسا ہے۔ ۲- ایسی ہوا ہے جس کے دوسر ہیں۔ ۳- ہوا ہے جو بلی جیسی ہے اس کے دو پر بھی ہیں۔ ۴- ایک جانور بلی جیسا ہے اس کی آنکھوں میں شعاع ہے اگر لڑائی کے موقعہ میں ظاہر ہو جائے تو لشکر کافر کا بھاگ جاتا ہے۔ ۵- ایک سونے کی طشتری ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے ہیں۔ ۶- ایک سونے کی طشتری ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات اور اپنی لاٹھی رکھی تھی۔ ۷- اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی ہوئی ایک روح ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتی ہے۔ ۸- رحمت ہے اللہ تعالیٰ کی خصوصی۔ ۹- قرآن پاک کی آیات ہیں جن سے سکون نصیب ہوتا ہے۔ ۱۰- کوئی مخلوق ہے جس سے سکون نصیب ہوتا ہے۔ ۱۱- کوئی مخلوق ہے جس سے سکون اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔ بامر اللہ اور اس کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے ہیں۔ **فزرت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثلث مرات:**. حضرت عمرؓ اپنے آپ کو ملامت فرما رہے ہیں کہ اے عمر تو نے گفتگو میں الحاح کیا اصرار کیا مبالغہ کیا یہ گفتگو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئی تھی۔ **فیه عمرة عن عائشة:**. اس راویت میں یوں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث رجلا علی سریۃ وکان یقرأ لاصحابہ فی صلوٰۃ فیختم بقل ھواللہ احد الحدیث وفی اٰخرہ اخبروہ ان اللہ یحبہ یہ روایت تفصیل سے صحیح بخاری کی آخری کتاب جو کتاب التوحید ہے اس میں ہے یہاں مختصراً ذکر فرمائی تاکہ تکرار لازم نہ آئے اور بعض

نسخوں میں یہاں مختصراً بھی نہیں ہے۔ **انها لتعدل ثلث القرآن:** اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ا- اس کا ثواب ایسے قرآن پاک کے ثواب کا ثواب کا تیسرا حصہ ہے جس میں یہ سورت نہ پڑھی جائے۔ ۲- مضامین کے لحاظ سے سورہ اخلاص تیسرا حصہ ہے کیونکہ قرآن پاک میں تین قسم کے مضامین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات، قصص اور احکام اور قل ھو اللہ احد میں آقا کی صفات ہیں۔ ۳- اس سورت کا ثواب تضعیف کے ساتھ لیا جائے اور پورے قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب بلا تضعیف لیا جائے تو پھر یہ ثلث قرآن کے برابر ہو جاتا ہے۔ ۴- قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا ذکر بھی ہے صفات کا ذکر بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال مختلفہ کا ذکر بھی ہے اور سورہ اخلاص میں صرف صفات کا ذکر ہے اس لحاظ سے اس کو ثلث کے برابر قرار دیا۔ ۵- اقرار توحید کا ثواب ثلث قرآن کی تلاوت کے برابر ہے اور اس سورت میں بھی اقرار توحید ہے۔ قل ھو اللہ احد اس لئے اس سورت کی تلاوت کا ثواب ثلث قرآن پاک کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہے۔ ۶- یہ فضیلت صرف اسی صحابی کی ہے جس کا اس حدیث پاک میں ذکر ہے اور وہ حضرت قتادۃ بن النعمان ہیں وہ تلاوت فرمانے والے ہیں اور سامع حضرت ابو سعید خدری ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ انہوں نے سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرمایا کہ قتادہ تو بہت تھوڑی تلاوت کر رہے تھے صرف قل ھو اللہ احد والی سورت کو ہی بار بار پڑھ رہے تھے تلاوت کے تھوڑے ہونے کا ذکر مقصود تھا سورت کی تحقیر مقصود نہ تھی۔ ۷- بعض حضرات نے اس حدیث پاک کو کہ سورۃ اخلاص ثلث قرآن کے برابر ہے متشابھات میں سے شمار فرمایا ہے۔ سوال۔ مسند ابن وھب میں ہے عن ابی سعید مرفوعاً انها لتعدل ثلث القران او نصفه۔ جواب۔ ا- یہ شک راوی ہے صحیح ثلث ہی ہے۔ ۲- یہ روایت ہی ضعیف ہے۔

باب نزول السكينة والملئكة عند قراة القران

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ تلاوت قرآن پاک کے وقت حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ سوال۔ اس روایت میں سکینہ کا تو ذکر ہے ہی نہیں پھر باب میں سکینہ کا ذکر کیوں فرمایا۔ جواب۔ ا- امام بخاری یہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ اس ظلہ یعنی بادل میں سکینہ تھی۔ ۲- رحمت کے فرشتوں کے ساتھ ہمیشہ سکینہ ہوتی ہے اور سکینہ کے مصداق کے متعلق اقوال مختلفہ عنقریب گزر چکے ہیں۔

باب من قال لم يترك النبي صلى الله عليه وسلم الا ما بين الدفتين

یہ باب شیعہ کے رد کے لئے ہے جو کہتے ہیں کہ بہت سا قرآن پاک نعوذ باللہ ضائع ہو چکا ہے جس میں حضرت علیؓ کے بلا فصل خلیفہ بننے کے حق کا ذکر تھا اس حصہ کو نعوذ باللہ حضرات صحابہ کرام نے چھپا لیا تھا یہ سب حضرات صحابہ کی پاک ہستیوں پر بہتان ہے جو مردود ہے اور باطل محض ہے۔ حضرات صحابہ کرام اس سے پاک ہیں۔ **ماترک الا ما بین الدفتین:** اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں۔ ا- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہوا قرآن پاک وہی چھوڑا تھا جو بعد میں کتابی شکل میں لکھ لیا گیا اور دو گتوں کے درمیان یکجا محفوظ کر لیا گیا۔ ۲- کسی کو خلیفہ بلا فصل بنانے کی وصیت نہیں لکھوائی صرف وہی چیز لکھوائی جو قرآن پاک کی شکل میں دو گتوں کے درمیان محفوظ کر لی گئی۔ ۳- صرف قرآن پاک چھوڑا دنیا کا مال بطور وراثت کے نہ چھوڑا۔ ۴- حدیث قرآن پاک ہی کی شرح ہے اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی علوم چھوڑے جو قرآن پاک میں ہیں جیسا کہ قصیدہ بدأ الامالی میں ہے۔

جميع العلم في القرآن لكن
تقاصر عنه افهام الرجال

باب فضل القرآن على سائر الكلام

غرض یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ ایک مرفوع حدیث آتی ہے لیکن میری شرط پر نہیں ہے اور وہ حدیث امام ابن عدی نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اس کتاب کا نام کامل ہے عن ابی ہریرۃ

مرفوعاً فضل القرآن علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ۔ پھر اس مضمون کے قریب قریب بہت سی احادیث ہیں لیکن امام بخاری وہی لائے ہیں جو ان کی شرط پر ہیں۔ **مثل الذی یقرأ القرآن:.** اس پہلی مثال میں مومن مخلص مراد ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ آگے فاجر کا ذکر ہے جو عملاً منافق ہوتا ہے۔

باب الوصایة بکتاب اللہ عزوجل

غرض اس وصیت کا بیان ہے جس میں قرآن پاک کی تلاوت اور سمجھنے اور پڑھانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی تاکید ہے۔

باب من لم یتغن بالقرآن

غرض اس حدیث کا بیان ہے جو ان لفظوں کے ساتھ وارد ہے من لم یتغن بالقرآن فلیس منا اور اس حدیث کو امام بخاری اپنی اس صحیح جلد ثانی کے اواخر میں کتاب الاحکام میں لائیں گے یہاں اس لئے نہیں لائے کہ تکرار نہ لازم آجائے پھر یہاں اسی ترجمۃ الباب والی حدیث کے دو معنوں کی طرف بھی اشارہ فرما رہے ہیں۔ ۱- استغناء اور اس معنی کی طرف اشارہ آیت میں بھی ہے جو یہاں لائے ہیں اور دوسری مسند حدیث میں بھی ہے جو یہاں لائے ہیں۔ ۲- تحسین صوت اور اس کی طرف اشارہ اس مسند حدیث میں ہے جو یہاں پہلے لائے ہیں۔ **وقال صاحب له:.** حضرت ابو سلمہ راوی کے ساتھی نے فرمایا اور وہ ساتھی حضرت عبدالحمید بن عبدالرحمان ہیں اس کو علامہ زبیدی نے بیان فرمایا ہے۔ **قال سفیان تفسیرہ یستغنی به:.** یہاں ابن عیینہ مراد ہیں۔

باب اغتباط صاحب القرآن

غرض صاحب قرآن کی فضیلت بیان فرمانا ہے کہ اس پر غبطہ کی جاتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس جیسا بننا چاہتے ہیں۔

باب خیرکم من تعلم القرآن و علمه

غرض اس حدیث کا بیان ہے۔

ذاک الذی اقعدنی مقعدی هذا:. ذاک کا اشارہ تعلیم قرآن کی فضیلت والی حدیث کی طرف ہے۔ ان **افضلکم من تعلم القرآن اوعلمه:.** یہاں او تنویع کے لئے ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کی بڑی فضیلت ہے پھر فقہ سیکھنا اور سکھانا الفاظ قرآن پاک پڑھنے اور پڑھانے سے بھی زیادہ فضیلت کا کام ہے کیونکہ معنی قرآن کا الفاظ قرآن سے بھی افضل ہے اور حدیث الفاظ اور معانی دونوں کو شامل ہے۔

فقد زوجتکها بما معک من القرآن:. اس حدیث پاک سے امام بخاری استنباط فرما رہے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک سیکھ لے اور چند سورتیں یاد کر لے اس کی شان بلند ہو جاتی ہے اور وہ نکاح کا اہل بھی ہوتا ہے۔

باب القراءة عن ظهر القلب

غرض حفظ کی فضیلت کا بیان ہے۔

قال سهل ماله رداء فلها نصفه:. یہ عبارت مدرج ہے معنی یہ ہیں کہ وہ صاحب آدھی چادر بطور مہر کے دینا چاہتے تھے۔

باب استذکار القرآن و تعاهده

غرض یہ ہے کہ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد اس کا دور کرنا اور کثرت سے تلاوت کرنا بہت ضروری ہے ورنہ بھول جاتا ہے۔

بئس مالاحدهم ان یقول نسیت آیة کیت و کیت:. غرض یہ ہے کہ یہ الفاظ خلاف ادب ہیں کیونکہ ان سے شبہ ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر کوتاہی کی ہے اور قرآن پاک بھلا دیا ہے۔

باب القرأة علی الدابة

غرض اس شخص کا رد ہے جو جانور پر سواری کرنے کی حالت میں تلاوت کو مکروہ قرار دیتا ہے اور اس باب کی حدیث کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے لتستووا علی ظهوره ثم تذکروا نعمة ربکم اذا استویتم علیه۔

باب تعلیم الصبیان القرآن

غرض اس شخص کا رد ہے جو عقل سے پہلے بچوں کی تعلیم کو مکروہ قرار دیتا ہے۔

تو فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابن عشر سنین و قدقرات المحکم:. سوال اس روایت میں تو عندالوفات حضرت ابن عباس کی عمر دس سال کی مذکور ہے دوسری روایات میں ۱۳ اور ۱۴ اور ۱۵ آئی ہے۔ جواب۔۱- یہاں دس سال کا تعلق وقد قرأت المحکم کے ساتھ ہے۔ وفات کے ساتھ نہیں ہے۔۲- وفات کے وقت عمر کے ۱۳ سال پورے ہو چکے تھے اور چودھواں شروع تھا اور پندرہ سال کا ذکر جبر کسر ہے کہ تقریبی حساب میں کسر کے بعد والے بڑے عدد کو بھی ذکر کر دیا کرتے ہیں اس درجہ میں پندرہ کا ذکر صحیح ہے اور دس سال کے ذکر میں الغاء کسر ہے کہ دس سال کو لے لیا اور زائد چھوٹے عدد کو چھوڑ دیا پھر اس حدیث میں محکم اور مفصل کو ایک قرار دینا یہ حضرت ابن عباس کی اپنی اصطلاح ہے۔ حضرت اصولیین کی اصطلاح میں دونوں الگ الگ ہیں۔

باب نسیان القرآن وهل یقول نسیت و آیةً کذاو کذا

یہ استفہام انکاری ہے غرض یہ ہے کہ ایسا نہ کہے اور اصل انکار اس پر ہے کہ جان بوجھ کر کوتاہی کرے کہ قرآن پاک بھول جائے۔

باب من لم یرباسا ان یقول سورة البقرة وسورة کذاو کذا

اس شخص کا رد مقصود ہے جو سورة البقرة کہنے کو مکروہ قرار دیتا ہے اس شخص کا استدلال طبرانی کی روایت سے ہے عن انس مرفوعاً لاتقولوا سورة البقرة ولاسورة آل عمران ولاسورة النساء ولکن قولوا السورة التی تذکر فیها البقرة لیکن طبرانی کی اس روایت کو ابن الجوزی نے موضوعات میں سے شمار کیا ہے اس لئے استدلال صحیح نہ رہا۔ **فکدت اساوره:.** میں قریب تھا کہ اس کو سر سے پکڑ لیتا۔

باب الترتیل فی القرأة

غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱- ترتیل کے معنی ہیں حروف اور حرکات صاف ہوں اور اس معنی کے لحاظ سے ترتیل واجب ہے۔۲- الفاظ صاف ہوں اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اس معنی کے لحاظ سے ترتیل مستحب ہے اور اس معنی کے مقابلہ میں تیز پڑھنے کو حدر اور درمیانی رفتار سے پڑھنے کو تدویر کہتے ہیں۔ **ان یهذ کهذا الشعر:.** اس کے معنی کاٹنے کے ہوتے ہیں جیسے شعر یاد کرتے وقت یا صرف واقعہ بیان کرتے وقت تیز تیز پڑھے جاتے ہیں البتہ جب گانے کے طور پر شعر پڑھتے تھے تو آہستہ آہستہ پڑھتے تھے۔ **من آل حم:.** اس کے معنی ہیں من قبیل حم۔

باب مدالقرأة

غرض یہ کہ مد کے موقعہ میں مد کرنی مستحسن ہے۔ یہی معنی حدیث پاک کے بھی ہیں کہ آپ موقعہ میں مد فرماتے تھے۔

باب الترجیع

غرض یہ ہے کہ مد کے موقعہ میں پوری مد کرنا مستحسن ہے یہی حدیث مذکور کے ایک معنی ہیں دوسرے معنی یہ ہیں کہ اونٹنی پر سوار ہونے کی وجہ سے مد میں کچھ وقفے سے بن رہے تھے دونوں معنی میں مقصود تحسین صوت ہے۔

باب حسن الصوت بالقرأ

غرض یہ کہ تحسین صوت مطلوب و مستحسن ہے حضرت عمر اچھی آواز والے کو مقدم فرماتے تھے۔

باب من احب ان یسمع القرآن من غیره

غرض یہ ہے کہ یہ بھی مستحب ہے کہ دوسرے سے قرآن پاک سنے کیونکہ بعض دفعہ اس میں نشاط زیادہ ہوتا ہے۔

باب قول المقرئ للقاری حسبک

غرض یہ کہ استاد شاگرد سے کہے کہ اب پڑھنا بند کر دو تو یہ بھی خلاف ادب نہیں ہے۔

باب فی کم یُقرأ القرآنُ

غرض مدت کا بیان ہے کہ کم از کم کتنے دنوں میں قرآن پاک ختم کرنا چاہئے اور اس شخص پر رد کرنا ہے کہ جلدی سے جلدی

چالیس دن میں ختم کرنا چاہئے پھر جو بعض احادیث سے شبہ ہوتا ہے کہ ایک دن رات میں قرآن پاک ختم نہ کرنا چاہئے تو وہ صرف شفقت کے طور پر ہے کوئی قوی ہو شوق والا ہو تو اس کے لئے ممانعت نہیں ہے۔ **قال لی ابن شبرمة:.** یہ بزرگ مشہور تابعی ہیں اور ہمارے امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ **فقلت لاینبغی لاحدان یقراء اقل من ثلث آیات:.** اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- ہر روز نماز کے علاوہ تین آیتیں تو ضرور پڑھ لیا کرے۔ ۲- نماز کی ہر رکعت میں کم از کم تین آیتیں ہونی چاہئیں۔ **کنة:.** بیوی بیٹے کی جس کو ہم بہو کہتے ہیں۔ **کنفاً:.** اس کے معنی ستر اور جانب کے ہیں یعنی ابھی تک میرے لئے پردہ کی جگہ تلاش نہیں کی اور ابھی تک میری طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی۔ دن رات میرے خاوند عبادت ہی میں رہتے ہیں۔ **قال افطر یومین وصم یوماً:.** اس پر بظاہر اشکال ہے کہ یہ صورت تو اس سے پہلی صورت سے بھی آسان ہے جس میں ایک ہفتہ میں تین روزے بنتے تھے کیونکہ اس صورت میں ہفتہ میں تقریباً دو روزے بنے۔ جواب ۱- پہلی صورت میں تین روزے رکھ کر پھر مسلسل چار دن افطار ہے اس میں بہت آسانی ہے دو دن افطار اور ایک دن روزہ سے بھی زیادہ آسانی ہے۔ ۲- یہ صورت پہلے ذکر فرمائی تھی اور ہفتہ میں تین روزوں کی بعد میں ذکر فرمائی تھی کسی راوی سے تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ **والذی یقرؤ ہ یعرضه من النهار:.** یہ ماقبل ہی کی تفسیر ہے کہ قرآن پاک کا ساتواں حصہ دن میں کسی کو سنا لیتے تھے پھر وہی رات کو نفلوں میں پڑھ لیتے تھے اس میں بہت آسانی رہتی تھی۔ **وقال بعضهم فی ثلث:.** یعنی بعض راویوں نے آخری درجہ حضرت ابن عمرو کی تلاوت کا تین دن میں ختم کا ذکر کیا ہے اور بعض نے پانچ دن میں لیکن زیادہ نے سات دن میں ہی نقل کیا ہے۔

باب البکاء عند قرأة القرآن

غرض یہ ہے کہ تلاوت کے ساتھ رونا مستحب ہے کیونکہ یہ عارفین کی صفت ہے اور صالحین کا شعار ہے اور اس کی تائید سجدہ کی دو آیتوں سے ہوتی ہے جو پندرہویں اور سولہویں پارہ میں ہیں۔ ۱- **یخرون للاذقان یبکون.** ۲- **خروا سجدا وبکیا.**

باب من رایا بقرأة القرآن او تاکل به او فجربه

غرض ایسے شخص کی مذمت ہے جو دکھاوے کے لئے تلاوت کرے یا پیسے کمانے کے لئے تلاوت کرے یا قرآن پاک کے خلاف عمل کرے۔ **ویتماریٰ فی الفوق:.** تیر کے پچھلے کنارہ کو جو کمان کے دھاگے سے ملا ہوا ہوتا ہے فوق کہتے ہیں معنی یہ ہوئے کہ تیر چلانے والا شک کرتا ہے کہ فوق پر خون ہے یا نہ یا معنی یہ ہیں کہ اس حدیث کے راوی کو شک ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں فوق کا ذکر فرمایا تھا یا نہ۔

باب اقرء وا القرآن ماائتلفت قلوبکم

جب تک شوق ہو تلاوت کرو جب تھک جاؤ تو کچھ دیر آرام کر لو یہ مسئلہ بتلانا چاہتے ہیں۔ امام بخاری پھر اس باب کی حدیث میں جو ارشاد ہے فاذا اختلفتم فقوموا عنہ اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- جب تھک جاؤ تو اٹھ جاؤ اور کچھ آرام کر لو پھر جب شوق پیدا ہو تو دوبارہ پڑھو۔ ۲- جب جہالت سے قرأت میں دو شخص جھگڑنا شروع کر دیں کہ یہ قرآن ہے یا نہ اور خطرہ ہو کہ کوئی قرآن کے کسی حصہ کا انکار کر دے گا تو اٹھ جاؤ تا کہ انکار قرآن لازم نہ آئے یہ جھگڑا اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دونوں جھگڑنے والے فن اختلاف قرأت سے جاہل ہوں یا ایک جاہل ہو کیونکہ جب دونوں ماہر اور واقف ہوں تو وہ جانتے ہیں کہ کون سے الفاظ ثابت ہیں اور کون سے ثابت نہیں ہیں۔ **وجندب اصح واکثر:.** غرض یہ ہے کہ بعض نے اس روایت میں آخری راوی حضرت جندب کو قرار دیا ہے اور بعض نے حضرت عمر کو اور راجح پہلا قول ہے پھر ان کی روایت بھی دو طرح ہے موقوف اور مرفوع اور راجح مرفوع ہے۔ **کتاب النکاح:.** یعنی هذا کتاب فی بیان احکام النکاح۔

ربط یہ ہے کہ پیچھے کتاب التفسیر اور کتاب فضائل القرآن میں علم کا ذکر تھا اب کتاب النکاح میں عمل کا ذکر ہے۔

باب الترغیب فی النکاح .

غرض نکاح کا شوق دلانا ہے اور اس کا استحباب بیان کرنا ہے لیکن اس مقصد کے لئے جو آیت ذکر فرمائی ہے **فانکحوا ماطاب لکم من النساء** اس کو امام بخاری استحباب پر محمول فرمار ہے ہیں لیکن یہ محل اشکال ہے کیونکہ یہاں مقصد عدد کا بیان فرمانا ہے کہ چار سے زائد سے بیک وقت نکاح جائز نہیں ہے۔

اس لئے یہاں امر استحباب کے لئے نہیں ہے جیسا کہ امام بخاری لے رہے ہیں بلکہ صرف اباحت کے لئے ہے۔ **ولکنی اصوم وافطر واصلی وارقد:.** سوال۔ بظاہر تو ہمیشہ روزہ رکھنا اور ساری رات جاگنا اور نماز پڑھنا ہی اولیٰ ہونا چاہئے تھا۔ جواب ۱- اعتدال میں ہی کمال ہے کیونکہ اس میں دوام آسان ہے اور نشاط باقی رہنے سے کیفیت عبادت کی اعلیٰ ہو جاتی ہے اور عمدہ کیفیت کا ثواب زیادہ کمیت اور زیادہ مقدار سے بڑھ کر ہے عمدہ کیفیت کی دو رکعت ہزار رکعت سے بڑھ جایا کرتی ہیں شوق، محبت، خشوع، خضوع، خوف ورجاء کے کمالات کی وجہ سے۔ ۲- خود اگر چہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عبادت بھی دوام اور عمدہ کیفیات کے ساتھ کر سکتے تھے لیکن امت پر شفقت فرماتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال ہی کو اپنی سنت بنایا تا کہ امت کے ہر قسم کے لوگ اس پیاری سنت پر آسانی سے عمل کر سکیں۔ اللھم صلی علی محمد النبی الامی وعلیٰ الہ واصحابہ واتباعہ وبارک وسلم۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج

اس باب کی غرض فوائد نکاح کا بیان ہے۔

فلقیہ عثمان: ای عثمان بن عفان۔ **فلمارای عبداللہ ان لیس لہ حاجۃ الاھذا اشارالی:.** عبداللہ کو مرفوع پڑھیں تو لفظ حاجۃ کے بعد الا ہے اور اگر منصوب پڑھیں اور رای کا فاعل حضرت عثمان کو مانیں تو لفظ حاجۃ کے بعد الیٰ جارہ ہے۔ اشار کا فاعل وہی ہے جو رائی کا فاعل ہے۔

شباب:. یہ جمع ہے شاب کی۔

باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم

غرض اس حدیث کو بیان فرمانا ہے۔

باب کثرۃ النساء

غرض یہ ہے کہ جو حقوق ادا کر سکتا ہو اس کے لئے ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا بھی بیک وقت جائز ہے لیکن چار سے زائد ایک وقت میں نکاح میں نہیں آ سکتیں۔

حضرنا مع ابن عباس جنازۃ میمونۃ بسرف:. یہ واقعہ کس سن کا ہے تین قول ہیں۔ ۱- ۵۱ھ ۲- ۵۳ھ۔ ۳- ۶۶ھ۔ **فاذارفعتم نعشھا فلاتزعزعوھا ولا تزلزلوھا:.** جب تم اس چار پائی کو اٹھاؤ جس پر میت کو رکھا جاتا ہے تو اس کو دائیں بائیں بلا مجبوری حرکت نہ دو اور نہ جھٹکے دو۔ **کان یقسم لثمان:.** سوال۔ بخاری شریف کتاب الطہارۃ میں حضرت انس سے ۱۱ ازواج مطہرات پر طواف فرمانا اور ان کے پاس باری باری جانا مذکور ہے اور یہاں آٹھ کا ذکر ہے۔ یہ بظاہر تعارض ہے۔ جواب ۱- نکاح آگے پیچھے ہوئے ہیں اس لئے کسی زمانہ میں آٹھ کا حق ادا فرماتے تھے اور کسی زمانہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ کا حق ادا فرماتے تھے۔ ۲- بعض حضرات نے تین لونڈیوں کو بھی ساتھ شمار فرما لیا ہے۔ حضرت ماریہ حضرت ریحانہ اور حضرت فاطمۃ بنت شریح۔ **ولا یقسم لواحدۃ:.** اور یہ حضرت سودہ تھیں یہ زیادہ بوڑھی ہو گئی تھیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا اس پر انہوں نے عرض کیا کہ میں قیامت کے دن آپ کی ازواج ہی میں اٹھنا چاہتی ہوں اس لئے مجھے طلاق نہ دیں میں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی یہ بات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی۔ سوال۔ مسلم شریف میں ایک روایت

میں یہ ہے کہ باری چھوڑنے والی حضرت صفیہ تھیں۔ جواب۔ علامہ نووی نے تصریح فرمائی ہے کہ اس حضرت صفیہ والی روایت میں راوی ابن جریج سے وہم ہوگیا ہے انہوں نے غلطی سے حضرت سودہ کی جگہ حضرت صفیہ کا نام ذکر فرمادیا ہے۔

باب من هاجر اوعمل خير التزويج امرأة فله مانوىٰ

غرض یہ ہے کہ فاسد نیت سے عمل صالح برباد ہوجاتا ہے۔

باب تزويج المعسر الذى معه القران والاسلام

غرض یہ ہے کہ مسلمان جس کو کچھ قرآن پاک یاد بھی ہو اس کے لئے نکاح کرنا جائز ہے۔

باب قول الرجل لاخيه انظر اى زوجتى شئت حتىٰ انزل لک عنها

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ یہ بھی ایک بہت بڑا ایثار ہے کہ دو بیویوں والا کسی دینی بھائی کی خاطر یہ پیش کش کرے کہ اگر تم چاہو تو میں ایک بیوی کو طلاق دے دوں اور تم عدت گزرنے کے بعد اس سے نکاح کرلو۔ **وضر من صفرة:**۔ خوشبو کا اثر۔ **وزن نواة من ذهب:**۔ تقریباً سوا تولہ سونا۔

باب مايكره من التبتل والخصاء

غرض یہ ہے کہ عورتوں سے بالکل الگ رہنا اور قدرت کے باوجود نکاح نہ کرنا اور خصیتین نکال دینا تاکہ شہوت ختم ہوجائے یہ دونوں کام ناجائز ہیں اور یہی پسند ہے۔ شریعت میں کہ امت زیادہ ہو اور جہاد کرنے والے بھی کثرت سے ہوں اور جہاد ہمیشہ باقی رہے۔

ثم رخص لنا ان ننكح المرأة بالثوب: اس روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے نزدیک متعۃ النکاح جائز تھا لیکن یہ اسی پر محمول ہے کہ وہ جواز کے قائل اسی وقت تک رہے جب تک ان کو منسوخ ہونے کا پتہ نہ چلا جب پتہ چل گیا تو رجوع فرمالیا اور نسخ کا ذکر روایات میں صراحۃً ہے کیونکہ تین قسم کے الفاظ وارد ہیں۔ ۱۔ثم ترک ۲۔ثم جاء تحریمھا بعد۔ ۳۔ثم نسخ مزید کچھ تفصیل آگے عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ **جف القلم بما انت لاق فاختص علىٰ ذلک اوذر:**۔ یہ دھمکی ہے خصی ہونے کی اجازت نہیں ہے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **فمن شاء فليومن ومن شاء فليكفر انا اعتدنا للظالمين ناراً** یعنی خصی ہونا مناسب نہیں صبر سے کام لو سوال۔ حضرت ابو ہریرہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دوام صوم کا مشوہ کیوں نہ دیا۔ جواب ۱۔ وہ پہلے سے کثیر الصوم تھے مزید روزوں کا مشورہ ان کی حالت کے مناسب نہ تھا۔ ۲۔ یہ گفتگو سفر میں ہوئی اور سفر بھی جہاد کا تھا اس لئے روزہ کا مشورہ مناسب نہ تھا۔ صبر ہی کا مشورہ مناسب تھا وہی دیا۔

باب نكاح الابكار

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ باکرہ سے نکاح جائز ہے۔

سرقة حرير:۔ ریشم کا ٹکڑا۔

ان يكن هذا من عندالله يمضه:۔ سوال۔ اس عبارت سے تو بظاہر شک معلوم ہوتا ہے حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اور وحی میں شک نہیں ہوسکتا۔ جواب۔ یہ ایک خصوصی طرز گفتگو ہے جس کو صنعۃ تجاہل العارف کہتے ہیں اس میں شک نہیں ہوتا یقین ہی ہوتا ہے۔ صرف صورت شک کے مشابہ ہوتی ہے یہ ایک عمدہ طریق تکلم ہے۔

باب تزويج الثيبات

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ ثیبہ سے نکاح بھی جائز ہے۔

قطوف: سست رفتار والا۔

باب تزويج الصغار من الكبار

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ میاں بیوی کی عمر میں کافی فرق بھی ہو تو پھر بھی نکاح جائز ہے۔

باب الى من ينكح واى النساء خير

ان عورتوں کا ذکر کرنا مقصود ہے جن سے نکاح بہتر ہے۔

باب اتخاذ السراری و من اعتق جارية ثم تزوجها

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ۱- اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے لونڈی رکھنا جائز ہے۔ ۲- لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لینا مستحب ہے۔ **یا بنی ماء السماء:**. یہ اہل عرب کا لقب ہے کیونکہ وہ بارش کے پانی سے ہی گزارہ کرتے تھے۔ **وطا لها خلفه:**. اپنے پیچھے بیٹھنے کی جگہ تیار فرمائی۔

باب من جعل عتق الامته صداقها

غرض یہ ہے کہ جو امام اس کے قائل ہیں کہ اعتاق مہر بن سکتا ہے ان کے لئے بھی سنت سے دلیل موجود ہے پھر عند احمد اعتاق مہر بن سکتا ہے وعند الجمہور نہیں بن سکتا۔ لنا۔ فی البیھقی عن رزینۃ مرفوعاً وامھر ھارزینۃ کہ حضرت رزینہ فرما رہی ہیں کہ حضرت صفیہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آزاد فرمایا اور ان سے نکاح فرمایا تو مجھے بطور مہر کے حضرت صفیہ کو دیا اور منشاء اختلاف بھی اس مسئلہ میں حضرت صفیہ کا نکاح ہی ہے کہ اس میں اعتاق کے علاوہ مہر تھا یا نہ تو ہماری روایت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت رزینہ حضرت صفیہ کو بطور مہر دی گئی تھیں۔ اس لئے اعتاق کو مہر نہیں بنایا گیا ولاحمد حدیث الباب عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتق صفیۃ وجعل عتقہا صداقھا۔ جواب ہماری روایت مثبت زیادۃ ہے اس لئے اس کو ترجیح حاصل ہے۔

باب تزويج المعسر

غرض یہ ہے کہ نفقہ مل جانے کی امید پر اگر غریب آدمی بھی نکاح کرے تو جائز ہے۔

باب الاكفار فی الدين

غرض یہ ہے کہ کف کی رعایت دین کے لحاظ سے ضروری ہے اس لئے مسلمۃ کا کافر مرد سے نکاح نہیں ہوتا۔ **فجعله نسباً وصهرا:**. ان دونوں کے معنی میں تین تفسیریں منقول ہیں۔

اول جس سے نکاح حلال نہیں وہ نسب اور جس سے حلال ہے وہ صھر ہے۔ ثانی۔ آیت حرمت کے شروع کے سات نسب ہیں بعد کے پانچ صھر ہیں۔ نسب میں یہ سات رشتے ہیں۔ ۱- **حرمت علیکم امھاتکم ۲- وبناتکم ۳- واخواتکم ۴- وعمتکم ۵- وخلتکم ۶- وبنت الاخ ۷- وبنت الاخت** اور صھر میں یہ پانچ ہیں۔ ۱- **وامھتکم التی ارضعنکم ۲- واخواتکم من الرضاعة. ۳- وامھت نساء کم ۴- وربائبکم التی فی حجور کم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلاجناح علیکم. ۵- وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم**۔ گویا عقد اور رضاعت والے صھر میں اور ولادت والے نسب ہیں۔ ثالث۔ نسب میں یہی سات جو ابھی ذکر کئے گئے اور صھر میں بھی سات رشتے ہیں پانچ یہی جو ابھی ذکر کئے گئے دو مزید ہیں جو قرآن پاک میں ان ہی پانچ کے بعد مذکور ہیں۔ ۶- **وان تجمعوا بین الاختین الاماقدسلف**۔ ۷- **والمحصنت من النساء**۔ پھر نسب اور صھر والی آیت کو اس باب میں ذکر کرنے سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ نسب اور صھر دونوں کا تعلق کفاءت سے ہے۔ **وانکحه بنت اخیه:**. یہی محل ترجمہ ہے کہ صرف اسلام کا لحاظ فرمایا اس نکاح میں نسب کا لحاظ نہ فرمایا۔ **فذكر الحديث:**. بقیہ حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی حضرت ابوحذیفہ کی اہلیہ کو کہ وہ اپنا تھوڑا سا دودھ پیالے میں نکال کر حضرت سالم کو پلا دے وہ ان کا بیٹا بن جائے گا۔ پھر اس حدیث کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱- بڑی عمر کے بچے کو کوئی عورت اگر پیالے میں دودھ نکال کر پلا دے تو وہ بھی رضاعت کے لحاظ سے بیٹا ہی بن جاتا تھا۔ یہ حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ ۲- یہ حکم صرف حضرت سالم کی خصوصیت تھی یہ عام حکم نہیں تھا۔ **وكانت تحت المقداد بن الاسود:**. یہی محل ترجمہ ہے

کیونکہ مقداد کندی تھے ان کے والد تو عمرو تھے لیکن حضرت اسود کی طرف اس لئے منسوب تھے کہ حضرت نے ان کو اپنا متبنیٰ بنایا ہوا تھا بہرحال یہ کندی تھے اوران کے نکاح میں حضرت ضباعۃ بنت الزبیر تھیں جو قریش سے تھیں تو یہاں نکاح صرف کفائت فی الدین کی وجہ سے ہوا خاندان کے لحاظ سے نہ ہوا۔ **هذا خير من مل ء الارض مثل هذا:.** دین کی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس امیر جیسے آدمیوں سے زمین بھردی جائے تو پھربھی اس غریب کے برابر نہ ہوں گے کیونکہ اس غریب میں دین کا بہت اونچا مقام ہے۔ یہی عبارت محل ترجمہ ہے کہ اس میں دین کی فضیلت کا ذکر ہے کہ وہ مال سے کہیں اونچی فضیلت ہے اس لئے کفو میں بھی دین ہی کا لحاظ ہونا چاہئے۔

باب الاكفاء فى المال

غرض یہ ہے کہ اگر غریب آدمی مہر پر قادر ہو تو وہ غنی عورت سے بھی نکاح کرسکتا ہے۔

باب مايتقى من شوم المرأة

عورت میں مختلف نحوستیں ہوسکتی ہیں۔ ۱- بچہ نہ جنے۔ ۲- اس کا مہر بہت زیادہ ہو۔ ۳- بداخلاق ہو۔

ان من ازواجكم واولادكم عدوالكم:. اس آیت مبارکہ میں من تبعیضیہ ہے اس لئے سب بیویوں اور سب اولاد میں نحوست ثابت نہیں ہوتی اس باب میں اس آیت کے لانے سے یہی غرض ہے کہ نکاح کا پیغام دیتے وقت حالات معلوم کرلینے چاہئیں۔

الشوم فى المرأة والدار والفرس:. اس حدیث کے بارے میں دونوں قول ہیں ۱- اگر نحوست ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی جب ان میں نہیں تو کسی چیز میں بھی نہیں ہے۔ ۲- طبرانی میں حضرت اسماء سے موقوفاً منقول ہے کہ گھوڑا سوار نہ ہونے دے مکان تنگ ہو اور برے جوار والا ہو اور عورت بانجھ ہو اس کے اولاد نہ ہو اور بدخلق ہو یہ سب شقاوتیں ہیں۔ مزید تفصیل اس حدیث کی بخاری شریف جلد اول میں گزر چکی ہے۔

باب الحرة تحت العبد

غرض یہ ہے کہ حرہ عورت کا نکاح عبد سے ہوسکتا ہے۔ اگر وہ اس پر راضی ہو اور اس میں امام بخاری کا میلان جمہور کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ آزاد ہوتے وقت لونڈی کو جو خیار ہوتا ہے وہ اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا خاوند غلام ہو لیکن روایات میں تصریح ہے۔ مرفوعاً ملکت نفسک فاختاری معلوم ہوا کہ دارومدار بیوی کی آزادی پر ہے اس میں خاوند کے حر یا عبد ہونے کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ بات حنفیہ کے لئے مؤید ہے۔ عند امامنا ابی حنیفۃ اگر آزاد ہونے والی لونڈی کا خاوند آزاد ہو تو اس صورت میں بھی لونڈی کو خیار عتق ہوگا یعنی وہ چاہے تو نکاح باقی رکھے اور چاہے تو نکاح توڑ دے وعند الجمھور لونڈی کی آزادی کے وقت خاوند اگر آزاد ہے تو اس لونڈی کو نکاح توڑنے کا اختیار نہ ہوگا اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر آزاد ہوتے وقت خاوند غلام ہو تو لونڈی کو اختیار ہے چاہے تو اس کے نکاح میں رہے اور چاہے نہ رہے۔ منشاء اختلاف حضرت بریرہ والا واقعہ ہے جو زیر بحث روایت میں منقول ہے عن عائشۃ قالت کان فی بریرۃ ثلث سنن عتقت فخیرت ہمارے امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ جب حضرت بریرہ آزاد ہوئی ہیں تو ان کے خاوند حضرت مغیث آزاد تھے اس لئے خاوند کے آزاد ہونے کی صورت میں بھی لونڈی کو آزاد ہوتے وقت نکاح توڑنے کا اختیار ہے اور جمہور ائمہ کی تحقیق یہ ہے جب حضرت بریرہ آزاد ہوئی ہیں تو ان کے خاوند ابھی آزاد نہ ہوئے تھے اسی وجہ سے حضرت بریرہ کو اختیار دیا گیا تھا اس لئے صرف خاوند کے غلام ہونے کی صورت میں ہی لونڈی کو خیار عتق ملے گا۔ خاوند کے آزاد ہونے کی صورت میں نہ ملے گا۔ لنا۔ ابو داؤد کی روایت عن عائشۃ ان زوج بریرۃ کان حراً حین اُعتقت وانھا خیرت وللجمھور فی ابی داؤد عن عائشۃ فی قصۃ بریرۃ قالت کان زوجھا عبداً فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاختارت نفسھا ولوکان حراً لم یخیرھا ترجیح حریت والی روایت کو ہے کیونکہ وہ روایت مثبت زیادت ہے

کیونکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت مغیث پہلے غلام تھے بعد میں آزاد ہوئے اس لئے جس روایت میں ان کا آزاد ہونا مذکور ہے اس میں عنداعتاق بریرہ زائد صفت کا اثبات مقصود ہے اور جس میں عبدیت کا ذکر ہے اس میں زائد صفت کی نفی ہے اور اصول ہے کہ مثبت زیادۃ اور نافی میں تعارض ہو تو مثبت زیادۃ کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔ اور یہ جو وارد ہے کہ ولوکان حرالم یخیرھا یہ حضرت عروہ کا اجتھاد ہے یا حضرت عائشہؓ کا اجتھاد ہے اور حریت کے علم سے پہلے ہے جب حریت کا علم ہو گیا تو یہ اجتھاد باقی نہ رہا۔

باب لاتزوج اکثر من اربع:.

غرض روافض کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص ۹ عورتوں سے بھی بیک وقت نکاح کر سکتا ہے اور اہل السنۃ والجماعت کا اجماع ہے کہ چار سے زائد عورتیں ایک شخص کے نکاح میں بیک وقت نہیں رہ سکتیں۔ ہماری دلیل۔۱- **فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث ورباع** ۔۲- اجماع ہے عدم جواز پر شیعہ کا استدلال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے ہے کہ آپ کے نکاح میں ۹ ازواج مطہرات بھی رہی ہیں۔ جواب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

باب. وامھاتکم اللاتی ارضعنکم

غرض رضاعت کا مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اس سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ **بشر حیبۃ**:. اس کے معنی ہیں بشر حالۃ۔ **قال ابولھب لم الق بعدکم**:. مفعول محذوف ہے ای راحۃ ابولھب نے خواب میں کہا کہ میں جب سے تم سے جدا ہوا ہوں میں نے راحت کو نہیں دیکھا۔ **غیرانی سقیت فی ھذہ بعتاقتی ثویبۃ**:. یہاں جو ھذہ ہے اس کا مشارالیہ بعض روایتوں میں مذکور ہے وہ گڑھا جو انگوٹھے اور سبابہ کے درمیان ہوتا ہے یعنی بہت تھوڑا سا۔ ثویبہ نے ابولھب کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تھی اس پر ابولھب نے اسے آزاد کر دیا تھا اس لئے ابولھب کو بھی تخفیف ہوئی اور تخفیف کی خصوصیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ایسی ہی ہے جیسی خواجہ ابوطالب کو عذاب میں تخفیف ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ امداد کرنے کی وجہ سے۔

باب من قال لارضاع بعد الحولین

کہ جو صاحب فرماتے ہیں کہ دو سال کے بعد رضاعت نہیں ہے ان کے پاس بھی سنت سے دلیل موجود ہے۔ غرض امام بخاری کی تین مسئلوں کا بیان ہے اور پہلے مسئلہ میں اپنے تردد کا اظہار ہے۔

پہلا مسئلہ مدت رضاعت

عندامامنا ابی حنیفۃ تیس ماہ مدت رضاعت ہے وعندالجمھور دو سال ہے صاحبین بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔ لنا قولہ تعالیٰ **وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا** کہ بچے کو ہاتھ میں اٹھانا اور دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے وللجمھور **والوالدات یرضعن اولاد ھن حولین کاملین** جواب یہ تو صرف طلاق کی صورت میں اگر جھگڑا پڑے تو درمیانہ درجہ بتلایا گیا ہے کہ دو سال ہے کیونکہ آگے اور پیچھے ذکر طلاق کا ہے اور حولین کے بعد یہ بھی وارد ہے **فان ارادا فصالاً عن تراض منھما وتشاور فلا جناح علیھما** اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر میاں بیوی راضی ہوں تو حولین سے کم بھی اور زیادہ بھی دودھ پلایا جا سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ رضاعۃ کبیر

بڑی عمر میں کسی عورت کا دودھ پیالہ میں نکال کر کوئی شخص پی لے تو وہ دودھ پینے والا اس عورت کا رضاعی بیٹا بن جاتا ہے۔ عند عائشہؓ لیکن باقی ازواج مطہرات اور جمہور صحابہ و جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ نہیں لنا۔ حدیث الباب عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیھا وعندھا رجل فکانہ تغیر وجھہ کانہ کرہ ذلک فقالت انہ اخی فقال من اخوانکن فانما الرضاعۃ من المجاعۃ۔ حضرت عائشہؓ کی دلیل ابوداؤد کی روایت عن عائشۃ مرفوعاً ارضعیہ فارضعۃ خمس رضعات فکان بمنزلہ ولدھا من الرضاعۃ۔ جواب جمہور کی طرف سے یہ ہے کہ یہ حضرت سھلہ اور حضرت سالم کی خصوصیت ہے۔

تیسرا مسئلہ دودھ کتنی مقدار میں پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے

عندامامنا ابی حنیفۃ و مالک تھوڑے سے دودھ پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور وہ دودھ پینے والا بچہ اس عورت کا رضاعی بیٹا یا بیٹی بن جاتے ہیں وعندالشافعی پانچ دفعہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی وعند احمد تین دفعہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی لنا وامھاتکم اللتی ارضعنکم اس آیت مبارکہ میں مطلق رضاعت مذکور ہے جوایک گھونٹ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ وللشافعی مافی ابی داؤدعن عائشۃ انھا قالت کان فیما انزل اللہ من القران عشر رضعات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات یحرمن فتوفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھن فیمایقرء من القران جواب۔ بالاجماع یہ آیت منسوخ التلاوت ہے اور اصل منسوخ التلاوت میں یہی ہوتا ہے کہ وہ منسوخ الحکم بھی ہوتی جب تک کہ کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو اس لئے یہ حکم بھی منسوخ ہو چکا ہے۔ ولاحمد مافی ابی داؤدعن عائشۃ لاتحرم المصۃ ولا المصتان۔ جواب یہ خبر واحد ہے اور ہماری دلیل نص قرانی ہے اس لئے اس خبر واحد سے اس کو مقید نہیں کیا جاسکتا گویا یہ مسئلہ اصولی اختلاف میں داخل ہو گیا اور ہمارا یہ اصول بہت زیادہ قوی ہے کہ قرآن پاک کے قطعی حکم کو دلیل قطعی سے ہی بدلا جاسکتا ہے خبر واحد ظنی ہے اس سے نہیں بدلا جاسکتا اور مطلق رضاعت کو تین سے مقید کرنا یہ بھی بدلنا ہی ہے اس لئے صحیح نہیں ہے۔

باب لبن الفحل

اس باب کی غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ جس شخص کی بیوی کا کوئی بچہ دودھ پیتا ہے تو جیسے وہ عورت اس کی ماں بن جاتی ہے ایسے ہی اس عورت کا خاوند اس بچے کا باپ بن جاتا ہے۔

باب شهادة المرضعه

غرض ایک عورت کا حکم بیان فرمانا ہے کہ اس کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے یا نہ پھر یقین سے فیصلہ نہیں فرمایا کیونکہ امام بخاری کو اس مسئلہ میں تردد ہے۔ عنداحمد رضاعت ثابت کرنے کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہے وعندالجمہور کافی نہیں۔ لنا واستشھدوا شھیدین من رجالکم ولاحمد مافی ابی داؤدعن عقبۃ بن الحارث مرفوعاً دعھاعنک اس واقعہ میں صرف ایک عورت کی گواہی کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کو حکم دے دیا کہ بیوی کو چھوڑ دو معلوم ہوا کہ رضاعت ثابت کرنے کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہے کیونکہ یہاں صرف ایک عورت نے کہا تھا کہ میں نے تم دونوں میاں بیوی کو دودھ پلایا ہے۔ جواب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا دعھاعنک یہ صرف احتیاط پر مبنی ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ نکاح ٹھیک نہیں ہوا کیونکہ دعھاعنک کے معنی ہیں کہ طلاق دے دو اگر نکاح ہی نہ ہوا تھا تو طلاق کی کیا ضرورت تھی۔ **اشاراسماعیل باصبعیه السبابة والوسطیٰ یحکی ایوب:** غرض یہ ہے کہ اسماعیل راوی اپنے استاد حضرت ایوب کا اشارہ نقل فرمارہے ہیں کہ انہوں نے سبابہ اور وسطیٰ کو جوڑا پھر الگ کیا کہ اس طرح سے تم بیوی کو الگ کردو۔

باب مایحل من النساء و مایحرم

حلال اور حرام عورتوں کی تفصیل بیان فرمانی مقصود ہے۔

والمحصنات من النساء الاماملکت ایمانکم: یہ تفسیر جو یہاں منقول ہے کہ پانچویں پارہ کے شروع کی آیت کے معنی یہ ہیں کہ آزاد شادی شدہ عورتیں تو حرام ہیں لیکن ماملکت ایمانکم حرام نہیں ہیں بلکہ ان کے آقا کے لئے گنجائش ہے کہ وہ جب چاہے ان کے خاوند سے واپس لے لے یہ تفسیر حضرت انس کا اجتہاد ہے مشہور تفسیر یہ ہے کہ شادی شدہ عورتیں حرام ہیں لیکن وہ لونڈیاں جن کی شادی ہوگئی تھی اب ان کا نکاح قید ہونے کی وجہ سے ٹوٹ گیا اس لئے اب یہ مجاہدین کے لئے حلال ہیں بشرطیکہ مسلمان ہو چکی ہوں یا اہل کتاب میں سے ہوں۔ **اذازنی بهالا تحرم علیه امرأته:** کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی ماں سے زنا کرے نعوذ باللہ تو اس پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوتی۔ **وابونصر هذا لم یعرف سماعه من ابن**

عباس:. یہ صرف امام بخاری کی تحقیق ہے کہ سماع معروف نہیں ہے لیکن راجح یہ ہے کہ سماع ثابت ہے اور حضرت ابن عباس بھی حنفیہ کی طرح حرمت مصاهرت ثابت ہونے کے قائل ہیں۔

باب وربائبکم اللّٰتی فی حجورکم

دوغرضیں ہیں۔ ا- ربیبہ کی تفسیر کرنی ہے کہ بیوی کی بیٹی جو دوسرے خاوند سے ہو۔ ۲- دخول جو اس آیت میں ہے اس کی صورت کیا ہے عندالشافعی دخول سے جماع مراد ہے وعندالجمہور دخول سے مراد صرف خلوة صحیحہ ہے منشاء اختلاف یہی الفاظ مبارکہ ہیں **ورباء کم اللاتی فی حجور کم من لنساکم اللاتی دخلتم بھن** بظہر دخول میں دونوں احتمال ہیں کہ کنایہ جماع سے ہو کہ تنہائی کے کمرے میں بیوی کے ساتھ داخل ہو یہ سبب ہے جماع کا اور سبب بول کر سبب مراد ہے جیسا کہ امام شافعی مراد لیتے ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ دخول اپنے ظاہر پر ہو کہ تنہائی کے کمرے میں بیوی کو لے کر داخل ہو جائے اور خلوت صحیحہ بن جائے آگے جماع کرے یا نہ کرے اور یہ معنی جمہور لیتے ہیں اور ترجیح جمہور کے معنی کو ہی ہے کیونکہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔

لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لام حبیبة لاتعرضن علی بناتکن ولا اخواتکن: وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ ہے بناتکن اور عربی زبان بنات کا لفظ بلا واسطہ بیٹیوں پر بھی بولا جاتا ہے اور بواسطہ بیٹیوں پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے تحریم کے مسائل میں دونوں قسم کی بیٹیاں داخل ہیں بلاواسطہ بھی اور بواسطہ بھی۔

وکذلک حلائل ولدالابناء ھن حلائل الابناء: معنی یہ ہیں کہ جیسے بیٹے کی بیوی حرام ہے ایسے ہی پوتے کی بیوی بھی حرام ہے۔ **دفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربیبةً له الی من یکفلھا:.** حضرت ام سلمہ کی بیٹی حضرت زینب حضرت نوفل اشجعی کے سپرد فرمائی تھی اس لئے وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں نہ رہیں اس کے باوجود ان کو اگلی حدیث میں ربیبہ ہی شمار کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ربیبہ کا پاس رہنا ضروری نہیں ہے۔

باب الشغار:. غرض شغار کا حکم بتلانا ہے۔ عندامامنا ابی حنیفة شغار میں نکاح تو ٹھیک ہو جاتا ہے البتہ ایسے طریقہ سے نکاح کرنا مکروہ ہے۔ شغار کی صورت یہ ہے کہ ایک طرف بھی لڑکا اور لڑکی ہوں مثلاً بہن بھائی ہوں اور دوسری طرف بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوں۔ مثلاً بہن بھائی ہوں اور دونوں نکاح اس طرح سے اکٹھے کئے جائیں کہ ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو اور اگر مہر ہر ایک کا الگ الگ ہو تو اس کو آج کل وٹہ سٹہ کہتے ہیں یہ شغار نہیں ہے اور وٹہ سٹہ میں شرعاً کسی امام کے نزدیک بھی گناہ نہیں ہے لیکن تجربہ سے اس صورت میں ان چاروں کو عمر بھر بہت زیادہ پریشانی اور لڑائی جھگڑے سے واسطہ پڑتا ہے چاروں میں سے کوئی ایک ذرا شرارت بھی کرے تو دونوں خاندان بے حد پریشان ہو جاتے ہیں اور کثرت سے طلاقیں ہوتی رہتی ہیں ہزاروں میں سے ایک دو ہی ایسے موقعے ہوتے ہیں جو صلح صفائی سے عمر گزار لیں وعندالشافعی واحمد شغار کی صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا وعن مالک دو روایتیں ہیں۔ ا- نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے لیکن قبل الدخول فسخ واجب ہے۔ ۲- نکاح منعقد ہو جاتا ہے لیکن فسخ ہمیشہ واجب رہتا ہے منشاء اختلاف ترمذی کی روایت ہے عن عمران بن حصین مرفوعاً لاشغار فی الاسلام عندنا یہ نفی بمعنی نہی ہے اور شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط گر جاتی ہے اور ابوداؤد کی روایت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے عن ابن عمر مرفوعاً نہی عن الشغار معلوم ہوا کہ شریعت نے شغار سے منع فرمایا ہے ایسا کرنا اچھا نہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا و عندالشافعی واحمد لائی جنس کے لئے ہے شغار سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور امام مالک کی پہلی روایت کی دلیل یوں ہے کہ نفی معنی نہی ہے اور شرط فاسد ہے لیکن دخول سے ملک آ جاتی ہے کیونکہ بمنزلہ قبضہ کے ہے جیسے بیع فاسد میں قبضہ سے ملک آ جاتی ہے ایسے ہی یہاں دخول سے ملک آ جائے گی اور فسخ ضروری نہ رہے گا

اور امام مالک کی دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ شرط فاسد موجب فساد ہے اس کو دور کرنا ضروری ہے اس لئے فسخ کا ضروری ہونا ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور حنفیہ کے قول کو ترجیح ہے کیونکہ روایت کے گو مختلف معانی کئے گئے ہیں لیکن قیاس حنفیہ کے ساتھ ہے کیونکہ عقد صادر ہوا ہے اہل سے اور وارد ہوا ہے محل پر اس لئے عقد فی حد ذاتہ صحیح ہے خرابی عوارض میں ہے اور نکاح میں عوارض کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ وہ گر جاتے ہیں اور عقد نکاح ٹھیک ہو جاتا ہے۔

باب هل للمرأة ان تهب نفسها لاحد

غرض تردد کا اظہار ہے اس مسئلہ میں کہ ھبہ کے لفظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہ۔

باب نكاح المحرم

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ احرام کی حالت میں بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور اختلاف کی تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

باب نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نكاح المتعة اخرا

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ متعہ اخیر میں منسوخ ہو گیا تھا حضرت ابن عباس قائل رہے ہیں جواز کے جیسے جان بچانے کے لئے مردار کھانا جائز ہے لیکن حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباس پر بہت سختی کی تھی اور متعہ کی حرمت بیان فرمائی تھی یہاں تک کہ یوں فرمایا تھا حضرت ابن عباس کو خطاب فرماتے ہوئے انک رجل تاءہ ای عاشق اور حضرت علیؓ کے سوئی دوسرے حضرات سے بھی متعہ کی حرمت حضرت ابن عباس تک پہنچی اس لئے حضرت ابن عباس بھی حرمت کے قائل ہو گئے اور حضرت ابن عباس کا رجوع ترمذی اور ہدایہ اور تفسیر قرطبی میں نقل کیا گیا ہے اور بعض دوسری کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں بھی حرمت متعہ کا اعلان فرمایا پھر فتح مکہ کے موقعہ پر بھی اعلان فرمایا پھر حجۃ الوداع میں بھی ہمیشہ کے لئے حرمت کا اعلان فرمایا پھر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسی حرمت کا اعلان فرمایا اور جس کو پتہ نہ تھا اس کو بھی پتہ لگ گیا اور متعہ کی حرمت پر اجماع ہو گیا اور حق تعالیٰ کے ارشاد محصنین غیر مسافحین میں بھی اشارہ موجود ہے کہ نکاح میں مدت مقرر نہ ہونی چاہئے یعنی ہمیشہ کے لئے نکاح کیا کرو وقت مقرر کے لئے نہ کیا کرو۔ ابد کی قید لگایا کرو وقت معین کی قید نہ لگایا کرو اور آیت میراث بھی متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اولاد متعہ کے لئے وراثت نہیں بیان فرمائی۔ پھر شیعہ کا جو متعہ ہے وہ تو اسلام میں ایک ساعت کے لئے بھی حلال قرار نہیں دیا گیا کیونکہ شیعہ کے متعہ میں نہ گواہ شرط ہیں نہ اذن ولی کی ضرورت ہے نہ عدت ہے اس لئے شیعہ کا متعہ تو عین زنا ہے جو تمام آسمانی دینوں میں حرام ہے پھر متعہ کی حرمت اس آیت سے بھی ثابت ہے **الا علىٰ ازواجهم او ماملكت ايمانهم** اور طلاق کی اجازت خود صریح دلیل ہے کہ متعہ منسوخ ہو چکا ہے۔

سوال: حضرت ابن عباس پر متعہ کی حرمت کیسے مخفی رہ گئی۔

جواب: حضرت ابن عباس فتح مکہ کے موقعہ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوئے ہیں اس وقت آپ کی عمر صرف دس یا گیارہ سال کی تھی اور فتح مکہ سے پہلے غزوہ خیبر کے موقعہ پر متعہ کی حرمت کا اعلان ہو چکا تھا اس لئے کچھ عرصہ حضرت ابن عباسؓ کو اس حرمت کا پتہ نہ چلا۔

سوال: یہ منقول ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہؓ اور بعض دیگر اکابر صحابہ آیت معارج اور آیت المومنین سے متعہ کی حرمت اور استدلال فرمایا کرتے تھے **فمن ابتغىٰ وراء ذلك فاولئك هم العادون** ان دونوں آیتوں سے تو استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور متعہ کی حرمت غزوہ خیبر میں ہوئی ہے جو مدنی زندگی میں ۰۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے واقع ہوا۔

جواب: ۱- دونوں سورتوں میں یہ آیت **فمن ابتغىٰ وراء ذلك فاو لئك هم العادون** مدنی ہے اور ان دونوں سورتوں کو مکی کہنا اکثر آیات کے لحاظ سے ہے۔ ۲- اگر ان دونوں آیتوں کو

مکی بھی مان لیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ ان آیتوں میں صرف اشارہ تھا کہ متعہ اچھا کام نہیں ہے بعد میں اس کی وضاحت نازل ہوگئی اور حرمت کا اعلان کر دیا گیا جیسے شراب کے بارے میں پہلے صرف یہ اشارہ فرمایا کہ یہ اچھا رزق نہیں ہے ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا ورزقاً حسنا ایسے ہی یوں فرمایا واثمهما اکبر من نفعهما ان آیتوں میں صرف اشارہ ہی تھا کہ شراب اچھی چیز نہیں ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے دعا کی اللھم بین لنافی الخمر بیانا شافیا یوں دعا نہ فرمائی اللھم حرم علینا الخمر گویا پہلے حرمت کی طرف اشارہ تھا پھر صریح حرمت نازل ہوئی اسی طرح سورۃ المعارج اور سورۃ المومنین میں متعہ کی حرمت کی طرف اشارہ مکہ مکرمہ ہی میں کر دیا گیا تھا پھر خیبر کے فتح کے موقعہ پر صراحۃً حرمت بیان فرما دی گئی۔ اسی کی ایک تطہیر یہ بھی ہے کہ قدافلح من تزکیٰ وذکر اسم ربه فصلیٰ کے متعلق حضرت علی سے منقول ہے کہ اس آیت مبارکہ میں تزکیٰ میں صدقہ فطر کی طرف اشارہ ہے اور ذکر اسم ربه میں تکبیرات عید کی طرف اشارہ ہے اور فصلی میں عید کی نماز کی طرف اشارہ ہے۔ ۳۔ اگر سورۃ المعارج اور سورۃ المومنین کی آیتوں کو واضح بھی مان لیا جائے تو پھر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان آیتوں کے حکم کو فتح خیبر تک مؤخر کر دیا گیا۔ اس کی نظیر یہ آیت مبارکہ ہے یاایها الذین امنوا علیکم انفسکم لایضر کم من ضل اذا اهتدیتم اس آیت کا حکم قرب قیامت تک مؤخر کیا گیا ہے کہ اخیر زمانہ میں تبلیغ ضروری نہ رہے گی کیونکہ کوئی بات سننے کو تیار نہ ہوگا۔

فائدہ: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین اور دوسری جگہ ہے ولامتخذی اخدان اس آیت مبارکہ میں نکاح کی چار شرطوں کا ذکر ہے۔ ۱۔ ان تبتغوا باموالکم میں مہر کا ذکر ہے کہ نکاح میں مہر ضروری ہے۔ ۲۔ اسی ان تبتغوا میں ایجاب کا بھی ذکر ہے کیونکہ جانبین سے طلب اور ابتغاء جبھی ظاہر ہوگا جبکہ ایجاب بھی ہو اور قبول بھی ہو۔ ۳۔ محصنین غیر مسافحین میں احصان کے معنی قید کے بھی ہو سکتے ہیں اور عفت کے بھی ہو سکتے ہیں دونوں معنی میں سے ہر ایک متعہ کے خلاف ہے کیونکہ قید دوام کی ضروری ہے اور عفت بھی دوام ہی کی صورت میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ جس طرح کھانے پینے کی ضرورت ایک دن کھا پی کر ختم نہیں ہو جاتی اسی طرح خواہش ایک دفعہ پوری کر کے عفت حاصل نہیں ہوتی بلکہ بیوی کا پاس رہنا ضروری ہے تاکہ ہمیشہ اپنی خواہش جائز موقعہ میں پوری کرے اور زنا کی گندگی اور بدنظری کی گندگی سے بچا رہے۔ ۴۔ ولامتخذی اخدان سے شھود کی قید ثابت ہوتی ہے کہ خفیہ دوست نہ بناؤ بلکہ گواہوں کے سامنے نکاح کرو۔

متعہ کے حرام ہونے میں حکمتیں

۱۔ انسانی غیرت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی عورت کے دو خاوند نہ ہوں ایک ہی وقت میں یہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اور انسان کی غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کی بیوی میں کوئی دوسرا بھی شریک ہو ایک وقت میں یا یکے بعد دیگرے بلا اضطرار اور طلاق اضطرار کی حالت میں ہوتی ہے کہ بالکل ہی نباہ نہ ہو تو ایک شخص چھوڑ دیتا ہے صرف اس مجبوری میں دوسری جگہ ہمیشہ کے لئے نکاح کرے عام حالات میں ایک باغیرت انسان اجازت نہیں دیتا کہ کوئی دوسرا انسان اس کی بیوی پر قبضہ کرے اس لئے متعہ فطرت انسانی اور غیرت انسانی کے خلاف ہے۔ ۲۔ جبکہ شیعہ کے نزدیک عدت بھی شرط نہیں ہے تو ایک ہی طہر میں ایک ایک رات کے لئے بیس آدمی متعہ کر سکتے ہیں تو اگر اولاد ہوگی تو کس کی ہوگی متعہ میں خلط نسب ہے۔ ۳۔ جب والد ہی کا پتہ نہیں تو اولاد کی تربیت کون کرے گا۔ ۴۔ جب والد کا پتہ نہ چلے گا تو بعض دفعہ اپنی ہی بیٹی یا بھتیجی وغیرہ محرم عورت سے متعہ کرے گا جو انسانی غیرت کا جنازہ ہے۔ ۴۔ نکاح کا سنت طریقہ تو متعہ کی وجہ سے بالکل ختم ہو جائے گا کیونکہ ہر ایک اپنی خواہش متعہ سے پوری کر لے گا اور اس میں آسانی ہے نہ زیادہ مہر ہے نہ نفقہ ہے نہ گھریلو

انتظامات کی ضرورت ہے۔ ۶-انسانی طبیعت متعہ کے ذکر سے شرم محسوس کرتی ہے کہ میں نے آج رات متعہ کیا تھا یا میری بیٹی نے کیا تھا یا میری ماں نے کیا تھا یا میری بہن نے کیا تھا اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ خبائث میں داخل ہے اور **ویحرم علیهم الخبائث** کے ماتحت کے ماتحت ناجائز ہونا چاہئے۔

باب عرض المرأة نفسها علی الرجل الصالح

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ کسی بزرگ پر کوئی عورت اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کردے تو یہ بھی جائز ہے۔

باب عرض الانسان ابنة او اختہ علیٰ اهل الخیر

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کو کسی بزرگ پر نکاح کے لئے پیش کردے تو یہ بھی جائز ہے۔

باب قول الله جل وعزو لاجناح علیکم فیما عرضتم به

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔

وکل شئ صنته اواضمرته فهو مکنون: اس عبارت میں صنتہ کالفظ صیانت سے مشتق ہے جس کے معنی حفاظت کے ہیں۔

وقال الحسن الاتواعد وهن سراالزنا: حضرت حسن بصری نے اگر چہ اس آیت میں سر کے معنی زنا کے لئے ہیں لیکن راجح دوسری تفسیر ہے یعنی نکاح۔

باب النظر الی المرأة قبل التزویج

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ نکاح سے پہلے صرف اس عورت کو جس سے نکاح ہو جانے کا غالب گمان ہے اس کو صرف ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے تا کہ نکاح کے بعد طلاق کی نوبت نہ آئے۔ عند مالک نکاح سے پہلے لڑکی کو ایک نظر دیکھنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اجازت نہ دے وعند الجمهو ر صرف ایک نظر دیکھ لینے کی گنجائش ہے وہ بھی صرف اس جگہ جہاں رشتہ ہو جانے اور نکاح ہو جانے کی پوری امید ہو یہ معنی نہیں ہیں کہ سڑک پر کھڑا ہو کر دنیا بھر کی عورتوں کو دیکھتا رہے کہ جو پسند آئے گی اس سے نکاح کرلوں گا۔ لنا مافی ابی داؤد عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی مایدعوہ الی نکاحها فلیفعل ولمالک پردہ عورت کا حق ہے بلا اجازت اس حق کے خلاف نہیں کر سکتے جواب۔ حدیث پاک کی موجودگی میں قیاس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ **رائیتک فی المنام:۔** یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرما رہے کہ میں نے تجھے نکاح سے پہلے خواب میں دیکھا ہے اس حدیث پاک سے امام بخاری کے استدلال فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بیداری ہی کی طرح حجت ہوتا ہے تو گویا نکاح سے پہلے جس لڑکی سے نکاح کرنا ہے اس کو دیکھنا پایا گیا معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔

باب لانکاح الابولی

غرض اس شخص کے مذہب کا بیان ہے جو اس کا قائل ہے کہ صرف ولی ہی نکاح پڑھ سکتا ہے اور یہی مذہب خود امام بخاری کا بھی ہے کیونکہ وہ الفاظ حدیث کو باب میں لائے ہیں اور یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد میں آئی ہے عن ابی موسیٰ مرفوعاً اور یہ حدیث امام بخاری کی شرطوں پر نہ تھی اور شرط مسلم پر بھی نہیں ہے۔ امام بخاری اس حدیث کی تائید دوسری احادیث اور آیات سے کرنا چاہتے ہیں۔ اختلاف یوں ہے کہ عندامامنا عقد نکاح میں عورتوں کی تعبیر یعنی عورتوں کا ایجاب وقبول کرنا اپنے لئے یا کسی لڑکے یا لڑکی کے نکاح کے لئے وکیل ہونے کی حیثیت سے جائز ہے اور یہ نکاح ٹھیک ہو جاتا ہے وعندالجمهور صحیح نہیں ہوتا لنا مافی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً الایم احق بنفسها من ولیها وللجمهو ر مافی ابی داؤد عن عائشة مرفوعاً ایما امرأة نکحت بغیر اذن موالیها فنکاحها باطل جواب امام ترمذی نے اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے۔ ۲- مافی ابی داؤد عن ابی موسیٰ مرفوعاً لانکاح الابولی جواب ۱- قال یحیی بن

معین لم یثبت ثلث لانکاح الا بولی والوضوء من مس الذکر وکل مسکر حرام۔ ۲۔صغیرہ اور لونڈی پر محمول ہے۔ ۳۔معنی یہ ہیں کہ ولی کی اجازت ضروری ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایجاب بھی صرف ولی ہی کر سکتا ہے۔**لقول الله تعالیٰ فلا تعضلوھن**:۔ اس آیت مبارکہ سے استدلال یوں ہے کہ اس میں اولیاء کو خطاب ہے کہ تم مطلقہ عورت کو پہلے خاوند ہی سے دوبارہ نکاح کرنے سے نہ روکا کرو جبکہ میاں بیوی اب صلح صفائی سے رہنے پر راضی ہوں کیونکہ شان نزول یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار نے اپنی ہمشیرہ مطلقہ کو پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے سے روکا تھا۔حق تعالیٰ نے جو خطاب اولیاء کو فرمایا تو اس سے ثابت ہوا کہ نکاح پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار اولیاء کو ہے عورتوں کی تعبیر ایجاب و قبول میں معتبر نہیں ہم اس کا جواب ایک تو یہ دیتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں تین منقول ہیں اول وہی جو استدلال میں مذکور ہے۔ دوسرا شان نزول یہ منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بعض خاوند خود بھی طلاق دے دیتے اور اس مطلقہ کو کسی اور جگہ بھی نکاح نہ کرنے دیتے تھے اس ظلم سے اہل ایمان کو منع فرمانا مقصود تھا تو اس صورت میں خطاب اولیا کو نہیں بلکہ ازواج کو ہے۔ تیسرا شان نزول یہ ہے کہ عام لوگوں کو ترغیب ہے کہ مطلقہ عورتوں کا نکاح جلد ہونا چاہئے۔ اس میں بھی خاص اولیاء کو خطاب نہیں ہے ان تینوں احتمالوں کی موجودگی میں صرف ایک لے کر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ۲۔دوسرا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ حضرت معقل والے شان نزول میں جو روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معقل نے اپنی ہمشیرہ کو صرف ترغیب دی تھی کہ تم نہ نکاح کرنا اختیار سارا ان کی ہمشیرہ کا ہی تھا اس پر آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ تم یہ ترغیب نہ دو اسی پر خود آیت مبارکہ بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ ارشاد ہے **فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن**۔ نکاح کو عورتوں ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کا اختیار عورتوں ہی کو ہے۔

ولی کی اجازت میں حکمتیں

پھر کچھ نہ کچھ ولی کی اجازت جو ضروری ہے اس میں حکمتیں ہیں۔ ۱۔عورتوں کی عقل ناقص ہے ایسا نہ ہو کہ وہ نکاح کے فیصلہ میں نقصان میں پڑ جائیں۔ ۲۔اگر ولی کی اجازت کی کسی درجہ میں بھی ضرورت نہ ہوتی تو عورتوں میں شرم و حیاء بالکل ختم ہو جاتی اور وہ اپنے نکاح کے سب معاملات خود ہی پورے کرتیں۔ ۳۔زنا اور نکاح میں فرق اعلان اور اخفاء کا ہے اس اولیاء کے مشورہ اور جمع ہونے میں اعلان ہو جاتا ہے البتہ عورت کا اذن بھی ضروری ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کے میلان کو خود ہی خوب سمجھتی ہے اولیاء نہیں سمجھ سکتے اس لئے سب مصالح کی رعایت رکھنے کے لئے اور کامل اعتدال پیدا کرنے کے لئے شریعت مطہرہ میں ولی اور عورت دونوں کے اذن کا لحاظ کیا گیا ہے۔**ولا تنکحو االمشرکین حتیٰ یومنوا**:۔ استدال کی وجہ یہ ہے کہ خطاب اولیاء کو ہے جواب ۱۔یہ آیت منسوخ ہے اس آیت کی وجہ سے **والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم**۔ ۲۔نہی صرف اولیاء کو نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کو ہے اس لحاظ سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے۔**وانکحوا الایامیٰ منکم**:۔ یہاں بھی استدلال اسی وجہ سے ہے کہ خطاب اولیاء کو ہے اس لئے نکاح کے سب معاملات ان ہی کے اختیار میں ہیں اور ایجاب و قبول بھی صرف ان کا ہی معتبر ہے جواب یہ ہے کہ یہاں بھی خطاب اولیاء اور غیر اولیاء کو ہے اور ایم کا لفظ بھی مرد کو اور غلام کو شامل ہے اس لئے یہاں سے صرف عورتوں کی تعبیر فی النکاح کا مسئلہ نہیں نکالا جا سکتا۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ مردوں کو اس آیت سے تخصیص کی گئی ہے اس لئے ایم کا مصداق صرف عورتیں ہی باقی رہ گئیں اور استدلال صحیح ہو گیا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض وہم محض ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے **ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین**۔**یخطب الرجل الی**

الرجل ولیة: . یعنی مرد اپنے نکاح کے لئے دوسرے مرد کی طرف پیغام بھیجتا ہے کہ اپنی بیٹی یا اپنے ماتحت لڑکی جس کے تم ولی ہو اس کا نکاح میرے ساتھ کر دو وہ مہر لے کر نکاح کر دیتا ہے یہ طریقہ نکاح کا زمانہ جاہلیت میں بھی تھا اور اسلام میں بھی اس کو باقی رکھا گیا ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ ولی ہی نکاح پڑھتا ہے اس لئے عورتوں کی تعبیر نکاح کے ایجاب وقبول میں معتبر نہیں ہے ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں صرف ولی کی اجازت کا ذکر ہے اصل نکاح کرنے والی خود لڑکی ہی ہوتی ہے اس کی دلیل دوسری حدیث ہے۔ الایم احق بنفسھا من ولیھا۔**فیعضلھا لما لھا:** . دوصورتیں ہوتی تھیں۔۱۔کسی کی ولایت میں بنت عم وغیرہ ہوتی اور مال و جمال کی وجہ سے نکاح کرنا چاہتا اور مہر پورا نہ دیتا یا بدنی حقوق ادا نہ کرتا۔۲۔پسند نہ ہوئی شکل وصورت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے اس لئے خود نکاح نہ کرتا لیکن کسی اور سے بھی نکاح نہ کرتا کیونکہ مال والی ہوئی تھی نکاح کروں گا تو دوسرا مرد مال میں شریک ہو جائے گا دونوں صورتوں سے منع فرما دیا گیا کہ خود کرو تو پورا مہر دو اور پورے حقوق ادا کرو ورنہ دوسرے سے نکاح کر دو۔ استدلال یوں ہے کہ آیت سے معلوم ہوا کہ نکاح کا اختیار پورا پورا ولی کو ہے جواب یہ ہے کہ جیسے پیچھے گزرا ولی کی صرف اجازت کی ضرورت ہے کفو نہ ہو تو وجوبا کفو ہو تو استحبابا یہ معنی نہیں ہے کہ عورت بالکل ایجاب وقبول نہیں کر سکتی۔ **ان شئت انکحتک حفصة:** . یہ محل ترجمہ ہے معلوم ہوا کہ ولی کو اختیار ہے جواب یہ ہے کہ حضرت حفصہ کی اجازت سے ہی نکاح کرنا مراد ہے۔
فرشتک: . میں نے اپنی بہن کو تیرا بستر بنایا۔

باب اذا کان الولی ھوا لخاطب

غرض یہ ہے کہ ولی کو اجازت ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے نکاح میں لے آئے مثلاً بنت عم ہو۔**فامر رجلا فزوجه:** کسی آدمی کو حکم فرمایا حضرت مغیرہ نے اس نے اس عورت کا نکاح حضرت مغیرہ سے کر دیا اگرچہ حضرت مغیرہ خود ولی تھے یہ صرف مستحب ہے ولی چاہے تو خود ہی اپنے ساتھ نکاح پڑھ لے۔ **اتجعلین امرک الی قالت نعم:** . یہ روایت اس پر محمول ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت ام حکیم کے ولی بھی تھے اسی لئے ولایت کے باب میں ذکر فرمایا ورنہ ظاہر کے لحاظ سے اس روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرمارہے ہیں کہ تم مجھے اپنا وکیل بنادو۔ انہوں نے بنادیا تو اپنے ساتھ نکاح فرما لیا۔ اس لئے ظاہر کے لحاظ سے باب سے مناسبت نہیں ہے باب سے مناسبت ثابت کرنے کے لئے ولایت والی توجیہ ضروری ہے۔**ان لم تکن لک بھا حاجة فزوجنیھا:** . باب سے مناسبت یوں ہے کہ نبی پاک ﷺ خلیفہ وقت ہونے کی وجہ سے اس عورت کے ولی تھے جس نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور نبی پاک ﷺ نے خود تو نکاح نہیں فرمایا دوسرے شخص سے نکاح فرما دیا گویا باب عام ہے ولی اپنے ساتھ نکاح کا پیغام دے یا کسی اور کے ساتھ نکاح کا پیغام دے۔**فیرغب عنھا:** . اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس کو اپنے ساتھ نکاح کرنے کا اختیار تھا لیکن اس نے اپنے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کیا۔ یہ اختیار ثابت ہونا ہی باب کا مقصد تھا اس لئے باب سے مناسبت ہوگئی۔

باب النکاح الرجل ولده الصغار

ولد کے لفظ میں مذکر اور مؤنث دونوں داخل ہیں اس لئے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ والد کو صغیر اور صغیرہ کا نکاح پڑھنے کا حق حاصل ہے۔**واللائی لم یحضن:** . امام بخاری اس آیت سے یوں استدلال فرمارہے ہیں کہ جب حق تعالیٰ صغیرہ کی عدت بیان فرمارہے ہیں تو معلوم ہوا کہ صغیرہ کا نکاح بھی ہو سکتا ہے اور طلاق کی صورت میں عدت تین ماہ ہوگی۔

باب تزویج الاب ابنة من الامام

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ باپ اگر اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ وقت سے پڑھ دے تو یہ بھی جائز ہے۔

باب السلطان ولی

غرض یہ اجماعی مسئلہ بتلاتا ہے کہ جس کا ولی نہ ہو بادشاہ اس کا ولی ہوتا ہے۔

باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الابرضاھا

غرض یہ بتلانا ہے کہ والد باکرہ یا ثیبہ کسی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا۔ ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری ہمارے امام ابوحنیفہ کی موافقت فرمارہے ہیں۔ عندامامنا ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے کہ ولی صغیرہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح پڑھ دے تو وہ نکاح صحیح ہے وعندالشافعی واحمد مدار بکارت پر ہے کہ باکرہ کا نکاح ولی بغیر اس کی اجازت کے پڑھ دے تو صحیح ہے اور ثیبہ کے نکاح کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے وعند مالک بکارت اور صغر میں سے جو بھی موجود ہو ولایت اجبار ولی کو حاصل ہوگی ہر باکرہ کا نکاح بھی ولی اس کی اجازت کے بغیر پڑھ سکتا ہے خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اور ہر صغیرہ کا نکاح بھی ولی بغیر اس کی اجازت کے پڑھ سکتا ہے خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ صرف بالغہ ثیبہ کا نکاح ولی اس کی اجازت کے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔ منشاء اختلاف اول الباب ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لاتنکح الایم حتیٰ تستأمر ولاتنکح البکر حتیٰ تستأذن پس عندنا یہ روایت ثیبہ اور باکرہ دونوں کے حق میں اپنے ظاہر پر ہے کہ دونوں سے اجازت لینی ضروری ہے البتہ صغیرہ باکرہ کے متعلق اجماع ہے کہ اس پر ولایت اجبار ولی کو حاصل ہے کہ ولی اس کی اجازت کے بغیر جہاں مناسب سمجھے اس کا نکاح پڑھ دے وہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس کا سبب بکارت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اول الباب جو بھی ذکر کی گئی ہے اس میں صراحۃً آ گیا کہ باکرہ کا نکاح اس کے اذن کے بغیر نہیں ہوسکتا اس لئے اجبار کا مدار صرف صغر پر رہ گیا کہ صغیرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ولی کردے تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ وللشافعی واحمد اسی اول الباب میں لاتنکح الایم حتیٰ تستأمر پر دار ومدار ہے اور اس کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوا کہ باکرہ پر ولایت اجبار حاصل ہے ولمالک مدار اسی ٹکڑے پر ہے لاتنکح الایم حتیٰ تستأمر لیکن ایم سے مراد ثیبہ بالغہ ہے اس لئے صرف ثیبہ بالغہ کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا باقی سب سب قسموں کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر ہوسکتا ہے۔ ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے تین وجہ سے۔ ۱- ہم حدیث کے دونوں حصول کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور دونوں حصوں پر پورا پورا عمل کرتے ہیں آپ ایک حصہ کو لیتے ہیں اور ایک حصہ کو چھوڑتے ہیں۔ افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ ۲- سنن ابی داؤد میں ہے عن ابن عباس ان جاریۃ بکراً اتت النبی ﷺ فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا النبی ﷺ۔ ۳- تجارت پر قیاس کرنا بھی حنفیہ کی تائید کرتا ہے کہ تجارت کی ولایت کا مدار صغر پر ہے صغیر اور صغیرہ کے مال میں ولی تصرف کر سکتا ہے اسی طرح نکاح بھی ولی ہی صغیر اور صغیرہ کا کرسکتا ہے بالغ اور بالغہ کا نکاح ولی ان کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا۔

باب اذازوج ابنۃ وھی کارھۃ فنکاحھا مردود

یہاں بیٹی سے مراد بالغ بیٹی ہے دو وجہ سے۔ ۱- پیچھے دو باب چھوڑ کر گزر چکا ہے۔ باب انکاح الرجل ولدہ الصغار اس گذشتہ باب کی موافقت یہی چاہتی ہے کہ یہاں بالغہ مراد ہو کہ صغیرہ کا نکاح تو ولی کرسکتا ہے لیکن بالغہ کا نکاح ولی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا۔ ۲- لفظ کراہت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ لڑکی بالغ ہے کیونکہ نابالغ کو نکاح کی پسندیدگی کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ نکاح اچھا ہے یا نہ

باب تزویج الیتیمۃ

غرض یہ ہے کہ ولی کسی یتیم لڑکی کا نکاح اپنے ساتھ کرے تو وہ نکاح بھی صحیح ہے بشرطیکہ نہ مہر میں کمی کرے نہ حقوق کے ادا کرنے میں کمی کرے۔ **ثم قال زوجنکھا:** مقصد یہ ہے کہ مجلس اگر ایک ہی ہو تو جو اجازت دی ہے وہ باقی رہے گی اور نکاح ہو جائے گا۔

باب اذاقال الخاطب للولی زوجنی فلانة

باب کی غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ لڑکے نے کہا کہ میرا نکاح مثلاً اپنی بیٹی سے کر دیں اس کے جواب میں دو گواہوں کے سامنے باپ نے کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیٹی فلاں کا نکاح تجھ سے اتنے مہر کے عوض کر دیا تو یہ نکاح ہو گیا دوبارہ لڑکے کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔لڑکے نے ایجاب کرلیا اور لڑکی کے باپ نے قبول کرلیا۔نکاح مکمل ہو گیا۔

باب لایخطب علی خطبة اخیه

یعنی جب راضی ہونے کے بالکل قریب ہوں پھر تو دوسرا آدمی پیغام نہ بھیجے اور اگر ابھی ابتدائی وجہ میں گفتگو ہو رہی ہو تو دوسرے شخص کے پیغام بھیجنے میں کچھ حرج نہیں۔ **ولا تجسسوا ولا تحسسوا:.** جیم والا اعم ہے حالات معلوم کرنا اور حاء والا اخص ہے چھپ کر بات سننا۔

باب تفسیر ترک الخطبة

غرض یہ بتلانا ہے یہ کیسے پتہ چلتا ہے کہ خاطب اول نے چھوڑ دیا۔
ولوتر کھا لقبلتھا:. اس حدیث پاک سے یہ مسائل مستنبط ہوئے۔ا- ایک شخص کے خطبہ کرنے کے ارادہ کے بعد دوسرے شخص کا صراحتہً خطبہ کرنا تو اچھا نہیں جبکہ پتہ ہو کہ پہلا شخص اگر خطبہ کرے گا تو فوراً نکاح ہو جائے گا کیونکہ یہ بھی خطبہ قبول ہونے اور جانبین کے راضی ہونے کے قریب پہنچنے ہی کے حکم میں ہے۔البتہ دل میں سوچنا جائز ہے کہ اگر پہلا شخص ارادہ چھوڑ دے گا تو میں پیغام بھیج دوں گا جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ارادہ فرمایا تھا کہ اگر نبی پاک ﷺ حضرت حفصہ سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دیں گے تو میں پیغام بھیج دوں گا اس طرح سوچنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔۲-کوئی اپنی بیٹی وغیرہ کے نکاح کی پیشکش کرے اور اس کو کوئی عذر ہو قبول کرنے سے تو وہ عذر بیان کر دینا چاہئے تا کہ اس پیش کش کرنے والے کو رنجش نہ ہو۔۳-ترک خطبہ کی تفسیر معلوم ہوگئی کہ نکاح کرنے کا ارادہ تھا اب ارادہ بدل گیا یہی ترک خطبہ ہے۔

باب الخطبة

غرض یہ ہے کہ نکاح کے ایجاب وقبول کے لئے خطبہ پڑھنا مستحب ہے۔سوال۔اس باب میں نکاح کے خطبہ کی روایت تو لائے ہی نہیں۔جواب۔وہ روایت ان کی شرط پر نہ تھی اس لئے نہ لائے اور عام خطبہ والی حدیث سے استنباط فرمالیا پھر گذشتہ باب سے مناسبت لفظی ہے کیونکہ خطبہ بکسر الخاء ہے اور خطبہ بضم الخاء ہے پہلے کے بعد دوسرے کا ذکر ہے۔پھر امام بخاری اس حدیث کو لا کر یہ اشارہ بھی فرمار ہے ہیں کہ اگر چہ خطبہ نکاح کے موقعہ میں مسنون ہے لیکن اپنی ساحرانہ کلام سے حق اور باطل میں التباس پیدا نہ کرے جو کچھ کہے حق ہی کہے۔

باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة

باب کی غرض میں دو تقریریں ہیں۔ا- نکاح اور ولیمہ میں دف کا بجانا جائز ہے بشرطیکہ صرف اعلان مقصود ہو لہو ولعب مقصود نہ ہو۔۲-یہی مستحب ہے اسی مذکورہ شرط کے ساتھ۔

باب قول الله تعالیٰ اٰتوا النساء صدقاتهن نحلة وکثرة المهر وادنیٰ مایجوزمن الصداق

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ اقل مہر مقرر نہیں ہے شرعاً ایک پیسہ بھی مہر ہو سکتا ہے جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے اور یہی مذہب ہے جمہور کا لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک شریعت میں اقل مہر متعین ہے اور وہ دس درہم ہے۔ لنا۔ا-حق تعالیٰ کا ارشاد ان تبتغوا باموالکم۔۲-حق تعالیٰ کا ارشاد ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات فمن ماملکت ایمانکم من فتیا تکم المومنات ان دونوں آیتوں سے ہمارا استدلال اس طرح ہے کہ حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آزاد عورتوں کا مہر کچھ عزت والا ہوتا ہے اسی لئے کوئی

ادا کر سکتا ہے اور کوئی ادا نہیں کر سکتا جو آزاد عورت کا مہر نہ ادا کر سکے وہ لونڈی سے نکاح کرے اور عزت دینار کو حاصل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **ومن اهل الكتب من ان تامنه بقنطار يوده اليک و منهم من ان تامنه بدينار لايوده اليک الامادمت عليه قائما** ۔ یہاں قنطار اور دینار کا تقابل ہے اس سے ملوم ہوا کہ عرف میں ادنیٰ مال دینار ہے اور یہی عزت والا ہے اور دینار کی قیمت چاندی کے لحاظ سے نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں دس درہم تھی اس لئے **ان تبتغوا باموالكم** میں بھی دس درہم ہی مراد ہیں اور **من لم يستطع منكم طولاً ان ينكح المحصنات** میں بھی حرہ کا مہر دس درہم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔۳۔فتح القدیر میں ہے فقدروی ابن ابی حاتم عن القاسم بن محمد قال سمعت جابراً رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لامھر اقل من عشرۃ اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ حسن قرار دیا ہے۔۴۔**قد علمنا ما فرضنا عليهم فى ازواجهم** اس آیت مبارکہ میں لفظ فرض بھی خاص ہے اور اس کی نسبت متکلم کی طرف بھی خاص ہے۔ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اور شریعت مطہرہ کی طرف سے اقل مہر متعین ہے کیونکہ اکثر مہر تو بالاتفاق متعین نہیں ہے پھر وہ اقل کتنا متعین ہے اس کی تفصیل اوپر والی حدیث پاک میں آ چکی ہے وبجھو راول الباب الآتی عن سہل بن سعد الساعدی کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی پاک ﷺ کی خدمت میں نکاح کے لئے پیش کیا نبی پاک ﷺ خاموش رہے تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر آپ نکاح نہیں فرمانا چاہتے تو میرے ساتھ نکاح پڑھ دیجئے اس پر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے عرض کیا کچھ نہیں اس پر فرمایا اذھب فاطلب ولو خاتماً من حدید اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ معمولی چیز بھی مہر بن سکتی ہے کیونکہ لوہے کی انگوٹھی بہت معمولی ہوتی ہے ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ مہر معجّل تھا اور مہر مثل ذمہ میں رہنے دیا اور جب وہ لوہے کی انگوٹھی بھی نہ لا سکا تو زوجہ کو خوش کرنے کے لئے صرف تھوڑے سے قرآن پاک کے حفظ ہونے کی وجہ سے نکاح فرما دیا ایسے ہی جن روایتوں میں دس درہم سے کم مہر کا ذکر ہے وہ سب مہر معجّل ہی پر محمول ہیں۔

باب التزويج على القرآن و بغير صداق

علامہ عینی نے اس باب کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مراد ہے بغیر ذکر صداق کے بھی نکاح پڑھ دیا جائے یعنی مہر کا نام نہ لیا جائے تو پھر بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔**فرفيها رأيک**:۔ یہاں فاء الگ ہے اور را الگ ہے یہ رای سے بھی اور روایت سے بھی امر کا صیغہ آتا ہے کہ اے نبی پاک ﷺ آپ اپنی رائے مبارک ذکر فرما دیں۔**فقد انكحتكها بما معک من القرآن**:۔ عندامامنا واحمد تعلیم قرآن مہر نہیں بن سکتی وعندالشافعی بن سکتی ہے وعند مالک بن تو سکتی ہے۔ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔لنا۔ **واحل لكم ماوراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم** معلوم ہوا کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے اور تعلیم قرآن ایک عمل ہے مال نہیں ہے اس لئے تعلیم قرآن کو مہر نہیں بنایا جا سکتا وللشافعی اول الباب عن سہل بن سعد مرفوعاً قد انکحتکھا بمامعک من القران جواب یہ معنی ہیں کہ قران پاک کی فضیلت کی وجہ سے نکاح کرتا ہوں کیونکہ وہ شخص مہر معجّل کے طور پر لوہے کی انگوٹھی بھی نہ لا سکا جس سے بیوی کو فوری طور پر خوش کر سکتا تو نبی پاک ﷺ نے بیوی کو خوش کرنے کے لئے اس شخص کی دینی فضیلت بیان فرما دی کہ اگر چہ یہ دنیا کے لحاظ سے خالی ہاتھ ہے لیکن اس کے پاس دنیا کی دولتوں سے کہیں اونچی دولت موجود ہے اور وہ بعض سورتوں کا یاد ہونا ہے اور یہاں باء من اجلیہ کے معنی میں ہے یعنی باء سببیہ ہے بابدلیت نہیں ہے کہ تعلیم قرآن کے بدلہ میں نکاح پڑھا ہے قرینہ وہی آیت ہے جو ہماری دلیل کے طور پر ابھی ذکر کی گئی ہے ولمالک اول الباب جو ابھی ذکر کی گئی یہ اجازت اس صورت میں دی گئی جب کہ اس کو مال بالکل نہ ملا اس لئے عام حالات میں تعلیم قران کو مہر بنانا مکروہ ہے۔ جواب وہی ہے جو ابھی گزرا۔

باب المهر بالعروض و خاتم من حدید

غرض یہ ہے کہ نقد کے علاوہ بھی چیزیں مہر بن سکتی ہیں۔

باب الشروط فی النکاح

نکاح کی شرطیں تین قسم کی ہیں۔۱-جن کا ادا کرنا واجب ہے شرط لگائیں یا نہ لگائیں جیسے بیوی سے اچھا سلوک کرنا۔۲-وہ شرطیں جن کے لگانے سے منع کیا گیا ہے جیسے یہ شرط لگائے کہ پہلی بیوی کو طلاق دو۔۳-جن میں اختلاف ہے مثلاً مجھ پر اور نکاح نہ کرنا۔عند احمد عقد کے وقت جو شرط لگائی جائے اس کا پورا کرنا ضرور ہے۔عند الجمہور پورا کرنا ضروری نہیں۔لنا۔فی الطبر انی بسند حسن عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام مبشر بنت البراء بن المعرور فقالت انی شرطت لزوجی ان لا اتزوج بعدہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا لایصلح ولاحمد اسی باب کی مسند روایت عن عقبۃ مرفوعاً احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج جواب یہ صرف اولویت پر محمول ہے تاکہ ہماری دلیل سے تعارض نہ ہو۔**قال عمر مقاطع الحقوق عند الشروط:.** اس کے معنی یہ ہیں کہ شروط واجبہ لگانے سے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔**ووعد فی فوفانی:.** یہی محل ترجمہ ہے۔

باب الشروط التی لاتحل فی النکاح

غرض ان شرطوں کا بیان کرنا ہے جن کا لگانا نکاح کرتے وقت جائز نہیں ہے اس باب کی حدیث میں مرفوعاً وارد ہے عن ابی ہریرۃ لایحل لامراۃ ان تسئل طلاق اختھا لتستفرغ صحفتھا فانما لھا ماقدر لھا اور سنن ابی داؤد کی روایت میں فانما سے پہلے ولتنکح بھی ہے۔اس حدیث کے چار معنی کئے گئے ہیں۔۱-منکوحہ اپنے خاوند سے یہ نہ کہے کہ تم اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے دو تاکہ اس کا حصہ بھی میں ہی لے جاؤں ولتنکح کے معنی ہیں کہ نکاح میں باقی رہے۔۲-اجنبی عورت جس کو کسی نے نکاح کا پیغام دیا ہو پیغام دینے والے کو جس کو خاطب کہتے ہیں اس کو یہ نہ کہے کہ پہلے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دو پھر میں تجھ سے نکاح کروں گی بلکہ اس پہلی بیوی کے ساتھ ہی یہ بھی نکاح میں آ جائے اس کو اس کا حصہ جتنا تقدیر میں ہوگا جس کو مقدر کہتے ہیں مل جائے گا۔۳-یہی عورت کسی اور سے نکاح کرے وہاں اس کو اس کا مقدر مل جائے گا۔۴-بیوی کی بہن اپنی بہن کو طلاق دلوا کر اس کی جگہ اپنے بہنوئی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور جگہ نکاح کرے اس کو وہاں اس کا مقدر مل جائے گا۔

باب الصفرۃ للمتزوج

امام بخاری کی غرض میں دو تقریریں ہیں۔۱-نیا نکاح کرنے والے کو زرد رنگ کی خوشبو استعمال کرنا جائز ہے لیکن یہ امام بخاری کا اپنا اجتہاد ہے ورنہ جمہور فقہاء کے نزدیک زرد رنگ کی خوشبو مردوں کے لئے منع ہے نیا نکاح ہو یا نہ ہو اور ممانعت احادیث میں وارد ہے اور یہ ممانعت عام ہے نئے نکاح والے کو بھی اور باقیوں کو بھی شامل ہے۔امام بخاری زیر بحث روایت سے استدلال فرما رہے ہیں عن انس ان عبدالرحمن بن عوف جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بہ اثر صفرۃ فسالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ انہ تزوج امراۃ من الانصار اس کا ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ بلا اختیار تھوڑا سا رنگ بیوی سے لگ گیا تھا خود قصداً حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اپنے بدن یا کپڑے پر نہ لگایا تھا۔

۲-دوسری تقریر امام بخاری کی غرض کی اس باب سے یہ ہے کہ اگر بلا اختیار بیوی کے بدن یا کپڑے سے خاوند کے بدن یا کپڑے کو زرد رنگ کی خوشبو لگ جائے تو اس میں گناہ نہیں ہے اس تقریر پر امام بخاری جمہور کی مخالفت نہیں فرما رہے ہے۔

باب:. سوال۔اس باب میں حضرت زینب کے ولیمہ کا ذکر ہے اس لئے یہاں باب بلا ترجمہ مانیں یا نہ مانیں اس حدیث کو گذشتہ باب سے کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ گذشتہ باب میں تو نئے نکاح کرنے والے کا حکم ہے کہ اس کے لئے زرد رنگ کی خوشبو لگانا جائز ہے یا غیر اختیاری طور پر لگ جائے تو معاف ہے پس کوئی مناسبت نہ پائی گئی۔جواب۔۱-گذشتہ باب میں جو حدیث لائے تھے اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبدالرحمن بن

عوف کو امر تھا اولم ولو بشاۃ اور اس حدیث میں ایک ولیمہ واقعہ ہے گویا گذشتہ باب میں امر ولیمہ تھا اور اس باب میں فعل ولیمہ ہے۔
۲- دوسرا جواب یہ ہے کہ گذشتہ باب میں زرد رنگ کا نئے نکاح کرنے والے پر موجود ہونا مذکور تھا اس باب میں نہ ہونا مذکور ہے اس لئے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ زرد رنگ کی خوشبو لگانا نئے نکاح کرنے والے کے لئے صرف جائز ہے واجب نہیں ہے۔

باب کیف یدعیٰ للمتزوج

غرض زمانہ جاہلیت والی دعا کا رد کرنا ہے وہ یہ تھی بالرفاء والبنین۔ رد کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ہے اس کی جگہ احادیث میں دو قسم کی دعائیں منقول ہیں ایک یہاں چھوٹی دعا ہے بارک اللہ لک اور دوسری دعا ذرا لمبی ہے وہ دوسری احادیث میں ہے بارک اللہ لکما وبارک فیکما وجمع بینکما فی خیر۔

باب الدعا للنساء اللاتی یھدین العروس وللعروس

غرض اس دعا کا ذکر کرنا ہے جو خاوند کے گھر موجود عورتیں دلہن کے لئے اور دلہن کو لانے والی عورتوں کے لئے کریں دلہن کو لانے والی اس کی ماں اور دیگر رشتہ دار اور ملنے والی عورتیں ہوتی ہیں۔ **علی خیر طائر:** ۱- نیک فال سے کنایہ ہے۔ ۲- طائر سے مراد انسان کا عمل ہے۔ ۳- طائر سے مراد قسمت ہے۔ ۴- طائر سے مراد حصہ ہے۔

باب من احب البناء قبل الغزو

باب کی غرض کیا ہے اس کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- پہلے شادی شدہ رخصتی کرے پھر جہاد پر جائے تاکہ یکسوئی سے جہاد کی عبادت ادا کر سکے۔ ۲- رد کرنا مقصود ہے اس شخص پر جس نے کہہ دیا کہ نکاح سے پہلے حج کرنا چاہئے تاکہ حج سے پاک صاف ہو جائے پھر نکاح کرے امام بخاری رد فرما رہے ہیں کہ معاملہ برعکس ہونا چاہئے کہ پہلے نکاح اور رخصتی کے ذریعہ سے پاک صاف اور عفیف بن جائے پھر حج اور جہاد کی عبادت میں مشغول ہوتا کہ حج اور جہاد کی عبادتیں یکسوئی اور عمدگی سے ادا ہوں۔

باب من بنی بامراۃ وھی بنت تسع سنین

غرض یہ ہے کہ ۹ سال کی عمر سے پہلے عورت کی رخصتی نہ ہونی چاہئے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک دارومدار قوت پر ہے اگر ۹ سال سے پہلے بھی عورت قوت والی ہو تو رخصتی میں کچھ حرج نہیں اور اگر کمزور ہو تو ۹ سال کے بعد ہونی چاہئے۔

بنب البناء فی السفر

غرض یہ ہے کہ سفر میں بھی رخصتی کی گنجائش ہے۔

باب البناء بالنھار بغیر مرکب ولانیران

باب کی دو غرضیں ہیں۔ ۱- زمانہ جاہلیت کی رسم تھی کہ رخصتی کے وقت دلہن سے آگے آگے گھوڑ سوار اعلان کے لئے بھیجتے تھے اور آگ جلاتے تھے اس کا رد ہے کہ کفار جاہلیت کی رسم ہے اور ایک نسخہ میں مرکب کی جگہ موکب ہے جس کے معنی ہیں گھوڑ سواروں کی جماعت جس کو آج کل جلوس کہتے ہیں۔ ۲- دوسری غرض یہ ہے کہ رخصتی رات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ دن کے وقت بھی ہو سکتی ہے۔

باب الانماط ونحوھا للنساء

انماط کے معنی نمدے اور غالیچے ہیں غرض یہ ہے کہ بستر کے اوپر عمدہ غالیچہ یا نمدہ یا عمدہ چادر بچھانی جائز ہے۔

باب النسوۃ اللاتی یھدین المرأۃ الی زوجھا

غرض یہ ہے کہ دلہن کو تیار کرنے کا اور اس کو بھیجنے کا خصوصی اہتمام کرنا جائز ہے اور بعض نسخوں میں یہاں باب کے عنوان میں اخیر میں یہ الفاظ بھی ہیں ودعائھن بالبرکۃ شاید اس میں اشارہ ہو اس حدیث کی طرف جو یہاں مذکور نہیں ہے جس میں حضرت عائشہ کی دعاء کا ذکر ہے جو انہوں نے کسی عورت کو رخصتی کے لئے پیش کرنے کے بعد کی تھی سلما ودعونا بالبرکۃ۔ **فان الانصار یعجبھم اللھو:** اس لہو کا مصداق اشعار اور دف ہے۔

باب الھدیۃ للعروس

غرض یہ ہے کہ نئے شادی شدہ کو رخصتی کی رات گزارنے کے

بعد پہلی صبح ہی کو کچھ ہدیہ دینا اچھا ہے لیکن قرضہ کی نیت سے نہ ہو جیسا کہ آج کل سلامیوں کا رواج ہے جو قرضہ ہوتا ہے اور پھر صحیح طریقہ سے واپس نہیں کیا جاتا وہ ناجائز رسم اور گناہ ہے۔

بجنبات: . یہ جنبۃ کی جمع ہے جس کے معنی ناحیہ اور جانب کے ہیں۔**تصدعوا:** . سب چلے گئے۔ **وجعلت اغتم:** . میں شروع ہوا کہ میں غم کر رہا تھا کہ یہ چند آدمی اب اپنے اپنے گھروں کو کیوں نہیں جاتے۔

باب استعارة الثیاب للعروس و غیرها

غرض یہ ہے کہ دلہن کے لئے کپڑے اور زیور عاریت کے طور پر لے لینا جائز ہے۔ غیرھا کی ضمیر ثیاب کی طرف لوٹتی ہے۔

باب مایقول الرجل اذااتی اهله

غرض وہ دعا بتلانی ہے جو جماع سے پہلے پڑھنی مسنون ہے۔

لم یغره شیطان ابداً: . اس پیارے ارشاد کے مختلف معانی کئے گئے۔۱- اتنا اثر شیطان نہ ڈال سکے گا کہ کوئی بھی عمل صالح باقی نہ رہے یہ کفر ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے اس لئے حاصل یہ ہوا کہ شیطان اس کو مرتد نہ بنا سکے گا۔۲- ولادت کے وقت شیطان کے ہاتھ لگانے سے محفوظ رہے گا۔۳- ان بندوں میں سے ہوگا جن کے بارے میں وارد ہے ان عبادی لیس لک علیهم سلطان.
۴- بدن کا نقصان نہ کرے گا کہ ناقص الخلقۃ ہو۔

باب الولیمة حق

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ولیمہ سنت ہے۔

باب من اولم علی بعض نساءه اکثر من بعض

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جس نے ایک سے زیادہ نکاح کئے ہوں وہ اگر کسی نکاح کے ولیمہ میں چھوٹی اور کسی نکاح کے ولیمہ میں کچھ بڑی دعوت بھی کر دے اپنی امیری اور غریبی کے حالات کی وجہ سے تو اس میں گناہ نہیں ہے جبکہ اس کی نیت کسی ایک بیوی کو تکلیف پہنچانے کی نہ ہو۔**اولم بشاة:** . حضرت زینب کے نکاح میں کچھ بڑی دعوت بطور ولیمہ کے فرمائی اس کی وجہ میں اقوال مختلف ہیں۔۱- اتفاقاً اس زمانہ میں کچھ گنجائش زیادہ تھی اس لئے قدرے بڑی دعوت فرمائی۔۲- بیان جواز مقصود تھا کہ قدرے بڑی دعوت کی بھی گنجائش ہے جبکہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے اسراف نہ ہو لیکن اس زمانہ میں چونکہ ولیمہ کا اسراف بہت زیادہ ہے اس لئے گنجائش والے کو بھی بڑی دعوت نہ کرنی چاہیئے تاکہ دوسروں کو اسراف کا شوق نہ ہو۔۳- چونکہ حضرت زینب کا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود پڑھ دیا تھا فلما قضی زید منها وطراً زوجنکها اس اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا شکر ادا کرنے کے لئے ولیمہ میں قدرے وسعت فرما دی اور ایک بکری ولیمہ کے لئے ذبح فرمائی اور غریب کی بکریاں چونکہ چھوٹے قد کی ہوتی ہیں تقریباً تین چار مرغیوں کے برابر ہوتی ہیں اس لئے ایک بکری سے پندرہ سولہ آدمیوں کی دعوت ہوسکتی ہے ہزار دو ہزار کے لئے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ بہرحال اسراف سے بچنا ضروری ہے وہی رقم اسی لڑکے اور لڑکی کو دے دی جائے تو ان کو کوئی سال گھر کے خرچ میں تنگی نہ ہو۔

باب من اولم باقل من شاة

غرض یہ ہے کہ چھوٹی سی دعوت بھی ولیمہ کی سنت ادا کرنے کے لئے کافی ہے پھر اس باب کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ اس میں تصریح بما علم ضمناً ہے۔

باب اجابة الولیمة والدعوة ومن اولم سبعة ایام ونحوه

باب سے دو غرضیں ہیں۔۱- ولیمہ اور دعوت قبول کرنے کی شریعت میں بہت تاکید ہے۔۲- ولیمہ میں دنوں کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس حد نہ ہونے کی دلیل یہ شمار فرما رہے ہیں کہ ولیمہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دنوں کی کوئی حد ذکر نہیں فرمائی پھر امام بخاری نے اپنی تاریخ میں یہ روایت ذکر فرمائی ہے جو ابوداؤد اور نسائی میں ہے عن عبداللہ بن عثمان الثقفی عن رجل من ثقیف مرفوعاً الولیمۃ اول یوم حق

والثانی معروف والثالث ریاء وسمعۃ اور امام بخاری نے اس حدیث کو اسناد کے لحاظ سے غیر صحیح قرار دیا ہے اور اپنی اسی تاریخ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے عن ابن سیرین عن ابیہ انہ لما بنی باھلہ اولم سبعۃ ایام فدعا فی ذلک ابی بن کعب فاجابہ۔**وعن المیاثر**:۔ یہ میثرہ کی جمع ہے ریشمی گدی جس پر گھوڑے پر سواری کے وقت بیٹھتے تھے۔ **والقسیۃ**:۔ ریشم اور سوت کو ملا کر بنائے ہوئے کپڑے قس کی طرف منسوب ہے جو دیار مصر میں ایک بستی تھی۔**وکانت امراتہ یومئذ خادمھم**:۔ یہ پردہ نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بلا عذر دعوت سے انکار کرنا گناہ ہے۔

باب من اجاب الی کراع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ تحقیر کی وجہ سے دعوت چھوڑ دینا منع ہے۔

باب اجابۃ الداعی فی العرس و غیرھا

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بلا عذر دعوت کا رد ممنوع ہے سوال عنقریب تو یہی مضمون گزرا ہے۔ جواب یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔ وہاں دعوت کا ذکر تھا یہاں خاص دعوت ولیمہ ہے۔

باب ذھاب النساء والصبیان الی العرس

غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا ولیمہ میں شریک ہونا جائز ہے بشرطیکہ پردہ اور احکام شرع کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ **فقال ممتنا**:۔ یہ منت سے ہے ان پر احسان فرماتے ہوئے غرض یہ ہے کہ جلدی سے اور قوت سے اٹھے۔

باب ھل یرجع اذا رای منکرا فی الدعوۃ

غرض یہ ہے کہ اگر دعوت میں برائی کو روک نہ سکے تو اٹھ کر آ جانا واجب ہے۔**من کنت اخشی علیہ فلم اکن اخشی علیک**:۔ اگر اوروں پر مجھے خوف تھا کہ وہ عورتوں سے مغلوب ہو جائیں گے تو آپ پر تو مجھے خوف نہ تھا لیکن افسوس کہ آپ بھی عورتوں سے مغلوب ہو گئے۔**نمرقۃ**:۔ اس کے معنی ہیں تکئے۔

باب قیام المراۃ علی الرجال فی العرس و خدمتھم بالنفس

غرض یہ کہ دلہن بھی مہمانوں کو خود کھانا کھلا سکتی ہے۔ یہ واقعہ تو نزول حجاب سے پہلے کا ہے اب پردہ کے ساتھ گنجائش ہے۔ **اماثۃ**:۔ ہاتھوں سے ملا۔**تتحفہ**:۔ تحفہ پیش کر رہی تھیں۔

باب النقیع والشراب الذی لایسکر فی العرس

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ ولیمہ میں ایسا شربت پلانا جائز ہے جو نشہ نہ کرے۔

باب المداراۃ مع النساء

غرض یہ ہے کہ بیوی سے نرمی کا سلوک کرنا چاہئے۔

باب الوصاۃ بالنساء

لفظ وصاۃ کے معنی وصیت کے ہیں غرض یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے وصیت ثابت ہے اور ان کے حقوق ادا کرنا واجب ہے۔

باب قوا انفسکم واھلیکم نارا

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر بیوی واجب چھوڑے تو اس سے نرمی نہ کرے اور پوری کوشش سے واجبات کا پابند بنائے تاکہ وہ دوزخ کی آگ سے بچ سکے۔

باب حسن المعاشرۃ مع الاھل

غرض یہ ہے کہ بیوی سے اچھا سلوک کرنا واجب ہے۔**ان لایکتمن من اخبار ازواجھن شیئاً**:۔ عورتوں کی یہ گفتگو کہاں ہوئی زمانہ جاہلیت میں اس میں تین قول ہیں۔۱۔مکہ مکرمہ میں۔۲۔یمن میں۔۳۔قبیلہ بنی خثعم میں۔ پھر یہ روایت موقوف ہے یا مرفوع اس میں دو قول ہیں۔۱۔حضرت عائشہ پر موقوف ہے سوائے آخری حصہ کے کہ وہ مرفوع ہے۔۲۔ساری روایت مرفوع ہے۔**زوجی لحم جمل غث**:۔ میرا

خاوند دبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے۔ بکری کا گوشت پسند کیا جاتا ہے نہ کہ اونٹ کا کیونکہ اس میں کچھ بو ہوتی ہے اور ذائقہ اچھا نہیں ہوتا پھر اونٹ بھی دبلا ہو تو شوق اور بھی کم ہو جاتا ہے مقصد یہ ہے کہ میرے خاوند کا نفع کم ہے۔ **علی راس جبل لا سھل فیرتقی:.** اس میں خاوند کا بخل اور تکبر بتلایا کہ اس سے نفع حاصل کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ بخیل ہے اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے گویا کہ پہاڑ پر بیٹھا ہے۔ **ولا سمین فینتقل:.** راجح یہ ہے کہ سہل اور سمین کو مرفوع پڑھا جائے کیونکہ یہ لحم کی صفتیں ہیں اور ولا سمین کے معنی ہیں کہ یہ گوشت عمدہ نہیں ہے کہ مشقت اٹھا کر لایا جائے۔ اسی پہلی صفت قلیل النفع ہی کی تاکید ہے۔ کل تین برائیاں بیان کی ہیں قلیل النفع۔ بخیل اور متکبر۔ **انی اخاف ان لا اذرہ:.** ا۔ اس عبارت میں اذرہ کی ضمیر لوٹتی ہے خبر کی طرف کیونکہ اس سے پہلے ہے زوجی لا ابث خبرہ اور لا زائدہ ہے میں ڈرتی ہوں کہ اس کی خبر چھوڑ دوں گی یعنی اس کے حالات اتنے زیادہ ہیں کہ میں سب بیان نہیں کر سکتی۔ ۲۔ ضمیر لوٹتی ہے خاوند کی طرف اور لا زائدہ ہے میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں اس کے حالات بیان کرونگی تو اس کو چھوڑ دونگی یعنی وہ مجھے طلاق دے دے گا۔ ۳۔ ضمیر لوٹتی ہے زوج کی طرف اور لا زائد نہیں ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر میں اس کے حالات بیان کرونگی تو اس کو نہ چھوڑوں گی یعنی خوب رگڑوں گی اور خوب عیب بیان کروں گی اور خوب ذلیل کروں گی۔ **ان اذکرہ اذکر عجرہ و بجرہ:.** ا۔ سب کچھ بیان کردوں گی جس کو اردو میں کہتے ہیں اترے پترے کھول دونگی۔ ۲۔ عجر کے معنی ہیں پیچھے پھونک مارنا اور بجر کے معنی ہیں آگے پھونک مارنا کنایہ ہے اس سے کہ اس کے سب عیب کھول دوں گی۔ ۳۔ عجر اور بجر کے معنی گرہ کے آتے ہیں معنی یہ ہیں کہ اس کے اچھے اخلاق پر جو گرہ لگی ہوئی ہے اس کو بیان کردونگی اور ثابت کردونگی کہ اس میں اچھے اخلاق نہیں ہیں۔ ۴۔ اس کے راز کھول دونگی۔ ۵۔ اس کے باطنی عیب ظاہر کردونگی۔ ۶۔ عجرہ سے مراد ظاہری باتیں غم کی جو بہت سے لوگ جانتے ہیں اور بجرہ سے مراد باطنی باتیں غم کی جو لوگ نہیں جانتے وہ۔ بتلا دوں گی گویا لغوی معنی ایک تو وہ آتے ہیں جو دوسرے مرادی معنی میں بتلائے گئے ہیں اور دوسرے یہ آتے ہیں کہ عجر کہتے ہیں رگوں کی گرہ کو اور بجر کہتے ہیں رگوں ہی کی گرہ کو جو پیٹ میں ہو گویا عجر عام ہے اور بجر خاص ہے باقی سب مرادی معنی ہیں۔ **زوجی العشنق:.** لمبا تڑنگا یعنی بہت لمبا ہے۔ **ان انطق اطلق:.** اگر میں اس کے عیب بتلاؤں گی تو وہ مجھے طلاق دے دے گا۔ **وان اسکت اعلق:.** اگر میں خاموش رہوں گی تو کالمعلقة تو ہوں ہی یعنی نہ میرے حق ادا کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔ **زوجی کلیل تھامة:.** اس عبارت میں تھامہ جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے قریب ہے رات سے مراد موسم بہار کی رات ہے جو اعتدال والی ہے۔ **لاحر ولا قر:.** نہ بہت گرم ہے نہ بہت ٹھنڈا ہے کہ تکلیف دہ ہو اعتدال والا ہے۔ **لا مخافة ولا سامة:.** نہ میں اس سے ڈرتی ہوں کیونکہ اچھے اخلاق والا ہے نہ وہ مجھ سے اکتاتا ہے۔ **زوجی ان دخل فھد:.** میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتے جیسا ہو جاتا ہے یا تو چیتے کے ساتھ تشبیہ ہے زیادہ سونے میں یا جلدی جماع کرنے میں۔ **وان خرج اسد:.** جب باہر جاتا ہے تو دشمنوں پر شیر ہو جاتا ہے حضرات صحابہ کرام کی طرح ہے اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ **ولا یسأل عما عھد:.** اس عبارت میں عہد کا تعلق ماضی سے بھی ہے اور حال سے بھی ہے یعنی ماضی کے لحاظ سے جو مال اس کے علم میں ہے اس کے متعلق باز پرس نہیں کرتا اور فی الحال جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس میں کھود کرید نہیں کرتا نرمی سے پیش آتا ہے۔ **زوجی ان اکل لف:.** میرا خاوند اگر کھانے بیٹھتا ہے تو سب کچھ کھا جاتا ہے۔ **وان شرب اشتف:.** اگر پیتا ہے تو سب کچھ پی جاتا ہے۔ **وان اضطجع التف:.** اور اگر لیٹتا ہے تو اکیلا لیٹتا ہے۔ **ولا یولج الکف لیعلم البث:.** اور میری طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا تا کہ میرا پراگندہ

حال معلوم کرے۔ **زوجي غياياء اوعياياء:** . میرا خاوند گمراہ ہے یا عاجز ہے۔ **طباقاء:** . اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں ۔ا۔ زیادہ چوڑے سینے والا ہے جو بیوی پر منطبق نہیں ہوتا۔ ۲۔ احمق ہے۔ ۳۔ احمق بھی ہے متکبر بھی ہے۔ ۴۔ بولنے سے عاجز ہے۔ **كل داء له داء:** . عورت کی ہر بیماری اس کے لیے بیماری ہے یعنی عورت کے ہر معمولی سے معمولی عیب کو بھی وہ بہت بڑا عیب سمجھتا ہے۔ **شجک او فلک او جمع كلالک:** . تیرے سر کو پھاڑ دے گا یا تجھے زخم لگائے گا یا دونوں چیزیں یعنی سر پھاڑنا اور گہرا زخم لگانا دونوں کو جمع کرے گا۔ **زوجي المس مس ارنب:** . میرا خاوند ایسا ہے کہ اس کا چھونا خرگوش کی طرح نرم ہے۔ **والريح ريح زرنب:** . اور اس کی خوشبو زعفران کی خوشبو کی طرح ہے۔ **زوجي رفيع العماد:** . اونچے ستون والا یعنی اونچی عمارت والا امیر آدمی ہے۔ **طويل النجاد:** . لمبے پر تلے والا ہے یعنی لمبے قد والا ہے اور شکل وصورت کا اچھا ہے۔ **عظيم الرماد:** . زیادہ راکھ والا ہے یعنی سخی ہے مہمان زیادہ آتے ہیں کھانے زیادہ پکتے ہیں اس لیے زیادہ راکھ بنتی ہے۔ **قريب البيت من الناد:** . مجلس شوریٰ کے قریب ہی اس کا گھر ہے یعنی بہت سمجھ دار ہے اس لیے مجلس شوریٰ والے اس کے گھر کے قریب ہی شوریٰ کا اجلاس رکھتے ہیں تاکہ وہ شریک ہو سکے۔ **زوجي مالک ومامالک:** . میرے خاوند کا نام مالک ہے اور کیا ہی اچھا ہے مالک۔ **مالک خير من ذالک:** . ا۔ جو میرے ذہن میں اچھے خاوند کا نقشہ ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ ۲۔ وہ دنیا بھر کے مالک نام والے انسانوں سے بہتر ہے۔ ۳۔ اے مخاطب تیرے ذہن میں جو مالک الاموال کا نقشہ ہو سکتا ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ **له ابل كثيرات المبارک قليلات المسارح:** . اس کے اونٹ ایسے ہیں جو چرنے کم جاتے ہیں اور گھر میں زیادہ رہتے ہیں کیونکہ وہ بہت مہمان نواز ہے اور مہمانوں کے آنے پر اونٹ ذبح کرتا ہے۔ اس لیے اونٹ گھر پر موجود رکھتا ہے۔ **واذاسمعن صوت المزهر ايقن انهن هوالک:** . مزھر سے مراد وہ لکڑی ہے جس سے گھنٹی بجائی جاتی ہے یا کوئی اور باجا بجایا جاتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ جب مہمان آتے ہی تو میرا خاوند خوشی سے گھنٹی بجاتا ہے تو اونٹنیاں سمجھتی ہیں کہ اب مہمان آگئے ہیں ہم میں سے کسی نہ کسی کو ضرور ذبح کیا جائے گا یعنی وہ مہمانوں کے آنے سے بہت خوش ہوتا ہے اور ان کی بہت خدمت کرتا ہے اور مہمان بھی اتنے زیادہ آتے ہیں کہ اونٹنیاں بھی ان حالات کی عادی ہو چکی ہیں۔ **زوجي ابوزرع يما ابو زرع:** . میرا خاوند ابوزرع ہے اور کیا ہی اچھا ابوزرع ہے۔ **اناس من حلي اذني:** . میرے کانوں کو زیور سے جھومنے والا بنا دیا یعنی زیور سے بھر دیا۔ **وملاء من سحم عضدي:** . اور میرے بازوؤں کو چربی سے بھر دیا مجھے خوب کھلایا پلایا کہ میرے بازوؤں میں بہت چربی آگئی۔ **بحجني فبحجت الى نفسي:** . مجھے خوش کیا پس خوشی سے میری طرف آیا میرا نفس اس میں تجرید ہے کہ میرے نفس میں سے ایک اور نفس نکلا اور وہ خوش ہو کر میری طرف آیا یعنی میں بہت زیادہ خوش ہوگئی۔ **وجد ني في اهل غنيمة بشق:** . مجھے تھوڑی سی بکریوں والوں میں میں ایک جانب پایا یعنی مجھے ایک غریب گھرانے میں پایا۔ **فجعلني في اهل صهيل واطيط ودائس دمنق:** . مجھے ایسے لوگوں میں رکھا جن کے گھر گھوڑے ہیں اور اونٹوں کے پالانوں کی آواز جس کو اطیط کہتے ہیں وہ آتی ہے اور جن کے گھروں میں غلہ کو کاٹنے کے بعد گاہنے والے ہوتے ہیں اور پھر گاہنے کے بعد گندم وغیرہ کو بھوسے سے الگ کرنے والے ہوتے ہیں گویا میں غریب گھرانے کی تھی مجھے امیر گھرانے میں ابوزرع لے آیا۔ **اقول فلا اقبح:** . میں باتیں کرتی تھی مجھے کوئی برا نہ کہتا تھا۔ **وارقدفا تصبح:** . میں سوتی تھی اور سوتے سوتے صبح کر دیتی تھی یعنی لونڈیاں کام کرنے والی موجود

تھیں مجھے جلدی اٹھنے کی ضرورت نہ تھی۔ **واشرب فاتقمح**:. میں پیتی تھی تو خوب سیراب ہو کر پیتی تھی کیونکہ مقامح اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو خوب سیراب ہو چکی ہو اور سر اٹھالے اور مزید پانی نہ پیئے۔ **ام ابی زرع فمام ابی زرع**:. ابوزرع کی والدہ کیا ہی اچھی ہے ابوزرع کی والدہ۔ **عکومها رواح وبیتها فساح**:. اس کے صندوق بھرے ہوئے ہیں اور اس کا گھر وسیع ہے۔ **ابن ابی زرع فما ابن ابی زرع**:. ابوزرع کا بیٹا کیا ہی اچھا تھا ابوزرع کا بیٹا۔ **مضجعه کمسل شطبة**: اس کے لیٹنے کی جگہ لکیر دار تلوار کی جگہ جیسی تھی مسل کہتے ہیں تلوار کی نیام کو جس میں تلوار رکھی جاتی ہے اور شطبۃ کہتے ہیں لکیر دار تلوار کو جس کے درمیان لکیر ہو گویا ابوزرع کے بیٹے کو تلوار کے ساتھ تشبیہ دی ہے وجہ شبہ میں تین احتمال ہیں۔ ۱- دشمنوں پر تلوار جیسا سخت تھا۔ ۲- شکل وصورت میں تلوار جیسا سفید اور خوبصورت تھا۔ ۳- تلوار کی طرح سیدھے بدن کا تھا۔ **ویشبعه ذراع الجفرة**:. چار ماہ کے بکری کے بچے کی ایک ٹانگ کھالینا ہی اس کے پیٹ کو بھرنے کے لئے کافی ہے۔ **مل ء کساء ها**:. بھاری بدن کی ہے کہ اپنی چادر کو خوب بھر دیتی ہے۔ **غیظ جارتها**:. ظاہر اور باطن کے لحاظ سے ایسے کمالات والی ہے کہ اس کی سوکن اس سے ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہے۔ **لاتبث حدیثنا تبثیثا**:. ہماری راز کی بات باہر نہیں پھیلاتی۔ **ولاتنقث میرتنا تنقیثا**:. خیانت سے ہمارے غلہ کو کم نہیں کرتی۔ **ولا تملا بیتاً تعشیشا** اور ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے نہیں بھرتی یعنی جلدی جلدی خوب صفائی کرتی رہتی ہے۔ **والا وطاب تمخض**:. دودھ کے مشکیزوں میں سے مکھن نکالا جا رہا تھا یعنی صبح کا وقت تھا۔ **یلعبان من تحت خصر ها برما نتین**:. اس عبارت کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ۱- اس عورت کے دو بیٹے اپنی والدہ کے ساتھ دو انار کے دانوں کے ساتھ یعنی دو اناروں کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ عورت سیدھی لیٹی ہوئی تھی اس کی بیٹھنے کی جگہ بھاری تھی اور کمر پتلی تھی کمر کے نیچے سے وہ بچے انار ادھر ادھر پھینک رہے تھے دوسری روایت میں سیدھے لیٹنے کی تصریح ہے۔ ۲- اس کے دودھ کو رمانتین سے تشبیہ دی ہے کہ اس کے دو بچے اس کے پستانوں سے کھیل رہے تھے لیکن یہ توجیہ بعید ہے کیونکہ تحت خصرھا کچھ اس کے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ **فنکحت بعده رجلا سریا**:. ابوزرع کے بعد میں نے ایک سردار سے نکاح کیا۔ **رکب شریا**:. تیز گھوڑے پر سوار ہوا۔ **واخذ خطیاً**:. اس نے خط جگہ کا بنا ہوا نیزہ ہاتھ میں لیا۔ **واراح علی نعما ثریا**:. اور اس نے میری طرف بہت اونٹ چلائے یعنی مجھے بہت مال دیا۔ **واعطانی من کل رائحة زوجاً**:. ہر قسم کے مویشیوں کا جوڑا مجھے دیا۔ **ومیری اهلک**:. اپنے گھر والوں کو غلہ پہنچاؤ۔ **کنت لک کابی زرع لام زرع**:. ایک روایت میں یہاں یہ بھی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے یہ ساری باتیں سننے کے بعد یہ بھی فرمایا الا ان ابازرع طلق ام زرع وانالم اطلقک کہ باقی باتوں میں تو میں اے عائشہؓ تمہارے لئے ابوزرع کی طرح ہوں لیکن اس نے طلاق دی میں نے طلاق تمہیں نہیں دی۔ **وقال بعضهم اتقمح**:. یعنی نون کی جگہ میم ہے معنی تقریباً وہی ہیں۔

باب موعظة الرجل ابنة بحال زوجها

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ باپ اپنی بیٹی کو اس کے خاوند کے خوش رکھنے کی نصیحت کرے تو یہ مستحب ہے۔ **فضحبت علی امرأتی**:. میں اپنی بیوی پر چیخا نہیں میں نے ڈانٹا۔ **اثم هو**:. کیا عمر گھر پر ہیں **طلق النبی صلی الله علیه وسلم نسأه**:. واقع میں ایک ماہ کے لئے ایلاء لغوی فرمایا تھا یہ سمجھے کہ طلاق دے دی ہے۔

باب صوم المرأة باذن زوجها

غرض یہ بتلانا ہے کہ خاوند کا حق نفلی روزے پر مقدم ہے اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہیں رکھ سکتی۔

باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عورت خاوند کو چھوڑ کر ناراض ہو کر اس کے بستر سے الگ رات گزارے تو یہ حرام ہے اور جزاء کو ترجمۃ الباب میں ذکر نہ فرمایا کیونکہ حدیث پاک میں آ ہی رہی تھی خود سمجھ جائیں گے۔

باب لا تاذن المرأة فی بیت زوجها لاحد الاباذنه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنے خاوند کے کمرے میں آنے کی اجازت دے۔ **ماانفقت من نفقة من غیر امره فانه یودیٰ الیه شطره:.** یعنی اگر خاوند کی صراحۃً اجازت تو حاصل نہ کی ہو لیکن دلالۃً اجازت ہو کہ اگر اس کو پتہ چلے گا تو ناراض نہ ہو گا تو اس صورت میں بیوی کے خیرات کرنے سے خاوند کو آدھا ثواب پھر بھی مل جائے گا کیونکہ مال تو اسی کا ہے۔ **وقمت علیٰ باب النار فاذعامة من دخلها النساء:.** اس روایت سے پہلے بعض نسخوں میں باب بلا ترجمہ ہے اور بعض نسخوں میں نہیں ہے دونوں صورتوں میں اس روایت کی مناسبت گذشتہ باب سے تتمہ ہونے کے لحاظ سے یا گذشتہ باب کا جز ہونے کے لحاظ سے یہ ہے کہ پچھلے باب میں عورتوں کو نہی تھی یہاں عورتوں کے عذاب آخرت کا ذکر ہے اس عذاب کی وجہ نہی کی مخالفت ہے پھر اس واقعہ کا تعلق بظاہر صلوٰۃ الکسوف سے ہے جیسا کہ آئندہ باب کی لمبی روایت میں کسوف کا ذکر بھی ہے۔

باب کفران العشیر وهوا لزوج

غرض یہ ہے کہ خاوند کی ناشکری جائز نہیں ہے اور یہ کفران شکر کی ضد ہے ایمان کی ضد نہیں ہے۔ **وهو الخلیط فی المعاشرة:.** یہ خاوند کو عشیر کہنے کی وجہ تسمیہ ہے۔

باب لزوجک علیک حق

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بیوی کا خاوند پر حق واجب ہوتا ہے۔

قاله ابو جحیفة عن النبی صلی الله علیه وسلم:. یہ روایت تفصیل سے کتاب الصوم میں گزری ہے۔

یہ روایت تفصیل سے کتاب الصوم میں گزری ہے۔

باب المرأة راعیة فی بیت زوجها

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بیوی کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خاوند کے گھر کی نگرانی کرے اور خیال رکھے اور حفاظت کرے۔

باب قول الله تعالیٰ الرجال قوامون علی النساء

غرض یہ بیان فرمانا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اس آیت مبارکہ پر عمل فرمایا۔ **وقعد فی مشربقله:.** اس حدیث پاک کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے اس حصہ پر عمل فرمایا واهجروهن فی المضاجع۔

باب هجر النبی صلی الله علیه وسلم نسائه فی غیر بیوتهن

باب کا مقصد یہ ہے کہ آیت پر عمل کرنے کی دونوں صورتیں ہیں کمرے کے اندر الگ ہو جائے اور کمرے سے باہر چلا جائے۔ **والاول اصح:.** اول کا مصداق ہے عمل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سے باہر ایک کے لیے تشریف لے جانا یہ سند کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے اس کے مقابلہ میں ایک روایت وہ ہے جس کو امام بخاری یذکر عن معاویة بن حیدة سے ذکر فرما رہے ہیں اس روایت میں یوں آتا ہے لاتقبح ولایضرب الوجه غیران لاتهجر الافی البیت۔ تطبیق یہ ہے کہ بعض دفعہ گھر میں چھوڑنا زیادہ مناسب ہوتا ہے اور بعض دفعہ گھر سے باہر جانا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں کی گنجائش ہے۔

باب ما یکره من ضرب النساء

غرض یہ ہے کہ بیوی کو اتنا مارنا جس سے اس کو زیادہ تکلیف ہو مکروہ تحریمی ہے اس کو مبرح کہتے ہیں۔

باب لا تطیع المراة زوجهافی معصیته

غرض یہ ہے کہ گناہ میں خاوند کہ اطاعت حرام ہے۔

فتمعط شعرا سها:. سر کے بال گر گئے۔

باب وان امرأة خافت من بعلها نشوزاًاواعراضا:

غرض اس آیت مبارکہ کو تفسیر کا بیان فرمانا ہے۔ **باب العزل:**. غرض جمہور فقہاء کے قول کی تائید فرمانا ہے کہ عزل جائز ہے یعنی وطی کر کے منی باہر نکال دینا اور ابراہیم نخعی کے نزدیک عزل مکروہ ہے۔

لنا روایته ابی داؤدوالبخاری آخرالباب عن ابی سعید الخدری قال اصبنا سبیا فکنا لعزل نسألنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال اواتکم تفعلون قال ثلثاً ما من نسمته کائنته الی یوم القیامته الا هی کائنته امام نخعی کی دلیل فی مسلم عن جزامته مر فوعات ذلک الوادالخفی جواب پہلے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا پھر اجازت دے دی تھی جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے عن ابی سعید الخدری ان رجلا قال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لی جاریۃ وانا اعزل عنہا وانا اکرہ ان تحمل وانا ارید ماریدالرجاوان الیھو وتحدث ان اعزل موٰدۃ الصغریٰ قال کذبت یھو دلوارادااللہ ان یخلقہ مااستطعت ان تصرفہ۔

باب القرعة بين النساء اذا اراد سفراً

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ یہ مستحب ہے کہ سفر پر جاتے وقت بیویوں میں قرعہ اندازی کرے اور جس کا قرعہ نکل آئے اس کو سفر میں ساتھ لے جائے۔ **ولا استطیع ان اقول له شیئاً:**. میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہ کہہ سکتی تھی کیونکہ میں نے خود ہی غلطی کی تھی اور اپنی جگہ حفصہ کو سوار کر دیا تھا یہ سارا مقولہ حضرت عائشہؓ کا ہے۔

باب المراة تهب يومهامن زوجها نصرتها وكيف يقسم ذلك

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنی باری اپنی سوکن کو یعنی خاوند کی دوسری بیوی کو دے دے تو یہ جائز ہے۔ پھر خاوند وہ باری اسی دوسری بیوی کے پاس گزارے گا۔

باب العدل بين النساء

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ بیویوں کی باری کا لحاظ کرنا واجب ہے۔

باب اذاتزوج الثيب على البكر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے باکرہ سے نکاح کرے پھر ثیبہ سے تو باری کے لحاظ کے متعلق اس کے ذمہ کیا ہے حکم کی تفصیل حدیث پاک میں ہے اس لیے باب میں بیان نہیں فرمائی۔ عندامامنا ابی حنیفۃ نئی منکوحہ کے لئے باری سے زائد ایک دن بھی نہیں ہے جتنے دن نئی منکوحہ کے پاس رہے گا اتنے دن پرانی منکوحہ کے پاس بھی رہنا ہوگا۔ وعندالجمھو رنئی منکوحہ اگر ثیبہ ہے تو اس کو تین دن زائد ملیں گے اور اگر باکرہ ہو تو اس کو سات دن زائد ملیں گے اس کے بعد باری شروع ہوگی۔ لنا روایۃ ابی داؤدعن ابی ہریرۃ مرفوعاً من کانت لہ امرأ تان فمال الی احدھما جاء یوم القیامۃ وشقہ مائل اس میں برابری کی بہت تاکید ہے اور قدیمہ اور جدیدہ کی کوئی قید نہیں اس لئے یہ حکم سب کو شامل ہے اس لئے جدیدہ کے لئے کوئی زائد حصہ ثابت نہ ہوا۔ وللجمھو رروایۃ الباب عن انس قال من السنۃ اذاتزوج الرجل البکر علی الثیب اقام عندھاسبعا وقسم واذا تزوج الثیب علی البکر اقام عندھا ثلثاً ثم قسم قال ابوقلابۃ ولوشئت بقلت ان انسا رفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جواب۔ اس حدیث پاک میں یہ تو مذکور نہیں ہے کہ یہ دن قدیمہ کو نہ دیئے جائیں گے ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر چاہے تو جدیدہ کے پاس چند دن گزارے لیکن اتنے ہی دن پھر قدیمہ کو بھی دینے ہوں گے تاکہ قسم اور عدل کے حکم کی مخالفت نہ ہو اور آخرت میں عذاب کا اندیشہ نہ رہے۔

باب من طاف على نساء ه فى غسل واحد

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ دو یا زائد بیویوں سے جماع کرنے کے بعد اگر ایک ہی غسل کرلے تو جائز ہے۔ اس باب کی حدیث

کے مباحث الخیر الجاری جلد اول صفحہ ۱۳۵ پر گزر چکے ہیں۔

باب دخول الرجل علی نساء ہ فی الیوم

غرض امام مالک کے قول کا رد ہے کہ ان کے نزدیک دو یا زائد بیویوں والے کے لئے دن کے وقت کسی بیوی کے پاس جانا جائز نہیں ہے سوائے ضرورت شدیدہ کے جمہور کے نزدیک جائز ہے ہماری دلیل اس باب کی روایت ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انصرف من العصر دخل علی نسائہ امام مالک کی دلیل ابوداؤد کی روایت عن ابی ہریرۃ مرفوعاً من کانت لہ امرتان فمال الی احدھما جاء یوم القیامۃ وشقہ مائل جواب۔ اس کا تعلق رات سے ہے۔ **فدخل علی حفصۃ فاحتبس اکثر ماکان یحتبس:.** حضرت انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس روایت میں حضرت حفصہ کا ذکر کسی راوی کا وہم ہے اس روایت میں حضرت زینب کا ذکر ہے۔

باب اذا استاذن الرجل نساء ہ فی ان یمرض فی بیت بعضهن فاذن له

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر خاوند اپنی بیویوں سے یہ اجازت مانگے کہ میری بیماری پرسی ایک بیوی کے گھر میں ہو اور وہ اجازت دے دیں تو یہ جائز ہے۔

باب حب الرجل بعض نساء ہ افضل من بعض

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر غیر اختیاری طور پر کسی ایک بیوی کی طرف دل کا جھکاؤ زیادہ ہو تو اس میں گناہ نہیں ہے۔ **اعجبها حسنها حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاھا:.** اس عبارت میں حسنھا کا لفظ منصوب ہے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے اور حب کا لفظ مرفوع ہے فاعل ہونے کی وجہ سے۔

باب المتشبع بمالم ینل وما ینھی من اضجار الضرۃ

غرض دو مسئلوں کا بتلانا ہے۔ ا- کوئی یہ ظاہر کرے کہ مجھے فلاں نے یہ چیز دی ہے اور واقع میں نہ دی ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔ ۲- خاوند کی دوسری بیوی کو تنگ کرنا اور تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے۔ **المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور** یہاں دو کپڑوں کا ذکر ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ کام تو ایک ہے اس کے متعلق یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا ہے بظاہر ایک کپڑا فرمانا چاہئے تھا۔ جواب۔ ا- یہ ظاہر فرمانا مقصود ہے کہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے گویا وہ سر سے پاؤں تک جھوٹ میں ملوث ہے اور نیچے جھوٹ کا ازار باندھنے والا ہے اور اوپر جھوٹ کی چادر اوڑھنے والا ہے۔ ۲- اس کی دو حالتیں ہیں اور دو برے کام ہیں ایک جھوٹ کہ جو چیز اس کو نہیں دی گئی اس کے متعلق کہہ رہا ہے کہ دی گئی ہے۔ دوسرے وہ دکھاوا کر رہا ہے اور دکھاوا بھی برا کام ہے۔ **باب الغیرۃ:** غرض مدح کرنی ہے بیوی کی زنا پر غیرت کی اور یہ لفظ تغیر سے لیا گیا ہے کیونکہ جب پتہ چلتا ہے کہ میری چیز میں دوسرا شریک ہو رہا ہے تو غصہ کی وجہ سے تغیر ہوتا ہے۔ خاص طور سے میاں بیوی کے معاملہ میں تغیر زیادہ ہوتا ہے۔ **لضربۃ بالسیف غیر مصفح:.** چوڑائی کی طرف سے نہ ماروں بلکہ تیز طرف سے ماروں تاکہ مر جائے پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ انکار نہ فرمایا اس لئے تقریر ثابت ہوگئی۔ **اخرز غربه:** میں ان کا ڈول سیتی تھی۔ **اخ اخ:** اونٹ بٹھانے کا کلمہ۔

باب غیرۃ النساء و وجدھن

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ مرد کو عورتوں کی غیرت پر صبر کرنا چاہئے اس میں ثواب ہے۔ **ماھجر الا اسمک:.** اور اس نام چھوڑنے میں دل کی محبت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔

انی لامنحک الصدود اننی
قسما الیک مع الصدود لامیل

کہ میں منہ موڑتا ہوں لیکن قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ظاہری منہ موڑنے کے ساتھ دل سے زیادہ میلان رکھتا ہوں۔

باب ذب الرجل عن ابنة فی الغیرة والانصاف

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی سے غیرت کا موقعہ دور کرنا چاہے اور انصاف حاصل کرنا چاہے تو یہ اس شخص کے لئے مستحب ہے۔

باب لایخلون رجل بامرأة الاذومحرم والدخول علی المغیبة

غرض یہ بتلانا ہے کہ دو کام حرام ہیں۔ دوسرا کام پہلے کام سے اخص ہے۔ ا- کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے۔ ۲- کوئی شخص کسی ایسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے جس کا خاوند کچھ عرصہ سے باہر کہیں گیا ہوا ہو اور وہ عورت اس بیٹھنے والے کی محرم نہ ہو بلکہ اجنبی ہو پھر ان دو صورتوں میں سے پہلی صورت تو صراحۃً احادیث میں مذکور ہے اور دوسری صورت امام بخاری مستنبط فرما رہے ہیں کیونکہ وہ پہلی صورت ہی کی ایک جزئی ہے۔

باب مایجوزان یخلوالرجل بالمرأة عندالناس

غرض گذشتہ باب سے ایک صورت کا استثناء ہے کہ ضرورت کی وجہ سے یہ صورت جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے ہی ایک طرف ہٹ کر کوئی بات کر لی جائے یہ بھی ضرورت ہی کے موقعہ میں ہے بلا ضرورت یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

باب نظر المرأة الی الحبش وغیرهم من غیر ریبة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر تہمت یا شہوت پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو عورت اگر مردوں کا جائز کھیل کود دیکھ لے تو گنجائش ہے پس ظاہر کے لحاظ سے امام بخاری یہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ اس کا عکس مناسب نہیں ہے کہ مرد عورتوں کو دیکھے کیونکہ وہاں دیکھنے کے بعد فتنہ کا اندیشہ موجود ہے عورتوں میں یہ اندیشہ کم ہے اور فرق کی وجہ تجربہ ہے۔ احتیاط بہر حال اولیٰ ہے دونوں صورتوں میں۔

باب خروج النساء لخوالجهن

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ حاجت کے موقعہ میں عورتوں کا گھر سے نکلنا جائز ہے۔

باب استیذان المرأة زوجها فی الخروج الی مسجد وغیره

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ضرورت اور فتنہ سے امن کے ساتھ خاوند کی اجازت بھی ضروری ہے۔

باب مایحل من الدخول والنظر الی النساء فی الرضاع

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ رضاعی محرمیت کے رشتہ میں بھی ملنا اور دیکھنا جائز ہے۔

باب لاتبا شر المرأة فتنعتها لزوجها

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عورت اپنے خاوند کو اجنبی عورتوں کی صفات نہ بتلائے بری صفات ہوں گی تو غیبت کا گناہ ہوگا اور اچھی صفات ہوں گی تو فتنہ کا اندیشہ ہے اور مباشرت سے مراد صرف ملاقات ہے۔

باب قول الرجل لاطوفن اللیلة علی نساء ہ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اچھی نیت سے بیوی سے وطی کرنا عبادت ہے۔

باب لایطرق اهله لیلاً اذااطال الغیبة فحافة ان یخونهم اویلتمس عثراتهم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ لمبے سفر کے بعد اچانک رات کے وقت نہ آئے جبکہ آگے اطلاع نہ ہوتا کہ گھر والوں کو شبہ نہ ہو کہ یہ ہمیں خیانت والا سمجھتا ہے یا ہماری غلطی کو چھپ کر پکڑنا چاہتا ہے کراہت تنزیہی ہے چند وجوہ سے۔ ا- بیوی کو زینت کے بغیر دیکھ کر نفرت نہ پیدا ہو جائے۔ ۲- اچھی حالت میں دیکھ کر کہیں یہ

وسوسہ نہ پیدا ہو جائے کہ شاید کسی اور کے لئے زینت کئے بیٹھی ہے۔۳-اس حدیث کی مخالفت کی وجہ سے کوئی بڑا حادثہ نہ پیش آ جائے کیونکہ احادیث مبارکہ وحی الٰہی پر مبنی ہوتی ہیں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا احقر محمد سرور عفی عنہ نے اخبار نوائے وقت میں یہ خبر خود پڑھی کہ اڑھائی سال کی قید کے بعد جب انڈیا کی قید سے ہمارے ایک لاکھ کے قریب قیدی وطن واپس پہنچے ہیں تو ایک فوجی آدھی رات کے قریب اپنے گھر آیا دو بھائیوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے یہ سیدھا اپنے گھر میں داخل ہو گیا اس کی بیوی اکیلی تھی اس کے ساتھ رات گزاری۔ فجر کی اذان کے قریب بیوی بول و براز کے لئے گھر سے باہر چلی گئی فوجی منہ پر کپڑا اڈالے سو یا رہا ساتھ والے مکان میں اس فوجی کے بھائی کی بیوی اٹھی اور اس نے دیکھا کہ ساتھ والے مکان میں کوئی مرد لیٹا ہوا ہے اور خود خاوند کے بھائی کی بیوی موجود نہیں۔ مردانہ جوتوں سے اندازہ کیا کہ یہ کوئی مرد ہے اور سمجھی کہ غیر مرد ہے جلدی سے اپنے خاوند کو سارا قصہ سنایا وہ غصہ میں بندوق لایا اور سوئے ہوئے بھائی کو گولی مار کر ختم کر دیا۔ فوجی کی بیوی بھاگی ہوئی آئی کہ یہ کوئی غیر نہیں ہے تمہارا بھائی آدھی رات کو آ گیا ہے اس گولی چلانے والے کو اپنی بیوی پر غصہ آیا کہ بلا تحقیق کیوں مجھے غلط واقعہ بتلایا اس لئے غصہ میں اپنی بیوی کو بھی گولی مار دی پھر بدحواسی میں اپنے آپ کو بھی گولی مار لی اس طرح تین جانیں ختم ہو گئیں معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بہت زیادہ مصلحتوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ فسبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ صرف مستحب سمجھ کر دین کے کسی کام کو چھوڑ نہ دینا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ نیکی کمانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

باب طلب الولد

غرض یہ ہے کہ اس نیت سے جماع کرنا مستحب ہے۔

قطوف: سست قال وحدثنی الثقة:. اس قال کے فاعل یا تو امام بخاری ہیں یا ہشام ہیں۔ **الکیس الکیس یا جابر یعنی الولد:.** ۱-تم جماع ولد کی نیت سے کرنا۔ ۲-ہوشیاری کرنا اس کا مصداق بھی ولد ہی ہے کہ ہوشیار اور سمجھدار کا کام یہی ہے کہ وہ جماع سے بچہ طلب کرے۔ ۳-نرمی اور اطمینان سے اپنا کام کرنا اس کا انجام بھی ولد ہی بنتا ہے یعنی جلدی میں کہیں وطی حیض میں نہ کر بیٹھنا یہ گناہ بھی ہے اور اس سے اولاد بھی نہیں ہوتی بلکہ حیض سے فارغ ہونے کے بعد وطی کرنا اس سے اولاد کی امید ہوتی ہے۔ سوال۔ وحدثنی الثقة میں تو راوی مجہول ہوا۔ جواب۔ جب ایسے عنوان سے کوئی قابل اعتماد محدث حدیث نقل کرے تو یہ علامت اس کے ثقہ ہونے کی ہوتی ہے۔

باب تستحد المغیبة و تمتشط الشعثة

غرض یہ ہے کہ اطلاع دینے کے یہ دو فائدے ہیں۔ ۱۔ جس کا خاوند بہت دنوں سے باہر تھا شاید اس نے زیر ناف بالوں کی صفائی نہ کی ہو اب وہ جلدی سے صفائی کر لے گی۔ ۲۔ اس کے بال شاید پراگندہ ہوں اب اطلاع ملنے پر کہ تھوڑی دیر کے بعد خاوند گھر پہنچنے والے ہیں وہ جلدی سے بالوں میں کنگھی کر لے گی اور زینت کے کپڑے پہن لے گی۔

باب ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن او اٰبائهن الاية

باب کی غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے کہ عورتیں محرم رشتہ داروں کی بیمار پرسی اور علاج کر سکتی ہیں۔

باب والذین لم یبلغوا الحلم منکم

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔

فرأیتهن یهوین الی اٰذانهن وحلوقهن یہی محل ترجمہ ہے کیونکہ ابن عباس فرما رہے ہیں کہ میں نے عورتوں کو دیکھا اور اس وقت حضرت ابن عباس نابالغ تھے معلوم ہوا کہ بچوں سے پردہ نہیں ہے۔

باب قول الرجل لصاحبه هل اعرستم اللیلة

اطعن الرجل ابنته فی الخاصرة عندالعتاب

غرض دو مسئلے بتلانا ہے۔ ۱۔ اجنبی آدمی کسی ضرورت کے موقعہ

پر اگر یہ پوچھ لے کہ آج رات تم اپنی بیوی سے مشغول ہوئے تھے یا نہ تو ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے۔۲۔ضرورت کے موقعہ میں باپ اپنی بیٹی کی کوکھ (تہی گاہ۔خاصرہ) میں کپڑے کے اوپر سے ہاتھ بھی مار دے بطور عتاب کے تو گنجائش ہے اور جائز ہے گو یہ جگہ ستر کی ہے اور اوپر والا سوال بھی خفیہ حال کا پوچھنا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے یہ دونوں کام جائز ہیں۔سوال۔اس باب کے دوسرے حصہ کی دلیل تو پیش فرما دی امام بخاری نے لیکن پہلے حصہ کی دلیل ذکر نہیں فرمائی۔جواب۔۱۔اکثر نسخوں میں پہلا حصہ نہیں ہے اور بخاری شریف کے یہی نسخے جن میں یہ پہلا حصہ نہیں ہے زیادہ قوی نسخے ہیں ان کو ہی ترجیح ہے۔۲۔آگے عقیقہ کے باب میں حضرت ابوطلحہ کا واقعہ تفصیل سے آئے گا کہ وہ سفر پر تھے بچے کا انتقال ہو گیا۔ان کی اہلیہ محترمہ نے سوچا کہ اگر آتے ہی ابوطلحہ کو بچے کی وفات کی اطلاع کر دی تو وہ کھانا بھی نہ کھائیں گے سفر سے آ کر آرام بھی نہ کر سکیں گے اس لیے بچے کو اندر لٹا دیا جب حضرت ابوطلحہ سفر سے واپس تشریف لائے تو بچے کا حال پوچھا تو کہہ دیا کہ وہ سکون سے ہے اندر لیٹا ہوا ہے انھوں نے کھانا کھایا رات آرام فرمایا بلکہ بیوی سے مشغول بھی ہوئے ان صبر والی صحابی عورت نے اتنا زیادہ صبر فرمایا کہ اس سے بھی انکار نہ فرمایا۔

نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

جب صبح فجر کی نماز کے لیے جانے لگے تو پوچھا کہ اگر کوئی ہمارے پاس امانت رکھائے پھر وہ اپنی امانت مانگے تو یہ امانت خوشی سے واپس کرنی چاہیے یا ناراضگی سے حضرت ابوطلحہ نے فرمایا کہ خوشی سے اب فرمایا کہ بچہ ہمارے پاس امانت تھا آقا نے وہ امانت واپس لے لی ہے۔فجر کی نماز کے بعد حضرت ابوطلحہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں یہ واقعہ بیان فرمایا اس موقعہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اعرستم اللیلۃ کہ کیا آج رات بیوی سے مشغول بھی ہوئے تھے جواب دیا کہ جی ہاں یہی محل ترجمہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں اس سوال کی گنجائش ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے ۹ لڑکے حافظ قرآن عطا فرمائے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم تو یہاں اس روایت کی طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے اور یہاں یہ روایت اس لیے نہ لائے کہ تکرار نہ ہو جائے۔۳۔اس قسم کے سوال کو قیاس فرمایا زیر بحث باب کی مذکور حدیث والے واقعہ پر کہ جیسے ضرورت کے موقعہ پر والد کا کوکھ میں ہاتھ مارنا جائز ہے اسی طرح یہ سوال کرنا بھی جائز ہے۔ھل اعرستم اللیلۃ کیا تم آج رات بیوی سے مشغول ہوئے تھے۔

کتاب الطلاق

ربط ماقبل سے یہ ہے کہ نکاح کے بعد کبھی طلاق کی نوبت بھی آجاتی ہے۔غرض طلاق کے احکام اور طلاق کی انواع کا بیان ہے۔**وقول اللہ تعالیٰ یاایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن:.** غرض امام مالک اور امام شافعی کی تائید کرنا ہے کہ عدت تین اطہار ہیں لیکن عندامامنا ابی حنیفۃ واحمد تین حیض ہیں۔لنا قولہ تعالیٰ **والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء** تین کا عدد خاص ہے کمی بیشی کا احتمال نہیں اور قرء اگرچہ مشترک ہے حیض اور طہر کے معنی میں لیکن لفظ ثلثہ سے حیض کے معنی متعین ہو جاتے ہیں کیونکہ طلاق بالا جماع طہر میں دی جاتی ہے اب اگر تین طہر شمار کئے جائیں تو جس طہر میں طلاق دی ہے اس کو بھی شمار کریں تو تین سے کچھ کم رہ جائیں گے کیونکہ کچھ طہر تو گزر چکا ہوگا اور اگر اس کو شمار نہ کیا جائے اور اس کے علاوہ تین طہر لئے جائیں تو تین سے زائد ہو جائیں گے لامحالہ حیض ہی کے معنی لینے ہوں گے وللشافعی ومالک قولہ تعالیٰ **فطلقوھن لعدتھن** وہ اس کے معنی کرتے ہیں فی وقت عدتھن اور عدت کا وقت طہر ہی شمار کرنا ہوگا کیونکہ بالا جماع طلاق طہر میں دی جاتی ہے اور زیر بحث باب میں حدیث ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ طلق امراتہ وھی حائض علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم مرہ فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتی تطہر ثم تحیض ثم تطہر ثم ان شاء امسک بعد وان شاء طلق قبل ان لیس فتلک العدۃ التی امر اللہ ان تطلق لھا النساء۔ اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ طلاق طہر میں دی جاتی ہے اس لیے ثابت ہوا کہ ثلثۃ قروء سے مراد تین طہر ہیں۔ جواب۔ا۔ معنٰی ہیں لاجل عدتھن کہ عدت کا لحاظ رکھ کر طلاق دو یعنی ایسے طہر میں دو جس میں وطی نہ کی ہوتا کہ پتہ چل جائے کہ حاملہ ہے یا نہ۔۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ لام استقبال کے لیے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ تأھب للشتاء اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسلم میں ہے عن ابن عمر مرفوعا فطلقوھن قبل عدتھن اور ایک شاذ قرأت بھی اسی طرح ہے معلوم ہوا کہ عدت کے زمانہ سے پہلے طلاق ہونی چاہیے اور طلاق ہوتی ہے طہر میں اگر طہر میں دے گا تو زمانہ عدت یعنی حیض سے پہلے بن جائے گی اس لیے ثلثۃ قروء میں حیض ہی لینے ہونگے۔

باب اذا طلقت الحائض یعتد بذلک الطلاق

غرض اجماع کی تائید ہے کہ حیض میں اگر کوئی طلاق دے دے تو اگرچہ یہ گناہ ہے لیکن طلاق شمار ہو جائے گی اور بعض اہل ظواہر اور ابن تیمیہ اور ابن قیم اور روافض اور خوارج اس کے قائل ہو گئے کہ وہ طلاق شمار نہ ہوگی لنا حدیث الباب عن انس بن سیرین قال سمعت ابن عمر قال طلق ابن عمر امراتہ وھی حائض فذکر عمر للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لیرجعھا قلت تحتسب قال فمہ دلیل ابن تیمیہ وغیرہ کی یہ ہے کہ جب حیض میں طلاق دینا بالا جماع منع ہے تو یہ طلاق واقع بھی نہ ہونی چاہیے۔ جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

باب من طلق وھل یواجہ الرجل امراتہ بالطلاق

غرض دو مسئلے بتلانے ہیں۔ا۔ اگرچہ طلاق ابغض الحلال ہے لیکن ضرورت کے موقعہ میں جائز ہے جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دی۔۲۔ بہتر تو یہ ہے کہ خود عورت کو نہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی تاکہ نرم سلوک رہے لیکن اگر ضرورت کے وقت اسی کو کہہ دے تو جائز ہے اور پہلے مسئلہ میں جو ابغض ہونے کا ذکر ہے یہ بلاضرورت ہی میں ہے۔ ضرورت کی بنا پر کچھ حرج نہیں۔

قالت اعوذ باللّٰہ منک:۔ بعض حضرات نے اس واقعہ میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ باقی ازواج مطہرات نے جب اس کو دیکھا تو اس کی اچھی شکل کی وجہ سے خطرہ محسوس کیا کہ یہ تو ہم سب پر غالب آجائے گی اس لیے یہ حیلہ کیا کہ اس سے کہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ الفاظ پسند ہیں اعوذ باللہ منک اس لیے اس نے یہ لفظ کہہ دیئے اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق دے دی بعض حضرات نے یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ ابھی اس کو یہ پتہ نہ چلا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ **ومعھا دایتھا حاضنتہ لھا:۔** رضاعی ماں ساتھ تھی جس کے پاس وہ رہتی تھی۔ **للسوقۃ:** رعایا۔ **رازقیین:** یہ کپڑوں کی ایک قسم ہے اس سے پہلے ثوبین کا لفظ محذوف ہے۔

ارأیت ان عجز واستحمق:۔ اس روایت کو اس باب سے مناسبت یہ ہے کہ چونکہ حیض میں طلاق دی تھی اس لیے بظاہر غصہ میں دی ہوگی اور غصہ والی طلاق عموماً سامنے ہی دے دی جاتی ہے معلوم ہوا کہ سامنے دینے کی بھی کچھ نہ کچھ گنجائش ہے۔

باب من اجاز طلاق الثلث

غرض تین مسئلوں کا بیان ہے۔

پہلا مسئلہ تین طلاقیں اکٹھی دینا طلاق بدعی ہے یا نہ:۔

امام بخاری اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد کے ساتھ ہیں کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا طلاق بدعی نہیں ہے اور گناہ نہیں ہے وعندامامنا ابی حنیفۃ و مالک بدعی ہے اور گناہ ہے لنا آیت مبارکہ الطلاق مرتان اس آیت مبارکہ کے معنٰی بطور عبارۃ النص یہ ہیں کہ طلاق مرۃ بعد اخری ہونی چاہیے۔ ایک طہر میں صرف ایک طلاق ہونی چاہئے اور بطور اشارۃ النص اس آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد رجوع ہے دو طلاقیں ہیں وللشافعی واحمد۔ا۔ اس باب کی پہلی مسند روایت عن سہل بن سعد اس میں

لعان کا ذکر ہے اس کے بعد یہ ہے فلما فرغا قال عویمر کذبت علیھا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن شہاب فکانت تلک سنۃ المتلاعنین یہاں تین طلاقیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عویمر نے دیں اس پر کوئی انکار نہ فرمایا اگر یہ گناہ ہوتا تو ضرور انکار فرماتے۔ جواب لعان سے تو خود بخود تفریق ہو جاتی ہے یا حاکم کے ذمہ ہے کہ فوراً تفریق کر دے علی اختلاف القولین اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اکٹھی تین طلاقیں دینے کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ ۲-امام شافعی واحمد وامام بخاری کی دوسری دلیل آیت مبارکہ ہے **الطلاق مرتان** کہ طلاقیں دو ہیں معلوم ہوا کہ دو طلاقیں ایک ہی لفظ سے اور ایک ہی طہر میں دینی ٹھیک ہیں جیسے دو اکٹھی دینی ٹھیک ہیں ایسے ہی اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ تین اکٹھی بھی ٹھیک ہیں۔ جواب ہماری دلیل میں ہو چکا کہ عبارۃ النص اس آیت کی یہ ہے کہ دو طلاقیں الگ الگ دی جائیں یعنی دو طہروں میں۔ ۳- تیسری دلیل آیت مبارکہ میں ہے **او تسریح باحسان** اچھے طریقہ سے چھوڑنا اس میں تین طلاقیں اکٹھی بھی داخل ہیں جواب اس کی تفسیر الطلاق مرتان میں ہے کہ دو طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں۔

دوسرا مسئلہ: تین اکٹھی طلاقیں اگر دے تو وہ واقع ہو جائیں گی لغو نہ جائیں گی مقصود رد کرنا ہے روافض اور خوارج پر جو کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اگر اکٹھی دی جائیں تو ایک بھی واقع نہ ہو گی کیونکہ تین طلاقیں منع ہیں اور منع چیز بے کار ہوتی ہے اس لئے کوئی طلاق واقع نہ ہو گی اس کا رد امام بخاری لعان والے واقعہ سے فرما رہے ہیں کہ حضرت عویمر نے تین طلاقیں دیں اور یہی طریقہ جاری کر دیا گیا۔

تیسرا مسئلہ کہ تین طلاقیں اکٹھی دیں تو ایک ہو گی یا تین

اس میں امام بخاری رد فرما رہے ہیں حضرت طاوس اور حضرت اسحٰق بن راھویہ اور حجاج بن ارطاۃ اور بعض اہل ظواہر پر ان حضرات کا شاذ قول تھا کہ اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی شمار ہو گی احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ آج کل کے غیر مقلد جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں یہی فتویٰ دیتے ہیں اور بعض دیوبندی کہلانے والے بھی جہالت سے یہی کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ قرآن پاک حدیث پاک اور اجماع امت کے بالکل خلاف ہے اور گمراہی ہے۔ دلائل کی تفصیل یہ ہے۔ ۱-حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **الطلاق مرتان** اس آیت مبارکہ میں عبارۃ النص تو یہی ہے کہ دو طلاقیں یکے بعد دیگرے ہونی چاہئیں اور اشارۃ النص یہ ہے کہ دو طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ امام بخاری اس آیت سے بھی استدلال فرما رہے ہیں کہ جب دو اکٹھی معتبر ہیں تو تین اکٹھی بھی معتبر ہونی چاہئیں۔ ۲-آیت مبارکہ **فان طلقھا فلا تحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ** کہ اگر دو کے بعد تیسری طلاق دے تو مغلظہ ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہو گی حلالہ یہی ہے کہ عدت کے بعد دوسرا شخص نکاح کرے وہ ایک دفعہ وطی کرے پھر طلاق دے پھر عدت گزرے تو پہلے شخص سے نکاح ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ حکم اکٹھی تین طلاقوں کو بھی شامل ہے کیونکہ دار و مدار تین طلاقوں پر ہے وہ اکٹھی ہوں یا الگ الگ ہوں حلالہ کا حکم نہیں بدلتا۔ ۳-آیت مبارکہ **او تسریح باحسان** اس کی اگرچہ راجح تفسیر یہ ہے کہ رجوع نہ کیا جائے تاکہ عدت گزرنے سے ایک ہو جائے جیسے اس آیت مبارکہ میں ہے **فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا** لیکن دوسری تفسیر تین طلاقیں ہے پھر وہ تین طلاقیں دونوں صورتوں میں ہو سکتی ہیں اکٹھی یا الگ الگ۔ ۴۔ ولا جناح علیکم ان طلقتم النساء اس آیت میں تین طلاقیں اکٹھی اور الگ الگ دونوں داخل ہیں۔ آیت کو صرف الگ الگ دینے میں بند نہیں کر سکتے نہ لفظوں کے لحاظ سے نہ شان نزول کے لحاظ سے کیونکہ کوئی واقعہ بھی اس آیت کے شان نزول میں الگ الگ دینے کا نہیں ہے۔ ۵- حدیث الباب عن

سہل بن سعد اس میں لعان کا واقعہ نقل کرنے کے بعد ہے فلما فرغا قال عویمر کذبت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلثاً قبل ان یامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن شہاب فکانت تلک سنۃ المتلاعنین اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے پیچھے اس طلاق دینے کا اعتبار نہیں کیا اس وجہ سے کہ لعان کے بعد تو تفریق ہو ہی جاتی ہے اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کی طرف توجہ نہیں فرمائی جواب اس کا ایک تو یہ ہے کہ اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے عرف میں تین طلاقوں سے مغلظہ ہو جانا بہت مشہور و معروف تھا اسی لئے تو حضرت عویمر نے تین طلاقیں دی تھیں اور یہ معروف ہونا اکٹھی تین کو بھی شامل تھا اسی لئے یہاں اکٹھی ہی دی ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری یہ روایت لا کر ابوداؤد والی روایت کی طرف بھی اشارہ فرما رہے ہیں۔ اس میں حضرت سہل بن سعد ہی سے یہ الفاظ وارد ہیں فطلقھا ثلث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ان صاحب کے قول پر استدلال فرمایا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ لعان کے بعد خاوند کے طلاق دینے سے تفریق ہوتی ہے۔ ۶- زیر بحث باب کی دوسری مسند روایت عن عائشۃ ان امراۃ رفاعۃ القرظی جاءت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان رفاعۃ طلقنی فبت طلاقی وانی نکحت بعدہ عبدالرحمن بن الزبیر القرظی وانما معہ مثل الھدبۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلک تریدین ان ترجعی الی رفاعۃ لاحتیٰ یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلتہ اس روایت سے امام بخاری اسدلال فرما رہے ہیں کہ بت طلاقی میں تین طلاقیں ہیں اور اس میں دونوں احتمال ہیں کہ اکٹھی دی ہوں یا الگ الگ دی ہوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ پوچھا کہ تین طلاقیں اکٹھی دی ہیں یا الگ الگ دی ہیں اور حکم حلالہ کا بیان فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ حلالہ دونوں صورتوں میں ضروری ہے اور تین طلاقیں اکٹھی بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ ۷- زیر بحث باب کی تیسری حدیث مسنداً عن عائشۃ ان رجلا طلق امراۃ ثلثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لاحتیٰ یذوق عسیلتھا کما ذاق الاول اس روایت کو گو بعض حضرات نے پہلی حدیث رفاعہ والی کا اختصار قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ الگ الگ ہے اور طرز استدلال بالکل چھٹی دلیل والا ہے۔ ۸- فی الطبرانی والبیہقی عن الحسن بن علی مرفوعاً ایما رجل طلق امراۃ ثلثاً عند الاقراء او ثلثاً مبھمۃ لم تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ یہاں مبھمۃً کے معنی مجتمعۃ کے ہیں اور استدلال ظاہر ہے۔ ۹- فی ابن ماجۃ عن فاطمۃ بنت قیس قالت طلقنی زوجی ثلثاً وھو خارج الی الیمن فاجاز ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱۰- فی مسلم عن فاطمۃ بنت قیس ان اباحفص بن المغیرۃ المخزومی طلقھا ثلثاً ثم انطلق الی الیمن الحدیث۔ ۱۱- فی الدارقطنی عن ابن عمر انہ قال یا رسول اللہ ارایت لو طلقتھا ثلثاً قال اذا عصیت ربک وبانت منک امرأتک۔ ۱۲- اخرج ابونعیم مما کتب عمر الی ابی موسی الاشعری من قال انت طالق ثلثاً فھی ثلث۔ ۱۳- فی البیہقی عن عمر للمطلق الفا انما یکفیک من ذلک ثلث۔ ۱۴- فی زاد المعاد لابن القیم عن عثمان لمطلق الالف بانت منک بثلاث۔ ۱۵- فی البیہقی عن علی المطلق الالف ثلث تحرمھا علیک۔ ۱۶- فی البیہقی عن علی فیمن طلق امراۃ ثلثاً قبل الدخول قال لاتحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ ۱۷- امام زرقانی نے موطا امام مالک کی شرح میں اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اکٹھی تین طلاق سے مغلظہ ہونے پر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اجماع ہو گیا تھا یہی اجماع امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں بھی نقل فرمایا ہے۔ یہی اجماع امام ابوبکر الجصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن میں بھی نقل فرمایا ہے۔ ۱۸- جو شخص تین غلام اکٹھے آزاد کرے تو وہ تینوں بالاجماع آزاد ہو جاتے ہیں ایسے ہی جو شخص تین عورتوں سے اکٹھا نکاح پڑھے وہ نکاح بھی بالاجماع صحیح ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص اکٹھی تین طلاقیں دے تو وہ بھی

جاری ہو جائیں گی اور وہ مغلظہ بن جائے گی۔ ۱۹-فی البیہقی عن ابن عباس انہ اجاز الثلاث۔ ۲۰-فی ابی داؤد عن ابن عباس قال والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروء ولا یحل لھن ان یکتمن ماخلق اللہ فی ارحامھن الاٰیة وذلک ان الرجل کان اذا طلق امراتہ فھو احق برجعھا وان طلقھا ثلثا فنسخ ذلک فقال الطلاق مرتان الاٰیة۔ ۲۱-فی ابی داؤد عن مجاہد قال کنت عند ابن عباس فجاءہ رجل فقال انہ طلق امراتہ ثلثا قال فسکت حتیٰ ظننت انہ رادھا الیہ ثم قال ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یا ابن عباس یا ابن عباس وان اللہ قال ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا وانک لم تتق اللہ فلا اجد لک مخرجا عصیت ربک وبانت منک امرأتک۔ ۲۲-فی ابی داؤد عن محمد بن ایاس ان ابن عباس واباھریرة وعبداللہ بن عمرو بن العاص سئلوا عن البکر یطلقھا زوجھا ثلثا فکلھم قال لاتحل لہ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ۔ ۲۳-فی ابی داؤد چھ سندیں بیان کرنے کے بعد ہے عن ابن عباس کلھم قالوا فی الطلاق الثلث انہ اجازھا۔

اکٹھی تین کو ایک طلاق کہنے والوں کے دلائل مع اجوبہ

پہلی دلیل۔ ۱-فی مسلم وغیرہ عن طاوس ان اباالصھباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلث تجعل واحدة علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وثلثا من امارة عمر فقال ابن عباس نعم وفی روایة کان الطلاق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناة فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم۔

حدیث ابی الصھباء کے جوابات

۱-جب احادیث مرفوعہ میں اختلاف ہو تو عمل خلفاء سے ترجیح دی جاتی ہے ہمارے ادلہ میں اجماع کے علاوہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال موجود ہیں جن میں تین طلاقوں کو اگرچہ اکٹھی ہوں تین ہی شمار کیا گیا ہے۔ ۲-ابوالصھباء والی حدیث احادیث کثیرہ کے مقابلہ میں شاذ ہے۔ یہ احادیث کثیرہ دوسرے صحابہ سے منقول ہیں۔ ۳-امام احمد نے ابوالصھباء والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ۴-یہ حدیث اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہے۔ ۵-ہمارے دلائل میں حضرت ابن عباس کا فتویٰ تین کو تین ہی قرار دینے کا موجود ہے اگرچہ اکٹھی ہوں اور جب صحابی راوی کا فتویٰ اپنی ہی بیان کی ہوئی مرفوع حدیث کے خلاف ہو تو وہ مرفوع روایت یا تو سند کے لحاظ سے کمزور ہوگی یا ماول ہوگی یا منسوخ ہوگی تینوں صورتوں میں اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ ۶-ابوالصھباء والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آج لوگ تین طلاقیں دیتے ہیں پہلے تین کی جگہ ایک تھی۔ جیسے قرآن پاک میں ہے اجعل الالھة الھا واحدا کہ مشرک کہتے تھے کہ کئی خداؤں کو ایک بنا دیا یعنی کئی خدا ماننے کی جگہ ایک خدا مان لیا اور حدیث پاک میں ہے من جعل الھموم ھما واحدا کہ جو شخص کئی غموں کی جگہ ایک ہی غم کرتا ہے آخرت کا غم اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں تین دیتے تھے پہلے تین کو ایک بناتے تھے یعنی پہلے تین نہ دیتے بلکہ ایک ہی دیتے تھے۔ ۷-پہلے یہی حکم تھا کہ تین طلاقیں اکٹھی ایک ہی شمار ہوتی تھیں پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا اور تین طلاقیں اکٹھی ہوں یا الگ الگ ہوں ان کو تین ہی شمار کرنے کا حکم نازل ہو گیا تھا ہمارے دلائل میں سے بیسویں دلیل میں نقل کر دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس فرما رہے ہیں کہ یہ حکم الطلاق مرتان کے نازل ہونے سے منسوخ ہو گیا تھا جن حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں تین کو ایک سمجھا ان کو نسخ کا علم نہ ہوا تھا حضرت عمرؓ نے تحقیق فرما کر اسی نسخ پر عمل جاری کیا۔ اس کی نظیر متعة النساء ہے کہ بعض کو نسخ کا پتہ نہ چلا وہ پتہ چلنے تک جائز سمجھتے رہے ایسے ہی اس کی نظیر خمس رضعات معلومات یحرمن کے منسوخ ہونے کا حضرت عائشہؓ کو پہلے پتہ نہ چلا اس لئے اس کو باقی سمجھتی رہیں۔ ۸-ابوالصھباء اور طاؤس والی روایت جو حضرت

ابن عباس سے منقول ہے یہ باقی روایات کو دیکھتے ہوئے شاذ ہے کیونکہ انہوں نے تین کو تین ہی شمار فرمایا ہے امام بیہقی نے یہی تقریر فرمائی ہے۔ اسی طرح امام احمد بھی فرماتے ہیں کہ طاؤس کے سوا باقی شاگردوں نے طاؤس کے خلاف نقل کیا ہے کہ ابن عباس تین کو تین ہی شمار کرتے تھے اس لئے ابوالصہباء اور طاؤس والی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے چھوڑی جائے گی۔ ۹- ابوالصہباء خود راوی مجہول ہے صفات کے لحاظ سے اور طاؤس کا خود سننا حضرت ابن عباس سے اس روایت میں صراحۃً مذکور نہیں ہے ظاہر یہی ہے کہ حضرت طاؤس نے ابوالصہباء سے یہ روایت سنی ہے اور وہ مجہول ہے اس لئے روایت ضعیف ہوگئی۔ ۱۰- صرف حضرت اسحاق بن راھویہ کے اصول کے مطابق یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک انت طالق ثلثاً کہنے کی صورت میں مدخول بھا ہو یا غیر مدخول بھا صرف انت طالق کے کہنے سے الگ ہو جاتی ہے اور ثلثاً کا لفظ اجنبی عورت پر واقع ہوتا ہے اس لئے بیکار ہو جاتا ہے۔ ابوالصہباء والی روایت میں ہے کہ بعض حضرات اسی اصول کے مطابق عمل کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ فاروق نے یہ اصول چھوڑ دیا اور انت طالق ثلثاً کو اکٹھا شمار کر کے تین طلاقیں جاری کیں۔ ابوالصہباء والی روایت میں اگرچہ غیر مدخول بھا کا ذکر ہے لیکن مدخول بھا کو بھی اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ ۱۱- مدخول بھا میں انت طالق انت طالق انت طالق کہنے والے کی نیت اگر تاکید کی ہو تو ایک طلاق پڑتی ہے اور اگر نیت تاکید کی نہ ہو تو تین پڑتی ہیں پہلے خیانت نہ تھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے خیانت شروع کر دی کہ نیت تاکید کی نہ ہوتی تھی بعد میں جھوٹ بولتے ہوئے کہہ دیتے کہ نیت تاکید کی تھی تو ایسی خیانت کے شبہ کے موقعہ میں حضرت عمرؓ نے قاضی حضرات کو حکم جاری فرمایا کہ وہ تین ہی جاری کریں یہ تو مدخول بھا کے معاملہ میں تھا اور غیر مدخول بھا میں خیانت یوں شروع ہوگئی کہ حکم یہ ہے کہ غیر مدخول بھا کو اگر انت طالق ثلثاً کہیں تو تین طلاقیں پڑتی ہیں اور اگر یوں کہیں انت طالق انت طالق انت طالق تو ایک طلاق سے اجنبی ہو جاتی ہے اور باقی دو بیکار ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے پہلے تو لوگوں میں خیانت نہ تھی ان کے زمانہ میں خیانت شروع ہوگئی کہ کہتے تو تھے انت طالق ثلثاً بعد میں جھوٹ بول دیتے کہ میں نے کہا تھا انت طالق انت طالق انت طالق تو جہاں ایسی خیانت کا شبہ ہوتا تھا وہاں حضرت عمرؓ نے قاضی حضرات سے فرمایا تھا کہ تین ہی جاری کریں۔ ۱۲- ابوالصہباء والی روایت میں یہ کہاں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تھا کہ لوگ تین اکٹھی کو ایک سمجھتے ہیں اور علم ہونے کے بعد سکوت فرمایا تھا اس لئے یہ حکم شرعی بن گیا بلکہ ابوالصہباء والی روایت میں بعض لوگوں کا اپنا عمل نقل کیا گیا ہے کہ وہ تین اکٹھی کو ایک سمجھتے تھے ان کے سمجھنے سے شرعی حکم نہیں بنتا اس لئے ابوالصہباء والی روایت اجماع اور آیات اور احادیث جو ہمارے دلائل میں مذکور ہیں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ کہاں اجماع امت اور آیات قرآنیہ اور احادیث قویہ اور کہاں بعض صحابہ اور بعض تابعین کا اجتھاد جو حدیث ابی الصہباء میں ہے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ۱۳- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں لوگ طلاق سنت کی نیت کر کے طلاق دیتے تھے اور طلاق سنت کا مصداق ایک طلاق کو سمجھتے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طلاق سنت کی نیت سے طلاق دیتے تھے اور تین کی نیت کرتے تھے اور یہی طلاق سنت کا مصداق سمجھتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے تین ہی جاری فرمائیں اس لئے ابوالصہباء والی حدیث سے یہ ثابت نہ ہوا کہ کسی زمانہ میں اکٹھی تین کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا اور یہ مسئلہ بے غبار ہو گیا ہے کہ تین طلاقیں خواہ اکٹھی ہوں یا الگ الگ ہوں وہ تین ہی شمار ہوں گی اور بغیر حلالہ کے رکھنے سے ساری عمر زنا کا گناہ ہوگا اور ساری اولاد ناجائز ہوگی۔

تین کو ایک طلاق کہنے والوں کی باقی دلیلیں اور ان کے جواب

۲- ان حضرات کی دوسری دلیل فی الدار قطنی عن احمد بن صبیح

عن طریف بن ناصح عن معاویۃ بن عمار الدھنی عن ابی الزبیر قال سالت ابن عمر عن رجل طلق امرأتہ ثلثاً وھی حائض فقال اتعرف ابن عمر قلت نعم قال طلقت امراتی ثلثاً علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی حائض فردھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السنۃ۔ جواب۔ خود دارقطنی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے اس حدیث کے راویوں کے متعلق کلھم من الشیعۃ والمحفوظ ان ابن عمر طلق امرأتہ واحدۃ فی الحیض انتھی پھر امام دارقطنی نے ۱۲ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں اس واقعہ میں حضرت ابن عمر کا حیض میں ایک طلاق دینا مذکور ہے۔

۳۔ تیسری دلیل حافظ ابن تیمیہ نے ذکر کی ہے کہ اکٹھی تین طلاقوں کو قیاس کریں گے لعان میں اکٹھی چار گواہیوں پر کہ یوں کہے اشھد اربع شھادات یہ ایک ہی گواہی شمار ہوگی اسی طرح اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہونی چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج میں سات کنکریاں اکٹھی ہی پھینک دیتا ہے تو وہ ایک کنکری کی رمی ہی شمار ہوتی ہے اسی طرح اکٹھی تین طلاقیں بھی ایک طلاق ہی شمار ہونی چاہیے۔ جواب۔ ا۔ یہ دونوں قیاس مع الفارق ہیں کیونکہ لعان میں ایک گواہی کافی نہیں اور حج میں ایک رمی کافی نہیں یہاں ایک طلاق کافی ہے اس لیے طلاق کو لعان کی گواہی پر بھی قیاس نہیں کر سکتے اور حج کی رمی پر بھی قیاس نہیں کر سکتے۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ لعان میں چار گواہیاں زنا کے چار گواہوں کے قائم مقام رکھی گئی ہیں طلاق میں ایسا نہیں اور حج میں سات کنکریوں کا عدد امر تعبدی ہے صرف وحی سے معلوم ہوا ہے عقل کو اس میں دخل نہیں ایسے موقعہ میں قیاس ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قیاس میں ضروری ہے کہ مقیس اور مقیس علیہ دونوں عقلی ہوں ان میں سے کوئی بھی امر تعبدی یعنی غیر قیاسی نہ ہو اس لیے عدد رمی پر عدد طلاق کو قیاس نہیں کر سکتے۔ ۳۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ طلاق میں احتیاط یہی ہے کہ تین کو تین ہی شمار کیا جائے اس کے برخلاف لعان میں اکٹھی چار کو چار شمار کرنا خلاف احتیاط ہے اس لیے بھی قیاس نہیں کر سکتے۔ ۴۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ صریح آیات واحادیث واجماع کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ ۴۔ تین طلاق کو ایک شمار کرنے والوں کی چوتھی دلیل۔ یہ بھی قیاس ہے ابن تیمیہ کا کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں ایک ہزار دفعہ درود شریف پڑھوں گا تو قسم پورا کرنے کے لیے الگ الگ درود شریف ایک ہزار دفعہ پڑھنا ضروری ہے اگر یوں کہہ دے کہ صلی اللہ علی النبی الف مرۃ تو قسم پوری نہ ہوگی اور اس ہزار کو ایک ہی شمار کریں گے اسی طرح تین طلاق جو اکٹھی ہوں ایک ہی شمار کریں گے۔ جواب۔ ا۔ قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے اور طلاق کے مسئلہ کا مدار شرع پر ہے عرف پر نہیں ہے اس لیے یہ قیاس مع الفارق ہے اور غلط ہے۔ ۲۔ نص اور اجماع کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا۔ ۵۔ پانچویں دلیل بھی حافظ ابن تیمیہ کا قیاس ہے کہ اگر کوئی کہے احلف باللہ ثلثاً تو ایک ہی قسم شمار ہوگی ایسے ہی جو کہے انت طالق ثلثاً وہ بھی ایک طلاق ہی شمار ہونی چاہیے۔ جواب۔ ا۔ یہ بھی قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ طلاق کی تو حد مقرر ہے تین طلاقیں اور قسم کی کوئی حد نہیں ہے اس لیے قسم کی گنتی پر طلاق کی گنتی کو قیاس نہیں کر سکتے۔ ۲۔ نص اور اجماع کے خلاف قیاس معتبر نہیں ہوتا۔

۶۔ چھٹی دلیل یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے اس لیے تین نہ پڑنی چاہئیں۔ جواب۔ صرف گناہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ واقع ہی نہ ہوں جیسے ظہار کرنا کہ اس کو حق تعالیٰ منکراً من القول وزوراً فرما رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ظہار کرے تو احکام اس پر مرتب ہو جاتے ہیں چنانچہ ظہار کا کفارہ قرآن پاک ہی میں بیان فرما دیا گیا ہے اسی طرح تین طلاقیں اکٹھی دینا گناہ ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو تین واقع ہو جائیں گی۔ ۷۔ تین کو ایک طلاق شمار کرنے والوں کی ساتویں دلیل۔ فی مسند احمد وابی یعلیٰ والبیہقی عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید امرأتہ ثلثاً فی مجلس واحد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما تلک واحدۃ فارتجعھا ان شئت فارتجعھا۔ جواب۔ ا۔ اس روایت کے زیادہ صحیح الفاظ کن کو اصح الطرق کہا جاتا ہے وہ ہیں جو ابوداؤد۔ ترمذی ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہیں ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بذلک فقال مااردت الا واحدۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ مااردت الواحدۃ فقال رکانۃ واللہ مااردت الواحدۃ فقال ھو مااردت فردھا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطلقھا الثانیۃ فی زمان عمر بن الخطاب والثالثۃ فی زمان عثمان انتہیٰ پس جس راوی نے تین طلاقیں ذکر کی ہیں وہ روایت بالمعنی ہے۔ ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ تو جمہور کی دلیل ہے کہ اگر حضرت رکانہ تین طلاق کی نیت کر لیتے لفظ البتہ سے تو تین اکٹھی ہی پڑ جاتیں اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دے کر پوچھا کہ ارادہ ایک طلاق کا کیا تھا یا تین طلاق کا۔ پس یہ تو جمہور امت کی دلیل ہوئی نہ کہ تین کو ایک کہنے والے شاذ قول کی۔ ۳۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو امام قرطبی نے منقطع قرار دیا ہے اور تفصیل سے اس حدیث کا اضطراب بیان فرمایا ہے اس لحاظ سے بھی اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ ۴۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ ہمارے دلائل میں حضرت ابن عباس کا فتویٰ گزر چکا ہے کہ وہ تین اکٹھی طلاقوں کو تین ہی شمار فرماتے تھے اور یہ اصول ہے کہ اگر راوی صحابی کا فتویٰ اپنی ہی بیان کی ہوئی مرفوع روایت کے خلاف ہو تو وہ مرفوع روایت ضعیف ہوگی یا منسوخ ہوگی یا ماول ہوگی تینوں صورتوں میں اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ ۸۔ تین کو ایک طلاق کہنے والوں کی آٹھویں دلیل یہ ہے کہ حجاج بن ارطاۃ نے الطلاق مرتان کی تفسیر حضرت علی وابن عباس کابن مسعود والزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف سے نقل کی ہے کہ طلاق صرف الگ الگ ہی ہوتی ہے۔ جواب۔ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور نقل کرنیوالا راوی حجاج بن ارطاۃ ضعیف ہے۔ ۹۔ ان طالق ثلث کہنا تو جھوٹ ہے۔ جواب۔ یہ استدلال صرف شیعہ کرتے ہیں اور بالکل باطل ہے کیونکہ شریعت نے ان الفاظ کو انشاء قرار دیا ہے اوصدق کذب کا تعلق تو خبر سے ہوتا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ مسئلہ مکمل ہوا۔

وقال ابن الزبیر فی مریض طلق لااری ان ترث مبتوتۃ:۔ یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر کا اپنا اجتہاد ہے راجح یہ ہے کہ اگر عدت کے اندر فوت ہو گیا تو وارث ہوگی۔

وقال الشعبی ترثہ:۔ امام شعبی کا اجتہاد یہ تھا کہ عدت کے بعد بھی فوت ہو تو پھر بھی وارث ہوگی۔ **فرجع عن ذلک:۔** جب حضرت شبرمہ نے اعتراض کیا امام شعبی پر کہ عدت کے بعد جب دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور دوسرا خاوند بھی مر گیا اور ساتھ ہی پہلا بھی مر گیا تو کیا دونوں خاوندوں سے وارث ہوگی تو اس پر امام شعبی نے اپنے پہلے قول سے رجوع فرمالیا کہ ہمیشہ کے لیے تو وارث نہ ہوگی صرف اس صورت میں وارث ہوگی جب کہ پہلا خاوند اس عورت کی عدت طلاق کے اندر اندر فوت ہو جائے۔ یہی راجح قول ہے۔

باب من خیر النسائہ

غرض تخییر کا مسئلہ بتلانا ہے عندالشافعی اگر زوج اپنی بیوی کو اختیار دے دے تو اب وہ بیوی اگر زوج کو اختیار کرے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی وعند امامنا ابی حنیفہ اگر زوج کو اختیار کرے تو کچھ واقع نہ ہوگا اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی وعند احمد اگر زوج کو اختیار کرے تو ایک رجعی طلاق پھر بھی واقع ہو جائے گی اور اگر وہ بیوی اپنے نفس کو اختیار کرے تو حنیفہ کی طرح ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ وعند مالک اگر وہ بیوی زوج کو اختیار کرے تو ایک طلاق بائن پھر بھی واقع ہو جائے گی اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور مغلظہ ہو جائے گی۔ لنا۔ اس باب کی دوسری روایۃ جو صحاح ستہ میں منقول ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت خیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخترنا اللہ ورسولہ فلم یعد ذلک علینا شیئا اس سے زوج کو اختیار کرنے کا حکم ثابت ہو گیا اور اگر نفس کو اختیار کرے تو اس کا حکم ترمذی میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعود سے حنفیہ کی طرح منقول ہے۔ وللشافعی اگر زوج کو اختیار کرے تو ہمارے والی دلیل اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو ترمذی ہی میں ان ہی دونوں حضرات سے

طلاق رجعی بھی منقول ہے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعود سے ولاحمد فی الترمذی عن علی موقوفا دونوں صورتوں میں امام احمد کی طرح منقول ہے ولمالک فی الترمذی عن زید بن ثابت امام مالک کی طرح دونوں صورتوں کا حکم منقول ہے۔ ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے قیاس کی وجہ سے کہ زوج کو اختیار کرنے میں تو کچھ بھی واقع نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس عورت نے کوئی طلاق بھی اختیار نہیں رہتا اور جب ایک سے کام چل سکتا ہے تو تین کی ضرورت نہیں۔

باب اذاقال فارقتک اورسرحتک اوالخلية اوالبرية اوماعنى به الطلاق فهوعلى نيته:.

غرض یہ بتلانا ہے کہ ان مذکورہ الفاظ اور ان جیسے الفاظ کا مدار نیت پر ہے۔ اگر طلاق کی نیت کرے گا تو پڑے گی ورنہ نہ پڑے گی پھر مسند روایت کی طرف اشارہ کیا تفصیل سے نہ لائے تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

باب من قال لامراته انت على حرام

غرض باب سے لفظ حرام کا حکم بتلانا ہے۔ **فسموه حراما بالطلاق والفراق:.** حاصل یہ ہے کہ بیوی کو حرام کہنے اور کھانے کو حرام کہنے میں فرق ہے۔ بیوی کو حرام نہیں ہوتا۔ اگر نہ کھانے کی قسم بھی کھالے تو کھانے کے بعد قسم کا کفارہ دے دے اس لئے بیوی کو لفظ حرام کہنے سے بہت احتیاط کرنی چاہئے۔

فلم يقربني الاهنة واحدة

صرف ایک دفعہ مجھ سے مشغول ہوا۔

باب تحرم ما احل الله لک

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ **اذاحرم امراته ليس بشئ:.** یہ حضرت ابن عباس کا اپنا اجتہاد ہے کیونکہ اگر طلاق کی نیت سے کہے گا تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ **فدخل علىٰ حفصه بنت عمر:.** سوال۔ پہلے روایت گزری ہے کہ حضرت زینب کے پاس شہد تناول فرمایا تھا اور ایک روایت میں حضرت سودہ کے پاس تناول فرمانا بھی آیا ہے یہ تو تعارض ہے۔ جواب۔ یہ واقعہ کئی دفعہ پیش آیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الاطلاق قبل النكاح

اس مسئلہ میں جمہور کا قول لینا مقصود ہے کہ نکاح سے پہلے معلق طلاق لغو جاتی ہے وعندامامنا ابی حنیفۃ نکاح سے پہلے اگر کوئی شخص نکاح کے ساتھ معلق کر کے یا ملک کے ساتھ معلق کر کے طلاق دے دے تو وہ طلاق نکاح پڑھتے ہی واقع ہو جائے گی مثلاً یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا یا اس کا مالک بنا تو اسے طلاق تو نکاح پڑھتے ہی طلاق پڑ جائے گی وعندالشافعی واحمد طلاق واقع نہ ہوگی وعند مالک اگر عورت کو معین کیا شخص کے لحاظ سے کہ فلاں عورت یا جگہ کے لحاظ سے کہ فلاں شہر کی عورت یا زمانہ کے لحاظ سے کہ فلاں مہینہ میں جس عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق پھر تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر کوئی قید نہیں لگائی تو پھر طلاق نہ ہوگی۔ لنا فی موطا محمد عن ابن عمر موقوفا اذا قال الرجل اذا نکحت فلانۃ فھی طالق فھی کذلک اذا نکحھا اور چونکہ یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے اس لئے حکم میں مرفوع ہی کے ہے کیونکہ قول صحابی یا تابعی جبکہ قیاسی نہ ہو تو وہ مرفوع روایت کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ قول بھی ایسا ہی ہے۔ ۲- اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کہے ان ملکت الفا فللّٰہ علی منھا مائۃ تو یہ نذر صحیح ہے اگر چہ وہ نذر ماننے کے وقت ایک ہزار کا مالک نہ تھا اسی طرح طلاق بھی نکاح سے پہلے اگر معلق بالنکاح یا معلق بالملک کی ہے تو یہ تعلیق صحیح ہے۔ ۳- حق تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے **و منهم من عاهدالله لان اتانامن فضله لنصدقن و لنكونن من الصالحين** ۔ اس آیت مبارکہ میں مالک ہونے سے پہلے خیرات کی نذر کو صحیح قرار دیا گیا ہے اسی طرح نکاح سے پہلے طلاق ہوے۔ ۴- وصیت موت سے پہلے کی جاتی ہے اور نافذ ہوتی ہے موت کے بعد اسی طرح طلاق نکاح سے پہلے دی جائے تو وہ بھی نکاح کے بعد واقع ہو جائے گی۔ ولمالک فی الترمذی عن ابن مسعود فی المنصوبۃ انھا تطلق اور منصوبہ کے معنی متعینہ کے ہیں اور اگر حکم کو عام رکھا جائے

تو نکاح کا دروازہ بند ہو جائے گا حالانکہ شریعت نے کھلا رکھا ہے جواب معینہ عورت کا حکم تو ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہم معینہ اور غیر معینہ دونوں میں اس حکم کے قائل ہیں باقی رہا نکاح کا دروازہ بند ہونا تو یہ خود اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص خودکشی کرلے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے اسی طرح ایسی قسم کھالی کہ ساری عمر نکاح ہی نہ کر سکے یہ اس کا اپنا قصور ہے وللشافعی واحمد روایۃ ابی داؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً لاطلاق الا فیما تملک۔ جواب۔ا- امام احمد نے خود اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔۲- مراد یہ ہے کہ فوراً طلاق نہ پڑے گی۔ جس کو طلاق منجز کہتے ہیں ہم کلام طلاق معلق میں کر رہے ہیں اس لئے یہ روایت مبحث سے خارج ہے۔

باب اذاقال لامراۃ وھومکرہ ھذہ اختی فلاشی علیہ

غرض اس مسئلہ کا بیان فرمانا ہے کہ کوئی جبراً بیوی کے متعلق کہلوائے کہ یہ میری بہن ہے تو اس سے طلاق نہ پڑے گی۔ **قال ابراھیم لسارۃ ھذہ اختیٰ وذلک فی ذات اللہ عزوجل:۔** یہاں ذات اللہ سے مراد لرضاء اللہ اور فی دین اللہ ہے یعنی دینی بہن ہے۔

باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ

غرض طلاق کی بعض قسموں کا بیان ہے پھر اغلاق کے ایک معنی تو اکراہ ہی کے ہیں کیونکہ جس پر اکراہ کیا جائے اس پر تصرف بند ہو جاتا ہے دوسرے معنی اغلاق کے امام ابوداؤد سجستانی نے اپنی سنن میں کئے ہیں غضب کے لیکن یہ معنی متقدمین فقہاء میں سے کسی نے نہیں کئے کیونکہ طلاق تو ہمیشہ غصہ ہی میں ہوتی ہے خوشی میں کون طلاق دیتا ہے اس لیے اگر غصہ کی طلاق کو نہ مانا جائے تو پھر تو طلاق کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا پھر امام بخاری کا باب میں فرمانا والکرہ یہ عطف تفسیری ہے اس باب کی غرض کا حاصل یہ ہوا کہ طلاق اسی شخص کی معتبر ہوتی ہے جو عاقل ہو مختار ہو عمداً طلاق دے اور اپنی تعلیق طلاق کو بھولنے والا نہ ہو اس لیے نیت والی حدیث سے امام بخاری کا استدلال صحیح ہے پھر حنفیہ کے نزدیک اکراہ سے بچنے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ طلاق کا لفظ بولے اور بولتے وقت یہ نیت کرے کہ میں کبھی اس کے پاؤں کی زنجیر نہ ڈالوں گا اور غلط کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کہنے لگا انت طاہرۃ اور نکل گیا انت طالق تو قضاء طلاق ہو گی دیانۃ نہ ہو گی اور نسیان کی صورت یہ ہے کہ کسی نے قسم کھالی ان دخلت انا تلک الدار فانت طالق پھر اس گھر میں بھول کر داخل ہو گیا تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی پھر اکراہ کے مسئلہ میں اختلاف ہے عندامامنا ابی حنیفۃ اکراہ میں طلاق ہو جاتی ہے وعند الجمھور نہیں ہوتی لنا روایۃ عن ابی داؤد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ۔ ھزل میں بھی تلفظ ہوتا ہے نیت نہیں ہوتی اور اکراہ میں بھی تلفظ طلاق کا ہوتا ہے نیت نہیں ہوتی اس لیے ھزل اور اکراہ کا ایک ہی حکم ہے جس طرح ھزل میں طلاق ہو جاتی ہے ایسے ہی اکراہ میں بھی ہو جاتی ہے والجمھور روایۃ ابی داؤد عن عائشۃ مرفوعاً لاطلاق ولاعتاق فی غلاق۔ استدلال یوں ہے کہ اغلاق کے معنی اکراہ کے ہیں معلوم ہوا کہ اکراہ میں طلاق نہیں ہوتی۔

جواب۔ا- غلاق کے معنی خود امام ابوداؤد نے غضب کے کئے ہیں لیکن اس سے ایسا غضب ہی مراد ہو سکتا ہے جو جنون کی حد تک پہنچ چکا ہو۔ مطلق غضب مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ طلاق تو ہمیشہ ناراضگی اور غضب ہی میں ہوتی ہے خوشی میں کون طلاق دیتا ہے۔۲- دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اکراہ ہی کے معنی لئے جائیں تو پھر اکراہ علی الکفر مراد ہے جبکہ دل مطمئن بالایمان ہو تو اس اکراہی کفر میں طلاق نہ پڑے گی۔ **ومالا یجوز من اقرار الموسوس:۔** ا- جس کو وساوس بہت زیادہ آتے ہوں تو صرف وسوسہ سے طلاق نہ پڑے گی۔۲- مجنون ظاہر ہے کہ مجنون کی طلاق معتبر نہیں ہے۔۳- معتوہ جس کو کبھی افاقہ ہو اور کبھی

جنون ہواس کی طلاق جنون کی حالت والی معتبر نہیں ہے۔ **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للذی اقر علی نفسہ ابک جنون:.** اس واقعہ کو یہاں ذکر فرمانے سے غرض یہ ہے کہ جنون میں جیسے زنا کی حد نہ لگتی ایسے ہی طلاق بھی جنون کی حالت میں معتبر نہیں۔ حضرت اعز کا واقعہ حدود میں تفصیل سے آئے گا اس سے پہلے مختصراً آئے گا۔ **بقر حمزۃ خواصر شارفی:.** حضرت حمزہ نے میری دوقوی اونٹنیوں کی تہی گاہیں کاٹ دیں۔ یہ حدیث غزوہ بدر میں گزر چکی ہے یہاں لانے سے غرض یہ ہے کہ پہلے جب شراب حرام نہ ہوئی تھی تو شراب کا نشہ نیند کے حکم میں تھا جیسے نیند میں طلاق معتبر نہ ہوتی تھی ایسے ہی شراب کے نشہ میں بھی معتبر نہ ہوتی تھی پھر جب شراب حرام ہوگئی تو اب اگر شراب کے نشہ میں طلاق دے دے تو وہ طلاق جاری ہو جائے گی۔ **وقال عطاء اذابدأ بالطلاق فلہ شرطہ:.** مقصد یہ ہے کہ شرط جیسے مقدم معتبر ہے۔ ایسے ہی مؤخر بھی معتبر ہے بشرطیکہ متصلا ہوان دخلت الدار فانت طالق اور یوں کہنا انت طالق ان دخلت الدار دونوں برابر ہیں۔ **یسئل عما قال:.** یہ مذہب صرف امام زہری کا ہے اور یہ بھی صرف شرط کی صورت میں کہ لفظ طلاق میں اس خاص صورت میں نیت پر مدار ہے ورنہ جمہور فقہاء کے نزدیک معلق میں بھی منجز کی طرح ہی حکم ہے۔ صریح الفاظ یہی نیت پر مدار نہیں ہے۔ **وقال ابن عباس الطلاق عن وطروالعتاق ما ارید بہ وجہ اللہ تعالی[1]:.** معنی یہ ہیں کہ طلاق تو حاجت اور مجبوری میں ہونی چاہیے اور غلام کو جب بھی چاہے ثواب لینا آزاد کر دے۔ **وقال قتادۃ اذاطلق فی نفسہ فلیس بشیٔ:.** غرض یہ ہے کہ مدار زبان سے تلفظ پر ہے صرف دل میں خیال آنے سے طلاق نہیں پڑتی۔ **فشھد علی نفسہ اربع شھادات:.** عند امامنا ابی حنیفۃ حد کے لئے اقرار چار دفعہ ضروری ہے وعند مالک والشافعی ایک دفعہ کافی ہے۔ وعن احمد روایتان۔ لنا۔ حدیث الباب عن جابر حضرت ماعز اسلمی کا واقعہ مرفوعاً فاعرض عنہ فتنحی لشقہ الذی اعرض فشھد علی نفسہ اربع شھادات فدعاہ ولما لک والشافعی حدیث العسیف فی الصحیحین عن ابی ہریرۃ مرفوعاً فان اعترفت فارجمھا۔ جواب۔۱- اس میں اختصار ہے راوی کی طرف سے اور ہماری روایت میں پوری تفصیل ہے۔۲- یہ روایت عدد سے ساکت ہے اور ہماری روایت چار کے عدد میں ناطق ہے اور ناطق کو ساکت پر اور مفسر کو مبہم پر ترجیح ہوتی ہے۔

باب الخلع و کیف الطلاق فیہ

غرض خلع کا مسئلہ بتلانا ہے کہ اس میں کس قسم کی طلاق ہے فیصلہ ناظر پر چھوڑ دیا۔ عند امامنا و مالک خلع طلاق بائن ہے وعند احمد فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے وعن الشافعی تین روایتیں ہیں۔۱- ہمارے ساتھ ۲- امام احمد کے ساتھ۔۳- طلاق رجعی ہے۔ لنا۔ فی الدارقطنی عن ابن عباس مرفوعاً جعل الخلع تطلیقۃ بائنۃ ولاحمد فان طلقھا فلاتحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ اگر خلع کو طلاق مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ مغلظہ چار سے بنے دو الطلاق مرتان تیسری خلع چوتھی فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ جواب خلع الگ طلاق نہیں ہے بلکہ الطلاق مرتان ہی کا بیان ہے کہ دونوں طلاقیں رجعی ہوں یا ان میں سے کوئی خلع کی صورت میں ہو اس کے بعد جب تیسری ہوگی تو مغلظہ بن جائے گی۔ والشافعی مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے عن سعید بن المسیب مرسلاً مرفوعاً جعل الخلع تطلیقۃ۔ جواب ہماری روایت مثبت زیادت ہے کیونکہ اس میں ہے جعل الخلع تطلیقۃ بائنۃ اس لئے اسی کو ترجیح ہے کیونکہ جب مثبت زیارت اور نافی میں تعارض ہو تو مثبت زیارت کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔ سوال مرسل روایت تو امام شافعی کے نزدیک حجت ہی نہیں۔ جواب فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے کہ اکابر تابعین کی مرسل ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے۔ **اجاز عثمان الخلع دون عقاص راسھا:.** یعنی چوٹی کے سواسب کچھ لے سکتا ہے یا مینڈھیاں

باندھنے والے دھاگے کے سوا سب کچھ لے سکتا ہے حاصل یہ کہ سارا مال لے کر بھی خلع جائز ہے۔**ولم یقل قول السفھاء لا یحل حتی تقول لا اغتسل لک من جنابة:.** یہ مقولہ کس کا ہے اس میں دو قول ہیں۔۱-ابن طاؤس کا۔۲-امام بخاری کا۔معنی یہ ہیں کہ حضرت طاؤس ایسے نہیں کہتے تھے جیسے بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ جب تک وطی سے انکار نہ کرے، خلع نہیں ہو سکتی۔**قال ابو عبداللہ لا یتابع فیه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما:.** بعض نسخوں میں یہ عبارت حاشیہ پر ہے معنی یہ ہیں کہ باقی روایتوں میں یہ روایت خالد سے مسنداً منقول نہیں ہے بلکہ مرسلاً ہے گو خالد کے سوا دوسرے راویوں سے مسنداً منقول ہے۔

باب الشقاق وھل یشیر بالخلع عندالضرورة

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ اس آیت میں جو شقاق مذکور ہے اس کا مصداق کیا ہے پھر یشیر کے فاعل میں تین احتمال ہیں۔۱-حاکم ۲-حکم۔۳-امام پھر حدیث پاک سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ میاں بیوی کی مخالفت دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش فرمائی اور یہ مشورہ دیا کہ حضرت علیؓ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح نہ کریں۔

باب لایکون بیع الامة طلاقاً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ لونڈی کو بیچنے سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا اور طلاق واقع نہیں ہوتی یہی سب فقہاء کا مذہب ہے اور اس کے خلاف قول کو شاذ کہا گیا ہے۔جو حضرت حسن بصری اور سعید بن المسیب اور مجاہد سے منقول ہے۔

باب خیار الامة تحت العبد

امام بخاری کی غرض حنفیہ کے خلاف جمہور کے قول کو ترجیح دینا ہے شاید اس کی وجہ امام بخاری کے نزدیک یہ ہو کہ آزاد ہونے کے بعد حرہ عورت ایک غلام کی بیوی بن کر رہنا پسند نہیں کرتی اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کی وجہ سے نص کو نہیں چھوڑا جا سکتا پھر اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ عندامامنا ابی حنیفة اگر آزاد ہونے والی لونڈی کا خاوند آزاد ہو تو اس صورت میں بھی لونڈی کو خیار عتق ہوگا یعنی وہ چاہے تو اپنا نکاح توڑ سکتی ہے وعندالجمہور صرف خاوند کے غلام ہونے کی صورت میں خیار عتق ہے آزاد ہونے کی صورت میں نہیں ہے البتہ خاوند اگر غلام ہو تو آزاد ہوتے وقت بالاتفاق خیار عتق لونڈی کو حاصل ہے منشاء اختلاف حضرت بریرہ کا واقعہ ہے ابوداؤد میں ہے عن عائشة فی قصة بریرة قالت کان زوجھا عبدافخیر ھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاختارت نفسھا ولوکان حرالم یخیر ھا اور ابوداؤد میں ہی ہے عن عائشة ان زوج بریرة کان حراحین اعتقت وانھا خیرت اور ترجیح حریت والی روایت کو ہے کیونکہ وہ روایت مثبت زیارت ہے پہلے وہ غلام تھے حر بعد میں ہوئے اس لئے جس روایت میں ان کا حر ہونا مذکور ہے وہ مثبت زیارۃ ہے اور جس روایت میں عبد ہونا مذکور ہے وہ نافی ہے اور یہ جو وارد ہے ولوکان حرالم یخیر ھا یہ حضرت عروہ یا حضرت عائشہؓ کا اجتہاد ہے اور ہے بھی حریت کے علم سے پہلے۔جب ان حضرات کو حریت کا علم ہو گیا تو یہ اجتہاد ختم ہو گیا۔

بیان شفاعة النبی صلی اللہ علیه وسلم فی زوج بریرة:. غرض یہ بتلانا ہے کہ لونڈی آزاد ہو تو اس سے سفارش کرنا کہ نکاح نہ توڑے یہ سفارش مسنون ہے۔

باب:. یہ گذشتہ باب کا تتمہ ہے کیونکہ اس میں گذشتہ باب والی حدیث کی تفصیل ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ ولاتنکحوا المشرکات حتی یومن ولامة مومنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم

غرض حضرت ابن عمر کے قول کی تائید کرنا ہے کہ اہل کتاب عورت سے نکاح حرام ہے لیکن جمہور صحابہ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک

جائز مع الکراہتہ ہے اس لئے حضرت ابن عمر کے قول کو شاذ شمار کیا گیا ہے اور آیت جو سورہ مائدہ میں ہے **والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم** یہ آیت اپنے ظاہر پر باقی ہے نہ منسوخ ہے نہ اس کی تخصیص کی گئی ہے۔

باب نکاح من اسلم من المشرکات وعدتھن

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ مشرک عورت اگر مسلمان ہو جائے تو کتنی عدت کے بعد اس سے نکاح کر لینا جائز ہے۔ اختلاف کی وجہ سے حکم صاف نہیں بیان فرمایا دلائل زیادہ حنفیہ کے بیان فرمائے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے ساتھ ہیں فعند امامنا ابی حنیفۃ عدت ایک حیض ہے وعند مالک والشافعی واحمد ثلثۃ قروء ہے لنا حدیث الباب عن ابن عباس موقوفاً وکان اذا ھاجرت امراۃ من اھل الحرب لم تخطب حتی تحیض وتطھر فاذا طھرت حل لھا النکاح ودلیل الشافعی وغیرہ قول اللہ تعالیٰ **والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء**۔ جواب۔ اس آیت مبارکہ میں تو مطلقات کی عدت ہے اور زیر بحث صورت میں فسخ نکاح ہے اس لئے اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو لونڈی کے قید ہونے کی طرح ہے جیسے وہاں ایک حیض استبراء کے لئے کافی ہے ایسے ہی یہاں بھی کافی ہے۔ **ثم ذکر من اھل العھد مثل حدیث مجاھد وان ھاجر:۔** پھر حضرت عطاء نے حضرت مجاہد کی طرح اہل ذمہ کا حکم نقل فرمایا اور حضرت مجاہد نے کیا نقل فرمایا وہ وہی ہے جو آگے آ رہا ہے وان ھاجر عبد۔ **کانت قریبۃ بنت ابی امیۃ عند عمر بن الخطاب:۔** یہ عبارت ماقبل ہی کا تتمہ ہے اور اس میں دو عورتوں کا حال بیان کرنا ہے جو مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آ گئی تھیں۔

باب اذا اسلمت المشرکۃ او النصرانیۃ تحت الذمی او الحربی

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر ذمی یا حربی کی بیوی مشرکہ یا نصرانیہ اکیلی مسلمان ہو جائے اس کا خاوند ساتھ مسلمان نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے عند البخاری وابی ثور نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے عند امامنا ابی حنیفۃ اگر عدت کے اندر خاوند مسلمان ہو جائے تو پہلا نکاح ہی باقی رہے گا وعند الجمہور اگر خاوند عدت کے اندر مسلمان ہو جائے تو نکاح جدید تو پڑھنا ہوگا لیکن پہلا خاوند زیادہ حق دار ہے یعنی اس کو ولایت اجبار حاصل ہے۔ منشا اختلاف اس آیات کے معنی ہیں **لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن** ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ عدم حلت طلاق رجعی کے درجہ میں ہے وعند الجمہور طلاق بائن کے درجہ میں ہے پھر جمہور میں سے امام ابوثور اور امام بخاری نے پہلے نکاح کا کوئی حق نہیں مانا اور باقی جمہور نے مانا اور عدت کے اندر ولایت اجبار پہلے خاوند کے لئے مان لی کہ بیوی راضی نہ بھی ہو تو پہلا خاوند پھر بھی نکاح اپنے ساتھ پڑھ سکتا ہے ترجیح ہمارے امام صاحب کے معنی کو ہے کیونکہ جب خاوند عدت ہی میں مسلمان ہو گیا تو یہ علامت ہے کہ خاوند کا اعتراض تھوڑا ہے اس لئے یہ صورت طلاق رجعی کے ہی قریب ہے۔ **فمن اقر بھذا الشرط من المومنات فقد اقر بالمحنۃ:۔** جو عورت امتحان والی باتوں کا اقرار کر لیتی تو وہ محنت یعنی امتحان میں پوری اتر آتی تھی۔

باب قول اللہ تعالیٰ للذین یولون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر:۔

امام بخاری حنفیہ کے خلاف جمہور کی تائید کرنی چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ایلاء کرے اور بیوی کے پاس چار ماہ نہ جانے کی قسم کھا لے تو چار ماہ گزرنے پر خاوند کو قاضی مجبور کرے گا کہ یا تو طلاق دو یا رجوع کرو اور ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف چار ماہ گزرنے سے ہی جدائی ہو جائے گی ہماری دلیل یہ ہے کہ موطا امام محمد میں اور اس کی شرح التعلیق الممجد میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے یہی تفسیر منقول ہے جو حنفیہ لیتے ہیں۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں ہے **وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم** اس سے معلوم ہوا کہ طلاق ضروری ہے

جواب یہاں عزم طلاق ہے۔ اگر طلاق مراد ہوتی تو وہ ان طلقوا ہوتا اور عزم طلاق یہی عدم فی ہے۔

باب حکم المفقود فی اھلہ ومالہ:.

غرض مفقود کا حکم بتلانا ہے سوال مال کا ذکر ابواب طلاق میں کیوں فرمایا۔ جواب مال کا ذکر تبعاً ہے پھر حکم کی تصریح نہیں فرمائی روایات فی الباب پر اکتفاء فرماتے ہوئے۔ **والتمس صاحبھا سنۃً فلم یجدہ:.** معنی یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک لونڈی خریدی ابھی قیمت بائع کو نہ دی تھی کہ بائع گم ہو گیا ایک سال تلاش کیا تا کہ اس کو قیمت دے دی جائے لیکن نہ ملا تو اس کی قیمت اس کی طرف سے خیرات فرمادی اور یہ نیت کر لی فان ابی فلان فلی وعلی یعنی اگر مالک نے اس خیرات کی اجازت نہ دی تو یہ خیرات میری طرف سے ہو جائے گی اور میرے ذمہ اس کی قیمت ہو گی۔ **قال سفیان فلقیت ربیعۃ:.** یہاں مراد سفیان ابن عیینہ ہیں۔

بفضلہٖ تعالیٰ جلد خامس مکمل ہوئی آگے سادس

باب حکم المفقود کے تتمہ سے شروع ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کتبہ:۔ محمد سرور عفی عنہ۔ شوال ۱۴۱۵ھ

الخیر الجاری شرح صحیح البخاری جلد ششم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب حکم المفقود کاتمتة

فقلت لہ حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عیینہ نے حضرت یحییٰ سے جو حدیث سنی تھی اس میں حضرت زید بن خالدؓ کا ذکر نہ تھا حضرت ربیعہ نے فرمایا ہے کہ اس میں حضرت زید بن خالد کا ذکر بھی ہے یہ بات میں نے حضرت یحییٰ کو بتلائی تو انہوں نے مان لی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا شروع کر دیا پھر میں نے یہ بات حضرت ربیعہ کو جا کر بتلائی کہ حضرت یحییٰ نے آپ کی بات مان لی ہے اور انہوں نے بھی حضرت زید بن خالدؓ کا ذکر اس روایت میں شروع کر دیا ہے۔ پھر اس لقطہ والی روایت کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ جیسے لقطہ سے مالک کی ملک ختم نہیں ہوتی ایسے ہی مفقود کی مالک زوجہ اور مال سے ختم نہیں ہوتی۔ **وفی العربیة لما قالو ای فیما قالو اوفی نقض ماقالوا:۔** اس عبارت سے مقصود داؤد ظاہری کا رد ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد **ثم یعودون لما قالوا** کے معنی یہ ہیں کہ کلمہ ظہار کا تکرار ضروری ہے اگر خاوند تکرار کرے گا یعنی دو دفعہ ظہار کے الفاظ کہے گا تو کفارہ واجب ہوگا صرف ایک دفعہ کہنے سے ظہار کا کفارہ واجب نہ ہوگا امام بخاریؒ اس کا رد فرما رہے ہیں کہ ظہار کو اللہ تعالیٰ قول منکر اور قول زور قرار دے رہے ہیں اور **ثم یعودون لما قالوا:۔** میں ترغیب مقصود ہے۔ اگر داؤد ظاہری والے معنی لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کلمہ ظہار دوبارہ کہنے کی ترغیب دے رہے ہیں یہ تو غلط ہے کیونکہ کلمہ ظہار کو حق تعالیٰ قول منکر اور قول زور قرار دے رہے ہیں ایسے قول کو دوبارہ کہنے کی ترغیب اللہ تعالیٰ کیسے دے سکتے ہیں اس لئے **ثم یعودون لما قالوا** اہل عرب کے اس محاورہ سے لیا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں۔ **یعودون فیما قالوا ای یعودون فی نقض ماقالوا:۔** مقصد یہ ہے کہ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں پھر اپنے اس غلط قول کا توڑنا چاہیں اور اس کا تدارک کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ پہلے کفارہ دیں پھر بیوی کے پاس جائیں۔

باب الاشارة فی الطلاق والامور

غرض یہ ہے کہ طلاق اور بعض دیگر امور میں اشارہ بھی کافی ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے اور یہی جمہور فقہا کا مسلک ہے۔ **وعقد تسعین: عقد تسعین:۔** کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سبابہ یعنی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کے سرے کو انگوٹھے کی جڑ میں رکھا جائے اس سے ایک دائرہ بن جاتا ہے وقال بیدہ ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔

ووضع انملته علی بطن الوسطیٰ الخنصر قلنا یزهدها:۔ ایک ہاتھ کے انامل کر یعنی انگلیوں کے کناروں کو اکٹھا کر کے دوسرے ہاتھ کی وسطیٰ کی اندرونی جانب پر رکھا اور خنصر یعنی سب سے چھوٹی انگلی کی اندرونی جانب پر رکھا اس میں یہ اشارہ تھا کہ وہ ساعت تھوڑی دیر ہے اور وہ ساعت دن کے درمیان میں ہے یا دن کے اخیر میں ہے اور یزهدها تزهید سے ہے اس کے معنی ہیں **یقللها:۔** آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ساعت اجابت کا تھوڑا ہونا بیان فرما رہے تھے چنانچہ دوسری روایت میں یقللها ہے یزهدها کی جگہ۔ **وقداصمتت:۔** بیماری اور کمزوری کی وجہ سے زبان بند ہوگئی تھی اس لئے اشارہ سے جواب دیا۔ **الفتنة من هنا واشارالی المشرق:۔** مقصد یہ تھا کہ دجال کا فتنہ مشرق کی جانب سے شروع ہوگا۔ **تعفو اثره:۔** یعنی ذرہ اتنی لمبی ہوگی کہ جب وہ چلتا ہے تو

زمین پر گھسٹی چلی جاتی ہے اور اس کے نشان قدم کو مٹاتی ہے۔ **باب اللعان:**. غرض لعان کے احکام کا بیان فرمانا ہے۔ **فاذا قذف الاخرس امراته:**. یہاں امام بخاری نے فاء کے ساتھ عبارت کو اس لئے شروع فرمایا ہے کہ اس سے پہلے جو آیت امام بخاری نے ذکر فرمائی ہے۔ **والذین یرمون ازواجهم ولم یکن شهداء الا انفسهم الآیة:**. اس آیت کو امام بخاری نے عموم پر محمول فرمایا ہے کہ یہ آیت الفاظ اور اشارہ دونوں کو شامل ہے جب عام قرار دے دیا تو اس پر تفریع فرمائی کہ جب لعان اشارہ سے بھی ہوسکتا ہے تو گونگے کا لعان بھی صحیح ہے۔ **بکتابة او اشارة اوبایماء معروف:**. اشارہ تو ہاتھ سے ہوتا ہے اور ایماء سر سے یا پلک وغیرہ سے ہوتا ہے پھر معروف کا تعلق تینوں سے ہے کتابت۔ سے بھی اور اشارہ سے بھی اور ایماء سے بھی۔ **لان النبی صلی الله علیه وسلم قدا اجاز الاشارة فی الفرائض:**. اس کی مثال نماز ہے کہ جب رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو تو اشارہ سے ہی رکوع سجدہ کر لینا جائز ہے۔ **وهو قول بعض اهل الحجاز:**. جیسے امام مالک ہیں۔ واهل العلم: جیسے امام ابوثور ہیں کیونکہ یہ اہل حجاز سے خارج ہیں۔ **وقال الضحاک الارمزا، الاشارة:**. اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے کہ **آیتک الا تکلم الناس ثلثة ایام الا رمزاً** ای الارشارة وقال. **بعض الناس لاحد ولالعان:**. امام بخاری ہمارے امام ابوحنیفہ پر اعتراض فرما رہے ہے کہ انہوں نے حد اور لعان میں اشارہ کو کافی نہیں شمار فرمایا چنانچہ ہدایہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ لعان اور حد اشارہ سے نہیں ہو سکتے اور طلاق اشارہ سے ہوسکتی ہے امام بخاریؒ کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ا۔ طلاق میں تو حاجت ہے لعان اور حد میں حاجت نہیں ہے۔ ۲۔ پھر حد تو شبہ سے ختم ہو جاتی ہے ترمذی میں ہے **عن عائشه مرفوعاً ادرؤا الحدود عن المسلمین مااستطعتم** اس کے برخلاف طلاق کے بارے میں حدیث شریف میں **ثلث جدهن جدوهز لهن جدان** تین چیزوں میں طلاق بھی ہے۔ ۳۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ قذف میں بالکل تصریح کامل ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کوئی یوں تہمت لگائے کہ تو نے حرام وطی کی ہے تو یہ قذف نہیں بنتی کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ وطی بالشبہ مراد لیتا ہو جب اتنے واضح الفاظ سے بھی حد قذف جاری نہیں ہوتی تو اشارہ سے کیسے ہوسکتی ہے اور لعان بھی قذف پر ہی متفرع ہوتا ہے اسی تیسرے فرق کا تتمہ یہ بھی ہے کہ قذف تعریض سے بھی ثابت نہیں ہوتا اور طلاق کنایات سے بھی واقع ہو جاتی ہے۔

حاصل جواب: کا یہ ہوا کہ طلاق اور قذف میں تین فرق ہیں۔ ا۔ طلاق میں حاجت ہے قذف میں نہیں۔ ۲۔ قذف شبہ سے ختم ہو جاتا ہے طلاق ختم نہیں ہوتی۔ ۳۔ طلاق میں کنایات معتبر ہیں اور قذف میں معتبر نہیں ہیں اس لئے طلاق اور قذف میں بہت فرق ہے اور امام ابوحنیفہ پر اعتراض بے جا ہے۔ **والا بطل الطلاق والقذف:**. مقصد یہ ہے کہ اشارہ سے طلاق اور قذف دونوں صحیح ہونے چاہئیں یا دونوں باطل ہونے چاہئیں ہم نے جواب دے دیا کہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ **وکذلک العتق:**. یعنی عتق سے بھی امام ابوحنیفہ پر اعتراض پڑتا ہے کہ اشارہ سے عتق صحیح مانتے ہیں اور اشارہ سے قذف ولعان کو صحیح نہیں مانتے جواب وہی ہے جو ابھی طلاق میں دیا کیونکہ عتق طلاق ہی کی طرح ہے۔

باب اذا عرض بنفی الولد

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ تعریض سے نہ حد واجب ہوتی ہے نہ لعان واجب ہوتا ہے اور تعریض کے معنی یہ ہیں کہ ایک کا ذکر کرے اور دوسرا مراد لے۔

باب احلاف الملا عن

غرض یہ ہے کہ قاضی تہمت لگانے والوں کو مجبور کرے گا کہ وہ لعان کے الفاظ ادا کرے۔

باب یبدأالرجال بالتلاعن:

امام بخاری جمہور کی تائید فرمانا چاہتے ہیں کہ پہلے مرد کلمات لعان ادا کرے اختلاف یوں ہے کہ **عند امامناابی حنیفة العان** میں ترتیب مستحب ہے واجب نہیں اس لئے اگر عورت بھی پہلے کلمات لعان ادا کرلے تو پھر بھی لعان ٹھیک ہو جائے گا وعند الجمہور ترتیب واجب ہے اس لئے اگر عورت نے پہلے الفاظ لعان ادا کر

دیئے تو اسے دوبارہ لعان کے الفاظ دوہرانے ہوں گے منشاء اختلاف آیات لعان کے الفاظ ہیں ان میں ترتیب یہی ہے کہ پہلے مرد کا ذکر ہے پھر عورت کا جمہور کے نزدیک یہ ترتیب ضروری ہے اور عندامامنا مستحب ہے ہمارے امام صاحب کے قول کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں عورت کا ذکر واؤ سے ہے ویدرؤا عنها العذاب ان تشهد اربع شهادت بالله انه لمن الکاذبین اور واؤ ترتیب سے ساکت ہے اس لئے ترتیب کے لحاظ سے صرف مستحب کو کہہ سکتے ہیں واجب بلا دلیل نہیں کہہ سکتے۔

باب اللعان و من طلق بعد اللعان

امام بخاریؒ کی غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ا۔تین طلاقیں ایک ہی طہر میں بدعی ہے یا نہ یعنی اس میں گناہ ہے یا نہ اس مسئلہ کی تفصیل بخاری شریف میں اور الخیر الجاری میں پیچھے گزر چکی ہے۔ ۲۔لعان کے تفریق خود بخود ہو جاتی ہے یا تفریق حاکم سے ہوتی ہے عندامامنا ابی حنیفہ لعان کے بعد حاکم کے تفریق کرنے سے تفریق ہوگی نفس لعان سے نہ ہوگی وعندالشافعی و مالک نفس لعان سے میاں بیوی میں تفریق ہو جاتی ہے۔ وعن احمد روایتان ایک ہمارے ساتھ اور امام شافعی کے ساتھ۔ لنا. ا۔ابو داؤد کی روایت عن سھل بن سعد مرفوعاً فرق بین المتلاعنین. ۲۔ابوداؤد ہی کی روایت عن ابن عباس ففرق رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه واله وسلم بینهما۔ ۳۔ابوداؤد ہی کی روایت عن ابن عمر ففرق رسول الله صلی الله علیه وسلم بینهما وللشافعی وما لک وابوداؤد ہی کی روایت عن ابن عمر مرفوعاً لا سبیل لک علیها۔ جواب:۔ا۔یہ تفریق کی خبر نہیں ہے کہ نفس لعان سے تفریق ہو چکی ہے بلکہ یہ مہر کا حکم بیان فرمانا ہے کہ خاوند کو اب مہر واپس نہ ملے گا چنانچہ اسی حدیث میں آگے مرفوعاً اسی کی وضاحت مذکور ہے۔ **لامال لک:**۔ ۲۔ہم دوسرا جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ یہ الفاظ مبارکہ **لا سبیل لک علیها:۔** خبر کے درجہ میں نہیں ہیں کہ نفس لعان سے میاں بیوی میں تفریق ہو چکی ہے بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قاضی ہونے کی حیثیت سے ان الفاظ کو بطور انشاء کے استعمال فرما رہے ہیں اور میاں بیوی کے درمیان تفریق فرما رہے ہیں۔

باب التلاعن فی المسجد

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مسجد میں بھی لعان کرنا جائز ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم لو کنت راجما بغیر بینة

غرض اس حدیث پاک کا بیان فرمانا ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک پایا جاتا ہے اور اس سے مراد اس شخص کو رجم کرنا ہے جو اپنے زانی ہونے کا اعتراف نہ کرتا ہو بلکہ انکار کرتا ہو۔ **فقال عاصم ماابتلیت بهذا الاالقولی:** فرمایا حضرت عاصم نے کہ میں نے بلا ضرورت سوال کیا تھا اس لئے اس کی سزا مجھے یہ دی گئی کہ میری ہی قوم میں ایسا واقعہ پیش آ گیا کیونکہ وہ عورت عاصم کی بیٹی تھی یا بھتیجی تھی۔ **وکان ذلک الرجل مصفراً:.** وہ آدمی شکایت کرنے والا یعنی حضرت عویمر بہت زرد رنگ کے تھے۔ **خدلاً:.** بھاری بدن والا قال ابوصالح وعبداللہ بن یوسف خدلاً یعنی پہلے روایت میں بسکون الدال نقل کیا گیا تھا ان دونوں حضرات نے خدلاً بکسر الدال نقل فرمایا ہے معنی ایک ہی ہیں۔

باب صداق الملاعنه:.

غرض ملاعنہ کے مہر کا بیان ہے اور امام بخاری امام مالک کی تائید فرما رہے ہیں کیونکہ وہ حدیث ذکر فرمائی ہے جو ان کی دلیل ہے پھر اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ملاعنہ عورت مدخول بہا ہے تو بالاتفاق اس کو پورا مال مہر ملے گا اور اگر لعان کرنے والی عورت غیر مدخول بہا ہے تو اس میں اختلاف ہے عند مالک اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا۔ وعندالجمہور اس کو نصف مہر ملے گا۔ لنا آیت مبارکہ و ان طلقتمو هن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فریضة فنصف مافرضتم ولمالک حدیث الباب عن ابن عمرؓ مرفوعاً لعان ہی کے واقعہ میں ان کنت صادقاً دخلت بهاوان کنت کا ذباً فهوا بعد منک

اس حدیث پاک کے مفہوم مخالف سے نکل آیا کہ اگر دخول نہ ہو تو پھر مہر بھی نہیں ہے۔ جواب۔ ہمارا استدلال منطوق سے ہے اور آپ کا مفہوم مخالف سے ہے اور جو ائمہ مفہوم مخالف کو حجت مانتے ہیں وہ بھی منطوق کے مقابلہ میں مفہوم مخالف کو نہیں لیتے۔۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر نصوص کو بالفرض برابر درجہ کا بھی مان لیا جائے تو پھر بھی غیر مدخول بہا کو نصف مہر ملنا ضروری ہے کیونکہ جب نصوص میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح دی جاتی ہے اور قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ نصف مہر ملے وہ اس طرح کہ مدخول بہا میں لعان کا اثر مہر پر واقع نہیں ہوا ہو حکم مہر کا بغیر لعان کے تھا وہی بالا تفاق لعان کے بعد بھی رہا جب مدخول بہا میں لعان کا اثر مہر پر نہیں ہوا تو غیر مدخول بہا میں بھی لعان کا اثر نہ ہونا چاہئے اور غیر مدخول بھا سے جدائی اگر بلا لعان ہو مثلاً طلاق ہو جائے تو نصف مہر بالا تفاق ہے اس لئے لعان کی صورت میں بھی نصف مہر ہونا چاہئے۔

باب قول الامام للمتلا عنین ان احدکما کاذب فھل منکما تائب

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ لعان سے پہلے قاضی کو چاہئے کہ ان دونوں کو بطور نصیحت کے یہ بات کہے کہ یقیناً تم میں سے ایک جھوٹا ہے اس لئے اس کو توبہ کر لینی چاہئے کیونکہ لعان سے وہ عذاب کا مستحق بن جائے گا۔

باب التفریق بین المتلاعنین

غرض یہ بتلانا ہے کہ لعان کا تتمہ یہ ہے کہ قاضی لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے گویا امام بخاری حنفیہ کی تائید فرما رہے ہیں۔

باب یلحق الولد بالملاعنة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بچہ لعان کرنے والی عورت کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

باب قول الامام اللھم بین

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ امام اگر حق تعالیٰ سے دعا مانگے کہ یا اللہ واقعہ کی حقیقت ظاہر فرما دیجئے تو اس کی بھی گنجائش ہے گو مسئلہ کا دارومدار ظاہر پر ہے اور ظاہر کے لحاظ سے نہ زنا ثابت ہوئی نہ قذف لیکن قاضی یا امام اگر آقائے کریم سے یہ دعا بھی کر لے کہ یا اللہ واقعہ کی حقیقت سب پر ظاہر فرما دیجئے تو یہ دعا مانگنی بھی جائز ہے تاکہ آئندہ کے لئے لوگوں کو مزید عبرت ہو جائے۔

جعداً قططا: زیادہ مڑے ہوئے بال۔

باب اذا طلقھا ثلثا ثم تزوجت بعد العدة زوجاً غیرہ فلم یمسھا

غرض مغلظہ کا حکم بتلانا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں مل چکی ہوں تو وہ پہلے خاوند کی طرف اس صورت میں لوٹ سکتی ہے جبکہ پہلے خاوند کی تیسری طلاق کے بعد وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے وہ وطی کرے پھر طلاق دے پھر عدت گزرے پھر پہلے خاوند سے نکاح پڑھا جائے۔

سوال: یہاں تو لعان کے ابواب چل رہے ہیں اور لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان جو جدائی ہوتی ہے۔ وہ تو حلالہ سے دور نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں دارومدار اس پر ہے کہ دونوں میں سے ایک اپنی تکذیب کرے پھر تکذیب پر زنا کی یا قذف کی حد جاری ہو پھر اگر دونوں زندہ ہوں تو رجوع ہو سکتا ہے بشرطیکہ تین طلاقیں نہ ہوئی ہوں اور اگر تین طلاقیں بھی ہو چکی ہیں تو پھر حلالہ بھی ہوگا بہر حال لعان میں رجوع بہت بعید ہے اس لئے یہاں حلالہ کا بیان مناسب نہ تھا۔

جواب: چونکہ لعان کی روایات میں تین طلاقوں کا ذکر بھی آتا ہے اس مناسبت سے حلالہ کا ذکر فرما دیا کہ اگر صرف تین طلاقیں ہی ہوئی ہوں اور لعان نہ ہوا ہو تو پھر کیا حکم ہے۔

باب قول اللہ واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم

غرض اس آیت کی تفسیر ہے اور اس میں عدت کا ذکر ہے مناسبت طلاق کے بابوں سے یہ ہے کہ اکثر طلاق میں عدت بھی ہوتی ہے اس لئے طلاق کے بعد عدت کا حکم بیان فرمایا اور عدت کے معنی ہیں۔ **ھی مدة التربص للنکاح الثانی**

بعد الوفاة او الطلاق:. بعض نسخوں میں یہاں ہے کتاب العدة یا ابواب فیھا احکام العدة۔

باب قول الله تعالى و المطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے اور کوئی روایت اپنی شرط پر امام بخاری نے نہ پائی جو اس آیت کی تفسیر بن سکے اس لئے مسند ذکر نہ فرمائی پھر اصل معنی قرء کے ہیں۔ **الاجتماع للخروج:.** اس لئے صرف اجتماع کی طرف سے نظر کرتے ہوئے طہر پر اطلاق ہوتا ہے کہ طہر میں خون نکلنے کے لئے جمع ہوتا ہے اور صرف خروج کی طرف نظر کرتے ہوئے حیض کے معنی میں استعمال ہوتا کیونکہ حیض میں خروج دم شروع ہو جاتا ہے پھر یہاں مراد حیض ہے یا طہر ہے۔ **فعند امامنا ابی حنیفة واحمد:** حیض۔ مراد ہے عند مالک والشافعی طہر مراد ہے لنا لفظ ثلثہ حیض کے معنی پر دال ہے اس لئے کہ بالا جماع طلاق طہر میں ہونی چاہئے۔ اب اگر یہ طہر شمار کریں تو چونکہ کچھ طہر گزر رہا ہے اس لئے تین سے کم طہر بنتے ہیں اور یہ طہر عدت میں شمار نہ کریں بلکہ اس کے بعد تین طہر لیں تو تین سے طہر بڑھ جاتے ہیں اس لئے ثلثہ پر عمل نہیں ہو سکتا اور ثلثہ لفظ خاص ہے اور اس کے معنی عدد معین کے ہیں نہ کم نہ زیادہ اس لئے قروء کے معنی حیض کے لینے ہوں گے تاکہ پورے تین حیض سے عدت مکمل ہو جائے کیونکہ طلاق طہر میں ہوگی اس کے بعد پورے تین حیض گزارنے سے عدت مکمل ہو جائے گی و دلیل مالک والشافعی قاعدہ عربیہ ہے کہ تین سے دس تک تمیز مکمل عدد کے خلاف آتی ہے یہاں عدد مؤنث ہے ثلثہ اس لئے اس کی تمیز مذکر آنی چاہئے اور قرء بمعنی حیض مؤنث شمار ہوتا ہے اور قرء بمعنی طہر مذکر شمار ہوتا ہے اس لئے قروء سے مراد اطہار ہیں۔ جواب۔ یہ قیاس لغوی ہے اور نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس معتبر نہیں ہوتا نہ لغوی نہ عقلی۔ **ولایحتسب به لمن بعده:.** حضرت ابراہیم نخعی کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اگر ایک شخص کی مطلقہ عدت میں تھی اسی عدت کے زمانہ میں کسی نے اس سے نکاح کر لیا تو اب یہ تین حیض صرف پہلے خاوند کی عدت شمار ہوگی دوسرے کی عدت الگ شمار کی جائے گی اور یہی مذہب ہے امام شافعی اور امام احمد کا لیکن عند امامنا ابی حنیفة و مالک یہ حیض دونوں عدتوں میں شمار کئے جائیں گے اور مسئلہ قیاسیہ ہے لنا۔ مقصود انخلاء الرحم ہے دونوں سے اور اس مقصد کے لئے ان حیضوں کو دونوں سے شمار کرنا ہی مناسب ہے اور دلیل امام شافعی و امام احمد کی یہ ہے کہ جب تفریق دو خاوندوں سے ہوئی تو عدتیں بھی دو ہوں گی اور اصل عدم تداخل ہے اس لئے دونوں عدتیں الگ الگ یکے بعد دیگرے گزارنی ضروری ہیں۔ ترجیح قول حنفیہ و مالکیہ کو ہے کیونکہ ہمارے قول میں معتدہ پر تخفیف ہے۔ **یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دو راستے ہوں ایک آسان اور ایک مشکل تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آسان راستہ کو اختیار فرمایا کرتے تھے۔

باب قصة فاطمة بنت قيس

غرض حضرت فاطمہ بنت قیس کا واقعہ بیان فرمانا ہے پھر نفقہ اور سکنی کے اختلافی مسئلہ میں بظاہر امام بخاری امام مالک اور امام شافعی کا مسلک لے رہے ہیں پھر تفصیل اس واقعہ کی امام بخاری نقل نہیں فرما رہے صرف بعض اجزاء نقل فرما رہے ہیں کیونکہ تفصیل والی روایات ان کی شرط پر نہیں ہیں۔ پھر اختلاف یوں ہے کہ عند امامنا ابی حنیفة جس عورت کو تین طلاقیں مل چکی ہوں اس کو عدت کے دنوں کا نفقہ بھی خاوند سے ملے گا اور سکنیٰ یعنی رہائش کی جگہ بھی ملے گی وعند احمد نہ نفقہ ہے نہ سکنیٰ وعند الشافعی و مالک سکنیٰ تو ہے لیکن نفقہ نہیں ہے لنا۔ آیت مبارکہ **اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم** اسکے معنی ہیں **وانفقوا علیھن من وجدکم** کیونکہ سکنیٰ کی تفصیل تو پیچھے ہو چکی **من حیث سکنتم** سے اب اگر **من وجدکم** میں بھی سکنیٰ ہی کی تفصیل شمار کی جائے تو تاکید بنے گی اور اگر یہ نفقہ کا بیان مانا نہ جائے تو تاسیس ہوگی یعنی نئے معنی ہوں گے اور بلاغت کا اصول ہے کہ تاسیس تاکید سے اولیٰ ہے اس لئے یہاں نفقہ ہی کے معنی لئے جائیں گے ولاحمد روایة ابی داؤد عن فاطمہ بنت قیس مرفوعا لیس لک

علیہ نفقۃ وامرھا ان تعتد فی بیت ام شریک وللشافعی ومالک نفقہ کی نفی کی دلیل امام احمد والی روایت ہے البتہ اس روایت میں جو سکنی کی نفی ہے اس کو نہیں لیتے کیونکہ سکنی کا اثبات صراحۃ قرآن پاک سے ہے جیسا کہ ہماری دلیل میں ابھی ذکر کیا گیا ہے اسکنوھن من حیث سکنتم ۔ جواب۔ ابوداؤد کی روایت عن الاسود اتت فاطمۃ بنت قیس عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال ما کنا لندع کتاب ربنا وسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لقول امراۃ لاندری احفظت ام لا ۔۲- ابوداؤد کی روایت عن عروۃ بن الزبیر قال لقد عابت ذلک عائشۃؓ اشد العیب یعنی حدیث فاطمۃ بنت قیس۔۳- اس فاطمہ بنت قیس والی روایت میں اضطراب ہے کہ طلاق قبل السفر دی یا سفر میں دی دوسرے خود سوال کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی رشتہ دار کو بھیجا تیسرے زوج کا نام ابو حفص تھا یا ابو عمرو تھا ان اضطرابات ثلثہ کی وجہ سے یہ حدیث کمزور ہوگئی۔۴- چوتھا جواب یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس والے واقعہ میں سکنیٰ چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مکان جس میں خاوند کے ساتھ رہتی تھی اس مکان میں وحشت تھی اس لئے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے اس مکان کو چھوڑنا ضروری تھا۔ عام حالات میں سکنی ملے گا۔۵- سکنی چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ فاطمہ بنت قیس زبان کی کچھ تیز تھیں اس لئے اس مکان میں لڑائی جھگڑے کا خطرہ تھا اس مجبوری سے مکان چھڑایا گیا تھا عام حالات میں سکنیٰ ملے گا۔۶- نفقہ کی نفی کے صرف یہ معنی ہیں کہ جتنا خاوند نے دے دیا یہی کافی ہے اس سے زائد نہ ملے گا۔۷- چونکہ یہ ناشزہ تھیں اس لئے سزا کے طور پر ان کا نفقہ بند ہوا۔

باب المطلقة اذا خشی علیها فی مسکن زوجها ان یقتحم علیها او تبذو علی اهلها بفاحشة

غرض امام احمد کے قول پر رد ہے وہ تین طلاق والی عورت سے سکنیٰ کی نفی مطلقا کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے پھر امام بخاری دو وجہیں بیان فرما رہے ہیں کہ سکنیٰ کی نفی یا تو اس وجہ سے تھی کہ وہ مکان خالی جگہ میں تھا کسی ڈاکو یا زانی کے آنے کا اندیشہ تھا اس لئے وہاں نہ رکھا گیا یا وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی زبان میں کچھ تیزی تھی وہاں رہنے میں لڑائی جھگڑے کا اندیشہ تھا۔

باب قول الله تعالیٰ ولایحل لهن ان یکتمن ماخلق الله فی ارحامهن من الحیض والحمل

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر کا بیان ہے۔ **کئیبة:** اس کے معنی ہیں غمگین کہ حیض کی وجہ سے وہ طواف نہ کر سکتی تھیں اس لئے حضرت صفیہ اپنے خیمہ کے دروازے پر غمگین کھڑی تھیں۔ **فقال لها عقری اوحلقیٰ:** عقریٰ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تیرے بدن کو زخمی کر دیں اور حلقیٰ کے معنی ہیں تیرے گلے کو کوئی تکلیف پہنچے۔ بدعا کرنی مقصود نہ تھی کیونکہ حیض غیر اختیاری چیز ہے بلکہ صرف غم کا اظہار تھا کہ اب تمہاری وجہ سے ہم سب کو ٹھہرنا پڑے گا۔

باب وبعولتهن احق بردهن فی العدة وکیف یراجع المراة اذا طلقها واحدة اوثنتین

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔۱- رجوع کا حق صرف ایک یا دو طلاقوں میں ہے تین طلاقوں کی صورت میں رجوع نہیں ہو سکتا۔۲- رجوع کا طریقہ کیا ہے۔ **فحمی معقل:** معقل حمیت اور غیرت والے ہو گئے۔ **انفاً:** اس کے معنی ہیں غصہ اور تکبر کی وجہ سے فعل چھوڑنا یہاں تکبر سے مراد ترک ذلت ہے۔ **فقال خلی عنها وهویقدر علیها:** یہی محل ترجمہ ہے کہ خالی چھوڑ دینا اور بیوی سے الگ رہنا یہ ترک رجوع ہے اس سے نکل آیا کہ رجعی طلاق ہو تو عدت کے اندر وطی کر لینا رجوع ہے۔ **فامره رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یراجعها:** یہی محل ترجمہ ہے کہ رجوع کے لئے گواہ بنانے ضروری نہیں ہیں۔

باب مراجعة الحائض

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دے دی ہو تو اس کے ذمہ رجوع واجب ہے جبکہ طلاق رجعی ہو اور اگر طلاق بائن ہے تو پھر یہ حکم نہیں ہے۔ **ثم یطلق من قبل عدتها:** یعنی ایسے وقت طلاق دے جو کہ عدت سے پہلے ہو اس روایت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ عدت حیض سے گزاری جاتی

ہے اور طلاق عدت کے وقت سے پہلے دی جاتی ہے یعنی طہر میں۔

باب تحد المتوفیٰ عنها زوجها اربعة اشهر و عشرا

غرض تین مسئلوں کا بتلانا ہے۔ ا-احداد یعنی زینت کا چھوڑنا اس عورت پر چار ماہ دس دن واجب ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ ۲- احداد کا طریقہ کیا ہے۔ ۳- احداد صغیرہ پر بھی واجب ہے اور اس تیسرے مسئلہ میں امام بخاری حنفیہ کے خلاف جمہور ائمہ کی تائید فرما رہے ہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ عندامامنا ابی حنیفۃ صبیہ کے ذمہ احداد نہیں ہے۔ وعندالجمھور صبیہ کے ذمہ احداد ہے۔ لنا۔ وہ مکلف نہیں ہے اس لئے ترک زینت کا وجوب بھی اس پر نہیں ہوسکتا وللجمھور اس پر چونکہ عدت ضروری ہے اور عدت گزرے بغیر وہ نکاح نہیں کرسکتی اس طرح عدت کا لازم احداد ہے یہ بھی اس پر ضروری ہے۔ جواب۔ عدت تو غیر کا حق ہے اس کا لحاظ تو کرنا صبیہ پر بھی ضروری ہے جیسے کسی کی کوئی چیز ضائع کردے تو اس کی چٹی بچے کے مال میں سے دی جاتی ہے۔ احداد کو اس پر قیاس نہیں کرسکتے یہ نماز کی طرح ذاتی عمل ہے اس لئے جیسے نابالغہ پر نماز فرض نہیں ہے ایسے ہی احداد بھی واجب نہیں ہے۔ **فقلما تفتض به الامات**:. اس کی مختلف تقریریں کی گئی ہیں۔ ا- عدت والی عورت کو جب کمرے میں بند ہوئے ایک سال گزر جاتا تو اس کے پاس جانور لایا جاتا تھا گدھا یا بکری یا پرندہ وہ اس پر ہاتھ پھیرتی تھی تو وہ قضاء الٰہی سے بطور خرق عادت مرجاتا تھا یہ خرق عادت اسی قسم کا ہے جیسے زمانہ جاہلیت میں رسم تھی کہ نوجوان لڑکی کو دریائے نیل میں ڈالتے تھے تو اس کا پانی جاری ہو جاتا تھا اس کو وہ امر سماوی سمجھتے تھے ہماری پاک شریعت نے ان دونوں رسموں کو ختم کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب مصر فتح ہوا تو مسلمانوں کے فاتح لشکر کے سردار حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہم بھی نوجوان لڑکی دریائے نیل کا پانی جاری کرنے کے لئے اس میں ڈالیں یا نہ تو حضرت عمرؓ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا کہ اے نیل اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو اب بھی لڑکی ڈالے بغیر جاری ہو جا اور اگر تو کسی اور کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو ہمیں تیرے پانی کی کوئی ضرورت نہیں یہ خط دریائے نیل میں ڈالا گیا تو وہ فوراً جاری ہو گیا اور اس کے بعد آج تک خشک نہیں ہوا اسی طرح یہ پورا ایک سال عدت گزار کر جانور کو ہاتھ لگانے کی رسم بھی ہماری پاک شریعت نے ختم کر دی کہ چار ماہ دس دن تک صرف ترک زینت ہے کمرے میں بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد کسی جانور کو لانے کی ضرورت نہیں بس نکاح جب کرنا چاہے کرے۔ فتفتض یہ لیا گیا ہے فضضت الشئی سے کہ میں نے شئی کو توڑ دیا سال کے بعد وہ عدت کو توڑتی تھی اس خاص طریقہ سے۔ ۲- یہ لفظ فضہ سے لیا گیا ہے کہ وہ عورت صفائی شروع کرتی تھی اور چاندی جیسی ہو جاتی تھی۔ ۳- معنی تو یہی ہیں کہ وہ عدت کو توڑتی تھی جیسے پہلی تقریر میں ذکر کیا گیا ہے لیکن زمانہ جاہلیت میں اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک سال بدبودار کوٹھڑی میں بند رکھنے کے بعد جب جانور کو وہ عورت اپنی قبل سے لگاتی تھی تو وہ جانور بدبو کی وجہ سے اکثر مرجاتا تھا اور اس کی عدت ختم ہو جاتی تھی۔ ۴- فضض میٹھے پانی کو کہتے ہیں جانور کو ہاتھ لگا کر وہ میٹھے پانی سے غسل کرتی تھی اور اس سے عدت ختم ہو جاتی تھی۔ ۵- تفتض کے معنی ہیں تفارق یعنی ایک سال کے بعد وہ جانور کو ہاتھ لگا کر احداد سے الگ ہو جاتی تھی۔ ۶- ایک روایت میں یہ لفظ تقبص صاد مہملہ کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں انگلیوں کے کناروں سے پکڑنا۔ جب وہ اس طریقہ سے جانور کو پکڑتی تھی تو وہ عموماً مرجاتا تھا اور اس عورت کی عدت ختم ہو جاتی تھی۔ ۷- فتفتض بہ میں باء زائدہ ہے یا تعدیہ کے لئے ہے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت اس جانور کے بعض اعضاء کو توڑتی تھی اس سے وہ مرجاتا تھا اور یہ کنایہ ہوتا تھا کہ اس کی عدت ٹوٹ گئی اور اس کے احداد اور ترک زینت کو موت آ گئی اور وہ عدت اور احداد ختم ہو گئے اسی طرح اس حدیث میں جو مینگنیاں پھینکنے کی رسم تھی سال گزرنے کے بعد اس میں بھی یہی اشارہ تھا کہ مینگنیاں بھی دور ہو گئیں اور عدت بھی دور ہو گئی۔

باب الكحل للحادة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عدت کے ایام میں سرمہ لگانا بھی

عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔سوال۔اس باب کی حدیث میں عذر کے موقعہ میں سوال کیا گیا تھا کہ سرمہ لگانا جائز ہے یا نہ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت کیوں نہ دی۔ جواب۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک میں اس عورت کو عذر کا درجہ حاصل نہ تھا سرمہ کے بغیر بھی آسانی سے علاج ہوسکتا تھا۔

باب القسط للحادة عند الطهر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ حداد کرنے والی اگرچہ خوشبو نہیں لگاتی لیکن حیض سے پاک ہونے کے وقت قسط خوشبو کا استعمال جائز ہے یہ لکڑی کی ہوتی ہے اس کو جلانے سے خوشبو آتی ہے اسی کو کست بھی کہتے ہیں اظفار اسی کی نوع ہے اور ظفار جگہ کا نام ہے۔ **ثوب عصب:**. یہ یمن کے کپڑے تھے ان کا رنگ ہلکا تھا ان سے زیادہ زینت نہیں ہوتی تھی اس لئے ان کا استعمال حداد کے زمانہ میں بھی جائز تھا۔**ادنی طهرها:**. طہر کے ابتداء میں۔

باب والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔**زعم ذلک عن مجاهد:**. حضرت مجاہد کے نزدیک ایک سال کی عدت باقی ہے صرف چار ماہ دس دن کے بعد باہر نکلنے کی اجازت ہے لیکن یہ قول شاذ ہے جمہور کے نزدیک ایک سال کی عدت بالکل منسوخ ہوچکی ہے۔**وتعتد حیث شاء ت ولا سکنیٰ لها:**. یعنی وارثت نازل ہونے سے متوفی عنھا زوجھا کے لئے سکنی نہ رہا۔

باب مهر البغی والنکاح الفاسد:.

غرض دو مسئلے بتلاتے ہیں۔ا-زنا کی اجرت حرام ہے اور نکاح فاسد کا کیا حکم ہے۔ نکاح فاسد کی مثالیں۔ا- عدت کے اندر نکاح۔۲-بغیر گواہوں کے نکاح۔۳-وقت مقرر کر کے نکاح کرنا مثلاً ایک ماہ کے لئے ایک سال کے لئے۔۴-بعض کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح۔۵-نکاح شغار بعض کے نزدیک۔

باب المهر للمدخول علیها وکیف الدخول اوطلقها قبل الدخول والمسیس

غرض تین مسئلوں کا بیان ہے۔ا-دخول سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔۲-دخول کی صورت کیا ہے۔۳-قبل الدخول طلاق کا حکم کیا ہے۔ان تین میں سے دوسرا مسئلہ صرف اختلافی ہے عندامامنا واحمد دخول کی صورت یہ ہے کہ بیوی کو تنہائی والے کمرے میں لے کر داخل ہو جائے اور دروازہ بند کر دیا جائے یا دروازہ پر پردہ ڈال دیا جائے وطی کرے یا نہ کرے وعند مالک صرف دخول فی البیت کافی ہے دروازہ بند کرے یا نہ کرے۔ پردہ گرائے یا نہ گرائے اور عندالشافعی وطی کے بغیر دخول کا حکم ثابت نہیں ہوتا منشاء اختلاف اس آیت کے معنی ہیں وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن ہر امام نے اپنی فراست سے اس آیت کے معنی کئے ہیں یہاں حنفیہ کے قول کو ترجیح اس وجہ سے ہے کہ یہ درمیانہ قول ہے خیر الامور اوساطھا امام مالک کے قول میں تفریط اور کمی ہے اور امام شافعی کے قول میں افراط اور زیادتی ہے۔

باب المتعة للتی لم یفرض لها

غرض اس عورت کا حکم بیان کرنا ہے جس کو قبل الدخول طلاق دی گئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ کیا گیا ہو کہ اس کو متعہ یعنی جوڑا دینے کا کیا حکم ہے فعند مالک مستحب ہے واجب نہیں وعندا لجمھور واجب ہے لنا قولہ تعالیٰ ومتعوھن امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ متعہ کا مادہ استحباب پر دال ہے جواب احتیاط صیغہ امر کے لحاظ کرنے میں ہے۔

کتاب النفقات وفضل النفقه علی الاهل

کتاب النفقات سے مقصود نفقات کے احکام ہیں اور ربط یہ ہے کہ جیسے طلاق اور عدت نکاح کے احکام کا تتمہ ہے ایسے ہی نفقات کے احکام بھی نکاح کے احکام کا تتمہ ہے نکاح کے بعد نفقہ واجب ہوجاتا ہے پھر پہلے باب کی غرض یہ ہے کہ بیوی بچوں پر خرچ کرنا بھی ثواب ہے۔

باب وجوب النفقة علی الاهل والعیال

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بیوی اور بچوں پر نفقہ واجب ہے۔

تقول المرأة اما ان تطعمنی واما ان تطلقنی

یہ عبارت حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف سے مدرج ہے وہ اس مذکورہ حدیث کے الفاظ وابدا بمن تعول کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

لاهذا من کیس ابی هریرة:. یعنی یہ الفاظ مرفوعاً ثابت نہیں ہیں۔صرف ابوہریرہ نے اپنی کیس یعنی عقل

سے حدیث کی وضاحت کی ہے۔

باب حبس نفقة الرجل قوت سنة على اهله و كيف نفقات العيال

غرض دو مسئلوں کا بیان فرمانا ہے۔۱-ایک سال کا نفقہ جمع کر لینا توکل کے خلاف نہیں ہے۔۲-بچوں کے نفقہ کا کیا درجہ ہے واجب ہے یا مستحب مقصد یہ ہے کہ واجب ہے۔

باب وقال الله تعالىٰ والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين

غرض دو چیزیں ہیں۔۱-ترغیب دینا ہے مطلقہ ماں کو کہ وہ خود ہی دودھ پلائے تو زیادہ اچھا ہے۔۲-دودھ پلانے کے معاملہ میں کوئی بھی ایک دوسرے کو ضرر نہ پہنچائے۔

باب نفقة المرأة اذاغاب عنها زوجها ونفقة الولد

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ خاوند باہر گیا ہوا ہو تو بقدر ضرورت بیوی اس کے مال میں سے اپنی ذات پر اور بچوں پر خرچ کرے تو یہ جائز ہے۔

باب عمل المرأة في بيت زوجها

غرض یہ ہے کہ عورت کو اپنے خاوند کے گھر میں کیسے رہنا چاہئے مقصد یہ ہے کہ گھر کے کام خود عورت کو اپنے ہاتھ سے کرنے چاہئیں۔

باب خادم المرأة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر بیوی خود کام کر سکتی ہو تو خاوند کے ذمہ خادم واجب نہیں ہے۔

باب خدمة الرجل في اهله

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ خود مرد کو گھر کے کاموں میں کچھ نہ کچھ شریک ہونا چاہئے اور یہی اس کے لئے بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔

باب حفظ المرأة زوجها في ذات يده والنفقة

غرض یہ ہے کہ عورت کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خاوند کی چیزوں کو اور نفقہ کے سامان کو حفاظت سے رکھے۔ **وقال الآخر:.** دوسرے راوی نے یہ لفظ مرفوعاً نقل فرمائے۔ **احناه:.** زیادہ شفقت والی۔ سوال مناسب تو یہ تھا کہ یوں ارشاد فرماتے احناھن۔ جواب۔ اہل عرب ایسے موقع میں واحد مذکر ہی استعمال کرتے ہیں اس کی دو توجیہیں ہوتی ہیں۔۱-احنا المذکور ۲-احنا لفظ النساء۔

باب كسوة المرأة بالمعروف:.

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ خاوند کے ذمہ بیوی کے کپڑے ہیں مناسب درجہ میں اور یہ خاوند پر واجب کے درجہ میں ہے۔ **حلة سيراء:.** ریشمی جوڑا۔

باب عون المرأة زوجها في ولده:.

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ خاوند کی دوسری بیوی کے بچوں یا خاوند کی بہنوں کو پالنے میں خاوند کی امداد کرے۔

باب نفقة المعسر على اهله:.

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر خاوند کے ذمہ کفارہ ہو تو بیوی بچوں کا نفقہ کفارہ سے بھی مقدم ہے۔

باب وعلى الوارث مثل ذلك وهل على المرأة منه شئ و ضرب الله مثلا رجلين احدهما ابكم:.

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مرنے والے کی نابالغ اولاد کا نفقہ مرنے والے کے وارث کے ذمہ ہے بچے کی ماں کے ذمہ نہیں ہے پھر آیت کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں وعلی الوارث مثل ذلک کہ وارث بھی قریبی رشتہ دار کو تکلیف نہ پہنچائے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وارث پر اجرت ہے رضاعت کی جبکہ بچے کی ملک میں مال نہ ہو۔ پھر وارث کے مصداق میں مختلف اقوال ہیں۔۱-جو بھی مرنے والے کا وارث ہو مردوں اور عورتوں میں سے۔۲-بچے کے ذی رحم محرم مراد ہیں مرنے والے کے وارث بھی ہوں۔۳-بچہ خود ہی مراد ہے کیونکہ وہ بھی تو اپنے باپ کا وارث ہے۔۴-جب مرنے والا بچے کی ماں اور بچے کا چچا چھوڑے تو دونوں میں سے ہر ایک پر ہے کہ وہ مرنے والے کا جتنا وارث ہوا ہے اتنا خرچہ

بچہ کی رضاعت میں خرچ کرے یہ چوتھا قول امام سفیان ثوری سے منقول ہے لیکن امام بخاریؒ کو یہ قول پسند نہیں ہے اس لئے وہ اس قول کا صراحۃً رد فرمارہے ہیں اس عبارت میں وھل علی المراۃ منہ شئ و ضرب اللہ مثلاً رجلین احدھما ابکم الآیۃ امام بخاری کی اس عبارت میں ھل بمعنی لیس ہے اور پھر یہ جو آیت یہاں ذکر فرمارہے ہیں امام بخاری وضرب اللہ مثلاً رجلین احدھما ابکم الآیہ تو اس کا تعلق اس مسئلہ سے یوں ہے کہ امام بخاری عورت کو کل اور بوجھ قرار دے رہے ہیں کہ عورت تو خود دوسروں پر بوجھ ہوتی ہے وہ نفقہ کیسے برداشت کرسکتی ہے۔ آیت میں اصل مثال تو اوثان کی ہے کہ بت تو بوجھ ہی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حر اور مالک کی طرح ہیں۔ امام بخاری عورت کو بھی ایسا ہی ثابت کررہے ہیں کہ وہ بھی بتوں کی طرح بوجھ ہوتی ہے اس لئے وہ بچے کی رضاعت کا نفقہ برداشت نہیں کرسکتی۔ **لست بتارکتھم ھکذا وھکذا:.** میں ان کو محتاج نہیں چھوڑنا چاہتی۔ باب کا مقصد حاصل ہوگیا کہ حضرت ام سلمہ بوجھ تھیں اسی لئے اپنا خرچ اور بچوں کا خرچ مانگ رہی ہیں۔ **فھل علی جناح ان اٰخذ من مالہ مایکفینی و بنی:.** اس حدیث سے بھی باب کا مقصد حاصل ہوا کہ یہ عورت بھی بوجھ تھیں اسی لئے اپنا خرچہ مانگ رہی ہیں کہ خاوند کے مال سے خرچ کرلیا کروں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک کلاً او ضیاعاً فالی:.

غرض اس حدیث پاک کو بیان کرنا ہے۔

باب المراضع من الموالیات وغیرھن

غرض یہ ہے کہ آزاد شدہ کا دودھ پینا بھی عیب نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ رضائی ماں عربی ہی ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں خیال کرتے تھے۔

کتاب الاطعمة

ربط یہ ہے کہ پیچھے نفقات کا ذکر تھا اور نفقہ میں زیادہ کھانے پر خرچ ہوتا ہے اس لیے اب کھانے کی تفصیل ہے اور کتاب سے غرض انواع اطعمہ کا بیان ہے اور احکام اطعمہ کا بیان ہے۔ **کلو امن الطیبات واعملو اصالحا:.** اس آیت مبارکہ کی مناسبت کتاب الاطعمہ سے یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں کھانے کا ذکر عمل صالح سے پہلے ہے اہمیت کی بناء پر کہ حلال کھانا سبب بنے گا عمل صالح کا۔ **بعس:.** بڑا پیالہ۔

باب التسمیة علی الطعام والاکل بالیمین

غرض یہ ہے کہ یہ دونوں کام مسنون ہیں۔ **تطیش:** گھومتا تھا۔ **تلک طعمتی بعد:.** یہ اصول میرے کھانے کا طریقہ رہے بعد میں کہ بسم اللہ پڑھوں دائیں ہاتھ سے کھاؤں اور اپنے سامنے سے کھاؤں۔

باب من تتبع القصعة مع صاحبه اذالم یعرف منه کراهة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر ساتھ کھانے والا برا نہ محسوس کرے تو پیالہ میں مختلف جگہ ہاتھ پھیرنے کی بھی گنجائش ہے۔

باب التیمن فی الاکل وغیرہ

غرض یہ ہے کہ کھانے میں بھی اور باقی اچھے کاموں میں بھی دائیں ہاتھ کا خیال کرنا مسنون ہے۔ **وکان قال بواسط:** واسط شہر میں حضرت شعبہ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

باب من اکل حتی شبع

غرض یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے۔ **وردتنی ببعضه:.** اس کپڑے کے بعض حصہ کو میری چادر بنادیا اور مجھ پر ڈال دیا۔ **ففت:.** ٹکڑے کئے گئے اس روٹی کے۔ **عکة:.** گھی کا ڈبہ۔ **مشعان:.** بہت لمبا۔ **بسواد البطن:.** کلیجی۔ **توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین شبعنا:.** وفات ہوگئی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ہم نے پیٹ بھر کر کھانا شروع کردیا۔

باب لیس علی الاعمی حرج الی قوله لعلکم تعقلون

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ **والنھد والاجتماع علی الطعام:** یہ عطف تفسیری ہے کہ دو یا زیادہ آدمی

اپنا اپنا کھانا لے آئیں اور اکٹھے بیٹھ کر کھالیں۔ یہ جائز ہے اس آیت کی وجہ سے لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعاً او اشتاتا۔ **وھی من خیبر علی روحة:.** یہ جگہ خیبر سے آدھے دن کی مسافت پر تھی۔ **فلکناہ فاکلنا منه:.** ہم نے ستو کو گھولا اور پھر کھایا۔ **عوداً وبداً:.** نہ شروع میں ہاتھ دھوئے نہ اخیر میں۔

باب الخبز المرقق والاکل علی الخوان والسفرة:.

غرض ان تین چیزوں کے احکام کا بیان کرنا ہے۔ خبز مرقق نرم عمدہ روٹی کو کہتے ہیں جو میدے کے نان جیسی ہوتی ہے اور خوان پیتل کی چوکی ہوتی ہے کہ اس پر رکھ کر کھانا عجمیوں کا طریقہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور سفرہ چمڑے کا دستر خوان ہے اس پر رکھ کر کھانا کھانا سنت ہے اور خبز مرقق بھی جائز ہے۔ **مسموطة:.** بھنی ہوئی۔ **سکرجة:.** چھوٹا پیالہ یا ٹانگوں والا پیالہ۔ یہ عجمیوں کا طریقہ تھا اس لیے مکروہ ہے۔ **ایھا:.** ٹھیک ہے اس کو کلمہ اعتراف کہتے ہیں۔ **السویق:.** غرض یہ کہ ستو پینا سنت ہے۔ **مجنوذاً:.** بھونی ہوئی۔

باب طعام الواحد یکفی الاثنین

غرض یہ ہے کہ یہ الفاظ بھی ثابت ہیں گو میری شرط پر نہیں ہیں۔

باب المومن یاکل فی معیً واحد

غرض مومن اور کافر کے کھانے میں فرق بیان کرنا ہے کیونکہ کافر کا اصول یہ ہے زیستن برائے خوردن اور مومن کا اصول یہ ہے خوردن برائے زیستن۔ **فیه ابوھریرة:.** اس باب سے مقصود گذشتہ باب کی تائید ہے تاکہ اسلام کی شان ظاہر ہو۔

باب الاکل متکئا

غرض اس کا جواز بتلانا ہے اسی لیے کراہۃ کا ذکر نہیں فرمایا اس کے برخلاف امام بخاری کے شاگرد امام ترمذی نے اپنے باب میں کراہت کی تصریح فرمائی ہے۔ **باب الشواء:.** غرض یہ ہے کہ بھنا ہوا گوشت کھانا جائز ہے۔ **باب الخزیرة:.** غرض کھانے کا جواز بیان فرمانا ہے۔ خزیرہ میدے (نخالہ) اور گوشت سے بنتا ہے اور حریرہ دودھ سے بنتا ہے دودھ والا حلوہ یا کھیر ان سب کا کھانا جائز ہے۔ **انکرت بصری:.** آنکھیں کمزور ہو گئی تھیں یا نابینا ہو گئے تھے۔ **باب الاقط:.** غرض یہ ہے کہ پنیر جو دودھ کو پھٹا کر بنایا جاتا ہے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

باب السلق والشعیر

غرض یہ ہے کہ چقندر اور جو کو الگ الگ یا ملا کر کھانا جائز ہے۔ **ما فیه شحم ولا ودک:** نہ چربی تھی اس میں نہ چکنائی۔

باب النھس وانتشال اللحم:.

غرض یہ ہے کہ نھس یعنی منہ سے کاٹ کر ہڈی پر سے گوشت کھانا اور انتشال یعنی چھری سے کاٹنا اور پھر ہاتھ سے کھانا یہ دونوں طریقے گوشت کھانے کے جائز ہیں۔

باب تعرق العضد

غرض یہ ہے کہ دستی کے گوشت کو ہڈی پر سے منہ لگا کر کھانا جائز ہے۔ **نحومکة:.** بلا فصل اگلی حدیث میں مکہ مکرمہ کی طرف جانے کی تفصیل ہے اور غرض ایک ہی حدیث کی دو سندوں کا بیان ہے۔

باب ماعاب النبی صلی اللہ علیه وسلم طعاماً

غرض اس عادت مبارکہ کا بیان ہے۔

باب النفخ فی الشعیر

غرض یہ ہے کہ جو کے آٹے میں سے چھان بورا پھونک مار کر اڑا دینا جائز ہے۔ **النقی:** میدہ۔

باب ماکان النبی صلی اللہ علیه وسلم واصحابه یاکلون

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام کے کھانے کی چیزوں کی تفصیل کا بیان ہے۔ **حشفة:.** جو درخت پر پوری نہ پکی ہو اس کو گھٹیا شمار کیا جاتا ہے وہ جلدی خشک ہو جاتی ہے۔ **شدت فی مضاغی:.** مضاغ چبانے کو کہتے ہیں اس کو زیادہ چبانا پڑا اس لیے وہ حشفہ مجھے زیادہ پسند آئی۔ **عن قیس**

عن سعد: یہ سعد بن ابی وقاص ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ **سابع سبعة:** میں بالکل شروع میں ساتواں مسلمان تھا۔ **الحبلة:** پیلو۔ **یضع احدنا کما تضع الشاة:** بکری کی طرح مینگنیاں کرتا تھا۔ **تعزرنی:** مجھے ادب سکھاتے ہیں کیونکہ انہوں نے شکایت کی تھی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھتے۔ **خسرت اذاً:** اگر مجھے ضرورت ہے ان کے سکھانے کی تو میں تو نقصان والا ہوگیا۔ **ثریناہ:** اس آٹے کو گوندھ لیتے تھے۔ **شاة مصلیة:** بھنی ہوئی بکری۔ **باب التلبینة:** آٹے یا میدے سے پتلا حلوہ بناتے تھے جس کو آج کل لیٹی کہتے ہیں۔ بعض دفعہ شہد اور دودھ بھی ڈالتے تھے سفید ہونے کی وجہ سے تلبینہ کہتے تھے دودھ جیسی چیز۔ **مجمة لفؤاد المریض:** بیمار کے دل کے لیے سکون کی چیز۔ **باب الثرید:** شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر نرم کر کے کھانا بھی مسنون ہے یہ غرض ہے باب کی۔

باب شاة مسموطة والکتف والجنب

غرض یہ ہے کہ بھنی ہوئی بکری کھانا بھی جائز ہے اور کندھے اور جانب کا گوشت کھانا بھی مسنون ہے۔ **یحتز:** چھری سے کاٹ رہے تھے۔

باب ما کان السلف یدخرون فی بیوتهم واسفارهم من الطعام واللحم وغیره

غرض ان حضرات پر رد کرنا ہے جو ایک دن کے لیے ذخیرہ کرنے کو بھی توکل اور ولایت کے خلاف سمجھتے تھے۔ **سفرة:** چمڑے کا دسترخوان ہوتا تھا کنارے پر حلقے ہوتے تھے دوہرا کر کے تھیلا بنا لیتے تھے۔ **مادوم:** سالن لگا کر کھائی جائے۔ **باب الحیس:** یہ کھجور اور گھی اور پنیر سے بنتا تھا جس کو ہم حلوہ کہتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ **کلما نزل:** جب بھی سواری سے اترتے تھے یہ دعا پڑھتے تھے۔ **ضلع الدین:** قرض کی سختی۔ **یحوی لها وراءه:** کوہان کے گرد چادر لپیٹتے تھے تاکہ بیٹھنے والا گر نہ جائے۔ **بعباءة:** ایک قسم کی چادر۔

باب ذکر الطعام

غرض یہ ہے کہ عمدہ کھانا کھانا جائز ہے اور کڑوا کھانا مکروہ اور ناپسند ہے۔

باب الادم: غرض یہ ہے کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانا سنت ہے اور ادم جمع ہے ادام کی سالن۔

باب الحلواء والعسل

غرض یہ ہے کہ میٹھی چیز اور شہد کا کھانا مسنون ہے۔ **الخمیر:** خمیری روٹی۔ **استقرئ:** آیت پڑھنا چاہتا تھا۔ **العکة:** گھی کا مشکیزہ۔ **فنشتقها:** ہم اس کو پھاڑ لیتے تھے۔ **باب الدباء:** غرض یہ بیان کرنا ہے کہ کدو کا کھانا سنت ہے۔

باب الرجل یتکلف الطعام لاخوانه:

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے دوستوں کے لیے عمدہ کھانا پکا کر دعوت کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ **لحام:** قصائی۔ **خامس خمسة:** یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار دوسرے حضرات کی دعوت کی۔ **باب المرق:** غرض یہ بتلانا ہے کہ شوربہ کا استعمال مسنون ہے۔ **باب القدید:** غرض یہ بتلانا ہے کہ گوشت کے لمبے ٹکڑے کاٹ کر کھانا مسنون ہے۔ **مافعله الا فی عام جاع الناس:** یعنی جو نہی تھی کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد نہ رکھیں یہ صرف ایک ہی سال تھی قحط سالی کی وجہ سے پھر یہ نہی نہ رہی۔

باب من ناول اوقدم الی صاحبه علی المائدة شیئاً

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب الرطب بالقثاء

غرض یہ کہ تر کھجور اور ککڑی کو ملا کر کھانا بھی جائز ہے۔ **باب الحشف:** غرض یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

باب الرطب والتمر

غرض یہ کہ دونوں کا کھانا جائز ہے۔ **فجلست نخلاً:** زمین نے پورا پھل نہ دیا کھجور کے لحاظ سے یعنی پھل عام سالوں سے کم ہوا۔ **این عریشک:** کہاں ہے تمہارا چھپر۔

باب اکل الجمار

یعنی کھجور کے مغز کو کھانا جائز ہے۔ **باب العجوة:** عجوہ

کھجور کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے۔

باب القران فی التمر

یعنی مکروہ ہے البتہ ساتھی کی اجازت سے جائز ہے۔

باب برکة النخل

اس برکت کا بیان مقصود ہے۔ **باب القثاء:** غرض ککڑی کھانے کے جواز کا بیان ہے۔

باب جمع اللونین اوطعامین بمرة

غرض یہ ہے کہ دورنگ کی چیزوں کو ملا کر کھانا جائز ہے ایسے یہ دو کھانے پکانے کی بھی گنجائش ہے۔

باب من ادخل الضیفان بیته عشرة عشرةً

غرض یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے کر کے داخل کرنا بھی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔

باب ما یکره من الثوم والبقول

غرض یہ ہے کہ لہسن اور دوسری بو والی سبزیاں کھا کر مسجد میں آنا مکروہ ہے۔ **فیه عن ابن عمر :.** یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں گزری ہے کہ لہسن کھانے والا مسجد میں نہ آئے۔

باب الکباث وهو ثمر الاراک

غرض یہ ہے کہ پیلو کھانا جائز ہے۔

باب المضمضه بعد الطعام

غرض یہ ہے کہ کھانے کے بعد کلی کرنا مسنون ہے۔ **قال سفیان کانک تسمعه من یحییٰ:.** سفیان بن عیینہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث مجھے خوب یاد ہے گویا کہ آپ میرے استاد حضرت یحییٰ سے سن رہے ہیں۔

باب لعق الا صابع ومصها قبل ان تمسح بالمندیل

غرض یہ کہ انگلیاں تولیہ سے صاف کرنے سے پہلے چاٹ لینا مسنون ہے۔ **باب المندیل:** غرض یہ کہ تولیہ کا استعمال ضروری نہیں ہے۔

باب مایقول اذا فرغ من طعامه

غرض کھانے کے بعد کی مسنون دعاء بتلانا ہے۔

باب الاکل مع الخادم

خادم کو ساتھ بٹھا کر کھلانے کی فضیلت بتلانی مقصود ہے۔

باب الطاعم الشاکر مثل الصائم الصابر

غرض کھانے کے بعد شکر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

فیه عن ابی هریرة :. یہ روایت صحیح ابن حبان میں مرفوعاً ہے اور انہوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے الفاظ یہ ہیں الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر۔

باب الرجل یدعیٰ الی طعام فیقول وهذا معی

غرض دو مسئلے بتلانے ہیں۔ ا بن بلائے کوئی چلا جائے دعوت کھانے تو مہمان میزبان سے کہہ دے کہ یہ بن بلائے آ گیا ہے ہمارے ساتھ نہیں ہے پھر میزبان اگر دل کی خوشی سے بلا جبر اجازت دے تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔ آج کل عموماً مجبور ہو کر اجازت دیتے ہیں یہ کافی نہیں۔ ۲۔ کسی کے گھر مہمان جائے اور بظاہر وہ حرام مال والا نہیں ہے تو ایک ایک چیز کا نہ پوچھے کہ یہ کہاں سے لی بلا تکلف کھائے پئے۔ یہ دوسرا مسئلہ حضرت انس سے موقوفاً مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور مرفوعاً حضرت ابو ہریرہ سے مسند احمد میں ہے۔

باب اذا حضرا لعشاء فلا یعجل عن عشائه

جب نماز کے وقت کھانا سامنے آ جائے تو کیا کرے اس کی پوری تفصیل کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

باب قول الله تعالیٰ فاذا طعمتم فانتشروا

غرض یہ ہے کہ کھانے کا اجتماع کھانے کے بعد ختم ہو جانا چاہیے۔

کتاب العقیقه

ربط یہ ہے کہ یہ تخصیص بعد التعمیم ہے پہلے مطلقاً کھانے کی چیزوں کا ذکر تھا اب عقیقہ کے گوشت کا ذکر ہے۔ غرض عقیقہ کے احکام کا بیان ہے۔ عقیقہ سنت غیر موکدہ ہے اور ہمارے امام ابو حنیفہ سے جو منقول ہے کہ عقیقہ سنت نہیں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ سنت مؤکدہ نہیں ہے۔

باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه و تحنيكه

غرض یہ ہے کہ عقیقہ سے پہلے بچہ کا نام رکھنا اور منہ میں کچھ ڈالنا جس کو تحنیک کہتے ہیں جائز ہے۔ پھر بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلی کھجور بچے کے منہ میں ڈالی جائے اس میں نیک فالی ہے کیونکہ کھجور کا درخت برکت والا ہے کیونکہ اس کو مؤمن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ **وانا متم:.** میں حمل کے پورے دنوں میں تھی۔ **ثم اصاب منها:.** جماع فرمایا۔ **سماه عبدالله :.** صبر کی برکت سے حق تعالیٰ نے دس بچے لڑکے دیئے جو علماء صلحاء بنے۔

باب الفرع

فرع کا حکم بتلانا مقصود ہے۔ فرع کا مصداق کیا تھا۔ ا۔ ہر جانور کا پہلا بچہ۔ ۲۔ اونٹنی کا پہلا بچہ۔ ۳۔ سو اونٹ ہو جانے کے بعد پہلا بچہ۔ شروع اسلام میں اس بچہ کو ذبح کرنا مستحب قرار دیا گیا تھا وہ بھی پیدا ہوتے ہی نہیں بلکہ جب بڑا ہو جائے سواری کے قابل ہو جائے پھر یہ استحباب بھی ختم کر دیا گیا۔ **باب فی العتیرة:.** غرض عتیرہ کا حکم بتلانا ہے یہ قربانی تھی رجب میں استحباباً پھر منسوخ کر دی گئی۔

كتاب الذبائح والصيد والتسمية:.

ربط یہ ہے کہ یہ تعمیم بعد التخصیص ہے کیونکہ پیچھے خاص عقیقہ کا ذکر تھا تبعاً کچھ عتیرہ اور فرع کا ذکر تھا اب مطلقاً ذبائح اور صید کا ذکر ہے۔ غرض ان تین چیزوں کے احکام کا بیان ہے۔ ا۔ ذبائح۔ ۲۔ صید۔ ۳۔ تسمیہ۔

باب صيد المعراض

غرض چوڑے تیر سے شکار کرنے کا حکم بتلانا ہے کہ اگر تیز حصہ لگے تو حلال ہے۔

باب ما اصاب المعراض بعرضه

ماقبل کا تتمہ ہے کہ چوڑائی کی طرف سے اگر لگے تو وہ شکار حرام ہوگا۔

باب صيد القوس

تعمیم بعد التخصیص ہے کہ اب مطلقاً کمان سے شکار کرنے کا ذکر ہے پہلے صرف کمان کے چوڑے تیروں کا ذکر تھا۔ **استعصىٰ على رجل من ال عبدالله حمار:.** یہاں حمار وحشی مراد ہے۔

باب الخذف والبندقة

غرض یہ ہے کہ کنکری اور غلیل کا شکار حرام ہے۔

الا كلب ضار تصيد: مگر شکاری کتا۔

باب اذا اكل الكلب

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر کتا شکار کو کھانا شروع کر دے تو وہ شکار حرام ہو جائے گا۔

باب الصيد اذا غاب عنه يومين او ثلاثة

ایسے شکار کا حکم بتلانا مقصود ہے جو شکاری کی نظروں سے دو یا تین دن غائب رہا ہو۔ حکم کی تصریح نہیں کی احتیاط نہ کھانے میں ہے۔

باب اذا وجد مع الصيد كلبا آخر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اپنے کتے کے ساتھ اگر دوسرا کتا بھی شکار کرنے میں شریک ہو جائے اور اس کے متعلق معلوم نہ ہو کہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر چھوڑا ہے یا نہ تو وہ شکار حرام ہوگا۔ باب میں جواب اس لیے ذکر نہ فرمایا کہ حدیث پاک سے ثابت ہو رہا ہے۔

باب ماجاء في التصيد

غرض شکار میں زیادہ مشغول ہونے کا حکم بیان فرمانا ہے۔ حاصل حکم کا یہ ہے کہ شکار کر کے کمائی کرنا جائز ہے۔ تھکاوٹ دور کرنے کی نیت سے بھی گنجائش ہے البتہ لہو ولعب اور تکبر کی نیت سے منع ہے۔

انفجنا:. ہم نے بھگایا۔

باب التصيد على الجبال

غرض پہاڑوں پر شکار کرنے کا حکم بیان فرمانا ہے اور یہ بھی اسی طرح ہے جیسے ابھی گزرا۔ **متشوفين:.** دیکھ رہے تھے۔

باب قول الله تعالىٰ احل لكم صيد البحر

سمندر کے شکار کا حکم بتلانا چاہتے ہیں تفصیل وہی ہے جو ابھی گزری۔ **والجرى:.** بے کھال مچھلی۔ **كل شىء فى البحر مذبوح:.** غرض یہ ہے کہ بغیر ذبح کئے ہی ہمارے لیے حلال ہے۔ **اماالطير فارى ان يذبحه:.** سوال۔ اس روایت کا صید البحر

سے تعلق نہیں ہے۔ جواب۔ سمندر کی فضاء میں بھی بعض دفعہ پرندے آجاتے ہیں۔ **وقلاۃ السیل:.** سیلاب کے بنائے ہوئے تالاب۔ **کل من صید البحر نصرانی اویھودی او مجوسی:.** معنی یہ ہیں وان صادہ نصرانی او یہودی او مجوسی۔ **قال ابوالدرداء فی المری ذبح الخمر النینان والشمس:.** مری ایک سرکہ تھا جو شراب میں مچھلی اور نمک ڈال کر دھوپ میں رکھ کر بنتا تھا اسی بات کو حضرت ابوالدرداء بیان فرمارہے ہیں کہ شراب کو مچھلیوں اور دھوپ نے ذبح کر دیا اور اس میں سے حلال سرکہ نکال لیا۔ نینان جمع ہے نون کی جس کے معنی ہیں مچھلی۔

باب اکل الجراد

غرض یہ بتلانا ہے کہ مکڑی کو بھی بغیر ذبح کیے صرف مار کر کھالینا جائز ہے۔

باب اٰنیة المجوس

غرض یہ ہے کہ مجوسیوں کے برتنوں کو دھوکر استعمال کر لینا جائز ہے۔

باب التسمیة علی الذبیحة ومن ترک متعمداً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ قصداً بسم اللہ اللہ اکبر ذبح کرتے وقت چھوڑ دے تو وہ مردار ہو جاتا ہے گویا حنفیہ کا مسلک لے لیا امام بخاری نے وعند الشافعی قصداً چھوڑ دے پھر بھی حلال ہے جبکہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو وعند مالک واحمد عمداً چھوڑے یا ناسیا دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہے دلیل امامنا ابی حنیفۃ قول ہے اللہ تعالیٰ کا ولاتا کلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ اور بھولنے والا اس آیت کی وجہ سے مستثنیٰ ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج دلیل الشافعی مافی الدار قطنی والبیہقی عن ابن عباس مرفوعاً المسلم یکفیہ اسمہ فان نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم ولیذکر اسم اللہ ثم لیاکل معلوم ہوا کہ بعد میں کھاتے وقت نام لینا بھی ذبح کی طرح ہے جواب یہ اجازت صرف بھولنے والے کو ہے دلیل مالک واحمد آیت کا ظاہر ہے جواب ہو چکا کہ حرج کی وجہ سے ناسی مستثنیٰ ہے۔

باب ما ذبح علی النصب والا صنام:.

غرض ایسے ذبیحہ کا حکم بیان فرمانا ہے کہ حرام ہے پھر نصب اور اصنام کے مصداق میں دو قول ہیں۔ ا۔ نصب صرف پتھر تھے ان کی تصویر بنی ہوئی نہ ہوتی تھی اور اصنام وہ پتھر جن سے تصویر بنائی ہوئی ہوتی تھی۔ ۲۔ نصب پتھر جن کی تصویر بنائی ہوتی تھی اور اصنام عام ہے وہ تصویریں جو پتھروں پر یا لوہے پر یا لکڑی وغیرہ پر بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ **زید بن عمرو بن نفیل:.** یہ زمانہ جاہلیت میں ملت ابراہیمی پر تھے ان کے صاحبزادے حضرت سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں سے ہوئے۔ **بلدح:.** جگہ کا نام ہے۔ **فقدم الیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سفرۃ فیها لحم:.** اور ایک نسخہ میں یوں ہے فقدم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نسخوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ لوگوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن عمرو بن نفیل کے سامنے کیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صراحۃً مذکور نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے اہل مکہ کا ذبیحہ کبھی کھایا تھا یا نہیں کھایا تھا اور یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ زیر بحث واقعہ میں جو آ گیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تناول نہ فرمایا اور زید بن عمرو بن نفیل کے آگے کر دیا یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض فرمانے کی دلیل ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم فلیذبح علی اسم اللہ

غرض یہ بتلانا ہے کہ بھولنے والے کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور یہ بات حدیث پاک سے بطور اشارۃ النص ثابت ہو رہی ہے کیونکہ یوں ارشاد فرمایا فلیذبح علی اسم اللہ یوں نہ فرمایا فلیسم اور عبارۃ النص اس حدیث پاک میں یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ نماز سے پہلے قربانی صحیح نہیں ہے۔

باب ماانهر الدم من القصب والمروۃ والحدید

غرض یہ ہے کہ کانا۔ پتھر۔ لوہا وغیرہ میں سے جو چیز بھی خون بہادے اس سے ذبح کر لینا جائز ہے۔ **وھو بسلع:.** جگہ کا نام ہے۔ **فحبسه:.** اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی نے تیر مار کر اس اونٹ کو روک لیا۔

باب ذبيحة المراة والامة

غرض رد ہے امام ملک کے قول کا وہ فرماتے ہیں کہ عورت کا ذبح کرنا مکروہ ہے اور جمہور کے نزدیک بلا کراہت صحیح ہے لنا حدیث الباب عن کعب بن مالک ان امرئۃ ذبحت شاۃ بحجر فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فامر باکلھا و دلیل مالک یہ ہے کہ عورت میں کمزوری ہوتی ہے جو ٹھیک ذبح کرنے سے منع ہے جواب یہ صرف وہم ہے کیونکہ عورتوں میں بھی ذبح کی قوت پوری موجود ہے۔

باب لایذکی بالسن والعظم والظفر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ دانت اور ہڈی اور ناخن سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

باب ذبيحة الاعراب ونحوهم

غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کے گوشت ہیں وہم نہ کرنا چاہیے اور اس کو حلال ہی سمجھنا چاہیے۔

باب ذبائح اهل الكتاب وشحومها من اهل الحرب وغيرهم

غرض یہ ہے کہ یہ سب جائز اور حلال ہیں۔

لا باس بذبيحة الاقلف: بے ختنہ کے ذبیحہ کا خاص طور سے اس لیے ذکر فرمایا کہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس نے شعائر اسلام میں سے ایک چیز ختنہ کو چھوڑا ہے تو شاید اس کے ذبیحہ میں کچھ کمی ہو اس شبہ کو دور کر دیا کہ کچھ کمی نہیں ہے۔

باب ماندمن البهائم فهو بمنزلة الوحش

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ پالتو جانوروں میں سے جو بھاگ جائے اور قابو میں نہ آئے اس کو ذبح کرنا شکاری جانوروں کی طرح تیر سے صحیح ہے۔ **ارن:** یہ اران بمعنی اھلک سے امر کا صیغہ ہے ای اھلک۔

باب النحر والذبح

غرض یہ ہے کہ اونٹ میں نحر مسنون ہے اور گائے اور بکری میں ذبح مسنون ہے۔ نحر یہ ہے کہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے اگلی دو ٹانگوں کے درمیان بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر نیزہ مارنا اور ذبح یہ ہے کہ گائے یا بکری کو لٹا کر گلے پر یہی پڑھ کر چھری چلانا پھر یہ نحر اور ذبح ایک دوسرے کی جگہ ہو سکتے ہیں لیکن امام بخاری اور ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک کی جگہ دوسرا کرنا مکروہ ہے۔ **ذكر الله ذبح البقرة:** اس آیت میں ان اللہ یامرکم ان تذبحو بقرۃ۔

فيحلف الوداج حتى يقطع النخاع: چھوڑا جاتا ہے رگوں کو یعنی رگوں کو کاٹ کر آگے نخاع کو بھی کاٹ دیتا ہے جو دھاگے کی طرح سفید رگ ریڑھ کی ہڈی میں ہوتی ہے جس کو حرام مغز کہتے ہیں۔

لا احال: میں اس کو بلا کراہت جائز نہیں سمجھتا۔

واخبرني نافع: یہ مقولہ حضرت ابن جریج کا ہے۔ **الذكاة في الحلق واللبة:** لبہ کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ا۔ منحر یعنی سینے کا جہاں اختتام ہوتا ہے۔ ۲۔ گردن کا اوپر کا حصہ منکے سے نیچے پھر الجامع الصغیر میں ہے لاباس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ واعلوہ واسفلہ اور مبسوط میں ہے مابین اللبۃ واللحیین اور لبہ راس الصدر ہے۔ پس یہاں حضرت ابن عباس کے قول فی الحلق واللبۃ میں فی بین کے معنی میں ہے مراد یہ ہے بین اعلی الحلق واسفلہ۔ **نحرنا على عهد النبي صلى الله عليه وسلم فرسا فاكلناه:** عندامامنا ابی حنیفۃ ومالک مکروہ ہے وعندالشافعی واحمد بلا کراہت جائز ہے لنا روایۃ ابی داؤد عن خالد بن الولید مرفوعا نھی عن اکل لحوم الخیل۔ ۲۔ والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ اگر کھانا بلا کراہت جائز ہوتا تو حق تعالیٰ اس آیت میں ضرور ذکر فرماتے کیونکہ اہم نعمت کو چھوڑ کر غیر اہم نعمت ذکر فرمانا بلاغت کے اصول کے خلاف ہے وللشافعی واحمد حدیث الباب عن اسماء بنت ابی بکر جو ابھی گزری جواب جب مبیح اور موجب کراہت میں تعارض ہو تو ترجیح موجب کراہت کو ہوتی ہے۔

باب مايكره من المثلة والمصبورة والمجثمة

اس عبارت میں والمجثمۃ کا عطف تفسیری ہے کیونکہ مصبورہ اور مجثمہ کے ایک ہی معنی ہیں کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کو دور سے تیر مارنا دوسری تقریر یہ بھی ہے کہ مجثمہ میں تخصیص بعد التعمیم ہے کہ مصبورہ ہر جانور کو شامل ہے اور مجثمہ چند چھوٹے جانوروں میں استعمال ہوتا ہے جیسے پرندہ خرگوش وغیرہ۔ غرض یہ ہے کہ مثلہ بھی مکروہ اور گناہ ہے کہ کسی کافر یا مجرم کے ناک کان کاٹے جائیں اور جانور کو باندھ کر تیر

مارنا بھی مکروہ اور گناہ ہے اور اگر وہ جانور اس طرح مر گیا تو کھانا بھی حرام ہے۔ **عن النهبة:** . اس کے معنی ہیں غیر کا مال زبردستی لینا۔

باب لحم الدجاج

غرض یہ ہے کہ مرغی کا گوشت کھانا بلا کراہت حلال ہے۔
غر الذری: . سفید کوہان والے۔

باب لحوم الخيل

غرض گھوڑے کے گوشت کا حکم بتلانا ہے پھر تصریح نہ کی بوجہ اختلاف کے تفصیل عن قریب گزر چکی ہے۔

باب لحوم الحمر الانسية: .

غرض یہ بتلانا ہے کہ حمر انسیہ حرام ہیں اور یہ انسیہ کی قید حمر وحش کو نکالنے کے لیے ہے کیونکہ جنگلی گدھے حلال ہیں۔
فيه عن سلمة: . یہ روایت غزوہ خیبر میں گزر چکی ہے۔
ولكن ابى ذاك البحر ابن عباس: . یہ انکار حمر اہلیہ کی حرمت سے صرف حضرت ابن عباس کا اجتہاد ہے جمہور صحابہ وفقہاء سب حرمت کے قائل ہیں۔

باب اكل كل ذی ناب من السباع

ناب سے مراد وہ دانت ہیں جن سے جانور دوسرے جانوروں پر حملے کرتے ہیں یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ شکار کرنے والے درندوں کا گوشت کھانا حرام ہے۔

باب جلود الميتة

غرض مردار کی کھال کا حکم بتلانا ہے کہ دباغت سے پہلے اس کا استعمال جائز نہیں ہے وعندامامنا ابی حنیفۃ دباغت سے ہر مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور اس کا استعمال جائز ہے سوائے انسان کی کھال کے اور خنزیر کی کھال کے اور امام شافعی کے نزدیک کتے کی کھال کا استعمال بھی جائز نہیں ہے وعند مالک دباغت کے بعد خشک چیز ڈالنا اس میں جائز ہے تر چیز کا ڈالنا جائز نہیں ہے وعند احمد مردار کی کھال بالکل پاک نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کا استعمال جائز ہے لنا مافی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعاً اذا دبغ الاهاب فقد طهر اور انسان کا استثناء شرافت کی وجہ سے ہے اور خنزیر کا استثناء نجس العین ہو نے کی وجہ سے ہے وعند الشافعی کتے کو مستثنیٰ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے جوٹھے سے برتن کو سات دفعہ دھونے کا حکم ہے معلوم ہوا کہ اس میں نجاست بہت زیادہ ہے اس لیے مردار کتے کی کھال پاک نہ ہوگی۔ جواب یہ سات دفعہ کا حکم صرف اس زمانہ میں تھا جب کتوں پر سختی کی گئی تھی بعد میں نرمی کر دی گئی تھی۔ ولاحمد مافی ابی داؤد عن عبد اللہ بن عکیم مرفوعاً لاتستمعوا من المیتۃ باھاب جواب دباغت کے بعد وہ اھاب نہیں کہلاتی بلکہ جلد کہلاتی ہے اس لئے یہ روایت محل نزاع سے خارج ہے۔ ولمالک روایتین دونوں قسم کی ہیں تطبیق وہی ہے جو ہمارا مسلک ہے جواب اس تطبیق کا نہ کوئی منشا ہے اور نہ اس کی کوئی نظیر ہے اس لیے یہ تطبیق معتبر نہیں۔

باب المسك

غرض یہ ہے کہ مشک کا استعمال جائز ہے۔ سوال۔ شکار کے ابواب کے مناسب نہیں ہے یہ باب۔ جواب۔ چونکہ مشک ہرن کی ناف کے خون سے کافی تبدیلیوں کے بعد بنتی ہے اس لیے شکار کے ابواب کے مناسب ہو گیا کیونکہ ہرن شکاری جانور ہے۔ **والريح ريح مسك:** . اس حدیث پاک میں مشک کا ذکر بطور تعظیم کے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشک پاک ہے اگرچہ ہرن کی ناف کے خون سے بنتی ہے اور ابوداؤد میں ہے عن ابی سعید مرفوعاً اطیب طیبکم المسک۔

باب الارنب: . غرض خرگوش کا حکم بتلانا ہے۔ صراحۃً حلال ہونے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ حدیث پاک سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ حلال ہے پھر خرگوش کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ بہت بزدل ہوتا ہے اور اس میں شہوت بہت ہوتی ہے اور یہ ایک سال مذکر رہتا ہے اور ایک مؤنث رہتا ہے اور آنکھ کھول کر سوتا ہے۔

باب الضب: . غرض ضب کا حکم بیان فرمانا ہے۔ عندامامنا ابی حنیفۃ مکروہ ہے وعندالجمھور بلا کراہت جائز ہے لنا مافی ابی داؤد عن عبد الرحمٰن بن شبل مرفوعاً نھی عن اکل الضب وللجمھور مافی ابی داؤد عن ابن عباس واکل علی مائدۃ صلی اللہ علیہ وسلم جواب۔ جب موجب کراہت اور موجب اباحت میں تعارض ہو تو ترجیح موجب کراہت کو ہوتی ہے۔

باب اذا وقعت الفارة فی السمن الجامد او الذائب

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جب تک رنگ یا مزہ یا بو میں تبدیلی نہ ہوگی ناپاک نہ ہوگا۔

باب الوسم والعلم فی الصورة

غرض یہ بتلانا ہے کہ چہرے میں سیاہی بھرنا مکروہ ہے۔

باب اذا اصاب قوم غنیمة فذبح بعضهم غنماً او ابلا بغیر امر اصحابهم لم تو کل

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ غنیمت کا جانور قبل التقسیم ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا ہے کہ ملک یا توکیل کے بغیر کسی جانور کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

باب اذا ند بعیر لقوم فرماه بعضهم بسهم فقتله فاراد صلاحهم فهو جائز

مالک ذبح کرنے لگے اس سے اونٹ بھاگ جائے تو اس کا کوئی ساتھی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیر مار کر ذبح کردے تو یہ بھی جائز ہے یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے۔

باب اکل المضطر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مر رہا ہو تو جان بچانے کی مقدار مردار کھانا بھی جائز ہے پھر چونکہ اس مضمون کی حدیث ان کی شرط پر نہ تھی اس لیے صرف آیت ذکر فرمادی۔

کتاب الاضاحی

ربط یہ ہے کہ پیچھے صید کا ذکر تھا اب اضاحی کا ہے دونوں میں ذبح حیوان قدر مشترک ہے۔ غرض اضاحی کے احکام کا بیان ہے۔

باب سنة الاضحیة

یہاں سنت کا لفظ بالمعنی الاعم ہے اور واجب کو بھی شامل ہے پھر عند امامنا ابی حنیفة و مالک قربانی واجب ہے و عند الشافعی واحمد سنت ہے۔ لنا۔ ا۔ فصل لربک وانحر۔ ۲۔ فی ابن ماجة عن ابی ہریرة مرفوعا من کان له سعة ولم یضح فلا یقرب مصلانا وللشافعی واحمد فی ابن ماجة ومسند احمد عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ ما هذه الاضاحی قال سنة ابیکم ابراهیم اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ قربانی نہ کیا کرتے تھے جواب سنت کے معنی طریقہ کے ہیں جو واجب کو بھی شامل ہے اور حضرات شیخین کے پاس مال نہ ہونے کی وجہ سے واجب نہ ہوئی حتیٰ کہ حضرت عمرؓ وفات کے وقت مقروض تھے۔

باب قسمة الامام الا ضاحی بین الناس

قربانی کی اہمیت بتلانی مقصود ہے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تقسیم فرمائیں۔ **قال ضح بها:**۔ بکری کا بچہ چھ ماہ کا صحیح ہونا یہ صرف حضرت عقبہ کی خصوصیت تھی۔

باب الاضحیة للمسافر والنساء

غرض یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف سے بھی قربانی ٹھیک ہوجاتی ہے۔
بسرف:۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے ۶ یا ۷ یا ۹ یا ۱۰ یا ۱۲ میل دور تھی۔

باب مایشتهی من اللحم یوم النحر

غرض یہ ہے کہ قربانی کا گوشت بہت مزے لے لے کر کھانا چاہیے کیونکہ یہ پیارے آقا کی طرف سے مہمانی ہے محبوب کا تحفہ ہے کیونکہ جب ان کے نام پر قربانی کی تو ظاہری طور پر بھی وہی مالک بن گئے اب جو اجازت فرما رہے ہے کہ کھالو تو یہ مہمانی ہی تو کھلا رہے ہیں گویا نزلاً من غفور رحیم کا ایک مصداق ہے۔

فتوز عوها اوقال فتجز عوها دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں تقسیم کیں یعنی زندہ تقسیم کیں مثلاً یہ کہ دو بکریاں میری ہیں یہ تیری ہیں پنجابی مقولہ ہے کہ کنکاں وچ بٹیرے۔ دو تیرے دو میرے۔ یعنی گندم میں بٹیرے ہیں دو تیرے ہیں دو میرے ہیں۔

باب من قال الاضحی یوم النحر

غرض یہ ہے کہ جو امام اس کے قائل ہیں کہ قربانی صرف دس ذی الحجہ کو ہی ہوسکتی ہے اس کے لیے بھی سنت سے دلیل موجود ہے اور وہ ابن سیرین ہیں اور امام شافعی کے نزدیک دس سے ۱۳ کی شام تک

چار دن ذی الحجہ میں قربانی ہوسکتی ہے۔ جمہور کے نزدیک دس ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ کی شام تک تین دن قربانی ہوسکتی ہے۔ لنا۔ ا۔ فی سنن ابن وھب عن ابن مسعود موقوفاً ایسے ہی ثابت ہے جیسے جمہور کہتے ہیں ۔۲۔ فی المختصر للکرخی عن علی موقوفاً ایام النحر ثلثۃ ایام اولھن افضلھن ولا بن سیرین۔ا۔ فی سنن ابن حزم عن حمید بن عبد الرحمٰن مقطوعاً صرف ایک دن منقول ہے۔ جواب یہ بیان افضل ہے۔۲۔ حدیث الباب عن ابی بکرۃ مرفوعاً الیس یوم النحر دس ذی الحجہ کو یوم النحر قرار دیا معلوم ہوا کہ یہی قربانی کا دن ہے جواب یہ بھی افضیلت کی وجہ سے ہے کیونکہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی وللشافعی مافی عمدۃ القاری عن علی وابن عباس موقوفاً ایام النحر الایام المعلومات یوم النحر وثلثۃ ایام بعدہ جواب ہمارے قول میں احتیاط ہے۔

باب الاضحی والنحر بالمصلی

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مسنون یہی ہے کہ امام عیدگاہ ہی میں اپنی قربانی ذبح کردے۔ا۔ تاکہ کوئی اس سے پہلے ذبح کرنے والا نہ ہوسکے۔۲۔ تاکہ لوگ ذبح کرنے کا طریقہ سیکھ لیں۔۳۔ امام کے جلدی ذبح کرنے سے سب کو جلدی ذبح کرنے کا شوق ہو اور یہ جلدی ذبح کرنا ہی اولیٰ ہے کیونکہ مرفوعاً وارد ہے ان اول ما نبدا بہ ان نصلی ثم ننصرف فننحر۔ **انکفاء:.** پسند فرمایا۔ **عتود:.** پانچ ماہ کا بکری کا بچہ لیکن یہ حضرت عقبہ کی خصوصیت تھی۔

باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لابی بردۃ ضح بالجذع من المعزوان تجزی عن احدبعدک

غرض خصوصیت کا بیان ہے۔ **عناق لبن:.** پانچ ماہ کا بکری کا بچہ۔

باب من ذبح الاضاحی بیدہ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے۔

باب من ذبح اضحیۃ غیرہ

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کا جانور اس کی اجازت سے ذبح کردے تو یہ بھی ٹھیک ہے اور یہ واجب نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی قربانی خود ہی کرے۔

باب الذبح بعد الصلوٰۃ

ذبح کا وقت بتلانا مقصود ہے۔

باب من ذبح قبل الصلوٰۃ اعاد

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ نماز سے پہلے قربانی صحیح نہیں ہوتی۔ **ھنۃً:** حاجت۔ **فلاادری ابلغت الرخصۃ ام لا:.** اس عبارت میں الرخصۃ کے بعد الی وغیرہ محذوف ہے اور صحیح یہی ہے کہ ان کی خصوصیت تھی۔

باب التکبیر عندالذبح

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ ذبح کے وقت تکبیر کا پڑھنا ضروری ہے۔

باب اذا بعث بھدیہ لیذ بح لم یحرم علیہ شئ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ھدی بھیجنے سے محرم نہیں بن جاتا تفصیل کتاب الحج میں گزرچکی ہے۔ **تصفیقھا:** ہاتھ پر ہاتھ مارنا بطور تعجب یا بطور اظہار افسوس ہے۔

باب مایو کل من لحوم الاضاحی وما یتزود منھا

غرض یہ ہے کہ ہدی اور قربانی کے گوشت کا صدقہ ضروری نہیں ہے اور تین دن کے بعد کھانا بھی صحیح ہے اور جو نھی احادیث میں وارد ہے کہ تین دن سے زائد نہ کھایا جائے یہ منسوخ ہے۔ **فمن احب ان ینتظر الجمعۃ من اھل العوالی فلینتظر:** حضرت عثمانؓ کے اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔ **من اجل لحوم الھدی:** چونکہ وہ ھدی کا گوشت تھا جو تین دن سے زیادہ کھانا منع تھا اس لیے تین دن کے بعد حضرت ابن عمر گوشت کی جگہ زیتون سے کھانا کھاتے تھے اور یہ ممانعت منسوخ ہوچکی ہے۔

کتاب الا شربۃ

ربط یہ ہے کہ یہ تتمہ ہے کتاب الاطعمہ کا اور غرض اشربہ کے احکام کا

بیان ہے اور یہ جمع ہے شراب کی اور ہر پینے والی چیز کو شراب کہتے ہیں۔
بایلیئا:۔ نام ہے بیت المقدس والے شہر کا۔

باب ان الخمر من العنب

غرض اس شراب کا بیان ہے جو انگور سے بنتی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاری کے نزدیک اس کے سوئی شراب نہیں ہے ایسے ہی عن قریب باب الخمر من العسل آئے گا گویا پہلے اتفاقی شراب کا ذکر کیا انگور والی پھر اختلافی شراب کا ذکر کیا شہد والی۔

باب نزل تحریم الخمر وهی من البسر والتمر

غرض یہ واقعہ بیان کرنا ہے کہ جب شراب حرام ہوئی ہے اس وقت کچی پکی کھجوروں سے اور خشک کھجوروں سے شراب بنائی جاتی تھی۔

باب الخمر من الغسل وهو البتعُ

غرض یہ بتلانا ہے کہ شہد سے بھی شراب بنائی جاتی ہے۔

باب ما جاء فی ان الخمر ماخامر العقل من الشراب

غرض حضرت عمر فاروق کا یہ مقولہ بیان کرنا ہے کہ خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ **یاابا عمرو:۔** یہ حضرت شعبی کی کنیت ہے۔ **بالسند:۔** ہند کے قریب کے علاقہ کا نام ہے جو اس وقت ہمارے ملک پاکستان کا حصہ ہے۔ **من الرز:۔** اور ایک نسخہ میں ہے من الارز چاول۔

باب ما جاء فیمن یستحل الخمر و یسمیه بغیر اسمه

غرض دو چیزوں کا بیان ہے۔ا۔شراب کو حلال سمجھنا۔۲۔اس کا نام کچھ اور رکھنا پہلی چیز میں پھر دو احتمال ہیں۔ا۔حقیقۃً حلال سمجھنا جو کہ کفر ہے۔۲۔ حلال سمجھنے والے جیسا معاملہ کرنا یعنی کثرت استعمال۔ دوسری چیز کی حدیث ان کی شرط پر نہیں تھی اس لیے نہ لائے اور وہ ابوداؤد میں ہے عن ابی مالک الاشعری مرفوعاً لیشر بن ناس الخمر یسمونھا بغیر اسمھا۔ **الحر:** اس کے معنی ہیں فرج یعنی زنا عام ہو جائے گی۔ **یروح علیهم بسارحة لهم:۔** چرواہا ان پر لائے گا سارحہ کو یعنی چرنے والی بکریوں کو۔ **فیبیتهم الله ویضع العلم:۔** اللہ تعالیٰ ان پر ایسا دشمن مسلط کریں گے جو ان پر رات کو حملہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ رکھ دیں گے احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ یقینی بات تو نہیں صرف احتمال کا درجہ ہے کہ اس کا مصداق وہ واقعہ ہو جو احقر نے خود نوائے وقت اخبار میں پڑھا پندرھویں صدی ہجری کے شروع میں کہ فسلطین کے کچھ مسلمان لبنان میں ایک پہاڑ کے قریب خیمہ زن تھے کہ اسرائیل کے یہودیوں نے سخت بمباری کی جس سے پہاڑ کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اس خیمہ بستی پر آ گرا اور وہ سب کے سب اس میں فوت ہو گئے۔

باب الانتباذ فی الا وعیة والتور

غرض یہ ہے کہ تور اور دیگر برتنوں میں حلال شربت بنانا جائز ہے۔ تور پیتل یا پتھر کا برتن ہے۔

باب ترخیص النبی صلی الله علیه وسلم فی الا وعیة والظروف بعد النهی

غرض یہ ہے کہ چند برتنوں کے استعمال سے جو نہی فرمائی تھی وہ منسوخ ہو گئی تھی تفصیل الخیر الجاری کے ابتدائی حصوں میں گزر چکی ہے۔
لما نهیٰ:۔ غرض یہ ہے کہ گذشتہ حدیث میں نہیٰ سے پہلے لما بھی منقول ہے۔ **لما نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن الا سقیه:۔** سوال۔ مشکیزہ سے منع کرنا تو ثابت نہیں ہے اس لیے یہ روایت باقی روایتوں کے خلاف ہے۔ جواب۔ا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہاں عبارت یوں ہے لما نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الاوعیۃ کسی راوی سے غلطی ہوئی ہے۔۲۔ اصل روایت یوں ہے نھی عن النبیذ الافی الاسقیۃ کچھ عبارت درمیان سے کسی راوی سے رہ گئی ہے۔۳۔ ظاہر سوق کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اصل عبارت یوں ہو لما نھی عن سائر الظروف الا الاسقیۃ کسی راوی سے غلطی ہوئی۔

باب نقیع التمر مالم یسکر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ پانی میں خشک کھجور ڈال کر شربت بنانا اور پینا جائز ہے جب تک اس میں نشہ نہ آئے اور جب نشہ

آجائے تو پھر پینا جائز نہیں ہے۔

باب الباذق:۔ انگور کا پانی جبکہ اس کو پکایا جائے اور مسکر بن جائے تو اس کو باذق کہتے ہیں غرض یہ بتلانا ہے کہ اس کا پینا جائز نہیں ہے۔ پھر یہ لفظ باذق فارسی بادہ سے بنایا گیا ہے پھر بظاہر بعض صحابہ کا شراب حرام ہونے پر ہر قسم کی شراب کا گرا دینا حنفیہ کے خلاف جمہور کے لیے مؤید ہے اور اختلاف یہاں دو ہیں۔

پہلا اختلاف مصداق خمر کیا ہے

عندامامنا ابی حنیفۃ اصل خمر ایک ہی چیز ہے انگور کا کچا پانی جب پڑا رہے اور سخت ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے اور ابلنا شروع ہو جائے وعندالجمہور ہر نشے والی چیز سب احکام میں خمر ہی شمار ہوگی لنا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان لغت میں ائمہ لغت کا اجماع ہے کہ خمر کے لغوی معنی وہی ہیں جو حنفیہ لیتے ہیں۔ وللجمہور روایۃ ابی داؤد عن ابن عمر مرفوعاً کل مسکر خمر وکل مسکر حرام ۔جواب اس میں بیان حکم ہے کہ ہر مسکر سے بچو بیان لغت نہیں ہے کہ قرآن پاک میں جو لفظ خمر آیا ہے اس کا مصداق ہر مسکر ہے۔

دوسرا اختلاف: جس شربت کی زیادہ مقدار نشہ دیتی ہو اس میں سے تھوڑی مقدار کا کیا حکم ہے۔

عندامامنا ابی حنیفۃ وابی یوسف مسکر کی اتنی مقدار کہ سکر نہ ہو جائز ہے سوائے خمر کے کہ خمر کا ایک قطرہ بھی حرام ہے وعند محمد والجمہور ہر ہر مسکر کا یہ حکم ہے خمر ہو یا کوئی اور نشہ والا شربت ہو کہ اگر اس کی زیادہ مقدار نشہ کا سبب بنتی ہو تو اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ منشاء اختلاف ابوداؤد کی روایت ہے عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام حنفیہ کے شیخین کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ اگر تین پیالوں سے سکر ہوتا تو تیسرا پیالہ ایسا ہے کہ اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔ پہلے دو پیالے حلال ہیں۔ امام محمد اور جمہور کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ پہلے پیالے کا پہلا گھونٹ بھی حرام ہے پھر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ شیخین کے قول کو ترجیح ہو کیونکہ ریشم میں تھوڑی مقدار مردوں کے لیے حلال ہے زیادہ حرام ہے ضرورت کے موقعہ میں دانتوں میں سونا استعمال کر لینا مردوں کے لیے بھی جائز ہے تھوڑی سی نجاست جو درھم سے کم ہو معاف ہے اور نماز اس کے ساتھ ٹھیک ہو جاتی ہے۔ تھوڑی سی زہر مدبر کر کے دوا میں استعمال کر لینی جائز ہے یہ چیزیں شیخین کے قول کے لیے مرجح ہیں پھر امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ فرمایا لواعطیت جمیع مافی الدنیا لاحرم النبیذ لا احرمہ لان فیہ تفسیق بعض الصحابۃ ولواعطیت جمیع مافی الدنیا ومثلھا لاشرب قطرۃ نبیذ لا اشربہ یہ ہمارے امام صاحب کا کمال تقویٰ ہے پھر چونکہ بعض حنفیہ نے امام محمد کے قول پر بھی فتویٰ شمار کیا ہے اس لیے احتیاط یہی ہے کہ ایسا شربت بلا اضطرر استعمال نہ کیا جائے۔ **ورای عمر وابو عبیدۃ ومعاذ شرب الطلاء علی الثلث:۔** کہ جب اتنا پکا دیا جائے کہ صرف ایک ثلث رہ جائے انگور کا شیرہ تو اب اس کا پینا جائز ہے دو ثلث اڑ جائے اور جب تک دو ثلث سے کم اڑے تو اس کا پینا جائز نہیں ہے طلاء کا نام دو ثلث اڑنے سے پہلے پہلے ہے پورے دو ثلث اڑ جانے کے بعد اس کو طلاء کہنا مجازاً ہے کہ پہلے یہ طلاء تھا اب حلال شربت بن گیا۔ **قال الشراب الحلال الطیب:۔** اس قال کے فاعل ابن عباس ہی ہیں یا وہاں موجود کوئی صاحب ہیں۔

باب من رای ان لا یخلط البسر والتمر اذا کان مسکرا وان لا یجعل ادامین فی ادام

غرض یہ ہے کہ دو صورتوں سے احتیاط ہونی چاہیے بسر اور تمر کو ملا کر شربت نہ بنایا جائے اور تمر اور زبیب کو ملا کر نبیذ نہ بنایا جائے تا کہ سکر پیدا نہ ہوا اور نبیذ خراب نہ ہو یہاں ادامین بسر اور تمر کے علاوہ ہیں کیونکہ بسر اور تمر کا ذکر تو ابھی کر چکے ہیں۔

باب شرب اللبن

غرض اس شخص کا رد ہے جس نے کہا کہ زیادہ دودھ پینا بھی نشہ کا ذریعہ ہے۔ **فاذاوقف علیہ قال ھو عن ام الفضل:** مطلب یہ ہے کہ راوی حضرت سفیان بن عیینہ نے پہلے حدیث کو مرسل ذکر فرمایا تھا پھر جب صحابی راوی کا نام پوچھا گیا تو حضرت ام فضل کا نام ذکر فرمایا۔ **من النقیع:۔** یہ جگہ کا نام ہے۔ **الصفی:۔** اچھی۔

باب استعذاب الماء

غرض یہ ہے کہ میٹھا پانی تلاش کرنا بھی جائز ہے۔

باب شرب بالماء:.

اس کے معنی ہیں ممزوجا بالماء یعنی دودھ میں پانی ملا کر پینا بھی جائز ہے۔

باب شراب الحلواء والعسل:.

یہ لفظ حلواء مد اور قصر دونوں کے ساتھ صحیح ہے یعنی میٹھا پانی غرض یہ ہے کہ شہد ڈال کر شربت بنالینا اور پینا جائز ہے۔

باب الشرب قائما:.

غرض یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے جن احادیث میں ممانعت آتی ہے وہ احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں ہیں۔

فشرب قائما:. حضرت علیؓ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ جن روایات میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے نھی آئی ہے جیسے صحیح مسلم میں وارد ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً لا یشرب احدکم قائما فمن نسی فلیستقی تو ایسی روایتیں نھی تنزیہی پر محمول ہیں۔ **فتله:** رکھ دیا۔

باب الکرع فی الحوض:.

بغیر برتن کے منہ لگا کر پانی پینا غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

باب خدمة الصغار الکبار

غرض یہ کہ یہ جائز ہے۔

باب تغطية الاناء

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے کہ سوتے وقت برتن کو ڈھانپ دے۔

اذا کان جنح اللیل: جب واقع ہو ایک حصہ رات کا یعنی شروع حصہ رات کا۔

باب اختناث الاسقية

مشکیزہ کا منہ موڑ کر اس میں سے پانی پینا غرض یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے کہ شاید کوئی موذی کیڑا نکل آئے جیسے مستدرک حاکم میں ہے عن سلمۃ بن دھرام قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اختناث الاسقیۃ وان رجلا بعد ما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام من اللیل الی السقاء فاختنثہ فخرجت منہ حیۃ۔

باب الشرب من فم السقاء

غرض یہ ہے نھی دونوں صورتوں کو شامل ہے چیز ایسی ہو کہ منہ موڑ سکے یا ایسی ہو کہ منہ نہ موڑ سکے جیسے فوارہ ہوتا ہے یا جیسے آج کل پانی کی ٹوٹیاں ہوتی ہیں۔ پھر بعض روایتوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مشکیزہ سے پینا بھی آتا ہے جیسے ترمذی میں ہے عن عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ عن جدتہ کبشۃ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشرب من فی قربۃ معلقۃ بظاہر تعارض ہوا جواب۔ ۱۔ جب برتن نہ ملے اور ہاتھ سے پینے سے بھی کچھ عذر ہو تو منہ لگا کر پینے کی گنجائش ہے۔ ۲۔ قول کو فعل پر ترجیح ہے اس لیے نہ پینا ہی راجح ہے۔

باب النهی عن النفس فی الاناء

غرض اس نھی تنزیہی کا بیان ہے۔

باب الشرب بنفسين اوثلثة

غرض اس کا بیان جواز ہے۔

باب الشرب فی انية الذهب

نھی تحریمی کا بیان مقصود ہے۔

باب انية الفضة

نھی کی زیادہ تاکید ظاہر کرنی مقصود ہے اسی لیے دوبارالگ باب باندھا کیونکہ گذشتہ باب والی حدیث میں نھی ماضی صیغہ تھا اور اس باب کی حدیث لا تشربوا صراحۃً نھی کا صیغہ ہے اور اس میں زیادہ تاکید ہے۔ **المیاثر:.** سرخ ریشمی گدیاں۔ **والقسی:.** قس جگہ کے بنے ہوئے کپڑے ان میں ریشم اور روئی کے ملائے ہوئے دھاگوں سے کپڑے بناتے تھے۔ **والدیباج:.** ریشم کے موٹے کپڑے۔ **والاستبرق:.** ریشم کے پتلے کپڑے۔

باب الشرب فی الاقداح

غرض اس کا جواز بیان فرمانا ہے۔

باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانیته

غرض یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پیالے یا برتن کو استعمال کیا ہو اس کو دوسرے لوگ بھی تبرکا استعمال کریں تو یہ موجب سعادت ہے۔ **اجم:.** قلعہ۔ **فاخرج لنا سهل:.**

یہ حضرت ابو حازم کا مقولہ ہے۔ **نمار**: . لکڑی کی ایک عمدہ قسم۔

باب شرب البرکة والماء المبارک:.

یہاں عطف تفسیری ہے برکت والی چیز پینا اور برکت والا پانی پینا غرض یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔ **ولیس معنا ماء غیر فضلة**:. ہمارے پاس تھوڑا سا بچا ہوا پانی تھا اور نہ تھا۔ **حیی علی اهل الوضو**: اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ا۔ حیی علی الوضو یا اھل الوضو۔ ۲۔ حیی علی یا اھل الوضو اور ایک نسخہ ہے حیی علی الوضو یہ نسخہ زیادہ درست شمار کیا گیا ہے۔ **کتاب المرضیٰ باب ما جاء فی کفارة المرض**:. ربط یہ ہے کہ پیچھے کھانے اور پینے کا ذکر تھا بعض دفعہ کھانا پینا کسی بیماری کا سبب بن جاتا ہے اس لئے اب بیماری والوں کا ذکر ہے۔ غرض بیماروں کے حالات کا بتلانا ہے اور پھر پہلے باب میں یہ بتلانا ہے کہ بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ **نصب**:. تھکاوٹ۔ **وصب**:. مرض بیماری۔ **هم**: کسی کام کا قصد کرے پھر اس کے خلاف یعنی اپنی مرضی کے خلاف پایا جائے۔ **حزن**: گذشتہ پر غم۔ **اذی**: دوسروں سے تکلیف پہنچے۔ **غم**: دل کی گھٹن گویا یہ سب کو عام ہے۔ **کالخامة**: پنیری۔ **کالارزة**: سنوبر یعنی چیڑ کا درخت۔ **انجعافها**: ا۔ جڑ سے اکھڑنا۔ ۲۔ درمیان سے ٹوٹنا۔ **کفأتها**: جھکاتی ہے۔ **تکفا بالبلاء**: مڑ جاتی ہے وہ سبزی بڑی ہونے کے باوجود۔ ا۔ ہوا سے۔ ۲۔ مضر چیز سے۔ ۳۔ مصیبت سے یہ تیسری توجیہ مشبہ کی صفت ہے اور تشبہ دیتے وقت مشبہ کی صفت بیان کرنا اس کو اصطلاح میں تجرید کہتے ہیں۔ **صما**: مضبوط۔ **یقصمها**: اس کو اللہ تعالیٰ توڑتے ہیں۔

باب شدة المرض

غرض زیادہ بیماری میں ثواب اور منافع کا بیان فرمانا ہے۔

حات:. جھاڑتے ہیں گراتے ہیں۔

باب اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالا مثل الاول فالاول

غرض اس حدیث کو بیان فرمانا ہے جو ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے عن سعد قلت یا رسول اللہ ای الناس اشد بلاء قال الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔

باب وجوب عیادة المریض

غرض یہ ہے کہ بیمار کی عیادت بہت ضروری ہے دو درجے ہیں۔ ا۔ عام حالات میں فرض کفایہ ہے۔ ۲۔ بعض قریبی رشتہ داروں کی عیادت شدید ضرورت میں فرض عین بھی ہو جاتی ہے جیسے ماں باپ بیوی بچے، بہن بھائی وغیرہ۔

باب عیادة المغمیٰ علیه:.

غرض یہ ہے کہ بے ہوش بیمار کی عیادت بھی مسنون ہے اس میں شبہ کا ازالہ بھی ہے کہ عیادت کی غرض تو بظاہر بیمار بھائی کا دل خوش کرنا ہے۔ اگر وہ مریض بے ہوش ہو تو عیادت بظاہر بے فائدہ ہے تو اس شبہ کا ازالہ فرما دیا کہ اصلی غرض تو اللہ تعالیٰ کا قرب و رضا ہے۔

باب فضل من یصرع من الریح

باب کی غرض میں دو تقریریں ہیں۔ ا۔ اگر سر درد ہو دماغ میں ہوا بند ہونے سے جس کو مرگی کہتے ہیں تو اس بیماری کا ثواب بتلانا مقصود ہے۔ ۲۔ اگر جنات کے اثر سے سر درد ہو جائے تو اس کا ثواب بتلانا مقصود ہے۔ **علی ستر الکعبة**:. ا۔ جالسة علیه خانہ کعبہ کے غلاف پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ۲۔ معتمدۃ علیه خانہ کعبہ کے غلاف سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

باب فضل من ذهب بصره

غرض اس شخص کا ثواب بیان کرنا ہے جس کی آنکھیں دنیا میں ضائع ہو جائیں اور وہ اس پر صبر کرلے۔ اس باب کی روایت کے علاوہ مسند بزار میں ہے۔ عن زید بن ارقم مرفوعاً ما ابتلی عبد بعد ذهاب دینه باشد من ذهاب بصره فصبر حتی یلقی اللہ لقی اللہ تعالیٰ ولا حساب علیه۔

باب عیادة النساء للرجال

غرض یہ بتلانا ہے کہ عورتیں بھی مردوں کی بیمار پرسی کے لیے جا سکتی ہیں جبکہ وہ محرم ہوں یا پردے کے ساتھ۔ **اذا اقلعت عنه**:. جب ان سے بخار اتر جاتا۔ **بواد**:. یہاں مکہ مکرمہ کی وادی مراد ہے۔ **جلیل**:. ایک قسم کی گھاس ہے۔ **مجنه**.

شامة. طفیل:. یہ تینوں جگہیں ہیں مکہ مکرمہ کے قریب۔ بہر حال ان کو مکہ مکرمہ یاد آتا تھا۔ **وانقل حما ھا فا جلعھا بالجحفة:.** اس زمانہ میں جحفہ میں یہودی رہتے تھے جو مسلمانوں کو بہت ایذاء پہنچاتے تھے اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی کہ یااللہ ہمارا بخار جحفہ میں پہنچادیجیے۔

باب عیادة الصبیان:.

مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے غرض یہ ہے کہ بیمار بچوں کی بیمار پرسی کے لیے جانا بھی مستحب ہے۔ **وابی بن کعب یحسب:.** راوی گمان کرتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب بھی اس واقعہ میں موجود تھے۔ **ان ابنتی قد حضرت:.** میری بیٹی کی موت قریب ہے اسی حدیث میں آگے یہ ہے کہ وہ بچہ مذکر تھا یہ بظاہر تعارض ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ کسی راوی کو یاد کرنے میں غلطی لگی ہے ظاہر یہی ہے کہ صاحبزادی حضرت زینب ہیں اوران کے صاحبزادے کا نام علی ہے۔ **فاشھدنا:.** آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔

باب عیادة الاعراب

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ دیہاتی آدمیوں کی عیادت بھی مستحب ہے۔ **فنعم اذاً** طبرانی میں اس واقعہ کا تتمہ یوں مذکور ہے انہ اصبح میتاً۔

باب عیادة المشرک

غرض یہ ہے کہ دینی یا دنیوی مصلحت کے لیے ایسا کرلینا بھی جائز ہے۔

باب اذا عاد مریضاً فحضرت الصلوٰة فصلی بھم جماعةً

غرض یہ ہے کہ ایسا کرلینا بھی جائز ہے۔

باب وضع الید علی المریض

غرض یہ ہے کہ ایسا کرلینا بھی بطور شفقت اور برکت کے جائز ہے۔ **حتی الساعة:.** یہاں حتی الٰی کے معنی میں ہے کہ اب تک میں وہ ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔

باب مایقال للمریض وما یجیب

غرض یہ بتلانا ہے کہ بیمار پرسی کرنے والا مریض سے جا کر کیا کہے اور وہ پھر کیا جواب دے۔

باب عیادة المریض راکباً وما شیاً وردفاً علی الحمار:.

غرض یہ بتلانا ہے کہ تینوں طرح عیادت کے لیے جانا ٹھیک ہے۔ ۱۔ سوار ہوکر۔ ۲۔ پیدل۔ ۳۔ کسی کی سواری پر اس کے پیچھے بیٹھ کر جانا یا کسی کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھا کرلے جانا۔ **ولا بر ذون:.** یہ گھوڑے کی ایک قسم ہے۔

باب قول المریض انی وجع او وارساہ او اشتد بی الوجع

غرض یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کہنا جائز ہے صبر کے خلاف نہیں ہے۔ **ذاک لوکان وانا حیی:.** اس عبارت میں ذاک کا اشارہ موت کی طرف ہے جو بعض دفعہ مرض پر مرتب ہوجاتی ہے یعنی اگر میری زندگی میں اے عائشہ تیری موت واقع ہوگئی تو میں تیرے لیے استغفار کروں گا اور دعاء کروں گا۔ **فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل انا وارأساہ:** بل اضراب کے لیے ہے کہ بلکہ تو میری بیماری کی طرف اے عائشہؓ متوجہ ہوجا اپنا فکر چھوڑ دے۔ کیونکہ تو ابھی زندہ رہے گی اور میں جلدی فوت ہونے والا ہوں۔

باب قول المریض قوموا عنی

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں بیمار اگر اس طرح کہہ دے تو بھی جائز ہے۔

باب من ذھب بالصبی المریض لیدعیٰ له

غرض یہ ہے کہ بیمار بچے کو کسی بزرگ کے پاس لیجانے برکت حاصل کرنے کے لیے یا دعاء کرانے کے لیے جائز ہے۔ **مثل زر الحجلة:** ۱۔ کبوتری کے انڈے کے برابر۔ ۲۔ ڈولی کے دھاگوں کی گرہ کے برابر۔ دُلہن کی ڈولی کے چاروں طرف جو دھاگے لٹکتے ہیں زینت کے طور پر ان میں گرہیں لگالیا کرتے تھے۔

باب تمنی المریض الموت

غرض یہ ہے کہ بیماری میں بے صبری کی وجہ سے موت کی تمنا

کرنا مکروہ ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں مستحسن ہے جیسے ایک بزرگ کا ارشاد ہے۔

خرم آں روز کہ زیں منزل ویراں بردم
راحت جاں طلبم وزپے جانا بردم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تادر میکدہ شاداں وغزل خواں بردم

مالا نجدله موضعاً الا التراب: ماصولہ ہے موضعاً بمعنی مصرفاً ہے التراب سے مراد تعمیر ہے معنی یہ ہو گئے کہ ہم نے وہ چیز پائی جس کا مصرف تعمیر کے سوا کچھ نہیں یعنی ضرورت سے زیادہ تعمیر پر خرچ کرنا اچھا نہیں ہے۔**فسددوا:** سداد یعنی صواب اور درستگی طلب کرو ٹھیک ٹھیک عمل کرتے رہو۔**قاربوا:** اللہ تعالیٰ کا قرب طلب کرو۔**یستعتب:** زوال عتب طلب کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کرے اور توبہ کرے۔

باب دعاء العائد للمريض

غرض یہ بتلانا ہے کہ بیمار پرسی کرنے والا بیمار کے لیے کیسے دعاء کرے۔

باب وضوء العائد للمريض

غرض یہ ہے کہ بیمار کے لیے وضو کرنا اور وضو کا بچا ہوا برکت والا پانی بیمار پر چھڑکنا مستحسن ہے۔

باب من دعا برفع الوباء والحمىٰ

غرض یہ ہے کہ وبا اور بخار کے دور ہونے کی دعاء کرنا مسنون ہے۔

عقیرته: اپنی آواز۔

كتاب الطب

ربط یہ ہے کہ پیچھے مرض کا ذکر تھا اور مرض میں علاج کی ضرورت ہوتی ہی ہے اس لیے اب علاج کے درجہ کتاب الطب کا ذکر ہے ای کتاب فیہ بیان الطب وانواعہ اور علم طب کی تعریف یہ ہے ھو علم یعرف بہ احوال بدن الانسان من حیث الصحۃ والمرض۔

باب ماانزل الله داء الا انزل له شفاء:

غرض اس حدیث کے مضمون کا بیان ہے۔سوال بعض دفعہ شفاء نہیں ملتی۔جواب۔اس کی وجہ شفاء والی دواء کا نہ جاننا ہوتی ہے۔

باب هل يداوى الرجل المراة والمراة الرجل

غرض دونوں صورتوں کے جواز کا بیان ہے اور دوسری صورت تو باب کی حدیث میں صراحۃً موجود ہے اور پہلی صورت کو دوسری پر قیاس فرمالیا۔

باب الشفاء في ثلث:

غرض اس حدیث کا بیان ہے۔

وشرطة محجم: اس لفظ شرط کے معنی ہیں حجامت کی جگہ پر نشتر وغیرہ مارنا۔**وانهىٰ امتي عن الكي:** داغ لگانے سے کیوں منع فرمایا۔ا۔بعض اس کو موثر بالذات سمجھتے تھے اس لیے صرف موثر بالذات سمجھنے سے منع فرمایا مقصود ہے ورنہ جائز ہے۔۲۔یہ علاج پوری تحقیق کے بعد ہونا چاہیے بلا تحقیق کرنے سے منع فرمادیا۔۳۔بلاضرورت اس علاج سے منع فرمانا مقصود ہے۔

باب الدواء بالعسل

غرض یہ بتلانا ہے کہ شہد بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔

لذعة بنار: ہلکا سا جلانا آگ سے۔**وما احب ان اكتوى:** میں داغ لگانے کو پسند نہیں کرتا یعنی بلا اضطرار نہ لگانا چاہیے کیوں۔ا۔اس میں درد ہوتی ہے۔۲۔بعض دفعہ نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔

باب الدواء بالبان الابل:

غرض یہ ہے کہ اونٹنی کے دودھ سے بھی کسی بیماری کا علاج کرنا جائز ہے۔**وخمة:** ناموافق۔

باب الدواء بابوال الابل

غرض یہ بتلانا ہے کہ اونٹ کے پیشاب سے علاج کرنے کا کیا حکم ہے پھر اس واقعہ میں جو اونٹ کے پیشاب سے علاج کیا گیا ہے اس کی دو توجیہیں ہیں۔ا۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے بتلایا گیا تھا کہ ان لوگوں کی شفاء اونٹ کے پیشاب سے ہی ہے جیسے حضرت زبیر کی خصوصیت تھی ان کی خارش کا علاج ریشمی کپڑوں سے کیا گیا تھا پس یہ ثابت ہوا کہ اگر یقین ہو جائے کہ

فلاں حرام چیز میں شفاء ہے تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔۲۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہی تھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وحی سے معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے اس لیے اگر کافر کا علاج حرام اور نجس سے ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔

باب الحبة السوداء

یہ ایک دوا ہے جس کو شونیز اور کلونجی بھی کہتے ہیں غرض یہ ہے کہ اس سے علاج کرنا بھی جائز ہے بعض بیماریوں میں اس کو پیس کر اور زیتون کے تیل میں ملا کر ناک میں ٹپکایا جاتا ہے۔

باب التلبینة للمریض

غرض یہ بتلانا ہے کہ تلبینہ بیمار کو دینا مفید ہوتا ہے اور یہ لیٹی ہے جو آٹے کے چھان اور دودھ اور شہد سے بنتی ہے یہ پتلا ہونے میں اور رنگ میں دودھ جیسی ہوتی ہے اس لیے اس کو تلبینہ کہتے ہیں۔ جب آٹے کو چھانتے ہیں تو جو چیز چھانی میں رہ جاتی ہے اس کو آٹے کا چھان کہتے ہیں۔ **البغیض:**۔ مریض اس کو ناپسند کرتا ہے۔

باب السعوط

وہ دوا جو ناک میں ڈالی جاتی ہے اس کو سعوط کہتے ہیں غرض یہ بتلانا ہے کہ بعض حالات میں ناک میں دوا ڈالنا مفید ہوتا ہے۔

باب السعوط بالقسط الهندی والبحری

غرض یہ ہے کہ بعض دفعہ اس دوا کا ناک میں ٹپکانا مریض کے لیے مفید ہوتا ہے۔ **العذرة:**۔ دو معنی کئے گئے ہیں۔۱۔ گلے میں درد ہوتی ہے جو خون کی خرابی کی وجہ سے اٹھتی ہے۔۲۔ زخم ہوتا ہے جو ناک اور حلق کے درمیان ہوتا ہے۔ **یلد:**۔ منہ کی ایک جانب دوا رکھی جاتی ہے وہاں سے گلے میں پہنچتی رہتی ہے۔

باب ایی ساعة یحتجم

غرض یہ ہے کہ حجامت کے لیے کوئی دن یا وقت مقرر نہیں ہے کہ اس کے سوا جائز ہی نہ ہو البتہ بعض دنوں میں اس کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے عن ابی ہریرة مرفوعاً من احتجم لسبع عشرة وتسع عشرة واحدیٰ وعشرین کان شفاء من کل داء۔

باب الحجم فی السفر والاحرام

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ سفر میں اور احرام کی حالت میں بھی سینگی لگوانا جائز ہے۔ اختلاف کتاب الحج میں گزر چکا ہے۔

باب الحجامة من الداء

غرض یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے حجامة کرانا جائز ہے من احلیہ ہے۔

لاتعذبو اصبیانکم بالغمز من العذرة:

ناک اور گلے کے درمیان پھوڑا سا بچوں میں بن جاتا ہے اس کو عذرہ کہتے ہیں۔ اس کے علاج کے طور پر کپڑے کی رسی بنا کر بچے کے گلے میں ڈال کر کالا خون عورتیں نکالا کرتی تھیں بعض دفعہ بچہ زخمی ہو جاتا تھا اس کی جگہ قسط کے استعمال کا حکم فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کو رگڑ کر پانی میں ملا کر ناک میں ٹپکائیں۔

باب الحجامة علی الراس

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔ **بلحی جمل:** یہ جگہ کا نام ہے۔

باب الحجامة من الشقیقة والصداع

یہاں عطف العام علی الخاص ہے کیونکہ شقیقہ کے معنی ہیں آدھے سر کا درد اور صداع کے معنی ہیں سر کے اعضاء میں سے کسی عضو کا درد اور غرض یہ ہے کہ ان دونوں کے لیے بھی حجامت مفید ہوتی ہے۔

باب الحلق من الاذی:۔

غرض یہ ہے کہ تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا احرام میں بھی جائز ہے بعد میں فدیہ دے دے۔

باب من اکتوی او کویٰ غیرہ وفضل من لم یکتو

غرض یہ ہے کہ داغ خود کو لگوانا یا غیر کو لگانا جائز ہے لیکن چھوڑنا افضل ہے۔۱۔ توکل کی وجہ سے۔۲۔ شدید ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے دو توجیہیں ہیں۔ **وما احب ان اکتوی:**۔ نہی تنزیہی ہے۔ **ثم دخل ولم یبین:**۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور سبعین کی وضاحت نہ فرمائی۔ **فافاض القوم:**۔ لوگ اس میں بحث

کرنے لگ گئے کہ سبعین کا مصداق کون ہیں۔

باب الاثمد والكحل من الرمد:

کحل عام ہے اثمد سے غرض یہ ہے کہ اثمد نام والا عمدہ سرمہ یا کوئی سرمہ آنکھ کی تکلیف میں استعمال کرنا چاہے تو مفید ہے لیکن جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہو وہ عدت میں سرمہ استعمال نہ کرے۔

فيه ام عطية: حضرت ام عطیہ والی روایت کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے اس میں سوگ کا ذکر ہے کہ سوگ کے دنوں میں سرمہ نہ استعمال کرے۔ سوال۔ اس ام عطیہ والی روایت میں اثمد کا ذکر تو نہیں ہے۔ جواب۔ اہل عرب اثمد سرمہ بکثرت استعمال کرتے تھے اس لیے اس کا ذکر اگرچہ صراحۃً نہیں ہے لیکن سرمہ کے ذکر میں ضمناً آ گیا۔ **فلا اربعة اشهر وعشرا:** ای **فلا تكتحل اربعة اشهر وعشرا. باب الجذام:** غرض جذام کا حکم بیان فرمانا ہے۔ جذام اس بیماری کو کہتے ہیں جو انسانی بدن میں سوداء کے بڑھ جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب سوداء اعضاء میں پھیل جاتا ہے تو اعضاء کا مزاج بگڑ جاتا ہے اور اعضاء کی حالت بدل جاتی ہے اور یہ بیماری جب زیادہ ہوتی ہے تو اعضاء کو کھانا شروع کر دیتی ہے اور گرانا شروع کر دیتی ہے انسانی بدن میں چار خلطیں ہوتی ہیں خون بلغم سودا صفراء اور مزاج کے معنی یہ ہیں کہ دو مخالف صفتوں والی چیزیں جب مل جاتی ہیں تو ان سے ایک درمیانی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس درمیانی کیفیت کو مزاج کہتے ہیں۔ جیسے تیز گرم پانی اور ٹھنڈا پانی مل جائیں تو نیم گرم پانی بن جاتا ہے۔ **لاعدویٰ:** ۱۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ کوئی مرض کبھی بھی متعدی نہیں ہوتا کہ ایک سے دوسرے کو لگ جائے۔ ۲۔ کسی مرض میں بالذات متعدی ہونے کا اثر نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو دوسرے کو لگے گا نہ چاہیں گے تو نہ لگے گا۔ **ولا طيرة:** زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ سفر کرنا ہوتا تو کسی درخت پر جا کر پرندوں کو اڑاتے تھے اگر وہ دائیں طرف کو اڑتے تو سفر کرتے تھے اور اگر بائیں طرف کو اڑتے تھے تو سفر نہ کرتے تھے اس فضول رسم سے منع فرمادیا۔ **ولا هامة:** اس میں صحیح یہ ہے کہ میم پر شد نہیں ہے گو بعضوں نے شد بھی پڑھی ہے اس کے معنی کیا ہیں۔ ۱۔ الو کو منحوس سمجھتے تھے اس سے منع کر دیا گیا کہ ایسا نہ سمجھو۔ ۲۔ کسی کو ناحق قتل کر دیا گیا ہو تو زمانہ جاہلیت میں یہ سمجھتے تھے کہ اس کی روح الو کی شکل میں آتی ہے اور کہتی ہے کہ اسقونی اسقونی کہ مجھے پلاؤ یعنی بدلہ لو اور جب بدلہ لے لیا جاتا ہے تو چلی جاتی ہے اس کا رد فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ ۳۔ پرانی ہڈیاں الو کی شکل میں آتی ہیں اور اپنے زمانہ کی خبریں دیتی ہیں اس کو غلط قرار دینا مقصود ہے۔ **ولا صفر:** ۱۔ پیٹ میں زمانہ جاہلیت میں ایک سانپ سمجھتے تھے جو بھوک لگنے پر کاٹتا ہے اس کا رد فرمادیا کہ ایسا نہیں ہے۔ ۲۔ صفر کے مہینہ کو فتنوں کا سبب سمجھتے تھے فرمادیا کہ ایسا نہیں ہے۔ ۳۔ کبھی محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنادیتے کبھی نہ بناتے اس سے منع فرمادیا۔ **فرمن المجذوم كما تفر من الاسد:** ۱۔ کوڑھی سے اسی طرح بھاگ جیسے شیر سے بھاگتے ہو تا کہ تمہیں عدوی کا وسوسہ نہ آئے جو کہ واقع میں بالکل نہیں ہے یہ توجیہ وہ حضرات فرماتے ہیں جو لاعدویٰ کے معنی کرتے ہیں کہ کوئی بیماری کبھی بھی متعدی نہیں ہوتی۔ ۲۔ جو حضرات اس حدیث لاعدویٰ کے معنی یہ کرتے کہ متعدی ہونا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہے وہ یہ معنی کرتے ہیں کہ علاج اور تدبیر کے درجہ میں کوڑھی سے دور رہو ایسا نہ ہو کہ تمہیں یہ بیماری لگ جائے کیونکہ کبھی دوسرے سے بیماری لگ جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں اور کبھی نہیں لگتی جب نہ چاہیں اس لیے تم احتیاط کرو اور دور رہو۔

باب المن شفاء من العين:

غرض اس حدیث کا بیان ہے جس میں یہ مضمون ہے۔

الكمأة من المن: من وسلویٰ کی طرح بلا مشقت اگ آتی ہے اس کو سانپ کی چھتری کہتے ہیں بارش سے خود بخود ہو جاتی ہے۔ **ماء ها شفا للعين:** اسی الکماۃ کا پانی نظر بد سے شفاء ہے کیونکہ دوسری روایت میں یوں ہے شفاء من العین۔ **قال شعبة لما حدثني به الحكم لم انكره من حديث عبد الملك:** راوی عبد الملک کو اخیر عمر میں تغیر ہو گیا تھا اس لیے

شعبہ نے ان کی روایت میں توقف فرمایا لیکن جب حکم سے تائید ہوگئی تو اعتماد ہوگیا یہی بات حضرت شعبہ یہاں بیان فرما رہے ہیں۔

باب اللدود: اس کی صورت یہ ہے کہ منہ کی ایک جانب دانتوں اور رخسار کے درمیان دوا رکھی جاتی ہے آہستہ آہستہ اس کا اثر گلے تک جاتا رہتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ بعض بیماریوں میں اس طرح دوا دینا مفید ہوتا ہے۔ **وقداعلقت علیه:.** انگلی وغیرہ سے کوا اٹھایا۔ **العذرة:.** کوا گر جانا۔ **ماتذ عرن اولاد کن بهذا العلاق:.** تم یہ کیا اپنی اولاد کا کوا اٹھاتی ہوانگلی وغیرہ سے یعنی ایسا نہ کیا کرو۔ **باب:.** بعض نسخوں میں یہاں لفظ باب نہیں ہے اس لحاظ سے یہ حدیث گذشتہ باب کا جزء ہے سوال اس حدیث میں تولدود کا بالکل ذکر نہیں ہے اس لیے نہ یہ گذشتہ باب کا جزء بن سکتی ہے نہ تتمہ بن سکتی ہے۔ جواب۔ گذشتہ باب کی روایت میں مریض کی مخالفت کا ذکر تھا اس روایت میں مریض کی موافقت کا ذکر ہے اس لیے مناسبت ہوگئی الاشیاء تعرف باضدادھا۔ **باب العذرة:.** غرض اس بیماری کا علاج بیان فرمانا ہے اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ گلے کے کنارے پر گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے اس کو کوا کہتے ہیں وہ گر جاتا ہے۔

باب دوالمبطون

غرض ہیضہ کی بیماری کا علاج بتلانا ہے۔ **باب لاصفر:.** غرض اس حدیث کا بیان ہے جس میں لاصفر مذکور ہے پھر امام بخاری نے صفر کی اس تفسیر کو اختیار فرمالیا کہ پیٹ میں ایک سانپ مانتے تھے زمانہ جاہلیت میں جو بھوک لگنے پر کاٹتا تھا اور پھر اس بیماری کو متعدی بھی سمجھتے تھے اس حدیث میں متعدی ہونے کا رد بھی ہے چنانچہ امام بخاری فرما رہے ہیں لاصفر کے بعد باب ہی کے ماتحت وھوداء یا خذ البطن ۔ اسی ارشاد لا صفر کی باقی تفسیر عنقریب باب الجذام میں گزر چکی ہیں۔

باب ذات الجنب

غرض اس بیماری کی دواء کا بتلانا ہے پھر ذات الجنب کا اطلاق دو بیماریوں پر ہوتا ہے۔ ا۔ سینے کی پسلیوں کے پردہ پر ورم آجاتا ہے۔ ۲۔ سینے کی پسلیوں میں سخت ہوا بند ہو جاتی ہے۔ یہاں دوسری قسم مراد ہے۔ **اذن:.** مراد وجع الاذن ہے کان کا درد۔

باب حرق الحصیر لیسد به الدم

غرض اس علاج کا بتلانا ہے۔

باب الحمی من فیح جهنم

غرض یہ بتلانا ہے کہ بخار کی بعض قسمیں جہنم کی لپٹ کا نمونہ ہیں تا کہ ہم عبرت پکڑیں جیسے دنیا میں کئی قسم کی لذتیں جنت کے نمونہ کے طور پر پیدا کی گئی ہیں تا کہ جنت کا شوق پیدا ہو۔

باب من خرج من ارض لاتلائمه

غرض یہ مسئلہ بیان فرمانا ہے کہ جس علاقہ کی آب وہوا موافق نہ آئے اس کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ **ریف:.** کھیتی والی زمین۔ **واستو خموا:.** ناموافق پایا۔

باب مایذ کرفی الطاعون:.

غرض طاعون کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے۔ **بسرغ:.** اس میں باء فی کے معنی میں ہے اور سرغ ایک گاؤں کا نام ہے جو شام کے راستہ میں ہے۔ **عدوتان:.** اس کے معنی ہیں طرفان۔

باب اجر الصابر فی الطاعون:.

غرض صبر کا ثواب بیان فرمانا ہے خواہ خود اس شخص پر طاعون آئے اور صبر کرے خواہ اس کے شہر میں کسی پر طاعون آئے اور وہ نہ بھاگے۔

باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات:.

غرض یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور معوذات کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ سورۃ اخلاص کو بھی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے ساتھ تغلیباً ملالیا گیا ہے۔

باب الرقی بفاتحة الکتاب

غرض یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

باب الشرط فی الرقیة بقطیع من الغنم

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔

باب رقیة العین

غرض یہ ہے کہ کسی شخص کو نظر بد لگ گئی ہو تو جس کو نظر لگی ہو وہ

اگر کوئی تعویذ بطور علاج کرے تو یہ جائز ہے۔ **سفعة:** . زردی۔

باب العین حق: طبیعی فلاسفہ جو علم طبیعیات بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نظر بد لگنا کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ جو چیز نظر آتی اس کا کوئی وجود نہیں اس قول کا رد کر دیا حدیث پاک سے۔

باب رقیة الحیة والعقرب

غرض یہ کہ یہ جائز ہے۔

باب رقیة النبی صلی الله علیه وسلم

غرض ان الفاظ کا بیان ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بطور تعویذ پڑھا کرتے تھے۔

بسم الله تربة ارضنا بریقة بعضنا یشفیٰ سقیمنا

ارض سے مراد یا تو ارض مدینہ منورہ ہے یا مطلق زمین ہے پھر بعض نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ریق یہاں کنایہ منی سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ نے انسان کو مٹی اور منی سے پیدا فرمایا ہے جو دونوں ہلکی چیزیں ہیں ایسے ہی آپ کے لیے شفاء بھی ہلکی یعنی آسان ہے آپ شفا عطا فرمادیں۔

باب النفث فی الرقیة

غرض حضرت اسود بن یزید تابعی کا رد ہے جو تعویذ میں دم کرنے کو ناجائز کہتے تھے۔ **قلبة:** . تکلیف جس کی وجہ سے بستر پر بیمار پلٹیاں کھاتا ہے۔

باب مسح الراقی الوجع بیده الیمنی

غرض ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

باب المرأة ترقی الرجل

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔

باب من لم یرق

یہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے یرق معلوم اور یرق مجہول غرض اس شخص کی فضیلت کا بیان ہے جو کسی دوسرے کا علاج تعویذ سے نہ کرے یا اپنے لئے تعویذ نہ کرائے۔ سوال۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تعویذ کیا بھی ہے اور کرایا بھی ہے۔ جواب۔ ا۔ یہ صرف بیان جواز تھا بیان استحباب نہ تھا۔ ۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل بہت مضبوط تھا تعویذ کرنے یا کرانے سے اس میں کمزوری نہ آتی تھی۔ دوسرے میں کمزوری آسکتی ہے۔

باب الطیرة: اس کے معنی ہیں پرندوں کی آوازوں یا ناموں یا اڑنے سے بدفالی پکڑنا مثلاً زمانہ جاہلیت میں کوئی سفر کرنا ہوتا تو کسی درخت پر جاتے اور پرندے کو اڑاتے تھے اگر وہ دائیں طرف اڑتا تو سفر کرتے تھے اور اگر بائیں طرف اڑتا تو سفر کو منحوس سمجھتے اور سفر نہ کرتے تھے اس باب کی غرض یہ ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں اور اس طرح نحوست نہ پکڑنی چاہیے۔ سوال۔ اس باب کی پہلی روایت میں لاطیرة بھی ہے اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہے والشوم فی ثلث فی المراة والدار والدابة یہ تو تعارض ہے نحوست کی نفی بھی ہے اور نحوست کا اثبات بھی ہے۔ جواب۔ مقصد استثناء ہے کہ ان تین چیزوں میں تو نحوست ہے اور جب ان تین چیزوں میں سے کسی میں نحوست ظاہر ہو تو الگ ہو جانا جائز ہے باقی چیزوں میں جن میں زمانہ جاہلیت میں نحوست مانتے تھے ان میں نہیں ہے۔ ان تین چیزوں کی نحوست کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ **باب الفال:** اس کے معنی ہیں کوئی اچھا کلمہ سن کر اچھا شگون لینا کہ امید ہے کہ یہ سفر وغیرہ اچھا رہے گا۔ باب کی غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ **لاطیرة وخیر ها الفال:** . سوال۔ طیرة تو نحوست ہے پھر یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ اچھی نحوست اچھا شگون ہے فال تو طیرہ میں داخل نہیں ہے جواب طیرة کے لغوی معنی شگون ہیں اچھا اور برا دونوں اس میں داخل ہیں اور عرفی معنی صرف برا شگون ہے یہاں لا طیرة میں عرفی معنی مراد ہیں اور خیرھا میں لغوی معنی مراد ہیں اسی کو صنعت استخدام کہتے ہیں کہ اسم ظاہر میں ایک معنی مراد ہوں اور ضمیر میں دوسرے معنی مراد ہوں۔ **باب لا هامة:** . زمانہ جاہلیت میں الو کو منحوس سمجھتے تھے اس کا رد کرنا مقصود ہے مزید تفصیل پیچھے گزر چکی ہے باب الجذام میں۔ **باب الکهانة:** . غرض کہانت کی حقیقت کا بیان ہے یعنی دعویٰ کرنا کہ ہم غیب کا علم رکھتے ہیں اور آئندہ کی باتیں بتلاتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ اسباب کو بھی اختیار

کرتے ہیں یعنی شیاطین سے تعلقات لیکن یہ صرف علم غیب کا دعویٰ ہی ہے حقیقی علم غیب نہیں ہے کیونکہ حقیقی علم غیب تو بلا اسباب ہوتا ہے۔ **قال علی قال عبد الرزاق مرسل الکلمة من الحق:**۔ یعنی پہلے امام عبدالرزاق نے ان تینوں لفظوں کو مرسل قرار دیا تھا پھر مسند قرار دے دیا۔ **باب السحر:**۔ غرض یہ بیان کرنا ہے کہ سحر ثابت ہے اس کے لیے چند آیات اور ایک حدیث امام بخاری نے ذکر فرمائی اور یہی جمہور کا قول ہے۔ ابن حزم ظاہری اور ابوبکر رازی حنفیہ میں سے اور ابوجعفر استرابازی شوافع میں سے فرماتے ہیں کہ سحر کا کوئی وجود نہیں ہماری دلیلیں اس باب میں ذکر کی ہوئی آیتیں ہیں۔ ا۔ مثلاً **ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر**۔ ۲۔ حدیث الباب عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل من بنی زریق اور ابن حزم وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کو سحر کہا جاتا ہے وہ تو خیالات باطلہ ہیں جواب آیات اور حدیث کو قیاس پر ترجیح حاصل ہے۔ سوال۔ کتاب الطب میں جادو کو کیوں ذکر فرمایا جواب آگے ایک باب چھوڑ کر باب ھل یستخرج السحر آئے گا اس میں پھر یہی حدیث ہے اس میں یہ لفظ بھی ہیں اما واللہ فقد شفانی اللہ اس سے معلوم ہوا کہ سحر بھی ایک بیماری ہے اس لیے اس کو کتاب الطب میں ذکر فرمایا پھر قریب والے گذشتہ باب سے ربط یہ ہے کہ کہانت اور سحر دونوں میں شیاطین کا دخل ہوتا ہے۔ **تسحرون تعمون:**۔ اس میں آیت کی طرف اشارہ ہے سیقولون للہ قل فانی تسحرون۔ **فی مشط ومشاط:** کنگھی میں اور کنگھی سے نکلے ہوئے بالوں میں۔ **وجف طلع نخلة ذکر:**۔ نر کھجور کے خوشے کی جھلی میں۔ **بیر ذروان:**۔ مدینہ منورہ میں بنی زریق کا کنواں تھا یعنی کنگھی کے بالوں کو جھلی میں رکھ کر کنویں میں رکھا گیا تھا۔ **کان ماء ھا نقاعة الحناء:**۔ اس کا پانی ایسا سرخ تھا گویا اس میں مہندی ڈالی گئی ہو۔ **ان اثور علی الناس:**۔ میں ناپسند کرتا ہوں کہ اس معاملہ کو لوگوں میں پھیلائیں چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو کنویں سے نکال کر قریب کسی جگہ دفن کروادیا اور لوگوں میں اس کا اعلان نہ فرمایا۔ **مشاقة:**۔ سوت کے دھاگے کے ٹکڑے۔

باب الشرک والسحر من الموبقات

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ شرک اور جادو ان گناہوں میں سے ہیں جو ہلاک کرنے والے ہیں۔

باب ھل یستخرج السحر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جس جگہ جادو کی چیزیں رکھی گئی ہوں وہاں سے نکالنا جائز ہے یا نہ۔ امام بخاری نے یقین سے اس مسئلہ کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ اس میں اختلاف ہے البتہ یہ اشارہ فرمادیا کہ راجح یہی ہے کہ نکالنا جائز ہے کیونکہ شروع میں حضرت ابن المسیب کا قول جواز کا ذکر فرمادیا حضرت حسن بصری اس نکالنے کو مکروہ قرار دیتے تھے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ النشرة من عمل الشیطان کہ تعویذ گنڈے سے جادو کا علاج کرنا شیطان کا عمل ہے حضرت ابن مسیب اشارہ فرمارہے ہیں کہ منع صرف اسی تعویذ گنڈے سے کیا گیا ہے جس میں دوسرے کو ایذاء پہنچانی مقصود ہو۔ **رجل به طب او یوخذ عن امراة ایحل عنه او ینشر:**۔ کسی آدمی پر جادو کردیا گیا ہو یا ایسا جادو ہو کہ بیوی سے جماع نہ کرسکتا ہو تو کیا اس سے جادو ہٹایا جائے گا یا تعویذ گنڈے سے علاج کیا جائے گا پھر یہ او ینشر یا تو شک راوی ہے کیونکہ اس کے اور یحل عنه کے ایک ہی معنی ہیں یا لف ونشر مرتب ہے کیونکہ تنشیر اس علاج کو کہتے ہیں جس کا تعلق بیوی سے ہو۔ **کان یری انه یاتی النساء ولا یاتیھن:** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خیال فرماتے تھے کہ بیوی کے پاس جانے کی حاجت ہے لیکن حاجت نہ ہوتی تھی اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جادو کیا گیا تھا اس کا اثر صرف بیوی کے پاس جانے ہی کے بارے میں تھا اور صرف بدن مبارک پر اثر ہوا تھا عقل اور فہم اور توجہ الی اللہ پر کچھ اثر نہ تھا اسی لیے اس حدیث میں ہی دعاء فرمانا مذکور ہے کہ یا اللہ مجھے میری بیماری کا پتہ چل جائے اسی موقعہ میں معوذتین کا نازل ہونا

بھی ہوتا ہے اس لیے جادو کا اثر بخار اور سر درد کے درجہ میں تھا۔

راعوفة: بڑا پتھر۔ **حتی استخرجه:** سوال۔ عنقریب باب السحر میں روایت گزری ہے اس سے اسی واقعہ میں عدم استخراج ثابت ہو رہا ہے اور یہاں استخراج ہے یہ تو تعارض ہے۔ جواب۔ ۱۔ جف یعنی جھلی کو نکال دیا گیا تھا باقی چیزوں کو نہ نکالا گیا۔ ۲۔ سب چیزوں کو نکال کر قریب کسی جگہ دفن کر دیا گیا تھا اور عدم استخراج کے معنی ہیں کہ اس بات کو مشہور نہ کیا گیا تھا۔ **افلا ای تنشرت:** اس عبارت میں ای تنشرت یہ تفسیر راوی کی طرف سے ہے کہ آپ نشرہ کیوں استعمال نہیں فرما لیتے یعنی ایسے تعویذ کیوں استعمال نہیں فرما لیتے جس سے بیوی کے پاس جانے سے رکاوٹ دور ہو جائے اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ۱۔ نشرہ کا استعمال جائز ہے۔ ۲۔ نشرہ ایک مشہور چیز تھی۔

باب السحر: اور بعض نسخوں میں یہاں یہ باب نہیں ہے اور نہ ہونا ہی اولیٰ ہے کیونکہ دو باب چھوڑ کر یہی باب گزر چکا ہے۔

باب من البیان سحر

غرض یہ بتلانا ہے کہ حقیقی سحر کے علاوہ ایک مجازی سحر بھی ہوتا ہے اور وہ کلام مؤثر ہے۔

باب الدواء مالعجوة للسحر

غرض یہ بتلانا ہے کہ عجوہ کھجوریں جادو کا علاج ہیں اور یہ کھجوریں مدینہ منورہ کی عمدہ کھجوروں میں سے ہیں۔

باب ولا هامة

غرض میں دو تقریریں ہیں۔ ۱۔ الو کو منحوس نہ سمجھو۔ ۲۔ زمانہ جاہلیت کی طرح یہ نہ سمجھو کہ پرانے مردوں کی ہڈیاں الو کی شکل میں آ کر اپنے زمانہ کے حالات سناتی ہیں۔ سوال یہ باب تو ۹ باب پیچھے گزرا ہے۔ جواب چونکہ ولا ہامہ کی متعدد تفسیریں ہیں اس لئے پیچھے ایک تفسیر مراد تھی یہاں دوسری مراد ہے۔ **باب لاعدوی:** یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ بیماریاں متعدی نہیں ہوتیں۔

باب مایذکر فی سم النبی صلی الله علیه وسلم

غرض اس واقعہ کا بیان ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے زہر کھلا دی تھی سم کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔

باب شرب السم والدواء به وبما یخاف منه والخبیث

غرض یہ ہے کہ زہر اور دوسری نقصان دہ چیزوں سے علاج کرنا جائز نہیں ہے یہی حدیث الباب سے نکل رہا ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں زہر کھانے کو عذاب کا سبب قرار دیا گیا ہے چونکہ یہ بات ظاہر تھی اسی لئے امام بخاری نے عدم جواز کا لفظ باب میں رکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ البتہ اگر مصلح ساتھ ملا لیا جائے تو پھر استعمال کی گنجائش ہے۔

خالداً مخلدا فیها ابدا: سوال مومن تو ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہتا۔ جواب۔ ۱۔ یہاں ان کاموں کو حلال سمجھنے والا مراد ہے۔ ۲۔ مکث طویل مراد ہے۔

باب البان الاتن

غرض حضرت عطاء اور حضرت طاؤس اور حضرت زہری کے قول کو رد کرنا ہے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک گدھی کا دودھ حلال ہے۔ وعندالجمہور حلال نہیں منشاء اختلاف زیر بحث باب کی حدیث ہے عن ابن شہاب فقد بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن لحومھا ای لحوم الاتن ولم یبلغنا عن البانھا امر ولا نھی ہم اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ جب گوشت حرام ہے تو دودھ چونکہ گوشت سے ہی بنتا ہے اس لئے وہ بھی حرام ہے۔ وہ حضرات ظاہر الفاظ کو لیتے ہیں کہ امر اور نھی البان کے بارے میں ثابت نہیں اور اصل اباحت ہے اس لئے جائز ہے ترجیح جمہور کے قول کو ہے کہ تعارض کے وقت ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔ **هل نتوضا اونشرب البان الاتن:** اس عبارت میں تنازع الفعلین ہے اور دو سوال کرنے مقصود ہیں کیا ہم گدھی کا دودھ پی لیں اور کیا گدھی کے دودھ سے وضو کرنا جائز ہے۔

باب اذا وقع الذباب فی الاناء:

غرض یہ بتلانا ہے کہ اگر مکھی پانی وغیرہ میں گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے پھر حکم کی تفصیل باب میں نہ بتلائی کیونکہ حدیث میں آ رہی تھی۔

كتاب اللباس

غرض لباس کی انواع واحکام کا بیان ہے ربط یہ ہے کہ پیچھے کتاب الطب میں بدن کی اصلاح تھی اب لباس کی اصلاح ہے اور بدن کا درجہ چونکہ لباس سے اونچا ہے اس لئے بدن کی اصلاح کو مقدم فرمایا لباس کی اصلاح پر۔**قل من حرم زينة الله التی اخرج لعباده:**۔ اس سے ثابت ہوا کہ لباس کا استعمال جائز ہے جبکہ اسراف بھی نہ ہو تکبر کے طور پر بھی نہ ہو جیسا کہ اس باب کی روایات سے ثابت ہورہا ہے۔

باب من جرازاره من غير خيلاء

غرض یہ ہے کہ اگر غیر اختیاری طور پر تہ بند ٹخنے سے نیچے ہو جائے اور پتہ چلتے ہی اونچا کرے تو معاف ہے۔اختیاری طور پر جب بھی نیچے کرے گا تکبر اور گناہ ہی ہوگا کیونکہ اختیاری طور پر نیچے کرنا ہی تکبر ہے۔یہ نہیں ہے کہ اختیاری طور پر نیچے کرنا دو قسم کا ہے تکبر کے طور پر اور بلا تکبر اس لئے بعض کا یہ خیال فاسد ہے کہ چونکہ ہماری نیت تکبر کی نہیں ہے اس لئے ہمارے لئے جائز ہے۔

باب التشمير في الثياب

غرض تہ بند کو ٹخنوں سے اونچا کرنے کا حکم بیان فرمانا ہے کہ ایک درجہ واجب ہے یعنی ٹخنے ننگے کرنا اور ایک درجہ مستحب ہے یعنی آدھی پنڈلی تک اونچا کرنا لیکن اکابر نے اس فتنہ کے زمانہ میں صرف ٹخنے ننگے رکھنے کو اولیٰ قرار دیا ہے تاکہ زیادہ اونچے تہ بند کو دیکھ کر اس سنت کا مذاق اڑانے سے ایمان ضائع نہ کرلیں۔

باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار

غرض ٹخنے ڈھانپنے کی قباحت کا بیان ہے۔

باب من جر ثوبه من الخيلاء

غرض ایسا کرنے کا حکم بتلانا ہے۔**يمشی فی حلة تعجبه نفسه:**۔ اس حدیث کو اس جرازار کے باب میں لانے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ خود پسندی کے طور پر اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے عمدہ لباس میں لوگوں کا چلنا بھی ٹخنے ڈھانپنے کی طرح ہی قبیح ہے۔

باب الازار المهدب

غرض یہ ہے کہ جس لباس کے کنارے پر دھاگے ہوں اس کا پہننا بھی جائز ہے۔

باب الاردية

رداء اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کندھے پر ڈالا جاتا ہے غرض یہ ہے کہ ان کا استعمال بھی جائز ہے۔

فدعا النبی صلی الله عليه وسلم بردائه

اپنی چادر گھر سے منگوائی۔

باب لبس القميص

غرض یہ ہے کہ قمیص کا پہننا بدعت نہیں ہے بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں قمیص پہننا بہت مشہور تھا۔

باب جيب القميص من عندالصدر وغيره

غرض یہ ہے کہ قمیص کا گریبان یعنی پھٹا ہوا حصہ جس میں سے سر ڈالا جاتا ہے وہ سینے پر بنانا مسنون ہے گو کسی اور جگہ بنانا بھی جائز ہے۔

يقول باصبعه هكذا فی جيبه:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی گریبان میں ڈال کر اشارہ فرمارہے تھے اور پیچھے سینے کا ذکر تھا تو معلوم ہوگیا کہ گریبان بھی سینہ پر ہی تھا۔

فلو رايته: اس کی جزا محذوف ہے۔**تعجبت:** منہ۔

باب من لبس جبة ضيقة الكمين فی السفر

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں تنگ آستینوں والا جبہ پہننا بھی جائز ہے اور یہ ضرورت سفر میں زیادہ ہوتی ہے۔

باب لبس جبة الصوف فی الغزو

غرض یہ کہ یہ جائز ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور صوفیہ کا لباس ہے اسی لئے ان کو صوفیہ کہتے تھے۔سوال پیچھے بھی جبہ پہننے کا جواز گزرا ہے یہ تو تکرار ہوا جواب یہاں زائد قید ہے صوف کی اور غزو کی اس لئے تکرار نہیں ہے۔

باب القباء و فروج حریر

یہ فروج قبا سے اخص ہے اور ظاہر یہی ہے کہ اس باب کی حدیث والے واقعہ میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ **فقال رضی مخرمه:** کس نے فرمایا۔ا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۔ حضرت مخرمہ نے لاینبغی ھذا للمتقین یہاں متقین سے مراد مومنین ہیں۔**باب البرانس:۔** یہ جمع ہے برنس کی اور اس کے معنی تین آتے ہیں۔ا۔لمبی ٹوپی ۲۔ٹوپی۔۳۔کرتہ جس میں ساتھ ٹوپی بھی ہو۔اور باب کی غرض یہ ہے کہ تینوں معنوں میں سے جو بھی لیں برنس کا پہننا جائز ہے۔**باب السراویل:۔** غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ شلوار کا پہننا جائز ہے ابونعیم میں ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعا اول من لبس سراویل ابراہیم علیہ السلام اور شلوار میں یہ خوبی بھی ہے کہ یہ استر ہے۔**باب العمائم:۔** غرض یہ ہے کہ عمامہ سنت ہے۔**باب التقنع:۔** اس کے معنی ہیں سر اور اکثر چہرہ ڈھانپ لینا غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ **دسماء میلا علی رسلک:۔** اپنی حالت پر ٹھہرے رہو ابھی ہجرت نہ کرو۔ **فجھزنا ھما احث الجھاز:۔** ہم نے ان دونوں کو تیار کیا جلدی کے سامان کے ساتھ لقن ثقف جلدی سمجھنے والا اور ذہین۔**یکادان به:۔** اس کے معنی ہیں کہ ان دونوں حضرات کے خلاف جو تدبیریں کی جارہی تھیں ان کو وہ لڑکا سن کر یاد کر لیتا تھا۔**رسلها:۔** اس بکری کا دودھ۔**ینعق بھا:۔** بکری کو آواز دیتا تھا اور واپس لے جاتا تھا۔ **باب المغفر:۔** غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقع میں لوہے کی ٹوپی جس کو خود کہتے ہیں پہننی جائز ہے۔

باب البرود و الحبرة و الشمله

غرض یہ ہے کہ یہ تینوں پہننی جائز ہیں۔ برود جمع ہے بردۃ کی کالے رنگ کی چھوٹی مربع چادر اور حبرۃ یمنی چادروں کو کہتے تھے اور شملہ بڑی چادر کو کہتے تھے جو پورے بدن کو شامل ہو جائے۔

فطواھا:۔ اس کو لپیٹا۔

باب الاکسیه و الخمائص

غرض یہ ہے کہ ان دونوں کا استعمال بھی جائز ہے۔خمیصہ نقش ونگار والی چادر اور اس کی جمع خمائص ہے۔ کساء ہر قسم کی چادر کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اکسیہ ہے۔

باب اشتمال السماء

اس کے دو معنی ہیں دونوں سے ممانعت ہے۔ا۔چادر کو سخت لپیٹا جائے کہ ہاتھ بند ہو جائے۔۲۔کندھوں پر ڈال دیا جائے چادر کو اور لپیٹا نہ جائے اور نیچے تہ بند بھی نہ ہو اس صورت میں کشف عورت ہوتا ہے۔باب کی غرض ان دونوں صورتوں کا حکم بیان کرنا ہے کہ منع ہیں۔

باب الاحتباء فی ثوب واحد

غرض اس صورت کا حکم بیان فرمانا ہے کہ منع ہے کہ کپڑے سے گھٹنوں کو کمر کے ساتھ باندھ لے اور ستر کی جگہ پر کپڑا نہ ہو اس میں کشف عورت ہے۔

باب الخمیصته السوداء

غرض یہ کہ یہ جائز ہے۔ **حریثیه:۔** بنی قضاعہ کے ایک شخص کی طرف نسبت ہے جس کا نام حریث تھا۔

باب الثیاب الخضر

غرض یہ کہ سبز کپڑوں کا پہننا جائز ہے۔ ابوداؤد میں ہے عن رمثۃ انہ رای علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بردین اخضرین اور اہل جنت کے لباس میں بھی سبز رنگ کا ذکر قرآن پاک میں ہے ثیاب سندس خضر اور اذان شروع ہونے کی روایات میں ہے۔عن عبداللہ بن زید بن عبدربہ انہ رای فی المنام رجلا قام وعلیہ بردان اخضران۔**انی لا نفضھا نفض الادیم:۔** نفض کے معنی حرکت کے ہیں دباغت کے وقت چمڑے کو قوت سے حرکت دی جاتی ہے مقصد یہ ہے کہ جماع کے وقت میں بیوی کی پوری تسلی کر دیتا ہوں اور میں نامرد نہیں ہوں۔

باب الثیاب البیض

غرض یہ ہے کہ سفید کپڑے پہننا سنت ہے۔ فی ابی داؤد والترمذی عن ابن عباس مرفوعا البسوا من ثیابکم البیاض فانھا من خیر ثیابکم وکفنوا فیھا موتاکم اور یہ حدیث صحیح ہے لیکن امام بخاری کی

شرط پر نہیں ہے اس لئے یہاں نہ لائے۔

باب لبس الحرير و افتراشه للرجال وقدر مايجوز منه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مردوں کے لئے ریشم پہننا یا ریشم کا بستر بچھانا جائز نہیں ہے اور کتنی مقدار جائز ہے۔ **فقال شديداً:.** یعنی عبدالعزیز نے غصہ شدید کیا اور فرمایا کیونکہ اس سوال کی ضرورت نہ تھی۔

باب مس الحرير من غير لبس

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مردوں کے لئے ریشم کا چھونا اور بیچنا جائز ہے پہننا جائز نہیں ہے۔

باب افتراش الحرير

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ریشم پر بیٹھنا بھی مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ سوال۔ یہ مسئلہ تو پیچھے گزرا ہے جواب وہاں بیٹھنے کا حکم تبعاً تھا یہاں قصداً ہے۔

باب لبس القسی

غرض یہ ہے کہ ان کا پہننا مردوں کے لئے ناجائز ہے۔ یہ قس شہر کے بنے ہوئے ہوتے تھے جو سمندر کے ساحل پر دمیاط کے قریب تھا ان کپڑوں میں ریشم ہوتی تھی۔ **عاصم اكثر واصح في الميثرة:.** جو حضرت عاصم نے میثرۃ کی تفسیر کی ہے وہ اکثر لوگوں سے منقول ہے اور اصح ہے۔

باب مايرخص للرجال من الحرير للحكه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ خارش کی وجہ سے مردوں کے لئے بھی ریشم پہننا جائز ہے۔ اس اختلاف کی تفصیل الخیر الجاری الجلد الرابع صفحہ ۱۸ پر گزر چکی ہے۔

باب الحرير للنساء

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ عورتوں کے لئے ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے اور اس مسئلہ میں دو حدیثیں بالکل صریح وارد ہیں لیکن وہ امام بخاری کی شرط پر نہ تھیں اس لئے ان حدیثوں سے استنباط فرمایا جو ان کی شرط پر تھیں وہ صریح حدیثیں یہ ہیں۔ ۱- فی ابی داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ ومسند احمد عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریرا وذھبا فقال ھذان حرامان علی ذکور امتی حل لاناثھم ۔ ۲- فی ابی داؤد والنسائی والترمذی و صححہ عن ابی موسی نحوہ۔ **حله سيراء:.** ریشمی جوڑا لکیر والا۔

باب ماكان النبي صلى الله عليه وسلم يتجوز من اللباس و البسط

غرض یہ بتلانا ہے کہ نبی پاک کس قدر لباس اور بچھونوں کی اجازت دیا کرتے تھے اور اس کی تفصیل کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- جو مل جاتا ہے بلا تکلف اس کو استعمال فرما لیتے تھے۔ ۲- وسعت فرمایا کرتے تھے اور جائز لباسوں اور بچھونوں میں تنگی نہ فرماتے تھے کہ فلاں قسم ہو اور فلاں قسم نہ ہو۔ **قد استقام له:.** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو چکے تھے۔ **وصيف:.** اس کے معنی ہیں عبد۔

باب مايدعى لمن لبس ثوبا جديدا:.

غرض یہ بتلانا ہے کہ نیا لباس پہننے والے کو کن لفظوں کے ساتھ دعا دینی چاہئے۔

باب التزعفر للرجال

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مردوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بدن پر ایسی خوشبو لگائیں جس میں زعفران ملی ہو۔

باب الثوب المزعفر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

باب الثوب الاحمر

غرض یہ بتلانا ہے کہ سرخ لکیروں والا لباس پہننا مردوں کے لئے جائز ہے۔

باب الميثرة الحمرا

گھوڑے یا اونٹ کی زین پر سرخ گدی بچھانے سے منع کر دیا گیا ہے اور اس ممانعت کی وجہ کیا ہے اس میں چار قول ہیں۔ ۱- مردوں کے لئے سرخ رنگ پسند نہیں ہے۔ ۲- گدیاں ریشمی ہوتی تھیں اس لئے منع کیا گیا ہے۔ ۳- اس میں متکبرین کی مشابہت تھی۔ ۴- یہ گدیاں چونکہ درندوں کی کھالوں سے بنتی تھیں

اس لئے منع کیا گیا ہے لیکن یہ چوتھی توجیہ بعید ہے کیونکہ میثرہ حمرا میں جانوروں کی کھالیں نہ ہوتی تھیں بلکہ سرخ ریشمی کپڑا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہی اس کے مشہور معنی ہیں۔

باب النعال السبتیه و غیرها

سبتی جوتے وہ ہوتے تھے جن کے چمڑے سے بال بالکل صاف کر لئے جاتے تھے۔ غرض یہ ہوئی کہ ان کا پہننا جائز ہے۔

باب یبدا بانتعال الیمنی

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے۔

باب ینزع نعل الیسری

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے۔

باب لایمشی فی نعل واحد

غرض یہ ہے کہ ایک جوتے میں چلنا مکروہ ہے

باب قبالان فی نعل ومن رای قبالاً واحداً واسعاً

غرض یہ ہے کہ بہتر یہی ہے کہ جوتے میں دو تسمے ہوں لیکن ایک تسمہ ہو تو وہ بھی جائز ہے۔

باب القبه الحمرا من ادم

غرض یہ بتلانا ہے کہ سرخ چمڑے کا اگر خیمہ ہو تو وہ بھی جائز ہے۔

باب الجلوس علی الحصیر ونحوه

غرض یہ ہے کہ گھٹیا چیز پر بیٹھنے میں زیادہ تواضع ہے۔

باب المزور بالذهب

غرض یہ ہے کہ سونے کے بٹن اگر کپڑے میں سلے ہوئے ہوں تو وہ جائز ہیں کیونکہ وہ کپڑے کے تابع ہو جاتے ہیں۔ مرد بھی ان کو پہن سکتے ہیں۔

باب خواتیم الذهب

غرض یہ ہے کہ مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی جائز نہیں ہے۔

باب خاتم الفضه

غرض یہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔

باب: . یہ گذشتہ باب کا تتمہ ہے کیونکہ اس میں بھی چاندی کی انگوٹھی ہی کا ذکر ہے۔ **فطرح رسول الله صلی الله علیه وسلم خاتمه:** . سوال پیچھے چاندی کی انگوٹھی کا ذکر ہے اس لئے ظاہر معنی یہ ہوئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی چھوڑ دی تھی حالانکہ چاندی کی انگوٹھی کا وفات تک باقی رہنا اور حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں گم ہونا ثابت ہے جواب۔ ا- یہ امام زہری کا وہم ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی چھوڑ دی تھی حقیقت یہ ہے کہ پہلے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی پھر جب سونا مردوں پر حرام ہو گیا تو وہ چھوڑی تھی چاندی کی انگوٹھی نہ چھوڑی تھی۔ ۲- یہاں مراد ہی سونے کی انگوٹھی ہے کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دی تھی۔

باب فص الخاتم

غرض یہ بتلانا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نگینہ کیسا تھا۔

باب خاتم الحدید

غرض امام شافعی کے قول کی تائید ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننی جائز ہے۔ وعند ابی حنیفہ مکروہ ہے لنا مافی السنن الاربع عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ مرفوعا مالی اری علیک حلیہ اھل النار یہ اس شخص سے فرمایا جس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ وللشافعی حدیث الباب عن سھل مرفوعا اذھب فالتمس ولوخاتما من حدید یہ اس شخص سے فرمایا جو نکاح کرنا چاہتا تھا معلوم ہوا کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ جواب مقصود صرف یہ تھا کہ مال لاؤ اگرچہ تھوڑا سا ہو اس لئے اس سے پہننے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

باب نقش الخاتم

غرض یہ بتلانا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک پر کیا نقش بنا ہوا تھا۔ الخاتم فی الخنصر غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ سب سے چھوٹی انگلی میں پہننا اولیٰ ہے۔

باب اتخاذ الخاتم لیختم به الشی

انگوٹھی بنانے کا فائدہ بیان کرنا مقصود ہے۔

باب من جعل فص الخاتم فی بطن كفه

غرض یہ بتلانا ہے کہ مردوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ انگوٹھی پہننے میں زینت کی نیت کریں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاینقش علی نقش خاتمه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی والا نقش کوئی اور بھی بنالے یہ جائز نہیں ہے تاکہ کسی کو التباس نہ ہو۔

باب هل یجعل نقش الخاتم ثلثة اسطر

غرض یہ بتلانا کہ نقش میں تین سطریں بنانا اولیٰ ہے۔ **کتب له:** مراد زکوٰۃ کی مقدار ہے۔

باب الخاتم للنساء:.

غرض یہ ہے کہ عورتیں اگر زینت کے لئے بھی انگوٹھی پہنیں تو ان کے لئے جائز ہے۔ **الفتخ:.** وہ انگوٹھی جس میں نگینہ نہ ہو۔ **بخرصها:.** کانٹے۔ **وسخابها:.** ہار۔

باب استعارة القلائد

غرض یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

باب القرط للنساء

غرض یہ ہے کہ عورتوں کے لئے کانٹے پہننا جائز ہے۔
یهوین: وہ عورتیں قصد کررہی تھیں۔

باب السخاب للصبیان

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ چھوٹے بچوں کو ہار پہنادینے کی گنجائش ہے۔
این لکع: کہاں ہے وہ چھوٹا۔
فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم بیده هكذا فقال الحسن بیده هكذا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلائے کہ آؤ لپٹ جاؤ پھر حضرت حسن نے ہاتھ پھیلائے لپٹنے کے لئے۔

باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال:

جو مرد عورتوں جیسا لباس پہنیں اور جو عورتیں مردوں جیسا لباس پہنیں ان کی مذمت بیان کرنی مقصود ہے۔

باب اخراجهم

غرض یہ ہے کہ جو مرد عورتوں جیسی شکل وصورت اور لباس بنائیں ان کو گھروں سے نکالنا چاہئے اور عورتوں کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ یہ نکالنا واجب ہے۔

باب قص الشارب

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- مونچھیں کاٹنا مسنون ہے۔ ۲- واجب ہے پھر یہ باب کتاب اللباس میں اس لئے لائے کہ یہ کام بھی لباس کی طرح زینت کا ذریعہ ہے۔ **ویاخذ هذین یعنی بین الشارب واللحیه** مونچھیں کاٹنے کے بعد کٹے ہوئے بالوں سے اپنے لبوں کو صاف کرتے تھے۔

باب تقلیم الاظفار

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- ناخن کاٹنا مسنون ہے۔
۲- ناخن کاٹنا مستحب ہے۔

باب اعفاء اللحی

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ۱- داڑھی بڑھانا مسنون ہے۔
۲- داڑھی بڑھانا واجب ہے۔ راجح یہ ہے کہ قبضہ یعنی چار انگل تک بڑھانا واجب ہے اس کے بعد دو قول ہیں۔ ۱- کاٹنا اولیٰ ہے۔
۲- بڑھانا اولیٰ لیکن جب بہت زیادہ بڑھ جائے کہ دیکھنے والے کو اس پیاری سنت سے نفرت پیدا ہونے کا شبہ ہو تو کاٹنا واجب ہے ہمارے قریب زمانے کے بزرگ مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی داڑھی جو لمبی تھی تو اس کی وجہ یہ نقل کی گئی ہے کہ خواب میں یا کشف میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا موصوف کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگایا تھا اس لئے غلبہ محبت میں نہ کاٹی۔

باب مایذكر فی الشیب

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سفید بالوں کو اپنے حال پر چھوڑنا چاہئے یا مہندی وغیرہ لگانی چاہئے۔ **شمطلة:.** سفید بال۔ **وقبض اسرائیل ثلاث اصابع:.** اسکے مختلف

معانی کئے گئے ہیں۔ ۱- پیالہ تین انگلی کے برابر چھوٹا سا تھا۔ ۲- تین دفعہ بھیجا حضرت ام سلمہ کے پاس۔ ۳- بال تین تھے۔

من فضه: وہ پیالہ جو بھیجا تھا وہ چاندی کا تھا یعنی اس پر چاندی کا پانی چڑھا ہوا تھا یا یہ لفظ قصہ ہے سر کے بال جو پیشانی پر ہوں پھر یہ قدح کی صفت نہ ہوگی لیکن الجمع بین الصحیحین للحمیدی میں عبارت زیادہ واضح ہے اس میں یہ جلجل کی صفت ہے اور جلجل چاندی یا تانبے یا پیتل وغیرہ کی چیز کو کہتے ہیں۔ الجمع بین الصحیحین کی عبارت یہ ہے ارسلنی اھلی الی ام سلمہ بقدح من ماء فجاءت بجلجل من فضہ فیہ شعر اایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کے راوی سے دو لفظ رہ گئے فجاءت بجلجل۔ اس حدیث پاک کا حاصل یہ نکلا کہ حضرت ام سلمہ کے پاس ایک ڈبیہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے مریض پیالہ میں یا ٹب میں پانی بھیجتے تھے اس میں وہ بال مبارک دھویا کرتی تھیں وہ مریض اس پیالہ کے پانی کو پی لیتے تھے یا ٹب کے پانی سے نہا لیتے تھے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے تھے۔

باب الخضاب

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ سر یا داڑھی کے بالوں کو جب وہ سفید ہو جائیں مہندی وغیرہ سے رنگ لینا اولیٰ ہے۔ **باب الجعد:** غرض یہ ہے کہ بعض دفعہ بال گھنگھر والے بھی ہوتے ہیں۔ **کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ششن القدمین والکفین:** کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور پاؤں مبارک ذرا موٹے تھے اور چوڑے تھے۔ **مخطوم بخلبه:** اونٹ کی لگام کھجور کے درخت کے چھلکے کی تھی۔ **باب التلبید:** گوند وغیرہ سے بال جوڑ لینا تاکہ جوں نہ پڑے اور پراگندہ نہ ہوں ایسا کرنا احرام وغیرہ میں جائز ہے۔ **من ضفر فلیحلق ولا تشبھوا بالتلبید:** حضرت عمر ضفر سے یعنی سر پر مینڈیاں بنانے سے ضفر احرام میں منع فرما رہے ہیں ان کا اجتہاد یہ تھا کہ جو تلبید کرے احرام میں اس کو حلق کرانا ہی ضروری ہو جاتا ہے اور ضفر بھی تلبید کی طرح ہے اس کو بھی حلق ہی کرانا ہوگا اور ان کے اجتہاد میں ضفر احرام میں تو مستحب تھا لیکن غیر احرام میں مکروہ تھا۔ **لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملبدا:** حضرت ابن عمر اپنے والد صاحب کے قول سے یہ سمجھے کہ ان کے نزدیک تلبید احرام میں خلاف اولیٰ ہے اس لئے یہ فرما رہے ہیں کہ میرے والد صاحب کا یہ اجتہاد ٹھیک نہیں ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبید فرمائی ہے۔ **باب الفرق:** غرض یہ ہے کہ سر کے درمیان میں مانگ نکالنا مسنون ہے۔ **باب الذوائب:** یہ جمع ہے ذوابہ کی سر کے بٹے ہوئے بال جو لٹک رہے ہوں غرض یہ بتانا ہے سر کے بال تھوڑے تھوڑے بٹ کر لٹکانا جائز ہے۔ **باب القزع:** غرض قزع کا حکم بتلانا ہے کہ مکروہ ہے اس کی صورت ہے کہ کچھ بال مونڈ دیئے جائیں کچھ رکھ لئے جائیں جس کو آج کل انگریزی بودا کہتے ہیں اس کے اصلی معنی ہیں بادل کا ٹکڑا ایسے بادل کا جو تھوڑا تھوڑا آسمان میں پھیلا ہوا ہو۔ بالوں کی اس حالت کو قزع کہنا اس کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے ہے۔ پھر قزع کیوں مکروہ ہے۔ ۱- اس میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خلق کو بگاڑنا تغییر خلق اللہ ہے۔ ۲- فاسقوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ ۳- یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔

اما القصه و القفا للغلام فلاباس بها

یہ حضرت عمر بن نافع کا قول ہے کہ دائیں بائیں کنارے کے بال جن کو صدغین اور قصہ کہتے ہیں اور پیچھے قفا یعنی گدی کے بال مونڈ دینا جائز ہے لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے جمہور فقہاء کے نزدیک یہ منع ہے اور اسی میں احتیاط ہے حضرت عمر بن نافع نے یہ خیال فرمایا کہ یہ دونوں قصہ اور قفا سر سے خارج ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ سر میں داخل ہیں اس لئے جمہور کے قول کو احتیاط پر مبنی ہونے کی وجہ سے ترجیح ہے۔

باب تطييب المراة زوجها بيديها

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب الطيب فى الراس واللحيه

غرض یہ کہ یہ جائز ہے۔

باب الامتشاط

غرض یہ ہے کہ کنگھی کرنا مستحب ہے۔ **بالمدری کنگھی**
باب ترجیل الحائض زوجها:. غرض یہ ہے کہ حیض کی حالت میں بھی بیوی اگر اپنے خاوند کو کنگھی کر دے تو کچھ حرج نہیں۔

باب الترجل والتیمن

غرض یہ ہے کہ کنگھی کرنا اور دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم کرنا یہ دونوں کام مستحب ہیں۔ پھر بعض نسخوں میں یہاں ترجل کی جگہ ترجیل ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ ا۔ ترجل میں مبالغہ ہے۔ ۲۔ ترجل خود کنگھی کرنا اور ترجیل دوسرے کے سر میں کنگھی کرنا۔

باب مایذکر فی المسک

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مشک کا استعمال جائز ہے۔

باب ما یستحب من الطیب

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اپنی گنجائش کے مطابق اعلیٰ خوشبو کا استعمال کرنا اولیٰ ہے۔

باب من لم یردا لطیب

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ خوشبو کا ہدیہ رد کرنے کی جو ممانعت ہے یہ نہی تحریمی نہیں ہے۔

باب الذریرة

یہ ایک قسم کی خوشبو ہے غرض یہ ہے کہ اس کا استعمال جائز ہے۔

باب المتفلجات للحسن

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ حسن بڑھانے کے لئے ریتی وغیرہ سے دانتوں کو رگڑنا منع ہے۔

باب الوصل فی الشعر

غرض یہ ہے کہ دوسرے کے بال ملا کر اپنے بالوں کا لمبا ہونا ظاہر کرنا منع ہے۔ **فتمعط شعرها:** اسکے بال گر گئے۔ **یستحثنی:.** شوق دلا رہا ہے۔ **الوشم فی اللہ:.** بعض لوگ مسوڑوں میں بھی سیاہی بھرتے تھے۔ **باب المتنمصات:.** غرض چہرے پر آبرو کے بالوں کو کاٹنے سے منع کرنا ہے۔ **باب الموصوله:.** غرض یہ بتلانا ہے کہ دوسروں کے بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ ملانا منع ہے الحصبہ چیچک کی ایک قسم ہے۔ **فامرق:.** اس کی اصل انمرق ہے بالوں کا جھڑ جانا یعنی گر جانا۔ **باب الواشمه:.** بدن گودنے والی کو ممانعت ہے ایسا کرنے سے۔ **نهی عن ثمن الدم:.** ا۔ خون بیچنے سے ممانعت ہے۔ ۲۔ سینگی لگانے کی اجرت سے منع کرنا مقصود ہے۔

باب المستوشمه

جو دوسروں سے کہے کہ میرے بدن میں سیاہی بھر دو اس کو بھی ممانعت ہے۔ **انشدکم باللہ :.** میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ **باب التصاویر:.** غرض یہ بتلانا ہے کہ تصویر کا بنانا۔ دیکھنا۔ گھر میں بلاضرورت رکھنا سب منع ہے اور لباس کے ابواب سے تصویر کے ابواب کو یہ مناسبت ہے کہ لوگ تصویر کو بھی لباس کی طرح زینت کا سبب سمجھتے ہیں پھر امام بخاری نے جو کئی باب باندھے ہیں تصویر کے متعلق اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں مختلف الفاظ تصاویر کے متعلق آئے تھے ہر ایک قسم کے الفاظ کے لئے الگ باب باندھ دیا۔ **لا تدخل الملئکه:.** یعنی رحمت کے فرشتے داخل نہ ہوں گے عذاب کے اور فساق کی جان نکالنے والے داخل ہوں گے۔

باب عذاب المصورین یوم القیامه

غرض تصویر بنانے والوں کے عذاب کا بیان فرمانا ہے اور وجہ عذاب کی یہ ہے کہ ان کے عمل نے دعویٰ کیا خالق ہونے کا اس لئے ان سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اپنے دعوے کو مکمل کرو اور ان میں روح بھی ڈالو جب نہ ڈال سکیں گے تو جھوٹے دعوے کا عذاب ہوگا۔ **فی صفة چبوتره باب نقض الصور:.** تصویر کی ہیت کو بدلنا چاہیے یا تو بالکل توڑ کر یا گردن سے توڑ کر یا کسی اور طریقہ سے تصالیب۔ ا۔ لٹکائی ہوئی تصویریں ۲۔ وہ کپڑا جس پر سولی کی شکل ہو۔ **منتهی الحلیه:.** ا۔ چمک جو وضو کی وجہ سے ہو وہ زیادہ ہو۔ ۲۔ اس آیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا ویحلون فیها من اساور۔

باب ماوطئی من التصاویر

غرض یہ ہے کہ اگر تصویر پاؤں میں روندی جارہی ہوتو وہ فرشتوں کے آنے سے مانع نہیں ہے۔ **بقوام:.** پردہ۔ **سھوة:.** آلہ۔ **فجعلناه وسادة:** بظاہر یہ امام بخاری کی دلیل ہے کہ تکیہ بنانے کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں تصویر روندی جاتی ہے او جو تصویر روندی جائے وہ فرشتوں کے آنے کو نہیں روکتی لیکن اگلے باب کی روایت سے اس تقریر کی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غالیچہ والی تصویر کو بھی ناپسند فرمایا حالانکہ غالیچہ نیچے ہی تو بچھایا جاتا ہے اس لئے فجعلناہ سادۃ کی راجح توجیہ یہ ہے کہ اس کو ایسے طریقہ سے تکیہ بنایا گیا تھا کہ تصویریں کٹ گئی تھیں اور صرف نقش ونگار باقی رہے گئے تھے۔ **درنوکا:.** ایسا پردہ جس کے کنارے پر دھاگے لٹک رہے ہوں۔

باب من کره القعود علی الصور

غرض یہ ہے کہ جو عالم تصویر پر بیٹھنے کو مکروہ سمجھتا ہے اس کے لئے بھی سنت سے دلیل ہے۔ **نمرقه غالیچه فلم یدخل:** سوال اس ناراضگی سے تو یہ معلوم ہوا کہ غالیچہ کی تصویر بھی منع ہے حالانکہ گذشتہ باب میں یہ تھا کہ تصویروں والے پردے کا تکیہ بنالیا گیا تھا اور تکیہ بنا لینے کے بعد ممانعت نہ رہی تھی حالانکہ یہاں غالیچہ کی تصویر سے بھی منع فرمانا مذکور ہے غالیچہ اور تکیہ تو ایک جیسے ہوتے ہیں دونوں روندے جاتے ہیں۔ جواب۔ ا۔ جب تکیہ بنایا گیا تھا تو تصویروں کے چہرے کٹ گئے تھے اس لئے وہ صرف نقش ونگار کے درجہ میں رہ گئی تھیں اور یہاں غالیچہ پر تصویریں بنی ہوئی تھیں کٹی ہوئی نہ تھیں۔۲۔ بیٹھنے میں تصویر پوری نہیں چھپتی اور تکیہ لگانے میں تصویر پوری چھپ جاتی ہے اس لئے تصویر پر بیٹھنا جائز نہیں۔ تکیہ لگانا جائز ہے۔ ان دو توجیہوں میں سے پہلی توجیہ ہی راجح ہے کیونکہ اس میں پوری احتیاط ہے۔

الا رقمافی ثوب: یعنی جب تصویر کا چہرہ کاٹ دیا جائے یا کالا کردیا جائے تو تصویر والے کپڑے کا استعمال جائز ہو جاتا ہے اور تصویر بنانا بالا جماع حرام ہے چھوٹی ہو یا بڑی ہو (تحفۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۳ غیر مطبوع اور تقدیس القرآن المنیر عن تدلیس التصاویر لمولانا اشرف علی التھانوی فی بوادر النوادر صفحہ ۹۳۱)

باب کراھیته الصلوٰة فی التصاویر:.

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جس کمرے میں تصویروں والے کپڑے لٹکے ہوئے ہوں اس کمرے میں نماز پڑھنی مکروہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ تصویر والے لباس میں نماز پڑھنی بطریق اولی مکروہ ہے لیکن اس باب میں جو روایت لی ہے ظاہر یہی ہے کہ اس میں لفظ تصاویر سے مراد نقش ونگار ہیں کیونکہ اگر جاندار کی تصویریں ہوتیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کمرے میں نہ داخل ہوتے نہ نماز پڑھتے۔

باب لاتدخل الملئکه بیتا فیه صورة

غرض اس حدیث کا بیان ہے۔

باب من لم یدخل بیتا فیه صورة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ تصویر والے کمرے میں داخل ہونا مکروہ ہے۔

باب من لعن المصور

غرض یہ ہے کہ مصور پر لعنت بھیجنی جائز ہے۔

باب الا رتداف علی الدابه

غرض یہ ہے کہ اپنے پیچھے سواری پر کسی کو بٹھالینا جائز ہے۔

باب الثلاثة علی الدابه

غرض یہ ہے کہ ایک ہی جانور پر تین آدمیوں کا بیٹھ جانا جائز ہے سوال فی الطبرانی عن جابر نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرکب ثلثة علی دابہ۔ جواب۔ جب جانور برداشت نہ کرسکے تو منع اور جب کرسکے تو جائز ہے۔

باب حمل صاحب الدابه غیره بین بیدیه

غرض یہ کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ **ذکر الاشر الثلاثه:.** حضرت عکرمہ کے پاس ذکر کیا گیا تھا کہ تین آدمیوں کا ایک ہی جانور پر سوار ہونا شر ہے اور ظلم ہے اور یہ تردد تھا کہ ان تینوں میں سے زیادہ شر والا آگے والا ہے یا پیچھے والا تو اس کا حضرت عکرمہ نے رد کردیا کہ حدیث پاک سے تین آدمیوں کا ایک

ہی سواری پر ہونا ثابت ہے اور یہ جائز ہے جبکہ سواری ان کا بوجھ برداشت کرسکتی ہو پھر لفظ اشر یہ لفظ شر ہی میں ایک لغت ہے اور یہاں الاشر الثلاثہ میں الاشر کی اضافت ایسی ہی ہے جیسی الحسن الوجہ میں جائز ہے۔**قثم :**. یہ حضرت عباس کے صاحبزادے ہیں۔

باب ارداف المراة خلف الرجل

غرض یہ کہ عورت کا مرد کے پیچھے سواری پر بیٹھ جانا جائز ہے۔
فقلت المراة: اس کی تقدیری عبارت یہ ہے احفظ المراۃ اور مرفوع بھی منقول ہے پھر تقدیر عبارت یوں ہے وقعت المراۃ اور ایک روایت میں المراۃ کے قائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تطبیق یہ ہے کہ دونوں حضرات نے ہی فرمایا تھا پھر یہاں تو کجاوہ باندھنے والے حضرت انس ہیں اور بعض روایات میں حضرت ابو طلحہ ہیں یہاں بھی تطبیق یہی ہے کہ دونوں نے مل کر باندھا تھا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمکم فرمایا ادب سکھانے کے لئے۔

باب الاستلقاء ووضع الرجل' علی الاخری

غرض یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے جبکہ کشف عورت بھی نہ ہو اور تکبر کی نیت بھی نہ ہو۔

کتاب الادب

ربط اور غرض یہ ہے کہ پیچھے معاشرات کا بیان تھا دین کے پانچ حصوں میں سے اب اخلاق کا بیان ہے کچھ تمتہ معاشرات کا بھی پھر لفظ ادب کے مختلف معانی کیے گئے ہیں۔ا۔ الاتصاف بمکارم الاخلاق ومحاسن الاعمال۔۲۔ التعظیم لمن ھوفوقک والرفق لمن ھودونک۔۳۔ استعمال ما یحمد قولاً وعملاً۔۴۔ الریاضہ الی امر محمود پھر امام بخاریؒ کی ایک مستقل کتاب بھی ہے اس کا نام ہے الادب المفرد یہ کتاب بہت مفید ہے۔

باب قوله ووصينا الانسان بوالديه

غرض یہ ہے کہ والدین کی خدمت ضروری ہے۔بعض نسخوں میں یہاں باب یوں ہے باب البر والصلہ وقول اللہ تعالیٰ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا اس باب کے لحاظ سے بر کا تعلق والدین سے ہے کہ ان کی خدمت کرنا ضروری ہے اور صلہ کا تعلق اقربین سے ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا سلوک ہونا چاہیے۔**الی دار عبداللّٰہ:**. اس سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔

باب احق الناس بحسن الصحبه

غرض یہ ہے کہ ماں کی خدمت کرنا بہت ضروری ہے۔

باب لا يجاهد الا باذن الا بوين

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جہاد میں جانے کے لئے بھی والدین کی اجازت ضروری ہے البتہ اگر کسی خاص وقت میں امام کے اعلان کی وجہ سے فرض عین ہو جائے تو پھر ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

باب لايسب الرجل والديه

اور بعض نسخوں میں والدیہ کی جگہ والدہ ہے غرض یہ بیان کرنا ہے کہ دوسرے کے والدین کو گالی نہ نکالے کیونکہ ایسا کرے گا تو وہ دوسرا اس کے والدین کو گالی نکالے گا۔

باب اجابه دعاء من بر والديه

غرض والدین کی خدمت کی فضیلت بیان فرمانا ہے کہ جو ایسا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔**فادعوا اللّٰہ بھا:**. یعنی اپنے اعمال صالحہ کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو چنانچہ ان تین حضرات نے اپنے نیک عمل ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور وہ دعائیں قبول بھی ہوگئیں اس کو توسل بالاعمال کہتے ہیں اور یہ بالاجماع جائز ہے اسی حکم میں توسل بالذوات ہے کہ ہمیں فلاں بزرگ سے محبت ہے اور اولیاء اللہ تعالیٰ سے محبت عبادت ہے اور عبادت سے دعاء قبول ہوتی ہے اس مسئلہ کی مزید تفصیل استسقاء کے ابواب میں گزر چکی ہے۔**نابی الشجر:**. اس دن جس درخت کو میرے جانور کھا رہے تھے وہ دور تھا اس لئے میں دور چلا گیا گویا درخت نے مجھے دور کر دیا۔**یتضاغون:**. بچے روتے تھے اور تکلیف اٹھاتے تھے۔ **لاتفتح الخاتم:**. مہر کو نہ کھولو یہ کنایہ تھا کہ زنا کر کے میرا باکرہ ہونا ختم نہ کرو اور بکارت کا پردہ جو مہر کی طرح حفاظت کے لئے ہوتا ہے اس کو نہ توڑو۔**بفرق :**. اس میں راء کا فتحہ ہے ایک پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل چیز آتی ہے۔ **فخذ ذلک البقر**

وراعیها فاخذه فانطلق بها:. سوال۔لفظ بقر مذکر ہے اور اس کی طرف فاخذہ میں تو مذکر کی ضمیر لوٹ رہی ہے اور راعیھا اور فانطلق بھا میں مونث کی لوٹ رہی ہے۔ جواب۔ بتاویل شخص مذکر ہے اور بتاویل جماعت بقر ضمیر مونث کی بھی لوٹ سکتی ہے۔

باب عقوق الوالدین من الکبائر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ والدین کو تکلیف پہنچانا جس کو عقوق کہتے ہیں یہ ناجائز ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ **قاله ابن عمر:.** یہاں دو نسخے ہیں عین کا ضمہ تو روایت نسائی شریف میں اور عین کا فتحہ تو روایت آگے آئے گی بخاری شریف میں ہی کتاب الایمان والنذور میں۔ **ومنع وهات:.** جس چیز کا دینا واجب ہے وہ نہ دینا اور جس کا لینے کا حق نہیں بنتا وہ مانگنا کہ ھات یعنی دے دو۔

باب صله الوالد المشرک

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ ا۔ کافر والد کی خدمت مستحب ہے۔۲۔ کفار والد کی خدمت بھی واجب ہے۔

باب صله المراة امها ولها زوج

غرض یہ ہے کہ نکاح کے بعد بھی والدہ کی خدمت مستحب رہتی ہے۔

باب صله الاخ المشرک

غرض یہ ہے کہ مشرک بھائی سے اچھا سلوک کرنا بھی مستحب ہے۔

باب فضل صله الرحم

غرض یہ ہے کہ واجب صلہ رحمی کرنے کے بعد مستحب درجات کا لحاظ کرنا بہت ثواب ہے اور کم از کم صلہ رحمی ایک دوسرے کو سلام کرنا ہے پھر قدرت اور حاجت کے لحاظ سے درجات مختلف ہیں اور جو ادنی درجہ پر عمل کرلے اس کو قاطع رحم نہیں کہہ سکتے پھر ایسے رشتہ داروں کا مصداق کیا ہے۔ا۔ ذی رحم محرم۔۲۔ وارث یعنی جو کبھی نہ کبھی وارث بن سکتا ہو۔ **ذرها:** ا۔ اپنی اونٹنی کو چلنے کے لئے چھوڑ دو کیونکہ سائل اونٹنی پر سوار تھا اور اس کو جلدی تھی۔۲۔ میری اونٹنی کو چلنے کے لئے چھوڑ دو۔

باب اثم القاطع

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ قطع رحمی کبیرہ گناہ ہے۔

باب من سط له الرزق بصله الرحم

غرض یہ ہے کہ صلہ رحمی سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

باب من وصل وصله الله

صلہ رحمی کی فضیلت بیان کرنی ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے۔ **ان الرحم ثجنه من الرحمن:** یعنی رحم اور رحمٰن ایسے ہیں جیسے ایک دوسرے پر لپٹی ہوئی جڑیں ہوتی ہیں۔ یعنی رحم رحمٰن سے مشتق ہے اور ذی رحم ہونے کا تعلق رحمت کا اثر ہے۔ **ان ال ابی فلان قال عمرو فی کتاب محمد بن جعفر بیاض:.** یہاں تین نسخے ہیں۔ا۔ ان ال ابی ------ یہاں بیاض ہے یعنی خالی جگہ ہے۔۲۔ دوسرا نسخہ یہ ہے کہ ان ال ابی فلان۔۳۔ تیسرا نسخہ یوں ہے ان ال ابی یعنی فلان۔ تینوں میں سے جو نسخہ بھی لیں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مراد حکم بن ابی العاص ہیں۔ **لیسوا باولیائی انما ولی الله:.** دین کا درجہ رحم سے اونچا ہے اگرچہ رحم کا بھی حق ہے لیکن دین کے حق سے کم ہے۔ **ابلها ببلالها:.** یعنی میں صلہ رحمی کرتا ہوں یہی محل ترجمہ ہے کہ حدیث پاک میں صلہ رحمی کی تاکید ہے پس باب کی غرض صلہ رحمی کی تاکید والی حدیث کا بیان ہے۔

باب لیس الواصل بالمکافی

غرض اس حدیث کا بیان ہے کہ کوئی صلہ رحمی کرے اس کے بدلے میں صلہ رحمی کرنا کمال نہیں ہے بلکہ قطع رحمی کرنے والے سے صلہ رحمی کرنا کمال ہے۔

باب من وصل رحمه فی الشرک ثم اسلم

غرض اس شخص کا حکم بتانا ہے جو زمانہ کفر میں صلہ رحمی کرتا رہا پھر حکم جو نہیں بیان فرمایا اس کی وجہ کیا ہے۔ا۔ حدیث سے حکم معلوم ہوگیا۔۲۔ اختلاف کی وجہ سے حکم نہیں بیان فرمایا۔

باب من ترک صبیه غیره حتی تلعب به او قبلها اومازحها

غرض یہ ہے کہ شفقت کی وجہ سے ایسا کرنا مستحب ہے۔

فزبرنی ابی :. میرے والد صاحب نے مجھے ڈانٹا۔ **فبقیت حتی ذکر:.** لوگ اس کا تذکرہ کرتے رہے کیونکہ بہت عرصہ وہ کرتہ باقی رہا یہاں دوسرا نسخہ وکن بھی ہے کہ کرتہ پرانا ہونے کی وجہ سے کالا ہوگیا ادکن کے معنی کالا ہے۔

باب رحمه الولد وتقبيله ومعانقته

غرض یہ ہے کہ شفقت کے طور پر ایسا کرنا مستحب ہے۔

ریحا نتای :. میرا رزق ہیں یا میرے پھول ہیں۔

باب جعل الله الرحمه مائة جزء

باب کی غرض یہ ہے کہ اس حدیث پاک کو بیان فرمانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصوں میں سے صرف ایک حصہ کو دنیا میں بھیجا ہے اور اس کا یہ اثر ہے کہ گھوڑا بھی احتیاط سے چلتا ہے کہ اس کا پاؤں اس کے بچے پر نہ آجائے پھر گھوڑے کا خاص طور سے اس لئے ذکر فرمایا کہ گھوڑا چلنے میں بہت چست اور تیز ہوتا ہے اور اہل عرب گھوڑے کو دن رات دیکھتے رہتے تھے۔ بعض نسخوں میں یہاں باب بلا ترجمہ ہے اس صورت میں یہ تتمہ ہے ماقبل کا کہ اس حدیث میں بھی اولاد پر شفقت کا بیان ہے۔

باب قتل الولد خشيه ان يا كل معه

غرض یہ کہ ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

باب وضع الصبی فی الحجر

غرض یہ کہ ایسا کرنا بھی شفقت میں داخل ہے۔

باب وضع الصبی علی الفخذ

غرض یہ کہ ایسا کرنا بھی شفقت میں داخل ہے اور یہ باب گذشتہ باب سے اخص ہے کیونکہ گذشتہ باب میں دونوں رانوں پر بٹھانا تھا یہاں ایک ران پر بٹھانا مذکور ہے۔

باب حسن العهد من الايمان

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ نکاح کی وجہ سے جو محبت اور تعلق ہوتا ہے اس کے حقوق کا خیال کرنا کمال ایمان کی نشانی ہے اور اس باب میں اشارہ ہے مستدرک حاکم اور شعب الایمان للبیہقی کی روایت کی طرف عن عائشہ قالت جاءت عجوز الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کیف انتم کیف حالکم کیف کنتم بعدنا قالت بخیر بابی انت وامی یا رسول اللہ فلما خرجت قلت یا رسول اللہ تقبل علی ھذہ العجوز ھذا الاقبال یا عائشہ انھا کانت تاتینا زمان خدیجہ فان حسن العھد من الایمان۔

باب فضل من يعول يتيما

غرض اس شخص کا ثواب بتلانا ہے جو یتیم کی پرورش کرے۔

باب الساعی علی الارمله

غرض یہ ہے کہ جو بیوہ کا خیال رکھے اس کو بہت ثواب ہے۔

او کالذی یصوم النھار ویقوم اللیل یہ اوشک راوی ہے اور بعض نسخوں میں او کی جگہ واؤ ہے اس کی دو تقریریں ہیں۔ ا۔ لف ونشر مرتب ہے۔ ۲۔ دونوں کا ثواب ان دونوں کی طرح ہے۔

باب الساعی علی المسكين

غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ مسکین کا خیال رکھنا بہت ثواب ہے۔

باب رحمه الناس بالبهائم

غرض اس شخص کی فضیلت بیان فرمانا ہے جو جانوروں سے شفقت سے پیش آئے۔ **کان رقیقا رحیما:** یہی محل ترجمہ ہے کہ اجنبی آدمیوں پر رحم کرنا جیسے ثواب کا کام ہے ایسے یہ جانوروں پر رحم کرنا بھی ثواب کا کام ہے۔

باب الوصايا بالجار

غرض پڑوسی کا حق ادا کرنے کی تاکید کا بیان فرمانا ہے اور پڑوسی چالیس گھروں تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

باب اثم من لا يامن جاره بوائقه

غرض اس شخص کی مذمت ہے جس کی ایذاؤں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

عن ابی ھریرۃ:. مقصد یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ سے بھی یہی مضمون منقول ہے لیکن حضرت ابو شریح والی روایت کی سند اقوی تھی اس لئے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا۔

باب لا تحقرن جارة لجارتها

غرض پڑوسی کی اہمیت کا بیان ہے کہ کچھ نہ کچھ ہدیہ وقتاً فوقتاً

دیتے رہا کرو اگر چہ بکری کے پائے ہی کیوں نہ ہوں۔

باب من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یوذ جارہ

اس حدیث کا بیان کرنا یہی باب کی غرض ہے کیونکہ اس میں پڑوسی کے حق کی بہت تاکید ہے۔

باب حق الجوار فی قرب الابواب

غرض پڑوسیوں کی ترتیب کا بیان ہے کہ اس کا مدار دروازے کے قریب ہونے پر ہے کیونکہ قریب دروازے والے پڑوسی کو پتہ چل جاتا ہے کہ آج ان کے ہاں یہ یہ چیزیں آئی ہیں اس لئے اس کو انتظار ہوتا ہے کہ کچھ ہمیں بھی ملے گا۔

باب کل معروف صدقه

غرض ان الفاظ والی حدیث کا بیان ہے کہ حدیث پاک میں یہ الفاظ ثابت ہیں اور یہ مضمون بھی شریعت میں ثابت ہے۔

باب طیب الکلام

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ نرم کلام کرنا مستحب ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ادفع بالتی ھی احسن۔ **اشاح**: منہ پھیرا۔ اعراض فرمایا۔

باب الرفق فی الامر کله

غرض اس کی فضیلت بتلانی ہے کہ قول وفعل میں زیادہ آسان صورت کا اختیار کرنا فضیلت والا طرز ہے۔ **لاتزرموہ**: اس کو پیشاب کرنے سے نہ روکو۔

باب تعاون المومنین بعضهم بعضا

غرض یہ بتلانا ہے کہ مومنین کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا بہت فضیلت کا کام ہے وتعاونوا علی البرو التقوی۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ من یشفع شفاعة حسنه یکن له نصیب منها

غرض شفاعت کی فضیلت کا بیان ہے اور کسی کے لئے دعا کرنا یہ بھی شفاعت ہی میں داخل ہے۔

باب لم یکن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم فاحشا ولا متفحشا

ان دو لفظوں میں کیا فرق ہے۔ ا۔ حد سے نکلنے والا اور حد سے زیادہ نکلنے والا۔ ۲۔ طبعی طور پر حد سے نکلنے والا اور خود تکلف کر کے حد سے نکلنے والا اور غرض اور ربط یہ ہے کہ پیچھے شفاعت کی فضیلت تھی اس میں دوسرے کو راحت پہنچانے کا ذکر تھا اب یہ ذکر ہے کہ اگر دوسرے کو راحت نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم اس کو تکلیف تو نہ پہنچائے۔

باب حسن الخلق والسخاء وما یکرہ من البخل:۔

خوش خلقی اور سخاوت کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے اور بخل کی کراہت بیان کرنی مقصود ہے یہاں ما موصولہ ہے اور من تبعیضیہ ہے یعنی بعض صورتیں بخل کی جائز بھی ہیں اور وہ صورت بخل کی ہوتی ہے حقیقت میں بخل نہیں ہوتا۔

انه لبحر:۔ یہ سمندر کی طرح بہت زیادہ چلنے والا ہے۔

باب کیف یکون الرجل فی اهله

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ گھر میں آدمی کو کیسے رہنا چاہیے۔

باب المقه من اللّٰہ تعالیٰ

غرض یہ بتلانا ہے کہ اولیاء اللہ سے محبت لوگوں کے دلوں میں کیسے آتی ہے حق تعالیٰ ہمیں بھی اپنی ولایت اور محبت کا ایک ذرہ نصیب فرماویں۔ آمین۔

باب الحب فی اللّٰہ

غرض حب فی اللہ کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ یایها الذین آمنو الا یسخر قوم من قوم

غرض یہ ہے کہ کسی کو حقیر سمجھنا بہت برا ہے۔ **مما یخرج من الانفس**:۔ اس سے مراد ہوا ہے جو انسان کے بدن سے خارج ہوتی ہے یعنی اس پر نہ ہنسا کرو۔ **ضرب الفحل**:۔ یہ اضافت مفعول کی طرف ہے کہ جیسے نر جانور کو مار لیتے ہو بیوی کو اس طرح نہ مارو۔

باب ما ینهی عن السباب و اللعن

غرض ان دونوں کی مذمت ہے۔ **وقتا له کفر**: ا۔ ناشکری ۲۔ اگر مسلمان سے لڑنے کو جائز سمجھے گا تو یہ کفر ہے۔ گویا قتل مومن کو حلال سمجھا۔ **ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلک**:. ا۔ اس صورت میں فوراً مرتد شمار ہوتا ہے۔ ۲۔ اگر بطور گالی کے یا بطور مذاق کے کہے تو مرتد شمار نہ ہوگا اور اگر سنجیدگی سے کہے تو کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ ۳۔ فاسق قریب بکفر ہوتا ہے مرتد کسی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔ ۴۔ اگر بلا ضرورت شرعیہ کسی کو کافر کہتا ہے تو اس کہنے والے کو برے خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ **کان بنبی وبنی رجل کلام**:. یہاں رجل سے مراد حضرت بلال موذن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی والدہ کا نام حمامہ تھا اس نام سے حضرت ابوذر نے عار دلائی تھی۔ **قلت علی حین ساعتی هذه من کبر سنی**:. میں نے عرض کیا ہے کہ میں تو بڑی عمر کا ہوں پھر بھی مجھ میں جاہلیت ہے۔

باب مایجوز من ذکر الناس نحو قولهم الطویل و القصیر

غرض یہ ہے کہ چھوٹے بڑے ہونے کا لقب صرف تعریف وتعین کے لئے ذکر کرے تو جائز ہے جیسے ذوالیدین ہے بطور تحقیر جائز نہیں ہے۔

ومالا یرادبه شین الرجل:. عیب لگانا مقصود نہ ہو۔

باب العیبه:. غرض یہ بتلانا ہے کہ غیبت حرام ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم خیر دور الانصار

غرض یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کو دوسروں کی غیبت نہیں کہہ سکتے کہ ایک کی جو تعریف کی ہے اس سے لازم آ گیا کہ باقی سب کی غیبت کر دی ہے۔

باب مایجوز من اغتیاب اهل الفساد و الریب

یہ ریب جمع ہے ریبہ کی اس کے معنی شک اور تہمت کے ہیں غرض یہ ہے کہ فسادی آدمی کی غیبت ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔

باب النمیمه من الکبائر

غرض یہ بتلانا ہے کہ چغلی کھانا کبیرہ گناہ ہے نمیمہ کے معنی ہیں نقل الحدیث علی جهة الفساد کہ کسی کی بات نقل کرنا تاکہ لڑائی اور فساد ہو۔

باب مایکره من النمیمه

غرض یہ ہے کہ چغل خوری کی بعض صورتیں جائز ہیں جیسے مسلمانوں کا جاسوس کافروں کے حالت معلوم کر کے آ کر بتلاتا ہے اس لئے ما موصولہ اور من تبعیضیہ ہے ھمزہ غائبانہ عیب بیان کرنے والا۔ لمزہ حاضر کے غیب بیان کرنے والا۔

باب قول الله تعالیٰ و اجتنبوا قول الزور

غرض جھوٹ کی مذمت ہے اور ربط یہ ہے کہ چغلی بعض دفعہ جھوٹی ہوتی ہے۔

باب ما قیل فی ذی الوجهین

ایسے شخص کی مذمت مقصود ہے جو ایک طرف کچھ کہے دوسری طرف کچھ اور کہے اور ربط یہ ہے کہ یہ بھی چغلی کی ایک قسم ہے۔

باب من اخبر صاحبه بما یقال فیه

غرض یہ ہے کہ خیر خواہی کے طور پر غیبت نقل کرنی جائز ہے ورنہ نہیں۔

باب مایکره من التمادح

ا۔ غرض یہ ہے کہ مدح میں مبالغہ کرنا منع ہے۔ ۲۔ غرض یہ ہے کہ دو شخصوں میں سے ہر ایک دوسرے کی مدح کرے یہ بھی اچھا نہیں۔ من تراحاجی بگویم تو مراحاجی بگو+ وحسیبه الله۔ ا۔ معترضہ ہے۔ ۲۔ گذشتہ قول کا تتمہ ہے کہ یہ بھی کہے کہ پورا حساب اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

باب من اثنی علی اخیه بما یعلم

یہ باب گذشتہ باب سے استثناء ہے کہ اگر کوئی اچھی صفت جانتا ہو تو اس کا بیان کر دینا جائز ہے دو شرطوں کے ساتھ ا۔ حد سے نہ گزرے۔ ۲۔ جس کی مدح کر رہا ہے اس میں خود بینی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ **الا لعبد الله بن سلام** حضرت سعد بن ابی وقاص فرما رہے ہیں کہ میں نے صرف حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں ہی سنا ہے کہ ان کو نبی پاک ﷺ نے دنیا میں ہی جنت

کی بشارت دے دی تھی۔ حضرت سعد کے علاوہ دوسرے حضرات نے اوروں کے متعلق بھی ایسی بشارتیں نقل فرمائی ہیں۔

باب قول الله تعالیٰ ان الله یا مر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی و ینهی عن الفحشاء و المنکر والبغی

غرض کیا ہے۔ا-کسی مسلم کو یا کافر کو تکلیف پہنچانا منع ہے۔ ۲-معاف کرنا اور بدلہ نہ لینا اولیٰ ہے اور اس پر لفظ احسان دلالت کرتا ہے۔

باب ماینهی عن التحاسد والتدابر

حسد اور اعراض کی مذمت مقصود ہے۔

باب یایها الذین آمنو اجتنبوا کثیرا من الظن

غرض بدظنی کی مذمت ہے۔ **ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنا جشوا:** تحسس حاء مہملہ کے ساتھ اس کے معنی ہیں کان سے چھپ کر کسی کی بات سننا اور تجسس بالجیم کے معنی عام ہیں کان سے یا آنکھ وغیرہ سے دوسرے کے حالات چھپ کر معلوم کرنا اور تناجش کے معنی ہیں گاہک کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹا گاہک بنانا۔

باب مایکون من الظن

غرض یہ ہے کہ بعض دفعہ ضرورت کی وجہ سے کچھ بدگمانی مجبوراً کرنی پڑتی ہے اس کی گنجائش ہے۔

باب سترالمومن علی نفسه

اپنے گناہوں کا اظہار بلا اضطرار نہ ہونا چاہئے۔ اضطرار کی صورت یہ ہے کہ علاج کے لئے مصلح سے ذکر کرے۔ **کل امتی معافی الا المجاهرین:** اعلانیہ گناہ کرنے والے۔ **المجانته:.** لاپرواہی۔ **النجوی:.** قیامت کے دن سرگوشی کے متعلق تم نے کیا حدیث سنی ہے۔ **باب الکبر:.** تکبر کی مذمت مقصود ہے۔ **ضعیف:.** کمزور حال والا۔ **متضاعف:.** متواضع۔ مقصد یہ ہے کہ زیادہ اہل جنت کمزور اور متواضع ہی ہوں گے۔ **الا اخبر کم باهل النار:.** یعنی زیادہ دوزخی کیسے ہوں گے۔ **عتل:.** فخر کرنے والا۔ **جواظ:.** اکڑ کر چلنے والا۔ **باب الهجرة:.** ملاقات کے وقت منہ پھیر لینے کی مذمت مقصود ہے۔

باب مایجوز من الهجران لمن عصی

یہ باب گذشتہ باب سے استثناء ہے کہ نامناسب کام کرنے والے کو کچھ نہ کچھ چھوڑ دینا بھی جائز ہے اور اس کی چند قسمیں ہیں۔ا-بعض دفعہ سلام وکلام چھوڑا جاتا ہے جیسے حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو چھوڑا تھا۔۲-سب تعلقات ختم کر دیئے جائیں جیسے حضرت کعب بن مالک سے کیا گیا۔۳-خصوصی انبساط ختم کیا جائے جیسے حضرت عائشہؓ نبی پاک ﷺ کا نام نامی قسم میں لینا چھوڑ دیتی تھیں۔

باب هل یزور صاحبه کل یوم اوبکرة وعشیه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے اور حدیث زرغبا تزدد حبا امام بخاری کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

باب الزیارة: غرض یہ ہے کہ احباب کو ملنے جانا بھی جائز ہے۔

باب من تجمل للوفود

غرض یہ ہے کہ مہمان کے اکرام کے لئے اچھا لباس پہننا جائز ہے۔

باب الاخاء والحلف

غرض یہ ہے کہ اسلام کے معاہدہ کے ساتھ مزید معاہدہ بھی جائز ہے اور جو حدیث شریف میں ہے لا حلف فی الاسلام اس سے مراد ایسا معاہدہ ہے جس میں ظالم کی اس کے ظلم میں امداد کی جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں معاہدہ کر لیتے تھے۔

باب التبسم والضحک

غرض یہ ہے کہ مسکرانا اور تھوڑا ہنسنا جائز ہے البتہ قہقہہ کے متعلق مروی ہے انہ ما قہقہہ نبی قط افظ سخت اغلظ غصہ والا ایہ یہ کلمہ تائید کیلئے آتا ہے یعنی ٹھیک تو ہے اے ابن خطاب۔ **فجا:.** راستہ۔ **حدثنا سفیان کله بالخبر:.** یعنی حضرت سفیان بن عیینہ نے یہ روایت عن کی جگہ خبر کے لفظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ **مشاعب:.** یہ جمع ہے مشعب کی بمعنی میل پانی بہنے کی جگہ۔

باب قول الله تعالیٰ یایها الذین امنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین

غرض صدق کی مدح ہے۔

باب فی الهدی الصالح

اچھے طریقہ کی مدح کرنی مقصود ہے ولا وسمتا وھدیا دل کے معنی ہیں چال ڈھال اور سمت کے معنی ہیں حسن منظر یعنی شکل و صورت اور ھدی کے معنی ہیں اخلاق۔ **لابن ام عبد:** اس کا مصداق حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔

باب الصبر علی الاذی

غرض معاف کرنے کی فضیلت بیان کرنا ہے۔

باب من لم یواجه الناس بالعتاب

غرض حیاء کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب من کفر اخاه بغیر تاویل فهو کما قال

غرض یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی کو بلا عذر اور بلا دلیل کافر کہہ دے تو اس کا وبال اسی کہنے والے پر آتا ہے حضرت عمرؓ نے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو منافق فرمادیا تھا تو یہ عذر پر مبنی تھا۔

باب من لم یرا کفار من قال ذلک متاولا او جاهلا

یہ باب گذشتہ باب سے استثناء ہے کہ حضرت عمرؓ کا فعل دلیل پر مبنی تھا۔

باب مایجوز من الغضب والشدة لامر الله

غرض یہ ہے کہ دین کے خلاف بات دیکھ کر غصہ ظاہر کرنا جائز ہے۔ نبی پاک ﷺ کی نرمی اپنے ذاتی کاموں میں تھی۔
محصفه: کھجور کی شاخوں والا۔

باب الحذر من الغضب

غرض یہ بتلانا ہے کہ اپنی ذات کے لئے غصہ کرنے سے بچنا چاہئے۔ **باب الحیاء:** حیاء کی مدح مقصود ہے۔

باب اذالم تستحی فاصنع ماشئت

غرض اس حدیث کا بیان ہے کہ یہ حدیث اور اس کا مضمون ثابت ہے اور اس میں حیاء کی بہت فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

باب مالا یستحی من الحق للتفقه فی الدین

غرض یہ ہے کہ شرم دینی ضرورت میں رکاوٹ نہ بننی چاہئے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم یسروا ولا تعسروا

غرض اس حدیث کو اور اس کے مضمون کو بیان کرنا ہے۔

باب الانبساط الی الناس

غرض یہ ہے کہ لوگوں سے خوش طبعی کرنا بھی جائز ہے۔
ودینک لا یکلمنه: ۱- یہ لفظ دینک منصوب ہے علی شریطة التفسیر۔ ۲- مبتدا ہے اور مرفوع ہے معنی یہی ہیں کہ لوگوں سے اتنا زیادہ میل جول نہ کرو کہ یہ میل جول دین کو زخمی کردے۔
والد عابته مع الاهل: گھر والوں سے خوش طبعی بھی مستحسن ہے حدود شرعیہ کے اندر رہ کر۔ **ینقمعن منه فیسر بهن الی:** میری سہیلیاں نبی پاک ﷺ کو آتے دیکھ کر چھپ جاتی تھیں تو نبی پاک ﷺ ان کو میری طرف بھیجتے تھے یعنی اجازت دیتے تھے کہ کوئی بات نہیں عائشہ سے کھیل لو۔

باب المداراة مع الناس

غرض مدارات کی مدح ہے کہ دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی دنیا کا کچھ نقصان کرلے اس کے مقابلہ میں مداھنت ہوتی ہے کہ دوسرے کی دنیا کی وجہ سے اپنے دین کا نقصان کرلے یہ جائز نہیں ہے۔
لنکشر: ہم دانت نکالتے ہیں یعنی زیادہ ہنسی کرتے ہیں۔
وکان فی خلقه شی: نبی پاک ﷺ کے اخلاق مبارکہ میں کچھ تھا یعنی خوش طبعی تھی۔

باب لایلدغ المومن من جحر مرتین

غرض اس حدیث پاک کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔

باب حق الضیف

غرض یہ ہے کہ مہمان کے حق کا خیال رکھنا مسنون ہے۔
وانک عسی ان یطول بک عمر: کہ

شاید تیری عمر لمبی ہو اور تو کمزور ہو جائے اور زیادہ عبادت نہ کر سکے اس لئے اتنی عبادت ہی کرو جس کو ساری عمر نبھا سکو۔

باب اکرام الضیف و خدمته ایاه بنفسه

غرض یہ کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔ **فان لم یفعلوا فخذوا مهم حق الضیف:** ۱- مر رہا ہو تو جان بچانے کے لئے کھانا بلا اجازت کھالے پھر بعد میں قیمت دے دے۔ ۲- یہ اس زمانہ کا حکم ہے جبکہ ضیافت واجب تھی پھر منع ہوئی پھر مباح قرار دی گئی۔

باب صنع الطعام و التکلف للضیف

غرض یہ ہے کہ مہمان کے لئے پر تکلف کھانا تیار کرنا مسنون ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کے لئے بچھڑہ ذبح فرمایا۔

باب مایکره من الغضب و الجزع عند الضیف

غرض یہ ہے کہ غصہ اور گھبراہٹ کا اظہار مہمان کے پاس مکروہ ہے کیونکہ اس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اسی لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے اس غصہ کا تدارک فرمایا اور قسم کو توڑ کر مہمانوں کیساتھ کھانا کھایا للنلقین منہ مفعول محذوف ہے الاذی کہ اگر تم نے کھانا نہ کھایا تو ابا جان آ کر ناراض ہوں گے۔ **یاغنثر:** اے جاہل الاولی للشیطان۔ ۱- الحالۃ الاولی لاجل الشیطان۔ ۲- الکلمہ الاولی ای القسمیہ من الشیطان۔ ۳- اللقمہ الاولی لترغیم الشیطان۔

باب قول الضیف لصاحبه والله لااکل حتی تاکل

غرض یہ ہے کہ مہمان اگر ناز سے کوئی قسم کھالے تو میزبان کو اس پر صبر کرنا چاہئے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے صبر فرمایا فیہ حدیث ابی جحیفہ اس سے مراد حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداوالی حدیث ہے جو عنقریب گزر چکی ہے۔ **جدع:** فرمایا اے کان کٹے۔ **یاغنثر:** اے جاہل۔

باب اکرام الکبیر و یبدا الاکبر بالکلام و السوال

غرض یہ ہے کہ دو آدمی اگر باقی صفات میں برابر ہوں تو پھر عمر کا زیادہ ہونا فضیلت کا سبب ہوتا ہے اس لئے ایسے موقعہ میں بڑی عمر والے کو گفتگو شروع کرنے کا موقع دینا چاہئے۔

باب مایجوز من الشعر و الرجز و الحداء و مایکره منه

غرض اچھے اور برے شعروں کا بیان ہے اور حداء ان شعروں کو کہتے ہیں جن کو سن کر اونٹ مست ہو جاتے تھے اور خوب چلتے تھے۔ **فاغفر فداء لک ماافتفینا:** ۱- ہم اس وقت تک فداء ہیں جب تک ہم آپ کا اتباع کر رہے ہیں یعنی فداء بھی ہیں اور اتباع بھی کر رہے ہیں۔ ۲- ماافتفینا یہ مفعول ہے فاغفر کا کہ ہم جن باتوں میں شیطان کے پیچھے لگ چکے ہیں ان کو معاف فرمادیں۔ **شاحبا:** رنگ بدلا ہوا تھا۔ **قل عربی نشابها مثله:** اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ **ویحک یا انجشه رویدک سوقا بالقواریر:** ۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کالے رنگ کا غلام تھا وہ بہت اچھی آواز والا تھا حجۃ الوداع کے موقعہ پر اونٹنی چلا رہا تھا اس اونٹنی پر حضرت ام سلیم اور ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس غلام کی آواز سے وہ اونٹنی بہت تیز بھاگتی تھی اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام سے فرمایا کہ اونٹنی کو آہستہ چلاتا کہ شیشے جیسی نازک عورتوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ ۲- مقصد یہ تھا کہ تو شعر بالکل نہ پڑھ ایسا نہ ہو کہ تیری اچھی آواز کی وجہ سے عورتیں فتنہ میں پڑیں جیسے شیشہ جلدی ٹوٹ جاتا ہے ایسے ہی عورتیں جلدی فتنہ میں پڑ جاتی ہیں۔

باب هجاء المشرکین

غرض یہ ہے کہ مشرکین کی مذمت کے لئے شعر کہنا مستحب ہے۔

باب مایکره ان یکون الغالب علی الانسان الشعر

غرض یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے کہ انسان پر اشعار کا غلبہ ہو جائے۔

حتی یریه: ۱- وری یری سے ہے پیٹ کی بیماری والا ہوا۔ ۲- وری القیح اکلہ۔ پیپ کو بہت کھالیا۔

باب قول النبی صلی الله علیه و سلم

تربت یمینک و عقری حلقی

غرض یہ ہے کہ ان الفاظ کا اوران جیسے الفاظ کا استعمال جائز ہے۔ تربت یمینک کے اصلی معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ تو غریب ہو جائے لیکن زیادہ ترشوق دلانے کے لئے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں اورعقری کے معنی ہیں خدا تجھے کاٹ دے تقدیر عبارت یوں ہے عقرک اللہ عقری وعقراً اور حلقی کے اصل معنی ہیں تیرے حلق کو تکلیف پہنچے لیکن یہ دونوں لفظ عقری اور حلقی زیادہ تر تعجب کے موقعہ میں استعمال ہوتے ہیں کبھی کبھی ایذاء پہنچانے والی عورت کو بھی کہہ دیتے ہیں جبکہ وہ منحوس بھی شمار کی جائے۔

باب ماجاء فی زعموا

ایک حدیث پاک میں آیا ہے بئس مطیہ الرجل زعموا اور اس کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ا۔ کہ بلا تحقیق بات نہ کرنی چاہئے یہ نہ کرے کہ سنی سنائی بات آگے نقل کردے ان لفظوں کے ساتھ زعم فلان بلکہ پہلے تحقیق کرے پھر آگے بیان کرے۔ ۲۔ کسی کی بات کی فوراً تردید نہ کردے بلا دلیل اور فوراً یوں نہ کہہ دے زعم فلان کہ فلاں نے جھوٹ کہا ہے بلکہ پوری تحقیق کرے اگر واقعی جھوٹی ہوتو کہے زعم فلان اور یہ کہہ کر اب اس کی تردید کرے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ لیکن امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس لئے ان کا مقصد اس باب سے صرف یہ ہے کہ لفظ زعم قول کے معنی میں تحقیق کے موقع میں استعمال کرنا جائز ہے اور جب حقیقت حال معلوم نہ ہوتو پھر زعم کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

باب ماجاء فی قول الرجل ویلک

غرض یہ ہے کہ یہ لفظ تنبیہ کے موقعہ میں استعمال کرنا جائز ہے اگرچہ اصل معنی دو آتے ہیں۔ ا۔ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ ۲۔ ہلاکت کے معنی میں ہے۔ **قال لا:.** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قتل کرنے سے حضرت عمر کو منع فرمایا یہ منع فرمانا وحی کی وجہ سے تھا ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح گستاخی کرنے والے کا قتل جائز ہے۔ **رصافه:.** وہ کپڑے جو لکڑی پر لپیٹ کر اوپر تیر کا پھل یعنی تیز حصہ لوہے کا چڑھایا جاتا ہے۔ **نضبه:.** تیر کی لکڑی۔ **قذذه:.** تیر کے پیچھے جو پر ہوتے ہیں۔ **تدر در:.** حرکت کرتا ہو اصل میں تھا تتدردر ایک تاء کو حذف کردیا گیا۔ **فاعمل من وراء البحار:.** یہ جمع ہے بحرۃ کی سمندر کی طرح بڑی بستی مقصد یہ ہے کہ اپنے وطن میں رہ کر اعمال صالحہ کرو۔ **ان اخر هذا فلن یدرکه الهرم حتی تقوم الساعه:.**

ا۔ غرض یہ بیان فرمانا ہے کہ قیامت بہت قریب ہے گویا کہ اس بچے کے بوڑھا ہونے سے پہلے ہی آسکتی ہے یہ صرف کمال قرب کا بیان ہے تحدید مقصود نہیں کہ پچاس ساٹھ سال کے اندر ضرور قیامت آجائے گی۔ ۲۔ اگر قیامت دس ہزار سال کے بعد بھی آئے تو بڑھاپے کے پورا پورا پکڑنے سے پہلے ہی آجائے گی کیونکہ بڑھاپے کی بھی کوئی حد نہیں اور بڑھاپے کے پورا پورا پکڑنے کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ ۳۔ ساعت سے مراد اس صدی کی موت کی ساعت ہے یعنی اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے یہ بچہ بوڑھا نہ ہوگا یعنی تکڑا رہے گا زیادہ کمزور نہ ہوگا۔ ۴۔ ساعت سے مراد مخاطبین کی موت کی ساعت ہے یعنی مخاطبین کی موت تک یہ بچہ زیادہ کمزور نہ ہوگا۔ ۵۔ وحی سے بیان فرمایا کہ یہ بچہ بوڑھا نہ ہوگا بلکہ بڑھاپے تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہوجائے گا۔

باب علامه حب الله عزوجل

غرض یہ بتلانا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کی علامت اتباع سنت ہے جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں صراحۃً منقول ہے **قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ولم یلحق بهم** یعنی اعمال میں اور فضیلت میں ان کے برابر نہیں ہے۔

باب قول الرجل للرجل اخساء

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے موقعہ میں یہ کلمہ استعمال کرنا بھی جائز ہے اصل وضع اس کلمہ کی کتے کو ڈانٹنے اور دور کرنے کے لئے ہے پھر ہر برے قول وفعل میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے واقعہ میں نقل فرمایا ہے انہوں نے طویل عرصہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا پھر خواب یا کشف میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا

کہ ہندوستان جا کر ہماری حدیث پھیلاؤ لیکن وہاں درویشوں پر سختی نہ کرنا عرض کیا کہ آپ سے دور ہو جاؤں گا فرمایا نہیں دور نہ ہو گے چنانچہ تقریباً ہر رات زیارت ہوتی تھی خواب میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ درویشوں سے ملتے رہتے تھے ایک درویش نے شراب پینے کی دعوت دی اور کہا کہ نہ پیؤ گے تو پچھتاؤ گے فرمایا شریعت پر عمل کرنے والا پچھتایا نہیں کرتا اس رات خواب میں دیکھا کہ وہی درویش ایک بلڈنگ کے دروازے پر کھڑا ہے اس بلڈنگ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس درویش نے اندر نہ جانے دیا اگلے دن پھر اسے ملنے گئے تو درویش نے کہا کہ دیکھا رات کیا ہوا فرمایا اگرچہ رویت نہ ہوئی لیکن رضا تو حاصل ہے اور رضاء کا مقام رویت سے اونچا ہے اگلی رات پھر اسی طرح ہوا تیسری رات اندر سے آواز آئی کہ دو دن سے عبدالحق ہمیں ملنے کیوں نہیں آیا؟ انہوں نے باہر سے چیخ کر عرض کیا کہ یہ درویش اندر آنے نہیں دیتا اس پر فرمایا اخسایا کلب وہ کتا بن کر ہٹ گیا اور ان کو زیارت نصیب ہوگئی اگلے دن ملنے گئے تو پتہ چلا کہ وہ درویش بیداری میں بھی کتا ہی بن کر یہاں سے چلا گیا ہے۔ **فرضه:.** دھکا دیا جس سے وہ گر گیا۔ **ان یکن هو لا تسلط علیه:.** یہ شق اول وحی سے امر تکوینی کا ذکر ہے کہ اگر یہ دجال ہے تو تم اس کو قتل نہ کر سکو گے۔ **وان لم یکن هو فلاخیر لک فی قتله:.** یہ شق ثانی ظاہری طور پر حکم شرعی ہے کہ یہ نابالغ بچہ ہے اور ذمی ہے تمہارے لئے اس کا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ **وهو یختتل:.** چھپ رہے تھے۔ **رمرمه او زمزمه:.** شک راوی ہے ہلکی آواز تفصیل شروع کتاب میں گزر چکی۔ **فتناهی:.** وہ ابن صیاد گنگنانے سے رک گیا۔

باب قول الرجل مرحباً

غرض یہ ہے کہ ان لفظوں سے کسی کو خوش آمدید کہنا جائز ہے۔

باب مایدعی الناس بآباءهم

غرض اس شخص کا رد ہے جس نے کہہ دیا کہ قیامت کے دن ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا تاکہ ولد الزنا کی پردہ پوشی رہے۔

باب لایقل خبثت نفسی

غرض یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ مومن اپنے نفس کا احترام کرے اور خبثت نفسی نہ کہے لقست نفسی کہے معنی دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے پہلا لفظ ذرا سخت ہے۔

باب لاتسبوا الدهر

غرض یہ ہے کہ دھر اور زمانہ کو گالی دینا منع ہے اور یہ الفاظ حدیث میں ثابت ہیں اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً وارد ہوئے ہیں لاتسبوا الدھر فان اللہ ھوالدھر معنی یہ ہیں کہ تم زمانہ کو فاعل حوادث کا مان کر گالیاں دیتے ہو حوادث کے خالق تو اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے یہ گالیاں اللہ تعالیٰ کو جاتی ہیں۔ **انا الدهر:** تقدیر عبارت کیا ہے۔ ۱- انا مالک الدھر ومصرف الدھر۔ ۲- انا المدبر۔ **ولا تقولوا خیبة الدهر:.** ۱- مصیبت کے وقت پکارتے تھے خیبہ الدھر گویا دھر گم ہو گیا اس کو پکارتے تھے۔ ۲- دھر کے لئے بددعا کرتے تھے کہ اے دہر کی ناکامی تو آ جا حرف ندا محذوف ہوتا تھا۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم انما الکرم قلب المومن

غرض یہ ہے کہ لفظ کرم بہتر ہے کہ انگور کی بیل کے لئے نہ استعمال کیا جائے کیونکہ یہ تو قلب مومن کی صفت ہے پھر یہاں حصر ادعائی ہے مبالغہ کے لئے ہے حقیقی نہیں ہے پھر امام بخاری نے حصر ادعائی کی تین مثالیں دیں۔ ۱- **انما المفلس الذی یفلس یوم القیامه.** ۲- **انما الصرعه الذی یملک نفسه عن الغضب.** ۳- **لاملک الا الله.**

باب قول الرجل فداک ابی وامی

غرض یہ ہے کہ کسی کی تعظیم کرتے ہوئے یہ لفظ کہنے بھی جائز ہیں۔ **فیه الزبیر:.** یعنی حضرت زبیر کے مناقب میں یہ حدیث گزر چکی ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے فرمایا تھا۔ فداک ابی وامی۔

باب قول الرجل جعل الله فداک

غرض یہ ہے کہ اس طرح کہنا جائز ہے۔ **فدیناک بابائنا**

وامهاتنا:. یہ عبارت ہجرت والی حدیث میں گزر چکی ہے۔ **فصرع النبی صلی الله علیه وسلم:.** اونٹنی سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم گر پڑے۔ **اقتحم:.** اترے۔ **فقصد قصدها:.** حضرت صفیہ کا قصد کیا حضرت ابوطلحہ نے۔**فالقی ثبه علیها:.** پہلے اپنے چہرے پر کپڑا ڈالا پھر وہی کپڑا حضرت صفیہ کے چہرے پر ڈالا۔

باب احب الاسماء الی الله عزوجل

بعض نسخوں میں اس کے بعد یہ بھی ترجمۃ الباب میں ہے وقول الرجل لصاحبه یانبی اس صورت میں دو مسئلے بتلانے مقصود ہیں۔۱- سب سے اچھا نام کیا ہے۔۲- یا نبی کہنا جائز ہے۔**ولا کرامه:.** ہم تمہیں اتنی عزت نہ دیں گے کہ تم نام کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بن جاؤ اس لئے تمہیں ابوالقاسم نہیں پکاریں گے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم سموا باسمی ولا تکتنو ابکنیتی

غرض اس حدیث کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔اس مسئلہ میں چار اہم قول ہیں۔۱-کنیت ابوالقاسم جائز نہیں ہے البتہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر محمد نام رکھنا جائز ہے۔۲-دونوں کو صرف جمع کرنا منع ہے اکیلے اکیلے دونوں ٹھیک ہیں۔۳-جمع کرنا بھی جائز ہے۔۴- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف کنیت منع تھی اب بعد میں کچھ منع نہیں ہے اور یہی قول راجح ہے۔

باب اسم الحزن

غرض یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ قبیح نام بدل دیا جائے۔ **الحزونه:** تسہیل کی ضد ہے سختی اور تکلیف۔

باب تحویل الاسم الی اسم احسن منه

یہ تعمیم بعد التخصیص ہے۔ **فلها النبی صلی الله علیه وسلم بشی بین یدیه:.** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز میں مشغول ہو گئے جو سامنے پڑی تھی۔ **فاستفاق:.** بچے کا خیال آیا۔ **من سمی باسماء الانبیاء:.** غرض اس شخص کا رد ہے جو انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھنے کو مکروہ کہتا ہے اور اس کراہت کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرتا ہے کہ وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے ہماری جمہور کی دلیل تو اسی باب کی روایت ہے عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً سموا باسمی اس قائل کی دلیل طبرانی کی روایت ہے عن انس مرفوعاً تسمون اولادکم محمداثم تلعنوهم اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی ہے حکم اس کو ابوالولید نے ضعیف قرار دیا ہے۔ **ولوقضی ان یکون بعد محمد نبی عاش ابنه ولکن لانبی بعده:.** غلام احمد کو نبی کہنے والے قادیانی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبوت کا احتمال تو ثابت ہوا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال ایسا ہی ہے جیسے اس آیات مبارکہ میں دو خداؤں کا احتمال مذکور ہے **لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا** یعنی یہ احتمال صرف باطل ہونے کا ہے۔

باب تسمیه الولید

اس روایت کا رد مقصود ہے جو طبرانی میں ہے عن ابن مسعود نہی رسول اللہ علیہ وسلم ان یسمی الرجل عبده او ولده حربا او مرة او ولیدا وجہ رد کی یہ ہے کہ یہ روایت نہایت ضعیف ہے۔

باب من دعا صاحبه فنقص من اسمه حرفا

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

باب الکنیه للصبی و قبل ان یولد للرجل

غرض یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے سوال یہ تو جھوٹ ہے جواب نیک فال اور امید کے درجہ میں ایسا کیا جاتا ہے۔

باب ابغض الاسماء الی الله

غرض برے ناموں کا بیان ہے۔ **اخنا الاسماء :.** سب سے زیادہ ذلت والا۔

باب کنیه المشرک

غرض یہ ہے کہ کسی کافر کو بھی کنیت کے ساتھ ذکر کر دینا جائز ہے اگر چہ اصل تو کنیت تکریماً ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی صرف تحسین

...... کی نیت سے کافر کے لئے استعمال کرنی بھی جائز ہے۔

ضحضاح: ہلکا حصہ جہنم کا۔

باب المعاریض مندوحه عن الکذب

یہ لفظ معاریض جمع ہے معراض کی بمعنی تعریض۔ غرض یہ ہے کہ تعریض میں وسعت اور گنجائش ہے کیونکہ یہ جھوٹ سے بچانے والی ہے اور یہ بات حضرت عمرؓ کے قول سے ماخوذ ہے جو طبرانی میں ہے ان فی المعاریض لمندوحہ عن الکذب اور ابن ابی عدی نے حضرت قتادہ سے مرفوعاً یہی نقل کر کے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

باب قول الرجل للشی لیس بشیٔ وهو ینوی انه لیس بحق

غرض یہ ہے کہ اس قسم کا قول جھوٹ نہیں ہے کیونکہ اس نے ایسے معنی کا ارادہ کیا ہے جس میں وہ سچا ہے۔

باب رفع البصر الی السماء

غرض اس شخص کا رد ہے جس نے کہہ دیا کہ آسمان کی طرف دیکھنا ہمیشہ منع ہے۔ امام بخاری فرمانا چاہتے ہیں کہ صرف نماز میں اوپر دیکھنا منع ہے دلیل یہ آیت ہے قد نری تقلب وجهک فی السماء۔

باب من نکت العود فی الماء والطین

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا وقار کے خلاف نہیں ہے۔

باب الرجل ینکت الشی بیده فی الارض

غرض یہ ہے کہ تفکر کے وقت ایسا کرنا جائز ہے۔

باب التکبیر والتسبیح عند التعجب

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا۔ مستحب ہے تا کہ زبان کو ذکر اللہ کی مشق ہو جائے اور اس میں رد بھی ہے اس شخص کا جس نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔

باب کا سیه فی الدنیا عاریه فی الاخرة

ا۔ غیر مردوں کے سامنے پتلے کپڑے پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگا ہونے کی سزا پائیں گی۔ ۲۔ بہت سی کپڑے پہننے والی عمل کے لحاظ سے ننگی ہوتی ہیں۔ مزید تفصیل اس حدیث کی شروع کتاب میں گزر چکی ہے۔

باب الخذف:

غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ کیونکہ کنکریوں سے کھیلنے میں کسی کو لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

باب الحمد للعاطس

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مسنون ہے کیوں۔ ا۔ کیونکہ یہ علامت ہے دماغ کے ٹھیک ہونے کی کیونکہ مجنون کو چھینک نہیں آتی۔ ۲۔ چھینک سے دماغ کی تکلیف دور ہوتی ہے۔

باب تشمیت العاطس اذا حمد الله

غرض یہ مسئلہ بتانا ہے کہ چھینکنے والا اگر الحمد للہ کہے تو سننے والے پر یرحمک اللہ کہنا واجب ہوتا ہے۔ وجوب کی تصریح اس لئے نہ کی کہ حدیث میں صراحۃ وجوب کا ذکر ہے۔

باب مایستحب من العطاس وما یکره من التثاؤب

غرض یہ بیان کرنا کہ چھینک اچھی ہے اور جمائی اچھی نہیں ہے۔ چھینک کی تفصیل تو گزر چکی جمائی کے اچھا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ا۔ سستی اور غفلت کی علامت ہے۔ ۲۔ شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ ۳۔ کسی نبی سے یہ ثابت نہیں ہے۔

باب اذا عطس کیف یشمت

غرض تشمیت کا طریقہ بتانا ہے۔

باب لا یشمت اذالم یحمد الله

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے۔

باب اذا تثاوب فیضع یده علی فیه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

کتاب الاستیذان

پیچھے اخلاق تھے اور معاشرت کا ذکر تبعاً تھا اب معاشرت کا ذکر قصداً ہے تقدیر عبارت یوں ہے هذا کتاب فی بیان امرالاستیذان یعنی اجازت مانگنا ایسی جگہ جہاں کا مالک نہیں ہے۔

باب بدء السلام

غرض سلام کی نوع کا ظہور ہے تا کہ درمیانے اور انتہائی

حالات بھی اس میں داخل ہو جائیں جیسے شروع کتاب میں بدء الوحی میں یہی مقصود تھا اور پھر استیذ ان میں سلام کا ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ استیذ ان لفظ سلام کے ساتھ ہونا چاہیے۔ **خلق اللہ آدم علی صورته:** ا۔اپنی صفات پر پیدا فرمایا حیوۃ۔علم۔سمع۔بصر اور تکلم عطا فرمایا پس انسان اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مظہر ہے۔۲۔اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا۔علی صورۃ احتبا بھا۔۳۔اضافت تشریفاً ہے جیسے بیت اللہ اور روح اللہ۔**فقال السلام علیکم:** ا۔اللہ تعالیٰ نے صاف صاف یہ لفظ سکھائے تھے۔۲۔الہام فرمایا اور دل میں ڈالے۔۳۔آدم علیہ السلام ذہین تھے فسلم کے لفظ ہی سے سمجھ گئے۔ پھر اولیٰ معرف بالام ہے کیونکہ تعریف میں تفخیم ہے۔ بغیر تعریف کے بھی جائز ہے جیسے قرآن پاک میں ہے سلام علیکم۔

باب قول اللہ تعالیٰ یا یھا الذین آمنو الا تد خلوا بیوتاً غیر تکم حتی تستا نسوا

استیذ ان کے احکام و آداب بیان کرنے مقصود ہیں۔

باب السلام من اسماء اللہ تعالیٰ

غرض لفظ سلام کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب تسلیم القلیل علی الکثیر

اس میں تواضع کی تعلیم ہے کیونکہ کبیر اور قاعدہ اور کثیر کا حق زیادہ ہے۔

باب تسلیم الراکب علی الماشی

سلام کے آداب میں سے ایک ادب بتلانا مقصود ہے۔

باب تسلیم الماشی علی القاعد

گذشتہ باب کی طرح۔

باب تسلیم الصغیر علی الکبیر

گذشتہ باب کی طرح۔

باب افشاء السلام

غرض یہ ہے کہ سلام کا پھیلانا فضیلت کا کام ہے۔

باب السلام للمعرفه وغیر المعرفه

غرض تعمیم السلام ہے کہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو ہر ایک کو سلام کرنا چاہیے۔

باب آیة الحجاب

غرض آیت حجاب کا شان نزول بیان کرنا ہے۔

باب الاستیذان من اجل البصر

غرض یہ ہے کہ اجازت لئے بغیر مکان کے اندر جھانکنا جائز نہیں ہے۔ **مدری کنگھی یختل الرجل لیطعنه** چھپ رہے تھے تا کہ قینچی ماریں۔

با ب زنا الجوارح دون الفرج

غرض یہ ہے کہ بلا اجازت اندر دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔

باب التسلیم والا ستیذان ثلا ثا

غرض یہ ہے کہ اجازت تین دفعہ لی جاتی ہے نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہیے۔

باب اذا دعی الرجل فجاء هل یستاذن

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ کسی کو بلانے کے لئے اگر آدمی بھیجا ہو تو اگر اس ایلچی کے ساتھ ہی آگیا تو پھر اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور اگر بعد میں آئے تو اجازت لے اس باب کی حدیثوں سے یہ سب کچھ ثابت ہو رہا ہے۔

باب التسلیم علی الصبیان

غرض یہ ہے کہ بچوں کو سلام کرنا بھی مسنون ہے۔

باب تسلیم الرجال علی النساء والنساء علی الرجال

غرض یہ ہے کہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تکر کر چکی میں پیستی تھیں۔

باب اذا قال من ذا فقال انا

غرض یہ ہے کہ جواب میں ابہام مکروہ ہے۔

باب من رد فقال علیک السلام

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ا۔بغیر واو کے جواب دینا بھی جائز

ہے۔۲۔بغیر زیادتی کے جواب دینا بھی جائز ہے۔

باب اذا قال فلان یقرئک السلام :.

تین غرضیں ہیں۔ا۔سلام بھیجنا جائز ہے۔۲۔ایلچی پر سلام پہنچانا واجب ہے۔۳۔اذا کا جواب محذوف ہے یعنی سامع پر جواب واجب ہے۔

باب التسلیم فی مجلس فیه اخلاط من المسلمین والمشر کین

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی مسنون ہے۔

باب من لم یسلم علی من اقترف ذنبا ولم یرد سلامہ حتی یتبین توبتہ والی **ما تتبین توبه العاصی :.** دو غرضیں ہیں۔ا۔فاسق اور مبتدع پر سلام نہ کرنا چاہیے۔توبہ کا ظہور علامتوں سے ہے اور گناہ کے مناسب مدت گزرنے پر ہے اور پھر اس تائب کے حالات بھی مختلف ہوتے ہیں کسی پر تقویٰ جلدی ظاہر ہو جاتا ہے کسی پر دیر سے ظاہر ہوتا ہے۔

باب کیف یرد علی اهل الذمه السلام

دو غرضیں ہیں ۔ا۔ذمی کو کیسے جواب دیا جائے۔۲۔ذمی کو جواب دینا جائز ہے۔

باب من نظر فی کتاب من یحذر علی المسلمین لیستبین امره

غرض یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے دوسرے کے خط کو دیکھنا جائز ہے۔

باب کیف یکتب الکتاب الی اهل الکتاب

غرض اہل کتاب کو خط لکھنے کا طریقہ بتلانا ہے۔

باب بمن یبداء فی الکتاب

غرض یہ ہے کہ اولی یہ ہے کہ کاتب پہلے اپنا نام لکھے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم قوموا الی سید کم

دو غرضیں ہیں۔ا۔اہل فضیلت کا اکرام مستحب ہے۔۲۔بطور اکرام کھڑا ہونا جائز ہے۔

باب المصافحه: غرض یہ ہے کہ مصافحہ سنت ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ السلام علیکم کی عملی تاکید ہے اور بیعت ہے کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم کو میری زبان اور میرے ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچے گی اور میں اس حدیث پر عمل کروں گا۔ **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔وهو اخذ بید عمر بن الخطاب :.** یہ مصافحہ کے علاوہ ہاتھ پکڑنا ہے۔

باب الا خذ بالیدین

غرض یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا مسنون ہے اس سے ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین کی تردید بھی ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون ہے وجہ تردید کی یہ ہے کہ۔ا۔اس حدیث پاک میں صراحۃً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرمانا مذکور ہے۔۲۔حضرت عبداللہ بن مسعود کے ایک ہاتھ کا ذکر تو بطور اشارۃ النص ہے یعنی الفاظ میں ہے اور دوسرے ہاتھ کا ثبوت بطور دلالۃ النص ہے کیونکہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرما رہے تھے تو ظاہر یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی دونوں ہاتھوں سے ہی مصافحہ کر رہے تھے کیونکہ یہ تو خلاف ادب ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کریں اور حضرت عبداللہ بن مسعود ایک ہاتھ سے کریں۔۳۔ان دو دلیلوں کے علاوہ تیسری دلیل غیر مقلدین کے رد کی یہ ہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا تو کفار وفساق کا طریقہ ہے۔

باب المعانقه وقول الرجل کیف اصبحت

غرض یہ ہے کہ معانقہ کرنا اور حال پوچھنا جائز ہے۔معانقہ کے متعلق تین اہم قول ہیں۔ا۔مکروہ تنزیہی ہے۔۲۔اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز اور یہی راجح ہے۔۳۔بغیر کرتہ کے ناجائز کرتے کے ساتھ جائز۔ سوال۔اس باب کی کسی روایت میں معانقہ کا ذکر نہیں ہے۔جواب۔ا۔عادت یہ تھی کہ کیف اصبحت اور معانقہ اکٹھے ہی کرتے تھے پس جب حدیث میں کیف اصبحت آ گیا تو گویا معانقہ کا ذکر بھی آ گیا۔۲۔کتاب البیع میں صحیح بخاری میں حضرت حسن کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معانقہ فرمانا مذکور ہے بس یہاں اسی کی طرف اشارہ کرنا

مقصود ہے۔ ۳۔ ارادہ فرمایا تھا امام بخاری نے کہ وہی حضرت حسن والی حدیث کو دوسری سند کے ساتھ یہاں ذکر کروں گا اس لئے یہاں خالی جگہ چھوڑ دی تھی لیکن وفات ہوگئی اور وہ حدیث دوسری سند کے ساتھ ذکر نہ فرما سکے۔

باب من اجاب بلبیک وسعدیک

غرض یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ حج ہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں دوسرے موقعوں میں بھی بطور جواب ذکر کئے جاسکتے ہیں۔

باب لایقیم الرجل الرجل من مجلسه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا منع ہے۔

باب اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس

غرض یہ ہے کہ نئے آنے والوں کے لئے جگہ بنانے کے لئے کسی کو پیچھے کر دینا اور کسی کو اٹھا دینا جائز ہے۔

باب من قام من مجلسه اوبیته ولم یستاذن اصحابه اوتهیأ للقیام لیقوم الناس

غرض یہ کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

باب الاحتباء بالید وهو القرفصاء

غرض یہ ہے کہ ہاتھوں سے احتباء کر لینا بھی جائز ہے اور اسی کو قرفصاء بھی کہتے ہیں یعنی دونوں گھٹنے کھڑے کر کے گھٹنوں کے آگے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پکڑ لینا تاکہ ہاتھوں سے گھٹنوں کو سہارا مل جائے۔

باب من اتکاء بین یدی اصحابه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

باب من اسرع فی مشیته لحاجه او قصد

غرض یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

باب السریر

غرض یہ ہے کہ تخت اور چار پائی کا استعمال جائز ہے۔

باب من القی له وسادة

غرض یہ ہے کہ گدے پر بیٹھنا اور اس کے بغیر بیٹھنا دونوں جائز ہیں۔

باب القائله بعد الجمعه

غرض یہ ہے کہ جمعہ کے بعد بھی قیلولہ کرنا جائز ہے۔

باب القائله فی المسجد

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔

باب من زار قوما فقال عندهم

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ **ثم جمعة في سک**: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کو خوشبو میں ملاتی تھیں۔ سک ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے جو دوسری خوشبوؤں میں ملا کر استعمال کی جاتی ہے۔ **حنوطه**: وہ خوشبو جو میت کو لگائی جاتی ہے۔

باب الجلوس کیفما تیسر منه

ہر طرح بیٹھنا جائز ہے یہی غرض ہے۔ **والاحتباء**: معلوم ہوا کہ کشف عورت نہ ہو تو احتباء کی صورت میں بیٹھنا جائز ہے۔

باب من نا جی بین یدی الناس ومن لم یخبر بسر صاحبه

دو غرضیں ہیں۔ ۱۔ جب ایک سے زیادہ آدمی ہوں تو سرگوشی جائز ہے۔ ۲۔ راز کو چھپانا واجب ہے۔ **لما اخبر تنی**: یہاں لما بمعنی الا ہے۔

باب الاستلقاء

غرض یہ ہے کہ سیدھا لیٹ جانا بھی جائز ہے۔

باب لا یتنا جی اثنان دون ثالث

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جہاں صرف تین آدمی ہوں وہاں ایک کو چھوڑ کر دو سرگوشی کریں تو جائز نہیں البتہ چار ہوں تو جائز ہے۔

باب حفظ السر

غرض یہ ہے کہ راز کا چھپانا واجب ہے۔ **باب اذا کانوا اکثر من ثلثه فلاباس بالمسارة والمنا جاة**: غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جب چار یا زیادہ ہوں تو دو کا سرگوشی کرنا جائز ہے۔

باب طول النجوی

غرض یہ ہے کہ سرگوشی کا لمبا کرنا بھی جائز ہے۔

باب لا تترک النار فی البیت عندالنوم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سوتے وقت آگ جلتی چھوڑنا مکروہ ہے۔

اغلاق الباب باللیل: غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ سوتے وقت دروازے بند کر کے سونا مستحب ہے۔

باب الختان بعد الکبر ونتف الابط

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ بڑھاپے میں بھی ختنہ کرانا جائز ہے لیکن راجح یہ ہے کہ صرف بالغ ہونے سے پہلے ہی جائز ہے بعد میں جائز نہیں ہے۔ البتہ دوسرا مسئلہ بغل کے بال لینا یہ ہمیشہ مسنون ہے۔ سوال ختنہ کو استیذان کے ابواب میں ذکر کرنا تو مناسب نہیں ہے۔ جواب۔ عموماً ختنہ کے موقعہ پر اجتماع ہوتا ہے اور اجتماع کے موقعہ پر استیذان کی ضرورت ہوتی ہے۔

واختتن بالقدوم مخففه: یہ لفظ دال کی شد اور تخفیف دونوں طرح منقول ہے اور ہر دو میں تین تین تقریریں ہیں۔ ا۔ تیسہ (بسولہ) ۲۔ کلہاڑی۔ ۳۔ جگہ کا نام۔

باب کل لھو باطل اذا شغلہ عن طاعة اللّٰہ

اور جب غافل نہ کرے تو جائز ہے غرض یہ ہے کہ اس مضمون کی حدیث ثابت ہے اور وہ حدیث سنن اربع میں آتی ہے ان کی شرط پر نہیں ہے عن عقبہ بن عامر مرفوعاً کل مایلھو بہ المرأ المسلم باطل الارمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبہ اھلہ۔

باب ما جاء فی البناء

غرض یہ ہے کہ ضرورت کے درجہ میں تعمیر بلا کراہت جائز ہے۔

مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: مراد یہ ہے کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک کمرہ بنایا تھا۔

کتاب الدعوات

پیچھے عبادات تھیں اب مخ العبادۃ عبادت کا مغز یعنی دعا ہے تقدیر عبارت یوں ہے کتاب فی بیان انواع الدعوات واحکامھا۔

باب ولکل نبی دعوۃ مستجابہ

غرض اس حدیث پاک اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔

باب افضل الاستغفار

غرض سب سے افضل استغفار کا بیان ہے اور دو آیتوں کا ذکر یہ بتلانے کے لئے ہے کہ استغفار کے بہت منافع ہیں دنیا اور آخرت میں اس لئے استغفار بہت کرنا چاہئے۔ ساتھ ساتھ امام بخاری یہ بھی اشارہ فرمارہے ہیں کہ سید الاستغفار فرمانے سے مراد بیان افضلیت ہے۔

سید الاستغفار: سید ہونے کی مختلف تقریریں ہیں۔

ا۔ سب استغفاروں سے افضل یہ استغفار ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ ۲۔ اس استغفار میں توبہ کی سب خوبیوں کو جمع کر دیا گیا ہے جیسے سید کے پاس لوگ جاتے ہیں اپنی سب حاجتوں میں۔ ۳۔ اس استغفار میں حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ کو جمع کر دیا گیا ہے۔ توحید میں صفات جلالیہ سلبیہ سب آجاتی ہیں اور اس کے بعد صفات وجودیہ ہیں جن کو صفات جمالیہ اور صفات اکرام بھی کہتے ہیں کیونکہ خلق کے ذکر میں حیوۃ۔ علم۔ قدرۃ اور ارادہ آگئے وعدہ میں صفت کلام آگئی مغفرت کے ذکر میں سمع اور بصر آگئی یہی سات صفات وجودیہ ہیں۔ ۴۔ اس میں تعظیم اللہ اور تواضع العبد ہیں اور یہ دونوں مخ العبادۃ ہیں۔ ۵۔ اڑنے کے پر اللہ تعالیٰ کے احسان کا مشاہدہ ہے اور نفس اور عمل کے عیب کا مطالعہ ہے اور اس استغفار میں یہ دونوں ہیں۔

باب استغفار النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الیوم واللیلہ

غرض نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ یومیہ کی گنتی کا بیان ہے کہ ہر روز کتنی دفعہ توبہ ادا فرماتے تھے۔ **باب التوبہ:** غرض توبہ کی فضیلت کا بیان ہے توبہ میں چار چیزیں ضروری ہیں۔ ا۔ فی الحال برا کام چھوڑ دے۔ ۲۔ ماضی میں برا کام کرنے پر ندامت ہو۔ ۳۔ آئندہ اس برے کام کے چھوڑنے کا عزم ہو۔ ۴۔ اگر کسی پر اس برے کام میں ظلم ہوا ہو تو اس کے تدارک کا عزم کرے۔ پھر توبہ اور استغفار میں یہ فرق ہے کہ توبہ اپنے نفس کے لئے ہوتی ہے اور استغفار اپنے نفس کے لئے بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ہوتا ہے۔

باب الضجع علی الشق الایمن

اس باب کو دعاؤں کے باب میں کیوں ذکر فرمایا۔ ا۔اس طرح سونا اٹھ کر دعاء کرنے کی تمہید ہے۔۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سوتے وقت دعاء فرمایا کرتے تھے اور باب کی غرض یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر سونا مستحب ہے۔

باب اذابات طاھرا

غرض باوضو سونے کی فضیلت کا بیان ہے۔ دعا کے ابواب سے دو ربط تو وہی ہیں جو گذشتہ باب میں ذکر کئے گئے ایک تیسرا ربط یہ بھی ہے کہ صحیح ابن حبان میں ہے عن ابن عمر مرفوعاً من بات طاہراً بات فی شعارہ ملک فلا یستیقظ الا قال الملک اللھم اغفر لعبدک فلان۔

باب مایقول اذا نام

غرض اس دعا کا بیان ہے جو سوتے وقت پڑھنی مسنون ہے۔

باب وضع الید تحت الخدا لیمنی

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

باب النوم علی الشق الایمن

غرض یہ ہے کہ ایسان کرنا مستحب ہے۔

باب الدعاء اذا انتبه باللیل

غرض ایسا کرنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

فتمطیت کراھیه ان یری انی کنت اتقیه میں نے اٹھنے میں دیر کی تا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ خیال فرماویں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہوں تا کہ آپ بے تکلف عبادت فرماویں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **اللھم اجعل فی قلبی نوراً** طلب نور کے معنی یہ ہیں کہ آپ یا اللہ ان اعضاء سے اعمال صالحہ کی توفیق عنایت فرماویں تا کہ یہ اعضاء اعمال صالحہ سے منور ہو جائیں۔**قال کریب وسبع فی التابوت:** اس عبارت کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ ا۔ انسانی بدن جو صندوق جیسا ہے اس میں سات اعضاء اور بھی ذکر فرمائے تھے کہ ان میں بھی نور بھر دیں۔۲۔ حدیث پاک لکھی ہوئی میرے صندوق میں موجود ہے اس میں سات چیزیں اور بھی ہیں جن میں نور بھرنے کی دعاء نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اس دوسرے معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک روایت میں یوں بھی وارد ہوا ہے ثم اخرجہ منہ واخبرھم بہ۔

باب التکبیر و التسبیح عند المنام

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

باب التعوذ و القراۃ عند النوم

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔

باب :. تتمہ ہے ماقبل کا کیونکہ اس میں بھی نیند شروع کرنے کا طریقہ مذکور ہے۔

باب الدعا نصف اللیل

غرض آدھی رات کے بعد دعا کی فضیلت کا ذکر ہے۔سوال۔ باب میں تو آدھی رات مذکور ہے اور حدیث پاک جو اس باب میں ہے اس میں حین یبقی ثلث اللیل الاخر کے الفاظ ہیں اس لئے دونوں میں مناسبت نہیں ہے۔ جواب۔ا۔ جب آدھی رات آتی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ثلث لیل باقی ہے کیونکہ ثلث لیل کا بقاء ثلث لیل سے پہلے ہوتا ہے پس نصف لیل سے یہی مراد ہے گویا ثلث لیل سے کچھ پہلے۔۲۔ مسند احمد میں ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ینزل اللہ الی السماء الدنیا نصف اللیل الاخر اوثلث اللیل الاخر پھر نزول سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

باب الدعا عند الخلاء

غرض اس دعا کا بیان ہے۔

باب مایقول اذااصبح

غرض اس دعا کا بیان ہے۔

باب الدعا فی الصلوٰۃ

نماز کے اندر والی دعاء کا طریقہ بتلانا مقصود ہے۔

باب الدعاء بعد الصلوٰۃ

دوغرضیں ہیں۔ا۔ فرض نماز کے بعد دعا ثابت ہے۔۲۔ اس شخص کا رد

ہے جس نے کہا کہ نماز کے بعد دعاء ثابت نہیں ہے۔ اس انکار کرنے والے کی دلیل مسلم کی روایت ہے عن عائشۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لایثبت الا قدر مایقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ رخ زیادہ نہ بیٹھتے تھے اور دعاؤں کا ثبوت قبلہ سے دائیں طرف یا نمازیوں کی طرف پھرنے کے بعد ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ وصل علیھم

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔ **ومن خص اخاہ بالدعاء دون نفسہ:** یہ ترجمۃ الباب ہی کا حصہ ہے اور اس میں دو حضرات کے قول کا رد ہے۔ ۱۔ ابن عمر۔ ۲۔ ابراہیم نخعی اس کی تفصیل یہ ہے کہ طبری میں ہے عن سعید بن یسار قال ذکرت رجلا عند ابن عمر فترحمت علیہ فلھز فی صدری وقال لی ابداء بنفسک ایسے ہی حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اذا دعوت فابدا بنفسک فانک لاتدری فی ای دعاء یستجاب لک۔

باب مایکرہ من السجع فی الدعاء

غرض یہ ہے کہ دعا میں عبارت کا مسجع بنانا تکلف کر کے مکروہ ہے کیونکہ یہ تکلف خشوع اور اعلیٰ درجہ کے تضرع اور اظہار احتیاج کے خلاف ہے البتہ اگر بلا تکلف طبعاً بن جائے تو کچھ حرج نہیں۔

باب لیعزم المسئلہ فانہ لا مکرہ لہ

غرض یہ ہے کہ جزم سے دعاء مانگنی واجب ہے کیونکہ ۱۔ تعلیق کی صورت میں کہ چاہیں تو کریں اور چاہیں تو نہ کریں اس طرح مانگنے سے شبہ استغناء کا ہوتا ہے۔ ۲۔ تعلیق میں شبہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے دل میں اکراہ کا احتمال ہے کہ میں مجبور نہیں کرتا آپ چاہیں تو کر لیں چاہیں تو نہ کریں اور یہ خلاف ادب ہے۔

باب یستجاب للعبد مالم یعجل

غرض یہ ہے کہ جلدی مچانا کہ اتنے عرصے سے مانگ رہا ہوں کیوں نہ یہ چیز ملی یہ سوچنا مکروہ ہے۔

باب رفع الایدی فی الدعاء

غرض یہ ہے کہ دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے دلائل یہ ہیں۔ ۱۔ فی ابی داؤد والترمذی عن سلمان مرفوعاً ان ربکم حی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفراً۔ ۲۔ فی مصنف ابن ابی شیبہ عن الاسود العامری قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا۔ ۳۔ فی مصنف ابن ابی شیبہ عن یحیی الاسلمی قال رایت عبداللہ بن الزبیر ورای رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلوتہ فلما فرغ منھا قال لہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ ورجالہ ثقات۔ ۴۔ فی السنن الاربع عن الفضل بن عباس مرفوعاً الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین تخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یا رب یا رب اہ قال ابن العربی ھو بعد الصلوٰۃ لا فیھا۔ ۵۔ فی التفسیر القرطبی عن ابی عباس وقتادۃ فی تفسیر قولہ تعالیٰ والی ربک فارغب ای فاذا فرغت من صلوتک فبالغ فی الدعاء وسلہ حاجتک۔ ۶۔ فی مستدرک الحاکم عن علی مرفوعاً رفع الایدی من الاستکانۃ التی قال اللہ عزوجل فما استکانوا لربھم وما یتضرعون۔ ۷۔ التوارث العمل برفع الایدی اجتماعاً بعد الفرائض اس مسئلہ کی مزید تفصیل استحباب الدعوات عقیب الصلوات میں ہے جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا رسالہ ہے اور امداد الفتاوی میں بھی چھپا ہوا ہے اور اعلاء السنن میں بھی تفصیل ہے جو حضرت تھانوی موصوف کے حکم سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھی تھی جس میں متن کے درجہ میں مشکوۃ کے طرز پر احادیث ہیں اور ساتھ ساتھ حنفیہ کا طرز استنباط ہے جو بطور شرح کے ہے۔

باب الدعاء غیر مستقبل القبلہ

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔

باب الدعاء مستقبل القبلہ

غرض یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔

باب دعوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لخادمہ بطول العمر وبکثرۃ المال

غرض یہ ہے کہ خادم کے لئے ایسی دعاء کرنا مستحب ہے۔

باب الدعاء عند الكرب

غرض یہ ہے کہ شدید تکلیف میں یہ دعاء مستحب ہے۔ فتح الباری میں ہے قال ابن بطال حدثنی ابوبکر الرازی قال کنت باصبھان عند ابی نعیم اکتب الحدیث وھناک شیخ یقال لہ ابوبکر بن علی علیہ مدار الفتیا فسعی بہ عند السلطان فسجن فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام وجبریل عن یمینہ یحرک شفیتہ بالتسبیح لایفتح فقال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قل لابی بکر بن علی یدعوا بدعاء الکرب الذی فی صحیح البخاری حتی یفرج اللہ عنہ قال فاصبحت فاخبرتہ فدعا بہ فلم یکن الاقلیلا حتی اخرج۔

باب التعوذ من جهد البلاء

غرض یہ ہے کہ زیادہ مشقت سے پناہ مانگنا مستحب ہے۔

باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم الرفیق الاعلی

غرض یہ ہے کہ ان الفاظ مبارکہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا مانگنا ثابت ہے پھر الرفیق الاعلی کا مصداق کیا ہے؟ ۱۔ جنت۔ ۲۔ فرشتے۔ ۳۔ انبیاء علیہم السلام پھر اس لفظ کی نصب کیوں ہے؟ ۱۔ منصوب بنزع الخافض ای بالرفیق الاعلی۔ ۲۔ مفعول ہے فعل محذوف کا اخترت الرفیق الاعلی۔

باب الدعا بالموت والحیوۃ

غرض یہ ہے کہ زندگی اور موت کی دعاء کیسے مانگنی چاہیے۔

باب الدعاء للصبیان ومسح رؤسھم

غرض یہ ہے کہ یہ دونوں کام مسنون ہیں۔

باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض درود شریف کی فضیلت اور اس کے احکام کا بیان ہے۔

کما صلیت علی ابراھیم: یہ تشبیہ کیوں ہے۔ ۱۔ شہرت کی وجہ سے ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا پایا جانا بہت مشہور تھا۔ ۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ طریقہ تواضعاً سکھلایا ہے۔ ۳۔ امت کو تعلیم دینی مقصود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا پورا پورا احترام کریں۔ ۴۔ تشبیہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے اس کی مقدار میں نہیں ہے۔ ۵۔ لحاظ مجموعہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی آل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے افضل ہے۔

باب هل یصلی علی غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر پر بھی لفظ صلوٰۃ استعمال کرنا جائز ہے یا نہ۔ پھر امام بخاری نے مسئلہ کی تعیین نہیں کی کہ ان کے نزدیک راجح کیا ہے اس کی وجہ اختلاف ہے البتہ امام بخاری کے طرز سے بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ۱۔ حرام۔ ۲۔ مکروہ تحریمی۔ ۳۔ مکروہ تنزیھی۔ ۴۔ مباح۔ ان میں سے راجح مکروہ تحریمی ہے۔ دلیل مکروہ تحریمی کی تعامل سلف ہے کہ غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صلوٰۃ کا لفظ استعمال نہیں فرمایا کہ شبہ نہ ہو کہ یہ نبی ہے اور چونکہ منشا احتیاط ہے کوئی نص نہیں ہے اس لئے مکروہ تحریمی کہیں گے حرام نہ کہیں گے۔ حرام والے قول کی بھی یہی دلیل ہے کہ غیر نبی پر نبی ہونے کا شبہ ہوتا ہے اس لئے غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ صلوۃ کا استعمال حرام ہے جواب۔ چونکہ احتیاط دلیل ظنی ہے دلیل قطعی نہیں ہے اس لئے لفظ حرام استعمال نہیں کر سکتے۔ اباحت کا قول کرنے والوں کی دلیل۔ ۱۔ زیر بحث باب کی روایت عن بن ابی اوفی مرفوعاً اللّٰھم صل علی آل ابی اوفی جواب۔ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ۲۔ ابوداود کی روایت عن جابر بن عبداللہ مرفوعاً ایک عورت سے فرمایا صلی اللہ علیک وعلی زوجک۔ جواب خصوصیت۔ ۳۔ **وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم۔** جواب۔ خصوصیت اور خود آیت میں اشارہ خصوصیت کی طرف موجود ہے **ان صلوتک سکن لھم** اور کراہت تنزیہی والے حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دلائل دونوں قسم کے ہیں جواز کے بھی ممانعت کے بھی دونوں کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ کراہت تنزیہی مانی جائے جواب۔ جب اباحت کے ادلہ کا جواب ہوگیا تو وہ باقی نہ رہے صرف ممانعت ہی ثابت ہوئی اس لئے کراہت تحریمی ہی ماننی پڑے گی پھر جن پر یہ لفظ

استعمال کرنا منع ہے کہ غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے الا تبعا تو ان غیر میں باقی انبیاء علیہم السلام اور ملٰئکہ اور مومنین سب آگئے کیونکہ کوئی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہے اور صلوٰۃ کا لفظ استعمال کرنے سے برابری کا شبہ ہوتا ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذیته فاجعله له زکاۃ ورحمة

غرض یہ ہے کہ ہر ایک پر لازم ہے کہ جس کو ایذاء پہنچائی ہو اس کے لئے دعا کرے تاکہ ایذاء کا تدراک ہو جائے۔

باب التعوذ من الفتن

غرض یہ ہے کہ فتنوں سے پناہ مانگنا مستحب ہے۔

لاحی:. جھگڑا کیا۔

باب التعوذمن غلبه الرجال

غرض یہ ہے کہ یہ تعوذ بھی مستحب ہے۔

باب التعوذ من عذاب القبر

غرض یہ ہے کہ یہ تعوذ بھی مستحب ہے۔

باب التعوذ من فتنه المحیاوالممات

گذشتہ باب کی طرح۔

باب التعوذ من الماثم والمغرم

گذشتہ باب کی طرح۔

باب الا ستعاذةمن الجبن والکسل

گذشتہ باب کی طرح۔

باب التعوذ من البخل

گذشتہ باب کی طرح۔

باب التعوذ من ارذل العمر

گذشتہ باب کی طرح۔

باب الدعاء برفع الوباء والوجع

غرض گذشتہ باب کی طرح ہے۔ وباء کے معنی ا۔ عام بیماری۔ ۲۔ زیادہ موت۔ ۳۔ یہ مرادف ہے طاعون کا اس لئے الوجع عطف عام علی الخاص ہے۔

باب الاستعاذة من ارذل العمر ومن فتنه الدنیا وفتنه النار

غرض ایک جامع استعاذہ کا بیان ہے۔ بعض نسخوں میں صرف العمر تک ہے لیکن راجح یہ لمبے عنوان والا نسخہ ہے تاکہ تکرار نہ ہو۔

باب الا ستعاذة من فتنه الغنی

غرض یہ ہے کہ یہ استعاذہ بھی مستحب ہے۔

باب التعوذ من فتنه الفقر

گذشتہ باب کی طرح۔

باب الدعاء بکثرة المال مع البر که

گذشتہ باب کی طرح پھر برکت الٰہیہ کی قید اس لئے ہے کہ اس کے بغیر مال وبال ہوتا ہے۔

باب الدعاء بکثرة الولد مع البر که

گذشتہ باب کی طرح یہاں بھی برکت کی قید اسی لئے ہے کہ برکت الٰہیہ کے بغیر زیادہ اولاد بھی وبال ہوتی ہے۔

باب الدعاء عند الاستخارة

غرض استخارہ کا طریقہ بتلانا ہے کہ جب حیرت اور تردد ہو اور دو راستوں میں سے ایک کا فیصلہ نہ کر سکے تو حق تعالیٰ سے مشورہ کر لے لیکن اس میں خواب آنا ضروری نہیں ہے صبح اٹھ کر جو رائے غالب ہو اس پر عمل کرنے میں برکت ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب الدعاء عند الوضوء

غرض یہ ہے کہ وضو کے بعد بھی دعاء مستحب ہے دوسرا نسخہ یوں ہے کہ باب الوضوء عند الدعاء اور یہ اظہر اور اولیٰ ہے کیونکہ اس روایت میں اصل مقصود دعاء ہے وضو اس کا ذریعہ اور تمہید ہے۔

باب الدعاء اذا علی علی عقبه

غرض یہ ہے کہ یہ دعاء بھی مستحب ہے۔

باب الدعاء اذا هبط واديا

غرض یہ ہے کہ یہ دعاء بھی مستحب ہے۔

فيه حديث جابر:. یہ حدیث کتاب الجهاد میں گزر چکی ہے اور اس میں موقوفاً عند النزول تسبیح کا ذکر ہے۔

باب الدعاء اذا اراد سفرا اور جع

غرض یہ ہے کہ یہ دعاء بھی مستحب ہے۔ **فيه يحيى بن البى اسحق عن انس رضى الله عنه:.** کتاب الجهاد میں یہ روایت گزر چکی ہے اس میں مرفوعاً یہ دعاء ہے ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔

باب الدعاء للمتزوج

غرض نئے شادی شدہ کے لئے دعا کرنے کا طریقہ بتلانا ہے۔

باب مايقول اذا اتى اهله

غرض یہ بتلانا ہے کہ ایسے موقعہ میں کیا پڑھنا مستحب ہے۔

باب قول النبى صلى الله عليه وسلم ربنا اتنا فى الدنيا حسنه

غرض یہ بتلانا ہے کہ دعا میں دنیا و آخرت کی بھلائی کا جمع کرنا مستحب ہے۔

باب التعوذ من فتنه الدنيا

غرض یہ بتلانا ہے کہ دنیا کے فتنہ سے پناہ پکڑنا مستحب ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے۔

باب تكرير الدعا

غرض یہ ہے کہ دعائیں تکرار مستحب ہے کیونکہ اس میں اظہار حاجت بھی ہے اور تذلل بھی ہے۔

باب الدعاء على المشركين

غرض یہ ہے کہ کفار کے لئے شکست اور پاؤں اکھڑنے کی دعاء کرنا مستحب ہے اور اس کی تصریح امام بخاری نے کتاب الجهاد میں کی ہے پھر مراد وہی ہیں جن سے معاہدہ نہیں ہے۔

باب الدعاء للمشركين

غرض یہ ہے کہ کافروں کے لئے ہدایت اور دنیا کے فائدہ کی دعا کرنی جائز ہے تاکہ ان کے دل میں اسلام سے انس پیدا ہو امام بخاری نے کتاب الجهاد میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

باب قول النبى صلى الله عليه وسلم اللّٰهم اغفرلى ماقدمت وما اخرت

غرض یہ ہے کہ ان الفاظ سے بھی دعا کرنی مستحب ہے۔

باب الدعا فى الساعه التى فى يوم الجمعه

غرض یہ ہے کہ جمعہ کے دن کی قبولیت کی گھڑی میں دعا کرنی مستحب ہے۔

باب قول النبى صلى الله عليه وسلم يستجاب لنا فى اليهود ولا يستجاب لهم فينا

غرض اس حدیث کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے وجہ ظاہر ہے کہ ہماری دعا حق پر مبنی ہے اور یہود کی دعا ظلم پر مبنی ہے۔

باب التامين:. غرض یہ ہے کہ آمین کہنا سنت ہے۔

باب فضل التهليل

غرض یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کا ورد بہت فضیلت والا ہے۔

باب فضل التسبيح

تسبیح کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے۔

باب فضل ذكر الله عزوجل

غرض ذکر اللہ کی فضیلت کا بیان ہے اور وہ ذکر لسانی اور تلاوت اور تدریس اور تعلم علوم اور مناظرہ اور وعظ کو شامل ہے۔

باب قول لاحول ولا قوة الابالله

غرض اس ذکر کی فضیلت کا بیان ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ گناہوں سے بچنا اور نیکی کرنا آقا ہی کی توفیق سے ہے۔

باب لله عزوجل مائة اسم غير واحد

غرض حق تعالیٰ کے اسماء کا ذکر ہے اجمالاً پھر یہ ایک کم سو اصول ہیں صفات کمالیہ کے اور باقی سب نام ان ہی کی طرف راجع ہیں اس لئے ا۔ان ایک کم سو میں حصر مقصود نہیں ہے۔

۲۔حصر مقصود ہے لیکن حصر کا تعلق صرف اسی وعدہ سے ہے جو یہاں مذکور ہے جیسے کہا جائے لزید الف درھم اعدھا للصدقہ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے اسا لک بکل اسم ھولک سمیت بہ نفسک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک۔۳۔یہ گنتی قرآن پاک میں ہے۔۴۔یہ عدد جنت کے درجات کی گنتی کے برابر ہے اور سو کی لفظ اللہ سے ہے یا اسم اعظم سے ہے۔۵۔یہ حصر اس لئے ہے کہ ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ پھر احصاء سے مراد کیا ہے۔۱۔حفظ کرنا۔۲۔ان کے معانی کا اعتقاد رکھنا۔۴۔ان کے عکسوں کو اپنے اعمال و اخلاق میں حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نام توقیف پر مبنی ہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے **وسقاھم ربھم شراباً طھوراً** لیکن اللہ تعالیٰ پر ساقی کا اطلاق جائز نہیں ہے اور قرآن پاک میں ہے **اللہ یستھزء بھم** لیکن المستھزی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے۔

باب الموعظہ ساعۃ بعد ساعہ

غرض یہ ہے کہ وعظ و نصیحت میں وقفہ ہونا چاہئے تا کہ سننے والا اکتا نہ جائے۔

کتاب الرقاق

یہ کتاب تتمہ ہے کتاب الادب کا۔ تقدیر عبارت یہ ہے ہذا کتاب فی بیان کلمات مرققۃ للقلوب۔ غرض دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا فکر پیدا کرنا ہے تا کہ احسان کا درجہ حاصل ہو جائے اور بندہ اپنے آقا کی ایسے عبادت کرے کہ گویا آقا کو دیکھ رہا ہے اسی کے علم کا نام علم التصوف اور علم الاحسان ہے اور اس علم کے علماء اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاعیش الا عیش الاخرۃ

غرض اس حدیث کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔

باب مثل الدنیا فی الاخرۃ

غرض یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کھیل کود ہے اسی لئے اس کا طالب نابالغ ہی شمار ہوتا ہے کیونکہ کھیل کود نابالغ بچوں کا کام ہوتا ہے۔ جیسے ایک بچہ ریت کا مکان بناتا ہے دوسرا پاؤں مار کر اسے توڑ دیتا ہے تو ان دونوں میں لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑا آدمی دیکھ رہا ہو تو ہنستا ہے کہ یہ کس چیز پر لڑ رہے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے جھگڑوں میں پڑنے والوں کو دیکھ کر اولیاء اللہ ہنستے ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل

غرض دنیا سے تعلق کی مقدار کا بیان ہے اور دوسری غرض اس شخص پر رد ہے جس نے اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے پھر حدیث پاک میں اشارہ ہے کہ سیر فی اللہ ختم ہونے والی نہیں ہے کیونکہ حدیث پاک میں مسافر بنے رہنے کا حکم ہے اور اس مسافر کی منزل اللہ تعالیٰ کا قرب ہے پھر اکابر کی اصطلاح میں جب انسان رضائے حق تعالیٰ کی نیت سے دوام طاعت اور کثرت ذکر کرتا ہے تو کسی کو جلدی کسی کو دیر سے ایک خاص درجہ قرب کا عطا ہوتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ شریعت عین طبیعت بن جاتی ہے اسی کو ولایت اور وصول الی اللہ کہتے ہیں یہاں تک سیر الی اللہ شمار ہوتی ہے پھر اسی طرح مزید ترقی کرتے رہنے کو اکابر کی اصطلاح میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں۔

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بروے مے رسی بروے مایست

باب فی الامل وطولہ

غرض لمبی امیدوں کی مذمت ہے لیکن علماء اس سے مستثنیٰ ہیں جبکہ وہ دینی ترقی میں لمبی امیدیں لگائیں قال ابن الجوزی

امال الرجال لھم قضوح (ای ذلۃ)
سوی امل المصنف ذی العلوم

پھر امل اور تمنی میں یہ فرق ہے کہ الامل ماتقدم لہ سبب والتمنی بخلافہ۔

وھذہ الخطط الصغار الاعراض:. ان اعراض سے مراد آفات ہیں۔ **نھشہ ھذا:.** نھش کے معنی ہیں اخذ شی بمقدم الاسنان۔ **اذ جاءہ الخط الاقرب:.** اس سے مراد موت ہے۔

باب من بلغ ستین سنہ فقد اعذر اللہ الیہ فی العمر

غرض لمبی عمر اور اس کے احکام کا بیان ہے۔ اعذرہ میں ہمزہ

سلب ماخذ کے لئے ہے کہ جب انسان ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو اس کا یہ عذر بھی ختم ہو جاتا ہے کہ مجھے لمبی عمر کیوں نہ دی اس لئے اس عمر میں ضرور توبہ اور طاعت میں لگ جانا چاہئے۔

باب العمل الذی یبتغی به وجه اللّٰه تعالیٰ

غرض اخلاص کی اہمیت ہے۔ **فیه سعد.:** اس سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں اور یہ روایت کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے اس میں حضرت سعد بن خولہ پر اظہار شفقت ہے کہ وہ اگرچہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر چکے تھے لیکن انتقال مکہ مکرمہ ہی میں ہوا۔

باب مایحذر من زهرة الدنیا والتنافس فیها

غرض دنیا کے شوق اور دنیا کی حرص سے بچنے کا شوق دلانا ہے لقد حمدنا کتاب الزکوٰۃ میں یہی روایت ہے اس میں ہے کہ ہم نے اس کی مذمت کی کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے خصوصی خطاب نہ فرمایا تو آپ نے یہ سوال کیوں کیا۔ اب جبکہ وحی نازل ہوئی تو ہم نے حمد کی کہ اس کی وجہ سے ہمیں بھی فائدہ ہو گیا۔

طلع ذلک: یہ بات ظاہر ہو گئی اور وحی سے یہ مسئلہ واضح کر دیا گیا۔ حبطاً پیٹ پھولنے سے مرنا۔ **اویلم.:** مرنے کے قریب کرنا۔ **فاجترت:** اونٹ کی گردن کے پاس جو خزانہ پانی اور کھانے کا ہوتا ہے وہاں سے کھینچے اور پھر چبائے اور کھائے اس خزانہ کو کرش کہتے ہیں۔ **ینذرون ولا یفون:** نذر مانیں گے اور پوری نہ کریں گے۔

باب قول اللّٰه تعالیٰ یا یهاالناس ان وعداللّٰه حق فلا تغرنکم الحیوة الدنیا

غرض یہ ہے کہ دنیا اور شیطان کے دھوکے سے بچ کر رہے۔

لا تغتروا.: ا۔ دھوکے میں نہ آجانا کہ چلو گناہ کر لیتے ہیں نیکی سے معاف تو ہو ہی جائیں گے۔ ا۔ کیونکہ بار بار کرنے سے صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اور کبیرہ صرف وضو سے معاف نہیں ہوتا بلکہ توبہ کرنی پڑتی ہے۔ ۲۔ دھوکے میں نہ آنا کیونکہ صغیرہ بھی صلوٰۃ مقبولہ سے معاف ہوتا ہے اور نماز کے مقبول ہونے کا ہمیں پتہ نہیں چلتا اس لئے صغیرہ گناہ سے بھی بچا کرو۔ ۳۔ دیکھنا کبیرہ گناہ نہ کرنا وہ وضو سے معاف نہیں ہوتا دھوکے میں نہ رہنا۔ **علی**

المقاعد: یہ مقاعد مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ **ذهاب الصالحین .:** غرض یہ بتلانا ہے کہ صالحین کا جانا قرب قیامت کی علامت ہے اس لئے ہمیں قیامت کی تیاری کرنی چاہیے یعنی توبہ کرنی چاہیے۔ **کحفاله الشعیر:** برتن میں نیچے رہ جانے والا گھٹیا حصہ جس کو تلچھٹ کہتے ہیں۔

باب ما یتقی من فتنه المال

مال کی وجہ سے گناہ کرنے سے بچنا ضروری ہے یہ بتلانا مقصود ہے۔ **فلا ادری من القران هوام لا .:** مجھے معلوم نہیں کہ منسوخ التلاوت ہے یا حدیث قدسی ہے **کنا نری هذامن القران حتی نزلت الهکم التکاثر.:** ا۔ الھکم التکاثر سے یہ مذکورہ آیتیں منسوخ التلاوت ہو گئیں ۲۔ جب یہ سورۃ نازل ہوئی الھکم التکاثر تو ہمیں پتہ چلا کہ ولن یملا فاہ الا التراب والے کلمات قرآن نہیں ہے بلکہ قرآن پاک میں یہی مضمون جو الھکم التکاثر کے کلمات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم هذا المال خضرة حلوة .:

غرض یہ بتلانا ہے کہ اگر شرعی احکام کا لحاظ نہ کیا جائے تو زیادہ مال ہلاکت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ **الید العلیا:** ا۔ عفیف۔ ۲۔ دینے والا۔

باب ماقدم من ماله فهوله

غرض صدقہ کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب المکثرون هم المقلون

غرض یہ ہے کہ زیادہ مال والے اگر نیکی میں مال خرچ نہ کریں گے تو وہ آخرت میں غریب ہوں گے۔ **فنفح.:** اس کے معنی ہیں دیا اور خرچ کیا۔ **قال ابوعبداللّٰه حدیث ابی صالح عن ابی الدرداء مرسل لا یصح:** امام بخاری فرمارہے ہیں کہ ابودرداء والی روایت ہم نے صرف اس لئے ذکر کی ہے کہ یہ بھی منقول ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ صحیح ہے ہماری تحقیق یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ذکر یہاں ہی کی ہے ان الفاظ میں حدیث ابی صالح عن ابی الدرداء مرسل۔ پوری سند اور پوری حدیث نقل نہیں

کی۔ **وقال اضربوا علی حدیث ابی الدرداء هذا:** اس کا مطلب یہی ہے کہ اس حدیث کے نقل کرنے والے اس قابل ہیں کہ ان کو مارا جائے یعنی یہ حدیث معتبر نہیں ہے پھر یہاں ھذا کے بعد تین نسخے ہیں۔ا۔ اذا مات قال لا الہ الا اللہ عند الموت۔۲۔ اذا تاب وقال لا الہ الا اللہ عند الموت۔۳۔ اذا تاب اوقال لا الہ الا اللہ عند الموت ان تینوں میں سے ہر ایک کی دو توجیہیں ہیں۔ا۔ توبہ کرے پھر موت سے پہلے کلمہ شریف پڑھ لے تو وہ جنتی ہے اگر چہ اسلام کے بعد چوری یا زنا یا اور کوئی کبیرہ گناہ کر چکا ہو۔۲۔ ایمان لانے سے پہلے ایسے گناہ کئے ہوں پھر موت سے ذرا پہلے ایمان لے آئے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور جنت میں چلا جائے گا پھر ان تینوں نسخوں کی جگہ عینی میں حضرت ابوالدرداء کے الفاظ موقوفاً یوں ہیں من مات لا یشرک باللہ شیئاً فی حق من قال لا الہ الا اللہ عند الموت پھر ان تینوں نسخوں اور دونوں توجیہوں کا تعلق موقوف روایت سے ہے اور اس کو بھی امام بخاری نے ضعیف قرار دیا ہے اس سے پہلے دو مرفوع روایتوں کو بھی امام بخاری نے ضعیف قرار دیا۔ا۔ عن ابی صالح عن ابی الدرداء یہ روایت مسلم میں ہے۔۲۔ عن عطاء بن یسار عن ابی الدرداء یہ روایت طبرانی میں ہے ان دونوں مرفوع روایتوں کا مضمون تقریباً اسی قسم کا ہے جیسا امام بخاری نے مسنداً ابھی حضرت ابوذر سے نقل فرمایا ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما احب ان لی مثل احد

غرض یہ ہے کہ کثرت مال صرف صدقہ کی صورت میں ہی مفید ہوتی ہے۔

باب الغنی غنی النفس

غرض یہ ہے کہ اصل امیری دل کی امیری ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا پر حرص نہ کرے یہ حرص نہ کرنا ہی حقیقی خزانہ ہے امام بخاری یہاں ایحسبون سے ھم لھا عاملون تک اٹھارویں پارہ سورہ مومنون کے چوتھے رکوع کی ۹ آیتیں نقل فرما رہے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مال خود خیر نہیں ہے بلکہ یہ خیر اسی وقت بنتا ہے جبکہ نیک کاموں میں خرچ کیا جائے۔

باب فضل الفقر

غرض اس غریبی کی فضیلت بیان کرنی ہے جس پر وہ غریب راضی اور صابر رہے بلکہ نعمت فقر پر شاکر رہے پھر اس میں علماء نے کلام کی ہے غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر دونوں طرف علماء گئے ہیں محققین کے نزدیک راجح فقیر صابر ہے۔

رفی: وہ چوڑی لکڑی جس کے دو کنارے دیوار میں ہوں۔

باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ وتخلیھم من الدنیا

غرض ان حضرات کے زہد کا بیان ہے۔ **ورق الحبلہ:** سلم کے پتے۔ **کما تضع شاۃ مالہ خلط:** مینگنیاں جو ایک دوسرے سے جڑی ہوئی نہ ہوں بلکہ خشک ہوں۔

باب القصدوا لمداومہ علی العمل

غرض یہ ہے کہ دوام صرف اعتدال سے حاصل ہوتا ہے۔ **واعلموا انہ لن یدخل احدکم عملہ الجنہ:** سوال۔ یہ حدیث تو بظاہر اس آیت کے خلاف ہے تلک الجنہ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون۔ جواب۔ا۔ آیت میں سببیہ عادیہ کا ذکر ہے اور حدیث پاک میں سببیت حقیقیہ کی نفی ہے گویا عمل شرط ہے سبب نہیں جیسے وضوء شرط صلوۃ ہے اور علت رکوع سجدہ ہیں۔۲۔ آیت میں باء الصاق کے لئے ہے سببیت کے لئے نہیں ہے۔۳۔ آیت میں باء مقابلہ کے لئے ہے سبب بنانے کے لئے نہیں ہے۔۴۔ جنت کا کچھ حصہ عمل کی وجہ سے ہوگا اور کچھ محض فضل کی وجہ سے ہوگا۔۵۔ نفس دخول فضل کی وجہ سے ہوگا اور منازل عمل کی برکت سے ہوں گے۔

باب الرجاء مع الخوف

غرض یہ ہے کہ امید اور خوف دونوں ضروری ہیں کیونکہ کبھی اکیلی امید شیطان کے مکر کا سبب بن جاتی ہے کہ وہ غفور رحیم ہیں۔ جتنے مرضی گناہ کر لو وہ معاف فرما دیویں گے اور کبھی اکیلا خوف مایوسی تک پہنچا دیتا ہے کہ بخشش کی کوئی امید نہیں رہتی۔

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را در سنگلاخ ودائے پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ خوار
ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

الایمان بین الخوف والرجاء

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی سے عرض کیا کہ حضرت بہت ڈر لگتا ہے کوئی ایسا علاج فرمادیں کہ ڈر نہ رہے فرمایا کیا کافر بننا چاہتے ہو۔

باب الصبر عن محارم اللّٰہ

غرض صبر کی اس قسم کی فضیلت بیان فرمانا ہے۔

باب ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ

غرض توکل کی فضیلت کا بیان ہے اور اس کے معنی ہیں کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے جو کہ مسبب الاسباب ہیں اور نظر اسباب پر نہ رکھے اور اسباب کا چھوڑنا توکل کے لئے ضروری نہیں ہے۔

باب مایکرہ من قیل وقال

غرض بلاضرورت کثرت کلام کی کراہت کا بیان ہے پھر لفظ قیل وقال۔ ا۔فعل ہیں مراد حکایت ہے لوگوں کے اقوال کی۔ ۲۔مصدر ہیں اور تنوین کے ساتھ پڑھے جائیں گے۔

باب حفظ اللسان

غرض یہ ہے کہ گناہوں سے زبان کو بچانا واجب ہے مرفوعاً وارد ہے ھل یکب الناس فی النار الا حصائد السنتھم قال الشافعی سے

احفظ لسانک ایھا الانسان + لا یلدغنک انہ ثعبان

لا یلقی لھا بالاً: دل کو اس پر نہیں ڈالتا یعنی دل کی پوری توجہ نہیں ہوتی لاپرواہی سے کہہ دیتا ہے۔ بال کے معنی دل کے ہیں۔

باب البکاء من خشیۃ اللّٰہ

غرض حق تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت کا بیان ہے۔

باب الخوف من اللّٰہ

غرض یہ بتلانا ہے کہ خوف لوازم ایمان سے ہے وخافون ان کنتم مومنین۔ **فما تلافاہ ان رحمہ اللّٰہ**: ا۔ما موصولہ ہے اور ان مصدر یہ ہے الذی تدارکہ بہ ھی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ۲۔ما نافیہ ہے اور حرف استثناء محذوف ہے ماتدارکہ الا ان رحمہ اللہ تعالیٰ۔

باب الانتھاء عن المعاصی

غرض یہ بتلانا ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے روکنا واجب ہے۔

باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم تضحکتم قلیلا

غرض اس حدیث پاک کا بیان ہے۔

باب حجبت النار بالشھوات

غرض گذشتہ باب کی طرح۔

باب الجنۃ اقرب الی احدکم من شراک نعلہ والنار مثل ذلک

غرض یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کو قریب سمجھو تاکہ احتیاط کرسکو۔

باب لینظر الی من ھو اسفل منہ ولا ینظر الی من ھو فوقہ

غرض یہ ہے کہ دنیا کے مال وجاہ میں اپنے سے چھوٹے کو دیکھے تاکہ شکر کرے اور آخرت میں اپنے سے اونچے کو دیکھے تاکہ ترقی میں کوشش کرے۔

باب من ھم بحسنہ او بسیئہ

ان دونوں کا حکم بتلانا مقصود ہے۔ سوال فرشتہ کو دل کے ارادہ کا پتہ کیسے چلتا ہے۔ ا۔اللہ تعالیٰ بتلادیتے ہیں۔ ۲۔دل پر کوئی علامت لگ جاتی ہے۔ ۳۔اچھی یا بری بو دل سے فرشتے کو محسوس ہوتی ہے۔

باب ما یتقی من محقرات الذنوب

غرض یہ بتلانا ہے کہ چھوٹے گناہوں سے بچنا بھی واجب ہے۔

باب الاعمال بالخواتیم وما یخاف منھا

غرض یہ ہے کہ ہمیشہ اعمال احتیاط سے کرتا رہے اور برے خاتمہ سے ڈرتا رہے۔

باب العزلۃ من خلاط السوء

غرض یہ بتلانا ہے کہ بری صحبت سے خلوت بہتر ہے۔

باب رفع الامانہ

غرض یہ بتلانا ہے کہ قرب قیامت میں امانت کیسے اٹھالی جائے گی پھر امانت لیا ہے۔ ا۔خیانت کی ضد یعنی عملی کوتاہی کہ کسی چیز کی دھوکہ دے کر اس سے نہ چھپانا۔ ۲۔مکلف ہونا احکام شرعیہ کا۔ ۳۔ایمان۔

انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال ۔۴۔ استعداد حق قبول کرنے کی جو کہ بیج کی طرح ہے اور قرآن وحدیث بارش کی طرح ہیں۔ **اثر الوکت**: آگ کا اثر۔ **المجل**: چھالا۔ **فنفط فتراہ منتبراً**: چھالا بن گیا پس تو دیکھتا ہے اٹھا ہوا۔

باب الریاء والسمعه

دونوں کی مذمت مقصود ہے۔

باب فضل من جاهد نفسه فی طاعة الله

غرض نفس کی مخالفت کا بیان ہے حدیث پاک میں ہے المجاهد من جاهد نفسه۔ **باب التواضع**: غرض تواضع کی فضیلت کا بیان ہے۔ **علی قعودله**: اپنے جوان اونٹ پر۔ **ان حقا علی الله ان لا یرفع شیئا من الدنیا الاوضعه**: غرض یہ ہے کہ دنیا قابل اعتماد نہیں ہے دھوکے کی چیز ہے۔ **وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیه**: فرضوں سے زیادہ قرب کیوں ملتا ہے۔ ۱۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انکار کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ ضروری ہونا ہی علامت ہے اس کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہیں اس لئے ان کا کرنے والا پسندیدہ بن جائے گا۔ ۲۔ نفل فرض کا ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے جس کو آج کل ۱/۷۰ کہتے ہیں اس لئے اس سے قرب بھی ۱/۷۰ ہی ملے گا۔ ۳۔ فرض بنیاد اور تنے کی طرح ہے اور نفل عمارت اور شاخوں کی طرح ہے اس لئے فرض کی اہمیت زیادہ ہے اور اسی لئے اس سے قرب بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ ۴۔ فرض میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پابندی اور اطاعت ہے اس لئے اس پر عمل کرنے والا فرمانبردار بن جاتا ہے۔ **کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به**: ۱۔ وہی سنتا اور دیکھتا ہے اور کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے۔ ۲۔ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی امداد فرماتے ہیں۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے انوار کی برکت اس کے اعضاء میں جاری ہوتی ہے ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی۔ ۴۔ سمع بمعنی مسموع ہے اور بصر بمعنی مبصر ہے یعنی صرف میری کلام ہی سنتا ہے اور صرف میری پسندیدہ چیز ہی کو دیکھتا ہے اور میری پسندیدہ چیز ہی پر ہاتھ ڈالتا ہے اور میری پسندیدہ منزل ہی کی طرف چلتا ہے۔

۵۔ کلام علی حذف المضاف ہے اکون حافظ سمعه وبصره ویده ورجله۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں کی گناہوں سے حفاظت کرتا ہوں۔ ۶۔ اس کے ہاتھ پاؤں کان آنکھ شجرہ طور کی طرح ہو جاتے ہیں اور میرے کمالات اور احکام کا مظہر بن جاتے ہیں اور وہ میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ **وان سالنی لا عطینه**: یعنی وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔ **ترددی عن نفس المومن**: سوال۔ تردد تو شک کو کہتے ہیں کہ میں یہ کام کروں یا نہ کروں اس کی وجہ تو علم کی کمی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔ جواب۔ ۱۔ یہاں مراد تعارض جہات ہے کہ دونوں سبب جمع ہو جاتے ہیں جان نکالنی چاہیے یا نہ نکالنی چاہیے۔ حق تعالیٰ تو جانتے ہی ہیں کہ دونوں میں سے کیا بہتر ہے۔ ۲۔ موت کے فرشتہ کو تردد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم چاہتا ہے کہ جان نکال لوں مومن مرنا پسند نہیں کر رہا یہ چاہتا ہے جان نہ نکالوں۔ اللہ تعالیٰ کا تردد مراد نہیں ہے۔ اپنے وکیل (ملک الموت) کے تردد کو مجازاً اپنا تردد قرار دیا۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم بعثت انا والساعه کهاتین:

غرض قیامت کے قرب کو بیان فرمانا ہے تا کہ احتیاط سے تیاری کی جائے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہونے کی پہلی نشانی ہے کیونکہ درمیان میں کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے۔ **فیمدهما**: دونوں انگلیوں کو خوب کھول دیا۔

باب: یہ باب گذشتہ باب کا تتمہ ہے۔

باب من احب لقاء الله احب الله لقاه

غرض اس حدیث پاک اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔

باب سکرات الموت

غرض موت کی سختیوں کا بیان ہے۔ **رکوة**: چمڑے کا چھوٹا برتن۔ **علبه** بکری کا چھوٹا برتن۔ **افضوا**: وصلوا پہنچ گئے۔

باب نفخ الصور

غرض صور میں پھونک ڈالنے کا اور صور کے بجنے کا بیان ہے پھر اس میں اختلاف ہوا کہ نفخ صور دو دفعہ ہوگا یا تین دفعہ بعض تین

دفعہ کے قائل ہوئے۔ا۔فزع کے لئے کہ صور پھونکنے سے جو زندہ ہوں گے وہ بھی اور وفات پانے والوں کی روحیں بھی گھبرا جائیں گی۔۲۔صعق یعنی بے ہوشی کے لئے کہ جو وفات پا چکے ہیں وہ بے ہوش ہو جائیں گے یا دوبارہ فوت ہو جائیں گے البتہ انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور جو زندہ ہوں گے وہ فوت ہو جائیں گے۔۳۔بعث اٹھنے کے لئے لیکن راجح یہ ہے کہ دو دفعہ ہی نفخ صور ہوگا۔ا۔پہلے نفخ صور سے پہلے گھبراہٹ ہوگی پھر بے ہوشی یا موت ہوگی۔۲۔دوسرے سے بعث یعنی اٹھنا ہوگا۔

باب یقبض اللہ الارض یو م القیامہ:.

غرض یہ بتلانا ہے کہ زمین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوگی پھر امام بخاری نے قبض الارض کا ذکر نفخ صور کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ قرآن پاک میں سورہ زمر میں ان دونوں چیزوں کا ذکر اکٹھا ہے پھر قبض الارض کے معنی کیا ہیں۔ا۔اظہار قدرت کہ اس دن زمین پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پوری پوری سب پر ظاہر ہو جائے گی۔۲۔یہ کنایہ ہے فناءارض سے کہ زمین کچھ دیر کے لئے بالکل فنا کر دی جائے گی۔

باب کیف الحشر

غرض حشر کی کیفیت کا بیان ہے خود حشر تو قطعی ہے البتہ اس کی کیفیت میں دو قول ہیں۔ا۔ایجاد معدوم۔۲۔اجزاء متفرقہ کو جمع فرمانا اور قرآن وحدیث میں ان دونوں کا احتمال موجود ہے۔

ویحشر بقیتھم النار:. اس حدیث کے مصداق میں دو قول ہیں۔ا۔نفخہ اولی سے پہلے ایسا ہوگا اور آگ دنیا کی ہوگی۔۲۔نفخہ ثانیہ کے بعد ایسا ہوگا اور آگ آخرت کی ہوگی۔

باب قول اللہ عزوجل ان زلزلہ الساعہ شیٔ عظیم

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔

باب القصاص یوم القیامہ

غرض قیامت کے دن بدلہ کیسے دیا جائے گا اس کا بیان ہے۔

باب من نو قش الحساب عذب

غرض اس مناقشہ کا بیان ہے جو حدیث پاک میں مذکور ہے یعنی محاسبہ میں انتہاء کو پہنچنا اس کے مقابلہ میں عرض ہے یعنی اعمال ظاہر فرمائیں گے پھر بخشش ہو جائے گی۔**واشاخ:.** منہ پھیرا اور اعرض پر عطف تفسیری ہے۔

باب یدخل الجنہ سبعون الفا بغیر حساب

ربط اور غرض یہ ہے کہ پہلے مناقشہ اور حساب یسیر کا ذکر تھا اب دونوں قسم کے لوگوں سے اونچے حضرات کا ذکر ہے کہ کچھ بغیر حساب بھی جنت میں جائیں گے۔

باب صفہ الجنہ والنار

غرض جنت اور دوزخ کے کچھ حالات کا بیان ہے۔سوال۔کتاب بداء الخلق میں دونوں کا ذکر دو بابوں میں گزر چکا ہے پھر دوبارہ کیوں بیان کیا ہے۔سوال۔کتاب بداء الخلق میں دونوں کا ذکر دو بابوں میں گذر چکا ہے پھر دوبارہ کیوں بیان کیا فرمایا۔ جواب وہاں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور دونوں پیدا کی جا چکی ہیں اب یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ دار ثواب اور دار عقاب ہیں اس لئے ہمیں گناہوں سے بچنا چاہیے اور نیکی کرنی چاہیے۔**جی بالموت:.** سورہ مریم کی تفسیر میں ایک روایت میں یوں گزر چکا ہے یوت بالموت کھینہ کبش املح اور امام مقاتل اور امام کلبی نے خلق الموت والحیوۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے خلق الموت فی صورۃ کبش لایمر علی احد الاامات وخلق الحیوۃ علی صورۃ فرس لایمر علی شی الاحی پھر قیامت میں چونکہ معانی اجسام کی شکل میں ظاہر ہوں گے اس لئے موت دنبے کی شکل میں ظاہر ہوگی پھر ذبح کرنے والے کون ہوں گی۔ا۔یحیی بن زکریا علیہما السلام وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موت کو ذبح کر دیں گے۔۲۔حضرت جبریل علیہ السلام ذبح فرمائیں گے پھر ذبح کی جگہ جنت کا دروازہ ہوگی پھر دنبہ کی شکل میں موت کا آنا اس طرف اشارہ

ہوگا کہ جیسے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ دنبہ کا فدیہ دیا گیا اسی طرح سب اہل جنت واہل نار کی طرف سے فدیہ دے دیا گیا اب ان پر موت نہ آئے گی پھر ذبح کے بعد اللہ تعالیٰ دونوں جماعتوں کے دلوں میں خلود ڈال دیں گے اور ابن تیمیہ اور ابن قیم اس کے قائل ہوئے کہ دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے گا عقلی دلیلوں کو دیکھا اور جھم بن صفوان اور ابو ہذیل اور بعض شیعہ کا اس مسئلہ میں اتباع کیا لیکن یہ عقیدہ بالکل مردود ہے علامہ سبکی کبیر جن کی وفات ۷۸۳ھ میں ہوئی انہوں نے اس عقیدہ کا رد کیا ہے ایک رسالہ میں جس کا نام ہے الاعتبار ببقاء الجنۃ والنار اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ دوزخ کے خلود کا منکر بالاجماع کافر ہے۔ اس رسالہ میں ۳۲ آیتیں نقل فرمائیں ہیں جن میں جہنم کے خلود کی تصریح ہے اور تین میں ساتھ ابداً بھی ہے اور اس کے علاوہ بہت سی آیتوں میں معنی خلود کے موجود ہیں اور اس معنی میں احادیث بھی بہت ہیں اور ۳۸ آیات ہیں جن میں صراحۃً خلود جنت ہے اور ان میں سے سات میں ساتھ ابداً بھی ہے اور تیس سے زائد آیتیں ایسی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ اہل جنت کو جنت سے نکالا نہ جائے گا پھر ابن تیمیہ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ عقلی احتمال تین ہیں۔ ا۔ جنت اور دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے اور اس کا کوئی بھی قائل نہ ہوا۔ ۲۔ دوزخ فنا ہو جائے گی یہ سلف کا قول ہے۔ ۳۔ کوئی بھی فنا نہ ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ دوسرا قول جو ابن تیمیہ نے قول سلف قرار دیا ہے یہ بالکل باطل ہے سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہوا۔ پھر ابن تیمیہ اور ابن قیم کے اوہام کے ازالہ کے لئے یہاں چھ سوال جواب مختصراً ذکر کئے جاتے ہیں۔ سوال۔ **لا بثین فیھا احقابا**۔ اس میں احقاب حقب کی جمع ہے جس کے معنی ۸۰ سال کے ہیں۔ جنت میں چند حقب ٹھہریں گے تو یہ متناہی زمانہ ہوا۔ جواب۔ معنی یہ ہیں کہ جب ایک حقب ختم ہوگا تو دوسرا حقب شروع ہوگا اور کبھی اختتام نہ ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ جب یہاں نہ قید احقاب کے ساتھ متناہی کی ہے نہ ہی غیر متناہی کی ہے تو لامحالہ وہی معنی ہوں گے جو دوسری نصوص سے ثابت ہیں کیونکہ یہ آیت تناہی وعدم تناہی سے ساکت ہے باقی نصوص ناطق ہیں اور ناطق کو ساکت پر ترجیح ہوتی ہے۔ سوال۔ پارہ ۸ رکوع ۲ **قال النار مثوی لکم خالدین فیھا الا ماشاء اللہ** اسی طرح پارہ ۱۲ رکوع ۹ **خالدین فیھا مادامت السموات والارض الا ماشاء ربک** دو مرتبہ ہے ان آیتوں میں خلود سے استثناء ہے اس لئے خلود ضروری نہ رہا جواب۔ ا۔ استثناء کا تعلق میدان قیامت میں کھڑے ہونے سے ہے جنت اور دوزخ سے نہیں تاکہ نصوص میں تعارض لازم نہ آئے۔ ۲۔ استثناء کا تعلق قبر میں رہنے سے ہے۔ ۳۔ استثناء اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ معلق ہے مگر یہ کہ وہ چاہیں اس لئے اس استثناء سے تو خلود اور پختہ ہو گیا جیسے کوئی کہے میں تجھے ضرور ماروں گا مگر یہ کہ میری رائے یہ نہ ہو اور اس کی رائے مارنے کی ہی ہے تو جیسے اس میں مارنے کا مبالغہ ہے اسی طرح ان آیتوں میں خلود کا مبالغہ ہے اور اس کی تائید ان کلمات سے بھی ہوتی ہے **عطاء غیر مجذوذ**۔ ۴۔ معنی یہ ہیں کہ باوجود خلود کے ہماری مشیت باقی ہے ہم قادر پھر بھی ہیں نکالنے پر جیسے ارشاد ہے **ولئن شئنا لنذھبن بالذ اوحینا الیک**۔ ۵۔ **فاما الذین شقوا** میں گنہگار مومن بھی داخل ہیں استثناء کی وجہ سے صرف وہ خارج ہوں گے۔ سوال۔ عن عبداللہ بن عمرو مرفوعا لیاتین علی جھنم یوم تصفق فیہ ابوابھا لیس فیھا احد جواب۔ ا۔ روح المعانی میں ہے کہ ابن الجوزی نے اس کو صراحۃً موضوع قرار دیا ہے۔ ۲۔ موحدین سے جہنم خالی ہو جائے گی اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی روایت کے ایک طریق میں یہ بھی ہے کانھا ابواب الموحدین۔ سوال۔ عذاب دینا تو اللہ تعالیٰ کے صفات میں سے نہیں ہے صرف ایک فعل ہے اور فعل کے لئے دوام ضروری نہیں۔ اس لئے خلود فی العذاب ضروری نہیں۔ جواب۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شدید العذاب۔ الجبار۔ القہار۔ المذل۔ المنتقم بھی تو ہیں جو دوام کا تقاضیٰ کرتی ہیں۔ ۲۔ یہ سوال تو اس پر مبنی ہے کہ ہر فعل اور ہر صفت کے لئے مخلوق ضروری ہے اس سے تو لازم آتا ہے کہ عالم قدیم ہو جاتے کیونکہ قدرت کے لئے بھی پھر مخلوق کی ضرورت ہوگی اور عالم کا قدیم ہونا باطل ہے۔ سوال۔ **ورحمتی وسعت کل شیٔ** اور اگر دوزخ کا خلود مانا جائے گا تو یہ لازم آئے گا لم یشمل الرحمۃ شیئا اور یہ آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔ جواب۔ آپ کا یہ قول ہے لم یشمل الرحمۃ شیئاً ہم پوچھتے ہیں کہ اس سے مراد اگر سالبہ کلیہ ہے تو یہ غلط ہے

کیونکہ اہل جنت موجود ہوں گے۔ ان کو رحمت شامل ہوگی تو یہ کہنا غلط ہے کہ رحمت کسی چیز کو شامل نہ رہے گی اور اگر آپ کی مراد سالبہ جزئیہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوں گی جن کو رحمت شامل نہ ہوگی تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اہل جہنم کو خلود کی صورت میں بھی رحمت شامل ہوگی۔ کیونکہ جتنا عذاب ان کو ہو رہا ہوگا حق تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہیں یہ زیادہ نہ دینا بھی تو رحمت ہے خلاصہ یہ نکلا کہ **ور حمتی وسعت کل شی** بطور موجبہ کلیہ کے صحیح ہے اس کے خلاف آپ کا نہ سالبہ کلیہ ٹھیک ہے نہ سالبہ جزئیہ۔ سوال۔ جب وہ آخرت میں مسلمان ہو چکے ہوں گے تو مسلمان ہمیشہ دوزخ میں کیسے رہ سکتا ہے۔ جواب۔ اس پر اجماع ہے کہ مرنے کے بعد ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ سوال۔ جب ان کو ہمیشہ کا عذاب ہی دینا ہے تو ان کو پیدا کرنا ہی مناسب نہ تھا حکمت کے خلاف تھا۔ جواب۔ حکمت اس میں اظہار قدرت ہے۔ **لایدخل اولھم حتی یدخل اخرھم:** یعنی ایک صف کی شکل میں وسیع دروازے سے داخل ہوں گے۔ **الغارب فی الافق الشرقی والغوبی:** فی کا متعلق محذوف ہے ای الواقع فی الافق الشرقی غرض یہ ہے کہ باوجود دوری کے چمکتے ہوئے نظر آئیں گے الضغابیس چھوٹی ککڑیاں۔ **قد امتحشوا:** جل گئے ہوں گے۔ **القمقم:** تانبے وغیرہ کی دیگچی۔ **فاشاح:** پھیرلیا۔ **ضحضاح:** ہلکا حصہ۔ **ثم اشفع:** یعنی پہلے میں شفاعت کبریٰ کروں گا پھر شفاعت صغریٰ کروں گا۔ **فیحدلی حداً:** دو معنی کئے گئے۔ ا۔ پہلے مثلاً تارکین جماعت کو نکالو پھر تارکین صلوۃ کو نکالو پھر شرابیوں کو پھر زانیوں کو۔ ۲۔ پہلے عالی اعمال والوں کو جنت میں داخل کرو پھر ان سے کم پھر ان سے کم۔

باب الصراط جسر جھنم

پل صراط کا ذکر مقصود ہے۔ **انت ربنا:** ا۔ پہلے حق تعالیٰ ایسی شکل میں ظاہر ہوں گے جس کو مسلمان نہ پہچانیں گے پھر ایسی شکل میں کہ پہچان لیں گے یہ امتحان ہوگا اور جنت میں زیارت انعام واکرام ہوگا اور میدان حشر میں کچھ نہ کچھ امتحان ہوگا۔ جنت یا دوزخ میں جانے کے بعد امتحان بالکل ختم ہو جائے گا۔ ۲۔ حشر میں پہلی زیارت منافقوں کو الگ کرنے کے لئے ہوگی جب وہ چلے جائیں گے تو پھر واضح زیارت ہوگی اور مومنین کا کہنا انت ربنا تو اس پہچان لینے کی وجہ کیا ہوگی۔ ا۔ اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیں گے۔ ۲۔ انبیاء علیہم السلام کی اعانت سے۔ ۳۔ علم بدیہی کی وجہ سے۔

کتاب الحوض: تقدیر عبارت یوں ہے کتاب فیہ ذکر الحوض۔ غرض حوض کا ذکر ہے پھر حوض پر آنا کب ہوگا۔ ا۔ پل صراط پر سے گزرنے سے پہلے۔ ۲۔ پل صراط پر سے گزرنے کے بعد۔ ۳۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہوں گے ایک پر آنا پل صراط پر سے گزرنے سے پہلے ہوگا۔ دوسرے پر بعد میں۔ ۴۔ بعض کو پل صراط پر سے گزرنے سے پہلے پانی پلائیں گے اور بعض کو گزرنے کے بعد پھر ترمذی شریف میں یوں وارد ہوا ہے۔ ان لکل نبی حوضاً وھو قائم علی حوضہ بیدہ عصاً یدعو من عرف من امۃ الا وانھم یتباعون ایھم اکثر تبعاوانی لارجوان اکون اکثرھم تبعاً۔

باب قول اللہ انا اعطیناک الکوثر

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ کوثر کے مصداق میں مختلف قول ہیں۔ ا۔ جنت میں نہر ہے۔ ۲۔ خیر کثیر اور اس میں نبوۃ اور قرآن وغیرہ داخل ہیں۔ ۳۔ خیر کثیر اور جنت میں جو نہر ہے وہ بھی اس میں داخل ہے اور یہ تیسرا قول امام بخاری نے اس باب میں حضرت سعید بن جبیر سے صراحۃً نقل فرمایا ہے۔ **وکیزانہ:** یہ کوز کی جمع ہے جس کے معنی صراحی کے ہیں۔ **مسک اذفر:** مشک تیز خوشبو والی۔ **فیحلئوون:** روکے جائیں گے۔ **فیجلون:** ہٹائے جائیں گے۔ **فلااراہ یخلص منھم الامثل ھمل النعم:** اس عبارت میں جو ھمل کا لفظ ہے اس کے معنی وہ چارہ ہے جو جانوروں کے چرنے کے بعد تھوڑا سا بچ جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ بہت تھوڑے سے ان میں سے آگ سے بچ جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ بعض مرتد ہونے والوں میں سے دوبارہ توبہ کر کے مومن ہو گئے البتہ ارتداد کی وجہ سے صحابی ہونے کی دولت ختم ہو گئی۔ **مابین بیتی ومنبری روضہ من ریاض الجنہ:** ا۔ یہ ٹکڑا جنت

سے ہی آیا اور جنت ہی کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔۲۔اس حصہ میں عبادت کرنا دخول جنت کا سبب ہے۔۳۔اس حصہ کو ایسی ہی بلندی حاصل ہے جیسی کہ جنت کے حصوں کو حاصل ہے۔ **ومنبری علی حوضی:.** ا۔یہی مسجد نبوی والی منبر حوض کوثر تک پہنچادی جائے گی۔۲۔منبر کے پاس عبادت کرنا حوض کوثر سے سیراب ہونے کا سبب ہے۔۳۔تشبیہ دینی مقصود ہے کہ اس منبر کے پاس فائدہ حاصل کرنا ایسا ہی مفید ہے جیسے حوض کوثر پر سیراب ہونا مفید ہے۔ **تری فیه الانیه مثل الکواکب:.** یہ الفاظ مستور د صحابی مرفوعاً نقل کر رہے ہیں اور حضرت حارثہ صحابی کو بتلا رہے ہیں کہ یہ الفاظ بھی مرفوعاً ثابت ہیں، اور ان الفاظ میں برتنوں کو تشبیہ دینی ہے ستاروں کے ساتھ دو چیزوں میں ۔ا۔روشنی ۔۲۔کثرت۔

کتاب القدر

ربط یہ ہے کہ یہ تتمہ ہے کتاب الایمان کا تا کہ صحیح بخاری کا آخر اول کی طرح بہت کمال وفضیلت والا ہو جائے جیسے قرآن پاک کی سورتوں کے مضامین شروع اور اخیر میں بہت زیادہ قوت والے ہوتے ہیں اور غرض ان احادیث کا بیان ہے جو قضاء وقدر میں وارد ہوئی ہیں۔ پھر لفظ قدر دلالت کرتا ہے قدرت پر یعنی طے کی ہوئی چیز جو پائی جاتی ہے علم وقدرت سے یہ تو عقل کا تقاضا ہے اور نقل سے یہ بھی ثابت کہ ایسے موقعہ میں حق تعالیٰ کا قول بھی پایا جاتا ہے **فانما یقول له کن فیکون**۔ پھر قضاء اور قدر میں کیا فرق ہے اس کی مختلف تقریریں ہیں ۔ا۔قضاء حکم کلی اجمالی ہے جو ازل میں پایا جاتا ہے اور قدر اسی کی جزئیات ہیں کہ اچھی شکل وصورت ہو یا بدصورت ہو اور کس زمانہ میں ہو اور کس جگہ پر ہو۔۲۔قضا ارادہ ازلیہ کا نام ہے اور قدر چیزوں کا پیدا کرنا ہے خاص مقدار کے ساتھ۔۳۔ قضاء نام ہے علم ازلی کا جس کا تعلق اشیاء مخلوقہ سے ہو اور قدر اسی علم کے مطابق ان اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا ہے۔۴۔قدر بنیادی تعیین وتقدیر کو کہتے ہیں قضاء اس پر متفرع ہے اور اسی کی تفصیل وقطع کو کہتے ہیں۔۵۔قدر ایسے ہے جیسے ناپنے کے لئے کوئی چیز تیار کر کے رکھی ہو اور قضاء ایسے ہے جیسے بالفعل ناپا جائے۔

تقدیر پر ایمان لانے کے معنی

یہ ہیں کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمانے سے پہلے خیر وشر کو مقدر فرمایا یعنی ان کا اندازہ فرمایا اور تقدیر بنائی اور پوری مخلوقات ان کی قضاء سے ہی ہے اس کے باوجود بندہ اپنے اختیار سے کاسب ہے یعنی عمل کرتا ہے اس لئے بندہ جبر و قدر کے درمیان ہے اور اضطرار اور اختیار کے درمیان ہے نہ مجبور ہے اینٹ پتھر کی طرح نہ مکمل اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور خلق کے بغیر کچھ کر سکے جیسے حضرت علی سے کسی نے پوچھا کہ انسان قادر ہے یا مجبور ہے وہ شخص کھڑا تھا فرمایا ایک پاؤں اٹھاؤ اس نے اٹھا دیا فرمایا کہ اب دوسرا بھی اٹھاؤ تو نہ اٹھا سکا تو فرمایا بس اسی طرح ہے کچھ اختیار ہے کچھ مجبور ہے پھر افعال عباد دو قسم کے ہیں۔ا۔اضطرار یہ جو اختیار کے بغیر صادر ہو جاتے ہیں ان میں انسان حقوق اللہ کے لحاظ سے مکلف نہیں ہے البتہ حقوق العباد کے لحاظ سے ان میں بھی مکلف ہے جیسے قتل خطاء ہے کہ گولی چلادی ہرن پر وہ لگ گئی انسان کو اس میں آخرت میں گناہ نہ ہوگا البتہ دنیا میں دیت دینی ہوگی۔۲۔دوسری قسم افعال اختیاریہ کی ہے کہ جیسے چلنا پھرنا، کھانا، پینا، نماز، روزہ، زنا، چوری ان افعال میں کسب بندہ کا ہے اور خلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ مذہب ہے اہل السنہ والجماعت کا اس میں اعتدال ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً لشاربین** پھر قدریہ معقولہ کو ہی کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے قدرت عبد میں افراط کیا ہے اور اس میں قدرت عبد کو حد سے زیادہ مان لیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال اختیاریہ کا خود خالق ہے۔اجمالی جواب۔ا۔یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے کہ خالق کل شئی۔۲۔ ان کا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ مخلوق کیسے خالق ہو سکتی ہے اور جبریہ کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اور اس کے سب افعال ایسے ہیں جیسے مرد ہونا اور عورت ہونا انسان کا ان میں کچھ دخل نہیں کچھ اختیار نہیں اجمالی جواب یہ ہے۔ا۔یہ قول بداھت

کے خلاف ہے کیونکہ جیسے ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت دن ہے رات نہیں ہے اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ ہم گھر سے مسجد میں جائیں یا گھر سے سینما جائیں تو اپنے اختیار سے جاتے ہیں۔۲۔ اگر ہم مجبور محض ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل فرمانا نعوذ باللہ بالکل بے کار رہتا تو تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا پھر اشعریہ فرماتے ہیں کہ اختیاری کاموں میں اگرچہ کسب اور ارادہ انسان ہی کرتا ہے لیکن انسان کے ارادہ کا اثر فعل میں بالکل نہیں ہے اور ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ بندے کی تاثیر بھی فعل اختیاری میں ہے لیکن یہ تاثیر باذن اللہ ہے گویا ماتریدیہ کے نزدیک اختیاری فعل دو قدرتوں سے صادر ہوتا ہے اصل فعل تو اللہ تعالیٰ ہی کی تاثیر سے پایا جاتا ہے البتہ اس فعل کی نیکی کا ہونا یا گناہ ہونا بندے کی تاثیر سے ہوتا ہے جیسے یتیم کو مارنا یہ اصل مارنا تو حق تعالیٰ کی قدرت وتاثیر سے ہے لیکن نیت اس کو ادب سکھانے کی ہے تو یہ نیکی ہے اور تکلیف پہنچانے کی نیت سے ہے تو یہ اس مارنے والے انسان کا گناہ شمار ہوگا۔ سوال تقدیر کے خلاف تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا اس لئے ہم تو مجبور ہو گئے۔ جواب۔ تقدیر قوت علم کا نام ہے اس لئے تقدیر عمل پر مجبور نہیں کرتی بلکہ وہ تو فعل کے تابع ہوتی ہے اگرچہ وجود فعل سے پہلے ہوتا ہے جیسے میں ایک شخص کو دیکھوں کہ وہ اپنے ٹرنک میں کپڑے رکھ رہا ہو تو میں کہہ دوں کہ یہ شخص آج سفر پر جائے گا اور لکھ بھی دوں تو میرے کہنے اور لکھنے نے اس کو سفر پر جانے پر مجبور نہیں کیا۔۳۔ تقدیر میں یوں ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے ارادے سے یہ کام کرے گا اس سے جبر کہاں لازم آیا بلکہ ارادہ اور اختیار کی تاکید ہوئی۔۳۔ تقدیر کا تعلق خود اللہ تعالیٰ کے افعال سے بھی تو ہے تو جیسے حق تعالیٰ تقدیر کی وجہ سے مجبور نہیں ہوتے اسی طرح ہم بھی مجبور نہیں ہوتے۔

تقدیر کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے دو مثالیں

۱۔ کوئی حاکم دو آدمیوں کو دو مختلف کاموں کے لئے بھیجے اور ساتھ ہی اپنے درباریوں کو یہ کہہ دے کہ میری فراست میں ان میں سے ایک امین ہے اور دوسرا خائن ہے پھر دوسرا جب خیانت کرے گا تو اس کو معذور نہ سمجھیں گے بلکہ بادشاہ کی فراست کی مدح کریں گے۔۲۔ آج کل ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے آنے جانے کے اوقات کتابی شکل میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں ان کے باوجود گاڑی اور ہوائی جہاز چلانے والے مجبور تو نہیں ہو جاتے ایسے ہی تقدیر حق تعالیٰ کی قوت علمیہ ہے اس سے کسی مکلف کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا۔

قدریہ کا رد

دو وجہیں رد کی اجمالی جواب کے درجے میں گزر چکی ہیں کہ منکرین تقدیر جو افعال اختیاریہ کا خالق انسان کو مانتے ہیں تو ان کا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے **خالق کل شیء** اور یہ کہ عقلاً مخلوق خالق نہیں ہو سکتی ان دو کے علاوہ کچھ وجہیں رد کی مختصراً ذکر کی جاتی ہیں۔۱۔ ان قدریہ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود کر دیا کہ انسانوں کے اختیاری افعال میں جاری نہیں ہوتی یہ اس آیت کے خلاف ہے **ان اللہ علی کل شیء قدیر**۔۲۔ ان قدریہ نے اپنے خیال میں اس قباحت سے بچنے کی کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ کو خالق شر مانا جائے لیکن ان کو لازم آگیا کہ انہوں نے تمام انسانوں اور جنوں کو اپنے اختیاری افعال کا خالق مان لیا جو شرک ہے گویا غیر متناہی بمعنی کثیر شرکاء اللہ تعالیٰ کے مان لئے فر من المطر وقر تحت المیزاب۔۳۔ اگر انسان مثلاً اپنے چلنے کا خالق ہوتا تو چلتے وقت جتنی حرکتیں ہڈیاں اور پٹھے اور اعضاء کے باقی حصے کرتے ہیں وہ سب کی سب تفصیل سے انسان کو معلوم ہونی ضروری تھیں حالانکہ ایسا نہیں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں **الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر** معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہیں انسان اپنے کسی فعل کا خالق نہیں ہے۔ سوال۔ خلق شر کا تو قبیح ہے اللہ تعالیٰ کیسے شر کے خالق ہو سکتے ہیں۔ جواب۔ شر کا کسب قبیح ہے یہ بندہ کرتا ہے خلق شر کا بھی قبیح نہیں کیونکہ اس خلق کے درجہ میں حکمتیں ہوتی ہیں اور سب سے بڑی حکمت امتحان ہے اگر شر پیدا نہ ہو سکتا تو انسان کسب بھی نہ کر سکتا اس طرح گناہ ہو ہی نہ سکتا **لیبلوکم ایکم احسن عملا**۔۴۔ منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مناظرہ ایک معتزلی سے ہو گیا فرمایا کھو یاء اسے کہہ دیا فرمایا کھو حاء اس نے کہہ دیا فرمایا ان کا مخرج بیان کرو اس

نے بیان کر دیا فرمایا اگر تم خالق ہو تو یاء کو حاء کے مخرج سے نکالو بہت المعتزلی وہ حیران اور شرمندہ ہو گیا اور ہار گیا حاصل یہ ہوا کہ خالق تو اپنی مخلوق کی تبدیلی پر بھی قادر ہوتا ہے ہم قادر نہیں ہیں اس لئے ہم اپنے افعال کے خالق نہیں ہیں۔

فرقہ جبریہ

کاردان کا اصل رد تو یہی ہے کہ انسان کا مجبور نہ ہونا بالکل بد یہی ہے جیسے ہم دن کو دن اور رات کو رات بداھۃً سمجھتے ہیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح گھر سے مسجد جانا یا گھر سے سینما جانا ہمارے اختیار سے ہوتا ہے ہم اس میں مجبور نہیں ہوتے اس کے علاوہ بھی چند دلائل اور تنبیہات مختصراً ذکر کی جاتی ہیں۔ ا۔ فرقہ جبریہ کو غلطی یہ لگی کہ انہوں نے تقدیر کو اتنا بڑھا دیا کہ کہہ دیا کہ تقدیر کی وجہ سے ہم اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتے ہم مجبور محض ہیں یہ بات ان کی بالکل غلط ہے کیونکہ تقدیر تو حق تعالیٰ کی قوت علمیہ کا نام ہے کہ پہلے سے جان لیا کہ یہ نیکی کرے گا اور یہ گناہ کرے گا اس سے کوئی بھی مجبور نہ ہوا اس لئے تقدیر مکلف ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ ۲۔ جبریہ نے انسان اور جماد میں فرق نہ کیا پھر انسان کی رعشہ کی حرکت اور اختیاری چلنے پھرنے میں فرق نہ کیا یہ دونوں باتیں بداھۃً باطل ہیں انسان کی رعشہ کی حرکت غیر اختیاری ہے اور چلنے پھرنے کی حرکتیں اختیاری ہیں اور یہ سب باتیں بدیھی ہیں۔ ۳۔ جبریہ کے نزدیک گناہ اور نیکی میں کوئی فرق نہیں۔ حسن و قبح میں کوئی فرق نہیں اور یہ سب باتیں عقلاء کے اجماع کے خلاف ہیں۔ ۴۔ عندالجبریہ نعوذ باللہ نہ نبیوں کی ضرورت ہے نہ کسی آسمانی کتاب کی ضرورت ہے اور یہ بات تمام ادیان کے اجماع کے خلاف ہے۔ قرآن پاک کی بہت سی آیتوں کے خلاف ہے مثلاً **ولو انا اھلکنا ھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولاً فنتبع آیاتک من قبل ان نذل ونخزی** اور جہنم حق تعالیٰ کا عدل ہے۔ ظلم کا اس بارگاہ میں نام و نشان ہی نہیں ہے۔

خلق اور کسب میں فرق

ا۔ خلق تو صرف قدرت قدیمہ سے صادر ہوتا ہے اور کسب قدرت حادثہ سے بھی صادر ہوتا ہے۔ ۲۔ جس چیز پر خلق واقع ہوتا ہے وہ فاعل یعنی خالق سے الگ ہوتی ہے اور کسب تو محل قدرت یعنی کاسب کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ ۳۔ خلق بندے میں استطاعت اور قدرت پیدا کرنے کا نام ہے اور کسب استطاعت کو استعمال کرنے کو کہتے ہیں۔ ۴۔ خلق سورج کی روشنی کی طرح ہے اور کسب چاند کی روشنی کی طرح ہے اور ظاہر ہے کہ چاند سورج سے روشنی لیتا ہے۔ ۵۔ خلق ایسے ہی ہے کہ جیسے حق تعالیٰ نے اموال کی ملک دی ہے دنیا میں اور ہم ان اموال میں تصرف کرتے ہیں ہمارا کسب اموال کے تصرف کی طرح ہے اور حق تعالیٰ کا خلق مال دینے کی طرح ہے۔

باب جف القلم علی علم اللہ

غرض تقدیر کے مسئلہ کا بیان ہے اور علم سے مراد حکم ہے کیونکہ علم اللہ حکم اللہ کو مستلزم ہے اور حکم اللہ کو اس چیز کا واقع ہونا لازم ہے اور جفاف کنایہ ہے فراغت سے یعنی اس میں تبدیلی نہیں ہے کیونکہ فراغ کے بعد جفاف ہوتا ہے۔ **واضلہ اللہ علی علم:** یہاں بھی علم بول کر حکم مراد ہے یعنی تقدیر۔

باب اللہ اعلم بما کانوا عاملین

غرض یہ ہے کہ راجح اولاد مشرکین میں عندالبخاری توقف ہے تفصیل کتاب الجنائز میں گزر چکی۔

باب وکان امر اللہ قدراً مقدوراً

غرض یہ ہے کہ ہر ذات اور اس کی صفت اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور وہ ضرور واقع ہوتا ہے اس میں بھی کبھی تخلف نہیں ہوتا۔ **فلتبصر والتحتسب:** یعنی وہ اپنے بچے کو اپنے حساب میں اللہ تعالیٰ کے لئے سمجھے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہے اعملو فکل میسر نہیں اس کا عمل اس کے انجام کی علامت ہوتی ہے اس کی نظیر رزق ہے کہ وہ مقسوم ہے پھر بھی کسب کا حکم کیا جاتا ہے کہ یعنی دوسری نظیر بیماری ہے کہ موت کا وقت تو متعین ہے لیکن پھر بھی علاج کیا جاتا اور مسنون بھی ہے۔

باب العمل بالخواتیم

غرض یہ ہے کہ مدار آخری عمل پر ہے اگر اخیر میں اچھے عمل کئے

تو نجات ہے برے کئے اور وہ برے عمل نیک عملوں سے بڑھ گئے تو عذاب کا اندیشہ ہے یعنی زخموں نے اس کو کمزور اور ڈھیلا کر دیا۔

باب القاء النذر الی التقدیر

غرض یہ ہے کہ نذر تقدیر کو نہیں بدل سکتی باب کی وضاحت حدیث پاک سے ہو رہی ہے سوال پھر تو نذر پورا کرنا واجب نہ ہونا چاہیے جواب نذر ایک سبب ہے ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں ہے جیسے ابھی گزرا کہ رزق مقدر ہے پھر بھی اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے موت مقدر ہے پھر بھی علاج کرنا سنت ہے۔

باب لا حول ولا قوة الا باللہ

غرض اس پاک کلام کا مضمون بیان کرنا ہے۔سوال۔یہ باب تو کتاب الدعوات میں گزر چکا ہے۔جواب۔وہاں بطور دعا کے تھا اور یہاں اس پاک کلام کے معنی اور مضمون کا بیان ہے اور وہ مضمون تقدیر کا مسئلہ ہی ہے پھر معنی کی تفصیل میں دو قول ہیں۔ا۔ نیکی کا کرنا اور گناہ کا چھوڑنا اللہ تعالیٰ ہی کی اعانت سے ہے۔۲۔نفع حاصل کرنا اور تکلیف سے بچنا اللہ تعالیٰ ہی کی قوت سے ہے۔

باب المعصوم من عصم اللہ

غرض یہ ہے کہ گناہوں سے اور ہلاکت سے بچنا اللہ ہی کی قضا سے ہے پھر انبیاء علیہم السلام کی عصمت وجوبی ہے اور دوسروں کی جوازی ہے۔

باب وحرام علی قریہ اھلکنا ھا انھم لا یرجعون

ان آیتوں کی تفسیر مقصود ہے باب۔ **وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس:**. غرض یہ ہے کہ معراج میں عجیب وغریب باتوں کا دکھانا لوگوں کے امتحان کے لئے تھا چنانچہ بعض نے انکار کیا بعض نعوذ باللہ مرتد ہو گئے بعضوں نے باتیں بنائیں اور شور مچایا اور بعض کی بصیرت زیادہ ہوئی جیسے ابو بکرؓ ہیں کہ اسی دن سے لقب صدیق ہوا اور ربط تقدیر کے ابواب سے یہ ہے کہ ہر فتنہ اور امتحان اللہ تعالیٰ کی قضا سے ہی واقع ہوتا ہے۔

باب تحاج آدم وموسیٰ علیھما السلام عند اللہ عزوجل

غرض اس مناظرہ کا بیان ہے جو حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ہوا پھر امام بخاری کا عند اللہ عزوجل فرمانا اس میں عند شرافت ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ دونوں حضرات شرافت وعزت والے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔عند یہاں مکان کے لئے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہیں۔پھر محاجہ اور مناظرہ کے متعلق مختلف قول ہیں کہ کب اور کیسے ہوا۔ا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اس وقت دونوں حضرات کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ۲۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر مبارک ظاہر ہوئی حضرت موسی علیہ السلام پر وہاں دونوں حضرات میں گفتگو ہوئی۔۳۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو دیکھا اس موقعہ میں گفتگو ہوئی۔ ۴۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواب میں حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت فرمائی اور یہ گفتگو خواب میں ہوئی۔۵۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے فوراً بعد عالم برزخ میں دونوں حضرات کے درمیان یہ گفتگو ہوئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص اس مناظرہ میں اس وجہ سے ہوئی کہ وہ پہلے نبی تھے جن پر احکام سخت نازل ہوئے تھے پھر آدم علیہ السلام جو غالب آئے تو وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ آخرت میں پہنچ چکے تھے۔دنیا میں کوئی شخص تقدیر کا حوالہ دے کر گناہ میں اپنے آپ کو معذور نہیں کہہ سکتا۔

باب لا مانع لما اعطی اللہ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے۔

باب من تعوذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء

غرض یہ ہے کہ یہ استعاذہ مستحب ہے پھر درک الشقاء سے مراد مشقت اور سختی ہے اور سوء القضاء میں قضاء بمعنی مقضی کیونکہ قضاء مصدری معنی میں تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اس میں برائی کا احتمال نہیں ہے۔

باب یحول بین المرأ وقلبہ

غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت ہر شئی کو شامل ہے حتیٰ کہ

دل کو بھی شامل ہے۔

باب قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا

غرض یہ کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے تقدیر سے ہے۔

باب وما کنا لنھتدی لو لاان ھدانا اللہ

غرض یہ ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔

کتاب الایمان والنذور

ربط: یہ ہے کہ عبادات اضطراریہ کے بعد اب عبادات اختیاریہ کا بیان ہے یعنی ایسی عبادتیں جن میں ہم مجبور نہیں ہیں بلکہ ہم خود اپنی مرضی سے اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ غرض ایمان اور نذور کی اقسام اور ان کے احکام کا بیان ہے۔ ایمان جمع ہے یمین کی اس کے معنی۔ا۔ تحقیق الامر المحتمل۔۲۔ تاکید الامر المحتمل اور نذور جمع ہے نذر کی لغت میں اس کے معنی ہیں الوعد بخیر او شر اور شرعاً اس کے معنی ہیں التزام قربۃ غیر لازمۃ۔

باب قول اللہ تعالیٰ لا یواخذ کم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذ کم بما عقدتم الایمان

غرض ان چیزوں کا بیان ہے جن پر مواخذہ ہے اور ان کا جن پر مواخذہ نہیں ہے ذود غرالذری اونٹ سفید اور عمدہ کوہان والے لان یلج اصرار کرے معنی یہ ہیں کہ ایسی قسم کھالی جس کے پورا کرنے سے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہو تو قسم توڑ دینا اور کفارہ دیدینا قسم پورا کرنے سے بہتر ہے لیبر یہ امر کا صیغہ ہے کہ اس کو چاہیے کہ وہ نیکی کرے یعنی کفارہ ادا کرے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وایم اللہ

غرض یہ ہے کہ وایم اللہ بھی قسم کے الفاظ میں سے ہے۔

باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وہ الفاظ بتلانے مقصود ہیں جن سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھایا کرتے تھے۔

باب لا تحلفو اباباۂکم

دو غرضیں ہیں۔ا۔ غیر اللہ کی قسم ممنوع ہے۔۲۔ غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم نہیں پائی جاتی۔ **قم فلا حدثنک عن ذاک:** کھڑے ہو جاؤ ہمارے پاس سے اور ہماری مجلس سے میں وجہ بتلاؤں گا کہ میں نے کیوں اٹھادیا ہے۔

باب لا یحلف باللات والعزی ولا بالطواغیت

غرض یہ ہے کہ بطور یمین لغو کے بھی ان الفاظ سے قسم کھانا جائز نہیں ہے اور تعظیماً تو کفر ہے۔

باب من حلف علی الشی وان لم یحلف

غرض یہ ہے کہ تاکید کے طور پر قسم کھا کر بات کر لینا جائز ہے اگر چہ کوئی دوسرا قسم کا مطالبہ کرنے والا نہ بھی ہوا اور ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لا یمانکم میں جو ممانعت ہے وہ بلاضرورت قسم کھانے سے ہے۔

باب من حلف بملۃ سوی ملۃ الاسلام

غرض یہ ہے کہ ایسی قسم سے کافر نہیں ہوتا تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

باب لا یقول ما شاء اللہ وشئت وھل یقول انا باللہ ثم بک

غرض یہ ہے کہ ایسے موقعوں میں ثم کے ساتھ عطف جائز ہے واو کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ واو سے شرک اور مساوات کا وہم ہوتا ہے پھر اس باب کے ساتھ جو مختصراً روایت نقل کی ہے یہ تعلیق ہے باب یذکر عن بنی اسرائیل میں یہ روایت پوری سند کے ساتھ ہے اور ایک حدیث میں باب کا مضمون صراحۃً بھی ہے کہ ایک یہودی نے کہا تھا کہ تم شرک کرتے ہو ما شاء اللہ وشت کہتے ہو تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو اس سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ یوں کہا کرو ثم شئت لیکن یہ روایت امام بخاری کی شرط پر نہیں تھی اس لئے نہ لائے اور اس دوسری روایت سے استنباط فرمایا جو یہاں مختصراً ذکر فرمائی ہے باب قول اللہ تعالیٰ۔

واقسموا باللہ جھد ایمانھم: غرض یہ ہے کہ قسم میں مبالغہ کا کیا حکم ہے پھر اس باب میں جو پہلی تعلیق ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے قسم دی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ

آپ مجھے میری تعبیر کی جو میں نے خواب کی بیان کی ہے اس کی غلطی مجھے ضرور بتلائیں گے فرمایا لاتقسم اس تعلیق کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ اس تعلیق میں قسم پر انکار ہے اور باب میں بھی منافقین کی جھوٹی قسموں کا انکار اور ان کی مذمت ہے۔ **امرنا النبی صلی الله علیه وسلم بابرار المقسم:**۔ یہ امر استحبابی ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو تقعقع یہ سینے کی آواز کی حکایت ہے یعنی سانس اکھڑ رہا تھا الاتحلہ القسم اس آیت میں قسم مقدر ہے۔

وان منکم الاواردھا جواظ:۔ ا۔ ایسا تکڑا جس کو کوئی بچھاڑ نہ سکے۔ ۲۔ موٹا اکڑ کر چلنے والا۔ ۳۔ زیادہ کھانے والا۔ ۴۔ فاجر و فاسق۔ ۵۔ موٹا اور موٹی گردن والا۔ ۶۔ چھوٹے قد والا بھاری جسم والا۔ عتل گفتگو میں فخر کرنے والا۔

باب اذا قال اشھد بالله او شھدت بالله

غرض یہ ہے کہ ان لفظوں سے قسم ہو جاتی ہے۔ اذا کا جواب محذوف ہے ھل یکون قسماً نعم۔

باب عھد الله عزوجل

غرض یہ ہے کہ اس لفظ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے۔

باب الحلف بعزة الله وصفاته وکلماته

غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے لیکن جو قرآن پاک اٹھانے کا طریقہ ہمارے علاقوں میں ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے شریعت میں بلکہ یہ فرقہ حشویہ کا طریقہ ہے جو قرآن پاک کی اوراق کو قدیم مانتے ہیں۔

بعزتک:۔ یہ حدیث آگے کتاب التوحید میں آئے گی۔

عن برکتک: یہ حدیث کتاب الوضوء میں گزر چکی۔

باب قول الرجل لعمر الله

اس سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بقاالله کے معنی میں ہے۔

باب لا یواخذکم الله باللغو فی ایمانکم

یمین لغو کے معنی بیان کرنے مقصود ہیں جس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ ہے۔

باب اذا حنث ناسیا فی الایمان

غرض یہ ہے کہ نسیاناً قسم توڑنے میں گناہ نہیں ہے کفارہ بھی نہیں ہے لیکن یہ امام بخاری کا اپنا اجتھاد ہے جمہور فقہاء کے نزدیک کفارہ ہے۔

باب الیمین الغموس

اس قسم کا حکم بتلانا مقصود ہے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا فاعل دنیا میں گناہ میں غوطہ لگاتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں۔

باب قول الله تعالیٰ ان الذین یشترون بعھد الله وایمانھم ثمنا قلیلاً اولئک لاخلاق لھم فی الاخرة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہے اور یہی مذہب جمہور فقہاء کا ہے بخلاف امام شافعی کے وہ اس میں کفارہ کے قائل ہیں۔ لنا۔ ۱۔ ترجمۃ الباب والی آیت۔ ۲۔ اول الباب **عن ابن مسعود مرفوعا من حلف علی یمین صبر یقطع بھا مال امری مسلم لقی الله وھو علیه غضبان** آیت اور حدیث سے طرز استدلال یہ ہے کہ دونوں میں عذاب کا ذکر ہے کفارہ کا ذکر نہیں ہے اور سکوت موضع بیان ہوتا ہے معلوم ہوا کہ کفارہ واجب نہیں ہے وللشافعی قیاس ہے یمین منعقدہ پر جواب نص کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہوسکتا یمین صبر وقسم جو مجبور کر کے دی جائے۔

باب الیمین فیما لا یملک وفی المعصیه وفی الغضب

غرض ان تین مسئلوں کا بیان ہے باب **اذاقال لا اتکلم الیوم فصلی اوقرأاوسبح او کبر اوحمد او فھوعلی نیته** غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر کلام نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو مدار نیت پر ہے اگر کلام متعارف کی نیت کی ہے تو قسم ان مذکورہ کاموں سے نہ ٹوٹے گی اور اگر مطلقاً تکلم اور تلفظ کی نیت کی ہے کہ زبان ہی نہ ہلاؤں گا تو ان کاموں سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

باب من حلف ان لا یدخل علی اھله شھراً وکان الشھر تسعاً وعشرین

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ مہینہ کے

شروع میں قسم کھائی ہو اور اگر درمیان مہینہ قسم کھائی ہو تو پھر تیس دن پورے کرنے ہوں گے۔

باب ان حلف ان لا یشرب نبیذا فشرب طلاء اوسکرا اوعصیرالم یحنث فی قول بعض الناس

باب کی غرض کی دو تقریریں ہیں۔ا۔امام ابو حنیفہ کے قول کا رد ہے۔۲۔تائید ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ اگر رد ہوتا تو صراحۃً مذکور ہوتا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ وہ حانث ہو جائے گا اور حانث ہونے کی یہ دلیل ہے معلوم ہوا ہے کہ یہاں رد کرنا مقصود نہیں بلکہ تائید مقصود ہے کیونکہ تراجم میں امام بخاری اپنا مذہب بیان فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقعہ کہ امام بخاری نے امام ابو حنیفہ کا ذکر بعض الناس کے لفظ سے کیا اور کوئی تردید نہ کی بلکہ تائید کی۔

باب اذا حلف ان لایا تدم فاکل تمراً بخبز

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے اور اذا کا جواب روایات سے نکلتا ہے باب النیة فی الایمان غرض یہ ہے کہ قسموں کا مدار قسم کھانے والے کی نیت پر ہے لیکن جس قسم کا تعلق دوسرے شخص سے ہو تو مدار ظاہر پر ہوگا ورنہ دنیا کے نظام میں خلل پڑے گا۔

باب اذا اهدی ماله علی وجه النذر والتوبه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحسن ہے لیکن کچھ مال اپنے لئے رکھ لے باب اذ حرم طعامه غرض یہ بتلانا ہے کہ ایسا کرنے سے بھی قسم بن جاتی ہے پھر امام بخاری کے نزدیک لفظ حلف استعمال کرنا شرط ہے۔

باب الوفا بالنذر

غرض کی دو تقریریں ہیں۔ا۔نذر پوری کرنی واجب ہے۔ ۲۔مستحب ہے۔

باب اثم من لا یفی بالنذر

غرض اس گناہ کا بیان ہے۔

باب النذر فی الطاعة

غرض اس کا حکم بیان کرنا ہے۔

باب اذا نذر اوحلف ان لا یکلم انسانا فی الجاهلیه ثم اسلم

غرض کی دو تقریریں ہیں یہ بتلانا ہے کہ۔ا۔کفر کے زمانہ کی نذر اور قسم پوری کرنی واجب ہے۔۲۔مستحب ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ حدیث پاک میں مشورہ استحبابی دینا ہی مقصود ہے باب من مات وعلیه نذر غرض اس کو بھی پورا کرنا چاہیے۔

باب النذر فیما لایملک وفی معصیه

غرض یہ دو مسئلے بتلانا ہے اور دوسرا حدیث پاک میں صراحۃً مذکور ہے۔ پہلے کو دوسرے پر قیاس فرمایا ہے۔

باب من نذران یصوم ایاماً فوافق النحر اوالفطر

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے کہ نذر صحیح ہے بعد میں قضا کرے۔

باب هل ید خل فی الایمان والنذور الارض والغنم والذروع والا متعه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اگر مال کے صدقہ کی نذر مانی تو اس میں یہ سب چیزیں داخل ہوں گی یا نہ مقصد یہ ہے کہ داخل ہوں گی۔

باب کفارات الایمان

غرض ان کا بیان ہے اور بعض نسخوں میں یوں ہے کتاب کفارات الایمان اس صورت میں یہ کتاب تتمہ ہے کتاب النذور اور کتاب الایمان کا۔

باب قول الله تعالیٰ قد فرض الله لکم تحلة ایمانکم

غرض یہ ہے کہ کفارہ حنث سے واجب ہو جاتا ہے لیکن علی الفور نہیں بلکہ علی التراخی کہ جب چاہے ادا کردے کیونکہ حدیث پاک میں پہلے اپنے بچوں کو کھلانے کا حکم فرمایا گیا ہے معلوم ہوا کہ کفارہ بعد میں دے گا۔

باب یعطی فی الکفارة عشرة مساکین قریباً کان او بعیداً

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے اور حدیث پاک میں جو آ گیا اطعمه اهلک

اس سے امام بخاری نے استنباط فرمالیا کہ اپنے بچوں کو بھی کفارہ کا مال دینا جائز ہے کیونکہ امام بخاری کے استنباط میں بہت وسعت ہے۔

باب صاع المدینه

غرض یہ ہے کہ کفارہ میں مدینہ منور کے صاع پر مدار ہے۔

باب قول الله تعالیٰ اوتحریر رقبة وای الرقاب ازکی

غرض یہ ہے کہ یمین کے کفارہ میں کافر غلام کا آزاد کردینا بھی کافی ہے گو بہتر مسلمان ہے یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ کا وعندالجمہور ایمان کی قید ضروری ہے اور یہ اختلاف اصولی ہے ہمارے نزدیک مطلق کومقید پر محمول نہیں کرسکتے جمہور کے نزدیک محمول کرنا ضروری ہے۔ ہمارے اصول کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ محل کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے کفارہ قتل الگ محل ہے اور کفارہ یمین الگ محل ہے کفارہ قتل میں تحریر رقبہ میں ایمان کی شرط ہے کفارہ یمین میں نہیں ہے۔

باب عتق المدبروام الولد والمکاتب فی الکفارة وعتق ولدالزنا

غرض یہ ہے کہ ان سب کا کفارہ میں آزاد کردینا صحیح ہے۔ اس باب کی حدیث میں مدبر کی بیع کا ذکر ہے اسی پر کفارہ کو اور غلام کی باقی قسموں کو امام بخاری قیاس فرمارہے ہیں پھر ولد الزنا کے اعتاق کا کفارہ میں صحیح ہوجانا تو اتفاقی ہے باقیوں میں کچھ اختلاف ہے جو فقہ کی کتب میں مذکور ہے۔

باب اذا اعتق عبداً بینه وبین آخر:.

غرض یہ ہے کہ اس کا آزاد کرنا کفارہ میں صحیح نہیں ہے یہ باب قائم کرکے امام بخاری نے بیاض چھوڑ دی تھی کہ حدیث مناسب لکھ دوں گا پھر حدیث تلاش کرنے کی مہلت نہ ملی یا حدیث تلاش کی لیکن اپنی شرط پر نہ ملی۔

باب اذا اعتق فی الکفارة لمن یکون ولائه

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ معتق کو ہی ولاء ملے گی اعتاق کفارہ کو اعتاق بلانیت کفارہ پر قیاس فرمایا۔

باب الا ستثناء فی الایمان

غرض یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ساتھ کہہ لینے سے یمین منعقد نہیں ہوتی۔

وکان درکا فی حاجته :. انشاء اللہ تعالیٰ کی برکت سے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے۔

باب الکفارة قبل الحنث وبعده

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے اور امام بخاری تائید فرمارہے ہیں امام شافعی اور امام احمد کی کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا بھی صحیح ہے ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور عن مالک روایتان لنا۔ ا۔ **ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم** یہاں بالاجماع وحنثتم محذوف ہے معلوم ہوا کہ حنث سبب وجوب ہے اس لئے اس سے پہلے کفارہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔ ۲۔ اگر آپ حنث سے پہلے کفارہ جائز قرار دیتے ہیں تو یہ پہلے دینا امر مستحب ہے اور حنث کے بعد وجوب ہے اور ایک مستحب چیز واجب کے قائم مقام کیسے ہوسکتی ہے۔ وللشافی واحمد مافی ابی داؤد عن عبدالرحمٰن بن سمرۃ مرفوعا فکفر عن یمینک ثم ائت الذی ھو خیر جواب۔ یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ زیادہ روایات میں قسم توڑنے کا ذکر پہلے ہے اور کفارہ کا ذکر پیچھے ہے اور جن روایات اس کا الٹ ہے ان میں بھی زیادہ روایات میں واو ہے جو ترتیب سے ساکت ہوتا ہے اس لئے ثم والی روایت کسی راوی کی غلطی ہی شمار کی جائے گی کہ روایت بالمعنی کرکے اپنی سمجھ کے مطابق ثم سے ذکر کردیا اس لئے اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

کتاب الفرائض

زندگی کے احکام کے بعد موت کے احکام ہیں۔ فرائض جمع ہے فریضہ کی یعنی کتاب اللہ سے ورثہ کا مقرر حصہ۔ غرض وراثت تقسیم کرنے کے احکام کا بیان ہے۔

باب تعلیم الفرائض

غرض فرائض کی تعلیم کی ترغیب ہے ترغیب میں مرفوع حدیث امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لئے ذکر نہ فرمائی اور صرف ایک

تعلیق ذکر فرمائی جس میں تھوڑا اساذکر فرائض کا ہے اور اسی کے تتمہ کے طور پر مسند روایت ذکر فرمائی وہ مرفوع روایت یہ ہے۔ عن ابن مسعود تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانی امرء مقبوض وان العلم سیقبض حتی یختلف اثنان فی الفریضۃ فلا یجد ان من یفصل بینھما رواہ احمد والترمذی والنسائی والحاکم وصححہ۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ماترکنا صدقہ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک مالا فلاھلہ

غرض اس حدیث پاک کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔

باب میراث الولد من ابیہ وامہ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب میراث البنات

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے آج کل کی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی لڑکیوں کو وراثت نہ دیتے تھے تو حق تعالیٰ نے ان کی وراثت کا حکم نازل فرمایا۔

باب میراث ابن الابن اذالم یکن ابن

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب میراث ابنہ ابن مع ابنہ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ

غرض یہ اجماعی مسئلہ بیان کرنا ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا وارث نہ ہوگا۔ **لو کنت متخذا من ھذہ الامہ خلیلا لا تخذتہ:** یہ آخری ضمیر حضرت ابوبکر کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلقاً خلہ وہ دوستی ہے جس میں دوسرے کی گنجائش نہ ہو اور خلہ اسلام کے معنی ہیں دینی بھائی ہونا۔

افضل اس کا مفضل علیہ ہے

من غیر ابی بکر فانہ انزلہ اباً

بے شک حضرت ابوبکر نے دادا کو بمنزلہ اب قرار دیا ہے جبکہ اب موجود نہ ہو۔

باب میراث الزوج مع الولد وغیرہ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے باب میراث المرأۃ والزوج مع الولد وغیرہ غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب میراث الاخوات مع البنات عصبہ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب میراث الاخوۃ والا خوات:.

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ

غرض گذشتہ باب کی تائید ہے آیت سے۔

باب ابنی عم احدھما اخ للام والا خر زوج

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔ **لموالی العصبہ:.** یہ اضافت بیانیہ ہے ایسے موالی جو عصبہ ہیں جیسے شجر الاراک۔

باب ذوی الارحام

غرض ذوی الارحام کی وراثت کا بیان ہے اور ذوی الارحام ان رشتہ داروں کو کہتے ہیں جن کا حصہ قرآن پاک میں بھی مقرر نہ فرمایا گیا ہو اور وہ عصبہ بھی نہ ہوں۔

باب میراث الملاعنہ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب الولد للفراش حرۃ کانت اوامۃ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔

باب الولاء لمن اعتق ومیراث اللقیط

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ۱۔ ولاء معتق کو ملے گی۔ ۲۔ لقیط کا مال بیت المال میں جائے گا۔ **وقول الحکم**

مرسل:. یہاں مرسل بمعنی مدرج ہے اور مرسل کو بمعنی مدرج استعمال کرنا یہ جمہور محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے۔

باب میراث السائبه

غرض امام مالک کے قول کا رد ہے اور جمہور کی تائید ہے سائبہ اس شخص کو کہتے ہیں جو پہلے غلام ہو پھر جب آقا اس کو آزاد کرے تو یوں کہہ دے لا ولاء لی علیک تو امام مالک کے نزدیک اس کا چھوڑا ہوا مال بیت المال میں جائے گا اور عندالجمہور معتق ہی کو ملے گا لنا۔ ثانی الباب عن عائشہ مرفوعاً فان الولاء لمن اعتق ولما لک عمدۃ القاری میں ہے وقالت طائفہ میراثہ للمسلمین وروی ذلک عن عمر بن الخطاب۔ جواب یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ مرفوع روایت کے مقابلہ میں صحابی کے اجتہاد پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ وقول ابن عباس رایتہ عبدا اصح یہ صرف امام بخاری کی رائے ہے ورنہ اصول یہ ہے کہ مثبت زیادہ کو ترجیح ہوتی ہے اور حروالی روایات مثبت زیادت ہیں کیونکہ پہلے غلام تھے بعد میں آزاد ہوئے۔

باب اثم من تبرا من مواليه

غرض اس گناہ کا بیان ہے۔

باب اذا اسلم علی یدیه

غرض مولی موالاۃ کا مسئلہ بتلانا ہے عند اما منا ابی حنیفہ مولی موالاۃ جو کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا کہ ہم ایک دوسرے کی چٹی ادا کریں گے اور مرنے کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ایسے شخص کی وراثت عندامامنا اب بھی باقی ہے۔ جب قریبی وارثوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوتو یہ مولی موالاۃ وارث ہوگا اور سارا مال لے جائے گا وعندالجمہور یہ مولی موالاۃ کسی موقعہ میں بھی وارث نہ ہوگا اور اگر قریبی وارث نہ ہوں تو مال بیت المال میں داخل کیا جائے گا منشا اختلاف یہ آیت ہے **واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض** کہ یہ آیت ناسخ ہے اس آیت کے لئے **والذين عقدت ايمانكم فاتوهم نصيبهم** اس نسخ پر تو اتفاق ہے لیکن نسخ کی صورت کیا ہوئی ہمارے نزدیک متعین حصہ جو پہلے سدس تھا اب وہ نہ رہا۔ اب یہ مولی موالاۃ صرف اسی صورت میں وارث ہوگا جبکہ رشتہ کا کوئی وارث زندہ نہ ہو اور وارث پورے مال کا ہوگا وعندالجمہور مولی موالاۃ کی وراثت کلی طور پر منسوخ ہو چکی ہے۔ اب وہ کسی صورت میں بھی وارث نہ ہوگا ترجیح قول حنفیہ کو ہے کیونکہ اولی ببعض کا لفظ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ رشتہ کے وارثوں کو ترجیح حاصل ہے۔ اولی کا لفظ ترجیح کے لئے ہوتا ہے بالکل ختم کرنے کے لئے تو نہیں ہوتا اس لئے ہمارے امام صاحب کا اجتھاد اقوی ہے۔

باب مایرث النساء من الولاء

غرض یہ ہے کہ عورت بھی مولی عتاقہ بن سکتی ہے۔

باب مولی القوم من انفسهم وابن الاخت

غرض ان دو مسئلوں کا بیان ہے۔

باب میراث الاسیر

غرض اس مسلمان کی وراثت کا حکم بتلانا ہے جو کافروں کی قید میں ہو۔ عند سعید بن المسیب ایسا قیدی وارث نہ ہوگا وعندالجمہور وارث ہوگا لنا۔ حدیث الباب عن ابی ہریرۃ مرفوعا من ترک مالا فلورثتہ ولسعید بن المسیب کہ قیدی تک مال وراثت پہنچانا مشکل ہے اس لئے اس کو وارث نہیں بنایا جاسکتا جواب۔ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور حدیث عام ہے قیدی کو بھی شامل ہے۔

باب لایرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے اور امام احمد کی ایک روایت کا رد کرنا ہے کہ اگر مال تقسیم ہونے سے پہلے کوئی مسلم بن جائے تو وہ اگرچہ موت کے وقت کافر تھا لیکن وہ وارث ہو جائے گا اور جمہور کے نزدیک وہ بھی وارث نہ ہوگا منشا اختلاف یہ ہے کہ مدار وراثت کا کیا ہے عندنا مدار وقت موت ہے اس وقت جو وارث مسلمان ہوگا وہی وارث ہوگا وعند احمد مدار وقت تقسیم ہے اس وقت جو شخص مسلمان ہوگا وہ وراثت میں سے حصہ لے لے گا ترجیح ہمارے جمہور کے قول کو ہے کیونکہ تقسیم کے لئے تو کوئی حد نہیں ہے اور کوئی وقت مقرر نہیں ہے دس سال کے بعد بھی تقسیم ہوسکتی ہے اس لئے اس کو مدار وراثت کا نہیں بنا سکتے۔ یہ مسئلہ قیاسیہ ہے اس لئے دونوں طرف ادلہ قیاسیہ ہیں۔

باب میراث العبد النصرانی والمکاتب النصرانی واثم من انتفی من ولدہ

غرض تین مسئلوں کا بیان ہے۔ا۔عبد نصرانی مرجائے تو اس کا مال اس کے مسلمان آقا کو ملے گا اور یہ ملنا وراثت کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ ملک اصلی ہے کیونکہ غلام کا مال یہ آقا کا مال ہی ہوتا ہے۔ ۲۔یہی حکم مکاتب نصرانی کا ہے کیونکہ جب تک بدل کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہو وہ غلام ہی ہوتا ہے۔۳۔جو بلا دلیل کہے کہ یہ میری بیوی کا بچہ میرا نہیں ہے وہ بہت بڑا گنہگار ہے۔ پھر اس باب کے بعد کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ نیا باب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے باب لکھ کر خالی جگہ چھوڑی کہ حدیث لکھ دوں گا پھر مہلت نہ ملی حدیث تلاش کرنے کی یا تلاش کی لیکن اپنی شرط پر نہ ملی اور بعض نسخوں میں اس باب کے بعد باب بلا ترجمہ بھی ہے اس کے بعد بھی کوئی حدیث نہیں ہے اس کی بھی یہی تقریر ہے۔

باب من ادعی اخا اوابن اخ

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔**من ادعی الی غیر ابیہ:.** غرض یہ کہ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

باب اذا ادعت المراۃ ابنا :.

غرض یہ ہے کہ ماں کے دعوے کی طرح بیٹے کے دعوے میں بھی بینہ نہ ہوں تو قول ہی معتبر ہوتا ہے۔**باب القائف:.** غرض یہ بتلانا ہے کہ قیافہ دان جس کو ہم کھوجی کہتے ہیں اس کا قول شبہ دور کرنے میں تو معتبر ہے نسب ثابت کرنے میں معتبر نہیں ہے۔

کتاب الحدود

غرض حدود کے احکام کا بیان ہے۔ربط یہ ہے کہ پیچھے فرائض کے اخیر میں غیر اب کی طرف نسبت کرنے کا ذکر تھا اس میں زنا کا ذکر ضمناً آگیا اس لئے اب زنا کی حد اور باقی حدود کا بیان ہے۔

باب ما یحذر من الحدود

غرض گناہوں سے بچنے کی فکر پیدا کرنا ہے۔بعض نسخوں میں یوں ہے کتاب الحدود یحذر من الحدود۔

باب لا یشرب الخمر

غرض شراب پینے سے روکنا ہے۔بعض نسخوں میں یوں ہے باب الحدود وشرب الخمر پھر غرض دونوں گناہوں سے روکنا ہے۔

باب ما جاء فی ضرب شارب الخمر

شراب کی حد میں کم اور کیف کا ذکر مقصود ہے کہ حد کتنے کوڑے ہیں اور کس چیز سے مارے جاتے ہیں۔

باب من امر یضرب الحد فی البیت

غرض اس شخص کا رد ہے جس نے کہا کہ چھپ کر حد نہیں لگائی جاسکتی۔

باب الضرب بالجرید والنعال:.

غرض یہ ہے کہ ان دو چیزوں سے مارنے سے بھی حد ادا ہوجائے گی۔

باب مایکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملہ

غرض دو روایتوں میں تطبیق ہے ایک میں شرابی کو لعنت کرنے سے ممانعت ہے اور دوسری روایت میں ہے لایشرب الخمر وھو مومن۔تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ شرابی ایمان کامل سے خارج ہوتا ہے نفس ایمان سے اور ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

باب السارق حین یسرق

غرض یہ ہے کہ چور سے کمال ایمان نکل جاتا ہے۔

باب لعن السارق اذالم یسم

غرض یہ ہے کہ نام لئے بغیر لعنت کرنی جائز ہے جیسے کہے کہ چور پر لعنت ہو۔**کانوا یرون انہ بیض الحدید:.** مطلب یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو بیضہ پر ہاتھ کٹنے کا ذکر ہے وہاں مرغی کا انڈا مراد نہیں ہے لوہے کی ٹوپی مراد ہے ایسے ہی رسی کا جو ذکر ہے تو قیمتی رسی مراد ہے معمولی رسی مراد نہیں ہے۔

باب الحدود کفارۃ

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ حد لگنے سے گناہ معاف ہوجاتا ہے اس میں اختلاف پیچھے گزر چکا ہے۔

باب اقامة الحدود علی الشریف والوضیع

غرض یہ ہے کہ حد قائم ہونے کے معاملہ میں غریب اور امیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

باب کراهية الشفاعة فی الحد اذا رفع الی السلطان

غرض یہ ہے کہ بادشاہ سے یہ سفارش کرنا کہ فلاں شخص کو حد نہ لگائی جائے یہ گناہ ہے۔

باب قول الله تعالیٰ والسارق فاقطعوا ایدیهما

غرض یہ ہے کہ چور کی حد قرآن پاک سے ثابت ہے۔ **مجن حجفه اوترس:** اس عبارت میں اوشک راوی۔ حجفہ دو چمڑوں سے بنی ہوئی ڈھال اور ترس اس ڈھال کو کہتے ہیں جس میں اندر ہڈی یا لکڑی ہو اور باہر چمڑا ہو اور مجن سب قسموں کو شامل ہے۔

باب توبه السارق

غرض یہ ہے کہ جس کا ہاتھ بطور حد سرقہ کٹ چکا ہو وہ بھی اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہے اور گواہی بھی معتبر ہے۔ **وکل محدود کذلک:** یہ امام بخاری کا اپنا اجتہاد ہے حد قاذف میں اختلاف پیچھے گزر چکا ہے۔

کتاب المحاربین من اهل الکفر والردة

غرض ڈاکو کی سزا کا بیان ہے اور یہ تتمہ ہے کتاب الحدود کا پیچھے چوری اور زنا کا ذکر تھا وہ بھی ایک قسم کی لڑائی ہے اللہ تعالیٰ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب ڈاکہ کا ذکر ہے یہ بھی لڑائی ہے اور امام بخاری نے باب میں کفر اور ارتداد کا ذکر فرمایا اور فوراً بعد یہ آیت محاربہ ذکر کردی اس میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن پاک کی آیت صرف مرتدین کے بارے میں ہے جنہوں نے ڈاکہ بھی ڈالا ہو لیکن جمہور اس کے قائل ہیں کہ آیت سب ڈاکوؤں کے بارے میں ہے مسلمان ہوں یا کافر ہوں یا مرتد ہوں۔

باب لم یحسم النبی صلی الله علیه وسلم المحاربین من اهل الردة حتی هلکو

مرتد ڈاکو کو ہاتھ پاؤں کاٹ کر داغ نہ لگانا بھی جائز ہے کیونکہ اس کو مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کرنا ہی مقصود ہے۔

باب لم یسق المرتدون المحاربون حتی ماتوا

گذشتہ باب کی طرح ہی اس باب کی غرض ہے۔

ابغنارسلا: تلاش کریں ہمارے لئے نرمی کو۔ **الصریخ:** امداد مانگنے والا۔ **الطلب:** یہ جمع ہے طالب کی۔ **فما ترجل النهار:** ابھی دن بلند نہ ہوا تھا۔

باب سمر النبی صلی الله علیه وسلم اعین المحاربین

غرض اس واقعہ کا بیان ہے پھر مثلہ یعنی کان ناک کاٹنے کے متعلق اقوال مختلف ہیں۔ ۱۔ یہ مثلہ جو اس واقعہ میں پایا گیا ہے یہ نزول حدود اور مثلہ سے نہی سے پہلے کا ہے اس نہی کی وجہ سے مثلہ منسوخ ہو چکا ہے۔ ۲۔ جو افعال اس واقعہ میں ہیں یہ قصاصاً ہیں پس منسوخ ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہوں نے اس قسم کی تکلیفیں راعی کو پہنچائی تھیں اس لئے ان سے بدلہ لیا گیا۔ ۳۔ نہی مثلہ سے تنزیہی ہے۔

باب فضل من ترک الفواحش

گناہ چھوڑنے کی فضیلت بیان کرنی مقصود ہے اور ربط یہ ہے کہ گناہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ سے لڑائی ہے اس لئے محاربہ کے بعد ترک فواحش کا ذکر فرمایا۔ **توکل:** یہ تکفل کے معنی میں ہے ضامن بنا۔ **مابین رجلیه وما بین لحییه:** وجہ یہ ہے کہ زیادہ گناہ ان دونوں سے ہی ہوتے ہیں۔ ۱۔ شرم کی جگہ۔ ۲۔ زبان۔

باب اثم الزناة

غرض زانیوں کے گناہ کا سخت ہونا بیان کرنا ہے زناۃ جمع ہے زانی کی ربط یہی ہے کہ زنا بھی اللہ تعالیٰ سے لڑائی ہے کیونکہ کبیرہ گناہ ہے۔

والتوبه معروضه بعد: توبہ کا دروازہ بھی کھلا ہے ان کو توبہ کرنی چاہیے۔ **لعبد الرحمن:** اس سے مراد عبدالرحمٰن بن مھدی ہیں۔ **عن سفیان:** یہاں ثوری مراد ہیں۔ **قال دعه دعه:** فرمایا عبدالرحمٰن بن مھدی نے کہ اس روایت کو جو ابو میسرہ کے بغیر ہے اس کو چھوڑ دو کیونکہ یہاں

راجح واسطہ کا ذکر ہے اگرچہ سماع بلا واسطہ بھی ثابت ہے۔

باب رجم المحصن

غرض محصن کی زنا کا حکم بیان کرنا ہے کہ وہ رجم ہے اور محصن کے معنی ہیں من احصن نفسہ عن الفاحشہ بالنکاح۔ **قال لاادری:.** فرمایا حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ سورہ نور کے بعد رجم فرمایا یا نہ لیکن یہ ثابت ہے کہ رجم بعد میں فرمایا ہے کیونکہ سورہ نور کی آیتیں واقعہ افک میں نازل ہوئی ہیں جو ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں پایا گیا اور رجم اس کے بعد ہوئی کیونکہ رجم میں حضرت ابوہریرہ کا موجود ہونا مذکور ہے۔

باب لا یرجم المجنون والمجنونه:.

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مجنون نے اگر زنا جنون کی حالت میں کیا ہو تو اس کو رجم نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ مکلف نہیں ہے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے اور اگر زنا کے وقت عاقل تھا اور محصن تھا پھر بعد میں مجنون ہوا تو رجم جاری کر دی جائے گی کیونکہ رجم سے مقصود موت کی سزا ہے البتہ اگر غیر محصن نے زنا کی ہے پھر مجنون ہو گیا تو تندرستی کا اور عقل آنے کا انتظار کیا جائے گا کیونکہ مقصود زندہ رکھتے ہوئے سزا دینی ہے۔ موت کی سزا دینی مقصود نہیں ہے۔

باب للعاهر الحجر

غرض اس حدیث کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے پھر حجر کے معنی کیا ہیں ۱۔ ناکامی یعنی نسب سے محرومی۔ ۲۔ رجم۔

باب الرجم بالبلاط

بلاط مدینہ منورہ میں جگہ تھی جس میں پتھروں کا فرش لگا ہوا تھا غرض کیا ہے۔ ۱۔ رجم کے لئے گڑھا کھودنا ضروری نہیں ہے کیونکہ بلاط جگہ کے فرش پر پتھر لگے ہوئے تھے۔ ایسی جگہ عموماً گڑھا نہیں کھودا جاتا۔ ۲۔ عمارتوں کے اندر بھی رجم ہو سکتی ہے اس کے لئے کھلی جگہ جیسے عیدگاہ یا جنازہ گاہ ضروری نہیں۔ **والتجبیه:.** ۱۔ گدھے پر الٹا بٹھانا۔ ۲۔ زانی مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے بٹھانا۔

باب الرجم بالمصلی

غرض یہ ہے کہ اولی عیدگاہ میں رجم کرنا ہے۔

باب من اصاب ذنبا دون الحد فاخبر الامام فلا عقوبه علیه بعد التوبه اذا جاء مستفتیا

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔ **ولم یعاقب عمر صاحب الظبی:.** یعنی ایک صاحب نے احرام کی حالت میں ہرن کا شکار کر لیا تھا ان کو حضرت عمر نے ڈانٹا نہیں صرف جزاء ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ **وفیه عن ابی عثمان:.** یہ روایت مواقیت الصلوٰۃ میں گزری ہے کہ ناجائز تقبیل پر ان الحسنات یذهبن السیات نازل ہوئی۔ **قال عبدالرحمن ماادری ماهو:.** راوی عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں کہ گدھے پر کیا لدا ہوا تھا۔

باب اذا اقر بالحد ولم یبین هل للامام ان یستر علیه

جواب محذوف ہے نعم۔ ذکر نہ فرمایا کیونکہ حدیث پاک سے معلوم ہو رہا تھا غرض یہ ہے کہ امام کے لئے اس موقعہ میں ستر جائز ہے۔

باب هل یقول الامام للمقر لعلک لمست او غمزت

یہاں بھی نعم محذوف ہے اور غرض یہ ہے کہ ایسے موقعہ میں امام کے لئے تلقین بھی جائز ہے۔ غمز کے معنی آنکھ سے اشارہ ہیں یا ہاتھ سے اشارہ۔

باب سوال الامام المقر هل احصنت

غرض یہ ہے کہ یہ سوال واجب ہے تا کہ سزا کا فیصلہ ہو سکے کہ جلد ہے یا رجم ہے جمز اس کے معنی ہیں بھاگ گیا۔

باب الاعتراف بالزنا

غرض اس اعتراف کا حکم بتلانا ہے۔ **قلت لسفیان:.** یہاں ابن عیینہ ہیں۔ **لانجد الرجم فی کتاب الله**

یعنی ہم قرآن پاک میں رجم کو لکھا ہوا نہیں پاتے۔ **انزلها الله** ۱۔ مالکان کے لحاظ سے فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی تھی الشیخ والشیخہ اذا زنیا فارجموھا پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی لیکن حکم باقی رہا۔ ۲۔ مراد حدیث ہے وحی خفی میں حکم نازل ہوا تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی وحی ہے وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی۔

قال سفیان کذا حفظت:۔ یہاں ابن عیینہ ہیں۔

باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت

غرض یہ کہ اس میں بھی رجم ہے اور یہ مسئلہ اجماعیہ ہے۔ **کنت اقری رجالا من المهاجرین منهم عبدالرحمن بن عوف**:۔ حضرت ابن عباس حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کو قرآن پڑھایا کرتے تھے معلوم ہوا کہ اگر بڑی عمر والا بھی چھوٹی عمر والے سے پڑھ لے تو اس میں کچھ عیب نہیں ہے۔ **فقال لو اریت رجلا اتی امیر المومنین**: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت ابن عباس کو بتلایا کہ جب میں حضرت عمر کے پاس بیٹھا تھا تو ان کے پاس ایک آدمی نے آکر یہ شکایت کی تھی۔

ماکانت بیعه ابی بکر الافلته فتمت: حضرت ابوبکر کے دست مبارک پر بیعت اچانک تھی جو پوری ہوگئی۔ **فان الموسم یجمع رعاع الناس وغوغاء هم** : موسم حج جاہل لوگوں کو بھی جمع کر لیتا ہے اور گھٹیا قسم کے لوگوں کو بھی جمع کر لیتا ہے۔ **اوکان الحبل او الاعتراف**:۔ یہ محل ترجمہ ہے۔ **ان لا ترغبوا عن آباکم**:۔ یہ بھی آیت ایسی ہی ہے کہ حکم باقی ہے تلاوت منسوخ ہے یعنی اپنے آپ کو اپنے باپ کی جگہ کسی اور کی طرف منسوب کرنا کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں یہ بہت بڑی ناشکری ہے اگرچہ اس سے کافر تو نہیں ہوتا لیکن بہت بڑی ناشکری اور گناہ ہے یہاں اوشک راوی ہے۔ **لا تطرونی کما اطری عیسی بن مریم علیهما السلام**:۔ مدح میں مبالغہ نہ کرو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی مدح میں مبالغہ کیا گیا۔ **لومات عمر بایعت فلانا** :۔ خلافت ابی بکر کے واقعہ کے ذکر کرنے کی مناسبت کیا ہے۔ ۱۔ پیچھے مدح میں مبالغہ کا ذکر تھا۔ اب جس کو خلیفہ بنانے کا ذکر ہوگا اس کی بھی مدح میں مبالغہ کیا جائے گا اس مناسبت سے خلافت کا مسئلہ تفصیل سے بیان فرمایا حضرت عمر نے۔ ۲۔ مدح میں مبالغہ سے اگرچہ ممانعت ہے لیکن حضرت ابوبکر کی خلافت کے واقعہ میں جو ان کی مدح ہے وہ مبالغہ کے درجہ میں نہیں آتی اس لئے منع نہیں ہے۔ ۳۔ پیچھے رجم کا مسئلہ تھا اور باپ کو چھوڑ کر غیر کی طرف نسب بتانے کا مسئلہ تھا یہ دونوں مسئلے بھی اس وقت قرآن پاک میں تلاوت نہیں کئے جاتے بلکہ احادیث سے ثابت کئے جاتے ہیں اسی طرح حضرت ابوبکر کی خلافت کا مسئلہ بھی قرآن پاک میں تلاوت نہیں کیا جاتا بلکہ احادیث سے ثابت کیا جاتا ہے۔ ۴۔ جیسے رجم اور نسب کے مسئلے راسخین فی العلم کے سمجھانے سے سمجھ میں آسکتے ہیں کیونکہ ان دونوں کی آیتیں منسوخ التلاوت ہیں اور اصل منسوخ التلاوت میں یہی ہوتا ہے کہ اس کا حکم بھی منسوخ ہوتا ہے اسی طرح خلافت کی شرطیں بھی راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں۔ ہر ایک اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر پر قیاس نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان کے فضائل تو بدیہی تھے ہر ایک کے فضائل تو بدیہی نہیں ہوتے۔ **اقضوا امرکم**:۔ تم اے مہاجر و اپنا کام کرنا انصار کے پیچھے نہ لگنا کیونکہ وہ اس موقعہ میں نامناسب کام کرنا چاہتے ہیں۔ **یریدون ان یختزلونا من اصلنا**:۔ مہاجر حضرات ارادہ فرماتے ہیں کہ ہمیں جڑ سے اکھاڑ دیں۔ **وان یخضونا من الامر** :۔ ہمیں خلافت کے معاملہ سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ **کنت اداری منه بعض الحد**:۔ ۱۔ یہ بعض الحد مفعول بہ ہے انصار کی ناراضگی اور حدت اور غصہ جو حضرت ابوبکر پر یا دیگر مہاجرین پر آگیا تھا میں اس کو دور کرنا چاہتا تھا منہ کی ضمیر حضرت ابوبکر کی طرف لوٹتی ہے۔ ۲۔ یہ بعض الحد مفعول مطلق ہے میں حضرت ابوبکر سے ایک حد تک مدافعت کرنا چاہتا تھا۔ **انا جذیلها المحکک وعذیقها المرجب**:۔ میں انصار کی گاڑی ہوئی جڑ ہوں اور عزت دیا ہوا تنا ہوں۔ **ونزونا علی سعد بن عبادة**:۔ ہم سعد بن عبادہ کے اوپر سے گزر گئے یعنی ان کو ہرا دیا اور ہم جیت گئے۔

فائدہ: انبیاء علیھم السلام خواب کی جو تعبیر دے دیں وہ بھی حجت شرعیہ بن جاتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہے

قضى الامر الذى فيه تستفتيان۔ حضرت صدیق اکبر کی خلافت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر کے درجہ میں بیان فرما چکے تھے۔ فتح الباری اور ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت علی نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی البتہ تجدید بیعت حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد کی تھی (ازالۃ الخفاء ص ۲۰۱) اور اسی کتاب ازالۃ الخفاء میں ص ۲۰۲ پر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی جو بیر اریس میں گر گئی تھی اس کی برکت اور تاثیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے کم نہ تھی اسی لئے اس انگوٹھی کے گم ہونے کے بعد حضرت عثمان کی خلافت میں خلل اور فتنے شروع ہو گئے۔

باب البكران يجلدان وينفيان

غرض اس مسئلہ کا بیان ہے۔ **بنفى عام باقامه الحد**: یہاں متلبساً محذوف ہے متلبسا باقامہ الحد۔

باب نفى اهل المعاصى والمخنثين

غرض یہ ہے کہ ایسے فعل پر بھی نکالا جا سکتا ہے جس میں شرعی حد نہیں ہے تو ایسے فعل پر بطریق اولی نکالی جا سکتا ہے جس میں شرعی حد ہے۔

باب من امر غير الامام باقامه الحد غائباً عنه

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے اور ایک نسخہ میں باب کے الفاظ یوں ہیں باب من امرہ الامام باقامہ الحد نائبا عنہ یعنی امام کا نائب ہو کر یہ دوسرے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔ سوال یہ تو تکرار ہے کیونکہ عنقریب آگے یہ عنوان ہے بل یامر الامام رجلا فیضرب الحد غائبا عنہ جواب یہاں غائبا عنہ اس مامور سے حال ہے جو حد لگائے گا اور عنقریب آنے والے باب میں غائباً محدود سے حال ہے اس لئے معنی الگ الگ ہو گئے۔

باب قول الله تعالىٰ ومن لم يستطع منكم طولا

غرض آیت کی تفسیر ہے اور ایک نسخہ میں اگلے باب والی حدیث حضرت ابو ہریرہ والی دوسری سند کے ساتھ یہاں مذکور ہے اور جس نسخہ میں وہ حدیث مذکور نہیں تو پھر بھی اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے گویا دونوں بابوں کے لئے ایک ہی حدیث ہے۔

باب اذا زنت الامه

غرض یہ ہے کہ لونڈی پر رجم نہیں ہے یہ جواب چھوڑ دیا کیونکہ حدیث پاک سے ثابت ہو رہا تھا۔

باب لا يثرب على الامه اذا زنت ولا تنفى

غرض ان دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ۱۔ زنا پر لونڈی کو لعن طعن نہ کرنا چاہیے۔ ۲۔ لونڈی کو جلاوطن نہ کرنا چاہیے پھر جلاوطن کیوں نہیں کیا جاتا۔ ۱۔ اس سے مولی کا حق ضائع ہوتا ہے۔ ۲۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ **ثم ان زنت الثالثه فليبعها**: یہ بیچنا اس لئے ہے کہ شاید آقا بدلنے سے عبرت پکڑے اور یہ گندا کام چھوڑ دے۔

باب احكام اهل الذمه واحصا نهم

غرض ذمیوں کے احکام اور احصان کا بیان ہے۔ عند البخاری واحمد والشافعی وفی روایہ عن ابی یوسف زانی کو محصن شمار کرنے کے لئے اسلام شرط نہیں ہے کافر شادی شدہ بھی محصن ہے اور اگر اس نے زنا کی تو اس کو رجم ہوگی وعند المالکیہ ومعظم الحنفیہ کافر کو رجم نہیں کیا جائے گا اور زنا کے احصان میں اسلام شرط ہے لنا فی مسند اسحق بن راھویہ مرفوعا من اشرک باللہ فلیس بمحصن لھم حدیث الباب عن ابن عمر یہودی مرد و عورت کے بارے میں جنہوں نے زنا کی تھی امر بھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجما جواب۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تحکیم پر مبنی تھا کیونکہ ان یہودیوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے حکم قرار دیا تھا اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے مطابق ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا تھا۔ اسلام کے اصول کے مطابق یہ فیصلہ نہ تھا اس کی تائید اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے **وكيف يحكمونك**

وعندھم التورات فیھا حکم اللہ۔ تحکیم کا اختلاف: اگر کافر ہمیں حکم بنائیں تو ہمارے لئے اختیار ہے کہ ہم چاہیں تو حکم بنیں اور نہ چاہیں تو نہ بنیں یہ مذہب ہے امام مالک اور امام احمد کا اور امام ابوحنیفہ اس کے قائل ہوئے کہ ہمارے ذمہ حکم بننا واجب ہے اور امام شافعی کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک ہمارے ساتھ اور ایک امام مالک اور امام احمد کے ساتھ ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **وان احکم بینھم بما انزل اللہ** اور ان حضرات کی دلیل **فان جاوک فاحکم بینھم او اعراض عنھم** ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ ہمارے قول میں احتیاط ہے کیونکہ حکم نہ بننا ہمارے نزدیک ناجائز ہے ان کے نزدیک جائز ہے اس لئے ہماری آیت محرم ہیں ان کی مبیح ایسے موقعہ میں ترجیح محرم کو ہوتی ہے۔ **وقال بعضھم المائدۃ والاول اصح:** معنی یہ ہیں کہ ایک تابعی اور وہ حضرت عبیدہ ہیں انہوں نے اس روایت میں سورہ نور کی جگہ سورہ مائدہ کا ذکر کیا ہے لیکن امام بخاری فرمارہے ہیں کہ سورہ نور کا ذکر زیادہ صحیح ہے۔

باب اذا رمی امراتہ او امراۃ غیرہ بالزنا عند الحاکم والناس ھل علی الحاکم ان یبعث الیھا فیسا لھا عما رمیت بہ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے اور جواب امام بخاری کی رائے پر ہے نعم اور ذکر نہ فرمایا کیونکہ حدیث پاک سے ثابت ہورہا ہے۔

باب من ادب اھلہ او غیرہ دون السلطان

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔

باب من رای مع امراتہ رجلا فقتلہ

غرض یہ ہے کہ دیانۃ یہ جائز ہے لیکن قضاءً قصاص ہوگا اسی پر جمہور فقہا ہیں۔

باب ما جاء فی التعریض

غرض یہ ہے کہ یہ تصریح کے برابر نہیں ہے پھر تعریض کے معنی یہ ہیں کہ ایک کلام کے ایک ظاہری معنی ہیں ایک چھپے ہوئے معنی ہیں بولنے والا چھپے ہوئے معنی مراد لے رہا ہو۔

باب کم التعزیر والادب

غرض یہ ہے کہ تعزیر کی کوئی حد نہیں ہے بلکہ یہ امام کی رائے پر ہے پھر تادیب تعزیر سے اعم ہے کیونکہ تادیب ہر مشقت کو کہتے ہیں جس سے کمال حاصل ہو۔ **لا یجلد فوق عشر جلدات الافی حد من حدود اللہ:** یہ روایت امام احمد کے نزدیک اپنے ظاہر پر ہے جمہور کے نزدیک اس کی دو توجیہیں ہیں۔ ۱۔ استحباب پر محمول ہے۔ ۲۔ منسوخ ہے اور جمہور کا قول ہی راجح ہے کیونکہ اجماع صحابہ سے زیادتی پر دلالت موجود ہے گویا منشا اختلاف یہ زیر بحث روایت ہے اور دلالت اجماع صحابہ سے جمہور کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔ **فلما ابوا ان ینتھوا عن الوصال:** سوال۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام سے منع فرمائیں اور صحابہ کرام کریں۔ جواب۔ صحابہ کرامؓ نے خیال فرمایا کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔ **انھم کانوا یضربون:** اس سے معلوم ہوا کہ کسی اہم کام پر محتسب مقرر کردینا جائز ہے۔ **واللطخ والتھمہ:** دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اس لئے عطف تفسیری ہے۔

باب من اظھر الفاحشہ واللطخ والتھمہ بغیر بینہ

غرض یہ ہے کہ بینہ کے بغیر زنا کی حد نہ لگائی جائے گی۔ **لاتلک امراۃ اعلنت:** اس نے اعلانیہ گناہ کیا تھا۔ **خدلا:** بھاری پنڈلی والا۔ **لاتلک امراۃ کانت تظھر فی الاسلام السوء:** فتح الباری میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مجھے اس عورت کا نام معلوم نہیں ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے ستر عیب کے درجہ میں عورت کا نام ظاہر نہیں فرمایا۔

باب رمی المحصنات

یہاں محصنات سے مراد عفیف عورتیں ہیں شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں ان کو تہمت لگانے سے حد قذف جاری ہوگی۔

باب قذف العبید

غرض یہ اجماعی مسئلہ بتلانا ہے کہ غلام کو قذف کرنے پر حد قذف

نہیں ہے۔ **جلد یوم القیامه:** اس حدیث پاک میں قیامت کی سزا کا تو ذکر ہے دنیا میں سزا سے سکوت ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غلام پر تہمت لگانے سے صرف گناہ تو ہے دنیا میں حد نہیں ہے۔

باب هل یامر الامام رجلا فیضرب الحد غائباً عنه

سوال اسی کے قریب قریب باب عنقریب گزرا ہے جواب۔ ا۔ ایک جواب تو وہاں دے دیا تھا کہ وہاں غائباً حد لگانے والے سے حال ہے اور یہاں محدود سے حال ہے۔ ۲۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ پیچھے غرض غیر امام کا حکم بیان کرنا تھا کہ غیر امام کے لئے جائز ہے کہ وہ امام کی اجازت سے رجم کر دے یا کوئی اور حد قائم کر دے اس لئے محل ترجمہ تھا فرجمھا اور یہاں امام کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنی جگہ اگر کسی اور کو حد قائم کرنے کے لئے بھیج دے تو امام کو گناہ نہیں ہے اس لئے یہاں محل ترجمہ یہ ہے یا انیس اغد۔

کتاب الدیات

بعض نسخوں میں یہاں یوں ہے باب قول اللہ تعالیٰ الخ غرض یہ ہے کہ قتل مومن پر سخت وعید ہے اور امام اسماعیل قاضی کی کتاب احکام القرآن میں سند حسن کے ساتھ یہ روایت ہے کہ جب یہ آیت قتل کی وعید والی نزل ہوئی تو مہاجرین والانصار نے کہا وجبت کہ اب تو بہت سے مسلمانوں پر جہنم ثابت ہوگئی تو پھر یہ آیت نازل ہوئی ان اللہ لا یغفران یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشاء اسی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحیحین میں حضرت عبادہ سے مرفوع روایت میں قتل اور زنا وغیرہ کے بعد ہے ومن اصاب من ذلک شیئا فامرہ الی اللہ ان شاء عاقبہ وان شاء عفا عنہ اور اسی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں گزری ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے پہلے ننانوے قتل کئے پھر ایک اور کیا اور توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوگئی پھر کتاب الدیات کا ربط یہ ہے کہ یہ حدود کا تتمہ ہے یہ جمع ہے دیہ کی وھی ما وجب من المال بالجنایۃ علی الحرفی النفس اوفیما دونھا من الاعضاء سوال۔ بخاری کے سوا دوسرے ائمہ نے تو دیت کو قصاص کے تابع کر کے بیان فرمایا ہے امام بخاری نے اس کا عکس کیوں کیا۔ جواب۔ امام بخاری کا طرز بہتر ہے کیونکہ دیت قصاص سے اعم ہے کیونکہ کبھی قصاصا سے بھی دیت پر صلح ہو جاتی ہے کبھی خطا وغیرہ میں واجب ہوتی ہے۔ **من ورطات:.** یہ جمع ہے ورطہ کی بمعنی ہلاکت۔

باب قول اللہ تعالیٰ ومن احیاھا

غرض اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔ **الی الحرقه من جھینه:** یہ ایک قبیلہ کا نام ہے جو جھینہ قبیلہ کی شاخ ہے۔ **لانصر هذا الرجل:.** اس سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ یایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی:.

غرض اس آیت کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔

باب سوال القاتل حتی یقروالاقرار فی الحدود

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔ ا۔ امام کا سوال کرنا اچھا ہے قاتل سے یہاں تک کہ وہ قتل کا اقرار کر لے۔ ۲۔ حد میں بھی اقرار معتبر ہے اور اس سے حد قائم کی جا سکتی ہے۔

باب اذا قتل بحجر او بعصا

غرض جمہور کے قول کی تائید ہے کہ جس طریقہ سے کسی نے قتل کیا ہو اسی طرح اس کو بھی قتل کیا جائے گا اگر وہ اس چیز سے نہ مرا تو پھر تلوار سے قتل کر دیا جائے گا وعند امامنا ابی حنیفہ قصاص صرف تلوار سے ہوگا ہماری دلیل ابن ماجہ اور طحاوی کی روایت عن النعمان بن بشیر مرفوعاً لا قود الا بالسیف وللجمہور حدیث الباب عن انس مرفوعا فقتلہ بین الحجرین جواب قولی روایت کو فعلی روایت پر ترجیح ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ ان النفس بالنفس

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔

باب من اقاد بالحجر

غرض اسی باب کی تاکید ہے جو عنقریب گزرا کہ جس طریقہ سے کسی نے قتل کیا ہو قصاص میں اسی طریقہ کا استعمال واجب ہے۔

باب من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین

اختلافی مسئلہ میں امام احمد کی تائید کرنی مقصود ہے ان کے نزدیک مقتول کے متولی کو اختیار ہوتا ہے چاہے قتل عمد میں قصاص لے لے چاہے دیت لے لے امام شافعی کی ایک روایت بھی ان کے ساتھ ہے دوسری روایت اور ہمارے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ قتل عمد میں صرف قصاص ہے ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کتب علیکم القصاص فی القتلی ان کی دلیل حدیث الباب ہے عن ابی هریرة مرفوعاً من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین اما یودی واما یقاد. جواب یہ اس پر مبنی ہے کہ عموماً قاتل دیت پر راضی ہو جاتا ہے۔

باب من طلب دم امری بغیر حق

ناجائز قتل کی مذمت بیان کرنی مقصود ہے۔

باب العفو فی الخطا بعد الموت

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جو خطاً قتل ہو جائے تو اس کی موت کے بعد ولی کے لئے معاف کر دینے میں بہت ثواب ہے زندگی میں تو مقتول خود معاف کرتا ہے۔ **وقد کان انهرم منهم قوم حتی لحقوا بالطائف:** اس سے مراد مشرکین کی ایک جماعت ہے۔

باب قول الله تعالیٰ وما کان لمومن ان یقتل مومنا الاخطا

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ قتل خطا میں قصاص نہیں ہے خصوصاً جبکہ مقتول بھی کافر حربی ہو۔ سوال۔ حدیث کیوں ذکر نہ فرمائی جواب۔ ا۔ اس مسئلہ میں آیات کو کافی شمار فرمایا۔ ۲۔ اپنی شرط پر کوئی حدیث اس مسئلہ میں نہ پائی۔

باب اذا اقر بالقتل مرة قتل به

اس شخص کا رد ہے جس نے کہا کہ قتل کا اقرار دو دفعہ کرنا ضروری ہے اور قیاس کیا حد زنا پر کہ وہاں چار گواہ ہوتے ہیں اور اقرار بھی چار دفعہ ہے قتل میں دو گواہ ہوتے ہیں اس لئے یہاں اقرار بھی دو دفعہ ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں ہو سکتا زیر بحث باب کی حدیث میں اقرار کا ذکر ہے دو دفعہ کی قید نہیں ہے اس سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ ایک دفعہ ہی اقرار پایا گیا۔

باب قتل الرجل بالمراة

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ قصاص میں مذکر اور مونث برابر ہیں۔

باب القصاص بین الرجال والنساء فی الجراحات

غرض امام مالک اور امام شافعی کے مذہب کی تائید ہے کہ مادون النفس میں بھی مرد اور عورت برابر ہیں۔ ہمارے امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل سے کم درجہ میں مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جان کے بدلہ میں جان ہے اس میں تو بیمار اور تندرست کو نہیں دیکھا جاتا لیکن اعضاء میں کامل اور ناقص کے فرق کا لحاظ ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی فالج والا ہاتھ کاٹ دے تو اس کے بدلہ میں صحیح ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اسی طرح مرد اور عورت کے ہاتھ میں چونکہ قوت اور ضعف کا فرق ہوتا ہے اس لئے ایک دوسرے کے بدلہ میں کاٹ نہیں سکتے۔ امام مالک اور امام شافعی کی دلیل۔ ا۔ بخاری شریف میں تعلیقاً ہے ویذکر عن عمر تقاد المراة من الرجل فی کل عمد یبلغ نفسه فما دونها من الجراح جواب امام بخاری نے اس روایت کو تمریض کے صیغہ سے ذکر فرمایا ہے جو علامت کمزور ہونے کی ہے کیونکہ حضرت نخعی نے حضرت شریح سے سماع نہیں فرمایا۔ ۲۔ بخاری شریف میں اسی باب میں تعلیقاً روایت ہے جرحت اخت الربیع انسانا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم القصاص جواب۔ ا۔ ایک روایت میں ضمان کی تصریح ہے۔ پس قصاص نہ ہوا دیت ہوئی۔ ۲۔ ایک روایت میں یوں ہے کسرت ثنیہ جاریہ اس لئے اس روایت سے صرف عورتوں کے اعضاء کا قصاص آپس میں ثابت ہوا عورتوں اور مردوں کے درمیان اعضاء کا قصاص ثابت نہ ہوا۔ **عن اصحابه:.** یہاں اصحاب سے مراد اساتذہ ہیں۔ **جرحت اخت الربیع:.** اس واقعہ کی تفصیل سورۃ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

باب من اخذ حقه او اقتص دون السلطان

اس باب کے ترجمہ میں دون السلطان سے مراد ہے دون امر السلطان اونائبہ۔ جواب محذوف ہے کیوں محذوف ہے۔ ا۔ حدیث میں موجود ہے۔۲۔ جگہ تو اختلاف کی ہے لیکن سامع اور ناظرہ خود استنباط کرے۔ باقی تفصیل فقہ میں ہے ۔ **نحن الاخرون السابقون:.** سوال اس حدیث کی باب سے مناسبت نہیں ہے جواب۔ راوی نے دوحدیثیں اکٹھی سنی ہیں اس لئے اکٹھی نقل کردی ہیں دوسری حدیث باب کے مناسب ہے مشقصا ا۔ لوہے کا تیز حصہ جس کو پھل کہتے ہیں ۔۲۔ پھل والا تیر۔

باب اذا مات فی الزحام اوقتل به:.

یعنی کوئی بھیڑ میں اس وجہ سے قتل کردیا جائے کہ خیال کیا ہو کہ یہ تو کافر ہے اور واقع میں مسلمان ہو غرض یہ مسئلہ بیان کرنا ہے اور حکم کی تصریح نہ فرمائی اس وجہ سے کہ حکم میں اختلاف کثیر ہے مثلاً ۔ا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا خون ھدر ہوگا کسی پر قصاص یا دیت نہ ہوگی ۔۲۔ اس کی دیت بیت المال میں ہوگی ۔۳۔ اس کی دیت بیت المال سے وصول نہ کی جائے گی بلکہ جتنے اس مجلس میں حاضر تھے ان سب سے وصول کی جائے گی ۔۴۔ متولی اگر حلف کھالے کہ حاضرین میں سے فلاں نے قتل کیا ہے تو اس سے دیت لیں گے ورنہ پھر ھدر جائے گی اور کسی سے بھی وصول نہ کی جائے گی باقی تفصیل فقہ میں ہے۔ **فما زالت فی حذیفه منه بقیه :.** ا۔ اس عفو کی وجہ سے حضرت حذیفہ میں اچھی ثنا باقی رہی ۔۲۔ والد کے قتل ہونے کی وجہ سے صبر باقی رہا گویا پہلی توجیہ میں منہ کی ضمیر عفو کی طرف لوٹتی ہے اور بقیہ سے مراد ثناء حسن اور دوسری توجیہ میں یہ ضمیر قتل اب کی طرف لوٹتی ہے اور بقیہ سے مراد صبر ہے۔

باب اذا قتل نفسه خطا فلادية له

غرض جمہور کی تائید ہے امام احمد کے خلاف کیونکہ امام احمد کے نزدیک اس کی دیت عاقلہ پر ہوگی اور اس دیت سے جتنے دن زندہ رہا تو وہ خود نفع اٹھائے گا اور مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو مل جائے گی اور جمہور کے نزدیک اس کی دیت نہیں ہے لنا

حدیث الباب عن سلمہ کہ حضرت عامر اپنے ہی ہتھیار لگنے سے شہید ہوگئے تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر کوئی دیت مقرر نہ فرمائی ولاحمد قیاس ہے اس صورت پر کہ کوئی دوسرا شخص کسی کو خطا قتل کردے جیسے اس میں دیت ہے ایسے ہی خود اپنے آپ کو خطا قتل کرنے میں بھی دیت ہونی چاہیے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کر سکتے۔

باب اذا عض رجلا فوقعت ثنا ياه

غرض یہ ہے کہ اس صورت میں دیت معاف ہے جیسا کہ حدیث شریف مذکور ہے اور یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

باب السن بالسن

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے اور یہی اجماعی حکم ہے۔

باب دیه الاصابع

غرض یہ ہے کہ سب انگلیوں کی دیت برابر ہے ہاتھ کی ہوں یا پاؤں کی چھوٹی ہوں یا بڑی یا انگوٹھا ہو سب برابر ہیں اور یہی اہل فتویٰ کا مسلک ہے حدیث الباب کے علاوہ ابوداؤد اور ترمذی میں مرفوعاً وارد ہے اصابع الیدین والرجلین سواء اور ابن ماجہ میں ہے عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مرفوعا الاصابع سواء کلھن فیہ عشر عشر من الابل۔

باب اذا اصاب قوم من رجل هل يعاقب او يقتص منهم كلهم

جواب محذوف ہے نعم اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ **باب القسامه:.** غرض قسامہ کا حکم بتلانا ہے اور قسامہ میں قاف کا فتحہ ہے وجہ تسمیہ ۔ا۔ یہ لفظ قسم سے لیا گیا ہے کیونکہ اس میں قسمیں ہوتی ہیں ۔۲۔ یہ لفظ قسمہ سے لیا گیا ہے کیونکہ اس میں قسمہ الایمان ہے۔ امام بخاری اور حکم بن عتیبہ اور ابوقلابہ اور سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار اور قتادہ اور ابراہیم بن علیہ اس کے قائل ہوئے کہ قسامہ مشروع نہیں ہے اور یہ بات حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی باختلاف روایات منقول ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قسامہ کے قائل تھے اور بعض سے معلوم

ہوتا ہے کہ قائل نہ تھے لیکن جمہور فقہاء قائل ہیں کہ قسامہ مشروع ہے اور ثابت ہے لیکن راجح یہ ہے کہ قسامہ میں امام بخاری حنفیہ کے ساتھ ہیں کہ قسامہ مشروع بھی ہے اور اس میں قصاص کسی صورت میں نہیں ہے کیونکہ امام بخاری کا طرز اس باب میں اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ حنفیہ اور باقی جمہور میں یہ اختلاف ہے کہ حنفیہ کے نزدیک کسی صورت میں نہ مدعی سے قسم ہے نہ قصاص ہے اور یہی امام شافعی کا قول جدید قرار دیا گیا ہے ان کا قول قدیم اور باقی جمہور مالکیہ اور حنابلہ اس کے قائل ہوئے کہ اگر علامت ہو تو مدعی سے قسم لیں گے علامت کیا ہے اس کے گھر خون ہو یا عداوت ہو یا ایک گواہ ہو ہماری حنفیہ کی دلیلیں۔ ا۔ فی الترمذی عن عبداللہ بن عمرو مرفوعا البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔ ۲۔ اس باب میں تعلیق وقال اشعث بن قیس النبی صلی اللہ علیہ وسلم شاھداک اویمینہ۔ ۳۔ حدیث الباب جس کے الفاظ ابوداؤد میں اس طرح ہیں عن سھل بن ابی حثمۃ مرفوعا تبرا کم یھود بخمسین یمینا۔ ۴۔ اسی باب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز والی لمبی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ قسامہ میں قصاص نہیں اس حدیث کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ میں یوں ہیں عن سلیمان بن یسار ان عمر بن عبدالعزیز قال ماراَیت مثل القسامہ اقید بھا واللہ تعالیٰ یقول واشھدوا ذوی عدل منکم وقالت الاسباط وما شھدنا الا بما علمنا لیکن حافظ ابن حجر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا رجوع نقل کیا ہے اس قول سے جو حضرت ابوقلابہ کے خلاف ہے جمہور کی دلیل۔ ا۔ فی ابی داؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل رجلا بالقسامہ جواب۔ ا۔ یہ روایت شاذ ہے۔ ۲۔ قسامہ کے بعد ظہور بینہ یا اقرار کی وجہ سے قتل کرایا۔ ۲۔ جمہور کی دوسری دلیل صحاح ستہ کی روایت حضرت سھل بن ابی حثمہ سے مرفوعاً اتحلفون خمسین یمینا وتستحقون دم صاحبکم جواب۔ ا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ مقصود انکار ہے قصاص سے صرف قسم کھا کر قصاص کیسے لے سکتے ہو۔ ۲۔ قال الطحاوی یہ صرف تمہید ہے اصل حکم مدعی علیہ پر بیان فرمانا ہے۔ ۳۔ قال الطحاوی یہ صرف حال معلوم کرنا ہے قصاص کا حکم لگانا مقصود نہیں ہے۔ ۴۔ امام محمد نے جواب دیا ہے کہ دم سے مراد دم مقتول ہے کہ تم دم مقتول کا معاوضہ لے سکو گے یعنی دیت لے سکو گے دم قاتل نہیں ہے کہ تمہیں قصاص مل جائے گا۔ حضرت ابوقلابہ وغیرہ حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یمین تو علم پر ہوتی ہے عدم علم پر یمین شریعت کے اصول کے خلاف ہے اس لئے قسامہ ثابت نہیں ہے جواب یہ ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ قسامہ میں دوسرا اختلاف مدعی علیھم سے پچاس قسمیں لینے کے بعد بھی مدعی علیھم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک دیت ہے جمہور کے نزدیک نہیں ہے ہماری دلیل۔ ا۔ حدیث الباب عن سھل بن ابی حثمہ فوداہ مائہ من ابل الصدقۃ جھگڑا مٹانے کے لئے یہودیوں کی طرف سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں کے دیت ادا فرمائی۔ ۲۔ دیت کا سبب موجود ہے کہ انہوں نے محلہ کی حفاظت نہ کی قتل سے جیسے کہ قتل خطا میں دیت ہوتی ہے۔ ۳۔ دیت کا سبب موجود ہے کہ ان کے محلہ میں مقتول پایا گیا اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان میں سے کسی نے قتل کیا ہے جمہور کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ قسم کھا کر بری ہو جاتا ہے جواب قسامہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

بیوت السمانین:۔ گھی بیچنے والوں کے گھر۔ **قال نقول القسامه القود بهاحق:**۔ بعض نسخوں میں یہاں قالوا نقول ہے یہ زیادہ مناسب ہے اور قال کی توجیہ یہ ہے۔

قال بعضهم وقد اقادت بها الخلفاء: اس سے مراد حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر اور عبدالملک بن مروان ہیں۔ **ثم نبذ هم فی الشمس**:۔ مقصد یہ تھا کہ ان سے قصاص لیا حالانکہ مشاہدہ کرنے والے گواہ موجود نہ تھے۔ **وقد كان فی هذا سنه من رسول الله صلی الله علیه وسلم:**۔ معنی یہ ہے کہ اب میں جو واقعہ بیان کرنے لگا ہوں اس میں سنت یہ ثابت ہو رہی ہے کہ قسامہ میں مدعی علیہ پر قسمیں ہیں مدعی پر نہیں ہیں۔ **یتشحط**:۔ تڑپ رہا تھا۔ **نفل:**۔ یہی بمعنی یمین ہے۔

فوداه من عنده: . سوال دوسری روایت میں اس کے خلاف ہے وہاں یوں ہے وداہ من ابل الصدقہ ۔ جواب ۔ ۱۔ ابل صدقہ سے اونٹ خرید کر دیت ادا فرمائی ۔ ۲۔ ابل صدقہ سے اونٹ ادھار قیمت پر لے گئے کہ فی میں جب مال آئے گا تو اس سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی۔ **خلعوا حلیفا لهم:** . عاق کر دیا حلیف کو پھر حلیف سے مراد واقعی حلیف ہے یا اپنے قبیلہ کا آدمی ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ حلیف کی طرح محفوظ تھا۔ **فانتبه:** . بیدار ہو گیا اور اس کو پتہ چل گیا۔ **فانهجم الغار:** . غار ان پر گر گئی۔ **افلت القرینان:** . وہ دو شخص جنہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا وہ دونوں بھاگ نکلے اس غار سے۔ **فعاش حولا ثم مات:** . مقتول کا بھائی تو ایک سال کے بعد مر گیا اور قاتل جس نے چور سمجھ کر قتل کیا تھا وہ بچ گیا کیونکہ وہ بے گناہ تھا اور حق پر تھا۔ **فمحوا من الدیوان:** . یعنی ان قسم کھانے والوں کے نام کاٹ دیئے اور ان کو ملازمت سے الگ کر دیا اور شام کی طرف نکال دیا۔ پھر حدیث ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قسامہ سے قصاص ثابت نہیں ہوسکتا۔

باب من اطلع فی بیت قوم ففقاء وعینه فلادیة له

غرض یہ حکم بتلانا ہے اور اس واقعہ کی ایک حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں انہ لادیہ لہ۔ **باب العاقله:** . غرض عاقلہ کا بیان ہے اور یہ جمع ہے عاقل کی دیت دینے والا عاقلہ کا مصداق کیا ہے۔ ۱۔ اہل دیوان یعنی وہ لوگ جن کے نام اس قاتل والے لشکر کے رجسٹر میں لکھے ہوئے ہیں ۔ ۲۔ قاتل کے عصبہ۔ مزید تفصیل فقہ میں ہے۔ **وان لا یقتل مسلم بکافر:** . عندامامنا ابی حنیفہ کافر ذمی کو اگر مسلمان قتل کر دے تو اس میں قصاص ہے وعند الجمہور قصاص نہیں ہے لنا ۔ ۱۔ ان النفس بالنفس ۔ ۲۔ مرقاۃ المفاتیح میں روایت ہے عن عبدالرحمٰن بن البیلمانی ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الذمہ ثم امر بہ فقتل وللجمہور حدیث الباب عن علی مرفوعا وان لا یقتل مسلم بکافر جواب یہاں کافر حربی مراد ہے کیونکہ ابوداؤد کی روایت میں اسی حدیث کے الفاظ یوں ہیں لا یقتل مومن بکافر ولا ذوعهد فی عهده اب اگر اس حدیث میں کافر سے مراد ہر کافر لیا جائے تو پھر یہ ثابت ہوگا کہ ذمی کو بھی ذمی کے بدلہ میں قتل نہیں کر سکتے اور یہ خلاف اجماع ہے۔

باب جنین المراۃ

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ حمل گرا دینے کی کیا چٹی ہے۔

باب جنین المراۃ وان العقل علی الوالد وعصبه الوالد لاعلی الولد:.

غرض دو مسئلے بیان فرمائے ہیں ۔ ۱۔ جنین کی دیت کیا ہے۔ ۲۔ عاقلہ میں وہ اولاد داخل نہیں ہے جو عصبہ نہ ہو جیسے بنت اور ابن البنت اور بنت الابن وغیرہ۔ **ان المراۃ التی قضی علیها بالغرۃ توفیت:** یعنی بغیر قتل کے فوت ہوگئی۔

باب من استعان عبدا او صبیا :.

غرض یہ ہے کہ اگر کسی غلام یا بچے کو کسی کام کے لئے بلایا اس کام میں وہ ہلاک ہو گیا تو کام کرانے والے پر ضمان نہ ہوگی جبکہ اس نے کسی کو دھوکہ نہ دیا ہو اور اس باب کی مناسبت دیت کے ابواب سے یہ ہے کہ کبھی خطا قتل ہونے والا غلام یا بچہ بھی ہوتا ہے۔

باب المعدن جبار والبئر جبار :.

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے۔

باب العجماء جبار :.

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ جانور کسی کو قتل کر دے تو اس کی چٹی یا قصاص نہیں ہے جبکہ مالک کی طرف سے کوتاہی نہ ہوئی ہو۔ سوال۔ اس مسئلہ کو گذشتہ باب کے دو مسئلوں سے الگ کیوں ذکر کیا ہے حالانکہ حدیث میں تینوں اکٹھے تھے۔ جواب۔ چونکہ جانور کے متعلق مختلف قسم کے احکام تھے راکب کے لحاظ سے سائق کے لحاظ سے کرایہ پر دینے والے کے لحاظ سے اس لئے جانور کے احکام الگ بیان فرمائے۔ **العنان:** . لگام۔ **ان ینخس:** . بیل وغیرہ کے پچھلے حصہ میں لکڑی داخل کرنا لا تضمن ما عاقب ان

یضر بھا فتضرب برجلھا کوئی جانور کو مارے وہ جانور بدلہ لینے کے لئے اپنے پاؤں مارے تو اس کا کوئی بدلہ یا چٹی نہ ہوگی۔**متو سلا:.** آرام سے جانور کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔اس صورت میں اگر جانور نے کوئی نقصان کر دیا تو یہ مالک ذمہ دار نہ ہوگا۔

باب اثم من قتل ذمیا بغیر جرم:.

غرض یہ ہے کہ ذمی کو قتل کرنا بڑا جرم گناہ ہے۔

باب لا یقتل المسلم بالکافر:.

غرض شبہ کا ازالہ ہے گذشتہ باب سے شبہ ہوتا تھا کہ جب ذمی کو قتل کرنا گناہ ہے تو مسلمان کو اس کے بدلے میں قتل کرنا بھی چاہیے جواب دے دیا کہ اگر چہ گناہ تو ہے لیکن یہاں قصاص نہیں ہے۔

باب اذا لطم المسلم یھودیا عند الغضب

اس باب سے گذشتہ باب کے مسئلہ کی تائید مقصود ہے کہ جب ذمی کو طمانچہ مارنے میں قصاص نہیں ہے تو قتل میں بھی قصاص نہ ہونا چاہیے لیکن حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ طمانچہ مارنے میں تو تسامح ہوتا ہے خصوصاً جبکہ اس ذمی نے اسلام کی توہین کی ہو۔قتل میں تسامح نہیں ہوتا اس لئے حنفیہ کے خلاف امام بخاری کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ذمی کے قصاص کا مسئلہ عنقریب گزر چکا ہے۔

کتاب استتابہ المرتدین والمعاندین وقتالھم

یہ کتاب حدود ودیات کا تتمہ ہے۔**من احسن فی الاسلام لم یواخذ بما عمل فی الجاھلیہ:.** اس سے یہ ثابت ہوا کہ نعوذ باللہ کوئی مرتد ہو جائے پھر توبہ کرلے تو زمانہ ارتداد کی عبادات کی قضاء اس کے ذمہ نہ ہوگی۔**ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والاخر:.** سوال۔یہ ارشاد بظاہر اس آیت کے خلاف ہے **قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف.** جواب۔۱۔آیت میں اصلی کفر ہے اور حدیث میں مرتد ہونے کا ذکر ہے۔۲۔آیت میں عقیدوں کی پوری درستگی مراد ہے اور حدیث میں ضروری عقائد میں کچھ کمزوری مراد ہے۔۳۔آیت میں خالص ایمان ہے اور حدیث میں نفاق کی صورت مراد ہے۔۴۔آیت میں آخرت کے عذاب کی نفی ہے اور حدیث میں دنیا میں کچھ نہ کچھ لوگوں کا عار دلانا مراد ہے۔

باب حکم المرتد والمرتدۃ:.

غرض یہ بتلانا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہے یا نہ پھر تصریح تو نہ فرمائی لیکن شروع میں جو تعلیق نقل کی ہے اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک مرد عورت میں فرق نہیں ہے اور یہی جمہور کا قول ہے ہمارے امام ابوحنیفہ عورت کو قتل کی بجائے قید کا حکم دیتے ہیں لنا۔۱۔احادیث میں عورت کے قتل کی ممانعت ہے اس میں کافرہ اور مرتدہ دونوں آگئیں۔۲۔عینی میں روایت ہے عن ابی حنیفہ عن عاصم عن ابی ذرعن ابن عباس موقوفا لا تقتل النساء اذا ھن ارتدن للجمھور تعلیق البخاری عن ابن عمر موقوفا تقتل المرتدۃ ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ عقوبات میں اقل کو ترجیح ہوتی ہے اور حبس اقل ہے۔**بزنادقه:.** یہ جمع ہے زندیق کی۔اس کے معنی۔۱۔دل میں کفر ہو اوپر اوپر سے ایمان ظاہر کرے منافق کی طرح۔۲۔زردشت کی کتاب کی پیروی کرنے والا کتاب کا نام تھا زند۔۳۔شیعہ میں سے ایک جماعت ہے جس کو سبائیہ بھی کہتے ہیں۔ان کا سردار عبداللہ بن سبا تھا جو یہودی تھا اس نے اسلام ظاہر کیا حضرت عثمان کی خلافت میں اور فتنہ کا سبب بنا پھر حضرت علی کے زمانہ میں فتنہ کا سبب بنا اور حضرت علی نے اس کے متبعین کو ترھیباً جلایا بھی تھا جبکہ انہوں نے توبہ نہ کی وہ یہ کہتے تھے کہ حضرت علی نعوذ باللہ خدا ہیں۔

باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردۃ

غرض دو مسئلوں کا یا ایک مسئلہ کا بیان ہے۔۱۔ان لوگوں کا قتل جائز ہے جو کسی فریضہ کا انکار کریں۔۲۔ما نسبوا والی ما موصولہ ہے بمعنی من اور ان لوگوں کا قتل بھی جائز ہے جو نعوذ باللہ مرتد ہونے کی طرف منسوب ہوں یعنی مرتد ہو گئے ہوں لیکن اگر اس ما کو مصدریہ مانا جائے اور منسوب ہونا ارتداد کی طرف تو پھر پہلے مسئلہ کا تتمہ بنے گا یعنی فرض کا انکار کرنے والے بھی مرتد ہی شمار ہوں گے اسی لئے ان کا قتل جائز ہے اسی طرح اگر ما کو نافیہ مانا جائے تو پھر بھی یہ عبارت پہلے مسئلہ کا تتمہ ہی بنے گی کہ صراحۃً ارتداد کی طرف

منسوب نہ کئے گئے ہوں پھر حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت کے شروع میں مرتد ہونے والے تین قسم کے تھے۔۱۔ جو بتوں کی پوجا کی طرف لوٹے۔۲۔ جنہوں نے مسیلمہ کذاب یا اسود عنسی کی پیروی شروع کی۔۳۔ جنہوں نے کہا کہ زکوۃ وصول کرنا یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اسی تیسری قسم میں حضرات شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے درمیان مناظرہ بھی ہوا۔ان تینوں کے خلاف حضرت صدیق اکبر نے لشکر بھیجے اور ایک سال کے اندر اندر سب دین اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ فللّٰہ الحمد۔

باب اذا عرض الذی بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یصرح نحو قولہ السام علیک

غرض یہ ہے کہ اگر ذمی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی ونفسی کو بطور تعریض کے گالی دے تو قتل نہ کیا جائے گا اسی طرف امام بخاری گئے ہیں لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ قتل کیا جائے گا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل نہ فرمانا تالیف قلوب کی مصلحت سے تھا۔**باب:** یہ باب تتمہ ہے گذشتہ باب کا کیونکہ اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر فرمانا فعلی ایذاء پر منقول ہے تو صبر قولی ایذاء پر بطریق اولی ثابت ہوا۔

باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامہ الحجہ علیھم

غرض اس کا جواز بیان کرنا ہے ملحد کے معنی ہیں حق سے باطل کی طرف متوجہ ہونے والا اس کا مصداق وہ شخص ہوتا ہے جو قرآن وحدیث کی نصوص کو اپنی خواہش پر منطبق کرے اور ایسے معنی کرے کہ اس کا اپنا مقصد پورا ہو جائے اگر چہ صاف صاف الفاظ ہوں اور ظاہر معنی ہوں جو اس کی خواہش کے خلاف ہوں پھر خوارج کے بارے میں تین قول ہیں۔۱۔ امام بخاری کے نزدیک وہ کافر ہیں۔ ۲۔ بعض کے نزدیک فاسق ہیں۔۳۔ راجح یہ ہے کہ بعض کافر ہیں اور بعض فاسق ہیں۔**یخرج فی ھذہ الامہ ولم یقل منھا:** یہاں امت سے مراد امت اجابت ہے اور من جزء ہونے پر دال ہے۔ فی اس پر دال نہیں بلکہ فی کے معنی ہیں فی اظہرھم کیونکہ فی ظرفیت کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری خوارج کا کفر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔**رصافہ:** کپڑے کا وہ ٹکڑا جو تیر کے پھل پر لپیٹ کر تیر کی لکڑی میں فٹ کیا جاتا ہے حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ اسلام میں داخل ہوں گے پھر جلدی سے نکل جائیں گے اور اسلام کی کوئی چیز حاصل نہ کریں گے۔

باب ترک قتال الخوارج للتالف وان لا ینفر الناس عنہ

غرض یہ ہے کہ تالیف قلبی کے طور پر ایسا کرنا جائز ہے۔ **قذذہ:** تیر کے پر۔**نضیہ:** تیر کی لکڑی۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعہ حتی تقتتل فئتان دعوتھما واحدۃ

غرض اس حدیث پاک اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔ پھر اس حدیث پاک کا مصداق کیا ہے۔۱۔ قیامت کے قریب کوئی لڑائی پائی جائے گی اور لاتقوم الساعہ کے الفاظ کا سوق بظاہر اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔۲۔ جنگ جمل اور یہ مصداق اہل علم کے درمیان مشہور ہے۔

باب ماجاء فی المتاولین

غرض یہ ہے کہ شریعت اور عربیت کے اصول کے مطابق تاویل جائز ہے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو نہ ڈانٹا کیونکہ انہوں نے حضرت ہشام بن حکیم کے گلے میں چادر اس لئے ڈالی تھی کہ ان کے اجتہاد میں وہ آیت غلط پڑھ رہے تھے گویا غلطی اجتہادی تھی اس لئے نہ ڈانٹا البتہ کوئی صریح آیات جن کے معنی بدیہی ہوں ان میں تاویل شروع کر دے تو یہ تحریف اور کفر ہوگی۔

لیس کما تظنون: یہاں بھی حضرات صحابہ کرام کی غلطی اجتہادی تھی اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوئے۔

لا تقولوہ: حضرت مالک کو منافق کہنے والوں کو نہ ڈانٹا کیونکہ ان کی غلطی بھی اجتہادی تھی۔ **قال ابوعوانہ حاج:** حضرت ابوعوانہ اور حضرت ہشیم نے حاج نقل کیا ہے

لیکن علامہ نووی نے اس کو ان دونوں حضرات کا وہم شمار فرمایا ہے صحیح خاخ ہے حضرت ہشیم سے خاخ بھی آیا ہے یہی صحیح ہے جیسا کہ خود امام بخاری بھی حدیث کے بعد فرما رہے ہیں۔ **لا تقولوا له الاخيرا:.** حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو معاف فرمانا بھی اسی وجہ سے تھا کہ ان کی غلطی بھی اجتہادی تھی۔

كتاب الاكراه

پیچھے کتاب المرتدین تھی بعض دفعہ بظاہر مرتد ہوتا ہے واقع میں مکرہ ہوتا ہے اس لئے اب کتاب الاکراہ ذکر فرما رہے ہیں یہ تو ربط ہوا اور غرض اکراہ کے اور مکرہ بہ کے احکام کا بیان ہے اور اکراہ کے معنی ہیں الزام الغیر بما لا یریدہ اور احوال کے مختلف ہونے سے اکراہ کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔

باب من اختار الضرب والقتل والهوان على الكفر

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ ضرب اور قتل اور ذلت بلکہ دنیا کی آگ کا بھی خطرہ ہو تو عزیمت یہی ہے کہ کلمہ کفر نہ کہے کیونکہ دنیا کی آگ آخرت کی آگ سے ہلکی ہے لیکن اگر کہہ لے گا تو رخصت ہے گناہ پھر بھی نہیں ہے۔ **وان يكره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف في النار:.** یہی محل ترجمہ ہے کہ کلمہ کفر سے بہت نفرت ہونی چاہیے۔ **وان عمر موثقي على الاسلام:.** اسلام لانے کی وجہ سے عمر مجھے رسی سے باندھ دیتے تھے یہ بہنوئی ہیں حضرت عمرؓ کے سعید بن زید لیکن میں نے اسلام نہ چھوڑا ان کی بیوی کا نام فاطمہ بنت خطاب تھا یہ حضرت خدیجہ کے بعد ایک قول میں پہلی مسلم عورت ہیں اور دوسرے قول میں پہلی حضرت ام فضل ہیں اور یہ دوسری ہیں۔ **ولو انقض احد مما فعلتم بعثمان كان محقوقا ان ينقض:.** مناسبت یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے باغیوں کی بات نہ مانی اور شہید ہو گئے تو عمر کے رسی سے باندھنے سے میں کیسے کفر کر سکتا تھا۔ پھر انقض کے معنی ہیں پھٹ جائے اس پھٹنے کی دو تقریریں ہیں۔ا۔ احد پہاڑ کو مجرم سمجھ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اتنا بڑا جرم نہیں ہے جتنا بڑا قتل عثمان جرم ہے۔۲۔ قتل عثمان اتنا بڑا جرم ہے کہ غم اور ہمدردی سے اگر احد پہاڑ بھی پھٹ جائے تو مناسب ہے۔

باب في بيع المكره ونحوه في الحق وغيره

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ مکرہ اور مضطر کی بیع ٹھیک ہے ونحوہ میں اشارہ مضطر کی طرف ہے وہ مضطر حق مالی ادا کرنے کے لئے کچھ بیچنے پر مجبور ہوا ہو یا وغیرہ یعنی کوئی اور مجبوری ہو مثلاً اس کو جلا وطن کر دیا گیا ہو اس لئے وہ زمین مکان بیچنے پر مجبور ہو گیا ہو یہ تو امام بخاری کی رائے ہے حنفیہ کے نزدیک مکرہ کی بیع موقوف رہتی ہے اکراہ ختم ہونے پر اجازت دے دے تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔ سوال۔ جب مکرہ کی طلاق ٹھیک ہے تو بیع بھی ٹھیک ہونی چاہیے۔ جواب۔ طلاق اسقاطات میں سے ہے اور بیع اثباتات میں سے ہے اس لئے بیع کو طلاق پر قیاس نہیں کر سکتے۔

باب لايجوز نكاح المكره

غرض جمہور کی تائید ہے کہ اکراہ و جبر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح ہو جاتا ہے اگرچہ جبر کرنے کا گناہ ہوتا ہے منشا اختلاف اس باب کی روایت ہے عن خنساء بنت خذام الانصاریہ ان اباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلک فاتت النبي صلی اللہ علیہ وسلم فرد نكاحها ترجیح حنفیہ کے قول کو ہے کیوں۔ا۔ یہاں لفظ رد ہے اس سے معلوم ہوا کہ نکاح ہو گیا تھا اس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فسخ فرما دیا اگر نکاح ہی نہ ہوتا تو لفظ اس قسم کا ہوتا جعلہ باطلا۔۲۔ جو اس حدیث میں صورت ہے وہ نکاح فضولی کی ہے نکاح مکرہ کی نہیں ہے۔۳۔ ہمارے معنی کی تائید ابوداؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے عن ابی ہریرۃ مرفوعا ثلث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعۃ۔ **ولا تكرهوا فتيتكم على البغاء:.** امام بخاری یوں استدلال فرما رہے ہیں کہ جیسے حرام کام پر مجبور کرنا منع ہے اسی طرح حلال کام پر نکاح پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا جواب۔ حلال کو حرام پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ جیسے زنا کرنا حرام ہے ایسے ہی نکاح کرنا بھی حرام ہے۔

باب اذا اکره حتی وهب عبداً اوباعه لم یجز

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے۔ **وبه قال بعض الناس:.** اس سے مراد حنفیہ ہیں۔ **فان نذر المشتری فیه نذرا فهو جائز بزعمه وکذلک ان دبره:.** اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اکراہ کی صورت میں جب غلام کی بیع اور غلام کا ھبہ ناجائز ہے تو غلام آزاد کرنے کی نذر اکراہ کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک جائز کیوں ہے ایسے ہی مدبر بنانے پر اکراہ کرنے کی صورت میں یہ تدبیر کیوں صحیح ہے یہ تو تعارض ہے تنا قض ہے جواب۔ ان سب صورتوں میں اکراہ ختم ہونے کے بعد اگر اس شخص نے اجازت دے دی پھر تو سب صورتیں صحیح ہو جائیں گی اور اگر اجازت نہ دی تو بیع اور ھبہ تو ٹوٹ جائیں گے البتہ اگر تدبیر پر اکراہ تھا یا غلام آزاد کرنے کی نذر پر اکراہ تھا اور اکراہ ختم ہونے کے بعد اجازت نہ دی تو اکراہ کرنے والے کے ذمہ غلام کی قیمت ہوگی کیونکہ اعتاق اور تدبیر لازم عقد ہیں یہ توڑے نہیں جاسکتے اس لئے اکراہ کا تدارک قیمت ادا کرنے کی صورت میں ہوگیا تو سب صورتوں میں اجازت نہ دینے کی صورت میں اکراہ کا اثر ختم کردیا گیا تعارض کہاں رہا۔ **فقال من یشتریه منی:.** سوال۔ اس روایت میں تو بیع مدبر ہے۔ تدبیر پر اکراہ تو نہیں ہے اس لئے یہ روایت باب کے مناسب نہ ہوئی۔ جواب۔ یہ بھی ایک قسم کا اکراہ ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر مدبر کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ دیا۔ اس روایت کو لانے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ یہ صورت اکراہ سے مستثنیٰ ہے اور جائز ہے پھر حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کی توجیہ کیا ہے۔ ا۔ یہ بیع منافع ہے جیسا کہ دارقطنی میں ہے عن جابر انما اذن فی بیع خدمته اس میں اذن کی ضمیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔ ۲۔ اس حدیث میں مدبر مقید کی بیع ہے اور وہ حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

باب من الاکراه

غرض یہ ہے کہ اس حدیث میں جس اکراہ کا ذکر ہے یہ کامل اکراہ نہیں ہے جنس اکراہ سے ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہیں گے کہ باب یوں ہے باب فی بیان اکراہ خفیف غیر شدید۔

باب اذا استکرهت المراة علی الزنا فلا حد علیها

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے۔

فان الله من بعد اکراههن غفور رحیم

جب گناہ نہیں ہے تو حد بھی نہیں ہے۔ **اقتضها:.** قض دور کردیا یعنی بکارت ختم کردی زنا کے ذریعہ سے۔ **یفترعها:.** بکارت ختم کردے۔ **یقیم ذلک الحکم:.** یعنی حکم باکرہ اور ثیبہ کی قیمت میں فرق کا اندازہ کرکے اتنا فرق اس حرزانی سے وصول کرکے لونڈی کے مالک کو دے گا۔ **فغط:.** اس کا گلا دبا دیا گیا یہاں تک کہ وہ بادشاہ زمین پر ایڑھیاں رگڑنے لگا۔

باب یمین الرجل لصاحبه انه اخه اذا خاف علیه القتل

تائید کرنی مقصود ہے جمہور کی کہ اگر کہہ دیا قسم کھا کر کہ یہ میرا بھائی ہے تاکہ اس کی جان بچ جائے تو نہ کفارہ ہے نہ قسم توڑنے کا گناہ ہے حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے کا گناہ ہے ترجیح قول حنفیہ کو ہے کیونکہ وہ توریہ کرسکتا تھا۔ توریہ نہ کرنے کی وجہ سے جھوٹی قسم کھانے کا گناہ ہوگا۔ **فلا قود علیه ولا قصاص:** لفظ قصاص لانے سے مقصود کیا ہے۔ ا۔ تاکید کیونکہ قود اور قصاص کے ایک ہی معنی ہیں۔ ۲۔ تعمیم بعد التخصیص کیونکہ قود کا تعلق صرف نفس سے ہے اور قصاص عام ہے قتل کا بدلہ ہو یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کا بدلہ ہو۔ **وکل عقدة:.** ایک نسخہ میں ہے اوحل عقدة یعنی نکاح کی گرہ یا عبدیت کی گرہ کھولنے کی قسم کھائے یعنی طلاق دے یا غلام آزاد کرے۔ **وقال بعض الناس لو قیل له لتشربن الخمر:.** بعض الناس سے مراد حنفیہ ہیں اور اس

لمبی عبارت کا حاصل حنفیہ پر تین اعتراض ہیں۔

پہلا اعتراض: اکل وشرب پر اگر کوئی مجبور کرے تو کھانے پینے کو آپ نے جائز نہیں قرار دیا اور بیع۔اقرار۔ہبہ پر اگر کوئی اکراہ کرے تو اس بیع۔اقرار اور ہبہ کے کر لینے کو آپ نے جائز قرار دیا ہے یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔

جواب: مرجح موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کھالیا اور پی لیا اس کا تو کوئی تدارک نہیں ہے اس لئے وہ اس چھوٹی دھمکی میں جائز نہیں ہے اور بیع۔اقرار۔ہبہ قابل فسخ ہیں اور بعد میں جب اکراہ ختم ہو جائے تو ان کا تدارک ہو سکتا ہے کہ اگر اجازت بخوشی نہ دے گا تو یہ تینوں فسخ ہو جائیں گے اس لئے مرجح موجود ہے۔

دوسرا اعتراض: آپ نے فرق کر دیا کہ محرم رشتہ دار یا بالکل اجنبی آدمی کے قتل کی کوئی دھمکی دے تو یہ اکراہ معتبر ہے اور ہبہ اور بیع اور اقرار کر لینا جائز ہے اور اگر دھمکی کسی غیر محرم رشتہ دار یا بالکل اجنبی آدمی کے قتل کی دے تو یہ اکراہ معتبر نہیں ہے گویا اکراہ ہوا ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو اس باب میں نقل کی ہے المسلم اخوالمسلم لایظلمہ ولایسلمہ۔

جواب: شریعت میں محرم اور غیر محرم کا فرق موجود ہے کہ محرم کا کوئی مالک بن جائے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔غیر محرم آزاد نہیں ہوتا جب جس کا غم عذر ہے تو یہ بھی عذر ہونا چاہیے اور غیر محرم میں اس درجہ کا غم طبعاً نہیں ہوتا اس سے عقود منسوخ اور غیر عقود ومنسوخ میں ایک فرق یہ بھی نکل آیا کہ عقود وفسوخ میں رضا شرط ہوتی ہے الاان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔غم کی وجہ سے یہ رضاء نہیں پائی گئی اس لئے وہ عقود ومنسوخ جن میں اکراہ ہوا تھا ٹھیک نہ ہوئے غیر عقود ومنسوخ میں ایسا نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض: حنفیہ استحسان کر لیتے ہیں حالانکہ استحسان کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے۔

جواب: ا۔پہلا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ استحسان کی حقیقت ہے کہ وہ اس آیت یا حدیث یا اجماع یا قیاس خفی کو کہتے ہیں جو قیاس جلی کے مقابلہ میں ہو اور یہ سب چیزیں آیت۔حدیث وغیرہ ادلہ شرعیہ ہیں۔۲۔استحسان سے مقصود آسانی کا تلاش کرنا ہوتا ہے جو اس آیت کے مطابق ہے **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**۔۳۔قیاس کے مقابلہ میں استحسان لینا ایسا ہی ہے جیسے دو حدیثوں کے تعارض کو اٹھانا ہوتا ہے۔۴۔اگر آپ کو استحسان کے نام پر اعتراض ہے تو یہ بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ نام اس آیت سے ماخوذ ہے۔ **فیتبعون احسنہ** اور اس حدیث سے ماخوذ ہے **ماراہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن**۔

امام بخاری پر اعتراض

یہ ہے کہ آپ نے اس موقعہ میں لمبی عبارت سے ایسے طرز سے مناظرانہ گفتگو کی ہے جو کتب حدیث کی شان کے مناسب نہیں ہے ایسی گفتگو تو فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں کے مناسب ہوتی ہے۔

کتاب الحیل

ربط یہ ہے کہ پیچھے کتاب الاکراہ میں بالکل اخیر میں ضمناً استحسان اور آسانی تلاش کرنے کا ذکر تھا اس کی مزید تفصیل کے لئے کتاب الحیل ذکر فرمائی۔غرض حیل کے احکام کا بیان ہے۔پھر حیل جمع ہے حیلہ کی اس کے معنی ہیں خفی طریق سے مقصود تک پہنچنا۔

اقسام حیل

چار قسمیں ہیں۔ا۔ابطال حق کے لئے یا اثبات باطل کے لئے حیلہ کرنا یہ حیلہ حرام ہے۔۲۔اثبات حق کے لئے یا دفع باطل کے لئے یہ بعض دفعہ واجب ہوتا ہے اور بعض دفعہ مستحب ہوتا ہے۔۳۔مکروہ سے بچنے کے لئے یہ کبھی مستحب ہوتا ہے کبھی مباح ہوتا ہے۔۴۔مستحب کو ترک کرنے کے لئے حیلہ کرنا یہ مکروہ ہوتا ہے۔

حنفیہ پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ حنفیہ حیلے۔بہت کرتے ہیں حتیٰ کہ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الحیل کے نام سے ایک کتاب ہی لکھ دی ہے۔

جواب: حیلہ اچھے مقصد کے لئے جائز ہوتا ہے اور اس کے لئے ہمارے پاس دلائل ہیں۔(ا) **خذ بیدک ضغثاً فاضرب بہ ولا تحنث** (۲) **جعل السقایۃ فی رحل اخیہ ثم اذن مؤذن ایتھا العیر انکم لسارقون** (۳) **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً**۔اور جائز حیلوں میں بھی تنگی سے

اپنے آپ کو نکالنا ہوتا ہے۔(۴) قال ستجدنی ان شاء اللہ صابراً ولا اعصی لک امراً اس آیت مبارکہ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کے وعدہ کے ساتھ انشاء اللہ بھی فرمایا کہ اگر صبر میں کچھ کمی بھی آجائے تو وعدہ خلافی نہ ہو۔(۵) مرفوع حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ وعن ابی سعید بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیباً۔ البتہ ابطال حق کے لئے حیلہ ہم بھی حرام کہتے ہیں اور اس کے بھی ہمارے پاس دلائل ہیں۔(۱) اصحاب سبت کا قصہ (۲) حدیث مرفوع میں ہے۔ حرمت علیھم الشحوم فجملوھا فباعوھا واکلوا ثمنھا۔(۳) نھی عن النجش۔ جو احادیث میں وارد ہے اس سے بھی ناجائز حیلہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔(۴) حدیث پاک جس میں لعنت وارد ہے محلل اور محلل لہ پر۔ حنفیہ ہرگز ایسے حیلوں کی اجازت نہیں دیتے۔ حتی کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام محمدؒ سے نقل فرمایا ہے۔ لیس من اخلاق المؤمن الفرار من احکام اللہ بالحیل الموصلۃ الی ابطال الحق:۔

جواز اور نفاذ میں فرق: حنفیہ بہت سے موقعوں میں صرف نفاذ کا ذکر فرماتے ہیں معترضین اس کو حنفیہ کے نزدیک جواز سمجھ لیتے ہیں حالانکہ جواز الگ ہے اور نفاذ الگ ہے اس جواز اور نفاذ کا فرق جاننے کے لئے دو مثالیں کافی ہیں۔(۱) حیض میں طلاق جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی دے دے گا تو نافذ ہو جائے گی (۲) ظہار کو قرآن پاک میں منکرا من القول اور زور قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ظہار کر لے تو وہ آیات اور اجماع کی وجہ سے نافذ ضرور ہو جائے گا۔ حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ ہم سب حیلوں کو جائز قرار نہیں دیتے لیکن اگر کوئی کر لے گا تو ظاہراً وقضاءً نافذ ہو جائیں گے۔

امام بخاری کی غلطی: یہاں یہ ہے کہ انہوں نے جواز اور نفاذ میں فرق نہیں کیا اس لئے بار بار مختلف عبارتوں سے حنفیہ پر اعتراض کئے ہیں اور اعتراضات کی گنتی بڑھانے کی کوشش کی ہے اور بعض دفعہ ان کی طرف ایسی بات بھی منسوب کی ہے جو واقع میں انہوں نے نہیں کی۔

باب فی ترک الحیل

غرض کی دو تقریریں ہیں۔(۱) کتاب الحیل کے عنوان سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید امام بخاریؒ حیلوں کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اس شبہ کا ازالہ کر دیا کہ میرا مقصد حیلوں پر رد ہے (۲) کتاب الحیل عام تھی جائز اور ناجائز حیلوں کو شامل تھی اس پہلے باب میں صرف ممنوع اور ناجائز حیلوں کا بیان ہے۔ **ذمن ھاجر الی دنیا یصیبھا:** اس حدیث پاک کو اس باب میں لانے سے امام بخاری پر اعتراض پڑتا ہے جو باقی رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث پاک جو آپ یہاں لائے ہیں اس کا تعلق تو عبادات سے ہے حالانکہ حیلوں کا تعلق تو معاملات سے ہوتا ہے اس لئے اس حدیث پاک کا یہاں لانا مناسب نہیں ہے۔ یہ اعتراض باقی رہتا ہے۔

باب فی الصلوٰۃ

امام بخاریؒ کی غرض اس باب کو لانے سے یہ ہے کہ حدیث پاک سے تو ثابت ہوتا ہے کہ بغیر وضو نماز نہیں ہوتی اور حنفیہ حیلہ کرتے ہیں کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد اگر قصداً وضو توڑ دیا تو نماز ہوگئی حنفیہ کا یہ قول ٹھیک نہیں ہے کیونکہ تحلیلھا التسلیم سے سلام کی رکنیت اسی طرح ثابت ہے جیسے تحریمھا التکبیر سے تکبیر کی رکنیت ثابت ہے تو سلام چھوڑ دینے سے یا بے وضو سلام ادا کرنے سے نماز صحیح نہیں ہو سکتی جواب۔ تحلیلھا التسلیم میں حصر ادعائی ہے کہ نماز کے خلاف کاموں کو حلال کرنے والی اعلیٰ درجہ کی چیز لفظ سلام ہے معلوم ہوا کہ لفظ سلام فرض نہیں ہے بلکہ نماز کو کامل کرنے والی چیز ہے اور تکبیر تحریمہ پر قیاس نہیں ہے کیونکہ تکبیر تحریمہ تو اس آیت سے درجہ فرض میں ثابت ہے۔ وربک فکبر اور ہمارا قول ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت سے ثابت ہے عن ابن مسعود مرفوعاً اذا قلت ھذا او قضیت ہذا فقد قضیت صلوتک پس اعتراض ہم پر نہیں پڑتا بلکہ یہ لازم آئے گا کہ گویا امام بخاری اس مذکورہ حدیث پر نعوذ باللہ اعتراض کر رہے ہیں۔

باب فی الزکوٰۃ

غرض یہ ہے کہ زکوٰۃ میں بھی حیلہ چھوڑنا ضروری ہے۔

فان اهلکها متعمداً اووهبها او احتال فیها فرارًا من الزکوٰة فلاشئ علیه

مقصد حنفیہ پراعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ سال پورا ہونے سے پہلے ہبہ وغیرہ کے ذریعہ سے اونٹ کم کردیئے تو زکوٰۃ واجب نہ رہے گی۔ حواب: وجوب حولان حول۔ سے پہلے نہیں ہے اور وجوب سے پہلے گناہ نہیں ہے اس لئے ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہے (۲) امام شافعیؒ بھی تو ہمارے ساتھ ہی ہیں پھر بعض الناس سے اعتراض کیوں کیا یہ لفظ تو حنفیہ پر اعتراض کرنے کے لئے ہے۔ **ان زکی له' قبل ان یحول الحول بیوم اوبسنه:** حنفیہ پر تناقض کا اعتراض ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے اونٹ وغیرہ بیچ دینے کو جائز کہتے ہو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کردے تو ٹھیک ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال گزرنے سے پہلے واجب ہوچکی ہے یہ تو تناقض ہے۔ جواب: نصاب کا مالک بننے سے نفس وجوب ہوگیا اس لئے اگر سال گزرنے سے پہلے بھی ادا کردے تو نفس وجوب کے بعد ادا کرنے سے صحیح ہوجائے گی۔ سال گزرنے سے پہلے دینا مستحب ہے واجب نہیں ہے وجوب ادا سال گزرنے کے بعد ہی ہوگا۔ بس سال گزرنے سے پہلے صرف استحباب کا اثبات ہے وجوب ادا کی نفی ہے اگر وجوب ادا کا اثبات ہوتا اور وجوب ادا کی نفی ہوتی تو تعارض تھا اب تعارض نہیں ہے۔ **وکذلک ان اتلفها فمات فلاشئ فی ماله:** ایسے ہی اگر ۲۰ اونٹوں کے مالک نے ان اونٹوں کو ذبح کردیا پھر وہ مالک خود بھی مرگیا تو حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ابھی سال پورا نہ ہوا تھا تو اس کے مال سے اونٹوں کی زکوٰۃ نہیں نکالی جائے گی یہ بھی حنفیہ کا ایک حیلہ ہے کہ اونٹوں کی زکوٰۃ سے بچنے کے لئے ان کو ذبح کردیا۔ جواب سال پورا ہونے سے پہلے ہی جب اونٹ نہ رہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوئی اور جب واجب ہی نہ ہوئی تو زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا گناہ بھی نہ ہوا۔ سوال:۔ جب یہ اعتراض پیچھے گزر چکا ہے تو دوبارہ کیوں کیا؟ جواب۔ حنفیہ نے چونکہ اس باب میں مذکورہ احادیث کی مخالفت کی ہے اس لئے ان پر زیادہ اعتراض کرنے کے لئے امام بخاریؒ بار بار ایک ہی اعتراض مختلف الفاظ سے ذکر کررہے ہیں۔ اعتراض۔ امام ابوحنیفہ بہت بڑے مسلم فقیہ ومجتہد ہیں ان پر ایک ہی اعتراض بار بار کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ **باب:** اور بعض نسخوں میں یہاں یوں ہے۔

باب الحیلة فی النکاح

غرض دونوں صورتوں میں نکاح میں حیلہ کرنے کی برائی کا بیان ہے۔ **وقال بعض الناس ان احتال حتی تزوج علی الشغار فهو جائز والشرط باطل:** ہم امام بخاری کی اس کلام کا ردیوں کرتے ہیں کہ بعض الناس کے عنوان سے جب آپ اعتراض کرتے ہیں تو آپ کی مراد امام ابوحنیفہؒ یا حنفیہ ہوتے ہیں لیکن یہاں ہم یوں کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے تو یہاں کوئی حیلہ ہے ہی نہیں کیونکہ ہم تو شغار کو باطل کررہے ہیں اور مہر کو ثابت کررہے ہیں اور شغار سے نہی جو حدیث شریف میں آئی ہے اس کا یہی مقصد ہے کہ نکاح مال والے عوض سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ **وقال بعضهم المتعة والشغار جائز والشرط باطل:۔** جواب حنفیہ پر کچھ اعتراض نہیں ہے کیونکہ متعہ کا بطلان اجماعی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کو امام زفر کے قول سے شبہ ہوگیا کہ اگر کوئی شخص تزوج کے لفظ سے نکاح کرے لیکن نکاح کی مدت مقرر کرلے۔ مثلاً ایک مہینے کے لئے تو نکاح صحیح اور لازم ہوجائے گی اور شرط باطل ہوجائے گی لیکن امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے نزدیک یہ صورت بھی باطل ہے اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حیل کے ابواب میں متعہ کا ذکر کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے۔

وقال بعضهم النکاح جائز والشرط باطل:

حنفیہ پر جو گذشتہ اعتراض تھا اسی کو اس عبارت میں پھر دوہرایا ہے اور یہ تکرار محض ہے تفصیل ابھی متعہ کے متعلق گزر چکی ہے۔

باب ما یکره من الاحتیال فی البیوع

اب معاملات کے حیلوں کا ذکر شروع کررہے ہیں پس یہ عبارت بمنزلہ جنس کے ہے اور اس کے بعد کلاء کا مسئلہ پہلی نوع ہے۔ یہ مسئلہ بتلادیا کہ زائد گھاس سے روکنے کے لئے زائد پانی سے نہ روکے۔

باب مایکرہ من التنا جش

مبیعہ کی قیمت بڑھانے کے حیلہ کو نجش اور تناجش کہتے ہیں اس کی کراہت بیان کرنی مقصود ہے کو جھوٹ موٹ کا گاہک بنالے وہ قیمت زیادہ دینے کا کہے تا کہ اصلی گاہک دھوکے میں آکر زیادہ قیمت دے جائے۔

باب ماینھیٰ من الخداع فی البیوع

غرض اس کی مذمت ہے۔ **لو اتو الامر عیاناً کا ن اھون علی:** یعنی اگر قیمت صاف صاف زیادہ لگالیں دھوکہ نہ دیں کہ یہ چیز اتنے کی خریدی ہے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔

باب ماینھی عن الاحتیال للوطی فی الیتیمة المر غوبة وان لا یکمل صداقھا

غرض اس نہی کا بیان ہے۔

باب اذا غصب جاریة فزعم انھا ماتت

حنفیہ پر اعتراض ہے کہ جاریہ غصب کرنے کے بعد جھوٹ بولا کہ مرگئی اور قیمت مالک کو دیدی مالک نے لے لی اب یہ وطی زنا نہ ہوگی حنفیہ کے نزدیک: حنفیہ کے اس قول کا رد کرنے کے لئے امام بخاری نقل فرمار ہے ہیں۔ **قال النبی صلی اللہ علیه وسلم اموالکم علیکم حرام ولکل غادر لواء یوم القیامة:** جواب نمبر (۱) اس حدیث پاک کے پہلے حصے کی وجہ سے ہم پر رد واقع نہیں ہوسکتا کیونکہ مال کی حرمت اس وقت ہے جبکہ مالک راضی نہ ہو۔ مذکورہ صورت میں جب مالک نے خوشی سے قیمت وصول کرلی تو تراضی پائی گئی اور حدیث پاک کے دوسرے حصہ سے بھی ہم پر اعتراض واقع نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں غاصب ہے، غادر نہیں۔ دونوں کا مصداق الگ الگ ہوتا ہے پھر ہم یہ تو نہیں کہتے کہ اس شخص کو نہ غصب کا گناہ ہوگا نہ موت کی جھوٹی خبر دینے کا گناہ ہوگا نہ اس طرح دھوکہ سے مالک بننے کا گناہ ہوگا یہ سب گناہ تو ہوں گے صرف زنا کا گناہ نہ ہوگا اور نسب اولاد کی ثابت ہوجائے گی اور یہ بھی صرف دنیا کے نظام کو ٹھیک رکھنے کے لئے ہے ورنہ کوئی متقی ہرگز ایسے گندے کام پر جرات نہیں کرسکتا اس لئے ہم پر یہ اعتراض نہیں پڑتا کہ آپ نے معصیت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ عصمنا اللہ تعالیٰ عن الذنوب کلھا۔ حقیقت میں صرف نفاذ ہے جواز نہیں ہے کہ ایسا گندا کام کر لینا جائز ہے امام بخاری نے جواز اور نفاذ میں فرق نہ کیا اور ہم پر اعتراض کردیا۔ (۲) حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جب مالک کو پتہ لگ گیا کہ غاصب نے جھوٹ بولا ہے اور جاریہ زندہ ہے اور اس نے یہ ارادہ کرلیا کہ اب میں جاریہ نہ لونگا تو اب اس کام کی خباثت ختم ہوگئی کیونکہ مالک کی قلبی رضا پائی گئی (۳) اکثر حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ لونڈی کا واپس کرنا ہی ضروری ہے تو اس صورت میں نہ تو اختلاف رہا نہ حنفیہ پر کوئی اعتراض۔

باب: یہ باب بلا ترجمہ ہے اور ماقبل کا تتمہ ہے کیونکہ ماقبل والے باب میں اموال کی حرمت کا بیان تھا اور اس باب کی حدیث میں بھی مال کی حرمت کا ہی ذکر ہے کہ اگر میں ایک جھگڑا کرنے والے کی چرب زبانی کی وجہ سے اس کو دوسرے کا مال دیدوں تو وہ مال اس کے لئے حرام ہی رہے گا۔ **انما انا بشر:** یہ حصر قصر قلب کے طور پر ہے کہ میں انسان ہوں دل کی چھپی باتوں کو جاننے والا نہیں ہوں اس لئے اس میں رد ہوگیا اس شخص کا جو یہ کہتا ہے کہ جو رسول ہوتا ہے وہ غیب کی باتیں جانتا ہے۔

باب فی النکاح

اور بعض نسخوں میں ہے۔

باب شھادة الزور فی النکاح

اس باب سے مقصود حنفیہ پر اعتراض ہے کہ کوئی شخص جھوٹے گواہ پیش کردے قاضی کی عدالت میں کہ فلاں عورت میرے نکاح میں ہے قاضی گواہوں کو سچا سمجھ کر فیصلہ کردے کہ وہ تمہاری بیوی ہے تو حنفیہ کے نزدیک ان کا تعلق زنا کا شمار نہ ہوگا بلکہ میاں بیوی کا شمار ہوگا حالانکہ گواہی جھوٹی ہے اور نکاح عورت کی اجازت کے بغیر شمار کیا گیا ہے اور احادیث میں عورت کی اجازت کو نکاح کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

جواب: قضاء قاضی تو میاں بیوی کے درمیان ہر قسم کا جھگڑا مٹانے کے لئے ہوتی ہے اگر یہ قضاء باطناً نافذ نہ ہو تو یہ قضا جھگڑا پیدا کرنے کی تمہید اور سبب بن جائے گی اور یہ چیز قضاء کے مقصد کے خلاف ہے۔ اس کی نظیر لعان کی قضاء ہے کہ وہ سب کے نزدیک باطناً نافذ ہو جاتی ہے اور عورت دوسری جگہ نکاح کرلے تو بالا جماع یہ نکاح صحیح ہے حالانکہ یقیناً دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ دوسری نظیر یہ ہے کہ عورت نے جھوٹے گواہ طلاق کے پیش کر دیئے قاضی نے نکاح ٹوٹنے کا فیصلہ دیدیا اس کے بعد عورت نے عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرلیا تو یہ نکاح بھی بالا جماع صحیح ہے حالانکہ یہ بھی ایسی قضاء پر مبنی ہے کہ جس کی بنیاد جھوٹی گواہی ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیٹی پر جھوٹے گواہ پیش کر دے کہ یہ میری لونڈی ہے تو اس سے وطی بالا جماع حرام رہتی ہے حنفیہ اس کو جائز کیوں نہ کہہ دیتے۔

جواب: قضاء قاضی کے باطناً نافذ ہونے کا تعلق صرف عقود وفسوخ سے ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نافذ ہے جمہور کے نزدیک نہیں اور یہ بیٹی والا معاملہ تو نسب سے متعلق ہے اس میں بالا جماع قضاء قاضی باطناً نافذ نہیں ہے۔

سوال: جب خاوند جانتا ہے کہ گواہ جھوٹے ہیں تو اس کے لئے وطی کیسے حلال ہو سکتی ہے۔

جواب: جھوٹ بولنے کا گناہ تو ہوا زنا کا گناہ نہ ہوگا کیونکہ فیض الباری میں ہے کہ بدائع الصنائع میں بحوالہ مبسوط حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے دو گواہ پیش کر دیئے کہ فلاں عورت میرے نکاح میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ فرما دیا کہ وہ تیری بیوی ہے۔ اس فیصلہ کے بعد وہ عورت حضرت علی سے کہنے لگی کہ حضرت جب آپ نے فیصلہ ہی فرما دیا ہے تو اب ہمارا نکاح بھی پڑھ دیجئے تا کہ ساری عمر زنا تو نہ ہو کیونکہ گواہ تو جھوٹے ہیں اور ہمارا کوئی نکاح نہیں ہے اس پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔ شاھداک زوجاک۔ اور امام بخاری نے جمہور کی تائید میں گذشتہ باب میں دلیل پیش کی ہے۔

عن ام سلمة مرفوعا فمن قضيت له من حق اخيه شيئاً فلا يأ خذ فانما اقطع له قطعة من النار :. جواب یہ حدیث املاک مرسلہ میں ہے کہ صرف یہ دعویٰ ہو کہ یہ چیز میری ہے اس میں اگر قاضی جھوٹے گواہوں کی وجہ سے فیصلہ کر دے تو مدعی کے لئے وہ چیز ہمارے نزدیک بھی حرام ہی رہتی ہے۔ صرف عقود وفسوخ۔ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے قول کی وجہ سے یوں سمجھیں گے کہ قاضی نے اب فیصلہ کر کے نکاح پڑھا دیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول حکم میں مرفوع کے ہے اور مرفوع حدیث پاک اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اس لئے قاضی مجبور ہے کہ جب اس نے تزکیہ کرلیا سراً بھی علانیۃً بھی اور اپنی جستجو کے مطابق وہ گواہوں کو سچا سمجھ رہا ہے اب بھی اگر وہ نکاح کے موجود ہونے کا فیصلہ نہ کرے تو وہ قاضی خود گنہگار ہوگا اور وہ عادل نہ رہے گا بلکہ مجروح شمار ہوگا اور خلیفۃ وقت اس کو معزول کر دے گا اور سزا دے گا۔

سوال: اگر ایسے واقعہ میں اگر یہ شمار کیا جائے کہ اب قاضی نے نکاح پڑھ دیا ہے تو پھر یہ نکاح بلابینۃ ہوگا اور بلابینۃ نکاح معتبر نہیں ہوتا۔

جواب: (۱) حنفیہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب قاضی فیصلہ کا اعلان کرے تو اس وقت دونوں گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے تا کہ عقد جدید دو گواہوں کے سامنے پایا جائے۔

(۲) راجح: قول حنفیہ کا یہی ہے کہ فیصلہ کے اعلان کے وقت دونوں گواہوں کا موجود ہونا کوئی شرط نہیں ہے کیونکہ یہ نکاح ضمناً ہوا ہے اور دو گواہ جس نکاح میں شرط ہوتے ہیں وہ صریح نکاح ہوتا ہے قصداً۔

جمہور پر اعتراض: یہ ہے کہ اگر آپ ایسی قضاء قاضی کو باطناً نافذ شمار نہیں کرتے تو اس میں بہت بڑی خرابی لازم آتی ہے کہ وہ عورت بیچاری اب کیا کرے تو اس میں بظاہر تین احتمال ہیں اور تینوں میں سے ہر ایک میں خرابی ہی خرابی ہے۔ (۱) کیا وہ قاضی کی بغاوت کر دے اور اس کے فیصلہ کو نہ مانتے ہوئے کسی اور جگہ نکاح کرے یہ بھی ناجائز ہے نہ قاضی کی بغاوت جائز نہ کسی اور جگہ نکاح جائز (۲) کیا وہ بچاری کسی ایسی جگہ چھپ جائے جہاں اس کو کوئی نہ

جانتا ہوتو وہ باقی زندگی کیسے گزارے گی اور اس کا خرچ کون برداشت کرے گا (۳) کیا وہ آپ کے نزدیک اسی غیر مرد کے ساتھ رہے اور ساری عمر زنا کرے اور حرام نفقہ لے اور حرام مہر لے اور حرام اولاد جنے پھر اس حرام اولاد کا کیا بنے گا۔ اس لئے حنفیہ کا قول ہی امن وعافیت والا ہے اور دین ودنیا کے لحاظ سے راجح ہے۔ **قال بعض الناس ان احتال انسان بشاهدی ذور علی تزویج امرأة ثیب بامرها:.** معمولی تبدیلی کے ساتھ گذشتہ اعتراض کا ہی تکرار ہے۔ **قال بعض الناس ان هوىٰ رجل جاریةً یتیمةً:.** یہ بھی اسی گذشتہ اعتراض کا تکرار ہے اور لفظوں میں ذرا سی تبدیلی ہے۔

باب مایکره من احتیال المرأة مع الزوج والضرائر

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے پھر اس باب کی روایت میں شہد پینے کا شان نزول ذکر کیا گیا ہے اور بعض روایتوں میں حضرت ماریہ قبطیہ والا شان نزول بیان کیا گیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ کے مکان میں حضرت ماریہ قبطیہ سے مشغول ہوئے وہ ناراض ہوئیں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی کہ پھر ایسا نہ کروں گا اور فرمایا کہ کسی اور سے ذکر نہ کرنا مگر انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ذکر کردیا اور راز افشا کردیا اس پر سورۃ تحریم کی آیتیں نازل ہوئیں۔ راجح یہ ہے کہ دونوں واقعوں کے بعد سورۃ تحریم کی آیتیں نازل ہوئیں۔

العرفط:. ایک درخت ہے جس کے پھل خراب ہوتے ہیں اور بو بھی اچھی نہیں ہوتی۔

باب مایکره من الاحتیال فی الفرار من الطاعون

غرض اس کی کراہت کا بیان ہے۔

فلا تخرجو افراراً منه: یہ موضوع ترجمۃ الباب ہے۔

باب فی الهبة والشفعة:.

غرض یہ ہے کہ ہبہ میں رجوع کا حیلہ مکروہ ہے کہ حیلہ کرکے رجوع کرلے۔ ایسے ہی شفعہ کو حیلہ کرکے ساقط کرنا مکروہ ہے۔

فخالف رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الهبة واسقط الزکوٰة:. غرض حنفیہ پر دو اعتراض کرنے ہیں (۱) حنفیہ کہتے ہیں کہ ہبہ میں رجوع ہوسکتا ہے حالانکہ یہ حدیث کے خلاف ہے (۲) جب بڑی رقم کا ہبہ کیا اور چھ ماہ بعد رجوع کرلیا تو ایک سال پورا گزر جائے گا اور زکوٰۃ کسی پر بھی واجب نہ ہوگی نہ ہبہ کرنے والے پر ورنہ اس پر جس کو ہبہ کیا گیا ہے تو ایک سال کی زکوٰۃ ساقط کرنا بھی تو برا ہے۔

جواب: جو صورت امام بخاری نے بنائی ہے اور اس کو حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے یہ صورت تو حنفیہ نے کہیں بھی ذکر نہیں کی۔ ایک عام اصول بیان کیا ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ ہبہ سے رجوع جائز ہوتا ہے (۱) جس کو ہبہ کیا ہے وہ ذی رحم محرم نہ ہو بلکہ اجنبی ہو (۲) لینے والا قبضہ کرچکا ہو کیونکہ قبضہ سے پہلے تو لینے والا مالک ہی نہیں ہوتا دینے والا جب چاہے کہہ دے کہ میری رائے بدل گئی ہے میں نہیں دینا چاہتا (۳) رجوع سے کوئی مال مانع نہ پایا گیا ہو۔ مثلاً کچھ عوض لے لیا ہو تو اب رجوع نہیں کرسکتا اور ہم نے جو رجوع کو جائز قرار دیا ہے اس کی ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ ابن ماجہ میں ہے۔ **عن ابی هریرة مرفوعاً من وهب هبة فهوا حق بهبته مالم یثب منها:.** ایسے ہی طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مستدرک حاکم میں علیٰ شرط الشیخین حضرت ابن عمر سے بھی منقول ہے اور جس روایت کو مرفوعاً امام بخاری حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمارہے ہیں۔

العائد فی هبته کالکلب یعود فی قیئه:. اس کو بھی ہمارے امام ابوحنیفہؒ نے ترک نہیں فرمایا کیونکہ ہمارے امام صاحب اس رجوع کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور اس روایت سے کراہت ہی ثابت ہوتی ہے باقی آپ حضرات جو حرمت کے قائل ہیں اس کا ثبوت اس حدیث سے نہیں ہے کیونکہ کتے کے فعل کو مکروہ اور قبیح تو کہہ سکتے ہیں حرام نہیں کہہ سکتے کیونکہ وجوب وحرمت کا تعلق مکلف سے ہوتا ہے اور کتا مکلف نہیں ہے باقی رہا

اعتراض اسقاط زکوٰۃ کا تو یہ امام بخاریؒ کا محض بہتان اور اختراع محض ہے امام ابوحنیفہ نے یہ حیلہ اسقاط زکوٰۃ کے لئے کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا نہ ہی ان کے شاگردوں نے ذکر فرمایا ہے۔

ثم عمد الیٰ ماشدده فابطله: اور بعض نسخوں میں **سدده:** بے نقطوں کے بغیر یعنی درست کیا۔ دونوں نسخوں کا حاصل یہی ہے کہ دلیل قائم کی۔ حنفیہ پر اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ نے پہلے تو پڑوسی کے لئے شفعہ دلیل سے ثابت کیا پھر اسقاط کا حیلہ بتلا کر اس کو ساقط کر دیا اور۔

ان اشتریٰ داراً: سے مراد خریدنے کا ارادہ ہے۔ حیلہ کا حاصل یہ ہے کہ بیچنے والا زمین یا مکان کے دو حصے کر دے ایک حصہ چھوٹا ہو اور وہ پڑوسی کے مکان یا زمین کے ساتھ ساتھ ہو اور دوسرا حصہ بڑا ہو وہ باقی زمین یا مکان ہو۔ اب پڑوسی کو صرف چھوٹے حصے کو خریدنے کا حق ہوگا اور بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ اس کو نہ خریدے گا۔

جواب: (۱) صرف چھوٹے حصہ میں حق شفعہ پڑوسی کو حاصل ہوا اس کو اس نے خود ہی گھٹیا سمجھ کر چھوڑ دیا ہم نے اس کو منع نہیں کیا اور بڑے حصے میں اس کو حق شفعہ ثابت ہی نہیں اس لئے ہم نے اس کا کوئی نقصان نہ کیا (۲) اگر یہ حیلہ ایسے پڑوسی سے بچنے کے لئے کیا ہے جو کفار یا ظالم یا فاسق ہے تو اس حیلہ کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہم بھی اس حیلہ کو جائز قرار نہیں دیتے۔ **قلت لسفیان ان معمراً لم یقل هکذا:** حضرت علی بن عبداللہ فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے استاد حضرت سفیان بن عیینہؒ سے کہا کہ حضرت معمر نے تو ایسا نہیں کہا جیسے آپ کہہ رہے ہیں پھر حضرت معمر نے کیسے کہا ہے اس کی تین تقریریں ہیں (۱) حضرت معمر نے حدیث مرفوع ذکر کی ہے باقی قصہ ذکر نہیں کیا چنانچہ صرف مرفوع روایت نسائی میں اس سند سے ہے۔ عن عبداللہ بن المبارک عن معمر عن ابراہیم بن میسرۃ عن عمرو بن الشرید عن ابیہ۔ (۲) حضرت معمر نے حضرت ابورافع سے نہیں بلکہ کسی اور صحابی راوی سے نقل کی ہے (۳) حضرت معمر نے صرف شفعہ کا ذکر کیا ہے۔ شفعۃ الجار کا ذکر نہیں کیا پھر ان تین تقریروں میں سے پہلی تقریر ہی راجح ہے کیونکہ اس کی تائید نسائی شریف کی روایت سے ہو رہی ہے۔ **لکنه قال لی هکذا:** حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ لیکن مجھے تو میرے استاذ ابراہیم بن میسرہ نے یونہی سنایا ہے جیسے میں نے ذکر کیا ہے۔ **اما مقطعة واما منجمة:** یہ شک راوی ہے اور دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں اور ایک نسخہ میں یوں ہے۔ **مقطعة او منجمة:** پھر نجم کے معنی ہوتے ہیں وقت معین اس لئے منجمۃ کے معنی ہوئے کہ ایسی رقم جو اوقات معینہ میں ادا کی جائے۔ **اذا ارادان یبیع الشفعة:** دوسرے نسخہ میں ان یقطع الشفعۃ ہے اور بیع والے نسخہ میں بھی بیع بول کر ازالہ مراد ہے کیونکہ بیع شفعہ کو لازم ہے ازالہ شفعہ پس ملزوم بول کر لازم مراد ہے اس حیلہ کا حاصل یہ ہے کہ بائع بیع کی جگہ ہبہ کر دے بعد میں مشتری رقم بطور عوض ہبہ دیدے۔ اس صورت میں شفیع شفعہ نہ کر سکے گا کیونکہ ہبہ میں شفعہ نہیں ہوتا۔ اس حیلہ کو ذکر کرنے سے بھی امام بخاری کا مقصود حنفیہ پر اعتراض ہے کہ پہلے تو جار کے لئے شفعہ ثابت کیا پھر اس کی حق تلفی کی اور شفعہ ساقط کرنے کا حیلہ بتلا دیا۔

جواب: (۱) ہبہ تو وراثت کی طرح ہے نہ وراثت میں حق شفعہ ثابت ہے نہ ہبہ میں۔ جب حق شفعہ ثابت ہی نہیں تو یہ کہنا کہ آپ نے حق تلفی کی صحیح نہیں کیونکہ جب حق ثابت ہی نہیں تو حق تلفی کیسے ہوگئی (۲) اگر اس طرح ابطال شفعہ معقول ہے عذر کی وجہ سے ہے جیسے کافر یا ظالم یا فاسق سے بچنا تو پھر حیلہ کر لینے میں کیا حرج ہے اور اگر یہ عذر نہیں ہے تو ہم بھی اجازت نہیں دیتے البتہ اگر کوئی کر لے گا تو نافذ ہو جائیگا اس صورت میں جائز نہیں نافذ ہے امام بخاری جواز اور نفاذ میں فرق نہیں کر رہے۔ **ولا یکون علیه یمین:** یہ بھی حنفیہ پر اعتراض ہے کہ ایک حیلہ حنفیہ یہ کرتے ہیں کہ زمین یا مکان کا ایک حصہ خریدنے والا خرید کر فوراً اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کر دے کیونکہ نابالغ پر یمین نہیں آتی جواب یمین اس کے والد پر تو آئے گی اس لئے یہ تو کوئی حیلہ ہے ہی نہیں اس لئے اس کو یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں۔

باب احتیال العامل لیھدیٰ له:.

غرض یہ کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور عامل اسے کہتے ہیں جو دوسرے کا کام اپنے ذمہ لے لے مال وغیرہ میں۔ **بصر عینی وسمع اذنی:.** یہ حضرت ابوحمید کا مقولہ ہے جیسا کہ ایک روایت میں تصریح ہے۔ **الجار احق بصقبة :.** اس حدیث کا تعلق گذشتہ باب سے ہے کسی ناقل کی خطا معلوم ہوتی ہے۔ **ولا خبثة:.** عہد رقیق کی نفی مقصود ہے کیونکہ حدیث رقیق کے متعلق وارد ہوئی ہے یعنی اگر کوئی مالک میرے سوانکل آیا تو میں رقم واپس کرنے کا ذمہ دار ہوں دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ میں ذمہ دار ہوں کہ یہ غلام ہے آزاد نہیں ہے اگر آزاد نکل آئے تو میں رقم کا ذمہ دار ہوں۔ **ولا غائلة :.** میں ذمہ دار ہوں کہ مشتری کے ثمن ضائع نہ ہوں گے۔ **فاجاز ھذ االخداع بین المسلمین:.** امام بخاری کا مقصد یہاں حنفیہ پر چار اعتراض ہیں (۱) مشتری کو بعض صورتوں میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے جواب مشتری اپنی رضامندی سے یہ نقصان اٹھا رہا ہے اس صورت میں گناہ نہیں ہوتا (۲) اس پر اجماع ہے کہ جو مشتری کے ذمہ ہے وہی شفیع پر واجب ہوتا ہے۔

جواب: یہ اجماع کا دعویٰ غلط ہے بعض صورتوں میں فرق ہوسکتا ہے جیسے مذکورہ صورت میں فرق ہے (۳) اس پر اجماع ہے کہ استحقاق اور عیب کی وجہ سے واپس کرنے میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیے یہاں فرق ہے۔

جواب: یہ اجماع بھی ثابت نہیں ہے بعض صورتوں میں فرق ہوجاتا ہے جیسا کہ مذکورہ صورت میں فرق ہوا (۴) اسقاط حق شفعہ پایا گیا۔ جواب کافر، ظالم فاسق سے بچنے کے لئے حیلہ کی گنجائش ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہم بھی حیلہ کو جائز نہیں سمجھتے امام بخاری یہاں بھی جواز اور نفاذ میں فرق نہیں کر رہے حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔ **الجار احق بصقبة:.** اس کا تعلق گذشتہ باب سے ہے کسی ناقل کی غلطی ہے۔

کتاب التعبیر

ربط یہ ہے کہ جب امام بخاری بیداری کے اکثر احکام سے فارغ ہوئے تو نیند کی طرف مائل ہوئے غرض خوابوں کی تعبیر کا بیان ہے پھر تعبیر عبور سے ہے کیونکہ تعبیر دینے والا خواب کے ظاہر سے باطن کی طرف گزرتا ہے اور صور مثالیہ سے معانی منقولہ کی طرف گزرتا ہے اور تاویل رؤیا کے معنی ہیں۔ **تفسیر الرؤیا بما یؤ ول الیه امرھاا وبیان عاقبتھا:.** پھر رؤیا وہ ہے جس کو سونے والا نیند میں دیکھتا ہے اور رؤیۃ وہ چیز ہے جس کو دیکھنے والا بیداری میں دیکھتا ہے پھر رؤیا کا زیادہ استعمال خیر میں ہوتا ہے اور حلم کا زیادہ استعمال شر میں ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک مرفوع میں وارد ہے۔

الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان

باب اول مَا بدئ به رسو ل اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصا لحة

غرض خوابوں کی عزت بڑھانا ہے اس حیثیت سے کہ یہ نبوت کے مبادی ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج ان کو سجدہ کر رہے ہیں یہ نبوت کا مبدأ تھا۔ **فقال اقرأ۔** (۱) ایک نمدے میں سورۃ علق کی شروع کی پانچ آیتیں لکھی ہوئی تھیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے (۲) جیسے میں کہتا ہوں ویسے پڑھئے میرے پیچھے پیچھے پڑھئے **ترجف بوادره** کندھے اور گردن کے درمیان والے گوشت کو بادرہ کہتے ہیں اس کی جمع بوادر ہے **فیسکن لذلک جاشه** اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب کو سکون ہوجاتا تھا۔

باب رؤ یا الصالحین

غرض عام صالحین کے خوابوں کا بیان ہے اور صالحین وہ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے ہیں ان کے خوابوں پر شیطان کا غلبہ کم ہوتا ہے اور غیر صالحین پر زیادہ ہوتا ہے الرؤیا الحسنۃ من الرجل الصالح جزء من ستہ واربعین جزء من النبوۃ (۱) نبی کی

خواب کی وحی نبی کی بیداری کی وحی کا چھیالیسواں حصّہ ہے اس صورت میں رجل صالح سے مراد نبی ہی ہے (۲) رجل صالح عام ہے۔ خواب سچا بھی ہوتا ہے جھوٹا بھی ہوتا ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے یا دن کے خیالات اچھے یا بُرے نظر آتے ہیں تو ان میں سے سچا خواب ۴۶ میں سے ایک ہوتا ہے اس لئے نبوت کا حقیقی جزو مراد نہیں ہے بلکہ نبوت سے موافقت مُراد ہے کہ عام نیک لوگوں کے خوابوں میں سے چھیالیسواں حصہ موافق نبوت کے ہوتا ہے اور سچا ہوتا ہے (۳) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ ماہ خواب آئے اور پھر ۲۳ سال وحی نازل ہوئی اس لئے یہ خواب اس وحی کا چھیالسواں حصّہ ہے پھر عدد جو مختلف آئے ہیں ان کی دو توجیہیں ہیں (۱) ہجرت کے موقعہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چھبیسواں حصہ نبوت کا قرار دیا اپنے خوابوں کو کیونکہ چھ ماہ خواب آ چکے تھے اور ۱۳ سال وحی آ چکی تھی یہ چھ ماہ ۱۳ سال کا چھبیسواں حصہ بنتے ہیں ایسے ہی ۲۰ سال کے بعد چالیسواں حصہ قرار دیا ۲۲ سال کے بعد چوالیسواں حصہ ۴۴/۱ قرار دیا۔ پھر ساڑھے بائیس سال کے بعد ۴۵/۱ قرار دیا اور ۵۰/۱ جو آیا ہے یہ جبر کسر ہے کیونکہ چالیس کی دہائی کے بعد پچاس کی دہائی ہوتی ہے اس لئے چالیس اور پچاس کے درمیان کے سب حصوں کو ۵۰/۱ کہہ سکتے ہیں اور بعض روایات میں ۷۰/۱ ہے تو یہ مبالغہ ہے کہ بہت چھوٹا حصہ ہے باقی روایتیں ضعیف ہیں (۲) رجل صالح سے مراد ہر نیک انسان ہے مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف درجے جواب کے ہیں زیادہ نیک کے لئے ۴۶/۱ کم نیک کے لئے ۷۰/۱ اور میانہ نیک کے لئے درمیانے درجے ہیں پھر حدیث پاک میں مقصود نبوت کی فضیلت کا اظہار ہے کہ جب خواب بھی سچے ہوتے رہتے ہیں تو نبوت تو خوابوں سے ۴۶ درجے اقویٰ ہے وہ بطریق اولیٰ سچی ہے۔

باب الرؤیا من اللہ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور برے خوابوں کو شریعت میں حلم کہتے ہیں اور اچھے خوابوں کو رؤیا کہتے ہیں اور لغت میں سب کو علم بھی کہتے ہیں اور رؤیا بھی کہتے ہیں۔

باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزءً من النبوۃ

غرض اس حدیث پاک کا اور اس کے مضمون کا بیان کرنا ہے۔

باب المبشرات

غرض خوابوں کی ایک قسم مبشرات کا بیان ہے کیونکہ خوابوں کی دو قسمیں ہیں مبشرات اور منذرات اور ترمذی اور ابن ماجہ میں وارد ہوا ہے اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے عن عبادۃ بن الصامت حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں **لھم البشری فی الحیوٰۃ الدنیا** مرفوعاً **ھی الرؤیا الصالحة** پھر بعض دفعہ سب خوابوں کو مبشرات کہہ دیتے ہیں کیوں نمبر (۱) تغلیباً (۲) انذار سے مقصود بھی کسی مصیبت کی تیاری کرنا ہوتا ہے اس لحاظ سے وہ بھی معنیً تبشیر ہی ہوتی ہیں **لم یبق من النبوۃ الا المبشرات** نبوت سے پہلے بھی خواب تھے بعد میں بھی خواب باقی رہے اس لحاظ سے نبوت کے شروع اور آخر میں مناسبت پیدا ہوگئی کہ پہلے بھی مبشرات بعد میں بھی مبشرات۔

باب رؤیا یوسف علیہ السلام

غرض حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا بیان ہے کہ گیارہ ستاروں کا سجدہ دیکھا جو گیارہ بھائیوں کے سجدہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

باب رؤیا ابراھیم علیہ السّلام

غرض اس خواب کا بیان ہے پھر نہ اس باب میں مرفوع مسند روایت ہے نہ گذشتہ میں۔ کیوں (۱) آیات پر اکتفاء فرمایا (۲) شرط پر نہ ملی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹا دیکھا لیکن ذبح واقع ہوئی دنبہ پر البتہ خود ذبح بعینہٖ واقع ہوئی کہ خواب میں ذبح کا عمل تھا اور بیداری میں بھی ذبح ہی کا عمل تھا۔

باب التواطؤ علی الرؤیا

غرض یہ بتلانا ہے کہ جیسے روایت میں تعدد طرق صدق پر دلالت کرتا ہے ایسے ہی رؤیا میں بھی تعدد موافقت صدق پر دلالت کرتی ہے۔

باب رؤ یا اھل السجون والفساد و الشرک

غرض یہ کہ ان لوگوں کی خوابیں کبھی سچی ہوتی ہیں کبھی نہیں لیکن کسی صورت میں بھی اس کو نبوت کا جزء نہیں کہا جا سکتا جیسے کاہن کی بھی کوئی بات سچی نکل آتی ہے۔

باب من رائی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم فی المنام

غرض یہ ہے کہ یہ دیکھنا سچا ہے۔ **مَنْ رانی فی المنام فسیر انی فی الیقطة** اس کے مختلف معانی کئے گئے ہیں (۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس نے ایمان لانے کے بعد خواب میں زیارت کی ہو اور ابھی بیداری کے زمانہ میں نہ کی ہو تو اس کو ہجرت کرنے کی اور حاضر ہو کر زیارت کرنے کی توفیق ہوگی! (۲) قیامت تک کے لئے فرمایا ہے کہ مجھے خواب میں دیکھنے کے بعد وہ ان سب چیزوں کو بیداری میں دیکھے گا جو میرے ساتھ خواب میں دیکھی ہیں یعنی وہ خواب سچا ہوگا اور میرے سوا خواب کی سب چیزوں کو بیداری میں بھی دیکھے گا (۳) وہ قیامت میں مجھے قرب کے ساتھ دیکھے گا گویا خاتمہ ایمان پر ہو گا۔ (۴) وہ مجھے بیداری میں بطور کرامت دیکھے گا لیکن اس سے صحابی نہ ہوگا۔ پھر صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہاں یہ بھی ہے **قال ابو عبد اللہ قال ابن سیرین اذار اٰہ فی صورتہ**۔ لیکن محققین کے نزدیک اگر معروف صورت کے غیر میں بھی زیارت ہو پھر بھی وہ سچی خواب ہی ہوتی ہے'' اس کی تصریح کی ہے امام نووی نے پھر شکل کی تبدیلی دیکھنے والے کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی اس کو ڈرانا ہوتا ہے کبھی بشارت دینی ہوتی ہے اور شکل بدلنے کی بھی تعبیر ہوتی ہے۔ **فان الشیطان لا یتمثل بی**: . یعنی جیسے بیداری میں شیطان میری شکل میں نہیں آ سکتا اسی طرح خواب میں بھی میری صورت میں نہیں آ سکتا تا کہ لوگ شبہ سے بچے رہیں کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نام ھادی کے مظہر اتم ہیں اور شیطان اللہ تعالیٰ کے نام مُضِلّ کا مظہر اتم ہے اور یہ دونوں مظہر ایک دوسرے کی ضدّ ہیں اس لئے ان میں سے ایک دوسرے کی صورت میں نہیں آ سکتا۔ **وان الشیطان لایتزایابی** اس کا قصد نہیں کر سکتا کہ میری شکل میں نظر آئے اور ایک روایت میں یوں ہے۔ **فان الشیطان لا یتکوننی** اس کے معنی کیا ہیں (۱) میرے جیسی صورت میں موجود نہیں ہو سکتا۔ خاصہ صیر ورت کا ہے (۲) وہ بتکلف میرے جیسا وجود حاصل نہیں کر سکتا خاصہ تکلف کا ہے (۳) میرے جیسا نہیں ہو سکتا شکل میں خاصہ موافقت مجرد کا ہے۔ **ای لا یکون مثلی باب رؤ یا الیل**: . غرض رات کے خواب کا حکم بتلانا ہے پھر سب سے اعلیٰ اخیر رات ہے پھر آدھی رات پھر شروع رات کا خواب ہے **رواہ سمرة** ان کی روایت کتاب التعبیر کے اخیر میں آئے گی **وکان معمر لا یسندہ حتی کان بعد** یعنی حضرت معمر پہلے امام زہری اور حضرت ابن عباس کے درمیان حضرت عبید اللہ بن عبداللہ کا واسطہ ذکر نہ فرماتے تھے پھر تسلی ہوگئی تو ذکر فرمانا شروع کر دیا

باب الرؤ یا بالنھار

غرض یہ ہے کہ وہ رات کے خواب کے مساوی ہیں یا نہ؟ ظاہر یہی ہے کہ مساوی ہیں۔ جیسا کہ پہلے اثر سے معلوم ہو رہا ہے۔ ام حرام یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں ثبج اس کے معنی ہیں وسط۔

باب رؤ یا النساء

غرض یہ ہے کہ عورتوں کے خواب بھی رؤیا صالحین میں داخل ہیں۔ سوال اس روایت میں جو اس باب میں پہلی ہے خواب کا ذکر نہیں ہے جواب اس کے فوراً بعد والی میں ہے یہ اس کی تمہید ہے۔

باب الحُلُم من الشیطان

غرض اس حدیث پاک کا اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔

باب اللبن

غرض یہ ہے کہ دودھ خواب میں دیکھے تو اس کی تعبیر علم ہوتی ہے۔

کیوں (۱) دودھ بالکل شروع میں بچہ پیتا ہے اور علم بھی سب عبادات کے شروع میں ضروری ہے، (۲) دودھ سے بچے کی زندگی ہے اور علم سے دل کی زندگی ہے۔

باب اذا جری اللبن فی اطرافه او اظافیره

غرض یہ ہے کہ ایسا ہونا علم کا بدن میں اور دل میں پھیلنا ہے اور ما قبل سے فرق یوں ہے کہ گذشتہ باب میں نفس لبن تھا یہاں سرایۃ لبن ہے۔

باب القمیص فی المنام

غرض لباس کی تعبیر کا ذکر ہے۔

باب جر القمیص فی المنام

غرض قمیص کو زمین پر گھسیٹنے کی تعبیر کا ذکر ہے گذشتہ باب میں قمیص کی کمی بیشی کا ذکر تھا۔ اب زمین پر گھسیٹنے کا ذکر ہے پھر قمیص کی تعبیر دین کیوں ہے (۱) جس طرح قمیص بدن ڈھانپتی ہے اسی طرح دین گناہوں کو ڈھانپتا ہے (۲) ولباس التقوىٰ ذلک خیر اور خواب میں گھسیٹنا موت کے بعد اثر باقی رہنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

باب الخضر فی المنام والروضة الخضراء

اس کی تعبیر بتلانی مقصود ہے کہ اسلام ہے کیونکہ اسلام ہمیشہ کے لئے ہی تروتازہ ہی ہوتا ہے اس میں کمزوری اور مرجھانا نہیں ہے اگرچہ اس پر عمل کرنے والوں میں کمزوری آجائے۔ کیونکہ اسلام اللہ تعالیٰ کے حکم کا نام ہے جب اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی قوی ہیں تو ان کا حکم بھی ہمیشہ قوی ہے اور کھانے کی تعبیر جنت کے پھل کھانا ہے حدیث شریف میں ہے ارتعوا من ریاض الجنة یعنی حلق الذکر کانما عمود و ضع فی روضة خضراء عمود کی تعبیر (۱) ارکان خمسہ (۲) کلمہ شہادت اور روضہ کی تعبیر وہ سب چیزیں جن کا تعلق دین سے ہے الوصیف خادم اخذ بالعروة الوثقی مضبوط رسّہ کی تعبیر ایمان اور توحید اور اخلاص ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ شہید نہ ہوں گے بلکہ بستر پر فوت ہوں گے۔

باب کشف المرأة فی المنام.

غرض یہ بتلانا ہے کہ خواب میں کسی عورت کے چہرے سے کپڑا ہٹانے کی تعبیر یہ ہے کہ اس سے اس خواب دیکھنے والے کا نکاح ہوگا۔

باب الحریر فی المنام

غرض یہ بتلانا ہے کہ ریشمی کپڑے کی تعبیر علم دین ہے کہ جیسے ریشمی کپڑا سب کپڑوں سے افضل ہے اسی طرح علم دین سب علوم سے افضل ہے پس حدیث پاک میں اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر علم دین احاطہ کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ دین کے دوثلث نقل کرنے والی ہماری اماں حضرت عائشہ صدیقہ ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن سائر الصحابۃ اجمعین۔

باب المفاتیح فی الید

اس کی تعبیر بتلانی مقصود ہے کہ مال اور عزت اور غلبہ اور نیکی اور علم اور حکمت ہے۔

باب التعلیق بالعروة والحلقة

اس کی تعبیر بتلانی مقصود ہے کہ دین کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس میں اخلاص اختیار کرنا ہے۔

باب عمود الفسطاط تحت و سادته

اس کی تعبیر بتلانی مقصود ہے کہ دین ہے اور فسطاط یعنی بڑا خیمہ بانس پر لگانا یہ قوۃ سے یا کسی بادشاہ سے لڑائی کر کے غلبہ حاصل کرنا ہے اس باب کی حدیث تلاش کرنے کی امام بخاری کو مہلت ہی نہ ملی۔

باب الا ستبرق و دخول الجنة

موٹے ریشم کو استبرق کہتے ہیں اس کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر دین اور علم دین حاصل ہونا ہے کیونکہ جیسے استبرق کپڑوں میں افضل ہے ایسے ہی علم دین علوم میں افضل ہے۔

باب القید فی المنام

اس کی بھی تعبیر بتلانی مقصود ہے کہ دین میں ثابت قدمی ہے اذا اقترب الذمان لم تکد تکذب رؤیا المؤمن۔ قرب قیامت میں مؤمن کو سچے خواب زیادہ آئیں گے کیونکہ اس زمانہ

میں مؤمن اجنبی ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو اچھے خوابوں سے مانوس فرمائیں گے جیسے ابتداءِ نبوت میں مانوس کیا گیا۔

باب العين الجارية في المنام

جاری چشمے کی تعبیر بتلانی مقصود ہے پھر وہ کیا ہے اس کی دو تقریریں ہیں (۱) اگر صاف ہو تو عمل صالح ہے ورنہ نہیں (۲) اس کی تعبیر ہے وہ عمل جو موت کے بعد بھی باقی رہے جیسے کنواں اور علم۔

باب نزع الماء من البئر حتى يروى الناس

اس کی تعبیر بتلانی مقصود ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر خیر کثیر ظاہر ہوگی اور لوگ اس سے نفع اٹھائیں گے تحوّلت بدل گیا چھوٹے کی جگہ بڑا ڈول آ گیا۔ عبقریًا ماہر یفری فریہ عمدہ عجیب عمل صالح کرے ضرب الناس بعطن۔ اونٹ کے لئے عطن ایسے ہی ہے جیسے انسانوں کے لئے وطن ہے لیکن زیادہ استعمال حوض کے اردگرد اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ پر ہوتا ہے۔

باب نزع الذنوب والذنوبين من البئر بضعف

بھرے ہوئے ڈول کو ذنوب کہتے ہیں بس تعبیر یہ ہوئی کہ خلافت جلیلہ ملے گی مدت قلیلہ کے لئے۔

باب الاستراحة في المنام

یہ بتلانا مقصود ہے کہ خواب میں جو شخص دوسرے کو آرام پہنچائے وہ خلیفہ ہوتا ہے اس کا جس کو آرام پہنچا رہا ہے پھر اہل تعبیر نے ذکر کیا ہے کہ خواب میں چت لیٹنا یعنی سیدھے لیٹنا اس کی تعبیر ہے کہ قوت ملے گی اور پیٹ کے بل الٹے لیٹنا اس کی تعبیر یہ ہے کہ کمزوری ہو گی۔ تولیّٰ الناس والحوض يتفجر لوگ خوب سیراب ہو کر واپس چلے گئے۔ حالانکہ حوض پانی سے بھرا ہوا تھا اور اچھل رہا تھا۔

باب القصر في المنام

غرض اس کی تعبیر بتلانا ہے کہ محل خواب میں دیکھے پھر کیا تعبیر ہے (۱) اگر نیک آدمی دیکھے تو تعبیر یہ ہے کہ عمل صالح کی توفیق ہوگی اور اگر کوئی غیر صالح دیکھے تو تعبیر ہے کہ اس کے قید ہو جانے کا خطرہ ہے (۲) اس کی تعبیر ہے کہ عنقریب نکاح ہو جائے گا۔

باب الوضوء في المنام

غرض اس کی تعبیر کا بیان ہے پھر کیا تعبیر ہے (۱) بادشاہ تک پہنچنے کا راستہ مل جائے گا اور اپنے مخالف پر غالب آ جائے گا۔ (۲) عمل صالح کا راستہ ملے گا اور اگر وضو پورا کرنا خواب میں دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ بیداری میں مراد پوری ہوگی۔

باب الطواف بالكعبة في المنام

غرض اس کی تعبیر بتلانا ہے پھر معبرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں (۱) حج (۲) نکاح (۳) بادشاہ سے مقصد حاصل ہونا (۴) والدین کی خدمت کی توفیق (۵) کسی عالم کی خدمت کی توفیق ابن قطن یہ ایک شخص تھا جو کہ زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گیا تھا۔

باب اذا اعطىٰ فضله غيره في المنام

غرض اس کی تعبیر کا بیان ہے کہ جس کو دیا وہ اس دینے والے سے فائدہ اٹھائے گا بیداری میں۔

باب الامن وذهاب الروع في المنام

غرض اس کی تعبیر کا بیان ہے کہ خوف ہوگا بیداری میں اور اگر کوئی خواب میں خوف دیکھے تو بیداری میں اس کے برعکس امن ملے گامقمعة گرز یعنی لوہے کا ڈنڈا جس کے کنارے پر لوہے کی گیند ہوتی ہے اس سے ہاتھی چلاتے ہیں۔ شفير: کنارہ۔

باب الاخذ على اليمين في النوم

اس کی تعبیر بتانا مقصود ہے کہ آخرت میں اصحاب یمین میں سے ہوگا۔

باب القدح في النوم

اس کی تعبیر بتلانا مقصود ہے پھر وہ کیا ہے (۱) کسی عورت سے نکاح ہو جائے گا (۲) کسی عورت سے مال ملے گا اور اگر شیشے کا پیالہ دیکھے تو تعبیر یہ ہے کہ کچھ خفیہ چیزیں ظاہر ہوں گی اور اگر سونے کا پیالہ دیکھے تو اچھی ثناء ملے گی۔

باب اذا طار الشئ في المنام

غرض اس کی تعبیر بتلانا مقصود ہے کہ وہ چیز ختم ہو جائے گی۔ العنسی اس سے مراد اسود عنسی ہے جس کو اسود صنعائی بھی کہتے تھے اس کا

لقب ذوالحمار تھا کیونکہ اس نے ایک گدھے کو سکھایا تھا کہ جب اس کو کہتا سجدہ کر تو وہ سر کو جھکا دیتا تھا اور بعضوں نے ذوالخمار لقب نقل کیا ہے بالخاء المعجمة کیونکہ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کپڑا سر پر اوڑھتا تھا۔

باب اذا رایٔ بقراً تنحر

غرض اس کی تعبیر بتلانی مقصود ہے پھر وہ تعبیر ہر مقام کے مناسب ہوتی ہے اس مقام پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں بعض صحابہ کرام کے شہید ہونے سے فرمائی۔ کیونکہ گائے کا سینگ مجاہدین کے نیزے جیسا ہوتا ہے اور ذبح شہید ہونا ہے۔ واللہ خیر۔ یعنی یہ لفظ خواب میں سُنا اور اس کے معنی تھے کہ مقبول حضرات کے لئے اللہ تعالیٰ کا خواب دنیا میں رہنے سے بہتر تھا اس کے علاوہ اس کا مصداق وہ بھلائی بھی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی بصورت فتح خیبر و فتح مکہ یا غنیمت بدر اور ثواب بدر۔

باب النفخ فی المنام

غرض پھونک مارنے کی تعبیر کا بیان ہے یعنی سہولت سے دور کر دینا کیونکہ پھونک مارنا تو آسان کام ہے پھونک مارنے والے کے لئے۔

باب اذا رأی انه اخرج الشیٔ من کورة فاسکنه موضعاً اٰخر

ایک جانب کو کورہ کہتے ہیں اور ایک نسخہ میں کُوہ ہے جو کاف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معنی ثقب البیت کے ہیں کمرے کا سوراخ دونوں صورتوں میں مقصد اس کی تعبیر ہے یعنی وباء اور بلاء کا ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جانا۔

باب المرأة السَوْداء

اس کی تعبیر بتانی مقصود ہے اور وہ وباء اور بلاء ہے۔

باب المراة الثائرة الرأس

غرض اس کی تعبیر بتلانا ہے کہ وباء اور بلاء وہی ہے۔

باب اذا رأی انه هز سیفاً فی المنام

غرض اس تلوار ہلانے کی تعبیر کا بیان ہے کہ ہلانا لڑائی کا حکم فرمانا ہے اور تلوار صحابہ کرام ہیں اور تلوار کا ٹوٹنا حضرت سے حضرات صحابہ کرام کا جام شہادت نوش فرمانا ہے اور تلوار کا جڑ جانا دوبارہ حضرات صحابہ کرام کا جمع ہونا اور فتوحات کا حاصل ہونا ہے جیسے فتح خیبر اور فتح مکہ

باب من کذب فی حُلُمه

اس کا گناہ ہونا بتلانا ہے۔

باب اذا رأی مَا یُکره فلا یخبر بها و لا یذکر

غرض یہ بتلانا ہے کہ بُری خواب کسی سے ذکر نہ کرے بلکہ تعوذ پڑھے۔

باب من لم یر رؤیا لاول عابر اذا لم یصب

غرض یہ ہے کہ یہ جو روایت میں آیا ہے کہ پہلے تعبیر دینے والے پر مدار ہے یہ صرف اسی وقت ہے جبکہ درست تعبیر دے ورنہ اس تعبیر پر مدار نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو تعبیر میں واخطأت بعضاً فرمایا تھا پھر بعض نے فرمایا ہے کہ خواب کے لئے ایک حقیقت ثابتہ ہوتی ہے کیونکہ اصبت بعضاً واخطات بعضا فرمایا۔ امام بخاری بھی اسی طرف گئے ہیں لیکن بعض نے فرمایا ہے کہ خواب معبّر کی تعبیر کے تابع ہوتا ہے کیونکہ ابو داؤد میں مرفوعاً وارد ہے الرؤیا علی رجل طائر ما لم یعبر فاذا عبّرت وقعت قال لا تقسم: اس ارشاد کے پیش نظر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اب کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ یہ بیان کرے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا غلطی ہوئی کیونکہ جب خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غلطی بیان نہیں فرمائی تو ہمیں بھی بیان نہیں کرنی چاہئے لیکن بعض حضرات نے غلطی کا ذکر کیا بھی ہے اور اس میں تین قول ہیں کہ غلطی کیا تھی؟ (۱) سمن و عسل کا مصداق قرآن و سنت تھے آپ نے قرآن پاک کی نر می اور مٹھاس قرار دیا۔ (۲) خطا یہ تھی کہ میری موجودگی میں آپ نے تعبیر دی۔ (۳) خطا یہ تھی کہ آپ نے خلافت کی تصریح نہیں کی۔ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لاتقسم کیوں فرمایا۔ اس کی بھی مختلف تقریریں ہیں (۱) آپ جب غور کریں گے تو خود ہی غلطی معلوم ہو جائے گی مجھے قسم دے کر نہ پوچھو (۲) رسی کے ٹوٹنے کی تفسیر و تفصیل بیان کرنی مناسب نہیں ہے (۳) خطا بتانے میں آپ کو ڈانٹنا پڑے گا کہ میری موجودگی میں کیوں تعبیر دی اور لوگوں

کے سامنے آپ کو ڈانٹنا مناسب نہیں ہے (۴) خطا بتاتے وقت خلفاء کے ناموں کی تصریح کرنی پڑے گی اور یہ مناسب نہیں ہے۔

باب تعبیر الرؤیا بعد صلوٰۃ الصبح :۔

غرض یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد تعبیر بیان کی جائے کیوں (۱) یہ وقت خواب دیکھنے کے قریب ہے پس اس وقت زیادہ احتمال ہے کہ خواب بیان کرنے والا نہ بھولے (۲) یہ برکت کا وقت ہے اس میں دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں تعبیر بیان کر نے میں برکت ہوگی غلطی نہ ہوگی (۳) تعبیر بیان کرنے والے کا ذہن اس وقت حاضر ہوتا ہے تعبیر بیان کرنے میں آسانی ہوگی۔
یھوی بالصخرۃ:۔ اس پر پتھر گراتا ہے۔ **فیثلغ رأسہ:۔** اس کا سر پھاڑتا ہے۔**فیتھد ھدہُ الحجر:۔** پتھر اس سے نیچے لڑھک جاتا ہے۔**ضَوُ ضَوُ ا:۔** وہ چیختے ہیں۔**فیفغرلہ فاہ فیلقمہ حجرًا:۔** وہ اس کے لئے منہ کھولتا ہے تو وہ دوسرا آدمی اس کے منہ میں پتھر ڈالتا ہے۔ **کریہ المَرْاٰۃ:۔** بدصورت۔**یُحشّھا:۔** جلانے کے لئے حرکت دے رہا ہے۔ **مُعتِمَۃ:۔** زیادہ پودوں والا۔
واذا حول الرجل من اکثر ولد ان رایتھم قط:۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ مشرکین کی اولاد جنتی ہے لیکن اس پر اشکال ہے کہ یہاں صرف کثرت ہے دنیا کے بچوں کو دیکھنے کے لحاظ سے اور یہ کثرت اضافی ہے کہ میں نے جتنے بچے دنیا میں دیکھے ہیں یہاں ان سے زیادہ تھے اس سے احاطہ لازم نہیں آتا کہ سب بچے جنت میں دیکھے ہیں اس لئے یہ الفاظ اولاد مشرکین کے جنتی ہونے پر دلالت نہیں کرتے و اولاد المشرکین یعنی جو بالغ ہونے سے بیشتر فطرت پر فوت ہو گئے وہ جنتی ہیں اور جو بالغ ہو کر یہودی عیسائی وغیرہ بن گئے وہ جنت میں نہیں جائیں گے۔

کتاب الفتن

ربط یہ ہے کہ خیر کے بعد شر کا ذکر ہے پھر فتنہ کے معنی امتحان کے ہیں یہ امتحان قیامت سے پہلے ہوگا تا کہ مسلمانوں کا امتحان کیا جائے کہ کون ان میں سے مخلص ہے کون نہیں ہے کیونکہ اس امت میں عمومی عذاب نہیں ہے جس سے مؤمن و کافر یا مخلص وغیر مخلص کا ظہور ہو جائے پھر فتنہ کی پانچ قسمیں ہیں (۱) انسان کے دل میں ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ نیکی اور مناجات میں لذت نہیں آتی (۲) بیوی بچوں میں مخالفت اور گھر میں بدانتظامی (۳) سمندر کی موج کی طرح فتنہ جس میں کئی گھر برباد ہوتے ہیں اور بلا استحقاق خلافت کی طمع پیدا ہوتی ہے (۴) بے دینی کا فتنہ جس میں لوگ انسانیت کے تقاضے سے بدل جاتے ہیں (۵) آسمانی آفتیں جیسے آندھی، وباء، زمین میں دھنسنا۔ زلزلہ، آگ لگنا وغیرہ پس قیامت کی نشانیاں ان سب فتنوں کو شامل ہیں۔

باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصّۃ

غرض اس آیت کی تفسیر ہے حضرت زبیر ابن العوامؓ نے ۳۶ھ میں فرمایا جنگ جمل کے موقعہ پر ما علمتُ انا اردنا بھذہ الاٰیۃ الا الیوم و ما کُنتُ اظُنُّھا الا فیمن خوطب ذلک الوقت اسی طرح کی تفسیر حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سُدّیؒ سے بھی منقول ہے وما کان النبی یحذّر من الفتن اس کا عطف قول اللہ تعالیٰ پر ہے اور ما مصدریہ ہے یعنی

باب فی تحذیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفتن

امام بخاریؒ اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ فتنے زیادہ تر دین میں تبدیلی اور بدعات پیدا کرنے سے شروع ہوتے ہیں جیسا کہ اس باب کی احادیث سے ظاہر ہے سُحقاً دوری کو سُحق کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کو رحمت سے دور کرے انک لا تدری مَا بدَّلُوا بعدکَ اس کا مصداق کون ہیں (۱) مرتدین (۲) مبتدعین (۳) ہر مبتدع اور ظالم اور مرتد۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سترون بعدی اُمورًا تنکرونھا۔

غرض انصار کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبر کا مشورہ دیا تھا

اس کا بیان ہے اصبر وا حتی تلقو نی علی الحوض۔یہ حدیث پاک غزوہ حنین کے باب میں گذر چکی ہے من فارق الجماعۃ شبرًا مراد یہاں بغاوت ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم هلاکُ امتی علیٰ یدی اغیلمۃ سفهاء

غرض اس حدیث کا اور اس کے مصداق کا بیان ہے اور وہ مصداق بنی امیہ کے وہ امراء ہیں جو زبردستی امیر بنے اور اس لئے بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شرّ قد اقترب

غرض اس حدیث پاک اور اس کے مصداق کا بیان ہے اور وہ پہلا فتنہ ہے یعنی وہ فتنہ جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا۔ **عقد سفینُ تسعین اومائۃ:۔** یہاں ابن عیینہ مراد ہیں نوّے کا عقدانامل یہ ہے کہ سبابہ دائیں ہاتھ والی کا کنارہ اسی کی جڑ سے ملا دیا جائے اس سے چھوٹا سا حلقہ یعنی دائرہ بن جاتا ہے اور سو کا عقدانامل یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی سب سے چھوٹی انگلی کے کنارے کو اسی کی جڑ سے ملا دیا جائے چونکہ نوّے اور سو کے عقد قریب قریب ہیں اسی لئے شک واقع ہوا۔

باب ظهور الفتن

غرض اشارہ ہے فتنوں کی طرف اجمالاً عام اور خاص دونوں قسم کے فتنوں کی طرف۔ **یتقارب الزمان:۔** یعنی قیامت کے قریب ایسا ہوگا۔ ایک دن سے اتنا ہی نفع اٹھایا جا سکے گا جتنا ایک گھنٹے سے اٹھایا جاتا ہے۔ **ایُّمُ هُو:۔** اس کی اصل ہے ایُّما۔ یعنی ای شئی اور ھو کی ضمیر لوٹتی ہے ھرج کی طرف۔

باب لا یاتی زمان الا الذی بعدہ شر منه

غرض یہ ہے کہ فتنے آہستہ آہستہ بڑھتے چلے جائیں گے۔

رب کا سیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ: (۱) بہت سی دنیا میں مالدار آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گی (۲) باریک کپڑوں والی حکم میں ننگی کے ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح .فلیس منا

غرض یہ بتلانا ہے کہ جو بلا وجہ مسلمانوں پر حملہ کرے اس کا فعل کافروں جیسا ہے۔

باب قول النبی صلّی اللہ علیہ وسلم لا ترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعض

غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا کفر کے مشابہ ہے **وعن رجل اخر** اس سے مراد حضرت حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب الحج میں گذر چکا ہے۔ **وابشار کُم:۔** یہ جمع ہے بشر کی ظاہری کھال مراد جسم ہے۔ **فکان کذٰلک:۔** ایک تقریر یہی ہے کہ یہ حضرت ابن سیرین کی طرف سے مندرج ہے باقی تفصیل گذر چکی ہے۔ **مَا بَهَشْتُ بقَصْبَۃ:۔** میں تو ان کے خلاف کا نانہ اٹھاتا کہ فتنہ نہ ہو۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم تکون فتنۃ القاعد فیها خیر من القائم:۔

غرض یہ کہ بقدر شرکت گناہ ہوگا۔ **من تشرف لها تستشرفه:۔** جو فتنہ کی طرف جھانکے گا تو فتنہ اس کو ہلاکت کے قریب پہنچا دے گا۔

باب اذا التقی المسلمان بسیفیهما

غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کی آپس کی لڑائی جو کہ صرف عصبیت کی بنا پر ہو کہ اپنی قوم کو حمایت کرنی ہے وہ حق پر ہو یا باطل پر یہ دوزخ میں جانے کا سبب ہے پھر جب مسلمانوں کی آپس میں لڑائی ہو تو کیا کرے اس میں تین قول ہیں (۱) نہ لڑائی میں شریک ہو اور نہ اپنی مدافعت کرے۔ یعنی اگر شریک ہوئے بغیر بھی کوئی حملہ کر دے تو پھر بھی اپنی مدافعت نہ کرے۔ اور آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کی طرح شہید ہو جائے (۲) خود تو لڑائی میں شریک نہ ہو

لیکن اگر کوئی اس پر حملہ کرے تو اپنی مدافعت کے لئے لڑے۔ (۳) حق کی تحقیق کرے اور اہل حق کی امداد کے لئے لڑائی کرے یہی قول جمہور صحابہ اور تابعین اور بعد کے حضرات کا ہے۔

باب کیف الا مر اذالم تکن جماعة:.

جواب حدیث پاک میں ہے کہ الگ رہے بس باب کی غرض یہ ہوئی کہ جب کسی ایک امیر پر جمع نہ ہوں تو الگ رہے۔

با ب من کره ان یکثِرّ سواد الفتن والظلم

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا ہے مکروہ ہے مسند ابی یعلیٰ میں ہے عن ابن **مسعود مرفوعاً من کثر سواد قوم فهو منهم قطع علیٰ اهل المدینة بعث**۔ ایک مقدار متعین کی گئی تھی کہ وہ اہل مدینہ سے لی جائے تا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے مل کر اہل شام سے لڑائی کریں۔

با ب اذا بقی فی حثالة من الناس

اس کا جواب طبرانی کی مرفوع روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے **علیک بخا صتک ودع عنک عوام مهم الوکت** جلنے کا اثر **المجل** جلنے کی وجہ سے چھالا **فنفط** جلنے سے کھال ابھر جائے اور چھالا بن جائے۔ **ولقد اتیٰ عليّ زمان:.** یہ حضرت حذیفہؓ کا اپنا قول ہے اور یہ اسی کی تفصیل ہے جو اس حدیث کے شروع میں ہے **رائیتُ احد هما وانا انتظر الاٰخَر** کہ میں نے امانت کا نازل ہونا یعنی قرآن پاک اور دین کا نازل ہونا تو دیکھ لیا ہے اور امانت کا ختم ہو جانا یعنی دین کا کمزور ہو جانا نہیں دیکھا۔

باب التعرّب فی الفتنة

غرض یہ ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں گاؤں میں چلے جانے کو پسند کیا ہے جیسے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت محمد بن سلمہؓ اور حضرت سعدؓ لیکن جمہور نے اسے پسند نہیں کیا جیسا کہ عنقریب تین مذہب گذر چکے ہیں۔

باب التعوذ من الفتن

غرض ردّ کرنا ہے اس شخص پر جس نے فتنہ طلب کرنے کو ترجیح دی تا کہ فتنہ کی وجہ سے منافق ختم ہو جائیں۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم الفتنة من قبل المشرق

غرض اس حدیث اور اس کے مضمون کا بیان ہے پھر مصداق کیا ہے (۱) اہل عراق کہ وہ اس زمانہ میں کافر تھے اور ان سے فتنے ظاہر ہوتے تھے (۲) شیعہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ مشرقی علاقوں میں زیادہ پھیلے۔

باب الفتنة التی تموج کموج البحر

غرض ایک حدیث کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ صحیح ہے اور وہ مصنف ابن ابی شیبہ میں آتی ہے **عن علی موقوفاً ثم فتنة تموج کموج البحر. قُف:.** زمین کا ابھرا ہوا حصہ۔ **قیل لا سامةالا تکلم هٰذا:.** (۱) یعنی آپ حضرت عثمان سے ولید بن عقبہ کی شکایت کیوں نہیں کرتے۔ (۲) آپ حضرت عثمانؓ سے یہ کیوں نہیں کہتے کہ لوگ غیبت بہت کر رہے ہیں۔ **قد کلمته ما دون ان افتح باباً:.** میں حضرت عثمانؓ سے نرمی اور ادب سے بات کر چکا ان سے لڑ کر فتنہ نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ **بعد ما سمعت:.** یعنی میں اس دوزخی شخص کی طرح منافقانہ طرز اختیار کرنا نہیں چاہتا۔ **فیطحن فیها کطحن الحمار برحاه:.** دوسری روایت میں تفصیل ہے کہ اس کی انتڑیاں نیچے سے باہر نکل آئیں گی اور وہ ان انتڑیوں کے گرد گھومے گا۔ **فیطیف به اهل النار:.** اس کے اردگرد اہل نار حلقہ بنائیں گے۔ **باب:.** تتمہ ہے فتنہ کا حکم بیان کرنے کے لئے کو فتنہ میں بربادی ہوتی ہے۔ **یستنفر هُم:.** "جنگ جمل کے لئے۔ **وکساهما حلّةً حُلّةً:.** حضرت ابو مسعود نے حضرت عمار اور حضرت ابو موسیٰ کو ایک ایک جوڑا پہنایا کیونکہ حضرت عمار کے کپڑے سفر والے اور لڑائی والے ذرا میلے تھے اور اکیلوں کو جوڑا دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے دونوں حضرات کو پہنائے اسی کی کچھ تفصیل اگلی حدیث میں ہے جو آگے بلا فصل آ رہی ہے وہ جمعہ کا دن تھا اور میلے کپڑوں کے ساتھ ان کا جمعہ میں جانا مناسب خیال نہ فرمایا۔

باب اذا انزل الله بقوم عذاباً

اس کا جواب حدیث پاک میں ہے اس لئے ذکر نہیں فرمایا۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم للحسن بن علی ان ابنی هذا السعید

غرض اس حدیث پاک اور اس کے مضمون کا بیان ہے۔
سفیان:. یہاں ابن عیینہ مراد ہیں۔ **عیسیٰ:.** حضرت ابن عباس کی اولاد میں سے تھے۔
حدثنا الحسن: یہ حسن بصری ہیں۔ **اریٰ کتیبة لا تولیّ حتی تدبرا خراها:.** یہاں اخراھا سے مراد اس کے مقابل کا اور خصم کا لشکر ہے یعنی میں اس حضرت حسن بن علی کے لشکر کو سمجھتا ہوں کہ اتنا سخت ہے کہ پشت نہ پھیرے گا یہاں تک کہ اس کے مقابل کا لشکر پشت نہ پھیر دے۔ **فقال انا:.** حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شاید یہ لفظ انی ہو تشدید نون کے ساتھ اور مقصود استبعاد ہو کہ بچوں اور عورتوں کی ہم کیسے کفالت کر سکتے ہیں ارسلنی اسامة الی علی مالی ضرورت کے لئے بھیجا اور ساتھ کہا کہ حضرت علی پوچھیں گے کہ اسامہ نے میرا ساتھ کیوں نہ دیا ولکن هذا امرلم ارہ امر سے مراد قتال المسلمین ہے جب حضرت اسامہ نے مرداس کو قتل کیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اس وقت ارادہ فرمالیا کہ کبھی قتال المسلمین بینہم میں شریک نہ ہوں گا۔ **فاوقروا الی راحلتی:.** میری اونٹنی سامان سے بھر کر میری طرف بھیجی۔

باب اذا قال عند قوم شیئًا ثم خرج فقال بخلافه

غرض اس کی مذمت ہے کہ بادشاہ کے سامنے اس کی اطاعت کا اظہار ہو اور باہر آ کر بغاوت کا اظہار ہو جیسے بعض اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کے ساتھ کیا۔ حشمہ خاص لوگ خصوصی تعلق والے۔ هذا الرجل اس سے مراد یزید ہے الفیصل (۱) حاجز (۲) مقاطعہ یعنی قطع تعلق عُلَیّة بالا خانہ۔ یستطعمه الحدیث بات شروع کر رہے تھے۔

باب لا تقوم الساعة حتی یغبط اهل القبور

غرض یہ ہے کہ موت کی تمنا قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

باب تغییر الزمان حتی یعبدوا الاوثان

غرض یہ کہ بعض مرتد ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قرب قیامت میں ہوگا قحطان یہ ابو الیمن ہے اس لئے قبیلہ یمن مراد ہے اس قبیلہ کے کسی بے دین بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔

باب خروج النار

غرض اس آگ کا ذکر ہے جو حجاز سے اٹھے گی یہ بھی ایک فتنہ ہوگا یہ اُس آگ کے علاوہ ہے جو بالکل قرب قیامت میں ہوگی امام قرطبی نے فرمایا کہ ۳ جمادی الاخریٰ ۶۵۴ھ میں زلزلہ آیا پھر آگ بدھ کی رات سے جمعہ کی دوپہر تک رہی۔ احقر محمد سرور عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ تقریباً ۱۴۱۴ھ میں عراق نے جو کویت کے تیل کے کنوؤں کو آگ لگائی تھی اور ماہ ڈیڑھ ماہ تک بجھائی نہ جا سکی تھی وہ بھی اس حدیث پاک کا مصداق ہو سکتی ہے۔ **تضیئی اعناق الا بل ببصریٰ** آگ اس شہر تک پہنچے گی۔
باب: تتمہ ہے ماقبل کا۔ **فلا یجد من یقبلها:.** یہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا کہ قرب قیامت کے علم کی وجہ سے لمبی امیدیں کم ہی لگائیں گے۔ اور مال زیادہ ہوگا اس لئے کوئی صدقہ لینے والا ہی نہ ملے گا۔

باب ذکر الدجال

غرض دجال کے فتنے کا بیان ہے وہ دجال اخیر زمانہ میں ظاہر ہوگا اور خدا ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں کا امتحان لیں گے اور اس کو کئی چیزوں کی پہلے قدرت دی جائے گی پھر اس کا عجز ظاہر کیا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کریں گے۔ پھر لفظ دجال دجل سے ہے جس کے معنی ہیں ڈھانپنا وہ حق کو باطل سے ڈھانپے گا۔ امتحان کے طور پر اس کے ہاتھ پر احیاء موتیٰ۔ اتباع کنوز۔ بارش، پودے اگانے کی چیزیں ظاہر ہوں گی پھر اللہ تعالیٰ اس کے عجز کو ظاہر کر کے اس کے کذب کو ظاہر فرمائیں گے اور عقلمند کے لئے تو اس کے دو عیبوں

کی وجہ سے اس کا جھوٹ بالکل ظاہر ہوگا ایک اس کا کانا ہونا اور دوسرے اس کے ماتھے پر ک' ف' ر۔لکھا ہوا ہونا وہ ان دو عیبوں میں سے ایک کو بھی دور نہ کر سکے گا پس اس کو قدرت دینے میں حکمت امتحان کی ہے اور اس کو عاجز کرنے میں حکمت اس کی تذلیل اور کفر کی تذلیل کی ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن المعتمر صحابی سے ایک ضعیف مرفوع حدیث یوں نقل فرمائی ہے **الدجال ليس به خفاء يجئ من قبل المشرق فيد عوالى الدين فيتبع و يظهر فلا يزال حتى يقدم الكوفة فيظهر الدين و يعمل فيتبع و يحث علىٰ ذلک ثم يدعى انه نبى فيفزع من ذلک كل ذى لب و يفارقه فيمكث بعد ذلک فيقول انا الله فتغشى عينه و يكتب بين عينيه كفر' فلا يخفىٰ علىٰ كل مسلم فيفارقه كل احد من الخلق فى قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان** انتھیٰ **اهوا هو ن على الله من ذٰلک** یعنی یہ خرق عادت بات نہ ہوگی تا کہ مؤمنین گمراہ نہ ہوں۔**وما من نبى الا وقد انذره قومه** کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو دجال کے نکلنے کا وقت نہیں بتلایا گیا تھا۔اس لئے ان حضرات کے ذہن میں احتمال تھا کہ ان کے زمانہ میں نکل آئے گا۔اس لئے اپنی قوم کو ڈرایا پھر اس حدیث کے بعض طرق میں ہے **ان يخرج وانا فيكم فانا حجيجه** تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اس کے نکلنے کا زمانہ نہیں بتلایا گیا تھا اس لئے خیال فرمایا کہ شاید میری وفات سے پہلے نکلے آئے پھر بتلا دیا گیا کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں نکلے گا تو پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی یہ بات بتلا دی اور معاملہ واضح ہوگیا۔ **ساقول لكم فيه قولاً لم يقله نبى لقومه** یہ تخصیص اس لئے ہوئی کہ دجال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نکلے گا۔**انه اعور وان الله ليس باعور** :. اس عیب کو ذکر فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت ظاہر عیب ہے' اور وہ دجال اپنے اس عیب کو اپنے آپ سے دور کرنے پر قادر نہ ہوگا پس خدا کیسے ہوسکتا ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی علامتیں اس کے مخلوق ہونے کی ہوں گی مثلاً کھانے کا محتاج پینے کا محتاج پیشاب پاخانے کا محتاج وغیرہ۔

باب لا يدخل الدجال المدينة

غرض یہ بتلانا ہے کہ دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ نقاب دو پہاڑوں کے درمیان راستہ السباخ شور زمین۔**فيخرج اليه يومئذ رجل وهو خير الناس** کہا گیا ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے لیکن ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے **فلا يسلط عليه** کیوں؟ (۱) جسم سخت ہو جائے گا (۲) تلوار وغیرہ دجال نہ چلا سکے گا۔**فيجد الملئكة يحرسونها**۔ظاہر یہی ہے کہ وہ فرشتوں کو دیکھ لے گا اس لئے ڈر کے مارے ان کے قریب نہ جائے گا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ فرشتوں کے ہاتھوں میں تلواریں ہوں گی۔

باب یاجوج و ماجوج

غرض ان کا ذکر ہے اور یہ دو قسمیں ہیں۔ایک یاجوج اور ایک ماجوج اور یہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یاجوج ماجوج کا نکلنا قرآن پاک اور حدیث پاک اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ **كتاب الاحكام** ربط یہ ہے کہ پیچھے کتاب الفتن میں شر کا ذکر تھا اب اصلاح شر کا ذکر ہے خلفاء اور قضاۃ کے احکام کے ذریعہ سے۔غرض ان احکام کا بیان ہے جن کا تعلق خلفاء اور قضاۃ کے ساتھ ہے اور حاکموں کے ساتھ ہے اور قضاء کی شرطیں اور آداب بیان کرنے مقصود ہیں۔

باب قول الله عزوجل اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم

امام بخاری کے نزدیک اولی الامر سے مراد حکام ہیں علما نہیں ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ فقہاء مراد ہیں۔

باب الامراء من قريش

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ خلیفہ قریش سے یعنی مہاجرین میں سے ہونا

چاہئے اور یہ شرط استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے کیوں؟ (۱) ان مکنا هم فی الا رض اقاموا الصلوٰة ۔ کیونکہ ہم کی ضمیر الذین اخرجوا من دیارھم کی طرف لوٹتی ہے اور وہ مہاجرین ہیں (۲) ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضیٰ لهم و لیبد لنهم من بعد خوفهم امناً اس لئے کہ خوف کے بعد امن مہاجرین کو حاصل ہوا تھا۔ (۳) مہاجرین اول المؤمنین ہیں (۴) انہوں نے کفار مکہ سے بہت تکلیف اٹھائی ۔ (۵) ہجرت کی فضیلت حاصل تھی ۔ (۶) بدر میں اپنے بھائیوں اور آباء سے لڑائی کی دین کی خاطر۔

باب اجر من قضی بالحکمة

غرض اس کی فضیلت اور ثواب کا بیان ہے اور امام بخاریؒ جو آیت سے استدلال فرما رہے ہیں یہ استدلال مفہوم مخالف سے ہے کہ جو حق کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ فاسق نہ ہوگا بلکہ صالح ہوگا وہ آیت یہ ہے و من لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الفسقون.

باب السمع و الطاعة للا ما م ما لم تکن معصیة

غرض یہ بتلانا ہے کہ امام کی اطاعت واجب ہے اور باقی حکام کی بھی صرف اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ بھی امام کی طرف سے مامور ہوتے ہیں۔

باب من لم یسئل الا مارة اعانه الله

غرض یہ ہے کہ بلا مانگے جو سرداری ملے اسی میں برکت ہوتی ہے۔

باب من سئل الا مارة و کل الیه:.

غرض یہ بتلانا ہے کہ سرداری مانگنا مکروہ ہے۔

باب ما یکره من الحرص علی الا مارة

غرض یہ بتلانا ہے کہ کہ سرداری کی حرص مکروہ ہے فنعم المرضعة وبئست الفاطمة (۱) شروع میں مال و جاہ ولذات ہوتی ہیں اور اخیر میں قتل اور عزل اور سزائیں اور ندامتیں ہوتی ہیں (۲) دنیا میں راحت اور آخرت میں سخت حساب ہوتا ہے۔

باب من استرعی رعیة فلم ینصح

اس کی مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور جواب چونکہ حدیث شریف میں ہے اس لئے ذکر نہ فرمایا۔ غاش: . خیانت کرنے والا۔

باب من شاق شق الله علیه

غرض یہ بتلانا ہے کہ جو لوگوں پر سختی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر سختی فرماتے ہیں۔ قلتُ لا بی عبد الله :. یہ کہنے والے فربری ہیں جو شاگرد ہیں امام بخاریؒ کے اور امام بخاری سے عرض کر رہے ہیں۔

باب القضأو الفتیا فی الطریق

اس کا حکم بتلانا مقصود ہے پھر حکم کیا ہے (۱) اگر کسی کمزور یا جاہل کے لئے تواضع کرتے ہوئے راستہ میں فتویٰ دیتا ہے یا قضاء کا فیصلہ کرتا ہے تو مستحب ہے (۲) اگر کسی دنیادار کی چاپلوسی اور خوشامد کے طور پر ایسا کرتا ہے خصوصاً گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو اور اس کی خاطر اتر بھی آئے تو مکروہ و مذموم ہے (۳) کسی کی ایذاء سے ڈرتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو مباح ہے۔ استکان: . جھک گیا۔

با ب ما ذکر ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن له بوّاب

غرض یہ ہے کہ ایسا دربان تو نہ تھا کہ ہمیشہ دروازے پر رہے لیکن کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے مقرر فرمایا بھی ہے جیسے آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانہ میں تھے تو حضرت عمرؓ نے لڑکے سے کہا کہ میرے لئے اجازت مانگو اور ایک بار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تھے اور دروازہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کھڑے رہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یکے بعد دیگرے آنے والے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنت کی خوشخبری دیتے رہے اسی لئے بعض نے حاجب مقرر کرنے کو انتظام کے لئے مستحب قرار دیا اور بعض نے نہ مقرر کرنے کو اولیٰ قرار دیا۔

باب الحاکم یحکم بالقتل علیٰ من وجب علیه دو ن الا مام الذی فوقه

غرضً یہ بتلانا ہے کہ ہر ہر فیصلہ میں قاضی کے ذمہ امام سے

اجازت لینی ضروری نہیں ہے۔ صاحب الشرط وہ سپاہی جو لشکر میں سب سے آگے ہو اور شرطۃ کے معنی علامت کے ہوتے ہیں اور وہ سپاہی بھی لشکر کے لئے علامت ہوتا ہے۔

باب هل يقضي الحاكم اويفتي وهو غضبان

غرض یہ کہ یہ جائز نہیں ہے لیکن خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ تھے کیونکہ نبی ہونے کی وجہ سے معصوم تھے غلطی سے۔

باب من رأى القاضي ان يحكم بعلمه في امر الناس

غرض امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید ہے کہ بغیر بیّنہ ذاتی علم کی وجہ سے قاضی اگر کسی کا حق ثابت کردے تو وہ صحیح ہے پھر فی امر الناس سے حدود کو نکال دیا کہ وہ حقوق العباد نہیں ہیں بلکہ حقوق اللہ ہیں اور امام بخاریؒ دو شرطیں بھی لگا رہے ہیں (۱) تہمت کا اندیشہ نہ ہو یعنی قاضی کا تقویٰ ظاہر ہو (۲) معاملہ بھی مشہور ہو۔ اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ فیصلہ صرف ان چیزوں میں جاری ہوگا جو قضاء قاضی کے بعد پائی جائیں گی۔ اور امام شافعی کے نزدیک بعد والی بھی اور قضاء قاضی سے پہلے والی چیزوں میں بھی جاری ہوگا اور عند مالک واحمد بغیر بینہ قاضی کا یہ فیصلہ بھی جاری نہ ہوگا۔

لنا حديث الباب: کہ حضرت ہندہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ان ابا سفيان رجل مسّيک فهل عليّ من حرج ان اطعمه الذي له عيالنا قال لها لا حرج عليک ان تطعميهم من معروف ہمارا استدلال اس حدیث پاک سے یوں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں زیادہ غالب حکم اور الزام تھا اس لئے یہ صرف فتویٰ ہی نہ تھا بلکہ قضاء تھی امام شافعیؒ کی دلیل بھی یہی روایت ہے وہ اس کو ماقبل القضاء اور مابعد القضاء دونوں پر محمول فرماتے ہیں جواب احتیاط یہی ہے کہ ما بعد القضاء ہی پر محمول کیا جائے امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل ترمذی کی روایت ہے عن عبد الله بن عمرو مرفوعاً البينة على المدعي و اليمين علىٰ المدعى عليه جواب ہماری دلیل کی وجہ سے یہ خاص صورت اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہے۔

باب الشهادة على الخط المختوم وما يجوز من ذلک وما يضيق عليهم

غرض یہ ہے کہ مہر والے خط پر گواہ بنانا بعض شرطوں کے ساتھ جائز ہے مطلقاً جائز نہیں نہ مطلقاً حرام ہے۔

ثم قال ان كان القتل خطأ فهو جائز: یہ حنفیہ پر اعتراض ہے کہ ان کے قول میں تناقض ہے کہ حدود میں خط پر گواہی ناجائز بھی کہتے ہیں پھر قتل خطاً میں جائز بھی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو مال کے متعلق گواہی ہے حد پر گواہی نہیں۔

وانما صار مالاً بعد ان ثبت القتل: یہ حنفیہ پر رد کی دلیل ہے کہ پہلے تو قتل ثابت کیا جاتا ہے وہ تو مال نہیں قتل ہونے میں تو خطا اور عمد برابر ہیں جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ عمد اور خطا میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور یہ فرق اظہر من الشمس ہے اس لئے حنفیہ کا قول بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ عمد میں خط پر گواہی کافی نہیں اور خطا چونکہ مالی معاملہ ہے اس میں گنجائش ہے!

وقد كتب عمر الىٰ عامله في الحدود: یہ حنفیہ پر رد کی تائید ہے جواب خط صرف حال معلوم کرنے کے لئے لکھا تھا پھر حد خود حضرت عمر فاروقؓ نے قائم فرمائی تھی۔

كتاب القاضي الى القاضي جائز اذا عرف الكتاب والخاتم

لیکن مغنی لابن قدامہ میں ہے يشترط في قول ائمة الفتوىٰ ان يشهد بكتاب القاضي شاهد ان عد لان ولا يكفي معرفة خط القاضي وختمه انتهىٰ يجيزون كتب القضاة بغير محضر من الشهود لیکن یہ ان حضرات کے اجتہادات ہیں جو احتیاط کے خلاف ہیں۔ **اما ان يدوا اصاحبكم واما ان توذنوا بحرب:.** امام مالک اور امام بخاری کے نزدیک لکھے ہوئے خط پر گواہی صحیح ہے گواہوں کو خط کا مضمون یاد ہو کہ نہ یاد ہو خط لکھنے والا عام آدمی ہو یا قاضی ہو یا خلیفہ ہو۔ جمہور کے نزدیک حدود میں تو مطلقاً لکھی ہوئی گواہی کافی نہیں ہے البتہ غیر حدود میں جائز

ہے جب کہ گواہ جو کہ خط لے کر جارہے ہیں ان کو اندر کے لکھے ہوئے مضمون کا علم ہو اور یا وہم اور کاتب نے ان لے جانے والوں کو گواہ بنایا ہو۔لہٰذا۔(۱) الا من شهد بالحق و هم يعلمون (۲) و ما شهد نا الا بما علمنا (۳) امام طحاوی نے امام مالک کے قول کو شاذ اور جمیع فقہا کے قول کے خلاف قرار دیا ہے۔ دلیل مالک (۱) تعليق البخاری فی هذا الباب و قد كتب عمر الیٰ عامله فی الحدود . جواب یہ لکھنا صرف حال معلوم کرنے کے لئے تھا بعد میں حد خود حضرت عمر فاروقؓ نے جاری فرمائی (۲) تعليق البخاری فی هذا الباب وقد كتب النبی صلی الله عليه وسلم الیٰ اهل خيبرا ما ان يد وا صاحبكم واما ان تو ذنوا بحرب " جواب یہ بھی کشف حال تھا کتاب القاضی الی القاضی نہ تھی (۳) حدیث الباب عن انس لما اراد النبی صلی الله عليه وسلم ان يكتب الی الروم جواب یہ تبلیغ تھی کتاب القاضی الی القاضی نہ تھی

باب متی یستو جب الرجل القضاء

تین تقریریں ہیں غرض میں (۱) قضا کا اہل کب بنتا ہے کہ امام اگر چاہے تو اسے قاضی بنادے (۲) مستحق قضاء کب ہوتا ہے کہ اب اس کو ضرور قاضی بنادینا چاہئے۔(۳) قاضی بننے کے بعد فیصلہ کر دینا قاضی پر کب واجب ہو جاتا ہے وصمة عیب۔

باب رزق الحكام والعاملين عليها

غرض یہ ہے کہ حکومت پر حکام اور زکوۃ وصول کرنے والے عاملین کی تنخواہ واجب ہے علیھا کی ضمیر یا تو حکومت کی طرف لوٹتی ہے یا صدقہ کی طرف حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ حکومت صدقہ میں سے ادا کرے اوران حکام اور عاملین زکوۃ کے لئے تنخواہ لینی جائز ہے۔

باب من قضىٰ ولا عن فی المسجد

غرض یہ ہے کہ دونوں کام مسجد میں جائز ہیں تنازع الفعلین ہے ظرف فی المسجد میں وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کام عبادت ہیں۔

يقضيان فی الرحبة خارجاً من المسجد: باب سے مناسبت یہ ہے کہ وسیع جگہ تھی مسجد کے دروازے کے پاس تو گویا مسجد جیسی جگہ تھی شهدت المتلاعنين یہ حدیث اگلی حدیث کی تمہید ہے اور اگلی حدیث میں مسجد میں لعان کا ذکر ہے اس لئے دونوں حدیثیں باب کے مناسب ہو گئیں۔

باب من حكم فی المسجد حتى اذا اتى علىٰ حد امر ان يخرج من المسجدفيقام

دو مسئلے بیان کرنے مقصود ہیں۔

باب موعظة الا مام للخصوم

غرض یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔

باب الشهادة تكون عند الحاكم فی ولايته القضاء او قبل ذلك للخصم

غرض یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ تقویٰ سے زیادہ قریب یہ ہے کہ قاضی نے اگر کوئی واقعہ دیکھا ہو اور وہ اس میں گواہ بن سکتا ہو تو صرف اپنے علم پر فیصلہ نہ کرے بلکہ دوسرے حاکم کی عدالت میں جا کر گواہی دے اور وہ دوسرا حاکم فیصلہ کرے۔

باب امر الوالی اذا وجّه امير ين الی ' موضع ان يتطا وعاولا يتعاصيا

غرض یہ ہے کہ امیر کا ایسی نصیحت کرنا مستحب ہے۔

البتع :. شہد کا شربت۔

باب اجابة الحاكم الدعوة

غرض یہ ہے کہ اگر تہمت کا موقعہ نہ ہو تو امیر کا دعوت قبول کر لینا جائز ہے البتہ ولیمہ کی دعوت قبول کر لینا بالا جماع سنت ہے بشرطیکہ دکھاوا یا اسراف نہ ہو۔

باب هد ايا العمال

غرض یہ ہے کہ اکثر یہ ہدایا ناجائز ہوتے ہیں۔قال سفيان ايضاً فصعد یعنی سفیان بن عیینہؒ نے کبھی فقام نقل فرمایا اور کبھی فصعد نقل فرمایا۔

باب استقضاء الموالی واستعما لهم

غرض یہ ہے کہ آزاد شدہ غلاموں کو قاضی بنانا اور امیر بنانا جائز ہے یہ امیر

بنانا لڑائی میں ہو یا خراج وغیرہ وصول کرنے کے لئے ہو یا امامت ہو۔

باب العرفاء للناس

غرض یہ کہ یہ جائز ہے کیونکہ امام کے لئے ہر شہر اور ہر قوم کے پاس جانا ممکن نہیں ہے۔

باب ما یکره من ثناء السلطان و اذا خرج قال غیر ذلک

غرض اس کی مذمت کرنا ہے۔

باب القضاء علی الغائب

غرض جمہور کے قول کی تائید ہے حنفیہ کے خلاف، حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں قضاء علی الغائب جائز ہی نہیں ہے البتہ اضطرار کی صورت میں جائز ہے مثلاً مدعیٰ علیہ کی سرکشی ظاہر ہو چکی ہو اور وہ قاضی کے پاس نہ آتا ہو تو قاضی اعلان کرے اور تین دن انتظار کرے پھر فیصلہ کرے منشاء اختلاف حدیث الباب ہے عن عائشة ؓ ان هندة قالت للنبی صلی الله علیه وسلم ان ابا سفیان رجل شحیح فاحتاج ان اخذ من ماله قال خذی ما یکفیک و ولدک بالمعروف ہمارے نزدیک یہ فیصلہ اضطرار پر محمول ہے اور جمہور کے نزدیک عام ہے ترجیح ہمارے قول کو ہے کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔

باب من قضی له بحق اخیه فلا یأ خذهُ

غرض یہ بتلانا ہے کہ قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نافذ نہیں ہوتی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے ثم قال لمودة بنت زمعة احتجبی منه۔ مناسبت باب سے یہ ہے کہ یہاں بھی باطناً فیصلہ ظاہر نہ ہوا اسی لئے پردہ کا حکم دیا۔ جواب یہ صرف کمال تقویٰ ہے

باب الحکم فی البئر و نحوها

یعنی ان میں بھی قاضی کا فیصلہ جاری ہوتا ہے یہی غرض ہے اس باب کی۔

باب القضاء فی کثیر المال و قلیله

غرض یہ ہے کہ قضا میں قلیل و کثیر کا فرق نہیں البتہ ایک درہم سے کم کو عرف میں مال نہیں کہتے فمن قضیت له بحق مسلم لفظ حق قلیل و کثیر دونوں کو شامل ہے۔

باب بیع الا مام علی الناس اموالهم وضیا عهم

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے حجر اور تصرف فی العقود جائز ہے ضیاع جمع ہے ضیعۃ کی اس کے معنی عقار کے ہیں۔

باب من لم یکترث بطعن من لا یعلم فی الا مراء

غرض یہ ہے کہ بلا دلیل اعتراض معتبر نہیں۔

باب الا لد الخصم

غرض زیادہ جھگڑالو کی مذمت ہے۔

باب اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اهل العلم فهو ردّ

غرض یہ بتلانا ہے کہ خلاف اجماع قضاء مردود ہے۔

باب الا مام یاتی قوماً فیصلح بینهم

غرض یہ کہ ایسا کرنا امام کے لئے مستحب ہے۔

باب یستحب للکاتب ان یکون اميناً عاقلاً

غرض یہ ہے کہ کاتب کا امین اور عاقل ہونا اولیٰ ہے واللخاف (۱) سنگ مرمر (۲) ٹھیکری۔

باب کتاب الحاکم الیٰ عُمّاله والقاضی الیٰ امنائه

غرض یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ فقیر: گڑھا۔

باب هل یجوز للحاکم ان یبعث رجلاً و حده للنظر فی الا مور

غرض یہ ہے کہ ایک بھیجنا بھی جائز ہے۔ دو ضروری نہیں۔

باب ترجمة الحکام وهل یجوز ترجمان واحد

غرض دو مسئلوں کا بیان ہے (۱) کوئی خصم یا گواہ دوسری زبان والا ہو تو وہ بھی قاضی کی عدالت پیش ہو سکتا ہے (۲) ترجمہ کرنے والا ایک بھی ہو تو کافی ہے دو ضروری نہیں۔

وقال خارجة بن زید بن ثابت: یہ روایت کتاب التاریخ للبخاری میں سند کے ساتھ ہے صحیح البخاری میں یہاں تعلیقا ہے۔

امره ان یتعلم کتاب الیهود:. عندابی حنیفہ و مالک والبخاری ترجمان ایک بھی کافی ہے یہی ایک روایت امام احمد کی ہے لیکن اصح روایت امام احمد کی اور مذہب امام شافعی کا ہے کہ دو ضروری ہیں ہماری دلیل اسی باب کی تعلیق قال عبد الرحمٰن بن حاطب فقلت تخبرک بصاحبها الذی صنع بها. یہ عورت کہتی ہے کہ اس شخص نے مجھ سے زنا کیا ہے یہاں ترجمہ کرنے والے صرف ایک آدمی ہیں حضرت عمرؓ نے صرف ایک کے ترجمہ کو کافی قرار دیا۔ دلیل الشافعی قیاس ہے گواہی پر جواب گواہی ملزم ہے یہ ترجمہ ملزم نہیں ہے۔

وقال بعض الناس لابد للحاکم من مترجمین: سوال یہاں تو بعض الناس کا مصداق امام شافعی ہیں پھر بعض حضرات نے کیسے فرما دیا کہ سب جگہ بعض الناس کا مصداق امام ابوحنیفہؒ یا حنفیہ ہیں جواب (۱) یہ فرمانا اکثری ہے (۲) یہاں بھی امام محمد امام شافعی کے ساتھ ہیں۔

باب محاسبة الا مام عمّاله

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

باب بطانة الا مام واهل مشورته

غرض یہ ہے کہ امام کے لئے واجب ہے کہ کچھ مشورہ والے ہوں۔

وبطانة تامره بالشر: سوال اس سے تو لازم آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کوئی خفیہ دوست تھا جو کہ شر کا حکم کرتا تھا یہ تو کمال کے خلاف ہے

جواب (۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ تھے اور قرینہ اسی حدیث کا آخری حصہ ہے فالمعصوم من عصم اللہ تعالیٰ (۲) یہاں صرف مشورہ دینے کا ذکر ہے اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اس پر عمل بھی فرماتے تھے (۳) اس سے مراد شیطان ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شیطان تھا وہ تابع ہو چکا تھا جیسا کہ صراحۃً روایات میں مذکور ہے۔

باب کیف یبایع الا مام الناس

غرض بیعت کے الفاظ کا بیان ہے۔

فلم ارهم یعد لون بعثمان: معلوم ہوا کہ حضرت علی سے افضل ہونا اتفاق صحابہ میں سے تھا۔

والخلیفتین: معلوم ہوا کہ حضرات شیخین کا اتباع حضرات صحابہ میں معروف تھا۔

باب من بایع مرّ تین

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے تاکید کے طور پر اور ترغیب کے طور پر۔

باب بیعة الا عراب

غرض یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔

تنصع طیّبها:. ظاہر کرتا ہے اپنی عمدہ چیزوں کو۔

باب بیعة الصغیر

(۱) ایک قول ہے کہ اگر نابالغ بیعت کر لے تو اس کو لازم نہیں ہوتی (۲) لازم ہو جاتی ہے اس کے آباء کے تابع ہونے کے لحاظ سے یعنی جیسے اس کے آباء کو لازم ہوتی ہے ایسے ہی ساتھ اس کو بھی لازم ہو جاتی ہے۔

باب من بایع ثم استقال البیعة

غرض یہ ہے کہ بیعت کا اقالہ مکروہ ہے۔

باب من بایع رجلاً لا یبایعه الا للد نیا

اس کی مذمت مقصود ہے۔

باب بیعة النساء

غرض کی دو تقریریں۔ (۱) مردوں کی بیعت بھی ایسے ہی ہے جیسے قرآن پاک میں عورتوں کی مذکور ہے (۲) یہاں اصل مقصود تو مردوں کی بیعت ہی ہے لیکن چونکہ ایک روایت میں یوں ہے اخذ علینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کما اخذ علی النساء اس لئے باب کے عنوان میں یہ الفاظ رکھے۔

فلم یقل شیئاً:. سوال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ سے منع کیوں نہ فرمایا جواب (۱) نہی بالکل واضح تھی اس لئے دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی (۲) یہاں رونا بغیر چیخنے کے

تھا اس لئے منع نہ فرمایا (۳) اس عورت کے لئے خصوصی جواز کا حکم نازل ہوا تھا اس لئے منع نہ فرمایا۔

فما و فت امرأة: ترک نوحہ میں ان مذکورہ عورتوں کے سوا باقیوں نے پوری پوری وفانہ کی۔ ان مذکورہ عورتوں نے پوری پوری وفا کی باقی ان عورتوں نے جنہوں نے اس مجلس میں بیعت کی پوری پوری وفانہ کی صرف اس مجلس کی عورتیں مراد ہیں سب صحابی عورتیں مراد نہیں ہیں۔

باب الاستخلاف

غرض یہ ہے کہ کسی کو اپنے بعد خلیفہ بنا دینا جائز ہے جیسا کہ اشارہ فرمایا تھا نبی پاک ﷺ نے اگرچہ صراحۃً خلیفہ نہ بنایا تھا۔

لا اتحملها حیّا ولا میّتا: میں مرنے کے بعد بھی خلافت کا بوجھ اٹھالوں میں یہ نہیں چاہتا یعنی میں خلیفہ متعین کرنا نہیں چاہتا۔

قال لو فد بزاخة: یہ بحرین میں ایک جگہ تھی کہ پہلے یہاں کے لوگ مسلمان ہوئے پھر نعوذ باللہ مرتد ہو گئے پھر ان سے لڑائی ہوئی پھر توبہ کی اور دوبارہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں وفد بھیجا تو فرمایا کہ میں مشورہ کروں گا پھر مشورہ فرما کر یہ فیصلہ فرمایا کہ ہتھیار سب ہمیں دے دو تو معافی ہے۔

باب: تتمہ ہے ما سبق کا اور بعض نسخوں میں یہاں باب نہیں ہے۔

اثنا عشرا میرًا: غرض یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں اسلام عزیز و منیع ہوگا۔ جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے اور حضرت سفیان بن عیینہ کی روایت میں یوں ہے **لا یزال امر الناس ما ضیاً ما ولیهم اثنا عشر رجلاً** اور ایک روایت میں ہے **ان کلهم یجتمع علیه الناس** اور ایک روایت میں ہے **لا تضرهم عداوة من عاداهم** اور ایک روایت میں ہے **اثنا عشر کعدد نقباء بنی اسرائیل** پس مصداق کیا ہے (۱) شروع اسلام میں بارہ بادشاہ ہوں گے اچھے جن کی بادشاہی یکے بعد دیگرے بلا فاصلہ ہوگی۔ (۲) فاصلہ کے ساتھ ہوگی (۳) ایک ہی زمانہ میں ہوں گے (۴) سب سے راجح قول یہ ہے کہ قیامت تک بارہ بادشاہ اچھے ہوں گے گو ان کے زمانے فاصلہ سے ہوں گے یعنی اکٹھا ہونا سب کا ضروری نہیں کچھ اکٹھے ہوں کچھ فاصلہ سے ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے ان کی حکومت مضبوط ہوگی جہاد کفار بھی ہوگا اعلاء کلمۃ اللہ بھی ہوگا۔ امت ان پر متفق ہوگی ان میں خلفاء راشدین میں شامل ہیں (۵) شیعہ اس سے اہل بیت میں بارہ بزرگ مراد لیتے ہیں اتنی بات تو ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن ساتھ جو صفات اپنی طرف سے گھڑی ہوئی مانتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں مثلاً ان پر وحی آنا، معصوم ہونا۔ واجب الاطاعت ہونا، نبیوں سے بھی اونچے درجے میں ہونا نعوذ باللہ من ذٰلک۔

باب اخراج الخصوم واهل الريب من البيوت بعد المعرفة

غرض بعض کا قول بیان کرنا ہے کہ علانیہ گناہ کرنے والوں کو جلا وطن کر دینا مستحسن ہے لیکن راجح یہ ہے کہ حد کے قابل لوگوں کو حد لگا دی جائے گی۔ **مثل منسأة:**. لاٹھی۔ **میضاة:**. وضو کا آلہ یعنی لوٹا۔ **المیم مخفوضة:**. میم کسرہ والی ہے۔

باب هل للامام ان یمنع المجرمین واهل المعصیة من الکلام معه والزیارة و نحوه

غرض یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے امام کے لئے۔

کتاب التمنی

ربط یہ ہے کہ پیچھے ظاہری بدنی احکام تھے اب روحانی باطنی احکام ہیں غرض تمنی کے احکام بتلانا ہے اگر نیکی کی تمنا ہو بلا حسد تو اچھی ہے ورنہ مذموم ہے۔

باب من تمنی الشهادة

غرض یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔

لوددت ان اقتل فی سبیل الله:. اس سے شہادت کی فضیلت ظاہر ہوئی کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کے سوا کسی چیز کی تمنا ثابت نہیں ہے پورے شوق کے ساتھ۔

باب تمنی الخیر وقول النبی صلی الله علیه وسلم لو کان لی احد ذهباً

تعمیم بعد التخصیص ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت

غرض یہ ہے کہ یہ تمنا بھی کسی مصلحت کے تحت جائز ہے۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لیت کذا وکذا

غرض یہ ہے کہ لفظ لیت کا استعمال جائز ہے۔

ارق: جاگے۔

باب تمنی القرآن والعلم

غرض یہ کہ یہ مستحب ہے۔

باب ما یکره من التمنی

غرض یہ ہے کہ جس تمنی میں حسد یا بغض ہو وہ جائز نہیں ہے مثلاً یہ تمنا کہ فلاں کا مال مجھے مل جائے یعنی اس کے پاس نہ رہے اور میرے پاس آجائے اسی طرح فلاں کا علم مجھے مل جائے۔

باب قول الرجل لو لا الله ما اهتدینا

غرض یہ کہ ایسے کہنا جائز ہے۔

باب کراهیة تمنی لقاء العدو

غرض یہ ہے کہ ایسی تمنا مکروہ ہے بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ تمنا کرنے والا اپنی قوت پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے اندر خود پسندی لئے ہوئے ہے۔

باب ما یجوز من اللو

غرض یہ ہے کہ خیر کے فوت ہونے میں کلمہ لَوْ کا استعمال جائز ہے اور جہاں کوئی فائدہ نہ ہو وہاں مکروہ ہے اس لئے نسائی شریف میں جو مرفوع حدیث ہے **فان غلبک امر فقل قَدَرُ الله وما شاء الله وایاک واللو فان اللو یفتح عمل الشیطان** پس یہ روایت ایسی صورت پر محمول ہے کہ جس میں بلا فائدہ لَوْ کا استعمال ہو دوسری توجیہ یہ ہے کہ نہی تنزیہی ہے۔

الجدر حطیم کتاب اخبار الاحاد: ربط یہ ہے کہ یہ تتمہ ہے کتاب العلم وکتاب التفسیر کا۔

باب اجازت خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلوٰة والصوم والفرائض والاحکام

غرض خبر واحد کی حجیت کا بیان ہے اور یہ کہ اس پر عمل واجب ہے جب کہ اپنی شرطوں کے ساتھ ثابت ہو اور یہ عملیات میں ہے اعتقادیات میں دلیل قطعی ضروری ہے خبر واحد دلیل ظنی ہے اس میں رد ہے معتزلہ کا کہ وہ خبر واحد کو حجت نہیں مانتے۔

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون: طائفہ کا مصداق (۱) ایک اسی لئے اس باب میں اس آیت کو بطور دلیل ذکر فرمایا (۲) چار سے چالیس تک (۳) تین طائفہ کا مصداق ہے۔ (۴) دس۔ (۵) چار سے غیر متناہی درجہ تک طائفہ کا مصداق ہے (۶) دو سے غیر متناہی (۷) تین سے غیر متناہی تک اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ چونکہ غزوہ تبوک میں نہ جانے والوں سے ناراضگی کا اظہار کیا گیا تھا اس لئے تبوک کے بعد جو سریہ بھیجا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس میں جانے کے لئے سب حضرات صحابہ تیار ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ کچھ حضرات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی رہیں تا کہ علم سیکھیں اور جہاد سے واپس آنے والوں کو سنائیں اور ڈرائیں۔

احفظها او لا احفظها: یہ مقولہ ہے حضرت ابوقلابہ کا۔

فلیوذن لکم احد کم: یہ محل ترجمہ ہے۔ **لا یمنعن احدکم اذان بلال**: یہ محل ترجمہ ہے۔ **قالوا صلیت خمساً**: بعض روایات میں یہاں ایک کا کہنا بھی ہے اس طریق کے لحاظ سے یہ روایت خبر واحد کی حجیت کے لئے مؤید ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ تعدد سے بھی خبر واحد ہونے سے نہیں نکلتی۔

مهراس: پتھر کا ٹب۔ **فارادوا ان یدخلوها**: سوال انہوں نے تو خبر واحد پر عمل نہ کیا تھا اس لئے یہ روایت خبر واحد کی حجیت کی دلیل نہ ہوئی۔

جواب: آگ میں داخل نہ ہوئے لیکن دوسرے کاموں میں اطاعت کی ان میں خبر واحد کی حجیت ثابت ہوئی۔

فقال ان ابنی ھذا کان عسیفا:. یہ محل ترجمہ ہے۔
فاغدُ علیٰ امرأۃ ھذا:. یہ بھی محل ترجمہ ہے۔

باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزبیر طلیعۃ وحدہ

ایک ہی آدمی کو جاسوس بنا کر بھیجنا خبر واحد کی حجیت کی دلیل ہے یہی باب کی غرض ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم فاذا اذن لہ واحد جاز

غرض امام بخاری کی یہ ہے کہ اس آیت سے بھی خبر واحد کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔

باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبعث من الامراء والرّسل واحدًا بعد واحد

غرض یہ ہے کہ یہ بھی خبر واحد کی حجیت کے لئے مثبت ہے۔
بعث بکتابہ الیٰ کسریٰ:. عبداللہ بن حذافہ کو بھیجا تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

باب وصاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفود العرب ان یبلغوا من وراء ھم

غرض خبر واحد کی حجیت ثابت کرنا ہے۔

باب خبر المرأۃ الواحدۃ

غرض ایک عورت کی خبر کی حجیت کا بیان ہے۔
ارایت حدیث الحسن: یعنی حضرت حسن بصریؒ احادیث کی کثرت کی وجہ سے مرسل بیان کرتے رہے ہیں۔
و قاعدت ابن عمر:. یہ واؤ استینافیہ ہے کہ دیکھو میں نے ڈیڑھ یا دو سال میں حضرت ابن عمرؓ سے صرف ایک حدیث سنی حالانکہ وہ صحابی تھے اور حضرت حسن بصری تابعی تھے۔

کتاب الاعتصام

ربط یہ ہے کہ یہ بھی تتمہ ہے کتاب العلم اور کتاب التفسیر کا۔

باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

غرض یہ بیان کرنا ہے کہ قرآن وحدیث کو مضبوطی سے پکڑنا واجب ہے۔
نعشکم:. (۱) رفعکم تمہیں بلند کیا۔(۲) جبر کم من الکسر تم ٹوٹے ہوئے تھے تمہیں جوڑا (۳) اقامکم من العثر۔ تم پھسل رہے تھے تمہیں سیدھا کھڑا کیا۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم

غرض قولی حدیث کی حجیت کا بیان ہے جوامع ان کلمات کو کہتے ہیں کہ جن کے الفاظ کم ہوں اور معانی زیادہ ہوں۔
انتم تلغثونھا:. لغیث سے ہے وہ کھانا جو جَو کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ یعنی تم مزے سے کھاتے ہو۔ ترغثونھا: تم دودھ پیتے ہو۔
فارجوا انی اکثر ھم تابعاً یوم القیٰمۃ:. میرا معجزہ کلامی ہے جو سب نبیوں کے معجزوں سے اونچا ہے اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ میرے تابعین قیامت میں سب سے زیادہ ہوں گے۔

باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

غرض یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔
ائمۃ نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا:. یہ معنی کتاب التفسیر میں حضرت مجاہد سے نقل کئے گئے ہیں۔**فی ھذا المسجد:.** اس سے مراد مسجد حرام ہے۔**یقتدیٰ بھما:.** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتباع ضروری ہے جیسے وہ حضرات یہ سمجھتے تھے کہ خانہ کعبہ کا خزانہ صرف مسجد حرام کی تعمیر ہی میں خرچ کرنا چاہئے ایسے ہی میں بھی کروں گا اور مسلمانوں کے دوسرے مصالح میں خرچ نہ کروں گا۔
العریان:. (۱) بے غرض (۲) عادت تھی کہ ڈرانے والا اپنے کپڑے اتار کر سر پر باندھ لیتا تھا تا کہ دور کا آدمی بھی دیکھ سکے کہ کوئی حملہ والا آرہا ہے اس کے ساتھ تشبیہ دینی مقصود ہے۔
فالنجاء:. فاسرعوا اسراعاً۔**فادلجوا:.** چلے اول لیل۔
واجتا حھم:. ختم کر دیا۔

باب ما یکرہ من کثرۃ السوال وتکلف ما لا یعنیہ

غرض یہ ہے کہ بلاضرورت سوال کرنا منع ہے۔

باب الا قتداء بافعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض افعال کا حکم بتلانا ہے پھر کیا حکم ہے؟ دوقول ہیں۔(۱) اصل وجوب ہے البتہ اگر قرینہ استحباب یا خصوصیت کا پایا جائے تو وجوب نہ ہوگا (۲) قرینہ سے فیصلہ ہوگا کہ وجوب ہے یا استحباب ہے یا اباحت ہے۔

باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین والبدع

ان سب چیزوں کی کراہت بیان کرنی مقصود ہے اور غلو تعمق سے زائد ہوتا ہے من والیٰ قوماً بغیر اذن موالیہ نسب میں یا عتق میں اور بغیر اذن موالیہ کی قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے۔ **ولم یذکر ذلک عن ابیه:** حضرت عروۃ بن الزبیر نے اپنے والد یعنی نانا حضرت ابوبکر کا ذکر نہ فرمایا۔ صرف حضرت عمر کا ذکر فرمایا۔ **اسحم:** کالے رنگ کا۔ **الظالم:** چیز کو بے موقع رکھنے والا جائز لیکن نامناسب کام میں استعمال ہوجاتا ہے چچا تھے جو باپ کی طرح ہوتا ہے اس لئے ایسا کہنے کی گنجائش تھی۔ **ان ابا بکر فیها کذا:** یعنی حق پر نہ تھے سوال حضرت عباس اور حضرت علی نے حضرت صدیق کے بارے کیسے یہ غلط عقیدہ رکھا۔ جواب یہ ان دونوں حضرات کی اجتہادی غلطی تھی پھر رجوع فرمالیا اسی لئے حضرت علی اپنے زمانہ خلافت میں بھی کوئی تبدیلی نہ کی۔ **اثم من اویٰ محدثاً:** غرض اس کی مذمت ہے۔

باب ما یذکر من ذم الرأی و تکلف القیاس

اس قیاس کی مذمت ہے جو قرآن وحدیث یا اجماع پر مبنی نہ ہو کیونکہ ان میں سے کسی پر مبنی تو اس آیت میں داخل ہے **فاعتبروا یا اولی الابصار** اور شاید تکلف القیاس میں استحسان کی طرف اشارہ ہو جو کہ حنفیہ نے لیا ہے۔ **حجّ علینا:** اس کے معنی ہیں حجّ مارًّا علینا کہ حج کرنے آئے تھے ہمیں ملنے بھی آگئے۔ **اتهموا رایکم:** اپنی رائے کو کمزور سمجھو۔ یوم ابی جندل حدیبیہ وبست صفون اور ایک روایت میں یہاں صفین ہے اس لفظ کا اعراب دو طرح ہے (۱) غیر منصرف کی طرح (۲) جمع مذکر سالم کی طرح۔

باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئل مما لم ینزل علیہ الوحی فیقول لا ادری

قیاس فاسد کی مذمت مقصود ہے۔

باب تعلیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ من الرجال والنساء مما علمہ اللہ لیس برای ولا تمثیل

غرض یہ ہے کہ نص قیاس سے اونچی ہے تمثیل تو قیاس ہی کو کہتے ہیں اور رای تمثیل سے عام ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق یقاتلون

غرض یہ کہ اہل حق قیامت تک رہیں گے سوال فی مسلم عن عبداللہ بن عمر مرفوعاً لاتقوم الساعۃ الاعلیٰ اشرار الناس جواب اہل حق قرب قیامت تک رہیں گے پھر شرار الناس آئیں گے پھر قیامت آئے گی۔ پھر زیر بحث حدیث سے اجماع کی حجیۃ بھی ثابت ہوتی ہے پھر اس طائفہ منصورہ کا مصداق کیا ہے (۱) اہل علم جیسا کہ اس باب میں امام بخاری فرمارہے ہیں وھم اھل العلم (۲) محدثین (۳) فقہاء یا اُن کے مقلدین کیونکہ اسی حدیث کے شروع میں یہ بھی آیا ہے من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین یہی قول راجح شمار کیا جاتا ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ اویلبسکم شیعاً

غرض یہ ہے کہ فتنے پیدا ہوتے ہیں اختلاف کی وجہ سے اور اختلاف ہوتا ہے اہل ہویٰ کے اتباع ہویٰ سے اس لئے یہاں مقصود اہل ہویٰ اور اہل قیاسات فاسدہ کی مذمت ہے۔

باب من شبّه اصلاً معلوماً با صل مبین قد بیّن اللہ حکمها لیفهم السائل

غرض قیاس صحیح کی صحت کا بیان ہے اور قیاس کی حقیقت کا بیان ہے پھر حجیت قیاس کے ادلّہ یہ ہیں (۱) عقلاً ایک جیسی چیزوں کا حکم ایک ہی ہونا چاہئے (۲) فاعتبروا یا اولی الا بصار اور اعتبار کے معنی ہیں اصل سے گذر کر فرع تک جانا اشتراک علت کی وجہ سے اسی کو قیاس کہتے ہیں (۳) فاعتبروا یا اولی الابصار اور اعتبار کے معنی ہیں اتعاظ یعنی اپنے نفس کو قیاس کرنا دوسرے پر۔ گویا اسی آیت سے دو طرح استدلال کیا جاتا ہے (۴) ولو ر دوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم اس آیت میں استنباط کا ذکر ہے اور استنباط عین قیاس ہے یعنی زیادہ صورتیں استنباط کی قیاس ہی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ (۵) فی ابو داؤد والترمذی والدارمی بسند قوی حدیث معاذ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لما ارادان یبعث معاذاً الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولا فی کتاب اللہ قال فاجتهد برأیی ولا آلوا. فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صدره فقال الحمدللہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لما یرضی رسول اللہ (صلی اللہ علیه وسلم (٦) حضرات صحابہ کرام کا اجماع منقول ہے تواتراً کہ قیاس جائز ہے (۷) نصوص متناہی ہیں اور واقعات غیر متناہی ہیں اس لئے قیاس کے بغیر چارہ نہیں ورنہ لازم آئے گا ایحسب الا نسان ان یترک سدیً۔

باب ما جاء فی اجتهادا لقضاة بما انزل اللہ تعالیٰ

غرض یہ ہے کہ قاضی حضرات پر واجب ہے کہ وہ کوشش کرکے کتاب، سنت، اجماع یا قیاس سے حکم معلوم کریں۔

ومشاورة الخلفاء: اس سے قیاس کی حجیت ثابت ہوتی ہے کہ جہاں نص نہ ہوتی تھی وہاں حضرات خلفاء اہل علم سے مشورہ کرتے تھے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم

غرض ہے اتباع الکفار فی ترک الاحکام کی مذمّت۔

باب اثم من دعا الیٰ ضلالة او من سنّ سنّة سیئة

اضلال اور بدعت کی مذمت مقصود ہے

باب ما ذکر النبی صلی اللہ علیه وسلم و حض علیٰ اتفاق اهل العلم و ما اجتمع علیه الحرمان مکة والمدینة

غرض میں دو تقریریں ہیں (۱) غرض حجیت اجماع ہے خصوصاً اہل حرمین حضرات صحابہ کرام کا اجماع جبکہ کسی صحابی کا اختلاف منقول نہ ہو کیونکہ صرف اہل حرمین کا اجماع بہت سے علماء کے نزدیک کافی نہیں ہے صرف امام مالک سے منقول ہے کہ وہ صرف اہل مدینہ کے اجماع کو حجت سمجھتے تھے اور جب اہل مکہ بھی مل جائیں تو ان کے نزدیک بطریق اولیٰ حجیت ثابت ہوگئی (۲) دوسری تقریر غرض میں یہ ہے کہ اختلاف کے موقعہ میں اہل حرمین کے قول کو دوسروں کے قول پر ترجیح ہوگی۔

حجیت اجماع کے ادلّہ: (۱) و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤ منین نوله ما تولیٰ و نصلد جهنم (۲) و کذ لک جعلنکم امة و سطاً لتکونوا شهد آء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدًا (۳) کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر (۴) لا تجتمع امتی علی الضلالت. یہ حدیث پاک معنیً متواتر ہے۔ سوال۔ امام احمد فرماتے ہیں من ادعی الا جماع فهو کا ذب و ما یدریه لعل الناس اختلفوا. جواب (۱) یہ صرف اس وقت ہے جب کہ صرف ایک شخص

اجماع نقل کر رہا ہو (۲) غرض یہ ہے کہ اجماع ثابت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ لوگ متفرق ہو چکے ہیں اور علماء مختلف علاقوں میں پھیل چکے ہیں صرف احتیاط کا لحاظ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں اجماع کی حجیت کا انکار مقصود نہیں ہے (۳) مقصد امام احمد کا یہ ہے کہ اجماع سکوتی کے تلفظ میں احتیاط کرنی چاہئے۔ یوں نہ کہے کہ اجمع الناس علیٰ کذا بلکہ یوں کہے لا اعلم من خالف هذا اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بیہقی فرماتے ہیں واذا قری القران فاستمعوا له وانصتوا کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں اجمع الناس علی ان هذه الا یة فی الصلوٰة (۴) انکار صرف اس شخص پر کرنا مقصود ہے کہ جس کو معرفت تامہ نہ ہو۔ بخلاف سلف کے کہ ان کو معرفت تامہ تھی ان کا اجماع نقل کرنا ٹھیک ہے (۵) غیر صحابہ کے اجماع کے متعلق یہ کلام ہے کیونکہ وہ متفرق ہو گئے تھے اس لئے اجماع کے اثبات میں بہت احتیاط ہونی چاہئے۔ (۶) صرف معتزلہ پر انکار مقصود ہے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ جو کچھ بھی ہم کہہ رہے ہیں یہ سب اجماعی چیزیں ہیں۔ **ثوبان ممشقان:** ہلکے سرخ رنگ کی مٹی سے رنگا ہوا کپڑا ہو تو اس کو ممشق کہتے ہیں اس مٹی کو مشق کہتے ہیں۔ **بخ بخ:** رضا اور تعجب میں ڈالنے کے موقعہ پر یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔ **فاتی العلم:** یہ محل ترجمہ ہے کیونکہ عید گاہ بھی مشاہد میں سے ہے۔ **قباء:** یہ بھی مشاہد میں سے ہے۔ **فیاتی العوالی:** یہ بھی مشاہد میں سے ہے۔ **حیث توضع الجنائز:** یہ بھی مشاہد میں سے ہے۔ **اُحُد:** یہ بھی مشاہد میں سے ہے۔ **منبر:** یہ بھی مشاہد میں سے ہے۔ **المرکن ثب:** یہ بھی مشاہد میں سے ہے۔ **لم یکن عراق یومئذ:** اس زمانہ میں ابھی عراق کے لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے اور یہ شہر کسریٰ کے ماتحت تھا گویا یہ مشاہد میں سے نہیں۔ **معرسه:** اخیر رات میں آرام کرنے کی جگہ۔ **ببطحاء:** یہ موضع الترجمہ ہے کیونکہ مشاہد میں سے ہے۔

باب قول الله تعالیٰ لیس لک من الامر شیٔ

غرض اس آیت کی تفسیر ہے۔ اس باب کا ربط ابواب اعتصام سے کیا ہے (۱) کفار نے ترک اعتصام کیا اس لئے ان پر بھی دعا فرمائی (۲) لعنت اس لئے بھی کہ انہوں نے اہل علم کو قتل کیا تھا اس لئے اشارہ ہے حجیت اجماع اہل علم کی طرف مذمت ہے مخالفت اجماع کی۔

باب قول الله تعالیٰ و کان الانسان اکثر شیٔ جدلا

غرض احکام میں جدل کی مذمت ہے وہی جدل برا ہے جو احکام کے اسقاط کا حیلہ ہو باقی کافروں سے جدال اور مناظرہ مستحسن ہے۔

باب قوله تعالیٰ و کذلک جعلنکم امة وسطاً

غرض اس آیت کی تفسیر ہے اور اجماع کے اتباع کے وجوب کا بیان ہے کیونکہ اصولیین نے اس آیت سے حجیت اجماع ثابت کی ہے کیونکہ عدالت علامت ہے عصمت کی اور اس آیت میں اس امت کو مجموعی طور پر عادل قرار دیا گیا ہے اس لئے اجماع معصوم ہے اور واجب الاتباع ہے۔ **وما امر النبی صلی الله علیه وسلم بلزوم الجماعة وهم اهل العلم:** غرض یہ ہے کہ اجماع کی مخالفت سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جماعت کا یہاں مصداق کیا ہے (۱) ہر زمانہ کے اہل حل وعقد (۲) اہل اجماع۔

باب اذا اجتهد العامل او الحاکم فاخطأ خلاف الرسول من غیر علم فحکمه مردود

غرض یہ ہے کہ صریح سنت کے خلاف قاضی کا فیصلہ مردود ہے سوال پیچھے ایک باب گزرا ہے۔

باب اذا اقضی الحاکم بجور و خلاف اهل العلم فهو مردود

اس باب اور زیر بحث باب کی غرض ایک ہوگئی اس لئے تکرار پایا گیا جواب وہاں مخالفت اجماع کی مذمت تھی اور یہاں مخالفت سنت کی مذمت ہے۔ **لا تفعلوا:** اس میں صحابی کے اجتہاد کو رد فرمایا کہ تمہارا اجتہاد ٹھیک نہیں تھا۔ **المیزان:** یہاں وہ چیز مراد ہے جو تولی جائے ظرف بول کر مظروف مراد ہے۔

باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطا

یہ مسئلہ بتلانا مقصود ہے کہ جو شخص درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو اس کو بہر حال اجر ہے اگرچہ خطا ہو جائے۔

باب الحجة علیٰ من قال ان احکام النبی صلی الله علیه وسلم کانت ظاهرة

غرض ردّ ہے روافض اور بعض خوارج پر جو کہتے تھے احکام سب صحابہ کرام پر ظاہر تھے اس لئے حجیت حدیث میں تواتر ضروری ہے اور خبر واحد سے استدلال صحیح نہیں ہے اس کا امام بخاری رد فرما رہے ہیں کہ مجلس سے بعض صحابہ غائب ہوتے رہتے تھے اس لئے سب مسائل درجہ تواتر کو نہیں پہنچے

اس لئے حجیت حدیث میں تواتر شرط نہیں ہے اور خبر واحد بھی حجت ہے اس کے علاوہ خبر واحد کی حجیت پر اجماع بھی ہے۔

باب من رائ ترک النکیر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غرض کی دو تقریریں ہیں (۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر حجت ہے کسی اور کی تقریر حجت نہیں ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انکار نہ فرمانا ایک اختیاری کام تھا اس لئے جہاں انکار نہ فرمایا وہ کام جائز تھا ورنہ انکار فرما دیتے کوئی اور انکار نہ کرے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کو علم نہ ہوگا۔ (۲) دوسری تقریر غرض کی یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک اجماع سکوتی حجت نہیں ہے کیونکہ غیر نبی کی تقریر حجت نہیں ہے۔ **فلم ینکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم:** سوال: جب ابن صیاد دجال نہ تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کو قسم کھاتے سنا کہ ابن صیاد دجال نہ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیوں نہ فرمایا؟ جواب (۱) یہ دجال ہے لیکن دجال اکبر نہیں ہے اس تقریر سے سب اقوال واحادیث جمع ہو جاتی ہیں (۲) یہ عدم انکار تمیم داری کے واقعہ سے پہلے ہوا۔ اس لئے تمیم داری والی حدیث اس کے لئے ناسخ ہے (۳) اس زمانہ میں ابھی تردد تھا۔ سکوت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی حجت ہوتا ہے جو تردد کی بنا پر نہ ہو۔ تمیم داری کے واقعہ سے تردد ختم ہو گیا۔

باب الاحکام التی تعرف بالدلائل وکیف معنی الدلالۃ و تفسیرھا

غرض فقہ کے کچھ اصول کا ذکر کرنا ہے مثلاً عام ہر خاص پر دلالت کرتا ہے جیسے یہ آیت ہے **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ** اس میں حمار کا حکم داخل ہے۔ دلائل سے احکام معلوم ہوتے ہیں دلائل ادلہ اربعہ ہیں ان کی دلالت کیسے ہے عبارۃ النص کے طور پر یا اشارۃ النص کے طور پر یا دلالۃ النص کے طور پر یا اقتضاء النص کے طور پر پھر وہ عام ہیں یا خاص ہیں یا مشترک ہیں یا مأول ہیں۔ **مرج:** چراگاہ۔ **طیلھا:** لمبی رسی جس میں چر سکے۔ **فانی انا جی من لا تناجی:** اس سے یہ اصول نکلا کہ فرشتے بدبو سے نفرت رکھتے ہیں۔ **ان لم تجدینی فأتی ابا بکر:** اس سے یہ اصول نکلا کہ حضرت ابوبکر صدیق کا قول حجت ہیں۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسئلوا اھل الکتب عن شئی

غرض یہ ہے کہ حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے اہل کتاب سے سوال جائز نہیں ہے سوال قرآن پاک میں تو یوں ہے **فاسئل الذین یقرؤن الکتب من قبلک.** جواب قرآن پاک میں صرف علامات نبوت پوچھنے کا حکم ہے مسائل کا نہیں۔ (۲) قرآن پاک میں صرف بعض قصص پوچھنے کا حکم ہے مسائل کا نہیں (۳) جو ایمان لے آئے ان سے پوچھنے کا حکم ہے جو ایمان نہیں لائے ان سے پوچھنے کی ممانعت ہے۔ **لنبلو علیہ الکذب:** کعب احبارؓ اگرچہ سچ بولتے تھے لیکن کتب سابقہ محرف تھیں اس لئے جھوٹ کا احتمال تھا یہ نہیں کہ کعب احبار ایمان لانے کے بعد جھوٹ بولتے تھے پھر کعب احبار اسلام کب لائے (۱) خلافت عمر میں (۲) خلافت صدیق اکبر میں (۳) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے لیکن زیارت سے پہلے وفات ہو گئی تھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لئے صحابی ہونے کا شرف حاصل نہ ہوا۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ **لم یشب:** قرآن پاک میں ملاوٹ یعنی تحریف نہیں ہوئی۔

باب نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی التحریم الا ما تعرف اباحتہ

غرض یہ ہے کہ اصل نہی تحریم کے لئے ہے جب تک کوئی قرینہ اس سے منع نہ کرے جیسا کہ اصل امر وجوب کے لئے ہے جب تک کوئی قرینہ منع نہ کرے۔ **ولم یعزم علیھم:** اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں ہے **لمن شآہ** اس سے معلوم ہوا کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں ہے۔

باب کراھیۃ الخلاف

غرض کیا ہے دو تقریریں ہیں (۱) صریح نصوص کی نہ مخالفت کرو نہ قبول کرنے میں تردد سے کام لو ولا **تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء ھم البینات** (۲) عبادت تھکنے تک کرو جب تھک جاؤ تو آرام کر لیا کرو۔ **اقرء وا القران ما ائتلفت قلوبکم:** (۱) تھک جاؤ تو تلاوت بند کر دو (۲) قرآن پاک کے مسائل میں اگر بحث کر رہے ہو تو جب خطرہ ہو کہ اب یہ بحث انکار تک پہنچا دے گی تو بحث بند کر دو۔

قال ابو عبد اللہ سمع عبد الرحمٰن سلاماً: معلوم ہوا کہ ابھی جو روایت گزری ہے یہ متصل ہے۔

باب قول اللّٰه تعالیٰ وامرهم شوریٰ بینهم

غرض مشورہ کی ترغیب ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ مشورہ اور عزم اور توکل میں کیا ترتیب ہے؟

کتاب الرّد علی الجهمیّه وغیر هم التوحید

یہ تتمہ ہے کتاب الایمان کا تا کہ ابتداء اور انتہا ایک جیسی ہو جائے پھر التوحید کو منصوب پڑھا گیا ہے جو منصوب بنزع الخافض ہے ای فی التوحید کیونکہ جہمیہ توحید کے غلط معنی کرتے ہیں پھر یہ جہمیّہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہیں جو کوفہ میں رہتا تھا یہ انسان کو مجبور محض مانتا تھا۔ اس لئے جہمیہ کو جبریّہ بھی کہتے ہیں اور یہ اس کے بھی قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف نہیں ہو سکتے جو غیر اللہ میں ہیں مثلاً شئے حیّ' عالم' مرید۔ پھر جہم بن صوان شاگرد ہے جعد بن درہم کا جس نے سب سے پہلے قرآن پاک کو مخلوق کہا یہ زمانہ تھا ۱۲۰ھ سے کچھ اوپر کا اسی کا تابع جہم بن صفوان ہوا یہ دونوں قرآن پاک کے کلام اللہ ہونے کے منکر تھے پھر مبتد عین میں سے چار کو فتنہ میں بڑا شمار کیا گیا ہے گویا یہ رئیس المبتدعین ہیں (۱) جبریہ (۲) معتزلہ قدریہ (۳) روافض (۴) خوارج۔ پس اس کتاب میں امام بخاریؒ کچھ مسائل کلامیہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں حق تعالی کے اسماء اور صفات اور شیون کا ذکر ہوگا پھر معنی توحید میں تعبیر کے درجہ میں اہل حق کے چند قول ہیں مقصد میں فرق نہیں ہے (۱) حق تعالیٰ کی ذات ثابت ہے موجود ہے معبود ہے لیس کمثلہ شئی (۲) التوحید اثبات ذات غیر مشتبہ بالذوات ولا معطلۃ عن الصفات (۳) التوحید افراد القدیم من الحدث۔ پس مکلف کے ذمہ سب سے پہلے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا جاننا ہے پھر ارسال رسل کی طرف متوجہ ہونا ہے پھر مکلف ہونے کا خیال کرنا ہے پھر ارکان شریعت کو جاننا ہے پھر عمل کا اہتمام کرنا ہے ان سب چیزوں پر جو اس کو لازم ہیں پھر دنیا میں توحید سے متعلق موٹے موٹے مذاہب یہ ہیں۔ (۱) اہل حق کا مسلک کہ حق تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک لہٗ ہے (۲) مجوسی دو خالق مانتے ہیں۔ خالق خیر کو یزداں اور خالق شر کو اہر من کہتے ہیں (۳) عیسائی تین خدا مانتے ہیں (۱) اللہ تعالیٰ (۲) عیسیٰ علیہ السلام (۳) حضرت جبرائیل علیہ السلام۔

بعض عیسائی حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جگہ حضرت مریمؑ کو مانتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں عدمی۔ وجودی۔ عدمی میں نقائص کی نفی ہوتی ہے ان کو صفات جلالی کہتے ہیں کیونکہ ان کو یوں بیان کیا جاتا ہے جلّ عن کذا وجل عن کذا اور دوسری قسم وجودی صفات کو جمالی اور اکرام کہتے ہیں اس میں اثبات کمالات ہوتا ہے۔ توحید دونوں قسموں کے لئے جامع ہے کیونکہ اس میں وحدت کا اثبات ہے اور شرک کی نفی ہے اسی لئے امام بخاریؒ نے توحید کو مقدم کیا ہے پھر چار بڑے فرقوں کے بعد چند اور فرقوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے (۱) مرجئہ تصدیق کو لیتے ہیں اعمال کی ضرورت بالکل نہیں سمجھتے (۲) جہمیہ کا ذکر ہو چکا یہ مرجئہ ہی کا ایک فرقہ ہے ۳۔ کرامیہ۔ یہ ایمان کے لئے اقرار کو کافی سمجھتے ہیں یہ بھی مرجئہ ہی کا ایک فرقہ شمار کیا جاتا ہے' مرجئہ اور کرامیہ کا ذکر الخیر الجاری جلد اول کی کتاب الایمان میں ہو چکا ہے (۴) مجسمہ یہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو ایک جسم مانتے ہیں اس لئے اسلام سے خارج شمار کئے گئے (۵) مجسمہ کی قسم ثانی۔ بعض مجسمہ کہلانے والے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو جسم تو مانتے ہیں لیکن عام جسموں سے الگ خاص قسم کا جسم مانتے ہیں اس لئے ان کو مبتدعین میں شمار کیا ہے کفار میں شمار نہیں کیا گیا (۶) مشبہہ یہ مجسمہ ہی کا دوسرا نام ہے (۷) حشویہ۔ بفتح الشین' متشابہات کو اپنے ظاہر پر رکھنے والے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا تھا ردّوا ھؤلا الیٰ حشا الحلقۃ اس لئے ان کا نام حشویہ بفتح الشین ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ متشابہات کو صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے اس قول پر ان کی یہ بدعت ظاہر نہ ہوئی۔ (۸) حشویہ۔ بسکون الشین یہ مجسمہ کا ہی دوسرا نام ہے کیونکہ حشو جسم کو کہتے ہیں۔

باب ما جاء فی دعاء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم امته الیٰ توحید اللّٰه تعالیٰ

غرض یہ بتلانا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح توحید کی طرف بلاتے تھے امام حلیمیؒ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں پانچ چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (۱) وہ ذات موجود ہے (۲) یکتا ہے۔ (۳) نہ جوہر ہے نہ عرض ہے لیس کمثلہ شئی (۴) وہ ذات ہر چیز کی خالق ہے (۵) ہر چیز میں اس کا تصرف ہے پھر جتنے بھی اسماء ہیں وہ ان پانچ میں سے ایک یا دو یا زیادہ کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ **زادا سمٰعیل بن جعفر:** غرض یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری کے ماں شریک بھائی ہیں حضرت قتادہ بن نعمان۔ راوی حضرت اسماعیل نے عن ابی سعید عن قتادۃ بن نعمان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا ہے۔"

مجسمہ کے مذہب کی خرابیاں

(۱) جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی صفت

قرار دیتے ہیں مثلاً قرآن پاک میں ہے و نفخت فیه من روحی تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی صفت روح مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے روح بھی ثابت ہے (۲) بہت سی چیزوں کے متعلق جانتے ہیں کہ یہ متشابہات میں سے ہیں پھر بھی ان کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں یہ صریح تناقض ہے (۳) روایات ظنیہ سے بھی عقائد ثابت کرتے ہیں (۴) حدیث مشہور اور خبر واحد میں خلط کرتے ہیں (۵) حدیث مرفوع اور موقوف اور مقطوع میں خلط کرتے ہیں بعض الفاظ کی ایک موقعہ میں ایک تاویل کرتے ہیں دوسرے موقعہ پر انہی الفاظ کی تاویل نہیں کرتے (۷) احادیث کو حسی معنی پر محمول کرتے ہیں۔ لیس کمثله شئی:۔ آیت مبارکہ کے یہ کلمات مبالغہ پر محمول ہیں کیونکہ کاف اور مثل کے ایک ہی معنی ہیں حق تعالیٰ نے دونوں کو جمع فرمایا ہے بطور مبالغہ کے معنی یہی ہیں لیس مثله شئی۔

باب قول الله تعالیٰ قل ادعوا الله او ادعوا الرحمٰن

غرض اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات ہے۔ کیونکہ اسماء کا اطلاق صفات پر ہوتا ہے اور حق تعالیٰ نے اپنے ذاتی نام اللہ کو مقدم ذکر فرمایا کیونکہ یہ اسم اعظم ہے جب کہ خاص توجہ اور اخلاص اور محبت اور خوف اور امید اور شکر اور صبر اور توکل اور رضا بر قضا وغیرہ کے ساتھ پڑھا جائے اور معتزلہ نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات نہیں ہیں وہی ہیں لذاتہ عالم ہیں لذاتہ قادر ہیں لذاتہ۔ ان کو شبہ اس لئے لگا کہ انہوں نے سوچا کہ صفات اگر قدیم مانیں تو تعدد قدماء لازم آئے گا اور اگر حادث مانیں تو اللہ تعالیٰ محل حوادث ہو جائیں گے۔ اور یہ دونوں لازم باطل ہیں جواب (۱) باطل صرف تعدد ذوات قدیمہ ہے ایک ذات اور کئی صفات اگر قدیم ہوں تو کچھ حرج نہیں (۲) نفی صفات حقیقت میں حق تعالیٰ کے صانع ہونے کی نفی ہے کیونکہ جب علم نہیں قدرت نہیں تو صانع کیسے ہوں گے؟ (۳) معتزلہ کا قول صریح آیات کے خلاف ہے مثلاً ان الله هو الرزاق ذو القوة المتين۔ ولله العزة ولرسوله۔ ولا يحيطون بشئی من علمه۔

باب قول الله تعالیٰ ان الله هو الرزاق ذو القوة المتين

باب کی غرض میں دو تقریریں ہیں (۱) ثابت کرنا مقصود ہے صفت قوت کا اور صفت ترزیق کا عالم کا ہر ذرہ ترزیق کا محتاج ہے۔ پھر رزاق کے معنی کیا ہیں (۱) ایک رزق کے بعد دوسرا رزق دینے والا (۲) رزق کی کفالت کرنے والا۔ پھر قوۃ کے معنی ہیں (۱) قدرت (۲) کمال قدرت پھر متین کے معنی ہیں (۱) قوی (۲) ایسا قوی کہ اس کی قدرت کو توڑا نہ جا سکے اور اس کے غیر کی قدرت کو توڑا جا سکے (۲) باب کی غرض میں دوسری تقریر یہ ہے کہ امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حلال اور حرام دونوں کے رازق اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

باب قول الله تعالیٰ عالم الغيب فلا يظهر علی غيبه احدًا

غرض حق تعالیٰ کی صفت علم غیب کا ثابت کرنا ہے یعنی وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہیں ان کا علم قدیم ہے ہر شے سے حقیقۃً متعلق ہوتا ہے پس اس باب میں ردّ ہے معتزلہ پر جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم ہیں بلا علم اور ردّ ہے جہم بن صفوان اور ہشام بن حکم پر جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے اور رد ہے فلاسفہ پر جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کلیات کو جانتے ہیں جزئیات کو نہیں جانتے۔ پھر عالم کے معنی ہیں مدرک الا شياء علیٰ ما هی عليه اور علّام کے معنی ہیں العالم باصناف المعلومات الموجودة والآتية فی الا ستقبال۔ پھر دلیل عقلی حق تعالیٰ کے علم پر یہ ہے کہ یہ نظام عالم احسن ترتیب پر اور حکمت متقنہ کے مطابق غیر عالم سے کیسے صادر ہو سکتا ہے۔ ایک اچھا خط اچھی ترتیب پر ایسی ذات سے کیسے صادر ہو سکتا ہے جس کو کتابت نہ آتی ہو پھر علیم کے معنی ہیں من يعلم جميع المعلومات اور خبیر کے معنی ہیں من يعلم قبل الوقوع۔ والشهيد من يعلم الغائب كما يعلم الحاضر والمحصی من لا يشغله الكثرة عن العلم والحسيب (۱) هو المحصی (۲) هو من يعلم بلا حساب الا جزاء والمقادير التی يعلم العباد امثالها با لحساب (۳) هو بمعنی الكافی كما يقال احسبنی ای اعطانی حتی قلت حسبنی۔

باب قول الله تعالیٰ السلام المؤمن

غرض میں دو قول ہیں (۱) حق تعالیٰ کے اسماء میں سے یہ دو بھی ہیں پھر معنی السلام کے (۱) عیبوں سے پاک (۲) سلامتی دینے والا حق کو اور اہل حق کو اور معنی مؤمن کے (۱) اپنی مخلوق کو اپنے ظلم سے امن دیا اور بندوں کو امن دیا وعدہ کے مطابق امیدیں اور خیالات پورے نہ ہونے سے (۲) انبیاء علیہم السلام کی تصدیق فرماتے ہیں معجزات پیدا فرما کر (۳) جب وعدہ فرماتے ہیں تو اپنے آپ کو سچا کر دکھاتے ہیں۔ (۲) غرض میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس باب میں سورۃ حشر میں بیان کئے گئے تمام اسماء کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ ملک الناس

باب کی غرض ملک یعنی بادشاہی کی صفت کا اثبات ہے پھر اس کے معنی کیا ہیں (۱) غنیٰ ذاتی (۲) پورے عالم میں تصرف جس ذات نے عالم کو عدم سے وجود میں نکالا وہی اس عالم میں تصرف کا حقدار ہے۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ وھو العزیز الحکیم

غرض حق تعالیٰ کے لئے صفت عزت اور حکمت کا بیان ہے پھر عزت کے معنی قوت کے ہیں پھر اس لفظ کے اشتقاق میں مختلف قول ہیں (۱) عز الشیٔ اذا تعذر وجودہ عند الطلب اور حق تعالیٰ کی نہ نظیر ہے نہ مثل ہے (۲) عز بمعنی غلب۔ وعزّ نی فی الخطاب ای غلبنی (۳) عزۃ بمعنی شدّت وقوت فعززنا بثالث اور حکیم کے معنی ہیں الذی لا یقول ولا یفعل الا الصواب حتی یضع فیھا رب العلمین قدمہ یہ حدیث پاک اپنے ظاہر پر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ٹکڑوں سے پاک ہیں اور کسی صفت کا قدم بھی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں صفت کے قدم کو دوزخ میں رکھ دیا اس لئے اس قدم رکھنے کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ (۱) جہنم کو ذلیل کر دینا اور مسخر کر دینا مراد ہے (۲) یہ کنایہ صفت جلال سے ہے جیسے کہا جاتا ہے وضعت الشئی تحت قدمی (۳) کنایہ ہے اعراض سے جیسے فتح مکہ کے موقعہ پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل دم کان لی فی الجاھلیۃ قد جعلۃ تحت قدمی ای اعرضتُ عنھا (۴) یہ کنایہ ہے جہنم کو ڈانٹنے سے اور اس کی تیزی ختم کرنے سے جیسے کوئی شخص کسی چیز کو باطل کرنا چاہے اور کہے جعلتہ تحت رجلی۔ سوال قدم کی تاویل کی گئی ید اور وجہ کی تاویل کیوں نہ کی گئی۔ جواب جو چیز قرآن پاک سے یا خبر متواتر سے ثابت ہو اس کو تو متشابہات میں سے شمار کر لیا جاتا ہے اور جو چیز خبر واحد سے ثابت جیسے یہ لفظ قدم تو اس کی تاویل کی جاتی ہے تا کہ قوی نصوص کے مطابق ہو جائے اور رجل کا لفظ قدم کی جگہ یہ روایت بالمعنی ہے اور ارشاد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اللھم اشدد وطأتک علیٰ مضر۔ اس کے معنی ہیں آپ اپنی قدرت کے آثار ظاہر فرمائے ان پر۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض بالحق

غرض اس آیت کی تفسیر ہے (۱) بالحق ای بکلمۃ کن (۲) پیدا فرمایا حکمت کے ساتھ بے کار نہ بنایا جیسے ارشاد ہے ربنا ما خلقت ھذا باطلاً

باب قول اللہ تعالیٰ وکان اللہ سمیعا بصیراً

غرض یہ بتلانا ہے کہ حق تعالیٰ بغیر کسی کان اور آنکھ کے سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں اور اس میں ردّ ہے معتزلہ کا وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا دیکھنا سننا صرف علم کے معنی میں ہے یہ غلط ہے کیونکہ علم میں اور سمع و بصر میں فرق ہے کیونکہ علم کا تعلق تو معدوم سے بھی ہوتا ہے اور سمع و بصر کا تعلق صرف موجود ہوتا ہے اس لئے حق تعالیٰ کے تینوں انکشاف ثابت ہیں علم اور سمع اور بصر گو ہم ان کی کنہہ کو نہیں جانتے اور ان تینوں کا ثبوت نصوص صریحہ سے ہے پھر جو بعض روایات میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کان اور آنکھ کی طرف اشارہ فرمایا تو محض اثبات سمع و بصر ہے یہ مطلب نہیں ہے نعوذ باللہ کہ حق تعالیٰ دیکھنے اور سننے میں کسی عضو کے محتاج ہیں تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرًا اور بخاری شریف میں مرفوعاً حضرت ابو ہریرہ سے جو وارد ہے ما اذن اللہ لشئی ما اذن لنبی یتغنی بالقران تو اس کے معنی صرف زیادہ ثواب اور اکرام قاری کے ہیں پھر نظر کا لفظ تو کبھی امتحان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون اور کبھی شفقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم ولا یغفر الذنوب الا انت یہی محل ترجمہ ہے کیونکہ بعض گناہوں کا تعلق سننے سے ہوتا ہے اور بعض کا دیکھنے سے ہوتا ہے۔ ان اللہ قد سمع قول قومک: یہ محل ترجمہ ہے اور یہ ندا طائف سے واپسی پر آئی۔

باب قول اللہ تعالیٰ قل ھو القادر

صرف قدرت کا اثبات مقصود ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت ذاتی ہے اور باقی سب کی عطائی ہے۔

باب مقلب القلوب

حق تعالیٰ کی صفت مقلب القلوب کا بیان کرنا مقصود ہے۔

باب ان للہ مائۃ اسم الا واحدًا

غرض رد ہے ان لوگوں کا جو صفات کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اسماء صفات ہی ہیں پھر یہ ۹۹۔ کا عدد زائد کی نفی کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ یہ زیادہ مشہور ہیں من احصاھا دخل الجنۃ (۱) حفظ کرے ایمان کے ساتھ (۲) اعتقاد رکھے ان صفات کا (۳) ان صفات کے مقتضیٰ پر عمل کرے جیسے رحمٰن کی وجہ سے شفقت اختیار کرے۔

باب السوال باسماء اللہ تعالیٰ والا ستعاذۃ بھا

غرض جہمیہ پرردہے جنہوں نے یہ کہہ دیا کہ اسماء اللہ مخلوق ہیں کیونکہ اسم غیر مسمیٰ ہوتا ہے رڈیوں فرمایا کہ مخلوق سے تو سوال نہیں ہوتا اور احادیث سے سوال ثابت ہے پھر اسماء توقیفی ہیں کیونکہ سقاھم ربھم شراباً طھوراً تو قرآن پاک میں ہے لیکن ساقی کا لفظ حق تعالیٰ پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

باب ما یذکر فی الذات والنعوت واسامی اللہ تعالیٰ

غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر ذات اور نعت کا اطلاق صحیح ہے کیونکہ حضرت خبیبؓ نے ذات کا لفظ اطلاق فرمایا اور ظاہر یہی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ لفظ پہنچے ہیں اور انکار نہیں فرمایا بعض حضرات نے ذات کے لفظ کے اطلاق میں تردّد کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ یہ ذوا کی مؤنث ہے ایسے ہی نعت کا لفظ زیادہ تر زیور کی صفات پر آتا ہے لیکن چونکہ ذات کا لفظ شئی کے معنی میں مشہور ہے اور نعت صفت کے معنی میں مشہور ہے اس لئے امام بخاریؒ نے دونوں لفظوں کا اطلاق حق تعالیٰ کی ذات وصفات پر جائز قرار دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نعت کا لفظ ذات اور صفت کے درمیان بولا جاتا ہے کیونکہ ذات کی تعیین اور تعریف کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں ذات سے زائد معنی نہیں ہوتے۔

باب قول اللہ عزوجل ویحذرکم اللہ نفسه

غرض یہ ہے کہ نفس کا لفظ بھی بمعنی ذات حق تعالیٰ پر بولا جاسکتا ہے۔ البتہ غیر اللہ میں نفس کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) جسم لہ روح (۲) جسم بلا روح (۳) خون (۴) روح اللہ یتوفی الا نفس حین موتھا۔ (۵) عقل (۶) انفراد۔ من ذکر نی فی نفسه ذکرته فی نفسی ما من احد اغیر من اللہ سوال ''اس حدیث میں تو لفظ نفس کا نہیں ہے۔ پھر یہ اس باب میں کیوں لائے؟ جواب: امام بخاریؒ کے نزدیک احد اور نفس مترادف المعنی ہیں پھر متشابہات جو صفات میں ہیں ان کے متعلق چار اہم مذاہب ہیں (۱) و ما یعلم تا ویله الا اللہ پر وقف کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ان کے معنی جانتے ہیں اور یہی مذہب ائمہ اربعہ کا اور سلف صالحین کا ہے (۲) اکثر متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ مجاز اور ظنی معنی کر لینے کی گنجائش ہے اس یقین کے بغیر کہ یہ مراد اللہ ہو کیونکہ یہ معنی صرف احتمال کے درجہ میں ہیں (۳) مشبہ اور مجسمہ اور ان ہی میں سے حشویہ اور کرامیہ بھی ہیں جنہوں نے حق تعالیٰ کے لئے اعضاء بھی ثابت کئے ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیراً۔ (۴) ان کی ضد جہمیہ ہیں جو جہم بن صفوان کے متبع ہیں انہوں نے صفات کا انکار ہی کر دیا۔ اسی لئے ان کا لقب معطلا بھی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جہم نے تو نفی تشبیہ میں مبالغہ کیا حتیٰ کہ کہہ دیا کہ ان اللہ لیس بشیٔ۔ امام صاحبؒ کی کلام ختم ہوئی۔ جہم نے تو اللہ تعالیٰ کے علم کو بھی حادث کہہ دیا حق تعالیٰ کی صفات میں شئی اور حی اور عالم اور مرید ہونے کی بھی نفی کر دی۔

باب قول اللہ عزوجل کل شیٔ ھالک الا وجھه

غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے وجہ بمعنی ذات ثابت ہے لیکن حق تعالیٰ اعضاء سے اور مخلوق جیسے چہروں سے پاک ہیں۔ لیس کمثله شیٔ.

باب قول اللہ : ولتصنع علیٰ عینی:.

غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے ان کی شان کے مناسب عین ثابت ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ ھو الخالق الباری المصوّر

غرض ان صفات کا اثبات ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں خلق کے معنی یہ ہیں کہ پہلے مقدر فرماتے ہیں اس کو تقدیر کہتے ہیں پھر عدم سے وجود میں لاتے ہیں اس کو برء کہتے ہیں پھر اس پیدا کرنے کو عمدہ فرماتے ہیں جس کو تصویر اور تصویہ کہتے ہیں۔

آج کل کی اصطلاح میں فنشنگ ٹچ یعنی آخری اصلاح کہتے ہیں۔

باب قول اللہ عز و جل :لما خلقت بیدیّ

غرض حق تعالیٰ کے لئے یدین کا اثبات ہے جیسا ان کی شان کے مناسب ہے پھر باقی متشابہات کی طرح متقدمین کے نزدیک لا یعلم تاویله الا اللہ اور متاخرین کے نزدیک بمعنی قدرت ہے! پھر تثنیہ کیوں ہے (۱) تاکیداً (۲) نعم ظاہرہ وباطنہ کے لحاظ سے (۳) نعم دنیویہ واخرویہ کے لحاظ سے (۴) معنی ظاہری وباطنی کے لحاظ سے جس کو ظہور وبطون کہتے ہیں۔ (۵) ما یعطی للاکرام وما یعطی للا ستدراج کے لحاظ سے (۶) جمال وجلال کے لحاظ سے (۷) لطف وقہر کے لحاظ سے (۸) قدرۃ مع الا صطفاء کے لحاظ سے کیونکہ نفس قدرت تو ساری مخلوق کو شامل ہے اس میں

آدم علیہ السلام بھی ہیں اور ابلیس بھی ہے جیسے قدم میں قدرت مع الاذلال ہے۔**فانه اول رسول بعثه الله الیٰ اهل الارض:** (۱) ان سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام بھی نبی تھے رسول نہ تھے اس لئے حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے (۲) حضرت آدم علیہ السلام بھی رسول تھے لیکن الی المؤمنین تھے اور حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول الی الکفار تھے۔**ملاٰی:** زیادہ نعمتوں والا۔ **سحّاء:** بہنے والا۔**ان الله یقبض یوم القیامة الا رض:** یعنی حق تعالیٰ کی قدرت جمیع مخلوقات پر ظاہر ہوگی (۲) وہ قادر ہیں سب مخلوق کو فناء کرنے پر قادر ہیں پس فناء ظاہر ہوگی سب مخلوقات پر قیامت کے دن (۳) آسمان کی ذات باقی رہے گی اور زمین کی بھی ذات باقی رہے گی لیکن ان دونوں کے آثار ختم ہو جائیں گے اور صرف حق تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوگی۔**وتکون السمٰوٰت بیمینه:** (۱) ای فی ملکہ جیسے ارشاد ہے او ما ملکت ایمانکم (۲) فی قوتہ جیسے ارشاد ہے لا خذ نا منه بالیمین (۳) یہاں یمین بمعنی قسم ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قسم پوری فرمادیں گے کہ فناء کریں گے پھر پیدا کریں گے پھر مسلم میں ہے عن ابن عمر مرفوعاً ثم یطوی الارض ثم یا خذ هن بشماله اسکی مختلف توجیہات ہیں (۱) شمال کا لفظ ضعیف ہے (۲) روایت بالمعنی ہے (۳) اشارہ ہے زمین کے ضعف کی طرف بنسبت آسمان کے پھر ترمذی اور طبرانی اور ابن حبان میں ہے عن ابی امامة مرفوعاً کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ ستر ہزار کو میری امت میں سے بلا حساب و بلا عذاب جنت میں داخل فرمائیں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ پھر فرمایا ثلث حثیات من حثیات ربی تو اس کے معنی ہیں عطاء عظیم پھر ایک حدیث پاک میں ہے ان الله یمسک السمٰوٰت علیٰ اصبع والا رضین علیٰ اصبع اس کے معنی ہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ پر آسان ہو گا۔ اور ایک اور حدیث میں آیا ہے ان قلوب بنی اٰدم بین اصبعین من اصابع الرّحمٰن یقلبها کیف یشآء۔ اس کے معنی کیا ہیں (۱) آسانی سے (۲) ظاہری اور باطنی نعمتوں کے درمیان دل ہیں (۳) توفیق اور ترک توفیق کے درمیان دل ہیں (۴) انعام سے خوش کرتے ہیں یا امتحان پر اجر دیتے ہیں" پھر ایک حدیث میں ہے الصدقة تقع فی کف الرحمٰن اس کے معنی ہیں (۱) زیادہ اہتمام سے قبول فرماتے ہیں (۲) فی ملکہ (۳) فی قدرتہ۔ پھر ترمذی میں ہے عن ابن عباس و معاذ مرفوعاً خواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ فوضع کفه بین کتفی حتی وجدت بردانامله فی صدری فتجلّی لی ما بین السماء والا رض۔ اس کے معنی ہیں کمال لطف و عنایت پھر مسند احمد میں ہے عن انس مرفوعاً فی قوله تعالیٰ فلما تجلّی ربه للجبل قال قال هٰکذا یعنی انه اخرج طرف الخنصر اس کی توجیہ۔ (۱) یہ حدیث ہی ضعیف ہے (۲) تھوڑی سی نشانی ظاہر فرمائی پھر مسند ابی یعلی میں ہے کہ عن عبد الله بن عمرو موقوفاً خلق الله الملئکة من نورالذراعین والصدر اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث نہایت منکر ہے۔ پھر ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوالاحوص الجعمی سے ساعد الله اشد من ساعدک یہ حدیث بھی مرفوع ہے اس کے معنی قوت کے ہیں۔

باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لا شخص اغیر من الله :.

غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر شخص کا اور غیرت کا اطلاق بھی جائز ہے پھر شخص کے اصل معنی ہیں ماله الشخوص والا رتفاع اور غیرت کے معنی ہیں تغیر القلب و هیجان النفس والغضب بسبب المشارکة فیما به الا ختصاص ۔ لیکن حق تعالیٰ کی ذات میں غیرت کے معنی زیادہ کراہت کے ہیں باقی رہا لفظ شخص تو ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے شخص بمعنی احد لیا ہے کیونکہ روایت احد کی لائے ہیں شخص کی نہیں لائے البتہ ایک روایت میں یہ لفظ بھی مرفوعاً آیا ہے لا شخص احب للغیرة من الله عزوجل اس کے معنی کیا ہیں (۱) لا احد (۲) لاشئی (۳) لاموجود۔ (۴) روایت بالمعنیٰ ہے (۵) سننے میں غلطی لگی شئی کی جگہ کسی راوی نے شخص سمجھ لیا۔

باب قل ای شئي اکبر شهادة من الله :.

غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر شئی کا اطلاق صحیح ہے۔

باب و کان عرشه علی الماء وهو رب العرش العظیم

اس باب کی دو غرضیں ہیں (۱) حق تعالیٰ کے لئے استواء علی العرش ثابت ہے جیسا بھی آقا کی شان کے مناسب ہے جیسے قہر تدبیر ارتفاع درجہ۔ پھر ظاہری معنی ہرگز مناسب نہیں کیونکہ (۱) ان سے لازم آتا ہے کہ فرشتے جو حاملین عرش ہیں حاملین ما علی العرش ہیں وہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کے محافظ بن جائیں حالانکہ حق تعالیٰ سب چیزوں کے محافظ ہیں۔ گویا قلب موضوع لازم آتا ہے (۲) حق تعالیٰ غنی علی الاطلاق ہیں یعنی ہر چیز سے غنی ہیں اس لئے وہ مکان سے بھی غنی ہیں جہت سے بھی غنی ہیں اور اگر

عرش پر بیٹھے ہوئے مانے جائیں تو مکان کے بھی محتاج اور جہت کے بھی محتاج بن جائیں گے تعالیٰ اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا (۳) حق تعالیٰ تھے اور کوئی چیز نہ تھی کان ولم یکن معہ شئی پھر عرش پیدا فرما کر عرش کے محتاج کیسے بن گئے (۴) اگر نعوذ باللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہوں اور فرشتوں نے اٹھایا ہو تو محمول ہونے کے ساتھ ساتھ محصور ہو جائیں گے اٹھانے والے فرشتوں سے اصغر اور اضعف ہو جائیں گے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا۔ (۵) جو چیز کسی مکان میں ہوتی ہے وہ متناہی ہوتی ہے اور ذی جہة ہوتی ہے اور حق تعالیٰ ایسا ہونے سے پاک ہے۔

ربط:. پھر یہ باب اگلے باب کی تمہید ہے جس میں حق تعالیٰ کی بلندی اور عظمت کا ذکر ہے۔

باب سے غرض ثانی

یہ ہے کہ عرش مخلوق ہے کیونکہ باب میں ہے **وھو رب العرش العظیم** معلوم ہوا کہ عرش مربوب ہے اور مربوب مخلوق ہوتا ہے۔ اس میں رد ہے اس شخص پر جو اس طرف گیا ہے کہ عرش قدیم ہے۔

مسئلہ استواء میں مسالک:. (۱) مجسمہ اور مشبہ نے کہہ دیا کہ استواء سے مراد قعود ہے جیسے مخلوق بیٹھتی ہے اس کی خرابیاں ابھی گزر چکیں (۲) حشویہ جو بظاہر اپنے آپ کو محدثین کی ایک جماعت شمار کرتے ہیں اور آیات و احادیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہیں اس لئے تجسیم میں واقع ہو جاتے ہیں انہوں نے کہہ دیا کہ استقرار علی العرش ثابت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفت بلا کیفیت ہے۔ ایسے ہی ید اور قدم بھی ذاتی صفتیں ہیں لیکن ان کے معنی سمجھ میں نہیں آتے **لا یعقل معنا ھما**۔ انہی کی کلام کے قریب قریب ابن تیمیہ اور ابن الجوزی کی کلام ہے ان کے رد کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے کلام میں تناقض ہے کیونکہ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ ہم نصوص کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں **نجری الا مر علیٰ الظاھر** اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ **لا یعقل معناھا**۔ (۳) معتزلہ نے کہہ دیا کہ استواء بمعنی قہر ہے یا بمعنی تدبیر ہے اس تاویل کو بہت سے متکلمین اور امام غزالیؒ بھی اچھا شمار کیا ہے یعنی یہ ظنی معنی اور احتمالی معنی ہو سکتے ہیں ان کو یقینی معنی نہیں کہا جا سکتا۔ (۴) اھل السنة والجماعة نے فرما دیا کہ حق تعالیٰ اس سے پاک ہیں کہ کسی جگہ بیٹھیں اور کوئی چیز حق تعالیٰ کو اٹھائے **ھو منزہ عن محل یحلہ او مکان یقلہ لا یشبہ شیئاً ولا یشبھہ شئ**. نہ وہ کسی چیز کے مشابہ ہیں نہ کوئی چیز ان کے مشابہ ہے اور عدم مشابہت اجماعی مسئلہ ہے ائمہ اربعہ اور سب متقدمین نے تفویض کو لیا ہے اور متاخرین نے تاویل کو لیا ہے۔ مشہور یہی ہے لیکن امام الحرمین نے یہاں سلف صالحین کا اجماع تفویض پر نقل فرمایا ہے کیونکہ اولاً اگر ظاہر پر رکھا جائے تو حق تعالیٰ اگر عرش سے چھوٹے ہوں تو یہ عیب ہے برابر یا زائد ہوں تو مقدار اور تقسیم لازم آتی ہے جو کہ اجسام سے خاص ہے۔ ثانیاً ظاہر پر رکھنا اس آیت کے خلاف ہے **وھو معکم اینما کنتم** تو دونوں نصوں میں سے ایک کو ظاہر سے ہٹانا پڑے گا۔ (۵) اہل السنة والجماعة متاخرین نے فرمایا کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ ظنی تاویلات ہیں یقینی معنی نہیں ہیں اور وہ ظنی تاویلات بھی ایسی ہیں کہ جو اس تنزیہ کے موافق ہیں جو عقلاً نقلاً ثابت ہیں۔

متاخرین حضرات کی تاویلات

(۱) استویٰ علی العرش کے وہی معنی ہیں جو **وھو العلی الکبیر** کے ہیں کہ وہ عرش سے بڑے اور بلند ہیں (۲) ارتفع عن العرش ای وصفاً وجلالاً کہ وہ اس سے پاک ہیں کہ عرش ان کی صفت ہو (۳) استواء ایک فعل ہے جو حق تعالیٰ نے عرش میں پیدا فرمایا ہے جیسے کہ ارشاد ہے **فاتی اللہ بنیانھم من القواعد فخر علیھم السقف من فوقھم** اس معنی کی تائید ثم کے لفظ سے ہوتی ہے (۴) محاورہ ہے ثل عرش الملک نقصان والا ہوا بادشاہ کا تخت یعنی مملکت میں نقصان آ گیا اور استوی الملک علیٰ عرشہ کے معنی ہوتے ہیں سلطنت ٹھیک ہو گئی چنانچہ سورۃ یونس میں ہے **ثم استویٰ علی العرش یدبر الامر**۔ یہ یدبر الا مر اسی استواء کی تفسیر ہے (۵) استتم خلقہ علی العرش یعنی عرش سے اوپر مخلوق میں سے کوئی چیز نہیں ہے اسی لئے قرآن پاک میں چھ جگہ استواء کا ذکر زمین و آسمان کے خلق کے بعد ہے اور کل سات جگہ استواء کا ذکر ہے۔ پس یہ بتلانا مقصود ہے کہ عرش سے بڑی ہم نے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی (۶) **اقبل علی خلق العرش** جیسے ارشاد ہے **ثم استویٰ الی السماء ای قصد الیٰ خلقھا** (۷) بمعنی غلبہ جیسا کہ معتزلہ سے منقول ہے اور اس کو بہت سے متکلمین نے پسند کیا ہے پھر پہلے معنی اور ساتویں معنی میں یہ فرق ہے کہ پہلے معنی کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ عرش سے بلند ہیں۔ اور ساتویں معنی کا مطلب ہے کہ حق تعالیٰ کا غلبہ عرش پر ظاہر ہوا۔

کان اللہ ولم یکن شئ قبلہ:. بخاری شریف کی حدیثوں میں

تین قسم کے الفاظ آتے ہیں (۱) ولم یکن شئی قبلہ (۲) ولم یکن شئی معہ (۳) ولم یکن شئی غیرہ۔ اس لئے ابن تیمیہؒ کی خطا ظاہر ہوگئی جس نے کہہ دیا کہ یہ عالم قدیم بالنوع ہے اور یہ قول ان کا فلاسفہ کے اتباع میں ہے اور بالکل باطل ہے کیونکہ یہ قول حشر کی نفی کرتا ہے کیونکہ جب اجسام غیر متناہی ہیں تو پھر وہ مکان متناہی حشر میں کیسے آ سکتے ہیں۔ **فاذا السراب ینقطع دونھا:** یعنی اونٹنی بہت دور چلی گئی اس تک پہنچنے کے لئے سراب کو طے کرنا ضروری تھا۔ **کتب عندہ:** غرض یہ ہے کہ یہ کتابت بہت فضیلت والی ہے۔ **فیوذن لھا:** اس اجازت ملنے کی تفصیل کتاب بدر الخلق والی حدیث میں ہے اس میں ہے کہ سورج تحت العرش سجدہ کرتا ہے اسی مناسبت سے اس حدیث کو یہاں لائے کہ اس کے دوسرے طریق میں تحت العرش مذکور ہے۔ **حتی خاتمۃ براءۃ:** اور سورہ برائۃ کے اخیر میں عرش کا ذکر ہے اس مناسبت سے اس حدیث کو اس باب میں لائے۔ **الحلیم:** وہ ایسی ذات ہے کہ مخلوق کے گناہوں کی وجہ سے اپنے انعام بند نہیں کرتی۔ اس کے قریب کریم ہے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ بلا استحقاق دیتی ہے اور بعض روایات میں یہاں العظیم الحلیم ہے عظیم اس ذات کو کہتے ہیں کہ جس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ **من قوائم العرش:** یہ محل ترجمہ ہے اور قوائم کے لفظ سے فلاسفہ کی تردید بھی ہوگئی جو کہتے ہیں کہ عرش ایک کرہ کا نام ہے۔

باب قول الله تعالیٰ تعرج الملئکۃ الیہ

غرض حق تعالیٰ کے لئے فوقیت کا اثبات ہے بغیر ثابت کرنے جہت کے کہ وہ جہت سے پاک ہیں اور ان کے لئے معنوی فوقیت ہے اس باب میں جہمیہ اور مجسمہ کا ردّ ہے پھر اس آیت میں جو الیہ ہے اس کے معنی ہیں الیٰ مرادہ تعالیٰ اور وہ مراد تشریف ہے الیہ یصعد الکلم الطیب سے جہمیہ اور مجسمہ کا رد ہو گیا ہے کہ کلام تو تکلم کے بعد ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس کے صعود کے معنی صرف صعود معنوی ہے کہ قبول ہوتے ہیں ایسے ہی فرشتوں کا عروج بھی مقبول جگہ تک بلند ہونا ہے حق تعالیٰ کی بلندی بھی معنوی ہے اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک ہیں۔

باب قول الله تعالیٰ وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ

غرض حق تعالیٰ کی زیارت کا اثبات ہے بغیر جہت کے بغیر صورت کے بغیر مقابلہ کے اور بغیر مقدار ثابت کرنے کے صرف اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں میں قوت پیدا فرمائیں گے اور ہم اپنے آقا کی زیارت سے مشرف ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ **الموبق:** ہلاک کیا ہوا۔ **المخردل:** گرایا ہوا۔ **یتجلی:** اللہ تعالیٰ ظاہر ہوں گے۔ **قد امتحشوا:** جل چکے ہوں گے۔ **ینبتون تحتہ:** پانی کے نیچے سے اگ آئیں گے۔ **کما تنبت الحبۃ فی حمیل السیل:** جیسے سیلاب میں لایا ہوا دانہ جلدی اگ آتا ہے۔ **قد قشبنی ریحھا:** مجھے تکلیف پہنچائی ہے اور ہلاک کر دیا ہے اس کی بونے۔ **انفھقت لہ الجنۃ:** اس کو جنت وسیع نظر آئے گی۔ **الحبرۃ:** نعمت۔ **صحواً:** بادل سے خالی۔ **غبرات:** بچے ہوئے۔ **مدحضۃ:** پھسلنے کی جگہ اس کے بعد مزلۃ یہ صفت کاشفہ ہے اسی کی وضاحت ہے۔ **خطا طیف و کلالیب:** کنڈے اور کانٹے۔ **حسکۃ:** سخت کانٹا۔ **مفلطحۃ:** چوڑا۔ **عقیفاء:** مڑا ہوا۔ **مکلوس:** گرایا ہوا۔ **فی دارہ.** اس کے معنی ہیں فی جنتہ۔

باب ما جاء فی قول الله تعالیٰ ان رحمۃ الله قریب من المحسنین

غرض صفت رحمت کا اثبات ہے اجمال کے درجہ میں تو یہ صفت ہے ذات کی اور تفصیل کے درجہ میں کہ فلاں انعام دیا فلاں انعام دیا صفت فعل شمار کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ کے انعال ہیں اجمال کا مطلب یہ ہے کہ وہ اطاعت کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں اور ان سے ضرر دور فرماتے ہیں۔ **سفع:** لپٹ اور شعلہ۔

باب قول الله تعالیٰ ان الله یمسک السموٰت والارض ان تزولا

غرض (۱) ثابت کرنا ہے صفت امساک کا اور ابقاء کا (۲) دوسری غرض ثابت کرنا ہے صفت حلم کا کیونکہ اسی آیت کے اخیر میں ہے انہ کان حلیماً غفوراً (۳) تیسری غرض ثابت کرنا ہے مغفرۃ کا۔

باب ما جاء فی خلق السموٰت والارض وغیرھما من الخلائق

غرض صفت خلق وتکوین کا بیان ہے یعنی مبداء الاخراج من العدم الی الوجود۔

باب ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین

غرض ثابت کرنا ہے تقدیر کا جس کے معتزلہ منکر ہیں اور تمہید ہے صفت کلام کے اثبات کی۔

باب قول الله تعالیٰ انما قولنا لشئ اذا اردناہ

غرض (۱) صفت قدرت کا اثبات ہے جس کے جہمیہ منکر ہیں (۲)

معتزلہ پر رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی کلام کو مخلوق کہتے ہیں۔عقلاً بھی صفت کلام کا قدیم ہونا ضروری ہے ورنہ تسلسل لازم آئے گا۔کہ کلام کسی اور کلام کی محتاج اور وہ کسی اور کی وہ کسی اور کی لا الیٰ نھایۃ۔

باب قول الله تعالیٰ قل لو كان البحر مدادًا لكلمات ربي لنفد البحر قبل ان تنفد كلمٰت ربي

غرض رد ہے معتزلہ پر جو کہ اللہ تعالیٰ کی کلام کو مخلوق کہتے ہیں کیونکہ کلام اس آیت میں موصوف ہے نہ ختم ہونے کے ساتھ اگر کلام مخلوق ہوتی تو باقی مخلوق کی طرح ختم ہو جاتی۔

باب في المشية والارادة

غرض (۱) رد ہے جہمیہ پر جو صفت مشیت اور ارادہ کا انکار کرتے ہیں (۲) ردّ ہے معتزلہ پر جو افعال عباد کو مشیۃ عباد پر مبنی مانتے ہیں۔**نزلت في ابي طالب:.** اس کی تفصیل پیچھے سورۃ قصص کی تفسیر میں گزری ہے۔

باب يريد الله بكم اليسر و لا يريد بكم العسر

غرض صفت ارادہ کا اثبات ہے اور جہمیہ کا رد ہے کیونکہ وہ صفت ارادہ کا انکار کرتے ہیں۔**خامة الزرع :.** پنیری۔ **تكفئها:.** اس کے معنی تقلبها پھیرتی ہیں۔**الا رزة:.** یہ صنوبر کا درخت ہے جس کو سرو کا درخت کہتے ہیں۔**صمّا:.** اس کے معنی ہیں سخت۔**يقصمها:.** توڑتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ۔ **اذا شآء:.** یہ محل ترجمہ ہے۔**اوكان ممن استثنى الله:** اشارہ ہے اس آیت کی طرف فصعق من في السمٰوات و من في الا رض الا من شاء الله وكان من شانهما ما قص الله یہ محل ترجمہ ہے کیونکہ اس قصہ میں ستجدني ان شاء الله صابرًا بھی ہے۔

با ب قول الله تعالیٰ ولا تنفع الشفاعة الا لمن اذن له

امام بخاریؒ کی دو غرضیں ہیں (۱) ردّ معتزلہ وغیرہ کا جو کلام کو اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں مانتے (۲) کلام اللہ میں حروف واصوات بھی ہیں جیسا کہ حنابلہ قائل ہیں۔اس مسئلہ میں تین اہم قول ہیں (۱) معتزلہ' خوارج' مرجئہ' جہمیہ' نجاریہ اس کے قائل ہوئے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ انہوں نے کلام پیدا فرمائی لوح محفوظ میں اور لسان جبرئیل علیہ السلام میں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک میں اور دوسرے انسانوں کی زبانوں میں۔(۲) اہل حق کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں ایسی صفت کے ساتھ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن مخلوق کی کلام کی طرح نہیں ہے (۳) بعض نے صعوبتہ مقام کی وجہ سے توقف کر لیا۔پھر انبیاء علیہم السلام کا اجماع ہے کہ حق تعالیٰ متکلم ہیں اور یہ اجماع ان حضرات سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کیونکہ ان حضرات نے فرمایا کہ امر اللہ بکذا اونھی عن کذا۔پھر اہل حق کے نزدیک درجہ کلام نفسی کا یہ صفت ازلیّہ ہے اس کو ادا کیا جاتا ہے نظم کے ساتھ اور اس نظم کو کلام لفظی کہتے ہیں۔ دلیل اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں اور یہ اجماع انبیاء علیہم السلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ تکلم بغیر صفت کلام محال ہے پھر حنابلہ نے کہہ دیا کہ کلام جو مرکب ہے اصوات سے اور حروف سے وہ قدیم ہے یہ بداہت کے خلاف ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک قدیم کلام نفسی ہے وہ حروف واصوات کی جنس سے نہیں ہے سوال۔امر و نہی بلا مامور اور منہی سفاہت ہے۔ جواب: معنی یہ ہیں کہ وہ عمل کریگا جب موجود ہوگا اور عمل کا اہل ہوگا پس علم امر میں وجود مامور کافی ہے ایسے ہی مامور کی موت کے بعد بھی یہی درجہ کافی ہے۔سوال ازل میں ماضی تو جھوٹ ہے جواب ازل میں ماضی اور مستقبل نہیں ہے پھر قرآن مشترک ہے لفظی اور نفسی کے درمیان۔ نفسی قدیم ہے اور لفظی حادث ہے جمہور اہل حق کے نزدیک' پھر حنابلہ نے کہہ دیا کہ نقوش ومکتوب اور اصوات و الفاظ ملفوظہ اور جلد اور غلاف بھی قدیم ہیں۔پھر ملا علی قاری نے جو فقہ اکبر کی شرح میں امام صاحب اور صاحبین سے نقل فرمایا ہے کہ جو قرآن پاک کو مخلوق کہے وہ کافر ہے تو اس سے مراد کلام نفسی اور کفر سے مراد بھی کفران نعمت ہے اور بعضوں نے جو یہی کفر مرفوعاً نقل کیا ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور بعض حنابلہ کا غلاف وغیرہ کو قدیم کہنا خلاف بداہت ہے۔اشاعرہ اور معتزلہ کا اختلاف اس طرف لوٹتا ہے کہ ہم کلام نفسی کو ثابت کرتے ہیں وہ ثابت نہیں کرتے ورنہ۔نہ ہم الفاظ کو قدیم کہتے ہیں

نہ وہ کلام نفسی کو حادث کہتے ہیں۔ وہ متکلم ہونے کے معنی صرف خلق کلام فی محالھا کرتے ہیں اور وہ جو منزل ومکتوب ہونے کا ذکر کرتے ہیں یہ حنابلہ کے خلاف ہے ہمارے جمہور کے خلاف نہیں ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ قدیم نہیں ہے۔ پھر معتزلہ کا یہ توجیہ کرنا کہ متکلم کے معنی ہیں کہ وہ کلام کو پیدا کرتا ہے اپنے محل میں یہ سفاہت ہے کیونکہ متکلم وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ کلام قائم ہو نہ وہ کہ جو کلام پیدا کرے ورنہ پھر مخلوق کی سب صفات خالق کے لئے ثابت ہو جائیں گی پھر سب سے پہلے قرآن پاک کو مخلوق کہنا ہارون رشید کے زمانہ میں واقع ہوا پھر مامون رشید جو اعتزال کی طرف مائل تھے وہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس کا اعلان کر دیا ۲۱۲ھ میں اور امام احمد کو قید کر دیا کیونکہ وہ مخلوق ہونے کا اقرار نہ کرتے تھے پھر مامون کے بھائی معتصم باللہ نے امام احمد کو چالیس کے قریب کوڑے بھی مارے لیکن انہوں نے اقرار نہ کیا۔ پھر حنابلہ نے مدار مسئلہ کا اس پر رکھا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور مسموع اور مکتوب کو بھی صفت ہی کہہ دیتے ہیں اور قدیم مانتے ہیں معتزلہ کہتے ہیں کہ کلام تو حروف سے مرکب ہے اس لئے حادث ہے اشعریہ اور ماتریدیہ نے سب دلائل کو جمع کر لیا اور کہہ دیا کہ نفسی قدیم ہے اور لفظی حادث ہے کرامیہ نے حادث کو اللہ تعالیٰ کی صفت بننا صحیح کہہ دیا اور یہ باطل ہے کیونکہ محل حوادث تو خود حادث ہوتا ہے لیکن تحقیق حنابلہ کے مذہب کی یہ ہے کہ حروف اللہ ہمارے حروف کی طرح نہیں ہیں یہ صرف ہماری قرات میں ظاہر ہوتے ہیں پس قرات حادث ہے اور مقرو قدیم ہے پس حقیقت میں امام احمدؒ کا مذہب جمہور کے خلاف نہیں ہے قرات حادث ہے مقروّ قدیم ہے کتابت حادث ہے مکتوب قدیم ہے تصور ہمارا حادث ہے متصور قدیم ہے صرف بعض حنابلہ نے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ غلاف بھی اور جلد بھی قدیم ہے اصل مذہب امام احمد کا جمہور کے خلاف نہیں ہے **وسکن الصوت** معلوم ہوا کہ کلام اللہ میں صوت ہے۔ جواب یہ وہ صوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے کلام پر دلالت کے لئے۔ **ما اذن اللہ لشیٔ ما اذن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتغنّٰی بالقراٰن:.** جب سنتے ہیں تو کلام بھی فرماتے ہیں متکلم ہونا ثابت ہوا۔

باب کلام الرب مع جبریل ونداء اللہ الملئکتہ

یہ بھی ردّ ہے معتزلہ وغیرہ پر کہ کلام کا اللہ تعالیٰ کی صفت ہونا ثابت ہے اس میں لسان اور شفتین کی ضرورت نہیں ہے دوسری غرض اللہ تعالیٰ کے لئے حروف واصوات کا ثابت کرنا ہے کیونکہ تلقی لآدم اور تلقی القران بلا حروف واصوات نہیں ہے جواب جمہور کی طرف سے یہ ہے کہ یہ الفاظ کلام حقیقی پر دال ہیں۔ **فبشرنی:.** یہ تبشیر اللہ تعالیٰ کی خبر دینے سے ہے اس لئے کلام اللہ ثابت ہوگئی۔

باب قول اللہ تعالیٰ انزلہ بعلمہ

غرض کی تقریریں (۱) کلام اللہ مخلوق نہیں ہے اس کے باوجود یہ موصوف ہے انزال کے ساتھ بمعنی افہام (۲) کلام اللہ ایسے انزال کے ساتھ ہے جو ان کی شان کے مناسب ہے (۳) رد کرنا ہے معتزلہ پر کہ کلام اللہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں پیدا نہیں کی جاسکتی بلکہ اتاری جاتی ہے اللہ تعالیٰ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (۴) قرآن پاک پہلے دل پر نازل ہوتا تھا پھر زبان پر آتا تھا اگرچہ عام کلام پہلے کان پر آتی ہے پھر دل سمجھتا ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ یریدون ان یبدّلوا کلام اللہ

غرض (۱) معتزلہ کا رد ہے کہ صفت کلام ثابت ہے کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کی صفت کو بدل نہیں سکتا اور جب بندہ پڑھتا ہے تو مورد کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا وارد بندہ کا فعل ہے یہ تبدیل ہوسکتا ہے (۲) دوسری غرض یہ بھی ہے کہ قرآن پاک کے علاوہ بھی کلام اللہ ثابت ہے جیسے اس باب کی روایت میں ایسی کلام ہے جو قرآن پاک نہیں ہے **لم یبتئر اولم یبتئز** نیکی چھپا کر نہ رکھی خزانہ نہ بنائی شک راوی ہے یعنی میں کوئی بڑا بزرگ نہیں ہوں۔ **فاسحقو نی اوقال فاسحکونی:.** شک راوی دونوں کے معنی رگڑ دینا ہے۔ **فما تلافاہ ان رحمہ:.** (۱) الذی تلافاہ ھی الرحمۃ (۲) ما تلافاہ الا الرحمۃ پس الا محذوف ہے (۳) ما تلافاہ عدم الابتئار لاجل الرحمۃ یعنی خزانہ نہ بنانے پر بھی عذاب نہ دیا اپنی رحمت عظیمہ کی وجہ سے۔ اے اللہ مجھے بھی

اپنی اسی رحمت عظیمہ کی وجہ سے بلا ابتار ہی بخش دیجئے آمین۔ **عندھا:** . ضمیر تو لوٹتی ہے خصلت ابتار کی طرف لیکن عدم مضاف محذوف ہے ای عندعدم الابتار اگرچہ نیکی کا خزانہ نہیں بنایا لیکن پھر بھی اپنی رحمت عظیمہ کی وجہ سے بخش دیا۔

باب کلام الرب عزوجل یوم القیامة مع الانبیاء وغیرھم

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرمائیں گے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پھر تعدد ابواب کا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ مختلف مواضع میں کلام اللہ واقع ہوتی ہے۔ **شفعت:** . میری شفاعت قبول کی جائے گی یہاں اختصار ہے حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ کی شفاعت قبول کی گئی اس لئے یہ محل ترجمہ ہے۔ **انظر الیٰ اصابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:** . انگلیوں سے حقیر ہونے کی طرف اشارہ فرمارہے تھے۔ **ماج الناس:** . یہ لیا گیا ہے۔ ماج البحر سے کہ موجوں نے اضطراب کیا۔ **فیؤذن لی:** . مسند بزار میں اس کے بعد یوں ہے یارب عجل علی الخلق الحساب پھر امتیں اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ جائیں گی پھر جہنم ظاہر ہوگی اور موازین اور پل صراط اور صحف وغیرہ پھر شفاعت امت ہوگی۔ بقولہ امتی امتی۔ **ھیه:** . یہ کلمہ زیادتی طلب کرنے کے لئے ہے یعنی ضرور بیان فرمائیں۔ **جمیع:** . مجتمع کے معنی میں ہے یعنی جوان۔

باب وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً

غرض کلام کے صفت اللہ ہونے کی قوی ترین دلیل کا ذکر ہے۔ کیونکہ تکلیماً مفعول مطلق مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کے لئے ہے اور یہ اصول نحاۃ کا اجماعی اصول ہے **فیذکر لھم خطیئة التی اصاب** یہاں اختصار ہے لمبی روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلیم اللہ ہونے کا بھی ذکر ہے۔ **قبل ان یوحیٰ الیه:** . (۱) اس لفظ کا بہت سے محدثین نے انکار کیا ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں ہے (۲) یہ خواب پر محمول ہے کیونکہ اخیر میں واستیقظ ہے راجح پہلا قول ہے اور واستیقظ کے معنی ہیں آکر سوئے تھے یا (۲) عالم علوی سے ہوش میں آئے تھے۔ سوال: روایتوں میں انبیاء علیہم السلام کی ترتیبیں ملاقات کی مختلف کیوں ہیں۔ جواب: انبیاء علیہم السلام اترتے چڑھتے رہتے ہیں اس لئے دو جگہ ملاقات ہو سکتی ہے۔ اذفر زیادہ خوشبو والی۔

باب کلام الرب عزوجل مع اهل الجنة

پیچھے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے ساتھ کلام کا ذکر تھا اب عام اہل جنت کے ساتھ کلام کا ذکر ہے۔ **تکویرہ جمعه باب ذکر اللہ بالامر:** (۱) پیچھے تکلم تھا آنے سامنے تھا۔ اب تکلم ہے غائبًا (۲) دوسری غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذاکر بھی ہیں مذکور بھی ہیں۔

باب قول اللہ تعالیٰ فلا تجعلوا للہ انداداً

غرض رد کرنا ہے معتزلہ پر کہ وہ بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں یہ تو ایک قسم کا شرک ہے۔ **وما ذکر فی خلق افعال العباد واکسابھم** تقدیر عبارت یوں ہے۔

باب ما ذکر فی خلق افعال العبادو اکسابھم

اور یہ ترجمۃ الباب کا جزء ہے اور یہ پہلا باب ہے جس میں فرق بتلانا چاہتے ہیں تلاوت اور متلو میں اور رد ہے اس پر جو فرق نہیں کرتا۔ اسی سے تعلق ہے آئندہ بابوں کا۔

باب لاتحرک به لسانک

کہ زبان ہلانا بندہ کا فعل ہے ایسے ہی **اسروا قولکم اواجھروا به** یہ بھی بندہ کا کام ہے پھر قراۃ فاجر ومنافق آئے گا پھر آخری۔

باب کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن

والا باب آئے گا ان سب میں یہ بات بیان فرمارہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں لیکن ان سے جن افعال عباد کا تعلق ہے وہ افعال عباد تو حادث اور مخلوق ہیں اور انسان ان کا سب بالاختیار ہے اس میں جہمیہ کا بھی رد ہے جو انسانوں کو مجبور محض مانتے ہیں اور معتزلہ کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ افعال عباد میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کچھ دخل نہیں ہے صحیح مذہب اہل السنۃ و الجماعۃ کا یہی ہے کہ **لاجبرولاقدر بل الامربین الامرین** کہ خلق حق تعالیٰ کی ہے اور کسب بندہ کا ہے اس لئے امام بخاریؒ جب اللہ تعالیٰ کی کلام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کے افعال جو کلام اللہ سے متعلق ہیں جیسے تلاوت' کتابت' اسرار' جہر یہ سب امور وا..ہ حادث ہیں کیونکہ افعال عباد ہیں اگرچہ مورد قدیم ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ تلاوت غیر متلو ہے جیسے عبادت غیر معبود ہے' ذکر غیر مذکو.. ہے اس مسئلہ کا نام ہے مسئلۃ اللفظ اس پر انکار امام احمد کا بہت سخت تھا ایسے .. ان کے

خصوصی متبعین کا انکار بھی سخت تھا۔ یہ حضرات لفظی بالقرآن مخلوق کہنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے سب سے پہلے جس نے یہ کہا کہ لفظی بالقرآن مخلوق ہے وہ حسین بن علی الکرابیسی تھے جو امام شافعیؒ کے شاگرد تھے پھر داؤد بن علی اصبہانی لظاہریؒ نے یہی کہا، یہ امام احمد کے ہم عصر تھے۔ پھر امام بخاریؒ نے بھی یہی کہا لیکن امام بخاریؒ نے اپنے استاد امام احمدؒ کے ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے یوں تو نہ کہا لفظی بالقرآن مخلوق بلکہ یوں کہا افعال العباد مخلوقۃ۔ حقیقت میں امام احمد کا اصل رد اس لفظ پر تھا لفظی بالقرآن مخلوق اور وہ فرق ظاہر نہ کرتے تھے تلاوت اور متلو میں حالانکہ اعتقاد ان کا بھی یہی تھا کہ تلاوت اور متلو میں فرق ہے لیکن اس کو ظاہر نہ فرماتے تھے تاکہ اعتزال کا مادہ جڑ سے اکھاڑا جاسکے اور امام بخاریؒ ان لوگوں پر رد کرنا چاہتے تھے جو انسانوں کی اصوات کو بھی غیر مخلوق کہہ رہے تھے اس لئے اپنے استاذ امام احمدؒ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے یہ لفظ تو نہ کہے امام بخاریؒ نے لفظی بالقرآن مخلوق بلکہ یوں کہا افعال العباد مخلوقۃ۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ وماکنتم تستترون ان یشھد علیکم سمعکم ولا ابصارکم

اس باب کی غرض صفت سمع کا اثبات ہے حق تعالیٰ کے لئے کیونکہ معتزلہ نے اس کا بھی انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ سماع کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کیونکہ معتزلہ نے اس کا بھی انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ سماع کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور یہ حقیقت میں معتزلہ کا ظاہر قرآن وحدیث کا انکار ہے۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ کل یوم ھو فی شان

اس باب کی غرض مختلف تقریریں ہیں (۱) جائز ہے محدث کا لفظ بولنا قرآن پاک پر البتہ لفظ مخلوق کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ محدث کا لفظ خود قرآن پاک میں مذکور ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نقل فرمارہے ہیں **وما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث** اور محدث کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے کیونکہ **کل یوم ھو فی شان** اس مناسبت سے یہ آیت ذکر فرمائی (۲) مذہب کرامیہ کا لے لیا جو کہتے ہیں کہ حوادث اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں لیکن یہ تقریر بعید ہے کیونکہ کرامیہ کے مذہب کا بطلان عقلاً ونقلاً ظاہر ہے کیونکہ محل حوادث خود حادث ہوتا ہے (۳) انزال حادث ہے منزل قدیم ہے پس اللہ تعالیٰ کے بھی افعال جزئیہ حادث ہوتے رہتے ہیں البتہ صفات قدیم ہیں (۴) گذشتہ باب کی تائید ہے کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ پیدا فرماتے رہتے ہیں پس جمیع افعال عباد اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ **وان حدثہ لا یشبہ حدث المخلوقین:** مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق مخلوق سے حادث ہے اگرچہ حق تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں گویا قدیم صفات کے تعلقات حادث ہیں اور مخلوق میں صفات مخلوق بھی حادث ان صفات کا تعلق افعال سے بھی حادث۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ لا تحرک بہ لسانک

غرض یہ ہے کہ قرآن پاک قدیم ہے لیکن تحریک لسان حادث ہے۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ واسروا قولکم اواجھروا بہ

غرض یہ ہے کہ قراۃ غیر مقرو ہے۔

باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجل اتاہ اللّٰہ القراٰن فھو یقوم بہ اناء اللیل والنھار

غرض یہ ہے کہ قرآن پاک قدیم ہے اور اس کی تلاوت فعل عبد حادث ہے **سمعت سفیان مرارا لم اسمعہ یذکر الخبر** میں نے سفیان بن عیینہ سے کئی بار یہ حدیث سنی ہے انہوں نے اس میں اخبرنا نہیں فرمایا۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

غرض یہ ہے کہ قرآن پاک قدیم ہے لیکن ابلاغ حادث ہے۔

و سیری اللّٰہ عملکم: پیچھے کلام زہری میں تسلیم کا ذکر تھا اس کی تائید آیت سے کردی کہ کوئی اپنے کو اچھا نہ کہے بلکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ اور عمل میں قرأت بھی داخل ہے جو کہ حادث ہے اور مقرو قدیم ہے۔ **لایستخفنک احد:** کوئی تجھے ہلکا نہ بنادے کہ اس کو اچھا کہنا شروع کردو۔ **بیان و دلالۃ:** غرض یہ ہے کہ بیان اور دلالت اور حکم انواع تبلیغ سے ہیں اور یہ سب حادث ہیں۔

ھذہ اعلام القراٰن: لفظ بعید کا بول کر قریب مراد لیا گیا ہے یہ جائز ہے۔ **یضاعف لہ العذاب الاٰیۃ:** اس حدیث کی مناسبت باب سے یہ ہے کہ آیت حدیث سے پہلے نازل ہو چکی تھی پس حدیث استنباط ہے اور تبلیغ ہے آیت کے لئے جو کہ حادث ہے۔

باب قول اللّٰہ تعالیٰ قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا

غرض یہ ہے کہ تلاوت اور عمل فعل عبد ہے اور حادث ہے متلو اور

معمول قدیم ہے۔ **واعطیتم القراٰن فعملتم به:.** قرآن پاک قدیم ہے اور اس پر عمل حادث ہے۔ **ثم حج مبرور:.** یہ انسان کا عمل ہے اور حادث ہے۔

باب وسمی النبی صلی اللہ علیه وسلم الصلوٰة عملاً

یہاں باب بلا ترجمہ ہے اور اس کے بعد حدیث ہے غرض یہ ہے کہ صلوٰۃ حادث ہے اور اس میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے وہ قدیم ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ ان الانسان خلق هلوعاً

غرض یہ ہے کہ اعمال کی طرح اخلاق انسان کے بھی حادث ہیں۔ **اکل اقواماً:.** یہ لفظ وکالت سے ہے۔

باب ذکر النبی صلی اللہ علیه وسلم وروایته عن ربه

غرض یہ ہے کہ ذکر اور روایت حادث ہیں اور مذکور اور مروی قدیم ہیں تقربت الیہ ذراعاً سوال حق تعالیٰ تو ذراع چلنے سے پاک ہیں۔ جواب یہاں صنعت مشاکلہ ہے کہ معنوی قرب کو پڑوس کی وجہ سے تقربت فرمایا گیا ہے (۲) استعارہ تمثیلیہ ہے مشبہ کی طرف بھی چند چیزیں ہیں اور مشبہ بہ کی طرف بھی چند چیزیں ہیں مشبہ کی چند چیزوں سے ہیئت انتزاع کر کے اس کو تشبیہ دی گئی اس ہیئت کے ساتھ جو مشبہ بہ کی طرف چند چیزوں سے منتزع کی گئی کہ دو آدمی ہوں ایک تھوڑا سا چلے تو اس کے سامنے والا زیادہ چلے ایک آہستہ چلے تو دوسرا تیز چلے یہ سب مشبہ بہ کی طرف ہیں نیکی سے حق تعالیٰ اپنا قرب ورضا عطا فرماتے ہیں کہ تھوڑے عمل پر زیادہ بدلہ دیتے ہیں یہ مشبہ کی طرف ہیں ایک ہیئت کو دوسری ہیئت سے تشبیہ دی گئی (۳) ملزوم بول کر لازم مراد ہے حسی قرب بول کر معنوی قرب مراد ہے کیونکہ تھوڑی جگہ کو لازم ہے کہ دوست بہت راضی ہے۔ **ثلث مرات:.** باب سے مناسبت یہ ہے کہ روایت عام ہے قرآن اور غیر قرآن سے اور اس حدیث میں روایت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے حق تعالیٰ سے صورت قرآن میں اور جائز ترجیع کی صورت مد ہوتی ہے اپنے موقعہ میں یا دو دفعہ ایک ہی آیت مد والی پڑھنا پہلے آہستہ پھر بلند آواز سے۔

باب ما یجوز من تفسیر التوراة وغیرها من کتب اللہ بالعربیة و غیرها

غرض یہ ہے کہ ترجمہ حادث ہے اور مترجم قدیم ہے۔

باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم الماهر بالقران مع السفرة الکرام

غرض یہ ہے کہ مہارت قرأت میں حادث ہے اور مقرو قدیم ہے۔ **فارفع صوتک بالنداء:.** جب اذان پر سننے والے گواہ بنتے ہیں تو تلاوت پر بطریق اولیٰ بنتے ہیں اس لئے یہی محل ترجمہ ہے کہ تلاوت حادث اور مقرو قدیم ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ ولقد یسرنا القران للذکر فهل من مدکر

معنی الذکر الاتعاظ والحفظ یہ دونوں حادث ہیں اور مذکور قرآن پاک قدیم ہے **کل میسر لما خلق له** انسان کا عمل حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت علم وتکوین جس کو تقدیر کہتے ہیں وہ قدیم ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ

غرض یہ ہے کہ قرآن پاک قدیم ہے اور لوح محفوظ اور اس میں لکھنا حادث ہے۔ **لیس احد یزیل لفظ کتاب من کتب اللہ عزوجل:** آسمانی کتابوں میں درجہ اللہ تعالیٰ کی صفت کا تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ الفاظ جو اس پر دال ہیں ان کو اہل کتاب نے بدل دیا۔

باب قول اللہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون

غرض رد ہے معتزلہ کا جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے **الا له الخلق والامر**۔

باب قراءة الفاجر والمنافق واصواتهم و تلاوتهم لا تجاوز حناجرهم

غرض فرق کرتا ہے وارد اور مورد میں کہ وارد فاجر اور منافق اور مخلص اور فرشتہ میں مختلف ہے مورد واحد ہے ایسے ہی کاہن اور فرشتہ میں وارد مختلف ہے مورد واحد ہے اگر وارد اور مورد میں فرق نہ کیا جائے جیسے بعض حنابلہ کہتے ہیں تو ان احادیث میں مدح اور مذمت میں فرق نہیں رہے گا۔ **فیقرقرها فی اذن و لیه:.** کان میں ڈالتا ہے آواز کے ساتھ یعنی کان میں گھسر پھسر کرتا ہے۔

باب قول اللہ تعالیٰ و نضع الموازین القسط

امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ اعمال کو قیامت کے دن وزن کیا جائے گا تا کہ ہلکے ہونے اور بھاری ہونے کا پتہ چلے۔ ان ہی

اعمال میں ایک عمل قرأت قرآن بھی ہے اس لئے قرأت قرآن کے لئے خفت بھی ثابت ہوئی اور ثقل بھی ثابت ہوا اور یہ علامت ہے حدوث کی پس قرأت حادث ہے اور مقرو قدیم ہے کیونکہ مقرو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے وہ قرآن مقروٌ وزن کئے جانے سے بری ہے اور خالی ہے اور پاک ہے حکمت میزان (۱) اظہار صفت عدل۔ حدیث قدسی ہے کنت کنزاً مخفیاً فاردت ان اظھر. جنت مظہر فضل ہے اور جہنم مظہر عدل ہے اس بارگاہ میں ظلم کا نام ونشان نہیں (۲) دوسری حکمت وزن کرنے کی اتمام حجت ہے صالحین اور عاصین دونوں کے لئے کہ فلاں صالح کو اتنا اونچا درجہ کیوں دیا گیا اور فلاں عاصی کو اتنا زیادہ گرایا کیوں گیا؟ اس کی وجہ میزان بتلا دے گی کہ اس کے عمل کتنے وزن والے ہیں اور دوسرے کے کتنے وزن والے ہیں (۳) ہر ایک اپنے اخلاص اور خشوع اور آداب کی مقدار اس میزان کی وجہ سے جان لے گا فسوف تریٰ اذا انکشف الغبار. افرس تحت رجلک ام حمار. یہ شعر اس شخص کو کہا گیا جو غبار کی وجہ سے سمجھ رہا تھا کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں حالانکہ وہ گدھے پر سوار تھا۔

وزن اعمال کی صورت کیا ہوگی؟

شبہ ہوتا ہے کہ عمل تو صفت ہے وزن والی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو تولا نہیں جا سکتا وزن نہیں کیا جا سکتا۔ جواب یہ ہے کہ آج کل لمبائی کو گزوں سے ناپا جاتا ہے اشعار کو علم عروض سے ناپا جاتا ہے حرارت کو تھرمامیٹر سے ناپا جاتا ہے بجلی کو بجلی کے میٹر سے سوئی گیس کو اس کے میٹر سے اور خون کے دباؤ کو اس کے آلہ سے ناپا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اعمال کو ناپیں گے پھر اس ناپنے کی صورت کیا ہوگی؟ اس میں تین قول ہیں (۱) اعمال کو جسم بنا دیا جائے گا اور تولا جائے گا (۲) ان کاغذوں کا وزن کیا جائے گا جن میں یہ اعمال لکھے ہوئے ہوں گے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کچھ اجسام اچھی شکل والے اور کچھ اجسام بری شکل والے بنائیں گے اچھے اعمال روح کی طرح اچھے اجسام میں پھونکے جائیں گے اور برے اعمال روح کی طرح برے اجسام میں پھونکے جائیں گے اور ان اجسام کو تولا جائے گا۔ **عدد میزان** . اس میں دو قول ہیں (۱) موازین اپنے ظاہر پر ہے بہت سے ترازو ہوں گے (۲) ایک ہی میزان ہوگی اور جمع عباد کے لحاظ سے ہے کہ چیزیں بہت سی تولی جائیں گی کس کے لئے ہوگی دو قول ہیں (۱) امام بخاری کا قول بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب عباد کے لئے میزان ہوگی (۲) راجح عند الجمہور یہ ہے کہ ایک حدیث کی وجہ سے ستر ہزار بلا صحیفہ و بلا میزان جنت میں جائیں گے سوال: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کافروں کے بارے میں **فلا نقیم لهم یوم القیامة و زناً** جواب علامہ محلی نے تصریح فرمائی ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ ان کی عزت نہ ہوگی۔ **وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومية**: . اس قول کے نقل کرنے سے امام بخاری کی غرض اس آیت کی تفسیر ہے **واوفوا الکیل اذا کلتم و زنوا بالقسطاس المستقیم** پھر یہ لفظ قسطاس قاف کے ضمہ اور کسرہ دونوں طرح استعمال میں آتا ہے پھر عربی زبان اور رومی زبان دونوں میں قسطاس عدل کے معنی میں ہے اس لئے دونوں لغتوں میں توافق ہو گیا۔ **و یقال القسط مصدر المقسط و هو العادل** شبہ ہوتا ہے کہ مقسط کا مصدر تو اقساط ہوتا ہے قسط نہیں ہوتا جواب یہ ہے کہ زوائد کو حذف کر دیں تو قسط رہ جائے گا۔ اس لئے قسط کو مقسط کا مصدر قرار دیا۔

وزن والی حدیث کو اخیر میں کیوں لائے؟

(۱) من کان اخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة پر عمل کرتے ہوئے ذکر والی حدیث کو امام بخاریؒ اپنی کتاب کے اخیر میں لائے۔
(۲) اس آیت پر عمل کرتے ہوئے جو سورۃ نصر میں ہے **فسبح بحمد ربک واستغفره انه کان توابا** کیونکہ اس آیت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ فتح مکہ اور لوگوں کے کثرت سے ایمان لانے کے بعد آپ اپنا وقت اخیر سمجھیں اور تسبیح وتہلیل وتحمید میں مشغول ہو جائیں۔ امام بخاری نے بھی اخیر کتاب و تسبیح وتحمید والی روایت رکھ دی۔
(۳) **وسبح بحمد ربک حین تقوم** کی تفسیر ایک یہ بھی کی گئی ہے حین تقوم من المجلس اس لئے جیسے مجلس کے اخیر میں تسبیح مستحسن ہے ایسے ہی امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب کے اخیر میں تسبیح و تحمید والی حدیث کو مستحسن شمار فرمایا (۴) حدیث شریف میں ہے کہ اخیر مجلس میں یہ پڑھنا کفارہ مجلس ہے **سبحنک اللّٰهم و بحمدک لا اله الا انت استغفرک و اتوب الیک** اس حدیث پاک پر

عمل کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے اخیر میں تسبیح وتحمید والی حدیث رکھی۔(۵) قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت اپنی مجالس کے اخیر میں پڑھا کریں گے واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔اس آیت پر عمل کرتے ہوئے امام بخاریت نے اخیر میں حمد والی حدیث پاک رکھی(۶) دنیا کے امور کا آخری کام ثقل المیز ان ہے اس کے بعد تو خالص آخرت ہے اس مناسبت سے کتاب کے اخیر میں ثقل المیز ان والی حدیث پاک رکھی امام بخاری نے۔(۷) سورۃ الرحمٰن کے اخیر میں ہے تبارک اسم ربک ذی الجلال والا کرام جلال میں صفات سلبیہ کی طرف اشارہ ہے جن میں تنزیہہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب عیبوں سے پاک ہیں۔یہی بات سبحان اللہ میں ہے اور الا کرام میں صفات ثبوتیہ کی طرف اشارہ ہے جو صفات جمالیہ بھی کہلاتی ہیں وبحمدہ میں صفات ثبوتیہ اور جمالیہ ہیں اس لحاظ سے امام بخاری نے سورۃ الرحمٰن کے اختتام کا طرز اپنی کتاب کے اختتام میں لیا۔

صحیح بخاری کی ابتداء اور انتہا میں مناسبت

(۱) سب سے پہلا باب رکھا کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ شریعت وحی پر موقوف ہے اور پھر وحی اللہ تعالیٰ کی صفت کلام پر موقوف ہے اس لئے آخری باب میں کلام کا مسئلہ کہ قرأت حادث ہے اور مقرو کلام اللہ قدیم ہے اس لحاظ سے صحیح بخاری کے شروع اور اخیر میں مناسبت ہوگئی(۲) بخاری شریف کی ابتداء میں اول الاعمال ہے یعنی ایمان اور اخیر باب میں آخری عمل ہے تسبیح وتحمید جیسا کہ سورۃ النصر میں اشارہ ہے (۲) شروع میں نیت والی حدیث ہے انما الا عمال بالنیات اور اخیر میں ثقل اعمال کا ذکر ہے نیت کے عمدہ ہونے سے بھی اعمال میں ثقل ہوتا ہے اس لئے نیت والی حدیث اور ثقیلتان فی المیز ان میں مناسبت ہوگئی۔کلمتان اس میں جزء بول کر کل مراد ہے کیونکہ سبحان اللہ وبحمدہ پوری کلام ہے اور سبحان اللہ العظیم بھی پوری کلام ہے جیسے کلمہ شہادت میں بھی کلمہ بول کر کلام مراد ہے کیونکہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ پوری کلام ہے پھر کلمتان کی دو ترکیبیں کی گئی ہیں (۱) کلمتان اپنی تین صفتوں حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان

کے ساتھ خبر مقدم ہے اور خبر کا مقدم کرنا شوق دلانے کے لئے ہے کہ مبتدا مؤخر بہت قیمتی چیز آرہی ہے جیسے اس شعر میں ہے ثلثۃ تشرق الدنیا ببھجتھا.شمس الضحیٰ وابوا سحٰق والقمر (۲) دوسری ترکیب شیخ ابن الھام نے بیان فرمائی ہے کہ کلمتان اپنی تینوں صفتوں کے ساتھ مل کر مبتداء ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اصل یہی ہے کا ابتداء پہلے ہو دوسرے اس وجہ سے کہ کلمتان کا فائدہ تین صفات کی وجہ سے ہے اور سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العظیم کا فائدہ خود ان دونوں کی ذات سے ہے اس لئے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کا خبر بننا ہی اولیٰ ہے کیونکہ کلام میں اصل فائدہ خبر ہی سے حاصل ہوتا ہے۔حبیبتان یہ محبوبتان کے معنی میں ہے کیونکہ اس میں صفات جلالیہ اور جمالیہ جمع ہیں جیسے ابھی گذرا۔الی الرحمٰن لفظ رحمٰن اختیار فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ رحمٰن میں وسعت ہے یعنی وہ ایسی ذات ہے جو عمل قلیل پر ثواب کثیر عطا فرماتی ہے۔خود کہ یابی ایں چنیں بازار را۔کہ بیک گل می خری گلزار را۔ خفیفتان علی اللسان سھل النطق بھی ہیں اور سریع النطق بھی ہیں ثقیلتان فی المیزان کیونکہ ثواب بہت زیادہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا کہ نیکی ثقیل ہوتی ہے کیونکہ کڑواہٹ حاضر ہوتی ہے اور مٹھاس جو آخرت میں ملنے والی ہے وہ غائب ہوتی ہے حاضر کڑواہٹ کی وجہ سے کہیں چھوڑ نہ دینا اس کے برعکس گناہ کی مٹھاس حاضر ہوتی ہے دنیا میں اور کڑواہٹ یعنی عذاب غائب ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت میں ہوتا ہے کہیں موجودہ مٹھاس کو دیکھ کر کر نہ لینا۔

تسبیح مکرر کیوں ہے؟

(۱) اللہ تعالیٰ کی پاکی کے منکر کافر بہت زیادہ ہیں اس لئے سبحان اللہ دو دفعہ رکھا گیا۔(۲) عیبوں سے پاک ہونا جو سبحان اللہ میں ہے یہ ہماری عقل میں آجاتا ہے اور حق تعالیٰ کے کمالات جو بحمدہ میں ہیں ہماری عقل سے اونچے ہیں اس لئے سبحان اللہ زیادہ پڑھنا اور زیادہ سوچنا چاہئے۔(۳) تسبیح کبھی امید کی وجہ سے ہوتی ہے اور امید حمد میں ہے کبھی تسبیح خوف سے ہوتی ہے اور خوف عظمت اور اللہ تعالیٰ کے استغناء کو سوچنے سے ہوتا ہے اس لئے بھی تسبیح ردد فعہ ہے۔

فضائل تسبیح و تحمید

(۱) فی مسلم عن سمرة مرفوعاً افضل الکلام۔ فی روایة احب الکلام سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر افضل اور احب کیوں فرمایا۔ اکابر کی کلام سے یہ وجہ ثابت ہوتی ہے کہ اعمال صالحہ تسبیح کی برکت سے عیبوں سے پاک کئے جاتے ہیں اور الحمد للہ کی وجہ سے وزنی بنتے ہیں اور لا الہ الا اللہ کی برکت سے قبول ہوتے ہیں اور تکبیر کی برکت سے رفع درجات کا سبب بنتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم میں بھی یہ چاروں ذکر جمع ہیں کیونکہ سبحان اللہ میں لا الا اللہ بھی ایک درجہ میں موجود ہے (۲) حضرت یونس علیہم السلام کی نجات لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سے ہوئی (۳) روح المعانی میں پارہ ۱۹ میں روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا اڑتا ہوا تخت دیکھ کر کہا تھا سبحان اللہ ماذا اوتی ال داؤد تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو جا کر فرمایا تھا تسبیحة واحدة یقبلہا اللہ تعالیٰ خیر مما اوتی ال داؤد۔ کہ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا میری پوری سلطنت سے بہتر ہے (۴) جلالین میں فاذ کرونی اذکرکم (پارہ ۲۵) کے ماتحت یہ حدیث قدسی نقل کی گئی ہے من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و من ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملا خیر من ملائہ.

الوداعی نصیحتیں: (۱) والذین ہم عن اللغو معرضون اور حدیث پاک میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے فرمایا کہ وقت ضائع نہ کرنا مجھے اسے بہت زیادہ فائدہ ہوا بہت کام کرنے کا موقعہ ملا۔

اے خواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

(۲) اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت۔ گناہ چھوڑنے کی ایک اہم تدبیر یہی ہے کہ روزانہ ایک وقت مقرر کر کے سوچے کہ میں مر چکا ہوں قبر میں سوالات ہو رہے ہیں پھر قیامت میں سب کے سامنے پوچھ ہو رہی ہے عذاب کا اندیشہ ہے۔ بلکہ جب آسمان پر نظر پڑے تو جنت کا تصور کرے کیونکہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور جب زمین پر نظر پڑے تو سوچے کہ میرے پاؤں کے نیچے نا معلوم کتنے دفن ہیں۔

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخواں شکستہ سے چور تھا
بولا ذرا سنبھل کے چلو راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پُر غرور تھا

اور قبر کو دیکھ کر تو ضرور ہی اپنی موت یاد کرنی چاہئے۔ (۳) ہر وقت یہ حدیث پیش نظر رکھے کہ دین کا اونچا مقام احسان ہے اس کے معنی ہیں ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک راجح یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک ہی درجہ ہے کہ دارومدار اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں میں ان کو دنیا میں دیکھوں یا نہ دیکھوں گویا اس آیت کا تصور بروقت رکھے۔ الم یعلم بان اللہ یریٰ۔ ایک بزرگ کے پاس کچھ سالکین دینی ترقی کے لئے آئے ان کو چالیس دن یہ مراقبہ کرنے کا حکم دیا کہ اس آیت کو پڑھو اور اس کے معنی سوچو الم یعلم بان اللہ یریٰ۔ پھر ان کا امتحان لیا کہ ہر ایک کو ایک ایک کبوتر اور ایک ایک چھری دی کہ چھپ کر ذبح کر لاؤ کوئی جھاڑی کے نیچے کوئی دیوار کے پیچھے کوئی کمرے میں چھپ کر ذبح کر لایا لیکن ایک شخص زندہ کبوتر لے آیا اس سے دریافت فرمایا کہ تم زندہ کیوں لے آئے عرض کیا کہ مجھے چھپنے کی جگہ ہی نہیں ملی جہاں جاتا ہوں اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ تو فرمایا کہ تو کامیاب ہوا باقی سب ناکام ہوئے۔ حدیث شریف میں ہے والحیاء شعبة من الایمان۔ حیاء کا اونچا مقام یہی ہے کہ ہر وقت دل میں یہ تصور پختہ رہے کہ ان مولاک یراک حیث ما کان کہ جہاں جانے سے مولا نے روکا ہے وہاں وہ دیکھ بھی رہے ہیں کہ تم جاتے ہو یا کہ نہ۔ (۴) یہ نصیحت شروع میں ہو چکی ہے کہ گناہ بالکل نہ کرے یہ تو اپنے گھر سانپ اور بچھو لانا ہے۔ سب نیک کاموں میں اللہ کی رضا یا جنت حاصل کرنے یا عذاب سے بچنے کی نیت کرے کہ یہ تینوں نیتیں اخلاص میں داخل ہیں اور جائز کام جو اینٹ اور پتھر جمع کرنے کی طرح ہیں ان میں بھی عبادت کی تیاری کی ہمیشہ نیت کرنی چاہئے۔ تاکہ یہ اینٹ اور پتھر سونا اور چاندی بن جائیں۔ جو دنیا اور قبر اور ہمیشہ کی آخرت میں کام آنے والے ہیں یہ کیمیا گری اس حدیث پاک میں مذکور ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ ایسا کرنے سے ۲۴ گھنٹے نامہ اعمال میں عبادت ہی عبادت لکھی جائے گی۔ (۵) ہر وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کوئی نہ کوئی ذکر ضرور کرتے رہیں یا تلاوت کرتے رہیں یہی طریقہ تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ ابوداؤد کی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عزوجل علیٰ کل احیانہ اور ہمیں بھی یہی حکم فرمایا لایزال لسانک رطباً بذکر اللہ اگر یاد نہ رہے تو ہاتھ میں تسبیح رکھیں کسی کے مذاق اڑانے کی پرواہ نہ کریں

حقیقت میں وہ پہلی غفلت پر ہنستا ہے اسی لئے جو پہلے سے تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں ان پر کوئی نہیں ہنستا جو نیا ہاتھ میں تسبیح رکھنی شروع کرتا ہے اس پر بعض بے وقوف ہنستے ہیں اگر حکومت کسی کو کہہ دے کہ اگر ہاتھ میں تسبیح رکھو گے تو ایک ہزار روپے روزانہ ملیں گے تو کیا پھر بھی کسی کے ہنسنے سے آپ تسبیح چھوڑ دیں گے بڑی نہ رکھ سکیں تو چھوٹی رکھیں یا پھر چھوٹی سی تسبیح مٹھی میں بند رکھیں۔ اگر کوئی شخص روزانہ دفتر جانا شروع کردے کیونکہ اس کو دس ہزار ماہوار کی ملازمت مل گئی ہو اس کو دفتر جاتے دیکھ کر کوئی ہنسے کہ دس ہزار کے لالچ میں دفتر جاتے ہو تو یہ شخص اسکے ہنسنے سے یہ ملازمت چھوڑ نہیں دیتا کہ لوگ ہنستے ہیں ایسے ہی تسبیح کی برکت سے روزانہ کروڑوں کمائے جاسکتے ہیں کیونکہ روح المعانی پارہ ۱۹ میں روایت منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اڑتا ہوا تخت دیکھ کر ایک دیہاتی نے کہا تھا سبحان اللہ ماذا اوتی ال داؤد اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **لتسبیحة واحدة یقبلها اللہ تعالیٰ خیر مما اوتیٰ الٰ داؤد** (۶) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ علماء میں اگر استعداد بھی اچھی ہو اور لوگوں سے وہ استغنار سے رہیں تو وہ بادشاہ ہیں اس لئے علماء کو کبھی بھی چندہ کے لئے امراء کے دروازے پر نہ جانا چاہئے۔ مسجد میں یا جلسہ میں صرف عام اعلان کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر غیر علماء کریں تو زیادہ اچھا ہے اور استعداد مطالعہ اور درس و تدریس سے بڑھتی ہے اس کا ہمیشہ اہتمام ہونا چاہئے۔ (۷) حب جاہ علماء کے دین کو برباد کرتی ہے اس کو چھوڑنا نہایت ضروری ہے حدیث شریف میں ہے کہ دو بھوکے بھیڑیئے اگر بھیڑ بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا حب شرف اور حب مال کرتے ہیں۔ بڑائی اور نام کی خواہش اور شہرت کی طلب پوری عمر کی محنت کو برباد کرتی ہے دوسرے اچھا سمجھیں بھلا یہ بھی کوئی کمال ہوسکتا ہے یہ تو دوسروں کے اختیار میں ہے (۸) ظاہری تعلیم کے دوران اگر اصلاح باطن کا موقعہ نہیں ملا تو اب سستی نہیں کرنی چاہئے۔ فارغ ہوتے ہی کسی شیخ کامل سے اخلاق کی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

(۹) حق تعالیٰ نے ہمیں اہل حق کا مسلک عطا فرمایا ہے الحمد للہ علیٰ ذلک اس مسلک پر مضبوطی سے قائم رہ کو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے **لئن شکرتم لازید نکم**۔ اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے اساتذہ اور اکابر دین سے تعلق رکھنا چاہئے۔ خصوصاً شیخ باطن سے تا کہ دین مضبوط رہے اور مسلک میں کمزوری نہ آئے۔ (۱۰) فارغ ہوکر کسی نہ کسی دینی کام میں لگ جانا چاہئے یہ نہ سوچے کہ کسی بڑے مدرسہ کا شیخ الحدیث لگایا جائے تو کام کروں گا ورنہ نہیں۔ ڈی سی کی جگہ بھی مل رہی ہو اور مؤذن کی جگہ بھی تو میرے نزدیک مؤذن کی جگہ بہتر ہے امامت تو گورنری سے بہتر ہے۔ تدریس صدر پاکستان کے عہدہ سے اونچی ہے مفتی اور شیخ باطن کے اونچے مقام کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے تنخواہ لینے سے ثواب میں کمی نہیں آتی جبکہ اصل نیت دین کی خدمت کی ہو اس لئے یہ ہرگز نہ سوچیں کہ کاروبار کے ساتھ ایک دو گھنٹے پڑھا دیا کریں گے اس میں عموماً ناکامی ہوتی ہے حق تعالیٰ ہمیں اخلاص سے نوازیں اور ہماری دینی کوششیں قبول فرماویں۔ **واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین**۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی

ترجمہ: ایک آن بھی رحمٰن سے غافل نہ چلو تم شاید کہ توجہ کریں اور سوئے رہو تم

کتبہ محمد سرور عفی عنہ

۲۳ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

اصلاح باطن کے زریں اصول

بعد الحمد والصلوۃ: اللہ تعالیٰ کا ولی بننے کا شوق رکھنے والے بعض غلط رسموں میں پڑ جاتے ہیں بعض مقصود حاصل ہونے کے باوجود اپنے کو محروم سمجھتے ہیں دونوں کی اصلاح کے لئے چند ہدایات ہیں۔ (۱) سلوک اور تصوف کے معنی ہیں کہ ظاہری اعمال نماز روزہ وغیرہ کی بھی پابندی ہو اور دل میں اچھے عقیدے توحید و رسالت، قیامت اور اچھے اخلاق۔ اخلاص صبر شکر تواضع وغیرہ ہوں یہ درجہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور علم و عمل سے یہ درجہ ملتا ہے علم کی ایک آسان صورت بہشتی زیور صفائی معاملات اور مفتاح الجنہ کا تیسرا باب پڑھنا ہے اور عمل کے لئے ہمت کرنا اور نفس کی ناجائز خواہش اور لوگوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا ہے اور اس سے اونچا درجہ مستحب عمل اور ذکر اللہ زیادہ کرنا ہے۔ (۲) دین کے اونچے درجہ کے لئے توبہ کرے حقوق اللہ نماز روزہ جو رہ گئے ان کی قضا کرے جن کی حق تلفی کی ہے ان کا حق ادا کرے یا معاف کرائے اور پختہ ارادہ کرے کہ دین میں جان و مال اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کروں گا پھر شیخ تلاش کرے۔ (۳) شیخ کی علامتیں یہ ہیں۔ (۱) ضروری علم ہو (۲) عقائد و اعمال و اخلاق کا پابند ہو (۳) متکبر اور حریص نہ ہو (۴) کسی شیخ سے فائدہ حاصل کیا ہو (۵) مریدوں میں نیکی ہو حرص نہ ہو (۶) انصاف والے علماء و مشائخ اسے اچھا سمجھتے ہوں (۷) عوام سے زیادہ سمجھدار اس کی طرف متوجہ ہوں (۸) شفقت بھی کرے اور ڈانٹے بھی (۹) پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہو اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو (۱۰) کچھ نہ کچھ ذکر و شغل بھی کرتا ہو (۴) بیعت سے مقصود شریعت کی پابندی اور کثرت ذکر سے رضائے حق حاصل کرنا ہے بیعت صرف سنت غیر موکدہ ہے اور یہ چیزیں مقصود نہیں۔ ۱۔ کشف۔ ۲۔ کرامت۔ ۳۔ پیر کو بخشش کا ذمہ دار سمجھنا۔ (۴) ایک نظر میں پیر کامل کردیگا (۵) جوش و خروش مستی نعرے (۶) خود بخود گناہ چھوٹ جائیں اور نیک کام ہو جائیں (۷) وسوسے ختم ہو جائیں (۸) محو اور مست رہے (۹) تعویذ لینا (۱۰) دعا سے ضرور سب کام ہو جائیں (۱۱) روشنی نظر آنا غیبی آوازیں سننا (۵) طریقت شریعت کا حصہ ہے یا عین شریعت ہے (۶) شیخ کے مشورہ سے ذکر اور دن رات کا دستور العمل اختیار کرے (۷) تشویش والے کاموں سے بچے کھانا سونا لباس اور بیوی سے مشغولی اعتدال سے کرے حرص مال اور اسراف اور بلاضرورت دوستی اور دشمنی سے بچے۔ غیر اختیاری تکلیف آجائے تو اس میں حکمت سمجھے (۸) اختیاری کام میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑے۔ مثلاً توجہ سے نماز پڑھے وساوس سے پریشان نہ ہو کہ غیر اختیاری ہیں (۹) درویشوں کی ناجائز رسموں سے بچے (۱۰) ضروریات دین کی پابندی کرے۔ بلا ضرورت میل جول نہ کرے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین وکتبہ محمد سرور عفی عنہ۔ (ماخوذ از قصد السبیل)

مُصنّف
حضرت مولانا صوفی مُحمد سَرور صَاحب دامت فیوضہم
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
فون: 4540513-4519240
Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com